# محمود المواعظ

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

# محمود المواعظ

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

**مرتب**

مولانا عظیم الدین ارنالوی
مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

**ناشر**

مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

# بضاعت نیاوردم الا امید

ہم سب خدامانِ حضرتِ والا کے لئے یہ بڑی سعادت کا موقع ہے کہ اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور بزرگوں کی دعا وتوجہات کے طفیل مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے مواعظ کی پہلی جلد حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

اور حضرت اقدس کی وساطت سے حضرت کے تمام متوسلین ،مسترشدین ، محبین ومخلصین کی خدمت میں بھی پیش کررہے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ اس مجموعۂ مواعظ سے بھی ایسا ہی استفادہ کیا جائے گا جیسا کہ حضرتِ والا کے بالمشافہ مواعظ سے کیا جاتا ہے۔

ساتھ ہی درخواست ہے کہ مواعظ کی ضبط وترتیب میں اگر کہیں فروگذاشت نظر آئے تواس سے مطلع کیا جائے ،تاکہ اس کا تدارک ہو۔

از: مرتبین وناظم مکتبہ محمودیہ،محمودنگرڈابھیل

# پیش لفظ

**باسمہ تعالیٰ**

عصر حاضر میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ اور ہر خیر کی نشر و اشاعت کا بہترین پلیٹ فارم منبر و محراب ہے، اور اس کی افادیت ایک امر یقینی ہے، لقوله تعالیٰ: وذكر فإن الذكرىٰ تنفع المؤمنين - تجربہ شاہد ہے کہ ہزار ہا ہزار لوگ اس سلسلہ سے فیض یاب ہوئے۔

ادھر راقم کا حال یہ ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے مختلف تقریبات کے حوالے سے خلقِ خدا کی فرمائش، بلکہ اصرار شدید پر؛ وعظ و خطاب کا سلسلہ جاری ہے، کبھی جمعہ کے مجمع کی مناسبت سے، تو کہیں اصلاحی پروگرام کی تقریب سے، کبھی اختتام قرآن کی مبارک نسبت اور ختم بخاری کے مقدس موقع سے تو کبھی سالانہ جلسوں کی تقاریب میں۔ کبھی اندرون ملک تو کبھی بیرون ملک۔ اور پچھلے تین چار سالوں میں تو اس میں اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ تقریباً کوئی جمعہ اور کوئی تعطیل خالی نہیں۔

موقع و محل کی مناسبت سے مختلف موضوعات زیر گفتگو آتے ہیں۔ عادت یہ ہے کہ پہلے سے ہی کوئی سا ایک موضوع منتخب کر کے متعلقہ قرآنی و نبوی مضامین اور سیرتِ صحابہ و صالحین سادہ اور عام فہم انداز میں سامعین کے گوش گذار کرتا ہوں۔

گذشتہ کئی سالوں سے احباب کا پیہم اصرار ہے کہ ان خطابات کو منظر عام

پر لایا جائے۔ خطبات بروقت ضبط تو کر لئے جاتے ہیں، لیکن ان کو نقل کرنا سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مختلف احباب نے مختلف اوقات میں اس میں دل چسپی لے کر ایک اہم مرحلہ پورا کیا۔ بالآخر ترتیب وتبویب کا مرحلہ آیا۔ اسے عزیزم مفتی فرید کاوی سلمہ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ جس کے نتیجہ میں جلد اول ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب ہی احباب کو دارین میں اپنے شایان شان جزائے خیر دے۔ سب کے علم وعمل میں برکت دے۔ آمین۔

مرشدی ومولائی فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی جانب انتساب کرتے ہوئے اس مجموعہ کا نام ''محمودالمواعظ'' رکھا ہے۔

جو کریم ذات ہر محفل ومجلس میں میری رہ نما رہی، اسی سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو خیر کے پھیلنے اور شر کے خاتمہ کا ذریعہ بنائے، اور اسے قبول عام نصیب فرمائے۔ آمین

املاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ، مطابق: ۲۰۱۵/۱۰/۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عرضِ ناشر

مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کے خطبات ومواعظ کی پہلی جلد بہ نام ’’محمود المواعظ‘‘ مفتی فرید احمد صاحب زید مجدہم کی کاوش سے حضرت کے متوسلین وقارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں، اب لیجیے دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس کی ترتیب وتبویب کی سعادت ’’مفتاح العلوم تراج‘‘ کے مدرس: مولانا عظیم الدین ارنالوی زید مجدہم کے حصے میں آئی۔ فجزاهم اللّٰه تعالىٰ في الدارين أحسن الجزاء. اور مزید چند جلدوں کا مسودہ تیار ہے، جو نظر ثانی کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔ ان شاء اللّٰه العزيز.

اِس کتاب کی اولین شکل تقریر اور صَوت کی تھی جسے تحریر کا جامہ پہنایا گیا ہے؛ اِس لیے تبدیلیٔ جامہ اور اسلوبِ تحریر میں اگر کوئی فروگذاشت درآئی ہو تو قارئین سے گذارش ہے کہ: مطلع فرمائیں؛ تاکہ آئندہ اس کا تدارک کیا جاسکے۔

جملہ مستفدین سے گذارش ہے کہ: اگلی جلدوں کے کام کی آسانی اور تکمیل کے لیے دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔

ناظم مکتبہ محمودیہ، محمودنگر

# اجمالی فہرست


| نمبر شمار | عنوان | |
|---|---|---|
| ۱ | اہلِ علم کے لیے قیام اللیل اور ذکر اللہ کی اہمیت۔ | ۷ |
| ۲ | آداب المعلمین۔ | ۷۹ |
| ۳ | علماء وائمہ کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں۔ | ۹۶ |
| ۴ | صلہ رحمی کی اہمیت۔ | ۱۳۰ |
| ۵ | والدین کی نافرمانی۔ | ۱۷۷ |
| ۶ | تواصی بالحق والصبر اور تبلیغ کی محنت۔ | ۱۹۲ |
| ۷ | خصوصیاتِ نبوی اور مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک | ۲۲۲ |
| ۸ | مصارف میں اخلاصِ نیت اور احتساب۔ | ۲۵۸ |
| ۹ | زمانہ کو اسلام کے عملی نمونہ کی تلاش ہے۔ | ۲۸۸ |

# اجمالی فہرست مضامین ...... جلد دوم


| نمبر شمار | عناوین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے | ۴۱ |
| ۲ | تربیتِ اولاد (۱) | ۶۳ |
| ۳ | تربیتِ اولاد (۲) | ۸۷ |
| ۴ | اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں ناکام کیوں رہتی ہیں؟ | ۱۱۷ |
| ۵ | رمضان المبارک: فضائل اور تقاضے | ۱۳۳ |
| ۶ | صحبتِ صالحین | ۱۵۷ |
| ۷ | اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار | ۱۶۵ |
| ۸ | جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں (۱) | ۲۱۳ |
| ۹ | جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں (۲) | ۲۷۷ |
| ۱۰ | اسلامی معاشرت: حقوق اور آداب | ۳۰۵ |
| ۱۱ | تقویٰ کیا ہے؟ | ۳۴۳ |
| ۱۲ | (۱) مدنی زندگی کی ابتدا میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام (۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں | ۳۵۳ |
| ۱۳ | (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں<br>(۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال | ۳۸۳ |

# اجمالی فہرست مضامین ...... جلد سوم


| صفحہ | موضوعات | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۳۷ | لجنۃ القرّاء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر طلبہ سے اہم خطاب | ۱ |
| ۴۷ | (۱) حجیتِ حدیث (۲) درسِ حدیث (۳) درسِ مسلسلات | ۲ |
| ۸۹ | اختلافی مسائل میں اعتدال اور شرعی حدود کی رعایت کی ضرورت | ۳ |
| ۹۹ | علماءِ کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں (۱) | ۴ |
| ۱۲۷ | علماءِ کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں (۲) | ۵ |
| ۱۷۳ | رہنمائے معلمین | ۶ |
| ۱۹۳ | اہلِ علم اپنا مقام و مرتبہ پہچانیں | ۷ |
| ۲۱۹ | رہنمائے طلبہ (۱) | ۸ |
| ۲۵۸ | رہنمائے طلبہ (۲) | ۹ |
| ۲۶۹ | رہنمائے طلبہ (۳) | ۱۰ |
| ۲۹۹ | رہنمائے طلبہ (۴) | ۱۱ |
| ۳۳۳ | رہنمائے طلبہ (۵) | ۱۲ |
| ۳۵۹ | رہنمائے طلبہ (۶) | ۱۳ |
| ۳۸۹ | طالبانِ علومِ نبوت سے کچھ باتیں، کچھ نصیحتیں | ۱۴ |

# اجمالی فہرست مضامین ...... جلد چہارم



| نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | ہماری بدحالی کے اسباب اور اس کا حل | ۳۷ |
| ۲ | پندرہ کاموں پر عذاب کی وعید حدیث کی روشنی میں | ۵۵ |
| ۳ | حج کا مسنون طریقہ | ۱۸۱ |
| ۴ | بندگانِ الٰہی کے ساتھ خیر خواہی دینِ اسلام کی نظر میں | ۲۴۹ |
| ۵ | مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل (۱) | ۲۸۳ |
| ۶ | مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل (۲) | ۳۰۷ |
| ۷ | بندوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی بارش اور ان نعمتوں کے بارے بندوں کا حال | ۳۳۳ |
| ۸ | دنیوی مال ومتاع اور اس کے حقوق | ۳۵۷ |
| ۹ | پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو! | ۳۷۹ |
| ۱۰ | ذکر کے فضائل وفوائد | ۳۸۹ |

# اجمالی فہرست مضامین...... جلد پنجم



| صفحہ | مضامین | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۴۳ | قرآن کریم کے حفظ کی فضیلت اور اس کو بھولنے پر وعیدیں | ۱ |
| ۷۵ | مجلس تکمیل حفظ قرآن (۱) | ۲ |
| ۱۲۹ | مجلس تکمیل حفظ قرآن (۲) | ۳ |
| ۱۶۷ | مجلس تکمیل حفظ قرآن (۳) | ۴ |
| ۱۹۷ | اساتذہ اور مدرسین کے لیے رہنما باتیں | ۵ |
| ۲۳۱ | علمائے کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں | ۶ |
| ۲۶۹ | مفتیان کرام سے رہنما خطاب | ۷ |
| ۳۰۱ | جامعۃ البنات کی طالبات سے خطاب | ۸ |
| ۳۱۳ | اسلام میں عورتوں کا مقام و مرتبہ | ۹ |
| ۳۳۱ | اولاد کی تعلیم و تربیت اور اس میں دینی اداروں کا عظیم کردار | ۱۰ |
| ۳۶۱ | فضلاء سے اہم خطاب | ۱۱ |

# اجمالی فہرست مضامین...... جلد ششم


| نمبر شمار | موضوعات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | دین میں نماز کی اہمیت اور حیثیت | ۴۹ |
| ۲ | نماز کی روح خشوع اور اس کی اہمیت | ٦۷ |
| ۳ | اپنی نمازوں کو صحیح اور جان دار بنائیے | ۹۷ |
| ۴ | رمضان کا مہینہ ہم کیسے گذاریں؟ | ۱۳۳ |
| ۵ | رمضان المبارک کے فضائل اور برکات | ۱۷۳ |
| ٦ | معتکفین کے لیے قیمتی ہدایات اور نصائح | ۲۱۱ |
| ۷ | رمضان کی محنتوں اور برکتوں کو مابعد رمضان باقی رکھنے کا اہتمام اور اس کے اصولی گُر | ۲۷۱ |
| ۸ | ماہِ رمضان کی وصول یابی میں اپنی ذاتوں کا احتساب اور آئندہ کے عزائم | ۲۹۷ |
| ۹ | شبِ برأت کی فضیلت قرآن، حدیث اور اقوالِ سلف کے آئینے میں | ۳۷۷ |
| ۱۰ | ماہِ محرم اور یومِ عاشورا کے احکام اور فضائل | ۴۱۹ |
| ۱۱ | قربانی کی مختصر تاریخ اور اس کے احکام وفضائل | ۴۴۵ |

# اجمالی فہرست مضامین...... جلد ہفتم



| صفحہ | عناوین | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۴۵ | ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت | ۱ |
| ۱۳۱ | شیطانی وساوس کی حقیقت اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۱) | ۲ |
| ۱۷۵ | شیطانی وساوس کی حقیقت اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۲) | ۳ |
| ۲۳۳ | شیطانی وساوس کی حقیقت اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۳) | ۴ |
| ۲۵۹ | شیطانی وساوس کی حقیقت اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۴) (نماز میں آنے والے وساوس کا علاج) | ۵ |
| ۳۱۷ | موت کی تیاری | ۶ |
| ۳۲۷ | (۱) وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت<br>(۲) تبلیغی کام کی اہمیت اوراس میں پائی جانے والی کچھ کوتاہیوں پر تنبیہ | ۷ |
| ۳۶۷ | وقت کی قدر و قیمت اور لایعنی ولغویات سے بچنے کی اہمیت | ۸ |

## عنوانات



| | | |
|---|---|---|
| ۱ | علم اور اہلِ علم کا مقام | ۱۳ |
| ۲ | جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی مشکل سوا۔ | ۱۵ |
| ۳ | شکر کس طرح ادا ہو؟ | ۱۶ |
| ۴ | اہلِ علم کے ساتھ مذاکرہ | ۱۷ |
| ۵ | اہلِ علم سے لوگوں کو شکایت | ۱۸ |
| ۶ | اکابر کے دو وصف اور ہماری اس میں غفلت | ۱۹ |
| ۷ | تہجد کی فرضیت اور قیام اللیل کی مقدار | ۲۰ |
| ۸ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تہجد کی فرضیت کی تفصیل | ۲۳ |
| ۹ | تہجد کے آداب، فوائد اور مقاصد | ۲۴ |
| ۱۰ | علمی و دعوتی مشاغل کافی نہیں | ۲۶ |
| ۱۱ | اہلِ علم، مبلغین اور مصلحین کے لیے شبینہ معمولات | ۲۷ |
| ۱۲ | مقامِ نبوت اور مقامِ ہدایت | ۲۸ |
| ۱۳ | ہم باللیل رہبان و بالنہار فرسان | ۲۹ |
| ۱۴ | قرآن میں قیام اللیل کی تاکید | ۳۰ |
| ۱۵ | مقامِ شفاعت اور قیام اللیل کا تعلق | ۳۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶ | عبادُالرحمن | ۳۱ |
| ۱۷ | أفلاأکون عبداًشکورا؟ | ۳۲ |
| ۱۸ | حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا قیام اللیل اور تلاوت | ۳۴ |
| ۱۹ | مکہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تہجد اور تلاوت | ۳۵ |
| ۲۰ | انسانی قلوب پر اختلاط وصحبت کا اثر | ۳۷ |
| ۲۱ | اختلاط کے اثر کا ازالہ | ۳۸ |
| ۲۲ | مؤثر پر متأثر کا اثر | ۳۹ |
| ۲۳ | قیام اللیل اللہ کا خاص حق ہے۔ | ۴۰ |
| ۲۴ | دینی کاموں کو نتیجہ خیز بنانے کے اسباب | ۴۲ |
| ۲۵ | امام ابوحنیفہؒ کی عشاء کے وضو سے فجر کی نماز | ۴۲ |
| ۲۶ | ماضی قریب کے اسلاف واکابر کا معمول | ۴۳ |
| ۲۷ | حضرت مولانا قاری صدیق صاحبؒ | ۴۴ |
| ۲۸ | حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ | ۴۴ |
| ۲۹ | حضرت شیخ الہندؒ | ۴۵ |
| ۳۰ | مولانا احمد شاہؒ کا زہد اور ستاون سالہ تہجد کی پابندی | ۴۵ |
| ۳۱ | ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است | ۴۹ |
| ۳۲ | صبح کی سستی شیطانی افسون کا اثر ہے۔ | ۴۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳ | کوئی ہے؟ | ۵۱ |
| ۳۴ | حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی دربار نبوت میں پہلی حاضری | ۵۲ |
| ۳۵ | فيم يختصم الملأ الأعلى ؟ | ۵۲ |
| ۳۶ | شرف المؤمن قيام الليل | ۵۳ |
| ۳۷ | قیام اللیل کے پانچ فائدے | ۵۳ |
| ۳۸ | قیام اللیل فتنوں سے حفاظت کا وسیلہ ہے۔ | ۵۶ |
| ۳۹ | قیام اللیل میں معین اعمال | ۵۸ |
| ۴۰ | ذکر کی اہمیت | ۵۹ |
| ۴۱ | ذکر اللہ کائنات کی روح ہے۔ | ۶۱ |
| ۴۲ | ذکر روحانی انرجی ہے۔ | ۶۱ |
| ۴۳ | حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا ذکر | ۶۲ |
| ۴۴ | سوا لاکھ اسم ذات کا معمول | ۶۲ |
| ۴۵ | میں بھی کہوں، یہ کون حرم میں آ گیا؟ | ۶۴ |
| ۴۶ | ذکر اللہ کی مختلف شکلیں : | ۶۶ |
| ۴۷ | (۱) تلاوت قرآن | ۶۶ |
| ۴۸ | فمی بشوق کا معمول | ۶۶ |
| ۴۹ | حضرت معاذؓ اور ابوموسٰی اشعریؓ کا پیمان دوستی اور تلاوت کا معمول | ۶۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۰ | فواق الناقۃ | ۶۸ |
| ۵۱ | احتساب اور امیدِ ثواب۔ | ۶۹ |
| ۵۲ | آج کے اہل علم کا تلاوت کا معمول کیا ہے؟ | ۷۰ |
| ۵۳ | پنج وقتہ نماز کے بھی لالے | ۷۱ |
| ۵۴ | (۲) ذکر کی دوسری قسم | ۷۳ |
| ۵۵ | (۳) تیسری قسم: ذکر جہری | ۷۳ |
| ۵۶ | بے ادب ہوگئی محفل ترے اٹھ جانے سے۔ | ۷۴ |
| ۵۷ | مولانا علی میاںؒ اور شیخ علی الدقر کے وعظ میں تاثیر | ۷۶ |

## عنوانات



| | | |
|---|---|---|
| ۱ | بہترین مشغلہ۔ | ۸۱ |
| ۲ | ہماری ذمہ داری۔ | ۸۲ |
| ۳ | کام اور طریقہ، دونوں حضور کے۔ | ۸۳ |
| ۴ | دین سے قریب لائیں، دور نہ کریں۔ | ۸۳ |
| ۵ | انصار اور مہاجرین کی گروہ بندی۔ | ۸۴ |
| ۶ | جماعتی تعصب جاہلیت کا نعرہ ہے۔ | ۸۵ |
| ۷ | منافق سردار اور کم سن صحابی کی قسم۔ | ۸۷ |
| ۸ | منافق کے قتل کی اجازت نہ دی۔ | ۸۸ |
| ۹ | نبی کریم ﷺ کی امانت داری پر انگلی اٹھانا۔ | ۸۹ |
| ۱۰ | مسجد میں پیشاب کرنے والے کو ادب کی تعلیم۔ | ۹۰ |
| ۱۱ | آسانی کرو، دشواری نہیں۔ | ۹۲ |
| ۱۲ | لوگوں کو دین کے نام پر مشکل میں مت ڈالو۔ | ۹۳ |
| ۱۳ | پیار محبت والا طریقہ اپنائیں۔ | ۹۴ |

| عنوانات | | |
|---|---|---|
| ۱ | نسبتِ علم نشانِ قبول ہے۔ | ۱۰۰ |
| ۲ | نماز باجماعت کا اہتمام | ۱۰۱ |
| ۳ | اذان ہوتے ہی مسجد میں پہنچنا | ۱۰۲ |
| ۴ | تسبیحات اور اذکار کا اہتمام ازبس ضروری ہے۔ | ۱۰۴ |
| ۵ | تہجد کا اہتمام | ۱۰۴ |
| ۶ | تلاوت کا اہتمام | ۱۰۷ |
| ۷ | اخلاق اور معاملات کی درستگی | ۱۰۹ |
| ۸ | اسلام مخالف پروپیگنڈہ اور جمعہ کے بیانات | ۱۱۰ |
| ۹ | گردوپیش سے باخبر رہیے۔ | ۱۱۱ |
| ۱۰ | تقریر اور وعظ کا موضوع؟ | ۱۱۲ |
| ۱۱ | پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ | ۱۱۵ |
| ۱۲ | نوکری نہیں، بلکہ خدمت۔ | ۱۱۷ |
| ۱۳ | مدرسہ کے اوقات میں امانت داری | ۱۱۸ |
| ۱۴ | مجلس بازی کی عادت ترک کردو | ۱۱۹ |
| ۱۵ | نوجوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کی دینی تربیت | ۱۲۰ |
| ۱۶ | رفاہی اور امدادی خدمات | ۱۲۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷ | تبلیغ کا مقامی کام | ۱۲۲ |
| ۱۸ | مکتب کے فرائض | ۱۲۲ |
| ۱۹ | مار پٹائی اور طعن وتشنیع | ۱۲۳ |
| ۲۰ | تعلیم کے جدید اور سہل طریقے سیکھنے چاہیے۔ | ۱۲۴ |
| ۲۱ | نیت خالص رکھیں | ۱۲۶ |
| ۲۲ | مفتاح الخیر بنئے | ۱۲۶ |
| ۲۳ | أین علمائکم ؟ | ۱۲۷ |
| ۲۴ | دینی خدمات قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ | ۱۲۸ |
| ۲۵ | خلاصہ | ۱۲۹ |

| عنوانات | | |
|---|---|---|
| ۱ | بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی۔ | ۱۳۵ |
| ۲ | حضرت آدم کی اولاد میں نکاح کی ترتیب۔ | ۱۳۶ |
| ۳ | ون سائڈ ٹریفک۔ | ۱۳۶ |
| ۴ | رشتہ داریوں کی تفصیل۔ | ۱۳۸ |
| ۵ | رشتوں کی دوقسمیں۔ | ۱۳۹ |
| ۶ | انگریزی کی تنگ دامنی۔ | ۱۴۱ |
| ۷ | صلہ رحمی کے تین فائدے، پہلا آپسی محبت۔ | ۱۴۲ |
| ۸ | اسلام کیا ہے؟ | ۱۴۲ |
| ۹ | صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے۔ | ۱۴۳ |
| ۱۰ | گناہ میں والدین کی اطاعت نہیں۔ | ۱۴۴ |
| ۱۱ | گڑبڑ کہاں ہے؟ | ۱۴۵ |
| ۱۲ | احسان جتلانے کی بیماری بڑھ رہی ہے۔ | ۱۴۵ |
| ۱۳ | یہ صلہ رحمی نہیں۔ | ۱۴۷ |
| ۱۴ | کام پریسیڈنٹ کا اور بدلہ عامی سے؟ | ۱۴۸ |
| ۱۵ | عورتوں کا اکسانا۔ | ۱۴۹ |
| ۱۶ | صلہ رحمی میں رسمیت۔ | ۱۵۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷ | صلہ رحمی کا دوسرا فائدہ: روزی میں برکت۔ | ۱۵۱ |
| ۱۸ | بیوی کان بھرتی ہے۔ | ۱۵۲ |
| ۱۹ | بیوی اور ماں کا مکالمہ | ۱۵۴ |
| ۲۰ | کمزوروں کے طفیل روزی ملتی ہے۔ | ۱۵۵ |
| ۲۱ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر یقین۔ | ۱۵۵ |
| ۲۲ | تو بڑا منحوس ہے: ایک دلچسپ قصہ۔ | ۱۵۶ |
| ۲۳ | عاملوں کا چکر۔ | ۱۵۸ |
| ۲۴ | روزی اللہ کا انعام ہے، اپنا کمال نہیں۔ | ۱۶۱ |
| ۲۵ | صلہ رحمی کا تیسرا فائدہ: عمر میں زیادتی۔ | ۱۶۲ |
| ۲۶ | اللہ کے دربار میں رشتہ داری کی دہائی۔ | ۱۶۲ |
| ۲۷ | قطع رحمی کی سزا نقد ہوتی ہے۔ | ۱۶۴ |
| ۲۸ | قطع رحمی کرنے والا ملعون ہے۔ | ۱۶۵ |
| ۲۹ | رحمت کہاں سے آئے گی؟ | ۱۶۶ |
| ۳۰ | سرخ آندھی کا انتظار کرو۔ | ۱۶۷ |
| ۳۱ | سماج کا مزاج۔ | ۱۶۸ |
| ۳۲ | اگر عورتیں گھر میں خیر و برکت چاہیں...... | ۱۶۹ |
| ۳۳ | والدین کی فرمابرداری کا صلہ، تجربات کی روشنی میں۔ | ۱۷۰ |
| ۳۴ | ایمان پر خاتمہ۔ | ۱۷۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵ | کڈنی نے کام شروع کر دیا۔ | ۱۷۱ |
| ۳۶ | داڑھی سے پاؤں جھاڑنے کا صلہ۔ | ۱۷۲ |
| ۳۷ | ماں کا خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رفیق۔ | ۱۷۲ |
| ۳۸ | سو(۱۰۰) حج کا ثواب۔ | ۱۷۳ |
| ۳۹ | حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ۔ | ۱۷۴ |
| ۴۰ | صلہ رحمی کا کم سے کم درجہ | ۱۷۵ |
| ۴۱ | نیکی کر دریا میں ڈال۔ | ۱۷۵ |

## عنوانات


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | والدین کے حقوق وآداب | ۱۷۹ |
| ۲ | ماں باپ کا ادب واحترام واجب ہے۔ | ۱۸۱ |
| ۳ | ماں کی ناراضگی اور زبان پر کلمہ جاری نہ ہونا۔ | ۱۸۱ |
| ۴ | اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو۔ | ۱۸۴ |
| ۵ | مردے کا منہ اور آواز گدھے جیسی ہوگئی | ۱۸۴ |
| ۶ | بری موت | ۱۸۵ |
| ۷ | زمین نے پاؤں پکڑ لیے | ۱۸۶ |
| ۸ | ایسی خراب موت کسی کی نہیں دیکھی | ۱۸۷ |
| ۹ | بیٹے نے باپ کی پٹائی کی۔ | ۱۸۸ |
| ۱۰ | میں بھی ابا کو اسی طرح لایا تھا۔ | ۱۸۸ |
| ۱۱ | حقوق سب کے ہیں۔ | ۱۸۹ |
| ۱۲ | باپ اپنے بیٹے کو کس طرح حکم دے؟ | ۱۸۹ |
| ۱۳ | ظالم والدین کی اطاعت | ۱۹۰ |

عنوانات


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسمیں۔ | ۱۹۶ |
| ۲ | زمانہ کی قسم، ایک شہادت ہے۔ | ۱۹۶ |
| ۳ | زندگی کا سرمایہ۔ | ۱۹۷ |
| ۴ | کتاب الرقاق۔ | ۱۹۸ |
| ۵ | وقت اور صحت مند جسم کی نعمت۔ | ۱۹۹ |
| ۶ | کس طرح گھاٹے اور خسارے میں ہے؟ | ۲۰۰ |
| ۷ | آخرت کی تجارت۔ | ۲۰۱ |
| ۸ | سرمایۂ حیات کی قیمت کیسے وصول کریں گے؟ | ۲۰۳ |
| ۹ | ہو رہی ہے عمر مثل برف کم۔ | ۲۰۴ |
| ۱۰ | وقت کی دنیاوی قیمت بہت حقیر ہے۔ | ۲۰۶ |
| ۱۱ | سرمایۂ حیات کا اخروی سودا۔ | ۲۰۷ |
| ۱۲ | آخرت کے باغ کی شجر کاری۔ | ۲۰۹ |
| ۱۳ | نجات یافتہ گروہ۔ | ۲۱۱ |
| ۱۴ | تواصی اور وصیت۔ | ۲۱۱ |
| ۱۵ | حق اور صبر سے کیا مراد ہے؟ | ۲۱۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ١٦ | نوع انسانی کے لیے خسارے سے بچنے کا راستہ۔ | ٢١٣ |
| ١٧ | تبلیغی کام۔ | ٢١٥ |
| ١٨ | تبلیغی جماعت میں جانے کی نیت۔ | ٢١٦ |
| ١٩ | اہل علم کا تعاون۔ | ٢١٧ |
| ٢٠ | حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ اور حضرت اقدس فقیہ الامتؒ۔ | ٢١٨ |
| ٢١ | دین کے تمام شعبوں کو دین سمجھنا۔ | ٢١٩ |
| ٢٢ | کس کی خدمت مقبول ہے؟ | ٢٢٠ |

## عنوانات


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | خصوصیاتِ نبوی | ۲۲۵ |
| ۲ | اول: رعب اور ہیبت | ۲۲۶ |
| ۳ | کسریٰ شاہِ فارس پرویز کے نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط | ۲۲۶ |
| ۴ | مکتوبِ نبوی کا مضمون | ۲۲۷ |
| ۵ | کسریٰ پرویز کا غرور | ۲۲۸ |
| ۶ | کسریٰ کے پہلوان دربارِ نبوی میں | ۲۲۹ |
| ۷ | داڑھی منڈے چہرے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفرت | ۲۲۹ |
| ۸ | کسریٰ پرویز کا قتل اور نبوی پیشین گوئی کا تحقق | ۲۳۰ |
| ۹ | دوم: ساری زمین مسجد | ۲۳۲ |
| ۱۰ | سوم: مالِ غنیمت کا حلال ہونا | ۲۳۳ |
| ۱۱ | چہارم: شفاعتِ کبریٰ | ۲۳۳ |
| ۱۲ | پنجم: بعثتِ عامہ | ۲۳۶ |
| ۱۳ | دو اور خصوصیات، جوامع الکلم اور ختمِ نبوت | ۲۳۶ |
| ۱۴ | پریشانی میں مومن کی مدد | ۲۳۷ |
| ۱۵ | مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت | ۲۳۷ |
| ۱۶ | کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر | ۲۳۸ |
| ۱۷ | اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ ناقابلِ بیان محبت | ۲۳۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸ | دنیا کی ایک فیصد محبت اور آخرت کی ننانوے فیصد محبت | ۲۴۰ |
| ۱۹ | لله أرحم بعباده من أم الأفراخ بفراخها | ۲۴۱ |
| ۲۰ | انسان کی مادی وروحانی ضرورتوں کا انتظام | ۲۴۱ |
| ۲۱ | حواس کے ذریعہ مرضی مولی کو معلوم کرنا ممکن نہیں | ۲۴۳ |
| ۲۲ | اللہ کہاں ہوتے ہیں؟ | ۲۴۴ |
| ۲۳ | لوگوں کو اللہ سے جوڑنا بڑا نیکی کا کام ہے۔ | ۲۴۶ |
| ۲۴ | دعوت وتبلیغ کا سلسلہ | ۲۴۶ |
| ۲۵ | جانوروں کے ساتھ حسن سلوک پر مغفرت۔ | ۲۴۷ |
| ۲۶ | ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کرنے پر اجر ہے۔ | ۲۴۸ |
| ۲۷ | مکھی کی پیاس بجھانا مغفرت کا سبب بن گیا۔ | ۲۴۹ |
| ۲۸ | تنگ دست اور مصیبت زدہ کو راحت پہنچانا۔ | ۲۵۰ |
| ۲۹ | مطل الغنی ظلم۔ | ۲۵۱ |
| ۳۰ | مسلمان کی عیب جوئی اور عیب پوشی | ۲۵۱ |
| ۳۱ | مسلمان کی مدد | ۲۵۱ |
| ۳۲ | مسلمان کی دینی خیر خواہی | ۲۵۳ |
| ۳۳ | بیش قیمت دولت سے بھی زیادہ قیمتی ثواب | ۲۵۴ |
| ۳۴ | پانچ کاموں کی پانچ مہلتیں | ۲۵۶ |

| عنوانات | | |
|---|---|---|
| ۱ | کمالِ ایمان کی چار علامات۔ | ۲۶۲ |
| ۲ | انسان اپنے جسم کا مالک نہیں۔ | ۲۶۳ |
| ۳ | جسم اللہ تعالیٰ کی مشین ہے۔ | ۲۶۵ |
| ۴ | حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قصہ | ۲۶۵ |
| ۵ | إن لنفسک علیک حقا، | ۲۶۵ |
| ۶ | تصحیح نیت سے دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ | ۲۶۸ |
| ۷ | حضرت عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قصہ | ۲۶۸ |
| ۸ | ہمارا حال صحابہ سے برعکس ہے۔ | ۲۷۰ |
| ۹ | اصل چیز اخلاص نیت ہے۔ | ۲۷۱ |
| ۱۰ | حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت | ۲۷۲ |
| ۱۱ | نیت میں تبدیلی کیسے آئے گی؟ | ۲۷۳ |
| ۱۲ | ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اور مقدام بن معدی کرب کی روایت | ۲۷۴ |
| ۱۳ | زیادہ اجر وثواب والا خرچ | ۲۷۵ |
| ۱۴ | نقطۂ نظر کو بدلنے کی ضرورت | ۲۷۶ |
| ۱۵ | یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر | ۲۷۶ |
| ۱۶ | نیند اور نماز دونوں برابر | ۲۷۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷ | رسم ورواج میں نہ دینا، اللہ کے لیے ہے۔ | ۲۷۹ |
| ۱۸ | صلہ رحمی رسم ورواج کے خانے میں۔ | ۲۸۰ |
| ۱۹ | چراغ کے تیل میں اسراف | ۲۸۰ |
| ۲۰ | قصۂ افک۔ | ۲۸۲ |
| ۲۱ | نہ دینے کی قسم کے بعد دینے کی قسم | ۲۸۴ |
| ۲۲ | مرضی مولی از ہمہ اولی | ۲۸۶ |
| ۲۳ | رسم ورواج کی پابندی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ | ۲۸۶ |

| عنوانات | | |
|---|---|---|
| ۱ | تکمیلِ دین کی تقریب | ۲۹۲ |
| ۲ | کرشمہ دامنِ دل می کشد | ۲۹۴ |
| ۳ | پہلی خوبی: جامعیتِ ہدایت۔ | ۲۹۴ |
| ۴ | دوسری خوبی: جامعیتِ احکام۔ | ۲۹۶ |
| ۵ | وضو اور نماز کے فوائد۔ | ۲۹۷ |
| ۶ | روزہ کے دینی و دنیوی فوائد۔ | ۲۹۸ |
| ۷ | زکوۃ کی ادائیگی میں معاشرتی واقتصادی مساوات۔ | ۲۹۸ |
| ۸ | اسلام کی جامعیت، کج فہموں کے اعتراض کا سبب | ۲۹۹ |
| ۹ | آدابِ استنجاء کی حکمتیں | ۳۰۰ |
| ۱۰ | دین کے مختلف شعبے | ۳۰۲ |
| ۱۱ | عقائد کی درستگی کی ضرورت | ۳۰۳ |
| ۱۲ | ہماری عبادات کا حال | ۳۰۴ |
| ۱۳ | محاسنِ اخلاق؛ دین کا مستقل شعبہ ہے۔ | ۳۰۵ |
| ۱۴ | معاملات کے احکام کا علم فرض ہے۔ | ۳۰۶ |
| ۱۵ | معاشرتی فرائض یعنی حقوق کی ادائیگی۔ | ۳۰۷ |
| ۱۶ | دین کے تمام شعبوں پر عمل ضروری ہے۔ | ۳۰۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷ | مسلمانوں کی حسنِ معاشرت کا اعلیٰ نمونہ | ۳۰۸ |
| ۱۸ | صلح حدیبیہ۔ | ۳۰۹ |
| ۱۹ | خراش بن امیہؓ کی سفارت | ۳۱۱ |
| ۲۰ | حضرت عثمانؓ کی سفارت | ۳۱۲ |
| ۲۱ | حضرت عثمانؓ کا حبِّ رسول | ۳۱۳ |
| ۲۲ | حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ اور بیعتِ رضوان۔ | ۳۱۴ |
| ۲۳ | بدیل بن ورقہ کی سفارت | ۳۱۵ |
| ۲۴ | قریش کے مذاکرات کار: عروہ بن مسعود ثقفی | ۳۱۵ |
| ۲۵ | حضرت ابوبکرؓ کی غیرت ایمانی۔ | ۳۱۶ |
| ۲۶ | حضرت مغیرہ بن شعبہ کی غیرت۔ | ۳۱۷ |
| ۲۷ | عروہ بن مسعود ثقفی کے تأثرات۔ | ۳۱۸ |
| ۲۸ | صلح کی شرائط۔ | ۳۱۹ |
| ۲۹ | شرائط صلح پر صحابہؓ کی ناگواری اور حضرت عمرؓ کا مکالمہ | ۳۱۹ |
| ۳۰ | شرائط صلح کا صحابہؓ پر اثر اور حضرت ام سلمہؓ کا مشورہ | ۳۲۰ |
| ۳۱ | عمرۃ القضاء، قریش کی عہد شکنی اور فتحِ مکہ۔ | ۳۲۱ |
| ۳۲ | زمانۂ صلح میں مسلمانوں کی حسنِ معاشرت | ۳۲۲ |
| ۳۳ | قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ | ۳۲۴ |
| ۳۴ | نیو ورلڈ آرڈر کے اثرات۔ | ۳۲۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵ | مسلمانوں کے لیے حُسن وشراب کا جام۔ | ۳۲۷ |
| ۳۶ | عیش پرستی؛ معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے۔ | ۳۲۷ |
| ۳۷ | یہودونصاری کا حسداور فکری ومعاشرتی ارتداد کی کوششیں | ۳۲۸ |
| ۳۸ | وَمَکَرُوا وَمَکَرَ اللّٰہُ، الٹی ہوگئی سب تدبیریں۔ | ۳۳۰ |
| ۳۹ | دل کی بے قراری کا علاج اسلام میں ہے۔ | ۳۳۱ |
| ۴۰ | عملی اسلام کا نمونہ مطلوب ہے۔ | ۳۳۲ |
| ۴۱ | یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود۔ | ۳۳۳ |
| ۴۲ | حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی لینن سے ملاقات | ۳۳۴ |
| ۴۳ | اسلام عملی نظام کا نام ہے، نرا فلسفہ نہیں۔ | ۳۳۶ |
| ۴۴ | اللہ کی مہلت سے فائدہ اٹھایئے۔ | ۳۳۷ |
| ۴۵ | اللہ تعالی کی کسی کے ساتھ رشتہ داری نہیں۔ | ۳۳۸ |
| ۴۶ | سبق پھر پڑھ صداقت کا۔ | ۳۳۹ |

# تفصیلی فہرست مضامین...... جلد دوم


| نمبر شمار | مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| | **انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے** | |
| ۱ | آیتِ امانت کا شانِ نزول | ۴۳ |
| ۲ | کعبۃ اللہ کی مختلف خدمتیں | ۴۴ |
| ۳ | اسلام کی وسیع ظرفی | ۴۵ |
| ۴ | امانت کا معنی عرفِ عام میں | ۴۶ |
| ۵ | امانت کا وسیع معنی ومفہوم | ۴۶ |
| ۶ | امانت کا معنی قرآنِ کریم کی اصطلاح میں | ۴۷ |
| ۷ | احکامِ الٰہی کی دو قسمیں | ۴۸ |
| ۸ | احکامِ تکوینی کی تشریح بذریعۂ امثلہ | ۴۸ |
| ۹ | ذاتِ انسانی میں تکوینیات کی کرشمہ سازیاں | ۴۹ |
| ۱۰ | آنکھ کے بارے میں حکمِ تکوینی | ۴۹ |
| ۱۱ | آنکھ کے بارے میں حکمِ تشریعی | ۵۰ |
| ۱۲ | امانت: عمل کرنے نہ کرنے کے اختیار کا نام ہے | ۵۰ |
| ۱۳ | انسان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے | ۵۱ |
| ۱۴ | احکامِ تشریعی میں اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان | ۵۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵ | احکامِ تشریعی بسلسلۂ زبان | ۵۲ |
| ۱۶ | اعضاء کو اللہ کی ناراضگی والے کام میں استعمال کرنا خیانت ہے | ۵۳ |
| ۱۷ | مال بھی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے | ۵۴ |
| ۱۸ | مال کمانے اور خرچ کرنے دونوں میں ہم مکلف ہیں | ۵۴ |
| ۱۹ | ضرورتوں میں مقدارِ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے | ۵۵ |
| ۲۰ | نمائش اور دکھلاوا شریعت میں مذموم ہے | ۵۵ |
| ۲۱ | صحابہ کرامؓ کا تقویٰ اور احتیاط | ۵۶ |
| ۲۲ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال | ۵۷ |
| ۲۳ | ان شیر دلوں کی اولاد ہیں ہیں عاشقِ حسنِ دام ودرم | ۵۷ |
| ۲۴ | فضول خرچی سے بچو! | ۵۷ |
| ۲۵ | انفاقِ مال کا حکم اور اس کی مختلف راہیں | ۵۸ |
| ۲۶ | عہدہ ومنصب بھی امانت ہے | ۵۹ |
| ۲۷ | علم بھی امانت ہے | ۵۹ |
| ۲۸ | کتمانِ علم کے وبال سے بچنے کا ایک صحابیؓ کا جذبہ | ۶۰ |
| ۲۹ | اہلِ علم کے پیشِ نظر صرف رضاءِ الٰہی ہو | ۶۰ |
| ۳۰ | جس میں امانت کا جذبہ نہیں، اس میں ایمان نہیں | ۶۱ |
| ۳۱ | ہر شخص امین ہے | ۶۱ |

## تربیتِ اولاد(۱)


| | | |
|---|---|---|
| ۳۲ | اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے | ۶۵ |
| ۳۳ | شکر کا مفہوم | ۶۶ |
| ۳۴ | اولاد کی وہ ذمہ داریاں جو ہم حکمِ اِلٰہی سمجھ کر ادا نہیں کرتے | ۶۶ |
| ۳۵ | اولاد کے حقوق کی ادائگی کے وقت اللہ کا حکم پورا کرنے کی نیت ہونی چاہیے | ۶۷ |
| ۳۶ | ''اللہ کا حکم'' نہ سمجھ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کی ایک خرابی | ۶۸ |
| ۳۷ | بعض اولاد کو کچھ دینا اور بعض کو نہ دینا ظلم ہے۔ | ۶۸ |
| ۳۸ | یکساں سلوک سے سب اولاد مطیع ہوتی ہے | ۶۹ |
| ۳۹ | اولاد کی طرف سے والدین کے ساتھ زیادتی کی ایک وجہ | ۷۰ |
| ۴۰ | ''اللہ کا حکم'' نہ سمجھ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کی دوسری خرابی | ۷۰ |
| ۴۱ | اولاد کی جسمانی ضرورتوں کا تو جانور بھی خیال رکھتے ہیں | ۷۱ |
| ۴۲ | انسان ہونے کی حیثیت سے بھی اولاد کے کچھ حقوق ہم پر عائد ہیں | ۷۱ |
| ۴۳ | مسلمان ہونے کی حیثیت سے اولاد کی ہم پر ذمہ داریاں | ۷۲ |
| ۴۴ | اولاد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا اہتمام بھی ضروری ہے | ۷۳ |
| ۴۵ | اولاد کی تربیت کا طریقہ | ۷۳ |
| ۴۶ | ہم دنیوی امور میں اولاد کی تربیت کا خوب اہتمام کرتے ہیں | ۷۴ |
| ۴۷ | چھوٹے بچوں کی تربیت کا نبوی انداز | ۷۵ |
| ۴۸ | شیطان انسان کے ہر کام میں شرکت کی کوشش کرتا ہے | ۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹ | بیوی کے ساتھ صحبت میں شیطان کی شرکت سے بچنے کا نبوی نسخہ | ۷۶ |
| ۵۰ | اولاد کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی تربیت کا اہتمام | ۷۷ |
| ۵۱ | اولادِ صالحہ کے وجود کی پیشگی تیاریاں | ۷۷ |
| ۵۲ | مشتبہ غذا کا وبال | ۷۸ |
| ۵۳ | چوری کا ایک بیر کھانے کا خطرناک انجام | ۷۸ |
| ۵۴ | اولاد بھی کھیت کی پیداوار کی طرح ہے | ۷۹ |
| ۵۵ | ستم بالائے ستم | ۷۹ |
| ۵۶ | ہاں بھائی! ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے | ۸۰ |
| ۵۷ | یہ فکر ضروری ہے کہ اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا | ۸۰ |
| ۵۸ | ہمارے قول اور عمل میں تضاد ہے | ۸۱ |
| ۵۹ | وفات سے قبل حضرت یعقوبؑ کو اپنی اولاد کے دین کا فکر | ۸۱ |
| ۶۰ | والدین کو اولاد کی آخرت سنوارنے کی زیادہ فکر ہونا چاہیے | ۸۲ |
| ۶۱ | موت کے وقت بھی ہم اپنی اولاد کی دنیا کا فکر کرتے ہیں | ۸۲ |
| ۶۲ | کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت | ۸۳ |
| ۶۳ | اولاد کا اپنے والد کو تسلی بخش جواب | ۸۴ |
| ۶۴ | دین دار اولاد ہی والدین کو دنیا و آخرت میں کام آتی ہے | ۸۵ |
| | **تربیتِ اولاد (۲)** | |
| ۶۵ | ہر مخلوق میں خیر و شر دونوں پہلو موجود ہیں | ۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۶ | کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے | ۹۰ |
| ۶۷ | پانی میں شر کا پہلو | ۹۰ |
| ۶۸ | ہوا میں شر کا پہلو | ۹۱ |
| ۶۹ | نام ہے اس کا بشر، اس میں شر ہے دو بٹا تین | ۹۱ |
| ۷۰ | خیر انسان کا وصفِ عارضی ہے اور شر وصفِ ذاتی | ۹۱ |
| ۷۱ | وصفِ ذاتی شئی میں اصلاً پایا جاتا ہے، اس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں | ۹۲ |
| ۷۲ | وصفِ عارضی کو شئی میں بذریعۂ محنت داخل کرنا پڑتا ہے | ۹۳ |
| ۷۳ | بہاریں یوں ہی آیا نہیں کرتیں | ۹۳ |
| ۷۴ | محنتِ شاقہ کے بعد آنے والی خوبی کی بقا کے لیے بھی محنتِ شاقہ ضروری ہے | ۹۴ |
| ۷۵ | کسی چیز میں شر پیدا کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں | ۹۴ |
| ۷۶ | مکان میں خوبی پیدا کرنے کے لیے ہونے والی محنتیں | ۹۵ |
| ۷۷ | حسین مکان کو بدصورت بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں | ۹۶ |
| ۷۸ | اشیاءِ خورد و نوش کی خوبی اور اس میں در آنے والی خرابی | ۹۷ |
| ۷۹ | کوئی شکمِ مادر سے باوصف پیدا نہیں ہوتا | ۹۸ |
| ۸۰ | انسان کو جاہل بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے | ۹۹ |
| ۸۱ | کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی | ۹۹ |
| ۸۲ | شر اور برائی انسان کی سرشت میں داخل ہے | ۹۹ |
| ۸۳ | تربیتِ انسانی کی تفہیم ایک عام فہم مثال سے | ۱۰۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۴ | اولاد کی صحیح تربیت عملی ماحول سے حاصل ہوتی ہے | ۱۰۰ |
| ۸۵ | خلافتِ امویہ کی بیخ کنی کے بعد خاندانِ بنوامیہ کی تباہی | ۱۰۱ |
| ۸۶ | خاندانِ بنوامیہ کا زمانۂ امن وسکون | ۱۰۲ |
| ۸۷ | اولاد کی صحیح تربیت کا موقع نہ مل سکنے پر بنوامیہ کا اظہارِ افسوس | ۱۰۲ |
| ۸۸ | اولاد کی تربیت کے معاملے میں ہماری غفلت اور کوتاہی | ۱۰۳ |
| ۸۹ | نہیں جہاں جائے عیش وعشرت، سنبھل سنبھل، ورنہ ہوگی حسرت | ۱۰۴ |
| ۹۰ | مقصد ہو اگر تربیت لعلِ بدخشاں | ۱۰۴ |
| ۹۱ | تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت | ۱۰۵ |
| ۹۲ | ماہِ رجب کی آمد پر پڑھی جانے والی دعا کی حکمت | ۱۰۶ |
| ۹۳ | کسی بستی میں جاتے ہوئے پڑھنے کی دعا اور اس میں مضمر حکمت | ۱۰۷ |
| ۹۴ | بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت دعا اور اس کی حکمت | ۱۰۸ |
| ۹۵ | بسم اللہ کے فوائد وبرکات | ۱۰۸ |
| ۹۶ | ہر کام بسم اللہ پڑھ کر انجام دینے کی تعلیم | ۱۰۸ |
| ۹۷ | بسم اللہ کی کرشمہ سازی کا ایک واقعہ | ۱۰۹ |
| ۹۸ | لطیفہ | ۱۰۹ |
| ۹۹ | بسم اللہ پڑھ کر رکھی ہوئی چیز میں شیطان تصرف نہیں کرسکتا | ۱۰۹ |
| ۱۰۰ | سال بھر میں آنے والی ایک رات جس میں بلائیں نازل ہوتی ہیں | ۱۱۰ |
| ۱۰۱ | بوقتِ صحبت ماثور دعا نہ پڑھنے کا نقصان اور وبال | ۱۱۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۲ | شیطان انسان کے ہر کام میں شرکت کی کوشش کرتا ہے | ۱۱۱ |
| ۱۰۳ | اولاد کو ماں باپ سے دور کرنے کی جدید شیطانی چالیں | ۱۱۱ |
| ۱۰۴ | انسان اپنی فطری خواہش کی تکمیل جانوروں کی طرح نہیں کرسکتا | ۱۱۲ |
| ۱۰۵ | جانوروں میں بھی حیا اور غیرت ہوتی ہے | ۱۱۳ |
| ۱۰۶ | قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے پاکیزہ تر | ۱۱۳ |
| ۱۰۷ | بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت دعا کی تاکید | ۱۱۴ |
| ۱۰۸ | بچے کی پیدائش کے بعد، اس سے متعلق تحنیک وغیرہ اسلامی تعلیمات پر ضرور عمل کیا جائے | ۱۱۴ |
| ۱۰۹ | تحنیک کا مفہومِ شرعی | ۱۱۵ |
| | **اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں ناکام کیوں رہتی ہیں؟** | |
| ۱۱۰ | مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی | ۱۱۹ |
| ۱۱۱ | نہیں کچھ دل کی شرکت، صرف چلتی ہے زباں تیری | ۱۲۰ |
| ۱۱۲ | یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے | ۱۲۱ |
| ۱۱۳ | مریض دوسروں کے امراض کی فکر سے پہلے اپنے مرض کی فکر کرتا ہے | ۱۲۲ |
| ۱۱۴ | اپنی چھوٹی بیماری دوسروں کی بڑی بیماری سے بھی بڑی نظر آتی ہے | ۱۲۳ |
| ۱۱۵ | عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر | ۱۲۴ |
| ۱۱۶ | نفاق اور منافق کی حقیقت | ۱۲۴ |
| ۱۱۷ | حضرت حنظلہؓ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کا اصلاحِ نفس کی فکر کرنا | ۱۲۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۸ | خدا شاہد، یہ ان کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا | ۱۲۶ |
| ۱۱۹ | تو فرشتے تم سے راستوں میں مصافحہ کریں | ۱۲۷ |
| ۱۲۰ | انسان کے احوال ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے | ۱۲۷ |
| ۱۲۱ | تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن | ۱۲۸ |
| ۱۲۲ | وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے | ۱۲۹ |
| ۱۲۳ | رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہسٹری پڑھو تو اول سے تا بہ آخر | ۱۳۰ |
| ۱۲۴ | وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا، عجیب ہونا | ۱۳۰ |
| ۱۲۵ | جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے | ۱۳۱ |
| ۱۲۶ | مواعظ میں ہدفِ تنقید خود اپنی ذات کو بنائیں | ۱۳۱ |
| | **رمضان المبارک: فضائل اور تقاضے** | |
| ۱۲۷ | رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے | ۱۳۵ |
| ۱۲۸ | کلامِ الٰہی اور رمضان المبارک کے درمیان مناسبت | ۱۳۶ |
| ۱۲۹ | قرآنِ کریم کے دو نزول اور اس کی تفصیل | ۱۳۷ |
| ۱۳۰ | رمضان میں صاحبِ قرآن کا قرآن کے ساتھ شغف | ۱۳۷ |
| ۱۳۱ | رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کے ساتھ اسلاف کا شغف | ۱۳۸ |
| ۱۳۲ | ہادی نہ ملے گا قرآن سے بہتر | ۱۳۸ |
| ۱۳۳ | رمضان المبارک فرشتوں کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کا مہینہ ہے | ۱۳۹ |
| ۱۳۴ | بھوک وساوسِ شیطانیہ کو روکنے کا ذریعہ ہے | ۱۴۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۳۵ | نفس وشیطان کو قابو میں کرنے کے دوگُر | ۱۴۰ |
| ۱۳۶ | رمضان المبارک میں نیکیوں کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے | ۱۴۱ |
| ۱۳۷ | اللہ تبارک وتعالیٰ کی فیاضی | ۱۴۱ |
| ۱۳۸ | سونے کے بھاؤ لوہا | ۱۴۲ |
| ۱۳۹ | گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی | ۱۴۲ |
| ۱۴۰ | اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے | ۱۴۳ |
| ۱۴۱ | رمضان المبارک کا مہینہ دلوں کا میل کچیل دور کرنے کے لیے ہے | ۱۴۳ |
| ۱۴۲ | قلب کو بھی چارج اور سروس کرنا ضروری ہے | ۱۴۴ |
| ۱۴۳ | ماہِ رمضان قلب کی چارجنگ کا زمانہ ہے | ۱۴۵ |
| ۱۴۴ | ہر چیز سروس کی محتاج ہے | ۱۴۵ |
| ۱۴۵ | لوگوں کے ساتھ میل جول کے اثرات ہر شخص کے قلب پر وارد ہوتے ہیں | ۱۴۶ |
| ۱۴۶ | نبی اور رسول | ۱۴۶ |
| ۱۴۷ | بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی | ۱۴۶ |
| ۱۴۸ | خلوت کا حکم نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو | ۱۴۷ |
| ۱۴۹ | تلاشِ گوشۂ عزلت میں پھر رہا ہوں میں | ۱۴۸ |
| ۱۵۰ | قبر میں ہوگا ٹھکانہ ایک دن | ۱۴۸ |
| ۱۵۱ | ماہِ مبارک کی قدر کیجیے | ۱۴۹ |
| ۱۵۲ | روزہ اور ہم! | ۱۵۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۳ | روزے کے چھ آداب | ۱۵۰ |
| ۱۵۴ | بدنگاہی کا وبال | ۱۵۱ |
| ۱۵۵ | روزے میں اپنی بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے | ۱۵۱ |
| ۱۵۶ | دوسرا ادب: زبان کی حفاظت | ۱۵۲ |
| ۱۵۷ | تیسرا ادب: کان کی حفاظت | ۱۵۲ |
| ۱۵۸ | چوتھا ادب: جسم کے دیگر اعضاء کی حفاظت | ۱۵۳ |
| ۱۵۹ | پانچواں ادب: حلال کمائی سے افطار اور اس میں افراط سے بچنا | ۱۵۳ |
| ۱۶۰ | تراویح اور اس کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک | ۱۵۳ |
| ۱۶۱ | رمضان المبارک کے دوسرے مشاغل | ۱۵۴ |
| ۱۶۲ | ایک درخواست | ۱۵۵ |
| ۱۶۳ | رمضان المبارک کی ناقدری کرنے والوں کے لیے سخت وعید | ۱۵۵ |
| | **صحبتِ صالحین** | |
| ۱۶۴ | حصولِ تقویٰ کا قرآنی طریقہ | ۱۶۰ |
| ۱۶۵ | صحبتِ صالح کی اہمیت کے سلسلے میں حضرت شیخ سعدیؒ کے اشعار | ۱۶۰ |
| ۱۶۶ | اشعار کی تشریح | ۱۶۱ |
| ۱۶۷ | بزرگوں کی صحبت میں رہنے کی غرض ان کا مزاج سیکھنا اور حاصل کرنا ہے | ۱۶۲ |
| ۱۶۸ | پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ | ۱۶۲ |

## اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار


| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۹ | تمہیدی کلام | ۱۶۷ |
| ۱۷۰ | مفہومِ حدیث | ۱۶۸ |
| ۱۷۱ | ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال | ۱۶۸ |
| ۱۷۲ | ہر نیکی صدقہ ہے | ۱۶۹ |
| ۱۷۳ | صدقات کی مختلف صورتیں | ۱۷۰ |
| ۱۷۴ | جب ملے، جس سے ملے، دل کھول کر دل سے ملے | ۱۷۰ |
| ۱۷۵ | اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے | ۱۷۱ |
| ۱۷۶ | حضرت سلمان فارسیؓ کا تلاشِ حق | ۱۷۲ |
| ۱۷۷ | حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں علاماتِ نبوت کو تلاش کرنا | ۱۷۲ |
| ۱۷۸ | حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش | ۱۷۳ |
| ۱۷۹ | حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے مابین قائم کیے جانے والے مواخات کا دل کش اثر | ۱۷۳ |
| ۱۸۰ | مہمان کے لیے مستقل کھانے کا انتظام شرعًا جائز ہے | ۱۷۴ |
| ۱۸۱ | نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے | ۱۷۵ |
| ۱۸۲ | اپنے دوست اور بھائی کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے | ۱۷۵ |
| ۱۸۳ | سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی | ۱۷۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۴ | کھانا، پینا، بالوں میں تیل لگانا بھی باعثِ اجر بن سکتا ہے | ۱۷۷ |
| ۱۸۵ | اہل وعیال کی ذمہ داریوں کو بے گاری نہ سمجھو! | ۱۷۷ |
| ۱۸۶ | حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا واقعہ | ۱۷۸ |
| ۱۸۷ | باپ کو اپنی شادی شدہ اولاد کی بھی نگرانی کرتے رہنا چاہیے! | ۱۷۸ |
| ۱۸۸ | باپ اپنی اولاد کو بعض باتوں کی فہمائش بڑوں کے ذریعہ بھی کراسکتا ہے | ۱۷۹ |
| ۱۸۹ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام امت کے نام | ۱۷۹ |
| ۱۹۰ | تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے | ۱۸۰ |
| ۱۹۱ | ملاقاتی کو میزبان کے مشغولی کے اوقات کا لحاظ کرنا چاہیے! | ۱۸۰ |
| ۱۹۲ | میزبان کو بھی دور سے آنے والے مہمان کا لحاظ کرنا چاہیے! | ۱۸۱ |
| ۱۹۳ | گھر والوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے | ۱۸۲ |
| ۱۹۴ | ایک تہائی سے کم کی وصیت کرنا ورثہ کے ساتھ احسان ہے | ۱۸۳ |
| ۱۹۵ | وارثوں کو مال دار چھوڑنا، انھیں نادار چھوڑنے سے بہتر ہے | ۱۸۳ |
| ۱۹۶ | بیوی کے منہ میں کھانے کی چیز اٹھا کر رکھنے میں بھی ثواب ہے | ۱۸۳ |
| ۱۹۷ | احتساب اور اخلاص للہ کا عجیب وغریب واقعہ | ۱۸۴ |
| ۱۹۸ | اللہ والوں کی بیویاں بدمزاج ہوا کرتی ہیں | ۱۸۶ |
| ۱۹۹ | رضائے رب ہی مؤمن کا عمل ہو | ۱۸۷ |
| ۲۰۰ | لغزش میں ہو خلوص تو لغزش نماز ہے | ۱۸۸ |
| ۲۰۱ | اہل وعیال پر خرچ کرنے میں ہمارے اندر احتساب کی کمی ہے | ۱۸۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۲ | اہل وعیال پر خرچ کیا جانے والا روپیہ اوروں پر خرچ کیے جانے والے روپیوں سے بہتر ہے | ۱۸۹ |
| ۲۰۳ | ہماری کوتاہی | ۱۹۰ |
| ۲۰۴ | حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصحیحِ نیت کا اہتمام | ۱۹۰ |
| ۲۰۵ | احتساب سے متعلق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ | ۱۹۱ |
| ۲۰۶ | چار قراء صحابہ حدیث کی روشنی میں | ۱۹۲ |
| ۲۰۷ | حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام | ۱۹۲ |
| ۲۰۸ | ہماری عبادات سے بھی احتساب رخصت ہو چکا ہے | ۱۹۳ |
| ۲۰۹ | شریعت نے گواہی دینے میں بھی احتساب کا اعتبار کیا ہے | ۱۹۴ |
| ۲۱۰ | ہمارا سونا بھی عبادت بن سکتا ہے | ۱۹۵ |
| ۲۱۱ | عبادات میں نشاط پیدا کرنے کے لیے جسم کو راحت پہنچانا ضروری ہے | ۱۹۶ |
| ۲۱۲ | حدیث میں احتساب کے سلسلے میں خصوصی طور پر ان چار کاموں کو ذکر کرنے کی وجہ | ۱۹۶ |
| ۲۱۳ | رواج کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت | ۱۹۷ |
| ۲۱۴ | رسم ورواج نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے | ۱۹۷ |
| ۲۱۵ | رسم ورواج سے بچنا بڑے بڑوں کے لیے مشکل ہے | ۱۹۸ |
| ۲۱۶ | اللہ کے کی صحبت ان کا مزاج سیکھنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے | ۱۹۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱۷ | مال خرچ نہ کرنا بھی اللہ کے لیے ہو | ۱۹۹ |
| ۲۱۸ | زباں سے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل | ۱۹۹ |
| ۲۱۹ | تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ حجرِ اسود پر | ۲۰۰ |
| ۲۲۰ | اخلاص انسان کو بہت سی حق تلفیوں سے بچاتا ہے | ۲۰۱ |
| ۲۲۱ | گھر والوں کے ساتھ ہمارا معاملہ | ۲۰۱ |
| ۲۲۲ | بچوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ محبت | ۲۰۱ |
| ۲۲۳ | سنتوں کی ادائگی کے وقت اداءِ سنت کا استحضار ضرور کریں | ۲۰۲ |
| ۲۲۴ | اہل اللہ کے ساتھ ہماری محبت بھی اغراضِ دنیویہ کے تحت ہوتی ہے | ۲۰۳ |
| ۲۲۵ | غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ کی ایمان افروز تقریر | ۲۰۳ |
| ۲۲۶ | خدا نے خود جنھیں بخشا رضامندی کا پروانہ | ۲۰۴ |
| ۲۲۷ | زمانۂ نبوی میں ہونے کی ہماری خواہش اور حقیقت کا دوسرا رخ | ۲۰۵ |
| ۲۲۸ | حضرت ابولبابہؓ کی توبہ کا ایمان افروز واقعہ | ۲۰۵ |
| ۲۲۹ | حضرت محیصہ بن مسعودؓ کا اللہ تعالیٰ کے لیے عشقِ رسول | ۲۰۶ |
| ۲۳۰ | حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا اللہ تعالیٰ کے لیے عشقِ رسول | ۲۰۶ |
| ۲۳۱ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۲۰۷ |
| ۲۳۲ | حضرت علیؓ کا اخلاص للہ | ۲۰۷ |
| ۲۳۳ | حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ کا حُب للہ | ۲۰۸ |
| ۲۳۴ | ہمارے اکابر کا تقویٰ اور احتیاط | ۲۱۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۵ | وہ کیا گردوں تھا توجس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا | ۲۱۰ |
| ۲۳۶ | یہ دشمنی اپنی ذات کے لیے نہیں تھی | ۲۱۰ |
| جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں (۱) | | |
| ۲۳۷ | راوی حضرت ابوسعید خدریؓ کا مختصر تعارف | ۲۱۵ |
| ۲۳۸ | حضرت ابوسعید خدریؓ کا علمی ولولہ | ۲۱۶ |
| ۲۳۹ | حضرت ابوسعید خدریؓ اکابرِ صحابہ کے زمانے میں صغار میں شمار ہوتے تھے | ۲۱۷ |
| ۲۴۰ | تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپسی کا شرعی حکم | ۲۱۷ |
| ۲۴۱ | استیذان کا حکمِ شرعی موافقِ طبع ہے | ۲۱۸ |
| ۲۴۲ | ایک صحابی کا زبانِ رسالت سے دعا حاصل کرنے کا جذبۂ صادق | ۲۱۸ |
| ۲۴۳ | نقلِ حدیث کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی احتیاط | ۲۱۹ |
| ۲۴۴ | ہر ایک کو تمام باتیں معلوم ہونا ضروری نہیں ہے | ۲۲۰ |
| ۲۴۵ | حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے غضب کی زد میں | ۲۲۰ |
| ۲۴۶ | حضرت ابی بن کعبؓ کی رفعتِ شان | ۲۲۱ |
| ۲۴۷ | ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہو | ۲۲۱ |
| ۲۴۸ | حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مشکل کا حل | ۲۲۲ |
| ۲۴۹ | دخولِ جنت کا مختصر نسخہ | ۲۲۳ |
| ۲۵۰ | ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی | ۲۲۳ |
| ۲۵۱ | اے طائرِ لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی | ۲۲۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۲ | حرام مال سے کیا ہوا صدقہ عند اللہ مقبول نہیں | ۲۲۴ |
| ۲۵۳ | رزقِ حلال کے لیے جستجو اور تگ و دو جہاد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے | ۲۲۵ |
| ۲۵۴ | حرام مال سے صدقے کے بارے میں حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ | ۲۲۵ |
| ۲۵۵ | ہمارا ایک فاسد نظریہ اور سوچ | ۲۲۶ |
| ۲۵۶ | کسی کا ایک درہم اس کو لوٹانا لاکھوں دراہم کے صدقے سے بہتر ہے | ۲۲۶ |
| ۲۵۷ | قلم واپس لوٹانے کے لیے مرو سے حجاز تک کا طویل سفر | ۲۲۷ |
| ۲۵۸ | حرام مال سے صدقے کی عدمِ قبولیت کا کفارِ مکہ کو بھی یقین تھا | ۲۲۷ |
| ۲۵۹ | حرام مال اور آج کا مسلمان | ۲۲۸ |
| ۲۶۰ | ہماری دیدہ دلیری | ۲۲۸ |
| ۲۶۱ | حرام مال کی آمیزش حلال مال والوں کو بھی گھاٹے میں ڈالنے والی ہے | ۲۲۹ |
| ۲۶۲ | ایمان والوں کو وہی حکم دیا گیا ہے جو رسولوں کو دیا گیا تھا | ۲۲۹ |
| ۲۶۳ | حلال و حرام غذا کا قدرتی اثر | ۲۳۰ |
| ۲۶۴ | حلال و حرام غذا کے سلسلے میں سہل بن عبد اللہ تستریؒ کا مقولہ | ۲۳۰ |
| ۲۶۵ | حلال غذا کی برکت | ۲۳۱ |
| ۲۶۶ | حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا مثالی تقویٰ | ۲۳۲ |
| ۲۶۷ | حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا دورانِ تعلیم صرف روٹی پر اکتفا کرنا | ۲۳۲ |
| ۲۶۸ | حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ کا تقویٰ | ۲۳۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۶۹ | حقوق العباد میں مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی احتیاط کی انتہا | ۲۳۳ |
| ۲۷۰ | حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی ذات میں دعوت وتبلیغ کا رنگ انہی بزرگ کی طرف سے ورثہ میں آیا تھا | ۲۳۴ |
| ۲۷۱ | حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی دعوت کا حکیمانہ انداز | ۲۳۵ |
| ۲۷۲ | گاڑھے پسینے کی کمائی کا نور | ۲۳۶ |
| ۲۷۳ | حرام غذا کا تباہ کُن اثر | ۲۳۸ |
| ۲۷۴ | اکابرِ دیوبند کو شاہ جی عبداللہؒ کی دعوت کا انتظار | ۲۳۹ |
| ۲۷۵ | ان شیر دلوں کی اولادیں، ہیں عاشقِ حسنِ دام ودرم | ۲۳۹ |
| ۲۷۶ | کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے | ۲۴۰ |
| ۲۷۷ | سب سے بڑی حماقت | ۲۴۱ |
| ۲۷۸ | حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا | ۲۴۱ |
| ۲۷۹ | اپنی کمائی میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول | ۲۴۲ |
| ۲۸۰ | یہ حلال غذا کی خاصیت تھی | ۲۴۲ |
| ۲۸۱ | مَنْ عَادَی لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ | ۲۴۳ |
| ۲۸۲ | جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی | ۲۴۳ |
| ۲۸۳ | اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے! | ۲۴۴ |
| ۲۸۴ | حجاج بن یوسف اور مستجاب الدعا اولیاء | ۲۴۵ |
| ۲۸۵ | اولادِ صالحہ کے حصول کا نسخۂ کیمیا | ۲۴۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۸۶ | دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے | ۲۴۶ |
| ۲۸۷ | ان کا دامن تھام لے، جن کا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نام ہے | ۲۴۶ |
| ۲۸۸ | جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شادرہ | ۲۴۷ |
| ۲۸۹ | کی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں | ۲۴۸ |
| ۲۹۰ | یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح وقلم تیرے ہیں | ۲۴۸ |
| ۲۹۱ | اسی پہ رکھا اپنی نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو | ۲۴۹ |
| ۲۹۲ | اللہ والوں کی مقبولیت کا راز | ۲۴۹ |
| ۲۹۳ | عشق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام | ۲۵۰ |
| ۲۹۴ | ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا | ۲۵۱ |
| ۲۹۵ | جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں | ۲۵۱ |
| ۲۹۶ | حضرت حذیفہؓ اور اتباعِ سنت کا بے مثال جذبہ | ۲۵۲ |
| ۲۹۷ | کتابِ کفر در بغل، خدا کا نام بسر زباں | ۲۵۳ |
| ۲۹۸ | بھلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا، مٹا ہی دیتا ہو جس کو گردوں | ۲۵۴ |
| ۲۹۹ | حضرت معاویہؓ کو حضرت عائشہؓ کی نصیحت | ۲۵۴ |
| ۳۰۰ | اتباعِ سنت پر اللہ تعالیٰ کے چار وعدے | ۲۵۵ |
| ۳۰۱ | حضرت گنگوہیؒ کی ہیبت ورعب | ۲۵۶ |
| ۳۰۲ | محبت جس نے کی تم سے خدا کو پالیا اس نے | ۲۵۷ |
| ۳۰۳ | حضرت گنگوہیؒ کا عمل سنت کا عملی نمونہ ہوتا تھا | ۲۵۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰۴ | حضرت گنگوہیؒ کی کمالِ اتباعِ سنت کی طرف اشارہ | ۲۵۸ |
| ۳۰۵ | اتباعِ سنت کے معاملے میں حضرت گنگوہیؒ کا امتحان | ۲۵۸ |
| ۳۰۶ | وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا | ۲۵۹ |
| ۳۰۷ | الاستقامۃ خیر من الف کرامۃ | ۲۶۰ |
| ۳۰۸ | اتباعِ سنت اصل کمال کی چیز ہے | ۲۶۰ |
| ۳۰۹ | آج ۲۳ رسال کے بعد تکبیرِ اولی فوت ہوئی | ۲۶۱ |
| ۳۱۰ | حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور اتباعِ سنت کا اہتمام | ۲۶۲ |
| ۳۱۱ | حضرت مجدّدِ الفِ ثانیؒ اور اتباعِ سنت کا اہتمام | ۲۶۲ |
| ۳۱۲ | بیماری اور کمزوری میں بھی اتباعِ سنت کا بے مثال جذبہ | ۲۶۳ |
| ۳۱۳ | بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ اور ہماری غفلت | ۲۶۴ |
| ۳۱۴ | سنتوں کی طرف سے ہماری غفلت | ۲۶۴ |
| ۳۱۵ | مسجد میں جانے کا سنت طریقہ اور اس کی طرف سے ہماری غفلت | ۲۶۵ |
| ۳۱۶ | عمل بالسنہ کے استحضار کی برکات کے بارے میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ کا مقولہ | ۲۶۶ |
| ۳۱۷ | اخلاصِ نیت کے ساتھ احتساب بھی ضروری ہے | ۲۶۷ |
| ۳۱۸ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے کا اکسیر نسخہ | ۲۶۸ |
| ۳۱۹ | حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ | ۲۶۹ |
| ۳۲۰ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام | ۲۷۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲۱ | سنت پر عمل کے وقت اس کا استحضار حب رسول پیدا ہونے کا ذریعہ ہے | ۲۷۱ |
| ۳۲۲ | عمل بالسنہ میں کوئی دشواری نہیں ہے | ۲۷۱ |
| ۳۲۳ | یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں | ۲۷۲ |
| ۳۲۴ | وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر | ۲۷۲ |
| ۳۲۵ | اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر | ۲۷۳ |
| ۳۲۶ | حاضرین سے ایک عہد | ۲۷۳ |
| ۳۲۷ | کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا | ۲۷۴ |
| **جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں (۲)** | | |
| ۳۲۸ | حضرت ابو سعید خدریؓ کا مختصر تعارف | ۲۷۹ |
| ۳۲۹ | حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول | ۲۸۰ |
| ۳۳۰ | غزوۂ احد میں شرکت کے لیے نوعمر صحابہؓ کی بے تابیاں | ۲۸۰ |
| ۳۳۱ | محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے | ۲۸۱ |
| ۳۳۲ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابو سعید خدریؓ کو پُرسہ | ۲۸۲ |
| ۳۳۳ | غزوۂ احد میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچنے والے زخم | ۲۸۳ |
| ۳۳۴ | تمہارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں | ۲۸۳ |
| ۳۳۵ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کا وبال نسلوں کو بھی بھگتنا پڑا | ۲۸۴ |
| ۳۳۶ | حضرت فاطمہؓ کا اپنے ابا جان کے زخموں کی مرہم پٹی کرنا | ۲۸۴ |
| ۳۳۷ | حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مکثرین میں سے ہیں | ۲۸۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳۸ | جنت میں داخل ہونے کا انتہائی سہل اور آسان نسخہ | ۲۸۵ |
| ۳۳۹ | معاشرے کی صلاح وفساد کا مدار رزقِ حلال پر ہے | ۲۸۶ |
| ۳۴۰ | بغیر اجازت کے ذبح کی ہوئی بکری کا گوشت حلق کے نیچے نہیں اترا | ۲۸۷ |
| ۳۴۱ | ایک مشتبہ دانۂ خرما کی وجہ سے نیند غائب | ۲۸۷ |
| ۳۴۲ | نعمت کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے | ۲۸۸ |
| ۳۴۳ | نعمت کی قدر دانی ان سے سیکھئے: ایک سبق آموز واقعہ | ۲۸۸ |
| ۳۴۴ | گِرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھانا سنت ہے | ۲۸۹ |
| ۳۴۵ | کیا ہم آقا کے غلام کہلانے کے حق دار ہیں؟ | ۲۸۹ |
| ۳۴۶ | خراج کا مفہوم | ۲۹۰ |
| ۳۴۷ | سینگی کا مفہوم اور خراج سے متعلق ایک واقعہ | ۲۹۰ |
| ۳۴۸ | حضرت صدیقِ اکبرؓ کا حرام غذا سے بچنے کا بے مثال اہتمام | ۲۹۱ |
| ۳۴۹ | کہانت کا مفہوم | ۲۹۱ |
| ۳۵۰ | اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی | ۲۹۲ |
| ۳۵۱ | غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے | ۲۹۳ |
| ۳۵۲ | حضرت عمرؓ اور حرام غذا سے بچنے کا اہتمام | ۲۹۳ |
| ۳۵۳ | ہمارا معدہ مشتبہ کو تو قبول نہیں کرتا، خالص حرام کو قبول کر لیتا ہے | ۲۹۴ |
| ۳۵۴ | تو اپنا تھوکا ہوا واپس چاٹنے کے لیے بھی تیار ہوں | ۲۹۴ |
| ۳۵۵ | کپڑے کے ایک تھان میں عیب کی وجہ سے پوری آمدنی صدقہ کر دی | ۲۹۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵۶ | چھ سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا | ۲۹۵ |
| ۳۵۷ | ہمارے اور اسلاف کے درمیان فرق | ۲۹۶ |
| ۳۵۸ | آج پرانے وقت کی ساری قدریں درہم برہم ہیں | ۲۹۷ |
| ۳۵۹ | ایک مزدور کی امانت داری | ۲۹۷ |
| ۳۶۰ | بڑھتی ہی چلی جاتی ہے دنیا کی خرابی | ۲۹۸ |
| ۳۶۱ | اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک اور مال ہی کو قبول کرتے ہیں | ۲۹۹ |
| ۳۶۲ | حرام غذا کے چار نقصانات | ۲۹۹ |
| ۳۶۳ | دوسرا فرمانِ رسول | ۳۰۰ |
| ۳۶۴ | دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے | ۳۰۰ |
| ۳۶۵ | حُبِّ رسول کا خالی خولی دعوی کافی نہیں | ۳۰۱ |
| ۳۶۶ | حضرت حکیم الامتؒ کی اہلیہ کا جذبۂ اتباعِ سنت | ۳۰۱ |
| ۳۶۷ | بچپن سے یاد کرائی جانے والی سنتوں کی طرف سے ہماری غفلت | ۳۰۲ |
| ۳۶۸ | سنت کے مطابق عمل کرتے وقت عمل بالسنہ کا استحضار بھی ہو | ۳۰۳ |
| ۳۶۹ | عمل بالسنہ کے استحضار کی برکات | ۳۰۳ |
| ۳۷۰ | مسلمانوں کی ایذا رسانی سے خود کو بچائیں! | ۳۰۴ |


## اسلامی معاشرت: حقوق اور آداب


| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۱ | گذشتہ سے پیوستہ | ۳۰۸ |
| ۳۷۲ | آیت و حدیث کا خلاصہ | ۳۰۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۳ | دین کے پانچ شعبے، پہلا شعبہ: عقائد | ۳۰۹ |
| ۳۷۴ | دوسرا شعبہ: عبادات | ۳۰۹ |
| ۳۷۵ | تیسرا شعبہ: اخلاق | ۳۱۰ |
| ۳۷۶ | ریا اور سمعہ: موجبِ عذاب اخلاق | ۳۱۰ |
| ۳۷۷ | زہد اور حبِّ دنیا | ۳۱۱ |
| ۳۷۸ | تواضع اور تکبّر | ۳۱۱ |
| ۳۷۹ | سجدہ ہو بے خلوص تو سجدہ بھی گناہ ہے | ۳۱۱ |
| ۳۸۰ | اخلاقی امراض کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت | ۳۱۲ |
| ۳۸۱ | چوتھا شعبہ: معاملات | ۳۱۲ |
| ۳۸۲ | پانچواں شعبہ: معاشرت | ۳۱۳ |
| ۳۸۳ | معاشرت کا شرعی مفہوم | ۳۱۴ |
| ۳۸۴ | معاشرت کی اہمیت شریعت کی نظر میں | ۳۱۴ |
| ۳۸۵ | معاشرت کا ایک شعبہ: استیذان اور اس کی اہمیت | ۳۱۵ |
| ۳۸۶ | قرآن میں زوجین کے باہمی حقوق کا بیان نماز سے زیادہ مفصل ہے | ۳۱۵ |
| ۳۸۷ | قلیل العبادت، پڑوسیوں کو راحت پہنچانے والی عورت پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے والی عبادت گزار عورت سے بہتر ہے۔ | ۳۱۶ |
| ۳۸۸ | معاشرت کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ کا مثالی مزاج | ۳۱۷ |
| ۳۸۹ | انسانیت بھی شرط ہے انسان کے لیے | ۳۱۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۹۰ | جانوروں کی تین قسمیں | ۳۱۸ |
| ۳۹۱ | اپنے منصب سے انسان تو گر گیا | ۳۱۸ |
| ۳۹۲ | وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے....... | ۳۱۹ |
| ۳۹۳ | زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے | ۳۱۹ |
| ۳۹۴ | ہماری ہر بات اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ رہتی ہے | ۳۲۰ |
| ۳۹۵ | جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو........ | ۳۲۱ |
| ۳۹۶ | زبان کی حفاظت نجات کا ذریعہ ہے | ۳۲۱ |
| ۳۹۷ | زبان کے سلسلے میں حضرت صدیقِ اکبرؓ کی احتیاط | ۳۲۲ |
| ۳۹۸ | زبان ایک درندہ ہے | ۳۲۲ |
| ۳۹۹ | حضرت ربیع بن خثیمؒ اور لایعنی کلام | ۳۲۳ |
| ۴۰۰ | روزی کھا رہے ہیں اور اپنی موت انتظار کر رہے ہیں | ۳۲۳ |
| ۴۰۱ | حضرت حسّان بن ابی سنانؒ اور لایعنی کلام | ۳۲۴ |
| ۴۰۲ | اتنے سال سال ہو گئے، میں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا نہیں | ۳۲۴ |
| ۴۰۳ | اس میں میں ۷۰ رمرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں | ۳۲۵ |
| ۴۰۴ | لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا | ۳۲۵ |
| ۴۰۵ | جو اپنے لیے پسند کرو، وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو! | ۳۲۶ |
| ۴۰۶ | اپنی غیبت پسند نہیں تو اپنے بھائی کی غیبت بھی مت کرو | ۳۲۷ |
| ۴۰۷ | ذخیرۂ احادیث کا خلاصہ چار حدیثوں میں ہے | ۳۲۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۰۸ | معاشرت کی درستگی کے لیے ایک رہنما اصول | ۳۲۸ |
| ۴۰۹ | عبادات کی ادائگی میں بھی دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں | ۳۲۹ |
| ۴۱۰ | باجماعت نماز کی سخت تاکید | ۳۲۹ |
| ۴۱۱ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے باجماعت نماز کا اہتمام | ۳۳۰ |
| ۴۱۲ | وہ عبادت کیا کہ جس سے ہو تکلیف اور کو | ۳۳۰ |
| ۴۱۳ | ایذا رسانی کی صورت میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی ممانعت | ۳۳۱ |
| ۴۱۴ | ایذا رسانی کی صورت میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی ممانعت | ۳۳۱ |
| ۴۱۵ | ایک واعظ کو زور سے تقریر کرنے پر حضرت عمرؓ کی تنبیہ | ۳۳۱ |
| ۴۱۶ | اپنا شوق پورا کرنے میں دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائیں! | ۳۳۲ |
| ۴۱۷ | گھر میں داخلے کے وقت سلام کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط | ۳۳۲ |
| ۴۱۸ | بیوی کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک | ۳۳۳ |
| ۴۱۹ | بہتری کا معیار اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے | ۳۳۳ |
| ۴۲۰ | گھر والے آپ کے حسنِ اخلاق کے زیادہ مستحق ہیں | ۳۳۴ |
| ۴۲۱ | نماز پڑھنے والے کے ساتھ کام ہو تو اس کے پاس بیٹھنے کا ادب | ۳۳۴ |
| ۴۲۲ | راستوں میں گاڑی چلاتے وقت ہم سے پہنچنے والی تکالیف | ۳۳۵ |
| ۴۲۳ | ہم اپنے سلوک سے اسلام کو بدنام نہ کریں! | ۳۳۵ |
| ۴۲۴ | جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ | ۳۳۶ |
| ۴۲۵ | ترا کے میسر شود ایں مقام...... | ۳۳۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲۶ | وعدہ کروتو پورا کرو | ۳۳۷ |
| ۴۲۷ | مقروض کے حج وعمرہ اور صدقات مقبول نہیں | ۳۳۷ |
| ۴۲۸ | حقیقی مفلس | ۳۳۸ |
| ۴۲۹ | درد دِل کے واسطے پیدا کیا انسان کو | ۳۳۹ |
| ۴۳۰ | خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر | ۳۳۹ |
| ۴۳۱ | کہ بادوستانت خلاف ست وجنگ | ۳۴۰ |
| | **تقویٰ کیا ہے؟** | |
| ۴۳۲ | تقریر کا پس منظر | ۳۴۴ |
| ۴۳۳ | مجمع سے پرسکون رہنے کی درخواست | ۳۴۵ |
| ۴۳۴ | تقویٰ کا شرعی مفہوم | ۳۴۶ |
| ۴۳۵ | تقویٰ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استفسار | ۳۴۶ |
| ۴۳۶ | حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مقام | ۳۴۷ |
| ۴۳۷ | حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیوں کیا؟ | ۳۴۷ |
| ۴۳۸ | تقویٰ کا مفہوم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی زبانی | ۳۴۸ |
| ۴۳۹ | تقویٰ کے بارے میں ایک عام غلط فہمی | ۳۴۹ |
| ۴۴۰ | تقویٰ فرض ہے | ۳۵۰ |

# (۱)مدنی زندگی کی ابتدا میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام

# (۲)حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں


| | | |
|---|---|---|
| ۴۴۱ | مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری | ۳۵۵ |
| ۴۴۲ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انصارِ مدینہ کی والہانہ محبت کا دل فریب منظر | ۳۵۶ |
| ۴۴۳ | خدا بندے سے یہ پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے | ۳۵۷ |
| ۴۴۴ | کائناتِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی...... | ۳۵۷ |
| ۴۴۵ | حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تُبَّع کی غائبانہ عقیدت | ۳۵۸ |
| ۴۴۶ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد اپنے ہی مکان میں ٹھہرے تھے | ۳۵۹ |
| ۴۴۷ | حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہا تعظیم کا ایک منظر | ۳۵۹ |
| ۴۴۸ | تمھارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں | ۳۶۰ |
| ۴۴۹ | آبلوں کا شکوہ کیا، ٹھوکروں کا غم کیسا | ۳۶۱ |
| ۴۵۰ | مسجدِ نبوی اور امہات المؤمنینؓ کے حجرات کی تعمیر | ۳۶۱ |
| ۴۵۱ | سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی | ۳۶۲ |
| ۴۵۲ | حضرت ابوایوب انصاریؓ کے بھاگ کھل گئے | ۳۶۳ |
| ۴۵۳ | فاطمہؓ نے کئی روز سے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے | ۳۶۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۴ | جبین زندگی کے ساتھ دل بھی تو جھکے زاہد | ۳۶۴ |
| ۴۵۵ | فلاح کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے اردو زبان قاصر ہے | ۳۶۵ |
| ۴۵۶ | خضوع کا مفہوم | ۳۶۵ |
| ۴۵۷ | نماز میں نگاہیں رکھنے کی جگہ تک بھی بتادی گئی ہے | ۳۶۶ |
| ۴۵۸ | بدنگاہی کے وبال سے بچنے کا نسخہ | ۳۶۶ |
| ۴۵۹ | خشوع کا مفہوم | ۳۶۶ |
| ۴۶۰ | جبینِ بندگی کے ساتھ دِل بھی تو جھکے زاہد | ۳۶۷ |
| ۴۶۱ | نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ | ۳۶۷ |
| ۴۶۲ | نماز میں خشوع پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ | ۳۶۷ |
| ۴۶۳ | نماز کو مکمل سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کی عادت بنائیے | ۳۶۸ |
| ۴۶۴ | تم نے نماز نہیں پڑھی | ۳۶۸ |
| ۴۶۵ | پہلے تولو پھر بولو! | ۳۶۹ |
| ۴۶۶ | ہمیں حکومت کا ڈر ہے، علیم وخبیر کا نہیں | ۳۶۹ |
| ۴۶۷ | قرآن میں زبان کے نعمت ہونے کا بیان | ۳۷۰ |
| ۴۶۸ | نجاتِ ابدی کا سامانِ مختصر | ۳۷۰ |
| ۴۶۹ | یہ زبان کا کمال ہے | ۳۷۱ |
| ۴۷۰ | زبان: جنت یا جہنم میں لے جانے والا ایک عضو | ۳۷۱ |
| ۴۷۱ | صبح کے وقت دیگر اعضاءِ جسم کی زبان کے سامنے التجا | ۳۷۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۷۲ | حضراتِ اکابر کے یہاں لغویات سے بچنے کا اہتمام | ۳۷۲ |
| ۴۷۳ | اسلام کا حسن اور خوبی | ۳۷۲ |
| ۴۷۴ | زبان سے کے گناہوں کی تعداد دوسرے اعضاء کے گناہوں سے بہت زیادہ ہے | ۳۷۳ |
| ۴۷۵ | چھوٹی سی زبان کی بڑی بڑی کارستانیاں | ۳۷۳ |
| ۴۷۶ | بڑے موذی کو مارا، نفسِ امّارہ کو گر مارا | ۳۷۳ |
| ۴۷۷ | اس مارِ آستیں کا نہ کچلا جو سر تو پھر | ۳۷۴ |
| ۴۷۸ | ہماری ہر بات لکھی جاتی ہے | ۳۷۴ |
| ۴۷۹ | بھلی بات کہو یا خاموش رہو | ۳۷۵ |
| ۴۸۰ | ہمیں بھی اپنی زبان کو لوک (lock) لگانے کی ضرورت ہے | ۳۷۵ |
| ۴۸۱ | پہلے سوچو پھر بولو | ۳۷۶ |
| ۴۸۲ | سوچ کر بولنے کی عادت ایک دم نہیں آتی | ۳۷۶ |
| ۴۸۳ | اسی پہ رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو | ۳۷۷ |
| ۴۸۴ | لوگوں سے ہمیں تکلیف پہنچنے کی بنیادی وجہ | ۳۷۷ |
| ۴۸۵ | اشراف کی حقیقت | ۳۷۸ |
| ۴۸۶ | آدمی کو ربِّ اعلیٰ پر توکل چاہیے | ۳۷۸ |
| ۴۸۷ | حقیقی مال داری | ۳۷۸ |
| ۴۸۸ | حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ کی شخصیت | ۳۷۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸۹ | حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ کے عظیم خلفاء | ۳۷۹ |
| ۴۹۰ | ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم | ۳۸۰ |
| ۴۹۱ | خلاصۂ حدیث | ۳۸۱ |
| | **(۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں (۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ کے احوال** | |
| ۴۹۲ | ’’قبا‘‘ ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا جائے قیام | ۳۸۵ |
| ۴۹۳ | قبا میں پہلی مسجد کی بِنا | ۳۸۶ |
| ۴۹۴ | مسجدِ قبا کا تذکرہ قرآن میں | ۳۸۶ |
| ۴۹۵ | اہلِ قبا کی مدح قرآن میں | ۳۸۷ |
| ۴۹۶ | قبا سے مدینہ کی طرف روانگی اور انصارِ مدینہ کے عشقِ رسول کا عجیب نظارہ | ۳۸۷ |
| ۴۹۷ | خاک وباد وآب وآتش بندہ اند | ۳۸۸ |
| ۴۹۸ | بنوعمرو بن عوف میں قیام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق تھا | ۳۸۹ |
| ۴۹۹ | خاندانِ بنوعمرو بن عوف میں ہاشم کا نکاح اور اس کا پس منظر | ۳۸۹ |
| ۵۰۰ | خواجہ عبدالمطلب کی مدینہ میں پیدائش اور پھر مکہ میں آمد | ۳۹۰ |
| ۵۰۱ | عبدالمطلب کی وجہِ تسمیہ | ۳۹۱ |
| ۵۰۲ | ہجرت سے سالہا سال پہلے تُبّع بادشاہ کا سفرِ مدینہ | ۳۹۱ |
| ۵۰۳ | سابقہ کتبِ سماویہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں کا تذکرہ | ۳۹۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۰۴ | یہودی علماء کی مدینہ میں آباد ہوجانے کی درخواست | ۳۹۲ |
| ۵۰۵ | نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شاہ تبع کی عقیدت ومحبت | ۳۹۳ |
| ۵۰۶ | ہجرت کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اپنے ہی گھر میں ہوا | ۳۹۳ |
| ۵۰۷ | نگاہِ عشق ومستی میں وہی اول، وہی آخر | ۳۹۴ |
| ۵۰۸ | شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ | ۳۹۵ |
| ۵۰۹ | ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں | ۳۹۶ |
| ۵۱۰ | مسجدِ نبوی اور امہات المؤمنین کے حجروں کی تعمیر | ۳۹۶ |
| ۵۱۱ | اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر بنانے کا فکر کرنا چاہیے! | ۳۹۷ |
| ۵۱۲ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین بھوک سے بے چین | ۳۹۸ |
| ۵۱۳ | حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی خوش بختی | ۳۹۸ |
| ۵۱۴ | تمھارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں | ۳۹۹ |
| ۵۱۵ | جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فقر وفاقہ | ۴۰۰ |
| ۵۱۶ | قسطنطنیہ کی فتح میں شرکت کرنے والوں کے لیے نبوی بشارت | ۴۰۰ |
| ۵۱۷ | حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جذبۂ سرفروشی | ۴۰۱ |
| ۵۱۸ | حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی قبر قسطنطنیہ میں | ۴۰۲ |
| ۵۱۹ | قسطنطنیہ کے حقیقی فاتح | ۴۰۲ |
| ۵۲۰ | آپ مجھے مختصر نصیحت کیجیے! | ۴۰۲ |
| ۵۲۱ | جو مال ومتاعِ دنیا کو تحقیر سے دیکھا کرتے تھے | ۴۰۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۲ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۴۰۳ |
| ۵۲۳ | رہ گذر دنیا ہے، یہ بستی نہیں | ۴۰۴ |
| ۵۲۴ | جائے عیش وعشرت ومستی نہیں | ۴۰۴ |
| ۵۲۵ | نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ | ۴۰۵ |
| ۵۲۶ | دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں | ۴۰۶ |
| ۵۲۷ | نصیحت مختصر اور جامع ہو | ۴۰۶ |
| ۵۲۸ | لوگوں کو راضی کرنے کے لیے رب کو ناراض نہ کر | ۴۰۶ |
| ۵۲۹ | یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے | ۴۰۷ |
| ۵۳۰ | شادی میں اللہ کے سوا سب کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے | ۴۰۸ |
| ۵۳۱ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ ناراضگی بھی صحابۂ کرام کو گوارا نہیں تھی | ۴۰۸ |
| ۵۳۲ | پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم | ۴۰۹ |
| ۵۳۳ | دین میں نماز کی اہمیت | ۴۰۹ |
| ۵۳۴ | نماز کے معاملے میں ہمارا مزاج | ۴۱۰ |
| ۵۳۵ | نماز کی حفاظت اپنے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے | ۴۱۱ |
| ۵۳۶ | نماز کے معاملے میں بڑھتی ہوئی ہماری کوتاہی | ۴۱۱ |
| ۵۳۷ | حضراتِ اکابر کے یہاں نمازوں کا اہتمام | ۴۱۲ |
| ۵۳۸ | تارکِ صلوۃ سے دوسرے دینی امور کی حفاظت کی توقع نہیں کی جاسکتی | ۴۱۲ |
| ۵۳۹ | مسلمان قوم نصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟ | ۴۱۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۴۰ | نماز امتِ محمدیہ کے لیے تحفۂ خداوندی ہے | ۴۱۳ |
| ۵۴۱ | میری نماز کی طرح نماز پڑھو | ۴۱۳ |
| ۵۴۲ | نمازِ نبوی بکمالہا وتمامہا امت کے سامنے موجود ہے | ۴۱۳ |
| ۵۴۳ | وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام | ۴۱۴ |
| ۵۴۴ | صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق | ۴۱۴ |
| ۵۴۵ | نیت باندھے صف میں کھڑے ہیں سب اپنے اپنے خیال میں | ۴۱۵ |
| ۵۴۶ | پیش کر غافل عمل، گر کوئی دفتر میں ہے | ۴۱۵ |
| ۵۴۷ | جو مال ومتاعِ دنیا کو تحقیر سے دیکھا کرتے تھے | ۴۱۶ |
| ۵۴۸ | مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے | ۴۱۷ |
| ۵۴۹ | خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کا طریقہ | ۴۱۷ |
| ۵۵۰ | کام میں خوبی پیدا کرنے والی اصل چیز | ۴۱۸ |
| ۵۵۱ | ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھو | ۴۱۹ |
| ۵۵۲ | حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آخری خواہش | ۴۱۹ |
| ۵۵۳ | موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے | ۴۲۰ |
| ۵۵۴ | میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے | ۴۲۰ |
| ۵۵۵ | یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں | ۴۲۱ |
| ۵۵۶ | جانتے ہیں اہلِ دنیا جیسی پڑھتے ہیں نماز | ۴۲۱ |
| ۵۵۷ | زبان اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت | ۴۲۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۵۸ | زبان کا صحیح استعمال نجات کا ذریعہ ہے | ۴۲۲ |
| ۵۵۹ | زبان کی حفاظت اور ہمارے اسلاف | ۴۲۳ |
| ۵۶۰ | حضرت ابوبکرؓ اور زبان کی حفاظت | ۴۲۳ |
| ۵۶۱ | زبان کی حفاظت پر جنت کی ضمانت | ۴۲۴ |
| ۵۶۲ | غیبت اور اس کی قباحت | ۴۲۴ |
| ۵۶۳ | ہمارے اسلاف کے یہاں وقت کی قدر و منزلت | ۴۲۵ |
| ۵۶۴ | ہماری ساری قربانیاں دنیا کے لیے ہیں | ۴۲۶ |
| ۵۶۵ | وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا | ۴۲۷ |
| ۵۶۶ | پہلے تولو پھر بولو! | ۴۲۸ |
| ۵۶۷ | خدا سے مانگ، جو کچھ مانگنا ہے اکبر | ۴۲۸ |
| ۵۶۸ | سمجھتا ہے خدا کو صرف جو حاجت روا اپنا | ۴۲۹ |
| ۵۶۹ | کسی کے در پہ جا کر وہ کبھی سائل نہیں ہوتا | ۴۳۰ |
| ۵۷۰ | حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ کے استغناء کا ایک واقعہ | ۴۳۰ |
| ۵۷۱ | زانگاہ کہ یافتم خبر ایں ملکِ نیم شب | ۴۳۱ |

# تفصیلی فہرست مضامین...... جلد سوم


| نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| | لجنۃ القرّاء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر طلبہ سے اہم خطاب | |
| ۱ | ابتدائی کلام | ۳۹ |
| ۲ | قرآنِ پاک کے سب سے پہلے کامیاب ترین مُعلّم | ۴۰ |
| ۳ | خدمتِ قرآن کی تاریخ ''اسلامی تاریخ'' جتنی ہی پرانی ہے | ۴۰ |
| ۴ | کوفہ میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی بے مثال خدمتِ قرآن | ۴۱ |
| ۵ | اہلِ دمشق کے مُعلّمِ قرآن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اوران کا طریقۂ تعلیم | ۴۱ |
| ۶ | حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بھی عظیم قُرّاء میں سے ہیں | ۴۲ |
| ۷ | حفاظتِ قرآن کا تکوینی نظام ہر جگہ برابر جاری وساری ہے | ۴۲ |
| ۸ | خدمتِ قرآن کے لیے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی علیہ الرحمۃ کی بے مثال قربانی | ۴۳ |
| ۹ | قرآنی خدمات کے سلسلے میں پانی پت کی سنہری تاریخ | ۴۳ |
| ۱۰ | میرے قرآں کو سینے سے لگایا کس نے؟ | ۴۴ |
| ۱۱ | تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو؟ | ۴۴ |
| ۱۲ | توفیق کیا ہے؟ | ۴۵ |
| ۱۳ | ہمارے اسلاف دیگر علوم کے ساتھ علمِ تجوید کے بھی ماہر ہوتے تھے | ۴۵ |

## (۱)حجیتِ حدیث (۲) درسِ حدیث (۳) درسِ مسلسلات



| | | |
|---|---|---|
| ۱۴ | علمِ دین کا حصول کیوں ضروری ہے؟ | ۴۹ |
| ۱۵ | اسبابِ علم | ۵۰ |
| ۱۶ | نزولِ وحی کی ضرورت | ۵۰ |
| ۱۷ | کسی بھی چیز کا علم اس کے ساتھ متعلق حاسّے ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے | ۵۱ |
| ۱۸ | عقل کا دائرۂ کار | ۵۲ |
| ۱۹ | ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں | ۵۲ |
| ۲۰ | وحی اور صاحبِ وحی کی حقیقت | ۵۳ |
| ۲۱ | سلسلۂ نبوت ورسالت کی آخری کڑی | ۵۳ |
| ۲۲ | انسانی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ دو سلسلے | ۵۳ |
| ۲۳ | کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ کو مبعوث کرنے کی حکمت | ۵۴ |
| ۲۴ | دین اور علومِ دین سیکھنے کا صحیح راستہ | ۵۴ |
| ۲۵ | خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر | ۵۵ |
| ۲۶ | خالی علم مفید نہیں ہے | ۵۷ |
| ۲۷ | وحی: اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے | ۵۷ |
| ۲۸ | قرآنِ پاک کی تفسیر وتوضیح بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریوں میں سے ہے | ۵۸ |
| ۲۹ | احادیثِ رسول کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے | ۵۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰ | قرآنِ کریم سے حجیتِ حدیث کا ثبوت | ۵۹ |
| ۳۱ | آیتِ بالا سے حجیتِ حدیث پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا استدلال | ۶۰ |
| ۳۲ | محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے | ۶۰ |
| ۳۳ | کتابتِ حدیث پر ایک صحابی کا اشکال | ۶۱ |
| ۳۴ | گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | ۶۲ |
| ۳۵ | ایک صحابی کی کیفیتِ وحی دیکھنے کی خواہش | ۶۲ |
| ۳۶ | تکبر کا سرنیچا | ۶۳ |
| ۳۷ | ایک آیتِ کریمہ کے نزول اور اس کی کتابت کا واقعہ | ۶۳ |
| ۳۸ | عنداللہ حضراتِ صحابہؓ کا مقام ومرتبہ | ۶۴ |
| ۳۹ | وحی کے شدید بوجھ کا ایک نمونہ | ۶۵ |
| ۴۰ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اعرابی کا ایک سوال | ۶۵ |
| ۴۱ | نزولِ وحی کے وقت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کا بیان | ۶۶ |
| ۴۲ | وحی کی دو قسمیں | ۶۶ |
| ۴۳ | مسلمانوں میں نام نہاد متجددین کے طبقے کی بنیاد | ۶۷ |
| ۴۴ | فتنۂ انکارِ حدیث کا پس منظر اور اس کے بانیان | ۶۷ |
| ۴۵ | فرقۂ اہلِ قرآن کی بنا اور اس کا پس منظر | ۶۸ |
| ۴۶ | اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کے ساتھ حفاظتِ حدیث کا وعدہ بھی فرمایا ہے | ۶۸ |
| ۴۷ | ایک واقعہ | ۶۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ | حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا بے مثال حافظہ | ۶۹ |
| ۴۹ | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کا امتحان | ۷۱ |
| ۵۰ | حفاظتِ حدیث کے تکوینی نظام کا ایک نمونہ: کتابتِ حدیث | ۷۲ |
| ۵۱ | علامہ نووی علیہ الرحمۃ اور خدمتِ حدیث | ۷۲ |
| ۵۲ | جنتیوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال | ۷۴ |
| ۵۳ | جنتیوں کو ملنے والی سب سے بڑی نعمت | ۷۴ |
| ۵۴ | راوی: حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ | ۷۵ |
| ۵۵ | صحابہؓ اور بیعتِ اسلام کے پاس ولحاظ کا جذبۂ بے مثال | ۷۶ |
| ۵۶ | مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظّارہ | ۷۷ |
| ۵۷ | اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کے وقت لوگوں کی کیفیت | ۷۷ |
| ۵۸ | باری تعالیٰ کے دیدار کے وقت دھکّم پیل نہیں ہوگی | ۷۷ |
| ۵۹ | باری تعالیٰ کا دیدار جنت کی سب سے بڑی نعمت | ۷۸ |
| ۶۰ | اختتامیہ کلام | ۷۹ |
| ۶۱ | نگاہِ عشق ومستی میں وہی اول، وہی آخر | ۷۹ |
| ۶۲ | حدیثِ مسلسل کی تعریف | ۸۰ |
| ۶۳ | حدیثِ مسلسل بالمحبة | ۸۱ |
| ۶۴ | حدیثِ مسلسل بالاولیت | ۸۱ |
| ۶۵ | دو اور مسلسل حدیثیں | ۸۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۶ | حدیث المسلسل بالضیافۃ علی الاسودین | ۸۲ |
| ۶۷ | حضرت دامت برکاتھم کے اس حدیث کے استاذ اور شیخ | ۸۳ |
| ۶۸ | حدیث المسلسل بإجابۃ الدعاعند الملتزم | ۸۳ |
| ۶۹ | حدیث المسلسل بالضیافۃ علی الاسودین کا متن | ۸۴ |
| ۷۰ | حدیث المسلسل بإجابۃ الدعاعند الملتزم کا متن | ۸۶ |
| ۷۱ | ملتزم کی وضاحت | ۸۶ |
| ۷۲ | باقی حدیث کا ترجمہ | ۸۶ |


## اختلافی مسائل میں اعتدال اور شرعی حدود کی رعایت کی ضرورت


| | | |
|---|---|---|
| ۷۳ | ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است | ۹۱ |
| ۷۴ | حضراتِ انبیاء اور حضراتِ صحابہ کے مزاج کے اختلاف کا ایک نمونہ | ۹۲ |
| ۷۵ | حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مزاجوں کا اختلاف | ۹۳ |
| ۷۶ | مزاج اور رائے کے اختلاف کے سلسلے میں شرعی ہدایات | ۹۳ |
| ۷۷ | اختلافِ رائے سے بزرگانِ دین کی شان میں تقصیر نہیں ہونی چاہیے | ۹۴ |
| ۷۸ | مختلف فیہ مسائل کو عوام کے درمیان موضوعِ بحث بنانے سے گریز کیجیے! | ۹۵ |
| ۷۹ | فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَانٍ | ۹۵ |
| ۸۰ | اوروں کی قابلِ قدر خدمات کو سراہنے میں بخل سے کام نہ لیں! | ۹۶ |
| ۸۱ | اختلاف میں اخلاص ہو تو وہ بھی باعثِ برکت ہوتا ہے | ۹۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۲ | دوسروں کو بے عزت کر کے ہم عزت حاصل نہیں کر سکتے | ۹۷ |
| ۸۳ | ایں خیال است ومحال است وجنوں | ۹۸ |
| علماءِ کرام اور مکاتب ومدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں (۱) | | |
| ۸۴ | وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا | ۱۰۱ |
| ۸۵ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احساسِ ذمہ داری | ۱۰۲ |
| ۸۶ | قریہ قریہ مکاتب کا جال پھیلانے میں حکمت | ۱۰۲ |
| ۸۷ | مدارس ومکاتب کے قیام کا پس منظر | ۱۰۳ |
| ۸۸ | مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد | ۱۰۴ |
| ۸۹ | اس علم کی تفصیل جس کا حصول فرضِ کفایہ ہے | ۱۰۴ |
| ۹۰ | مکاتبِ دینیہ کے قیام کا مقصد | ۱۰۵ |
| ۹۱ | حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ اور ان کی فکر | ۱۰۵ |
| ۹۲ | حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نظام الدین دہلی میں | ۱۰۶ |
| ۹۳ | تحریکِ دعوت وتبلیغ کا مقصدِ اصلی | ۱۰۷ |
| ۹۴ | مکاتبِ دینیہ کی اہمیت علامہ اقبال کی نظر میں | ۱۰۷ |
| ۹۵ | مکاتب ومدارس میں خدمت انجام دینے والوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا ضروری ہے | ۱۰۸ |
| ۹۶ | بحیثیت عالم کے ایک عالم کی ذمہ داریاں | ۱۰۹ |
| ۹۷ | مکاتب ومدارس میں خدمات انجام دینے والے علماء کی دوہری ذمہ داری | ۱۰۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۸ | مکاتب ومدارس میں ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ | ۱۱۰ |
| ۹۹ | بغیر معاوضے کے پڑھانے کی ایک خرابی | ۱۱۱ |
| ۱۰۰ | امانت ودیانت میں کوتاہی ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے | ۱۱۲ |
| ۱۰۱ | ایک چرواہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت | ۱۱۲ |
| ۱۰۲ | خدا ایسے احساس کا نام ہے، رہے سامنے اور دکھائی نہ دے | ۱۱۳ |
| ۱۰۳ | طلبہ کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے | ۱۱۴ |
| ۱۰۴ | مدرس بچوں کو طعن وتشنیع کرنے سے اجتناب کرے | ۱۱۵ |
| ۱۰۵ | حصولِ علم کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے | ۱۱۵ |
| ۱۰۶ | عبرت نشاں وچشم کشاں | ۱۱۶ |
| ۱۰۷ | شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے | ۱۱۶ |
| ۱۰۸ | استاذ کے دل میں طلبہ کا دردوغم ہونا چاہیے! | ۱۱۷ |
| ۱۰۹ | بحیثیت امام کے ایک عالم کی ذمہ داریاں | ۱۱۸ |
| ۱۱۰ | بار خاطر بار ہوتی ہے بے جا گفتگو | ۱۱۹ |
| ۱۱۱ | لوگوں کو نماز وغیرہ امورِ دین سکھانے کو معیوب نہ سمجھا جائے | ۱۱۹ |
| ۱۱۲ | ائمہ درسِ قرآن وحدیث قائم کرنے کا بھی اہتمام کریں | ۱۲۰ |
| ۱۱۳ | فرقِ باطلہ کی طرف لوگوں کے مائل ہونے کی ایک وجہ | ۱۲۰ |
| ۱۱۴ | ہم میدانِ عمل کو کبھی خالی نہ چھوڑیں! | ۱۲۱ |
| ۱۱۵ | عوام میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ائمہ اور علماء کی ذمہ داری ہے | ۱۲۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۶ | باطل پرستوں کی فعالیت اور ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ | ۱۲۲ |
| ۱۱۷ | ائمہ اور مکاتب کے خدّام تبلیغی کاموں میں بھی حصہ لیں! | ۱۲۳ |
| ۱۱۸ | ہم اپنی ذات کی بھی فکر کریں! | ۱۲۴ |
| ۱۱۹ | ہم تلاوتِ کلامِ پاک اور تسبیحات کا بھی ایک معمول بنائیں! | ۱۲۴ |
| ۱۲۰ | ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں | ۱۲۵ |
| ۱۲۱ | اپنے دینی کام میں تاثیر پیدا کرنے کا نسخہ | ۱۲۶ |
| | **علماءِ کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں (۲)** | |
| ۱۲۲ | مجلسِ ہٰذا کے انعقاد کا مقصد | ۱۲۹ |
| ۱۲۳ | دنیوی نعمتوں کی عطا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی بندش نہیں ہے | ۱۳۰ |
| ۱۲۴ | اللہ تعالیٰ اپنے باغی بندوں کو دنیوی نعمتوں سے زیادہ ہی نوازتے ہیں | ۱۳۰ |
| ۱۲۵ | دنیوی نعمتوں میں کافروں کی لوٹ پوٹ تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے | ۱۳۱ |
| ۱۲۶ | متاع کی تفہیم کے لیے ایک واقعہ | ۱۳۲ |
| ۱۲۷ | متاع کی حقیقت | ۱۳۲ |
| ۱۲۸ | نہیں جہاں جائے عشرت، سنبھل سنبھل ورنہ ہوگی حسرت | ۱۳۳ |
| ۱۲۹ | جاننا چاہے دنیا کی حقیقت تو سن! | ۱۳۳ |
| ۱۳۰ | رنگ رلیوں پے زمانے کی نہ جانا اے دل! | ۱۳۴ |
| ۱۳۱ | مختصر الفاظ میں اِک امتحاں ہے زندگی | ۱۳۴ |
| ۱۳۲ | مؤمن کے لیے جائے راحت صرف جنت ہے | ۱۳۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۳۳ | آخرت کی نعمتیں ساری دنیوی تکلیفوں کو بھلا دیں گی | ۱۳۵ |
| ۱۳۴ | دنیا کی مشقتیں عارضی ہیں | ۱۳۶ |
| ۱۳۵ | اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے برابر بھی نہیں ہے | ۱۳۷ |
| ۱۳۶ | دنیوی نعمتوں کو دولتِ قرآن سے بڑھ کر سمجھنے والا ناشکرا ہے | ۱۳۷ |
| ۱۳۷ | غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت کے خمس کی تقسیم اور حضراتِ انصار کی ناراضگی | ۱۳۸ |
| ۱۳۸ | مسلمانوں کی ابتدائی شکست | ۱۳۹ |
| ۱۳۹ | مسلمانوں کی جوابی کاروائی اور فتحِ مبین | ۱۳۹ |
| ۱۴۰ | مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصاری نوجوانوں کی ناراضگی | ۱۳۹ |
| ۱۴۱ | لغو میں مشغول لوگوں کا تو ایسا انہماک اور ہماری ایسی مجرمانہ غفلت! | ۱۴۰ |
| ۱۴۲ | حضراتِ انصار کے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والہانہ تقریر | ۱۴۱ |
| ۱۴۳ | عشق است و ہزار بدگمانی | ۱۴۱ |
| ۱۴۴ | عشقِ رسول کا دل فریب نظارہ | ۱۴۲ |
| ۱۴۵ | روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا علماء سے خطاب | ۱۴۲ |
| ۱۴۶ | پھر جو تو غالب نہیں، کچھ کسر ہے ایمان میں | ۱۴۳ |
| ۱۴۷ | یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا | ۱۴۳ |
| ۱۴۸ | ہماری سوچ اور نظریے میں تبدیلی آگئی ہے | ۱۴۴ |
| ۱۴۹ | نظریے کی اس تبدیلی نے ہمیں برباد کر دیا ہے | ۱۴۴ |
| ۱۵۰ | ہمارے یہاں خدمتِ دین پر اجرت لینا اصلاً جائز نہیں ہے | ۱۴۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۱ | جب حکومتیں خُدّامِ دین کی پرسانِ حال نہیں رہیں | ۱۴۵ |
| ۱۵۲ | تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا اس لیے جائز ہے | ۱۴۶ |
| ۱۵۳ | رکھو رفاہِ قوم پر اپنا مدارتم | ۱۴۶ |
| ۱۵۴ | دینی کام کو خدمت اور ملازمت سمجھنے والے میں فرق کرنے والی ایک علامت | ۱۴۷ |
| ۱۵۵ | حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو ایک پر کشش پیش کش اور آپ کا انکار | ۱۴۸ |
| ۱۵۶ | بڑوں کے مشورے سے دینی کام انجام دینے کا مزاج بنائیے | ۱۴۹ |
| ۱۵۷ | حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ کے والد صاحب کا واقعہ | ۱۴۹ |
| ۱۵۸ | اساتذہ اور مشائخ کے حکم پر مر مٹنے والے | ۱۵۰ |
| ۱۵۹ | بڑوں کے مشورے سے کام کرنے میں خیر و برکت ہوتی ہے | ۱۵۰ |
| ۱۶۰ | بڑوں کے مشورے کے بغیر بیرون ملک جانے والوں کی دینی بدحالی | ۱۵۱ |
| ۱۶۱ | بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد! | ۱۵۲ |
| ۱۶۲ | نہیں دی جس نے اپنے نفسِ امّارہ کی قربانی....... | ۱۵۲ |
| ۱۶۳ | حالات کو بیان کرنے میں خیانت | ۱۵۳ |
| ۱۶۴ | مشورے میں بھی دنیاداری کی آمیزش | ۱۵۳ |
| ۱۶۵ | حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ سے ایک صاحب کا مشورہ طلب کرنا | ۱۵۴ |
| ۱۶۶ | جن کے رتبے ہیں سوی، ان کی مشکل سوی ہوتی ہے | ۱۵۴ |
| ۱۶۷ | تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عُقاب! | ۱۵۵ |
| ۱۶۸ | ہمارے اکابر کو پہنچنے والے حالات ہمیں بھی پہنچنے ہی چاہئے | ۱۵۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۹ | راہِ حق کے مسافر تھک کر بیٹھا نہیں کرتے | ۱۵۶ |
| ۱۷۰ | اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل | ۱۵۶ |
| ۱۷۱ | برکت اصل چیز ہے | ۱۵۷ |
| ۱۷۲ | اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو! | ۱۵۷ |
| ۱۷۳ | اُدھر تو در نہ کھولے گا، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا | ۱۵۷ |
| ۱۷۴ | اسی پے رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو | ۱۵۸ |
| ۱۷۵ | اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے ضروری امور | ۱۵۸ |
| ۱۷۶ | سب چھوڑ خیالات، بس اِک یادِ خدا کر | ۱۵۹ |
| ۱۷۷ | فارغ اوقات میں ہماری فضول مشغولیات | ۱۵۹ |
| ۱۷۸ | ہم لوگوں کو اہلِ علم پر اعتراض کا موقع نہ دیں! | ۱۶۰ |
| ۱۷۹ | ہم اپنے مقام اور منصب کو مدِّ نظر رکھیں! | ۱۶۰ |
| ۱۸۰ | ہم لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات درست رکھیں! | ۱۶۱ |
| ۱۸۱ | جس جا پے تیرا ذکر ہو، ہو ذکرِ خیر ہی | ۱۶۱ |
| ۱۸۲ | افسوس! اپنے منصب سے تو کتنا گر گیا | ۱۶۱ |
| ۱۸۳ | ہماری پستی کی انتہا | ۱۶۲ |
| ۱۸۴ | ہمیں بننا مِفتَاحًا لِلْخَيْرِ، مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ چاہیے | ۱۶۲ |
| ۱۸۵ | ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز | ۱۶۳ |
| ۱۸۶ | سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا | ۱۶۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۷ | مسلمانوں کے دلوں سے غلط عقائد کا ازالہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی | ۱۶۵ |
| ۱۸۸ | سورج گرہن کے موقع پر لوگوں کے عقائد درست کرنے کا نبوی اہتمام | ۱۶۵ |
| ۱۸۹ | موقع کی مناسبت سے لوگوں کے نظریات درست کرنے کا اہتمام سنتِ نبوی ہے | ۱۶۶ |
| ۱۹۰ | کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت | ۱۶۶ |
| ۱۹۱ | وہ کہنہ دماغ ہیں اپنے زمانے کے پیرو | ۱۶۷ |
| ۱۹۲ | یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے | ۱۶۷ |
| ۱۹۳ | دعوت وتبلیغ کے مقامی کاموں میں بھی حصہ لیں | ۱۶۸ |
| ۱۹۴ | وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے | ۱۶۸ |
| ۱۹۵ | جوہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا | ۱۶۹ |
| ۱۹۶ | امت کے دین کا فکر ہمارا اوڑھنا بچھونا ہو | ۱۶۹ |
| ۱۹۷ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۱۶۹ |
| ۱۹۸ | رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر | ۱۷۰ |
| ۱۹۹ | تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو | ۱۷۰ |


## رہنمائے معلمین


| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۰ | یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں | ۱۷۵ |
| ۲۰۱ | مقامِ غور وفکر | ۱۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۲ | اساتذہ کو طلبہ کا شکر گزار ہونا چاہیے! | ۱۷۶ |
| ۲۰۳ | طلبہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی نبوی وصیت | ۱۷۶ |
| ۲۰۴ | باپ اپنی اولاد کو کچھ بنانے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے | ۱۷۷ |
| ۲۰۵ | طلبہ ہماری روحانی اولاد ہیں | ۱۷۷ |
| ۲۰۶ | جسمانی اولاد کی بہ نسبت روحانی اولاد سے فائدہ زیادہ متوقع ہوتا ہے | ۱۷۷ |
| ۲۰۷ | اپنے ساتھ آپ کے اساتذہ کی خصوصی توجہ کا استحضار بھی کیجیے! | ۱۷۸ |
| ۲۰۸ | صلبی اولاد والا جذبہ ہمارے دلوں میں طلبہ کے بارے میں بھی ہونا چاہیے! | ۱۷۹ |
| ۲۰۹ | یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے | ۱۸۰ |
| ۲۱۰ | اسباق سے پہلے اس کی تیاریاں نہ کرنا خیانت اور قابلِ مواخذہ ہے | ۱۸۰ |
| ۲۱۱ | شروع میں اول نمبر لانے والے طلبہ آخری دور میں ناکام کیوں ہوتے ہیں؟ | ۱۸۱ |
| ۲۱۲ | ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کی ذمہ داریاں بہت بڑی اور زیادہ ہیں | ۱۸۱ |
| ۲۱۳ | اور نام تیرا لیں تو ادب سے لیا کریں | ۱۸۲ |
| ۲۱۴ | ہمارے اسلاف اور وقت کی پابندی | ۱۸۲ |
| ۲۱۵ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۱۸۳ |
| ۲۱۶ | ہمارا طرزِ زندگی طلبہ کی صحیح تربیت کا باعث ہے | ۱۸۳ |
| ۲۱۷ | ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی | ۱۸۴ |
| ۲۱۸ | مشک آن است کہ خود ’’بو‘‘ بوید | ۱۸۴ |
| ۲۱۹ | ایک قدرتی نظام | ۱۸۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲۰ | جیسی کرنی ویسی بھرنی | ۱۸۵ |
| ۲۲۱ | دیکھو نہ بہم عیب، محبت ہے تو یہ ہے | ۱۸۶ |
| ۲۲۲ | ....... تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی | ۱۸۶ |
| ۲۲۳ | عدو پر اس قدر احسان کرتا جا | ۱۸۷ |
| ۲۲۴ | مدرسے کی فضا اور ماحول علمی بنانے کی کوشش کیجیے | ۱۸۷ |
| ۲۲۵ | عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر | ۱۸۸ |
| ۲۲۶ | تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن | ۱۸۸ |
| ۲۲۷ | وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے | ۱۸۹ |
| ۲۲۸ | الٹی گنگا | ۱۸۹ |
| ۲۲۹ | مدرسوں سے فاسد مواد کو خارج کرنے کے لیے آپریشن ضروری ہے | ۱۹۰ |
| ۲۳۰ | نیک اور محنتی طلبہ کی حوصلہ افزائی کیجیے | ۱۹۱ |
| ۲۳۱ | تعلیمی و اخلاقی معیار کو بلند کرنے کے لیے باہمی مشورہ ناگزیر ہے | ۱۹۱ |
| ۲۳۲ | مشورہ سنتِ نبوی ہے | ۱۹۲ |



## اہلِ علم اپنا مقام و مرتبہ پہچانیں



| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۳ | جن کے رتبے ہیں سِوا، ان کی مشکل سِوا ہوتی ہے | ۱۹۶ |
| ۲۳۴ | پرواز تو ہے دونوں کی ایک ہی فضا میں لیکن | ۱۹۷ |
| ۲۳۵ | کرگس کا جہاں اور ہے، شاہین کا جہاں اور | ۱۹۷ |
| ۲۳۶ | علماء معاشرے میں مثلِ قلب ہیں | ۱۹۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۷ | مجھے ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے | ۱۹۸ |
| ۲۳۸ | ادائے فرض ہے مطلوب، مرنا ہو کہ جینا ہو! | ۱۹۹ |
| ۲۳۹ | دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے | ۱۹۹ |
| ۲۴۰ | جب علم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا | ۲۰۰ |
| ۲۴۱ | اپنی ذات کا محاسبہ کرنے کی ضرورت | ۲۰۰ |
| ۲۴۲ | تھے تو وہ آباء تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟ | ۲۰۱ |
| ۲۴۳ | عمل بالسنہ کا حسین جذبہ | ۲۰۱ |
| ۲۴۴ | معاشرے کے حالات سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ باخبر رہتے تھے | ۲۰۲ |
| ۲۴۵ | غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا | ۲۰۳ |
| ۲۴۶ | جس لیے بھیجا گیا ہے تو یہاں وہ کام کر | ۲۰۳ |
| ۲۴۷ | بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی | ۲۰۴ |
| ۲۴۸ | عبادات کی دو قسمیں | ۲۰۴ |
| ۲۴۹ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راتوں میں عبادت کا حکم | ۲۰۵ |
| ۲۵۰ | إنابت إلی اللہ اور تعلق مع اللہ دینی کاموں کے لیے روح ہے | ۲۰۵ |
| ۲۵۱ | تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے | ۲۰۶ |
| ۲۵۲ | بے اشکِ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل | ۲۰۶ |
| ۲۵۳ | بالواسطہ اور بلا واسطہ عبادات کی تفہیم ایک مثال سے | ۲۰۷ |
| ۲۵۴ | کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے | ۲۰۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۵ | کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی | ۲۰۹ |
| ۲۵۶ | عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو | ۲۰۹ |
| ۲۵۷ | لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے قلب میں میل آجاتا ہے | ۲۰۹ |
| ۲۵۸ | کہ اس محفل سے خوش تر ہے، کسی صحرا کی تنہائی | ۲۱۰ |
| ۲۵۹ | حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی معروف کتاب ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کا پس منظر | ۲۱۱ |
| ۲۶۰ | حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی سادگی اور تواضع | ۲۱۱ |
| ۲۶۱ | ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا | ۲۱۲ |
| ۲۶۲ | شیخ علی الدقرؒ کی مجلسِ تفسیرِ قرآن کا دل کش منظر | ۲۱۲ |
| ۲۶۳ | اسی سے ہے تیرے نخلِ کُہن کی شادابی | ۲۱۳ |
| ۲۶۴ | اُدھر تو در نہ کھولے گا، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا | ۲۱۳ |
| ۲۶۵ | مجاہدو! اس کو یاد رکھنا، یہ اک نکتہ ہے عارفانہ | ۲۱۴ |
| ۲۶۶ | خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے اپنے کچھ اوقات فارغ کیجیے | ۲۱۴ |
| ۲۶۷ | حضرت شاہ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے استغناء کا ایک واقعہ | ۲۱۵ |
| ۲۶۸ | زانگاہ کہ یافتم خبر ایں ملکِ نیم شب | ۲۱۶ |
| ۲۶۹ | حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت | ۲۱۷ |
| ۲۷۰ | ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم | ۲۱۸ |

## رہنمائے طلبہ (۱)


| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۱ | اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی انتہاء اور شمار نہیں ہے | ۲۲۱ |
| ۲۷۲ | اللہ تبارک وتعالیٰ کی دنیوی نعمتیں بلا امتیاز وتفریق تقسیم ہوتی ہیں | ۲۲۲ |
| ۲۷۳ | اللہ تعالیٰ اپنے باغی بندوں کو دنیوی نعمتوں سے زیادہ ہی نوازتے ہیں | ۲۲۲ |
| ۲۷۴ | اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے برابر بھی نہیں ہے | ۲۲۳ |
| ۲۷۵ | اللہ تعالیٰ علمِ دین کی دولت صرف محبوبین کو عطا فرماتے ہیں | ۲۲۴ |
| ۲۷۶ | قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں | ۲۲۴ |
| ۲۷۷ | وہی ہوتا ہے، جو منظورِ خدا ہوتا ہے | ۲۲۵ |
| ۲۷۸ | ادائے شکر نعمتوں میں اضافے کا باعث ہے | ۲۲۵ |
| ۲۷۹ | حصولِ علمِ دین کے لیے ہمارا انتخاب باری تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے | ۲۲۶ |
| ۲۸۰ | ہدایت کی دولت باری تعالیٰ نے اپنے قبضۂ تصرف میں رکھی ہے | ۲۲۶ |
| ۲۸۱ | طلبہ اور علماء اس گراں قدر نعمت کا برابر استحضار کرتے رہیں | ۲۲۷ |
| ۲۸۲ | حصولِ علمِ دین کے لیے ہمارے اسلاف کی جدوجہد | ۲۲۸ |
| ۲۸۳ | چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے | ۲۲۹ |
| ۲۸۴ | شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو | ۲۲۹ |
| ۲۸۵ | حصولِ علم کی راہ میں من جانب اللہ ہمارے لیے فراہم کردہ سہولتوں کا مختصر سا نقشہ | ۲۳۰ |
| ۲۸۶ | ان نعمتوں کے ساتھ ہمارے طلبہ کا ناروا کا سلوک | ۲۳۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۸۷ | گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے | ۲۳۱ |
| ۲۸۸ | چھو لینا آسماں کو آسان نہیں ہوتا | ۲۳۲ |
| ۲۸۹ | آج کل طالبِ علمی کی زندگی قابلِ رشک ہوتی ہے | ۲۳۲ |
| ۲۹۰ | قیامت کے دن ان نعمتوں کا جواب دینا ہے | ۲۳۳ |
| ۲۹۱ | خلقِ خدا علم کی نسبت پر ہی ہمارے لیے یہ سہولتیں فراہم کر رہی ہے | ۲۳۳ |
| ۲۹۲ | حصولِ علم سے ہماری غفلت بہت بڑی خیانت ہے | ۲۳۴ |
| ۲۹۳ | منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن | ۲۳۵ |
| ۲۹۴ | تمھیں کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے | ۲۳۵ |
| ۲۹۵ | ان نعمتوں کی قدر کیجیے! | ۲۳۶ |
| ۲۹۶ | شکرِ حقیقی | ۲۳۶ |
| ۲۹۷ | مدرسے میں قیام کے دو مقصود | ۲۳۷ |
| ۲۹۸ | حصولِ علم کی راہ بہت پرانی ہے | ۲۳۷ |
| ۲۹۹ | رہے پیشِ نظر منزل، تمنا گر ہے منزل کی | ۲۳۸ |
| ۳۰۰ | ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ | ۲۳۹ |
| ۳۰۱ | آج پرانے وقت کی ساری قدریں درہم برہم ہیں | ۲۳۹ |
| ۳۰۲ | کیا یہ اندازِ طالبِ علمی ہے؟ | ۲۴۰ |
| ۳۰۳ | ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ! | ۲۴۱ |
| ۳۰۴ | جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور | ۲۴۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰۵ | مقامِ عبرت | ۲۴۲ |
| ۳۰۶ | عیوب پر مطلع کرنے والا ہمارا محسن ہے | ۲۴۲ |
| ۳۰۷ | تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم | ۲۴۳ |
| ۳۰۸ | ہمارا رویّہ یہ ہونا چاہیے | ۲۴۴ |
| ۳۰۹ | مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا | ۲۴۴ |
| ۳۱۰ | شریعت میں تعذیب کی حد مقرر نہیں ہے | ۲۴۵ |
| ۳۱۱ | طلبہ کی ایک عام شکایت | ۲۴۶ |
| ۳۱۲ | جرم کی سزا مجرم کے مزاج اور ذہنیت کے اعتبار سے طے کی جاتی ہے | ۲۴۶ |
| ۳۱۳ | یہ بھی ایک سزا ہے | ۲۴۶ |
| ۳۱۴ | کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا | ۲۴۷ |
| ۳۱۵ | بدعملی کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے | ۲۴۸ |
| ۳۱۶ | فراغت کے بعد کا دور عالم کے لیے جزاوسزا کا دور ہے | ۲۴۸ |
| ۳۱۷ | جاہلوں کے طعنے سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں | ۲۴۹ |
| ۳۱۸ | ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت | ۲۴۹ |
| ۳۱۹ | دو قسم کے طالبِ علم | ۲۵۰ |
| ۳۲۰ | تجھے اب مدرسے کی روٹی کھانے کا حق نہیں ہے | ۲۵۰ |
| ۳۲۱ | ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است | ۲۵۱ |
| ۳۲۲ | طلبہ حصولِ علم کے لیے ضروری تمام امور کی پابندی کریں | ۲۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲۳ | اپنے ''۱۷'' نمبر تو کہیں گئے ہی نہیں | ۲۵۲ |
| ۳۲۴ | پگھلنا علم کے خاطر مثالِ شمع زیبا ہے | ۲۵۲ |
| ۳۲۵ | ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں | ۲۵۳ |
| ۳۲۶ | کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا | ۲۵۳ |
| ۳۲۷ | ستم بالائے ستم | ۲۵۳ |
| ۳۲۸ | نہ جانے درس گاہوں کو کہاں لے جا کے دم لے گی | ۲۵۴ |
| ۳۲۹ | کیا ہے تجھے کتابوں نے کور ذوق اتنا | ۲۵۵ |
| ۳۳۰ | وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں | ۲۵۵ |
| ۳۳۱ | صبح کا بھولا شام کو واپس آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے | ۲۵۶ |
| ۳۳۲ | نعمتوں کا حق ادا کیجیے! | ۲۵۶ |
| | **رہنمائے طلبہ (۲)** | |
| ۳۳۳ | حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا علمی احسان | ۲۶۰ |
| ۳۳۴ | پیارو! اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو! | ۲۶۱ |
| ۳۳۵ | طالبِ علم کی حقیقت | ۲۶۱ |
| ۳۳۶ | طالبِ علم پر ہمہ وقت حصولِ علم کا فکر سوار رہنا چاہیے! | ۲۶۲ |
| ۳۳۷ | ہمارے اکابر اور اسلاف کا مزاج | ۲۶۳ |
| ۳۳۸ | ہماری مجہولات کی تعداد ہماری معلومات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے | ۲۶۳ |
| ۳۳۹ | علم کے حریص بنئے | ۲۶۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۴۰ | کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں | ۲۶۴ |
| ۳۴۱ | اے لا الٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں | ۲۶۵ |
| ۳۴۲ | تو شاید پوری دنیا میں ایک عالم بھی نہیں رہتا | ۲۶۵ |
| ۳۴۳ | خدا ان کو دیتا ہے برکت زیادہ | ۲۶۶ |
| ۳۴۴ | مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گِلہ | ۲۶۶ |
| ۳۴۵ | وہمت ہار جاتے ہیں، انھیں ساحل نہیں ملتا | ۲۶۷ |
| ۳۴۶ | کمی نہیں قدرداں کی اکبر! کرے تو کوئی کمال پیدا | ۲۶۸ |
| | **رہنمائے طلبہ (۳)** | |
| ۳۴۷ | ہاتھ سے جانے نہ دے اس موقعۂ زریں کو تو | ۲۷۲ |
| ۳۴۸ | عبادات میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدات | ۲۷۲ |
| ۳۴۹ | کیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں | ۲۷۳ |
| ۳۵۰ | یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے | ۲۷۳ |
| ۳۵۱ | رہ نہ غافل! یاد رکھ پچھتائے گا | ۲۷۴ |
| ۳۵۲ | جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا | ۲۷۵ |
| ۳۵۳ | جہاں ہے تیرے لیے، نہ تو جہاں کے لیے | ۲۷۵ |
| ۳۵۴ | فکر بے نور تیرا، جذبِ عمل بے بنیاد | ۲۷۶ |
| ۳۵۵ | وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں | ۲۷۷ |
| ۳۵۶ | رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت | ۲۷۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵۷ | ناشکری کی اخروی سزا کا کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھایا جاتا ہے | ۲۷۸ |
| ۳۵۸ | درجاتِ عُلیا کے طلبہ اسوہ اور نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں | ۲۷۹ |
| ۳۵۹ | مجلس بازیاں طلبہ اور علماء کے لیے سمِّ قاتل ہے | ۲۸۰ |
| ۳۶۰ | عشاء کے بعد شریعت بات چیت کی اجازت نہیں دیتی | ۲۸۰ |
| ۳۶۱ | عشاء کے بعد گفتگو کی ممانعت سے مستثنیات | ۲۸۱ |
| ۳۶۲ | گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی | ۲۸۱ |
| ۳۶۳ | جمعہ: ایک عظیم نعمتِ اِلٰہی | ۲۸۲ |
| ۳۶۴ | یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود | ۲۸۲ |
| ۳۶۵ | اس طرح ہوتا ہے ہمارے یہاں جمعہ کا اہتمام! | ۲۸۳ |
| ۳۶۶ | وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر | ۲۸۳ |
| ۳۶۷ | امتحان کا زمانہ طلبہ کے لیے محنت کا موسم اور سیزن ہے | ۲۸۴ |
| ۳۶۸ | ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام | ۲۸۴ |
| ۳۶۹ | جو سووت ہے، وہ کھووت ہے | ۲۸۵ |
| ۳۷۰ | ہے یہ دورِ جام و مینا چند روز | ۲۸۵ |
| ۳۷۱ | اپنی ذات کو امت کے لیے نمونہ بنائیے | ۲۸۶ |
| ۳۷۲ | خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو | ۲۸۶ |
| ۳۷۳ | تارکِ نماز سے دیگر امورِ دین کے قیام کی امید نہیں کی جاسکتی | ۲۸۷ |
| ۳۷۴ | دین میں نماز کی اہمیت اور حیثیت | ۲۸۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۵ | مدرسہ طلبہ کے بننے، بگڑنے کی جگہ ہے | ۲۸۸ |
| ۳۷۶ | طلبہ خود اپنی نگرانی کریں | ۲۸۹ |
| ۳۷۷ | سختیٔ رہ سے نہ ڈر، ایک ذرا ہمت تو کر | ۲۸۹ |
| ۳۷۸ | کر نفس کا مقابلہ، ہاں بار بار تو | ۲۹۰ |
| ۳۷۹ | نماز با جماعت کا اہتمام کیجیے! | ۲۹۱ |
| ۳۸۰ | شیطانی گماشتوں کی سرگرمیاں | ۲۹۱ |
| ۳۸۱ | کھیل میں افراط ملٹی نیشنل کمپنیوں کی خودغرضی کا نتیجہ ہے | ۲۹۲ |
| ۳۸۲ | جنت میں بھی افسوس! | ۲۹۲ |
| ۳۸۳ | تو بس یہ سمجھ! زندگانی گنوائی | ۲۹۳ |
| ۳۸۴ | سنتوں کا اہتمام کیجیے | ۲۹۳ |
| ۳۸۵ | کہ دن میں بھی تارے نظر آنے لگیں گے | ۲۹۳ |
| ۳۸۶ | جذبات ہی پے اپنے نہ مجذوب شاد رہ | ۲۹۴ |
| ۳۸۷ | اپنا فریضۂ منصبی سمجھئے | ۲۹۵ |
| ۳۸۸ | مہتمم اور اساتذہ آپ کے ہم درد ہیں | ۲۹۵ |
| ۳۸۹ | طلبہ سے عہد | ۲۹۶ |
| ۳۹۰ | مجلس بازی سے اللہ کے واسطے توبہ کرو | ۲۹۶ |
| ۳۹۱ | حضرت کا درد اور کڑھن | ۲۹۷ |

## رہنمائے طلبہ (۴)


| | | |
|---|---|---|
| ۳۹۲ | اپنی گذرنے والی زندگی کا محاسبہ کرنے کی ضرورت | ۳۰۱ |
| ۳۹۳ | دینی مجلسوں میں بیٹھنے کا طریقہ شریعت کی روشنی میں | ۳۰۱ |
| ۳۹۴ | حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ایک صاحب کو اگلی صف سے پیچھے ہٹانا | ۳۰۲ |
| ۳۹۵ | حضراتِ صحابہ میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مقام | ۳۰۲ |
| ۳۹۶ | دینی وعظ و بیان کی مجالس کے ان آداب کا طلبہ ضرور رعایت کریں | ۳۰۳ |
| ۳۹۷ | مجالسِ وعظ میں چھوٹے بچوں کو آگے کرنے کا برا اثر | ۳۰۴ |
| ۳۹۸ | مولانا وحید الزماں کیرانوی علیہ الرحمۃ کے یہاں ان آدابِ مجالس کے اہتمام | ۳۰۴ |
| ۳۹۹ | اجتماعی کھانے کا ایک اہم ادب | ۳۰۵ |
| ۴۰۰ | انسانی زندگی کے مختلف ادوار | ۳۰۶ |
| ۴۰۱ | بعد والے دور کی کامیابی اس سے پہلے والے دور پر موقوف ہے | ۳۰۶ |
| ۴۰۲ | حصولِ علم کے لیے ضروری تمام وسائل طلبہ کے لیے من جانب اللہ مہیا کردئے گئے ہیں | ۳۰۷ |
| ۴۰۳ | طلبہ کو مادّی وسائل سے مستغنی کردیا گیا ہے | ۳۰۷ |
| ۴۰۴ | ہمارے اسلاف کے لیے یہ سہولتیں مہیا نہیں تھیں | ۳۰۸ |
| ۴۰۵ | دورِ قدیم میں آج کے مدارس جیسا منظّم نصابِ تعلیم نہیں تھا | ۳۰۸ |
| ۴۰۶ | حصولِ علم کے لیے قریہ قریہ اور دریا دریا گھومنا | ۳۰۹ |
| ۴۰۷ | ہمارے اسلاف اور کثرتِ مشائخ | ۳۰۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۰۸ | ہماری کمزوریوں پر اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا | ۳۱۰ |
| ۴۰۹ | خالی دعا سے تو کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے | ۳۱۰ |
| ۴۱۰ | عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی | ۳۱۱ |
| ۴۱۱ | رہے پیشِ نظر منزل، تمنا گر ہے منزل کی | ۳۱۱ |
| ۴۱۲ | کتابوں کا انبار | ۳۱۲ |
| ۴۱۳ | علمی حرص اور پیاس شرعاً مطلوب ہے | ۳۱۲ |
| ۴۱۴ | حصولِ علم کی راہ میں یکسوئی سب سے زیادہ ضروری ہے | ۳۱۳ |
| ۴۱۵ | دورِ حاضر میں طالبِ علم کی یکسوئی کو ختم کرنے والے بہت سے اسباب پیدا ہو گئے ہیں | ۳۱۳ |
| ۴۱۶ | حصول علم کے دوران یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف کا اہتمام | ۳۱۴ |
| ۴۱۷ | حضرت مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یکسوئی برقرار رکھنے کے لیے ان کے والد کا انتظام | ۳۱۵ |
| ۴۱۸ | حضرت مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ | ۳۱۵ |
| ۴۱۹ | کاش کہ ایسی مشغولی ہمیں درس میں حاصل ہو جائے! | ۳۱۶ |
| ۴۲۰ | عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر | ۳۱۶ |
| ۴۲۱ | موبائل نے طلبہ کی علمی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے | ۳۱۷ |
| ۴۲۲ | طلبہ اسبابِ علم کے علاوہ ہر چیز سے بے تعلق ہو جائیں | ۳۱۷ |
| ۴۲۳ | تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں | ۳۱۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲۴ | آپ علم کے علاوہ ہر چیز کی فکر سے آزاد کر دیا گیا ہے | ۳۱۸ |
| ۴۲۵ | کیا ان سب کے بعد بھی طلبہ کے پاس کوئی عذر رہ جاتا ہے؟ | ۳۱۹ |
| ۴۲۶ | مہلت مانگنے والوں سے قیامت کے دن باری تعالیٰ کا سوال | ۳۱۹ |
| ۴۲۷ | آپ کے لیے بھی مہلت، نذیر وغیرہ کے انتظامات موجود ہیں | ۳۲۰ |
| ۴۲۸ | حصولِ علم سے متعلق رہنمائی کرنے والی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیے! | ۳۲۰ |
| ۴۲۹ | گاہے گاہے باز بخواں | ۳۲۱ |
| ۴۳۰ | کیا اس کا کوئی جواب ہمارے پاس ہے؟ | ۳۲۱ |
| ۴۳۱ | ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کی قیمت بھی ادا نہیں کرسکتے | ۳۲۲ |
| ۴۳۲ | تدریس کا دور کی کامیابی اسی دورِ طالبِ علمی کی کامیابی پر موقوف ہے | ۳۲۳ |
| ۴۳۳ | خالی دعا سے تمنا بر نہیں آیا کرتی | ۳۲۳ |
| ۴۳۴ | آپ کے اساتذہ تب آپ کی سفارش کرسکتے ہیں | ۳۲۴ |
| ۴۳۵ | دنیوی ڈگریاں حاصل کرنے والوں کے بارے میں دنیوی اصول | ۳۲۴ |
| ۴۳۶ | خلوصِ دل سے محنت کر، خود اپنے ہی بھروسے جی | ۳۲۵ |
| ۴۳۷ | اگر ہیں آپ مخلص اپنے اقدارِ محبت میں | ۳۲۵ |
| ۴۳۸ | طلب خود کر لیے جائیں گے دربارِ محبت میں | ۳۲۶ |
| ۴۳۹ | ہجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا | ۳۲۷ |
| ۴۴۰ | مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گِلہ | ۳۲۷ |
| ۴۴۱ | ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں ہوسکتا؟ | ۳۲۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۴۲ | کار دنیا ہووے یا ہووے کارِ دیں، محنت ہے شرط | ۳۲۸ |
| ۴۴۳ | لِكُلِّ سَاقِطَةٍ لَاقِطَةٌ | ۳۲۹ |
| ۴۴۴ | جہاں دیکھئے، فیض اسی کا ہے جاری | ۳۲۹ |
| ۴۴۵ | اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیے | ۳۳۰ |
| ۴۴۶ | موبائل اور جدید اسبابِ مواصلت طلبِ علم کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں | ۳۳۰ |
| ۴۴۷ | ابھی ان چیزوں کے استعمال کا وقت آپ کے حق میں آیا نہیں ہے | ۳۳۱ |
| ۴۴۸ | حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر | ۳۳۱ |


## رہنمائے طلبہ (۵)


| | | |
|---|---|---|
| ۴۴۹ | ایک قدرتی قانون | ۳۳۵ |
| ۴۵۰ | غیر نافع چیز کے لیے انسان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہوتی | ۳۳۶ |
| ۴۵۱ | ضعیف ہونے کے بعد باپ بھی بچوں کو بار محسوس ہوتا ہے | ۳۳۶ |
| ۴۵۲ | کسی کی موت پر رونے میں بھی اغراض مضمر ہوتی ہیں | ۳۳۷ |
| ۴۵۳ | آج کے دورِ علم و ہنر میں مہر و وفا کا نام نہ لے | ۳۳۷ |
| ۴۵۴ | لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ کیوں لیے پھرتے ہیں؟ | ۳۳۸ |
| ۴۵۵ | آپ کی ذات سے قوم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں | ۳۳۹ |
| ۴۵۶ | آپ قوم کی امیدوں پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کیجیے | ۳۳۹ |
| ۴۵۷ | موت اس کی ہے، کرے جس پر زمانہ افسوس | ۳۴۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۸ | واقعی جینا ان ہی کا جینا ہے بھلا دنیا میں | ۳۴۰ |
| ۴۵۹ | اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی | ۳۴۱ |
| ۴۶۰ | خراب چیز بے مول ہوتی ہے | ۳۴۲ |
| ۴۶۱ | عملی کمی بھی آپ کی نیّا ڈبو سکتی ہے | ۳۴۲ |
| ۴۶۲ | اب پچھتاوت کیا ہووَت.... | ۳۴۳ |
| ۴۶۳ | حصولِ علم سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیجیے! | ۳۴۳ |
| ۴۶۴ | مسافر سفر سے پہلے جائے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے | ۳۴۴ |
| ۴۶۵ | راہِ علم قدیم زمانے سے آباد ہے | ۳۴۴ |
| ۴۶۶ | اس راہ میں بزرگوں کو پیش آنے والے حالات ہمیں بھی پیش آنے ہی چاہئیں! | ۳۴۶ |
| ۴۶۷ | اس راہ میں اسلاف کو پہنچنے والی مشقتیں | ۳۴۶ |
| ۴۶۸ | دو نعمتیں: جن سے لوگ غفلت میں ہیں | ۳۴۷ |
| ۴۶۹ | اس نعمت کی قدر آپ کو آسمانوں کی بلندیوں کو پہنچا سکتی ہے | ۳۴۷ |
| ۴۷۰ | مدرسے کے قوانین آپ کے فائدے ہی کے لیے بنے ہیں | ۳۴۸ |
| ۴۷۱ | ہر کام کو انجام دینے کے لیے اس کے مطابق ماحول کا ہونا ضروری ہے | ۳۴۹ |
| ۴۷۲ | آپ کے اساتذہ اور منتظمین کو آپ کا خیال آپ کے جسمانی والدین سے زیادہ ہے | ۳۴۹ |
| ۴۷۳ | اساتذہ اور منتظمین پر تنقید کرنے والے طلبہ محروم رہتے ہیں | ۳۵۰ |
| ۴۷۴ | جید الاستعداد بننے کے تین رہنما اصول | ۳۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۷۵ | مطالعہ کی اہمیت اور ہمارے اسلاف کا معمول | ۳۵۱ |
| ۴۷۶ | ایک لطیفہ، ایک حقیقت | ۳۵۲ |
| ۴۷۷ | کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا | ۳۵۲ |
| ۴۷۸ | ہجوم کیوں ہے شراب خانے میں | ۳۵۳ |
| ۴۷۹ | یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے | ۳۵۳ |
| ۴۸۰ | لوگوں کی مخالفت سنتِ انبیاء ہے | ۳۵۴ |
| ۴۸۱ | آدمی جیسا ہوتا ہے، ویسی اس کی مخالفتیں ہوتی ہیں | ۳۵۴ |
| ۴۸۲ | مخالفین کے شرور وفتن سے بچنے کا قرآنی گُر | ۳۵۵ |
| ۴۸۳ | تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا | ۳۵۵ |
| ۴۸۴ | تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی | ۳۵۶ |
| ۴۸۵ | یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے | ۳۵۶ |
| ۴۸۶ | مسلمِ خوابیدہ اُٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو | ۳۵۶ |


## رہنمائے طلبہ (۶)


| | | |
|---|---|---|
| ۴۸۷ | حصولِ علم کا موقع اور توفیق اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے | ۳۶۱ |
| ۴۸۸ | تحصیلِ علوم دین کے طریق صیغۂ راز میں نہیں ہیں | ۳۶۲ |
| ۴۸۹ | لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں | ۳۶۳ |
| ۴۹۰ | ہماری غفلت کی انتہا نہیں کوئی | ۳۶۳ |
| ۴۹۱ | وعظ وتقریر کی مجلس کا ایک ادب اور ہماری کوتاہی | ۳۶۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹۲ | جلسہ گاہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی علیہ الرحمۃ کی تاکید | ۳۶۵ |
| ۴۹۳ | اس اصول پر عمل کی ضرورت | ۳۶۵ |
| ۴۹۴ | کتابیں خریدنے ہی کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہوتے | ۳۶۶ |
| ۴۹۵ | دو حریص اور لالچی | ۳۶۶ |
| ۴۹۶ | دنیا کے حریص کا حال | ۳۶۷ |
| ۴۹۷ | علم کے حریص اور طالب کا بھی یہی حال ہونا چاہیے | ۳۶۷ |
| ۴۹۸ | دورِ طالبِ علمی کی کوئی حد نہیں ہے | ۳۶۸ |
| ۴۹۹ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زیادت فی العلم کی دعا کا حکم | ۳۶۸ |
| ۵۰۰ | اللہ تعالیٰ کا علم بے نہایہ ہے | ۳۶۹ |
| ۵۰۱ | چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک | ۳۷۰ |
| ۵۰۲ | ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم سے | ۳۷۰ |
| ۵۰۳ | طلبِ علم کی راہ میں تعلقات، دوستیاں بہت بڑی مانع ہیں | ۳۷۰ |
| ۵۰۴ | حصولِ علم کے لیے یکسوئی بہت ضروری ہے | ۳۷۱ |
| ۵۰۵ | حصولِ علم کے دوران یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف کا اہتمام | ۳۷۲ |
| ۵۰۶ | طالبِ علمی کے زمانے میں تو آدمی پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے | ۳۷۲ |
| ۵۰۷ | کئی ایام تک چپلوں کی ضرورت نہیں پڑی | ۳۷۳ |
| ۵۰۸ | حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ اور اسباق کی حاضری کا فکر | ۳۷۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۰۹ | دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں | ۳۷۴ |
| ۵۱۰ | قدیم زمانے میں طلبہ کے کھانے اور رہائش کے نظم کی ایک صورت | ۳۷۵ |
| ۵۱۱ | مجھے یقین تھا کہ عبدالرحمٰن سبق کا ناغہ نہیں کریں گے | ۳۷۵ |
| ۵۱۲ | حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ اللہ اور اختلاط سے پرہیز | ۳۷۶ |
| ۵۱۳ | ببیں تفاوت رہ از کجا تا بہ کجا | ۳۷۷ |
| ۵۱۴ | طلبہ کے منہ سے نکلنے والا ایک ناشائستہ جملہ | ۳۷۷ |
| ۵۱۵ | حصولِ علم کی راہ میں شانِ بے نیازی مُہلِک ہے | ۳۷۸ |
| ۵۱۶ | العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك | ۳۷۹ |
| ۵۱۷ | مانگتا ہے ہم سے قربانی بہت | ۳۷۹ |
| ۵۱۸ | درس میں حاضری کے لیے بچے کی تکفین وتدفین میں شرکت سے معذرت | ۳۷۹ |
| ۵۱۹ | ایسے مواقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے | ۳۸۰ |
| ۵۲۰ | گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں | ۳۸۰ |
| ۵۲۱ | مطالعہ کی اہمیت اور اس کی طرف سے ہماری غفلت | ۳۸۱ |
| ۵۲۲ | کسی بھی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کے لیے پیشگی تیاریاں انجام دی جاتی ہیں | ۳۸۲ |
| ۵۲۳ | یہ تجربہ ہے، خوب سمجھتے ہیں وہ سبق | ۳۸۲ |
| ۵۲۴ | تکرار کا مفہوم | ۳۸۳ |
| ۵۲۵ | تکرار کا فائدہ | ۳۸۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۶ | حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی گارنٹی | ۳۸۴ |
| ۵۲۷ | زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے | ۳۸۴ |
| ۵۲۸ | آنکھ اور زبان کی حفاظت کیجیے | ۳۸۴ |
| ۵۲۹ | اساتذہ کا ادب واحترام بھی نہایت ہی ضروری ہے | ۳۸۵ |
| ۵۳۰ | اساتذہ کی دعائیں لیتے رہیے | ۳۸۶ |
| ۵۳۱ | کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے | ۳۸۶ |
| ۵۳۲ | کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا | ۳۸۶ |
| ۵۳۳ | اصلاحِ نفس کا یہ موقع ہاتھ سے مت جانے دیجیے | ۳۸۷ |
| ۵۳۴ | اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی | ۳۸۶ |
| ۵۳۵ | اہلِ مدرسہ کے خلاف بھڑکانے والے آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں | ۳۸۷ |
| | **طالبانِ علومِ نبوت سے کچھ باتیں، کچھ نصیحتیں** | |
| ۵۳۶ | ایک واقعہ | ۳۹۱ |
| ۵۳۷ | پیارو! اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو! | ۳۹۲ |
| ۵۳۸ | طالبِ علم کی حقیقت | ۳۹۲ |
| ۵۳۹ | امام ابو یوسفؒ اور علم کی حرص | ۳۹۳ |
| ۵۴۰ | امام محمدؒ اور ان کا علمی شغف | ۳۹۴ |
| ۵۴۱ | ابو ریحان بیرونی اور ان کا علمی ولولہ | ۳۹۴ |
| ۵۴۲ | حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اور ان کا علمی ذوق | ۳۹۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۴۳ | حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ان کی علمی تشنگی | ۳۹۵ |
| ۵۴۴ | یہ کتاب بھی ایک ''روگ'' ہے جو مجھ کو لگا ہوا ہے | ۳۹۶ |
| ۵۴۵ | پگھلنا علم کے خاطر مثالِ شمع زیبا ہے | ۳۹۷ |
| ۵۴۶ | واقعی جینا انہی کا ہے بھلا دنیا میں | ۳۹۷ |
| ۵۴۷ | علم میں زیادتی کی دعا کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہے | ۳۹۸ |
| ۵۴۸ | العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك | ۳۹۸ |
| ۵۴۹ | اسلاف کی علمی پیاس | ۳۹۹ |
| ۵۵۰ | موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے | ۳۹۹ |

# تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد چہارم


| نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| | **ہماری بدحالی کے اسباب اور اس کا حل** | |
| ۱ | آیت کا ترجمہ | ۴۰ |
| ۲ | اعمال کی بھی خاصیتیں ہیں | ۴۰ |
| ۳ | چھوٹے سے چھوٹا گناہ ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہے | ۴۱ |
| ۴ | دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں | ۴۱ |
| ۵ | زلزلے کا ایک سبب | ۴۲ |
| ۶ | عمومی عذاب کب آتا ہے؟ | ۴۲ |
| ۷ | مسلمانوں کے اجتماعی اموال میں احتیاط برتیں | ۴۳ |
| ۸ | عمومی اموال میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط | ۴۴ |
| ۹ | مالِ امانت کو غنیمت مت سمجھو | ۴۴ |
| ۱۰ | زکوۃ ٹیکس نہیں | ۴۵ |
| ۱۱ | بیوی کا غلام اور ماں کا نافرمان | ۴۶ |
| ۱۲ | دوستوں پر سخاوت اور باپ کے ساتھ عداوت | ۴۶ |
| ۱۳ | مسجدوں کا احترام ملحوظ رکھو | ۴۶ |
| ۱۴ | تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے! | ۴۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵ | نمازی کی توجہ ہٹانے کا وبال، زمانۂ نبوی کا ایک واقعہ | ۴۷ |
| ۱٦ | زمانۂ نبوی کا دوسرا واقعہ | ۴۸ |
| ۱۷ | نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی وجہ | ۴۸ |
| ۱۸ | آج انسان ہوا جاتا ہے ابلیس صفت | ۴۸ |
| ۱۹ | کمینہ سردار | ۴۹ |
| ۲۰ | مسلمانوں کے نئے شوق | ۴۹ |
| ۲۱ | لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی | ۵۰ |
| ۲۲ | ٹی وی: اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا ناسور | ۵۰ |
| ۲۳ | اسلاف پر تنقید | ۵۱ |
| ۲۴ | تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا انتظار کرو | ۵۱ |
| ۲۵ | اللہ تعالیٰ کا عذاب اور ہم مسلمانوں کا طرز و انداز | ۵۱ |
| ۲٦ | ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ | ۵۲ |
| ۲۷ | تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری | ۵۳ |
| | **پندرہ کاموں پر عذاب کی وعید حدیث کی روشنی میں** | |
| ۲۸ | حدیث کی تشریح | ۵۷ |
| ۲۹ | مالِ غنیمت کی حقیقت، حکم اور اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کی پیشین گوئی | ۵۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰ | وہ دور جس میں مالِ غنیمت اپنے مصرف میں خرچ ہوتا رہا | ۵۹ |
| ۳۱ | تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا فکرِ معاش | ۶۰ |
| ۳۲ | بیت المال سے ملنے والے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے وظیفے کی مقدار | ۶۱ |
| ۳۳ | حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی امانت داری کا بے مثال جذبہ | ۶۱ |
| ۳۴ | امت میں سب سے پہلا بگاڑ | ۶۲ |
| ۳۵ | امانت کی حقیقت | ۶۲ |
| ۳۶ | امانت میں خیانت کیا ہے؟ | ۶۳ |
| ۳۷ | امانت کا حکم | ۶۳ |
| ۳۸ | زکوۃ نہ ہر مال میں فرض ہے، نہ ہر شخص پر فرض ہے | ۶۴ |
| ۳۹ | مال داری کا معیار شریعت کی نظر میں | ۶۵ |
| ۴۰ | شریعتِ مطہرہ کا زکوۃ واجب کرنا بندوں پر احسان ہے | ۶۵ |
| ۴۱ | ٹیکس وصول کرنے کا سبب اور اس میں حکومت کا ظالمانہ رویہ | ۶۶ |
| ۴۲ | بندوں ہی کے منافع کے لیے زکوۃ فرض کی گئی ہے | ۶۶ |
| ۴۳ | میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے | ۶۷ |
| ۴۴ | یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں | ۶۸ |
| ۴۵ | حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا | ۶۸ |
| ۴۶ | سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے | ۶۹ |
| ۴۷ | زکوۃ نکالنے میں احتیاط کا پہلو پیشِ نظر رہے | ۷۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ | ہم جن پیشہ ور بھکاریوں کو مالِ زکوۃ دیتے ہیں، ان کا حال | ۷۱ |
| ۴۹ | مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا دونوں گناہ کے کام ہیں | ۷۲ |
| ۵۰ | زکوۃ ادا کرنے والے کے لیے حق دار کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے | ۷۲ |
| ۵۱ | حدیث میں مذکور دوسرے چار گناہ | ۷۳ |
| ۵۲ | ماں باپ کے حقوق | ۷۳ |
| ۵۳ | ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کی قرآنی تاکید | ۷۴ |
| ۵۴ | والدین کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی شریعت گوارا نہیں کرتی | ۷۴ |
| ۵۵ | راحت رسانی کے ساتھ والدین کے لیے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے | ۷۵ |
| ۵۶ | اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو! | ۷۵ |
| ۵۷ | وہ شخص ہلاک ہو! | ۷۶ |
| ۵۸ | والدین کے ساتھ سب سے بڑا احسنِ سلوک اور نیکی | ۷۷ |
| ۵۹ | روایتِ حدیث کا پس منظر | ۷۸ |
| ۶۰ | عمر بھر ماں باپ کی خدمت کرنا بھی ان کے حق کی ادائگی کے لیے کافی نہیں ہے | ۷۸ |
| ۶۱ | والدین کو شفقت کی نظر سے دیکھنے پر حجِّ مبرور کا ثواب | ۷۹ |
| ۶۲ | دورِ جدید میں والدین کی حالتِ بد | ۸۰ |
| ۶۳ | اس دور میں والدین کی نمازِ جنازہ کے لیے بھی اولاد کے پاس وقت نہیں ہے | ۸۱ |
| ۶۴ | والدین کی راحت رسانی جنت کے دروازے کھولنے والی چابی ہے | ۸۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۵ | ماں باپ سے بدلہ لینے کی شریعت نے اولاد کو اجازت نہیں دی | ۸۲ |
| ۶۶ | والدین کو ناراض کرنے سے متعلق زمانۂ نبوی کا ایک عبرت ناک واقعہ | ۸۲ |
| ۶۷ | والدین کی نافرمانی کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے | ۸۴ |
| ۶۸ | باپ کو ستانے والے کی دنیوی سزا کا عبرت ناک واقعہ | ۸۵ |
| ۶۹ | باپ کو ستانے والے کی دنیوی سزا کا ایک اور عبرت ناک واقعہ | ۸۵ |
| ۷۰ | ماں کا خدمت گزار جنت میں حضرت موسیٰؑ کا رفیق | ۸۶ |
| ۷۱ | ماں کو ستانے والے کی عبرت ناک کہانی شہر بن حوشبؒ کی زبانی | ۸۷ |
| ۷۲ | ایک شخص کے حقوق کی ادائگی دوسرے شخص کی حق تلفی کا باعث نہ ہو! | ۸۸ |
| ۷۳ | چاروں چیز کا خلاصہ | ۸۸ |
| ۷۴ | مساجد اللہ کے گھر اور شعائرِ اسلام میں سے ہیں | ۸۹ |
| ۷۵ | مسجد کے اللہ کا گھر ہونے کا مطلب | ۸۹ |
| ۷۶ | مسجدیں آخرت کے بازار ہیں | ۹۰ |
| ۷۷ | تحیۃ المسجد کی طرف سے ہماری غفلت | ۹۱ |
| ۷۸ | تحیۃ المسجد اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک طرح کی سلامی ہے | ۹۲ |
| ۷۹ | مسجد کے کچھ اور آداب | ۹۳ |
| ۸۰ | مسجدوں میں دنیوی باتیں کرنے پر وعید | ۹۴ |
| ۸۱ | مسجد میں زور سے گٹھری رکھنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک دیہاتی کو تادیب | ۹۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۲ | دورانِ صلوۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے سے گذرنے پر آپ کا اس کو بددعا دینا | ۹۶ |
| ۸۳ | کتوں کی پوری نسل ہی ختم ہوجاتی | ۹۶ |
| ۸۴ | نماز سے پہلے نماز میں رکاوٹ ڈالنی والی تمام چیزوں کو پسِ پشت ڈال دینا چاہیے! | ۹۷ |
| ۸۵ | نماز میں باغ کا خیال آنے پر حضرت ابوطلحہؓ کا باغ صدقہ کردینا | ۹۷ |
| ۸۶ | دورِ عثمانی کا ایک اور واقعہ | ۹۸ |
| ۸۷ | موبائل: اس زمانے کا بہت بڑا فتنہ | ۹۹ |
| ۸۸ | موبائل کی رنگ ٹون کے بارے میں احتیاط بہت ضروری ہے | ۱۰۰ |
| ۸۹ | بانسری کی آواز کے بارے میں حضرت ابنِ عمرؓ کی احتیاط | ۱۰۰ |
| ۹۰ | کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا | ۱۰۱ |
| ۹۱ | گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی | ۱۰۱ |
| ۹۲ | کسی بھی نئی چیز کے استعمال سے پہلے اس کا شرعی حکم معلوم کرلینا ایمانی تقاضا ہے | ۱۰۲ |
| ۹۳ | اشیاءِ جدیدہ کا حکم معلوم کیے بغیر استعمال کرنے کا افسوس ناک انجام | ۱۰۳ |
| ۹۴ | تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں | ۱۰۳ |
| ۹۵ | تم مسلماں ہو، یہ اندازِ مسلمانی ہے! | ۱۰۴ |
| ۹۶ | صاحبِ کمالات عزت واحترام کا حق دار ہے | ۱۰۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۷ | وہ آدمی بدترین ہے جس کا احترام اس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جائے | ۱۰۵ |
| ۹۸ | آج انسان ہوا جاتا ہے ابلیس صفت | ۱۰۶ |
| ۹۹ | جن گلوں میں بو نہیں وہ خوشنما کہنے کو ہیں | ۱۰۷ |
| ۱۰۰ | کمینوں کی سرداری بھی مصائب کے نزول کا سبب ہے | ۱۰۷ |
| ۱۰۱ | حدیث میں وارد جن بری پیشین گوئیوں سے بچنا ممکن ہو، ان سے ضرور بچا جائے! | ۱۰۸ |
| ۱۰۲ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاجبِ کعبہ سے اس کی چابی کا مطالبہ | ۱۰۹ |
| ۱۰۳ | قبل ہجرت حاجبِ کعبہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی | ۱۱۰ |
| ۱۰۴ | فتحِ مکہ کے موقع پر مذکورہ پیشین گوئی کی تکمیل | ۱۱۰ |
| ۱۰۵ | دینِ اسلام میں امانت کی اہمیت | ۱۱۱ |
| ۱۰۶ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وعدے کی صداقت آج تک قائم ہے | ۱۱۲ |
| ۱۰۷ | عہدے اور مناصب بھی امانت ہیں | ۱۱۳ |
| ۱۰۸ | امانت میں خیانت کرنا قیامت کی علامات میں سے ہے | ۱۱۳ |
| ۱۰۹ | کوئی عہدہ کسی نااہل کو سپرد کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے | ۱۱۴ |
| ۱۱۰ | شراب عربوں کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی | ۱۱۴ |
| ۱۱۱ | اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر | ۱۱۵ |
| ۱۱۲ | دخترِ سخاوت | ۱۱۵ |
| ۱۱۳ | انگور کو کَرم کہنے کی ممانعت | ۱۱۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۴ | دینِ اسلام انسانی فطرت کا لحاظ کر کے احکام دیتا ہے | ۱۱۶ |
| ۱۱۵ | شراب کی حرمت کا پہلا مرحلہ | ۱۱۷ |
| ۱۱۶ | حرمتِ خمر کا دوسرا مرحلہ | ۱۱۸ |
| ۱۱۷ | حرمتِ خمر کا تیسرا اور حتمی مرحلہ | ۱۱۹ |
| ۱۱۸ | شراب انسان کو ہوش وحواس سے یکسر بے گانہ کر دیتی ہے | ۱۱۹ |
| ۱۱۹ | أکرمك الله کما أکرمتنی | ۱۲۰ |
| ۱۲۰ | آیتِ کریمہ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ کا شانِ نزول | ۱۲۰ |
| ۱۲۱ | آیت کا مفہوم | ۱۲۱ |
| ۱۲۲ | حرمتِ خمر کے نزول پر صحابۂ کرام کا ردِّ عمل | ۱۲۲ |
| ۱۲۳ | مدینہ کی گلیاں شراب کی نالیاں بن گئیں | ۱۲۲ |
| ۱۲۴ | حکمِ اِلٰہی کی تعمیل میں زندگی کی جمع پونجی داؤ پر لگا دی | ۱۲۳ |
| ۱۲۵ | عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر | ۱۲۳ |
| ۱۲۶ | سلیم الفطرت حضرات جنھوں نے حرمت سے پہلے بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا | ۱۲۴ |
| ۱۲۷ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا | ۱۲۵ |
| ۱۲۸ | نشے کی حالت میں قرآنِ کریم کی غلط تلاوت پر ایک اور آیتِ خمر کا نزول | ۱۲۶ |
| ۱۲۹ | شراب بغض وعداوت کا باعث ہے | ۱۲۶ |
| ۱۳۰ | شراب کی حرمت میں تدریج کی حکمت | ۱۲۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۳۱ | شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت | ۱۲۸ |
| ۱۳۲ | شراب پینے والے کے بارے میں دوسری وعیدیں | ۱۲۸ |
| ۱۳۳ | گناہ گار گناہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہیں رہتا | ۱۲۹ |
| ۱۳۴ | شرابی کی ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں | ۱۳۰ |
| ۱۳۵ | شرابی شیطان کا دوست بن جاتا ہے | ۱۳۰ |
| ۱۳۶ | شرابی پر برے خاتمے کا اندیشہ ہوتا ہے | ۱۳۱ |
| ۱۳۷ | افیون کے نقصانات اور مسواک کے فوائد | ۱۳۱ |
| ۱۳۸ | بطورِ علاج شراب پینے والے کے ساتھ عالمِ برزخ میں سلوک | ۱۳۲ |
| ۱۳۹ | شراب نہ پینے والے کی جزا اور پینے والے کی سزا | ۱۳۲ |
| ۱۴۰ | شرابیوں کو نہرِ غوطہ سے پلایا جائے گا | ۱۳۳ |
| ۱۴۱ | ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے | ۱۳۴ |
| ۱۴۲ | شراب کے ظاہری، جسمانی نقصانات | ۱۳۴ |
| ۱۴۳ | آدھے ہسپتال اور آدھے جیل خانے خود بخود بند ہو سکتے ہیں | ۱۳۵ |
| ۱۴۴ | منشیات اور ہماری قوم | ۱۳۶ |
| ۱۴۵ | شراب کے نقصانات ''اظھر من الشمس'' ہیں | ۱۳۷ |
| ۱۴۶ | نشہ آور دوا کے استعمال سے حضرت عروہ بن زبیرؓ کا پرہیز | ۱۳۷ |
| ۱۴۷ | اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کا شیوہ اپنائیے! | ۱۳۹ |
| ۱۴۸ | جنت کی شراب کے حصول کے لیے دنیوی شراب کو چھوڑیئے! | ۱۳۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۹ | مردوں کا ریشمی لباس پہننا بھی آزمائشوں کو دعوت دینے والا ہے | ۱۳۹ |
| ۱۵۰ | مصنوعی ریشم پہن سکتے ہیں | ۱۴۰ |
| ۱۵۱ | موسیقی اور آلاتِ موسیقی کا استعمال بھی عذاب لانے والا ہے | ۱۴۰ |
| ۱۵۲ | دورِ جدید میں آلاتِ موسیقی کے کثرتِ استعمال کا مطلب | ۱۴۱ |
| ۱۵۳ | دورِ جدید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی صداقت کا نظارہ | ۱۴۱ |
| ۱۵۴ | آلاتِ موسیقی کے خریدار کے لیے قرآنی وعید | ۱۴۲ |
| ۱۵۵ | محسن قرآنِ پاک کا اعجاز ہی تو ہے | ۱۴۳ |
| ۱۵۶ | ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز | ۱۴۳ |
| ۱۵۷ | چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی | ۱۴۴ |
| ۱۵۸ | ''لَهْوَ الْحَدِيْثِ'' کا مصداق مفسرین کی نظر میں | ۱۴۵ |
| ۱۵۹ | گانا سننے کی حرمت کے بارے میں دوسری آیت | ۱۴۵ |
| ۱۶۰ | میں گانے بجانے کے آلات توڑنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں | ۱۴۶ |
| ۱۶۱ | گانوں سے متعلق کچھ اور وعیدیں | ۱۴۷ |
| ۱۶۲ | گانے سننے پر خسف، مسخ اور قذف کی وعید | ۱۴۸ |
| ۱۶۳ | چہروں کو مسخ کرنے کا مطلب | ۱۴۸ |
| ۱۶۴ | موسیقی اور گانے سننا آدمی کو خنزیر کی طرح بے حیا اور بندر کی طرح نقال بناتا ہے | ۱۴۹ |
| ۱۶۵ | ٹی وی وغیرہ آلاتِ لہو کی ہلاکت خیزیاں | ۱۵۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۶ | قربِ قیامت موسیقی سے تعلق رکھنے والوں کا حقیقی مسخ ہوگا | ۱۵۱ |
| ۱۶۷ | گانا اور موسیقی موجبِ کفر ونفاق ہے | ۱۵۱ |
| ۱۶۸ | نفاق کا مفہوم | ۱۵۲ |
| ۱۶۹ | گانا سننے اور اس سے لذت حاصل کرنے کی عادت کبھی نہیں جاتی | ۱۵۳ |
| ۱۷۰ | آلاتِ غناء کی بہتات اور اس کا انجامِ بد | ۱۵۳ |
| ۱۷۱ | بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا | ۱۵۴ |
| ۱۷۲ | ٹی وی نے آکر آج سب کے تقوے کا پردہ فاش کر دیا ہے | ۱۵۵ |
| ۱۷۳ | ''ٹی وی میں کیا حرج ہے'' کہنے والا اپنے ایمان کی خیر مناوے | ۱۵۵ |
| ۱۷۴ | ٹی وی بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہے | ۱۵۶ |
| ۱۷۵ | ٹی وی کی مشغولیت کے خطرناک نتائج | ۱۵۶ |
| ۱۷۶ | ایک اور عبرت ناک واقعہ | ۱۵۸ |
| ۱۷۷ | قبر کا عذاب دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے | ۱۵۸ |
| ۱۷۸ | بے اختیار کانوں میں پہنچنے والی گانے کی آواز سے بھی احتیاط بہتر ہے | ۱۵۹ |
| ۱۷۹ | واقعۂ بالا کا تکملہ | ۱۶۰ |
| ۱۸۰ | اذان کا احترام کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکرام | ۱۶۱ |
| ۱۸۱ | گانا زنا کا منتر ہے | ۱۶۱ |
| ۱۸۲ | تو انتظار کرو اس وقت سرخ آندھیوں کا! | ۱۶۲ |
| ۱۸۳ | اسلاف کی برائی کرنا بھی عذاب کو دعوت دینے والا ہے | ۱۶۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۴ | حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں شیعہ کی دریدہ دہنی | ۱۶۳ |
| ۱۸۵ | شیعوں کے عقائدِ شنیعہ | ۱۶۴ |
| ۱۸۶ | حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک عقیدۂ فاحشہ | ۱۶۴ |
| ۱۸۷ | شیعوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں بخشا | ۱۶۴ |
| ۱۸۸ | ہم تک دین کے پہنچنے کے واسطے | ۱۶۵ |
| ۱۸۹ | حضرت جبرئیلؑ کی امانت، ثقاہت اور بے نظیر قوت | ۱۶۵ |
| ۱۹۰ | خدا نے خود جنھیں بخشا رضامندی کا پروانہ | ۱۶۶ |
| ۱۹۱ | اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے | ۱۶۷ |
| ۱۹۲ | انھیں پر بعض ناداں کچھ گڑھا کرتے ہیں افسانہ | ۱۶۸ |
| ۱۹۳ | حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہونے والے قرآنی القاباتِ ثمینہ | ۱۶۹ |
| ۱۹۴ | اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوجائیں، اس سے کبھی ناراض نہیں ہوتے | ۱۶۹ |
| ۱۹۵ | میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں | ۱۷۰ |
| ۱۹۶ | میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو! | ۱۷۱ |
| ۱۹۷ | ہمارا زندگی بھر کا عمل صحابہ کی معمولی سی عبادت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا | ۱۷۱ |
| ۱۹۸ | حضراتِ صحابہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ اللہ کا مقولہ | ۱۷۲ |
| ۱۹۹ | اسلاف کے بارے میں شمس الدین سلفی کی دریدہ دہنی | ۱۷۳ |
| ۲۰۰ | حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں ایک اور سلفی کی ہرزہ سرائی | ۱۷۴ |
| ۲۰۱ | حج، عمرہ کرنے والوں کو اسلاف سے بدظن کرنے کا ابلیسی مکر | ۱۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۲ | فِرقِ باطلہ کی تحریروں سے کنارہ کشی اختیار کرنا بہت ضروری ہے | ۱۷۶ |
| ۲۰۳ | ہماری غفلت اور کوتاہی | ۱۷۷ |
| ۲۰۴ | ’’توریت‘‘ پڑھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خفگی | ۱۷۷ |
| ۲۰۵ | اختتامی کلمات | ۱۷۸ |


## حج کا مسنون طریقہ


| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۶ | حج کرنے سے پہلے اس کے مسائل کو جاننے کی ضرورت | ۱۸۳ |
| ۲۰۷ | مسائلِ حج سے عدمِ واقفیت حج کو فاسد کرسکتی ہے | ۱۸۴ |
| ۲۰۸ | حج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف | ۱۸۴ |
| ۲۰۹ | اعمالِ حج وعمرہ کی انجام دہی کی جگہیں | ۱۸۵ |
| ۲۱۰ | حج اور عمرہ کا وقت | ۱۸۵ |
| ۲۱۱ | احرام کو سمجھانے کے لیے ایک مثال | ۱۸۶ |
| ۲۱۲ | نماز کی صحت کے لیے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاکی حاصل کرنا فرض ہے | ۱۸۶ |
| ۲۱۳ | نجاستِ حکمیہ اور اس کی دو قسمیں | ۱۸۷ |
| ۲۱۴ | نماز سے باہر کے فرائض | ۱۸۸ |
| ۲۱۵ | نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کرنا فرض ہے | ۱۸۸ |
| ۲۱۶ | نماز کا تحریمہ اور اس کی وجہِ تسمیہ | ۱۸۹ |
| ۲۱۷ | حرمتِ صلوۃ سے باہر لانے والا کلمہ | ۱۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱۸ | حرمتِ صلاۃ میں داخل ہونے کے لیے دو کام ضروری ہیں | ۱۹۰ |
| ۲۱۹ | حج کے احرام میں داخل ہونے کے لیے نیت اور تلبیہ ضروری ہے | ۱۹۱ |
| ۲۲۰ | احرام کی وجہ سے بہت سے حلال کام حرام ہو جاتے ہیں | ۱۹۱ |
| ۲۲۱ | حلق اور قصر حج اور عمرے کے لیے تحلیل کے درجے میں ہیں | ۱۹۲ |
| ۲۲۲ | حج و عمرہ کے احرام اور نماز کے تحریمہ میں فرق | ۱۹۲ |
| ۲۲۳ | چادریں احرام نہیں، احرام کا لباس ہیں | ۱۹۳ |
| ۲۲۴ | احرام کی چادریں احرام شروع ہونے سے پہلے پہننے کی وجہ | ۱۹۴ |
| ۲۲۵ | احرام کی قسمیں | ۱۹۴ |
| ۲۲۶ | حرمِ مکی | ۱۹۵ |
| ۲۲۷ | مواقیت | ۱۹۵ |
| ۲۲۸ | احرام کی قسمیں | ۱۹۶ |
| ۲۲۹ | اپنے گھر سے احرام باندھنا بہتر ہے | ۱۹۷ |
| ۲۳۰ | تَمَتُّع کا مطلب | ۱۹۸ |
| ۲۳۱ | عمرے کا طریقہ اور تفصیل | ۱۹۸ |
| ۲۳۲ | تَمَتُّع کا طریقہ | ۱۹۸ |
| ۲۳۳ | ہمارے یہاں کے لوگوں کے لیے بمبئی ہی سے احرام باندھنا بہتر ہے | ۱۹۹ |
| ۲۳۴ | احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے | ۱۹۹ |
| ۲۳۵ | احرام باندھنے کا طریقہ | ۲۰۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۶ | عمرے کی نیت کا محل | ۲۰۱ |
| ۲۳۷ | عمرے کی نیت اور تلبیہ کے الفاظ | ۲۰۱ |
| ۲۳۸ | حالت احرام میں ہوائی جہاز میں پیش آنے والی بداحتیاطی | ۲۰۲ |
| ۲۳۹ | اگر حج کے سفر میں تردد ہو تو گھر سے احرام نہ باندھے | ۲۰۳ |
| ۲۴۰ | ہوائی جہاز میں میقات آنے سے پہلے احرام ضرور باندھ لیں | ۲۰۳ |
| ۲۴۱ | گھر سے احرام باندھنے کا حکم کن لوگوں کے لیے ہے؟ | ۲۰۴ |
| ۲۴۲ | مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد کی کاروائی | ۲۰۵ |
| ۲۴۳ | مسجدِ حرام میں کسی بھی دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں | ۲۰۵ |
| ۲۴۴ | حضرت دامت برکاتہم کا ایک واقعہ | ۲۰۶ |
| ۲۴۵ | کعبۃ اللہ پر نظر پڑنے کے وقت کا عمل | ۲۰۶ |
| ۲۴۶ | مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد کا عمل | ۲۰۷ |
| ۲۴۷ | کعبۃ اللہ کے ارکانِ اربعہ (چار کونے) | ۲۰۷ |
| ۲۴۸ | طواف کا طریقہ | ۲۰۸ |
| ۲۴۹ | طواف کی ابتدا کہاں سے کریں؟ | ۲۰۸ |
| ۲۵۰ | طواف شروع کرنے سے پہلے حجرِ اسود کا استقبال اور استلام کرنا ہے | ۲۰۹ |
| ۲۵۱ | حطیم کیا ہے؟ | ۲۱۰ |
| ۲۵۲ | اضطباع کا مطلب اور اس کا محل | ۲۱۱ |
| ۲۵۳ | طواف کا چکر ختم ہونے پر صرف استلام کرنا ہے | ۲۱۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۴ | طواف کے سات چکروں میں آٹھ مرتبہ استلام کرنا ہے | ۲۱۲ |
| ۲۵۵ | طواف کے بعد مُلْتَزَمْ پر دعا کرنا ہے۔ | ۲۱۲ |
| ۲۵۶ | مقامِ ابراہیم اور اس کے قریب طواف کی دو رکعت نماز | ۲۱۳ |
| ۲۵۷ | طواف کی دو رکعت کا حکم | ۲۱۴ |
| ۲۵۸ | طواف کی دو رکعت کے بعد زمزم پینا ہے | ۲۱۴ |
| ۲۵۹ | ملتزم پر جانا اور زمزم پینا طوافِ مسنون کے اجزاء ہیں | ۲۱۴ |
| ۲۶۰ | صفا، مروہ کی سعی | ۲۱۵ |
| ۲۶۱ | صفا پر کیے جانے والے اعمال | ۲۱۵ |
| ۲۶۲ | صفا، مروہ کی سعی کا طریقہ | ۲۱۶ |
| ۲۶۳ | سعی بین الصفا والمروہ کے سات چکر | ۲۱۷ |
| ۲۶۴ | حلق قصر سے افضل ہے | ۲۱۸ |
| ۲۶۵ | عمرے میں تلبیہ کہنے اور ختم کرنے کے مواقع | ۲۱۹ |
| ۲۶۶ | بغیر طواف کیے بال منڈوانا ایک جرم ہے | ۲۱۹ |
| ۲۶۷ | عمرے کے بعد حج کا احرام کب باندھیں؟ | ۲۱۹ |
| ۲۶۸ | حج کی نیت | ۲۲۰ |
| ۲۶۹ | آج کل منیٰ کے لیے روانگی کے سلسلے میں معلمین کا طرزِ عمل | ۲۲۱ |
| ۲۷۰ | منیٰ جا کر اپنا خیمہ کس طرح تلاش کریں گے؟ | ۲۲۱ |
| ۲۷۱ | منیٰ میں نمازوں میں قصر کریں گے یا اتمام؟ | ۲۲۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۲ | نویں ذی الحجہ کو منٰی سے عرفات کے لیے روانگی کا وقت | ۲۲۲ |
| ۲۷۳ | وقوفِ عرفہ حج کا رکنِ اعظم ہے | ۲۲۳ |
| ۲۷۴ | وقوفِ عرفہ سے پہلے اس کی تیاری کرلیں | ۲۲۳ |
| ۲۷۵ | میدانِ عرفات میں اپنے خیمے میں نماز پڑھنے میں سہولت ہے | ۲۲۴ |
| ۲۷۶ | وقوفِ عرفہ کے دوران کیے جانے والے اعمال | ۲۲۵ |
| ۲۷۷ | غروب سے پہلے میدانِ عرفات سے نکلنا گناہ ہے | ۲۲۵ |
| ۲۷۸ | میدانِ عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی | ۲۲۶ |
| ۲۷۹ | مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ ادا کرنا ہے | ۲۲۶ |
| ۲۸۰ | مزدلفہ کی بابرکت رات کو خوب وصول کیجیے! | ۲۲۷ |
| ۲۸۱ | وقوفِ مزدلفہ کا وقت | ۲۲۷ |
| ۲۸۲ | مزدلفہ میں فجر کی اذان دینے میں صبحِ صادق کا خاص خیال رکھنا ہے | ۲۲۸ |
| ۲۸۳ | مزدلفہ سے منٰی کی طرف روانگی | ۲۲۹ |
| ۲۸۴ | مزدلفہ سے رمی کے لیے کنکریاں اٹھالینا بہتر ہے | ۲۲۹ |
| ۲۸۵ | جمرات کی حقیقت | ۲۳۰ |
| ۲۸۶ | جمرۂ عقبہ کی رمی اور اس کا وقت | ۲۳۰ |
| ۲۸۷ | رمیِ جمرات کا طریقہ | ۲۳۱ |
| ۲۸۸ | رمی شروع کرتے ہی تلبیہ کا سلسلہ ختم کردیں | ۲۳۲ |
| ۲۸۹ | تمتع کرنے والے پر ہدی کی قربانی واجب ہے | ۲۳۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۹۰ | رمی،قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے | ۲۳۲ |
| ۲۹۱ | مذکورہ تین کاموں کے بعد طوافِ زیارت کو انجام دینا سنت ہے | ۲۳۳ |
| ۲۹۲ | حاجی کے لیے عید والی قربانی کا حکم | ۲۳۳ |
| ۲۹۳ | ہدی کی قربانی میں احتیاط ضروری ہے | ۲۳۴ |
| ۲۹۴ | قربانی ذبح ہوجانے کے اطمینان پر ہی حلق کروائیں | ۲۳۵ |
| ۲۹۵ | عورت کے لیے بال ترشوانے کا طریقہ | ۲۳۵ |
| ۲۹۶ | حلق کا طریقہ | ۲۳۶ |
| ۲۹۷ | متمتع کے لیے طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرنی ہے | ۲۳۶ |
| ۲۹۸ | قربانی اور حلق سے پہلے بھی طوافِ زیارت کر سکتے ہیں | ۲۳۷ |
| ۲۹۹ | متمتع کے کے لیے طوافِ زیارت میں رمل اور اضطباع بھی کرنا ہے | ۲۳۷ |
| ۳۰۰ | طوافِ زیارت کا وقت | ۲۳۸ |
| ۳۰۱ | عذر کی وجہ سے سعی میں تاخیر بلا کراہت جائز ہے | ۲۳۸ |
| ۳۰۲ | طوافِ زیارت کے بعد رات منیٰ میں گذارنا سنتِ مؤکدہ ہے | ۲۳۹ |
| ۳۰۳ | گیارہویں کو تینوں جمرات کی رمی کا طریقہ | ۲۳۹ |
| ۳۰۴ | گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت | ۲۴۰ |
| ۳۰۵ | تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کب واجب ہوتی ہے؟ | ۲۴۰ |
| ۳۰۶ | طوافِ وداع واجب ہے | ۲۴۱ |
| ۳۰۷ | حجِّ اِفراد کا طریقہ | ۲۴۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰۸ | حجِ قِران کا طریقہ | ۲۴۲ |
| ۳۰۹ | قِران کرنے والے کے لیے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنی مسنون ہے | ۲۴۲ |
| ۳۱۰ | طواف کے بغیر سعی معتبر نہیں ہے | ۲۴۳ |
| ۳۱۱ | مُفرِد بھی طوافِ قدوم کے ساتھ سعی کر سکتا ہے | ۲۴۳ |
| ۳۱۲ | بیوی طوافِ زیارت کے بعد حلال ہوتی ہے، نہ کہ حلق کے بعد | ۲۴۳ |
| ۳۱۳ | حج سے پہلے اس کے احکام سیکھنے کا اہتمام ضروری ہے | ۲۴۴ |
| ۳۱۴ | مدینہ منورہ کا سفر | ۲۴۴ |
| ۳۱۵ | روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کا طریقہ | ۲۴۵ |
| ۳۱۶ | حضراتِ شیخین کو سلام کرنے کا طریقہ | ۲۴۶ |
| ۳۱۷ | مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کا ضرور اہتمام ہو | ۲۴۶ |


## بندگانِ الٰہی کے ساتھ خیر خواہی دینِ اسلام کی نظر میں


| | | |
|---|---|---|
| ۳۱۸ | القابات میں مبالغہ کی ممانعت | ۲۵۱ |
| ۳۱۹ | حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض خصوصیات | ۲۵۲ |
| ۳۲۰ | حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت اور رعب | ۲۵۲ |
| ۳۲۱ | کِسریٰ شاہِ ایران کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والہ نامہ | ۲۵۳ |
| ۳۲۲ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کِسریٰ کی گستاخی | ۲۵۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲۳ | باذان کے فرستادوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت | ۲۵۴ |
| ۳۲۴ | کسری کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی | ۲۵۵ |
| ۳۲۵ | باپ بیٹے کی ایک دوسرے کو قتل کرنے کی سازش | ۲۵۶ |
| ۳۲۶ | شیرویہ کے ہاتھوں اپنے باپ اور دیگر خاندان والوں کی تباہی | ۲۵۶ |
| ۳۲۷ | وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو کسی عورت کو اپنا حکمران بنائے | ۲۵۷ |
| ۳۲۸ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری خصوصیت | ۲۵۸ |
| ۳۲۹ | مسجد میں نماز ادا کرنے کا تاکیدی حکم ہے | ۲۵۸ |
| ۳۳۰ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری خصوصیت: مٹی کو پاکی کے حصول کا ذریعہ بنادیا | ۲۵۹ |
| ۳۳۱ | شریعت نے نماز چھوڑنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں رہنے دیا | ۲۵۹ |
| ۳۳۲ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور خصوصیت | ۲۶۰ |
| ۳۳۳ | میدانِ حشر میں لوگوں کی پریشانی | ۲۶۰ |
| ۳۳۴ | حضرت آدمؑ کی خدمت میں لوگوں کی درخواست اور سفارش کرنے سے آپ کی معذرت | ۲۶۱ |
| ۳۳۵ | دیگر انبیاءؑ کی خدمت میں درخواست اور ان کی بھی سفارش کرنے سے معذرت | ۲۶۲ |
| ۳۳۶ | سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا | ۲۶۲ |
| ۳۳۷ | شفاعتِ کبری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے | ۲۶۳ |
| ۳۳۸ | آپ ساری دنیا کے لیے نبی ہیں | ۲۶۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳۹ | کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا | ۲۶۴ |
| ۳۴۰ | عجب نہیں تیری رحمت کی حد نہ ہو کوئی | ۲۶۵ |
| ۳۴۱ | چرند و پرند کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت کا ایک عجیب واقعہ | ۲۶۶ |
| ۳۴۲ | اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ شفیق ہیں | ۲۶۶ |
| ۳۴۳ | بندوں پر اللہ تعالیٰ کی انتہائی شفقت کا ایک نمونہ | ۲۶۷ |
| ۳۴۴ | قوم کے لیے بددعا کرنے پر حضرت نوحؑ کو اللہ کی طرف سے تنبیہ | ۲۶۹ |
| ۳۴۵ | رحمتِ خدا بہانہ می جوید | ۲۷۰ |
| ۳۴۶ | اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کا عجیب وغریب واقعہ | ۲۷۱ |
| ۳۴۷ | اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے | ۲۷۲ |
| ۳۴۸ | دنیا کی معمولی تکلیف دور کرنے پر آخرت کی بڑی تکلیف دور کرنے کی بشارت | ۲۷۳ |
| ۳۴۹ | قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا | ۲۷۳ |
| ۳۵۰ | پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے | ۲۷۴ |
| ۳۵۱ | رحمتِ خدا ''بہا'' نمی جوید | ۲۷۴ |
| ۳۵۲ | پیاسے کتے کو پانی پلانے پر مغفرت | ۲۷۵ |
| ۳۵۳ | یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی | ۲۷۵ |
| ۳۵۴ | تنگ دستوں کے لیے آسانی پیدا کرنا | ۲۷۶ |
| ۳۵۵ | ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں | ۲۷۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵۶ | حاجت مند کی حاجت پوری کرنے پر حج کا ثواب | ۲۷۷ |
| ۳۵۷ | دل بدست آور کہ حجِّ اکبر است | ۲۷۸ |
| ۳۵۸ | مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو | ۲۷۹ |
| ۳۵۹ | ملک کی بدحالی کو دور کرنے میں ہم بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں | ۲۷۹ |
| ۳۶۰ | انسان کا شکار خود انسان ہے آج کل | ۲۷۹ |
| ۳۶۱ | تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں | ۲۸۰ |
| ۳۶۲ | جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے | ۲۸۰ |
| ۳۶۳ | دوسروں کی عیوب پوشی درحقیقت اپنی عیوب پوشی ہے | ۲۸۰ |
| ۳۶۴ | برادر ہے جب تک برادر کا یاور | ۲۸۱ |


## مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل (۱)


| | | |
|---|---|---|
| ۳۶۵ | مسجد کے اللہ کا گھر ہونے کا مطلب | ۲۸۶ |
| ۳۶۶ | اللہ کے نزدیک روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب خطہ مسجد ہے | ۲۸۷ |
| ۳۶۷ | قیامت کے دن اللہ کے سایے میں جگہ پانے والا خوش نصیب | ۲۸۸ |
| ۳۶۸ | مساجد اور ان سے ہماری بے اعتنائی | ۲۸۹ |
| ۳۶۹ | بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند | ۲۸۹ |
| ۳۷۰ | مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں | ۲۹۰ |
| ۳۷۱ | سُبْحَانَ اللهِ وغیرہ ذکر کے جملے جنت کے درخت ہیں | ۲۹۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۲ | جنت کی نعمتیں لازوال ہیں | ۲۹۱ |
| ۳۷۳ | ایک منٹ میں ہم جنت کے سو درخت حاصل کر سکتے ہیں | ۲۹۲ |
| ۳۷۴ | آخرت کی زندگی بہتر اور دیر پا ہے | ۲۹۳ |
| ۳۷۵ | کعبۃ اللہ روئے زمین پر بننے والا پہلا گھر ہے | ۲۹۳ |
| ۳۷۶ | مؤمن کی سب سے پہلی فکر مسجد کی تعمیر ہونی چاہیے! | ۲۹۴ |
| ۳۷۷ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مکان سے پہلے مسجد بنانے کی فکر فرمائی | ۲۹۵ |
| ۳۷۸ | مسجد کے بغیر مؤمن کی زندگی گذر ہی نہیں سکتی | ۲۹۶ |
| ۳۷۹ | تو برائے بندگی ہے یاد رکھ! | ۲۹۶ |
| ۳۸۰ | اللہ تبارک تعالیٰ ہماری عبادت کے ہرگز محتاج نہیں ہیں | ۲۹۶ |
| ۳۸۱ | ہماری فرماں برداری اور نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پروانہیں ہے | ۲۹۷ |
| ۳۸۲ | بندوں کے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا | ۲۹۸ |
| ۳۸۳ | اللہ تعالیٰ کا ہمیں اپنا نام لینے کا حکم دینا بھی اس کا احسان ہے | ۲۹۸ |
| ۳۸۴ | اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ بے انتہا محبت ہے | ۲۹۹ |
| ۳۸۵ | بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک مثال | ۲۹۹ |
| ۳۸۶ | بندوں پر طاری ہونے والے حالات اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں منسوب کیے؟ | ۳۰۰ |
| ۳۸۷ | جانتے ہیں اہلِ دنیا جیسی پڑھتے ہیں نماز | ۳۰۱ |
| ۳۸۸ | مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عظیم فائدہ | ۳۰۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۸۹ | ہماری بے دینی کی انتہا | ۳۰۲ |
| ۳۹۰ | صحابۂ کرامؓ میں باجماعت نماز کا اہتمام | ۳۰۳ |
| ۳۹۱ | اے ابنِ سماعہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا؟ | ۳۰۳ |
| ۳۹۲ | باجماعت نماز کا دوسرا عظیم فائدہ | ۳۰۴ |
| ۳۹۳ | جو لوگ مسجد کے اندر رہتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں | ۳۰۵ |
| | **مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل (۲)** | |
| ۳۹۴ | مسجد کے افتتاح کے موقع پر اظہارِ مسرت اسلاف کی سنت رہی ہے | ۳۱۰ |
| ۳۹۵ | کعبۃ اللہ کی تعمیر میں کفارِ قریش کا حلال کمائی کا اہتمام | ۳۱۱ |
| ۳۹۶ | مسجد خالص حلال رقم سے ہونے کی حقیقت کفار بھی سمجھتے تھے | ۳۱۱ |
| ۳۹۷ | بناءِ ابراہیمی میں کفار کی تبدیلی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش | ۳۱۲ |
| ۳۹۸ | کعبۃ اللہ کی تعمیر کی خوشی پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے دعوت کا انتظام | ۳۱۳ |
| ۳۹۹ | مسجد کا سنگِ بنیاد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے | ۳۱۳ |
| ۴۰۰ | مدنی زندگی میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی قیام | ۳۱۴ |
| ۴۰۱ | تعمیرِ مسجد کے سلسلے میں نبوی تعلیم | ۳۱۵ |
| ۴۰۲ | کارِ خیر میں اپنی رقم لگانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے | ۳۱۵ |
| ۴۰۳ | منت شناس از وکہ بخدمت بداشتند | ۳۱۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۰۴ | ارکانِ اسلام میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے | ۳۱۷ |
| ۴۰۵ | علماء سے ملاقات ان کے نظام کے تحت کریں | ۳۱۷ |
| ۴۰۶ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قبیلۂ بنو تمیم کی بے وقت آمد | ۳۱۸ |
| ۴۰۷ | ملاقات کے قرآنی آداب | ۳۱۸ |
| ۴۰۸ | پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے | ۳۱۹ |
| ۴۰۹ | عالم کا وجود نبی کے وجود کی طرح ہے | ۳۲۰ |
| ۴۱۰ | گناہ تو پھر گناہ ٹھہرا، عبادتیں بھی ہیں مجرمانہ | ۳۲۰ |
| ۴۱۱ | عجب نہیں، تیری رحمت کی حد جہ ہو کوئی | ۳۲۱ |
| ۴۱۲ | ایک عابد کا واقعہ | ۳۲۲ |
| ۴۱۳ | اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہے | ۳۲۲ |
| ۴۱۴ | ''میں تو غفّار ہوں'' تو نے خود ہی کہا | ۳۲۳ |
| ۴۱۵ | نیت باندھے صف میں کھڑے ہیں سب اپنے اپنے خیال میں | ۳۲۴ |
| ۴۱۶ | ہماری عبادت سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا | ۳۲۴ |
| ۴۱۷ | من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | ۳۲۵ |
| ۴۱۸ | ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب | ۳۲۶ |
| ۴۱۹ | مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے | ۳۲۷ |
| ۴۲۰ | مسجد تو بنادی پل بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے | ۳۲۷ |
| ۴۲۱ | کچی مسجدیں پکے نمازی | ۳۲۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲۲ | دل ہے مسلماں میرا، نہ تیرا | ۳۲۸ |
| ۴۲۳ | ثواب کے حصول کے لیے پوری مسجد بنوانا ضروری نہیں ہے | ۳۲۹ |
| ۴۲۴ | تحیۃ المسجد سے ہماری غفلت یا ناواقفیت | ۳۲۹ |
| ۴۲۵ | تحیۃ المسجد کی مشروعیت کی حکمت | ۳۳۰ |
| ۴۲۶ | بدبودار چیز استعمال کر کے مسجد میں آنا پرہیز ضروری ہے | ۳۳۱ |
| ۴۲۷ | مسجد کے جملہ آداب کی رعایت کیجیے | ۳۲۲ |

## بندوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی بارش اور ان نعمتوں کے بارے بندوں کا حال

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲۸ | اللہ تعالیٰ کی مختلف اور متنوع نعمتیں | ۳۳۵ |
| ۴۲۹ | انسان کے ساتھ مخصوص نعمتیں | ۳۳۵ |
| ۴۳۰ | انسان کو کم زیادہ ملنے والی نعمتیں | ۳۳۶ |
| ۴۳۱ | مانگے بنا ملی ہیں زمانہ بھر کی نعمتیں | ۳۳۶ |
| ۴۳۲ | دولت وثروت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے | ۳۳۷ |
| ۴۳۳ | علم وفضل بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے | ۳۳۷ |
| ۴۳۴ | صلاح وتقوی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے | ۳۳۸ |
| ۴۳۵ | ایک احمق مال دار اور فقیر عالم | ۳۳۹ |
| ۴۳۶ | رزق کا مدار علم وعقل پر نہیں ہے | ۳۳۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۳۷ | نعمتوں کے اعتبار سے بندوں کی دو حالتیں | ۳۴۰ |
| ۴۳۸ | حسد کی حقیقت | ۳۴۱ |
| ۴۳۹ | کُبڑے کی خواہش | ۳۴۱ |
| ۴۴۰ | کِبر و حسد دونوں ہی مذموم جذبے ہیں | ۳۴۲ |
| ۴۴۱ | دورِ رسالت کا ایک واقعہ | ۳۴۲ |
| ۴۴۲ | دلوں کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے | ۳۴۳ |
| ۴۴۳ | عند اللہ مقبولیت کا مدار تقوے پر ہے | ۳۴۳ |
| ۴۴۴ | کسی کے ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے! | ۳۴۴ |
| ۴۴۵ | آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز | ۳۴۵ |
| ۴۴۶ | فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ | ۳۴۶ |
| ۴۴۷ | جو فقر سے ہے میسر، تونگری سے نہیں | ۳۴۶ |
| ۴۴۸ | کسی مخلوق کی تحقیر خالق کی تحقیر ہے | ۳۴۷ |
| ۴۴۹ | زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم ان کا شہر ہیں | ۳۴۷ |
| ۴۵۰ | اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں تم کم قیمت نہیں ہو | ۳۴۸ |
| ۴۵۱ | خود کو کسی مخلوق سے بہتر سمجھنا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے | ۳۴۹ |
| ۴۵۲ | حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لگاؤ | ۳۴۹ |
| ۴۵۳ | اہلِ یمن کے فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہونے کی وجہ | ۳۵۰ |
| ۴۵۴ | دین دار کسی بے دین کو حقیر نہ سمجھے! | ۳۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۵ | متقدمین کے لیے متاخرین پر واجب حق | ۳۵۲ |
| ۴۵۶ | دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو | ۳۵۲ |
| ۴۵۷ | دورِ رسالت کا ایک واقعہ | ۳۵۳ |
| ۴۵۸ | دل کا کینے سے خالی ہونا جنت میں داخلے کا باعث ہے | ۳۵۴ |
| ۴۵۹ | وہ دل کہ جس میں سوزِ محبت نہیں ہے ذوق | ۳۵۵ |
| ۴۶۰ | دل بدست آور کہ حجِّ اکبر است | ۳۵۵ |
| | **دنیوی مال ومتاع اور اس کے حقوق** | |
| ۴۶۱ | حدیث شریف کی تشریح | ۳۵۹ |
| ۴۶۲ | صحابۂ کرام کے ساتھ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک | ۳۶۰ |
| ۴۶۳ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع | ۳۶۱ |
| ۴۶۴ | چرچا تیرے اخلاق کا ہے روئے زمین پر | ۳۶۱ |
| ۴۶۵ | حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا بیان | ۳۶۲ |
| ۴۶۶ | آج مال کو جملہ اقدار کا ضامن بنا دیا گیا ہے | ۳۶۳ |
| ۴۶۷ | گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی | ۳۶۳ |
| ۴۶۸ | تقویٰ کے ساتھ مال داری بری نہیں ہے | ۳۶۴ |
| ۴۶۹ | تقویٰ کا مفہوم | ۳۶۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۷۰ | اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب | ۳۶۵ |
| ۴۷۱ | مال داری کے باب میں تقوی کا مطلب | ۳۶۶ |
| ۴۷۲ | اسلام میں کسبِ حلال کی اہمیت | ۳۶۶ |
| ۴۷۳ | کمائی کے باب میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کا تقوی | ۳۶۷ |
| ۴۷۴ | قیامت کے دن پانچ چیزوں کے متعلق سوال ہوگا | ۳۶۸ |
| ۴۷۵ | مال کے باب میں دوسری شرط | ۳۶۸ |
| ۴۷۶ | اچھے کاموں میں بھی ضرورت سے زیادہ کا استعمال اسراف ہے | ۳۶۹ |
| ۴۷۷ | شادیوں میں ہونے والی فضول خرچیاں | ۳۷۰ |
| ۴۷۸ | حضراتِ صحابہؓ اور فضول خرچیوں سے اجتناب کا اہتمام | ۳۷۱ |
| ۴۷۹ | نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کا جذبۂ جود وسخا | ۳۷۱ |
| ۴۸۰ | دوسروں کی حاجت روائی کا نبوی طریق | ۳۷۲ |
| ۴۸۱ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اشارے پر جان لٹانے والے | ۳۷۳ |
| ۴۸۲ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۳۷۳ |
| ۴۸۳ | فضول خرچی عقل کے اعتبار سے بھی بری ہے | ۳۷۴ |
| ۴۸۴ | مال داری کی تیسری شرط | ۳۷۴ |
| ۴۸۵ | احسان جتلانے سے احتراز بھی ضروری ہے | ۳۷۵ |
| ۴۸۶ | اللہ تعالیٰ کمزوروں کی برکت سے روزی دیتے ہیں | ۳۷۶ |
| ۴۸۷ | بھروسہ تھا تو ایک سادی سی کالی کملی والے پر | ۳۷۷ |

## پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو!


| | | |
|---|---|---|
| ۴۸۸ | جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو | ۳۸۱ |
| ۴۸۹ | ایک تندرستی ہزار نعمت | ۳۸۲ |
| ۴۹۰ | فقیری سے پہلے مال داری کو غنیمت جانو! | ۳۸۲ |
| ۴۹۱ | غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی | ۳۸۳ |
| ۴۹۲ | زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو! | ۳۸۳ |
| ۴۹۳ | ایک اللہ والے کی موت کے بعد قبر میں تلاوت | ۳۸۳ |
| ۴۹۴ | زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے | ۳۸۴ |
| ۴۹۵ | کرلے جو کرنا ہے، آخر موت ہے | ۳۸۵ |
| ۴۹۶ | لب پہ ہر دم ذکر اللہ کی تکرار ہو | ۳۸۶ |
| ۴۹۷ | جنت میں حسرت وافسوس کی چیز | ۳۸۶ |


## ذکر کے فضائل وفوائد


| | | |
|---|---|---|
| ۴۹۸ | سب چھوڑ خیالات، بس اک یادِ خدا کر | ۳۹۱ |
| ۴۹۹ | بندوں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے | ۳۹۲ |
| ۵۰۰ | ہماری اطاعت یا معصیت سے اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا | ۳۹۲ |
| ۵۰۱ | اللہ کا ذکر اس کی اطاعت پر آمادہ کرنے والی چیز ہے | ۳۹۳ |
| ۵۰۲ | اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت صدورِ معاصی کا سبب ہے | ۳۹۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۰۳ | ایک چرواہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت | ۳۹۴ |
| ۵۰۴ | خدا ایسے احساس کا نام ہے، رہے سامنے اور دکھائی نہ دے | ۳۹۵ |
| ۵۰۵ | بندے کے لیے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا ممکن ہے | ۳۹۶ |
| ۵۰۶ | مختلف اوقات کی دعائیں اور سنتیں بھی ذکر اللہ ہی ہیں | ۳۹۶ |
| ۵۰۷ | ذکر اللہ کے مختلف کلمات | ۳۹۷ |
| ۵۰۸ | اس دل پہ خدا کی رحمت ہو، جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے | ۳۹۷ |
| ۵۰۹ | ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر | ۳۹۸ |
| ۵۱۰ | دعا بھی اللہ تعالیٰ کا بہترین ذکر ہے | ۳۹۸ |

# تفصیلی فہرست مضامین...... جلد پنجم



| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| | **قرآن کریم کے حفظ کی فضیلت اور اس کو بھولنے پر وعیدیں** | |
| ۱ | ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں | ۴۵ |
| ۲ | کتبِ سماویہ کا مختصر تعارف | ۴۶ |
| ۳ | زبور کی تلاوت اور حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ | ۴۶ |
| ۴ | طیِّ زمان: ایک معجزہ، ایک کرامت | ۴۷ |
| ۵ | زبور میں احکام سے متعلق کوئی چیز نہیں تھی | ۴۸ |
| ۶ | اے ابوموسی! تم کو داود کی عمدہ آواز کا کچھ حصہ دیا گیا ہے | ۴۸ |
| ۷ | حضرت داود علیہ السلام کے لیے صیغۂ جمع اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے صیغۂ واحد استعمال کرنے کا راز | ۴۹ |
| ۸ | اللہ والوں کو خوش کرنے کے لیے نیک عمل کرنا اخلاص کے منافی نہیں ہے | ۴۹ |
| ۹ | حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت | ۵۰ |
| ۱۰ | تیسری کتاب: انجیل | ۵۱ |
| ۱۱ | قرآنِ پاک اور اس کے دو نزول | ۵۱ |
| ۱۲ | نزولِ وحی کی ابتدا | ۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۳ | اولِ وحی کے نزول کی تاریخ میں اختلاف | ۵۲ |
| ۱۴ | اولِ وحی کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تسلی دینا | ۵۳ |
| ۱۵ | آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے پر ورقہ بن نوفل کا ردِّ عمل | ۵۴ |
| ۱۶ | زمانۂ فترت اور اس کی تعیین میں اختلاف | ۵۴ |
| ۱۷ | زمانۂ فترت کے بعد دوسری وحی | ۵۵ |
| ۱۸ | قرآنِ پاک کی درس وتدریس میں مشغول حضرات خیر الامہ ہیں | ۵۵ |
| ۱۹ | حضرت عبداللہ بن حبیب سلمیؒ اور ان کی خدماتِ قرآن | ۵۶ |
| ۲۰ | حفاظتِ قرآن کا قدرتی نظام | ۵۶ |
| ۲۱ | حافظ کے والدین کا اعزاز واکرام | ۵۷ |
| ۲۲ | طاقوں میں سجانے کو یہ قرآن نہیں ہے | ۵۸ |
| ۲۳ | فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا | ۵۸ |
| ۲۴ | حفظ کے بعد قرآن پاک کو یادرکھنا فرضِ عین ہے | ۵۹ |
| ۲۵ | قرآنِ پاک یاد کرنا آسان ہے لیکن یادرکھنا مشکل ہے | ۵۹ |
| ۲۶ | فمی بشوق کا مطلب | ۶۰ |
| ۲۷ | دو قابلِ رشک آدمی | ۶۰ |
| ۲۸ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب بیداری کا بیان | ۶۱ |
| ۲۹ | کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ | ۶۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰ | حفظِ قرآن انمول نعمت ہے | ۶۲ |
| ۳۱ | قرآنِ پاک کا حفظ کیسے باقی رہے گا؟ | ۶۳ |
| ۳۲ | حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا تلاوت کا معمول | ۶۳ |
| ۳۳ | حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا تلاوت کا معمول | ۶۴ |
| ۳۴ | زمین کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے | ۶۴ |
| ۳۵ | ہم گجراتی ''رمضانی'' حافظ ہوتے ہیں | ۶۵ |
| ۳۶ | قرآنِ کریم کے بھولنے کا معیار کیا ہے؟ | ۶۵ |
| ۳۷ | قرآنِ پاک کو بھولنا کبیرہ گناہ ہے | ۶۶ |
| ۳۸ | قرآنِ پاک یاد کر کے بھولنے پر کوڑھ نامی بیماری کی اُخروی وعید | ۶۷ |
| ۳۹ | قرآنِ پاک کو بھولنے والا تنگیٔ رزق کا شکار ہوتا ہے۔ | ۶۷ |
| ۴۰ | معاصی میں مبتلا رہنے والے حفّاظ کے لیے وعید | ۶۸ |
| ۴۱ | بارگاہِ خداوندی میں قرآن کی فریاد | ۶۹ |
| ۴۲ | قرآنِ پاک کو بھولنا گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے | ۶۹ |
| ۴۳ | قرآن کے حفظ کو باقی رکھنے کا ایک آسان نسخہ | ۷۰ |
| ۴۴ | قرآنِ پاک کو غفلت کی وجہ سے بھولنے کی ایک سزا | ۷۱ |
| ۴۵ | ہمارے ایک بزرگ حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ | ۷۱ |
| ۴۶ | تم نے اس کو ''جنم روگ'' لگا دیا | ۷۲ |
| ۴۷ | شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا ایک مقولہ | ۷۲ |

# مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۱)



| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ | تقریبِ سعید | ۷۸ |
| ۴۹ | حافظِ قرآن کا حقیقی اعزاز واکرام | ۷۸ |
| ۵۰ | صاحبِ قرآن کا مصداق | ۷۹ |
| ۵۱ | پڑھتا جا اور جنت کے درجات طے کرتا جا | ۷۹ |
| ۵۲ | یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا | ۸۰ |
| ۵۳ | ادارۂ دینیہ کے قیام کا مقصد | ۸۰ |
| ۵۴ | بحکمِ الٰہی حضرت ابراہیم کے ہاتھوں خانۂ کعبہ کی تعمیر | ۸۰ |
| ۵۵ | قبول کرلیں تو سمجھیں کہ ہم بھی مخلص ہیں | ۸۱ |
| ۵۶ | کعبۃ اللہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں | ۸۲ |
| ۵۷ | کیے ہیں پیش دل وجاں کے نذرانے | ۸۲ |
| ۵۸ | اپنی اولاد کو امتِ مسلمہ بنانے کی دعاءِ ابراہیمی | ۸۳ |
| ۵۹ | ایک ہم ہیں کہ خدا کی بھی پرستش نہ ہوئی | ۸۳ |
| ۶۰ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مظہر ہیں | ۸۳ |
| ۶۱ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد | ۸۴ |
| ۶۲ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد میں اولین مقصد | ۸۵ |
| ۶۳ | قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام ہے | ۸۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۴ | الفاظ کے بغیر معانی کی تعبیر ممکن ہی نہیں ہے | ۸۶ |
| ۶۵ | قرآنِ پاک کی تعلیم کو ختم کرنے کی کوشش کرنے والے | ۸۷ |
| ۶۶ | ہادی نہ ملے گا قرآن سے بہتر | ۸۷ |
| ۶۷ | الفاظِ قرآن کی تعلیم و تعلم علومِ قرآن کی تعلیم کا پہلا زینہ ہے | ۸۸ |
| ۶۸ | بچپن میں قرآن کے الفاظ رٹانے کی حکمت | ۸۸ |
| ۶۹ | نزولِ وحی کا بوجھ نا قابلِ برداشت ہوا کرتا تھا | ۸۹ |
| ۷۰ | خاکساری کے لیے ہے خاک سے انسان بنا | ۸۹ |
| ۷۱ | وحی کے ثقل سے اونٹنی کا حال | ۹۰ |
| ۷۲ | ایک کاتبِ وحی: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ | ۹۰ |
| ۷۳ | قرآنِ کریم کی ایک آیت کے نزول اور اس کی کتابت کا واقعہ | ۹۱ |
| ۷۴ | عنداللہ حضراتِ صحابہؓ کا مقام و مرتبہ | ۹۱ |
| ۷۵ | وحی کے شدید بوجھ کا ایک نمونہ | ۹۲ |
| ۷۶ | قرآنِ پاک کی عظمت و شرافت | ۹۳ |
| ۷۷ | خدا بندے سے یہ پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے؟ | ۹۳ |
| ۷۸ | الفاظِ قرآن کی حفاظت کا نبوی اہتمام | ۹۴ |
| ۷۹ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبانہ تسلی | ۹۵ |
| ۸۰ | الفاظِ قرآن کو یاد کرنے اور رٹنے کی بڑی اہمیت ہے | ۹۶ |
| ۸۱ | حفظِ قرآن کو آسان بنانے کا وعدۂ الٰہی آج بھی قائم ہے | ۹۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۲ | میں معلم اور سکھلانے والا بنا کر کے بھیجا گیا ہوں | ۹۶ |
| ۸۳ | حضراتِ صحابۂ کرام نے قرآنِ پاک کے الفاظ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے ہیں | ۹۷ |
| ۸۴ | دینی باتوں کے نقل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتیاط | ۹۸ |
| ۸۵ | حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں | ۹۸ |
| ۸۶ | تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپسی کا شرعی حکم | ۹۹ |
| ۸۷ | تہذیب، نہ اخلاق، نہ شرافت، نہ حیا ہے | ۹۹ |
| ۸۸ | زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پے روتا ہے | ۱۰۰ |
| ۸۹ | آج بھی ملتے ہیں جہاں میں وہ لوگ خال خال | ۱۰۰ |
| ۹۰ | حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے غضب کی زد میں | ۱۰۱ |
| ۹۱ | حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مشکل کا حل | ۱۰۱ |
| ۹۲ | اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا نام سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا | ۱۰۲ |
| ۹۳ | جن کو کافور پے ہوتا تھا نمک کا دھوکہ | ۱۰۳ |
| ۹۴ | ہم تو سراپا گزیدہ ہیں حُبِّ جاہ کے | ۱۰۳ |
| ۹۵ | فنِّ تجوید و قرأت میں حضرت ابنِ مسعودؓ کا مقام | ۱۰۳ |
| ۹۶ | ابنِ مسعودؓ سے قرآن سنانے کی نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائش | ۱۰۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۷ | اے ابوموسیٰ! تم کو حضرت داودؑ کی عمدہ آواز کا کچھ حصہ دیا | ۱۰۵ |
| ۹۸ | حضرت داودؑ کے لیے صیغۂ جمع اور حضرت ابوموسیٰؓ کے لیے صیغۂ واحد استعمال کرنے کا راز | ۱۰۶ |
| ۹۹ | اللہ والوں کو خوش کرنے کے لیے نیک عمل کرنا اخلاص کے منافی نہیں ہے | ۱۰۶ |
| ۱۰۰ | نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضراتِ صحابہ کو مُعلّمِ قرآن بنا کر قبائل میں بھیجنے کا اہتمام | ۱۰۷ |
| ۱۰۱ | اہلِ کوفہ کو قرآن سکھانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر | ۱۰۸ |
| ۱۰۲ | حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا امتحان | ۱۰۹ |
| ۱۰۳ | غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے | ۱۱۰ |
| ۱۰۴ | دین میں سند کی اہمیت | ۱۱۰ |
| ۱۰۵ | یہ کیا ہے آلو؟ ایک مبنی برحقیقت لطیفہ | ۱۱۱ |
| ۱۰۶ | الفاظِ قرآن کو صحیح پڑھنا بھی کسی ماہر سے سیکھے بغیر ممکن نہیں | ۱۱۱ |
| ۱۰۷ | ایمان کی دعوت پیش کرنے میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ کار | ۱۱۲ |
| ۱۰۸ | درجاتِ حفظِ قرآنِ پاک کی حفاظت کے وعدۂ الٰہی کے تکوینی نظام کا ایک حصہ ہے | ۱۱۲ |
| ۱۰۹ | سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے | ۱۱۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۰ | مادیت کے علم بردار ملک میں کلام اللہ کی خدمت | ۱۱۴ |
| ۱۱۱ | ذرائعِ علم سارے کے سارے اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں | ۱۱۴ |
| ۱۱۲ | اے صانعِ ازل! تیری قدرت کے میں نثار | ۱۱۵ |
| ۱۱۳ | محسن قرآنِ پاک کا اعجاز ہی تو ہے | ۱۱۶ |
| ۱۱۴ | حفظِ قرآن کا ایک عجیب واقعہ | ۱۱۶ |
| ۱۱۵ | اِلٰہی! سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا | ۱۱۷ |
| ۱۱۶ | اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ | ۱۱۸ |
| ۱۱۷ | ان طلبہ اور مولویوں کو حقیر مت جانو | ۱۱۸ |
| ۱۱۸ | حافظِ قرآن کے والدین کا اعزاز | ۱۱۹ |
| ۱۱۹ | والدین کو پہنائے جانے والے تاج کی چمک دمک کا حال | ۱۱۹ |
| ۱۲۰ | عاصی رشتہ داروں کے حق میں حافظِ قرآن کی سفارش | ۱۲۰ |
| ۱۲۱ | قیامت کی ہولنا کیوں میں حافظِ قرآن کی اہمیت | ۱۲۰ |
| ۱۲۲ | ان کی خوش نصیبی کے کیا کہنے! | ۱۲۱ |
| ۱۲۳ | نہ خلوص سے جہاں سر جھکے، وہاں سجدہ کرنا حرام ہے | ۱۲۱ |
| ۱۲۴ | منت شناس از وکہ بخدمت بداشتند | ۱۲۲ |
| ۱۲۵ | اور ہو کبھی صلے کے نہ امیدوار تم | ۱۲۳ |
| ۱۲۶ | اس دور میں علم کا حصول بہت زیادہ آسان ہو گیا ہے | ۱۲۳ |
| ۱۲۷ | دنیوی تعلیم کے دیوانے | ۱۲۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۸ | ہزاروں اور ہیں جن کا یہی انجام ہونا ہے | ۱۲۴ |
| ۱۲۹ | وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر | ۱۲۵ |
| ۱۳۰ | اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر | ۱۲۶ |
| ۱۳۱ | مالٹا کی جیل میں سیکھے ہوئے دو سبق | ۱۲۶ |
| ۱۳۲ | قیامت کے محاسبے سے خود کو بچانے کا یہیں پے انتظام کر لیجیے | ۱۲۶ |
| | **مجلسِ تکمیل حفظِ قرآن (۲)** | |
| ۱۳۳ | ایں سعادت بزورِ بازو نیست | ۱۳۲ |
| ۱۳۴ | تکمیلِ حفظ کی مجلس میں ہر بچے سے اس کا آخری سبق مستقلاً پڑھوانے کا معمول ہو | ۱۳۲ |
| ۱۳۵ | بچوں سے ایک ساتھ آخری سبق پڑھوانے کے ہمارے بزرگوں کے معمول کا سبب | ۱۳۳ |
| ۱۳۶ | بچوں کی محنتوں پر حوصلہ افزائی کی جائے | ۱۳۳ |
| ۱۳۷ | حفظِ قرآن کے پیچھے ہونے والی محنتوں کی ایک جھلک | ۱۳۴ |
| ۱۳۸ | خدا کی راہ میں جہد و عمل کا کیا کہنا | ۱۳۴ |
| ۱۳۹ | مجاہدوں کو فرشتے سلام کرتے ہیں | ۱۳۴ |
| ۱۴۰ | دنیادار کی مشغولی کی ایک جھلک | ۱۳۵ |
| ۱۴۱ | حافظ ہونے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کا نام بھی پکارا جائے | ۱۳۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۲ | مجھ کو معلوم ہے پیرانِ حرم کے انداز | ۱۳۵ |
| ۱۴۳ | بڑے خوش بخت ہیں یہ حضرات! | ۱۳۶ |
| ۱۴۴ | نعمتِ قرآن کے مقابلے میں دنیوی نعمتوں کو افضل سمجھنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے | ۱۳۶ |
| ۱۴۵ | قرآن کے ساتھ وابستگی سب سے اعلیٰ اور قابلِ فخر نعمت ہے | ۱۳۷ |
| ۱۴۶ | ہر لفظ کو سینے میں بسالیں تو بنے بات | ۱۳۸ |
| ۱۴۷ | ایمان کی دولت حاصل ہونے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اظہارِ مسرت | ۱۳۹ |
| ۱۴۸ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہربان چچا اور آپ کے حامی ومددگار | ۱۳۹ |
| ۱۴۹ | حضرت ابوطالب کی آخری گھڑی اور ابلیسی گماشتوں کی سرگرمیاں | ۱۳۹ |
| ۱۵۰ | عار انسان کو بہت ساری خوبیوں سے روکنے والی ہے | ۱۴۰ |
| ۱۵۱ | حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ | ۱۴۰ |
| ۱۵۲ | دادا اور پوتے کے جواب کا فرق | ۱۴۱ |
| ۱۵۳ | ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے | ۱۴۱ |
| ۱۵۴ | حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت کی عطا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے | ۱۴۲ |
| ۱۵۵ | محروم بستیوں کو اس دولت سے مالا مال کرنے کا قدرتی نظام | ۱۴۳ |
| ۱۵۶ | ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتی ہے | ۱۴۳ |
| ۱۵۷ | ایک چشم کُشا وعبرت نشاں واقعہ | ۱۴۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۸ | تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لیے | ۱۴۴ |
| ۱۵۹ | بچوں کی اچھی کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے | ۱۴۴ |
| ۱۶۰ | آرام سے ہوں فقر کے بستر پے میں گدا | ۱۴۵ |
| ۱۶۱ | بچے پھر بچے ہوتے ہیں | ۱۴۵ |
| ۱۶۲ | کیا کہنا ان بوریا نشینوں کا | ۱۴۶ |
| ۱۶۳ | ایک طالبِ علم کی تلاش کے لیے پنجاب کا سفر | ۱۴۶ |
| ۱۶۴ | طالبِ علم سے استاذ کے تعلق کا دل فریب نظارہ | ۱۴۷ |
| ۱۶۵ | در تیری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے | ۱۴۷ |
| ۱۶۶ | اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے | ۱۴۸ |
| ۱۶۷ | بچے کے باپ کی مالی حیثیت | ۱۴۸ |
| ۱۶۸ | بچے کی قسمت کھل گئی | ۱۴۹ |
| ۱۶۹ | غریب آدمی کا امیرانہ جذبۂ سخاوت | ۱۴۹ |
| ۱۷۰ | یہ دو آدمی حقیقت میں قابلِ رشک ہیں | ۱۵۰ |
| ۱۷۱ | خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں | ۱۵۱ |
| ۱۷۲ | زمیں کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پے روتا ہے | ۱۵۱ |
| ۱۷۳ | اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی | ۱۵۲ |
| ۱۷۴ | طلبہ کو اسلاف کے حالات پڑھ کر انھیں اپنے لیے نمونہ بنانے کی ضرورت ہے | ۱۵۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷۵ | احادیث رسول پر عمل کا حضرت ابوبکرؓ کا بے مثال جذبہ | ۱۵۴ |
| ۱۷۶ | کہانت کا مفہوم | ۱۵۴ |
| ۱۷۷ | ’’کریلا اور نیم چڑھا‘‘ | ۱۵۴ |
| ۱۷۸ | اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی | ۱۵۵ |
| ۱۷۹ | علم کا حق | ۱۵۶ |
| ۱۸۰ | تمھیں آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۱۵۷ |
| ۱۸۱ | ہماری بدذوقی اور غفلت | ۱۵۷ |
| ۱۸۲ | حُفّاظ اور مدارسِ دینیہ حفاظتِ قرآن کے وعدۂ الٰہی کی تکمیل کا ایک حصہ ہیں | ۱۵۸ |
| ۱۸۳ | حفظِ قرآن کو اللہ تعالیٰ ہی نے آسان کر دیا ہے | ۱۵۹ |
| ۱۸۴ | قرآنِ پاک کے الفاظ بھی مقصود ہیں | ۱۵۹ |
| ۱۸۵ | لفظ کی حقیقت | ۱۶۰ |
| ۱۸۶ | صرف الفاظ ہی نہیں، قرآن کے نقوش بھی مقصود ہیں | ۱۶۰ |
| ۱۸۷ | قرآنِ پاک کا رسم الخط توقیفی ہے | ۱۶۱ |
| ۱۸۸ | قرآن کے رسم الخط میں عدمِ تبدیلی کے وجوب کی حکمت | ۱۶۱ |
| ۱۸۹ | قرآن کی شکل میں انتہائی قیمتی خزانہ اللہ تعالیٰ نے امت کو عطا فرمایا ہے | ۱۶۲ |
| ۱۹۰ | یاد کرنے کے بعد قرآن کو برابر پڑھتے رہنا بھی ضروری ہے | ۱۶۲ |
| ۱۹۱ | نعمتِ قرآن ہمیں بلا استحقاق عطا ہوئی ہے | ۱۶۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۹۲ | دولتِ علم کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں میں رکھی ہے | ۱۶۳ |
| ۱۹۳ | اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے | ۱۶۴ |
| ۱۹۴ | ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا نہیں ہے | ۱۶۴ |
| ۱۹۵ | ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت | ۱۶۵ |
| ۱۹۶ | حاصل کردہ علم پر عمل بھی ضروری ہے | ۱۶۵ |
| | **مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۳)** | |
| ۱۹۷ | انعقادِ مجلس ہٰذا کی دو وجہیں | ۱۷۰ |
| ۱۹۸ | بعثتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعاءِ ابراہیمی کا ثمرہ ہے | ۱۷۱ |
| ۱۹۹ | بناءِ کعبۃ اللہ کے وقت دعاءِ ابراہیمی | ۱۷۲ |
| ۲۰۰ | اعمالِ صالحہ کی انجام دہی کے وقت قبولیت کی امید کے ساتھ عدمِ قبولیت کا ڈر بھی رہنا چاہیے | ۱۷۲ |
| ۲۰۱ | دعاءِ ابراہیمی میں مقاصدِ بعثتِ محمدی کی طرف اشارہ | ۱۷۳ |
| ۲۰۲ | دعاءِ ابراہیمی کے علاوہ آیت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کا بیان | ۱۷۴ |
| ۲۰۳ | آیتِ بالا میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر مقدم کرنے کی حکمت | ۱۷۴ |
| ۲۰۴ | آیتِ بالا دین کے تمام شعبوں پر حاوی ہے | ۱۷۵ |
| ۲۰۵ | مقصدِ اول کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی | ۱۷۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۶ | مقصدِ ثانی: کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی | ۱۷۶ |
| ۲۰۷ | مقصدِ ثالث کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی | ۱۷۶ |
| ۲۰۸ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۱۷۷ |
| ۲۰۹ | دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دینے والے جملے | ۱۷۷ |
| ۲۱۰ | آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز | ۱۷۷ |
| ۲۱۱ | مکاتب کی تعلیم کی حالیہ کمزوری بڑا المیہ ہے | ۱۷۸ |
| ۲۱۲ | اہلِ مدارس کی ذمہ داریاں | ۱۷۸ |
| ۲۱۳ | ہمارے ملک میں چپّے چپّے پر پھیلے ہوئے مدارس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے | ۱۷۹ |
| ۲۱۴ | بیرون ممالک میں حفظِ قرآن کی نعمت اور اس کی قدردانی | ۱۷۹ |
| ۲۱۵ | ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے مدارس کا یہ سلسلہ ہمارے اکابر کے فکر اور کوششوں کا نتیجہ ہے | ۱۸۰ |
| ۲۱۶ | دنیا کے کتب خانوں کو چاہے تم جلا ڈالو | ۱۸۰ |
| ۲۱۷ | جلے گا کیا میرا قرآن جو ہے حافظ کے سینے میں | ۱۸۱ |
| ۲۱۸ | پورے عالم میں پھیلے ہوئے مدارس ہندوستان کے مدارسِ دینیہ ہی کے فیض کا اثر ہیں | ۱۸۱ |
| ۲۱۹ | مدارس و مکاتب کی اہمیت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں | ۱۸۲ |
| ۲۲۰ | اسپین کے سفر کے دوران حضرت کا ذاتی تجربہ | ۱۸۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲۱ | دشمنانِ اسلام کی اسلام مخالف مہم جوئی | ۱۸۲ |
| ۲۲۲ | مسلمان اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت | ۱۸۳ |
| ۲۲۳ | ہماری کمزوری | ۱۸۳ |
| ۲۲۴ | اسیرانِ شہرت ونام ونمود | ۱۸۴ |
| ۲۲۵ | دخل درنا معقولات | ۱۸۴ |
| ۲۲۶ | دین کے معاملے میں بولنے کا حق کس کو ہے؟ | ۱۸۵ |
| ۲۲۷ | باطل کے رسیا | ۱۸۵ |
| ۲۲۸ | دینی معلومات سے ہماری بے اعتنائی کی انتہا | ۱۸۶ |
| ۲۲۹ | موجودہ اخبارات کی خبروں کا حال | ۱۸۷ |
| ۲۳۰ | اخبارات کی صریح دروغ گوئی کا ایک تازہ ترین نمونہ | ۱۸۷ |
| ۲۳۱ | اخباروں کی خبروں پر بغیر تحقیق کے اعتماد نہ کریں | ۱۸۸ |
| ۲۳۲ | اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں | ۱۸۹ |
| ۲۳۳ | اس دور میں علم ہے امراضِ مِلّت کی دوا | ۱۸۹ |
| ۲۳۴ | امت کی بے راہ روی پر حضرت کا درد اور کُڑھن | ۱۹۰ |
| ۲۳۵ | اولاد کی دینی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت | ۱۹۰ |
| ۲۳۶ | دینی مدارس پر خرچ کرنے کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں | ۱۹۱ |
| ۲۳۷ | تعلیم گاہ میں داخل کرانے کے بعد بھی اپنی اولاد کی خبر لیتے رہیے | ۱۹۱ |
| ۲۳۸ | حضرت کے والد کا حضرت کی تعلیم کے بارے میں تحقیق کرتے رہنا | ۱۹۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۹ | اپنے بچوں کی تمام نقل وحرکت سے واقف رہیے | ۱۹۲ |
| ۲۴۰ | ہے ربطِ باہمی سے قائم نظام سارے | ۱۹۳ |
| ۲۴۱ | ’’چراغ تلے اندھیرا‘‘ والا معاملہ نہیں ہونا چاہیے | ۱۹۴ |
| ۲۴۲ | ہم اپنے علاقے کے مدرسے سے خوب فائدہ اٹھائیں | ۱۹۴ |
| ۲۴۳ | تحصیلِ علوم کر کہ دولت ہے یہی | ۱۹۵ |
| ۲۴۴ | وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں | ۱۹۶ |
| | **اساتذہ اور مدرسین کے لیے رہنما باتیں** | |
| ۲۴۵ | علمِ دین اسی کو ملتا ہے جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا جاتا ہے | ۱۹۹ |
| ۲۴۶ | اگر تمھیں عذاب دینا مقصود ہوتا تو اپنے دین کا علم تمھارے سینے میں نہ رکھتا | ۲۰۰ |
| ۲۴۷ | علمِ دین کی نشر واشاعت کا موقع ملنا بھی بہت بڑا انعامِ الٰہی ہے | ۲۰۰ |
| ۲۴۸ | حصولِ علم کے بعد اس کی اشاعت نہ کرنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے | ۲۰۱ |
| ۲۴۹ | لفظِ قرآن سبھی علومِ دین کو شامل ہے | ۲۰۱ |
| ۲۵۰ | لفظِ قرآن سے سبھی علومِ دین مراد ہونے پر پر استدلال | ۲۰۲ |
| ۲۵۱ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سبھی علومِ دین کی تعلیم کے لیے ہوئی ہے | ۲۰۳ |
| ۲۵۲ | مدرّسین اور طلبہ دونوں کو اربابِ مدارس کا احسان مند ہونا | ۲۰۳ |
| ۲۵۳ | مدرّسین طلبہ کا بھی احسان مانیں! | ۲۰۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۴ | امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مانتے ہیں | ۲۰۴ |
| ۲۵۵ | انعاماتِ الٰہیہ کی شکر گزاری انعامات میں اضافے کا باعث ہے | ۲۰۴ |
| ۲۵۶ | شکر گزاری کا مفہوم | ۲۰۵ |
| ۲۵۷ | نعمتِ علم و تدریس کی شکر گزاری | ۲۰۵ |
| ۲۵۸ | خدمتِ تدریس کے حق کی ادائگی | ۲۰۵ |
| ۲۵۹ | تدریس میں مقصود بالذات کتاب کو نہیں، فن کو سمجھیں! | ۲۰۶ |
| ۲۶۰ | ہمارے پاس پڑھنے والے بچے فن میں ماہر بننے چاہئیں | ۲۰۶ |
| ۲۶۱ | ہر فن کی درسیات کے عموماً تین درجے ہوتے ہیں | ۲۰۷ |
| ۲۶۲ | فنِ فقہ کے شروع میں ''نورالایضاح'' کو رکھنے کا مقصد | ۲۰۷ |
| ۲۶۳ | ''نورالایضاح'' پڑھاتے ہوئے صرف مسائل پڑھائیں، دلائل وغیرہ نہیں! | ۲۰۸ |
| ۲۶۴ | ''قدوری'' پڑھانے کا صحیح طرز و انداز | ۲۰۸ |
| ۲۶۵ | كُونُوا رَبَّانِيِّينَ کا ایک مطلب | ۲۰۹ |
| ۲۶۶ | قدوری پڑھانے میں حضرت کا طرز و انداز | ۲۰۹ |
| ۲۶۷ | ''کنز'' پڑھانے کا طرز و انداز | ۲۱۰ |
| ۲۶۸ | شرحِ وقایہ پڑھانے کا طرز و انداز | ۲۱۰ |
| ۲۶۹ | ہماری ایک تدریسی کمزوری | ۲۱۱ |
| ۲۷۰ | علومِ عصریہ میں بھی فن ہی پڑھایا جاتا ہے | ۲۱۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۱ | عصری علوم پڑھانے والوں کا اندازِ تدریس | ۲۱۲ |
| ۲۷۲ | ہمارے طلبہ کی ناکامی کی ایک وجہ | ۲۱۳ |
| ۲۷۳ | موضوعِ بحث مسئلہ پہلے خود استاذ خوب سمجھ لے! | ۲۱۳ |
| ۲۷۴ | کنویں میں ہوتو حوض میں آئے گا | ۲۱۴ |
| ۲۷۵ | جس کتاب کو پڑھانے کی اہلیت نہ ہو، اس کو اپنے ذمے لینا خیانت ہے | ۲۱۴ |
| ۲۷۶ | مسائلِ کتب میں حصولِ انشراح کا آسان طریقہ | ۲۱۵ |
| ۲۷۷ | مخاطبین کے چہروں کا اُتار چڑھاؤ تقریر کی اچھائی، برائی کو واضح کرتا ہے | ۲۱۵ |
| ۲۷۸ | استاذ اور شاگرد کے تعلق کو خوش گوار اور مضبوط کرنے والی چیز | ۲۱۶ |
| ۲۷۹ | استاذ، شاگرد کے تعلقات کو کشیدہ کرنے والی چیز | ۲۱۶ |
| ۲۸۰ | طرفین میں تعلقات کی استواری اور بقاء کا فطری قانون | ۲۱۷ |
| ۲۸۱ | کہتی ہے تجھے خلقِ خُدا غائبانہ کیا | ۲۱۸ |
| ۲۸۲ | طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے کا ایک طریقہ | ۲۱۸ |
| ۲۸۳ | طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے والی چیزیں | ۲۱۹ |
| ۲۸۴ | طلبہ کی دینی، اخلاقی تربیت کو بھی مدِّ نظر رکھئے! | ۲۲۰ |
| ۲۸۵ | تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن | ۲۲۰ |
| ۲۸۶ | قول وعمل میں تضاد تاثیر فی الوعظ کو ختم کرنے والا ہے | ۲۲۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۸۷ | وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے | ۲۲۱ |
| ۲۸۸ | حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی پابندیٔ وقت | ۲۲۱ |
| ۲۸۹ | اوقاتِ مدرسہ کی مکمل طور پر پابندی کیجیے! | ۲۲۲ |
| ۲۹۰ | طلبہ کو ان کی نازیبا حرکتوں پر محبت سے ٹوکیں! | ۲۲۲ |
| ۲۹۱ | طلبہ کی تربیت کا حکیمانہ انداز | ۲۲۲ |
| ۲۹۲ | غلط نماز پڑھنے والے طالبِ علم کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہ | ۲۲۳ |
| ۲۹۳ | دورانِ درس طلبہ کو نماز کی عملی مشق بھی کرائی جائے | ۲۲۴ |
| ۲۹۴ | ہمارے موجودہ طلبہ کا دینی دیوالیہ پن | ۲۲۴ |
| ۲۹۵ | مدرسے کے اندر ہفتے میں ایک دن نماز کی تصحیح کا نظام بنائیے! | ۲۲۵ |
| ۲۹۶ | تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت بھی ہماری ذمہ داری ہے | ۲۲۵ |
| ۲۹۷ | غلطیوں پر طلبہ کی فہمائش کا ایک حکیمانہ انداز | ۲۲۵ |
| ۲۹۸ | کسی حرام کام کو ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا علماء کی شان نہیں ہے | ۲۲۶ |
| ۲۹۹ | ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی | ۲۲۶ |
| ۳۰۰ | سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے | ۲۲۷ |
| ۳۰۱ | ایک کامیاب شاگرد بھی ہماری نجاتِ ابدی کے لیے کافی ہے | ۲۲۷ |
| ۳۰۲ | وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں | ۲۲۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰۳ | ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں | ۲۲۸ |
| علمائے کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں | | |
| ۳۰۴ | علم کی نسبت سے اہلِ علم پر من جانب اللہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہیں | ۲۳۳ |
| ۳۰۵ | سوچ بدل گئی | ۲۳۴ |
| ۳۰۶ | سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے | ۲۳۴ |
| ۳۰۷ | اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے | ۲۳۵ |
| ۳۰۸ | اہلِ علم کے بارے میں بعض نادانوں کا غلط تجزیہ | ۲۳۵ |
| ۳۰۹ | ہمارے اکابر نے بھی تن خواہ لی ہے | ۲۳۵ |
| ۳۱۰ | مفت کام کرنا اخلاص کی دلیل نہیں | ۲۳۶ |
| ۳۱۱ | اللہ کے احکام اللہ کے بندوں تک پہنچانا علماء کا فریضۂ منصبی ہے | ۲۳۶ |
| ۳۱۲ | تبلیغ کا غرضِ تعلیم ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے | ۲۳۷ |
| ۳۱۳ | علماء اپنے علاقے کے مسلمانوں کی علمی تشنگی مٹانے کی کوشش کریں | ۲۳۸ |
| ۳۱۴ | یہ کرم نہیں تو کیا ہے | ۲۳۸ |
| ۳۱۵ | ہندوستان پر انگریزی تسلّط اور ہمارے اکابر کی کوشش | ۲۳۸ |
| ۳۱۶ | انگریزی ریشہ دوانیوں سے اسلام اور اہلِ اسلام کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیوبند کا قیام | ۲۳۹ |
| ۳۱۷ | ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کا قیام اور اس کا نظامِ بقاء | ۲۳۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۱۸ | اسلامی ممالک میں بھی علومِ دین کی نشر واشاعت علماءِ ہند کی رہینِ منت ہے | ۲۴۰ |
| ۳۱۹ | مدارس ومکاتب کا نظام چلانے اوراس کی بقاءاہلِ علم کے ذمہ ہے | ۲۴۱ |
| ۳۲۰ | علم کی قسمِ اول فرضِ عین کی تفصیل | ۲۴۱ |
| ۳۲۱ | مکاتبِ دینیہ کے قیام کا مقصد | ۲۴۳ |
| ۳۲۲ | جس جگہ دفن ہے اسلاف کی تہذیب جنوںؔ | ۲۴۳ |
| ۳۲۳ | مکاتب کے قیام کا اولین مقصد: عقائد کی درستگی | ۲۴۴ |
| ۳۲۴ | مکاتب کے قیام کا دوسرا مقصد: صحت کے ساتھ قرآن کی ناظرہ خوانی | ۲۴۴ |
| ۳۲۵ | اللہ تعالیٰ کا فضل | ۲۴۴ |
| ۳۲۶ | مکاتب کے قیام کا تیسرا مقصد: احکامِ اسلام کی تعلیم | ۲۴۵ |
| ۳۲۷ | مکاتب کے قیام کا چوتھا مقصد: اسلام سے متعلق عام معلومات | ۲۴۵ |
| ۳۲۸ | مکاتب کے نصابِ تعلیم میں مذکورہ امور کو شامل کرنے کی وجہ | ۲۴۵ |
| ۳۲۹ | تعلیمِ صبیان کے لیے ’’اندازِ تعلیم‘‘ کو سیکھنا بھی ضروری ہے | ۲۴۶ |
| ۳۳۰ | حالات کی تبدیلی مقاصدِ شرعیہ کو بروئے کار لانے کی شکل وصورت کی تبدیلی کی داعی ہوتی ہے | ۲۴۶ |
| ۳۳۱ | سلسلۂ تعلیم صبیان میں بھی آسان طریقۂ تعلیم کی ضرورت ہے | ۲۴۶ |
| ۳۳۲ | امورِ دین کی طرف سے ہماری بے اعتنائی | ۲۴۷ |
| ۳۳۳ | خوب وناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز | ۲۴۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳۴ | بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام | ۲۴۸ |
| ۳۳۵ | تیری فصاحت کے میں نثار | ۲۴۸ |
| ۳۳۶ | شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے | ۲۴۹ |
| ۳۳۷ | تعلیمِ صبیان کے جدید طُرُق سے تو اہلِ دنیا بھی متنفر نہیں ہیں | ۲۴۹ |
| ۳۳۸ | جب خضر اقامت پر ہو فدا، تائیدِ مسافر کون کرے! | ۲۵۰ |
| ۳۳۹ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۲۵۰ |
| ۳۴۰ | کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارہ | ۲۵۰ |
| ۳۴۱ | ترے کام آئے عقبیٰ میں جو سیکھے کام، سیکھ ایسا | ۲۵۱ |
| ۳۴۲ | جدید طُرُقِ تعلیم سے بچوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنا آسان تر ہے | ۲۵۱ |
| ۳۴۳ | شیخِ مکتب کے طریقوں سے کُشادِ دل کہاں | ۲۵۲ |
| ۳۴۴ | جو کام محبت سے ہوتا ہے، وہ سختی سے نہیں ہوتا | ۲۵۲ |
| ۳۴۵ | ہجوم کیوں ہے شراب خانے میں | ۲۵۳ |
| ۳۴۶ | بچوں کے چھوٹے ہاتھوں کو چاند ستارے بھی چھونے دو | ۲۵۳ |
| ۳۴۷ | بچوں کو طعن و تشنیع کرنے سے گریز کریں | ۲۵۴ |
| ۳۴۸ | ہماری ایک بری عادت | ۲۵۴ |
| ۳۴۹ | بچوں کو غلط چیزوں کا پیغام نہ دیں | ۲۵۵ |
| ۳۵۰ | تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو! | ۲۵۵ |
| ۳۵۱ | ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ | ۲۵۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵۲ | ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے | ۲۵۶ |
| ۳۵۳ | جب علم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا | ۲۵۶ |
| ۳۵۴ | وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے | ۲۵۷ |
| ۳۵۵ | بخارا اور سمرقند کی تباہی کی چشم دید کہانی | ۲۵۷ |
| ۳۵۶ | کمیونزم کا بھوت | ۲۵۸ |
| ۳۵۷ | عوام سے رابطہ ختم کرنے کا عبرت ناک انجام | ۲۵۸ |
| ۳۵۸ | عوام کے ساتھ گھلنا ملنا دین کی خاطر ہو | ۲۵۹ |
| ۳۵۹ | خلافِ شرع امور کو دور کرنے کی بعض اہلِ علاقہ کی مساعیٔ جمیلہ | ۲۵۹ |
| ۳۶۰ | خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو | ۲۶۰ |
| ۳۶۱ | ہم پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا ایک سبب | ۲۶۱ |
| ۳۶۲ | کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے | ۲۶۱ |
| ۳۶۳ | کس قدر تم پہ گراں صبح کی بے داری ہے | ۲۶۲ |
| ۳۶۴ | ہے جو مسلم، کام بھی تو درخورِ اسلام کر | ۲۶۲ |
| ۳۶۵ | تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو | ۲۶۳ |
| ۳۶۶ | مگر میرا فرضِ منصبی ہے چراغ پیہم جلائے جانا | ۲۶۳ |
| ۳۶۷ | اے لا اِلٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں | ۲۶۳ |
| ۳۶۸ | طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے | ۲۶۴ |
| ۳۶۹ | کچھ خار تو کم کر گئے، گذرے جدھر سے ہم | ۲۶۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۰ | ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است | ۲۶۴ |
| ۳۷۱ | آپس میں موافق رہو، طاقت ہے تو یہ ہے | ۲۶۵ |
| ۳۷۲ | بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے، ہم ثواب و عذاب کیا جانیں | ۲۶۵ |
| ۳۷۳ | جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا | ۲۶۶ |
| ۳۷۴ | ایک مثال سے تفہیم | ۲۶۶ |
| ۳۷۵ | اپنے کام کا غلبہ تو ہونا چاہیے لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے | ۲۶۷ |
| ۳۷۶ | تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا | ۶۷ |
| ۳۷۷ | ہاتھ سے جانے نہ دے اس موقعۂ زرّیں کو تو | ۲۶۸ |

## مفتیانِ کرام سے رہنما خطاب

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۸ | مسلمان کی پوری زندگی احکامِ الٰہی کے مطابق گذرنی ضروری ہے | ۲۷۲ |
| ۳۷۹ | علمِ دین کے دو درجے | ۲۷۲ |
| ۳۸۰ | علم کی قسمِ اول فرضِ عین کی تفصیل | ۲۷۲ |
| ۳۸۱ | مکاتب کے قیام کا مقصد | ۲۷۳ |
| ۳۸۲ | مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد | ۲۷۴ |
| ۳۸۳ | تاجر کے لیے تجارت کے ضروری مسائل سے واقفیت ضروری ہے | ۲۷۴ |
| ۳۸۴ | ضرورت سے زائد مسائل کے جاننے والے کچھ افراد کا ہونا ضروری ہے | ۲۷۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۸۵ | فرضِ کفایہ علم کی مقدار | ۲۷۵ |
| ۳۸۶ | وہ فضلاء جو فرضِ عین والے علم سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں | ۲۷۵ |
| ۳۸۷ | فرضِ کفایہ والے علم کے حامل فضلاء | ۲۷۵ |
| ۳۸۸ | مؤمن احکامِ الٰہی کا پابند ہے | ۲۷۶ |
| ۳۸۹ | حکومت سے متعلق کاموں میں ماہرینِ قانون سے رجوع کرنے کا لوگوں میں معمول ہے | ۲۷۶ |
| ۳۹۰ | بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کے معاملے میں علماء سے رجوع کا طریقہ | ۲۷۷ |
| ۳۹۱ | زوجین کی علاحدگی کے آداب کے سلسلے میں مستقل قرآنی سورت | ۲۷۸ |
| ۳۹۲ | قوانینِ شرع کے متعلق ہماری لاپروائی | ۲۷۸ |
| ۳۹۳ | اہلِ علم کی ناقدری | ۲۷۸ |
| ۳۹۴ | حضرت کے ساتھ پیش آمدہ ایک ذاتی واقعہ | ۲۷۹ |
| ۳۹۵ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس قبیلۂ بنوتمیم کی بے وقت آمد | ۲۷۹ |
| ۳۹۶ | مفاخرہ کی حقیقت | ۲۷۹ |
| ۳۹۷ | ملاقات کے قرآنی آداب | ۲۸۰ |
| ۳۹۸ | پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے | ۲۸۰ |
| ۳۹۹ | ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے | ۲۸۱ |
| ۴۰۰ | لوگوں کے لیے عالم کا وجود نبی کے وجود جیسا ہے | ۲۸۲ |
| ۴۰۱ | اللہ تعالیٰ متقی کے لیے نجات کا راستہ پیدا فرماتے ہیں | ۲۸۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۰۲ | وصیت اور اولاد میں جائداد کی تقسیم کے سلسلے میں ہماری خلافِ شرع کاروائی | ۲۸۳ |
| ۴۰۳ | پیش آمدہ مسائل کے بارے میں حضراتِ صحابۂ کرامؓ کا معمول | ۲۸۴ |
| ۴۰۴ | اِفتاءاور اِستفاء کا مطلب | ۲۸۴ |
| ۴۰۵ | مفتیانِ کرام کی ذمہ داری بہت بڑی اور سخت ہے | ۲۸۴ |
| ۴۰۶ | القابِ دینیہ درحقیقت صفاتِ الٰہیہ ہیں | ۲۸۵ |
| ۴۰۷ | مقرر اور مفتی میں فرق | ۲۸۶ |
| ۴۰۸ | حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا مستفتیوں کے ساتھ سلوک | ۲۸۶ |
| ۴۰۹ | فتوی دینے کے لیے ماہر مفتی کے پاس رہ کر اس کا طریقہ سیکھنا ضروری ہے | ۲۸۷ |
| ۴۱۰ | بزرگانِ دین کی خدمت میں رہنے کا اصل مقصد | ۲۸۷ |
| ۴۱۱ | حالاتِ حاضرہ سے ناواقف آدمی جاہل ہے | ۲۸۸ |
| ۴۱۲ | کتابوں میں مسائل کی صورتیں قدیم زمانے کے اعتبار سے ہیں | ۲۸۸ |
| ۴۱۳ | مسائل کی تحقیق میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا طرز | ۲۸۸ |
| ۴۱۴ | صحیح حکم بتلانے کے لیے پہلے صورتِ مسئلہ کو سمجھنا ضروری ہے | ۲۸۹ |
| ۴۱۵ | مسائل کی موجودہ صورتیں سمجھنے کے لیے اس سلسلے کے ماہرین کی بھی مدد لیں | ۲۸۹ |
| ۴۱۶ | کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی | ۲۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱۷ | سارے مسائل کا میرے پاس جواب ہے! | ۲۹۰ |
| ۴۱۸ | ''لاأدری'' سیکھنا بھی ضروری ہے | ۲۹۰ |
| ۴۱۹ | ''لاأدری'' کہنا بھی علم ہے | ۲۹۱ |
| ۴۲۰ | اپنے شاگردوں کو ''لاأدری'' کہنا بھی سکھلاؤ | ۲۹۱ |
| ۴۲۱ | خدائی اور نبوت کا دعویٰ | ۲۹۱ |
| ۴۲۲ | ائمۂ مجتہدین کے اجتہادی مسائل کے بارے میں ہمارا نظریہ | ۲۹۲ |
| ۴۲۳ | اپنے غلط فتوے سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کریں | ۲۹۲ |
| ۴۲۴ | یہ اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے | ۲۹۳ |
| ۴۲۵ | اختلافی مسائل میں ہمارے اکابر کا قابلِ تقلید رویّہ | ۲۹۳ |
| ۴۲۶ | بے جا اختلافات میں اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کریں | ۲۹۳ |
| ۴۲۷ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ''لا ادری'' کہا ہے | ۲۹۴ |
| ۴۲۸ | حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عمل | ۲۹۵ |
| ۴۲۹ | ہر مسلمان کا ایک فیملی مفتی بھی ہونا چاہے | ۲۹۵ |
| ۴۳۰ | اس جہاں میں کوئی کامل و مکمل نہیں ہوتا | ۲۹۶ |
| ۴۳۱ | اسعدؔ مطالعے میں گزاروں تمام عمر | ۲۹۶ |
| ۴۳۲ | حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ | ۲۹۷ |
| ۴۳۳ | جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لیں | ۲۹۷ |
| ۴۳۴ | اپنی ذاتی اصلاح کو اولین ترجیح دیجیے | ۲۹۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۳۵ | اپنی بربادی کے ہم خود ذمہ دار ہیں | ۲۹۸ |
| ۴۳۶ | عمل کے معاملے میں علماء کا مقام عوام سے بلند ہونا چاہیے | ۲۹۸ |
| ۴۳۷ | لوگوں کو علماء کی طرف انگشت نمائی کا موقع نہ دیں | ۲۹۸ |
| ۴۳۸ | تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں | ۲۹۹ |


## جامعۃ البنات کی طالبات سے خطاب


| | | |
|---|---|---|
| ۴۳۹ | یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے | ۳۰۳ |
| ۴۴۰ | میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے | ۳۰۳ |
| ۴۴۱ | یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں | ۳۰۴ |
| ۴۴۲ | اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو حصولِ علم کے لیے وقف کر دیجیے | ۳۰۵ |
| ۴۴۳ | توفیق کی حقیقت | ۳۰۵ |
| ۴۴۴ | سمجھ داری کی بات | ۳۰۵ |
| ۴۴۵ | ایک قدرتی نظام | ۳۰۶ |
| ۴۴۶ | مقصد ہو اگر تربیتِ لعلِ بدخشاں | ۳۰۶ |
| ۴۴۷ | مدرسے میں رہ کر بگڑنا نہیں ہے | ۳۰۷ |
| ۴۴۸ | آپ کو یہاں لانے کا مقصد | ۳۰۷ |
| ۴۴۹ | بنا سکتی ہے گھر کو رشکِ جنت یہ سلیقے سے | ۳۰۸ |
| ۴۵۰ | ایک عالمہ بیوی کا واقعہ | ۳۰۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۱ | اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی | ۳۰۹ |
| ۴۵۲ | اپنی بہنوں کے لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قربانی | ۳۱۰ |
| ۴۵۳ | احساسِ ذمہ داری | ۳۱۰ |
| ۴۵۴ | حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا | ۳۱۱ |
| ۴۵۵ | اس واقعے سے ملنے والا سبق | ۳۱۱ |

## اسلام میں عورتوں کا مقام ومرتبہ

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۶ | گامزن ہونا ہے مشکل، راستہ مشکل نہیں | ۳۱۵ |
| ۴۵۷ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عورت کی زبوں حالی | ۳۱۵ |
| ۴۵۸ | زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ عربوں کا ناقابلِ بیان برتاؤ | ۳۱۶ |
| ۴۵۹ | بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا ایک دل دہلا دینے والا واقعہ | ۳۱۶ |
| ۴۶۰ | جو رحم نہیں کرتا، اس کے ساتھ رحم نہیں کیا جاتا | ۳۱۷ |
| ۴۶۱ | وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا | ۳۱۸ |
| ۴۶۲ | حضرت حمزہؓ کی صاحب زادی کی پرورش کے سلسلے میں تین حضرات کے درمیان نزاع | ۳۱۸ |
| ۴۶۳ | وہ دانائے سبل، مولائے کُل، ختم الرُسل جس نے | ۳۲۰ |
| ۴۶۴ | دو بچیوں کی پرورش کرنے والا قیامت کے دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگا | ۳۲۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۶۵ | تین بچیوں کی اچھی پرورش پر جنت کا وعدہ | ۳۲۱ |
| ۴۶۶ | بچیوں کی اچھی پرورش جہنم سے آڑ ہے | ۳۲۱ |
| ۴۶۷ | نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی لختِ جگر کے ساتھ والہانہ تعلق | ۳۲۲ |
| ۴۶۸ | قرآن میں عورتوں کے حقوق سے متعلق آیات | ۳۲۲ |
| ۴۶۹ | وراثت کے معاملے میں موجودہ معاشرے کی جاہلانہ سوچ | ۳۲۲ |
| ۴۷۰ | باپ کے مال میں سے لڑکی کو دینا اس پر کوئی احسان نہیں ہے | ۳۲۳ |
| ۴۷۱ | ذوی الفروض عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے | ۳۲۳ |
| ۴۷۲ | اللہ تعالی کی عطا اور رحمت کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں | ۳۲۴ |
| ۴۷۳ | وہ عورت بابرکت ہے | ۳۲۴ |
| ۴۷۴ | شرف میں بڑھ کے ثریّا سے مشتِ خاک اس کی | ۳۲۵ |
| ۴۷۵ | عورتوں کے بارے زمانۂ جاہلیت کی سوچ آج ''سُدھرے'' سماج میں بھی موجود ہے | ۳۲۵ |
| ۴۷۶ | یہ اہلِ یورپ کے کھوکھلے دعوے | ۳۲۶ |
| ۴۷۷ | حرص وہوا کے پجاریوں نے عورتوں کو تحصیلِ زر اور تکمیلِ ہوس کا ذریعہ بنالیا ہے | ۳۲۶ |
| ۴۷۸ | اسلام کی فطرت میں قدرت نے وہ لچک رکھی ہے | ۳۲۷ |
| ۴۷۹ | جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے | ۳۲۸ |
| ۴۸۰ | معاشرے کی اصلاح بڑا مدار عورتوں کی اصلاح پر ہے | ۳۲۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸۱ | بچوں کی اسلامی تربیت میں ماں کا کردار سب سے اہم ہے | ۳۲۸ |
| ۴۸۲ | مدرسۃ البنات کے منتظمین بڑے باحوصلہ ہوتے ہیں | ۳۲۹ |
| | **اولاد کی تعلیم وتربیت اور اس میں دینی اداروں کا عظیم کردار** | |
| ۴۸۳ | مجلس کے انعقاد کا سبب | ۳۳۴ |
| ۴۸۴ | یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری | ۳۳۴ |
| ۴۸۵ | کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر | ۳۳۵ |
| ۴۸۶ | جہاں دیکھئے فیض اسی کا ہے جاری | ۳۳۶ |
| ۴۸۷ | تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں | ۳۳۶ |
| ۴۸۸ | مدرسہ اور اہلِ مدرسہ آپ سے کیسا تعاون چاہتے ہیں؟ | ۳۳۷ |
| ۴۸۹ | زباں سے کہہ بھی دیا ''لاالٰہ'' تو کیا حاصل ہے | ۳۳۷ |
| ۴۹۰ | نہیں جہاں جائے عیش وعشرت، سنبھل سنبھل ورنہ ہوگی حسرت | ۳۳۷ |
| ۴۹۱ | وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا | ۳۳۸ |
| ۴۹۲ | انگلش میڈیم کے دیوانے | ۳۳۸ |
| ۴۹۳ | نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم | ۳۳۹ |
| ۴۹۴ | آپ کے دین وایمان کا فکر کرنے والے | ۳۴۰ |
| ۴۹۵ | دینی تعلیم کی طرف سے امت کی بے اعتنائی | ۳۴۰ |
| ۴۹۶ | تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے! | ۳۴۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹۷ | جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گُل ہی نہیں | ۳۴۱ |
| ۴۹۸ | تربیتِ اولاد کے سلسلے میں غیروں کی قابلِ رشک محنتیں | ۳۴۲ |
| ۴۹۹ | تربیتِ اولاد کی اہمیت کے سلسلے میں قرآن کا عجیب انداز | ۳۴۲ |
| ۵۰۰ | حضرت یعقوبؑ اور بنی اسرائیل کا مختصر تعارف | ۳۴۲ |
| ۵۰۱ | حضرت یعقوبؑ کے واقعۂ وفات کو بیان کرنے کے سلسلے میں قرآن کا دل نشیں انداز | ۳۴۳ |
| ۵۰۲ | بوقتِ وفات حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں کو اپنے پاس جمع کرنا | ۳۴۴ |
| ۵۰۳ | اس زمانے میں مرنے والی کی آخری چاہت | ۳۴۴ |
| ۵۰۴ | حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں سے سوال | ۳۴۵ |
| ۵۰۵ | بوقتِ وفات اپنے بیٹوں کے بارے میں ایک نبی کا فکر | ۳۴۵ |
| ۵۰۶ | سینکڑوں سال پہلے پیش آنے والے اس واقعے کو قرآن میں بیان کرنے کا مقصد | ۳۴۶ |
| ۵۰۷ | اس پرفتن دور میں اپنی اولاد کے ایمان کا فکر کیجیے | ۳۴۶ |
| ۵۰۸ | عظیم اسلامی مملکت اندلس کی تباہی کے بعد وہاں اسلام کی کسمپرسی | ۳۴۷ |
| ۵۰۹ | مکاتب اور اس میں کام کرنے والوں کی اہمیت علامہ اقبال کی نگاہ میں | ۳۴۸ |
| ۵۱۰ | ہندوستان کو دوسرا اسپین بنانے کا خواب دیکھنے والوں کے خواب کو چکنا چور کرنے والے | ۳۴۸ |
| ۵۱۱ | بچوں کی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت | ۳۴۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۱۲ | مکتب والوں کا احسان مانیے | ۳۴۹ |
| ۵۱۳ | بچوں کی تعلیم وتربیت کا طریقہ | ۳۵۰ |
| ۵۱۴ | تربیت کا مطلب | ۳۵۰ |
| ۵۱۵ | مکتب تعلیم گاہ ہے اور گھر تربیت گاہ ہے | ۳۵۱ |
| ۵۱۶ | ہمارے گھر بھی ہوٹل کا نمونہ بن کر رہ گئے ہیں | ۳۵۱ |
| ۵۱۷ | اپنوں سے پرایے پن کی عجیب فیشن | ۳۵۲ |
| ۵۱۸ | ہائی فائی اور پر تعیش طرزِ زندگی نے ہمیں تباہ کر دیا ہے | ۳۵۲ |
| ۵۱۹ | یہ اولاد کے حقوق کی صحیح ادائگی نہیں ہے | ۳۵۳ |
| ۵۲۰ | دنیوی تعلیم شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے | ۳۵۴ |
| ۵۲۱ | دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جاسکتی | ۳۵۴ |
| ۵۲۲ | قوم کو مسلمان ڈگری یا فتاؤں کی ضرورت ہے | ۳۵۵ |
| ۵۲۳ | عالم بنانا ضروری نہیں، دین دار بنانا ضروری ہے | ۳۵۵ |
| ۵۲۴ | تربیت اولاد کے لیے والدین کو خون کے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں | ۳۵۵ |
| ۵۲۵ | قیامت کے دن اولاد کے متعلق پوچھا جانے والا سوال | ۳۵۶ |
| ۵۲۶ | اولاد کے دنیوی امور کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوگا | ۳۵۶ |
| ۵۲۷ | بچوں کو غلطیوں پر محبت سے سمجھائیں | ۳۵۷ |
| ۵۲۸ | تربیتِ اولاد کا نبوی انداز | ۳۵۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۹ | بچپن کا مرحلہ باقی زندگی کے بننے سنورنے کا اہم ترین موڑ ہے | ۳۵۸ |
| ۵۳۰ | ٹی وی کی تباہ کاریاں | ۳۵۹ |


## فضلاء سے اہم خطاب


| | | |
|---|---|---|
| ۵۳۱ | اہلِ علم کا مقام | ۳۶۴ |
| ۵۳۲ | آپ امت کی امانت ہیں | ۳۶۵ |
| ۵۳۳ | ہمارا سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے | ۳۶۶ |
| ۵۳۴ | فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ | ۳۶۷ |
| ۵۳۵ | احکامِ دین کی اشاعت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی جانے والی تکالیف کا ایک نمونہ | ۳۶۷ |
| ۵۳۶ | لوگوں کی دل شکن باتیں علماء کا انعام ہے | ۳۶۹ |
| ۵۳۷ | کسی فن کو سیکھ کر اس سے متعلق خدمات انجام نہ دینا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے | ۳۶۹ |
| ۵۳۸ | علماء کے لیے اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین بھی ضروری ہے | ۳۷۰ |
| ۵۳۹ | علماء کا اپنی اولاد کو عصری علوم میں لگانا خلافِ یقین ہے | ۳۷۰ |
| ۵۴۰ | علومِ دین سے محروم رکھنے کی حکومتی پیمانے پر سازش | ۳۷۱ |
| ۵۴۱ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ دین سے باز رکھنے کے لیے کفار کی طرف سے لالچیں | ۳۷۱ |
| ۵۴۲ | آج کل کے فضلاء کی کمزوری | ۳۷۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۴۳ | علومِ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانے کی مذمت | ۳۷۳ |
| ۵۴۴ | یہ خدمت ہے؛ نوکری نہیں | ۳۷۳ |
| ۵۴۵ | تعلیم دین پر اجرت کا حکم | ۳۷۴ |
| ۵۴۶ | مشائخ متأخرین کی حکمت عملی سے تن خواہ کے بارے میں قول قدیم اور جدید کا سنگم | ۳۷۴ |
| ۵۴۷ | بیرون ملک کی پیش کش پر کیا کریں؟ | ۳۷۵ |
| ۵۴۸ | دینی خدمات شروع کرنے سے پہلے ہمارے اکابر کا اتفاقی طرز | ۳۷۶ |
| ۵۴۹ | بیرون ملک سے خدمت کی پیش کش پر ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے | ۳۷۶ |
| ۵۵۰ | وطن چھوڑ کر بیرون ملک جانے والے علماء کا حال | ۳۷۶ |
| ۵۵۱ | مشورہ طلب کرنے میں ہمارا نا زیبا رویہ | ۳۷۷ |
| ۵۵۲ | مشورے میں خیانت بے برکتی کا باعث ہے | ۳۷۷ |
| ۵۵۳ | اکابر سے مشورے میں بھی بدنیتی | ۳۷۸ |
| ۵۵۴ | رزق کی کشادگی اور تنگی محض دستِ اِلٰہی میں ہے | ۳۷۸ |
| ۵۵۵ | اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی | ۳۷۹ |
| ۵۵۶ | مال داروں کے ساتھ ان کے مال کی وجہ سے خصوصی سلوک سے پرہیز کیجیے | ۳۷۹ |
| ۵۵۷ | مدرسین تنخواہ میں اضافے کی درخواست نہ کریں اور منتظمین درخواست کا انتظار نہ کریں | ۳۸۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۵۸ | تن خواہ کی درخواست کے سلسلے میں حضرت کا ذاتی رویہ | ۳۸۱ |
| ۵۵۹ | اشراف اور اس کا حکم | ۳۸۲ |
| ۵۶۰ | ہمارے اکابر اور فاقہ | ۳۸۲ |
| ۵۶۱ | حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور فاقہ مستی | ۳۸۳ |
| ۵۶۲ | ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل | ۳۸۳ |
| ۵۶۳ | چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ وفا دیکھ | ۳۸۴ |
| ۵۶۴ | وہاں کے خدا کو ہمارا اسلام کہہ دینا | ۳۸۴ |
| ۵۶۵ | قرآن کی تعلیم لفظاً و معنیً عام کی جائے | ۳۸۵ |
| ۵۶۶ | حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ایک رجال ساز شخصیت | ۳۸۵ |
| ۵۶۷ | مالٹا کی جیل کے دو سبق | ۳۸۶ |
| ۵۶۸ | قرآن کی تعلیمات کو معنیً عام کرنے کی ایک شکل | ۳۸۶ |
| ۵۶۹ | مادی فائدہ ہرگز حاصل نہ کریں | ۳۸۷ |
| ۵۷۰ | ہمارے اندر لوگوں کی خیر خواہی کا جذبہ بھی ہو | ۳۸۷ |
| ۵۷۱ | اپنی ذمہ داریوں میں امانت داری سے کام لیجیے | ۳۸۷ |
| ۵۷۲ | وعظ و خطابت کے سلسلے میں ہماری ایک کمزوری | ۳۸۸ |
| ۵۷۳ | اپنے اوقات کی حفاظت کیجئے | ۳۸۸ |
| ۵۷۴ | اپنی ذات کو سنتوں کا عملی نمونہ بنائیے | ۳۹۰ |
| ۵۷۵ | حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے ''اقرب الی السنہ'' کا فیصلہ | ۳۹۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۷۶ | اپنا علاج کرنے اور مزاج بدلنے کی ضرورت | ۳۹۱ |
| ۵۷۷ | حضرت عمرؓ اور نفس کا علاج | ۳۹۱ |
| ۵۷۹ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے | ۳۹۲ |
| ۵۸۰ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کھانا | ۳۹۲ |
| ۵۸۱ | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر | ۳۹۳ |
| ۵۸۲ | آمدنی بڑھانا ہمارے اختیار میں نہیں | ۳۹۴ |
| ۵۸۳ | حضرت الاستاذ کی چائے بند | ۳۹۵ |
| ۵۸۴ | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تواضع | ۳۹۵ |
| ۵۸۵ | کام میں جان پیدا کرنے کا طریقہ | ۳۹۶ |
| ۵۸۶ | اپنے احباب کے احوال سے باخبر رہیں | ۳۹۶ |
| ۵۸۷ | جمعہ میں بیان مختصر ہو | ۳۹۷ |
| ۵۸۸ | جمعہ میں شرکت کرنے والے مزدور پیشہ حضرات کا بھی خیال کیجیے | ۳۹۹ |
| ۵۸۹ | بیان میں زیادہ وقت لینا خیانت ہے | ۳۹۹ |
| ۵۹۰ | لوگوں کی غلط حرکتوں پر ان کو محبت سے سمجھائیں | ۴۰۰ |
| ۵۹۱ | بچوں کی پٹائی سے احتیاط کریں | ۴۰۱ |
| ۵۹۲ | مدرسین کو ٹریننگ کی ضرورت ہے | ۴۰۲ |
| ۵۹۳ | تعلیم صبیان کے جدید طریقے سیکھنے میں عار محسوس نہ کریں | ۴۰۲ |
| ۵۹۴ | فضولیات سے اجتناب کیجیے | ۴۰۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۹۵ | اہل علم اور کرکٹ کا جنون | ۴۰۴ |
| ۵۹۶ | کرکٹروں سے محبت کرنا درحقیقت فساق وفجار سے محبت کرنا ہے | ۴۰۴ |
| ۵۹۷ | جب علم ہی عاشق دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا | ۴۰۵ |
| ۵۹۸ | طلبہ اور پوری بستی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری | ۴۰۶ |
| ۵۹۹ | مسلمانوں کی ذہنیت خراب کرنے والے روزناموں کا توڑ کیجیے | ۴۰۶ |
| ۶۰۰ | مواقع کی مناسبت سے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیجیے | ۴۰۷ |
| ۶۰۱ | طلبہ کی غفلت دور کرنے کا اہتمام کیجیے | ۴۰۷ |
| ۶۰۲ | گمراہ فرقوں کی گمراہیوں سے لوگوں کو آگاہ کیجیے | ۴۰۸ |
| ۶۰۳ | باطل فرقے ''الکفر مِلۃ واحِدۃ'' کی شکل میں | ۴۰۹ |
| ۶۰۴ | دعا | ۴۱۰ |

# تفصیلی فہرست مضامین...... جلد ششم


| نمبر شمار | عناوین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| | **دین میں نماز کی اہمیت اور حیثیت** | |
| ۱ | خطبے میں مذکور حدیث کی مختصر تشریح | ۵۱ |
| ۲ | شریعت میں عبادات کا شعبہ قائم کرنے کی حکمت | ۵۲ |
| ۳ | نماز دین کا اہم ستون ہے | ۵۳ |
| ۴ | نماز ایمان اور کفر کے درمیان حدِّ فاصل ہے | ۵۴ |
| ۵ | نماز اور دین کے درمیان تعلق | ۵۴ |
| ۶ | حضرت عمرؓ کا اپنے گورنروں کے نام تاریخی فرمان | ۵۵ |
| ۷ | بعض لوگوں کی غلط فہمی | ۵۵ |
| ۸ | دورانِ جہاد بھی نماز معاف نہیں ہے | ۵۶ |
| ۹ | نماز ہر کام سے اہم کام ہے | ۵۶ |
| ۱۰ | نماز کی حفاظت اور محافظت کا مطلب | ۵۶ |
| ۱۱ | دین کی حفاظت کا عجیب وغریب نسخہ | ۵۷ |
| ۱۲ | نماز کی حفاظت نہ کرنے والے سے دوسرے امورِ دین کی انجام دہی کی کوئی امید نہیں | ۵۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۳ | لفظِ فلاح اور اردو زبان کی تنگ دامنی | ۵۸ |
| ۱۴ | فلاح ڈھونڈنے والوں کے لیے نسخۂ کیمیا | ۵۹ |
| ۱۵ | قرآن میں نماز قائم کرنے کا حکم اور اس کا مطلب | ۶۰ |
| ۱۶ | خضوع کا مطلب | ۶۰ |
| ۱۷ | نماز میں نگاہیں رکھنے کی جگہ تک بھی بتادی گئی ہے | ۶۱ |
| ۱۸ | نماز کے بارے میں نبوی تاکید | ۶۲ |
| ۱۹ | غلط طریقے سے نماز پڑھنے پر ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ | ۶۲ |
| ۲۰ | پہلی مرتبہ نماز کا صحیح طریقہ نہ بتلانے کی حکمت | ۶۳ |
| ۲۱ | خشوع کا مطلب | ۶۳ |
| ۲۲ | نماز میں خشوع پیدا کرنے کے نبوی طریقوں میں ایک طریقہ | ۶۴ |
| ۲۳ | ”گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو“ کہنے کی حکمت | ۶۵ |
| ۲۴ | نماز میں خشوع پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ | ۶۵ |
| ۲۵ | آخری نماز سمجھ کر ہر نماز پڑھنا امرِ واقعی ہے | ۶۷ |


## نماز کی روح خشوع اور اس کی اہمیت


| | | |
|---|---|---|
| ۲۶ | شریعت: زندگی گذارنے کا مکمل انسائیکلوپیڈیا | ۶۹ |
| ۲۷ | عقائد کے باب میں مسلمانوں کی غفلت | ۷۰ |
| ۲۸ | شعبۂ عبادت اور اس کو قائم کرنے کی غرض | ۷۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۹ | عبادات کی مختلف صورتیں | ۷۱ |
| ۳۰ | نماز: بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے والا سب سے بہتر ذریعہ | ۷۱ |
| ۳۱ | فرض نمازیں | ۷۱ |
| ۳۲ | نوافل کی قسمیں | ۷۲ |
| ۳۳ | نماز کے اوقاتِ مکروھہ | ۷۲ |
| ۳۴ | قرآن میں نماز کا حکم اجمالی ہے | ۷۳ |
| ۳۵ | نماز پر مختلف حالات اور ادوار گذرے ہیں | ۷۳ |
| ۳۶ | حضراتِ ائمۂ مجتہدین کا امت پر احسانِ عظیم | ۷۳ |
| ۳۷ | نماز کے فرائض بنام شرائط | ۷۴ |
| ۳۸ | نماز کے فرائض بنام ارکان | ۷۴ |
| ۳۹ | نماز کے دوسرے افعال اور ان کے درجات | ۷۵ |
| ۴۰ | انھیں پر بعض ناداں کچھ گھڑا کرتے ہیں افسانہ | ۷۵ |
| ۴۱ | ’’فقہ‘‘ قرآن وحدیث میں موجود عملی زندگی سے متعلق احکام کا مجموعہ ہے | ۷۵ |
| ۴۲ | فقہ کے متعلق غلط فہمی پھیلانے والے احسان فراموش ہیں | ۷۶ |
| ۴۳ | فقہاء کا ایک اور احسان | ۷۶ |
| ۴۴ | نماز کی صورت اور روح | ۷۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵ | نماز کے جملہ افعال بڑی اہمیت اور فضیلت کے حامل ہیں | ۷۷ |
| ۴۶ | محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ سے باجماعت نماز فوت ہونے کا واقعہ | ۷۷ |
| ۴۷ | فضیلت جماعت کے سلسلے میں وارد مختلف روایتوں میں تطبیق | ۷۸ |
| ۴۸ | تمھیں کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے | ۷۸ |
| ۴۹ | ترکِ جماعت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غضبِ شدید | ۷۹ |
| ۵۰ | تھے تو وہ آبا تمھارے ہی مگر تم کیا ہو؟ | ۷۹ |
| ۵۱ | اے ابنِ سماعہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا! | ۸۰ |
| ۵۲ | باجماعت نماز کا ایک عظیم فائدہ | ۸۱ |
| ۵۳ | آمین کے سلسلے میں ہمارا مذہب اور اس کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک | ۸۱ |
| ۵۴ | اگر نماز کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق پڑ گئی! | ۸۱ |
| ۵۵ | نماز کی روح: خشوع | ۸۲ |
| ۵۶ | خضوع کا مطلب | ۸۳ |
| ۵۷ | کامیاب ہیں وہ ایمان والے | ۸۳ |
| ۵۸ | فلاح کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے اردو زبان قاصر ہے | ۸۴ |
| ۵۹ | خشوع میں خلل ڈالنے والے حالات کی موجودگی میں نماز کی ممانعت | ۸۴ |
| ۶۰ | ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرۂ خاکِ دل | ۸۵ |
| ۶۱ | یہ تھے ہمارے اکابر!! | ۸۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ٦٢ | اطمینان سے انجام دیئے جانے کے قابل کام نماز ہے | ٨٦ |
| ٦٣ | نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت | ٨٦ |
| ٦٤ | حدیث سے غلط فہمی | ٨٦ |
| ٦٥ | حدیث کا صحیح مطلب | ٨٧ |
| ٦٦ | نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی حکمت | ٨٧ |
| ٦٧ | نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا | ٨٨ |
| ٦٨ | خشوع نماز کی جان ہے | ٨٩ |
| ٦٩ | نماز میں خلل ڈالنے والی چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتار پھینکنا | ٨٩ |
| ٧٠ | یہ بازی عشق کی بازی ہے | ٩٠ |
| ٧١ | عشق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام | ٩١ |
| ٧٢ | وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی | ٩١ |
| ٧٣ | وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا | ٩٢ |
| ٧٤ | کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا | ٩٣ |
| ٧٥ | با حضورِ دل نہ کردم طاعتے | ٩٤ |
| ٧٦ | ترستے ہیں آج اس کو منبر و محراب | ٩٤ |


## اپنی نمازوں کو صحیح اور جان دار بنایئے


| | | |
|---|---|---|
| ٧٧ | شریعت: زندگی گذارنے کا مکمل انسائیکلو پیڈیا | ٩٩ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۸ | شعبۂ عبادت اور اس کو قائم کرنے کی غرض | ۱۰۰ |
| ۷۹ | بیگانہ کرتی ہے دو عالم سے دل کو | ۱۰۰ |
| ۸۰ | عبادات کی فرضیت بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے | ۱۰۱ |
| ۸۱ | ہماری اطاعت و معصیت سے اللہ تعالیٰ کی ذات مستغنی ہے | ۱۰۱ |
| ۸۲ | یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند | ۱۰۱ |
| ۸۳ | بہار ہو کہ خزاں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه | ۱۰۲ |
| ۸۴ | عبادات کا شعبہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شانِ محبت کا مظہر ہے | ۱۰۳ |
| ۸۵ | نماز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تاوان اور ٹیکس نہیں ہے | ۱۰۳ |
| ۸۶ | پانچ وقت کی نماز کے لیے پکار کی حقیقی غرض | ۱۰۴ |
| ۸۷ | شاہانِ دنیا سے ملاقات کا حال | ۱۰۴ |
| ۸۸ | اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان | ۱۰۵ |
| ۸۹ | ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است | ۱۰۵ |
| ۹۰ | بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے | ۱۰۵ |
| ۹۱ | من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | ۱۰۶ |
| ۹۲ | نماز دین کا بنیادی ستون ہے | ۱۰۶ |
| ۹۳ | قرآن و حدیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت | ۱۰۷ |
| ۹۴ | احادیث کی روشنی میں تارکِ صلوۃ کا حکم | ۱۰۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۵ | اقوالِ ائمہ کی روشنی میں تارکِ صلوۃ کا حکم | ۱۰۹ |
| ۹۶ | صحیح نماز سکھلانے کا نبوی اہتمام | ۱۰۹ |
| ۹۷ | نمازیں صحیح بنانے کا حضراتِ صحابہ کا اہتمام | ۱۱۰ |
| ۹۸ | قرآنی آیات کی روشنی میں بامراد | ۱۱۱ |
| ۹۹ | تارکِ نماز سے دیگر امورِ دین کے قیام کی امید نہیں کی جاسکتی | ۱۱۱ |
| ۱۰۰ | نماز میں کوتاہی کروانے کا ایک ابلیسی داؤ پیچ | ۱۱۲ |
| ۱۰۱ | نماز میں کوتاہی کرنے کا اثر تمام دینی امور پر پڑتا ہے | ۱۱۲ |
| ۱۰۲ | تمھارے کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے | ۱۱۳ |
| ۱۰۳ | اقامتِ صلوۃ کا حکم اور اس کا مطلب | ۱۱۳ |
| ۱۰۴ | امت پر ائمۂ مجتہدین کا احسانِ عظیم | ۱۱۴ |
| ۱۰۵ | ائمۂ مجتہدین کے احسان کا بدلہ ہم نہیں چکا سکتے | ۱۱۵ |
| ۱۰۶ | ترکِ سنت سے نماز میں نور نہیں آتا | ۱۱۵ |
| ۱۰۷ | اپنی نمازوں کا جائزہ لیجیے | ۱۱۶ |
| ۱۰۸ | جانتے ہیں اہلِ دنیا، جیسی پڑھتے ہیں نماز | ۱۱۶ |
| ۱۰۹ | نمازوں کی سنتوں کو چھوڑنے پر مرتب ہونے والا اثرِ بد | ۱۱۷ |
| ۱۱۰ | نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا شیطان کا اچک لینا ہے | ۱۱۷ |
| ۱۱۱ | نماز میں مواضعِ مقررہ پر نگاہیں کا رکھنے کا عظیم فائدہ | ۱۱۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۲ | خضوع کیا ہے؟ | ۱۱۸ |
| ۱۱۳ | نیت کا حقیقی مطلب | ۱۱۹ |
| ۱۱۴ | ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے کی کیفیت | ۱۱۹ |
| ۱۱۵ | تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو باندھنے کا صحیح طریقہ | ۱۱۹ |
| ۱۱۶ | قیام کا صحیح اور مسنون طریقہ | ۱۱۹ |
| ۱۱۷ | رکوع کا صحیح اور مسنون طریقہ | ۱۲۰ |
| ۱۱۸ | قومے کا صحیح اور مسنون طریقہ | ۱۲۰ |
| ۱۱۹ | اطمینان سے نماز ادا نہ کرنے پر دوہرانے کا حکم | ۱۲۰ |
| ۱۲۰ | پرندوں کے ٹھونگے مارنے کی طرح نماز ادا کرنے کی ممانعت | ۱۲۱ |
| ۱۲۱ | ہر عملِ صلوۃ کو شرعی ہدایات کے مطابق انجام دینا ’’خضوع‘‘ ہے | ۱۲۱ |
| ۱۲۲ | سجدے کا شرعی طریقہ اور اس سلسلے میں لوگوں کی غفلت | ۱۲۲ |
| ۱۲۳ | اکثر لوگوں کی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے | ۱۲۲ |
| ۱۲۴ | خشوع کا مطلب | ۱۲۳ |
| ۱۲۵ | مشینی دور کی مشینی نمازیں | ۱۲۳ |
| ۱۲۶ | سجدے میں سر، دل میں دنیا کا خیال<br>اس دھرتی پے بھاری ہیں نمازیں اپنی | ۱۲۳ |
| ۱۲۷ | من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں سے نمازی بن نہ سکا | ۱۲۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۸ | نمازوں سے خشوع کا ختم ہو جانا قیامت کی علامتوں میں سے ہے | ۱۲۴ |
| ۱۲۹ | شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ | ۱۲۵ |
| ۱۳۰ | اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی | ۱۲۶ |
| ۱۳۱ | کیا ہیں میری قربانیاں، کیا نوازشیں ہیں تیری | ۱۲۶ |
| ۱۳۲ | کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا | ۱۲۷ |
| ۱۳۳ | تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں | ۱۲۷ |
| ۱۳۴ | دینی امور میں ہماری لامتناہی بے حسی | ۱۲۸ |
| ۱۳۵ | روحانی طبیب کے سامنے حالات پیش کرنے میں بھی خیانت | ۱۲۸ |
| ۱۳۶ | صیاد خوش ہے کہ کانٹا نگل گئی....... | ۱۲۹ |
| ۱۳۷ | نافرمانی میں بے دریغ وقت ضائع کرنے والوں کے پاس نماز کے لیے وقت نہیں | ۱۲۹ |
| ۱۳۸ | مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے | ۱۳۰ |
| ۱۳۹ | اسباغ الوضو: درجات کو بلند کرنے والی اہم چیز | ۱۳۰ |
| ۱۴۰ | قبلیہ سنتیں فرض نماز کے لیے تمہید ہیں | ۱۳۱ |
| ۱۴۱ | یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے | ۱۳۱ |
| ۱۴۲ | مجھے تو اس کی عبادت پہ رحم آتا ہے | ۱۳۲ |

## رمضان کا مہینہ ہم کیسے گذاریں؟


| | | |
|---|---|---|
| ١۴٣ | رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے | ١٣۵ |
| ١۴۴ | رمضان المبارک کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کا نبوی اہتمام | ١٣٦ |
| ١۴۵ | رمضان کی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرنے کا سبب | ١٣٦ |
| ١۴٦ | تخلیقِ انسانی کا مقصد | ١٣٦ |
| ١۴٧ | فرشتوں کی صفت اور شان | ١٣٧ |
| ١۴٨ | فرشتوں میں ون سائیڈ ٹرافک والا معاملہ ہے | ١٣٧ |
| ١۴٩ | تخلیقِ انسانی کے اظہارِ ارادہ پر فرشتوں کی طرف سے سوال | ١٣٨ |
| ١۵٠ | اللہ تبارک وتعالیٰ کا حاکمانہ جواب | ١٣٨ |
| ١۵١ | کائنات میں پیدا کردہ چیزوں کے نام حضرت آدمؑ کو سکھانے اور فرشتوں کو نہ سکھانے کی حکمت | ١٣٩ |
| ١۵٢ | علم کی اہمیت | ١۴٠ |
| ١۵٣ | حضرت آدمؑ کو دوسری مخلوقات پر فوقیت دینے والا وصف | ١۴٠ |
| ١۵۴ | ابلیس کی حکمِ الٰہی سے سرتابی | ١۴١ |
| ١۵۵ | اللہ تعالیٰ کے تخلیقِ آدمؑ کے اظہارِ ارادہ پر فرشتوں کی لب کشائی | ١۴١ |
| ١۵٦ | حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کی تخلیق بعد ان کو جنت میں رہنے کا حکم | ١۴٢ |
| ١۵٧ | شجرۂ ممنوعہ کا کھانا اور دنیا میں اتارا جانا طے شدہ امر تھا | ١۴٢ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۸ | سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے | ۱۴۳ |
| ۱۵۹ | اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدمؑ کو کلماتِ توبہ کی تلقین اور ان کلمات سے توبہ واستغفار | ۱۴۳ |
| ۱۶۰ | حضرتِ آدمؑ اور حضرتِ موسیٰؑ کے مابین عالمِ ارواح میں مناظرہ | ۱۴۴ |
| ۱۶۱ | حضرتِ آدمؑ کا مُسکت جواب | ۱۴۵ |
| ۱۶۲ | حضرتِ آدمؑ اور حضرتِ موسیٰؑ کے مابین اس مناظرے کے قیام کی غرض | ۱۴۶ |
| ۱۶۳ | انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والا وصفِ امتیازی | ۱۴۷ |
| ۱۶۴ | اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے بے شمار فرشتے موجود ہیں | ۱۴۷ |
| ۱۶۵ | آسمان میں کوئی جگہ عبادت کرنے والے فرشتوں سے خالی نہیں ہے | ۱۴۸ |
| ۱۶۶ | ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں | ۱۴۸ |
| ۱۶۷ | انسان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور معصیت دونوں کی صلاحیتیں ہیں | ۱۴۹ |
| ۱۶۸ | ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر | ۱۴۹ |
| ۱۶۹ | اندھے کے ناجائز امور کو نہ دیکھنے میں کوئی کمال نہیں ہے | ۱۵۰ |
| ۱۷۰ | بدنظری: ایک خطرناک گناہ | ۱۵۰ |
| ۱۷۱ | اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی خواہشات کو قربان کرنے والا | ۱۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷۲ | جنت کی نعمتوں سے فرشتے متمتع نہیں ہو سکتے | ۱۵۲ |
| ۱۷۳ | کسی چیز سے لطف اندوز ہونے کا اصول | ۱۵۲ |
| ۱۷۴ | بھینس کے سامنے بین بجائے، بھینس کھڑی..... | ۱۵۳ |
| ۱۷۵ | اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنے کی بہترین مثال | ۱۵۳ |
| ۱۷۶ | روزہ: اخلاص وللّٰہیت کا بہترین مظہر | ۱۵۴ |
| ۱۷۷ | روزے کا بدلہ اللہ تعالیٰ دیں گے | ۱۵۵ |
| ۱۷۸ | روزے کے سلسلے میں ایک روح پرور واقعہ | ۱۵۵ |
| ۱۷۹ | ڈچ قوم اور فکری آزادی | ۱۵۵ |
| ۱۸۰ | ڈچ قوم کی اسلام دشمنی | ۱۵۶ |
| ۱۸۱ | یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند | ۱۵۶ |
| ۱۸۲ | روزہ ایک ڈچ آدمی کے اسلام کا باعث بنا | ۱۵۷ |
| ۱۸۳ | اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں | ۱۵۸ |
| ۱۸۴ | حکمِ روزہ کا مقصد: حصولِ تقویٰ | ۱۵۹ |
| ۱۸۵ | روزہ داروں کے لیے لمحۂ فکریہ | ۱۵۹ |
| ۱۸۶ | ایسے آدمی کے بھوکا، پیاسا رہنے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں | ۱۶۰ |
| ۱۸۷ | روزہ: حصولِ تقویٰ کا ایک مختصر سا کورس ہے | ۱۶۰ |
| ۱۸۸ | رمضان کا مہینہ صرف روزے تک محدود نہ رہنا چاہیے | ۱۶۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۹ | جھگڑے کی نحوست سے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی گئی | ۱۶۱ |
| ۱۹۰ | اللہ کی رحمت کے جھونکوں سے خود کو فائدہ پہنچائیے | ۱۶۱ |
| ۱۹۱ | رمضان میں ادا کی جانے والی بعض عبادتوں کا اجمالی خاکہ | ۱۶۲ |
| ۱۹۲ | آخری عشرے کی اہم عبادت: اعتکاف | ۱۶۲ |
| ۱۹۳ | قلوب پر کاروباری مشغولیوں کی وجہ سے پڑنے والے اثرات | ۱۶۳ |
| ۱۹۴ | دینی مشاغل میں مبتلا لوگوں کے قلوب پر بھی دنیا کا اثر آجاتا ہے | ۱۶۴ |
| ۱۹۵ | لوگوں کے ساتھ اختلاط کا اثر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر | ۱۶۴ |
| ۱۹۶ | ہمارے اسلاف کا معمول | ۱۶۵ |
| ۱۹۷ | رمضان میں سارے کام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجائیے | ۱۶۵ |
| ۱۹۸ | ختمِ سحری کے وقت اعلان میں مبالغہ اور اس کی خرابی | ۱۶۶ |
| ۱۹۹ | کبھی اس کی بھی ترغیب دیجیے | ۱۶۶ |
| ۲۰۰ | بیڑی پینے والوں کی بے صبری | ۱۶۷ |
| ۲۰۱ | تراویح اور امت کا بگڑا ہوا مزاج | ۱۶۸ |
| ۲۰۲ | قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنا واجب ہے | ۱۶۸ |
| ۲۰۳ | اس دھرتی پے بھاری ہیں نمازیں اپنی | ۱۶۸ |
| ۲۰۴ | تم ہی کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے! | ۱۶۹ |
| ۲۰۵ | رمضان، رمضان پکارنے سے اس کی برکتیں حاصل نہیں ہوتیں | ۱۷۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۶ | انسان پوراسال رمضان ہونے کی تمنا کرے اگر... | ۱۷۰ |
| ۲۰۷ | اسلاف کے واقعات پڑھ کر اپنے اندر رمضان کو وصول کرنے کا جذبہ بیدار کیجیے | ۱۷۱ |
| ۲۰۸ | سال ویسا ہی گذرے گا جیسا رمضان گذرے گا | ۱۷۱ |


## رمضان المبارک کے فضائل اور برکات


| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۹ | رمضان المبارک کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو اس کی طرف متوجہ کرنے کا اہتمام | ۱۷۶ |
| ۲۱۰ | رمضان المبارک کی سب سے بڑی فضیلت | ۱۷۶ |
| ۲۱۱ | قرآنِ کریم کے دونزول اور اس کی تفصیل | ۱۷۷ |
| ۲۱۲ | کلام اللہ کو رمضان المبارک کے ساتھ تعلق | ۱۷۷ |
| ۲۱۳ | رمضان المبارک میں ہمارے اسلاف کا قرآن کے ساتھ شغف | ۱۷۸ |
| ۲۱۴ | جن وانس کو باری تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے | ۱۷۹ |
| ۲۱۵ | انسان کو ہمہ وقت عبادت کا پابند کیوں نہیں کیا گیا؟ | ۱۷۹ |
| ۲۱۶ | رمضان کا مہینہ دلوں کے میل کچیل کو دور کرنے کے لیے ہے | ۱۸۰ |
| ۲۱۷ | ماہِ رجب کا چاند دیکھنے پر منقول دعا اور اس کی حکمت | ۱۸۱ |
| ۲۱۸ | ہر ماہ کا چاند دیکھنے پر پڑھی جانے والی دعائیں | ۱۸۱ |
| ۲۱۹ | ماہِ رجب کا چاند دیکھنے پر منقول دعا اور اس کا مطلب | ۱۸۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲۰ | اہم چیزوں کو دیکھنے کے لیے دعاؤں کا انسانی مزاج | ۱۸۲ |
| ۲۲۱ | نبوی دعاؤں کی عجیب جامعیت | ۱۸۳ |
| ۲۲۲ | نئی بستی میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی دعا اور اس کا مفہوم | ۱۸۳ |
| ۲۲۳ | اسلاف کا معمول | ۱۸۴ |
| ۲۲۴ | استقبالِ رمضان کے لیے من جانب اللہ جنت کی تزئین کی اہتمام | ۱۸۵ |
| ۲۲۵ | رمضان کی آمد پر جنت کے دروازے کھولے جانے کا مطلب | ۱۸۵ |
| ۲۲۶ | رمضان کی آمد پر جہنم کے دروازے بند کیے جانے کا مطلب | ۱۸۶ |
| ۲۲۷ | رمضان المبارک میں اپنے گناہوں کی بخشش نہ کروا پانے والے کے لیے بددعا | ۱۸۷ |
| ۲۲۸ | روزہ افطار کرانے کا بے شمار ثواب | ۱۸۸ |
| ۲۲۹ | اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا ایک نمونہ | ۱۸۸ |
| ۲۳۰ | رمضان کی اہمیت سے حضراتِ صحابہؓ کو واقف کرانے کا نبوی اہتمام | ۱۸۹ |
| ۲۳۱ | رمضان کے سایہ فگن ہونے کا مطلب | ۱۸۹ |
| ۲۳۲ | شبِ قدر کا ثواب | ۱۹۰ |
| ۲۳۳ | سورۂ قدر کا شانِ نزول | ۱۹۰ |
| ۲۳۴ | کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ.... | ۱۹۱ |
| ۲۳۵ | ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں | ۱۹۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۶ | شبِ قدر کی تلاش کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پورے ماہ کا اعتکاف کرنا | ۱۹۳ |
| ۲۳۷ | اعتکاف کی مشروعیت کا سبب | ۱۹۳ |
| ۲۳۸ | شبِ قدر جیسی بابرکت راتوں کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ | ۱۹۳ |
| ۲۳۹ | شبِ قدر کی برکتوں کو وصول کرنے کا ایک گُر اور ہماری کوتاہی | ۱۹۴ |
| ۲۴۰ | پوری رات عبادت کا ثواب حاصل کرنے ایک اور آسان سا نسخہ | ۱۹۵ |
| ۲۴۱ | شبِ قدر میں حصول فضیلت کے لیے پوری رات جاگنا ضروری نہیں | ۱۹۶ |
| ۲۴۲ | کسی کی غیبت اور برائی کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے | ۱۹۶ |
| ۲۴۳ | ماہِ مبارک میں خصوصی طور پر گناہوں سے بچیے | ۱۹۶ |
| ۲۴۴ | روزے کے کچھ آداب | ۱۹۷ |
| ۲۴۵ | ہفتہ، سال اور زندگی تقوی کے ساتھ گذارنے کا نسخہ | ۱۹۷ |
| ۲۴۶ | شبِ قدر اور جیسی راتوں میں ہونے والی خرافات | ۱۹۸ |
| ۲۴۷ | روزہ ڈھال ہے بشرطیکہ..... | ۱۹۸ |
| ۲۴۸ | اعمالِ صالحہ کے فوائد حاصل کرنے سے متعلق ایک اہم اصول | ۱۹۹ |
| ۲۴۹ | كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کی تفسیر | ۱۹۹ |
| ۲۵۰ | روزے کا مقصد تقوی کا حصول ہے | ۲۰۰ |
| ۲۵۱ | حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تقوی کی حقیقت | ۲۰۰ |
| ۲۵۲ | ایں خیال واست ومحال است وجنوں | ۲۰۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۲ | رمضان میں تراویح کو بھی نفل قرار دیا گیا ہے | ۲۰۲ |
| ۲۵۳ | رمضان کے روزے فرض ہیں | ۲۰۲ |
| ۲۵۴ | رمضان میں اعمال کی قدر و قیمت غیرِ رمضان کی بہ نسبت بڑھ جاتی ہے | ۲۰۳ |
| ۲۵۵ | سونے کے بھاؤ میں لوہا | ۲۰۳ |
| ۲۵۶ | رمضان کا مہینہ نیکیوں کی سیزن ہے | ۲۰۴ |
| ۲۵۷ | اس کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب پر | ۲۰۴ |
| ۲۵۸ | اسلاف کے یہاں رمضان کی قدر و قیمت | ۲۰۵ |
| ۲۵۹ | تراویح کے ساتھ ہمارا مجرمانہ سلوک | ۲۰۵ |
| ۲۶۰ | لعنت والے طریقے پر قرآن پڑھنے اور سننے سے احتراز کیجئے | ۲۰۶ |
| ۲۶۱ | ستم بالائے ستم | ۲۰۶ |
| ۲۶۲ | تھے تو وہ آباء تمھارے ہی، تم کیا ہو؟ | ۲۰۷ |
| ۲۶۳ | اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی | ۲۰۷ |
| ۲۶۴ | رمضان صبر کا مہینہ ہے | ۲۰۸ |
| ۲۶۵ | یہ مواسات اور غم خواری کا مہینہ ہے | ۲۰۸ |
| ۲۶۶ | حقیقی حاجت مندوں کو تلاش کر کے ان کی مدد کریں | ۲۰۸ |
| ۲۶۷ | پیشہ ور بھکاریوں کا حال | ۲۰۸ |

## معتکفین کے لیے قیمتی ہدایات اور نصائح


| | | |
|---|---|---|
| ۲۶۸ | ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں | ۲۱۳ |
| ۲۶۹ | اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اولین حق: شکرگزاری | ۲۱۴ |
| ۲۷۰ | شکر کی دو قسمیں: لسانی اور حقیقی | ۲۱۴ |
| ۲۷۱ | شیطان شکر ہی کے ذریعہ سے اکثر انسان کا راستہ کاٹتا ہے | ۲۱۴ |
| ۲۷۲ | شکرگزاری پر نعمت میں اضافے کا اور ناشکری پر عذاب کا وعدۂ اِلٰہی | ۲۱۵ |
| ۲۷۳ | اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کریں گے؟ | ۲۱۵ |
| ۲۷۴ | اعمالِ عباد کی بارگاہِ اِلٰہی میں عجیب وغریب پذیرائی | ۲۱۶ |
| ۲۷۵ | اللہ تعالیٰ کی عظمت بندوں کے اعمال پر موقوف نہیں ہے | ۲۱۷ |
| ۲۷۶ | حقیقی شکر اور زبانی شکر کی ایک مثال سے تفہیم | ۲۱۷ |
| ۲۷۷ | نعمتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بندوں سے چاہت | ۲۱۹ |
| ۲۷۸ | اہمیت رمضان کو حضراتِ صحابہ کے سامنے بیان کرنے کا نبوی اہتمام | ۲۱۹ |
| ۲۷۹ | ماہِ رمضان کی ایک فضیلت | ۲۲۰ |
| ۲۸۰ | رمضان کی اہمیت اکابر کی نگاہوں میں | ۲۲۰ |
| ۲۸۱ | رمضان کے آخری عشرے کی اہمیت اور فضیلت | ۲۲۰ |
| ۲۸۲ | رات کی نماز کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عام عادت | ۲۲۱ |
| ۲۸۳ | آخری عشرے میں معتکفین راتوں میں سونے کا ماحول نہ بنائیں | ۲۲۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۸۴ | مغرب کے بعد اوابین کا بھی اہتمام کیجیے | ۲۲۲ |
| ۲۸۵ | اوابین کے سلسلے میں ایک شبہ اور اس کا ازالہ | ۲۲۳ |
| ۲۸۶ | رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے | ۲۲۴ |
| ۲۸۷ | اوابین کی رکعات | ۲۲۴ |
| ۲۸۸ | یہ تو دھوکہ ہے | ۲۲۴ |
| ۲۸۹ | دھوکے کی دو قسمیں اور ایک حدیث سے عملی دھوکے کی تفہیم | ۲۲۴ |
| ۲۹۰ | مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا | ۲۲۵ |
| ۲۹۱ | تنبیہ کے باب میں کافر و منافق کا حال | ۲۲۶ |
| ۲۹۲ | خانقاہی اعمال میں شرکت نہ کرنے والا خود کو خانقاہ میں آیا ہوا نہ سمجھے | ۲۲۶ |
| ۲۹۳ | خانقاہ میں رہتے ہوئے اپنی غلط عادتوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کریں | ۲۲۷ |
| ۲۹۴ | سحری کا کھانا بابرکت ہوتا ہے | ۲۲۷ |
| ۲۹۵ | تہجد کا اہتمام اور اس میں بعض حضرات کی نامعقول حرکت | ۲۲۸ |
| ۲۹۶ | اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام بھی کیجیے | ۲۲۸ |
| ۲۹۷ | خانقاہ سے اچھی عادتیں لے جانے کی کوشش کیجیے | ۲۲۹ |
| ۲۹۸ | بزرگوں کی خدمت میں جانے کا مقصد | ۲۲۹ |
| ۲۹۹ | رمضان کے آخری عشرے کو شب قدر کی وجہ سے خصوصی فضیلت حاصل ہے | ۲۲۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۰۰ | عبادتوں کے فضائل بار بار پڑھنے اور سننے کا اہتمام کیجیے | ۲۳۰ |
| ۳۰۱ | ان مبارک راتوں اور دنوں میں ہر قسم کے گناہ سے دور رہیے | ۲۳۱ |
| ۳۰۲ | جس کا رمضان سلامت، اس کا سال سلامت | ۲۳۱ |
| ۳۰۳ | یہ خانقاہی سلسلہ کابرًا عن کابر اور نسلاً بعد نسلٍ اسلاف سے چلا آرہا ہے | ۲۳۲ |
| ۳۰۴ | سب سے پہلا کام: اپنے آپ کو ادب سے آراستہ کیجیے | ۲۳۳ |
| ۳۰۵ | ادب کا مطلب اور مفہوم | ۲۳۴ |
| ۳۰۶ | ادب مختلف حیثیت کے امور کے مجموعے کا نام ہے | ۲۳۴ |
| ۳۰۷ | لذاتِ فانیہ کے رسیا | ۲۳۵ |
| ۳۰۸ | محبت کا جنوں باقی نہیں ہے، مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے | ۲۳۵ |
| ۳۰۹ | ہمارے اسلاف کے یہاں آداب کی بجا آوری کا اہتمام | ۲۳۶ |
| ۳۱۰ | سنن و مستحبات کی بجا آوری محبت کے حقوق ہیں | ۲۳۶ |
| ۳۱۱ | مسجد خدا کا گھر ہے، اس کے آداب کا لحاظ کیجیے | ۲۳۷ |
| ۳۱۲ | مسجد میں موبائل جیسے خرافات سے بچنے کا اہتمام کیجیے | ۲۳۷ |
| ۳۱۳ | مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے پر سخت وعید | ۲۳۸ |
| ۳۱۴ | اعتکاف کے اجتماعی اعمال میں سے ایک عمل: کتابوں کی تعلیم | ۲۳۹ |
| ۳۱۵ | کتابوں کی تعلیم کو سننے سے ہماری غفلت | ۲۴۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۱۶ | قرآن وحدیث کے مضامین سننے کا ادب کہ جس پر نوازشِ الٰہی کے فیصلے ہوتے ہیں | ۲۴۰ |
| ۳۱۷ | جو اہلِ وصف ہوتے ہیں، ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں | ۲۴۱ |
| ۳۱۸ | ’’لینے کی گئی تھی پوت اور کھو آئی خصم‘‘ والا معاملہ نہ ہو | ۲۴۱ |
| ۳۱۹ | نماز کے مسائل سیکھنے، سمجھنے کی ضرورت | ۲۴۲ |
| ۳۲۰ | اہلِ علم کو بھی مذاکرات کی مجلس میں شرکت کرنے کی ضرورت | ۲۴۲ |
| ۳۲۱ | ذمہ دار حضرات بھی اپنی ذمہ داری سمجھیں | ۲۴۴ |
| ۳۲۲ | قرآنِ پاک کو درست کرنے کا اہتمام کیجیے | ۲۴۴ |
| ۳۲۳ | تراویح پورے شوق اور رغبت کے ساتھ پڑھئے | ۲۴۵ |
| ۳۲۴ | تراویح کے ساتھ ہمارا بے رخی والا معاملہ | ۲۴۵ |
| ۳۲۵ | تراویح میں دل نہ لگنا ہماری روحانی بیماری اور کمزوری کا نتیجہ ہے | ۲۴۶ |
| ۳۲۶ | سورۂ یٰس پڑھنے کا اہتمام | ۲۴۶ |
| ۳۲۷ | رات میں پڑھی گئی یٰسٓ صبح کی طرف سے کافی نہیں | ۲۴۷ |
| ۳۲۸ | نیک لوگوں کے اخلاق واطوار اختیار کیجیے | ۲۴۷ |
| ۳۲۹ | تراویح کے بعد اجتماعی طور پر یٰس خوانی کی حکمت | ۲۴۸ |
| ۳۳۰ | چہل درود وسلام کا عمل اور اس کا طریقہ | ۲۴۸ |
| ۳۳۱ | حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنا ہر امتی کا اخلاقی فریضہ ہے | ۲۴۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳۲ | حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کا انعام | ۲۴۹ |
| ۳۳۳ | ہمیشہ درود پڑھنے کی عادت بنائیے | ۲۵۰ |
| ۳۳۴ | دعا کا طریقہ اور اس کے الفاظ سیکھیے اور یاد کیجیے | ۲۵۰ |
| ۳۳۵ | دوسروں سے ہی دعا کرواتے رہیں گے، خود بھی کچھ مانگنا ہے یا نہیں؟ | ۲۵۱ |
| ۳۳۶ | دعاؤں کے اندر خود غرضی سے کام نہ لیں | ۲۵۱ |
| ۳۳۷ | دعا: دنیا کا سب سے طاقت ور ترین ہتھیار | ۲۵۲ |
| ۳۳۸ | دعا کو ''مُخُّ الْعِبَادَةِ'' کہنے کی وجہ اور حکمت | ۲۵۳ |
| ۳۳۹ | دعا بھی ایک عظیم عبادت ہے | ۲۵۳ |
| ۳۴۰ | دوست واحباب کے لیے بھی دعا کریں | ۲۵۳ |
| ۳۴۱ | پوری امتِ محمدیہ کے لیے دعا کا اہتمام کریں | ۲۵۴ |
| ۳۴۲ | مستجاب الدعوات بننے کا نبوی نسخہ | ۲۵۵ |
| ۳۴۳ | اپنے حق میں دوسروں کی دعا وصول کرنے کا نسخہ | ۲۵۶ |
| ۳۴۴ | دعا کی درخواست کرنے والوں کو نقد دعا دینے کی عادت ڈالئے | ۲۵۷ |
| ۳۴۵ | دعا کا مسنون طریقہ | ۲۵۷ |
| ۳۴۶ | ہم نے اللہ سے مانگنے کا طریقہ نہیں سیکھا ہے | ۲۵۸ |
| ۳۴۷ | احادیث میں وارد دعائیں بڑی جامع ہوتی ہیں | ۲۵۹ |
| ۳۴۸ | آنکھ کی ایک لاعلاج بیماری | ۲۵۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۴۹ | اس لاعلاج بیماری سے شفا کی دعائے نبوی | ۲۵۹ |
| ۳۵۰ | دعا سب سے بڑی نعمت ہے | ۲۶۰ |
| ۳۵۱ | خود ہی مرغی پال لونا: ایک واقعہ | ۲۶۰ |
| ۳۵۲ | تو ترا کوئی اور ہوگا خدا اے زاہد | ۲۶۱ |
| ۳۵۳ | شیطان اللہ تعالیٰ کی صفات کا بہت بڑا عارف ہے | ۲۶۱ |
| ۳۵۴ | اللہ تعالیٰ انفعالی کیفیت اور صفت سے منزہ ہیں | ۲۶۲ |
| ۳۵۵ | اپنی درخواست قبول کروانے کے سلسلے میں انسانی مزاج | ۲۶۲ |
| ۳۵۶ | تیری دنیا جہانِ مرغ ماہی، میری دنیا فغان صبح گاہی | ۲۶۳ |
| ۳۵۷ | ہر عبادت کی تاثیر اور اہمیت الگ الگ ہوتی ہے | ۲۶۴ |
| ۳۵۸ | حصولِ قربِ الٰہی میں قرآن کی تلاوت سب سے زیادہ مؤثر ہے | ۲۶۴ |
| ۳۵۹ | قرآنِ پاک کی تلاوت کے وقت اس کے آداب کا ضرور لحاظ کریں | ۲۶۵ |
| ۳۶۰ | اس ماہِ مبارک میں قرآنِ پاک کی تلاوت کا خاص اہتمام کریں | ۲۶۵ |
| ۳۶۱ | خانقاہ سے ان اعمالِ صالحہ کے تحفے گھر لے جائیں | ۲۶۶ |
| ۳۶۲ | حضرت دامت برکاتہم کی پابندیٔ اعمال | ۲۶۶ |
| ۳۶۳ | غیر رمضان میں قرآن کی تلاوت کی کم سے کم مقدار | ۲۶۶ |
| ۳۶۴ | حضراتِ اکابر کے یہاں قرآن سیکھنے سکھانے کا اہتمام | ۲۶۷ |
| ۳۶۵ | رمضان میں ان اذکار کی کثرت رکھیں | ۲۶۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳٦٦ | ۷۰ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی فضیلت | ۲٦۸ |
| ۳٦۷ | اس زرین موقع کو غنیمت جانیے | ۲٦۸ |
| ۳٦۸ | تعلیم کے دوران تسبیح پڑھنے کے معاملے میں اکابر کے دو متضاد نظریے | ۲٦۹ |
| ۳٦۹ | حضرت مولانا قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز واقعہ | ۲٦۹ |


## رمضان کی محنتوں اور برکتوں کو مابعد رمضان باقی رکھنے کا اہتمام اور اس کے اصولی گُر


| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۰ | روزے کی فرضیت کا مقصد: حصولِ تقویٰ | ۲۷۳ |
| ۳۷۱ | دنیوی قوانین دلوں میں گناہوں کی نفرت پیدا کرنے میں معین نہیں ہیں | ۲۷۴ |
| ۳۷۲ | اشیاء کے بننے اور استعمال کرنے کی جگہیں الگ ہوتی ہیں | ۲۷۵ |
| ۳۷۳ | خانقاہوں میں کی جانے والی محنتوں کی تفہیم کے لیے ایک مثال | ۲۷۵ |
| ۳۷۴ | خانقاہوں کی محنتوں کا ثمرہ ظاہر ہونے کی جگہ مختلف شعبہائے زندگی ہیں | ۲۷٦ |
| ۳۷۵ | ایک واقعہ | ۲۷٦ |
| ۳۷٦ | حدیث جبرئیل | ۲۷٦ |
| ۳۷۷ | کیفیت احسان زندگی کے ہر شعبے میں مطلوب ہے | ۲۷۷ |
| ۳۷۸ | خانقاہ کی محنتوں کا اثر باہر کی زندگی میں بھی ظاہر ہونا چاہیے | ۲۷۸ |
| ۳۷۹ | تربیت غالب آتی ہے یا طبیعت؟ ایک دل چسپ واقعہ | ۲۷۸ |
| ۳۸۰ | خانقاہ کی محنتوں کو اپنے گھروں میں بھی باقی رکھئے | ۲۷۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۸۱ | کرنے اور نہ کرنے کے کاموں کے سلسلے میں جزاء الاعمال سے منقول ضابطہ | ۲۸۰ |
| ۳۸۲ | اعمالِ مفیدہ میں سرِ فہرست علمِ دین کا حصول اور اس کا مطلب | ۲۸۱ |
| ۳۸۳ | علمِ دین کس سے حاصل کریں؟ علماء کی جامع تعریف | ۲۸۱ |
| ۳۸۴ | ان اوصاف کے حاملین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے چند علماء کے اسمائے گرامی | ۲۸۲ |
| ۳۸۵ | بزرگوں کی صحبت کی اہمیت اور افادیت | ۲۸۳ |
| ۳۸۶ | بزرگوں کی صحبت میں وقفے وقفے سے جاتے رہنا ضروری ہے | ۲۸۳ |
| ۳۸۷ | حضراتِ متقدمین کے یہاں صحبت شیخ کے التزام کا اہتمام | ۲۸۳ |
| ۳۸۸ | موجودہ دور میں شیخ کی صحبت سے بے اعتنائی اور غفلت | ۲۸۴ |
| ۳۸۹ | مجھے تو اختر سکونِ دل گر ملا تو اہلِ دل کے در پر | ۲۸۵ |
| ۳۹۰ | اعمالِ مفیدہ میں دوسرا عمل: نماز | ۲۸۶ |
| ۳۹۱ | تیسرا عمل: لوگوں سے کم بولنا اور کم ملنا | ۲۸۶ |
| ۳۹۲ | چوتھا عمل: محاسبہ و مراقبہ | ۲۸۷ |
| ۳۹۳ | صوفیہ کے یہاں مراقبے کا اہتمام | ۲۸۷ |
| ۳۹۴ | پانچواں عمل: توبہ واستغفار | ۲۸۸ |
| ۳۹۵ | وہ اصولِ معاصی جن سے اجتناب دوسرے گناہوں سے اجتناب کو آسان کر دیتا ہے | ۲۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ٣٩٦ | پہلا گناہ: غیبت | ٢٨٩ |
| ٣٩٧ | دوسرا گناہ: ظلم اور حق تلفی | ٢٨٩ |
| ٣٩٨ | تیسرا گناہ: خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا | ٢٩٠ |
| ٣٩٩ | تکبر کی حقیقت | ٢٩٠ |
| ٤٠٠ | کبر و غرور کی دو علامتیں حدیث کی روشنی میں | ٢٩١ |
| ٤٠١ | چوتھا گناہ: غصہ اور غیظ و غضب | ٢٩٢ |
| ٤٠٢ | پانچواں گناہ: غیر محرم عورت یا مرد سے راہ و رسم | ٢٩٣ |
| ٤٠٣ | چھٹا گناہ: حرام غذا کا استعمال | ٢٩٣ |
| ٤٠٤ | بزرگوں کو ان نصیحتوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ اور سامنے رکھئے | ٢٩٤ |
| ٤٠٥ | تعلق مع اللہ کو حاصل ہونے کے بعد باقی رکھنے کی کوشش کیجیے | ٢٩٤ |
| ٤٠٦ | اپنے یہاں بھی خانقاہ جیسا ماحول بنانے کی فکر کریں | ٢٩٥ |


## ماہِ رمضان کی وصول یابی میں اپنی ذاتوں کا احتساب اور آئندہ کے عزائم


| | | |
|---|---|---|
| ٤٠٧ | رمضان کے اختتام پر دو ضروری کام | ٢٩٩ |
| ٤٠٨ | اعمالِ رمضانیہ کا احتساب کیجیے | ٣٠٠ |
| ٤٠٩ | ہم اپنا احتساب کس طرح کریں؟ | ٣٠٠ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱۰ | روزہ صرف بھوک پیاسے رہنے کا نام نہیں ہے | ۳۰۱ |
| ۴۱۱ | اعمالِ رمضانیہ میں کوتاہی معلوم ہونے پر استغفار کیجیے | ۳۰۱ |
| ۴۱۲ | عبادتوں کی انجام دہی کی بعد استغفار کی شرعی تعلیم | ۳۰۲ |
| ۴۱۳ | عبادتوں کے انجام دینے کے بعد نیک لوگوں کی حالت | ۳۰۲ |
| ۴۱۴ | رمضان کے روزوں کی فضیلت | ۳۰۳ |
| ۴۱۵ | قیامِ رمضان یعنی تراویح کی فضیلت | ۳۰۳ |
| ۴۱۶ | تیسرا عمل: شبِ قدر کا قیام اور اس کی فضیلت | ۳۰۴ |
| ۴۱۷ | تراویح کے بارے میں غور وفکر کرنے کی چیز | ۳۰۴ |
| ۴۱۸ | جس کا رمضان سلامت، اس کا پورا سال سلامت | ۳۰۵ |
| ۴۱۹ | اعمالِ صالحہ کی قبولیت کی علامت | ۳۰۶ |
| ۴۲۰ | جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا | ۳۰۶ |
| ۴۲۱ | خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے حال! | ۳۰۷ |
| ۴۲۲ | نہ ہونا امید کہ نومیدی زوالِ علم وعرفاں ہے | ۳۰۸ |
| ۴۲۳ | اعمال کی دو حیثیتیں | ۳۰۸ |
| ۴۲۴ | حضراتِ صحابہؓ جیسی نماز پڑھنے کی ایک آدمی کی کوشش | ۳۰۹ |
| ۴۲۵ | اعمال کی دو حیثیتوں کے اعتبار سے ہمارا طرزِ عمل | ۳۰۹ |
| ۴۲۶ | اعمال میں ہونے والی کوتاہیوں کی باری تعالیٰ سے معافی مانگیں | ۳۱۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲۷ | رمضان المبارک کا مہینہ ''چار جنگ'' کا مہینہ ہے | ٣١٠ |
| ۴۲۸ | قلبی احوال اوقاتِ مختلفہ میں مختلف ہوتے ہیں | ٣١٠ |
| ۴۲۹ | قلب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا | ٣١١ |
| ۴۳۰ | طبیعت پر طاری ہونے والے قبض و بسط کے احوال | ٣١١ |
| ۴۳۱ | ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے | ٣١٢ |
| ۴۳۲ | پانی کے قطرات کا تسلسل پتھر میں بھی سوراخ کر دیتا ہے | ٣١٢ |
| ۴۳۳ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بہترین عمل | ٣١٣ |
| ۴۳۴ | اعمال پر مداومت اختیار کیجیے | ٣١٣ |
| ۴۳۵ | تبلیغی کام پر مداومت کے سلسلے میں حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت | ٣١٣ |
| ۴۳۶ | باجماعت نماز کی شریعت میں اہمیت | ٣١۴ |
| ۴۳۷ | حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور پابندئ معمولات | ٣١۵ |
| ۴۳۸ | حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور تکبیرِ اولی کا اہتمام | ٣١٦ |
| ۴۳۹ | حضرت مولانا احمد شاہ صاحب حسن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ | ٣١٧ |
| ۴۴۰ | مولانا احمد شاہ صاحب کے رفیقِ سفر کا تعارف | ٣١٧ |
| ۴۴۱ | اللہ والوں کا دل گردہ | ٣١٨ |
| ۴۴۲ | أولٰئكَ آبائي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ | ٣١٩ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۴۳ | اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے | ۳۱۹ |
| ۴۴۴ | خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے | ۳۲۰ |
| ۴۴۵ | گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے | ۳۲۱ |
| ۴۴۶ | دین کے دوسرے کاموں کو آسان بنانے کا نسخہ | ۳۲۱ |
| ۴۴۷ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر ہمیں مرمٹنا چاہیے | ۳۲۲ |
| ۴۴۸ | رمضان کے بعد پابندی سے انجام دیا جانے والا پہلا کام | ۳۲۲ |
| ۴۴۹ | دوسرا کام: تہجد کی پابندی اور اس کی اہمیت وفضیلت | ۳۲۳ |
| ۴۵۰ | اہلِ علم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ورحمت ہے | ۳۲۴ |
| ۴۵۱ | اگر زمرۂ صالحین میں شامل ہونا چاہتے ہو تو..... | ۳۲۴ |
| ۴۵۲ | نفس وشیطان پر قابو پانے کا اکسیر نسخہ | ۳۲۵ |
| ۴۵۳ | امراضِ جسمانیہ سے اپنے جسم کو محفوظ کرنے کا عظیم نسخہ | ۳۲۵ |
| ۴۵۴ | تہجد سنتِ مؤکدہ ہے | ۳۲۶ |
| ۴۵۵ | دین کا کام کرنے والے تہجد کو اپنے حق میں فرض سمجھیں | ۳۲۶ |
| ۴۵۶ | امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنے کا معمول اور اس کا پس منظر | ۳۲۷ |
| ۴۵۷ | رمضان کے بعد اوّابین کی بھی پابندی کیجیے | ۳۲۷ |
| ۴۵۸ | حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور صلوۃ التسبیح کا اہتمام | ۳۲۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۹ | اہلِ علم جمعہ کے روز جامع مسجد جانے میں جلدی کریں | ۳۲۸ |
| ۴۶۰ | صلوٰۃ التسبیح غموں اور مصیبتوں کا مداوا ہے | ۳۲۹ |
| ۴۶۱ | نمازِ جمعہ کی طرف سے ہماری غفلت اور عوام کا اہتمام | ۳۲۹ |
| ۴۶۲ | جمعہ کا اہتمام ایمان کی شاخوں میں سے ہے | ۳۳۰ |
| ۴۶۳ | جمعہ کے دن کے دیگر معمولات کی بھی پابندی کریں | ۳۳۰ |
| ۴۶۴ | جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو رجوع اور انابت الی اللہ کے لیے فارغ کیجیے | ۳۳۰ |
| ۴۶۵ | نفلی روزوں کا بھی اہتمام کیجیے | ۳۳۱ |
| ۴۶۶ | احادیث میں وارد نفلی روزوں کی مختلف شکلیں | ۳۳۱ |
| ۴۶۷ | قرآنِ پاک کی تلاوت کا بھی اہتمام کیجیے | ۳۳۱ |
| ۴۶۸ | حافظ وغیر حافظ کے لیے قرآنِ پاک کی تلاوت کی یومیہ مقدار | ۳۳۲ |
| ۴۶۹ | قربِ خداوندی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تلاوتِ قرآن ہے | ۳۳۲ |
| ۴۷۰ | تلاوت کے معمول کے بارے میں خواص کا حال | ۳۳۳ |
| ۴۷۱ | ایسے لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں | ۳۳۳ |
| ۴۷۲ | حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت | ۳۳۴ |
| ۴۷۳ | حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمولِ تلاوت | ۳۳۴ |
| ۴۷۴ | دورِ صحابہ کا ایک واقعہ | ۳۳۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۷۵ | ''أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا'' کی تحقیق | ۳۳۶ |
| ۴۷۶ | میں اپنی نیند کو عبادت کی طرح ثواب کا باعث سمجھتا ہوں | ۳۳۶ |
| ۴۷۷ | جن کے سونے کو فضیلت تھی اوروں کی عبادت پر | ۳۳۷ |
| ۴۷۸ | قرآنِ پاک کی تلاوت اور ہمارا حال | ۳۳۷ |
| ۴۷۹ | تسبیحات کی بھی پابندی کیجیے | ۳۳۸ |
| ۴۸۰ | ذکر لوگوں کے دلوں میں ذاکر کی محبت پیدا کرتا ہے | ۳۳۸ |
| ۴۸۱ | نامساعد حالات سے بچنے اور اس میں صبر وسکون کی نعمت حاصل ہونے کا نسخہ | ۳۳۹ |
| ۴۸۲ | ہر عبادت کو فرض کرنے کی غرض اللہ کی یاد ہے | ۳۴۰ |
| ۴۸۳ | کلماتِ ذکر ایک جملے میں مرتب کرنے کی غرض | ۳۴۰ |
| ۴۸۴ | غیر مقلدین: ایک عجیب مخلوق اور جماعت | ۳۴۱ |
| ۴۸۵ | درود کا بھی اہتمام ہو | ۳۴۱ |
| ۴۸۶ | کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل | ۳۴۲ |
| ۴۸۷ | کثرتِ درود عشقِ رسول میں اضافے کا سبب ہے | ۳۴۲ |
| ۴۸۸ | استغفار کا بھی اہتمام کیجیے | ۳۴۳ |
| ۴۸۹ | گناہوں کی کثرت دل کو سیاہ اور بے توفیق بنادیتی ہے | ۳۴۳ |
| ۴۹۰ | توبہ کی وجہ سے گناہ بالکلیہ معاف کردیا جاتا ہے | ۳۴۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹۱ | ۲۴ رگھنٹوں میں کم سے کم دومرتبہ تسبیحات کا حکم ہے | ۳۴۵ |
| ۴۹۲ | تسبیحات کا وقت | ۳۴۵ |
| ۴۹۳ | ہمارے اسلاف کی نگاہوں میں تسبیحات کی اقلِّ مقدار | ۳۴۵ |
| ۴۹۴ | ایک غلط فہمی کا ازالہ | ۳۴۶ |
| ۴۹۵ | ہماری امت ذہنی عیاّشی کا شکار ہے | ۳۴۷ |
| ۴۹۶ | اہلِ علم ذکر میں کتنا وقت لگائیں؟ | ۳۴۷ |
| ۴۹۷ | بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ ذکر کرنا بہتر ہے | ۳۴۷ |
| ۴۹۸ | فجر کی نماز کے بعد سونے کا عجیب رواج | ۳۴۸ |
| ۴۹۹ | تلاوتِ قرآن کے معمول کو پورا کرنے کا آسان طریقہ | ۳۴۹ |
| ۵۰۰ | حضرت دامت برکاتھم کا اپنا معمول | ۳۴۹ |
| ۵۰۱ | سفر میں ان اذکار کے علاوہ دیگر مسنون اذکار کا بھی اہتمام کریں | ۳۵۰ |
| ۵۰۲ | سفر میں لوگوں کی ایک بری عادت | ۳۵۰ |
| ۵۰۳ | چوتھے کلمے کی فضیلت اور اس کے حصول کے لیے حضرت ابنِ عمرؓ کی تگ ودو | ۳۵۱ |
| ۵۰۴ | سفر معمولات کو چھوڑنے کا عذر نہیں ہے | ۳۵۱ |
| ۵۰۵ | ذکرِ جہری بہ طورِ علاج ہمارے اکابر کا تجویز کردہ ایک طریقہ ہے | ۳۵۲ |
| ۵۰۶ | مشائخِ چشتیہ کے یہاں لطیفۂ قلب پر زیادہ محنتیں ہوتی ہیں | ۳۵۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۰۷ | لطیفۂ قلب کیا ہے؟ | ۳۵۳ |
| ۵۰۸ | حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ نقشبندیہ جاری کرانے کی درخواست اور آپ کا انکار | ۳۵۳ |
| ۵۰۹ | حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شیخِ ثانی سے بیعت کی تفصیل | ۳۵۳ |
| ۵۱۰ | حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شیخ سے پہلی ملاقات | ۳۵۵ |
| ۵۱۱ | ہمارا سلسلہ چشتیت اور نقشبندیت سے مرکب ہے | ۳۵۵ |
| ۵۱۲ | یک در گیر، محکم بگیر | ۳۵۶ |
| ۵۱۳ | اپنے شیخ کے ساتھ اس طرح کا والہانہ تعلق ہونا چاہیے | ۳۵۶ |
| ۵۱۴ | ہمارے اکابر کے یہاں ذکرِ جہری کی اہمیت | ۳۵۷ |
| ۵۱۵ | معمولات کا چھوٹنا اپنی محنت پر پانی پھیرنا ہے | ۳۵۷ |
| ۵۱۶ | معمولات اور ہمارے اہلِ علم کا طبقہ | ۳۵۸ |
| ۵۱۷ | اذکار وغیرہ غذا ہیں اور ذکرِ جہری دوا ہے | ۳۵۸ |
| ۵۱۸ | دعاؤں کا بھی اہتمام کریں | ۳۵۹ |
| ۵۱۹ | دعا کا حکم اور دعا سے اعراض کرنے پر وعیدِ الٰہی | ۳۵۹ |
| ۵۲۰ | نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں، خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں | ۳۶۰ |
| ۵۲۱ | مری دنیا فغانِ صبح گاہی | ۳۶۰ |
| ۵۲۲ | کثرت سے دعا مانگنے کا عظیم فائدہ | ۳۶۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۳ | بہ کثرت دعا کرنے والے کو فرشتوں کی سفارش حاصل ہوتی ہے | ۳۶۱ |
| ۵۲۴ | سمجھ کر مانگی جانے والی دعا دل کے خلوص کے ساتھ نکلتی ہے | ۳۶۲ |
| ۵۲۵ | نبوی دعائیں انتہائی جامع ہوتی ہیں | ۳۶۳ |
| ۵۲۶ | نبوی دعائیں چھپے چھپائے فارم ہیں | ۳۶۳ |
| ۵۲۷ | رشتہ داروں کے لیے بھی دعا کریں | ۳۶۳ |
| ۵۲۸ | دوست واحباب کے لیے بھی دعائیں کریں | ۳۶۴ |
| ۵۲۹ | پوری امتِ محمدیہ کے لیے بھی دعائیں کریں | ۳۶۴ |
| ۵۳۰ | پوری انسانیت کے لیے پریشانی دور کرنے کی دعائیں کی جائیں | ۳۶۵ |
| ۵۳۱ | چار قسم کے لوگوں کے لیے دعا | ۳۶۵ |
| ۵۳۲ | آپ دوسروں کے لیے دعا کریں گے تو دوسرے آپ کے لیے دعا کریں گے | ۳۶۶ |
| ۵۳۳ | دعا: مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار | ۳۶۶ |
| ۵۳۴ | مستجاب الدعوات بننے کا نبوی نسخہ | ۳۶۷ |
| ۵۳۵ | مستجاب الدعوات بننے کا ایک اور آسان ترین نسخہ | ۳۶۷ |
| ۵۳۶ | ہمارے بزرگوں کا طریقۂ دعا | ۳۶۷ |
| ۵۳۷ | بچنے کے کاموں میں سرِ فہرست کام: بدنگاہی اور اس کے نقصانات | ۳۶۸ |
| ۵۳۸ | بدنگاہی طاعات کی لذت سے محروم کرنے والا گناہ ہے | ۳۶۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۳۹ | دوسری چیز: ناجنس کی صحبت سے بچیے | ۳۶۹ |
| ۵۴۰ | عقیدت اور محبت اپنے شیخ سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیاد ہے | ۳۷۰ |
| ۵۴۱ | دورِ حاضر لوگوں کی تحقیر و تنقیص کرنے کا دور بن گیا ہے | ۳۷۰ |
| ۵۴۲ | نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے | ۳۷۱ |
| ۵۴۳ | خانقاہ میں نیک لوگوں کی صحبت سے حاصل ہونے والے برکات غلط ماحول کی وجہ سے ختم ہوجاتے ہیں | ۳۷۱ |
| ۵۴۴ | خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ.... | ۳۷۲ |
| ۵۴۵ | اجنبی عورتوں کے لیے خود کو سنوارنا بہت بڑا روحانی خطرہ ہے | ۳۷۲ |
| ۵۴۶ | کسی کے متعلق اچھا گمان رکھنے پر مواخذہ نہیں ہوگا | ۳۷۳ |
| ۵۴۷ | عین الرضا عن کل عیب کلیلة | ۳۷۳ |
| ۵۴۸ | احوالِ دینیہ میں ترقی پیدا کرنے کے لیے محنتیں کیجیے | ۳۷۴ |


## شبِ برأت کی فضیلت

## قرآن حدیث اور اقوالِ سلف کے آئینے میں


| | | |
|---|---|---|
| ۵۴۹ | شب براءت کے معاملے میں افراط وتفریط | ۳۷۹ |
| ۵۵۰ | شبِ برأت کے ثبوت کے لیے قرآنی استدلال | ۳۸۰ |
| ۵۵۱ | آیتِ بالا کی تفسیر میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا قول | ۳۸۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۵۲ | آیتِ بالا کی تفسیر میں دوسرے حضراتِ مفسرین کی تحقیق | ۳۸۱ |
| ۵۵۳ | تمام آسمانی کتابیں رمضان میں اتریں | ۳۸۱ |
| ۵۵۴ | آیتِ بالا میں فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے شبِ برأت مراد نہ ہونے پر دلیل | ۳۸۲ |
| ۵۵۵ | اس رات کی فضیلت سے متعلق روایات | ۳۸۳ |
| ۵۵۶ | خیر القرون سے اس رات کی عبادت ثابت ہے | ۳۸۳ |
| ۵۵۷ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت | ۳۸۴ |
| ۵۵۸ | ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں | ۳۸۵ |
| ۵۵۹ | در تیری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے | ۳۸۶ |
| ۵۶۰ | نفاق اور جہنم سے براءت | ۳۸۷ |
| ۵۶۱ | ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں | ۳۸۸ |
| ۵۶۲ | پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے | ۳۸۸ |
| ۵۶۳ | پانچ بابرکت راتوں کے بارے میں ایک اور روایت | ۳۸۹ |
| ۵۶۴ | ان راتوں میں کوئی مخصوص عبادت ثابت نہیں ہے | ۳۸۹ |
| ۵۶۵ | مختلف عبادتیں کریں | ۳۹۰ |
| ۵۶۶ | عبادات نشاط کے ساتھ ہونی چاہئیں | ۳۹۱ |
| ۵۶۷ | دورانِ عبادت سستی پیدا ہونے کی وجہ اور اس کا علاج | ۳۹۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵٦٨ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدات | ۳۹۲ |
| ۵٦٩ | کتبِ فقہ میں ان راتوں میں مخصوص عبادتوں کی صریح نفی ہے | ۳۹۳ |
| ۵۷۰ | صلوۃ التسبیح خاص اس رات کا عمل نہیں | ۳۹۳ |
| ۵۷۱ | صلوۃ التسبیح کی فضیلت | ۳۹۴ |
| ۵۷۲ | ایک غلط فہمی کا ازالہ | ۳۹۴ |
| ۵۷۳ | کام کرنے والوں کے لیے وقت گزاری کوئی مسئلہ نہیں ہے | ۳۹۵ |
| ۵۷۴ | آج تو پڑھ لیجئے! | ۳۹٦ |
| ۵۷۵ | نوافل کب قبول ہوں گی؟ | ۳۹٦ |
| ۵۷٦ | مسنون دعائیں اوران کی اہمیت | ۳۹۷ |
| ۵۷۷ | ادعیۂ ماثورہ تعلیماتِ نبوی کا خلاصہ ہیں | ۳۹۸ |
| ۵۷۸ | اِس رات میں عبادت کی پیشگی تیاریاں کریں | ۳۹۹ |
| ۵۷۹ | سنت سے ثابت امور قبولیت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں | ۳۹۹ |
| ۵۸۰ | اس رات کو مختلف ذرائعِ عبادت سے وصول کریں | ۴۰۰ |
| ۵۸۱ | اجتماعی عبادت نہ ہو | ۴۰۰ |
| ۵۸۲ | پنج وقتہ نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کی شرعی تاکید | ۴۰۰ |
| ۵۸۳ | نوافل کی جگہ گھر ہے | ۴۰۱ |
| ۵۸۴ | قبلیہ وبعدیہ سنن کو مسجد میں ادا کرنے کی اجازت کی وجہ | ۴۰۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۸۵ | اکیلے بیٹھے رہتے، یادان کی دل نشیں ہوتی | ۴۰۳ |
| ۵۸۶ | اس رات کو عبادات کے ساتھ گھر میں گذارنے کے فوائد | ۴۰۳ |
| ۵۸۷ | مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند | ۴۰۴ |
| ۵۸۸ | اللہ اور رسول کی رضا ہمارے پیشِ نظر رہے | ۴۰۴ |
| ۵۸۹ | خلافِ پیمبر کسے رہ گزید | ۴۰۵ |
| ۵۹۰ | راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل نہیں | ۴۰۶ |
| ۵۹۱ | جاگنے کا مطلب کیا ہے؟ | ۴۰۶ |
| ۵۹۲ | گناہ تو پھر گناہ ٹھہرا، عبادتیں بھی ہیں مجرمانہ | ۴۰۷ |
| ۵۹۳ | بیٹا تو بھی سویا رہتا، یہ اچھا تھا بہ نسبت اس کے...... | ۴۰۷ |
| ۵۹۴ | عبادت پر غرور نہ ہو | ۴۰۸ |
| ۵۹۵ | عبادت کے بعد بھی استغفار کی تعلیم | ۴۰۸ |
| ۵۹۶ | نفلی عبادت نہ کرنے والوں کی تحقیر دل میں نہ ہو | ۴۰۹ |
| ۵۹۷ | شبِ برأت میں قبرستان جانے کا حکم | ۴۱۰ |
| ۵۹۸ | حکمِ شرعی کو اس کی حدود میں رہتے ہوئے ادا کرنا مطلوب ہے | ۴۱۰ |
| ۵۹۹ | صلوۃ التوبۃ، صلوۃ الحاجۃ | ۴۱۱ |
| ۶۰۰ | آتش بازی، لائٹنگ | ۴۱۲ |
| ۶۰۱ | روزہ | ۴۱۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ٦٠٢ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے | ۴۱۳ |
| ٦٠٣ | پندرہویں شعبان کا روزہ رکھنے کی ایک بہتر صورت | ۴۱۴ |
| ٦٠۴ | وہ حضرات جن کی اس رات میں مغفرت نہیں ہوتی | ۴۱۵ |
| ٦٠۵ | آپس میں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں | ۴۱۵ |
| ٦٠٦ | احسان جتانے والا | ۴۱٦ |
| ٦٠٧ | ٹخنے سے نیچے ازار لٹکانا | ۴۱٦ |
| ٦٠٨ | غلامانِ رسول ہوئے عاشقانِ افرنگ | ۴۱٧ |
| ٦٠٩ | بعض گناہ ہر حال اور ہر وقت میں جاری رہتے ہیں | ۴۱٧ |


## ماہِ محرم اور یومِ عاشورا کے احکام اور فضائل


| | | |
|---|---|---|
| ٦١٠ | اسلام میں قمری، ہجری سال کا اعتبار ہے | ۴۲۱ |
| ٦١١ | دنوں اور مہینوں کے حساب کے لیے اللہ تعالیٰ ہی نے قمری سال کا انتخاب فرمایا ہے | ۴۲۲ |
| ٦١٢ | شمسی کلینڈر کے حساب سے تاریخوں کا استعمال بھی جائز ہے | ۴۲۲ |
| ٦١٣ | تمام اسلامی احکام کے حسابات قمری کلینڈر پر مبنی ہیں | ۴۲۳ |
| ٦١۴ | ہر قمری مہینے کے پہلے چاند کو دیکھنا فرضِ کفایہ ہے | ۴۲۳ |
| ٦١۵ | محرم الحرام قمری سال کا پہلا مہینہ ہے | ۴۲۳ |
| ٦١٦ | قمری سال کے چار حرمت والے مہینے | ۴۲۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ٦١٧ | مشرکین کے دلوں میں حرمت والے مہینوں کا پاس ولحاظ | ۴۲۴ |
| ٦١٨ | زیادہ اہمیت کے حامل تین عشرے | ۴۲۵ |
| ٦١٩ | عبادتوں اور گناہوں سے بچنے کی توفیق کے حصول کا آسان راستہ | ۴۲٦ |
| ٦٢٠ | یومِ عاشورا کیا ہے؟ | ۴۲٦ |
| ٦٢١ | دسویں محرم کے سلسلے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ | ۴۲٦ |
| ٦٢٢ | دسویں محرم کے روز وقوع پذیر ہونے والے بعض اہم امور | ۴۲۷ |
| ٦٢٣ | کشتی نوحؑ کا کعبۃ اللہ کے اردگرد سات چکر لگانا | ۴۲۷ |
| ٦٢۴ | دشمنِ خدا فرعون اسی دن دریا میں غرق ہوا تھا | ۴۲۸ |
| ٦٢۵ | عاشورا کا روزہ ورودِ اسلام سے پہلے سے جاری ہے | ۴۲۹ |
| ٦٢٦ | مسلمان سنتِ موسوی کی پیروی کے زیادہ حق دار ہیں | ۴۲۹ |
| ٦٢۷ | عاشورا کا روزہ روزۂ رمضان کی فرضیت سے قبل فرض تھا | ۴۳۰ |
| ٦٢۸ | عرفہ اور عاشورا کے روزوں کی فضیلت | ۴۳۱ |
| ٦٢۹ | عاشورا کے روزے کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل | ۴۳۱ |
| ٦۳۰ | مسکوت عنہا احکام کے سلسلے میں ابتداءً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل | ۴۳۲ |
| ٦۳۱ | یومِ عاشورا کے روزے میں یہودیوں کی مخالفت کا طریقہ | ۴۳۲ |
| ٦۳۲ | تنہا دسویں محرم کے روزے کا حکم | ۴۳۲ |
| ٦۳۳ | تنہا دسویں محرم کے روزے کی کراہت کا حکم اب باقی نہیں رہا | ۴۳۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۳۴ | شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس دن میں فضیلت نہیں ہے | ۴۳۳ |
| ۶۳۵ | بعض جاہل لوگ | ۴۳۴ |
| ۶۳۷ | ماہِ محرم کو منحوس سمجھنے والوں کی خرد ماغی | ۴۳۴ |
| ۶۳۸ | کسی بھی چیز میں نحوست کا عقیدہ، یہ شرکِ خفی ہے | ۴۳۵ |
| ۶۳۹ | یومِ عاشورا کا دوسرا عمل: گھر والوں پر کھانے پینے میں وسعت | ۴۳۵ |
| ۶۴۰ | عاشورا کے دن گھر والوں پر وسعت کا مطلب | ۴۳۵ |
| ۶۴۱ | عاشورا کے دن وسعت پر ایک اشکال اور اس کا جواب | ۴۳۶ |
| ۶۴۲ | حرمت والے مہینوں کا پاس ولحاظ کیجیے | ۴۳۷ |
| ۶۴۳ | تعزیہ کی مختصر تاریخ | ۴۳۷ |
| ۶۴۴ | ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سب سے بہتر دن، مہینے اور سال | ۴۳۸ |
| ۶۴۵ | حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب سے بہتر دن، مہینہ اور سال | ۴۳۸ |
| ۶۴۶ | برکت اور نحوست انسان کے اعمال سے آتی ہے | ۴۳۹ |
| ۶۴۷ | بقیہ دو بدبخت انسان | ۴۴۰ |
| ۶۴۸ | ماں باپ کی ناقدری جہنم میں لے جانے کا باعث ہے | ۴۴۰ |
| ۶۴۹ | ہم اپنی پوری زندگی کو خیر و برکت والی کیسے بنا سکتے ہیں؟ | ۴۴۱ |
| ۶۵۰ | قطع رحمی کی نحوست | ۴۴۱ |
| ۶۵۱ | تہی دستانِ قسمت را چہ شد از رہبرِ کامل | ۴۴۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ٦٥٢ | مسئلہ معلوم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ کر عمل کیجیے | ۴۴۳ |
| ٦٥٣ | مریضِ لاعلاج ہیں، اس کا علاج کیا ہے! | ۴۴۳ |
| | **قربانی کی مختصر تاریخ اور اس کے احکام وفضائل** | |
| ٦٥۴ | اسلامی سال کے مہینے اور حرمت والے مہینوں کا ذکر | ۴۴۷ |
| ٦٥٥ | فضیلت والے ماہ وسال اور ایام واوقات | ۴۴۸ |
| ٦٥٦ | فجر کے مصداق میں علماء کے اقوالِ مختلفہ | ۴۴۸ |
| ٦٥٧ | یومِ نحر سے پہلے والی رات حکماً یومِ عرفہ کی رات شمار ہوتی ہے | ۴۴۹ |
| ٦٥٨ | وَلَيَالٍ عَشْرٍ کے مصداق میں اختلاف اور قولِ معتدل | ۴۵۰ |
| ٦٥٩ | ماہِ ذی الحجہ کے خصوصی احکام وعبادات اور خلیل اللہ | ۴۵١ |
| ٦٦٠ | حضرتِ ہاجرہ سے حضرتِ ابراہیمؑ کے نکاح کا پس منظر | ۴۵١ |
| ٦٦١ | اولاد کی دعا اور قبولیتِ دعا کی بشارت | ۴۵١ |
| ٦٦٢ | حضرت ابراہیمؑ کے یہاں حضرتِ اسماعیلؑ کی پیدائش | ۴۵٢ |
| ٦٦٣ | بذریعۂ خواب اکلوتے بیٹے کو راہِ الٰہی میں قربان کرنے کا حکم | ۴۵٢ |
| ٦٦۴ | حضرت ابراہیمؑ کو بیوی اور بچے کو چھوڑنے کا حکم | ۴۵٣ |
| ٦٦٥ | لق ودق میدان میں بیوی اور بچے کو چھوڑنے کا حکم | ۴۵٣ |
| ٦٦٦ | حضرتِ ہاجرہ کا عجیب متوکلانہ جواب | ۴۵۴ |
| ٦٦٧ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۴۵۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۶۸ | حضرت ابراہیمؑ کی آزمائشوں کا اجمالی خاکہ | ۴۵۵ |
| ۶۶۹ | اپنے لختِ جگر کو خواب میں ذبح کرنے کا نظارہ | ۴۵۶ |
| ۶۷۰ | سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی | ۴۵۶ |
| ۶۷۱ | سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے | ۴۵۷ |
| ۶۷۲ | اللہ تعالیٰ کا دکھلایا ہوا خواب حضرت ابراہیمؑ نے سچا کر دکھلایا | ۴۵۸ |
| ۶۷۳ | تکبیرِ تشریق کا پس منظر | ۴۵۸ |
| ۶۷۴ | رمئ جمرات کا پس منظر | ۴۵۹ |
| ۶۷۵ | عید الاضحیٰ کے روز قربانی حضرت ابراہیمؑ کے اس عمل کی یادگار ہے | ۴۵۹ |
| ۶۷۶ | جانور کی قربانی قلبی جذبات کی علامت ہے | ۴۵۹ |
| ۶۷۷ | قربانی کے جانور کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھئے | ۴۶۰ |
| ۶۷۸ | قربانی کی حقیقت اور اس کا ثواب حدیث کی روشنی میں | ۴۶۱ |
| ۶۷۹ | قربانی کا جانور قیامت کے دن صحیح سالم آئے گا | ۴۶۱ |
| ۶۸۰ | قربانی کے جانور کے بارے میں ہمارا نازیبا رویہ | ۴۶۲ |
| ۶۸۱ | قربانی کا نصاب | ۴۶۲ |
| ۶۸۲ | قربانی کے نصاب کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ | ۴۶۳ |
| ۶۸۳ | صاحبِ نصاب کے قربانی نہ کرنے پر وعید | ۴۶۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۸۴ | جانور کو ذبح کرنا اپنی چاہتوں کو اللہ کے احکام پر قربان کرنے کی علامت ہے | ۴۶۴ |
| ۶۸۵ | تکبیرِ تشریق کا حکم | ۴۶۴ |

# تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد ہفتم

## ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت


| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | دل کہے ''اللہ اللہ'' یہ زندگی کا ساز ہے | ۴۸ |
| ۲ | سب چھوڑ خیالات، بس اِک یادِ خدا کر | ۴۸ |
| ۳ | لب پے ہر دم ذکر ہو، دل میں ہر دم فکر بھی | ۴۹ |
| ۴ | اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل مند کون ہے؟ | ۴۹ |
| ۵ | ذکر اللہ کائنات کی روح ہے | ۵۰ |
| ۶ | ذکر اللہ سے غفلت باعثِ ہلاکت ہے | ۵۰ |
| ۷ | ذکرِ اِلٰہی تمام عبادتوں کا عطر اور خلاصہ ہے | ۵۱ |
| ۸ | ذکرِ اِلٰہی کے لیے کوئی قید اور شرط نہیں ہے | ۵۲ |
| ۹ | رہے مشغول جو یادِ خدا میں | ۵۲ |
| ۱۰ | ہے اس کا ذکر دربارِ خدا میں | ۵۳ |
| ۱۱ | اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے | ۵۳ |
| ۱۲ | کوئی تیرے ذکر کے برابر مزے کی شے اے خدا! نہیں | ۵۴ |
| ۱۳ | ہماری پریشانیوں کا سبب | ۵۴ |
| ۱۴ | نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں | ۵۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵ | ذکرِ خدا کا حکم قرآنِ پاک کی بہت سی آیات میں ہے | ۵۵ |
| ۱٦ | جس کو خدا مل گیا، اسے سب کچھ مل گیا | ۵٦ |
| ۱۷ | اسی پہ رکھ اپنی نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو | ۵٦ |
| ۱۸ | رہے مشغول جو یادِ خدا میں | ۵۷ |
| ۱۹ | خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے! | ۵۸ |
| ۲۰ | اسے زندہ مت سمجھو، مردہ ہے وہ انسان | ۵۸ |
| ۲۱ | اللہ کی یاد سے غفلت موت ہے: ایک قصہ | ۵۸ |
| ۲۲ | نور میں ہو یا نار میں رہنا، ہر جگہ ذکرِ یار میں رہنا | ۵۹ |
| ۲۳ | قیامت میں بلند مرتبے پر فائز ہونے والے | ۵۹ |
| ۲۴ | جملہ عبادات کی مشروعیت کی غرض ذکرِ اِلٰہی کا قیام ہے | ٦۰ |
| ۲۵ | ہمارے ذکر سے شانِ خداوندی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا | ٦۰ |
| ۲٦ | اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے | ٦۱ |
| ۲۷ | بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ | ٦۲ |
| ۲۸ | من نہ گردم پاک از تسبیح شاں | ٦۳ |
| ۲۹ | ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است | ٦۳ |
| ۳۰ | گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی | ٦۴ |
| ۳۱ | دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو | ٦۵ |
| ۳۲ | گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب | ٦۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳ | اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار گناہوں سے روکنے والا ہے | ۶۵ |
| ۳۴ | تمھارا نام ہی کافی ہے روشنی کے لیے | ۶۶ |
| ۳۵ | موت کا ہر وقت استحضار رکھ | ۶۷ |
| ۳۶ | اللہ تو دیکھ رہے ہیں! | ۶۷ |
| ۳۷ | دنیا سے گناہ ختم ہو سکتے ہیں | ۶۸ |
| ۳۸ | ہمارے اکابر اور ذکر اللہ کی کثرت | ۶۹ |
| ۳۹ | ذکر کے سلسلے میں حضرت گنگوہی ؒ کا معمول | ۶۹ |
| ۴۰ | پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم | ۶۹ |
| ۴۱ | نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں | ۷۰ |
| ۴۲ | حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول | ۷۰ |
| ۴۳ | حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کی نزاکت اور حسّاسیت | ۷۱ |
| ۴۴ | اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی زیادتی انسان کی حِس کو بڑھا دیتی ہے | ۷۱ |
| ۴۵ | مری زیست کا سہارا، مری زندگی کا حاصل | ۷۱ |
| ۴۶ | میں بھی تو کہوں کہ حرم میں کون آ گیا؟ | ۷۲ |
| ۴۷ | یہ وہ آدمی ہیں کہ........ | ۷۳ |
| ۴۸ | شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کے ذکر کی مقدار | ۷۴ |
| ۴۹ | دین کی دیگر مشغولیات کے ساتھ ذکر اللہ بھی ضروری ہے | ۷۴ |
| ۵۰ | عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو | ۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۱ | کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی | ۷۵ |
| ۵۲ | ہمارے اکابر کا خصوصی وصفِ امتیاز | ۷۶ |
| ۵۳ | ۷۵رسال میں تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی | ۷۶ |
| ۵۴ | عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر | ۷۷ |
| ۵۵ | اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے | ۷۸ |
| ۵۶ | خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے | ۷۸ |
| ۵۷ | گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے | ۷۹ |
| ۵۸ | ہم کہاں اور یہ کہاں! | ۷۹ |
| ۵۹ | کامیابی تو کام سے ہوگی | ۸۰ |
| ۶۰ | حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا شوقِ عبادت | ۸۰ |
| ۶۱ | لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر | ۸۱ |
| ۶۲ | معمولات کی پابندی ضروری ہے | ۸۱ |
| ۶۳ | مداومت والا عمل عند اللہ سب سے زیادہ محبوب ہے | ۸۱ |
| ۶۴ | عذراً فوت ہونے والے عمل کا بھی اجر ملتا ہے | ۸۲ |
| ۶۵ | معمولات کی پابندی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے | ۸۲ |
| ۶۶ | حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت | ۸۳ |
| ۶۷ | حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت | ۸۳ |
| ۶۸ | مطالعہ یا بہانہ؟ | ۸۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۹ | جس کو یار نے کہا، اسے یادِ یار آئی | ۸۵ |
| ۷۰ | میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے | ۸۵ |
| ۷۱ | چائے کسی حال میں نہیں چھوٹتی | ۸۶ |
| ۷۲ | روحانی نقصان ہماری سمجھ میں نہیں آتا | ۸۶ |
| ۷۳ | تجارت کی کمی نظر آتی ہے، دین کی نہیں | ۸۷ |
| ۷۴ | زوال بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں | ۸۷ |
| ۷۵ | یہ بھی نفس وشیطان کا ایک دھوکہ ہے | ۸۸ |
| ۷۶ | بے شمار دینی مشاغل کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوقتِ شب ذکر وشغل کا حکم | ۸۸ |
| ۷۷ | ذکر: ہمارے دینی کاموں میں جان ڈالنے والا اکسیر نسخہ | ۸۹ |
| ۷۸ | سورۂ مزمل کا سبق | ۸۹ |
| ۷۹ | اللہ تعالیٰ کی عبادت روحانی چارجنگ ہے | ۹۰ |
| ۸۰ | اسی سے ہے تیرے نخلِ کُہن کی شادابی | ۹۰ |
| ۸۱ | قلب پر لوگوں کے ساتھ اختلاط کا اثر پڑتا ہے | ۹۱ |
| ۸۲ | یہ مثل سچ ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے | ۹۱ |
| ۸۳ | آدمی کیا! درودیوار بدل جاتے ہیں | ۹۲ |
| ۸۴ | ایک خلجان اور اس کا دفعیہ | ۹۲ |
| ۸۵ | ہمارے اکابر کے یہاں ذکر کا اہتمام | ۹۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۶ | ذکر جہری علاج ہے | ۹۳ |
| ۸۷ | دین کا کام کرنے والوں کے لیے ذکرِ جہری نہایت اہم ہے | ۹۴ |
| ۸۸ | براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگانا بھی ضروری ہے | ۹۵ |
| ۸۹ | قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں | ۹۶ |
| ۹۰ | ہماری بے حسی | ۹۶ |
| ۹۱ | یادِ الٰہی کو دلوں میں مستحکم کرنے کے مختلف طریقے | ۹۷ |
| ۹۲ | حضرت داودؑ کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں پہاڑوں اور پرندوں کی شرکت | ۹۸ |
| ۹۳ | پہاڑوں اور پرندوں کو شریک کرنے کی حکمت | ۹۸ |
| ۹۴ | اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار | ۹۹ |
| ۹۵ | تہجد کے بعض فوائد | ۹۹ |
| ۹۶ | کس قدر تم پہ گراں صبح کی بے داری ہے | ۱۰۰ |
| ۹۷ | باجماعت نماز: ہمارے اسلاف اور ہم | ۱۰۱ |
| ۹۸ | ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیسی | ۱۰۱ |
| ۹۹ | نظام الاوقات بنایئے | ۱۰۲ |
| ۱۰۰ | نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادائیگی کے حکم کی حکمت | ۱۰۲ |
| ۱۰۱ | تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں | ۱۰۳ |
| ۱۰۲ | خدا کی راہ میں جہد و عمل کا کیا کہنا | ۱۰۳ |
| ۱۰۳ | سختیٔ رہ سے نہ ڈر، اِک ذرا ہمت تو کر | ۱۰۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۴ | نیک رہنے کے لیے نیک ماحول ضروری ہے | ۱۰۴ |
| ۱۰۵ | ہمارے مزاج کا بچپنہ | ۱۰۴ |
| ۱۰۶ | نفس کا اژدہا، ذرا دیکھا ابھی مرا نہیں | ۱۰۵ |
| ۱۰۷ | نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم | ۱۰۵ |
| ۱۰۸ | نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے | ۱۰۶ |
| ۱۰۹ | محض ذکرِ لسانی بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے | ۱۰۶ |
| ۱۱۰ | ذکرِ لسانی پر شکر بجالانے سے ذکرِ قلبی کی توفیق عطا ہوگی | ۱۰۷ |
| ۱۱۱ | ذکرِ لسانی ذکر اللہ کا پہلا زینہ ہے | ۱۰۷ |
| ۱۱۲ | ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر | ۱۰۸ |
| ۱۱۳ | ہم رٹیں گے، گرچہ مطلب کچھ نہ ہو | ۱۰۸ |
| ۱۱۴ | ضربیں لگا کے کلمۂ طیبہ کی بار بار | ۱۰۹ |
| ۱۱۵ | دل پہ لگا جو زنگ ہے، اس کو ہٹائیے | ۱۰۹ |
| ۱۱۶ | در بند آں مباش کہ شنید یا نہ شنید | ۱۱۰ |
| ۱۱۷ | ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے | ۱۱۰ |
| ۱۱۸ | اعمال کا ثواب بقدرِ مشقت ملتا ہے | ۱۱۱ |
| ۱۱۹ | جاتے جاتے بے خیالی جائے گی | ۱۱۲ |
| ۱۲۰ | حاصل آید یا نیاید، جستجوئے می کنم | ۱۱۲ |
| ۱۲۱ | عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود | ۱۱۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۲ | بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے، ہم ثواب وعذاب کیا جانیں | ۱۱۳ |
| ۱۲۳ | کس میں کتنا ثواب ملتا ہے، عشق والے کیا جانیں | ۱۱۳ |
| ۱۲۴ | روحانیت اور نورانیت کا حقیقی مفہوم | ۱۱۴ |
| ۱۲۵ | ذکر مقویٔ روح ہے | ۱۱۴ |
| ۱۲۶ | کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو | ۱۱۵ |
| ۱۲۷ | اللہ کی یاد ہی نے حضرتِ یوسفؑ کو مبتلائے گناہ ہونے سے بچایا | ۱۱۶ |
| ۱۲۸ | کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے | ۱۱۷ |
| ۱۲۹ | یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے | ۱۱۸ |
| ۱۳۰ | معمولات کا کبھی ناغہ نہ ہو | ۱۱۸ |
| ۱۳۱ | حضر کی بہ نسبت سفر میں معمولات کی پابندی زیادہ آسان ہے | ۱۱۹ |
| ۱۳۲ | عذر یا بہانہ | ۱۱۹ |
| ۱۳۳ | حضراتِ اکابر کے یہاں معمولات کی پابندی کا اہتمام | ۱۲۰ |
| ۱۳۴ | ہم روحانی معمولات کے اوقات ہی میں کٹوتی کرتے ہیں | ۱۲۰ |
| ۱۳۵ | تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے | ۱۲۱ |
| ۱۳۶ | فرصتِ زندگی بہت کم ہے | ۱۲۱ |
| ۱۳۷ | اس میں مَیں ’’۷۰‘‘ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں | ۱۲۲ |
| ۱۳۸ | جو وقت کو درہم ودینار سے بھی زیادہ قیمتی جانتے تھے | ۱۲۳ |
| ۱۳۹ | اوقات کی ناقدری نے ہمیں بے وقعت بنادیا ہے | ۱۲۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۰ | قبر میں قرآنِ پاک کی تلاوت | ۱۲۴ |
| ۱۴۱ | ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ | ۱۲۵ |
| ۱۴۲ | کرلے جو کرنا ہے، آخر موت ہے | ۱۲۵ |
| ۱۴۳ | تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی، مگر...... | ۱۲۶ |
| ۱۴۴ | دعا کا بھی معمول بنائیے | ۱۲۶ |
| ۱۴۵ | مختلف اوقات کی مسنون دعاؤں کی حکمت | ۱۲۶ |
| ۱۴۶ | طبعی ضرورتیں بھی عبادات بن سکتی ہیں | ۱۲۷ |
| ۱۴۷ | دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے | ۱۲۸ |
| ۱۴۸ | نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے | ۱۲۸ |
| ۱۴۹ | بری صحبت سے دور رہئے | ۱۲۹ |
| ۱۵۰ | برے ماحول سے دور رہو | ۱۲۹ |


## شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۱)


| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۱ | راہِ سلوک کے مسافر کو پیش آنے والے حالات | ۱۳۴ |
| ۱۵۲ | حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے ابلیس کا انکار اور بارگاہِ الٰہی سے اس کا اخراج | ۱۳۵ |
| ۱۵۳ | بارگاہِ الٰہی سے مردود ہونے پر انسان کو راہِ راست سے ہٹانے کا ابلیسی عزم | ۱۳۶ |
| ۱۵۴ | ابلیس کا وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان پر سب سے پہلا حملہ | ۱۳۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۵ | مہلت کی ابلیسی درخواست اور باری تعالیٰ کی طرف سے منظوری | ۱۳۷ |
| ۱۵۶ | ابلیس باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا بڑا عارف تھا | ۱۳۷ |
| ۱۵۷ | شیطان میں تین ''عین'' تھے، ایک ''عین'' نہیں تھا | ۱۳۸ |
| ۱۵۸ | مطالبے پیش کرنے میں اہلِ دنیا کا دستور | ۱۳۸ |
| ۱۵۹ | شیطان انسان کا کٹر دشمن ہے | ۱۳۹ |
| ۱۶۰ | شیطان کی انسان دشمنی سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہی | ۱۳۹ |
| ۱۶۱ | دشمن کی طرف سے آگاہ کرنے کا رواج دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں میں بھی ہے | ۱۴۰ |
| ۱۶۲ | شیطان کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت | ۱۴۰ |
| ۱۶۳ | ہمارے اکابر اور نفس وشیطان کے مکائد سے بچنے کا اہتمام | ۱۴۱ |
| ۱۶۴ | نفس اور شیطان سے خوف زدہ رہنے کا ایک چشم کُشا واقعہ | ۱۴۲ |
| ۱۶۵ | بس میری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے | ۱۴۳ |
| ۱۶۶ | دل میں عجب محسوس کرنے پر حضرت عمرؓ کا اپنے نفس کا علاج کرنا | ۱۴۴ |
| ۱۶۷ | تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی | ۱۴۵ |
| ۱۶۸ | حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مشن | ۱۴۵ |
| ۱۶۹ | زورِ بازو سے شیطان کو زیر کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے | ۱۴۶ |
| ۱۷۰ | جمرات کو شیطان سمجھنے والے بعض ناواقف لوگوں کی نادانی | ۱۴۶ |
| ۱۷۱ | شیطان کے مکائد کا توڑ قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ممکن ہے | ۱۴۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۷۲ | ابلیسی داؤ پیچ سے حفاظت کی تدبیریں | ۱۴۸ |
| ۱۷۳ | عبادات میں شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم | ۱۴۸ |
| ۱۷۴ | بوقتِ قضائے حاجت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم | ۱۴۹ |
| ۱۷۵ | بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم | ۱۴۹ |
| ۱۷۶ | بوقتِ صحبت خروجِ منی کے وقت پڑھنے کی مسنون دعا | ۱۵۰ |
| ۱۷۷ | صحبت میں شیطان کی شرکت | ۱۵۰ |
| ۱۷۸ | بوقتِ پیدائش بچے کے رونے کی وجہ حدیث کی روشنی میں | ۱۵۱ |
| ۱۷۹ | ضلالتِ انسانی کے لیے شیطان کے پاس صرف ایک ہتھیار ہے | ۱۵۱ |
| ۱۸۰ | شیطان نے اپنا لشکر مؤمنوں کے پیچھے چھوڑ رکھا ہے | ۱۵۲ |
| ۱۸۱ | شیطان اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بارے میں بہت زیادہ فعّال ہوتا ہے | ۱۵۳ |
| ۱۸۲ | ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے پر شیطان کو کوئی قدرت نہیں ہوتی | ۱۵۳ |
| ۱۸۳ | انسان کو گمراہ کرنے کی شیطانی حرص | ۱۵۴ |
| ۱۸۴ | نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کا حکم | ۱۵۵ |
| ۱۸۵ | بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کی حکمت | ۱۵۶ |
| ۱۸۶ | دشمنانِ اسلام کی مسلمانوں کے خلاف سازش | ۱۵۷ |
| ۱۸۷ | بچے کا دل کوری سلیٹ کی طرح ہوتا ہے | ۱۵۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۸ | بچوں کے سامنے ناشائستہ حرکتوں سے اجتناب کیجیے | ۱۵۸ |
| ۱۸۹ | بچے کے لوحِ قلب پر نقش ہونے والے مناظر کے ظہور کا ایک عبرت ناک واقعہ | ۱۵۸ |
| ۱۹۰ | بچہ سب کچھ سمجھتا ہے | ۱۵۹ |
| ۱۹۱ | ہماری غفلت اور شیطان کی فعّالیت | ۱۵۹ |
| ۱۹۲ | وسوسے کی حقیقت اور اس کی دو قسمیں | ۱۶۰ |
| ۱۹۳ | سائنسی ترقیات نے بہت سے لاینحل مسائل حل کر دئے ہیں | ۱۶۰ |
| ۱۹۴ | مشینی آدمی (روبوٹ) سے تقدیر کا مسئلہ حل کرنے میں پیدا ہونے والی آسانی | ۱۶۱ |
| ۱۹۵ | شیطان اپنے وساوس سے انسان کو اللہ کے حکم کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتا | ۱۶۲ |
| ۱۹۶ | تکلیف پہنچانے والی چیزوں سے پناہ حاصل کرنے کے دو قرآنی نسخے | ۱۶۲ |
| ۱۹۷ | سورۂ فلق میں بیان کردہ پناہ کا طریقہ | ۱۶۲ |
| ۱۹۸ | سورۂ ناس کی مختصر تفسیر | ۱۶۳ |
| ۱۹۹ | وسوسہ ڈالنے کی کیفیت | ۱۶۴ |
| ۲۰۰ | ذکر سے غفلت وساوس کے آنے کا سبب ہے | ۱۶۴ |
| ۲۰۱ | بری صحبت انسان کے لیے سمِّ قاتل ہے | ۱۶۴ |
| ۲۰۲ | مجالست اور ہم نشینی کے مسئلے سے ہماری بے اعتنائی | ۱۶۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۳ | کبوتر با کبوتر، باز باباز | ۱۶۵ |
| ۲۰۴ | عجب کا خطرناک انجام | ۱۶۶ |
| ۲۰۵ | بڑے مجاہدات کے بعد حاصل ہونے والے اثر کو بری صحبت سے ختم مت کیجیے | ۱۶۶ |
| ۲۰۶ | کسی برائی کو بار بار دیکھنے سے اس کی برائی دل سے ختم ہوجاتی ہے | ۱۶۷ |
| ۲۰۷ | گناہوں کی نحوست سے قلبِ انسانی سیاہ پڑجاتا ہے | ۱۶۸ |
| ۲۰۸ | قلب کے سیاہ ہونے کے بعد گناہوں کی برائی دل سے ختم ہوجاتی ہے | ۱۶۹ |
| ۲۰۹ | بروں کی صحبت سے بچنے کی تاکید اور تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں برے لوگوں کی شناخت | ۱۶۹ |
| ۲۱۰ | گناہوں کے وسوسے انسان کی طرف سے بھی ڈالے جاتے ہیں | ۱۷۰ |
| ۲۱۱ | شیطان وساوس ڈالنے سے اکتاتا نہیں ہے | ۱۷۰ |
| ۲۱۲ | اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں میڈیا شیطان کے نقشِ قدم پر | ۱۷۰ |
| ۲۱۳ | وساوسِ شیطانیہ سے بچنے کی اصل تدبیر: اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنا | ۱۷۱ |
| ۲۱۴ | دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی وساوسِ شیطانیہ سے ہمیں بچا نہیں سکتا | ۱۷۱ |
| ۲۱۵ | بڑے دشمن کی ایذا سے بچنے کے لیے اپنے بڑوں کی پناہ حاصل کرنا انسانی فطرت ہے | ۱۷۲ |
| ۲۱۶ | وساوسِ شیطانیہ سے ڈر جانے اور پریشان ہونے کا سبب | ۱۷۲ |
| ۲۱۷ | اسی پے رکھا اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو | ۱۷۳ |

# شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۲)



| | | |
|---|---|---|
| ۲۱۸ | وساوس کی پہلی قسم: ایمانیات کے متعلق آنے والے وساوس | ۱۷۷ |
| ۲۱۹ | وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصود | ۱۷۸ |
| ۲۲۰ | قسمِ اول کے وساوس اور ان کو دفع کرنے کی تفصیل | ۱۷۸ |
| ۲۲۱ | عقائد کے متعلق آنے والے وساوس کی حقیقت اور ایک مثال سے اس کی تفہیم | ۱۷۹ |
| ۲۲۲ | حضرات صحابہؓ کا اس امت پر احسانِ عظیم | ۱۸۰ |
| ۲۲۳ | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مختصر تشریح | ۱۸۱ |
| ۲۲۴ | دلوں میں آنے والے برے خیالات کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل ہے | ۱۸۱ |
| ۲۲۵ | کافر وساوسِ شیطانیہ کا داعی ہوتا ہے، اس کو برا نہیں سمجھتا | ۱۸۲ |
| ۲۲۶ | برے خیالات کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل کیوں ہے؟ | ۱۸۲ |
| ۲۲۷ | ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک دوسری توجیہ | ۱۸۳ |
| ۲۲۸ | شیطان کی فعّالیت اور ہماری بے حسّی | ۱۸۳ |
| ۲۲۹ | پیچھے رہنے کا رجحان آدمی کو دینی کمالات کے حصول سے محروم کرنے والا ہے | ۱۸۴ |
| ۲۳۰ | شیطان بے وقوف نہیں ہے کہ کسی شیعی پر اپنی محنت کو ضائع کرے | ۱۸۵ |
| ۲۳۱ | مغرب سے طلوعِ آفتاب کے بعد ایمان غیر معتبر ہوگا | ۱۸۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۲ | جانبِ مغرب سے سورج طلوع ہونے پر سب لوگوں کے ایمان لانے پر ایک اشکال | ۱۸۶ |
| ۲۳۳ | مذکورہ اشکال کا بے مثال جواب | ۱۸۷ |
| ۲۳۴ | کافروں کے دلوں میں وساوس نہ آنے کے اشکال کا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے جواب | ۱۸۷ |
| ۲۳۵ | وساوس سے پریشان آدمی کے لیے یہ حدیث تسلی کا سامان ہے | ۱۸۸ |
| ۲۳۶ | وساوسِ شیطانیہ کی آمد کے بھی اسباب ہوتے ہیں | ۱۸۸ |
| ۲۳۷ | اخبار بینی کا غلط ذوق اور اس کے مضر اثرات | ۱۸۹ |
| ۲۳۸ | دینی معلومات پر مشتمل لٹریچر سے ہماری مجرمانہ بے اعتنائی | ۱۸۹ |
| ۲۳۹ | روزناموں (اخباروں) کے دیوانے | ۱۹۰ |
| ۲۴۰ | اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش | ۱۹۰ |
| ۲۴۱ | موجودہ روزناموں کی واقعات بیان کرنے میں دروغ گوئی کی انتہا | ۱۹۱ |
| ۲۴۲ | گجراتی اخبارات کے بارے میں ایک بڑے سرکاری ہندو افسر کا حقیقت پسندانہ تجزیہ | ۱۹۲ |
| ۲۴۳ | اخباروں کو خریدنا دشمنِ اسلام کو تقویت پہنچانا اور گناہ میں مدد کرنا ہے | ۱۹۲ |
| ۲۴۴ | ضرورت سے زیادہ اخبار خریدنا بھی اسراف ہے | ۱۹۳ |
| ۲۴۵ | روزناموں کا ایک عظیم فتنہ: دھارمک پورتی | ۱۹۳ |
| ۲۴۶ | مصنف کے نظریات کا اثر کتاب پڑھنے والے پر بھی مرتب ہوتا ہے | ۱۹۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۴۷ | تقدیر کے مسئلے میں بحث ومباحثہ کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضراتِ صحابہ کو سخت تنبیہ | ۱۹۵ |
| ۲۴۸ | تقدیر کا مسئلہ مزلۃ الاقدام ہے | ۱۹۵ |
| ۲۴۹ | غلط لٹریچر کے مطالعے سے روکنا گمراہی اور ہلاکت سے بچانے کے لیے ہے | ۱۹۶ |
| ۲۵۰ | گمراہ لوگوں سے ان کی باتوں کو سننے کا وبال: ایک چشم کُشا واقعہ | ۱۹۶ |
| ۲۵۱ | جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا..... | ۱۹۷ |
| ۲۵۲ | ہمارے اکابر اور کتبِ غیر کے مطالعے سے احتراز | ۱۹۸ |
| ۲۵۳ | کتبِ غیر کا مطالعہ ہمارے لیے ہرگز مناسب نہیں | ۱۹۹ |
| ۲۵۴ | ردِّ مودودیت پر حضرت فقیہ الامت کا گہرا مطالعہ اور مضبوط پکڑ | ۲۰۰ |
| ۲۵۵ | اسلاف کا اپنے آپ کو غلط نظریات سے بچانے کا اہتمام | ۲۰۰ |
| ۲۵۶ | بے سند باتوں کے لیے دین میں کوئی جگہ نہیں ہے | ۲۰۱ |
| ۲۵۷ | اسلام دشمن طاقتوں کی قائم کردہ ویب سائٹوں سے معلومات حاصل کرنے سے بچیے | ۲۰۱ |
| ۲۵۸ | امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا دل کو جھنجھوڑنے والا مقولہ | ۲۰۲ |
| ۲۵۹ | آج کل کے نوجوانوں کی ایک ذہنی بیماری یا غلط سوچ | ۲۰۲ |
| ۲۶۰ | مرزا غلام قادیانی کے خلیفۂ اول حکیم نور الدین کی گمراہی کی داستان | ۲۰۲ |
| ۲۶۱ | ناپختہ کار عالم بھی گمراہ کُن لٹریچر کے مطالعے سے اپنے آپ کو بچائے | ۲۰۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۶۲ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توریت پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار غضب | ۲۰۴ |
| ۲۶۳ | وساوسِ شیطانیہ کی روک تھام کا اکسیر نسخہ | ۲۰۵ |
| ۲۶۴ | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح | ۲۰۵ |
| ۲۶۵ | ''أَمْرَهُ'' کی ضمیر ''هُ'' کے مرجع کے بارے میں دو احتمال | ۲۰۶ |
| ۲۶۶ | شیطان کو ضمیر کا مرجع قرار دینے کی صورت میں حدیث کا مفہوم | ۲۰۷ |
| ۲۶۷ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ جملے کی ایک مثال سے تفہیم | ۲۰۷ |
| ۲۶۸ | وساوس کی دوسری قسم: گناہوں کے وساوس اور خیالات | ۲۰۸ |
| ۲۶۹ | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح | ۲۰۹ |
| ۲۷۰ | گناہ کی دو قسمیں | ۲۰۹ |
| ۲۷۱ | گناہ کے محض وساوس اور خیالات اس امت سے معاف ہیں | ۲۱۰ |
| ۲۷۲ | گناہ کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیر اختیار کرنے کے بعد گناہ صادر نہ ہونے کا حکم الگ ہے | ۲۱۱ |
| ۲۷۳ | انسان کا دل خیالات کی گذرگاہ ہے | ۲۱۲ |
| ۲۷۴ | یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے | ۲۱۳ |
| ۲۷۵ | برے خیالات کا لانا برا ہے | ۲۱۳ |
| ۲۷۶ | گناہوں کے خیالات کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول | ۲۱۴ |
| ۲۷۷ | مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا | ۲۱۴ |
| ۲۷۸ | حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا پس منظر | ۲۱۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۹ | حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث کا قسمِ ثانی کے وساوس پر انطباق | ۲۱۶ |
| ۲۸۰ | شکل دکھانے کے قابل یہ سیاہ کار نہیں | ۲۱۶ |
| ۲۸۱ | گناہوں کے خیالات سے کوئی محفوظ نہیں ہے | ۲۱۶ |
| ۲۸۲ | بنایا اے ظفرؔ! خالق نے کب انسان سے بہتر | ۲۱۸ |
| ۲۸۳ | گناہوں کے تقاضے بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے | ۲۱۸ |
| ۲۸۴ | گناہوں کے تقاضے تقویٰ پیدا کرنے والے ہیں | ۲۱۹ |
| ۲۸۵ | غصے والی بات پر غصہ نہ آنا انسانیت کے خلاف ہے | ۲۱۹ |
| ۲۸۶ | فرشتوں کا گناہوں سے بچنا کوئی کمال نہیں ہے | ۲۱۹ |
| ۲۸۷ | تخلیقِ انسانی پر فرشتوں کے کلام کی وجہ اور حکمت | ۲۲۰ |
| ۲۸۸ | فطرتِ انسانی میں نیکی و بدی دونوں کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں | ۲۲۱ |
| ۲۸۹ | رہیں گے عمر بھر گھیرے ہوئے افکارِ شیطانی | ۲۲۲ |
| ۲۹۰ | گناہوں کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے پر دربارِ خداوندی سے ملنے والا انعام | ۲۲۲ |
| ۲۹۱ | بدنظری زنا کے خیالات کا دروازہ ہے | ۲۲۳ |
| ۲۹۲ | آنکھیں نظر آنے والی صورتوں کو دل و دماغ میں محفوظ کرلیتی ہیں | ۲۲۴ |
| ۲۹۳ | یہ سودا مہنگا نہیں ہے | ۲۲۴ |
| ۲۹۴ | یہ پرائی عورتوں کو دیکھنے کی دنیوی سزا ہے | ۲۲۵ |
| ۲۹۵ | پرائی عورتوں کو دیکھنے کی اخروی سزا | ۲۲۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۹۶ | بدنظری: سب سے خطرناک گناہ | ۲۲۶ |
| ۲۹۷ | نوجوانوں کا خطرناک ترین مشغلہ | ۲۲۷ |
| ۲۹۸ | معاشرے میں پیش آنے والے مجرمانہ واقعات کی اشاعت کی شرعی ممانعت | ۲۲۷ |
| ۲۹۹ | جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں | ۲۲۸ |
| ۳۰۰ | گناہوں کے تقاضوں اور اس کے لیے قوتِ ارادی کے استعمال کی ایک مثال سے تفہیم | ۲۲۸ |
| ۳۰۱ | گناہ کے تقاضوں کو دبانے کا اکسیر نسخہ | ۲۲۹ |
| ۳۰۲ | شیطان انسان پر دھیرے دھیرے اپنا تسلّط قائم کرتا ہے | ۲۳۰ |
| ۳۰۳ | دفعِ وساوس کے لیے ہمارے اسلاف کا متفقہ ایک ہی علاج | ۲۳۰ |
| ۳۰۴ | نمازیں، تلاوت، ذکر، تسبیحات وغیرہ روحانی غذائیں ہیں | ۲۳۰ |
| ۳۰۵ | کھایا پیا برباد کیا | ۲۳۱ |


## شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۳)


| | | |
|---|---|---|
| ۳۰۶ | گذشتہ باتوں کا خلاصہ | ۲۳۵ |
| ۳۰۷ | مؤثر کے عمل کا اثر متأثر کی صلاحیتوں کے مطابق مختلف ظاہر ہوتا ہے | ۲۳۶ |
| ۳۰۸ | ایک مثال سے اس اصول کی تفہیم | ۲۳۷ |
| ۳۰۹ | شیطان جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کی طرف سے گناہوں کے سلسلے میں مایوس نہیں ہوا ہے | ۲۳۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۱۰ | گناہوں کے تقاضے سوختہ ہیں | ۲۳۹ |
| ۳۱۱ | گناہوں کے خیالات لانے والے اسباب سے احتیاط ضروری ہے | ۲۳۹ |
| ۳۱۲ | حکمِ شرعی ''نگاہ نیچی رکھنے'' کی مخالفت کا دنیوی وبال | ۲۴۰ |
| ۳۱۳ | فحاشی کے سدِّ باب کے لیے اس کے اسباب پر بھی پابندی | ۲۴۱ |
| ۳۱۴ | شریعت کے پیشِ نظر گناہوں کی جڑ ختم کرنا ہے | ۲۴۱ |
| ۳۱۵ | وساوس کی تیسری قسم: مباح کاموں کے خیالات | ۲۴۲ |
| ۳۱۶ | ہماری نمازوں کا حال | ۲۴۳ |
| ۳۱۷ | نماز میں آنے والے دوسری قسم کے خیالات | ۲۴۳ |
| ۳۱۸ | شیطان ہر حال میں انسان کو عبادتِ الٰہی سے روکنے پر کمر بستہ ہے | ۲۴۴ |
| ۳۱۹ | نماز میں خشوع اختیار کرنے والے بامراد ہے | ۲۴۴ |
| ۳۲۰ | مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے | ۲۴۵ |
| ۳۲۱ | بے گنہ نہ گذشت بر من ساعتے | ۲۴۵ |
| ۳۲۲ | من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں سے نمازی بن نہ سکا | ۲۴۶ |
| ۳۲۳ | مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے | ۲۴۶ |
| ۳۲۴ | خضوع کی حقیقت | ۲۴۶ |
| ۳۲۵ | ہماری نمازیں اور خضوع کا حال | ۲۴۷ |
| ۳۲۶ | خشوع کی حقیقت | ۲۴۷ |
| ۳۲۷ | نماز میں آنے والے غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے پریشان نہ ہوں | ۲۴۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲۸ | انسان کے اختیار میں بس نماز کو اس کے ظاہری احکام کے مطابق ادا کرنا ہے | ۲۴۸ |
| ۳۲۹ | نماز کے بارے میں ایک شیطانی دھوکہ | ۲۴۹ |
| ۳۳۰ | فلسفہ کا ایک اصول | ۲۴۹ |
| ۳۳۱ | دیگر اعضائے جسمانی کی طرح دل ودماغ بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں | ۲۵۰ |
| ۳۳۲ | نماز میں خود بخود آنے والے خیالات کی طرف دھیان نہ دیجیے | ۲۵۲ |
| ۳۳۳ | خیالات کو دور کرنے کا یہ علاج مقصود بالذات ہے | ۲۵۲ |
| ۳۳۴ | ایک مثال سے مقصود بالذات اور مقصود بالغیر کی تفہیم | ۲۵۲ |
| ۳۳۵ | جاتے جاتے بے خیالی جائے گی | ۲۵۳ |
| ۳۳۶ | نماز میں خیالات آنے کی وجہ | ۲۵۴ |
| ۳۳۷ | نماز میں سوفی صد توجہ لگانا خیالات کے سدِّ باب کے لیے ضروری ہے | ۲۵۴ |
| ۳۳۸ | یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے | ۲۵۵ |
| ۳۳۹ | کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے | ۲۵۶ |
| ۳۴۰ | نماز میں آنے والے خیالات کو دفع کرنے کا علاج | ۲۵۶ |


## شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۴)

### (نماز میں آنے والے وساوس کا علاج)


| | | |
|---|---|---|
| ۳۴۱ | ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت | ۲۶۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۴۲ | آسمان کی بلندی کو چھونا چاہتا تو ہے ہر ایک | ۲۶۱ |
| ۳۴۳ | ہمارے عزم اور طلب کا حال | ۲۶۲ |
| ۳۴۴ | افعالِ نماز کی تفصیل | ۲۶۲ |
| ۳۴۵ | نماز کے فرائض اور واجبات میں فرق | ۲۶۳ |
| ۳۴۶ | نماز سے متعلق کچھ اور امور کی تفصیل | ۲۶۳ |
| ۳۴۷ | بر دلِ سالک ہزاراں غم بود | ۲۶۴ |
| ۳۴۸ | نماز میں آنکھیں بند رکھنے کا نقصان: ایک واقعہ | ۲۶۵ |
| ۳۴۹ | نماز کا طریقہ بیان کرنے کے سلسلے میں فقہاء کا اہتمام | ۲۶۵ |
| ۳۵۰ | نماز کو صحیح بنانے کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت | ۲۶۶ |
| ۳۵۱ | حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عبرت انگیز مقولہ | ۲۶۷ |
| ۳۵۲ | حضراتِ صحابہ اور لوگوں کو صحیح نماز سکھانے کا اہتمام | ۲۶۷ |
| ۳۵۳ | ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا | ۲۶۸ |
| ۳۵۴ | تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟ | ۲۶۸ |
| ۳۵۵ | ایک قانونِ قدرت | ۲۶۹ |
| ۳۵۶ | امت پر فقہاء کا احسان | ۲۶۹ |
| ۳۵۷ | نماز کا ڈھانچہ اور اس کی روح | ۲۷۰ |
| ۳۵۸ | ڈھانچہ مکمل تیار ہوئے بغیر کسی بھی چیز میں جان نہیں پڑتی | ۲۷۰ |
| ۳۵۹ | نماز کے خشوع میں اس کی تمہیدات کی تاثیر | ۲۷۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۶۰ | نماز کا سب سے پہلا مقدمہ: طہارت | ۲۷۱ |
| ۳۶۱ | طہارت کا پہلا مرحلہ: استبراء اور استنجاء | ۲۷۲ |
| ۳۶۲ | استبراء کا مطلب اور اس کا حکم | ۲۷۲ |
| ۳۶۳ | استبراء کے سلسلے میں ہمارے بڑوں کا اہتمام اور ہماری کوتاہی | ۲۷۳ |
| ۳۶۴ | نماز میں آنے والے وساوس کا ایک سبب | ۲۷۴ |
| ۳۶۵ | مقامِ نجاست کی صفائی کے لیے اس کے مناسب پانی کا لوٹا ہونا چاہیے | ۲۷۴ |
| ۳۶۶ | طہارت کا دوسرا مرحلہ: وضو | ۲۷۵ |
| ۳۶۷ | اعمال کے انوار و برکات کب حاصل ہوتے ہیں؟ | ۲۷۵ |
| ۳۶۸ | وضو میں اعضائے وضو کے ہر ہر جزء تک پانی پہنچانے کا اہتمام کریں | ۲۷۶ |
| ۳۶۹ | دورانِ وضو باتوں سے بچنے کا اہتمام اور باتوں سے بچنے کا علاج | ۲۷۶ |
| ۳۷۰ | وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال مکروہ ہے | ۲۷۸ |
| ۳۷۱ | وقف کے پانی میں اسراف حرام ہے | ۲۷۹ |
| ۳۷۲ | اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زائد دھونا ظلم اور گناہ ہے | ۲۸۰ |
| ۳۷۳ | اسراف فی الوضو کے نقصان کے متعلق ایک واقعہ | ۲۸۰ |
| ۳۷۴ | وضو میں اسراف نماز میں خشوع کے آنے سے مانع ہے | ۲۸۱ |
| ۳۷۵ | ہمارے اسلاف اور اسراف سے اجتناب کا اہتمام | ۲۸۱ |
| ۳۷۶ | حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ اور اسراف فی الوضوء سے اجتناب کا اہتمام | ۲۸۲ |
| ۳۷۷ | وضو میں کوتاہی نماز کے اندر تلاوت میں خلل ڈالتی ہے | ۲۸۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۸ | اذان سننے کے بعد مسجد میں آنے کے سلسلے میں ہماری کوتاہی | ۲۸۳ |
| ۳۷۹ | اذان سننے کے بعد مسجد میں نہ آنا ظلم و جفا ہے | ۲۸۴ |
| ۳۸۰ | اذان سننے پر ہمارے اسلاف کا معمول | ۲۸۴ |
| ۳۸۱ | تحیۃ الوضو کی فضیلت | ۲۸۵ |
| ۳۸۲ | تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی مشروعیت کی حکمت | ۲۸۵ |
| ۳۸۳ | قبلیہ سنتوں میں میں نیت کرنے سے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے | ۲۸۶ |
| ۳۸۴ | ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ | ۲۸۷ |
| ۳۸۵ | فرض نماز سے پہلے سنن کو مشروع کرنے کی حکمت | ۲۸۷ |
| ۳۸۶ | لہو مجھ کو رلاتی ہے....... | ۲۸۸ |
| ۳۸۷ | کیا ہے تجھے کتابوں نے کور ذوق اتنا | ۲۸۹ |
| ۳۸۸ | باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست | ۲۸۹ |
| ۳۸۹ | تہی دستانِ قسمت را چہ شد از رہبرِ کامل | ۲۹۰ |
| ۳۹۰ | یہ چیز ہمارے پیشِ نظر رہے | ۲۹۰ |
| ۳۹۱ | سننِ قبلیہ پڑھنے والوں کا حال | ۲۹۱ |
| ۳۹۲ | دورِ حاضر کا عظیم فتنہ: موبائل | ۲۹۱ |
| ۳۹۳ | موبائل کی رنگ ٹون کیسی ہونی چاہیے؟ | ۲۹۲ |
| ۳۹۴ | نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت | ۲۹۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۹۵ | نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی حکمت | ۲۹۲ |
| ۳۹۶ | نماز میں توجہ الی اللہ میں خلل انداز امور کے سدِّ باب کا شرعی اہتمام | ۲۹۳ |
| ۳۹۷ | کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے | ۲۹۳ |
| ۳۹۸ | دورانِ نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے سے گذرنے پر آپ کی بددعا اور اس کا اثر | ۲۹۴ |
| ۳۹۹ | زمانۂ نبوی کا ایک اور واقعہ | ۲۹۵ |
| ۴۰۰ | نماز کا تھوڑا سا وقت اللہ تعالی کے لیے رہنے دیجیے | ۲۹۵ |
| ۴۰۱ | تمہیدات کے اہتمام کے بغیر نماز میں خشوع نہیں آسکتا | ۲۹۶ |
| ۴۰۲ | ایں خیال است ومحال ست وجنوں | ۲۹۶ |
| ۴۰۳ | نماز میں خشوع پیدا کرنے کی محنت کا پہلا مرحلہ | ۲۹۶ |
| ۴۰۴ | الفاظ کی طرف دھیان بھی آتے آتے آتا ہے | ۲۹۷ |
| ۴۰۵ | ضربتِ پیہم سے آخر ہو جاتا ہے پاش پاش | ۲۹۸ |
| ۴۰۶ | ہم سالک کہلانے کے قابل نہیں ہیں | ۲۹۸ |
| ۴۰۷ | ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام | ۲۹۹ |
| ۴۰۸ | خشوع کا آخری درجہ: مشاہدہ | ۳۰۰ |
| ۴۰۹ | انسانی دماغ میں بیک وقت دو چیزوں کی طرف دھیان دینے کی صلاحیت نہیں ہے | ۳۰۰ |
| ۴۱۰ | بے اختیار خیال کا آنا بالکل مضر نہیں ہے | ۳۰۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱۱ | نماز میں خیالات کبھی حالات کے تقاضے کی وجہ سے آتے ہیں | ۳۰۱ |
| ۴۱۲ | حالات کے تقاضے کے تحت پڑھی جانے والی نماز قرآن کی روشنی میں کامل ہے | ۳۰۲ |
| ۴۱۳ | اصل مقصود کیفیت نہیں ہے | ۳۰۲ |
| ۴۱۴ | نماز میں وساوس آنے کی ایک حکمت | ۳۰۳ |
| ۴۱۵ | یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں | ۳۰۴ |
| ۴۱۶ | وہم کی حقیقت | ۳۰۴ |
| ۴۱۷ | وہم کا علاج: قصداً اس کے خلاف کرنا | ۳۰۵ |
| ۴۱۸ | آج کل کے یہ محققین! | ۳۰۶ |
| ۴۱۹ | وہم انسانی زندگی کو اجیرن بنانے والا مرض ہے | ۳۰۶ |
| ۴۲۰ | شیطان کتا ہے | ۳۰۷ |
| ۴۲۱ | نماز میں آنے والے وساوس کی حقیقت حضرت تھانویؒ کی زبانی | ۳۰۸ |
| ۴۲۲ | سختیٔ رہ سے نہ ڈر، ایک ذرا ہمت تو کر | ۳۰۸ |
| ۴۲۳ | سالکین کی رہنمائی کرنے والا کیمیا گر کا ایک عجیب قصہ | ۳۰۹ |
| ۴۲۴ | کیمیا کی حقیقت | ۳۰۹ |
| ۴۲۵ | خزانوں کے دیوانے | ۳۰۹ |
| ۴۲۶ | ایک بادشاہ اور کیمیا کی دُھن | ۳۱۰ |
| ۴۲۷ | سقہ کی حقیقت | ۳۱۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲۸ | کیمیا گر سقہ بادشاہ کے حضور میں | ۳۱۱ |
| ۴۲۹ | کیمیا جاننے کی دھن میں بادشاہ کی بادشاہت میں فقیری | ۳۱۱ |
| ۴۳۰ | کیمیا گر کی مصاحبت حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کی چارہ جوئی | ۳۱۲ |
| ۴۳۱ | اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت گاروں کو بھوکا کیسے رکھ سکتے ہیں؟ | ۳۱۲ |
| ۴۳۲ | میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا | ۳۱۳ |
| ۴۳۳ | بادشاہ کی طرف سے سقہ کی خدمت گزاری | ۳۱۴ |
| ۴۳۴ | کیمیا کا گر بتانے پر سقہ کا اصرار اور بادشاہ کا مکارانہ انکار | ۳۱۴ |
| ۴۳۵ | کیمیا کا طریقہ جان لینے کے بعد بادشاہ کا فرار | ۳۱۵ |
| ۴۳۶ | میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی | ۳۱۵ |


# موت کی تیاری


| | | |
|---|---|---|
| ۴۳۷ | احادیثِ مبارکہ کا مختصر مفہوم | ۳۲۰ |
| ۴۳۸ | ایک عام انسانی مزاج | ۳۲۰ |
| ۴۳۹ | مغفرتِ الٰہی کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں | ۳۲۰ |
| ۴۴۰ | عقل منداور ہوشیار فرمانِ نبوی کی روشنی میں | ۳۲۱ |
| ۴۴۱ | عقل منداور ہوشیار آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں | ۳۲۱ |
| ۴۴۲ | آج وہ، کل ہماری باری ہے | ۳۲۲ |
| ۴۴۳ | پھر بھی آپ اسی محل میں رہتے ہیں؟ | ۳۲۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۴۴ | مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب | ۳۲۳ |
| ۴۴۵ | نہ نبی رہے، نہ ولی رہے، نہ غنی رہے، نہ سخی رہے | ۳۲۳ |
| ۴۴۶ | کل تو کیا ایک پل کا بھروسہ نہیں | ۳۲۴ |
| ۴۴۷ | نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا | ۳۲۴ |
| ۴۴۸ | ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ | ۳۲۵ |
| ۴۴۹ | دوسری زندگی کی تمنا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا جواب | ۳۲۵ |
| ۴۵۰ | جس کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، اس کا عذر ختم ہو گیا | ۳۲۶ |
| ۴۵۱ | رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت | ۳۲۶ |


## (۱) وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت

## (۲) تبلیغی کام کی اہمیت اور اس میں پائی جانے والی کچھ کوتاہیوں پر تنبیہ


| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۲ | سورۂ عصر کی اہمیت وفضیلت | ۳۲۹ |
| ۴۵۳ | سورۂ عصر کا مختصر مفہوم | ۳۳۰ |
| ۴۵۴ | زمانے سے کون سا زمانہ مراد ہے؟ پہلا قول: مطلق زمانہ مراد ہے | ۳۳۰ |
| ۴۵۵ | دوسرا قول: انسان کو دی جانے والی حیات مراد ہے | ۳۳۱ |
| ۴۵۶ | زندگی کی حقیقت | ۳۳۱ |
| ۴۵۷ | قرآن میں مضامین کو بیان کرنے سے پہلے قسم کھانے کا مقصد | ۳۳۱ |
| ۴۵۸ | اس سورت کے شروع میں زمانے کی قسم کھانے کی حکمت | ۳۳۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۹ | جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے | ۳۳۲ |
| ۴۶۰ | انسانی زندگی اس کی پونجی اور سرمایہ ہے | ۳۳۳ |
| ۴۶۱ | انسانی زندگی محدود ہے | ۳۳۳ |
| ۴۶۲ | محدثین کی خصوصی اصطلاح ''الرقاق'' اور اس کا مطلب | ۳۳۵ |
| ۴۶۳ | دو نعمتیں جن کی کثرت سے ناقدری ہوتی ہے | ۳۳۵ |
| ۴۶۴ | مذکورہ حدیث ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ کی تفسیر ہے | ۳۳۶ |
| ۴۶۵ | وقت کی قدر و قیمت وصول کرنے میں انسان کیسے خسارے میں ہے؟ | ۳۳۶ |
| ۴۶۶ | آخرت کی تجارت قرآن کی روشنی میں | ۳۳۷ |
| ۴۶۷ | دنیا آخرت کی کھیتی ہے | ۳۳۸ |
| ۴۶۸ | احادیث میں آخرت کے اعمال پر تجارت کا اطلاق | ۳۳۸ |
| ۴۶۹ | سرمایے کی ایک قسم جامد اور اس کی تفہیم | ۳۳۹ |
| ۴۷۰ | سرمایے کی دوسری قسم سیال اور اس کی تفہیم | ۳۴۰ |
| ۴۷۱ | برف فروش کو دیکھ کر ایک بزرگ کا انسانی زندگی کے بارے میں حکیمانہ تجزیہ | ۳۴۱ |
| ۴۷۲ | ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم | ۳۴۱ |
| ۴۷۳ | ہم زندگی کی قیمت وصول کرنے والے کب کہلائیں گے؟ | ۳۴۲ |
| ۴۷۴ | ہر آدمی اپنی زندگی کی قیمت وصول کر رہا ہے | ۳۴۳ |
| ۴۷۵ | گنجِ سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا | ۳۴۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۷۶ | زندگی بھر کی ہماری کمائی ہوئی دنیوی دولت کی حیثیت | ۳۴۴ |
| ۴۷۷ | حضرت ابراہیمؑ کا پیغام امتِ محمدیہ کے نام | ۳۴۵ |
| ۴۷۸ | جنت کے درخت | ۳۴۵ |
| ۴۷۹ | دنیا کے باغ میں لگائے جانے والے درختوں کے پیچھے محنتیں | ۳۴۵ |
| ۴۸۰ | دنیا کے درختوں کا حال | ۳۴۶ |
| ۴۸۱ | سورج گرہن کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آنے والے عجیب حالات کی تفصیل | ۳۴۷ |
| ۴۸۲ | جنت کے درختوں کا حال | ۳۴۸ |
| ۴۸۳ | جنت کے اندر درخت لگانا بہت زیادہ آسان ہے | ۳۴۸ |
| ۳۸۴ | گھاٹے اور خسارے سے بچنے کا قرآنی طریقہ | ۳۴۹ |
| ۴۸۵ | تواصی اور وصیت کا مفہوم | ۳۴۹ |
| ۴۸۶ | تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تفسیر | ۳۵۰ |
| ۴۸۷ | حدیث جبرئیل کا مختصر مفہوم | ۳۵۰ |
| ۴۸۸ | تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تفسیر کا تکملہ | ۳۵۱ |
| ۴۸۹ | صبر کی ایک قسم صبر علی الطاعۃ کی تفسیر | ۳۵۱ |
| ۴۹۰ | صبر کی دوسری قسم صبر عن المعاصی کی تفسیر و تفہیم | ۳۵۲ |
| ۴۹۱ | تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی ایک اور تفسیر | ۳۵۳ |
| ۴۹۲ | تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا خلاصہ | ۳۵۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹۳ | ایمانیات کی دعوت دینا تواصی بالحق ہے | ۳۵۴ |
| ۴۹۴ | تواصی بالصبر کی تعریف | ۳۵۴ |
| ۴۹۵ | خسارے سے بچنے کے لیے دوسروں کی اصلاح کی فکر بھی ضروری ہے | ۳۵۵ |
| ۴۹۶ | صلاح وکمال کے سلسلے کو آگے بھی پہنچانا ضروری ہے | ۳۵۵ |
| ۴۹۷ | دوسروں میں سب سے پہلے اپنے اہل وعیال اور ماتحتوں کی فکر کیجیے | ۳۵۶ |
| ۴۹۸ | آدمی کی دو حیثیتیں: داعی یا مدعو | ۳۵۶ |
| ۴۹۹ | اپنے آپ کو خسارے سے بچانے والے کون ہیں؟ | ۳۵۷ |
| ۵۰۰ | دعوت وتبلیغ کے موجودہ طریقۂ کار کو اختیار کرنے کی ایک حکمت | ۳۵۷ |
| ۵۰۱ | تبلیغی جماعت کی اہمیت | ۳۵۸ |
| ۵۰۲ | جماعت میں نکلنا کب کارآمد ہوسکتا ہے؟ | ۳۵۹ |
| ۵۰۳ | اس راہ میں نکل کر دوسروں کی تنقیص اور تحقیر میں مبتلا ہونے والے | ۳۶۰ |
| ۵۰۴ | اہلِ تبلیغ کو اہلِ علم سے ایک شکایت اور اس کا چشم کشا جواب | ۳۶۰ |
| ۵۰۵ | حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا دعوت وتبلیغ کے ساتھ تعلق | ۳۶۱ |
| ۵۰۶ | حضرت جی ثانی مولانا یوسفؒ کی اس کام کی طرف سے بے رغبتی اور حضرت فقیہ الامتؒ کی ان پر محنت | ۳۶۱ |
| ۵۰۷ | اگر میں نکلوں گا تو آپ کو یہ مسئلے کون بتلائے گا؟ | ۳۶۲ |
| ۵۰۸ | ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں | ۳۶۳ |
| ۵۰۹ | ہمیں سارے انبیاء پر ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا ہے | ۳۶۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۱۰ | حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت | ۳۶۴ |
| ۵۱۱ | قبول کرلیں تو جانیں کہ ہم بھی مخلص ہیں | ۳۶۴ |


## وقت کی قدر و قیمت اور لایعنی ولغویات سے بچنے کی اہمیت


| | | |
|---|---|---|
| ۵۱۲ | انسان کو ملنے والے سب سے بڑی نعمت | ۳۷۰ |
| ۵۱۳ | امت کی تربیت کا ایک نبوی انداز | ۳۷۰ |
| ۵۱۴ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو شیطانی مکائد سے بچنے کی تاکید | ۳۷۱ |
| ۵۱۵ | نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت: جوامع الکلم | ۳۷۱ |
| ۵۱۶ | نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی جانے والی بعض خصوصیات | ۳۷۲ |
| ۵۱۷ | نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی جانے والی ایک خصوصیت: رعب وہیبت | ۳۷۲ |
| ۵۱۸ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت: جوامع الکلم اور اس کا مطلب | ۳۷۳ |
| ۵۱۹ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی جوامع الکلم میں سے ہے | ۳۷۳ |
| ۵۲۰ | سننِ ابی داود کا مقام و مرتبہ محدثین کی نظر میں | ۳۷۴ |
| ۵۲۱ | سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عجیب درخواست | ۳۷۵ |
| ۵۲۲ | تقویٰ میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا مقام | ۳۷۵ |
| ۵۲۳ | چھینک کے موقع پر نبوی تعلیم | ۳۷۶ |
| ۵۲۴ | امام ابوداودؒ اور احکامِ شریعت کی پابندی کا عجیب وغریب اہتمام | ۳۷۶ |
| ۵۲۵ | چھینک اور سلام کے جواب کے سلسلے میں ایک ضروری وضاحت | ۳۷۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۶ | دین داری کے ساتھ زندگی گذارنے کے لیے چار احادیث | ۳۷۸ |
| ۵۲۷ | پہلی حدیث اوراس کی مختصر وضاحت | ۳۷۸ |
| ۵۲۸ | دوسری حدیث | ۳۷۸ |
| ۵۲۹ | تیسری حدیث اوراس کی مختصر وضاحت | ۳۷۹ |
| ۵۳۰ | چوتھی حدیث اوراس کی مختصر وضاحت | ۳۷۹ |
| ۵۳۱ | امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذخیرۂ حدیث کا خلاصہ | ۳۸۰ |
| ۵۳۲ | امام ابوداودؒ کے مقولے کی وضاحت شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے | ۳۸۰ |
| ۵۳۳ | لایعنی کی تفسیر اور وضاحت | ۳۸۱ |
| ۵۳۴ | حضرت فقیہ الامتؒ کا ایک واقعہ | ۳۸۱ |
| ۵۳۵ | فضول خرچی کی ایک مثال | ۳۸۲ |
| ۵۳۶ | قیامت کے دن پانچ چیزوں کے متعلق سوال | ۳۸۲ |
| ۵۳۷ | لوگوں کی ایک غلط فہمی | ۳۸۳ |
| ۵۳۸ | وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال کی ممانعت | ۳۸۳ |
| ۵۳۹ | کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ | ۳۸۴ |
| ۵۴۰ | تبلیغی جماعت کا ساتواں نمبر جس کو لوگ بھلا چکے ہیں | ۳۸۵ |
| ۵۴۱ | چوتھا بستر شیطان کے لیے ہوتا ہے | ۳۸۵ |
| ۵۴۲ | بولنے اور کام کرنے سے پہلے غور کیجیے | ۳۸۵ |
| ۵۴۳ | نوجوان طبقہ اور کرکٹ اور کرکٹروں کے ساتھ ان کا پاگل پن | ۳۸۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۴۴ | غیرتِ ایمانی سے محروم مسلمان | ۳۸۶ |
| ۵۴۵ | کھلاڑیوں وغیرہ کی محبت شرعی نقطۂ نظر سے | ۳۸۷ |
| ۵۴۶ | سنتِ نبوی پر مر مٹنے کا عثمانی جذبہ | ۳۸۷ |
| ۵۴۷ | لنگی باندھنے کے معاملے میں کفارِ مکہ کا طرز و انداز | ۳۸۸ |
| ۵۴۸ | حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز جواب | ۳۸۹ |
| ۵۴۹ | دو یورپین آدمیوں کے عجیب اسٹائل کا واقعہ | ۳۸۹ |
| ۵۵۰ | نا اہلوں کی محبت بڑی خطرناک چیز ہے | ۳۹۰ |
| ۵۵۱ | حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کا ایک عبرت ناک واقعہ | ۳۹۱ |
| ۵۵۲ | کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ | ۳۹۱ |
| ۵۵۳ | کرکٹ کی حقیقت | ۳۹۲ |
| ۵۵۴ | کرکٹ میچ کی تباہ کاریاں | ۳۹۲ |
| ۵۵۵ | نماز میں خشوع پیدا کرنے کے باب میں شریعت کا خاص اہتمام | ۳۹۳ |
| ۵۵۶ | یہ کھیل ہے یا جنون؟ | ۳۹۳ |
| ۵۵۷ | جوئے اور سٹے سے روکنے کی وجہ قرآن کی روشنی میں | ۳۹۴ |
| ۵۵۸ | ایک بوڑھے میاں کا واقعہ | ۳۹۴ |
| ۵۵۹ | کرکٹ بہت سارے مفاسد کی جڑ ہے | ۳۹۵ |
| ۵۶۰ | یورپین ممالک میں کرکٹ کا رواج بہت کم ہے | ۳۹۵ |
| ۵۶۱ | یورپین اقوام اور ان کی قومی حمیت وغیرت | ۳۹۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۶۲ | کرکٹ انگریزوں کی غلامی کی نشانی ہے | ۳۹۶ |
| ۵۶۳ | کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی، یہ بےسوادی، یہ کم نگاہی | ۳۹۶ |
| ۵۶۴ | مؤمن کی غیرتِ ایمانی یہ ہونی چاہیے | ۳۹۷ |
| ۵۶۵ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرنے اور نہ کرنے کے تمام کام بتلادئے ہیں | ۳۹۷ |
| ۵۶۶ | حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کے حق میں باپ کی طرح ہیں | ۳۹۸ |
| ۵۶۷ | ہورہی ہے عمر مثلِ برف کم | ۳۹۹ |
| ۵۶۸ | گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹادی | ۳۹۹ |
| ۵۶۹ | اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو! | ۴۰۰ |
| ۵۷۰ | کتاب الرقاق کیا ہے؟ | ۴۰۰ |
| ۵۷۱ | دنیا کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے | ۴۰۱ |
| ۵۷۲ | دو نعمتیں جن کی کثرت سے ناقدری ہوتی ہے | ۴۰۲ |
| ۵۷۳ | صحت وفراغ کی طرف سے انسان دھوکے میں کس طرح ہے؟ | ۴۰۲ |
| ۵۷۴ | ناقابل استعمال چیز اللہ تعالی کے راستے میں دینے کا انسانی مزاج | ۴۰۳ |
| ۵۷۵ | بچاہوا کھانا وغیرہ دئے جانے پر انسانی ردعمل | ۴۰۳ |
| ۵۷۶ | اللہ تعالی ہم سے کیسی چیزوں کا صدقہ چاہتے ہیں؟ | ۴۰۴ |
| ۵۷۷ | احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا حضرات صحابہؓ کا بےمثال جذبہ | ۴۰۴ |
| ۵۷۸ | انسان اپنی زندگی کا بھی بےکار حصہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے فارغ کرتا ہے | ۴۰۵ |
| ۵۷۹ | خوش نصیب جوان | ۴۰۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۸۰ | صحت وفرصت کی طرف سے دھوکے میں ہونے کا مطلب | ۴۰۶ |
| ۵۸۱ | زندگی اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کی بنیاد ہے | ۴۰۶ |
| ۵۸۲ | زندگی سیّال سرمایہ ہے | ۴۰۷ |
| ۵۸۳ | ایک مثال سے اس سرمایے کی تفہیم | ۴۰۷ |
| ۵۸۴ | فرصتِ زندگی بہت کم ہے، مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے | ۴۰۸ |
| ۵۸۵ | زندگی کی حقیقت | ۴۰۹ |
| ۵۸۶ | تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے | ۴۰۹ |
| ۵۸۷ | پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھئے | ۴۱۰ |
| ۵۸۸ | پھول اے بلبل! نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار | ۴۱۰ |
| ۵۸۹ | نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر | ۴۱۱ |
| ۵۹۰ | زندگی بھر گنجِ سیم وزر بھی کمایا تو کیا کمایا | ۴۱۲ |
| ۵۹۱ | سورج گرہن کی نماز میں جنت وجہنم کا نظارہ | ۴۱۲ |
| ۵۹۲ | جنت کی نعمتیں لازوال ہیں | ۴۱۳ |
| ۵۹۳ | جنت کی نعمتوں کو کمانے کے آسان ذرائع | ۴۱۴ |
| ۵۹۴ | ادنی درجے کے جنتی کو ملنے والی جنت کا حال | ۴۱۴ |
| ۵۹۵ | ہم گھاٹے کا سودا کر رہے ہیں | ۴۱۵ |
| ۵۹۶ | ایک مرتبہ سبحان اللہ اور الحمد للہ پڑھنے کا ثواب | ۴۱۵ |
| ۵۹۷ | دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر | ۴۱۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۹۸ | وقت کے ساتھ ساتھ ہمارا بے دردانہ رویہ | ۴۱۷ |
| ۵۹۹ | حضرتِ داود طائی رحمۃ اللہ علیہ کی وقت کی قدردانی | ۴۱۷ |
| ۶۰۰ | انسانی زندگی کے اوقات خام مال کے مثل ہیں | ۴۱۸ |
| ۶۰۱ | انسان اپنی زندگی کے خام مال کو قیمتی بنا سکتا ہے | ۴۱۹ |
| ۶۰۲ | وقت کی قدر و قیمت اہل دنیا کی نگاہ میں | ۴۱۹ |
| ۶۰۳ | حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نظام الاوقات کی پابندی | ۴۲۰ |
| ۶۰۴ | ہم اور وقت کی ناقدری | ۴۲۰ |
| ۶۰۵ | حضراتِ صحابہؓ کے نزدیک وقت کی قدر و قیمت | ۴۲۱ |
| ۶۰۶ | حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کی اہمیت | ۴۲۱ |
| ۶۰۷ | حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب تبصرہ | ۴۲۲ |
| ۶۰۸ | لایعنی کاموں میں مشغولی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے | ۴۲۳ |
| ۶۰۹ | اللہ والوں کی نگاہ میں وقت کی قدر و قیمت | ۴۲۴ |
| ۶۱۰ | حضرت منصور بن معتمرؒ اور حضرتِ داود طائیؒ کے یہاں وقت کی قدر | ۴۲۴ |
| ۶۱۱ | حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ | ۴۲۵ |
| ۶۱۲ | مؤمن کامل کی تین علامتیں | ۴۲۵ |
| ۶۱۳ | آپ کی ملاقات کی تمنا وہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ سے فرصت ہو | ۴۲۶ |
| ۶۱۴ | وقت کی بربادی مؤمنوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے | ۴۲۷ |
| ۶۱۵ | دنیاداروں کے یہاں کام کے اوقات کی قدر و قیمت | ۴۲۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۱۶ | سپریم کورٹ کے وکلاء کے وقت کی فیس | ۴۲۸ |
| ۶۱۷ | تخلیق انسانی کی غرض | ۴۲۹ |
| ۶۱۸ | یہ دنیا آزمائش گاہ ہے | ۴۲۹ |
| ۶۱۹ | عقل مندو ناسمجھ کا شرعی پیمانہ | ۴۳۰ |
| ۶۲۰ | عذرِ گناہ بدتر از گناہ | ۴۳۰ |
| ۶۲۱ | قیامت کے دن بندوں کی دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست | ۴۳۱ |
| ۶۲۲ | مذکورہ درخواست پر باری تعالی کا جواب | ۴۳۱ |
| ۶۲۳ | ملک الموت سے ایک آدمی کی شکایت اور ملک الموت کا جواب | ۴۳۱ |
| ۶۲۴ | باری تعالی کی طرف سے ایامِ زندگی ختم ہونے کی نوٹیسیں | ۴۳۲ |
| ۶۲۵ | جس کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، اس کا عذر ختم ہو گیا | ۴۳۲ |
| ۶۲۶ | شہید کے بعد وفات پانے والے صحابی اور دونوں کے درجات کا فرق | ۴۳۳ |
| ۶۲۷ | حضرت ابنِ عمرؓ کا قبر کے پاس سے گذرنے پر وہاں نماز پڑھنا | ۴۳۴ |
| ۶۲۸ | عذابِ قبر کی وحشت ناکی | ۴۳۵ |
| ۶۲۹ | ایک صاحبِ کشفِ قبور کا عجیب واقعہ | ۴۳۵ |
| ۶۳۰ | قبر میں منکر نکیر کے سوالات کا منظر | ۴۳۶ |
| ۶۳۱ | تین عالموں کی پہچان | ۴۳۷ |
| ۶۳۲ | قبر میں مؤمنِ صالح کے ساتھ حسنِ سلوک | ۴۳۸ |
| ۶۳۳ | صاحبِ قرآن کو قبر میں تلاوتِ قرآن کی اجازت | ۴۳۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۳۴ | ایک سبحان اللہ کے عوض میں ۷۰ رہزار قرآن | ۴۳۹ |
| ۶۳۵ | زندگی ہر حال میں اللہ تعالی کی نعمت ہے | ۴۳۹ |
| ۶۳۶ | حضرت سلیمانؑ کا ایک عظیم معجزہ اوران کی بے مثال بادشاہت | ۴۴۰ |
| ۶۳۷ | حضرت سلیمانؑ کی سواری کو دیکھ کرایک مؤمن کارشک کرنا | ۴۴۰ |
| ۶۳۸ | ایک سبحان اللہ کی قیمت آلِ داود کی سلطنت سے بڑھ کر ہے | ۴۴۱ |
| ۶۳۹ | قاری صدیق صاحب باندویؒ اوراوقات کی قدردانی | ۴۴۱ |
| ۶۴۰ | ہردم اللہ، اللہ کر، نور سے اپنا سینہ بھر | ۴۴۲ |
| ۶۴۱ | سراسر نقصان کا سودا | ۴۴۲ |
| ۶۴۲ | ماشاءاللہ! جنت کی طرف کیسی چھلانگ لگائی ہے | ۴۴۳ |
| ۶۴۳ | لوگوں میں سب سے بہتر آدمی حدیث کی روشنی میں | ۴۴۳ |
| ۶۴۴ | کامیاب مؤمنین کا ایک وصف: لغو کاموں سے اعراض کرنا | ۴۴۴ |
| ۶۴۵ | سوائے دومقامات کے قرآن میں نماز اورزکوۃ یکجا مذکور ہیں | ۴۴۵ |
| ۶۴۶ | نماز اورزکوۃ کے درمیان لغو کاموں سے اجتناب کے ذکر کی حکمت | ۴۴۵ |
| ۶۴۷ | موبائل فون کا عالم گیراور ہمہ گیر فتنہ | ۴۴۶ |
| ۶۴۸ | قرب قیامت سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھالیا جائے گا | ۴۴۶ |
| ۶۴۹ | ہماری نمازوں کی بدحالی | ۴۴۷ |
| ۶۵۰ | باحضورِدل نہ کردم طاعتے | ۴۴۷ |
| ۶۵۱ | من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا | ۴۴۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۵۲ | کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا | ۴۴۸ |
| ۶۵۳ | وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی | ۴۴۹ |
| ۶۵۴ | زندگی کو قیمتی بنانے کی دو نوعیتیں | ۴۴۹ |
| ۶۵۵ | وہ قیمتی اعمال کہ موت کے بعد بھی جن کا ثواب ملتا رہتا ہے | ۴۵۰ |
| ۶۵۶ | وہ پانچ چیزیں جن کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا | ۴۵۰ |

# اہلِ علم کے لیے قیام اللیل اور ذکر اللہ کی اہمیت

ہم لوگ اپنے اسلاف کا تذکرہ بڑی گرویدگی، محبت اور عشق سے کرتے ہیں اور علمی سلسلے میں بھی ہمارے اسلاف کے انداز کو بیان کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے اکابر واسلاف نے دین اور علم دین کی اشاعت، حفاظت اور خدمت کا جو مشن جاری کیا ہے، ہم اسی کو لے کر چل رہے ہیں اور دین وعلمِ دین کی اشاعت اور حفاظت کی نسبت سے-بحمد اللہ، اللہ تعالی توفیق دیتے ہیں اس کے مطابق-اپنے مقدور بھر، جیسا تیسا ہی سہی، بہت کچھ کر لیتے ہیں؛ لیکن ضرورت یہ جاننے کی ہے کہ ہمارے اسلاف واکابر میں اس سلسلے کو شروع کرنے کے ساتھ ساتھ وہ کون سے اوصاف وکمالات تھے جن کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالی نے ان کے جاری کیے ہوئے اس سلسلے میں خیر و برکت مقدر فرمائی ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ أرسله إلى كافة الناس بشيرا و نذيرا و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا۔

صلى الله تعالى عليه و على آله و أصحابه و بارك و سلم تسليما كثيرا كثيرا۔

أما بعد

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ إِلاَّ قَلِيْلاً نِصْفَهٗ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً، إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً، إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَ أَقْوَمُ قِيْلاً، إِنَّ لَكَ فِيْ النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلاً وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلاً۔ (مزمل ٨-١)

و قال تعالى:

وَ مِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَكَ عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔ (الإسراء: ٧٩)

وقال تعالی: كَانُوْا قَلِيْلاً مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذاريات: ۱۸-۱۷)

وقال تعالی: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَ قِيَاماً (فرقان: ۶۴)

وقال تعالی: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان: ۱۵)

وعن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال النبی ﷺ: عليكم بقيام الليل، فإنه دأب الصالحين قبلكم و مقربة لكم إلى ربكم و مغفرة للسيئات و منهاة عن الإثم و مطردة للداء عن الجسد، أو كما قال عليه الصلوة والسلام۔ (معجم كبير طبرانی، ۶۱۵۴)

حضرات علماء کرام، مشائخ عظام اور عزیز طلبہ!

اللہ تبارک وتعالی نے آپ حضرات کو اپنے دین کے علم کی نعمت سے نوازا ہے۔ اور آپ کے قلوب کو علم دین کا مخزن بنایا ہے۔ یہ اللہ تعالی کا بڑا انعام ہے۔

## علم اور اہل علم کا مقام

صاحب درمختار نے اپنے مقدمے میں واقعہ نقل کیا ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ کو انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو اس کے جواب میں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے فرمایا، اے محمد! اگر تمہیں عذاب دینا مقصود ہوتا تو اپنے دین کا علم تمہارے سینے میں نہ رکھتا۔

یہ علم دین اللہ تبارک وتعالی کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کی

طرف سے اس کی عنایت علامت ہے کہ جس کو یہ نعمت دی گئی ہے، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **من یرید اللہ به خیرا یفقهه فی الدین:** اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ خیر عظیم کا ارادہ فرماتے ہیں۔ خیراً کی تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ اس کو اپنے دین کی سمجھ، فہم اور علم عطا فرماتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دین کی نوازش کوئی معمولی نعمت نہیں۔

فضائل قرآن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت سعید بن سلیم کی حدیث مرسل نقل فرمائی ہے کہ، جو شخص قرآن شریف کو حاصل کرلے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جسے کوئی اور چیز عطا کی گئی ہو، اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے اس انعام کی جو اپنے کلام پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے، تحقیر کی ہے۔ (فضائل قرآن: ۵۰۲)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو جس عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، وہ ایسی نعمت ہے کہ دنیا کی کوئی اور نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اور اسی کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اونچا مقام بھی عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** جو جاننے والے ہیں، علم کی دولت سے سرفراز کیے گئے ہیں وہ اور جو نہیں جانتے؛ بھلا یہ دونوں برابر و یکساں ہو سکتے ہیں؟ مساوات کی نفی یا تو مرتبہ کے اعتبار سے ہے یا ذمہ داریوں کے اعتبار سے۔ ظاہر ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے ان کی ذمہ داریاں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو علم سے محروم ہیں، بہت بڑھ کر ہیں۔

## جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی مشکل سوا۔

اللہ تعالیٰ جس کو اونچا مقام عطا فرماتا ہے، اس اعتبار سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالتے ہیں۔ دنیا کا بھی یہ دستور ہے جس کو کوئی اونچا منصب دیا جاتا ہے، اس کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہی ہوتی ہیں۔

منصب کیا ہے؟ منصب درحقیقت چند ذمہ داریوں کے مجموعے کا نام ہے، وہ ذمہ داریاں جتنی عظیم ہوتی ہیں اتنا ہی وہ منصب بھی اونچا اور عظیم سمجھا جاتا ہے۔

کسی ملک کی وزارت عظمی ایک منصب اور عہدہ ہے، جس شخص کو کسی ملک کا وزیر اعظم بنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے اس کو چند بڑی بڑی ذمہ داریاں، ایسی دی گئیں جو کسی اور کے حوالے نہیں کی گئیں، اسے ان ذمہ داریوں کو انجام دینا ہے، اور اسی کی وجہ سے اس کو وزیر اعظم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ کوئی لڈّو نہیں ہے کہ آسانی سے آدمی کھا کر ہضم کر لے؛ بلکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ امانت دار ہوتے ہیں، اور صفتِ امانت کی وجہ سے ان کو ذمہ داریاں حوالے کی جاتی ہیں، وہ ان ذمہ داریوں کو اور اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں، ان پر جب کوئی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے تو اولاً تو وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں؛ لیکن بڑوں کی طرف سے جب جبراً اس کے لیے مامور و مجبور کیا جاتا ہے اور قبول کروایا جاتا ہے، تو پوری زندگی ان کی خوف میں گذرتی ہے، کہ پتہ نہیں ان ذمہ داریوں کے حقوق ادا کر پاؤں گا یا نہیں؟ اور اس معاملہ میں ہر وقت ڈرے سہمے رہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت اسلامی تاریخ میں زریں اور قابل نمونہ دور سمجھا جاتا ہے۔ غیر مسلم بھی حکومت اور سلطنت چلانے کے اعتبار سے ان کے دور کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے خوف کا حال کتابوں میں لکھا ہے، فرماتے تھے کہ دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا اگر پیاسا مر جائے گا تو میں ڈرتا ہوں کہ کل قیامت کو مجھ سے اس کا سوال نہ ہو۔

اور اخیری حج کیا تو اس موقع پر انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ سلطنت کا رقبہ بہت پھیل چکا ہے، میں کسی کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں کوتاہی کا شکار بنوں اس سے پہلے مجھے اٹھالے۔

## شکر کس طرح ادا ہو؟

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جس نعمت سے ہمیں اور آپ کو نوازا ہے وہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے؛ لیکن جیسا کہ پہلے بھی آپ کو کبھی بتایا گیا ہوگا، ایک شکر زبانی ہوتا ہے اور ایک حقیقی ہوتا ہے۔

زبانی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی زبان سے یوں کہے کہ اللہ تیرا احسان ہے، تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی ہے اور حقیقی شکر یہ ہے کہ اس نعمت کی نسبت سے اس پر جو ذمہ داریاں اور جو فرائض منصبی عائد ہو رہے ہیں ان ذمہ داریوں اور فرائض منصبی کو کما حقہ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ حقیقی شکر ہے۔ یہی نعمت کی قدردانی ہے۔ آدمی جب یہ کر لیتا ہے تو اللہ کی رضا اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ کیسے پیارے انداز میں قرآن میں باری تعالی فرماتے ہیں، **مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ**

**شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔**

اللہ میاں تم کو عذاب دے کر کیا کریں گے،اِن شکر تم اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شکرادا کرلو اوراس کا حق بجالاؤ۔ و آمنتم اورایمان کے تقاضوں کو تم پورا کرو۔

اللہ کے شاکر ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالی تو بڑے قدردان ہیں۔ یہاں اللہ تعالی کی طرف شکر کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اللہ کی نعمت کا حق ادا کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اسی کی مناسبت سے اس کو مزید نوازا جاتا ہے۔

## اہلِ علم کے ساتھ مذاکرہ

بہر حال اللہ تعالی نے جو نعمت عطا فرمائی ہے علم دین کی، وہ بہت عظیم نعمت ہے، اوراس نعمت کی نسبت سے بہت سی ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اہل علم سے جب گفتگو کرنے کی نوبت آتی ہے تو دل یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں کس کے سامنے کہی جارہی ہیں؟ یہ تو وہ طبقہ ہے جو ان چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے، ہوسکتا ہے، بلکہ یقیناً ایسا ہے کہ بہت سی وہ چیزیں جو میں بھی نہیں جانتا آپ کے علم میں ہوں گی۔

بس مقصد یہ ہے کہ مذاکرہ ہو جائے، ہم آپس میں مل بیٹھ کر کے اپنی ذمہ داریوں کے سلسلے میں گفتگو کرلیں اور اپنی ذمہ داریوں کو یاد کر کے تازہ کر کے احساس پیدا کر کے آئندہ ایک نیا عزم اور نیا ارادہ لے کر اٹھیں کہ اللہ تعالی ہمیں ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کا اہتمام اور توفیق نصیب فرمائے۔

کبھی جاننے والے کو بھی اس طرح سبق یاد دلانے کے لیے، جیسے کہ کوئی دوسرا

شخص بیٹے کو کبھی کہتا ہے کہ یہ تیرا باپ ہے۔ ساری دنیا جب جانتی ہے کہ یہ اس کا باپ ہے تو بیٹا کیوں نہ جانتا ہوگا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ حقیقت یہ کہ بیٹا بھی جانتا ہے؛ مگر باپ کی نسبت سے جو حقوق بیٹے پر ہیں، اس کی ادائیگی میں جو کوتاہی وہ محسوس کرر ہے ہیں اس کی طرف اس کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ وہاں یہی ایک جملہ کافی ہو جاتا ہے اور کسی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ میں اگر آپ کے سامنے اتنا ہی کہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم کی بڑی نعمت سے نوازا ہے تو ہمیں احساس دلانے کے واسطے اتنا ہی کافی ہونا چاہیے۔

## اہل علم سے لوگوں کو شکایت

ویسے تو ہماری ذمہ داریوں کی نسبت سے بہت کچھ باتیں کہی جا سکتی ہیں، اور آج کل تو اس سلسلے میں ہمارا کہنے کا میدان وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ مگر آج کی مجلس کے لیے میں نے ایک خاص موضوع سوچا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ لوگوں کو ہم سے بہت ساری شکایتیں ہیں۔ میں اپنے کو بھی بری نہیں کرتا، ہمارے پورے طبقہ کے متعلق شکایت ہے- آپ کی طرف سے وکالۃً یہ بات عرض کرتا ہوں کہ ہم سے متعلق لوگوں کو بہت شکایتیں ہیں- خاص طور پر فریاد ہے کہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اور اپنے فرائض منصبی کو سمجھنے، احساس رکھنے اور اس کو ادا کرنے کے معاملہ میں ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ اس شکایت کے تدارک کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ ہمیں ہر ہر چیز یاد دلائی جائے؟ میرے دل میں ایک بات آئی، کہ ایک ایسی چیز کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کروں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک،

ہمارے اکابر کے آخری دَور تک - اکابر دیوبند کے دَور تک - تمام اسلاف کا طرہ امتیاز رہا اور اس کی طرف سے ہم اور آپ غفلت برت رہے ہیں۔

ہم لوگ اپنے اسلاف کا تذکرہ بڑی گرویدگی، محبت اور عشق سے کرتے ہیں اور علمی سلسلے میں بھی ہمارے اسلاف کے انداز کو بیان کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے اکابر و اسلاف نے دین اور علم دین کی اشاعت، حفاظت اور خدمت کا جو مشن جاری کیا ہے، ہم اسی کو لے کر چل رہے ہیں اور دین وعلمِ دین کی اشاعت اور حفاظت کی نسبت سے - بحمد اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں اس کے مطابق - اپنے مقدور بھر، جیسا تیسا ہی سہی، بہت کچھ کر لیتے ہیں؛ لیکن ضرورت یہ جاننے کی ہے کہ ہمارے اسلاف و اکابر میں اس سلسلے کو شروع کرنے کے ساتھ ساتھ وہ کون سے اوصاف وکمالات تھے جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے جاری کیے ہوئے اس سلسلے میں خیر و برکت مقدر فرمائی۔ عملی اعتبار سے ہمارے اسلاف میں جو مختلف صفات، خوبیاں اور کمالات تھے، ان میں سے دو چیزیں ایسی ہیں، جو اِس وقت ہمارے علماء کے طبقے میں کم ہوتی جارہی ہیں۔

## اکابر کے دو وصف اور ہماری اس میں غفلت

ایک ہے: قیام اللیل، اور دوسری ہے: ذکر اللہ۔

ان دونوں چیزوں کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یہی وہ دو کمالات اور خوبیاں ہیں، جن کے نتیجہ میں آدمی جو دینی کام اور خدمات انجام دیتا ہے، ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ جان ڈالتے ہیں، اس لیے ہمیں اپنے اسلاف کی

ان دونوں صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے جو بھی مجاہدہ، جو بھی مشقت، جو بھی ریاضت مطلوب ہو، اس کو انجام دینے میں کوئی گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے اسلاف کی زندگیوں کا اور ان کی سوانح کا مطالعہ کیجیے، اس میں یہ دو چیزیں آپ کو خصوصیت کے ساتھ ملے گی۔

یہ اوصاف اور کمالات اس سلسلے کو کامیابی سے لے کر چلنے کے لیے بہت ضروری ہیں، اور جب تک ہم اپنے اندر یہ اوصاف پیدا نہیں کریں گے؛ اس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔ ایک ڈھانچہ ہمارے ہاتھ میں آئے گا؛ لیکن وہ ڈھانچہ روح اور حقیقت سے خالی ہوگا، لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اس کے لیے سنجیدگی سے سوچیں اور اس کے متعلق بار بار اپنا جائزہ لے کر اپنے اندر ان اوصاف و کمالات، اور دیگر جن چیزوں کی کمی ہو، ان کو حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشش اور سعی میں لگے رہیں۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ یہ سارے اوصاف علی وجہ الکمال ہم حاصل کر لیں، لیکن ان اوصاف کے سلسلے میں اپنے محاسبہ کے بعد جن کمیوں کو ہم محسوس کریں، ہمیں ان کا احساس اور ادراک ہونا چاہیے، اور اس کی تلافی کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

## تہجد کی فرضیت اور قیام اللیل کی مقدار

ویسے تو یہ کوئی اُن ہی کی خصوصیت نہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امت کو اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اللہ تبارک وتعالی نے قرآن پاک میں اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جو حضرات شروع میں ایمان لائے، ان

پر جب کہ ابھی پنج وقتہ نمازیں فرض نہیں کی گئی تھیں، اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے سب سے پہلی جو نماز فرض کی گئی وہ 'قیام اللیل' ہے۔ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تبارک وتعالی نے اسی کا حکم دیا ہے: **یا أیها المزمل ، قم اللیل ، إلا قلیلا**۔ اے چادر اوڑھنے والے، رات کو اللہ کے سامنے عبادت کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

**اللیل**: یعنی پوری رات۔ **إلا قلیلا**: یعنی اس پوری رات میں سے کچھ حصہ مستثنی کر دیا گیا کہ کچھ حصے کو چھوڑ کر باقی رات میں آپ کو قیام اللیل کا اہتمام کرنا ہے۔

اور وہ کچھ حصہ جس کا استثناء کیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ **نصفه أو انقص منه قلیلاً أو زد علیه**، یعنی پوری رات میں جو حصہ مستثنی ہے، جس میں آپ آرام کریں گے، وہ آدھی رات ہے۔ آدھی رات جب مستثنی ہوئی تو آدھی رات کے قیام کا حکم ہوا۔

پھر فرمایا: **أو انقص منه** ، یا یہ مستثنی حصہ جس میں قیام نہیں ہے، آدھی رات سے کچھ کم یعنی ایک تہائی کم کرو۔ مستثنی ایک تہائی ہو تو قیام دو تہائی کا کرنا ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا: **أو زد علیه**، یا آدھے سے کچھ زیادہ کا استثناء۔ اس صورت میں دو تہائی کا استثناء ہوا یعنی ایک تہائی رات کا قیام کرنا ہوگا۔

یہ تین شکلیں ہیں۔ (۱) آدھی رات عبادت کریں۔ (۲) دو تہائی عبادت کریں (۳) یا ایک تہائی۔

یہ بات شروع سورۃ میں تو اس انداز میں بیان کی گئی ہے، پھر آگے جہاں اللہ تبارک وتعالی نے اس فرضیت کو اٹھائے جانے کا بیان فرمایا ہے تو وہاں ان شکلوں کو

اور صراحت اور وضاحت کے انداز میں بیان کیا ہے:

**إن ربک یعلم أنک تقوم أدنی من ثلثی اللیل و نصفه و ثلثه و طائفة من الذین معک** : تیرا رب بخوبی جانتا ہے، کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اللہ کے حضور عبادت میں کھڑے رہتے ہیں، یا آدھی رات یا ایک تہائی رات۔

گویا نبی کریم ﷺ اور اس وقت جو حضراتِ صحابہ ایمان لا چکے تھے، ان کی جماعت کے اہتمامِ تہجد اور قیام اللیل کی تین شکلیں یہاں بتائیں۔ شروع سورت میں جس حکم کا ذکر ہے، اُس کی اس آخری آیت سے وضاحت ہو جاتی ہے، بہرحال یہ تین طریقے قیام اللیل کے بتائے گئے۔

چنانچہ ایک مدت تک یہ قیام اللیل فرض رہا۔ اس کے بعد اس کی فرضیت منسوخ کی گئی، کب منسوخ ہوئی؟ اس سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت یہ ہے کہ ایک سال تک یہ حکم رہا اور پھر ایک سال کے بعد اسی سورت کی آخری آیات: **إن ربک یعلم أنک تقوم أدنی من ثلثی اللیل و نصفه و ثلثه و طائفة من الذین معک و اللہ یقدر اللیل و النهار، علم أن لن تحصوه فتاب علیکم فاقرءوا ما تیسر من القرآن**، نے آکر اس فرضیت کو علی الاطلاق منسوخ کر دیا۔ یعنی کہ بہ قول حضرت عائشہؓ: ایک سال تک یہ حکم رہا۔

لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مکمل تہجد منسوخ نہیں ہوئی۔ دو تہائی، آدھی رات اور ایک تہائی رات کی جو مقدار تھی اس کو تو منسوخ کیا؛ البتہ تھوڑی مقدار پوری رات میں اللہ کے حضور کھڑے رہنے کی فرضیت باقی رکھی گئی۔ اس لیے کہ آگے باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: **علم أن لن تحصوه فتاب علیکم**

**فاقرئوا ما تیسر من القرآن**، اس میں جو **فاقرئوا ما تیسر من القرآن**، ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جتنا تم سے ہو سکے اتنا تو کرنا ہی ہے۔

پھر یہ تھوڑے حصہ کے قیام کی فرضیت بھی، جب پانچ وقت کی نمازیں معراج کے موقعہ پر فرض ہوئیں تو اس وقت منسوخ ہوگئی۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا مسلک اور قول ہے۔

بہر حال میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیام اللیل کو ابتداءِ اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جو حضرات صحابہؓ اس وقت ایمان لا چکے تھے، ان پر فرض قرار دیا تھا۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تہجد کی فرضیت کی تفصیل

پھر یہ فرضیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اب بھی باقی ہے یا نہیں، یہ مسئلہ بھی علماء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔اس کی وجہ سورہ اسراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک**۔ رات کے کچھ حصے میں قرآن پاک کو لے کر کھڑے رہو اور اپنی نیند کو چھوڑو۔

تہجد، کا لفظ ہجود سے بنا ہے، ہجود کا لفظ نیند کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بیداری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں بعض کلمات ایسے ہوتے ہیں جو متضاد کہلاتے ہیں، یعنی اس میں دو ایسے معنی، جو ایک دوسرے کی ضد ہوں، پائے جاتے ہیں، اس طرح ہجود نیند کو بھی کہتے ہیں اور بیداری کو بھی کہتے ہیں۔

یہاں **فتھجد بہ** ، میں 'بہ' کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے، باری تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ذریعہ سے بیدار رہو، یعنی نماز میں قرآن پڑھو۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لوگ **فتهجد به** پر عمل کرتے ہیں؛ مگر دوسرے معنی میں، بیداری والے نہیں، بلکہ نیند والے معنی پر۔ گویا ہم نے بھی اس پر عمل کی دوسری شکل ایجاد کر لی ہے۔ یہ میرا اپنا نکتہ ہے۔

یہاں '**نافلة لک**' کا کیا مطلب؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے قیام اللیل کی فرضیت ساقط نہیں ہوئی، باقی ہے؛ وہ **نافلة لک** کو موصوف محذوف کی صفت قرار دیتے ہیں، یعنی: **فریضة نافلة لک**، یہ ایسا فریضہ ہے جو زائد ہے آپ کے لیے، دوسری امت کے لیے نہیں۔ لیکن جمہور اس طرف گئے ہیں کہ تہجد اور قیام اللیل کی فرضیت سب سے ساقط ہوگئی ہے، اس طرح **نافلة لک** کو کسی موصوف محذوف کی صفت قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ مطلقاً یہ ایک زائد نماز ہے جو آپ ادا کریں گے۔

## تہجد کے آداب، فوائد اور مقاصد

اور پھر آگے اسی صورت میں اس کے آداب کیا ہیں؟ فرضیت کی کیا وجوہات ہیں؟ کیا فوائد ہیں؟ یہ سب بھی بتلایا گیا ہے۔

**قم الليل إلا قليلا، نصفه أو انقص منه قليلا، أو زد عليه و رتل القرآن ترتيلا۔**

یعنی قیام اللیل کے اندر قرآن کو ترتیل سے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا بھی اہتمام

ہونا چاہیے۔ حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ صلوۃ اللیل میں اصل مقصد یہی ہے کہ قیام میں آدمی قرآن پاک کی تلاوت کرے، جتنا زیادہ اس کا اہتمام کرسکتا ہے کرے۔ اس ترتیل میں یہ بھی ہے کہ کچھ معمولی جہر بھی ہو، آواز میں درد ہو، اور ساری دوسری چیزوں کی رعایت بھی ہو۔

آگے اللہ تبارک وتعالی قیام اللیل کی فرضیت کی بنیادیں بتلاتے ہیں:

**إنا سنلقي عليک قولا ثقيلاً**، اے نبی ہم آپ پر ایک بھاری کلام اتارنے والے ہیں، یعنی قرآن پاک جس کا ابھی نزول شروع ہوا تھا،- سورہ مزمل ابتدائی سورتوں میں سے ہیں- گویا اللہ تبارک وتعالی یہ فرماتے ہیں کہ وہ بھاری کلام جو آپ پر اتارا جانے والا ہے، اس کو اٹھانے اور برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے یہ حکم دیا ہے۔

**قولا ثقیلا** یعنی قرآن کا بھاری ہونا حسی اعتبار سے بھی تھا اور معنوی اعتبار سے بھی تھا۔ حسی اعتبار سے یوں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرہ انور کا رنگ سرخ ہو جاتا تھا، آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح سخت سردی میں بھی لڑھکا کرتے تھے، اور کھڑاٹوں جیسی آواز ظاہر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ بڑی مشقت محسوس کرتے تھے اور روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ اگر اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہوتے اور وحی نازل ہوتی تو وحی کے بوجھ سے، اونٹنی بیٹھ کر کے اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا کرتی تھی، حالانہ وحی آپ ﷺ نازل ہوتی تھی، اونٹنی پر نہیں، آپ ﷺ تو اس پر سوار ہیں، لیکن آپ ﷺ پر آنے والے اس بوجھ کے اثر سے اونٹنی بیٹھ کر کے اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا کرتی تھی۔

**إن ناشئة الليل هی أشد وطأ و أقوم قيلا۔**

**وطأيطأ** کا ایک معنی روندنا ہے۔ گویا نفس کو روندنے میں اور نفس کشی میں یہ عمل یعنی قیام اللیل جتنا مؤثر ہے کوئی دوسرا عمل اتنا مؤثر نہیں ہے۔

**وطأ،** مواطات سے بھی ہے، مطلب یہ ہوگا کہ رات کے وقت اللہ کی عبادت کریں گے تو اس کی وجہ سے آدمی کے اعضاء میں ایک دوسرے سے یکسانیت رہے گی، زبان، کان، دل؛ سب موافق ہوں گے۔ زبان قرآں کی تلاوت کر رہی ہے، کان پورے شوق ورغبت کے ساتھ سننے میں مشغول ہے اور دل اس سے لطف حاصل کر رہا ہے۔

**و أقوم قيلا:** یعنی اسکی برکت سے بات بھی درست اور سیدھی نکلا کرتی ہے۔

آگے باری تعالی فرماتے ہیں، **إن لک فی النهار سبحا طويلا**

اے نبی آپ کے لیے دن میں بڑی مشغولیت ہے۔

سوچئے! نبی کریم ﷺ کی دن کی مشغولیت کیا تھی؟

کیا آپ کی کوئی کھیتی باڑی تھی؟

کیا آپ کی کوئی فیکٹری یا کارخانہ تھا؟

کیا آپ کی کوئی تجارت تھی؟

کوئی چیز نہیں۔

## علمی ودعوتی مشاغل کافی نہیں

دن میں آپ ﷺ لوگوں کو ایمان و اسلام کی دعوت دیتے تھے، قرآن

سکھاتے تھے اور احکام اسلام سے لوگوں کو واقف کرتے تھے، پورا دن آپ کا ان ہی مشاغل میں گذرتا تھا، اس کے باوجود باری تعالی یہ فرماتے ہیں کہ اے نبی! آپ کو دن میں مشغولی ہے، گویا ان کاموں کی مشغولی کی وجہ سے آپ لوگوں کے اندر رچے بسے رہتے ہیں، ان کاموں کو انجام دینے کیلئے لوگوں کے ساتھ اختلاط درپیش رہتا ہے۔ آپ کو تنہائی کا اور اپنے رب کے حضور خلوت کا موقع ملتا نہیں ہے، اس لیے دن میں تو یہ کام کیجیے، اور رات کو آپ اللہ کی عبادت میں مشغول رہئے اور 'واذكر اسم ربك وتبتل إليه تبتيلا' رات کو اللہ کو یاد کرو اور ساری دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اس موقع پر میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں:

ہمارے اہل علم کا طبقہ اور دوسرے جو لوگ بھی دینی خدمات مختلف شکلوں میں انجام دیتے ہیں؛ چاہے وہ تعلیم کی شکل میں ہو، تدریس کی شکل میں ہو، تالیف و تصنیف کی شکل میں ہو، دعوت و تبلیغ کی شکل میں ہو؛ عام طور پر وہ حضرات کہتے ہیں کہ: یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ کیا ہے؟ ہم جن کاموں کو انجام دے رہے ہیں وہ کوئی دنیا داری تو ہے نہیں، وہ بھی تو دین کے کام ہیں، لہذا رات کو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے، جس نے ہم کو رات کے قیام سے محروم کر رکھا ہے۔

## اہل علم، مبلغین اور مصلحین کے لیے شبینہ معمولات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن (۸-۵۹۳) میں

اسی آیت کے ذیل میں فائدے کے عنوان سے لکھا ہے کہ وہ تمام علماء اور مشائخ جو لوگوں میں تعلیم و تربیت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ان کے لیے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ فقط دن کے وقت درس و تدریس، تعلیم، اصلاح کا مشغلہ ہونا چاہیے اور رات کو اللہ کی عبادت کے لیے فارغ کریں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اسلاف کے اندر یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ لوگ دن میں ان کاموں کو انجام دیتے تھے۔ -یعنی دینی فرائض، دنیوی امور نہیں- اور رات کو اللہ تعالی کی عبادت کے لیے فارغ کرتے تھے۔ اِلا یہ کہ تعلیمی یا اصلاحی لائن سے کوئی وقتی ضرورت پیش آتی تو اس ضرورت کے بقدر وہ رات کا وقت اس میں استعمال کرتے تھے، ورنہ اپنی راتیں اللہ کی عبادت کے لیے اور اللہ تعالی طرف رجوع اور انابت کے لیے استعمال کرتے تھے۔

## مقام نبوت اور مقام ہدایت

یاد رکھیے، ایک نبی کی نبوت کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک اس کا وہ پہلو جس میں وہ اللہ تعالی سے اپنا تعلق استوار کرتا ہے۔

دوسرا پہلو وہ ہے جس میں وہ اللہ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچانے کا اپنا سلسلہ اور فریضہ مخلوق کے ساتھ مل جل کر انجام دیتا ہے۔

یہ دو مقام ہیں: مقام نبوت اور مقام ہدایت۔

آپ نے پڑھا ہوگا، آپ تو مستقل بحثیں کرتے ہیں، ولی ولی ہے، نبی نہیں ہے، لیکن نبی ولی بھی ہے اور نبی بھی۔

ولایت والے مقام میں اس کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے، اور نبوت والے مقام میں مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان میں کونسا مقام اونچا ہے، علماء محققین نے اس سلسلے میں مستقل بحثیں کی ہیں کہ بہ حیثیت مقام کے کون سے مقام کو ترجیح دی جائے۔

بہر حال، نبوت، نبأ سے ماخوذ ہے، نبأ کا معنی ہی خبر دینا ہے، چوں کہ وحی کے ذریعہ جو احکام نبی تک پہنچ رہے ہیں ان احکام کو نبی ہی اللہ کے بندوں تک پہنچا تا ہے اور ان کو اس کی خبر دیتا ہے اس لیے اس کو نبی کہتے ہیں، یعنی نبوت کا سارا کام مخلوق سے متعلق ہے اور اس میں مخلوق کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔

## ھم باللیل رھبان وبالنھار فرسان

حضرات صحابہؓ دین کی دعوت اور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو لے کر جب دنیا میں پھیلے اور اللہ تعالی نے انہیں کامیابی عطا فرمائی، تو دشمنوں نے سوچا کہ ان حضرات میں وہ کون سی چیز ہے، جو ان کو آگے بڑھا رہی ہے اور دشمن اس کا جواب نہیں دے سکتا، اس کی اندرونی 'لم' معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس بھی جگہ جگہ بھیجے، اور ہم تعلیم میں پڑھتے ہیں کہ ان کے جاسوس حضراتِ صحابہ کے ساتھ رہتے تھے، دن اور رات میں، ہر جگہ اور ہر وقت، اور پھر ان کے سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد جو رپورٹ اپنے بڑوں کو سامنے پیش کرتے تھے، اس کا خلاصہ یہ ہوتا تھا کہ ''ھم باللیل رھبان و بالنھار فرسان'' یہ وہ جماعت ہے جو رات کے وقت اللہ کے سامنے عبادت میں مشغول رہتی ہے اور دن کے وقت اپنے گھوڑوں پر سوار ہوکر دشمن کے مقابلہ میں میدان جنگ میں ہوتی ہے۔ یہ 'باللیل

رھبان' وہ چیز تھی جس نے حضرات صحابہ اور امت کے ان تمام افراد کو جنھوں نے کامیابی کے ساتھ دین کی خدمت کا فریضہ انجام دیا؛ آگے بڑھنے کا موقع دیا ہے۔اسی لیے قیام اللیل کی بڑی اہمیت ہے۔

میدان جنگ میں جو آدمی کام کرتا ہو، وہ کتنا تھک جاتا ہوگا؟ لیکن اس کے باوجود وہ تھکاوٹ اور وہ تعب ان کو اللہ کے سامنے رات کے وقت کھڑے ہونے سے رکاوٹ نہیں بنتے تھے۔ یہی وہ نسخہ ہے اور یہی وہ گُر ہے،جس کے ذریعہ ان حضرات نے دنیا کو زیر کیا اور دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں اللہ تعالی نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔

ان معانی اور مضامین کی وجہ سے میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پوری سورہ مزمل کی تفسیر کا بار بار مطالعہ کیا جائے۔

## قرآن میں قیام اللیل کی تاکید

قیام اللیل کے سلسلے میں اللہ تعالی نے قرآن میں اور مقامات پر بھی حکم دیا ہے۔سورۂ ذاریات میں ہے:

**کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون۔ (الذاریات: ۱۸-۱۷)**

رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں، اور سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔

گویا اللہ نے ان کی یہ خوبی بیان کی کہ ان کی رات کا بڑا حصہ اللہ کی عبادت میں، اس کی یاد میں اور اس کے ذکر میں گذرتا ہے اور پھر جب رات کا آخری حصہ

آتا ہے تو ان کو اپنی کمی کا حساس ہوتا ہے اور وہ اللہ کے سامنے استغفار کرتے ہیں۔ بہر حال قرآن میں بہت ساری آیتیں ہیں جس سے آپ قیام اللیل کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

## مقامِ شفاعت اور قیام اللیل کا تعلق

سورہ اسراء میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: **فتهجد به نافلة لک**۔ کہ اے نبی! آپ قرآن پاک کے ذریعہ اپنی نیند کو چھوڑ کر بیداری اختیار کیجیے۔ یعنی اللہ کے سامنے قیام اللیل اختیار فرما کر اپنی نیند چھوڑیے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ **فتهجد به** پر آگے **عسى أن يبعثک ربک مقاما محمودا** مرتب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مقام شفاعت کے حصول میں 'قیام اللیل' کا بڑا دخل ہے۔ اہل علم کو بھی اللہ تعالی شفاعت کا مقام عطا فرمائیں گے، اور انہیں بھی یہ اسی صورت حاصل ہوگا جب تہجد کا اہتمام ہو۔

## عباد الرحمن۔

**وعبادالرحمن الذين الخ** میں اللہ تعالی نے اپنے مخصوص بندوں کی جو صفات بیان کیں، ان میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ **والذين يبيتون لربهم سجداو قياما** جو اپنے رب کے سامنے رات گذارتے ہیں ایسی حالت میں کہ کبھی سجدے میں ہوتے ہیں اور کبھی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار ہیں:

**وفينا رسول الله يتلو كتابه    إذاانشق معروف من الصبح ساطع**

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا به موقناتٌ إن ما قال واقع
يبيت يجافي جنبه عن فراشه إذا استثقلت بالكافرين المضاجع

(بخاری، کتاب الادب، باب ہجاء المشرکین، نمبر ۵۷۹۹)

جس وقت مشرکین کی خوابگاہیں ان پر بھاری ہوجاتی ہیں، آپ کا پہلو اپنے بستر سے راتوں کو جدا رہتا ہے اور اللہ کی عبادت میں اپنی رات گذارتے ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ إذا استثقلت بالمشركين مضاجع یعنی بستر سے لگے رہنا، مشرکین کی عادت اور خصلت ہے۔ یہ اہل ایمان کی خصلت نہیں، اہل ایمان کی خصلت یہ ہے کہ وہ راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا اہتمام فرمائیں۔

## افلا أکون عبداً شکورا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال کیا تھا؟

بخاری شریف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت عائشہؓ، دونوں کی روایتیں ہیں۔

کتاب التفسیر (سورہ فتح: ۴۵۵۶) میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم رات کو اتنا قیام کرتے تھے کہ حتی تورمت قدماہ آپ کے قدم مبارک ورم زدہ ہوجاتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول قد غفر لک ما تقدم من ذنبک و ما تأخر، اللہ تعالی نے تو آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کردی ہیں، اس کے باوجود آپ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں؟ گویا سوال کرنے والے یوں سمجھے کہ اس طرح راتوں کی عبادت میں کھڑا ہونا

شاید گناہوں کو بخشوانے ہی کے لیے ہوگا، اور کسی مقصد کے لیے نہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا: **أفلا أکون عبداً شکوراً**۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اللہ نے اتنے سارے انعامات عطا فرمائے، اللہ کے ان انعامات کا تقاضا یہ ہے کہ میں راتوں کو اس کی شکر گذاری میں اللہ کے حضور کھڑا ہو کر اس سے مناجات کروں۔

نبی کریم ﷺ اس طرح ایک بہت بڑی غلط فہمی کو بھی دور کر رہے ہیں۔

کوئی آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ رات کو کھڑے ہو کر اتنی عبادت تو گنہ گار آدمی اپنے گناہوں کو بخشوانے کے لیے کرے گا اور جس کے پاس نیکیاں ہی نیکیاں ہوں وہ کاہے کو کھڑا ہو بھائی؟ حضور فرماتے ہیں: نہیں، اس کو بہ طریق اولیٰ کھڑا ہونا چاہیے کیوں کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور یہ ساری روحانی نعمتیں عطا فرمائیں۔ حضور یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ نے نبوت دی اور اتنا اونچا مقام عطا فرمایا، پس اس احسان کا شکر یہی ہے کہ میں راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑا رہوں۔

اہل علم کو اللہ نے علم کی نسبت سے جو مقامات عطا فرمائے ہیں اور جن نعمتوں سے نوازا ہے، دنیا کی کوئی اور نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس نعمت کی شکر گذاری اور اس نعمت کے حق کی ادائیگی یہی ہے کہ راتوں کو اللہ کے حضور کھڑا ہوا جائے۔

بخاری شریف کتاب التفسیر (سورہ فتح: ۴۵۵۷) ہی میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک میں شگاف پڑ جاتا تھا اور پھٹ جاتے تھے۔

بخاری (کتاب التہجد: ۱۰۴۸) اور شمائل (باب ما جاء فی عبادة الرسول:

۲۶۵) میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا، آپ نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ اور پھر سورہ آل عمران اور سورہ نساء پڑھیں، تو میں نے ایک بری چیز کا ارادہ کیا، پوچھا گیا کہ کیا بری چیز؟ تو فرمایا کہ نے یہ سوچا کہ میں حضور ﷺ کو چھوڑ دوں۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے اس قدر طویل قیام فرمایا کہ حضرت ابن مسعود کو تو اس کی طاقت بھی نہ تھی۔ یہ حضور ﷺ کا عام معمول تھا۔ آپ ﷺ بخشے بخشائے تھے اور آپ کو اللہ نے سب سے اونچا مقام عطا فرمایا تھا؛ لیکن اس کے باوجود آپ ان چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے۔

## حضرات شیخینؓ کا قیام اللیل اور تلاوت

حضور اکرم ﷺ نے جن حضرات صحابہ کی تربیت فرمائی، اس پوری جماعتِ صحابہ میں کسی کی بھی زندگی کو آپ کتابوں میں دیکھ لیجیے، مطالعہ کر لیجئے، خصوصاً وہ عالی مرتبت حضراتِ صحابہ، جن کا خاص مقام ہے ان کے حالات دیکھیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ وغیرہ۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صبح کے وقت حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، ابوبکر! میں رات کو تمہارے پاس سے گذرا تو آپ قیام اللیل میں قرآن آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! أسمعت من ناجيتُ، میں جس ذات سے سرگوشی کر رہا تھا اسی کو سنا رہا تھا۔ یعنی اللہ ہی کو میں سنا رہا تھا اور وہ میری تلاوت یقیناً سن رہے تھے۔

حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمر! میں تمارے پاس سے گذرا تو آپ بہ آواز قرآن پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا **أُوقِظُ الوَسنَانَ و أَطْرُدُ الشَّيْطَانَ۔** کہ میں سوئے لوگوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا، آپ اپنی آواز کچھ بلند کریں، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کو کچھ پست کریں۔ (ترمذی، کتاب الصلاۃ ،ابواب السہو: ۴۰۹)

## مکہ میں حضرت ابو بکرؓ کی تہجد اور تلاوت

ان حضرات کا یہ معمول تو مکہ مکرمہ سے جاری تھا۔ بخاری شریف میں واقعہ مذکور ہے: حضرت ابو بکرؓ نے اپنے گھر کے باہر چبوترہ بنایا تھا۔ رات کو اس پر کھڑے ہوکر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے قرآن کی جو تلاوت کرتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ مشرکین کو اس سے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے اس دین میں داخل نہ ہو جائیں، اس لیے انہوں نے اپنی ایذا رسانی کا سلسلہ بڑھا دیا، حضرت ابو بکرؓ نے اس سے تنگ آکر نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی کہ اے اللہ کے رسول! ان کی تکلیفیں اب برداشت سے باہر ہیں، آپ مجھے اجازت دیجئے، میں مکہ چھوڑ دوں، حضور ﷺ نے اجازت دے دی اور وہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

راستے میں قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغِنہ ملا۔

پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟

کہا کہ قوم نے اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ وہ اب برداشت کی حد سے آگے ہیں۔

ابن الدغنہ کہنے لگا کہ آپ جیسا آدمی مکہ چھوڑ کر جائے گا تو کیسے بات بنے گی؟ پھر وہ مشہور کلمات کہے کہ، **إنک لتصل الرحم، و تحمل الكل، و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق** اس نے حضرت ابوبکرؓ کی بھی وہی خوبیاں بیان فرمائیں، جو نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کے ہونے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کے متعلق فرمائی تھیں۔

وہ کہنے لگا کہ آپ جیسا آدمی چلا جائے یہ ممکن نہیں، لہٰذا میں آپ کو امن دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپؓ کو واپس لے آیا اور مکہ کے بڑے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ میں ان کو پناہ دیتا ہوں۔ اس پر مکہ والوں نے کہا کہ آپ کی پناہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا؛ لیکن ایک بات ہے، اپنے گھر کے باہر انہوں نے ایک چبوترہ بنا رکھا ہے اور اس پر اس طرح رات کو نماز پڑھتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، جس سے ہمیں اپنے بچوں اور عورتوں کے متعلق اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ان کے گرویدہ نہ ہو جائیں، اس لیے آپ ان کو تاکید کر دیں کہ یہ گھر میں پڑھیں۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تو آپ نے بھی منظور کر لیا۔ تھوڑے دنوں تک تو اس پر برابر عمل ہوا؛ لیکن آپؓ سے یہ برداشت نہیں ہوا اور رہا نہیں گیا اور آپؓ نے پھر اسی چبوترہ پر آ کر عبادت و تلاوت شروع کر دی۔ مکہ والوں نے ابن الدغنہ سے جا کر شکایت کی کہ دیکھو، انہوں نے پھر یہ سب شروع کر دیا۔ اس نے آ کر حضرت ابوبکرؓ سے کہا ان کی شکایت دہرائی اور اپنی امان کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم اپنی امان واپس لینا چاہو تو لے لو، میں تو اسی طرح

نماز اور قرآن پڑھوں گا۔ بخاری: کتاب الکفالۃ ۲۱۷۶)

حضرت عثمانؓ کے متعلق روایتوں میں آتا ہے کہ ایک رات میں پورا قرآن پاک تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ (فتح الباری، کتاب الوتر، باب ما جاء فی الوتر) حضرت ابوبکرؓ، حضرت، عمرؓ، حضرت علیؓ اور تمام صحابہ۔ کون سا صحابی ایسا ہے جو اس کا اہتمام نہ کرتا ہو۔ پھر حضرات تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین سب کا یہ معمول تھا۔

## انسانی قلوب پر اختلاط وصحبت کا اثر

انسان کے یہ قلوب اللہ نے ایسے بنائے ہیں کہ جب ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے ہیں تو ایک قلب کا اثر دوسرے قلب پر آتا ہے۔

آپ نے کتنے ہی مجاہدہ کیے ہوں، کتنی ہی ریاضتیں کی ہوں، مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعہ اپنے قلب کو کتنا ہی مجلی اور مصفی کیا ہو، ؛لیکن جب آپ لوگوں کے مجمع میں جائیں گے تو ان کے قلوب کے اثرات آپ کے قلب پر پڑیں گے، اور ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے مجلی اور مصفی ہونے کے باوجود، وہ کدورتیں آپ کے قلب پر اپنا اثر دکھلائے گی۔

حدیث میں آتا ہے کہ **إنه ليغان على قلبي** (مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار: ۲۷۰۲)

یہ لیغان کیا تھا؟ یہی کہ مخلوق کے قلوب کے اثرات پڑتے ہیں۔

آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے،

قراءت میں غلطی ہوگئی، آپ نے نماز کے بعد فرمایا: تم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو طہارت میں کمی رکھتے ہیں، یہ اس کا اثر ہے۔ گویا صحابہ کی جماعت کا ایک آدمی اس تاثیر کا سبب بنا۔ اور طہارت میں کمی کیا تھی؟ ناک منہ وغیرہ میں اندر تک پانی پہنچانے میں جو اہتمام ہونا چاہیے وہ نہ تھا، نسائی (۹۴۷) کی روایت میں ہے، مشکوۃ میں بھی موجود ہے۔ (کتاب الطہارۃ: ۲۹۵)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر اتنا اثر پڑ رہا ہے، کہ آپ کی قراءت میں اس کی وجہ سے الجھن پیدا ہوئی، غلطی ہوئی، تو آپ اندازہ لگائیں کہ مخلوق کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے ہمارا اور آپ کا کیا حال ہوتا ہوگا؟

## اختلاط کے اثر کا ازالہ۔

درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تعلیم، قرآن کا پڑھنا پڑھانا، اور دیگر جتنے بھی کام ہوں، ان کاموں کے انجام دینے کے لیے جب لوگوں کے ساتھ ہم ملیں گے تو ان کے قلوب کے اثرات پڑیں گے، اور جو کدورتیں آئیں گی، ان سے قلب کو صاف کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ رات کے وقت سب سے الگ ہو کر ہم اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب تک یہ نہیں کریں گے، قلب کی کدورتیں دور نہیں ہوں گی۔

ہمارے حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے، حضرت کہتے تھے کہ جب کسی اجتماع میں، میوات میں، یا کہیں اور دو تین دن کے لیے جانا ہوتا ہے تو وہاں سے آنے کے بعد، اگر وقت ہوتو

سہارنپور یا رائے پور خانقاہ میں جاتا ہوں، اور اگر وقت نہیں ہوتا تو نظام الدین میں رہتے ہوئے تین دن کا اعتکاف کر لیتا ہوں تاکہ اس اجتماع کی شرکت اور لوگوں سے اختلاط اور ملنے جلنے کی وجہ سے قلب پر جو کدورتیں آئیں ہیں وہ صاف ہو جائیں۔ آپ بیتی میں حضرت شیخؒ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے اس مقولہ کو نقل فرمایا ہے۔

## مؤثر پر متأثر کا اثر

میں اس کو ایک مثال دے کر سمجھاؤں تاکہ بات واضح ہو جائے کہ یہ اثرات کیسے آتے ہیں۔

دیکھئے! ایک ہوتا ہے مؤثر یعنی اپنا اثر ڈالنے والا۔

اور ایک ہوتا ہے متأثر، اس اثر کو قبول کرنے والا۔

ظاہر میں اگرچہ مؤثر اپنا اثر ڈال کر اپنا کام انجام دیتا ہے؛ لیکن اس دوران متأثر کا بھی کچھ اثر ادھر مؤثر کی جانب ضرور پہنچتا ہے، آپ چھری چاقو سے سبزی یا پھل کاٹیں گے تو چاقو کی دھار اپنا اثر کر کے اس پھل کو کاٹتی ہے۔ آپ جب ایک دن دو دن تک اس چاقو سے پھل کاٹتے رہیں گے، تو بھلے چاقو نے اپنی تاثیر سے ان پھلوں کو کاٹا اور اپنا کام انجام دیا؛ لیکن کٹنے والے پھلوں نے بھی اپنا کچھ اثر چاقو پر ڈالا ہے اور دھار میں جو تیزی تھی اس کو ان کٹنے والے پھلوں نے کم کر دیا۔ چنانچہ تیسرے دن اس کو تیز کرنا پڑے گا، اگر آپ تیز نہیں کریں گے تو، اس کی افادیت یعنی چاقو کا عمل ماند پڑ جائے گا۔ دو دن میں تو ماند پڑے گا، اور پانچویں

دن تو وہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ کاٹ بھی نہیں سکے گا۔ آپ زور لگائیں گے، تو بھی اس سے وہ پھل نہیں کٹیں گے۔ چاقو کی دھار کس نے کند کر دی؟ انہی پھلوں نے، جن کو اس نے کاٹا تھا، معلوم ہوا ان کا بھی اثر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، اور انہوں نے بھی زندگی بھر یہی اصلاحی کام کیا ہے۔ آپ کی تالیفات یعنی 'مجموعہ تالیفات مصلح الامت' کو بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے عجیب وغریب مضامین بیان فرمائے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں آج کل کے مریدین تو شیخ کے پاس آکر ان کے اوقات کو ایسا ضائع کرتے ہیں کہ اس بیچارے کو بھی اونچے مقام سے نیچے اتار دیتے ہیں، یعنی اس کو اپنے معمولات ادا کرنے کا موقع نہیں دیتے، جس کی وجہ سے اللہ کے یہاں جو قرب کا مقام حاصل تھا اس میں کمی آجاتی ہے۔ مریدین خود تو کیا کرتے؟ عجیب وغریب ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت نے، ہم لوگوں کے لیے بڑی عبرت کی بات کہی ہے، ہم لوگ، لوگوں کے ساتھ مل جل کر اپنے معمولات، تلاوت چھوڑ دیتے ہیں، تسبیح ذکر چھوڑ دیتے ہیں، اور سوچتے ہیں کہ کیا ہو جائے گا؟ اس سے کیا کچھ ہوتا ہے وہ بعد میں پتہ چلتا ہے۔

## قیام اللیل اللہ کا خاص حق ہے۔

بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ہم جن کاموں کو انجام دیتے ہیں، یقیناً یہ اللہ کا

حکم ہے، لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، احکام سے واقف کرتے ہیں، ایمان و اسلام کی دعوت پیش کرتے ہیں، یہ سب جتنے بھی دینی کام ہیں، وہ یقیناً اللہ کے کام ہیں؛ لیکن یہ مشغولیت مخلوق کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا مطالبہ باقی ہے کہ آپ کچھ وقت میرے لیے بھی فارغ کرو۔

میں مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک آدمی کی شادی ہوئی، شادی کے بعد جب تک بچہ نہیں پیدا ہوتا، وہاں تک میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف ہنڈریڈ پرسنٹ (سو فیصد) متوجہ ہیں؛ لیکن جب بچہ پیدا ہوگا تو بیوی بچہ کی ساخت، پرداخت، اور پرورش میں مشغول ہوگی۔ کبھی اس کو نہلا دھلا رہی ہے، دودھ پلا رہی ہے، اس کو سلا رہی ہے، اس کو کھلا رہی ہے۔ اس حال میں اگر شوہر یوں کہے کہ تم تو اس میں لگ گئی، میری طرف کچھ دھیان نہیں دیتی، تو بیوی اس کے جواب میں یہی عرض کرے گی کہ جس کی خدمت میں لگی ہوں، یہ کون ہے؟ یہ آپ کا ہی تو بیٹا ہے۔ آپ کے ساتھ میرا جو تعلق ہے اور آپ کے جو میرے اوپر حقوق ہے انہی حقوق کی ادائیگی کے لیے میں یہ سب کام کر رہی ہوں۔ بادی النظر میں یہ جواب درست ہے، مگر بچہ کی خدمت کے علاوہ بھی شوہر کے خاص حقوق بیوی پر لازم ہیں، لہٰذا شوہر کہے گا کہ یہ سب ٹھیک ہے پھر بھی ضرورت ہے کہ ذرا میری طرف بھی توجہ دو،

اس طرح ہم اور آپ؛ اگر اپنے آپ کو مکمل دین کی خدمت میں مشغول رکھتے ہیں تو یہ اللہ ہی کا کام ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں؛ لیکن ضرورت ہے کہ خاص اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے اور اس کی یاد میں مشغول ہونے کے لیے اپنے اوقات فارغ کریں۔

## دینی کاموں کو نتیجہ خیز بنانے کے اسباب

ایک دوسری بات بھی یاد رکھیے۔

اگر یہ خاص کام نہیں ہوگا، اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کے لیے اپنے اوقات کو فارغ نہیں کریں گے، تو خدمتِ دین کے ہمارے یہ سب کام چند دنوں تک اثر کریں گے، بعد میں وہ ایک ڈھانچہ رہ جائے گا اور اس کے اندر روح نہیں رہے گی۔

اس میں روح باقی رکھنے کے لیے ہمارے اسلاف اور اکابر کیا کرتے تھے۔

ان کی زندگیوں کا ہم مطالعہ کریں، ہم جن کاموں کو انجام دیتے ہیں اس میں تو ان کا بار بار حوالہ دیتے ہیں، اور یوں کہتے ہوئے ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ وہ پڑھاتے تھے، انہوں نے دین کی خدمت کی، انہوں نے یہ کیا، وہ کیا؛ لیکن وہ راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے تھے، روتے تھے، ذکر میں مشغول رہتے تھے، ان کی راتوں کا بڑا حصہ دن کے سارے مشاغل کے باوجود للہ کی عبادت میں گذرتا تھا، اس پہلو کو ہم اجاگر نہیں کرتے۔ چھپا دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ ہم نہیں جانتے، ہم ان کی سوانح پڑھتے ہیں، یہ ساری چیزیں ہمارے علم میں ہیں؛ لیکن چوں کہ یہ ہمارے مزاج سے موافقت نہیں رکھتیں، اس لیے نہ تو اس کو ہم عملی جامہ پہناتے ہیں، نہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

## امام ابوحنیفہؒ کی عشاء کے وضو سے فجر کی نماز

امام ابوحنیفہؒ: ہم اور آپ ان کی تقلید کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں۔ ان کے متعلق

ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ کبھی ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ چالیس سال نہ سہی، چالیس دن نہ سہی، ایک دن کم سے کم ایسا کر کے دیکھیں۔ کبھی ایسا سوچا بھی نہیں کہ ہم ایک رات ایسا کریں کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا ہو۔ اس طرح عبادت میں مشغول رہیں۔

امام صاحبؒ کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ پہلے آپؒ کا یہ معمول نہ تھا۔ البتہ ایک مرتبہ جا رہے تھے، تو سنا کہ ایک آدمی دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ: یہ جوان عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتا ہے۔ آپ کے کان میں یہ آواز پڑی تو آپ نے سوچا کہ لوگ تو میرے متعلق یہ خیال کرتے ہیں اور میں تو ایسا نہیں ہوں۔ چنانچہ اسی دن سے آپ نے رات بھر عبادت کرنا شروع کر دی۔ (مناقب الامام وصاحبیہ، شمس الدین ذہبی، ص:۲۱) گویا ایک جملہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی لانے کے لیے اور کسی نیکی پر آمادہ کرنے کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ ہم تو ایسے سینکڑوں جملے سنتے ہیں، تو بھی ہمارے دل میں کبھی گرمی پیدا نہیں ہوتی اور غیرت نہیں آتی۔

جن حضرات محدثین کی ترتیب دادہ کتابوں کو ہم پڑھتے ہیں جیسے کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ان سب کے حالات پڑھ لیجئے۔ ان کی حدیثوں کے رواۃ، اور دیگر اکابر حضرات کی زندگیاں اور راتیں کیسی گذرتی تھیں؟

## ماضی قریب کے اسلاف واکابر کا معمول

ہمارے اسلاف واکابر، جن کی طرف اپنی نسبت کو ہم اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں،

چاہے حضرت نانوتوی ہوں، حضرت گنگوہی ہوں، یا حضرت شیخ الہند ہوں، حضرت رائے پوری ہوں، حضرت سہارنپوری ہوں، حضرت تھانوی ہوں، اوران کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ہوں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ہوں، یا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ ہوں؛ یہ سارے حضرات اوران کے بعد کے ہمارے جن اکابر کو ہم نے دیکھا، ان کی زندگیوں کو بھی دیکھ لیجئے، کہ وہ حضرات کبھی اس میں کوئی کوتاہی وکاہلی کرتے تھے؟

## حضرت مولانا قاری صدیق صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا قاری صدیق صاحبؒ کے ساتھ کئی مرتبہ سفر میں رہنا ہوا۔ جب گجرات آتے اور دورہ ہوتا تھا تو رات کو ایک بجے، ڈیڑھ بجے قیام گاہ پر واپس لوٹنا ہوتا تھا اور دن بھر سفر میں گذرتا تھا، اس کے باوجود بھی تین ساڑھے تین بجے نہیں کہ اٹھ گئے اور اپنے کام میں لگ گئے۔ کسی بھی سفر میں ہوں، ان معمولات کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ کبھی اس میں کمی نہیں دیکھی گئی۔ ہمارے یہ اکابر سفر میں ہوں کہ کسی حال میں ہوں، اس عمل کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔

## حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سوانح کا مطالعہ فرمائیں۔

مولانا عبداللہ کاپوری صاحب فرماتے ہیں کہ گجرات میں ایک باران کا دورہ ہوا، کاپودرہ میں قیام تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ رات کو عشا کے بعد بیانات ہوتے

تھے۔ حضرت کا معمول لمبا بیان کرنے کا تھا۔ دن بھر سفر میں مشغول رہتے تھے۔ اور ۱۱، ۱۲ یا ایک بجے قیام گاہ پر آتے۔ سب سو گئے، حضرت بھی لیٹ گئے؛ لیکن دو بجے، ڈھائی بجے جب کہ سب پڑے ہوئے ہیں، آپ اٹھ جاتے تھے۔ دن بھر کی مشغولی، اسفار، مشقت اور مجاہدہ، رات کو دو ڈھائی بجے ان کے اٹھنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے تھے۔ اور بڑے شوق اور رغبت سے اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے تھے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو اللہ کے دربار مقبولیت عطا فرمائی اور ان کی خدمات سے لوگوں کو فائدہ پہنچا۔

## حضرت شیخ الہندؒ

حضرت شیخ الہندؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں قیام اللیل کی وجہ سے آپ کے پاؤں میں ورم آ گیا تو آپ بہت خوش ہوئے کہ ایک سنت پر غیر اختیاری طور پر عمل ہو گیا، ان حضرات کی تو پوری زندگی اس طرح گذری۔

## مولانا احمد شاہؒ کا زہد اور ستاون سالہ تہجد کی پابندی

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی زبانی یہ واقعہ سنا، اور حضرتؒ براہِ راست حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب سے سن کر بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا احمد شاہؒ، حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ حسن پور، مراداباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا کوئی منتسب اور مرید کلکتہ میں رہتا تھا۔ وہ گھر بنانا

چاہتا تھا، جس کی بنیاد ڈالنے کے لیے آپ کو دعوت دی۔ چوں کہ آپؒ بوڑھے تھے، اس لیے اس نے آپؒ سے عرض کیا کہ اپنے ساتھ سفر میں رفیقِ سفر کے طور پر کسی اور کو بھی لے آویں۔ چنانچہ حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ کو ساتھ لے گئے۔ حضرت مولانا احتشام الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے سالے (برادرِ نسبتی) تھے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا تو ابتداء سے آپ کے ساتھ شریک کار تھے۔ حضرت مولانا افتخار صاحب جو اس وقت کاندھلہ میں موجودہ ہیں- حضرت مولانا طلحہ صاحب کے خسر -ان کے بڑے بھائی اور مولانا الیاس صاحبؒ کے اور حضرت شیخؒ کے بھی سالے (برادرِ نسبتی) ہوتے تھے۔ تاریخ مشائخ کاندھلہ انہی کی لکھی ہوئی ہے۔

مولانا احمد شاہؒ نے ان کو اپنے ساتھ لیا اور جب سفر شروع کیا تو فرمایا کہ مولوی صاحب! دیکھو، آپ تو عالم بھی ہیں اور جوان بھی ہیں۔ اور نبی ﷺ کی تاکید ہے کہ سفر میں کسی ایک کو امیر سفر بنایا جائے، لہٰذا میں آپ کو امیر سفر بناتا ہوں۔ وہ منع نہیں کر سکتے تھے، بلا چوں و چرا مان لیا اور سفر شروع ہوا۔ پھر انہوں نے سفر کا مقصد بتایا کہ میں آپ کو اپنے ساتھ اس لیے لے جاتا ہوں کہ وہاں مکان کی تعمیر ہونے والی ہے، اور داعی نے بنیاد رکھنے کے لیے بلایا ہے۔ آپ عالم ہیں، صالح ہیں اس لیے میں آپ کے ہاتھ سے بنیاد رکھوانا چاہتا ہوں۔

بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے، سوار ہونے کے بعد اتفاق کی بات کہ حضرت مولانا احمد صاحبؒ کو دست شروع ہو گئے، اتنے دست آئے کہ اس کے سبب سے بے انتہا نقاہت ہو گئی۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ حضرت ! آپ کا بنایا ہوا یہ امیر آپ کو یہ حکم کرتا ہے کہ آج آپ تہجد نہیں پڑھیں گے۔ انہوں نے یہ سمجھ کر ایسا کہا کہ اتنی کمزوری میں ان کے لیے اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہمارے حضرت نے سنایا کہ مولانا احتشام الحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ کہہ کر سو گیا۔ رات کو اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلا رہا ہے، میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ حضرت مولانا احمد شاہؒ، زار و قطار رو رہے ہیں، اور آنسو اُن کے رخسار اور ڈاڑھی پر بہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضرت گنگوہی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تہجد پڑھنے کی اجازت دے دو، ستاون سال ہوئے، جب سے حضرت کے ہاتھوں بیعت ہوا ہوں، آج تک کبھی تہجد ناغہ نہیں ہوئی۔ مولانا احتشام الحسن صاحب فرماتے ہیں کہ میں تو یہ سب دیکھ کر ایک دم گھبرا گیا، اور فوراً کہہ دیا حضرت آپ پڑھیے۔

کلکتہ پہنچے، اور پہنچنے کے بعد جہاں بنیاد رکھی جانی تھی وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بڑا گہرا گڑھا تھا اور اترنے کی سیڑھی رکھی گئی تھی۔ حضرت مولانا احمدؒ، یہاں سے تو مولانا احتشام الحسن صاحبؒ کو بنیاد رکھوانے کا کہہ کر لے گئے تھے؛ لیکن وہاں جا کر ان کو پوچھا بھی نہیں، خود گڑھے میں اتر گئے اور جا کر اندر اینٹ رکھی، دعا کی اور باہر آ گئے۔

اسی دعوت کے دوران ایک مرتبہ صاحبِ خانہ نے آپ کو ایک بڑی رقم ہدیہ میں پیش کی تو آپؒ نے اس کو رد کر دیا اور پھر نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے

،وہاں کوئی مصلّٰی ملا اور اس نے دو چار روپے ہدیہ میں دیے، وہ قبول کر لیے۔

مولانا احتشام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ واپسی کے وقت میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔آپ تو مجھے یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ تیرے ہاتھ سے بنیاد رکھواؤں گا، وہاں تو آپ نے مجھے پوچھا بھی نہیں اور خود اتر گئے۔فرمایا کہ ہاں بھئی! جب وہاں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ کھڈا بڑا گہرا ہے، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں اس میں جا کر کوئی گر نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے۔لہٰذا میں نے سوچا کہ میں تو بوڑھا ہوں، ویسے بھی میری زندگی ختم ہو رہی ہے،تم نوجوان ہو، عالم دین ہو، اللہ کو آپ سے بہت کام لینا ہے،اس لیے میں نے آپ کو اندر اتارنا مناسب نہیں سمجھا اور خود اتر گیا اور بنیاد رکھ دی۔

مولانا احتشام الحسن صاحبؒ نے پھر پوچھا کہ صاحبِ خانہ نے آپ کو ہدیہ پیش کیا تو آپ نے قبول نہیں فرمایا اور مسجد میں دیا گیا ہدیہ قبول فرمالیا۔تو ارشاد فرمایا کہ اصل میں میرے اوپر بڑا قرضہ ہے،ایک مدت سے میں دعا کر رہا تھا کہ اللہ تعالی میرا یہ قرضہ ادا کروادیں۔جب یہ دعوت آئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ تیرے قرضے کی ادائیگی کا اللہ نے انتظام کر دیا۔یہ اشراف نفس ہوا۔اس لیے میں نے وہ ہدیہ قبول نہیں کیا، اور مسجد میں دو چار روپئے کسی نے دیے اس میں کوئی اشراف نہیں تھا۔نماز کے لیے گئے تھے اور خیال بھی نہ تھا کہ کوئی اس طرح ہدیہ دے گا۔

دیکھئے! ہمارے اکابرین کے ایک ایک عمل میں ہمارے لیے کیسے بڑے نمونے ہیں۔

## ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ہر ایک کا انداز الگ تھا، ہر ایک کی اپنی الگ خوشبو تھی، 'ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست'؛ لیکن ایک چیز جو قدرِ مشترک تھی وہ راتوں کو اٹھ کر کے اللہ کے سامنے رونا اور اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں دیو بند کے مدرسہ کے متعلق ہے کہ اس کا یہ حال تھا کہ رات کے آخری حصے میں ہر کمرے سے ذکر کی آواز آتی تھی اور شیخ الحدیث، صدر المدرسین سے لے کر دربان تک تمام صاحب نسبت ہوا کرتے تھے۔

ہمارے اکابر کی یہ چیزیں کیا ہمارے سامنے نہیں۔ ہمیں ان کی سوانح کا مطالعہ کر کے ان اسباب کی کھوج لگانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ دین اور علم دین کی اشاعت اور حفاظت کی جو عظیم خدمات لیں، ان کے بنیادی اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ رجوع اِلی اللہ، اور اِنابت الی اللہ ہے۔ یہی بنیادی چیز ہے، مگر آج ہم اس کو ٹچ کرنے کے لیے تیار نہیں اور ہم نے اسے بھلا دیا ہے۔

## صبح کی سستی شیطانی افسون کا اثر ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ تہجد کے پابند ہوتے ہیں وہ بڑے نشیط، چاق و چوبند اور ہر وقت فریش (Fresh) نظر آتے ہیں۔ کبھی ان کے اوپر سستی کا غلبہ نہیں ہوتا اور اپنے کاموں کو بڑی چستی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

بخاری شریف ( کتاب التہجد :۱۰۹۱) کی روایت ہے کہ آدمی جب سو جاتا ہے تو شیطان ُ**علی قافیة رأسه**' آدمی کی گدّی پر تین گرہیں لگاتا ہے، اور ہر گرہ کے اندر یہ افسون پڑھتا ہے کہ **علیک لیل طویل، ارقد**۔ سوجا، رات بڑی لمبی ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آدمی کی جب آنکھ کھلتی ہے تو یہ سوچ کر کہ ابھی بہت دیر ہے دوبارہ چادر کھینچ لیتا ہے۔ یہ شیطان کے اسی جادو کا اثر ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی اٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اس کے بعد جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے، پھر جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور انسان **فأصبح نشیطا طیب النفس**، یعنی بالکل چاق و چوبند اور ہشاش بشاش حالت میں صبح کرتا ہے۔ اگر یہ گرہیں نہ کھولی جائیں تو اس کی صبح ایک دم سستی کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، **فحلوا العقد کلها و لو برکعتین** کہ شیطان کی لگائی ہوئی ان ساری گرہوں کو کھول دو، چاہے دو رکعت کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ تہجد کے لیے جب اٹھتے تھے تو دو ہلکی رکعت ادا فرماتے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی توجیہ میں یہ عجیب نکتہ فرمایا ہے کہ چوں کہ اٹھنے کے بعد اس پہلی نماز میں ابھی تیسری گرہ کھلی نہیں ہے، وہ تو دو رکعت کے بعد کھلے گی، اس لیے اس میں کچھ شیطانی اثر موجود ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پہلی دو رکعت ہلکی پڑھتے تھے، اس کے بعد طویل نماز ادا فرماتے تھے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل کی

تاکید فرمارہے ہیں اور ہمیں اس کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں۔

## کوئی ہے؟

ایک اور حدیث میں ہے:

جب رات کا اخیری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو اللہ تعالی آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

**من یدعونی، فأستجیب له** ، کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟

**من یسئلنی، فأعطیه** ، کوئی ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اس کی ضرورت پوری کروں؟

**من یستغفرنی، فأغفر له**، کوئی ہے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں؟

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت حکیم الامتؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، فرماتے تھے کہ بھئی کسی جگہ اعلان ہو جائے کہ آج یہاں کا حاکم، گورنر، کلکٹر آنے والا ہے، اور جو درخواستیں پیش کی جائیں گی اس کو قبول کرے گا، تو لوگ دو دن پہلے سے لائن لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں اللہ رب العزت، مالک الملک اور ساری کائنات کا پیدا کرنے والا، رات کے اخیری حصے میں اس طرح اعلان کر رہا ہے اور ہم غفلت کی نیند پڑے سوتے رہتے ہیں، یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے۔ اس لیے ہمیں ضرور اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

یاد رکھیے، یہ سب ڈھانچے ہیں، جن کو لے کر ہم پھرتے رہیں گے اور پھر کل کو قیامت میں پتہ چلے گا کہ ہم ایک کھوٹی پونجی کو حقیقت سمجھ کر کے زندگی بھر اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

## حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی دربارِ نبوت میں پہلی حاضری

نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع میں اس کی خاص تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام کا واقعہ ترمذی میں ہے کہ جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہ حضور ﷺ کی زیارت کے لیے آپ کی مجلس میں حاضری دینے کے لیے گئے تو سب سے پہلا کلام جو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے ان کے کان میں پڑا تھا وہ یہ تھا؟ یا أیھا الناس افشو السلام، اطعموا الطعام، صلوا الأرحام، صلوا باللیل و الناس نیام؛ تدخلوا الجنة بالسلام۔ (ترمذی، صفة القیامة والرقائق: ۲۴۸۵)

چار چیزیں آپ ﷺ نے ذکر فرمائیں، اس میں ایک صلوا باللیل والناس نیام ہے۔ رات کو نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

## فیم یختصم الملأ الأعلی؟

ترمذی شریف (کتاب التفسیر، سورۃ النساء، ۳۱۷۶) میں ایک بڑی طویل روایت حضرت انسؓ کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں نوجوان کی شکل میں دیکھا اور اس وقت مجھ سے پوچھا گیا کہ فیمَ

**یختصِمُ الملأ الاعلی**، ملأاعلی والے کاہے کی بحث کر رہے ہیں؟ کاہے کا چرچا کررہے ہیں؟ تو میں کوئی جواب نہیں دے سکا۔ تو اللہ تعالی نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنی پشت پر محسوس کیا اور اس کے بعد پھر سوال کیا گیا: **فیم یختصم الملأ الاعلی**؟ ملأاعلی والے کس چیز میں بحث اور چرچا کر رہے ہیں، میں نے جواب میں عرض کیا: **فی الدرجات**، ان اعمال کے سلسلے میں جن کوانجام دینے کے نتیجہ میں آدمی کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

پوچھا گیا: **وما ھی**؟ وہ درجات کیا ہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ **اطعام الطعام و لین الکلام و الصلوۃ باللیل و الناس نیام**۔ تین چیزیں ہیں۔ اس میں الصلوۃ باللیل والناس نیام کوذکر فرمایا۔

## شرف المؤمن قیام اللیل

ایک مرتبہ حضرت جبریل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور آکرعرض کیا کہ اے محمد، **شرف المؤمن قیام اللیل**، ایک مومن کے لیے شرف اور بزرگی کی چیز کیا ہے وہ بتاؤں؟ وہ رات کا قیام ہے۔ (مستدرک علی الصحیحین: ۷۹۹۱)

## قیام اللیل کے پانچ فائدے

نبی کریم ﷺ کا ارشاد جو میں نے شروع میں پڑھا، اس کی ایک روایت حضرت امامہؓ سے ہے، جو ترمذی (کتاب الدعوات ۳۵۴۹) میں ہے اور اس میں اخیری جز: **مطردۃ اللداء عن الجسد** نہیں ہے، پہلے چار جز ہیں، اس لیے

میں نے وہ نہیں پڑھی، اور میں نے جو پڑھی وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت طبرانی شریف کی ہے۔ ترمذی میں ہی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث (کتاب الدعوات ۳۵۴۹) میں پانچوں جملے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

**عليكم بقيام الليل** ،تم رات کے قیام کو لازم پکڑلو۔

**فإنه دأب الصالحين قبلكم** تم سے پہلے جو صالح اور نیک لوگ گذرے ہیں، یہ ان کا طریقہ رہا ہے۔ مطلب صاف ہے کہ اگر ہم بھی اپنے آپ کو صالحین کی جماعت میں اور صالحین کے زمرے میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس کو لازم پکڑنا پڑے گا، اس کے بغیر بات بننے والی نہیں۔

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **و مقربة لكم إلى ربكم** اور تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے قرب اور نزدیکی کا ذریعہ ہے۔

**و مغفرة للسيئات** اور گناہوں کے کفارے کا اور معافی کا ذریعہ ہے۔

**و منهاة عن الإثم** گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانی سے روکنے والا ہے۔

دن میں ہم سے اللہ کی نافرمانیاں سرزد ہو ہی جاتی ہیں، دینی اعتبار سے اتنا اونچا مقام اللہ نے دیا ہے تو بھی ہماری نگاہ کبھی بھٹک جاتی ہے، ہم قابو نہیں کر پاتے۔ ہم چاہتے بھی ہیں کہ ہم سے گناہ کا صدور نہ ہو؛ لیکن چاہنے کے باوجود ہم گناہ سے رک نہیں پاتے، ہم خود میں گناہ سے رکنے کی طاقت اور ہمت نہیں جتا پاتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی ہمت پیدا کرنے کے جو اسباب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے ہیں وہ اختیار کرنے ہوں گے اور ان میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔ ہم قیام اللیل کا اہتمام کریں گے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالی ہم کو وہ قوت

عطا فرمائے گا کہ اس قوت کی وجہ سے ہم اپنے نفس اور شیطان کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کر لیں گے۔

اور اخیری بات: **مطردة للداء عن الجسد** جسم سے بیماری دور کرنے والی ہے۔لو بھائی، دنیوی فائدہ بھی اس میں ہے۔ یہ تو ہم خرمہ اور ہم ثواب والی بات ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، اپنے زمانے کے بڑے مشہور ادیب بھی ہیں اور بڑے عالم بھی۔ایک پرچہ نکالتے تھے،'صدق' آپ نے تو نہیں دیکھا ہوگا،ہم نے دیکھا ہے۔ ان کا قلم تو بڑا زوردار تھا؛ لیکن 'صدق' پرچے (رسالہ) کو دیکھو بہت سادہ،آج کل کا کوئی آدمی دیکھ کر ہی رکھ دے کہ ایسا ہی کوئی پرچہ ہوگا۔

لیکن اس کے مضامین کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ اس کے خریدار تھے۔انہوں نے اس کے ایڈیٹوریل (Editorial) یعنی اداریہ میں ایک مرتبہ خاص طور پر یہ لکھا تھا کہ جو لوگ قیام اللیل کا اہتمام کرتے ہیں وہ بہت ساری بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حکیم محمود چغتائی، پاکستان کے بڑے مشہور مصنف ہیں، ان کا ایک رسالہ ہے،طب نبوی اور جدید سائنس۔

اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پاکستان کے شفاخانوں میں پاگل خانوں میں، پاگلوں کے علاج کے لیے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ رات میں جلدی سلا دیا جائے اور صبح کو جلدی اٹھا کر ذکر اللہ وغیرہ کروائے جائے۔ باقاعدہ اس کے

لیے آدمی مقرر کیے گئے، جوان کو جلدی سلاتے تھے، پھر اٹھاتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس طرح نو مہینے تک یہ طریقہ اختیار کیا گیا، تو ۸۷ فیصد پاگل صحت یاب ہو گئے۔ حالاں کہ یہ دماغی عدم توازن کی بیماری، معمولی بیماری نہیں ہوتی۔ ایک دن کی دوا آدمی چھوڑ دے تو پھر اسی طرح ہو جاتی ہے۔

## قیام اللیل فتنوں سے حفاظت کا وسیلہ ہے۔

آج کل جو کچھ خرابیاں ظاہر ہو رہی ہیں، جو فتنے آرہے ہیں، عوام الناس کے قلوب سے اہل علم کی وقعت اور قدر و قیمت گھٹتی جا رہی ہے، اس کی جو بنیادی وجوہات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

رات کا قیام، آدمی کو فتنوں سے بچاتا ہے، بخاری شریف (کتاب الفتن: ٦٦٥٨) میں حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے۔ ایک رات جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے یہاں قیام تھا، تو رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرا کر اٹھے اور فرمانے لگے، سبحان اللہ، ماذا أنزل الليلة من الفتن و ماذا فتح من الخزائن، آج کی رات کیسے بڑے بڑے فتنے نازل ہوئے، اور کیسے خزانے کھولے گئے، من يوقظ صواحب الحجرات۔ رب كاسية فى الدنيا عارية فى الاخرة۔

کون اِن صواحب حجرات — یعنی ازواج مطہرات — کو بیدار کرے گا۔

رب كاسية الخ بہت سی عورتیں دنیا میں عزت اور وقعت کے لباس میں ملبوس ہوں گی، مگر آخرت میں عریاں ہوں گی۔

اس کی شرح میں علماء نے لکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من يوقظ صواحب

**الحجرات** سے پہلے فتنوں کا تذکرہ فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ فتنوں سے حفاظت کی جو مختلف شکلیں شریعت مطہرہ نے بتلائی ہے، ان میں سے ایک عظیم وسیلہ رات کا قیام ہے۔

جولوگ رات کا قیام ادا کریں گے، اللہ تعالی ان کو بہت سے فتنوں سے محفوظ رکھیں گے۔ یہ زمانہ فتنوں کا ہے، ہمارے لیے فتنوں سے بچنا بھی بڑا مشکل ہو گیا ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس عمل کا اہتمام کریں اور اپنی زندگیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرات صحابہ، اکابر و اسلاف اور ہمارے اکابرِ دیوبند کا جو انداز رہا ہے، اس کے مطابق ڈھالنے کا اہتمام کریں۔

قیام اللیل کی فضیلتیں احادیث میں کثرت سے ہیں، اہل علم مطالعہ کا اہتمام فرمائیں۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کی دعا دے رہے ہیں۔لوگ بزرگوں اور نیک لوگوں کے پاس جاتے ہیں، خدمت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دعا مل جائے۔ یہ ایسا عمل ہے کہ اس پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا سے نواز رہے ہیں۔

ابو داؤد شریف کی روایت ہے۔**رحم اللہ رجلاً قام من اللیل فصلی و أیقظ امرته فإن ابت نزح فی وجهه الماء (کتاب التطوع، ابواب قیام اللیل ۱۱۱۴)**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالہ رحم کرے اس آدمی پر، رات کو اٹھا اور نماز پڑھی، بیوی کو بھی اٹھایا اور اس نے منع کیا تو اس پر پانی چھڑکا تا کہ وہ اٹھ جائے۔

# قیام اللیل میں معین اعمال

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں قیام اللیل کو آسان کرنے والی چیزوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کچھ ظاہری تدبیریں بتلائی ہیں اور کچھ باطنی اسباب بتائے ہیں۔

(۱) آدمی بہت زیادہ کھانا نہ کھائے۔ زیادہ کھانا آدمی کو نیند میں ڈال دیتا ہے اور اٹھنے سے محروم کرتا ہے۔

(۲) اسی طرح دن میں تعب اور تھکاوٹ والے مشکل کام نہ کرے۔ اہل علم تو ایسے کام کرتے بھی نہیں کہ اس کی وجہ سے اعصاب پر اثر پڑے۔

(۳) گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر نہ ڈالے، گناہوں کی وجہ سے قلب میں قساوت پیدا ہوتی ہے، یہ قساوت آدمی کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیتی ہے۔

(۴) قیلولہ کا اہتمام ہونا چاہیے، چاہے نیند آئے یا نہ آئے۔

حضرت عمرؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں **قیلوا، فإن الشیطان لا یقیل**، (معجم اوسط، من اسمہ احمد ۲۸) قیلولہ کی عادت ڈالو، شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ موجودہ تہذیب کی بنیاد بھی اسی شیطانی طریقے پر ہے کہ صبح کو سو جائیں گے، دوپہر کو کوئی سوتا نہیں۔

یہ چار ظاہری تدابیر تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ باطنی اسباب بھی ہیں:

(۱) کسی مؤمن کے متعلق اپنے دل میں کینہ نہ رکھے۔ دل میں جو کیڑے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ ایسے اعمال صالحہ سے محروم کر دیتے ہیں۔ کبھی کوئی چھوٹا سا گناہ ہوتا ہے، ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا؛

لیکن اس گناہ کی نحوست سے ہم بہت بڑی نیکی سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔لہٰذا گناہوں سے بچنے کا بھی اہتمام فرمائیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کئی روز تک تہجد کے لیے میری آنکھ نہ کھلی، اور باوجود کوشش کے میں تہجد کے لیے نہیں اٹھ پایا۔ میں نے اللہ تعالی سے دعا کی، توبہ کی، استغفار کیا اور عرض کیا: اے اللہ تعالی، کاش مجھے معلوم ہوجائے کہ میرے کس گناہ کی وجہ سے میں رات کے قیام سے محرورم کر دیا گیا ہوں۔تو اللہ نے دل میں بات ڈالی کہ ایک آدمی دعا کر رہا تھا، اس دعا کرنے والے کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ تو بناوٹ کر رہا ہے، مرائی ہے، دکھلاوے کے لیے ایسا کرتا ہے۔اتنا سا خیال دل میں آیا، اس کی وجہ سے اللہ تعالی نے کئی روز تک تہجد سے محروم کر دیا۔ ہم تو اس باب میں ماشاء اللہ ہیں۔ دوسروں پر جب ہمارے تبصرے ہوتے ہیں تو اللہ کی پناہ۔کوئی بیچارا صاف دل والا ہو اور وہ بیٹھ جائے تو اس کا بھی ستیا ناس ہوجائے۔

(۲) اللہ کا خوف اپنے اوپر غالب رکھا جائے اور سوچتا رہے کہ اللہ تعالی میری حرکات وسکون کو دیکھ رہے ہیں۔

(۳) قیام اللیل کی فضیلتوں کو بار بار پڑھتا رہے۔

(۴) اللہ کی محبت دل پر غالب رکھے۔

## ذکر کی اہمیت

قیام اللیل کے ساتھ ہی ذکر واذکار اور دعاؤں کا اہتمام بھی بہت ضروری

ہے۔ ہمارے اکابر کے یہاں ذکر اللہ کی پابندی کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ دین کا کام کرنے والا جو بھی طبقہ ہو، اہل علم ہوں، دعوت وتبلیغ کے ساتھی ہوں، جو بھی ہوں، ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے چوبیس گھنٹے کے اوقات میں ایک بڑا حصہ اللہ کی یاد میں گذاریں۔

حضرت ڈاکٹر اسماعیل صاحبؒ نے ایک جگہ لکھا ہے حضرت شیخؒ نے اپنے ایک بڑے خلفیہ کو تاکید فرمائی کہ تم مدرسہ چلاتے ہو، دینی اور علمی کام انجام دیتے ہو، چوبیس گھنٹوں میں سے دو گھنٹے تمہارے اللہ کی یاد میں گذرنے چاہیے، جب تک کہ یہ نہیں ہوگا، وہاں تک آپ اپنے ان کاموں میں جان پیدا نہیں کر سکتے۔

قرآن میں اللہ تعالی نے ذکر کی بھی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

یا أیہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا۔

وسبحواہ بکرۃ وأصیلا۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم

آج ان چیزوں سے ہم بیگانہ ہو چکے ہیں۔ چوبیس گھنٹے میں ایک تسبیح بھی ہماری زبان پر نہیں آتی، دعاؤں کا اہتمام نہیں ہے، اللہ تعالی کے ساتھ جو رشتہ اور تعلق ہونا چاہیے، نبی کریم ﷺ کی سنتوں کے اتباع اور پیروی کا جو اہتمام ہونا چاہیے وہ نہیں رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے سب دینی کام رسمی بن گئے اور ان سے روح نکل گئی۔ ضرورت ہے کہ اس میں روح ڈالی جائے، اور وہ روح یہی ہے۔

## ذکر اللہ کائنات کی روح ہے۔

ذکر اللہ درحقیقت پوری کائنات کی روح اور تمام عبادات کا خلاصہ اور کریم (Cream) ہے۔ نماز کو تمام عبادات میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کے متعلق بھی باری تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں، أقم الصلوة لذکری، نماز اللہ نے کیوں مشروع فرمائی؟ اللہ کو یاد کرنے کے لیے۔ معلوم ہوا کہ جتنی بھی عبادتیں ہیں ان ساری عبادتوں کا مقصد اللہ کی یاد ہے۔

ذکر اللہ اصل ہے اور یہی بنیاد ہے جو کچھ بھی ہے اسی سے ہے، ساری کائنات بھی اسی ذکر اللہ کی وجہ سے قائم ہے، اس لیے میرے بھائیو! ضرورت ہے کہ ذکر اللہ کا بھی بڑا اہتمام ہو۔

## ذکر روحانی انرجی ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ، بھائی! یہ ذکر جو ہے، وہ تو انرجی ہے، طاقت ہے، صبح کو جب آپ ناشتہ کرتے ہیں تو اس سے پہلے ذرا ذکر بھی کر لیجئے تاکہ آپ کے اندر طاقت آئے اور اس طاقت کے ذریعہ آپ اپنے نفس اور شیطان کا مقابلہ کر سکیں۔ دن میں بہت کام کرنے ہیں، دن بھر ایسی ویسی صورتیں پیش آئیں گی۔ کہیں عورتیں ہیں اور آپ کا نفس آپ کو ابھار رہا ہے بدنظری کے لیے۔ یا آپ دکان پر بیٹھے ہوں گے اور آپ کا نفس یا شیطان آپ کو گاہک کے ساتھ دھوکہ دینے کے لیے

آمادہ کرے گا۔ ایسے سب مواقع پر نفس اور شیطان کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے ضرورت ہے طاقت کی، یہ طاقت کس سے حاصل ہوگی؟ ذکر اللہ سے۔

## حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا ذکر

ہمارے حضرتؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ بھائی، بڑھاپا آ گیا، سانس کمزور ہو گیا، کم ہو گیا، پھر بھی ایک سانس میں ایک سواسی (۱۸۰) ضرب لگاتا ہوں۔

حضرت گنگوہیؒ سے پوچھا گیا، حضرت نے فرمایا، بھائی! پڑھنے کا زمانہ تو گیا، قوی مضمحل ہو گئے، اس کے باجود سوالاکھ اسم ذات کا معمول ہے۔ حالاں کہ باقی سارے کام یعنی حدیث کا درس، مہمانوں کی میزبانی، آنے والے سوالات اور فتاوی کے جوابات، خطوط کے جوابات اور نوافل وغیرہ کے دوسرے معمولات بھی سب اپنی جگہ باقی تھے، ان سب کے علاوہ چلتے پھرتے سوالاکھ بار اسم ذات کا ورد فرماتے تھے۔

ہم تو باقاعدہ کرنے بیٹھیں تو بھی شاید ہم سے سوالاکھ نہ ہو پائے۔ اللہ تعالی ان کے ان اعمال کی وجہ سے ان کے اوقات میں بھی برکت دیتے تھے۔

## سوالاکھ اسم ذات کا معمول

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ، دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم

تھے، بڑے مہتمم تو حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ تھے؛ لیکن سارا انتظام یہی چلاتے تھے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس زمانہ میں حضرت گنگوہیؒ سر پرست تھے، کوئی بات ہوتی تھی تو یہ دونوں حضرات گنگوہ جاتے تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت سے ملتے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے، بلکہ اعتکاف فرما لیتے تھے۔ تین دن کے اعتکاف کے بعد جو معاملہ لے کر کے گئے ہوتے تھے، وہ پیش کرتے تھے۔ وہاں قیام کے دوران حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ، رات کو تہجد کے وقت چائے پکا کر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چائے پکائی اور پیالی رکابی دھو کر اچھی طرح کپڑے سے خشک فرمائی، پھر چائے پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کچے پانی کی بو آرہی ہے۔ دوسرے دن انہوں نے سکھا کر آگ پر تپایا اور پھر چائے پیش کی، تو فرمایا کہ آج نہیں ہے۔ اس پر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ کے ساتھ تعلق اور ذکر کی کثرت کے نتیجہ میں حواس بھی تیز ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ عشاء کی نماز کے لیے تشریف لائے، مغرب بعد کسی نے لالٹین جلانے کے لیے ماچس کی تلی جلائی ہوگی، تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی ماچس کی تلی کی بو آرہی ہے، حالاں کہ دو گھنٹے ہو گئے تھے، لیکن حضرت نے اس کا احساس فرمایا۔

ہمارے حضرت نے سنایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی حبیب الرحمن ! سب لوگ دعا کے لیے کہتے ہیں، اپنی بات پیش کرتے ہیں، آج تک تم نے کبھی کہا نہیں۔ تو کہا حضرت ! دلی تمنا یہ ہے کہ اس خدمت کا وہاں جنت میں موقع دیا

جائے۔تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ انشاء اللہ ضرور۔

مولانا حبیب الرحمنؒ کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ان کا بھی سوالاکھ اسم ذات کا معمول ذکر فرمایا ہے۔آپؒ اہتمام سنبھالتے تھے، اور اس میں طلبہ کی تربیت، نگرانی، وغیرہ کس قدر ذمہ داریاں ہوتی تھیں ان کی تفصیل آپ دارالعلوم کی تاریخ میں دیکھئے۔اہتمام ایسا کام ہے کہ آدمی کو کسی مصرف کا نہیں رہنے دیتا۔کھانے کے لیے بھی بچارے کو فرصت تلاش کرنی پڑتی ہے؛ لیکن دیکھئے، اس کے ساتھ یہ سب معمولات پورے ہو رہے ہیں۔

## میں بھی کہوں، یہ کون حرم میں آ گیا؟

ہمارے اکابر کے یہاں ذکر اللہ کا کس قدر التزام تھا اس پر ہمارے حضرت نے حضرت سہارنپوریؒ کا ایک واقعہ سنایا تھا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے بھی فضائل ذکر (۳۵۰) میں اس کو تحریر کیا ہے کہ حضرت سہارنپوریؒ اپنے پانچویں حج کے موقع پر طوافِ قدوم کے لیے حرم شریف میں پہنچے۔

مولانا محب اللہ بہاری صاحبؒ، حضرت حاجی امداد اللہؒ کے خلیفہ اور بڑے صاحب کشف تھے، وہ اس زمانہ میں حرم شریف میں مقیم تھے۔

اس زمانے میں سعودی حرم بنا ہوا نہیں تھا، ترکی حرم میں نیچے مطاف کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے تھے، جو لوگ عبادت کے لیے حرم میں قیام کرتے تھے، حکومت کی طرف سے حجرے ان کے لیے تجویز کیے جاتے تھے، اس کو خلوہ کہتے تھے۔اور حضرت مولانا محب اللہ صاحبؒ بھی ایسے ایک

خلوے میں مقیم تھے۔

وہ اپنے خلوے میں بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھ رہے تھے اور حضرت مولانا مفتی ظفر احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ وہاں ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پڑھتے پڑھتے منہ اٹھا کر کہنے لگے ارے بھئی! یہ حرم میں کون آ گیا کہ سارا حرم روشن ہو گیا؟

ان کو معلوم نہیں کہ حضرت سہارنپوری حرم میں آئے ہیں، اور پھر حضرت سہارنپوری طواف سے فارغ ہونے کے بعد ان کے حجرے کے پاس آئے، ان کو سلام کیا تو ان کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ''میں بھی تو کہوں، یہ کون حرم میں آ گیا کہ سارا حرم روشن ہو گیا''۔

سلام کر کے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب تو آگے بڑھ گئے۔

حضرت شیخؒ نے اس موقع پر مولانا ظفر احمد صاحبؒ کا حوالہ نہیں دیا ورا تنا ہی واقعہ ذکر کیا ہے، لیکن میں نے اپنے حضرتؒ سے آگے کا واقعہ بھی سنا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کے جانے کے بعد حضرت مولانا محب اللہ صاحب نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب سے فرمایا کہ مولوی ظفر احمد! ان کو پہچانتے ہو؟ مولانا ظفر احمد صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت کیوں نہ پہچانوں؟ یہ تو میرے استاذ بھی ہیں اور میرے شیخ بھی ہیں۔ تو فرمایا کہ: نہیں پہچانا، نہیں پہچانا۔ یہ وہ شخص ہے کہ اگر حرم میں بیٹھ کر کعبۃ اللہ کی طرف نگاہ جما کر بیٹھ جائے تو ان کے چہرے پر اتنے انوارات کی بارش ہوتی ہے کہ میں دوپہر کے وقت سورج کی طرف نگاہیں جما کر دیکھ سکتا ہوں؛ لیکن ان کے چہرے کی طرف میں دیکھ نہیں

سکتا۔ آخر یہ انوار کس چیز کے تھے؟ یہ ذکر کے انوار تھے۔

## ذکر اللہ کی مختلف شکلیں: تلاوت قرآن۔

ایک قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بڑی تاثیر ہے۔ اللہ تعالی کا قرب تلاوتِ قرآن سے جتنا زیادہ حاصل ہوسکتا ہے کسی اور چیز سے نہیں۔ امام احمدؒ نے ایک بار اللہ تعالی کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ باری تعالی! آپ کا قرب بندہ کس طرح سب سے زیادہ حاصل کرسکتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ چیز جو مجھ سے نکلی ہے، یعنی کتاب اللہ، قرآن؛ اس کی تلاوت سے۔ آپؒ نے پوچھا کہ سمجھ کر یا بے سمجھے؟ فرمایا سمجھ کر ہو یا بغیر سمجھے۔

## فمی بشوق کا معمول

بہر حال قرآن کی تلاوت کا معمول ہونا چاہیے۔ میں نے جیسا کہ درمیان میں عرض کیا تھا، ہر ایک اپنے گریبان میں جھانک لے، اپنا اندازہ کرلے، جائزہ لے لے کہ میں روزانہ قرآن پاک کی کتنی تلاوت کرتا ہوں؟ حضرات صحابہ کا خاص طور پر قراء صحابہؓ کا، معمول کم سے کم فمی بشوق یعنی ہر روز ایک منزل کا تھا۔

## حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کا پیمانِ دوستی اور تلاوت کا معمول

حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کا قصہ بخاری شریف میں مروی

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان حضرات کو جب یمن کے دو الگ الگ علاقوں کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو کچھ نصیحتیں فرمائی تھیں، اور یہ حضرات وہاں جانے کے بعد اپنے علاقے کا جب دورہ کرتے تھے، اور دوسرے کی قیام گاہ قریب آتی تھی تو ان سے ملاقات کر لیتے تھے، تاکہ دوستی کا عہد و پیمان تازہ ہو جائے۔

دوستی اور تعلق بھی پانی چاہتا ہے۔ اس کا پانی کیا ہے؟ آپس میں ملاقات۔ اگر ملاقات کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ ختم ہو جائے گی۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ یا تو زیادہ تعلق قائم مت کرو اور اگر کسی سے قائم کیا ہے تو اس کو نبھانے کا اہتمام کرو۔

یہ دونوں حضرات اس کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ اپنے علاقے کے دورے پر نکلے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا علاقہ قریب آیا تو دوستی کا عہد و پیمان تازہ کرنے ان کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ لوگوں کا مجمع ہے، ایک آدمی پیچھے کی طرف ہاتھ باندھ کر کے قید کر کے لایا گیا ہے۔ حضرت معاذؓ نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا یہ یہودی تھا، مسلمان ہوا تھا، پھر مرتد ہو گیا۔ تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ کہ مرتد کی سزا تو **من بدل دینه فاقتلوه** ہے۔ اس کو قتل کرو۔ اس کے بغیر میں سواری سے اتروں گا نہیں۔ ان حضرات کے یہاں شریعت کے حکم پر عمل کرنے کا یہ اہتمام تھا۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا، آپ اتریے تو سہی۔ یہ ضرور ہو گا۔ اسی لیے تو لایا گیا ہے، فرمایا نہیں، جب تک یہ نہیں ہو گا اتروں گا نہیں۔ چنانچہ جب تک یہ سزا جاری نہیں کی گئی، وہ اپنی سواری سے نہیں اترے۔ اس کے بعد جب اترے اور آپس میں گفتگو ہوئی تو حضرت معاذؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھتے ہیں کہ

آپ کا قرآن پاک کی تلاوت کا کیا معمول ہے؟ کیوں کہ دونوں قراء صحابہ میں سے تھے۔

فرمایا: **أنا أتفوقه تفوقا**، میں تو تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھتا ہوں، رات اور دن میں، چوبیس گھنٹے میں اپنا ایک منزل کا معمول پورا کرتا ہوں۔

## فواق الناقة

یہ لفظ 'فواق الناقۃ' سے ہے، اونٹنی کو جب دوہا جاتا ہے تو دوہنے کے درمیان دو مرتبہ اس کے پستان اور آنچل پر پمپنگ ہوتا ہے۔ ایک بار دبانے والے نے دبایا تو جو دودھ اندر تھا وہ نکل گیا، اب اگر دبائے رہے گا تو دوسرا دودھ آنے والا نہیں، اس لیے چھوڑنا پڑے گا۔ دوسرا دودھ آئے پھر دبائے گا تو دودھ نکلے گا۔ اس طرح دودھ دوہا جاتا ہے۔ یہ جو ایک مرتبہ دبانے اور دودھ نکلنے کے بعد پستان کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس وقفہ کو 'فواق' کہتے ہیں، یعنی بہت قلیل وقفہ۔ حدیث میں آتا ہے **العیادة فواق ناقة**، کسی کی عیادت کے لیے جاؤ تو بہت مختصر وقت کے لیے جاؤ، دیر تک بیٹھو مت، کسی بھی چیز کے اختصار اور شورٹ ہونے کو تعبیر کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

پھر حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کس طرح کرتے ہیں؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا حال تو یہ ہے کہ میں رات کے شروع حصے میں کچھ سو لیتا ہوں، اور پھر اٹھ کر کے نماز اور قیام اللیل میں قرآن کی تلاوت کا اپنا معمول پورا کرتا ہوں اور پھر ایک جملہ فرمایا کہ **وأنا أحتسب نومتي كما أحتسب**

قومتی، (بخاری شریف، کتاب المغازی، ۴۰۸٦) میں جس طرح اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت اللہ سے اس بات کی توقع اور امید رکھتا ہوں کہ اس پر مجھے ثواب ملے گا، اسی طرح سونے میں بھی اللہ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، یہ جملہ بڑا قابل غور ہے۔

## احتساب اور امیدِ ثواب۔

کون مسلمان ہے جو نماز پڑھے اور اس کے دل میں یہ خیال نہ ہو کہ اس پر ثواب ملے گا، ہر آدمی عبادت اسی لیے کرتا ہے؛ مگر سوتے وقت کبھی کسی کو یہ خیال نہیں آتا اور کوئی نہیں سوچتا کہ اس سونے پر بھی اللہ مجھے ثواب دیں گے۔ لیکن حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں سوتے وقت بھی اللہ تعالی سے ثواب کی امید کرتا ہوں۔

امور طبعیہ یعنی طبعی ضرورتوں کو پوار کرنے کے دوران بھی اگر آدمی اپنی نیت ٹھیک کرلے تو یہ نیت کی درستگی ان طبعی ضرورتوں کو بھی عبادت بنا دیتی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی (ص: ۷۸) میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ، رئیس الاحرار کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ اس میں حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ کے سوال کا ذکر ہے کہ تصوف کیا ہے؟ تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر سا جواب دیا تھا کہ تصحیح نیت، یعنی آدمی ہر کام میں اپنی نیت ٹھیک کرلے۔ بس یوں سمجھو کہ پھر ہر چیز عبادت ہے، اور خدانخواستہ نیت خراب ہوگئی تو عبادتیں بھی عبادت نہیں رہتی، وبال بن جاتی ہیں۔

## آج کے اہل علم کا تلاوت کا معمول کیا ہے؟

یہ تو حضرات صحابہؓ کی تلاوت کا معمول تھا۔ ہمارے اکابر کی تلاوت کا معمول دیکھئے۔

تمام اکابرین کے یہاں تلاوت کے، ذکر کے، معمولات کی ادائیگی کے اوقات متعین ہوتے تھے اور اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔

میں اگلے سفر میں جب یہاں آیا تھا اور یہاں سے زامبیا جانا ہوا تھا، تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمہ اللہ سے (اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے بھر دے) میں نے خاص طور پر دریافت کیا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تلاوت کا معمول کیا تھا ؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تقریباً آٹھ نو پارے روزانہ پڑھ لیا کرتے تھے، نوافل وغیرہ کے ساتھ۔ حضرت کی علمی مشغولی سب اہل علم جانتے ہیں، انہیں فرصت نہ تھی؛ پھر بھی نوافل اور تلاوت کا اس قدر اہتمام تھا۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عالم سے، جو حدیث پڑھاتا ہو، فقہ پڑھاتا ہو، علیا کی کتابیں پڑھاتا ہو، اس سے پوچھئے کہ آپ روزانہ کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ پاؤ پارہ یا آدھا پارہ بھی نہیں۔

کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! فرصت نہیں ملتی، کتاب پڑھاتے ہیں، مطالعہ کرنا پڑتا ہے، اس لیے وقت نہیں ملتا۔ ہمارے پاس وقت نہیں اور ہمارے ان اکابرین کے پاس بہت کچھ وقت تھا۔ پورا دورہ پڑھاتے تھے پھر بھی وقت تھا۔ کیا ہم نے یہ سب اذکار جاہلوں کے لیے چھوڑ رکھے ہیں۔

تذکرۃ الخلیل میں، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کیسا ہی مشکل سے مشکل سفر ہو، بیماری ہو اور کیسے بھی حالات ہو، لیکن آپ کے معمولات، آپ جن اعمال کو انجام دیتے تھے، اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کے متعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد دروازہ بند ہو جاتا تھا اور کسی کو ملاقات کی اجازت نہ تھی۔

ہم تو اپنے آرام کے وقت کسی سے ملاقات نہیں کرتے ہیں، اور معمولات کے وقت اگر کوئی آ گیا تو ماشاء اللہ، معمولات کو قربان کر دیں گے۔ ایسا طریقہ نہیں ہونا چاہیے۔

## پنج وقتہ نماز کے بھی لالے

بلکہ آج تو پنج وقتہ نماز کے لالے پڑ رہے ہیں، با جماعت نماز تو دور رہی؟

لوگ ہم سے شکایت کرتے ہیں کہ فلاں جگہ مکتب میں پڑھانے والے مدرس نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔

بیرون ممالک میں بھی یہ شکایت کرتے ہیں۔ وہاں ایسا نظام ہوتا ہے کہ ایک مکتب میں پانچ دس مدرس پڑھاتے ہیں تو مسجد کی امامت کے لیے سب کی باریاں مقرر ہوتی ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ جب باری ہوتی ہے تب تو فجر میں مولوی صاحب آتے ہیں، باری نہیں ہوتی تو نہیں آتے، چنانچہ جن کی باری ہے خدانخواستہ اگر وہ غیر حاضر ہے تو کوئی ایک بھی امام مسجد میں موجود نہیں۔

ہمارے یہاں بھی لوگ شکایت کرتے ہیں کہ علماء فجر کی نماز میں غیر حاضر

ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، میں-نعوذ باللہ-آپ کی، تذلیل یا تنقیص کے لیے نہیں، ایک دردِدل کے طور پر یہ کہہ رہا ہوں کہ آج یہ وقت آ گیا کہ لوگ ہمارے متعلق ایسی شکایت کرتے ہیں! ایک زمانہ وہ تھا کہ اعمال کے باب میں اہل علم کا مقام اتنا اونچا ہوا کرتا تھا کہ کوئی اس کا تصور نہیں کرسکتا

امام ابوحنیفہ نے امام ابو یوسفؒ کو- جو آپ کے شاگردوں میں اولین مقام کے حامل ہیں- جو نصیحتیں فرمائیں وہ الاشباہ والنظائر میں موجود ہیں، ان میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ اپنے اعمال، عبادات وغیرہ کا ایسا اہتمام ہو کہ اس کی وجہ سے جاہلوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مجھے اپنی جہالت نے جتنا فائدہ پہنچایا اس عالم کو اس کے علم نے اتنا بھی فائدہ نہیں دیا۔

غیر عالم جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، صف اول کا اہتمام کرتا ہے، تکبیر اولی کا اہتمام کرتا ہے، تلاوت کا اہتمام کرتا ہے، تسبیحات کا اہتمام کرتا ہے، غیر مشروع چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرتا ہے اور اہل علم اس باب میں غفلت کا شکار ہیں، ظاہر ہے اس صورت میں چوراہوں پر لوگ یہی باتیں کریں گے کہ یہ مولوی کیسے؟ ان کو ان کے علم نے وہ فائدہ نہیں پہنچایا جو ہم کو ہماری جہالت نے پہنچایا، وہی جملہ جو امام ابوحنیفہؒ نے امام ابو یوسف سے فرمایا۔

یکے از قوم بے دانشی کرد --- نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

شیخ سعدی کہہ گئے ہیں کہ کسی جماعت کا ایک فرد اگر کوئی غلط کام کر لیتا ہے تو اس کی وجہ سے پوری جماعت کی عزت اور آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے، ایسا کرنے والے سب نہیں، چند گنے چنے ہوتے ہیں؛ لیکن ان کی وجہ سے پوری

جماعت پر اعتراض ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایسا بنائیں، ہماری جماعتِ اہل علم کا لوگوں کے قلوب میں اتنا وقار اور عظمت ہو کہ کوئی بات وہ کہہ دے تو وہ پتھر کی لکیر بن جائے، لوگ اس پر عمل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑیں، آج تو ہم کہتے رہتے ہیں کوئی دھیان بھی نہیں دیتا، کیوں کہ ہمارے قلوب میں وہ کیفیت نہیں رہی اور ہماری تاثیر ختم ہوگئی۔

## ذکر کی دوسری قسم

دوسری قسم صبح شام کی تسبیحات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وسبحوہ بکرۃ وأصیلا۔ یعنی اللہ تعالیٰ صبح وشام کے مخصوص اوقات میں ذکر اللہ کی تاکید فرما رہے ہیں۔

## تیسری قسم ہے: ذکر جہری

اس کے بعد نمبر ہے اس ذکر جہری کا، جو ہمارے اکابر بتاتے ہیں۔ یہ بڑی اہمیت بایں معنی رکھتا ہے کہ ہمارے قلب پر غفلت کے پردے آجانے کی وجہ سے عبادتوں کا صحیح فائدہ اور اس کا جو صحیح ثمرہ مرتب ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے ذکر جہری کو ایک علاج اور دوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں قلب کی صفائی ہوتی ہے اور پھر یہ تلاوت، دعائیں، تسبیحات وغیرہ کے اصلی اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اہل علم کے لیے لازم ہے کہ ذکر اللہ کا، تلاوت کا اور رات

کے قیام کا اہتمام فرمائیں۔ یہ سب بہت ضروری ہے، جب تک اس کا اہتمام نہ ہوگا، ہمارے ان اعمال میں جان پڑنے والی نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ہم اپنے اکابر کی طرف نسبت کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں اور اُن کاموں کو لے کر چل رہے ہیں جو ان حضرات نے شروع کیے تھے، اور اسی میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں؛ لیکن ان سب کے ساتھ ہونی چاہیے ایسی دو اہم چیزوں کی طرف ہماری بے توجہی اور غفلت بڑھ رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے۔ انشاء اللہ اس کے نتیجہ میں ہم میں جو کمی ہے وہ دور ہو جائے گی۔

اخیر میں دو واقعے بیان کر کے اپنی بات پوری کرتا ہوں۔

## بے ادب ہوگئی محفل ترے اٹھ جانے سے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی ایک تقریر ہے جو انہوں نے اہل علم کے سامنے کی تھی، اس میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حیدر آباد میں ایک بزرگ تھے، ایک مرتبہ ان کے گھٹنوں میں درد ہوا۔

وہ اسی حال میں مجلس میں تشریف فرما تھے۔ مجلس میں سب مریدین اور معتقدین بھی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے خادم سے دوا ملنے کو کہا، خادم نے دوا ملنا شروع کی تو اس نے دیکھا کہ بزرگ صاحب مجلس میں خاموش ہیں، مگر مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہیں، جیسا کہ ہمارے طلبہ میں ہوتا ہے۔ اور اس کانا پھوسی کی وجہ سے ایک گونج سی مجلس میں پیدا ہو رہی ہے۔

اس خادم نے سوچا کہ حضرت کی مجلس کا یہ حال کبھی نہیں ہوا، ان کی مجلس میں جب بھی لوگوں کو دیکھا خاموش دیکھا، لیکن آج یہ کیا بات ہے؟ کانا پھونسی کیوں ہو رہی ہے؟ وہ بار بار بے چین ہو کر ادھر اُدھر دیکھتا ہے، مگر اس کی سجھ میں نہیں آرہا ہے، وہ بزرگ اس انتشار کو بھی سمجھ گئے تھے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے، اور خادم کی پریشانی بھی بھانپ گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے گھٹنے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس طرح وہ خادم کو اس انتشار کی وجہ بتلانا چاہتے تھے، لیکن خادم یوں سمجھا کہ یہاں درد ہے، اس لیے وہ اور دبانے لگا۔ مجلس میں شور کی کیفیت ابھی بھی ختم نہ ہوئی تھی، اور وہ بے چین ادھر اُدھر دیکھے جا رہا ہے۔ آخرش ان بزرگ نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر کہا کہ میں گھٹنے کے اس درد کی وجہ سے آج رات کے معمولات پورے ادا نہیں کر سکا ہوں، اس کا یہ اثر ہے جو تم مجلس میں دیکھ رہے ہو۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے ایک شعر پڑھا۔

رحم کر قوم کی حالت پر اے ذکرِ خدا
کہ بے ادب ہوگئی ہے محفل ترے اٹھ جانے سے

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک اللہ والے کے اپنے معمولات چھوڑنے کا نتیجہ مجلس پر یہ ہوسکتا ہے تو تمام اہل علم اپنے معمولات چھوڑ دیں گے تو دنیا پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اہل علم کی جانب سے یہ بڑی غفلت ہے، اور اس کے اثرات آدمی کے ماتحت لوگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ ایک واقعہ تو یہ ہوا۔

# مولانا علی میاںؒ اور شیخ علی الدقر کے وعظ میں تاثیر

دوسرا واقعہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی عربی سوانح 'أبو الحسن الندوی، الإمام المفكر الداعية المربی الأديب' کا ہے، جو سید عبد الماجد غوری صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔

دار ابن کثیر، بیروت، ہر سال کسی بڑے آدمی کی سوانح کو شائع کرتا ہے، جس سال یہ سوانح لکھی گئی، اس نے اس کو شائع کیا۔ اس کا مقدمہ دمشق یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے ہیڈ، ڈاکٹر مصطفی سعید الخن کا لکھا ہوا ہے، اس مقدمے میں انہوں نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ۱۹۵۶ میں شام کی حکومت نے دمشق یونیورسٹی کے وزٹنگ پروفیسر، الاستاذ الزائر، کے طور پر رجال الدعوة والفکر کے عنوان پر محاضرات پیش کرنے کے لیے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو دعوت دی۔ وہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔ زیادہ معمر نہیں تھے۔ جب وہ دمشق تشریف لائے تو ان کے قیام کے لیے حکومت نے فائیو اسٹار ہوٹل میں انتظام کیا۔

مولانا نے کہا کہ میں تو ایک مولوی آدمی ہوں، فائیو اسٹار ہوٹل میں میرا جی نہیں لگے گا، مسجد کے کسی حجرے میں میرے لیے انتظام کر دو، وہیں مجھے سکون رہے گا۔ چنانچہ ان کے اصرار پر منطقہ حلبونی کی ایک مسجد میں اس کا نظم کر دیا گیا۔

یہ عربی محاضرات ہی بعد میں مولاناؒ کی کتاب 'تاریخ دعوت وعزیمت' کا خاکہ اور بنیاد بنے تھے۔ اسی مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں کہ ان کی طرف اللہ تعالی نے یہ جو

رجوع عطا فرمایا اس کی وجہ صرف رجوع وانابت الی اللہ ہے۔

مقدمہ میں اسی مناسبت سے انہوں نے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے کہ دمشق میں ایک عالم تھے، شیخ علی الدِّقر۔ (متوفی: ۱۳۶۲ھ۔) ایک مسجد میں امامت کراتے تھے اور فجر کی نماز کے بعد قرآن کا درس دیتے تھے، ان کے قرآن کے درس میں شرکت کرنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے، میں اس وقت چھوٹا ہونے کے باوجود صرف درس سننے کے لیے بڑی دور سے آکر درس میں شریک ہوتا تھا۔ چھوٹی سی مسجد بھر جاتی تھی، جگہ تنگ ہوتی تھی تو باہر سڑک پر چٹائیاں بچھا کر لوگ بیٹھتے تھے اور تاثیر کا یہ عالم ہوتا تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوتی تھیں؛ حالاں کہ بعض مرتبہ دور تک آواز بھی نہیں پہنچتی تھی۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان کے ایک شاگرد نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا، حضرت! آپ بھی قرآن کا درس دیتے ہیں، ہم بھی قرآن کا درس دیتے ہیں، ہم اپنے درس میں عجیب وغریب نکات بیان کرتے ہیں، اور آپ ایسے نکات اپنے درس میں بیان نہیں کرتے، اس کے باوجود ہمارے درس میں وہ تاثیر نہیں جو آپ کے درس میں نظر آتی ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا، بیٹا! تمہاری تربیت کے لیے کہتا ہوں کہ میں روزانہ رات کو تہجد کی نماز میں قرآن پاک کے دس پارے اسی لیے تلاوت کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس درس میں تاثیر ڈالے، اس کا یہ اثر ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ ہمارے ان کاموں میں اسی سے جان پڑے گی۔

اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام ہو، اس کی طرف توجہ ہو۔

طلبہ سے بھی کہوں گا کہ ابھی سے وہ قیام اللیل کی عادت ڈالیں۔ اہل علم کو بھی چاہیے کہ اس کی طرف توجہ کریں۔ ذکر اللہ کی جو مختلف شکلیں ہیں اور روزمرہ مختلف کاموں کے جو اذکار ہیں اس کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ **کان یذکر اللہ علی کل أحیانه**، ہر وقت اللہ کے ذکر میں آپ مشغول رہتے تھے۔

بہرحال ذکر اللہ کی جو مختلف شکلیں ہیں، ان تمام کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالی مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ میں کہنے والا بھی اس کا محتاج ہوں۔

اللہ ہم سب کو اس طرف متوجہ فرمائے۔

2013-06-09 - EspingoBeach

2013-08-19 Darul Uloom Blackburn

2013-05-02 Bayan In Ulama-Jamia Sidokar-Veraval

# آداب المعلمین

نبی کریم ﷺ نے دین کے معاملے میں جن حکمتوں اور مصلحتوں کو مدنظر رکھا، اور جن کی طرف حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رہنمائی فرمائی، ان حکمتوں اور مصلحتوں میں سب سے بڑی اور بنیادی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں آدمی کو ایسا انداز، ایسا طریقہ اور ایسی روش اختیار کرنی چاہیے، جس کے نتیجے میں لوگ دین سے دور نہ ہوں بلکہ قریب ہوں۔ ان میں نفرت پیدا نہ ہو بلکہ انسیت پیدا ہو۔

اَلْحَمْدُ لله نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَ نَعُوْذُبِالله مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَن یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُه ، صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً۔ امابعد۔

فأَعُوذُبِاللهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِك. (آل عمران: ۱۵۹)

وقال تعالی: لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِکُمْ عَزِیزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیصٌ عَلَیْکُم بِالْمُؤْمِنِینَ رَءُوفٌ رَّحِیمٌ (توبة: ۱۲۸)

وقال النبی ﷺ: انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔ (بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول: ۲۱۷)

## بہترین مشغلہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا احسان اور کرم ہے کہ اس نے ہم لوگوں کو ایک ایسی خدمت اور ذمہ داری میں لگا رکھا ہے، جو دنیا میں انجام دی جانے والی تمام ذمہ داریوں اور خدمات میں سب سے افضل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: خیرکم من تعلم القرآن وعلمه تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن پاک سیکھیں اور سکھائیں۔ شراح نے لکھا ہے کہ یہ خطاب براہِ راست نبی کریم ﷺ کا

حضرات صحابہ کرامؓ سے تھا اور اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضراتِ صحابہ کی جماعت وہ جماعت ہے جو انبیاء کرام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل جماعت ہے، اوران میں بھی سب سے بہتر وہ ہیں جوقرآن پاک سیکھیں اور سکھلائیں۔قرآن پاک سیکھنے اورسکھانے کا یہ مشغلہ، چاہے اس کے الفاظ ہوں، معانی ہوں یااس سے نکلنے والے مسائل ہوں؛ یہ وہ بہترین مشغلہ ہے کہ اس سے بڑھ کراورکوئی کام دنیا میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑااحسان اور فضل ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسے کام میں لگا رکھا ہے جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے خیریت کی اوراس کے سب سے بہتر ہونے کی بشارت سنائی ہے۔

## ہماری ذمہ داری

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چوں کہ یہ فضیلت اور یہ مقام ہمیں عطا فرمایا ہے اس لیے ہمیں سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکرادا کرنا چاہئے کہ اے اللہ! تیرالا کھ لاکھ شکرو احسان ہے، ہم تو اس لائق نہیں تھے کہ یہ خدمت ہم سے لی جاتی، مگر تیرا احسان اور فضل ہے کہ ہماری نالائقیوں اور ہماری کمزوریوں کے باوجودتو نے اس خدمت کے لئے ہم کومنتخب کیا۔

ساتھ ہی ساتھ اس منصب کے مناسبِ حال جو اوصاف، طریقے اور انداز ہیں وہ اختیارکرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔اس لئے کہ یہ دین کا کام ہےاورسب سے افضل کام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت ہی دین کولوگوں تک پہنچانے کیلئے ہوئی تھی، اورحضراتِ علماءکرام انبیاءکرام علیہم السلام کےوارث ہیں، اوروراثت کا

مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام دین پہنچانے کا جو کام کرتے تھے، اب انبیاء کے بعد اور نبی کریم ﷺ کے بعد یہ ذمہ دار یحضرات ِعلماء کرام کے سروں پر ہے۔

## کام اور طریقہ، دونوں حضور کے

حضور اکرم ﷺ نے دین کو لوگوں تک پہنچانے کے معاملہ میں جن حکمتوں اور مصلحتوں کو مد نظر رکھا اور دین پہنچانے کیلئے لوگوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو طریقۂ کار اختیار کیا، اُسی طریقۂ کار، انہی حکمتوں اور مصلحتوں کو مد نظر رکھ کر ہمیں کام کرنا ہے، تب ہی حقیقی معنٰی میں ہم نبی کریم ﷺ کے جانشین اور آپ کے وارث قرار دئے جائیں گے۔ اور اگر کام تو ہم ہاتھ پر وہ لیں، اور اس کے لئے طریقہ، انداز اور مصلحت وحکمت وہ اختیار نہ کریں جو نبی کر ﷺ نے اختیار کی تھی؛ تو یہ کام جیسا انجام دینا چاہیے، اس طرح ادا نہیں ہوگا؛ بلکہ اس صورت میں ہماری غلط پالیسی اور غلط حکمتِ عملی کی وجہ سے، یا اس طریقہ سے ہٹنے کی وجہ سے جو نبی کریم ﷺ نے ہم کو بتلایا تھا؛ ہم دین کے لئے بجائے مفید ثابت ہونے کے مضر اور نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

## دین سے قریب لائیں، دور نہ کریں۔

اس وقت میں زیادہ تفصیل نہیں کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے دین کے معاملے میں جن حکمتوں اور مصلحتوں کو مد نظر رکھا، اور جن کی طرف حضرات صحابۂ

کرامؓ کی رہنمائی فرمائی، ان حکمتوں اور مصلحتوں میں سب سے بڑی اور بنیادی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں آدمی کو ایسا انداز، ایسا طریقہ اور ایسی روش اختیار کرنی چاہیے، جس کے نتیجے میں لوگ دین سے دور نہ ہوں بلکہ قریب ہوں۔ ان میں نفرت پیدا نہ ہو بلکہ انسیت پیدا ہو۔ گویا ہم دین کے خدام کا عمل لوگوں کو دین سے قریب لانے کا ذریعہ بنے، دور لے جانے کا ذریعہ نہ بنے۔ چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی پوری حیات طیبہ میں اسی حکمت پر عمل کیا، اور حضرات صحابۂ کرامؓ کو بھی اس کی طرف رہنمائی کرتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا جو معاملہ رہتا تھا وہ غلط اور ناروا ہوتا تو بھی ان کے غلط یا سخت سے سخت رویہ اور انداز کے جواب میں کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا، جو ان کو دین سے دور کرنے والا ہو۔ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے ساتھ اختیار کئے جانے والے انداز کو دیکھ کر دوسروں کو بھی دین سے دوری ہو، اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا نہیں کیا۔

## انصار اور مہاجرین کی گروہ بندی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں ایک مستقل جماعت بنائی تھی، اور آپ جانتے ہیں کہ کفر کی جو مختلف قسمیں ہیں، ان میں سب سے خطرناک قسم نفاق ہے اور اس پر بڑی بڑی وعیدیں ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إن المنافقين في الدرك الأسفل من

النار ،جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں منافقین کے ہونے کی قرآن کریم نے خبر دی ہے۔عبداللہ بن ابی ان منافقین کا سب سے بڑا سردار تھا۔ بہت سے مواقع پر اس کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت ہی برا معاملہ کیا گیا۔

چناں چہ ایک موقع پر،غزوۂ مریسیع (بنوالمصطلق) سے واپسی میں ایک انصاری اور ایک مہاجری صحابی کے درمیان جھگڑا ہوگیا، ایک جگہ لشکر قیام پذیر تھا، جہاں ٹھہرنے کا فیصلہ ہوا، وہاں پانی کی بڑی قلت تھی، چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں تھوڑا سا پانی تھا۔لشکر کے جو لوگ پہلے پہنچے، انھوں نے اس پر قبضہ کرلیا، کسی نے اپنی ڈھال رکھ دی، کسی نے اپنی کوئی اور چیز رکھ دی۔ جیسے کہ عام طور پر ایسے مواقع میں اپنا حق جتلانے کے لئے ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔خیر! ایک مہاجری جو حضرت عمرؓ کے اجیر اور خادم تھے، انہوں نے ایک گڑھے پر اپنا چمڑا ڈال دیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔اس پانی کو پلانے کے لئے ایک انصاری آگے بڑھے تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں پلانے دوں گا، یہ میرا ہے۔اسی میں دونوں میں تیز گفتگو ہوگئ اور اس مہاجری نے انصاری کو کمر پر ایک چپت ماردی۔

اس پر اس انصاری نے کہا: **یاللأنصار** اے انصار! میری مدد کے لئے آؤ۔

اُدھر مہاجری نے کہا: **یاللمہاجرین** اے مہاجرین! میری مدد کے لئے آؤ۔

چنانچہ کچھ لوگ ادھر سے اور کچھ لوگ اُدھر سے جمع ہو گئے۔

## جماعتی تعصب جاہلیت کا نعرہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں یہ آواز پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہ

کیا ہے؟ **مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ** ؟ یہ جاہلیت کا نعرہ میں کہاں سے سن رہا ہوں؟ یعنی اپنی جماعت، اور اپنی کمیونٹی کو اپنی مدد کے لئے دعوت دینا، یہ تو جاہلیت کا نعرہ ہے۔ پھر اس معاملہ میں کچھ بڑے لوگ بیچ میں پڑے اور معاملہ نمٹ گیا۔

اس غزوہ میں عبداللہ بن ابی بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک تھا، کیوں کہ اس غزوہ میں امید تھی کہ کچھ مالِ غنیمت ملے گا۔ اس کو بھی پتہ چل گیا کہ یہ قصہ ہوا ہے۔

ادھر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ انصار ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مہاجرین کی پوری مدد کی۔ اب تک مہاجرین ان کے گھروں میں ہی رہ رہے تھے، ابھی تک اپنے الگ گھر بھی نہیں بسائے تھے اور انہیں کے یہاں کھاتے پیتے تھے۔

ایسے سفر میں لوگ جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے ہیں تو اس دوران مختلف مقامات پر الگ الگ لوگوں کا قیام رہتا ہے، لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر باتیں کرتے اور مجلسیں جماتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بھی اپنی جماعت کے لوگوں کو جمع کئے ہوئے اور مجلس جمائے ہوئے تھا، اس میں اس نے یوں کہا کہ دیکھو! ہم نے ان (مہاجروں) کو کھلایا پلایا، اب یہ لوگ ہمارے سر پر سوار ہو رہے ہیں، ابھی آگے آگے دیکھو، کیا ہوتا ہے۔ میں تو پہلے سے کہتا تھا، اب بھی سمجھ جاؤ، اب بھی اگر ان کو کھلانا پلانا چھوڑ دو گے، اور ان کی مدد نہیں کرو گے؛ تو آپ ہی آپ یہ سب بھاگ جائیں گے، وہ تو اس لئے پڑے ہوئے ہیں کہ تم ان کو کھلا پلا رہے ہو۔ پھر اس نے کہا کہ، ان کو مدینہ پہنچنے دو، جو عزت والے ہیں وہ ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ (بخاری: ۴۹۰۵ / مسلم شریف: ۶۷۴۸) عزت والے بول کر اس کا اشارہ اپنی

طرف تھا، اور ذلیل بول کر (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ کی ذات کی طرف تھا۔

## منافق سردار اور کم سن صحابی کی قسم

وہ یوں سمجھتا تھا کہ اس وقت میرے سامنے جو لوگ ہیں وہ سب میرے ہم خیال ہیں، اور حقیقت بھی یہی تھی، وہ سب اسی کی پارٹی اور ٹولی کے لوگ تھے، اسی میں بیٹھ کر یہ اپنا اظہار خیال کر رہا تھا؛ لیکن اتفاق کی بات کہ ایک چھوٹے سے مخلص صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ اس کا خیال ان کی طرف نہیں گیا یا بچہ سمجھ کر دھیان نہیں دیا ہوگا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو وہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم ایسا کہتے ہو، میں جا کر حضور ﷺ سے کہہ دیتا ہوں۔ اب اس کو احساس ہوا کہ یہ تو سب معاملہ گڑبڑ ہو گیا اور اندر کی بات باہر چلی جائے گی۔

ادھر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنے چچا کے پاس آئے اور ساری تفصیل بتائی، لیکن کوئی بچہ کسی بڑے کے متعلق کوئی نامناسب بات کہے تو لوگ اس کی بات فوراً مان نہیں لیتے، پہلے تو اسی کو برابر ڈانٹا جاتا ہے کہ سوچ کر بول! کیا کہتا ہے؟ کس کے متعلق کہتا ہے؟ بڑے آدمی کے متعلق ایسی بات کرتا ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ تم کس کے متعلق کہہ رہے ہو، اتنا بڑا آدمی ہے، قوم کا سردار ہے۔ عبداللہ بن ابی معمولی آدمی نہیں ہے، اس کے متعلق تم ایسی بات کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے برابر سنا ہے۔

خیر! ان کے چچا نے حضور ﷺ تک بات پہنچائی۔ حضور ﷺ نے عبداللہ کو

بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے؟ اس نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ میں نے ایسا کہا ہی نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ بڑا آدمی بچہ کے مقابلہ میں قسم کھائے، اور بچہ بھی قسم کھائے تو اس کی کون مانے گا؟ اب اپنے پرائے سب لوگ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ڈانٹ رہے اور کوس رہے ہیں کہ تم نے یہ کیا کیا؟ حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ میرے لئے تو منہ چھپانا مشکل ہوگیا؛ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ارقمؓ کی براءت کے لئے سورۂ منافقون نازل فرمائی۔

## منافق کے قتل کی اجازت نہ دی۔

جب یہ سورۂ منافقون نازل ہوئی اور یہ بات صاف ہوگئی کہ وہ ایسا بولا تھا تو حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ اے اللہ کے رسول، آپ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑادوں۔

منافقین کا یہ سرادر اپنی ایسی حرکتوں کی وجہ سے اس لائق تھا کہ اس کی گردن اڑوادی جاتی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اجازت نہیں دی کہ لوگ یوں کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو مروادیتے ہیں (بخاری: ۴۹۰۵ /سنن الترمذی: ۳۳۱۵)۔ یعنی تم لوگ ہمارے سامنے ہو اور حقیقت حال سے واقف ہو کہ میں اگر اس کے مارنے کا حکم دے دوں تو وہ بالکل صحیح و درست ہے اور وہ اس لائق ہے۔ لیکن یہ بات یہاں تک تو محدود نہیں رہے گی، بلکہ دنیا میں پھیلے گی اور جب باہر جائے گی تو لوگ یوں کہیں گے کہ ایک آدمی جو ابھی اسلام لایا تھا (ظاہر میں تو وہ مسلمان تھا، کلمہ پڑھتا تھا) اس کو بھی انہوں نے قتل کروا ڈالا۔ تو محض

اس لئے کہ یہ چیز لوگوں کے اسلام سے قریب آنے کے بجائے دور ہونے کا ذریعہ بنے گی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کے بجائے اس سے انکار کرنے کا ذریعہ بنے گی، آپ نے اجازت نہیں دی۔

## نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت داری پر انگلی اٹھانا

اس کے علاوہ اور بھی واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، ایک آدمی آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ انصاف سے تقسیم کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندے! میں تو اللہ کا رسول ہوں، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں کون کرے گا؟ اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اوپر اعتماد اور بھروسہ کیا، مجھ پر وحی بھیجی اور اپنی وحی لوگوں تک پہنچانے کے لئے مجھے امانت دار مانا؛ تو تم مجھے مال کے معاملہ میں امانت دار نہیں سمجھتے؟

اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ اور یہ معاملہ تھا بھی ایسا ہی، کیونکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے، اس کا تو ایمان ہی نہیں رہتا، لیکن وہاں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ اسی وجہ سے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ محمد نے اپنے آدمی کو قتل کروا دیا۔ اور پھر یہ چیز لوگوں کو دین سے دور کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن ابی کے قتل کا فیصلہ فرماتے، یا اس

آدمی کے قتل کی حضرت خالد بن ولیدؓ کو اجازت دیتے؛ تو صحیح اور برحق تھا اور وہ اس کے حق دار تھے کہ ان کو قتل کر دیا جائے، لیکن آپ ﷺ نے اسی بصیرت کے پیش نظر اس کی اجازت نہ دی کہ یہ اقدام لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کا ذریعہ بنے گا۔ دیکھئے! آپ ﷺ نے خود اپنے معاملے میں کیا طرز اختیار فرمایا۔ اگر مجھے اور آپ کو کوئی آدمی کسی مجلس میں آکر ایسی بات کہہ دے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی گئی تھی تو کیا ہم اور آپ برداشت کریں گے نہیں؟ ہرگز نہیں۔

خیر! حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ ﷺ کس طرح اور کیا کچھ تعلیم دے رہے ہیں وہ بھی دیکھئے۔

## مسجد میں پیشاب کرنے والے کو ادب کی تعلیم

ایک مرتبہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کے پاس مسجد میں آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے سلسلے میں کچھ سوال بھی کئے۔ جب اس کو پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آئی تو مسجد ہی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے اور مسجد کے آداب سے واقف بھی نہیں تھے۔ نیز اس زمانے میں مسجد میں فرش نہیں ہوتا تھا، ریت ہوتی تھی وہ لوگ اپنے گھروں کے آس پاس بھی اسی طرح کرتے تھے، زمین کچی ہوتی تھی جو اس کو چوس لیتی تھی، اسی خیال سے انہوں نے اس جگہ بھی پیشاب کر لیا۔ یہ بھی دیہات کے رہنے والے تھے اس لئے مسجد کے آداب سے واقف نہیں تھے۔ ابھی انہوں نے پیشاب کرنا شروع ہی کیا تھا کہ صحابہ نے دیکھا تو دوڑے اور ان کو منع کرنے لگے، کہ مسجد ہے۔

جب حضور ﷺ نے یہ سب دیکھا تو فرمایا کہ کر لینے دو، روکو مت۔

جب انہوں نے پیشاب کر لیا تو پھر حضور ﷺ نے بالٹی بھر پانی منگوایا اور فرمایا کہ یہ پانی اس پر ڈال دو تا کہ پیشاب کی بدبو بھی ختم ہو جائے اور جب وہ جذب ہو جائے گا اور زمین سوکھ جائے گی تو آپ ہی آپ پاک بھی ہو جائے گی۔ اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ سے فرمایا: **انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین** تم لوگوں کی طرف آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔ (بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول، نمبر: ۲۱۷)

حالانکہ وہ آدمی مسجد میں پیشاب کر رہا تھا اور اس کو روکنا کچھ مشکل نہیں تھا؛ لیکن شراح نے لکھا ہے کہ پیشاب کے دوران روکتے تو دو حال سے خالی نہ تھا، یا وہ اپنے پیشاب کو روک لیتا تو یہ اس کی طبیعت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا اور اس پر اثر پڑتا جس کی وجہ سے بیمار ہوتا یا یہ کہ وہ اس جگہ سے بھاگتا تو مسجد کی اور زیادہ جگہ خراب ہوتی۔

بہرحال! حضور ﷺ نے یہاں ایک اور بات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بتلائی لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے تمہاری بعثت ہوئی ہے یعنی تم کو بھیجا گیا ہے اور متعین کیا گیا ہے۔ شراح نے لکھا ہے کہ بعثت تو کہتے ہیں کسی کو نبی بنا کر اور پیغام وخبر لے کر بھیجنے کو اور بعثت تو حضور اکرم ﷺ کی ہوئی تھی، صحابہ کی نہیں۔ اس کی وضاحت میں شراح نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے واسطے سے صحابۂ کرام اور امت کی بھی بعثت ہوئی تھی۔ گویا یہ بھی نبی کی طرح لوگوں

تک دین کا پیغام پہنچانے والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی اس کام کے لئے وہی نبوی انداز اختیار کرنا چاہیے۔

## آسانی کرو، دشواری نہیں۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی کریم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کے بالائی یعنی اوپر والے حصہ اور علاقہ کا حاکم بنایا اور نیچے والے علاقے کا امیر اور حاکم حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا کر بھیجا۔ اور جب ان کو امیر و حاکم اور گورنر بنا کر بھیجا تو بخاری شریف (مغازی: ۴۰۸۶) کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان دونوں کو نصیحت فرمائی: یسرا و لاتعسرا، تم دونوں لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، مشکل نہ پیدا کرنا۔ بشرا و لاتنفرا، لوگوں کو خوش خبری کی باتیں سنائیو۔ یہاں بشرا کے مقابلہ میں و لا تنذرا آنا چاہیے، یعنی لوگوں کو ڈرائیو مت؛ لیکن اس کے مقابلہ میں و لاتنفرا لائے۔

نبی کریم ﷺ کا کلام بہت مختصر اور جامع ہوتا تھا، یہاں بھی نبی کریم ﷺ نے دو الگ الگ جملوں سے ایک ٹکڑا ذکر کر کے دو جملوں کے معانی بیان کر دیے، پوری نصیحت اصل یوں تھی:: بَشِّرَا و لاتُنْذِرَا، وَ آنِسَا وَ لاتُنَفِّرَا بشارت سنانا اور ڈرانا مت۔ اور لوگوں کو مانوس و قریب کرنا، اور نفرت مت دلانا، اور دور مت کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا انداز اختیار کرو جس کی وجہ سے لوگ دین کے قریب ہوں۔ ان کو تو دین ہی کو سکھلانے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ اور دین سکھانے والوں کا کیا

طریقہ اور انداز ہونا چاہیے یہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

## لوگوں کو دین کے نام پر مشکل میں مت ڈالو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دن بھر رہتے تھے اور شام کو مغرب کے بعد اپنے محلے میں چلے جاتے تھے اور پھر وہ اپنے محلے میں عشاء کی نماز پڑھاتے تھے اور فجر کی نماز بھی اپنے ہی محلے میں پڑھاتے تھے۔ ایک روز ذرا دیر سے پہنچے، لوگ انتظار میں تھے۔ ایک تو دیر سے پہنچے اور پھر جب نماز شروع کی تو لمبی سورت شروع کر دی۔

اب جو لوگ جماعت میں شریک تھے ان میں سے ایک نے سوچا کہ اتنی لمبی سورت شروع کر دی ہے، معلوم نہیں کب پوری کریں گے، اس لئے اس نے نماز توڑ کر اکیلے اپنی نماز پڑھی اور چلا گیا۔ جب حضرت معاذ بن جبلؓ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ وہ کون تھا؟ کہا گیا کہ فلاں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ منافق معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں نماز توڑ کر چلا گیا۔

ان سے کسی نے کہا کہ تم درمیان میں نماز توڑ کر الگ نماز پڑھ کر چلے گئے تو حضرت معاذ بن جبل نے تمہارے متعلق یوں کہا کہ منافق ہے۔ اس نے کہا کہ واہ بھئی واہ! ایک تو اتنی دیر سے وہاں سے آئے اور پھر اتنی لمبی سورت شروع کر دی، ہم لوگ تو دن بھر محنت مزدوری کرنے والے ہیں، کھیتی باڑی کو پانی پلاتے ہیں، ہل جوتتے ہیں، اور دن بھر تھکے ہوئے آتے ہیں اور یہ ہے کہ نماز میں اتنی لمبی سورت پڑھنی شروع کی، یہ کیسے امام ہیں؟ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کروں گا اور پھر

انہوں نے جا کر حضور اکرم ﷺ کو بتلا یا دیا کہ کل ایسا ہوا کہ اول تو حضرت معاذؓ آپ کے یہاں سے دیر سے آئے، ہم لوگ انتظار کرتے رہے اور انہوں نے آکر جب نماز شروع کی تو لمبی چوڑی قراءت شروع کردی، میں نے دیکھا کہ بہت دیر لگے گی، تو میں نے نماز توڑ کر اپنی نماز الگ پڑھ لی، اور پھر میں چلا گیا۔ اس پر یہ مجھے منافق کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو بلایا اور خوب ڈانٹا، أفتان انت یامعاذ؟ اے معاذ، کیا تم لوگوں کو مشکل میں ڈالو گے؟ (بخاری، ابواب الصلوۃ، باب من شکا امامہ، نمبر: ٦٧٣)

## پیار محبت والا طریقہ اپنائیں۔

بھائی! ایک زمانہ وہ تھا جب تم نے اپنے بچپن میں تعلیم حاصل کی تھی، اور اب ایک زمانہ یہ ہے جو ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ وقت بدلتا جارہا ہے، زمانے کے حالات میں تبدیلی آتی جارہی ہے۔ بہت سال پہلے ہمارے بچپن کے زمانے میں یہ اصول تھا کہ بچے کو جب حافظ جی کے پاس لے کر جاتے تھے تو ان سے کہہ دیتے تھے کہ ہڈی آپ کی چمڑی ہماری۔ اب یہ صورت حال نہیں ہے اب تو ماں باپ فوراً لڑنے کے لئے آجاتے ہیں۔

بچوں کو مذہب کی بنیادی تعلیم دینا یہ ہماری خصوصیت ہے۔ ہمارے یہاں عربی مدرسوں میں کافی تعداد میں طلبہ جاتے ہیں۔ ہندوؤں کے ایسے ادارے ہیں بھی تو بہت کم لوگ وہاں جاتے ہیں۔ ہر ہر بچے کو دین کی ضروری چیزوں سے واقف کرایا جائے، یہ طریقہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور مذہب والوں میں نہیں

ہے۔

بہر حال! بچوں کو پڑھانے کے لئے ہمیں وہ طریقہ اختیار کرنا ہے جو ہم اپنی اولاد کے لئے روا رکھتے ہیں اور وہ طریقہ ہے پیار و محبت والا۔

اگر ہم اپنے بچوں کو خود پڑھائیں تو سچ سچ بتلاؤ کہ ہم کون سا طریقہ اختیار کریں گے؟ ہمارے ساتھ ہمارے ماں باپ نے جو سخت سلوک کیا، کیا آج وہی سلوک ہم اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہیں، یا کر سکتے ہیں؟ ہم اور آپ سب کا جواب نفی میں ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے لیے اپنے دل و دماغ کی راہ کھول دینے والے ان تمام بچوں کو اپنا بچہ سمجھ کر ان کی تعلیم و تربیت کی ہم فکر کریں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

# علماء وائمہ کا مقام اوران کی ذمہ داریاں

نبی کریم ﷺ کی تفہیم کا انداز دیکھو۔ بھلی بات سیکھنے کی ترغیب دینے کے لیے آپ نے اسے **الحکمة ضالة المؤمن** سے تعبیر فرمایا۔ اس کو مومن کی گم شدہ متاع بتا کر آپ ﷺ نے آمادہ کیا کہ اس کو لینے کے لیے کسی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جھپٹ کر اس کو حاصل کر لینا چاہیے۔

رتن پور، دانتا۔ 24-04-2014

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔ و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔ و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔ من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له۔ و نشهد أن لا إله إلا الله و حده لا شريک له۔ و نشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله۔ صلى الله تعالى عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلم تسليماً كثيراً كثيراً۔ أما بعد۔

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

مِنَ المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر و ما بدلوا تبديلاً۔

و قال تعالى: و جعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا و كانوا بآياتنا يوقنون۔

و قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كلكم راعٍ و كلكم مسؤول عن رعيته۔ (بخاری، كتاب الجمعة، ۸۴۹)

و قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الدين النصيحة۔ قلنا لمن يا رسول الله، قال لله و لكتابه و لرسوله و لأئمة المسلمين لعامتهم أو كما قال عليه الصلوة و السلام۔ (ترمذی، كتاب البر و الصلة)

حضرت علماء کرام اور عزیز طلبہ

ابھی ابھی مجھے کہا گیا کہ یہاں مکاتب کے مدرسین کو جمع کیا گیا ہے، ان کی نسبت سے کچھ باتیں عرض کی جائیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میں اس قابل نہیں کہ آپ حضرات کی خدمت میں گذارشات پیش کروں؛ البتہ اپنے ہم جنسوں سے ملاقات کے وقت جو مذاکرہ ہوتا ہے، اس طرح مذاکرہ کے طور پر کچھ باتیں جو اللہ تعالی دل میں ڈالے عرض کروں گا۔ میں نے پہلے سے کچھ سوچا بھی نہیں کہ کیا کچھ عرض کرنا ہے؟ مولانا سے میں نے پوچھا کہ کونسی چیزیں خاص طور پر پیش کرنی ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ مکاتب کے مدرسین ہیں، ان کی مناسبت سے جو باتیں مناسب ہوں وہ بتلائی جائیں۔

## نسبتِ علم نشانِ قبول ہے۔

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے محض اپنے فضل سے اپنے دین اور علم دین کے ساتھ ہم کو نسبت عطا فرمائی۔ یہ اللہ تبارک وتعالی کا وہ عظیم انعام ہے کہ ہم اور آپ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ باری تبارک وتعالی فرماتے ہیں : **و من یؤت الحکمة فقد أوتی خیراً کثیرا**۔ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جس کو حکمت دی جائے تو اس کو بہت بڑی خیر اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے : **من یرد اللہ به خیراً یفقهه فی الدین**۔ (بخاری، کتاب العلم، ۷۱)

اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کثیر کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین کی سمجھ اور دین کا علم عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے دین کے علم کے لیے ہمارا انتخاب فرمایا یہ ہمارے لیے بہت بڑی سعادت کی چیز ہے۔ در مختار کے مقدمہ میں ہے: امام محمد کے انتقال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ اللہ تعالی نے

آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے فرمایا: اے محمد! اگر تجھے عذاب دینا منظور ہوتا تو اپنے دین کا علم تمہارے سینے میں نہ رکھتا۔ گویا اللہ تعالی کی طرف سے علم دین عطا کیا جانا بہت بڑی سعادت کی چیز ہے۔ اوراس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔

آپ تو پڑھنے پڑھانے والے حضرات ہیں، جانتے ہیں کہ ہر علم کا ایک موضوع ہوتا ہے، جتنا وہ موضوع اونچا ہوتا ہے، اسی قدر وہ علم بھی اونچا سمجھا جاتا ہے۔ آپ حضرات مسلمان بچوں کی دینی ،اسلامی اور ایمانی تربیت کا کام انجام دیتے ہیں، گویا آپ کا موضوع انسان سازی ہے۔ لوگوں کو اور بچوں کو؛ مسلمان بنانا بڑا عظیم کام ہے، اسی مناسبت سے آپکا مقام بھی اللہ تعالی نے بلند فرمایا ہے۔

بہر حال مکاتب کی نسبت سے دینی خدمت کی انجام دہی کا جو موقع اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے، وہ بڑی سعادت مندی کا مقام ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی قدر کرتے ہوئے اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام کریں۔

## نماز با جماعت کا اہتمام:

اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی ذات سے متعلق ہمیں فکر کرنی چاہیے۔ یعنی اللہ تعالی کے ساتھ ہماری نسبت مضبوط سے مضبوط تر ہونی چاہیے۔ اپنا عملی پہلو ہمیں اس انداز سے درست کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری ذات کی طرف کسی کو کسی معاملے میں انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ اس نسبت کو

مضبوط کرنے کے لیے سب سے پہلی اور ضروری چیز یہ ہے کہ نماز با جماعت کا اہتمام ہو۔

یہ چیز ایسی نہیں کہ اہل علم کے سامنے اس کا ذکر کیا جائے۔ لیکن آج ہم جس دورِ انحطاط سے گذر رہے ہیں اس میں یہ ساری چیزیں دیکھنے کو مل رہی ہیں، حتیٰ کہ بڑے عربی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ سے متعلق بھی شکایتیں ملتی ہیں۔

ایک مدرسہ کے ذمہ دار نے شکایت کی کہ ہمارے یہاں ایک مدرس ہیں، نماز با جماعت میں حاضری نہیں دیتے، ان سے اس سلسلے میں کہا گیا تو فرمانے لگے کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، جس میں آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے! اب یہ مزاج بنتا جا رہا ہے۔

نماز با جماعت کا اہتمام تو ایسی چیز ہے کہ ایک عام مسلمان پر بھی اس کا اہتمام ضروری ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے، کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں سوائے کھلے منافق کے کوئی بھی جماعت سے غیر حاضری کی جرأت نہیں کرتا تھا، جو بیمار ہوتے تھے وہ اپنی بیماری میں بھی اپنے مقدور بھر، دو لوگوں کے سہارے مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

بہر حال ایک ضروری چیز نماز با جماعت کا اہتمام ہے۔

## اذان ہوتے ہی مسجد میں پہنچنا

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اذان ہوتے ہی مسجد میں پہنچا جائے۔ آج کل ہماری ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے،

تلاوت، دعا، تسبیحات وغیرہ کا جو اہتمام ہونا چاہیے اس میں بھی ہمارے طبقہ کی طرف سے بہت زیادہ کمزوری پائی جاتی ہے۔ اس کا آسان علاج، جو میرے تجربہ سے بہت کامیاب ثابت ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ اذان سے پانچ منٹ پہلے مسجد میں پہنچنے کی عادت ڈالئے۔ ہمارے یہاں عام طور پر فجر کی اذان جماعت سے آدھ گھنٹہ پہلے دی جاتی ہے۔ گویا جماعت سے پینتیس منٹ پہلے آپ پہنچ رہے ہیں، ظہر میں بھی بہت سی جگہوں پر آدھ گھنٹہ اور بہت سی جگہوں پر بیس منٹ پہلے اذان ہوتی ہے۔ پانچ منٹ پہلے پہنچیں گے تو پچیس منٹ یا پینتیس منٹ پہلے پہنچنا ہوگا۔ یہی حال عصر کا ہے۔ بیس منٹ یا پندرہ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے، اس وقت بھی پچیس یا بیس منٹ کا وقت ملے گا۔ اسی طرح عشاء میں بھی وقت ملے گا۔

اس طرح پانچوں اوقات کی نمازوں میں آپ پانچ منٹ پہلے پہنچنے کا اہتمام کریں گے تو جو سنن قبلیہ مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ہیں، ان کو ادا کرنے کے بعد آپ کو پندرہ، بیس منٹ کا وقفہ مل جائے گا۔ اس پندرہ بیس منٹ کے وقفہ میں قرآن پاک کی تلاوت کی جو مقدار ہے وہ بھی آپ آسانی سے پوری کر سکیں گے۔ یہ میرا اپنا تجربہ بھی ہے۔ میں ظہر اور فجر میں اسی لیے مسجد میں جلدی پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہاں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کروں، چنانچہ اس کے نتیجہ میں اچھی خاصی مقدار میں تلاوت کی توفیق ہو جاتی ہے۔ جو حضرات ناظرہ خواں ہیں ان کو عام طور پر ہمارے یہاں سے یومیہ ایک پارہ کا معمول بتلایا جاتا ہے اور حفاظ کو تین پارے۔ اگر فجر اور ظہر ہی میں اہتمام کیا جائے تو ڈھائی تین پارے آسانی سے پڑھ سکتے ہیں۔

## تسبیحات اوراذ کار کا اہتمام از بس ضروری ہے۔

تلاوت کے علاوہ تسبیحات، تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔قرآن پاک میں اللہ تعالی نے جگہ جگہ پر ذکر کا حکم دیا ہے۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (احزاب: ۴۱ - ۴۲) میں تو تمام ایمان والوں کو یہ حکم ہے۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خانقاہ میں رہنے والوں کا کام ہے۔ ہم اہل مدارس کا کام تو پڑھنا پڑھانا ہے، کتابوں کا مشغلہ ہے۔ یہ سوچ صحیح نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اذ کار اللہ تعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے والے ذرائع ہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت، تسبیحات، ذکر، دعائیں، یہ ساری چیزیں ، بڑی پابندی کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنے کی ضرورت ہے، جب تک یہ چیزیں نہیں ہوں گی، وہاں تک اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوگا۔

ان تسبیحات میں تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار، اگر تین سو تین سو مرتبہ ہوجائے تو فبہا۔نہیں تو سو سو مرتبہ۔ آج کل ہمارے مشائخ سو سو مرتبہ ہی بتاتے ہیں۔

## تہجد کا اہتمام

تہجد کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔تہجد بھی بہت ضروری چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، **عليكم بقيام الليل ، فإنه دأب الصالحين قبلكم و مقربة لكم**

**إلی ربکم، ومغفرة للسیئات۔ منهاة عن الاثم و مطردة للداء عن الجسد۔** (معجم کبیر طبرانی، ۶۱۵۴)

تم رات کے قیام کو لازم پکڑو۔ اس لیے کہ یہ تم سے پہلے جو صالحین گذرے ہیں ان کا طریقہ کار رہا ہے۔ ہم بھی اپنے آپ کو صالحین میں زمرے میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کا اہتمام کریں۔

حضراتِ صحابہ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مشائخ اور فقہاء؛ ہر ایک کی زندگی میں یہ چیز گویا ایک لازمی جز کے طور پر نظر آتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی ہم تقلید کرتے ہیں اور ہم سب جانتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ یہی حال اکثر مشائخ تھا کہ وہ رات کا بڑا حصہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ اپنی عظمت، بلند مقام اور اللہ تعالی کی طرف سے **لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تأخر** کی بشارت کے باوجود رات رات بھر قیام کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے سامنے حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایتیں ہیں کہ رات کے قیام کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ شگاف پڑ جاتے تھے۔ اور جب آپ کی خدمت میں عرض کیا جاتا تھا کہ آپ اتنا زیادہ اہتمام کیوں کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالی نے آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کردی ہیں، تو اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ فرماتے تھے: **افلا أکون عبدا شکورا**۔ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

اللہ نے ہمیں بھی جو دینی اور روحانی نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ کسی اور کو نہیں دی ہیں۔ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ اس کے لیے ہم راتوں کو اٹھنے کا اہتمام کریں، نبی کریم ﷺ رات کا بڑا حصہ اسی طرح گذارتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ؛ وغیرہ کے حالات میں بھی یہی بات آپ کو ملے گی۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کو 'رہبان باللیل وفرسان بالنہار' کہا جاتا تھا۔ کیوں کہ دن بھر میدان جنگ میں مشغول رہتے، اوراس کے باوجود راتوں کو کھڑے ہونے کا اہتمام کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ رات کا قیام ہمارا خاص امتیازی وصف تھا، وہ ہم اہل علم سے ختم ہوتا جارہا ہے۔ اگراس کی عادت ڈالیں گے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بہت کچھ نوازیں گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو نوازنا چاہتا ہے اس کو اولاً اس نعمت سے بہرہ ور فرماتے ہیں۔

**ومقربة لكم إلى ربكم**۔ اور تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے قرب کا ذریعہ ہے۔

**مغفرة للسيئات** اور گناہوں کا کفارہ ہے۔

**منهاة عن الاثم**۔ گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانی سے روکنے والا ہے۔ ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی تدبیر کرتے ہیں، سب سے بہترین تدبیر یہ ہے کہ آدمی قیام اللیل کا اہتمام کرے، اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو وہ عزم وارادہ اور وہ روحانی طاقت وقوت عطا فرماتے ہیں کہ اس سے گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

**مطردۃ للداء عن الجسد**۔اور کمال کی بات یہ ہے کہ یہ بیماری کو جسم سے بھگانے والی چیز ہے۔ اطباء بھی کہتے ہیں اور کتابوں میں باقاعدہ ایسی صراحت موجود ہے کہ جو لوگ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں عام طور پر وہ صحت مند ہوتے ہیں، چاق و چوبند ہوتے ہیں، ان کی زندگی کو آپ دیکھیں گے تو اپنے فرائض منصبی کے ادائیگی کے معاملہ میں کسی سستی اور کسل مندی کا شکار نہیں ہوتے۔ بڑے مستعد رہتے ہیں۔ یہ گویا زندگی میں ایک نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بہر حال تہجد بہت ضروری ہے۔اس کے بغیر کسی دینی خدمت میں جان نہیں پڑتی۔

تہجد کے علاوہ دیگر نوافل کا بھی اہتمام کرنا ہے۔ بزرگوں کو دیکھا، دو نمازوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اوابین اور تہجد۔ باقی نمازیں، اشراق اور چاشت کی نمازیں، ہمارے تعلیمی اوقات ہوتے ہیں۔البتہ ان دو نمازوں میں تقریباً سب ہی کو دیکھا کہ اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

## تلاوت کا اہتمام

ہمارے یہاں ہوتا یہ ہے کہ، آدمی دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ مدرسوں میں پڑھا رہے ہیں، حدیث کا درس دے رہے ہیں؛ لیکن ان سے آپ پوچھیں گے کہ آپ روزانہ قرآن پاک کتنا پڑھتے ہیں؟ آدھا پارہ؟ نہیں۔ پاو پارہ؟ نہیں۔ کہتے ہیں کہ مطالعہ کی وجہ سے وقت نہیں ملتا ہے۔ ویسے ہمیں باتیں کرنے کے لیے وقت ملتا ہے۔مجلس بازی کا وقت ملتا ہے۔لغویات کے لیے وقت ملتا ہے؛ لیکن قرآن پاک کی تلاوت کے لیے وقت نہیں ملتا۔ حالاں کہ یہ بہت اہم چیز

ہے۔قرآن پاک کی تلاوت کے نتیجہ میں اللہ کا جو قرب حاصل ہوتا ہے کسی اور چیز سے وہ قرب حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اللہ تبارک وتعالی کو سو مرتبہ خواب میں دیکھا۔ آخری مرتبہ پوچھا: اے اللہ آپ کا قرب سب سے زیادہ کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے تو جواب ملا: قرآن پاک کی تلاوت سے۔پوچھا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھ کر۔ جواب ملا کہ سمجھ کر ہو تو بھی اور بغیر سمجھے ہو تو بھی۔(سیر اعلام النبلاء،۱۱-۳۴۵) بہر حال قرآن کا حق ہے۔خاص کر حفاظ کو اس کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: **لا حسد إلا في الاثنين، رجل أعطاه الله كتابه، فيقوم به آناء الليل و آناء النهار**۔قرآن پاک کے حفظ کی دولت اللہ نے عطا فرمائی ہو تو اس کا حق اور اس کی شکر گذاری یہی ہے کہ آدمی راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرے۔

آدمی کو چاہیے کہ قرآن پاک کی تلاوت، تسبیحات، اذکار، تہجد اور مختلف اوقات کے مسنون اذکار کا اہتمام کرے۔اس کے نتیجہ میں آدمی کو اللہ تعالی کی ذات سے ایک تعلق اور ربط قائم ہوتا ہے۔

خیر، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارا اپنا عملی پہلو، عبادت کا پہلو مضبوط ہونا چاہیے، جب تک اس میں قوت نہ ہوگی وہاں تک ہم جن بچوں کی تربیت کر رہے ہیں، اس میں روحانی اور اخلاقی تاثیر نہ ہوگی۔

تربیت کے سلسلے میں علماء نے لکھا ہے کہ تربیت کرنے والے کی عملی زندگی ماتحتوں پر بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے۔اس لیے اگر وہ نماز باجماعت کا پابند ہے، وہ

اذکار کا پابند ہے، وہ تلاوت کا پابند ہے، تو یہی چیز اس کے ماتحت جو تربیت پانے والے ہیں ان کے اندر بھی آئے گی۔

## اخلاق اور معاملات کی درستگی

اس کے علاوہ اپنے اخلاق میں کمزوری نہ ہونی چاہیے۔ کوئی ایسی بری عادت نہ ہو۔ خاص کر کوئی ایسی عادت جو کبیرہ گناہ تک پہنچی ہوئی ہو، اس سے بھی اپنے آپ کو خاص کر بچانے کا اہتمام کریں۔ یہ بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔

معاملات بھی ہمارے درست ہونے چاہیے۔ معاملات کی لائن سے ہماری طرف سے کوئی ایسی چیز جو لوگوں پر اور عوام پر برا اثر ڈالے، پیش نہیں آنی چاہیے۔ بہت سی جگہوں پر مالی اعتبار سے اس طرح کی چیزیں پیش آتی ہیں، جس کے نتیجہ میں اہل علم کا وقار باقی نہیں رہتا۔ اس سے بھی اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کی ضرورت ہے۔

اپنے اوقات صحیح طریقہ سے استعمال کریں۔ تعلیمی اوقات کے علاوہ باقی اوقات کا بھی ایسا نظام بنایا جائے، جس سے ان اوقات کا صحیح استعمال ہو سکے۔

عام طور پر مکاتب میں پڑھانے والے مدرس یوں سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی بڑی کتاب نہیں پڑھانی ہے، نہ ہمیں مطالعہ کی ضرورت ہے، یہ صحیح نہیں۔ بلکہ ان کو بھی چاہیے کہ مسائل سے تعلق رکھنے والی کتابیں پڑھیں، جو نئے مسائل پیش آتے ہیں ان سے واقف رہیں۔ آج کل تو بہت سے اداروں سے ماہ نامے شائع ہوتے ہیں ان میں بھی اس طرح کے مسائل اور مضامین آتے ہیں، ان کو پڑھیں۔ یا اپنے

اساتذہ سے ربط کر کے اور ان سے مشورہ کر کے آپ کی دینی خدمات کے لیے معاون ثابت ہوں، ایسے رسائل اور مضامین کو پڑھنے کا اہتمام کریں۔

## اسلام مخالف پروپیگنڈہ اور جمعہ کے بیانات

اس زمانہ میں میڈیا کی طرف سے اسلام کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، بہت سی مرتبہ آپ دیکھیں گے کہ یہ ڈیلی پرچے یعنی اخبارات، کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں اور اس کو بنیاد بنا کر اسلام کے اوپر غلط اعتراضات کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں کے ذہن کو، خاص کر نوجوانوں کے ذہن کو بگاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، ایسے تمام مسائل میں آپ کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ جس مسئلہ کو چھیڑا گیا ہے، اس کے متعلق معلومات حاصل کریں، اگر آپ کو اتنی صلاحیت نہیں تو آپ نے جہاں سے فراغت حاصل کی ہے، جن اساتذہ سے پڑھا ہے، ان سے رابطہ قائم کیجیے، ان کی خدمت میں جا کر دریافت کیجئے کہ آج کل اخبارات نے یہ مسئلہ چھیڑا ہوا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، آپ سمجھئے، معلوم کیجئے اور پھر لوگوں کو بھی سمجھائیے۔ اس کا خاص اہتمام فرمائیں تاکہ میڈیا کی طرف سے ہمارے نوجوان اور عام مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلامی عقائد کے متعلق جو شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں، ان کو دور کیا جا سکے۔ اپنی گفتگو میں، بیانات میں، جمعہ کے بیانات میں ذکر کرنا چاہیے۔

جمعہ کے بیانات مختصر ہونے چاہیے اور اس میں جو اہم چیز ہو اس کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ زائد اور بے فائدہ باتیں نہ ہوں۔ بعض طلبہ کو انجمن سے بے

فائدہ باتیں کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے، مدرسہ کی طرف سے انجمن میں ایک وقت متعین ہوتا ہے تو کسی طرح ایران توران کی باتیں لاکر پانچ منٹ پوری کرتے ہیں، وہی مزاج بعد میں باقی رہتا ہے اور کسی جگہ پڑھانے جاتے ہیں تو وہاں بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

ایسا بیان ہو جو خلاصہ ہو، مغز ہو۔ آج کل تو علم کا بڑا چرچا ہے، دنیوی علوم کا بھی چرچا ہے۔ لوگ دینی علم سے بھلے ناواقف ہوں، دنیوی علوم پڑھے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے سامنے جب کوئی صحیح بات نہیں آتی تو وہ بات کرنے والے کے متعلق بدگمان ہو جاتے ہیں کہ مولوی صاحب کیسی بات کرتے ہیں؟ اس لیے لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز میں پیش کرنے ضرورت ہے؛ بلکہ سال بھر کی ایک ترتیب ہونی چاہیے اور ہر جمعہ کو ایک مخصوص موضوع سے متعلق اہم باتیں، قرآن، حدیث اور بزرگوں کے اقوال اور افادات سے ایسے انداز میں پیش کی جائیں کہ لوگ رغبت سے سنیں۔

اس میں وقت کی پابندی بھی ہونی چاہیے، مختصر، ۲۰ منٹ، ۲۵ منٹ کا بیان ہونا چاہیے۔ وقت کی پابندی نہیں کریں گے تو لوگ مسجد چھوڑ دیں گے۔ آپ کی بات نہیں سنیں گے۔ اور اگر ان کو یقین ہوگا کہ یہ اپنے وقت پر ہی بات ختم کرتے ہیں تو بڑے شوق اور رغبت سے سنیں گے۔

## گردوپیش سے باخبر رہیے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسائل سے اور موجودہ حالات سے بھی

واقفیت رکھیں، آپ جس علاقہ میں یا بستی میں کام کررہے ہیں، وہاں کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے متعلق جو چیزیں ہیں وہ بھی معلوم ہونی چاہیے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری ؓ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کو نبی کریم ﷺ نے یمن کے دو الگ الگ علاقوں پر امیر بنا کر بھیجا۔ حضرت معاذ ؓ تو مدینہ کے رہنے والے تھے، ان کو یمن کے حالات کی خبر نہیں تھی؛ لیکن حضرت ابوموسی اشعری ؓ اصالۃً یمن ہی کے رہنے والے تھے، وہیں سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تھے۔ ان کو جب بھیجا گیا تو چوں کہ وہ اپنے علاقہ کے حالات سے واقف تھے، تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے یہاں کھجور، اور جَو کی شراب بنائی جاتی ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل مسکر حرام۔ دیکھئے! جب حضرت ابوموسی اشعری ؓ کو بھیجا جارہا تھا تو ان کو فوراً خیال آیا کہ اس علاقہ میں لوگ اس چیز کے عادی ہیں، تو اس مسئلہ سے متعلق انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پیشگی رہ نمائی حاصل کرلی۔ معلوم ہوا کہ آپ جہاں کام کررہے ہیں اس علاقہ میں جن مسائل سے آپ کو واسطہ پڑنے والا ہے، ان مسائل کے تعلق سے پہلے ہی سے آپ کو تیاری کرلینی چاہیے۔

## تقریر اور وعظ کا موضوع

اسی طرح تقریر اور بیان موقع کے مناسب ہونا چاہیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ عمرے کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ حدیبیہ میں قیام تھا۔ اس دوران ایک مرتبہ رات کو بارش ہوئی، صبح فجر کی نماز

سے فارغ ہوکر نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: معلوم ہے اللہ تعالی نے آج کیا فرمایا؟ صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے فرمایا کہ آج کچھ لوگ تو وہ ہیں جو میرے اوپر ایمان لائے، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل سے اور کرم سے برسی اور جنھوں نے یوں کہا کہ یہ بارش فلانے ستارے کی وجہ سے آئی ہے، انھوں نے میرے ساتھ کفر کیا۔(مسلم، کتاب الایمان، نمبر ۷۱) چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں بارش کے متعلق یہ نظریہ تھا کہ جب بارش ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ فلانے ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ گویا بارش کی مناسبت سے ایک غلط نظریہ کی نبی کریم ﷺ نے تردید فرمائی۔ چوں کہ یہ اس کا موقع تھا اس لیے موقع کی مناسبت سے بات پیش کر کے لوگوں کی غلط فہمی دور فرمانے کی سعی فرمائی۔

یا جیسے آپ کو معلوم ہے سورج گرہن ہوا تو اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی پیدائش کی وجہ سے یا موت کی وجہ سے گرہن لگتا نہیں ہے۔

چوں کہ زمانہ جاہلیت کا نظریہ اور لوگوں کی سوچ یہ تھی کہ سورج کو گرہن لگا ہو تو سمجھو کہ کوئی بڑا آدمی انتقال کر گیا ہوگا یا کسی بڑے آدمی کی پیدائش ہوئی ہوگی۔ اتفاق کی بات حضور ﷺ کے زمانہ میں جب گرہن ہوا تو آپ کے صاحب زادے ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن کی مناسبت سے کیا کرنا چاہیے وہ بھی آپ نے عملی طور پر کر کے بتلایا اور سورج گرہن سے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں اس کو بھی اپنی تقریر اور بیان کے ذریعہ دور کرنے کا اہتمام فرمایا۔

ہمارے یہاں بھی اخبارات میں سورج گرہن کی خبریں آتی ہیں۔ حساب کے ذریعہ بتا دیتے ہیں کہ سورج گرہن کب ہونے والا ہے؟ آپ گجراتی اخبارات میں دیکھتے ہوں گے، اس کے ضمیمے (પૂર્તિ) میں سورج گرہن کے موقع پر اس کے متعلق باقاعدہ لمبے لمبے مضامین دیتے ہیں کہ فلاں جگہ غسل کرنے جانا چاہیے، یہ اشنان کرو، یہ کرو، وہ کرو۔ ایک غلط اور باطل مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کے پیروکاروں کو اس موقع پر کیا کیا کرنا چاہیے، وہ بڑی تفصیل سے بتانے کا اہتمام کرتے ہیں اور ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں بہترین تعلیمات دی ہیں، اس کے باوجود لوگوں کو آگاہ نہ کریں، اس پر عمل کا اہتمام نہ کریں، تو اس سے بڑھ کر محرومی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ موقع کی مناسبت سے بات کرنے کا اہتمام کریں۔ جہاں آپ کام کر رہے ہیں وہاں اگر کسی کی شادی ہونے والی ہے، تو شادی سے پہلے ہی شادی سے متعلق اس علاقہ میں جو رسم و رواج ہے اس کے متعلق قرآن و حدیث کی تعلیمات ان کو بتلائیں۔ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے؟ ان رسوم اور رواجوں کے کیا نقصانات ہیں؟ دینی اعتبار سے اور دنیوی اعتبار سے جو نقصانات ہیں، وہ سب کچھ لوگوں کو محبت سے، تفصیل سے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ سمجھا کر

لوگوں کو اس پر عمل کے لیے آمادہ کیجئے۔ اسی طرح موت کی نسبت سے جو رسم و رواج ہوتے ہیں، ان رسم و رواج سے بچانے کے لیے پہلے ہی سے ان کی ذہن سازی کی جائے۔

بہر حال جو چیز موقع کی مناسبت سے پیش کی جائے وہ اپنا اثر رکھتی ہے۔ اس لیے اس کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ اور یہ سب اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ خود اس کے لیے پہلے سے تیاری کرلیں اور اپنے اساتذہ سے رابطہ رکھا کریں۔

## پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

آج ایک مصیبت یہ بھی ہوگئی ہے کہ فراغت کے بعد مدرسہ چھوڑتے ہیں تو اساتذہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حالاں کہ اقبال نے کہا ہے: پیوستہ رہ شجر سے، امیدِ بہار رکھ۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں اس پر بہت عمل کیا۔ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ یعنی اپنے بڑوں سے تعلق ہمیشہ بر قرار رکھو اور موقع بہ موقع ان سے استفادہ کرتے رہو۔ ان سے اپنے معاملات اور خدمات کے سلسلے میں مشورہ اور ہدایتیں حاصل کرتے رہنا چاہیے۔

اگر آپ قریب ہیں تو خود حاضر ہو کر اور دور ہیں تو خطوط کے ذریعہ اپنے اساتذۃ کو برابر اپنے حالات سے مطلع کرتے رہیں۔ میں یہ کام کر رہا ہوں، یہ حالات ہیں، مجھے اس سلسلے میں رہ نمائی اور آپ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت ہے۔ اس طرح ان کو اپنی خدمات سے آگاہ کیا جائے۔ اپنے بڑوں کو جب اپنے

کام سے آگاہ کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں، دعائیں دیتے ہیں، آپ کے کاموں سے خوش ہوکر آپ کی طرف توجہ فرمائیں گے، آپ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔اس طرح یہی رابطہ آپ کے لیے آگے کی خدمات میں مزید ترقی کا ذریعہ بنے گا۔ یہ بہت اہم ہے۔

قدیم زمانے میں علماء فراغت کے بعد جہاں خدمت انجام دیتے تھے وہاں رہ کر اپنے اساتذہ اور بڑوں سے رابطہ قائم رکھتے تھے، اور خطوط کے ذریعہ ان سے ہدایتیں حاصل کرتے تھے، اپنے حالات سے ان کو آگاہ کرتے تھے، اپنے معاملے میں ان سے مشورے بھی کرتے تھے، آج تو ہم مشورے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔کوئی ایسا معاملہ پیش آیا تو اپنے طور پر فیصلہ کر لیتے ہیں، بعض ایسے مواقع ہوتے ہیں جہاں اپنی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مجھے یہ کرنا ہے وہاں تو بڑا اہتمام اس کا کیا جاتا ہے کسی بڑے کی مہر لگواؤں، اور چپکے سے اس ادارے سے نکل جاؤں، مہتمم کو خبر ہو جائے گی تو مجھے جانے نہیں دیں گے۔

ہمارا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ اساتذہ کی طرف سے مطالبہ نہ ہو تو بھی آپ ان کو باخبر کریں، ان کی اجازت اور مشورے کے بغیر قدم آگے نہ بڑھائیں۔ جب تک یہ مزاج نہیں بنے گا، آپ کو اپنی خدمات میں ترقی حاصل نہ ہوگی۔اپنے بڑوں کے حالات کا آپ مطالعہ کریں، وہ قدم قدم پر اپنے مربیوں، مشائخ اور اساتذہ سے ہدایات بھی حاصل کرتے تھے، مشورہ بھی کرتے تھے اور ان ہی کہنے کے مطابق آگے بڑھتے تھے۔اس کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے ان کو ترقیات سے نوازا، استقامت عطا فرمائی، ان سے دین کی خدمات لی اور فتنوں سے بھی حفاظت

فرمائی۔

’پیوستہ رہ شجر سے، امید بہار رکھ‘ کا یہی مطلب ہے۔

جو ٹہنی درخت سے کٹ جاتی ہے کتنی ہی سر سبز کیوں نہ ہو، اس کو پانی میں ڈال دو گے تب بھی کٹنے کے بعد وہ سبز باقی نہیں رہے گی، پانی میں رہتے ہوئے بھی خراب ہو جائے گی۔ جب کہ جو ٹہنی درخت کے ساتھ لگی ہوئی ہے، بھلے وقتی طور پر اس کے پتے خشک ہو گئے ہوں؛ لیکن ایک وقت آئے گا کہ دوبارہ اس پر سر سبز پتے لگیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے اساتذہ کے ساتھ ہمیشہ ربط رکھا جائے۔

## نوکری نہیں، بلکہ خدمت۔

جو خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی انجام دہی ملازمت برائے ملازمت نہ ہو۔ آج کل یہ مزاج عام ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے یہ حال تھا کہ کسی کو پوچھتے تھے کہ کیا کر رہے ہو تو اہل علم جواب دیتے کہ فلاں جگہ دین کی خدمت کر رہا ہوں، اب پوچھتے ہیں کہ کیا کر رہے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ فلاں جگہ نوکری کر رہا ہوں۔ بڑی تعداد یہی جواب دیتی ہے، ایسے بہت کم ہیں جو یہ جملہ کہتے ہوں کہ میں خدمت کر رہا ہوں۔ ذہن میں نوکری رہتی ہے۔ حالاں کہ یہ نوکری نہیں، دین کی خدمت ہے۔ اس کو نوکری سمجھ کر نہیں؛ بلکہ اس کو ہمارا فریضہ اور ہماری ذمہ داری سمجھ کر انجام دینا ہے۔ یوں سمجھو کہ ہمیں اس بستی کے بچوں کی تربیت کے لیے اللہ نے بھیجا ہے اور اس کی ذمہ داری ہم پر ڈالی ہے۔

## مدرسہ کے اوقات میں امانت داری

ایک تغیر یہ بھی آ گیا ہے کہ بس مکتب کے جو ڈھائی گھنٹے یا تین گھنٹے ہوتے ہیں ، وہ بھی پورے طور پر خدمت کرنے کی کوشش نہیں کرتے ؛ بلکہ اس میں بھی دیر سے پہنچتے ہیں، پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ دیر سے پہنچتے ہیں، اور وہاں جانے کے بعد بھی بہت سی جگہ دیکھا گیا کہ اپنے کام میں مشغول نہیں ہوتے۔ جیسے پڑھنے کے زمانہ میں عادت ہوتی ہے کہ مغرب کے بعد درس گاہ میں آتے ہیں تو باہر کھڑے رہ کر بات چیت کریں گے، پھر اندر آنے کے بعد کچھ بات چیت کریں گے، پھر کچھ تکرار کا سلسلہ شروع ہوگا۔ یہی مزاج یہاں مکتب میں باقی رہتا ہے۔ باہر کھڑے ہو کر سب اساتذہ پانچ دس منٹ بات چیت کریں گے، پھر اندر جانے کے بعد کچھ دیر ایسے ہی بیٹھیں گے۔

حالاں کہ ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ اس خدمت میں لگانا ہم پر فرض ہے۔ اس میں جتنی بھی کمی کریں گے ؛ یہ ایک طرح کی خیانت ہے۔ اب تو یہ خیال بھی ختم ہو گیا ہے کہ مجھ سے یہ خیانت ہو رہی ہے۔

ایک زمانہ تھا ہمارے اکابر کا۔ وہ اپنے ایک ایک منٹ کا حساب رکھتے تھے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی میں ہمارے بہت سے اکابر کے حالات لکھے ہیں۔ حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ، مظاہر العلوم کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ درس کے دوران کوئی آدمی، رشتہ دار ملاقات کے لیے آ جاتا تو اس کے آنے کا وقت ایک پرچی میں نوٹ کر لیتے تھے اور بعد

میں پانچ ، دس منٹ کے بعد چلا جاتا تھا تو اس کو بھی نوٹ کر لیتے تھے۔اس طرح سارے منٹ ملا کر اگر آدھے دن کے برابر وقت ہو گیا تو اس کے بقدر تنخواہ کٹوا لیتے تھے۔ اندازہ کیجئے کتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔آج ہمیں اپنے ان اوقات کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کا اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہتمام نہیں رہا۔ وہ جو امانت داری کا مزاج تھا وہ نہ رہا۔ضرورت ہے کہ اس کو دوبارہ عام کیا جائے۔

اللہ تعالی کے یہاں ہم کو جواب دینا ہے، اس کے حضور میں ان ساری چیزوں کے متعلق ہمیں پوچھا جائے گا تو اس وقت ہم کیا جواب دیں گے؛ یہ تصور ہمیشہ قائم رہنا چاہیے۔ اسی صورت میں ہم اپنے فرائض منصبی کو ادا کر سکیں گے۔کوئی ہمیں کہنے والا ہو یا نہ ہو،کوئی روکے یا نہ ٹوکے ہم خود اپنی نگرانی کریں۔

## مجلس بازی کی عادت ترک کردو

اپنے اوقات میں سے مجلس بازی کی عادت ترک کردو۔

مکتب کے مدرسین عام طور پر جو دیہات میں رہتے ہیں، وہ کسی درزی کی دکان پر بیٹھتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، اخبار پڑھتے ہیں، کہیں کسی دکاندار کے ساتھ دوستی ہے تو اس کی دکان کے کونے میں بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں۔اس طرح دوستی کر کے اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں، یہ درست نہیں۔ ان مجلس بازیوں سے اپنے آپ کو دور رکھئے، یہ آپ کے وقار کو ختم کرنے والی چیز ہے۔اللہ نے آپ کو جو موقع دیا ہے، اس کو مطالعہ میں استعمال کیجئے۔نئی معلومات حاصل کیجئے، لوگوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیجئے۔

## نوجوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کی دینی تربیت

بڑی عمر کے لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ کی طرف سے ہفتہ میں ایک دن ایسا ہونا چاہیے، جس میں گاؤں کے لوگوں کو نماز سکھلاؤ، عملی طور پر ان کو نماز کا طریقہ سکھلاؤ، بچوں کو تو آپ مکتب میں پڑھاتے ہی ہیں؛ لیکن بڑے لوگوں کی نماز درست کرنے کے لیے آپ کی طرف سے یہ سلسلہ جاری ہونا چاہیے۔ ہفتہ میں ایک دن ان کی نماز کی درستگی اور ایک دن ان کا قرآن صحیح کرانے کی محنت کرنی چاہیے۔ اسی طرح گاؤں کے نوجوانوں کو مانوس کر کے ان کو دین کی طرف مائل کرنے اور دین پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی محنت کرنی چاہیے۔

بہت سوں کو دیکھا کہ وہ ایسی محنت تو کیا کرتے؟ نوجوان کرکٹ کھیلتے ہیں تو مولوی صاحب بھی ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ معاملہ الٹا کر دیا، نوجوانوں کی جو غلط چیزیں اور کھیل کود کے جو مشغلے ہیں اس میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو کر اپنے وقار کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ گاؤں میں ہر طرح کی دینی فضا قائم ہو جائے۔

جو پڑھے لکھے لوگ ہیں ان کے لیے دینی مطالعہ کی فضا قائم کیجئے۔ آپ کے یہاں گجراتی زبان رائج ہے تو اس زبان میں، رسائل، جرائد اور عام گجراتی کتابیں جو بہت سارے ادارے شائع کرتے ہیں، ان سے ایک لائبریری قائم کرنی چاہیے۔ دینی لیٹریچر کو عام کرنے کے لیے گجراتی، اردو، ہندی، انگریزی، کتابیں لا کر رکھو، اور لوگوں کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دو، تا کہ دینی معلومات کا ایک مزاج

بنے۔

اسی طرح عورتوں میں جو رسم و رواج ہوتے ہیں، ان کی اصلاح کے لیے اوراس کو دور کرنے کے لیے ہفتہ میں ایک مرتبہ ان کے درمیان اپنی بات پہنچانے کا انتظام فرمائیں۔

## رفاہی اور امدادی خدمات

بستی میں کوئی مصیبت زدہ ہے تو اس کی مصیبت دور کرنے کے لیے نوجوانوں کی صلاحیت استعمال کرتے ہوئے ان کو آمادہ کیا جائے، کہ بستی کے اس طرح کے لوگ بیمار ہیں ان کے پاس علاج معالجہ کے لیے رقم نہیں ہوتی تو ہم جمع کر کے ان کا تعاون کریں۔

اسی طرح اور کوئی اچانک آنے والی مصیبت میں عوام، خواص اور غریبوں کا تعاون ہو، ایسی مصروفیات اور خدمات لوگوں میں متعارف کروائیں۔اس کے لیے باقاعدہ طور پر تنظیم بنایئے، مگر مالیات کے ذمہ دار آپ نہ بنیں، اس کے لیے لوگوں کو ترغیب دیں، اوران سے کام لیں، ان میں جو امانت دار ہوں اس کے پاس ہی پیسہ امانت رکھا جائے، ان کاموں کی نگرانی ہو، سرپرستی ہو۔ پیسہ اپنے ہاتھ میں نہ رکھیں تاکہ کبھی اس میں کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو اس سے آپ کا وقار مجروح نہ ہو۔

ہر بستی میں ایک طرح کی روح ہونی چاہیے اور مستعد اور چاق و چوبند عالم اگر کسی بستی میں پہنچتا ہے تو بستی میں ایسی روح پھونک دیتا ہے کہ وہاں کے تمام لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

## تبلیغ کا مقامی کام

گاؤں میں جو دعوت وتبلیغ کا کام ہوتا ہے اس میں حصہ لینا چاہیے، آج کل ہمارے مکاتب کے مدرسین فارغ ہوتے ہیں، پھر بھی یہ نہیں سوچتے کہ ہم مقامی کام میں حصہ لیں، نماز کے بعد جو کتاب پڑھی جاتی ہے اس میں بھی شرکت نہیں کرتے۔ عامی آدمی جو دعوت وتبلیغ میں حصہ لے رہا ہو وہ کتاب پڑھ رہا ہے، حالاں کہ وہ صحیح طریقہ سے اس کتاب کو پڑھ پاتا نہیں۔ اہل علم کو چاہیے اس میں حصہ لیں اور خود ہی ان ذمہ داریوں کو اپنے سر لے کر صحیح طریقہ سے انجام دینے کی کوشش کرے۔ مقامی کام میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔ آپ اپنی تعلیمی مشغولی کی وجہ سے چلہ وغیرہ نہ دیں اس میں ان کام کرنے والوں کے بے جا اصرار کے تابع ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے تعلیم کے اوقات پہلے سے بتادیں کہ میں اپنا تعلیمی وقت نہ دوں گا۔ ہاں چھٹیوں میں وقت ضرور دیجئے؛ لیکن مقامی کام میں خالی اوقات ہوتے ہیں، اس میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔ اس میں حصہ نہ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم بستی کے مسلمانوں سے کٹ گئے۔ اور جن دینی امور میں ان کو جو دلچسپیاں لینی چاہیے وہ باقی نہیں رہیں۔ اس وقت اس باب میں بہت بڑا نقصان ہورہا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس چیز کی طرف توجہ دی جائے۔

## مکتب کے فرائض

مکتب میں آنے والے بچوں پر بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ محنت کی

جائے۔ان کی صفائی کا بھی خیال رکھیں، لباس صاف ستھرا ہو، ان کے ناخن کٹے ہوئے ہیں یا نہیں؟ ان کو آداب معاشرت اور سلام کا طریقہ سکھلایا جائے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت ماں باپ کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے؟ بڑوں کی تعظیم اور آداب کس طرح بجالانے ہیں؟ کھانے پینے کے آداب، سونے کے آداب وغیرہ؛

یہ سب الحمد للہ بتایا تو جاتا ہے، لیکن اس پر خصوصی توجہ دیں، ان کو پوچھا جائے کہ وہ اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں؟

انہیں بولنے کا طریقہ بتایا جائے۔ کسی علاقہ میں گالی گلوچ کی عادت ہوتی ہے، تو اس سے بھی بچنے کی تلقین اور تربیت کی جائے۔ اور ان سے شفقت و محبت سے کام لیا جائے، مار پٹائی سے کام نہ لیا جائے۔

## مار پٹائی اور طعن وتشنیع

ہمارے مکاتب میں آج ایک مزاج یہ بھی ہے کہ ذرا سی بات پر سخت پٹائی کر دیتے ہیں، اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ ویسے شریعت بھی پٹائی کی اجازت نہیں دیتی۔ نبی کریم ﷺ کا عمل یہی تھا۔ حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی غلام، کسی باندی یا کسی عورت کی پٹائی نہیں کی۔

شریعت ان کو کڑوے الفاظ سنانے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ بخاری شریف میں روایت ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی باندی زنا کا ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کرو، آقا کو چاہیے کہ حد تو جاری کرائے مگر طعن وتشنیع نہ کرے۔

طعن وتشنیع سے بچوں میں ایک طرح کی ذہنی ضد پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں ان کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ خراب ہوجاتے ہیں، اس لیے طعن وتشنیع کا جو ہمارا مزاج ہے اس کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

## تعلیم کے جدید اور سہل طریقے سیکھنے چاہییے۔

پڑھانے کے بھی وہ طریقے اختیار کیے جائیں جو آسان سے آسان ہو۔ آپ کے یہاں تو مستقل طریقہ ہے ہی۔ مہتمم صاحب یہ طریقہ دوسروں کو بھی سکھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر آپ کو چاہییے کہ بچوں کو سکھلانے کے جتنے طریقے ہیں ان سارے طریقوں سے واقفیت حاصل کر کے اپنے شاگردوں میں جو طریقہ مؤثر پائیں، اس سے ان کو سکھانے کی کوشش کریں۔ گویا ہماری توجہ اس پر ہونی چاہییے کہ میں کون سا ایسا طریقہ اختیار کروں کہ میں اپنے شاگرد کو جلد از جلد اور بہتر سے بہتر تعلیم سے آراستہ کردوں۔ اس کے لیے کسی سے بھی سیکھنا پڑے اس میں آپ کو شرم نہ کرنی چاہییے۔

طریقۂ تعلیم سکھلانے کے لیے جمع کیا جاتا ہے تو بہت سے علماء کو یہ گراں گذرتا ہے اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اتنے سال ہم مدرسہ میں پڑھے، کیا ہم کو آتا نہیں جو ہم کو سکھانے کے لیے کسی کو بلایا گیا؟ اس کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ آپ کے یہاں پالنپور میں، مہسانہ میں، بڑے بڑے شہروں میں بڑے ڈاکٹر ہوتے ہیں، بہت سے کسی فن کے ماہر اور Specialist ہوتے ہیں، ان کے متعلق کبھی آپ اخبار میں پڑھیں گے کہ فلانا ڈاکٹر جو Eye

Specialist ہے وہ ایک مہینہ کے لیے مزید ٹریننگ کے لیے امریکہ گیا ہے۔ وہ ٹریننگ کے لیے جاتا ہے اور اس کو اخبار میں دیتا ہے، وہ ٹریننگ کے لیے جانے کو اپنی بے عزتی نہیں سمجھتا بلکہ اخبار میں دے کر مزید اس کا اشتہار کر رہا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اس کی وجہ سے میری عزت بڑھے گی اور میری کلنک زیادہ چلے گی اور ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی نیا طریقہ سیکھیں گے تو ہماری عزت گھٹ جائے گی۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن، حیث وجدہا فہوأحق بہا۔ حکمت کی بات اور اچھی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں پائے وہ اس کا حق دار ہے۔ جیسے کہ میرا قلم گم ہوگیا، راستے میں میری نظر پڑی، کیا اس قلم کو لینے کے لیے میں کسی سے پوچھوں گا کہ لے لوں؟ نہیں، جھپٹ کر لے لوں گا، بلکہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہوگا تو بھی میں چھین لوں گا کہ لاؤ میرا قلم ہے، کوئی روکے گا تو اس سے لڑوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تفہیم کا انداز دیکھو۔ بھلی بات سیکھنے کی ترغیب دینے کے لیے آپ نے اسے الحکمۃ ضالۃ المؤمن سے تعبیر فرمایا۔ اس کو مومن کی گم شدہ متاع بتا کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آمادہ کیا کہ اس کو لینے کے لیے کسی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جھپٹ کر اس کو حاصل کرلینا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ تعلیم کے جو بھی طریقے ہوں، آپ مختلف لوگوں سے معلوم کریں۔ جہاں ایسے مدرسین ہوں، جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے کہ تعلیم بہت اچھی ہے، فائدہ پہنچ رہا ہے، وہاں باقاعدہ سفر کر کے جانا چاہیے، وہ کس طرح تعلیم دیتے ہیں، کیسا کام کرتے ہیں، وہ ان سے سیکھا جائے اور آکر اس انداز سے کام کو انجام دیا جائے تاکہ ہم اپنے فرائض منصبی کو ادا کرسکیں۔

## نیت خالص رکھیں

اس خدمت میں سب سے ضروری چیز نیت کا خالص ہونا ہے۔لوگوں سے کوئی طمع نہ ہو۔نیت ہی اصل ہے، ہماری نیت یہی ہو کہ میں اللہ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچا رہا ہوں، اپنی بڑائی یا اپنی عزت بڑھ جائے اس کا بھی خیال نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں، اس کے دین سے اللہ کے بندوں کو واقف کر رہا ہوں، اور میرا یہ فریضہ ہے کہ علم کی اس امانت کو اللہ کے بندوں تک پہنچا کر اپنے فریضہ کو ادا کروں۔کوئی دوسری نیت لوگوں سے مالی فائدہ وغیرہ حاصل کرنے کی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔

## مفتاح الخیر بنئے۔

اللہ تعالیٰ نے جو موقع عطا فرمایا ہے، اس موقع سے ہمیں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی آپ قدر کیجئے، اور اپنے اس فرض منصبی کو پورا کرنے کا اہتمام کریں، اس طرح رہیں کہ آپ کا وجود اس بستی کے لیے ایک رحمت کا سبب ہو۔حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بعض اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جو مفتاح للخیر اور مغلاق للشر ہوتے ہیں، ان کا وجود خیر اور بھلائی کی کنجی ہوتی ہے، ان کے ذریعہ بھلائی کے تالے کھلتے ہیں، بھلائی کے راستے کھلتے ہیں، اور ان کا وجود شر اور برائی کے لیے تالے کی حیثیت رکھتا ہے، ان

کی وجہ سے برائیاں رکی رہتی ہیں۔

## أين علمائكم؟

آپ نے شمائل میں پڑھا ہوگا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کے حالات سے بے خبر نہیں رہتے تھے، بلکہ لوگوں میں کس چیز کا چرچا ہے، وہ آپ باقاعدہ معلوم کرتے تھے، اور کوئی اچھی چیز ہوتی تو اس کی حوصلہ افزائی اور اس کو تقویت پہنچاتے تھے۔ کوئی بری چیز ہوتی تھی تو اس کو دور کرتے اور لوگوں کو اس کی برائی سے واقف کرتے تھے۔

لہٰذا لوگوں کے حالات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو ہماری غفلت بڑھتی رہے اور لوگ دین کے معاملہ میں بے پروا ہو جائیں۔ آدمی اپنے ماتحتوں، اپنے شاگردوں، یا جس علاقہ اور بستی میں کام کر رہا ہے اس بستی میں رہنے والوں کے حالات سے بے خبر رہے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دین کے معاملہ میں بے پروا ہو جائیں گے۔ آپ باخبر رہیے، جو بھی کمی اور کمزوری نظر آئے، پہلی فرصت میں اس کا نوٹس لیں۔ کوئی برائی اپنا قدم جمائے اور وہ برائی آگے بڑھے اس سے پہلے ہی اس کا ازالہ ہونا چاہیے، بخاری شریف کی حدیث میں ہے، حضرت معاویہؓ ایک مرتبہ، مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، گذر رہے تھے، اور راستے میں کسی عورت کی لگائی ہوئی مصنوعی چوٹی گری پڑی دیکھی۔ آپ کے شرطی اور محافظ نے اٹھا کر وہ آپ کے ہاتھ میں دے دی۔ روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ مسجد نبوی کے منبر پر وہ چوٹی ہاتھ میں لے کر آئے اور فرمایا: أين علمائكم؟ تمہارے علماء

کہاں گئے؟ گویا علماء نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو اس کی نوبت آئی۔ اگر یہ اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔

## دینی خدمات قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔

بہر حال اللہ تعالی نے یہ جو موقع عنایت فرمایا ہے، اس سے خوب فائدہ اٹھایئے، یہی ہماری دولت ہے، یہی ہمارا سرمایہ ہے، اور جتنا ہم اس میں اپنے آپ کو قربان کریں گے اتنا ہی اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوگا، اللہ کے بندوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کے لیے، اللہ کے احکام سے واقف کرنے کے لیے ہمارے بس میں جو کچھ بھی ہے اس میں ہماری طرف سے کوئی کمی نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ دیکھو! کوئی کسی بھوکے کو کھانا کھلائے، کسی پیاسے کو پانی پلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، یہ ایسا عمل ہے جس سے اللہ تعالی بہت خوش ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالی انسانوں کو خطاب کریں گے اور فرمائیں گے، اے ابن آدم میں بھوکا تھا، تو نے کچھ کھانا نہیں دیا، انسان عرض کرے گا، باری تعالی آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بھوکے ہوسکتے ہیں، جواب میں باری تعالی فرمائیں گے، تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلانہ بندہ بھوکا تھا، اگر اس کو کھلاتے تو مجھے وہاں پاتے، اسی طرح باری تعالی فرمائیں گے، میں پیاسا تھا، پانی نہیں پلایا۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا جو معاملہ کیا جاتا ہے اس سے اللہ تعالی کا جتنا قرب حاصل ہوتا ہے، کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ جب اس کی جسمانی بھوک دور کرنے کے لیے جو کوشش کی

گئی، جسمانی پیاس کو دور کرنے کے لیے جو کوشش کی گئی، اس پر اللہ تعالیٰ اتنا راضی ہے، خوش ہے، تو اگر انسان کی روحانی بھوک دور کی جائے، اللہ کے جو بندے اللہ سے دور ہیں ان کو اللہ کے ساتھ ملانے کا ہم کام کریں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کتنا راضی ہوگا اور خوش ہوگا ؟

## خلاصہ

اس لیے ان باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان صلاحیتوں کو استعمال کریں، اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر اپنی آخرت کو بنانے کی فکر کریں۔ اپنی نگرانی کا خود اہتمام فرمائیں۔ حضرت عمرؓ کے حالات میں آپ پڑھیں گے کہ کبھی ذرا سا کوئی فرق نہ آنے دیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے دیکھا کہ اپنی پیٹھ پر بڑا مشکیزہ لادے ہوئے، پانی لا رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کہ ابھی ایک وفد فلانے ملک کا ملنے آیا تھا، جس کی وجہ سے میرے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ عمر تو بہت بڑا ہو گیا، تو میں نے اپنا یہ علاج کیا کہ یہ معمولی سا مشکیزہ بھر کر لا رہا ہوں تاکہ اپنے آپ کو بتلاؤں کہ تو کون ہے۔
یہ ہے اپنی نگرانی !

اپنی تربیت کے لیے ہی ذاتی اہتمام کے ساتھ اپنے بڑوں سے رابطہ ہو۔ ان کے مشورے کے مطابق اور ان کی ہدایت کے مطابق کام انجام دیا جائے تو انشاء اللہ، کامیابی ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

# صلہ رحمی کی اہمیت

## ہماری معاشرت میں گڑبڑ کہاں ہوتی ہے؟

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بعد ہم امیدیں باندھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی اچھا سلوک کریں۔ اگر آپ مال دار ہیں اور وہ غریب ہیں، تو آپ ان سے کسی مالی تعاون کی تو امید نہیں رکھیں گے؛ لیکن یہ توقع ضرور رکھیں گے کہ وہ میرا شکریہ ادا کریں، میں ملوں تو سلام ماریں، سلیوٹ کریں۔ لوگوں کے درمیان میری تعریف کریں، یوں کہیں کہ ہمارے فلاں رشتہ دار تو ہمارے ساتھ یہ بھلائی کرتے ہیں، یوں کرتے ہیں، توں کرتے ہیں۔ اور ذرا اس میں کمی آ گئی تو ہم جو سلوک کرتے ہیں اس میں بھی کمی آ جاتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لله نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُبِالله مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَاوَ مِنۡ سَیِّئَآتِ اَعۡمَالِنَا مَن یَّهۡدِہٖ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضۡلِلۡہُ فَلَا هَادِیَ لَہٗ وَنَشۡهَدُ اَن لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللهُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَ نَشۡهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوۡ لَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ، صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡماً کَثِیۡراً کَثِیۡراً۔أمابعد

یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُم مِّن نَّفۡسٍ وَاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالاً کَثِیۡراً وَنِسَاءً وَاتَّقُواۡ اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَاءلُونَ بِہِ وَالأَرۡحَامَ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡباً (النسآء:1)

وقال تعالی: وبِالۡوَالِدَیۡنِ إِحۡسَاناً (اسراء:۲۳)

وعَنۡ أَبِي هُرَیۡرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: إِنَّ اللهَ خَلَقَ الۡخَلۡقَ حَتَّی إِذَا فَرَغَ مِنۡ خَلۡقِهِ قَالَتِ الرَّحِمُ هَذَا مَقَامُ الۡعَائِذِ بِكَ مِنَ الۡقَطِیعَةِ قَالَ نَعَمۡ أَمَا تَرۡضَیۡنَ أَنۡ أَصِلَ مَنۡ وَصَلَكِ وَأَقۡطَعَ مَنۡ قَطَعَكِ قَالَتۡ بَلَی یَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: فَاقۡرَؤُوا إِنۡ شِئۡتُمۡ ﴿فَهَلۡ عَسَیۡتُمۡ إِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ أَنۡ تُفۡسِدُوا فِي الأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوا أَرۡحَامَكُمۡ﴾ (البخاری:۵۹۸۷)

وقال النبی صلی الله علیه وسلم إِنَّ مِنۡ أَبَرِّ الۡبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهۡلَ وُدِّ أَبِیۡهِ بَعۡدَ أَنۡ یُوَلِّی (مسلم ۶۶۳۷، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب فضل صلة أصدقاء الأب)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنۡ أَحَبَّ أَنۡ یُبۡسَطَ لَهُ فِی رِزۡقِهِ وَیُنۡسأَ لَهُ فی أَثَرِهِ فَلۡیَصِلۡ

رَحِمَهُ (بخاری شریف : ۵۵۵۴، كتاب الأدب ، باب من أحب أن يبسط له الخ)

وقال النبی ﷺ تَعَلَّمُوا مِنَ أَنْسَابِكم مَا تَصِلُونَ بِهٖ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِيْ الْأَهْلِ ، مَثْرَاةٌ فِيْ الْمَالِ ، مَنْسَأَةٌ فِيْ الْأَثَرِ ۔ أو كما قال عليه الصلاة والسلام۔ (مشكوة شريف ، كتاب الأدب، باب البر والصلة)

## بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی

حضرات علماء کرام، میرے مسلمان بھائیو،اور گھروں میں بیٹھی ہوئیں مسلمان مائیں،بہنیں اور بیٹیاں !

آپ حضرات نے میرے یہاں کے چند روزہ قیام میں میرے ساتھ جس محبت کا معاملہ فرمایا، میں تو اس کا کیا بدلہ دے سکتا ہوں؟ جس ذاتِ عالی کی نسبت سے آپ نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے، میں اسی ذات سے دُعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ دنیا اور آخرت میں آپ حضرات کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے: ؎

گدا کو بھی اہلِ کرم کم نہ سمجھیں بہت کچھ دیا جس نے دل سے دُعا دی

اللہ تعالیٰ مجھے مزید دعا کی توفیق دے۔ میں آپ سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس محبت کا صلہ عطا فرمائے۔ اللہ واسطے کی یہ وہی محبت ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔

ابھی آپ کے سامنے جو آیتِ کریمہ پیش کی گئی، وہ سورۂ نساء کی سب سے پہلی آیت ہے، نکاح کے خطبہ میں بھی یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے

ہیں: اے لوگو! ڈرو اپنے اُس پرودگار سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر وَ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا یعنی ان ہی سے ان کا جوڑا بھی پیدا کیا۔ حضرت حوّاء علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا (مرقاۃ، کتاب النکاح۔ نووی شرح مسلم، کتاب الرضاع) وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً اور پھر ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا اور دنیا میں پھیلایا۔

## حضرت آدم کی اولاد میں نکاح کی ترتیب

شروع میں یہ ہوتا تھا کہ حضرت آدم اور حضرت حوا سے جو بھی اولاد ہوتی تھی وہ جوڑیاں (یعنی لڑکا اور لڑکی) ہی ہوتی تھیں۔ آج ایک جوڑا لڑکا اور لڑکی کا پیدا ہوا، بعد میں دوسرا جوڑا پیدا ہوتا تھا۔ بڑے ہونے پر پہلے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی، اس کے ساتھ کل والے لڑکے کا نکاح اور اس لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح ہوتا تھا۔ ہابیل اور قابیل کا قصہ آپ نے سنا ہوگا جس کی تفصیل میں اس وقت جانا نہیں چاہتا۔

## ون سائڈ ٹریفک

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالۡأَرۡحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبًا

اور ڈرو اپنے اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو، اور رشتہ داریوں کا بھی خیال رکھو، یعنی اس سے بھی ڈرا

کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔

آیت کے اس آخری حصے میں دو چیزوں سے ڈرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ایک یہ کہ اللہ سے ڈرو، جس کا تم آپس میں واسطہ دیا کرتے ہو، اللہ کا نام پیش کر کے اپنے حقوق کا ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو۔

اگر کسی کا حق دوسرے پر باقی ہے اور وہ ادا نہیں کرتا تو دنیا میں یہ ہوتا ہے اگر وہ طاقت ور ہے تو وہ اپنا حق دوسرے کو مار کر بھی لے لیتا ہے؛ اور اگر صاحبِ حق بزورِ طاقت دوسرے سے اپنا حق وصول کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو ایسے موقع پر وہ اللہ کا واسطہ دیتا ہے کہ اللہ کے واسطے میرا حق ادا کر دو۔ اللہ سے ڈرو۔ اسی کو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اپنے سے قوی اور مضبوط لوگوں سے اپنا حق وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ کا واسطہ دیا کرتے ہو اور اس کا نام بیچ میں رکھ کر اپنا حق وصول کرتے ہو تو پھر دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں بھی تم کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور ان کے حقوق کو ادا کرو۔

یہ کیا بات ہوئی کہ سامنے والا آپ کا حق ضائع کر رہا ہو اور ادا نہ کر رہا ہو تب تو اللہ کا واسطہ دے کر اپنا حق مانگتے ہو، اور جب دوسروں کا حق دینے کا وقت آئے تو اُسی اللہ کو بھول جاؤ اور اُس اللہ سے نہ ڈرو! یہ تو ون سائڈ One Side ٹریفک ہوئی، ٹریفک تو دونوں سائڈ چلنی چاہیے۔ آپ اپنا حق مانگنے کے لئے جب اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہو تو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی اس اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ضروری ہے۔

# رشتہ داریوں کی تفصیل

دوسرے نمبر پر جن چیزوں سے ڈرایا گیا وہ 'الْأَرْحَام' یعنی رشتہ داریاں ہیں۔

اہلِ علم موجود ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ اس آیت میں 'وَالْأَرْحَام' کا عطف 'اللہ' پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع اور برباد کرنے سے بھی ڈرو۔ رشتہ داریوں کے حقوق کی کس قدر اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا۔

'أَرْحَام'، رَحِم کی جمع ہے۔ اور 'رَحِم' عربی زبان کا لفظ ہے، عورت کے پیٹ میں موجود بچہ دانی کو کہتے ہیں، نطفہ اور حمل اسی میں قرار پاتا ہے اور اسی میں بچہ نو ماہ تک- یا جتنا بھی اللہ تعالیٰ کو اندر رکھنا منظور ہوتا ہے- پرورش پاتا ہے، بچہ دنیا میں آتا ہے تو ماں کے پیٹ سے ان سارے رشتوں کو لے کر آتا ہے، چنانچہ نسب اور خاندان کی وجہ سے جتنے رشتے بنتے ہیں ان تمام رشتوں اور تعلقات کو قرآن اور حدیث میں لفظ 'رحم' سے تعبیر کیا گیا ہے، کیوں کہ ان سارے تعلقات کی بنیاد یہی ہے۔

ایک بچہ جب ماں کے پیٹ سے دنیا میں آتا ہے، تو باپ اور ماں؛ دونوں کے نطفہ کے مجموعے سے وہ بن کر آتا ہے، اس لیے اس کی تمام رشتہ داریوں کی بنیاد اور جڑ ماں اور باپ ہیں۔

جس کے پیٹ سے یہ پیدا ہوا وہ اُس کی ماں کہلائے گی، پھر آگے کے

سارے رشتے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ماں کا باپ نانا کہلائے گا اور ماں کی ماں نانی کہلائے گی۔ ماں کا بھائی ماموں اور ماں کی بہن خالہ کہلائے گی۔ اور باپ کا باپ دادا کہلائے گا، اس کی ماں دادی کہلائے گی، باپ کا بھائی چچا یا تایا کہلائے گا۔ باپ کی بہن پھوپھی کہلائے گی۔ پھر رشتہ داریاں آگے بڑھیں گی، پھوپھی زاد بہن، پھوپھی زاد بھائی، خالہ زاد بہن، خالہ زاد بھائی۔ اسی طرح بھائی ہے، یعنی باپ اور ماں دونوں کا بیٹا۔ ہمارے ماں باپ کی دوسری اولاد ہمارے بھائی بہن ہیں۔ لڑکے ہیں تو بھائی اور لڑکیاں ہو تو بہن۔ پھر ان کی اولادیں یعنی بھتیجے، بھانجے بھتیجیاں، بھانجیاں وغیرہ، دور تک چلے جاؤ۔ یہ سارے رشتوں کے نام ہیں۔

## رشتوں کی دو قسمیں۔

رشتے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک خاندانی (نسبی) جس کا ذکر ہوا۔ دوسرا سسرالی، یعنی جو شادی کے نتیجے میں قائم ہوتا ہے۔ یہ دونوں رشتہ داریاں اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہیں اور باری تعالیٰ نے ان دونوں رشتوں کا تذکرہ قرآنِ پاک میں اپنی نعمت کے طور پر کیا ہے: **وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَ صِهْراً** (الفرقان: ۵۴) وہی ذات ہے جس نے پانی کے نطفے سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو نسبی اور سُسرالی رشتوں والا بنایا۔

یہ سسرالی رشتہ کوئی معمولی رشتہ نہیں ہے، آدمی کا نکاح جب کسی عورت کے ساتھ ہو گیا اور نکاح ہونے کے بعد دونوں آپس میں مل گئے، تو اب جو بچہ پیدا ہوگا وہ کسی ایک کا نہیں؛ بلکہ دونوں کا ہے۔ ان دونوں کے درمیاں ایسا مضوط اور

گہرا تعلق ہو جاتا ہے کہ جس طرح آدمی پر اپنے اصول وفروع حرام ہوتے ہیں اسی طرح بیوی کے اصول وفروع بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

ایک مرد کے لیے اپنے اصول یعنی جن عورتوں سے وہ پیدا ہوا ہے ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح اپنے فروع یعنی جو عورتیں اس سے پیدا ہوئی ہیں ان کے ساتھ بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ یعنی ماں کے ساتھ، نانی کے ساتھ، اپنی بیٹی، پوتی اور نواسی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ شادی کے بعد اسی طرح اپنی بیوی کے اصول وفروع سے نکاح کرنا بھی حرام ہے، وہ بھی اسی طرح قریبی رشتے دار بن جاتے ہیں۔

چنانچہ اب بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام، بیوی کی بیٹی سے نکاح حرام، چاہے اسکے نطفے سے نہ ہو کسی اور شوہر سے ہو، اس کی پوتی نواسی جو دوسرے شوہر سے ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام۔ گویا اپنی ماں اسی طرح بیوی کی ماں، اپنی بیٹی جیسی بیوی کی بیٹی۔

اور بیوی کے لیے بھی ایسا ہی حکم ہے۔ اس کے لیے اپنے باپ اور بیٹے سے اوپر تک اور نیچے تک نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح دونوں میں رشتہ پیدا ہونے کے بعد شوہر کے باپ اور بیٹوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام، یعنی جو حکم بیوی کے لیے اپنے باپ کا ہے وہی حکم شوہر کے باپ کا ہے۔

آج کل جو نئی اولاد آرہی ہیں ان کو رشتہ داریوں کا پتہ ہی نہیں۔ بہت سے تو وہ ہیں جو دادا کو بھی نہیں جانتے کہ دادا کیا ہے اور کون ہے؟ جہاں ماں باپ اکیلے رہتے ہیں اور دادا دادی کسی دوسری جگہ رہتے ہیں، اس نئی پود کو دادا دادی کا

بھی پتہ نہیں، پردادا پردادی کا تو سوال نہیں۔ حالاں کہ پُرانے بوڑھے بوڑھیوں کے پاس آپ جائیں تو ایسی لمبی چوڑی رشتہ داریاں بیان کریں گے کہ ہم سوچتے ہی رہ جائیں۔ بہرحال آدمی کے لیے ان سب رشتوں کو جاننا ضروری ہے۔

حدیثِ پاک میں بھی اس کی تاکید آئی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، ترمذی شریف کی روایت ہے: **تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَاتَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ** اپنی رشتہ داریوں کو جانو اور معلوم کرو- کہ کون تمہارا رشتہ دار ہے، یعنی اس کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے اور کیا رشتہ داری ہے- تا کہ تم ان رشتہ داریوں کے حقوق ادا کرسکو۔ جب تک آدمی رشتہ داری کو نہیں جانے گا وہاں تک حق کیسے ادا کرے گا؟

## انگریزی کی تنگ دامنی

اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ دیکھو! ہمارے یہاں تو ان ساری رشتہ داریوں کے نام ہیں۔ باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، خالہ، پھوپھی، چچازاد بھائی، خالہ زاد بھائی، ماموں زاد بھائی وغیرہ۔ لیکن انگریزی زبان؟ اللہ کی پناہ۔ بڑی تنگ زبان۔ رشتہ داریوں کے الگ نام تک نہیں۔ ماں باپ کا الگ نام رکھ دیا، بس ہو گیا۔ اس کے بعد دادا ہو کہ نانا؛ دونوں کے لیے ایک ہی لفظ گرانڈ فادھر (grandfather) ہے۔ اور دادی ہو کہ نانی، دونوں کے لیے گرانڈ مدھر (grandmother) ہے۔ پھر چچا، تایا، ماموں، پھوپھا، خالو کوئی بھی ہو؛ ان سب کو انکل (uncle) میں سمو دیا۔ اب انکل میں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون ہے؟ بلکہ پوچھنا پڑے گا کہ آپ انکل کہہ رہے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟ باپ

کا بھائی ہے یا ماں کا بھائی ہے؟ ماں کا بہنوئی یعنی خالو ہے یا باپ کا بہنوئی یعنی پھوپھا ہے؟ اور پھر آنٹی (Aunt) بھی ایسی ہے کہ خالہ، ممانی، چچی، پھوپھی؛ سب ہی اسی میں آ گئیں۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ رشتوں کے لئے جن کے پاس الفاظ ہی نہ ہوں تو وہ حقوق کیا ادا کریں گے؟ ہمیں تو حضور پاک ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان رشتوں کو پہچانو اور ان کو پہچان کر ان کے حقوق کو ادا کرو۔

## صلہ رحمی کے تین فائدے، پہلا: آپسی محبت

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ رشتہ داریوں کے حقوق ادا کرنے کے تین فائدے ہیں: 'مَحَبَّة فِي الأَهْل'۔ اس کے نتیجے میں رشتہ داروں میں آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ 'مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ' اور مال میں ترقی ہوتی ہے۔ 'مَنْسَأَةٌ فِي الأَثَرِ' اور عمر میں بھی زیادتی ہوتی ہے۔ (سنن الترمذی. بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ النَّسَبِ. حدیث نمبر: ۱۹۷۹)

پہلا یہ کہ صلہ رحمی کے نتیجہ میں خاندان والوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ آپ حقوق ادا کریں گے ان کے ساتھ اچھائی کا سلوک کریں گے تو آپس میں محبت کیوں نہ ہوگی؟

## اسلام کیا ہے؟

اسلام حقوق کی ادائیگی ہی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا اور بندوں کا حق بتایا، پھر بندوں میں ماں کا حق الگ بتایا۔ باپ کا الگ بتایا۔ بھائیوں کا، بہنوں کا، بیوی

کا، شوہر کا، اولاد کا، دوسرے رشتہ داروں کا اور پڑوسیوں کا حق الگ الگ بتلایا اور پھر یہ سارے حقوق اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادا کئے جانے ہیں۔ ہمیں اپنے رشتہ داروں سے جو سلوک کرنا ہے اگر اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کریں گے تو معاملہ بہت آسان ہے، اس سے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے؛ لیکن ہم لوگ عام طور پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر نہیں، بلکہ سماج اور معاشرہ کا ایک رواج سمجھ کر یہ ساری چیزیں کرتے ہیں، حالاں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور ہم کو شریعت نے یہ تعلیم دی ہے۔

## صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے۔

صلہ رحمی کا مطلب ہے: رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا، اور قطع رحمی کا مطلب ہے: رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنا، ضائع اور برباد کرنا۔ صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے۔ آدمی صلہ رحمی یہ سمجھ کر کرے کہ کوئی بدلہ ملے یا نہ ملے، ہم ماں باپ کے ساتھ بھلائی کریں گے، بیوی کا حق ادا کریں گے، اولاد کے حقوق ادا کریں گے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؛ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی کی نوبت نہیں آئے گی۔ ایک مؤمن کا اصل رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ماں کا یہ حق ہے اس لیے وہ ادا کر رہا ہے۔ باپ کا یہ حق ہے، تو وہ ادا کر رہا ہے۔ بیوی کا یہ حق ہے تو ادا کر رہا ہے۔ شوہر کا یہ حق ہے تو ادا کر رہی ہے، اولاد کا یہ حق اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے، اس لیے وہ ادا کر رہا ہے۔ گویا ہر کام میں اصل تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ کے گھر میں ٹیلیفون ہے، اس کا اصل رابطہ اورکونٹیکٹ ایکسچینج سے ہے، اوراسی ایکسچینج سے دوسروں کے کونٹیکٹ بھی ہیں۔ آپ کے پڑوس میں جو مکان ہے، اس کی اور آپ کے مکان کی دیوار ایک ہے۔ آپ کے گھر میں بھی فون ہے اوراس کے گھر میں بھی فون ہے، پھر بھی آپ اس کو فون کریں گے تو آپ کا فون سیدھا وہاں نہیں جائے گا، بلکہ آپ کا فون پہلے ایکسچینج میں جائے گا، پھر اس کے یہاں جائے گا، اوروہ جو جواب دے گا وہ بھی ایکسچینج جائے گا پھر آپ کے یہاں آئے گا۔ آپ کا تعلق ایکسچینج سے ہے اور ایکسچینج کا وہاں سے ہے۔ اسی طرح مؤمن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا اس لیے ہمیں بجالانا ہے۔

## گناہ میں والدین کی اطاعت نہیں۔

اسی لئے کسی کا ایسا حکم جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا سبب بنتا ہو، پورا نہیں کیا جائے گا، جیسے باپ اگر کوئی ایسا کام کرنے کو کہے جو گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، تو ہم اس کو بجا نہیں لائیں گے۔ کیوں بھائی؟ اس لیے کہ ابّا جان! ہم ہاتھ جوڑ کر آپ سے کہتے ہیں کہ آپ کی جو کچھ مانتے تھے وہ اللہ کے کہنے سے مانتے تھے، اب آپ ہمیں اللہ کی نافرمانی کا کہہ رہے ہیں؛ تو آپ کی بات کیسے مانی جائے گی؟ نبی کریم ﷺ نے اصول بتلا دیا ہے: **لاَطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ**' (مشکوۃ شریف، کتاب الامارۃ) مخلوق کی اطاعت اور فرمانبرداری ایسے کاموں میں نہیں ہوسکتی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جس کے

بھی حقوق ادا کئے جاتے ہیں وہ دراصل حکمِ شریعت ہے۔ بھائی کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں، باپ کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں، ماں کے ساتھ، چچا کے ساتھ، ماموں کے ساتھ، کسی بھی رشتہ دار کے ساتھ جو کچھ سلوک کر رہے ہیں وہ اس لئے ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو۔

## گڑبڑ کہاں ہے؟

ہماری معاشرت میں گڑبڑ کہاں ہوتی ہے؟ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بعد ہم امیدیں باندھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی اچھا سلوک کریں۔ اگر آپ مال دار ہیں اور وہ غریب ہیں، تو آپ ان سے کسی مالی تعاون کی تو امید نہیں رکھیں گے؛ لیکن یہ توقع ضرور رکھیں گے کہ وہ میرا شکریہ ادا کریں، میں ملوں تو سلام ماریں، سلیوٹ کریں۔ لوگوں کے درمیان میری تعریف کریں، یوں کہیں کہ ہمارے فلاں رشتہ دار تو ہمارے ساتھ یہ بھلائی کرتے ہیں، یوں کرتے ہیں، توں کرتے ہیں۔ اور ذرا اس میں کمی آ گئی، تو ہم جو سلوک کرتے ہیں اس میں بھی کمی آ جاتی ہے۔

## احسان جتلانے کی بیماری بڑھ رہی ہے۔

اور موقع آ گیا تو احسان بھی جتلا دیا جائے گا۔ حالاں کہ قرآن کریم کہتا ہے: **’لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى‘**۔ آج کل احسان جتلانا بھی ہمارے سماج میں دھیرے دھیرے عام ہوتا جا رہا ہے، خاص طور پر عورتوں میں۔ اور اب تو مرد

بھی عورتوں جیسے بن گئے کہ وقت آنے پر جتلا دیتے ہیں کہ تیرے ساتھ میں نے یوں کیا، اس کے ساتھ یوں کیا، فلاں کے ساتھ یوں کیا۔ حالاں کہ آپ نے پڑھا ہوگا کہ برکت والی بڑی راتوں یعنی شبِ قدر وغیرہ میں جن لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی، ان میں ایک احسان جتلانے والا بھی ہے۔ اندازہ لگاؤ، کتنا خطرناک گناہ ہے! یہ کبیرہ گناہ ہے، اس سے ساری نیکی تو برباد ہوگئ، اور نیکی برباد ہونے کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہ بھی ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی راتوں میں بھی اس کی مغفرت نہیں ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالی فرماتے ہیں: **لاَتُبۡطِلُوۡا صَدَقَاتِكُمۡ بَالۡمَنِّ وَ الۡأَذىٰ**۔ تکلیف پہنچا کر اور احسان جتلا کر اپنے اعمال باطل مت کرو۔

ہم میں گڑبڑ یہیں سے پیدا ہوتی ہے کہ ہم کچھ بھلائی کرتے ہیں پھر امیدیں باندھتے ہیں کہ ہماری اس بھلائی کے جواب میں وہ ہماری تعریف کرے، ہمارا شکریہ ادا کرے۔

شادی کے موقع پر ہم اس کو ہدیہ دے رہے ہیں، تو اب یہ امید کیے بیٹھے ہیں کہ کل میرے گھر جب شادی ہو تو یہ مجھے ہدیہ پیش کرے، مگر اللہ تعالیٰ ہماری ساری بیماریوں سے بخوبی واقف ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **وَمَا آتَيۡتُم مِّن رِّباً لِّيَرۡبُوَ فِيۡ أَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَايَرۡبُو عِندَ اللهِ**۔ تم یہ ہدیہ اس لئے دیتے ہو کہ مجھے بھی ہدیہ ملے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ انسان کا یہ ایک مزاج ہے کہ ہدیہ اس لئے دیتا ہے کہ وہاں سے بھی کوئی ہدیہ ملے، اس کو حرام تو نہیں کہا؛ لیکن یہ ضرور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر کوئی اجر اور برکت نہیں ہوتی ہے۔

## یہ صلہ رحمی نہیں۔

یا ہماری طرف سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی طرف سے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟ اگر وہ لوگ ہمارے ساتھ بھلائی کرتے ہیں تو ہم بھلائی کریں گے اور اگر وہ نہیں کرتے تو ہم بھی نہیں کرتے، اس کا نام صلہ رحمی نہیں۔

حضورا کرم ﷺ فرماتے ہیں: **لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَ** (بخاری شریف:۵۹۹۱) صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو برابر کا معاملہ کرے۔آپ کے بھائی نے آپ کے ساتھ بھلائی کی تو آپ بھی اس کے ساتھ بھلائی کریں۔

اس نے اپنے گھر دعوت دی تو آپ بھی دعوت کریں، اس نے اپنی شادی میں بلایا تو آپ بھی اپنے گھر شادی میں بلائیں، اگر اس نے دعوت نہیں کی تو آپ نہ کریں، اس نے اپنے گھر شادی میں نہیں بلایا تو آپ کہیں کہ ہم کو بلایا نہیں، ہم کاہے کو بلائیں؟ یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔اور اس میں تو بھائی کی کیا خصوصیت ہے؟

کوئی اجنبی آدمی، جس کے ساتھ ہماری کوئی رشتہ داری اور تعلق نہیں، وہ بھی اگر دعوت دے گا تو ایک شریف انسان کی شرافت اور مروت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے، اس نے اپنے گھر دعوت دی تھی تو آپ بھی موقع دیکھ کر اس کو دعوت دیں گے، تو پھر بھائی کے احسان کرنے پر آپ نے اس کے ساتھ احسان کیا تو کونسا کمال کیا؟ شریعت کہتی ہے کہ وہ بھلائی کرے یا نہ کرے تم بھلائی کرو۔ بس تمہیں تو بھلائی کرتے ہی جانا ہے، چاہے وہ قطع رحمی کرے۔اس حدیث میں

حضور ﷺ یہی فرماتے ہیں کہ رشتہ داری کا حق ادا کرنے والا وہ نہیں ہے کہ جب اس کے رشتہ دار بھلائی کریں تو وہ بھی بھلائی کرے، بلکہ وہ آپ کا حق ادا نہیں کرتا تب بھی آپ اس کا حق ادا کریں۔ بھائی! آپ کو گالی دیتا ہے تو بھی آپ سلام کیجیے۔ آپ کے ساتھ بھلائی نہیں کرتا تو بھی اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا معاملہ کیجیے؛ اس کی دعوت کریں، اس کو ہدیہ بھیجیں، یہ صلہ رحمی ہے۔

وہ سلام کرے تو ہی آپ بھی سلام کریں، اور وہ نہ کرے تو آپ نہ کریں، یہ صلہ رحمی نہیں ہے؛ یہ تو برابری کا بدلہ ہوا۔ اس کا نام صلہ رحمی نہیں ہے، صلہ رحمی تو یہ ہے کہ وہ کیسا ہی ناروا سلوک کرے، پھر بھی آپ اچھا سلوک کریں اور بدلہ کی توقع نہ رکھیں۔ آدمی کو دل میں ناراضگی اس لئے ہوتی ہے کہ پہلے سے کوئی امید باندھ لیتا ہے اور پھر اُمید پوری نہیں ہوئی تو اس سے ناراضگی ہوتی ہے؛ لیکن اگر پہلے سے امید ہی نہ باندھے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

## کام پریسیڈنٹ کا اور بدلہ عامی سے؟

میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ کتنی بے وقوفی کی بات ہے کہ ہم اپنے اس رشتہ دار سے بھلائی کر کے پھر اسی سے شکریہ یا بدلہ کی توقع قائم کرتے ہیں۔ اس طرح تو اپنی حیثیت کو ہم نے بہت گِرا دیا اور بہت کم پر راضی ہو گئے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے کہ آپ کے پریسیڈنٹ نے ایک آدمی کو آپ کے پاس بھیجا اور آپ پر یہ کہلوایا کہ اس کا فلاں کام تم کر دو، اس کے ساتھ یہ بھلائی کرو کہ وہ دو روز تمہارے یہاں مہمان رہے گا، اس کو کھلاؤ، پلاؤ، اور اس کا یہ کام کر دو۔ چنانچہ آپ

نے دوروز اس کو کھلا یا پلایا اور اس کا کام پورا کر دیا۔

آپ کے اس احسان کے بدلہ کے طور پر از خود وہ آپ کو کچھ دینا چاہے گا تب بھی آپ اس سے کچھ نہیں لیں گے۔ آپ کہیں گے: نہیں بھائی! میرا معاملہ پریسیڈنٹ صاحب سے ہے، میں نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ان کے کہنے سے کیا، مجھے تو وہاں سے پیمینٹ (Payment) لینا ہے۔ اسی طرح ہمیں اللہ تعالی کے کہنے سے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینا ہے، وہ دینے والا ہے اور اس کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ ہم اتنا بڑا بدلہ چھوڑ کر چھوٹے بدلہ پر بچوں کی طرح خوش ہو جائیں، یہ کوئی بات ہوئی؟

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی ہے

ارے بھائی! دنیا کی طرف نگاہ اٹھانے کو چھوڑو۔ اگر وہ دیتا ہو تب بھی نہیں لینا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں ان سے کوئی توقع نہیں رکھنی ہے، نہ شکریہ کی نہ بدلے کی۔ یہ سارے جھگڑے اسی کے ہوتے ہیں۔

## عورتوں کا اکسانا

ویسے عام طور پر مرد کا دھیان اس طرف نہیں جاتا، بلکہ عورتیں دھیان دِلاتی ہیں، بیوی یاد دِلاتی ہے کہ ارے! وہ ہی تمہارا بھائی ہے، تم اس کے بھائی نہیں ہو؟ تم اس کے ساتھ احسان کرتے ہو؛ لیکن اس کو تو تمہاری کچھ پڑی نہیں ہے۔ بہت سی مرتبہ مرد دینے کا ارادہ بھی کرتا ہے تو عورت کہتی ہے کہ ان کے یہاں ایک

ماہ بعد شادی آنے والی ہے، اُس وقت موقع سے دینا۔ یعنی صلہ رحمی کرنے کے لئے بھی لمبا انتظار ہوتا ہے کہ اس کے یہاں شادی ہو تو کرو۔ آپ مجھے بتلایئے کہ حدیث میں کہیں آیا ہے کہ اگر رشتہ دار کے ساتھ بھلائی کرنی ہو تو شادی کے موقع پر ہی کرو؟

میں اپنی سُننے والی ماں بہنوں سے کہوں گا کہ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی والا حکم پورا کرنے میں جتنا کردار اور رول عورتیں ادا کرسکتی ہیں، مرد نہیں ادا کرسکتے۔ مرد اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ خوب بھلائی کا معاملہ کریں۔ جس گھر میں رشتہ داروں سے سلوک کرنے والی عورتیں اور اللہ کی نیک بندیاں ہوتی ہیں؛ وہ گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

## صلہ رحمی میں رسمیت

آج کل ہماری رشتہ داریوں کے حقوق کی ادائیگیاں بھی رسمی بن گئی ہیں۔ بھائی بہن کے ساتھ کوئی سلوک کب کرے گا؟ جب بھائی کے یہاں بیٹا بیٹی کی شادی ہے، تو بہن کو ایک جوڑا کپڑا دے گا۔ اس بہن کے پاس پہلے سے سو (۱۰۰) جوڑے ہوں گے، اس لیے یہ جوڑا الماری میں پڑا سڑتا رہے گا۔ اس کو یہ معلوم ہوگا تب بھی ایک جوڑا کپڑا ہی دے گا کیوں کہ یہی رسم ہے۔ یعنی احسان بھی رسمی ہوگیا۔ اس کو جس چیز کی ضرورت ہے، وہ نہیں دی جارہی ہے، اور دے بھی رہا ہے تو کب؟ جب گھر میں شادی کا موقع آیا۔ اور دنوں میں وہ بہن بھوکی مر رہی ہو تو بھی بھائی کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ یہ کوئی رشتہ داری کے حق کی ادائیگی ہوئی؟

اس لیے رسم ورواج کے پابند ہرگز نہ بنو، اگر رسم ورواج کی بنیاد پر ایک جوڑا توکیا؛ سو جوڑے دوگے تب بھی ایک ذرّہ برابر ثواب ملنے والا نہیں ہے۔ رسم و رواج کی وجہ سے جو کچھ کریں گے، وہ اللہ کے واسطے نہیں ہے، اس لیے ثواب کہاں سے ملے گا؟ بلکہ اللہ کے واسطے رسم ورواج کے خلاف کرو، تو واقعتاً وہ اللہ ہی کے لئے ہوگا اور ثواب بھی اس میں بہت زیادہ ہوگا۔ رسم ورواج کو توڑنے پر سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

## صلہ رحمی کا دوسرا فائدہ: روزی میں برکت۔

مثراۃ فی المال: مال میں زیادتی ہوگی۔

اسی کو بخاری شریف کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

**من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه**

جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی روزی میں برکت اور کشادگی ہو، خوب روزی ملے، اور عمر میں بھی زیادتی ہو، تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ آج کل یہ سب سے بڑا پروبلم ہے۔ جو آتا ہے کہتا ہے کہ مولوی صاحب، کاروبار میں بہت مندا ہے، روزی میں بہت بے برکتی ہے، کوئی تعویذ دو۔ تعویذ ڈھونڈتے رہتے ہیں؛ لیکن اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تدبیریں بتلائی ہیں ان تدبیروں کو اختیار نہیں کرتے، الٹی تدبیریں کرتے ہیں۔

بقول حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ: لوگ وظیفچی بن گئے، مسنون اذکار تو کرتے نہیں، فرض نماز نہیں پڑھیں گے، لیکن وظیفے پڑھتے رہیں • گے؛ پھر بھلا کیسے برکت

ہوگی! روزی میں برکت کا سب سے آسان اور حدیثِ پاک کا بتلایا ہوا وظیفہ یہی 'صلہ رحمی' ہے۔ بیوی آئی، اس کی وجہ سے ماں باپ سے جھگڑا کر کے الگ ہو گئے، پورے گھر سے قطع رحمی کی نوبت آتی ہے۔ پھر برکت کہاں؟

## بیوی کان بھرتی ہے۔

میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ باپ کا ایک بڑا بیٹا ہے، کاروبار باپ کا ہے۔ بڑا ہونے کی وجہ سے اس کو سونپا اور اب بیٹا اس کاروبار کو چلا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ نوجوان آدمی ہے، صلاحیتوں والا ہے، محنت کرتا ہے، اس لیے کاروبار میں بھی ترقی ہوگی، اب یہ حضرت سمجھتے ہیں کہ آہاہا، یہ جو کچھ گھر میں آرہا ہے وہ سب کچھ میں لا رہا ہوں۔

اس کے بعد شادی جو ہوئی، تو بیگم صاحبہ آئیں، وہ یہ سمجھتی ہے کہ میاں ہی سارے گھر کو چلا رہے ہیں۔ دوسرے بھائی تو بڑے ہوئے نہیں۔ کوئی اسکول پڑھ رہا ہے، کوئی مدرسہ جا رہا ہے۔ ابھی کاروبار میں لگے نہیں۔ اب وہ رات کو اپنے شوہر کے کان بھرتی ہے کہ آپ کی اتنی محنت ہے کہ صبح سے دکان پر جاتے ہیں تو شام کو آتے ہیں۔ یہ تمہارا بھائی تو برابر اسکول بھی نہیں جاتا، پیسے ایسے ہی اڑاتا رہتا ہے، ابّا تو اسی کی فیور کرتے ہیں۔ اس طرح یہ روزانہ جو کان میں پھونک مارے گی تو اس کا اثر تو ہوگا ہی۔

گھر ہونے کی وجہ سے آپس میں کچھ ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں۔ ماں باپ کے ساتھ بیٹوں کی، اولاد کی، میاں بیوی کی، مختلف ناگواریاں ہوتی ہیں، بیوی کو

ساس کے ساتھ نا گواری پیش آتی ہے۔ یہ سب ہوتا رہتا ہے، مزاج کے فرق کی وجہ سے نا گواریاں ہونا ضروری ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر اپنی ازواج کا حق ادا کرنے والا کون ہوگا؟ اور ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے محبت رکھنے والا کون ہوگا؟ اس کے باوجود حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اس کا بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے اور تم مجھ سے جب ناراض ہوتی ہو اس کا بھی مجھے اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ کیسے؟ فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی ضررت پیش آتی ہے تو تم کہتی ہو کہ **لا ورب محمد** اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم کہتی ہو کہ **لا ورب ابراھیم**۔

آپ بتائیے، ناراضگی کس چیز کی؟ حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ بہت محبت فرماتے تھے، اور کیا نبی کریم ﷺ کی طرف سے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کا امکان ہے؟ لیکن مزاج کا فرق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے گھروں میں یہ چیزیں پیش آتی ہیں۔

کبھی گھر میں ذرا سا کچھ ہو گیا تو ناراضگی ہوئی، پھر بہو کو یعنی بیٹے کی بیوی کو، ادھر سے (اس کے ماں باپ کی طرف) بھی سپورٹ مل رہا ہے، وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ اب یہ (یعنی شوہر اپنے) ماں باپ کے ساتھ نہ رہے۔ پھر ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے روزانہ شکایات کا۔ اور دفتر میں اندراج رہتا ہے۔ آ ؤ تو بیان ہوتا ہے،

کہ آج تو ایسا ہوا، آج تو امی نے ایسا کیا۔ کبھی تو میاں طیش میں آکر بیوی کی ہمدردی اور اس کے فیور میں آکر ماں سے لڑ بیٹھتے ہیں، باپ پر ہاتھ اٹھا دیتے ہیں اور اوراس کا بڑا برا انجام بھگتنا ہوتا ہے۔ اب روزانہ ایسا ہوتا ہے، آدمی ہے، اثر بھی ہوگا۔

دل ہی تو ہے، نہ سنگ وخشت

ایک ہی بات بار بار سنتا ہے تو اثر ہوتا ہے، بیوی روزانہ ٹارچنگ کرتی ہے، دھیرے دھیرے اس کے دماغ میں کچھ آنے لگتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ میاں صاحب نے ماں باپ کو کہہ دیا کہ میں الگ رہوں گا۔ بیوی کی بات زیادہ غالب آگئی۔

## بیوی اور ماں کا مکالمہ

ہمارے حضرت ایک قصہ سناتے تھے کہ ساس اور بہو میں جھگڑا ہوا، ساس نے کہا کہ آنے دے میرے بیٹے کو، میں تیری پٹائی کرواتی ہوں۔ بہو کہنے لگی کہ میں بھی تو کہوں گی، وہ میری سنے گا، تمہاری نہیں سنے گا۔ تو ماں کہنے لگی: تیری کیوں سنے گا، میری سُنے گا، میں اس کی ماں ہوں۔ تو بہو کہنے لگی: تو کھڑے کھڑے کہے گی ، میں پڑے پڑے کہوں گی۔ تو وہ پڑے پڑے جو کچھ کہتی ہے اس کا اثر بہت ہوتا ہے۔ بیوی جو کان بھرتی ہے تو ماں باپ کا سارا معاملہ ایک طرف رہ جاتا ہے۔ اب بیٹا یوں سمجھتا ہے کہ میں ہی کماتا ہوں اس لئے وہ اعلان کرتا ہے کہ کل سے میں الگ، میرا کاروبار الگ۔

## کمزوروں کے طفیل روزی ملتی ہے۔

دیکھو بھائی! ہمارے جو نوجوان کماتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنے ماں باپ کو پال رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم کو تمہارے کمزوروں کی وجہ سے روزی ملتی ہے۔ (ابوداؤد)۔ نظر یوں آتا ہے کہ ہم کما رہے ہیں، اور ماں باپ کو کھلا رہے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو یوں بتلا رہے ہیں کہ ماں باپ تم کو کھلا رہے ہیں۔ دیکھنے میں تو تم ہاتھ پیر مار رہے ہو، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے جو مل رہا ہے وہ ان کی وجہ سے ملتا ہے۔ یہ حدیث ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اس پر ہمارا ایمان ہونا چاہیے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر یقین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا۔ تو وہ دودھ پیتے تھے، ابھی ڈیڑھ سال کی عمر تھی، دودھ چھڑایا نہیں گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی دودھ پلانے والی عورت آئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! چھاتی میں دودھ جوش مار رہا ہے۔ ماں کا دودھ چھاتی میں باقی رہتا ہے تو اس کی وجہ سے درد ہوتا ہے۔ یہ اسی درد کا ذکر کر رہی تھی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: ابراہیم کو دودھ پلانے کے لئے اللہ نے جنت میں دودھ پلانے والی متعین کر دی ہے۔ آنکھ اُٹھا کر دیکھو، وہ نظر آئے گی۔ تو وہ کہتی ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! نہیں؛ میں آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھوں گی،

آپ کے ارشاد پر مجھے اپنی آنکھوں سے زیادہ یقین ہے۔ دیکھئے، ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر کتنا زیادہ یقین تھا!

ہمیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتلا رہے ہیں کہ تم کو تمہارے کمزوروں کی وجہ سے روزی ملتی ہے، اس پر ہمیں مکمل یقین ہونا چاہیے۔

یاد رکھو نو جوانو! تم کو جو کچھ مل رہا ہے تمہاری طاقت کے بل بوتے پر نہیں، سرٹیفکیٹ کی وجہ سے نہیں، صلاحیتوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل رہا ہے۔ بڑے بڑے عقل منداور بڑی بڑی ڈگریوں والے جوتے چٹخاتے پھر رہے ہیں، ان کے پاس جیب کے اندر ایک ڈالر بھی نہیں، لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں، اور جو بالکل جاہل اور اناڑی ہیں، جن کو دستخط کرنا تک نہیں آتا، وہ بڑے بڑے رئیس ہیں، اور بڑے بڑے پڑھے لکھے ان کے یہاں نوکریاں کرتے ہیں۔

## تو بڑا منحوس ہے: ایک دلچسپ قصہ۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ روزی کا مدار اگر پڑھائی لکھائی پر ہوتا تو جاہل دنیا میں بھوکا مرتا، لیکن معاملہ برعکس ہے، جو جاہل ہوتے ہیں، ان کے پاس پڑھے لکھوں کے مقابلہ میں خوب مال ہوتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کے وعظ میں ایک قصہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہات کا رہنے والا کہیں جارہا تھا، اونٹ وہ لئے ہوئے تھا، اور اونٹ پر دو بوریاں لادی ہوئی تھیں ۔اس کے ساتھ ایک پڑھا لکھا آدمی بھی تھا۔ دونوں سفر میں ساتھ ہیں اور باتیں

کرتے جارہے ہیں۔ اُس پڑھے لکھے نے اُس دیہاتی سے پوچھا کہ یہ اونٹ پر دو بوریاں لادرکھی ہیں ان میں کیا بھرا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک میں گیہوں ہیں اور دوسرے میں ریت بھری ہے۔ پوچھا کہ ریت کی کیا کمی ؟ چاہو تو اپنے گھر کے سامنے سے سو(۱۰۰) بوریاں بھر لینا، یہ بوری میں ریت بھر کر کیوں لے جارہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ ایک طرف گیہوں ہے، اس لیے دوسری طرف توازُن برابر کرنے کے لئے دوسری بوری میں ریت بھرا ہے۔

اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! یہ تو ڈبل وزن ہوگیا، اسی گیہوں کو آدھا ایک بوری میں اور آدھا دوسری بوری میں کر دے تو وزن کم ہو جائے گا، اور اونٹ بھی جلدی چلے گا۔ اس نے کہا کہ ہاں یار! تیری بات تو بڑی معقول ہے۔ دیہاتی نے اس بوری میں سے ریت خالی کر کے آدھے گیہوں بھرے اور اونٹ پر لاد کر پھر چلنے لگے۔ اب یہ دیہاتی اپنے جی میں یوں سوچتا ہے کہ یار یہ تو بڑا عقل مند آدمی ہے، اس نے عجیب مشورہ ہم کو دیا، اس کے پاس تو بہت مال دولت ہوگی۔ یہ سوچ کر وہ پوچھتا ہے کہ تیرے یہاں بکریاں کتنی ہیں؟ کہا: کچھ بھی نہیں۔ بھینس کتنی ہیں؟ کہا: کچھ بھی نہیں، گائے کتنی ہیں؟ کہا: ایک بھی نہیں۔ بیل کتنے ہیں؟ کہا: ایک بھی نہیں۔ گھوڑے کتنے ہیں؟ کہا: ایک بھی نہیں۔ تو اس نے کہا کہ میرے یہاں اتنی بھینسیں، اتنی گائیں ہیں۔ تو بڑا منحوس آدمی ہے، میں تیری بات پر عمل نہیں کرتا اور پھر وہ بوریاں اس نے اُتار دیں اور گیہوں اس میں بھرے اور دوسری بوری میں ریت بھر کے لادی اور چلنے لگا۔

تو حقیقت یہ ہے کہ روزی کا مدار عقل وصلاحیت پر نہیں ہے، آپ یہ بھولنا

مت۔ جتنے نوجوان اچھا کماتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں اور ماں باپ کو دیتے ہیں، وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ہم اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر کما رہے ہیں۔ نہیں! بلکہ پتہ نہیں کون کمزور ہے جو تمہارے ذریعہ پل رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تم کو روزی عطا فرماتے ہیں۔

## عاملوں کا چکر

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑے صاحب زادے کاروبار چلا رہے ہیں، اب بیوی روزانہ ان کو ٹارچر (Torcher) کرتی رہتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے چارہ کہتا ہے کہ اب میں الگ ہو جاؤں گا۔

اس طرح علیحدگی ہو گئی، آج تک حضرت یوں سمجھتے تھے کہ سب کچھ آمدنی ہمارے بل بوتے اور زورِ بازو سے ہے۔ اب جو ماں باپ کا دل ٹوٹا اور بھائیوں اور دوسرے عزیزوں سے قطع رحمی ہوئی تو اس کا فوری اثر روزی پر ہوگا۔ چنانچہ کاروبار بگڑنا شروع ہوا۔

آدمی پر جب حالات آتے ہیں، تو حالات آنے پر آدمی اپنے اعمال کا جائزہ نہیں لیتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ میرے اعمال میں کون سی کمی آئی جس کی وجہ سے یہ حالات پیش آئے، وہ دوسروں کو دیکھتا ہے، حالات پیش آئے، کاروبار خراب ہونا شروع ہوا، پھر بھی اس کو بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ میں نے قطع رحمی کی اس کا یہ اثر ہے۔ قطع رحمی ایک ایسا گناہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے دنیا ہی میں اس کی سزا دیتے ہیں، صلہ رحمی کا نیک بدلہ بھی دنیا ہی

میں دیتے ہیں، کاروبار خراب ہونا شروع ہوا، تو بھی اپنے آپ پر نظر گئی نہیں، اور یہ سوچتا ہے کہ میں تو اتنا کماتا تھا، میں نے الگ کاروبار کیا، تو کیوں نہیں چلتا؟ ضرور کسی نے باہر کا کچھ کر دیا ہے۔ کسی نے کچھ کر دیا ہے، کون کرے گا، بھائی نے ہی کیا ہوگا۔ گھر والوں نے ہی کیا ہوگا۔

آج کل تو عاملین کی بھی کمی نہیں، کسی کے بھی پاس تعویذ لینے پہنچ جائیں گے۔ کسی کے ذہن میں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ سے دعا کرنے کا خیال نہیں آتا۔ اللہ سے مانگنا تو ہم نے سیکھا ہی نہیں۔ ذرا کچھ ہوگا تو کوئی عامل ڈھونڈھیں گے۔ گویا عامل ہی ساری دنیا کا حل ہے۔ عامل کے پاس سارا کچھ ہوتا تو وہ کیوں مارا مارا پھرتا، خود اس کو تو دیکھو۔

شیخ سعدیؒ نے گلستان میں واقعہ لکھا ہے، ایک جیوتشی کا۔ ایک جیوتشی لوگوں کو غیب کی خبریں بتایا کرتا تھا، اتفاق کہ اس کی بیوی کے ساتھ کسی کے غلط تعلقات تھے، ایک مرتبہ گھر پر پہنچا تو دیکھا کہ پرایا آدمی بیوی کے ساتھ ملوث ہے، چنانچہ اس کا جھگڑا ہوا، لوگ جمع ہو گئے۔ کسی سمجھدار نے پوچھا، کاہے کا جھگڑا ہے؟ لوگوں اس کو بتایا تو وہ کہنے لگا کہ یہ ساری دنیا کو تو غیب کی خبریں بتاتا ہے اس کو اپنے گھر کی خبر نہیں، عاملوں کا بھی ایسا حال ہوتا ہے۔

عامل بھی فوراً کہہ دیتا ہے کہ تمہارے گھر میں ہی کوئی ہے، سوچ لو، کون تمہارا دشمن ہے؟ اُسی نے کچھ کر دیا ہے، بس بات ختم ہوگئی۔

دشمنی میں اس کے ذہن میں سیدھا بھائی، بہن نظر آئیں گے، بعض تو سیدھا ماں باپ پر الزام لگاتے ہیں کہ میرے باپ نے کرایا دیا۔ کاروبار تو گیا تھا، اب

دین بھی گیا۔ اس کے ذہن میں یہ بیٹھ گیا کہ یہ لوگ میرے دشمن ہیں۔ اب وہ اسی پٹری پر چل رہا ہے۔ کوئی کتنا ہی سمجھائے اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ جس کے دل میں قطع رحمی کے خیالات ہوں اللہ تعالی اس کے بارے میں فرماتے ہیں،

**فأصمهم وأعمى أبصارهم۔**

اب ماں باپ کو تو وہ تین سوڈالر بھیجتا تھا؛ لیکن اس عامل کو پانچ سو دے رہا ہے، اور یہ سلسلہ چل رہا ہے، اور کھوٹ اپنی جگہ الگ ہورہی ہے۔ ارے بھائی! اگر توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت بھی آتی؛ لیکن اب تو گناہ میں آگے بڑھ رہا ہے۔ ایک تو ان سے الگ ہوا اور اب ان پر ہی الزام لگاتا ہے کہ یہی میرا بُرا کر رہے ہیں۔ بھلا ماں باپ کسی کا کبھی بُرا کرتے ہیں؟ گجراتی میں کہاوت ہے:

છોરું કછોરું થાય પણ માવતર કમાવતર ન થાય

یعنی ماں باپ کبھی بیٹے کی بدخواہی نہیں کر سکتے، بیٹا چاہے کیسا بھی ہو؛ لیکن اس بیٹے کے ذہن میں تو یہی بیٹھا ہوا ہے۔ اب ایک چکّر چلتا ہے، عامل کے پاس جاتا ہے، وہ تعویذ دیتا ہے، یوں کرو، فلاں کرو، ایک دوسال تک چلا۔ جب تنگ آ گیا تو پھر سختی سے پکڑا کہ بھائی! دوسال سے علاج کر رہا ہے کہ جادو ہے، فلاں ہے؛ لیکن اب تک کیوں ٹھیک نہیں ہورہا ہے؟ تو اب عامل کہتا ہے:

یہ تو اصل میں کچھ ڈاٹیلا ہے، دفن کر رکھا ہے، وہ جب تک باہر نہیں نکلے گا کچھ ٹھیک ہونے والا نہیں۔

آج عامل کو خبر پڑی؟ دوسال پہلے کیوں پتہ نہیں چلا؟ علاج تو دوسال سے چل رہا ہے، مگر عقل ماری جاتی ہے، حقیقت تو یہ ہیکہ جو نحوست ماں باپ کی نافرمانی

اور قطع رحمی کی ہے وہی ایسی آڑے آتی ہے کہ اب اپنی بھول بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

## روزی اللہ کا انعام ہے، اپنا کمال نہیں۔

اس لئے بھائی دیکھو! یہ نہ سمجھنا کہ میری صلاحیت ہے، کسی کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل اور اسی کا کرم ہے، اللہ اپنے فضل سے دے رہے ہیں۔ اور یہ یاد رکھو کہ اللہ کا دیا ہوا ہے، ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے اللہ نے جہاں کہا ہے وہاں خوب خرچ کرو، اپنے رشتہ داروں میں، اپنے ماں باپ پر، اپنے بھائی بہنوں پر اور اپنے ملنے جُلنے والوں پر سب پر خرچ کرو۔ اس میں ذرا بھی کمی نہیں آنی چاہئے۔ ایسے معاملہ میں بیوی رکاوٹ بنتی ہو تو عورتوں سے بھی میں کہوں گا کہ ہر گز رکاوٹ نہ بنو۔ بلکہ شوہر خرچ نہ کرتا ہو تو اس سے کراؤ، اور جو عورتیں رکاوٹ بنتی ہیں، میں مردوں سے کہتا ہوں کہ ان کی طرف توجہ نہ کرو۔ وہ آپ کی بھی اور اپنی بھی بدخواہی کر رہی ہیں۔

بہر حال، صلہ رحمی بہت اہم ہے، اس کا خیال رکھو اور کبھی بدلہ کی توقع مت رکھو کہ وہ ہمارا شکریہ ادا کریں، وہ ہماری تعریف کریں۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے، وہ ہم کو بدلہ دینے والا ہے، ہمیں تو اس کے خزانے سے لینا ہے۔ جو ہمارا احسان لے رہا ہے؛ وہ ہمیں کیا دے گا؟ ہم کیوں ان سے اُمید رکھیں؟ ہم تو اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھیں، وہی ہمیں دے گا۔ بس!

وہ اگر ہمارے ساتھ سلوک کرتا ہے، شکریہ ادا کرتا ہے، دُعا دیتا ہے، تو ٹھیک ہے۔ ورنہ اُس کی بھی ہمیں پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## صلہ رحمی کا تیسرا فائدہ: عمر میں زیادتی۔

**منسأة في الأثر:** عمر میں برکت ہوگی۔یعنی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہی یہ بدلہ ملتا ہے کہ اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے۔حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ رشتہ داری ایسی چیز ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں انسان کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنی اسی طرح اگر اس کا خیال رکھا جائے اور رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جائے تو وہ انسان کے لیے دنیا میں زیادہ رہنے کا بھی ذریعہ بن سکتی ہے۔

بہرحال ! یہ چیز دنیوی اعتبار سے بھی مفید ہے اور آخرت میں بھی اس کا بدلہ ملنے والا ہے، اور اس کے برعکس بھی ہے، یعنی اگر صلہ رحمی سے روزی میں برکت ہوتی ہے، عمر میں زیادتی ہوتی ہے تو قطع رحمی سے روزی میں تنگی آتی ہے اور عمر کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔

## اللہ کے دربار میں رشتہ داری کی دہائی

میں نے جو حدیث پڑھی اس کا بھی ترجمہ کردوں۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، اور جب مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہوئے، تو رشتہ داری کھڑی ہوئی اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے عرش کا پایہ پکڑ لیا۔

رشتہ داری ایک معنوی چیز ہے، اس کا کھڑا ہونا، عرش کا پایہ پکڑنا اور اللہ کے

سامنے عرض معروض کرنا؛ ان سب کا مطلب کیا ہے؟ یہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کی کیا شکل تھی، البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان معنوی چیزوں کو بھی ایک مثالی جسم عطا کیا جاتا ہے۔ علماء جانتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے معنوی حقائق کو بھی شکلیں دی ہیں۔ اسی طرح رشتہ داری کو بھی جسم عطا کیا اور وہ کھڑی ہوئی۔

باری تعالیٰ نے پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے کہا: یہ اس شخص کا کھڑا ہونا ہے جو آپ سے رشتہ داری کے حقوق ضائع ہونے سے پناہ چاہتا ہے۔

یعنی باری تعالیٰ! میں اس لئے کھڑی ہوئی ہوں کہ میں آپ سے گارنٹی چاہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جب رشتہ داری کو پیدا کیا اور رشتہ داری کے حقوق بھی اللہ نے طے کردیئے کہ یہ حقوق ہیں؛ ماں کے یہ حقوق ہیں، باپ کے یہ حقوق ہیں، بھائیوں کے یہ حقوق ہیں، بیوی کے، شوہر کے اور ساری رشتہ داریوں کے حقوق اس طرح ہیں؛ تو اس پر رشتہ داری نے یوں عرض کیا کہ باری تعالیٰ! آپ نے مجھے پیدا کیا اور میرے حقوق بھی آپ نے متعین کردیئے، مگر میرے حقوق ادا ہوں گے، اُس کی کیا گارنٹی؟

اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی کام کے کرنے پر اس کو کوئی لالچ دیا جاتا ہے یا اس کے نہ کرنے پر کوئی دھمکی دی جاتی ہے تو وہ اس لالچ کی وجہ سے یا اس دھمکی سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ان کاموں کو بھی کر بیٹھتا ہے جن سے منع کیا گیا تھا۔ چوں کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے پر کیا انعام اللہ کی طرف

سے دیا جائے گا، اور ان حقوق کو ضائع اور برباد کرنے پر کیا سزا ملنے والی ہے یہ ابھی بتایا نہیں گیا تھا۔ اس لئے رشتے داری کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ میرے حقوق تو اللہ نے مجھے دے دیئے ہیں، لیکن پتا نہیں یہ انسان ان حقوق کو ادا کریں گے یا نہیں کریں گے؟ اس لئے رشتہ داری نے اپنے اس خطرے کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے تحفظ اور Reservation مانگا کہ یہ بندے میرے حقوق ادا کریں اس سلسلہ میں مجھے کچھ وعدہ مل جانا چاہئے۔

تو باری تعالیٰ نے کہا: ٹھیک ہے، کیا میں یہ اعلان کردوں کہ جو تجھے جوڑے گا؛ میں اس کو جوڑوں گا، اور جو تجھے کاٹے گا؛ میں اس کو کاٹوں گا؟ رشتہ داری نے کہا: ہاں! میں اس پر راضی ہوں۔ تو باری تعالیٰ نے کہا: جا! تجھے یہ وعدہ دے دیا۔ گویا اب یہ کہہ دیا گیا کہ جو رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرے گا اللہ اس کو جوڑے گا اور جو رشتہ داری کے حقوق کو توڑے گا اللہ اس کو کاٹے گا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور وہ ہر وقت دعا کرتی ہے کہ جو مجھے جوڑے گا اللہ اُس کو جوڑے گا اور جو مجھے کاٹے گا، اللہ اُس کو کاٹے گا۔ (مسلم: ۴۶۴۱، مشکوۃ: ۴۹۲۱) یعنی کہ اللہ نے رشتہ داری سے یہ وعدہ کردیا ہے۔ اس لئے جو لوگ قطع رحمی کرتے ہیں، رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں، ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑی سخت وعید ہے۔

## قطع رحمی کی سزا نقد ہوتی ہے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یہ دستور رکھا ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار کو

گناہ کے باوجود پھلنے پھولنے کا موقع دیا جاسکتا ہے۔ چور چوری کے باوجود پھلتا پھولتا ہے۔ رشوت کھانے والا رشوت لیتے ہوئے بھی پھلتا پھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں فوراً سزادے یہ ضروری نہیں، سزا اور اچھے کاموں کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں رکھا ہے۔ دنیا میں موت تک سب کو مہلت ملی ہوئی ہے؛ لیکن 'قطع رحمی' ایک ایسا گناہ ہے جس کے متعلق حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تو سزا دیں گے ہی، دنیا میں بھی اس کی سزا آدمی کو جلدی سے دے دیتے ہیں۔ جو آدمی قطع رحمی کرتا ہے، رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرتا ہے، اللہ اس کو دنیا ہی کے اندر سزا دیتے ہیں۔

## قطع رحمی کرنے والا ملعون ہے۔

صلہ رحمی کو اللہ تعالی کی طرف سے گارنٹی دینے کو بیان کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُم کیا اس بات کی توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں اقتدار اور قوت عطا فرمائے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو۔

عام طور پر آدمی قطع رحمی کب کرتا ہے؟ جب کچھ قوت آتی ہے۔ مسلس پاور یا منی پاور؛ دو میں سے جب ایک آجاتا ہے تو دماغ پھر جاتا ہے اور رشتہ داروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالی کی کتنی سخت وعید ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: أُولٰئِکَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللهُ، یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اپنی رحمت سے دور کردیا۔

**فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ** ان کو بہرہ کردیا اوران کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔

ہم غور سے دیکھیں گے تو بہت سے لوگ اس چیز میں مبتلا نظر آتے ہیں، ساری دنیا جا کر سمجھا رہی ہے، امیر صاحب کہیں تو بھی، مفتی صاحب کہیں تو بھی، پریسیڈنٹ صاحب کہیں تو بھی، کسی کی سننے کو تیار ہی نہیں، سب سمجھا رہے ہیں؛ لیکن وہ سمجھ ہی نہیں رہا۔ وہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کان بہرے کردیئے اور آنکھیں اندھی کردی کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ صلہ رحمی، رشتہ داریوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ کی جائے۔

## کہاں سے رحمت آئے گی؟

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **لا يدخل الجنة قاطع** (بخاری، کتاب الادب: ۵۶۳۸) رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اوراس سے زیادہ خطرناک بات سناؤں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں **لا تنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم**۔ مشکوۃ شریف، کتاب الآداب (۴۹۳۱) کی روایت ہے کہ اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی ہے، جس میں ایک آدمی بھی رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے والا ہو۔ آج تو گھر گھر میں رشتہ داری کے حقوق ضائع کرنے والے ہیں، پھر کہاں سے رحمت آئے گی؟ اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں آتی جس میں ایک آدمی بھی ایسا ہو جو رشتہ داری کے حقوق کوادا نہ کرتا ہو،

خاص طور پر ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی بہت ہی اہم ہے، اس لئے کہ ساری رشتہ داریوں کی جڑ ماں باپ ہیں، ماں اور باپ سے ہی سب رشتے نکلے

ہیں۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک طرف اپنی وحدانیت اور اپنی عبادت کا حکم دیا گیا، وہیں ساتھ میں ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کا حکم بھی دیا جارہا ہے۔

## سرخ آندھی کا انتظار کرو۔

لیکن ہوتا کیا ہے؟ وہی ہوتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔ ترمذی شریف (حدیث نمبر ۲۲۳۱) میں حضرت علیؓ سے روایت ہے: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ میری اُمت جب پندرہ کام کرے گی تو وہ آزمائش میں مبتلا ہوجائے گی۔

إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً: مالِ غنیمت کو ذاتی مال سمجھ لیا جائے۔

وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا: اور امانت کو غنیمت سمجھ لیا جائے۔

وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: اور زکوۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے۔

وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ: حدیث کے اسی حصے کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جب کوئی مرد اپنی بیوی کی بات ماننے لگے اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے۔ دوست کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے اور باپ کے ساتھ بے وفائی کا سلوک کرنے لگے۔ دوستوں کو پارٹیاں دی جارہی ہیں اور باپ بھوکا مر رہا ہے، کھانے کو ترس رہا ہے۔

آگے اور چیزیں بھی ہیں، جو میرے موضوع سے ہٹ کر ہیں۔ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ سب ہوتو فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ

**خَسْفًا وَ مَسْخًا**۔ جب یہ پندرہ کام ہونے لگیں تو سُرخ آندھیوں کا انتظار کرو، جس میں آگ ہوگی اور لوگوں کو جلائے گی اور لوگ دھنسا دیئے جائیں گے، ان کے چہرے، ان کی شکلیں صورتیں بدل دی جائیں گی۔ یہ سب قیامت کے قریب ہوگا۔

ان پندرہ علامتوں میں چار تو یہ ہیں کہ بیوی کی بات مانی جائے اور ماں کی نافرمانی کی جائے۔ دوستوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک اور باپ بیچارہ ترس رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے سماج میں بڑھتا جارہا ہے۔

## سماج کا مزاج

شادی کے نتیجے میں جب بیوی شوہر کے یہاں آتی ہے تو علماء جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو نکاح کے نتیجے میں جزئیت اور بعضیت کا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی بیوی کے ماں باپ اس کے حق میں ایسے ہی ہیں جیسے اس کے اپنے ماں باپ اور شوہر کے ماں باپ بیوی کے حق میں ایسے ہی ہیں جیسے اپنے ماں باپ۔ دونوں کے لئے ایک دوسرے کے ماں باپ، ماں باپ بن جاتے ہیں، یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اِسی لئے حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔ مگر ایک مزاج ہمارے سماج میں یہ بنتا جارہا ہے کہ عام طور پر لڑکے کے ماں باپ یوں چاہتے ہیں کہ داماد اپنے سُسرال والوں کے ساتھ کچھ سلوک کرے ہی نہیں۔ اور اِدھر بیوی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میرا شوہر اپنے خاندان والوں کے ساتھ کوئی سلوک کرے ہی نہیں، میرے ماں باپ کا بن کر رہ جائے۔ یہ بھی غلط، وہ بھی غلط۔

شریعت اعتدال چاہتی ہے کہ دونوں کے حقوق ادا کرو۔ ہم لڑکے کے ماں باپ سے کہیں گے کہ تم ایسا مت کہو کہ یہ اپنی بیوی کے ماں باپ کا ہو گیا، وہ بھی اس کے ماں باپ کی طرح ہیں، تمہارا بھی حق ادا کر رہا ہے۔ ہاں! اگر تمہارا حق ادا نہ کرتا ہو تو بولو کہ ہمارا حق تو ادا نہیں کرتا، جب تمہارے ساتھ پورا احسان اور سلوک کرتا ہے اور پھر کچھ سلوک اور بھلائی اپنی بیوی کے ماں باپ کے ساتھ اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی کر رہا ہے تو تمہارے پیٹ میں کیوں درد ہوتا ہے؟ بلکہ اگر وہ ان کے ساتھ سلوک نہ کرتا ہو تو آپ کو چاہیے تھا کہ اس کو تاکید کرتے۔ اس لئے کہ اس کی ازدواجی زندگی اور گھریلو زندگی تب ہی ٹھیک ہو سکتی ہے جب ادھر کا معاملہ بھی ٹھیک ہو۔

## اگر عورتیں گھر میں خیر و برکت چاہیں......

اسی طریقہ سے اگر شوہر بیوی کا حق ادا کر رہا ہے، اس کے ماں باپ کے ساتھ بھی بھلائی کرتا ہے، تو بعض عورتیں یوں چاہتی ہیں کہ اب یہ اپنے ماں باپ سے، اپنے بھائی بہنوں سے اور اپنے رشتہ داروں سے کٹ جائے۔ بعض عورتیں تو باقاعدہ پہرہ لگا دیتی ہیں اور شوہر کو بھی ایسا قبضے میں کر لیتی ہیں کہ اللہ کی پناہ! بے چارہ ماں باپ کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا۔ پہلے بیوی کی نظر کو دیکھے گا کہ کہاں ہے؟ اس کے بعد ہی ماں باپ کی طرف دیکھنے کی ہمت کرے گا، یہ بھی غلط ہے۔ یہ سب سے خطرناک بات ہے۔ ایسی عورتوں سے میں کہوں گا کہ جو بیٹا ماں باپ کا نافرمان بنا، حدیث کی رو سے دنیا کے اندر وہ سزا پائے گا۔ اب اگر تمہارا شوہر سزا پائے گا تو

کیا تم اسے سزا سے بچا سکو گی؟ جب مصیبت میں وہ گرفتار ہو گا تو وہ مصیبت بیوی پر بھی آئے گی۔ عورتیں اگر چاہتی ہیں کہ ان کے گھروں میں خیر و برکت ہو تو اپنے شوہروں سے کہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا حق ادا کریں۔ اگر نہیں کرتا ہے تو اُس کو مجبور کرو۔ بیویوں کو چاہیے کہ وہ حق ادا کروائیں۔ عورتیں اس معاملہ میں بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ آج کی عورتیں بہت کچھ کر رہی ہیں، لیکن غلط کر رہی ہیں۔ میں اپنی ماؤں اور بہنوں سے کہوں گا کہ اس کی طرف توجہ کرو۔ صلہ رحمی کا معاملہ مردوں کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ میں زیادہ ہے، مرد تو اپنے کاروبار میں ایسا کھپا ہوا ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں عورتوں ہی کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے سارے فیصلے کرتا ہے۔ اس لئے عورتوں کو چاہیے کہ اپنے شوہروں کو ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

## والدین کی اطاعت وفرمابرداری کا صلہ، تجربات کی روشنی

پاکستان کے ڈاکٹر نور احمد کا ایک رسالہ پڑھا، کنتھاریہ والوں نے بھی اس کو اردو زبان گجراتی لپی میں شائع کیا ہے۔ انہوں نے اپنی ڈاکٹری زندگی کے تجربات کے عجیب وغریب واقعات لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے والے ہیں، ہم نے دیکھا کہ ایسی ایسی خطرناک بیماریوں سے جن سے بچنا قطعاً ناممکن تھا، ماں باپ کے ساتھ بھلائی کے نتیجے میں اللہ نے ان کو شفاء عطا فرمائی۔ اور موت کے وقت انہیں اچھی موت نصیب ہوئی۔ اور جو لوگ ماں باپ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، ان کی موت بھی بُری آتی ہے۔

انہوں نے کئی واقعات لکھے ہیں۔ دو چار آپ کو سنا دوں۔

## ایمان پر خاتمہ

لکھا ہے کہ ایک پروفیسر کو بڑا روز دار ہارٹ اٹیک ہوا۔ بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ ہم تمام ڈاکٹر اپنے علاج کے اندر مصروف تھے۔ قریب میں اس کی ماں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سنا کہ وہ چپکے چپکے اللہ سے دُعا کر رہی تھی: اے اللہ! میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ کیوں کہ حملہ بڑا سخت تھا بچنے کی اُمید نہیں تھی؛ مگر میں نے دیکھا ان پروفیسر صاحب نے یعنی مریض نے زور سے کلمہ پڑھا، مسکرائے اور دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

## کڈنی نے کام شروع کر دیا۔

ایک اور بیمار کے متعلق لکھا ہے کہ ایک بڑے بینک افسر تھے، بیمار ہوئے۔ بہت سے ڈاکٹروں نے علاج کیا تھا، آخر میں مجھے علاج کے لئے بُلایا گیا۔ مجھ سے پہلے اٹھارہ (۱۸) ڈاکٹر اس کا علاج کر چکے تھے اور سب نے یہ کہا تھا کہ یہ بچنے والا نہیں ہے۔ میں آیا تو میری بھی یہی رائے تھی؛ لیکن میں نے ان کے ماں باپ سے کہا کہ علاج صحیح طریقے سے سنت کے مطابق کرو۔ پہلے دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر تم ماں باپ ہونے کی حیثیت سے دعا کرو، صدقہ کرو، پھر میں علاج کرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا کیا اور تین روز تک وہ دعا کا اہتمام کرتے رہے۔ جس کے متعلق سب ڈاکٹر جواب دے چکے تھے، اٹھارہ اور ایک میں؛ کل انّیس ڈاکٹروں

نے کہا تھا کہ بچے گا نہیں، اب اس کو دیکھا کہ اس کی کِڈنی (Kidney) نے کام کرنا شروع کیا، پیٹ کا پانی سوکھنا شروع ہوا اور وہ تندرست ہو گیا، ایسی مہلک بیماری تھی، لیکن ماں باپ کی دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار ٹھیک ہو گیا۔

## داڑھی سے پاؤں جھاڑنے کا صلہ۔

شیخ ابو اسحاق اسفرائنی کے متعلق لکھا ہے ایک آدمی نے آکر ان سے عرض کیا: حضرت میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آپ کی داڑھی جواہر یاقوت اور موتی سے مرصع ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا: **صدقت لأني مسحت بها البارحة قدم أمي** تو نے ٹھیک کہا۔ گذشتہ رات میں نے اس داڑھی کے ذریعہ اپنی ماں کے پیر جھاڑے تھے۔ ان کا گرد و غبار صاف کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا۔ (نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس للصفوری، ۱۹۸)

## ماں کا خادم حضرت موسیٰؑ کا رفیق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! جنّت کے اندر جو میرا رفیق ہو مجھے بتلا دیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا: فلاں بستی میں فلاں بازار میں ایک قصّاب کی دکان ہے، وہ نوجوان تمہارا جنّت کا رفیق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مغرب کے وقت اس بازار میں تشریف لے گئے تو دیکھا ایک قصّاب دکان بند کرنے والا تھا۔ گوشت کا ایک ٹکڑا زنبیل میں ڈالا، دکان بند کی اور گھر جانے لگا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: کیا تم کسی مومن کو اپنے ساتھ رکھنا پسند کرو گے؟ اس نے

کہا۔ جی ہاں ضرور۔ موسیٰؑ نے کہا کہ مجھے اپنے ساتھ لے لو۔ قصّاب نے کہا: ٹھیک ہے۔ وہ گھر پہنچا۔ گھر جا کر اس نے گوشت پکایا۔ اس کے بعد اُس نے ایک زنبیل اُتاری۔ اس زنبیل میں دیکھا کہ ایک بڑھیا بالکل کبوتر کے بچّے کی طرح کمزور ہے۔ قصاب نے خود پکایا ہوا شوربا چمچ کے ذریعہ دھیرے دھیرے اُسے پلایا۔ یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئی۔ اس کے بعد اس کے کپڑے نکال کر دھوئے، سوکھائے اور اس کو پہنائے۔ حضرت موسی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اس بڑھیا کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تو قریب جا کر کان لگائے۔ میں نے سنا کہ بڑھیا دعا کرتی تھی: اے اللہ میرے بیٹے کو جنّت میں حضرت موسیٰؑ کا رفیق بنائیو۔ اس کے بعد اس نے اُس زنبیل کو لے کر لٹکا دیا۔ میں نے اس نوجوان سے پوچھا: قصّہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میری ماں بہت کمزور ہو گئی ہے۔ چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اس سے کہا: خوش خبری سُن لے۔ میں اللہ کا نبی موسی ہوں اور تو جنّت میں میرا رفیق ہے۔

## سو(۱۰۰)حج کا ثواب۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

**مامن ولد بار ينظر نظرة رحمة إلى والديه إلا كتب الله له بكلّ نظره حجة مبرورة۔ (مشكوة شريف، كتاب الآداب: 4944)**

فرماتے ہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ بیٹا جو ماں باپ کا فرماں بردار ہو- دیکھو فرماں برداری کی قید کی ہے- ماں باپ کا فرمابردار بیٹا جب اپنے

ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالی ہر نظر کے بدلے میں حج مبرور لکھتے ہیں۔

قالو ولو فی کُل یوم مئة مرة۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دن میں سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو رحمت کی نظر سے دیکھے تو ہر نظر کے بدلے میں اللہ تعالی حج مبرور لکھیں گے؟ فطرتاً یہ سوال پیدا ہوگا ہی۔ کیوں کہ یہ تو بہت سستا سودا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی آدمی دن میں سو مرتبہ اس طرح دیکھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ اللہ أکبر و أطیب۔ اللہ بہت بڑا ہے اور پاکیزہ ہے۔ یعنی ہم جیسے انسان تو بہت کم ظرف ہیں، کوئی ایسے انعام کا اعلان کر دیا گیا اور اندیشہ یہ ہوا کہ بہت سارے لوگ لے جائیں گے تو پھر قید لگا دیں گے کہ پہلے دن آنے والوں کو ملے گا۔ بعد والوں کو نہیں ملے گا۔ یہاں تو جتنی مرتبہ دیکھو، یہ ثواب ملے گا۔

## حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ۔

حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا جائے۔ مسلم شریف اور ابوداود شریف میں قصہ موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک سفر میں جا رہے تھے، راہ میں ایک دیہاتی ملا، انہوں نے اپنا گدھا اور عمامہ اُس دیہاتی کو دے دیا۔ لوگوں نے کہا: حضرت یہ تو دیہات کا رہنے والا ہے، تھوڑا سا سلوک کرتے تو بھی وہ خوش ہو جاتا، آپ نے سب کچھ دے ڈالا۔ تو کہا: اس کا باپ میرے ابا کا دوست تھا۔

## صلہ رحمی کا کم سے کم درجہ

بہر حال رشتہ داروں کے حقوق کے معاملہ میں ہمارے یہاں جو کوتاہیاں کی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا زیادہ احساس ہونا چاہیے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، سلوک اور اچھا معاملہ کرنے میں رسم و رواج کا پابند نہ ہونا چاہیے۔ ان کے درجات میں کوئی کوتاہی نہ ہو، اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دور کا رشتہ دار ہو تو بھی آپ اس کو سلام کریں، اس کے ساتھ تعلق قائم رکھیں۔ آج کل عام طور پر بھائی بھائی میں، اسی طرح بھائی بہنوں میں چچا کے لڑکوں میں آپس میں لڑائی جھگڑے ایسے ہیں کہ بات تک کی نوبت نہیں آتی اور کٹی رہتی ہے، تعلقات کشیدہ رہتے ہیں، یہ 'قطع رحمی' ہے، اور اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اسی سے روزیوں میں بے برکتی ہوتی ہے۔

## نیکی کر دریا میں ڈال۔

ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اللہ کے رسول! میرے رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہوں؛ لیکن وہ میرے ساتھ بُرائی کا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان کے حقوق ادا کرتا ہوں مگر وہ میرا حق ضائع کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ اچھائی سے پیش آتا ہوں پھر بھی وہ میرے ساتھ بُرائی سے پیش آتے ہیں۔ حضور ﷺ نے کہا: کیا ایسا ہی ہے؟ کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو تو ان کو گرم راکھ کھلا رہا ہے اور اللہ کی طرف سے تیرے

لئے ہر وقت مدد گار فرشتہ ان کے مقابلہ میں مقرر ہے جو تیری مدد کرتا ہے، اور تیرے لئے دعا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بدلہ دیں یا نہ دیں ہمیں صلہ رحمی کرنی ہے، ہم کیوں اُن سے توقع رکھیں؟ ہم تو اللہ سے توقع رکھیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر بھلائی کا معاملہ کرتے رہیں۔

چوں کہ آپ دوسرے ملک میں رہتے ہیں، یہ مسائل آپ کو بار بار پیش آتے ہیں، اس کی وجہ سے بڑے بڑے جھگڑے بھی ہوتے ہیں، اس لیے ان چیزوں کے چکر میں بالکل نہ پڑیں، آپ بھلائی کرتے جایئے۔

ایک مثل مشہور ہے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ مطلب یہ کہ نیکی کرو اور بھول جاؤ، ہاں! بُرائی کر کے یاد رکھو، اس لیے کہ اس سے توبہ کرنی ہے اور آئندہ بچنا ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ اُلٹا ہے کہ برائی کر کے بھول جاتے ہیں اور نیکی کر کے یاد رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

---

چند خطابات کا مجموعہ: (۱) پناما (۲) مرکز مسجد (۳) نورانی مسجد ہوڈی بنگلہ سورت۔ 2004-9-3

# والدین کی نافرمانی

علماء نے لکھا ہے کہ باپ اگر بیٹے کو کوئی کام کرنے کے لئے کہنا چاہے تو یوں نہ کہے کہ بیٹا یوں کرو، کیوں کہ کسی جائز کام کے متعلق باپ اگر بیٹے کو یوں کہے کہ بیٹا یوں کرو، تو بیٹے پر وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس پر علماء نے مسئلہ کے طور پر لکھا ہے کہ باپ یوں نہ کہے کہ کرو، یعنی حکم نہ دے؛ بلکہ یوں کہے کہ بیٹا یہ کام ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ تاکہ بیٹے کو یہ معلوم ہو جائے کہ باپ یہ کام کروانا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ نہیں کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ کرو، اور پھر بھی اس نے نہیں کیا، تو حکم نہ ماننے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔

اَلْحَمْدُ للهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُبِالله مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَن يَّهْدِهِ الله فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَن يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ أَن لَّا اِلٰهَ إِلَّا الله وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى الله تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً۔ امابعد

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم۔

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (سورة الإسراء: 24-23)

وعن أبي بكرة، رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: كل الذنوب يؤخر الله ما شاء منها إلى يوم القيامة إلا عقوق الوالدين فإن الله تعالى يعجله لصاحبه في الحياة قبل الممات (مستدرک علی الصحیحین: 7345)

## والدین کے حقوق وآداب

محترم حضرات! گذشتہ دومجلسوں سے صلہ رحمی اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں بات چل رہی تھی۔ ابھی آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت کی گئی ہے۔ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے:

**وقضی ربّک ألا تعبُدو إلا إیّاہُ :** تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت اور بندگی نہ کرو۔

**وبالوالدین احسانا** اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کا سلوک کرو،

**إما یبلغن عندک الکبر أحدھما أو کلاھما :** اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو **فلاتقل لھما أف** ان کو اُف تک نہ کہو

**ولا تنھرھما:** اور ان کو نہ جھڑکو۔

**وقل لھما قولاً کریما:** اور ان کے ساتھ ادب والی بات کیا کرو۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر اُف سے بھی کم درجہ کا کوئی گناہ ہوتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن پاک میں اُس کا ذکر کر کے اُس سے بھی منع فرماتے۔

اُف کرنے سے منع فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ یا ایسا سلوک کرنا جس سے اُن کو تکلیف پہنچے یا اُن کی طبیعت پر اثر ہو؛ حتی کہ ان کی طرف سے پیش آنے والی کسی بات یا معاملہ کے جواب میں اس طرح لمبی سانس کھینچنا جس سے اُن کو تکلیف پہنچے؛ یہ سب گناہ ہے۔ اور وہ بھی صغیرہ نہیں، کبیرہ گناہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دیتے ہیں: **وقل لھما قولاً کریما :** اُن کے ساتھ ادب کی گفتگو کرو۔ ان کے ساتھ جب بات کی جائے تو آواز بھی پست ہونی چاہیے۔ **واخفض لھما جناح الذل:** یعنی ان کے ساتھ بالکل عاجزی کے ساتھ پیش آؤ، گویا ان کے سامنے جھکے جھکے رہو۔

## ماں باپ کا ادب واحترام واجب ہے۔

اس آیت کے متعلق علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی نے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کے ادب و احترام اور اُن کی راحت رسانی کو واجب قرار دیا ہے۔ یعنی جہاں اللہ تعالی نے اپنی عبادت کا حکم دیا، وہیں ماں باپ کے ادب واحترام کو اسی آیت میں ایک ساتھ جوڑ کر بیان کیا۔ جیسے سورۂ لقمان میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی شکر گذاری کے ساتھ ماں باپ کی شکر گذاری کو جوڑا۔: أن اشکر لی و لوالدیک: میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو۔ گویا دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اسی لئے بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جب تک آدمی ماں باپ کا ادب و احترام نہیں کرتا اور اُن کا شکر ادا نہیں کرتا اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ طبرانی کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعَهُنَّ عَمَلٌ: الشِّرْكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ (المعجم الکبیر: 1420)

تین گناہ ایسے ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قبول نہیں۔ ایک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، دوسرا ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور تیسرا میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیرنا۔

## ماں کی ناراضگی اور زبان پر کلمہ جاری نہ ہونا۔

مسند احمد میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک صحابی تھے علقمہ نام کے۔ نماز روزے کے

پابند، تہجد کے پابند، موت کا وقت آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ کلمہ زبان پر جاری نہیں ہوتا۔ اُن کی بیوی نے نبیٔ کریم ﷺ پر کہلوایا کہ ان کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا کہ اُن کے والدین ہیں؟ کہا: اُن کی ماں ہے اور ناراض ہے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے بڑھیا پر کہلوایا کہ میں تمہاری ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ تم یہاں آتی ہو یا میں تمہارے پاس آؤں؟ بڑھیا نے جواب میں کہلوایا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں آپ کو کیوں تکلیف دوں، میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ وہ بڑھیا نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اُس سے پوچھا تو اُس نے بتلایا کہ یہ بیٹا بہت نیک ہے، نماز روزہ کا پابند، تہجد کا پابند، لیکن اپنی بیوی کے مقابلے میں میری ہمیشہ مخالفت کرتا ہے، اس لئے میں ناراض ہوں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو اس سے راضی ہو جا اور بیٹے کی خطا معاف کر دے۔ اس نے کہا کہ میں معاف نہیں کروں گی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اے بلال! لکڑیاں جمع کرو، آگ لگاؤ اور اس کو جلا دو۔ بڑھیا یہ سن کر سہم گئی اور کہنے لگی: کیا میرے بیٹے کو جلا دیا جائے گا؟ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلے میں ہمارا عذاب بہت ہلکا ہے۔ خدا کی قسم اگر تو ناراض ہے تو اس کی کوئی نماز اور اس کا کوئی صدقہ اللہ کے یہاں قبول نہیں۔ یہ سُن کر بڑھیا نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اور تمام لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے بیٹے کو معاف کر دیا۔

اب حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو، ان کی زبان پر کلمہ

جاری ہوا یا نہیں؟ چنانچہ لوگ گئے اور آ کر بتلایا کہ اُن کی زبان پر کلمہ جاری ہوا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے دنیا سے رخصت ہوئے۔

پھر نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے غسل اور کفن کا حکم دیا۔ جنازے میں خود تشریف لے گئے۔ دفن کے بعد آپؐ نے مہاجرین اور انصار کو خطاب کر کے فرمایا کہ جس نے بھی اپنی ماں کی نافرمانی کی تو جب تک کہ وہ توبہ کر کے راضی نہ کر لے اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قبول نہیں، اور اللہ کی رضا مندی ماں کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں کی ناراضگی میں ہے۔

مشکوۃ شریف میں ایسی روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی بھی ہے۔ جس میں باپ کی تصریح ہے کہ اللہ کی رضا مندی باپ کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ رضا الرب فی رضا الوالد، وسخط الرب فی سخط الوالد، رواہ الترمذی (مشکوۃ شریف، کتاب الآداب، باب البر والصلۃ 4927)

ابھی میں نے حضرت ابوبکرہؓ کی روایت آپ کے سامنے پڑھی تھی، عن أبي بكرة، رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم يقول: كل الذنوب يؤخر الله ما شاء منها إلى يوم القيامة إلا عقوق الوالدين فإن الله تعالى يعجله لصاحبه في الحياة قبل الممات (مستدرک علی الصحیحین:7345)

اللہ تعالیٰ جس گناہ کو بھی چاہیں، معاف کر دیتے ہیں یا مؤخر کر دیتے ہیں سوائے ماں باپ کی نافرمانی، کہ موت سے پہلے اُس گناہ کی سزا اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا ہی کے اندر دیا کرتے ہیں۔

## اس آدمی کی ناک خاک آلودہو۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت کہ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: **رغم أنفه ثم رغم أنفه ثم رغم أنفه قيل من يا رسول الله قال من أدرك والديه عند الكبر أحدهما أو كليهما ثم لم يدخل الجنة** (مسلم شریف، کتاب البر والصلۃ: ۲۵۵۱)

اس آدمی کی ناک خاک آلودہو، اس آدمی کی ناک خاک آلودہو، اس آدمی کی ناک خاک آلودہو، یعنی وہ آدمی ذلیل اور رسوا ہو۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہے وہ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، کسی ایک کو یا دونوں کو؛ اور ان کی خدمت کرکے یا ان کے حقوق ادا کرکے جنت میں داخل نہ ہوگیا۔ ایسا آدمی ذلیل ہو اور رسوا ہو۔

## مردے کا منہ اور آواز گدھے جیسی ہوگئی۔

ابن حوشب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک بستی میں گیا۔ جس کے کنارے پر ایک قبرستان تھا۔ عصر کی نماز کے بعد میں نے دیکھا کہ اس میں سے ایک قبر پھٹی اور ایک آدمی نکلا جس کا منہ گدھے کی طرح تھا۔ تین مرتبہ گدھے کی طرح آواز نکالی اور اس کے بعد پھر وہ اس قبر میں گیا اور قبر بند ہوگئی۔ پھر میں نے وہاں ایک بڑھیا کو دیکھا جو اُون کات رہی تھی۔ ایک آدمی نے مجھ سے کہا جانتے ہو یہ بڑھیا کون ہے؟ میں نے کہا۔ مجھے کیا معلوم؟ کہا: یہ اُسی آدمی کی ماں ہے۔ وہ شراب پیا کرتا تھا اور شام کے وقت شراب کے نشہ میں گھر آتا تھا، اس کی ماں کہا کرتی تھی:

بیٹا! کب تک شراب پیتے رہو گے؟ تو اس کے جواب میں وہ کہتا تھا : ارے تو گدھے کی طرح کب تک بولتی رہے گی؟ ایک دن عصر کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور جس روز سے دفن کیا ہے اُس روز سے یہی برابر ہوتا ہے۔ روزانہ عصر کی نماز کے بعد قبر پھٹتی ہے اس میں سے وہ نکلتا ہے۔ گدھے جیسا منہ ہوتا ہے۔ تین مرتبہ اس طرح بولتا ہے پھر واپس چلا جاتا ہے۔ (الترغیب و الترھیب للمنذری، باب الترھیب من عقوق الوالدین)

## بری موت

ڈاکٹر نور احمد نور کے قصے پہلی مجلس میں کچھ بیان کر چکا ہوں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب کے ایک دوست تھے، اُن کی ماں قریب المرگ تھی۔ اس ماں کے ساتھ انہوں نے بڑی بدتمیزی کا معاملہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بیچاری اکیلی مر گئی۔ تین سال کے بعد یہ بیمار ہوئے، دست لگے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ وہ والد صاحب کے دوست تھے، اس لئے اُن کے علاج کے لئے مجھے والد صاحب نے بلایا۔ میں نے ان کو دیکھ کر کوئی غذا تجویز کی کہ یہ غذا استعمال کرائی جائے، تو وہ روتے ہوئے کہنے لگے: میرے تین بیٹے ہیں۔ اتنے دنوں سے بیمار ہوں، ایک نے بھی آ کر میری خبر نہیں پوچھی۔ اسی حالت میں اکیلے اکیلے اُن کا انتقال ہو گیا۔ صبح کے وقت محلے کے لوگوں نے دیکھا کہ جسم پر چونٹیاں چپکی ہوئی ہیں، کاٹ رہی ہیں اور اسی حالت میں موت آئی۔

ماں باپ کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کرنا بڑی خطرناک چیز ہے۔ اور نبیؐ کریم

ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کو دنیا ہی میں سزا دیتے ہیں۔ اور جو لوگ ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتے ہیں، اُن کو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں نوازتے ہیں۔

## زمین نے پاؤں پکڑ لیے۔

ایک اور قصہ لکھا ہے کہ میرے ایک دوست ایک گاؤں میں گئے، انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا قصہ بیان کیا کہ وہاں ایک آدمی کی بیوی اور اس کی ماں میں لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ بار بار بیوی اپنی ماں کے گھر چلی جاتی تھی، وہ منا کر لاتا تھا۔ اخیر میں جب وہ چلی گئی تو بیوی نے کہا کہ میں نہیں آؤں گی، ہاں تم اگر مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ اپنی ماں کو ختم کر دو گے تو میں آؤں گی۔ وہ بھی تنگ آ گیا تھا، ہاں کہہ دیا۔ بیوی کو لے آیا، اور ماں کو ختم کرنے کے لئے اس نے ایک اسکیم بنائی۔ دوسرے روز جب کھیت میں جانے لگا تو اپنی ماں کو بھی ساتھ لے گیا۔ کہا کہ گھاس کاٹنی ہے، اس کا گٹھر میرے سر پر چڑھانے کے کام میں آپ مدد کریں گی۔ یہ کہہ کر ساتھ لے گیا۔ وہاں گھاس کا گٹھر تیار کیا، ماں سے کہا کہ اُٹھانے کے لئے آگے آؤ۔ کلہاڑا پہلے سے تیار رکھا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی ماں کے اوپر کلہاڑے سے حملہ کرنا چاہا تو ایک دم اس کے پاؤں کو زمین نے پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ سے کلہاڑا چھوٹ گیا اور اس کی ماں چِلّا کر بھاگی۔ وہ زمین میں دھنستا جا رہا ہے، چِلّا رہا ہے اور ماں کو پکار رہا ہے۔ معافی مانگ رہا ہے، مگر اس کی ماں بھاگ چکی تھی۔ بہت دیر کے بعد لوگوں کو اس کی آواز پہنچی۔ جب لوگ آئے، اس

کے قریب پہنچے تو سینے تک زمین کے اندر جا چکا تھا اور لوگوں نے باہر کھینچنے کی بہت کوشش کی، لیکن لوگوں کے سامنے زمین کے اندر اسی طرح دھنستے ہوئے دفن ہو گیا۔ کیسی بُری موت آئی!

یہ ماں باپ کے ساتھ کی جانے والی بدسلوکی کا پھل ہے۔ دنیا میں جیسا سلوک کروگے، ویسا ہی پاؤ گے۔

بہر حال ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک بہت اہم چیز ہے۔ آج کل اُس کی طرف سے بہت غفلت برتی جاتی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے۔ اسی سلسلے میں اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ماں باپ کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی نافرمانی سے بچائے۔

## ایسی خراب موت کسی کی نہیں دیکھی

انہوں نے لکھا ہے کہ ایک نوجوان تھا، میں نے اپنی چالیس سالہ ڈاکٹری میں ایسی خراب موت کسی کی نہیں دیکھی۔ تین روز تک نزع یعنی سکرات کی کیفیت اس پر رہی۔ اس کی کِڈنی فیل ہوگئی تھی، چہرہ نیلا پڑ گیا تھا، آنکھیں باہر نکل آئی تھی، گلے میں سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو۔ آخری دن تو ایسی خطرناک آواز ہوگئی کہ اس وارڈ میں جتنے دوسرے مریض تھے، سب بھاگ گئے۔ ہم نے اس کو وہاں سے ہٹا دیا اور دور لے گئے۔ آخری دن تو اور زیادہ حالت خراب ہوگئی۔ اس کا باپ آیا تو باپ بھی دیکھ کر کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب! زہر کا انجکشن لگا دو، جس سے اس کو موت آ جائے۔ میں نے اس کے باپ سے

پوچھا کہ اس کی ایسی حالت کیوں ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ اپنی بیوی کی طرف داری کرتا تھا اور اپنی بیوی کی طرف داری میں اپنی ماں کی پٹائی کرتا تھا۔

## بیٹی نے باپ کی پٹائی کی۔

حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے قصہ سنایا اور ان کی زبان سے میں نے خود بھی سنا ہے کہ دیو بند کا ایک دُکاندار تھا، اُس نے دوسرے ایک دُکان دار کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا کہ دیکھو! سامنے یہ بُوڑھا جو دُکان پر ہے وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا باپ دُکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ یہ آیا اور اس نے باپ کو پکڑ کر نیچے گرایا، نالی میں ڈالا اور اس کی پٹائی کی، اس کے بعد اس کی شادی ہوئی، اس کا باپ تو انتقال کر گیا تھا۔ اس کے یہاں چار لڑکیاں ہوئیں، لڑکا ایک بھی نہیں۔ میں سوچتا تھا کہ علماء سے میں نے سُنا ہے کہ جو آدمی باپ کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے تو جیسا معاملہ کرتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کا کوئی لڑکا تو ہے نہیں، پھر یہ کیسے ہوگا؟ ایک روز ایسا ہوا کہ میں دُکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی لڑکی برقعہ پہن کر آئی اور اس نے اپنے باپ کو نیچے گرایا اور نالی میں ڈالا اور بالکل اسی طرح اس کی پٹائی کی جیسی اُس نے اپنے باپ کی کی تھی۔

## میں بھی ابا کو اسی طرح لایا تھا۔

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے معرفت الٰہیہ میں قصہ لکھا ہے اور ابو علی محسن التنوخی کی کتاب نُشْوَارُ الْمُحَاضَرَة میں بھی میں نے پڑھا کہ کوفہ میں ایک بیٹے

نے باپ کی ٹانگ کو رسّی سے باندھا، اور کھینچ کر مکان سے باہر دور لے گیا۔ ایک جگہ جب پہنچا تو باپ بیٹے سے کہتا ہے: بیٹا! بس اب اگر اس سے آگے لے جائے گا تو تو ظالم بنے گا۔ تو بیٹا کہتا ہے کہ ابا جان! اب تک میں ظالم نہیں تھا؟ تو کہا: نہیں! میں بھی اپنے ابّا کو اسی طرح ٹانگ باندھ کر یہاں تک لایا تھا۔ (نشوار المحاضرۃ: ۲-۲۰۱، بیروت) تو بھائیو! ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی آج بڑھ گئی ہے ،اس لیے اس سے بچنے کی بڑی ضرورت ہے۔

## حقوق سب کے ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ماں باپ کی وجہ سے بیویوں پر ظلم و زیادتی کی جائے۔ حضرت تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے 'تعدیل حقوق الوالدین' اور بہشتی زیور کے نویں حصہ میں ضمیمہ کے طور پر اس کو شامل کیا ہے۔ اس لیے ماں کی وجہ سے بیوی پر زیادتی بھی نہیں کرنی ہے اور اس کے حقوق بھی ضائع نہیں کرنے ہیں۔ شریعت نے سب کے حقوق رکھے ہیں۔ سب کے ساتھ برابری کا معاملہ ہونا چاہئے۔ ماں باپ کا تو اتنا زیادہ حق ہے جس کی کوئی انتہا نہیں فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَ لاَ تَنْهَرْهُمَا ان کو اُفّ تک نہ کہو، یعنی ایسا لفظ جس کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچے وہ بھی نہ کہو؛ تو پھر جھڑکنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ بلکہ ماں باپ کی تو مکمل فرماں برداری ضروری ہے۔

## باپ اپنے بیٹے کو کس طرح حکم دے؟

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ باپ اگر بیٹے کو کوئی کام کرنے کے لئے کہنا چاہے

تو یوں نہ کہے کہ بیٹا یوں کرو، کیوں کہ کسی جائز کام کے متعلق باپ اگر بیٹے کو یوں کہے کہ بیٹا یوں کرو، تو بیٹے پر وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس پر علماء نے مسئلہ کے طور پر لکھا ہے کہ باپ یوں نہ کہے کہ کرو، یعنی حکم نہ دے؛ بلکہ یوں کہے کہ بیٹا یہ کام ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ تاکہ بیٹے کو یہ معلوم ہو جائے کہ باپ یہ کام کروانا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ نہیں کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔ اور اگر یوں کہا کہ کرو، اور پھر بھی اس نے نہیں کیا، تو حکم نہ ماننے کی وجہ سے وہ گنہگار رہوگا۔

## ظالم والدین کی بھی اطاعت۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جو آدمی اللہ کے واسطے اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے اُس کے لئے جنّت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور جو آدمی اُن کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے لئے جہنّم کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ان میں سے اگر ایک موجود اور زندہ ہے اور اس کی اطاعت کرے تو جنّت کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور اگر اُس کی نافرمانی کرے تو جہنم کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ جہنم کے دروازے کھلنے کی جو آپ نے وعید سنائی، کیا اگر ماں باپ کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو تو بھی۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: **وإن ظلما وإن ظلما وإن ظلما**۔ چاہے ماں باپ کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو، چاہے ماں باپ کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو، چاہے ماں باپ کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو۔ پھر بھی یہ وعید اُس کے لئے ہے۔ (معارف القرآن: ۵، ۴۶۴۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ماں باپ کی طرف سے کوئی بھی معاملہ ہو، اولاد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اُن کے اس معاملہ کی وجہ سے اطاعت، فرمابرداری اور خدمت میں جوان کا حق ہے اُس سے ہاتھ کھینچ لے اور انتقام لے۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے اس کا خاص اہتمام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ماں باپ کی قدر و قیمت کی توفیق عطا فرمائیں ااور ان کے حقوق کو ضائع کرنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

# تواصی بالحق والصبر اور تبلیغ کی محنت

موت کے وقت کہی جانے والی باتوں کو وصیت کہتے ہیں۔

موت کی گھڑی دلوں پر خاص اثر ڈالنے والی ہوتی ہے، کسی پر موت آرہی ہے تو اس مجلس میں جتنے موجود ہوتے ہیں ہر ایک کے دل پر خاص کیفیت طاری ہوتی ہے؛ چنانچہ اس وقت مرنے والا جو بات کرتا ہے وہ اپنے اندر خاص اثر رکھتی ہے اور مرنے والا بھی بڑی اہمیت اور تاکید کے ساتھ اس بات کو بیان کرتا ہے، اس لیے اس کو وصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عربی زبان میں وصیت ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اہمیت کے ساتھ، مؤثر انداز میں کسی کے سامنے پیش کی جائے۔

رانی تالاب مرکز 16-06-2000

**الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه و نعوذبالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده ورسوله۔**

**صلى الله تعالى عليه وعلى آله و أصحابه و بارک و سلم تسليماً كثيراً كثيراً۔**

**أما بعد۔فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔بسم الله الرحمن الرحيم۔**

**وَالْعَصْرِ إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلاَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔**

محترم حضرات!

قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے۔ چھوٹے ہونے کے باوجود اپنے اس مضمون کی وجہ سے جس کی اس میں تعلیم دی گئی ہے، یہ سورت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی آدمی اس طرح کی ایک ہی سورت میں غور وفکر کرلے تو وہ اس کی ہدایت کی لیے کافی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ دو صحابی جب آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے کو یہ سورت پڑھ کر سنائے بغیر دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ (معجم اوسط، طبرانی، ۵۲۶۶) گویا اس سورت میں جس درس اور سبق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اس کو وہ ہر ملاقات میں تازہ کیا کرتے تھے۔

اس سورت میں باری تعالی نے زمانے کی قسم کھائی ہے، **والعصر**، قسم ہے

زمانہ کی۔ **إن الانسان لفی خسر**۔ کہ نوع انسانیت خسارے میں ہے۔**إلا الذین آمنوا**۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے؛ وہ البتہ خسارے میں نہیں۔

## اللہ تبارک وتعالی کی قسمیں:

یہاں خاص طور پر اللہ تبارک وتعالی نے جو مضمون آگے بیان کیا گیا ہے، اس مضمون کی شہادت کے طور پر زمانہ کی قسم کھائی ہے۔

اللہ تعالی تبارک وتعالی کی جو قسمیں قرآن پاک میں ہیں ان کا وہ حال نہیں جو انسان کے کلام میں اس کی قسموں کا ہوتا ہے؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالی قرآن پاک میں جہاں کسی مضمون کے متعلق اور کسی ہدایت کے متعلق قسم کھاتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے آپ اس میں غور کریں تو جو بات قسم اٹھا کر آگے بیان کی جارہی ہے، اس کی صداقت کا پتہ چل جائے گا اور قسم کو گویا اس پر ایک شاہد اور گواہ کے طور پیش کیا جارہا ہے۔

## زمانہ کی قسم، ایک شہادت ہے۔

زمانہ کی قسم اس لیے کھائی گئی کہ انسان کی پیدائش اور اس کے مختلف حالات کا تعلق زمانہ سے ہے۔ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی اور یہ انسانی تاریخ جب سے لوگوں کے علم میں آئی اور ترتیب دی گئی، اس وقت سے اگر آپ پوری تاریخ

انسانی کا اور جن مختلف ادوار سے اور زمانوں سے وہ گذری ہے اس کا آپ مطالعہ کریں، اور جائزہ لیں تو آپ کو انسانی تاریخ یہ بتلائے گی کہ اس پوری تاریخِ انسانی میں جتنے بھی لوگ گذرے ہیں اور جن کا بھی تعلق نوع انسانی سے رہا ہے وہ سب گھاٹے میں رہے ہیں، سوائے ان حضرات کے جو ان چار صفتوں سے اور ان چار خوبیوں کے حامل تھے۔ وہ البتہ کامیاب رہے اور ان کے علاوہ باقی سارے انسان خسارے اور گھاٹے میں رہے۔

یہاں پوری انسانیت کی تاریخ کو اللہ تبارک وتعالی نے ایک گواہ بنا کر پیش کیا ہے کہ اس کے مختلف ادوار پر اگر آپ کی ناقدانہ نظر ہو اور آپ اچھی طرح اس کا مطالعہ کریں تو آگے جو بات بیان کی جارہی ہے اس کا خود بخود یقین ہو جائے گا اور اس کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر آپ کے سامنے آجائے گی۔

## زندگی کا سرمایہ

یہاں زمانہ کو خاص طور پر پیش کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو دنیا میں بھیجا گیا تو دنیا میں آکر اپنا کام کرنے کے لیے اور اپنی تجارت کے لیے اور اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے اس کو سرمایہ دیا گیا، پونجی دی گئی۔ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے دی گئی یہ پونجی اور سرمایہ؛ اس کی زندگی اور عمر کے اوقات ہیں۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کیا لے کر آتا ہے؟

اللہ تبارک وتعالی نے اس کے لیے جس قدر زندگی مقدر فرمائی ہو اور جتنا قیام اس کے لیے طے شدہ ہوتا ہے وہ اس کا سرمایہ ہے، یعنی زندگی کے اوقات، سال،

مہینے، ہفتے، دن، رات اور گھڑیاں؛ یہی اس کا سرمایہ اور پونجی ہے۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور ایک جسم ہوتا ہے جو اللہ تعالی اسے عطا فرماتے ہیں۔

دنیا میں جو بھی آتا ہے اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے اور اس مقررہ وقت تک اس کو دنیا میں رہنا ہے اور یہی مقررہ وقت اس کی زندگی کہلاتی ہے۔ یہی اس کا سرمایہ ہے اور وہ جو کچھ بھی حاصل کرسکتا ہے وہ اسی سرمایہ کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اپنے اسی جسم کو کام پر لگائے گا اور اسی وقت سے فائدہ اٹھائے گا تو وہ بہت کچھ دنیا اور آخرت کا نفع حاصل کرسکتا ہے اور اگر اپنی زندگی کے اس سرمایہ کو اس نے یوں ہی گنوا دیا ضائع کردیا، اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو اتنا ہی نہیں کہ یہ پونجی اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی؛ بلکہ وہ بہت سارے جرائم اور بہت سارے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لے کر دنیا سے جائے گا اور اس کا عذاب آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے عطا کردہ یہ زندگی ہی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے ذریعہ وہ جو کچھ بھی حاصل کرنا چاہے حاصل کرسکتا ہے۔

# کتاب الرقاق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ انسان کو زندگی کے اس سرمایہ سے اور اللہ تبارک وتعالی نے فرصت کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں ان لمحات میں اپنے بدن سے اور اپنے بدن کی صحت اور قوت سے جو فائدہ حاصل کرنا چاہیے اس سے غفلت نہ برتے۔

محدثین کے یہاں حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل عنوان 'کتاب الرقاق' کا آتا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے وہ ارشادات جن کو سن کر آدمی کا دل نرم ہوجائے، دنیا کی طرف سے سرد ہوجائے اور آخرت کی طرف رغبت اور میلان اس میں پیدا ہوجائے، گویا دنیا کی محبت کم کرنے والی باتیں اور نبی کریم ﷺ کے ایسے ارشادات کو حضرات محدثین، اپنی کتابوں میں کتاب الرقاق کے عنوان کے ماتحت ذکر فرماتے ہیں۔

کیوں کہ ہماری جو بنیادی بیماری ہے وہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے، پس اگر ایسی باتیں پیش کی جائیں جن کے نتیجہ میں دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی رغبت بڑھے، تو یہ حالت انسان کے لیے کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔

## وقت اور صحت مند جسم کی نعمت

چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف میں کتاب الرقاق کو نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات سے خاص طور پر شروع کیا جن میں وقت اور جسم کی نعمت کا ذکر ہے۔ اور پہلی ہی روایت یہ ہے کہ: **نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحۃ والفراغ۔**

اللہ تعالی کی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے معاملہ میں اور ان نعمتوں کی حقیقی قدر و قیمت وصول کرنے کے معاملہ میں لوگ بہت گھاٹے میں ہیں، وہ دو نعمتیں کیا ہیں: ایک ہے فرصت اور دوسری ہے تندرستی۔

اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ اگر انسانیت کا اور نوع انسانی کا مطالعہ کریں تو دنیا میں عام طور پر لوگ ایسے نظر آئیں گے کہ اللہ کی ان دو عظیم نعمتوں کا جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے، اس طرح ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے؛ بلکہ اس معاملہ میں گھاٹے، خسارے اور نقصان کا شکار ہیں۔

اس لیے اللہ تبارک تعالی نے انسان کو زندگی کا جو موقع عطا فرمایا ہے اور فرصت کے لمحات کی جس نعمت سے نواز ہے؛ اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے اور اس کی قیمت وصول کرنی چاہیے اسی طرح جسمانی تندرستی کی نعمت سے کام لے کر بہت زیادہ اس کی قیمت وصول کرنی چاہیے۔

جو بات قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمائی :إن الانسان لفی خسر، میں کہ انسان گھاٹے اور خسارے میں ہے، اسی کی نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ کون سی چیز میں گھاٹا اٹھا رہا ہے؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کی یہ جو دو نعمتیں ہیں تندرستی اور فرصت، اس کا جو فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی جو قیمت آدمی کو حاصل کرنی چاہیے، اس قیمت کے پانے اور حاصل کرنے کے معاملہ میں آدمی گھاٹے اور خسارے میں ہے۔

## کس طرح گھاٹے اور خسارے میں ہے؟

ہر تاجر جانتا ہے کہ اس کے پاس موجود سرمایہ اور مال کی جو ویلیو ہے اور بازار سے جو زیادہ سے زیادہ متوقع قیمت حاصل کی جاسکتی ہے، اس متوقع قیمت سے کم قیمت اگر وہ پاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ جتنا اس کو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور جتنی قیمت

اپنے سرمایہ سے وصول کرنی چاہیے تھی؛ وہ قیمت اس نے وصول نہیں کی، اس لیے وہ گھاٹے میں ہے۔

آپ کپڑے کا ایک تھان لائے ہیں یا آپ کے پاس موجود ہے اور بازار کے ویلوئیشن کے حساب سے یہ کپڑے کا تھان ایک ہزار کی قیمت کا ہے۔ اگر آپ اس کپڑے کے تھان کو فروخت کر کے ایک ہزار سے زیادہ وصول کرتے ہیں اور پاتے ہیں، یعنی ایسا سودا کرتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ آتے ہیں تو یوں کہا جائے گا کہ آپ گھاٹے اور خسارے میں نہیں؛ لیکن اگر آپ اس کپڑے کے تھان کو کسی کے ہاتھ فروخت کر کے اور سودا کر کے جو پیسے وصول کر رہے ہیں وہ ایک ہزار نہیں، بلکہ ایک ہزار سے کم ہے یا ویسے ہی بلا قیمت آپ کے ہاتھ سے وہ کپڑے کا تھان نکل گیا، تو یوں سمجھا جائے گا کہ آپ کا معاملہ اور سودا گھاٹے اور خسارے کا ہے۔

## آخرت کی تجارت

جیسے دنیا کی تجارت ہوتی ہے، اسی طرح آخرت کی تجارت ہے۔ قرآن میں آخرت کے اعمال کو بھی تجارت سے تعبیر کیا گیا: **هَلۡ أَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِنۡ عَذَابٍ أَلِيۡمٍ، تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِأَمۡوَالِكُمۡ وَأَنۡفُسِكُمۡ**

باری تعالیٰ فرماتے ہیں، کیا ایسی تجارت کی نشان دہی کروں؟ جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہو۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کے

راستہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ مجاہدہ کرو، اس کی قربانی دو، مشقت اٹھاؤ۔ جہاد کرو۔

دیکھئے، قرآن میں اس کو تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سرمایہ عطا فرمایا ہے اگر وہ آخرت کی ان شکلوں میں یعنی ایمان اور عمل صالح میں لگاتا ہے اور اللہ کے راستہ میں محنت کر کے مختلف طریقوں سے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اس سرمایہ یعنی اپنی جان اور اپنے مال کو استعمال کرتا ہے تو اس صورت میں وہ اپنے سرمایہ کو ایک نفع بخش تجارت میں لگا کر اس کی قیمت وصول کرتا ہے۔ اسی کو تجارت سے تعبیر فرمایا۔

حدیث میں بھی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **كل الناس يغدو، فبائع نفسه فمعتقها أوموبقها، أو كما قال عليه الصلاة والسلام** ۔(مسلم شریف، ۲۲۳، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء)

ہر صبح کو جب آدمی نکلتا ہے تو وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے، اور یا تو وہ اپنے اس سودے میں کامیابی حاصل کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے نجات دلا کر جنت کی نعمت حاصل کرتا ہے یا ایک سودا گھاٹے کا اس طرح کر لیتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ اپنے آپ کو ہلاک و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

تو قرآن و حدیث میں بھی آخرت کے اعمال کے لیے گھاٹے، نفع اور تجارت کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ الفاظ فقط دنیا کی تجارت کے ساتھ مخصوص نہیں۔

گویا نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ ہمیں خاص طور پر متوجہ کیا کہ اللہ تبارک وتعالی نے وقت کی جو نعمت عطا فرمائی ہے، اور زندگی کے جو قیمتی لمحات ہمارے ہاتھ میں دیے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ صحت کی جو دوسری نعمت عطا فرما رکھی ہے، تم ان دونوں نعمتوں کی اور اپنے اس سرمایہ کی زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

## سرمایۂ حیات کی قیمت کیسے وصول کریں گے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے زندگی کی شکل میں دیا گیا یہ سرمایہ سیال سرمایہ ہے، جامد نہیں۔

آدمی کا ایک سرمایہ وہ ہوتا ہے جسے آدمی اپنی مرضی سے جب چاہے استعمال کرے۔ ابھی استعمال کرنے کا ارادہ نہیں تو محفوظ کر لے۔ مثلاً آپ کے پاس پچاس ہزار روپیے کا سرمایہ موجود ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آج ہی اس کو تجارت میں لگا کر فائدہ اٹھائیں اور اگر آپ چاہیں تو اس کو محفوظ طریقہ سے تجوری میں یا کسی کے پاس امانت کے طور پر یا اور کہیں حفاظت سے رکھ دیں، آج نہیں تو کل، اس سال نہیں تو آئندہ سال، آپ اپنے اس سرمایہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ایسا سرمایہ ہے جس کو استعمال کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔

دوسری قسم کا سرمایہ وہ ہوتا ہے، جو آپ کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے، اگر آپ دانش مندی اور عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ہاتھ سے نکلنے والے اس سرمایہ سے فائدہ اٹھا لیں، اور اس کا کوئی ایسا معاوضہ اور ایسا بدل اپنی مٹھی میں کر لیں جس

کو آپ آئندہ بھی محفوظ رکھ سکیں تو آپ کامیاب ہیں، اور اگر آپ کے ہاتھ سے نکل جانے والے اس سرمایہ کا کوئی ایسا معاوضہ اور بدل جس کو آپ محفوظ رکھ سکیں؛ آپ حاصل نہیں کرتے، تو یوں سمجھا جائے گا کہ آپ کا یہ سرمایہ آپ کے ہاتھ سے نکل رہا ہے اور بے کار جا رہا ہے۔

## ہو رہی ہے عمر مثل برف کم

ایک بزرگ گذر رہے تھے، دیکھا کہ ایک آدمی برف بیچ رہا ہے، اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ دیکھو، اس برف بیچنے والے کی تجارت سے مجھے پتہ چل گیا کہ زندگی کا حال کیا ہے۔ برف بیچنے والا کھلے میدان میں، دھوپ کی تیزی کی حالت میں برف لے کر بیٹھا ہے تو ظاہر ہے کہ برف پگھل رہی ہوگی۔ اب یہ شخص جتنا جلدی اس کو بیچ کر اس کے بدلے میں پیسے حاصل کر کے جیب میں رکھ لے اتنا کامیاب۔

اور اگر وہ برف کھلی چھوڑ کر کوئی تماشا دائیں بائیں ہو رہا ہے اس کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ شام ہو گئی، بدلیاں آ گئیں اور بارش بھی ہو گئی۔ دوپہر سے اب تک برف مسلسل پگھل رہی تھی، تھوڑی سی برف رہ گئی تھی مگر شام کو بارش جو آ گئی، تو اس کی بھی کوئی قیمت دینے والا نہ رہا؛ کیوں کہ لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہی؛ تو اس کا سرمایہ یوں ہی ضائع ہو گیا۔

وہ جتنی مستعدی دکھلا کر، ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لے کر جلدی سے جلدی اس کو فروخت کر دیتا تو جو برف پگھل رہی تھی، اس کا معاوضہ ایسی شکل میں حاصل کر سکتا تھا کہ جو پگھلنے والا نہ ہو، یعنی روپے پیسے بنا لیتا تو یہ نوٹ اور سکے پگھلنے

والے نہیں۔

اسی طرح ہماری زندگی کا یہ سرمایہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے سالوں، مہینوں، دنوں کی شکل میں؛ وہ حقیقت میں ایک بہنے والا سرمایہ ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم، رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں: کہ ہماری زندگی کے یہ لمحات پگھل رہے ہیں۔

آپ یہاں بیٹھے ہیں، میں اور آپ یہ چاہیں کہ ہم اپنی زندگی کے گذرنے والے اس وقت کو روک لیں اور بند کردیں کہ آگے نہ بڑھنے پائے یا ہم چاہیں کہ ابھی ہم سو رہے ہیں، کچھ کام نہیں کر رہے ہیں، لہٰذا جتنی دیر ہم سوئیں گے اتنی دیر ہماری زندگی کے یہ اوقات فریج (Freeze) ہو جائیں، جمع کر کے رکھ دیں، یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ ہم کچھ کریں یا نہ کریں، زندگی تو گذر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا زندگی کا یہ سرمایہ ہمارے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ اب اگر ہم گذرنے والے ان اوقات کو ایسی چیزوں میں استعمال کریں، ایسے کام میں لگائیں جس کا کوئی اچھا معاوضہ ہم کو مل جائے، جس کی ہم اچھی قیمت وصول کرلیں، برف بیچنے والا برف بیچ کر کے روپئے اور سکے حاصل کر کے اپنی جیب اور اپنی تجوری میں محفوظ کر لیتا ہے اسی طرح ہم اپنی زندگی کے ان اوقات کو، ان گھڑیوں، ساعتوں، منٹوں اور گھنٹوں کو مفید کاموں میں استعمال کر کے کارآمد بنائیں اور معاوضہ وصول کرلیں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کی قیمت وصول کرلی۔

## وقت کی دنیاوی قیمت بہت حقیر ہے۔

ویسے دنیوی اعتبار سے ہم وقت کی صحیح قیمت وصول کرتے ہیں۔ دنیا میں جو لوگ نوکری کرتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، دنیوی ساز وسامان کی تجارت کرتے ہیں، فیکٹری چلاتے ہیں یا اور جو کچھ کام کرتے ہیں، وہ سب اپنے اوقات کو لگا رہے ہیں اور اپنے وقت کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

ایک ملازم ملازمت کر کے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے۔ ایک تاجر تجارت کر کے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے۔ ایک فیکٹری کا مالک فیکٹری کے ذریعہ پیداوار کر کے اپنے اوقات کی اور زندگی کی قیمت وصول کرتا ہے۔ دنیوی اعتبار سے جتنے بھی لوگ محنت کرتے ہیں اور دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں، وہ حقیقت میں اپنے اوقات کی قیمت وصول کرتے ہیں؛ لیکن آپ بتلائیے، کوئی زیادہ سے زیادہ کمانے والا، روزانہ کے حساب سے ایک لاکھ کی کمائی بھی کر لیتا ہے تو کتنی کمائی کرے گا آخر؟

روزانہ کا ایک لاکھ کا منافع ہے، تو آپ اس کی زندگی کے تیس یا پچاس سال کے جو مہینہ، دن اور سال ہیں، ان کا حساب لگا کر بتلائیے، وہ کتنا کمائے گا۔ کروڑوں کمائے گا، یا اربوں کے حساب سے کمائے گا؛ لیکن کروڑہا کروڑ اور اربہا ارب اس نے جو جمع کیے ہیں؛ آخر اس کے ذریعہ سے وہ کیا حاصل کر سکتا ہے؟ کتنا حاصل کر سکتا ہے؟

اس کے لیے میں ہمیشہ مثال دیا کرتا ہوں کہ دیکھئے! اس پوری دنیا کے نقشہ

میں آپ ہندوستان کو دیکھ لیجئے، کتنا چھوٹا ہے؟ پوری دنیا کے نقشہ میں ہندوستان کی کیا حیثیت ہے؟ اس ہندوستان میں آپ گجرات، اور گجرات میں پھر سورت شہر دیکھیں۔ کیا یہ زندگی کی کروڑہا اور اربہا کی کمائی سے پورا سورت خرید سکتا ہے؟ کوئی نہیں۔ پوری زندگی کتنا ہی اس نے کمایا ہو؟ آپ خود بتلا سکتے ہیں کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں کہ وہ یہ کہہ سکے کہ میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ میں پورا سورت خرید لوں۔

پورے سورت کو خریدنے کی بات تو بہت بڑی بات ہے۔ اس رانی تالاب کے علاقہ میں چار پانچ محلے اور پانچ چھ گلیا ہیں۔ ان میں جو مکانات اور جو زمینیں ہیں، ان کی قیمت جس قدر بھی ہو، آج کی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں کوئی ایسا آدمی آپ بتلا دیں، جس نے سب سے زیادہ کمایا ہو اور اس کے پاس اتنی دولت موجود ہو کہ وہ اس رقم سے ان پانچ چھ گلیوں کو خرید سکے؟

ہم نے اپنی زندگی کے ان قیمتی لمحات سے جو دولت حاصل کی ہے اس دولت کے متعلق ہم اپنے طور پر یہ خوش فہمی لیے بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ کما لیا، مگر ہمارے بہت کچھ کمائے ہوئے کی حیثیت اتنی ہے کہ رانی تالاب کا چھوٹا سا ایریا اور اس کی دو چار گلیاں خریدنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ واقعۃً ہم نے اپنی زندگی کے ان لمحات کو اور اس قیمتی سرمایہ کو گنوا دیا ہے۔

## سرمایہ حیات کا اخروی سودا

اس کے بجائے اگر ہم یہی سرمایہ آخرت کے لے استعمال کرتے تو؟

میں اور آپ یا میں جن لوگوں سے خطاب کر رہا ہوں وہ سب؛ اہل ایمان ہیں، ہمارا اور آپ کا قرآنِ پاک پر اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات پر ایمان ہے۔ فضائل ذکر میں آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ نبی کریم ﷺ جب معراج میں تشریف لے گئے تو سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے موقع پر انہوں نے کہا تھا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہیے، پھر ان سے کہیے کہ جنت تو چٹیل میدان ہے، اور **سبحان اللہ، الحمد للہ، لاإلہ إلا اللہ، اللہ اکبر**؛ یہ جنت کے درخت ہیں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایک نسخہ بتلایا ہے کہ ہم ایک مرتبہ سبحان اللہ بولیں گے تو جنت میں ہمارے لیے درخت لگ جائے گا۔

آج کی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ وہ بھی ہیں، جو فارمنگ اور کھیتی باڑی کرتے ہیں، ان کو معلوم ہوگا کہ اگر آم کا باغ کوئی تیار کرنا چاہے، جس میں قلمی آم کے پانچ سو درخت ہوں، تو سچ سچ بتایئے اس کے لیے کتنا سرمایہ، کتنے پیسے، کتنی محنت، کتنی توجہ اور وقت درکار ہے؟ اور کتنی مدت کے بعد وہ باغ تیار ہو سکے گا؟

اس کو چاہیے کہ پہلے مناسب زمین خریدے، قلمیں حاصل کرے، کھاد لائے، ملازم کا، پانی کا، حفاظت کا انتظام کرے۔ اور اخر کار بہت کچھ محنت کے بعد بھی یقینا کچھ معلوم نہیں کب تیار ہوگا؟ خدانخواستہ یہ منصوبہ اس درمیان میں کسی حادثہ کا شکار ہو گیا یا کوئی آسمانی آفت آ گئی تو ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔

یہ تو دنیوی اعتبار سے پانچ سو درخت کے ایک باغ کا حال ہے، گویا ہمارے

لیے اس کو تیار کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ آدمی کو ساری زندگی اس میں کھپا دینی پڑتی ہے۔ اور دنیا کے ان درختوں کا حال ہم اور آپ جانتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ پھلتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور پھلنے کے بعد ہمارے بھی کام کے ہیں یا نہیں؟ ہم نے محنت کی مگر ہو سکتا ہے کہ اس کے پھل آنے سے پہلے ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ہم اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

## آخرت کے باغ کی شجر کاری

لیکن آخرت کا معاملہ الگ ہے۔ اس کے لیے نبی کریم ﷺ ہمیں بہت آسان نسخہ بتلاتے ہیں کہ انسان بس سبحان اللہ کہہ دے۔ ادھر زبان سے سبحان اللہ کا بول نکلا اور ادھر جنت میں درخت لگ گیا۔ اور اس درخت کا حال کیا ہوگا؟ وہ کتنا قیمتی ہوگا؟ وہ بھی سن لیجئے۔ اس کا حال دنیوی درخت کا سا نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز کے دوران آپ ﷺ کچھ آگے بڑھے، کچھ پیچھے ہٹے۔ یعنی کچھ عجیب وغریب حالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نماز کے دوران پیش آئے۔ نماز سے جب فارغ ہوئے تو حضرات صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج تو نماز کے دوران آپ پر کچھ ایسی عجیب کیفیتیں طاری ہوئیں کہ اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملی۔

حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس نماز کے دوران اللہ تبارک و تعالی نے میرے سامنے جنت کو پیش کیا، جہنم کو بھی پیش کیا۔ اور میں نے جنت کا بھی

نظارہ کیا، جہنم کا خطرناک منظر بھی دیکھا۔ جب جنت میرے سامنے لائی گئی تو میں نے چاہا کہ جنت سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں، اسی لیے میں نے ہاتھ بڑھایا تھا اور اگر میں توڑ لیتا تو تم لوگ قیامت تک اس کو کھاتے رہتے تو بھی وہ ختم نہ ہوتا۔

کیوں ختم نہ ہوتا؟ اس لیے کہ جنت کی نعمت فنا ہونے والی نہیں۔ ایک دانہ توڑا نہیں کہ آٹو میٹک، خود بخود دوسرا دانہ وہاں پیدا ہو جاتا۔ پوری امت قیامت تک اگر اس خوشے کو کھاتی تو بھی ختم نہ ہوتا۔

جنت کے ایک خوشے کا یہ حال ہے تو جنت کے ایک درخت کا حال کیا ہوگا؟

ایک منٹ میں ہم ۷۰ مرتبہ سبحان اللہ آسانی سے پڑھ سکتے ہیں، گویا ایک منٹ میں جنت کے ۷۰ درخت آسانی سے لگوا سکتے ہیں، اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو سوچئے کہ ہم نے اپنی زندگی کے ایک منٹ سے کتنا بڑا فائدہ اٹھایا۔

کیا دنیوی اعتبار سے ہم ایک منٹ کی اتنی قیمت وصول کر سکتے ہیں؟

اب بھی اگر ہم اپنی توجہ اور اپنا دھیان آخرت کی بجائے دنیا میں لگاتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں تو سچ بتائیے کہ ہمارا یہ سودا گھاٹے اور نقصان کا سودا ہے یا نہیں؟

اسی کو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کی یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اس کی جتنی قیمت وصول کرنی چاہیے، لوگ اس قدر وصول نہیں کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ اسی کو قرآن پاک میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ **إن الإنسان لفي خسر** ۔ کہ بنی نوع انسان گھاٹے میں ہے۔

## نجات یافتہ گروہ

البتہ اگر کوئی خود کو اس گھاٹے سے، خسارے اور نقصان سے نکالنا چاہتا ہے تو اس کی تدبیر اور طریقہ یہ ہے کہ: **إلا الذین آمنوا وعملوا الصالحات**۔

البتہ جنہوں نے ایمان لا کر اور اعمال صالحہ کا اہتمام کر کے اپنی حالت سدھار لی، اپنی اصلاح کر لی اور اپنا حال ٹھیک کر لیا۔

**وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر** پھر ایک دوسرے کو حق کی تاکید اور وصیت کرتے رہے۔

## تواصی اور وصیت

تواصی مؤثر انداز میں بڑی تاکید کے ساتھ کسی کو نصیحت کرنے کو کہتے ہیں۔

اسی لیے موت کے وقت کہی جانے والی باتوں کو وصیت کہتے ہیں۔ ویسے بھی موت کی گھڑی دلوں پر خاص اثر ڈالنے والی ہوتی ہے، کسی پر موت آ رہی ہے تو اس مجلس میں جتنے موجود ہوتے ہیں ہر ایک کے دل پر خاص کیفیت طاری ہوتی ہے؛ چنانچہ اس وقت مرنے والا جو بات کرتا ہے وہ اپنے اندر خاص اثر رکھتی ہے اور مرنے والا بھی بڑی اہمیت اور تاکید کے ساتھ اس بات کو بیان کرتا ہے، اس لیے اس کو وصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عربی زبان میں وصیت ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اہمیت کے ساتھ، مؤثر انداز میں کسی کے سامنے پیش کی جائے۔

بہر حال باری تعالی فرماتے ہیں، خود ایمان اور اعمال صالحہ کا اہتمام کریں اور

ساتھ ہی ساتھ دوسرے مرحلے میں آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت یعنی تاکید کرتے رہیں۔

## حق اور صبر سے کیا مراد ہے؟

مفسرین لکھتے ہیں کہ ایمان اور اعمال صالحہ کی تاکید کرنا یہ تواصی بالحق ہے۔

اور تواصی بالصبر سے مراد گناہوں سے بچنے کی آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کرنا۔ بعضوں نے یہ بھی کہا کہ وتواصوا بالحق میں فقط آپس میں ایک دوسرے کو ایمان کی تاکید اور وصیت کرنا ہے، اور وتواصوا بالصبر میں اعمال صالحہ کا اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرنا۔ گویا اعمال سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں صبر میں آ گئیں۔

ویسے بھی مفسرین اور اہل علم نے صبر کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں۔ ان میں ایک قسم یعنی اعمال صالحہ کو انجام دینے میں آدمی کے جسم پر یا آدمی کی جان پر جو مشقت طاری ہوتی ہے اس کو برداشت کرنا ہے، اس کو صبر علی الطاعات کہتے ہیں۔

سردی کی راتوں میں اٹھ کر وضو کرنا، پھر نماز با جماعت کے لیے مسجد میں آنا کوئی آسان کام تو نہیں۔ اس میں آدمی کو مشقت لاحق ہوتی ہے۔ یا ایک آدمی پر زکاۃ فرض ہے اور وہ اپنے مال سے چالیسواں حصہ نکالے گا یا نفل صدقہ کے طور پر جو مال نکالے گا اس میں آدمی کے دل پر بوجھ پڑتا ہے۔ پیسے نکالنا کوئی آسان کام نہیں، اسی لیے بہت سے لوگ بخل کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ طاعت اور عمل صالح انجام دینے کے لیے مشقت اٹھانا ہوا۔ اس مشقت اور تکلیف

برداشت کرنے کو صبر علی الطاعات کہا جاتا ہے۔

گناہوں سے بچنے میں بھی آدمی کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ ہمارا نفس کہتا ہے کہ بدنگاہی کرو، نامحرم عورت جارہی ہے، اس کی طرف دیکھو، فلانے کا مال ہڑپ کرلو، فلانے کا حق ادا نہ کرو۔ اس طرح گناہ کے کام کے لیے نفس اور شیطان آمادہ کرتے ہیں۔ نفس اور شیطان کے اس وسوسے اور ورغلانے سے بچا کر اپنے آپ کو گناہوں کے کام سے محفوظ رکھنے میں آدمی جو مشقت اٹھاتا ہے اس کو صبر عن المعاصی کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں معنی صبر میں آجاتے ہیں۔

اسی لیے بعض مفسرین نے کہا کہ ایمان کی ترغیب دینا، تاکید کرنا، اس کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا اور دعوت دینا تواصی بالحق میں شامل ہے۔ اور اعمال صالحہ کا اہتمام، نیز اس کو کرنے کی تاکید، اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام، نیز اس سلسلے میں جو کچھ بھی آپس میں ایک دوسرے کو تاکید اور نصیحت کی جائے وہ تواصی بالصبر میں داخل ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو حق بات یعنی ایمان کی تاکید کرتے رہیں، اس کی ترغیب دیتے رہیں، اسی طرح صبر یعنی نیک کام کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کرتے رہیں تو وہ لوگ البتہ گھاٹے سے محفوظ رہیں گے۔

## نوعِ انسانی کے لیے خسارے سے بچنے کا راستہ

یہاں دو کام ضروری قرار دیے گئے۔ ایک یہ کہ آدمی خود ایمان اور اعمال

صالحہ کا اہتمام کر کے اپنی اصلاح کرے اور دوسروں کو اعمال صالحہ اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کر کے ان کی تکمیل اور اصلاح کی بھی کوشش کرے، تب وہ گھاٹے سے نکلا ہوا سمجھا جائے گا۔

گویا بنی نوع انسان کو گھاٹے سے بچنے کا جو نسخہ قرآن پاک نے بتایا وہ یہ ہے کہ لوگ خود بھی اپنی اصلاح کا اہتمام کریں اور دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کریں۔ خود بھی اپنے آپ کو کامل اور مکمل بنانے کا اہتمام کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں اور تاکید کریں۔ یہ دو چیزیں اگر آئیں گی تو البتہ گارنٹی دی جا سکتی ہے کہ وہ آدمی گھاٹے اور خسارے میں نہیں۔ معلوم ہوا کہ فقط اپنی اصلاح کر لینا کافی نہیں؛ بلکہ علی حسب المراتب جن جن لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو، اس کے لئے اپنے آپ کو مشغول کرنا بھی نجات کے لیے اور اپنے آپ کو خسارے سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔

بہر حال اللہ تبارک وتعالی نے اس سورت میں مختصر انداز میں نفع بخش اور کامیاب زندگی کس طرح گذاری جا سکتی ہے اس کے لیے چار چیزوں کی تعلیم دی ہے، (۱) خود ایمان کا اہتمام کرے۔ (۲) اعمال صالحۃ پر پابندی کرے۔ (۳) آپس میں اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ایمان کی دعوت دیتا رہے (۴) اور اعمال صالحہ کے اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی بھی آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کرتا رہے۔

ان چار چیزوں کا اہتمام ہوگا تو آدمی اپنے آپ کو اس گھاٹے سے جس کی قرآن نے خبر دی ہے، یقینا بچا سکتا ہے۔ اور اگر ان چار چیزوں کا اہتمام نہیں کیا تو

قرآن میں باری تعالی نے جو بات قسمیہ طور پر فرمائی ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے، یعنی: إن الإنسان لفی خسر، میں داخل ہوسکتا ہے۔

آپس میں تواصی کا یہ سلسلہ آدمی کو جاری رکھنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے موجودہ تبلیغی کام کی بنیاد بھی اسی تواصی پر ہے۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے ہم کو ان چاروں چیزوں پر عمل کی توفیق میسر آجاتی ہے۔

## تبلیغی کام

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ نے اسی کا ایک طریقہ بتلایا ہے۔

دیکھو! بہت سی مرتبہ آدمی نیک اعمال کی پابندی کرنا چاہتا ہے۔ نیک اور صالح بننا چاہتا ہے۔ اس کی تمنا ہوتی ہے، اس کے لیے کوشش کرتا ہے، اور اپنے ماحول میں رہتے ہوئے بہت سارے اسباب بھی اختیار کرتا ہے مگر اس کے باوجود جب تک وہ اپنے ماحول میں ہوتا ہے، اپنے آپ کو بہت سے نیک اعمال کا پابند نہیں بنا سکتا، بہت سے گناہوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ اس لیے ضرورت پڑتی ہے کہ جس ماحول میں رہ کر وہ اپنے آپ کو ایسا نہیں بنا سکتا، اس ماحول سے اپنے کو نکال کر ماحول کی رکاوٹوں سے خود کو دور کرکے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرے۔

ہمارے مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: کسی آدمی کو آسانی کے ساتھ نمازوں کا پابند بننا ہے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا ہے تو اپنے ماحول سے نکل کر ایک مدت جماعت کے ساتھ لگادے۔

نمازوں کا اہتمام کرنے میں یا اعمال صالحہ کی پابندی اختیار کرنے میں اپنے ماحول میں اگر رکاوٹیں پیش آتی ہوں، یا گناہوں سے بچنے میں کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہو پاتا تو وہ اس ماحول میں آجائے،اس میں نیک لوگوں کی صحبت اور رفاقت ہوتی ہے،ان کی طرف سے رہ نمائی ہوتی ہے،آپس میں سیکھنے سکھانے کا موقع ملتا ہے۔ گویا یہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ اور چلتی پھرتی خانقاہ ہے،اس میں آجائے اور کوشش کرے۔اگر کوئی شخص واقعۃً دیانت داری سے، سچے دل سے اپنی اصلاح کا خواہش مند ہوتو بہت آسانی سے اس کو یہ چیز میسر آسکتی ہے؛ ورنہ گھر پر رہتے ہوئے یہ چیز مشکل سے حاصل ہوتی ہےاوراس میں رکاوٹیں پیش آتی ہی ہیں۔ بہرحال یہ بہت آسان طریقہ ہے،جس کا نافع ہونا،اور مفیداور کارآمد ہونا ،اب ہرایک کے سامنے برسوں کے تجربہ سے آچکا ہے۔

## تبلیغی جماعت میں جانے کی نیت

ہمارے حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ آدمی جب جماعت میں نکلے تو اس کی نیت یہ ہو کہ: میں اس لیے جارہا ہوں کہ میں خود صحیح طریقہ سے دین پر عمل کرنے والا بن جاؤں۔ایسا جذبہ اور خیال لے کر نہ جائے کہ میں تو کامل اور مکمل ہوں،اور دوسروں کی اصلاح کے لیے جارہا ہوں؛ بلکہ اپنی اصلاح کے لیے ،اپنی حالت کو درست کرنے کی نیت لے کر جائے۔

یہ سوچے کہ میں اور میرے جیسے دوسرے بھائی،سب مل کر آپس میں مذاکرہ کریں گے، اپنی کمزوریوں کا احتساب کریں گے، اس کا جائزہ لیں گے اور اس

کے بعد ان کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے مل جل کر محنت کریں گے۔ اعمال صالحہ پر پابندی کرنے کی جو مختلف تدبیریں تجربے سے نفع بخش ثابت ہو چکی ہیں، اسے اختیار کریں گے۔

یہ سلسلہ بڑا مفید اور کارآمد ہے، ہم اگر اس کو اخلاص کے ساتھ اپنائیں تو انشاء اللہ دنیا اور آخرت کی نجات کے لیے کافی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اخلاص کے ساتھ لگیں اور ہماری نیت یہی ہو کہ ہم اپنی حالت کو درست کر رہے ہیں، کسی پر تنقید یا کسی کی تحقیر ہماری نگاہ اور ہمارے دل میں نہ ہو، یہ خطرناک چیز ہے۔ ہم دارالافتاء میں بیٹھتے ہیں، ہمارے پاس بار بار شکایت آتی ہیں، پہلے اتنی کثرت سے شکایتیں نہیں آتی تھیں۔

## اہل علم کا تعاون

ہمارا اور ہمارے اکابر کا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے جو مختلف سلسلے ہیں اس میں ایک سلسلہ یہ بھی ہے اور یہ کام بھی گویا ان سلسلوں کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس کام کے سلسلے میں جتنے اشکالات کیے جاتے ہیں، ہم دارالافتاء کے ذریعہ آپ کی طرف سے اس کا دفاع اور ڈیفنس کرتے ہیں۔ کوئی یوں نہ سمجھے کہ یہ لوگ ہمارا کوئی تعاون نہیں کرتے، ہمارا کوئی ساتھ نہیں دیتے، ہم علمی طور پر جتنا دفاع کرتے ہیں، اس کا لوگوں کو اندازہ نہیں؛ اگر یہ دفاع نہ ہو تو تبلیغ کے خلاف ایسی ایسی چیزیں شائع ہوتیں کہ کام کرنے والوں کو کوئی دنیا میں زندہ نہ رہنے دیتا۔

علمی طور پر اہل علم، مفتیان کرام اور علماء کرام اس کام پر ہونے والے

اعتراضات کا علمی انداز میں جائزہ لے کر اس کا دفاع کرتے ہیں، ہمارے اکابر بھی یہ خدمت کرتے تھے اور اسی کے نتیجہ میں کام کو تقویت ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔

## حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ

لطیفہ کے طور پر ایک قصہ سناتا ہوں۔

پہلی بات یہ کہ یہ قصہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ کی زبان سے میں نے خود سنا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں ایک زمانہ گذارا ہے اور حضرت کے ساتھ بہت سے مقامات پر، خاص طور پر میوات کے علاقہ میں، دعوت وتبلیغ کی نسبت سے جانا بھی ہوتا تھا۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کی جانب بڑی توجہ فرماتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ پڑھ کر فارغ ہوکر آئے ہوئے تھے، اوران کی توجہ اس تبلیغ کے کام طرف زیادہ نہ تھی، ان کی طبیعت پر علمی مشغلہ ایسا غالب تھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی بہت کوشش کے باوجود اس کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی طبیعت پر اس کا بڑا بوجھ تھا، حضرت چاہتے تھے کہ وہ کام کی طرف متوجہ ہوں۔ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جی نے مامور کیا کہ تم ان پر محنت کرو؛ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان پر کوشش کر کے ان کو اس طرف متوجہ کیا، ایک مرتبہ جو ادھر متوجہ ہو گئے تو بعد کا حال

ساری دنیا جانتی ہے کہ کیا کارنامے انجام دیے۔

حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کلکتہ میں اجتماع تھا، وہاں سے حضرت مولانا یوسف صاحبؒ اپنے قافلہ کے ساتھ واپس لوٹ رہے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کانپور میں تھے۔

جیسا کہ لوگوں کا معمول ہے، اکابر کا قافلہ جب گذرتا ہے تو لوگ دعا اور ملاقات کے لیے پہنچتے ہیں، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ کانپور ٹرین پر ملنے ہم سب بھی گئے۔ کانپور اسٹیشن پر جب ٹرین آئی تو ٹرین رکتے ہی سب نے چاہا کہ حضرت جی سے ملاقات کریں، مگر حضرت نے اعلان کر دیا کہ ابھی کسی سے ملاقات نہیں کروں گا، مجھے مفتی صاحب سے کچھ مسئلے پوچھنے ہیں۔ یوں فرما کر سب کو ہٹایا اور حضرت مفتی صاحبؒ کو لے کر الگ بیٹھ گئے۔ فرمایا کہ کتنے دنوں سے میں چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جاتی تو ان چیزوں کا تصفیہ ہو جاتا اور مسئلے پوچھ لیتا۔ اس گفتگو سے فارغ ہوئے تو ٹرین اٹھنے میں ایک دو منٹ باقی رہ گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا یوسف صاحبؒ نے مسئلے پوچھ لیے تو فرمایا کہ: اچھا، آپ کب نکلتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے کہ میں نے کہا کہ میں بھی نکلوں گا تو یہ مسئلے آپ کو کون بتائے گا؟ اس پر حضرت جیؒ مسکرا دیے۔

## دین کے تمام شعبوں کو دین سمجھنا

بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ دین کے تمام شعبوں میں اور کام کرنے والوں

میں آپس میں اتحاد اور اتفاق ہونا چاہیے۔ یہ تو دنیا کی خصوصیت ہے کہ اس کے طلبگاروں اور عاشقوں میں آپسی رقابت اور مقابلہ آرائی ہوتی ہے، دینی امور میں تو ہر ایک دوسرے کا معین و مددگار رہوتا ہے۔

دیکھئے! ہم آخری امت ہیں، ہمارے نبی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ہم عمل کرتے ہیں، اسی پر عمل کرنے میں ہماری نجات ہے، اس کے باوجود ہم میں ہر ایک پر لازم کیا گیا کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تک جتنے پیغمبر آئے، سب پر ہم ایمان لائیں۔

اسی طریقے سے دین کے مختلف شعبوں کو دین سمجھنا، ان کو درست سمجھنا ضروری ہے۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ، نے لاجپور کے اجتماع کے موقع پر آخری مجلس میں جو تقریر فرمائی تھی وہ مجھے خوب یاد ہے۔ میں جو عرض کر رہا ہوں، اسی کو سمجھاتے ہوئے حضرت نے فرمایا تھا کہ دین کے یہ تمام شعبے اہمیت کے حامل ہیں، ہر شعبے والے مل جل کر آپس میں ایک دوسرے کے تعاون سے ان کاموں میں لگے اور کسی کی تحقیر یا تنقیص دل میں نہ رکھے تو انشاء اللہ بڑی کامیابی ہوگی۔

## کس کی خدمت مقبول ہے؟

کس کی خدمت اللہ کے یہاں قبول ہے وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کوئی گارنٹی

نہیں دے سکتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹا سا عمل نجات کا سبب بن جاتا ہے اور بڑی بڑی علمی و عملی خدمات ایک طرف رہ جاتی ہیں۔ ایسی عظیم خدمات والے بڑے بڑے اہل علم اور اکابر کے حالات میں آتا ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے خواب میں ان کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ تو جواب میں فرمایا کہ فلاں معمولی عمل کی وجہ سے اللہ کے یہاں نجات ہوگئی۔

بہر حال عمومی پیمانہ پر ایک تجربے کی بنیاد پر پورے عالم میں اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں جس قدر برکت رکھی ہے اور اس کی وجہ سے عمومی اصلاح کا جو ماحول بنا ہوا ہے، ہماری کوشش یہ ہو کہ ہم بھی اس سے علیحدہ نہ رہیں، اس کی برکات سے فائدہ اٹھائیں، اپنی زندگیاں سنواریں۔

اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید ترقی دے اور کام کرنے والوں کو بھی اخلاص، استقامت، ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے اور جو کچھ فروگذاشتیں ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

# خصوصیاتِ نبوی اور مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک

ہمارے اپنے ذاتی بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے قابو سے باہر ہوتے ہیں، ہم اپنے آپ ان مسائل کو حل نہیں کر پاتے، اس کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ اس کی بڑی آسان تدبیر ہے۔ ہمارے بھائیوں کے بھی اسی طرح کے بہت سارے مسائل ہیں، ہم خود تو اپنا مسئلہ حل نہیں کر سکتے ہیں، البتہ ہمارے بھائیوں کے اس طرح کے الجھے ہوئے مسائل میں سے بہت سے مسائل کو حل کرنے کی ہم میں طاقت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تم اس کا کام کر دو، تو اللہ تعالی تمہارا کام کر دے گا۔

کتنا آسان طریقہ ہے۔

گنبد والی مسجد، 14-3-2008

الحمد اللّٰہ نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعو ذ بالله من شرو ر أنفسنا و من سئيات أعمالنا، و نعو ذ بالله من شرو ر أنفسنا و من سئيات أعمالنا، و نعو ذ بالله من شرو ر أنفسنا و من سئيات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا إله إلا الله و حده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مو لانا محمدا عبده و رسو له ـ أرسله إلى كافة الناس بشيرا و نذيرا و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا ـ

صلى الله تعالى عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلم تسليماً كثيراً كثيراً، أما بعد ـ

فعن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة و من يَسَّر على معسر يسر الله عليه فى الدينا و الآخرة و من ستر على مسلم ستر الله عليه فى الدنيا و الآخرة و الله فى عون العبد ما كان العبد فى عون أخيه ـ أو كما قال عليه الصلوة و السلام (مسلم: ۲۶۹۹، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل اجتماع تلاوۃ، بخاری، کتاب المظالم: ۲۳۱۰) ابوداؤد، کتاب الأدب: ۴۹۴۶)

یہ بخاری اور مسلم شریف کی ایک روایت کا کچھ حصہ ہے اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو جامع کلمات عطا فرمائے تھے، ان کا ایک نمونہ بھی ہے۔

## خصوصیات نبوی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو بعض ایسی خصوصیات اور امتیازی

صفات عطا فرمائی تھیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئی تھیں۔ بخاری اور مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔ (بخاری، الصلاۃ، ابواب استقبال القبلۃ: ۴۲۲)۔ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

**أعطیت خمسا لم یعطھن أحد قبلي۔** اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں کہ مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو وہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں۔

## اول: رعب اور ہیبت

پہلی خصوصیت کے متعلق آپ ﷺ فرماتے ہیں: **نصرت بالرعب مسیرۃ شھر**۔ اللہ تعالی نے رعب اور ہیبت کے ذریعہ میری مدد فرمائی ایک مہینہ کی مسافت اور دوری تک۔ یعنی اتنی دور تک نبی کریم ﷺ کی ہیبت اور آپ ﷺ کا رعب اپنا اثر دکھلاتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے دشمن بھی آپ کے سامنے آکر تھر تھر کانپتے تھے، زیر ہو جاتے تھے۔

## کسری شاہِ فارس پرویز کے نام آپ ﷺ کا خط

روایتوں میں واقعہ مذکور ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے شاہ فارس کسری کے نام دعوتِ اسلام کا خط بھیجا اس زمانہ میں جو کسری تھا، اس کا نام پرویز تھا۔ پرویز ابن ہرمز ابن نوشیروان۔ کسری فارس کے بادشاہ کا لقب ہے، اصل اس کا نام پرویز تھا۔ نوشیروان اپنے عدل وانصاف میں بڑا مشہور بادشاہ گذرا ہے،

اس کا یہ پوتا تھا۔

جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ نے دنیا کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے اس وقت فارس کے تخت پر یہی حکمران تھا۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس کے نام اسلام کی دعوت کا خط بھیجنا چاہا تو سابقین اولین یعنی شروع میں ایمان لانے والے ایک بڑے مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ نے وہ خط اس کے پاس بھیجا۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق بڑے بادشاہوں کو براہِ راست خطوط حوالے نہیں کیے جاتے تھے۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا یہ مبارک خط منذر بن ساوی کے حوالہ کیا، جو بحرین کے حاکم تھے، اور بحرین اور یمن کا علاقہ اس زمانہ میں فارس کے ماتحت تھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا یہ خط کسریٰ کے پاس پہنچایا۔

## مکتوب نبوی کا مضمون

اس خط میں نبی کریم ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور خط میں تحریر فرمایا تھا کہ:

**بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ إلی عظیم فارس۔** یہ خط اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو بڑا ہی مہربان اور رحمت والا ہے، یہ خط اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول حضرت محمد رسول ﷺ کی طرف سے فارس کے حاکم کے نام ہے۔ خط میں اس کے علاوہ زیادہ لمبے چوڑے القاب اور آداب نہیں لکھے

مگئے تھے۔

اس کے بعد سلام تھا، **سلام علی من اتبع الهدی**، جولوگ ہدایت کے راستے پر چلتے ہیں ان کے لیے سلامتی ہو اور اخیر میں لکھا: **اسلم تسلم**، اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے۔

**فإن أبيت فعليك إثم المجوس** اگر تم نے اسلام لانے سے انکار کیا اور تمہارے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے تمہاری رعایا جو مجوسی ہیں وہ بھی اسلام قبول نہیں کرے گی تو ان کا سارا گناہ اور وبال تیرے اوپر پڑے گا۔

## کسریٰ پرویز کا غرور

یہ بڑا مغرور تھا، جب نبی کریم ﷺ کا یہ مبارک خط اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میری رعیت کا آدمی ہو کر مجھ کو برابر کا خطاب کرتا ہے۔ بڑے غصے کا اظہار کیا اور نبی کریم ﷺ کے مبارک خط کو اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، بعض روایتوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب پتہ چلا کہ آپ کے نامہ مبارک کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کا یہ معاملہ کیا گیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: **أن يمزقوا كل ممزق** (بخاری: ۴۱۶۲)۔ ان کے بھی اللہ تعالیٰ ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ بددعا ظاہر ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے جو معاملہ ہوا وہ میں بتلانا چاہتا ہوں، اس نے غصے کے اظہار کے ساتھ خط مبارک کو تو ٹکڑے کر دیا، ساتھ ہی یمن کے حاکم باذان کے پاس – جو اس زمانہ میں اسی کے ماتحت تھے – پیغام بھیجا کہ دو پہلوان اور بہادر آدمیوں کو مدینہ بھیجا جائے، جو ان کو

یعنی آپ ﷺ گرفتار کر کے میرے پاس لائے۔ چنانچہ باذان نے دو پہلوان اور بہادر آدمیوں کو خط لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔

## کسریٰ کے پہلوان دربارِ نبوی میں

روایتوں میں ہے کہ جس وقت وہ مدینہ منورہ پہنچے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر ان کی نظر پڑی تو ایسے مرعوب ہوئے کہ پہلوان ہونے کے باوجود تھر تھر کانپنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو تسکین دی اور پوچھا کہ کیوں آئے ہو،؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ خط لے کر بھیجا گیا ہے۔اس خط میں لکھا تھا کہ آپ کو گرفتار کرنے کے لیے ان دونوں کو بھیجا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب یہ خط پڑھا گیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا۔

## داڑھی منڈے چہرے سے نبی کریم ﷺ کی نفرت

اس روایت کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، ان کی ہیئت کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا،تم نے اپنا چہرہ ایسا کیوں بنایا ہے؟ ڈاڑھیاں مونڈ رکھی ہیں،مونچھیں بڑھا رکھی ہیں، انہوں نے کہا کہ ہمارے رب نے یعنی کسریٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے،تو نبی کریم ﷺ فرمایا کہ میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ مونچھوں کو کتروں اور ڈاڑھی کو بڑھاؤں۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی اس ہیئت کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار کر کے نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرۂ انور پھیرلیا، حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔

ہمارے اکابر اس واقعہ کو بیان کر کے لکھا کرتے ہیں کہ ایک مؤمن جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو بھلا وہ اپنی شکل وصورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وصورت سے الگ ایسی بنائے کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرمایا ہو، کیسے درست ہوسکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا رسالہ ہے، ڈاڑھی کا وجوب، حضرتؒ اس میں اس واقعہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جو لوگ ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں وہ ذرا سوچیں کہ قبر میں جانے کے بعد جب فرشتے سوال کرنے آئیں گے اور سوال کریں گے: من ربک؟ وما دینک؟ وما تقول بھذا الرجل؟ ۔تمہارا پرورگا کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشارہ کر کے پوچھیں گے کہ ان کے متعلق یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس وقت قبر میں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ پھیر لیا تو کیا ہوگا؟ جن کی شفاعت پر ہم بھروسہ کیے ہوئے بیٹھے ہیں وہ اگر سفارش کرنے سے انکار کردیں تو؟

## کسریٰ پرویز کا قتل اور نبوی پیشین گوئی کا تحقق

بہر حال دوسرے دن جب وہ لوگ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات کو میرے رب نے تمہارے رب کو قتل کروا دیا۔ انہوں نے یہ سنا تو تاریخ نوٹ کر لی، جمادی الاولی کی دسویں تاریخ، سن سات ہجری، اور منگل کی رات تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی جواب ہے، جاؤ۔ یہ لوگ جب اس جواب کو لے کر یمن کے حاکم باذان کے پاس پہنچے ہیں تو باذان نے کہا کہ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ

شخص واقعتاً سچے نبی ہیں، چنانچہ جب اس نے تحقیق کرائی تو پتہ چلا کہ پرویز کے بیٹے شیرویہ نے ہی اپنے باپ کو اس روز قتل کیا تھا۔

پرویز کی ایک بیوی شیرین نام کی تھی، بڑی حسین وجمیل تھی۔ پرویز کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کی اس بیوی پر عاشق ہوگیا تھا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے باپ کو ختم کرنے کی تدبیریں کرتا تھا، اسی کوشش میں اس نے اپنے باپ کو نظر بند کردیا تھا۔ پرویز کو بھی جب یقین ہوگیا کہ اب یہ مجھے قتل ہی کرے گا تو نظر بندی کے زمانہ میں ہی اس نے بیٹے کو ختم کرنے کی تدبیر کرلی۔ وہ اس طرح کہ اس کا یہ بیٹا عورتوں کا بڑا دلدادہ تھا اور قوت باہ یعنی مردانگی میں اضافہ پیدا کرنے والی دواؤں کو بہت زیادہ استعمال کرتا تھا۔ پرویز نے اپنی الماری کی دواؤں میں سے زہر ہلاہل کی شیشی پر لیبل لگادیا: 'قوت باہ کی شاندار دوا'۔ پھر جب شیرویہ نے اس کو قتل کردیا اور وہ تختِ حکومت پر آیا تو اس نے دوسرا کام یہ کیا کہ اپنے سارے بھائیوں کو قتل کردیا تاکہ کل اٹھ کر کوئی حکومت کا دعوے دار نہ ہو۔

اس کے بعد وہ ایک دن اپنے باپ کے کمرے میں گیا، الماری کھولی اور اس میں یہ شیشی دیکھی تو اس نے یہ سمجھ کر کہ یہ مقویٔ باہ شاندار دوا ہے، استعمال کرلی۔ نتیجتاً اس کی موت ہوگئی۔ اب حال یہ ہے کہ اس وقت اس شاہی خاندان میں کوئی ایک مرد بھی ایسا نہ تھا جس کو تخت حکومت پر بٹھایا جاسکے۔ البتہ اسی شیرویہ کی ایک بیٹی تھی، بوران نام کی۔ اہل فارس نے شاہی خاندان سے ہٹ کر کسی دوسرے مرد کو تخت پر بٹھانا مناسب نہیں سمجھا تو اس کی بیٹی ہی کو حاکم بنادیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا کہ اہل فارس نے ایک عورت کو اپنا حاکم بنایا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا

کہ: لَنْ یَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ امرَأَةً۔ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنا حکمران کسی عورت کو بنائے۔

بعد میں تو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں یہ سارا علاقہ مسلمانوں کے پاس آ گیا اور فارس کی حکومت بالکلیہ ختم ہوگئی۔ آپ ﷺ نے باذان کو جواب میں یہ بھی کہلوایا تھا کہ تم اپنے رب سے کہو کہ میری حکومت وہاں تک جائے گی جہاں تک تمہاری حکومت ہے۔

بہرحال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالی نے جو امتیازی خصوصیات عطا فرمائی تھیں ان میں ایک رعب اور ہیبت تھی۔

## دوم: ساری زمین مسجد

دوسری خصوصیت حضرت جابرؓ کی اسی روایت میں ہے کہ: جلعت لی الارض مسجدا و طهورا فأیما رجل من أمتی أدرکته الصلاة فلیصل۔ اللہ تعالی کی طرف سے میرے لیے زمین کو پاکی کا ذریعہ اور نماز کی جگہ بنادیا گیا، پہلی امتوں میں یہ تھا کہ نماز پڑھنے کے لیے جگہیں مقرر تھیں، جیسے کہ مسجد نماز پڑھنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کے لئے ضروری تھا کہ نماز پڑھنے کے لیے اور عبادت کے لیے جو مکانات بنائے جاتے تھے، اسی میں نماز پڑھ سکتے تھے، اس کے علاوہ عام جگہوں پر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، اللہ تبارک وتعالی نے اس امت کو نبی کریم ﷺ کے صدقے میں یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ- ایسے تو مسجد ہی میں نماز پڑھنی چاہیے- لیکن کبھی کوئی ایسا موقع آئے کہ مسجد نہیں ہے تو کہیں بھی آدمی

نماز پڑھ سکتا ہے، اسی خصوصیت میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اور مٹی کو پاکی کا ذریعہ بنایا۔ پانی نہیں تو آدمی تیمم کر کے پاکی حاصل کر لے اور نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے، نماز چھوڑنی نہیں چاہیے۔

## سوم: مالِ غنیمت کا حلال ہونا

تیسری بات: نبی کریم ﷺ نے فرمائی کہ: **أحلت لی الغنائم ولم تحل لأحد قبلی** ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا گیا۔

جہاد کا سلسلہ اگلی امتوں میں بھی تھا؛ لیکن دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہونے کے بعد جو مال و جائداد غنیمت کے طور پر ہاتھ میں آئے اس کو استعمال کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں تھی؛ بلکہ سارے مال غنیمت کو کسی پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے آگ آکر کے اس کو کھا لیا کرتی تھی اور یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ ان کا یہ جہاد اللہ کے یہاں قبول ہو گیا ہے۔ اگلی امتوں میں سے کسی امت کے لیے بھی مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور میری امت کے لیے اس کو حلال قرار دیا۔

## چہارم: شفاعتِ کبریٰ۔

چوتھی خصوصیت جو آپ نے بتلائی وہ یہ ہے کہ: **اعطیت الشفاعة** اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت کبریٰ عطا فرمائی۔

جب دوسرا صور پھونکا جائے گا اور تمام خلقت کو، اولین و آخرین کو دوبارہ پیدا

کر کے میدان حشر میں اللہ تبارک وتعالی جمع فرمائیں گے تو یہ سب میدان حشر میں جمع ہوں گے، سورج سوا نیزے پر ہوگا، اور زمین تانبے کی طرح تپی ہوئی ہوگی، اس وقت لوگوں کی بے چینی اور اضطراری کیفیت نا قابل برداشت ہوگی۔ کیوں کہ حساب کتاب کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا، خاموشی طاری ہے، اور کسی میں ہمت نہیں کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کرے کہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے، جب اسی حالت پر ایک بڑا طویل زمانہ گذر جائے گا اور لوگ خوب پریشان ہوں گے تو آپس میں مشورہ کریں گے کہ بھائی کسی سے درخواست کی جائے کہ باری تعالی کے حضور میں عرض کرے کہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہو، جو بھی فیصلہ ہو اس پار یا اس پار؛ یہ انتظار کی گھڑیاں اور یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔

چنانچہ سب لوگ مل کر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تو سارے انسانوں کے جد امجد ہیں، اور اللہ تعالی نے براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے آپ کو پیدا کیا، آپ کے سامنے تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، آج اس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں، اللہ تعالی سے ہماری سفارش کر کے حساب کتاب کا سلسلہ شروع کروائیے۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام انکار کریں گے کہ میں نہیں کر سکتا؛ البتہ وہ حوالہ دیں گے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا۔

لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے، وہ بھی انکار کریں گے اور حوالہ دیں گے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا۔

لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، مگر وہ بھی انکار کریں گے، اور حوالہ دیں گے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا۔

حضرت موسیٰؑ بھی انکار کریں گے، اور حوالہ دیں گے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا۔

لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ بھی معذرت کریں گے اور آخر میں وہ حوالہ دیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اللہ کے حضور حاضر ہو کر اللہ کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا بیان کروں گا کہ مجھے بھی وہ کلمات اس وقت مستحضر نہیں، اسی موقع پر اللہ تعالیٰ ان کلمات کو میرے اوپر القاء فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک سجدے میں رہیں گے، پھر باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سفارش کیجئے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرض کریں گے کہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی درخواست پر یہ سلسلہ شروع ہوگا، اسی کو 'شفاعت کبریٰ' کہتے ہیں، یعنی ایسی سفارش جس کا فائدہ تمام لوگوں کو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر اخیر تک کے تمام لوگوں کو پہنچے گا اور اولین وآخرین اس سے فائدہ اٹھائیں گے، اور اس سے راحت محسوس کریں گے۔

یہی وہ 'مقام محمود' ہے جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن پاک میں **عسیٰ أن یبعثک ربک مقاما محمودا** والی آیت میں وعدہ فرمایا ہے۔

## پنجم: بعثتِ عامہ

اور آگے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں و کان النبی یبعث إلی قومه خاصة فبعثُتُ إلی الناس عامة، کہ اگلے جتنے نبی بھی گذرے ان کا حال تو یہ تھا کہ وہ صرف اپنی قوم کی طرف اللہ کا پیغام لے کر اور نبی بنا کر بھیجے جاتے تھے، جب کہ اللہ تعالی نے مجھے ساری انسانیت کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے۔

## دو اور خصوصیات، جوامع الکلم اور ختم نبوت

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں دو چیزوں کا مزید اضافہ ہے، وأعطیت جوامع الکلم، اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مجھے جامع کلمات دیے گئے، اسی کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی اللہ تبارک وتعالی نے حضور پاک ﷺ کو وہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ مختصر جملے فرماتے تھے؛ لیکن اس میں بہت سارے معانی چھپے ہوئے ہوتے تھے۔ الفاظ کم اور معانی بہت زیادہ ہوں ایسے کلمات کو ’جامع کلمات‘ کہتے ہیں۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا امتیازی وصف تھا۔

اور ایک مزید خصوصیت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ ختم بی النبیون، میرے ذریعہ نبیوں کے سلسلے کو اللہ تبارک وتعالی نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، آپ خاتم النبیین ہیں، نبوت کے سلسلے کو کمال وتمام پر پہنچانے والے ہیں، اور آپ کے بعد نبوت والا کام اللہ تبارک وتعالی نبی کریم ﷺ کی امت کے ذریعہ لیں گے۔

## پریشانی میں مومن کی مدد

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت میں نے پیش کی ہے، اس میں نبی کریم ﷺ نے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں وہ جامع کلمات سے تعبیر کی جاتی ہیں، اور اس میں پہلی بات جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

**من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة۔**

جو آدمی کسی مسلمان کے لیے دنیا کی ایک تکلیف کو، معمولی تکلیف کو ہی سہی، دور کرے گا تو اللہ تبارک تعالی اس کی آخرت کی بہت بڑی تکلیف کو اور پریشانی کو دور فرمائیں گے۔ گویا دنیا میں کسی مؤمن کی معمولی تکلیف دور کرنے پر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے آخرت کی بڑی پریشانی اس سے دور کی جائے گی۔

## مخلوق کے ساتھ اللہ تعالی کی محبت۔

اللہ تبارک وتعالی کا اپنی مخلوق کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ ہے اور اللہ تعالی کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالی نے ہی تو مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ ہم کوئی چیز بناتے ہیں تو ہماری بنائی چیز ہم کو بڑی اچھی لگتی ہے، چاہے دنیا پسند کرے یا نہ کرے، ہمارے دل میں تو لگی رہتی ہے، کوئی اس کے متعلق ایک لفظ بھی بولے تو ہمیں گوارا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالی نے چوں کہ

اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا اس لیے اپنی مخلوق کے ساتھ بڑی محبت ہے، بڑی شفقت اور مہربانی ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، **الخلق عيال الله، فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله** (شعب الایمان، بیہقی: ۴۵٦۹)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، ساری مخلوق اللہ کا پریوار ہے، دیکھو، یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کو اللہ کے کنبے سے تعبیر فرماتے ہیں، ایک آدمی کو اپنے کنبے کے ساتھ اور اپنے پریوار کے ساتھ کیسا محبت کا تعلق ہوتا ہے وہ ہم جانتے ہی ہیں۔

حدیث شریف میں ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ کہا گیا۔ اس میں کوئی تفریق نہیں، کوئی بھی ہو؛ چاہے وہ مؤمن ہو یا کافر ہو، اور اسی طریقے سے انسان ہو یا کوئی جانور ہو، سب ہی کو پریوار سے تعبیر کیا گیا۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله**۔ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کی نگاہوں میں وہ ہے جو اللہ کے اس کنبے کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہو۔ معلوم ہوا کہ جو بندہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں اور بہت راضی ہوتے ہیں۔

## کرو مہربانی تم اہل زمین پر۔

اسی لیے ایک اور روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، **الراحمون يرحمهم الرحمن تبارك و تعالى، ارحموا من في الارض يرحمكم من**

**فی السماء (ترمذی: ۱۸۴۳)** ۔کہ جو لوگ اللہ کی مخلوق کے اوپر مہربانی اور شفقت کرنے والے ہیں، ان کے اوپر اللہ تعالیٰ رحمت، مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے، اس لیے تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر -- خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

کسی نے اس شعر میں حدیث کے اُن الفاظ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑی شفقت ہے، اسی لیے کسی مخلوق کے ساتھ جب کوئی آدمی بھلائی کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑے انعام سے نوازتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ ناقابل بیان محبت

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ کیسا محبت کا تعلق ہے۔!

اور اس میں بھی انسانوں کے ساتھ تو ناقابل بیان محبت ہے۔

بخاری شریف میں کتاب الادب کی روایت ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے۔ ان قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی، اس عورت کا کوئی دودھ پیتا بچہ تھا، جو اس وقت اس کے پاس نہیں تھا اور اس وقت اس عورت کی چھاتیوں میں دودھ جوش مار رہا تھا۔ جو عورت دودھ پلانے والی ہوتی ہے، اس کے دودھ پلانے کے زمانے میں جب اس کی چھاتیوں میں دودھ جمع ہوجاتا ہے تو عورت بے چین ہوجاتی ہے، اور جب تک وہ بچے کو دودھ نہ پلادے اس کو سکون وچین حاصل نہیں ہوتا۔ یہ عورت بھی چھاتیوں

میں دودھ جمع ہونے کی وجہ سے بے قرار تھی اور چکر کاٹ رہی تھی۔ اتنے میں اس کو اپنا بچہ نظر آیا تو جلدی سے لے کر اس کو اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اس منظر کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال کے جواب میں حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ ہرگز اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالے گی۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: للّٰہُ أرحم بعبادہ من ھذہ بولدھا یہ عورت اپنے بچے کے ساتھ جیسی مہربان ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ مہربان ہیں اور اللہ تعالی کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔

## دنیا کی ایک فیصد محبت اور آخرت کی ننانوے فیصد محبت

حدیث پاک میں آتا ہے، بخاری شریف کتاب الادب کی روایت ہے کہ: اللہ تعالی کی صفتِ رحمت کے ننانوے حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں اتارا گیا ہے اور اسی کا اثر ہے کہ ماں اپنے بچے سے، جانور، انسان، جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور سلوک کرتی ہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثال سے سمجھاتے ہیں کہ گھوڑی کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنا پیر اونچا رکھتی ہے کہ کہیں بچہ اس کی وجہ سے کچل نہ جائے، رات بھر ایک پیر اونچا رکھ کر کھڑی رہے گی کہ بچہ اس کے پیروں تلے کچل نہ جائے۔ (بخاری، کتاب الادب، ۵۶۵۴)

ایک جانور میں محبت کا جو یہ اثر آیا ہے وہ اللہ تبارک وتعالی کی اسی صفت کا اثر ہے، اور دنیا میں ایک حصے کا یہ اثر ہے تو جب قیامت کے روز باقی حصوں کا ظہور ہوگا تو اس وقت کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالی کی اسی رحمت کا نتیجہ ہوگا کہ اس وقت کافر بھی امید رکھیں گے کہ ہمارے ساتھ بھی کچھ رحمت کا معاملہ ہو جائے گا۔

## لله أرحم بعباده من أم الأفراخ بفراخها

ایک اور روایت ہے، حضرت عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ایک چادر اوڑھے ہوئے آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ کے اوپر بھی چادر لپیٹ رکھی تھی، جب وہ نبی کریم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا تو آکر اس نے عرض کیا کہ

اے اللہ کے رسول! میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گذر رہا تھا۔ مجھے اس کے اندر سے پرندے کے بچوں کے بولنے کی آواز آئی، میں اندر گیا تو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میں نے ان بچوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی چادر اس پر ڈال دی، جب میں درختوں کے اس جھنڈ سے باہر آیا تو پرندوں کی ماں میرے سر پر چکر کاٹنے لگی، اور منڈلانے لگی۔ اس منظر کو دیکھ کر میں نے وہ چادر جو بچوں کے اوپر ڈھانپ رکھی تھی وہ ہٹا دی، بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے تھے کہ خود اڑ سکیں، اس لیے وہ تو اڑ نہ سکے؛ مگر جب چادر ہٹائی تو وہ ماں آکر اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ گئی اور چپک گئی۔ میں اس کو اٹھا رہا ہوں اور نکال رہا ہوں، مگر وہ جانے کا نام نہیں لیتی تھی، بالآخر میں نے اس پر بھی کپڑا ڈال دیا اور یہ سب میرے پاس ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، نیچے رکھو، انہوں نے کپڑا ہٹایا اور بچوں کو نیچے

رکھا تو وہ ماں بھی ان کے ساتھ تھی۔ دیکھئے! ماں تو اڑ سکتی تھی؛ لیکن اپنے بچوں کی وجہ سے وہ اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالے ہوئے نہیں اڑ رہی ہے۔

اس منظر کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ ؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **أتعجبون لرحم أم الأفراخ بفراخها، فوالذی بعثنی بالحق لله أرحم بعباده من أم الأفراخ بفراخها۔** (مشکوۃ شریف: ۲۳۷۷)

بچوں کی ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ مہربانی، شفقت اور محبت کا جو تعلق ہے اس پر تم کو تعجب ہوتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دینِ حق لے کر بھیجا ہے، اللہ تبارک وتعالی کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ محبت اور تعلق ہے، جتنا اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے۔

## انسان کی مادی وروحانی ضرورتوں کا انتظام

اللہ تعالی نے اسی محبت کی وجہ سے پوری انسانیت، بلکہ پوری کائنات کی تمام ضرورتوں کا اس دنیا میں انتظام کر دیا، مادی بھی اور روحانی بھی۔ دنیا میں اگر ہماری تمام مادی ضرورتیں پوری کی جارہی ہیں، کھانے پینے، رہنے، وغیرہ کی، وہیں ہماری روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بھی اللہ تبارک وتعالی نے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا، کہ وہ آکر اللہ کے بندوں کو بتلائیں کہ اللہ تعالی اپنے بندوں سے کیا چاہتے ہیں، کیوں پیدا کیا ہے؟

اللہ تعالی خود فرماتے ہیں کہ ساری کائنات کو ہم نے اپنی نعمتوں سے بھر دیا ہے، **وسخر لكم ما فی السموت ومافی الأرض وأسبغ عليكم نعمه**

**ظاهرة و باطنة**، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمان و زمین میں ہیں، وہ تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، یعنی تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے، اور اللہ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر بارش کی طرح برسا دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جو سلسلہ جاری کیا ہے وہ بھی اسی محبت کی وجہ سے ہے کہ اللہ کے بندے اللہ سے بچھڑے ہوئے نہ رہیں، اللہ کے نبی آکر ان کو بتلائیں کہ وہ اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح قائم کر سکتے ہیں، اس لیے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کے ذریعہ نہ بتلاتے تو انسانیت کو اس کا پتہ نہ چلتا۔

## حواس کے ذریعہ مرضی مولیٰ کو معلوم کرنا ممکن نہیں

آدمی کی اپنی عقل اور اپنے حواس یعنی وہ ظاہری اعضاء، جن سے ہم مختلف معلومات حاصل کرتے ہیں، آنکھوں سے دیکھ کر، کانوں سے سن کر، ہاتھوں سے چھوکر، زبان سے چکھ کر، ان سارے اعضاء میں سے کسی میں صلاحیت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور نامرضی کو معلوم کر سکیں۔ آدمی کی عقل میں بھی وہ صلاحیت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور نامرضی کو جان سکے۔

اللہ کی مرضی اور نامرضی تو بہت بڑی بات ہے، ایک اپنے جیسے انسان کی مرضی بھی نہیں جان سکتا۔ ایک آدمی سامنے بیٹھا ہے، کیا میں اور آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ میرے سامنے بیٹھا ہوا آدمی مجھ سے کیا چاہتا ہے، کس چیز سے خوش ہے، کس چیز سے ناراض ہے۔ جب ایک آدمی اپنے جیسے انسان کی مرضی اور نامرضی کو اس

کے بتلائے بغیر نہیں جان سکتا تو اللہ تعالی کی مرضی اور نا مرضی کا پتہ اس کے بتلائے بغیر کیسے چلے گا ؟ اسی لیے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے سلسلے کو جاری کیا گیا۔

گویا اللہ تعالی نے اپنی ذات کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے ہی حضرات انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا اور اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی حضرات انبیاء کا سردار بنا کر آپ کی ذات اقدس پر نبوت مکمل فرمائی تو پھر اس سلسلہ کو قیامت تک آپ کی امت کے ذریعہ جاری رکھا۔

## اللہ کہاں ہوتے ہیں؟

حدیث میں آتا ہے، مسلم شریف (۴۶۶۷) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالی انسان کو کھڑا کر کے سوال کریں گے۔

دیکھو، انسانوں کے ساتھ اللہ تعالی کو کیسا تعلق ہے، کیسی محبت ہے؟

پوچھیں گے کہ اے ابن آدم، اے انسان ! میں بیمار ہوا، مگر تو نے میری خبر گیری نہیں کی اور میری عیادت اور تیمارداری نہیں کی، اس کے جواب میں انسان عرض کرے گا، اے باری تعالی ! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بیمار ہو سکتے ہیں اور میں کیسے آپ کی تیمارداری کر سکتا ہوں؟ باری تعالی جواب میں فرمائیں گے: تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی، تجھے معلوم نہیں اگر تم اس کی خبر لیتے اور اس کی عیادت کرتے، تیمارداری کرتے

تو مجھ کو وہاں پر پاتے۔

آپ اندازہ لگائیں، بندے پر آنے والی بیماری کو اللہ تعالیٰ منسوب کر رہے ہیں، کس کی طرف، اپنی طرف۔

اللہ کی شان تو بہت اونچی ہے، اللہ تعالیٰ تو ان ساری چیزوں سے پاک اور منزہ ہے، لیکن بندوں سے اپنا تعلق ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس انداز میں سوال کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس کو بیان کر کے بتلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ کیسا تعلق ہے؟

آگے اسی روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ انسان سے پوچھیں گے، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، اس کے جواب میں وہ عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا میں آپ کو کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں؟ باری تعالیٰ فرمائیں گے: تجھے معلوم نہیں، میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا؛ لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں دیا، تجھے معلوم نہیں اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کا اجر اور ثواب یہاں پاتا۔

دیکھو! بندے کی بھوک کو اور بندے کی کھانے کی حاجت کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی طرف جوڑ رہے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہے، اللہ تو ان ساری چیزوں سے پاک ہے۔

اسی حدیث میں آگے ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا، انسان وہی جواب عرض کرے گا، باری تعالیٰ آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا میں آپ کو کیسے پانی پلا سکتا ہوں؟ آپ تو کہاں

پیاسے ہو سکتے ہیں، تو باری تعالی فرمائیں گے، میرے فلانے بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، تم نے اسکو پانی نہیں دیا اگر دیتے تو اس کا اجر اور ثواب یہاں پاتے۔

## لوگوں کو اللہ سے جوڑنا بڑا نیکی کا کام ہے۔

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے، کہ جب کسی بیمار کی خبر لینے پر اور کسی بھوکے کو کھانا کھلانے پر اور کسی پیاسے کو پانی پلانے پر اللہ تعالی اتنا راضی ہوتے ہیں اور اس کو ایسے ہی چھوڑ دینے سے اللہ تعالی قیامت کے روز اس انداز میں اپنی ناراضگی کا اظہار فرمائیں گے تو اللہ کے جو بندے اللہ سے بچھڑے ہوئے ہیں، اللہ کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں اور اپنی جہالت کے سبب جانتے بھی نہیں کہ اللہ کا ہم پر کیا حق ہے تو جو حضرات اللہ کے ان بندوں کے پاس جا جا کر کے ان کو اللہ کے حق سے آگاہ کریں، ان کا تعلق اللہ تعالی کے ساتھ جوڑیں، ان کو دعوت دے کر اللہ کے گھر میں لا کر اللہ کے سامنے کھڑا کریں اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑیں تو اس پر اللہ تعالی کتنا راضی ہوں گے؟

## دعوت وتبلیغ کا سلسلہ۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں یہی تو ہوتا ہے۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر سوچیں تو پھر اس کام کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کسی انسان کی جتنی بھی حاجتیں ہوں، مادی ہوں یا جسمانی ہوں اس میں روحانی حاجت سب سے مقدم ہے۔ اس لیے انسان کو اللہ کے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرنا، اس کے لیے

آمادہ کرنا، اس کے دل میں اس کے واسطے رغبت پیدا کر کے تیار کرنا، اللہ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑنا، یہ سب وہ کام ہیں جس سے اللہ تعالی ایسے راضی ہوں گے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

## جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک پر مغفرت۔

مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے میں تو اللہ کا معاملہ اس قدر مہربانی کا ہے کہ جانوروں کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالی کی طرف سے مغفرت کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی سفر میں کہیں جا رہا تھا، دورانِ سفر وہ جنگل سے گذر رہا تھا اور اس کو پیاس لگی۔ اس نے دیکھا کہ وہاں ایک کنواں ہے۔ اس زمانہ میں کنویں کچے ہوا کرتے تھے، اور کنوں میں اندر اترنے کے لیے خانے بنے ہوئے ہوتے تھے، جن میں ہاتھ پاؤں ڈال کر نیچے اترنا ہوتا تھا۔ وہاں ڈول نہیں تھی، اس لیے وہ آدمی اپنی پیاس بجھانے کے لیے خانوں میں ہاتھ پاؤں ڈال کر نیچے اترا اور اپنی پیاس بجھائی۔ اوپر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے کنویں کے پاس پڑی ہوئی گیلی مٹی چاٹ رہا ہے اور بے چین ہے۔ اس نے کتے کی یہ کیفیت دیکھ کر محسوس کیا کہ پیاس کی جو شدت اور تکلیف میں نے محسوس کی تھی یہ جانور بھی اسی سے دوچار ہے۔ یہ سوچ کر اس کو کتے پر رحم آیا، مگر اس کے پاس ڈول رسی تو تھی نہیں اور کوئی برتن بھی نہیں تھا۔ آخر اس نے یہ تدبیر کی کہ چمڑے کے جو موزے پہن رکھے تھے وہ اتارے اور اندر دوبارہ اسی

طرح اترا، موزوں کو پانی سے بھر کر اپنے دانتوں سے پکڑا، چوں کہ ہاتھوں کو تو خانوں میں ڈال کر اوپر چڑھنا تھا اس لیے ہاتھوں سے موزہ نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس طرح پانی بھرے ہوئے موزے اوپر لا کر اس پیاسے کتے کو پانی پلایا اور اس کی پیاس بجھائی۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **شکر اللہ سعیہ** اللہ نے اس کی یہ سعی اور کوشش قبول کر لی اور اس کے لیے جنت کا فیصلہ فرمایا۔

## ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کرنے پر اجر ہے۔

یہ واقعہ سن کر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک کتے جیسا جانور، جس کو لوگ دھتکارتے ہیں، قریب آجائے تو ہم اور آپ بھی اس کو بھگا دیتے ہیں، ایسے جانور کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا اور مغفرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے حضرات صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

یا رسول اللہ! **ألنا فی البهائم أجر؟** اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے جانوروں میں بھی اجر و ثواب ہے؟ یعنی جانوروں کیساتھ اچھا سلوک کریں گے تو اس پر ثواب ملے گا؟ جیسے کہ کتے کو پانی پلایا تو وہ شخص جنت میں چلا گیا؟

نبی کریم ﷺ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، **فی کل ذات کبد رطبة أجر۔** ہر تر جگر والے یعنی ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں گے۔

# مکھی کی پیاس بجھانا مغفرت کا سبب بن گیا

اللہ تعالیٰ کی کسی بھی مخلوق کو آدمی فائدہ پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوتے ہیں۔

کتابوں میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک بہت بڑے عالم تھے اور مختلف طریقوں سے وہ دین کی خدمت انجام دیتے تھے، پڑھنے پڑھانے کا بھی سلسلہ تھا، وعظ و تذکیر کا بھی تھا، دعوت و تبلیغ کا بھی تھا، تصنیف و تالیف کا بھی تھا، مختلف طریقوں سے وہ دین کی خدمت انجام دیتے تھے اور بڑا اونچا مقام تھا۔ ان کا انتقال ہوا تو انتقال کے بعد کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا۔ انہوں نے فرمایا کہ دوسرے سب اعمال تو ایک طرف رہ گئے، مگر ایک مکھی کی وجہ سے اللہ نے مغفرت فرمادی۔ پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ تو بتایا کہ میں ایک مرتبہ حدیث شریف لکھ رہا تھا، قلم کو روشنائی کے دوات سے نکال کر لکھنے کے لیے کاغذ پر رکھنا چاہتا تھا، اتنے میں ایک مکھی آئی، قلم کی نیب پر بیٹھ گئی اور روشنائی پینے لگی، اپنی پیاس بجھانے لگی۔ میں نے اپنے لکھنے کا عمل روک دیا، سوچا اس کو پی لینے دوں۔ جب وہ اپنی پیاس بجھا کر اڑ گئی تو اس کے بعد میں نے اپنے لکھنے کا عمل شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر میری مغفرت فرمادی۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی قدر ہے۔ اس لیے جو شخص کسی مومن کی دنیا کی کوئی معمولی تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کی بڑی تکلیف اس سے دور فرمائیں گے۔

اس میں ہر نوع کی تکلیف شامل ہے، مادی اور مالی بھی شامل ہے، روحانی بھی ہے، جسمانی بھی ہے۔

جو روایت میں نے پیش کی تھی، اس میں اسی طرح کی چیزوں کی نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہیں۔

## تنگ دست اور مصیبت زدہ کو راحت پہنچانا

چنانچہ آگے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **من یَسَّرَ علیٰ مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِیْ الدنیا و الاخرۃ۔**

جو شخص کسی تنگ دست آدمی پر آسانی کرے گا، اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائیں گے۔

ایک آدمی تنگ دست ہے اور تنگ دستی کی وجہ سے وہ آپ کا حق ادا نہیں کر سکتا، جیسے کہ کسی نے اپنی ضرورت کے واسطے آپ سے کوئی قرض لیا اور اپنے آئندہ کے حالات کے مطابق وعدہ بھی کیا۔ اسکا بیٹا کہیں کما رہا ہے، یا کسی نے اس کو وعدہ کیا ہے کہ آئندہ مہینے میں آپ کو اتنا پیسہ دوں گا، لیکن اِس وقت اُس کو ضرورت ہے، وہ آپ کے پاس آیا اور یہ کہہ کر کہ آئندہ مہینے کی دس تاریخ کو میرے پاس ۵۰۰ روپے آنے والے ہیں، مگر مجھے ابھی ضرورت ہے، مجھے دوسو روپے قرض دے دو، اور آپ نے دے دیے۔ اب آئندہ مہینے کی دس تاریخ آئی تو اس کو جس نے وعدہ کیا تھا اس نے نہیں دیے، پیسے نہیں آئے۔ اس کی طرف سے آپ کا قرضہ ادا کرنے کا وعدہ اسی پر تھا، اب وہ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو نبی کریم ﷺ

فرماتے ہیں: آپ پٹھانی اوگھرانی (وصولی) مت کرو، بلکہ ذرا مہلت دو۔

## مطل الغنی ظلم۔

ایک وہ آدمی ہوتا ہے جو ادا کرسکتا ہے، اس کے پاس مال ہے، اس کے باجود ادا نہیں کرتا، اس کے سلسلے میں حدیث میں آتا ہے: **مطل الغنی ظلم**، کہ جو آدمی ادا کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود دیر کرتا ہے تاخیر کرتا ہے، وعدے کے مطابق ادا نہیں کرتا تو یہ اس کی طرف سے زیادتی ہے، اس کے ساتھ آپ سختی کا معاملہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں؛ لیکن جو آدمی اسباب نہ ہونے کی وجہ سے ادا نہیں کرپاتا تو ایسے شخص کو مہلت دینی چاہیے، قرآن میں اللہ تعالی نے سورہ بقرہ میں اسی کا حکم دیا ہے، وہاں یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر آپ معاف کردیں تو بہت اچھا۔

## مسلمان کی عیب جوئی اور عیب پوشی

تیسری بات نبی کریم ﷺ نے فرمائی: **من ستر مسلما ستره الله فی الدنیا و الآخرة**۔ جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا، اس کے عیب چھپائے گا تو اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس کا عیب چھپائیں گے۔

یہ بھی بہت اہم چیز ہے، خاص کر اس زمانے میں ہمارا دیندار طبقہ بھی اس مصیبت میں گرفتار ہے، ہم اور آپ اپنے آس پاس اور اپنے ملنے والے بہت سے لوگوں کے متعلق اپنے دلوں میں ناروا جذبات لیے پھرتے ہیں اور ذرا موقع ملا تو کوئی کسی کو چھوڑنے کا نام نہیں لیتا۔ بعض تو باقاعدہ دوسروں کے عیوب معلوم

کرنے کے درپے ہوتے ہیں، حالاں کہ اس پر حدیثِ پاک میں بڑی وعید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو لوگوں کے عیب تلاش کرتا ہے، اگر وہ گھر کے اندر بھی کوئی جرم کرے گا تو اللہ تعالی اس کو ظاہر کرے گا اور رسوا کرے گا۔ اس کے لیے تو بڑی سخت وعید ہے ہی۔

لیکن اگر ہم نے کسی کے عیب کو تلاش نہیں کیا، ہمارے اختیار کے بغیر اور ہماری طرف سے کوئی کوشش نہ ہونے کے باوجود ہمارے سامنے اس کی کوئی بات آگئی تو شریعت یہ کہتی ہے آپ اس کی پردہ پوشی کریں۔

حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا: بتاؤ تمہارا بھائی سویا ہوا ہے، اور ہوا کے ذریعہ اس کا کپڑا اڑ جائے اور اس کے ستر کا کچھ حصہ کھل جائے تو تم کیا کروگے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس کو ڈھانپ لیں گے۔ حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ نہیں تم تو اس کو اور زیادہ کھول دوگے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! بھلا ایسا کون کرے گا؟ کہا تم ہی تو کرتے ہو؟ تمہارے بھائی کی کوئی بات تمہارے سامنے آتی ہے تو تم ساری دنیا میں اس کو پھیلاتے ہو۔ یہ اس کو برہنہ کرنا اور ننگا کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

## مسلمان کی مدد۔

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیہ۔**

اللہ تعالی اپنے بندے کی مدد میں ہوا کرتے ہیں، جب تک بندہ اپنے بھائی

کی مدد میں ہوتا ہے۔ گویا آپ اپنی مشکلات کو حل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کی مشکلات کو حل کرنے میں لگ جائیں۔

ہمارے اپنے ذاتی بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے قابو سے باہر ہوتے ہیں، ہم اپنے آپ ان مسائل کو حل نہیں کر پاتے، اس کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ اس کی بڑی آسان تدبیر ہے۔ تمہارے بھائیوں کے بھی اسی طرح کے بہت سارے مسائل ہیں، تم خود تو اپنا مسئلہ حل نہیں کر سکتے ہیں، البتہ تمہارے بھائیوں کے اس طرح کے الجھے ہوئے مسائل میں سے بہت سے مسائل کو حل کرنے کی تمہارے اندر طاقت ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تم اس کا کام کر دو، تو اللہ تعالیٰ تمہارا کام کر دے گا۔ کتنا آسان طریقہ ہے۔

## مسلمان کی دینی خیر خواہی۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی جو تاکید فرمائی ہے اسی کا اولین اور عظیم شعبہ یہ ہے کہ ہم دین کی نسبت سے اپنے بھائیوں کی زیادہ سے زیادہ خیر خواہی کریں۔ اپنی اصلاح، اپنی فکر اور اپنے آپ کو دین سکھانے کے ساتھ اپنے جو بھائی دین سے بے خبر ہیں اور دینی احکام سے ناواقف ہیں، اللہ تعالیٰ سے کٹے ہوئے اور اللہ سے دور ہیں، اپنے ماحول میں جن کو علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، کسی نے ان کو آگاہ نہیں کیا، اللہ کے ایسے بندوں کو اللہ کی طرف دعوت دی جائے، تو یہ بھی ان کے ساتھ بہت بڑی شفقت اور مہربانی ہے۔

اللہ سے کٹے ہوئے بندوں کو اللہ تعالی کے ساتھ جوڑا جائے، ان میں دین کی طلب نہیں ہے تو بھی ان کے پاس جا جا کر ان کو سمجھا کر ان کو آمادہ کر کے، ان کو ترغیب دے کر ان میں بھی دین کی طلب پیدا کی جائے۔ اس کے نتیجہ میں وہ لوگ اللہ سے جڑ جائیں تو اس پر جو اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل ہوگی، اس کا آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

## بیش قیمت دولت سے بھی زیادہ قیمتی ثواب۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک قلعہ کئی روز سے فتح نہیں ہو رہا تھا، رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کل صبح میں ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ رات کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اسی کے متعلق چہ می گوئیاں کرتے رہے کہ دیکھیں صبح کس کے نام کا قرعہ نکلتا ہے؟ اور یہ سعادت کس کے مقدر میں آتی ہے؟ چنانچہ صبح کو دیکھا گیا کہ سب بڑے بڑے صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے آرہے ہیں اور چکر مار رہے ہیں کہ کہیں ہم نظر آجائیں اور ہمیں بلا لیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی کہتا ہے کہ میں نے کبھی زندگی میں امارت اور سرداری کی خواہش نہیں کی، سوائے اس دن کے۔ اس لیے کہ اس دن جس کے ہاتھ میں جھنڈا دیا جانے والا تھا، اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں؛ گویا اس سرداری اور جھنڈا ملنے پر یہ انعام ملنے والا تھا۔

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس سے کام لینا تھا وہی صحابی وہاں نہیں تھے، اس لیے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ان کی تو آنکھوں میں تکلیف ہے، اس لیے اپنی قیام گاہ پر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلاؤ انہیں، چنانچہ بلائے گئے۔

چوں کہ ان کی آنکھوں میں درد تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں ڈالا تو یہ درد ختم ہوگیا اور ایسا ختم ہوا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر زندگی بھر کبھی آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کے بعد پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جھنڈا دے کر فرمایا:

جاؤ اور قلعہ فتح کرو۔

حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! جا کر ان سے لڑوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ پہلے ان کو ایمان و اسلام کی دعوت دو۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ، **لَأَنْ یَهْدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً خَیْرٌ لَکَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ**، اے علی! آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اگر ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو اس کا ثواب تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اس زمانہ میں سرخ اونٹ بڑا قیمتی مال سمجھا جاتا تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری وجہ سے اگر کسی کو ہدایت مل جائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی اس نعمت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ضرورت ہے آج کی اس دنیا میں ان چیزوں پر محنت کی جائے اور ہم اپنی صلاحیتوں کو، اور اللہ تعالیٰ نے صحت، مال اور عمر اور فراغت کی جو نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے، اس نعمت کو ایسے کاموں میں استعمال کریں، یہی اس کا صحیح استعمال ہے۔

## پانچ کاموں کی پانچ مہلتیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **اغتنم خمسا قبل خمس**، پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

(۱) **شبابک قبل هرمک**، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔

جوانی رہنے والی نہیں ہے۔ اس لیے جوانوں کو کہا جاتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے، بڑی صلاحیتیں دی ہیں، ان کو کھیل کود میں ضائع نہ کر دو، ادھر ادھر نفس پرستی میں، خواہشات میں، غلط چیزوں میں برباد نہ کرو، بلکہ اللہ کے لیے استعمال کرو۔

**صحتک قبل سقمک**: اپنی تندرستی کو بیماری سے پہلے۔

**غنائک قبل فقرک**، مالداری کو فقیری سے پہلے۔

**فراغک قبل شغلک**، فرصت کو مشغولی سے پہلے۔

کبھی ایسی مشغولی کاروبار میں آجاتی ہے کہ آدمی چاہتا بھی ہے کہ کچھ وقت نکالے، مگر وقت نہیں نکال سکتا۔ آج کل (تعطیلات، Vacation) کے اوقات فراغت کے ہیں، ہمارے امیر صاحب آج کل خاص محنت کر رہے ہیں، اب آگے مئی جون کے مہینے آرہے ہیں، پھر بارش کا زمانہ آئے گا، یہ فرصت کا زمانہ ہے، اس لیے چار مہینے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ ان فرصت کے اوقات کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو۔

**حیاتک قبل موتک**، زندگی کو موت سے پہلے۔

ایک سبحان اللہ اگر اللہ تعالی ہماری زبان سے ادا کروادے، تو یہ ہمارے لیے سارے جہاں کی دولت سے بڑھ کر ہے، دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بہر حال! اس سلسلے میں جو توجہ دلائی جارہی ہے اس کو سن کر اس پر بھی لبیک کہیں، اس میں مسلمان بھائیوں کی دینی اور روحانی ضرورت کو پورا کرنے کا بھی ثواب ہے، ہدایت کا ذریعہ بننے کا بھی ثواب ہے اور اپنی جوانی، مال، اوقات، تندرستی اور زندگی کی نعمتوں کا شکریہ بھی ہے۔

# مصارف میں اخلاصِ نیت اور احتساب کمالِ ایمان کی علامت ہے۔

ہمارے یہاں عام طور پر اپنے رشتے داروں کے ساتھ جتنے بھی معاملے کیے جاتے ہیں وہ رسم ورواج میں کھوجاتے ہیں۔ حالاں کہ صلہ رحمی کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہے؛ لیکن ہم نے اپنے آپ کو رسم ورواج کا پابند بنا کر ان ساری بھلائیوں کو اسی خانے میں ڈال دیا۔ اللہ کے لیے کیے جانے والے اعمال رسم ورواج کے تابع کردیے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔ و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔ و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔ من يهديه الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له۔ و نشهد أن لا إله إلا الله و حده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله۔ أرسله إلى كافة الناس بشيرا و نذيرا و داعيا إلى الله بإذنه و سراجاً منيرا، صلى الله تعالى عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلم تسليماً كثيراً كثيراً۔ أما بعد۔

فقد قال رسول الله ﷺ من أعطى لله و منع لله و أحب الله و أبغض لله فقد استكمل إيمانه (معجم کبیر طبرانی: ۱۶۸۴۶، ابو داؤد: ۴۰۶۳)

محترم حضرات!

یہ حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

من أعطى لله: جس آدمی نے اللہ کے لیے دیا، یعنی کوئی چیز کسی کو دی، مال خرچ کیا، وہ سب اللہ کے لیے خرچ کیا۔ و منع لله: اور خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روکا، کسی کو نہیں دیا، وہ بھی اللہ کے خاطر نہیں دیا۔ و أحب لله: اور کسی کے ساتھ محبت رکھی، تعلق رکھا وہ اللہ کے واسطے رکھا۔ و أبغض لله: اور کسی کے ساتھ دشمناوٹ کی، قطع تعلق کیا، وہ بھی سب اللہ کے خاطر کیا۔ فقد استمکل إيمانه: اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔

## کمالِ ایمان کی چار علامات

حضور اکرم ﷺ نے کمال ایمان کی چار علامتیں اور نشانیاں اس حدیث میں ذکر فرمائی ہیں۔

ان میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی جو کچھ مال خرچ کرے وہ اللہ ہی کے لیے کرے۔ عام طور پر ہم جو خرچ کرتے ہیں ان میں ایک تو صدقے اور خیرات کے طور پر خرچ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ہر آدمی جانتا ہے کہ اگر نیت صحیح ہے، شہرت اور دکھلاوا مقصود نہیں اور ریا ونمود مطلوب نہیں ہے تو سب لوگ عام طور پر صدقہ اور خیرات میں اللہ ہی کے خاطر خرچ کرتے ہیں؛ لیکن آدمی کبھی اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے، اپنے کھانے کے لیے، اپنے پہننے اوڑھنے کے لیے اور اپنی ضرورتوں کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کے لیے اور بیوی کے لیے خرچ کرتا ہے، ان کے کھانے، پہننے، اوڑھنے اور ان کی ضروتوں کے لیے نیز اپنی اولاد کے کھانے، پینے، ان کے پہننے، اوڑھنے اور ضرورتوں کے لیے جو خرچ کرتا ہے اور دیتا ہے، اس میں اللہ کے واسطے دینا اور خرچ کرنا کیسے ہوگا؟ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

لیکن اگر کوئی آدمی نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور آپ کی ہدایتوں سے واقف ہے تو اس کے یہ سارے کام بھی اللہ کے لیے بن سکتے ہیں، اس لیے کہ اپنی ذات اور جسم پر جو خرچ کرے گا، جیسے اگر بھوکا ہے تو جسم کو بچانے کے لیے کھائے، جان کی حفاظت کے لیے کھائے پیئے، پہنے اور اوڑھے وغیرہ، یہ سب جسم کے لیے

ہی ہے، اور جسم اللہ کی ایک نعمت ہے جو ہمارے پاس امانت ہے۔

## انسان اپنے جسم کا مالک نہیں۔

ہم اپنے جسم کے مالک نہیں، یہ تو اللہ تعالی نے ایک مقررہ وقت کے لیے، جب سے ہم پیدا ہوتے ہیں وہاں سے لے کر وفات تک، جب تک ہمارا دنیا میں رہنا اللہ کو منظور ہے وہاں تک؛ ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ ہم اس کو اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں، جیسا اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا ہے اور اجازت دی ہے۔ اور جس طریقے سے منع فرمایا اس طرح ہم استعمال نہیں کر سکتے۔

اس جسم میں آنکھیں ہیں، ان آنکھوں سے ہم ان ہی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن کو دیکھنے کی اللہ تبارک تعالی نے اجازت دی یا حکم دیا اور جن چیزوں کے دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالی نے منع فرمایا ہو، مثلاً نامحرم عورتوں کو نہ دیکھو، بے ریش لڑکوں کو نہ دیکھو، تو اب ہمیں اس طرح دیکھنے کا حق نہیں۔ ہم مالک نہیں کہ جسم کو جس طرح چاہیں استعمال کریں، جس چیز کو چاہیں ان آنکھوں سے ہم دیکھیں۔ ہمیں اس سلسلے میں باقاعدہ پابند کر دیا گیا ہے۔ ان آنکھوں کے سلسلے میں ہمیں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے صریح احکامات دیے گئے ہیں، فلاں چیز دیکھ سکتے ہو، فلاں چیز نہیں دیکھ سکتے ہو، فلاں چیز کے دیکھنے پر ثواب ملے گا اور فلاں چیز کے دیکھنے پر آپ کو گناہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یہ آنکھیں امانت ہیں، یہ زبان امانت ہے، یہ کان امانت ہیں، ہاتھ امانت ہیں، انسان کے جسم میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جتنے بھی اعضاء

استعمال کے لیے دیے گئے ہیں، وہ سب ہی امانت ہیں، انسان ان کا مالک نہیں کہ اپنی مرضی اور اختیار کے مطابق جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ اسی لیے اگر کوئی آدمی مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھیں آئی بینک میں جمع کر دی جائیں، اور آپ اس کے متعلق مفتیوں سے مسئلہ پوچھیں گے تو آپ کو جواب ملے گا کہ ایسی وصیت کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایسی وصیت باطل ہے اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ یہ آنکھیں اللہ کی دی ہوئی امانت تھی، اس میں اس طرح کا تصرف کرنا انسان کے لیے درست نہیں۔

ہم یوں سمجھیں کہ جسم کے ہم مالک ہیں اور آدمی چاہے تو اپنی مرضی سے اپنی جان دے دے، کوئی آدمی چھری سے اپنا گلا کاٹ لے، یہ سب حرام ہے۔ آخر کیوں یہ حرام ہے؟ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی نے اپنی جان دی، چھری سے اپنا ہی گلا کاٹا ہے، پھر کیوں اس کو گنہ گار قرار دیا جاتا ہے، جواب یہ ہے کہ اس لیے کہ یہ جان اس کی نہیں تھی، اللہ کی امانت تھی، اور اس نے چھری سے اپنا گلا کاٹ کر اس امانت میں خیانت کی ہے، اس لیے یہ شخص بہت بڑا گنہ گار ہے۔ ایسی موت کو حرام موت سے مرنا کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں اور ہمیں اس میں اتنا ہی تصرف کرنے کا اور اتنا ہی استعمال کا اختیار ہے جتنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہو یا اجازت دی گئی ہو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جسم کے ہم مالک نہیں، یہ تو سرکاری مشین ہے، اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ڈالی گئی ہے۔ ایک آدمی کے پاس کھانا ہے، بھوک لگی

ہے؛ لیکن کھانا نہیں کھا رہا ہے، یہاں تک کہ بھوک سے مر گیا تو مسئلہ یہ ہے کہ یہ اس کی حرام موت ہے، اس کے لیے ضروری اور فرض تھا کہ کھانا کھا کر اپنی جان کی حفاظت کرتا؛ اگر وہ انسان خود اپنے جسم کا مالک ہوتا تو اس کی موت کو حرام موت نہ کہا جاتا۔

## جسم اللہ تعالیٰ کی مشین ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں ساری چیزوں کے ٹائم لکھے ہوتے تھے۔ دوائی لینے کا بھی ٹائم لکھا ہوتا تھا، گیارہ بج کر تیس منٹ کو فلاں دوائی، گیارہ بج کر چالیس منٹ پر فلاں کام، اور اس کے مطابق ہی سارا نظام چلتا تھا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس جسم کے مالک نہیں، یہ تو سرکاری مشین ہے، اس میں ذرا بھی گڑبڑ ہوگی تو وہاں پوچھ ہوگی کہ تم نے کیوں ہماری مشین خراب کردی، کیوں اس میں گڑبڑ کردی؟

جب جسم اللہ کی امانت ہوئی تو اب اس جسم پر جو کچھ ہم خرچ کریں گے اور اسی نیت سے خرچ کریں گے کہ اس کی ہم حفاظت کررہے ہیں تو گویا ہم اللہ کے حکم کو پورا کررہے ہیں اور یہ نیکی کا کام کررہے ہیں، اپنی خواہش نہیں پوری کررہے ہیں۔

## حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قصہ

### إن لنفسك عليك حقا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابی: حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

تھے، ان دونوں کے درمیان نبی کریم ﷺ نے عقد مواخات کرایا تھا اور دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی خیر خبر معلوم کرنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے، جب یہ پہنچے تو گھر پر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے، ان کی بیوی کو دیکھا کہ بہت بوسیدہ اور میلے کپڑوں میں ہے۔ ایک عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو اور وہ میلے کچیلے کپڑوں میں رہے، آخر کیا بات ہے؟ عورت کو تو حکم دیا گیا ہے کہ شوہر کی موجودگی میں اپنے آپ کو شوہر کے لیے مزین رکھے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ کے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں، گویا میں بھی دنیا ہی کا ایک حصہ ہوں اس لیے میرے ساتھ ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔

جب حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر پر آئے، دیکھا کہ بھائی آئے ہیں اور حضور کے بنائے ہوئے بھائی ہیں تو ان کے لیے باقاعدہ کھانا پکوایا اور کھانا ان کے سامنے رکھ کر کہا تم کھاؤ، میرا تو روزہ ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا تم بھی بیٹھو میرے ساتھ، روزہ کھول دو۔

ایک مسئلہ یہاں علماء نے بتلایا ہے کہ اگر کسی آدمی نے نفل روزہ رکھا، اور وہ خود کسی کے یہاں مہمان ہے اور میزبان یوں کہتا ہے کہ آپ کو کھانا ہی پڑے گا تو اس صورت میں مہمان کو بھی چاہیے کہ میزبان کی خوشنودی کے لیے روزہ توڑ

دے۔ اگر وہ کہے کہ میرا روزہ ہے، میں دعا کر لیتا ہوں اور میزبان راضی ہو جاتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ روزہ رہنے دے؛ لیکن اگر وہ کہے کہ آپ کو کھانا ہے، آپ کے لیے تو اتنا سارا اہتمام کیا، آپ نہیں کھائیں گے تو کیسے چلے گا؟ تو پھر اس کو کھانا چاہیے، روزہ توڑ دینا چاہیے، بعد میں قضا کر لے۔ اسی طریقے سے میزبان روزے سے ہے اور مہمان اصرار کرتا ہے کہ میں نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ نہیں کھائیں گے، اور نفل روزہ ہے تو میزبان کو بھی توڑ دینا چاہیے۔

بہر حال حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو بیٹھا دیا اور روزہ تڑوا دیا۔ کھانا کھا چکے اس کے بعد جب رات ہوئی تو حضرت ابو درداءؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے لیے بستر بچھایا کہ آپ آرام کیجیے، میں تو اپنی نماز میں لگتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، تم بھی سو جاؤ، اور یہ کہہ کر ان کو سلا دیا۔ تھوڑا وقت گذرنے کے بعد انہوں نے اٹھنا چاہا تو پھر سلا دیا، رات کا ایک تہائی حصہ جب باقی رہ گیا تو حضرت سلمان فارسیؓ خود بھی اٹھے اور حضرت ابو درداءؓ سے کہا کہ آپ بھی اٹھیے اور اب نماز میں لگیے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو ایک نصیحت کی کہ **إن لربک علیک حقا وإن لنفسک علیک حقا وإن لأهلک علیک حقا فأعط کل ذی حق حقه۔ (بخاری، کتاب الصوم، باب من أقسم علی أخیه لیفطر)**

یعنی تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو۔

یہ قصہ تو ابھی ان دونوں حضرات کے درمیان پیش آیا تھا؛ اور ابھی اس پر نبی

کریم ﷺ کی طرف سے مہر تصدیق نہیں لگی تھی اور جب تک کہ حضور ﷺ کی طرف سے اس کی تصدیق نہ کر دی جائے، یہ چیز شریعت نہیں بن سکتی تھی۔ حضور ﷺ ابھی دنیا میں موجود تھے، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، **صدق سلمان**، سلمان نے صحیح کہا۔

## تصحیح نیت سے دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔

دیکھئے! اس سے معلوم ہوا کہ یہ آرام کرنا، اپنے جسم کو راحت پہنچانا اور کھانا کھلانا وغیرہ امور یہ سوچ کر ہوں کہ اللہ نے یہ حق رکھا ہے اور ہمیں یہ حق ادا کرنا ہے، تو یہ کھانا بھی عبادت اور ثواب ہے، اس نیت سے سوئیں گے اور آرام کریں گے تو یہ سونا بھی عبادت اور ثواب ہے۔ بیوی کا حق ہے اس نیت سے بیوی کے ساتھ صحبت کریں گے تو صحبت کرنے میں بھی ثواب ہے، اس کے ساتھ بات چیت کریں گے یہ سمجھ کر کہ اس کا حق ہے تو یہ بات چیت کرنا بھی ثواب ہے۔ فقط نماز کے لیے نیت باندھ کر کھڑا ہونا ہی عبادت نہیں، یہ سب دوسرے کام بھی عبادت ہیں۔

## حضرت عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قصہ

ایک دوسرا قصہ اسی نوع کا حضور ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے بیٹے تھے حضرت

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ۔ان دونوں باپ بیٹے کی عمر میں بارہ سال کا فرق تھا، یعنی بیٹے اپنے باپ سے فقط بارہ سال چھوٹے تھے۔

انہوں نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا نکاح کرایا، نکاح کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنی بہو سے یعنی بیٹے کی بیوی سے بیٹے کے متعلق پوچھا کہ ان کا معاملہ کیسا ہے؟

معلوم ہوا کہ باپ کو نکاح کرا کے بیٹھ جانا نہیں چاہیے، ذرا دیکھ بھال کرنی چاہیے کہ بیٹا بیوی کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں۔

بیوی نے کہا کہ عبداللہ بڑے اچھے آدمی ہیں، رات بھر قیام کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ان کو دنیا سے کچھ رغبت نہیں۔حضرت عمرو بن عاصؓ سمجھ گئے کہ کیا کہنا چاہتی ہے، مگر وہ کچھ دن ٹھہر گئے کہ شاید ان کو ذرا خیال آجائے۔کچھ دنوں کے بعد دوبارہ تحقیق کی تو بہو کی طرف سے یہی جواب ملا۔انہوں نے سوچا کہ معاملہ اس طرح نہیں سدھرے گا، فہمائش کی ضرورت ہے۔

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں باپ خود اس سلسلے میں بیٹے سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھتا، دوسرے بڑوں کو بیچ میں ڈالا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر کے شکایت کی کہ میں نے تو ایک شریف گھرانے کی عورت کے ساتھ عبداللہ کا نکاح کرادیا؛ لیکن ان پر تو عبادت کا ایسا جذبہ سوار ہے کہ بس دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر عبادت کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت، نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ ایک موقع دیکھ کر ان کے یہاں تشریف لے گئے، اور پھر ان سے پوچھا **ألم أخبر أنک تقوم النهار و تصوم الليل**، بھائی! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر عبادت کرتے ہو۔

اس روایت کے راوی خود حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ **قلت بلی، یا رسول اللہ**، جی ہاں۔ اے اللہ کے رسول، آپ کو جو اطلاع ملی ہے وہ صحیح ملی ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا:

**لا تفعل، صم و أفطر، وقم و نم، فإن لجسدک علیک حقا و إن لعینیک علیک حقا و إن لزوجک علیک حقا و إن لزورک علیک حقا (بخاری شریف، کتاب الادب، باب حق الضیف)**

ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، کچھ دن روزے تو کچھ دن افطار کرو، رات کا کچھ حصہ آرام کرو اور کچھ حصے میں عبادت میں لگو۔

## ہمارا حال صحابہ سے برعکس ہے۔

ہمارا معاملہ برعکس ہے، ہم رات بھر سوئے رہتے ہیں، چنانچہ ہمارے لیے بھی اس میں بایں معنی ہدایت ہے کہ اس میں قم بھی ہے اور صم بھی ہے، وہاں وہ معاملہ تھا اور یہاں ہمارا حال یہ ہے۔

ہمارا حال تو ایسا ہے کہ کوئی ہمیں ہدایت کرے کہ کبھی کچھ تہجد وغیرہ بھی پڑھ لیا کرو، کچھ عبادت کا خیال رکھو، تو کہتے ہیں کہ **إن لجسدک علیک حقا** جسم کا بھی کچھ حق ہے بھائی! یعنی ابھی جسم کا حق ادا نہیں کر پائے ہیں، اور زیادہ سوئیں

گے تب جسم کا حق ادا ہوگا۔ ہم اپنی زبان حال سے یوں کہنا چاہتے ہیں۔

بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، تمہاری زیارت اور ملاقات کے لیے آنے والے آدمی کا بھی تم پر حق ہے، اور ہر ایک کا حق ادا کرنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جسم پر جو کچھ خرچ کر رہا ہے اس میں وہ اللہ کا حکم ہی پورا کر رہا ہے۔

## اصل چیز اخلاص نیت ہے۔

لیکن ایک بات یاد رکھو! اس کا تعلق آدمی کی نیت اور ارادے سے ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے خالص عبادت کے کاموں کو بھی عبادت کے خانے سے نکال کر اپنی ضرورتوں میں ڈال دیا ہے۔

نماز جیسی نماز عبادت کا بھی ثواب اس وقت ملے گا جب اللہ کے لیے ادا کی جائے، نماز میں اگر دوسری نیت آ گئی، مثلاً ایک آدمی نماز اس لیے پڑھتا ہے کہ نماز میں بڑی اچھی ورزش ہے، اسے کسی نے بتلایا کہ نماز میں ایسی ورزش ہو جاتی ہے کہ سارے اعضاء تندرست رہتے ہیں اور اس نے نماز شروع کر دی، تو گرچہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا لیکن اس نماز پر ثواب ملنے کا سوال ہی نہیں، ثواب نہیں ملے گا۔

خالص عبادتوں کا حکم یہ ہے کہ ثواب اسی وقت ملے گا جب آدمی ان کاموں کو اللہ کے خاطر انجام دے، اس میں کوئی دوسری نیت شامل ہو گئی، دکھلاوا شامل ہو

گیا، شہرت شامل ہوگئی، تو او نچے سے اونچا عمل بھی اللہ کے یہاں قبول نہیں؛ بلکہ اس پر بجائے ثواب کے عذاب ہوگا، جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مشہور روایت ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے حساب کے لیے تین آدمیوں کو بلایا جائے گا، ایک قاری قرآن، ایک مالدار جو خرچ کرتا رہتا تھا اور تیسرا شہید؛ ان تینوں کے اندر کیا کمی تھی، بہت کچھ کیا، لیکن نیت درست نہیں تھی، اس لیے عبادت عبادت نہ رہی؛ بلکہ عذاب بن گئی۔

بہر حال یہاں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نسخہ بتلایا ہے کہ ہماری طبعی ضرورتیں بھی عبادت بن جائیں۔ انسان کے اپنے طبعی تقاضوں کی وجہ سے، کھانا پینا، سونا، بیوی کے حقوق ادا کرنا، بیوی کے ساتھ صحبت کرنا، اولاد کے ساتھ محبت کرنا، وغیرہ سارے امور کے متعلق حضور نے ایسا طریقہ کو بتلایا ہے کہ وہ ہمارے لیے عبادت بن جائے۔

## حضرت سعدؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حجۃ الوداع کے موقع پر بیمار ہوئے، اس وقت ان کی ایک صاحب زادی ہی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں، میں تو بالکل موت کے کنارے کھڑا ہوں، میرے پاس جو مال ہے، اس کے وارثوں میں ایک بیٹی ہی ہے، یعنی سیدھی اولاد کے اعتبار سے، ویسے دوسرے عصبات اور خاندان کے اور لوگ تھے، لیکن اپنے یہاں بولتے ہیں اس کے مطابق سیدھی لائن

کے وارثین میں وہ ایک بیٹی ہی تھی۔ انہوں نے اس وقت عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے پورے مال کی وصیت کروں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا دو تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا: آدھا مال؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، آخر میں انہوں نے کہا کہ ایک تہائی کی وصیت کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایک تہائی کی کر سکتے ہو لیکن وہ بھی بہت زیادہ ہے۔ الثلث کثیر۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ **إنک إن تذر ورثتک أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس**۔ تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ فقیر ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔

پھر آگے ایک بات فرمائی:

**وإنک لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت حتى ما تجعل في في امرأتک**۔ (مؤطا مالک، کتاب الوصیة ۱۴۹۵/بخاری کتاب النفقات: ۵۰۳۹)

تم جو کچھ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو گے اس پر تم کو ثواب ملے گا، یہاں تک کہ جو لقمہ بیوی کے منہ میں ڈالو گے اور اس میں بھی تمہاری نیت اللہ کا حکم پورا کرنے کی ہے تو اس میں بھی تم کو ثواب ملے گا۔

## نیت میں تبدیلی کیسے آئے گی؟

مگر اس کے لیے اپنے ارادے میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، ارادے کی تبدیلی ایک دن میں حاصل نہیں ہوتی۔ اہل اللہ کے یہاں رہ کر یہی چیز سیکھی جاتی ہے، ہم اپنے افعال کو کیسے اللہ کے لیے بنائیں، ان کی صحبت میں اسی چیز کو

سیکھا جاتا ہے، ظاہری اعتبار سے جو اہل اللہ ہیں وہ بھی وہی کام کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں، ہم بھی کھاتے پیتے ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، ہم بھی اپنے گھر والوں کا حق ادا کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے گھر والوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ آرام کرتے ہیں، ہم بھی کرتے ہیں۔ وہ بھی بچوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں، ہم بھی کرتے ہیں؛ لیکن وہ حضرات جو کام بھی کرتے ہیں وہ سب ان کی نیت کی وجہ سے عبادت بن جاتے ہیں، اور ہمارے اندر یہ کیفیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی، اس لیے احتساب بہت ضروری ہے۔

## ابو مسعود انصاریؓ اور مقدام بن معدی کرب کی روایت

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کی روایت ہے کہ **إذا أنفق الرجل على أهله نفقة وهو يحتسبها فهي له صدقة،** (بخاری، کتاب الایمان: ۵۴) جو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے، اور خرچ کرنے میں اس کی نیت اللہ کا حکم پورا کرنے کی اور اللہ کو راضی کرنے کی ہو تو وہ بھی صدقہ ہے۔

حضرت مقدام بن معدی کرُبؓ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

**ما أطعمت نفسک فهو لک صدقة وما أطعمت ولدک فهو لک صدقة وما أطعمت زوجتک فهو لک صدقة وما أطعمت خادمک فهو لک صدقة۔** (الأدب المفرد: ۸۱/باب مسند احمد بن حنبل، مسند الشامیین: ۱۶۸۴۸)

تم جو اپنے کو کھلاتے ہو وہ بھی صدقہ، جو اپنی اولاد کو کھلاؤ وہ بھی صدقہ، جو اپنی

بیوی کوکھلاؤ گے وہ بھی تمہارے لیے صدقہ اور جواپنے خادم کودو گے وہ بھی صدقہ۔

## زیادہ اجروثواب والاخرچ

بلکہ یوں سمجھئے کہ گھر والوں پر جوخرچ کیا جاتا ہے وہ فرض اور واجب کا درجہ رکھتا ہے، مسلم شریف میں روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے اشادفرمایا؛

**دینار أنفقته فی سبیل اللّٰہ و دینار أنفقته فی رقبة و دینار تصدقت به علی مسکین و دینار أنفقته علی أهلک أعظمها أجراً الذی أنفقته علی أهلک ۔(مسلم شریف کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقة علی العیال:۱۶۶۷)**

ایک دینار وہ ہے جوتم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو،ایک دینار وہ ہے جو تم مسکین پر صدقہ کرو،ایک دینار وہ ہے جوکسی غلام کوآزاد کرنے میں خرچ کرواور ایک دینار وہ ہے جواپنے گھر والوں پر خرچ کرو،ان میں سب سے افضل وہ دینار ہے جوتم نے اپنے گھر والوں پرخرچ کیا،یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کیے گئے مال کے مقابلہ میں یہ افضل ہےاوراس کا ثواب زیادہ ہے۔وجہ صاف ہے کہ گھر والوں کا نفقہ آدمی پراللہ تبارک تعالی کی طرف سے ضروری قرار دیا گیاہے، یہ تو واجب کا درجہ رکھتاہے اور مسکین اور فقیر کو دینا نفل کا درجہ رکھتا ہے اور ہر آدمی جانتا ہے کہ واجب اورفرض کا مقام نفل سے بڑھ کر ہے۔

بہرحال میں عرض کررہا تھا کہ جودے وہ اللہ کے واسطے دے، جو کچھ خرچ کرے وہ اللہ کے واسطے خرچ کرے،تواس کا خرچ کرنا بھی دین ہی ہے، دنیا نہیں۔اوردین ودنیا میں فرق صرف زاویۂ نگاہ کا ہے،آدمی اپنی سوچ اورزاویۂ نگاہ

بدل دے، تو جس کو ہم دنیا سمجھ رہے ہیں وہی دین بن جائے گا۔

## نقطۂ نظر کو بدلنے کی ضرورت۔

لینے دینے میں، اور محبت اور عداوت کے بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں کہ ان میں آدمی یہ سوچتا ہی نہیں کہ یہ اللہ کے حکم کی فرماں برداری ہے، اور پھر اس میں نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ جب ان چیزوں کو نفس کی آمیزش سے بچائے گا تو دوسرے کاموں میں نفس کی آمیزش سے بچانا اس کے لیے بہت آسان ہے۔

بہر حال یہ سب دین بن سکتا ہے، صرف نقطۂ نظر کو ٹھیک کرنے اور بدلنے کی ضرورت ہے۔

ہم جو کریں وہ اللہ کے لیے کریں، اپنے نفس کے لیے نہ کریں۔ یہ ہے فرق دین اور دنیا میں۔ نظریہ بدل جانے سے دنیا بھی دین بن جاتی ہے اور اس کے بدل جانے سے دین بھی دنیا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ کیفیت عطا فرمائے کہ ہم سب کچھ اللہ ہی کے لیے کرنے والے بن جائیں۔

## یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ تھے، فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! دین اور دنیا میں یہی ایک فرق ہے، زاویۂ نگاہ بدل دینے کا، اگر آپ اپنی بیوی پر خرچ کر رہے ہیں، اپنی لذت حاصل کرنے کے لیے، اپنے نفس کو راحت پہنچانے کے لیے تو یہ دنیا کہلاتا ہے، ہر

آدمی اسی طرح خرچ کرتا ہے۔ اور اگر اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے خرچ کرو گے تو یہ دین بن جائے گا، ظاہری اعتبار سے دونوں عمل ایک ہے، جو اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے خرچ کرتا ہے وہ بھی بیوی کو کھلا پلا رہا ہے، اور جو لذت اندوزی کے لیے، نفس پرستی کے لیے خرچ کر رہا ہے وہ بھی کھلا پلا رہا ہے؛ لیکن نیت میں فرق ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم بدل گیا۔

ہم اور آپ بھی سوتے ہیں اور ہمارا مقصد ہوتا ہے کہ سو کر ہم اپنے نفس کی خواہش پوری کریں؛ لیکن اگر یہ سونا اس نیت سے ہو کہ اللہ تعالی نے یہ جسم عطا فرمایا ہے ہم ذرا اس کو آرام دے دیں تا کہ وہ اللہ تعالی کے احکام کو پھر دوبارہ چاق و چوبند ہو کر پورے نشاط اور فریش ہو کر ادا کر سکے، تو ظاہر ہے کہ یہی سونا عبادت بن جائے گا۔

## نینداور نماز دونوں برابر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔ ایک حصے کا حاکم ایک کو بنایا دوسرے حصے کا حاکم دوسرے کو بنایا۔ اور دونوں کو ہدایت کی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرتے رہیں، چنانچہ دونوں کا معمول تھا کہ دونوں میں سے ہر ایک جب اپنے علاقہ کے دورے پر نکلتا اور دوسرے کی جائے قیام قریب ہوتی تو وہ ان سے مل لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کے دورے پر نکلے تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے پہنچے، بہت ساری باتیں ہوئیں، اس میں ایک یہ بھی تھی کہ حضرت

معاذؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا کہ تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو، انہوں نے کہا کہ میرا روزانہ قرآن پڑھنے کا جو معمول ہے وہ میں رات اور دن میں چلتے پھرتے پورا کر لیتا ہوں۔ پھر حضرت ابوموسی اشعریؓ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ آپ کا معمول کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں رات کے شروع حصے میں آرام کرتا ہوں اور آخری حصے میں اٹھ کر تہجد میں قیام اللیل میں اپنی مقررہ مقدار پوری کرتا ہوں، اور ایک جملہ فرمایا، بخاری شریف کی روایت ہے، **وأنا أحتسب نومتي كما أحتسب قومتي**، میں اپنی نیند میں، سونے میں بھی اللہ سے اسی طرح ثواب کی امید رکھتا ہوں جس طرح نماز کے لیے کھڑے ہونے وقت ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی، ۴۰۸۶)

ہم اور آپ اور ہر آدمی سمجھتا ہے کہ جب ہم نماز کی نیت باندھتے ہیں تو ہمارے دل میں یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس عمل پر اللہ کی طرف سے ہمیں ثواب دیا جائے گا، لیکن جب کوئی آدمی سوتا ہے تو سوتے وقت بھی کبھی اسے خیال آتا ہے کہ اس سونے پر بھی اللہ تعالی کی طرف سے مجھے ثواب دیا جائے گا؟ یہی بات اگر پیدا ہو جائے اور اسی نیت سے سوئے گا تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔ یہی حضرت معاذؓ نے فرمایا ہے۔

لیکن ہر جگہ وہ ایک چیز ضروری ہے:

احتساب۔ اللہ کا حکم پورا کرنے والی کیفیت۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دینا ہے اس جگہ اللہ کے لیے دیا تو یہ

ایک علامت ہے اس بات کی کہ اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا، جب ان چار چیزوں میں یہ بات پیدا ہوجائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اپنے آپ کو نکھار چکا ہے، اس نے اپنا معاملہ سب ٹھیک کرلیا ہے اور ایسے آدمی کا جو بھی کوئی کام ہوگا وہ اللہ ہی کے لیے ہوگا۔

میں عرض کرر ہا تھا کہ دینا اللہ کے لیے ہو، اور روکنا بھی اللہ کے لیے ہو۔ کسی کو کچھ دینے سے رکتا ہے تو اللہ کے لیے رکتا ہے۔

## رسم ورواج میں نہ دینا، اللہ کے لیے ہے۔

بھائی! آپ کے خاندان میں شادی ہے، شادی کے موقع پر عام طور پر کچھ لیا دیا جاتا ہے، وہاں آپ کو بھی دعوت دی۔ آپ گئے، دیکھا کہ وہاں ٹیبل رکھا ہوا ہے، وہیوار (વહેવાર) اور چاندلا (ચાંદલા) دینے کے واسطے۔ یہ کوئی شرعی چیز ہے؟ ہرگز نہیں۔ فقط ایک رسم و رواج ہے۔ ایسا جو کچھ کیا جاتا ہے وہ رسم و رواج کے طور پر ہی ہوتا ہے، اللہ کا حکم بھی نہیں اور شریعت کی تعلیم بھی نہیں۔ یہاں جو کچھ دیا جائے گا وہ بجائے ثواب کے آدمی کے لیے اللہ تعالی کی گرفت اور پکڑ کا ذریعہ بنے گا۔

ایک آدمی کے پاس بہت رقم ہے؛ لیکن یہاں نہیں دیتا، ساری دنیا کہتی ہے کہ دو، مگر وہ کہتا ہے کہ میں نہیں دوں گا، الحمد اللہ ایسے لوگ ہیں۔ ایسے مواقع میں دینا شریعت کے حکم کے مطابق نہیں اور شریعت نے اس طرح رسم و رواج کے طور پر دینے سے منع کیا ہے اس لیے نہیں دیتے۔

## صلہ رحمی، رسم ورواج کے خانے میں۔

ہمارے یہاں عام طور پر اپنے رشتے داروں کے ساتھ جتنے بھی معاملے کیے جاتے ہیں وہ اسی رسم ورواج میں کھو جاتے ہیں۔ حالاں کہ صلہ رحمی کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہے؛ لیکن ہم نے اپنے آپ کو رسم ورواج کا پابند بنا کر ان ساری بھلائیوں کو اسی خانے میں ڈال دیا۔ اللہ کے لیے کیے جانے والے اعمال رسم و رواج کے تابع کر دیے۔

بھائی کے یہاں شادی یا اور کوئی موقع ہے۔ آدمی سوچتا ہے کہ اب تو دینا ہی پڑے گا۔ ویسے عام حالات میں آدمی دینے کا کبھی ارادہ کرتا ہے تو عورتیں کہتی ہیں کہ اس کے یہاں بیٹی کی شادی آنے والی ہے، اس موقع پر دینا۔ چوں کہ اس وقت نام ہوگا۔ کاپی میں لکھا جائے گا کہ اس نے اتنا دیا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ یہ رسم ورواج کی پابندی ہے، یہ اللہ کا حکم پورا نہیں کیا جا رہا ہے۔ ایسے وقت نہ دینا، یہ اللہ کے واسطے نہ دینا کہا جائے گا۔

## چراغ کے تیل میں اسراف

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے اپنی حاجت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی، تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پوری فرما دیں۔

حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ آپ کے پاس اگر دینے کے لیے ہوتا تو آپ خود عنایت فرمایا دیا کرتے تھے یا آئندہ کے لیے کوئی وعدہ فرما دیا کرتے، یا اپنے صحابہ میں سے کسی کے پاس بھیجتے تھے کہ جاؤ، فلانے کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہاری ضرورت پوری کریں گے۔

اس شخص نے آکر اپنی ضرورت پیش کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ، عثمان کے پاس چلے جاؤ۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے، ہمارے یہاں تو آپ رضی اللہ عنہ عثمان غنی ہی سے مشہور ہیں۔ رات کا وقت تھا، یہ آدمی حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا، ان کے دروازے کے قریب جب گیا تو اس کے کان میں کچھ آواز پڑی کہ اندر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ کو کچھ کہہ رہے ہیں اور ڈانٹ رہے ہیں۔ یہ کھڑا ہو گیا، معلوم ہوا کہ انہوں نے چراغ کی بتی جس کو ہم گجراتی میں دیویٹ (દીવેટ) کہتے ہیں وہ ذرا اونچی رکھی تھی، اونچی رکھنے سے چوں کہ تیل زیادہ جلے گا، اس لیے وہ اپنی اہلیہ کو تنبیہ فرما رہے تھے کہ چراغ کی بتی اونچی کیوں رکھی؟ یہ فضول خرچی ہے، اسراف ہے۔ اس سے تیل زیادہ جلے گا۔ اس آدمی کے کان میں جب یہ آواز پڑی تو اس نے سوچا کہ جو آدمی اپنی بیوی کو چراغ کی بتی ذرا تیز رکھنے پر ڈانٹ دے، اور بیوی بھی کون؟ نبی کریم ﷺ کی صاحب زادی! وہ بھلا میری حاجت کیا پوری کرے گا؟ اس نے اپنے طور پر یہ سوچا اور وہیں سے واپس لوٹ گیا۔ نہ اپنی بات پیش کی نہ کچھ عرض کیا۔

دوسرے دن جب وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو حضور اکرم ﷺ

نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تمہاری حاجت پوری ہوئی؟ حضور ﷺ نے پوچھا اس لیے انہوں نے بتلایا کہ میں نے جب ان کی یہ بات سنی تو ان کے سامنے بات رکھی ہی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی بات پیش کرو۔

جب دوبارہ تاکید فرمائی تو وہ شخص گیا اور بات رکھی تو جو ضرورت تھی اس سے زیادہ دیا، جو امید تھی اس سے بھی زیادہ ملا۔ پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں تو کل رات آیا تھا اور ایسا قصہ ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سمجھا ہی نہیں، جہاں ہم کو خرچ کرنے سے منع کیا گیا وہاں ایک پائی بھی خرچ نہیں کریں گے اور جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں سب کچھ لٹا دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم تو حضور اکرم ﷺ کی منشا اور آپ کی مرضی دیکھتے ہیں کہ آپ نے کہاں خرچ کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

آدمی اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے؛ لیکن ضرورت سے زیادہ ہے تو شریعت نے اسی کو اسراف اور فضول خرچی سے تعبیر کیا اور منع فرمایا، جائز نہیں۔ آج ہمارا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ جہاں خرچ کرنے سے منع کیا گیا وہاں خرچ کر رہے ہیں، جہاں حکم دیا گیا وہاں ہم خرچ کرنے کو تیار نہیں۔ یہی تو فرق ہے ہمارے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان۔

## قصۂ اُفک۔

بخاری شریف میں روایت ہے۔ (مغازی، باب حدیث الافک، ۳۹۱۰)

نبی کریم کے زمانہ میں ایک مرتبہ ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار

ٹوٹ گیا تھا اور وہ اس کی تلاش وجستجو میں رہیں اس لیے قافلہ سے بچھڑ گئیں۔ ایک صحابی جو سب سے پیچھے رہا کرتے تھے انہوں نے ان کو دیکھا اور اپنے اونٹ پر سوار کر کے قافلہ میں لائے۔ اس موقع پر بعض منافقین نے حضرت عائشہؓ کے متعلق تہمت گھڑ لی اور مدینہ منورہ میں ان کے خلاف باتیں چلا دیں۔ قصہ تو بڑا طویل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اس تہمت کی وجہ سے بڑی پریشانی رہی اور ایک مہینہ تک یہ سلسلہ رہا۔ لیکن بات تحقیقی نہیں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس انتظار میں تھے کہ وحی آئے اور کچھ پتہ چلے؛ مگر وحی میں بھی تاخیر ہوگئی۔

اس تہمت والے قصے میں زیادہ تر حصہ تو منافقین کا تھا؛ لیکن بعض مخلص مؤمنین بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ان منافقین کے داو میں آ کر اس چرچے میں شامل ہو گئے اور اس تہمت والے واقعہ میں حصہ لیا۔ انہی میں ایک صحابی تھے حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ یہ غریب تھے، مہاجرین میں سے تھے اور حضرت ابوبکرؓ ان کی رشتہ داری اور غربت کی وجہ سےؓ ان پر خرچ کرتے تھے اور ان کا نفقہ بھی دیتے تھے۔ گویا حضرت ابوبکرؓ نے ان کا وظیفہ باندھ رکھا تھا۔

ایک مہینہ کے بعد قرآن پاک میں حضرت عائشہؓ کی کی براءت میں آیتیں نازل ہوئیں اور سورہ نور میں اور اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتلا دیا کہ یہ سب باتیں تہمت ہیں، جھوٹی ہیں اور بہتان ہیں۔ اب جب کہ قرآن کی آیتوں سے یہ بات طے ہو چکی کہ یہ سارا واقعہ تہمت تھا تو جو لوگ اس میں ملوث تھے ان پر حد جاری کی گئی اور تہمت والی سزا دی گئی۔

اب تک چوں کہ واقعہ کی تحقیق نہیں ہوئی تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اور جو نفقہ اور خرچہ دیتے تھے وہ جاری تھا۔

ہم اور آپ ہوتے تو پہلے دن سے معاملہ ختم ہو جاتا۔ میرے پیسوں سے پل رہے ہیں میرا دانہ کھا رہے ہیں اور ہماری لڑکی کے بارے میں یہ باتیں؟ میری بلی مجھ سے میاؤں! لیکن نہیں، جب تک کہ واقعے کے متعلق حقائق سامنے نہیں آئے تھے، کوئی فیصلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہیں کیا۔

## نہ دینے کی قسم کے بعد دینے کی قسم۔

جب آیتیں نازل ہوئیں اور یہ طے ہو چکا کہ یہ واقعہ غلط ہے اور ملوث ہونے والوں کا ہی قصور تھا، تو چوں کہ عائشہؓ جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی تھیں وہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ بھی تھیں، یعنی حضرت ابوبکر کے ساتھ بیٹی ہونے کا تعلق تھا وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زوجیت کا تعلق تھا، اسی بنیاد پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کے ساتھ انہوں نے ایسا سلوک کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کا نفقہ بند کر دیا اور جو خرچ دیا کرتے تھے وہ روک دیا۔ یہ بند کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی نسبت پر ہی تھا؛ مگر چوں کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ مخلصین مؤمنین میں سے تھے اور منافقین کی چال میں پھنس کر غلطی سے گناہ کے مرتکب ہوئے تھے اس لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے قرآن پاک میں ان کے بارے میں سفارش کی گئی۔ اور سورہ نور میں ایک آیت یہ بھی نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى

وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نور : ۲۲)

اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام بھی معلوم ہوتا ہے، قرآن نے ان کو اولوالفضل کہا ہے، فضیلت والا۔ اللہ تعالی کی طرف سے ان کو یہ سرٹیفکٹ دیا گیا۔ اندازہ لگائیے کتنا اونچا مقام تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا۔

تم میں سے جو فضلیت والے ہیں اور مالی وسعت والے ہیں وہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتے داروں پر اور مسکینوں پر اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے۔

حضرت مسطح میں یہ تینوں باتیں موجود تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے، مسکین بھی تھے اور مہاجرین میں سے بھی تھے۔ اللہ تعالی نے یہ تینوں وصف بتلائے۔ اور فرمایا کہ ان پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں ۔ معاف کردیں اور درگذر کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہاری مغفرت کردے، اللہ تعالی تو مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلایا اور بلاکر کے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آیت سنتے ہی فورا کہنے لگے واللہ إنی لأحب أن یغفر اللہ لی۔ اللہ کی قسم میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی میرے گناہ معاف کریں اور اسی وقت حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا بند کیا ہوا نفقہ جاری کر دیا؛ بلکہ آئندہ کے لیے قسم کھائی کہ کبھی بند نہ کروں گا۔ اور بعض روایتوں میں ہے

کہ اب تک جو بند کیا تھا وہ بھی دیا اور آئندہ کے لیے دوگنا کر دیا۔ جب اللہ کا حکم آ گیا اور اللہ کی مرضی جب پالی تو فوراً دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

## مرضی مولی از ہمہ اولی۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم جب اپنی نفسانیت کی وجہ سے کوئی بات طے کر لیتے ہیں تو پھر کوئی قرآن وحدیث کی سینکڑوں دلیلیں بھی لا کر دے، ہم ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ مولانا صاحب! آیت اپنی جگہ پر درست ہے، حدیث بھی برابر ہے؛ لیکن وہ آدمی اس لائق ہے ہی نہیں کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ضد کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ حضرات صحابہؓ کی شان یہ تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔ بہر حال روکنا بھی اللہ کے لیے تھا اور دینا بھی اللہ کے لیے شروع کر دیا۔

اصل یہی ہے کہ ہم اپنے مال کے متعلق فیصلہ کر لیں کہ ہم جو خرچ کریں گے وہ اللہ کے حکم کے مطابق کریں گے، جہاں اس کی طرف سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہیں خرچ کریں گے۔نہیں کریں اور روک لیں گے تو مال چاہے کتنا زیادہ ہو، رسم و رواج کے طور پر ہم ایک پائی بھی دینے کے لیے راضی نہ ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ دینا اور نہ دینا ہمارے لیے وبال بن جائے گا۔

## رسم ورواج کی پابندی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے

جو آدمی رسم کی پیروی میں خرچ کرتا ہے وہ بہت بڑا گناہ کرتا ہے، وہ رواج

کو اور غیر شرعی چیز کو بڑھاوا دے رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، **أبغض الناس إلى الله ثلاثة** لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کی نگاہ میں تین آدمی ہیں۔ **ملحد في العرب**، ایک تو وہ آدمی جو حرم میں رہتے ہوئے بے دینی کا ارتکاب کرے، دوسرا ہے: **مبتغ في الاسلام سنة الجاهلية**۔ مسلمان ہوتے ہوئے جاہلیت کے طور وطریق کو اختیار کرنے والا اور رسموں اور غیر اسلامی چیزوں کو اختیار کرنے والا۔ تیسرا ہے: **مطلب دم امرئ بغير حق ليهريق دمه**۔ کسی آدمی کو مروانے کے لیے ناحق اس کی جان لینے کا خواہشمند۔ (بخاری، کتاب الدیۃ، باب طلب دم امرئ بغیر حق، ۶۴۸۸)

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کو پلے باندھتے ہوئے اپنے خرچ کرنے، دینے اور روکنے کے معاملہ میں بھی ان ہی اصولوں کو مد نظر رکھیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

# زمانہ کواسلام کے عملی نمونہ کی تلاش ہے

دنیا تونمونہ چاہتی ہے، آج ہم جونمونہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس کو دیکھ کر دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ہمارے یہی اخلاق اسلامی اخلاق ہیں، ہماری یہی معاشرت اسلامی معاشرت ہے، ہمارے یہی معاملات اسلامی معاملات ہیں اوران سب کو دیکھ کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی ہی خراب تعلیم دیتا ہے۔ گویا ہم لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ آج لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور ہم اسلام کے دروازے پر کھڑے ہوکر اپنے معاملات واخلاق کے ذریعہ اوراپنی معاشرت بتا کران کوروک رہے ہیں۔ لوگ یوں سوچتے ہیں کہ یہ اسلامی اخلاق ہیں؟ اگر اسی کا نام اسلامی اخلاق ہے تو کون اس کو قبول کرے گا؟

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

چوک بازار میمن ہال، ۱۰، دسمبر ۱۹۹۳ء۔

الحمد ﷲ نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله، أرسله إلى كافة الناس بشيرا و نذيرا۔

أما بعد۔

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ (المائدة:۳)

وقال تعالىٰ: وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُواْ وَاصْفَحُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (البقرة:۱۰۹)

## تکمیلِ دین کی تقریب

محترم حضرات! یہ آیتِ کریمہ جو اس وقت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، یہ پوری آیت بھی نہیں بلکہ آیت کا ٹکڑا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حجۃ الوداع میں تشریف لے گئے اور میدانِ عرفات میں یومِ عرفہ کو جب آپ جبلِ رحمت کے قریب وقوف فرما تھے اس وقت یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قرآن پاک میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ ہمارے یہاں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نازل ہونے کے دن عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ وہ یہ آیت ہے:

**الیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کس دن، کس جگہ پر نازل ہوئی تھی، اور اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس حالت میں تھے وہ سب کچھ یعنی اس کے نزول کا پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ یومِ عرفہ کو نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن بھی تھا۔ (بخاری، کتاب الایمان: ۴۴)

علماء نے لکھا ہے کہ سال کے تمام دنوں میں افضل ترین دن یومِ عرفہ ہے اور ہفتہ کے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ تو اس روز یومِ عرفہ بھی تھا اور یومِ جمعہ بھی تھا۔ گویا حضرت عمرؓ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ ہمیں اس آیت کے نزول کے دن کو تقریب کے طور پر اپنی طرف سے منانے اور متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کو نازل ہی فرمایا ہے ایسے دن میں کہ وہ دن ہمارے لئے پہلے ہی سے تقریب اور عید کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اپنی نعمت اور اپنا احسان تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے دینِ اسلام کے دین ہونے پر میں راضی ہو گیا۔''

# کرشمہ دامن دل می کشد

نبی کریم ﷺ پر جو دین بذریعۂ وحی نازل کیا جارہا تھا، اس آیت کے ذریعہ اس کے مکمل کئے جانے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ جس دین کو لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے اور آپ نے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو پیغام اللہ کی مخلوق اور انسانوں تک پہنچایا ہے اور جس شریعت کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا تھا؛ اس میں انسانوں کے لیے ہر طرح کی ہدایت موجود ہے۔

شریعتِ اسلامیہ خوبیوں اور محاسن کا مجموعہ ہے۔ اس کی ہر چیز خوبی اور کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔

از فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم۔ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است۔

سر سے لے کر پیر تک جہاں بھی نظر پڑتی ہے اور دیکھتا ہوں، وہاں اس کا کمال نگاہ و دل کو دعوت دیتا ہے کہ دیکھنے کی جگہ یہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی ہر چیز کامل ہی کامل ہے اور خوبی ہی خوبی ہے۔

## پہلی خوبی: جامعیتِ ہدایت۔

دینِ اسلام اور شریعتِ مطہرہ کی ان تمام خوبیوں میں سے ایک خوبی اس کی جامعیت ہے۔ یہ ایسی جامع شریعت ہے کہ اس میں ہدایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ جامعیتِ ہدایت لئے ہوئے ہے۔ یعنی اس شریعت میں انسان کے لئے تمام شعبہائے حیات کے بارے میں ہدایتیں دی گئی ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق اسلام میں کوئی ہدایت موجود نہ ہو۔ اسلام کے علاوہ

دیگر مذاہب کے احوال اور اس کے نقائص سے اگر آپ واقف ہوں تو معلوم ہوگا کہ ان مذاہب میں انسانی زندگی کے بہت سارے شعبے تشنۂ تکمیل ہیں اور ان کے متعلق ان مذاہب میں ہدایت موجود نہیں۔

چنانچہ ہندو مذہب ہی کو لے لیجیے۔ معاشرت کے متعلق کوئی حکم اور کوئی تفصیل اس مذہب میں موجود نہیں ہے۔ اسی لئے ان لوگوں کو معاشرت کے شعبے سے تعلق رکھنے والے احکام کی تکمیل پارلمینٹ اور دوسرے ذرائع سے کرنی پڑتی ہے۔ یہ لوگ پارلمینٹ میں قانون پاس کر کے اپنے ان معاشرتی پہلوؤں کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی آپ دیکھیں اور ان کا مطالعہ کریں تو زندگی کے سارے شعبوں کو ان مذاہب میں گھیرا نہیں گیا ہے، ان کا احاطہ نہیں کیا گیا۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ انسانی زندگی کے تمام شعبے اس میں آ گئے ہیں۔ چاہے وہ خلوت ہو یا جلوت ہو۔ چاہے دنیا ہو یا آخرت ہو۔ قیادت ہو یا سیاست ہو۔ چاہے تمدن ہو یا معاشرت ہو۔ عبادت ہو یا عادت ہو۔

بلکہ انسان کے سارے حالات کے متعلق مذہب اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔ انسان کے اوپر جو مختلف احوال آتے ہیں؛ مثلاً تندرستی ہو یا بیماری ہو۔ سفر کی حالت ہو یا حالتِ اقامت ہو۔ چاہے امیر ہو یا غریب ہو۔ غمی کی حالت ہو یا خوشی کی حالت ہو۔ موت ہو یا زندگی ہو۔ سونے کے متعلق ہو یا بیداری سے متعلق ہو؛ کوئی حالت اور کوئی کیفیت ایسی نہیں جس کے متعلق ہدایتیں موجود نہ ہو۔ ہر چیز کی تفصیل کے ساتھ اسلام نے ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ گویا ایک ایسا جامع مذہب

ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ کسی گوشے کے متعلق یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ اس کے متعلق اسلام میں کوئی ہدایت اور رہ نمائی موجود نہیں۔

تو ایک خوبی تو یہ ہوئی کہ ’جامعیتِ ہدایت‘ اسلام میں موجود ہے۔

## دوسری خوبی: جامعیت احکام۔

جامعیت ہدایت کے ساتھ دوسری خوبی ’جامعیت احکام‘ کی ہے۔ زندگی کے شعبوں سے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں، ان میں ہر ہر حکم اپنی جگہ پر جامع ہے۔ اس میں کسی طرح کی ترمیم و اضافہ اور تصحیح کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کسی بھی ایک چیز کے متعلق اسلام کا پورا حکم اگر آپ دیکھیں اور اس کا شروع سے لے کر آخر تک کا آپ مطالعہ کریں تو اس میں اعتدال آپ کو نظر آئے گا۔ نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط ہے۔ کسی ایک پہلو کی طرف جھکاؤ نہیں ہے۔ یہ میانہ روی ایک ایسی خوبی ہے جو ہر چیز کو باقی رکھنے والی ہے۔ جس میں اعتدال ہوتا ہے وہ چیز باقی رہتی ہے۔ افراط اور تفریط والی بات باقی نہیں رہتی۔ تو گویا اسلام کے تمام احکام جامع بھی ہیں۔

پھر اس کے نتائج اور ثمرات کو دیکھا جائے، اس کے فوائد شمار کئے جائیں تو بھی اسلام کا حکم جامع ہے۔ یعنی جو حکم دیا گیا ہے وہ دنیوی اعتبار سے مفید ہے اور اُخروی اعتبار سے بھی اس میں فائدہ موجود ہے۔ روحانی اعتبار سے آپ دیکھیں تو فائدہ مند ہے اور مادّی اعتبار سے بھی وہ نفع بخش ہے۔

اسلام کے احکام میں فقط آخرت مدِنظر نہیں ہے۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ

مذہب کا تعلق صرف آخرت سے ہے، وہ آخرت کے امور سے بحث کرتا ہے۔ دنیا سے اس کا تعلق نہیں ہے؛ لیکن اسلام صرف آخرت کے امور سے بحث نہیں کرتا، انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام حالات سے بحث کرتا ہے۔ اسلام کی رہنمائی کے جو فوائد اور ثمرات ہیں وہ صرف اخروی زندگی تک محدود نہیں، دنیوی اعتبار سے بھی فائدہ مند ہیں۔

## وضو اور نماز کے فوائد۔

نماز ہی کو لے لیجیے۔ نماز کا فائدہ صرف اُخروی اعتبار سے نہیں، دنیوی اعتبار سے بھی نماز کے اندر بڑے فائدے ہیں۔ اس پر لوگوں نے مستقل تصنیفات لکھی ہیں۔ مثلاً پنج وقتہ نمازیں اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں: إن الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً، نماز مسلمانوں پر مقررہ وقت پر فرض ہے۔ اس پنج وقتہ نماز کی پابندی سے آدمی کی زندگی میں ایک نظام الاوقات اور ٹائم ٹیبل قائم ہوجاتا ہے اور دن بھر کے تمام کاموں میں ترتیب و نظام کی کیفیت حاصل ہوجاتی ہے۔

نماز کی ہر چیز میں فائدہ ہے۔ وضو کیجیے تو اس میں تندرستی کے اعتبار سے بڑے فوائد ہیں۔

نماز جب جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی تو لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں ہوں گی اور مراسم پختہ ہوں گے۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور عیادت، تیمارداری اور خبرگیری ہوگی۔ ایک دوسرے کے حالات پر واقفیت ہوگی۔ اجتماعیت کے لئے جو

چیزیں ضروری ہیں وہ تمام جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں حاصل ہوگی۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جماعت کی صفوں میں جو ترتیب ہوتی ہے اس میں بھی بہت بڑے فائدے ہیں۔ ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: صفوں کو درست کیجیے، اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے اندر اتفاق و اتحاد پیدا کرے گا۔ کتنا بڑا فائدہ ہے۔

آج کل اتحاد و اتفاق کے لئے کتنی کوششیں کی جاتی ہیں، اس کے لئے بڑی رقمیں خرچ کی جاتی ہیں۔ اس کے لئے مستقل ادارے، انجمنیں اور سوسائیٹیاں قائم کی گئی ہیں؛ لیکن جماعت کی نماز میں صفوں کی ترتیب کا لحاظ کرنا یہ چیز آپ ہی آپ قلوب کے اندر جوڑ پیدا کرنے والی اور انسانی دلوں کو ملانے والی ہے۔

## روزہ کے دینی و دنیوی فوائد۔

شریعت کا کوئی بھی حکم لے لیجیے۔ اس میں آپ کو فوائد ہی نظر آئیں گے۔ روزہ میں غور فرمائیں! اس کا اُخروی فائدہ اپنی جگہ پر ہے۔ دنیوی اعتبار سے صحت ٹھیک ہوتی ہے۔ حدیثِ پاک میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد موجود ہے: صوموا تصحوا روزہ رکھو، تمہاری صحت ٹھیک ہوگی۔

## زکوٰۃ کی ادائیگی میں معاشرتی و اقتصادی مساوات۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے نتیجے میں معاشرے کے اندر اونچ نیچ کی جو تفریق ہے

اس میں بڑا اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اغنیاء اور مالدار اپنی زکوٰۃ ادا کریں گے اور فقراء کے احوال کی خبیر گیری کریں گے تو سماج کے طبقات کے میں آپس میں جو منافرت اور درجہ بندی پیدا ہو جاتی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ جس طبقاتی نظام کی وجہ سے کمیونیزم پیدا ہوا تھا اس کی یہاں نوبت ہی نہیں آتی۔

بہر حال! اسلام کے جتنے بھی احکام ہیں اس کا فائدہ آخرت ہی کے لئے خاص نہیں، اُخروی اور دنیوی دونوں فائدے موجود ہیں۔ اس میں روحانی فائدہ بھی ہے اور مادّی بھی ہے۔ چنانچہ اسلام کی یہ ساری ہدایتیں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ اتنی جامع ہیں کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے فوائد کا بھی احصاء کر لیا گیا ہے۔

## اسلام کی جامعیت، کج فہموں کے اعتراض کا سبب

خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالی نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ جو شریعت ہمیں عطا فرمائی وہ بڑی جامع شریعت ہے۔ بلکہ بعض کج فہم لوگوں کے لیے یہ جامعیت ہی اعتراض کا سبب بن گئی۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے، ابن ماجہ میں حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مجھ سے سوال کیا: **إني أرى صاحبكم يعلمكم كل شيئ حتىٰ الخراءة؟** کہ تمہارے نبی تم کو ہر چیز سکھلاتے ہیں، یہاں تک کے کہ استنجاء کس طرح کیا جائے وہ بھی تم کو بتاتے ہیں؟ سوال کرنے والے نے یہ سوال استہزاء کے طور پر کیا تھا کہ تمہارے نبی تو عجیب ہیں کہ تم کو استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی؟

حالانکہ یہ تو کمال کی چیز تھی کہ اسلام نے انسان کو ہر ہر چیز بتلائی ہے یہاں تک کہ استنجاء کس طرح کیا جائے، وہ بھی بتلایا۔ دنیا میں کوئی اور مذہب آپ ایسا بتا سکتے ہیں جس میں استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہو؟ یہ اسلام کی جامعیت نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سائل کے اس سوال پر چراغ پا ہونے اور غصہ ہونے کے بجائے جواب میں فرمایا۔ نعم، جی ہاں! ہمارے نبی ہم کو ہر چیز بتاتے ہیں یہاں تک کہ استنجاء کا طریقہ بھی بتایا۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ ہدایت دی گئی کہ جب ہم استنجاء کے لئے بیٹھے تو قبلہ رُخ نہ بیٹھیں، داہنا ہاتھ استعمال نہ کریں۔ تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفاء نہ کریں اور یہ بھی بتایا کہ ہم لید اور ہڈیوں کو استعمال نہ کریں۔ جو جو ہدایتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استنجاء کے سلسلے میں ارشاد فرمائی تھیں وہ تمام ہدایتیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کرنے والے کے سامنے پیش کیں۔ (ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الاستنجاء: ۳۱۶)

## آداب استنجاء کی حکمتیں

اور ان ہدایتوں میں آپ غور کریں تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام نے استنجاء جیسی ایک جزوی چیز کے اندر تمام حقوق کی رعایت کی ہے۔ دیکھئے! قبلہ اور کعبہ شعائر اللہ میں سے ہے اور اس کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ استنجاء کے وقت کعبہ کی طرف رُخ کرنے سے منع کیا گیا اس میں حقوق اللہ کی رعایت کی گئی کہ کعبہ شعائر اللہ میں سے ہونے کی وجہ سے قابلِ تعظیم ہے، اس لئے ایسا نہ کریں کہ استنجاء کی حالت میں اُدھر رُخ کریں۔ یہ اللہ کے حق کی رعایت ہوئی۔

اس کے بعد جب یہ کہا گیا کہ دائیں ہاتھ کو استعمال نہ کریں، اس میں حق النفس کی رعایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے بعض اعضاء کو ایک خصوصی شرف عطا فرمایا ہے، داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر شرف بخشا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ کوئی چیز لینی ہو یا دینی ہو تو دائیں ہاتھ سے دی اور لی جاتی ہے۔ یہی ادب کا تقاضہ ہے اور یہی شرافت کی بات ہے اور کوئی کمتر کام کرنا ہو مثلاً ناک صاف کرنا ہے تو اس کے لئے بایاں ہاتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ تو استنجاء میں دائیں ہاتھ کو استعمال نہ کرنے کی ہدایت دینے میں شریف آدمی کی رعایت کی گئی۔ یہ حق النفس یعنی آدمی کی ذات کے حق کی رعایت کی گئی۔

اور پھر ساتھ ساتھ یہ کہا گیا کہ تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفا نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ تین سے کم ڈھیلے استعمال کریں گے تو اس میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ پورے طور پر استنجاء نہیں ہو پائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی کی روح کو اذیت پہنچے گی، تو آدمی کی روح کے حق کی بھی رعایت کی گئی ہے۔

اور ساتھ ساتھ یہ حکم دیا گیا کہ لید اور ہڈی کو استعمال نہ کیا جائے، حدیث پاک میں آتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہڈیاں جنات کی خوراک ہے اور لید اس کے جانوروں کی خوراک ہے۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ، ۴۵۰) شریعت نے ان دونوں کو استعمال کر کے خراب کرنے سے منع کیا۔ گویا دیگر مخلوق کے حقوق کی بھی رعایت کی گئی۔ جس مذہب میں استنجاء کے لئے دیئے جانے والے احکام میں حق اللہ، حق النفس، روح کے حق کی اور دیگر مخلوقات کے حقوق کی رعایت کی جاتی ہو تو دوسرے احکام میں کتنا کمال اور کتنی خوبیاں ہوں گی، آپ اس کا اندازہ

لگا سکتے ہیں۔

بہر حال! نبی کریم ﷺ جس شریعت کو لے کر کے آئے وہ بڑی جامع شریعت ہے۔ اور میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے جو شریعت ہمیں عطا فرمائی ہے وہ زندگی کے صرف ایک شعبے تک محدود نہیں ہے۔

## دین کے مختلف شعبے

اس لئے علماء نے دین کے پانچ حصے کر دیئے ہیں۔ ایک حصہ عقائد سے تعلق رکھنے والا ہے کہ آدمی اپنے عقیدے کو درست کرے۔ اللہ کے متعلق کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟ نبیوں کے متعلق کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟ نبی آخر الزماں نبی کریم ﷺ کے متعلق کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟ فرشتوں کے متعلق، نبیوں پر اترنے والی کتابوں کے متعلق، قیامت کے دن کے متعلق اور جنت و دوزخ کے متعلق کیا عقائد ہونے چاہیے؟ مطلب یہ کہ ایک پورا باب اور شعبہ عقائد کا ہے۔

دوسرا حصہ عبادات سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسرا حصہ معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔

چوتھا حصہ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے۔

اور پانچواں معاشرت سے تعلق رکھتا ہے۔

معاشرت کا تعلق آپس میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے ہے۔ ماں باپ کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق، دوستوں کے حقوق، بھائیوں کے حقوق، اللہ کی مخلوقات کے حقوق اور حقوق سے متعلق دوسرے جتنے بھی

احکامات ہیں وہ سب معاشرت کے اندر آجاتے ہیں۔شریعتِ اسلامیہ نے جو احکامات دیئے ہیں وہ ان پانچ حصوں پر منقسم کیے گئے ہیں۔

آج کل ہمارا حال کیا ہو گیا ہے؟ میں جو چیز پیش کرنا چاہتا تھا وہ اب عرض کرتا ہوں۔اب تک جو پیش کیا وہ تمہید کے طور پر تھا کہ نبی کریم ﷺ ایک جامع شریعت لے کر کے آئے تھے،جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق رہنمائی کی گئی تھی۔

کیا یہ رہنمائی اس لئے دی گئی کہ ہم ان میں سے کسی شعبے کو اپنی عملی زندگی میں نہ اتاریں؟

## عقائد کی درستگی کی ضرورت

جب تک کہ آدمی کا عقیدہ درست نہ ہو وہاں تک وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ عقیدے پر تو ایمان موقوف ہے۔عقائد سے متعلق حال یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس کی معمولی سی جانکاری ہوا کرتی ہے۔اللہ تعالی کو ایک مانتے ہیں۔نبی کریم ﷺ کو اللہ کا رسول اور آخری پیغمبر مانتے ہیں۔قیامت کے آنے کو برحق سمجھتے ہیں۔فرشتوں کے متعلق ایمان ہے۔بچپن میں یہ سب پڑھایا جاتا ہے اس لئے یہ چیزیں ذہنوں میں ہیں؛ مگر اس کے بعد تفصیلی عقائد کے متعلق تو کچھ جانتے ہی نہیں۔عقائد کا باب تو اتنا اہم ہے کہ اس میں ذرّہ برابر فرق آجائے تو آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے۔اسی لئے علماء نے لکھا ہے اور تمام کتب فتاوی میں موجود ہے کہ کون سی باتوں سے اور کون سے کاموں کے کرنے سے آدمی ایمان سے نکل جاتا

ہے، ان چیزوں کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے؛ تاکہ دانستہ، نادانستہ، کوئی کام اس سے ایسا سرزد نہ ہوجائے جس کی وجہ سے وہ ایمان سے نکل جاتا ہو۔

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ بولنے میں ایسے ایسے الفاظ وکلمات اپنی زبان سے نکالتے ہیں کہ اگر آپ ان کلمات کے متعلق کتابوں میں دیکھیں تو حکم لکھا ہے کہ ایسا کہنے کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے؛ لیکن اس اللہ کے بندے کو یہ معلوم نہیں کہ میں نے جو بات زبان سے نکالی اس کی وجہ سے ایمان جاتا رہا۔

اسی طرح ایسے کام اور افعال جن کے کرنے سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے ان کو جاننا بھی ضروری ہے۔ آج ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی نادانی، جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بہت سے کام ایسے کر ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے ایمان نکل جاتا ہے اور ان کو یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں ایمان سے محروم ہوگیا اور یہ آدمی اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ دین کا یہ پہلا شعبہ عقائد کا تھا۔

## ہماری عبادات کا حال

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے۔

آج کل کوئی آدمی اپنے آپ کو دین دار سمجھتا ہو اور کہتا ہو کہ مجھے دین سے تعلق ہے تو وہ یوں سمجھتا ہے کہ دین کا عبادت کا جو شعبہ ہے اس شعبے کو تھوڑا بہت۔ پورا تو کوئی ادا نہیں کرتا- ادا کر لیتا ہے۔ عبادات کے اندر نماز ہے۔ زکوٰۃ ہے، روزے ہیں اور پھر حج۔ اس کے علاوہ جو واجب ہیں اور نوافل ہیں؛ مالی اور جانی اس سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ آج کل گویا دین دار ہونے کے لئے عبادات

والے شعبے کے اعمال کافی سمجھے جاتے ہیں اور آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میں پانچ وقت کی نماز پڑھ لیتا ہوں، رمضان کے ایک ماہ کے روزے رکھ لیتا ہوں اور اگر صاحبِ نصاب ہے تو مجھ پر جو زکوٰۃ ہے اس کو ادا کر لیتا ہوں یا اگر استطاعت ہے اور حج فرض ہوا تو حج ادا کر لیا؛ اسی پر ہم نے سمجھ لیا کہ اب ہم پکے مسلمان ہیں اور اسلام کے جتنے بھی احکام ہیں ہم نے وہ سب ادا کر لئے، ہمارے اسلام میں کوئی کمی نہیں رہی؛ حالانکہ عبادات تو اسلام کے پانچ شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

ان عبادات کے اندر ہمارا حال کیا ہے؟ اگر ہم نماز پڑھتے ہیں تو کس انداز سے پڑھتے ہیں؟ جماعت کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ وقت پر کتنی نمازیں ادا کرتے ہیں اور نماز کے لئے جن فرائض، واجبات، متممات اور سنتوں کی رعایت ہونی چاہیے، کتنی کرتے ہیں؟ وہ ہم اپنے دل سے پوچھ سکتے ہیں۔ ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچ سکتا ہے کہ میں ان تمام چیزوں کا کتنا اہتمام کرتا ہوں؟ اس کے لئے کتنی کوشش کرتا ہوں؟ یہ دوسرا شعبہ ہوا۔

## محاسن اخلاق؛ دین کا مستقل شعبہ ہے۔

تیسرا شعبہ اخلاق کا ہے۔

دین میں مختلف اخلاق ومحاسن کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے۔ تواضع، انکساری، رضا بر قضا، اختیار کرنے کی۔ اپنے آپ کو کبر، حسد، بغض وکینہ اور غیبت وغیرہ سے دور رکھنے اور بچنے کی۔ یہ ساری چیزیں بداخلاقی سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ اس طرح اخلاق کا مستقل ایک شعبہ ہے۔ آج کل ہم یہ جانتے ہی نہیں کہ اخلاقیات

بھی دین کا ایک شعبہ ہے۔

## معاملات کے احکام کا علم فرض ہے۔

اس کے بعد معاملات کا نمبر ہے۔

ہم کسی کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہیں، یا کسی کے پاس سے مکان کرایہ پر لیا یا کسی کو دیا، کسی کو مزدوری پر رکھا یا کسی کے یہاں مزدوری کی۔ یہ جتنی بھی چیزیں ہیں یہ سب معاملات سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ ان تمام کے متعلق تو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دین کا کوئی شعبہ ہے ہی نہیں۔ اس سلسلے میں اسلامی آداب و احکام کچھ ہے ہی نہیں۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ آدمی اگر تجارت کرتا ہو تو تجارت سے متعلق سارے احکام اور تجارت میں جن جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے ان تمام مسئلوں سے واقفیت حاصل کرنا نمبر اول پر ضروری ہے۔ پہلے ان سے واقفیت حاصل کرو پھر تجارت کرو۔ اس سے پہلے تجارت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب کوئی آدمی تجارت کے لئے بازار میں داخل ہوتا تھا تو سب سے اوّل اس سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ بیع و شراء کے متعلق جو مسائل ہیں وہ معلوم ہیں؟ اگر معلوم نہ ہوتے تو اس کو تجارت کے واسطے لائسنس نہیں ملتا تھا؛ بلکہ اس کو کہا جاتا تھا کہ پہلے یہ سب مسائل جا کر معلوم کرو۔ یہ بھی اسلام کی خوبی ہے۔ اور ایسی پیش بندی تمام شعبوں میں ضروری ہے۔ بچہ بالغ ہوتا ہے تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز، روزہ فرض ہو جاتا ہے، تو بالغ ہونے سے پہلے اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ نماز روزے سے متعلق مسائل معلوم کر لے۔

طہارت و پاکی کے مسائل جان لے۔

## معاشرتی فرائض یعنی حقوق کی ادائیگی۔

ایک اور شعبہ ہے معاشرت کا۔

معاشرت یعنی ایک دوسرے کے حقوق۔ باپ کے اوپر بیٹے کے کیا حقوق ہیں؟ اس کی تربیت کس طرح ہونی چاہیے؟ بیٹے کے اوپر باپ اور ماں کے کیا حقوق ہیں؟ میاں بیوی کے حقوق، بھائی بہنوں کے حقوق، دوستوں کے اور رشتہ داروں کے حقوق۔ یہ ساری چیزیں معاشرت کے اندر آتی ہے۔ ان کو جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ معاشرت یعنی زندگی گذارنے کے اسلامی طریقے اور آدابِ زندگی سے واقفیت بھی دین کا ایک شعبہ ہے۔

کوئی آدمی نکاح کرنا چاہتا ہے تو نکاح سے متعلق احکام کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ بیوی کے حقوق وغیرہ۔ آج کل نکاح سے پہلے اس کی خوب تیاریاں ہوا کرتی ہیں، دُلہے کے کپڑے کیسے ہیں، لڑکی کے زیوات کیسے ہیں؟ جہیز کا سامان کیا ہے؟ دعوت کتنے آدمی کی کی جائے گی؟ بارات میں کون جائے گا؟ دعوت میں کیا کھلایا جائے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے اہتمام کئے جاتے ہیں؛ لیکن نہ دلہن کو نہ دلہے کو، کسی کو اس کا احساس نہیں کہ نکاح کی وجہ سے جو حقوق ایک دوسرے کے اوپر واجب ہوتے ہیں ان کو بھی معلوم کرنا چاہیے؛ حالانکہ اسلام تو اس کو ضروری قرار دیتا ہے اور اس کے بغیر نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ بے شمار مسائل اسلام کے وہ ہیں جو معاشرت سے متعلق ہیں؛ لیکن مسلمان اس سے کتنے واقف ہیں؟

## دین کے تمام شعبوں پر عمل ضروری ہے۔

تو آج میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم مسلمان بننا چاہتے ہیں تو صرف عبادت والا پہلو انجام دینے سے ہم مکمل مسلمان نہیں بن سکتے۔ اسلام کے مکمل پانچ پہلو بتلائے گئے ہیں۔ ان تمام پر عمل ضروری ہے۔ اگر صرف عبادت والا پہلو ہی لئے بیٹھے ہیں تو ہم بیس فیصد اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ اور 20% کی وجہ سے آدمی مکمل مسلمان نہیں بن سکتا۔ اور ہم یوں چاہتے ہیں کہ لوگ ہم کو یوں کہیں کہ ہم پورے دین دار ہیں۔ ہماری دینداری میں کوئی کمی نہیں ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں ہم عبادتوں کا اہتمام کرتے ہیں، وہاں ہم اخلاق کا، معاملات کا اور معاشرت کا اہتمام بھی کریں۔ آج ہماری معاشرت اتنی بگڑ چکی ہے کہ اس کے بگاڑ کی وجہ سے لوگ اور دنیا والے، دیگر مذاہب والے اسلام سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی معاشرت کو اسلامی بنیادوں پر درست کریں اور یہ سمجھیں کہ معاشرت بھی دین کا ایک حصہ ہے۔ اگر اس کو درست کریں گے تو لوگوں کے سامنے زبانی دعوتِ اسلام پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہماری معاشرت ہی عملی دعوت ہوگی اور اس کو دیکھ کر لوگ اسلام قبول کریں گے۔

## مسلمانوں کی حسن معاشرت کا اعلیٰ نمونہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جب وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور اسلام کی دعوت دینی شروع

فرمائی تو وحی کے نزول سے لے کر ہجرت تک تیرہ سال تک آپ ﷺ کا قیام مکہ معظّمہ میں رہا۔ اس کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ جانے کے بعد بھی مکہ والوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ایذائیں پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی طرف سے اسلام کو مٹانے کی جو کوششیں کی جاتی تھیں وہ اپنی جگہ جاری تھیں؛ بلکہ ان میں اور ترقی ہوئی تھی اور اسی وجہ سے بہت ساری جنگیں ہوئیں۔

## صلح حدیبیہ۔

اسی میں سن ہجری ۶ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں نے اپنے چند رفقاء وصحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا، ہم لوگ مکّہ پہنچے اور بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا ومروہ کی سعی کی اور احرام کھولا۔ بعض نے سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ نبی کریم ﷺ نے صبح یہ خواب صحابہ کرام کے سامنے بیان کیا۔ چونکہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے اور صحابہ کرام، خصوصاً وہ صحابہ جو ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے تھے ان کو بھی ایک زمانہ گذر چکا تھا، اس لیے ان کے دل میں بیت اللہ کی زیارت کا شوق جوش مارنے لگا اور سب نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب آپ نے خواب دیکھا ہے اور آپ کا خواب سچا ہی ہے، لہٰذا ہم کو جانا چاہیے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو لے کر ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ ایک روایت کے مطابق

چودہ سو اور ایک روایت کے مطابق پندرہ سو صحابہ کا مجمع تھا۔ یہ سب حضرات عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ والوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان آرہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بھی روانہ ہونے سے پہلے ایک صحابی بسر بن سفیان کو جن کا تعلق قبیلہ خزاعہ سے تھا، اس غرض سے بھیج دیا تھا کہ تم مکہ والوں کے حالات کا پتہ چلا کر ہمیں بتاؤ کہ ان کے کیا عزائم ہیں، اس لیے وہ مکہ پہلے سے پہنچ گئے تھے۔

نبی کریم ﷺ یہاں سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ سے جو مدینہ والوں کی میقات ہے، احرام باندھا۔ ساتھ میں ہدی کے جانور لئے اور آگے بڑھے۔

راستہ میں ایک مقام پر ان صحابی نے جن کو آپ ﷺ نے مکہ والوں کی خبر لانے کے واسطے بھیجا تھا، آکر کے اطلاع دی کہ مکہ والوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ اور مسلمان عمرے کے لئے مکہ آنے کے واسطے چلے ہیں، اور انہوں نے ایک بڑا لشکر بھی جمع کر لیا ہے۔ ساتھ ہی مکہ کے اطراف میں جتنے بھی قبائل ہیں ان تمام کے ساتھ انہوں نے معاہدہ کیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ کسی حالت میں آپ کو اور مسلمانوں کو مکہ میں گھسنے نہیں دیں گے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ مشورہ میں مختلف باتیں سامنے آئیں۔ آخر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو عمرہ کے ارادے سے چلے ہیں، ہم اپنے ارادوں اور نیتوں میں کوئی تبدیلی نہ کریں، ہم آگے بڑھیں گے۔ اور مکہ کی طرف چلتے رہیں گے، کوئی اگر ہمارا راستہ روکے گا اور رکاوٹ ڈالے گا تو ہم اس کا

مقابلہ کریں گے ورنہ ہم لڑنے کے لئے نہیں جا رہے ہیں۔ چنانچہ سب آگے بڑھے۔ جب مقامِ حدیبیہ پر پہنچے تو نبی کریم ﷺ جس اونٹنی پر سوار تھے وہ بیٹھ گئی۔ صحابہ نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ **خلعت القصواء خلعت القصواء** قصواء بیٹھ گئی، قصواء بیٹھ گئی۔ 'قصواء' آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو آگے چلانا چاہا لیکن وہ نہیں اُٹھی، بلکہ اس نے اپنا سر بھی زمین پر ڈال دیا۔

## خراش بن امیہؓ کی سفارت

نبی کریم ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ آج مکہ والے اگر کوئی ایسی شرط میرے سامنے پیش کریں جس میں بیت اللہ کی رعایت کی گئی ہو تو ایسی تمام شرطوں کے ساتھ میں ان کے ساتھ صلح کرنے کے واسطے تیار ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے اونٹنی کو اُٹھایا، چنانچہ وہ اُٹھ گئی۔ اس کے بعد حدیبیہ ہی میں ایک مقام پر جا کر آپ نے قیام فرمایا اور آپ ﷺ نے وہاں سے ایک آدمی: خراش بن امیہ کو، جو قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی تھے، مکہ والوں کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ مکہ والوں سے جا کر کہ یوں کہو کہ ہم لڑنے کے واسطے نہیں آئے، بلکہ ہم تو بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ ہمیں بیت اللہ کی زیارت کر لینے دو، عمرہ کے افعال ادا کر کے ہم واپس ہو جائیں گے۔ لیکن مکہ والوں نے تو طے کر لیا تھا کہ ہم کسی حال میں ان کو گھسنے نہیں دیں گے، وہ لوگ یوں سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے بھی آنے دیا تو لوگوں میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ مکہ والے دب

گئے۔

وہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے کر وہاں ان کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان کے اونٹ کو بھی کاٹ ڈالا اور ان کو بھی مار ڈالنے کے درپے ہوئے۔ وہ بمشکل جان بچا کر واپس آئے۔

## حضرت عثمانؓ کی سفارت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوچا کہ اب کون جائے اور ہمارا پیغام پہنچائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب کی بار حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر! آپ جائیں اور مکہ والوں کو یہ پیغام دیں کہ ہم لوگ لڑنا نہیں چاہتے، ہمارا ارادہ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے اور عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔ دوسرا پیغام ان کو یہ بھی دیجیے کہ تم لوگ لڑلڑ کر اپنی بہت ساری قوت ضائع کر چکے، ایسا کیوں نہ کر لیں کہ ہم آپس میں ایک مقررہ مدت تک کے لئے صلح کر لیں۔ اس درمیان تم لوگوں کو بھی ذرا سانس لینے اور تیاری کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور میرا معاملہ اس دوران دوسرے قبائل سے رہے گا۔ دوسرے قبائل والے اگر مجھ پر غالب آ گئے تو تمہارا مقصد یوں ہی مفت میں حاصل ہو جائے گا اور اگر میں غالب آ گیا تو پھر تم سوچ سکتے ہو کہ تم میرا ساتھ دو یا نہیں۔ جو کمزور مسلمان مکہ میں رہتے تھے اور اب تک ہجرت کر کے مدینہ نہیں پہنچ سکتے تھے ان کے نام بھی آپ نے پیغام دیا کہ ان کو بھی کہہ دیا جائے کہ اب زیادہ دن کی تاخیر نہیں ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب بہت جلد مکہ فتح ہونے والا ہے اور تمہاری مصیبت کے دن ختم ہوں گے۔ یہ تمام پیغامات لے

کر نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بھیجنا چاہا۔

حالات ایسے سنگین تھے کہ حضرت عمرؓ جیسا بہادر آدمی بھی سوچنے پر مجبور ہوا اور حضور اکرام ﷺ کی خدمت میں مشورہ پیش کیا کہ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ مکہ والے میرے کیسے دشمن ہیں۔ وہاں میرے قبیلے کا کوئی آدمی بھی نہیں ہے جو میری حمایت کرے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ حضرت عثمانؓ کو بھیجیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو بھی حضرت عمرؓ کی یہ رائے پسند آئی اور آپ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اے عثمان! آپ چلے جائیں۔ حضرت عثمانؓ تیار ہو گئے اور یہ سب پیغامات لے کر مکہ والوں کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب مکہ میں داخل ہونے کے قریب تھے تو ان کے قبیلے والوں کو پتہ چل گیا کہ حضرت عثمانؓ حضور اکرم ﷺ کا پیغام لے کر آ رہے ہیں۔ ان کے قبیلہ بنو امیہ کے لوگ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ البتہ اس زمانے کے حالات کے مطابق قبائلی تعلقات رکھتے تھے اس لئے وہ تمام لوگ حضرت عثمانؓ کے استقبال کے لئے مکہ سے باہر آئے اور انہوں نے بڑے شاندار طریقے سے استقبال کیا اور ان کو اپنے ساتھ مکہ لے گئے۔ حضرت عثمانؓ اس طرح مکہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کا پیغام مکہ کے بڑے بڑے سردار: ابوسفیان بن حزب، حویطب بن عبدالعزٰی، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ کے پاس پہنچایا۔

## حضرت عثمانؓ کا حبِّ رسول

جب پیغام پہنچا کر کے فارغ ہوئے تو ان کے قبیلے والوں نے ہی حضرت

عثمان ؓ سے یہ کہا کہ آپ جب یہاں آ چکے ہیں اور بیت اللہ کے سامنے موجود ہیں تو آپ بیت اللہ کا طواف کر کے اور سعی کر کے اپنا احرام کھول دیں، آپ کے لئے تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ حضرت عثمان ؓ کو اللہ ہماری طرف سے جزائے خیر دے، ان کی محبتِ رسول پر قربان جایئے، ہم جیسا کوئی ہوتا تو جذبات میں وہی کر ڈالتا جو ان کے قبیلے والوں کی طرف سے کہا گیا؛ لیکن حضرت عثمان ؓ کو حضور اکرم ﷺ اور تمام صحابہ کا کتنا خیال تھا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول کو اور صحابہ کو وہاں بیت اللہ کی زیارت کرنے سے روکا گیا ہے اور عثمان یہاں اکیلا بیت اللہ کا طواف کرے؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان ؓ کے اس انکار کی وجہ سے ان لوگوں کو بھی بڑی ناگواری ہوئی کہ یہ عجیب آدمی ہے، ہم تو ان کی وجہ سے اتنی قربانی دے رہے ہیں اور ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور یہ ہماری اتنی بات پر بھی توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ غصہ میں آکر انہوں نے حضرت عثمان ؓ کو واپس جانے سے روک دیا اور کہا کہ ہم نہیں جانے دیں گے۔

## حضرت عثمان ؓ کی شہادت کی افواہ اور بیعتِ رضوان۔

حضرت عثمان ؓ کو اس سبب سے واپس آنے میں دیر ہوئی تو اِدھر شیطان نے انسانی شکل میں آکر یہ مشہور کرادیا کہ حضرت عثمان ؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں میں پھیلی تو مسلمانوں کو غصہ آیا۔ نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ ؓ کو جمع کر کے ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی کہ: ہم جان دے دیں گے، لیکن کفار کا مقابلہ کریں گے، اور حضرت عثمان ؓ کے خون کا بدلہ لیں گے۔ یہی

بیعتِ رضوان کہلاتی ہے۔سورۂ فتح میں اسی بیعت کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ

کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہو گیا کہ وہ نبی کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے ہیں۔اس بیعت کو بیعتِ رضوان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس بیعت پر اللہ کی طرف سے خوشنودی کا پروانہ دیا گیا تھا۔جتنے بھی صحابہ کرام اس بیعت میں شریک ہوئے ہیں ان کے متعلق حدیث پاک (ترمذی، باب المناقب) میں جنت کی بشارت آئی ہے اور غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے بعد نمبر دو پر ان صحابہ کا مقام اور درجہ سمجھا جاتا ہے۔بعد میں خبر آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید نہیں کئے گئے ہیں چنانچہ وہ صحیح سلامت واپس آئے۔

## بدیل بن ورقہ کی سفارت

ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہیں مکہ میں تھے، واپس نہیں ہوئے تھے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار بدیل ابن ورقہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کو یہی پیغام کہلوایا کہ تم ان سے جا کر کہو کہ ہم لڑنے کے واسطے نہیں آئے، اگر آپ صلح کرنا چاہیں تو ہم صلح کرنے کے لیے تیار ہیں۔بدیل بن ورقہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام مکہ والوں کو پہنچایا۔

## قریش کے مذاکرات کار: عروہ بن مسعود ثقفی

مکہ کے آس پاس جتنے قبائل تھے ان سے بھی قریش نے معاہدہ کر رکھا تھا اور

ان کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ قبیلۂ ثقیف طائف کا ایک قبیلہ تھا اور عروہ بن مسعود ثقفیؓ اس کے سردار تھے۔ یہ بعد میں مسلمان ہوئے مگر اس وقت مسلمان نہیں تھے، وہ اس موقع پر وہاں موجود تھے۔ جب بدیل بن ورقہ پیغام لے کر پہنچے تو عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش سے یوں کہا کہ اے قریش! یہ بتلاؤ کہ میں تمہارے لئے باپ کی طرح اور تم میری اولاد کی طرح نہیں؟ انہوں نے کہا کہ یقیناً آپ ہمارے لئے باپ کے درجے میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو میری خیر خواہی پر اطمینان نہیں؟ مجھ پر بھروسہ ہے یا نہیں؟ کہا کہ ہاں ہمیں آپ پر اعتماد ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان سے جا کر گفتگو کروں؟ تو کہا کہ ہاں! آپ جائیے۔ چنانچہ عروہ بن مسعود ثقفی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے۔

## حضرت ابو بکرؓ کی غیرت ایمانی۔

واقعہ بڑا طویل ہے۔ اسی گفتگو میں ایک چیز یہ ہوئی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ آپ نے کبھی سنا کہ کسی آدمی نے اپنی قوم کو ہلاک و برباد کیا ہو؟ آپ تو اپنی قوم کو ہلاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں تو لڑنا نہیں چاہتا۔ میں تو لڑنے کے لئے آیا بھی نہیں۔ اگر یہ لوگ صلح کرنے کے لئے تیار ہوں تو میں آمادہ ہوں۔ اس وقت عروہ بن مسعود یہ بھی کہہ گئے کہ جب آپ پر کوئی مصیبت آئے گی تو مختلف قبائل کے جو لوگ آپ کے اردگرد جمع ہوئے ہیں وہ آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہ جملہ جب عروہ بن مسعود نے کہا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ

وہاں موجود تھے۔ ان کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے عروہ کو گالی دے کر کہا کہ کیا کہا تم نے؟ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیں گے؟ عروہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ابوبکرؓ ہیں۔ عروہ نے کہا کہ ان کا میرے اوپر ایک احسان ہے اور آج تک ان کے اس احسان کا بدلہ چکا نہیں سکا ہوں، اگر وہ نہ ہوتا تو میں ان کی بات کا جواب دیتا۔

## حضرت مغیرہ بن شعبہ کی غیرت۔

خیر! اس گفتگو کے دوران عروہ بات کرتے کرتے حضور کی ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ لگاتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وہاں کھڑے تھے، انہوں نے تلوار کا دستہ عروہ کے ہاتھ پر مارا اور یوں کہا کہ تم مشرک ہو، مشرک کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی کے ساتھ نہیں لگ سکتا۔ ہاتھ ہٹاؤ۔ مغیرہ بن شعبہؓ خود پہنے ہوئے تھے اور نظر نہیں آتے تھے۔ عروہ نے پھر حضور سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا بھتیجا ہے۔ عروہ بن مسعود کو جب یہ معلوم ہوا تو کہا کہ اے غدار! تیری غداری کو تو بھگت رہا ہوں اور تو میرے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔

ہوا یہ تھا کہ مغیرہ بن شعبہؓ اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ مقوقس (مصر کے بادشاہ) کے دربار میں پہنچے تھے۔ مقوقس نے سب کو انعام سے نوازا؛ لیکن ان کو کسی وجہ سے کم دیا، یہ چیز مغیرہ کو بڑی ناگوار ہوئی، واپسی کے وقت راستہ میں انہوں نے سب کو شراب پلائی اور جب سب شراب کے نشے میں مست ہو گئے تو سب کو قتل کر دیا اور مال لے کر کے مدینہ آئے اور وہاں اسلام کا اظہار کیا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں صاف فرما دیا کہ دیکھو! یہ مال تو ہمیں منظور نہیں، یہ تم غلط طریقے سے لے کر آئے ہو۔ ہاں تمہارا اسلام ہمیں قبول ہے۔ خیر! ان کے قبیلے میں جب اس قتل کے واقعہ کے اطلاع ہوئی تو ساری دیت ان کے چچا عروہ کو ادا کرنی پڑی۔ اسی کو اس وقت عروہ نے کہا تھا کہ تمہاری غداری کو بھگت رہا ہوں۔

## عروہ بن مسعود ثقفی کے تأثرات۔

حضرت عروہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے جب واپس ہوئے تو جا کر کے قریش کو سارا حال سنایا اور یہ تمام منظر دیکھ کر کے یوں کہا کہ: اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں۔ کسی بادشاہ کے ہم نشینوں کو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھی ان کے ساتھ کرتے ہیں۔

وہ جب کوئی بات کہتے ہیں اور کوئی حکم کرتے ہیں تو ان میں کا ہر شخص اس حکم کی بجا آوری کے لئے تیار رہتا ہے۔

وہ جب تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک زمین پر گرنے کے بجائے ان میں سے کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے پر مل لیتا ہے اور جس کے ہاتھ میں نہیں آتا ہے وہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ لگا کر کے اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہے۔

وہ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کا گرا ہوا پانی لینے کے لئے آپس میں سبقت کرتے ہیں۔

اور جب وہ کوئی بات کہہ رہے ہوتے ہیں تو اس کو سننے کے لئے وہ سب ایسے خاموش اور متوجہ ہو جاتے ہیں جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

آج تک میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی کے ہم نشین ایسی جاں نثاری سے پیش آتے ہوں۔ بہرحال! اس منظر نے عروہ کو بڑا متاثر کیا۔

## صلح کی شرائط۔

قصہ مختصر یہ کہ صلح ہوئی اور اس میں ایسی ایسی شرائط طے کی گئیں کہ ان کو کوئی بھی سمجھ دار آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شرط مکہ والوں نے یہ لگائی تھی کہ ہمارا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا اور آپ کا کوئی آدمی مدینہ سے ہمارے یہاں آئے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ یہ شرط بھی لگائی کہ ابھی آپ مسجدِ حرام میں داخل نہیں ہو سکتے، اس سال تو آپ سب کو واپس جانا پڑے گا، آئندہ سال انہیں دنوں میں آنا ہوگا اور فقط تین دن تک قیام کریں گے، ساتھ میں ہتھیاروں کو نہیں لائیں گے۔ ایسی بہت سی یک طرفہ شرطیں تھیں۔ حضور نے یہ ساری شرطیں منظور کر لی اور صلح ہوگئی۔

## شرائط صلح پر صحابہؓ کی ناگواری اور حضرت عمرؓ کا مکالمہ

یہ شرطیں مسلمانوں کو بہت ناگوار ہوئیں۔ سب سوچنے لگے کہ ہم اس طرح دب کر کیوں صلح کریں۔ حضرت عمرؓ جیسے سمجھ دار آدمی بھی اس کو برداشت نہ کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر

نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! ہم حق پر اور وہ باطل پر ہیں۔

پوچھا کہ کیا ہم لڑیں اور ہم میں سے جو مارا جائے وہ جنت میں اور ان میں جو مارا جائے وہ جہنم میں نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں۔ بالکل ایسا ہی ہے۔

کیا آپ اللہ کے رسول نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں! ہوں۔

کیا آپ نے جو خواب دیکھا وہ سچا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بالکل سچا ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ ضروری نہیں ہے کہ اسی سال وہ چیز حاصل ہوگی، خواب میں وقت تو نہیں بتلایا گیا تھا۔ خواب اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا۔

بہرحال! ایسی شرائط پر صلح ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ پر اور تمام صحابہ کرام پر بھی اس صلح کا بڑا اثر تھا۔ پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صلح کو منظور فرما لیا اور شرط کے مطابق اس سال عمرہ کئے بغیر واپس ہونا منظور فرمالیا۔

## شرائط صلح کا صحابہؓ پر اثر اور حضرت ام سلمہؓ کا مشورہ

صحابہ کرام پر اس کا اتنا زیادہ اثر تھا کہ جب یہ طے ہوگیا کہ اب عمرہ نہیں کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے سر کے بال اتروا کر قربانی کے جانور ذبح کر دو تو شدتِ اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو سننے کے بعد بھی کوئی اپنی جگہ سے اُٹھا نہیں۔ آپ نے دوسری مرتبہ فرمایا، پھر تیسری مرتبہ فرمایا؛ لیکن کوئی بھی نہیں اُٹھ رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا تعجب ہوا کہ میں حکم دے رہا ہوں اور کوئی سن ہی نہیں رہا ہے۔ کیا بات ہے؟ آپ کو بڑا ناگوار معلوم ہوا۔ آپ خیمہ میں تشریف لائے۔ اس

سفر میں آپ کے ساتھ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ ؓ شریکِ سفر تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو ایک حکم دیا لیکن کوئی اس کو بجا ہی نہیں لا رہا ہے۔ حضرت ام سلمہ ؓ کو اللہ تعالی جزائے خیر دے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حقیقت یہ ہے کہ اس صلح کی وجہ سے ان لوگوں کے دماغ ایسے ماؤف ہو گئے ہیں کہ آپ ان کو کیا حکم دے رہے ہیں اس کا انہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ ان کی طبیعتوں پر یہ صلح اتنی گراں گذر رہی ہے کہ وہ مبہوت ہیں۔ آپ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرا کر واپس آ رہی ہے۔ وہ مارے غم کے سن ہی نہیں رہے ہیں۔ اس لئے ان کو حکم دینے کے بجائے آپ خود اپنے سر کے بال صاف کرائیے اور اپنے ہدی کے جانور کو ذبح کیجیے۔ کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ بال کاٹنے والے کو بلایا، انہوں نے حضور کے بال کاٹنے شروع کئے، صحابہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ بال کٹوا رہے ہیں تو سب کے سب بال کٹوانے کے لئے ایسے پِل پڑے کہ معلوم ہوتا تھا کہ سر کاٹ لینگے۔

## عمرۃ القضاء، قریش کی عہد شکنی اور فتحِ مکہ۔

قصہ مختصر صلح کے بعد سب واپس ہوئے اور دوسرے سال عمرہ کے لئے شرط کے مطابق مکہ آئے۔ چنانچہ سن ہجری ۷ میں عمرۃ القضا ہوا اور پھر قریش نے اس صلح کی خلاف ورزی کی، جس کے نتیجے میں پھر نبی کریم ﷺ مجبور ہوئے کہ آپ مکہ پر حملہ کریں۔ چنانچہ آپ سن ہجری ۸ میں رمضان المبارک میں مدینہ منورہ سے لشکر لے کر مکہ فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے خاص اس کا اہتمام کیا تھا کہ مکہ والوں کو پتہ نہ چلنے پائے تا کہ مقابلہ کی نوبت نہ آئے اور اللہ کے حرم میں خون وخرابہ نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

## زمانۂ صلح میں مسلمانوں کی حسنِ معاشرت

بہر حال! میں تو یہ کہنا چاہتا تھا اور جو چیز مجھے آپ کے سامنے پیش کرنی ہے وہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ جن صحابہ کو ساتھ لے کر گئے تھے ان کی تعداد چودہ سو یا پندرہ سو تھی۔ اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر بلکہ ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے، دو ماہ باقی تھے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام کی جس جماعت کو لے کر کے گئے اس کی تعداد ایک روایت کے مطابق دس ہزار اور ایک قول کے مطابق بارہ ہزار تھی۔ آج سے دو سال پہلے چودہ سو یا پندرہ سو کی تعداد تھی اب دس ہزار کی تھی۔ وہ چودہ سو، پندرہ سو وہی کے شروع کے زمانہ یعنی مکہ مکرمہ کے تیرہ سال اور چھے سال مدینہ منورہ کے کل انیس سال کے اندر آپ کے ساتھ جمع ہوئے تھے اور اب دو سال بھی پورے نہیں ہوئے ہیں کہ دس ہزار کی تعداد ہو گئی۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟

امام زہریؒ سیر و مغازی کے بڑے امام سمجھے جاتے ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں کثرت سے محمد بن شہاب زہری کی روایتیں آتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بات دراصل یہ تھی کہ اب تک تو آپس کی دشمنی کی وجہ سے قریش کی آنکھوں پر پردہ گرا ہوا تھا اور مسلمانوں کے اخلاق اور معاملات اور ان کی معاشرت کو جانچنے کا

ان کو موقع نہیں ملا تھا اس لئے ان کو اسلام کی خوبیوں کا پتہ نہیں چلا تھا اور وہ اسلام لانے سے باز رہے؛ لیکن جب صلح ہوگئی اور آپس کی روکاوٹیں دور ہوئیں۔ ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا اور ایک دوسرے کے معاملات، اخلاق اور رہن سہن کو پرکھنے کا موقع ملا تو ان دو سالوں میں کفار پر مسلمانوں کی معاشرت، معاملات اور ان کے اخلاق کا بڑا اثر پڑا اور اتنی بڑی تعداد اسلام میں داخل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سال پہلے چودہ سو یا پندرہ سو کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، آج دس ہزار کو لے کر جا رہے ہیں۔

تو بتلانا یہ چاہتا تھا کہ دیکھئے! مکہ کے دشمن کتنے بڑے دشمن تھے، کسی خوبی کو دیکھنے کو تیار نہیں تھے؛ لیکن وہ بھی مسلمانوں کی اس معاشرت کو، ان کے اخلاق کو اور ان کے معاملات کو دیکھ کر اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس وقت مسلمان مصنفین نے بڑے اہتمام سے مستقل کتابیں لکھیں۔ جس میں یہ بتلایا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق سے پھیلا، اعمال اور معاشرت سے پھیلا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام حسنِ معاشرت سے پھیلا ہے۔

اسلام نے معاشرت، معاملات اور اخلاق کے بارے میں جو احکام اور آداب بتائے ہیں وہ ایسے ہیں کہ آج اگر ہم سب اسلامی معاشرت کو اختیار کرلیں، اسلامی معاملات کو اختیار کرلیں، اسلامی اخلاق کو اپنی زندگی کا جزو بنالیں تو پاس پڑوس میں رہنے والا کوئی نہ ہوگا جو اس سے متاثر نہ ہو۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی

اقرار کرنے پر مجبور ہوگا اور وہ اسلام میں داخل ہونے پر غور کرنے لگے گا۔

## قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک۔

اسلام کے دشمن مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر لے کر گئے تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر کفارِ مکہ ایک بڑا لشکر لے کر بڑی تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے اور مٹانے کے لئے چلے تھے، میدانِ بدر میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے واسطے فرشتوں کا لشکر اتارا۔ مسلمان کامیاب ہوئے اور مشرکین کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے اور ستر (۷۰) قید میں پکڑے گئے۔ ان جنگی قیدیوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ آئے۔ اس زمانے میں کوئی جیل خانہ تو تھا نہیں۔ صحابہ کرام میں انصار کے مختلف مکانات تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ قیدی صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر دیئے۔ کسی کو ایک، کسی کو دو دیئے کہ ان کو اپنے پاس رکھو۔ ان کی حفاظت کرو۔ ویسے ان کو بیڑیاں پہنا کر گھروں میں رکھا گیا تھا؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاکید فرمائی تھی: استوصوا بالاسارٰی خیراً۔ کہ ان قیدیوں کے معاملہ میں میری طرف سے بھلائی کی وصیت کو قبول کر لینا اور سن لینا۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ جن صحابہؓ کے پاس یہ قیدی تھے، وہ صحابہؓ اپنے گھروں میں جو کھانا پکتا تھا وہ پہلے ان قیدیوں کو کھلاتے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ جو سابقین مہاجرین میں سے ہیں، ان کے بھائی بھی قیدیوں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جن انصاری کے یہاں قید تھا ان لوگوں

کا حال یہ تھا کہ جب کھانا پکتا تھا تو پہلے مجھے کھلاتے تھے۔ وہ خود کھجور کھاتے تھے اور مجھے روٹی دیتے تھے، میں ان سے کہتا تھا کہ میں تو قیدی ہوں، کھجور پر اکتفا کر لوں گا، روٹی سالن وغیرہ آپ استعمال کیجیے۔ مجھے کھجور دے دیجیے۔ تو وہ کہتے کہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ہمیں تاکید ہے کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (معجم صغیر طبرانی، باب الحاء، من اسمہ حسین: ۴۱۰)

آپ اندازہ لگائیے کہ وہ لوگ جو جان کے دشمن تھے اور جو ان کو مٹانے کے لئے مکہ سے آئے تھے ان کو یہ لوگ پہلے کھانا کھلا رہے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں۔ خود کھجوروں پر اکتفا کر رہے ہیں۔ وہ قیدی جو تلوار سے فتح نہیں ہوئے تھے، وہ اس اخلاقی خوبی اور حسنِ معاشرت سے فتح ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اخلاق و معاشرت کی جو رہنمائی اسلام نے ہمیں عطا فرمائی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ہم اس کو اختیار کریں۔

## نیو ورلڈ آرڈر کے اثرات۔

دیکھئے! آج کی دنیا میں اس وقت پورے عالم میں مسلمانوں کے اوپر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ اسلام کی دشمناوٹ میں امریکہ پیش پیش ہے اور یہ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) کا منصوبہ خاص اسی لئے ہے کہ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہ لوگ اسلام کو مٹانے کے لئے جتنی کوشش کر رہے ہیں لوگ اور زیادہ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی یہ حال ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے

کہ یہ نیو ورلڈ آرڈر، جیو ورلڈ آرڈر کا ایک جز ہے۔ آج سے ایک زمانہ پہلے یہودیوں کے دانشور جمع ہوئے تھے اور انہوں نے ایک نظام بنایا تھا، جس کو پروٹوکول کا نام دیا تھا۔ یہودی دانشوروں اور حکمرانوں کے تیار کردہ پروٹوکول میں آئندہ کے لیے دنیا پر اپنا تسلط جمانے کے واسطے جو اصول وضع کئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ ہمارے لئے ضروری ہے اور بہت ضروری ہے کہ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہر جگہ اخلاق دگرگوں ہو جائیں تا کہ ہم ہر جگہ پر غلبہ حاصل کریں۔ گویا یہودیوں کی یہ اسکیم ہے کہ پوری دنیا کے اندر ایسے حالات پیدا کئے جائیں اور ایسا نظام چلایا جائے کہ دنیا والوں کے اخلاق فاسد ہو جائیں۔ جب اخلاق بگڑ جائیں گے تو ان کا ماننا ہے کہ ہمارا غلبہ ہو جائے گا۔

آج کل امریکہ پر بھی یہودیوں کا تسلط ہے۔ جو سمجھدار اور پڑھے لکھے لوگ ہیں اور اخبارات سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ قوم دنیا میں قلیل تعداد میں ہے، لیکن اس کا پورا تسلط امریکہ پر ہے۔ دنیا میں جتنے اخبارات ہیں اور جتنے بھی ذرائع نشر و اشاعت ہیں چاہے وہ ریڈیو ہو یا ٹی وی ہو، جس قسم کا میڈیا ہو؛ ان پر پورا ان کا قبضہ ہے۔ وہ جو نظریہ چاہتے ہیں اس کو لوگوں کے اندر پھیلاتے ہیں اور ذہن سازی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ نیو ورلڈ آرڈر اصل میں جیو ورلڈ آرڈر کا ایک جز ہی ہے۔ سمجھدار لوگوں کے کہنے کے مطابق یہ یہودیوں کی اسکیم کا ایک حصہ ہے اور امریکہ گویا اس کی کٹھ پتلی ہے۔ اور اسی ضمن میں ان کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق کو خراب کیا جائے۔

## مسلمانوں کے لیے حُسن وشراب کا جام۔

آج سے ایک مدت پہلے عیسائی مشینریوں کے ذمہ دار اوران کے بڑے پوپ سب آپس میں ملے اور مشورہ ہوا۔ ایک پوپ نے اس میں یہ مشورہ دیا تھا کہ شراب کا ایک جام اور ایک حسین وجمیل لڑکی ملّتِ اسلامیہ اور امتِ محمدیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں وہ اثر دکھلاسکتی ہے جو ایک ہزار توپیں نہیں دکھلاسکتی۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ امتِ محمدیہ کے دلوں میں عورت کی شہوت، شراب کا نشہ اور عیش سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی محبت ڈال دو، اس کے لیے پوری کوشش کرو۔ آج یہی کوشش بڑے زور وشور سے ہورہی ہے کہ مسلمانوں میں بلکہ یہودیوں کی کوشش تو یہ ہے کہ پورے عالم میں لوگ ایسی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوجائیں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں دین کو فاسد اور خراب کرنے والی ہیں، آدمی تعیش میں مبتلا ہوجائے اور ان سارے اسباب کو اختیار کرنے لگے تو پھر وہ دین پر قائم نہیں رہ سکتا۔

## عیش پرستی؛ معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے۔

ایک اچھا آدمی اور افسر جو رشوت نہ لیتا ہو اور اپنے فریضہ کو پورا کرتا ہو اگر اس کو عیش میں ڈال دیا جائے اور وہ عیش پرستی کا عادی ہوجائے تو ظاہر ہے کہ اپنے اس عیش کو پورا کرنے کے لئے اس کو پیسوں کی ضرورت پڑے گی، پھر وہ پیسے حاصل کرنے کے لئے رشوت بھی لے گا اور سب کچھ کرے گا۔ آج تک جتنے بھی اصول اس کے پاس تھے وہ سب چھوڑ دے گا۔ اصولوں کا سودا کرنے کے لئے

تیار ہو جائے گا۔

آج کل ایک اسکیم کے تحت لوگوں کو ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ اسباب تعیش کی جانکاری فراہم کی جاتی ہے۔ جو لوگ ٹی وی دیکھنے والے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ عیش میں ڈالنے والی چیزوں کا اس کثرت سے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ آدمی کو اپنا معیارِ زندگی زیادہ سے زیادہ بلند کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ فلاں چیز استعمال کرو اور فلاں چیز میں یہ فائدہ ہے۔ پیسے نہ ہونے کے باوجود جب آدمی اس کے استعمال کی خواہش کرے گا تو غلط راستے سے پیسے حاصل کرے گا۔ لڑکی ہوگی تو وہ اپنے آپ کو برائی کے لئے پیش کرے گی۔ اس کے پاس پیسے حاصل کرنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ والدین پیسے دیتے نہیں، اس لیے وہ اس راستہ سے پیسے حاصل کرے گی۔ مرد حضرات چوری کا، لوٹ کا اور بددیانتی کا راستہ اختیار کریں گے۔ اسبابِ عیش حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کوشش کی ہی جائے گی۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے ذریعہ پورے عالم کے اخلاق کو بگاڑا جارہا ہے۔ حقیقت میں یہ ان کی اسکیم ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اخلاق کو درست کریں۔ اور تعیش کے عادی نہ بنیں۔

## یہود و نصاری کا حسد اور فکری و معاشرتی ارتداد کی کوششیں

میں نے ایک دوسری آیت آپ کے سامنے پڑھی تھی۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ

أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (البقرة: ١٠٩)

کہ بہت سے اہلِ کتاب دل سے اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کو اسلام سے پھیر کر کفر میں لے جائیں۔

اہلِ کتاب کون ہیں؟ یہ یہود و نصاری ہیں۔ وہ لوگ دل سے اس بات کے متمنی ہیں کہ مسلمان اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے۔

کیوں؟ **حسداً من عند انفسهم**

یعنی وہ لوگ جانتے ہیں کہ اسلام مذہب برحق ہے؛ لیکن محض مسلمانوں کے ساتھ حسد اور عداوت کی وجہ سے وہ ایسا کرتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش اس زمانے میں بھی تھی، جس کو قرآنِ پاک میں بتایا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہود و نصاری اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ جو لوگ اسلام میں آچکے ہیں ان کو اسلام سے برگشتہ کیا جائے۔

آج بھی کوششوں کا وہ سلسلہ جاری ہے۔ اسلام سے برگشتہ ہونا صرف یہی نہیں ہے کہ ایک آدمی یہ اعلان کردے کہ میں اسلام سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ نہیں! بلکہ اگر اس کے خیالات بدل جائیں، اس کے معاملات اسلام کے خلاف ہو جائیں، اس کے اخلاق غیر اسلامی ہو جائیں، اس کی معاشرت اسلام کے خلاف ہو جائے تو آپ بتلایئے کہ یہ معاشرتی ارتداد ہوگا یا نہیں؟ یعنی معاشرتی طور پر وہ اسلام سے ہٹا ہوا ہے، اخلاقی اعتبار سے اور معاملات کے اعتبار سے اسلام سے ہٹ گیا ہے تو پھر وہ عبادت کے اعتبار سے اسلام پر ہے بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا

ہے؟ اصل تو اسلام کی قوت تو ان ساری چیزوں کے مجموعہ سے تھی۔ اب خالی عبادات میں مقررہ اوقات میں چند نمازوں کا اہتمام کر بھی لیتا ہے۔ اگر چہ یہ چیز بھی ضائع اور بیکار نہیں جائے گی، آخرت میں کام دے گی اور ایک وقت اس کو جنت میں ضرور لے جائے گی۔ لیکن اسلام کی جو اصل اسپرٹ ہے اور اصل قوت ہے وہ تو اسی وقت نمایاں ہوسکتی ہے جب اسلام کے سارے شعبے زندہ ہوں۔ عقائد کا پہلو بھی زندہ ہو، عبادت، معاشرت اور معاملات والا پہلو بھی زندہ ہو اور اخلاق والا پہلو بھی مسلمانوں کی زندگی میں ہو۔

## وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ، الٹی ہوگئی سب تدبیریں۔

مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے ساتھ دنیا والوں کو بھی اسلام سے متنفر کرنے کے لیے اس وقت کتنی کوشش کی جا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا، ابھی چند مہینہ پہلے اسلام کے نظامِ طلاق کے متعلق کتنا پروپگنڈہ کیا گیا۔ اسلام کے خلاف یہ پروپگنڈہ بہت پہلے سے کیا جا رہا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے لئے کوئی حق نہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف کتنا زیادہ پروپگنڈہ کرتے ہیں؛ لیکن قدرت کا تماشہ دیکھیے کہ یہ سب ہو رہا ہے اور آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ برطانیہ اور جرمنی میں عورتیں ہی کثرت سے اسلام قبول کر رہی ہیں۔ وہ لوگ جس چیز کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا آلہ بنا رہے تھے اور اپنے پروپگنڈے کا خاص محور اور مرکز بنا رہے تھے اسی نقطے کو اللہ تعالی نے اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ بنا دیا۔ وہ عورتیں جنھوں نے برطانیہ میں اسلام قبول کیا ان کی بڑی

تعداد ہے۔ جرمنی میں بھی بہت بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی اور وہ بھی ان پڑھ نہیں، بلکہ پڑھی لکھی عورتیں اسلام قبول کررہی ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ تم کو اسلام کی کون سی خوبی نے اسلام کی طرف مائل کیا اور کھینچا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ اسلام میں عورتوں کے متعلق جو احکام ہیں وہ بہت معتدل اور عورت کی فطرت کے مطابق ہیں۔ آج کل لوگ اسلام کے ان احکام کے ذریعہ جو عورتوں کے متعلق ہیں اسلام کو بدنام کرنے کی کوش کرتے ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا یہ اثر ظاہر فرمایا کہ بجائے اس کے کہ لوگ برگشتہ ہوتے، اُلٹا لوگ اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔

## دل کی بے قراری کا علاج اسلام میں ہے۔

آج کی دنیا اتنی پریشان ہے کہ وہ اپنی اس بے چینی و بے قراری کو دور کرنے کے لئے چین وقرار کا کوئی سامان تلاش کررہی ہے۔ اور وہ اسلام قبول کرنے کے واسطے بے چین ہے۔ موجودہ دنیا میں دل کی بیقراری کے ایسے ایسے سامان ہوچکے ہیں کہ ایک آدمی کے پاس دنیا کے عیش وآرام کے سارے اسباب موجود ہیں، لیکن آپ جانتے ہیں کہ اسبابِ عیش وآرام حاصل کرنے سے عیش وآرام حاصل نہیں ہوتا۔ آپ عمدہ سے عمدہ چارپائی لایئے، عمدہ سے عمدہ بستر تیار کیجیے۔ اس بستر پر پھولوں کی سیج بچھایئے اور اپنے مکان کو ایرکنڈیشنر سے ٹھنڈا کردیجیے، پھر بھی نیند کی گارنٹی دی جاسکتی ہے؟ نیند نہیں آئے گی۔ نیند تو دوسرے اسباب سے آتی ہے۔ دل کے اندر ہی اگر آگ لگی ہوئی ہے تو مکان کو کتنا ہی ٹھنڈا کرو، دل کی آگ

ایر کنڈیشنر سے بجھتی نہیں ہے۔ دل کی آگ کو بجھانے کے لئے تو دوسرا طریقہ ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**، قرآنِ پاک میں ارشادِ خداوندی ہے کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان وسکون نصیب ہوا کرتا ہے۔ دل کی بے چینی و بیقراری اور دل میں لگی ہوئی آگ کو دور کرنے کا یہی ایک مجرب راستہ ہے۔

## عملی اسلام کا نمونہ مطلوب ہے۔

بہر حال! آج کی دنیا بے قرار ہے، بے چین ہے، محتاجِ سکون ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے سامنے کوئی نمونہ پیش کیا جائے۔

ایک بات یاد رکھئے! ایک ماہر اقتصادیات ہے، ایکونومی (Economy) کا ماہر ہے اور وہ کوئی بڑا ہی عمدہ تجارت کا پروجیکٹ تیار کر کے کسی سرمایہ دار اور مالدار کے پاس جائے اور اس کے سامنے سارا فلسفہ پیش کرے کہ یہ کرو گے تو یوں ہوگا اور اتنا بڑا نفع ہوگا، تو وہ پہلے یہ سوال کرے گا کہ اس کا کوئی عملی نمونہ موجود ہے؟ جب تک کہ اس کے سامنے عملی نمونہ پیش نہیں کیا جائے گا، وہ کبھی اپنی ایک پائی بھی اندر ڈالے گا نہیں۔ ہاں! اگر اس کو بتلایا جائے کہ دیکھو! فلاں جگہ اس فارمولا کو آزمایا گیا اور فلاں جگہ اس اسکیم پر عمل کیا گیا تو اتنے فیصد فائدہ ہوا تو پھر وہ وہاں سے با قاعدہ لیٹریچر منگوائے گا اور مطالعہ کرے گا اور جب اس کو یقین ہو جائے گا تو پھر وہ ایک لاکھ کیا دس لاکھ اور کروڑ بھی چاہو تو وہ دینے کے لئے تیار ہے۔ لیکن عملی نمونہ بتائے بغیر ایک پائی بھی دینے کے لئے راضی نہیں ہوگا۔

آج ہم اپنی طرف سے اسلام کی دعوت لوگوں کے سامنے کتنی ہی پیش کریں،

اس کی خوبیاں بیان کریں؛ لیکن لوگ تو عملی نمونہ چاہتے ہیں۔آج مجھ سے اور آپ سے کوئی یہ سوال کرے کہ پوری دنیا میں ایک پورا ملک نہ سہی، پورا صوبہ نہ سہی، پورا شہر نہ سہی، پورا گاؤں نہ سہی ایک محلہ بتادو جو اسلام کے بتلائے ہوئے نظام کے مطابق چلتا ہو، کیا ہم ہاں میں جواب دے سکتے ہیں؟ کیا ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ فلاں ملک کے فلاں شہر کے فلاں محلہ میں آپ چلے جائیے، آپ کو وہاں اسلامی عقائد، اسلامی اعمال، اسلامی معاشرت، اسلامی اخلاق اور اسلامی معاملات کے یہ سارے نمونے دیکھنے ملیں گے؟ آج اگر ایک محلہ بھی ہم ایسا پیش کردیں تو میں آپ کو گارنٹی سے کہتا ہوں کہ پوری دنیا اسلام کے سامنے سر جھکا دے گی؛ لیکن ہمارے پاس ایک بھی نمونہ موجود نہیں۔

## یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود۔

دنیا تو نمونہ چاہتی ہے آج ہم جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس کو دیکھ کر دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ہمارے یہی اخلاق اسلامی اخلاق ہیں، ہماری یہی معاشرت اسلامی معاشرت ہے، ہمارے یہی معاملات اسلامی معاملات ہیں اور ان سب کو دیکھ کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی ہی خراب تعلیم دیتا ہے۔گویا ہم لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔آج لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور ہم اسلام کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنے معاملات واخلاق کے ذریعہ اور اپنی معاشرت بتا کر لوگوں کو روک رہے ہیں۔

لوگ یوں سوچتے ہیں کہ یہ اسلامی اخلاق ہیں؟ اگر اسی کا نام اسلامی اخلاق

ہے تو کون اس کو قبول کرے گا؟

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

حال یہ ہے کہ ہم اسلام کے ساتھ محبت کا دعوی کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ اسلام پر جان نثار کرنے والے ہیں؛ لیکن اسلامی معاشرہ کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ ایک فردِ واحد بھی ہے؟ جو دعوی کر سکے؟ جو لوگ اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں ان کے معاملات دیکھ لیجیے، ان کے اخلاق و معاشرت دیکھ لیجیے، لوگ نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین دار ایسے ہیں تو جو بے دین ہوں گے ان کا کیا حال ہوگا؟ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام کا نمونہ پیش کیا جائے۔

## حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی لینن سے ملاقات

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نومسلم تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی تھی، 'تحریکِ ریشمی رومال' کے نام سے مشہور یہ آزادی کی ایک تحریک تھی۔ اس میں جو پیغامات ہوتے تھے وہ ریشم کے ایک کپڑے پر لکھے جاتے تھے اور اس کپڑے کو جہاں جہاں پیغامات پہنچانے ہوتے تھے وہاں پہنچایا جاتا تھا۔ اس لئے یہ تحریک 'تحریک ریشمی رومال' کے نام سے مشہور رہے۔ تحریک تو کامیاب نہیں ہوئی، پکڑی گئی، بھانڈا

پھوٹ گیا۔ مگر چونکہ اس تحریک میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ نے بڑا حصہ لیا تھا اس لئے ان کے خلاف انگریز کی طرف سے وارنٹ جاری ہوا۔ وہ اپنے آپ کو گرفتاری سے بچانے کے لئے انگریز کے دائرہ حکومت سے باہر روس چلے گئے۔ اس زمانے میں روس پر لینن یا اسٹالین برسرِ حکومت تھا اور چونکہ مولانا سیاسی پناہ گزیں تھے اس لئے لینن واسٹالین کے مہمان بنے اور ان ہی کے پاس قیصرِ صدارت میں رہنے لگے۔ یہاں ان کو لینن، اسٹالین اور دوسرے کمیونسٹ لیڈروں کے ساتھ گفتگو کرنے کا بھی موقع ملتا تھا۔

روسیوں کا کمیونزم اسی انگریزوں اور امریکیوں کے سرمایہ داری والے نظام کے خلاف متعارف کرایا گیا تھا۔ ان کے بقول ایسے گرے پڑے طبقات، جن کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا، ان کو اٹھانے کے لئے کمیونزم کی تحریک شروع ہوئی تھی۔ اگر چہ وہ بھی اب تو ناکام ہوچکی اور دنیا نے اس کی ناکامی بھی دیکھی، البتہ اس وقت اس کا بڑا زور تھا اور وہ تحریک بڑے عروج پر تھی۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے لینن کے سامنے اسلام کا پورا نظام پیش کیا اور اسٹالن کو دعوت دی کہ تم لوگ (یعنی کمیونسٹ پارٹی) اسلام قبول کرلو اور اسلامی نظام کو اپنے ملک میں نافذ کرو۔ کمیونزم کے بجائے اسلام کا نظام تمہاری تمناؤں اور مقاصد کو اچھی طرح سے پورا کرے گا۔ اس نے سب باتیں اور دلائل سنے، اس کے بعد لینن نے مولانا سے ایک سوال کیا کہ جو کچھ آپ نے بتایا وہ سب بالکل درست ہے، لیکن کیا اس کا کوئی نمونہ دنیا میں موجود ہے؟ آپ ہمیں عملی طور پر نمونہ بتلا سکتے ہیں؟ مولانا عبید اللہؒ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ خیر! لینن کا یہ سوال اخلاص پر مبنی تھا یا نہیں، یہ تو اللہ تعالی

بہتر جانتا ہے، لیکن اتنی بات تو طے ہے کہ اس کا نمونہ پیش کرنے سے ہم عاجز رہے۔ آج بھی ہمارے برادرانِ وطن میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اسلام کی تعلیمات سے وہ متأثر ہوئے اور وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مشکلات کا حل اور سارے مصائب کا علاج اسلام میں موجود ہے، لیکن ان کی طرف سے یہی ایک سوال ہوتا ہے۔

## اسلام عملی نظام کا نام ہے، نرا فلسفہ نہیں۔

میرے ایک دوست ہیں، عالم بھی ہیں اور تاجر بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک ہندو جس نے اسلام کا خوب مطالعہ کیا ہے اس نے میرے سامنے یہی سوال کیا کہ اسلامی تعلیمات فقط ایک فلسفہ ہے، یہ عملی چیز نہیں۔ اس نے یہ دعوی کے ساتھ کہا کہ یہ سب عملی طور پر ناممکن ہے۔ یہ تعلیمات عمل میں آ ہی نہیں سکتیں۔ یہ ایک بڑا عمدہ فلسفہ ہے؛ مگر اس کو عملی جامہ پہنانا مشکل ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہمیں عملی نمونہ بتاؤ۔ اب تاریخ کے اوراق میں سے ہم اسے دکھائیں اور کہیں کہ قرنِ اول میں ایسے لوگ موجود تھے تو اس تاریخ پر کون اعتبار کرے گا؟ آج کل تو حال یہ ہے کہ اگر کہیں زندہ سلامت نمونہ موجود ہو تو جب تک کہ آنکھوں سے نہ دیکھیں وہاں تک یقین کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں، تو تاریخ کے اندر لکھی ہوئی باتوں پر کون اعتبار کرے گا؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی معاشرت کو ایسا درست کریں کہ ہماری معاشرت، ہمارے اخلاق اور ہمارے معاملات دیکھ کر

لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

## اللہ کی مہلت سے فائدہ اٹھایئے۔

یاد رکھیے! برادرانِ وطن میں جو مذہبی جذبات ابھارے گئے ہیں وہ ہمارے لئے خیر ہی خیر ہے۔ شر کچھ بھی نہیں۔ آپ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ گذشتہ سال اسی تاریخ میں- آج تو دس دسمبر ہے نا؟- گذشتہ سال ۱۰ دسمبر کو یہاں سورت میں کیا حال تھا؟ اُس وقت جو حالات ہم پر گذر رہے تھے، ان سے یہ اندازہ ہم لگا سکتے تھے کہ اس طرح اطمینان سے بیٹھ کر ہم یہ سب باتیں کر سکیں گے؟ اس وقت ہم میں سے ہر ایک اپنے مستقبل سے مایوس ہو چکا تھا کہ اس ملک میں اسلام کے لئے کوئی مستقبل موجود نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ سوچتا تھا کہ اسلام ختم ہو گیا سمجھو۔ مسلمان ختم ہو گئے؛ لیکن حالات نے کیسا پلٹا کھایا کہ وہی لوگ جنہوں نے یہ سب کرایا تھا، اقتدار کی کرسیوں سے ہٹائے گئے اور لوگ بھی ان کو لانے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ ان کو اور زیادہ اکثریت کے ساتھ آنا چاہیے تھا؛ لیکن نہیں آئے۔ یہ اللہ کی قدرت ہے۔

ابھی اللہ تبارک وتعالی کا دیا ہوا موقع ہمارے پاس باقی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تو بڑی غلطیاں کی ہیں اور بڑی کوتاہیاں کی ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بار بار موقع دیا جاتا ہے، اب بھی موقع دیا گیا ہے۔ اگر ہم اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو **إن تتولوا يستبدل قوماً غيركم ثم لا يكونوا أمثالكم**، اگر تم راہِ حق سے ہٹو گے اور اس راہ کو اختیار نہیں کرو گے اور

تمام اسلامی احکام کو زندگی میں نہیں اتاروگے تو اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے دوسری قوم کو لائے گا اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوگی۔ اللہ تعالی کی طرف سے یہ چیلنج پہلے سے دیا جا چکا ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ کے کچھ مخصوص بندے ایسے ہیں جن کی دعاؤں کے صدقے ہمیں اور امت کو سنبھلنے کا موقع دیا جا رہا ہے۔ لیکن کب تک؟

آپ سوچئے! باپ کا کوئی بیٹا نافرمانی پر اتر آیا ہو اور باپ سزا دینے کے لئے آمادہ ہے؛ لیکن اعزہ میں سے کوئی آیا کہ یہ بیٹا ہی ہے اس کو ذرا موقع دو، تو وہ کہے گا کہ چلو! تم کہتے ہو تو موقع دیتا ہوں؛ لیکن پھر دوسری تیسری بار نہیں سنبھلے گا تو چاہے جتنے لوگ سفارش کریں اور بار بار کریں ایک وقت آئے گا کہ باپ اس کو کان پکڑ کر گھر سے نکال دے گا اور کہہ دے گا کہ تو میرا بیٹا نہیں، میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

## اللہ تعالی کی کسی کے ساتھ رشتہ داری نہیں۔

اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ ابھی ہم کو سنبھلنے کے مواقع دیے جا رہے ہیں۔ ہمارے کان کھولنے کے لئے، ہماری نیند اُڑانے کے واسطے بہت جھنجھوڑا گیا اور بہت سخت سے سخت حالات ہم پر لائے گئے، اگر ہم نے اپنے آپ کو نہیں سنبھالا اور درست نہیں کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمارے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ یہ یاد رکھیے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو جب حضرت عمر ؓ نے سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا اور

مسلمانوں کا لشکر دریائے دجلہ کو بغیر کشتیوں کے پار کر گیا تھا تو اس وقت کہا گیا تھا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی کے ساتھ لگائی اور رشتہ داری نہیں ہے۔ معلوم ہوا جیسے اعمال ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید و جو ز جو

گیہوں بوؤ گے تو گیہوں ملیں گے اور جَو بوؤ گے تو جَو ملیں گے۔ اس لیے آدمی کو اپنے عمل کے بدلے سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ہم اگر کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی ہمیں ہاتھ آئیں گے اور اگر ہم پھول اگائیں گے تو پھول ہاتھوں میں آ سکتے ہیں۔ کانٹے بو کر ہم پھولوں کو حاصل کرنے کی امید رکھیں تو ایں خیال است ومحال است وجنوں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اعمال کو درست کریں۔

## سبق پھر پڑھ صداقت کا۔

دوسری قوموں کو اپنے اخلاق و معاملات اور اپنی معاشرت کے ذریعہ دعوت دیں۔ زبان سے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زبان سے کہنا اتنا مفید نہیں گرچہ وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں؛ لیکن ہمارے اعمال سے ان کو جو دعوت پہنچے گی وہ ایسی پختہ اور قوی ہوگی کہ وہ اپنا سر جھکانے کے لئے مجبور ہوں گے۔ بس! میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور علامہ اقبال کا شعر پیش کرتا ہوں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اگر ہم ان صفات کو اپنے اندر پیدا کریں گے تو دوبارہ وہی چیز حاصل ہو سکتی ہے، ورنہ تو پھر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو معاملہ ہو ہم اس کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالی ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ دین کے سارے اجزاء کو اور تمام شعبوں کو ہم اپنی زندگی کے اندر اُتارنے کی کوشش کریں۔

# انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

# اقتباس

آج جس جس کے پاس جو جو ذمہ داری ہے، اہلِ علم کے پاس علم کی ذمہ داری ہے، اہلِ مال کے پاس مال کی ذمہ داری ہے، ہر آدمی کے پاس اس کا وجود، اس کا جسم، اس کے اعضاء، اس کی صلاحیتیں، یہ ساری چیزیں ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں اور ان امانتوں کی ادائگی اور ان کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اگر اس کی ادائگی میں ہم کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوگی، ہر ایک کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی امانت موجود ہے؛ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ کہ ہر ایک تم میں سے ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری اس کے حوالہ کی گئی اور اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک فرد بھی آپ کی ماتحتی میں نہیں ہے تب بھی آپ اپنے جسم پر، اپنے اعضاء پر، اپنی صلاحیتوں پر نگران ہیں اور ان کو اللہ کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق استعمال کرنا ہے، ہر شخص کو اس امانت کو ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولا نا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا، أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا [النساء:۵۸]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ (۱).

## آیتِ امانت کا شانِ نزول

یہ آیتِ کریمہ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو کعبۃ اللہ کے کلید بردار یعنی جن کے پاس کعبۃ اللہ کی چابی رہتی تھی، حضرت عثمان بن طلحہ (۲) تھے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ چابی لے آؤ۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي الْإِيفَاءِ بِالْعُقُودِ.

(۲) تفسیرِ مظہری، رازی، البحر المحیط وغیرہ اکثر کتابوں میں ان کا نام عثمان بن طلحہؓ مذکور ہے: عن مجاهد قال نزلت هذه الآية فی عثمان بن طلحة أخذ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منه مفتاح الكعبة (التفسیر المظہری)۔ جب کہ ➡

ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کے اندر داخلہ کا ارادہ فرمایا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطالبہ کیا کہ کھول دیں تاکہ اندر جا سکوں، انھوں نے منع کر دیا، انکار کر دیا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عثمان ایک وقت آئے گا کہ یہ چابی میرے پاس ہوگی اور میں جس کو چاہوں عطا کروں گا۔

## کعبۃ اللہ کی مختلف خدمتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی یہ بات پوری فرمائی، فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چابی لانے کا حکم دیا، انھوں نے چابی لاکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا اور اندر تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو تمام مکہ والے حرم کے اندر جمع ہو چکے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں چابی تھی، قریش ایک بڑا قبیلہ تھا جس کے ماتحت مختلف خاندان تھے اور ہر خاندان کے متعلق کوئی نہ کوئی ایسی خدمت تھی جس کو وہ خاندان اپنے لیے سرمایۂ فخر سمجھتا تھا، چنانچہ قریش میں بنو ہاشم جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان تھا، ان کے ذمہ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری تھی اور بنو شیبہ کے ذمہ کعبۃ اللہ کی کلید برداری یعنی کعبۃ اللہ کی چابی ان کے پاس رہا کرتی تھی۔

---

➲ قرطبی وغیرہ بعض کتابوں میں عثمان بن ابی طلحہ مذکور ہے: ذلك خطاب للنبي صلى الله عليه وآله وسلم خاصة في أمر مفتاح الكعبة حين أخذه من عثمان بن أبي طلحة الحجبي العبدري من بني عبد الدار ومن ابن عمه شيبة بن عثمان بن أبي طلحة (تفسیر قرطبی ۲۵۶/۵)

# اسلام کی وسیع ظرفی

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے اندر سے نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے، آپ کے دستِ مبارک میں چابی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱) نے کھڑے ہوکر درخواست کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ چابی آپ ہمیں عنایت فرمائیے؛ تاکہ ہمارے پاس جس طرح سقایہ کا منصب ہے، اسی طرح یہ کلید برداری یعنی کعبہ کی حجابی، دربانی کا بھی منصب ہمیں حاصل ہوجائے۔ اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو یہ حکم کرتے ہیں کہ آپ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کریں، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنو ہاشم کی طرف سے نمائندہ بن کر مطالبہ کیا تھا پھر بھی چابی حضرت عثمان بن شیبہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی یہ فرماتے ہوئے کہ یہ میں نہیں دے رہا ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے اور خذھا خالدۃ تالدۃ(۱) کہ یہ

(۱) درمنثور (۴/۴۹۵) قرطبی (۵/۲۵۶) بغوی (۲/۲۳۸) وغیرہ میں حضرت علیؓ کی جگہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا نام مذکور ہے، البتہ ان کتابوں میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان سے چابی طلب کی تو انھوں نے دینے سے انکار دیا، اس وقت حضرت علیؓ نے ان کا ہاتھ مروڑ کر چابی لے لی پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ چابی عثمان کو واپس دے دو۔ (تفسیر ابو السعود ۲/۱۰۲)

(۱) فلما کان یوم الفتح قال لی یا عثمان ایت بالمفتاح فاتیتہ بہ فاخذہ منی ثم دفعہ الیّ وقال خذھا خالدۃ تالدۃ لا ینزعھا منکم الا ظالم (تفسیر مظہری) قرطبی وغیرہ میں اس طرح ہے: قال عمر بن الخطاب: وخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو یقرأ ھذہ الآیۃ، وما کنت سمعتھا قبل منہ، فدعا

چابی اس طرح لیجیے کہ یہ آپ کے خاندان میں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہے گی، گویا یہ چابی ہی نہیں دی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساتھ میں بشارت بھی سنائی کہ آپ کا خاندان قیامت تک باقی رہے گا۔

## امانت کا معنیٰ عرفِ عام میں

خیر اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امانت کی ادائگی کا حکم فرمایا۔ امانت کا ایک مخصوص مفہوم ہے جس کو ہم اپنے ذہنوں میں بٹھائے ہوئے ہیں کہ ایک رقم ہے، کچھ پیسے ہیں جن کو میں نے آپ کے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے آپ اپنے پاس رکھیے، جب میں چاہوں گا آپ سے مانگ لوں گا اور جب مجھے ضرورت پیش آئی، میں نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا جو رقم میں نے آپ کے حوالہ کی تھی، وہ جوں کی توں واپس کر دی، اس میں کوئی تصرف نہیں کیا تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا نام امانت ہے۔

## امانت کا وسیع معنیٰ ومفہوم

اس کو بھی امانت کہتے ہیں لیکن امانت کا مفہوم عربی زبان کے اندر اتنی بات تک محدود نہیں ہے، اس میں بڑی وسعت ہے، خالی اسی چیز کو امانت نہیں کہتے، عربی کے اندر امانت کا لفظ اس سے زیادہ وسیع معنیٰ اور وسیع مفہوم کے اندر بولا جاتا ہے جس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی معاملہ میں کسی کے اوپر اعتماد کرنا، اس کا نام ہے عربی زبان

---

➲ عثمان وشيبة فقال: (خذاها خالدة تالدة لا ينزعها منكم إلا ظالم) رازی وغیرہ اکثر کتابوں میں یہ الفاظ ہیں: هاك خالدة تالدة لا ينزعها منك إلا ظالم (تفسیر رازی)

میں امانت، قرآنِ پاک میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ [الأحزاب:۷۲] کہ جب ہم نے یہ امانت پیش کی تھی آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر اور اللہ کی بڑی بڑی مخلوقات نے یعنی آسمان ہو یا زمین ہو یا پہاڑ ہو، انھوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا، گویا اپنی عدمِ استطاعت کا اظہار کیا کہ ہم امانت کے اس بار کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے،

| | | |
|---|---|---|
| آسماں بارِ امانت نتواند کشید | | قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند |

تو پھر وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا، إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا۔

## امانت کا معنی قرآنِ کریم کی اصطلاح میں

تو یہاں امانت سے کیا مراد ہے؟ علماء نے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ امانت کا مطلب یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک مخصوص قسم کی زندگی دینے کی پیش کش کی گئی کہ آپ کو ایک ایسی زندگی دی جائے گی جس میں آپ کو اس بات کا اختیار رہے گا کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کریں اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کر کے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کریں اور جنت کی ہمیشہ کی راحتوں کے اندر پہنچیں اور اگر آپ چاہیں تو اس زندگی کو

اللہ کی نافرمانی میں، گناہوں میں گزار کر اللہ کی ناراضگی مول لیں اور اس کے نتیجے میں ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں۔ یہ اختیار والی، آزمائش والی زندگی جو ہمیں عطا کی گئی اسی کو قرآنِ پاک کے اندر امانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

## احکامِ الٰہی کی دو قسمیں

دیکھئے! اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو احکام دئے جاتے ہیں، وہ دو قسم کے ہیں: ایک تو ہیں تکوینی، دوسرے ہیں تشریعی۔ تکوینی احکام کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوقات کو بعض ایسی چیزوں کا پابند بنایا جاتا ہے کہ جس کا انجام دینا ان کے لیے ضروری ہے، گویا ان کے انجام دہی میں وہ مجبور ہیں، ان کے اختیار کا کوئی دخل نہیں۔

## احکامِ تکوینی کی تشریح بذریعۂ امثلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کو پیدا فرمایا، اس کی ڈیوٹی (duty) مقرر کر دی کہ اس وقت تجھے طلوع ہونا ہے، ہماری مخلوق کو روشنی، حرارت اور گرمی پہنچانی ہے، ان کی اور ضرورتوں میں کام آنا ہے، اور فلاں وقت غروب ہونا ہے۔ اسی طریقے سے آسمان کو پیدا فرمایا، آسمان کے لیے ایک ڈیوٹی مقرر کر دی گئی جس کے یہ فوائد اللہ کی مخلوق کو پہنچ رہے ہیں، زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ جو ساری مخلوقات ہیں: درخت، اسی طریقہ سے جانور، گائے، بیل وغیرہ کو ہماری ضرورتوں کے واسطے، ہمارے فائدے کے لیے پیدا کیا۔

اب اگر یہ گائے چاہے کہ اپنا دودھ دینے سے انکار کر دے تو یہ ناممکن ہے یعنی یہ جو غذا کھائے گی تو اس غذا کے نتیجے میں دودھ آپ ہی آپ بن ہی جائے گا، دودھ کا بنانا، نہ بنانا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ سورج یہ چاہے کہ وہ طلوع نہ ہو یا غروب نہ ہو تو یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر نہیں ہے، اس کی ایک ڈیوٹی ہے، اس میں کوئی ترمیم اور کوئی تغیر کرنے کا اس کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس طرح کی چیزیں جو مخلوقات سے متعلق ہیں، جس کو ہم قانونِ قدرت کہتے ہیں، اسی کو تکوینی احکام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## ذاتِ انسانی میں تکوینیات کی کرشمہ سازیاں

انسان کے ساتھ بھی بعض ایسی چیزیں لگی ہوئی ہیں جو تکوینیات کے قبیل سے ہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیکھنے کے واسطے آنکھ پیدا فرمائی، سننے کے واسطے کان پیدا فرمائے، بات چیت کرنے کے واسطے زبان پیدا فرمائی۔ اب اگر ہم چاہیں کہ دیکھنے کا کام زبان سے لیں یا سننے کا کام آنکھ سے لیں یا بولنے کا کام کان سے لیں، ایسا نہیں کر سکتے، یہ تکوینی امر ہے، قانونِ قدرت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھ دیکھنے کے واسطے دی ہے تو دیکھنے کا کام ہم آنکھ سے ہی کر سکتے ہیں، آنکھ کے علاوہ کسی اور عضو سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔

## آنکھ کے بارے میں حکمِ تکوینی

ہاں اب آنکھ سے کیا دیکھنا ہے اور کون سی چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوں گے اور کون سی چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوں گے تو

اس میں ہم کو اختیار دیا گیا تو گویا آنکھ کے اندر دو چیزیں ہیں، دو حکم آئے ہیں: ایک تکوینی حکم آیا اور ایک تشریعی حکم آیا، تکوینی حکم یہ ہے کہ دیکھنے کا کام وہ تو ہمیں آنکھ سے ہی کرنا ہی کرنا ہے، اسی کو قانونِ قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## آنکھ کے بارے میں حکمِ تشریعی

اور کیا دیکھنا ہے اس میں ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اختیار دے دیا کہ ہم چاہیں تو غلط چیز بھی دیکھ سکتے ہیں: سینما دیکھنا چاہیں، ٹی وی دیکھنا چاہیں، نامحرم کی طرف نظر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی آدمی نامحرم کی طرف نظر کرنا چاہے تو اس کی نگاہ ہی چھن جائے اور نظر نہ آئے، ایسا نہیں ہے، اللہ نے اختیار دیا ہے، یہ بات اور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ نامحرم عورت کو آپ دیکھیں گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا اور فلاں فلاں چیزیں آپ کو نہیں دیکھنی ہیں اور فلاں فلاں چیز دیکھی جا سکتی ہیں، اسی کو حکمِ تشریعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## امانت: عمل کرنے نہ کرنے کے اختیار کا نام ہے

مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اپنی زندگی میں اختیار دیا، اللہ نے اپنی شریعت نازل فرمائی اور اس شریعت کے اوپر عمل کرنے، نہ کرنے کا اختیار دیا گیا کہ ہم اپنی مرضی سے چاہیں تو عمل کریں، چاہیں تو عمل نہ کریں۔ یہ ضرور بتلا دیا گیا کہ عمل کرو گے تو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی، رضا حاصل ہوگی، جنت میں جاؤ گے اور ہمیشہ کی راحتیں پاؤ گے اور اگر عمل

نہیں کروگے تو اللہ کی ناراضگی اور غضب کے شکار بنوگے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا، کرنے، نہ کرنے کا اختیار ہمیں دیا گیا تو اسی زندگی کو قرآنِ پاک کی آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ میں امانت سے تعبیر کیا گیا۔

## انسان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے

یہ اتنی بلند چیز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی، مخلوقات میں، پورے عالم میں یہ چیز کسی اور نہیں دی گئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی تو ہماری زندگی امانت ہے، ہمارا وجود امانت ہے، ہماری آنکھ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہماری زبان یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے کان یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے ہاتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے پیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے۔ اب جب آنکھ اللہ کی امانت ہے تو ہم اس کو وہیں استعمال کر سکتے ہیں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اور جہاں استعمال کرنے سے منع کیا ہے اگر ہم اس جگہ استعمال کریں گے تو اسی کو خیانت سے تعبیر کیا جائے گا، اسی کو قرآنِ پاک میں ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ [غافر:۱۹] فرمایا، آنکھیں جو خیانت کرتی ہیں یعنی جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع کیا ہے، ایسی چیزوں کو اگر آنکھیں دیکھتی ہیں تو اللہ اس کو جانتا ہے، تمہارے قلوب اور تمہارے دلوں میں جو ارادے چھپے ہوئے ہیں، ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ بخوبی واقف ہیں یعنی کہ یہاں آنکھ کو غلط جگہ استعمال کرنے کو خیانت سے تعبیر کیا گیا، ہمیں

ویسے اختیار تو دیا گیا تھا لیکن حکم یہ تھا کہ ہم اس کو اسی جگہ استعمال کریں جہاں ہمیں استعمال کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

## احکامِ تشریعی میں اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان

یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا اکرم ہے کہ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے، ان کی تعداد بہت کم ہے، چند چیزیں ہیں اور باقی تمام چیزوں کو دیکھنے کی اجازت دے دی، اگر آپ شریعت کے احکام میں غور کریں گے تو ممنوعات ومنہیات کی تعداد کم ملے گی اور جن چیزوں کی اجازت دی گئی ہے ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اب وہ چند چیزیں جن سے روکا گیا ہے ان کے بارے میں بھی یہ خواہش ہے کہ ان سے بھی حرمت اٹھالی جائے، عجیب بات ہے!!

## احکامِ تشریعی بسلسلۂ زبان

اور زبان بھی امانت ہے، زبان سے اللہ کی تعریف کرو، اللہ کا ذکر کرو، قرآنِ پاک کی تلاوت کرو، کسی کو فائدہ پہنچے ایسی بات کرو اور ایسی بات مت کہو جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوتا ہو: جھوٹ مت بولو، غیبت مت کرو، کسی پر بہتان مت باندھو، کسی کو گالی مت دو، اس سلسلہ میں احادیث کے اندر باقاعدہ تاکید کی گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (۱) مسلمان وہ

---

(۱) بخاری شریف عَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بَابُ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ.

ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ: (۱) کہ جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان جو چیز ہے یعنی زبان اور دونوں رانوں کے درمیان جو چیز ہے یعنی شرم گاہ، اس کی گارنٹی دیتا ہو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: مَا النَّجَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! اے اللہ کے رسول! کون سی چیز میں نجات ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزیں بتائی تھیں، ان میں سے پہلی چیز تھی: أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۲) کہ اپنی زبان کو قابو اور کنٹرول میں رکھو، تمہارا اس پر کنٹرول ہونا چاہیے۔

تو بہر حال! زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، اس کو ہمیں وہیں استعمال کرنا ہے جہاں استعمال کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حکم اور اس کی اجازت دی ہے، جہاں استعمال کرنے سے منع کیا ہے وہاں اگر استعمال کریں گے تو اس کو خیانت کہیں گے۔

## اعضاء کو اللہ کی ناراضگی والے کام میں استعمال کرنا خیانت ہے

اسی طریقہ سے کان اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے اور ہاتھ اللہ تبارک وتعالیٰ

---

(۱) بخاری شریف عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ.

(۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا النَّجَاةُ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ (سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِی حِفْظِ اللِّسَانِ)

کی امانت ہے اور یہ سارے اعضاء، ہر ہر عضو امانت ہے، ہماری پوری زندگی امانت ہے، ہمیں اپنی زندگی اسی کام میں لگانی ہے جن کے کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے، جن کے کرنے سے منع کیا ان سے ان اعضاء کو بچانا ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے، ان چیزوں میں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع کیا ہے اپنی زندگی کو صرف کریں گے، خرچ کریں گے تو یہ خیانت شمار کی جائے گی۔

## مال بھی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

مال اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ مال ہم نے کمایا، مال ہمارا ہے، جس طرح چاہیں ہم خرچ کریں، کوئی روک ٹوک نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرماتے ہیں: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ أو كما قال عليه الصلوة والسلام (۱) کہ: انسان کے پاؤں قیامت کے دن اللہ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکیں گے جب تک ان پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے: (۱) عمر کہاں گزاری، کہاں صرف کی (۲) جوانی کے متعلق کہ جوانی کی قوتوں کو کہاں لگایا (۳، ۴) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا (۵) اور جو علم سیکھا اس پر کیا عمل کیا؟۔

## مال کمانے اور خرچ کرنے دونوں میں ہم مکلف ہیں

کمانے کے متعلق بھی ہم کو آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جس طرح چاہیں مال

---

(۱) سنن الترمذی، بَابٌ فِي الْقِيَامَةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ.

بٹوریں، جمع کرلیں، نہیں بھائی! بلکہ کمانے کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ احکام دیئے گئے کہ کمانے کے جائز طریقے کون سے ہیں؟ ان سے کمائیں اور مال آجانے کے بعد اس کو خرچ کرنے کے اندر بھی ہمیں اختیار نہیں دیا گیا، ضرورتوں کے اندر ضرور خرچ کر سکتے ہیں، اگر کھانے کی ہماری ضرورت دس روپیہ سے پوری ہوسکتی ہے اور ہم کھانے ہی میں استعمال کرتے ہیں، سینما بینی میں استعمال نہیں کرتے لیکن ضرورت جو دس روپیہ میں پوری ہوتی تھی، ہم پندرہ میں پوری کریں گے تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں فضول خرچی کہا جاتا ہے اور فضول خرچی کو حرام قرار دیا گیا۔

## ضرورتوں میں مقدارِ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے

آپ کو پہننے کی ضرورت ہے، عمدہ لباس پہننا چاہتے ہیں، کوئی بات نہیں، پہن لیجیے لیکن اس میں آپ فضول خرچی نہیں کریں گے۔ آپ کو مکان کی ضرورت ہے ضرور بنائیے لیکن فضول خرچی سے احتراز کیجیے۔ آج کل مکانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے، لایعنی کا ایک ڈھیر ہے، آپ دیکھیں گے کہ مکانوں کے اندر ایسی بے شمار چیزیں ہیں جو کسی کام کی نہیں، نہ وہ کھانا پکانے کے کام آتی ہیں، نہ لیٹنے کے کام آتی ہیں، نہ کسی اور چیز کے کام آتی ہے۔ بس کس کے واسطے؟ شو (show) کے واسطے، شوکیس (showcase) کے اندر اس کو رکھ دیا ہے، شریعت نے شو کی اجازت نہیں دی ہے۔

## نمائش اور دکھلاوا شریعت میں مذموم ہے

ارے! عبادت کے اندر بھی شریعت نے شو کی اجازت نہیں دی ہے تو پھر ان

چیزوں میں کہاں سے اجازت ہوجائے گی؟ نمائش کے لیے اجازت نہیں ہے، ہم اگر آسائش کے لیے، خود کو راحت پہنچانے کے لیے کہ ہم کمزور ہیں، اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ دو سالنوں تک کو جمع کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اس امت کے اندر ایجاد ہوئی وہ دستر خوان کے اوپر دو قسم کے کھانے ہیں اور ہمارے یہاں کتنے قسم کے کھانے ہوتے ہیں ہم جانتے ہیں۔

## صحابہ کرامؓ کا تقویٰ اور احتیاط

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو صاحب سِرّ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار سمجھے جاتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام کی فہرست بتلادی تھی کہ فلان فلان حضرات منافقین ہیں، کسی اور کو یہ بات معلوم نہیں تھی؛ اس لیے ان کو صاحب سِرّ الرسول کہا جاتا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیدی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں راز اور بھید کی بات بتلائی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ اگر کسی کا انتقال ہوتا تو کہتے کہ دیکھو! ان کے جنازے میں حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جنازے میں شریک ہوتے اور اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ جاتے کہ یہ شخص منافق ہے؛ اس لیے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہیں۔

# حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حذیفہ! تم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے نام بتلائے ہیں، ذرا بتلادو کہ ان میں عمر بن خطاب کا نام تو نہیں ہے(۱)۔ دیکھئے! ہم تو کہیں دو چار نمازیں پڑھ لیتے ہیں تو کہاں کہاں چھلانگیں لگانے لگتے ہیں، یہ حضرات جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنادی تھی، وہ اپنی ذات کے اوپر مطمئن نہیں ہیں۔

## ان شیر دلوں کی اولادیں ہیں عاشقِ حسنِ دام و درم

بہرحال! حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تمہارا نام نہیں ہے پھر کہا کہ منافقین کے یہاں کی ایک بات میں تمہارے یہاں دیکھتا ہوں کہ تمہارے دسترخوان پر دو سالن ہوتے ہیں، وہ دو سالن کون سے تھے معلوم ہے؟ سرکہ اور زیتون کا تیل۔ جن کو ہم سالن بھی شمار نہیں کرتے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں اگر زیتون کا تیل ہوتا تو سرکہ استعمال نہیں کرتے اور اگر سرکہ ہوتا تو زیتون کا تیل استعمال نہیں کرتے تھے۔

## فضول خرچی سے بچو

خیر! میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے یہاں تو ان لایعنی چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا

(۱) البدایہ والنہایہ ۵/۲۵.

ہے، بات اس پر چل رہی تھی کہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، آپ کو اگر اللہ تعالیٰ نے کروڑوں روپئے دے رکھے ہیں تو آپ یوں سمجھئے کہ یہ آپ کی چیز نہیں ہے، اللہ کی چیز ہے، آپ بھی اس میں سے اتنا ہی خرچ کر سکتے ہیں جتنا کہ آپ کی ضرورت ہے، آپ اگر اپنی ضرورت سے زیادہ اس میں خرچ کرتے ہیں تو گناہ ہے، سنیما بینی وغیرہ گناہوں میں اپنا مال خرچ کرنا تو گناہ ہے ہی لیکن اگر آپ کھانے میں، پینے میں، مکان میں، اپنی ضروریات میں جتنے مال میں اپنی ضرورت پوری ہوتی ہے، اس سے زیادہ خرچ کرلیا تو اسی کا نام فضول خرچی ہے اور شریعت نے فضول خرچی کو حرام قرار دیا ہے۔

## انفاقِ مال کا حکم اور اس کی مختلف راہیں

معلوم ہوا کہ یہ پیسے ہمارے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، ہاں اتنا ہے کہ اس میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اتنا خرچ کرنے کی اجازت دی ہے جتنی ہماری ضرورت ہے، باقی جہاں اللہ نے خرچ کرنے کو کہا وہاں خرچ کیجیے، کچھ خرچے ایسے ہیں جن کو واجب قرار دیا گیا اور کچھ خرچے ایسے ہیں جن کو فرض قرار دیا گیا ہے، مثلاً: زکوۃ فرض قرار دی گئی، صدقۃ الفطر اور قربانی واجب قرار دی گئی اور کچھ خرچے ایسے ہیں جن کو واجب اور فرض نہیں قرار دیا گیا، نوافل کے درجے میں ہیں: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۵] کہ: یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے کہ جو بچ جائے وہ سب خرچ کر ڈالو۔ جب کہ ہم تو بینک کے اندر جمع کراتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرآنِ پاک میں حکم یہ ہے کہ تمہاری ضرورت

سے زائد جو کچھ بھی بچ جائے اس کو خرچ کر ڈالو در حقیقت وہی جمع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں **محفوظ** رہتا ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ [النحل: ۹۶]: جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اگر ہم اس کو واقعۃً جمع کرنا چاہتے ہیں تو اس کو اللہ کی بینک کے اندر جمع کرا دیں، سب خرچ کر دیں، وہاں جمع ہو جائے گا اور کام آئے گا۔

## عہدہ ومنصب بھی امانت ہے

تو بہر حال! میں بتلا یہ رہا تھا کہ مال امانت ہے، عہدہ امانت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مسلمانوں کے کام کا نگران بنایا ہو اور وہ اس کام میں سے کسی کام کی ذمہ داری کسی ایسے کو حوالے کرے کہ اس سے اچھا اس کام کو انجام دینے والا موجود ہے یعنی وہ کام آپ جس کے حوالے کر رہے ہیں، اس کام کو اس سے اچھا انجام دینے والا شخص تمہارے اندر، تمہارے معاشرے میں موجود ہے تو اس آدمی نے قوم کے ساتھ خیانت کی۔ متولیوں کے واسطے، مہتممین کے واسطے اس میں تنبیہ موجود ہے کہ آپ ایسے آدمی کو کوئی کتاب دیں گے، کوئی ذمہ داری حوالے کریں گے کہ اس سے زیادہ صلاحیت والا آدمی موجود ہے اور تم نے اس کو اس لیے دی کہ اس کو تمہارے ساتھ تعلق زیادہ ہے تو آپ نے خیانت سے کام لیا۔

## علم بھی امانت ہے

علم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، جو اہلِ علم ہیں ان کو یہ بات بگوشِ ہوش سن لینی

چاہیے کہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت عطا فرمائی ہے کل کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال ہوگا کہ کیا عمل کیا اور اس علم کا حق کیا ادا کیا؟ کتنا لوگوں تک پہنچایا؟ علم امانت ہے، جس روز آپ نے علم حاصل کیا تھا اس روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کو حکم دے دیا گیا تھا کہ اس علم کو پھیلاؤ۔

## کتمانِ علم کے وبال سے بچنے کا ایک صحابیؓ کا جذبہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بالکل آخری وقت: جان کنی کا، روح قبض ہونے کا وقت آیا تو بڑے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو جمع فرمایا اور فرمایا کہ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جو آج تک میں نے آپ کے سامنے روایت نہیں کی، آج میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا دنیا سے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے؛ اس لیے یہ حدیث بیان کر رہا ہوں تا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنائی ہوئی اس وعید کے تحت داخل نہ ہو جاؤں کہ جو علم کسی کے پاس ہے اور وہ اس نے چھپایا تو اسے جہنم کی آگ کی لگام پہنائی جائے گی، اس کے بعد انھوں نے یہ حدیث سنائی: مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ کہ جس کا آخری کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

## اہلِ علم کے پیشِ نظر صرف رضاءِ الٰہی ہو

یہ علم امانت ہے، اب اس علم کا حق یہ ہے کہ اہلِ علم اپنے علم کو خوب پھیلائیں، یہ اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ ایک عالم کے سامنے علمِ دین کی خدمت ہو، نوکری اور ملازمت نہ سمجھے، آپ کسی مہتمم یا متولی کو نہ دیکھئے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیشِ نظر رکھئے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا معاملہ کر لیجیے کہ جو کچھ عمل کر رہے ہیں اللہ کے واسطے کر رہے ہیں، لوگ چاہیں جو کچھ کہیں۔ آپ کا معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے، آپ دین کی خدمت کرتے ہیں، ان معمولی پریشانیوں کی وجہ سے دین کی خدمت کو ترک کرنا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے بلکہ اپنی ذمہ داری کا احساس کیجیے کہ اس امانت کا جواب کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے دینا پڑے گا تو اس وقت جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔ ہر استاذ کے پاس ہر شاگرد امانت ہوتا ہے۔

## جس میں امانت کا جذبہ نہیں اس میں ایمان نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد میں نے نقل کیا تھا، لا إيمان لمن لا أمانة له جس میں امانت کا جذبہ نہ ہو، اس میں ایمان نہیں، یہ ایمان نکلا ہی ہے امانت سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب امانتیں ضائع کی جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

## ہر شخص امین ہے

آج جس جس کے پاس جو جو ذمہ داری ہے، اہلِ علم کے پاس علم کی ذمہ داری ہے، اہلِ مال کے پاس مال کی ذمہ داری ہے، ہر آدمی کے پاس اس کا وجود، اس کا جسم،

(۱) بخاری شریف، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ فَأَتَمَّ الْحَدِيثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ.

اس کے اعضاء، اس کی صلاحیتیں، یہ ساری چیزیں ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں اوران امانتوں کی ادائیگی اوران کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اگراس کی ادائگی میں ہم کوتاہی کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوگی ہر ایک کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی امانت موجود ہے؛ اسی لیے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (۱) کہ ہر ایک تم میں سے ذمہ دار ہے اوراس کی ذمہ داری جواس کے حوالہ کی گئی اس ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک فرد بھی آپ کی ماتحتی میں نہیں ہے تب بھی آپ اپنے جسم پر، اپنے اعضاء پر، اپنی صلاحیتوں پر نگران ہیں اوران کو اللہ کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق استعمال کرنا ہے، ہر شخص کواس امانت کوادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کوتوفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

(۱) بخاری شریف، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، باب الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَلاَ يَعْمَلُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ.

# تربیتِ اولاد (۱)

بمقام: بوتسوانا (براعظم افریقہ)

بوقت: ۲۰۱۱ء

# اقتباس

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ یہ جو ہم مسلمان ہیں، دنیا میں ہمارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو مسلمان نہیں ہیں، ایمان واسلام کی دولت سے محروم ہیں، کیا وہ اپنی اولاد کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتے؟ بلکہ ہم سے زیادہ اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں اور ایک قدم آگے بڑھا کر ایک اور سوال میں آپ سے کرتا ہوں کہ دنیا میں انسانوں کو چھوڑ کے جانوروں کو لے لیجیے، زمین پر رہنے والے چرند اور درندے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے کیا اپنی اولاد کے کھانے پینے کا، ان کی رہائش کا، ان کو گرمی سردی سے بچانے کا انتظام نہیں کرتے؟ ایک چڑیا نہیں کر رہی ہے؟ ایک شیر اپنے بچے کے لیے اس کا انتظام نہیں کرتا؟ کرتا ہے، اگر ہم نے بھی اپنی اولاد کے لیے انتظام کیا ہے تو ہم نے کون سا تیر مار لیا! ہمارا لیول (LEVEL) ہماری سطح جانوروں سے اوپر نہیں بڑھی، ہم جو کر رہے ہیں، وہ بھی کر رہے ہیں، بس اتنا ہے کہ ہم انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے مقابلے میں ہمیں عقل وسمجھ زیادہ دی ہے؛ اس لیے ہم اپنی اولاد کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں جتنا دور اندیشی، جزرسی سے کام لیتے ہیں، اتنا یہ جانور نہیں کرتے، نفسِ ضرورت کو پورا کرنے میں تو برابر ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۤءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۳۳] وقال تعالىٰ: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ [التحريم:٦]

وقال النبی ﷺ: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ [صحيح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ] أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

## اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد کی شکل میں جو نعمت ہمیں عطا

فرمائی ہے، اس نعمت کے متعلق ہم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف چند ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، چند حقوق واجب کیے گئے ہیں، ہر نعمت جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، اس کا ایک تقاضا ہوا کرتا ہے، اس کا ایک حق ہوتا ہے کہ آدمی اس کو ادا کرے، اللہ کی اس نعمت کا شکر بجا لاوے۔

## شکر کا مفہوم

شکر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ نعمت جس مقصد کے لیے عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے ذریعہ سے وہ مقصد حاصل کیا جائے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال دیا ہے، مال اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور امانت بھی، اب اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں پر ہمیں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں پر ہم اس کو خرچ کریں اور جہاں خرچ کرنے سے ہمیں منع فرمایا ہے، وہاں خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روکیں، یہ مال کی نعمت کا حق ادا کرنا ہوا، اسی طرح تمام نعمتوں کا حال ہے۔

## اولاد کی وہ ذمہ داریاں جو ہم حکمِ اِلٰہی سمجھ کر ادا نہیں کرتے

اولاد، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی اور اولاد کی نسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر کچھ ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں، بعض ذمہ داریاں تو وہ ہیں جن کو ہر آدمی سمجھتا ہے، اگرچہ وہ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم سمجھ کر ادا نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر اولاد اور گھر والوں کے متعلق ہم یہ سمجھتے

ہیں کہ ان کے کھانے پینے کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کے لباس پہننے، اوڑھنے کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کے رہنے کے لیے مکان کا انتظام کرنے کی ذمہ داری ہم پر ہے، یہ تین چیزیں، تین حقوق تو وہ ہیں جن کو ہر آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ میرے اوپر یہ ذمہ داریاں ہیں، اگرچہ آدمی ان تین ذمہ داریوں کو ادا کرتا ہے اور اگر دیکھا جائے تو آدمی کی پوری زندگی کا مقصود ہی یہ نظر آتا ہے، صبح سے شام تک آدمی کاروبار کرتا ہے، دوکان پر جاتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، جاب (job) پر جاتا ہے، مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ میں کچھ پیسے حاصل کرلوں اور اس سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی، بچوں کی ضرورتوں کو پورا کروں، بس!۔

## اولاد کے حقوق کی ادائیگی کے وقت اللہ کا حکم پورا کرنے کی نیت ہونی چاہیے

جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ یہ ذمہ داریاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کی گئی ہیں لیکن جس وقت آدمی ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہوتا ہے تو دل میں یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں اپنی اولاد کو کھانا کھلا کر یا ان کو کپڑے پہنا کر یا ان کے لیے مکان کا انتظام کر کے اللہ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں، اگر یہ نیت ہو تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت اچھا، اللہ کا حکم بھی پورا ہو رہا ہے، ان کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں اور اس پر ثواب بھی ملے گا لیکن عام طور پر جس وقت انسان یہ کر رہا ہوتا ہے، دور دور تک اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں بلکہ اپنے نفس

اور دل کے بتانے پر وہ عمل کرتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ باپ ہونے کی نسبت سے ایک محبت کا رشتہ ہوتا ہے، محبت کا جو تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا گیا ہے، وہ محبت کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے، وہ مجبور ہے محبت سے، اللہ کا حکم سمجھ کر کے یہ ذمہ داریاں ادا نہیں کرتا۔

## ''اللہ کا حکم'' نہ سمجھ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کی ایک خرابی

دیکھو! اگر اللہ کا حکم سمجھ کر پورا کیا جاتا تو وہ ہر جگہ اللہ کے حکم کو پورا کرنے والا ہوتا، چار بیٹے ہیں، بہت سی مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک کے ساتھ تو بہت اچھا سلوک ہو رہا ہے، دوسرے کے ساتھ اس جیسا سلوک نہیں کیا جاتا، ایک کے ساتھ محبت کا سلوک کر رہا ہے، کھلا پلا رہا ہے اور دوسروں کی ضرورتوں کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، حالاں کہ اولاد کی نسبت سے تمام ذمہ داریاں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لاگو کی گئی ہیں، وہ برابر ہیں۔

## بعض اولاد کو کچھ دینا اور بعض کو نہ دینا ظلم ہے

حدیث میں آتا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی ماں کا نام حضرت عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہا ہے، فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ کے مطالبے پر ان کے والد نے ان کو ایک غلام ہدیے میں دیا، ماں کا تقاضا تھا کہ میرے بیٹے کو غلام ہدیہ دیا جائے، ان کی دوسری بیوی تھی، اس سے بھی اولاد تھی، اس ماں نے تقاضا کر کے ہدیہ دلوا دیا، ہدیہ تو دلوا دیا- اب عورتیں ہیں، ان کی ڈیمانڈ (demand) بھی ایسی

ہوتی ہے-اس نے پھر مطالبہ کیا کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنایا جائے، ہدیہ تو دیا لیکن ساتھ میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ کہو کہ میں نے اس کو ہدیہ دیا ہے، آپ اس کے گواہ رہیے۔ چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ میرے ابا مجھے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور یوں کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اس بیٹے کو جو میری فلانی بیوی سے ہے، یہ غلام ہدیے میں دیا ہے اور ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بناؤں، آپ اس پر گواہ رہیے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے ان کو بھی اسی طرح غلام ہدیے میں دیا ہے تو انھوں نے کہا کہ نہیں دیا ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی ظلم کی بات پر میں گواہ نہیں بنتا ہوں-اس کو ظلم فرمایا-اور تم اپنی اولاد کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری مطیع اور فرماں بردار رہے؟(۱)۔

## یکساں سلوک کی وجہ سے سب اولاد یکساں طور پر مطیع ہوتی ہے

دیکھو! ہر باپ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کے چار بیٹے ہیں تو اس کے چاروں کے چاروں بیٹے اس کی خدمت کریں، ایک بیٹا خدمت کر رہا ہو تو اگرچہ اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں پھر بھی اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ چاروں اس کی خدمت کریں، چاروں اس کا حکم بجالائیں، حالاں کہ کام تو ایک سے چل رہا ہے لیکن نہیں، تو جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری فرماں بردار ہو، تمہاری خدمت گذار ہو،

---

(۱) صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة.

تمہارا حکم مانیں، اس طرح تم بھی تو ان سب کے ساتھ یکساں طور پر محبت کا معاملہ کرو، جب تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد تمہاری فرماں بردار رہے تو تم پر لازم ہے کہ تم سب کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

## اولاد کی طرف سے والدین کے ساتھ زیادتی کی ایک وجہ

بہت سی مرتبہ اولاد کی طرف سے زیادتی کا جو معاملہ ہوتا ہے تو اس میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ باپ ہی شروع سے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے کرتے اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ اس کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں، یہ سب کیوں ہوا؟ اس لیے کہ یہ جو کچھ کر رہا ہے، وہ اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے دل اور محبت کے تقاضے سے کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کرتا تو سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتا۔

## ''اللہ کا حکم'' نہ سمجھ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کی دوسری خرابی

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو کھلانے پلانے کا یا پہننے، اوڑھنے کا یا رہائش کا انتظام کیا جا رہا ہے، وہ بھی اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں بلکہ ایک دستور ہے، دنیا کا رواج ہے، اپنے دل کا تقاضا ہے؛ اس لیے کر رہا ہے، اگرچہ اس سے بھی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، کل کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''اولاد کا حق ادا نہیں کیا'' اس پر کوئی گرفت اور پکڑ نہیں ہوگی، اس پر کوئی عذاب نہیں ہوگا لیکن ثواب بھی نہیں ملے گا کہ ہم نے اولاد کے حقوق کو اللہ کا حکم سمجھ کر ادا نہیں کیا۔

## اولاد کی جسمانی ضرورتوں کا تو جانور بھی خیال رکھتے ہیں

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ یہ جو ہم مسلمان ہیں، دنیا میں ہمارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو مسلمان نہیں ہیں، ایمان واسلام کی دولت سے محروم ہیں، کیا وہ اپنی اولاد کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتے؟ بلکہ ہم سے زیادہ اچھے طریقے سے کرتے ہیں اور ایک قدم آگے بڑھا کر ایک اور سوال میں آپ سے کرتا ہوں کہ دنیا میں انسانوں کو چھوڑ کے جانوروں کو لے لیجیے، زمین پر رہنے والے چرند اور درندے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے کیا اپنی اولاد کے کھانے پینے کا، ان کی رہائش کا، ان کو گرمی سردی سے بچانے کا انتظام نہیں کرتے؟ ایک چڑیا نہیں کر رہی ہے؟ ایک شیر اپنے بچے کے لیے اس کا انتظام نہیں کرتا؟ کرتا ہے، اگر ہم نے بھی اپنی اولاد کے لیے انتظام کیا ہے تو ہم نے کون سا تیر مار لیا! ہمارا لیول (LEVEL) ہماری سطح جانوروں سے اوپر نہیں بڑھی، ہم جو کر رہے ہیں، وہ بھی کر رہے ہیں، بس اتنا ہے کہ ہم انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے مقابلے میں ہمیں عقل وسمجھ زیادہ دی ہے؛ اس لیے ہم اپنی اولاد کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں جتنا دوراندیشی، جزءرسی سے کام لیتے ہیں، اتنا یہ جانور نہیں کرتے، نفسِ ضرورت کو پورا کرنے میں تو برابر ہیں۔

## انسان ہونے کی حیثیت سے بھی اولاد کے کچھ حقوق ہم پر عائد ہیں

لیکن کیا اتنی ضرورت ہے جتنی ہم نے سمجھ رکھی ہے کہ آج ہم نے اپنی اولاد کے لیے یہ طے کر رکھا ہے کہ جب ہم دنیا سے جاویں تو ان کے پاس بہترین مکان ہو،

بہترین کاروبار ہو، دوکان، اسٹور ہو، فیکٹری ہو، تجارت ہو، کاریں ہوں، بینک بیلنس (bankbalance) ہو اور ان کی ظاہری ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں لیکن وہ اللہ کے مطیع وفرماں بردار رہیں، اللہ کے حقوق کو پورا کر رہے ہیں، اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا رہے ہیں، اس کا ہمیں کوئی اہتمام اور کوئی پروانہیں ہوتی، اس کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا، ہمارے اوپر باپ ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ یہی ہے، ہم ایک جاندار ہونے کی حیثیت سے ایک جاندار کو ضرورت ہوتی ہے، اس کو پورا کرنے کی محنت کرتے ہیں لیکن ہم جاندار ہونے کے ساتھ انسان بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانی صفات اور کمالات سے نوازا ہے تو اپنی اولاد کے لیے دنیا کے اندر یہ خوبیاں پیدا کرنی چاہییں۔

## مسلمان ہونے کی حیثیت سے اولاد کی ہم پر ذمہ داریاں

اور انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان اور اسلام کی نعمت عطا فرمائی اور ایمان اور اسلام کی نسبت سے یہ جو کمالات اور خوبیاں ہیں، وہ بھی اپنی اولاد کے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس کی کوشش کرنا چاہیے، یہ ہماری ذمہ داریاں ہیں اور اس کا قرآن میں باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو، اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ جہنم کی آگ سے بچانے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کاموں سے خود بھی واقفیت

حاصل کرواور اپنی اولاد کو بھی واقف کرو، اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان کاموں سے خود بھی واقفیت حاصل کرواور اپنی اولاد کو بھی واقف کرو۔

## اولاد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا اہتمام بھی ضروری ہے

اور آگے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ، نماز کا حکم دیا تو خود بھی نمازی بنواور اولاد کو بھی نمازی بناؤ، شراب اور جوئے سے بچنے کا حکم دیا ہے تو خود بھی بچواور اولاد کو بھی اس سے بچنے کا عادی بناؤ یہ جو اولاد کو سکھایا جارہا ہے یہ تو تعلیم ہے اوران کو اس پر ڈالا جارہا ہے، اسی کا نام تربیت ہے، ہم تربیت تربیت تو بہت بولتے ہیں، بھائی! بچوں کو جب یہ بتادیا کہ نماز کیا ہے؟ فرائض بتلادئے، واجبات بتلادئے، طریقہ بتلادیا، خوب سکھلادیا، یہ تعلیم ہے لیکن اتنا کافی نہیں، ان کو نمازی بنانا یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے۔

## اولاد کی تربیت کا طریقہ

بچہ جب سات سال کا ہو تو آپ اس سے کہیے کہ بیٹا! اب تم کو نماز پڑھنی ہے۔ اور دس سال کا ہونے پر اس کے ساتھ اور زیادہ سختی کا معاملہ کرنا ہے، اگر نماز نہ پڑھے تو اس کی گرفت کرنا ہے، پوچھو: بیٹا! نماز کے لیے مسجد گئے تھے، اپنے ساتھ نماز کے لیے مسجد لے جاؤ جب مسجد جاؤ تو کہو: بیٹا! چلو نماز کے لیے۔ کب تک کرنا ہے؟ اتنی مرتبہ اپنے ساتھ نماز کے لیے مسجد لے جاؤ کہ آپ کا دل گواہی دے کہ اب یہ نماز کا عادی بن گیا، اب نماز اس کے دل ودماغ میں پیوست ہوگئی، اب یہ نماز کو نہیں چھوڑے گا، یہ

ہے تربیت۔ آج تربیت کا کیا اہتمام ہے؟ تعلیم کا اہتمام نہیں تو تربیت کے اہتمام کا تو سوال ہی نہیں۔ تو اس آیت کے اندر دونوں چیزوں کا حکم دیا گیا ہے کہ تعلیم بھی ان کو دی جائے اور تربیت بھی کی جائے گویا ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے۔

## ہم دنیوی امور میں اولاد کی تربیت کا خوب اہتمام کرتے ہیں

آپ تجارت کرتے ہیں، باپ گھر میں اپنے بچوں کے سامنے خالی یہ لیکچر نہیں دیتے کہ دوکان اس طرح چلائی جاتی ہے، تجارت اس طرح کی جاتی ہے، زراعت اس طرح کی جاتی ہے، نہیں بلکہ بیٹا جب پندرہ بیس سال کا ہوجاتا ہے تو تعلیم پوری ہوگئی، اب بیٹے سے کہتا ہے کہ بیٹا! کل سے تم بھی دوکان پر آئیو! اب دوکان پر جب آئے گا تو پہلے دن اس کو سب کچھ نہیں سونپ دے گا بلکہ کہے گا کہ بیٹا! دیکھو، گاہک آتے ہیں تو میں کس طرح ان کے ساتھ بات چیت کرتا ہوں، اس کو برابر دیکھو۔ اس طرح ایک مدت تک بٹھائیں گے پھر کچھ چھوٹے موٹے گاہک آئیں گے تو کہیں گے کہ بیٹا! ذرا تو اس سے نمٹ لے، اس طرح اس کی تین، چار، پانچ سال تک تربیت کریں گے، پہلی ہی دفعہ میں اس کو مال لینے کے لیے نہیں بھیجیں گے بلکہ ایک مدت گزر جانے کے بعد مال خریدنے کے لیے بھیجیں گے، تاجروں سے ملاقات کرائیں گے کہ دیکھو! میں تاجروں کے ساتھ کس طرح باتیں کرتا ہوں، کس طرح سودا کرتا ہوں، کس طرح خریدتا ہوں اور پھر دھیرے دھیرے اس سے کام کروائیں گے، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ وہ پورا کاروبار سنبھال لے گا اور اس وقت باپ فخریہ انداز میں اپنے دوستوں

کی محفل میں یوں کہے گا کہ الحمدللہ! اب تو سارا کاروبار بیٹے نے سنبھال لیا ہے اور مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ یہاں تو الحمدللہ، اور نماز کے متعلق کوئی پرواہی نہیں۔ تو حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جو اولاد ہے، اولاد کی تربیت کے سلسلے میں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو شریعت کے احکام سے واقف بھی کرائیں اور اس پر عمل کی عادت بھی ڈالیں۔

## چھوٹے بچوں کی تربیت کا نبوی انداز

دیکھو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چھوٹے بچوں کے ساتھ کس طرح محبت کے ساتھ معاملہ کرتے تھے، بخاری شریف میں حدیث ہے، حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں، ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے تھے، پہلے شوہر کے انتقال کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوا تو پہلے شوہر سے جو اولاد تھی، وہ بھی ان کے ساتھ تھی اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش میں تھی، حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے، میرا ہاتھ پلیٹ میں چاروں طرف گھوم رہا تھا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تنبیہ فرمائی: یَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰہَ وَکُلْ بِیَمِینِكَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیكَ (۱) اے بچے! جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

## شیطان انسان کے ہر کام میں شرکت کی کوشش کرتا ہے

تین باتیں بتلائیں: (۱) بسم اللہ پڑھو کہ مؤمن کا ہر کام اللہ کے نام سے

شروع ہوا کرتا ہے، بسم اللہ پڑھے بغیر آدمی کھانا شروع نہ کرے کیوں کہ اگر شروع کرتا ہے تو شیطان اس میں شرکت کرتا ہے۔ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور اس نے جو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا تو سب چٹ کر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ اللہ کا نام لے کر کھانا کھا رہے تھے تو کھانے میں برکت تھی، اس نے آ کر بغیر بسم اللہ کے جو شروع کر دیا تو شیطان اس کے ساتھ شریک ہو گیا اور سارا کھانا اس نے ہڑپ کر لیا شیطان آدمی کے کھانے میں بلکہ ہر چیز میں شریک ہوتا ہے، اس نے تو ہر چیز میں اپنا حصہ لگایا ہے، کھانے میں، پینے میں، سونے میں یہاں تک کہ بیوی کے ساتھ صحبت کرنے میں بھی شریک ہوتا ہے۔

## بیوی کے ساتھ صحبت میں شیطان کی شرکت سے بچنے کا نبوی نسخہ

حدیث میں دعا بتلائی گئی ہے کہ آدمی بیوی کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے کیا دعا پڑھے: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا(۱)، اللہ کے نام سے اور اے اللہ! تو ہم کو شیطان سے محفوظ رکھیو اور اس صحبت کے نتیجے میں ہمیں جو اولاد عطا فرمائے، اس کو بھی شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھیو۔ یہ دعا پڑھ کے پھر صحبت کرنی ہے، ورنہ اس کے بغیر صحبت کرنے کی صورت میں روایت میں آتا ہے کہ شیطان آدمی کی شرم گاہ کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور وہ بھی صحبت میں شریک ہوتا ہے پھر جو اولاد پیدا ہوتی ہے، وہ نافرمان ہوتی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين.

## اولاد کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی تربیت کا اہتمام

آج کل اولاد جو نافرمان ہوتی ہے، اس کا ایک سبب یہ بھی ہے، اولاد کو فرماں بردار بنانے کے لیے جو تدبیریں ہمیں شریعتِ مطہرہ نے بتلائی ہیں، ان تدبیروں کو انجام دینے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں، اولاد کی تربیت کا جو نظام شریعت نے ہمیں بتایا، وہ تو ایسا عجیب وغریب ہے کہ ابھی اولاد وجود میں آئی نہیں اور احکام لاگو کر دئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! دنیا میں نکاح کیا جاتا ہے کبھی عورت کے حسن کی وجہ سے، کبھی اس کے خاندان کی وجہ، کبھی اس کے مال کی وجہ سے اور کبھی اس کی دین داری کی وجہ سے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّینِ (۱) دین داری کو ترجیح دو، اگر دین داری کے ساتھ یہ دوسری خوبیاں بھی ہیں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت اچھا، لیکن جب مقابلہ ہو جائے کہ ایک طرف تو اچھا چہرہ ہے، اچھی شکل وصورت ہے لیکن دین نہیں ہے اور دوسری طرف اتنی اچھی صورت تو نہیں ہے لیکن دین ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو ترجیح دو۔

## اولادِ صالحہ کے وجود کی پیشگی تیاریاں

آدمی جب بیج ڈالتا ہے تو زمین کون سی منتخب کرتا ہے؟ بڑھیا؛ تاکہ اس سے اچھا درخت اُگے یہ بھی زمین ہے اولاد کے لیے ہمیں تو شریعت باقاعدہ شروع ہی سے حکم دے رہی ہے، اولاد کو نیک بنانے کا نسخہ بتایا کہ تم نیک بیوی کا انتخاب کرو، نیز

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، باب التسمیة علی کل حال وعند الوقاع.

ہماری غذا، ہمارا کھانا بھی حلال ہونا چاہیے، حلال کھانے سے جو خون پیدا ہوتا ہے، وہ صالح ہوتا ہے، اس خون سے جو مادۂ منویہ پیدا ہوگا، وہ بھی صالح ہوگا اور اس سے بچے کا حمل بھی صالح ٹھہرے گا۔

## مشتبہ غذا کا وبال

ایک بزرگ تھے، نیک شخص تھے اور ان کا بیٹا بدکار تھا، کسی نے کہا کہ آپ تو نیک ہیں اور آپ کا بیٹا بدکار ہے، فاسق ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک مشتبہ غذا کھالی تھی، مشتبہ یعنی ڈاؤٹ فل جس کے اندر حرام کا شبہ ہو، اس کے کھانے کے بعد صحبت کا تقاضا ہوا، اسی سے یہ بچہ پیدا ہوا اور اس کے اندر یہ گناہ کی عادت آ گئی۔

## چوری کا ایک بیر کھانے کا خطرناک انجام

ایک اللہ والے تھے، انھوں نے اپنی بیوی سے باقاعدہ عہد کیا کہ دیکھو! ہم اپنے پیٹ میں کوئی حرام یا مشتبہ غذا نہیں جانے دیں گے؛ تاکہ ہماری اولاد پر اس کا اثر نہ پڑے۔ انھوں نے اس عہد کا خیال رکھا۔ اب ہوا یہ کہ بچہ پیدا ہوا، بڑا ہوا، اس نے چوری کی اور پکڑا گیا، وہ شخص تلوار لے کر اپنی بیوی کے پاس پہنچا کہ سچ بتا! ہمارا جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں میں نے تو کوئی خیانت نہیں کی، تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ جب بچہ پیٹ میں تھا، اس زمانے میں، ہمارے پڑوس میں بیری کا جو ایک درخت ہے، اس کی ایک شاخ ٹہنی ہمارے مکان کی طرف آئی ہوئی ہے، اس پر سے ایک بیر

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب الأكفاء في الدين.

توڑ کر میں نے کھالیا تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بیٹے نے چوری کی۔

بہرحال شریعت نے ہمیں بچوں کو نیک بنانے کی، تربیت کی جو تعلیم دی ہے، وہ یہ نہیں کہ بڑا ہوگا، اس وقت اس کی تعلیم وتربیت کا خیال کرنا ہے بلکہ یہاں تو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بہتر سے بہتر پھل پیدا ہو اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

## اولاد بھی کھیت کی پیداوار کی طرح ہے

ایک آدمی باغ بنانا چاہتا ہے تو وہ باغ بنانے کے لیے کیسی زمین حاصل کرے گا؟ عمدہ قسم کی، پانی کیسا استعمال کرے گا؟ عمدہ قسم کا، کھاد کیسی استعمال کرے گا؟ عمدہ قسم کی، بیج اور پودے کیسے لائے گا؟ عمدہ قسم کے۔ سب عمدہ قسم کا تو یہاں پر جب انسان بنانا ہے تو انسان بنانے کے لیے ان ساری باتوں کی طرف پہلے سے دھیان دینے کی ضرورت ہے، اولاد اس کے بغیر نیک بنتی نہیں ہے، ہم ان چیزوں کی طرف دھیان دیتے نہیں پھر بڑے ہونے کے بعد جب وہ نافرمان اور بے قابو ہو جاتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلتی ہیں کہ یہ سب کیا ہو گیا، عجیب مصیبت ہے!

## ستم بالائے ستم

واقعہ یہ ہے کہ آج تو عجیب معاملہ ہو گیا، اولاد اہل اللہ کی صحبت، نیک علماء کی صحبت، دین داروں کی صحبت میں آ کر بیٹھتی ہے اور دین کی طرف مائل ہوتی ہے تو ماں باپ کو شکایت ہوتی ہے کہ بچہ بگڑ گیا، یہ تو مسجد کا ہو گیا ہے، یہ باقاعدہ شکایت کی جاتی ہے، عجیب معاملہ ہو گیا ہے!

## ہاں بھائی! ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ ہیں: حافظ ضامن شہیدؒ، ایک آدمی کا لڑکا ان کے پاس آتا جاتا تھا ان کی نیک صحبت کی برکت سے نیکی کے کاموں میں لگا تو اس کا باپ حضرت کے پاس آکر کہنے لگا اور شکایت کی کہ حضرت وہ ہمارا بیٹا آپ کے پاس آیا تو بگڑ گیا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی! ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے، ہم کو تو بس بگاڑنا ہی آتا ہے۔

## یہ فکر ضروری ہے کہ اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا

بہر حال اولاد کی تربیت کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر اس دور میں! ایک زمانہ تھا، حضراتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنی اولاد کی فکر ہوتی تھی، آج ہمیں اپنی اولاد کی فکر نہیں، یہ فکر تو ہے کہ میرے بعد کاروبار کیسا ہوگا، مکان کا کیا ہوگا۔ ایک جگہ اسٹیکر (sticker) لکھا ہوا دیکھا، اس کا مضمون بہت پسند آیا کہ آدمی کو یہ تو فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا لیکن یہ فکر اس کو نہیں کہ اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا، اس اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا؟ یہ فکر نہیں ہے، میرے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا، یہ فکر ہے، آپ نے ان کو سب کچھ دیا، اگر آپ نے ان کو دین نہیں سکھایا تو کل کو یہی اولاد اللہ کی بارگاہ میں آپ کے خلاف دعوی دائر کرے گی کہ میرے باپ نے مجھے دین نہیں سکھایا، نماز نہیں سکھائی اور یہ بھی آپ کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گی۔

## ہمارے قول اور عمل میں تضاد ہے

یہ ذمہ داریاں ہیں، ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی ضرورت ہے، ایک طرف تو ہم ایمان کی دولت کو بہت بڑی دولت سمجھتے ہیں لیکن ہمارا قول الگ ہے اور ہمارا عمل الگ ہے، بولتے ہیں کہ دین وایمان بڑا قیمتی ہے لیکن اس پر عمل کا ہم کتنا اہتمام کرتے ہیں۔

## وفات سے قبل حضرت یعقوبؑ کو اپنی اولاد کے دین کا فکر

ابھی آپ کے سامنے میں نے جو پہلی آیت پڑھی تھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ: کہ جس وقت حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم موجود تھے؟

پہلے ذرا یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کون؟ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور ان کے ابّا حضرت اسحاق، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام، خلیل اللہ: اللہ کے خلیل، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی دنیا میں آئے، سب کے ابا یعنی ابوالانبیاء، پورا نبوت کا گھرانہ، تین پشتوں سے، تین پیڑھیوں سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، ''۱۲'' بیٹے تھے اور ان ''۱۲'' بیٹوں میں ایک اللہ کے نبی تھے: حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام، ان سب

بیٹوں کو موت کے وقت جمع کر کے کیا پوچھتے ہیں؟ سوال کیا کرتے ہیں؟اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ.

## والدین کو اولاد کی آخرت سنوارنے کی زیادہ فکر ہونا چاہیے

اب کن بیٹوں کو؟ ان بیٹوں کو جن کی پرورش، جن کا نشونما، جن کی اُٹھان نبوت کے گھرانے میں ہوئی، جن میں تین تین، چار چار پشتوں سے نبوت چلی آرہی ہے، جو ساری دنیا کو ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں، اس گھر میں جن بچوں کی پرورش ہوئی، بھلا ان بچوں کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں؟ پھر بھی سوچنے کی بات ہے کہ باپ کو کیا فکر دامن گیر ہے!اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی پوجا کروگے، کس کی عبادت کروگے؟ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اگر کوئی فکر ہے تو کیا فکر ہے؟ کہ میرے بیٹے میرے بعد کس کی عبادت کریں گے؟ کیا یہ فکر کی کہ کیا کھائیں گے؟ کیا پئیں گے؟ کیا کاروبار کریں گے؟ نہیں کچھ نہیں بلکہ آئندہ ان کے ایمان کا کیا حال ہوگا، اس کی فکر ہے۔

## موت کے وقت بھی ہم اپنی اولاد کی دنیا کا فکر کرتے ہیں

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے پیش آیا تھا لیکن قرآن میں اللہ نے اس واقعے کو اس لیے نازل فرمایا کہ قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کو یہ سبق دینا مقصود ہے کہ ایک مسلمان جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کو اپنی اولاد کے متعلق یہ فکر نہ ہو کہ وہ کیا کھائیں گی؟ کیا پئیں گی؟ کیا کاروبار کریں گی؟ اگر فکر ہو تو یہ کہ ان کے ایمان

کا کیا ہوگا، وہ کس کی عبادت کریں گے؟ آپ تصور کریں: آج اگر کسی کو یہ اندازہ ہو جائے کہ میری آخری گھڑی آ گئی، اس کی بیماری اور حالت ایسی ہے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو کیا کرے گا؟ کہے گا: ارے بھائی! میرے سب بچوں کو بلاؤ، فلاں جو ہانسبرگ (johannesburg) میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں آزادوِل میں ہے اس کو بھی بلاؤ، فلاں بیٹی فلاں جگہ ہے، اس کو بھی بلاؤ، سب کو بلا کر کے باپ کیا نصیحت کرے گا؟ کاروبار بہت بڑا ہے، میں چار دوکانیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم چار کی آٹھ بنانا، میں تو چار فیکٹریاں چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم چار کی آٹھ بنانا، کسی کو ہنسنے کا موقع مت دینا، مل جل کر رہنا، بہت دین دار ہوگا تو اخیر میں دبے لفظوں میں یوں کہے گا: نماز کا بھی خیال رکھنا، یہ حال ہو گیا ہے آج، کوئی دنیا سے جا رہا ہے تو اس کو اپنی اولاد کے دین کی فکر نہیں ہوتی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس واقعے کو بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ ایک نبی دنیا سے جا رہے ہیں تو ان کو اپنی اولاد کے ایمان کا فکر ہے ہم جس ماحول میں اپنی اولاد کو چھوڑ کر جا رہے ہیں، اس ماحول میں ان کے ایمان کے متعلق کیا ہمیں فکر نہیں کرنی چاہیے؟

## کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت

ہندوستان میں یوپی کے اندر ایک زمانے میں حکومت کی طرف سے ایک قانون لاگو کیا جانے والا تھا، ہندوؤں کے یہاں تعلیم کی ایک ''دیوی'' ہے، ہندو لوگ

اس کو علم کی دیوی مانتے ہیں، سرسوتی دیوی، تو جہاں تعلیمی ادارے ہوتے ہیں، اسکول، کالج وغیرہ، وہاں اس کی تصویر بھی ہوتی ہے، اور آج کل تو بہت سی جگہ پر ٹیبل پر، دیوار پر اس کی تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے اور لوگ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں، بہت سے علاقے جہاں مسلمان کم تعداد میں ہیں، وہاں مسلمان بچے بھی ایسا کرتے ہیں تو یوپی کی حکومت نے ارادہ کیا تھا کہ اس سروستی دیوی کے سامنے اس طرح ہاتھ جوڑنے کو ضروری قرار دے کہ جو بچہ بھی اسکول میں آئے، وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت باقاعدہ حکومت کو چیلنج کیا کہ اگر حکومت نے اس طرح کا کوئی قانون لاگو کرنے کی کوشش کی تو میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ تم اپنے بچوں کو اسکولوں سے اٹھالو، ہمیں ایسی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ کے نبی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام دنیا سے جارہے ہیں تو اپنی اولاد سے یہ فرما رہے ہیں: اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ اس زمانے میں اس آیت کا ترجمہ کرکے اس کو چھپوا کر اسٹیکر کی شکل میں بہت بڑے پیمانے پر لوگوں میں پھیلانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

## اولاد کا اپنے والد کو تسلی بخش جواب

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یہ سوال کیا تو بیٹوں نے کیا جواب دیا: قَالُوْا

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا: اے ابا جان! آپ بےفکر رہیے، آپ جب دنیا سے جائیں گے تو ہم کس کی عبادت کریں گے؟ آپ کے معبود کی! آپ زندگی بھر جس کی عبادت کرتے رہے، کون؟ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا: وہی جو آپ کے باپ دادا کا معبود ہے، باپ دادا بھی کون؟ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ: اور ہم اسی کے حکم کے سامنے سر جھکائیں گے۔ اولاد کی طرف سے بھی یہ اطمینان دلایا گیا، تب باپ اطمینان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

## دین دار اولاد ہی والدین کو دنیا و آخرت میں کام آتی ہے

ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور اس ماحول میں جب کہ ہماری موجودہ اور آنے والی نسلوں کو بلکہ ہم جیسے پرانے لوگوں کے ایمان و اسلام میں شکوک وشبہات ڈال کر ایمان سے محروم کرنے کی بھرپور کوششیں بڑے پیمانے پر کی جارہی ہیں، ایسے موقع پر اپنی اولاد کے ایمان کی فکر کرنا ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے، غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے، ایسی ساری تعلیم گاہیں، ایسے سارے ادارے جہاں جاکر ہماری اولاد ایمان سے محروم ہوسکتی ہو، ایسے اداروں میں اپنی اولاد کو بھیجنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے، ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے اور ہم اپنی اولاد کو اسلامی، ایمانی تربیت سے آراستہ کریں، اس میں ہمارا دنیا اور آخرت کا فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی آپ کی وہی اولاد خدمت کرے گی جس کو آپ نے نیک بنایا ہے اور آپ کے مرنے

کے بعد بھی وہی آپ کے لیے دعائیں کرے گی، ایصالِ ثواب کرے گی اور جس کو آپ نے کوئی دینی تعلیم نہیں دی تھی، جیسا کہ ابھی آپ نے سنا، تو نمازِ جنازہ بھی پڑھنے کے لیے حاضر نہیں رہے گا، دعا تو کیا کرے گا؟! اس لیے ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد اگر کسی کا سب سے زیادہ حق ہو سکتا ہے تو ماں باپ کا ہے، انسان کے دنیا میں ظاہری طور پر وجود میں آنے کے لیے ذریعہ ماں باپ بنے ہیں تو اب ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں اپنا حق بیان کرنے کے بعد ماں باپ کا حق بیان کیا ہے، بہت بڑا حق ہے ماں باپ کا لیکن آج کل یہ لوگ جو ہیں، ایک خاص لوبی ہے جو دنیا کے اندر خرابیاں پھیلانا چاہتے ہیں، شیطانی نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں تو اولاد کو ماں باپ سے کاٹنے کا ان کا مشغلہ ہے تو باقاعدہ بچوں کو بتلایا جاتا ہے کہ تم جو وجود میں آئے اس میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے؟ ان دونوں نے اپنی شہوت پوری کرلی، بات ختم، وہ دونوں تو اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ملے تھے، اب اتفاق کی بات کہ وہ مادہ منویہ اندر جا کر تمہارا بیج بن گیا اور تم پیدا ہو گئے، گویا تمہارے ماں باپ نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، یہ تعلیم دی جاتی ہے، گویا یہ انسانی شہوت کا نتیجہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم:٦]

محترم حضرات! کل وہاں گلوسٹر کے اندر اولاد کی تربیت پر بات چیت ہوئی تھی، آج ہمارے بہت سے احباب کا تقاضا یہ ہوا کہ اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں انہی باتوں کا کچھ اعادہ کرلیا جائے۔

## ہر مخلوق میں خیر وشر دونوں پہلو موجود ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا، جتنی بھی مخلوقات ہیں، عام طور پر کائنات کی ان مخلوقات کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو حکمتیں کارفرما ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ ان مخلوقات کے اندر اگر غور کریں گے تو ان میں سے ہر ایک مخلوق میں- بعض مخلوق مستثنیٰ ہے اس سے- جہاں خیر کا پہلو موجود ہے وہاں شر کا پہلو بھی ہے، جہاں نیکی ہے وہاں بدی بھی ہے، جہاں اس سے فائدہ پہنچتا ہے وہاں اس سے نقصان بھی پہنچتا

ہے، ہر مخلوق میں اگر آپ غور کریں گے تو یہ بات ضرور نظر آئے گی: ہم کھانا کھاتے ہیں، روٹی کو بھی، بوٹی کو بھی ہم غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا مدار ظاہری اسباب کے طور پر روٹی پر ہے لیکن یہی غذا، یہی کھانا اگر زیادہ مقدار میں ہمارے جسم میں پہنچ جائے تو بجائے اس کے کہ وہ ہمارے لیے موجبِ حیات ہوتا اور ہماری زندگی اس سے بڑھتی، ہوسکتا ہے کہ وہی غذا ہمارے لیے موت کا سبب بن جائے۔

## کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے

بہت سے لوگ کھا کر مرتے ہیں بلکہ ہمارے بعض جاننے والے احباب تو کہا کرتے ہیں کہ بھوک سے مرنے والوں کے مقابلے میں کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو بہرحال! یہ غذا خیر ہی خیر ہوتی تو یہ جسم میں جتنی زیادہ مقدار میں چلی جائے تو اس کی وجہ سے بھلائی میں اضافہ ہی ہونا چاہیے، نہ یہ کہ باعثِ تکلیف ہو، معلوم ہوا کہ اس میں برائی کا پہلو، نقصان کا پہلو بھی موجود ہے۔

## پانی میں شر کا پہلو

پانی جس کے بغیر ہم زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتے، پانی کے متعلق قرآن کریم میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبياء:۳۰] کہ پانی سے ہم نے ہر جان دار کو بنایا ہے، اس کی زندگی کا مدار ہی ظاہری طور پر اس پر ہے لیکن یہی پانی اگر زیادہ مقدار میں آدمی کے جسم میں پہنچ جائے تو یہ بجائے اس کے کہ اس کے لیے باعثِ خیر ہو وہ اس کے لیے نقصان دہ بلکہ کبھی موت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

## ہوا میں شر کا پہلو

ہوا کہ جس کے بغیر ایک منٹ کے لیے ہمیں چین میسر نہیں، یہی ہوا اگر زیادہ مقدار میں پہنچ جائے تو آدمی کی سانس اکھڑنے لگتی ہے الغرض جن چیزوں کو ہم ضروری اور بنیادی سمجھتے ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ ان میں دونوں پہلو موجود ہیں، ان میں فائدہ کا پہلو بھی موجود ہے اور نقصان کا پہلو بھی موجود ہے، خیر جہاں ہے، وہاں شر بھی ہے۔

## نام ہے اس کا بشر، اس میں شر ہے دو بٹا تین

انسان بھی دنیا ہی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں بھی یہی دونوں پہلو رکھے ہیں جہاں انسان سے آپ کو فائدہ پہنچتا ہے، وہاں اس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، جہاں اس میں خیر موجود ہے وہاں شر بھی موجود ہے، اگر وہ آپ کو فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ راحت رسانی کے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے کہ جن کو دیکھ کر کے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور اگر کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو ضرر اور نقصان پہنچانے کے ایسے ایسے طریقے اپناتا ہے کہ انسان سوچتا رہ جاتا ہے۔ تو بہرحال اس کائنات کی ہر مخلوق میں یہ دو باتیں خیر اور شر موجود ہیں، ایک اصول تو قدرت کا یہ ہے۔

## خیر انسان کا وصفِ عارضی ہے اور شر وصفِ ذاتی

دوسرا اصول قدرت کا یہ ہے کہ یہ جو خیر اور شر ہے ان میں سے جو خیر ہے وہ کسی ذات میں موجود نہیں بلکہ خیر اور بھلائی کو باہر سے اس کے اندر محنت کر کے داخل کیا جاتا ہے جب کہ شر مخلوق کی اس مخلوقیت کا وصفِ ذاتی ہے، وہ اس کی ذات میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک وصفِ ذاتی ہوا کرتا ہے اور ایک ہوتا ہے وصفِ عارضی۔ مثلاً پانی ہے، اس کا وصفِ ذاتی طہارت ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا﴾ [الفرقان:۴۸] پاک پانی، پاک کرنے والا پانی اتارا لیکن اسی پانی کے اندر جو کہ تھوڑی مقدار میں ہو اگر کوئی ناپاک چیز مل جائے تو وہ ناپاک بھی بن جاتا ہے لیکن پانی اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہے، پاکی اس کا وصفِ ذاتی ہے، اب اس کے اندر جو ناپاکی آئی وہ عارضی طور پر ہے، اصلاً وہ ناپاک نہیں ہے۔

## وصفِ ذاتی شئی میں اصلاً پایا جاتا ہے اس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں

اور پیشاب، پاخانہ وغیرہ ناپاکی اس کا وصفِ ذاتی ہے اور یہ وصفِ ذاتی اس سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا، بھائی! کوئی ایسی شکل ہوسکتی ہے کہ پاخانہ کو پاک قرار دیا جائے، نہیں، پاخانہ جب تک کہ موجود ہے وہ ناپاک ہے، آپ سات سمندر کا پانی اس پر ڈال دیں لیکن جب تک پاخانہ پاخانہ ہے وہ ناپاک ہی کہلائے گا، وہ پاک ہونے والا نہیں ہے۔ ہاں! جس پر عارضی نجاست لگی ہوئی ہو، مثلاً کپڑے پر اگر پیشاب لگ گئی تو آپ پانی کے ذریعہ کپڑے کو دھوئیں گے تو پانی کپڑے سے لگ کر کے اس پیشاب کو جو کپڑے پر لگی تھی، اس کو دور کر دیتا ہے تو کپڑا ناپاک بنا تھا پیشاب کے لگنے کی وجہ سے، اب جب پانی آیا اور اس نے آ کر پیشاب کو ہٹا دیا تو وہ پاک ہوگیا، ناپاکی کا حکم ختم ہوگیا، تو کپڑے کی ناپاکی عارضی تھی، اس کا یہ ذاتی وصف نہیں تھا۔ جب کہ پیشاب

اور پاخانہ میں ناپاکی ان کا ذاتی وصف ہے۔

## وصفِ عارضی کو شئی میں بذریعۂ محنت داخل کرنا پڑتا ہے

تو بتلانا یہ چاہتا تھا کہ جو ذاتی وصف ہے وہ ہمیشہ اس کے اندر باقی رہتا ہے اور جو عارضی وصف ہے، اس کو محنت کر کے داخل کیا جاتا ہے اور جب تک محنت باقی رہتی ہے، وہ عارضی وصف باقی رہتا ہے، جیسے ہی محنت ختم تو وہ عارضی وصف بھی ختم ہو جاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ مخلوقات کے اندر خیر عارضی ہے، اس کو باہر سے محنت کر کے داخل کیا جاتا ہے، پیدا کیا جاتا ہے اور شر اور برائی ذات میں موجود ہے۔

## بہاریں یوں ہی آیا نہیں کرتیں

مثلاً ایک باغ ہے، ایک باغ کی خوبی یہ ہے کہ وہ سرسبز ہو، شاداب ہو، اس کے درخت ہرے بھرے ہوں، ان کے اوپر پھول ہوں، پھل ہوں اور دیکھنے والے کے لیے جاذبِ نظر ہو، اب باغ کی یہ خوبی، اس کے درخت کا سرسبز و شاداب ہونا اور اس کا ہرا بھرا ہونا، اس کے اوپر کثرت سے پھولوں اور پھلوں کا آنا یہ آپ ہی آپ نہیں ہوگا، اس کے لیے آدمی کو کس قدر محنت کرنی پڑے گی؟ عمدہ قسم کی زمین حاصل کی جائے گی اور اس کے اندر عمدہ قسم کا بیج ڈالا جائے گا اور اس کے اندر پانی ڈالا جائے گا اور پھر اس کے اندر ہل چلانے کے واسطے اور اس کی ساخت پرداخت اور دیکھ بھال کے واسطے مالی، باغبان وغیرہ مقرر کیے جائیں پھر جب اس کے اندر درخت اُگنے شروع ہوں تو کونپل پھوٹنے سے لے کر بڑے ہونے تک اور پھل اور پھول آنے تک مسلسل

نگرانی کی جاتی رہے اور اس کو جانوروں سے بچایا جائے اور اس کو نقصان پہنچانے والی دوسری تمام چیزوں سے بچایا جائے، تب جا کر اس کے اندر یہ کمال اور خوبی آئے گی۔ دیکھئے اس کے اندر جو سرسبزی اور شادابی آئی، خوبی آئی، وہ اتنی محنتوں کے بعد آئی، جو لوگ باغ بنانے کا کام کرتے ہیں، باغ تیار کرتے ہیں، ان سے پوچھ لیجئے کہ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔

## محنتِ شاقہ کے بعد آنے والی خوبی کی بقا کے لیے بھی محنتِ شاقہ ضروری ہے

تو اس میں جو خوبی آئی ہے وہ محنت کے راستے سے آئی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اس میں آئے دن محنت کی ضرورت پڑتی رہے گی، اس میں یہ خوبی باقی تبھی رہے گی جب اس محنت کے سلسلہ کو باقی رکھا جائے گا، اگر آپ اس کی سرسبزی وشادابی کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے اوپر محنت کے لیے ایک آدمی رکھنا پڑے گا، کیا ایسا ہوگا کہ باغ سرسبز وشاداب ہو گیا اور آپ پرسکون ہو کر بیٹھ گئے؟ نہیں۔ اس کو پانی پلانے کا سلسلہ، اس کی حفاظت کا سلسلہ اور باقی ضروری سلسلے آپ کو برابر باقی رکھنے پڑیں گے، اگر آپ اس کی طرف سے غفلت برتیں گے تو وہ چیز باقی نہیں رہے گی، معلوم ہوا کہ اس میں جو خوبی آئی وہ باہر سے محنت کر کے آپ نے اندر داخل کی۔

## کسی چیز میں شر پیدا کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں

اب رہی خرابی، باغ کی خرابی یہ ہے کہ اس کے درخت کے پتے گر جائیں اور

اس کی سرسبزی وشادابی باقی نہ رہے، اس کے پھل اور پھول نہ ہوں اور وہ باغ بنجر ہو جائے، اجڑ جائے تو باغ کو اجاڑنے کے واسطے آپ کو کچھ محنت کرنی پڑے گی؟ اس کو اجاڑنے کے واسطے پیسے لگانے پڑیں گے؟ باغ کو آباد رکھنے کے واسطے آپ نے جو نظام اور تیاری کر رکھی ہے، آدمی مقرر کیے ہیں، جو باقاعدہ اس کو روزانہ پانی پلاتے ہیں، کچھ لوگ وہ مقرر کیے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں، کچھ لوگ اور ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو پورا اسٹاف (staff) اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے، اس اسٹاف کو آپ چھٹی دے دیجیے، آپ کی تنخواہ بچ جائے گی، اب یہ اجاڑنے کا کام آپ کو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جب اس کو پانی نہیں ملے گا تو ایک وقت آئے گا کہ پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے درخت سوکھتے جائیں گے، اس کے پھل، پھول ختم ہو جائیں گے، پتے جھڑنے لگ جائیں گے، شاخیں بھی خشک ہو جائیں گی اور بجائے باغ کے بنجر جگہ بن جائے گی، تو اس کو بنجر بنانے کے واسطے آپ کو کوئی محنت کرنی نہیں پڑے گی، آپ نے اس کی سرسبزی وشادابی برقرار رکھنے کے لیے جو انتظام کر رکھا ہے، محنت کا جو سلسلہ جاری کر رکھا ہے، آپ نے اس کو موقوف کر دیا تو اس کے اندر جو خرابی موجود تھی، یہ خرابی اندر ہی موجود تھی جو محنت کی وجہ سے چھپی ہوئی تھی، اب جب وہ محنت ہم نے وہاں سے ہٹا لی تو وہ دبی ہوئی اندر کی خرابی ابھر کر کے سامنے آ گئی۔

## مکان میں خوبی پیدا کرنے کے لیے ہونے والی محنتیں

ایک مکان ہے، اس مکان کی خوبی یہ ہے کہ وہ عمدہ قسم کا ہو، اس کا پلاستر عمدہ

ہو، اس کا رنگ، روغن اچھا ہو، اس کے اندر کا سامان عمدہ ہو، اب آپ عمدہ قسم کا مکان تیار کرنے کے واسطے پہلے تو اس کا نقشہ کھینچیں گے، کسی آرکٹیک (architect) کے ذریعہ اس کو تیار کرائیں گے، اس کے بعد کسی اچھے انجنیئر (engineer) کے حوالے کیا جائے گا، پھر آپ عمدہ قسم کا مٹیریل (material) حاصل کریں گے، اس کے بعد اس ڈیزائن (design) کے مطابق مکان بننا شروع ہوگا تو کتنے لوگوں کو روزی ملے گی، کتنے ماہرِ فنون جمع ہوں گے؟ کوئی آرکیٹیک ہے، کوئی انجنیئر ہے، کوئی معمار ہے، کوئی بڑھئی ہے، کوئی پینٹر (painter) ہے، کوئی پلمبر ہے، معلوم نہیں دنیا کے کتنے ہنر والوں کی محنت اس میں لگے گی، تب جا کر عمدہ پسندیدہ مکان تیار ہوگا اور اس کے لیے ہزاروں، لاکھوں پاؤنڈ کا خرچہ ہوگا۔

## حسین مکان کو بدصورت بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں

اتنی ساری محنتوں اور اتنے سارے مصارف کے بعد یہ مکان تیار ہوا، اب اس مکان کے اندر باہر سے جو رونق داخل کی گئی، اس کو برقرار رکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً اس کی صفائی کرتے رہیے، موقع بموقع اس کو رنگ و روغن کرتے رہیے، مختلف طریقوں سے اس کی حفاظت کا بندوبست آپ کو کرنا پڑے گا اور اس کی خوبی کو باقی رکھنے کے واسطے آپ کو بہتر انتظام کرتے رہنا پڑے گا، اس کی سروِس کرتے رہنا پڑے گا اور اگر آپ اس مکان کی عمدگی کو خرابی سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں، اس کو ویران بنانا چاہتے ہیں تو کیا آپ کو اس کے لیے کوئی محنت کرنی پڑے گی؟ ہرگز نہیں، آپ نے اس مکان

کی حفاظت کے لیے صفائی، ستھرائی کے لیے جو انتظام کیا ہے، اس سلسلہ کو موقوف کر دیجئے، ایک وقت آئے گا کہ دھیرے دھیرے اس پر گرد و غبار جمے گا اور اس کے جمنے کی وجہ سے دھیرے دھیرے اس کا پلاستر اکھڑنا شروع ہوگا، پلاستر اکھڑنے کی وجہ سے دیواریں اندر سے بوسیدہ ہونی شروع ہوں گی پھر دیوار ختم ہو جائے گی اور دیوار کے ختم ہوتے ہی چھت بھی زمین پر آ جائے گی، اب یہ ویران کھنڈر بن گیا، اس کے لیے آپ کو کون سا خرچ کرنا پڑا؟ کون سی محنت کرنی پڑی؟ الغرض اس کی خوبی کو برقرار رکھنے کے لیے آپ جو محنت کرتے تھے، محنت کے اس سلسلہ کو آپ نے موقوف کر دیا تو جو خرابی اس کی ذات کے اندر موجود تھی، وہ ابھر کے سامنے آ گئی۔

## اشیاءِ خورد و نوش کی خوبی اور اس میں در آنے والی خرابی

کھانا! کھانے کے اندر خوبی یہ ہے کہ وہ خوش ذائقہ ہو، اس کا مزہ بھی عمدہ ہو، اس کا رنگ بھی عمدہ ہو، دیدہ زیب ہو اور وہ خوش رنگ ہو، خوشبودار بھی ہو، اب کھانے کو خوش ذائقہ و خوشبودار بنانے کے لیے ماہر باورچی، ماہر پکانے والی کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی اور ماہرینِ سودا سے سودا خرید کر کے لانا پڑے گا اور کتنی محنت اور توجہ سے آپ کو کھانا تیار کرنا پڑے گا، تب جا کر کے عمدہ کھانا تیار ہوگا۔ پھر یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کو باقی رکھنے کے واسطے جو محنت ہے! باقاعدہ فریز (freeze) کا انتظام کیجیے پھر اس کے اندر اس کو رکھنے کا انتظام کیجیے پھر فریز کے ساتھ لائٹ کی سپلائی (supply) کا انتظام کیجیے اور اگر آپ کھانے کو بگاڑنا چاہتے ہیں تو آپ اس کی حفاظت کا جو انتظام کر

رہے ہیں، اس انتظام کو موقوف کر دیجیے، آپ ہی آپ وہ بگڑ جائے گا، اس کو بگاڑنے کے لیے آپ نے کون سا خرچہ کیا؟ کون سی محنت لگائی؟ معلوم ہوا کہ بگاڑ جو اس کی ذات کے اندر موجود تھا جو آپ نے اپنی محنت کے ذریعہ سے، کوشش کے ذریعہ سے دبا رکھا تھا، آپ نے اس کی خوبی کو برقرار رکھنے کے لیے جو محنت کی تھی، محنت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا تو آپ ہی آپ اس کا بگاڑ جو تھا، وہ ظاہر ہو گیا۔

## کوئی شکمِ مادر سے باوصف پیدا نہیں ہوتا

یہی عالم انسان کا ہے۔ انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو انسان میں کوئی خوبی نہیں ہوتی اس بچے کو عالم بنانے کے واسطے محنت کی ضرورت ہے اور انسان ماں کے پیٹ سے عالم بنا بنایا پیدا نہیں ہوتا، اگر ایسا ہی ہوتا تو دنیا میں مدارس اور اسکول اور کالیج اور یونورسیٹی کو قائم کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اندر صلاحیتیں رکھ دی ہیں اور وہ علم حاصل کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [النحل] جب تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے نکالا، تب تم کچھ نہیں جانتے تھے، ہاں تم کو کان اور آنکھیں اور دل دئے، یہ وہ اعضاء ہیں جن کے ذریعہ انسان علم حاصل کرتا ہے، کانوں کے ذریعہ سے سن کر، آنکھوں کے ذریعہ سے دیکھ کر اور دل کے ذریعہ سے سوچ کر، سمجھ کر علم حاصل کرتا ہے تو علم کے حصول کے آلات اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا کر دئے۔

## انسان کو جاہل بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے

تو بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو وہ کوئی عالم پیدا نہیں ہوا تھا، اب اس کو عالم بنانے کے لیے آپ کو باقاعدہ محنت کرنی پڑے گی، توجہ سے کام لینا پڑے گا، کہیں آپ نے دیکھا ہے کہ کسی انسان کو جاہل بنانے کے لیے کوئی یونورسیٹی، کوئی مدرسہ، کوئی کالیج، کوئی اسکول قائم کیا گیا ہو، ایسا تو آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا؛ کیوں کہ انسان جاہل پیدا ہوتا ہی ہے، اگر آپ اس کو علم نہیں سکھائیں گے تو وہ جاہل کا جاہل ہی رہے گا۔

## کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی

دوسری اس کی خوبی عمل ہے، اخلاق ہے اور اعمال سے آراستہ ہونا ہے تو اب آپ اپنے بچے کو عالم بنانے کے واسطے اساتذہ کی خدمات حاصل کرتے ہیں، ان کو تنخواہ دی جاتی ہے پھر وہ آپ کے بچے کو علم سکھانے کے واسطے کبھی پٹائی بھی کردیتے ہیں، حالانکہ یہاں حکومت کی طرف سے سخت آرڈر یہ ہے کہ تعلیمی وتربیتی سلسلے میں بچے پر سختی نہ کی جائے پھر بھی آپ بچے کی تعلیم وتربیت کے لیے اس چیز کو برداشت کرلیتے ہیں پھر انسان میں عمل کی خوبی بھی باقاعدہ تربیت کے راستے سے داخل کی جاتی ہے، اس کے لیے باقاعدہ شیوخ اور مربیوں کے حوالے کیا جاتا ہے، خانقاہوں میں اسی لائن کی محنت ہوتی ہے تو تربیت کے واسطے بھی مسقل ایک محنت ہے۔

## شر اور برائی انسان کی سرشت میں داخل ہے

اور اگر آپ اس کو بد اخلاق بنانا چاہتے ہیں تو بد اخلاق بنانے کے لیے کوئی

محنت کرنے کی ضرورت ہے؟ نہیں، اس کو اچھے اخلاق والا بنانے کے لیے جو محنت کر رہے تھے، اس محنت کا سلسلہ موقوف کر دیجیے، اس کے لیے آپ کو کوئی محنت نہیں کرنی پڑے گی، بگاڑ جو اس کی ذات کے اندر موجود ہے وہ خود ابھر کر سامنے آ جائے گا اور لوگ کہیں گے کہ یہ اتنا جلدی بگڑ گیا؟ یہ بگاڑ کیوں اتنا جلدی آتا ہے؟ بگاڑ اس لیے جلدی آتا ہے کہ وہ اس کی ذات میں موجود ہے۔

## تربیتِ انسانی کی تفہیم ایک عام فہم مثال سے

میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں کہ: آپ کو آئس کریم (ice-cream) تیار کرنی ہے تو آئس کریم تیار کرنے کے لیے کیا کریں گے؟ دودھ وغیرہ اس کا جو کچھ بھی مٹریل ہے لا کر کے اس کو ایک مخصوص ڈبے میں رکھنا پڑتا ہے پھر جب تک اس کو ٹھنڈک نہ پہنچائی جائے، وہاں تک آئس کریم تیار ہو سکتی ہے؟ نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے تیار ہونے کے بعد اس کو باہر نکال کر رکھ دیں گے تو پگھل جائے گی، اس کو باقی رکھنے کے لیے- اگر چہ اس کو باقی رکھنے کے لیے اس درجۂ برودت کی ضرورت نہیں جو جمانے کے لیے ضروری تھی، کچھ کم- لیکن بہر حال اس کے لیے ٹھنڈک کی ضرورت ہے۔

## اولاد کی صحیح تربیت عملی ماحول سے حاصل ہوتی ہے

انسان کو بنانے کے لیے بھی محنت اور ماحول کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کو بنا ہوا باقی رکھنے کے واسطے بھی محنت اور ماحول کی ضرورت پڑتی ہے، اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں ہم لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ باعمل بنانے کا ہمارا ماحول نہیں، میں نے کل بھی یہ

بات عرض کی تھی کہ ہمارے اکابر کے بارے میں ایک عرصہ تک سوچتا رہا کہ قدماء کی تصنیفات کے اندر تربیت کے موضوع پر جو کتابیں ہیں وہ بہت کم ہیں اور بہت مختصر ہیں، تو میں سوچا کرتا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ ساری چیزیں عمل کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ان حضرات نے اس کے لیے ایک ماحول بنا رکھا تھا۔

## خلافتِ امویہ کی بیخ کنی کے بعد خاندانِ بنوامیہ کی تباہی

جو حضرات اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد بنوامیہ کی سلطنت کا سلسلہ شروع ہوا، اور خلافتِ بنوامیہ کے بعد خلافتِ بنوعباس ہے۔ جب ''خلافت'' بنوامیہ کے ہاتھوں سے بنوعباس کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی، خلافتِ عباسیہ کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح ہے، اس کا لقب سفّاح اسی لیے پڑا کہ اس نے بڑے مظالم کیے تھے، خاص کر کے بنوامیہ کو ختم کرنے کے سلسلے میں، اس کے بعد کے خلفاء ابوجعفر منصور وغیرہ ہیں۔ اب جب بنوامیہ کے ہاتھ سے بنوعباس کے ہاتھ میں سلطنت آئی تو بنوعباس کے زعماء جنھوں نے اس وقت سلطنت کے حصول کے لیے محنتیں کی، انھوں نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ خاندانِ بنوامیہ کا کوئی فرد بچ نہ پائے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ بنوعباس کے مخالفین اس ایک آدمی کو اپنی آڑ بنا کر کے اپنا منشا پورا کرنے کے لیے تحریک چلائیں۔ آج کل ایسا ہی تو ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو آڑ بنا کر کے تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔

## خاندانِ بنوامیہ کا زمانۂ امن وسکون

عبدالرحمٰن نے اس وقت اندلس، اسپین کے اندر بنوامیہ کی حکومت قائم کی تھی، یہ تو وہاں الگ جگہ چلا گیا؛ اس لیے بچ گیا، ورنہ یہاں بغداد اور دمشق وغیرہ کے علاقوں میں کسی کو نہیں چھوڑا، اس زمانے میں خاندانِ بنوامیہ کے لیے کوئی دوست نہیں رہا تھا، کئی سالوں تک یہ جیلوں میں رہے اور بنوعباس کو جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ اب ہماری سلطنت کو چیلنج کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا اور اب اگر بنوامیہ کا کوئی فرد بنوعباس کے سامنے آ بھی جائے گا تو ہماری سلطنت کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ ان کو کوئی ہلا نہیں سکے گا، تب جا کر خاندانِ بنوامیہ کے لوگوں کو جیلوں سے رہائی نصیب ہوئی۔

## اولاد کی صحیح تربیت کا موقع نہ مل سکنے پر بنوامیہ کا اظہارِ افسوس

جب یہ لوگ رہا ہو کر آئے تو ان سے سوال کیا گیا- آپ ذرا اس پر غور کیجیے جو بات میں ابھی عرض کرنے جا رہا ہوں- ان سے سوال کیا گیا کہ آپ اتنی مدت تک جیل خانے کے اندر رہے، کون سی چیز آپ کے لیے زیادہ تکلیف دہ رہی- آپ اندازہ لگائیں کہ جس خاندان کے پاس اتنے سالوں تک حکومت رہی ہے، جو اس کے ہاتھ سے اب نکل چکی ہے اور وہ اس زمانے میں سب سے بڑی حکومت سمجھی جاتی تھی، جس نے اس سے پہلے کی دو بڑی سپر پاور (super-power) طاقتوں کو ختم کر کے اس کے ملبے کے اوپر اپنی حکومت قائم کی تھی، وہ حکومت کتنی بڑی تھی! اتنی بڑی حکومت جس خاندان کے ہاتھوں سے چلی گئی ہو، اس کو اس حکومت کے چلے جانے کا کتنا افسوس

ہوسکتا ہے! لیکن بنو امیہ کے ان افراد نے مذکورہ سوال کے جواب میں کیا کہا؟ کہ ان جیلوں کے اندر رہنے کے عرصے میں ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کی تربیت کا موقع نہیں ملا، ان جیلوں میں بند رہنے کی وجہ سے، انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے ہاتھوں سے حکومت چلی گئی اس پر کسی افسوس کا اظہار نہیں کیا، افسوس کا اظہار اگر کیا ہے تو اس پر کیا ہے کہ ان کے جیلوں میں بند رہنے کی وجہ سے اولاد ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں رہی اور ہمیں اپنی اولاد کی تربیت کا موقع نہیں ملا۔

## اولاد کی تربیت کے معاملے میں ہماری غفلت اور کوتاہی

آج ہمارے پاس ہماری اولاد موجود ہے اور ماں باپ میں سے باپ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کام کے لیے اپنے گھر سے ایسے وقت نکلتا ہے جب کہ یہ بچے سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور شام کو گھر ایسے وقت لوٹتا ہے جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں، اب دن بھر بچے کہاں تھے؟ انھوں نے کیا کیا؟ کس کی صحبت میں رہے؟ ان کی تربیت کا کیا کیا انتظام ہوا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں اور اس کی ہمیں فکر نہیں، بس ہفتہ کے اندر سنیچر اتوار کا ایک دن آتا ہے جس میں ماں باپ پر یہ دھن سوار رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اِدھر اُدھر ذرا ان کو کچھ تفریح کرادی جائے لیکن افسوس کہ اس طرف ہماری توجہ نہیں جاتی کہ اس دن میں ہفتے بھر کی تربیت میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی کرادی جائے، تربیت کے سلسلے میں کچھ باتیں بتلائی جائیں؛ تاکہ مزید کام دے سکیں، اس کا کوئی اہتمام ہی نہیں، ان کی تفریح کی کوشش تو ہے لیکن ان کی تربیت کی طرف توجہ نہیں۔

## نہیں جہاں جائے عیش و عشرت، سنبھل سنبھل، ورنہ ہو گی حسرت

اندازہ لگائیے کہ ہم نے اپنے آپ کو کتنا برباد کیا! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے تشخص کو باقی رکھیں، اگر اس سے ہمیں اقتصادی مضبوطی حاصل ہو بھی گئی لیکن اقتصادی مضبوطی کو حاصل کرنے کے لیے اگر ہم نے اپنے دین کا سودا کیا اور اپنی نسلوں کو دین اور اسلام سے محروم کر دیا تو یاد رکھیے کہ یہ سودا بڑے گھاٹے کا سودا ہے، خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃَ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم یہ طے کر لیں کہ ہم یہ مال حاصل کرنے کے لیے اتنی بڑی قربانی نہیں دیں گے، ہم مال کے حصول کے لیے دین کی قربانی دے رہے ہیں، اپنی اولاد کی دیانت اور عملِ صالح کی قربانی دے رہے ہیں، اگر انسان یہ سوچے گا تو ڈرے گا، اگر ہم نے اپنے بچوں کی تربیت اور تعلیم کا اہتمام نہیں کیا اور بچے اسکول چلے گئے تو اس خطرناک ماحول کا اثر ہماری اولاد کو ختم کر دے گا۔

## مقصد ہو اگر تربیت لعلِ بدخشاں

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ بچوں کو بنانے کے واسطے، انسان بنانے کے واسطے، مسلمان بنانے کے واسطے محنت کرنی پڑے گی۔ اسلامی آداب سے اور اسلامی تعلیمات سے، اسلامی اخلاق سے، اسلامی اعمال سے آراستہ کرنے کے لیے ہمیں اپنے خون کو پانی کرنا پڑے گا، تب یہ چیز حاصل ہوتی ہے؛ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں، بچوں کی تعلیم اور تربیت کی طرف توجہ کریں۔ اچھے افراد کو وجود میں لانے کے لیے شریعت کا نظام کتنا پیشگی اور مستحکم ہے اس کی نظیر نہیں مل

سکتی۔ مثلاً شوہر جب اپنی بیوی کے پاس صحبت کرنے کے لیے جاتا ہے، اندازہ لگائیے کہ اس وقت آدمی کے ذہن پر کیا چیز سوار ہوتی ہے، وہ محض خواہش کی تکمیل چاہتا ہے لیکن اسلام نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ شوہر جب بیوی کے پاس صحبت کے لیے جائے تو ان سنن وآداب کی رعایت کرے۔

## تعلیماتِ نبوی کی جامعیت

حضرت شاہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث کا خلاصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں ہیں، صرف دعاؤں میں غور کروگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا کچھ اندازہ ہوگا، مثلاً دیکھئے رمضان کا مہینہ کتنا مہتم بالشان ہے اور اس کو وصول کرنے کے لیے ایک مؤمن کو کتنا اہتمام کرنا چاہیے تو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنا اہتمام فرماتے تھے، رجب کا چاند دیکھا، وہاں سے ہمیں دعا سکھلائی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ (۱) اے اللہ! تو ہم کو برکت دے رجب اور شعبان کے مہینے میں اور رمضان تک پہنچادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ رمضان جیسا برکت والا مہینہ، اس کو اب زیادہ دن نہیں رہے، اب اس میں زیادہ دیر نہیں رہی ہے، صرف دو مہینے باقی رہ گئے، اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے میری موت آجائے اور رمضان کی برکتیں حاصل کیے بغیر میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں، اے اللہ! تو مجھے اتنی زندگی ضرور دے کہ میں رمضان کے فوائد حاصل کرسکوں۔

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه تَخْصِيصُ شَهْرِ رَجَبٍ بِالذِّكْرِ.

## ماہِ رجب کی آمد پر پڑھی جانے والی دعا کی حکمت

آخر یہ دعا سکھلائی، کس بات کے واسطے سکھلائی؟ پہنچنے والے اس مہینہ تک پہنچ جاتے ہیں لیکن اس دعا کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہر مسلمان کو متوجہ کر رہے ہیں کہ دیکھو تیار ہو جاؤ۔

سردی آتی ہے، دسمبر کا مہینہ آ رہا ہے، تو سردی کی موسم سے کتنا عرصہ پہلے سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں؟ مال کا آرڈر کب سے بک کراتے ہیں، جہاں سے مال لاتے ہیں وہاں لائن لگی ہوئی ہوتی ہے، مہمان آتے ہیں ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی جاتی، معلوم نہیں کتنی اور کیا کیا تیاریاں اس کے لیے کی جاتی ہیں، یہ موسم آ رہا ہے نیکیوں کا تو رجب کے مہینے ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تربیت فرمائی رمضان کی تیاری کی پھر جب رمضان کا مہینہ آیا تو رمضان کے مہینہ کے آنے پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا سکھلائی: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنَا لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لَنَا وَتَسَلَّمْهُ مِنَّا مُتَقَبَّلًا (۱) اے اللہ! تو ہمیں رمضان کے لیے خالص کر دے اور رمضان کو کو ہمارے لیے خالص کر دے یعنی رمضان کے مہینے کے اکثر و بیشتر اوقات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنی ہے،

---

(۱) یہ دعا مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد کتب میں وارد ہوئی ہے، بعینہ ان الفاظ کے ساتھ میری حقیر کوشش کے بعد مجھے نہیں ملی، "فضائل رمضان لابن أبي الدنيا" میں یہ دعا ابو جعفر کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: اللهم أهله علينا بالأمن، والإيمان، والسلامة، والإسلام، والعافية المجللة، ورفع الأسقام، والعون على الصيام والصلاة وتلاوة القرآن، اللهم سلمنا لرمضان، وسلمه لنا، وتسلمه منا حتى يخرج رمضان وقد غفرت لنا، ورحمتنا، وعفوت عنا (۱/۵)

ایسا نہ ہو کہ ہم اس اصل کام کی طرف سے غفلت برتیں اور دوسرے امور کی طرف متوجہ ہو جائیں، بلکہ ہماری پوری توجہ رمضان کی برکتوں کو حاصل کرنے کی طرف ہونی چاہیے۔

## کسی بستی میں جاتے ہوئے پڑھنے کی دعا اور اس میں مضمر حکمت

اسی طرح کسی بستی میں جب جاتے ہیں تو دعا سکھلائی گئی، اَللّٰھُمَّ حَبِّبْنَا إِلٰی أَھْلِھَا وَ حَبِّبْ صَالِحِي أَھْلِھَا إِلَیْنَا (۱) اے اللہ! اس بستی والوں کے دل میں ہماری محبت ڈال دے، یہاں پر شر کی قید نہیں لگائی، یعنی ساری بستی والوں کے دل میں ہماری محبت ڈال دے، بستی میں چاہے نیک بستا ہو یا بد بستا ہو؛ تاکہ اس بستی کے کسی فرد سے ہم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پھر آگے فرمایا: اس بستی میں جو نیک لوگ ہیں، ان کی محبت ہمارے دل میں داخل کر دے، اس دعا کے اندر ہمیں کیا تعلیم دی؟ کہ اس بستی میں آ کر آپ کو کیا کام کرنا ہے؟ ہر کس و ناکس کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی آپ کو اجازت نہیں ہے بلکہ اس بستی میں جو صلحاء بستے ہیں، انھیں کے ساتھ آپ کا رابطہ اور کانٹیکٹ (contact) ہونا چاہیے، دوسروں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے، اس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

اسی لیے اسلاف کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ کسی بستی میں پہنچتے تھے تو دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو ہمیں یہاں صالح ہم نشین عطا فرما اور ہم اور آپ پہنچتے ہیں تو کھانے پینے کے انتظام کی پہلے فکر ہوتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھلاتے ہیں اور ہماری تربیت بھی کرتے ہیں۔

---

(۱) الدعاء للطبراني، ص ۲۶۴، باب ما یقول المسافر إذا أشرف علی بلدة یرید دخولھا.

## بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت دعا اور اس کی حکمت

تو آدمی جب بیوی کے پاس جاتا ہے صحبت کرنے کے واسطے تو دعا سکھلائی گئی: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا(۱) اس میں اللہ کا نام بھی ہے اور لینا بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن کے لیے ضرورت ہے کہ ہر جگہ اللہ کا نام لے۔

## بسم اللہ کے فوائد و برکات

بیت الخلاء میں داخل ہو رہا ہے تو اللہ کا نام لے، کیوں بھائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جاتا ہے اور اپنا ستر کھولتا ہے تو شیاطین اس کے ستر کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر داخل ہوا اور دعا پڑھ کر داخل ہوا تو شیاطین کی آنکھوں سے وہ اوجھل ہو جاتا ہے، یعنی اگرچہ اس نے اپنا ستر کھول رکھا ہے لیکن شیاطین اس کے ستر کو دیکھ نہیں سکتے، یہ بھی قدرت کا ایک نظام ہے۔

## ہر کام بسم اللہ پڑھ کر انجام دینے کی تعلیم

اب دیکھئے کہ آدمی جب رات کے وقت میں گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھتے ہوئے دروازوں، کھڑکیوں کو بند کر کے داخل ہو، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ڈھانکنے کے واسطے اگر ڈھکّن نہیں ہے تو بسم اللہ پڑھ کر آڑی لکڑی رکھ دے، دروازے بند کر دو بسم اللہ پڑھ کر، آپ بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کریں گے

---

(۱) بخاری شریف، عَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا باب مَا يَقُولُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ.

تو شیطان کو وہ دروازہ کھولنے کی طاقت نہیں دی گئی ہے جس کو بسم اللہ پڑھ کر بند کیا ہو، ویسے اس کو اللہ نے بڑی طاقتیں دی ہیں لیکن اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کے دروازہ بند کیا تو شیطان گھر میں داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

## بسم اللہ کی کرشمہ سازی کا ایک واقعہ

حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری نور اللہ مرقدہ کو آپ حضرات جانتے ہیں، انھوں نے مجھے کئی مرتبہ یہ قصہ سنایا، جن وغیرہ گھر میں آسکتے ہیں لیکن اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا ہے تو نہیں تو فرمایا کہ ایک مرتبہ میں لیٹا ہوا تھا، دیکھا کہ ایک بچہ سا آیا اور اس نے وہ الماری جس میں کھانا رکھا جاتا تھا، جس کو ہم نعمت خانہ کہتے ہیں۔

## لطیفہ

اب تو اصطلاحات بھی بدل گئیں۔ ہمارے ایک استاذ تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ آدمی جب سفر کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ پابرکاب ہے تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ اب پابرکاب کی جگہ یوں کہنا چاہیے: ''ٹکٹ بدست''۔

## بسم اللہ پڑھ کر رکھی ہوئی چیز میں شیطان تصرف نہیں کر سکتا

خیر حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بچہ سا آیا اس نے وہ الماری جس میں کھانا رکھا جاتا ہے اس کو کھولا، جن تھا، جن وغیرہ بھی چوری کرتے ہیں لیکن اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کیا ہے، بسم اللہ پڑھ کر الماری، فریز کا دروازہ بند کیا ہے، بسم اللہ پڑھ کر برتن کو ڈھانپ لیا ہے تو نہیں

کرسکتا، اب فرماتے ہیں کہ اس میں بہت کچھ تھا، بسکٹ تھے، فروٹ تھے۔

## سال بھر میں آنے والی ایک رات جس میں بلائیں نازل ہوتی ہیں

حدیث میں آتا ہے کہ سال بھر میں ایک رات ایسی آتی ہے کہ جس میں بلائیں اترتی ہیں اوراس رات آپ اگر برتن کوڈھانکیں گے نہیں تواس میں یہ بلائیں سرایت کرجاتی ہیں اب وہ کون سی رات ہے؟ معلوم نہیں، لہٰذا ہمیں ہمیشہ اس کا اہتمام کرنا ہے کہ بسم اللہ بول کر برتن کوڈھانکیں، بسم اللہ بول کر اگر آپ برتن کوڈھانکیں گے تو بلا کا اثر اندر نہیں آئے گا تو بہرحال! حفاظت کا یہی ایک طریقہ ہے۔

## بوقتِ صحبت ماثور دعا نہ پڑھنے کا نقصان اور وبال

اگر آپ بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء کے اندر جائیں گے تو شیطان کو آپ کی شرم گاہ کے ساتھ کھیلنے کا موقع نہیں ملے گا، اسی طرح یہ تربیت دی، یہ تعلیم دی کہ شوہر جب بیوی کے پاس صحبت کے لیے جائے تو ستر کھولنے سے پہلے دونوں بسم اللہ پڑھیں: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا: کہ اللہ کے نام سے اور اے اللہ! ہم کوشیطان سے بچا اور وطی کے نتیجہ میں جو بچہ دے گا اس کو بھی شیطان سے بچا۔ اگر صحبت کے وقت یہ دعا نہیں پڑھی جاتی تو بعض روایتوں میں ہے کہ آدمی کی شرم گاہ کے ساتھ شیطان لپٹ جاتا ہے اور وہ بھی اس کی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو وہ بھی بیوی کی صحبت میں شریک ہوجاتا ہے(۱)۔

---

(۱)وَقِيلَ لَمْ يَضُرَّهُ بِمُشَارَكَةِ أَبِيهِ فِي جِمَاعِ أُمِّهِ كَمَا جَاءَ عَنْ مُجَاهِدٍ" أَنَّ الَّذِي يُجَامِعُ ⬅

## شیطان انسان کے ہر کام میں شرکت کی کوشش کرتا ہے

شیطان نے تو قسم کھا رکھی ہے، اس نے تو ہماری ہر چیز میں اپنا حصہ بنایا ہے، آدمی کھانے کے لیے بیٹھتا ہے تو اس کا حصہ، آدمی پینے کے لیے بیٹھے تو اس کا حصہ، گھر میں جائے تو اس کا حصہ۔ اللہ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو زبردست تدبیریں اور میزائل بتلا دئے کہ بسم اللہ بولو اور اس کا حصہ ختم۔ کھانے سے پہلے آپ نے بسم اللہ کہا تو شیطان آپ کے کھانے میں شریک نہیں ہوگا، بسم اللہ کے بغیر اگر شروع کیا ہے تو شیطان کھانے میں شریک ہوگا، کھانا جلدی ختم ہو جائے گا اور آپ کی بھوک کا تقاضا پورا نہیں ہوگا، یہاں تک فرمایا کہ جو شروع میں بسم اللہ بھول جائے اور درمیان یاد آئے تو وہ کہے: بسم اللہ أوله و آخره(۱): اللہ کے نام سے شروع میں بھی، آخر میں بھی تو اس میں جو شیطان کا اثر آیا وہ چلا جاتا ہے، باقی نہیں رہتا۔

## اولاد کو ماں باپ سے دور کرنے کی جدید شیطانی چالیں

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد اگر کسی کا سب سے

---

➲ وَلَا يُسَمِّي يَلْتَفّ الشَّيْطَان عَلَى إِحْلِيله فَيُجَامِع مَعَهُ (فتح الباری شرحِ بخاری ۹/۲۲۹)

(۱) عن جابر بن صبح: حدثني المثنى بن عبد الرحمن الخزاعي و صحبته إلى واسط فكان يسمي في أول طعامه و آخره فسألته: رأيت قولك في آخر لقمة بسم الله في أوله و آخره قال: أخبرك عن ذاك أن جدي أمية بن مخشي و كان من أصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم سمعته يقول: إن رجلا كان يأكل و النبي صلى الله عليه وآله وسلم ينظر فلم يسم الله حتى كان في آخر طعامه فقال: بسم الله أوله و آخره فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: ما زال الشيطان يأكل معه حتى سمى فما بقي في بطنه شيء إلا قاءه (المستدرك على الصحيحين ۴/۱۲۱)

زیادہ حق ہوسکتا ہے تو ماں باپ کا ہے، انسان کے دنیا میں ظاہری طور پر وجود میں آنے کے لیے ذریعہ ماں باپ بنے ہیں تو اب ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں اپنا حق بیان کرنے کے بعد ماں باپ کا حق بیان کیا ہے، بہت بڑا حق ہے ماں باپ کا لیکن آج کل کچھ لوگ ہیں، ایک خاص لوبی ہے جو دنیا کے اندر خرابیاں پھیلانا چاہتے ہیں، شیطانی نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں تو اولاد کو ماں باپ سے کاٹنے کا ان کا مشغلہ ہے تو باقاعدہ بچوں کو بتلایا جاتا ہے کہ تم جو وجود میں آئے اس میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے؟ ان دونوں نے اپنی شہوت پوری کرلی، بات ختم، وہ دونوں تو اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ملے تھے، اب اتفاق کی بات کہ وہ مادۂ منویہ اندر جا کر تمہارا بیج بن گیا اور تم پیدا ہوگئے، تمہارے ماں باپ نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، یہ تعلیم دی جاتی ہے۔

## انسان اپنی فطری خواہش کی تکمیل جانوروں کی طرح نہیں کرسکتا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقاعدہ دنیا کے اندر انسانی سلسلے کو برقرار رکھنے کے لیے یہ قدرتی نظام بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جس طرح کھانے کی خواہش پیدا فرمائی، اسی طرح یہ بھی پیدا فرمائی، اگر اللہ تعالیٰ یہ خواہش پیدا نہ فرماتے تو کون نکاح کرتا؟ کوئی نکاح نہ کرتا، یہ قدرت کی طرف سے ایک نظام مقرر کیا گیا ہے اور مرد وعورت میں ایک دوسرے کی طرف میلان رکھا گیا لیکن اتنا ضرور ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں فرق کیا گیا کہ جانوروں کے اندر بھی نر اور مادہ کے اندر ایک میلان رکھا گیا

لیکن جانور جانور ہیں، ان کے لیے کوئی شریعت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون نہیں ہے، جس نر کا جس مادہ کی طرف میلان ہو، وہ اپنا کام پورا کرلیتا ہے، یہ بھی ایک قدرتی نظام ہے۔

## جانوروں میں بھی حیا اور غیرت ہوتی ہے

گذشتہ دنوں ایک مرغی خانے کے افتتاح کی نسبت سے جانے کا موقع ملا جہاں مشین کے ذریعہ گرمی پہنچا کر مرغی کے بچوں کو پیدا کیا جاتا ہے تو ذمہ داروں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ چند مرغیاں ایک مرغے کو اپنے لیے طے کرلیتی ہیں، مثلاً سو مرغیاں ہوتی ہیں تو اس کے اندر ہم دس مرغوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو اب اس کے بعد خود ہی، آپ ہی آپ مرغیوں اور مرغوں میں آپس میں ایسا جوڑ پیدا ہوجاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرغے کے نیچے آنے کے بعد وہ مرغی کسی دوسرے مرغے کو اپنے آپ پر قابو نہیں دیتی، وہ کہنے لگے کہ ہم نے تجربہ کرنے کے لیے یہاں تک دیکھ لیا کہ ہم نے دوسرے مرغے کو رات کے وقت پکڑ کر کے اسی جگہ جہاں یہ مرغی ہے، چھوڑ دیا، ہم نے دیکھا کہ پھر بھی وہ اس کو قابو نہیں دیتی، بلکہ یہاں تک کہ اگر وہ مرغا بیمار ہوا اور مرغی کو ضرورت پیش آ گئی تو اس وقت میں وہ مرغی کسی اور کے پاس نہیں جائے گی بلکہ انتظار کرے گی اس کی صحت کا، جانوروں میں بھی اتنی غیرت ہوتی ہے، حالانکہ یہ جانور کسی شریعت کے مکلف نہیں۔

## قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے پاکیزہ تر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اشرف المخلوقات

کے لیے اللہ کی طرف سے ایک قانون مقرر کیا گیا ہے ایسا نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے، اب وہ جانور جن کے لیے کوئی قانون نہیں ہے وہ تو قدرت کے قانون کا اتنا احترام کر رہے ہیں تو انسانوں کو تو بطریقِ اولی اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت دعا کی تاکید

الغرض! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایک نظام مقرر کیا ہے، بات یہ چل رہی تھی کہ یہ جو اولاد وجود میں آتی ہے، وہ ایسے ہی اتفاق کی بات نہیں ہے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے کہ مرد اور عورت نے اپنی شہوت پوری کی اور اس کے نتیجہ میں بچے پیدا ہو گئے، نہیں! اللہ تبارک وتعالیٰ کا باقاعدہ ایک نظام ہے، اس کے لیے یہ ساری چیزیں وجود میں آئی ہیں تو دوستو! دعا کا ہر حال میں اہتمام کیا جائے، چاہے بچہ پیدا ہونے کا کوئی امکان بھی نہ ہو، تب بھی اس کا اہتمام ضرور کیا جائے۔

## بچے کی پیدائش کے بعد اس سے متعلق تحنیک وغیرہ اسلامی تعلیمات پر ضرور عمل کیا جائے

ایک بات آپ کے سامنے عرض کر دوں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہونے کے بعد شریعت نے ہمیں حکم دیا کہ بچے کو ان آلائشوں سے جو ماں کے پیٹ سے لے کر نکلتا ہے، پاک کرنے کے بعد اس کے داہنے کان کے اندر اذان کے کلمات کہنا اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہہ دینا۔ آج کل ہسپتالوں میں، یہاں تو اس کا ماحول ہے، ہمارے یہاں بھی اب عام ہونے لگا اور ڈاکٹر کے بغیر ہوتا ہی نہیں، اس کا تو

بڑا انتظار کرتے ہیں کہ بچہ پیدا ہو لیکن بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کا اہتمام بھی کرنا ہے کہ اس کے داہنے کان کے اندر اذان کے کلمات کہے جائیں اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہے جائیں، اس کی تحنیک کی جائے۔

## تحنیک کا مفہومِ شرعی

تحنیک کا مطلب کیا ہے؟ تحنیک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی نیک بندے کو کھجور دے، وہ اس کو چبا کر کے، اس کے لعاب اس کے تھوک کے اندر ملی ہوئی تھوڑی سی کھجور کو بچے کے تالو سے لگا دی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ دستور تھا، اس کو مستحب قرار دیا گیا، جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو صحابہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھجور کو اپنے منہ میں باریک کر کے اس کا کچھ حصہ اپنے انگلی پر لے کر اس کو بچے کے تالو سے چپکا دیتے تھے، اسی کا نام تحنیک ہے، اس بچے کے پیٹ میں جو غذا جائے تو اس میں بھی کسی صالح آدمی کا لعاب ملا ہوا ہو؛ تا کہ اس بچے میں اس کے اثرات آئیں، اسی کو ہماری اردو زبان میں گھُٹّی کہتے ہیں اور اب تو گھُٹی بنی بنائی تیار دو کانوں کے اندر ملتی ہے، معلوم نہیں اس میں کیا ملاوٹ ہوتی ہے، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اسلام نے جو دعائیں بتلائی ہیں، ان میں تربیت کا پہلو بھی ہے، ان میں بہت سی حکمتیں بھی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی بچوں کی تربیت کی طرف توجہ مرکوز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں
# ناکام کیوں رہتی ہیں؟

# اقتباس

یہ آج کل کی سب سے بڑی بیماری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اسی بیماری کی تشخیص فرمائی ہے اور اس کا علاج تجویز فرمایا ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ اے ایمان والو! اپنی ذات کی خبر لو، اپنے کو دیکھو، اپنا حال ٹھیک کرو، اپنے حال کی اصلاح اور درستگی کی طرف توجہ کرو، لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اگر تم راہِ راست پر آ گئے، تم نے اپنا حال ٹھیک کرلیا، اپنے آپ کو درست کرلیا تو اگر کوئی راہِ راست سے ہٹ بھی گیا ہو، بھٹک بھی گیا ہو تو اس کا راہِ راست سے ہٹنا اور بھٹکنا تمہارے لیے مضر اور نقصان دہ نہیں ہے۔ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا تم سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جانا ہے یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور جب تم سب وہاں پہنچو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو کچھ تم کرتے تھے، اس کے متعلق بتادے گا، وہاں اعمال نامے پیش ہونے والے ہیں، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اپنی ذات کی طرف سے، اپنے گھر کی طرف سے، اپنے خاندان اور اپنی ہی طرف سے غفلت برت کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی مول لو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، أمّا بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ [المائدة:۱۰۵]

## مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

محترم حضرات! اس وقت ہمارا معاشرہ اور سماج جن حالات سے اور جن خرابیوں سے گذر رہا ہے، وہ ہمارے سب کے سامنے ہے، ان خرابیوں اور ان حالات کی اصلاح کے لیے بحمد اللہ مختلف جہتوں سے کوششیں جاری ہیں، اشخاص کے اعتبار سے بھی، جماعتوں کے اعتبار سے بھی، جمعیتوں اور انجمنوں کے اعتبار سے بھی، اداروں اور مدارس اور دوسری مختلف جہتوں سے، مختلف عنوانات پر یہ کوشش جاری ہے کہ ہمارے سماج اور معاشرے میں جو برائیاں گھر کر گئی ہیں ان کو دور کیا جائے۔ کوششیں کرنے والے حضرات اپنے

طور پر کوششیں کرتے رہتے ہیں لیکن ہم سب یہ بات بھی بخوبی جانتے ہیں کہ:

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تو یہ برائیوں کا سلسلہ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ آیتِ کریمہ جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں دراصل معاشرے کی درستگی اور اس کی اصلاح کے سلسلے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے اور کون سا طریقہ اپنانا چاہیے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتلایا ہے۔

## نہیں کچھ دل کی شرکت، صرف چلتی ہے زباں تیری

آج کل ایک عام مرض یہ ہے کہ جب کسی برائی کے سلسلہ میں گفتگو کی جاتی ہے تو یوں کہا جاتا ہے کہ لوگ اس میں مبتلا ہیں، لوگ ایسا کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ گفتگو کرنے والا اپنی ذات کو بھول کر دوسروں کے متعلق کلام کرتا رہتا ہے، حالاں کہ حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام (۱) جو آدمی یہ کہے کہ لوگ ہلاک وبرباد ہو گئے تو وہ ان میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم جب اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اور اصلاح کا علَم لے کر چلتے ہیں تو اپنی ذات کو بھول کر ساری باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، میں اگر کسی معاملے پر گفتگو

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ. فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.

(مسلم شریف، باب النَّهْيِ عَنْ قَوْلِ هَلَكَ النَّاسُ)

کروں تو میرا فرضِ منصبی یہ ہے کہ سب سے پہلے میں اپنا محاسبہ کروں اور میں اپنے اعمال کا جائزہ لوں کہ جس سلسلے میں گفتگو کر رہا ہوں، میرا اپنا طرزِ عمل اس سلسلے میں کیا ہے، ایسا نہ ہو کہ: ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة:٤٤] کا مصداق بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے، اہلِ کتاب سے فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالاں کہ اللہ کی کتاب کی تم تلاوت کرتے ہو اور: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:٢] ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو خود انجام نہیں دیتے، اللہ کے یہاں یہ بڑی غضبناکی اور ناراضگی کی بات ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو اور ''دیگراں را نصیحت وخود را فضیحت'' کہ دوسروں کو تو نصیحت کرو اور خیر خواہی کی بات کرو اور اپنی ذات کو بھول جاؤ؛ اس لیے اصل تو یہ ہے کہ آدمی جس وقت جس موضوع پر گفتگو کر رہا ہو اور اصلاح کے سلسلے میں گفتگو کر رہا ہو اور اصلاح کا ارادہ کر رہا ہو تو اس کو سب سے پہلے اپنی ذات پیشِ نظر رکھنی چاہیے۔

## یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے

یہ آج کل کی سب سے بڑی بیماری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اسی بیماری کی تشخیص فرمائی ہے اور اس کا علاج تجویز فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ اے ایمان والو! اپنی ذات کی خبر لو، اپنے کو دیکھو، اپنا حال ٹھیک کرو، اپنے حال کی اصلاح اور درستگی کی طرف توجہ کرو، لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اگر تم راہِ راست پر آ گئے، تم نے اپنا حال ٹھیک کر لیا، اپنے آپ کو درست کر لیا تو اگر کوئی راہِ راست سے ہٹ بھی گیا ہو، بھٹک بھی گیا ہو تو اس کا راہِ راست سے ہٹنا اور بھٹکنا تمہارے لیے مضر اور نقصان دہ نہیں ہے، اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جانا ہے، يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور جب تم سب وہاں پہنچو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو کچھ تم کرتے تھے، اس کے متعلق بتا دے گا، وہاں اعمال نامے پیش ہونے والے ہیں، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اپنی ذات کی طرف سے، اپنے گھر کی طرف سے، اپنے خاندان اور اپنی ہی طرف سے غفلت برت کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی مول لو۔

## مریض دوسروں کے امراض کی فکر سے پہلے اپنے مرض کی فکر کرتا ہے

بھائی! ایک آدمی جو خود بیمار ہو اس کو دوسروں کی بیماری کی طرف دھیان نہیں ہوتا اور اگر میرے پیٹ میں درد ہو اور اس میں مروڑ اٹھ رہا ہو تو اگر کسی کی ناک میں سے پانی بہہ رہا ہو، کسی کو نزلہ اور زکام ہو تو میری توجہ ادھر نہیں جائے گی کہ میں تو اپنا پیٹ لیے بیٹھا ہوں، میرے ہی پیٹ میں درد اٹھ رہا ہے۔ اگر کسی کو ٹی بی ہوئی، کسی کو ٹائیفاڈ ہوا ہے اور کسی کے سر میں اگر درد ہو تو وہ ٹی بی اور ٹائیفاڈ والا دردِ سر والے کو دیکھنے نہیں جاتا، وہ تو اپنی بیماری کو لے کر روتا ہے کہ بھائی! میری بیماری کی طرف دھیان دو، کچھ علاج ہونا چاہیے، میں تو مر رہا ہوں بلکہ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جب آدمی بیمار ہوتا

ہے تو اس کی اپنی بیماری معمولی سی ہے اور دوسرے کی بیماری بڑی ہو تو اس کو اپنی معمولی اور چھوٹی بیماری کا اتنا دھڑکا اور اتنا دھیان لگا رہتا ہے کہ اس سے بڑی بیماری والے کی طرف دھیان دینے کے لیے تیار نہیں۔

## اپنی چھوٹی بیماری دوسروں کی بڑی بیماری سے بھی بڑی نظر آتی ہے

ہمارے ایک بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ایک عزیز خاتون کو ہسپتال لے کر گئے جس کے پیٹ میں درد تھا، وہ فرماتے ہیں کہ وہ پیٹ کے درد کی وجہ سے بڑی پریشان تھی لیکن وہ مرض ایسا کوئی تشویش ناک نہیں تھا جس کے متعلق اندیشہ ہو کہ جان ہی نکل جائے گی، درد اور تکلیف بڑھے، ایسا خطرہ تو رہتا ہی ہے تکلیف تو ضرور رہتی ہے، اب وہ اس کی وجہ سے بے چین تھی، اپنی تکلیف کا اظہار کر رہی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ان کو ہسپتال لے کر پہنچا تو دیکھا کہ ایک وہیل چیر (wheelchair) کے اوپر ایک عورت کو لے جایا جا رہا ہے جس کا چہرہ جھلس گیا تھا، جل گیا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے پلاسٹر میں تھے، یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس عزیز خاتون کو تسلی دینے کے لیے کہا کہ دیکھو: اس بے چاری کے ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے ہیں، پلاسٹر کے اندر ہیں، چہرہ جھلسا ہوا ہے، اس کی طرف دیکھ۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ اس کو اپنی تکلیف کا احساس کم ہو تو وہ کہنے لگی: بھائی جان! اس کا درد دیکھنے کے لیے ہم نہیں آئے ہیں اپنی بیماری کے علاج کے لیے آئے ہیں یعنی اس کو اپنی بیماری کا اتنا احساس ہے، حالاں کہ اس کی اپنی بیماری کی کوئی حیثیت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو اس کو اپنی بیماری کی طرف توجہ پہلے ہوا کرتی ہے تو اگر ہم بیمار ہیں، کسی بیماری کے بارے میں ہمیں اندیشہ ہے تو ہمیں اپنی بیماری کا پہلے خیال کرنا پڑے گا، اس کی طرف پہلے توجہ کرنی چاہیے۔

## عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال تو ہم پڑھتے ہیں کہ اس معاملے میں وہ حضرات کس نہج پر چلتے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کو بڑا اونچا مقام حاصل ہے، ایک مرتبہ وہ چلے جا رہے ہیں، ان پر ایک فکر سوار ہے، بڑے پریشان ہیں، راستہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، ان کی کیفیت دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حنظلہ! کیا بات ہے؟ بڑے پریشان معلوم ہوتے ہو، کہیں عجلت میں جا رہے ہو۔ انھوں نے کہا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ: حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ یہ کیسے کہہ رہے ہو؟

## نفاق اور منافق کی حقیقت

منافق شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو ظاہری طور پر مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوتے تھے، مؤمن نہیں ہوتے تھے، بعض اپنی جان مال کو بچانے کے لیے بلکہ اندرونی طور پر اسلام کو کھوکھلا کرنے کے لیے وہ یہ روِش اپنائے ہوئے تھے، یہ ایک مستقل فرقہ اور بڑی خطرناک قسم ہے جس کے متعلق قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾

[النساء:۱۴۵] فرمایا کہ: منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔علماء جہاں کفر کی قسمیں بیان کرتے ہیں تو وہاں نفاق کو بھی ایک قسم شمار کرتے ہیں: کفرِ نفاق یعنی نفاق والا کفر۔تو بہر حال! نفاق یہی ہے کہ ظاہر میں کچھ ہو، ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان بتلا رہا ہو اور اندر ایمان نہیں ہے۔

## حضرت حنظلہؓ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اصلاحِ نفس کی فکر

تو انھوں نے کہا: نَافَقَ حَنْظَلَۃُ تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ ایسا کیوں آپ کہہ رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: بھائی! دیکھو، جب ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک مجلس میں موجود ہوتے ہیں تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ فرما رہے ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کہ جنت اور جہنم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو اور اولاد کی طرف سے، جائداد کی طرف سے، مال ومتاع کی طرف سے ہمارے دل متنفر ہو جاتے ہیں، اس وقت ہماری کیفیت کچھ اور ہوتی ہے لیکن جب ہم مجلسِ نبوی سے رخصت ہو کے اپنے گھر آتے ہیں، اپنے کام کاج میں، کھیتی باڑی میں، بال بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں ہوا کرتی تھی، وہ باقی نہیں رہتی، ظاہر ہمارا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کچھ اور ہے اور اپنے گھروں میں جا کر ہم کچھ اور ہو جاتے ہیں، یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: بھائی! یہ تو ہماری بھی کیفیت ہے، میرا بھی یہی معاملہ ہے، آپ جو کہہ رہے ہیں: نَافَقَ حَنْظَلَۃُ تو مجھے اب تو اپنے ایمان کا فکر لاحق ہو گیا۔

## خدا شاہد، یہ ان کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا

اب دیکھئے: یہ کون حضرات ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد مخلوق میں، انسانوں میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی جماعت کے بعد سب سے افضل جو جماعت ہے وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، ان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، انھیں اپنے متعلق نفاق کا خطرہ ہے، دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہے ہیں، ہم تو ساری دنیا کے متعلق تبصرہ کرتے ہیں کہ فلاں بدمعاش ہے، فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، اپنے بارے میں کچھ نہیں کہتے، اپنی ذات تو نظر آتی ہی نہیں، جب بھی کچھ باتیں کرتے ہیں تو ساری دنیا کے متعلق باتیں کرتے ہیں اور اپنا آپ بھول جاتے ہیں، ان حضرات نے کس کے بارے میں تبصرہ کیا؟ اپنی ذات کے بارے میں۔ حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام یعنی صحابہ میں جو معمولی اور ادنی درجے کا صحابی ہے، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اتنا اونچا مقام حاصل تھا کہ اس امت کا بڑے سے بڑا ولی بھی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو وہ صحابی کے خرچ کیے ہوئے آدھے صاع کے برابر بھی نہیں ہوسکتا (۱)۔ آخر کیوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو جو مقام حاصل تھا، اس کو کوئی اور

---

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلاَ نَصِيفَهُ (صحيح البخاری، باب مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ)

صاحب حاصل نہیں کرسکتا۔

## تو فرشتے تم سے راستوں میں مصافحہ کریں

تو بہر حال! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنا حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً (۱) کہ بھائی! معاملہ ویسا ہی رہے جو یہاں رہتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تمہاری جو کیفیت ہوتی ہے، وہی کیفیت یہاں سے جانے کے بعد بھی باقی رہے تو ظاہر ہے کہ فرشتے تم سے راستوں کے اندر ملاقات اور مصافحہ کریں گے، ہر وقت آدمی کی حالت یکساں نہیں رہا کرتی، اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، کبھی یہ حال رہتا ہے، کبھی وہ حال رہتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو آدمی اپنے گھر والوں کے حقوق ادا نہیں کرسکتا۔

## انسان کے احوال ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے

| | |
|---|---|
| یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند | کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند |
| ز مصر بوئے پیراہن شنیدی | چرا در چاہِ کنعانش ندیدی |
| گفت احوال ما برق جہان ست | دمے پیدا و دیگر دم نہان ست |
| گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم | گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم |

(۱) مسلم شریف، عَنْ حَنْظَلَةَ الأُسَيِّدِيِّ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ دَوَامِ الذِّكْرِ وَالْفِكْرِ فِي أُمُورِ الآخِرَةِ وَالْمُرَاقَبَةِ وَجَوَازِ تَرْكِ ذَلِكَ فِي بَعْضِ الأَوْقَاتِ وَالاِشْتِغَالِ بِالدُّنْيَا۔

تو حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے کرتے کی خوشبو، جب اس کو مصر سے لے کر بھائی چلے تو آپ نے محسوس کرلی اور جب وہ کنعان کے، آپ ہی کے شہر کے کنویں میں ڈالے گئے تھے تو آپ کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا تو حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے یہی تو فرمایا تھا:

| | | |
|---|---|---|
| گفت احوال ما برق جہان ست | ۞ | دمے پیدا و دیگر دم نہان ست |

کہ ہمارے احوال کا حال کوندنے والی بجلی کی طرح ہے کہ کبھی تو نمایاں ہوکر چمکتی ہے تو پوری دنیا روشن ہوجاتی ہے تو کبھی اس کا کوندنا معلوم بھی نہیں ہوتا تو فرمایا:

| | | |
|---|---|---|
| گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم | ۞ | گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم |

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو ہم ملأِ اعلیٰ تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھ پاتے ہیں۔

بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے احوال مختلف طاری ہوتے رہتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ یہ کوئی پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔

## تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن

بہرحال! میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ ان حضراتِ صحابہ نے پہلے اپنا فکر کیا، کچھ دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہی آتا ہے کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا کہ جب آپ دوسروں کو کسی بات کا حکم دیتے تھے تو

پہلے آپ خود اس پر عمل کرتے تھے، اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ وقت کی نماز پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ نوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے، آپ کے یہاں اشراق بھی ہوا کرتی تھی، چاشت بھی ہوا کرتی تھی، تہجد بھی ہوا کرتی تھی، علماء نے مستقل اس پر کلام کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض تھی یا نہیں؟ اور اوابین، اسی طرح مختلف نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا فرماتے تھے، ایسا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو پانچ نمازوں کا حکم دیا ہو اور آپ اس سے کم پڑھتے ہوں؛ بلکہ آپ اس سے زیادہ پڑھتے تھے۔

## وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے

روزہ کا بھی یہی حال ہے کہ سال بھر میں ایک مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مہینے میں روزوں کا اہتمام کرتے تھے بلکہ صومِ وصال یعنی اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ مسلسل رکھتے چلے جا رہے ہیں یعنی درمیان میں کھانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ ہم لوگ تو روزہ جو رکھتے ہیں تو صبحِ صادق سے پہلے سحری کھاتے ہیں اور شام کو افطار کے وقت بھی افطار کرلیا کرتے ہیں۔ صومِ وصال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر پانچ روزے رکھے جائیں تو اس طرح رکھے جائیں کہ آج اگر شروع کیا تو پانچ دن کے بعد منہ میں کھانا یا پانی ڈالیں گے، اس کا نام ہے صومِ وصال۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح روزے رکھتے تھے، اس طرح نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ایک مہینے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس کے بعد خود اس کا اہتمام نہ کرتے ہوں۔

## رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پڑھو تو اول سے تا بہ آخر

اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زکوۃ کا حکم دیتے تھے، صدقات کی تاکید فرماتے تھے تو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا کہ ایک مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے، اقامت کہی جا چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھائے کہ اچانک کچھ یاد آ گیا اور جلدی سے گھر میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد آ کر نماز پڑھائی، نماز کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ آج ہم نے ایک ایسی بات دیکھی جو پہلے نہیں دیکھی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نماز کے لیے تکبیر کہہ رہا تھا، اس وقت مجھے یاد آیا کہ گھر میں پانچ دینار پڑے ہوئے ہیں، اللہ کا نبی اللہ کے سامنے عبادت کے لیے کھڑا ہو اور اس کے گھر میں دنیا کی متاع پڑی ہوئی ہو، اس پر مجھے شرم آئی، غیرت آئی؛ اس لیے میں گھر میں گیا اور اس کا صدقہ کرنے کا حکم دے کر کے آیا، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زکوۃ ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت۔

## وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا، عجیب ہونا

یہی نہیں کہ صرف عبادات کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا بلکہ دوسری بھی آپس میں معاشرت سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہوتی ہیں، ان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول رہا، جیسے خندق کے موقع پر، یہ عسرت کا زمانہ تھا، بڑے فقر و فاقہ کا زمانہ تھا، ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر پیٹ سے کپڑے ہٹائے اور

بھوک کی شکایت کی: یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شکمِ مبارک سے چادر کو ہٹا کر دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پتھر باندھ رکھے تھے۔

## جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

تو حقیقت تو یہ ہے، دیکھئے! آدمی جب خود کسی چیز پر عمل کرے پھر دوسروں کو حکم دے، تب تو اس میں تاثیر ہوا کرتی ہے، جب دل سے کوئی بات کہی جاتی ہے

ع از دل خیزد بر دل ریزد

| | | |
|---|---|---|
| جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے | | پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے |

بہر حال! نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی، آج ہم اس کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں اور اگر خود عمل نہ کریں تو بات میں اثر ہی نہیں ہوتا اور اگر تھوڑا بہت اثر ہو بھی گیا تو کہنے والا خود بھی عمل نہیں کرتا تو اگر ایسی بات ہوتی رہی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ خود بھی عمل نہیں کرتا تو دوسروں پر ہماری بات کا جو اثر ہوا تھا اور ان میں عمل کا جذبہ پیدا ہوا تھا تو ہماری حالت دیکھ کر وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

## مواعظ میں ہدفِ تنقید خود اپنی ذات کو بنائیں

تو بہر حال! اس وقت معاشرے کے سلسلے میں ہم جو گفتگو کریں تو اس وقت مخاطبین کو یعنی دوسروں کے اوپر تنقید کی حیثیت سے نہ کریں بلکہ اس نیت سے کریں کہ یہ بیماری مجھ میں بھی موجود ہے، آپ میں بھی موجود ہے، آیئے! ہم سب مل کر کے اس

پر غور وفکر کریں اور اس بیماری اور خرابی کو دور کردیں، میں بھی بیمار ہوں، آپ بھی بیمار ہیں تو گویا ایک عام بلا آ چکی ہے تو اس کو دور کرنے کی ایک ساتھ کوشش کرنی چاہیے کہ بھائی! ہم میں کون کون سی وہ خرابیاں ہیں کہ جن خرابیوں کو ہم دور کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کو لازم پکڑ سکتے ہیں۔

بہرحال! میں ان ہی گذارشات پر اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں، ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں بسی ہوئی ہیں ان کو ختم کرنے کے سلسلے میں جب بھی کوئی انداز اور طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے اپنی ذات کی اصلاح کرو، ہم اگر اپنی ذات کی اصلاح کریں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی جائے، ایسا نہیں ہے، اس سلسلے میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اثر بھی ترمذی شریف کے اندر موجود ہے، ابھی میں اس کی تفصیل کی طرف نہیں جاؤں گا۔ اسی پر میں اپنی بات کو ختم کر کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# رمضان المبارک: فضائل اور تقاضے

بمقام: کوسمبا

بتاریخ: ۸/۷/۲۰۱۱

# اقتباس

تو بہر حال! تراویح کو بھی بڑے ذوق اور شوق کے ساتھ، بڑی رغبت کے ساتھ، بڑے اہتمام سے ادا کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ پیچھے بیٹھے ہیں اور امام جب رکوع میں گیا تو جلدی سے اٹھ کر کے نیت باندھ لی، یہ سارے طریقے بے رغبتی کے ہیں اور یہ تو اللہ کے غضب کو لانے والی چیزیں ہیں؛ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور عام اوقات میں بھی قرآنِ پاک کی تلاوت، کلمۂ طیبہ، استغفار، اس کا اہتمام کیا جائے، آخری عشرے کے اعتکاف کا اہتمام کیا جائے، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، سب سے بڑی چیز یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

وقال النبی ﷺ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَلامَ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ: آمِينَ (۱)

## رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جن بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے، مالا مال فرمایا ہے، ان میں عظیم نعمت رمضان المبارک ہے جو اللہ تعالیٰ نے

(۱) شعب الإيمان، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، بَابٌ فِي تَعْظِيمِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِجْلَالِهِ وَتَوْقِيرِهِ ﷺ.

ہمیں عطا فرمائی، جیسا کہ روایتوں میں ہے، شعبان کے آخری دنوں میں آپ ﷺ خطبہ دیتے ہیں رمضان کی اہمیت بتانے کے لیے، فرماتے ہیں: يأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا(۱). آپ ﷺ اپنے اس خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں: تمہارے اوپر ایک بڑا اعظمت والا اور مبارک مہینہ سایہ فگن ہے۔ گویا عنقریب آ رہا ہے اور ایک ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک رات ایسی رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس مہینے کے روزوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرض قرار دیا اور اس کی تراویح کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سنت قرار دیا، آگے نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے اس خطبے میں رمضان المباک کی بہت ساری خصوصیات بیان فرمائیں۔ ضرورت ہے کہ ہم ماہِ مبارک کو وصول کرنے کا اہتمام کریں۔

## کلامِ الٰہی اور رمضان المبارک کے درمیان مناسبت

قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی بڑی اہمیت بتلائی:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۵]: رمضان کا مہینہ ایسا ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے واسطے قرآنِ پاک کو نازل فرمایا اور رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے

(۱) شعب الإيمان، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ، باب فَضَائِلُ شَهْرِ رَمَضَانَ.

کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں وہ سب رمضان المبارک کے اندر نازل ہوئے، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جیسا کہ حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے، چھ رمضان المبارک کو دی گئی، زبور حضرت داود علیہ السلام کو بارہ یا اٹھارہ رمضان کو عطا کی گئی، انجیل حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بارہ یا تیرہ رمضان کو عطا فرمائی، حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کو صحیفے پہلی یا تیسری رمضان کو عطا کیے گئے اور قرآن کے بارے میں خود باری تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کے اندر نازل ہوا۔

## قرآنِ کریم کے دو نزول اور اس کی تفصیل

قرآن کے دو نزول ہیں: ایک تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر پورا قرآن اللہ تبارک و تعالیٰ نے نازل فرمایا، وہ رمضان المبارک کے مہینے میں اور شبِ قدر میں نازل فرمایا، ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ان دونوں آیتوں میں قرآنِ پاک کے جس نزول کا تذکرہ ہے، وہ وہی ہے جو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے اوپر اتارا گیا اور آسمانِ دنیا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر ۲۳ رسالہ دورِ نبوت میں مختلف اوقات میں موقع بموقع نازل کیا جاتا رہا۔

## رمضان میں صاحبِ قرآن کا قرآن کے ساتھ شغف

بہر حال! تمام آسمانی کتابیں رمضان المبارک میں نازل ہوئیں، یہ بات بتلاتی ہے اس چیز کو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام کو رمضان المبارک کے ساتھ بڑی

مناسبت ہے؛ اسی لیے ہمارے اکابر کے یہاں رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کی تلاوت کا بہت زیادہ اہتمام تھا، خود حضرتِ جبرئیلؑ ماہِ مبارک میں آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا قرآن نازل ہوا ہوتا تھا، سناتے تھے اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کو بھی قرآن سناتے تھے، یہ جو قرآنِ پاک کا دور رمضان المبارک میں کیا جاتا ہے، وہ اسی سے ثابت ہے، گویا خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور حضرتِ جبرئیلؑ کا قرآن کی تلاوت کا اہتمام اور دور، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو رمضان المبارک کے ساتھ بڑی مناسبت ہے۔

## رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کے ساتھ اسلاف کا شغف

اسی لیے ہمارے اکابر رمضان المبارک میں اور عبادتوں کے مقابلے میں تلاوتِ قرآن کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، بعض حضرات تو جو دوسری عبادتیں تھیں، جو روزمرہ کی، ان کو مختصر کرتے تھے؛ تاکہ سارا وقت قرآنِ پاک کی تلاوت میں لگا سکیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے، آپ بیتی میں بھی حضرت نے اپنا معمول لکھا ہے کہ رمضان میں روزانہ ایک قرآنِ پاک ختم کرتے تھے، اور بھی اکابر کا یہ معمول رہا ہے، کوئی اس سے بھی زیادہ قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کرتا تھا، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنی توفیق دی، اس کے اعتبار سے اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

## ہادی نہ ملے گا قرآن سے بہتر

یہ قرآنِ پاک بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے اللہ تبارک

وتعالیٰ کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ۱۰۰؍مرتبہ خواب میں دیکھا، ۱۰۰؍ویں مرتبہ انھوں نے پوچھا: باری تعالیٰ! آپ کے قرب کا سب سے زیادہ باعث، بڑا ذریعہ کیا ہے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: قرآنِ پاک کی تلاوت، انھوں نے پوچھا: سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ تو جواب دیا گیا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے، کسی بھی طرح آپ پڑھیں گے تو اللہ کے قرب کا ذریعہ ہوگا اور قلب کو صاف کرنے میں اور قلب ودل کو گناہوں سے پاک صاف کرنے اور صیقل کرنے میں قرآنِ پاک کی تلاوت کو بہت بڑا اثر ہے۔

## رمضان المبارک فرشتوں کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کا مہینہ ہے

ویسے بھی رمضان کے مہینے میں روزوں کی حالت میں آدمی میں ایک خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہ ملائکہ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھانے پینے کے تقاضے نہیں رکھے، نہ ان کو بھوک لگتی ہے، نہ پیاس، نہ ان کو عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے، گویا یہ ان کی خصوصیت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماہِ مبارک میں روزوں کے ذریعہ سے گویا انسان کو ملائکہ کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے کا ایک طریقہ بتلایا اور پھر یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے نفس پر بھی بڑا بوجھ پڑتا ہے، نفس کی جو حیوانیت ہے، بہیمیت ہے، جانوروں والی اس کی قوت ہے، وہ اس کی وجہ سے کچلتی ہے اور شیطانی قوت بھی اس کی وجہ سے کچلتی ہے۔

## بھوک وساوسِ شیطانیہ کو روکنے کا ذریعہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ أَلَا فَسُدُّوا مَجَارِيَها بِالجوعِ (۱): شیطان جو ہے، وہ انسان کے رگ وریشے میں اس طرح سرایت اور حرکت کرتا ہے، جیسے خون دوڑتا ہے، وہ آدمی کے اندر گھس کر کے اپنے کام کو انجام دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ بھوک کے ذریعہ سے، روزے کے ذریعہ سے اس کے راستوں کو بند کیجیے۔

## نفس وشیطان کو قابو میں کرنے کے دو گُر

ایک تو بھوک، دوسرے رمضان میں کچھ تراویح کا سلسل جاری کیا گیا، ایک گونہ آدمی کو اس میں بیدار رہنا پڑتا ہے، عام دنوں میں تو لوگ عشا کی نماز پڑھ کر سوجاتے ہیں لیکن رمضان المبارک میں تراویح کی وجہ سے مزید ایکا دگھنٹہ لگ جاتا ہے، یہ جو بے داری ہے، اس سے بھی آدمی کا نفس کچلتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ جتنے درندے ہیں، ان درندوں کو تربیت دینے کے لیے، ٹرینڈ کرنے کے لیے ان کو تربیت دینے والے دو طریقے اختیار کرتے ہیں: (۱) ان کو بھوکا رکھتے ہیں (۲) بیدار رکھتے ہیں۔ سرکس کے اندر جو جانور آتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے کھیل دکھلائے جاتے ہیں، ان جانوروں کو تربیت دینے اور ٹرینڈ کرنے کے لیے ان کو بھوکا رکھ کر کے اور ان

---

(۱) اس حدیث کا پہلا جزء تو صحاح وغیر صحاح تمام کتابوں میں موجود ومشہور ہے، البتہ دوسرا جزء میری بساط بھر کوشش کے باوجود بلفظہ نہ مل سکا، اس کی ہم معنی ایک روایت یہ ہے: إن الشيطان يجري من ابن آدم مجری الدم، فضيقوا مجاريه بالجوع والعطش (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم)

کو بیدار رکھ کر کے ان کی اس قوت کو دبایا جاتا ہے تو انسان کے اندر یہ جو قوتِ بہیمیہ ہے، قوتِ سبعیہ ہے، اس کو بھی گویا رمضان المبارک کے اندر بھوک کے ذریعہ سے اور اسی طرح بے داری کے ذریعہ سے قابو میں کر کے اللہ کی عبادت کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

## رمضان المبارک میں نیکیوں کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے

اور اس مہینے کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ عنایت کا دروازہ کھل جاتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی روایت میں جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی تھی، یہ بھی فرمایا کہ جو آدمی اس مہینے میں ایک فریضہ ادا کرتا ہے اور دنوں میں ستر فرض ادا کرنے کے برابر اس کو ثواب ملتا ہے۔ اندازہ لگاؤ، گویا ہمارے فرائض کی قدر رمضان کے اندر ستر گُنا ہو جاتی ہے، اس کا اجر بڑھ جاتا ہے، اسی طریقے سے جب آدمی کوئی نفل ادا کرتا ہے تو اس کے نفل کے اوپر اس کو فرض کا ثواب ملتا ہے یعنی گویا یہ نیکیوں کا سیزن ہے۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کی فیاضی

دیکھو! ہمارے یہاں جو سیزن آتے ہیں نا، سیل (sall) لگتا ہے تو سیل بڑھتا ہے، بھاؤ نہیں بڑھتا، ہر چیز کا ایک سیزن آتا ہے، اس سیزن میں اس چیز کی بِکری زیادہ ہوتی ہے، فروخت زیادہ ہوتی ہے، سردی کی سیزن میں سردی کا سامان، اس کا سیل زیادہ ہوتا ہے، گرمی کے زمانے میں گرمی کی ضرورت کی چیزیں، اسی طرح بارش کے زمانے میں بارش کی چیزیں، اس کا سیل تو بڑھتا ہے لیکن بھاؤ وہی

رہتا ہے لیکن یہاں سیل کے ساتھ ساتھ بھاؤ میں، اس کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے کہ ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر اور ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہوجاتا ہے، نفل کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن وہ فرض کا مقابلہ نہیں کرسکتی، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سونے کو لوہے کے بھاؤ میں بیچا جائے۔

## سونے کے بھاؤ لوہا

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا، ہمارے یہاں تشریف لائے تھے ڈابھیل میں اعتکاف میں، جو سب سے پہلا رمضان گذارا گیا تھا، اس سال حضرت تشریف لائے تھے اور تراویح کے بعد حضرت نے بیان فرمایا تھا، بڑی اچھی بات فرمائی کہ اگر آج اعلان ہوجائے کہ لوہے کا بھاؤ سونے کے برابر ہوگیا تو لوگ اپنے گھر کے دروازوں، کھڑکیوں اور اس کی کنڈیاں اور اس کی سنکلیں بھی نکال نکال کر بیچ ڈالیں گے اور اس کی کیلیں بھی نکال کر بیچ ڈالیں گے کہ بعد میں دیکھ لیا جائے گا لیکن پہلے تو ہم لوہے کا بھاؤ سونے سے حاصل کرلیتے ہیں، ہم دنیا کے معاملے میں بہت زیادہ مستعدی دکھلاتے ہیں اور اپنی حرص اور طمع کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن دین کے معاملے میں ہمیں جس طرح رغبت کرنی چاہیے، وہ ہمارے اندر نہیں پائی جاتی۔

## گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ہمارے اسلاف کا مزاج ہم سے برعکس تھا، وہ دین کے معاملے میں

حریص تھے، لالچی تھے، ایک ایک نیکی کو حاصل کرنے کا ان کے یہاں بڑا اہتمام تھا اور دنیا کے معاملے میں وہ زہد اور بے رغبتی سے کام لیتے تھے، ہمارا معاملہ الٹ گیا، ضرورت ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں۔

## اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے

تو بہر حال! یہ رمضان کا مہینہ جو آ رہا ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی کیا ہے اپنی عبادت کے واسطے، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ۲۴ر گھنٹے انسان کو عبادت کرنے کا مکلف بنایا جاتا کہ تم کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو ۲۴ر گھنٹے اسی میں لگے رہو لیکن چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے ساتھ اس کی طبعی حاجتیں بھی رکھی ہیں، کھانے پینے کے تقاضے، آرام کے تقاضے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ کرم کا معاملہ کیا گیا کہ عبادات کچھ ایسی ہیں جو فرض قرار دی گئیں کہ پانچ نمازیں فرض کی گئیں کہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، باقی اوقات آپ اپنا کاروبار کر سکتے ہیں، دوکان لگا سکتے ہیں، تجارت کر سکتے ہیں، کھیتی باڑی کر سکتے ہیں، گویا دوسرے اوقات کو اپنے دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجازت دی گئی۔

## رمضان المبارک کا مہینہ دلوں کا میل کچیل دور کرنے کے لیے ہے

ابھی انسان کا مزاج ایسا ہے کہ اس کو انگلی دو تو پہنچا پکڑ لیتا ہے، یہاں

ہمیں دوسرے اوقات کے اندر کام کرنے کی اجازت دی، کاروبار کی اجازت دی گئی، ہم نے اپنے آپ کو ایسا مشغول کر دیا کہ فرائض کو بھی بھلا دیا، حالاں کہ چاہیے تو یہ تھا کہ ان ایام میں بھی فرائض کا خوب اہتمام کرتے لیکن یہ رمضان کا جو مہینہ ہے، اس میں ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ ہم اس پورے مہینے کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت میں، اس کی طاعت میں، اس کی فرماں برداری میں گذارنے کا اہتمام کریں، یہ جو سال بھر اپنی تجارت میں، زراعت میں، کاروبار میں لگنے کی وجہ سے ہمارے دلوں کے اندر جو کچھ دنیا کی محبت آ گئی تھی، میل کچیل آ گیا تھا، اس کی صفائی کے لیے گویا ہمیں موقع دیا جا رہا ہے۔

## قلب کو بھی چارج اور سروس کرنا ضروری ہے

دنیا کا دستور یہ ہے کہ بڑے بڑے کارخانے، فیکٹریاں اور ان کے اندر جو مشینریاں ہوتی ہیں، ایسا نہیں کہ وہ بارہ مہینے ہمیشہ چلائی جاتی رہیں، نہیں، سال کے اندر کچھ دن وہ آتے ہیں جن میں ان کارخانوں کو اور فیکٹریوں کو بند رکھا جاتا ہے اور ان کی مشینریوں کے جو پارٹس (parts) ہیں ان کو کھول کر ان کی صفائی کی جاتی ہے اور سروس (service) کی جاتی ہے، آپ جو گاڑیاں استعمال کرتے ہیں، ان کی بھی سروس کی جاتی ہے، اگر سروس نہ کریں تو یہ اپنا کام کرنا چھوڑ دے گی، ہر چیز، ہر مشینری اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کی سروس کی جائے، اور ہالنگ (owerhauling) کی جائے، اس کو سال میں ایک موقع پر

ٹھیک ٹھاک کیا جائے، اسی طرح ہمارے قلب کا حال بھی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے قلب کی بھی سروس کریں، اس کو چارج (charge) کریں۔

## ماہِ رمضان قلب کی چارجنگ کا زمانہ ہے

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں رمضان المبارک کے اندر صبح کے وقت دس بجے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوتا تھا لیکن اگر بڑوں میں سے کوئی آ گیا، جیسے حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ اور اسی طریقے سے حضرت مولانا عمران خان صاحب بھوپالی یا حضرت جی یا اور کوئی تو ایسے اہم لوگوں کے آنے پران کا بیان رکھوایا جاتا تھا، حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تشریف لائے تو حضرت نے جو بات فرمائی، اس میں فرمایا کہ یہ رمضان کا جو مہینہ ہے، وہ بیٹری (battery) کی چارجنگ کا زمانہ ہے، بیٹری بھی کام کرتے کرتے اپنا اثر کھو دیتی ہے، اس کو چارج کیا جاتا ہے۔

## ہر چیز سروس کی محتاج ہے

آپ موبائل استعمال کرتے ہیں، اگر اس کو استعمال ہی کرتے رہیں تو ایک وقت وہ آئے گا کہ وہ کام نہیں دے گا، اس کو کام میں باقی رکھنے کے لیے اس کو چارج کرنا پڑتا ہے۔ چھری ہے، چھری سے ہم کاٹنے کا کام کرتے ہیں، کوئی آدمی چھری سے کاٹتا ہی رہے، کاٹتا ہی رہے اور اس کو تیز کرنے کا اہتمام نہ کرے تو ایک وقت آئے گا کہ وہ چھری بُھٹّی (بے دھار) ہو جائے گی اور وہ اپنا کام کرنا

چھوڑ دے گی۔

## لوگوں کے ساتھ میل جول کے اثرات ہر شخص کے قلب پر وارد ہوتے ہیں

تو یہ انسان کا قلب جو ہے نا، وہ کاروبار میں اور دنیا کے مشاغل میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس پر دنیا کا اثر آجاتا ہے، یہاں جو دین کا کام کرنے والے ہیں، ان کی بات بتلاتا ہوں کہ جن کا کام دین کا ہے، پڑھنے پڑھانے کا ہے، دعوت وتبلیغ کا ہے، وعظ وتقریر کا ہے، جو لوگوں کے ساتھ دین کی نسبت سے ملتے ہیں، ان کا بھی معاملہ یہ ہے کہ وہ جب لوگوں کے ساتھ ملیں گے تو لوگوں کے ساتھ ملنے کی وجہ سے لوگوں کے قلوب کے اثرات ان کے دل پر آئیں گے۔

## نبی اور رسول

نبی اور رسول، ایک تو ہے رسالت، رسالت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچاتا ہے اور نبوت ''نَبَوٌ'' (خبر) سے ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس خبریں آتی ہیں۔ یہاں ایک مستقل یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ مقامِ رسالت اونچا ہے یا مقامِ نبوت؟۔

## بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی

ایک تعلق نبی کا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور ایک تعلق نبی کا وہ

ہے جو مخلوق کے ساتھ ہے تو اصل تو تعلق اللہ والا ہے لیکن اسی اللہ کی طرف سے ان کے اوپر کچھ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے وہ مخلوق کے ساتھ بھی ربط اور تعلق رکھتے ہیں تو اب اللہ کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں قلب کے اندر جو جِلاء پیدا ہوتا ہے، جو نور آتا ہے، مخلوق کے ساتھ خلط ملط کے نتیجے میں اس میں کمی آ جاتی ہے، چاہے وہ اللہ کے کام کی نسبت سے ہو، پڑھنے پڑھانے کی نسبت سے ہو، دعوت و تبلیغ کی نسبت سے ہو، وعظ و تقریر کی نسبت سے ہو لیکن ملنا جلنا تو لوگوں سے ہوگا، عوام سے ہوگا تو لوگوں سے ملنا جلنا ہوگا تو ان کے قلوب کا اثر اس کے قلب پر آتا ہے اور وہ میل اس پر آتا ہے، اسی کو دور کرنے کے لیے خلوت کی ضرورت پڑتی ہے۔

## خلوت کا حکم نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾: اے نبی! دن میں آپ کے لیے بڑی مشغولیتیں ہیں، کیا مشغولیتیں تھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی؟ کوئی تجارت تھی؟ کوئی کھیتی باڑی تھی؟ کوئی کاروبار تھا؟ نہیں، لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، اسلام کی، ایمان کی دعوت دیتے تھے، قرآنِ پاک لوگوں کو بتلاتے تھے، سکھلاتے تھے، لوگوں کے ساتھ جو خلط ملط ہوتا تھا، باری تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ: اپنے رب کو یاد کرو، وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا: اور سب لوگوں سے کٹ

کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ؛ تاکہ لوگوں کے ساتھ خلط ملط ہونے کے نتیجے میں قلب میں جو غبار آیا ہے، وہ صاف ہو جائے، دور ہو جائے۔

## تلاشِ گوشۂ عزلت میں پھر رہا ہوں میں

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ نقل کرتے تھے، کئی مرتبہ سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب کسی اجتماع میں میوات وغیرہ جانا ہوتا ہے تو وہاں سے واپس آنے کے بعد میں کچھ وقت گذارنے کے لیے سہارنپور یا رائپور خانقاہ میں جاتا ہوں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو نظام الدین میں رہ کر کے اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں؛ تاکہ اس اجتماع میں شرکت کے نتیجے میں لوگوں کے ساتھ خلط ملط کی وجہ سے قلب پر جو غبار آیا ہے، وہ دور ہو جائے۔ اتنا بڑا عالم اور اس زمانے کے اجتماعات میں بڑے بڑے لوگ اور اس وقت شریک ہونے والے بھی کیسے اللہ والے تھے، اس کے باوجود یہ حالت تھی تو پھر ہما شما کا کیا حال؟ اس لیے سال بھر کی ان مشغولیتوں کی وجہ سے ہمارے قلوب کے اندر جو میل کچیل جمع ہوا ہے اور جو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم آنے والے مہینے کو غنیمت سمجھیں اور اس کا اہتمام ہو کہ ہم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تنہائی میں اللہ کی عبادت میں گذارنے کا اہتمام کریں۔

## قبر میں ہوگا ٹھکانہ ایک دن

اسی لیے اس مہینے میں اعتکاف بھی رکھا گیا ہے، اعتکاف میں کیا ہوتا

ہے؟ آدمی دنیا والوں سے کٹ کر اللہ کے گھر میں پڑ جاتا ہے، لوگوں کے تعلق ختم کر کے اللہ کی ذات سے، اللہ کی عبادت سے، اللہ کی طرف رجوع اور انابت کے ذریعہ سے انسیت حاصل کرتا ہے؛ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ یہی انسیت کل کو قبر کی تنہائیوں میں آدمی کے لیے کارآمد ہوگی کہ وہاں تو کوئی نہیں ہے، اللہ کے ساتھ اگر ہم نے دل لگانا سیکھا ہے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر میں جا کر بھی ہمیں وحشت نہیں ہوگی لیکن اگر دنیا میں ہم نے یہ سلسلہ قائم نہیں کیا تو یہی قبر ہمارے لیے مصیبت بن جائے گی۔

## ماہِ مبارک کی قدر کیجیے

تو بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمیں دیا گیا ہے، یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے اور ضرورت ہے کہ اس مہینے کے زیادہ سے زیادہ وقت کو ہم اللہ کی طاعت میں، فرماں برداری میں اور عبادت میں استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو لکھا ہے اور ہمارے تمام اکابر کے یہاں اس کا اہتمام تھا کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی طرف رجوع اور انابت میں استعمال کیا جائے۔

بہت سے لوگ کھیتی باڑی والے ہیں، حضرت شیخؒ فضائلِ رمضان میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ تو کسی کے ملازم نہیں ہیں، وہ اپنا پورا وقت رمضان میں مشغول کر سکتے ہیں، جو نوکری والے ہیں، اگر ان کو بھی موقع ہو تو رمضان میں چھٹی

لے لیں اور جو تجارت والے ہیں، وہ بھی زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کر کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے کا اہتمام کریں۔

## روزہ اور ہم!

اب اس مہینے کو وصول کرنے کے لیے کیا کیا چیزیں اختیار کی جائیں گی؟ ایک تو اس میں روزہ ہے، روزہ تو ہے ہی، جو اس مہینے کی خاص عبادت ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لازم کی گئی ہے لیکن اس روزے کو روزے کا جیسا حق ہے، اس طرح ادا کرنے کی ضرورت ہے، ہم لوگ صبح سے شام تک اپنے آپ کو بھوکا پیاسا تو رکھتے ہیں لیکن روزے کی حالت میں اس روزے سے جس طرح کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا چاہیے، اس کا ہمارے یہاں اہتمام نہیں ہوتا؛ اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس روزے کے اندر چھ آداب کی رعایت کرنا ضروری ہے:

## روزے کے چھ آداب

ایک تو آدمی اپنی آنکھ کی حفاظت کرے، یہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے، خاص کر کے ہمارے زمانے کے اندر آدمی گھر میں بند رہے گا، اعتکاف میں بیٹھے گا، آج کل تو ہمارے یہاں اعتکاف میں بھی جو آتے ہیں تو وہاں پر بھی موبائل کی مستقل مصیبت ہو جاتی ہے، روکتے ہیں تو اور مشکل ہو جاتا ہے تو بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس نگاہ کی حفاظت ضروری ہے، نگاہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ تمام صوفیاء کا اتفاق ہے کہ بدنگاہی کے ساتھ آدمی کے دل کا تعلق اللہ کی ذات

کے ساتھ قائم نہیں ہوتا، باقی اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔

## بدنگاہی کا وبال

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ بدنگاہی کی وجہ سے آدمی کی طاعات میں سے نور ختم ہوجاتا ہے، ہم اور آپ نمازیں پڑھیں گے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کریں گے تو ثواب تو ملے گا، اس نماز پر جو ثواب ہے، پورا ملے گا، اس تلاوت پر جو ثواب ہے، وہ پورا ملے گا لیکن اس نماز اور تلاوت کی وجہ سے ہمارے قلب کے اندر جو کیفیت پیدا ہونی چاہیے، بدنگاہی کی وجہ سے وہ پیدا نہیں ہوگی، وہ معاملہ ختم۔

## روزے میں اپنی بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے

جیسے کوئی آدمی قیمتی سے قیمتی دوا استعمال کرے تو اس دوا سے جو فائدہ ہونا چاہیے، اگر بدپرہیزی کرے گا تو وہ ساری دوا اس کی بے کار جاتی ہے، یہاں اتنا تو ہے کہ اجر تو ضرور ملے گا، یہ عمل بالکل بے کار جانے والا نہیں ہے اور روزے کا ہمارا فریضہ بھی ادا ہوگا، ہم فریضے سے سبک دوش بھی ہوں گے لیکن قلب کے اندر اس کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہونی چاہیے، جو ثمرات اور فوائد دل پر مرتب ہونے چاہئیں، وہ اس سے پیدا نہیں ہوں گے بدنظری کے ساتھ؛ اس لیے بدنظری سے اپنے آپ کو بچانا ہے، نگاہ کی حفاظت کرنا ہے، یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ روزے کی حالت میں اپنی بیوی کی طرف تک بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے؛ اس

لیے کہ روزے کی حالت میں وہ بھی حرام ہے، جب تک کہ روزہ ہے تو بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

## دوسرا ادب: زبان کی حفاظت

ایک تو ہے آنکھ کی حفاظت۔ دوسرا: زبان کی حفاظت، آج کل ہم زبان کی حفاظت نہیں کرتے، آج ہم لوگ جھوٹ، غیبت سے نہیں بچتے بلکہ ہم لوگوں نے غیبت کو روزے کا وقت گذارنے کا ذریعہ بنالیا ہے، حدیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: الصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا(۱) روزہ ڈھال ہے، روزہ اللہ کے عذاب سے، اللہ کے غضب سے، جہنم سے بچانے کا کام دیتا ہے بشرطیکہ آدمی اس کو پھاڑ نہ دے۔ پہلے زمانے میں جو ڈھال ہوتی تھی، وہ دشمن کی تلوار کو، اس کے وار کو روکنے کا کام کرتی تھی تو وہ ڈھال اگر خود ہی شگاف والی ہے تو اس سے وار رک سکتا نہیں، گویا روزے کے ذریعہ آپ شیطان کے وار سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں، بشرطیکہ غیبت نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا بھی گیا، دوسری روایتوں میں ہے کہ اس کو پھاڑنے کا مطلب کیا ہے؟ تو فرمایا کہ وہ غیبت اور جھوٹ کی وجہ سے پھٹ جائے گا؛ اس لیے زبان کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

## تیسرا ادب: کان کی حفاظت

اسی طرح کان کی حفاظت کہ گانے وغیرہ سننے سے احتراز کرے، بعض

---

(۱) نسائی شریف، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

لوگوں نے روزے کا وقت گذارنے کے لیے ٹی وی کو مشغلہ بنالیا ہے کہ گانا سن بھی رہے ہیں اور آنکھ بھی غلط کاری میں مبتلا ہے، اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

## چوتھا ادب: جسم کے دیگر اعضاء کی حفاظت

چوتھا: اسی طرح ہاتھ پاؤں وغیرہ جو دوسرے اعضاء ہیں، ان کو بھی گناہوں سے بچانے کا اہتمام ہو۔

## پانچواں ادب: حلال کمائی سے افطار اور اس میں افراط سے بچنا

پانچواں: حلال مال سے افطار کرنے میں بھی زیادتی سے بچے، ویسے ضروری ہے کہ حلال مال سے افطار کرے اور اس میں بھی زیادہ نہ کھاوے، ویسے عام طور پر دن بھر کے بھوکے ہیں اور پھر رمضان میں انواع واقسام کی چیزیں ملتی ہیں تو ہم اس کے اوپر ٹوٹ پڑتے ہیں تو دن بھر کی بھوک کی وجہ سے تھوڑا بہت فائدہ ہوا تھا وہ بھی ختم ہوجاتا ہے، تلافیِ مافات میں ہم بہت آگے بڑھ جاتے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس میں بھی تحدید ہو؛ تاکہ نمازوں کے اندر ذوق وشوق باقی رہے، ہم لوگ تو اتنا کھالیتے ہیں کہ مغرب کی نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے، تراویح میں کھڑا ہونا مشکل ہوجاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میرا یہ عمل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔

## تراویح اور اس کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک

اور تراویح رمضان کا ایک خاص عمل ہے، اس کو بھی ذوق وشوق کے ساتھ

ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے یہاں عوام کا حال یہ ہے کہ جہاں ان کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں حافظ صاحب بہت جلدی سے تراویح مکمل کرلیتے ہیں، ''۲۰'' منٹ میں اور ''۲۵'' منٹ میں، چاہے یعلمون اور تعلمون کے علاوہ دوسرا کچھ سمجھ میں نہ آوے، پھر بھی اسی کو ترجیح دی جاتی ہے بلکہ کوئی بے چارہ بڑے اہتمام کے ساتھ، ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرتا ہے، ٹھہر ٹھہر کے تو ایسوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، با قاعدہ اس کی طعن و تشنیع اور اس کو اتنی تکلیف پہنچاتے ہیں کہ تنگ آجاتا ہے، یہ طریقے غلط ہیں، قرآنِ پاک کو جیسا کہ اس کا حق ہے، حدیث میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: رُبَّ تالٍ للقرآن والقرآنُ یلعنُہُ (۱): قرآنِ پاک کے بہت سے تلاوت کرنے والے وہ ہیں جو تلاوت کر رہے ہوتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے تو جیسا اس کا حق ہے، وہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

## رمضان المبارک کے دوسرے مشاغل

تو بہر حال! تراویح کو بھی بڑے ذوق اور شوق کے ساتھ، بڑی رغبت کے ساتھ، بڑے اہتمام سے ادا کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ پیچھے بیٹھے ہیں اور امام جب رکوع میں گیا تو جلدی سے اٹھ کر کے نیت باندھ لی، یہ سارے طریقے بے رغبتی

(۱) فیض الباری ۲۱۶/۱، باب سُؤَالِ جِبْرِيلَ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنِ الإيمَانِ وَالإِسْلامِ وَالإِحْسَانِ وَعِلمِ السَّاعَةِ وَبَيَانِ النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَه.

کے ہیں اور یہ تو اللہ کے غضب کو لانے والی چیزیں ہیں؛ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور عام اوقات میں بھی قرآنِ پاک کی تلاوت، کلمۂ طیبہ، استغفار، اس کا اہتمام کیا جائے، آخری عشرے کے اعتکاف کا اہتمام کیا جائے، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، سب سے بڑی چیز یہ ہے۔

## ایک درخواست

اب یہاں سب بیٹھے ہیں، میں سب کی خدمت میں ایک درخواست کرتا ہوں کہ یہاں یہ طے کرلو کہ آئندہ پورا رمضان ہمارا اس طرح گذرے گا کہ رمضان بھر ایک گناہ بھی ہم سے صادر نہیں ہوگا، چاہے عبادتیں زیادہ نہ ہوں، زیادہ قرآن نہ پڑھ پائیں، فرائض وغیرہ پر اکتفا کر کے جتنا اللہ توفیق دیں اتنا کر لیں لیکن اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا، یہ بہت اہمیت رکھتا ہے، اگر اس کا اہتمام کرلیا ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ إن شاءاللہ رمضان کی برکات سے اللہ تعالیٰ مالا مال فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

## رمضان المبارک کی ناقدری کرنے والوں کے لیے سخت وعید

میں نے جو روایت پڑھی تھی، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا: منبر کے قریب آؤ، اور آپ منبر پر چڑھنے لگے، جب آپ نے پہلے درجہ پر، زینے پر قدم رکھا تو فرمایا:

آمین، پھر دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، تیسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، بعد میں حضراتِ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آج تو آپ نے اس طرح کیا کہ پہلے ایسا آپ نے کبھی نہیں کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نے پہلے زینے پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ (۱): جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی، ایسا آدمی اللہ کی رحمت سے دور ہو اور ہلاک و برباد ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر آمین کہی، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بددعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمین! بعض روایتوں میں تو ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ آمین کہیے۔ یہ تو بہت خطرناک چیز ہے کہ رمضان جیسا مہینہ گذر جائے اور خدا نہ کرے کہ ہمیں ایسی حرکت کرنے کے کی وجہ سے بجائے مغفرت کے معاملہ الٹ جائے، اللہ میری، آپ کی حفاظت فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

---

(۱) قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي، فَقَالَ: مَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ: آمِينَ، فَقُلْتُ: آمِينَ (صحيح ابن حبان، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، ذِكْرُ رَجَاءِ دُخُولِ الْجِنَانِ الْمُصَلِّي عَلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذِكْرِهِ مَعَ خَوْفِ دُخُولِ النِّيرَانِ عِنْدَ إِغْضَائِهِ عَنْهُ كُلَّمَا ذَكَرَهُ).

# صحبتِ صالحین

بمقام: جامعہ رشیدیہ، نانی نرولی

بتاریخ: ۸/۷/۲۰۱۱

# اقتباس

تو بہر حال! ہمارے یہ جو طلبہ ہیں، ان کو میں خاص طور پر عرض کروں گا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم کامل اور مکمل ہو گئے بلکہ ضرورت ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور اولیاء کی صحبت حاصل کریں، ان کے ساتھ اپنا تعلق باقی رکھیں اور یہی چیز آگے ان کے لیے ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے اور پھر ''پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ'' جو ٹہنی درخت کی جڑ کے ساتھ لگی ہوئی ہے، بھلے ہی وہ سوکھی ہوئی ہو لیکن ایک دن آئے گا کہ دوبارہ وہ سرسبز و شاداب ہو گی اور اس کے اوپر پھول آئیں گے، پھل آئیں گے لیکن جو ٹہنی درخت سے الگ ہو چکی، کٹ چکی، اس کو پانی میں بھی ڈال کر رکھ رکھیں گے، تب اس کے پتے جھڑ جائیں گے، وہ ختم ہو جائے گی، مر جائے گی، ؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اپنے بڑوں کے ساتھ جڑے رہیں، انہی کی ہدایت، انہی کی رہنمائی میں کام کریں اور ان کی دعائیں لیتے رہیں، ان کی یہ توجہات ہی ہیں جو آپ کو ترقی کی منازل تک پہنچائیں گی، ورنہ ان سے الگ ہو کر آپ کو کبھی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس توفیق اور سعادت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا.

و قال تعالىٰ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ.

وقال تعالىٰ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا يُّصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا.

وقال النبی صلى الله عليه وآله وسلم: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ(۱).

(۱) صحیح بخاری شریف، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، باب من لم يستطع الباءة فليصم.

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ (۱).

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام (۲)۔

## حصولِ تقویٰ کا قرآنی طریقہ

(نکاح پڑھانے کے بعد) جیسا کہ ابھی آپ نے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم سے سنا، حضرت نے ایک بات خاص طور پر نیک صحبت اختیار کرنے کے بارے میں بتلائی، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تو نکاح کے خطبے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن آیتوں کا پڑھنا منقول ہے، ان تمام آیتوں میں خاص طور پر جس چیز کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، وہ تقویٰ ہے اور تقوے کے حصول کے متعلق قرآن میں جو طریقہ بتلا دیا گیا ہے، وہ ہے: ﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبۃ: ۱۱۹]

## صحبتِ صالح کی اہمیت کے سلسلے میں حضرت شیخ سعدیؒ کے اشعار

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی گلستان کے مقدمے میں صحبت کی افادیت کو بڑی اچھی مثال دے کر واضح کیا ہے۔ ان کے اشعار کو پڑھ کر، ترجمہ کر کے بات ختم کر دوں گا:

---

(۱) صحیح مسلم شریف، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، باب خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔

(۲) صحیح بخاری شریف، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ.

| | |
|---|---|
| گِلِ خوشبوئے در حمام روزے | رسید از دست محبوبے بدستم |
| بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری | کہ از بوی دلاویز تو مستم |
| بگفتا من گلِ ناچیز بودم | ولیکن مدتے با گل نشستم |
| جمالِ ہمنشین در من اثر کرد | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم |

## اشعار کی تشریح

فرماتے ہیں کہ ایک مٹی کی ٹکیا- ہمارے زمانے میں جس طرح نہانے کے لیے صابون کا استعمال کرتے ہیں، اس زمانے میں خوشبو میں بسائی ہوئی مٹی کی ٹکیا کو غسل کے لیے استعمال کرتے تھے- فرماتے ہیں:

گلِ خوشبوئے در حمام روزے: ایک مرتبہ، ایک دن غسل خانے میں مٹی کی ایک خوشبو دار ٹکیا میرے ہاتھ میں آئی، رسید از دست محبوبے بدستم: ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں پہنچی۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری، کہ از بوی دلاویز تو مستم: میں نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے؟ کہ تیری دل کو لبھانے والی خوشبو کی وجہ سے میری طبیعت پر ایک مستی، کیف اور سرور سا طاری ہو گیا۔

بگفتا من گل ناچیز بودم، ولیکن مدتے با گل نشستم: اس کے جواب میں وہ کہنے لگی: میں تو معمولی سی مٹی تھی، ایک زمانہ پھول کی صحبت میں رہی یعنی مجھے پھول کے ساتھ رکھا گیا، اسی کا یہ اثر ہے کہ یہ خوشبو میرے اندر آئی۔

جمال ہمنشین درمن اثر کرد: میں اس کی صحبت میں رہی، اسی کے جمال نے مجھ میں اثر کیا ہے، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم: ورنہ تو میں آج بھی وہی مٹی ہوں۔

## بزرگوں کی صحبت میں رہنے کی غرض ان کا مزاج سیکھنا اور حاصل کرنا ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ صحبت جو ہے، آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، ابھی آپ نے شیخ حنیف صاحب کا سبق سنا، کیسے کیسے نکات بیان کیے، اپنے حضرت شیخ کی صحبت میں سالہا سال رہنے کے بعد ابھی بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے ہیں تو یہ وہی چیز ہے جو اثر کر رہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کی صحبت میں رہ کر کے جو چیز حاصل کرنی ہوتی ہے وہ ان کا مزاج ہے، ان کے مزاج کو ان کی صحبت میں رہ کر کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے، علم تو آپ کتابوں سے حاصل کر لیتے ہیں۔

## پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

تو بہر حال! ہمارے یہ جو طلبہ ہیں، ان کو میں خاص طور پر عرض کروں گا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم کامل اور مکمل ہو گئے بلکہ ضرورت ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور اولیاء کی صحبت حاصل کریں، ان کے ساتھ اپنا تعلق باقی رکھیں اور یہی چیز آگے ان کے لیے ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے اور پھر ''پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ'' جو ٹہنی درخت کی جڑ کے ساتھ لگی ہوئی ہے، بھلے ہی وہ سوکھی ہوئی ہو لیکن ایک دن آئے گا کہ

دوبارہ وہ سرسبز وشاداب ہوگی اوراس کے اوپر پھول آئیں گے، پھل آئیں گے لیکن جوٹہنی درخت سے الگ ہوچکی، کٹ چکی، اس کو پانی میں بھی ڈال کر رکھ رکھیں گے، تب بھی اس کے پتے جھڑ جائیں گے، وہ ختم ہوجائے گی، مرجائے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اپنے بڑوں کے ساتھ جڑے رہیں، انہی کی ہدایت، انہی کی رہنمائی میں کام کریں اوران کی دعائیں لیتے رہیں، ان کی یہ توجہات ہی ہیں جو آپ کو ترقی کی منازل تک پہنچائیں گی، ورنہ ان سے الگ ہوکر آپ کو کبھی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کواس توفیق اورسعادت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار

بمقام: جامعہ رحمانیہ، کھامبیہ (علی پور)

بتاریخ: ۹/۶/۲۰۱۱

# اقتباس

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادابادیؒ فرماتے تھے کہ جب آپ سنت کے مطابق عمل کریں تو ساتھ ساتھ اس کا استحضار بھی ہو، جب آپ بیت الخلاء جائیں تو آپ کو بیت الخلاء سنت کے مطابق جانا ہے، داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنی ہے: **بِسْمِ اللّٰهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ**، الٹا پاؤں پہلے رکھنا ہے پھر سیدھا پاؤں رکھنا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ استحضار بھی ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بیت الخلاء تشریف لے گئے تو آپ نے یہ دعا پڑھی؛ اس لیے میں بھی یہ دعا پڑھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھا؛ اس لیے میں اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھتا ہوں اور پھر سیدھا پیر رکھتا ہوں، یہ استحضار اور یہ کیفیت اگر پیدا کریں گے، چند دنوں تک اس بات کا اہتمام کیا جائے گا پھر دیکھنا کہ آپ کی زندگی کے اندر کیا برکات حاصل ہوتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ، وَأَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ (۱)۔

# تمہیدی کلام

حضراتِ علمائے کرام، مشائخِ عظام اور مہمانانِ کرام اور عزیز طلبہ! آج کی ہماری یہ مجلس جامعہ رحمانیہ کا دستار بندی کا اجلاس تھا، مقصد سال بھر کی کارگذاری سے متعلقین کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ فراغت حاصل کرنے والے طلبہ کا اعزاز واکرام بھی ہے، یہ سارے مقاصد تھے جو بحمد للہ بحسن وخوبی حاصل ہو چکے ہیں۔

(۱) ترمذی شریف، لفظه: عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ، وَأَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَنْكَحَ لِلَّهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ.

## مفہومِ حدیث

قدیم سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ اس موقع پر کچھ دینی باتیں سامعین کے سامنے رکھی جاتی ہیں، ابھی آپ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی گئی جو حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس حدیث کو امام ابوداود نے بھی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں: مَنْ أَعْطَى لِلّٰهِ: جس آدمی نے جو کچھ دیا، وہ اللہ ہی کے واسطے دیا، جو کچھ خرچ کیا وہ اللہ ہی کے واسطے خرچ کیا، وَمَنَعَ لِلّٰهِ: اور جو خرچ کرنے سے روکا، وہ بھی اللہ ہی کے خاطر۔ اللہ ہی کے لیے نہیں دیا، وَأَحَبَّ لِلّٰهِ: اگر کسی کے ساتھ محبت کی تو اللہ ہی کے لیے محبت کی، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ: اور کسی کے ساتھ اگر بغض وعداوت کا معاملہ کیا تو وہ بھی اللہ ہی کے لیے کیا تو ایسے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَقَدِ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ: اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔

## ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ ایمان کی چار علامتیں اور نشانیاں بتلائی ہیں: پہلی علامت یہ ہے کہ جو شخص خرچ کرتا ہے، دیتا ہے تو وہ اللہ ہی کے واسطے خرچ کرتا ہے، آدمی مختلف اعتبار سے مال خرچ کرتا ہے، مختلف مصارف کے اندر اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے، کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے میں خرچ کرتا ہے، اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے ان کے کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے کے لیے۔ آدمی صدقہ اور خیرات کرتا ہے،

محتاجوں کو، مسکینوں کو، غریبوں کو دیتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے تو مختلف طریقے سے آدمی اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اب اس نے کسی غریب کی امداد کردی، کسی محتاج کی ضرورت پوری کردی، صدقہ، خیرات کرلیا تو اس کے متعلق ہم اور آپ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کے واسطے دیا ہے، اس صدقے میں اس کی نیت درست ہو، اس کا مقصد ریا، نام آوری، شہرت یا احسان جتلانا نہ ہو تو اس صورت میں یہ جو عمل ہے، اللہ ہی کے لیے ہے۔

## ہر نیکی صدقہ ہے

لیکن یہ کوئی صدقات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعہ سے صدقے کے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے: كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ (۱)۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مسلم کے اندر ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو آدمی کے ہر جوڑ پر ضروری ہے کہ اس کی سلامتی کے لیے صدقات کرے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ''۳۶۰'' جوڑ رکھے ہیں، آدمی جب سلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے تو ہر جوڑ کی سلامتی پر ضروری ہے کہ آدمی اللہ کا شکر کے طور پر صدقات ادا کرے، یہ صدقہ کیا ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ: دو آدمیوں کے درمیان آپ عدل وانصاف سے فیصلہ کریں، یہ بھی صدقہ ہے، کسی کو آپ اس کی سواری کے جانور پر سوار کرادیں (۲)۔

---

(۱) صحیح بخاری شریف، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب كل معروف صدقة.

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: كُلُّ سُلاَمَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ، قَالَ: تَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ تَرْفَعُ لَهُ ⬅

بعض مرتبہ آدمی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کو کوئی دوسرا سواری پر سوار کرنے میں مدد کرے، گویا وہ آدمی کسی وجہ سے سواری کے جانور پر سوار ہونے کی سکت اور طاقت نہیں رکھتا، آپ اس کو مدد دے کر کے سوار کرا دیں تو یہ صدقہ ہے۔ کسی سوار کو اس کا سامان اٹھا کر کے دے دیں، تو یہ بھی صدقہ ہے۔

## صدقات کی مختلف صورتیں

بھلی بات جو آپ اپنی زبان سے نکالیں: اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، یہ بھی صدقہ ہے۔ آپ نماز کو ادا کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو مسجد کی طرف اٹھنے والا آپ کا ہر قدم صدقہ ہے اور إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ: راستے کے اندر اگر کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہوئی ہے، پتھر ہے، کانٹا ہے، آپ اس کو ہٹا دیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔ یہ تو صرف مسلم کی روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پیش کی اور دوسری روایتوں میں بھی نبیٔ کریم ﷺ نے مختلف اعمال کو جو اچھی نیت کے ساتھ انجام دئے جائیں، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیے جائیں، ان سبھی اعمال کو نبی کریم ﷺ نے صدقے سے تعبیر کیا ہے۔

## جب ملے، جس سے ملے، دل کھول کر دل سے ملے

یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ (۱).

---

⬅ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ - قَالَ - وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ وَتُمِيطُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ. (صحیح مسلم شریف، باب بيان أَنَّ اسْمَ الصَّدَقَةِ يَقَعُ عَلَى كُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْمَعْرُوفِ)

(۱) ترمذی شریف، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ.

تمہارا تمہارے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ پیش آنا، یہ بھی صدقہ ہے، حالاں کہ اس میں کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا لیکن بعض لوگ اس میں بھی بخل کرتے ہیں، جیسے گجراتی میں کہتے ہیں: ''دیویل (ارنڈ کا تیل) پی کر آیا ہے، ایسا نہیں بلکہ ہنستے ہوئے آپ ملیں گے، آپ کا ہنستا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کا بھی جی خوش ہو جائے گا، اس کے دل میں آپ کی طرف سے کوئی کدورت نہیں رہے گی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ اس کی خوشی کا ذریعہ بن گئے۔

## اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

تو بہر حال! صدقہ کوئی اسی کے ساتھ خاص نہیں، ویسے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کوئی شخص اپنا مال صدقے کے طور پر خرچ کرتا ہے تو وہ تو اللہ کے لیے ہے ہی، لیکن اپنی ذات پر خرچ کرنے میں، اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں، اس کے متعلق بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس میں کون سا صدقے کا ثواب ملے گا یا اس میں کیا اللہ کی خوشنودی کیسے حاصل ہوگی؟ حالاں کہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی باعثِ اجر وثواب بتلایا، آدمی جب کھا رہا ہو اس نیت کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ جسم عطا فرمایا ہے اور یہ جسم بھوک کا بھی احساس کرتا ہے، اس کی بھوک کو دور کر کے اس جسم کو دوبارہ اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے تیار کرنے کے لیے یہ کھانا ضروری ہے، یہ اچھی نیت ہے، اس کی وجہ سے آپ کا یہ کھانا کیا بن جائے گا؟ اللہ کی طرف سے اجر وثواب کا ذریعہ بن جائے گا۔ ذرا مشقت کا کام کرنے کے بعد

اپنے تھکے ہوئے جسم کو آرام دینے کے لیے آپ ذرا سوئیں گے تو یہ بھی آپ کے حق میں باعثِ اجر و ثواب ہے بلکہ یہ تمہارے لیے ضروری ہے۔

## حضرت سلمان فارسیؓ کا تلاشِ حق

چنانچہ بخاری شریف کے اندر یہ واقعہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، یہ اصالۃً، آبائی اعتبار سے مجوسی تھے پھر انھوں نے دینِ نصرانیت قبول کیا اور پھر وہ مسلمان ہوئے، اب وہ نکلے تو تھے حق کی طلب میں لیکن قافلے والوں، ان کے ساتھیوں نے جبر کر کے ان کو غلام بنالیا اور دوسروں کے ہاتھوں بیچ دیا، کئی مالکوں کے ہاتھوں فروخت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو آزادی عطا فرمائی، روایتوں میں ہے کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو علامتیں اگلی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں، ان میں سے یہ تین چیزیں ان کے ذہن میں تھیں: ایک یہ کہ نبی آخر الزمان صدقہ نہیں کھاتے، دوم یہ کہ ہدیہ قبول کرتے ہیں اور کھاتے ہیں، سوم یہ کہ ان کی پشتِ مبارک کے اوپر مہرِ نبوت بھی ہے۔

## حضرت سلمان فارسیؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں علاماتِ نبوت کو تلاش کرنا

چنانچہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ کا پہلا قیام قبا میں رہا تو یہ یہودی کے غلام تھے، خوانچے کے اندر کھجوریں وغیرہ لے جا

کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ یہ صدقہ ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، ایک علامت تو معلوم ہوگئی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد دوبارہ ایک خوانچے کے اندر کھجوریں وغیرہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے آپ کے لیے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا کہ بھائی! شریک ہو جاؤ، آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور صحابہ کو بھی کھلایا، اس طرح دوسری علامت ظاہر ہوئی۔

## حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوشش

اس کے بعد یہ اٹھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے کی طرف گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمجھ گئے کہ ان کا مقصد کیا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی چادر اپنے جسم سے اتار دی، چنانچہ آپ کی پشتِ مبارک کے اوپر مہرِ نبوت کو دیکھا اور اس کو چوما اور پھر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کا سردار یہودی بڑا سخت قسم کا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس سے معاملہ کرلو، عقدِ کتابت کرلو، کچھ مال دے کر کے آزادی کا معاملہ کرلو، چنانچہ اس نے بہت بڑی شرط لگائی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی پوری کروادی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

## حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے مابین قائم کیے جانے والے مواخات کا دل کش اثر

یہ حضرت سلمان فارسیؓ اور ایک اور صحابی حضرت ابوالدرداءؓ، یہ انصاری صحابی ہیں اور بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان دونوں کے درمیان نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقدِ

مواخات کرایا تھا، ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، ایک دن حضرت سلمان فارسیؓ اپنے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خبر گیری کے لیے، ملاقات کے لیے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھائی چارے کا جو رشتہ ان دونوں کے درمیان قائم کیا تھا، اس کا حق ادا کرنے کے لیے ان کے گھر گئے، دیکھا کہ ان کی بیوی امِ درداءؓ میلے کچیلے کپڑوں میں ہیں اور ابودرداءؓ گھر پر نہیں ہیں تو انھوں نے حضرت امِ درداءؓ سے پوچھا: کیا بات ہے کہ میں تجھے میلے کچیلے کپڑے کے اندر دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ جو آپ کے بھائی ابوالدرداءؓ ہیں، ان کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جس انداز میں انھوں نے یہ بات کہی تھی، حضرت سلمان فارسیؓ سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔

## مہمان کے لیے مستقل کھانے کا انتظام شرعاً جائز ہے

کچھ دیر کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ تشریف لائے، دیکھا کہ حضرت سلمانؓ آئے ہوئے ہیں، ان کے لیے کھانا تیار کرایا، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی ”کتاب الاطعمہ“ میں مہمان کے لیے مستقل کھانا تیار کروانے کے سلسلے میں ایک باب قائم کیا ہے، اس کے اندر یہ روایت پیش کی، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ کیسے ثابت ہوگا اس لیے کہ خود تو روزے سے ہے اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ شوہر کا اگر روزہ ہو تو عورت کچھ پکاتی وکاتی نہیں ہے، جو کچھ باسی بچا کھچا ہوتا ہے، اس پر گزارہ کر لیتی ہے لیکن یہاں کھانا پکایا گیا، گویا مہمان کے لیے مستقل اہتمام کیا اور کھانا پیش کیا کہ کھاؤ۔

## نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے

حضرت سلمانؓ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ، انھوں نے فرمایا کہ میرا تو روزہ ہے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا: تمہارے بغیر میں کھاؤں گا نہیں، تم کو بھی شریک ہونا ہے۔ چنانچہ روزہ توڑ دیا اور خود بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ یہ نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے، مہمان اگر اصرار کرے کہ آپ کے بغیر میں نہیں کھاؤں گا تو اس صورت میں اس کی دل جوئی کے لیے میزبان روزہ توڑ سکتا ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، بعد میں اس کی قضا کر لی جائے، الضیافة عذرٌ للضیف والمضیف، دونوں کے لیے عذر ہے، نور الایضاح کے اندر مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ میزبان کے لیے بھی عذر ہے اگر مہمان اس کے بغیر کھانے کے لیے تیار نہ ہو اور مہمان کے لیے بھی عذر ہے(۱)، میزبان نے کھانا تیار کیا، پیش کیا اور مہمان کہے کہ میرا روزہ ہے تو میزبان نے اتنی ساری تکلیفیں اٹھائیں اور تم روزے کی بات کرتے ہو، کھاؤ تو کھانا پڑے گا! تو بہر حال! یہ دونوں کے لیے عذر ہے۔

## اپنے دوست اور بھائی کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے

حضرت ابو الدرداءؓ نے کھانا کھا لیا، حضرت سلمانؓ رات کو وہیں قیام کرنا چاہتے ہیں تو حضرت ابو الدرداءؓ نے ان کے لیے بستر تیار کیا اور کہا کہ لیٹ جائیے، پوچھا: تم؟

---

(۱) ویجوز للمتطوع الفطر بلا عذر في رواية والضيافة عذر على الأظهر للضيف والمضيف وله البشارة بهذه الفائدة الجليلة (نور الإيضاح ص ۱۱۲)

تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تو نماز پڑھوں گا، فرمایا کہ تم بھی لیٹ جاؤ، ان کو بھی سلایا، رات کا ایک تہائی حصہ گذرنے کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ نے اٹھنا چاہا تو حضرت سلمانؓ نے دوبارہ لٹا دیا، اس کے بعد جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تو حضرت سلمان فارسیؓ خود بھی اٹھے اور حضرت ابوالدرداءؓ کو بھی فرمایا کہ اب اٹھو اور دونوں اللہ کی عبادت میں مشغول ہوئے۔

صبح کو جاتے ہوئے نصیحت کی: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ (۱): کہ تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، ہر ایک کا حق ادا کرو، اسلام نام ہی ہے اداءِ حقوق کا، جو حقوق واجب کیے گئے ہیں، ان کی ادائیگی کا اہتمام کرو۔

## سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں پیش آیا تھا، چنانچہ بعد میں جا کر حضرت سلمان فارسیؓ نے سارا واقعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَ سَلْمَانُ: سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی، گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہرِ تصدیق اس کے اوپر لگا دی۔ بہر حال! یہ جو ہے نا: آرام کرنا اپنے آپ کو کھانا کھلانا، اگر یہ سب اس نیت سے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں

(۱) صحیح البخاری، باب مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ.

یہ جسم دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے پاس ایک امانت ہے، ہمارا جسم، ہمارے اعضاء، ہر چیز اللہ کی امانت ہے، ہم کسی چیز کے مالک نہیں، گھر، مال، دولت، بال بچے، گھر والے یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔

## کھانا، پینا، بالوں میں تیل لگانا بھی باعثِ اجر بن سکتا ہے

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جسم سرکاری مشین ہے، اس کی حفاظت کرو، حضرت فرماتے تھے کہ بالوں کے اندر تیل بھی لگاؤ، یہ سمجھ کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جسم ہم کو عطا فرمایا ہے اور بالوں کی حفاظت کے لیے تیل لگانا ضروری ہے، یہ سمجھ کر کہ میں اللہ کی اس امانت کی حفاظت کے لیے یہ کام کر رہا ہوں؛ تا کہ آپ کا یہ تیل لگانا، آپ کا یہ کھانا، آپ کا یہ پینا، یہ کیا ہو جائے گا؟ اجر اور ثواب کا ذریعہ بن جائے گا۔

## اہل وعیال کی ذمہ داریوں کو بے گاری نہ سمجھو

حضرت امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' میں حضرت مقداد بن معدیکربؓ کی ایک روایت پیش کی ہے، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے: مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ(۱): تم اپنے آپ کو جو کھلاؤ، وہ بھی اپنے اندر صدقے کا ثواب رکھتا ہے، تم اپنے بچوں کو جو کھلاؤ، وہ بھی اپنے

(۱)الأدب المفرد ص ۴۲، بَابُ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ.

اندر صدقے کا ثواب رکھتا ہے، تم اپنی بیوی کو جو کھلاؤ، وہ بھی اپنے اندر تمہارے لیے صدقے کا ثواب رکھتا ہے، اس کو بے گاری نہ سمجھو کہ ان کو تو کھلانا، پلانا پڑے گا ہی، نہیں، اللہ تعالیٰ نے جو حقوق لازم کیے ہیں، ان حقوق کی ادائگی پر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے، پھر خادم کو کھلاؤ، اس پر بھی صدقے کا اجر عطا کرتے ہیں، باقاعدہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

## حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا واقعہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انھوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح کرایا- ان باپ بیٹوں کے درمیان ۱۲ - ۱۳ سال کا ہی فاصلہ ہے- انھوں نے اپنے بیٹے کا نکاح کرایا اور نکاح کے چند دنوں کے بعد اپنی بہو کے پاس جا کر کے اپنے بیٹے کا حال پوچھا: کیا حال چال ہے؟ تو بہو نے بتلایا کہ عبداللہ کو دنیا سے کوئی دل چسپی نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ بہو نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے، کچھ دنوں کے بعد پھر سے دیکھا۔

## باپ کو اپنی شادی شدہ اولاد کی بھی نگرانی کرتے رہنا چاہیے

اس سے یہ معلوم ہوا کہ باپ جب بیٹے کا نکاح کرائے تو اس کو چاہیے کہ حالات کا جائزہ لیتا رہے کہ بیٹا اپنی بیوی کا حق ادا کر رہا ہے یا نہیں؟ کہیں بیوی کے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہے؟ دیکھیے! یہاں جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو

پتہ چلا کہ ان کے بیٹے سے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی صادر ہورہی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر سارا حال بیان کیا کہ میں نے ایک شریف گھرانے کی لڑکی سے ان کا نکاح کرایا لیکن ان پر تو عبادت کا ایسا غلبہ ہے کہ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور بیوی کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے۔

## باپ اپنی اولاد کو بعض باتوں کی فہمائش بڑوں کے ذریعہ بھی کرا سکتا ہے

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں باپ اپنے بیٹے سے براہِ راست گفتگو کرنے سے کتراتا ہے، یہ معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ اس سلسلے میں خود کچھ کہنے کے بجائے بڑوں کے ذریعہ ان کو سمجھایا جائے، چنانچہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حقیقتِ حال آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لے گئے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس اور وہاں جب پہنچے تو انھوں نے تکیہ پیش کیا، تکیے کے اس مسئلے کو ثابت کرنے ہی کے لیے امام بخاریؒ نے باب مستقل قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ روایت لائے ہیں۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام

تو بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکیہ لگا کر بیٹھے، ان سے حال پوچھا اور فرمایا کہ تمہاری شکایت پہنچی ہے: أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ (۱): مجھے یہ بات پہنچائی گئی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہو، کیا یہ

(۱) صحیح بخاری شریف، باب حق الجسم في الصوم.

بات صحیح ہے؟ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہاں! اے اللہ کے رسول! بالکل، یہ بات درست ہے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: یہ چار الفاظ ارشاد فرمائے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو: کچھ دن روزہ کرو، کچھ دن افطار کرو، اور رات کو آرام بھی کرو اور اللہ کی عبادت کے اندر مشغول بھی رہو، پوری رات عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: بے شک تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، یہ جسم جو ہے، اللہ نے کام کرنے کے لیے دیا، اس کو ہم تھکاتے ہی رہے، تھکاتے ہی رہے تو پھر وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، جیسے مشین کو اگر آپ سروس نہ کریں تو وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، یہی حال تمہارے جسم کا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے۔ اور فرمایا: وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری آنکھوں کا، آرام کا حق ہے اور وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، اور وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری ملاقات کے لیے آنے والوں کا تم پر حق ہے۔

## ملاقاتی کو میزبان کے مشغولی کے اوقات کا لحاظ کرنا چاہیے

مجھے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آ گئی کہ لوگ ملاقات کے

لیے جو آتے ہیں نا، ان کا بھی لحاظ کرنا چاہیے اور ان کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے، ویسے تو شریعت نے آداب سکھائے ہیں اور ایسے طریقے بتلائے ہیں کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے، ہم فون کرنا چاہتے ہیں تو سامنے والے کے اوقات کا لحاظ کرتے ہیں کہ بھائی! کون سے وقت میں فارغ ہوگا، اس کا اندازکر کے ہی آپ فون کریں، کسی کی ملاقات کے لیے جانا چاہتے ہیں تو اس کی مشغولیت کے جو اوقات ہیں ان میں نہ جائے بلکہ اس کے فرصت کے جو اوقات ہیں، ان میں جانا چاہیے، یہ تو جانے والے کو اس کا لحاظ کرنا چاہیے اور اسی وجہ سے اگر بے وقت پہنچ جائے تو جس کے یہاں گیا ہے، وہ اگر ملاقات سے انکار کردے، نا کہہ دے کہ اس وقت میں آپ سے نہیں مل سکتا تو شریعت نے حکم دیا کہ آپ کو واپس جانا چاہیے، اس آنے والے کو اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ وہیں جم کر بیٹھ جائے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا﴾ [النور:۲۸] جب کہا جائے: واپس لوٹو تو واپس لوٹ جاؤ، یہ شریعت ہمیں حکم دیتی ہے۔

## میزبان کو بھی دور سے آنے والے مہمان کا لحاظ کرنا چاہیے

لیکن حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی دور سے آیا، بمبئی سے آیا ہے، یا کسی اور جگہ سے مثلاً کلکتے سے آیا ہے، اب وہ بے چارہ آپ کے اوقات کی کیسے رعایت کرے گا، وہ تو جو وقت پہنچنے کا ہوگا، اس وقت پہنچے گا، بھلے وہ وقت آپ کی مشغولیت کا ہو، پھر بھی کم از کم اس آدمی کو کھلانے کا انتظام کردے، اپنے آدمیوں سے کہہ دے کہ اس کے کھانے پینے کا انتظام کریں، میں

فلاں وقت میں اس سے ملاقات کروں گا، مگر یہ کہنا کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا، واپس جاؤ، یہ جو ''واپس جاؤ'' والی بات ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرے، تمہاری ملاقات کے لیے آنے والے کا بھی حق ہے، یہ بھی آدمی ہے، اگر مقامی آدمی ہو تو اس کو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ جاؤ، شام کو آنا؛ اس لیے کہ اس کو اس وقت آنا ہی نہیں چاہیے تھا، یہ بے وقت آیا ہے۔

تو بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہارے جسم کا حق ہے، گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ بتلایا کہ جسم کو راحت پہنچانا، اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلانا، اگر پیاسا ہو تو پانی پلانا اور اگر تھکا ہوا ہو تو آرام پہنچانا، یہ سب اس کے حقوق ہیں اور ہر ایک کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

## گھر والوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے

اور گھر والوں کا بھی حق ہے، گھر والوں پر جو خرچ کیا جاتا ہے اہل وعیال پر، وہ بھی صدقہ ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری شریف کے اندر موجود ہے کہ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے اور اس بیماری میں ان کو اندیشہ ہوا کہ اس بیماری میں میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، ان کے پاس کافی مال تھا تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! میرے وارثوں میں صرف ایک لڑکی ہے اور میرے پاس تو بہت سا مال ہے، کیا میں اپنے سارے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر لوں؟ اس کی وصیت کر دوں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ پورے مال کی وصیت نہیں

کی جاسکتی۔ عرض کیا کہ دو تہائی کی؟ فرمایا: دو تہائی مال کی وصیت کی بھی اجازت نہیں ہے، کہا: ایک تہائی کی؟ فرمایا کہ ایک تہائی کی کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی بہت ہے۔

## ایک تہائی سے کم کی وصیت کرنا ورثہ کے ساتھ احسان ہے

اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک تہائی سے کم کی وصیت کرے تو یہی مناسب ہے، اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ جانے والے نے اپنے ورثہ کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا ہے، اگر ایک تہائی کی کرے تو فرماتے ہیں کہ اس کو جتنا پاور (power) دیا گیا تھا، اس کا استعمال کرلیا، باقی یہ ویسے بھی ورثہ کا ہے، اگر آپ زائد کی وصیت کرتے تو بھی وہ پوری نہیں کی جاتی۔

## وارثوں کو مال دار چھوڑنا، انھیں نادار چھوڑنے سے بہتر ہے

تو بہرحال! اسی موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات ارشاد فرمائی کہ تم اپنے وارثوں کو پیسے والا چھوڑ کر جاؤ، یہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ تم ان کو خالی ہاتھ چھوڑو اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ: اپنے اہل وعیال کو محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ مانگتے رہیں، اس سے بہتر ہے کہ ان کو مال دار چھوڑ کر جاؤ۔

## بیوی کے منہ میں کھانے کی چیز اٹھا کر رکھنے میں بھی ثواب ہے

اسی موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا

وَجْهَ اللهِ، إِلاَّ أُجِرْتَ بِهَا، حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ (۱) تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ کو راضی کرنے کے لیے، تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ یہ ضروری ہے، اسی کا نام احتساب ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کرو گے، اس پر تم کو ثواب ملے گا، یہاں تک کہ اگر اپنی بیوی کے منہ میں کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر کے رکھو اور اس میں بھی اگر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے تو اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا؛ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کا بھی حق رکھا ہے۔

## احتساب اور اخلاص للہ کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائلِ اعمال میں اپنے والدِ بزرگوار کے حوالے سے واقعہ ذکر کیا ہے کہ پانی پت میں ایک آدمی تھا، جس کے اوپر قتل کا مقدمہ تھا اور مقدمہ کرنال میں چل رہا تھا اور پانی پت اور کرنال میں دریائے جمنا پڑتا تھا اور جمنا کا حال یہ ہے کہ گرمیوں کے زمانے میں جب وہ طغیانی پر نہ ہو تو تھوڑا پانی ہوتا ہے، خشک رہتا ہے؛ اس لیے چل کر نکل جاتے تھے اور پانی والے حصے پر کشتیاں رہتی تھیں جو پیسے لے کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا کرتی تھیں لیکن بارش کے زمانے میں جب کہ یہ دریا طغیانی پر ہو تو کشتیاں بھی اس میں چل پاتی نہیں تھیں۔

ایک مرتبہ مقدمہ کی تاریخ ایسے وقت آئی جب دریا طغیانی پر تھا اور اس کو تو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابٌ مَا جَاءَ أَنَّ الأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى.

وہاں کسی بھی طرح جانا تھا، اس نے وہاں موجود کشتی والوں سے کہا کہ بھائی! مجھے لے جاؤ، تم جتنی بھی رقم چاہو، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ کشتی والوں نے کہا: بھائی! دریا ابھی طغیانی پر ہے اور ایسی حالت میں اس میں کشتی ڈالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس نے کہا کہ بھائی! میرا جانا ضروری ہے، اگر نہیں گیا تو مجھے سزا ہو جائے گی اور پھانسی ہو جائے گی، انھوں نے کہا کہ پھانسی تمھیں ہوگی، تمہاری وجہ سے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں؟

بہرحال اس نے کشتی والوں کی خوب منت سماجت کی، گریہ وزاری کی، گڑگڑایا لیکن کوئی تیار نہیں ہوا، تو اس کی اس حالتِ زار کو دیکھ کر ایک آدمی نے کہا: میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہوں، ایک آدمی تمھیں پہنچا سکتا ہے لیکن تم اس آدمی کے سامنے میرا نام مت لینا - ویسے ایسی باتیں نام نہ لینے کی شرط کے ساتھ ہی بتایا کرتے ہیں - بہرحال اس نے کہا کہ اسی جمنا کے کنارے پر فلاں جگہ ایک جھونپڑے میں ایک بزرگ رہتے ہیں بیوی بچوں کے ساتھ، ان کے پاس چلے جاؤ اور دیکھو! وہاں سے ہٹنا نہیں، چاہے وہ کچھ بھی کریں، مارے پیٹے، برا بھلا کہیں، جب تک تیرا مقصد پورا نہ ہو۔

یہ شخص وہاں گیا اور پوری حقیقت بیان کرنے کے بعد کہا کہ حضرت! یہ صورتِ حال ہے، تو حضرت نے کہا کہ بھائی! میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں کوئی خدا ہوں؟ اس نے کہا کہ حضرت! کچھ تدبیر کیجیے۔ بہرحال یہ شخص پیچھے پڑ گیا اور وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لیا، بزرگ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ شخص یہاں سے چلا جائے لیکن یہ وہاں سے ٹلا نہیں۔ جب دیکھا کہ یہ آدمی یہاں سے جانے کا نام نہیں لے رہا

ہے تو کہا: جا! جمنا سے کہہ دینا کہ جس آدمی نے کبھی کھانا نہیں کھایا اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی، اس نے کہا ہے کہ مجھے راستہ دے دے، یہ شخص تو چلا گیا، راستہ بھی مل گیا، اس کا تو کام ہو گیا لیکن یہاں بیوی بھی بات سن رہی تھی۔

## اللہ والوں کی بیویاں بدمزاج ہوا کرتی ہیں

حضرت شیخؒ جنھوں نے یہ واقعہ نقل کیا، فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی بیویاں بدمزاج ہوا کرتی ہیں اور جو انسانی حقوق کی ادائگی کا خیال رکھتے ہیں، یہ انھی کے سر پر چڑھ جاتی ہیں۔ حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: یغلبن الکرام ویغلبھن اللئام (۱) یہ شریفوں پر غالب آتی ہیں اور کمینے ان پر غالب آتے ہیں، حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل تو سبھی شریف ہیں ماشاء اللہ! تو بہر حال! یہ حقوق کی ادائگی کی وجہ سے ان کے ساتھ رعایت کرتے ہیں اور یہ ان کے سر پر چڑھ جاتی ہیں۔

وہ تو بے چارہ چلا گیا، ادھر بیوی نے گھر سر پر اٹھا لیا کہ یہ جوتو نے اس سے کہا کہ میں نے کبھی نہیں کھانا نہیں کھایا تو یہ جو کھا کھا کر ہاتھی کی طرح موٹا تازہ ہو رہا ہے، وہ تو تو جانے اور تیرا خدا جانے لیکن یہ جو تو نے اس سے دوسری بات کہی کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کبھی صحبت نہیں کی، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، یہ ہماری اولاد کہاں

---

(۱) یہ حضرت معاویہؓ کا قول ہے: وھو کما قال معاویۃ یغلبن الکرام ویغلبھن اللئام. (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر ۹/۲۶۵)

سے آئی؟ تو نے تو مجھے رسوا کر دیا، اس نے ہماری اولاد کو دیکھا ہے، وہ لوگوں سے کیا کہے گا کہ آپ نے مجھ سے صحبت نہیں کی تو کیا میں نے زنا کروایا؟ حضرت نے فرمایا: اللہ کی بندی! کیا میں نے یہ کہا ہے کہ یہ میری اولاد نہیں ہے؟ لیکن وہ تو ایسی سر پر چڑھی کہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، جب بہت مجبور کیا تو فرمایا کہ میں نے اپنے بچپن کے اندر یہ بات سنی تھی کہ جو کام اللہ کے لیے کیا جاتا ہے، وہ نفس کے لیے نہیں ہوتا، تیرے ساتھ نکاح کے بعد میں نے تجھ سے صحبتیں بھی کیں لیکن ہمیشہ میں نے یہ نیت کی کہ تیرا حق ادا کرنے کے لیے صحبت کرتا ہوں، اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے نہیں تو یہ اللہ ہی کے حکم کو پورا کرنے کے لیے ہوا، اپنی ذات کے لیے نہیں۔

## رضائے رب ہی مؤمن کا عمل ہو

اصل تو یہی ہے، کھانا جو کھاتے ہیں تو طبیعت میں تقاضا ہوتا ہے، آدمی کو بھوک لگتی ہے، جب کھانا اس کے سامنے آتا ہے تو اپنی طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے سب بھول بھال کے کھانے پہ ٹوٹ پڑنے کی کوشش کرتا ہے، بس! یہی وہ لمحہ ہے، جس لمحے میں آدمی کا ہاتھ کچھ دیر کے لیے رک جائے اور یہ خیال دل میں لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کھانا کھایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسم کا حق ادا کرنے کے لیے کھانا کھانے کا حکم دیا ہے، میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اور پیروی کرتے ہوئے جسم کا حق ادا کرنے کے لیے کھانا کھا رہا ہوں، بس! یہ اتنا کرلے تو اس کا یہ کھانا اب اس کے نفس کے لیے نہیں ہوگا بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع اور پیروی میں ہوگا۔

## لغزش میں ہو خلوص تو لغزش نماز ہے

بہرحال! حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں اور ہمارے اکابر کے کلام میں یہ چیز ہے کہ دین اور دنیا میں فرق نیت اور سوچ سے آجاتا ہے، آپ کھانا کھا رہے ہیں نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے تو یہ دین نہیں، خواہش پرستی ہے اور اگر اسی کھانے کو آپ کھا رہے ہیں اللہ کے حکم کو بجالانے کے لیے تو یہی کھانا کیا بن جائے گا؟ دین بن جائے گا، اللہ کی رضا و خوشنودی کا سبب بن جائے گا۔

آپ صحبت کریں گے بیوی کے ساتھ اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لیے تو بھلے یہ جائز ہے لیکن بہرحال یہ شہوت رانی ہے لیکن اگر وہ یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے حق کو واجب کیا ہے اور میں اپنے آپ کو زنا سے بچانے کے لیے، عفت اور پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہوں تو ایسی صورت میں یہ صحبت تمہارے لیے نیکی کا ذریعہ بن جائے گی، گویا آدمی زاویۂ نگاہ کو بدل دیتا ہے، یہی فرماتے ہیں: حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِي فِيِ امْرَأَتِكَ: کہ تو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھ دے تو وہ بھی صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔

## اہل وعیال پر خرچ کرنے میں ہمارے اندر احتساب کی کمی ہے

تو یہ جو گھر والوں پر خرچ کیا جاتا ہے، اولاد پر خرچ کیا جاتا ہے تو اس کو آدمی بے گاری نہ سمجھے۔ عام طور پر ہمارا جو مزاج بنا ہوا ہے اور ہماری تربیت جس ماحول میں ہوئی ہے، اس کی وجہ سے ہم اپنے اوپر واجب حقوق ادا تو کرتے ہیں، اپنی بیوی کا حق،

گھر والوں کا حق، بچوں کا خرچہ برداشت کرتے ہیں، ان کے لیے کماتے ہیں، ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں لیکن کبھی دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اللہ کا حکم ہے، ہم اللہ کا حکم پورا کررہے ہیں، ایسا نہیں ہوتا۔ اگر یہ چیز سوچ لی جائے تو یہ سب چیزیں ہمارے لیے کیا بن جائے گی؟ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بن جائیں گی۔ بس! اسی چیز کو پیدا کرنے کے لیے اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جاتی ہے اور اسی کو احتساب کہتے ہیں یعنی کسی کام کو اللہ کو راضی کرنے کے لیے انجام دینا۔

## اہل وعیال پر خرچ کیا جانے والا روپیہ اوروں پر خرچ کیے جانے والے روپیوں سے بہتر ہے

حضرت ابو مسعود بدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً (۱) کہ آدمی اپنے گھر والوں پر جو خرچ کرتا ہے اللہ کے حکم کو پوارا کرنے کے لیے- اس کو احتساب کہتے ہیں- اسی احتساب کے لیے جو کوئی کام کرے گا، وہ صدقہ بن جاتا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ (۲)

---

(۱) صحیح بخاری شریف، کتاب النفقات، فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ.

(۲) صحیح مسلم شریف، باب فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَالْمَمْلُوكِ الخ.

کہ ایک دینار تو وہ ہے جو تو نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے کسی مسکین کو، غریب کو دیا اور ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان چاروں میں سے اجر وثواب کے اعتبار سے بڑا وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔

## ہماری کوتاہی

حالاں کہ اس کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا، ہم اور آپ مسجد میں روپیہ دیتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ بڑا ثواب کا کام کیا لیکن یہی روپیہ بیوی کو دیتے ہیں، گھر والوں پر خرچ کرتے ہیں تو بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس پر بھی ہمیں اجر وثواب ملتا ہے، اسی چیز کی ہمارے اندر کمی ہے، ہماری تربیت جس ماحول میں ہوئی، اس کی وجہ سے یہ چیز ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

## حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں تصحیحِ نیت کا اہتمام

یہی سوچ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، بزرگوں کی صحبت میں رہ کر بھی یہی چیز حاصل کی جاتی ہے، إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى (۱) یہی وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى تصحیحِ نیت ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ملفوظات ابھی چھپ کر آئے ہیں، اس میں حضرت مولانا محمد منظور صاحبؒ

(۱) صحیح البخاری، عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے کہ ایک زمانہ ان کے پاس رہا، ان کے یہاں تصحیحِ نیت کا بہت زیادہ اہتمام رہتا تھا، یہی اصل چیز ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے، اپنی اولاد پر خرچ کرتا ہے، اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اس کے سلسلے میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس پر مجھے ثواب ملے گا لیکن شریعت ہمیں بتلاتی ہے کہ ان سارے کاموں پر اجر وثواب ہے، بس ضرورت اسی کی ہے کہ بوقتِ خرچ نیت کا استحضار کریں گے، احتساب کریں گے کہ ان سب میں ہمیں ثواب حاصل ہوگا۔

## احتساب سے متعلق

## حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

بخاری شریف میں واقعہ ہے: جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کے الگ الگ علاقوں کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو تاکید کی تھی کہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے رہنا، جب ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقے کے دورے پر نکلتا تھا تو اگر ان میں سے کسی کی جائے قیام قریب ہوتی تھی تو ملاقات کرلیا کرتا تھا کہ دوستی کا عہد و پیمان تازہ رہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کے دورے پر نکلے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ قریب آئی تو ان کی ملاقات کے لیے پہنچ گئے، اس موقع پر

حضرت معاذؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا کہ آپ دن رات میں کتنی مقدار قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا (۱) کہ میں قرآنِ پاک دن رات میں پڑھنے کی جو مقدار ہے اس کو چوبیس گھنٹہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے پورا کر لیتا ہوں۔

## چار قراءِ صحابہ حدیث کی روشنی میں

جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ حضراتِ صحابہ میں سے جو قراء تھے اور یہ دونوں قراء میں سے ہیں، حضرت معاذؓ بھی اور حضرت ابوموسی اشعریؓ بھی؛ اس لیے کہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ان میں دو مہاجر ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سالم مولی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں اور انصار میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

## حضرت معاذؓ کا علمی مقام

حضرت معاذ بن جبلؓ کا مقام علمی اعتبار سے بہت بڑا ہے، جب اسلام لائے ہیں تو تیرہ سال کی عمر تھی اور بوقتِ وفات ۳۴؍سال کی عمر تھی لیکن نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل (۲) کہ صحابہ میں حلال اور

---

(۱) صحیح بخاری شریف، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

(۲) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَأُبَيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، (صحیح بخاری، باب مَنَاقِبُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ)

حرام کے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ کے متعلق فرمایا: إِنَّ مُعَاذًا كَانَ أُمَّةً قَانِتًا(۱) امت ”معلّم الخير“: لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھلانے والا اور اللہ کے مطیع اور فرماں بردار کو کہتے ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق قرآن میں أُمَّةً قَانِتًا فرمایا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فرمایا اور ان کا علمی مقام ایسا تھا کہ جس مجلس میں وہ ہوتے تھے اور لوگ کسی معاملے میں بات کرتے تھے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تھے، کوئی بڑا آدمی جب مجلس میں ہوتا ہے تو اہلِ مجلس پر چھایا رہتا ہے، کوئی آدمی جب بات کرتا ہے تو سو بار سوچتا ہے کہ فلاں صاحب یہاں بیٹھے ہیں، یہ درجہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا(۲)۔

## ہماری عبادات سے بھی احتساب رخصت ہو چکا ہے

توحضرت معاذؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا: تمہارا قرآن کے پڑھنے کا معمول کیا ہے؟ تو حضرت ابوموسی اشعریؓ نے جواب دیا کہ میں ایک منزل روزانہ مختلف اوقات میں، مختلف احوال میں: چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے پڑھ لیا کرتا ہوں۔ پھر حضرت ابوموسی اشعریؓ نے پوچھا کہ آپ کس طرح پڑھتے ہیں؟ تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا: أَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَأَقُومُ وَقَدْ قَضَيْتُ جُزْئِي مِنَ النَّوْمِ فَأَقْرَأُ مَا كَتَبَ

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، ذكر مناقب زيد بن ثابت كاتب النبي صلى الله عليه وآله وسلم.

(۲) المستدرك على الصحيحين، ذكر منا قب أ حدالفق هاءال ستة من ال صحابةم عاذ بن ج بل ص، رقم الحديث: ۵۱۷۷.

اللّٰهُ لِي: میں تو ''رات'' کے شروع حصے میں سوتا ہوں، کچھ رات گذرنے کے بعد اٹھ جاتا ہوں اور پھر اپنی نماز میں قرآن کی اس مقدار کو پورا کرتا ہوں، اس میں ایک جملہ انھوں نے ارشاد فرمایا جو بخاری شریف کے اندر ہے: فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي (۱): میں اپنے سونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب کی اسی طرح امید رکھتا ہوں جس طرح کہ نماز کے اندر ثواب کی امید رکھتا ہوں یعنی عام مسلمانوں کا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم کوئی عبادت ادا کر رہے ہوتے ہیں تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس عبادت پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے، اگرچہ ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ اس میں بھی ثواب کا خیال نہیں ہوتا، یعنی احتساب عبادات میں سے بھی جا چکا ہے۔

تو بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسے عبادات کو ادا کرتے وقت آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس پر اللہ کی طرف سے مجھے اجر و ثواب ملے گا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو اپنے سونے میں بھی اس طرح اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

## شریعت نے گواہی دینے میں بھی احتساب کا اعتبار کیا ہے

اسلام نے تو ہر چیز کی بنیاد احتساب پر رکھی ہے، اگر احتساب نہ ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی رد کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے کتاب الحدود کے اندر پڑھا ہوگا، کتاب الحدود کے اندر جب زنا کے متعلق گواہی کی بات آتی ہے نا تو حاکم کے پاس جب گواہی آئے گی تو حاکم پہلے تحقیق کرتا ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا ہے؟ اگر یہ بات محقق ہو جائے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

کہ واقعہ دو سال پہلے کا ہے تو وہ گواہی قبول نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ گواہی پرانی ہوگئی، اس میں قدامت آ گئی، سال دو سال گذر گئے، اب تک یہ حضرت کہاں بیٹھے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ دو سال پہلے دونوں میں دوستی تھی؛ اس لیے اس واقعہ کو چھپا کر رکھا اور اب کچھ دشمنی ہوگئی تو بات کو ظاہر کر رہے ہیں تو یہ گواہی جو ہے نا، وہ اللہ کے واسطے نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کے واسطے ہے۔

یہ ہے احتساب، صاحبِ ہدایہ نے جو دلیل پیش کی ہے، وہ یہی ہے کہ احتساب نہیں رہا، جب حدود کے اندر بھی گواہیاں احتساب کی بنیاد پر قبول کی جاتی ہیں کہ احتساب ہو تو قبول کی جائے گی، ورنہ ناقابلِ قبول ہوگی، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شہادت تک کے اندر جب احتساب ضروری ہے۔ حقوق العباد جہاں ہوتے ہیں، وہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں لیکن چوں کہ حدود خالص حقوق اللہ ہیں؛ اس لیے وہاں جب تک احتساب نہ ہو، اس وقت گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

## ہمارا سونا بھی عبادت بن سکتا ہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سونے میں بھی اسی طرح ثواب کی امید رکھتا ہوں، جیسا کہ نماز کے اندر رکھتا ہوں تو اگر ہمارا حال بھی یہ ہو جائے کہ سوتے وقت بھی ہم یہ نیت کریں کہ یا اللہ! میں اس لیے سوتا ہوں کہ طبیعت کے اندر بے داری کے نتیجے میں جو بے چینی پیدا ہوگئی ہے، وہ دور ہو، نشاط پیدا ہو اور تیری عبادت، تیرے احکام نشاط کے ساتھ پورا کر سکوں تو ہمارا یہ سونا بھی عبادت

بن جائے گا۔

## عبادات میں نشاط پیدا کرنے کے لیے جسم کو راحت پہنچانا ضروری ہے

جیسے ایک مزدور ہوتا ہے نا، مزدور پر کام کرتے کرتے جب دو چار گھنٹے گذر جاتے ہیں تو مالک خود کہتا ہے کہ جاؤ، بیڑی پی لو، چائے پی لو بلکہ خود چائے لے جاتا ہے، بیڑی لے جاتا ہے، اگرچہ چائے، بیڑی پینے میں پیسے بھی خرچ کرتا ہے اور اس دوران ۱۵-۲۰ منٹ کا خلل بھی ہو رہا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد اس کا کام اور زوردار ہو جائے گا تو اسی طرح اگر آدمی جسم کو راحت پہنچاتا ہے تو اگر وہاں نیت یہ ہے تو اس پر اجر و ثواب کیوں نہیں ملے گا؟۔

## حدیث میں احتساب کے سلسلے میں خصوصی طور پر ان چار کاموں کو ذکر کرنے کی وجہ

تو بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا: مَنْ أَعْطَى لِلّٰهِ کہ جس نے خرچ کیا اور نیت کیا ہے؟ آج ہمارا حال یہ ہو گیا کہ یہ جتنے مال خرچ کیے جاتے ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ چار کام خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے چن کر کے بیان فرمائے کہ ان کاموں کو انجام دیتے وقت عموماً یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا دھیان اللہ کو راضی کرنے کی طرف نہیں ہوتا، نفسانی تقاضوں کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں، پیسے خرچ کرتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے رشتہ داروں تک کو، بہن کو کچھ دینے کا ارادہ ہو تو گھر والی کہتی ہے کہ ابھی ٹھہر جاؤ نا، اس کے یہاں بیٹی کی شادی آ رہی

ہے، اس وقت دیں گے۔ دیکھیے! چکّر آ گیا، بیٹی کی شادی میں رسم کے طور پر دینا ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اگر آج میں نہیں دوں گا تو لوگ کیا کہیں گے؟ کہ بہن کی بیٹی کی شادی تھی اور بھائی نے کچھ دیا نہیں تو یہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے نہیں ہوا، ہم تو جو کچھ کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ جو کچھ سلوک ہوتا ہے، اس میں بھی اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے۔

## رواج کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت

اس لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بے وقت دو؛ تاکہ اس میں بھی اللہ کو راضی کرنے کی نیت شامل ہو جائے اور اگر دینے کا کوئی وقت ہو تو آگے پیچھے کر کے دو، مقصد یہ ہے کہ بے چاری کی مدد ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن نیت اپنی درست کر لو، یہ نہیں کہ بھائی نے اس موقع پر کچھ نہیں دیا، اس ڈر سے دیں، اسی طرح دوستوں کو، دوسرے لوگوں کو شادی کے موقع پر ہدیے کے لفافے دیئے جاتے ہیں، یہ دیکھ کر کہ انھوں نے ہمارے یہاں شادی کے موقع پر کتنا دیا تھا، یہ سب چل رہا ہے، فقہاء نے اس سب کو قرض کے اندر شمار کیا ہے اور بہت برا قرار دیا ہے۔

## رسم و رواج نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے

یہ سب دینے کے معاملے ہیں، تو ایسے موقع پر اگر نہ دیں، نہ خرچ کریں کہ بھائی! شادی ہے تو دعوت دینی پڑے گی، ورنہ لوگ کہیں گے کہ یہ دعوت نہیں کرتا، ولیمے کے نام سے کرتے ہیں، اس میں بھی اندر تو یہی بات ہوتی ہے کہ نہیں کروں گا تو

لوگ کیا کہیں گے کہ دوسروں کے یہاں شادی کی دعوتیں کھاتا رہا اور جب بیٹے کے نکاح کا موقع آیا تو کچھ نہیں کیا، بڑا بخیل آدمی ہے تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہ عجیب معاملہ ہے، اسی رسم ورواج نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا، ہمارا سارا دین اور دینی اعمال بھی اسی کے تابع ہو گئے اور جب تک ایمان تازہ نہیں ہوگا، اس سے ہم نکل سکتے نہیں ہیں۔

## رسم ورواج سے بچنا بڑے بڑوں کے لیے مشکل ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ نے حجۃ اللہ البالغہ میں خاص طور پر لکھا ہے کہ رسم ورواج سے بچنا بڑے بڑوں کے لیے مشکل ہے، دین داری کے، عمل کے دعوے ہمارے پاس بہت ہیں لیکن اپنے دل سے ذرا فکر کر کے پوچھے کہ کیا ہو رہا ہے، ضرورت ہے کہ جب تک کہ ان رسوم سے اور ان عادات الناس سے اپنے آپ کو نکال کر اللہ کے لیے اعمال کو انجام دینے کا مزاج نہیں بنائیں گے، وہاں تک اللہ کی خوش نودی حاصل ہونے والی نہیں ہے، اہل اللہ کے یہاں اسی مزاج کو بنایا جاتا ہے اور ان کی صحبت اسی لیے اختیار کی جاتی ہے کہ اگر زندگی میں ان کے پاس کچھ عرصہ رہے اور ہمارے دل میں اس کا تھوڑا بہت خیال آ گیا تو یہ بھی ہمارے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔

## اہل اللہ کی صحبت ان کا مزاج سیکھنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اللہ کے والوں کے پاس ان کا مزاج سیکھنے کے لیے رہتے ہیں، علمی باتیں تو کتابوں میں پڑھ لیتے ہیں، مسائل تو کتابوں

سے معلوم کر لیتے ہیں لیکن ان کی سعادت اسی میں ہے کہ ان کا مزاج دیکھ کر اپنا یا جائے اور اس کی وجہ سے آدمی کی زندگی میں جو تبدیلی آتی ہے، وہ کسی اور چیز سے حاصل ہونے والی نہیں ہے تو بہر حال! مزاج سے مزاج بنتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا ہے۔

## مال خرچ نہ کرنا بھی اللہ کے لیے ہو

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ خرچ کرنا اور نہ کرنا، یہ ''نہ کرنا'' بھی کس کے واسطے ہو؟ اللہ کے واسطے ہو، ان رسوم میں میں خرچ نہیں کرتا، جس کو جو کہنا ہو کہے، میں تو نہیں کرتا۔ گناہ کے کاموں، رسم و رواج میں خرچ کرنا۔ ہمارے یہاں تو خرافات کی بھر مار ہے، ہم تو مسئلے مسائل پڑھتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے، دعوت قبول کرنے کے لیے فقہاء نے جو شرطیں رکھی ہیں، وہاں کیا لکھا ہے کہ وہ دعوت جو نام و نمود کے لیے نہ ہو، اس کو قبول کی جائے گی اور ہم اور آپ سب جانتے ہیں پھر بھی جاتے ہیں، کیا کریں؟ یہ سب کچھ ہے۔

## زباں سے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل

فقہاء نے ان سب چیزوں کا خیال رکھا ہے، فرض کی جو حقیقت ہے، اس کی رعایت کی ہے، فتاوی عالمگیری اٹھا کر دیکھ لیجیے، علاج کرانے کی اجازت اس وقت دی ہے، جب علاج کراتے وقت آپ کے دل میں یہ یقین ہو کہ شفا دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، میں صرف ایک ذریعہ کے طور پر یہ علاج کرا رہا ہوں۔ آج ہمارے یہاں کیا ماحول بن گیا ہے؟ فلاں بڑا بھاری ڈاکٹر ہے، حکیم ہے، فلاں گیا، فلاں گیا، سب

اچھے ہو گئے، تم بھی وہاں جاؤ نا، ایسا مزاج بنا کر کے جاتے ہیں کہ اللہ پر سے تو نظر ہٹ ہی جاتی ہے، اس طرح تو علاج کروانا بھی جائز نہیں، حرام ہے، فقہا نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ بہت بڑے ڈاکٹر کے پاس مت جاؤ، ذرا کم درجے والے کے پاس جاؤ تو نظر اللہ پر رہے گی، تو بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ نظر اللہ پر ہو۔

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ چار باتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی، ان چار باتوں میں جو آدمی کامل ہو جاتا ہے، وہ ساری چیزوں کے اندر کامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ نمازوں کے اندر آیا ہے نا کہ جو آدمی عصر اور فجر کا اہتمام کرے گا تو باقی نمازوں کا ضرور اہتمام کرے گا، اسی طریقے سے یہاں پر بھی جب ان چیزوں میں اللہ کو راضی کرنے کا مقصد اس کے پیشِ نظر ہو گا تو باقی کاموں میں بطریقِ اولی ہو گا تو خرچ کرنا اور نہ کرنا اللہ کے لیے ہو۔

## تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ حجرِ اسود پر

آگے ایک اور بات فرمائی: وَأَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ: جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے واسطے کی اور کسی سے عداوت اور دشمنی کا معاملہ کیا تو اللہ ہی کے واسطے کیا، کسی سے بھی: اپنے بیٹے سے بھی محبت کرنی ہو تو بھی اللہ کے واسطے ہو، ویسے باپ، ماں، بہن، بھائی، بیٹے سے محبت طبعی ہوا کرتی ہے لیکن ہمیں شریعت نے حکم دیا کہ آپ اپنی محبتوں کو شرعی بنائیے، طبیعت کے تقاضوں کو مت دیکھئے اور آدمی جب ان محبتوں کو شرعی

بنائے گا تو ان محبتوں کی وجہ سے کبھی شریعت کے کسی حکم کو توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

## اخلاص انسان کو بہت سی حق تلفیوں سے بچاتا ہے

بیٹے چار ہیں، اب ان چاروں بیٹوں میں سے جس کے ساتھ طبعی محبت زیادہ ہوگی، اس کے تو گھر بھی نام کر کے دے دیا اور زمین بھی دے دی اور جس کے ساتھ معاملہ ذرا ٹھیک نہیں تھا، اس کو محروم کر دیا لیکن اگر ان کے ساتھ محبت اللہ کے حکم کی وجہ سے ہوگی تو سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے گا۔ یہی حال بیویوں کا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو اگر فطری طور پر آپ کا دل کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہو تو ٹھیک ہے لیکن آپ باقی دوسری چیزوں کو سب میں برابری کے ساتھ رکھنے کا اہتمام کیجیے، جس کی وجہ سے اللہ کا کوئی حکم ٹوٹنے نہ پائے۔

## گھر والوں کے ساتھ ہمارا معاملہ

گھر میں آپ گئے، بچہ سامنے آیا تو جیسے میں نے کہا نا کہ بھوکے گئے تھے، دستر خوان پر کھانا نظر آیا تو خیال نہیں کیا، بیٹھ گئے اور کھانا تناول کر لیا، بچہ سامنے آیا اور اس نے دیکھا ہی نہیں، بچہ ذرا اس کے ساتھ کھیلتا۔ سوچو! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اولاد کے ساتھ محبت کی ہے۔

## بچوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ محبت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، دورانِ خطبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کمرے میں سے باہر نکل آئے، ابھی ابھی چلنا سیکھا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گر پڑیں گے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ منبر سے نیچے اتر کر ان کو تھام لیا اور فرمایا کہ اولاد کی محبت انسان کو بزدل بھی بناتی ہے اور بخیل بھی بناتی ہے(۱)، اس کی وجہ سے آدمی مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے اور جہاں جان دینے کا وقت آتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ میرے بعد میری اولاد کا کیا ہوگا اور میں اگر نہیں رہا تو ان کو کون دیکھے گا۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اولاد کے ساتھ محبت فرمائی ہے، اس کے بعد کرنا تو وہی ہے لیکن زاویۂ نگاہ کو، سوچ کو بدلنا ہے، نیت میں اس بات کا اہتمام بہت ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی ادائگی کے لیے میں اپنی اولاد سے محبت کر رہا ہوں۔

## سنتوں کی ادائگی کے وقت اداءِ سنت کا استحضار ضرور کریں

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ جب آپ سنت کے مطابق عمل کریں تو ساتھ ساتھ اس کا استحضار بھی ہو، جب آپ بیت الخلاء جائیں تو آپ کو بیت الخلاء سنت کے مطابق جانا ہے، داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنی ہے: بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ، الٹا پاؤں پہلے

(۱) غالباً اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُرَیْدَۃَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِی: بُرَیْدَۃَ یَقُولُ کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - یَخْطُبُنَا إِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ عَلَیْہِمَا قَمِیصَانِ أَحْمَرَانِ یَمْشِیَانِ وَیَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللّٰہِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَہُمَا وَوَضَعَہُمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰہُ (إِنَّمَا أَمْوَالُکُمْ وَأَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ) فَنَظَرْتُ إِلَی ہَذَیْنِ الصَّبِیَّیْنِ یَمْشِیَانِ وَیَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰی قَطَعْتُ حَدِیثِی وَرَفَعْتُہُمَا (ترمذی شریف، باب مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ)

رکھنا ہے پھر سیدھا پاؤں رکھنا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ استحضار بھی ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بیت الخلاء تشریف لے گئے تو آپ نے یہ دعا پڑھی؛ اس لیے میں بھی یہ دعا پڑھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھا؛ اس لیے میں اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھتا ہوں اور پھر سیدھا پیر رکھتا ہوں، یہ استحضار اور یہ کیفیت اگر پیدا کریں گے، چند دنوں تک اس بات کا اہتمام کیا جائے گا پھر دیکھنا کہ آپ کی زندگی کے اندر کیا برکات حاصل ہوتی ہیں۔

## اہل اللہ کے ساتھ ہماری محبت بھی اغراضِ دنیویہ کے تحت ہوتی ہے

اس لیے اگر کسی کے ساتھ محبت کریں تو کس کے واسطے؟ اللہ کے واسطے کریں، اب مثلاً ہم اللہ والوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں تو وہ تو اللہ کے واسطے ہوتی ہی ہے، اگرچہ اس میں نفس اور شیطان کبھی کچھ نہ کچھ رخنہ ڈال دیتا ہے، بعض لوگ اللہ والوں کے پاس اس لیے جاتے ہیں کہ اگر میں ان کے پاس بیٹھوں گا تو ان کے پاس دنیادار قسم کے لوگ بھی آتے ہیں، حکمران طبقہ آتا ہے، صاحبِ ثروت طبقہ آتا ہے اور بڑے لوگ بھی آتے ہیں، ان سے ملوں گا، ان کے ساتھ بیٹھوں گا تو میری دنیا کے کام بن جائیں گے تو گویا میں ان کے اس قرب کے ذریعہ سے دنیوی فائدہ اٹھا پاؤں گا تو ہمارے نفس نے اس میں بھی رخنہ ڈال دیا، ضرورت ہے اس بات کی یہ محبت خالص اللہ کے واسطے ہو۔

## غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز تقریر

غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ مشرکین کا لشکر مکہ مکرمہ

سے روانہ ہو چکا ہے اور بالکل قریب آ گیا ہے، گویا ان کے ساتھ مقابلہ یقینی ہو چکا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے مشورہ کیا، صحابہ میں سے حضراتِ مہاجرین نے جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے باتیں عرض کیں لیکن حضراتِ انصار نے کوئی مشورہ نہیں دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر بار بار دریافت فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ ہماری طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس وقت جو تقریر کی، انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ ایک ارادہ لے کر مدینہ منورہ سے چلے تھے، اب اس کے بجائے دوسری صورتِ حال پیش آئی، آپ آگے بڑھئے، آپ جس سے چاہیں تعلق قائم کریں اور جس کے ساتھ چاہیں آپ اپنے تعلق کو قطع کریں، آپ جس کے ساتھ چاہیں دشمنی کیجیے اور آپ جس سے چاہیں دوستی کریں، آپ ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، اللہ کی قسم! ہمارے مال میں سے آپ جو لیں گے وہ ہم کو زیادہ محبوب ہوگا اس مال کے مقابلے میں جو آپ چھوڑ دیں گے۔

صحابہ کی یہ کیفیت تھی، جس اونچے مقام پر حضراتِ صحابہ تھے، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے اللہ نے ان کو رضوان کا پروانہ عطا فرمایا۔

## خدا نے خود جنھیں بخشا رضا مندی کا پروانہ

حدیث شریف میں آتا ہے، بخاری شریف میں ہے کہ جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو باری تعالیٰ فرمائیں گے: جنتیو! کیا تم خوش ہو؟ تو بندے عرض کریں گے:

باری تعالیٰ! ہم کیوں خوش نہ ہوں گے! آپ نے تو اتنا دیا، ایسا دیا کہ آپ نے ایسا کسی کو نہیں دیا۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: اب میں تمھیں ایسی چیز دینے جارہا ہوں جس کی کوئی نظیر نہیں، بندے عرض کریں گے: اب کیا باقی ہے؟ باری تعالیٰ فرمائیں گے: میں تم کو اپنی رضا اور خوشنودی عطا کرتا ہوں، اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ جو چیز جنتیوں کو سب کے آخر میں دی جائے گی، یہ چیز اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو دنیا ہی میں عطا کردی تھی۔

## زمانۂ نبوی میں ہونے کی ہماری خواہش اور حقیقت کا دوسرا رخ

حضراتِ صحابہ نے جو قربانیاں پیش کی تھیں، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے عجیب بات فرمائی کہ بہت سی مرتبہ ہم اور آپ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوتے، اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ اس نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا اور اسی میں ہمارے لیے خیر ہے، اس زمانے میں ہوتے تو پتہ نہیں کون سی فہرست میں ہمارا نام جاتا؛ اس لیے بھائی! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس حال میں رکھا ہے، اس پر راضی رہو۔

## حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا ایمان افروز واقعہ

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ کے واسطے محبت ہو اور اللہ کے واسطے دشمنی ہو۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا اور بنوقریظہ کو یقین ہوگیا کہ اب تو ہمارے لیے سوائے سپر ڈالنے کے کوئی چارۂ کار نہیں تو انھوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہلوایا کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دو، ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں، ان سے بڑی دوستی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ بھائی! گئے، یہ جب ان کے قلعے میں داخل ہوئے تو ان کو دیکھ کر ان کی عورتیں، بچے بے حساب رونے لگے، بہت زیادہ رونے لگے، انھوں نے ان سے مشورہ چاہا کہ کیا ہم اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کردیں تو انھوں نے کہا کہ کردو، ''کردو'' کہا اور اپنے گلے کے اوپر ہاتھ بھی چلایا، گویا کردو لیکن تمہارا انجام یہی ہے (۱)۔

کہنے کو تو یہ کہہ دیا، بعد میں ان کو خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کا اظہار میں نے دشمنوں کے سامنے کر کے میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی، چنانچہ اسی وقت مسجدِ نبوی میں جا کر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے قصور کو معاف نہیں کریں گے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے مجھے نہیں چھڑائیں گے، اس وقت تک میں اپنے آپ کو چھڑانے والا نہیں ہوں، یہ اسطوانۂ ابولبابہ ہے، اسطوانۂ توبہ ہے تو اس موقع پر انھوں نے قسم کھائی تھی کہ یا اللہ! آئندہ اس سرزمین پر جہاں تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ خیانت کا معاملہ ہوا، کبھی قدم نہیں رکھوں گا (۲)۔ یہ تھا ان کا جذبہ اور یہ تھا ان کا اسلام اور حبِ رسول، ان حضرات کا یہ مزاج تھا۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۳/۱۳۷۔

(۲) وعاهد الله أن لا أطأ بني قريظة أبدا ولا أرى في بلد خنت الله ورسوله فيه أبدا.

(البدایہ والنہایہ ۳/۱۳۸)

## حضرت محیصہ بن مسعودؓ کا اللہ تعالیٰ کے لیے عشقِ رسول

جب کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کے یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، روایتوں میں ہے کہ ابنِ سبینہ ایک یہودی تھا، حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، اب ان کے خاندان کے ساتھ ابنِ سبینہ کا بڑا اچھا تعلق تھا، ان کے بڑے بھائی تھے حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انھوں نے ان کو پکڑ کر کے مارنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اس کے مال سے تیرے پیٹ میں بنی ہوئی چربی کتنی ہے پھر بھی تو نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے جواب میں حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس آدمی کے قتل کا حکم اس ذات نے دیا کہ اگر وہ مجھے یہ کہیں کہ میں تجھے قتل کر دوں تو قتل کر دوں گا، یہ بڑے بھائی تھے ان کے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے میرے قتل کا حکم دیں گے تو مجھے بھی قتل کر دو گے؟ فرمایا: ہاں! بالکل قتل کر دوں گا، یہ ہے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت، دین کے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کو ٹوٹتے ہوئے دیکھنا ان کو گوارا نہیں تھا(۱)۔

## حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا اللہ تعالیٰ کے لیے عشقِ رسول

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا واقعہ روایتوں کے اندر نقل کیا ہے، انھوں نے دیکھا کہ ان کا چھوٹا بھتیجہ کنکروں سے کھیل رہا تھا، انھوں نے کہا: بیٹا! ایسا مت کرو۔

---

(۱) دلائل النبوۃ للبیھقی، ۲۰۰/۳، جماع أبواب غزوۃ بدر العظمی.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس قسم کی کنکر نہ تو شکار کرتی ہے، نہ تو کسی کو مارتی ہے، البتہ اس سے کسی کی آنکھ پھوٹ جائے گی یا کسی کا دانت ٹوٹ جائے گا، ایسا مت کرو۔ وہ بچہ باز آ گیا اور وہ اپنے کسی کام میں مشغول ہوئے، بچہ کم عمر تھا، وہ دوبارہ کنکر پھینکنے کے کام میں مشغول ہو گیا، اب ان کی بھتیجے پر نظر پڑی تو فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرر ہا ہوں اور تو کھیلنے میں مشغول ہے! اللہ کی قسم! میں تیرے ساتھ کبھی بات نہیں کروں گا، تو بیمار ہو جائے تو تیری عیادت نہیں کروں گا، تو مر جائے گا تو تیرے جنازے میں شریک نہیں ہوں گا(۱)۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

یہ ہے: وَنَخۡلَعُ وَنَتۡرُکُ مَنۡ یَّفۡجُرُکَ، دعاءِ قنوت میں ہم روزانہ یہ جملہ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں لیکن ہمیں اس کا خیال نہیں آتا کہ ہماری اولاد، ہمارے متعلقین اللہ کی نافرمانی کرر ہے ہیں اور ہم اس سے اپنا تعلق نہیں توڑ رہے ہیں بلکہ اس سے محبت اور دلی رشتہ قائم رکھتے ہیں۔ وَأَحَبَّ لِلّٰہِ محبت کرے تو کس کے واسطے؟ اللہ کے واسطے ہو۔ وَأَبۡغَضَ لِلّٰہِ کسی کے ساتھ دشمنی کرے تو کس کے واسطے؟ اللہ کے واسطے کرے، یہ دونوں چیزیں اصل ہیں، یہ چیزیں جس شخص کے اندر آ گئیں تو اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

## حضرت علیؓ کا اخلاص للہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) سننِ دارمی ۱۲۷/۱، باب تعجیل عقوبة من بلغه عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم حديث فلم يعظمه ولم يوقره.

کی شان میں گستاخی کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور اس کو مارنے کے لیے اس کو زمین پر پچھاڑا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے، اس سے کچھ نہ بن پڑا تو لیٹے لیٹے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا، فوراً اپنے اتر آئے، کسی نے کہا کہ حضرت! یہ تو اس کو مارنے اور ختم کرنے کا اور بھی زیادہ اچھا موقع تھا اور آپ نیچے اتر آئے تو آپ نے فرمایا: میں اس لیے نیچے اتر آیا کہ پہلے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا، اب جب اس نے میرے اوپر تھوک دیا تو اب یہ غصہ اللہ کے رسول کے واسطے نہیں ہوا، اللہ کے واسطے نہیں ہوا، یہ میری ذات کے لیے ہوا۔

## حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ کا حُب للہ

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بہت بڑے فقیہ اور بہت بڑے عالم گذرے ہیں، حکومت کی طرف سے محتسب تھے، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مشائخ میں سے ہیں، ہم اور آپ جانتے ہیں، حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے اختلاف تھا، چشتیہ کے یہاں سماع ہے۔ سماع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت وغیرہ کو اچھی آواز میں سن کر کے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو تازہ کیا جائے۔ تو یہ چیز علماء کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، بہت سے علماء اس کا انکار کرتے ہیں، آج کل تو متفق علیہ ہوگئی ہے، ہم اور آپ جلسوں میں بڑے اور چھوٹے

سب اس کو سنتے ہوئے چشتی بن گئے ہیں۔

## ہمارے اکابر کا تقویٰ اور احتیاط

ہمارے اکابر میں کتنی زیادہ احتیاط تھی کہ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک آدمی کی بڑی اچھی آواز تھی، حضرت ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، کسی نے اس کو اشارہ کر دیا تو اس نے پڑھنا شروع کر دیا تو حضرت نے اس کو فوراً یہ کہہ کر روک دیا کہ بھائی! سماع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور مجھے لوگ کبھی کبھی مصلے پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیتے ہیں۔ اللہ اکبر! کیا احتیاط، کیا امانت، کیا دیانت۔ ہم جب اپنے اکابر کی امانت اور دیانت کو پڑھتے ہیں تو ہم لوگ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

## وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

ایک بزرگ کو بادشاہِ وقت کی طرف سے فتویٰ دینے سے روک دیا گیا تھا، ایک مرتبہ آپ کی بیٹی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ابا جان! یہ مسئلہ کیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ بیٹی! حاکمِ وقت نے مجھے فتویٰ دینے سے منع کیا ہے، تم کسی اور سے پوچھ لو، ہمارے اندر یہ چیز نہیں ہے۔

## یہ دشمنی اپنی ذات کے لیے نہیں تھی

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے واسطے دوستی اور اللہ کے واسطے دشمنی ہو، یہ حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ جو ہیں، ان کا آخری وقت تھا، بیمار تھے اور

بہت زیادہ بیمار ہو گئے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ وقت کے بہت بڑے شیخ اور یہ بہت بڑے عالم، حضرت کو پتہ چلا تو حضرت ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور گھر میں کہلوایا کہ کہو کہ نظام الدین آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا ہے، جب ان سے کہا گیا تو انھوں نے کیا فرمایا؟ فرمایا: میں آخری وقت میں کسی بدعتی کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، اجازت نہیں دی، محض سماع کی وجہ سے، تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے جواب میں کیا کہلوایا؟ بدعتی اپنی بدعت سے توبہ کر کے آیا ہے۔ انھوں نے اپنی پگھڑی بھیج دی اور کہا کہ اس کو بچھا دو حضرت کے راستے میں اور ان سے کہو کہ اپنی جوتی سمیت اس پر چل کر کے آئیں، تو حضرت نے اس پگھڑی کو اپنے سر پر رکھا اور کہا کہ یہ میرے لیے دستارِ فضیلت ہے تو میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ دشمنی اپنی ذات کے لیے نہیں تھی، اللہ کے لیے تھی، جب ان کی توبہ کی خبر پہنچی تو اپنی دستار بھیج دی کہ اپنے جوتوں کے ساتھ اس دستار پر سے چل کر کے آؤ۔

تو ضرورت ہے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اس کا اہتمام کریں، آج ہماری زندگیوں میں سے یہ چیز نکل چکی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ
# حدیث شریف کی روشنی میں (۱)

بمقام: ویروال، مینارا مسجد

بتاریخ: ۱۳/ ۴/ ۲۰۱۱

# اقتباس

بہرحال! یہی حضرت ابوسعید خدریؓ اس روایت کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ: (۱) جس آدمی نے حلال غذا کھائی (۲) اور سنت کے مطابق عمل کیا (۳) اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے، وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہوگیا، جنت میں داخل ہونے کا بہت شارٹ فارمولا (short formula) بہت مختصر نسخہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا۔ آگے حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں: یہ سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے عرض کیا: يَارَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ: آج کل تو ایسے لوگ بہت سارے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں، ایسے لوگ جن میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں، بہت سارے ہیں، اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي: بعد کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، بھلے اتنے نہ ہوں لیکن ہوں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي أو كما قال عليه الصلوة والسلام. (ترمذی)

## راوی حضرت ابوسعید خدریؓ کا مختصر تعارف

یہ مشکوۃ شریف کی روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا نام ہے سعد بن مالک، ان کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے اور غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے، ان کی والدہ حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی صحابیہ تھیں، امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں

غزوۂ احد سے متعلق چند ابواب قائم کیے ہیں، ان میں ایک باب ہے: باب ذکر أم سلیط، جس میں انھوں نے روایت پیش کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کچھ چادریں آئیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی عورتوں کے درمیان تقسیم کیا؛ تاکہ وہ اوڑھنی کے طور پر استعمال کریں، ایک عمدہ قسم کی چادر بچ گئی تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ یہ چادر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی جو آپ کے نکاح میں ہے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی طرف اشارہ ہے- ان کو دے دیجیے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی زیادہ حق دار تو ام سلیط رضی اللہ عنہا ہیں، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ وہ ہیں جو غزوۂ احد کے موقع پر مشکیزے میں پانی بھر بھر لا کر مجاہدین کو پلایا کرتی تھیں، یہی حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، گویا ان کے والد بھی صحابی اور والدہ بھی صحابی ہیں۔

## حضرت ابوسعید خدریؓ کا علمی ولولہ

حضرت ابوسعید خدریؓ کا شمار دورِ نبوت کے اندر صغارِ صحابہ میں ہوا کرتا تھا، غزوۂ احد کے موقع پر جن نوجوانوں نے غزوے میں شرکت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن عمریں ۱۵ر سال سے کم ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غزوے میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی، ان میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ بھی ہیں لیکن بعد میں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علم کے حاصل کرنے کا بڑا اہتمام

کیا اور وہ حضراتِ صحابہ جن کو حضراتِ محدثین کی اصطلاح اور ان کی مخصوص زبان میں مُکثرین کہا جاتا ہے یعنی وہ جن سے حدیث کی بہت ساری روایتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں حضرت ابوسعید خدریؓ بھی ہیں۔

## حضرت ابوسعید خدریؓ اکابرِ صحابہ کے زمانے میں صغار میں شمار ہوتے تھے

ایک زمانہ وہ آیا کہ علم کے اور مسائل کے معاملے میں وہ لوگوں کا مرجع بنے ہوئے تھے، اگرچہ دورِ صحابہ میں ان کا شمار، اکابرِ صحابہ کے زمانے میں صغار میں ہوتا ہے، چنانچہ ان کا ایک واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کی ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کے لیے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے کاموں میں مشغول تھے، جب یہ پہنچے تو انھوں نے سلام کیا اور بذریعۂ سلام حاضری کی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ کام میں مشغول تھے: اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی اور اپنے کام میں مشغول رہے، پھر سلام کیا اور اجازت چاہی، پھر نہیں دی، پھر تیسری مرتبہ سلام کیا اور اجازت نہ ملی تو وہ واپس لوٹ گئے۔

## تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپسی کا شرعی حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی میں عبد اللہ

بن قیس کی آواز سن رہا تھا- یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے-تو میں ان کی آواز سن رہا تھا، ان کو بلاؤ، کسی نے کہا کہ وہ تو چلے گئے۔ انھیں بلایا گیا۔اب اگر یہ کہتے کہ آپ کام میں مشغول تھے؛اس لیے میں چلا گیا تو کوئی بات نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں چلے گئے؟ تو جواب دیا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کوئی آدمی کسی کے پاس جائے اور اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کرے اور اجازت نہ ملے تو دوسری مرتبہ، پھر نہ ملے تو تیسری مرتبہ سلام کرے اور پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے، یہی طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی شریعت ہمیں اجازت اور گنجائش دیتی نہیں ہے۔

## استیذان کا حکمِ شرعی موافقِ طبع ہے

پہلے زمانے میں جب پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس وقت وہاں عربوں میں بھی یہی رواج تھا کہ لوگ آ کر گھر میں داخل ہو جاتے، آج بھی ہمارے یہاں یہی چل رہا ہے کہ کسی کے گھر جائے گا تو دروازہ کھٹکھٹائے بغیر اندر چلا جائے گا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں اندر آ سکتا ہوں، نہ اجازت مانگتا ہے، رشتہ دار ہو یا پرایا ہو، حالاں کہ خود صاحبِ خانہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو، اس کی طبیعت یہ کہتی ہے۔

## ایک صحابی کا زبانِ رسالت سے دعا حاصل کرنے کا جذبۂ صادق

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ایک صحابی کے یہاں تشریف لے گئے اور اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا۔ سلام اس طرح کیا جاتا

ہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: تم پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں، گویا تین دعائیں دی جاتی ہیں۔ اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام، گویا آپ کی دعائیں اس سلام کی نسبت سے حاصل ہو رہی ہیں۔ وہ صحابی سمجھ گئے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی غرض سے سلام فرما رہے ہیں، موجود ہیں لیکن انھوں نے جواب نہیں دیا اور اس لیے نہیں دیا کہ وہ جانتے تھے کہ اگر میں جواب نہیں دوں گا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت حاصل کرنے کے لیے دوبارہ سلام کریں گے اور اس بہانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں مجھے حاصل ہوں گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ سلام کیا، انھوں نے جواب نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ سلام کیا اور لوٹ رہے تھے، یہ جلدی سے باہر نکلے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو اندر تھا لیکن میں نے اس لالچ میں کہ آپ زیادہ سلام کریں گے، میں نے جواب نہیں دیا تھا(۱)۔

تو بہرحال یہ طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت طلب کرنے کا بتلایا ہے۔

## نقلِ حدیث کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی احتیاط

تو حضرت ابوموسی اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس حدیث کا حوالہ دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے اور جب آپ کی طرف سے تیسری مرتبہ سلام کرنے پر

(۱) صاحبِ واقعہ حضرت سعد بن عبادہؓ ہیں۔ (سنن أبی داود، قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، باب كَمْ مَرَّةٍ يُسَلِّمُ الرَّجُلُ فِي الِاسْتِئْذَانِ)

کوئی جواب نہیں ملا تو میں واپس لوٹ گیا۔ حدیث کو نقل کرنے کے معاملے میں حضرت عمرؓ کے یہاں بڑی احتیاط تھی، ان کے سامنے جب کوئی آدمی یہ کہتا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اور وہ حضرت عمرؓ کے علم میں نہ ہوتا اور پہلی مرتبہ اس ارشاد کو سن رہے ہوتے تو حضرت عمرؓ ان سے مطالبہ کرتے کہ کوئی اور آدمی لاؤ جس نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ بات سنی ہو، یہ ارشاد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا نہیں تھا۔

## ہر ایک کو تمام باتیں معلوم ہونا ضروری نہیں ہے

یہ عجیب بات ہے کہ روزمرہ کے کاموں سے تعلق رکھنے والا ایک حکم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی، امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام کے اندر ایک باب قائم کیا ہے کہ ہر ایک کو تمام باتیں معلوم ہوں، یہ ضروری نہیں اور اس میں اس روایت کو لاکر انھوں نے یہ بتلایا کہ حضرت عمرؓ جیسا آدمی، ان کو روزمرہ سے تعلق رکھنے والا ایک حکم معلوم نہیں تھا۔

## حضرت ابوموسی اشعریؓ حضرت عمرؓ کے غضب کی زد میں

بہرحال! حضرت عمرؓ نے اپنی عادت کے مطابق حضرت ابوموسی اشعریؓ سے مطالبہ کیا کہ کوئی دوسرا آدمی لاؤ۔ اب حضرت عمرؓ کا معاملہ سب جانتے تھے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا تو کوڑے سے بھی خبر لی جاسکتی ہے، تو حضرت ابوموسی اشعریؓ گھبرائے ہوئے مسجدِ نبوی میں گئے۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے۔ وہاں حضرت ابی بن کعبؓ کا حلقۂ درس لگا ہوا تھا۔

## حضرت ابی بن کعبؓ کی رفعتِ شان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انصاری ہیں، سید الانصار ان کا لقب ہے اور بارگاہِ نبوت سے "أقرأھم ابی" کا تمغہ حاصل کیا ہے کہ علمِ قرأت کے اندر صحابہ میں سب سے زیادہ ماہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، بڑا اونچا مقام تھا۔ قراءِ صحابہ میں شمار ہوتے تھے بلکہ بخاری شریف میں واقعہ ہے: ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا: ابی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" پڑھ کر سناؤں، حضرت ابیؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟

## ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اب یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں سورۂ "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" پڑھ کر سناؤں، پھر یہ سوال کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حدیث کی تشریح کرنے والے علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عام حکم کے طور پر یہ بات کہی گئی ہو کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو یہ سورت سنائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی کو اپنی طرف سے تجویز کیا ہو، تب بھی یہ کہا جاسکتا تھا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے میں تمھیں سورۂ "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" پڑھ کر سناؤں؛ اس لیے بات کو زیادہ صاف اور پکا کرنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو یہ حکم دیا؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (۱)۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔

## حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مشکل کا حل

یہ حضرت ابی بن کعبؓ بڑے عالم تھے، صحابہ کے زمانے میں فتوی بھی دیا کرتے تھے تو جب حضرت ابوموسی اشعریؓ مسجدِ نبوی میں پہنچے تو حضرت ابی بن کعبؓ کا حلقۂ درس لگا ہوا تھا اور انصار اس میں بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت ابوموسی اشعریؓ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور کہا: تم میں سے کسی نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ حدیث سنی؟ پوچھا: کون سی حدیث؟ جواب دیا: ''جب آدمی کسی کے یہاں جائے تو اجازت حاصل کرنے کے لیے پہلی مرتبہ، دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ بھی سلام کرنے پر جواب نہ ملے تو لوٹ جائے'' تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہا کہ یہاں جتنے ہیں، سب نے سنی ہے، کہا: مہربانی کرو نا، کوئی ایک آدمی آؤ اور امیر المؤمنین کے پاس آ کر گواہی دو؛ تاکہ میری جان چھوٹے تو حضرت بن ابی کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مجلس میں جو سب سے چھوٹا ہے، اس کو ہم آپ کے ساتھ گواہی دینے کے لیے بھیجتے ہیں اور پھر حضرت ابوسعید خدریؓ سے فرمایا جاؤ اور گواہی دے آؤ (۲)۔

---

(۱) صحيح البخاري، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

(۲) صحيح البخاري، باب الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ.

## دخولِ جنت کا مختصر نسخہ

میں تو یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ صغارِ صحابہ میں ان کا شمار ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کو مرجعِ خلائق بنایا اور فتوی دیا کرتے تھے، بہر حال! یہی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ: (۱) جس آدمی نے حلال غذا کھائی (۲) اور سنت کے مطابق عمل کیا (۳) اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے، وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہو گیا، جنت میں داخل ہونے کا بہت شارٹ فارمولا (short formula) بہت مختصر نسخہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا۔

## ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آگے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ: آج کل تو ایسے لوگ بہت سارے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں، ایسے لوگ جن میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں، بہت سارے ہیں، اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي: بعد کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، بھلے اتنے نہ ہوں لیکن ہوں گے۔

## اے طائرِ لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی.....

بہر حال! یہاں یہ تین باتیں جن کے متعلق نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ تین چیزیں ہوں گی، وہ جنت میں جائے گا، پہلی بات تو ہے: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: حلال غذا جس نے کھائی، غذا کا حلال ہونا، یہ شریعت کی نگاہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: طَلَبُ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (۱): کہ اسلام کے بنیادی فرائض: نماز، روزہ وغیرہ جو ہیں، ان کے بعد ایک فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے، حلال کمائی شریعت کی نگاہوں میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی معاشرے کے بننے اور بگڑنے میں، اس کے صلاح وفساد کی بنیاد یہ حلال کمائی ہے، اگر کمائی میں کمزوری آ گئی، حرام کا پہلو شامل ہو گیا تو وہ معاشرہ کبھی بھی مکمل طور پر ٹھیک اور درست نہیں ہوسکتا۔

## حرام مال سے کیا ہوا صدقہ عنداللہ مقبول نہیں

نبئ کریم ﷺ کا ارشاد مسلم شریف میں حضرتِ ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لاَيَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا (۲): اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول کرتے ہیں یعنی کوئی آدمی اللہ کے راستے میں حلال کمائی خرچ کرے تو ہی اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتے ہیں، حرام مال سے آدمی

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني.

(۲) صحيح المسلم، باب قَبُولِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْكَسْبِ الطَّيِّبِ وَتَرْبِيَتِهَا.

اللہ کے واسطے دے تو یہ حرام اللہ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتا۔ ترمذی شریف کی سب سے پہلی روایت ہے: لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ وَلاَ صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ (۱): بغیر پاکی کے نماز قبول نہیں کی جاتی اور حرام مال میں سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتا نہیں ہے۔

## رزقِ حلال کے لیے جستجو اور تگ ودو جہاد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے

آدمی اپنے لیے، اپنے ماتحتوں کے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے جن کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے، ان کے لیے حلال روزی حاصل کرنے کے پیچھے محنت کرے گا تو حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر قرار دیا ہے۔

## حرام مال سے صدقے کے بارے میں حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، ان کا مقولہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کوئی کپڑا اگر ناپاک ہوجائے تو اس کو پیشاب کے ذریعہ سے اگر دھووے گا تو وہ پاک ہونے والا نہیں ہے، اس کو پاک کرنے کے لیے تو پانی چاہیے تو حرام مال سے اگر کوئی آدمی صدقہ کرے گا تو اس صدقے سے اس کا مال حلال ہونے والا نہیں ہے۔

---

(۱) ترمذی شریف، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما، باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور.

## ہمارا ایک فاسد نظریہ اور سوچ

آج کل لوگوں کی ذہنیت میں جو تبدیلی آئی ہے، اس میں ایک بہت بڑا فساد یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی طرح پیسے حاصل کرلو، دو چار آدمیوں کو سُلا دو، اس کے بعد کسی جگہ مسجد بنوالو، مدرسہ بنوادو، نیکی کے کسی کام میں دو چار لاکھ دے دو تو حرام طریقے سے حاصل کیا ہوا باقی مال حلال ہو جائے گا۔ آج کل یہ ذہنیت اور سوچ عام ہوتی جارہی ہے۔ حالاں کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول فرماتے ہیں۔

## کسی کا ایک درہم اس کو لوٹانا لاکھوں دراہم کے صدقے سے بہتر ہے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بہت بڑے محدث، بڑے فقیہ، بڑے صوفی اور جتنے بھی بڑے بڑے روات، فقہاء، محدثین ہیں، ہر ایک کے اوپر کسی نہ کسی نے نقد کیا ہے لیکن کسی نے بھی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پر کسی بھی طرح کا کوئی نقد نہیں کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں کسی کا ایک درہم جو میرے پاس ہے اس کو واپس لوٹا دوں، یہ میرے نزدیک بہتر ہے ایک لاکھ درہم کا صدقہ کرنے سے پھر فرماتے ہیں: میں کسی کا ایک درہم جو میرے پاس ہے اس کو واپس لوٹا دوں، یہ میرے نزدیک بہتر ہے دو لاکھ درہم صدقہ کرنے سے، پھر تین لاکھ، چار لاکھ، پانچ تک شمار کرایا، یہ کسی کا ایک درہم اگر ہمارے پاس ہے تو اس کا واپس کرنا شریعت کی نگاہوں میں اتنے بڑے صدقے سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ اہم ہے۔

## قلم واپس لوٹانے کے لیے مرو سے حجاز تک کا طویل سفر

خود ان کے حالات میں لکھا ہے کہ طلبِ علم کے زمانے میں وہ اپنے یہاں سے علم حاصل کرنے کے لیے آئے تھے، آپ حجاز واپس گئے، وہاں سے کسی کا قلم ان کے پاس رہ گیا تھا تو باقاعدہ اس قلم کو لوٹانے کے لیے اپنے علاقے مرو سے جو بہت دور واقع ہے، اتنا لمبا سفر طے کر کے صرف قلم واپس لوٹانے کے لیے حجاز واپس گئے، اس زمانے میں ٹرینیں نہیں تھیں، سڑکیں نہیں تھیں، کئی کئی دن لگ جاتے تھے لیکن خالی ایک قلم اس کے مالک کو واپس کرنے کے لیے اتنے میلوں کا سفر طے کیا۔

## حرام مال سے صدقے کی عدمِ قبولیت کا کفارِ مکہ کو بھی یقین تھا

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے، حرام مال اگر اللہ کے راستے میں دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرتے اور یہ تو ایسی چیز ہے جس کو زمانۂ جاہلیت کے مشرکین بھی سمجھتے تھے، نبیِ کریم ﷺ کے دورِ شباب میں، بیت اللہ کو، کعبۃ اللہ کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو قریش نے جنرل مٹنگ (generalmeeting) بلائی اور اس مٹنگ میں کہا کہ دیکھو! یہ اللہ کا گھر ہمیں دوبارہ تعمیر کرنا ہے اور اللہ کے گھر کو تعمیر کرنے کے لیے حلال مال ہی استعمال کیا جائے گا، حرام نہیں، مشتبہ، ڈاؤٹ فل ہو، وہ بھی نہیں، خالص حلال؛ کیوں کہ ہماری کمائی میں حرام بھی آجاتا ہے، کسی کو لوٹ بھی لیتے ہیں تو یہ مٹنگ اس لیے بلائی ہے کہ جس کے پاس خالص حلال مال جتنا بھی ہو، لا کر کے پیش کردے، اسی

کو ہم بیت اللہ کی تعمیر میں استعمال کریں گے، اب جس کے پاس جتنا حلال مال تھا، سب لا کر جمع کر دیا، جب مجموعہ دیکھا گیا تو بیت اللہ کو بنانے کے لیے جو تخمینی بجٹ (budget) تھا وہ پورا نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس میں کم پڑ رہے تھے، جب دیکھا کہ اتنے مال سے بیت اللہ نہیں بن سکے گا تو انھوں نے یہ پلان (plan) پاس کیا کہ پورا نہیں بنتا تو بیت اللہ سے کچھ کم کر دیں گے، چنانچہ بیت اللہ کا کچھ حصہ کم کر کے اس کی تعمیر کی۔

## حرام مال اور آج کا مسلمان

جب آپ حج کے لیے جائیں گے تو وہاں حطیم دیکھیں گے، ایک دیوار ہے آدھی، نصف دائرے کی شکل میں بنی ہوئی، آدمی کے سینے تک کی اونچائی والی، وہ بیت اللہ کا ۹/فٹ جتنا حصہ کاٹ دیا، اندر سے بنایا؛ کیوں کہ اتنے پیسے نہیں تھے کہ آگے بڑھائیں تو بیت اللہ کے اندر کمی کرنا منظور کیا لیکن حرام مال اس کی تعمیر میں استعمال کرنا گوارا نہیں کیا، یہ وہ نکتہ ہے، یہ وہ پوئنٹ (point) ہے جس کو زمانۂ جاہلیت کا ایک مشرک بھی سمجھتا تھا لیکن آج کا مسلمان اس کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے، آج تو مسجد میں بھی حرام مال لا کر لوگ دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں، حالاں کہ مسجد کے ذمہ داروں کو بھی چاہیے کہ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ حرام مال ہے تو ان کے لیے قبول کرنا جائز نہیں ہے، وہ گناہ گار ہوں گے۔

## ہماری دیدہ دلیری

اس چیز کو مشرکین تو سمجھتے تھے اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ کہیں مسجد کے لیے

چندہ ہو رہا ہے، کسی کے پاس گئے تو وہ بڑی جُرأت سے کہتا ہے کہ یہ تو سود کا ہے، چلے گا؟ لینے والا بھی کہتا ہے کہ چلے گا، لاؤ۔ دونوں طرف معاملہ ایسا ہی چلتا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے، بڑی خطرناک چیز ہے۔

## حرام مال کی آمیزش حلال مال والوں کو بھی گھاٹے میں ڈالنے والی ہے

دوسرے حلال والوں کا معاملہ بھی گڑبڑ میں ڈال دیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے موقع پر جو لوگ حلال کی کمائی دیتے ہیں ان کو اس پر اعتراض کرنا چاہیے کہ یہ کیوں لیا گیا۔ اب جب اس میں حرام آئے گا تو قبولیت سے مانع ہو جائے گا۔ قربانی کے اندر کسی حرام والے کا حصّہ لگ گیا تو سب کی قربانی قبول نہیں ہوتی، صحیح نہیں ہوتی۔ احسن الفتاوی میں مسئلہ دیکھ لو، قبول تو کیا درست نہیں ہوتی۔ مسئلہ مفتی سے پوچھ لو۔ تو یہ اتنی ساری خرابی حرام کی ہے کہ اس کی وجہ سے دُعا قبول نہیں ہوتی، عبادت قبول نہیں ہوتی اور اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

## ایمان والوں کو وہی حکم دیا گیا ہے جو رسولوں کو دیا گیا تھا

تو بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا: اللہ کی ذات پاک ہے اور پاک مال کو ہی قبول کرتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں: وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ ﴿يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ وَقَالَ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو

بھی اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا۔

## حلال وحرام غذا کا قدرتی اثر

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسولوں کو کس چیز کا حکم دیا جس کا حکم اللہ نے ایمان والوں کو دیا؟ تو اپنی اس بات کی دلیل کے طور پر قرآنِ پاک کی دو آیتیں پیش کیں، پہلی آیت یہ تھی کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اے رسولو! حلال غذا کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ حلال غذا کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی خود بخود نیک اعمال کرتا ہے یعنی جب آدمی کے پیٹ میں حلال غذا جائے گی تو اس کو نیک عمل کرنے کی توفیق ملے گی، اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے اور اگر حرام غذا جائے گی تو قدرتی طور پر اس کے اعضاء اللہ کی معصیت اور نافرمانی کریں گے۔

## حلال وحرام غذا کے سلسلے میں سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: من أكل الحرام عصت جوارحه شاء أم أبى، علم أو لم يعلم: جس آدمی نے حرام غذا کھائی، اس کے اعضاء اللہ کی نافرمانی کریں گے، وہ چاہے، نہ چاہے، اس کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو، گویا حرام غذا کی قدرتی خاصیت یہ ہے کہ وہ پیٹ میں جانے کے بعد آدمی سے گناہ کے کام ہی کرائے گی۔ نیکی کی توفیق اسے حاصل نہیں ہوتی، کھانے والے کو معلوم ہو یا نہ ہو،

بے خبری میں کھالیا تو بھی اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا، یہ بات اور رہی کہ بے خبری میں کھانے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کا جو اثر ہے، وہ تو ظاہر ہوگا۔ جیسے زہر ہے، ایک تو آدمی جان بوجھ کر زہر کھائے تو یہ تو گناہ ہے کہ جان بوجھ کر اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے، تو یہ گناہ بھی ہے اور اس کا جو اثر ظاہر ہوگا، اس کی وجہ سے اس کو نقصان بھی ہوگا اور ایک بے خبری میں کسی کو کھلا دیا گیا تو ایسی صورت میں وہ گناہ گار تو نہیں ہوگا لیکن ایسا تو نہیں کہ بے خبری میں اس کے پیٹ میں زہر گیا ہے تو اس پر اس کا اثر ظاہر نہ ہو، اسی طرح بے خبری میں بھی اگر حرام غذا اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوگا اور وہ اس کو نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

## حلال غذا کی برکت

آگے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و من كان أكله حلالا أطاعته جوارحه ووفق للخيرات(۱): اور جس کی غذا حلال ہوگی، اس کے اعضاء اطاعت وفرماں برداری کریں گے اور اس آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نیک اعمال کی توفیق ہوگی، گویا حلال غذا کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو کھانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ یہ حلال غذا کی خاصیت ہے۔

(۱) احیاء العلوم ۲/۹۱، الباب الأول في فضيلة الحلال ومذمة الحرام.

# حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا مثالی تقویٰ

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گذرے ہیں، نام تھا ان کا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، ابتداء میں ان سے پڑھا پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل کی جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے، ان سے علوم کی تکمیل کی، یہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کاندھلہ کے رہنے والے تھے، جہاں کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ رہنے والے تھے بلکہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو والدہ تھی نا، وہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی تھی تو بہر حال! یہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بڑا مشہور تھا اور ان کے متعلق سب جانتے تھے کی ان کا معدہ، ان کا پیٹ حرام غذا قبول نہیں کرتا، بے خبری میں بھی اگر کھالیں تو قے ہوجاتی تھی۔

# حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دورانِ تعلیم صرف روٹی پر اکتفا کرنا

پڑھنے کے زمانے میں صرف روٹی کھاتے تھے، سالن استعمال نہیں کرتے تھے، دہلی میں رہتے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ سالن کیوں استعمال نہیں کرتے؟ تو فرمایا: دہلی کے سالنوں میں اچور پڑتا ہے- اچور کچا آم جو ہوتا ہے نا کچی کیری، اس کو کاٹ کر سُکھا لیتے ہیں اور یہ سُکھے ہوئے ''مروے'' جو ہوتے ہیں، وہ اس زمانے میں

دہلی میں سالن میں ڈالنے کا رواج تھا، ترشی اور کھٹائی کے لیے ڈالتے تھے- تو وہ کہنے لگے کہ دہلی کے سالنوں میں اچور پڑتا ہے اور یہاں آم کے باغات کی بیع شریعت کے مطابق نہیں ہوتی، وہ پھل آنے سے پہلے ہی، پھول کے آنے پر بیع ہو جاتی ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے؛ اس لیے وہ سالن استعمال نہیں کرتے تھے، خالی روٹی کھاتے تھے۔

## حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ کا تقویٰ

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ، آپ میں سے بہت سوں نے دیکھا ہوگا، وہ آم نہیں کھاتے تھے، بازار کا آم کبھی نہیں کھاتے تھے، کوئی اپنے باغ کا آم لا کر دیتا تو کھاتے تھے، بازار کا نہیں کھاتے تھے، وہ اسی لیے کہ آم کے باغات کی بیع شریعت کے مطابق نہیں ہوتی تھی۔

## حقوق العباد میں مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی احتیاط کی انتہا

تو بہر حال! یہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ، ان کا تقوے کا حال یہ تھا حضرت شیخؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ خاندان کے لوگ بھی ان کی دعوت کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں رسوائی نہ ہو جائے؛ اس لیے کہ ذرا بھی مشتبہ مال ہوتا تو قئے ہو جاتی تھی اور شور ہو جاتا تھا اور ان کا حال یہ تھا کہ کبھی دہلی سے کاندھلہ جانا ہوتا تھا تو اس زمانے میں بہلیاں چلا کرتی تھیں، اس بہلی والے سے جب دہلی سے کاندھلہ جانے کا معاملہ کرتے تھے تو بتا دیتے تھے کہ بھائی! دیکھو، میں جاؤں گا اور میرا یہ سامان، سامان کی جو گٹھڑی ہوتی تھی، وہ بھی دکھا دیتے تھے۔ کیا کرایہ لوگے، وہ بتا دیتا اور معاملہ طے

ہو جاتا، اب روانگی کے وقت جب جارہے ہوتے اور کوئی آجاتا اور پوچھتا کہ حضرت! آپ کاندھلہ جارہے ہیں؟ یہ خط ذرا پہنچا دیجیے تو حضرت فرماتے: بھائی! دیکھو، میں نے اپنا سامان بہلی والے کو بتادیا تھا، اس میں تیرا یہ خط نہیں تھا، پوچھ لے، اگر وہ اجازت دے گا تو لے جاؤں گا، ورنہ نہیں، یہ حال تھا تقوے کا۔

## حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں دعوت وتبلیغ کا رنگ انہی بزرگ کی طرف سے ورثہ میں آیا تھا

ان کی عادت یہ تھی کہ ایک جگہ ٹھیر کے نہیں رہتے تھے، مختلف گاؤں اور بستیوں کا سفر کرتے رہتے تھے، وہاں جو ویران مسجدیں ہوتی تھیں، ان کو آباد کرتے تھے، مکتب وغیرہ قائم کرتے اور لوگوں کو نماز کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو والد تھے حضرت مولانا اسماعیل صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، وہ انہی مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور ان میں انہی کی شان آئی تھی، ویران مسجدوں کو آباد کرنا، مکاتب قائم کرنا، لوگوں کو نماز کی دعوت دینا ان کا کام تھا، اسی نسبت سے وہ نظام الدین میں ٹھہرے ہوئے تھے اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے باپ شریک بھائی ہیں، ماں الگ الگ تھیں، حضرت مولانا یحیٰی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے سگے بھائی ہیں تو یہ حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے تقاضا کیا کہ یہاں آپ کے خاندان کا کوئی آدمی آجائے تو

بہتر ہے تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں بھیجا اور وہاں کے ابتدائی قیام میں آپ نے یہ کوشش کی کہ سب جگہ مکاتب قائم کیے جائیں، ویسے تو ان کے والد حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے ہی میں میوات میں ''۷۰'' مکتب قائم کیے جا چکے تھے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شروع میں یہی کوشش کی لیکن جب ماں باپ ہی پڑھے ہوئے نہ ہوں تو ان کے نزدیک دینی تعلیم کی اہمیت نہیں ہوتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کیا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کے اندر دین کی طلب پیدا کی جائے، یہ تبلیغی جماعت کا سلسلہ اسی نسبت سے دھیرے دھیرے شروع ہوا۔

## حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی دعوت کا حکیمانہ انداز

بہرحال! حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ کاندھلہ کے قریب ایک گاؤں میں گئے تو دیکھا کہ یہاں کی مسجد بالکل ویران ہے، کوئی نمازی نہیں ہے، انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں مسلمان ہیں؟ تو جواب ملا کہ ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہاں کے جو نواب صاحب ہیں، اگر وہ نمازی بن جائیں تو سب لوگ نماز پڑھنے لگیں گے۔ چنانچہ حضرت ان کے پاس گئے، ان کو سمجھایا اور نماز کی دعوت دی اور کہا کہ آپ نماز شروع کریں۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ مجھے تو ڈاڑھی مونچھ چڑھانے کی عادت ہے۔ اس زمانے میں ڈاڑھی مونچھ چڑھانے ایک فیشن تھا، جیسے آج کل مشین سے سیٹنگ کرتے ہیں تو یہ سیٹنگ صبح کرتے

تھے تو شام تک رہتی تھی، پھر دوسرے دن صبح دوبارہ محنت کرنی پڑتی تھی۔ تو انھوں نے کہا کہ میں تو ڈاڑھی چڑھاتا ہوں اور تم نماز پڑھنے کو کہتے ہو تو میں جب بھی میں وضو کروں گا تو چڑھی ہوئی ڈاڑھی نکل جائے گی تو حضرت نے کہا کہ شروع میں کرلو، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، پھر حضرت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو مسجد تک لانا میرا کام تھا، آگے تو اس کا والی ہے۔ اس نے وضو کر کے ایک نماز پڑھی پھر دوسری نماز کا وقت آیا تو ان کا وضو نہیں تھا، انھوں نے سوچا کہ جب اللہ کی عبادت ہی کرنی ہے تو پھر بغیر وضو کے کیوں کی جائے؟ تو انھوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ترک کردی اور اس کی وجہ سے وہ مسجد آباد ہوگئی۔

## گاڑھے پسینے کی کمائی کا نور

بہر حال! ان کی عادت یہ تھی کہ وہ بستیوں میں سفر کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک گاؤں میں گئے۔ آپ نے دیکھا ہوگا، دیہاتوں میں بہت سی مسجدوں میں آگے تھوڑا سا کھلا سا کمرہ ہوتا ہے، پرانے زمانے میں مسافر اس میں کھانا کھایا کرتے تھے، مسافر آتے تھے اور مسجد کے اسی کھلے کمرے کے اندر ٹھہرا کرتے تھے۔ آپ بھی اسی میں قیام فرماتے تھے، لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر چلے گئے اور اس کے بعد ایک آدمی آیا، وضو کیا، نماز پڑھی اور واپس لوٹنے لگا، اس نے دیکھا کہ کوئی مسافر مسجد کے مہمان خانے میں بیٹھا ہے، تو وہ گھر جا کر کے تین روٹیاں لے کر کے آیا اور حضرت کی خدمت میں پیش کردیں، حضرت نے کھالیں، خیر! دوسرے دن ٹھہرنے کی عادت نہیں

تھی لیکن ٹھہر گئے۔اب دن بھر وہ آدمی نظر نہیں آیا، آج بھی مغرب کی نماز پڑھ کر سب لوگ چلے گئے، اس کے بعد پھر وہ آیا، نماز پڑھی، دیکھا کہ کل والا مسافر ابھی بھی ہے، گھر گیا اور لاکر کے دو روٹیاں ان کی خدمت میں پیش کیں۔

حضرت ٹھہر گئے، تیسرے دن بھی وہ آدمی دن بھر نظر نہیں آیا پھر تیسرے دن بھی مغرب کی نماز کے بعد جب سب لوگ چلے گئے، وہ آیا اور وضو کر کے نماز پڑھی اور دیکھا کہ کل والا مسافر آج بھی موجود ہے تو گھر گیا اور ایک روٹی لا کر کے پیش کی اور ہاتھ جوڑ کے کہتا ہے: بھائی مسافر! اللہ واسطے اب تو یہاں سے چلا جا۔ حضرت نے پوچھا: بھائی! بات کیا ہے؟ سچ سچ بتا دے، اس نے کہا: دیکھو! میں ایک مزدور پیشہ آدمی ہوں اور دن بھر مزدوری کرتا ہوں اور مزدوری کی برکت سے اتنا کما لیتا ہوں، جس سے تین روٹیاں بن جاتی ہیں، میں ہوں، میری ایک بیوی ہے اور میرا ایک بچہ ہے، ہم تینوں ایک ایک روٹی کھا کر گذارا کرتے ہیں، پہلے دن میں نے تینوں روٹیاں لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیں اور ہم تینوں نے فاقہ کیا، دوسرے دن بچے میں بھوکے رہنے کی طاقت تھی نہیں؛ اس لیے اس کے حصے کی روٹی اس کو دی اور میری اور میری بیوی کے حصے کی روٹی لا کر آپ کی خدمت میں پیش کی اور آج میری بیوی میں بھی فاقے کی طاقت نہیں؛ اس لیے میرے حصے کی روٹی لا کر آپ کی خدمت میں پیش کی ہے اور کل میرے میں بھی فاقہ کرنے کی طاقت نہیں رہے گی؛ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اللہ واسطے چلے جاؤ، حضرت نے فرمایا: بھائی! میں تو اس لیے رک گیا کہ جب پہلے دن میں نے تیری تین روٹیاں کھائیں تو رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور میں نے اپنے دل

میں ایسے انوارات محسوس کیے کہ زندگی میں کبھی ایسے انوارات مجھے نظر نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ یہ کھانا تو کھانے جیسا ہے؛ اس لیے میں تو رک گیا تھا۔ یہ تھا حلال غذا کا اثر۔

## حرام غذا کا تباہ کُن اثر

حقیقت تو یہ ہے کہ حلال غذا بہت سے مسائل کو حل کر دیتی ہے، بہت سے لوگ دینی مجلسوں کے اندر بیٹھتے ہیں، وعظ و بیانات سنتے ہیں اور دل میں توبہ کا ارادہ کرتے ہیں، دین کے راستے پر آنا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے، اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی روزی میں کوئی خلل ہوتا ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے: کتاب الکبائر، اس میں انھوں نے ایک حدیث لکھی ہے کہ جب کوئی جوان نیکی کے راستے پر آتا ہے تو شیطان کے لشکر میں کھلبلی مچ جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی دوسری پارٹی میں چلا گیا، وہ فکر مند ہو جاتے ہیں کہ اس جانے والے آدمی کو دوبارہ کس طرح ہماری پارٹی میں لایا جائے۔ ابلیس کہتا ہے کہ یہ نیکی کے راستے پر گیا تو ہے لیکن اس کی غذا دیکھو کہ کیسی ہے؟ اگر اس کی غذا حرام ہے تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو اس کی توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے (۱)۔ اس لیے خاص طور پر اپنی غذا کو حلال بنانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

---

(۱) یہ ایک بزرگ یوسف بن اسباط رحمہ اللہ کا قول ہے جو ایک حدیث پر مبنی ہے: وقد روي عن يوسف بن أسباط رحمه الله قال: إن الشاب إذا تعبد قال الشيطان لأعوانه: انظروا من أين مطعمه فإن كان مطعم سوء قال: دعوه يتعب ويجتهد فقد كفاكم نفسه إن إجهاده مع أكل الحرام لا ينفعه ويؤيد ذلك ما ثبت في الصحيحين من قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الرجل الذي مطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فأنى يستجاب لذلك؟ (الكبائر للذهبي علیہ الرحمۃ ۱/۱۱۸)

## اکابرِ دیوبند کو شاہ جی عبداللہؒ کی دعوت کا انتظار

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی زبان سے خود بیان میں بھی اور مجلس میں بھی سنا ہے اور آپ کے خطبات میں بھی یہ واقعہ موجود ہے کہ دیوبند میں ایک بزرگ تھے جن کا نام تھا شاہ جی عبداللہ، جن کا ذریعۂ معاش یعنی گذر بسر کا ذریعہ یہ تھا کہ گھاس کاٹ کر لاتے تھے اور اسی سے ان کا گذارا ہوتا تھا، صبح گئے اور دوپہر تک گھاس کی ایک گٹھری لے کر کے آگئے، دیوبند کے لوگوں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے جانوروں کو انہی کے پاس سے گھاس خرید کر کے کھلائیں؛ کیوں کہ نیک آدمی تھے، ہر آدمی یہ چاہتا تھا کہ ہمارے جانور کے پیٹ میں ان بزرگ کی لائی ہوئی گھاس جائے؛ اس لیے ہر ایک یہ کوشش کرتا تھا کہ ان کے پاس سے گھاس خریدیں، جب لوگ گھاس خریدنے کے لیے بازار میں پہنچتے تھے تو یہ ابھی آئے نہیں ہوتے تھے تو لوگ ان کا انتظار کرتے تھے اور دور سے آتا ہوا دیکھتے تو دوڑ پڑتے تھے، جس نے پہلے ہاتھ رکھ دیا، یہ اپنی گھاس کی گٹھری ان کو دیتے تھے اور کہتے کہ چار آنے لاؤ۔ چار آنے یا چار پیسے جو بھی قیمت تھی۔ اب ان چار آنوں یا چار پیسوں میں سے ایک تو وہیں صدقہ کر دیتے تھے، ایک پیسہ ان کی بیٹی تھی، ان کو دیتے تھے، ایک پیسہ اپنی اس دن کی ضرورت میں لاتے تھے اور ایک کو جمع رکھتے تھے۔

## ان شیر دلوں کی اولادیں، ہیں عاشقِ حسنِ دام و درم

ہمارے بزرگوں کا معمول تو دیکھو! کمائی ان کی چار پیسے ہے اور اس میں سے

بھی ایک پیسہ اُسی وقت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ آج ہم ہزاروں کماتے ہیں تو بھی خرچ کرنے کی عادت نہیں۔ کبھی نیک کام میں مطالبہ کیا جائے تو کہے گا بھائی زکوۃ کے ہیں، چلیں گے؟ ارے زکوۃ تو تم کو دینی ہی ہے، اللہ کے راہ میں دوسرا جو نفلی صدقہ کرنا چاہیے، خرچ کرنا چاہیے، کرو۔ اس کی عادت ہی نہیں ہم لوگوں کو۔

## کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کا مال وہ ہے جو اُس نے کھایا، پیا اور پہنا اور جو اللہ کے راہ میں خرچ کیا۔ باقی تو دوسروں کا ہے، اپنا نہیں (۱)۔ آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال، میرا مال۔ وہ جب دُنیا سے جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا نہیں تھا، یہ تو بعد والوں کا ہے اور کمال تو یہ کہ خود کما رہا ہے، اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے لیے جب مانگا جاتا ہے تو بخل سے کام لیتا ہے۔ اب پھر لوگ کہیں گے کہ خرچ کر تو اب جاتے جاتے دنیا سے امید یہ رکھتا ہے کہ میرے بعد میرے بچے میرے لیے خرچ کریں گے۔ اللہ اکبر! اس سے بڑی حماقت دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے۔ تم نے کمایا، تمہارے ہاتھ میں اختیار ہے، تم تو اپنے لیے خرچ نہیں کرتے ہو۔ اب یہی مال تمہارے مرنے کے بعد دوسرے کے ہاتھ میں جائے گا۔ اس سے امید باندھے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لیے خرچ کرے۔ بیٹا ہے تو کیا ہوا؟ تم خود اپنے لیے خرچ نہیں کرتے اس سے بڑی بے وقوفی اور کیا ہو گی؟

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۷۶۰۹.

## سب سے بڑی حماقت

دنیا میں سب سے بڑی بے وقوفی یہ ہے کہ آپ امید رکھے ہوئے ہیں کہ میرا بیٹا میرے بعد خرچ کرے گا۔ ارے بھائی، تمہارا مال تھا، تم نے کمایا، تم تو اپنے لیے خرچ کرتے نہیں، بیٹا کیا خرچ کرے گا؟ اب یہ دو لاکھ چھوڑ کر گئے، دس لاکھ چھوڑ کر گئے، اب مسجد والے پہنچیں گے بھی بیٹے کے پاس اور کہیں گے کہ تمہارے ابّا کا انتقال ہوگیا، دس لاکھ چھوڑ کر کے گئے ہیں، دس ہزار ڈالر دے دو۔ تو بیٹا کہے گا تم کو بولتے ہوئے بھی ذرا خیال آتا ہے؟ دس ہزار ڈالر تو کبھی دئے جاسکتے ہیں؟ ہاں دیں گے، ہزار دو ہزار دیں گے۔ اب دیکھو تمہارے دس لاکھ میں سے دس ہزار دینے کو تیار نہیں ہے۔ کیوں دے گا تم کو؟ وہ تم نے خود تو دیئے نہیں۔ اس سے کیا اُمید رکھی جاسکتی ہے؟

## حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو بہر حال حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی خود خرچ کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی۔ یہ جو ہم خرچ کریں گے وہی ہمارے کام آنے والا ہے اور اللہ کا دیا ہوا ہے۔ یعنی

| | | |
|---|---|---|
| جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی | | حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا |

ہم پیسہ اگر اللہ کی راہ میں بھی خرچ کریں گے تو کوئی اللہ میاں پر احسان تھوڑا ہی ہے، ہمارا فائدہ ہے، یہ تو ہمارا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے پیسے کی ضرورت نہیں۔

## اپنی کمائی میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ جو اپنی محنت سے آتا تھا اس کا بیسواں حصہ، اور جو بغیر محنت کے آتا تھا اس کا دسواں حصہ اُسی وقت الگ کر دیتے تھے۔ اللہ کے راہ میں خرچ کرتے، نفلی صدقہ کرتے تھے۔ ایک تو فرض زکوۃ جو ادا کرنی ہے وہ تو کرنی ہی ہے، نفل خرچ کرنے کا بھی اپنے آپ کو عادی بناؤ، یہی چیز آخرت میں کام آئے گی، دنیا میں بھی برکت کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ صدقہ کرنے کی وجہ سے برکت آتی ہے۔

## یہ حلال غذا کی خاصیت تھی

بہر حال! شاہ جی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بیان کر رہا تھا، اب یہ ایک پیسہ جس کو جمع کیا، کچھ دنوں تک جمع کرنے کے بعد اس کے ذریعہ سے اس زمانے میں دار العلوم دیوبند کے جو اکابر تھے: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات، ان کی دعوت کرتے تھے، حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان کے کھانے کا ہمیں انتظار رہتا تھا، ان کی دعوت کھانے کے بعد دو دو مہینے تک ہم اپنے دل میں انوارات محسوس کرتے تھے اور یہ خیال آتا تھا کہ یہ نیکی کرلیں، وہ نیکی کرلیں، وہ کام نیکی کا کرلیں، یہ حلال غذا کی خاصیت تھی۔

ابھی میں نے حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ کا مقولہ نقل کیا تھا امام غزالیؒ کے

حوالے سے، جب کہ حرام غذا کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے دل میں وساوس آتے ہیں، گناہوں کے خیالات آتے ہیں، نیکی کے کاموں میں سستی آتی ہے اور گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے۔

## مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ

انہی کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ملفوظات میں ایک جگہ پر لکھا ہے: ایک مرتبہ یہ اسی طرح گھاس کی گٹھری لے کر آرہے تھے اور ایک سپاہی گھوڑے پر سوار جارہا تھا، اب سپاہی تو ایسے ہی ہوتے ہیں، اس نے دیکھا کہ یہ گھاس کی گٹھری لے کے کوئی بوڑھا آرہا ہے تو اس نے گھوڑا کھڑا کر کے ایک چابک مارا اور کہا کہ یہ گٹھری مجھے دے دے، پیسے ویسے دینے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، ان کے یہاں ایسے ہی ظلم وتعدی ہوتی ہے، ان کا مزاج ہی ایسا ہو جاتا ہے، اب جو اس نے اس میں سے اپنے گھوڑے کو گھاس ڈالی اور وہ اس کے منہ میں گئی اور گھوڑا تڑپنے لگا، وہ بڑا پریشان ہوا کہ بھائی، کیا بات ہے! کسی نے کہا کہ تو دیکھتا نہیں، یہ تو اللہ والے تھے، ان کی گھاس تیرے گھوڑے کو ہضم نہیں ہوگی، اب تو یہ مرے گا، وہ گھبرا گیا، دوڑا ہوا گیا ان کے پاس اور معافی مانگی اور ایک روپیہ دیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ مجھے ایک روپیہ نہیں چاہیے، میری روزانہ کی جو قیمت ہے، وہی دے دے۔

## جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اور ان ہی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ

کسی نے دعوت کی، چلے گئے، پتہ نہیں تھا اور کھانے کے لیے بیٹھ گئے، ایک لقمہ منہ میں رکھا، وہ حلق سے اترا اور انھوں نے محسوس کیا کہ یہ مشتبہ ہے۔ مشتبہ کا مطلب یہ ہے کہ حلال نہیں ہے بلکہ اس میں شبہ ہے، ڈاؤٹ فل جس کو کہتے ہیں، شبہ والا۔ تو حضرت نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا لیکن فرماتے ہیں کہ اس ایک لقمے کا اثر ایسا خطرناک تھا کہ کئی دنوں تک دل میں برے خیالات آتے رہے کہ یہ گناہ کرلوں، وہ گناہ کرلوں، یہ حرام غذا کا قدرتی اثر ہوتا ہے۔

تو بہرحال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے: يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ: اے رسولو! حلال غذا کھاؤ اور نیک عمل کرو، یہی حکم ایمان والوں کو دیا گیا: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی روزی میں سے حلال غذا کھاؤ۔

## اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے!

آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ: آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، آپ نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا جو لمبے سفر پر اللہ کے راستے میں: جہاد میں، طلبِ علم میں، دعوت و تبلیغ میں، عمرے میں، حج میں، اللہ کے کسی بھی راستے کے سفر پر نکلتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس سفر کی وجہ سے اس کے کپڑے غبار آلود، بال بکھرے ہوئے ہیں اور

اس حال میں وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے: یَارَبِّ یَارَبِّ: اے میرے پروردگار، اے میرے پروردگار یعنی دعا کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی، بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

## حجاج بن یوسف اور مستجاب الدعا اولیاء

دیکھو! یہ حرام غذا کی خاصیت ہے کہ اس کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی، دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ فضائلِ رمضان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھی- مستجاب الدعا اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی دعا قبول ہوتی ہے-تو ایک جماعت تھی، جب کوئی ظالم حاکم آتا تھا تو وہ بددعا کرتے تھے تو وہ حاکم ہلاک ہوجاتا تھا، حجاج بن یوسف جب کوفہ کا گورنر بن کر کے آیا تو اس کو پتہ چلا کہ اس قسم کے کچھ خطرناک لوگ ہیں جو کسی کے لیے بددعا کر دیتے ہیں تو پھر وہ بچ پاتا نہیں ہے، اس نے پتہ چلایا اور باقاعدہ ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت میں خاص طور پر ان کو مدعو کیا، جب دعوت ہوچکی تو کہا کہ اب میں آئندہ کے لیے ان کی بددعا سے محفوظ ہوگیا؛ اس لیے کہ ان کے پیٹ میں حرام کی غذا پہنچ گئی۔

## اولادِ صالحہ کے حصول کا نسخۂ کیمیا

بہر حال! ایک تو یہ ہے: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: جس نے حلال غذا کھائی۔ ہم اور آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد نیک بنے، مطیع وفرماں بردار بنے، اللہ کے حکموں

کو ماننے والی بنے تو حلال غذا کا اہتمام ضروری ہے، یہ سب سے بڑا نسخہ ہے۔اس کے بعد کبھی وہ نافرمان نہیں بنے گی، اللہ کی مطیع وفرماں بردار بنے گی، آپ کی بھی مطیع وفرماں بردار بنے گی، بہت سارے واقعات ہیں لیکن ابھی کہنے کا موقع نہیں ہے۔

## دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے

دوسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی: وَعَمِلَ فِی سُنَّۃٍ: سنت کے مطابق عمل کیا، حضورِاکرم کی سنتوں کے اتباع ہی میں انسان اور ایک مسلمان کی دونوں جہاں کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے بھیجا ہے کہ لوگ اپنی زندگی کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مطابق بنائیں۔حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، اللہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنا اسی لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات لوگوں کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتی ہے: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے، جیسے ہم کوئی کرتہ سینے کے لیے کسی درزی کو دیں اور ساتھ میں ایک دوسرا کرتہ دیں کہ اس کو ایسا سی لو، اب اگر وہ ذرا بھی ردوبدل کرے گا تو سلائی تو نہیں دیں گے، مزید براں اس سے اپنے کپڑے کی قیمت وصول کریں گے۔

## ان کا دامن تھام لے، جن کا محمد نام ہے

گویا ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبے کو، ہر حرکت وسکون کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق بنانا ہے، یہی اصل زندگی کا مقصد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی

ہمارے لیے سیمپل ہے کوئی بھی سنت ہو، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بھی سنت چھوٹی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں، چاہے وہ عبادات ہوں، معاملات ہوں، معاشرت ہو، اخلاق ہوں، جو بھی ہو ہر چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق چلنا ہی ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے۔

## جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شادرہ

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اور ہمیں حکم دیا کہ تمھیں بھی اپنی زندگیاں اسی طرح بنانی ہیں جس طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے، تمھیں بھی سب کچھ اسی طرح کرنا ہے، تمہاری عبادتیں، تمہارے معاملات، تمہاری معاشرت، تمہارا سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہونا چاہیے اور اسی کو محبت کا تقاضا قرار دیا گیا، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ تم کو اگر اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ محبت کا دعوی کرنا بہت آسان ہے لیکن دعوے کو ثابت کرنا بڑا مشکل ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی، ایک ایک چیز میں اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مطابق ڈھالنا یہ محبت ہے، جو جتنی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو اپنائے گا، اتنا ہی وہ اللہ کے یہاں محبوب اور پسندیدہ ہوگا، گویا اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت کے پرسنٹیج (percentage) اتنے ہی ہوں گے جتنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے گا، اگر سو فی صد کریں گے تو سو فی صد، پچاس فی

صد کریں گے تو پچاس فی صد، جتنا زیادہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت حاصل ہوگی۔

## کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

بہرحال! قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ تم کو اگر اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب ہر ایمان والے کو دعوی ہوتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، ورنہ ایمان ہی کہاں رہے گا، ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے ہی کا نام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۱۶۵] یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے نبی! ان ایمان والوں سے کہہ دو، کیا؟ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ کہ: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تمھارا دعوی یہ ہے کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے راستے پر چلنا جس کو اتباعِ سنت کہا جاتا ہے، یہ حُبِّ رسول کی دلیل ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ باری تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ: اس کے نتیجے میں انعام کیا ملے گا؟ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ محبت کرے گا۔

## یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح و قلم تیرے ہیں

بھائی دیکھو! دنیا کے کسی معمولی محبوب کی محبت بھی آسانی سے ہاتھ نہیں آتی،

اللہ کی محبت حاصل کرنے کا کتنا بہترین طریقہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا اور جب اللہ محبت کرے گا تو ہمارے تو سارے مسائل ہی حل ہو گئے۔

## اسی پہ رکھ اپنی نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار میں اعلان کیا کہ یہاں دربار میں جو چیزیں رکھی ہوئی ہیں، جو شخص ان میں سے جس چیز پر ہاتھ رکھ دے، وہ چیز اس کی ہو جائے گی؛ یہ اعلان سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی، کوئی اِدھر بھاگ رہا ہے، کوئی کس چیز پر قبضہ جمانے کے لیے کدھر جا رہا ہے، ایک باندی محمود غزنوی کے پیچھے کھڑی تھی، وہ وہیں کی وہیں رہی اور اس نے محمود غزنوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، محمود نے اس سے پوچھا کہ سب لوگ چیزیں لینے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، تو کیوں نہیں جا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے بھی تو ہاتھ رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ آپ نے کہا: ''دربار میں جو ہے'' تو دربار میں تو آپ بھی ہیں؛ اس لیے میں نے آپ پر ہاتھ رکھ دیا، آپ اگر میرے ہو گئے تو سب کچھ میرا ہو گیا۔

## اللہ والوں کی مقبولیت کا راز

تو اگر اللہ کسی کا ہو جائے تو اس کے تو کیا کہنے! باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ جبرئیل! میں اپنے فلانے بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس

سے محبت کرتے ہیں اور اس کے بعد آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلانے بندے سے محبت کرتے ہیں، تم بھی ان سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے سب فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الأَرْضِ (۱) اس کے بعد روئے زمین پر اس کے لیے قبولیت ڈال دی جاتی ہے یعنی مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ یہ اللہ والے جو ہوتے ہیں، کیا انھوں نے ہماری کوئی دعوت کی؟ انھوں نے ہمیں کچھ پیسے دئے؟ ہمارے دلوں میں ان کی محبت کیوں ہے؟ یہ محبت کس نے ڈالی؟ اللہ نے ڈالی اور فساق وفجار کے لیے جو بغض ہمارے دلوں میں ہوتا ہے، وہ بھی ہمارے دلوں میں اللہ نے ڈالا ہے اور اہل اللہ کی محبت بھی اللہ نے ڈالی ہے۔

## عشق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام

محبت تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عجیب وغریب اور انمول نعمت ہے کہ ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے لیکن قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا اور جب اللہ ہم سے محبت کرے گا تو ہمارے سارے مسائل ہی حل ہو جائیں گے، محبت ہی سے سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے، سفر پر نکلے، اب ان کا جہاں پروگرام تھا، وہاں اترے تو ان کے استقبال کے لیے ایک بہت بڑا مجمع جمع ہو جاتا تھا۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب ذِكْرِ الْمَلَائِكَةِ.

## ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا

ہمارے اکابر جب آتے ہیں تو آپ بھی دیکھتے ہیں اور ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ حضرت سے فیض حاصل کرے، ہر ایک چاہتا ہے کہ حضرت میری گاڑی میں سفر کریں، بڑے بڑے بنگلے والوں میں سے ہر ایک کی یہ تمنا ہے کہ میرے بنگلے میں قیام کریں، ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میرے یہاں کھانا کھائیں یعنی وہ بزرگ ذرا سا اس کی طرف التفات کر لے تو وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ دیکھو! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیسے سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے تو پیسے سے سب کچھ ملتا ہو لیکن محبت نہیں ملا کرتی۔

اب وہاں بڑا مجمع جمع ہو گیا ہے، حضرت جب اترے تو ہر ایک درخواست کر رہا ہے کہ حضرت میری گاڑی میں تشریف رکھئے، حضرت میری گاڑی میں تشریف رکھئے، اب جو پہلے سے تجویز تھا، اس کے مطابق بیٹھے، اسی طرح قیام وغیرہ کے معاملے میں پیش آیا۔

## جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

یہاں پروگرام ختم کر کے دوسری جگہ گئے تو وہاں بھی یہی چیز سامنے آئی، تیسری جگہ گئے تو وہاں بھی یہی منظر تھا تو انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ دیکھو! یہ کیا دیکھ رہے ہو؟ اگر ہم پیسوں کی تھیلی لے کر جاتے تو جس شہر میں گئے ہیں، وہاں کی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہم قیام کرتے تو وہاں راحت کا سب سامان مل جاتا، روم بھی مل جاتا، کھانا بھی مل جاتا اور آرام بھی مل جاتا، پیسے دے کر کے اچھی گاڑی میں ہم سوار بھی

ہو جاتے، سب کچھ مل جاتا لیکن یہ جو محبت ہے کہ ایک بڑا مجمع ہر وقت ساتھ لگا رہا اور ہماری توجہ اور التفات کا طالب رہا، اپنی محبتیں لٹاتا رہا، یہ سب کیسے ملتا! دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دو گے تو یہ چیز حاصل ہونے والی نہیں ہے، یہ سب کس چیز کے نتیجے میں حاصل ہوا؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوا، اسی کو باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ: کہ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میری سنتوں کا اتباع کرو، وَعَمِلَ فِی سُنَّةٍ، یہ سنت کے مطابق عمل کیا۔

## حضرت حذیفہؓ اور اتباعِ سنت کا بے مثال جذبہ

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کہیے! انھوں نے تو اپنے آپ کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے جی جان سے لگائے ہوئے تھے، اس کے خلاف کچھ بھی کرنا ناممکن تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا لقب تھا صاحبُ سرِّ الرسول، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جو راز بتلائے تھے، کسی اور کو نہیں بتلائے گئے، آپ مدائن کے گورنر تھے، مدائن عراقِ عجم کا پایۂ تخت تھا، کیپیٹل (capital) تھا، یہ کسریٰ والا جتنا بھی علاقہ تھا، شاہِ ایران کا، اس کا یہ کیپیٹل تھا، وہاں کے یہ گورنر تھے، ایک مرتبہ کھانے کے لیے بیٹھے، لقمہ ہاتھ میں لیا تو نیچے گر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ لقمہ گر جائے تو اس کو شیطان کے لیے مت چھوڑو بلکہ اٹھا کر صاف کر لو اور صاف کر کے اس کو

کھاؤ(۱)، چنانچہ انھوں نے اس گرے ہوئے لقمے کو اٹھایا، صاف کیا اور کھایا۔ ان کا ایک غلام تھا پارسی، ابھی وہ مسلمان نہیں ہوا تھا، وہ خدمت میں رہتا تھا، اس کو تعجب ہوا اور کہا: آقا! آپ نے یہ گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کے صاف کر کے کھالیا، یہاں تو لوگ اس کو بہت برا سمجھتے ہیں، یہاں کی تہذیب نہیں ہے یہ، یہاں ایسے آدمی کو لوگ سمجھیں گے کہ بھکاری ہے، نادیدہ ہے، کبھی کوئی کھانا دیکھا ہے یا نہیں کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھاتا ہے، جب اس نے بات کہی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا؟ ہمیں اس جواب کو اپنے دل پر نقش کر لینے کی ضرورت ہے، فرمایا: أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء: ان بے وقوفوں کی خاطر کیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، اپنے محبوب کی سنت چھوڑ دوں گا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی محبت ان کے دل کے اندر کیسی تھی! ؎

| | | |
|---|---|---|
| لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکین | | پر وہ نہ سمجھیں میری محبت کے قابل نہ رہا |

## کتابِ کفر در بغل، خدا کا نام بسر زباں

اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں، وہ یہ تو سوچتے ہی نہیں لوگوں کی رائے ہمارے متعلق کیا ہوگی، وہ بھاڑ میں جائیں، ہمارا کیا جاتا ہے، ہم کو تو ہمارے حبیب کو دیکھنا ہے، ہمارا محبوب جو کرتا تھا، وہ ہمیں کرنا ہے۔ آج ہمارا حال کیا ہے، نماز کا وقت آ گیا، کھیل

---

(۱) إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذًى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ الحديث (صحيح المسلم، عَنْ جَابِرٍ، بَابُ اسْتِحْبَابِ لَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالْقَصْعَةِ وَأَكْلِ اللُّقْمَةِ السَّاقِطَةِ بَعْدَ مَسْحِ مَا يُصِيبُهَا مِنْ أَذًى وَكَرَاهَةِ مَسْحِ الْيَدِ قَبْلَ لَعْقِهَا)

میں مشغول ہیں، اسٹیڈیم میں بیٹھے ہیں، ٹی.وی کے سامنے بیٹھے ہیں، فرض نماز ہے، نفل بھی نہیں ہے، اس کو بلا جھجھک چھوڑ رہے ہیں۔

## بھُلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا، مٹا ہی دیتا ہو جس کو گردوں

شادی، بیاہ، موت میت کی رسومات میں کیا ہوتا ہے، نہیں کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے، گویا ہم نے اپنے آپ کو لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا، بھائی! لوگوں کی خواہشات پر کب تک چلتے رہو گے، سب کچھ کرو، تب بھی تم لوگوں کی نگاہ میں محبوب بن سکتے نہیں ہو، جو لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

## حضرت معاویہؓ کو حضرت عائشہؓ کی نصیحت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے اور لمبی نصیحت نہ ہو، مختصر ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں لکھا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ (۱) جو آدمی اللہ کی خوشنودی لوگوں کو ناراض کر کے حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ناراضگی کے لیے اس کو کافی ہو جائے گا، لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ اس کو کوئی نقصان پہنچنے نہیں دیں گے اور جو لوگوں کی خوشنودی حاصل کرے گا اللہ کو ناراض کر کے، اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۹۷.

حوالے کردیں گے۔ضرورت ہے کہ ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام کریں۔

## اتباعِ سنت پر اللہ تعالیٰ کے چار وعدے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آدمی نے میری سنت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو چار چیزیں عطا فرماتے ہیں:

ایک تو المحبۃ فی قلوب الصالحین: نیک لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ اس کی محبت ڈال دیتے ہیں، اللہ کے نیک بندے اس سے پیار کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں، یہ اللہ والوں کے ساتھ مجھے اور آپ کو سب کو محبت ہوتی ہے، کیا انھوں نے ہمیں کھانا کھلایا، پیسے دئے، کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں، اللہ نے ان کی محبت ہمارے دل میں ڈال دی، ہمارے سامنے کوئی ان کے متعلق کوئی نامناسب بات بولے گا تو ہم لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، اپنے کسی عزیز کے متعلق بولا ہو تو برداشت کرلیں گے لیکن ان کے متعلق کوئی بات برداشت نہیں کریں گے، یہ کیا ہے؟ یہ محبت کس نے ڈالی؟ یہ اتباعِ سنت کے نتیجے میں ہے۔

والھیبۃ فی قلوب الفجرۃ: اور جو گناہ گار، بدمعاش لوگ ہیں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی ہیبت ڈال دیتے ہیں، اس کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کے سامنے آکر کچھ کر پائے۔

والسعۃ فی الرزق: اور اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں کشادگی عطا فرماتے ہیں۔

والصلبۃ فی الدین: اور دین میں مضبوطی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں۔

# حضرت گنگوہیؒ کی ہیبت ورعب

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک مرتبہ ہمارے حضرت نے سنایا۔ چوں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ مل کر حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شاملی کے میدان میں انگریزوں کے ساتھ جہاد بھی کیا تھا، اگرچہ اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، بعد میں ان حضرات کے خلاف وارنٹ جاری ہوئے، اسی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ مظفر نگر ضلع کا جو کلیکٹر تھا اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ لوگ جنھوں نے ہماری حکومت کے خلاف جنگ لڑی تھی، وہ کون ہیں؟ میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے گنگوہ کی طرف نکلا، حضرت کو کسی نے بتلایا کہ کلیکٹر آپ کی ملاقات کے لیے آرہا ہے، جب وہ آبادی کے قریب آیا تو حضرت اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور کواڑ بند کر لیے، وہ آیا، تھوڑی دیر بیٹھا لیکن اس کو یہ ہمت اور جرأت نہیں ہوئی کہ وہ کواڑ کھلوائے یا کھٹکھٹائے، بس تھوڑی دیر انتظار کر کے واپس چلا گیا لیکن حضرت اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے۔ دوسری مرتبہ اس کلیکٹر کا دورہ تھا تو لوگوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کلیکٹر کا دورہ ہے اور دیوبند کے مدرسے کے متعلق کچھ غلط شکایتیں حکومت میں پہنچائی گئی ہیں، اگر آپ کلیکٹر سے ملاقات کر لیں تو اس کا تصفیہ ہو جائے اور مدرسے کا نقصان نہیں ہوگا

تو مدرسے کا معاملہ تھا؛ اس لیے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

## محبت جس نے کی تم سے خدا کو پالیا اس نے

حضرت سرکاری مہمان خانے میں جہاں اس کا قیام تھا جانے کے لیے نکلے۔ اس زمانے میں سواری کے لیے بڑے لوگوں کے پاس پالکی ہوا کرتی تھی، حضرت کی پالکی بڑے بڑے علماء: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اٹھایا کرتے تھے۔ تو حضرت کی پالکی کو اس مکان کے سامنے لے جا کر کے رکھا جس میں وہ کلیکٹر ٹھہرا ہوا تھا تو وہ کھلے پیر دوڑا ہوا آیا، حضرت پالکی سے باہر آئے، اس نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت نے مصافحہ کیا لیکن اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ اس نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کرو تو حضرت نے فرمایا کہ انصاف کرو اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ یہ کہا اور پالکی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت کے جانے کے بعد کلیکٹر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھا؟ یہ آئے تو میرا دل ''دھک دھک'' کر رہا تھا اور وہ چلے گئے تو مجھے اطمینان ہوا تو لوگوں نے کہا کہ یہ وہی تھے جن کی ملاقات کے لیے تم ایک مرتبہ گئے تھے لیکن وہ تمھاری ملاقات کے لیے باہر نہیں نکلے تھے۔ اتباعِ سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ رعب و ہیبت عطا فرمائی تھی۔

## حضرت گنگوہیؒ کا عمل سنت کا عملی نمونہ ہوتا تھا

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اتباعِ سنت کا اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ لوگ یہ

معلوم کرنے کے لیے کہ کون سے کام میں سنت طریقہ کیا ہے؟ حضرت کے عمل کو دیکھتے تھے۔ایک مسئلے میں لوگوں کا اختلاف ہوا کہ اس میں اصل سنت کیا ہے؟ تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان علماء سے کہا کہ اس سلسلے میں ہمارے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کیا ہے، وہ دیکھ لو۔ آپ کا جو عمل ہوگا، وہی اصل سنت ہوگی تو آپ کا ہر عمل سنت کے مطابق ہوتا تھا۔

## حضرت گنگوہیؒ کی کمالِ اتباعِ سنت کی طرف اشارہ

کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہی ہے، اس نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم پڑتا ہے، وہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنا قدم رکھتے ہیں، بالکل پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہ کمالِ اتباعِ سنت کی طرف اشارہ تھا۔

## اتباعِ سنت کے معاملے میں حضرت گنگوہیؒ کا امتحان

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ جو لوگ یوپی کے علاقوں میں گئے ہیں، وہ وہاں کی مسجدوں کا حال جانتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی مسجدوں میں تو مسجد کی شرعی حد جہاں ختم ہوتی ہے، اس کے بعد جوتے، چپل رکھنے کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام ہوتا ہے اور وہاں تو پوری مسجد ہی ہوتی ہے، جہاں باہر نکلے کہ مسجد کی حد ختم ہوگئی، جوتے، چپل کے لیے وہاں علیحدہ جگہ نہیں ہوتی بلکہ مسجد جہاں ختم ہوئی، اسی جگہ جوتے چپل اتارے جاتے

ہیں۔اب مسجد میں داخل ہونے کی سنت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں رکھے اور دعا پڑھے: بسم اللّٰہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور دایاں پاؤں رکھا پھر بایاں رکھا اور نکلتے وقت بسم اللّٰہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ: پڑھے اور الٹا پاؤں پہلے باہر نکالے پھر سیدھا پیر نکالے اور جوتا پہننے میں پہلے سیدھے پیر کا جوتا پہنا جائے گا،اس کے بعد الٹے پیر میں پہنا جائے گا۔

## وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا

چندلوگوں نے آپس میں طے کیا کہ حضرت ان دوسنتوں پر کس طرح عمل کرتے ہیں،ہم ذرا اس کا امتحان لیں،چنانچہ انھوں نے حضرت کے جوتے مسجد کی باؤنڈری سے بالکل متصل رکھ دئے،اس طرح کہ باہر نکلتے ہی فوراً جوتے پہننے پڑیں۔اب اگر پہلے جوتے پہننے جاتے ہیں تو سنت پر عمل کرنے کے لیے پہلے دایاں پیر مسجد سے نکالنا پڑتا ہے اور یہ مسجد سے باہر نکلنے کے سنت طریقے کے خلاف ہے اور اگر مسجد سے باہر نکلنے کے سنت طریقے پر عمل کرتے ہیں اور بایاں پاؤں پہلے نکالتے ہیں تو جوتا پہننے کی سنت چھوٹتی ہے کہ پہلے بایاں پیر جوتے میں داخل کرنا پڑتا ہے تو اب ان دونوں سنتوں پر ایک ساتھ حضرت کیسے عمل کرتے ہیں۔انھوں نے حضرت کو دیکھا کہ آپ نے پہلے بایاں پیر مسجد سے باہر نکال کر بائیں جوتے میں داخل کیے بغیر اس کے اوپر رکھ دیا پھر سیدھا پاؤں نکالا اور سیدھے جوتے کے اندر ڈالا اور اس کے بعد پھر بایاں پاؤں بائیں جوتے

کے اندر ڈالا، اس طرح حضرت نے دونوں سنتوں کو جمع کر دیا۔ ہمارے یہاں بعض لوگ مسجد کی حد ختم ہو چکی ہوتی ہے پھر بھی اس واقعہ کو سن کر ایسا کرتے ہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اس جگہ کے لیے ہے جہاں مسجد سے بالکل لگ کر جوتے رکھے گئے ہوں۔

## الاستقامة خير من الف كرامة

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سنتوں کا کس قدر اہتمام تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں ایک شخص آیا اور پانچ چھ مہینے قیام کیا اور جانے کا ارادہ کیا تو جاتے وقت کہتا ہے کہ چھ مہینے رہا لیکن کوئی کرامت نظر نہیں آئی، حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم نے میرا کوئی کام خلافِ سنت اور سنت سے ہٹ کر دیکھا تو اس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ اور کیا کرامت چاہیے! الا ستقامة خير من الف كرامة: آدمی کا شریعت کے اوپر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنا اور ہر چیز میں حکمِ شرعی کے مطابق عمل کرنا، اسی کو استقامت کہتے ہیں اور یہ ہزار کرامتوں سے بہتر ہے، کرامت کی کیا حیثیت ہے؟

## اتباعِ سنت اصل کمال کی چیز ہے

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر مسجد میں رکھتا ہے اور ایک دوسرا آدمی سو مرتبہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس کے مقابلے میں یہ اور اس کا عمل بڑھ کر کے ہے؛ اس لیے کہ اس طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے اس کو اللہ کا قرب حاصل ہوا،

اللہ کی محبت ملی؛ اس لیے کہ سنت کی پیروی ہوئی تو اللہ کی محبت تو حاصل ہونے ہی والی ہے، جیسا کہ ابھی آپ نے سنا اور وہ اللہ کے اولیاء میں شامل ہوا اور جو شخص سو مرتبہ ہوا میں اڑا ہے تو اس کے اس طرح ہوا میں اڑنے سے کیا اس کو اللہ کا کوئی قرب حاصل ہوا؟ اللہ کی محبت میں اضافہ ہوا؟ وہ تو مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے تو ہوا میں اڑنا کوئی کمال نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی جائے۔ تو سنت کی پیروی اصل کمال کی چیز ہے، اس کا خاص اہتمام کیا جائے، ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

## آج ۲۳ ر سال کے بعد تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی

ایک مرتبہ دیوبند کے اندر دستار بندی کا جلسہ تھا، اس زمانے میں کچھ وقفے سے یہ جلسہ ہوتا رہتا تھا، اس زمانے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے سرپرست تھے، آپ اس جلسے میں تشریف لے گئے۔ اذان ہوئی تو اذان کی آواز سنتے ہی آپ مسجد کی طرف روانہ ہو گئے لیکن مجمع بہت زیادہ تھا، راستے میں لوگ مصافحے کے لیے بھی روکتے رہے تو مسجد پہنچتے پہنچتے کچھ دیر ہو گئی، اس زمانے میں حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امامت کراتے تھے، آپ مصلے پر جا چکے تھے اور اقامت کہی جا چکی تھی اور اللہ اکبر بھی کہہ دیا تو آپ تکبیرِ اولیٰ، تکبیرِ تحریمہ میں شریک نہیں ہو پائے، نماز کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر حزن و ملال اور غمگینی کے آثار ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کے خدّامِ خاص نے کہا کہ حضرت! نماز سے پہلے تو آپ خوش وخرم تھے اور

ابھی ہم آپ کو کافی غم زدہ دیکھ رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ رشید احمد کے لیے اس سے زیادہ غم کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آج ۲۳ رسال کے بعد تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی۔

## حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور اتباعِ سنت کا اہتمام

ہمارے اکابر کے یہاں ان امورِ دین کا اہتمام بہت زیادہ ہوتا تھا، جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام کرنا۔ آپ سب کچھ کر رہے ہیں لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کے بارے میں اتنی سخت تاکیدیں ہیں، آپ اس کا اہتمام نہیں کرتے! حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ بیماری کے زمانے میں جب آپ کے لیے چلنا ممکن نہیں تھا تو دو آدمیوں کے سہارے سے کمرے سے نکل کر مسجد کے اندر آتے تھے، اس حال میں کہ پاؤں گھسٹ رہے ہیں، اس کے اندر بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا خیال ہے۔ مرض الوفات میں آپ دو آدمیوں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے، حالاں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کمزوری کی وجہ سے گھسٹ رہے تھے۔ یہ ہے سنت کی پیروی اور یہی اصل ہے، کرامتیں ہزار بھی ہوں تو ان کرامتوں سے کچھ جنت ملنے والی نہیں ہے، جنت تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور اتباعِ سنت کے اہتمام کی وجہ سے ملے گی۔

## حضرت مجدّ دِالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرت مجدّ دِالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، بہت بڑا کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے۔ اکبر بادشاہ نے دینِ اِلٰہی قائم کر کے پورے ہندوستان میں لوگوں

کو ملحد بنانا چاہا تھا اور مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تھے تو حضرت ہی کی محنتوں اور کاوشوں سے اسلام اس ملک میں دوبارہ زندہ ہوا۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اتباعِ سنت کا بہت زیادہ اہتمام تھا، بے خبری میں بھی خلافِ سنت کوئی کام نہیں ہوتا تھا، ہر کام سنت کے مطابق انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار تھے، بے ہوش ہو گئے، اس حالت میں پیشاب نکل گیا تو پائجامہ خراب ہو گیا، خدّام نے اسی بے ہوشی کی حالت میں خراب پائجامہ نکال کر صاف ستھرا پائجامہ بدلوانے کی کوشش کی تو انھوں نے بے خبری میں پہلے دائیں پیر کا پائنچہ نکالنے کی کوشش کی۔ نکالنے والوں کو خیال نہیں رہا کہ نکالتے ہوئے پہلے بائیں پیر کا پائنچہ نکالنا چاہیے اور یہ سنت ہے تو بہر حال! انھوں نے پہلے دائیں پیر کا پائنچہ نکالنے کی کوشش کی تو حضرت نے بے ہوشی ہی کی حالت میں پیر جھٹک دیا۔

## بیماری اور کمزوری میں بھی اتباعِ سنت کا بے مثال جذبہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ بیماری کی حالت میں چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، کمزوری اتنی زیادہ تھی کہ اپنے ہاتھوں سے ان کو نکال نہیں سکتے تھے تو اشارہ کیا کہ اس کو نکالو، جب لوگ نکالنے لگے تو اسی طرح بے خیالی میں الٹے پاؤں کے بجائے سیدھے پاؤں سے پہلے نکالنے لگے تو حضرت نے فوراً پاؤں کھینچ لیا، اب وہ سوچنے لگے کہ ایک طرف تو موزے نکالنے کو کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو پاؤں کھینچ لیتے ہیں، دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، اسی دوران حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ: حضرت جی ثانی

تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کو یہ قصہ بتایا تو حضرت جی نے فرمایا کہ تم پہلے سیدھے پاؤں سے موزے نکالتے ہو تو حضرت کھینچ ہی لیں گے نا! پہلے الٹے پاؤں سے نکالو۔

## سنتوں کی طرف سے ہماری غفلت

تو یہ تھا ہمارے اسلاف میں سنتوں کے اہتمام کا جذبہ اور آج ہمارا حال کیا ہے؟ آج ہمارے پاس بہت سی سنتیں ہیں اور ہمیں ان کا علم بھی ہے لیکن ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنت کے مطابق بنانے کا اہتمام کریں، آج ہی سے سوچ لو، اپنی زندگی کا جائزہ لے لو کہ بھائی ہماری زندگی میں کہاں کہاں سنتیں چھوٹ رہی ہیں، بہت سی سنتیں ہیں جو مجھے اور آپ کو معلوم ہیں لیکن ہمارا ان پر عمل نہیں ہے۔ دیکھو رات کو ابھی جا کے سو جائیں گے، سوتے وقت کی دعا، سونے کا طریقہ کہ دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر کے لیٹنا، یہ سنت کا طریقہ ہے، باوضو ہو اور پھر دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيِيْ (۱)، سب کو معلوم ہے، شاید ہی اس مجلس میں کوئی ایسا ہو جس کو یہ معلوم نہ ہو لیکن میں اگر پوچھوں کہ کل رات جب آپ سوئے تھے تو کتنوں نے یہ دعا پڑھی تھی؟ دعا ہم سب کو معلوم ہے لیکن عمل کتنوں کا ہے؟

## بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ اور ہماری غفلت

بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ کہ آدمی پہلے دعا پڑھ لے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ.

أَعُوذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث (۱)، پھر بایاں پاؤں پہلے رکھے پھر دایاں پاؤں رکھے، فارغ ہوکر جب نکلے تو پہلے دایاں پاؤں نکالے پھر الٹا پاؤں نکالے پھر دعا پڑھ لے: غُفْرَانَکَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الأَذٰی وَعَافَانِي (۲)، بہت سے ہیں جن کو یہ طریقہ معلوم ہے، دعا معلوم ہے لیکن اگر میں پوچھوں گا کہ ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوئے تھے تو کیسے داخل ہوئے تھے؟ تو جواب ملے گا کہ معلوم نہیں! قضائے حاجت کا جب موقع آتا ہے نا تو بھاگتے دوڑتے جائیں گے اور دروازہ کھول کے گھس گئے، نہ دعا یاد، نہ یہ معلوم کہ پہلے سیدھا پاؤں اندر پڑا پھر الٹا یا پہلے الٹا اندر گیا پھر دایاں، کچھ پتہ نہیں۔ ہے یا نہیں؟ یہ ہمارا حال ہے کہ جو سنتیں معلوم ہیں، ان پر عمل نہیں کرتے۔

## مسجد میں جانے کا سنت طریقہ اور اس کی طرف سے ہماری غفلت

مسجد میں جانے کا سنت طریقہ بہت سوں کو معلوم ہے کہ بھائی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھ لو: بسم اللّٰہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پہلے درود پڑھنے کا ہے پھر دعا اور پھر داخل ہونا ہے پھر جب واپس نکلے تو اسی طرح پڑھے: بسم اللّٰہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا یَقُولُ عِنْدَ الْخَلَاءِ.

(۲) یہ دو حدیثوں میں مذکور دو مختلف دعاؤں کا مجموعہ ہے، غُفْرَانَكَ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے جس کو ابوداود وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الأَذٰی وَعَافَانِي حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جس کو ابنِ ماجہ وغیرہ میں روایت کیا گیا ہے۔

مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ (۱): ہمیں یہ دعا بھی معلوم ہے اور طریقہ بھی معلوم ہے لیکن جب آئیں گے مسجد میں تو خیال نہیں رہتا، پتہ نہیں کس چکر میں آتے ہیں اور کن خیالات میں گم ہیں، یوں ہی داخل ہو گئے، یہ کیا زندگی ہے! سوچو! اس پر عمل کا طریقہ یہ ہے کہ اگر بے خیالی میں مسجد کے اندر داخل ہو گئے تو باہر نکل جاؤ اور پھر دوبارہ باقاعدہ جیسا سنت طریقہ ہے، اس کے مطابق آ ؤ، چند مرتبہ ایسا کرو گے تو إن شاء اللہ آپ کو اس کی عادت پڑ جائے گی۔

اور ساتھ میں یہ اہتمام بھی کہ جس وقت عمل کریں، یہ سوچ کر کریں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، میں بھی اسی لیے کر رہا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے، یہ سوچے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں آئے گی، سنت کے برکات آئیں گے۔

## عمل بالسنہ کے استحضار کی برکات کے بارے میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا مقولہ

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بہت بڑے بزرگ تھے، ۱۰۵ رسال کی عمر پائی، ''گنج مرادآباد'' اِلٰہ آباد کے قریب ایک قصبہ ہے، آپ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے، بڑے صاحبِ نسبت بزرگ تھے، وہ فرماتے تھے کہ جب بھی تم سنت پر عمل کرو تو اس تصور کے ساتھ سنتوں پر عمل کرو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، مثلاً آپ سونے جا رہے ہیں

(۱) عَنْ أَبِی حُمَیْدٍ، أَوْ أَبِی أُسَیْدٍ الأَنْصَارِیِّ، ابوداود، بَابُ فِیمَا یَقُولُہُ الرَّجُلُ عِنْدَ دُخُولِہِ الْمَسْجِدَ.

تو سوتے وقت پہلے وضو کر لیجیے، پھر دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھیں اور دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا، تو جب آپ باوضو سونے کے لیے وضو کر رہے ہیں تو اس وقت دل میں یہ خیال ہونا چاہیے کہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوضو سوتے تھے؛ اس لیے میں بھی باوضو سونے کے لیے یہ وضو کر رہا ہوں، پھر جب دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر سونے لگے تو یہ تصور کرو کہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سونے کا طریقہ یہی تھا، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں آئے گی۔

## اخلاصِ نیت کے ساتھ احتساب بھی ضروری ہے

شریعت میں نیت اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ احتساب بھی ضروری ہے یعنی دل میں یہ تصور ہو کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ثواب ملے گا اور یہ استحضار بھی ضروری ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ ہے، سنت طریقے کے مطابق عمل کرنا ہے لیکن غفلت کے ساتھ نہیں، اگر بے خبری میں کریں گے تو سنت تو ادا ہو جائے گی لیکن اس سنت کی ادائگی کے جو فوائد اور انوارات ہیں، وہ کماحقہٗ حاصل نہیں ہوں گے تو حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس طرح استحضار کے ساتھ سنتوں پر عمل کرو گے تو چند دنوں میں صاحبِ نسبت نہ بن جاؤ تو مجھے کہنا، دیکھو! اس کی وجہ سے چند دنوں کے اندر ہماری زندگی میں انقلاب پیدا ہو جائے گا۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کرنے کا اکسیر نسخہ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ خواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہو اور کون مؤمن ہے جس کی یہ تمنا نہ ہو لیکن خواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کا ہونا ہمارے اختیار میں تو نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں تم کو ایک ایسی چیز بتلاتا ہوں جس کی وجہ سے تم کو ہر وقت معنوی اور روحانی طور پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت حاصل ہوگی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور حاصل ہوگا اور وہ یہ کہ تم دو کام کرو: ایک یہ کہ جب تم کھانے کے لیے بیٹھو تو ہاتھ دھو کر بیٹھو؛ کیوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھانے کے لیے بیٹھتے تھے تو ہاتھ دھو کر بیٹھتے تھے اور بیٹھو تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کے مطابق بیٹھو اور یہ سوچو کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھانے کے لیے اسی طرح بیٹھتے تھے، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور یہ سوچو کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے، بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اور یہ سوچ کر کھاؤ کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی بسم اللہ پڑھ کر کے کھاتے تھے، اپنے سامنے سے کھاؤ، یہ سوچ کر کھاؤ کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اپنے سامنے سے کھاتے تھے، یعنی ہر وقت، ہر سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ تصور رہے کہ یہ کام نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

مسجد سے نکل رہے ہیں تو دعا پڑھتے ہوئے اور بایاں پاؤں نکالتے ہوئے یہی سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اسی طرح مسجد سے نکلتے تھے کہ پہلے بایاں پاؤں مبارک نکالتے تھے تو اس طرح کرنے سے ہر وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور رہے گا، ہر وقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور دل و دماغ پر چھایا رہے گا، یہ خواب والی زیارت سے بہت بہتر ہے تو ضرورت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی جائے۔ ہمارے اکابر میں سنتوں کی پیروی کا بہت زیادہ اہتمام پایا دیکھنے کو ملتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب دلانے والی ہے۔

## حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے متعلق ان کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ حضرت جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ زیارت کے لیے گئے تو وہاں روضۂ اقدس پر مواجہہ شریف یعنی وہ جالی مبارک جس کے سامنے کھڑے رہ کر سلام پیش کیا جاتا ہے، جو لوگ گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہاں جالی کے سامنے بڑے فاصلے پر: دو صف کے فاصلے سے دو ستون ہیں، عام طور پر ہمارے اکابر کی عادت یہ تھی کہ وہ بیچ کی جالی ہے، اس کے سامنے کا جو ستون ہے، اس ستون کے ذرا پیچھے کھڑے رہتے، میں نے بھی اپنے حضرت کو دیکھا کہ اسی طرح سلام کرتے تھے، اور آگے نہیں بڑھتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ اسی ستون کے پاس کھڑے رہ کر سلام پیش کرتا تھا۔ آپ لوگ دیکھتے ہوں گے کہ لوگ بالکل قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں، جالی سے چپکنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اب تو چپکنے کی شکل نہیں رہی کہ ان لوگوں نے دیوار سی بنادی ہے، پہلے دیوار نہیں تھی تو اس وقت جالی کے پاس جاتے تھے اور اس کو چھوتے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام

تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میں زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ لوگ بالکل جالی کے قریب پہنچ رہے ہیں اور اس کو چھو رہے ہیں، ایک مرتبہ میں اسی طرح زیارت کر رہا تھا کہ میرے دل میں ایک دم، غیر اختیاری طور پر خیال آیا کہ تو کیسا محروم ہے کہ یہاں آنے کے بعد بھی قریب نہیں جاتا، دیکھو! لوگ قریب جا رہے ہیں اور تو اتنا دور کھڑا ہے، دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ اس دوران میں نے آواز سنی، اندر سے آواز آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو لوگ میری سنت پر عمل کرتے ہیں، وہ مجھ سے قریب ہیں، چاہے ہزاروں میل دور رہیں اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرتے ہیں، وہ مجھ سے دور ہیں، چاہے میری جالی سے چپکے ہوئے ہوں اور یہ بھی فرمایا: ''لوگوں کو میری یہ بات بتا دو'' چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیانات میں یہ بات بیان فرماتے تھے لیکن یہ کہہ کر نہیں کہ یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آیا بلکہ یہ کہہ کر اللہ کا ایک بندہ حج میں گیا تھا، اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت کی ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ اگر کوئی ہے تو وہ اتباعِ سنت ہے، یہی چیز ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کرے گی، ورنہ سب کچھ کرتے ہو اور سنت کی اتباع کا اہتمام نہیں ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہے؛ اس لیے ہر چیز میں سنتوں کی اتباع کا اہتمام ضروری ہے۔

## سنت پر عمل کے وقت اس کا استحضار حبِّ رسول پیدا ہونے کا ذریعہ ہے

اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرتے ہوئے دل میں یہ خیال ہو، جیسے میں نے کہا کہ بیت الخلاء میں جانے کا طریقہ تو جانا سنت طریقے کے مطابق ہو اور ساتھ میں دل کے اندر یہ تصور بھی ہو کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے تو اسی طرح دعا پڑھتے تھے اور اسی طرح پہلے الٹا پاؤں رکھتے تھے پھر سیدھا پاؤں، میں بھی اسی لیے کر رہا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا ہے، یہ سوچے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت دل میں آئے گی، سنت کے برکات آئیں گے۔

## عمل بالسنہ میں کوئی دشواری نہیں ہے

ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، ہمارا کھانا، ہمارا پینا، ہمارا سونا، ہمارا لیٹنا، ہمارا اٹھنا، ہمارا بیٹھنا۔ بہت سی سنتیں ہیں، اس میں کچھ پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا، کچھ کرنا نہیں پڑتا، بھائی! آپ کھانے کے لیے بیٹھیں گے نا تو کسی نہ کسی طرح بیٹھیں گے نا، کوئی بھی طریقہ بیٹھنے کا اختیار کریں گے تو جو طریقہ کھاتے وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے، وہ کیوں نہ اختیار کریں؟ کھائیں گے تو کسی نہ کسی ہاتھ سے کھائیں گے، دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس ہاتھ سے کھاتے تھے، اس ہاتھ سے کیوں نہ کھائیں؟ کھانے سے پہلے یوں بھی ہم بکواس تو کرتے ہی رہتے ہیں، یہ بولے، وہ بولے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھی تو ہم کیوں نہ پڑھیں، گویا ہر

کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو۔

## یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

آج ہی آپ اور ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے، یہاں سے جانے کے بعد ہم بیٹھیں اور غور کریں کہ میں کھاتا ہوں تو کس طرح؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ میں بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق داخل ہوتا ہوں یا نہیں؟ یہ بہت آسان ہے، اس میں کوئی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا، ایک سنت پر عمل کرنے سے دل میں جو انوارات آئیں گے، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، یہ وہ قیمتی چیز ہے جس کے نتیجے میں ہماری زندگیاں اللہ کے یہاں قیمتی بن جائیں گی، ہم اللہ کے محبوب اور لاڈلے بن جائیں گے۔

## وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر مکہ والوں کے پاس پیغام دے کر بھیجا تھا، جب وہ جانے لگے، ان کے قبیلے والوں کو پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آرہے ہیں تو ان کے قبیلے کے لوگ مکے میں زیادہ تھے اور زیادہ قوت والے تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارے قبیلے کا آدمی آرہا ہے، یہ ان کے لیے عزت کی چیز تھی، وہ سب باقاعدہ ہتھیار لگا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے مکہ سے باہر آئے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو ساتھ لے کر گئے کہ کوئی بھی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا، تم جو چاہو کرو۔ خیر انھوں نے مکہ کے سرداروں کو پیغام پہنچایا، وہاں جو ضعفائے

مسلمین تھے، ان کو پیغام دیا گیا تھا، وہ بھی پہنچایا، جب فارغ ہو گئے تو - یہ بات کہنی تھی مجھے - جس وقت ان کو ان کے قبیلے والے لے جا رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے، اب مکہ والوں کا فیشن (fashion) یہ تھا کہ وہ لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے، زمین سے گھسٹے، اس طرح پہننے کی عادت تھی اور اس کو فخر کی چیز سمجھتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبیلے والوں نے دیکھا کہ ان کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے تو کہا کہ دیکھو عثمان! تم مکہ کے سرداروں سے ملنے کے لیے جا رہے ہو اور وہاں کا فیشن یہ ہے اور وہ ایسے آدمی کو جس کی لنگی اس طرح آدھی پنڈلی پر ہو بہت حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں؛ اس لیے تم بھی اپنی لنگی ذرا نیچی کرو۔

## اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

حضرت عثمانؓ نے جواب میں کیا کہا؟ فرمایا: میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی بھی اسی طرح ہوتی ہے، میں اپنی لنگی کو ذرا بھی ہٹا سکتا نہیں، یہ تھا وہ جذبہ، یہ وہ محبت تھی۔ آج ہمارے اندر اس ایمانی غیرت کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے اگر ہم اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی عزت عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی عطا فرمائے گا۔ آج ہماری جو رسوائی ہو رہی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

## حاضرین سے ایک عہد

دیکھو! آج میں آپ سے وعدہ لیتا ہوں، یہاں جو مجمع بیٹھا ہے، ان میں سے

ہر ایک کو کچھ نہ کچھ سنتیں تو یاد ہیں، کھاتے وقت کی سنت کیا ہے؟ سوتے وقت کی سنت کیا ہے؟ مسجد میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت کی سنت کیا ہے؟ بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت کی سنت کیا ہے؟ گھر میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت کی سنت کیا ہے؟ بہت سی سنتیں بہت سوں کو معلوم ہے لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ عمل کا اہتمام نہیں ہے۔ آج سب حضرات یہ طے کر لیں کہ ہم جو سنتیں بھی جانتے ہیں، ان سنتوں پر تو اِن شاءاللہ تعالیٰ آج سے ہی عمل شروع کریں گے اور جو سنتیں معلوم نہیں ہیں، ان کو جاننے اور سیکھنے کی کوشش کریں گے پھر دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی کیا برکتیں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پاک ارشاد پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

## کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

تو بہر حال! تیسری چیز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ: اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے محفوظ رہیں، یعنی کسی کو ہماری طرف سے ادنیٰ تکلیف پہنچنی نہیں چاہیے۔ یہ بہت اہم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے پہنچنے والی تکلیفوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، آج تو ہم نے گویا اپنی زندگیوں کا ایک مشن بنالیا ہے کہ لوگوں کو تکلیف پہنچائیں، بعض تو وہ ہیں جن کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا جب تک کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچالیں، یہ حال ہو گیا ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر چین

نہیں آتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ آدمی مسلمان نہیں ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔

یہ بڑی تفصیل طلب چیز ہے اور وقت بہت زیادہ ہوگیا، میرا ایک گھنٹہ پورا ہوگیا۔ بہر حال! یہ بہت آسان اور مختصر نسخہ ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلایا ہے جنت میں جانے کا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ

# حدیث شریف کی روشنی میں (۲)

بمقام: لاجپور

بتاریخ: ۱/ ۴/ ۲۰۱۱      بہ وقت: قبل از نمازِ جمعہ

# اقتباس

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ جو کہ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: من أ كل الـ حرام ع صت جوار حه شاء أم أبى، علم أو لم يع لم: جس آدمی نے حرام غذا کھائی، اس کے اعضاء اللہ کی نافرمانی کریں گے، وہ چاہے، نہ چاہے، اس کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو، گویا حرام غذا کی قدرتی خاصیت یہ ہے کہ وہ پیٹ میں جانے کے بعد آدمی سے گناہ کے کام ہی کرائے گی۔ نیکی کی توفیق اسے حاصل نہیں ہوتی، کھانے والے کو معلوم ہو یا نہ ہو، بے خبری میں کھالیا تو بھی اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا، یہ بات اور رہی کہ بے خبری میں کھانے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کا جو اثر ہے، وہ تو ظاہر ہوگا، جیسے زہر ہے، ایک تو آدمی جان بوجھ کر زہر کھائے تو یہ تو گناہ ہے کہ جان بوجھ کر اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے، تو یہ گناہ بھی ہے اور اس کا جو اثر ظاہر ہوگا، اس کی وجہ سے اس کو نقصان بھی ہوگا اور ایک بے خبری میں کسی کو کھلا دیا گیا تو ایسی صورت میں وہ گناہ گار تو نہیں ہوگا لیکن ایسا تو نہیں کہ بے خبری میں اس کے پیٹ میں زہر گیا ہے تو اس پر اس کا اثر ظاہر نہ ہو؟ اسی طرح بے خبری میں بھی اگر حرام غذا اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوگا اور وہ اس کو نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فعَنۡ أَبِي سَعِيدِ الۡخُدۡرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: مَنۡ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِی سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الۡجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الۡيَوۡمَ فِی النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ وَسَيَكُونُ فِی قُرُونٍ بَعۡدِی أو كما قال عليه الصلوة والسلام (ترمذی)

## حضرت ابوسعید خدریؓ کا مختصر تعارف

یہ مشکوۃ شریف کی روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا نام ہے سعد بن مالک، ان کے والد بزرگوار کا نام حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ ہے، یہ بھی صحابی تھے اور غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے، ان کی والدہ حضرت ام سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی صحابیہ تھیں۔

## حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول

جیسا کہ ابھی بتایا کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پیشانی پر پتھر لگا اور اس کی وجہ سے پیشانی سے خون بہنے لگا تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ سے، اپنی زبان سے اس کو پونچھ لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اگل دو تو انھوں نے کہا: نہیں، میں اس کو نہیں اگلوں گا، یہ کہہ کر وہ نگل گئے، اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہو، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اس کے بعد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اس آدمی کی تلاش میں نکلے جس نے یہ پتھر مارا تھا لیکن اسی درمیان ایک کافر مشرک نے ان کے اوپر تلوار کا وار کیا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔

چوں کہ اس غزوے میں مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں، خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی مشرکین کے بار بار حملے ہوئے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ غزوہ ختم ہونے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے تو راستے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور ان کی تعزیت فرمائی۔

## غزوۂ احد میں شرکت کے لیے نوعمر صحابہؓ کی بے تابیاں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۱۳/سال تھی۔ آپ نے حکایاتِ صحابہ میں پڑھا ہوگا کہ غزوۂ احد کے لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے تو

بہت سے نوعمر صحابہ جن کی عمریں ۱۵؍سال نہیں ہوئی تھی، وہ بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے اور انھوں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوے میں شرکت کی اجازت چاہی لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اصول مقرر فرما دیا تھا کہ ۱۵؍سال یا اس سے زائد عمر کے آدمی کو غزوے میں شرکت کی اجازت ملے گی، اس سے کم عمر کو نہیں۔ چنانچہ اس موقع پر بہت سے نوجوان صحابہ ایسے تھے جو ابھی ۱۵؍سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرکت کی اجازت مانگی لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شرکت کی اجازت نہیں دی، ان نوجوان صحابہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ بھی تھے۔

## محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے

مدینہ منورہ میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے اور بہت سے لوگ شہید ہوئے ہیں تو شام کے وقت جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹ رہے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال معلوم کرنے کے لیے نکلا تھا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جو گھر والے تھے: بچے، بوڑھے، بیویاں، ان میں سے ہر ایک کو یہ فکر سوار تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں یا نہیں۔ یہاں تک کہ ایک عورت جن کے شوہر بھی شہید ہوگئے تھے، بھائی بھی شہید ہوگئے تھے، ان کے باپ بھی شہید ہوگئے تھے۔ وہ حالات دریافت کرنے کے لیے آئیں، پوچھ رہی ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ بتانے والے نے بتایا کہ تمھارے شوہر شہید ہوگئے ہیں، پھر پوچھ رہی ہیں کہ نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ کہا: تمھارے ابا شہید کردئے گئے، پھر پوچھ رہی ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ کہا: تمھارے بھائی شہید کردئے گئے، پھر یہی پوچھ رہی ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ تو بتایا گیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں تو کہا کہ مجھے ذرا دکھلا دو۔ چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھلائے گئے تو وہ عورت کہتی ہے: كل مصيبة بعدك جلل (۱): ہر مصیبت آپ کے دیدار کے بعد آسان ہے، یعنی آپ موجود ہیں تو ہمیں کسی مصیبت کی پروا نہیں۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو پُرسہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی آبادی سے باہر میدان کی طرف نکلا تو راستے میں دیکھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوے سے فارغ ہوکر مدینہ کی طرف لوٹ رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: سعد۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد ہے، دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۳؍سال کے بچے کو بھی پہچان رہے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: نَعَمْ بِأَبِي وَأُمِّي: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں سعد ہی ہوں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں آگے بڑھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے، میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں کو بوسہ دیا۔ دیکھو! ۱۳؍سال کے بچے ہیں لیکن آپ ان کا ادب دیکھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آجَرَكَ اللّٰهُ فِي أَبِيكَ (۲) آپ کے والد غزوے میں شہید

---

(۱) دلائل النبوة ۳/۳۰۲. (۲) المغازي للواقدي ۱/۲۴۸.

میں شہید ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ تمھارے باپ کی شہادت میں تمھیں اجر دے۔فرماتے ہیں: اس کے بعد میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھا کہ آپ کے دونوں رخسار کے اوپر درہم کی طرح، روپیے کی شکل میں زخم ہیں۔

## غزوۂ احد میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچنے والے زخم

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی خود، لوہے کی ٹوپی جو سر اور چہرے کی حفاظت کے لیے سر کے اوپر پہنی جاتی ہے، جو لوہے کے کڑیوں کی بنی ہوئی ہوتی تھی، اس کے دو حلقے ایک دائیں طرف کے رخسار میں، دوسرا بائیں طرف کے رخسار میں ایک مشرک ابنِ قمئہ کے حملے کے نتیجے میں داخل ہو گئے تھے، جنگ کے بعد وہ کڑیاں نکالنے کی کوشش کی گئی لیکن نہیں نکلتی تھیں، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانت کے ذریعہ ایک طرف کی کڑی کو کھینچا تو ان کا ایک دانت گر گیا لیکن کڑی باہر آ گئی، دوسری طرف کے رخسار کی کڑی کو بھی دانت سے کھینچا تو وہ بھی باہر آ گئی اور ایک دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا، ان کے آگے کے دونوں دانت ان کڑیوں کو نکالنے کے نتیجے میں ٹوٹ گئے۔

## تمہارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

عام طور پر تو ایسا ہوتا ہے کہ آگے کے دانت جب ٹوٹ جاتے ہیں تو آدمی کا چہرہ بدنما معلوم ہوتا ہے لیکن روایتوں میں آتا ہے کہ ان دو دانتوں کے گرنے کے بعد ان کا چہرہ اور زیادہ حسین نظر آنے لگا تھا(۱)۔

---

(۱) المغازي للواقدي ۱/۲۴۷.

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کا وبال نسلوں کو بھی بھگتنا پڑا

بہر حال! حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں رخسار کے اوپر درہم کی طرح زخم ہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نچلے ہونٹ مبارک پر خون لگا ہوا ہے اور دائیں طرف کا نچلا نوکیلا دانت ٹوٹ گیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک مشرک بھائی تھا عتبہ بن ابی وقاص، اس نے اس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک پتھر مارا جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دانت شہید ہو گیا تھا لیکن پورا دانت ٹوٹا نہیں تھا، اس کا ایک ٹکڑا نکل گیا تھا اور اس کی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نچلا ہونٹ بھی زخمی ہوا تھا، چنانچہ جب اس نے یہ حرکت کی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، انھوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کا قصہ تمام کر دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس کی اولاد میں جو بھی پیدا ہوتا تھا، اس کا یہ دانت اتنا ٹوٹا ہوا ہوتا تھا(۱)۔

## حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے ابا جان کے زخموں کی مرہم پٹی کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر بھی زخم آیا تھا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے دیکھا کہ اس پر کچھ سیاہ سا دھبا لگا ہوا ہے۔ چوں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں پہنچ گئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کو دھویا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال کے اندر پانی لاتے تھے اور زخموں پر ڈالتے تھے اور حضرت

---

(۱) أسد الغابة ۲/۱۲۴، عبد الله بن شهاب الزهري الأكبر

فاطمہ رضی اللہ عنہا ان زخموں کو دھو رہی تھیں لیکن دیکھا کہ پانی لگنے کے بعد خون کم ہونے کے بجائے اور بڑھ رہا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو جلا کر اس کی راکھ لگا دی، اس کی وجہ سے خون بند ہو گیا تو اسی راکھ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زخم کالا نظر آ رہا تھا(۱)۔

## حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مکثرین میں سے ہیں

یہ حضرت ابوسعید خدریؓ ہیں جو اس روایت کے راوی ہیں۔ حضراتِ صحابہ میں سات اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے حدیث کی بڑی تعداد نقل کی، ان میں سے ہر ایک نے ایک ہزار سے زائد احادیث نقل کی ہیں، ایسے صحابہ کو محدثین کی مخصوص اصطلاح میں مُکثِرین کہا جاتا ہے تو حضرت ابوسعید خدریؓ بھی ان حضراتِ صحابہ میں سے ایک ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں۔

## جنت میں داخل ہونے کا انتہائی سہل اور آسان نسخہ

یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: جس نے حلال غذا کھائی، وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ: اور سنت کے مطابق عمل کیا، وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ: اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے، دَخَلَ الْجَنَّةَ: وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہوگا۔ یہ سن کر ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ تو اس زمانے میں بہت ہیں، اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) المغازي للواقدي ۱/۲۴۹.

فرمایا کہ بعد کی صدیوں میں بھی ہوں گے، چاہے اتنی بڑی مقدار میں نہ ہوں۔

## معاشرے کی صلاح وفساد کا مدار رزقِ حلال پر ہے

یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں داخل ہونے کا بہت سہل اور آسان نسخہ بتایا ہے، شارٹ فارمولا (short formula) بیان فرمایا، تین چیزیں ہیں: ان میں پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی حلال غذا کا اہتمام کرے، حلال غذا کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: طَلَبُ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ[۱]: کہ اسلام کے بنیادی فرائض: نماز، روزہ وغیرہ جو ارکان ہیں، ان کے بعد ایک فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے، آدمی کے بننے اور بگڑنے اور معاشرے کے صلاح اور فساد کی بنیاد جن چیزوں پر ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے، اگر روزی حلال ہے تو معاشرہ بہتر بنے گا، صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، ایسا معاشرہ جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری عام ہوگی اور اگر روزی میں حرام کا حصہ ہے تو یہ معاشرے میں بگاڑ کا سبب ہوگا۔

ہمارے زمانے میں معاشرے کے بگاڑ کے مختلف بنیادی اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ روزی کے حلال ہونے کی طرف جو توجہ ہونی چاہیے اور جو اہتمام ہونا چاہیے، وہ نہیں ہو رہا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس کا بڑا اہتمام تھا، بھولے سے بھی اگر کوئی ایسا لقمہ حلق سے نیچے اتر گیا تو اس کو نکالے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۹۸۵۱.

## بغیر اجازت کے ذبح کی ہوئی بکری کا گوشت حلق کے نیچے نہیں اترا

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کسی جنازے سے واپس لوٹ رہے تھے، کسی عورت نے آپ کو دعوت دی، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے گئے، کھانے کے لیے جب بیٹھے تو لقمہ منہ میں ڈالا، اب وہ حلق سے نیچے نہیں اُتر رہا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس کو نکال دیا اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے بکری مالک کی اجازت کے بغیر لائی گئی ہے۔ چنانچہ اس عورت سے پوچھا گیا، تو اس نے کہا ہاں، میں نے آدمی کو پیسے دے کر بازار، ریوڑ میں خریدنے کے لیے بھیجا تھا، وہاں بکری ملی نہیں، ہمارا پڑوسی بکری خرید کر لایا تھا، میں نے وہاں آدمی بھیجا، اس کی بیوی نے بکری بھیج دی، پڑوسی تھا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا یہ سارا گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

## ایک مشتبہ دانۂ خرما کی وجہ سے نیند غائب

دیکھیے! یہ حضرات حرام سے بچنے کا کیسا اہتمام کرتے تھے، حرام تو حرام، شبہ والی چیزوں سے بچنے کا بڑا اہتمام ہوا کرتا تھا، اسی حکایاتِ صحابہ میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھر میں کھجور کا ایک دانہ پڑا ہوا تھا، وہ اٹھا کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کھالیا، آپ کے گھر میں تھا، آپ ہی کا تھا، رات کے وقت آپ کی طبیعت میں نیند میں بے چینی محسوس ہوئی، آپ کی نیند اڑ گئی، جس زوجۂ مطہرہ کے یہاں آپ کی باری تھی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے، نیند نہیں آرہی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جواب میں فرمایا: ایک کھجور پڑی ہوئی تھی، گھر میں، باہر نہیں، یہ سوچ کر کہ ضائع نہ

ہو، کھالی لیکن اب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں وہ صدقے کا نہ ہو؛ اس لیے کہ صدقے کا مال بھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بضرورت رکھا جاتا تھا تو اس شبہے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند اڑ گئی، یہ اتنا زیادہ بچنے کا اہتمام اور بڑی تاکید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔

## نعمت کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے

اس لیے کہ کھجور بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور نعمت کو ضائع کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور ہم تو معلوم نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی نعمتوں کو بار بار ضائع کرتے رہتے ہیں اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

## نعمت کی قدردانی ان سے سیکھئے: ایک سبق آموز واقعہ

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کھانے میں شریک ہوا۔ کھانے سے جب فارغ ہوئے تو میں نے دسترخوان لپیٹا، (اندر ہڈیاں وغیرہ تھی) تاکہ باہر پھینک آؤں تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ کیا کررہے ہو؟ تو کہا: حضرت! یہ باہر پھینک کر آتا ہوں۔ فرمایا تمہیں پھینکنا آتا ہے؟ میں نے کہا کیا یہ بھی کوئی فن ہے، یہ کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ کہا: ہاں، لاؤ! دسترخوان کھولا۔ اس میں کچھ تو گوشت کی بوٹیاں یا چھچھڑے وغیرہ جو نکال دئے جاتے ہیں، وہ تھے، ان کو الگ کیا، جو ہڈیاں خالی تھی، ان کو الگ کیا، روٹی وغیرہ کے جو بڑے ٹکڑے تھے ان کو الگ کیا اور چھوٹے چھوٹے جو ذرّات تھے ان کو الگ کیا، چار قسمیں ہوئیں۔ اب اس میں چھچھڑے وغیرہ بوٹیاں حضرت نے لے جاکر

ایک جگہ دیوار کے ایک حصّہ پر رکھی کہ یہاں بلّی آتی ہے وہ اس کو کھائے گی، اس کو معلوم ہے اور جو ہڈیاں تھیں ان کو محلے میں گھر کے باہر ایک کونے میں ڈالا کہ یہاں کتّے آتے ہیں وہ اس کو کھالیں گے اور روٹی کے بڑے بڑے جو ٹکڑے تھے، وہ چھت کے اوپر ایک جگہ ڈالے کہ کوّے چیل وغیرہ ان کو کھائیں گے، ان کو معلوم ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے ذرّات کو گھر میں جہاں چونٹیوں کا بِل تھا، وہاں رکھا کہ یہ چونٹیاں کھائیں گی۔ اور کہا: مولانا! یہ تو اللہ کے مخلوق کی روزی ہے، ان کو کیوں ضائع کرتے ہو؟

## گِرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھانا سنت ہے

ہمارے یہاں کتنا ضائع ہوتا ہے! اس قصہ میں چوں کہ یہ جملہ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ضائع نہ ہو اس لیے میں نے کھالیا، بھوک کی وجہ سے نہیں۔ کبھی آدمی یہ سمجھ کر کہ بھائی روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے، یہ بے کار جائے گا، کھالیتا ہے۔ کوئی بھوک کی وجہ سے نہیں، بس اس کو بچانے کے لیے کھایا، یہ بھی سُنّت ہے۔

## کیا ہم آقا کے غلام کہلانے کے حق دار ہیں؟

اس قصّے میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ضائع نہ ہو؛ اس لیے میں نے کھا لیا تھا لیکن اب یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ صدقہ کا نہ ہو؛ اس لیے آپ کروٹیں بدل رہے ہیں۔ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فائدہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ آقا کا تو یہ حال تھا کہ صدقہ کے ڈر سے کروٹیں بدل رہے ہیں اور غلاموں کا یہ حال ہے کہ رشوت کا، چوری کا، غصب کا جو بھی آرہا ہو ھل مِن مزید کا نعرہ چل رہا ہے۔

## خراج کا مفہوم

حکایاتِ صحابہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جس کو حضرت نے خراج پر اٹھا رکھا تھا، خراج پر اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں ایک آدمی کے پاس کئی کئی غلام ہوا کرتے تھے، اپنی خدمتوں کے واسطے، اپنے کام کاج کے واسطے دو چار، آٹھ دس غلام کافی ہوجایا کرتے تھے اور باقی جو غلام ہوتے تھے، ان کو آقا کی طرف سے یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ تم کو جو ہنر آتا ہے، تمہارے پاس کمانے کا جو فن ہے، اس سے تم کماؤ اور روزانہ تم مجھے اتنا دے دیا کرو، آقا کی طرف سے کچھ مقدار مقرر کردی جاتی تھی اور وہ ادا کرنی ہوتی تھی۔

## سینگی کا مفہوم اور خراج سے متعلق ایک واقعہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مرتبہ سینگی لگوانے کی ضرورت پیش آئی، سینگی کا مطلب یہ ہے کہ جسم میں سے علاج کے طور پر خون نکالا جاتا ہے، یہ کام حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ ایک غلام صحابی تھے، وہ کرتے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس سینگی لگوائی - حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، شمائل میں بھی ہے، بخاری میں بھی ہے- اور اجرت کے طور پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صاع غلہ دیا پھر ان سے پوچھا کہ تمہارا خراج کیا ہے؟ ان کے آقاؤں نے ان کو سینگی لگانے کی اجازت دے رکھی تھی، ان کو یہ فن آتا تھا تو آقاؤں نے کہہ رکھا تھا کہ تم یہ کام کرو اور روزانہ اتنا ہمیں دے دیا کرو، ان کے آقاؤں کی طرف سے ان کے اوپر خراج کی جو مقدار مقرر کی گئی تھی، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ زیادہ

معلوم ہوئی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارش فرما کر اس میں کمی کروائی (۱)۔ میں تو بتلا رہا تھا کہ خراج کیا ہے؟

## حضرت صدیقِ اکبرؓ کا حرام غذا سے بچنے کا بے مثال اہتمام

تو حضرت ابوبکرؓ کا ایک غلام تھا جس پر انھوں نے خراج مقرر کیا تھا یعنی وہی اس کی جو آمدنی ہوتی تھی، اس کا ایک حصہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈال رکھی تھی، ایک مرتبہ وہ ایک کھانا لے کر کے آیا اور حضرت کے سامنے رکھ دیا، دو چار روز سے فاقہ تھا؛ اس لیے حضرت نے فوراً ایک لقمہ لے کر کے حلق سے نیچے اتار دیا، اس غلام نے کہا: آقا! آپ تو روزانہ مجھ سے سوال کرتے تھے، جب بھی میں کچھ لاتا کہ کہاں سے لایا؟ آج آپ نے کچھ نہیں پوچھا، کیا بات ہے؟ فرمایا: کئی وقت کا فاقہ تھا؛ اس لیے پوچھنا بھول گیا، بتا کہاں سے لایا۔ اس نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں میں نے کہانت کی تھی۔

## کہانت کا مفہوم

زمانۂ جاہلیت میں کہانت جس کو جیوتشی ہم کہتے ہیں گجراتی میں، لوگ ان کے پاس اپنے ہاتھ وغیرہ دکھاتے تھے اور آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھتے تھے، اس زمانے میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے پاس شیاطین کا آنا جانا ہوتا اور وہ شیاطین اس قسم کی باتیں ان کو بتلاتے تھے اور یہ کاہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے تھے جن میں کوئی ایکا دبات آسمان کی ملی ہوئی شیاطین کے پاس ہوتی تھی، وہ بھی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب ذکر الحجام.

آ جاتی تھی اور اس کی وجہ سے ان کا کاروبار چلتا رہتا تھا۔

تو غلام نے کہا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں کہانت کی تھی، کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مستقبل کے متعلق کچھ باتیں مجھ سے پوچھی تھیں، میں نے بتلائی تھی اور مجھے کہانت کرتے آتا نہیں تھا، میں نے ان کو دھوکہ دیا۔ ایک تو کہانت خود ناجائز کام تھا، مزید براں اس میں دھوکہ دہی شامل ہوگئی تھی، ''کریلا اور نیم چڑھا'' کی مصداق تو بہر حال! اس نے کہا کہ اس وقت اس کا معاوضہ اور اجرت دینے کے واسطے ان کے پاس کچھ تھا نہیں تو انھوں نے کہا کہ کسی دوسرے وقت جب ہمارے پاس کچھ مال ہوگا، ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ اس کے بعد تو یہ غلام مسلمان ہوگیا۔ کہا کہ آج میں ان کے علاقے سے گذر رہا تھا، وہاں کوئی تقریب تھی۔ کھانا پکا ہوا تھا، یہ پکا ہوا کھانا مجھے انھوں نے اسی کے معاوضے میں دیا ہے۔ اب جو کہانت کے اندر دیا جاتا ہے، اس کو ''حُلوان الکاھن'' کہا جاتا تھا، کاہن کی خدمت میں پیش کی جانے والی چیز۔ اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بہت زیادہ طبیعت پر اثر ہوا اور فرمایا: تو تو مجھے ہلاک کر کے رکھ دیتا اور حلق میں انگلی ڈالی اور ایک لقمہ جو حلق سے نیچے اترا تھا، اس کو باہر نکالنے کی کوشش کی کہ قئے ہو اور نکلے اب وہ ایک ہی تو لقمہ تھا اور وہ بھی کئی وقت کے فاقے کے بعد پیٹ میں گیا تھا تو بھلا وہ کیسے نکلتا؟ نہیں نکلا۔

## اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

کسی نے کہا: حضرت! کچھ پانی پی لیجیے اور پھر قئے کریں، شاید اس پانی کے ساتھ نکل آئے گا۔ چنانچہ ایک بڑے پیالے میں پانی منگوایا، پیا اور پھر انگلی ڈال کر

قئے کی، اور بڑی مشکل سے وہ لقمہ باہر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر کسی نے حضرت سے عرض کیا: حضرت! ایک ہی تو لقمہ تھا اور اس کو پیٹ سے نکالنے کے لیے آپ نے اتنی ساری مشقت اٹھائی؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی، ضرورت ہے کہ اس بات کو ہم اپنے دل پر نقش کر لیں، کیا فرمایا: اگر یہ لقمہ میری جان کے ساتھ نکلتا تو بھی میں اس کو نکال کر رہتا؛ اس لیے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ حرام غذا سے جسم کا جو حصہ تیار ہوا: كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ: کہ جسم کا جو گوشت حرام مال سے پل کر کے تیار ہوا ہو، جہنم کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے اور میں گوارا نہیں کرتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ حرام غذا سے تیار ہو اور وہ مجھے جہنم میں لے جائے (۱)۔

## غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے

ہم اور آپ نے بھی یہ روایت سنی ہے لیکن ہم اور آپ میں وہ بات نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی جو قدر و قیمت، اس کا جو اہتمام ان حضرات کے مزاج میں ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد کی خلاف ورزی ہو۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حرام غذا سے بچنے کا اہتمام

اسی حکایات صحابہ میں واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی

---

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي علیہ الرحمۃ، ۱۴/ ۱۱۸، باب اتّقاء الشبهات.

دودھ لایا۔ آپ نے پیا تو اس کا ذائقہ عجیب معلوم ہوا۔ جو لوگ حرام سے بچتے ہیں، اُن کو حرام کا ذائقہ بھی الگ معلوم ہوتا ہے۔ ان کو اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ جیسے کوئی آدمی منرل واٹر Mineral Water پیتا رہتا ہو پھر وہ عام پانی بے خبری میں بھی پیئے گا تو اس کو پتہ چل جائے گا، ایسا ان حضرات کا حال تھا، ایک گھونٹ پیا تھا، پوچھا یہ دودھ کہاں سے لایا گیا۔ جواب دیا کہ میں جنگل گیا تھا وہاں صدقات کے اونٹ دوہے جا رہے تھے۔ وہاں سے لایا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلی ڈال کر وہ دودھ نکالا، قے کر دی۔ اتنا زیادہ اپنے آپ کو حرام غذا سے بچانے کا اہتمام!

## ہمارا معدہ مشتبہ کو تو قبول نہیں کرتا، خالص حرام کو قبول کر لیتا ہے

ایک مشتبہ دودھ کا گھونٹ منہ میں گیا تو یہ حال۔ اور ہمارا حال تو ہمارے ایک اور بزرگ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ آپ نے ڈابھیل میں بخاری بھی پڑھائی ہے۔ بڑے عالم تھے، لطیفہ باز تھے۔ ان کا یہ جملہ ہے کہ ہمارا معدہ مشتبہ کو تو قبول نہیں کرتا، خالص حرام کو قبول کر لیتا ہے۔

## تو اپنا تھوکا ہوا واپس چاٹنے کے لیے بھی تیار ہوں

ان کا ایک اور لطیفہ ہے، پان بہت کھاتے تھے، پان کی پیک کی وجہ سے پورا حصہ ان کے کرتے کا سُرخ رہتا تھا۔ ٹرین میں جا رہے تھے، پان کی پیک باہر پھینکی، برابر کی کھڑکی میں کوئی عورت بیٹھی ہوئی تھی ان کے رُخسار پر جا کے گری۔ اُس کو بڑی گھِن آئی، غیر مسلم عورت تھی۔ وہ آئی اُن کے کمپارٹمنٹ میں دیکھا کہ یہی بڑے میاں

کھا رہے ہیں تو ان کو خوب لتاڑا، وہ چُپ چاپ سُنتے رہے۔ جب وہ جو کہنا تھا کہہ چکی تو دھیرے سے سر اُٹھا کر کہتے ہیں کہ خاتون آپ اتنی ناراض کیوں ہوتی ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو اپنا تھوکا ہوا واپس چاٹنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ تو وہ بے چاری شرمندہ ہو کر واپس چلی گئی۔

## کپڑے کے ایک تھان میں عیب کی وجہ سے پوری آمدنی صدقہ کر دی

حضرت امام ابو حنیفہؒ جن کی ہم اور آپ تقلید کرتے ہیں، جن کے اتباع کو فخر سمجھتے ہیں۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ تجارت میں آپ کے ایک شریک تھے حفص بن سُلیمان۔ ایک مرتبہ کپڑے کے کچھ تھان آئے، ان میں سے ایک تھان میں کچھ عیب تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ جب بیچو تو گاہک کو بتا دینا کہ یہ عیب ہے۔ انہوں نے یہ تھان بیچ دیا لیکن بتانا بھول گئے، ایسا نہیں کہ قصداً نہیں بتایا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ بیچ دیا؟ کہا، ہاں بیچ دیا۔ بتایا تھا؟ کہا: بھول گیا۔ کس کو بیچا؟ یاد نہیں رہا۔ بہت تلاش کیا۔ پتہ نہیں چلا۔ تو وہ تھان جو بیچے گئے تھے، سب کی پوری قیمت بیس ہزار درہم آئی تھی، جو آج کل کے حساب سے ۶۲ کلو چاندی ہوتی ہے۔ وہ سب امام صاحب نے صدقہ کر دیا اور آئندہ کے لیے حفص بن سلیمان سے پارٹنر شپ ختم کر دی کہ تم میرے شریک نہیں، تم بڑی بے احتیاطی برتتے ہو۔

## چھ سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا

ایک مرتبہ کوفہ کے باہر کوئی قافلہ لوٹا گیا۔ اس قافلے میں کچھ بکریاں تھیں جو

لوٹی گئیں۔ اور کوفہ کے بازار میں بیچی گئیں تھیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کی کہ بکری کی عمر کیا ہوتی ہے؟ بتایا گیا کہ چھ سال۔ تو چھ سال تک کوفہ میں رہتے ہوئے بکری کا گوشت نہیں کھایا، اپنے یہاں ہی نہیں بلکہ کسی کے یہاں بھی نہیں، پتہ نہیں لوٹ کی بکری کا گوشت بھولے سے کسی کے یہاں آ جائے۔ اتنا زیادہ اہتمام! دیکھو حرام جو ہے بھولے سے بھی اگر آدمی کھالے گا تو وہ اپنا اثر دکھلا کر رہے گا۔ کوئی غذا اگر ایسی ہے جو آپ کو جسمانی طور پر نقصان پہنچا سکتی۔ کوئی کھانے کی چیز، پینے کی چیز، بگڑا ہوا کھانا، اس کی ڈیٹ نکل چکی ہے۔ آپ بے خبری میں کھالیں گے اور وہ پیٹ میں جائے گا تو بھی آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ چاہے جان بوجھ کر کھائے چاہے بھول سے کھائے۔

## ہمارے اور اسلاف کے درمیان فرق

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے دلوں کو پاک، منقی اور صاف کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے حرام غذا کے اثرات کو وہ محسوس کرتے تھے۔ ہم لوگوں کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک آدمی جنگل کا رہنے والا، جس نے کبھی بجلی دیکھی ہی نہیں، اس کی پوری زندگی اندھیرے کے اندر گذری، رات کو بھی بجلی نہیں، تو اس کی طبیعت اندھیرے سے مانوس و عادی ہوگئی اور شہر میں چوبیس گھنٹے یہ بجلی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، دو منٹ کے لیے بھی اگر یہ پاور چلا جائے تو آدمی کتنا بے چین ہو جاتا ہے۔ اس جنگل والے کو کوئی بے چینی نہیں اس لیے کہ اس نے بجلی دیکھی ہی نہیں۔ تو ایسا ہمارا حال ہے کہ وہ حلال کی برکتیں اور انوار

ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہی نہیں، اندھیرے میں ہیں اس لیے پتہ ہی نہیں چلتا۔

## آج پرانے وقت کی ساری قدریں درہم برہم ہیں

تو بہر حال! ضرورت اس کی ہے کہ حرام سے اپنے آپ کو بچایا جائے، حرام سے احتیاط کیا جائے، حلال کا اہتمام بہت ضروری ہے، حلال کے اپنے اثرات ہیں۔ آج کل تو ہر ایک چاہتا ہے کہ کسی طرح میں مالدار بن جاؤں۔ جلدی سے میرے پاس پیسہ آ جائے، حرام حلال نہیں دیکھتا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ ایک زمانہ لوگوں پر آئے گا کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام، بس یہ دیکھے گا کہ مجھے پیسہ ملنا چاہیے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس سے منع کیا گیا۔ حرام سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ ہمارے یہ اکابر (جیسے امام ابوحنیفہؒ نے بیس ہزار درہم یعنی باسٹھ (۶۲) کلو چاندی صدقہ کردی۔ ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے کہ بے خبری میں بتانا بھول گئے) نعوذ باللہ وہ لوگ بے وقوف تو نہیں تھے کہ اتنا مال قربان کر دیتے۔ پُرانے زمانہ میں ہمارے معاشرہ میں کسی کی اس طرح پائی بھی لینا کتنا بُرا سمجھا جاتا تھا! لیکن آج معاملہ اُلٹ گیا۔

## ایک مزدور کی امانت داری

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک سِقّہ (بِھشتی) جس زمانے میں نہر جمنا کھودی جاتی تھی۔ (رائے پور اگر آپ گئے ہوں تو راستے میں پڑتی ہے) تو کُھدائی میں جو مزدور کام کرتے تھے، ان پر نگراں ایک سِقّہ تھا۔ کُھدائی

کے دوران بہت بڑا خالص سونے کا سلنڈر نکلا۔ تو سِقّہ نے دو مزدوروں پر اس کو اُٹھا کر انگریز جو پورے کام کا بڑا افسر تھا، اس کے پاس لے جا کر جمع کروا دیا۔ اس انگریز کو بھی تعجّب ہوا کہ اتنی بڑی مقدار میں سونا اندر سے ملا، یہ مزدور اگر آپس میں چُپ چاپ تقسیم کر لیتے تو بھی پتہ نہ چلتا۔

## بڑھتی ہی چلی جاتی ہے دنیا کی خرابی

کہتے ہیں کہ اس کے کچھ سالوں کے بعد جب کہ انگریز مظفر نگر کا کلکٹر تھا، (یہ انگریزی دور ہی کا قصّہ ہے) ایک کیس اس کے پاس لوٹ کا آیا کہ ایک آدمی نے ایک بچی کو جس کے کان میں بالیاں تھیں، وہ بھی سچے سونے کی نہیں، گِلٹ کی، لیکن رول گولڈ، اس پر رنگ سونے کا چڑھا ہوا تھا، یہ سمجھ کر کہ سونے کی ہے بچی کو مار دیا اور وہ لے لیا۔ مجرم کو پیش کیا گیا۔ وہ مجرم جب اُس کے سامنے آیا تو پوچھا کہ بھائی تو وہی ہے کہ آج سے چند سال پہلے نہر جمنا کھودی جا رہی تھی اُس وقت سونے کا خزانہ میرے پاس لے کر آیا تھا۔ کہا ہاں! میں وہی ہوں۔ کہا: اُس وقت تو اتنی بڑی مقدار میں سونا تو نے لا کر جمع کروایا تھا، گر تم لوگ چُپکے سے لے لیتے تو بھی پتہ نہ چلتا اور جھوٹے سونے کی بالیوں کے لیے تو نے اس کی جان لی۔ کہا: کیا کریں! وہ زمانہ، وہ دور ایسا تھا، ماحول ہی ایسا تھا کہ کسی کی ایک پائی لینا ایسا سمجھا جاتا تھا جیسے سوّر کا گوشت کھا لیا ہو۔ اور آج یہ ماحول ہے کہ جیسا ہو، لاؤ۔ تو ماحول کے اثرات ہوتے ہیں۔ آج ایک مزاج بنتا جا رہا ہے کہ جس طرح ہو کر و تو اپنے آپ کو حرام سے بچانے کی خاص طور پر بڑے اہتمام

سے ضرورت ہے۔حرام کے بڑے اثرات ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول کرتے ہیں

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے،فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک اور حلال مال ہی کو قبول کرتے ہیں یعنی کوئی آدمی اللہ کے راستے میں حلال کمائی خرچ کرے تو ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے،حرام مال سے آدمی اللہ کے واسطے دے تو یہ حرام اللہ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتا۔

آگے فرماتے ہیں:

وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ وَقَالَ: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا۔

## حرام غذا کے چار نقصانات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جزاء الاعمال کے اندر حرام غذا کے چار نقصانات ذکر کیے ہیں: (۱) دل کا نور چلا جاتا ہے (۲) برے خیالات اور وساوس آتے ہیں (۳) طبیعت میں کاہلی وسستی پیدا ہو جاتی ہے (۴) نیک عمل کے لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔تو بہر حال یہ حرام لقمے کا قدرتی اثر ہے۔

## دوسرا فرمانِ رسول

آگے دوسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی: وَعَمِلَ فِی سُنَّۃٍ: سنت کے مطابق عمل کیا، یہ سنت پر عمل، اس کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ تمھیں اپنی زندگی کس طرح گزارنی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے، گویا ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبے کو، ہر حرکت وسکون کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق بنانا ہے، یہی اصل زندگی کا مقصد ہے، کوئی بھی سنت ہو، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بھی سنت چھوٹی نہیں ہے۔

## دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرمایا کرتے تھے: خاکم بدہن، خاکم بدہن، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی سنت چھوٹی سنت نہیں ہے لیکن آپ کی کسی چھوٹی سی سنت کی کل کائنات مل کر کے بھی اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، حقیقت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو چیزیں عطا فرمائی ہیں، وہ ایسی قیمتی ہیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے، یہ تو ہماری ناقدری کی بات ہے، ہماری غفلت اور بے توجہی کی بات ہے کہ ہم ان قیمتی موتیوں اور جواہرات سے غافل رہتے ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو اپنی زندگی میں لانا گویا ہر مؤمن کا مقصدِ زندگی ہونا چاہیے قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ تم کو

اگر اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

## حُبِّ رسول کا خالی خولی دعوی کافی نہیں

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے: گویا جتنی آدمی میں سنت کی اتباع ہوگی، اسی قدر اللہ کی بارگاہ میں اس کو محبوبیت کا مقام حاصل ہوگا، گویا محبوبیت کے پرسنٹیج جو ہیں نا، وہ اس کے اتباع کے پرسنٹیج کے مطابق ہوں گے، جتنا زیادہ اتباع، اتنا ہی زیادہ اللہ کی نگاہوں میں محبوب ہوگا، اب ہمیں اختیار ہے کہ ہم کس درجے کی محبوبیت حاصل کریں تو حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایسا نسخہ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا ہے کہ ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں۔

## حضرت حکیم الامتؒ کی اہلیہ کا جذبۂ اتباعِ سنت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھر میں کھانے کے لیے بیٹھا تو لوکی، وہ کدّو جس کو ہم ''دودھی'' کہتے ہیں وہ سالن میں تھی، خیر! کھالی، پھر دوسرے وقت بھی، تیسرے وقت بھی، چوتھے وقت بھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کئی وقتوں سے سالن میں مسلسل لوکی آرہی ہے تو گھر والی نے کہا کہ میں نے کتاب میں پڑھا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوکی بہت زیادہ پسند تھی، جب سے میں نے اپنے بازار لانے والا جو خادم ہے، اس کو تاکید کردی کہ بازار میں جب تک لوکی ملتی رہے، تم ضرور لانا، ہم اس کو کھاتے رہیں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ جواب سن کر میں تو لرز گیا، ایک عورت کا

جذبہ سنت پر عمل کے بارے میں یہ ہے کہ جب ان کے علم میں یہ بات آئی تو گویا وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کو اپنانے اور ادا کرنے اور اس پر عمل کرنے کا اتنا اہتمام کرنے لگی! حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سارے کام روک دئے، تین دن تک میں نے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیا، اپنی زندگی کے تمام شعبوں کا اور ہر شعبے کے تمام جزئیات کا معائنہ کیا کہ میری زندگی میں کہاں کہاں سنت چھوٹ رہی ہے، جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ الحمد للہ تمام شعبوں میں سنت کا اہتمام ہے۔

## بچپن سے یاد کرائی جانے والی سنتوں کی طرف سے ہماری غفلت

آج ہمارے پاس بہت سی سنتیں ہیں، بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ کہ ہمیں معلوم ہے کہ آدمی پہلے دعا پڑھ لے: بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ، پھر بایاں پاؤں پہلے رکھے پھر دایاں پاؤں رکھے، پھر جب نکلے تو پہلے سیدھا پاؤں نکالے پھر الٹا پاؤں نکالے پھر دعا پڑھ لے: غُفْرَانَكَ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي۔

مسجد میں جانے کا سنت طریقہ اور اس وقت کی دعا معلوم ہے، نکلنے کا طریقہ اور اس وقت کی دعا معلوم ہے۔ بہت سی سنتیں ہیں، رات کو سوتے وقت کا سنت طریقہ معلوم ہے لیکن اس کے باوجود حال ہمارا کیا ہے؟ جب قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جانے کا وقت آئے گا تو بھاگے دوڑے چلے جائیں گے، جلدی سے بیت الخلا کھولا اور گھس گئے، نہ دعا یاد رہی، نہ کون سا پاؤں پہلے ڈالنا ہے، کون سا پاؤں بعد میں ڈالنا

ہے، خیال ہی نہیں رہا۔ فارغ ہوئے اسی طرح نکلے۔ مسجد میں آنے کا موقع آیا تو اسی طرح، یعنی یہ سنتیں، یہ چھوٹی چھوٹی سنتیں، ہمیں بچپن سے سکھائی جاتی ہیں، یاد کرائی جاتی ہیں، ہمیں طریقہ بتلایا جاتا ہے لیکن ان پر عمل کا اہتمام نہیں، آخر کیا بات ہے؟

## سنت کے مطابق عمل کرتے وقت عمل بالسنہ کا استحضار بھی ہو

آج اس مجلس میں جتنے بھی میرے بھائی ہیں، چھوٹے بڑے، سب کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ ایسی بہت سی سنتیں ہیں جو ہمیں اور آپ کو معلوم ہیں، آج یہ طے کرلیں کہ آج ہی سے ان سنتوں پر عمل کا اہتمام کریں گے اور جس وقت عمل کریں، یہ سوچ کر کریں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے تو اسی طرح دعا پڑھتے تھے اور اسی طرح پہلے الٹا پاؤں رکھتے تھے پھر سیدھا پاؤں، میں بھی اسی لیے کررہا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا ہے، یہ سوچے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت دل میں آئے گی، سنت کے برکات آئیں گے۔

## عمل بالسنہ کے استحضار کی برکات

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ فرماتے تھے کہ جب تم اس تصور کے ساتھ سنتوں پر عمل کروگے، دیکھو اس کی وجہ سے چند دنوں کے اندر ہماری زندگی میں انقلاب پیدا ہوجائے گا۔ ایک تو سنت پر عمل کرنا ہے اور اس جذبے اور اس نیت کے ساتھ کرنا تو پھر اس کی وجہ سے جو برکات ہمیں حاصل ہوں گی، اس کا تصور بھی ہم نہیں کرسکتے۔

# مسلمانوں کی ایذا رسانی سے خود کو بچائیں

اور تیسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے محفوظ رہیں، ہمیں اور آپ کو اس کا خاص اہتمام کرنا ہے کہ ہماری ذات سے دانستہ، نادانستہ، بالارادہ، بلاارادہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچنے نہ پائے، ایک مسلم کے اسلام کا اور ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ذات سے، زبان سے، ہاتھ سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پاک ارشاد پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اسلامی معاشرت: حقوق اور آداب

بمقام: ویراول، اکبری مسجد

بتاریخ: ۱۴/۴/۲۰۱۱

# اقتباس

| | | |
|---|---|---|
| شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا | | دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ |
| ترا کے میسر شود ایں مقام | | کہ بادوستانت خلاف ست وجنگ |

ہم نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دل بھی دُکھایا نہیں کرتے، اے مخاطب! تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ تیری تو اپنے دوستوں کے ساتھ لڑائیاں ہیں۔

آج ہمارا حال یہی ہے، ہمارے ماں باپ، ہمارے بھائی، ہماری بیوی بچے ہم سے تنگ ہیں، آدمی جب گھر میں آتا ہے تو بچے بھی دعا کرتے ہیں کہ یہ بلا کب جاوے کہ جب تک گھر میں رہے گی، مصیبت ہی مصیبت ہے، ہمارا یہ حال ہے گھر میں تو دوسروں کا کیا پوچھنا۔

ضرورت ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے وجود کو اپنے لیے بھی اور ساری دنیا کے لیے، ساری انسانیت کے لیے بھی نفع بخش بنانے کی کوشش کریں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادي له و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا.

وقال النبی ﷺ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (۱).

وقال النبی ﷺ: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ (۲).

وقال النبی ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (۳).

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

---

(۱) ترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِی أَنَّ الْمُسْلِمَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

(۲) ابن ماجة، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ حُرْمَةِ دَمِ الْمُؤْمِنِ وَمَالِهِ. /مسلم شریف

(۳) صحیح بخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ بَابُ مِنَ الْإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِه.

# گذشتہ سے پیوستہ

میرے قابلِ احترام بھائیو! کل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت آپ کے سامنے پیش کی تھی، جس کے تین اجزاء تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد حضرت ابوسعید خدریؓ نے نقل فرمایا تھا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (۱): جس نے حلال غذا کھائی اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذا رسانیوں سے مامون اور محفوظ رہے تو وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہو گیا، کل اس حدیث کے دو اجزاء کی بقدرِ ضرورت تشریح کی گئی تھی، آخری جزء باقی تھا، آج اسی کے متعلق کچھ باتیں عرض کروں گا۔

## آیت وحدیث کا خلاصہ

ابھی آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی ایک آیت اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند ارشادات پڑھے گئے، یہ سورۂ احزاب کی آیت ہے: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ: جولوگ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو، بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا، بغیر اس کے کہ انھوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس کی وجہ سے وہ لائقِ سزا ٹھہرے، ان کو ایذا پہنچانا چاہتے ہیں، فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِينًا، ایسے لوگ اپنے اوپر بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ لے رہے ہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیفوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے کہ جس سے لوگ اپنی

(۱) سننِ ترمذی، المستدرک علی الصحیحین، کتاب الأطعمة.

جان اور مال کے سلسلے میں اس کی طرف سے مامون ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ: پورا کا پورا مسلمان دوسرے مسلمان کے اوپر حرام ہے، اس کی جان بھی، اس کی عزت وآبرو بھی اور اس کا مال بھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ابھی آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی آیت اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پڑھے گئے، ان کا ترجمہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، اس آیت میں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں دراصل دین کی اہم شعبے کی درستگی کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

## دین کے پانچ شعبے، پہلا شعبہ: عقائد

دین کے پانچ شعبے ہیں: ایک تو عقائد کا شعبہ ہے کہ اپنے عقیدوں کو درست کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حضراتِ انبیاء کی نبوت ورسالت اور قیامت، جنت، دوزخ وغیرہ جو ہمارے عقائد ہیں، ان کو درست کریں، یہ تو گویا بنیادی چیز ہے، اسی لیے عقیدے میں اگر کوئی کمی رہ گئی تو اس کی وجہ سے آدمی مؤمن نہیں رہتا۔

## دوسرا شعبہ: عبادات

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے، یہ وہ شعبہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق استوار کرتا ہے، قائم کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے گویا اللہ کا

حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان عبادات میں نماز ہے، روزہ ہے، زکوۃ ہے، حج ہے، یہ سب اسلام کے بنیادی فرائض قرار دیئے گئے ہیں۔

## تیسرا شعبہ: اخلاق

تیسرا شعبہ ہے اخلاق کا، اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کو مختلف کیفیتوں سے مکیف فرمایا ہے، ہمارے دل میں مختلف کیفیتیں پیدا فرمائیں، اچھی بھی اور بری بھی۔ کوئی عمل ہم کرنے جارہے ہیں، اس عمل کے متعلق دل میں یہ کیفیت ہو کہ یہ عمل اللہ کو راضی اور خوش کرنے کے لیے کر رہا ہوں، کسی قسم کی نام آوری یا شہرت یا لوگوں کے نزدیک ہماری عزت ہو، کوئی چیز مطلوب نہ ہو، اس کو شریعت کی اصطلاح میں اخلاص کہتے ہیں؛ ہر عمل، ہر عبادت اخلاص کے ساتھ ادا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة:٥]

## ریا اور سمعہ: موجبِ عذاب اخلاق

اگر اس میں دوسرا کوئی جذبہ کارفرما ہو، دل میں یہ خیال ہو کہ میں نماز پڑھوں، مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں میرے متعلق یہ خیال پیدا ہو کہ یہ اللہ کا بڑا عبادت گزار بندہ ہے۔ نام آوری کے لیے، لوگوں کی نگاہوں میں اچھا بننے کے لیے، نماز پڑھے تو یہ نماز جو ہے، وہ اللہ کے لیے نہیں رہی بلکہ لوگوں کے لیے بن گئی اور اس پر بجائے اس کے کہ ہمیں کچھ ثواب ملتا، الٹی سزا ہوگی۔ یہ اخلاص کے مقابلے میں ریا

اور سمعہ اور دکھلاوا اور شہرت ہے۔

## زہد اور حبِّ دنیا

اسی طریقے سے ایک ہوتی ہے دنیا سے بے رغبتی کہ آدمی اپنا دل دنیا کی طرف نہ لگائے، آخرت کی فکر کرے، دنیا کی طرف سے اس کا دل ہٹا ہوا ہو، آخرت کی طرف متوجہ ہو، جس کو زہد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں ہے دنیا کی محبت، یہ دنیا کی محبت ہی ہے جس کی وجہ سے آدمی بہت سے گناہ کرتا ہے، چور اسی کے لیے چوری کرتا ہے، بھائی اپنی بہن کا حق اسی لیے ادا نہیں کرتا کہ دل میں دنیا کی محبت ہے، ایک تجارت کرنے والا تاجر اپنے گاہک کو دھوکہ دیتا ہے، اسی لیے کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے مال جمع کرنا چاہتا ہے تو یہ دنیا کی محبت جو ہے، بہت ساری خرابیوں کو لاتی ہے، یہ بھی دل کی ایک کیفیت ہے اور دنیا سے بے رغبتی جس کو زہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ بھی دل کی ایک کیفیت ہے۔

## تواضع اور تکبّر

اسی طرح تکبر کہ کوئی آدمی دوسروں کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے، اس کے بالمقابل آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر سمجھے جس کو تواضع کہتے ہیں، یہ جو دل کی مختلف کیفیتیں ہیں، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## سجدہ ہو بے خلوص تو سجدہ بھی گناہ ہے

یہ بہت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اعمال کے مقابلے میں بھی اخلاق کو اونچا

درجہ دیا گیا ہے، اس کو ترجیح دی گئی ہے، اس لیے کہ اگر اس میں بگاڑ آئے گا تو اعمال بھی اپنی حیثیت کھو دیں گے۔ دل میں ریا، سمعہ ہے، شہرت کا جذبہ ہے، نماز پڑھو گے، روزہ رکھو گے، پیسے خرچ کرو گے، مسجد بناؤ گے، مدرسہ بناؤ گے، یہ سارے اعمال بے کار ہیں، آپ سمجھتے ہوں کہ یہ اعمال ہمیں جنت میں لے جائیں گے تو نہیں لے جائیں گے تو یہ اخلاق کی درستگی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

## اخلاقی امراض کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، دل کی کیفیات کے متعلق تو کوئی تذکرہ ہوتا ہی نہیں، دل کی یہ ایسی خطرناک بیماریاں ہیں جو آدمی کے دین کو ختم کر دیتی ہیں لیکن اگر آج کسی کو کینسر ہو جائے یا کسی کو اور مہلک مرض ہو جائے تو اس کے متعلق ہمارے دل میں ہمدردی ہوتی ہے، اگر اس کے پاس انتظام نہیں ہے تو اس کے علاج معالجے کے سلسلے میں اس کا تعاون کرتے ہیں، لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں لیکن آج ہمارے قلوب میں یہ سب خطرناک بیماریاں بھری ہوئی ہیں لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے، یہ بہت اہم چیز ہے۔ صوفیا کے یہاں تصوف میں اسی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، ان بیماریوں کو دل میں سے ختم کر کے اچھائیوں کو پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ ہیں اخلاق۔

## چوتھا شعبہ: معاملات

اور معاملات: ہم بازار میں بیٹھ کر کے خرید و فروخت کرتے ہیں، کسی کے پاس کوئی چیز رہن کے طور پر رکھی، کسی سے کوئی چیز رہن کے طور پر لی، کوئی چیز کرایے پر

دی، کرایے پر لی، یہ سب امور معاملات کہلاتے ہیں، یہ بھی دین کا ایک شعبہ ہے، اس کے متعلق بھی شریعت نے ہمیں ہدایتیں دی ہیں۔

## پانچواں شعبہ: معاشرت

اور ایک شعبہ ہے معاشرت کا، یہ پانچواں شعبہ ہے، معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا پیدا فرمایا ہے کہ وہ تنہا زندگی گذار نہیں سکتا بلکہ اس کو زندگی گذارنے کے لیے اپنے ابنائے جنس، اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ اکیلے زندگی گذارنے سے شریعت نے منع کیا ہے، ہمارے یہاں رہبانیت نہیں ہے، لا رهبانية في الإسلام (۱): بلکہ ہمیں یہ کہا گیا کہ سماج میں رہو اور اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارو۔

الْمُسْلِمُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ (۲) جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مسلمان کے مقابلے میں جو تنہا رہتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے، جس پر صبر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پہلے والا مسلمان اس دوسرے سے بہتر ہے۔

---

(۱) ويروي لا رهبانية في الإسلام (شرح السنة، باب فضل القعود في المسجد لانتظار الصلاة)

(۲) مسند طيالسی، ماروی يحيی بن وثاب عن ابن عمر رضي الله عنهم، لفظه: الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُسْلِمُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ، أَوْ أَفْضَلُ مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ.

## معاشرت کا شرعی مفہوم

تو بہر حال! معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ ہم جب زندگی گذارتے ہیں تو اپنے اعزہ سے، ماں باپ، سے، بھائی بہن سے دادا، دادی، نانا، نانی، دوسرے رشتہ داروں سے واسطہ پڑتا ہے، باہر نکلے گا تو پڑوسی کا گھر لگا ہوا ہے تو اس کے ساتھ واسطہ پڑے گا، دوکان پر بیٹھے گا تو جو لوگ اس کے پاس آئیں گے معاملہ کرنے کے لیے، ان سے سابقہ پڑے گا، سفر کرے گا تو اس میں اجنبی اور دوست واحباب کے ساتھ واسطہ پڑے گا۔ یہ جو مختلف مواقع میں لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، اس وقت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کس طرح پیش آئے؟ اس کا طریقہ بھی شریعت نے بتلایا ہے، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں معاشرت کہتے ہیں۔

## معاشرت کی اہمیت شریعت کی نظر میں

یہ معاشرت جو ہے، وہ دین کا ایک بہت اہم شعبہ ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض مقامات پر معاشرت کے بعض مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عبادات کے مسائل اتنی تفصیل سے بیان نہیں کیے ہیں، نماز کا حکم قرآن میں ۷۰ رسے زیادہ جگہ پر دیا گیا ہے لیکن نماز کی ادائگی کا طریقہ قرآن میں کہیں تفصیل سے بتایا نہیں گیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے نماز امت کو سکھلا کر ایک ہدایت کردی: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيِ (۱) لیکن معاشرت کے بعض احکام وہ ہیں جو

---

(۱) صحیح بخاری شریف، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ ←

قرآنِ کریم میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

## معاشرت کا ایک شعبہ: استیذان اور اس کی اہمیت

مثلاً ایک آدمی دوسرے کے گھر جارہا ہے تو اس کو اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے، کل میں نے اس سلسلے میں بات بتلائی تھی، وہ تو ضمناً آ گئی تھی، یہ استیذان یعنی کسی کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت طلب کرنا، باقاعدہ قرآن میں اس مسئلے کی تفصیل بیان کرنے کے لیے پورے دو رکوع لائے ہیں اور احادیث میں بے شمار ارشادات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں، حضراتِ محدثین باقاعدہ کتاب الاستیذان کے نام سے عنوان قائم کر کے مختلف ابواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کو اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں، گویا یہ دین کا ایک پورا شعبہ ہے تو یہ استیذان معاشرت سے تعلق رکھنے والا ایک شعبہ تھا، اس کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ اہتمام کیا کہ دو رکوع نازل فرمائے۔

## قرآن میں زوجین کے باہمی حقوق کا بیان نماز سے زیادہ مفصل ہے

میاں بیوی کے آپس کے معاملات کے سلسلے میں قرآنِ پاک میں بعض مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ میاں بیوی کے آپس کے معاملے کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کو بہت تفصیل سے بیان فرمائے، جب کہ نماز کے مسائل اتنی تفصیل سے بیان نہیں کیے گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرت کی حیثیت شریعت کی نگاہ میں کیسی ہے! اس کو کتنی اہمیت دہ گئی ہے۔ آج ہم نے اس شعبے کو گویا دین سے خارج

---

➲ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الأَذَانِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْفَرَائِضِ وَالأَحْكَامِ.

کردیا، آج کل تو ہمارے یہاں دین کا خلاصہ صرف اتنا ہی ہے کہ کچھ عبادات ادا کرلیتے ہیں اور عبادات میں بھی صرف نماز اور نماز بھی کس طرح ادا کرتے ہیں، وہ ہم ہی جانتے ہیں کہ ہماری نمازوں کا کیا حال ہے!

## قلیل العبادت، پڑوسیوں کو راحت پہنچانے والی عورت پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے والی عبادت گزار عورت سے بہتر ہے

تو بہرحال! یہ معاشرت جو ہے، وہ ایک بڑا اہم شعبہ ہے، اس میں کوتاہی کی صورت میں بندوں کے بہت سارے حقوق ضائع ہوتے ہیں، حدیث میں آتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک عورت ہے جو بہت زیادہ اہتمام کرتی ہے عبادات کا اور نماز، روزہ وغیرہ کی پابند ہے لیکن اس کے پڑوسیوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے اور ایک دوسری عورت ہے جو فرائض پر اکتفا کرتی ہے، نوافل کا زیادہ اہتمام نہیں کرتی لیکن پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے اس کی پڑوسی عورتیں اس سے راضی اور خوش ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے(۱)۔

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فُلاَنَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلاَتِهَا، وَصِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: هِيَ فِي النَّارِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنَّ فُلاَنَةَ تُذْكَرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، وَصَلاَتِهَا، وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالأَثْوَارِ مِنَ الأَقِطِ، وَلاَ تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: هِيَ فِي الْجَنَّةِ (مسندِ احمد)

## معاشرت کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ کا مثالی مزاج

دیکھو! معاشرت کے احکام کا لحاظ کرنے پر جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا گیا، یہ معاشرت جو ہے، بڑی اہمیت کی حامل ہے، ہمارے اکابر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، حضرت فرمایا کرتے تھے، خانقاہوں کے متعلق عام طور پر ایسا خیال ہوتا ہے کہ لوگ وہاں جا کر کے ''اللہ اللہ'' کرتے ہیں، ذکر میں، تسبیحات میں، تلاوت میں، مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں، حضرتؒ کے یہاں معاملات کی درستگی پر اور معاشرت کی درستگی پر بڑا زور دیا جاتا تھا، حضرت فرمایا کرتے تھے: مجھ سے جو اصلاحی تعلق رکھنے والے ہیں، ان میں سے کسی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا ہے کہ معمولات میں کوتاہی کرتا ہے کہ اس کو دس تسبیحات بتائی گئی، وہ اس کے بجائے پانچ کرتا ہے تو رنج تو ہوتا ہے لیکن اگر کسی کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرت سے تعلق رکھنے والے احکام کے اندر اس نے کوتاہی کر کے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق میرے دل میں نفرت سی آ جاتی ہے۔

## انسانیت بھی شرط ہے انسان کے لیے

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اگر تم کو صوفی بننا ہے، زاہد بننا ہے، عابد بننا ہے تو بہت ساری خانقاہیں موجود ہیں، وہاں چلے جاؤ، ہمارے یہاں تو انسان بنائے جاتے ہیں، پہلے انسان تو بن جاؤ، زاہد بننا، مسلمان بننا، عابد بننا، صوفی بننا تو بعد کی چیز ہے، کم سے کم جانوروں کی سطح سے بلند ہو کر انسان تو بنو۔

# جانوروں کی تین قسمیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جانوروں کی تین قسمیں بتائی ہیں: جانور کی ایک قسم تو وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ ہی پہنچاتی ہے، یہ پالتو جانور جتنے بھی ہیں: گائے، بھینس، بکری وغیرہ، ان کا کام کیا ہے؟ انسانوں کو فائدہ ہی پہنچاتے ہیں، دودھ دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب عمر ہوتی ہے اور دودھ دینے کے قابل نہیں رہتے تو ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور اپنے گوشت سے، اپنی کھال سے انسانوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہے، فائدہ نہیں پہنچاتی، جیسے: درندے، جنگلی جانور، پھاڑ کھانے والے، سانپ، بچھو وغیرہ۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو نہ فائدہ پہنچاتی ہے، نہ نقصان، جیسے جنگل میں بہت سارے جانور ہیں، گیدڑ ہے، لومڑی ہے، اور بھی بہت سے جانور ہیں جو نہ فائدہ پہنچاتے ہیں، نہ نقصان۔

# اپنے منصب سے انسان تو گر گیا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے انسان! تو نے اگر یہ سوچ ہی لیا ہے کہ اشرف المخلوقات کی سطح سے نیچے اتر کر جانور ہی بننا چاہتا ہے تو کم سے کم پہلی قسم کا جانور بن جا اور لوگوں کو فائدہ پہنچا اور اگر پہلی قسم کا جانور نہیں بنتا تو کم سے کم تیسری قسم کا بن کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے، ورنہ دوسری قسم میں داخل ہو جاؤ گے۔

تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف پہنچے، شریعت ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی، کسی کو بھی ایذا پہنچانا یہ حرام قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سارے ارشادات فرمائے اور اصول بھی ہیں، جزئیات بھی ہیں، بعض ضمنی طور پر بھی ارشادات ہیں اور اصولی طور پر بھی بعض باتیں ایسی فرمائیں کہ اگر آدمی اس کو اختیار کرلے تو اس کی معاشرت درست ہوسکتی ہے اور لوگوں کو اس کی ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

## وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے.......

ابھی آپ کے سامنے جو ارشادات پیش کیے گئے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: مسلمان وہ ہے یعنی حقیقی مسلمان کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ بھائی! دیکھئے، کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی اس کو کافر نہیں کہتا لیکن لوگ بہرحال یہ ضرور کہیں گے: یہ کیسا مسلمان ہے! مسلمان ہے اور نماز نہیں پڑھتا! گویا یہ حقیقی مسلمان نہیں ہے، اسی طریقے سے جو شخص دوسروں کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچاوے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے۔

## زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ اعضاء اس لیے نہیں دئے کہ ہم لوگوں کو اس کے ذریعہ سے تکلیف پہنچائیں، زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ جب سے اس کی خدمت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، بچہ جب بولنا سیکھتا ہے، وہاں سے لے کر موت تک برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے، یہ ایسی مشین ہے کہ جس کو سروس

کرانے کی ضرورت نہیں پڑتی، نہ تیل ڈالنا پڑتا ہے، نہ اور ہولنگ کرنی پڑتی ہے، بس اس کی خدمات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ بڑھاپے میں بھی دوسرے اعضاء تو جواب دے دیتے ہیں، آنکھوں کی بینائی میں کمی آجاتی ہے، کانوں کی شنوائی میں کمی آجاتی ہے، ٹانگوں کی قوت کم ہو کر کے چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی ہے لیکن یہ زبان، اس کی قوت گھٹتی نہیں ہے۔

## ہماری ہر بات اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ رہتی ہے

یہ زبان جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب وغریب نعمت ہے اور اس کو صحیح استعمال کرنے اور اس کی حفاظت کی بڑی تاکید احادیث میں آئی ہے، قرآنِ پاک میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ [ق:۱۸] کہ آدمی جو بات اپنی زبان سے نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی باتوں کو نوٹ کرتا ہے، ہم جو بول بولتے ہیں نا تو ہمارا بولا ہوا بول ہوا میں تحلیل نہیں ہو جاتا بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہوتا ہے، کل کو قیامت میں جب ہمارے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا تو آدمی اس کو دیکھ کر کیا کہے گا: ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ [الکہف:۴۹] اس نوشتے کو کیا ہو گیا کہ کوئی چھوٹا بڑا گناہ رہا ہے ہی نہیں کہ اس کو لکھا نہ گیا ہو۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اگر اب سے پانچ منٹ پہلے کوئی کچھ بولا ہونا، پھر اس سے کہا جائے کہ ابھی تو نے یہ کہا تھا تو وہ کہے گا کہ نہیں، نہیں، میں نے تو یہ نہیں کہا تھا، چار آدمی آ کر کہیں گے کہ تم نے یہ کہا تھا تو وہ

کہے گا کہ بھول ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا(۱): اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالو جس کے متعلق تم کو بعد میں معذرت پیش کرنی پڑے، معافی تلافی کرنی پڑے کہ بھائی مجھ سے بھول ہوگئی، پہلے سے سوچ کر بولو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تولو اور پھر بولو۔

## جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو........

زبان بڑی اہمیت رکھتی ہے، بخاری شریف میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ(۲) جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان اور اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ کہ وہ ان اعضاء کو غلط استعمال نہیں کرے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔

## زبان کی حفاظت نجات کا ذریعہ ہے

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ دریافت کیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں پہلی بات یہ تھی: أَمْسِكْ

---

[۱] مسند احمد، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ

[۱] بخاری شریف، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ.

عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۱): اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔

## زبان کے سلسلے میں حضرت صدیقِ اکبرؓ کی احتیاط

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضراتِ انبیاءؑ کے بعد انسانوں میں سب سے افضل ہیں، اپنی زبان کے متعلق کتنے محتاط تھے! مشکوۃ شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر مروڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے: إِنَّ هٰذَا الَّذِي أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ (۲): اسی نے مجھے ہلاکتوں کے اندر ڈالا ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے؛ تا کہ بلاضرورت بولنے کی نوبت نہ آئے، گویا زبان کو لوک (lock) کرتے تھے۔ لوک کی تو ہمیں ضرورت ہے، ہماری زبانیں قینچی کی طرح چلتی رہتی ہیں، ضرورت ہے کہ ہم اس پر تالا لگائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی لیے منہ میں کنکر رکھتے تھے۔

## زبان ایک درندہ ہے

اس زبان کو بڑے اہتمام سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں اور تفسیر میں ان کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ زبان درندہ ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑوں گا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔

---

(۱) سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ وتمام الحدیث: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

(۲) مشکوۃ شریف، موطا امام مالک علیہ الرحمۃ، باب ما جاء فیما یخاف من اللسان.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، فرماتے ہیں: اگر لمبی قید کی کوئی چیز حق دار ہے تو وہ زبان ہے کہ اس کو قید میں رکھا جائے۔

## حضرت ربیع بن خثیمؒ اور لایعنی کلام

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، جب وہ مجلس میں آتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو اپنے قریب بٹھلاتے تھے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے تھے اور جب ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے: لَوْ رَآكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لأَحَبَّكَ (۱) اللہ کے رسول اگر تمھیں دیکھتے تو تم سے محبت کرتے۔ ان کے متعلق ہے کہ بیس سال تک کبھی اپنی زبان سے دنیا کی کوئی بات نہیں نکالی (۲)، ان کا معمول تھا کہ جب بیٹھتے تھے تو قلم اور دوات لے کر بیٹھتے تھے، جب کوئی بات زبان سے نکالی تو اس کو لکھ لیتے تھے، شام کو بیٹھ کر سب دیکھ کر اپنا محاسبہ کرتے تھے اور بے جا، بلاضرورت بات کو اپنی زبان سے نہیں نکالتے تھے، لایعنی بات کو کبھی اپنی زبان سے نہیں نکالی یعنی ایسی بات جس میں نہ دنیا کا فائدہ ہو، نہ دین کا فائدہ ہو۔

## روزی کھارہے ہیں اور اپنی موت انتظار کررہے ہیں

ان سے جب کوئی سوال کرتا: کیف أصبحتَ: آپ نے کس حال میں صبح

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۷/ ۲۸۹

(۲) قَالَ فُلَانٌ: مَا أَرَى الرَّبِيْعَ بنَ خُثَيْمٍ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً، إِلاَّ بِكَلِمَةٍ تَصْعَدُ (ایضًا)

کی؟ تو جواب میں فرماتے تھے: أصبحنا ضُعفاءَ مُذنِبِینَ، نا کل ارزاقنا و ننتظر اٰجالَ نا: ہم نے کمزور اور گناہ گار ہونے کی حالت میں صبح کی، روزی کھا رہے ہیں اور اپنی موت انتظار کر رہے ہیں۔

## حضرت حسّان بن ابی سنان ؒ اور لایعنی کلام

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْ کُهُ مَا لَا یَعْنِیهِ(۱): انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے ضرورت چیزوں کو چھوڑ دے۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرت حسّان بن ابی سنان ایک بزرگ ہیں، تابعی ہیں، ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک مکان پر نظر پڑی، نیا نیا بنا تھا، اتفاقاً ساتھیوں سے پوچھ لیا کہ یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا، معاً دل میں خیال آیا کہ میں نے بے کار سوال کر لیا، پھر دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو نے بے ضرورت سوال پوچھ لیا، میں اس کی سزا میں ایک سال کے روزے رکھوں گا۔ ان حضرات کا یہ حال تھا، حالاں کہ یہ کوئی گناہ کا جملہ نہیں تھا لیکن اتنے زیادہ محتاط تھے، اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، ان کی نگاہیں تک بلاضرورت کسی چیز پر پڑتیں تو اس پر توبہ و ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

## اتنے سال ہوگئے، میں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا نہیں

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا، گھر میں داخل ہوا، اوپر کی طرف دیکھا تو ایک کڑی ٹوٹی ہوئی تھی، کہنے لگا کہ حضرت! آپ کے کمرے کی یہ کڑی

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ کَفِّ اللِّسَانِ فِي الْفِتْنَةِ.

ٹوٹی ہوئی ہے تو بزرگ نے جواب دیا کہ اتنے سال سال ہو گئے، میں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا ہی نہیں، ان کو چھت کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں، یہ حضرات اپنے اوقات کو اللہ کی یاد میں گذارنے کا ایسا اہتمام کرتے تھے کہ کھانے پینے کے اوقات میں سے بھی کٹوتی کر کے اس کو اللہ کی یاد میں گذارتے تھے۔

## اس میں میں ۷۰ رمرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں

حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ۷۰ رمرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا۔ ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں وقت کو گذارنے کے لیے ۴۰ رسال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

## لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ زبان اللہ کی نعمت ہے، اللہ نے اس لیے نہیں دی کہ ہم اس کے ذریعہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچائیں، یہ زبان کی جو تکلیف ہے، وہ بڑی

خطرناک ہے، کبھی کبھی تو وہ ہاتھ کے ذریعہ سے پہنچنے والی تکلیف سے آگے بڑھ جاتی ہے، عربی میں شعر ہے:

| | | |
|---|---|---|
| جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامُ | | وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ (۱) |

نیزے کے ذریعہ سے جو زخم لگایا جاتا ہے نا، وہ بھر جاتا ہے، وہ ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن زبان کے ذریعہ سے جو زخم لگایا جاتا ہے، وہ بھرتا نہیں ہے، جیسے گالی دے کر اور طعنہ دے کر کے جو تکلیف پہنچائے، آدمی زندگی بھر اس کو بھولتا نہیں ہے، یہ زبان جو ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

## جو اپنے لیے پسند کرو، وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو

اور دوسرا ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: زبان کے معاملے میں بھی: اگر ہم کسی کو کوئی بات کہنا چاہتے ہیں تو سوچیں: ایک تو یہ کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو مجھے اس کے بارے میں جواب دینا ہے، دوسرا یہ کہ جو بات دوسرے کو کہنے جا رہا ہوں، اگر یہی بات مجھے کہی جاتی تو کیا مجھے یہ بات گوارا تھی؟ اگر میں یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو مجھے اپنے بھائی کے لیے بھی یہ بات پسند نہیں کرنا چاہیے: أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ (۲) لوگوں کے لیے بھی وہی چیز پسند کرو جو

---

(۱) فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے: كقول المرتضى كرم الله وجهه: جراحات السنان لها التئام "البيت (۶/۱۷۹)

(۲) سنن الترمذي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ.

اپنے لیے پسند کرتے ہو، ہم جو جملہ، جو بات اپنے لیے گوارا نہیں کرتے، اپنے بھائی کے لیے کیوں گوارا کرتے ہیں؟ اگر ہم کسی کو گالی دیں، وہ ہمیں گالی دے تو کیا ہم اس کو گوارا کریں گے؟ ہم کسی پر تہمت لگائیں، کوئی ہم پر تہمت لگائے گا تو کیا ہم اس کو برداشت کریں گے، ہم اس کو پسند کریں گے؟ نہیں، پھر ہم دوسروں پر کیوں تہمت لگاتے ہیں؟ ہم لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، کوئی ہماری، آپ کی غیبت کرے تو کیا ہم اور آپ اس کو گوارا کر سکتے ہیں؟

## اپنی غیبت پسند نہیں تو اپنے بھائی کی غیبت بھی مت کرو

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے غیبت کے متعلق ایک مضمون ''جنگ'' کے اندر لکھا تو ایک وکیل صاحب کا خط آیا کہ آپ نے تو ہماری زندگی کا مزا کِرکِرا کر دیا، چند احباب ساتھ مل کر کچھ باتیں اِدھر اُدھر کی کر لیتے ہیں تو اس کی وجہ سے ذرا لطف آجاتا ہے اور آپ نے تو یہ کہا کہ یہ غیبت ہے اور اس کی وجہ سے گناہ ہوگا تو وہ جو زندگی کا تھوڑا بہت لطف تھا، وہ بھی ختم ہو گیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو جواب میں لکھا کہ دوسروں کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے میں آپ کو جو مزا آتا ہے تو آپ نے ذرا سوچا کہ اگر کوئی آپ کی اس طرح غیبت کرے گا تو کیا آپ کو یہ گوارا ہوگا؟ کیا آپ اس کو پسند کریں گے؟ جب خود آپ اس کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اپنے بھائی کے لیے کیوں پسند کرتے ہیں؟

## ذخیرۂ احادیث کا خلاصہ چار حدیثوں میں ہے

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، حدیث کی جو مشہور

کتابیں ہیں، جن کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے، ان میں سے ایک سننِ ابوداود بھی ہے۔ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں حاصل کیں اور ان میں سے منتخب کر کے ۴۸۰۰ر حدیثیں میں نے اپنی اس کتاب کے اندر جمع کی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے ارشادات کا خلاصہ چار حدیثیں ہیں، ان چار میں ایک یہ ہے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ کہ تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں بن سکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے(۱)۔

## معاشرت کی درستگی کے لیے ایک رہنما اصول

معاشرت کی درستگی کے لیے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسا اصول بتادیا کہ اگر ہم اس کو اختیار کرلیں تو کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں، جو معاملہ ہم دوسرے کے ساتھ کرنے جارہے ہیں، پہلے سوچ لو کہ اگر وہ معاملہ میرے ساتھ کیا جاتا تو میں اس کو برداشت کرتا؟ مثلاً آپ کسی کو گالی دینا چاہتے ہیں تو سوچ لیجیے کہ اگر کوئی ہمیں گالی دیتا تو کیا ہم اس کو گوارا کرتے؟ اگر آپ کسی پر تہمت لگانا چاہتے ہیں تو پہلے سوچ لیجیے کہ اگر کوئی ہم پر تہمت لگاتا تو ہم اس کو برداشت کرتے؟ ہمارا نفس کسی کی ماں، بہن کو بری نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہے تو پہلے سوچ لیجیے کہ اگر کوئی شخص ہماری بہن کو بری نگاہ

(۱) دوسری حدیث: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، تیسری حدیث: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ، چوتھی حدیث: الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ۱/۵۷) امام ابوداود کے الفاظ ہیں: لا يؤمن أحدكم حتى يرضى لأخيه ما يرضى لنفسه.

سے دیکھتا تو کیا ہم اس کو پسند کرتے؟ جب وہ پسند نہیں کرتے تو یہ کیوں پسند کرتے ہو؟ ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں، ہمارے پاس دو ''ماپ'' ہیں: لوگوں کے لیے الگ اور اپنے لیے الگ، یہ طریقہ اچھا نہیں ہے، ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو بتلایا: أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ: لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو ہماری معاشرت جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

## عبادات کی ادائیگی میں بھی دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ معاشرت کے متعلق بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، کسی کو تکلیف پہنچانا شریعت کو گوارا نہیں ہے، یہاں تک کہ عبادات کے اندر بھی اگر کوئی ایسا پہلو نکل آتا ہے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس صورت میں شریعت آپ کو کہے گی کہ دوسرے کو تکلیف مت پہنچاؤ۔

## باجماعت نماز کی سخت تاکید

جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ شریعت میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، احادیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے، عشا کی جماعت میں یا فجر کی جماعت میں تو میرا جی یہ چاہتا ہے کہ مسجد میں کسی کو نماز کے لیے کھڑا کر کے میں ان کے گھروں میں جاؤں اور جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، ان کے گھروں کو آگ لگاؤں (۱)۔ اتنی زیادہ تاکید ہے اور جماعت چھوڑنے والے کی

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب وُجُوبِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ.

گواہی بھی شریعت قبول نہیں کرتی، گویا جماعت کے ساتھ نماز کی بڑی تاکید ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے باجماعت نماز کا اہتمام

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الوفات میں، جس بیماری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، اتنا اہتمام کہ دو آدمیوں کے سہارے سے، پاؤں مبارک کو گھسٹتے ہوئے، مسجد میں آتے تھے، جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی، تب آپ نے چند نمازیں گھر میں ادا کیں، ورنہ اس طرح آ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت میں شرکت کی ہے، جماعت کی شرکت اتنی اہم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے مسلم شریف میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین ہی جماعت چھوڑنے کی ہمت کرتے تھے، جماعت کا اس قدر اہتمام تھا(۱)۔

## عبادت کیا کہ جس سے ہو تکلیف اور کو

لیکن اس کے باوجود ایک آدمی ہے جس کو کوئی ایسی بیماری ہے، جس کی وجہ سے اس کے جسم سے بدبو آتی ہے، منہ سے بدبو آتی ہے، بیماری کی وجہ سے بدبو آتی ہے، اب اگر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جائے گا تو اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اسلام اس کو کہتا ہے کہ بھائی! اب تم کو جماعت سے نماز کی ضرورت

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ - وَقَالَ - إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ (صحیح المسلم، باب صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى)

نہیں ہے، اپنے گھر میں پڑھو، تم کو وہاں بیٹھے بیٹھے جماعت کا ثواب مل جائے گا، مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے، تمہارا آنا لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔

## ایذا رسانی کی صورت میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی ممانعت

حجرِ اسود کا بوسہ دینا اس کی بڑی فضیلت ہے، یمین اللہ کہا گیا، حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ قرار دیا گیا، اس کے بوسے سے گناہ کا جھڑنا بتایا گیا لیکن تاکید فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم توانا آدمی ہو، کہیں تمہاری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تکلیف پہنچا کر بوسہ دینے کی شریعت اجازت دیتی نہیں ہے۔

## ایذا رسانی کی صورت میں کلامِ پاک کی ممانعت

قرآنِ پاک کی تلاوت بڑا نیکی کا کام ہے لیکن رات کو لوگ سوئے ہوئے ہیں اور آپ وہاں قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں اور آپ کی تلاوت کی وجہ سے لوگوں کی نیند میں خلل پڑتا ہے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

## ایک واعظ کو زور سے تقریر کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

ایک صاحب مسجدِ نبوی میں وعظ کہتے تھے اور ان کے زور سے بولنے کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہلوایا لیکن اس نے دھیان نہیں دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا، ان کو کہلوایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو بلا کر منع کر دیا پھر اس آدمی نے دوبارہ اسی طرح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آئندہ تو نے ایسا کیا تو اس لکڑی سے تیرے سر پر ماروں گا۔

## اپنا شوق پورا کرنے میں دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائیں

مسجد میں جتنا مجمع ہو، اس کی مناسبت سے آواز بلند ہونی چاہیے، اس سے زیادہ آواز نہیں ہونی چاہیے، آج کل ایک عام مزاج بنتا جا رہا ہے کہ جو لاؤڈ اسپیکر (loudspeaker) ہوتے ہیں، ان اسپیکروں کے ذریعہ باتیں دور دور تک رات کے وقت میں پھیلتی ہے، اب بہت سے لوگ سوئے ہوئے ہیں، اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں، (ان کی مصروفیات میں یہ اسپیکر کی آواز خلل انداز ہوتی ہے) شریعت اس کی اجازت دیتی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو تقریریں وغیرہ سننے کا شوق ہوتا ہے، وہ اپنے گھروں میں ٹیپ ریکارڈر (tape recorder) لگاتے ہیں، رات کو سونے کا وقت ہے، لوگ سو رہے ہیں، اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہیں اور یہ زور زور سے ٹیپ ریکارڈر بجا رہا ہے، آپ کو شوق ہے تو اپنے کان میں لگا کر سن لیجیے، دوسروں پر لادنے کی کیا ضرورت ہے؟ شریعت اس کی اجازت دیتی نہیں ہے۔

## گھر میں داخلے کے وقت سلام کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط

بہر حال! شریعت نے ہر ایک کا لحاظ کیا ہے، کسی کو ہماری ذات سے ادنی تکلیف بھی نہ پہنچے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب آپ رات کو گھر تشریف لے جاتے تھے تو آپ سلام بھی ایسی آواز سے کرتے تھے کہ اگر کوئی بیدار ہو تو سن لیتا اور کوئی اگر سویا ہوا ہو تو اس کو نیند میں خلل نہ پڑے، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام تو وہ سلام تھا کہ لوگ اس کی تمنا کیا کرتے تھے، کل میں نے واقعہ سنایا تھا کہ ایک صحابی نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کے لیے کیا تدبیر اختیار کی تھی، بہر حال! یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں سے ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور پھر تکلیفیں بھی گھر والوں کو پہنچانا!۔

## بیوی کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک

دیکھو! شریعت ہمیں زندگی کے آداب سکھلاتی ہے، آپ کے گھر میں آپ کی بیوی آپ کے بغیر کھانا نہیں کھائے گی، آپ کو یہ معلوم ہے، اب آپ نماز کے بعد کہیں سیر سپاٹے کے لیے نکل گئے، رات کو ۱۲/ بجے آپ گھر پہنچے، بیوی بے چاری آپ کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہے، پوچھا: کھانا؟ اب آپ کو نہیں آنا تھا تو اس کو پہلے سے بتلا دینا تھا کہ میں آج آنے والا نہیں، تم وقت پر اپنا کھانا کھا کر سو جائیو، میں آرام سے آؤں گا۔ اس کو خبر نہ دے کر کے ہم نے اس کو تکلیف پہنچائی، ہم لوگ اپنے گھر والوں کو تکلیف پہنچانے کے معاملے میں کوئی احتیاط برتتے نہیں ہیں، اس بے چاری کو کبھی اس قابل سمجھا ہی نہیں گیا کہ اس کی تکلیف کا خیال کیا جاتا، سلام تک کرنے کے روادار نہیں، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آپ گھر میں جائیں تو پہلے سلام کریں۔

## بہتری کا معیار اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے

ایک جگہ ایک بھائی کو بتایا گیا کہ جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو تو وہ کہنے لگا کہ ''عورتوں کو کیا سلام کرنا'' یہ ہمارا حال ہے، اس اللہ کی بندی کو اس لائق ہی نہیں سمجھتے کہ اس کو سلام کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا

خَيْرُ كُمْ لأَهْلِي (۱): تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتری کا معیار اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک قرار دیا ہے۔

## گھر والے آپ کے حسنِ اخلاق کے زیادہ مستحق ہیں

ایک آدمی کے اخلاق کی ساری دنیا تعریف کرتی ہے لیکن گھر والوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے تو ایسے اچھے اخلاق کا کیا فائدہ کہ جس کے فائدے سے اس کے گھر والے ہی محروم ہوں، ساری دنیا کو فائدہ پہنچایا تو کس کام کا؟ تو مطلب یہ ہے کہ جن کو آپ کے اخلاق سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچنا چاہیے تھا، وہ تو تکلیف میں ہیں تو اس کا کیا فائدہ؟۔

## نماز پڑھنے والے کے ساتھ کام ہو تو اس کے پاس بیٹھنے کا ادب

شریعت نے ہمیں آداب بتلائے ہیں، کسی کا انتظار کرنا ہے تو اس انتظار کے لیے بھی باقاعدہ اصول ہیں۔ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے، ہمیں اس سے کام ہے تو ہم تو کیا کرتے ہیں؟ اس کے پہلو میں جاکے بیٹھ جاتے ہیں، ارے بھائی! جب اس کے پاس آپ آکر کے بیٹھ گئے تو اس کی نماز تو اس کی وجہ سے غارت ہوگئی، اس کا ذہن تو منتشر ہو ہی گیا کہ کوئی ملنے کے لیے آیا ہے، اب اگر وہ نماز پوری بھی کرتا ہے تب بھی نماز میں جو ذہن تھا، وہ نہیں رہے گا، کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ کسی نمازی سے

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، باب فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

جب آپ کو کوئی کام ہو تو آپ اس طرح بیٹھیں کہ اس کو خیال بھی نہ ہو کہ یہ میرے انتظار میں بیٹھا ہے؛ تا کہ اس کی وجہ سے نماز میں اس کی توجہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے اس میں کوئی خلل نہ آئے، جب وہ نماز سے فارغ ہو جائے، تب آپ اس کے پاس آ کر بیٹھیں۔

## راستوں میں گاڑی چلاتے وقت ہم سے پہنچنے والی تکالیف

بعض لوگ مسجد میں راستے ہی میں نماز کی نیت باندھ دیتے ہیں، آنے جانے والوں کو اس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی طرح راستے کے اندر پارکنگ (parking) کا مسئلہ! آپ راستے میں ایک طرف سے آ رہے ہیں اور آپ کا کوئی دوست سامنے سے اسی راستے پر آ رہا ہے اور آپ کو اس سے کوئی بات کرنی ہے تو راستے پر بیچ میں کھڑے ہو گئے اور باتوں میں مشغول ہو گئے، اب پیچھے سے ہارن (horn) کی آواز آ رہی ہے تو آپ بڑے غصے کے ساتھ جیسے آپ کی شان میں گستاخی ہو گئی ہو، اس کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں! ایک تو تکلیف پہنچا رہے ہیں اور گویا پیچھے والے کو یہ حق بھی نہیں کہ ہارن دے کر کے اس کو متوجہ کرے، یہ ہمارا حال ہو گیا ہے، شریعت ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی۔

## ہم اپنے سلوک سے اسلام کو بدنام نہ کریں

کسی جگہ اپنی گاڑی رکھنی ہو تو ایسی جگہ پر رکھنی چاہیے کہ کسی کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اگر ہمیں راستے میں بات کرنا ہے تو ایسی جگہ کھڑے رہ کر کے بات کریں

کہ اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ شریعت نے ان امور کا بڑا لحاظ کیا ہے لیکن ہم ہیں کہ شریعت کی ان تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر کے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، ہمارا یہ عمل لوگوں کو کیا پیغام دیتا ہے؟ کیا میسیج دیتا ہے؟ کہ گویا اسلام کے ماننے والے یہی ہیں جو لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں؟

## جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

آپ یورپ میں چلے جایئے! وہاں ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کی تکلیف کا اتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، وہاں دیکھا کہ وہ لوگ معاشرت کے آداب کا اتنا زیادہ لحاظ کرتے ہیں۔ کہیں راستے میں کسی کی گاڑی خراب ہوگئی، تو ہم نے دیکھا، ایک دفعہ ہم ایک جگہ جارہے تھے، راستے میں کسی وجہ سے ہماری گاڑی رک گئی، ایک گورا اپنی گاڑی میں تیزی سے جارہا تھا، اس نے ہمیں دیکھا پھر آگے جاکے گاڑی روکی اور لوٹ کر کے آیا اور پوچھتا ہے: آپ لوگوں کی میری کوئی ضرورت ہے؟ یہ ان کا حال ہے۔

## ترا کے میسر شود ایں مقام......

اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم اپنے ہم جنسوں کو، اپنے ہم مذہبوں کو دیکھتے ہیں پھر بھی اپنی آنکھیں پھیر کر چلے جاتے ہیں کہ ان کی مدد میں ہمارا وقت برباد ہوگا اور یہ گورا گیا ہوا واپس آیا، ایسی باتیں تو وہاں ایسی عام ہیں کہ ہم اور آپ تو ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے ’’کسی کو ادنی سی تکلیف نہ پہنچے‘‘ اس کا بڑا خیال کرتے ہیں، یہ وہ

تعلیمات ہیں جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دی تھیں، جو لوگ ان تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں، ان کی دنیوی زندگی سکون والی ہے، بھلے آخرت میں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے عذاب میں ہوں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان تعلیمات کو چھوڑ کر ہماری معاشرت تکلیفوں کا شکار ہو چکی ہے، ایک دوسرے کی ایذا رسانی، ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے، لڑائیاں، لڑائیوں کا ایک سلسلہ ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

## وعدہ کرو تو پورا کرو

تو بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہے، وہ بڑا خطرناک کام ہے، اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے اور معاملات کے اندر بھی اس کی ضرورت ہے، کسی سے وعدہ کیا کہ میں آپ کو آپ کے پیسے فلاں دن اور تاریخ تک دے دوں گا، اب اس بے چارے نے آپ کے اس وعدے پر اعتماد کر کے اس کا جو کام تھا، یہ سوچ کر کہ آپ اس کو وقتِ موعود پر دے دیں گے، اپنا کام نکال لیا اور وقتِ موعود آنے پر آپ اس کا نام ہی نہیں لیتے۔

## مقروض کے حج وعمرہ اور صدقات مقبول نہیں

پورے خاندان کے ساتھ حج، عمرے میں جا رہے ہیں اور آپ کے ذمے لوگوں کا قرضہ ہے، وہ ادا کرنے کا نام نہیں لیتے، کیا یہ اسلام کی تعلیمات ہیں؟ کیا یہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوں گے؟ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ کے ذمے دوسروں کا قرضہ ہے تو اس قرضے کے ساتھ دوسروں کی دعوت نہیں کرنی ہے، جن کے

پاس فالتو پیسے ہیں وہ کریں، تقوے کا حق تو یہ ہے اور یہاں ہمارا حال یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق ہمارے سر پر باقی ہیں اور ہم یہ سب کرتے جارہے ہیں، شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کی ہمیں کوئی پروانہیں۔

## حقیقی مفلس

ضرورت ہے اس طرح زندگی گذارنے کی کہ کسی کو، چاہے وہ اپنا ہو یا پرایا ہو، مسلم ہو، غیر مسلم ہو، یہاں تک کہ کسی جانور کو بھی ہماری ذات سے کوئی تکلیف پہنچنی نہیں چاہیے کہ جو تکلیفیں ہماری طرف سے لوگوں کو پہنچتی ہیں، کل قیامت کے دن اس کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑے گی، ہم نامۂ اعمال میں بہت ساری نیکیاں لے کر جائیں اور وہ ہمیں بالکل کام نہ آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: تم مفلس کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جن کے پاس پیسے نہ ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حقیقت میں مفلس وہ ہے جو کل قیامت کے دن بہت ساری نیکیاں لے کر آئے گا، نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے، حج کیے تھے، عمرے کیے تھے، بہت کچھ کیا تھا لیکن اس کو گالی دی تھی، اس کو تکلیف پہنچائی تھی، اس کا حق مارا تھا تو سارے حقوق والے آکر کے اس کی ساری نیکیاں لے جائیں گے، یہ ہے حقیقی معنی میں مفلس (۱)۔

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب تَحْرِیمِ الظُّلْمِ.

## دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

بھائی! ضرورت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان تعلیمات کو ہم اپنے سینے سے لگائیں، آج اگر ہم ان تعلیمات کو اپنا لیتے ہیں تو ہماری سوسائٹی، ہمارا سماج جنت کا نمونہ بن جائے گا، بھائی! ہماری طرف سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، ہمارا دل ہر ایک طرف سے بالکل صاف شفاف ہو۔ آج یہ جو آپس کے جھگڑے ہیں، آپس کی عداوتیں ہیں، ہر کوئی دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے، گویا اس نے اپنی زندگی کا یہ مشن بنایا ہے کہ کس طرح میں اس کو رسوا کروں، کس طرح اس کو ذلیل کروں، کس طرح اس کو تکلیفیں پہنچاؤں، ہم نے اپنے مقاصد کو چھوڑ دیا، یہ جو ہمارے سماج کا برا حال ہو رہا ہے وہ قابلِ نفرین ہے، ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنا جائزہ لے، اپنے متعلق سوچے اور ایسی حرکتیں جن سے کسی کو بھی ہماری ذات سے تکلیف پہنچتی ہو، چاہے اپنا ہو، پرایا، گھر کا ہو، باہر کا ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔

## خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے، پہلے ایک واقعہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کر دیتا ہوں جو احیاء العلوم میں بیان کیا ہے: ایک بزرگ تھے، اللہ والے تھے، ان کے یہاں چوہے بہت ہو گئے، ایک مرتبہ انھوں نے اپنی مجلس میں شکایت کی کہ میرے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں، کسی نے کہا کہ بھائی! اپنے گھر میں بلی پال لو، اس سے چوہوں کا علاج ہو جائے گا۔ خیر بات آئی گئی ہو گئی، انھوں نے

بلی نہیں پالی، کچھ مدت کے بعد دوبارہ شکایت کی کہ چوہوں کی کثرت کی وجہ سے پریشان ہوں۔ تو جن صاحب نے مشورہ دیا تھا، اس نے کہا: حضرت! آپ کو بلی پالنے کا مشورہ دیا تھا، بلی تو آپ پالتے نہیں اور چوہوں کی فریاد کرتے رہتے ہیں، کیوں نہیں پال لیتے بلی کو؟ تو فرمایا: بھائی! اگر میں گھر میں بلی پالتا ہوں تو میرے گھر کے چوہے بلی کو دیکھ کر ڈر کے مارے پڑوسی کے گھر میں چلے جائیں گے اور جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا، وہ اپنے بھائی کے لیے پسند کیسے کروں؟ یہ تھے ہمارے اسلاف!

## کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

اور حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک اللہ والے کے گھر میں ایک چور داخل ہوا اب اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، ایک گدڑی تھی جس کو آدھی بچھا لیتے، آدھی اوڑھ لیتے تو چور جب گھسا تو یہ لیٹے ہوئے تھے، انھوں نے بھی دیکھا کہ کوئی مہمان آیا ہوا ہے، پڑے رہے، اب وہ جانتے ہیں کہ گھر میں تو کچھ ہے نہیں، چور اِدھر اُدھر پھرا، کچھ ملا نہیں، انھوں نے سوچا کہ بے چارہ کچھ امید لے کر کے آیا ہے، خالی ہاتھ جائے گا تو جس گدڑی پر آدھی بچھا کر اور آدھی اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اس کو نکال کر چور کے راستے میں ڈال دیا؛ تاکہ خالی ہاتھ نہ جائے، یہ واقعہ ذکر کر کے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رباعی ذکر کی ہے، بڑی پیاری رباعی ہے، اصل میں تو وہ سنانا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا | | دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ |

| | | |
|---|---|---|
| ترا کے میسر شود ایں مقام | | کہ بادوستانت خلاف ست وجنگ |

ہم نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دل بھی دُکھایا نہیں کرتے ، اے مخاطب! تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ تیری تو اپنے دوستوں کے ساتھ لڑائیاں ہیں، آج ہمارا حال یہی ہے، ہمارے ماں باپ، ہمارے بھائی، ہماری بیوی بچے ہم سے تنگ ہیں، آدمی جب گھر میں آتا ہے تو بچے بھی دعا کرتے ہیں کہ یہ بلا کب جاوے کہ جب تک گھر میں رہے گی، مصیبت ہی مصیبت ہے، ہمارا یہ حال ہے گھر میں، تو دوسروں کا کیا پوچھنا۔

ضرورت ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے وجود کو اپنے لیے بھی اور ساری دنیا کے لیے، ساری انسانیت کے لیے بھی نفع بخش بنانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# تقویٰ کیا ہے؟

بمقام: ڈابھیل

بتاریخ: ۸/ ۴/ ۲۰۱۱

# تقریر کا پس منظر

حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقش بندی دامت برکاتہم نے اپریل ۲۰۱۱ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا، اس سفر میں آپ نے گجرات کا دورہ بھی کیا تھا لیکن کچھ قانونی موشگافیوں کی وجہ سے یہاں کی گورنمنٹ نے آپ کو بیانات کرنے سے روک دیا تھا، صرف ترکیسر میں آپ کا بیان ہوا تھا، قانونی مسئلے کو حل کرنے کی کوششیں جاری تھیں، اسی دوران آپ طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈابھیل پہنچے تھے اور نہ صرف گجرات بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آپ کا بیان سننے کے لیے مسلمانوں کا جمِ غفیر یہاں جمع ہو گیا تھا، اسی موقع پر ہمارے حضرت دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا تھا اور لوگوں کو پر سکون رہنے کی تاکید فرمائی تھی، جیسا کہ آپ اس بیان کو پڑھ کر محسوس کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبة:۱۱۹]

## مجمع سے پرسکون رہنے کی درخواست

بھائی! میری گذارش یہ ہے کہ جو حضرات یہاں آواز کر رہے ہیں، ذرا خاموش ہو جائیں، حضرت (مولانا ذوالفقار صاحب) دامت برکاتہم کے حکم اور ارشاد پر میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، جو باتیں عرض کی جائیں، اس کو غور سے، توجہ سے سننے کی کوشش کریں۔ کل جو حضرات وہاں ترکیسر تشریف لائے تھے، وہ جانتے ہیں، قانونی نزاکتوں سے واقف ہیں کہ ہم چوں کہ اس ملک کے شہری ہیں اور ہمارا قانون ہمیں جن چیزوں کی اجازت دیتا ہے، اسی کے مطابق ہم کر سکتے ہیں اور ہمارا فریضہ بھی ہے اور

ہمارا مذہب بھی ہم کو یہی سکھلاتا ہے کہ یہاں کا ایک شہری ہونے کی حیثیت سے جو ہمارا ایک عہد و پیمان ہے، اس کا تقاضا یہی ہے، امید ہے کہ إن شاءاللہ تعالیٰ عنقریب حضرت کی تشریف آوری ہوگی۔

## تقویٰ کا شرعی مفہوم

بہرحال حضرت ہی کے حکم سے چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

یہ تقویٰ جو ہے، اس کا قرآنِ پاک میں مختلف انداز سے اور مختلف صیغوں میں دوسو سے زیادہ مقام میں تذکرہ کیا گیا ہے اور ہمیں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو میں مفہوم یہ ہے کہ آدمی بچے، پرہیز کرے اور گویا آدمی اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کا اہتمام کرے۔

## تقویٰ کے متعلق حضرت عمرؓ کا استفسار

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ یہ تقویٰ کیا ہے، پوچھنے والے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (۱): اگر میرے بعد کوئی نبی

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ۔

ہوتے تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے اور انہی کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ جس راستے سے اور جس گلی سے گذرتے ہیں، شیطان اپنا راستہ بدل لیتا ہے(۲) ان کی ہیبت کا یہ عالم تھا۔

## حضرت ابی بن کعبؓ کا مقام

انھوں نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کا لقب تھا سید الانصار اور جن کو بارگاہِ نبوت سے ''أقرأهم ابی'' کا لقب عطا کیا گیا کہ: حضراتِ صحابہ میں قرآنِ پاک کے سب سے بہتر اور زیادہ پڑھنے والے اور علمِ قرأت کے ماہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابی! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ ''لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پڑھ کر سناؤں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آللّٰهُ سَمَّانِي لَكَ: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو یہ حکم دیا؟

## حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیوں کیا؟

اب یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں سورۂ ''لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پڑھ کر سناؤں، پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوا؟ تو اس کے متعلق حدیث کی تشریح کرنے والے علماء لکھتے

---

(۱) صحيح البخارى، عَنْ سَعْدِبْنِ أَبِى وَقَّاصٍ رضي الله عنه، باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام انداز میں فرمایا گیا ہو کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو یہ سورت سنائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا نام اپنی طرف سے تجویز کیا ہو، اگر چہ یہ بھی بڑی سعادت کی بات تھی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے مزید وضاحت کے لیے عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: جی ہاں! آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا ہے، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، یہ اس مسرت کے آنسو تھے (۱)۔

ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

## تقویٰ کا مفہوم حضرت ابی بن کعبؓ کی زبانی

انہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اُبی! تقویٰ کیا ہے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! سَلَكْتَ طريقًا ذا شَوْكَةٍ: آپ کو کبھی کسی کانٹے والے راستے سے گذرنے کی نوبت آئی ہے، یعنی دونوں طرف کانٹے کی باڑ ہو اور بیچ میں سے پگڈنڈی ہے، اس پر سے گذرنا ہے، کیا کبھی ایسا موقع پیش آیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! تو اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مَاذا فَعَلْتَ؟ اس موقع پر آپ نے کیا کیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شَمَّرْتُ ثُمَّ سَلَلْتُ: میں نے اپنے کپڑوں کو سمیٹا اور

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ.

بہت کوشش اور اہتمام کر کے اپنے آپ کو وہاں سے بچا کر لے گیا۔ یہ جواب سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خَلِّ الذُّنُوْبَ قلیلَها و کثیرَها، ذاک التقٰی: کہ یہ دنیا جو ہے اس میں بھی گناہوں کے کانٹے جگہ جگہ پڑے ہوئے ہیں، اپنے آپ کو چھوٹے بڑے گناہوں سے بچا کر زندگی گذارنا، یہ تقویٰ ہے، چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو، اسی کا نام تقویٰ ہے (۱)۔

## تقویٰ کے بارے میں ایک عام غلط فہمی

یہ تقویٰ جو ہے، اس کے متعلق ہمارے اندر بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ یہ تو اللہ کے خاص بندوں کا کام ہے، کہاں میں اور کہاں تقویٰ والا کام! حالاں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی بڑی تاکید فرمائی، جیسا کہ ایک آیت آپ کے سامنے پڑھی گئی، بعض آیتیں تو ایسی ہیں کہ جس میں ایک آیت میں دو دو مرتبہ تقویٰ کا حکم دیا گیا: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الحشر:۱۸]: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور کل کے لیے اس نے کیا اعمال بھیجے ہیں، وہ بھی ذرا سوچ لیں اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

(مجمع میں حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم کی عدمِ آمد پر ایک بے چینی سی پھیلی ہوئی تھی اور شور شغب ہو رہا تھا، اس پر حضرت نے فرمایا:) بھائی!

(۱) شرح الأربعين النووية لصالح بن عبد العزيز آل الشيخ، ص ۱۴۹.

سکون اور طمانیت سے بیٹھیں، یہ شور نہ کریں، ہنگامہ نہ کریں۔ بھائی اپنی جگہ پر بیٹھیں بیٹھیں دعا میں مشغول رہیں۔

## تقویٰ فرض ہے

تو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم جگہ جگہ دیا گیا، یہ کوئی ایسی فضیلت کی چیز نہیں ہے کہ جس کے معاملے میں اختیار ہو بلکہ اس کو فرض اور ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کا حاصل ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے، اللہ کی معصیت سے بچانے کا اہتمام کرے اور احادیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کو عبادت کا سب سے اونچا مقام بتایا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ چند نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی تھی: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ (۱) کہ تم اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچتے رہو، تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ گویا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا یہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

بھائی! دیکھئے، ابھی آپ کے سامنے عرض کیا گیا تھا کہ کچھ قانونی مجبوریوں کی وجہ سے حضرت دامت برکاتہم تشریف نہیں لا پائیں گے؛ اس لیے بڑے صبر واطمینان

---

(۱) تمامه: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلاءِ الكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ. (سنن الترمذی، بَابٌ: مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ)

کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، ہمارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہم لوگ حضرت کے فیوض سے اپنے آپ کو محروم پا رہے ہیں، ضرورت ہے اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی، یہ بھی ایک تربیت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہماری کہ اللہ کے فیصلے پر کس طرح صبر وضبط کے ساتھ عمل کرتے ہیں، اس لیے خاص طور پر تاکید کر کے آپ کی خدمت میں معذرت پیش کی جاتی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حضرت کے فیوض سے مالا مال فرمائے۔ آمین

# (۱) مدنی زندگی کی ابتدا میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیام

# (۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تین نصیحتیں

بمقام: نورانی مسجد

بتاریخ: ۴/۲/۲۰۱۱ء،    بوقت: قبل از جمعہ

# اقتباس

ایک دوسرا طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو یہ سوچ لو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس وقت مجمع میں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میری موت کب آئے گی؟ ہوسکتا ہے کہ ابھی نماز سے پہلے آجائے، نماز کے دوران آجائے، نماز کے بعد آجائے تو گویا جب بھی کوئی آدمی نماز کے لیے نیت باندھے گا تو یہ امکان موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نماز جو ابھی پڑھنے جا رہا ہے، وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہو۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ ہمیں اور آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری نماز ہے تو ہم کیسا جی لگا کے اس کو پڑھیں گے تو گویا یہی مقصود ہے کہ ہر نماز آدمی اس طرح ادا کرے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں دوبارہ مجھے اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا موقع اور سعادت حاصل ہوگی یا نہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا ونبيّنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عِظْنِي وَأَوْجِزْ، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ، وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا، وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ.

(مسند أحمد، حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ)

## مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری

یہ ایک حدیث ہے جو آپ کے سامنے پڑھی گئی، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا نام خالد بن زید تھا اور یہ وہ صحابی ہیں جن کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، جس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں رہا، وہاں ۱۴/ یا ۲۴/ روز قیام فرمانے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے لیے جب آگے بڑھے تو حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم آپ کے راستے کے دونوں طرف صف لگا کر کھڑے ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بٹھا رکھا تھا، انصار میں سے ہر ایک کی دلی تمنا اور خواہش یہ تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اس کے گھر میں رہے اور اس کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہو۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انصارِ مدینہ کی والہانہ محبت کا دل فریب منظر

چنانچہ ہر ایک درخواست کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے یہاں قیام فرمائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلادیا تھا کہ آپ کی اونٹنی جہاں پر بیٹھ جائے گی، وہاں آپ کو قیام کرنا ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مامور تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم بھی بڑی حکمتوں پر مبنی تھا؛ اس لیے کہ حضراتِ انصار میں سے ہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشقِ زار اور آپ پر جان فدا کرنے والا تھا، ان میں سے ہر ایک کی یہ تمنا تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں، اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو یہ چیز ان عشاق کے درمیان تنافس اور تحاسد کا ذریعہ بنتی؛ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا فیصلہ اپنے ہاتھ ہی میں رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ آپ کی اونٹنی کو ہماری طرف سے حکم مل چکا ہے، وہ جہاں ٹھہرے گی، وہاں آپ کو ٹھہرنا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں اور راستے میں دونوں طرف حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم دورویہ صف بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کررہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتلادیا کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس لیے وہ جہاں بیٹھے گی، وہاں میں قیام کروں گا۔

اب تو معاملہ گویا اس پر ہوگیا کہ ہر ایک اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اس کے یہاں کرادے، جس کے مکان سے اونٹنی آگے گذرگئی، وہ تو اپنا دل موس کر کے رہ گیا کہ ہم کو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا شرف حاصل ہونے کا نہیں،

اسی دوران راستے میں، جمعہ کے دن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قبا سے روانہ ہوئے تھے تو راستے ہی میں نماز کا وقت ہو گیا اور راستے میں جو محلہ آیا، وہاں پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی اور خطبہ بھی دیا جو سب سے پہلا خطبہ تھا اور سب سے پہلی جمعہ کی نماز تھی جو آپ نے پڑھی۔

## خدا بندے سے یہ پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے، بڑھتے بڑھتے، جہاں اس وقت، بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کا جہاں دروازہ ہے، وہاں اور بعض کہتے ہیں کہ جہاں منبر شریف ہے، اس جگہ پر آ کر اونٹنی بیٹھ گئی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اٹھایا اور آگے بڑھایا، دو چار قدم آگے چلی پھر وہاں سے واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی اور اپنا سر اس نے زمین پر ڈال دیا، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان بالکل وہیں، اس کے سامنے تھا، جلدی سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے، گویا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف عطا فرمایا، ویسے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب کی ننیہال بھی اسی خاندان میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل میں یہ تمنا تھی کہ آپ یہاں پر قیام کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا عجیب نظام فرما دیا۔

## کائناتِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی......

اور ایک دوسری بات بھی سیرت نگاروں نے لکھی ہے کہ بہت سال پہلے یمن کا

بادشاہ تُبّع جس کی حکومت بہت پھیلی ہوئی تھی، برِّ اعظم افریقہ تک پہنچی ہوئی تھی، ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے دورے پر نکلا اور اس کے ساتھ اس سفر میں، اس قافلے میں ۴۰۰؍ توریت کے علماء تھے، اس کا قافلہ جب وہاں پہنچا جہاں مدینہ منورہ آباد ہے تو وہاں کی علامتیں اور نشانیاں دیکھ کر توریت کے وہ علماء جو نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامتوں کو توریت میں اور اگلی آسمانی کتابوں میں پاتے تھے، انھوں نے وہاں کا حال دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے، انھوں نے طے کیا کہ یہیں ٹھہر جائیں لیکن چوں کہ شاہی قافلے میں آئے تھے، اس لیے بادشاہ سے اجازت لینا ضروری تھا، ان سب نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں، بادشاہ نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نشانیاں اور علامتیں اگلی آسمانی کتابوں: توریت اور دوسرے صحیفوں میں ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہیں ہجرت فرما کر آئیں گے؛ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہاں رہ جائیں، اگر ہماری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائیں گے اور اگر نہیں تو ہماری نسلوں کو یہ شرف حاصل ہوگا۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تبع کی غائبانہ عقیدت

چنانچہ بادشاہ نے ان کو اجازت دے دی، اتنا ہی نہیں کہ اجازت دی بلکہ ان ۴۰۰؍ میں سے ہر ایک کو مکان بھی بنا دیا، ہر ایک کو مالِ کثیر دیا؛ تاکہ اطمینان سے

زندگی گذار سکیں، ہر ایک کی شادی بھی کرادی اور ساتھ ہی ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ایک مکان مستقل الگ بنوایا اور ان ۴۰۰ر علماء میں سے ایک کو ایک خط لکھ کر دیا جس میں اس نے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کیا تھا اور پھر یہ خط ایک عالم کو دے کر کے کہا کہ اگر تمہاری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو تم یہ خط ان کو پیش کرنا اور اس مکان میں ان کو ٹھہرانا۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد اپنے ہی مکان میں ٹھہرے تھے

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے تھے، ان کے پاس وہ خط محفوظ تھا اور جس مکان میں وہ رہتے تھے، یہ وہی مکان تھا جو تُبّع بادشاہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تعمیر کرایا تھا، علامہ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گویا کہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں نہیں بلکہ اپنے ہی مکان میں ٹھہرے۔

## حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہا تعظیم کا ایک منظر

بہر حال! یہ مکان بالا خانے والا تھا، اوپر ایک کمرہ تھا، نیچے ایک کمرہ تھا، اس میں زیادہ روم نہیں تھے، اب حضرت ابوایوب انصاریؓ نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! آپ اوپر قیام فرمائیں، میں نیچے رہوں گا، ادب کا تقاضا بھی یہی تھا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھائی! لوگ ملاقات کے لیے میرے پاس آتے جاتے

رہیں گے، اب اگر تم نیچے ٹھہرو گے، اب وہ آنے والے وہیں سے گذر کر اوپر آئیں گے تو تم کو زحمت ہو جائے گی؛ اس لیے میں نیچے ٹھہرتا ہوں، تم اوپر ٹھہرو، دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا اور آپ کی خواہش یہی تھی، انھوں نے بادلِ ناخواستہ اوپر رہنا گوارا کیا پھر بھی ادب کا یہ حال تھا کہ جب اسی کمرے میں اِدھر سے اُدھر جانا ہوتا تھا تو وہ کنارے کنارے چلتے تھے اور اپنی بیوی اُمِّ ایوبؓ سے کہتے تھے: اُمِّ ایوب! تم بھی یوں ہی چلو، یہاں نیچے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، چنانچہ وہ بھی کنارے کنارے چلتیں؛ تاکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر سے گذر نہ ہو اور روزانہ کھانے کے واسطے دو وقت خوانچہ تیار کر کے کھانا اندر لگا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے کھانا تناول فرما کر واپس خوانچہ ان کو دیتے تھے، خوانچہ واپس آنے کے بعد یہ دونوں میاں بیوی بچا ہوا کھانا کھاتے تھے اور جہاں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے، وہیں سے وہ کھاتے تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کی والہانہ محبت تھی۔

## تمھارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

ایک دن ایسا ہو کہ خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی واپس آیا، ان میاں بیوی نے دیکھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے نشانات اندر نہیں ہیں، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھبرائے، جانے کیا بات ہے، کوئی ناراضگی ہے، پھر جلدی سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج تو خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی

واپس آیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس میں پیاز اور لہسن ملا دیا ہے اور اس میں بدبو ہے اور میرے پاس فرشتہ آتا ہے جس کو بدبو ناپسند ہے؛ اسی لیے میں نے نہیں کھایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی میں نے ایسا نہیں کیا، چھ مہینے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکان میں رہے، کتنی بڑی سعادت کی بات ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی چھ مہینے تک ان کو حاصل رہی۔

## آبلوں کا شکوہ کیا، ٹھوکروں کا غم کیسا

اسی درمیان میں ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ دونوں میاں بیوی اوپر سوتے تھے، پانی کا جو برتن تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سارا پانی کمرے میں پھیل گیا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ گھبرائے کہ نیچے پانی گرے گا، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی، ان کے پاس ایک ہی لحاف تھا جس کو وہ بچھاتے بھی تھے اور اوڑھتے بھی تھے، جلدی سے اس پر ڈال کر وہ پانی اس کے ذریعہ سے جذب کرلیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ ہو پھر صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ عرض کرکے پھر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اوپر تشریف لے آئیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر جانا منظور فرمالیا۔

## مسجدِ نبوی اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حجرات کی تعمیر

اسی قیام کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی جہاں پر ہے، وہ جگہ دو یتیموں کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لی اور اپنی جیبِ خاص سے اس کی قیمت اپنی

طرف سے ادا فرمائی اور وہاں مسجد تعمیر ہوئی، مسجد تعمیر ہو چکنے کے بعد اس کے کنارے پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ امہات المؤمنین، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجرے بنوائے، جب وہ بن گئے تب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں منتقل ہوئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو گویا اس وقت تک میزبانی کا شرف حاصل رہا، اس کے بعد بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر جیسا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتے تھے۔

## سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کئی وقت کا فاقہ تھا اور فاقہ کی وجہ سے بھوک سے بے چین ہو کر دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکلے، تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نکلے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کہا کہ کئی وقت سے فاقہ ہے، بھوک سے بے چین ہو کر نکلا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی باہر نکلے، حالاں کہ وہ وقت بھی آپ کے باہر نکلنے کا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دیکھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو حضرت ابوبکرؓ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اپنی بھوک بھول گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی زیارت کے لیے نکلا ہوں، ان کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں بھوکا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! چند وقت سے فاقہ تھا، بھوک سے بے چین ہو کر نکلا ہوں، نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی بھوک محسوس کررہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی فاقہ تھا۔

## حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بھاگ کھل گئے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چلو! ابوایوب کے یہاں جاتے ہیں۔ یہ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا اور کھجوروں کے پکنے کے زمانے میں مدینہ والے اپنے شہر کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے کھجور کے باغات کی طرف منتقل ہوجاتے تھے، جہاں پھلوں کے باغات ہوتے ہیں وہاں یہی دستور رہتا ہے، چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ پر تشریف لے گئے، وہاں ان کی اہلیہ اُمِّ ایوب تھیں، سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول اور ان کے دونوں ساتھیوں کو میں خوش آمدید کہتی ہوں۔ فرمایا: تمہارے شوہر کہاں گئے؟ جواب دیا کہ وہ پانی لینے گئے ہیں، بٹھایا اور اتنے میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی آگئے جو چمڑے کا بڑا مشکیزہ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے تھے، دیکھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ شیخین کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو خوشی کے مارے پاگل ہوگئے، جلدی سے مشکیزہ نیچے رکھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے پھر جلدی سے چادر بچھا کر ان حضرات کو بٹھایا اور جلدی جلدی جا کر کھجور کا ایک بڑا خوشہ توڑ کر کے لائے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کے سامنے رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پورا خوشہ توڑ کر لے آئے، پکی پکی کھجوریں توڑ کر لاتے، اس پورے خوشے میں تو کچی کھجوریں بھی ہیں، وہ ضائع نہ ہوتیں۔ یہ بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص تعلیم تھی کہ کوئی چیز ضائع نہ ہو تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں کی

پسند مختلف ہوتی ہے، کسی کو پکی کھجوریں اچھی لگتی ہیں، کسی کی ادھ پکی اچھی لگتی ہے، کسی کو کچی اچھی لگتی ہے، میں پورا خوشہ اس لیے توڑ کر لایا کہ جس کو جیسی اچھی لگے، ویسی کھائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس جواب کو پسند فرما کر دعا دی۔

## فاطمہؓ نے کئی روز سے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے

پھر انھوں نے اجازت چاہی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو بکری ذبح کروں؟ تو فرمایا: ٹھیک ہے، ذبح کرو لیکن دیکھو! دودھ والی مت ذبح کرنا، جو دودھ نہیں دیتی، اسی کو ذبح کرنا، ہمیں تو گوشت ہی کھانا ہے، دودھ والی بکری کو ذبح کرو گے تو وہ دودھ والا فائدہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بکری ذبح کی اور ان کی گھر والی نے آٹا گوندھا اور پھر ذبح کی ہوئی بکری کے گوشت کے دو حصے کر کے ایک حصہ شوربے والا اور ایک حصہ بھونا ہوا تیار کیا اور روٹیاں بھی بن گئی اور اللہ کے رسول کے سامنے رکھ دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اس میں سے ایک روٹی لے کر اس بھونے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا اس پر رکھ کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ ابوایوب میرے گھر جا کر فاطمہ کو دے آؤ، کئی روز سے انھوں نے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے، حضرت ابوایوب دے آئے تو بہر حال! حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تعلق تھا۔

## جبینِ زندگی کے ساتھ دل بھی تو جھکے زاہد

یہی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور آ کر کے یہ درخواست کی کہ: عِظْنِي وَأَوْجِزْ: اے اللہ

کے رسول! مجھے آپ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں تین باتیں ارشاد فرمائیں: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ: کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس آدمی کی سی نماز پڑھو جو دنیا کو الوداع کہہ رہا ہے یعنی مقصد یہ ہے کہ جب نماز کی نیت باندھو تو یہ سمجھو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے؛ کیوں کہ نماز کو خشوع کے ساتھ پڑھنے کی بڑی تاکید ہے، قرآن کہتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ: وہ ایمان والے جو اپنی نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ کامیاب ہیں، بامراد ہیں، دنیا وآخرت کی خوش حالی ان کو حاصل ہے۔

## فلاح کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے اردو زبان قاصر ہے

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم فلاح کا ترجمہ اردو میں کامیابی سے کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ''کامیابی'' فلاح کا مفہوم ادا کرنے میں بہت کوتاہ اور قاصر ہے۔ فلاح کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں کی خوش حالی حاصل ہو جائے۔ لفظِ ''کامیابی'' سے یہ مفہوم کما حقہ ادا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اردو زبان کا دامن بڑا تنگ ہے؛ اس لیے اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔

اگر ہم دنیا اور آخرت کی خوش حالی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کریں۔

## خضوع کا مفہوم

اب خشوع کس کو کہتے ہیں؟ دو لفظ ہیں: (۱) خضوع (۲) خشوع۔ خضوع

یعنی اپنے جسم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جھکا دینا۔ نماز کے دوران جسم کے تمام اعضاء اس انداز سے رہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا ہے: کون سا عضو کس طرح ہونا چاہیے۔

## نماز میں نگاہیں رکھنے کی جگہ تک بھی بتادی گئی ہے

یہاں تک کہ نگاہ تک کے متعلق کتابوں میں صراحت موجود ہے کہ آدمی کھڑا ہو تو کھڑے ہونے کی حالت میں اس کی نگاہیں سجدے کی جگہ پر ہوں، رکوع میں ہو تو اس کی نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو۔ غرض نگاہ جیسی نگاہ بھی نماز کی کس حالت میں کہاں ہونی چاہیے، یہ بتایا گیا ہے۔ دوسرے تمام اعضاء کہ کون سا عضو ہمیں نماز میں کس طرح رکھنا ہے تو نماز میں اعضاء کو جس انداز سے رکھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس انداز سے اعضاء کو رکھنا خضوع کہلاتا ہے۔

## بدنگاہی کے وبال سے بچنے کا نسخہ

آج ہم نگاہ کو صحیح انداز سے رکھنے کا بھی اہتمام نہیں کرتے۔ بعض بزرگوں سے سنا کہ جو آدمی نماز میں نگاہ کو اپنی اپنی جگہ رکھنے کا اہتمام کرے گا تو بدنگاہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے۔ ہماری نگاہیں ایسی بھٹکی ہوئی ہیں کہ نماز میں بھی ایک جگہ ٹھیرنے کا نام لیتی نہیں ہیں۔

## خشوع کا مفہوم

دوسری چیز خشوع ہے، خشوع کا مطلب ہے دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے

جھکا دینا، دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ایسا متوجہ کر دینا کہ دوسرا کوئی خیال آوے ہی نہیں، اس کو خشوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نماز میں خشوع اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

## جبینِ بندگی کے ساتھ دِل بھی تو جھکے زاہد

بہرحال! اصلی نماز وہی ہے اور اسی کا وہ فائدہ ہے جو قرآن نے ہمیں بتلایا: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت: ٤٥] کہ: نماز بےحیائی اور ناجائز چیزوں سے روکتی ہے۔ آج ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور گناہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ ہماری نماز ہم کو اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کا ذریعہ نہیں بن پاتی؛ اس لیے کہ نماز کی جو حقیقت ہے، وہ پائی نہیں جاتی، یہ تو نماز کی محض صورت ہے۔

## نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ

تو خشوع کے ساتھ نماز کو ادا کرنا بڑا اہم ہے اور خشوع پیدا کرنے کے مختلف طریقے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں بتلائے ہیں، ایک روایت میں ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ (۱) کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو اللہ تو تمھیں دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ بھی نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

## نماز میں خشوع پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ

ایک دوسرا طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالْقَدَرِ وَعَلاَمَةِ السَّاعَةِ.

ہوں تو یہ سوچ لو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس وقت مجمع میں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میری موت کب آئے گی؟ ہوسکتا ہے کہ ابھی نماز سے پہلے آجائے، نماز کے دوران آجائے، نماز کے بعد آجائے تو گویا جب بھی کوئی آدمی نماز کے لیے نیت باندھے گا تو یہ امکان موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نماز جو ابھی پڑھنے جا رہا ہے، وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ ہمیں اور آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری نماز ہے تو ہم کیسا جی لگا کے اس کو پڑھیں گے تو گویا یہی مقصود ہے کہ ہر نماز آدمی اس طرح ادا کرے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں دوبارہ مجھے اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا موقع اور سعادت حاصل ہوگی یا نہیں۔

## نماز کو مکمل سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کی عادت بنائیے

تو نماز کو مکمل خشوع اور توجہ کے ساتھ، اس کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور آداب کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ مسجد میں آئے اور جلدی جلدی نماز پڑھ لی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

## تم نے نماز نہیں پڑھی

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہیں، ایک صاحب آئے اور جلدی سے نیت کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی۔ واپس جا رہے تھے، دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں تو آپ کے پاس آئے اور سلام

کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ انھوں نے پھر اسی طرح پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس کو یہی فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ میں بھی ایسا ہی ہوا تو اس نے پوچھا کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ آپ ہی بتا دیجیے(۱)۔

## پہلے تولو پھر بولو

دوسری نصیحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی کہ: وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو کہ جس کے متعلق کل تمھیں معذرت پیش کرنی پڑے یعنی آج آپ نے کوئی بات کہی، کل کسی نے آپ سے کہا کہ حضرت! آپ نے کل ایسا کہا تھا اور آپ کہیں کہ ہاں میں نے کل ایسا کہا تھا لیکن میری بھول ہوگئی، مجھے ایسا کہنا نہیں چاہیے تھا، آپ اس طرح معذرت کر رہے ہیں، اس کے بجائے بولنے سے پہلے اگر سوچ لیا ہوتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلے تولو پھر بولو یعنی جو بات آپ کہنے جارہے ہیں، اس بات کے متعلق آپ کو فیصلہ کرنا چاہیے، سوچنا چاہیے کہ اگر میں آج یہ بات کروں گا تو کل کو اللہ کے حضور میں مجھے اس کا جواب دینا پڑے گا۔

## ہمیں حکومت کا ڈر ہے، علیم وخبیر کا نہیں

قرآن کہتا ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق: ۱۸] کہ آدمی

---

(۱) صحيح البخاري، عن أبي هريرة، كتاب الاستئذان، باب من رد فقال عليك السلام

جو بات کرتا ہے، جو بات زبان سے نکالتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگراں مقرر ہے جو اس کی باتوں کو ریکارڈ کرتا ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ ہم جو بول رہے ہیں، وہ ریکارڈ ہوتا ہے اور حکومت کے سامنے ہمارا یہ ریکارڈ پیش ہوتا ہے تو کیا وہ ایسی بات بول سکتا ہے جس سے وہ حکومت کی نظروں میں گناہ گار بن جائے اور مجرم قرار پائے؟ کبھی نہیں۔ وہ باقاعدہ بڑی سوچ وفکر کے ساتھ اس کا اہتمام کرے گا کہ میری زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلنی چاہیے۔

## قرآن میں زبان کے نعمت ہونے کا بیان

زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت ہے، اس کا صحیح استعمال ضروری ہے۔ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے اس کے نعمت ہونے کو بیان فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾ [البلد: ۸] کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے؟۔

## نجاتِ ابدی کا سامانِ مختصر

زبان جتنی بڑی نعمت ہے، اس کے حوالے سے اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے بارے میں ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ کہ: نجات کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۱) کہ اپنی

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ.

زبان پر قابو رکھو۔

## یہ زبان کا کمال ہے

یہ زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس زبان کو ہم کہاں کہاں استعمال کرتے ہیں: اسی زبان سے ایک ستّر سال کا، سو سال کا کافر کلمہ پڑھ لے تو مؤمن ہو جائے گا، جنت کا حق دار ہو جائے گا اور ایک آدمی کی پوری زندگی ایمان کے ساتھ گذری ہے، اگر اسی زبان سے وہ کلمۂ کفر یہ ادا کر دے تو ایمان سے نکل کر کے جہنم میں پہنچ جائے گا۔

## زبان: جنت یا جہنم میں لے جانے والا ایک عضو

بخاری شریف کی روایت ہے، نے ارشاد فرمایا کہ: کبھی آدمی کوئی کلمہ اپنی زبان سے اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی کا بولتا ہے اور جس وقت وہ بول رہا ہوتا ہے، اس وقت اس کو احساس بھی نہیں کہ میں کیا کلمہ بول رہا ہوں لیکن اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ جنت کے اندر اس کے درجات کو بلند فرماتے ہیں اور آدمی کبھی اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بولتا ہے اور جس وقت وہ بول رہا ہوتا ہے، اس وقت اس کو خیال بھی نہیں، وہم وگمان بھی نہیں کہ میں کیا کلمہ بول رہا ہوں لیکن وہ کلمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی ناراضگی والا ہوتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں اتنا نیچے گر جاتا ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ ہے (۱)۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ قِيلَ وَقَالَ.

## صبح کے وقت دیگر اعضاءِ جسم کی زبان کے سامنے التجا

حدیث میں آتا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں کہ تم سیدھی رہیو، تیرے سیدھے رہنے میں ہم سب کی بھلائی اور اگر تو آڑی، ٹیڑھی ہوگئی تو ہماری خیر نہیں۔ گالی زبان بولتی ہے اور مار دوسرے اعضاء کو پڑتی ہے: طمانچہ پڑتا ہے گال کو، ڈنڈے پڑتے ہیں پیٹھ کو۔ نقصان دوسرے اعضاء کو اٹھانا پڑتا ہے؛ اس لیے صبح کے وقت سارے اعضاء زبان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ مہربانی کرنا، ذرا سنبھل کر کے رہنا۔ تم سیدھی رہو گی تو ہم سیدھے اور عافیت میں رہیں گے اور اگر تم اِدھر اُدھر ہو جاؤ گی تو ہمارے اوپر مصیبت آجائے گی۔

## حضراتِ اکابر کے یہاں لغویات سے بچنے کا اہتمام

حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ جا رہے تھے، راستے میں ایک نیا مکان دیکھا تو کسی سے پوچھا کہ یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا پھر فوراً انھیں احساس ہوا کہ یہ فضول سوال ہے!

## اسلام کا حسن اور خوبی

حدیث میں آتا ہے: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (۱) کہ: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے کار چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے، بے کار بات،

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۲۴۸۷.

بے کار کام کہ جس کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

## زبان سے کے گناہوں کی تعداد

## دوسرے اعضاء کے گناہوں سے بہت زیادہ ہے

اسی وجہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں انسان کے اعضاء سے صادر ہونے والے گناہوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے: آنکھ سے کیا گناہ صادر ہوتے ہیں، کان سے کیا گناہ صادر ہوتے ہیں ہاتھ سے کیا گناہ صادر ہوتے ہیں۔ زبان سے صادر ہونے والے گناہوں کی بھی فہرست دی ہے تو سارے اعضاء سے مل کر جتنے گناہ صادر ہوتے ہیں، اس سے زیادہ زبان سے صادر ہوتے ہیں۔

## چھوٹی سی زبان کی بڑی بڑی کارستانیاں

یہ بیان جہاں سے شروع کیا ہے، وہاں انھوں نے ایک عجیب جملہ بیان فرمایا ہے: فإنه صغير جِرمه عظيم طاعته وجُرمه (۱) کہ: اس زبان کا سائز تو بہت چھوٹا ہے لیکن اس کی شرارتیں بہت زیادہ اور بڑی ہیں۔ دیکھنے میں چھوٹی سی ہے، ایک چھٹانک بھر ہے لیکن اس کی وجہ سے آدمی کو جو نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں۔

## بڑے موذی کو مارا، نفسِ امّارہ کو گر مارا

بہرحال! حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھنے کو تو پوچھ لیا، فوراً احساس

---

(۱) إحياء علوم الدين، ۳/۱۰۸، كتاب أفات اللسان.

ہوا کہ میں نے ایک فضول سوال کیا۔ اپنے دل سے کہنے لگے کہ تو نے یہ سوال کیوں کیا؟ تجھے کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب اگر مل بھی گیا تو تجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں اب تیری سزا کے طور پر ایک سال تک تجھ سے روزے رکھواؤں گا!

## اس مارِ آستیں کا نہ کچلا جو سر تو پھر

ایک بزرگ ہیں، ایک مرتبہ عصر کے بعد اپنے ایک دوست کی ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گئے اور پوچھا کہ وہ ہیں؟ جواب ملا کہ ہیں لیکن سو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ کوئی سونے کا وقت ہے۔ یہ کہا اور واپس ہو گئے۔ اب یہ بڑے آدمی تھے، گھر والوں نے پیچھے آدمی بھیجا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کو اٹھا دیں۔ وہ آدمی دیر کے بعد آیا اور کہنے لگا کہ میں تو ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، وہ تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے دل ہی دل سے باتیں کرتے جا رہے تھے کہ تجھے کیا پڑی کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں ہے، تو نے اپنی زبان سے ایسی بات کیوں نکالی؟ تو کیوں دوسروں کے متعلق ایسی بات کہتا ہے؟ اس طرح کے جملے بولتے بولتے وہ قبرستان گئے اور اپنے نفس سے کہنے لگے کہ اب تجھے یہ سزا دوں گا کہ ایک سال تک لیٹوں گا نہیں، اِلّا یہ کہ بیمار ہو جاؤں!!

ان حضرات کی زبان سے کوئی فضول بات نکل جاتی تھی تو وہ اپنے لیے باقاعدہ سزا تجویز کرتے تھے۔

## ہماری ہر بات لکھی جاتی ہے

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ [آل عمران: ۱۸۱] یہود نے باری تعالیٰ کے متعلق کہا تھا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَاءُ﴾: تو باری تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ جو کہہ رہے ہیں، ہمارے یہاں اس کا ریکارڈ رہتا ہے، جو کچھ بھی بولا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو لکھ لیا جاتا ہے، ہم اور آپ تو بول کر بھول جاتے ہیں، ابھی ایک گھنٹہ پہلے کوئی بات کہی ہو اور کوئی آ کر کہے کہ آپ نے یہ کہا تو صاف مُکر جاتے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور چار پانچ آدمی آ کر کہیں گے کہ حضرت! آپ نے ایسا کہا تھا تو کہیں گے کہ جی کہا تھا، مجھ سے بھول ہوگئی، لو! ''بھول ہوگئی'' تو بولنے میں سوچنے کی ضرورت ہے، اس کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام ضروری ہے۔

## بھلی بات کہو یا خاموش رہو

اسی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا، اَوْ لِیَصْمُتْ: جو آدمی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ یا تو بھلی بات اپنی زبان سے کہے یا پھر خاموش رہے(۱)۔

## ہمیں بھی اپنی زبان کو لوک (lock) لگانے کی ضرورت ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضراتِ انبیاء کے بعد پوری انسانیت میں سب سے افضل سمجھے جاتے ہیں، ان کے متعلق مشکوۃ شریف میں ہے کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے؛ تاکہ کوئی بات بلا سوچے بولنے کی نوبت نہ آئے، تالا لگا دیا، ہمیں بھی اپنی زبان کو لوک (lock) لگانے کی ضرورت ہے کہ بولنے سے پہلے لوک کھولیں پھر بولنے تک

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یؤذ جارہ۔

سمجھ میں آجائے کہ کیا بولنا ہے۔

## پہلے سوچو پھر بولو

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں: وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو کہ جس کے متعلق کل تمھیں معذرت پیش کرنی پڑے۔

ہوتا یہ ہے کہ آدمی جب بول رہا ہوتا ہے تو اس کو اندازہ نہیں ہوتا، کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی۔ اب وہ بات اس آدمی تک پہنچ گئی اور دوسرے دن آکر پوچھنے لگا کہ آپ نے میرے بارے میں ایسی ایسی بات کہی ہے؟ اب ''نا'' بھی نہیں کہہ سکتا تو معذرت کرتا ہے، اِدھر اُدھر کے بہانے بناتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ پہلے سوچو پھر بولو، سوچ کر بولنے کی عادت ڈالو۔

## سوچ کر بولنے کی عادت ایک دم نہیں آتی

جب اس کی عادت ڈالیں گے تو کچھ دنوں تک ایسا ہوگا کہ بغیر سوچے بھی کچھ باتیں کہیں گے؛ کیوں کہ ہم عادی ہو چکے ہیں، بغیر سوچے زبان سے بات نکل جائے گی مگر جب دھیرے دھیرے کنٹرول کروگے تو ایک دن آئے گا کہ بغیر سوچے اپنی زبان سے کوئی بات نکالنا گوارا نہیں کروگے۔

سوچنا کیا ہے؟ یہ کہ میں جو بات بولنے جا رہا ہوں، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ

کی کوئی نافرمانی تو نہیں ہے؟ گناہ کا کام تو نہیں ہے؟ یہ سوچو اور اس کے بعد زبان سے بولنے کی کوشش کرو۔

## اسی پہ رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

اور تیسری بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاس: لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کی طرف سے مکمل مایوس ہو جاؤ۔ بھائی! آدمی کے جی میں اللہ تعالیٰ نے حرص کا ایک مادّہ رکھا ہے، لالچ کا، ہر ایک میں حرص ہے، اس حرص کی وجہ سے آدمی کا نفس کا اس کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ مجھے کچھ دے گا، وہ مجھے کچھ دے دے گا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بھائی! لوگوں کے پاس جو کچھ ہے، اس کی طرف سے مایوس ہو جاؤ، کسی سے کوئی امید نہ رکھو، امید رکھنی ہے تو اللہ سے رکھو، مانگنا ہے تو اللہ سے مانگو، زبان سے اگر مانگتے ہو، سوال کرتے ہو تو اللہ کے علاوہ سے مانگنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور دل سے یہ تمنا کرتے ہیں تو یہ بھی ناجائز ہے، اللہ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

## لوگوں سے ہمیں تکلیف پہنچنے کی بنیادی وجہ

یہ جو لوگوں سے آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو بزرگوں نے لکھا ہے کہ تکلیف پہنچنے کی بنیاد یہی ہے کہ ہم یہ امید رکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا اور جب وہ ایسا معاملہ نہیں کرتا تو وہ ہمیں برا لگتا ہے، اس سے ہم کو اذیت پہنچتی ہے اور جب ہم کسی سے کوئی امید نہیں رکھیں گے تو کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

## اشراف کی حقیقت

یہ ویسے بھی اشراف کہلاتا ہے یعنی نفس کا کسی کے مال کی طرف جھانکنا، تاکنا اور یہ امید رکھنا کہ مجھے اس میں سے کچھ مل جائے۔ صوفیا کے یہاں تو یہ ہے کہ کسی سے کچھ ملنے کی امید رکھی، چاہے آپ نے زبان سے سوال نہیں کیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

## آدمی کو ربِّ اعلیٰ پر توکل چاہیے

حدیث میں ہے: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ (۱): اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھاری قسمت میں جو لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، سب سے بڑے مال دار بن جاؤ گے۔ ہمارا اور آپ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اور آپ کے لیے جو لکھ دیا، ساری دنیا مل کر اس میں سے ایک دانہ کم نہیں کر سکتی اور ساری دنیا مل کر ایک دانے کا اس میں اضافہ نہیں کر سکتی۔ پھر بھائی! یہ پریشانی کیوں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو لکھ دیا ہے اس پر ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حصے کی روزی کسی کو دیں گے نہیں اور دوسرے کے حصے کی روزی ہمیں مل نہیں سکتی۔

## حقیقی مال داری

قناعت اور اللہ کی دی ہوئی روزی پر راضی رہنے سے بڑی کوئی مال داری نہیں ہے۔ مال و دولت کی کثرت مال داری نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی صراحت موجود

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ.

ہے: لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ (۱): کہ: سامان اور مال کی زیادتی کا نام مال داری نہیں ہے، مال داری تو دل کی بے نیازی ہے، دل کی ایک صفت ہے۔ آدمی کے دل میں کسی کے مال کی لالچ نہیں ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے ہیں لیکن دل کی بے نیازی حاصل ہے تو وہ مال دار ہے اور کروڑہا کروڑ روپیہ ہے، فیکٹریاں چل رہی ہیں، پھر بھی دل میں حرص ہے کہ اور مال آجائے تو یہ مال داری نہیں ہے۔

دل کی یہ بے نیازی وہ دولت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو عطا فرما دیتے ہیں تو بادشاہوں کی دولت پر بھی اس کی نگاہ نہیں ہوا کرتی۔

## حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور صاحبِ تفسیرِ مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں عرب ممالک سے بھی لوگ آیا کرتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ عرب کے علاقوں میں اور روس کی اوپر کی ریاستوں تک اور عراق اور شام میں ان ہی کی برکت سے پھیلا ہے۔

## حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم خلفاء

ان ہی کے خلیفہ تھے شیخ خالد کردی نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے بہت بڑے عالم تھے اور علامہ شامیؒ جو حنفیہ کے بہت بڑے مفتی اور فقیہ تھے۔ مفتیانِ کرام ان ہی

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ.

کی کتاب کو دیکھ کر فتوی دیا کرتے ہیں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کی کتاب ''روح المعانی''معروف ومشہور ہے، یہ بھی ان ہی کے خلیفہ تھے، ان کے مریدوں کا بہت بڑا سلسلہ ہے۔

روزانہ ان کے یہاں بہت سارے لوگ آتے تھے، ویسے ۵۰۰ رفقراء تو مستقل ان کی خانقاہ میں ذکر واذکار کے اندر مشغول رہتے تھے اور دوسرے مہمانوں کی تعداد الگ ہوتی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' میں بڑے عجیب وغریب انداز میں ان کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

## ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم

ٹونک کے اس وقت کے نواب میر خان حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے انھوں نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں دستر خوان پے کثرت سے مہمان ہوتے ہیں انھوں نے ایک جاگیر دینا چاہی تو اس کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر لکھ کر کے بھیجا:

| | | |
|---|---|---|
| ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم | | با میر خان بگو کہ روزی مقدر است |

کہ ہم تمھاری یہ جاگیر قبول کر کے فقر وقناعت کی عزت کو بیچنا نہیں چاہتے، میر خان سے کہہ دو کہ روزی تو مقدر ہے، وہ آ کر کے رہے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے اپنے آپ کو

مایوس کرلیں گے تو اس سے بڑھ کر کے کوئی اور خوبی نہیں ہے۔آدمی اسی حرص کی وجہ سے عام طور پر ذلّتیں اٹھاتا ہے

## خلاصۂ حدیث

تو بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین مختصر نصیحتیں فرمائی ہیں: (۱) جب نماز پڑھو تو ایسی پڑھو، گویا یہ زندگی کی آخری نماز ہے، اگر اس طرح نماز پڑھیں گے اور یہ کیفیت ہماری نمازوں میں آجائے گی تو ہماری نماز میں جو کمزوری ہے وہ دور ہو جائے گی۔ (۲) کوئی بات اپنی زبان سے ایسی نہ نکالو کہ جس پر کل کو آپ کو معذرت پیش کرنی پڑے۔ (۳) لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو جاؤ۔ دوسرے کے پاس ہے، وہ ہمیں ملنے والا نہیں ہے۔ جب ملنے والا نہیں ہے تو کاہے کو اس پر نظر کریں۔ جو اسے ملا ہے، وہ اس کو مبارک۔ مجھے جو اللہ نے دیا ہے، وہ میرے لیے کافی ہے۔

بڑی قیمتی نصیحتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں

# (۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ کے احوال

بمقام: بوتسوانا (براعظم افریقہ)

۲۰۱۱ء

# وضاحت

اس موضوع پر حضرت دامت برکاتہم العالیہ کا بیان اگرچہ ابھی گذر چکا ہے لیکن وہ انتہائی مختصر ہے اور اس کے مقابلے میں یہ دوسرا بیان بہت زیادہ مفصل، پرمغز اور متنوع نصائح اور معلومات پر مشتمل ہے جو علماء اور عوام دونوں طبقوں کے لیے یکساں طور پر مفید اور بے انتہاء کار آمد ہے، نیز اس میں خطیبوں کے لیے بھی سہولت ہے کہ وہ مختصر اور مطول جس طرح کا بیان کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں؛ اس لیے دونوں بیانوں کو یہاں مِن وعَن درج کیا جاتا ہے، اس معذرت کے ساتھ کہ بعض وجوہ کی بناء پر مکررات کو حذف نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے روحِ بیان کے ختم ہونے کا اندیشہ بھی تھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عِظْنِي وَأَوْجِزْ، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاتِكَ فَصَلِّ صَلاةَ مُوَدِّعٍ، وَلاَ تَكَلَّمْ بِكَلاَمٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا، وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ (مسند أحمد، حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ) أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## قبا: ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا جائے قیام

یہ ایک حدیث ہے جو آپ کے سامنے پیش کی گئی، اس حدیث کے نقل کرنے والے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، یہ وہ مشہور صحابی ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، جن کا نام خالد بن زید ہے، جس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں

رہا، قبا اس زمانے میں مدینہ سے الگ ایک مستقل آبادی تھی، اب تو مدینہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک پہنچ چکی ہے اور قبا بھی گویا مدینہ منورہ کا ایک محلہ بن چکا ہے لیکن پہلے یہ ایک الگ آبادی تھی، الگ گاؤں تھا جہاں انصار ہی کے کچھ قبائل آباد تھے۔

## قبا میں پہلی مسجد کی بِنا

مدینہ منورہ میں چار قبائل آباد تھے، دو عربوں کے اور دو یہودیوں کے: عربوں کے اوس اور خزرج اور یہودیوں کے بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ یہ عربوں کے جو دو قبائل ہیں: اوس اور خزرج، انہی کے کچھ لوگ قبا کے اندر بھی آباد تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں رہا اور اسی زمانۂ قیام میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ قبا کی بنیاد ڈالی، جو لوگ حج میں جاتے ہیں اور مدینہ منورہ کی زیارت گاہوں کو دیکھتے ہیں تو اس دوران قبا میں بھی جانا ہوتا ہے اور اس مسجد کی بھی زیارت کرتے ہیں جس کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولین بنیاد ڈالی تھی۔

## مسجدِ قبا کا تذکرہ قرآن میں

روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلا پتھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے رکھا، دوسرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رکھوایا، تیسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رکھوایا، اس طرح اس مسجد کی تعمیر ہوئی اور ایک موقع پر قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی مسجد کی شان میں یہ آیتیں نازل فرمائیں: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸]

وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ کے اوپر رکھی گئی، وہ زیادہ حق دار ہے اس بات کی کہ آپ اس میں اللہ کی عبادت کے لیے، نماز کے لیے کھڑے رہیں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو حاصل کرنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

## اہلِ قبا کی مدح قرآن میں

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا والوں سے پوچھا کہ تم پاکی حاصل کرنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرتے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھاری تعریف فرمائی تو اس کے جواب میں انھوں نے عرض کیا کہ ہم قضائے حاجت کے بعد ڈھیلہ بھی استعمال کرتے ہیں اور پانی بھی استعمال کرتے ہیں، دونوں کو جمع کرتے ہیں، اسی پر یہ تعریف کی گئی تھی؛ اسی لیے استنجاء کے اس طریقے کو بہتر قرار دیا گیا۔

## قبا سے مدینہ کی طرف روانگی

## اور انصارِ مدینہ کے عشقِ رسول کا عجیب نظارہ

بہر حال! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام وہاں رہا، اس کے بعد چند روز کے بعد ۱۴/ یا ۲۴/ روز کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا سے مدینہ منورہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، اس شان کے ساتھ کہ اپنی اونٹنی پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کرایا اور روانہ ہوئے، جس وقت آپ کی روانگی وہاں سے ہوئی تو راستے کے دونوں طرف حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم صف لگا کر، لائن لگا کر کھڑے ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں، حضراتِ

صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو تعلق تھا، جو محبت تھی، جو عشق تھا، اس کا تقاضا یہی تھا، چنانچہ ہر ایک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتا کہ اللہ کے رسول! آپ میرے یہاں قیام فرمائیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی بتلا دیا تھا کہ آپ کی اونٹنی کو ہماری طرف سے حکم مل چکا ہے، وہ جہاں ٹھہرے گی، وہاں آپ کو قیام کرنا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم کے جواب میں فرماتے کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس کو اللہ کی طرف سے حکم مل چکا ہے؛ اس لیے وہ جہاں بیٹھے گی، وہاں میں قیام کروں گا۔

## خاک وباد وآب وآتش بندہ اند

بعض حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم تو جوشِ محبت میں آ کر اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ بھائی! چھوڑ دو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کا فیصلہ فرمایا؛ کیوں کہ اگر فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑا جاتا اور آپ اپنی طرف سے، اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان عشاق اور محبت کرنے والوں کے درمیان تنافس اور تحاسد کا ذریعہ بنتی سکتی تھی؛ اس لیے اس کا فیصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ ہی میں رکھا، چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں بڑھتے بڑھتے، جہاں اس وقت، بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کا جہاں دروازہ ہے، وہاں اور بعض کہتے ہیں کہ جہاں منبر شریف ہے،

اس جگہ پر آ کر اونٹنی بیٹھ گئی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اٹھایا اور آگے چلایا، چند قدم آگے چلی پھر وہاں سے واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ اس نے زمین پر ڈال دیا، گویا یہ اس بات کا اظہار تھا کہ مجھے یہیں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

## بنوعمرو بن عوف میں قیام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق تھا

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان بالکل وہیں، اس کے سامنے تھا، جلدی سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھا کر کے اپنے مکان میں لے گئے، گویا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے یہ طے فرمایا، تجویز کیا کہ ان کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہو، ویسے بنوعمرو بن عوف ـــ یہ انصار کا خاندان ہے، اسی سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا اور یہ وہ خاندان ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کی ننیہال بھی اسی خاندان میں تھی؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو پردادا ہیں ہاشم، ان کا نکاح اسی خاندان میں ہوا تھا۔

## خاندانِ بنوعمرو بن عوف میں ہاشم کا نکاح اور اس کا پس منظر

چوں کہ مکہ والے تجارت کی غرض سے شام کا سفر کرتے رہتے تھے اور مکہ مکرمہ سے شام جاتے ہوئے راستے میں مدینہ پڑتا ہے تو مکے والوں کے تعلقات مدینہ منورہ والوں سے پرانے زمانے سے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سے تھے، ان کے آنے جانے کا راستہ تھا تو مدینہ میں قیام بھی کرتے تھے اور مدینے والے بھی کبھی حج یا عمرے کے لیے مکہ جاتے تو ان کے یہاں قیام کرتے تھے، اس طرح ان

کے درمیان آپس کے تعلقات تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا حضرتِ ہاشم بھی تجارت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے، ان کا قیام بھی وہاں مدینہ منورہ کے اندر عمرو بن اُحیحہ جن کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا، ان کے گھر ہوا کرتا تھا، ان کی ایک بیٹی تھی سلمٰی نام تھا، جو اپنے حسن و جمال اور خوب صورتی میں بڑی مشہور تھی تو حضرت ہاشم نے پیغامِ نکاح دیا عمرو بن اُحیحہ کو، بیٹی کے باپ کو کہ میں آپ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، انھوں نے منظور کیا لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ میں اپنی بیٹی کو مکہ نہیں بھیجوں گا، آپ جب چاہیں یہاں تشریف لائیں اور یہاں قیام کریں۔

## خواجہ عبدالمطلب کی مدینہ میں پیدائش اور پھر مکہ میں آمد

چنانچہ اسی شرط کے ساتھ نکاح ہوا اور انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب پیدا ہوئے، جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے سر کے کچھ بال سفید تھے اور جس کے سر کے کچھ بال سفید ہوں اس کو عربی زبان میں شیبہ کہا جاتا ہے تو سر کے اندر کچھ بالوں کے سفید ہونے کی وجہ سے ان کا نام بھی شیبہ رکھا گیا اور وہ اپنی ماں کے پاس، اپنی ننیہال کے اندر بڑے ہوئے۔ اسی زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا حضرت ہاشم کا انتقال ہو گیا، اس ہاشم کے ایک بھائی تھے، ویسے تو یہ کل چار بھائی تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبدِ شمس (۴) نوفل، ویسے ہاشم کا اپنے بھائی مطلب کے ساتھ زیادہ تعلق تھا تو انھوں نے اپنی موت کے وقت وصیت کی تھی کہ میرا بیٹا جو وہاں مدینہ منورہ میں جب کچھ بڑا ہو جائے تو اس کو لے آنا، چنانچہ اپنے بھائی کی اسی وصیت کے مطابق مطلب

ان کو لینے کے لیے، ہاشم کے جو بیٹے تھے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جو ابھی چھوٹے تھے، ان کو لینے کے لیے مدینہ منورہ گئے اور چوں کہ پانچ چھ سال کے ہو چکے تھے، ان کو اپنے ساتھ اپنے اونٹ پر بٹھا کر مکہ مکرمہ لے آئے۔

## عبد المطلب کی وجہِ تسمیہ

اب اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ کوئی آدمی کسی سفر میں گیا ہو اور اس طرح کا کوئی چھوٹا بچہ اپنے ساتھ بٹھا کر لے آتا تو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی غلام کو خرید کر کے لایا ہے تو انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا تو لوگ سمجھے کہ یہ مطلب کا غلام ہے جس کو وہ خرید کر لے آئے ہیں تو لوگوں نے اس کو عبد المطلب، عبد المطلب کہہ کر بلانا شروع کر دیا ''مطلب کے غلام'' وہیں سے ان کا نام عبد المطلب ہو گیا تو ان کی والدہ اسی بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتی تھیں اور ویسے بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی تمنا تھی کہ آپ یہاں پر دادا کی ننیہال میں قیام کریں لیکن یہ فیصلہ آپ نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کے لیے یہ تجویز کر دیا۔

## ہجرت سے سالہا سال پہلے تُبّع بادشاہ کا سفرِ مدینہ

بہر حال! حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ ویسے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے بہت سال پہلے یمن کا بادشاہ تُبّع جس کی حکومت بہت پھیلی ہوئی تھی، برِّ اعظم افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی، ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے دورے پر نکلا اور اس کے ساتھ اس قافلے

میں ۴۰۰ر علماء توریت کے تھے، یہ ایک بہت بڑا قافلہ تھا، شاہی قافلہ۔

## سابقہ کتبِ سماویہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں کا تذکرہ

اسی سفر میں اس کا یہ قافلہ جب وہاں پہنچا جہاں مدینہ منورہ آباد ہے تو چوں کہ توریت اور دوسری آسمانی کتابوں میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں بھی تھیں کہ نبیِ آخر الزمان پیدا ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی نشانیاں بھی ان کتابوں میں بتائی گئی تھیں ان علامتوں میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں گے تو قافلے میں موجود ۴۰۰ر علماء جو نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان علامتوں سے واقف تھے، انھوں نے جب وہاں کی علامتیں اور نشانیاں اور حالات دیکھے تو انھوں وہاں کا حال دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے، تو انھوں نے یہ سوچا کہ اگر ہماری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائیں گے؛ اس لیے انھوں نے یہطے کیا کہ ہم یہیں ٹھہر جائیں۔

## یہودی علماء کی مدینہ میں آباد ہو جانے کی درخواست

لیکن چوں کہ شاہی قافلے میں آئے تھے، اس لیے بادشاہ سے اجازت لینا ضروری تھا، اس کی اجازت کے بغیر وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ ان چارسو کے چارسو علماء نے بادشاہ تبع سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمیں یہاں ٹھہر جانے کی اجازت دیں تو ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں، بادشاہ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس کے جواب

میں انھوں نے بتایا کہ نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نشانیاں اور علامتیں اگلی آسمانی کتابوں: توریت اور دوسرے صحیفوں میں ہے، ان سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہیں کسی بستی میں ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے؛ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہاں رہ جائیں، اگر ہماری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائیں گے اور اگر نہیں تو ہماری نسلوں کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا فرمائیں گے، انصار انہی کے خاندان سے ہیں۔

## نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شاہ تبع کی عقیدت ومحبت

چنانچہ بادشاہ نے ان کو اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے، تم یہاں ٹھہر سکتے ہو، اتنا ہی نہیں کہ اجازت دی بلکہ اجازت دینے کے ساتھ ان ۴۰۰ ر میں سے ہر ایک کو مکان بھی بنا دیا، ہر ایک کو مالِ کثیر دیا؛ تاکہ اطمینان سے زندگی گذار سکیں، ہر ایک کا نکاح کرا دیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک مکان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے مستقل الگ بنوایا؛ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لاویں تو آپ اس میں قیام کر سکیں اور ان ۴۰۰ ر علماء میں سے ایک کو ایک خط بادشاہ نے لکھ کر کے دیا جس میں اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا تھا اور پھر یہ خط ایک عالم کو دے کر کے کہا کہ اگر تمہاری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو تم یہ خط ان کی خدمت میں پیش کرنا اور اس مکان میں ان کو ٹھہرانا۔

## ہجرت کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اپنے ہی گھر میں ہوا

روایتوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں سے

تھے، ان کے پاس وہ خط محفوظ تھا اور جس مکان میں وہ رہتے تھے، یہ وہی مکان تھا جو تُبّع بادشاہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تعمیر کرایا تھا، علامہ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک سیرت نگار ہیں، وہ فرماتے ہیں: گویا کہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں نہیں بلکہ اپنے مکان میں ٹھہرے، وہ آپ ہی کا تھا، آپ کے لیے بنایا گیا تھا۔

## نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر

بہرحال! یہ مکان بالا خانے والا تھا، اوپر ایک کمرہ تھا، نیچے ایک کمرہ تھا، اس میں زیادہ روم نہیں تھے، اب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اپنے گھر لے گئے اور آپ کا قیام یہاں طے ہوگیا تو انھوں نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! آپ اوپر قیام فرمائیں، میں نیچے رہوں گا۔ ادب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر اور یہ نیچے رہیں لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: بھائی! لوگ ملاقات کے لیے میرے پاس آتے جاتے رہیں گے، اب اگر میں اوپر رہوں اور تم نیچے ٹھہروگے، تو نیچے بھی ایک ہی کمرہ ہے تو لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے تم کو زحمت اور تکلیف ہوجائے گی؛ اس لیے میں نیچے قیام کرتا ہوں، تم اوپر ٹھہرو، دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا اور آپ کی خواہش یہی تھی، انھوں نے بادلِ ناخواستہ اوپر رہنا منظور کیا لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ جب اسی کمرے میں اِدھر سے اُدھر جانا ہوتا تھا تو وہ کنارے کنارے چلتے تھے، اپنی بیوی اُمِّ ایوب سے کہتے تھے:

اُمِّ ایوب! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف فرما ہیں تو کیا ہم آپ کے اوپر سے گذریں گے؟ تو کہیں آنا جانا ہوتا تھا تو کنارے پر چلتے تھے؛ تاکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر سے گذرنا نہ ہو اور روزانہ کھانا پکا کرکے، دو وقت خوانچہ تیار کرکے کھانا اندر لگا کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے کھانا تناول فرما کر واپس خوانچہ ان کو دیتے تھے، خوانچہ واپس آنے کے بعد یہ دونوں میاں بیوی اسی خوانچے میں سے بچا ہوا کھانا کھاتے تھے اور جہاں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے، وہیں سے وہ کھانا کھانے کا اہتمام کرتے تھے۔

## شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ

ایک دن ایسا ہوکہ دیکھا کہ خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی واپس آیا، ان میاں بیوی نے دیکھا کہ اس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے نشانات اندر نہیں تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھبرائے، جانے کیا بات ہے، کہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض تو نہیں ہیں، پھر جلدی سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج تو خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی واپس آیا ہے، اس میں آپ کی انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھائی! تم نے اس میں پیاز اور لہسن ملا دیا ہے اور یہ بدبودار چیز ہے اور میرے پاس فرشتہ آتا ہے جس کو بدبو ناپسند ہے؛ اسی لیے میں نے نہیں کھایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی میں نے ایسا نہیں

کیا۔اس طرح چھ مہینے سے اوپر کچھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام ان کے مکان میں رہا۔ آپ اندازہ لگائیے کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ چھ ساڑھے چھ مہینے تک نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف عطا فرمائے،اس سے بڑھ کر سعادت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

## ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اسی قیام کے درمیان میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ پانی کا جو برتن تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سارا پانی کمرے میں پھیل گیا،اب دونوں میاں بیوی اوپر سوتے تھے،حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ گھبرائے کہ نیچے پانی ٹپکے گا،جس سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی،ان کے پاس ایک ہی لحاف تھا جس کو وہ دونوں میاں بیوی بچھاتے بھی تھے اور اوڑھتے بھی تھے،جلدی سے اس پر ڈال کر وہ پانی اس کے ذریعہ سے جذب کرلیا، چوس لیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ ہو پھر صبح کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ عرض کر کے پھر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آج رات ایسا ہوا اور اس ڈر کی وجہ سے اور اس خدشے کی وجہ سے کہ آپ پر پانی نہ گرے، ہماری نیند غارت ہوگئی؛ اس لیے پھر میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اوپر تشریف لے آئیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر جانا منظور فرمالیا۔

## مسجدِ نبوی اور امہات المؤمنین کے حجروں کی تعمیر

بہر حال! اسی قیام کے زمانے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی جہاں پر ہے، وہ جگہ دو یتیموں کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لی، ان کے والی کو بلا کر ان سے گفتگو

کی کہ بھائی! یہ زمین مجھے بیچو، میں یہاں مسجد بنانا چاہتا ہوں، انھوں نے عرض کیا کہ ہم مفت میں پیش کرتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتی رقم سے اس کی قیمت ادا فرمائی اور وہاں مسجد تعمیر ہوئی، اس زمانے میں مسجد جو تھی، اس میں کھجور کے تنوں کے ستون، مٹی اور گارے کی دیواریں اور کھجور کے پتوں کی چھت تھی، اس طرح یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے اور مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکنے کے بعد اسی کے ایک کنارے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ امہات المؤمنین، ازواجِ مطہرات کے لیے، اپنی پاکیزہ بیویوں کے لیے حجرے بنوائے، جب وہ بن گئے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان سے اپنے حجروں میں منتقل ہوئے۔

## اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر بنانے کا فکر کرنا چاہیے

اور دیکھئے: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس عمل سے قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کو سبق دیا کہ ایک مسلمان جب کسی اجنبی جگہ رہنے کے لیے جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر بنائے، مسجد بناؤ پھر اپنا گھر بناؤ، دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے مسجد بنائی پھر اپنے حجرے تعمیر کرائے، تو بہر حال! مسجد کی تعمیر مکمل ہوجانے کے بعد اور حجرے بن چکنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں منتقل ہو گئے اور اس طرح چھ مہینے سے کچھ زیادہ عرصہ تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، اس کے بعد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر جیسا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر کو اپنا گھر ہی سمجھتے تھے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کی بھوک کی وجہ سے بے چینی

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چند وقت کا فاقہ تھا اور فاقہ کی وجہ سے بھوک سے بے چین ہو کر دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکلے، تھوڑی دیر گذری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح، ان کو بھی کئی وقت سے کھانا میسر نہیں ہوا تھا، وہ بھی بھوک سے بے چین ہو کر باہر نکلے، تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی باہر نکلے، حالاں کہ وہ وقت آپ کے باہر نکلنے کا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! چند وقت سے فاقہ تھا، بھوک سے بے چین ہو کر نکلا ہوں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی بھوک محسوس کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کئی وقت سے فاقہ تھا۔

## حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی خوش بختی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چلو! آج ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں جاتے ہیں، چوں کہ یہ زمانہ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا، کھجوروں کا سیزن تھا اور مدینے والے باغات کے مالک تھے؛ اس لیے کھجوروں کے پکنے کے زمانے میں مدینہ والے اپنی بستی کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے کھجور کے باغات میں جو گھر بنے ہوئے تھے، موسم بھر کے لیے ان کی طرف شفٹ ہو جاتے تھے، جہاں پھلوں کے باغات ہوتے ہیں، وہاں یہی دستور رہتا ہے، چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں حضراتِ شیخین کو لے کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ پر تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ ان کی اہلیہ اُمِّ ایوب تھیں، سلام کیا،

انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے مرحبا کہا: أھلاً بِرسول اللّٰہِ ﷺ وصاحبیہ کہا کہ اللہ کے رسول اور ان کے دونوں ساتھیوں کو میں خوش آمدید کہتی ہوں، گویا ویل کم (welcome) کرتی ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے شوہر ابوایوب کہاں گئے؟ جواب دیا کہ وہ میٹھا پانی لینے گئے ہیں، بٹھایا۔

## تمھارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

اتنے میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی آگئے جو پانی کا بڑا مشکیزہ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے تھے، دیکھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ شیخین کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو مارے خوشی کے پاگل ہوگئے، جلدی سے مشکیزہ نیچے رکھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے اور أھلاً بِرسول اللّٰہِ ﷺ وصاحبیہ بار بار کہتے جارہے تھے کہ اللہ کے رسول اور ان کے دونوں ساتھیوں کو میں خوش آمدید کہتا ہوں پھر جلدی سے چادر بچھا کر ان حضرات کو بٹھایا اور جلدی جلدی جا کر کھجور کا ایک بڑا خوشہ توڑ کر کے لائے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کے سامنے رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پورا خوشہ توڑ کر کیوں لے آئے، پکی پکی کھجوریں توڑ کر لاتے، أَفَلا تَنَقَّيتَ لَنا مِنْ رُطَبِہِ اس پورے خوشے میں تو کچی کھجوریں بھی ہیں، وہ ضائع نہ ہوتیں، تو اس پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں کی پسند مختلف ہوتی ہے، بعض لوگوں کو پکی کھجوریں اچھی لگتی ہیں اور کسی کی ادھ پکی اچھی لگتی ہے، بعضوں کو کچی اچھی لگتی ہیں، میں پورا خوشہ اس لیے توڑ کر لایا ہوں کہ جس کو جیسی اچھی لگے، ویسی کھائے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے

اس جواب کو سن کر بہت مسرور ہوئے اور ان کے اس فیصلے کو سراہ کر دعا دی۔

## جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فقر و فاقہ

پھر انھوں نے اجازت چاہی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو بکری ذبح کروں؟ تو فرمایا: ٹھیک ہے، ذبح کرو لیکن دیکھو! دودھ والی مت ذبح کرنا، جو دودھ نہیں دیتی، اسی کو ذبح کرنا، ہمیں تو گوشت ہی کھانا ہے، دودھ والی بکری کو ذبح کرو گے تو وہ دودھ والا فائدہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بکری ذبح کی اور ان کی گھر والی نے آٹا گوندھا اور پھر ذبح کی ہوئی بکری کے گوشت کے دو حصے کر کے ایک حصہ شوربے والا اور ایک حصہ بھونا ہوا تیار کیا اور روٹیاں بھی بن گئی اور اللہ کے رسول کے سامنے رکھ دی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اس میں سے ایک روٹی لے کر اس بھونے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا اس پر رکھ کر حضرت ابوایوب کو دے کر فرمایا کہ ابوایوب! میرے گھر جا کر فاطمہ کو دے آؤ، بہت دنوں سے انھوں نے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے، حضرت ابوایوب دے آئے (۱)۔

## قسطنطنیہ کی فتح میں شرکت کرنے والوں کے لیے نبوی بشارت

تو بہر حال! یہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کا مشغلہ یہی تھا: غزوات میں شرکت، یہاں تک کہ حضرت امیر

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، باب مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انھوں نے ایک لشکر قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا، قسطنطنیہ اس زمانے میں نصاریٰ کا مرکز تھا، قیصرِ روم جو تھا، اس کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے اس لشکر کے واسطے جو قسطنطنیہ کو فتح کرے گا بڑی بشارتیں اور خوش خبریاں سنائیں؛ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ ہوئی کہ میں لشکر بھیجوں، اگر اللہ تعالیٰ اس لشکر کے ہاتھوں قسطنطنیہ کو فتح کرا دے تو ان خوش خبریوں کی سعادت مجھے اور میرے لشکر کو حاصل ہو جائے۔ قسطنطنیہ کے حقیقی فاتح۔

## حضرت ابوایوب انصاریؓ کا جذبۂ سرفروشی

چنانچہ اس کے بعد سے لشکر کشی کا یہ سلسلہ مسلمان بادشاہوں میں جاری رہا، اس وقت فتح تو نہیں ہوا، لشکر گیا اور اس نے مقابلہ بھی کیا، قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوا، اسی لشکر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے اور اسی زمانے میں وہ بیمار ہوئے، ان کی عمر اس وقت ۸۰ر سے متجاوز ہو چکی تھی، بیمار ہوئے اور لشکر کا امیر ان کی خدمت میں خبر گیری کے لیے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جواب میں فرمایا کہ اگر میرا یہاں انتقال ہو جاتا ہے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر کے دشمن کی سرزمین میں جتنا دور لے جا سکتے ہیں، لے جانا اور وہاں مجھے دفن کر دینا- دیکھئے کیا جذبہ تھا- چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش کو گھوڑے پر رکھ کر قسطنطنیہ کی زمین میں جہاں تک لے جا سکتے تھے لے گئے اور وہیں دفن کر دیا۔

## حضرت ابوایوبؓ کی قبر قسطنطنیہ میں

بعد میں قسطنطنیہ کو کئی صدیوں کے بعد سلطان محمد فاتح جو ترکوں کے آلِ عثمان کے فرماں رواؤں میں سے ہیں، انھوں نے فتح کیا اور اس کو فتح کرنے کے بعد باقاعدہ انھوں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر کو تلاش کیا اور پھر وہاں اس کے قریب ایک مسجد بنائی جو آج تک موجود ہے، قسطنطنیہ کا موجودہ نام استانبول ہے اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں، وہاں باقاعدہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں اور وہاں کا قلعہ سلطان ایوب کے نام سے مشہور ہے، ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی، ایک سفر استانبول کا ہوا اور زیارت کی سعادت میسر آئی۔

## قسطنطنیہ کے حقیقی فاتح

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتھم نے بڑی عجیب بات فرمائی کہ قسطنطنیہ کے فاتح سلطان محمد فاتح نہیں بلکہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

## آپ مجھے مختصر نصیحت کیجیے

بہرحال! میں تو یہ عرض کررہا تھا، یہ ہیں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں، کیا فرماتے ہیں؟ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر کے اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی: يَا رَسُولَ اللهِ عِظْنِي وَأَوْجِزْ: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے!

## جو مال ومتاعِ دنیا کو تحقیر سے دیکھا کرتے تھے

دیکھئے! جب ہم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ چیز کھل کر نظر آتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آدمی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی سوال کرتا تھا تو اپنی دنیا کے متعلق نہیں، بلکہ آخرت کے متعلق سوال کرتا تھا: کوئی ہے جو آ کر کے یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جس کو کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (۱)، کوئی ہے جو آ کر کے یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جس کو کر کے ہم اللہ کے یہاں محبوب بن جائیں، اللہ کے لاڈلے اور پیارے بن جائیں، ایسا کوئی عمل بتلا دیجیے (۲) یعنی ان کی زندگی کا مقصود جو تھا، منتہائے نظر جو تھا، وہ یہی تھا، آخرت۔ کوئی آ کر یہ نہیں کہتا تھا کہ میری بیوی بیمار ہے، دعا کیجیے، میرا کاروبار ٹھنڈا چل رہا ہے، ذرا دعا کر دیجیے، میری کھیتی میں برکت ہو، اس کی دعا کر دیجیے۔ کبھی ایسی درخواست نہیں کرتے تھے۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج ہمارا معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ اہل اللہ میں سے کوئی آ گیا تو آخرت تو ایک

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا الحديث (صحيح البخاری، باب وُجُوبِ الزَّكَاةِ)

(۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللّٰهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ: ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاس (سنن ابن ماجة، بَابُ الزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا)

کنارے پر رہ جاتی ہے اور درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! ذرا کاروبار ٹھنڈا چل رہا ہے، بچہ ذرا نافرمان سا ہو گیا ہے یا گھر میں ذرا یوں معاملہ ہے، کوئی دعا کرانا گناہ کا کام نہیں ہے، اچھا ہے، ضرور کرائیے لیکن ہم نے اپنی زندگیوں میں جس چیز کو مقصد بنا رکھا ہے، اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج ہماری نگاہوں میں اسی کی اہمیت رہ گئی ہے، آخرت کا ہمیں خیال بھی آتا نہیں ہے، ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

## رہ گذر دنیا ہے، یہ بستی نہیں

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو وہاں ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کی نگاہ ہر گھڑی آخرت پر لگی ہوئی ہے، دنیا کی زندگی کی ان کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں ہے، بس جو ہے، گذارا ہو رہا ہے، باقی محنت صرف آخرت کے لیے کرنی ہے اور واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے، دنیا میں ہمارا آنا مستقل نہیں ہے، دنیا ہمارا مستقل گھر ہے ہی نہیں، یہ تو رہ گذر ہے، گویا یہ ویٹنگ روم (waiting -room) ہے، راستے میں سے گذر رہے ہیں، ہمارا اصلی گھر تو آخرت ہے، ہر انسان کا اصلی گھر آخرت ہے، اب اس کو ہمیں بنانا ہے تو اس کو بنانے کے واسطے اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے۔

## جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، ایک مرتبہ ان کا کوئی مکان جو چھوٹا سا تھا، مٹی سے لیپ رہے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ منظر

دیکھا تو فرمایا: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ (۱): اے عبداللہ! دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم اجنبی آدمی ہو، پردیسی آدمی ہو، دوسری جگہ سے یہاں آئے ہو۔ تو ہم یہاں آئے تو کیا ہم یہاں مکان بنائیں گے؟ نہیں، ہمیں تو یہاں دو چار دن رہنا ہے تو مکان کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ اس ایک قدم اور آگے بڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ راستہ پار کرنے والا، جیسے ہم ابھی یہاں ایک دن کے لیے بھی ٹھہرے نہیں ہیں لیکن آتے ہوئے راستے میں سے، کار میں بیٹھ کے جب آتے ہیں تو وہ جگہ جو آتے ہوئے راستے میں سے گذرتی ہے، اس کا اتنا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا ایک دن قیام کے سلسلے میں کیا جاتا ہے تو گویا ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ہمیں اپنی دنیا کی طرف دھیان نہیں دینا ہے، اپنی محنتوں اور اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے پیچھے ضائع نہیں کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے، اس موقع کو آخرت کو بنانے کے واسطے استعمال کرنا ہے۔

## نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دنیا پیچھے جارہی ہے اور آخرت آگے آرہی ہے، ہمارا ہر قدم کس کی طرف ہے؟ آخرت کی طرف ہے؛ اس لیے ابناءِ دنیا میں سے مت بنو، دنیا پرستوں جیسے مت بنو، ابناءِ آخرت میں سے بنو، شاعر کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ | کدھر جارہا ہے، کدھر دیکھتا ہے |

کوئی آدمی سامنے جارہا ہو اور دیکھتا ہو پیچھے تو کیا ہوگا؟ یہی حال ہوگا، گر جائے گا

(۱) صحيح البخاری، باب مَثَلِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ.

تو ہمارا ابھی قدم تو سوئے عقبیٰ ہے، آخرت کی طرف جا رہے ہیں اور نظر ہماری کدھر ہے؟ دنیا کی طرف ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ | | کدھر جا رہا ہے، کدھر دیکھتا ہے |

## دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں

تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو اپنا مقصود بنالیا ہے، اگر ہم آخرت کے لیے اتنی محنت کرتے، بلکہ جتنی محنت دنیا کے لیے کرتے ہیں، اس کی آدھی محنت بھی آخرت کے لیے کرتے تو یہ آدھی محنت بھی آخرت میں بہت بڑی کامیابی کی ضامن تھی۔

بہرحال! میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صحابہ کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگیوں کا جو مقصود اور منتہائے نظر ہمیں نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم آخرت کی تیاری کریں؛ اسی لیے اس آنے والے نے کیا سوال کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے!

## نصیحت مختصر اور جامع ہو

آج تو حال یہ ہے کہ کوئی کسی مفتی صاحب، مولوی صاحب کے پاس آ کر کہے کہ مختصر نصیحت کیجیے تو مولوی صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی جا رہی ہے کہ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے!

## لوگوں کو راضی کرنے کے لیے رب کو ناراض نہ کر

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے لیکن لمبی نصیحت مت کرنا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لکھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سنا ہے: مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللّٰہِ بِسَخَطِ النَّاسِ کَفَاہُ اللّٰہُ مُؤْنَۃَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰہِ وَکَلَہُ اللّٰہُ إِلٰی النَّاسِ (۱): جو آدمی لوگوں کی ناراضگی مول کر اللہ کو خوش کرتا ہے یعنی اللہ کو خوش کرنے کے لیے لوگوں کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ناراضگی کے لیے اس کو کافی ہو جاتے ہیں یعنی لوگوں کی ناراضگی سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور جو آدمی اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ جاؤ۔ دیکھو! اگر کسی شخص کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کیا تو ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہی شخص اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور آخرت کے ساتھ دنیا بھی ہاتھ سے جاتی ہے۔

## یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

آج ہم جو در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اللہ کی خوشنودی کو اپنا مقصود نہیں بنایا کہ فلاں ناراض ہو جائے گا۔ شادی کا موقع آتا ہے، سنتوں پر عمل کرنے کے لیے جب ہمیں کہا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے، لوگ کیا کہیں گے! بھائی! یہ جو دنیا والے ہیں، اگر ان سب کی خوشنودی حاصل کرنے جاؤ گے نا تو کوئی آدمی کبھی سب کو خوش کر سکتا نہیں ہے، یہ یاد رکھیے، ایک کو خوش رکھنا آسان ہے، سب کو خوش کرنا مشکل ہے، بس ایک ہی ذات ہے

(۱) سنن الترمذی، عَائِشَۃَ أُمِّ الْمُؤْمِنِینَ رضی تعالیٰ اللہ عنہا، رقم الحدیث: ۲۵۹۷.

جو ہماری خالق و مالک ہے، اسی کو راضی کرنے کی کوشش ہمیں کرنا ہے۔

## شادی میں اللہ کے سوا سب کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے

آج کل کیا ہو رہا ہے؟ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ، فرماتے تھے کہ جب کسی کا نکاح ہوتا ہے نا تو ہر ایک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ گھر میں کام کرنے والا جو مزدور ہوتا ہے، بھنگی ہوتا ہے، بیت الخلاء صاف کرنے والا، وہ بھی راضی ہو جائے، اس کی کوشش ہوتی ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، یہ نہیں سوچا جاتا کہ میں یہ کام کرنے جارہا ہوں، اس سے اللہ ناراض ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوں گے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ ناراضگی بھی صحابۂ کرام کو گوارا نہیں تھی

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج کیسا تھا؟ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج تو یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سی ناراضگی بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے، ایک بالا خانے پر نظر پڑی، ایک گنبد نما مکان تھا، نیا بنا ہوا، پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ تو کسی نے جواب دیا کہ فلاں کا ہے، ایک صحابی کا نام دیا۔ اب یہ بات ہوگئی، وہ صحابی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا، ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چہرۂ انور کو پھیر لینا قیامت کی بات تھی، انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض دیکھ رہا ہوں تو انھوں نے کہا کہ ہاں! ایک بات ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جارہے تھے، آپ کے مکان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر پڑی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے تو ہم بتلایا کہ آپ کا ہے۔

## پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

بس، گئے اور اس مکان کو ڈھادیا! اور آکر کے یہ بھی عرض نہیں کرتے، ہمارے جیسا ہوتا تو آکر کے کہتا کہ حضرت! آپ کی ناراضگی کا پتہ چلا تو میں اس کو ڈھا کر کے آیا ہوں۔ نہیں آکر بتلایا بھی نہیں۔ ہم تو اپنے بڑوں پر بھی احسان کرنے کی بات کرتے ہیں، وہاں یہ بات نہیں تھی۔ آکر بتلایا بھی نہیں، بلکہ دوسرے موقع پر کچھ دن کے بعد دوبارہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے جب گذر ہوا اور آپ نے وہاں وہ گھر نہیں دیکھا تو پوچھا کہ یہاں وہ گنبد والا مکان تھا، اس کا کیا ہوا تو لوگوں نے بتلایا کہ اے اللہ کے رسول! وہ صاحبِ مکان آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تھا، سلام کیا تھا، آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا، اس نے ہم سے پوچھا تھا تو ہم نے اس کی وجہ بتادی تھی، بس اس نے جا کر اپنے مکان کو ڈھادیا۔ یہی چیز ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی ہمارے لیے ایک قیامت ہونی چاہیے تو ہماری زندگیوں میں انقلاب آسکتا ہے، آج تو ہمیں اس کا احساس اور پرواہی نہیں۔

## دین میں نماز کی اہمیت

تو بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ اس صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے

رسول! مجھے کچھ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں، پہلی نصیحت یہ فرمائی: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ: کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس آدمی کی سی نماز پڑھو جو دنیا کو الوداع کہہ رہا ہو، یعنی نماز ایک بہت اہم چیز ہے بلکہ دین کی بنیاد اس کو کہا گیا ہے: الصَّلاةُ عِمَادُ الدِّينَ، فَمَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّين وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ کہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے، جس نے نماز کو ڈھایا، اس نے گویا دین کو ڈھایا۔

خیمہ لگاتے ہیں نا، جس کو "تمبو" کہتے ہیں تو خیمے میں بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے، اس کو عربی زبان میں عِماد کہتے ہیں، اسی پر خیمہ قائم ہوتا ہے، وہ گر گیا تو خیمہ گر گیا تو دین کی یہ عمارت اور دین کا خیمہ نماز پر قائم ہے تو جو آدمی نماز کو قائم کرے گا، اس نے گویا دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا، اس نے گویا دین کے خیمے کو گرا دیا۔ نماز اتنی اہم ہے لیکن آج ہم مسلمان کہلانے کے باوجود نماز جیسی اہم عبادت سے غفلت کا شکار ہیں۔

## نماز کے معاملے میں ہمارا مزاج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے گورنروں کے نام ایک فرمان جاری کیا تھا جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "موطا" میں شروع ہی میں نقل کیا ہے۔ چوں کہ یہ حکم رانی ایسا کام ہے جس کی وجہ سے نماز کے معاملے میں غفلت اور کوتاہی ہوتی جاہے۔ آج کل ایک رواج یہ بھی بنا ہوا ہے کہ کو لوگ دین کے یا عام سماجی کام میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کی کاموں مشغولی کی وجہ سے بہت سی مرتبہ نماز کے

معاملہ میں غفلت کرتے ہیں اور نماز کا وقت نکل جاتا ہے، نماز قضا ہو جاتی ہے۔

## نماز کی حفاظت اپنے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے تمام گورنروں کے نام جو فرمان جاری کیا، اس میں یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ لکھی: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلاةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ: کہ تمھارے کاموں میں سب سے اہم کام میرے نزدیک نماز ہے- یہ کوحکم رانی ہے، اس کی وجہ سے یہ مت سمجھنا کہ نماز کے معاملے میں بے پروائی سے کام لو، غفلت سے کام لو، وقت پر نہ پڑھو، جماعت چھوڑ دو۔ نہیں، یہ سب سے اہم ہے- فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا: جس نے نماز کی حفاظت کی، اس کی پابندی کی، اس کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کیا، حَفِظَ دِينَهُ: اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔

## نماز کے معاملے میں بڑھتی ہوئی ہماری کوتاہی

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اپنے دین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ ہم نماز کا اہتمام کریں۔ ہم نے اپنے جن اکابر کو دیکھا ہے، ان کے یہاں نماز کا بڑا اہتمام تھا، جماعت کا بڑا اہتمام تھا، وہ کسی حال میں نماز یا جماعت کو چھوڑنے کے روادار نہیں ہوتے تھے۔ آج ہمارے دین دار طبقے میں بھی نماز کے معاملے میں بہت زیادہ غفلت آچکی ہے اور اس کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو دینی چاہیے۔

## حضراتِ اکابر کے یہاں نمازوں کا اہتمام

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا کہ بیماری کے زمانے میں اٹھ نہیں سکتے تھے تو مسجد کے اندر پلنگ لایا جاتا تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیمار ہیں، چلنے پھرنے سے معذور ہیں لیکن خُدّام ان کو کرسی پر اٹھا کر لاتے ہیں، کبھی جماعت کو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے اکابر نماز کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔

## تارکِ صلوۃ سے دوسرے دینی امور کی حفاظت کی توقع نہیں کی جاسکتی

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاکید فرمائی کہ جس نے نماز کی پابندی کی، اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔ وَمَنْ ضَيَّعَهَا: اور جو نماز کو ضائع اور برباد کرے گا، فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ: وہ دین کے دوسرے شعبوں کے معاملے میں بہت زیادہ غفلت اور بے پروائی سے کام لے گا۔ جو نماز کی حفاظت اور پابندی نہیں کرتا، اس سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ دین کے دوسرے شعبوں کا حق ادا کرے؛ اس لیے نماز کی طرف خاص توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

## مسلمان قوم نصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ ہمارے یہاں اب دھیرے دھیرے لوگوں نے جمعہ کی نماز کے اوپر اکتفا کرنا شروع کردیا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا، جیسے نصاریٰ ہفتے میں صرف ایک دن: اتوار کے دن اپنی عبادت گاہوں میں

جاتے ہیں اور وہ بھی اب تو ختم ہوتا جا رہا ہے۔ خدا نہ کرے، اگر یہی سلسلہ ہمارے یہاں جاری ہو گیا کہ ہفتے میں ایک دن: جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہیں، خدا نہ کرے، وہ بھی ختم ہو جائے تو ہم میں اور نصاریٰ میں کیا فرق رہ جائے گا؟

## نماز امتِ محمدیہ کے لیے تحفۂ خداوندی ہے

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے معراج میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر کے نماز کا یہ تحفہ امت کے لیے عطا فرمایا ہے۔

## میری نماز کی طرح نماز پڑھو

نماز کی ادائگی کا طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر امت کو بتلایا، ہر ہر چیز اپنے عمل سے کر کے بتلائی اور آخر میں ہدایت فرما دی: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (۱): کہ مجھے جس طرح تم نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو، اس طرح تم بھی نماز ادا کرو۔

## نمازِ نبوی بکمالہا وتمامہا امت کے سامنے موجود ہے

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسی نماز پڑھی تھی؟ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان ساری کیفیات کو نقل کیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز میں کھڑا ہونا کس انداز میں ہوتا تھا، ہاتھ کس طرح اٹھاتے تھے اور رکوع میں کس طرح تشریف لے جاتے تھے، سجدہ کیسا ہوتا تھا، قعدہ کیسا ہوتا تھا۔ ساری چیزیں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے محفوظ کر کے امت تک پہنچا

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ، بَابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالإِقَامَةِ.

دیں اور اگر ان چیزوں میں کسی کسی روایت میں کبھی کوئی اختلاف نظر آتا ہے تو حضراتِ ائمۂ مجتہدین نے اس کو بھی حل کر کے امت کے سامنے خلاصہ رکھ دیا تو اب ضرورت ہے کہ نماز کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

## وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام

تو نماز بڑی اہمیت کی حامل ہے، ہر ایک آدمی جانتا ہے لیکن نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے، اس طرح ادا کرنا ہے کہ ہمارا دل ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہ ہو، یہ بہت اہم چیز ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ ایمان والے جو اپنی نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ کامیاب ہیں، بامراد ہیں، دنیا وآخرت کی خوش حالی ان کو حاصل ہے۔

## صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق

تو خشوع کے ساتھ پورے دھیان کے ساتھ نماز کو ادا کرنا یہ بڑا اہم ہے، آج کل کیا ہو گیا ہے؟ دنیا مشینی دور سے گذر رہی ہے، ہر چیز آٹومیٹک (automatic) تو ہماری نماز بھی آٹومیٹک ہو گئی، اللہ اکبر کہا تو گویا مشین کا بٹن آپ نے آن (on) کر دیا، اب شروع ہو رہا ہے، سبحانک اللھم پڑھی جارہی ہے، أعوذ باللہ پڑھ رہے ہیں، بسم اللہ پڑھ رہے ہیں، الحمد شریف پڑھ رہے ہیں، سورت ملا رہے ہیں، رکوع میں جارہے ہیں، سبحان ربی العظیم پڑھ رہے ہیں، سب برابر پڑھ رہے ہیں،

جو چیز پڑھنی چاہیے تھی، کوئی چیز چھوٹی نہیں، اب اسی دو رکعت پڑھنے والے سے آپ پوچھو کہ بھائی! آپ نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ سوچے گا کہ کون سی پڑھی تھی، حالاں کہ اس نے خود پڑھی تھی۔

## نیت باندھے صف میں کھڑے ہیں سب اپنے اپنے خیال میں

اب ہم میں سے بہت سے وہ ہیں جن کو پوچھا جائے کہ مغرب کی نماز میں امام صاحب نے پہلی اور دوسری رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ پوچھوں گا نہیں کسی سے، برا مت ماننا، لیکن میں یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ ہی اپنی ذات سے پوچھ لیجیے، کتنوں کو یاد ہے؟ یہ تو امام صاحب کی پڑھی ہوئی سورت کی بات ہوئی لیکن میں جو بات کررہا ہوں کہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، وہ جب پڑھ لے تو اس سے فوراً جاکر پوچھو کہ کون سی سورت پڑھی تھی تو یاد نہیں۔ اِدھر یہ سب چل رہا ہے، اُدھر نماز کے اندر ہمارا دل ودماغ پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے: دوکان میں پہنچ گئے، سودا ہو رہا ہے، وہاں بڑا آرڈر (order) بھی دے دیا اور مال کا وہ آرڈر آ بھی گیا اور اس کو چھڑا بھی لیا اور سب کچھ ہوگیا اِدھر نماز بھی ہو رہی ہے، اُدھر یہ بھی ہو رہا ہے، یہ حال ہماری نماز کا ہے۔

| | |
|---|---|
| وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی | ترستے ہیں آج اس کو منبر ومحراب |

## پیش کر غافل عمل، گر کوئی دفتر میں ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ آج ہماری نمازوں میں جان نہیں رہی، نماز پڑھتے پڑھتے ہماری زندگیاں گذر گئیں، کسی کو پانچ سال، کسی کو دس سال، کسی کو پندرہ، کسی کو بیس،

تیس، چالیس، پچاس سال سے نماز پڑھ رہے ہیں، کل کو قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھا گیا کہ تو پچاس سال تک نماز پڑھ کر آیا ہے، ایک سجدہ ایسا بتا ہم کو جو تو نے دل کی پوری حضوری کے ساتھ کیا ہو تو کیا ہم ایسی پوزیشن (position) میں ہیں کہ اللہ کے حضور میں ایسا سجدہ پیش کر سکیں، قرآن تو کہتا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، ایک لمحے کے لیے بھی، ایک سیکنڈ (second) کے لیے بھی ہمارا دل اللہ کی طرف سے ہٹنا نہیں چاہیے۔

## جو مال ومتاعِ دنیا کو تحقیر سے دیکھا کرتے تھے

ایک صحابی ہیں: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، بڑے باغات کے مالک تھے، ایک مرتبہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران ایسا ہوا کہ ایک چڑیا آ گئی، وہ چڑیا اڑ کے جانا چاہتی تھی لیکن وہ باغ گنجان تھا، درخت کی ٹہنیاں ایسی پھیلی ہوئی تھیں کہ اس چڑیا کو باہر نکلنے کے لیے جگہ نہیں ملی تو وہ واپس آ گئی پھر اڑی، پھر واپس آ گئی، دو تین مرتبہ ایسا ہوا، ان کا دھیان اس کی طرف چلا گیا اور اس کی وجہ سے قرآن جو پڑھ رہے تھے، اس میں بھول ہو گئی، نماز میں بھول ہو گئی، سلام پھیرا اور فوراً اپنے اس باغ کا صدقہ کر دیا کہ اس باغ کی وجہ سے میری نماز میں میرا دھیان ٹوٹ گیا، اتنا قیمتی باغ! ہزاروں درہم کی مالیت کا تھا لیکن پروا نہیں، محبت تھی نا اللہ تعالیٰ

کے ساتھ، تعلق تھا، غیرتِ محبت آ گئی کہ جو مال اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کی عبادت کی راہ میں رکاوٹ بن گیا، میں اس کو اپنے پاس باقی نہیں رکھ سکتا۔

## مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

آج تو ہمارا حال یہ ہے کہ نماز کے دوران جیب میں موجود دو روپے کے قلم کی طرف ہمارا دھیان چلا جاتا ہے پھر بھی اس کو صدقہ کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی، باغ تو کیا صدقہ کرتے ہم، اتنا سا قلم بھی صدقہ نہیں کر سکتے۔ میں تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ نماز کو اس طرح دھیان سے ادا کرنا اور پوری توجہ سے ادا کرنا مقصود ہے اور یہی اصل چیز ہے، نماز کی روح ہے یہ، پوری نماز کی جان ہے؛ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب سب سے پہلی جو چیز اٹھائی جائے گی وہ نماز کا خشوع ہے، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن ایک بھی نماز ایسی نہیں جس میں اس کا دھیان ہو۔

## خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کا طریقہ

تو بہرحال! اس نماز کو دھیان سے ادا کرنا بڑی اہمیت کی بات ہے، اس نماز کو دھیان سے ادا کرنے کے لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو مختلف طریقے بتلائے، ایک طریقہ یہ بھی ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

گویا دورانِ نماز آدمی کو اس انداز سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور کھڑے رہنا چاہیے، گویا میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی آنکھوں

سے دیکھنے کا استحضار ہو۔

آگے فرمایا گیا: اور اگر تم نہیں اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ کیفیت تمھارے دل میں پیدا نہیں ہو رہی ہے اور یہ استحضار نہیں کر پا رہے ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو یہ بات تو ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اگر تم کو یہ کیفیت عطا فرمادے۔

بعضوں کو یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ نماز کی نیت باندھی، بس! ان کا دھیان اللہ کی طرف ہو جاتا ہے، گویا وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور اگر یہ کیفیت حاصل نہیں ہوئی تو بھی ہر مؤمن کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ تو ہمارا سب کا ایمان ہے۔ اب نماز میں دھیان لانے والی اصل چیز تو یہی ہے۔

## کام میں خوبی پیدا کرنے والی اصل چیز

غلام کوئی کام کر رہا تو اس کے کام میں جو خوبی آتی ہے، اس میں اصل تو یہی ہے کہ غلام اپنے آقا کو دیکھ رہا ہو۔ کام میں پختگی اور اچھائی کے آنے میں اصل مؤثر چیز غلام کا آقا کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ آقا کا غلام کو دیکھنا ہے۔

ایک مزدور کام کر رہا ہے اور کام کرتے کرتے، اپنے آقا کو دیکھ رہا ہے، آقا سامنے ہے تو وہ کام دھیان سے کرے گا نا، لیکن اگر وہ آقا کو نہیں دیکھ رہا ہے لیکن اس کو یہ معلوم ہے کہ میرا اسیٹھ، میرا آقا مجھ کو آفس میں بیٹھ کر اسکرین (screen) پر میں جو کر رہا ہوں، اس کو دیکھ رہا ہے، تو بھی وہ اسی طرح کام کرے گا، جیسے وہ آقا کو دیکھنے کی صورت میں کام کرتا تھا، تو جب ہمیں یہ خیال ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو ہم بھی

نماز اسی طرح دھیان سے پڑھیں گے۔ تو بہر حال !ایک صورت تو نماز کو دھیان سے پڑھنے کی یہ ہے۔

## ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھو

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرا طریقہ یہ بتلایا کہ جب تم نماز کو پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ بھائی! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، جیسے ایک آدمی کو پھانسی کی سزا ہوئی اور جب اس کو پھانسی دینے کے لیے لے جارہے ہیں تو پھانسی دینے والوں کی طرف سے اس کو اجازت دی جاتی ہے کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟ تو بہت سے اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جو اس گھڑی میں کہتے ہیں کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو۔

## حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آخری خواہش

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، ان کا قصہ بخاری شریف میں ہے کہ ان کو پھانسی دینے کے لیے لے جارہے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟ تو انھوں نے دو رکعت نماز کی اجازت مانگی (۱)۔ تو جب پھانسی لگنے سے پہلے آدمی دو رکعت نماز پڑھے گا تو کیسی پڑھے گا؟ آپ بتاؤ! پورے دھیان سے، ذرہ برابر بھی دھیان اِدھر اُدھر نہیں ہوگا۔ مجھے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ ہم جو ابھی عشاء کی نماز

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب هل يستأسر الرجل ومن لم يستأسر ومن ركع ركعتين عند القتل.

پڑھیں گے، وہ ہماری زندگی کی آخری نماز ہوگی تو بتاؤ! ہماری کوشش کیا ہوگی؟ کہ ہمارا پورا دھیان اللہ کی طرف ہو، ذرہ برابر دھیان اِدھر اُدھر نہ ہو۔

## موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

تو اب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، یہ کوئی خالی، فرضی چیز نہیں ہے، چوں کہ موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، موت تو آنے والی ہے، یہ ایک حقیقت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کب آئے گی، وہ معلوم نہیں ہے تو اب جب ہمیں حکم فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہوسکتا ہے کہ یہ ہماری آخری نماز ہو، پتہ نہیں اس کے بعد ہمیں نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے تو پورے دھیان کے ساتھ پڑھو، خشوع کے ساتھ پڑھو، دل لگا کر کے پڑھو، پورا دھیان اللہ کی طرف ہو، اس طرح پڑھو، اگر ایسی کوئی ایک نماز ہمیں مل گئی پھر بتاؤ! دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہوجائے گی، جس نے نماز کو پالیانا، اس نے اپنی زندگی بنالی۔ پہلی بات تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی۔

## میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اپنی نمازوں کو درست کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہم پانچ وقت آتے ہیں، الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی، یہ جو ہم آتے ہیں، یہ بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے، یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے، ہم اللہ کا ایک فریضہ ادا کرتے ہیں اور یہ بھی ہمارے حق میں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کا جتنا شکر ادا کریں، کم ہے۔

## یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

ایک آدمی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! میں اللہ کا ذکر تو کرتا ہوں لیکن زبان سے، دل تو پتہ نہیں کہاں کہاں گھومتا ہے۔ تو گویا وہ یوں سمجھا کہ زبان سے ذکر کرنا مفید نہیں ہے۔ اس پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ کا شکر ادا کرو کہ اپنے جسم کا ایک جزء، ایک پارٹ (part) جو ہے اس کو اس نے اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی اور قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراھیم:۷]: اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمت میں اضافہ کروں گا۔ تو اس پر شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ دل کو بھی اپنے ذکر کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

## جانتے ہیں اہلِ دنیا جیسی پڑھتے ہیں نماز

تو بہر حال! ہم جو یہ نماز پڑھ رہے ہیں، اگر چہ وہ ہے ٹوٹی پھوٹی لیکن پھر بھی اللہ کا بڑا احسان ہے، البتہ ہمیں اسی پر اکتفا کرنا نہیں چاہیے۔ کسی کی دوکان ٹوٹی پھوٹی ہو تو کیا وہ یہ کہے گا کہ چلو اپنا کام تو ہو جاتا ہے، چاہے ٹوٹی پھوٹی ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہے، کام چل رہا ہے بلکہ اس کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوکان بڑی شان دار بنے اور بہت بڑا اسٹور (store) بن جائے بلکہ دوکان سے آگے فیکٹری تک معاملہ پہنچ جائے گا لیکن یہاں آخرت کے معاملے میں ہم قناعت پسند بنتے ہیں۔ بہر حال! نماز پورے دھیان سے پڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔

# زبان اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت

دوسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: لَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ کہو جس کے متعلق کل تم کو معذرت پیش کرنی پڑے۔

یہ زبان جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب وغریب نعمت ہے، جب سے آدمی نے بولنا سیکھا ہے، تب سے برابر اس کی سروس چالو ہے اور ایسی کہ ہمیں نہ تو اس کی اور ہولنگ (overhauling) کرنی پڑتی ہے، نہ سروس کرانی پڑتی ہے، نہ تیل ڈالنا پڑتا ہے، برابر چل رہی ہے بلکہ بڑھاپے میں آنکھوں کی بینائی گھٹ جاتی ہے، کانوں کی شنوائی میں کمی آجاتی ہے، ٹانگوں کی قوت کم ہو کر کے چلنے پھرنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے لیکن یہ زبان، اس کی قوت کبھی گھٹتی نہیں ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے، گھر کے لوگ بھی بڑے میاں کو کہتے ہیں کہ بڑے میاں! جاؤ، مسجد میں اللہ اللہ کرو، یہاں بک بک نہ کرو۔

# زبان کا صحیح استعمال نجات کا ذریعہ ہے

تو بہر حال! یہ زبان جو ہے، وہ اللہ کی عجیب وغریب نعمت ہے، دل میں خیال آیا اور چالو ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے دل کے ساتھ اس کا ایسا کانٹیکٹ قائم کر دیا ہے کہ ہمارے دل میں جو باتیں ہیں، جن کو ہم بولنا چاہتے ہیں، جہاں ہم نے سوچا، ارادہ کیا، چالو ہوگئی تو بہر حال! یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہے، اس کو صحیح طریقے پر استعمال کرنا ہے، عام طور پر لوگ زبان کو استعمال کرنے کے معاملے میں بہت غفلت برتتے ہیں، اسی بنا پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تنبیہ کے ساتھ فرمایا،

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! نجات کا راستہ کیا ہے؟ ہم کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں فرمائیں، ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھو، اس کو کنٹرول میں رکھنے کی ضرورت ہے، بڑی خطرناک چیز ہے۔

## زبان کی حفاظت اور ہمارے اسلاف

ایک تابعی ہیں حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور تفسیر میں ان کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ میری زبان درندہ ہے، جنگل کا جو درندہ ہوتا ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑوں گا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔ یہ زبان ہمیں ہلاک کر کے رکھ دیتی ہے۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور زبان کی حفاظت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زبان کی حفاظت کا اتنا اہتمام کرتے تھے، اتنا اہتمام کرتے تھے کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے گویا لوک کر دیتے تھے، اس کا بھی کوئی لوک ملتا ہو تو لے کر کے لوک کرنے کی ضرورت ہے کہ بھائی اس کو تالے میں رکھو، ورنہ پتہ نہیں یہ ہمیں کہاں سے کہاں لے جائے گی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ میں کنکر رکھا تو یہ اس کو لوک کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی! اندازہ لگاؤ ذرا، نبیوں کے بعد پوری انسانیت میں سب سے افضل کون ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، وہ اپنی زبان کی حفاظت کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور ہم اور آپ لوگ اپنی زبان کو کھلا اور بے لگام

چھوڑ دیتے ہیں، جو چاہیں بولتے ہیں۔

## زبان کی حفاظت پر جنت کی ضمانت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اے معاذ! لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز یہ زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی ہے(۱)۔ زبان ہی کی باتوں کے نتیجے میں لوگ جہنم میں جائیں گے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بخاری شریف میں ہے: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ (۲) جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان اور اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ کہ وہ ان دونوں اعضاء کو غلط استعمال نہیں کرے گا، جو مجھے اس کی گارنٹی دے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔

## غیبت اور اس کی قباحت

یہ ہمارا عام معمول ہے: بیٹھے ہوئے ہیں، لوگوں کی غیبت ہوگئی، زبان چل رہی ہے اور گویا ہمارا ۲۴ رگھنٹے کا مشغلہ یہی ہے، وقت گذاری کا ذریعہ بنالیا ہے، حالاں کہ قرآن میں بھی غیبت وغیرہ کی ممانعت آئی ہے: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ

---

(۱) ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلاَّ حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ (سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلاَةِ)

(۲) بخاری شریف، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ.

اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ [الحجرات:۱۲]: تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کروگے؟ گویا غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا اور غیبت کا مطلب کیا ہے؟ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے جو اس کو معلوم ہو تو اس کو ناگوار گذرے، چاہے اس کی ذات سے متعلق ہو، چاہے اس کی کسی چیز سے متعلق ہو۔ بعض لوگ کیا کہتے ہیں، جب ہم ان کو کہتے ہیں کہ یہ غیبت ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ بات میں نے اس کے سامنے کہی۔ ارے بھائی! سامنے کہہ دے، منع نہیں لیکن یہاں مت کہہ، یہاں بولے گا تو وہ تو غیبت ہی ہے اور حرام ہے؛ اس لیے ہماری زبان کی حفاظت کی انتہائی ضرورت ہے۔ جھوٹ بولتے ہیں، چغلی ہے، بے کار کی گپ شپ کرتے ہیں، بیٹھے بیٹھے ٹائم پاس (timepass) ہو رہا ہے، گویا ٹائم پاس کرنے کے لیے ہمارے پاس اور کوئی چیز ہے ہی نہیں، یہی بس گپ شپ ہے۔ اللہ کی یاد نہیں ہے؟

## ہمارے اسلاف کے یہاں وقت کی قدر و منزلت

ہمارے اکابر اسلاف جو تھے، وہ تو ایک ایک منٹ کو قیمتی سمجھتے تھے، ان کے ایسے ایسے حالات ہیں کہ کیا کہوں! ہم تو سنتے ہیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا، ماننے میں نہیں آتا، ایک بزرگ ہیں، وہ روٹی نہیں کھاتے تھے، حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ، وہ روٹی نہیں کھاتے تھے بلکہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے۔ ستو تو جانتے ہو نا؟ گیہوں کو بھون دیتے ہیں، بھون کر پیس لیتے ہیں، پرانے زمانے کا دستور یہی تھا، سفر

میں یہی استعمال کرتے تھے۔ آج کل تو انسان بہت ترقی کر گیا ہے، پہلے زمانے میں لوگ جب سفر میں جاتے تو یہی ستو ساتھ لے جاتے، پانی میں بھگویا اور کھالیا، پھانک لیا تو ستو پھانک لیتے تھے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! آپ روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ تو جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ۷۰؍ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا، چالیس سال سے ستو پھانکنے پر اکتفا کرتے تھے ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات اللہ کی یاد میں، زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں وقت کو گذارنے کے لیے ۴۰؍ سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کرتے رہے، جو آدمی اپنے کھانے کے وقت میں سے وضع کر کے اللہ کی یاد میں لگاتا ہو، وہ دوسرا وقت ضائع اور برباد کر سکتا ہے؟

## ہماری ساری قربانیاں دنیا کے لیے ہیں

ہم بھی یہ ساری چیزیں کرتے ہیں لیکن دنیا کے لیے، بہت سے لوگ ہیں جو دوکان پر دن بھر کھانا نہیں کھاتے، کہتے ہیں کہ میں تو صبح کے وقت ناشتہ کر لیتا ہوں پھر شام کو آکر ہی کھاتا ہوں۔ دوپہر کے ایک وقت کے کھانے کی قربانی دے دی، پوچھو کہ کتنے سالوں یہ معمول ہے تو کہے گا کہ زندگی گذر گئی، بیس سال سے میرا یہ معمول ہے تو ہم بھی ایسی قربانیاں دے رہے ہیں لیکن دنیا کے لیے دے رہے ہیں اور وہ آخرت کے لیے دیتے تھے۔ یہ حضرات نماز کے لیے کھڑے ہیں، رات رات بھر کھڑے ہو کر

قرآن پڑھتے تھے، ان کے پاؤں میں ورم آجاتا تھا، پوری رات اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے میں ان کو مزہ آتا تھا، اب جب یہ قصے ہم سنتے ہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا لیکن میں کہتا ہوں کہ کرکٹ میچ چل رہا ہے اور ٹی وی کے اوپر آرہا ہے، اس کو کھڑے کھڑے دیکھ رہے ہیں۔

## وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

ایک مرتبہ میں جارہا تھا ہمارے یہاں نوساری تو میں نے ایک جگہ بھیڑ دیکھی، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو کسی نے کہا کہ اندر ٹی وی پر میچ چل رہا ہے، ورلڈ کپ چل رہا ہے۔ اب وہ کھڑا ہے، کھڑا ہے، گھنٹے گذر جاتے ہیں، ذرہ برابر بھی وہاں سے ہٹتا نہیں ہے، اس کے لیے کوئی دشوار نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کا دل اس پر لگا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے دل اللہ کی یاد میں لگے ہوئے تھے، یہ جیسے اس سے لطف حاصل کرتا ہے تو وہ اللہ کی عبادت سے لطف حاصل کرتے تھے تو اس کو دیکھو تو ان کی باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں گی، اللہ تعالیٰ ہمارا یہی شوق، ہمارے یہی جذبات، ہماری انہی صلاحیتوں کو اپنی عبادتوں کی طرف پھیر دے، ورنہ ہم برباد ہوجائیں گے، برباد ہورہے ہیں لیکن ہمیں اس بربادی کا احساس نہیں ہے: ؎

| | |
|---|---|
| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا | کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

آج ہم برباد ہورہے ہیں اور بربادی کا ہمیں احساس بھی نہیں، یہ اور خطرناک چیز ہے۔ بھائی! ایک آدمی کو لوٹ لیا گیا اور اس کو پتہ ہی نہیں کہ مجھے لوٹ لیا گیا تو پھر تو

وہ اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا، حقیقت یہی ہے۔

## پہلے تولو پھر بولو

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ زبان جو ہے، اس کی حفاظت ضروری ہے، اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہو کہ جس کے متعلق کل تمھیں معذرت پیش کرنی پڑے، آج تم نے کوئی بات کہی اور کل تم سے کسی نے کہا کہ بھائی! تم نے کل ایسی بات کہی تھی، آپ کہیں گے کہ ہاں! میری بھول ہوگئی تو بھائی پہلے سے سوچ کر بولتے، پہلے تولو پھر بولو۔ تو بہر حال زبان کی حفاظت کا اہتمام کرو۔

## خدا سے مانگ، جو کچھ مانگنا ہے اکبر

اور تیسری بات فرمائی: وَاجْمَعِ الْإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ: اور لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، اس کی طرف سے مکمل مایوسی اختیار کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں حرص اور لالچ کا مادہ رکھا ہے، یہ بھی عجیب بات ہے، کسی مال دار قسم کے آدمی کو دیکھتے ہیں تو اس کے متعلق دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی خدمت کروگے تو کچھ مل جائے گا، دنیا مل جائے گی، یہ حرص اور لالچ ایسی ہے کہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ یہ مجھے کچھ دے گا، وہ مجھے کچھ دے گا، یہ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف نگاہ جاتی ہے، سوچتا ہے کہ اس سے مجھے دنیوی فائدہ حاصل ہوجائے گا تو کہا جارہا ہے کہ لوگوں کی طرف سے نگاہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھو، جس ذات نے بغیر مانگے سب کچھ دیا

ہے، یہ جسم، اس کی تن درستی، یہ سب کچھ، ہم مانگنے گئے تھے؟ ایک ایک چیز کس قدر قیمتی ہے، ایک آنکھ! اس کی قیمت لگاؤ، آج کسی کی آنکھ ختم ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے لاکھوں، کروڑوں روپیے خرچ کریں گے، اسی طرح زبان، کان تو اللہ تعالیٰ نے اتنی ساری نعمتیں جو ہزاروں، لاکھوں کی مفت میں دے رکھی ہیں تو دنیا کی معمولی نعمتیں ہم کو نہیں دے گا؟ ہمیں دوسروں پر نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نگاہ صرف اللہ تعالیٰ پر کی جائے، وہ دینے والا ہے، اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:

| | | |
|---|---|---|
| خدا سے مانگ، جو کچھ مانگنا ہے اکبر | | یہی وہ در ہے کہ جہاں آبرو نہیں جاتی |

## سمجھتا ہے خدا کو صرف جو حاجت روا اپنا

دنیا کا حال تو یہ ہے کہ کسی سے بھی مانگو نا، وہ بڑے سے بڑا کیوں نہ ہو، ارے سب سے قریبی، بیٹا باپ سے مانگے نا کہ ابا! دو، ابا نے دئے، کتنے؟ ایک ہزار پورے دو، دے دیئے، اب آدھے گھنٹے کے بعد پھر آیا کہ ابا! دو، پھر دئے، پھر آدھے گھنٹے کے بعد آیا اور کہا: ابا! دو، پھر دئے، چار پانچ مرتبہ ہوا، چھٹی مرتبہ آیا تو ابا کیا کہیں گے؟ کہ کوئی دھندا ہے کہ نہیں! حالاں کہ مانگنے والا کون ہے؟ بیٹا ہی ہے پھر بھی دینے سے انکار کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں ہے، تم چار پانچ کیا، پچاس مرتبہ، پانچ سو مرتبہ مانگو تو اس پر وہ ناراض نہیں بلکہ خوش ہو جائیں گے، جتنا مانگو گے، خوش ہوگا، یہ ہے شان اللہ کی کہ بندہ اس سے نہیں مانگتا تو اللہ اس سے ناراض ہوتے ہیں اور جب بھی مانگتا ہے، دیتے ہیں، بعض اسی وقت دیتے ہیں، بعض کو ہم نے اپنی نادانی کی وجہ سے

مانگ لیا تھا لیکن وہ ہمارے مناسب نہیں تو اس کو جمع رکھتے ہیں، آخرت میں دیں گے، کوئی دعا ایسی نہیں جو خالی جاتی ہو، ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی رہے، کچھ کا دنیا میں ملتا ہے، کچھ کا آخرت میں ملے گا۔

## کسی کے در پہ جا کر وہ کبھی سائل نہیں ہوتا

تو بہر حال! مانگنے کی جگہ تو وہ ہے؛ اس لیے لوگوں کے پاس جو ہے، اس سے نگاہ کو ہٹالو، مایوس ہو جاؤ مکمل طور پر۔ اللہ کے وہ بندے جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، انھوں نے اپنے دل کو اللہ کے ساتھ لگایا ہوتا ہے، ان کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ دنیا والوں کی دولت کی اوپر ان کی کوئی نظر نہیں ہوتی۔

## حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے استغناء کا ایک واقعہ

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، پیرانِ پیر، غوثِ پاک، ان کا واقعہ ہے کہ سلطان سنجر جو تھا، وہ ان کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی حکومت بڑی پھیلی ہوئی تھی، اس نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں اتنے سارے مہمان آتے ہیں، لنگر چل رہا ہے اور اتنا سارا خرچ! حالاں کہ حضرت کی نہ کوئی کھیتی باڑی ہے، نہ کوئی تجارت ہے، نہ کوئی فیکٹری ہے، کہاں سے سب چلتا ہوگا! اس نے اپنا ایک پورا اسٹیٹ (state) صوبہ جس کا نام تھا نیمروز- نیمروز یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، اب یہ صوبوں کے نام، شہروں کے نام، ملکوں کے نام تو ایسے ہی ہوتے ہیں تو نیمروز فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ ہوتا ہے: دوپہر، مڈ ڈے (midday)، اس کو فارسی میں نیمروز کہتے ہیں- تو نیمروز ایک بڑے

صوبے کا، اسٹیٹ کا نام تھا۔

## زانگاہ کہ یافتم خبر ایں ملکِ نیم شب

تو سلطان سنجر نے جاگیر کے طور پر لکھ کر کے حضرت کو بھیج دیا کہ آپ کو یہ صوبہ جاگیر کے طور پر پیش کرتا ہوں، اس کی پوری آمدنی آپ کی نذر کرتا ہوں تو حضرت نے اس کے پیچھے جواب میں لکھ دیا:

| | | |
|---|---|---|
| چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد | | در دل بود گر ہوس ملک سنجرم |
| زانگہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب | | من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم |

کہ سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح، پہلے زمانے میں بادشاہ ہوتے تھے، وہ جب دربار لگاتے تھے تو اوپر ایک بڑا سائبان سا ہوتا تھا کالے رنگ کا، وہ چتر کہلاتا ہے تو فرمایا: سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح میرا نصیبہ بھی کالا ہو جائے۔ گر در دلم بود ہوس ملک سنجرم: اگر میرے دل میں سنجر بادشاہ کے ملک کی ذرا برابر بھی خواہش ہو۔

زانگاہ کہ یافتم خبر ایں ملکِ نیم شب: جب سے آدھی رات کے ملک کا پتہ چلا ہے، آدھی رات کو اللہ کے سامنے کھڑے رہ کر راز و نیاز کرنا، اللہ سے مانگنا، جب سے یہ ملک میرے ہاتھ میں آیا ہے، من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم: یہ نیمروز کا ملک ایک جو کے بدلے میں بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی نگاہ صرف اللہ کی طرف جانی چاہیے، یہ تیسری بات فرمائی۔

بہرحال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تین نصیحتیں فرمائیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو ایک ایک بول ایسا قیمتی ہے کہ ساری کائنات مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی قدردانی اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

لجنۃ القرّاء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر

# طلبہ سے اہم خطاب

# اقتباس

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے اسباب مہیا کیے ہیں۔آپ جہاں قرآنِ پاک کی تعلیم لے رہے ہیں اور دوسرے علوم حاصل کررہے ہیں، وہاں یہ علم بھی اگر حاصل کریں اور اس کی طرف توجہ ہو تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا؛ کیوں کہ ''۲۴'' گھنٹے تو اس کے پیچھے لگانے نہیں پڑتے، کہ ''۲۴'' گھنٹوں میں سے تھوڑا سا وقت اس کے لیے نکالنا پڑتا ہے، اس لیے اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کرکے اس کو بھی حاصل کرلیں۔قدیم زمانے میں جتنے بھی علماء ہوئے ہیں، ان کے یہاں جس طرح قرآن وحدیث کے دوسرے علوم کو حاصل کرنے کا اہتمام ہوتا تھا، وہاں تجوید وقرأت کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی جاتی تھی، تقریباً ہر عالم اس فن سے واقف ہوا کرتا تھا۔ فنِّ تفسیر کے اندر جن علوم کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس میں یہ علم بھی ہے۔آپ جہاں جلالین پڑھتے ہیں تو اس میں موقع بموقع صاحبِ جلالین قرأت کے اختلافات کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹) وقال تعالىٰ: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل: ٤)

## ابتدائی کلام

مہمانِ کرام اور عزیز طلبہ! آج کی یہ مجلس ''لجنۃ القراء'' کی سال بھر کی جو کاروائی ہے، اس کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی اور یہ مقصد آپ کے سامنے پیش کی ہوئی رپورٹ کی شکل میں حاصل ہو چکا ہے اور جن طلبہ نے سال بھر محنت کی اور لجنہ کے مختلف اجلاسوں میں ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا، ان کو انعامات سے نواز کر ان کا بھی اعزاز واکرام ہوا اور حوصلہ افزائی ہوئی تو انعقادِ مجلس کا جو مقصد تھا، وہ تو حاصل ہو چکا۔

## قرآنِ پاک کے سب سے پہلے کامیاب ترین مُعلّم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا، سب سے پہلے معلّم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں اولین مقصد تلاوتِ آیات ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے اہتمام کے ساتھ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کو قرآنِ پاک کے الفاظ اوراس کے معانی کی تعلیم دیا کرتے تھے اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کی ایک معتدبہ تعداد ایسی تیار ہوچکی تھی جن کے متعلق خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو ہدایت فرماتے ہیں کہ فلاں، فلاں، فلاں سے آپ قرآنِ پاک سیکھئے بلکہ۔ ان میں بعض وہ بھی ہیں کہ جن کو بارگاہِ رسالت سے ''أقرأهم'' کا خطاب دیا گیا اور وہ بھی ہیں جن کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو یہ چاہتا ہو کہ وہ قرآنِ پاک کو اسی طرح تروتازہ سنے جس طریقے سے وہ نازل ہوا ہے تو: فَعَلَيهِ بِابْنِ أُمِّ عَبْدٍ: اس کو چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لازم پکڑے (۱)۔

## خدمتِ قرآن کی تاریخ ''اسلامی تاریخ'' جتنی ہی پرانی ہے

بہرحال! حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض ایسی شخصیات تھیں کہ جن کے سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے اس سلسلے میں ایک خاص سند عطا فرمائی

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹/۲۸۴، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ر: ۱۵۵۵۱.

بلکہ بعضوں کا قرآنِ پاک خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا اور بعضوں کو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھ کر سنایا، یہ ایک طریقہ تھا جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے اندر جاری کرنا چاہتے تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیهم أجمعين نے قرآنِ پاک کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ تاریخِ اسلام میں سنہری الفاظ میں لکھی ہوئی ہیں۔

## کوفہ میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی بے مثال خدمتِ قرآن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب عراق فتح ہوا اور عراق کے دونوں شہر کوفہ اور بصرہ کو آباد کیا، نئی آبادیاں تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ والوں کے نام اس تحریر کے ساتھ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کے نام اس مضمون کا خط لکھا تھا کہ میں عبداللہ بن مسعود کے علم کا زیادہ محتاج ہوں لیکن میں تم کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہوں (۱)۔ باقاعدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کی جماعت کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئے اور اس کو قرآنِ پاک کی تعلیمات سے ایسا آباد کیا کہ گھر گھر میں قرآنِ پاک پڑھا جانے لگا۔

## اہلِ دمشق کے مُعلّمِ قرآن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور ان کا طریقۂ تعلیم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق میں بیٹھ کر کے قرآنِ پاک کی خدمت

(۱) سير أعلام النبلاء، ۱/۴۸۵

انجام دی، جب ایک آدمی کو پورا قرآن پڑھا دیتے تھے تو دس آدمی ان کے حوالے کر کے فرماتے کہ اب ان کو پڑھاؤ پھر دوسرے کو دس آدمی حوالے کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کی مجلس میں شمار کیا گیا کہ ''۱۶۰۰'' آدمی قرآنِ پاک یاد کر رہے ہیں، پڑھ رہے ہیں۔ یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی قُرّاءِ صحابہ میں سے ہیں (۱)۔

## حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی عظیم قُرّاء میں سے ہیں

تو بہرحال! ایسے ایسے صحابہ تھے کہ جن کا تذکرہ اسی قرآنِ پاک کی مختلف خدمات کی نسبت سے کیا گیا ہے۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآنِ پاک کو پڑھنا اور اس کو سننے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر آ جانا روایتوں میں موجود ہے۔

## حفاظتِ قرآن کا تکوینی نظام ہر جگہ برابر جاری وساری ہے

تو بہرحال! قرآنِ پاک کی خدمات کا سلسلہ اسی زمانے سے چل رہا ہے اور ہر دور اور زمانے میں، ہر خطے اور دنیا کے ہر حصے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کیے جنھوں نے اپنے آپ کو قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے فارغ کر دیا تھا، اس زمانے میں بھی جب کہ مادّیت اپنے عروج پر ہے، پھر بھی ہر جگہ یہ خدمات ہو رہی ہیں، امریکہ جیسا امریکہ جو مادّیت کا گویا علم بردار ہے، وہاں بھی ایسے خطے ہیں، جہاں اللہ کے بعض ایسے بندے ہیں جنھوں نے قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو

(۱) سير أعلام النبلاء، ۲/۳۴۶.

فارغ کر رکھا ہے، چوبیس گھنٹے اسی میں مشغول رہتے ہیں۔

## خدمتِ قرآن کے لیے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال قربانی

بخاری شریف میں جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (۱) اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی رحمۃ اللہ علیہ جو عام طور پر قرأت کی سندوں میں آتے ہیں، وہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی وہ ارشاد ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ پوری زندگی انھوں نے قرآنِ پاک کی خدمت میں لگا دی تو ہر زمانے میں، ہر جگہ اس طرح کے لوگ رہے ہیں۔

## قرآنی خدمات کے سلسلے میں پانی پت کی سنہری تاریخ

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے ایک وعظ میں ہے کہ پانی پت ایک ایسی آبادی تھی کہ جہاں قرآنِ پاک کی خدمت خاص طور پر انجام دی گئی، پورا شہر اس میں مشغول تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ پانی پت کے قُرّاء، وہاں کا لہجہ، وہاں کی دینی خدمات ایسی معروف ومشہور تھیں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ وہاں کی عورتیں بھی سبعہ، عشرہ کی قاریہ ہوا کرتی تھیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عُثْمَانَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه.

## میرے قرآں کو سینے سے لگایا کس نے؟

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک واقعہ سنایا کہ اس زمانے کا عام دستور تھا کہ بچے اور بچیاں اپنی ماں ہی کے پاس قرآنِ پاک سیکھا کرتے تھے، مکتب میں بھیجنے کا رواج نہیں تھا، یہ سلسلہ تو بعد میں جاری ہوا، گھروں میں عورتیں ہی بچوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ ایک عورت روٹی پکا رہی ہے اور اس کا ایک بچہ قرآنِ پاک ہاتھ میں لے کر کے ماں کو قرآن سنا رہا ہے، سورۂ یوسف میں کی ایک آیت کا ایک لفظ ''لَا تَاْمَنَّا'' پڑھنے لگا تو حضرت فرماتے ہیں کہ اس میں چوں کہ دو ہی طریقے ہیں: (۱) روم، یا (۲) اشمام، اس بچے نے دونوں میں سے کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر یہ لفظ پڑھ لیا تو ماں جو روٹی بنا رہی تھی، آٹے کا پیڑا اس کے ہاتھ میں تھا، اس کی روٹی بنانے جا رہی تھی، اس کو طباق میں رکھا اور ہاتھوں کو جھاڑا، ہاتھ میں آٹے کے کچھ ذرّات تھے پھر اس کے ہاتھ سے قرآن لے کر اپنے بغل میں دبایا اور اس کو ایک طمانچہ رسید کر کے کہنے لگی کہ اس آیت کے اندر پڑھنے کے دو ہی طریقے ہیں، اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے: (۱) روم، یا (۲) اشمام تو کیا ''لَا تَاْمَنَّا'' ''لَا تَاْمَنَّا'' کرتا ہے!!

## تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو؟

دیکھیے! اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ وہ عورت باوضو ہے، کیوں کہ اس نے قرآن ہاتھ میں لے کر بغل میں دبایا، باوضو تھی، تبھی تو اس نے ایسا کیا اور روٹی پکاتی

جارہی ہے اور اپنے بچے کا سبق بھی سن رہی ہے تو اس کو قرآنِ پاک کا کتنا استحضار ہوگا! آج تو ہمارے مدرسے میں پڑھنے والے بہت سے طلبہ ایسے ہوں گے کہ جن کو اس کا خیال نہیں کہ اس آیت کے اندر پڑھنے کے دو ہی طریقے ہیں، اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔

## توفیق کیا ہے؟

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ پاک کے سلسلے میں ہر زمانے میں محنتیں کی گئی ہیں اور ہمارے اس زمانے میں بھی ہر جگہ یہ محنتیں ہو رہی ہیں، ہمارے جامعہ کے اندر بھی جب سے حضرت قاری احمد اللہ صاحب تشریف لائے، یہ سلسلہ جاری ہوا ہے اور الحمدللہ! چل رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ طلبہ کو اس کا موقع دیا ہے۔ یہ یاد رکھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب مہیا کیے گئے ہیں کہ جامعہ میں رہتے ہوئے کوئی آدمی قرآنِ پاک صحیح طریقے سے پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام موجود ہے، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں توفیق کہتے ہیں یعنی کسی کے لیے کسی کارِ خیر کے اسباب کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مہیا کیا جانا، اسی کو توفیق کہا جاتا ہے۔

## ہمارے اسلاف دیگر علوم کے ساتھ علمِ تجوید کے بھی ماہر ہوتے تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے اسباب مہیا کیے ہیں۔ آپ جہاں قرآنِ پاک کی تعلیم لے رہے ہیں اور دوسرے علوم حاصل کر رہے ہیں، وہاں یہ علم بھی اگر

حاصل کریں اور اس کی طرف توجہ ہو تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا؛ کیوں کہ ''۲۴'' گھنٹے تو اس کے پیچھے لگانے نہیں پڑتے، ''۲۴'' گھنٹوں میں سے تھوڑا سا وقت اس کے لیے نکالنا پڑتا ہے، اس لیے اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کر کے اس کو بھی حاصل کر لیں۔ قدیم زمانے میں جتنے بھی علماء ہوئے ہیں، ان کے یہاں جس طرح قرآن وحدیث کے دوسرے علوم کو حاصل کرنے کا اہتمام ہوتا تھا، وہاں تجوید وقرأت کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی جاتی تھی، تقریباً ہر عالم اس فن سے واقف ہوا کرتا تھا۔ فنِّ تفسیر کے اندر جن علوم کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس میں یہ علم بھی ہے۔ آپ جہاں جلالین پڑھتے ہیں تو اس میں موقع بموقع صاحبِ جلالین قرأت کے اختلافات کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

بہر حال! یہ علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے، اس کی طرف بھی توجہ ہونی چاہیے، ہمارے یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ سلسلہ جاری ہے اور اب تو بہت سے مدارس میں الحمد للہ یہ سارے سلسلے جاری ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھانے کا آپ کو موقع عطا فرمائے اور اس سلسلے کو اللہ تبارک وتعالیٰ آئندہ بھی جاری وساری رکھے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# (۱) حجیتِ حدیث (۲) درسِ حدیث
# (۳) درسِ مسلسلات

بمقام: پناما

# اقتباس

تو بہت سارے احکام قرآن کے وہ ہیں، جو مجمل ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی؛ اس لیے جب تک حدیث کو سامنے رکھا نہ جائے، وہاں تک آدمی قرآن کو سمجھ سکتا ہی نہیں؛ اسی لیے حدیث کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ اسلام کے اندر اصول اسلام میں جہاں نمبر اوّل پر قرآن پاک ہے، وہاں دوسرے نمبر پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ اس کے بغیر کسی آدمی کے لیے قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں اور پھر قرآن ہی میں ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) فرما کر بتلا دیا گیا کہ جن چیزوں کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں، ان کو بجالانا ضروری ہے اور جن چیزوں سے منع کریں، ان سے بچنا ضروری ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

حضرات علمائے کرام، میرے مسلمان بھائیو، گھر میں بیٹھی ہوئی مسلمان بہنو، بیٹیو، اور ماؤں!

## علمِ دین کا حصول کیوں ضروری ہے؟

جس روز سے دنیا میں انسانوں کو بھیجا گیا ہے، اس دن سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے واسطے نبوت کے سلسلہ کو بھی جاری فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرما کر اس کی تمام چیزوں کو انسان کے فائدے کے لیے مخصوص کر دیا، گویا انسان کے لیے وقف کر دیا کہ کائنات کی تمام چیزوں سے فائدہ اُٹھائے، لیکن کائنات کی ان چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضیات کو بھی مدنظر رکھے۔ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے راضی ہوتا ہے، اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے

ہی ان چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس لیے انسان کے لیے ضروری ہوگیا کہ کائنات کی چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے واسطے سب سے پہلے وہ ان چیزوں سے اور ان کے خواص سے واقفیت حاصل کرے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے راضی ہوتا ہے اور کن چیزوں سے ناراض ہوتا ہے یہ بھی اس کو معلوم ہونا چاہیے۔

## اسبابِ علم

ان ساری معلومات کے واسطے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں اسبابِ علم کے طور پر عطا فرمائی۔ ایک حواس خمسہ جن کے ذریعہ انسان بہت ساری چیزوں کا علم حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ نے آنکھیں عطا فرمائیں اور بینائی کی قوت دی، اس کے ذریعہ سے دیکھ کر آدمی بہت سی چیزوں کا علم حاصل کرسکتا ہے۔ کان کو سننے کی صلاحیت عطا فرمائی، اس کے ذریعہ سے سن کر بہت ساری چیزوں کا علم حاصل کرسکتا ہے۔ چھونے کی صلاحیت عطا فرمائی، بعض چیزوں کا علم چھو کر بھی حاصل کرسکتا ہے۔ چکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی اس سے بھی وہ بہت ساری چیزوں کا علم حاصل کرسکتا ہے۔ یہ حواس اسبابِ علم میں سے ہیں۔

## نزولِ وحی کی ضرورت

اس کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی، یہ بھی اسبابِ علم میں سے ہے، بہت سی چیزوں کا علم آدمی ان حواس سے حاصل نہیں کرسکتا لیکن عقل کے ذریعہ سے حاصل کرسکتا ہے اور اس کے بعد کچھ چیزوں کا علم آدمی عقل سے حاصل نہیں کرسکتا

ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک تیسرا ذریعہ وحی کا عطا فرمایا۔ علم حاصل ہونے کے یہ کل تین اسباب ہیں۔

## کسی بھی چیز کا علم اس کے ساتھ متعلق حاسّے ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے

اور ان میں ترتیب بھی اسی طرح ہے کہ نمبر اول پر انسان جن چیزوں کا علم اپنے حواس کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے، عقل ان میں دخل نہیں دیتی۔ مثلاً بہت ساری چیزیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ان کا علم ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی اپنی آنکھیں بند کر کے عقل کے ذریعہ اس کا علم حاصل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ یہ چیز ہے کہ جو دیکھ کر ہی معلوم کی جا سکتی ہے، عقل میں اس کو معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھی ہے۔ بہت ساری چیزوں کا علم جس کو ہم سن کر حاصل کر سکتے ہیں تو وہ ہم آنکھوں سے نہیں پا سکتے، وہ سننے والی قوت کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چکھ کر حاصل کیے جانے والا علم، چھو کر حاصل کیا جانے والا علم ہے۔ مثلاً ہمارے سامنے یہ کتاب ہے اور اس میں جو اوراق ہیں اس کا رنگ ہم آنکھوں کے ذریعہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور یہ سخت ہے یا نرم ہے، یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں ہاتھوں کو استعمال کرنا پڑے گا جس کو قوتِ لامسہ کہا جاتا ہے۔ بہر حال! یہ حواس وہ ہیں کہ ان میں ایک حواس سے حاصل کیا جانے والا علم دوسرے حواس سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

## عقل کا دائرۂ کار

اب یہ ساری چیزیں تو حواس کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں لیکن کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا علم حواس کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتا تو عقل اس میں ہماری مددگار ثابت ہوتی ہے۔ میرے سامنے یہ مائکروفون رکھا ہوا ہے، اب اس مائکروفون کو میں پکڑ کر اس کے جسم کا سائز اور وہ سخت ہے یا نرم ہے یہ ساری چیزیں تو معلوم کرسکتا ہوں لیکن بھائی عقل مجھے یہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور جب یہ ایسی عمدہ چیز ہے تو بنانے والا بھی بہت سمجھدار ہوگا۔ جس نے اپنی صلاحیت کو، اپنی عقل کو، اپنے دماغ کو اس کے ایجاد کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کا یہ بنانے والا ہے، یہ میری عقل مجھے بتلاتی ہے۔ یہ چیز کان آنکھ یا حواس نہیں بتلا سکتے۔

## ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

لیکن پھر عقل کے بعد آگے ایک ذریعہ وحی کا بھی ہے۔ بہت ساری وہ چیزیں جن کو عقل نہیں بتلا سکتی اس کو بتلانے کے لیے اللہ نے وحی کا ذریعہ انسان کو عطا فرمایا۔ مثلاً یہ مائکروفون ہے، اس کا استعمال کس طرح میں کروں تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے اور وہ استعمال کیا ہے جو کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے۔ یہ نہ حواس بتلا سکتے ہیں نہ عقل بتلا سکتی ہے۔ میں اس وقت ایک گدّے پر بیٹھا ہوا ہوں، تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے ہوں۔ یہ ساری کائنات کی چیزیں جن کو ہم استعمال کرتے ہیں۔ ان کا استعمال کس طریقے سے کیا جائے تو اللہ راضی ہو اور اس کا وہ کون سا استعمال ہے کہ جس

سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، تو حواس یا عقل یہ نہیں بتا سکتی۔ اسی کو بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ذریعہ علم عطا فرمایا ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے۔ جہاں عقل جواب دے جاتی ہے، وہاں سے وحی کا دائرۂ کار شروع ہوتا ہے۔

## وحی اور صاحبِ وحی کی حقیقت

اور یہ وحی جو ہے وہ ایک خاص طریقہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں میں سے اپنے کچھ بندوں کا انتخاب فرماتے ہیں اور فرشتوں کے ذریعہ سے یا الہام کے ذریعہ سے اللہ ان کے قلوب کے اوپر وہ باتیں جو دوسرے انسانوں تک پہنچانا منظور ہوتی ہیں، ڈالتے ہیں، اسی کو وحی کہتے ہیں۔ کسی پوشیدہ علم، مخفی ذریعہ علم کو عربی زبان میں وحی کہا جاتا ہے۔ یہ وحی والا جو ذریعہ ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنے جن مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں اسی کو شریعت کی اصطلاح میں انبیاء کرام علیہم وصلوۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

## سلسلۂ نبوت ورسالت کی آخری کڑی

نبیوں کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے جاری فرمایا اور وہ ختم ہوا ہمارے آقا اور مولا حضور اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آ کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر اور آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد اب کوئی نیا رسول اور نیا پیغمبر آنے والا نہیں۔

## انسانی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ دو سلسلے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو

بھیجا، وہیں اللہ نے ان پر وحی کے ذریعہ سے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دو سلسلے ہیں: کتاب اللہ اور رجال اللہ۔ ایک تو اللہ کی کتابوں کا سلسلہ: اللہ نے کتابیں بھی نازل فرمائی اور اپنا کلام بھی نازل فرمایا۔ تورات، زبور، انجیل، قرآن اور ساتھ ہی ساتھ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجا۔

## کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ کو مبعوث کرنے کی حکمت

اب یہ جو انبیاء کو بھیجا گیا اور صرف کتابیں نازل نہیں کی گئیں۔ اس میں باری تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اس پر وہ قادر تھا کہ قرآن پاک اس طرح نازل کرتا کہ کسی صبح کو دنیا کے انسان اُٹھتے تو ان کے تکیہ کے پاس بہت مزین انداز میں سُنہری حروف میں لکھا ہوا قرآن پاک کا نسخہ رکھا ہوا ہوتا۔ اور پھر آسمان سے فرشتے کے ذریعہ سے یہ اعلان کر دیا جاتا کہ تمہارے پاس جو رکھا ہوا ہے وہ قرآن پاک ہے۔ اللہ کی کتاب ہے۔ اس کو پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ نہیں، یہ کافی نہیں سمجھا گیا؛ بلکہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ اللہ کے آدمیوں کو بھی یعنی انبیاء کرام کو بھی ساتھ میں بھیجا جائے تا کہ انبیاء اس کتاب پر عمل کرنے کے طریقے لوگوں کو بتلائیں، عملی نمونہ پیش کریں اور یہی اصل بنیادی چیز ہے۔

## دین اور علومِ دین سیکھنے کا صحیح راستہ

اسی لیے اسلام میں سند کی بڑی اہمیت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک جو لوگ از خود مطالعہ کر کے دین کا علم حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دین کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتے، وہ دین کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے، دین کو صحیح سمجھنے کے لیے رجال اللہ کی ضرورت ہے۔جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست دین کو سیکھا، معلوم کیا پھر ان سے جنہوں نے سیکھا، اسی طرح درجہ بدرجہ، طبقہ بہ طبقہ اس زمانہ سے لے کر اب تک یہ سلسلہ چلا آیا۔یہی وہ طریقہ ہے، صحیح طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے آدمی علم حاصل کرسکتا ہے۔حضرت علامہ ابنِ سرین علیہ الرحمۃ کا مقولہ ہے، فرماتے ہیں کہ: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ(۱) یہ علم جو ہے دین ہے۔

## خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر

آج کل لوگ انٹرنیٹ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ سب کچھ انٹرنیٹ سے معلوم ہوجاتا ہے۔نہیں۔انٹرنیٹ تو گمراہ کردے گا۔جب تک کہ آپ اصحابِ علم سے، علماء کی صحبت کے ساتھ علم حاصل نہیں کریں گے، وہاں تک علم کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔اس لیے آج اس زمانے کے نوجوانوں سے میں بار بار کہا کرتا ہوں۔بہت سارے نیک، صالح، ہدایت یافتہ نوجوان انٹرنیٹ لے بیٹھے اور ایسے گمراہ ہوئے، ایسے گمراہ ہوئے کہ راہِ راست سے ہٹ گئے اور پھر انٹرنیٹ پر پیش کی جانے والی معلومات پتہ نہیں کون پیش کررہا ہے؟ کس طرح پیش کررہا ہے؟ اس کا ماخذ کیا ہے؟ کہاں سے حاصل کی ہے؟ اس کی سند کیا ہے؟ کچھ بھی تو معلوم نہیں اور

(۱)صحیح مسلم، باب فِی أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّینِ.

یہاں جس شخصیت سے آپ علم حاصل کریں گے اس کا وجود آپ کے سامنے ہیں۔ وہ شریعت پر کتنا عمل کرنے والا ہے؟ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی لیے ضروری قرار دیا گیا کہ علم خالص کتابوں سے نہیں اہلِ علم کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ خالی صحبت سے تو علم حاصل کر سکتے ہیں لیکن خالی کتابوں سے علم حاصل کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن پاک کو یوں ہی نازل کر دیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی ضرورت سمجھی نہ جاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے جو مبعوث فرمایا تو آپ کی بعثت کے جو مقاصد قرآن پاک میں اللہ نے ذکر کیے۔ ایک تو وہ موقع ہے جہاں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے آپ کی بعثت کے لیے دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: اے اللہ! تو ایک امت عطا فرما۔ امت بھی مانگی اور امت کے لیے رسول بھی مانگا۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے، کیسا رسول؟ کہ: اس میں ایک ایسا رسول بھیج يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ کہ: تیری کتاب کی آیتوں کو ان کے سامنے پڑھے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: ان کو کتاب بھی سکھلائے اور حکمت بھی۔ کتاب کی تشریح بھی بتلائے، وَيُزَكِّيهِمْ: اور ان کا تزکیہ بھی کرے۔ ان کے دلوں کی صفائی کرے۔ اور اللہ نے بھی نبی کی بعثت کا جہاں ذکر کیا: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اتنا ہے کہ ذرا سی ترتیب بدل دی۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی دعا میں وَيُزَكِّيهِمْ آخر میں ذکر کیا تھا اللہ

نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ کیا وہاں یَتۡلُوۡا کے بعد وَیُزَکِّیۡهِمۡ اور پھر وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ذکر فرمایا۔

## خالی علم مفید نہیں ہے

اہل علم کو خاص طور پر متوجہ کرتا ہوں کہ جب تک کہ قلب کا تزکیہ نہ ہو، وہاں تک علم مفید اور کار آمد نہیں ہوا کرتا۔ آپ کسی برتن میں دودھ رکھنا چاہیں گے تو پہلے اس برتین کو اچھی طرح دھوئیں گے، صاف کریں گے اور اس کو اس قابل بنائیں گے کہ اس میں دودھ رکھا جا سکتا ہے، تو دودھ ڈالیں گے۔ گندے میلے کچیلے برتن میں دودھ ڈالا نہیں جاتا۔ تو یہ تعلیمِ کتاب اور حکمت جو ہے اس سے پہلے تزکیہ کا ذکر کیا گیا۔ تزکیہ یعنی گندے اخلاق سے قلب کو پاک اور صاف کرے۔ نبی کی بعثت جن چار کاموں کے لیے ہوئی اس کا اس حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ایک اور موقع پر بھی قرآن نے اس کا تذکرہ کیا۔ جہاں جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد ذکر کیے گئے ہیں ان چار چیزوں کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے۔

## وحی: اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے

تو بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے نبیوں کو بھیجا اور ان پر اپنی وحی نازل فرمائی اور وحی کے ذریعہ سے نبیوں کے واسطے سے اپنے بندوں کو آگاہ کیا کہ اللہ کون سی چیزیں تم سے چاہتا ہے۔ وہ تم کرو اور کونسی چیزوں سے تم کو روکنا چاہتے ہیں،

ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم کرنے کے کا ذریعہ وحی ہے۔ جو اللہ نے نبیوں کے اوپر بھیجی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ آخری نبی ہیں۔ جن پر یہ وحی کا سلسلہ ختم ہوا۔

## قرآنِ پاک کی تفسیر وتوضیح بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریوں میں سے ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو وحی آئی تو دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ: ہم نے آپ پر یہ قرآن پاک نازل کیا؛ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے، لوگوں کے لیے قرآن میں جو احکام نازل کیے گئے ہیں، ان کی تفسیر اور تشریح کریں، اس کو واضح کریں۔ گویا قرآن کی تشریح اور وضاحت کا کام اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیا کہ آپ اس کی وضاحت کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی وضاحت اور تشریح کے سلسلہ میں بھی وہی چیز معتبر سمجھی جائے گی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین سے منقول ہو۔ جو اس کے علاوہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

## احادیثِ رسول کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے

اور یہ وحی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی۔ وحی کے متعلق بھی بتلایا جاتا ہے کہ وحی دو طرح کی ہے۔ دیکھو! بہت سے احکام تو وہ ہیں جو قرآن میں صراحۃً موجود ہیں اور بہت ساری چیزیں وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی۔ قرآن میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

تو ہے، بہت ساری جگہوں پر کہا گیا کہ نماز قائم کرو۔ نماز قائم کرو۔ لیکن اب وہ نمازیں کتنے وقت کی ہیں؟ تو پانچ وقت کی نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں اور پانچ اوقات کی تعیین؟ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور پھر یہ کہ ہر وقت میں کتنی رکعتیں؟ فجر میں دو، ظہر میں چار، عصر میں چار، مغرب میں تین اور عشاء میں چار اور پھر اس کا طریقہ اور اس کے ارکان، واجبات سنن اور پھر اس کی ترتیب۔ یہ ساری چیزیں اگر آپ قرآن میں تلاش کریں گے تو آپ کو نہیں ملے گی۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے بتلایا اور آخر میں فرمادیا کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي[1] کہ: میں جس طرح نماز پڑھتا ہوں مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم اسی طرح پڑھا کرو۔ یہ آپ نے فرمایا۔

## قرآنِ کریم سے حجیتِ حدیث کا ثبوت

تو بہت سارے احکام قرآن کے وہ ہیں، جو مجمل ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی؛ اس لیے جب تک حدیث کو سامنے رکھا نہ جائے، وہاں تک آدمی قرآن کو سمجھ سکتا ہی نہیں؛ اسی لیے حدیث کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ اسلام کے اندر اصول اسلام میں جہاں نمبر اوّل پر قرآن پاک ہے، وہاں دوسرے نمبر پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ اس کے بغیر کسی آدمی کے لیے قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں اور پھر قرآن ہی میں ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) فرما کر بتلا دیا گیا کہ جن چیزوں کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں، ان کو بجالانا ضروری ہے اور

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضي الله عنه، باب الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالإِقَامَةِ.

جن چیزوں سے منع کریں، ان سے بچنا ضروری ہے۔

## آیتِ بالا سے حجیتِ حدیث پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا استدلال

بخاری شریف میں روایت ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ: لعنت فرمائی اللہ تعالیٰ نے گودنا لگانے والی عورت پر اور گوندلا لگوانے والی پر۔ وہ جو جسم میں سوئی چبھوئی جاتی ہے اور اس میں رنگ بھرا جاتا ہے اور اس کے اوپر یہ گوندنا لگانا اور اسی طرح اور کچھ چیزیں جیسے کہ بھائی! دانتوں کو ریتا کے ذریعہ سے پتلا کرنے والی عورت پر اللہ نے لعنت فرمائی۔ بال اُکھاڑنے والی عورت پر لعنت فرمائی۔ بہت ساری عورتوں کا تذکرہ کیا گیا۔ اس پر ایک عورت نے آکر کے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں کہ اللہ نے لعنت فرمائی۔ میں نے قرآن شریف پورا پڑھ لیا، کہیں مجھے یہ چیز نظر نہیں آئی۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَئِنْ کُنْتِ قَرَأْتِیهِ لَقَدْ وَجَدْتِیهِ أَمَا قَرَأْتِ {وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا} کہ: اگر تم قرآن دھیان سے پڑھتی تو ضرور قرآن کے اندر ملتا اور پھر فرمایا کہ تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا تو اس پر وہ عورت خاموش ہوگئی۔

## محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے

بلکہ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے یہ بھی کہا کہ آپ کے گھر میں بھی تو ایسا کراتی ہیں تو کہا کہ جا کر گھر میں دیکھ۔ اس عورت کو گھر میں بھیجا۔ اُس

عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو دیکھا۔ پھر آ کر کہا کہ ایسی بات نہیں ہے۔ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ میرے گھر میں رہ نہیں سکتی تھی۔ یعنی میں اپنے نکاح میں باقی نہ رکھتا۔[۱]

## کتابتِ حدیث پر ایک صحابی کا اشکال

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں کا حکم دیا وہ بھی وہی درجہ رکھتی ہیں۔ اسی لیے دوسری آیت میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہشات سے کوئی بات نہیں فرماتے۔ آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ وحی ہے جو آپ پر بھیجی گئی۔ اسی لیے روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک صحابی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، وہ نوٹ کرتے تھے۔ کاپی میں محفوظ کر لیتے تھے۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک انسان ہیں۔ کبھی آپ خوشی اور رضا مندی کی حالت میں کوئی بات ارشاد فرماتے ہیں اور کبھی ناراضگی کی حالت میں کوئی بات ارشاد فرماتے ہیں اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام باتوں کو نوٹ کرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ بہت ساری مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غصّہ میں جب ہوتا ہے تو اس کو خود پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کیا کہا۔ اسی لیے بعد میں وہ اپنے کہے ہوئے پر خود نادم ہوتا ہے، پچھتاتا ہے۔ انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔

---

(۱) صحیح البخاری، باب الموصولۃ.

## گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ وہ لکھ نہیں رہے ہیں تو پوچھا کہ تم نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا تو اس پر انہوں نے یوں کہا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے یوں کہا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسان ہیں، کبھی رضامندی کی حالت میں، کبھی ناراضگی کی حالت میں ارشاد فرماتے ہیں، آپ یہ سب چیزیں لکھتے ہیں۔ مناسب نہیں ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، اس منہ سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ اس لیے وہی وما ینق عن الھویٰ آپ کے ارشادات بھی وحی کا حکم رکھتے ہیں۔

## ایک صحابی کی کیفیتِ وحی دیکھنے کی خواہش

بخاری میں روایت موجود ہے۔ جعرّانہ ایک مقام ہے، غزوۂ حُنین سے واپسی میں وہاں آپ قیام کیے ہوئے تھے،، لوگ حج اور عمرہ کرتے ہیں۔ لوگ جعرّانہ والے عمرے کو بڑا عمرہ بولتے ہیں، دور کا ہے۔ تو وہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے۔ غزوۂ حُنین میں جو غنیمت کا مال ملا تھا، وہیں تقسیم کیا تھا۔ تو اس موقع پر حضرت یعلی ابن اُمیّہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں ایک خواہش تھی۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیفیت کیا ہوتی ہے، وہ میں دیکھنا چاہتا تھا؛ اس لیے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں، چہرا سُرخ ہو جاتا تھا۔ سخت سردی کے زمانے میں بھی پسینہ پسینہ ہو کر پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی لڑھکنے لگتے تھے۔ یہ سب کیفیت ہوتی تھی آپ کی وحی کی

شدت کی وجہ سے۔

## تکبر کا سر نیچا

قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا: (ہم آپ پر ایک بھاری کلام اتارنے والے ہیں) وحی بڑا بھاری کلام ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام۔ جب نازل ہورہا ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی قصواء بڑی مضبوط اونٹنی تھی۔ بخاری کی روایت ہے کہ کوئی اونٹ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی ایک نوجوان اونٹ پر سوار ہوکر آیا۔ وہ آگے نکل گیا، اس پر صحابہ کو بڑی ناگواری ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی چیز بھی جب سر بلند کرتی ہے تو اللہ اس کو نیچا کر کے رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ قصواء اونٹنی بڑی مضبوط تھی (۱)۔ اس پر سوار ہونے کی حالت میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اُترتی تھی تو وہ اونٹنی وحی کے بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی۔

## ایک آیتِ کریمہ کے نزول اور اس کی کتابت کا واقعہ

بخاری میں روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ (النساء:۹۵) کہ: جو لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ایمان والوں میں سے اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکل رہے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب نَاقَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوایا وحی لکھنے کے لیے کہ جاؤ قلم دوات لے کر آ جاؤ۔ ان کا کام یہی تھا، آپ آئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لکھو اور یہ آیت: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ لکھائی۔

## عنداللہ حضراتِ صحابہؓ کا مقام ومرتبہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لکھنا شروع کیا، اتنے میں ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، وہ پیچھے بیٹھے تھے، اُٹھ کر آگے آئے اور عرض کرنے لگے۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس آیت میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوتے ہیں وہ اور جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ ثواب اور اجر کے اعتبار سے، مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے، میں تو اندھا ہوں۔ اگر یہ اندھا پا نہ ہوتا، یہ معذوری اور مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی جہاد کے اندر نکلتا لیکن کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی دل جوئی کیسی منظور تھی، اس سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ خالی اتنا ہی جملہ۔ اب بیچ آیت میں اتنا اضافہ ہو گیا۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ: وہ ایمان والے جو معذور نہیں ہیں پھر بھی گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، وہ اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اب جو معذور ہیں، ان کو چھوڑ دیا گیا، ان کو اندر سے ہٹا دیا گیا۔ تو دیکھو! غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

اتنا سا ٹکڑا ہی نازل ہوا، اس سے فقط ان صحابی کی دل جوئی مقصود تھی۔

## وحی کے شدید بوجھ کا ایک نمونہ

حضرت زید ابنِ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والا ٹکڑا نازل ہو رہا تھا، چونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور کی ران کا کچھ حصہ، پاؤں مبارک کا کچھ حصہ میری ران پر پڑ گیا تو مجھے اتنا بوجھ معلوم ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اُحد پہاڑ رکھ دیا گیا ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے وقت کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہوگا! اسی لیے اس کو قول ثقیل سے تعبیر کیا گیا۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اعرابی کا ایک سوال

تو حضرت یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام جعرانہ میں قیام پذیر تھے، اُس وقت ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے عمرے کا احرام باندھ لیا۔ لیکن میں یہ کُرتا پہنے ہوئے ہوں اور خوشبو بھی اس میں لگائے ہوئے ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلی جگہ میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، دھوپ سے بچانے کے لیے آپ کے اوپر چادر کا سایہ کیا گیا تھا۔ اوپر چادر تنی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

## نزولِ وحی کے وقت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کا بیان

وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی ابن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا، کیوں کہ انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ وحی جب نازل ہوتی ہے، اُس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلدی سے اشارہ کیا، وہ دوڑے ہوئے آئے اور چادر کے نیچے دیکھنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیفیت ہے۔ دیکھا کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے، آنکھیں سُرخ ہیں، پسینہ کے قطرے لڑھک رہے ہیں اور زور زور سے سانس لینے کی آواز آرہی ہے جیسے آدمی سوتا ہے تو لیتا ہے، اس طرح زور زور سے سانس لے رہے ہیں اور یہ کیفیت ختم ہوئی تو پوچھا کہ وہ دیہاتی کہاں گیا جو ابھی سوال کر رہا تھا؟ کہا گیا کہ وہ تو چلا گیا۔ فرمایا: اس کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ کرتا سِلا ہوا ہے، وہ نکال دو اس لیے کہ احرام کی حالت میں وہ پہن نہیں سکتے ہیں اور خوشبو کو دھو ڈالو۔

## وحی کی دو قسمیں

اب دیکھئے! یہ مسئلہ آپ کو قرآن میں کہیں نہیں ملے گا۔ لیکن بخاری کی روایت بتلاتی ہے کہ یہ مسئلہ وحی کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: [۱] وحی متلو اور [۲] وحی غیر متلو۔ بعض وحی وہ ہے جو تلاوت کے طور پر قرآن میں موجود ہے اور بعض وہ احکام ہیں جو وحی ہی سے نازل ہوئے لیکن قرآن میں نہیں ہے۔ یہی حدیث ہے جو وحئ غیر متلو کہلاتی ہے؛ اس لیے حدیث کو بھی شرعی

اعتبار سے وہ مقام حاصل ہے کہ اس کی وجہ سے اس میں جو چیزیں کرنے کو کہا گیا اس کا کرنا ضروری ہے اور جن سے بچنے کو کہا گیا، ان سے بچنا ضروری ہے۔

## مسلمانوں میں نام نہاد متجد دین کے طبقے کی بنیاد

مسلمانوں کا ایک طبقہ شروع زمانے سے ہی اس زمانے تک یعنی ''۱۴'' ویں صدی تک اس کو مانتا چلا آیا ہے، یوں سمجھئے کہ یہ چیز مسلّمات کے طور پر مانی ہوئی چلی آتی تھی کہ حدیث بھی دین کے اندر حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے جو چیز ثابت ہوگی اس سے حلت اور حرمت کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔لیکن جب مغربی اقوام کا اسلامی ممالک پر غلبہ ہوا، انگریز اور دوسری مغربی قومیں اسلامی ملکوں کے اوپر اپنا تسلّط جمانے لگیں اور نظریاتی طور پر بھی ذرا ان کے نظریات بعض لوگ پسند کرنے لگے تو مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جو متجد دین کا طبقہ کہلاتا ہے۔متجد دین کے طبقے نے دیکھا اور کہنے لگے کہ اب مسلمانوں کی ترقی مغرب کی تقلید کے اندر ہے۔ یعنی اہل مغرب کی پیروی کریں گے تو مسلمانوں کو ترقی نصیب ہوگی۔

## فتنۂ انکارِ حدیث کا پس منظر اور اس کے بانیان

اب اس کے لیے ضرورت تھی قرآن کے اندر تحریف کی۔یعنی قرآن کے معنوں کو بگاڑ کر پیش کیا جائے۔لیکن احادیث کے ہوتے ہوئے قرآن میں تحریف کی گنجائش نہیں تھی، تو ان لوگوں نے حدیث کا انکار کرنا شروع کیا۔مسلمانوں میں ہندوستان میں بھی اس طبقے کے سربراہ سر سید احمد خان اور ان کے ساتھی تھے مولوی

چراغ علی اور مصر کے اندر طٰہٰ حسین اسی کا داعی تھا اور ترکی کے اندر زیا دگوالیا نامی ایک بڑا عالم تھا۔ وہ اسی کا ساتھی تھا۔ وہ حدیث کو حجت مانتے نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے حدیث کے حجت ہونے سے صاف انکار بھی نہیں کیا، بس ان کی مرضی کے خلاف جو چیز ہوتی تھی، اس کی صحت سے انکار کر دیتے تھے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، چاہے وہ روایت بخاری شریف کی ہو یا تمام کتبِ حدیث میں موجود کیوں نہ ہو۔

## فرقۂ اہلِ قرآن کی بنا اور اس کا پس منظر

اس کے بعد ایک آدمی پیدا ہوا عبداللہ چکڑالوی نامی اس نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد رکھی: اہلِ قرآن، جو یوں کہا کرتے تھے کہ حدیث حجت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد اسلم جیراج پوری آیا جس نے باقاعدہ اپنے مضامین کے ذریعہ سے اس چیز کو عام کیا اور حدیث کے حجت ہونے سے انکار کیا۔ غلام احمد پرویز نے اسی چیز کو آگے بڑھایا۔ اس نے ان مضامین کو عام کیا جن سے حدیث کی حجیت سے انکار کیا جا سکے۔ ان لوگوں نے جو حدیث کے حجت ہونے سے انکار کیا، بڑی بنیاد اس پر رکھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے ایک زمانہ کے بعد جو چیز مدوّن ہوئی، ترتیب دی گئی ہو وہ بھلا کیسے حجت ہو سکتی ہے۔ گویا جس کی بنیاد حافظوں پر ہو، یادداشت کے اوپر ہو، وہ حجت نہیں ہو سکتی۔

## حفاظتِ قرآن کے ساتھ حفاظتِ حدیث کا بھی وعدہ

تو اس کا جواب دیا گیا کہ حدیث پاک بھی وحی ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ ویسے قرآن کی حفاظت کا وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِنَّا

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں کیا ہے اور حدیث چونکہ اس کی تشریح کرتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہے اسی طرح حدیث کی حفاظت کا بھی اللہ کی طرف سے وعدہ ہے اور ویسے بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے وہ حافظے عطا فرمائے تھے کہ اس زمانے میں اہلِ عرب اپنے نسب تو کیا اپنے گھوڑوں کے نسب کو یاد رکھتے تھے۔ ہزار ہزار اشعار کا قصیدہ ایک مرتبہ سن لیا تو وہ ازبر ہو جاتا تھا! مرد تو مرد، عورتیں، باندیاں، بچے تک بھی حافظے میں اتنے آگے بڑھے ہوئے تھے کہ کوئی لمبی سے لمبی عبارت اور بڑے سے بڑا قصیدہ کسی شاعر کا کئی ہزار اشعار پر مشتمل ایک یا دو مرتبہ سُن لیا تو یاد ہو جایا کرتا تھا۔

## ایک واقعہ

بخاری میں غزوۂ احد کے بیان میں قصہ موجود ہے۔جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ایک جہاد سے واپس لوٹ رہا تھا اور ہم شام کے شہر حمص میں آئے تو عبیداللہ بن عدی بن خیار نے مجھ سے یوں کہا کہ یہاں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ رہتے ہیں- وحشی رضی اللہ عنہ جنھوں نے اپنے زمانۂ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا- ان کے پاس چلتے ہیں اور انہیں کی زبان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ سن لیتے ہیں۔کہا، ضرور چلیں۔

## حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا بے مثال حافظہ

جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری فرماتے ہیں کہ عبیداللہ عدی اور ہم شہر میں داخل

ہوئے، لوگوں سے پوچھا کہ یہاں وحشی رضی اللہ عنہ کہاں رہتے ہیں۔ لوگوں نے ایک عمارت بتلائی کہ دیکھو وہ عمارت ہے اسی کے نیچے ان کا قیام ہے۔ ہم وہاں پہنچے، تو جعفر یوں کہتے ہیں کہ وہاں پہنچنے سے پہلے عبید اللہ بن عدی نے اپنا پورا جسم چھپا لیا، سوائے آنکھوں کے اور عمامہ بھی لپیٹ لیا، صرف آنکھیں کھلی تھیں اور پیر کھلے تھے، جسم کا اور کوئی حصہ کھلا نہیں تھا۔ جا کر وحشی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور سلام کرنے کے بعد عبید اللہ نے وحشی سے پوچھا کہ مجھے پہچانتے ہو تو وحشی نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم نہیں۔ البتہ اتنا مجھے معلوم ہے کہ (وحشی جو ہیں ان ہی عبید اللہ بن عدی کے خاندان کے غلام تھے) انہوں کہا کہ اتنا مجھے یاد ہے کہ میری غلامی کے زمانے میں عدی بن خیار نے قریش کی ایک عورت اُم قتال بنت ابی العیص نامی سے نکاح کیا تھا اور اس عورت کو ایک بچہ پیدا ہوا تو عدی بن خیار نے مجھ سے یوں کہا کہ اس بچے کے لیے دودھ پلانے والی عورت کو تلاش کرو تو اس کو تلاش کرنے کے لیے میں اُم قتال کو اونٹنی پر بٹھا کر لے کر کے گیا۔ ان کے ہاتھ میں بچہ تھا اور ہم دیہات میں پہنچے اور وہاں دودھ پلانے والی عورت جب ہمیں مل گئی تو اس کی ماں نے یعنی اُم قتال نے وہ بچہ میرے ہاتھ میں دیا تا کہ میں اس کو اس دودھ پلانے والی عورت کے حوالے کر دوں تو جس وقت وہ بچہ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو اس کے پیر کھلے ہوئے تھے، میں انہی پیروں کو دیکھ رہا ہوں (۱)۔

حالانکہ اس درمیان میں پچاس سال کا عرصہ گذر چکا تھا، پچاس سال کا عرصہ! ابھی تو پیدا شدہ بچہ ہے، اس کے پاؤں دیکھے اور پھر پچاس سال کے بعد اس

(۱) صحیح البخاری، باب قَتْلُ حَمْزَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۴۰۷۲.

کے پاؤں دیکھے۔ کیا ہم اور آپ ہیں کہ یہ کہہ سکتے کہ یہ وہی پیر ہیں؟ اس سے ان کے حافظہ کی اور سمجھ داری کا پتہ چلتا ہے، اتنا حافظہ قوی تھا!

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کا امتحان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو روایتِ حدیث میں مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ مروان بن حکم نے ان کا امتحان لینے کے لیے کہ یہ اتنی کثرت سے روایتیں بیان کرتے ہیں تو معلوم نہیں ان کا حافظہ اس قابل ہے بھی یا نہیں، امتحان کے لیے ایسا کیا کہ ان کو اپنے دربار میں بلایا اور بلا کر ان سے درخواست کی کہ حضرت! ہمیں کچھ روایتیں سنائیں۔ چنانچہ مروان بن حکم نے پردے کے پیچھے ایک کاتب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ چلے اس طرح بیٹھا دیا تھا اور کہا کہ حدیث سناؤ! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث سنانے لگے، سو حدیثیں سُنائیں۔ کاتب نے وہ اسی ترتیب سے لکھ دی۔ بات ختم ہوگئی۔ پھر دوسرے سال، ایک سال گذرنے کے بعد دوبارہ مروان بن حکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بُلا کر کہا کہ حضرت گذشتہ آپ سے کچھ روایت سُنی تھی، وہی روایتیں دوبارہ سننا چاہتا ہوں اور اسی کاتب کو پردے کے پیچھے کاغذ لے کر بیٹھا دیا تاکہ دیکھے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ ساری حدیثیں جو اگلے سال سُنائی تھی، اسی ترتیب سے ایک نقطے اور شوشے کے فرق کے بغیر پوری پوری سُنا دی۔ اس سے ان حضرات کے حافظے کا پتہ چلتا ہے[1]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، عن أبی الزُّعَيْزِعَةِ كَاتِبُ مَرْوَانَ، ۲/۵۹۸.

## حفاظتِ حدیث کے تکوینی نظام کا ایک نمونہ: کتابتِ حدیث

تو بہر حال اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرمائے، صحابہ نے اس کو یاد رکھا، اس کے بعد ان سے حاصل کرنے والوں نے۔ چنانچہ عمر ابن عبدالعزیزؒ کے دور میں باقاعدہ علم حدیث کی تدوین ہوئی یعنی کتابوں کی شکل میں مدوّن ہوا، مرتب ہوا اور اس کے بعد حدیث کے فن میں متعدد کتابیں لکھی گئیں: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی حفاظت کے لیے یہ کتبِ حدیث کے لکھنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ محدثین نے مختلف انداز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو اپنی کتابوں کے اندر جمع کیا ہے۔ اس میں حدیث کی کچھ کتابیں وہ ہیں جو صحاحِ ستّہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یعنی وہ چھ کتابیں جن میں مصنفین نے صحیح روایتوں کے لانے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ کچھ اشکالات ہیں۔ لیکن بہر حال یہ صحاحِ ستّہ زیادہ مشہور ہیں اور بھی حدیث کی کتابیں ہیں۔

## علامہ نوویؒ اور خدمتِ حدیث

کچھ حضراتِ علماء میں، محدثین میں وہ ہیں جو کثرتِ تصنیف کے اندر معروف اور مشہور ہیں یعنی کچھ وہ ہیں جنھوں نے حدیث کے فن میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، انہیں میں علامہ نووی علیہ الرحمۃ اللہ ہیں، یہ علامہ نووی علیہ الرحمۃ اللہ جو ہیں اسی زمرے میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے کثرت سے حدیث کی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان کی تصنیفات میں ایک تصنیف ہے ریاض الصالحین۔ گویا اس میں زندگی گذارنے کا ایک

پورا طریقہ، مختصر سا خاکہ حدیث کی روشنی میں انہوں نے پیش کر دیا ہے۔

اس کے درس کا سلسلہ یہاں شروع کیا گیا تھا جو اب تک جاری تھا اور چل رہا تھا اور وہ الحمد للہ آج اختتام کو پہنچا ہے۔ یہ یہاں والوں کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، خاص کر کے وہ لوگ جنہوں نے بڑے اہتمام سے شروع سے لے کر آج تک اس درس میں شرکت کی تو خود مفتی عبد القادر صاحب بھی اور یہ سننے والے دونوں گویا قابلِ مبارک باد ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو یہ بڑے اہتمام سے پڑھتے سنتے اور آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے رہے۔ اللہ نے آج موقع عطا فرمایا کہ حدیث کی ایک کتاب درساً پایۂ اختتام کو پہنچی ایسے علاقے میں اور ایسے ملک میں اور ایسے خطے میں جہاں ان چیزوں کا تصور بھی آدمی نہیں کر سکتا ہے۔ واقعۃً یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ یہ حدیثیں جو پڑھی گئیں، برکت کے لیے اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔

وعن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وآله وسلم - قال: ((إنَّ الله - عز وجل - يَقُولُ لأَهْلِ الجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الجَنَّةِ، فيقولُونَ: لَبّيكَ رَبّنَا وَسَعْدَيْكَ، وَالخَيْرُ في يَدَيْكَ، فيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُم؟ فيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لا نَرْضَى يَا رَبّنَا وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أحداً مِنْ خَلْقِكَ، فيَقُولُ: ألاَ أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذلِكَ؟ فيَقُولُونَ: وَأيُّ شَيءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذلِكَ؟ فيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيكُمْ رِضْوَانِي فَلاَ أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَداً)). متفق عليه.

## جنتیوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت والوں سے اللہ کہے گا یعنی جنت والے جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ جنت والوں سے خطاب کریں گے: یَا أَهْلَ الْجَنَّةِ: اے جنتیو! جب باری تعالیٰ کا یہ خطاب سنیں گے تو جنتی کہیں گے: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ: اے ہمارے پروردگار حاضر ہیں اور آپ کی اطاعت کو اپنی خوش بختی سمجھتے ہیں، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ: ساری خوبیاں آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، باری تعالیٰ فرماتے ہیں ھل رضیتم: اے جنت والو! کیا تم راضی ہو گئے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے خوش کیا تھا اپنے اعمال کے ذریعہ سے دنیا کے اندر اور میں تم سے راضی ہوا تھا اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ جو مجھے راضی کرے گا میں اس کو راضی کروں گا۔ تو اب تم کو جنت میں داخل کیا گیا اور جنت کی نعمتیں دی گئیں، اب یہ جنت کی نعمتیں تم نے دیکھ لیں، پرکھ لیں، استعمال کر لیں۔ اب تو تم راضی ہونا؟ تم کو جو بدلہ دیا گیا، اس پر تم خوش ہو۔

## جنتیوں کو ملنے والی سب سے بڑی نعمت

فَيَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ:

جنتی جواب میں عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم کیوں نہ خوش ہوں، کیوں نہ راضی ہوں۔ جب کہ آپ نے ہم کو ایسی ایسی چیزیں اور ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائیں کہ کسی اور کو آپ نے عطا نہیں کی۔ اپنی مخلوق میں جنتیوں کے علاوہ یہ کسی اور کو دیا ہی

نہیں تو ہم کیوں نہ خوش ہوں۔ فَيَقُولُ أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ تو اس پر بھی باری تعالیٰ پوچھیں گے کہ اس سے بھی بڑھیا، اس سے بھی عمدہ اور افضل نعمت تم کو عطا کروں؟ فَيَقُولُونَ يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ: اب جنتیوں کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور نعمت ہوسکتی ہے! اس لیے وہ باری تعالیٰ سے سوال کریں گے باری تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر اور کوئی نعمت ہے کیا؟ باری تعالیٰ فرمائیں گے: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا: کہا جی ہاں! میں اپنی خوشی تم کو عطا کرتا ہوں۔ کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا، گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میں تم سے خوش ہوں، اس کا پروانہ دیتا ہوں۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی۔

اور دوسری روایت حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ہے: عن جرير بن عبد الله - رضي الله عنه -، قال: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وآله وسلم - فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَقَالَ: ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَاناً كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ)) متفق عليه.

## راوی: حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ (یہ حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت تھے، بڑے حسین وجمیل تھے) فرماتے ہیں: جب بھی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ مسکرا کر میرا استقبال کرتے تھے(۱)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) سير أعلام النبلاء، ۲/ ۵۳۱.

نے ان سے بیعت لی تھی اور اس میں یہ بھی ایک چیز تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے۔ ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت لی تھی۔

## صحابہؓ اور بیعتِ اسلام کے پاس ولحاظ کا جذبۂ بے مثال

انھیں اس بیعت اور عہد کا کس قدر پاس ولحاظ تھا، اس کا اندازہ آپ اس واقعے سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اپنے ایک غلام کے ساتھ جانور خریدنے کے لیے بازار تشریف لے گئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر اپنے پاس سے گذرنے والے جانوروں کا معائنہ کرنے لگے، اتنے میں ایک گھوڑا ان کے پاس سے گذرا جو آپ کو پسند آ گیا، اپنے غلام سے کہا، جاؤ! یہ گھوڑا خرید لو۔ غلام گھوڑے والے کے پاس گیا اور اس سے ''۳۰۰'' درہم میں گھوڑا خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا مالک اس دام میں گھوڑا بیچنے پر آمادہ ہو گیا۔ غلام نے کہا کہ آپ ہمارے آقا کے پاس چلیے جو یہاں ایک گوشے میں کھڑے ہیں۔ گھوڑے کے مالک نے چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔

دونوں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ غلام نے کہا کہ میں ان صاحب کو ان کے گھوڑے کے ''۳۰۰'' درہم دے رہا ہوں لیکن یہ انکار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ گھوڑا ''۳۰۰'' درہم سے زیادہ مالیت کا ہے۔ گھوڑے والے نے غلام کی تصدیق کی اور کہا کہ آپ ہی بتلائیے کہ اس گھوڑے کا یہ ثمن مناسب ہے؟ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ تمھاری بات درست ہے، اس گھوڑے کی قیمت ''۳۰۰'' درہم سے زیادہ ہے! کیا تم ''۵۰۰'' درہم میں بیچنا چاہو گے؟

## مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظّارہ

اور یوں دام بڑھاتے بڑھاتے ''۷۰۰'' یا ''۸۰۰'' درہم پر بات طے ہوئی، جب وہ آدمی گھوڑا بیچ کر چلا گیا تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کی متوجہ ہوکر ڈانٹتے ہوئے کہا: تمھیں شرم نہیں آتی کہ میں نے تم پر اعتماد کرکے گھوڑا خریدنے کے لیے بھیجا تھا اور تم ایسا معاملہ کرکے آئے کہ اس گھوڑے کا مسلمان مالک مجھ سے آکر یہ کہنے لگا کہ ''تم ہی بتاؤ، یہ دام مناسب ہیں؟ تم ہی بتاؤ، یہ دام مناسب ہیں؟'' حالاں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی(۱)!!

## اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کے وقت لوگوں کی کیفیت

تو وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ فَنَظَرَ إِلَى القَمَرِ لَيْلَةَ البَدْرِ چودھویں رات کو سب بیٹھے ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا۔ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَاناً كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا القَمَرَ کہ: تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح کھلی آنکھوں سے دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو۔ لاَ تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ کہ اللہ کے دیدار میں آپس میں ازدحام، ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاؤ گے۔

## باری تعالیٰ کے دیدار کے وقت دھکّم پیل نہیں ہوگی

جیسے ہمارا یہ مجمع ہے، سب آگے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں، اب نیچے کی طرف کوئی

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۲۳۴۳.

چیز دیکھنی ہوتو کوئی آدمی اونچا ہوتا ہے، کوئی نیچے ہوتا ہے؛ اس لیے دیکھنے کے واسطے ایک دوسرے کو دھکّے لگائے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز اوپر ہوتو اس کی نوبت آتی نہیں۔ سورج اور چاند جب ہم دیکھتے ہیں تو دنیا میں بڑے سے بڑا مجمع لاکھوں کروڑوں کا مجمع سورج اور چاند کو جب دیکھے گا تو آپس میں ایک دوسرے کو تکلیف پہنچنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ تو کہا جس طرح اس کو دیکھتے ہیں، اسی طرح اللہ کا بھی دیدار ہوگا اور یہ جنت میں ہوگا۔

وعن صُهيب - رضي الله عنه -: أنّ رسول الله - صلى الله عليه وآله وسلم - قال: (( إذا دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ يَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيئاً أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ فَيَكْشِفُ الحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئاً أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ )). رواه مسلم.

## باری تعالیٰ کا دیدار جنت کی سب سے بڑی نعمت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ۔ جنتی لوگ جب جنت میں چلے جائیں گے تو باری تعالیٰ پوچھیں گے: تُرِيدُونَ شَيئاً أَزِيدُكُمْ؟ کہ: کچھ اور مزید چیز چاہیے تو فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟: وہ عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟: آپ نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ آپ نے ہم کو جہنم سے نجات نہیں عطا فرمائی؟ جنتی کہیں گے کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے؛ اس لیے کہ جنت میں ہر چیز موجود ہے۔ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾

(فصلت: ۳۱): تمہارا جو جی چاہے گا وہ ساری چیزیں حاصل ہوگی۔ اب کیا باقی رہ گیا؟ تو کہتے ہیں: فَيَكْشِفُ الحِجَابَ: اللہ تعالیٰ جنتیوں اور اپنی ذات کے درمیان جو پردہ ہے اس پردے کو ہٹا دیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کا دیدار ہوگا اور جنتیوں کے نزدیک اللہ کے دیدار سے زیادہ اچھی اور کوئی چیز ان کو دی گئی نہیں۔ یہ سب سے بڑی نعمت ہے جنت کے اندر جو ان کو دی جائے گی۔

## اختتامیہ کلام

اور اخیر میں انہوں نے باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کیا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کو جنت میں پہنچائے گا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ کہ: جہاں ان کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوگی، جنت کی نعمتوں میں۔ دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ: اور وہاں ہر حال میں ان کی پکار یہ ہوگی کہ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ اور آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے، وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور آخری جملہ ان کا یہ ہوگا کہ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یہ برکت کے لیے لائے، گویا اپنی کتاب کو اسی جنت والے جملے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔

## نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر

اور پھر آگے انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی اور اس کے بعد نبیؐ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا۔ الحَمْدُ للهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہماری رہنمائی کی اس کی طرف، وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللهُ: اور ہم اس راہ کو نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں تک نہ پہنچا تا۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ: اے اللہ رحمتیں اور درود بھیج اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ہمارے رسول ہیں اور آپ کے بندے ہیں جو نبیٔ امی ہیں، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر، وَأَزْوَاجِهِ: اور آپ کی ازواج مطہرات پر، وَذُرِّيَّتِهِ: اور آپ کی اولاد کے اوپر کما صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وعلى آلِ إِبْرَاهِيمَ: جیسا کہ آپ نے درود بھیجا، رحمتیں بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ: اور برکتیں بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو نبیٔ امی ہیں، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ: اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر آپ کی ازواجِ مطہرات پر اور آپ کی اولاد پر کما بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إبراهيم في العالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ: جیسا کہ آپ نے برکتیں بھیجیں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر جہاں والوں، بے شک تو قابلِ تعریف اور بزرگی والا ہے۔

## حدیثِ مسلسل کی تعریف

اب دیکھو بھائی! یہ مفتی عبدالقادر صاحب کا اصرار تھا کہ حدیث کی ایک خاص قسم ہے جو مسلسل کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ مسلسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث کے تمام راوی یعنی حدیث پڑھانے والا ہے، وہاں سے لے کر نبیٔ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک وہ کسی بات میں مشترک مثلاً کوئی ایک جملہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اور وہی جملہ اب تک تمام نقل کرنے والے کہتے چلے آئے۔

## حدیثِ مسلسل بالمحبة

جیسے کہ ایک روایت ہے، ابوداؤد شریف میں ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یوں فرمایا: يَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ: اے معاذ! خدا کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا پھر فرمایا: أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: ہر نماز کے بعد یوں پڑھا کرو: اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کو یہاں کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرو۔ انہوں نے اپنے شاگرد کو کہا اس طرح یہ سلسلہ برابر آخر تک چلا گیا۔ یہ حدیث **حدیثِ مسلسل بالمحبة** کہلاتی ہے کہ وہ حدیث جس میں استاذ اپنے شاگرد کو اس جملے سے خطاب کرتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

## حدیثِ مسلسل بالاولیت

ایسے ہی ایک حدیث ہے مسلسل بالاولیت جس میں راوی یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنے استاذ سے سب سے پہلے یہ روایت سنی: الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضي الله عنه، باب في الاستغفار۔

ارْحَمُوا مَن في الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ[1] (چونکہ یہاں یہ روایت پڑھی جا چکی ہے اس لیے میں نے قصداً اس کا اہتمام نہیں کیا تھا) کہ جس میں یہ ہے کہ رحمت کرنے والوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ رحمت کا معاملہ فرماتا ہے۔تم زمین والوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو، آسمان والا تمہارے اوپر رحم کرے گا۔اس روایت کے ہر راوی (شاگرد) نے اپنے شیخ (استاذ) سے سب سے پہلے یہ حدیث سنی لیکن یہ تسلسل راویٔ حدیث سفیان بن عیینہ تک ہی ہے۔

## دو اور مسلسل حدیثیں

ایسی ہی دو روایتیں ہیں جو ہمارے اکابرین کے یہاں سنداً برابر چلتی آ رہی ہیں، ان میں سے حدیثِ مسلسل بالاسودین اور دوسری حدیث مسلسل بإجابة الدعاعند الملتزم ہے۔

## حديث المسلسل بالضيافة على الاسودين

اسودین، یہ اسود کا تثنیہ ہے اور اسود عربی زبان میں کالی، سیاہ چیز کو کہتے ہیں۔ تو کھجور تو سیاہ ہوتی ہی ہے لیکن پانی بھی جو کہ کنویں میں ہوتا ہے تو اوپر سے آپ دیکھیں گے تو وہ بھی سیاہ سا نظر آتا ہے۔کھجور اور پانی دونوں کو عربی میں اسودین بولتے ہیں تو اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کے راوی جو صحابی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی میزبانی کی اور ان کو کھجور اور پانی پلایا اور پھر انہوں نے اپنے شاگرد کی

---

(۱) سننِ أبی داود، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب فِی الرَّحْمَةِ.

میز بانی کی، انہوں نے اپنے شاگرد کی میز بانی کی اور یہ سلسلہ آج تک برابر چلا آ رہا ہے۔

## حضرت دامت برکاتہم کے اس حدیث کے استاذ اور شیخ

میں نے بھی یہ روایت حضرت شیخ مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ سے سُنی تھی، جب ۱۳۸۷ھ میں سہارنپور کے اندر پہلی مرتبہ حضرت سے ملاقات ہوئی اور حضرت نے اجازت بھی عطا فرمائی ہے۔

## حدیث المسلسل بإجابة الدعاعند الملتزم

اور دوسری روایت جو ہے وہ حدیثِ مسلسل بإجابة الدعاعند الملتزم جس میں یہ ہے کہ ہر راوی اپنے شیخ سے یہ نقل کرتا ہے کہ ہم نے ملتزم کے پاس دعاء کی اور اللہ نے وہ قبول فرمائی۔ ہمارے شیخ نے بھی یہ فرمایا کہ میں نے ملتزم کے پاس دعاء کی۔ اب کیا دعا کی تھی حضرت نے بتلایا نہیں تھا اور وہ قبول ہوئی۔ میں بھی آپ سے کہتا ہوں کہ میں نے بھی ملتزم کے پاس دعا کی اور وہ قبول ہوئی اور اب آپ کے سامنے بھی یہ حدیثیں سند کے ساتھ پڑھی جائے گی، دونوں حدیثیں مسلسل ہیں۔

ویسے تو یہ حدیثیں میں نے صرف حضرت شیخ ہی سے نہیں سنی بلکہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے بھی دو مرتبہ سنی ہیں اور اس کے علاوہ مفتی محمود الحسن علیہ الرحمۃ سے بھی تین مرتبہ سنی ہے۔ حضرت قاری طیب علیہ الرحمۃ سے بھی ایک مرتبہ سنی ہے، ان تمام حضرات سے اس کی مجھے اجازت ہے۔ اس مجلس میں جو اہلِ علم موجود ہیں اور محدثین کے یہاں کسی حدیث

کو روایت کرنے کے لیے جو شرائط ضروری سمجھے جاتے ہیں، وہ ان میں پائے جاتے ہیں تو ان تمام کی شرط کے ساتھ میں ان کو اجازت دیتا ہوں اور پسِ پردہ جو سننے والی مائیں اور بہنیں ہیں، ان میں بھی جو پڑھی ہوئی عالمہ ہیں، وہ بھی ان شرائط پر پوری اُترتی ہوں تو ان شرائط کے ساتھ ان کو بھی اجازت ہے۔

## حدیث المسلسل بالضیافة علی الاسودین کا متن

عن علي كرم الله وجهه أضافني رسول الله صلى الله عليه وسلم على الأسودين التمر والماء وقال من أضاف مؤمنا فكأنما أضاف آدم ومن أضاف مؤمنين فكأنما أضاف آدم وحواء ومن أضاف ثلاثة فكأنما أضاف جبريل وميكائيل وإسرافيل ومن أضاف أربعة فكأنما قرأ التوراة والإنجيل والزبور والفرقان ومن أضاف خمسة فكأنما صلى الصلوات الخمس في جماعة من أول يوم خلق الله الخلق إلى يوم القيامة ومن أضاف ستة فكأنما أعتق ستين رقبة من ولد إسماعيل عليه السلام ومن أضاف سبعة أغلقت عنه سبعة أبواب جهنم ومن أضاف ثمانية فتحت له ثمانية أبواب الجنة ومن أضاف تسعة كتب الله حسنات بعدد من عصاه من أول يوم خلق الله الخلق إلى يوم القيامة ومن أضاف عشرة كتب الله له أجر من صلى وصام وحج واعتمر إلى يوم القيامة.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہماری میزبانی کی کھجور اور پانی سے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایک مؤمن کی میزبانی کی

گویا اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی میزبانی کی اور جس نے دو مؤمنوں کی میزبانی کی اُس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام کی میزبانی کی اور جس نے تین کی میزبانی کی اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام کی میزبانی کی، جس نے چار کی میزبانی کی گویا اس نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک کو پڑھا اور جس نے پانچ کی میزبانی کی، گویا اُس نے پانچ نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کیا وہاں سے لے کر قیامت تک اور جن نے چھے کی میزبانی کی گویا اُس نے ''۶۰'' غلام آزاد کیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے، اور جس نے سات کی میزبانی کی اس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور جس نے آٹھ کی میزبانی کی، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جس نے نو کی میزبانی کی، اللہ اس کے لیے ان تمام گنہگاروں کے برابر نیکیاں لکھتے ہیں جو گناہ کر رہے ہیں زمین اور آسمان کی پیدائش سے لے کر قیامت تک اور جس نے دس کی میزبانی کی، اللہ اس کے لیے ثواب لکھیں گے ان تمام آدمی کے برابر جنھوں نے روزہ رکھا، نماز پڑھی، حج کیا، عمرہ کیا قیامت تک۔

(ویسے مضمون کے اعتبار سے اور جو اصول محدثین نے بتلائے ہیں، اس اعتبار سے یہ روایت موضوع ہونی چاہیے لیکن اس کے باوجود اس کو برکت کے لیے محدثین بیان کرتے چلے آئے ہیں۔)

# حديث المسلسل بإجابة الدعا عند المتزم کا متن

عن عبد الله ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما يقول سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول الملتزم موضع يستجاب فيه الدعاء وما دعا الله فيه عبد دعوة إلا استجابها قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فو الله ما دعوت الله عز و جل فيه قط منذ سمعت هذا الحديث إلا استجاب لي وقال عمرو بن دينار وأنا والله ما أهمني أمر فدعوت الله عز و جل فيه إلا استجاب لي منذ سمعت هذا الحديث من ابن عباس وقال سفيان كذلك و قال الحميدي كذلك وهكذا قال كل واحد من الرواة إلى أن وصل إلينا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ملتزم وہ جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔

## ملتزم کی وضاحت

کعبہ کے اندر کونے میں جس جگہ حجرِ اسود ہے وہاں سے لے کر کعبۃ اللہ کے دروازے تک کا جو درمیانی حصہ ہے اس کو ملتزم کہتے ہیں۔ عربی زبان میں التزام کے معنی چپکنا، چونکہ وہاں پر لوگ اپنا سینا اور منہ اور رُخسار وغیرہ چپکاتے ہیں گویا چپکنے چمٹنے کی جگہ ہے اس لیے اس کو ملتزم کہتے ہیں۔

## باقی حدیث کا ترجمہ

اللہ سے جس بندے نے بھی وہاں دعا کی، وہ قبول کر لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پس اللہ کی قسم میں نے اللہ سے جو بھی دعا کی، وہ دعا قبول ہوئی۔ جب سے یہ روایت میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنی۔ عمرو بن دینار علیہ الرحمۃ جو اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ وأنا والله ما أهمني أمر فدعوت الله عز و جل فيه إلا استجاب لي منذ سمعت هذا الحديث من ابن عباس۔ اللہ کی قسم مجھے جب کبھی کوئی معاملہ پیش آیا اور میں نے اللہ سے دُعا کی تو ضرور اللہ نے میری دعا قبول کی۔ جب سے میں نے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنی۔ اسی طرح ہر راوی کہتا ہے۔ ہمارے سلسلہ میں شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی علیہ الرحمۃ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اللہ کی قسم اللہ س جو دعا ملتزم پر کی، وہ اللہ نے قبول کر لی۔ ہمارے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بھی فرماتے تھے کہ میں نے بھی جو دعا کی اللہ نے قبول فرمائی۔ میں بھی کہتا ہوں میں نے بھی جو دعا کی اللہ نے قبول فرمائی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اختلافی مسائل میں اعتدال
# اور شرعی حدود کی رعایت کی ضرورت

بمقام: جنوبی افریقہ

سنہ ۲۰۱۱ء

دارالافتاء کے افتتاح کے موقع پر حضرت نے یہ چند باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔

# اقتباس

خود حضراتِ صحابہؓ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو امت کے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سب سے اونچا مقام حاصل ہے، ان کے مزاجوں میں بھی اختلاف تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مزاج کے اختلاف کو سمجھتے بھی تھے، اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک نے اس کے مطابق عمل کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں کے وظیفے دینے کا مسئلہ آیا تو یہ رائے پیش کی گئی کہ جن کی خدمات زیادہ ہیں، ان کے لیے وظیفہ زیادہ مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! کس کی کتنی خدمات ہیں اس کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا لیکن اس وظیفے کا تعلق خدمت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ضرورت سے ہے اور یہ فرما کر ہر ایک کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق یکساں وظیفہ مقرر فرما دیا۔

پھر جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انھوں نے کہا کہ میں سب کو برابر نہیں رکھوں گا، جو بدر میں شریک ہوئے ان کا مقام اونچا ہے اور فلاں کا مقام اونچا ہے اور ہر ایک کو ان کی خدمات کی مطابق ان کے وظیفے مقرر کیے تو بہر حال یہ ان کے مزاج کا اختلاف ہے اور یہ ہر زمانے میں ظاہر ہوتا رہا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد واله وأصحابه أجمعين۔

## ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضراتِ علماء کو دین کی خدمت کا جو موقع اور سعادت عطا فرمائی، ان کی خدمات کی نوعیتیں اور ان کی خدمات کے انداز اور طریقے مختلف ہیں، ہر ایک کی صلاحیتیں بھی الگ الگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک آدمی کو ایک مستقل مزاج عطا فرمایا ہے، مستقل صلاحیت عطا فرمائی اور اس صلاحیت کو استعمال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل قُویٰ بھی عطا فرمائے گئے، جیسے انسانوں کے ظاہری چہرے کہ ایک چہرہ دوسرے چہرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، الگ الگ ہے، ایسے مزاج بھی ہر ایک کے الگ الگ ہیں اور اس مزاج کے اختلاف کی وجہ سے رائے میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور رائے کا اختلاف یہ شریعت کی نگاہ میں کوئی برا نہیں مانا گیا بلکہ ہمارے یہاں تو اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ مسلَّم ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق - بشرطیکہ اس میں اجتہاد کی صلاحیت ہو- کوئی فیصلہ کرتا ہے اور وہ حق کے مطابق ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے اور حق کے مطابق نہیں ہے تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے (۱)۔

---

(۱) إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (سنن أبي داود، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنه، باب فِي الْقَاضِي يُخْطِئُ.)

## حضراتِ انبیاء اور حضراتِ صحابہ کے مزاج کے اختلاف کا ایک نمونہ

تو یہ مزاجوں کا جو اختلاف ہے، وہ اللہ کے نیک بندوں میں ہر زمانے میں رہا حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے درمیان بھی رہا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی رہا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اس میں پکڑے گئے قیدیوں کے متعلق جب مشورہ ہوا تو رائیں مختلف آئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جو ان کے ہم نوا تھے، ان کی یہ رائے ہوئی کہ ان لوگوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ اور حضرات تھے، ان کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا، یہ رائے آئی کہ ان کو قتل کیا جائے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونو رایوں کو سن کر فرمایا کہ ان حضرات کی مثال ایسی ہے جیسے کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام میں حضرت نوح اور حضرتِ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام کہ ان کے مزاجوں میں اللہ نے خاص شدت عطا فرمائی تھی، حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَي الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (نوح: ۲۶) انھوں نے یہ دعا کی اور حضرتِ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے دعا کی: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس) جب کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام کا مزاج الگ تھا، یہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مزاج ہیں۔

## حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزاجوں کا اختلاف

خود حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو امت کے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے اونچا مقام حاصل ہے، ان کے مزاجوں میں بھی اختلاف تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مزاج کے اختلاف کو سمجھتے بھی تھے، اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک نے اس کے مطابق عمل کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں کو وظیفے دینے کا مسئلہ آیا تو یہ رائے پیش کی گئی کہ جن کی خدمات زیادہ ہیں، ان کے لیے وظیفہ زیادہ مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! کس کی کتنی خدمات ہیں اس کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا لیکن اس وظیفے کا تعلق خدمت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ضرورت سے ہے اور یہ فرما کر ہر ایک کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق یکساں وظیفہ مقرر فرما دیا۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے کہا کہ میں سب کو برابر نہیں رکھوں گا، جو بدر میں شریک ہوئے ان کا مقام اونچا ہے اور فلاں کا مقام اونچا ہے اور ہر ایک کے لیے ان کی خدمات کی مطابق ان کے وظیفے مقرر کیے تو بہر حال یہ مزاج کا اختلاف ہے اور یہ ہر زمانے میں ظاہر ہوتا رہا۔

## مزاج اور رائے کے اختلاف کے سلسلے میں شرعی ہدایات

دین کی خدمات کے سلسلے میں بھی مزاجوں کے یہ اختلاف ہوتے ہیں لیکن ہمیں شریعت کا ایک حکم یہ ہے کہ اگر مزاج کی اور اسی طرح رائے کے اس اختلاف کی

وجہ سے کوئی اختلاف پیش آئے تو اس کا اظہار تو مناسب اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ضرور کر دیا جائے لیکن اس پر اصرار اور ایک دوسرے کے درپئے آزار ہونا یا اس کی تحقیر یا تذلیل کرنا، شریعت اس کی اجازت دیتی نہیں ہے۔ شریعت نے اس کے لیے بھی حدود مقرر کیے ہیں، حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں ایک رسالہ لکھا ہے: **الاعتدال فی مراتب الرجال**، اسی کے تکملہ کے طور پر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری علیہ الرحمۃ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

## اختلافِ رائے سے بزرگانِ دین کی شان میں تقصیر نہیں ہونی چاہیے

ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے میں دار العلوم کا، پہلی مرتبہ کا اختلاف ظاہر ہوا تھا اور اس موقع پر حضرت کو بڑا درد تھا اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیتیں ہیں، ان کے امتیازات ہیں، ان کے کمالات ہیں، آپس کے اختلاف کی وجہ سے ان کے کمالات سے، ان کی خصوصیتوں سے صرفِ نظر کرنا اور اس طرح سے ان کو بالکل قابلِ طعن بنا دینا درست نہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ کو اخیر تک اس کا بڑا غم رہا، حضرت علیہ الرحمۃ کے یہاں ہر ایک سے ملاقات کا بڑا اہتمام تھا، میں خود جب حضرتؒ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تھا تو میں اجازت لیتا تھا کہ میں وہاں مدرسے میں جاتا ہوں تو حضرت باقاعدہ پوچھتے تھے کہ حضرت مولانا سالم صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کے لیے گئے تھے تو میں نے کہا کہ ہاں! پھر حضرت کی اجازت سے سہارنپور جانا ہوتا تھا تو حضرت علیہ الرحمۃ پوچھتے تھے کہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ سے

مل کر آئے یا نہیں؟ تو میں کہتا کہ ہاں ملا تھا۔ تو بہر حال! ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اس کی بڑی تاکید ہوا کرتی تھی۔

## مختلف فیہ مسائل کو عوام کے درمیان موضوعِ بحث بنانے سے گریز کیجیے

اس علمی اختلاف کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے علماء کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں تو علمی دلائل کے ذریعہ اپنی بات کو پیش کر دیا جائے، اس کے بعد اس پر اصرار نہ کیا جائے، یہ تو مختلف فیہ مسائل ہیں۔ حضراتِ ائمہ مجتہدین کے درمیان بہت سے مسائل مختلف فیہ رہے ہیں، قرنِ اول سے ان مسائل میں اختلاف چلا آ رہا ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ سے آج تک نہ کسی نے کسی کی تفسیق و تذلیل کی اور نہ تحقیر کی اور اس طرح کے اختلافات آئندہ زمانے میں بھی رہیں گے، وحی نہ ہم پر نازل ہوئی، نہ فریقِ مخالف پر نازل ہوئی؛ اس لیے ضرورت ہے، خاص کر کے یہاں افریقہ میں کہ مسائل کی وجہ سے علماء کے درمیان جو آپس کے اختلافات ہوتے ہیں اور اس کو عوام کے اندر لا کر کے اس کو جو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے، یہ چیز ہمارے اکابر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے۔

## فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ

پھر آپس میں جو کام کرتے ہیں، ادارے چلاتے ہیں، مدرسے چلاتے ہیں اور اسی طریقے سے اپنے اپنے طور پر جو خدمات انجام دیتے ہیں تو مل جل کر خدمات

انجام دی جاتی ہیں، کبھی مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے کوئی ایسی بات پیش آوے جو شریعت نے ہمیں بتلادی ہے۔ حدیث میں ہے: اَلْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ (۱) عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ دو گے، اگر تمھیں اس سے فائدہ اٹھانا ہے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اٹھاؤ تو ہمارے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ نے اس جملہ کی شرح میں ایک بڑی عجیب وغریب بات فرمائی ہے کہ کسی نظام کے اندر کہیں کوئی کمزوری اور قصور ہے، کوتاہی ہے تو اگر آپ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ آپ اس کو اچھے طریقے سے دور کر سکتے ہیں تو کیجیے اور اگر آپ وہاں سختی کرنے جائیں گے تو وہ نظام ختم ہو کر کے رہ جائے گا اور اس سے امت کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے وہ ہوگا نہیں تو اگر آپ کو اس کے ساتھ اتفاق نہیں ہے تو آپ بھلے طریقے سے اس سے الگ ہو کر کے اپنا کام الگ شروع کر دیں، بھائی ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹) یہ بھی ایک اصول شریعت نے ہمیں بتلایا ہے۔

## اوروں کی قابلِ قدر خدمات کو سراہنے میں بخل سے کام نہ لیں

تو بہر حال یہ بھی ایک طریق ہے لیکن اس کے بعد بھی آپس کے تعلقات، آپس کے روابط، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا اور خدماتِ دینیہ کے سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون حاصل کرنا اور ایک دوسرے کی طرف سے جو خدمات

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب الْمُدَارَاةِ مَعَ النِّسَاءِ۔

انجام دی جارہی ہیں، ان کا اعتراف کرنا، لوگوں کے سامنے اس کو لانا، ظاہر کرنا، یہ بھی دین کا تقاضا ہے اور علم کی جو امانت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اگر ہم محسوس کر رہے ہیں کہ جس طرح کی دینی خدمات انجام دی جارہی ہیں، واقعۃً وہ قابلِ قدر ہیں تو ہم اس کا اعتراف کریں، لوگوں کو بھی بتلائیں۔

## اختلاف میں اخلاص ہو تو وہ بھی باعثِ برکت ہوتا ہے

تو بہر حال! یہ سلسلے ہیں اور یہ ہوتا رہا ہے، یہ بات میں نے اس مناسبت سے عرض کردی کہ مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے کبھی ایسی کوئی بات پیش آجائے۔ ہمارے حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، جب ڈابھیل تشریف لائے، حضرت نے مجھ سے دو تین بار کہا اور خاص طور پر بڑی محبت فرماتے تھے، فرمایا کہ دیکھو! ہمارے بزرگوں کا اختلاف ہوا تھا اور اخلاص کے ساتھ ہوا تھا تو اتنا بڑا ایک عظیم ادارہ وجود کے اندر آگیا، حضرت یہ فرمایا کرتے تھے۔

## دوسروں کو بے عزت کر کے ہم عزت حاصل نہیں کر سکتے

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ ساری باتیں تو پیش آتی رہتی ہیں، اصل بات وہی ہے کہ شریعت نے ہمیں جن حدود کا اور آداب کا پابند بنایا ہے، 'ادب الخلاف''، مستقل رسالہ ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ اور شیخ عوامہ نے اس پر لکھا ہے اور ہمارے اکابر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے؛ اس لیے ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہاں اپنے طریقۂ عمل کو متعین کرنے کی ضرورت ہے اور خاص کر کے ان علمی مسائل

کو عوام کے اندر موضوعِ بحث بنا کر کے عوام کے دلوں سے علماء کے وقار کو ختم نہ کیا جائے، ایک مرتبہ ختم ہو گیا تو نہ میری عزت رہے گی، نہ آپ کی۔

## ایں خیال است ومحال است وجنوں

میں اگر یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے گرا کر عزت حاصل کروں گا تو ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' یہ ناممکن ہے، ان کے دل سے جہاں آپ کی عزت ختم ہو گی، اسی وقت میری عزت بھی ختم ہو جائے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ علماء کے وقار کو باقی رکھتے ہوئے ان سارے کاموں کو انجام دیا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# علماءِ کرام اور مکاتب و مدارس کے
# مدرسین کی ذمہ داریاں (۱)

بمقام: دارالیتامی، بھروچ (گجرات)

بوقت: ۲۸/ ۳/ ۲۰۱۳

## اقتباس:

آج کل تو انٹرنیٹ پر طرح طرح کی باتیں آتی ہیں، فرحت ہاشمی پاکستان کی ایک عورت ہے، وہ انٹرنیٹ پر قرآن کی تفسیر کرتی ہے، ہمیں کسی نے سنایا کہ سورت کے اندر کسی نے پمفلیٹ تقسیم کیے کہ اس کی تفسیر کو سننے کا اہتمام کیا جائے، حالاں کہ وہ ایک گمراہ عورت ہے۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتھم کے فتاوی میں ہے، کسی نے اس کے متعلق فتوی پوچھا تھا تو حضرت نے اس کی گمراہیوں کو واضح بھی کیا تھا لیکن یہ سب کب ہوتا ہے؟ یہ اس وقت ہوتا ہے، جب میدان خالی ہوتا ہے، ہم نے میدان کو خالی چھوڑ رکھا ہے تو ان لوگوں کو اس میں دندنانے کا موقع ملتا ہے؛ اس لیے ہم لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے ان سلسلوں کو جاری کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمدواله وأصحابه أجمعين، أمّابعد: فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ (الزمر:۹) وقال تعالىٰ: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ﴾ (السجدة) وقال تعالىٰ: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ﴾ (المعارج) وقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: كُلُّكُمۡ رَاعٍ وَكُلُّكُمۡ مَسۡؤُولٌ عَنۡ رَعِيَّتِهِ. (صحيح البخاري، عَنِ ابۡنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا، باب الجمعة في القرى والمدن.)

میرے قابلِ احترام حضراتِ علماءِ کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں علم کے ساتھ نسبت عطا فرما کر جو عزت بخشی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس نسبت سے ہم پر جو مختلف ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ہم ان کو پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

## وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

ہمارے اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ امانت ودیانت کا ہے، سبھی جانتے ہیں، کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو نہ جانتا ہو، سب کے سامنے معلومات ہیں، سب کتابیں پڑھتے ہیں، مضامین پڑھتے ہیں، ساری چیزیں سامنے ہیں، کوئی چیز بتلانے جیسی نہیں ہے، سب کے علم اور دل ودماغ میں موجود ہے لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی

ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے پوری امانت اور دیانت کے ساتھ ان کو ادا کرنے کا اہتمام ہمارے اندر نہیں ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احساسِ ذمہ داری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ کہیں پڑھا تھا، فرماتے تھے کہ دریائے دجلہ کے کنارے پر کوئی کتا بھوکا مرجائے گا تو مجھے یہ ڈر ہے کہ کل قیامت کے روز مجھ سے اس کے متعلق سوال ہوگا، اس زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت عراق تک پہنچی ہوئی تھی، تو حکومت کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی، اس کے بارے میں یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کی نسبت سے جو ذمہ داریاں ہم پر عائد فرمائی ہیں تو ضرورت اس کی ہے کہ ان ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے پوری امانت اور دیانت کے ساتھ ان کو ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

## قریہ قریہ مکاتب کا جال پھیلانے میں حکمت

جیسا کہ مجھے ابھی بتلایا گیا کہ یہاں موجود لوگوں میں اکثریت ان حضرات کی ہے جو مختلف مکاتب میں علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے مکاتب و مدارس کا جو نظام قائم کیا ہے، وہ درحقیقت ایمان واسلام کے بقاء کا اہم ذریعہ ہے جس کو اس زمانے کے اعتبار سے ہمارے اکابر نے محسوس کیا اور اس کو شروع کیا۔ انگریز جب اس ملک کے اندر آیا تو اس سے پہلے اسلامی حکومت تھی اور جہاں جہاں اسلامی حکومت رہی وہاں مسلمان حکمرانوں نے ایمان واسلام کی بقاء کے لیے تعلیم

وتربیت کے سلسلے جاری کیے اور ہر جگہ یہ سلسلے جاری تھے اور ان تمام سلسلوں کی سرپرستی حکومت کرتی تھی، جیسے آج کل دنیوی اور عصری علوم اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں حکومت کی سرپرستی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں دینی اور دنیوی علوم الگ الگ نہیں تھے بلکہ دونوں ایک ساتھ پڑھائے جاتے تھے اور جو آدمی دینی علوم کے اندر ماہر ہوتا تھا، وہ دنیوی علوم سے بھی پورے طور پر واقف ہوتا تھا۔

## مدارس و مکاتب کے قیام کا پس منظر

لیکن جب اسلامی حکومت گئی اور اس ملک میں انگریزوں کا عمل دخل آیا تو ان کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو ختم کیا جائے، ہمارے اکابر نے اولِ وہلہ میں کوشش یہ کی کہ انگریز کو یہاں سے ہٹایا جائے اور اس کے لیے انھوں نے مسلّح جدوجہد بھی کی، ہمارے اکابر نے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی علیہ الرحمۃ کی ماتحتی میں باقاعدہ انگریزوں کا میدانِ جہاد میں مقابلہ بھی کیا لیکن اس میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا تو جب دیکھا کہ ہم مسلح جدوجہد کے ذریعہ انگریزوں کو زیر نہیں کر پائیں گے تو ان حضرات نے دوسری نہج پر سوچنا شروع کیا کہ اس ملک میں ایمان واسلام کو کس طرح باقی رکھا جائے تو یہ طے پایا کہ ایک مدرسہ ایسا قائم کیا جائے جس میں دینی علوم پڑھائے جائیں گے اور اس مدرسے کی بقاء حکومت کی کسی امداد پر موقوف نہیں ہوگی بلکہ مسلم عوام ہی سے اس کی بقاء کے لیے امداد حاصل کی جائے گی، دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ مسلمانوں کو ترغیب دے کر ان میں جو یہ

چندے کا سلسلہ شروع ہوا کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنے مال میں سے ایک حصہ نکالے اور مدارس میں خرچ کرے، اس طرح دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اور اسی کے ماتحت مکاتب کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

## مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد

ایک تو مکاتب ہیں اور ایک مدارس ہیں، یہ جو مدارسِ عربیہ ہیں، وہ لوگوں کو وہ علم سکھاتے ہیں جو فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، فرضِ کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر علاقے اور ہر بستی میں کچھ ایسے حضرات ہونے چاہئیں جو دین کے تمام یا اکثر و بیشتر مسائل سے واقف ہوں اور لوگوں کو جب اس کی ضرورت پیش آوے تو ان کی طرف رجوع کرسکیں اور وہ ان کی رہنمائی کریں۔

## اس علم کی تفصیل جس کا حصول فرضِ کفایہ ہے

اور علم کا ایک دوسرا درجہ فرضِ عین کا ہے، جس کا سیکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بحیثیت مسلمان کے جب تک وہ ان امور کی معلومات حاصل نہیں کرے گا، وہ ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ جب کوئی بچہ بالغ ہوتا ہے، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز فرض ہوجاتی ہے، روزہ فرض ہوجاتا ہے، اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، صاحبِ استطاعت ہے تو حج بھی فرض ہوجاتا ہے تو یہ عبادات آدمی پر اس کے بالغ ہوتے ہی عائد ہوجاتی ہیں، ان میں پہلی جو دو عبادتیں بتلائی گئیں، وہ تو ایسی ہیں جو ہر ایک پر فرض ہیں، کوئی بھی اس

سے بچا ہوا نہیں، ان عبادتوں کی ادائگی کے لیے جن جن مسائل سے واقفیت ضروری ہے، اس میں طہارت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں، اسی طریقے سے معاشرت یعنی اس پر ماں باپ کے، میاں بیوی کے، بھائی بہن کے، رشتہ داروں کے جو آپسی حقوق ہیں، ان کو معلوم کرنا ضروری ہے، بحیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کے لیے ضروری اور بنیادی عقائد کو جاننا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کو اولین درجہ حاصل ہے، اولین درجے میں اسی کو سیکھا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو آدمی کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا تو یہ عقائد اور عبادات، خصوصًا نماز روزہ، ان کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

## مکاتبِ دینیہ کے قیام کا مقصد

قرآن ہماری بنیادی کتاب ہے، اس کو سیکھنا، دیکھ کر پڑھنے کی صلاحیت حاصل کرنا، اس کے اتنے حصے کو حفظ کرنا جس کو نماز میں پڑھا جا سکے اور اس کو صحیح طریقے سے تجوید کے ساتھ پڑھنا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنا، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ایک مسلمان کے لیے بحیثیت مسلمان کے ضروری ہیں، ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے اکابر نے مکاتب کا یہ سلسلہ جاری فرمایا ہے؛ تا کہ ہر مسلمان بچے کو اس میں لا کر ان امور سے واقف کرایا جا سکے، جب یہ ضروری چیزیں اس کے علم لائی گئیں تو اس کا ایمان اب محفوظ ہو گیا۔

## حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ اور ان کا فکر

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے والد حضرت مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ

حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے، اور حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی فکر غیر آباد مسجدوں کو آباد کرنے کی تھی، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی علیہ الرحمۃ میں بھی اپنے پیرومرشد کا یہ اثر آیا تھا، حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی نواسی ان کے نکاح میں تھیں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ کی والدہ حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی نواسی ہوتی ہیں۔ بہر حال! حضرت مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ نے اپنے شیخ علیہ الرحمۃ سے مذکورہ اثر لے کر دہلی میں نظام الدین کی مسجد کو اپنا میدانِ عمل بنایا، اس کے بعد آپ نے میوات کے علاقے میں اس سلسلے کو شروع کیا جہاں بہت زیادہ جہالت تھی۔

## حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نظام الدین دہلی میں

ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا محمد میاں صاحب علیہ الرحمۃ ان کے جانشین بنے، ان کی والدہ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی والدہ الگ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اس سلسلے کو باقی رکھا جائے، اس زمانے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ مظاہر کے اندر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ سے اس کی درخواست کی گئی تو حضرت مولانا نے غور وفکر کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ وہاں تشریف لے جانے کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ نے پہلی کوشش یہی کی تھی کہ مکاتب قائم کیے جائیں۔

# تحریکِ دعوت وتبلیغ کا مقصدِ اصلی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ نے میوات کے علاقے میں اس کام کو جاری رکھنے کا عزم فرمایا، آپ کی وہاں تشریف بری سے پہلے ہی آپ کے خاندان والوں کی کوششوں سے وہاں مختلف جگہوں پر پچاس، ساٹھ مکاتب قائم ہو چکے تھے۔ آپ نے غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مکاتب کا جال اس علاقے میں پھیلانے کے لیے مقامی لوگوں میں بھی اس کے ذوق وشوق کا ہونا ضروری ہے اور یہاں جہالت کی وجہ سے لوگ دین، احکامِ دین اور علومِ دین سے ناواقف ہیں، انھیں اس کی اہمیت ہی معلوم نہیں ہے تو بھلا وہ اس کے قیام میں کیسے تعاون کریں گے اور کیسے دل چسپی لیں گے! تو ان کی اس غیر دل چسپی اور بے رغبتی کو دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہلے ان کے اندر علمِ دین کی طلب پیدا کی جائے تو اسی مقصد کے لیے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ حضرت مولانا نے جاری فرمایا۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ کیا ہے؟ یہ تو ہر آدمی کے دل میں دین کی طلب پیدا کرنے کے لیے ہے اور جب اس کے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے گی تو وہ خود ہی اس کو حاصل کرے گا اور اس کے نتیجے میں دین کے تمام شعبے زندہ ہوں گے۔

# مکاتبِ دینیہ کی اہمیت علامہ اقبال کی نظر میں

بہر حال! ہمارے اکابر نے یہ مدارس ومکاتب کا جو سلسلہ شروع فرمایا تو یہ اس ملک میں مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے ایک بہت ہی اہم فیصلہ

تھا، کسی نے ان مدارس ومکاتب میں پڑھانے والے مولویوں اور ملاؤں کے متعلق علامہ اقبال سے پوچھا تھا، پوچھنے والے کا مقصد ان پر تنقید کرنا تھا کہ اس طرح یہ مولوی لوگ بچوں کو بے کار کردینا چاہتے ہیں تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ان کو رہنے دو اور اپنی جگہ پر کام کرنے دو، اگر یہ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟ وہ میں اسپین میں دیکھ کرآیا ہوں کہ وہاں صدیوں تک اسلامی حکومت رہنے کے باوجود بھی وہاں آج کوئی کلمہ پڑھنے والا نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ انگریز نے یہاں حکومت کرنے کے دوران اس کی بھرپور کوشش کی کہ اسلام کو یہاں سے بالکلیہ ختم کردیا جائے لیکن یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں میں ناکام رہا، اگرچہ اس نے رخنے ڈالے لیکن اس سلسلے کو بند نہ کراسکے۔

## مکاتب ومدارس میں خدمت انجام دینے والوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا ضروری ہے

تو یہ ہمارے اکابر کے قائم کردہ دو سلسلے ہیں، ان میں جو بڑے مدارس ہیں، ان میں طلبہ اپنی اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق علم حاصل کرتے ہیں، بعض اعلی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں تو فارغ ہوکر مدارسِ عربیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں، بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں تو مکاتب کا نظام سنبھالتے ہیں تو اس طرح یہ علومِ دینیہ کی خدمات کا سلسلہ ملک اور بیرونِ ملک کے اندر جاری ہے، کہنے کا حاصل یہ ہے کہ آپ حضرات جو یہ خدمات انجام دے رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ بڑی اہم خدمات ہیں لیکن ان خدمات کو انجام دیتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس

ہونا ضروری ہے کہ میں کون ہوں؟ مجھے کیا کرنا ہے، میری کیا ذمہ داریاں ہیں اور میں کس طرح اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہوں۔

## بحیثیت عالم کے ایک عالم کی ذمہ داریاں

اس میں دو چیزیں ہیں: ایک تو یہ کہ آپ عالم ہیں، آپ چاہے کسی جگہ ملازم نہ ہوں پھر بھی آپ کے حاصل کردہ علم کا تقاضا اور حق یہ ہے کہ اس کو آپ دوسروں تک پہنچائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً(۱) میری طرف سے لوگوں کو پہنچاؤ، چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ ایک چھوٹی سی بات ہو تو بھی اس کو لوگوں تک پہنچانا ہے، چاہے آپ کسی ادارے کے ساتھ، کسی مکتب کے ساتھ، کسی سوسائٹی کے ساتھ عقدِ اجارہ کریں یا نہ کریں، بحیثیت عالم کے آپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ یہ چیزیں لوگوں تک پہنچائیں، لوگوں کے عقائد کی درستگی، ان کے اعمال کی درستگی، ان کی عبادات کی درستگی، ان کی معاشرت اور اخلاق کی درستگی اور دین کے مختلف شعبوں میں آپ ان کی مختلف طریقوں سے رہنمائی کریں، یہ رہنمائی کرنا بحیثیت عالم کے آپ کا فریضہ ہے۔

## مکاتب ومدارس میں خدمات انجام دینے والے علماء کی دوہری ذمہ داری

دوسرے یہ کہ آپ کسی کمیٹی کے ساتھ، مکتب کے ساتھ معاہدہ کریں گے، دو

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

گھنٹے، تین گھنٹے پڑھانے کا عقدِ اجارہ کریں گے، یہ دو چیزیں ہوگئیں کہ بحیثیت عالم کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس امانت کو دوسروں تک پہنچاتے اور اس کو پہنچانے میں آپ اپنی مقدور بھر کوشش میں کوئی کمی نہ کرتے، مزید براں جب آپ نے عقدِ اجارہ کرلیا تو یہ بات اب آپ پر دوسری حیثیت سے بھی لازم ہوگئی؛ اسی وجہ سے میں نے آیت پڑھی تھی: وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہیں، ان کو پورا کرتے ہیں۔

## مکاتب ومدارس میں ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ

عقدِ اجارہ کی حیثیت سے دو یا تین گھنٹے تعلیم وتبلیغ آپ کی ذمہ داری بنتی ہے، جب کہ بحیثیت عالم کے آپ کی ذمہ داری ان دو تین گھنٹوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ''۲۴'' گھنٹے آپ کی یہ ذمہ داری ہے؛ اس لیے کہ آپ کی حیثیت تو ایک سپاہی کی سی ہے، ملک کا جو سپاہی ہوتا ہے، وہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی ڈیوٹی کسی وقت کی پابند نہیں ہوتی، اس کو تو ''۲۴'' گھنٹے تیار رہنا پڑتا ہے، اسی طرح آپ کو بھی ہمہ وقت اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہے، آپ کے لیے انتظامیہ نے جو وقت مقرر کیا ہے، اس وقت میں ایک منٹ کا بھی ہرگز ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن اب ہمارا یہ عام مزاج بنتا جارہا ہے کہ ہم پانچ منٹ، دس منٹ تاخیر سے آتے ہیں، یہ تو کم سے کم مقدار ہے جو میں بتلا رہا ہوں، ورنہ حقیقت سے آپ واقف

ہیں کہ کیا ہورہا ہے اور اتنی دیر سے آنے کے بعد ابھی تو پڑھائی کا سلسلہ شروع بھی نہیں ہوتا بلکہ باہر کھڑے رہیں گے، باتیں کریں گے، طالب علمی کے زمانے میں جو بری عادتیں ڈال رکھی تھیں، وہ اپنا اثر یہاں دکھلاتی ہیں تو اس طرح باہر دس بارہ منٹ ضائع ہوگئیں پھر اندر جانے کے بعد مزید کچھ وقت ضائع کرتے ہیں تو ویسے بھی تین گھنٹے کا مختصر سا وقت ہے اور اس میں آپ دیکھتے ہیں کہ اسکول والے بچوں کو جلد فارغ کر کے بھیجنا پڑتا ہے، آپ نہ چاہیں تب بھی لوگ اٹھا اٹھا کر لے جاتے ہیں؛ اس لیے آپ کو تو چاہیے تھا کہ آپ وقت سے کچھ پہلے مدرسے میں آجاتے اور اپنا کام شروع کر دیتے؛ تا کہ اگر ان کے والیوں کی طرف سے وقت سے پہلے ان کو لے جانے کا مطالبہ ہو تو اس سے پہلے ہی آپ اپنا کام مکمل کر چکے ہوں۔

## بغیر معاوضے کے پڑھانے کی ایک خرابی

یہ علم بھی ہمارے پاس امانت ہے، بچے بھی امانت ہیں، اس امانت میں پوری دیانت داری سے کام لینا ہے، ان کے اوپر بھرپور محنت کرنی ہے اور ''معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہے'' یوں سمجھ کر ہمیں کام کرنا ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ ایک عقدِ اجارہ ہے لیکن ایک عالمِ دین اس کو اجارہ سمجھ کر نہیں بلکہ اس علم کے تقاضوں کی وجہ سے علمی خدمات انجام دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر اچھی مالی حیثیت دی ہے تب تو چاہیے کہ بغیر معاوضے کے علمی خدمات انجام دے لیکن ایک بات اور کہہ دوں کہ بعض لوگ بغیر معاوضے کے پڑھاتے ہیں تو بالکل بے پروا ہو جاتے ہیں، اگر دو ہزار کی تنخواہ

ہے اور یہ تنخواہ نہیں لے رہا ہے تو گویا یوں کہتا ہے کہ ہم تو یہ تنخواہ نہیں لیتے اور ''اللہ واسطے'' یہ کام کررہے ہیں؛ اس لیے دو ہزار جتنا وقت دینا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، ایسا نہیں بلکہ اس سے زیادہ محنت کرنی چاہیے۔

## امانت ودیانت میں کوتاہی ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے

اس وقت ہمارے طبقے کا سب سے بڑا مسئلہ امانت ودیانت کا ہے۔ جو لوگ اداروں کو چلاتے ہیں یا بعض ادارے والے ایسی مختلف جگہوں پر مکاتب کا نظام چلاتے ہیں، جہاں اس کی ضرورت ہے تو ان کی طرف سے بار بار اس قسم کی شکایات ملتی ہیں کہ ہمارا آدمی جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مکتب تو بند ہے یا کھلا ہوا ہے لیکن مولانا سو رہے ہیں اور بچے کھیل رہے ہیں، یہ سب ہماری طرف سے کوتاہیاں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف نہیں رہا، اگر آدمی یہ سمجھے کہ مجھے اپنے اللہ کو جواب دینا ہے تو یہ کوتاہیاں واقع ہی کیوں ہوں؟ ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النازعات): نفس تو ہمیں بہت کچھ کرنے کے لیے کہتا ہے لیکن آدمی کو ہر وقت اس بات کا استحضار رہنا چاہیے کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھ رہے ہیں اور مجھے اس کو جواب دینا ہے۔

## ایک چرواہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُمَا کا واقعہ ہے کہ سفر میں جا رہے تھے اور توشہ ختم ہوگیا، بھوک لگی تو دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے تو اس سے آپ

نے کہا کہ یہ بکریاں جو چر رہی ہیں، ان سے دودھ دوہ کر مجھے دے دو، مجھے بھوک لگی ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو غلام ہوں اور میرے آقا کی یہ بکریاں ہیں، مجھے چرانے کا حکم دیا ہے اور مجھے یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ میں ان کا دودھ دوہ کر کسی کو دے سکوں؛ اس لیے نہیں دے سکتا، حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کا یہ جواب سن لینے کے بعد سوچا کہ اس کا امتحان لینا چاہیے، چنانچہ آپ نے اس سے کہا کہ دیکھو! میں تجھے ایک بات کہتا ہوں، جس میں تیرا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی اور وہ یہ کہ تو دس درہم میں مجھے ان میں سے ایک بکری بیچ دے۔ اس زمانے میں ایک بکری کی جو عام قیمت ہوتی تھی، یہ رقم اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس میں میرا فائدہ تو یہ ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ کر اپنی ضرورت پوری کروں گا اور تیرا فائدہ یہ ہے کہ تجھے دس درہم مل جائیں گے، رہا آقا تو اگر وہ پوچھے کہ بکری کا کیا ہوا؟ تو بتا دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔

## خدا ایسے احساس کا نام ہے، رہے سامنے اور دکھائی نہ دے

اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بھیڑئیے حملہ آور ہوتے تھے اور بکریوں کے ریوڑ میں سے بکریوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، یہ سن کر وہ چرواہا کہتا ہے: يَا هٰذَا! فَأَيْنَ اللهُ؟: اے اللہ کے بندے! پھر اللہ کہاں گیا؟ یعنی اللہ تو دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُمَا اس کا یہ جواب سن کر اتنے مسرور ہوئے، اتنے خوش ہوئے کہ آپ بڑی لذت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ایک چرواہا جنگل کی تنہائیوں کے اندر یہ کہہ رہا ہے: يَا هٰذَا! فَأَيْنَ اللهُ؟(۱)۔ آج اگر یہ کیفیت اور احساس ہم کو حاصل

(۱) شعب الإيمان، بَابٌ فِي الْأَمَانَاتِ وَمَا يَجِبُ مِنْ أَدَائِهَا إِلَى أَهْلِهَا، عَنْ نَافِعٍ.

ہو جائے تو کبھی اللہ کی نافرمانی ہم سے صادر نہیں ہوسکتی اور ہم پر کسی نگراں کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ ہم خود ہی اپنی ذمہ داری کو امانت سمجھ کر ادا کریں گے۔

## طلبہ کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے

اور پھر بچوں کے ساتھ بھی شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں، ان کو سزا دینے میں حد سے آگے بڑھ جانا، ان پر بے جا سختی، یہ ساری شکلیں جو ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں، ان سے بھی اپنے آپ کو دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے کسی کو نہیں مارا، نہ کسی جانور کو نہ کسی غلام کو، نہ کسی عورت کو(۲)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾

(آل عمران: ۱۵۹): اے نبی! اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان کے حق میں بڑے نرم واقع ہوئے ہیں، اگر آپ سخت دل اور بدمزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے۔ کون چھوڑ کر چلے جاتے؟ کون تھے آپ کے آس پاس؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین، حالاں کہ صحابہ تو آپ کے عاشقِ زار تھے پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے اندر سختی ہوتی تو یہ جو آپ کے ساتھ لگے لپٹے ہیں، وہ آپ کے پاس نہ رہتے۔ پھر بتایئے کہ ہم اپنے زمانے میں کیسے سختی کے ساتھ کام کر سکتے ہیں! اس لیے اس سلسلے میں انتہائی سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔

---

(۲) صحیح مسلم، باب مُبَاعَدَتِهِ -صلى الله عليه وسلم- لِلآثَامِ وَاخْتِيَارِهِ مِنَ الْمُبَاحِ أَسْهَلَهُ وَانْتِقَامِهِ لِلّٰهِ عِنْدَ انْتِهَاكِ حُرُمَاتِهِ.

## مدرس بچوں کو طعن و تشنیع کرنے سے اجتناب کرے

بہت سے لوگ پرانے زمانے کی باتیں کرتے ہیں کہ الضربُ للصبیان کالماء فی البستان کہ بغیر مار کے علم آنے والا نہیں۔ یہ ساری باتیں بھول جاؤ اور محبت سے پڑھاؤ، تبھی آپ سے بچے مانوس ہو کر علم حاصل کریں گے اور پھر بچوں کے ساتھ بولنے کے معاملے میں بھی طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں، ہمارے یہاں مکاتب میں یہ بھی ایک بہت برا سلسلہ ہے، مدرس جو چاہے بچوں کو بول دیتا ہے جن کو ان معصوم بچوں کے دل گوارا نہیں کرتے، یہ چیز بچوں کے دل میں استاذ کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے، اس کو استاذ سے دور کر دیتی ہے اور یہ چیز اس کو علم سے محروم کرتی ہے تو علم سے محرومی کا ذریعہ ہم بنے، حالاں کہ یہ بچے ہی تو ہماری دولت اور سرمایہ ہیں، اگر یہ پڑھ لیں گے تو ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنیں گے لیکن ان بچوں پر سختیاں کر کے ہم اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں؛ اس لیے اس سے بھی اپنے آپ کو بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

## حصولِ علم کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے

پھر یہ فکر بھی ضروری ہے کہ کس طرح بچے کی سمجھ میں جلد سے جلد بات آ جائے، ایسی ہر شکل کو اختیار کرے۔ آج کل تعلیمی لائن سے بھی نئے نئے تجربے ہو رہے ہیں، تحقیقات ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے نئے نئے انداز ایجاد کر رہے ہیں اور بتلا بھی رہے ہیں، اس کے لیے باقاعدہ تربیتی کیمپ لگتے ہیں، اب بعض حضرات کو جب اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو ان کی زبان سے جو جملے سنتے ہیں، وہ ناقابلِ بیان ہوتے

ہیں، کہتے ہیں: ''اتنے برس جو ہم نے مدرسے میں نکالے تو کیا گھاس کاٹی'' یہ صحیح نہیں ہے، علماء کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

## عبرت نشاں و چشم کشا

آپ دیکھیے کہ آپ کے بھروچ کے اندر ایک بڑا ڈاکٹر ہے: ماہرِ امراضِ چشم، آئی اسپیشیالسٹ (eye specialist) سارا بھروچ اس کی طرف رجوع کرتا ہے، آپ کبھی اخبار کے اندر پڑھیں گے کہ وہ اشتہار دیتا ہے کہ فلانے ڈاکٹر صاحب جو آئی اسپیشیالسٹ ہیں، مزید ٹریننگ (training) کے لیے دو مہینے کے لیے امریکہ جا رہے ہیں تو ایک تو ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے گیا اور مزید براں اخبار میں بھی دیا، وہ یہ نہیں سوچتا کہ اگر میں اخبار میں دوں گا تو لوگ میرے متعلق کیا سوچیں گے کہ اس ''بدھو'' کو کچھ آتا نہیں تھا کہ اخبار میں اس طرح کا اشتہار دے رہا ہے بلکہ اس کو اپنے لیے فخر سمجھتا ہے، عجیب معاملہ ہے کہ دنیا دار تو اس معاملے میں اتنا آگے ہیں اور ہم دین کے متوالے ہو کر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے: الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا[1]: سمجھ داری کی بات یعنی اچھی چیز مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں ملے گی، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

## شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے

بھائی! آپ کا قلم کھو گیا، آپ راستے سے جا رہے تھے اور دیکھا کہ آپ کا

---

[۱] سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ.

وہی قلم وہاں گرا ہوا ہے تو کیا آپ اس کو اٹھانے کے لیے کسی کو پوچھیں گے؟ بلکہ فوراً جھپٹ کر لے لیں گے، اگر کوئی رکاوٹ ڈالے گا تو اس سے لڑیں گے۔ آپ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ میرا ہے پھر کسی سے پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری یہ رہنمائی فرمارہے ہیں کہ اس طرح کی اچھی باتیں، عمدہ چیزیں ہماری گم شدہ پونجی ہے، جہاں کہیں نظر آئے تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، جھپٹ کر کے لے لو تو یہ پڑھنے پڑھانے کے مختلف طریقے اور انداز ہیں، ان کو بھی اختیار کرو، ہر ایک کو آزماؤ، چاہے نورانی قاعدہ والا طریقہ ہو یا کوئی اور، اس کو سیکھنے میں کتنا زمانہ لگتا ہے؟ چار، پانچ روز میں سیکھ لیں گے، ہم ان سبھی مختلف تعلیمی طریقوں کو مختصر وقت میں حاصل کر سکتے ہیں پھر آپ ان مختلف طریقوں کو اپنے بچوں کی صلاحیت دیکھ کر اس کے مطابق پڑھائیں، آپ دیکھیں کہ فلاں بچہ اس طریقے سے اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو اس کو اس طریقے سے پڑھایئے، دوسرا اس طریقے سے نہیں چل سکتا تو اس کے لیے اس کے مناسب دوسرا طریقہ اختیار کیجیے الغرض: آپ کو تو یہ شوق ہونا چاہیے کہ میں اپنے بچوں کو کسی بھی طرح پڑھاؤں لیکن آج یہ مزاج ختم ہو گیا، آج تو کہتے ہیں کہ یہ کیا مصیبت ہے، جلدی جاوے تو اچھا! ہمارا ہی مزاج اگر ایسا بن جائے گا تو کیا ہوگا!

## استاذ کے دل میں طلبہ کا درد وغم ہونا چاہیے

ہمیں ان بچوں کا خیر خواہ بننا ہے، ان کے غم میں گھلنا ہے، ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکھف): اللہ تبارک

وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت بیان فرمائی کہ اے نبی! کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایمان نہ لائیں، اس غم میں آپ اپنی جان دے بیٹھیں۔ ہم علماء نبی کے وارث ہیں تو ہمارا مزاج بھی ایسا ہونا چاہیے کہ یہ بچہ نہیں سمجھ رہا ہے، حالاں کہ اتنی کوشش کر رہا ہوں تو اس غم میں اپنی جان دے ڈالنی چاہیے اور یہاں تو اس کی کوئی پرواہی نہیں، جب تک وہ کیفیت نہیں آئے گی، اس وقت تک ہم اپنے اس فریضے کو انجام نہیں دے سکیں گے؛ اس لیے یہ کیفیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہ تو بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں بات ہوئی۔

## بحیثیت امام کے ایک عالم کی ذمہ داریاں

آپ ایک دوسرا محاذ سنبھالے ہوئے ہیں امامت کا، اس نسبت سے آپ کا تعلق عوام کے ساتھ ہے، ان عوام کی دینی رہنمائی بھی آپ کی ذمہ داری ہے، بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عالم کو، ایک امام کو ایسا مقام دیا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہے، آپ جہاں نماز پڑھا رہے ہیں، جمعہ کے دن وہاں مسجد بھری ہوئی ہوتی ہے، آپ صرف دس منٹ کی مختصر سمجھ داری والی بات کریں، ماقَلَّ و دَلَّ، کوئی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں۔ یہ جو تقریر میں ایران توران کی ہانکتے ہیں، قصے بیان کرتے ہیں، اس کی بالکل ضرورت نہیں، اس دور کے لوگ ان چیزوں کے بالکل متحمل نہیں ہیں، یہ پڑھا لکھا طبقہ آپ کے پاس نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے، آپ ایسے بے سروپا قصے بیان کریں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ مولانا کیا کہہ رہے ہیں!

## بارِخاطر بار ہوتی ہے بے جا گفتگو

پھر بعض حضرات تو اتنی لمبی تقریر کرتے ہیں کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں اور پھر اس مسجد کے مصلی دوسری مسجد میں جانے کی بات کرتے ہیں۔ آپ شہر میں رہتے ہیں جہاں کے لوگ سرکاری ملازم ہوتے ہیں، کمپنیوں میں کام کرنے والے ہوتے ہیں، ایک مختصر سا وقت لے کر نماز کے لیے آتے ہیں، ان کے سامنے آپ ایسے لمبے چوڑے بیانات کریں گے تو وہ اس کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں؛ اس لیے عالم تو وہ ہے جو ہر چیز کو دیکھے اور وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کام کرے، بس دس منٹ کی مختصر بات ہو لیکن وہ بات اتنی عمدہ ہو کہ لوگ اس سے کچھ سیکھ کر کے جائیں، آپ اس کی پہلے سے تیاری کریں اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے اس کا باقاعدہ نظام بنائیں۔

## لوگوں کو نماز وغیرہ امورِ دین سکھانے کو معیوب نہ سمجھا جائے

یہ تو جمعہ کی بات ہوئی، اس کے علاوہ روزانہ کے جو پانچ وقت کے مصلی ہیں، ان پر بھی آپ کی محنت ہونی چاہیے کہ ان کا قرآن صحیح ہے یا نہیں، ان کی نماز صحیح ہے یا نہیں۔ آپ کم از کم ہفتے میں ایک مجلس کا انتظام کریں، چاہے وہ آدھ پون گھنٹے ہی کی کیوں نہ ہو، آپ اس مجلس میں مصلیوں کو نماز کی ترتیب بتائیں کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے، نماز میں پڑھے جانے والے اذکار: تشہد درود، سورۂ فاتحہ وغیرہ سکھائیں، آج تو ان چیزوں کے سکھانے کو -**نعوذ باللہ**- اپنے درجے سے نیچے کی، کم درجے کی چیز سمجھی جاتی ہے، بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر لوگوں

کو وضو کر کے بتلاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی منگوا کر لوگوں کو وضو کر کے بتلاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کہتے ہیں: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و سلم: کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں؟ یہ اتنے بڑے بڑے حضرات جو نہ صرف بڑے عالم بلکہ اپنے وقت کے حکمران بھی ہیں، وہ تو ان چیزوں کو سکھانے کا اتنا اہتمام کرتے ہیں اور ہم نے اس کی ذمہ داری لے رکھی ہے پھر بھی اس کی طرف توجہ نہ کریں، یہ سوچنے کی چیز ہے۔

## ائمہ درسِ قرآن وحدیث قائم کرنے کا بھی اہتمام کریں

پھر جو باصلاحیت حضرات ہیں، ان کو چاہیے کہ درسِ حدیث یا درسِ قرآن کا حلقہ بھی محض اللہ کے واسطے قائم کریں؛ تاکہ لوگ قرآن سے جڑیں، حدیث سے جڑیں، آج کل تو ایسی بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن سے اس سلسلے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے اور یہ جو درسِ قرآن کا حلقہ ہوگا، یہ کوئی دو چار گھنٹے کا نہیں بلکہ آدھا گھنٹہ، بیس منٹ کا حلقہ ہفتے میں لگائیں، اسی طرح ریاض الصالحین سے یا مشکوۃ شریف سے کوئی مختصر سی حدیث لے کر نصیحت کریں، اس کے لیے بھی بہت ساری کتابیں موجود ہیں تو اس کا اہتمام وانتظام ہونا چاہیے؛ تاکہ لوگوں کو ان چیزوں کے ساتھ مناسبت ہو۔

## فرقِ باطلہ کی طرف لوگوں کے مائل ہونے کی ایک وجہ

آج گمراہ فرقے والے اس طرح کی مجلسیں باقاعدہ قائم کرتے ہیں، ان کی مجلسوں میں جب لوگ جاتے ہیں تو ہم ان کو روکتے ہیں کہ وہاں مت جاؤ، وہاں گمراہی

کی باتیں ہوتی ہیں تو ایک طرف تو ہم یہ کہتے ہیں اور دوسری طرف ہم ان لوگوں کے سامنے اس کا کوئی بدل پیش نہیں کرتے تو یہ تو ٹھیک بات نہیں پھر لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہم کو وہاں جانے سے روکتے ہیں اور خود ہمارے لیے ایسی کسی مجلس کا انتظام نہیں کرتے، اگر ہم انھیں اس کا بدل دیں گے تو لوگ خود ہی ان کو چھوڑ کر ہمارے پاس آئیں گے۔

## ہم میدانِ عمل کو کبھی خالی نہ چھوڑیں

آج کل تو انٹرنیٹ پر طرح طرح کی باتیں آتی ہیں، فرحت ہاشمی پاکستان کی ایک عورت ہے، وہ انٹرنیٹ پر قرآن کی تفسیر کرتی ہے، ہمیں کسی نے سنایا کہ سورت کے اندر کسی نے پمفلیٹ تقسیم کیے کہ اس کی تفسیر کو سننے کا اہتمام کیا جائے، حالاں کہ وہ ایک گمراہ عورت ہے۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتھم کے فتاوی میں ہے، کسی نے اس کے متعلق فتوی پوچھا تھا تو حضرت نے اس کی گمراہیوں کو واضح بھی کیا تھا لیکن یہ سب کب ہوتا ہے؟ یہ اس وقت ہوتا ہے، جب میدان خالی ہوتا ہے، ہم نے میدان کو خالی چھوڑ رکھا ہے تو ان لوگوں کو اس میں دندنانے کا موقع ملتا ہے؛ اس لیے ہم لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے ان سلسلوں کو جاری کریں۔

## عوام میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ائمہ اور علماء کی ذمہ داری ہے

اور وقت کے جو مسائل ہیں، ان کا بھی علم رکھیں، یہ جو میڈیا ہے، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا ہو، یہ موقع بموقع مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی احکام

وشعائر کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے نئے نئے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، آپ اخبارات کے اندر پڑھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند نے یہ فتوی دیا، فلانے مدرسے نے یہ فتوی دیا، اب ان کو فتاوی سے کیا لینا دینا ہے؟ لیکن ان کا مقصد لوگوں کو اسلام کی طرف سے متنفر کرنا، شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے وہ ان فتاویٰ کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں؛ تاکہ لوگ علماء سے کٹ جائیں تو ان چیزوں سے بھی آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اگر ایسی کوئی چیز آپ پڑھیں اور آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو بڑے علماء کی طرف رجوع کریں، یہاں شہر میں بڑا مدرسہ ہے: ماٹلی والا ہے، قریب میں کنتھاریہ کا مدرسہ ہے، اور بھی مدرسے ہیں تو اگر ایسی کوئی چیز اخبار میں آوے تو آپ فوراً ''۵۰'' پیسے کا کارڈ لکھ کر بھی دارالافتاء سے اس کا حل طلب کر سکتے ہیں، اس کے ساتھ جوابی کارڈ بھی رکھ دیں، ایک روپیہ لگے گا، اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور اب تو فون کر کے بھی معلوم کر سکتے ہیں تو ان سے رجوع کیجیے اور اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنے کے بعد پھر آپ اپنے منبر سے لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کیجیے۔

## باطل پرستوں کی فعالیت اور ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ

سورج گرہن ہوا تو سورج گرہن کے متعلق کئی دن پہلے سے اخبارات میں آ رہا ہے کہ فلاں روز سورج گرہن ہے، اب آپ اخبارات میں دیکھتے ہیں کہ باطل مذہب والے، ہندو مذہب والے اس کے متعلق دو چار روز پہلے سے دیتے ہیں کہ اس

دن فلاں قسم کا ''اِسنان'' کرو، یوں کرو اور یوں کرو۔ وہ تو ان غلط چیزوں کو اپنے لوگوں میں پھیلا رہے ہیں اور ان کو شرم نہیں آتی اور ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش نہ کریں تو یہ ہمارے لیے کتنی بڑی غیرت کی بات ہے؛ اس لیے اس کی فکر کریں۔

## ائمہ اور مکاتب کے خدّام تبلیغی کاموں میں بھی حصہ لیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین کی خدمت کا یہ موقع ہمیں دیا ہے تو یہاں بہت سارے میدان ہیں، ان سارے میدانوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے، اپنی جگہ پر رہتے ہوئے دعوت وتبلیغ کا کام بھی کریں۔ جو حضراتِ علماء مدارسِ عربیہ میں خدمات انجام دیتے ہیں، وہ تو اپنی جگہ پر ایسے مشغول ہیں کہ ان کو تو سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی لیکن جو حضرات مکاتب میں خدمات انجام دیتے ہیں تو دو تین گھنٹے کی تعلیم ہوتی ہے، کوئی لمبا چوڑا مطالعہ بھی کرنا نہیں ہوتا، باقی وقت فارغ ہے۔ اب فارغ وقت میں یہ صاحب اس کی دوکان پر جا کر بیٹھے ہیں، درزی کے دوکان پر جا کر بیٹھے ہیں، وہاں جا کر اخبار پڑھتے ہیں، اور یہاں محلے میں دعوت وتبلیغ کا کام ہو رہا ہے، اس میں دل چسپی نہیں لیتے، یہ غلط طریقہ ہے، یہ ہماری عالمانہ شان کے خلاف ہے، یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے، اس میں حصہ لیں، دل چسپی لیں اور خاص کر کے مقامی کام میں آپ جس قدر زیادہ تقویت پہنچا سکتے ہیں، اس سے دریغ نہ کریں، چاہیں آپ باہر نہ جائیں، ساتھیوں سے کہہ دیں کہ بھائی میں تو مقامی کام میں بھرپور حصہ لوں گا لیکن میرے اس

فرضِ منصبی کی وجہ سے میرے لیے باہر جانا ممکن نہیں؛ اس لیے آپ مجھ پر بلاوجہ زور مت دینا۔

## ہم اپنی ذات کی بھی فکر کریں

بہرحال! آپ اس مقامی کام میں خوب حصہ لیں، تعاون کریں، لوگوں کو متوجہ کریں، یہ بہت ساری چیزیں ہیں جن کی طرف آپ توجہ کریں گے تو إن شاء اللہ بڑا فائدہ پہنچے گا، آپ کی ذمہ داری بھی پوری ہوگی اور اس کے ساتھ اخیر میں ایک بات یہ عرض کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنے کے لیے اپنے معمولات کا اہتمام کریں۔ ذرا آپ اپنے دل میں سوچ لیجیے کہ روزانہ آپ قرآن کی کتنی مقدار کی تلاوت کرتے ہیں، ویسے بچوں کو تو قرآن پڑھا رہے ہیں لیکن آپ کی تلاوتِ قرآن کی روزانہ کی مقدار کتنی ہے، بڑا مجمع یہاں بیٹھا ہے، ہر ایک اپنے دل سے پوچھ لے، جو حفاظِ کرام ہیں، اگر ان سے تنہائی میں پوچھیں گے اور وہ اگر سچا جواب دیں گے تو کہیں گے کہ آدھا پارہ پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی، بعض تو وہ ہیں جو ایک رکوع بھی نہیں پڑھتے، یہ حال تو تلاوت کا ہے۔

## ہم تلاوتِ کلامِ پاک اور تسبیحات کا بھی ایک معمول بنائیں

پھر تسبیحات کی پابندی ہے: تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار اور اس کے علاوہ فضائلِ ذکر میں ایسے بہت سے کلمات ہیں جن کی فضیلت حدیث میں بتلائی گئی ہے، خود آپ نے حدیثوں کے اندر اس کو پڑھ رکھا ہے، کیا آپ صبح وشام ان تسبیحات کا

اہتمام کرتے ہیں؟ کیا یہ صرف عوام کے لیے ہے؟ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾ (الأحزاب): اہلِ ایمان کو خطاب کیا گیا ہے، کیا ہم اور آپ اہلِ ایمان نہیں ہیں؟ تو یہ بھی ہماری ذمہ داریاں ہیں تو قرآنِ پاک کی تلاوت، تسبیحات اور تہجد کی نماز ہے، ان ساری چیزوں کا اہتمام کریں، ہر ہر عالم کے لیے ضروری ہے کہ روزانہ کا اپنا نظام الاوقات بنائے، جو حافظ نہیں ہے، وہ لازم کرلیں کہ میں کم سے کم ایک پارہ کی روزانہ تلاوت کروں گا اور جو حافظ ہیں، وہ اپنے لیے یہ لازم کرلیں کہ میں کم سے کم تین پاروں کی روزانہ تلاوت کروں گا اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو زیادہ کی بھی کروں گا، بہت سے ہیں جو روزانہ ایک منزل، دس پارے، پورا قرآن بھی پڑھ لیتے ہیں، حضراتِ صحابہ میں جو حافظ تھے وہ اسی کا اہتمام کرتے تھے۔

## ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

اس کے علاوہ نمازوں کے بعد کی تسبیحات اور دعاؤں کا بھی اہتمام کریں، آج تو نمازوں کے بعد دعاؤں کا بھی اہتمام نہیں رہا کہ سلام پھیرا اور بھاگ گئے، دو منٹ کے لیے دعا کی بھی فرصت نہیں ملتی، ساری دنیا کے سامنے اپنے شکوے کرتے رہیں گے کہ میرا یہ مسئلہ ہے، بیٹا بیمار ہے، فلاں تکلیف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی، جو اللہ سے نہیں مانگتا وہ اسی طرح دردر کی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ دعا والے بنو۔

# اپنے دینی کام میں تاثیر پیدا کرنے کا نسخہ

اس کے علاوہ نوافل میں جو خاص خاص نوافل ہیں: اشراق اور چاشت کی نماز، اوابین اور صلوۃ التسبیح وغیرہ، اگر ان کی پابندی آپ سے ہو سکے تو ان کا بھی ضرور اہتمام ہونا چاہیے تو ہر عالمِ دین کے اندر ان امور کا ہونا ضروری ہے، اگر کسی عالم کے اندر یہ باتیں نہیں ہیں تو اس کے کام کے اندر جان نہیں پڑے گی، میں اور آپ اگر دینی امور میں جان پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا اہتمام ضروری ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

ہماری فکر بدل گئی، سوچ بدل گئی، آج ہم نے تن خواہ کو اپنا مقصود بنالیا، اسی لیے باقاعدہ تن خواہ میں اضافے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ تن خواہ کی زیادتی مقصود نہیں ہے، اصل تو برکت مقصود ہے، برکت کا مطلب کیا ہے؟ برکت کا مطلب ہے کہ ہماری ضرورتیں تھوڑے میں بھی پوری ہوجائیں اور بے برکتی کا مطلب یہ ہے کہ بہت کچھ ہو پھر بھی ضرورتیں پوری نہ ہوں۔ یہ اسکول کے جو ٹیچر ہوتے ہیں، ان کی کتنی تن خواہ ہوتی ہے؟ ''۱۵'' ہزار، ''۲۰'' ہزار لیکن آپ دیکھتے ہوں گے کہ جن مولویوں کے ساتھ ان کے تعلقات ہوتے ہیں تو وہ مہینے کے آخر میں مولویوں سے قرضہ مانگتے ہیں کہ مولوی صاحب! کچھ قرضہ دو! اب مولوی کی تن خواہ ہے، دو ہزار، تین ہزار اور اس کی تن خواہ ہے ''۲۰'' ہزار لیکن وہاں برکت نہیں ہے، برکت کا مطلب یہ ہے کہ کم میں ہماری ضرورتیں پوری ہوجائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارك و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [الأحزاب:۲۳] وقال تعالىٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة:٢٤]

## مجلسِ ہٰذا کے انعقاد کا مقصد

حضراتِ علمائے کرام! آج کی اس مجلس میں مَیں آپ کو کوئی نصیحت کروں، نہ میں اس کا کوئی ارادہ لے کر آیا ہوں، نہ مَیں اس کا اہل ہوں، ہمارا یہ طبقہ، ہمارا یہ گروہ، ہماری یہ جماعت آپس میں بیٹھ کر کے اپنے کام کرنے کی نوعیت، کام کرنے کے طریقوں کے بارے میں مذاکرہ کریں اور اس سلسلے میں ہماری طرف سے اگر کوئی کوتاہی اور

کمزوری ہے تو اس کا محاسبہ، اس کا احساس اور آئندہ اس کی اصلاح کے لیے کوشش، یہ ساری چیزیں حاصل کرنے کے لیے ہم آپس میں بیٹھ کر ایک مذاکرہ کریں۔ یہ مجلسِ مذاکرہ ہے، اسی نیت سے میں چند باتیں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

## دنیوی نعمتوں کی عطا میں
## اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی بندش نہیں ہے

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس عظیم نعمت سے ہمیں نوازا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا استحضار ہمیں ہر وقت رہنا چاہیے۔ وہ نعمت کیا ہے؟ تو وہ دین کی نعمت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کی نعمتیں تو ہر ایک کو عطا فرماتے ہیں، چاہے وہ اللہ کا دشمن ہو یا دوست ہو، مؤمن ہو یا کافر ہو، مخلص ہو یا منافق ہو، ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ [الإسراء:۲۰] باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہر ایک کو، چاہے وہ اہلِ ایمان ہو یا اہلِ کفر ہو، ہم ہر ایک کو نوازتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو یہ دنیا کی نعمتیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں پیدا فرمائی ہیں، اس کی کسی پر بندش نہیں ہے، ہر ایک فائدہ اٹھاتا ہے۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے باغی بندوں کو
## دنیوی نعمتوں سے زیادہ ہی نوازتے ہیں

اور دنیا کی دولت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ دوست دشمن دونوں کو عطا فرماتے ہیں

بلکہ قرآنِ پاک میں سورۂ زخرف میں ہے:﴿وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ﴾[الزخرف:۳۴] کہ:اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طرف چل پڑیں گے،ایک جیسے ہو جائیں گے،یہ کمزور ایمان والے اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے کافروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دنیا کی جو نعمتیں دی جارہی ہیں،ان کو دیکھ کر شاید یہ سوچنے لگیں کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا ملنا ان کے اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی اور عند اللہ محبوب ہونے کی علامت ہے،یہ سوچ کر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں،یہ اندیشہ نہ ہوتا تو ان کافروں کو ہم اتنا دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے مکانات کے زینے اور سیڑھیاں جس سے وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کی مسہریاں اور پلنگ جس پر وہ آرام کرتے ہیں،یہ سب سونے اور چاندی کے ہوتے لیکن ہماری ایمانی کمزوری کی وجہ سے،اس کی رعایت کرتے ہوئے ان کے ساتھ اس قدر زیادہ دادودہش کا معاملہ نہیں کیا گیا،اللہ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں۔

## دنیوی نعمتوں میں کافروں کی لوٹ پوٹ تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے

﴿لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾[ال عمران]:یہ جو اہلِ کفر ہیں،ان کا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں آنا جانا،لوٹ پوٹ ہونا تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے،مَتَاعٌ قَلِیْلٌ:بس چند

دنوں کا فائدہ اٹھانا ہے۔ دنیا کو قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اور حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی متاع فرمایا ہے۔

## متاع کی تفہیم کے لیے ایک واقعہ

''متاع'' دراصل عربی زبان میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان کے لیے فائدہ اٹھانے کے واسطے ضروری تو بہت ہوتی ہے لیکن اس کی قیمت زیادہ نہیں ہوتی، کم ہوتی ہے، اس کے بغیر کام تو نہیں چلتا لیکن وہ زیادہ قیمتی بھی نہیں۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ اِصمعی جو عربی لغت کے امام ہیں اور عربی زبان کے مشکل الفاظ اور کلمات کے معانی کی تلاش وجستجو میں وہ عرب کے دیہاتوں اور قبائلی علاقوں میں گھومتے رہتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے تین کلمات کے معانی کی تلاش تھی: (۱) ایک تو یہی لفظِ متاع (۲) دوسرا: رقیم (۳) تیسرا: تبارک۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قبائلی علاقے میں پہنچا، وہاں ایک خیمے میں ایک چار، پانچ سالہ بچہ کھڑا تھا، گھر کے لوگ نہیں تھے، کہیں گئے ہوئے تھے، وہاں ایک میلا کچیلا کپڑا پڑا ہوا تھا جو چولہے کے اوپر رکھی ہوئی پتیلی وغیرہ برتنوں کو اٹھانے، رکھنے کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔

## متاع کی حقیقت

فرماتے ہیں کہ میرے سامنے ایسا ہوا کہ ایک کتا آیا اور آ کر کے وہ کپڑا اپنے منہ میں دبا کر کے لے کر کے چلا گیا اور سامنے ایک چھوٹی پہاڑی تھی، اس پر چڑھ گیا اور

اس پر پیر پھیلا کر اس طرح بیٹھ گیا، جیسے کوئی آدمی سواری پر پیر پھیلا کر اور جم کر کے بیٹھتا ہے۔ بچہ یہ سب منظر دیکھ رہا ہے۔ اِصمعی کہتے ہیں: تھوڑی دیر کے بعد اس بچے کے ماں باپ آئے تو وہ بچہ کہنے لگا: جاء الرقیم و أخذ المتاع و تبارك الجبل، رقیم یعنی کتا، اصحابِ کہف کے کتے کے لیے رقیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو کہا کہ: کتا آیا اور اس نے وہ کپڑا اٹھالیا اور پہاڑ پر جا کر کے بیٹھ گیا۔ گویا انھیں جن تین الفاظ اور کلمات کے معانی کی تلاش اور جستجو تھی، وہ حاصل ہو گئے۔

## نہیں جہاں جائے عشرت، سنبھل ورنہ ہو گی حسرت

یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ کتے نے جو کپڑا اٹھایا تھا، وہ زیادہ قیمتی نہیں تھا لیکن ایسا ضروری تھا کہ اس کے بغیر آدمی کا گذارا نہیں ہوتا، آدمی اس کے بغیر اپنا کام نہیں چلا سکتا تو عربی زبان میں ہر وہ چیز جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہو لیکن زیادہ قیمتی نہ ہو، اس کو متاع کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو دنیا کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسی چیز بتلا رہے ہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہیں، کھانا، پینا، پہننا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر چارۂ کار نہیں لیکن وہ قیمتی نہیں ہے، ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے اندر دل کو مشغول کیا جائے اور اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے غفلت میں پڑ جائے۔

## جاننا چاہے دنیا کی حقیقت تو سن!

بہر حال! دنیا ہے تو ضرورت کی چیز، جیسے بیت الخلاء ہے، ایک ضروری چیز ہے، اس کو ''جاجرو'' کہتے ہیں، ''جاجرو'' یعنی جائے ضرور: ضرورت کی جگہ۔ کوئی بھی مکان اس

سے خالی نہیں ہوسکتا، جس گھر میں بیت الخلاء نہ ہو، وہ ایک ناقص مکان شمار ہوتا ہے تو یہ ہے ایک بہت ضرورت کی جگہ لیکن آدمی اس میں پوری زندگی گذارتا نہیں ہے، بس ضرورت پیش آتی ہے تو جاتا ہے اور جہاں ضرورت پوری ہوئی، واپس چلا آتا ہے۔ ایسے ہی یہ دنیا بھی ضرورت کی چیز ہے، اس کے بغیر آدمی زندگی نہیں گذار سکتا لیکن وہ مقصود نہیں ہے۔

## رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل!

میں یہ عرض کررہا تھا کہ باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ہمیں کفّار کے متعلق صاف فرمادیا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ کہ: یہ کافرلوگ جو اللہ کی اس زمین کے اوپر، شہروں میں آتے جاتے ہیں، بڑی بڑی خوش نُما عمارتوں میں رہتے ہیں، بہترین سے بہترین کاروں میں گھومتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی بے شمار دنیوی نعمتوں کو استعمال کررہے ہیں، ان کا یہ آنا جانا اور زمین کے اوپر ان کا گھومنا پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: مَتَاعٌ قَلِيْلٌ: بس تھوڑے زمانے تک کا فائدہ اٹھانا ہے، ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ: اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وَبِئْسَ الْمِهَادُ: اور جہنم بڑا برا ٹھکانہ ہے۔

## مختصر الفاظ میں اِک امتحاں ہے زندگی

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے اور امام عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب ہے: "**کتاب الزهد والرقائق**" اس میں بھی یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان مچھیرا مچھلی پکڑنے کے لیے گیا اور جال ڈالنے لگا۔ جب بھی جال ڈالتا ہے

تو بسم اللہ پڑھ کے ڈالتا ہے لیکن ایک بھی مچھلی نہیں آتی، وہ جال ڈالتا رہا لیکن مچھلیاں آ نہیں رہی ہیں، آخر میں جب دن ختم ہونے جا رہا تھا تو اس نے جال ڈالی، اس میں ایک مچھلی آئی، وہ جب جال کھینچ کر پکڑنے کے لیے گیا تو وہ بھی بھاگ نکلی۔ایک دوسرا مچھیرا تھا، وہ غیر مسلم، کافر تھا، وہ اپنے بُت کا نام لے کر، شیطان کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے، جب بھی جال ڈالتا ہے تو وہ جال مچھلیوں سے بھری ہوئی نکلتی ہے۔

## مؤمن کے لیے جائے راحت صرف جنت ہے

اس منظر کو دیکھ کر فرشتوں کے اندر کُہرام مچ گیا، فرشتوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! ایک وہ بندہ ہے جو آپ کا ماننے والا ہے، آپ کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے اور اس کی جال کے اندر ایک بھی مچھلی نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ گھر واپس جا رہا ہے۔دوسرا آپ کا انکار کرنے والا ہے جو بُت کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے اور اس کی جال مچھلیوں سے بھری ہوئی آتی ہے اور وہ مچھلیوں سے بھری ہوئی کشتی کے ساتھ اپنے گھر جاتا ہے! باری تعالیٰ نے فرمایا: اچھا! اِدھر آؤ۔اس کے بعد جنت میں مؤمن کا ٹھکانہ دکھلایا اور جہنم میں کافر کا ٹھکانہ دکھلایا اور فرمایا کہ دیکھو! مؤمن جب یہاں آئے گا تو دنیا کی ساری مشقتوں کو بھول جائے گا(۱)۔

## آخرت کی نعمتیں ساری دنیوی تکلیفوں کو بھلا دیں گی

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مؤمن جس نے پوری زندگی کوئی راحت نہیں، کوئی

(۱) الزهد لأحمد بن حنبل، ص: ۲۱۷، رقم: ۱۲۰۴.

سُکھ نہیں پایا، پوری زندگی تکلیفوں میں رہا، جب جنت میں پہنچے گا، ایک لمحے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ تو وہ جواب دے گا کہ میں نے تکلیف کا نام ونشان بھی نہیں دیکھا اور ایک کافر ہے جس نے زندگی میں کبھی کوئی دُکھ نہیں اٹھایا، بڑی راحت سے، بڑے عیش وآرام سے، بڑے سُکھ سے رہا، ایک ذرّہ برابر، ادنی سی تکلیف بھی اس کو نہیں پہنچی، اس کو جہنم میں ڈال کر کے ایک لمحے کے بعد پوچھا جائے گا کہ تم نے کبھی راحت محسوس کی؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے تو زندگی میں راحت کیا چیز ہے، کبھی دیکھی ہی نہیں! تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ جنت میں آئے گا تو یہاں دنیا میں اس کے اوپر جو کچھ گذرا ہے، سب بھول جائے گا۔

## دنیا کی مشقتیں عارضی ہیں

جیسے: جب ہم سفر میں جاتے ہیں نا تو ٹرین میں سوار ہوتے ہیں، خوب بھیڑ ہے، کھڑے رہنے کی بھی جگہ نہیں ہے تو اس وقت کتنی مشقت محسوس کرتے ہیں؟ بہت تکلیف ہوتی ہے، اس وقت کی ہماری حالت ناقابلِ بیان ہوتی ہے بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے لیکن جب گھر پہنچ جاتے ہیں تو گھر والوں کو بھولے سے بھی نہیں کہتے کہ آج تو گاڑی میں جگہ نہیں ملی، وہ ساری تکلیفیں ایسے بھول جاتے ہیں کہ شام کو ہمیں خود بھی یاد نہیں رہتا کہ آج جس وقت میں ٹرین کے اندر تھا، اس وقت میری یہ کیفیت تھی۔ ایسے ہی مؤمن جب آخرت میں پہنچے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں اس کو حاصل ہوگی تو اس کی یہی کیفیت ہوگی۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے برابر بھی نہیں ہے

دنیا کے مال ومتاع کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو پینے کے لیے پانی ایک گھونٹ بھی عطا نہ فرماتے (۱)۔ یہ جو دے رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں ہے، جیسے ہمارے گھر کے سامنے گوبر اور پاخانہ پڑا ہوا ہو اور ہمارا کوئی دشمن اس کو اٹھا کر لے جائے تو ہم اس کو روکیں گے؟ بلکہ خوش ہوں گے کہ سب بھر کر کے لے جاؤ، ہمارا کیا بگڑتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے؛ اس لیے دنیا کی مال و دولت کی طرف ذرّہ برابر بھی نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دین کی نعمت عطا فرمائی ہے اور دین میں بھی علمِ دین کی دولت سے نوازا ہے، یہ ایسی قیمتی دولت ہے کہ دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

## دنیوی نعمتوں کو دولتِ قرآن سے بڑھ کر سمجھنے والا ناشکرا ہے

فضائلِ قرآن میں حضرت شیخ علیہ رحمۃ اللہ نے شرحِ احیا کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا، اس کا علم، اس کے حفظ کی دولت عطا فرمائی اور پھر اس نے دنیا کے کسی اور صاحبِ نعمت کو دیکھا، جس کو دنیا کی کوئی

(۱) الترمذی، عن سهل بن سعد رضي الله تعالیٰ عنه، باب مَا جَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

نعمت دی گئی ہے: دنیا کا کوئی اونچا عہدہ اور منصب دیا گیا ہے، دنیا کی دولت: سونا چاندی ملا ہوا ہے اور جائدادیں اور دوسری کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، اس کو اپنے سے بہتر سمجھا اور بہتر سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کو جو دولت ملی ہوئی ہے، وہ مجھے ملی ہوئی دولت اور نعمت کے مقابلے میں بڑھ کر کے ہے، اچھی ہے تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کی جو اس نے قرآنِ پاک کی شکل میں عطا فرمائی ہے، ناقدری کی۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں علم کی جو دولت عطا فرمائی ہے، سب سے پہلے تو اس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے، یہ بہت اونچی دولت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

## غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت کے خمس کی تقسیم اور حضراتِ انصار کی ناراضگی

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر مسلمانوں کو بہت سارا مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، ہزاروں کی تعداد میں اونٹ، بکریاں وغیرہ حاصل ہوئی تھیں تو مالِ غنیمت کا جو خمس تھا، اس میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریش کے ان نومسلموں کو اور ساتھ میں ان لوگوں کو بھی جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، بڑی مقدار میں مال عطا فرمایا، کسی کو سو اونٹ، کسی دو سو اونٹ، کسی کو تین سو اونٹ۔ جب یہ تقسیم ہوئی تو حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کے دل پر گراں گذرا، خاص کر کے ان میں جو نوجوانوں کا طبقہ تھا۔

## مسلمانوں کی ابتدائی شکست

اس غزوے میں ابتدا میں اسلامی لشکر کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا، دشمن نے پہلے ہی سے اپنے خاص بہادروں کو کمین گاہوں کے اندر بٹھا دیا تھا، جب اسلامی لشکر کے جانے کے لیے راستہ تھوڑا سا کھلا تو معمولی سی مزاحمت ہوئی اور آگے بڑھ گئے۔ مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے، ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا۔ وہ مالِ غنیمت سمیٹنے میں پڑے ہیں کہ اچانک کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمن کے بہادر تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے، اس کی وجہ سے مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ سی مچ گئی۔

## مسلمانوں کی جوابی کاروائی اور فتحِ مبین

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے چچا ہیں، کہا انھوں نے کہا: يَا لَلأَنْصَارِ، يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ: اے انصار! حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ جب آپ زور سے آواز لگاتے تھے تو آواز اتنی بلند ہوتی تھی کہ حاملہ کے حمل گر جاتے تھے(۱)۔ جب یہ آواز مسلمانوں نے سنی تو وہ پلٹے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد بھی آئی تو مسلمانوں کو غلبہ بھی حاصل ہوا۔

## مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصاری نوجوانوں کی ناراضگی

بہر حال! اس موقع پر انصار کو خاص نام لے کر پکارا گیا تھا۔ اب جب بعد میں

(۱) المستدرك على الصحيحين، ذِكْرُ مَنَاقِبِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث: ۵۴۱۸.

مالِ غنیمت تقسیم ہوا اور مکہ کے رہنے والوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑی مقدار میں اونٹ اور دوسرا مالِ غنیمت عطا فرمایا تو انصاری نوجوانوں کی زبان پر یہ تھا کہ جب کوئی آڑا وقت آتا ہے تو ہمیں پکارا جاتا ہے، ہماری تلواریں تو کافروں کے خون کو ٹپکا رہی ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مال ان کو دے رہے ہیں۔

(مجلس میں کچھ ہلچل سی نظر محسوس ہونے پر حضرت دامت برکاتہم نے ٹوکتے ہوئے فرمایا: اِدھر اُدھر توجہ مت کرو، جو کہہ رہا ہے، اس کی طرف دھیان دو، آپ کی بے توجہی کہنے والے کے قلب پر اثر ڈالتی ہے۔ مجلس کے آداب میں سے یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی اِدھر اُدھر توجہ نہ کرے)۔

## لغو میں مشغول لوگوں کا تو ایسا انہماک اور ہماری ایسی مجرمانہ غفلت!

آپ نے تماشا دیکھا ہوگا: جب کرکٹ کا میچ چل رہا ہوتا ہے اور سڑک کے کنارے پر کھڑے رہ کر لوگ ٹی وی پر اس میچ کا منظر دیکھتے ہیں تو وہ اس میں ایسے کھوئے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کے قریب میں کوئی قیامت آجائے تب بھی ایک لمحے کے لیے اس طرف مڑ کر نہیں دیکھتے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اب جو کھیل تماشوں میں مشغول ہیں، وہ تو اتنی توجہ کریں اور ہم دین کی بات سننے والے اِدھر اُدھر دیکھیں! کوئی آتا ہے تو آوے اور جاتا ہے تو جاوے، ہمیں اِدھر اُدھر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ چیز بولنے والے کے قلب پر اثر ڈالتی ہے اور مجھے تو بہت تکلیف ہوتی ہے اور جو مضمون کہہ رہا ہوتا ہوں، اس میں بھی گڑبڑ ہو جاتی ہے؛ اس لیے آپ میری طرف توجہ

کریں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

## حضراتِ انصار کے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والہانہ تقریر

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ انصار کو ایک خیمے میں جمع کرو، اس میں انصار کے علاوہ دوسرا کوئی نہ ہو۔ سب انصار جمع ہو گئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع کی گئی کہ سب آ گئے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ کوئی اور تو نہیں ہے؟ عرض کیا: نہیں، ہاں ایک ہے جوان کا بھانجا ہے تو فرمایا کہ قوم کا بھانجا بھی ان ہی میں سے ایک ہے، اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس میں بنیادی مضمون یہ تھا کہ:

میں نے ان لوگوں کو جو ابھی نئے نئے اسلام لائے ہوئے ہیں، دل جوئی کی غرض سے دنیا کی کچھ دولت دی ہے، اس کی وجہ سے تمھارے دلوں پر اثر ہوا۔ یہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں اپنے گھروں کو لے کر کے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے کر کے جاؤ تو کیا تم اس پر راضی نہیں ہوں گے؟ انھوں نے کہا کہ حضور! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں!!

## عشق است و ہزار بدگمانی

انصار کو جو یہ برا لگا تھا تو حضراتِ شُرّاح لکھتے ہیں کہ یہ مال و دولت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اصل یہ ہے کہ ؎ عشق است و ہزار بدگمانی

کہ ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو تعلق، جو محبت اور عشق تھا تو اس کی وجہ سے جب مکہ فتح ہوا تو ان کے دلوں میں ایک خطرہ تھا، ایک موہوم اندیشہ تھا کہ آپ کے وطن کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں، دعوت الی اللہ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں اور اس کی وجہ سے آپ مجبوراً اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے۔ اب جب مکہ فتح ہو چکا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کے دوبارہ یہاں رہائش اختیار کر لیں اور جب اہلِ مکہ کے ساتھ داد و دہش کا یہ معاملہ پیش آیا تو مذکورہ اندیشے کو مزید تقویت ملی۔

## عشقِ رسول کا دل فریب نظارہ

اصل دل کے اندر کی بات تو یہ تھی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داد و دہش کو تعلق کی زیادتی پر محمول کرتے ہوئے انھوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب یہ جملہ کہا گیا تو روایتوں میں ہے کہ ان کی آنکھوں سے ایسے آنسو رواں ہوئے کہ ان کے چہرے اور ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے کہ ہم تو حضور کے اس فیصلے پر راضی ہیں، ان کو مال و دولت مل جائے اس کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہے (۱)۔

## روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا علماء سے خطاب

بہرحال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

(۱) مسند احمد، مُسْنَدُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ علماء کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ اگر تمھیں جہنم میں ڈالنا مقصود ہوتا، عذاب دینا مقصود ہوتا تو تمھارے سینوں میں اپنے دین کا علم نہ رکھتا۔ (معارف القرآن)

## پھر جو تو غالب نہیں، کچھ کسر ہے ایمان میں

یہ علمِ دین اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت کا ہمیں استحضار رہنا چاہیے۔ ہم ہر وقت اپنی زبان سے اس کے فضائل تو بیان کرتے رہتے ہیں لیکن اس پر جو یقین ہونا چاہیے، اس میں ہمارے اندر کچھ کمی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم سے بہت ساری کوتاہیاں سرزد ہو رہی ہیں۔

## یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

مزید براں اس علم کو حاصل کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دین کی خدمت کے اندر لگایا۔ آپ کے بہت ساتھی وہ بھی ہیں کوئی علم حاصل کرنے کے بعد کمانے کے واسطے سعودیہ چلا گیا، کوئی دکان لے کر بیٹھ گیا ہے، کوئی کاروبار سنبھال رہا ہے، کوئی کھیتی باڑی میں لگ گیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو دین کے علم کی خدمت کے لیے خصوصیت کے ساتھ قبول فرمایا، یہ مزید نعمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا ہمیشہ استحضار رہے کہ اے اللہ! تیرا شکر و احسان ہے، میں تو اس قابل نہیں تھا،

| | |
|---|---|
| منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت |

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان

ہے، ہمارا اللہ پر کوئی احسان نہیں ہے، اے اللہ! یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے ہمیں قبول فرمایا۔

## ہماری سوچ اور نظریے میں تبدیلی آ گئی ہے

پھر اس کو خدمت سمجھ کر ہی کرنا ہے۔ ہمارے اس زمانے میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے ہیں، ہمارے طبقے میں انحطاط بڑھتا جا رہا ہے، اس انحطاط کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے نظریے اور ہماری سوچ میں تبدیلی آ گئی۔ پہلے ہمارے طبقے کے لوگ یعنی اہلِ علم جو دین کی خدمت کرتے تھے، دین کا کام کیا کرتے تھے تو ان کی زبان پر لفظِ خدمت ہوا کرتا تھا۔ آج سے چند سال پہلے فارغین کو جب سوال کیا جاتا تھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتا تھا کہ فلاں جگہ پر خدمت کرتا ہوں اور آج پوچھتے ہیں کہ کیا کرتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ نوکری کرتا ہوں، جب کوئی مولوی لفظِ نوکری بولتا ہے تو میرے دماغ کو ہتھوڑا لگتا ہے۔

## نظریے کی اس تبدیلی نے ہمیں برباد کر دیا ہے

ہمارا نظریہ بدل گیا، ہماری فکر بدل گئی، ہم نے اس خدمت کو پیشہ ورانہ حیثیت دے دی اور نظریے کی اس تبدیلی کے نتیجے میں ہمارے اندر یہ ساری خرابیاں اور انحطاط آ رہا ہے۔ عقیدے کو دین میں اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ دین میں عقائد کا جو شعبہ ہے، وہ دین کا بنیادی شعبہ سمجھا جاتا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ آدمی اپنے دل میں جس چیز کو جمائے ہوئے ہے، اسی کے مطابق اس کی زندگی گذرتی ہے، اسی کے مطابق

وہ چلتا ہے، ہم نے اپنے دلوں میں یہ نظریہ بٹھالیا کہ نوکری کرتے ہیں تو جیسے ایک سرکاری ملازم ملازمت کرتا ہے، ہم نے بھی اپنا ذہن اسی کی طرح بنالیا کہ یہ ایک ڈیوٹی ہے۔ یہ ڈیوٹی تو ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں، عقدِ اجارہ کی وجہ سے ہم پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اس کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے لیکن اصل بنیاد یہ ہے کہ یہ خدمت ہے۔

## ہمارے یہاں خدمتِ دین پر اجرت لینا اصلاً جائز نہیں ہے

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حنفیہ کے یہاں جو ائمۂ اسلاف ہیں، حضراتِ متقدمین ہیں، ان کے نزدیک تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ تمام اصول کے اندر لکھا ہوا ہے لیکن یہ اس زمانے کے اعتبار سے ہے کہ جو لوگ تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، اسلامی حکومت تھی، بیت المال کا نظام درست تھا اور اس کے جو ذمہ دار حضرات تھے، وہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بیت المال سے مال کو خرچ کرتے تھے تو اس وقت جو لوگ تعلیمِ قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہوتے تھے، ان کی ضرورتوں کو بیت المال ہی سے پورا کیا جاتا تھا، اس میں ایک شعبہ مستقل تھا جس میں دینی خدمت انجام دینے والوں کے وظیفے مقرر کیے جاتے تھے، ان کو اتنا دیا جاتا تھا جس سے ان کی اور ان کے متعلقین کی ضرورتیں پوری ہوجاتی تھیں۔

## جب حکومتیں خُدّامِ دین کی پرسانِ حال نہیں رہیں

بعد میں جب اسلامی سلطنت کے اندر زوال آیا اور بادشاہوں اور سلاطین

نے بیت المال کو اپنا ذاتی مال سمجھ کر کے اس کے اندر تصرف کرنا شروع کیا اور شریعت نے بیت المال کے جو مصارف مقرر کیے تھے، اس کے مطابق خرچ نہیں کرتے تھے تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جو تعلیمِ قرآن اور دین کے دوسرے شعبوں میں لگے ہوئے حضرات ہوتے تھے، ان کے لیے جو وظائف مقرر ہوتے تھے، اس کے اندر کمی آ گئی تو ان حضرات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں رہا۔

## تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا اس لیے جائز ہے

اب یہ حضرات تو دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کے پاس اپنا ذاتی مال ہے تو ٹھیک ہے اور اگر ذاتی مال نہیں ہے تو ایک طرف تو ان کو تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دینا ہے اور دوسری طرف اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس کے اندر لگوں گا تو میں اور میرے گھر والے بھوکے مر جائیں گے تو وہ دین کا کام چھوڑ کر کے اپنی معاش کی فکر کے اندر لگ جائے گا تو پھر متأخرین مشائخِ حنفیہ نے تعلیمِ قرآن کے اوپر اجرت لینے کی اجازت دی۔

## رکھو رفاہِ قوم پر اپنا مدار تم

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود ہمیں متقدمین اور متأخرین دونوں کے مذہب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے اور وہ درمیانی راستہ یہ ہے کہ جو دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، وہ تو یوں سمجھیں کہ ہم خدمت کر رہے ہیں، کوئی ملازمت اور نوکری نہیں ہے، یہ ہماری ذمہ

داری ہے، ہمارا فریضۂ منصبی ہے تو اس کام کو اپنا فرضِ منصبی اور خدمت سمجھ کر کے انجام دینا ہے اور جن کے بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دینی تعلیم دے رہے ہیں، وہ یوں سمجھیں کہ ہمارے بچوں کو یہ حضرات دینی تعلیم دیتے ہیں، اگر ان کی ضرورتوں کا خیال نہیں کیا جائے گا تو وہ اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یہ کام چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائیں گے تو جب انھوں نے ہمارے بچوں کی تعلیم کے اندر اپنا وقت لگا دیا ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی ضرورتوں کا خیال کریں؛ اس لیے ان کو تن خواہ دیں۔ وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم تن خواہ دے رہے ہیں بلکہ وہ یوں سمجھیں کہ یہ ہماری دینی خدمت کر رہے ہیں تو ہم ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اگر یہ ذہن ہوگا، یہ سوچ اور فکر ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ وہ ان کو اپنا غلام سمجھیں گے اور نہ یہ خود کو ان کا نوکر سمجھیں گے بلکہ اپنا ذمہ سمجھ کر کے، اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر کے اپنا کام کرتے رہیں گے۔

## دینی کام کو خدمت اور ملازمت سمجھنے والے میں فرق کرنے والی ایک علامت

ہمارے حضراتِ اکابر کا یہی نظریہ اور سوچ تھی کہ وہ اس کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے کہ ہم خالص دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ جس جگہ پر کام کر رہے ہیں، وہاں کام کی ضرورت ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں یہاں سے ہٹوں گا تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، بچوں کی تعلیم و تربیت ختم ہو جائے گی اور اس بستی کا جو ایک دینی مزاج بنتا جا رہا ہے، وہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

یہاں تنگی وترشی کے ساتھ اس کی ضرورتیں پوری ہورہی ہیں۔ اب اس کو کسی دوسری جگہ سے پیش کش کی گئی کہ آپ کو یہاں پر دو ہزار تن خواہ ملتی ہے تو ہم آپ کو ڈھائی ہزار دیں گے۔ یہ پانچ سو روپے زیادہ دیکھے تو اس کی وجہ سے یہ جگہ چھوڑ کر کے وہاں جا رہا ہے۔ حالاں کہ یہ جانتا ہے کہ دینی اعتبار سے ضرورت یہاں زیادہ ہے جہاں میں کام کر رہا ہوں اور جہاں میں جا رہا ہوں، وہاں بھی ضرورت ہے لیکن وہاں میرے جانے کی وجہ سے کوئی زیادہ فرق آنے والا نہیں ہے، اگر اس جگہ کو میں چھوڑ کر جاؤں گا تو اس جگہ کام کو سنبھالنے والا فی الحال دوسرا کوئی ہے نہیں، اندیشہ ہے کہ یہ جو سارا نظام بنا بنایا ہے: نمازوں کا، مدرسے کے اندر بچوں کی تعلیم وتربیت کا، وہ سب ختم ہو جائے گا، اس کے باوجود وہ پانچ سو دیکھ کر کے اس جگہ کو چھوڑ کر کے جاوے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے پیشِ نظر دنیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے یہ علامت بتلائی ہے۔ وہ تو یہ کہے کہ چاہے مجھے یہاں پانچ سو کم مل رہے ہیں لیکن میں تو یہیں خدمت کروں گا۔

## حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو ایک پر کشش پیش کش اور آپ کا انکار

ہمارے بزرگوں کا حال یہی تھا۔ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کا واقعہ آپ بیتی میں لکھا ہوا ہے کہ فراغت کے بعد آپ کو مظاہر میں آپ کے علمی مقام کے مطابق ''۱۵'' روپے ماہانہ تن خواہ پر رکھا گیا تھا۔ اسی زمانے میں حیدرآباد کے اندر ضرورت تھی تو وہاں سے پیش کش کی گئی کہ آپ یہاں آجائیں، آپ کو ماہانہ چھ سو روپے تن خواہ اور بنگلہ، گاڑی سب کچھ دیا جائے گا! کہاں پندرہ روپے اور کہاں چھ سو روپے

اس زمانے میں!!اور پھر ساری سہولتیں بھی ہیں لیکن حضرت علیہ الرحمۃ نے انکار فرما دیا۔

ہمارے اکابر کے اور بھی ایسے بے شمار واقعات ہیں۔ یہ حضرات ایسا کیوں کرتے تھے، کیوں لات مارتے تھے؟ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہاں جو کام کیا جارہا ہے، وہاں ویسا کام نہیں ہو سکے گا۔

## بڑوں کے مشورے سے دینی کام انجام دینے کا مزاج بنایئے

آج ہمارے زمانے میں ہمارے طبقے کے اندر ایک اور کمی بھی آئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اپنے بڑوں کے حوالے نہیں کیا۔ ہمارے اکابر کا ایک مزاج تھا کہ فارغ ہوئے تو فراغت کے بعد کہاں خدمت کرنا ہے؟ وہ ازخود فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے بڑے جہاں خدمت کرنے کا مشورہ دیتے تھے، وہاں جاتے اور کام میں لگ جاتے تھے۔ وہ اپنے بڑوں کے حکم سے خدمت انجام دینے کے لیے جایا کرتے تھے اور جہاں بھیجا، بس وہیں کے ہو رہے۔

## حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ کے والد صاحب کا واقعہ

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن نور اللہ مرقدہ اپنے والدِ بزرگ وار کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ حضرت کے والد حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے ساتھی تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو ''نہٹور'' جو ضلع بجنور کے اندر ایک قصبہ ہے، وہاں بھیجا تھا۔ پوری زندگی وہیں گذار دی۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب والدِ بزرگ وار بڈھے ہو گئے تو میں مظاہر علوم سہارنپور میں تھا،

میں نے والد صاحب کو خط لکھا کہ اب آپ بڑھے ہو گئے ہیں، آپ کے لیے وہاں کی رہائش میں دشواری ہے، آپ یہاں گنگوہ تشریف لے آئیں اور یہاں آ کر کے آپ قیام کریں۔ جواب میں والد صاحب نے لکھا کہ میرے اوپر کچھ قرضہ ہے، جب تک کہ وہ ادا نہ ہو جائے، میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔

## اساتذہ اور مشائخ کے حکم پر مر مٹنے والے

حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کے ایک دو مہینے کے بعد وقت نکال کر میں وہاں گیا اور والد صاحب سے کہا کہ آپ کا جو قرضہ ہے، اس کی فہرست آپ مجھے دے دیجیے، آپ کے سامنے میں اس کو ادا کر دیتا ہوں۔ قرضہ تو کچھ زیادہ نہیں تھا، دو چار آنے مختلف لوگوں کے تھے، یہ تو بہانے کے طور پر لکھا تھا۔ پھر کہا کہ یہاں کچھ بچے ہیں جو مجھ سے پڑھ لیتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہاں بھی کچھ بچے آپ کے حوالے کر دئے جائیں گے، ان کو آپ پڑھا لیا کرنا۔ جب کوئی جواب نہیں رہا تو فرمایا کہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ کل کو میدانِ حشر میں وہ پوچھیں گے کہ میں نے تم کو وہاں بھیجا تھا، تم نے اس جگہ کو کیوں چھوڑا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بس! اس کے جواب میں مَیں کچھ نہیں بولا۔ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا انتقال وہیں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

## بڑوں کے مشورے سے کام کرنے میں خیر و برکت ہوتی ہے

ہمارے پرانے بزرگوں کا مزاج یہی تھا کہ اپنے بڑوں پر سب کچھ چھوڑ

دیتے تھے، ہمارے بڑے اگر ہمارے لیے تجویز کرتے ہیں کہ آپ کو فلاں جگہ جانا ہے، ان کے سامنے سارے حالات ہیں۔ ہم جو کام کر رہے ہیں، وہ بھی وہ دیکھ رہے ہیں، جہاں وہ بھیج رہے ہیں، وہاں کا حال بھی ان کو معلوم ہے اور وہ کہیں۔ ہمارا جی نہیں، ہمارا اپنا فیصلہ نہیں بلکہ وہ فیصلہ کر کے بھیج رہے ہیں تو إن شاء اللہ تعالیٰ اس میں خیر اور بھلائی ہوگی پھر وہ جو حکم دیں، اس کی تعمیل کرنی ہے، اگر وہ حکم دیں کہ آپ کو انگلینڈ جانا ہے تو جائیں گے، وہ جہاں کہیں گے، جائیں گے۔

## بڑوں کے مشورے کے بغیر بیرون ملک جانے والوں کی دینی بدحالی

یہاں تو ابھی ہم فارغ ہوئے نہیں کہ انگلینڈ جانے کے لیے تیاریاں کر لیتے ہیں کہ کس طرح ہمیں وہاں جانے کا موقع مل جائے، کوئی ذرا سا اشارہ دے دے تو فوراً گھر بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ ابھی تو جانے کا موقع مل رہا ہے، گھر کا معاملہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس طرح جو انگلینڈ جائیں گے، افریقہ جائیں گے تو کیا ان کے دل میں دین کی خدمت کا جذبہ کارفرما ہوگا؟ اگر یہی مقصد تھا تو دین کی خدمت جو یہاں ہو رہی ہے، وہ وہاں کہاں ہو رہی ہے؟ اسی وجہ سے بڑے بڑے صاحبِ صلاحیت علماء جو یہاں سے گئے، ان کی ساری صلاحیتیں بے کار پڑی ہوئی ہیں، ان سے دین کا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے، فتنوں میں مبتلا ہیں۔

ہاں جن لوگوں کو ان کے بڑوں نے اپنے حکم سے بھیجا، ان کے فیصلے سے گئے، وہ اپنی مرضی سے نہیں گئے، ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ دین کا کام لے رہے ہیں:

اس لیے بڑوں کے حکم اور مشورے سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

## بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد!

ایک بات یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو بڑوں کے حوالے کیا جائے، اپنی اصلاح کی فکر کی جائے۔ ہم فارغ ہو کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ کسی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے اندر بہت ساری کمزوریاں ہیں، آدمی جب تک زندہ ہے، اپنے آپ کو شیطان اور نفس کے مکائد سے محفوظ نہیں سمجھ سکتا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی بڑے کا سایہ، کسی کی سرپرستی ہو۔

## نہیں دی جس نے اپنے نفسِ امّارہ کی قربانی.......

ہمارے یہاں کبھی اس طرح کا معاملہ انتظامیہ کے ساتھ، گاؤں کے متولی کے ساتھ، گاؤں کے کسی آدمی کے ساتھ پیش آجاتا ہے تو رات کے رات استعفاء دے کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ نہیں، یہیں تو نفس کو موقع مل رہا ہے آپ جہاں کام کر رہے ہیں، کام ہو رہا ہے؛ اسی لیے بعد میں لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب بہت اچھا کام کرتے تھے، ذرا سی بات پیش آئی اور چھوڑ کے چلے گئے۔ اب یہ مولوی صاحب تو ایسے غصّے میں ہیں کہ سننے کے لیے تیار نہیں۔ ایسے موقع پر ہمارا اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہے، ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، اس کے سامنے حالات رکھے جائیں اور کہیں کہ یہ صورتِ حال ہے۔ وہ اگر آپ کو کہیں کہ ٹھیک ہے، آپ جائیے، کام کیجیے تو پھر آپ وہیں جائیے، چاہے آپ کی طبیعت کے خلاف ہے، آپ کی طبیعت نہیں چاہتی، اس کے

باوجود وہیں پڑے رہیے، اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے دین کا کام لے گا۔

## حالات کو بیان کرنے میں خیانت

پھر حالات بتلانے میں بھی پوری دیانت سے کام لینا ہے، یہ بھی ہمارے اندر ایک کمزوری ہے۔ جو لوگ بزرگوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ان سے بیعت ہیں تو وہ بھی مولوی ہیں نا تو مولوی ہونے کی وجہ سے وہ کیا کرتے ہیں، معلوم ہے؟ ان کے سامنے حالات بیان کرنے میں بھی خیانت سے کام لیتے ہیں، پورا معاملہ بیان نہیں کرتے، جو بات ہوتی ہے، اس میں ہماری طرف سے کیا ہوا؟ اس کو بیان نہیں کیا جاتا یا انتہائی مبہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔

## مشورے میں بھی دنیاداری کی آمیزش

باہر جانے کی بات آئی ہے تو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ایک طرف تو دنیا کو یہ بتلانا ہے کہ یہ تو حضرت سے منسلک ہیں، یہ تو ان کے مشورے کے بغیر کچھ کرتے ہی نہیں ہیں اور دنیا والوں پر یہ بھی رعب ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں تو ان کے مشورے سے ہی کام کرتا ہوں، میں تو ان کے مشورے کے بغیر پاخانہ بھی نہیں کرتا، اب ان دنیا والوں کو بھی بتانا ہے تو وہاں جب حالات پیش کریں گے تو وہ مولوی ہے؛ اس لیے جانتا ہے کہ میں اس طرح حالات پیش کروں گا تو مجھے یہی مشورہ ملے گا۔

چھوٹے بچے ہوتے ہیں نا، وہ جب مہتمم صاحب کے پاس چھٹی لینے کے لیے جائیں گے تو کیسا بہانہ گھڑ کے جاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ بہانہ کروں گا تو ہی چھٹی

ملے گی تو پہلے سے اس کی تیاری کر کے جاتے ہیں اسی طرح ہم لوگ جب اپنے بڑوں سے مشورہ چاہتے ہیں تو اس میں ہمارا یہی دماغ کام کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ بزرگوں کا مشورہ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ مشورہ تو یہ تھا کہ پوری امانت اور دیانت کے ساتھ پورے حالات بیان کر دئے جاتے، اپنی کمزوری اور کوتاہی بھی بتا دیتے اس کے بعد جو مشورہ دیا جاتا، اس پر عمل کیا جاتا، تب تو یہ صحیح ہے۔

## حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ سے ایک صاحب کا مشورہ طلب کرنا

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے ایک صاحب نے مشورہ چاہا، وہ ایک جگہ دین کی خدمت انجام دے رہے تھے، انھوں نے استعفاء دیا تھا اور ان کو باہر جانا تھا۔ اب جب استعفاء دیا تھا تو حضرت سے مشورہ نہیں لیا تھا تو حضرت نے ان کو یہی مشورہ دیا اور پھر فرمایا کہ وہ یہی چاہتے تھے کہ میں ان کو یہی مشورہ دوں یعنی انھوں نے ایسے انداز میں اپنے حالات میرے سامنے رکھے۔

آپ ہمارے اسلاف کی سوانح پڑھئے۔ وہ معمولی معمولی باتوں میں بھی اپنے بڑوں کا مشورہ لیتے تھے اور ان کے حکم سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے۔

## جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی مشکل سوا ہوتی ہے

دین کی اس راہ میں خدمت انجام دینے کے دوران بڑے حالات آتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً الأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ کہ: سب سے زیادہ آزمائش حضراتِ انبیاء کی ہوتی ہے پھر جو زیادہ ان کے مشابہ ہوگا،

ان کی راہ پر چلنے والا ہوگا، اسی مناسبت سے اس کی آزمائش ہوگی

| | | |
|---|---|---|
| جن کے رتبے ہیں سوا | | ان کی مشکل سوا ہوتی ہے |

جو جتنا بڑا ہوتا ہے، اتنی ہی اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے، ہم بھی دین کی راہ میں لگے ہوئے ہیں، کام کررہے ہیں تو جو حالات ہمارے اسلاف کے اوپر آئے، وہ ہم پر آنے ہی آنے ہیں۔

## تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عُقاب!

حضرت قاری صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے، برطانیہ کے دورے میں وہاں کے مرکز ڈیوز بری میں طلبہ کے سامنے بیان کیا اور فرمایا کہ بھائی! دیکھو! جس راستے سے ہمارے اکابر گذرے ہیں، ہم وہی راستہ چل رہے ہیں؛ اس لیے جو حالات ان پر آئے، جن پریشانیوں سے ان کو دوچار ہونا پڑا، جو تکلیفیں انھوں نے اٹھائیں، جن آزمائشوں سے وہ گذرے، ان ہی سے ہمیں بھی گذرنا ہے۔

## ہمارے اکابر کو پہنچنے والے حالات ہمیں بھی پہنچنے ہی چاہئیں

حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ جانے کے لیے ٹرین میں سفر کرتا ہے، جیسے آپ بمبئی جانے کے لیے بھروچ سے ٹرین میں بیٹھے تو ٹرین میں بیٹھنے کے بعد جب وہ چلے گی اور اسٹیشن آئے گا تو آپ دیکھیں گے کہ کون سا آیا، دیکھا کہ انکلیشور آیا تو آپ کو اطمینان ہوگا کہ ہاں! ہم صحیح ٹرین کے اندر سفر کررہے ہیں اور اگر دیکھا کہ پالیج آیا تو آپ کہیں گے کہ یہ تو اس راستے کا اسٹیشن

نہیں ہے، میں تو کسی دوسری ہی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

## راہِ حق کے مسافر تھک کر بیٹھا نہیں کرتے

تو ہم اس راہ پر چل رہے ہیں، اس میں جو حالات ہمارے بڑوں کو آئے، جن مصائب کا وہ شکار ہوئے، جیسی تکلیفیں انھوں نے اٹھائیں، ہم پر بھی اگر وہی تکلیفیں آرہی ہیں تو یہ فکر کرنے کی بات نہیں ہے بلکہ خوش ہونے کی بات ہے کہ ہاں! ہم صحیح راستے پر چل رہے ہیں۔ ان حالات کے آنے سے بددل نہیں ہونا ہے، مایوس نہیں ہونا ہے، ہمت نہیں ہارنا ہے بلکہ خوش ہونا ہے اور ایسے حالات میں ان حضرات نے جو طریقہ اختیار کیا، ہمیں بھی اسی طریقے کو اختیار کرنا ہے۔

## اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل

ہماری فکر بدل گئی، سوچ بدل گئی، آج ہم نے تن خواہ کو اپنا مقصود بنالیا، اسی لیے باقاعدہ تن خواہ میں اضافے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ تن خواہ کی زیادتی مقصود نہیں ہے، اصل تو برکت مقصود ہے، برکت کا مطلب کیا ہے؟ برکت کا مطلب ہے کہ ہماری ضرورتیں تھوڑے میں بھی پوری ہوجائیں اور بے برکتی کا مطلب یہ ہے کہ بہت کچھ ہو پھر بھی ضرورتیں پوری نہ ہوں۔ یہ اسکول کے جو ٹیچر ہوتے ہیں، ان کی کتنی تن خواہ ہوتی ہے؟ ''۱۵'' ہزار، ''۲۰'' ہزار لیکن آپ دیکھتے ہوں گے کہ جن مولویوں کے ساتھ ان کے تعلقات ہوتے ہیں تو وہ مہینے کے آخر میں مولویوں سے قرضہ مانگتے ہیں کہ مولوی صاحب! کچھ قرضہ دو! اب

مولوی کی تن خواہ ہے، دو ہزار، تین ہزار اور اس کی تن خواہ ہے ''۲۰'' ہزار لیکن وہاں برکت نہیں ہے، برکت کا مطلب یہ ہے کہ کم میں ہماری ضرورتیں پوری ہوجائیں۔

## برکت اصل چیز ہے

آپ کی تن خواہ پانچ ہزار ہوگئی لیکن ابھی تن خواہ لیں اس سے پہلے ہی آپ کا بچہ بیمار ہوگیا، ہسپتال جانا پڑا، دو ہزار اس میں خرچ ہوگئے، بیوی بیمار ہوگئی، ایک ہزار اس میں چلے گئے، کوئی اور آفت آگئی، اس میں ایک ہزار چلے گئے تو آخر میں تو ایک ہی ہزار رہ گئے جو اصل تن خواہ سے بھی کم ہیں، اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

## اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بہت سارے رمضان گذارنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سعادت عطا فرمائی۔ حضرت کے یہاں مغرب کی نماز کے بعد مجلس ہوتی تھی تو ہم لوگ آگے جگہ ملے اس غرض سے کھانا بھی نہیں کھاتے تھے بلکہ نماز کے بعد آگے جاکے بیٹھ جاتے تھے؛ تاکہ حضرت کی زیارت ہو۔ کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنے کی حضرت کی عادت نہیں تھی۔ حضرت بعض مرتبہ یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو۔

## اُدھر تو در نہ کھولے گا، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

ہم اور آپ حدیث کی کتابیں پڑھ کر آئے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں محدثین احادیث کے لیے مختلف عنوانات قائم کرتے ہیں، ان میں ایک عنوان ہے

کتاب الرقاق کا یعنی نبیٔ کریم ﷺ کے وہ ارشادات جن کو سن کر کے دل میں نرمی آوے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! دیکھو، کوئی کتا آپ کے گھر کے دروازے پہ آ کر کے پڑ جائے، آپ اس کو مار کر بھگاویں تو بھی وہ جاتا نہیں ہے، آپ تو اس کو بھگا بھگا کر تھک گئے لیکن وہ نہیں مانتا، پڑا ہوا ہے۔ اب کوئی اجنبی آتا ہے تو وہ اس کو بھونک کر کے دور کر دیتا ہے اور آپ کے کہے بغیر آپ کے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو جب آپ کھانے کے لیے بیٹھیں گے تو آپ کی غیرت گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کتا بھوکا رہے، ایک ٹکڑا آپ اس کے سامنے بھی ڈال دیں گے۔

## اسی پہ رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

تو ہم جو حد درجہ محتاج ہیں، ایک کتے کو اس لیے بھوکا رکھنا گوارا نہیں کرتے کہ اگرچہ نہیں کہا ہے، وہ خود ہمارے گھر کی حفاظت کر رہا ہے تو اگر آپ اللہ کے دین کی حفاظت کر رہے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو ساری دنیا کے خزانوں کا مالک ہے اور ساری دنیا کو روزی دیتا ہے بھلا وہ ہمیں محروم رکھے گا؟؟ ہاں آزمائش ہوتی ہے، اخلاص کے ساتھ اگر ہم اللہ کے دین کا کام انجام دیں گے تو اصل تو دل کا خلوص ہے، یہ ظاہری دولت یا ظاہری عیش وآرام مقصود نہیں ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے ضروری امور

ہماری جو دوسری کمی ہے، میں خصوصی طور پر اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت زیادہ سے زیادہ پیدا ہو، تعلق مع اللہ

حاصل ہو، اس کے لیے ہمیں کچھ اسباب اختیار کرنے پڑیں گے: اہل اللہ کی صحبت، ذکر اللہ کی کثرت، طاعات کا اہتمام، معاصی سے اجتناب۔ ویسے دنیا دار لوگ جن گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ہم ان میں مبتلا نہیں ہوتے لیکن ہمارا طبقہ جن کمزوریوں کا شکار ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

## سب چھوڑ خیالات، بس اِک یادِ خدا کر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جو پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ ان کو پوچھا جائے کہ آپ نے مہینے میں کتنا قرآن پڑھا؟ ان کے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھیں گے کہ پورے مہینے میں ایک پارے کی بھی تلاوت کی؟ نہیں! حالاں کہ ہم تو اہلِ علم ہیں، ہمیں تو قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تسبیحات کا بھی ہمیں اہتمام کرنا چاہیے: تیسرا کلمہ ہے، درود شریف ہے، استغفار ہے، ان چیزوں کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے ہمارے ''۲۴'' گھنٹوں میں سے ایک دو گھنٹے فارغ کیجیے۔

## فارغ اوقات میں ہماری فضول مشغولیات

اہلِ علم کا جو طبقہ دیہاتوں میں کام کرتا ہے، مکتب کی پڑھائی دو، تین گھنٹے کی ہوتی ہے تو وہاں کسی کی دوکان پر جا کر کے بیٹھ جاتے ہیں، ہوٹلوں میں جا کر کے بیٹھ گئے، وہیں دکانوں کے پاس سے ہماری ماں، بہنیں گذرتی ہیں، وہاں جیسے دوسرے

جاہل لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ہم بھی ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ لوگ باقاعدہ اس پر اعتراضات کرتے ہیں کہ یہ اہلِ علم ہوکر ایسی فضولیات میں مشغول ہیں۔

## ہم لوگوں کو اہلِ علم پر اعتراض کا موقع نہ دیں

ایک مرتبہ ایک صاحب کا خط آیا، بڑا سخت تھا کہ ہمارے یہاں ایک تو پردے کا رواج نہیں ہے اور لوگ باہر دکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور بیٹھنے والوں میں اہلِ علم کا طبقہ بھی بڑی تعداد میں ہوتا ہے، ان کو کوئی کہنے والا نہیں ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ خیر! اس طرح لکھنے والے تو لکھتے رہتے ہیں لیکن بہر حال! یہ ہماری بھی کوتاہی ہے؛ اس لیے ہمارے مفتی حفظ الرحمٰن نے ایک مضمون اس سلسلے میں لکھا تھا، اس کو گجراتی میں ہم نے بڑے اہتمام سے شائع کروایا کہ اس طرح راستوں پر بیٹھنا شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس کے اندر کیا قباحتیں ہیں؟

## ہم اپنے مقام اور منصب کو مدِّ نظر رکھیں

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اہلِ علم طبقہ ہے، ان کو تو ہر کس و ناکس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے، اس طبقے کے مقام کا لحاظ کرتے ہوئے یہ حکم ہے۔ ہمیں اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے اپنے وقار کو، اپنے منصب کو، اپنے مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا ایک نظام بنانا چاہیے: اپنا اخلاقی نظام، اپنی عبادات کا نظام، اپنے معاملات کا نظام۔ ہمارے معاملات بھی درست ہونے چاہئیں۔

## ہم لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات درست رکھیں

پڑھنے کے زمانے میں خرچ کی عادت پڑگئی، قرض لینے کی عادت پڑگئی، اب پڑھانے کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب قرضہ بہت بڑھ گیا اور ادا کرنے کی طاقت نہیں رہی تو اس جگہ کو ہی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ شکایتیں بھی آتی ہیں۔ یہ ہماری کمزوری ہے، حالاں کہ اس طرح جگہ چھوڑ کر چلے جانے کی وجہ سے ہماری ذمہ داری تو ختم نہیں ہو جاتی؟

## جس جا پے تیرا ذکر ہو، ہو ذکرِ خیر ہی

ہمیں اپنے ''۲۴'' گھنٹے کا نظام بنانے کی ضرورت ہے: پڑھانے کا سلسلہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ نمازوں کا اہتمام ہو، سنتوں کا اہتمام ہو، لباس میں، چال ڈھال میں، ہر چیز میں سنت کا اہتمام ہو ہم اگر سنت کا اہتمام نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ ہمیں تو لوگوں کے لیے نمونہ پیش کرنا ہے۔ آپ جس دیہات میں رہتے ہیں، وہاں کے رہنے والے آپ کے ہر قول و فعل کو، آپ کی ہر حرکت و سکون کو شریعت سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی کے علاوہ کسی کا قول و فعل شریعت میں حجت نہیں ہے لیکن بہر حال! یہ بے چارے تو ناواقف ہیں، وہ تو دین کو نہیں جانتے، وہ تو آپ کی حرکت و سکون ہی کو دین سمجھتے ہیں۔

## افسوس! اپنے منصب سے تو کتنا گر گیا

اب آپ گاؤں میں لوگوں کے گھروں میں ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہیں،

گاؤں میں کرکٹ کا سلسلہ اور راؤنڈ چلتا ہے، وہاں میدان میں جا کر کے آپ اس کا افتتاح کرتے ہیں، باقاعدہ اجلاس کرتے ہیں پھر لوگ فتوی پوچھتے ہیں کہ وہاں اجلاس ہوا، امام صاحب نے قرأت کی، دعا ہوئی۔ اس کے بعد راؤنڈ شروع ہوا۔ ہم گراؤنڈ کے اوپر دیکھتے ہیں کہ اس گراؤنڈ اور راؤنڈ کی زینت کون ہیں؟ طلبہ اور علماء! یہ اگر نہ ہوں تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ ہماری کمزوریاں ہیں، ان کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

## ہماری پستی کی انتہا

آج ہم اس کرکٹ کے متعلق کچھ بولتے ہیں نا تو بہت سے علماء کے دل بغض سے بھر جاتے ہیں۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ نے کرکٹ کے متعلق ایسا کہا تو لوگ آپ کو گالیاں دے رہے تھے۔ چاہے گالیاں دیتے رہیں لیکن جو حقیقت ہے، وہ تو بیان کرنی پڑے گی۔ اسی نے ہماری دین داری کا ستیاناس کر دیا، اسی نے ہمارے اہلِ علم طبقے کو تباہ کر کے رکھ دیا، کرکٹ کے شوق نے ہمیں دین سے بہت دور کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس سے بچیں۔ علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتوی دے دیا ہے، کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ سلسلہ چل رہا ہے، کوئی بھی اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، طلبہ بھی نہیں اور بہت سے اساتذہ بھی نہیں۔

## ہمیں بننا مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ، مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ چاہیے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنے مکتب کا وقت ختم ہونے کے بعد آپ کے پاس

بہت سارا وقت رہتا ہے، اس میں سے ڈیڑھ دو گھنٹے معمولات کی ادائگی کے لیے ہونے چاہئیں، قرآنِ پاک کی تلاوت کے لیے، تسبیحات کے لیے، دعاؤں کے لیے اتنا وقت تو آپ فارغ کریں۔ آپ قوم کے مقتدا ہیں، دین کے رہنما ہیں۔ آپ کے دل کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ہوگی تو آپ کی بات لوگوں کے دل پر اثر کرے گی اور آپ کا عمل لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ وہ ہیں جو مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ، مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ ہوتے ہیں، خیر کی چابیاں ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ سے خیر کے دروازے کھلتے ہیں اور برائی کا تالا ہوتے ہیں یعنی ان کی وجہ سے برائیاں ختم ہوتی ہیں۔ اور بعضوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ مِفْتَاحًا لِلشَّرِّ، مِغْلَاقًا لِلْخَيْرِ ہوتے ہیں (۱)۔ ضرورت ہے کہ ہماری ذات مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ ہو، ہم اپنے اعمال کو درست کرنے کا اہتمام کریں۔

یہ خانقاہی سلسلہ جو یہاں بھی جاری ہے اور دوسری جگہوں پر بھی جاری ہے تو اہل اللہ سے تعلق قائم کر کے اپنا ایک نظام بنائیں اور فارغ اوقات میں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

## ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

ساتھ میں کتابوں کا مطالعہ بھی کریں۔ ہم تو اخباروں میں اپنے آپ کو مشغول کر دیتے ہیں۔ ان اخباروں میں روزانہ یا دو چار دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہوتی

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَنْ كَانَ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ.

ہے جو مسلمانوں کے دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا کرتی ہے۔ یہ جان بوجھ کر ہوتا ہے۔ اس وقت کا پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا، یہ سب اسی فکر اور محنت میں لگے ہیں کہ مسلمانوں کے دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کی جو عظمت ان کے دلوں میں ہے، اس کو ختم کیا جائے۔ اس کے لیے نئے نئے مسئلے کھڑے کرتے رہتے ہیں اور مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں شکوک کا بیج بو دیتے ہیں۔

## سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

اب یہ عوام ان مسائل کو لے کر علماء کے پاس آتے ہیں اور ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، ان کو ان مسائل کا علم ہی نہیں ہوتا، ہمیں تو اس کے لیے پہلے سے تیار رہنا تھا لیکن آپ نہیں جانتے تو آپ کے قریب بہت سے مدارس ہیں، جہاں بڑے بڑے علماء رہتے ہیں، دارالافتاء موجود ہے، وہاں مفتیان موجود ہیں، ان سے رابطہ کر لیجیے، ان کے پاس جائیے اور کہیے کہ آج کل اخبارات میں یہ مسئلہ چل رہا ہے، آپ اس کے بارے میں معلومات فراہم کیجیے۔

ابھی قربانی کے دنوں میں دیکھا ہوگا کہ اخبار والوں نے قربانی کے متعلق کیا چھیڑ دیا۔ ایسے موقع پر ضرورت تھی کہ ہر بستی کے اندر علماء مسلمانوں کے ذہنوں کو درست کرنے کا اہتمام کرتے۔ یہ ہمارا فریضہ ہے، ایسا کوئی بھی موقع آجائے تو ہم عوام کی دینی اعتبار سے صحیح رہنمائی کریں۔

## مسلمانوں کے دلوں سے غلط عقائد کا ازالہ

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ شریفہ کیا تھی؟ آپ کی عادت یہ تھی۔ بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر حدیبیہ کے اندر قیام تھا، رات کو بارش ہوئی تو فجر کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ باری تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ بعضے بندے وہ ہیں جنھوں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ وہ میرے اوپر ایمان رکھتے ہیں اور بعضے بندے وہ ہیں جو میرے منکر ہیں- یعنی زمانۂ جاہلیت میں جب بارش ہوا کرتی تھی تو ''نکھشتر'' کی طرف منسوب کرتے تھے کہ فلا نے نکھشتر کی وجہ سے بارش ہوئی- اور بعض وہ ہیں جنھوں نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ نکھشتر پر ایمان رکھتے ہیں اور میرا انکار کرتے ہیں (۱)۔

تو دیکھیے! جب بارش ہوئی تو بارش کے متعلق زمانۂ جاہلیت کا جو ایک عقیدہ تھا، اس کو دفع کرنے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہتمام فرمایا۔

## سورج گرہن کے موقع پر

## لوگوں کے عقائد درست کرنے کا نبوی اہتمام

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صاحبزادے حضرتِ ابراہیم کا انتقال ہوا تو اتفاقاً اسی دن

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، باب غَزْوَۃِ الْحُدَیْبِیَۃِ.

سورج گرہن ہو گیا۔ آپ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ نے تقریر کی اور فرمایا: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ کہ: یہ سورج اور چاند اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت یا کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔

## موقع کی مناسبت سے لوگوں کے نظریات درست کرنے کا اہتمام سنتِ نبوی ہے

زمانۂ جاہلیت کا ایک عقیدہ تھا، وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی مر جائے یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہو تو سورج کو گرہن لگتا ہے۔ جب حضرتِ ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موقع غنیمت سمجھ کر کے اس موقع پر آپ نے یہ تقریر فرمائی۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ علم کے لیے ایک سنت جاری کی کہ جیسا موقع ہو، اس موقع کی مناسبت سے لوگوں کے افکار کو، ان کے نظریات کو، ان کے عقائد کو درست کرنے کے لیے ہمیں فکر کرنی چاہیے۔

## کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

عملی اعتبار سے بھی جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں، انھیں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ شادی بیاہ کا موقع ہے تو شادی بیاہ میں جو رسم ورواج ہوتے ہیں، ان سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور ان کو دور کرنے کی سعی کی جائے۔ لوگ تو نہیں جانتے کہ یہ غیر اسلامی طور طریق ہیں اور ان کو کرنے کی وجہ سے کیا نقصان ہے؟ لیکن ہمارے اندر

بھی یہ کمزوری آگئی کہ ان سارے رسم ورواج کو ہم خود کرنے لگے۔

## وہ کہنہ دماغ ہیں اپنے زمانے کے پیرو

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک جگہ نکاح تھا، وہاں موسالا نکلا تو ایک مولوی صاحب آکر اس میں شریک ہوگئے۔ یہ موسالا کیا ہے؟ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم ہے، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ، اس کے اندر ایک یہ بھی ہے: وَمُبْتَغٍ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ: **مسلمان ہوتے ہوئے** زمانۂ جاہلیت کے رسم ورواج کو جو آدمی پسند کرے، جاری کرے، وہ بھی عند اللہ مبغوض ہے(۱)۔ ایسے موقع پر ہمیں اپنا عمل تو بالکل صاف رکھنا ہی ہے، لوگوں کے اعمال کے درستگی کی فکر بھی کرنی ہے۔

## یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

ہمیں ہر موقع پر اپنے اعمال کو درست رکھنا ہے، چاہے عبادات ہوں، معاملات ہوں، معاشرت ہو۔ معاشرت کے جتنے بھی کام ہیں، شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر ہمیں سنتوں کا اہتمام کرنا ہے اور ہم تحقیق کرتے رہیں، اگر ہمیں بتادیا جائے کہ فلاں کمزوری ہے تو اصلاح کی فکر کریں اور دوسرے لوگ جو کمزوری کے اندر مبتلا ہیں، ان کو محبت سے، حکمت سے آگاہ کر کے ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے محنت کریں، اس میں بھی طریقہ حکمت وموعظت کا اختیار کیا جائے ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ وہ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب من طلب دم امرئ بغیر حق.

ماننے کے بجائے الٹا ضد کے اوپر آجائیں۔

## دعوت وتبلیغ کے مقامی کاموں میں بھی حصہ لیں

ہم جس گاؤں کے اندر رہ رہے ہیں، وہاں اپنے فارغ اوقات میں مقامی کاموں میں بھی حصہ لیں، دعوت وتبلیغ کے کام میں شرکت کریں۔ مسجد کے اندر کتاب کی تعلیم ہو رہی ہے اور ایک عامی آدمی تعلیم کررہا ہے تو آپ آگے بڑھئے اور کہئے کہ میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہوں، آپ مجھے اس کا موقع دیجیے۔ اسی طرح دعوت وتبلیغ کے مقامی کام گشت وغیرہ میں بھی حصہ لیجیے۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ لوگوں سے ملیں اور ان کو اللہ کی طرف بلائیں۔ ہمارے "۲۴" گھنٹے اس طرح گذرنے چاہئیں، فضولیات میں نہیں۔

## وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے

آپ جن حالات میں رہ کر کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام انجام دے رہے ہیں اور جن حالات میں رہ کر کے آپ نے علم حاصل کیا ہے، وہ قابلِ مبارک باد ہے، بڑی مشقتوں سے یہ علم حاصل کیا، بہت ساری قربانیاں دیں۔ اب جب دین کی خدمت کررہے ہیں تو وہاں بھی قربانیاں دے رہے ہیں، اس سے انکار نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ اپنے دین کی نشر واشاعت کے لیے قبول کیا لیکن ضرورت ہے کہ ہم اس میں مزید محنت کریں۔

## جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من استوی یوماہ فھو مغبون: جس کے دو دن برابر ہیں، یکساں ہوں، وہ مغبون ہے(۱)۔ ہمارا آنے والے کل کا دن آج کے دن سے بہتر ہو، آج اگر دو عملِ صالح کریں تو کل تین چار کریں، دین کے اعتبار سے ترقی ہو۔ بہر حال! ہمیں اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

## امت کے دین کا فکر ہمارا اوڑھنا بچھونا ہو

ہمارے طبقے کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب ہماری آپس میں ملاقات ہو تو گفتگو کا موضوع یہی چیز ہو کہ آپ جہاں پڑھاتے ہیں، وہاں کے کیا حالات ہیں؟ لوگوں کا مزاج کیسا ہے؟ تم کس طرح کام کرتے ہو؟ تم نے اس کام کے دوران کن طریقوں کو اپنایا اور تمھیں کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کے کیا فائدے نظر آئے؟ میں اس طرز پر کام کر رہا ہوں اور اس کے یہ نتائج سامنے آرہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ملے اور تن خواہ پر بات شروع کر دی کہ میری اتنی تن خواہ ہے، تمھاری تن خواہ کتنی ہے؟ ہم جب ملتے ہیں تو یہ تن خواہ ہی موضوعِ گفتگو ہوتی ہے، اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارا فکر اور نظریہ کیسا بدل چکا ہے۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

بخاری شریف میں روایت ہے، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

---

(۱) مسند الفردوس، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم الحديث: ۵۹۱۰.

اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف دو الگ الگ جگہ کا ذمہ دار بنا کر بھیجا تھا تو جب یہ دونوں باہم ملتے تو پوچھتے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم قرآنِ پاک کی کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے بتایا اور پھر انھوں نے ان سے پوچھا کہ تم کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے اپنی تلاوت کی مقدار بیان کی (۱)۔ ان میں سے کسی نے دوسرے سے نہیں پوچھا کہ تمھارے بچے کتنے ہیں؟ آپ کتنی تن خواہ پاتے ہیں؟ آپ کی آمدنی کتنی ہے؟

## رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

جو لوگ بستی کے اندر دین کی فکر رکھنے والے ہیں، یہ دعوت و تبلیغ کا جو سلسلہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو اخلاص کے ساتھ لوگوں کی فکر رکھتے ہیں، کچھ کمزوریاں اپنی جگہ پر ہیں، کمزوریاں تو ہمارے اندر بھی ہیں، ہم بھی کوئی دودھ کے دھلے نہیں ہیں؛ اس لیے ایسا نہیں ہونا چاہیے ان کی ان کمزوریوں کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو اس کام سے الگ کردیں، ورنہ کل اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں سوال ہوگا کہ دین کی فکر والے اس کام میں شرکت کیوں نہیں کی؟

## تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو

میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہمارے علماء کے اندر وہ دل سوزی اور وہ فکر آجائے جو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

ان کے اندر ہے اور جس کو یہ حضرات لے کر چل رہے ہیں تو بیڑا پار ہے، یہی ایک کمزوری ہمارے اندر ہے، اگر یہ دور ہو جائے تو إن شاء اللہ دعوت وتبلیغ کے اندر اصل رنگ آ جائے گا۔ یہ بات آپ کو گراں گذر رہی ہوگی، میں جانتا ہوں لیکن ضرورت ہے کہ اپنے دل کے اندر اس فکر کو، اس دل سوزی کو، اس درد وگھٹن کو پیدا کرلیں تو میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# رہنمائے معلمین

# اقتباس

آپ اس وقت اپنے متعلق سوچیے کہ آپ کے دورِ طالبِ علمی میں جن اساتذہ کی طرف سے آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ کیا گیا، آپ کے حال پر خصوصی توجہ کی، اس وقت آپ اپنے دل میں ان اساتذہ کے متعلق کن جذبات کو محسوس کررہے ہیں؟ جب ان کا تصور آتا ہے تو آپ دل سے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کے مراتب کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے خصوصی انعامات سے مالا مال فرمائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہی کیفیت آپ کے ان تمام طلبہ کے دلوں میں آپ کے لیے بھی پیدا ہو جو کیفیت آپ کے دل میں آپ کے ان اساتذہ کے حق میں محسوس کررہے ہیں تو اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ آپ بھی ان بچوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو آپ کے ساتھ آپ کے ان اساتذہ نے کیا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا ونبيّنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۱).

## یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

محترم علماءِ کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے درس وتدریس کا ایک موقع آپ حضرات کو عطا فرمایا ہے، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے، ورنہ آپ کے پڑھنے کے زمانے کے بہت سے رفقاء اور ساتھی جو حصولِ علم میں آپ کے ساتھ تھے اور ان میں بہت ایسے بھی تھے جو علمی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے آپ سے بڑھے ہوئے تھے، اس چیز کو خود آپ نے محسوس کیا ہوگا لیکن اب جب کہ وہ حصولِ علم سے فارغ ہو چکے ہیں اور اپنے اپنے کام میں لگ چکے ہیں، آپ ان کو دیکھیں گے اور ان کے متعلق سوچیں گے تو پائیں گے کہ وہ دوسرے مشغلوں میں لگ چکے ہیں، کوئی کھیتی باڑی میں مصروف ہے، کوئی کسی تجارت میں لگا ہوا ہے، کوئی ہوٹل کھول کر بیٹھا ہے یا کسی اور کاروبار میں لگا ہوا ہے یا گھر پر ایسا ہی بے کار فارغ بیٹھا ہوا ہے، حالاں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ علمی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے آپ سے بڑھ کر ہو۔

## مقامِ غور وفکر

اس موقع پر ضرورت تھی کہ ہم سوچتے کہ آخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے جو یہ

(۱) صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَلاَ يَعْمَلُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ.

موقع عطا فرمایا اور میرے ساتھی کو مجھ سے زیادہ باصلاحیت اور بڑا عالم ہونے کو باوجود اس سے محروم کر دیا گیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کوئی تو وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس کا موقع دیا اور ہم یہاں اپنے علم سے خود بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں؟ اسی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے علم کو پھیلانے، اپنے علم کو دوسروں تک پہنچانے، اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

## اساتذہ کو طلبہ کا شکر گزار ہونا چاہیے

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ طلبہ کے شکر گزار رہوں کہ انھوں نے اپنے قلوب کی زمین کو آپ کے علم کی تخم ریزی کے لیے پیش کیا کہ آپ اپنے علوم کا بیج ان کے قلوب کی زمین میں بو رہے ہیں، یہ ان کا ہم پر احسان ہے اور ان کے اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ پوری ہمدردی اور بھلائی کے ساتھ پیش آئیں۔

## طلبہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی نبوی وصیت

حدیث میں بھی ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ تمھارے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، تم ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا(۱)۔

(۱) سنن ابن ماجة، عن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، بَابُ الْوَصَاةِ بِطَلَبَةِ الْعِلْمِ.

## باپ اپنی اولاد کو کچھ بنانے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے

اساتذہ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے طلبہ کے ساتھ پوری ہم دردی سے پیش آئیں، جیسے ایک آدمی اپنے بیٹے کی پوری خیر خواہی کرتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کامل ومکمل بن جائے، اگرچہ ملتا اس کو وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کامل ومکمل بنے اور وہ اس کے لیے اپنی ساری توانائیاں، اپنی ساری صلاحیتوں کو استعمال کر ڈالتا ہے۔

## طلبہ ہماری روحانی اولاد ہیں

اسی طرح یہ بچے جو ہمارے پاس پڑھ رہے ہیں، ویسے بھی ہم ان کو اپنی روحانی اولاد سے تعبیر کرتے ہیں تو جیسے وہ جسمانی اولاد ہے، یہ روحانی اولاد ہے تو جسمانی اولاد کی جس طرح ہم خیر خواہی کرتے ہیں، ان کے لیے دل سے متمنی ہوتے ہیں، ان کے لیے زبان سے دعائیں کرتے ہیں، ان کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لیے بھی ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے۔

## جسمانی اولاد کی بہ نسبت روحانی اولاد سے فائدہ زیادہ متوقع ہوتا ہے

بلکہ ہماری جسمانی اولاد ہم کو اتنا فائدہ نہیں پہنچائے گی، اگرچہ وہ دنیوی اعتبار

سے ہے لیکن یہ اگر کامیاب ہو گئے، انھوں نے اگر علم حاصل کر لیا اور آگے جا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بھی دین کی خدمت کا موقع دیا اور ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچا تو جو کچھ بھی ان سے فیض پہنچے گا ان کے ان سارے فیوض میں آپ کا برابر کا حصہ رہے گا اور ان کی طرف سے فیض کے پہنچنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کو جو ثواب ملے گا، جو اجر ملے گا اور اس کی وجہ سے آخرت میں آپ کے جو مراتب بلند ہوں گے، ظاہر ہے کہ اگر آپ کی جسمانی اولاد میں یہ صفت اور خوبی نہیں ہے تو ان سے آپ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا میں کچھ کما کر کے آپ کے لیے کھانے پینے کے معاملے میں، رہائش کے معاملے میں، آپ کو مادّی ضرورتیں بہم پہنچانے کے معاملے میں آپ کے کچھ مددگار ثابت ہوں لیکن ظاہر ہے کہ یہ مادّی فوائد دنیا کی زندگی تک محدود ہیں، آخرت کے مراتب کی بلندی اور آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو نوازش ہوگی، اور جو اجر وثواب ملے گا، وہ تو روحانی اولاد ہی کے ذریعہ حاصل ہوگا۔ تو ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کا فائدہ جسمانی اولاد سے بھی زیادہ ہے۔ اگر جسمانی اولاد بھی اس صفت سے مالا مال ہے تو نورٌ علیٰ نور لیکن اگر وہ اس صفت سے آراستہ نہیں ہے تو یوں کہنا چاہیے کہ ہماری حقیقی اولاد کے مقابلے میں ان روحانی اولاد سے ہمیں زیادہ فائدہ پہنچتا ہے اور پہنچ سکتا ہے، ہم ان پر جتنی زیادہ محنت کریں گے اور جتنا بھی قابل بنائیں گے، اسی مناسبت سے ہمیں ان سے فائدہ پہنچے گا۔

## اپنے ساتھ آپ کے اساتذہ کی خصوصی توجہ کا استحضار بھی کیجیے

آپ اس وقت اپنے متعلق سوچیے کہ آپ کے دورِ طالبِ علمی میں جن اساتذہ

کی طرف سے آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ کیا گیا، آپ کے حال پر خصوصی توجہ کی، اس وقت آپ اپنے دل میں ان اساتذہ کے متعلق کن جذبات کو محسوس کر رہے ہیں؟ جب ان کا تصور آتا ہے تو آپ دل سے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کے مراتب کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے خصوصی انعامات سے مالا مال فرمائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہی کیفیت آپ کے ان تمام طلبہ کے دلوں میں آپ کے لیے بھی پیدا ہو جو کیفیت آپ کے دل میں آپ کے ان اساتذہ کے حق میں محسوس کر رہے ہیں تو اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ آپ بھی ان بچوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو آپ کے ساتھ آپ کے ان اساتذہ نے کیا تھا۔

## صلبی اولاد والا جذبہ ہمارے دلوں میں طلبہ کے بارے میں بھی ہونا چاہیے

تو آپ ان کی طرف پوری توجہ دیجیے، ہماری طرف سے ان پر شفقت اور محنت میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے اور میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ ہم اپنے جس ارادے سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، یعنی آپ کے دل میں یہ جذبہ ہوتا ہے کہ میں جس طرح چاہتا ہوں کہ میرا اپنا جسمانی بیٹا علم کے معاملے میں کامل و مکمل ہو، اسی طرح یہ جتنے بھی بچے میرے پاس پڑھتے ہیں، میں ان کے دلوں میں بھی علم کو اتار دوں، میری کوشش یہ ہے، بھلے اس کو ملے گا وہی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہے،

اگر اس طرح کی نیت کے ساتھ محنتیں کی جائیں گی تو اس کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا اور ان کو پہنچنے والا یہ فائدہ آگے جا کر کے ہمارے پاس ”اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً“ ہو کر لوٹے گا۔ یہ پڑھانے کا اجر تو اپنی جگہ پر ہے پھر جب وہ پڑھائیں گے تو اس کی وجہ سے ہمیں اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا؛ اس لیے اس کیفیت کو ہمارے دلوں کے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔

## یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

یہی وہ محبت کی، دل سوزی کی، ہم دردی کی کیفیت ہے جو ایک استاذ اور طالبِ علم کے درمیان میں وہ رشتہ پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے؛ اس لیے بنیادی طور پر آپ کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ آپ کے دلوں میں یہی جذبات کارفرما ہوں۔

## اسباق سے پہلے اس کی تیاریاں نہ کرنا خیانت اور قابلِ مواخذہ ہے

پھر آگے کے مراحل میں جو چیز پڑھائی جا رہی ہے اور آپ جو چیز پڑھا رہے ہیں، اس کے طور و طریق کیا ہیں؟ تو وہ بھی ہمارے اساتذہ نے ہم کو بتلائے، کتابوں میں بھی لکھے ہوئے ہیں کہ بھائی! کسی بھی فن کو پڑھانے کے لیے جو پیشگی تیاریاں کرنی چاہئیں، ہماری طرف سے اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ہماری طرف سے کوتاہی اور غفلت ہے تو یہ ایک طرح کی خیانت ہوگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہمیں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ طالبِ علم کو صحیح طریقے سے پڑھانا چاہیے۔

## شروع میں اول نمبر لانے والے طلبہ آخری دور میں ناکام کیوں ہوتے ہیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ بچے جب شروع میں آتے ہیں تو آپ کو بھی تجربہ ہوگا کہ مدرسے میں ایسے بہت سے بچے ہوتے ہیں کہ فارسی، عربی اول میں اول نمبر لاتے ہیں اور وہی بچے جب آگے دورے تک پہنچتے ہیں تو بعضوں کی نوبت تو یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ ناکام ہوجاتے ہیں تو ایک طالبِ علم جس کا فارسی، عربی اول میں اول نمبر آتا تھا، آخر دورے میں پہنچ کر ناکام کیوں ہونے لگا؟ کیا وجہ ہے؟ ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ یہ طالبِ علم اتنا زیادہ پیچھے کیوں ہوگیا کہ اب کم از کم پاس بھی نہیں ہوتا؟

## ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کی ذمہ داریاں بہت بڑی اور زیادہ ہیں

پھر یہ بھی کہ بہت سے بچے ذہنی اعتبار سے بہت اچھے ہوتے ہیں یعنی سمجھنے اور یاد کرنے کی ان میں صلاحیت ہوتی ہے لیکن ابتدائی تعلیم میں ان کے اوپر جس نوع کی محنت ہونی چاہیے تھی اور ابتدائی دور میں اس فن سے اس کو مناسبت پیدا کرانے کے لیے جس انداز میں استاذ کی طرف سے اس کی تربیت ہونی چاہیے تھی، اس میں کمی ہوگئی، یہ جو ابتدائی تعلیم دینے والے اساتذہ ہیں، ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، ان ہی کے طرزِ عمل پر اس پڑھنے والے طالبِ علم کی آئندہ زندگی اور اس کے مستقبل کا دارومدار ہوا کرتا ہے۔ اب اگر ابتدائی کتابیں آپ کے پاس پڑھیں اور وہ نحو نہیں سمجھ پایا، حالاں کہ اس کی ذہنی سطح اور صلاحیت سمجھنے بوجھنے کی ہے لیکن آپ نے اس کو سمجھانے کے لیے جیسا

انداز اختیار کرنا چاہیے، وہ نہیں کیا اور آپ کی طرف سے جو کوتاہی ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فنِ نحو کو کما حقہ سمجھ نہیں پایا، صرف کما حقہ سیکھ نہیں پایا، اس کا اثر یہ ہوگا کہ آئندہ اس کی پوری علمی زندگی ضائع اور برباد ہوجائے گی تو ظاہر ہے کہ اس سب کی ذمہ داری ہمارے اوپر آئے گی، کل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہم کو جواب دینا پڑے گا کہ ان کی صلاحیت کو ضائع کرنے میں تمھاری غفلت کو اور تمھاری طرف سے محنت کی کمی کو بھی دخل ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی جواب دہی ہوگی، اس کا بھگتان ہم کو کرنا پڑے گا۔

## اور نام تیرا لیں تو ادب سے لیا کریں

بہر حال! یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے؛ اس لیے ہماری طرف سے پابندی اسباق اور وقت کی حاضری کی پابندیاں بھی ہونی چاہئیں اور پھر یہ ایک عقدِ اجارہ بھی ہے اور میں تو یوں کہا کرتا ہوں کہ ہمیں اپنا مزاج ہی اس انداز کا بنانا چاہیے اور ہمیں اپنی زندگی کے طور وطریق اس طرح سے وضع کرنے چاہئیں کہ کسی کو انگلی اٹھانے اور اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے، ہم خود اس سلسلے میں اپنی ذات کے اوپر سختی کریں اور اپنے آپ کو اتنا پابند بنائیں کہ مثال دینے والے آپ کی مثال دیا کریں، کسی معاملے میں بھی ہماری طرف سے کوتاہی صادر نہ ہو: اوقات کی پابندی ایسی ہو کہ مہتمم صاحب کو یا کسی اور کو کہنے کی نوبت پیش نہ آئے، کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے کہ فلاں وقت پر حاضر نہیں ہوتا۔

## ہمارے اسلاف اور وقت کی پابندی

ہمارے اساتذہ اور اسلاف کا یہی حال تھا۔ حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ

کے بارے میں ہمارے اساتذہ سناتے تھے کہ صبح جب درس گاہ میں قدم رکھتے تھے تو گھنٹی کی پہلی آواز آئی کہ ان کا قدم درس گاہ میں ہوتا تھا، ''۱۷'' سال تک ڈابھیل میں اس انداز سے پڑھایا کہ کسی دن وقت پر حاضری کی پابندی میں کوتاہی نہیں ہوئی۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

اب ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ پانچ دس منٹ تو کہیں گئے ہی نہیں اور بہت سی مرتبہ تو پہلے گھنٹے کا آدھا حصہ بھی اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے کبھی کبھار ایسی نوبت آجائے تو ٹھیک ہے، قابلِ عفو ہے لیکن آدمی اپنا مزاج ہی ایسا بنالے، عادت بنالے تو یہ بہت بری بات ہے۔ ہمارے بزرگوں کے حالات ہم پڑھتے ہیں تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور پھر عقدِ اجارہ کا جو تقاضا ہے تو امانت کے طور پر، دیانت کے طور پر ویسے بھی اس کی پابندی ہمارے لیے ضروری ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام کیا جائے۔

## ہمارا طرزِ زندگی طلبہ کی صحیح تربیت کا باعث ہے

اور پھر آپ کی یہ پابندی آپ کے پاس پڑھنے والوں کی بھی تربیت کرتی ہے، آپ اگر اس انداز سے رہیں گے تو آپ کے پاس پڑھنے والے بچوں کا مزاج بھی ایسا ہی بنے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اساتذہ وقت کی پابندی کے ساتھ درس گاہ میں آتے ہیں، ان کی کلاس میں کوئی بھی طالبِ علم دیر نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ جب استاذ خود پابندی کرتے ہیں تو میرے لیے بھی وقت پر حاضری ضروری ہے اور جہاں استاذ کی طرف سے اس طرح کی فروگذاشت ہوتی ہے، وہاں طلبہ کی طرف

سے بھی غفلت دیکھنے کو ملتی ہے، گویا ہمارا عمل ہی طلبہ کی صحیح تربیت کا ذریعہ بنتا ہے؛ اس لیے ہمیں اس کا اہتمام کرنا ہے۔

## ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اوقات کی پابندی کے علاوہ طلبہ کے سامنے سبق بہترین انداز میں دینا، پھر طلبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو صلاحیتیں رکھی ہیں، آپ اپنے درس کے اندر ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کر کے ہر ایک کی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں۔ خاص کر کے ابتدائی درجوں کی تعلیم میں اس کا لحاظ کیا جائے، استاذ کو چاہیے کہ طالبِ علم کا سبق بھی سنے اور اس کی طرف سے کوتاہی ہو تو اس کو متنبہ کرے، اس کی نگرانی کرے اور اس کو سست بننے کا موقع نہ دے، اگر یہ ساری چیزیں آپ کی طرف سے عملی طور پر پائی جائیں گی تو اِن شاءاللہ ان کا علمی معیار بلند ہوگا، طالبِ علم بھی اچھی صلاحیتوں والے پیدا ہوں گے اور مدرسے کا نام بھی روشن ہوگا، یہ اساتذہ کی محنت پر، ان کی توجہ اور لگن کے اوپر موقوف ہے؛ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ خصوصی طور پر اس کا اہتمام کریں۔

## مشک آن است کہ خود ببوید

اور آپ کے اس طرح کرنے سے مدرسے کا علمی معیار بھی بلند ہوگا، مدرسے کی بھی نیک نامی ہوگی، جب محنتیں ہوتی ہیں نا تو کسی کو کہنے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، مشک آن است کہ خود ببوید، نہ آن است کہ عطار بگوید، کہ: مشک وہ جو خود مہکتا ہے، کسی

کو کہنے جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ یہ مشک ہے، لے لو، لے لو۔ مشک کے اندر سے تو خود ہی ایسی خوشبو مہکتی ہے کہ لوگ اس کو محسوس کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی اگر آپ کے یہاں تعلیمی اعتبار سے محنت ہوگی، تربیتی انداز اچھا ہوگا تو آپ کے مہتمم صاحب کو اس کے لیے اشتہار دینے کی یا لوگوں کو کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لوگ خود دوڑے ہوئے آئیں گے۔ جہاں اس نوع کی محنت ہوتی ہے، وہاں مدرسے والوں کو ''نا'' کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں جگہ نہیں، ہم نہیں لے سکتے تو لوگ خود آرہے ہیں اور جہاں یہ چیز نہیں ہے تو وہاں چاہے لوگ اپنی تعلیم کا ڈِھنڈورا پٹتے رہیں لیکن لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

## ایک قدرتی نظام

یہ تو قدرت کا ایک نظام ہے اور ویسے بھی قدرت کا ایک نظام ہے: وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِي الۡاَرۡضِ: جو چیز نافع ہوتی ہے، وہ باقی رہتی ہے تو آپ بھی مدرسے کے اندر جتنی نافعیت ثابت کریں گے، اتنا ہی مدرسے میں بقاء کے اسباب قدرت کی طرف سے آپ کے لیے مہیا کیے جائیں گے۔

## جیسی کرنی ویسی بھرنی

بہت سی مرتبہ ہمارے لیے حالات پیدا ہو جاتے ہیں، مدرسہ چھوڑنا پڑتا ہے اور ایسی شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں تو اس کی وجوہات اندرونی طور پر اور تکوینی طور پر یہ ہوتی ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی برتی ہوتی ہے، جس کا قدرتی

نتیجہ ان حالات کی شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے لیے آگے کام کرنا، خدمات انجام دینا اور اپنی علمی خدمات کو باقی رکھنا ممکن نہیں ہوتا، یہ قدرت کا ایک نظام ہے اور اگر آپ اس طرح رہیں گے کہ آپ سے طلبہ کو، مدرسے کو اور اہلِ مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے تو آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، قدرت کی طرف سے ہی ایسا نظام ہوگا کہ آپ کے لیے یہاں رہنے کے، ٹھہرنے کے اور خدمات انجام دینے کے اسباب مہیا ہوں گے۔

## دیکھو نہ بہم عیب، محبت ہے تو یہ ہے

ان چیزوں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کا بھی اہتمام ہو۔ نیز اساتذہ آپس میں مل جل کر رہیں، ایک دوسرے کی بدگوئی اور ایک دوسرے کے حالات معلوم کر کے ایک دوسرے کو گرانے یا ایک دوسرے کو لوگوں کے سامنے کمی کے ساتھ پیش کرنے اور ایک دوسرے کی تنقید اور تنقیص سے پرہیز کریں، خاص کر کے سبق کے دوران اپنے ساتھی اساتذہ کے بارے میں ایک جملہ بھی نہ تو صراحۃً کہے اور نہ کنایۃً؛ کیوں کہ اگر کنایۃً بولتے ہیں تو ماحول میں رہ کر وہ کنایہ بھی کنایہ نہیں رہتا بلکہ تصریح کا درجہ اختیار کر لیتا ہے، سننے والے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے، باہر والے چاہے نہ سمجھیں لیکن اندر والے تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

## ....... تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی

اور ایسا کرنے کی وجہ سے آپ کے مقام میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ جو آدمی

دوسروں کو گرانے کے لیے ان کی برائیاں لوگوں کے سامنے کرتا ہے تو کبھی بھی ان برائیوں کی وجہ سے اس کے مقام میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ گھٹتا ہی ہے، طلبہ جب اپنے دوسرے اساتذہ کے متعلق آپ سے ایسا سنتے ہیں تو ان کے دلوں میں آپ کی قدر و وقعت بھی گھٹ جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اساتذہ کے ساتھ ادب واحترام کا جو معاملہ ہونا چاہیے، وہ ہوتا نہیں ہے اور اس کی وجہ سے بے چارہ وہ طالبِ علم بھی علم سے محروم رہتا ہے لیکن اس کے لیے اس محرومی کا ذریعہ تو آپ بنے، آپ بھی محروم رہے اور اس کو بھی محروم کر دیا۔

## عدو پر اس قدر احسان کرتا جا

تو یہ چیز بھی بہت بری اور بڑی خطرناک ہے؛ اس لیے کسی بھی حال میں اس میں مبتلا نہ ہوں، چاہے لوگ آپ کے متعلق کچھ بھی کہتے رہیں اور آپ کو معلوم بھی ہے کہ فلاں میرے بارے میں یہ کہتا ہے تو بھی آپ کی طرف سے جوابی کارروائی کے طور پر ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ مدرسے کا ماحول بھی اسی طرح کا محبت والا، میل میلاپ والا، ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی کے جذبے والا ہونا چاہیے۔

## مدرسے کی فضا اور ماحول علمی بنانے کی کوشش کیجیے

ساتھ ہی ساتھ علمی ماحول بنے، طلبہ کے اندر حصولِ علم کا ذوق اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کا جذبہ پیدا ہو، ان میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت علم حاصل کرنے کے پیچھے لگانے کا ماحول ہو، ہر طالبِ علم میں ایسا شوق و ذوق پیدا ہو،

ایسی آپ کی طرف سے کوشش ہونی چاہیے اور جب آپ اس طرح کی محنت کریں گے تو إن شاء اللہ مدرسے کی علمی سطح بلند ہوگی، علمی معیار بلند ہوگا اور اس کی وجہ سے آپ کے مدرسے کی نیک نامی ہوگی، اس کے لیے بھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

## عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

آپس میں بھی علمی مذاکرات ہوں، اب یہ چیزیں رخصت ہوتی جارہی ہیں، اب ہمارے اساتذہ جب آپس میں مل جل کر بیٹھتے ہیں تو کبھی کوئی علمی بات تو مذاکرے میں آتی ہی نہیں، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور آج کل تو اگر کوئی آدمی علمی ذوق وشوق والا ہوا اور کوئی علمی بات پیش کردی تو دوسرے بدگمانی کرتے ہیں کہ یہ ہمارا امتحان لے رہا ہے، حالاں کہ اکثر ایسا ہوتا نہیں ہے تو بہر حال! ہمارے اسلاف کے اندر مدرسے کو جس طرح کا علمی ماحول فراہم کرنے کا جذبہ تھا، ہماری طرف سے بھی مدرسے میں علمی ماحول پیدا کرنے کے لیے اسی انداز کو اختیار کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

## تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن

اور اساتذہ اپنا عملی پہلو بھی مضبوط رکھیں، نماز با جماعت کا بلکہ صفِ اول کا، تکبیرِ اولی کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں۔ جب آپ کے شاگرد دیکھیں گے کہ آپ تکبیرِ اولی کے ساتھ صفِ اول میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو وہ بھی اس کی کوشش کریں گے اور اگر آپ کی طرف سے غفلت ہو رہی ہے تو وہ بھی اسی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ مدرسوں میں دیکھا جاتا ہے کہ نماز با جماعت کا سلام پھرتا ہے تو مسبوقین

میں زیادہ تعداد اساتذہ کی ہوتی ہے، یہ چیز طلبہ بھی دیکھ رہے ہیں تو اس کا کیا اثر مرتب ہوگا؟ اب اگر آپ روزانہ ان کے سامنے نماز باجماعت کے اہتمام کی فضیلت بیان کریں تو اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں، اس کے برخلاف آپ کچھ نہ کہیں اور آپ کا عملی کردار یہ ہے تو اس کی وجہ سے ان پر بڑا اچھا اثر مرتب ہوگا تو اساتذہ اپنا عملی پہلو بھی درست کرنے کی کوشش کریں۔

## وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے

طلبہ کی تربیتی ذمہ داری بھی اساتذہ کی ہے اور اس کی ادائگی میں اپنے عمل سے زیادہ کوئی چیز مؤثر نہیں ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ تربیت کے باب میں بڑوں کی طرف سے قدوہ اور اسوہ ہو یعنی اپنے آپ کو عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور چھوٹوں کی طرف سے اس کی پیروی ہو، اتباع ہو۔ جب آپ اپنا عمل اس انداز کا بنائیں گے تو طلبہ میں بھی خود ہی یہ چیز بڑھے گی، سنتوں کا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا، صفِ اول کا اہتمام ان کے اندر آئے گا۔ اسی طرح اپنے لباس، وضع قطع اور اپنے دوسرے معاملات کی درستگی کا بھی اپنی طرف سے اہتمام ہو۔

## الٹی گنگا

آج کل تو مدارس میں معاملہ الٹ گیا ہے: اگر کوئی طالبِ علم مدرسے میں نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے۔ پہلی صف میں آکر بیٹھتا ہے، سنتوں کا اہتمام کرتا ہے تو دوسرے طلبہ اس کو ستاتے ہیں کہ تو بڑا صوفی ہو گیا اور ایسا ہو گیا اور افسوس تو یہ ہے کہ

اساتذہ بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اساتذہ اپنے سبق کے اندر اس طالبِ علم کو نشانہ بناتے ہیں، ایسے لوگ جو بدمعاش ہیں، سارے مدرسے والوں کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں، منتظمین کے لیے بھی، اساتذہ کے لیے بھی کسی میں ان لوگوں کو ایک جملہ کہنے کی ہمت نہیں ہے اور وہ بے چارہ بچہ جو نیک ہے اور جس کا وجود مدرسے کے لیے باعثِ افتخار ہے، اس کو سب کوس رہے ہیں اور طعن و تشنیع کر رہے ہیں اور اس کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح کے رویے کی وجہ سے وہ طالبِ علم مدرسہ چھوڑ دیتا ہے تو گویا اب ہمارا مدرسہ اس قابل نہیں رہا کہ اچھے لڑکے یہاں رہیں! بروں کا ٹھکانہ بنتا جا رہا ہے، یہ ہمارے لیے بہت زیادہ سوچنے کی بات ہے۔

## مدرسوں سے فاسد مواد کو خارج کرنے کے لیے آپریشن ضروری ہے

ایسے غلط قسم کے لڑکے ہوں جن سے ماحول بگڑ رہا ہے، ان کے حق میں مدرسہ، انتظامیہ، اساتذہ سب کی طرف سے ایسا سخت رویہ ہونا چاہیے کہ یا تو وہ سُدھر جائیں یا پھر مدرسہ چھوڑ کر چلے جائیں، ان کے لیے تیسری کوئی شکل نہیں ہے، ورنہ ایسے لوگوں کے رہنے کی وجہ سے ہمارے مدرسے خراب ہو رہے ہیں اور پھر یہی لوگ ایسی گروپ بندی کرتے ہیں اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ اساتذہ بھی ان کے معاملے میں مجبور ہو جاتے ہیں اور انتظامیہ کو بھی ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں، یہ ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہے، ایسی نوبت آنے ہی نہیں دینی چاہیے، پہلے ہی سے ایسا رویہ رکھنا چاہیے۔ مدرسے میں ماحول کو درست رکھنے کے لیے

اس نوع کے بچوں پر کڑی نگرانی بہت ضروری ہے۔

## نیک اور محنتی طلبہ کی حوصلہ افزائی کیجیے

اور جو اچھے بچے ہیں ان کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے، علانیہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، بطورِ مثال کہا جائے کہ فلاں کتنا اچھا طالبِ علم ہے، نماز با جماعت کی پابندی کرتا ہے، اسباق کی پابندی کرتا ہے تو ان کے لیے تو حوصلہ افزائی کا نظام ہونا چاہیے، چہ جائیکہ ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جائے، یہ بہت غلط ہے جو ہو رہا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ساری مصیبتیں ہمارے مدارس میں آ رہی ہیں؛ اس لیے اس کی طرف بھی خاص طور پر توجہ کریں۔

## تعلیمی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کے لیے باہمی مشورہ ناگزیر ہے

مشورہ ہونا چاہیے، جیسے دعوت وتبلیغ کے جو احباب ہیں، وہ روزانہ مشورے کرتے ہیں، یہ ہمارے یہاں بھی ہونا چاہیے، ہمارے مدرسوں سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا، جب تک کہ انتظامی امور کے لیے، طلبہ کے اخلاقی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لیے آپس کے مشورے نہیں ہوں گے، وہاں تک ترقی نہیں آ سکتی۔ اس سلسلے میں کسی کو کوئی فروگذاشت نظر آئی ہو: کسی طالبِ علم کو دیکھا کہ وہ بلا وجہ سے سبق سے غیر حاضر تھا، ایک طالبِ علم کو دیکھا، اس کے لباس میں یہ کمزوری تھی، ایک طالبِ علم کو دیکھا کہ نماز کے معاملے میں اس کی طرف سے کوتاہی پائی جا رہی ہے، ان کو مشورے کے ذریعہ سے سامنے لائی جائے اور سوچا جائے کہ اس کو کس طرح درست کرنا ہے۔

## مشورہ سنتِ نبوی ہے

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا معمول یہ تھا کہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد حضراتِ شیخین کے ساتھ مسلمانوں کے معاملے میں مشورہ کرتے تھے، یہی بنیاد ہے، آج یہ چیزیں بھی ختم ہوگئیں۔ آپس میں مل جل کر ہم جہاں کام کر رہے ہیں، وہاں کام کو اور اُجاگر کرنے کے لیے جو تدبیریں سوچی جانی چاہئیں، وہ ہوتی نہیں ہیں، بس سب مہتمم پر ڈالے رہتے ہیں کہ مہتمم جانے اور مہتمم بے چارہ مالی سرمایہ فراہم کرنے میں ایسا لگا ہوا ہے کہ اس کو اپنی ذات کے بھی ہوش وحواس نہیں رہتے۔ مدرسے اسی طرح اُجڑ رہے ہیں۔ اساتذہ یوں کہیں کہ ہمارا کام تو پڑھانا ہے تو وہ جو بول رہے ہیں اس میں بھی کوتاہی کمی ہی ہے، پڑھانے کا بھی پورے طور پر حق ادا نہیں کیا جاتا اور ایسا کہہ کر طلبہ کی تربیت اور دوسرے امور سے غفلت برتتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر ایک کی ذمہ داری ہے، مدرسے کے علمی، اخلاقی، تربیتی، تعلیمی اور انتظامی معیار کو درست رکھنے کے لیے آپ سے جو ہوسکتا ہے، آپ کو کرنا ضروری ہے، سب اس طرح کریں گے تو اِن شاء اللہ مدرسہ ترقی کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اہلِ علم اپنا مقام ومرتبہ پہچانیں

# اقتباس

ہمارے وہ اکابر اور اسلاف جن کی طرف نسبت کو ہم اپنے لیے فخر اور سعادت کی چیز سمجھتے ہیں، ماضی قریب میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ، حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ، دونوں حضرت رائپوری رحمہما اللہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا علیہ الرحمۃ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ، یہ تمام ہمارے اکابر ہیں، ان کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، ہم تو ان کی زندگیوں میں سے فقط درس وتدریس لیے ہوئے ہیں اور وہ بھی جیسا حق ہے، ویسا ادا نہیں کر پاتے۔ درس وتدریس کے معاملے میں بھی امانت ودیانت کے جو تقاضے وہ حضرات پورے کرتے تھے، ان تقاضوں پر بھی ہم تو پورے نہیں اتر رہے ہیں لیکن اسی ایک پہلو کو ہم تو لیے ہوئے ہیں، ان کی زندگی کے جو دوسرے پہلو ہیں کہ: مخلوق کے ساتھ ان کا معاملہ کس طرح تواضع کا تھا، ان کے ساتھ وہ کس طرح پیش آتے تھے، ان کے حالات پر وہ کس طرح شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ: ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا﴾ [الأحزاب: ٢٣] وقال تعالىٰ: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ﴾ [السجدة: ٢٤] وقال تعالىٰ: ﴿قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ [الزمر: ٩] وقال تعالىٰ: بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ: ﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

حضراتِ علماءِ کرام اور مشائخ عظام! میں اس قابل نہیں کہ آپ حضرات کو خطاب کروں، اس طرح کے جتنے پروگرام اور نظام بنتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ اس موقع پر طبیعت میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ''آں کہ خود گم است، کرا رہبری کند'' یہاں

ہم خود ہی علم کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہیں، بھلا دوسروں کے سامنے کیا بات رکھیں لیکن پھر یہ سوچ کر کہ یہ کوئی نصیحت یا وعظ و تذکیر نہیں بلکہ ایک طرح کا مذاکرہ ہے، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بیٹھ کر ہم اپنے حالات کو سامنے رکھ کر غور و فکر اور یہ سوچیں کہ دورِ حاضر میں علماء سے جو مطالبے ہیں، ہم ان کو کس طرح پورا کر سکتے ہیں۔

## جن کے رتبے ہیں سِوا، ان کی مشکل سِوا ہوتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو علم کی دولت سے نوازا ہے، ہر ایک نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس دولت کو حاصل کیا ہے اور یہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی میراث ہے، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (۱) یہ بہت بڑی دولت ہے، حظِّ وافر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا استحقاق ہم کو عطا فرمائی اور اس کی نسبت سے آدمی کا جیسا مقام اور مرتبہ ہوا کرتا ہے، ویسی ہی اس کی ذمہ داریاں بھی ہوا کرتی ہیں، ع

جن کے رتبے ہیں سِوا، ان کی مشکل سِوا ہوتی ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ کے متعلق بعض حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں، یعنی دونوں کی ذمہ داریوں میں بڑا فرق ہے، زمین و آسمان کا فرق ہے، جو نہیں جانتے، ان کے مقابلے

(۱) سنن أبي داود، عن أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ.

میں جاننے والوں کی ذمہ داریاں ان کے فرائض بہت زیادہ ہیں۔

## پرواز تو ہے دونوں کی ایک ہی فضا میں لیکن

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس نسبت سے نوازا ہے، وہ بہت اونچی نسبت ہے اور یہ نسبت ہی اصل چیز ہے جو آدمی کے لیے فخر اور نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے اور نسبت ہی کی وجہ سے چیزوں کی قدر و قیمت میں بہت بڑا، زمین اور آسمان کا فرق آجاتا ہے۔ دو اینٹیں ہیں جو ایک ہی جگہ میں تیار ہوئیں، ایک اینٹ کسی کے مکان کے اندر لگ گئی اور دوسری اینٹ مسجد کے اندر لگ گئی۔ دونوں کا مادّہ ایک ہے، اس کو بنانے والے، اس کو فرمے کے اندر ڈال کر اس میں سے نکالنے والے کاریگر ایک، مٹی ایک ہے، ساری چیزیں ایک ہیں، اس کے باوجود جب ان کا استعمال الگ الگ ہوا اور نسبتیں بدلیں تو دونوں کی قدر و قیمت میں زمین وآسمان کا فرق ہوگیا، مسجد میں لگنے والی اینٹ اتنی قیمتی ہوگئی کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر کا ایسا حصہ بن گئی کہ -خدانہ کرے، خدانہ کرے- کوئی اس کو ترچھی نظر سے دیکھے گا تو ایک مسلمان اس کے لیے اپنی جان قربان کرنا سعادت سمجھتا ہے۔

## کرگس کا جہاں اور ہے، شاہین کا جہاں اور

گتّہ ہے، گتّے کی فیکٹری میں تیار ہوتا ہے، اس کے بعد اسی گتّے کو کسی کاپی کی جلد کے اندر استعمال کیا گیا اور اسی کو قرآنِ پاک کی جلد میں استعمال کیا گیا، ایک ہی مادّہ ہے جس سے دونوں تیار ہوئے ہیں، ایک ہی فیکٹری میں تیار ہوئے ہیں، تیار کرنے

والے کاریگر بھی ایک ہیں، اس کے باوجود استعمال کے بعد جب دونوں کی نسبتوں میں فرق آ گیا تو دونوں کی قدر و قیمت میں زمین وآسمان کا فرق آ گیا۔ اب یہ جو قرآنِ پاک کے ساتھ لگ گیا، وہ قرآن کا ایک حصہ بن گیا، اب جس طرح ایک مسلمان بغیر وضو کے قرآن کے اوراق کو ہاتھ نہیں لگائے گا، اس کو بھی ہاتھ نہیں لگاتا، جو احترام اور جو ادب قرآنِ پاک کا ہے، وہی اس گتّے کا ہے۔

## علماء معاشرے میں مثلِ قلب ہیں

بہر حال! نسبتوں کی وجہ سے قدر و قیمت میں بھی اور ذمہ داریوں میں بھی بڑا فرق آجاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو نسبت عطا فرمائی ہے، وہ بڑی اونچی ہے، بقول حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے کہ: ان خواص اور علماء کو معاشرے میں وہی مقام حاصل ہے جو آدمی کے جسم کے اندر دل کو حاصل ہے۔ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ (۱). گویا جس طرح جسم کا صلاح وفساد قلب کے اوپر موقوف ہے، اسی طرح معاشرے کا صلاح وفساد اسی طبقے کے اوپر موقوف ہے اور جو حال قلب کا ہے، وہی حال مِلّت کے اندر اور معاشرے کے اندر اہلِ علم کا ہے۔

## مجھے ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے

قلب کے متعلق حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس میں تین چیزیں ہونی

---

(۱) صحیح البخاری، عن النُّعمَانِ بْنَ بَشِیرٍ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ.

چاہئیں: (۱) حیات (۲) حرکت اور (۳) حرارت۔ حیات بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ اگر حیات ہی نہ ہو تو

| | | |
|---|---|---|
| مجھے ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے | | کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے |

## ادائے فرض ہے مطلوب، مرنا ہو کہ جینا ہو

اس کے بغیر تو کام بنتا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ حرکت بھی ہونی چاہیے۔ حرکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا کام کرتا ہو۔ علماء کا کام کیا ہے؟ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مِلّت کا احتساب، اپنا احتساب اور حق و باطل کے درمیان تمیز، جہاں حق کے اظہار کی ضرورت پیش آئے تو بلا خوف لومۃ لائم اس کا اظہار کرے اور اس کے لیے جس نوع کی بھی قربانی مطلوب ہو، اس کو پیش کرنا، یہ ہے حرکت۔

## دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے

اور حرارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہو، تعلق مع اللہ، اِنابت اِلی اللہ، عشقِ رسول، آخرت کا شوق، دنیا سے بے رغبتی، یہ دراصل قلب کی حرارتیں ہیں، جس کے اوپر اس کا سارا کاروبار رہتا ہے۔ اہلِ علم کے لیے یہ بنیادی چیزیں ہیں؛ اس لیے کہ اگر ان میں کمی آجائے گی تو اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے جو فرائضِ منصبی ہم پر عائد ہیں، ان فرائضِ منصبی کی ادائگی کے اندر بھی کوتاہی آنا شروع ہو جائے گی۔

## جب عالم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا

لوگ اگر دیکھیں گے کہ ہم جس طرح مال و دولت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، یہ علماء بھی اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ہم جس طرح عہدے اور منصب کے خواہش مند ہیں، یہ بھی اسی طرح اس کے خواہش مند ہیں، ہم جس طرح ان چیزوں کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، یہ بھی اس کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں تو پھر وہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ ان کا معیار اور ان کی سطح ہم سے کہاں اونچی ہے۔ وہ تو اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ جو چیزیں آپ کے اندر مطلوب ہیں، وہ چیزیں آپ کے اندر پائی جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یہ چیز عطا فرمائے۔

## اپنی ذات کا محاسبہ کرنے کی ضرورت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب ہمیں یہ نسبت عطا فرمائی ہے تو میں اپنے آپ کی برأت ظاہر نہیں کرتا، ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾ [یوسف:۵۳] میں نے جیسا کہ شروع میں عرض کیا کہ یہ ایک مذاکرہ ہے، اس مجلسِ مذاکرہ میں بیٹھ کر ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم پر اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں، کیا ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہیں اور ان ذمہ داریوں کی ادائگی کے لیے اپنے آپ کو جن صفات کے ساتھ متصف کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے اندر جن کیفیات کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کیا ان

کیفیات کے حصول کے لیے ہم کچھ کوشش کر رہے ہیں؟

## تھے تو وہ آباء تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟

ہمارے وہ اکابر اور اسلاف جن کی طرف نسبت کو ہم اپنے لیے فخر اور سعادت کی چیز سمجھتے ہیں، ماضی قریب میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ، حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ، دونوں حضرت رائپوری رحمهما الله، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ، یہ تمام ہمارے اکابر ہیں، ان کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، ہم تو ان کی زندگیوں میں سے فقط درس وتدریس لیے ہوئے ہیں اور وہ بھی جیسا حق ہے، ویسا ادا نہیں کر پاتے۔ درس وتدریس کے معاملے میں بھی امانت ودیانت کے جو تقاضے وہ حضرات پورے کرتے تھے، ان تقاضوں پر بھی ہم تو پورے نہیں اتر رہے ہیں لیکن اسی ایک پہلو کو ہم تو لیے ہوئے ہیں، ان کی زندگی کے جو دوسرے پہلو ہیں کہ: مخلوق کے ساتھ ان کا معاملہ کس طرح تواضع کا تھا، ان کے ساتھ وہ کس طرح پیش آتے تھے، ان کے حالات پر وہ کس طرح شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔

## عمل بالسنہ کا حسینی جذبہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو کیفیت شمائل میں بیان کی گئی ہے، حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہؓ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیے کے متعلق دریافت کیا؛ تا کہ میں بھی اس کو کچھ اختیار کرنے کی

کوشش کروں، وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیے کو بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے تھے۔ ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ معلوم کرنے کے بعد ایک زمانے تک میں نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اس کو چھپایا پھر میں نے اس کا اظہار کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو مجھ سے پہلے ہی پوچھ چکے ہیں اور مزید براں ہمارے والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب باہر تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کے کیا معمولات اور کیا کیفیت ہوتی تھی، گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کیا کرتے تھے، آپ کی مجلس کا کیا حال ہوا کرتا تھا، وہ بھی پوچھ چکے تھے۔

## معاشرے کے حالات سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ باخبر رہتے تھے

پھر انھوں نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال کیا تھا؟ فرماتے ہیں: وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو مانوس کرتے تھے یعنی ان کو اپنے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے تھے اور ایسی کوئی بات جس سے دوری ہو، نفرت کا باعث ہو، اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احتراز فرماتے تھے۔ وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے اندرونی معاملات دریافت کرتے تھے کہ اندرونی حالات کیا ہیں؟ معاشرت کیسی چل رہی ہے؟ معاملات کیسے ہیں؟ اخلاق کیسے ہیں؟ یہ نہیں کہ فلانا کیا کرتا ہے؟ ہم بھی اس کے اندر لگے ہوئے ہیں لیکن ہماری نوعیت دوسری ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پوچھتے تھے تو معاشرے کی اصلاح کے لیے پوچھتے

تھے۔ جب پتہ چلتا تھا اور کوئی اچھی بات علم میں آتی تھی تو یُحَسِّنُ الْحَسَنَ: آپ اس کی تحسین فرماتے تھے، شاباشی دیتے تھے، اور اس کو تقویت دیتے، اس کو سپوٹ کرتے تھے، وَیُقَبِّحُ الْقَبِیحَ وَیُوَهِّیهِ: اور اگر کسی بری بات کا علم ہوتا کہ یہ بری بات معاشرے میں ہے تو آپ اس کی قباحت کو واضح فرماتے تھے اور اس کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیا ہم ان چیزوں میں لگے ہوئے ہیں؟ اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کر رہے ہیں؟

## غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

لوگوں کے متعلق کا معمول بتلایا: لَا یَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ یَغْفُلُوا أَوْ یَمِیلُوا: کہ آپ لوگوں کے حالات سے بے خبر نہیں رہتے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ان کی طرف سے بے خبری برتنے کے نتیجے میں وہ دین کے معاملے میں غافل بن جائیں یا غلو کا شکار ہو کر کے ملال میں اور بے رغبتی میں مبتلا ہو جائیں (۱)۔ گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ مبارک لوگوں کے حالات پر برابر رہتی تھی اور اس کے مطابق جو تقاضے ہوتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پورا فرماتے تھے۔

## جس لیے بھیجا گیا ہے تو یہاں وہ کام کر

اہلِ علم ہونے کے ناطے ہماری ذمہ داریاں ہیں کہ ان چیزوں کی طرف ہم توجہ کریں، جس بستی میں ہم رہتے ہیں اور جہاں ہمارا قیام ہے، اس کے آس پاس کے لوگوں کا اخلاقی اعتبار سے معاملات کے اعتبار سے، معاشرت کے اعتبار سے کیا حال؟

---

(۱) شمائلِ ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۶.

یہ چیزیں پوچھے بغیر بھی اہلِ علم کی معلومات میں لائی جاتی ہیں، لوگ آ کر بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب! ایسا ہو رہا ہے اور اس کو جاننے کے بعد ہمارا جو فریضہ بنتا ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے اس فریضے کو ادا کرنے کا اہتمام کریں، یہ ہماری ذمہ داری ہے، كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۱)۔

## بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی

لیکن ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اپنا حال درست کرے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق، اپنے اخلاق کی درستگی، اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف کرنا، اپنا تزکیہ، یہ پہلے نمبر پر ہے، اس کے بعد اس کی باری آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے خوب مجاہدات کروائے، آپ نے اپنا بڑا وقت عبادتوں میں گذارا، اس کے بعد آپ کو میدان میں لایا گیا تو اہلِ علم کے لیے بھی ضرورت ہے کہ پہلے تنہائیوں میں رہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو استوار کریں۔

## عبادات کی دو قسمیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشغولیات دن بھر کیا تھیں؟ ہم لوگ تو آج کل اپنی درسی اور تعلیمی مشغولیات کو کافی سمجھتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہی ہمارے لیے اللہ

---

(۱) صحيح البخاري، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب الجمعة في القرى والمدن.

تبارک وتعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، یقیناً ہے، یہ نیکی کے کام ہیں لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے والی چیزیں ایک تو بلاواسطہ ہیں اور ایک بالواسطہ ہیں، لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے جتنے بھی دینی راستے ہیں، چاہے وہ درس وتدریس ہو، وعظ وتذکیر ہو، دعوت وتبلیغ ہو، تصنیف وتالیف ہو، یہ سب بالواسطہ ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا، عبادتوں میں اپنے آپ کو تھکانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا، ذکر میں مشغول ہونا، یہ بلاواسطہ ہیں۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راتوں میں عبادت کا حکم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ [المزمل:۷] اے نبی! آپ کو دن میں بڑی مشغولیتیں ہیں؛ اس لیے آپ رات میں اللہ کے سامنے کھڑے ہو جیے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ: اے نبی! جب آپ اپنے دن بھر کے کاموں سے فارغ ہو جائیں تو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر کے اپنے آپ کو تھکائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام جس اخلاص سے ہوتے تھے، اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اخلاص کا جو اعلیٰ مقام آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اس کا تو کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، اس کے باوجود حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکلف کیا جا رہا ہے کہ آپ راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑے ہوں۔

## اِنابت اِلی اللہ اور تعلق مع اللہ دینی کاموں کے لیے روح ہے

یہ إنابت إلی اللہ، تعلق مع اللہ، یہ اصل بنیادی چیزیں ہیں، یہ ہمارے

سارے کاموں کی جڑ اور بنیاد ہے، جب تک کہ یہ چیز حاصل نہیں ہوگی، وہاں تک یہ جتنے بھی کام ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے ذرائع ہیں کہ آپ درس وتدریس کے ذریعہ سے، وعظ وتذکیر کے ذریعہ سے، دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے، تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں لیکن ان سارے کاموں میں جان اسی وقت آئے گی، جب کہ ہمارا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوگا۔

## تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے

ہمارے اکابر کی جو مشغولیتیں تھیں، وہ خالی درس وتدریس نہیں بلکہ آپ اندر جھانک کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان کی مشغولیتیں کس نوعیت کی تھیں۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے، میں نے خود بھی ان کی زبان سے سنا ہے، ان کے خطبات میں بھی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات میں بھی ہے کہ دار العلوم دیوبند کا ایک دور وہ تھا کہ وہاں چپراسی سے لے کر شیخ الحدیث تک سب صاحبِ نسبت ہوا کرتے تھے، رات کو تہجد کے وقت دار العلوم کے حجروں سے ذکر اللہ کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔

## بے اشکِ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل

کیا یہ چیزیں ہم میں ہیں؟ جب تک کہ یہ نہیں ہوگا، وہاں تک ہمارے کاموں میں جان پیدا نہیں ہوگی، روح نہیں آئے گی، ساری کائنات کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ: جو آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے اور

جو یاد نہیں کرتا، دونوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ ایسا ہے جیسے کہ زندہ اور مردہ (۱)۔ یہ اللہ کا ذکر دین کے سارے کاموں کی جڑ اور بنیاد ہے، اس کے اہتمام کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

## بالواسطہ اور بلا واسطہ عبادات کی تفہیم ایک مثال سے

ہم جو یہ کام کرتے ہیں تو مثال دیا کرتا ہوں کہ بھائی! دیکھو، آپ کی اولاد پیدا ہوگئی اور آپ کی بیوی اولاد کی خدمت کر رہی ہے، وہ بھی آپ کی نسبت کی وجہ سے ہی کر رہی ہے نا؟ آپ کی اولاد کی ساخت، پرداخت، اس کا نشو نما، اس کی تربیت، اس کے پیچھے لگے رہنا لیکن اگر اس کے باوجود وہ ''۲۴'' گھنٹے اسی کے پیچھے لگی رہے اور آپ کی طرف دھیان نہ دے تو آپ اس کو گوارا کریں گے؟ نہیں۔ حالاں کہ وہ کہہ سکتی ہے کہ یہ تو آپ کا ہی ہے، میں آپ ہی کے لیے کر رہی ہوں، اپنے آپ کو مٹا رہی ہوں لیکن نہیں، آپ کے دل کا تقاضا رہتا ہے کہ وہ میری طرف بھی توجہ کرے اور میرا حق بھی ادا کرے، حالاں کہ یہ بھی جو کچھ ہو رہا ہے، وہ آپ کے حق کی نسبت سے ہو رہا ہے، بس ایک مثال سمجھانے کے لیے دی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم کرنے کے لیے عبادات کے پہلو کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، راتوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر رونا، عبادت کرنا، یہ ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اس میں کمی یہ سارے کاموں کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے، اس کی روح نکال دیتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، باب فَضْلِ ذِكْرِ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ.

## کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ حیدر آباد میں ایک بزرگ تھے، بیمار تھے، گھٹنوں میں کچھ درد تھا، مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے خادم دوائی مل رہے ہیں، اسی دوران دیکھا کہ مجلس میں لوگ آپس میں بات چیت کررہے ہیں اور ایک شور کی سی کیفیت پیدا ہورہی ہے۔ اب جو خادم ان بزرگ کو دوا مل رہے تھے، انھوں نے دیکھا اور سوچا کہ آج تک حضرت کی مجلس میں یہ کیفیت: شور، ہنگامے اور بے ادبی کی کبھی نظر نہیں آئی، وہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، تعجب کررہے ہیں اور وہ بزرگ محسوس کررہے ہیں کہ ان کو کیا چیز تعجب میں ڈال رہی ہے تو ان بزرگ نے ہاتھ سے گھٹنے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ یہ سمجھے کہ درد ذرا اِدھر ہے تو اُدھر دوا ملنا شروع کیا پھر شور ہورہا ہے اور یہ اُدھر دیکھ رہے ہیں تو ان بزرگ نے کہا کہ اس گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں آج رات کے معمولات ادا نہیں کرسکا ہوں، اس کا یہ نتیجہ ہے جو تم مجلس میں دیکھ رہے ہو۔ مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس موقع پر ایک شعر بڑا عمدہ استعمال فرمایا ہے: ؎

| |
|---|
| رحم کر قوم کی حالت پر اے ذکرِ خدا |
| کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے |

فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے اپنے ایک رات کے معمولات کے چھٹنے کا یہ اثر محفل پر مرتب ہوسکتا ہے تو تمام مشائخ، تمام علماء اپنے ان معمولات کو چھوڑ دیں گے تو

قوم کا کیا حال ہوگا! یہ تو بنیاد اور روح ہے، اگر ہم نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی تو قوم کا کیا حال ہوگا!

## کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

ہمارے تمام اسلاف کا، اکابر کے حالات کا مطالعہ کر لیجئے: حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کا، حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا، حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کا، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ کا، ان تمام کے حالات میں آپ دیکھیں گے کہ ان کی خلوت کا ایک مخصوص وقت ہوتا تھا جس میں وہ اللہ کی یاد میں، عبادت میں مشغول ہوتے تھے، یہ ہے ہر ایک کی جان، اس کی ضرورت ہے، اس کے بغیر کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

## عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو

ہم نے کیا سوچ لیا؟ درس و تدریس سے اور ان دوسرے علمی کاموں سے فرصت ملے گی تو تسبیح پڑھیں گے، ورنہ نہیں۔ ہم نے اس کو اپنی ضرورت نہیں سمجھا، ان چیزوں سے فرصت ملے گی تو قرآنِ پاک کی تلاوت کریں گے۔ بڑے بڑے علماء جو علمی خدمات کے اندر مشغول ہیں، ان سے آپ پوچھئے کہ آپ کی تلاوت کا کیا معمول ہے؟ کچھ نہیں، آپ کی تسبیحات کا کیا معمول ہے؟ نہیں، حالاں کہ یہ تو ہمارے سارے کاموں کی روح ہے، ان ہی چیزوں کے ذریعہ سے ہم اپنی چارجنگ کر سکتے ہیں۔

## لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے قلب میں میل آجاتا ہے

دیکھو! جانور کو جس چھری سے ذبح کرتے ہیں تو آپ نے جانور ذبح کرنے

والے کو دیکھا ہوگا کہ ایک جانور کو ذبح کرنے کے بعد وہ دوبارہ چھری کو تیز کرتا ہے پھر تیز کرتا ہے؛ اس لیے کہ اگر اس کو تیز نہ کیا جائے تو چھری بے اثر ہو جائے گی، کاٹنے کا کام نہیں کرے گی۔ ہم دن بھر جو لوگوں کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، اگرچہ یہ اخلاص کے ساتھ ہو تو سب دین کے واسطے ہے، سب اللہ کے واسطے ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے ساتھ خلط ملط کی وجہ سے قلب پر ایک اثر ہوتا ہے، اس سے دل کے اوپر کچھ میل سا آجاتا ہے، **إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ**،(۱) یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اس کی ایک تشریح علماء نے یہ بھی کی ہے کہ خلقِ خدا کے ساتھ مخالطت کے نتیجے میں قلب میں جو کدورت آتی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے استغفار کرتا ہوں۔

## کہ اس محفل سے خوش تر ہے، کسی صحرا کی تنہائی

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کا مقولہ نقل کرتے تھے کہ جب کسی اجتماع میں دو تین دن شرکت کر کے آتا ہوں تو اس کی وجہ سے قلب میں جو کدورتیں آجاتی ہیں، اس کو دور کرنے کے لیے میں حضرت رائپوری علیہ الرحمۃ کے یہاں چلا جاتا ہوں یا اس کا موقع نہیں ہوتا تو اپنے یہاں نظام الدین میں رہ کر کے اعتکاف میں بیٹھ جاتا ہوں اور اس خلوت کی برکت سے ان کدورتوں سے نجات حاصل کرتا ہوں۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنِ الأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحْبَابِ الِاسْتِغْفَارِ وَالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ.

اب ہم تو ''۲۴'' گھنٹے اس طرح لگے رہتے ہیں اور اپنے دل کی صفائی اور ان کدورتوں کو دور کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے، میں آپ حضرات کو خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، یہی جان ہے۔

## حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی معروف کتاب ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کا پس منظر

حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی ایک سوانح ہے، وہاں دمشق میں ایک ادارہ ہے: دارِابنِ کثیر، وہ ہر سال مشاہیرِ علماء کی ایک ایک سوانح شائع کرتا ہے، شیخ عبدالماجد غوری نے عربی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح لکھی تھی، اس کو اس نے شائع کیا اور اس کا مقدمہ ڈاکٹر مصطفی سعید الحق نے لکھا ہے جو دمشق یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے ذمہ دار ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کو شام کی حکومت نے دمشق یونیورسٹی کی طرف سے ''رجال الفکر والدعوۃ'' کے عنوان پر محاضرات کے لیے دعوت پیش کی، یہی محاضرات بعد میں اردو میں ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

## حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی سادگی اور تواضع

کہتے ہیں کہ حضرت جب وہاں آئے ہیں اور مقالہ پیش کیا ہے تو اس وقت حضرت کی عمر زیادہ نہ تھی۔ حکومت نے حضرت علیہ الرحمۃ کے قیام کے لیے فائیو اسٹار ہوٹل

میں انتظام کیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں تو ایک مولوی اور فقیر آدمی ہوں، فائیو اسٹار ہوٹل میں میرا کیا کام! مجھے تو مسجد کا کوئی حجرہ دے دو وہیں قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ محاضرات کے لیے ہال کے اندر آتے تھے تو شام کے بڑے بڑے علماء پہلے سے آکر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔

## ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا

اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ اس کے اندر اصل دخل علمی کمال کا اتنا زیادہ نہیں تھا بلکہ مولانا کی مقبولیت میں اصل دخل رجوع اور إنابت إلی اللہ کا تھا، بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کیفیت ان کو عطا فرمائی تھی، اس کے نتیجے میں تھا، ورنہ ہمیں اور آپ کو معلوم ہے کہ عرب کے علماء کا علمی مقام کتنا اونچا ہے، وہ کوئی بھی مسئلہ پیش کرتے ہیں تو ایسا منقّح انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ہم اور آپ لوگوں کو تعجب ہوتا ہے، ہم اور آپ اس سے واقف ہیں۔

## شیخ علی الدقر کی مجلسِ تفسیرِ قرآن کا دل کش منظر

اسی کتاب میں انھوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ دمشق میں ایک بزرگ شیخ علی الدقر نامی تھے، وہ دمشق کی ایک چھوٹی سی مسجد میں فجر کی نماز کے بعد قرآنِ پاک کا درس دیا کرتے تھے تو ان کے اس درس میں شرکت کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے، مسجد بھر جاتی تھی اور آگے سڑک اور راستوں کے اوپر چٹائیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں، لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، آواز وہاں نہیں پہنچ رہی ہے، اس کے باوجود لوگوں

کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور ان کی داڑھیاں تر ہیں روزانہ کا یہ منظر تھا۔

## اسی سے ہے تیرے نخلِ کُہن کی شادابی

ایک مرتبہ ان کے ایک شاگرد نے کہا کہ حضرت! ہم بھی قرآنِ پاک کا مطالعہ کرتے ہیں اور مطالعہ کرنے کے بعد عجیب وغریب نکات لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس کے باوجود ہمارے درس کے اندر وہ تاثیر نہیں جو ہم آپ کے درس میں دیکھ رہے ہیں تو انھوں نے کہا: بیٹا! تمھاری تربیت کے لیے کہتا ہوں کہ میں اپنے اس درس میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے روزانہ تہجد میں دس پاروں کی تلاوت اس نیت سے کرتا ہوں کہ یا اللہ! میرے اس درس کو تو اپنی مخلوق کے لیے فائدے کا ذریعہ بنا۔ یہ وہ چیز ہے جو یہاں اثر کر رہی ہے۔

اب ہم اپنے آپ کو ان چیزوں سے خالی رکھ کر کے چاہتے ہیں کہ ہمارے درس میں تاثیر آئے تو یہ ممکن نہیں ہے، ہمارے بزرگوں کی سیرت اور سوانح کا مطالعہ کیجیے، وہاں یہ چیز خاص طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔

## اُدھر تو در نہ کھولے گا، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

ہمارے حضرت علیہ الرحمہ واقعہ بیان کرتے تھے: اس زمانے میں دار العلوم میں غلّہ اسکیم کا جلسہ ہوا کرتا تھا اور یہ جلسہ قدیم زمانے سے دار العلوم دیوبند میں ہوتا چلا آرہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کے زمانے میں غلّہ اسکیم کا جلسہ تھا، بڑی تعداد میں لوگ حاضر تھے، وہاں چھتہ مسجد میں مخصوص حضرات کو اعتکاف اور دعا

کے لیے بٹھایا گیا تھا، لوگ بڑی تعداد میں آ گئے تو حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے ان کو کہلوایا کہ دعاؤں کا اہتمام کریں، جو کھانا تیار کیا گیا تھا، اس کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ کافی نہ ہو۔ حضرت یہ واقعہ حضرت علّامہ کے حوالے سے سناتے تھے کہ حضرت علّامہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے بھیجا کہ وہاں مسجد کے اندر جو حضرات ہیں، ان سے جا کر کے کہہ دو کہ الحمد للہ! کام عافیت سے ہو گیا۔

## مجاہدو! اس کو یاد رکھنا، یہ اک نکتہ ہے عارفانہ

تو کوئی بھی کام، کوئی بھی چیز، کوئی بھی مسئلہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کے بغیر حل نہیں ہوتا؛ اس لیے آج ہم نے اپنا جو ذہن بنا رکھا ہے، اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے، خانقاہ میں بیٹھنے والے بوریانشین یہ کام کریں گے۔ نہیں، جب تک ہم ان چیزوں کو نہیں اپنائیں گے، ہمارے علمی کاموں میں جان پڑنے والی نہیں ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان ہی بندوں سے اپنی مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں جن کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔

## خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے اپنے کچھ اوقات فارغ کیجیے

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے دلوں میں رجوع اور إنابت إلی اللہ کی کیفیت پیدا کریں اور اس کو پیدا کرنے کے لیے عبادات کی جن شکلوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کریں، اس میں اپنے آپ کو لگائیں، اپنے "۲۴" گھنٹوں کے اوقات میں سے بعض اوقات کو خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے فارغ کیا جائے، یہ

نہیں کہ مطالعے سے وقت ملے گا، اپنے کاموں سے فرصت ملے گی تو ہم یہ کریں گے۔ بہت سے اہلِ علم بیعت ہوتے ہیں تو یہی شکایت کرتے ہیں کہ مولانا! وقت نہیں ملتا۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں یہ کام تب کروں جب وقت ملے۔ نہیں، یہ کام ضروری ہے۔ جب ہماری زندگی میں کوئی ضروری کام آجاتا ہے تو سارے ضروری کاموں سے بھی وقت نکال کر کے ہم اس کو کر لیتے ہیں تو یہ بھی ضروری ہے، اس کی طرف خاص طور پر توجہ کی جائے۔

یہ چیز جب آئے گی تو اسی کے فوائد میں سے یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دین کی خدمت کی طرف متوجہ کریں گے، آپ کے کاموں میں خیر و برکت ہوگی، لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، دنیا سے بے رغبتی کی کیفیت بھی اسی کے نتیجے میں پیدا ہوگی کہ آج بھلے آپ کے پاس مال ہے، کاروبار ہے لیکن اس کاروبار کے باوجود آپ اس کاروبار کے غلام، عبدالدینار اور عبدالدرہم بن کر نہیں رہیں گے بلکہ اس سے بے نیاز ہو کر اللہ کے دین کے کام میں مشغول ہوں گے۔

## حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے استغناء کا ایک واقعہ

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ، پیرانِ پیر، غوثِ پاک، ان کا واقعہ ہے کہ سلطان سنجر ان کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی حکومت بڑی پھیلی ہوئی تھی، اس نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں اتنے سارے مہمان آتے ہیں، لنگر چل رہا ہے اور اتنا سارا خرچ! حالاں کہ حضرت کی نہ کوئی کھیتی باڑی ہے، نہ کوئی تجارت ہے، نہ کوئی فیکٹری ہے، کہاں

سے سب چلتا ہوگا! اس نے اپنا ایک پورا اسٹیٹ (state) صوبہ جس کا نام تھا نیمروز۔

## زانگاہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب

تو سلطان سنجر نے جاگیر کے طور پر لکھ کر کے حضرت کو بھیج دیا کہ آپ کو یہ صوبہ جاگیر کے طور پر پیش کرتا ہوں، اس کی پوری آمدنی آپ کی نذر کرتا ہوں تو حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے اس کے پیچھے جواب میں دو شعر لکھ کر کے بھیجے، بڑے عجیب وغریب ہیں: ؎

| | | |
|---|---|---|
| چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد | | در دلم بود گر ہوس ملک سنجرم |
| زانگہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب | | من ملکِ نیمروز بیک جو نمی خرم |

کہ سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح، پہلے زمانے میں بادشاہ ہوتے تھے، وہ جب دربار لگاتے تھے تو اوپر ایک بڑا سا ئبان سا ہوتا تھا کالے رنگ کا، وہ چتر کہلاتا ہے۔ یہ کالے رنگ کا اس لیے رکھا جاتا تھا؛ تاکہ اس سیاہ رنگ کی وجہ سے اس کے اندران کا حسین وجمیل چہرہ اور بھی زیادہ بارعب معلوم ہو تو فرمایا: سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح میرا نصیبہ بھی کالا ہو جائے، گر در دل بود ہوس ملک سنجرم: اگر میرے دل میں سنجر بادشاہ کے ملک کی ذرا برابر بھی خواہش ہو، زانگاہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب: یہاں آپ نے صنعتِ جناس استعمال کی ہے کہ اُدھر نیمروز تھا تو آپ نے اس کے مقابلے میں نیم شب فرمایا تو فرماتے ہیں: جب سے آدھی رات کے ملک کا پتہ چلا ہے، آدھی رات کو اللہ کے سامنے کھڑے رہ کر راز و نیاز کرنا، اللہ سے مانگنا، جب سے یہ ملک

میرے ہاتھ میں آیا ہے، من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم: یہ نیمروز کا ملک ایک جو کے بدلے میں بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی نگاہ صرف اللہ کی طرف جانی چاہیے۔

جب آدمی راتوں کو اللہ کی عبادت میں مشغول ہوگا، اس کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو یہ چیز عطا فرمائیں گے، یہی وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں آدمی بلاخوف لومۃ لائم، جرأت کے ساتھ دین کی خدمات کو انجام دیا کرتا ہے۔

## حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور صاحبِ تفسیرِ مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں عرب ممالک سے بھی لوگ آیا کرتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ عرب کے علاقوں میں ان ہی کی برکت سے پھیلا ہے، بہت سارے لوگ آتے تھے، ویسے ''۵۰۰'' سالکین تو مستقل ان کی خانقاہ میں ذکر واذکار کے اندر مشغول رہتے تھے اور دوسرے مہمانوں کی تعداد الگ ہوتی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' میں بڑے عجیب وغریب انداز میں ان کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

## ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم

ٹونک کے اس وقت کے نواب میر خان حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ کے عقیدت مند تھے انھوں نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں کثرت سے مہمان ہوتے ہیں انھوں نے ایک جاگیر دینا چاہی تو اس کے جواب میں حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک شعر لکھ کر کے بھیجا: ؎

| | |
|---|---|
| ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم | با میر خان بگو کہ روزی مقدر است |

کہ: ہم تمھاری یہ جاگیر قبول کر کے فقر وقناعت کی عزت کو ڈبونا نہیں چاہتے، میر خان سے کہہ دو کہ روزی تو مقدر ہے، وہ آ کر کے رہے گی۔

آج ہم نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے اندر ایسا لگا دیا ہے کہ ہم اپنے مقام کو پہچانے بغیر اس سطح سے نیچے اترتے چلے جارہے ہیں اور ہر چھوٹا بڑا اس چیز کو محسوس کر رہا ہے اور خود ہمیں بھی اس چیز کا احساس ہے، تنہائیوں میں ہم ان چیزوں کو محسوس کرتے ہیں لیکن اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، اس کی طرف خاص توجہ کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو ان چیزوں کو محسوس کر کے اور ہمارے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر کے اور اسی روش اور طریقے کو اختیار کر کے دین کی خدمت میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# رہنمائے طلبہ (۱)

# اقتباس

ابھی تو آپ خوش ہو رہے ہیں لیکن کل آپ کو اس کا وبال بھگتنا پڑے گا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت بھی آپ کے پاس نہیں ہوگی، یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، حالتِ غرغرہ سے پہلے ایمان لانا مقبول ہوتا ہے، اسی طرح یہاں اس کی توبہ کرنے سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے؛ اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ابھی بھی موقع ہے، ابھی چار مہینے باقی ہیں، جو کچھ کر سکتے ہو، کرلو۔ صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ ایک آدمی صبح کو کہیں جانے کے لیے گھر سے نکلا ہے، اب درمیان میں اِدھر اُدھر کہیں بھٹک گیا لیکن شام کو واپس گھر آ گیا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ درمیان میں کہیں بھٹک گیا تھا لیکن رات ہو گئی اور نہیں آیا تو پتہ چل جائے گا، گھر والے رات کو تلاش کریں گے۔ اسی طرح طالبِ علمی کے زمانے میں کی ہوئی کوتاہی کی تلافی آپ یہیں مدرسے میں کرلیں گے تو موقع ہے لیکن اس کے بعد موقع نہیں ہے؛ اس لیے میں آپ حضرات سے یہی عاجزانہ درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اس سے آپ فائدہ اٹھائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰہ بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰہ تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِيۡ لَشَدِيۡدٌ﴾ [ابراھیم:۷] وقال تعالىٰ: ﴿ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ﴾ [التکاثر:۸] وقال تعالىٰ: ﴿وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ [القصص:٦٨]

## اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی انتہاء اور شمار نہیں ہے

حضراتِ اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اپنی بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ نعمتیں ہم پر دن رات، ہر لمحہ، ہر گھڑی بارش کی طرح جاری وساری ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں، ان کا شمار ہمارے بس میں نہیں ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ

لَا تُحْصُوْهَا﴾ [ابراهيم:٣٤]

## اللہ تبارک وتعالیٰ کی دنیوی نعمتیں بلاامتیاز وتفریق تقسیم ہوتی ہیں

ویسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مختلف نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کو حضراتِ علماء نے دو قسموں میں منقسم کر رکھا ہے: (۱) مادی، اور (۲) روحانی۔ ان روحانی نعمتوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں علم کے ساتھ جو نسبت اور تعلق عطا فرمایا، یہ اس کا محض فضل اور احسان ہے۔ ویسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تمام ہی بندوں کو نعمتوں سے نوازتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے ہیں، خاص کر کے ان کی دنیا کی نعمتوں اور ضرورتوں کی تقسیم کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی تفریق نہیں: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاءِ وَهٰٓؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ [الإسراء:٢٠]: یہ اور وہ، ایمان والوں کو بھی اور کافروں کو بھی، ہر ایک کو ہم دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بخشش کی کسی پر بندش نہیں ہے، رُکی ہوئی نہیں ہے۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے باغی بندوں کو دنیوی نعمتوں سے زیادہ ہی نوازتے ہیں

بلکہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کا حال تو یہ ہے کہ: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ، وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ﴾ [الزخرف:۳۳، ۳۴] کہ: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی طرف چل پڑیں گے، یہ

کمزور ایمان والے اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے کافروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دنیا کی جو نعمتیں دی جارہی ہیں، ان کو دیکھ کر شاید یہ سوچنے لگیں کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا ملنا ان کے اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی اور عنداللہ محبوب ہونے کی علامت ہے، یہ سوچ کر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں، یہ اندیشہ نہ ہوتا تو ان کافروں کو ہم اتنا دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے مکانات کے زینے اور سیڑھیاں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کی مسہریاں اور پلنگ جس پر وہ آرام کرتے ہیں، یہ سب سونے اور چاندی کے ہوتے لیکن ہماری ایمانی کمزوری کی وجہ سے ان کے ساتھ اس قدر زیادہ دادودہش کا معاملہ نہیں کیا گیا، اللہ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے

اور یہ اس لیے کہا گیا کہ دنیا کے مال ومتاع کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی قدر وقیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو پینے کے لیے پانی کا ایک گھونٹ بھی عطا نہ فرماتے (۱)۔ یہ جو دے رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں ہے، جیسے ہمارے گھر کے سامنے گٹر کا پانی

---

(۱) سنن الترمذی، عن سهل بن سعد، باب مَا جَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

بہہ رہا ہو، ہمارا کوئی دشمن اس میں سے پانی بھر کر لے جائے تو ہم خوش ہوں گے کہ سب بھر کر کے لے جاؤ، ہمارا کیا بگڑتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

## اللہ تعالیٰ علمِ دین کی دولت صرف محبوبین کو عطا فرماتے ہیں

اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا تو دوست کو بھی دیتے ہیں، دشمن کو بھی دیتے ہیں، مؤمن کو بھی دیتے ہیں اور کافر کو بھی دیتے ہیں لیکن دین کی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو دیتے ہیں جس سے وہ راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دین کی کوئی نعمت عطا کر رکھی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے راضی اور خوش ہیں بلکہ خاص طور پر یہ علم والی دولت! اس کے متعلق خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ [(۱)]: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، فقہ فی الدین کی نعمت سے مالا مال فرماتے ہیں۔

## قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اور آپ کو یہ جو علم کے ساتھ نسبت اور تعلق عطا فرمایا ہے، اس لائن میں ہمیں لگایا اور اس کام کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارا انتخاب

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ.

فرمایا، یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے۔ دیکھو! ہم اپنے اختیار سے نہیں آئے ہیں، ؎

| | |
|---|---|
| میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے | قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں |

## وہی ہوتا ہے، جو منظورِ خدا ہوتا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی ہمیں بھیجا ہے، اس میں ہمارے قصد وارادے کو کوئی دخل نہیں ہے، رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ: تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا اور جس کے لیے جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ: مخلوق کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہے، مجھے اور آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے، میرے اور آپ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ یہ نہیں کریں گے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اور آپ کے لیے جو پسند کیا، وہی ہم کر رہے ہیں۔ وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ: ہمارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے۔ گویا ہم جو یہاں جو آئے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے بارے میں یہاں آنے کا فیصلہ کیا، اسی کے نتیجے میں ہم یہاں آئے ہیں۔ اب اس کے لیے جو اسباب ناگہانی طور پر وجود میں آئے ہوں: ماں باپ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈالا، یا خود کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ نہیں چاہتے لیکن اس کے باوجود بیٹا زبردستی آجاتا ہے تو جو بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہاں پہنچایا ہے۔

## ادائے شکر نعمتوں میں اضافے کا باعث ہے

خاص طور پر میں طلبہ سے درخواست کرتا ہوں کہ ذرا یہ سوچو! اللہ تبارک

وتعالیٰ کے اس انعام کو بار بار سوچنے کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا دل سے بار بار شکرادا کرنے کی ضرورت ہے؛ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا جتنا زیادہ شکرادا کیا جائے گا، اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نعمتوں میں اضافہ ہوگا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے یہاں آنے کے جو اسباب پیدا فرمائے، دنیوی اعتبار سے، ظاہری اعتبار سے جو بھی شکلیں ہوں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

## حصولِ علمِ دین کے لیے ہمارا انتخاب باری تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے

ذرا آپ سوچو تو سہی! آپ جس ماحول سے آ رہے ہیں، جس گھرانے سے آپ کا تعلق ہے، جس برادری سے آپ کا تعلق ہے، جس محلے اور بستی سے آپ کا تعلق ہے، وہاں آپ جیسے، آپ کے ہم عمر اور بھی بہت سارے بچے تھے اور بہت سے تو آپ سے زیادہ ہوشیار، آپ سے زیادہ ذہین، آپ سے زیادہ دولت مند، آپ سے زیادہ دنیوی اسباب والے تھے، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب میں سے چن کر کے آپ کو یہاں پر پہنچایا۔ وہ وہاں ہیں: کوئی کھیتی باڑی میں لگا ہوا ہے، کوئی جانور چرا رہا ہے، کوئی دکان چلا رہا ہے، کوئی کاروبار کر رہا ہے، وہ چاہے جو بھی کر رہا ہو اپنی بلا سے لیکن بہر حال! انھیں وہاں اور ہم کو یہاں پہنچا دیا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم جتنا بھی شکرادا کریں کم ہے۔

## ہدایت کی دولت باری تعالیٰ نے اپنے قبضۂ تصرف میں رکھی ہے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کسی نے ایک مرتبہ دیکھا کہ خوشی سے ناچ رہے ہیں، بڑی

مسرت کا اظہار کر رہے ہیں، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کی دولت مجھے عطا فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان اور ہدایت کی دولت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، اگر یہ دولت دنیا کے انسانوں کے ہاتھ میں دی گئی ہوتی کہ تم تقسیم کرو، تم جس کو چاہو، دو تو کہاں میرا نمبر لگتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی ویسے سیاہ فام قوم سے ہے اور اس زمانے میں بھی اور آج اس ترقی یافتہ دور میں بھی جب کہ حقوقِ انسانی کی آوازیں بڑے زور و شور سے بلند کی جا رہی ہیں، اس سیاہ فام قوم کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے، ساری دنیا اس کو دیکھ رہی ہے۔ اور اس سیاہ فام قوم میں بھی میں تو غلام تھا، مجھے کہاں ایمان نصیب ہوتا، یہ تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اسی نے مجھے دی؛ اس لیے یہ دولت مجھے حاصل ہوئی ہے۔

## طلبہ اور علماء اس گراں قدر نعمت کا برابر استحضار کرتے رہیں

ایسے ہی علم کی دولت کے بارے میں سوچو! اس مدرسے میں جو بچے ہیں، کہاں کہاں سے آئے ہیں، اساتذہ اور مدرسہ کے منتظمین جانتے ہیں، جن گھرانوں سے آئے ہیں، جن علاقوں سے آئے ہیں، جن بستیوں سے آئے ہیں، اگر علم کی یہ دولت دنیا والوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور ان کو کہا جاتا کہ تقسیم کرو تو وہ تو بڑے بڑے گھرانوں کو تلاش کرتے اور ان کے بچوں کو دیتے کہ یہ علم کی دولت لے لو۔ اونچے اونچے خاندانوں کو منتخب کیا جاتا۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے

فضل سے انتخاب فرمایا، مَا کَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ: لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، ہمارے، آپ کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ سب کو چن کر کے یہاں پہنچایا۔ اس بات کو بار بار سوچیں اور اپنے دماغ میں اس کو تازہ کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، میں کہاں اس کا مستحق تھا، میں جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میرا جہاں گھر ہے، جس بستی کا رہنے والا ہوں، وہاں سے حصولِ علم کے لیے یہاں کیسے آ سکتا، وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں مجھے پہنچایا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہم کو اور آپ کو اس کام میں لگایا۔

## حصولِ علمِ دین کے لیے ہمارے اسلاف کی جدوجہد

آپ اندازہ لگائیے کہ پہلے زمانے میں ہمارے اکابر اور اسلاف جنھوں نے علمِ دین کی خدمات انجام دیں، انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک جن حضرات کا تعلق علمی سلسلے سے رہا اور جنھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے اپنے اوقات کو فارغ کیا، انھوں نے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں، تاریخ کی کتابوں میں اس کی تفصیلات لکھی ہوئی ہیں۔ ہم اور آپ ان کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائیں، اس زمانے میں سواریاں اور وسائل ویسے نہیں تھے جیسے اس زمانے میں ہیں۔ اس زمانے میں نہ یہ سڑکیں بنی ہوئی تھیں، نہ ٹرینیں تھیں، نہ ہوائی جہاز تھے، نہ بسیں تھیں، نہ کاریں تھیں، پھر بھی اس زمانے میں لوگ کتنا طویل سفر

کرتے تھے۔

## چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے

آج نیا دور آیا ہے، آج ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے کہ ہمارے محدثین اور علماء نے جو علمی دورے کیے، ان کو نقشے کے ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ با قاعدہ دنیا کا نقشہ بنایا جاتا ہے اور علماء بتاتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ یہاں پیدا ہوئے پھر یہاں سے فلاں علاقے میں حدیث حاصل کرنے کے لیے گئے، فلاں علاقے میں گئے، فلاں ملک کے فلاں شہر میں گئے، انھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے کتنے طویل اسفار کیے، با قاعدہ نشان لگا کر بتایا جاتا ہے اور پھر یہ کہ حصولِ علم کے لیے انھوں نے کتنے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، آج تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اتنے انعامات ہیں کہ مختصر وقت میں، مختصر زمانے میں ساری چیزیں حاصل کر سکتے ہیں جس کے لیے لمبا زمانہ درکار ہوتا تھا، زندگی کا بیشتر حصہ ان کا اسی کے اندر صرف ہو جاتا تھا۔

## شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

اور پھر یہ کہ ایک علم حدیث ہی حاصل کرنے کے لیے ایک دو استاذ سے کام نہیں چلتا تھا، سینکڑوں اساتذہ کے پاس جانا پڑتا تھا۔ جب ہم ان حضرات کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان حضرات کے حدیث کے اساتذہ فلاں، فلاں، فلاں ہیں، کسی کے "۲۰۰" کسی کے "۴۰۰" کسی کے "۵۰۰" اساتذہ ہیں پھر یہ تو خالی سفر کی مشقتوں کی باتیں ہیں، اس کے علاوہ کھانے، پینے، رہنے، سہنے وغیرہ کے

انتظامات اور اس کے لیے اٹھائی جانے والی مشقتیں، ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے!

## حصولِ علم کی راہ میں من جانب اللہ

## ہمارے لیے فراہم کردہ سہولتوں کا مختصر سا نقشہ

ہمیں اور آپ کو ان میں سے کوئی مشقت زیادہ نہیں برداشت کرنی پڑتی، کوئی انتظام نہیں کرنا پڑتا، ابھی تو مدرسے میں آئے اور ابھی تو داخلہ بھی ہوا نہیں کہ کھانا تیار ملتا ہے، ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی کہ مدرسے میں آنے کے بعد داخلہ ہونے ہی پر آپ کو کھانا ملے گا، اس سے پہلے آپ کو کھانا نہیں ملے گا بلکہ آتے ہی کھانے کا اور دوسری سہولتوں کا انتظام موجود ہوتا ہے، طعام کا انتظام ہے، قیام کا انتظام ہے اور وہ بھی ایسا عجیب وغریب انتظام! کھانے، پینے کا انتظام اور رہنے سہنے کا انتظام، یہ بچے جہاں سے آرہے ہیں، کیا وہاں اس طرح آرسی سی کے مکانات ہیں؟ کچے مکانات، جھونپڑے ہوتے ہیں اور کیا استنجے کے لیے اس طرح عمدہ اور پختہ بیت الخلاء گھروں میں بنے ہوئے ہوتے ہے؟ اور غسل کرنے کے لیے ایسے غسل خانے گھروں میں بنے ہوئے ہوتے ہیں؟ نہیں۔ پانی کا اس طرح انتظام ہے کہ ''۲۴'' گھنٹے بلا روک ٹوک کے آتا رہتا ہو؟ پانی لینے کے لیے دور دور جانا پڑتا ہے اور غسل کرنے کے لیے گھر والوں کو پانی میسر نہیں ہوتا، یہاں وافر مقدار میں ''۲۴'' گھنٹے دست یاب ہے اور اس کو وضو اور غسل میں بے تحاشا استعمال کرتے ہیں۔

## ان نعمتوں کے ساتھ ہمارے طلبہ کا ناروا کا سلوک

درمختار میں جہاں وضو کے مکروہات شمار کرائے ہیں، وہاں ”الإ سراف فی الوضوء“ کو بھی شمار کرایا ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ اگر وہ ماءِ مدارس اور ماءِ مساجد ہو تب تو حرام ہے، اپنے پانی میں اسراف مکروہ ہے لیکن وقف کے پانی میں اسراف حرام ہے اور ہمارے طلبہ کا حال کیا ہے؟ وضو کے لیے بیٹھے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں، نل چالو ہے اور اس میں سے بے حساب پانی بہہ کر کے ضائع ہو رہا ہے لیکن ان کو یہ احساس بھی نہیں ہے کہ ہم کس طرح پانی ضائع کر رہے ہیں، حالاں کہ پانی میں اسراف کرنے والے ان لڑکوں سے پوچھا جائے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو جواب ملے گا کہ راجستھان کے فلاں علاقے کا۔ ان سے پوچھو کہ کیا وہاں پانی اتنی وافر مقدار میں ملتا ہے؟ نہیں، پھر کیوں ایسا اسراف کر رہے ہو؟

## گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس قدر زیادہ سہولتیں عطا فرمائی ہیں، یہ تو محض کھانے پینے اور رہائش کی سہولتوں کی بات تھی۔ کپڑوں کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ ہمارے محدثین کا حال یہ تھا کہ ان بے چاروں کے پاس اتنے کپڑے بھی نہیں تھے، دو تین دن تک اسباق میں غیر حاضری ہوئی تو استاذوں نے پوچھا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں، کیا بات ہے، اتنے دنوں سے حاضری نہیں دے رہے ہیں، تحقیق کی، ان کے رہنے کے مقام پر گئے، کمرے کا دروازہ اندر سے بند

ہے، پوچھا تو کہتے ہیں کہ ستر چھپانے کے واسطے میرے پاس کپڑے ہی نہیں ہیں کہ میں باہر نکل سکوں اور آج غریب سے غریب طالب علم بھی ہو تو اس کے پاس پانچ سات جوڑے کپڑے تو ہوتے ہی ہیں، جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ غریب کہتا ہے، ان کا یہ حال ہے، جو اپنے آپ کو خوش حال کہتا ہے، اس کی بات تو چھوڑ یئے۔

## چھولینا آسماں کو آساں نہیں ہوتا

اور پھر یہاں تو سارے ہی انتظامات ہیں، کتابیں تو خریدنی نہیں پڑتی، روشنی کا بھی انتظام ہے۔ اس زمانے میں روشنی کے لیے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ جیسے ہمارے بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ دکان داروں کے یہاں چوکی دے رہے ہیں اور یہ شرط مقرر کی جاتی ہے کہ رات بھر دکان میں چراغ جلتا رہے، ہم آپ کی دکان کی چوکی داری کریں گے، آپ ہمیں آپ کے چراغ کی روشنی میں پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ اس طرح کا سودا ہوا کرتا تھا اور ہمارے یہاں روشنی کا انتظام دیکھیے کہ جہاں بھی پڑھنا چاہتے ہیں، وہاں روشنی کا انتظام ہے اور پھر کتابوں، کاغذات کا انتظام بھی ان کو خود کو کرنا پڑتا تھا۔

## آج کل طالبِ علمی کی زندگی قابلِ رشک ہوتی ہے

اور ہمارے یہاں دیکھیے کہ ہر چیز کا کیسا انتظام ہے! مجھے تو اس پر رشک آتا ہے، میں بھی ایک زمانے میں طلبہ کی نگرانی کے لیے مطبخ اور دارالاقامہ وغیرہ میں جایا کرتا تھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں یا نہیں؟ تو فجر کی اذان سے پہلے دارالاقامہ میں جانا ہوتا

تھا، ہمارے یہاں دارالاقامہ کے نیچے ’’ڈائننگ ہال‘‘(dining-hall) تھا تو جب اوپر والے دارالاقامہ میں اوپر جارہا ہوتا تو دیکھتا کہ ’’ڈائننگ ہال‘‘ میں خوانچے رکھے جا رہے ہیں، پیالے رکھے جارہے ہیں، کاہے کے واسطے؟ چائے کے واسطے، حالاں کہ طلبہ تو ابھی سوئے ہوئے ہیں! جن کے لیے خوانچے رکھے جارہے ہیں، جن کی چائے کے واسطے پیالے رکھے جارہے ہیں، وہ تو سوئے ہیں اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتظام دیکھو۔ یہ اکرام کس نسبت پر ہورہا ہے؟ علم کی نسبت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعزاز واکرام عطا فرمایا ہے۔

## قیامت کے دن ان نعمتوں کا جواب دینا ہے

آپ اندازہ لگایئے! یہ اعزاز ہمیں جس نسبت پر ملا ہے، کیا اس نسبت کی ہمیں لاج نہیں رکھنی ہے؟ اسی نسبت پر تو ہم جی رہے ہیں، اسی نسبت پر تو ہم کھا پی رہے ہیں، اسی نسبت پر تو ہم فائدے اٹھا رہے ہیں۔ اب اگر ہم اس کا لحاظ نہ کریں تو کل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟

## خلقِ خدا علم کی نسبت پر ہی ہمارے لیے یہ سہولتیں فراہم کررہی ہے

آپ سوچئے کہ مدرسے کے اندر امداد کرنے والے کہاں کہاں کے لوگ ہیں، خود ہندوستان ہی کے اندر مختلف شہروں کے ہیں، کوئی ممبئی میں ہے، کوئی کلکتہ میں ہے، کوئی بنگلور میں ہے، کوئی دلی میں ہے، کوئی پونہ میں ہے اور کچھ ملک کے باہر کے ہیں کہ کوئی لندن میں ہے، کوئی افریقہ میں ہے، کوئی زامبیا میں ہے، کوئی امریکہ میں ہے، کوئی

کنا ڈا میں ہے۔ دینے والے اپنی محنت کی کمائی اس لیے دے رہے ہیں کہ اللہ کے بندے دین کا علم حاصل کر رہے ہیں، ہم ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا یہ دینے والے آپ کو پہچانتے ہیں؟ آپ میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے۔ وہ تو اس نسبت پر دے رہے ہیں کہ اللہ کے جن بندوں نے اپنے آپ کو دین کا علم حاصل کرنے کے لیے فارغ کر رکھا ہے، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام کریں۔ نہ وہ آپ کو پہچانتے ہیں، نہ آپ ان کو جانتے ہیں، نہ آپ ان کے نام سے واقف ہیں، نہ وہ آپ کے نام سے واقف ہیں، یہ ایک سلسلہ ہے جو جاری ہے، یہ سب اسی علم کی نسبت پر ہو رہا ہے۔

## حصولِ علم سے ہماری غفلت بہت بڑی خیانت ہے

تو یہ ساری نعمتیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہیں، کاہے کے واسطے ہے؟ اسی علمِ دین کو حاصل کرنے کے واسطے دی ہیں، اب ان ساری نعمتوں کو تو ہم استعمال کریں: اپنے وقت پر تازہ کھانا کھا رہے ہیں، مدرسے کی ساری چیزوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن سبق میں حاضری نہیں دیتے۔ سبق میں حاضری دے رہے ہیں لیکن موبائل سے کھیل رہے ہیں۔ میچ کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ فلانے کے کتنے رن ہوئے، کون جیتا، کون ہارا، اسی میں ہمارا دل لگا ہوا ہے، استاذ کیا تقریر کر رہے ہیں، اس کی طرف ہمارا کوئی دھیان ہی نہیں ہے، کیا یہ خیانت نہیں ہے؟ قرآنِ پاک میں ایک سورت مستقل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتاری ہے۔

## منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن

کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی اور بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ راستے میں نازل ہوئی: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَي النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَإِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ [المطففين ۱-۳] کہ جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَي النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ جب لوگوں سے وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو پورے پورا وصول کرتے ہیں۔ وَإِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ: اور جب ناپ تول کر دینے کا وقت آتا ہے تو کم دیتے ہیں۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: کیا ان کو یہ خیال نہیں، ان کو اس کا تصور نہیں ہے کہ ان کو اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور میں کھڑا کیا جائے گا اور جواب دینا ہوگا؟

## تمھیں کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے

امام مالکؒ- جو ائمۂ مجتہدین میں سے ہیں- فرماتے ہیں کہ تطفیف ہر چیز میں ہے۔ یہاں علم کی نسبت پر آئے، مدرسے میں داخلہ لیا اور اسی نسبت پر ساری چیزوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ہم تو اپنا پورا حق وصول کر رہے ہیں: کھانے میں، پینے میں، رہائش میں، ہر چیز میں لیکن ہم پر جو حق لاگو پڑتا ہے، وہ ہم ادا نہیں کرتے: سبق میں حاضری نہیں دیتے، سبق یاد نہیں کرتے، مطالعہ نہیں کرتے، تکرار نہیں کرتے، نماز باجماعت

کی پابندی نہیں کرتے، بااخلاق بن کر کے نہیں رہتے۔ یہ سب کیا ہے؟ اتنی زیادہ سہولتوں اور نعمتوں کے جواب میں ہم کو یہ دینا چاہیے؟ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ: جب دینے کا وقت آتا ہے تو گھٹا کر کے دیتے ہیں، پورا نہیں دیتے، وصول پورا کرتے ہیں اور اس میں بھی شکایتیں ہیں کہ روٹیاں کچی بنتی ہیں، سالن بدمزہ ہوتا ہے!

## ان نعمتوں کی قدر کیجیے

میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ دیکھو! آپ کے کھانے کا حال تو یہ ہے کہ جب ساڑھے گیارہ بجے یہاں آپ کی چھٹی ہوتی ہے تو گھنٹی بجتے ہی سیدھا کھانے کے لیے ڈائننگ ہال میں پہنچ جاتے ہیں، ہاتھ دھو کے بیٹھ جاؤ۔ یہ آپ کے اساتذہ، مہتمم صاحب، ناظم صاحب جو آپ کے لیے یہ انتظامات کر رہے ہیں، وہ جب گھر جائیں گے نا تو گھر والے کہیں گے کہ کھانا تیار نہیں ہے، انتظار کرو۔ آپ کے لیے تو بالکل تیار ہے، ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں تو آپ اندازہ لگائیے کہ آپ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی سہولتیں مہیا کر دی ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔

## شکرِ حقیقی

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ: شکر کا مطلب کیا ہے؟ شکر کا مطلب صرف یہ نہیں کہ زبان سے کہہ دیا کہ اے اللہ! تیرا بے انتہا شکر اور

احسان ہے کہ تو نے یہ نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں، اگرچہ شکر یہ بھی ہے لیکن حقیقی شکر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمت جس مقصد کے لیے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس مقصد میں اس کو استعمال کیا جائے، اس کا حق ادا کیا جائے، وہ مقصد اس سے حاصل کیا جائے: زبان جس مقصد کے لیے دی گئی ہے، زبان کو اسی میں استعمال کریں، آنکھیں جن کاموں کے لیے ہمیں دی ہیں، ان کو ان ہی کاموں میں استعمال کریں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سہولتیں ہمیں جس مقصد کے لیے دی ہیں، ہم ان کو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں، اس مقصد کو حاصل کرنے میں جی جان سے لگ جائیں، اپنی ساری صلاحیتوں کو اس کے پیچھے لگائیں۔

## مدرسے میں قیام کے دو مقصود

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں، آنکھیں دی ہیں، کان دئے ہیں، زبان دی ہے، دل دیا ہے، دماغ دیا ہے، یہ سب صلاحیتیں ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لیے دی ہیں؛ تاکہ ہم دین کے علم کو حاصل کریں؛ اس لیے اپنے آپ کو پورے طور پر اس میں لگانے کی ضرورت ہے۔ یہاں آکر آپ کو دو کام کرنے ہیں: علم بھی حاصل کرنا ہے اور عملی اعتبار سے بھی اپنے آپ کو ٹھیک کرنا ہے تو گویا علم اور عمل، ان دونوں کے درستگی یہاں کے قیام کا مقصود ہے، دونوں کی طرف توجہ دیجیے۔

## حصولِ علم کی راہ بہت پرانی ہے

اب علم حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا ہے، یہ بھی کوئی نئی چیز نہیں ہے، کوئی نیا

راستہ نہیں ہے، ہم سے پہلے جو علماء اس راستے پر چلے اور منزلِ مقصود پر پہنچے، وہ کیسے چلے اور کس طرح منزلِ مقصود پر پہنچے؟ یہ سب کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں، "**التعلیم و المتعلم**" تصنیف کا ایک موضوع ہے جس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک علم حاصل کرنے والا کس طرح علم حاصل کرے، جیسے علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ فقہ، علمِ اصولِ فقہ مستقل علوم ہیں، اسی طرح "**التعلیم و المتعلم**" بھی ایک مستقل علم ہے کہ علم حاصل کرنے والے کو علم حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، اس میں سب بتا دیا گیا ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا ہے، ان کتابوں کو پڑھنا اور حصولِ علم کے طریقوں اور آداب کو جاننا بھی ایک طالبِ علم کے لیے ضروری ہے۔

## رہے پیشِ نظر منزل، تمنا گر ہے منزل کی

جیسے آپ ممبئ جانے والے ہیں، اسٹیشن پر گئے اور آپ کو معلوم نہیں کہ ممبئ جانے والی گاڑی کِدھر سے آتی ہے اور کدھر کو جاتی ہے، کون سے پلیٹ فارم پر رکتی ہے تو آپ کے لیے منزلِ مقصود تک آسانی سے پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں لوگوں سے معلومات حاصل کریں۔ اسی طرح علم حاصل کرنے کے لیے اس کے حصول کے طریقوں کو بھی پہلے ہی معلوم کرنا ضروری ہے۔ کتابوں میں حصولِ علم کے سارے طریقوں کو بیان کر دیا گیا ہے، لکھے ہوئے بھی ہیں اور عملی طور پر بھی کر کے دکھا دیا کہ علم کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔

## ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ

میں ان طلبہ سے سوال کرتا ہوں جو ہدایہ، مشکوۃ، دورے میں ہیں: آپ اتنے سالوں سے پڑھ رہے ہیں، کیا آپ نے اس فن کی، اس لائن کی کوئی ایک کتاب بھی خریدی؟ اس فن کی کوئی ایک کتاب بھی آپ کے پاس ہے؟ علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ کی **''تعلیم المتعلم''** ہے اور دوسری ہمارے اکابر کی کتابیں ہیں: حضرت قاری صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ کا رسالہ **''آداب المتعلمین''** ہے اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں۔ کتنے طلبہ ہیں جو میرے اس سوال کا جواب دیں گے؟ کتنوں نے یہ کتابیں خریدیں اور کتنے اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کی باتوں کو ذہن نشین کرکے اس پر عمل کرتے ہیں؟ اس میں علم حاصل کرنے کی جو تدبیریں، جو طریقے، جو ہدایتیں، جو آداب بیان کیے گئے، ان کا لحاظ کرتے ہیں، کبھی دھیان دیا؟ اخبار ضرور خریدتے ہیں، کرکٹ کے رسائل، فلمی میگزین اور دوسرے رسالے ضرور خریدیں گے، جو ہمیں مقصد سے ہٹانے والے ہیں، ان کے پیچھے پیسے برباد کرتے ہیں۔

## آج پرانے وقت کی ساری قدریں درہم برہم ہیں

یہ ہمارے لیے بڑے شرم کی بات ہے اور سوچنے کی بات ہے کہ حصولِ علم کے سلسلے میں معاون چیزوں کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں اور فضولیات کے لیے پیسے ہیں پھر ایسا بھی نہیں کہ آپ کو خالی یہ باتیں بتائی جاتی ہیں اور آپ کو کتابوں کے حوالے کردیا ہے بلکہ آپ کے انتظامیہ کی طرف سے باقاعدہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے

اور یہاں مسجدوں کے اندر عصر کی نماز کے بعد، فجر کی نماز کے بعد اس سلسلے میں بہت سی باتیں آپ کو بتائی جاتی ہیں۔اسی طرح اساتذہ جب پڑھاتے ہیں تو دورانِ درس اس سلسلے میں بہت ساری ہدایتیں آپ کو دیتے ہیں، آپ کی رہنمائی کرتے ہیں، آپ نے اس کو کبھی سنجیدگی کے ساتھ لیا؟ اس کو کتنا نوٹ کیا؟ آپ کے پاس گویا اس کے لیے وقت ہی نہیں ہے، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے معاملے میں ہم کتنے سنجیدہ ہیں، ہمارے اندر کتنا شوق ہے۔

## کیا یہ اندازِ طالب علمی ہے؟

جو چیزیں غیر ضروری ہیں، غیر ضروری ہی نہیں بلکہ لغویات بلکہ علم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والی ہیں، ان کے ساتھ ہمیں محبت ہے، لگاؤ ہے، ان کے ساتھ ہماری ساری دل چسپیاں وابستہ ہیں، ''۲۴'' گھنٹے اسی میں اپنے دل ودماغ کو، اپنے کان، زبان اور آنکھوں سے لگائے رکھتے ہیں۔آج کل میچ ہوتے ہیں، اس کو کتنا دیکھتے ہیں، اس کے کتنے چرچے کرتے ہیں، اس کے بارے میں اخبار میں کتنا دیکھتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ اور یہ سب ہو رہا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ یہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ ہے یا پھر وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ میں داخل ہے، بتاؤ! کس میں داخل ہے؟ شکر گزاری ہے یا ناشکری ہے؟ اگر ناشکری ہے تو باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ذہن میں رکھئے: وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا عذاب، اس کی پکڑ بہت سخت ہے، پتہ نہیں چلتا، دوسروں کو پتہ نہیں چلتا بلکہ جس

کے ساتھ ہورہا ہے، اس کو بھی پتہ نہیں چلتا۔

## ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ!

یہ تو ابھی پڑھنے کا زمانہ ہے، اس دور میں جتنی بھی غفلتیں ہورہی ہیں، اس کا حساب، اس کی سزا، اس کا احساس یہاں نہیں ہوگا بلکہ جب طالبِ علمی کا یہ دور ختم ہوگا اور جب آپ مدرسہ چھوڑ کر جائیں گے، چاہے فارغ ہوکر جائیں یا ادھورا چھوڑ کر جاویں، تب یہاں جو غفلتیں ہوئی ہیں، اس کا احساس ہوگا، آخرت کی سزا اور وہاں کی ندامت تو ہے ہی لیکن دنیا میں بھی اس کا انجام دیکھ لیں گے؛ اس لیے کہ آدمی جب آزمائش اور عمل کے دور سے گذرتا ہے اور وہ اپنی ڈیوٹی بجاتا ہے تو ڈیوٹی چاہے اچھی بجاوے یا بری۔ مہینہ جب پورا ہوگا، تب اس کا حساب کتاب ہوگا، اگر ڈیوٹی مکمل طور پر بجائی ہے تو پوری تنخواہ ملے گی اور اگر کمی کی ہے تو تنخواہ کاٹ لی جائے گی۔ دنیا میں ایسا ہوتا ہے، آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

## جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

آپ یہ سوچتے ہوں گے کہ ہم تو سب کچھ کررہے ہیں لیکن ہم کو تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا! تو یہاں تو کیسے پتہ چلے گا! یہاں سے نکل کر جب باہر کی دنیا میں جائیں گے، تب پتہ چلے گا، آخرت کا معاملہ تو اپنی جگہ پر ہے، مؤمن کا اصل حساب کتاب تو وہیں پر ہونے والا ہے لیکن دنیا میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو اس کی غفلتوں کا کچھ مزا چکھاتے ہیں، یہاں جو غفلتیں کی ہیں، جو کوتاہیاں کی ہیں، اس کی وجہ سے بہت کچھ

بھگتنا پڑتا ہے۔ یہاں نماز کے سلسلے میں کوئی غفلت ہوگئی، نماز میں ٹھیک طریقے سے کھڑے نہیں تھے تو استاذ نے آ کر ٹوک دیا۔ اوپر کی جماعت کا طالبِ علم جو نگرانی کر رہا ہے، اس نے ٹوک دیا لیکن وہ چھوٹا طالبِ علم اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا تو اس سے ان طلبہ کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنے اساتذہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کر رہے ہیں!

## مقامِ عبرت

جس وقت اس بڑے طالبِ علم کے ساتھ چھوٹے طالبِ علم کی طرف سے یہ سلوک کیا جاتا ہے تو اس کے دل ودماغ پر کیا اثر ہوتا ہے! تو میں ان بڑوں کو سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ جب تم اپنے اساتذہ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کر رہے تھے، اس وقت تم نے نہیں سوچا کہ اساتذہ پر کیا گذر رہی ہوگی اور اب تمھارے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے، تب تمھیں یہ خیال آ رہا ہے اور ابھی بھی یہ خیال پختگی کے ساتھ تو آ ہی نہیں رہا ہے۔ اس کو چھوٹے طالبِ علم کی طرف سے ہونے والے برتاؤ سے ناراضگی اور تکلیف تو ہو رہی ہے لیکن ابھی بھی اس کو عبرت تو ہو ہی نہیں رہی ہے کہ یہ میرے ساتھ جو برتاؤ کر رہا ہے، ایسا ہی برتاؤ تو میں اپنے استاذ کے ساتھ بھی کر چکا ہوں تو میرے استاذ کے دل پر کیا گذری ہوگی، یہ کبھی سوچا آپ نے؟

## عیوب پر مطلع کرنے والا ہمارا محسن ہے

یہاں نماز کے معاملے میں تنبیہ کر دی، پڑھائی کے معاملے میں تنبیہ کر دی،

اٹھنے بیٹھنے کے معاملے میں تنبیہ کردی تو کیا ہوگیا؟ ان تنبیہوں کی وجہ سے آپ ناراض ہوجاتے ہیں، حالاں کہ اس پر تو خوش ہونا چاہیے کہ یہ حضرات ہمیں اپنے عیوب اور خرابیوں سے آگاہ کرکے انھیں دور کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ ہمارے اکابر تو اس پر تنبیہ کرنے والوں کا احسان مانتے تھے اور یہاں ہمارا معاملہ برعکس ہے کہ ان تنبیہات پر ہم ناراض ہوجاتے ہیں اور ناراضگی بھی ایسی کہ کسی استاذ کا لڑکا ہے یا خادمِ خاص ہے تو استاذ کے بھی کان بھر دے گا کہ ہمارے ساتھ فلاں استاذ نے ایسا معاملہ کیا۔

## تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم

اساتذہ کو بھی اللہ بخشے، یہاں سے اس استاذ کے ساتھ دشمنی شروع کردیتے ہیں، ارے بھائی! تمھیں اس معاملے میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس استاذ نے تو اپنا کام کیا تھا، پہلی بات تو یہ تھی کہ اس طالبِ علم کی یہ ہمت ہی نہیں ہونی چاہیے تھی کہ وہ آپ کے سامنے اس طرح کی شکایت کرتا، آپ پہلے اس کو دو طمانچے مارتے اور کہتے کہ تم نے ایسا کیا ہی کیوں کہ تیرے ساتھ ایسا معاملہ ہوا؟ تاکہ کل کو دوبارہ ایسا کہنے کی اس کو جرأت نہ ہو۔ اس کے بجائے آپ نے اس کی حمایت کی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اساتذہ کے آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں، انتظامیہ اور اساتذہ کے باہمی تعلقات میں فرق آجاتا ہے، یہ چیز ہمارے مدرسوں کو برباد کردے گی۔ ایسا ہو رہا ہے، ہو رہا ہے، اچھے اچھے استاذوں میں ایسا ہو رہا ہے، وہ ایسی باتوں میں پڑتے ہیں اور بچوں میں یہ مزاج ہوتا ہے کہ اِس کی بات اُدھر اور اُس کی بات اِدھر کرتے رہتے ہیں اور پھر

دونوں ایک دوسرے کے سامنے آستینیں چڑھالیتے ہیں، یہ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ اس کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

## ہمارا رویّہ یہ ہونا چاہیے

ہمارے بچے کو اگر اس کی غلطی پر کوئی مارے تو میں تو کہتا ہوں کہ جا کر اس کا شکریہ ادا کرو اور کہو کہ نماز چھوڑنے پر آپ نے میرے بچے کو مارا، اگر آئندہ وہ نماز چھوڑے تو میں اجازت دیتا ہوں کہ آج ایک طمانچہ مارا ہے، آئندہ دو طمانچے مارنا، وہ بعد میں آپ سے کسی کی شکایت بھی نہیں کرے گا۔ اگر آپ اپنے بچوں کی حقیقی خیرخواہی کرنا چاہتے ہیں، ان کی صحیح تربیت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہی ہے، یہ نہیں کہ آپ اس کی حمایت کریں۔

## مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اساتذہ یا انتظامیہ یا بڑے طلبہ کی طرف سے تنبیہ کی جاتی ہے اس پر تو آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے اور آپ اپنے آپ کو سُدھارنے کی کوشش کرتے رہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (۱) کہ: ایمان والا ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا۔ اس کی تشریح میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ مؤمن کا حال یہ ہے کہ جب اس کی غلطی پر اس کو تنبیہ کی جاتی ہے، سزا دی جاتی ہے تو دوسری مرتبہ اس سزا اور تنبیہ کی

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ.

نوبت آنے نہیں دیتا[۱]۔ ایسا سُدھر جاتا ہے، اس کا ایسا اثر لے لیتا ہے کہ آئندہ کبھی لوگوں کو تنقید دوبارہ موقع نہیں دیتا۔ وہ تو منافق، بے حیا اور ڈھیٹ قسم کا آدمی ہو تو اس کو بار بار تنبیہ کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی پٹائی کی جا رہی ہے، اس کا نام بار بار اعلان میں آ رہا ہے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سُدھارنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مؤمن کا حال تو یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ استاذ نے ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ لیا تو دوبارہ اس کی نوبت نہیں آنے دیتا۔

## شریعت میں تعزیر کی حد مقرر نہیں ہے

ہمارے فقہاء نے تعزیر کی کوئی تحدید نہیں کی، تعزیر یعنی شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کے علاوہ جب کسی جرم پر سزا دی جاتی ہے تو اس کو حاکم کے حوالے کیا کہ حاکم جیسی سزا مناسب سمجھے، دے سکتا ہے؛ اس لیے کہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت علیہ الرحمہ قصہ بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت عالم گیر علیہ الرحمہ کے پاس ایک مرتبہ ایک شکایت آئی کہ فلاں آدمی نے یہ کیا ہے تو انھوں نے اس کو بلا کر کے صرف یہ کہا کہ بھائی! ایسا سنا ہے، دوسرے آدمی کے بارے میں ایسے ہی کام کے بارے میں شکایت آئی تو اس بلا کر کے ذرا سخت الفاظ میں تنبیہ کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے اور تیسرے آدمی کی اسی طرح کی شکایت آئی تو اس کو بلا کر کوڑے لگوائے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! جرم تو ایک ہی طرح کا تھا!

---

(۲) فالمؤمن يكون فَطِناً متيقظاً، يتقي مواضع التُّهم، وإذا ابتُلي مرةً بشر لا يأتيه ثانياً، حتى لا يكون مطعناً للناس. (فيض الباري شرح البخاري، ج۷ ص ۱۷۲)

## طلبہ کی ایک عام شکایت

طلبہ کو ایک شکایت یہ بھی ہوتی ہے کہ میں نے یہ حرکت کی تو میرے ساتھ یوں کیا اور فلاں نے بھی یہی حرکت کی تو اس کے ساتھ یوں کیا تو میں نے کیا بگاڑا تھا کہ میرے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا گیا۔ میں بھی اس دور سے گذر چکا ہوں۔

## جرم کی سزا مجرم کے مزاج اور ذہنیت کے اعتبار سے طے کی جاتی ہے

بہر حال! لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ نے ایک ہی طرح کے کام پر ان کے ساتھ الگ الگ معاملہ کیا؟ حالاں کہ جرم تو تینوں کا ایک ہی تھا! تو حضرت عالم گیر علیہ الرحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ذرا ان تینوں کو جا کر کے دیکھو کہ ان کا کیا حال ہے؟ چنانچہ لوگوں نے ان تینوں کے احوال کی تحقیق کی تو وہ پہلا آدمی جس کو صرف بلایا تھا، اس کو دیکھا تو اس کی بولتی ہی بند ہے اور دوسرے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کو تو دست لگ گئے، حکیم بلایا، اس کا علاج معالجہ ہوا اور تیسرا بازار میں گھوم رہا ہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

تو بات یہ ہے کہ تعزیر کے سلسلے میں ہمارے فقہاء نے اسی لیے کوئی حد مقرر نہیں کی اور حُکّام کے حوالے کیا کہ لوگوں کا مزاج دیکھ کر جیسی سزا مناسب سمجھیں اور جیسا سلوک مناسب سمجھیں، وہ روا رکھیں۔

## یہ بھی ایک سزا ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ جب آپ کے اساتذہ، آپ کے منتظمین، مربیین، آپ کے نگران آپ کو تنبیہ کرتے ہیں تو آپ کو ناگوار گذرتا ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے۔

اب اس ناگواری کی وجہ سے کبھی تو آپ ان کے سامنے گستاخی کر بیٹھتے ہیں، اَڑ جاتے ہیں تو جب آپ اس طرح کی ذمہ داریاں، نگرانی وغیرہ سنبھالتے ہیں تو آپ کو بھی یہ سب بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر یہاں آپ نے اپنے آپ کو نہیں سُدھارا اور یہاں سے جانے کے بعد یہی بات وہاں آپ کے ساتھ بھی پیش آتی ہے گاؤں میں جہاں آپ پڑھا رہے ہیں۔ یہاں تو آپ کا پائنچہ ٹخنے سے نیچے تھا، منتظمین نے، استاذ نے کہا تو آپ کو برا معلوم ہوا، وہاں جاہل لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب! پائنچہ اوپر کرو۔ یہ بات ساری دنیا سن رہی ہے۔ یہ بھی ایک سزا ہے۔

## کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایک عالم کو ایک جاہل ایسی بات کہے اور وہ بھی دوسرے جاہلوں کے سامنے۔ اب آپ اس کو سزا نہ سمجھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت نہ سمجھیں تو یہ دوہری سزا ہے۔ علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اور اس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھے اپنے گناہوں کی وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار کیا گیا ہے تو احساس نہ ہونا، یہ اس سے بھی بڑی سزا ہے، ؎

| |
|---|
| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا |
| کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

ارے بھائی! مال ومتاع تو لوٹ لیا گیا، یہ تو ہے ہی نقصان کی بات لیکن جن کا

مال لوٹا گیا، ان کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ ہم لوٹ لیے گئے تو یہ اس سے بھی بڑا نقصان ہے؛ کیوں کہ جس کو یہ احساس ہوگا کہ مجھے لوٹ لیا گیا تو وہ اس لوٹے ہوئے مال کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اسی طرح جس کو احساس ہوگا مجھے اپنے گناہ کے سبب اس مصیبت میں گرفتار کیا گیا ہے تو وہ اس گناہ سے توبہ کرے گا لیکن جس کو اس کا احساس ہی نہیں تو وہ نہ توبہ کرے گا اور نہ اس مصیبت کا مداوا تلاش کرے گا۔

## بدعملی کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے

تو بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت کی چل رہی تھی، طالبِ علمی کے زمانے میں تو کچھ نہیں ہوگا، طالبِ علمی کا یہ دورانیہ جب تک کہ پورا نہیں ہوگا، وہاں تک آپ کو کوئی سزا نہیں ہوگی، جب آپ طالبِ علمی کے اس مرحلے کو پورا کرکے دوسرے مرحلے میں جائیں گے تو اس دوسرے مرحلے میں آپ کو ان سب کرتوتوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

## فراغت کے بعد کا دور عالم کے لیے جزا وسزا کا دور ہے

ہر طالبِ علم کو ہر شعبے میں کی ہوئی کوتاہیوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہیں، حصولِ علم میں جو کوتاہیاں کی ہیں، کتابیں کچی رہ گئی ہیں، نہ نحو پختہ ہے، نہ صرف مضبوط ہے، کتابیں یاد نہیں ہیں، ابھی تو کچھ پتہ نہیں چلے گا لیکن آپ دوسرے مرحلے میں جا پہنچے، آپ طالبِ علم نہیں رہے، استاذ بن گئے، مدرس بن گئے، اب سزا کا مرحلہ شروع ہوگا، آپ کو کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی لیکن آپ پڑھا نہیں سکتے، طلبہ کے سامنے آپ کو خفت ہو رہی ہے، شرمندگی ہو رہی ہے، آپ اپنی کمزوری کو محسوس کر رہے ہیں اور

طلبہ بھی اس چیز کو محسوس کر رہے ہیں۔ ایک کرم فرما نے بڑا اچھا جملہ کہا اور مجھے بھی بڑا پسند آیا کہ طالبِ علم کتاب سمجھے یا نہ سمجھے، استاذ کو خوب سمجھتا ہے، طالبِ علم تو جیسے استاذ ہوتے ہیں، ویسا معاملہ کرتے ہیں اور یہ طلبہ ایسی قوم ہے جو کسی چیز سے مرعوب نہیں ہوتی سوائے علم کے۔ جب تک آپ تدریس میں پختہ نہیں ہیں تو چاہے مارو، پیٹو، جو چاہے کرو، ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

## جاہلوں کے طعنے سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں

بہر حال! طالبِ علمی کے دور میں جو کوتاہیاں کی ہیں، استاذ بننے کے بعد اس کی سزا بھگتنی پڑے گی، پڑھنے میں محنت نہیں کی تو اس کی سزا یہی ہے کہ آپ کو اپنے طلبہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑ رہی ہے، یہ تو علمی شعبے میں کوتاہی کی بات ہوئی۔ رہی عمل کے شعبے میں کوتاہی کی سزا تو وہ میں ابھی آپ بتا چکا کہ آپ نے اپنی نماز درست نہیں کی، لباس درست نہیں کیا، معاملات درست نہیں کیے، اخلاق درست نہیں کیے تو ان سب کا وبال وہاں آپ کو بھگتنا پڑے گا، جاہلوں کی طرف سے طعنے سننے پڑیں گے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ان جاہلوں کو مسلط کر دیں، یہ بہت بڑا عذاب ہے۔

## ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمتیں دی ہیں، یہ سب ہمیں ایک شرط پر مل رہی ہیں، وہ شرط کیا ہے؟ وہ شرط علم حاصل کرنے کی ہے، آپ نے مدرسے میں

داخلہ لیا اور داخلہ فارم کی خانہ پری کی، اسی پر یہ سب کچھ مل رہا ہے۔ اب آپ اس شرط کو پورا کیجیے اور کمی کرنے والے نہ بنئے، ورنہ کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے، ”ویل للمطففین“ قرآن کہہ چکا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ بہت محنت سے، بہت توجہ سے علم حاصل کریں اور اپنی ساری صلاحیتیں اس کے پیچھے لگا دیں۔

## دو قسم کے طالبِ علم

اور اپنے آپ کو بھی درست کرنے کی ضرورت ہے۔ بہت سے طلبہ یوں سمجھتے ہیں کہ جب پڑھانے کا دور آئے گا، تب دیکھا جائے گا، ابھی تو مزے کر لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بول ایک طالبِ علم کی شان کے مناسب نہیں ہیں، ارے یہ بولنے والا نہ عمل میں محنت کر رہا ہے، نہ علم میں۔ آج کل تو یہ بھی عجیب معاملہ دیکھنے میں آ رہا ہے، پہلے زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ آج کل دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ ایک طالبِ علم پڑھنے میں اچھا ہے، عمل میں بھی اچھا ہے اور اخلاق میں بھی اچھا ہے۔ عام طور پر اکثر مدرسوں میں اساتذہ اس چیز کو محسوس کریں گے کہ جو طالبِ علم محنتی ہے، وہ عمل کے اعتبار سے بھی نماز با جماعت کے پابند ہوتے ہیں، بااخلاق بھی ہوتے ہیں اور جو پڑھنے میں پیچھے ہے، وہ عملی اعتبار سے بھی کمزور ہوتے ہیں، جماعت میں بھی پیچھے رہتے ہیں، اخلاق کے اعتبار سے گرے ہوئے ہوتے ہیں، برائیوں اور بداخلاقیوں کی شکایتوں میں ان ہی کا نام سرِ فہرست ہوتا ہے۔

## تجھے اب مدرسے کی روٹی کھانے کا حق نہیں ہے

تو میں یوں کہا کرتا ہوں کہ مدرسے میں دو چیزیں سکھائی جاتی ہیں: علم اور

عمل، اب اگر کوئی طالبِ علم پڑھنے میں اچھا ہے، محنتی ہے لیکن عملی اعتبار سے کچھ کمزور ہے تو مدرسے والوں کو اسے چلا لینا چاہیے، درگزر سے کام لینا چاہیے۔ ایک طالبِ علم عمل کے اعتبار سے ٹھیک ہے: نماز کا پابند ہے، با اخلاق ہے لیکن پڑھنے میں کمزور ہے تو ٹھیک ہے، رکھ لو اور ایک طالبِ علم دونوں ہی میں صِفر ہے، نہ پڑھنے میں محنت کرتا ہے، نہ عملی پہلو درست کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مدرسے والوں کو چاہیے کہ اس سے کہے کہ تجھے اب مدرسے کی روٹی کھانے کا حق نہیں ہے؛ اس لیے اب یہاں سے روانہ ہو جاؤ لیکن بات یہ ہے کہ مدرسے والے اور ہمارے منتظمین بھی بڑا دل رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بڑا دل دیا ہے، ایسا جیسے ہمارے بزرگوں کے بارے میں پڑھا ہے۔

## ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است

حضرت مولانا عبیداللہ بلیاوی علیہ الرحمۃ کے متعلق سنا کہ جب ان کے پاس کسی طالبِ علم کا امتحان جاتا تو پاس ہونے کے جو کم سے کم نمبرات ہیں: ''۱۷'' وہ تو دے ہی دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مدرسہ میں آ کر داخلہ لیا، اتنے پر ہی میں تو پاس کر دیتا ہوں، آگے دوسرے نمبرات پڑھنے کے اعتبار سے دیتے تھے لیکن بہر حال! ان کے منتظمین بھی ان کے اس مزاج یا نکتے کو دھیان میں رکھتے تھے۔ خیر! ہر ایک کا اپنا اپنا خیال ہوتا ہے، خیال اپنا اپنا۔

## طلبہ حصولِ علم کے لیے ضروری تمام امور کی پابندی کریں

بہر حال! میرے مخاطبین تو یہاں طلبہ ہیں، ان سے میری درخواست ہے کہ

آپ ان چیزوں کو توجہ اور سنجیدگی سے لیں اور سمجھیں۔ یہاں رہ کر آپ کو علم اور عمل دونوں میں پروان چڑھنا ہے۔علم کے حصول میں کس طرح محنت کرنی ہے؟اس کے سارے طریقے کتابوں میں بھی ہیں اور استاذوں سے بھی سن رکھے ہیں کہ بھائی! آپ مطالعے کا اہتمام کریں، سبق میں پابندی کے ساتھ حاضری دیں اور تکرار کا اہتمام کریں، محنت سے کام لیں۔

## اپنے ''۱۷'' نمبر تو کہیں گئے ہی نہیں

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب امتحان کا زمانہ آتا ہے تو ایک دو محنت کرتے ہیں اور باقی جو''۲۰''،''۲۵'' ہیں، وہ محنت کرتے نہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے ''۱۷'' نمبر تو کہیں گئے ہی نہیں، حالاں کہ مقصود صرف امتحان میں کامیاب ہونا تو نہیں ہے لیکن مزاج یہی بنا ہوا ہے، آپ یہ چیزیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، مجھے تو جو تھوڑا بہت معلوم ہے، وہ بتلا رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ نعمتیں دیں، یہ صلاحیتیں دیں۔ آپ تو جی جان سے لگ جاؤ، اپنے آپ کو علم کے لیے قربان کردو۔

## پگھلنا علم کے خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

آپ نے نفحۃ العرب میں پڑھا:العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيك كلك: علم اپنا بعض حصہ بھی تمھیں نہیں دے گا جب تک آپ اپنا پورا وجود اس کے لیے وقف نہ کردو، جب تک اپنی پوری ذات علم پر قربان نہیں کردیں گے، وہاں تک تھوڑا سا علم بھی نہیں آئے گا۔علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غنی

اور بے نیاز ہے، ویسے ہی اس کی یہ صفت بھی بے نیاز ہے، ہم محنت کریں گے، اپنی صلاحیتیں اس میں لگائیں گے اور اس میں لگے رہیں گے، تب جا کر تھوڑا بہت علم ہمیں حاصل ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا کام نکالیں گے اور اگر ہم بے نیازی کے ساتھ علم حاصل کرنا چاہیں گے تو بے نیازی کے ساتھ یہاں کچھ آتا جاتا نہیں ہے۔

## ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

علم کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں اساتذہ کا ادب واکرام، کتابوں کا احترام، درس گاہوں کا احترام، علم کے ساتھ وابستہ ہر چیز کا احترام ضروری ہے۔

## کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

اسی طرح اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھے سلوک کے ساتھ رہنا۔ آج کل طلبہ کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو ستاتے ہی رہتے ہیں۔ بعضوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جب تک کہ اپنے ساتھیوں کو نہ ستالیں، اپنے اساتذہ کو تکلیف نہ پہنچالیں، کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا۔ ساتھیوں میں بھی اپنی ایذارسانی کا ہدف خصوصاً اس کو بناتے ہیں جو بے چارہ ہوشیار، ذہین ہوتا ہے، نماز باجماعت کا پابند ہوتا ہے، اسی کو طعن وتشنیع کا ہدف بناتے ہیں کہ: بڑا ہوشیار بنتا ہے، بڑا صوفی ہوگیا ہے۔

## ستم بالائے ستم

اور مصیبت تو یہ ہے کہ اساتذہ میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ایسے طلبہ کو طعنے دیتے ہیں کہ پہلی صف میں آکر بیٹھتا ہے، حالاں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پہلی صف

میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اگر پہلی صف کا ثواب حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی ضرورت پڑتی تو وہ بھی کرتے اور ہم اپنے طالبِ علم کو اس پر طعن وتشنیع کریں!! اور وہ بھی مدرسے میں جو دار الاسلام ہے، وہاں پہلی صف کا اہتمام کرنے پر طعنے دئے جائیں!! مدارس پر جو حالات آرہے ہیں، وہ اسی وجہ سے آرہے ہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے؛ اس لیے میں تاکید کے ساتھ کہوں گا کہ ہمارے مدرسوں کا ماحول ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں نہ پڑھنے والا بھی آجاوے تو اس کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو، اس میں عمل کا جذبہ پیدا ہو اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فکر آجائے، بااخلاق بن جائے، یہاں آکر دین سیکھنے کا شوق پیدا ہوجائے، ایسا ماحول مدارس کا ہونا ضروری ہے۔

## نہ جانے درس گاہوں کو کہاں لے جاکے دم لے گی

لیکن آج ہمارے مدارس کا ماحول حوصلوں کو پست کرنے والا بن گیا ہے، محنت کرنے والوں کو محنت کا موقع نہیں مل رہا ہے، اس کو محنت سے روکا جاتا ہے، جو بااخلاق ہیں، وہ مدرسہ کا نام سن کر سہم جاتے ہیں اور آگئے تو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، یہ سب کیا ہے!! اسی لیے تو مصیبتیں آرہی ہیں۔ مدارس تو مذہبی شعار ہیں، اس کے ماحول کا مثالی ہونا ضروری ہے۔ اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ مدرسہ میں، درس گاہ میں کسی صالح محنتی طالبِ علم کو ذرّہ برابر بھی نہ ستائیں، بدسلوکی نہ کریں، اگر ایسا ہورہا ہے تو آپ اس کو روکنے کی کوشش کریں، اس کو سزا دیں؛ تاکہ دوسرے کسی طالبِ علم کو اس کی جرأت نہ ہو۔ اگر مدرسے میں اس کا انتظام ہوگا تو مدرسہ آگے ترقی

کرے گا، یہ تو علمی اعتبار سے باتیں ہوئیں۔

## کیا ہے تجھے کتابوں نے کور ذوق اتنا

عملی اعتبار سے بھی باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کریں، قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کریں، تسبیحات کا اہتمام کریں، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کتابوں سے ہی فرصت نہیں ملتی تو تلاوت اور تسبیحات کا اہتمام کیا کریں، جو حفظ کلاس میں ہیں وہ تو پڑھتے ہیں لیکن دوسرے طلبہ! حالاں کہ مدارس والوں نے قرآن کی تلاوت کا باقاعدہ وقت رکھا ہے: کہیں فجر کی نماز کے بعد ہے، کہیں ظہر کی نماز کے بعد ہے، کہیں عصر کی نماز کے بعد ہے اور کہیں تو سنا کہ اس کے لیے مستقل آدھا آدھا گھنٹہ رکھا گیا ہے۔

## وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں

پھر بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو قرآن لے کر بیٹھتے ہیں اور اس کی تلاوت کے بجائے دوسری مصروفیات میں لگ جاتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تلاوت میں مشغول ہیں، نگرانی کرنے والوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، حالاں کہ: ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرۃ:۹] : وہ ایسا سمجھتے ہوں کہ ہم نے نگران کو دھوکہ دیا تو حقیقت میں نگران کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ خود اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جو آدمی بھی ایسے کام میں جو اس کی بھلائی کے لیے کروایا جارہا ہے، ایسی شکلیں اختیار کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، اس میں مدرسہ والوں کا، منتظمین کا، آپ کے استاذ کا، نگران کا کوئی نقصان نہیں، نقصان صرف آپ کا ہے، یہ اپنے آپ کو دھوکہ

دے رہے ہیں۔

## صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے

ابھی تو آپ خوش ہو رہے ہیں لیکن کل آپ کو اس کا وبال بھگتنا پڑے گا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت بھی آپ کے پاس نہیں ہوگی، یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، حالتِ غرغرہ سے پہلے ایمان لانا مقبول ہوتا ہے، اسی طرح یہاں اس کی توبہ کرنے سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے؛ اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ابھی بھی موقع ہے، ابھی چار مہینے باقی ہیں، جو کچھ کر سکتے ہو، کرلو۔ صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ ایک آدمی صبح کو کہیں جانے کے لیے گھر سے نکلا ہے، اب درمیان میں اِدھر اُدھر کہیں بھٹک گیا لیکن شام کو واپس گھر آ گیا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ درمیان میں کہیں بھٹک گیا تھا لیکن رات ہو گئی اور نہیں آیا تو پتہ چل جائے گا، گھر والے رات کو تلاش کریں گے۔ اسی طرح طالبِ علمی کے زمانے میں کی ہوئی کوتاہی کی تلافی آپ یہیں مدرسے میں کر لیں گے تو موقع ہے لیکن اس کے بعد موقع نہیں ہے؛ اس لیے میں آپ حضرات سے یہی عاجزانہ درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اس سے آپ فائدہ اٹھائیں۔

## نعمتوں کا حق ادا کیجیے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق ادا کیجیے، لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ: قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر نعمت کا سوال ہوگا، ہمیں اس چیز کا

احساس ہی نہیں ہے، کوئی فکر ہی نہیں، طالبِ علمی کی پوری زندگی: فارسی اول سے لے کر دورے تک گذر جاتی ہے لیکن کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان ساری سہولتوں اور آسائش کا مجھے جواب دینا ہے، اس سے بڑی ہماری اور کیا کمزوری ہوگی؟ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

اب اگر آپ کے دل میں طلب نہیں ہے اور یوں لگ رہا ہے کہ علم حاصل کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا تو پھر یہاں پڑے رہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اس حالت میں اگر آپ یہاں رہتے ہیں اور مدرسے کی طرف سے دی جانے والی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں تو یہ امانت میں خیانت اور بدعہدی ہی تو ہے اور اپنا وقت بھی ضائع کرنا ہے تو کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، یہ کہنا کہ علماء کی کوئی قدر ہی نہیں کرتا، یہ نفس کی طرف سے ایک دھوکہ ہے، شیطان کا دھوکہ ہے، اپنی غفلت کو، اپنی سستی کو، اپنی بے توجہی کو چھپانے کے لیے اس طرح کے جملے استعمال کرنا دوہرا جرم ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طه: ۱۱۴] وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا[1]. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا علمی احسان

عزیز طلبہ! طلبِ علم کے فضائل ومناقب ہم اور آپ بخوبی جانتے اور بیان بھی کرتے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حقیقی معنی میں طالبِ علم بنیں۔ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ- آپ کا مقام عوام اور خواص کے درمیان واضح اور ظاہر ہے، عربی، اردو میں بے شمار تصنیفات ہیں اور تمام اہلِ علم پر آپ

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ.

کا خصوصی احسان ہے۔ جب آپ ہجرت کر کے براہِ کراچی حجاز تشریف لے جا رہے تھے تو وہاں کراچی میں دوروزہ قیام ہوا، کراچی کے اس کے قیام کے دوران دارالعلوم کورنگی جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا قائم کیا ہوا مدرسہ ہے، وہاں تشریف لے گئے، وہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے آپ سے تقریر کی درخواست کی۔

## پیارو! اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ حضرت کوئی تقریر نہیں فرماتے تھے، آپ کا علمی مقام بڑا اونچا تھا، آج اہلِ علم حضرات میں سے کون ایسا ہے جس پر حضرت کا علمی احسان نہ ہو لیکن حضرت کی عادت تقریر کی تھی نہیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں کہ ہم اساتذہ اور طلبہ نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں تو حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا: پیارو! -(حضرت شیخ کا تکیہ کلام تھا: پیارو- پیارو!) اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا جملہ انھوں (مفتی محمد تقی صاحب) نے اسی مجلس میں نقل فرمایا تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم حقیقی معنیٰ میں طالبِ علم بن جاؤ تو دین اور دنیا کی تمام نعمتیں تمھیں حاصل ہیں۔ اصل ضرورت طالبِ علم بننے کی ہے۔

## طالبِ علم کی حقیقت

اب طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے تو حضرت مولانا مفتی محمد

شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم وہ ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی اس کے دل و دماغ میں کوئی مسئلہ گردش کرتا رہتا ہو، جس کو سلجھانے میں وہ لگا رہتا ہو، گویا ''۲۴'' گھنٹے اس کا دماغ اسی میں مصروف ہو۔ جیسے ایک دوکان دار ہے، وہ بازار میں دوکان کھولے تجارت کے لیے بیٹھتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب وہ دوکان کھول کر بیٹھتا ہے، اسی وقت وہ تاجر ہے بلکہ دوکان بند کر کے جب گھر جائے گا، کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھے گا، تب بھی اس کا دماغ اپنی دوکان میں ہوگا، آرام کے لیے بستر پر لیٹے گا، تب بھی اس کے دل و دماغ میں اس کی دوکان ہی ہوگی، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جائے گا تو وہاں پر بھی اس کی دوکان اس کے دل و دماغ پر سوار ہے تو وہ ''۲۴'' گھنٹے تاجر ہے، ایسا نہیں کہ جب دوکان میں ہے، تبھی دوکان دار اور تاجر ہے، اس کا ذہن اسی میں مشغول ہے۔

## طالبِ علم پر ہمہ وقت حصولِ علم کا فکر سوار رہنا چاہیے

یہی حال طالبِ علم کا ہونا چاہیے، ایسا نہیں کہ درس گاہ میں استاذ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھا ہے، تبھی طالبِ علم ہے اور چھٹی ہوئی تو سب بھول بھال گیا، نہیں بلکہ چھٹی کے بعد بھی جب مطبخ میں کھانے کے لیے جائے گا تو اس کے دل و دماغ پر کتابیں سوار رہنی چاہئیں، مسائل کو سلجھانے میں مشغول ہونا چاہیے۔ آپ عربی اول پڑھ رہے ہیں تو اپنی گردان رٹ رہے ہوں، دوسرے اسباق کو دل دل میں دوہرا رہے ہوں۔ یہ ہے حقیقی طالبِ علم۔

## ہمارے اکابر اور اسلاف کا مزاج

ہمارے اکابر اور اسلاف کا مزاج یہی تھا، چنانچہ جب ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے، موت کی گھڑی میں بھی علمی مسائل کو حل کرنے میں مشغول ہوا کرتے تھے۔

## ہماری مجہولات کی تعداد ہماری معلومات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے

علم اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے، اسی طرح اس کی یہ صفت بھی غیر متناہی ہے اور آدمی کو اس کے لیے اپنی ذات کو فنا کر دینا چاہیے، کوئی آدمی چاہے کتنے ہی اونچے مرتبے پر پہنچ جائے، بہر حال! وہ علم کی انتہا کو پہنچ نہیں سکتا۔ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کا مقولہ مشہور ہے کہ ہماری مجہولات کی تعداد ہماری معلومات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور جتنا زیادہ پڑھتے ہیں، اتنا ہی یہ احساس ہوتا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ بھی نہیں آتا، جو آدمی کتابوں کا جتنا زیادہ مطالعہ کرے گا، اس کو یہ احساس ضرور ہوگا۔ وہ تو کم ظرف ہوتے ہیں جو بغیر مطالعے کے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میں دنیا کا سب سے بڑا جان کار ہوں لیکن جو حقیقی معنے میں عالم ہوتے ہیں اور جن کے مطالعے وسیع ہوا کرتے ہیں، وہ جتنا زیادہ کتابیں دیکھتے ہیں، ان میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔

## علم کے حریص بنئے

حقیقت یہی ہے کہ علم ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں؛ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم حقیقی معنے میں علم کے طلب گار بنیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ : دو لالچی اور حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ بھرتا نہیں ہے۔ منْهُومٌ فِي الْعِلْمِ: ایک تو ہے علم کا بھوکا اور دوسرا ہے: وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا: دنیا اور اس کے مال و متاع کا بھوکا۔ اب جو مال کا بھوکا ہے، وہ تو آج بھی اسی روِش پر ہے، ان کی حرص میں کوئی کمی آئی نہیں ہے۔ دنیا میں آپ دیکھتے ہیں کہ جو مال کے طلب گار ہوتے ہیں، ان کے پاس چاہے دولت کتنی ہی زیادہ مقدار میں ہو لیکن ان کا حال وہ ہوتا ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث کے اندر بیان فرمایا کہ ابنِ آدم کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو ایک وادی سونے کی بھر کر کے ملے تو وہ دوسری کا اور تیسری، چوتھی کا طلب گار رہتا ہے (۱)۔

## کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں

لیکن یہ علم کا حریص بدل گیا ہے۔ قدیم زمانے میں ہمارے اسلاف کا جو حال تھا، ہمارے اکابر کی جو حالت تھی، وہ ہم میں باقی نہیں رہی، ہمارے اندر علم کے ساتھ نہ وہ تعلق ہے، نہ علم کی حرص اور اس کی طلب باقی ہے، نہ اس کی جستجو اور نہ حصولِ علم کے لیے وہ حوصلہ باقی ہے، نہ وہ ذوق وشوق نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مردنی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُمَا، باب مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ.

سی چھائی ہوئی ہے، بقول علامہ اقبال کے:

| | | |
|---|---|---|
| خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے | | کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں |

## اے لا الٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں

حقیقت یہی ہے کہ ایک مردنی سی چھائی ہوئی ہے، ہمارے طلبہ کی جماعت، علماء کی جماعت، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بے حسی سی چھائی ہے، کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے، ٹھیک ہے! درس گاہ میں کتابیں لے کر آتے ہیں، بیٹھتے ہیں اور اٹھ کر کے چلے جاتے ہیں لیکن جیسا ولولہ ہونا چاہیے، ذوق وشوق ہونا چاہیے، قوت وہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگنے کا جو حوصلہ ہونا چاہیے، وہ ہمارے اندر نہیں پایا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں نے زبردستی دھکا دے کر کے مدرسے میں ڈال دیا ہے، ایک مجبوری کا سودا ہے جو کر رہے ہیں، آج اس کا نام علم حاصل کرنا رہ گیا ہے۔

## تو شاید پوری دنیا میں ایک عالم بھی نہیں رہتا

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنے آپ کو علم کے لیے قربان کر دیں۔ اب یہ علم کیسے حاصل ہوگا؟ تو اس کے طریقے بھی ہمارے اکابر اور اسلاف نے بتادئے ہیں جنھوں نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج اگر علم کا حصول ان مشقتوں پر موقوف ہوتا، ان مجاہدوں پر موقوف ہوتا جو ہمارے اسلاف نے برداشت کیے تھے تو شاید پوری دنیا میں ایک عالم بھی نہیں رہتا۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانے کے پیشِ نظر ہمارے لیے بہت سی آسانیاں اور سہولتیں پیدا کردی ہیں جس

کی وجہ سے علم کا حصول ہمارے لیے بے انتہا آسان ہو گیا: عمارتیں کیسی عمدہ ہیں، درس گاہیں کیسی شان دار بنی ہوئی ہیں، کتب خانے بے نظیر ہیں، آپ کی رہائش گاہیں کیسی دل فریب، آر سی سی کی بنی ہوئیں، بیت الخلا، غسل خانے، مطبخ، ڈائننگ ہال، سب ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ کھانا بالکل تیار ہے، یہاں سے ابھی نکلیں گے تو بس ہاتھ دھو کر کے بیٹھ ہی جانا ہے۔

## خدا ان کو دیتا ہے برکت زیادہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس قدر سہولتوں اور نعمتوں سے نواز رکھا ہے، ہم ان نعمتوں کی قدر کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اسباب اور وسائل حصولِ علم کے لیے آپ کو عطا فرمائے ہیں، ان کو استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو مکمل طور پر حصولِ علم کے لیے وقف کر دیجیے۔ آدمی جتنی زیادہ محنت کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا ہی زیادہ نواز دیں گے، مَنْ جَدَّ وَجَدَ، ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:۶۹]: اللہ کے راستے میں جو محنت کی جاتی ہے، وہ بے کار نہیں جاتی۔

## مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ

ہمارے طلبہ کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ امتحان کا زمانہ آتا ہے، کلاس میں "۱۵" بچے ہیں، ان میں سے دو تین بچے پرچہ خراب جانے کے ڈر سے کچھ محنت کر لیتے ہیں اور باقی کہتے ہیں کہ اپنے "۳۵" (کامیابی کا آخری درجہ) تو کہیں گئے ہی نہیں۔ یہ غلط روش ہے، اس کو بدلنے کی ضرورت ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اپنی اس سستی، اپنی اس

غفلت، اپنی اس کوتاہی کو چھپانے کے لیے کیا کہتے ہیں؟ مولانا! کون قدر کرتا ہے، بہت سے علماء ہیں، مارے مارے پھرتے ہیں، دنیا میں کوئی قدر تو ہے نہیں۔ ارے آپ خود اپنی قدر نہیں کر رہے ہیں تو دوسرے کیا قدر کریں گے! اور پھر قدر ہی کروانی تھی اور آپ کو معلوم تھا کہ اس کی کوئی قدر ہی نہیں تو پھر آپ یہاں آئے ہی کیوں؟ جب آپ یہاں آئے اور داخلہ لیا تو آپ نے مدرسے کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور مشہور حدیث ہے: لاَ إِيمانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِينَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ (۱) آپ نے بھی تو معاہدہ کیا اور اسی معاہدے کی بنیاد پر آپ کو یہ ساری سہولتیں مدرسے کی طرف سے حاصل ہو رہی ہیں۔

## جو ہمت ہار جاتے ہیں، انھیں ساحل نہیں ملتا

اب اگر آپ کے دل میں طلب نہیں ہے اور یوں لگ رہا ہے کہ علم حاصل کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا تو پھر یہاں پڑے رہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اب اگر آپ یہاں رہتے ہیں اور مدرسے کی طرف سے دی جانے والی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں تو یہ امانت میں خیانت اور بدعہدی ہی تو ہے اور اپنا وقت بھی ضائع کرنا ہے تو کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، یہ کہنا کہ علماء کی کوئی قدر ہی نہیں کرتا، یہ نفس کی طرف سے ایک دھوکہ ہے، شیطان کا دھوکہ ہے، اپنی غفلت کو، اپنی سستی کو، اپنی بے توجہی کو چھپانے کے لیے اس طرح کے جملے استعمال کرنا دوہرا جرم ہے، اس

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي التَّرْغِيبِ فِي أَدَاءِ الأَمَانَاتِ.

سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

## کمی نہیں قدرداں کی اکبر! کرے تو کوئی کمال پیدا

اکبر الٰہ آبادی کا ایک شعر ہے، اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں: ؎

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا

پھول کے اندر جب خوشبو آئی تو ساری دنیا کے بلبلیں آ کر کے وہاں چمن میں جمع ہو گئیں۔ قدردانی کی، تو اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں:

| |
|---|
| ہجومِ بلبل ہوا چمن میں کیا جو گُل نے جمال پیدا |
| کمی نہیں قدرداں کی اکبر! کرے تو کوئی کمال پیدا |

آپ محنت اور جد و جہد تو کیجیے، اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے قدردان پیدا کریں گے کہ آپ کو اس کا تصور اور اندازہ بھی نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

جب آپ کے اساتذہ، آپ کے مربی محبت اور شفقت کے ساتھ آپ کی تربیت کرتے تھے تو اس کی آپ نے ناقدری کی اور اس سے آپ نے فائدہ نہیں اٹھایا تو دنیا میں اس کی یہ سزا ملی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھا جائے، سنتوں کا اہتمام کیا جائے، جو آدمی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے، اس کی زندگی میں برکت ہوتی ہے۔ نمازوں کا اہتمام کرو، اعمال کی درستگی کا اہتمام کرو۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے تو خالی تمنا سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ اگر آپ کے دل میں یہ خواہش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے اور کون طالبِ علم ایسا ہوگا جس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو! تو آپ ان چیزوں کا اہتمام کریں: اعمال کا اہتمام کریں، محنتوں کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادي له و نشهد أن لا إله إلا الله و حده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولا نا محمدا عبده و رسوله، أر سله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا و داعيا إلى اللّٰه بإذنه و سراجا منيرا صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرُ الَّذِيۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفُوۡرُ﴾ [الملک: ۱، ۲]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَعن مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ. (۱) وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ (۲).

---

(۱) سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، باب فِی الْقِيَامَةِ.

(۲) سنن الترمذی، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ، رقم الحديث: ۲۴۶۷.

## ہاتھ سے جانے نہ دے اس موقعۂ زریں کو تو

عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جن سعادتوں سے نواز رکھا ہے اور سعادت اور نیک بختی کے جو اسباب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے محض اپنے فضل وکرم سے مہیا فرمائے ہیں، ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دئے گئے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے آئندہ اور اپنے مستقبل کو سنوارنے کی طرف ہم خصوصی توجہ کریں۔

## عبادات میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مجاہدات

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جب انعامات کی بارش ہوتی ہے تو ان انعامات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان انعامات پر زبان سے بھی اور عمل سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات بھر عبادتوں میں مشغول رہتے تھے، رات کا بڑا حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے رہ کر عبادت میں گذارتے تھے جس کے نتیجے میں آپ کے پاؤں مبارک پر ورم ہو جاتا تھا، شگاف پڑ جاتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اور دوسرے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے متعلق فرماتے ہیں: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی ساری خطائیں معاف کردیں پھر آپ کو اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ تو اپنی راتیں آرام سے گزاریئے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے

اطمینان دلایا گیا اور آپ کو یہ گارنٹی بھی دے دی گئی۔

## کیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں

تو اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جملہ ارشاد فرمایا ہے، ہمیں ہر وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو اپنے دل ودماغ میں بسائے رکھنے کی ضرورت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَفَلاَ أَکُونُ عَبْدًا شَکُورًا(۱) کیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی بڑی نعمتوں سے نواز رکھا ہے، ان نعمتوں کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ میں بستر پر پڑا سوتا رہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان انعامات کے بعد مجھے تو اس کی عبادت کے اندر اپنے آپ کو ختم کردینا چاہیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا، ضرورت ہے کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کلمات کو ہم اپنے دل ودماغ میں نقش کریں۔

## یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جن معنوی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ہم پر ضروری ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا کل قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں حساب ہوگا، پوچھ ہوگی، لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔ اور ابھی جو آپ کے سامنے حدیث پڑھی گئی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لاَ تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: کہ

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، باب إِکْثَارِ الأَعْمَالِ وَالاِجْتِہَادِ فِی الْعِبَادَۃِ.

قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ: زندگی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس زندگی کے ماہ وسال اور دن رات کہاں گذارے؟ اور اس میں بھی خاص طور پر جوانی جو زندگی کا ایک بہترین حصہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی کی شکل میں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کا سب سے اعلیٰ اور قیمتی حصہ ہے، اس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے الگ سے پوچھا جائے گا کہ جوانی کے ان ایام کو تم نے کہاں استعمال کیا؟ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے متعلق قیامت کے روز ہم سے پوچھا جائے گا۔

## رہ نہ غافل! یاد رکھ پچھتائے گا

ابھی آپ کے سامنے جن آیات کی قرأت کی جا رہی تھی: ﴿يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ، الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ﴾ [الإنفطار ٦-٩]: گویا تم اپنے عمل سے ایسا رویہ اختیار کیے ہوئے ہو کہ کل قیامت کے دن تمھارے اعمال کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا، محاسبہ ہوگا، اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے متعلق تم کو کوئی احساس ہی نہیں۔ تم تو اپنے عمل سے ایسا جتلا رہے ہو کہ گویا کل کو اس کے متعلق تم سے کوئی سوال ہونے والا ہے ہی نہیں؛ کیوں کہ جس آدمی کے دل ودماغ میں یہ احساس جما ہوا ہو کہ کل کو مجھے اپنی زندگی کے متعلق سوال کا جواب دینا ہے تو وہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا۔

## جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا

باری تعالیٰ نے اسی کو فرمایا: كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ: کیسے عجیب انداز میں باری تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں اور شروعات کیسے عجیب انداز میں کی: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ کہ: کس چیز نے تمھارے مہربان اور کریم پروردگار کی طرف سے تم کو دھوکے میں ڈالا ہے، اس نے اتنی ساری نعمتیں تم کو عطا فرمائیں۔ پھر فرمایا: وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ: وہاں کوئی چیز کام آنے والی نہیں ہے، اس آیت میں کیسا عجیب مضمون ہے!! یہ جو آپ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی گئی، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ پڑھنے والے کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مجلس کی مناسبت سے یہ ساری آیتیں پڑھوائی گئی ہیں، اس کا ایک ایک کلمہ، ایک ایک جملہ ہمارے دلوں کو ہلا دینے والا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتیں ہمیں اور آپ کو عطا فرمائی ہیں۔

## جہاں ہے تیرے لیے، نہ تو جہاں کے لیے

آپ میں سے ہر آدمی اپنے متعلق سوچے کہ میں کون ہوں؟ کہاں کا رہنے والا ہوں؟ کس بستی سے میرا تعلق ہے؟ کہاں میرے ماں باپ، میرے بھائی بہن، اپنے خاندان کا اوپر تک شجرہ ذرا دیکھ لو کہ آپ کے خاندان میں اس سے پہلے کسی کے لیے علم کے ایسے اسباب اور وسائل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مہیا کیے گئے تھے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا اور آپ کے خاندان میں سے اٹھا کر آپ کو

یہاں بھیج دیا اور آپ کے لیے علم حاصل کرنے اور عملی طور پر زندگی کو استوار کرنے کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے اسباب مہیا کر دئے۔ آپ کو کوئی فکر نہیں ہے، اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آپ کو کوئی کوشش نہیں کرنی پڑ رہی ہے۔ ساری چیزیں آپ کے لیے بنی بنائی تیار موجود ہیں۔

## فکر بے نور تیرا، جذبِ عمل بے بنیاد

یہ سب ہو رہا ہے، اس کے باوجود آپ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے سلسلے میں اس قدر زیادہ غفلت کے شکار ہیں، سمجھ میں نہیں آتا، کہاں جا رہے ہیں! اتنی غفلت چھائی ہوئی کہ کوئی احساس ہی نہیں۔ اپنے مقام، اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت کو دیکھو کہ میں کون ہوں؟ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ مجھے یہاں کیا کرنا ہے؟ مجھے ایک ایک لمحہ کن چیزوں میں گذارنا ہے اور میرے لیے یہ سارے اسباب جو مہیا کیے گئے ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ہیں، ایک ایک چیز کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں حساب دینا ہے، آج ہم کسی کو دو وقت کا کھانا کھلا دیتے ہیں تو اس سے پوچھتے ہیں، اس کا محاسبہ کرتے ہیں۔ کسی کو ہزار روپیے دے دئے تو پھر اس سے حساب بھی لیتے ہیں کہ ان روپیوں کو کس مصرف میں خرچ کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کچھ دیا، یہاں لا کر کے آپ کو راحت وعیش کی جگہ میں ڈال دیا۔ علم حاصل کرنے کے اسباب اور عمل کو درست کرنے کے سارے مواقع وافر مقدار میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فراہم کر دئے پھر بھی آپ غفلت کا شکار ہیں!! آپ کیا کر رہے ہیں؟ اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار

رہے ہیں، اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔

## وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں

یہ موقع اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر وقت دیا نہیں جاتا، زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو مواقع دئے جاتے ہیں، وہ آزمائش کے لیے ہوتے ہیں: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: موت اور زندگی کے یہ سارے وسائل اور اسباب، یہ ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے ہی نہیں دی ہیں بلکہ آزمائش کے لیے دی ہیں، یہاں لاکر جو آپ کو ڈالا گیا ہے، وہ آزمائش کے لیے ڈالا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی ان نعمتوں سے آپ کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور کہاں صرف کرتے ہیں؟ آپ اپنے مستقبل کو سنوارنے میں ان سے کیا کام لے رہے ہیں؟ اگر آپ ان نعمتوں کی قدردانی کرتے ہوئے اپنی علمی اور عملی زندگی کو بنائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ان نعمتوں میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بھی عزت کا مقام عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی آپ کے لیے بلند مراتب ہوں گے۔ دنیا میں بھی لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور آخرت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا جائے گا۔

## رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت

خدا نہ کرے، اگر یہاں رہ کر آپ نے ان نعمتوں کی ناقدری کی اور اپنے علمی

اور عملی پہلوؤں کو درست کرنے کا اہتمام نہیں کیا تو کیا مصائب آئیں گے اور کیسی کیسی آزمائشوں سے دنیا میں اور دنیا کے بعد آخرت میں واسطہ پڑے گا، اس کے متعلق کوئی کچھ کہہ سکتا نہیں ہے۔ آپ کس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ پتہ ہی نہیں۔ ہمارے اوپر غفلت کے ایسے دبیز اور سخت پردے پڑے ہوئے ہیں کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ بار بار جھنجھوڑ رہے ہیں، اس کے باوجود ہم اپنی غفلت کو دور کرنے کا نام نہیں لیتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اگر یہ موقع آپ کھو دیں گے تو اس کے بعد اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حالات آئیں گے اور جن مصائب سے آپ کو واسطہ پڑے گا، اس وقت آدمی کی عقل حیران رہ جائے گی، کوئی آپ کی مدد کے لیے نہیں آئے گا۔

## ناشکری کی اخروی سزا کا کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھایا جاتا ہے

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا میں تو وہاں کا بتایا لیکن یہاں بھی ان مواقع اور سہولتوں کے حاصل ہونے کے باوجود آپ نے علمِ حق کو حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، اپنے اعمال کو درست نہیں کیا، ایسے ہی رہے اور ایسے ہی یہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر آٹھ سال، نو سال گذار کر چلے گئے تو یہاں سے جانے کے بعد جن حالات سے آپ کو واسطہ پڑے گا، وہاں کوئی بھی آدمی آپ کی مدد نہیں کر سکے گا۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا کا معاملہ تو آخرت کا ہے لیکن دنیا میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا کچھ نمونہ دکھلائیں گے۔ آخرت میں جو کچھ ہونے والا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا کچھ

نمونہ دنیا میں بھی دکھا دیتے ہیں، جیسے برزخ میں جو کچھ ہے، اس کا کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلایا جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ آپ حضرات اپنے آپ کو سنبھالیں۔

## درجاتِ عُلیا کے طلبہ اسوہ اور نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں

یہاں رہ کر آپ کو کیا کرنا ہے؟ تو ایک تو علمی اعتبار سے اپنے آپ کو بنانا ہے، خاص کر کے اوپر کی جماعتوں کے طلبہ۔ جب دورے کے طلبہ کے متعلق میرے پاس یہ شکایت پہنچتی ہے کہ پڑھنے کے معاملے میں جیسی توجہ دینی چاہیے، جیسی محنت کرنی چاہیے، اس کا اہتمام ان کی طرف سے نہیں ہوتا، مجلس بازیاں ہوتی ہیں۔ ارے بھائی! آپ دورے والے تو ان سب بچوں کے لیے نمونہ ہیں۔ آپ جیسے چلیں گے، چھوٹے طلبہ بھی ویسے ہی چلیں گے: آپ اگر اپنے اوقات کو صحیح گذاریں گے اور آپ نماز کا، جماعت کا، صفِ اول کا، سنتوں کا، تلاوت کا، تسبیحات کا اور سبق کی حاضری کا، مطالعے کا، تکرار کا اور محنت کا اہتمام کریں گے تو آپ کو دیکھ کر نیچے سے لے کر اوپر تک کے سب بچے آپ کا اتباع کریں گے، آپ کی پیروی کریں گے۔

مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ[1].

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ، باب الْحَثِّ عَلَى الصَّدَقَةِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ أَوْ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ وَأَنَّهَا حِجَابٌ مِنَ النَّارِ.

## مجلس بازیاں طلبہ اور علماء کے لیے سمِّ قاتل ہے

مدارس کے ماحول کو ٹھیک بنانے کے لیے اوپر کی جماعتوں: دورے مشکوۃ وغیرہ کے جو طلبہ ہیں، وہ جتنا بہترین اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، اور کوئی نہیں کر سکتا، اساتذہ بھی وہ کام نہیں کر سکتے۔ اساتذہ توجہ دلا سکتے ہیں لیکن آپ حضرات کا عملی کردار پورے مدرسے کے ماحول کو ٹھیک کر سکتا ہے۔ اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ محنتیں کیوں نہیں کرتے؟ کیوں اتنی توجہ نہیں دیتے؟ کیوں مجلس بازی کی طرف توجہ دیتے ہو؟ میں بار بار بتلا چکا ہوں کہ ان مجلس بازیوں نے ہمارے طبقۂ علماء کو ختم کر دیا ہے، ان کی ہر چیز ختم کر دی۔ علم سے بھی محروم کر دیا، عملی اعتبار سے بھی کھوکھلا بنا دیا اور ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا کر دیا۔

## عشاء کے بعد شریعت بات چیت کی اجازت نہیں دیتی

میں ہمیشہ سے کہتا چلا آیا ہوں کہ ہمارے مدرسوں کے اندر جتنی بھی بداخلاقیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں، جس نوع کی بھی ہو، ان ساری خرابیوں اور بداخلاقیوں کی جڑ یہ راتوں کی مجلسیں ہیں، ان ہی میں سارے منصوبے اور پلان بنتے ہیں، ان ہی میں ساری چیزوں کی باتیں ہوتی ہیں، ان ہی میں سارے مشورے ہوتے ہیں، ان ہی میں آگے کے لیے تیاریاں کی جاتی ہیں، ان ہی میں ساری خرابیاں ہیں۔ حالاں کہ عشاء کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمر یعنی بات چیت کرنے سے منع فرمایا، صحیح روایتوں میں ہے، بخاری شریف میں ہے، اور دوسری کتب احادیث کے اندر بھی اس طرح کی روایات

موجود ہیں کہ عشاء کے بعد شریعت بات چیت کی اجازت نہیں دیتی، سب منع ہے[۱]۔

## عشاء کے بعد گفتگو کی ممانعت سے مستثنیات

البتہ اس سے کچھ استثناء کیے گئے ہیں، ان ہی مستثنیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اگر پڑھ رہے ہیں، تکرار کر رہے ہیں، کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں، سبق یاد کر رہے ہیں، دور یاد کر رہے ہیں تو پوری رات جاگیے اور یہ کام کیجیے[۲]۔ لیکن اگر آپ اپنے ساتھی کے ساتھ بیٹھ کر عشاء کے بعد ایک بات بھی کریں گے تو وہ اس ممانعت میں داخل ہو کر گناہ کے مرتکب ہو جائیں گے۔ جو چیزیں جائز ہیں، ان کو ثابت کرنے کے لیے حضراتِ محدثین کو باقاعدہ ابواب قائم کرنے پڑے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے واقعات بیان کرنے پڑے کہ اتنا کرے تو اس کی اجازت ہے[۳]۔

## گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایسے بندے گذرے ہیں جنھوں نے چالیس، چالیس سال تک عشاء کے بعد بات چیت نہیں کی، حضرت منصور بن معتمر علیہ الرحمۃ بخاری کے راویوں میں ہے، ان کا بار بار نام آتا ہے، انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے بعد

---

(۱) صحیح البخاری، عن أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ، باب مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ.

(۲) صحیح البخاری، عن أَنَس رضی اللہ عنہ، باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء.

(۳) مثلاً علمی گفتگو کے جواز کے لیے امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب قائم کیا ہے، اسی طرح انھوں نے مہمان اور گھر والوں کے ساتھ گفتگو کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے: باب السمر مع الضيف والأهل.

بات چیت نہیں کی۔ اسی طرح ہمارے دوسرے اکابر اور اسلاف سے بھی اس طرح کے واقعات منقول ہیں اور اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ، بارہ، بارہ۔ ایک، ایک بجے تک مجلس بازیوں کے اندر مشغول رہیں!

## جمعہ: ایک عظیم نعمتِ الٰہی

اور پھر جمعہ جیسی مبارک رات! جمعہ کا دن تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اور امتوں کو بھی اختیار دیا گیا لیکن وہ امتیں جمعہ کے دن کا انتخاب کرنے میں چوک گئیں، اس کا انتخاب نہیں کر سکیں، چنانچہ یہودیوں نے تو سنیچر کا انتخاب کیا اور نصاریٰ نے اتوار کا انتخاب کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جو دن سب سے زیادہ مقبول تھا، اسی کا انتخاب کیا یعنی جمعہ کا دن (۱)۔

## یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اور پھر جمعہ کی رات کو تو حدیث میں "اللیلۃ الغراء" فرمایا یعنی روشن رات، اور دن کو "یَوْمٌ أَزْھَرُ" روشن دن کہا گیا (۲)۔ اس طرح کی روشن رات میں ہم مجلس بازیاں کرتے رہیں، شور مچاتے رہیں، یہاں اساتذہ رہتے ہیں، ان کی تکلیف کا کوئی خیال ہی نہیں، کھیل رہے ہیں۔ یہ کوئی کھیلنے کا وقت ہے! یہ کم بخت اس زمانے کی شیطانی

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ وَعَنْ حُذَیْفَةَ رَضِيَ اللہُ عَنْهُما، باب هِدَایَةِ هٰذِهِ الأُمَّةِ لِیَوْمِ الْجُمُعَةِ.

(۲) الدعوات الكبير للبيهقي، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، باب ما روي في الدعاء إذا دخل رجب.

تہذیب ہے کہ جس نے راتوں میں کھیل کا سلسلہ جاری کیا، ورنہ کیا رات کوئی کھیل کا وقت ہے؟ اب وہی کھیل ہم یہاں راتوں کو کھیلتے ہیں۔ جمعہ کی رات کے اندر عشاء کے بعد جو کھیل شروع کیا جاتا ہے تو ایک ایک، دو دو بجے تک چلتا ہے اور اس کی وجہ سے شور ہوتا ہے جو یہاں رہنے والے اساتذہ اور مہمانوں کو بھی سکون سے سونے نہیں دیتا۔ یہ کیا ہے؟ کوئی آدمی آ کر دیکھے گا تو کیا اثر لے گا! کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ وہ تو بات کرنے کی اجازت نہیں دیتی بلکہ بلا ضرورت عشاء کے بعد ایک کلمہ تک کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممانعت فرماتے ہیں تو پھر یہ کھیلنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

## اس طرح ہوتا ہے ہمارے یہاں جمعہ کا اہتمام!

اور پھر جمعہ کا دن ہوتا ہے تو چائے پینے کے بعد سے لگتے ہیں، تو گیارہ بجے کھانے کی گھنٹی بجتی ہے تو بھاگے، دوڑے جا کر کھائیں گے اور پھر سو جائیں گے اور پھر جو آنکھ لگے گی تو جمعہ سے پہلے پہلے ہڑبڑا کر اٹھیں گے اور جلدی جلدی بالٹی لے کر غسل کے لیے دوڑے چلے جائیں گے۔ اس طرح ہوتا ہے ہمارے یہاں جمعہ کا اہتمام!

## وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اسلاف کے یہاں جمعہ کے دن کا اہتمام اس طرح ہوتا تھا کہ جمعہ کی رات سے جمعہ کے دن کی تیاری کی جاتی تھی اور جمعہ کے روز تہجد کے وقت سے لوگ لالٹینیں لے کر جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد کی طرف نکل جاتے تھے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ لالٹینوں کی وجہ سے راستے روشن ہو جاتے تھے۔

جمعہ کے بارے میں ہمارے اسلاف کا تو یہ اہتمام تھا اور ہماری طرف سے یہ غفلت! سوچو کہ یہ سب کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور اپنے آپ کو کس طرح برباد کر رہے ہیں۔

## امتحان کا زمانہ طلبہ کے لیے محنت کا موسم اور سیزن ہے

ضرورت ہے اس بات کہ ہم اپنے اوقات کو صحیح ڈھنگ سے گذاریں، مطالعے کا اہتمام کرو، تکرار کا اہتمام کرو۔ ویسے ہمیں تو بارہ مہینے محنت کرنی ہے لیکن جب امتحان کا زمانہ آوے تو یہ تو محنت کا سیزن ہے۔ ایک کسان ہوتا ہے، وہ اپنی کھیتی باڑی میں محنت کرتا ہی ہے لیکن جب سیزن آتا ہے، موسم آتا ہے تو اس کی محنت بڑھ جاتی ہے، گھر کے چھوٹے بڑے، مرد، عورت، بچے سب دن رات محنت میں لگ جاتے ہیں۔ ایک تاجر ہے، وہ ویسے تو بارہ مہینے اپنی دکان کھولتا ہے لیکن وہ جس چیز کی تجارت کر رہا ہے، جب اس چیز کا سیزن آئے گا تو اس وقت گھر کے سارے افراد لگ جاتے ہیں پھر وہ نہ دن دیکھتا ہے، نہ رات دیکھتا ہے۔ ایک صنعت کار ہے، فیکٹری چلانے والا ہے، ویسے تو اس کی فیکٹری کے اوقات مقرر ہیں کہ آٹھ یا دس گھنٹے چلے گی لیکن جب سیزن آتا ہے تو چوبیس گھنٹے فیکٹری چلاتا ہے۔ ہر جگہ سیزن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

## ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام

ویسے ہمیں تو بارہ مہینے محنت کرنی ہے لیکن امتحانات کا زمانہ ایک موقع ہے، ایک سیزن ہے تو جیسے ہر آدمی سیزن سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ہم بھی اس سیزن

سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی محنت کو دو گنا، چوگنا، پانچ گنا، دس گنا کر دیں۔ پہلے اگر رات کے ایک بجے تک بیٹھتے تھے تو اب رات کے تین بجے تک بیٹھئے۔ پہلے دو پہر میں سو جاتے تھے، اب دو پہر میں سونا موقوف کر دیجیے۔ پہلے عصر کے بعد تفریح کے لیے جاتے تھے، اب امتحان کے زمانے میں اس کو بھی ختم کر دیجیے اور کتاب لے کر بیٹھئے۔ سیزن ہے، اس سے فائدہ اٹھائیے۔

## جو سووت ہے، وہ کھووت ہے

جو کوئی بھی ہو، چاہے وہ کسان ہو، تجارت پیشہ آدمی ہو یا صنعت کار ہو، اگر وہ سیزن کو چوک جاتا ہے تو اس کا سارا کاروبار چوپٹ ہو جاتا ہے اور ایسے گھاٹے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ پھر اس کی تلافی اس کے لیے ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ بھی اس سیزن کو چوک جائیں گے تو اس سے آپ کو جو نقصان پہنچے گا، وہ ناقابلِ تلافی ہوگا۔

## ہے یہ دورِ جام و مینا چند روز

مگر غفلت کے ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ایسی باتیں سنتا ہوں تو میرا دل تڑپ جاتا ہے کہ ہمارے یہ بچے کہاں جا رہے ہیں، کیسی غفلت کے اندر پڑے ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کی کیسی ناقدری کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ لوگ اپنی زندگی کو بچانے اور بنانے کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو راحت اور آرام کے ساتھ اپنے دین کا علم حاصل کرنے کا موقع دیا اور آپ کی ساری ضرورتوں

کو پورا کرنے کے انتظامات کیے گئے اور آپ اس کی ناقدری کر رہے ہیں! اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں! کیا ہوگا؟ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کریں اور اپنے آپ کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

## اپنی ذات کو امت کے لیے نمونہ بنائیے

سنتوں کا اہتمام کریں۔ بہت سے طلبہ کے متعلق شکایات ہیں کہ سوئے رہتے ہیں، نماز کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ آگے چل کر کے آپ تو رہبر بننے والے ہیں، آپ تو دین کے پیشوا ہیں۔ اگر آپ یہ انداز اختیار کریں گے تو جس قوم کی آپ پیشوائی کریں گے اور جس قوم کی رہبری آپ کے حوالے کی جائے گی، ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا؟ آج ہم کہیں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں، آپ کہیں بھی چلے جائیے اور دیکھیے کہ فجر کی نماز کا کیا حال ہے؟ دوسری نمازوں میں مسجد بھری ہوئی ہے لیکن فجر کی نماز میں ایک صف بھی پوری نہیں ہوتی۔ خود مولوی صاحب ہی غیر حاضر ہیں۔

## خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

بیرون ممالک میں بہت سی جگہ جانا ہوتا ہے بلکہ اب تو ہمارے یہاں بھی یہ ہونے لگا ہے کہ مدرسے کے اندر آٹھ مدرس ہیں تو جیسے ہمارے یہاں امامت کی باری ہے تو ان مدرسین کے درمیان میں بھی امامت کی باری مقرر ہوتی ہے، اب جس کی باری ہوتی ہے، وہ تو فجر کی نماز میں آتا ہے اور باقی سوئے رہتے ہیں۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب تو مسجد میں آتے نہیں، سوئے رہتے ہیں، پتہ نہیں وقت پر پڑھتے ہیں یا

قضا کر دیتے ہیں تو ایسے مولوی صاحب کے پیچھے ہماری نماز کا کیا حکم ہے؟ ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں، زبانی بھی پوچھتے ہیں اور لکھ کر کے بھی پوچھتے ہیں، یہ سب کیا ہو رہا ہے! نماز کے معاملے میں اتنی غفلت!

## تارکِ نماز سے دیگر امورِ دین کے قیام کی امید نہیں کی جاسکتی

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان پڑھا ہوگا جس کو امام مالکؒ نے موطا کے اندر غالباً باب مواقیت الصلوۃ کے بالکل شروع میں نقل کیا ہے (۱)۔ یہ فرمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے نام لکھا تھا، اس میں آپ نے نماز کے سلسلے میں بڑی تاکید کرتے ہوئے لکھا تھا: إن أهم أمركم عندي الصلاة فمن حفظها و حافظ عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع کہ: تمھارے کاموں میں سب سے اہم میرے نزدیک نماز ہے، آگے فرماتے ہیں: جو آدمی نماز کو ضائع کرے گا، وہ دوسری چیزوں کو بطریقِ اولی ضائع کرے گا یعنی دین کی اتنی اہم چیز کی طرف سے وہ غفلت برت رہا ہے تو اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دین کے دوسرے کاموں کو صحیح طریقے سے انجام دے۔

الصَّلاةُ عِمَادُ الدِّينِ، مَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّينَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ (۲): نماز تو بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اگر اس میں غفلت ہوگی تو آپ سے ہم کیا توقع کریں

---

(۱) باب وقوت الصلوۃ میں چھٹے نمبر پر یہ فرمان امام مالک علیہ الرحمۃ نے نقل کیا ہے: أن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله إن أهم أمركم عندي الصلاة الخ.

(۲) لُباب الحديث للسيوطی علیہ الرحمۃ، ص ۱۶۔ احیاء علوم الدین للغزالی علیہ الرحمۃ ۱/۱۸۵ وقال: رواه البيهقي في الشعب بسند ضعفه من حديث عمر.

کہ آپ دوسرے کاموں کو صحیح طریقے پر انجام دیں گے۔

## دین میں نماز کی اہمیت اور حیثیت

نماز کا اتنا اہتمام کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات کے اندر جن چیزوں کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، ان میں نماز بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے: اَلصَّلاۃَ، وَمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ. کہ: نماز کا خیال رکھیو، غلاموں کا خیال رکھیو، اپنے ماتحتوں کا خیال رکھیو(۱)۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے بیمار ہیں کہ اپنے آپ چل نہیں سکتے، دو آدمیوں کا سہارا لے کر پاؤں گھسٹتے ہوئے مسجد کے اندر نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے۔ جب بیماری اس سے بھی زیادہ ہوگئی اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے، تب آپ نے مسجد میں آنا موقوف فرمایا۔ آپ اندازہ لگائیے کہ یہ کتنی اہم چیز ہے(۲)۔

## مدرسہ طلبہ کے بننے، بگڑنے کی جگہ ہے

یہ ساری چیزیں ہم پڑھ رہے ہیں، سن رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں، ہمارے علم میں ہے، اس کے باوجود ہم نماز کی طرف سے غفلت برتیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ اور وہ بھی یہاں آپ کا یہ حال ہوگا تو آگے ہم آپ سے کیا توقع رکھیں۔ یہ تو آپ کے لیے تربیت گاہ ہے، اس تربیت گاہ میں رہ کر آپ نے اپنی تربیت کی طرف توجہ نہیں کی، اپنے آپ کو ٹھیک نہیں کیا تو آگے جا کر کیا کریں گے! میں پہلے بھی بار بار کہہ چکا ہوں کہ

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ هَلْ أَوْصَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، باب حد المریض أن یشهد الجماعة.

یہ تو آپ کے بننے اور بگڑنے کی جگہ ہے۔ جو چیز جہاں بنتی ہے، وہاں جیسی بنی، پھر آگے اس میں تبدیلی ہونے والی نہیں ہے: کپڑا فیکٹری میں بنتا ہے اور بننے کے دوران اس میں دس عیب رہ گئے تو ان دسوں عیب میں سے کسی ایک کو بھی کوئی سُدھار نہیں سکتا، وہ تو ویسا ہی رہے گا، لوگ کہیں گے کہ یہ تو فیکٹری کا عیب ہے، یہ جانے والا نہیں ہے۔ بچہ ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے، جب وہ پیدا ہوا تو کان میں یہ عیب ہے، آنکھ میں یہ عیب ہے تو کوئی طبیب اور ڈاکٹر اس کو سُدھار نہیں سکتا ڈاکٹر بھی کہے گا کہ یہ عیب تو بچہ ماں کے پیٹ سے لے کر آیا ہے، اس میں کچھ نہیں ہوسکتا۔

## طلبہ خود اپنی نگرانی کریں

اسی طرح یہ مدارس آپ کے لیے ماں کے درجے میں ہیں؛ اسی لیے اس کو مادرِ علمی کہتے ہیں، یہ مادرِ علمی بھی ہے، مادرِ عملی بھی ہے۔ یہاں آپ کی علمی تربیت اور پرورش بھی ہوتی ہے اور عملی بھی۔ یہاں جو کمی آپ کے اندر رہ جائے گی، وہ زندگی بھر رہے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ آپ خود اپنے اوپر نگرانی رکھیں۔ آج ہم بالکل شترِ بے مہار ہو گئے ہیں یعنی کوئی کہنے والا ہو، کوئی ٹوکنے والا ہو تو ٹھیک ہے، اس میں بھی اِدھر اُدھر کے بہانے بنایا کرتے ہیں اور اگر کوئی دو جملے کہنے والا نہیں تو سوچتے ہیں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں جو آدمی اس طرح زندگی گذارے گا، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

## سختیٔ رہ سے نہ ڈر، ایک ذرا ہمت تو کر

کوئی کہے یا نہ کہے، ہمیں اپنی زندگی کا ایک نظام بنانا ہے کہ نماز یں مسجد میں

جماعت کے ساتھ، صفِ اول میں، تکبیرِ اولی کے ساتھ، سنن و مستحبات اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح پڑھنی ہیں، یہ ہم طے کرلیں اور کچھ بھی ہوجائے، کیسے ہی حالات کیوں نہ ہو، کیسی ہی بیماری کیوں نہ ہو، کیسی ہی سستی کیوں نہ ہو، نفس کے اندر کیسا ہی کسل کیوں نہ ہو لیکن ہم اسی طرح نماز پڑھ کر رہیں گے۔ آپ اس طرح نفس کا مقابلہ کیجیے، اگر اس طرح آپ اپنے نفس کا مقابلہ نہیں کریں گے تو دنیا کے کسی میدان میں آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

## کر نفس کا مقابلہ، ہاں بار بار تو

اسی طرح سنتوں کا اہتمام کیجیے۔ یہ سنتیں جو چھوڑ رہے ہیں کہ نماز کی پروا نہیں کرتے اور بعض طلبہ پڑے رہتے ہیں، ایسوں کے بارے میں ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ ان کو مدرسہ میں رہنے ہی مت دو۔ یہاں آئے ہیں تو یہاں کے حقوق ادا کرو، کل اللہ کو جواب دینا ہے، وہاں کیا کریں گے؟ حدیث ہے: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ: سمجھ دار اور ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، قابو میں رکھے، اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور آنے والی زندگی کے لیے اعمال کرے۔ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ: اور درماندہ اور بے وقوف ہے وہ آدمی جو اپنے آپ کو خواہشات کے پیچھے چلائے [1]۔ آپ اگر اپنی خواہشات کے پیچھے چلیں گے تو یہ سمجھ داری والی بات نہیں ہے بلکہ بے وقوفی والی بات ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) سنن الترمذی، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۲۴۵۹.

فرماتے ہیں کہ ایسا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کو ذہن میں رکھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

## نماز باجماعت کا اہتمام کیجیے

سبھی طلبہ نمازوں کا اہتمام کریں، خاص کر کے اوپر کے درجوں والے۔ یہ اوپر کے طلبہ اگر اپنے آپ کو ٹھیک کریں گے تو میں گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ نیچے والے طلبہ اسی کے مطابق چلیں گے، وہ تو انہی کو دیکھتے ہیں، انہی کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں تو آپ ہر چیز کا اہتمام کریں گے تو یہ نیچے والے بھی آپ کو دیکھ کر اہتمام کریں گے۔ اپنے اوقات کو صحیح طریقے سے گذارنا ہے اور لغویات سے بچانا ہے۔

## شیطانی گماشتوں کی سرگرمیاں

آج کل یہودیوں کی باقاعدہ سازش اور پالیسی بنی ہوئی ہے اور جن لوگوں نے دنیا کے اندر شیطانی تہذیب کو عام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے، وہ اس سلسلے میں لوگوں کی ذہن سازی کررہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ پورا سال کہیں نہ کہیں کوئی راؤنڈ چل رہا ہے، فلانا چل رہا ہے، فلانا کپ چل رہا ہے، اِدھر چل رہا ہے، اُدھر چل رہا ہے اور وہ بھی ”۲۴“ گھنٹے! پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ کھیل کے اوقات متعین ہوا کرتے تھے کہ صرف دن میں کھیلا جاتا تھا اور اب تو نہ دن کی قید ہے، نہ رات کی قید ہے اور کروڑہا کروڑ روپیہ اس پر لگاتے ہیں۔

## کھیل میں افراط ملٹی نیشنل کمپنیوں کی خود غرضی کا نتیجہ ہے

ابھی ایک مضمون کرکٹ کے متعلق پڑھا جو ندائے شاہی میں بھی آیا ہے اور کراچی سے شائع ہونے والے ''البلاغ'' میں بھی آیا ہے کہ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں کس طرح دنیا میں ان فضولیات کو پھیلانے میں مشغول ہیں۔ ان کھیلوں کو دیکھنے کے لیے جو لوگ حاضر ہوتے ہیں اور وہاں کھانے پینے کی اشیاء استعمال کرتے ہیں تو وہاں کھانے پینے میں جو رقم استعمال ہوتی ہے، وہ ایک ملک کے بجٹ کے برابر ہوتی ہے اور پھر اس میں اپنی ساری توانائیاں خرچ ہوتی ہیں، وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔

## جنت میں بھی افسوس!

حدیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جنت میں پہنچنے کے بعد اگر اس کو کسی چیز پر افسوس ہوگا تو اسے اپنی زندگی کی اس گھڑی پر افسوس ہوگا جو اللہ کی یاد سے غفلت کے اندر گذری ہو(۱)۔ جس وقت میں اللہ کو یاد نہیں کیا، بغیر ذکر کے جو گھڑی، جو وقت گذرا، اس پر افسوس ہوگا۔ آپ اندازہ لگائیے! جنت میں پہنچنے کے بعد افسوس کریں گے۔ حالاں کہ جنت کی شکل میں اب تو ایسی نعمت مل گئی کہ افسوس کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جنت میں پہنچنے کے بعد بھی جنتیوں کو اس بات پر افسوس ہوگا کہ کاش! میں نے اپنی زندگی کے اس وقت کی قدر کی ہوتی اور اس میں اللہ کو یاد کرلیا ہوتا۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَصْلٌ فِي إِدَامَةِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

## تو بس یہ سمجھ! زندگانی گنوائی

اپنے اوقات کی قیمت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اپنے اوقات کی قدر کریں گے اور ان کی قیمت سمجھیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قدر کروائیں گے اور اگر آپ نے اپنے اوقات کی قدر نہیں کی تو لوگ بھی آپ کے ساتھ ناقدری کا معاملہ کریں گے پھر آپ کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا؛ اس لیے ان ساری غفلتوں کو چھوڑنے کی ضرورت ہے۔

## سنتوں کا اہتمام کیجیے

فجر اور ظہر کی سنتوں کی کتنی زیادہ اہمیت ہے! ہدایہ وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہوگا: وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ کہ: اگر گھوڑے تم کو روند ڈالیں، تب بھی تم ان کو مت چھوڑنا(۱)۔ ویسے دوسرے ائمہ کے یہاں کسی نماز کے شروع ہوجانے کے بعد کسی دوسری (سنت وغیرہ) نماز کی گنجائش نہیں رہتی لیکن ہمارے احناف کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہیں تو اگر جماعت ملنے کی امید ہے تو مسجد سے خارج ان کو ادا کرو(۲)۔ سنتوں کے بارے میں اتنی تاکید اور ہماری طرف سے اتنی غفلت؟

## کہ دن میں بھی تارے نظر آنے لگیں گے

بعضوں کو تو دیکھتا ہوں کہ وہ وضو کر کے مسجد میں آتے ہیں تو آ کر کے بیٹھ

---

(۱) ہدایہ اول، ص ۲۷۔ سنن أبي داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

(۲) وَمِنْهَا إِذَا أُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَإِنَّ التَّطَوُّعَ مَكْرُوهٌ إِلَّا سُنَّةَ الْفَجْرِ إِنْ لَمْ يَخَفْ فَوْتَ الْجَمَاعَةِ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۲/ ۴۹۹)

جاتے ہیں، حالاں کہ وقت ہے لیکن چوں کہ عادت نہیں ہے؛ اس لیے نہیں پڑھتے۔ اب یہاں عادت نہیں ہے تو آگے جا کر کیا ہوگا؟ یہاں سے فارغ ہو کر جائیں گے تو یہ عوام آپ کی ایک ایک چیز پر واچ (watch) رکھیں گے کہ مولوی صاحب کیا کرتے ہیں؟ کس طرح وضو کیا؟ مسجد میں آ کر کیا کرتے ہیں؟ جہاں آپ کی ایک سنت فوت ہوئی تو وہ سیدھا دارالافتاء میں سوال کر کے بھیج دیں گے کہ ہمارے امام صاحب نے سنتیں چھوڑی ہیں، ایسے امام کی امامت کا کیا حکم ہے؟ آپ جواب عنایت فرمائیں۔ یہاں تو ہماری باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اگر یہاں ہماری باتوں کو نہیں مانیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جاہلوں کو آپ پر مسلط کریں گے، وہ آپ کی ایسی اصلاح کریں گے کہ دن میں بھی تارے نظر آنے لگیں گے۔ اگر آپ کی آستین بھی ذرا ایسی ہے تو وہ سب کے سامنے آپ کو ٹوکتے ہوئے کہیں گے کہ مولوی صاحب! آپ کی آستین ایسی ہے! آپ کا پائجامہ اگر ٹخنوں سے ذرا سا نیچے ہے تو ساری دنیا سن رہی ہوگی اور وہ ٹوکیں گے کہ آپ کا پائنچہ ٹخنے سے نیچے ہے۔

## جذبات ہی پے اپنے نہ مجذوب شادرہ

جب آپ کے اساتذہ، آپ کے مربی محبت اور شفقت کے ساتھ آپ کی تربیت کرتے تھے تو اس کی آپ نے ناقدری کی اور اس سے آپ نے فائدہ نہیں اٹھایا تو دنیا میں اس کی یہ سزا ملے گی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھا جائے، سنتوں کا اہتمام کیا جائے، جو آدمی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے، اس کی زندگی میں

برکت ہوتی ہے۔نمازوں کا اہتمام کرو،اعمال کی درستگی کا اہتمام کرو۔آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لےتو خالی تمنا سے تو کچھ نہیں ہوتا۔اگر آپ کے دل میں یہ خواہش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے اور کون طالبِ علم ایسا ہوگا جس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو! تو آپ ان چیزوں کا اہتمام کریں: اعمال کا اہتمام کریں،محنتوں کا اہتمام کریں،سنتوں کا اہتمام کریں۔

## اپنا فریضۂ منصبی سمجھئے

طالبِ علمی کے زمانے میں آپ جتنا زیادہ ان چیزوں کا اہتمام کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ فراغت کے بعد اسی مناسبت سے آپ کو نوازیں گے،اسی مناسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے مراتب کو بلند فرمائیں گے اور جتنی غفلت برتیں گے،آپ کے ساتھ بھی اسی مناسبت سے غفلت برتی جائے گی، ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ [الحشر:۱۹]: وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو ایسی غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول گئے۔میں کون ہوں؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میرا فرضِ منصبی کیا ہے؟ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ کچھ پتہ ہی نہیں،جانوروں جیسے بن گئے ہیں،اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے،اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

## مہتمم اور اساتذہ آپ کے ہمدرد ہیں

آپ کے مہتمم صاحب ہیں،اساتذہ ہیں اور دوسرے مربیان ہیں،وہ جب آپ کی ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو ان کا دل کتنا کڑھتا ہے؟ آپ کو جو یہ سزائیں دی

جاتی ہیں، وہ تو بدرجۂ مجبوری ہیں، ایک لکڑی مارنے کے بعد ان سے پوچھو کہ رات میں ان کا دل بے چین رہتا ہے کہ میں نے کیوں مارا؟ لیکن کیا کریں! دیکھتے ہیں کہ نہیں مارتے ،تو بھی سُدھرتے نہیں ہیں اور دو لکڑیاں مارتے ہیں تو اس کا اثر لیتے ہیں، یہ مجبوراً کرنا پڑتا ہے اور مجبوری کے نتیجے میں بھی دل کی جو کیفیت ہوتی ہے، وہ ان سے پوچھو! کیا کریں! آپ خود بھی برباد ہو رہے ہیں، دوسروں کے لیے بھی مصیبت کا باعث بن رہے ہیں۔

## طلبہ سے عہد

آپ اپنی قدر پہچانیں، اگر آپ نے اپنی قدر پہچان لی تو پھر اِن شاءاللہ تعالیٰ دنیا بھی آپ کی قدر پہچانے گی۔ یہاں موجود سب طلبہ وعدہ کرو، سب انگلی اونچی کرو: ہم سب سنتوں کا اہتمام کریں گے، صرف نمازوں میں ماقبل اور مابعد والی سنتیں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں سنت کا اہتمام کریں گے۔ تکبیرِ اولی کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کریں گے، سبق کی حاضری اور اس کو یاد کرنے کا اہتمام کریں گے، تکرار اور مطالعے کا اہتمام کریں گے اور رات کو اپنے اوقات کو مجلس بازیوں میں ہرگز ہرگز ضائع نہیں کریں گے۔

## مجلس بازی سے اللہ کے واسطے توبہ کرو

اس مجلس بازی سے تو ایسی توبہ کرو کہ یہاں بھی اور یہاں سے جانے کے بعد بھی اس سے اجتناب کریں گے۔ اگر آپ کو اپنی زندگی عزیز ہے اور آپ چاہتے ہیں

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کچھ کام لیں تو اس مجلس بازی سے اللہ کے واسطے توبہ کرو، یہ تو آپ کو ختم کر کے رکھ دے گی، اسی نے آپ کو بگاڑا ہے: آپ کی علمی صلاحیتوں کو بھی ضائع کیا اور عمل کو بھی ضائع کیا؛ اس لیے عہد کرو کہ ہم کبھی، زندگی بھر مجلس بازی میں حصہ نہیں لیں گے۔

## حضرت کا درد اور کڑھن

میں تو جب ان ساری شکایتوں کو سنتا ہوں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن کیا کر سکتے ہیں؟ دعائیں بھی کرتے ہیں اور پھر تو یہی ہوتا ہے کہ جو کرتا ہے، اس کو بھگتنا بھی پڑتا ہے، میں تو یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ! ان سے جو غفلتیں ہوئیں، ان کو معاف کر دے، ان غفلتوں کی وجہ سے آئندہ دین کی خدمت کی انجام دہی میں ان کے اوپر کوئی پابندی نہ لگے، ورنہ تو اللہ کے یہاں جس کا جیسا عمل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جاتا ہے، محروم کر دیا جاتا ہے؛ اس لیے ان چیزوں سے خود بھی توبہ کریں، دوسروں کو بھی ٹوکتے رہیں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کریں اور اپنے اوقات کو صحیح گذاریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

جیسا کہ میں نے کہا کہ اس زمانے میں آپ کے لیے سب سے بڑا ابتلاء یہ موبائل اور جدید اسبابِ مواصلات ہیں، پہلے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں، آج کل توجہ کو ہٹانے والی چیزوں کی بھرمار ہے: موبائل ہے، اخبارات ہیں، فلانا ہے۔ اب اگر آپ اس میں پڑ گئے تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے اپنے آپ کو بربادی کے راستے پر ڈال دیا۔ آپ کسی مال دار اور صاحبِ حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود آپ کے والدین آپ کو اجازت دیں اور اپنی طرف سے موبائل لا کر آپ کو دیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں اس کو استعمال نہیں کرتا، مجھے تو پڑھنا ہے اور پڑھنے والے طالبِ علم کے لیے یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا ونبيّنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين.

## اپنی گذرنے والی زندگی کا محاسبہ کرنے کی ضرورت

عزیز طلبہ! اس وقت جو آپ کو جمع کیا گیا ہے، اس میں اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کریں، ہم جس طرح رہتے ہیں، ہم اپنے ''۲۴'' گھنٹوں کا محاسبہ کریں اور غور کریں کہ ان ''۲۴'' گھنٹوں میں ہم کیا کیا کرتے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ایک تو یہ ہے کہ ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہمیں اس طرح رہنا چاہیے اور دوسرے نمبر پر یہ کہ ہم سے جس طرح رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیا اس طرح ہم رہتے ہیں؟ نہیں، تو کیا کیا کوتاہیاں ہیں؟ اور ان کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے اور اپنی زندگی کو ٹھیک کرنے کے لیے ہم کیا کیا کوشش کر رہے ہیں؟ جو آدمی اپنی زندگی کا محاسبہ نہیں کرتا، وہ ناکام رہتا ہے۔

## دینی مجلسوں میں بیٹھنے کا طریقہ شریعت کی روشنی میں

سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہمارے یہاں دینی مجلسوں کے اندر بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ وہ طریقہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا ہے، حدیث کی کتابیں پڑھنے والے طلبہ جانتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی صفوں کے سلسلے میں اصول بتلا دیا: لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى کہ: تم میں سے جو عقل مند اور

ہوشیار ہیں، وہ مجھ سے قریب رہیں (۱)۔

اسی لیے عام ترتیب جو بتلائی گئی، وہ یہ ہے کہ پہلے مرد پھر عورتیں پھر بچے اور مردوں میں بھی وہ جو پڑھے لکھے ہیں، نماز کے مسائل سے واقف ہیں، شریعت کو زیادہ سمجھنے والے ہیں، وہ سب سے آگے رہیں گے۔

## حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ایک صاحب کو اگلی صف سے پیچھے ہٹانا

روایتوں میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد کے اندر اگلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں ایک صاحب آئے اور مجھے ہٹا دیا اور میری جگہ پر کھڑے ہو گئے، وہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے (۲)۔

## حضراتِ صحابہ میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر بہت بڑا مقام ہے، سید الانصار ان کا لقب ہے، قُرّاء اور فقہائے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ: ابیّ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ ''لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' پڑھ کر سناؤں،۔ بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، باب تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ وَإِقَامَتِهَا وَفَضْلِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ مِنْهَا وَالازْدِحَامِ عَلَى الصَّفِّ الأَوَّلِ الخ.

(۲) السنن الکبری للنسائی، عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ رحمۃ اللہ علیہ، باب مَنْ يَلِي الإِمَامَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ.

میرا نام لے کر کہا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (۱)، یہ خوشی کے آنسو تھے، ع

"ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے"

تو یہ مقام ہے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا، بارگاہِ نبوت سے "أقرأهم ابی" کا تمغہ حاصل کیا ہے۔

## دینی وعظ و بیان کی مجالس کے ان آداب کا طلبہ ضرور رعایت کریں

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں مدارس میں جب دینی مجالس ہوتی ہیں، کوئی مہمان آتا ہے، اچھے اچھے لوگ آتے ہیں، سب اپنی اپنی جگہ مشہور ہوتے ہیں، کوئی مصنف ہے، کوئی جید عالم ہے، مفتی ہے، قاری ہے۔ اس طرح کی مشہور شخصیتیں یہاں آتی ہیں اور ایسے مواقع پر آپ لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات سے کچھ باتیں آپ کے سامنے کہلوائی جائیں تو ایسے موقعوں پر ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی ادب کا لحاظ کیا جائے: جو بڑے طلبہ ہیں: دورے والے، مشکوۃ والے، ہدایہ والے، شرحِ وقایہ والے، ان کو خود چاہیے کہ آگے آ کر کے بیٹھ جائیں اور چھوٹوں کو پیچھے بٹھایا جائے اور چھوٹوں کو بھی چاہیے کہ آگے کی جگہ بڑوں کے لیے خالی رکھی جائے اور بڑوں کو بھی چاہیے کہ دیر سے نہ آئیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

## مجالسِ وعظ میں چھوٹے بچوں کو آگے کرنے کا برا اثر

وہ اپنی بڑائی میں رہتے ہیں کہ ہم پہلے کیوں جائیں اور جو چھوٹے بچے ہوتے ہیں، وہ شوق میں آگے آ کر کے بیٹھ جاتے ہیں، اب جو باتیں کہی جائیں گی، وہ ان کی سطح اور ان کے لیول سے اونچی ہیں تو قدرتی بات ہے کہ جو باتیں ان کی سطح سے اوپر کی ہوں، وہ ان کی سمجھ میں نہیں آئیں گی اور جب سمجھ میں نہیں آتیں تو وہ بچے اونگھنے لگتے ہیں اور ان کے اس عمل کا اثر بات کرنے والے پر پڑتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس پر مضامین کا جو ورود ہوتا ہے، اس کا سلسلہ بھی بند ہو جاتا ہے اور وہ کماحقہٗ باتیں نہیں کہہ پاتا۔ اس لیے آئندہ قائم ہونے والی مجالس کے اندر اس کا لحاظ کریں گے اور آپ حضرات سب سے پہلے آگے آ کر بیٹھیں گے، چھوٹوں کو بھی باتیں سننی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ آپ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی لیکن بات یہ ہے کہ جو باتیں کہی جائیں گی، ان کو سمجھنے کے لیے جو صلاحیت درکار ہے، وہ آپ کے اندر ابھی موجود نہیں ہے تو اگر آپ آگے بیٹھیں گے تو اس کا حق ادا نہیں کر سکیں گے اور جو سمجھ سکتے ہیں، وہ پیچھے ہیں، اب آپ سے غفلت کا صدور ہوگا تو کہنے والے کی طبیعت اور اس کے دل ودماغ پر اس کا غلط اثر پڑے گا۔

## مولانا وحید الزماں کیرانوی علیہ الرحمۃ کے یہاں ان آدابِ مجالس کے اہتمام

ہمارے ایک استاذ تھے حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی علیہ الرحمۃ، آپ کوئی

محتاجِ تعارف نہیں، عربیت میں آپ کی مہارت مسلّم ہے اور ہمارے علماء اور طلباء ان کی لکھی ہوئی لغات سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں اس بات کا بڑا اہتمام ہوتا تھا کہ ان کی انجمن کا جلسہ ہوتا تھا تو بڑے طلبہ کو آگے بٹھاتے اور چھوٹوں کو پیچھے بٹھاتے اور شروع میں جگہ خالی نہیں رہنے دیتے تھے بلکہ پیچھے کی طرف خالی رکھتے: تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی سہولت رہے تو یہ مجلس میں بیٹھنے کے آداب ہیں، جیسے ہر چیز کے آداب ہوتے ہیں۔

## اجتماعی کھانے کا ایک اہم ادب

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ آپ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ اس دسترخوان پر دس آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، اب وہاں پیالے میں جو سالن ہے، اس میں دس بوٹیاں ہیں، اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصے میں ایک ایک بوٹی آئے گی تو آپ اپنی پلیٹ میں اتنی ہی بوٹی اور اتنا ہی شوربہ اتاریے، دوسرا کیا کر رہا ہے، اس کو آپ نہ دیکھیے، یہاں جو رکھا گیا ہے، وہ سب کا حصہ ہے؛ اس لیے سب کا خیال کیجیے۔ ان چیزوں کو اپنی زندگی میں اتارنے کی ضرورت ہے۔ اگر ان چیزوں کو ہم اپنی زندگی میں اتاریں گے تو لوگ ہمیں عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھیں گے اگر یہ چیز نہ ہو تو لوگ بولتے ہیں کہ اس نے کبھی کھانا دیکھا ہی نہیں ہے کہ اس طرح اس پر ٹوٹ پڑا ہے اور ان کی نگاہ میں ہمارا وقار اور احترام باقی نہیں رہتا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے اور پھر ذِلّت اٹھانی پڑتی ہے۔

## انسانی زندگی کے مختلف ادوار

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دنیا میں بھیجا ہے۔ ہماری زندگی مختلف ادوار پر مشتمل ہے: بچپن کا زمانہ ہے، اس میں وہ مدت ہے جس میں وہ ماں کا دودھ پیتا ہے پھر وہ دھیرے دھیرے چلنا سیکھتا ہے پھر سمجھ دار ہوتا ہے، کچھ سیکھنے کے قابل بنتا ہے تو تعلیم وتربیت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ آپ ابھی اسی تعلیم وتربیت کے دور سے گذر رہے ہیں۔ اس دور میں مختلف درجات ہیں اور ہر درجہ کچھ سالوں پر مشتمل ہے: ابتدائی تعلیم ہے، درمیانی تعلیم ہے، اعلیٰ تعلیم ہے۔ اور پھر ہر تعلیم کے کچھ سال مخصوص ہیں۔

یہ تعلیم وتربیت کا زمانہ ہے اور اس کے بعد پھر آپ کے لیے تدریس کا اور علمی خدمت کا زمانہ شروع ہوگا اور اس میں بھی مختلف ادوار ہیں، اس طرح ہماری زندگی انتہا کو پہنچتی ہے، پھر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور عالمِ برزخ میں پہنچتے ہیں پھر جب قیامت قائم ہوگی تو عالمِ آخرت کا دور شروع ہوگا، قرآن میں ہے: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ [الإنشقاق:۱۹] اس میں ان ہی ادوار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

## بعد والے دور کی کامیابی اس سے پہلے والے دور پر موقوف ہے

ہر دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آدمی کے لیے اس دور کے مناسبِ حال اسباب اور وسائل مہیا کیے جاتے ہیں؛ تاکہ اس دور کو کما حقہ وصول کرنے اور کامیاب کرنے کے لیے آدمی کوشش کرے، یہ قدرت کا ایک نظام ہے اور پھر بعد میں آنے والے ہر دور کی کامیابی پہلے والے دور پر موقوف ہے کہ اس دور میں قدرت کی

طرف سے مہیا کیے گئے ان اسباب اور وسائل کو کس طرح استعمال کیا، ان سے کیا فائدہ اٹھایا اور ان سے اپنے اندر کیسی صلاحیتیں پیدا کیں اور اس دور سے گذر کر آدمی کو جس مقام تک پہنچنا چاہیے تو اس دور میں اس نے اپنے آپ کو کہاں تک پہنچایا۔ بعد والے دور کی کامیابی اس سے پہلے والے دور کی ان ہی چیزوں پر موقوف ہے۔

## حصولِ علم کے لیے ضروری تمام وسائل طلبہ کے لیے من جانب اللہ مہیا کردئے گئے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو موقع عطا فرمایا ہے کہ یہاں مدرسے میں رہ کر کے آپ علم حاصل کر رہے ہیں اور حصولِ علم کے اس زمانے میں آپ کے لیے جن اسباب اور وسائل کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ سب وسائل مہیا کیے گئے ہیں: مادّی اعتبار سے مادّی وسائل بھی ہیں اور معنوی اور اندرونی قُویٰ بھی یعنی جسمانی اعتبار سے جن وسائل اور اسباب کی ضرورت ہے، وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دئے گئے ہیں۔

## طلبہ کو مادّی وسائل سے مستغنی کردیا گیا ہے

مادّی وسائل: یہاں آپ کے رہنے کا انتظام، یہاں آپ کے کھانے پینے کا انتظام ہے اور تعلیم کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے کہ اساتذہ، کتابیں، درس گاہیں اور روشنی، پانی کا انتظام، یہ ساری چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مہیا کی گئی ہیں، ان چیزوں کے حصول کے پیچھے آپ حضرات کو اپنی صلاحیتیں استعمال کرنے کی

ضرورت نہیں ہے، آپ نے جب اپنے آپ کو علم حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ ساری چیزیں آپ کو مفت میں دے دی گئیں۔

## ہمارے اسلاف کے لیے یہ سہولتیں مہیا نہیں تھیں

حالاں کہ ہمارے اسلاف اور اکابر کا جو زمانہ ہے، ان کی سوانح کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں اور ان حضرات نے یہ ادوار کس طرح گذارے، ان حالات کو جب ہم پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ان حضرات کے لیے یہ ساری چیزیں بنی بنائی تیار مہیا نہیں تھیں بلکہ ان کو اپنی ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مستقل کوششیں کرنی پڑتی تھیں: اپنے کھانے کا انتظام خود کرنا ہے، اپنے رہنے کا انتظام خود کرنا ہے، اپنے لیے رہائش کا، روشنی کا انتظام خود کرنا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے لیے اس طرح کا باقاعدہ کوئی نظام نہیں تھا، جیسا اس زمانے میں مدارس کے قیام کے دوران طلبہ کے لیے باقاعدہ ایک نظام الاوقات بنا ہوا ہوتا ہے اور ان کے اوقات کے استعمال کے لیے جو ایک منظم طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اس زمانے میں یہ چیز بھی نہیں تھی۔

## دورِ قدیم میں آج کے مدارس جیسا منظّم نصابِ تعلیم نہیں تھا

پہلے مدرسے ہی نہیں تھے بلکہ کوئی بھی صاحبِ علم، صاحبِ فن، صاحبِ کمال اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا تھا اور استفادہ کرنے والے ازخود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کے اس کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اس کو حاصل کرتے تھے۔ ایک ہی شہر میں بہت سارے اہلِ فن ہیں، بہت سارے محدثین ہیں، بہت سارے فقہاء

ہیں تو بیک وقت ان سب سے استفادہ نہیں ہو پاتا تھا، ایک محدث کی خدمت میں ایک طالبِ علم حاضر ہوکر ان کے پاس جو ذخیرۂ احادیث ہوتا، وہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر حاصل کرتا تھا۔ ان سے جب فارغ ہوگیا تو دوسرے محدث کی خدمت میں پہنچا، پھر تیسرے محدث کی خدمت میں پہنچا۔

## حصولِ علم کے لیے قریہ قریہ اور دریا دریا گھومنا

حدیث کا ذخیرہ حاصل کرنے کے بعد پھر علمِ فقہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے ماہر کی خدمت میں حاضر ہوتے، یہاں بھی پہلے ایک پھر دوسرے پھر تیسرے فقیہ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ پھر ایک شہر سے فارغ ہوکر دوسرے شہر میں اور پھر دوسرے شہر سے فارغ ہوکر تیسرے شہر میں پہنچتے پھر ایک ملک سے فارغ ہوکر دوسرے ملک میں پہنچتے۔ ہم اہلِ علم اور اربابِ کمال کی سوانح کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے حصولِ علم کے دور میں ہم اسفار کی کثرت پاتے ہیں اور ان کے یہ اسفار ایک بڑے خطۂ ارض پر پھیلے ہوئے پاتے ہیں۔

## ہمارے اسلاف اور کثرتِ مشائخ

آپ تو یہاں آئے، فارسی اول میں داخلہ لیا اور فارغ ہوکر کے چلے گئے، بہت بہت تو یہ کہ ہمارے اکابر کے جو مراکز ہیں: سہارنپور، دیوبند، لکھنؤ وغیرہ تو وہاں ایک دو سال مزید لگائیں گے اور آپ کا معاملہ ختم ہوجائے گا۔ جب کہ وہاں ان حضرات کا حال یہ تھا کہ انھیں جگہ جگہ گھومنا پڑتا تھا۔ ہم دنیا کے نقشے کو دیکھیں تو معلوم

ہوگا کہ ان کے علمی اسفار میلوں پر مشتمل ہوا کرتے تھے، سینکڑوں میل کے سفر کر کے بے شمار شہروں اور بے شمار ملکوں اور بے شمار اربابِ کمال کے پاس جا کر کے علوم میں کمال پیدا کرتے تھے، اسی لیے ان کے جو مشیخے ہوا کرتے تھے یعنی جن مشائخ سے انھوں نے علم حاصل کیا، ان کی فہرست کو مشیخہ کہا جاتا تھا، اس میں دو چار یا دس پندرہ نہیں بلکہ سوسو، دوسودوسو، تین سوتین سو اساتذہ کا ذکر ہوا کرتا تھا۔

## ہماری کمزوریوں پر اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا

بہر حال! وہ بھی ایک چیز تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بلند عزائم اور بڑی بڑی ہمتیں عطا فرمائی تھیں اور وہ اس لائق تھے تو انھوں نے یہ سب کیا۔ ہم جیسے کم ہمت، کم حوصلہ لوگوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سب اسباب مہیا فرما دئے، ورنہ وہی شکلیں علم حاصل کرنے کی ہوتیں تو پتہ نہیں کتنے علم حاصل کرتے اور کتنے اس مقام تک پہنچتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری کمزوریوں کی وجہ سے ان ساری سہولتوں کو مہیا کر دیا، یہ اس کا بڑا فضل ہے۔

## خالی دعا سے تو کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے

تو بہر حال! آپ کا یہ حصولِ علم کا دور چل رہا ہے اور اس دور میں- جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا- سارے وسائل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے مہیا کر دئے گئے ہیں۔ اب ہر طالبِ علم کی یہ خواہش ہوتی ہے، بڑوں کی دعائیں لیتے ہیں، ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! دعا کر دیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

علم کی خدمت کے لیے مجھے قبول فرمالے۔ علمِ دین کی خدمت کے لیے قبول کروانے کی دعا تو کرواتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ علمِ دین کی خدمت کے لیے جو صلاحیتیں اور مجاہدات درکار ہیں اور اس کے لیے جو محنتیں کرنی ہیں، وہ تو ابھی کرنی ہیں، خالی دعا سے تو کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

## عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی

ایک کسان کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر دعا کروائے کہ دعا کر دیجیے کہ خوب پیداوار ہو تو اس کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بھی موقع عطا فرمایا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اندرونی وسائل بھی عطا فرمائے ہیں: دل و دماغ دئے ہیں، قوتِ حافظہ دی ہے، قوتِ فکریہ دی ہے اور اسی طرح دوسرے اعضاء دئے ہیں۔ آپ اپنی ان صلاحیتوں کو استعمال کرکے اور یہ جو ظاہری اور مادّی اسباب آپ کے لیے مہیا کیے گئے ہیں، ان دونوں کے مجموعے سے آپ بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

## رہے پیشِ نظر منزل، تمنا گر ہے منزل کی

اور ان سب سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی توجہ کو ایک طرف مرکوز کر دیں۔ ویسے آپ پڑھیں گے کہ علم حاصل کرنے کے لیے کن کن چیزوں اور آداب کی ضرورت ہے۔ آداب المتعلمین کے موضوع پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور

ان کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ طالبِ علم کو کس طرح علم حاصل کرنا چاہیے۔ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم ہے کہ ہمارے لیے یہ چیزیں بھی تیار کر دیں کہ آپ علم کے میدان میں آئے ہیں تو کیسے علم حاصل کریں گے؟ وہ بھی ہمارے بزرگ ہم کو بتلا گئے کہ اس کے لیے کیا کیا تدبیریں اور کیا طریقے اور کن کن چیزوں کو اختیار کرنا چاہیے، وہ سب چیزیں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ دنیا کی ساری چیزوں سے یکسو ہو کر اس میں لگ جائیں۔

## کتابوں کا انبار

ہمارے زمانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، قدیم زمانے کی کتابیں بھی ایسی ایسی چھپ کر کے آ رہی ہیں کہ ہم تو دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ پہلے ہماری طالب علمی کے زمانے میں ایسی کتابیں نہیں تھیں اور اب تو اتنی ہو گئیں کہ کہ نام معلوم کرنا بھی مشکل ہو گیا؛ کیوں کہ کتب خانے میں آنا جانا ہی میرا کم ہو گیا، کبھی جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کئی کتابوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور ایک حرص ہے۔ بقول علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کے کہ اگر علماء کے اندر علم کی حرص نہ ہوتی تو علم کا اتنا پھیلاؤ نہ ہوتا۔

## علمی حرص اور پیاس شرعاً مطلوب ہے

ویسے حرص کوئی اچھی چیز نہیں ہے لیکن علم کے معاملے میں حرص کو پسند کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا کہ: دو حریص، لالچی ایسے ہیں جن

کا پیٹ بھرتا نہیں: ایک تو علم کا لالچی اور دوسرا مال کا لالچی (۱)۔

## حصولِ علم کی راہ میں یکسوئی سب سے زیادہ ضروری ہے

تو بہر حال! بقول علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کے کہ اگر علماء کے اندر ان چیزوں کی حرص نہ ہوتی تو علم کا اتنا پھیلاؤ نہ ہوتا۔ ایک عالم ہے، اس کو علم کے ساتھ لگاؤ ہے۔ مناسبت ہے، اس کے کتب خانے میں- میں کہتا ہوں کہ- بہت سی کتابیں ہوں گی تو بھی وہ چاہے گا کہ اور کتابیں آئیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پڑھنے کا وقت نہیں ہے لیکن دل میں حرص موجود ہے کہ میرے پاس اور کتاب یں بھی آجاویں تو بہر حال! یہ حرص مطلوب ہے لیکن ان سب چیزوں کے لیے یکسوئی کی ضرورت ہے، یکسوئی کے ساتھ حصولِ علم کے پیچھے لگنے کی ضرورت ہے۔

## دورِ حاضر میں طالبِ علم کی یکسوئی کو ختم کرنے والے بہت سے اسباب پیدا ہو گئے ہیں

ہمارے زمانے میں ان سب سہولتوں کے باوجود کچھ اسباب ایسے ہیں جو آدمی کی یکسوئی کو ختم کرنے والے ہیں۔ قدیم زمانے میں آدمی جو گھر کو چھوڑ کر حصولِ علم کے لیے جاتا تھا، دوسرے ملک میں چلا جاتا تھا تو اس کا مقصود بھی اسی یکسوئی کو حاصل کرنا ہوتا تھا لیکن اس زمانے میں نشر و اشاعت اور مواصلات کے اتنے اسباب نہیں تھے۔ آدمی اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں چلا گیا تو اب گھر کے ساتھ اس کا تعلق ختم

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ.

ہو گیا، بہت بہت تو ڈاک اور خطوط کے ذریعہ رابطہ ہو جاتا تھا لیکن اس زمانے میں ڈاک کا نظام آج جیسا منظم نہیں تھا بلکہ کوئی اس کے وطن کا فرد اس کے پاس سے گذرا تو اس کے ساتھ اپنے گھر خط روانہ کر دیا یا اس کے گھر سے کوئی آ رہا ہے یا کوئی قافلہ آ رہا ہے تو اس کے ساتھ خط بھیج دیا۔ آج کل ڈاک کا جو باقاعدہ محکمہ ہر ملک میں ہوتا ہے، ویسا محکمہ اس زمانے میں نہیں ہوا کرتا تھا۔ اب تو ڈاک کا وہ محکمہ بھی موجودہ اسبابِ مواصلت کی وجہ سے معطل ہو کر کے رہ گیا ہے۔ ہمارے دور میں تو یہی ایک ذریعہ مواصلت کا ہوا کرتا تھا، اب اس زمانے میں وہ بھی ختم ہو گیا۔

## حصولِ علم کے دوران یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف کا اہتمام

میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ گھر اسی لیے چھوڑتے تھے کہ آدمی کو گھر رہ کر علم حاصل کرنے کے لیے جیسی یکسوئی مطلوب ہے، وہ حاصل نہیں ہوتی؛ اس لیے گھر ہی چھوڑ دو۔ اسی لیے جب ہم اپنے اکابر کے حالات اور واقعات پڑھتے ہیں کہ اگر کبھی کوئی خط ان کے پاس پہنچ بھی گیا تو وہ اس خط کو پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مٹکا رکھا ہوا ہے، اس میں خط ڈالتے تھے، دوسرا آیا، اس کو بھی اس میں ڈال دیا، پوری تعلیمی زندگی میں چند خطوط: ''۲۰''، ''۲۵'' آتے تھے، وہ سب اس مٹکے میں ڈال دیتے تھے، پڑھنے کے دوران ان کو پڑھتے نہیں تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اگر خطوط پڑھیں گے تو گھر کے حالات سے واقفیت ہوگی اور ذہن اُدھر متوجہ ہوگا اور علم حاصل

کرنے کے لیے جو یکسوئی مطلوب ہے، وہ حاصل نہیں رہے گی اور انتشارِ ذہنی کے ساتھ علم آ سکتا نہیں ہے۔

## حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یکسوئی برقرار رکھنے کے لیے ان کے والد کا انتظام

اس لیے ہمارے اکابر کے یہاں اس کی بھی کوشش ہوتی تھی کہ مطالعے کے دوران ذہن ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہو۔ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہماری بہت ساری درسی کتابوں پر ان کے حواشی ہیں، کچھ زیادہ عمر نہیں پائی لیکن بہت سے علمی کارنامے انجام دئے۔ ان کے والدِ بزرگوار نے ان کی ذہنی یکسوئی کو باقی رکھنے کے لیے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ وہ جس کمرے میں مطالعہ کرتے تھے، اس کے دو دروازے تھے اور دونوں دروازوں پر چپلیں رہتی تھیں۔ بھائی ہماری چپلیں ایک دروازے پر ہوں اور ہم بھول سے دوسرے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو اتنا ذہن منتشر ہوگا کہ چپل کِدھر ہے؟ اس کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے میں وقت بھی ضائع ہوگا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یکسوئی برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی۔

## حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پڑھنے کے زمانے میں مطالعے کے دوران انھیں پیاس کا احساس ہوا اور انھوں نے خادم سے پانی طلب کیا کہ پانی لاؤ! تو خادم پانی لینے گیا، والد صاحب کو معلوم ہوا کہ صاحب زادے کو مطالعے کے دوران پانی پینے کا تقاضا

محسوس ہوا ہے۔ بس! سر پیٹ کر رہ گئے کہ مطالعے میں مشغول تھے تو مطالعے کی مشغولی کے دوران پیاس کا یہ احساس کیسے ہوا؟ اس لیے کہ جب طبیعت ایک چیز کے اندر مشغول ہوتی ہے تو وہ اپنی ساری ضروریات بھول جاتی ہے۔

## کاش کہ ایسی مشغولی ہمیں درس میں حاصل ہو جائے

آپ لوگ جب راتوں کو بیٹھتے ہیں، پڑھنے کے لیے نہیں، باتیں کرنے کے لیے۔ سبق کی بات نہیں کرتا، باتیں کرنے کے لیے تو پیشاب کے تقاضے کا بھی احساس نہیں ہوتا، جب وہ باتیں پوری ہو جائیں گی اور اٹھنے لگیں گے تو احساس ہوگا اور پکڑ کے دوڑے ہوئے جا رہے ہیں تو اتنا پیشاب لگا تھا، پتہ ہی نہیں! کیوں کہ باتوں میں مشغولی ہی ایسی تھی۔ ایسی مشغولی اگر ہمیں درس میں حاصل ہو جائے اور اللہ کرے کہ حاصل ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کامیاب ہیں۔

## عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

تو بہر حال! ان کے والد کے دل میں یہ خیال آیا کہ پڑھ رہے ہیں، مطالعہ کر رہے ہیں تو ان کے دل میں پیاس کا خیال آیا ہی کیوں؟ سر پیٹ لیا پھر انھوں نے خادم کو روکا اور اس سے پانی کا گلاس لے کر ارنڈ کا تیل جس کو گجراتی میں ''دیویل'' کہا جاتا ہے، وہ گلاس میں بھر کر خادم کو تھمایا کہ یہ دے آؤ۔ اب مولانا مطالعہ کر رہے ہیں، خادم وہ گلاس لے کر ان کے پاس پہنچا اور ان کو تھما دیا اور انھوں نے اس کو پی لیا، ان کو پتہ ہی نہیں چلا کہ میں نے پانی پیا یا ارنڈ کا تیل پیا!! یہ دیکھ کر والد صاحب نے اطمینان کی

سانس لی اور دل میں کہا کہ ہمارے خاندان میں علم باقی رہے گا۔ وہ چوں کہ حکیم اور طبیب بھی تھے۔ اتنا بڑا گلاس بھر کر کوئی ارنڈ کا تیل پی جائے تو اس کا کیا حال ہوگا، آپ سمجھ سکتے ہیں تو انھوں نے اس کا علاج کرلیا، تلافی کرلی۔ میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ یکسوئی میں خلل ڈالنے والی ایسی معمولی چیزوں کو بھی وہ گوارا نہیں کرتے تھے۔

## موبائل نے طلبہ کی علمی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے

ہمارے اِس زمانے میں سب کچھ ہے، اسباب اتنے سارے جمع ہیں کہ پہلے کبھی جمع نہیں تھے لیکن جو اصل مقصود ہے، وہ یکسوئی حاصل نہیں ہے۔ اب تو کیا ہوگیا؟ اسبابِ مواصلات کی بھرمار ہوگئی، موبائل کی اتنی کثرت ہے کہ ایک ایک طالبِ علم کی جیب میں ایک، دو، تین تین موبائل ہیں اور اس کے ذریعہ وہ ساری دنیا کے ساتھ رابطے میں رہتا ہے۔ موبائل کا اشتہار دینے والا کہتا ہے کہ آپ کے پاس موبائل ہے تو آپ ساری دنیا سے ربط قائم کرسکتے ہیں۔ اب جو آدمی ساری دنیا سے رابطہ رکھے گا، وہ علم کیا حاصل کرے گا، اس کو علم نہیں آئے گا؛ اس لیے کہ وہ تو اسی میں لگا رہے گا۔ اور اب تو موبائل میں اور بھی بہت کچھ آ گیا، اب تو موبائل کے ذریعہ صرف بات ہی نہیں، پتہ نہیں لوگ کیا کیا کرتے ہیں۔

## طلبہ اسبابِ علم کے علاوہ ہر چیز سے بے تعلق ہوجائیں

میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ اپنے آپ کو ہر چیز سے کاٹ دیں۔ آپ تو مدرسے میں ایسے رہیں کہ گویا آپ کو دنیا کی کسی

چیز سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور آپ دنیا کی تمام چیزوں سے بے خبر ہیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ آپ کو اس کا پتہ نہیں ہونا چاہیے۔ سال پورا ہوا اور آپ گھر جائیں تو آپ کو پتہ چلے کہ یہ یہ ہوا اور دنیا میں یہ واقعات پیش آئے۔ آپ اس طرح اگر مدرسے کی زندگی گذاریں گے تو آپ کچھ علم حاصل کر کے جا سکتے ہیں۔

## تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے آپ اگر یہ چاہتے ہیں اور ہر طالبِ علم یہ چاہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے علمِ دین کی خدمت کے لیے، اشاعت کے لیے، حفاظت کے لیے قبول فرماوے، ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے لیکن خالی تمنا سے کچھ نہیں ہوتا، اس تمنا کو وجود میں لانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان کو بھی انجام دینا پڑتا ہے؛ اس لیے یہاں رہتے ہوئے آپ کو چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں۔

## آپ علم کے علاوہ ہر چیز کی فکر سے آزاد کر دیا گیا ہے

یہ آپ کی زندگی کا پہلا دور ہے، اس دور میں یہاں رہ کر آپ کو محنت کرنی چاہیے اور اس کے لیے آپ کو کیا کرنا ہے! وہ بھی بنا بنایا نظام موجود ہے، آپ کو کسی تشویش میں ڈالا نہیں گیا ہے، آپ کو یہ نہیں کہا گیا کہ آپ اپنا نظام الاوقات بنائیں کہ صبح کے پہلے گھنٹے میں کس استاذ کے پاس جاؤں اور دوسرے گھنٹے میں کس کے پاس جاؤں؟ نہیں، یہ فکر بھی مدرسے والوں نے اپنے سر لے لی ہے۔

## کیا ان سب کے بعد بھی طلبہ کے پاس کوئی عذر رہ جاتا ہے؟

تعلیمات کا شعبہ ہے، ناظمِ تعلیمات موجود ہیں، انھوں نے آپ کے لیے نظام الاوقات بنا دیا ہے کہ فلانی جماعت فلاں گھنٹے میں فلانے استاذ کے پاس فلانی کتاب پڑھے گی تو گویا آپ کے اوقات کا جو نظام ہے، اس کو بنانے کی زحمت بھی آپ کو نہیں دی گئی، سب کچھ بنا بنایا تیار ہے۔ کھانے کے اوقات بھی مقرر ہے، ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، سب کچھ تیار ہے، اب باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس کے بعد بھی کوئی حجت باقی ہے؟ اب ان سب کے بعد بھی کوئی علم حاصل نہ کرے اور مدرسے سے فارغ ہو کر جاوے اور اس کے دل و دماغ میں علم کی کوئی چیز نہیں ہے تو کیا اسے یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھے اگر موقع ملتا تو میں علم حاصل کرتا؟

## مہلت مانگنے والوں سے قیامت کے دن باری تعالیٰ کا سوال

جیسے روزِ قیامت لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہیں گے: رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَيۡرَ الَّذِيۡ كُنَّا نَعۡمَلُ کہ: باری تعالیٰ! ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے؛ تاکہ ہم اعمالِ صالحہ انجام دیں تو اس کے جواب میں باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: ﴿اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ﴾ [فاطر:۳۷] کہ: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر کوئی اپنا حال درست کرنا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر دی ہو، فَقَدۡ أَعۡذَرَ (۱):

---

(۱) صحیح البخاری، عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنۡ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدۡ أَعۡذَرَ اللّٰهُ إِلَيۡهِ فِي الۡعُمُرِ.

اس کا عذر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ختم کر دیا۔ یعنی دنیا میں رہنے کے لیے اس کو ساٹھ سال دئے، اب اگر وہ کچھ کہے گا تو باری تعالیٰ اس کے عذر کو رد کر دیں گے کہ اتنا عرصہ زندگی کا تم کو دیا تھا، تم نے کچھ کیا نہیں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟

## آپ کے لیے بھی مہلت، نذیر وغیرہ کے انتظامات موجود ہیں

ویسے ہی یہاں موقع دیا گیا، سارے اسباب مہیا کیے گئے، وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ بھی یہاں ہے۔ اربابِ انتظام کی طرف سے، اساتذہ کی طرف سے آپ کو بار بار آگاہ کیا جاتا ہے، تنبیہیں کی جاتی ہیں، سمجھایا جاتا ہے بلکہ اگر غفلت بڑھ جائے تو تادیب اور تعزیر کی نوبت بھی آجاتی ہے، اس کے بعد بھی اگر آپ نہ سُدھریں اور علم حاصل نہ کریں تو کیا یہاں سے جانے کے بعد آپ یہ کہنے کے قابل رہیں گے کہ ہمیں موقع ملتا تو ہم کچھ کرتے۔

## حصولِ علم سے متعلق رہنمائی کرنے والی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیے

بہرحال! آپ کو یہاں جو موقع دیا گیا ہے، آپ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور ان مواقع سے کس طرح فائدہ اٹھانا ہے؟ اس کی تفصیلات بھی کتابوں کے اندر دے دی گئی ہے لیکن ہمیں تو وہ کتابیں دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے! اخبارات دیکھنے کی تو فرصت ہے، وہ تو روزانہ پڑھتے ہیں کہ آج فلانے فلانے ملک کے درمیان کرکٹ کا میچ ہوا اور کون جیتا، کون ہارا، کس نے کتنے رن بنائے؟ اس کے لیے آپ

کے پاس وقت ہے لیکن ''آداب المتعلمین'' کے سلسلے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کو دیکھنے اور پڑھنے کا آپ کے پاس وقت نہیں ہے، کتنے طلبہ ہیں جن کے پاس اس موضوع کی کتابیں ہیں؟ حالاں کہ ہر طالبِ علم کے پاس اس سے متعلق کتابیں ہونی چاہئیں اور بار بار ان کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے؛ تا کہ یہ چیز تازہ ہو، یہ کتابیں بھی حصولِ علم کے سلسلے میں آپ کے لیے تذکیر کے درجے میں ہیں۔

## گاہے گاہے باز خواں

بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اس کو پڑھ لیا۔ پڑھ تو لیا ہے، پھر بھی آپ اس کو بار بار پڑھیے، اگر بار بار پڑھیں گے تو شوق بیدار ہوگا، جیسے ایک گھوڑا اچل تو رہا ہے، پھر بھی اس کو مہمیز لگائی جاتی ہے، کیوں؟ تا کہ وہ دوڑنے لگے، یہ کتابیں اور ان کا مطالعہ آپ کو مہمیز کا کام دیتی ہیں، آپ کا شوق اس کی وجہ سے برانگیختہ ہوگا، اس کی وجہ سے علم کی طلب کی طرف آپ کی توجہ بڑھے گی؛ اس لیے بار بار ان چیزوں کو پڑھیے۔ ایسے اکابر جنھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دیں، ان کے حالات کا بھی مطالعہ کیجیے کہ جب ان کے حالات کا مطالعہ کریں گے تو ہمارے اندر بھی شوق پیدا ہوگا۔ بہر حال! یہ طریقے اور تدبیریں ہیں، ان طریقوں اور تدبیروں کو اختیار کر کے آپ یہاں کے قیام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

## کیا اس کا کوئی جواب ہمارے پاس ہے؟

اب سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم یہاں کھاتے ہیں، اپنی دوسری ضرورتیں

پوری کرتے ہیں، ہم یہاں علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اور اسی کی نسبت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب چیزوں کا ہمارے لیے انتظام کیا ہے۔ اب کھائیں، پئیں، رہیں، سب کچھ کریں لیکن ہمارا دھیان کھیل کود کی طرف ہو، دوسری چیزوں کی طرف ہو تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہماری پوچھ نہیں ہوگی؟ کہ ہم نے تم کو نعمتیں کس لیے دی تھیں اور تم نے اس کا استعمال کس کام کے لیے کیا؟ تم نے ہمارے نعمتوں کو ضائع کیا، اس کا کوئی جواب ہمارے پاس ہے؟

## ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ ہماری طاقت نہیں کہ ہم پوری زندگی بھی کوشش کر کے اس کا حق ادا کر سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب آدمی کی پیشی ہوگی تو تین دفتر اس کے ساتھ پیش ہوں گے: ایک میں انسان کی نیکیوں کا تذکرہ ہوگا، دوسرے میں اس کے گناہوں کا تذکرہ ہوگا اور تیسرے میں اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا، جب حساب کے لیے بندہ پیش ہوگا تو اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت ہے، اللہ تبارک تعالیٰ اس سے کہیں گے اس کی نیکیوں سے تم اپنا حق وصول کرلو، چنانچہ وہ نعمت آگے بڑھے گی اور ساری نیکیوں کو سمیٹ لے گی اور پھر کنارے پر کھڑے ہوجائے گی۔ باری تعالیٰ پوچھیں گے کہ کیا ہوا تو وہ عرض کرے گی کہ میں نے اس کی ساری نیکیاں لے لیں لیکن

ابھی بھی میرا حق تو ادا نہیں ہوا، میری قیمت وصول نہیں ہوئی، ابھی باقی ہے(۱)۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتے۔

## تدریس کے دور کی کامیابی اسی دورِ طالب علمی کی کامیابی پر موقوف ہے

بہرحال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ موقع عطا فرمایا ہے، اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور آپ کے یہ اساتذہ، منتظمین آپ کو بار بار تنبیہیں کرتے ہیں، آپ کو محبت سے سمجھاتے ہیں، کبھی یہ حضرات آپ کی کسی حرکت پر ناگواری کا اظہار بھی کرتے ہیں، کبھی سزا بھی دے دیتے ہیں، یہ بھی آپ کے ساتھ محبت ہی کا تقاضا ہے جس کے نتیجے میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ یہ موقع جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے، اس سے خوب فائدہ اٹھائیں۔ اگر اس سے آپ فائدہ اٹھالیں گے اور تھوڑا بہت علم حاصل کے بعد جو دوسرا دور آئے گا یعنی یہاں سے فارغ ہو کر جانے کے بعد جو تدریس کا زمانہ آئے گا، اس میں یہ کارآمد ہوگا۔

## خالی دعا سے تمنا بر نہیں آیا کرتی

اب آیا تدریس کا زمانہ، پڑھانے کا زمانہ، اس علم کو پھیلانے کا زمانہ۔ علم ہوگا تو اس کو پھیلائیں گے نا؟ کنویں میں ہوگا تو حوض میں آئے گا؟ آپ تمنائیں کرتے

(۱) مسند البزار، عَن أنَس رضي الله عنه، مسند أبي حمزة أنس بن مالك رضي الله عنه رقم الحديث: ٦٤٦٢.

ہیں، دعائیں کرتے ہیں، کرواتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سب کس پر موقوف ہے۔ یہ ہماری محنتوں پر موقوف ہے، اگر محنت کرتے رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے کام لیں گے اور اگر دعائیں کرتے رہے لیکن محنت نہیں کی تو خالی دعاؤں سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے، دعا بھی ایک سبب ہے، ہاں یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی وجہ سے توفیق دے دے۔

## آپ کے اساتذہ تب آپ کی سفارش کرسکتے ہیں

بہر حال! اگر آپ عالم بننے تک کے، فراغت تک کے اس دور کو اس کے حقوق کی ادائگی کے ساتھ پورا کریں گے تو اس کے بعد جو تدریس اور خدمت کا دور آئے گا، اگر آپ نے یہاں محنت کی ہے اور آپ کے اساتذہ کی نگاہ میں آپ کی وقعت ہے، قدر و قیمت ہے، اب کسی دوسرے مدرسے کا ذمہ داران سے مطالبہ کرے گا کہ ہمارے یہاں ایک اچھے مدرّس کی ضرورت ہے جو نحو اچھی پڑھا سکے، صرف اچھی پڑھا سکے، حدیث کا اچھا درس دے سکے، بچوں کو قرآن اچھی طرح سمجھا سکے۔ اگر آپ نے یہاں محنت کی ہے اور اپنی محنت کے ذریعہ اساتذہ کو متاثر کیا ہے، خوش کیا ہے تو وہ مشورہ دیں گے کہ فلاں عالم ہے جو آپ کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

## دنیوی ڈگریاں حاصل کرنے والوں کے بارے میں دنیوی اصول

آج کے زمانے میں کیا ہوتا ہے؟ یہ جو مختلف ہُنر سیکھے جاتے ہیں: کمپیوٹر کا کورس کیا جاتا ہے اور دوسرے کورس کیے جاتے ہیں تو بچے جب اس کورس کے آخری

دور میں ہوتے ہیں تو بڑی بڑی کمپنیاں اس کے ساتھ معاہدہ کر لیتی ہیں، حالاں کہ ابھی تو اس کی تعلیم کا زمانہ پورا بھی نہیں ہوا ہے، ابھی تو آٹھ، نو مہینے باقی ہیں، آخری امتحان بھی باقی ہے لیکن اب تک اس نے جس محنت سے پڑھا ہے، اس کی اس پچھلی کارکردگی کو دیکھ کر کے وہ جس ادارے میں پڑھ رہا ہے، جن اساتذہ کے پاس پڑھ رہا ہے، ان سے معلومات حاصل کر کے بڑی بڑی کمپنیاں آ کر کے ان کے ساتھ معاہدہ کر لیتی ہیں اور ان کی تنخواہ بھی طے کر دیتی ہیں کہ ''۲۵'' ہزار، ''۳۰'' ہزار آپ کی ماہانہ تنخواہ ہوگی۔

## خلوصِ دل سے محنت کر، خود اپنے ہی بھروسے جی

ہمیں تو ان ''۲۵'' ہزار، ''۳۰'' ہزار کی ضرورت نہیں ہے، میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہاں محنت سے پڑھیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی محنت کو ضائع نہیں کریں گے، جو جیسی محنت کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو انعام بھی ویسا ہی دیا جاتا ہے۔ انھوں نے دنیا کے لیے محنت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں دنیوی پھل دیا، آپ دین کے لیے محنت کریں گے تو آپ کو اس کے مطابق نتیجہ حاصل ہوگا۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر آپ یہاں محنت سے علم حاصل کریں گے تو آئندہ دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو خدمتِ دین کا موقع دیا جائے گا۔

## اگر ہیں آپ مخلص اپنے اقدارِ محبت میں

پھر تدریس کا یہ دور بھی مختلف ادوار پر منقسم ہے، یہ نہیں کہ پہلے ہی مرحلے میں آپ کو بخاری شریف کی تدریس دے دی جائے بلکہ آپ کی استعداد اور صلاحیت کو

دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کریں گے جہاں آپ ابتدائی کتابوں کا درس شروع کرسکیں۔ تدریس کے اس دور میں بھی آدمی کی ترقی قدردانی پر موقوف ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا کہ آپ نحو پڑھائیں، صرف پڑھائیں، میزان ومنشعب پڑھائیں، آپ اگر اس کو کما حقہ پڑھاتے ہیں تو آپ کی اس پڑھائی کی مہک پھیلے گی اس فضا میں جہاں آپ کام کرتے ہیں، یہ کمال ہے، کمال خود لوگوں کو قائل کرتا ہے، اس کے لیے ہمیں کوئی محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ؎

| | |
|---|---|
| مشک آن است کہ خود بہ بوید | نہ آں کہ عطار بگوید |

مشک وہ ہے کہ خود اس کی خوشبو کو لوگ محسوس کرتے ہیں، عطار جس کو کہے کہ یہ بڑا اچھا مشک ہے پھر بھی اس کی خوشبو محسوس نہیں ہوتی تو اس میں کیا کمال ہے؟

## طلب خود کر لیے جائیں گے دربارِ محبت میں

تو بہر حال! جب آپ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کریں گے تو وہاں بھی محنت کے ساتھ کام کرنا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ منتظمین ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، ارے بھائی! اگر آپ محنت کے ساتھ ان خدمات کو انجام دیں گے جو آپ کے حوالے کی گئی ہیں تو جھک مار کے انھیں آپ کو ترقی دینی پڑے گی۔ آپ محنت سے کتابیں پڑھا رہے ہیں، طلبہ آپ کی پڑھائی سے مطمئن اور منشرح ہیں تو طلبہ کے اندر آپ کی جو مقبولیت ہے، آپ سے طلبہ کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے تو یہ چیز منتظمین کو مجبور کرے گی کہ آپ کو آگے بڑھائیں۔

## ہجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا

حقیقت تو یہ ہے کہ کمال جو ہے وہ لوگوں کو قائل کرتا ہے، اگر آپ محنت کریں گے تو کب تک چشم پوشی سے کام لیں گے، کب تک صرفِ نظر کریں گے؟ صرفِ نظر کا یہ زمانہ زیادہ چلنے والا نہیں ہے، وہ تو خود ختم ہو جائے گا۔ اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:

| |
|---|
| ہجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا |
| کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا |

## مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گِلہ

کمال پیدا کریں گے تو قدردان بھی پیدا ہوں گے۔ ہمارے طلبہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ ہم مولویوں کو کون پوچھتا ہے؟ یہ نفس کا دھوکہ ہے، نفس نے ایسا دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ محنت کرنی نہیں ہے، اپنی اس سستی، کاہلی اور اس کم ہمتی کو چھپانے کے لیے زبان سے ایسی باتیں نکالتے ہیں۔ اگر کوئی قدر کرے نہ کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تو آپ کی قدر ہے۔

## ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا؟

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ بعد میں آنے والا یہ دور بھی مختلف حصوں پر منقسم ہوتا ہے اور اس دور میں بھی ہم آگے اس وقت بڑھیں گے، جب ہم محنت سے کام کریں گے اور ابتدائی کتابیں محنت سے پڑھائیں گے تو ترقی ملے گی اور پڑھاتے پڑھاتے بخاری شریف کی تدریس تک پہنچیں گے لیکن اس میں بھی بخاری کی تدریس

کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کی ان دینی خدمات کی وجہ سے اور اخلاص اور للّٰہیت کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ پورے عالم میں اس کی مقبولیت رکھ دیں گے اور ایک جہاں کو اس سے فائدہ پہنچائیں گے۔ یہ دور بھی اس وقت آئے گا، جب یہاں محنت کی جائے گی۔ اسی طرح آدمی اپنی زندگی گذارتے گذارتے جب موت تک پہنچے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں موت کے بعد وہ مرتبہ حاصل ہوگا جو اس کو اس کی محنت پر ملنے والا تھا، ورنہ کچھ بھی نہیں۔

## کار دنیا ہووے یا ہووے کارِ دیں، محنت ہے شرط

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو موقع دیا گیا ہے، اس سے خوب فائدہ اٹھائیں، یہ حضراتِ مدرسین کے لیے بھی مفید ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہر ایک جو محنت کرے گا تو اس کی محنت کا ثمرہ اس کو حاصل ہونے والا ہی ہے، کسی کی کوئی محنت ضائع نہیں ہوتی، ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [التوبة: ۱۲۰] : جو نیکوکار ہیں یعنی جو لوگ اچھی لائن میں محنت کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی محنت کو ضائع نہیں کرتے بلکہ ہم تو دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ غلط لائن میں محنت کرتے ہیں تو دنیوی اعتبار سے ان کی محنت بھی ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس سے دنیوی فائدہ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ ایک ناچنے والی عورت رقص اور ناچنے میں محنت کرتی ہے تو ایک رقّاصہ اور ناچنے والی عورت کو جا کر کے پوچھنا چاہیے کہ اس کو اس کی اس محنت کا کیا ثمرہ ملتا ہے۔

## لِكُلِّ سَاقِطَةٍ لَاقِطَةٌ

بہر حال! لِكُلِّ سَاقِطَةٍ لَاقِطَةٌ: ہر گری پڑی چیز کا کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ آپ کریکٹروں کو بھی دیکھتے ہیں جن کے تذکروں سے آپ کی مجلسیں رونق پاتی ہیں اور ان کا تصور آپ کے دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے تو اس کو جا کر ذرا پوچھو کہ یہ مقام حاصل کرنے کے لیے کتنی محنتیں کیں اور کتنی قربانیاں دی ہیں۔ وہ کتنی اور کون سی غذا استعمال کرے گا، صبح کتنی اور کون سی ورزش کرے گا، کتنی دیر سوئے گا، کتنی دیر پریکٹس کرے گا، باقاعدہ ڈاکٹرز اس کے اوپر لگے ہوئے ہیں، اس کرکٹر کا جی چاہے یا نہ چاہے، اس کو یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے، اگر ان چیزوں کی پابندی نہیں کرے گا تو اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے گا۔ آپ جن کو لے کر پھرتے ہیں نا، ذرا ان کے حالات بھی تو پڑھو۔

## جہاں دیکھئے، فیض اسی کا ہے جاری

بہر حال! کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی، چاہے وہ دنیا کی چیز ہو یا آخرت کی، اچھی ہو یا بری ہو۔ بری چیزوں پر بھی محنت کرنے والے محنت کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں دستور ہے: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي [1] بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو کچھ چاہے گا، اس کو وہ دے گا۔ اگر کوئی اچھی لائن میں محنت کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو وہاں ترقی دیں گے اور اگر کوئی غلط اور بری لائن میں محنت کرے گا تو چاہے اس کا انجام آخرت کے اعتبار سے برا ہو لیکن دنیا میں تو اس کو اس کی محنت کا

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ}.

فائدہ پہنچائیں گے۔

## اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے بھر پور فائدہ اٹھایئے

بہرحال! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو یہ موقع دیا ہے، اس سے فائدہ اٹھایئے اور اپنی صلاحیتوں سے جتنا زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں: دل ودماغ کو، قوتِ حافظہ کو، بولنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کو خوب استعمال کیجیے، جو تقریر میں محنت کرتے ہیں، وہ مقرر بنتے ہیں، جیسی جیسی محنت کرتے ہیں، ویسا ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ محنت کرنے کا زمانہ ہے۔ اب یہاں آپ محنت کرنے کے بجائے سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کریں اور محنت سے جی چرائیں تو یہ سمجھ لیجیے کہ آنے والے زمانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے، آپ نے خود ہی اپنے لیے آگے کے دروازوں کو بند کرلیا ہے۔ آگے کے دروازے تب ہی کھلیں گے، جب یہاں سے کچھ لے کر کے جائیں گے۔

## موبائل اور جدید اسبابِ مواصلات
## طلبِ علم کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں

جیسا کہ میں نے کہا کہ اس زمانے میں آپ کے لیے سب سے بڑا ابتلاء یہ موبائل اور جدید اسبابِ مواصلات ہیں، پہلے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں، آج کل توجہ کو ہٹانے والی چیزوں کی بھرمار ہے: موبائل ہے، اخبارات ہیں، فلاناہے۔ اب اگر آپ اس میں پڑ گئے تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے اپنے آپ کو بربادی کے راستے پر

ڈال دیا۔ آپ کسی مال دار اور صاحبِ حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود آپ کے والدین آپ کو اجازت دیں اور اپنی طرف سے موبائل لا کر آپ کو دیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں اس کو استعمال نہیں کرتا، مجھے تو پڑھنا ہے اور پڑھنے والے طالبِ علم کے لیے یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

## ابھی ان چیزوں کے استعمال کا وقت آپ کے حق میں آیا نہیں ہے

اور بات صرف موبائل ہی کی نہیں لیکن آج کل چوں کہ ساری خرابیاں اس ایک موبائل کے اندر موجود ہیں، اب وہ صرف بات کرنے کا آلہ نہیں رہا، پتہ نہیں اس میں کیا کیا دین خراب کرنے والی چیزیں ڈال دی گئی ہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ ہم جیسے پرانے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا، اگرچہ بات کرنے کے لیے ہم بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو آپ ہی اس کے اندر کے مندرجات کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل کے یہ جتنے آلات ہیں، جتنا چھوٹا بچہ ہوگا، ان کے استعمال سے وہ اتنا ہی زیادہ واقف ہوگا، اور جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی زیادہ ناواقف ہوگا۔ ان چیزوں کے فوائد بھی ہیں لیکن ابھی انھیں استعمال کرنے کا آپ کے حق میں وقت نہیں آیا ہے۔

## حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر

کوئی بھی چیز اپنے بڑوں کے مشورے، ان کی نگرانی کے ماتحت حاصل کی جاتی ہے، اگر آپ کو کمپیوٹر سیکھنا ہے تو آپ کے جو بڑے اور مربی ہیں، ان کے مشورے سے آگے بڑھیں گے۔ جو چیزیں سیکھنی ضروری ہیں تو ان کو تو سیکھنا ہی ہے

لیکن ان میں بھی خودرائی سے کام نہیں لینا ہے بلکہ اپنی رائے اور اپنے مزاج کو اپنے بڑوں کے تابع بنانا ہے۔ اگر آپ خود کو اپنے بڑوں کا تابع بنائیں گے تو یہ بھاری تو معلوم ہوگا، آپ کی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرے گی اور یوں کہے گی کہ یہ کیا مولوی صاحب تو ہم پر پابندیاں ہی لگاتے رہتے ہیں، دباؤ ڈالتے رہتے ہیں، یہ کرنے کو کہتے ہیں اور وہ کرنے کو نا کہتے ہیں لیکن آپ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھئے اور بڑوں کی ماتحتی میں کام کیجیے، جتنا زیادہ اپنے آپ کو ان کا تابع بنائیں گے، اتنا ہی زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ترقی سے نوازیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

آپ یہاں آئے ہیں، علم حاصل کر رہے ہیں، اگر آگے چل کر آپ کی ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔ ابھی آپ کے ماں باپ، آپ کے اعزہ، آپ کے بھائی جو آپ کو ہاتھوں پر لیے پھرتے ہیں؛ اس لیے کہ آئندہ کے لیے آپ سے امیدیں بندھی ہوئی ہیں، توقعات قائم ہیں اور ان توقعات کو پورا کرنے کے آپ قابل بن جائیں؛ اسی لیے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں اور آپ کو ہاتھ میں لیے لیے پھرتے ہیں کہ آپ پڑھیں گے اور آئندہ جا کر آپ ان کے لیے نیک نامی کا اور ان کے لیے خیر کا باعث بنیں گے لیکن اگر آپ نے یہاں علم حاصل نہیں کیا اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں بنایا کہ آپ کی ذات سے آپ کے ماں باپ کو، آپ کے کنبے کو، آپ کی کمیونٹی کو، آپ کے سماج کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے تو پھر آپ اپنے سماج میں ایک بے قیمت چیز بن کر رہ جائیں گے کسی کے دل میں آپ کے لیے کوئی وقعت نہیں رہے گی، آپ کہاں گئے، کہاں سے آئے، کیا کر رہے ہیں، کسی کو اس کی پروا بھی نہیں ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک لـه ونشهد أن سيدنا ومولا نا محمداعبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونـذيرا، وداعيا إلى الله بإذنـه وسراجا منيرا، صـلى الله تعـالىٰ عليـه وعلـى آلـه وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ: ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِي الۡاَرۡضِ﴾ [الرعد:۱۷]

## ایک قدرتی قانون

**عزیز طلبہ! آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قدرت کا** ایک اصول بتایا ہے کہ جو چیز لوگوں کے لیے نفع بخش ہوتی ہے، جس چیز سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، وہ تو باقی رہتی ہے اور جو چیز بے فائدہ ہوتی ہے، جس سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچتا، وہ ختم ہو جاتی ہے، دنیا کا دستور یہی ہے، قدرت کا قانون یہی ہے کہ جو "انفع" ہوتا ہے، وہ باقی رہتا ہے اور اس کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے۔

## غیر نافع چیز کے لیے انسان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہوتی

ایک کپڑا ہے، کوئی آدمی اس کو بڑی قیمت دے کر کہ: ایک مٹر کی قیمت ایک ہزار کے حساب سے دے کر کے کرتہ بنانے کے واسطے لایا اور درزی کو اس کی بڑی اجرت دے کر کے بنوایا۔ اب وہ اس کو استعمال کر رہا ہے اور استعمال کرتے کرتے جب وہ بوسیدہ ہو جائے گا اور اس قابل نہیں رہے گا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو وہی آدمی جو اس کی اتنی بڑی قیمت دے کر لایا تھا، اس کو پھینک دے گا، وہ یہ نہیں سوچے گا کہ میں نے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے اتنا پیسہ خرچ کیا ہے تو وہ بھلے ہی کام نہیں آتا پھر بھی میں اس کو حفاظت سے رکھ لوں۔ نہیں، اس کے پاس اب اس کرتے کو رکھنے کے لیے جگہ نہیں۔

## ضعیف ہونے کے بعد باپ بھی بچوں کو بار محسوس ہوتا ہے

ایک آدمی نے بڑی محنت کر کے بڑی مشقت اٹھا کر کے کوئی کاروبار جمایا، اس سے بڑی آمدنی ہو رہی ہے۔ اب اولاد آئی، باپ کے بعد اولاد نے اس کاروبار کو سنبھالا، باپ اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ گیا، اب اس کی صلاحیتیں اس کاروبار کو آگے بڑھانے میں کام نہیں دے رہی ہیں تو وہی باپ جس نے اس کاروبار کو جمایا تھا اور آج اس کے بچے اس کاروبار کو سنبھال رہے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن اب باپ میں وہ صلاحیتیں نہیں رہیں جن سے اس کاروبار کو فائدہ پہنچے تو اب بچوں کی نگاہ میں بھی باپ کی وہ قدر و قیمت نہیں رہے گی جو پہلے تھی بلکہ باپ جوں جوں بڈھا ہوتا جائے گا، بچے

دل ہی دل میں دعا کریں گے: یا اللہ! اب عافیت کے ساتھ ابّا جان کو اٹھا لے تو اچھا ہے۔ حالاں کہ یہ سارا کاروبار باپ نے جمایا ہے۔

## کسی کی موت پر رونے میں بھی اغراض مضمر ہوتی ہیں

کسی کا جب انتقال ہوتا ہے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کے انتقال پر لوگ روتے ہیں، وہ مرنے والے کی موت پر نہیں روتے، وہ تو اپنے منافع اور فوائد جو مرنے والے سے جُڑے ہوئے تھے، ان کے فوت ہونے اور ہاتھ سے نکل جانے پر روتے ہیں؛ اس لیے جوانی کی موت پر لوگ زیادہ روتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس سے بڑی امیدیں قائم کی گئی تھیں کہ اس سے یہ فائدہ ہوگا، وہ فائدہ پہنچے گا۔ باپ بھی اس عمر میں ہو کہ کاروبار خود سنبھال رہا ہے اور اچانک انتقال ہو جائے، ہارٹ فیل ہو جائے، قلب کا دورہ پڑ جائے تو لوگ خوب روئیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ جو اس سے فائدہ پہنچ رہا تھا، اچانک چھین گیا اور اگر بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر اس کو موت آوے تو اس کی موت پر اتنا زیادہ روتے نہیں ہیں، تھوڑا بہت بھی جو روتے ہیں، وہ لوگوں کو دِکھانے کے لیے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ ابّا کا انتقال ہو گیا اور ایک آنسو بھی آنکھ سے نہیں نکلا۔

## آج کے دورِ علم و ہنر میں مہر و وفا کا نام نہ لے

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ دنیا کا دستور یہی ہے کہ جب کسی سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو لوگ ان سے جُڑتے ہیں، اس سے امیدیں قائم کرتے ہیں،

ان کی نگاہوں میں اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے اور اگر فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو بیٹا بھی اگر ہے۔ بیٹوں میں بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بیٹا کما کر باپ کو دیتا ہے، اس کی خدمت کرتا ہے، اس کی قدر و قیمت باپ کی نگاہوں میں اس بیٹے سے جو کچھ کماتا نہیں ہے، زیادہ ہوا کرتی ہے بلکہ وہ جو نہیں کماتا، اس کے ساتھ باپ بات چیت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں تو دنیا کا یہی دستور ہے۔ یہ دنیا تو غرض کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

## لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ کیوں لیے پھرتے ہیں؟

آپ یہاں آئے ہیں، علم حاصل کر رہے ہیں، اگر آگے چل کر آپ کی ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔ ابھی آپ کے ماں باپ، آپ کے اعزہ، آپ کے بھائی جو آپ کو ہاتھوں پر لیے پھرتے ہیں؛ اس لیے کہ آئندہ کے لیے آپ سے امیدیں بندھی ہوئی ہیں، توقعات قائم ہیں اور ان توقعات کو پورا کرنے کے آپ قابل بن جائیں؛ اسی لیے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں اور آپ کو ہاتھ میں لیے لیے پھرتے ہیں کہ آپ پڑھیں گے اور آئندہ جا کر آپ ان کے لیے نیک نامی کا اور ان کے لیے خیر کا باعث بنیں گے لیکن اگر آپ نے یہاں علم حاصل نہیں کیا اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں بنایا کہ آپ کی ذات سے آپ کے ماں باپ کو، آپ کے کنبے کو، آپ کی کمیونٹی کو، آپ کے سماج کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے تو پھر آپ اپنے سماج میں ایک بے قیمت چیز بن کر رہ جائیں گے کسی کے دل میں آپ کے لیے کوئی وقعت نہیں رہے گی، آپ کہاں گئے، کہاں سے آئے، کیا کر رہے ہیں، کسی کو اس کی پروا بھی نہیں ہوگی۔

## آپ کی ذات سے قوم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہاں آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک موقع دیا ہے اور یہ موقع اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کو اجاگر کریں اور خوب علم حاصل کریں، عملی اعتبار سے بھی آپ خود کو بھرپور شخصیت بنالیں اور جب آپ یہاں سے فارغ ہو کر جائیں تو اس قابل ہوں کہ امت کو فائدہ پہنچا سکیں، اپنے علم سے، عمل سے، اپنی صلاحیتوں سے لوگوں کو، اپنوں کو، پرایوں کو، رشتہ داروں کو، اجنبیوں کو، سب کو خوب فائدہ پہنچے؛ اس لیے آپ کو یہاں بھیجا گیا ہے، اور یہ توقعات آپ کی ذات سے وابستہ ہیں؛ اس لیے آپ کی ضرورتیں پوری کی جا رہی ہیں۔ اس وقت آپ جو مطالبہ پیش کریں گے کہ مجھے اس طرح کا کپڑا چاہیے تو ماں باپ کی حیثیت نہیں ہے تو بھی محنت ومشقت اٹھا کر، کہیں سے قرض لے کر، کسی سے عاجزی سے سوال کر کے آپ کا یہ مطالبہ پورا کر دیں گے کہ میرا بیٹا پڑھ رہا ہے، وہ پڑھ لے اور اچھی طرح علم حاصل کر لے۔

## آپ قوم کی امیدوں پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کیجیے

یہ سب کچھ اسی لیے ہو رہا ہے کہ آپ آگے جا کر اپنے علم سے فائدہ پہنچائیں۔ ویسے ان کو بھی فائدہ پہنچے گا اور آپ کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ پہلا فائدہ تو آپ کو پہنچے گا اور ان کو بھی جو آپ کی ذات سے فائدہ پہنچے گا، وہ بھی آپ کے لیے نامۂ اعمال میں ذخیرہ بنے گا، آپ کے لیے ثواب کا ذریعہ بنے گا۔ یہ اساتذہ، یہ منتظمین جو آپ کی طرف

توجہ کررہے ہیں، وہ ان ہی توقعات کو لے کر توجہ کررہے ہیں کہ آپ یہاں رہ کر اچھی طرح پڑھ لیں گے اور علم حاصل کرلیں گے اور یہاں سے فارغ ہوکر جانے کے بعد دین کی اور ملت کی خوب خدمات کریں گے تو ان اساتذہ کے لیے، منتظمین کے لیے، مدرسے کے لیے نیک نامی کا باعث ہوں گے۔

## موت اس کی ہے، کرے جس پر زمانہ افسوس

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو | | ہمہ خنداں بودند وتو گریاں |

کہ تجھے معلوم ہے کہ جس وقت تم پیدا ہوئے تھے، سب ہنس رہے تھے اور تم رہے تھے، یہ سب کا ہنسنا اور سب کی خوشی جو تھی، وہ توقعات پر تھی کہ آپ پیدا ہوئے ہیں تو اب آپ ہمارے لیے کام کی چیز بنیں گے، یوں ہوگا، یہ فائدہ پہنچے گا؛ اس لیے وہ سب خوشیاں منا رہے تھے۔ اب آپ کو زندگی کس طرح گذارنی ہے؟ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: آں چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو ہمہ گریاں بودند وتو خنداں: ایسی زندگی گذارا اور اپنی ذات سے لوگوں کو اس طرح فائدہ پہنچاؤ کہ جب تم دنیا سے جا رہے ہو تو تم ہنس رہے ہو اور لوگ رو رہے ہوں کہ ہمارا فائدہ چھین گیا۔

## واقعی جینا ان ہی کا جینا ہے بھلا دنیا میں

تو بہرحال! یہ قدرت کا اور فطرت کا قانون ہے کہ جو ''أنفع'' ہوتا ہے اور جو ''أصلح'' ہوتا ہے، وہ باقی رہتا ہے اور اسی کی قدر و قیمت ہوا کرتی ہے۔ ابھی جو آپ

کی قدر و قیمت ہے، وہ محض توقعات پر ہے اور فارغ ہونے کے بعد جب آپ اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کو پختہ بنا کر کے اس قابل بن جائیں گے کہ آپ کی ذات سے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچے تو اس وقت آپ کی جو قدر و قیمت ہوگی، وہ حقیقی قدر و قیمت ہوگی، وہ توقعات پر نہیں بلکہ آپ سے پہنچنے والے فائدے پر ہوگی۔ اب جوں جوں آپ خدمات انجام دیتے جائیں گے اور اس میں اخلاص، استقامت، ہمت اور حوصلے سے کام لے کر آگے بڑھتے رہیں گے، توں توں آپ کی صلاحیتیں بھی مزید اجاگر ہوں گی اور آپ کا نفع بھی عام اور تام ہوتا جائے گا اور لوگ آپ سے اور زیادہ خوش ہوں گے۔ لوگ بھی خوش ہوں گے اور اگر آپ اخلاص اور للّٰہیت سے کام کرتے رہیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی آپ کو بڑا مقام اور مرتبہ حاصل ہوگا۔

## اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہے جب کہ اس وقت آپ کو جو موقع دیا گیا ہے آگے کی تیاری کرنے کا، اس موقع سے آپ فائدہ اٹھائیں۔ کوئی مکان بنایا جا رہا ہے تو آدمی مکان پر خرچ کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ آگے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آگے چل کر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے دین کا کام لیں، لوگوں کو آپ سے فائدہ پہنچے، لوگ بھی آپ کی قدر و قیمت پہچانیں، لوگ بھی آپ کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کریں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت آپ کو جو موقع دیا گیا ہے، اس موقع سے آپ پورے پورا فائدہ اٹھائیں، آپ

اپنے اوقاتِ عزیز میں سے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ یہ علم حاصل کرنے کا زمانہ ہے، بننے کا زمانہ ہے۔اس زمانے میں آپ کی معمولی سی غفلت بھی آپ کے بننے کے اس عمل میں کمزوری ڈال دے گی۔

## خراب چیز بے مول ہوتی ہے

جیسے کپڑا ہے، کارخانے میں تیار ہوتا ہے، تیار ہونے کے زمانے میں اگر ذرا سی غلطی کاریگر سے ہوجائے تو کپڑے میں عیب رہ جاتا ہے اور وہ عیب ایسا ہوتا ہے کہ اس کپڑے کے بن جانے کے بعد کوئی بھی اس کی اصلاح نہیں کرسکتا۔سبھی یہ کہیں گے کہ یہ تو کارخانے کا عیب ہے، سُدھر نہیں سکتا اور کارخانے والے بھی اس کو کم قیمت ہی میں فروخت کرتے ہیں، جانتے ہیں کہ یہ عیب دار ہے؛اس لیے اس کی زیادہ قیمت نہیں ملے گی۔

بچہ ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے، وہاں کوئی عیب رہ گیا، پاؤں ٹھیک نہیں رہا یا آنکھ پیدائشی طور پر خراب رہی، کان ٹیڑھا رہ گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو سُدھار نہیں سکتی، وہ عیب جوں کا توں رہے گا۔

## عملی کمی بھی آپ کی نیّا ڈبو سکتی ہے

مدرسہ میں رہ کر آپ اپنی علمی شخصیت کو بناتے ہیں، اگر بننے کے اس زمانے میں آپ کی علمی شخصیت میں کوئی کمی رہ گئی، کوئی عیب رہ گیا، کوئی کوتاہی رہ گئی تو اب یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ٹھیک ہونے والی نہیں ہے۔عملی اعتبار سے بھی آپ

میں کوئی کمی رہ گئی کہ آپ نے پڑھنے کے زمانے میں محنت تو خوب کی، مطالعہ کیا، اسباق بھی یاد کیے، اس میں حاضری بھی پابندی کے ساتھ دی، تکرار بھی کیا اور اپنا علم پختہ کیا لیکن آپ نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں کیا، پڑھنے کے زمانے میں جماعت فوت ہوتی رہی تو فراغت کے بعد علمی صلاحیت تو پختہ رہے گی لیکن پڑھنے کے زمانے میں یہ جو عملی کمزوری رہ گئی ہے، وہ شاید آپ کو لے ڈوبے اور آپ کی اس علمی صلاحیت سے لوگوں کو فائدہ پہنچنے میں رکاوٹ بن جائے، لوگ کہیں گے کہ مولوی صاحب کی استعداد تو بہت اچھی ہے لیکن جماعت سے نماز نہیں پڑھتے، ہدایہ پڑھا رہے ہیں، بخاری پڑھا رہے ہیں لیکن ان کی جماعت جاتی ہے۔

## اب پچھتاوے کیا ہووَت....

طلبہ چاہے خود جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں لیکن استاذوں کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کہتے ہیں کہ طالبِ علم چاہے سبق کو نہ سمجھتا ہو لیکن استاذ کو سمجھتا ہے۔ معاملہ ایسا ہی ہے تو پڑھنے کے زمانے میں جو کمزوری رہ گئی، وہ کمزوری پھر دور ہونے والی نہیں ہے تو اس وقت اگر آپ افسوس کریں اور کفِ افسوس ملیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تب بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

## حصولِ علم سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیجیے

اسی لیے ابھی آپ کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ طلبِ علم کی اس راہ کو آپ کیسے پار کریں گے اور کس طرح آپ اس منزل کو کامیابی کے ساتھ پاسکیں گے، اس کے

طریقے بھی بتلا دئے گئے ہیں، ہمارے اکابر نے اس سلسلے میں باقاعدہ کتابیں لکھی ہیں، اس میں سب تفصیلات ہیں کہ ایک طالبِ علم خود کو کسی قابل بنانے کے لیے کیا کیا کرے، عملی اعتبار سے کمال حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے اور پھر یہ ہے کہ آپ کی ذات سے آگے چل کر لوگوں کو فائدہ پہنچے، آپ کی شخصیت لوگوں کے حق میں نافع بنے، اس کے لیے آپ کو اپنے اندر کِن کِن صفات کو پیدا کرنا چاہیے، وہ سب ان کتابوں کے اندر لکھا ہوا ہے۔

## مسافر، سفر سے پہلے جائے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے

کوئی آدمی جب کوئی منزل طے کرنے کا ارادہ کرتا ہے، جیسے آپ میں سے کوئی آدمی دِلّی جانے کا ارادہ کرتا ہو اور پہلے کبھی گیا نہیں ہے تو ایسا نہیں کہ وہ گاڑی لے کر نکل پڑے گا بلکہ اس سلسلے میں پہلے معلومات حاصل کرے گا۔ گائیڈ لکھے ہوئے ہیں جو دوکانوں پر ملتے ہیں، پہلے وہ ان کو حاصل کرے گا، جو جا کر آئے ہیں، ان سے ملے گا اور معلومات حاصل کرے گا کہ وہاں کا کیا ماحول ہے؟ کیسے جائیں گے، کہاں اترنا مناسب ہوگا، وہاں کے لوگ کیسے ہیں؟ یہ سب معلومات پہلے حاصل کرتا ہے پھر وہ آگے بڑھتا ہے۔

## راہِ علم قدیم زمانے سے آباد ہے

اسی طریقے سے حصولِ علم کی اس راہ کو طے کرنے کے لیے بھی ہمارے

بزرگوں نے باقاعدہ کتابیں لکھی ہیں، "**تعلیم المتعلم**" باقاعدہ ایک موضوع ہے، جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ علم حاصل کرنے والے کن کن چیزوں کا خیال رکھیں، کس طرح پڑھیں اور کس طرح رہیں تو ان کو علم آئے گا، وہ ساری تفصیلات اس کے اندر ہے اور لکھا ہی نہیں بلکہ ہمارے اسلاف کر کے بھی دکھلا گئے، اس راہ پر چلنے والے ہم اور آپ پہلے نہیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس کو ہم سب سے پہلے قطع کر رہے ہیں، ہم سے پہلے اس راستے سے کوئی گذرا نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے اب تک برابر ہمارے بزرگوں نے یہ راہ قطع کی ہے اور اس پر چلے ہیں اور وہ جس طرح چلے اور جس طرح چل کر کے انھوں نے کامیابی حاصل کی، ہم بھی اگر اسی طرح چلیں گے اور اسی طرح یہ سفر طے کریں گے تو ہم بھی منزلِ مقصود پر پہنچیں گے اور ہمیں بھی کامیابی حاصل ہوگی اور اگر ہم نے اس راستے کو چھوڑ دیا، اس طریقے کو اختیار نہیں کیا تو ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جو منزلیں ان کی راہ میں آئیں، وہ سب منزلیں ہمارے راستے میں بھی آنی چاہئیں۔

جیسے ایک آدمی ہے، وہ ممبئ جانا چاہتا ہے، احمد آباد سے ٹرین میں سوار ہوا تو جب ٹرین چلے گی اور آگے کسی اسٹیشن پر جا کر ٹھیرے گی تو وہ کھڑکی میں سے منہ نکال کر دیکھے گا کہ کون سا اسٹیشن آیا، دیکھا کہ "نڑیاد" آیا تو اس کو اطمینان ہوگا کہ ٹھیک ہے، ہم ممبئ جا رہے ہیں اور ہماری یہ ٹرین بھی ممبئ ہی کی طرف جا رہی ہے اور اگر وہ دیکھے کہ یہ تو "پالن پور" آ گیا تو وہ گھبرا جائے گا کہ یہ کیا؟ ہمیں تو ممبئ جانا تھا، بیچ میں یہ پالن پور کیسے آ گیا؟ لگتا ہے کہ میں دوسری ٹرین میں بیٹھ گیا۔

## اس راہ میں بزرگوں کو پیش آنے والے حالات ہمیں بھی پیش آنے ہی چاہئیں

اسی طرح اس راہ کو قطع کرتے ہوئے ہمارے بزرگوں کو جو حالات پیش آئے، اگر وہی حالات ہمیں بھی پیش آ رہے ہیں تو ڈرنے کی بات نہیں ہے اور گھبرانے کی چیز نہیں ہے بلکہ خوش ہونے کی چیز ہے کہ یہی تو وہ چیزیں ہیں جو ان کو پیش آئی تھیں، ہم کو بھی پیش آ رہی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم ٹھیک چل رہے ہیں۔

## اس راہ میں اسلاف کو پہنچنے والی مشقتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حصولِ علم کا موقع عطا فرمایا ہے اور اسی نسبت پر یہ ساری سہولتیں مہیا کی گئی ہیں، اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہم تو کمزور لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دورِ حاضر کے طالبین کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ان ساری سہولتوں کا انتظام فرما دیا ہے کہ یہاں ہمیں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کچھ کرنا نہیں پڑتا، سب کچھ بنا بنایا تیار ہے، ورنہ ہمارے اسلاف کے زمانے میں ایسے بنے بنائے مدرسے نہیں تھے، جن کے پاس حصولِ علم کے لیے جاتے تھے، ان کے درس میں حاضری تو مل جاتی تھی لیکن اپنی ساری ضروریات کا انتظام خود کو کرنا پڑتا تھا اور ان چیزوں کے انتظام میں ان کو کیسی کیسی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، اگر ہمارے اس زمانے میں بھی اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے وہ سب مشقتیں اٹھانی پڑتیں تو میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید ہی اس زمانے میں دو چار عالم بن پاتے، یہ تو اللہ

تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی فراہم کردی۔

## دو نعمتیں: جن سے لوگ غفلت میں ہیں

لیکن اس آسانی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم مدرسے میں داخلہ لے کر کے مطمئن ہوجائیں کہ اطمینان سے کھاؤ، پیو۔ ہمارے ایک ساتھی ہیں پڑھانے والے، وہ بعض طلبہ سے کہتے ہیں: ارے بھائی! تو نے کتنے سال یہاں مدرسے میں گذارے اور کتنے ”من“ گیہوں تو مدرسے کے کھا گیا۔ میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں فارغ البالی دی، ہمیں موقع دیا، حدیث میں ہے: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کے معاملے میں بہت سارے لوگ دھوکے اور گھاٹے میں ہیں اور ان سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے، لوگ اٹھاتے نہیں ہیں: (۱) تن درستی، اور (۲) فرصت [1]۔

## اس نعمت کی قدر آپ کو آسمانوں کی بلندیوں کو پہنچا سکتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو فرصت دی، اب آپ کو کوئی فکر نہیں، آپ کو یہ فکر نہیں کہ میں کھانا کہاں سے کھاؤں گا، غسل کیسے اور کہاں کروں گا، کپڑے کہاں سے لاؤں گا، میرے بستر کا کیا ہوگا، میری رہائش کا کیا ہوگا؟ کچھ نہیں، ساری چیزیں موجود

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُمَا، باب مَا جَاءَ فِي الرِّقَاقِ، وَأَنْ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشُ الآخِرَةِ.

ہیں۔اب آپ کو فرصت ملی ہوئی ہے اور عمر کی جس منزل سے آپ گذر رہے ہیں، اس میں آپ کو تن درستی بھی حاصل ہے، جب یہ دونوں چیزیں آپ کو حاصل ہیں تو اب آپ کو چاہیے کہ آپ خود کو پورے طور پر علم حاصل کرنے میں مشغول کر دیں، آپ کا ایک لمحہ، ایک پل، ایک سیکنڈ بھی ضائع اور برباد نہ ہونے پائے، اگر اس میں آپ کی طرف سے کوتاہی ہوگی تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کی گرفت ہوگی، ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ﴾ [ابراھیم:۷] کہ: اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا یعنی اس کا حق ادا کیا اور وہ نعمت جس مقصد کے لیے دی ہے، اس کو اس میں استعمال کیا تو ہم ان نعمتوں میں اضافہ کریں گے۔ اگر آپ اس کا حق ادا کریں گے، محنت سے پڑھیں گے تو اضافہ یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں سے فراغت کے بعد آپ کو علمِ دین کی اشاعت اور دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں گے اور آپ کو موقع دیں گے اور اسی طرح آپ آگے بڑھتے بڑھتے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

## مدرسے کے قوانین آپ کے فائدے ہی کے لیے بنے ہیں

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ جو موقع دیا ہے، اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ مدرسے کے جو قوانین ہیں اور مدرسے کے اندر جو پابندیاں ہیں، وہ حقیقت میں پابندیاں نہیں ہیں بلکہ یہ تو آپ اپنے حصولِ علم کا کام اچھی طرح سے انجام دیں، اس کا ایک انتظام ہے۔ طلبہ اس کو اپنے لیے پابندیاں سمجھتے

ہیں کہ ہم کو فلاں وقت کے بعد مدرسے کے احاطے سے باہر جانے نہیں دیتے کچھ کرنے نہیں دیتے۔ حالاں کہ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ خود نہ نکلتے۔ آپ نے نکلنا شروع کیا تو مدرسے والوں نے قانون بنایا کہ آپ کو نکلنا نہیں ہے۔ یہ تو ویسے آپ کی ذمہ داری تھی، آپ کا فریضہ تھا، یہ کام تو آپ کو اپنی طرف سے از خود کرنا چاہیے تھا۔ اب جب آپ اپنی نادانی سے اس کو نہیں سمجھ رہے ہیں، خود نہیں کر رہے ہیں تو قانون بنا دیا۔

## ہر کام کو انجام دینے کے لیے اس کے مطابق ماحول کا ہونا ضروری ہے

فلاں لباس نہیں پہننا ہے۔ جب آپ ہسپتال میں جاتے ہیں تو وہاں کیا ہوتا ہے؟ ہسپتال کا لباس پہنایا جاتا ہے، وہاں کوئی کہے کہ مجھے تو یہ لباس نہیں پہننا ہے تو نہیں چلے گا۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں، وہاں اس کے مطابق ہی معاملہ ہوگا، وہ کام جہاں جس ماحول میں ہے، اس ماحول میں رہ کر کے اس کام کو انجام دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مدرسے میں حصولِ علم کے مناسب فضا بنائی جاتی ہے، ماحول بنایا جاتا ہے، اسی ماحول کو بنانے کے لیے مدرسے کے قوانین ہیں، منتظمین ہیں، اساتذہ ہیں جو آپ کو ان قوانین کے مطابق چلنے کی تاکید کرتے ہیں، آپ کی خیر خواہی کرتے ہیں، یہ تو آپ کے حق میں باپ سے بھی بڑھ کر ہیں۔

## آپ کے اساتذہ اور منتظمین کو آپ کا خیال آپ کے جسمانی والدین سے زیادہ ہے

باپ نے تو آپ کے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا تھا اور یہاں کھانے پینے کے ساتھ آپ کی تعلیم وتربیت کا بھی انتظام ہے تو یہ باپ سے بھی بڑھ کر ہیں اور پھر یہ

ہے کہ دیکھئے! یہ حضرات آپ کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ یہ مفتی امتیاز صاحب ہیں جو شہر احمد آباد میں چندہ کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھ لو کہ اپنے بیٹے کے کپڑوں کو بنوانے کے لیے کبھی کسی سے کوئی چندہ طلب کیا، اپنے کپڑوں کے لیے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا؟ نہیں، ان کی غیرت یہ کبھی برداشت نہیں کرے گی لیکن آپ کی ضرورتوں کے لیے اپنے آپ کو داؤ پر لگا رہے ہیں اور آپ کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ آپ سے اگر محبت نہ ہوتی، تعلق نہ ہوتا، آپ سے آئندہ کے لیے کوئی اچھی توقعات نہ ہوتیں تو ایسا کیوں کرتے؟

## اساتذہ اور منتظمین پر تنقید کرنے والے طلبہ محروم رہتے ہیں

اس لیے میں آپ سے کہوں گا کہ آپ ان چیزوں کی قدر جانیں، ان کی طرف سے اس طرح کے قوانین اور پابندیاں بھی ہوں تو یہ ان کی شفقت کا نتیجہ ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ نادانی اور غفلت میں اپنے آپ کو ضائع نہ کردیں؛ اسی لیے وہ ایسا کر رہے ہیں؛ اس لیے اس کو بھی آپ غنیمت سمجھیں اور ان کی شفقت ہی کا نتیجہ سمجھیں، اپنے ساتھ زیادتی نہ سمجھیں۔ طلبہ جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کا موضوع یہی ہوتا ہے کہ مہتمم صاحب ایسے ہیں اور فلاں استاذ ایسے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ طالبِ علم اگر زبان اور آنکھ کی حفاظت کرلے تو ولی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ درس گاہوں میں بھی یہ گفتگو ہوتی رہتی ہے، تنقید، تبصرے ہوتے رہتے ہیں، اسی نے ہماری زندگیوں کو برباد کیا ہے۔ جو آدمی اپنے محسنین کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہو، اس کو کیا

کہا جائے! ایسی احسان کُشی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں برداشت نہیں کی جاتی پھر وہ محروم جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کریں۔

## جید الاستعداد بننے کے تین رہنما اصول

اور اپنے اسباق کی پابندی کریں، مطالعے کا اہتمام کریں، تکرار کا اہتمام کریں، یہی چیزیں آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہیں۔ حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ طلبِ علم میں تین چیزیں رکن کی حیثیت رکھتی ہیں: (۱) اسباق کی پابندی (۲) تکرار (۳) مطالعہ۔

## مطالعہ کی اہمیت اور ہمارے اسلاف کا معمول

مطالعہ ہمارا ایک اصطلاحی لفظ ہے جو اہلِ علم میں بولا جاتا ہے۔ مطالعے کا مطلب یہ ہے کہ کل کو جو سبق ہونے والا ہے، اس کے لیے آپ تیاری کرلیں، اس کو آپ دیکھ لیں، اپنے ذہن اور طبیعت کو اس قابل بنالیں کہ کل استاذ جو سبق دینے والے ہیں، آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے سے اس کی تیاری کرلیں، دیکھ لیں۔ ہمارے بزرگوں کے یہاں تو یہ تھا کہ (طلبہ نے) اگر مطالعہ نہیں کیا ہے تو پڑھاتے نہیں تھے۔ پوچھتے تھے کہ آج مطالعہ کیا ہے؟ اس زمانے کے طالبِ علم بھی سچے پکے ہوا کرتے تھے، اگر نہیں کیا تو کہتے تھے کہ نہیں کیا تو کہتے کہ جاؤ! مطالعہ نہیں کیا ہے تو سبق نہیں پڑھائیں گے۔ اس کا ان کو اتنا غم ہوتا تھا کہ کھانا نہیں کھایا جاتا تھا اور پھر آئندہ کبھی اس طرح کی غلطی کو دہراتے نہیں تھے اور اب تو یہ زمانہ آ گیا

کہ طلبہ کہیں گے کہ اچھا ہتھیار ہمارے ہاتھ آ گیا، سبق نہ پڑھنا ہو تو یوں کہہ دو کہ مطالعہ نہیں کیا۔

## ایک لطیفہ، ایک حقیقت

ایک صاحب کی بیوی نماز نہیں پڑھتی تھی میں نے ان کو یوں کہا کہ ایسا کرو کہ تم کھانا نہ کھاؤ کہ آج تمھارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھانا ہے تو وہ صاحب کہنے لگے کہ اگر میں کھانا نہیں کھاؤں گا تو اس کو تو اس کی کوئی پرواہی نہیں، وہ تو کھانا بنانا ہی چھوڑ دے گی۔ حالاں کہ ایک بیوی کو شوہر کے ساتھ جو تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے، اس کی بنا پر اگر شوہر کھانا نہ کھاوے تو بیوی سے بھی کھانا کھایا نہیں جاتا لیکن اب تو ہر چیز میں مزاج بدلتے جا رہے ہیں تو طلبہ کے مزاجوں میں بھی تبدیلی آتی جا رہی ہے؛ اس لیے ان امور کا خیال رکھیں۔

## کمی نہیں قدرداں کی اکبرؔ کرے تو کوئی کمال پیدا

آج ہمارے علوم سے لوگوں کو جو فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ آج ہم جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ قدردان ہی کہاں ہیں تو یہ غلط ہے، قدردان تو بہت ہیں، اگر آپ اپنے اندر کچھ پیدا کر لیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کے اندر آپ کو ہاتھوں ہاتھ لوگوں سے اٹھوائیں گے۔ اکبر اِلٰہ آبادی کا شعر ہے:

| |
|---|
| ہجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا |
| کمی نہیں قدرداں کی اکبرؔ کرے تو کوئی کمال پیدا |

کمال پیدا کریں گے تو آپ کے بہت سارے قدردان بھی پیدا ہوں گے۔

## ہجوم کیوں ہے شراب خانے میں

بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے سے انبیاء کو گذارا گیا تو کسی کے ساتھ ایک آدمی تھا، کسی کے ساتھ پانچ چھے، کسی کے ساتھ دس ہیں، کسی کے ساتھ بڑی جماعت ہے اور کوئی نبی ایسا بھی ہے جس کے ساتھ ایک بھی نہیں ہے، حالاں کہ وہ تو حضراتِ انبیاء تھے، ان کی طرف سے اپنے فریضے کی ادائگی میں کسی کوتاہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، انھوں نے اپنے فریضے کو کماحقہٗ ادا کیا لیکن اس کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا، کسی پر پانچ لائے، کسی پر دس لائے۔ آپ اس زمانے میں دین کا کام کیجیے اور دیکھئے، اس میدان میں جب آپ آئیں گے تو اخلاص اور استقامت کے ساتھ کام کیجیے، پانچ نہیں، دس نہیں، سینکڑوں لوگ آپ کا ساتھ دینے والے پیدا ہو جائیں گے۔

## یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

اب رہے تھوڑے سے مخالفین کہ فلانا میری مخالفت کرتا ہے تو یہ تو انبیاء کے ساتھ بھی ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ [الفرقان:۳۱] ہر نبی کے لیے دشمن اور مخالف اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کیا ہے؛ اس لیے مخالفین تو ہوں گے اور مخالفین نہ ہوں تو ہم لوگ فرعون بن جاویں۔ مخالفین کی وجہ سے آدمی ذرا حدود کی رعایت کرتے ہوئے چلا کرتا ہے، مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں، فائدہ ہی پہنچتا ہے، بقول علامہ اقبال کے:

| | | |
|---|---|---|
| تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب | | یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے |

## لوگوں کی مخالفت سنتِ انبیاء ہے

تو مخالفتیں تو ہوتی ہیں، ہم لوگ اسی کو دیکھتے ہیں اور اس میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرتے ہیں، کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں ہوئی؟ اور کیسی مخالفت کہ اپنا وطن چھوڑ کر جانا پڑا، وہاں جانے کے بعد بھی آپ کو چین لینے نہیں دیا، کفارِ قریش بار بار حملے کرتے رہے لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استقامت کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی جو افراد آئے جن کو آج بھی ہم نیک نامی کے ساتھ یاد کرتے ہیں، ان کی سوانح کا بھی مطالعہ کیجیے، ایسا نہیں تھا کہ ان کو سب لوگ ہاتھ پر اٹھائے اٹھائے لے کر چلنے والے تھے، ان کے مخالفین بھی تھے اور جیسے وہ بڑے تھے، ان کے مخالفین بھی بڑے تھے۔

## آدمی جیسا ہوتا ہے، ویسی اس کی مخالفتیں ہوتی ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین میں ابوجہل تھا، جس کا حال یہ تھا کہ میدانِ بدر میں جب جنگ ختم ہوگئی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہے جو ابوجہل کی خبر لے کر کے آوے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جاتا ہوں، گئے اور دیکھا کہ ابھی کچھ رمق باقی ہے تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي أَخْزَاكَ يَا عَدُوَّ اللهِ: اے اللہ کے دشمن! اللہ نے تجھے رسوا کیا تو اس نے کہا کہ کیسی رسوائی! ٹھیک ہے تیرا ارادہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا ارداہ تیرا سر قلم کرنے کا ہے تو اس نے کہا کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا؛

تاکہ میرا سر دوسروں کے سروں سے ذرا اونچا نظر آئے پھر اس نے کہا کہ میرا یہ پیغام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے دینا کہ تمھاری عداوت میرے دل میں پہلے جتنی تھی، اب اس سے بھی زیادہ ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام آپ کو پہنچایا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میری امت کا فرعون ہے(۱) جو بنی اسرائیل کے فرعون سے بھی بڑھ کر ہے، جس نے موت کے وقت یہ کہا تھا: ﴿اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ [یونس:۹۰] زبان سے تو اس نے کلمہ پڑھا تھا لیکن یہ تو موت کے وقت بھی ایسے کفریہ کلمات بکتے ہوئے گیا۔ تو آدمی جیسا ہوتا ہے، ویسی اس کی مخالفتیں ہوتی ہیں۔

## مخالفین کے شرور وفتن سے بچنے کا قرآنی گُر

اس لیے ان چیزوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ آدمی صحیح معنی میں تقویٰ اور صبر سے کام لے: ﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّكُمۡ كَیۡدُهُمۡ شَیۡـًٔا﴾ [آل عمران:۱۲۰] قرآن نے ایک اصول بتلا دیا کہ اگر تم تقوی اختیار کروگے یعنی ان کے معاملے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہوگے اور ان کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں کروگے۔

## تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

ایک بزرگ کے سامنے کسی نے حجاج بن یوسف کی برائی تو انھوں نے فرمایا

(۱) مُصنف ابن أبي شيبة، عَنِ ابۡنِ مَسۡعُودٍ رضی اللہ عنہ، ما قالوا فيمن استعان بِالسِّلاحِ مِن الغنيمةِ.

کہ بے شک حجاج بن یوسف بڑا ظالم تھا لیکن جو لوگ اس کی برائی کر کے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کر رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے بھی حساب لے گا۔

## تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی

بہر حال! ان چیزوں کو دھیان میں رکھیں اور اپنا کام کرتے رہیں اور اگر شریعت کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق کام کرتے رہیں تو إن شاء اللہ تعالیٰ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

## یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے

میں خاص طور پر اساتذہ اور طلبہ سے کہوں گا کہ امانت اور دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کل یہ ہو گیا کہ ہم لوگ ظاہر داری کے عادی بن گئے ہیں کہ فلاں دیکھ رہا ہے، فلاں کیا کہے گا؟ لوگوں کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن ''میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جواب دِہ ہوں، وہاں مجھے جواب دینا ہے اور اس کے لیے کیا کرنا چاہیے'' یہ ہمارے دھیان میں نہیں رہتا۔ بس لوگ ہی ہمارے دھیان میں ہے، ان لوگوں کو چھوڑ دیئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنا منصبی فریضہ ادا کرتے رہیں تو إن شاء اللہ تعالیٰ کامیابی کہیں نہیں گئی ہے۔

## مسلمِ خوابیدہ اُٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

میری طلبہ اور اساتذہ سے یہی استدعا ہے کہ دونوں پوری امانت اور دیانت کے ساتھ اپنے فریضے کو ادا کرتے رہیں، یہ مخالفتیں تو قدرتی اور فطری ہیں، وہ تو ہوتی

رہیں گی، اس کی وجہ سے اپنے کام میں خلل ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنا کام ہمت سے، اخلاص سے، استقامت سے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اجر وثواب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کرتے رہیں گے تو إن شاءاللہ تعالیٰ ہم اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے اور اگر ہم لوگوں کو دیکھتے رہیں گے، ان کی باتوں سے اثر لیتے رہیں گے تو ان کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہو جائے گا۔ شیطان کیا کرتا ہے؟ وہ کوشش کرتا ہے کہ آدمی کوئی عمل نہ کرے اور اگر کرے تو وہ ایسی تدبیریں کرتا ہے کہ جس سے اس کا یہ عمل بے کار ہو جاوے۔ اب ہم پڑھنے، پڑھانے میں محنت کر رہے ہیں اور ہمارے مخالفین ہمارے متعلق جو کچھ کر رہے ہیں، وہ شیطان کے ورغلانے سے کر رہے ہیں، شیطان ہمارے اس عمل کو ضائع اور برباد کرنا چاہتا ہے، اب اگر ہم اس میں لگ جائیں گے تو ہمارا عمل ضائع اور برباد ہو جائے گا؛ اس لیے ان امور سے صرفِ نظر کرنے کی ضرورت ہے اور ایسے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلافِ کرام کے طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے ان کی تدبیریں عمل میں لاویں، ہماری طرف سے کوئی تدبیر غلط نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرماوے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

آج سب سے بڑی غفلت جو مدارس میں طلبہ کی طرف سے برتی جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ آتے ہیں اور اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال اس مقصد کے لیے لگا رہے ہیں، استعمال کر رہے ہیں لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا کیا معلومات ہمیں حاصل کرنی چاہئیں، ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، حالاں کہ یہ ساری چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کتابوں کو خرید کر پڑھتے جو عربی میں بھی ہیں، فارسی میں بھی ہیں، اردو میں بھی ہیں۔ ہمارے اکابر نے اردو زبان میں بھی اس موضوع پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں: حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ ہے ’’آداب المتعلمین‘‘ اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اعظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ بھی اسی نام اور اسی عنوان سے ہے اور بھی بہت سی کتابیں اردو کے اندر موجود ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿یَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ﴾ [المجادلة:۱۱] وقال تعالىٰ: ﴿قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ [الزمر:۹] وقال تعالىٰ: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا﴾ [طه:۱۱٤]

وقال النبی ﷺ: وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (۱) أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

## حصولِ علم کا موقع اور توفیق اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کے لیے اپنے دین کا علم

(۱) سنن أبی داود، عن أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ.

حاصل کرنے کے مواقع میسر فرمائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام اور اکرام ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت آپ کو عطا فرمائی۔

## تحصیلِ علوم دین کے طریق صیغۂ راز میں نہیں ہیں

اب اس علم کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کرنے چاہئیں، ضرورت ہے کہ ان طریقوں کو معلوم کر کے، سیکھ کر، ان کو اختیار کر کے ان کے مطابق علم کو حاصل کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس راہ پر چلنے والے ہم اور آپ پہلے نہیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس کو ہم سب سے پہلے قطع کر رہے ہیں، ہم سے پہلے اس راستے سے کوئی گذرا نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت زمانے سے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر ہمارے اگلے اور دورِ آخر کے اسلاف اس راستے کو طے کرتے چلے آئے ہیں، گویا علم کس طرح حاصل کرنا چاہیے، یہ کوئی ایسا سربستہ اور مخفی راز نہیں ہے بلکہ ہمارے اکابر اور اسلاف نے علم کس طرح حاصل کیا جائے، اس چیز کو باقاعدہ کتابی شکل میں مرتب فرما کر امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس کو ”تعلیم المتعلم“ کہا جاتا ہے یعنی ایک طالبِ علم کس طرح علم حاصل کرے گا، اس کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں، کن آداب کا لحاظ کرنا چاہیے، یہ ساری چیزیں ہمارے اکابر نے کتابوں میں بہت واضح انداز میں لکھ کر امت کے سامنے پیش کر دی ہیں، ان کتابوں کو پڑھ کر ان میں موجود تفصیلات پر عمل کرنا چاہیے۔

## لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

آج مدارس میں سب سے بڑی غفلت جو طلبہ کی طرف سے برتی جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ آتے ہیں اور اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال اس مقصد کے لیے لگا رہے ہیں، استعمال کر رہے ہیں لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا کیا معلومات ہمیں حاصل کرنی چاہئیں، ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، حالاں کہ یہ ساری چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کتابوں کو خرید کر پڑھتے جو عربی میں بھی ہیں، فارسی میں بھی ہیں، اردو میں بھی ہیں۔ ہمارے اکابر نے اردو زبان میں بھی اس موضوع پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں: حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے "آداب المتعلمین" اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بھی اسی نام اور اسی عنوان سے ہے اور بھی بہت سی کتابیں اردو کے اندر موجود ہیں۔

## ہماری غفلت کی انتہا نہیں کوئی

چاہیے تو یہ تھا کہ آپ طلبہ ان کتابوں کو حاصل کرتے، ان کا مطالعہ کرتے اور ان کتابوں میں علم حاصل کرنے کے جن آداب کی رعایت کی تفصیلات بیان کی ہیں، ان آداب کی رعایت کرتے، ان کو عملی جامہ پہناتے لیکن یہ بہت بڑی غفلت ہے جو ہمارے یہاں برتی جاتی ہے کہ طلبہ کی اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔ اہلِ مدرسہ کی

طرف سے، اساتذہ اور منتظمین کی طرف سے شروع سال میں یہ باتیں اختصار کے ساتھ بتائی جاتی ہیں۔ مدرسہ میں بطورِ مہمان آنے والے اہلِ علم کی زبان سے بھی آپ کی خدمت میں اس سلسلے میں یہ باتیں کہلوائی جاتی ہیں، ان کو بھی جس توجہ اور اعتناء کے ساتھ سننا چاہیے، اس میں بہت ساری کمی ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی طلب ہمارے اندر جس درجے کی ہونی چاہیے، وہ نہیں ہے۔ اپنے آپ کو کہتے تو طالبِ علم ہیں، طالبِ علم یعنی علم کا طلب گار، علم کی جستجو کرنے والا، علم کی تلاش میں نکلا ہوا۔ جو شخص کسی چیز کی تلاش میں نکلتا ہے، اس کی نظر چاروں طرف ہوتی ہے کہ وہ چیز مجھے کہیں سے مل جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مشکوۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا۔

## وعظ وتقریر کی مجلس کا ایک ادب اور ہماری کوتاہی

(سامعین کی عدمِ توجہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا:)

دیکھیے! میں یہاں حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، یہی تو مصیبت ہے، میرے سامنے بیٹھے ہیں اور آنے والوں کو دیکھ رہے ہیں پھر باتوں کی طرف توجہ کیسے ہوگی! یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں چھوٹے طلبہ کو آگے بٹھا دیا، یہ طریقہ بھی غلط ہے، جب دینی باتوں کی مجلس ہوتی ہے تو بڑے طلبہ، اوپر کی جماعت کے طلبہ کو آگے بٹھایا جائے اور چھوٹے طلبہ کو پیچھے بٹھایا جائے؛ اس لیے کہ ایسی مجلسوں

میں چھوٹے طلبہ شوق میں آ کر آگے بیٹھ تو جاتے ہیں لیکن پانچ، دس منٹ کے بعد اکتاہٹ کا شکار ہو کر سونے لگتے ہیں، اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں، کہنے والا جن جذبات کے ساتھ باتیں کہنا چاہتا ہے، ان کی روش اور طرز کو دیکھ کر اس کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مدارس میں ان چیزوں کی رعایت کرنے کی ضرورت ہے۔

## جلسہ گاہ میں بیٹھنے کا طریقہ

## اور مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی علیہ الرحمۃ کی تاکید

ہمارے استاذ حضرت مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی علیہ الرحمۃ جو دیوبند میں ادیب تھے، ان چیزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے کہ مجلس میں کس طرح بیٹھنا چاہیے، جب انجمن کے جلسے ہوتے تو حضرت کی طرف سے اس کی بڑی تاکید فرمائی جاتی تھی عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جلسہ شروع ہوتا ہے تو عام لوگ آئے ہوئے نہیں ہوتے ہیں، طلبہ وہاں موجود ہیں تو حضرت طلبہ کو تاکید فرماتے تھے کہ جس جگہ جلسہ ہو رہا ہے، وہاں آگے اس طرح بیٹھ جاؤ کہ ہال خالی نظر نہیں آنا چاہیے پھر آپ جب دیکھیں کہ لوگ آ رہے ہیں تو اصل جلسہ تو ان کے لیے قائم کیا گیا ہے؛ اس لیے تم دھیرے دھیرے پیچھے آ جاؤ؛ تاکہ جن کے لیے جلسہ قائم کیا گیا ہے، ان کو آگے بیٹھنا کا موقع ملے۔ وہاں حضرت کی طرف سے اس کی خاص تربیت دی جاتی تھی۔

## اس اصول پر عمل کی ضرورت

ہمیں بھی اس کی ضرورت ہے، ہمارے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ مجلس کے ان

آداب کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کریں اوران کی تربیت کریں۔اب ہمارا انداز دیکھیے کہ اتنا سب کہہ رہا ہوں، اس کے باوجود یہ طالب علم اُدھر دیکھ رہا ہے۔ یہ چیز بولنے والے کی توجہ کو بھی ختم کردیتی ہے، ہماری مجالس میں پایا جانے والا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

## کتابیں خریدنے ہی کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہوتے

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے، کون سے آداب برتے جائیں اورانھیں عملی جامہ پہنایا جائے، یہ سب کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ضرورت اس بات کی تھی کہ طلبہ اس طرح کی کتابیں حاصل کرتے، آج کل الحمد للہ! اکثر طلبہ کے پاس وسعت ہوتی ہے، ان میں اکثریت ان طلبہ کی ہے جو اپنے پیسے اِدھراُدھرلغویات میں صرف کرتے ہیں لیکن ان کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اس طرح کی کتابیں حاصل کرکے، ان کو پڑھ کر کے علم حاصل کرنے کے لیے جو انداز اختیار کرنا چاہیے، اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں؛ اس لیے کہ جب تک اپنا طالب ہونا اورعلم کی طلب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا اور عملی طور پر خود کو طالب نہیں بنائیں گے، اس وقت تک علم آئے گا نہیں۔

## دو حریص اور لالچی

میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے جارہا تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا

لَا یَشْبَعُ مِنْهَا کہ: دو بھوکے، دو حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ بھرتا نہیں ہے، جن کی حرص اور لالچ ختم نہیں ہوتی: مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا:

## دنیا کے حریص کا حال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک تو دنیا کا حریص ہے کہ جو دنیا کا طلب گار ہوتا ہے، اس کو کتنی ہی دنیا مل جائے، اس کا پیٹ بھرتا نہیں ہے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اگر اس کو مال کی ایک وادی مل جائے تو وہ دوسری کی تمنا کرتا ہے اور دوسری مل جائے تو تیسری اور تیسری مل جائے تو چوتھی [۱]، آج تک آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ دنیا کے حریص اور دنیا کے طلب گار کا پیٹ بھرا ہو، چاہے اس کے پاس اتنی دولت ہو جائے کہ اس کی دس نسلیں آرام سے کھا سکتی ہیں، پل سکتی ہیں تو بھی وہ اپنے کمانے اور دولت حاصل کرنے کے سلسلے کو بند نہیں کرے گا بلکہ اس کی حرص بڑھتی ہی جائے گی کہ میں اور زیادہ حاصل کروں، یہ تو دنیا کے حریص اور دنیا کے طلب گار کا حال ہے۔

## علم کے حریص اور طالب کا بھی یہی حال ہونا چاہیے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ علم کا جو طلب گار ہے، علم کا جو حریص ہے، اس کی حرص اور طلب کا بھی یہی حال ہونا چاہیے کہ اس کی بھی حرص اور لالچ میں کبھی بھی کمی نہیں آنی چاہیے، وہ کتنا ہی علم کیوں نہ حاصل کرلے، پھر بھی اس کی علم کی طلب اور جستجو کا

---

(۱) صحیح البخاری، عن ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا، باب مَا يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَ التَّنَافُسِ فِيهَا.

سلسلہ کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے، جاری رہنا چاہیے۔ علم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی طلب کسی حد پر آ کر رکتی نہیں ہے۔

## دورِ طالبِ علمی کی کوئی حد نہیں ہے

اسی لیے ہمارے اکابر میں سے غالباً امامِ احمدؒ یا حضرت عبداللہ بن مبارکؒ میں سے کسی سے پوچھا گیا ہے کہ علم کی طلب کب سے کب تک ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا تھا: من المهد الى اللحد کہ: علم کی طلب کا سلسلہ تو گھوارے سے لے کر قبر تک ہونا چاہیے، علم حاصل کرنے کا سلسلہ بچے کی پیدائش سے لے کر موت تک جاری رہتا ہے (۱)۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادت فی العلم کی دعا کا حکم

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دے رہے ہیں: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا: اے نبی خود آپ بھی اس دعا کا اہتمام کیجیے کہ اے میرے پروردگار! تو میرے علم میں ترقی عطا فرما۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، جیسا کہ روایتوں میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أعطيت علم الاولين والآخرين: کہ مجھے اگلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا، پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے علم میں

---

(۱) وقيل لابن المبارك - رحمه الله - الى متى تطلب العلم؟ قال: حتى الممات ان شاء الله. (اتحاف النبلاء، ص ۱۴۱)

زیادتی کی دعا کرتے رہیے؛ اس لیے کہ علم کے مراتب کی کوئی انتہا نہیں، علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ بے نہایت ہیں، اسی طرح سے علم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

## اللہ تعالیٰ کا علم بے نہایہ ہے

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس اس علم کو حاصل کرنے کے لیے پہنچے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرمایا تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات دریا کے کنارے کنارے چل پڑے، ایک کشتی آئی اور حضرت خضر نے کشتی والوں سے بات کی اور حضرتِ موسی، حضرت خضر اور حضرتِ موسی کے خادم حضرت یوشع بن نون، تینوں اس میں سوار ہو گئے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس دوران ایک چڑیا آئی اور جس ندی میں یہ کشتی چل رہی تھی، اس میں اپنی چونچ ڈبو کر کے پانی پینا شروع کیا، یہ منظر دیکھ کر حضرت خضر حضرت موسی سے فرما رہے ہیں کہ میرے اور تمھارے اور سارے عالم کے لوگوں کے علم کا حال اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہے، جیسا کہ چڑیا کے اپنے چونچ میں لیے ہوئے پانی کا حال اس دریا کے پانی کے سامنے ہے (۱)۔

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب حَدِيثُ الْخَضِرِ مَعَ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.

## چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

وہاں حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی سمجھنے کے لیے بطورِ مثال ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں کے علم میں کوئی مناسبت ہی نہیں؛ اس لیے کہ چڑیا نے اپنی چونچ میں جو کچھ لیا ہے، وہ بھی متناہی ہے اور دریا کا پانی چاہے کتنا ہی زیادہ ہو، وہ بھی متناہی ہے اور ایک متناہی کو دوسرے متناہی کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت تو ہوگی: ہزارواں، لاکھواں، اربواں حصہ تو ہوگا لیکن یہاں اہلِ دنیا کا علم جتنا بھی ہو، وہ متناہی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور کسی متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ جب علم کا یہ حال ہے تو اس کی طلب اور جستجو بھی ہمیشہ باقی رہنی چاہیے۔

## ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم سے

چنانچہ ہمارے اکابر کا حال یہ تھا کہ وہ علم کے سمندر پیے ہوئے ہوتے تھے، پھر بھی ان کی علم کی طلب کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے واقعات آپ نے پڑھے ہوں گے کہ موت کے وقت بھی علمی مسائل کو حل کرنے میں مشغول تھے۔ ہمارے حضرت قاری صدیق احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر طالب علمی کے زمانے میں طالبِ علم کو مطالعے کا شوق پیدا نہیں ہوا تو کچھ بھی نہیں۔

## طلبِ علم کی راہ میں تعلقات، دوستیاں بہت بڑی مانع ہیں

آج ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ساری لغویات میں مشغول ہیں، سوائے علم کی

طلب کے۔علم کے حصول کے علاوہ سارے دھندے ہم کرتے ہیں۔اس طرح علم نہیں آتا،علم کے حصول کے لیے یکسوئی ضروری ہے۔ہمارے حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے والدِ بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم کتنا ہی ہوشیار ہو لیکن اگر اس میں دوستی کی عادت ہے کہ اِدھر کسی سے دوستی اور اُدھر کسی سے دوستی ہے تو وہ کبھی نہیں پڑھ پائے گا،اسی میں ضائع اور برباد ہو جائے گا اور طالبِ علم کتنا ہی غبی کیوں نہ ہو لیکن اگر یکسوئی کے ساتھ پڑھتا ہے،کسی سے دوستی نہیں ہے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ حاصل کر کے جائے گا۔حقیقت تو یہ ہے کہ پڑھنے کے زمانے میں اپنے آپ کو ساری چیزوں سے نکال کر کے اسی میں مشغول کرنے کی ضرورت ہے۔

## حصولِ علم کے لیے یکسوئی بہت ضروری ہے

اسی لیے تو حصولِ علم کے لیے گھر چھوڑا جاتا ہے؛اس لیے کہ گھر پر رہتے ہوئے آدمی کے گھر کا جو ماحول ہوتا ہے کہ ماں باپ ہیں، بھائی بہن ہیں، رشتہ دار ہیں تو ان تعلقات کو نبھانے کے چکر میں علم حاصل کرنے کے لیے جیسی یکسوئی حاصل ہونی چاہیے، وہ حاصل نہیں ہوتی؛اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے آدمی وطن چھوڑ کر دوسری جگہ جائے۔پہلے زمانے میں تو ایسا ہوتا تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے وطن چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو علم حاصل کر لینے تک وطن کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تھا، یہاں تک اگر ان کے گھر والوں کو ان کا پتہ معلوم ہے اور وہ کوئی خط بھیجتے

تھے تو اس کو بھی وہ پڑھتے نہیں تھے۔

## حصولِ علم کے دوران یکسوئی حاصل کرنے کے لیے

## ہمارے اسلاف کا اہتمام

حضرت شیخ نجم الدین کبری علیہ الرحمۃ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے پاس خطوط آتے تھے تو ایک ہنڈیا تھی، اس میں ڈالا کرتے تھے، یہاں تک کہ پڑھنے کے پورے زمانے میں کوئی خط نہیں پڑھا، جب حصولِ علم سے فارغ ہوئے تو اس ہنڈیا کو الٹا تو جو خط سب سے نیچے تھا، وہ اوپر آیا، اس کو پڑھا، دوسرا پڑھا، کسی میں یہ لکھا ہے کہ فلانے کا انتقال ہو گیا تو اِنّا للہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ یہ یکسوئی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ حضرات علم حاصل کر کے جاتے تھے۔

## طالبِ علمی کے زمانے میں تو آدمی پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے

آج ہمارے دور میں تو اس موبائل نے آ کر ویسے بھی سارا کباڑا کر دیا ہے، اس کی وجہ ہمارے طلبہ ساری دنیا کی پل پل کی خبریں رکھتے ہیں، اگر خبر نہیں رکھتے تو علم اور اس کے متعلقات کی خبر نہیں رکھتے۔ ہمیں سارے شوق ہیں، پڑھنے کے زمانے میں اِدھر اُدھر جانا اور لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات بنانا، یہ طلبِ علم سے میل کھانے والی چیز نہیں ہے بلکہ طالبِ علمی کے زمانے میں تو آدمی پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے۔

## کئی ایام تک چپلوں کی ضرورت نہیں پڑی

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اللہ نے آپ بیتی میں اپنا قصہ لکھا ہے۔ جیسے ہم دار الاقامہ میں رہتے ہیں، حضرت اس طرح مدرسے کے دار الاقامہ میں رہتے نہیں تھے، اپنے گھر قیام رہتا تھا لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ میرے چپل چوری ہو گئے تھے تو کئی دن تک مجھے چپل کی ضرورت پیش نہیں آئی؛ اس لیے کہ وہیں مدرسے میں رہتے تھے، کہیں آنے جانے کی ضرورت زیادہ پیش نہیں آتی تھی، زیادہ سے زیادہ استنجے کے لیے جانے کی ضرورت پیش آتی تو عام طور پر وہاں بیت الخلاء کے پاس دو چار چپلیں ہوا کرتی ہیں تو ان حضرات کا یہ حال تھا کہ کبھی نکلنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

## حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ اللہ اور اسباق کی حاضری کا فکر

حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اللہ کے والد حضرت مولانا یحیی صاحب علیہ الرحمۃ اللہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ اللہ کی خدمت میں رہتے تھے؛ کیوں کہ آپ ان کے خادم تھے، حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ اللہ ان کے چھوٹے بھائی ہیں، وہ بھی ان کے ساتھ وہیں پر رہتے تھے۔ اب گنگوہ سے کاندھلہ کوئی زیادہ دور نہیں ہے، جو لوگ گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی سڑک پر پہلے گنگوہ پھر کاندھلہ آتا ہے تو حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ اللہ کی والدہ نے خط لکھا، کہلوایا کہ بہت دن ہو گئے ہیں، الیاس کو دیکھا نہیں ہے، وہ گھر آ جائیں تو میں دیکھ لوں تو حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ اللہ جواب میں کہلوا دیتے تھے یا خط لکھ

دیتے تھے کہ میں آؤں گا تو سبق کا نقصان ہوگا؛ اس لیے میں نہیں آتا۔ جب بہت دن ہوگئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ کی والدہ نے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کو کہلوایا کہ میں الیاس کو کہتی ہوں کہ بہت دن ہوگئے، تو آ کر مل لے، میں نے بہت دنوں سے دیکھا نہیں ہے لیکن وہ نہیں آتا تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے ان کو بلا کر کہا کہ تمھاری والدہ چاہتی ہیں تو جا کر مل آؤ تو جواب دیا کہ حضرت! میں جاؤں گا تو سبق کا ناغہ ہوگا تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جاؤ، جب تک تم نہیں آؤ گے، سبق نہیں ہوگا، تب گئے۔ آدمی کو علم کا ایسا شوق ہونا چاہیے کہ سبق کی حاضری کا اتنا زیادہ اہتمام ہو۔

## دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالے ''آداب المتعلمین'' میں حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ کا واقعہ لکھا ہے۔ یہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئے تھے پھر کچھ دنوں ہی میں حضرت شاہ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تھا تو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے گھر والوں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کو حدیث کا درس دینے کے لیے ان کا جانشین مقرر کیا۔ اب عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جنھوں نے بڑوں کو دیکھا ہوا ہوتا ہے، چھوٹے ان کی نگاہوں میں جچتے نہیں ہیں۔ اب آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کچھ دن رہے تھے اور ان کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر حضرت مولانا شاہ محمد

اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کو طے کیا گیا تو حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کے متعلق ان کے دل میں یہ آیا کہ اب ان سے علم کیا حاصل کروں؟ تو آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: عبدالرحمٰن !تم محمد اسحاق کے درس میں جایا کرو، ان سے تمھیں وہی فائدہ پہنچے گا جو مجھ سے پہنچتا تھا۔

## قدیم زمانے میں طلبہ کے کھانے اور رہائش کے نظم کی ایک صورت

اس زمانے میں جیسے ہمارے مدرسوں میں دارالاقامہ ہوا کرتے ہیں، اس طرح کے دارالاقامہ اور مدرسے کی مستقل عمارتیں تو تھیں نہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کا درس اکبری مسجد میں ہوا کرتا تھا۔ انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد اس اکبری کو مسجد کو ختم کر دیا اور اب دہلی کی جامع مسجد کے سامنے جو ایڈورڈ پارک ہے، اسی میں ایک جگہ یہ مسجد تھی۔ وہاں درس ہوتا تھا اور طلبہ دہلی کی دوسری مسجدوں میں قیام کرتے تھے۔ اس زمانے میں باہر سے آنے والا طلبہ کے قیام کا یہیں انتظام ہوتا تھا کہ مسجد کے حجرے ہوتے تھے، اسی میں یہ حضرات ٹھیرتے تھے پھر محلے میں سے کسی کے یہاں سے کھانا آجاتا تھا۔

## مجھے یقین تھا کہ عبدالرحمٰن سبق کا ناغہ نہیں کریں گے

تو حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ پڑھنے کے زمانے میں ذرا دور کی مسجد میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے زمانے میں ایسا ہوا کہ بہت زیادہ بارش

شروع ہوگئی اور وہاں یوپی میں سردی کے زمانے میں جب بارش ہوتی ہے تو سردی بھی بڑھ جاتی ہے، خاص کر کے چلّے کا زمانہ: دسمبر، جنوری کا۔ اس میں کبھی بارش ہو جاتی ہے اور سردی شباب پر ہوتی ہے۔ تو بڑی تیز بارش ہونے لگی۔ سبق کا وقت ہو گیا، تمام طلبہ آ کر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کے سامنے بیٹھ گئے لیکن حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ ابھی نظر نہیں آ رہے ہیں تو حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ نے سبق شروع نہیں کرایا۔ طلبہ سمجھ گئے کہ قاری صاحب ابھی نہیں آئے ہیں؛ اس لیے ابھی سبق شروع نہیں کرایا ہے۔ کسی نے کہا -طلبہ کی عادت ہوتی ہے- کہ قاری صاحب تو دور رہتے ہیں، شاید اتنی تیز بارش میں نہیں آئیں گے تو حضرت شاہ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، یہ بات ابھی تو پوری ہوئی نہیں تھی کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب بارش میں بھیگتے ہوئے اور کتاب کو ایک مٹکے میں رکھ کر اور مٹکے کو الٹا لٹکائے ہوئے -تاکہ کتاب بھیگنے نہ پائے- اور خود بھیگتے ہوئے آئے اور درس میں شریک ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت شاہ اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ عبدالرحمٰن سبق کا ناغہ نہیں کریں گے، اس کے بعد شاگردوں سے ایک جملہ فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ حدیث کے الفاظ یہ مجھ سے حاصل کرتے ہیں اور ان کے معانی میں ان سے حاصل کرتا ہوں، سبق کی حاضری کا اتنا اہتمام اور اس کے نتیجے میں استاذ کے ایک شاگرد کے بارے میں اتنی بڑی سند! سوچنے کا مقام ہے۔

## حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ اور اختلاط سے پرہیز

ان ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ چوں کہ پانی پت کے رہنے والے

تھے اور پانی پت دلّی سے کوئی زیادہ دور نہیں ہے؛ اس لیے ان کی بستی سے لوگ کام کاج کے لیے آیا کرتے تھے تو راستے میں اگر بستی کا کوئی آدمی مل جاتا تو سلام کر کے فوراً کہتے کہ میں تو یہاں پڑھنے کے لیے آیا ہوں، ابھی میرے پاس آپ سے ملاقات کے لیے وقت نہیں ہے، جب میں وطن میں آؤں گا تو آپ سے ملوں گا، کسی سے ملتے نہیں تھے۔

## ببیں تفاوت رہ از کجا تا بہ کجا

اور آج کل کیا ہو گیا ہے؟ اگر یہاں ہمارے گاؤں کا کوئی آدمی اپنے کام کے لیے بھی آ گیا ہو تو ہمارے طلبہ اس کو اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں اور اس کے لیے کھانے پینے کا بہترین انتظام کرتے ہیں، وہ بھی سوچنے لگتا ہے کہ ایسا محبت کرنے والا تو ہم کو کبھی ملا ہی نہیں۔ ایسا اس لیے کرتا ہے؛ تا کہ اس بہانے سے ایک سبق کی چھٹی مل جائے، گویا ہم اسی انتظار اور ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ کسی بھی بہانے سے ہمیں سبق میں غیر حاضری کا موقع مل جائے۔ اب جب ہمارا مزاج یہ ہو اور ہماری طلب کا حال یہ ہو تو پھر علم کیسے آئے گا؟ علم دینا اللہ تبارک وتعالیٰ کا کام ہے اور وہ تو حقیقتِ حال سے واقف ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی ذات کو حقیقی معنے میں طالبِ علم بنائیں۔

## طلبہ کے منہ سے نکلنے والا ایک ناشائستہ جملہ

ہم اپنے آپ کو علم حاصل کرنے کے پیچھے ایسا لگائیں اور اتنی محنت کریں کہ دیکھنے والے یہ کہیں کہ یہ تو علم کو حاصل کرنے میں محنت کر کر کے اپنے آپ کو بیمار کر

ڈالے گا، ہمارے اساتذہ ہمیں یہ کہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ محنت تو کرتے نہیں اور اگر کوئی کہے کہ محنت کرو، راتوں میں کتابوں کا مطالعہ کرو، سبق یاد کرو تو یہ جواب میں کہے گا: وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا کہ: تمھاری ذات کا بھی تم پر حق ہے! تو میں کہتا ہوں کہ یہ جو وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ہے، یہ ہم اپنے لیے نہیں بولیں گے، یہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس وقت کہا تھا، جب کہ ان کے والدِ بزرگ وار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ شکایت کی تھی کہ میرا بیٹا رات بھر نماز میں مشغول رہتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے، تب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کہا تھا تو ہم بھی رات رات بھر کتابیں یاد کرنے کے لیے بیٹھے رہیں اور ہمارے اساتذہ ہم سے یوں کہیں: وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، تب یہ جملہ اپنی جگہ پر برابر ہے، ورنہ ہم اپنے منہ سے یہ بات کہیں کہ وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا تو یہ تو فضول اور مذاق جیسی بات ہوگئی۔

## حصولِ علم کی راہ میں شانِ بے نیازی مُہلِک ہے

دیکھو بھائی! اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں دینے کا مدار صلاحیت پر نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو طلب پر دیتے ہیں، جیسی طلب ہوگی، ویسی عطا ہوگی تو اگر ہم لگے رہیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائیں گے، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے اور اگر ہم بے پروائی والا، بے اعتنائی والا انداز اختیار کریں گے، بے نیازی کی شان کا اظہار کریں گے کہ گویا ہم کو علم کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو ہم کو علم کی ضرورت نہیں ہے تو کیا۔نعوذ باللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ضرورت ہے کہ وہ ہم کو دیں گے؟ اس کی ذات تو

بڑی بے نیاز ہے۔

## العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك

علم کے متعلق تو آپ نے نفحۃ العرب میں پڑھا ہوگا۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك: یہ علم تمھیں اپنا بعض حصہ بھی نہیں دے گا، جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے ڈالو(۱)۔ یعنی اپنا سب کچھ قربان کروگے، تب جا کر تمھیں تھوڑا سا علم آئے گا۔

## مانگتا ہے ہم سے قربانی بہت

اسی کتاب میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''۲۹'' سال تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ درس میں شریک رہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فجر کے بعد شروع ہو جاتی تھی تو ''۲۹'' سال تک امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جس مسجد میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا درس ہوتا تھا، وہیں نماز پڑھی، چاہے عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ ہو، عید کے دن بھی کبھی غیر حاضری نہیں کی۔

## درس میں حاضری کے لیے بچے کی تکفین وتدفین میں شرکت سے معذرت

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا چھوٹا دودھ پیتا بچہ رات

---

(۱) بعض نے اس جملے کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ قرار دیا ہے۔ (شذرات الذهب في أخبار من ذهب ۱/۲۹۹) اور بعض نے علی بن جعد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الجواهر المضية في طبقات الحنفية ۲/۵۲۳)

میں انتقال کر گیا تو گھر والوں سے کہا کہ تم اس کے کفن دفن کا انتظام کرنا، میں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ درس میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔ ایسی قربانیوں کے ساتھ جب انھوں نے علم حاصل کیا تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں اس طرح نوازا تو حقیقت یہی ہے کہ جب آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے قربانیاں دیتا ہے، اس کے لیے کچھ مشقت برداشت کرتا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو نوازا جاتا ہے۔

## ایسے مواقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس نے آپ لوگوں کو یہاں پہنچا دیا اور آپ کی ساری ضرورتوں کا انتظام فرما دیا، ورنہ ہمارے اکابر اور اسلاف کے زمانے میں یہ سہولتیں کہاں میسر تھیں؟ آپ کو یہ ساری سہولتیں محض اتنی بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہیا فرما دیں کہ آپ نے مدرسے میں داخل ہو کر اپنے آپ کو طالبِ علم ظاہر کیا تو اگر آپ حقیقی معنی میں علم حاصل کر لیں گے اور پھر علمی خدمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیا کچھ آپ کو نہیں عطا کیا جائے گا!؟ سوچنے کی چیز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے تو اپنے آپ کو پوری توجہ کے ساتھ علم حاصل کرنے میں لگائیے، ایسے مواقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے۔

## گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

یہ علم آپ اپنی زندگی کے ”۲۴“، ”۲۵“ سال تک حاصل کر سکتے ہیں۔ ”۲۵“ سال پار کر گئے تو پھر آپ کی ذمہ داریوں کا دور آ جائے گا، گھر والے آپ کی

شادی کرادیں گے پھر بچے ہوں گے تو ان کی فکر آپ کے سر آپڑے گی پھر آپ یہ چاہیں کہ میں کسی مدرسے میں داخلہ لے لوں اور پڑھ لوں تو یہ ممکن نہیں ہوگا، وہ دور تو چلا گیا تو آپ جس دور میں ہیں، وہ طلبِ علم کا دور ہے، ضرورت ہے کہ اس کو غنیمت جان کر علم حاصل کرنے میں لگ جائیں۔

## مطالعہ کی اہمیت اور اس کی طرف سے ہماری غفلت

علم حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے: ایک تو مطالعہ ہے، مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگلے دن کے سبق کی تیاری کرلیں، اس کو آپ دیکھ لیں، اپنے ذہن اور طبیعت کو اس قابل بنالیں کہ کل استاذ جو سبق دینے والے ہیں، آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے سے اس کی تیاری کرلیں، دیکھ لیں۔ آج کل مطالعہ کا مزاج ہمارے مدارس سے ختم ہی ہوگیا، طلبہ مطالعہ تو کرتے ہی نہیں یعنی آئندہ کل جو سبق ہونے والا ہے، اس کو دیکھنے کا سلسلہ ختم ہوگیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سبق سمجھ میں نہیں آتا تو سارا الزام استاذ کے سر ڈالا جاتا ہے کہ سبق ایسا پڑھاتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ بھائی! آپ نے مطالعہ ہی نہیں کیا تو سمجھ میں کیسے آئے گا؟ ہمارے بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے یہاں یہ اصول تھا کہ (طلبہ نے) اگر مطالعہ نہیں کیا ہے تو پڑھاتے نہیں تھے۔ اب اگر آج کل اساتذہ ایسا کرنے لگیں تو کسی دن سبق ہی نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ کوئی مطالعہ کرکے ہی نہیں آتا۔ مطالعہ کے بغیر سبق کیسے سمجھ میں آئے گا؟

# کسی بھی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کے لیے پیشگی تیاریاں انجام دی جاتی ہیں

مطالعہ کیا ہے؟ استاذ جو سبق دے رہے ہیں، اس کی تیاری کرنا۔ ہر چیز کے لیے تیاری کی جاتی ہے، جیسے آپ میلے کپڑے دھوتے ہیں تو کیا ایسے ہی صابون لگا کر دھونا شروع کر دیتے ہیں؟ نہیں، بلکہ دھونے سے پہلے آپ ان کپڑوں کو ایک بالٹی میں ڈال کر کے پندرہ، بیس منٹ تک پانی میں ڈبوئے رکھیں گے پھر نکالیں گے اور اس پر صابون گھسیں گے اور صابون گھسنے کے بعد پندرہ، بیس منٹ کے لیے اس کو چھوڑ دیں گے؛ تا کہ کپڑوں کے اندر موجود میل میں صابون اپنا اثر دکھاوے اور وہ اس میل کو کپڑے سے چھڑاوے اور پندرہ، بیس منٹ کے بعد جب اس کو تھپتھپائیں گے اور اس پر پانی ڈال دیں گے تو سارا میل کچیل نکل جائے گا۔ اب دیکھیے! اگر کوئی آدمی کپڑے دھونے کا یہ طریقہ اختیار کیے بغیر اور ان کو پانی میں ڈبوئے بغیر ہی ان پر صابون ملنا شروع کر دے تو کیا میل نکلے گا؟ میل تو کیا نکلے گا، یہ جو ہے، وہ بھی ایسا چپک جائے گا کہ پھر لونڈری میں ڈالو گے تو بھی وہ نکلنے والا نہیں ہے۔

## یہ تجربہ ہے، خوب سمجھتے ہیں وہ سبق

دیکھیے! آپ سوئی میں تاگہ پروتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ تاگے کا سِرا لے کر اس کو یوں ہی سوئی میں ڈالو گے تو کیا وہ چلا جائے گا؟ ہرگز نہیں جائے گا بلکہ تاگے کا سِرا لے کر اس کو انگلی سے نوکیلا بنائیں گے، گویا اس کو ایسا بنائیں گے کہ وہ سوئی کے نا کے

میں جانے کے قابل ہو جائے پھر ڈالیں گے، ایسے ہی نہیں جائے گا تو اسی طرح آپ کی سمجھ میں سبق آوے، اس کے لیے پہلے سے تیاری کرنی پڑے گی، اسی کا نام مطالعہ ہے اور مطالعہ کرنے کے بعد سبق پڑھیں گے تو اب سمجھ میں آجائے گا لیکن اب سمجھ میں آنے کی وجہ سے کسی غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جانا، یہ سمجھ میں آیا ہوا باقی اس وقت رہے گا، جب آپ اس کی تکرار کریں گے۔

## تکرار کا مفہوم

تکرار کا مطلب یہ ہے کہ دو دو بیٹھ جائیں اور استاذ نے جس طرح سبق سمجھایا ہے، ایک اس طرح اس سبق کا اعادہ کرے اور دوسرا سنے پھر دوسرا بولے اور پہلا سنے، اس طرح استاذ کا سمجھایا ہوا جب ہم اس طرح ایک دوسرے کے سامنے دہرائیں گے تو وہ ہمارے ذہن میں پکا ہو جائے گا۔

## تکرار کا فائدہ

یہ ایسا ہی ہے جیسے دیکھو! وہ دھاگہ پرونے سے پہلے اس کو نوکیلا بناتے ہیں، تب وہ ناکے میں جائے گا، اب ناکے میں داخل ہوا اور آپ نے اس کو چھوڑ دیا تو وہ نکل جائے گا تو دیکھو نوکیلا بنانے سے تاگہ اندر جانے کے قابل ہوا، ایسے ہی مطالعے کی وجہ سے ذہن اس قابل ہوا کہ استاذ کا سبق سمجھ سکے۔ اب سمجھ میں آیا اور آپ بے فکر ہو گئے، نہیں بلکہ تاگہ ناکے میں داخل ہونے کے بعد اس کو دوسری طرف سے پکڑ کر تھوڑا کھینچ لیں گے تو تاگہ اس میں اچھی طرح جم جائے گا۔ یہ ہے تکرار۔ اب اس کو

زمین پر بھی ڈال دو تو بھی وہ تاگہ نکلنے والا نہیں ہے، ایسے ہی تکرار کی وجہ سے سبق ذہن میں ایسا پختہ ہو جائے گا کہ پھر وہ جلدی نکلنے والا نہیں۔

## حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی گارنٹی

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ طالبِ علم اگر ان تین چیزوں کا اہتمام کر لے: (۱) مطالعہ (۲) سبق کی حاضری (۳) تکرار، تو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ علم ضرور حاصل کر لے گا۔ یہ تو ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

اس کے علاوہ اساتذہ کا ادب واحترام، کتابوں کا ادب واحترام، درس گاہوں اور دیگر آلاتِ علم کا ادب واحترام۔ اسی طریقے سے اعمال کا اہتمام، گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام۔ طالبِ علمی کے زمانے میں گناہوں سے خود کو بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے، جو طالبِ علم اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا نہیں، اس کو علم نہیں آتا اور اگر علم آ بھی گیا تو بزرگوں نے لکھا ہے کہ وہ علم اس کو فائدہ نہیں پہنچاتا، یا تو وہ مال داروں اور امیروں کے دروازوں پر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا یا پھر جوانی میں موت آ جائے گی، اس کے علم سے اس کو اور دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچے گا، اگر اس نے گناہ کیے ہیں؛ اس لیے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی ضرورت ہے۔

## آنکھ اور زبان کی حفاظت کیجیے

آج کل طلبہ میں آنکھ کی حفاظت، زبان کی حفاظت کا اہتمام بالکل نہیں، یہ

آنکھ کی بے احتیاطی، زبان کی بے احتیاطی اتنی عام ہوگئی کہ بس اللہ کی پناہ! دوسرے گناہ تو اپنی جگہ پر ہیں تو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ آپ بدنگاہی کرتے ہیں، کسی نامحرم عورت کو دیکھتے ہیں، کسی بے ریش لڑکے کو دیکھتے ہیں تو اس حدیث کا مصداق بن جاتے ہیں، مشکوۃ کی روایت ہے: لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَیْهِ کہ: دیکھنے والے پر بھی لعنت اور جس کو دیکھا جا رہا ہے، اس پر بھی لعنت ہوگی (۱)۔ اب اس لعنت کے ساتھ علم کہاں آ سکتا ہے!

## اساتذہ کا ادب واحترام بھی نہایت ہی ضروری ہے

اساتذہ کا ادب واحترام بھی نہایت ہی ضروری ہے، جب تک اساتذہ کا ادب نہیں ہوگا، علم نہیں آئے گا۔ قدرت کا ایک قانون رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ استاذ کے قلب کے واسطے سے آپ کے قلب پر علم کا فیضان کریں گے، علم اسی طرح آئے گا۔ لوگ یوں سمجھیں کہ ہم انٹرنیٹ پر دیکھ لیں گے، فلاں سائٹ کھول لیں گے اور کمپیوٹر کی مدد سے علم حاصل کرلیں گے تو اس سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ علم کے سلسلے میں آپ جب تک اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کریں گے، وہاں تک دین کا علم آ سکتا نہیں ہے، یہ قدرت کا ایک قانون ہے۔ اس کائنات کا نظام چلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسباب اور مسببات کا ایک سلسلہ قائم فرمایا ہے، علم بھی اس سلسلے میں آتا ہے اور علم کا ایک سبب یہ ہے کہ طالبِ علم بحیثیت طالبِ علم کے استاذ کے سامنے

(۱) السنن الکبری للبیهقی، عَنِ الْحَسَنِ علیہ الرحمۃ، باب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ الخ

زانوئے ادب تہہ کرے۔

## اساتذہ کی دعائیں لیتے رہیے

اپنے استاذ کو کبھی کمتر مت سمجھو، چاہے آپ کی صلاحیت کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو جائے، یوں سمجھتے رہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ان کے واسطے سے علم عطا فرمائیں گے۔ اس کے بغیر علم آنے والا نہیں ہے؛ اس لیے اساتذہ کا ادب واحترام، ان کی خدمت، ان کا پاس ولحاظ، ان کی دعائیں لینا، ان باتوں کو اپنا معمول بنا لو۔

## کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے

اپنے ساتھیوں کا بھی ادب واحترام کرو، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، ان کو اپنی ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دو۔ آج کل کیا ہو گیا ہے؟ طلبہ کا ایک مزاج بنا ہوا کہ دوسروں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، خاص کر کے جو محنتی ہوتے ہیں، اپنے کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے پیچھے لگ جائیں گے، نہ خود پڑھیں گے، نہ ان کو پڑھنے دیں گے، بس مدرسے میں شرارت کا ایک سلسلہ چل رہا ہے، کسی کو چین سے بیٹھنے نہیں دینا ہے، بے چارے اچھے اچھے محنتی طلبہ ان شرارت پسند لڑکوں کی وجہ سے مجبوراً مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں۔

## کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے کئی جلدوں میں اپنی آپ بیتی لکھی ہے، اس کا نام ہے: کاروانِ زندگی۔ اس کی پہلی جلد میں خاص طور پر لکھا ہے کہ ان کی والدہ

کی عادت تھی کہ کسی چھوٹے کو نہ ستائیں۔ یہ طالبِ علمی کے زمانے میں بچوں کی جو عادت ہوتی ہے نا کہ اپنے سے چھوٹوں یا ہم عمروں کو ستاتے ہیں تو اس ستانے کے نتیجے میں یہ لوگ علم سے محروم رہتے ہیں تو یہ علم سے محروم رکھنے والی چیز ہے؛ اس لیے کبھی بھی کسی کو مت ستاؤ، کسی کا دل مت دکھاؤ، اگر ستاؤ گے تو علم سے تو محروم رہو گے ہی، آپ کی زندگی پر مہر لگ جائے گی؛ اس لیے اس کا بھی بڑا اہتمام کریں۔

## اصلاح نفس کا یہ موقع ہاتھ سے مت جانے دیجیے

اس کے علاوہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کیجیے، ابھی سے اس کی عادت ڈالیے، ابھی پڑھنے کے زمانے میں اگر اس کی عادت نہ ڈالی تو بعد میں بھی یہی حال رہے گا۔ آپ یوں مت سمجھیے کہ ابھی یوں ہی چلا لو، بعد میں عادت ڈال لیں گے، نہیں، بچپن میں جو عادت بنتی ہے، وہی پختہ بن جاتی ہے، وہی آگے جا کر باقی رہتی ہے؛ اس لیے اگر ابھی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں گے تو فراغت کے بعد بھی یہی عادت برقرار رہے گی۔

## اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی

اچھے اخلاق، معاملات کی درستگی کا بھی اہتمام ہو، الغرض! پڑھنے کے زمانے میں علمی اور عملی اعتبار سے آپ اپنے آپ کو جتنا زیادہ بنانے کا اہتمام کریں گے، اتنا ہی آپ کو فائدہ ہوگا، یہی آپ کے بننے اور بگڑنے کا زمانہ ہے؛ اس لیے ہر پہلو سے اپنے آپ کو بنانے کی محنت کیجیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی آپ کو بنائیں گے۔

## اہلِ مدرسہ کے خلاف بھڑکانے والے آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں

آپ کے اساتذہ ہیں، منتظمین ہیں، مربی ہیں، نگران ہیں، ان کی طرف سے جو ہدایتیں دی جائیں، ان ہدایتوں کو پوری اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر کے عمل کا جامہ پہنائیے۔ حقیقی معنی میں آپ کے خیر خواہ یہی ہیں۔ آج کل ایک بات اور بھی ہوگئی ہے کہ لوگ طلبہ کو اساتذہ اور منتظمین کے خلاف ورغلاتے ہیں تو آپ ذرا سمجھ داری سے کام لیجیے۔ جو آدمی ''میرا خیر خواہ کون ہے اور میرا بدخواہ کون ہے، میرا دشمن کون ہے اور میرا دوست کون ہے'' اس میں اگر تمیز نہیں کر سکتا تو وہ آدمی زندگی میں کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ جو لوگ آپ کے اساتذہ، منتظمین اور مربیوں کے خلاف آپ کا ذہن بناتے ہیں، وہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں بلکہ دشمن ہیں، یہ اساتذہ اور منتظمین آپ کے خیر خواہ ہیں، ان کی باتوں پر عمل کیجیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان باتوں پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# طالبانِ علومِ نبوت سے

# کچھ باتیں، کچھ نصیحتیں

بمقام: جامعہ اسدیہ

بوقت: ۳۱/۱/ ۲۰۱۳

# اقتباس

اب طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم وہ ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی اس کے دل و دماغ میں کوئی مسئلہ گردش کرتا رہتا ہو، جس کو سلجھانے میں وہ لگا رہتا ہو، گویا ''۲۴'' گھنٹے اس کا دماغ اسی میں مصروف ہو۔ جیسے ایک دوکان دار ہے، وہ بازار میں دوکان کھولے تجارت کے لیے بیٹھتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب وہ دوکان کھول کر بیٹھتا ہے، اسی وقت وہ تاجر ہے بلکہ دوکان بند کر کے جب گھر جائے گا، کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھے گا، تب بھی اس کا دماغ اپنی دوکان میں ہوگا، آرام کے لیے بستر پر لیٹے گا، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جائے گا تو وہاں پر بھی اس کی دوکان اس کے دل و دماغ پر سوار ہے تو وہ ''۲۴'' گھنٹے تاجر ہے، ایسا نہیں کہ جب دوکان میں ہے، تبھی دوکان دار اور تاجر ہے۔

یہی حال طالبِ علم کا ہونا چاہیے، ایسا نہیں کہ درس گاہ میں استاذ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھا ہے، تبھی طالبِ علم ہے اور چھٹی ہوئی تو سب بھول بھال گیا، نہیں بلکہ چھٹی کے بعد بھی جب مطبخ میں کھانے کے لیے جائے گا تو اس کے دل و دماغ پر کتابیں سوار رہنی چاہئیں، مسائل کو سلجھانے میں مشغول ہونا چاہیے۔ ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدُ لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد واله وأصحابه أجمعين، أمّا بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِيۡ عِلۡمًا﴾ [طه:۱۱۴]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنۡهُومَانِ لَا يَشۡبَعَانِ، مَنۡهُومٌ فِي الۡعِلۡمِ لَا يَشۡبَعُ مِنۡهُ، وَمَنۡهُومٌ فِي الدُّنۡيَا لَا يَشۡبَعُ مِنۡهَا. (شعب الإيمان، عَنۡ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي الزُّهۡدِ وَقِصَرِ الۡأَمَلِ)

## ایک واقعہ

عزیز طلبہ! علم کے فضائل اور مناقب ہم دن رات بیان کرتے رہتے ہیں، سنتے رہتے ہیں، آپ حضرات اس سے واقف ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حقیقی معنے میں طالبِ علم بن جائیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ جب براہِ کراچی حجاز تشریف لے گئے تو وہاں کراچی کے قیام کے دوران دارالعلوم کورنگی جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا قائم کیا ہوا مدرسہ ہے، وہاں تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ میں نے براہِ راست حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے سنا۔ آج سے تقریباً ''۳۰'' سال پہلے ایک فقہی سیمنار میں حیدرآباد تشریف لائے تھے، وہاں طلبہ کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا تھا، اس موقع پر آپ نے یہ واقعہ سنایا تھا۔

## پیارو! اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ حضرت کوئی تقریر نہیں فرماتے تھے، آپ کا علمی مقام بڑا اونچا تھا، آج اہلِ علم حضرات میں سے کون ایسا ہے جس پر حضرت کا علمی احسان نہ ہو لیکن حضرت کی عادت تقریر کی تھی نہیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ہم اساتذہ اور طلبہ نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں تو حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا: پیارو! -حضرت شیخ کا تکیہ کلام تھا: (پیارو- پیارو!) اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا جملہ انھوں نے اسی مجلس میں نقل فرمایا تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم حقیقی معنے میں طالبِ علم بن جاؤ تو دین اور دنیا کی تمام نعمتیں تمھیں حاصل ہیں۔ اصل ضرورت طالبِ علم بننے کی ہے۔

## طالبِ علم کی حقیقت

اب طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم وہ ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی اس کے دل و دماغ میں کوئی مسئلہ گردش کرتا رہتا ہو، جس کو سلجھانے میں وہ لگا رہتا ہو، گویا ''۲۴'' گھنٹے اس کا دماغ اسی میں مصروف ہو۔ جیسے ایک دوکان دار ہے، وہ بازار میں دوکان کھولے تجارت کے لیے بیٹھتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب وہ دوکان کھول کر بیٹھتا ہے، اسی وقت وہ تاجر ہے بلکہ دوکان بند کر کے جب گھر جائے گا، کھانا کھانے

کے لیے دسترخوان پر بیٹھے گا، تب بھی اس کا دماغ اپنی دوکان میں ہوگا، آرام کے لیے بستر پر لیٹے گا، تب بھی اس کے دل ودماغ میں اس کی دوکان ہی ہوگی، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جائے گا تو وہاں پر بھی اس کی دوکان اس کے دل ودماغ پر سوار ہے تو وہ "۲۴" گھنٹے تاجر ہے، ایسا نہیں کہ جب دوکان میں ہے، تبھی دوکان دار اور تاجر ہے، اس کا ذہن اس میں مشغول ہے۔ یہی حال طالبِ علم کا ہونا چاہیے، ایسا نہیں کہ درس گاہ میں استاذ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھا ہے، تبھی طالبِ علم ہے اور چھٹی ہوئی تو سب بھول بھال گیا، نہیں بلکہ چھٹی کے بعد بھی جب مطبخ میں کھانے کے لیے جائے گا تو اس کے دل ودماغ پر کتابیں سوار رہنی چاہئیں، مسائل کو سلجھانے میں مشغول ہونا چاہیے۔ ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے۔

## امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ اور آپ کی علمی حرص

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں اولین مقام رکھتے ہیں اور فقہائے احناف میں ان کا اول درجہ ہے، ان کے حالات میں لکھا ہے اور علامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ ہدایہ کے حاشیہ میں کتاب الحج میں جہاں رمی الجمار کا مسئلہ ہے، وہاں نقل بھی فرمایا ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ مرض الوفات میں مبتلا تھے، ابراہیم بن جراح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا، جب آپ کے سامنے بیٹھا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ رمی الجمار کس طرح کریں گے؟ پیدل کریں گے یا سوار ہو کر؟ تو میں نے عرض کیا کہ پیدل کریں گے۔ تو

آپ نے جواب دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔ پھر میں نے عرض کیا سوار ہو کر کریں گے۔ تو فرمایا: تم غلط کہتے ہو پھر خود ہی فرمایا کہ ہر وہ رمی جس کے بعد دوسری رمی ہے تو وہ تو پیدل کی جائے گی اور جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں ہے، وہ سوار ہونے کی حالت میں کی جائے گی۔ حضرت ابراہیم بن جراح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بعد اٹھ کر واپس جانے لگا، ابھی تو صدر دروازے پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ رونے والیوں کی آواز سنی، معلوم ہوا کہ حضرت الامام کا انتقال ہو گیا، فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی حرصِ علم پر تعجب ہوا کہ موت کی گھڑی میں بھی ان کا دماغ مسئلے کو سلجھا رہا تھا۔

## امام محمد علیہ الرحمۃ اور ان کا علمی شغف

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی علیہ الرحمۃ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں دوسرا مقام رکھتے ہیں، فقہِ حنفی کی تدوین کا سہرا انہی کے سر ہے، انہی کی کتابوں کو ظاہری روایت اور غیر ظاہری روایت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کی موت کس طرح ہوئی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تو مُکاتب کے ایک مسئلے میں غور کر رہا تھا، میری روح کس طرح قبض ہوئی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا تو موت کی سختی کی حالت میں بھی ان حضرات کا دل و دماغ مسائل کو سلجھانے میں لگا ہوا تھا۔

## ابو ریحان بیرونی اور ان کا علمی ولولہ

ابوالحسن علی بن عیسی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابو ریحان بیرونی جو علمِ ہیئت کا بہت بڑا

ماہر ہے، ترقی کے اس دور میں بھی ہیئت داں ان کی کتابوں سے مستغنی نہیں ہیں تو کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس حاضر ہوا، بالکل آخری وقت ہے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ جدّاتِ فاسدہ کا مسئلہ جو تم نے ایک مرتبہ مجھ سے بیان کیا تھا، ذرا دوبارہ بیان کرو۔ ابوالحسن کہتے ہیں کہ مجھے ان کے اوپر ترس آیا اور کہا کہ اس حالت میں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں کسی چیز کا علم دنیا سے لے کر جاؤں، یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ میں جاہلوں کی طرح جاؤں۔ ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں نے ان کے سامنے وہ مسئلہ بیان کیا، انھوں نے وہ مسئلہ یاد کر لیا اور میرے سامنے ان کی روح پرواز کر گئی، یہ ہے علم کا شوق!

## حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا علمی ذوق

آپ کہیں گے کہ مولوی صاحب! یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے، نہیں۔ ہمارے اسلاف نے ان حضرات کے کارناموں کو تازہ کیا ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ جو دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مفتی ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک استفتاء تھا جس کو وہ پڑھ رہے تھے اور وہی ان کے سینے پر موت کے وقت پڑا ہوا تھا تو زندگی کے آخری لمحات میں بھی ان کا مشغلہ یہی تھا۔

## حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی علمی تشنگی

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جن کے متعلق ہم سب ہی جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو علم کا بحرِ ذخار بنایا تھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ

نے مرض الوفات کے وقت کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز صبحِ صادق کے وقت دیو بند میں یہ افواہ پھیلی کہ حضرت شاہ صاحب کا انتقال ہوگیا، بیمار تو تھے ہی۔ حضرت کے جو متعلقین تھے، ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، نماز سے فارغ ہو کر ہم سب حضرت کی حالت معلوم کرنے کے لیے آپ کے گھر پر حاضر ہوئے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جب گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ الحمد للہ وہ خبر غلط تھی، حضرت ابھی بقیدِ حیات ہیں، حضرت کے کمرے میں جب پہنچے تو دیکھا کہ جس چوکی پر نماز ادا فرماتے تھے، وہاں تکیے پر کتاب رکھی ہوئی ہے اور صبح کی روشنی کم ہونے کی وجہ سے جھک کر اس کے مطالعے میں مشغول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حیرت ہوئی۔

## یہ کتاب بھی ایک ''روگ'' ہے جو مجھ کو لگا ہوا ہے

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ناز کے ساتھ ہمت کر کے عرض کیا: حضرت! بات سمجھ میں نہیں آئی، آخر وہ کون سی ایسی بحث ہے جو آپ کے مطالعے میں نہ آئی ہو اور اگر نہیں آئی تو ایسی کون سی فوری ضرورت پیش آگئی جس کی وجہ سے بیماری کی اس حالت میں آپ کو مطالعہ کرنا پڑا اور اگر ایسا ہی تھا تو ہم خدام کیا مر گئے تھے، آپ ہمیں فرما دیتے تو ہم دیکھ کر آپ کو عرض کر دیتے لیکن اپنی اس بیماری میں آپ کتاب کے مطالعے میں مشغول ہیں! آپ اپنی صحت کا خیال نہیں فرما رہے ہیں، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر حضرت شاہ صاحب بڑی معصومیت کے ساتھ، سادگی کے ساتھ تھوڑی دیر تو علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ یہ کتاب بھی

ایک ''روگ'' ہے جو مجھ کو لگا ہوا ہے۔

## پگھلنا علم کے خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

آج ضرورت ہے کہ یہ کتاب والا روگ ہم خود لگا لیں، جب تک ہمارا مزاج اس نوع کا نہیں بنے گا، ہم کچھ بن نہیں سکتے۔ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک طالبِ علم کا مزاج علمی نہ بنے کہ ہر وقت اس کے ہاتھ میں کتاب ہو، ہر وقت وہ کسی نہ کسی مسئلے کو سلجھانے میں مشغول ہو، اس وقت تک وہ علمی خدمات انجام نہیں دے سکتا۔

## واقعی جینا انہی کا ہے بھلا دنیا میں

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے متعلق حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آخری بیماری کے وقت میں اطباء نے آپ کو لوگوں کے ساتھ ملاقات سے، بات چیت سے منع کر دیا تھا، بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، آنکھیں بند ہیں، آنکھ کھلی تو دریافت فرمایا کہ مولوی محمد شفیع صاحب کہاں ہیں؟ تو ان کو بلایا گیا، وہ آئے تو فرمایا کہ میں ابھی لیٹے لیٹے فلاں آیت میں غور کر رہا تھا، اس کے اندر سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، میں نے کسی کتاب میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا، چوں کہ تم احکام القرآن ترتیب دے رہے ہو؛ اس لیے تم کو بتا دیا؛ تا کہ جب تم اس آیت پر پہنچو تو اس کو لکھ لو۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! اطباء نے آپ کو بات چیت کرنے سے منع کر دیا ہے، اس کے باوجود آپ اس طرح بات چیت کر رہے ہیں تو جواب میں فرمایا: مولوی صاحب!

زندگی کے وہ لمحات جو کسی کے کام نہ آئیں، وہ کس مقصد کے!

## علم میں زیادتی کی دعا کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہے

تو ہماری زندگی کا یہ مقصد ہونا چاہیے۔ علم ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا حکم دیا؟ میں نے ابھی آیت پڑھی تھی: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا، علومِ شرائع میں سے کون سا علم ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أُعْطِيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ کی دعا یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ! آپ میرے علم میں ترقی عطا فرمائیے۔ علم اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے، اسی طرح اس کی یہ صفت بھی غیر متناہی ہے اور آدمی کو اس کے لیے اپنی ذات کو فنا کر دینا چاہیے۔

## العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك

آپ نے نفحۃ العرب میں ایک عنوان پڑھا ہوگا۔ حضرت شیخ الادبؒ نے ایک عنوان قائم کیا ہے: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك: جب تم اپنا سب کچھ علم کے اوپر نچھاور کر دو گے تو علم اپنا کچھ حصہ دے گا۔ یہ علم بڑی قیمتی دولت ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف نے اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا۔ آج ضرورت ہے کہ اسی مزاج کو پیدا کیا جائے۔ اگرچہ وہ بات اب نہیں ہو سکتی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے اسلاف کے زمانے میں جس طرح کی مشقتیں اٹھائی جاتی تھیں،

مجاہدے اور ریاضتیں برداشت کی جاتی تھیں، اگر آج علم کا حصول ان مجاہدوں، مشقتوں اور ریاضتوں پر موقوف ہوتا تو شاید دو چار گنے چنے عالم ہی اس دنیا میں موجود ہوتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے اتنی سہولتیں پیدا کر دیں، ہر چیز یہاں موجود ہے، اس کے باوجود ہم حصولِ علم میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔

## اسلاف کی علمی پیاس

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے شمائل میں ''بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' میں ایک روایت ذکر فرمائی ہے اور اپنے استاذ محمد بن فضل علیہ الرحمۃ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، روایت یہ نقل کی ہے کہ مرض الوفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمن کی بنی ہوئی قطری چادر اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سہارے سے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ روایت امام ترمذی اپنے استاذ محمد بن فضل سے روایت کرتے ہیں، اس کے بعد ان ہی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میرے استاذ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک مرتبہ یحیی بن معین علیہ الرحمۃ نے مجھ سے اس روایت کو سنانے کی فرمائش کی۔

## موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث بیان کرنا شروع کیا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حدیث بیان کرتے ہوئے جب میں نے ''حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ'' کہا تو یحیی بن معین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اگر آپ یہ حدیث اپنی کاپی میں سے یعنی اپنے پاس جو لکھی

ہوئی محفوظ ہے، اس میں سے بیان کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ ایک بڑے آدمی نے یہ بات کہی تھی؛ اس لیے فرماتے ہیں کہ میں اٹھا تاکہ اپنے کمرے میں سے کاپی لے آؤں اوران کی خواہش کے مطابق اس میں دیکھ کر بیان کروں تو انھوں نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور فرمایا کہ روایت تو بیان کرتے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آئندہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے (۱)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے خصائلِ نبوی میں لکھا ہے کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ہمارے اسلاف کو ہر گھڑی موت کا استحضار رہتا تھا اور دوسری بات ان کے علم کی حرص ہے کہ دیکھو کہیں وہ کاپی لینے جاویں اور میں وفات پا جاؤں اور اس روایت سے محروم رہ جاؤں تو پہلے انھوں نے اس روایت کو زبانی بیان کیا پھر کمرے میں گئے اور کاپی لے کر کے آئے اور اس میں دیکھ کر کے بیان کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو علم کا وہ شوق اور جذبہ اور حرص جو ہمارے اکابر کے اندر موجود تھی عطا فرمائے اور علم کی حقیقت سے ہمیں آگاہ فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۱) شمائلِ ترمذی، ص ٦٧، رقم الحدیث: ۵۴.

# ہماری بدحالی کے اسباب
# اور اس کا حل

# اقتباس

یہاں تو زلزلہ آتا ہے، تب بھی ہمارے آنکھیں نہیں کھلتیں اور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال تو یہ تھا کہ بادل دیکھتے تھے یا ہوا ذرا سی تیز ہو جاتی تھی تو آپ کے چہرۂ انور کے اوپر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہونے لگتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کیا بات ہے، لوگ تو جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش آئے گی اور آپ کو دیکھا جاتا ہے کہ بادل کو آتا ہوا دیکھ کر آپ پر گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا معلوم کہ وہ بادل کیا لے کر آیا ہے؟۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالیٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. (الروم: ٤١)

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ وَلُبِسَ الْحَرِيرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا(١). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

(١) سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلامَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالْخَسْفِ.

## آیت کا ترجمہ

لوگوں کے اور انسانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے زمین اور سمندروں میں خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا، خرابیاں ظاہر اور نمایاں ہوگئیں؛ یہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھایا؛ شاید کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں۔

## اعمال کی بھی خاصیتیں ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح چیزوں میں خاصیتیں رکھی ہیں، ہر چیز کا ایک الگ خاص اثر ہوتا ہے۔ کوئی آدمی زہر کھالے گا تو اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوجائے گی، اور اسی طرح سے مختلف چیزیں جو ہم استعمال کرتے ہیں، ڈاکٹروں، حکیموں اور طبیبوں نے ہمیں بتا رکھا ہے کہ فلاں چیز کے کھانے سے فائدہ یا نقصان کی شکل میں یہ اثر ظاہر ہوتا ہے، ان چیزوں کے خواص تو وہ ہیں جو اطباء اور ڈاکٹروں نے اپنی تحقیق کے بعد بتلائے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس میں ان کی غلطی ہوئی ہو اور جو خواص انھوں نے بتلائے ہیں وہ کسی موقع پر وجود میں نہ آئیں۔ لیکن اعمال کے جو خواص حضرات انبیاء علیہم السلام بتلایا کرتے ہیں ان میں غلطی کا امکان ہی نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرات انبیاء کی بعثت ہی اس لیے فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو بتلائیں کہ کون سے اعمال کرنے ہیں اور کن سے بچنا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کو کرنا پسند فرمایا ہے لوگ ان کو کریں، اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے لوگ ان سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا مشن، ان کی پوری زندگی کا مقصد

یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کر ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم کریں اور جوڑیں اور ان کو بتلائیں کہ بھائی دیکھو! تم اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آجاؤ۔

## چھوٹے سے چھوٹا گناہ ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہے

نافرمانی اور گناہ یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اتنا خطرناک نہیں؛ جتنا کہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ خطرناک ہے۔ اس لیے کہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے زیادہ سے زیادہ نقصان اگر ہوگا تو دنیوی اعتبار سے ہوگا لیکن گناہ کے نتیجے میں آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا مورد بن جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے بچائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امت کو اسی کی طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالایا جائے اور نواہی سے بچا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوگی۔

## دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں

یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بدلہ نہیں دیں گے، بدلہ تو آخرت ہی میں دیں گے۔ آخرت اسی لیے رکھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بندوں کی طرف سے جب کسی گناہ کا ارتکاب کثرت سے ہونے لگتا ہے تو تنبیہ کے طور پر اور ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے عبرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی اس کا تھوڑا

سا اثر بتلا دیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو وہاں پیش آنے والا ہے اس کا ہم اور آپ اندازہ و تصور نہیں کر سکتے، وہ اصل بدلہ ہوگا۔ کسی بھی نیک کام کا اچھا بدلہ اور کسی بھی گناہ کی اصل سزا جو بھی ہونے والی ہے، وہ وہاں ہوگی۔ یہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ بدلہ نہیں دیتے البتہ عبرت کے لیے تنبیہ کے طور پر کبھی کبھی اس کی طرف سے لوگوں کو متوجہ کر دیا جاتا ہے؛ تاکہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ بھائی! جیسے بیٹا جب نافرمانی کرنے پر اتر آتا ہے تو باپ بھی کبھی کبھی تنبیہ کے لیے کچھ کر دیتا ہے؛ تاکہ وہ پھر اطاعت و فرماں برداری کی طرف لوٹ آئے۔ آج جو زلزلہ پیش آیا جس کے بہت نقصانات سن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے واقعات تنبیہ کے لیے رونما کیے جاتے ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

## زلزلے کا ایک سبب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب زنا کی کثرت ہوتی ہے اور شراب نوشی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں اور زمین کو کہتے ہیں کہ لوگوں کو ہلا ڈال۔ زلزلے کے اور بھی اسباب ہیں۔ گناہوں کے نتیجے میں ایسے مصائب آتے ہیں۔

## عمومی عذاب کب آتا ہے؟

گناہوں کے یہ کام اگر انفرادی اور شخصی طور پر اِکا دُکا آدمی کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب عمومی شکل میں آیا نہیں کرتا۔ عمومی طور پر گرفت اسی

وقت ہوتی ہے جب کہ یہ گناہ کثرت سے ہونے لگیں اور اجتماعی شکل میں ہونے لگیں اور ایسے عام اور کھلے بندوں اس کو کیا جائے کہ کوئی اس کو روکنے والا، اس پر تنبیہ کرنے والا اور ٹوکنے والا موجود نہ ہو، اگر روک ٹوک کا یہ سلسلہ بند ہو جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں بھی اس طرح کے عذاب لاگو کئے جاتے ہیں۔

## مسلمانوں کے اجتماعی اموال میں احتیاط برتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد جو میں نے آپ کے سامنے پڑھا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: میری امت جب پندرہ کام کرے گی تو وہ آزمائش میں گرفتار ہو جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ پندرہ کام کیا ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اذا کان المغنم دولاً“ جب اسلامی اصول کے مطابق جہاد کا سلسلہ جاری ہو اور دشمن کے مقابلے میں کامیابی ہو اور اس کے بعد دشمنوں کا جو مال حاصل ہوا کرتا ہے وہ مالِ غنیمت قرار دیا جاتا ہے اور اس کو بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے، چناں چہ جو مال اجتماعی طور پر مسلمانوں کی ملک ہوا کرتا ہے یہ بھی اسی کا حکم رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت جب ذاتی ملک کی طرح ہو جائے یعنی ایسے اموال جو لوگوں کے تصرف میں دئے گئے ہیں، حکمران کے پاس بیت المال کا تصرف ہے اور اس پر وہ کنٹرول کئے ہوئے ہیں، عوام کا مال ہے لیکن وہ اس کو ذاتی مال کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ اسی میں مساجد اور مدارس کے اموال اور اسی طرح گاؤں کے اجتماعی کاموں کے لیے جمع کیا

ہوا مال جو ذمہ داروں کے پاس رکھا جاتا ہے؛ ان سب کا یہی حکم ہے۔ وہ بڑی ذمہ داری کی چیز ہے اور آدمی کو اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو بہت ہی زیادہ بچائے۔

## عمومی اموال میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک صاحب ان سے ملنے کے لیے گئے حضرت کچھ حساب کتاب لکھ رہے تھے۔ جب حساب کتاب سے فارغ ہو گئے تو رات کا وقت تھا پھر بھی چراغ بجھا دیا اور دوسرا چراغ روشن کیا۔ ان صاحب نے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: میں سرکاری حساب کتاب لکھ رہا تھا اور یہ چراغ جو جل رہا تھا اس میں تیل بیت المال کا تھا، جب وہ کام ختم ہو گیا تو میں نے سرکاری چراغ بجھا دیا اور اب ہم دوستانہ نجی گفتگو کرنے جا رہے ہیں اس لیے اب اس چراغ کو جلانے کی میرے لیے گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ دوسرا چراغ جو جلایا اس میں میرا ذاتی تیل ہے۔ ہمیں بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، آج کل اس میں بڑی بے احتیاطیاں ہوتی جا رہی ہیں، یہ سب اسی وعید میں داخل ہو جائے گا۔

## مالِ امانت کو غنیمت مت سمجھو

دوسری چیز بیان فرمائی "والأمانة مغنما" امانت کو لوگ مالِ غنیمت کی طرح سمجھیں۔ امانت کا مفہوم بہت عام ہے، ایک تو امانت وہ ہے جس کو ہم لوگ عام طور پر امانت سمجھتے ہیں کہ آپ کو کسی نے کوئی چیز رکھنے کے واسطے دی، اسی طریقہ سے تجارت

کے واسطے کسی کو رقم دی جاتی ہے۔ عام طور پر آج کل ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے پاس پیسے ہیں، دوسرے کے پاس پیسے نہیں ہے، اور وہ کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے، تو پیسے والا کہتا ہے: بھائی! میرا پیسہ لو اور کام کرو، نفع میں ہم دونوں شریک رہیں گے، مضاربت کے طور پر کام کرو۔ اب جو آدمی کاروبار کر رہا ہے، اس کے پاس وہ رقم امانت کے طور پر ہوا کرتی ہے لیکن پھر وہ اس کے اندر خیانت کرتا ہے۔ منافع ہوتے ہیں تب بھی بتلائے نہیں جاتے اور اس کو ہضم کرنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور بھی مختلف چیزیں ہیں۔ اسی طرح کسی کے پاس مسجد یا مدرسہ کی رقمیں رکھی ہوئی ہیں تو وہ اس کے پاس صرف حفاظت کے لیے رکھی گئی ہیں، اس میں اس کو تصرف کا حق نہیں دیا گیا، اس کے باوجود اس کو مالِ غنیمت قرار دے کر تصرف کرنے لگتا ہے۔

## زکوٰۃ ٹیکس نہیں

تیسری چیز ہے: "والزکوٰۃ مغرما" اور زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے۔ آج کل عام طور پر جو اصحابِ ثروت ہیں، جن کے پاس مال و دولت ہے اور ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کو زکوٰۃ کے لیے مال نکالنا ایسا گراں گذرتا ہے جیسے ٹیکس ہو، حالانکہ ڈھائی فی صد، چالیسواں حصہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، معمولی سی چیز ہے۔ آدمی اگر رضا و رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتے ہوئے اس کو ادا کرے گا، تو بڑی برکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اب لوگوں کا مزاج ایسا بنتا جا رہا ہے کہ فضول خرچی ہزاروں اور لاکھوں کی کر

لیں گے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فریضہ کو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

## بیوی کا غلام اور ماں کا نافرمان

"وأطاع الرجل زوجتهٗ و عقّ اُمّهٗ" آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے۔ بیوی کی بات مانتا ہے اور ماں کی بات نہیں مانتا۔ آج کل ماحول ایسا ہی ہوتا جارہا ہے۔

## دوستوں پر سخاوت اور باپ کے ساتھ عداوت

"وبرّ صدیقهٗ و جفاأ باهٗ" اپنے دوست کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے، اچھائی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے اور باپ کے ساتھ بے رغبتی کا معاملہ اور بدسلوکی کرے۔ آج کل یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ دوستوں کی دعوتیں ہورہی ہیں، پارٹیاں ہورہی ہیں اور باپ ضرورت منداور محتاج ہے لیکن اس کی طرف بیٹا توجہ نہیں کرتا۔ یہ باتیں عام ہوتی جارہی ہیں۔

## مسجدوں کا احترام ملحوظ رکھو

"وارتفعت الأصوات في المساجد" اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، یہ برائی بھی عام ہوتی جارہی ہے، لوگ نمازوں سے فارغ ہوکر مسجد میں ہی بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں، اگر کوئی دینی ضروری بات ہے تو ٹھیک ہے۔ اپنی دنیوی باتوں کے لیے مسجدوں میں نہ بیٹھیں، باہر چلے جائیں۔ اگر کوئی

معاملہ پیش آیا ہو اس وقت بھی مسجد ہی میں شور وشغب ہونے لگتا ہے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ آدمی کی نیکیوں کو برباد کرنے والی چیز ہے۔

## تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

آج کل لوگ موبائل فون آن (ON) رکھ کر آتے ہیں اور وہ نماز کے درمیان میں بجنے لگتا ہے۔ آج سے کچھ زمانہ پہلے اگر کوئی آدمی یہ کہتا کہ مسجد میں میوزک (MUSIC) بجے گا تو یہ بات لوگوں کو سمجھ میں بھی نہ آتی، کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، لیکن آج ہو رہا ہے۔ لوگ موبائل فون آن (ON) رکھ کر آتے ہیں اور نماز کے درمیان بجنے لگتا ہے اور پوری مسجد کے نمازیوں کی نماز غارت ہو جاتی ہے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا سخت معاملہ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

## نمازی کی توجہ ہٹانے کا وبال، زمانۂ نبوی کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے ایک اپاہج آدمی کو دیکھا جو چلنے سے معذور تھا، انھوں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ اس نے کہا: ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، میں سامنے سے گذر گیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا قَطَعَ اللّٰہ أَثَرَہٗ ہماری نماز کو کاٹ دیا یعنی نماز کی توجہ ختم کر دی، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو کاٹے، اس وقت سے میں چلنے سے معذور ہو گیا(۱)۔

---

(۱) مسندِ احمد، عَنْ یَزِیدَ بْنِ نِمْرَانَ، حَدِیثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

## زمانۂ نبوی کا دوسرا واقعہ

ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے، ایک کتا آگے سے گذرنا چاہتا تھا، جماعت میں جو حضرات شریک تھے ان میں سے کسی نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو روک دے، وہ کتا اسی وقت مر گیا۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون تھا؟ کس نے کیا کہا؟ ان صاحب نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ سامنے سے گذرنا چاہتا تھا تو میں نے یہ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کتوں کی پوری نسل کے لیے یہ جملہ استعمال کرتا تو وہ بھی ختم ہو جاتی (۱)۔ اللہ اکبر!!!

## نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی وجہ

بہر حال! نمازی کی نماز میں خلل ڈالنا بڑی سخت چیز ہے۔ نمازی کے آگے سے گذرنے سے اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ آگے سے گذرنے کے نتیجے میں نمازی کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ آپ موبائل فون اون (ON) رکھ کر مسجد میں آئیں گے اور بجے گا تو ساری مسجد کی توجہ نماز سے ہٹے گی، اس پر کتنا سخت گناہ ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

## آج انسان ہوا جاتا ہے ابلیس صفت

”وأكرم الرجل مخافة شرّه“ اور کسی آدمی کا اکرام اور اس کی عزت اس کے

---

[۲] مصنف عبد الرزاق، عن رجل من أهل الطائف، باب المار بين يدي المصلي.

شر اور برائی سے بچنے کے لیے کی جائے۔مثلاً ایک بدمعاش آدمی ہے، آپ اس کو سلام نہیں کریں گے تو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔یہ چیز عام ہوگئی ہے، شرفاء اپنا منہ چھپا کر اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بدمعاش قسم کے لوگ دندناتے پھر رہے ہیں اور لوگ انہیں کو سلام کررہے ہیں، اس لیے کہ یہ جانتے ہیں کہ اگر اس کو سلام نہیں کریں گے تو ہمارے اوپر آفت آئے گی۔

## کمینہ سردار

"وکان زعیم القوم أرذلھم" اور لوگوں کا سردار اور لیڈر کمینہ آدمی ہوگا۔یعنی قوم کا کمینہ آدمی سردار اور لیڈر بنے گا۔یہ چیز بھی عام ہوگئی ہے۔ویسے بھی ہمارے یہاں تو او بی سی (o.b.c) والوں کے لیے سیٹیں مخصوص کی جارہی ہیں اور وہی بڑھتے جارہے ہیں۔ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

## مسلمانوں کے نئے شوق

"ولبس الحریر و شربت الخمور" ریشم پہنا جائے، یعنی لباس میں حلال وحرام کی تمیز نہ رہے۔جن چیزوں کو پہننا حرام قرار دیا ہے اس کو بھی آدمی استعمال کررہا ہے اور شراب پی جائے یعنی کھانے پینے کے معاملے میں بھی حلال وحرام کی تمیز نہ رہے۔ آج کل بڑے بڑے ریسٹورنٹس بنتے جارہے ہیں اور لوگ دھوم سے وہاں جارہے ہیں اور کھارہے ہیں۔وہاں کیا کھلایا جارہا ہے وہ کوئی نہیں دیکھتا، شوق سے وہاں جارہے ہیں۔بس صرف نمائش مقصود ہے، اپنے پیسوں کو حرام طریقہ سے خرچ کررہے

ہیں، اگر حلال جگہ بھی خرچ کرے تو اس میں بھی شریعت کی طرف سے یہ چھوٹ نہیں ہے کہ آدمی نمائش کے طور پر اس کو خرچ کرے۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ فلاں ریسٹورنٹ میں جا کر کھائیں گے تو اس سے ہمارا ایک مقام بنے گا اور وہاں حرام کھلایا جا رہا ہے اس کی کوئی تحقیق نہیں کرتا۔

## لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

"واتخذت القينات والمعازف" گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے آلات کو لوگ عام طور پر استعمال کرنے لگیں۔ اب آج کل گھروں میں ٹی وی آ گیا، اس میں یہ سب چیزیں موجود ہیں اور لوگوں کے مزاجوں پر خصوصاً نوجوانوں کے دل و دماغ پر سینما و فلموں میں کام کرنے والی عورتیں چھائی رہتی ہیں اور چوبیس گھنٹے انہیں کے تصور میں کھوئے رہتے ہیں، انہیں کے ساتھ دل لگا ہوا ہے اور ان کی زیارت کو اپنے لیے باعثِ شرف سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ

## ٹی وی: اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا ناسور

اس ٹی وی نے تو ہمارے معاشرے کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا ہے اور حیا و شرم جو ایک بنیادی حیثیت رکھتی تھی، وہ ختم ہوگئی ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ایمان و حیا دونوں جڑواں ہیں، جب ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی جاتا ہے۔ دشمنانِ اسلام کی اسکیم ہی یہ ہے کہ ٹی وی کے ذریعہ سے حیا کو بالکل ختم ہی کر دیا جائے۔

## اسلاف پر تنقید

ولعن آخر هٰذهِ الأمـة أولها **بعد میں آنے والے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہیں گے۔** آج یہی ہو رہا ہے۔ صحابہ پر تنقیدیں ہو رہی ہیں، ائمہ کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔ اگلے لوگوں کے متعلق برائی کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ یہ سب بھی عام ہوتا جا رہا ہے۔ اسلاف کے متعلق ایسے ایسے مضامین آ رہے ہیں اور ایسے ایسے جملے لوگوں کی زبانوں سے نکل رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے یہ لوگ ہی عقلِ کامل رکھتے ہیں، وہ تو بیچارے یوں ہی نادان تھے۔

## تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا انتظار کرو

بہر حال! یہ ساری چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائیں اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ جب یہ سب ہونے لگے گا **تو** فلیر تقبوا عند ذلک ریحا حمراء أو خسفا أو مسخا **تو لوگوں کو چاہیے کہ انتظار کریں سرخ آندھیوں کا یا زمین میں دھنسا دئے جانے کا یا شکل وصورتوں کے بگاڑ دئے جانے کا۔** یعنی یہ سارے عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں گے۔

## اللہ تعالیٰ کا عذاب اور ہم مسلمانوں کا طرز و انداز

یہاں تو زلزلہ آتا ہے، تب بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال تو یہ تھا کہ بادل دیکھتے تھے یا ہوا ذرا سی تیز ہو جاتی تھی تو آپ کے چہرۂ انور کے اوپر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہونے لگتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کیا بات ہے، لوگ تو جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش آئے گی اور آپ کو دیکھا جاتا ہے کہ بادل کو آتا ہوا دیکھ کر آپ پر گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا معلوم کہ وہ بادل کیا لے کر آیا ہے۔ ایک قوم کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے باری تعالیٰ نے آگ کے عذاب میں مبتلا کیا، آٹھ روز تک سخت گرمی پڑی، یہاں تک کہ ان کے تالاب، ندیاں، کنویں سب خشک ہو گئے بلکہ بھانپ بن کر اُڑ گئے اور سب لوگ بے چین ہو گئے، اسی حال میں تھے کہ ایک بادل نظر آیا، اس کو آتا دیکھ کر سب خوش ہو گئے اور کہنے لگے هذا عارض ممطرنا یہ بارش برسائے گا اور گرمی سے نجات ملے گی، لہٰذا اس بادل کے نیچے چلو۔ جب سب اس بادل کے نیچے آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ برسائی اور سب ہلاک ہو گئے (۱)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لوگ تو بادل کو دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ بارش برسائے گا، لیکن کیا گارنٹی ہے کہ وہ بادل بارش ہی لے کر کے آیا ہے؟ ہوسکتا ہے عذاب لے کر آیا ہو۔

## ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ

آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے معاملے میں بہت زیادہ چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، معلوم نہیں کہ کب کس معاملے پر پکڑ ہو جائے۔ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، باب {فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ}.

لیتے رہنا چاہیے۔اپنے حالات کا رونا تو روتے رہتے ہیں کہ یوں ہو رہا ہے، ہماری جان محفوظ نہیں، ہمارے مال محفوظ نہیں، ہمارے ساتھ حکومتی پیمانے پر اور اجتماعی طور پر بے انصافیاں کی جارہی ہیں۔ہم لوگ جب حالات کا تذکرہ کرنے بیٹھتے ہیں تو گھنٹوں نکل جاتے ہیں، لیکن کبھی ہمیں اپنے اعمال کا تذکرہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

## تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أعمالکم عمّالکم تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمراں ہیں، لہٰذا حکمرانوں کو برا بھلا کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اگر ہم اپنے اعمال کو سدھاریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کا فیصلہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# پندرہ کاموں پر عذاب کی وعید

# حدیث کی روشنی میں

حضرت دامت برکاتہم العالیہ حدیثِ نبوی "إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً" الحدیث کو سامنے رکھ کر امت کو گراں قدر نصائح اور قیمتی مواعظ سے سات جمعہ تک مستفید فرماتے رہے، ان سات بیانات کو یہاں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امت کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ، وَلُبِسَ الْحَرِيرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا(۱). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## حدیث کی تشریح

محترم حضرات! ابھی میں نے نبیِ کریم ﷺ کا ایک ارشاد، ایک حدیث

(۱) سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلَامَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالْخَسْفِ.

پاک آپ کے سامنے پڑھی، یہ ترمذی شریف کی روایت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا البَلاَءُ: کہ میری امت جب ''۱۵'' کام کرنے لگے گی تو وہ مصائب، آزمائشوں اور آفات میں مبتلا ہوجائے گی، اس پر مصائب، آزمائشیں اور آفات اتر آئیں گی، فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَارَسُولَ اللهِ؟: پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ''۱۵'' کام جن کے کرنے پر امت آزمائشوں میں گرفتار ہوسکتی ہے، وہ کون سے ہیں؟

## مالِ غنیمت کی حقیقت، حکم
## اور اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کی پیشین گوئی

تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً: پہلی بات: مالِ غنیمت ذاتی دولت اور ثروت کی طرح ہوجائے گا۔ شریعتِ مطہرہ کی طرف سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، اس میں دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے جو مال ان سے حاصل ہوتا ہے، اس کو مالِ غنیمت کہا جاتا ہے، اس میں سے پانچواں حصہ الگ کرکے بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اور اس میں بھی جو حق دار ہیں، ان کی فہرست اللہ تبارک وتعالیٰ نے دسویں پارے کی پہلی آیت میں بتلادی ہے اور باقی جو مال ہے، وہ مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو یہ جو مالِ غنیمت کا خُمس جو بیت المال میں آیا اور جس کے مصارف اور مستحقین کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قرآنِ کریم میں صاف اور واضح کرکے بتلایا دیا گیا، ضروری تھا کہ اس مال کو وہیں پر خرچ کیا جاتا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

کہ ایک زمانہ آئے گا کہ یہ جو مال ہے، جو سب کا مشترکہ ہے، اس میں سب حق داروں کا حق ہے تو جو حکمران طبقہ ہے، جو لوگ کہ برسرِ اقتدار ہیں، جن کے ہاتھوں میں اس مال کو استعمال کرنے کے اختیارات اور اس مال کو مستحقین تک پہنچانے کی ذمہ داری ہے، وہ اس کو اپنا ذاتی مال بنالیں گے، جیسے اپنا ذاتی مال ہو، اپنی ذاتی ملک ہو، پرائیویٹ (private) پراپرٹی (property) ہو، اس طرح وہ اس کو استعمال کریں گے۔

## وہ دور جس میں مالِ غنیمت اپنے مصرف میں خرچ ہوتا رہا

چناں چہ ایک زمانے تک تو یہ رہا کہ جو طبقہ برسرِ اقتدار آتا تھا، جو حکمران تھے وہ اس مال کو جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا تھا، خرچ کیا کرتے تھے: جو لوگ ملک کی حفاظت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی، ان کے ماتحتوں کی، ان کے اہل وعیال کی کفالت کے لیے ان کے وظیفے مقرر ہوتے تھے۔ جو لوگ دین کی نشر واشاعت میں لگے ہوئے ہیں، تعلیم وتعلُّم میں لگے ہوئے ہیں، ان کے لیے وظیفے بھی اس میں سے مقرر کیے جاتے تھے اور بھی دوسرے مصارف تھے، یہ سلسلہ جاری رہا لیکن پھر دھیرے دھیرے جو حکمران طبقہ تھا، اس نے اس کے اندر خیانت کرنا شروع کیا اور اس کو ذاتی مال کی طرح استعمال کرنے لگے، بیت المال کے اندر جو مختلف شعبے ہوا کرتے تھے، ان میں انھوں نے اپنے طور پر، اپنی مرضی سے تصرف کرنا شروع کیا، حالاں کہ خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد حضراتِ خلفاءِ راشدین اور ان کے بعد آنے والے حضرات نے جو خیر القرون کے تھے، جن کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

خیر اور بھلائی کی پیشن گوئی فرمائی تھی کہ: خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم [۱]: کہ بہترین زمانہ اور بہترین صدی میری صدی ہے اور اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو اس کے بعد آئیں گے، پھر اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو اس کے بعد آئیں گے۔ ان زمانوں میں یہ سلسلہ برابر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جاری رہا۔

## تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت صدیقِ اکبرؓ کا فکرِ معاش

خلفاءِ راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اولین خلیفہ راشد ہیں، جب وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین مقرر کیے گئے تو جانشینی کے دوسرے روز ان کی کپڑے کی جو تجارت تھی تو کپڑوں کی گٹھری لے کر کے نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہاں چلے؟ تو فرمایا کہ کاروبار کے لیے، میرا یہ بزنیس (business) ہے، اگر میں یہ نہیں کروں گا تو میں اپنے بال بچوں کی کفالت کیسے کروں گا؟ کھلاؤں گا، پلاؤں گا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ اس کام میں مشغول ہو جائیں گے تو یہ سلطنت کے کام جو آپ کے حوالے کیے گئے ہیں وہ سنبھالے گا کون؟ ان کو کون انجام دے گا؟ پھر کہا کہ آیئے! ہم حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، جن کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کا امین قرار دیا ہے [۲]، وہ آپ کے لیے بیت المال میں

---

(۱) مسند بزار ج ۲ ص ۱۴۹، عن أبي برزة رضي الله عنه.

(۲) إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَإِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الأُمَّةُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ (صحيح البخاري، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، باب مَنَاقِبُ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

سے جو وظیفہ مقرر کریں گے، اس کو آپ اپنے اور اپنے ماتحتوں کی ضروریات میں صرف کریں۔

## بیت المال سے ملنے والے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے وظیفے کی مقدار

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور انھوں نے ایک عام مہاجر کو بیت المال سے جو وظیفہ دیا جاتا تھا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر کیا اور اس کے ذریعہ آپ اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے اور امورِ سلطنت کو انجام دینے کی مشغولی کی وجہ سے اپنے کاروبار کو چھوڑ دیا۔

## حضرت صدیقِ اکبرؓ کی امانت داری کا بے مثال جذبہ

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے گھر والوں نے درخواست کی کہ یہ جو ہمیں وظیفہ ملتا ہے، اس میں تو بڑی مشکل سے اور گویا بڑی ''کفایت شعاری'' کے ساتھ گذران ہو جاتا ہے، بچوں کی خواہش ہے کہ کوئی میٹھی چیز پکا کر کھائی جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا تو یہی وظیفہ ہے اور میرے پاس اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اگر بچوں کو میٹھا کھانے کا شوق ہے تو یہ جو وظیفہ ملتا ہے، اسی میں سے کچھ بچت کر کے تم اس کا انتظام کر سکتی ہو۔ چنانچہ انھوں نے جب دیکھا کہ یہ الگ سے کوئی رقم فراہم کر کے دیں گے نہیں تو انھوں نے بڑی مشکل سے بچت کرنا، کٹوتی کرنا شروع کیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے بچا کر اس سے میٹھا بنا لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی پیش کیا تو انھوں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو انھوں نے بتایا کہ میں اس طرح روزانہ

کٹوتی کر کے بچاتی تھی اور اسی بچت سے یہ میٹھا پکایا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر کم رقم سے بھی ہمارا گذارا ہو سکتا ہے تو آپ نے کہا کہ بیت المال سے ملنے والے وظیفے سے اس قدر رقم کم کر دی جائے۔

## امت میں سب سے پہلا بگاڑ

بہرحال! یہ جو امانت داری کا جذبہ تھا، وہ بعد میں نہیں رہا، اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی بات کے اندر بیان فرمایا ہے، یوں سمجھئے کہ سب سے پہلے امت میں اسی میں بگاڑ آیا جو نمبر اول کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

## امانت کی حقیقت

وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ امانت کو لوگ مالِ غنیمت سمجھنے لگیں۔ امانت جتنی بھی اور جو بھی چیز ہے، اس میں ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں، اس میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنا یا اس سے خود کوئی فائدہ اٹھانا، اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب یہ امانت چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی ہو: ایک آدمی نے دوسرے شخص کو انفرادی طور پر اپنی چیز، اپنا مال یا اپنی کوئی جائداد حفاظت کے لیے دی ہو، جیسے جو لوگ دوسرے ممالک میں رہتے ہیں، وہ یہاں اپنے مکانات، اپنی زمین جائداد بطورِ امانت اپنے رشتہ داروں کے حوالے کرتے ہیں یا یہاں کسی نے اپنا پیسہ آپ کو حفاظت کے لیے دیا، یہ تو انفرادی امانت ہے۔ یا کوئی اجتماعی چیز ہے، قوم کی چیز ہے: کوئی آدمی مسجد کا ذمہ دار ہے اور مسجد کی رقم امانت کے طور پر اس کے پاس جمع

ہے، یا کوئی شخص مدرسے کا ذمہ دار ہے اور مدرسے کی رقم امانت کے طور پر اس کے پاس جمع ہے یا کسی انجمن، کسی سوسائٹی کا ذمہ دار ہے یا ایسے ہی کسی رفاہی ادارے کا ذمہ دار ہے، جیسے کسی ٹرسٹ (trust) کا ٹرسٹی (trustee) ہے، اس کی رقم اس کے پاس جمع ہے، وہ ان اموال میں ذرّہ برابر بھی تصرف کر سکتا نہیں ہے، یہاں تک کہ اس کی نوٹوں کو بدلنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

## امانت میں خیانت کیا ہے؟

لیکن اب یہ ہوا کہ لوگ اس کو اپنا مالِ غنیمت سمجھ کر اپنے استعمال میں لا رہے ہیں، بہت سے لوگ اس رقم کو تجارت میں لگاتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں پھر اصل رقم اس میں رکھ دیتے ہیں، یہ جو امانت کے اموال سے اس طرح نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ حرام ہے، اس کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، امانت یہ ہے کہ کسی نے آپ کے پاس اپنی کوئی رقم بطورِ امانت جمع کرائی، اس میں آپ کو تصرف نہیں کرنا ہے، اس نے جس طرح آپ کے پاس جمع کرائی ہے، اسی طرح لوٹانا ہے، اس میں نوٹ کا بدلنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر اس میں آپ کو تصرف کرنا ہے تو اس کی اجازت لے لیجیے کہ بھائی! میں اس کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہوں تو اس صورت میں یہ امانت نہیں رہے گی، اس وقت یہ آپ کے حق میں قرض بن جائے گا۔

## امانت کا حکم

امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر آپ نے اس کی اپنی طرف سے پوری حفاظت کی

اور خدا نہ کرے، وہ کسی وجہ سے ضائع ہوگئی، آپ کے گھر میں چوری ہوئی اور آپ کے مال کے ساتھ یہ امانت بھی چوری ہوگئی۔ خدا بچائے! آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ کی جائداد کے ساتھ ساتھ وہ بھی جل گئی یا سیلاب آیا، جس میں آپ کے سامان کے ساتھ ساتھ وہ بھی بہہ گیا تو اس صورت میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لیکن اگر آپ نے ذرّہ برابر اس کے اندر تصرف کیا اور اس کی وجہ سے وہ ضائع ہوگئی، مثلاً آپ نے اس کو کاروبار کے اندر لگا دیا یا کسی اور طریقے سے استعمال کیا اور ضائع ہوگئی تو اب آپ کو اس کا ضمان ادا کرنا پڑے گا تو بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ امانت کو مالِ غنیمت کی طرح سمجھا جائے گا کہ گویا اس میں میرا بھی کوئی حصہ لگتا ہے، آج کل یہ سلسلہ بہت عام ہوتا جارہا ہے۔

## زکوۃ نہ ہر مال میں فرض ہے، نہ ہر شخص پر فرض ہے

وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: اور زکوۃ کو تاوان سمجھا جائے گا یعنی زکوۃ کی ادائگی کو لوگ ایسا بھاری اور مشکل سمجھیں جیسے ٹیکس (tax) کی ادائگی کو، تاوان کی ادائگی کو مشکل اور بھاری سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ یہ مال اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ بھی دیا ہے، لاکھوں کروڑوں، اربوں ہو یا مختصر ہو، کم ہو۔ بہر حال! اگر اتنا ہے کہ جس میں شریعتِ مطہرہ نے زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے تو زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔ شریعت ہر مال میں زکوۃ کو واجب نہیں کرتی اور نہ ہر ایک پر فرض کرتی ہے، مال کا ایک خاص معیار ہے، مقدار ہے، اتنا مال ہو، تھوڑی سی چاندی، تھوڑا سا سونا یا مالِ تجارت ہے تو اس پر زکوۃ

فرض نہیں ہے، اگر نصاب کی مقدار ہو تو فرض ہے۔ شریعت نے زکوۃ کو فرض قرار دینے کے لیے بھی ایک حد اور مقدار مقرر کی ہے، اس سے کم پر نہیں، ہر ایک پر نہیں، اس سے کم ہو تو ایسا شخص غریب کہلاتا ہے۔

## مال داری کا معیار شریعت کی نظر میں

جیسے ہمارے یہاں حکومتوں نے غریبی کی ایک ''ریکھا'' مقرر کی ہے کہ ''غریبی ریکھا'' کے نیچے فلاں آدمی زندگی گذار رہا ہے، یہ حکومت کی طرف سے ''غریبی ریکھا'' ہے اور ایک ''غریبی ریکھا'' شریعت نے بھی مقرر کی ہے تو بہر حال! یہ نصاب جس کے پاس ہے، وہ شریعت کی نگاہ میں غنی ہے، غِنا اور مال داری کی ریکھا ہے، اس سے نیچے والا غریب سمجھا جائے گا تو نصاب کے مالک پر زکوۃ واجب اور وہ بھی بہت کم، ڈھائی فی صد یعنی ''۱۰۰'' میں ڈھائی روپیہ۔

## شریعتِ مطہرہ کا زکوۃ واجب کرنا بندوں پر احسان ہے

آج تو دیکھیں گے کہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت اور شہر کی جو کارپوریشن (corporation) ہے، ان کی طرف سے جو مقرر کیا جاتا ہے، اس کی مقدار کئی کئی پرسنٹیج (percentage) ہوتی ہے، آدمی کی جو کمائی ہوتی ہے، اس میں سے ۴۵، ۵۰، ۶۰ پرسنٹ (percent) تو اسی میں نکل جاتا ہے لیکن شریعتِ مطہرہ نے زکوۃ کی جو مقدار مقرر کی ہے، وہ انتہائی کم ہے پھر حکومت کی مقدار بھی کیسی ہے! جیسے اِنکم ٹیکس (incometax) ہے کہ جوں جوں کمائی بڑھتی جائے گی، اس کے

اعتبار سے اس کے پرسنٹیج بھی بڑھتے جائیں گے، جب کہ شریعتِ مطہرہ کوئی پرسنٹیج نہیں بڑھاتی، آپ کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، تب بھی ڈھائی پرسنٹ ہے اور دس کروڑ اور ارب روپے ہیں، تب بھی آپ پر ڈھائی پرسنٹ ہیں۔ دیکھئے کتنی آسانی ہے! یعنی ایک معمولی سی مقدار اور مانگنے والا بھی کون؟ اللہ! جس نے ہمیں یہ مال دیا ہے۔

## ٹیکس وصول کرنے کا سبب اور اس میں حکومت کا ظالمانہ رویہ

حکومت مانگ رہی ہے تو حکومت نے ہمیں دیا ہے یا ہم کمار ہے ہیں؟ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ حکومت کی طرف سے حفاظت کے انتظامات ہمارے لیے کیے جاتے ہیں، حکومت کی طرف سے ہمیں ایسا ماحول فراہم کیا جاتا ہے کہ جس ماحول میں ہم امن وامان کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی گذارتے ہیں، اپنا کاروبار کرتے ہیں، جن ملکوں میں، جن علاقوں میں یہ ماحول میسر نہیں آتا، وہاں امن واطمینان کے ساتھ کاروبار نہیں کر سکتے، چوراچکوں کی طرف سے خطرہ ہمہ وقت لگا رہتا ہے اور حکومت اور اربابِ ملک کو بھی حکومت کا انتظام سنبھالنے کے لیے وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اب ہمارے اس دور میں ان وسائل کی مقدار اور ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اس کی وجہ سے حکومتوں کو بھی ٹیکس بہت بڑھانا پڑا لیکن اسلامی شریعت اس حد تک ٹیکس وصول کرنے کی اجازت نہیں دیتی، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

## بندوں ہی کے منافع کے لیے زکوۃ فرض کی گئی ہے

تو بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلامی زکوۃ فقط ڈھائی پرسنٹ ہے اور وہ

بھی کون مانگ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کہ جس نے ہمیں یہ دولت دی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو مانگ رہا ہے، اس کو اپنی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس سے جو لیا جاتا ہے، کیا- نعوذ باللہ - اللہ تعالیٰ اس کو اپنے کام میں استعمال کرتے ہیں؟ نہیں، اللہ تعالیٰ نے تو قرآنِ پاک کے اندر اس کے مصارف بیان کر دئے ہیں: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَاۤءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا﴾ [التوبۃ:٦٠] اور حدیث شریف کے اندر آتا ہے: تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ (۱). انہی کے مال داروں سے لو اور انہی کے فقیروں کو پہنچاؤ، گویا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نظام قائم کیا گیا ہے جس میں اقتصادی اعتبار سے پورا سماج عدمِ توازن کا شکار نہ ہونے پائے؛ کیوں کہ اقتصادی اعتبار سے معاشرہ اگر عدمِ توازن کا شکار ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں بڑے بڑے فتنے اٹھتے ہیں اور بڑی بڑی تحریکیں رونما ہوتی ہیں، کمیونزم اور اس جیسی تحریکیں آخر کس کی وجہ سے ظاہر ہوئیں؟ اسی اقتصادی عدمِ توازن کی وجہ سے۔ تو بہر حال! یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے معاشرے میں اقتصادی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے اموال میں زکوۃ فرض کر کے مال داروں سے لے کر غریبوں کو دلوائی۔

## میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ جس نے دیا، وہ ہم سے مانگ رہا ہے اور کتنا مانگ رہا ہے؟ معمولی سا، صرف ڈھائی پرسنٹ، یہ گویا ایسا ہی ہے جیسے باپ اپنے چھوٹے بچے کو

(۱) صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب وُجوبِ الزَّكَاةِ.

دس روپیے دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ بیٹا! مجھے ایک روپیہ دو نا! باپ نے اپنے اس چھوٹے بچے کو مٹھائی کا پورا ڈبہ دے دیا اور پھر کہتا ہے کہ بیٹا! اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے بھی دو، اب جو سمجھ دار ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ باپ جو اپنے بیٹے سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا مانگ رہا ہے، وہ اس لیے نہیں کہ اس کو ضرورت ہے بلکہ وہ تو محض آزمانے کے لیے مانگتا ہے کہ جس بیٹے کو میں نے یہ نعمت لا کر دی، اس کے دل میں میرے لیے کتنی محبت ہے، کتنا احترام ہے، وہ مجھے اس میں سے کتنا دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر بیٹا اس کو دے گا تو باپ اس کو لے کر کے اسی کو واپس دے دے گا، اللہ تعالیٰ بھی ہم سے لے کر ہمارے ہی بھائیوں کو لوٹا رہے ہیں، وہاں پر ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے لے کر کے اس کو اپنے یہاں جمع کرتے ہوں۔

## یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

پھر زکوۃ کی ادائگی پر اجر بھی دیتے ہیں اور حفاظت کی گارنٹی بھی دیتے ہیں کہ جس مال میں سے زکوۃ ادا کی جاتی ہے، وہ مال کبھی ہلاک نہیں ہوتا اور اس مال میں برکت ہوتی ہے، جو مال کی زکوۃ ادا کرتے ہیں، ان سے پوچھو! تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ زکوۃ کا مطالبہ بھی ہماری بھلائی کے لیے ہے اور اللہ کی طرف سے اور شریعت کی طرف سے مطالبے پر اگر ہم کچھ دے رہے ہیں تو - نعوذ باللہ - دل میں کبھی یہ خیال نہ آوے کہ ہم کوئی احسان کر رہے ہیں بلکہ اللہ کے حکم کو پورا کر رہے ہیں۔

## حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

''ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں'' کے تحت لکھتے ہیں۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ لفظِ مِنْ جو آتا ہے، وہ کسی چیز کی معمولی مقدار بتلانے کے لیے آتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہاں لفظِ مِنْ لاکر باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اشارہ کردیا کہ تم سے جو لیا جارہا ہے، وہ بہت اقلِّ قلیل ہے، تھوڑی سی مقدار ہے اور وہ بھی ہمارا دیا ہوا ہے، ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ''ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں''

| |
|---|
| جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی |
| حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا |

اللہ کے نام پر اگر کچھ دیا جائے گا تو اس سے اللہ کا پورا حق ادا ہو جائے، ایسا نہیں ہے، ہم تو جان بھی دے دیں، سب کچھ اس کے لیے لٹا دیں، تب بھی حق ادا ہونے والا نہیں ہے۔

## سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ یہ جو ہمیں زکوۃ کا حکم دیا گیا ہے، اس کو پوری خوش دلی کے ساتھ، پوری رغبت کے ساتھ، شوق اور ذوق کے ساتھ پورا کرنا چاہیے، کون مانگ رہا ہے؟ جس وقت زکوۃ نکال رہا ہو تو اس کا استحضار کیا جائے کہ میں اللہ کے لیے نکال رہا ہوں، میں اللہ کو دے رہا ہوں۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی زکوۃ کا مال کسی غریب کو دیتا ہے تو وہ مال پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتا

ہے پھر وہ مال غریب کے ہاتھ میں پہنچتا ہے(۱)، بہت سے لوگ زکوۃ کی ادائگی کے وقت اپنا چہرہ بگاڑتے ہیں اور جن کو دیا جارہا ہے، ان کی طرف سے ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔نعوذ باللہ۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ کوئی احسان نہیں ہے، آپ تو اللہ کا حکم پورا کررہے ہیں، بھائی! کسی کا ہم پر مطالبہ ہے، کسی کے ہم پر سو روپے ہیں، اس نے ہم پہ کہلوایا کہ میرے تم سے جو سو روپے لینے کے ہیں، وہ فلانے کو دے دو تو کیا اس کو ناگوار سمجھیں گے، اپنے ماتھے پر کوئی شِکن ڈالیں گے؟ نہیں ڈالیں گے نا!''وہ دیکھے گا تو کیا سمجھے گا'' اتنا تو خیال رکھیں گے نا!

## زکوۃ نکالنے میں احتیاط کا پہلو پیشِ نظر رہے

تو بہر حال! اس حکم کو بڑی خوش دلی کے ساتھ پورا کرنا ہے اور شریعت نے اس سلسلے میں جو شرائط مقرر کی ہیں، جو ہدایات دی ہیں ان پر پورے طور پر عمل کرنا چاہیے۔ آج کل تو جن پر زکوۃ فرض ہے، ان میں بہت سے تو وہ ہیں کہ جو زکوۃ ہی نہیں نکالتے، بہت سے وہ ہیں جو اس کے لیے حساب کرنا نہیں چاہتے ہیں، زکوۃ کا باقاعدہ حساب کیا جاتا ہے، آدمی اندازے سے نہ نکالے، ہاں جہاں صحیح طور پر حساب نکالنا مشکل ہو تو وہاں بڑی احتیاط کے ساتھ اندازے سے زکوۃ نکالنے کی اجازت دی گئی ہے، ورنہ پورے طریقے سے حساب کرکے پوری پوری زکوۃ نکالنے کا حکم ہے، جیسے

(۱) وَلَا مَدَّ عَبْدٌ يَدَهُ بِصَدَقَةٍ قَطُّ إِلَّا وَقَعَتْ فِي يَدَيِ اللهِ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِي يَدِ السَّائِلِ (شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، فَصْلٌ فِي الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ)

چاہے زکوۃ نکال نہیں سکتے، بعض وہ ہیں جو گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے فقیر کو روپیہ دے دیتے ہیں۔

## ہم جن پیشہ ور بھکاریوں کو مالِ زکوۃ دیتے ہیں، ان کا حال

اب تو فقیر دروازے پر بیٹھے ہوئے مل جاتے ہیں اور رمضان میں تو یہ سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے، جو پیشہ ور اور پروفیشنل (professional) فقیر ہوتے ہیں اور ان کی ٹولیوں کی ٹولیاں رمضان میں میدان میں اتر آتی ہیں اور اب تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ باقاعدہ گاڑی لے کر کے اور لاؤڈ اسپیکر (loudspeaker) کے ساتھ اعلان ہو رہا ہے کہ ہم فقیر آئے ہیں آپ کے دروازے پر۔ اب ان کے اندرونی حالات کے بارے میں ہم اور آپ سب بخوبی جانتے ہیں، اخباروں میں روزانہ ان کی خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں مسجد کے دروازے کے پاس جو فقیر بھیک مانگنے کے لیے بیٹھا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے بینک (bank) کے اکاؤنٹ (account) میں سے ایک لاکھ روپیے نکلے، ایسی خبریں ہم آئے دن پڑھتے رہتے ہیں۔ آج کل تو بھیک مانگنے کی جگہ، اس کی آمدنی کی جو مقدار، اس کی جو ویلیو (value) ہوتی ہے تو وہ جگہ باقاعدہ بکتی ہے، ایک بھکاری دوسرے بھکاری کو وہ جگہ دیتا ہے تو باقاعدہ شرط رکھتا ہے کہ بھائی! اگر تم اس جگہ بیٹھو گے تو مجھے روزانہ اتنے روپیے دو گے، جیسے مکان کا کرایہ دار مکان خالی کرتا ہے اور ''پگھڑی'' وصول کرتا ہے، اس میں بھی پگھڑیاں مانگتے ہیں۔ ہم اور آپ تو یہ سب جانتے ہیں کہ اس کا یہ حال ہے تو کیا ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا

ہوگی؟ نہیں ہوگی، ہرگز نہیں ہوگی، ایسوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

## مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا دونوں گناہ کے کام ہیں

ویسے تو مانگنے والا جو مسجد میں مانگ رہا ہے تو مسجد میں سوال کرنے والے کو دینا بھی جائز نہیں ہے، مسجد میں مانگنا بھی جائز نہیں اور دینا بھی جائز نہیں ہے، جو اپنی ذات کے لیے سوال کرتا ہے، اس کے لیے مسجد میں سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس کو دینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ایک مولانا متعلق تھے اور قریبی آدمی تھے، حضرت جمعہ کے روز جب نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو مسجد سے باہر نہیں آتے تھے، جمعہ کے دن عصر کے بعد مغرب تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی مانگنے والا حرم میں آیا اور میں نے ایک ریال نکال کر کے دے دیا۔ بس! حضرت بعد میں اتنا غصہ ہوئے، اتنا غصہ ہوئے اور فرمایا کہ مسجد کس کو کہتے ہیں، وہ بھی تمھیں معلوم نہیں! حرم میں رہ کر گناہ کا ارتکاب کر رہے ہو، مانگنے والا مانگ رہا ہے، وہ تو گناہ گار ہے ہی، دینے والا دے کر بھی گناہ گار ہے۔ حج پڑھنے کے لیے جانے والے وہاں جو دیتے ہیں مانگنے والوں کو یہ ناجائز ہے، مانگنا بھی ناجائز ہے، دینا بھی ناجائز ہے۔

## زکوۃ ادا کرنے والے کے لیے حق دار کی تحقیق وتفتیش ضروری ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ جب اپنے مال کی زکوۃ ادا کر رہے ہیں تو آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ تحقیق کریں کہ جہاں میں اپنا مال دے رہا ہوں، وہاں حق داروں

تک پہنچ بھی رہا ہے یا نہیں، خالی اپنے سر سے بوجھ اتارنا نہیں ہے، جیسے لینے والا حق دار نہیں تو لینا جائز نہیں، دینے والے کے لیے بھی ناحق دار کو دینا جائز نہیں ہے، اس کی بھی ذمہ داری ہے۔ اربابِ اموال: جو لوگ مال والے ہیں، وہ اگر زکوۃ کی ادائگی کے وقت شریعت کے اصولوں کا لحاظ کریں تو اس سے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

## حدیث میں مذکور دوسرے چار گناہ

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ: چار چیزیں ایک ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں: کہ آدمی جب اپنی بیوی کی فرماں برداری کرنے لگے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے اور وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ: اپنے دوستوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنے لگے اور اپنے باپ سے بے رخی کا معاملہ کرے، یہ چار چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ساتھ بتلائی ہیں۔

## ماں باپ کے حقوق

اس میں خاص طور پر ماں باپ کے حقوق کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متوجہ فرمایا، ویسے ماں باپ کے حقوق کا معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے متعلق ایسی تاکید فرمائی کہ کسی اور چیز کے متعلق قرآنِ پاک میں ایسی تاکید نہیں ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا.

## ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کی قرآنی تاکید

باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ: تیرے پروردگار کا یہ حکم ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرو۔ علامہ قرطبیؒ جن کی تفسیر مشہور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ، ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا، جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا، وہیں یہ حکم دیا کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا جائے، جیسے سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو جوڑا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ: کہ تم میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کرو (۱)۔ دیکھو اس سورۂ لقمان کی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ ماں باپ کی شکر گزاری کو بھی ضروری قرار دیا، یہ اس کی اہمیت کو بتلاتا ہے۔

## والدین کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی شریعت گوارا نہیں کرتی

آگے باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا: اگر تمھارے سامنے وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں، فَلَا تَقُلْ

(۱) وجعل بر الوالدين مقرونا بذلك، كما قرن شكرهما بشكره الخ (قرطبی ۱۰/ ۲۳۸)

لَّهُمَآ اُفٍّ: تو ان کو اُف بھی مت کہو۔ حضراتِ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کم درجے کی کوئی بات ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ارشاد فرماتے یعنی ماں باپ کے سامنے اپنے منہ سے ''ہوں'' نکالنا، اس انداز سے کہ جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچے، ٹھیس پہنچے، اللہ تعالیٰ اس کی بھی اجازت نہیں دیتے، وَلَا تَنْهَرْ هُمَا: اور ان کو جھڑ کو مت، وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا: اور بھلائی اور شرافت کی بات ان سے کرو۔

## راحت رسانی کے ساتھ والدین کے لیے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ: اور مہربانی کے ساتھ اپنی ذلت کا پہلو ان کے سامنے جھکاؤ، یعنی ان کے سامنے عاجزی سے، انکساری سے، محبت کے ساتھ پیش آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا بھی کرتے رہو، وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا کہ اے باری تعالی! یہ میرے ماں باپ ہیں جنھوں نے بچپن میں مجھے پالا، میری تربیت کی، میری پرورش کی، اے اللہ! تو ان کے ساتھ مہربانی کا معاملہ فرما، ان پر شفقت کا معاملہ فرما۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن میں اور بھی جگہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید آئی ہے۔

## اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو

اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات کے ذریعہ سے خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے، اس سلسلے میں مسلم شریف کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رَغِمَ أَنْفُه ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُه ثُمَّ

رَغِمَ أَنْفُه: اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، ذلیل ہو، رسوا ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون؟ کس کی ناک خاک آلود ہو؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ کہ: جس نے اپنے ماں باپ میں سے دونوں یا کسی ایک کو بوڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہیں کی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے بددعا فرماتے ہیں (۱)۔

## وہ شخص ہلاک ہو

بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھ رہے ہیں، تشریف لے جا رہے ہیں، جب پہلے زینے پر قدم رکھا تو آپ نے فرمایا: آمین، دوسرے زینے پر جب قدم رکھا تو آپ نے فرمایا: آمین اور تیسرے زینے پر جب قدم رکھا تو پھر آپ نے فرمایا: آمین۔ خطبے کے بعد حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج ہم نے ایک عجیب چیز دیکھی! جب آپ خطبے کے لیے منبر پر تشریف لے جا رہے تھے تو ہر زینے پر آپ نے آمین کہی؟ تو اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انھوں نے تین بددعائیں دیں:

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ.

ایک تو یہ کہ جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا اور اس کے باوجود اپنی مغفرت نہیں کروائی، وہ ہلاک ہو اور ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ مبارک آیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہا اور ہلاک ہو جیو وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو پایا، یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا(۱)۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام دعا کر رہے ہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمین فرما رہے ہیں، اندازہ لگائیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمین اور وہ دعا بھی کہاں؟ مسجدِ نبوی میں، منبرِ نبوی کے اوپر! ایسی جگہ یہ دعا ہو رہی ہے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید فرمائی کہ آپ آمین کہیے، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کے والدین کے حقوق کی کتنی زیادہ تاکید ہے۔

## والدین کے ساتھ سب سے بڑا حسنِ سلوک اور نیکی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے مسلم شریف کے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ (۲) کہ سب سے بڑی نیکی ماں باپ کے ساتھ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ باپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کے ساتھ محبت رکھنے والے، ان کے دوست احباب

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضي الله عنه، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ.

(۲) صحيح مسلم، باب فَضْلِ صِلَةِ أَصْدِقَاءِ الأَبِ وَالأُمِّ وَنَحْوِهِمَا.

کے ساتھ آدمی اچھائی کا سلوک کرے۔

## روایتِ حدیث کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جہاں یہ روایت نقل فرمائی ہے، وہاں ایک واقعہ پیش آیا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک دیہاتی ملا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی سواری کا گدھا اور عمامہ اتار کر اس دیہاتی کو دے دیا، یہ منظر دیکھ کر جو رفقاءِ سفر تھے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ تو دیہات کا رہنے والا تھا، اگر معمولی سی چیز بھی دے دیتے تو خوش ہو جاتا، آپ نے تو اس کے ساتھ بہت بڑا سلوک کیا کہ اپنی سواری کا گدھا بھی دے دیا اور عمامہ بھی اتار کر کے اس کو دے دیا، تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا باپ میرے باپ کا دوست تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ باپ کے انتقال کر جانے کے بعد اس کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنا یہ بہت بڑی نیکی اور ماں باپ کے ساتھ بہت بڑا احسنِ سلوک ہے۔ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو عملی جامہ پہنانے کا کیسا جذبہ پایا جاتا تھا۔

## عمر بھر کی خدمت گزاری بھی حقوقِ والدین کی ادائگی میں ناکافی ہے

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ کا طواف

کررہے تھے، اس طواف کے دوران دیکھا کہ ایک آدمی اپنی پیٹھ پر اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرارہا ہے، اس نے دیکھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو، کسی نے بتلایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو اس نے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں اور یمن سے یہاں اپنی ماں کو پیٹھ پر لاد کر حج کرانے کے لیے لایا ہوں اور اپنے کندھے پر اس کو سوار کرا کر کے اس کو طواف کرارہا ہوں، کیا ایسا کر کے میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: تیری پیدائش کے وقت تیری ماں نے جو تکلیف اٹھائی ہے اور ''آہ آہ'' کی ہے، تیری یہ ساری محنت وکاوش اس وقت کی ایک ''آہ'' کا بدلہ بھی نہیں بن سکتی۔ ذرا اندازہ لگایئے۔

## والدین کو شفقت کی نظر سے دیکھنے پر حجِّ مبرور کا ثواب

بہرحال! ماں باپ کے حقوق بہت بڑے اور زیادہ ہیں اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید ہے، ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلىٰ والديه نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً(۱)

کہ جو فرماں بردار بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کی ہر ایک نظر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ حجِّ مبرور کا ثواب اس کے نامۂ اعمال کے اندر لکھ دیتے ہیں۔ یہ ارشاد سن کر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللّٰه! وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟: اگر کوئی آدمی دن میں ''۱۰۰'' مرتبہ اس طرح محبت کی نظر سے

(۱) شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما، بَابٌ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ.

دیکھے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلے میں حجِّ مبرور کا ثواب عطا فرمائیں گے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: نَعَمْ اللهُ أَكْبَرُ وَ أَطْيَبُ: جی ہاں! اللہ کی شان تو بہت بڑی ہے، اس کی ذات تو بڑی پاکیزہ ہے، اس کے خزانے میں کوئی کمی تھوڑی ہے، انسانوں کے پاس جو ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، اللہ کے خزانے تو ایسے وسیع ہیں کہ جب سے کائنات پیدا کی ہے، تب سے اپنی مخلوق کی ضرورت کو پورا کر رہا ہے اور اس کی داد و دہش کا سلسلہ جاری ہے اور اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔

## دورِ جدید میں والدین کا حالِ بد

تو بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک بڑی اہمیت کا حامل ہے، لوگ دوسری نیکیوں کی طرف بڑھتے ہیں، بڑھنا چاہیے اور دوسرے نیکی کے کام بھی کرنے چاہئیں لیکن ماں باپ کے معاملے میں آج کل غفلت بہت زیادہ ہو گئی ہے، نوجوان طبقہ کا جو حال ہے، اس کی وجہ سے ماں باپ کی حالت ابتر ہوتی جا رہی ہے، بڑھاپے کی عمر کے اندر ان بے چاروں کی کوئی خیر خبر لینے والا نہیں، جیسے یورپ اور امریکہ کے ممالک میں بوڑھوں کے واسطے اولڈ ہاؤس (oldhouse) ہوا کرتے ہیں ''بوڑھا گھر'' اب تو لوگ یہاں پر بنانے کا سوچ رہے ہیں، سورت میں پارسیوں کا تو ہے ہی، آپ لوگ جانتے ہیں، بہت پرانی چیز ہے، بہر حال! اب یہ ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں ماں باپ کو وہاں پہنچا دیا جاتا ہے اور فیس (fees) بھر دی جاتی ہے۔

## اس دور میں والدین کی نمازِ جنازہ کے لیے بھی اولاد کے پاس وقت نہیں ہے

ایک صاحب نے واقعہ بیان کیا ایک آدمی کے باپ کا کہ اسی طرح کے اولڈ ہاؤس (oldhouse) کے اندر داخل کر دیا تھا، وہاں اس کا انتقال ہو گیا تو ذمہ داروں نے اس کو فون کیا کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا ہے، آپ آ جایئے! تو اس نے کہا کہ میرے پاس فرصت نہیں ہے، آپ اس کی تجہیز و تکفین کرا لیں، میں اس کا علیحدہ خرچ دے دوں گا، اندازہ لگایئے، یہ حال ہے۔ بہرحال یہ ضرورت ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی طرف خاص طور پر توجہ کی جائے۔ ان کی اطاعت و فرماں برداری کا اہتمام کیا جائے۔

## والدین کی راحت رسانی جنت کے دروازے کھولنے والی چابی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے ماں باپ کی اللہ کو خوش کرنے کے لیے اطاعت اور فرماں برداری کی، خدمت کی تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور اگر اس نے ان کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک زندہ ہے اور اس ایک کی وہ خدمت کر رہا ہے اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے اس ایک کی اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے تو اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور اگر وہ اس کی نافرمانی کرتا ہے تو جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ یہ سن کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: وَاِنْ

ظَلَمَاهُ: اے اللہ کے رسول! ماں باپ ہم پر ظلم وزیادتی کریں اور اس صورت میں ہم ان کی نافرمانی کریں، کیا تب بھی ہم پر جہنم کے دروازے کھل جائیں گے؟ تو اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِنْ ظَلَمَاهُ وَإِنْ ظَلَمَاهُ وَإِنْ ظَلَمَاهُ: چاہے ماں باپ ظلم کرتے ہوں، چاہے ماں باپ ظلم کرتے ہوں، چاہے ماں باپ ظلم کرتے ہوں، تب بھی اگر ان کی نافرمانی کرو گے اور ان کے ساتھ برا سلوک کرو گے تو جہنم کے دروازے کھول دئے جائیں گے(۱)۔

## ماں باپ سے بدلہ لینے کی شریعت نے اولاد کو اجازت نہیں دی

اولاد کو شریعت نے یہ حق دیا نہیں کہ وہ ماں باپ سے انتقام اور بدلے کی کاروائی کرے، بعض ماں باپ ظلم وزیادتی کرتے ہیں، ان کو بھی اللہ کے یہاں جانا ہے اور وہاں اس کا جواب دینا ہے لیکن اس کی وجہ سے شریعت اولاد کو ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

## والدین کو ناراض کرنے سے متعلق زمانۂ نبوی کا ایک عبرت ناک واقعہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک نوجوان صحابی تھے علقمہ رضی اللہ عنہ، ان کی موت کا وقت قریب آ گیا، لوگ انھیں کلمہ تلقین کر رہے ہیں لیکن زبان پر کلمہ چڑھ نہیں

(۱) شعب الإیمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فصل فی حق الوالدین بعد موتھما.

رہا ہے، ان کی بیوی نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کسی کے ذریعہ کہلوایا کہ یہ آپ کے صحابی ہیں اور ان کی موت کا وقت قریب ہے، کلمہ زبان پر چڑھتا نہیں ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کے والدین زندہ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا گیا کہ اس کی ماں زندہ ہے اور وہ ناراض ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ماں پر کہلوایا کہ مجھے تم سے بات کرنی ہے، تم یہاں میرے پاس آتی ہو یا میں تمھارے پاس آ جاؤں؟ تو اس نے کہلوایا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں آپ کو کیسے زحمت دے سکتی ہو؟ میں خود حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ وہ بڑھیا آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اس کے بیٹے کے متعلق پوچھا کہ کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ ویسے تو نماز روزہ کا بڑا ہی پابند ہے، صدقے دینے والا، پابندی سے نماز پڑھنے والا، روزے رکھنے والا، تہجد پڑھنے والا، لیکن اپنی بیوی کے معاملے میں وہ میری نافرمانی کرتا ہے؛ اس لیے میں اس سے ناراض ہوں۔

تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر راضی ہو جاؤ تو بہت بہتر ہے، معاف کردو تو اچھی بات ہے، بڑھیا نے کہا کہ نہیں، میں اس کو معاف نہیں کروں گی۔ اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! لکڑیاں جمع کرو، آگ جلاؤ اور اس میں علقمہ کو ڈالو۔ وہ بڑھیا ڈر گئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے بیٹے کو جلایا جائے گا؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ہماری سزا اللہ کی سزا کے مقابلے میں بہت آسان اور معمولی ہے، خدا کی قسم! جب تک تو اس سے راضی نہیں ہوتی، نہ اس کی کوئی نماز قبول ہے، نہ روزہ مقبول ہے، جب بڑھیا نے یہ سنا تو عرض کیا: اے اللہ

کے رسول! میں آپ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے بیٹے کو معاف کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ جاؤ، دیکھو! علقمہ نے کلمہ پڑھا یا نہیں؟ تو لوگوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہاں! کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جنازے میں شریک ہوئے، نمازِ جنازہ پڑھائی، دفن کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت! جس نے بھی اپنی ماں کو ناراض کیا ہو، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، تمام لوگوں کی لعنت ہو، نہ اس کا کوئی فرض قبول ہے، نہ اس کا کوئی نفل قبول ہے، اللہ کی رضا ماں کی رضا میں اور اللہ کی ناراضگی ماں کی ناراضگی میں ہے، جب تک کہ ماں کو راضی نہیں کرے گا، اس کی کوئی عبادت قبول نہیں۔

## والدین کی نافرمانی کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے

بہرحال! یہ ماں باپ کا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور جو لوگ ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی نوازتے ہیں اور آخرت میں بھی نوازتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے بھی گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کو چاہتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے کہ جو آدمی ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی کے اندر موت سے پہلے اس کو اس کا مزا چکھاتے ہیں (۱)۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بَرُّوا آبَاءَكُمْ تَبَرَّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ (۲) تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا اور اچھائی کا

(۱-۲) المستدرك على الصحيحين، كتاب البر و الصلة.

سلوک کرو، تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ بھلائی اور اچھائی کا سلوک کرے گی، یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے، جنھوں نے اپنے ماں باپ کو تکلیفیں پہنچائیں، نافرمانیاں کیں، اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں ان کی اولاد کے ذریعہ ان کو بتلا دیتا ہے۔

## باپ کو ستانے والے کی دنیوی سزا کا عبرت ناک واقعہ

دیوبند میں ایک صاحب نے ایک قصہ بیان کیا، حضرت مولانا ارشد صاحب کی زبان سے سنا کہ ایک دوکان دار نے مجھ سے کہا کہ فلانی دوکان پر جو بوڑھا بیٹھا ہے، یہ دوکان اس کے باپ دادا کے زمانے سے چلی آرہی ہے، ایک مرتبہ یہ شخص اپنی جوانی کے زمانے میں آیا اور اپنے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچ کر نالی کے اندر ڈال دیا۔ اس کے بعد اس کی شادی ہوئی اور اولاد میں اس کے یہاں صرف چار بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہیں تھا، اس کا یہ واقعہ میرے دل ودماغ میں گھومتا رہتا تھا، میں سوچنے لگا کہ میں نے علماء سے یہ بات سن رکھی ہے کہ جو آدمی اپنی ماں یا باپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو اس کی اولاد اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہے، اس نے اپنے باپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا اور اس کا کوئی لڑکا تو ہے نہیں۔ وہ آدمی کہتا ہے: ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کی چار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی برقع پہن کر آئی اور اس بوڑھے دوکان دار کو اسی طرح ہاتھ پکڑ کر نیچے گرایا، جیسے اس نے اپنے باپ کو گرایا تھا اور نالی میں ڈال دیا۔

## باپ کو ستانے والے کی دنیوی سزا کا ایک اور عبرت ناک واقعہ

قاضی ابوعلی تنوّخی ایک مؤرخ گذرے ہیں، ان کی کتاب ہے: نشوار المحاضرہ،

اس میں انھوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اس کو کھینچا اور کھینچتے کھینچتے بڑی دور ایک درخت کا جھنڈ تھا، جھاڑی تھی، وہاں تک لے گیا، جب وہاں تک لے گیا تو باپ نے کہا کہ بیٹا! بس، اب آگے مت لے جائیو! تو بیٹے نے کہا کہ ابا! کیا بات ہے کہ پہلے کچھ نہیں کہا اور اب روک رہے ہو! تو باپ نے کہا کہ میں نے بھی اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اسی طرح کھینچا تھا اور اس جگہ تک لایا تھا۔ تو بہر حال! یہ قدرت کا ایک نظام ہے، ع

یہ ہے گنبد کی صدا جیسی کہو، ویسی سنو

تاریخی واقعات سے اس کی شہادت ملتی ہے:

ابواسحٰق اسفرائینی ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں، کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان کی داڑھی موتیوں اور جواہرات سے مرصع ہے، یعنی گویا موتی اور جواہرات ان کی داڑھی میں پیروئے ہوئے ہیں، صبح میں اس نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت! آج رات میں نے آپ کے بارے میں ایسا خواب دیکھا ہے، انھوں نے کہا کہ تم نے صحیح کہا، صدقتَ، إِنی مسحتُ بها البارحة قدمَ أُمّی: میں نے گذشتہ رات اس سے اپنی ماں کے ایک پاؤں کو جھاڑا تھا۔

## ماں کا خدمت گزار جنت میں حضرت موسیٰ کا رفیق

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! جنت میں میرا رفیق کون ہے؟ یہ مجھے بتایا جائے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ

نے وحی بھیجی کہ فلانے شہر میں، فلانی بستی میں ایک نوجوان قصّاب ہے، وہ جنت میں تمھارا رفیق ہے۔ حضرت موسیٰؑ وہاں پہنچے اور تحقیق کی کہ یہ کون ہے؟ شام کے وقت مغرب سے پہلے وہاں پہنچے تھے، دیکھا کہ ایک نوجوان قصاب اپنی دوکان بند کرنے کی تیاری کررہا ہے، حضرت پہنچے اور سلام کیا، اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا زنبیل میں رکھا اور چلنے لگا، حضرت نے پوچھا کہ کیا ایک پردیسی کو تم آج مہمان بناؤ گے؟ تو جواب دیا کہ ضرور! تشریف لائیے۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اس کے ساتھ اس کے گھر گئے، دیکھا کہ جب یہ گھر پہنچ گئے تو جو گوشت ساتھ لے کر آئے تھے، اس کو زنبیل سے نکالا اور اس کو پکا کر اس کا سوپ بنایا، وہاں ایک زنبیل لٹکی ہوئی تھی، وہ اتاری، دیکھا کہ اندر ایک بوڑھیا تھی، وہ اس قدر بوڑھی ہوگئی تھی کہ بالکل چھوٹے چوزے کی طرح ہوگئی تھی، اس کو باہر نکالا، اس کو غسل دیا، کپڑے بدلوائے اور یہ سوپ پلایا، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بوڑھیا کے ہونٹ حرکت کررہے تھے، میں نے قریب منہ لے جا کر سنا تو وہ کہہ رہی تھی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو جنت میں حضرت موسیٰ کا رفیق بنائیو۔ حضرت موسیٰ نے یہ سنا تو فرمایا کہ خوش خبری سن لے میں موسیٰ ہوں اور تیرا بیٹا جنت میں میرا رفیق ہوگا۔

## ماں کو ستانے والے کی عبرت ناک کہانی شہر بن حوشبؒ کی زبانی

شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بستی کے پاس سے میرا گذر ہوا، بستی کے آخر میں قبرستان تھا، میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت وہاں ایک

چارپائی پر بیٹھ کر سوت کات رہی ہے اور یہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک آدمی نوجوان جیسا۔ اس کا آدھا جسم تو انسان کی طرح لیکن چہرہ گدھے کی طرح تھا۔ نکلا، تین مرتبہ گدھے جیسی آواز نکالی پھر دوبارہ قبر میں چلا گیا اور قبر بند ہوگئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم اس بوڑھیا کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں پہچانتا، کہا کہ یہ جو آپ نے ابھی قبر سے جس جوان کو نکلا ہوا دیکھا، یہ اس کی ماں ہے، وہ شراب پی کر آیا کرتا تھا تو ماں اس کو سمجھاتی تھی کہ بیٹا تو یہ کیا کرتا ہے، تو اللہ کی نافرمانی مت کر، شراب مت پی، اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرلے تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ ''کب تک گدھے کی طرح بولتی رہے گی، کب تک گدھے کی طرح بولتی رہے گی'' یہ کہتا رہتا تھا۔ ایک دن عصر کے بعد اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے یہاں دفن کردیا، جس دن سے دفن کیا ہے، روزانہ یہ منظر لوگ دیکھتے ہیں۔

## ایک شخص کے حقوق کی ادائگی دوسرے شخص کی حق تلفی کا باعث نہ ہو

تو بہرحال! ضرورت ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کیا جائے، ہر ایک کا اپنا اپنا حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اس کو بھی ادا کرنا چاہیے، ماں باپ کا بھی حق ہے، وہ بھی ادا ہونا چاہیے، ایک کی وجہ سے شریعت دوسرے کے حقوق کو تلف کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

## چاروں چیز کا خلاصہ

بہرحال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو''۱۵'' کام بتلائے کہ جب امت میں وہ

ہوں گے تو ان میں تباہی اتر آئے گی، ان میں سے پہلے تین چیزیں بیان ہوئی تھیں اور آج چوتھی چیز بیان ہوئی: وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ: کہ آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور اس کے نتیجے میں اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ: اور اپنے دوستوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے گا، دعوتیں ہو رہی ہیں، کھلایا پلایا جا رہا ہے، باپ بستر پر بیمار پڑا ہے، اس کی کوئی خبر نہیں لی جا رہی ہے تو وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ: دوست کے ساتھ بھلائی کا سلوک اور باپ کے ساتھ بے رخی کا معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

## مساجد اللہ کے گھر اور شعائرِ اسلام میں سے ہیں

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگے گی، مسجدیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر ہیں اور اسلام کے شعائر میں اس کا شمار ہوتا ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج: ۳۲]: کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں۔ شعار کسی بھی مذہب کی خصوصی نشانی اور علامت کو کہتے ہیں تو یہ مسجدیں اسلام کی خصوصی نشانیوں اور علامتوں میں شمار کی جاتی ہے اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے شعائر کی عظمت اور اس کا ادب کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔

## مسجد کے اللہ کا گھر ہونے کا مطلب

حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد کو اللہ کا گھر قرار دیا: إِنَّ بُيُوتَ

اللّٰہِ فِي الأَرْضِ الْمَسَاجِدُ (۱): کہ روئے زمین پر یہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خصوصی انوار و برکات کا ان مساجد کے اوپر نزول ہوتا ہے، اللہ کی تجلیاں اس کے اوپر پڑتی ہیں۔ گھر کا مطلب یہ نہیں کہ ہم جس طرح اپنے گھروں میں رہتے ہیں، -نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ بھی مساجد کے اندر رہتے ہوں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے سورج کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے تو سورج کا عکس اس کے اندر پڑتا ہے، حالاں کہ سورج زمین سے کئی کروڑ گُنا بڑا ہے، اس کے باوجود وہ ایک چھوٹے سے آئینے میں نظر آتا ہے اور اس کی وجہ سے آئینہ چمک جاتا ہے، اسی طریقے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی تجلیات اور اس کے خاص خاص انوارات اور برکات مسجدوں کے اوپر نازل ہوتے ہیں، اور جو لوگ ان مسجدوں کے اندر آکر نماز پڑھتے ہیں ان کے اوپر بھی انوارات اور برکات نازل ہوتے ہیں۔

## مسجدیں آخرت کے بازار ہیں

بہر حال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کو اللہ کا گھر قرار دیا اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مسجدیں تو آخرت کے بازار ہیں: المساجد سوق من اسواق الآخرة: کہ مسجدیں آخرت کے بازار ہیں، جیسے دنیا کے بازار ہیں، لوگ وہاں جا کر دنیا حاصل کرتے ہیں، اگر کسی کو آخرت حاصل کرنی ہو تو اس

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ.

کو مسجد کے اندر آ کر کے مسجد والے اعمال کرنے پڑیں گے تو وہ آخرت والا نفع کمائے گا، آخرت کی دولت حاصل کرے گا، جیسے لوگ بازار میں جا کر دنیا کی دولت حاصل کرتے ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں: من دخلها كان ضيفا لله: کہ جو شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے، وہ اللہ کا مہمان بن جاتا ہے، قراه المغفرة وتحفته الكرامة: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی میزبانی مغفرت کی شکل میں کی جاتی ہے، جیسے کوئی شخص جب کسی کے یہاں مہمان ہوتا ہے تو میزبان، صاحبِ خانہ اس کی میزبانی کرتا ہے، کھانا کھلاتا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ اس کی میزبانی اس کے گناہوں کو معاف کر کے کرتے ہیں: وتحفته الكرامة: اور جیسے جب کسی کے یہاں جب کوئی مہمان آتا ہے تو عام کھانے کے ساتھ کوئی خاص چیز بھی مہمان کے اکرام میں پکائی جاتی ہے، خصوصی آئٹم تو اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کا اعزاز کیا جاتا ہے، یہ گویا اس کے لیے ایک تحفہ ہے، گویا یہاں آ کر آدمی اللہ کا مہمان بنتا ہے اور بھلا کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بن کر آئے تو کیا وہ میزبان کے لیے کسی قسم کی ایذا رسانی کا باعث بن سکتا ہے!

## تحیۃ المسجد کی طرف سے ہماری غفلت

یہ جو مسجد ہے، اس کے ادب کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف طریقوں سے مسجد کے آداب کی طرف متوجہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ: کہ جب تم میں سے

کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہاں بیٹھنے سے پہلے- بشرطیکہ وہ مکروہ وقت نہ ہو- دو رکعت نماز پڑھ لے(۱)، اس کو تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے، یہ نماز تو گویا ہمارے اندر سے بالکل ختم ہوتی جارہی ہے، کتابوں میں تو تحیۃ المسجد کے نام سے ایک مستقل نماز بتائی جاتی ہے، عربوں نے اس میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا، انھوں نے اسے فرض اور واجب جیسا درجہ دے دیا، جو لوگ وہاں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ اس کا بہت زیادہ، بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور یہاں ہمارے یہاں اس کی طرف سے اتنی بے پروائی کہ مسجد میں آنے والے سو آدمیوں میں سے شاید مشکل سے ایک دو آدمی ہوں جو اس کا اہتمام کرتے ہوں، یہ بڑی غفلت کی بات ہے۔

## تحیۃ المسجد اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک طرح کی سلامی ہے

تحیۃ المسجد کے بارے میں علماء فرماتے ہیں: تحیۃُ ربِّ المسجد: مسجد کا جو رب ہے، مالک یعنی اللہ تعالی، اس کے حضور میں یہ ایک طرح کی سلامی ہے، آپ کسی کے گھر میں جاویں اور گھر والا وہاں بیٹھا ہوا ہے، اس کے باوجود گھر میں جا کر بالکل چپ چاپ بیٹھ جاویں، نہ سلام، نہ آداب کی بجا آوری تو کیا کہا جاوے گا؟ کہ بڑا بے ادب آدمی ہے، کسی سے کچھ سیکھا یا نہیں کہ کسی کے گھر میں جائے تو کس طرح پیش آنا چاہیے۔ تو مسجد میں جب آدمی جاوے اور وقت مکروہ نہیں ہے تو تحیۃ المسجد کی دو رکعت کی ادائگی ہونی چاہیے، ہاں اگر نماز کا وقت ہے اور اس نے سنت کی نیت باندھ لی تو اس

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ، باب إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ.

کا حق ادا ہوجائے گا، فرض جماعت کھڑی ہوچکی ہے اور اس میں شریک ہوگیا تو اس سے بھی حق ادا ہوجائے گا لیکن اگر نہ سنت پڑھ رہا ہے، نہ اس کا وقت ہے اور نہ فرض کی جماعت کھڑی ہورہی ہے تو اس صورت میں کم سے کم دو رکعت پڑھنی چاہیے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس میں امر کا صیغہ ہے، بعض ائمہ نے اس کو واجب کے لیے قرار دے کر ان دو رکعتوں کو واجب بھی کہا ہے۔

## مسجد کے کچھ اور آداب

تو بہر حال! مسجد کا ایک ادب تو یہ ہے، اور بھی آداب مسجد کے بتلائے گئے ہیں کہ بھائی! جب کوئی آدمی مسجد میں آوے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا چاہیے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا کہ جب تم لوگ جنت کے باغیچوں اور جنت کی کیاریوں پر سے گذرو تو چرلیا کرو[(۱)]، یوں ہی نہ گذر جاؤ۔ جیسے جانور کی عادت ہوتی ہے کہ جب گھاس چارے والی جگہ سے گذرتا ہے تو دو ایک مرتبہ منہ مار ہی لیتا ہے، یوں ہی نہیں جاتا، اسی طرح جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گذرو تو یوں ہی نہ گذر جاؤ بلکہ کچھ چرلیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ: اے اللہ کے رسول! یہ جنت کے باغیچے اور کیاریاں کیا ہیں؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ پھر صحابہ نے پوچھا: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: اے اللہ کے رسول! چرنا کیا ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سُبْحَانَ اللَّهِ

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ.

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ، یعنی مختلف اذکار کے ذریعہ مسجد میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرنا، یہ گویا اس میں چرنا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہے، یہ بھی مسجد کے آداب میں سے ہے۔ آدمی جب مسجد میں جاوے تو وہاں نماز میں مشغول ہو، قرآنِ پاک کی تلاوت میں مشغول ہو، اللہ کے ذکر میں مشغول ہو، یہ مسجد کے آداب میں سے ہے، مسجد کے حقوق کی ادائگی میں سے ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## مسجدوں میں دنیوی باتیں کرنے پر وعید

اور آدمی اپنے آپ کو دنیوی باتوں میں مشغول نہ کرے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: یَأْتِي عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَکُونُ حَدِیثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْیَاهُمْ، فَلَا تُجَالِسُوهُمْ، فَلَیْسَ لِلّٰہِ فِیهِمْ حَاجَةٌ(۱): کہ ایک وقت آئے گا کہ مسجد کے اندر لوگ بیٹھ کر کے دنیا کی باتیں کریں گے، ایسے لوگوں کے ساتھ تم مت بیٹھو، اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ گویا یہ مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ مسجد کے اندر باتیں کرنا یہ نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے اور انھوں نے لکھا ہے کہ جائز اور مباح باتیں بھی بلا ضرورت مسجد میں کرے گا تو یہ مکروہ ہے اور گناہ کا کام ہے، اپنے آپ کو اس طرح مسجد میں باتوں میں مشغول کرنے سے بچانا چاہیے۔

---

(۱) شعب الإیمان، عَنِ الْحَسَنِ رحمۃ اللہ علیہ، فَصْلُ الْمَشْيِ إِلَی الْمَسَاجِدِ.

## مسجد میں زور سے گٹھری رکھنے پر

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک دیہاتی کو تادیب

آج کل تو اس کا کوئی اہتمام ہی نہیں، لوگ مسجد کے اندر بیٹھے ہیں اور باقاعدہ وہاں ایسی مجلسیں قائم کرتے ہیں، جیسے چوراہوں اور چوپالوں کے اندر ہوتی ہیں اور اسی طرح ہنسنا، بولنا۔ کوئی فکر ہی نہیں کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں۔ ایسی چیز کہ جس سے مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نماز کے اندر مشغول تھے، ایک آدمی آیا، اس کے پاس ایک گٹھری تھی، اس نے وہ گٹھری ایک دھڑام کی آواز سے نیچے رکھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوئی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کوڑے سے اس کی خبر لی کہ لوگ نماز کے اندر مشغول ہیں اور تو اس طرح ان کی نماز کے اندر خلل ڈال رہا ہے، کوئی چیز اٹھانی ہو یا رکھنی ہو، کوئی بھی کام ایسا ہو جس سے نماز پڑھنے والے کی توجہ نماز سے ہٹ جائے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی بلکہ شریعت تو نمازی کے سامنے سے خاموشی کے ساتھ گذرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی، بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کا کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ ''۴۰'' سال تک کھڑا رہنا گوارا کرے گا لیکن اس کے سامنے سے گذرنا گوارا نہیں کرے گا(۱)۔

(۱) لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، أَوْ شَهْرًا، أَوْ سَنَةً. (البخاری، أَبِي جُهَيْمٍ رضی اللہ عنہ، باب إثم المار بين يدي المصلي)

اس سے آپ اندازہ لگاؤ کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا کتنا خطرناک ہے، کتنا بڑا گناہ ہے؛ اس لیے کہ اس گذرنے والے کے گذرنے کے نتیجے میں نمازی کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، نماز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے؛ اس لیے شریعت نے اس سے منع کیا اور اسی لیے ہر وہ کام جو نمازی کی توجہ کو ہٹانے والا ہو، اس کی شریعت اجازت دیتی نہیں ہے۔

## دورانِ صلوۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذرنے پر آپ کا اس کو بددعا دینا

مراسیلِ ابی داود کے اندر روایت ہے کہ ایک اپاہج آدمی دیکھا گیا- اپاہج یعنی ایسا آدمی جو صحیح چل نہیں سکتا، زمین پر گھسٹ کر چلتا ہے- اس سے پوچھا گیا کہ ایسا حال کیوں ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، میں اپنے گدھے پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذر گیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلَاتَنَا قَطَعَ اللّٰهُ أَثَرَهُ (۱): نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر کسی کو بددعا نہیں دیتے تھے لیکن نماز کے وقت سامنے سے گذرنے پر بددعا دی کہ اس نے ہماری نماز کو غارت کیا، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو ختم کرے یعنی اب اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکیں۔ بس اس دن سے وہ اپاہج ہو گیا۔

## کتوں کی پوری نسل ہی ختم ہو جاتی

اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو عصر کی

(۱) مسندِ احمد، عَنْ يَزِيدَ بْنِ نِمْرَانَ، حَدِيثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ.

کی نماز پڑھا رہے تھے، ایک کتا آیا، وہ سامنے سے گذرنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی نے نماز ہی کے اندر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس کو روک دے۔ تو یہ کتا وہیں مر گیا۔ نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: بھائی! کون تھا؟ کس نے اس کے لیے بددعا کی تو ایک صحابی نے بتلایا کہ میں نے یہ بددعا کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کتوں کی پوری قوم کے لیے بددعا کرتا تو وہ بھی ختم ہو جاتی، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا(۱)۔

## نماز سے پہلے نماز میں رکاوٹ ڈالنے والی تمام چیزوں کو پسِ پشت ڈال دینا چاہیے

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نماز کی کتنی اہمیت ہے، نماز کو توجہ سے ادا کرنا ہے، یہ شریعت کی نگاہوں میں اصل ہے۔ آدمی جب مسجد میں آتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کا تعلق اور ربط قائم کرتا ہے؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے وہ ساری چیزیں جو آدمی کی توجہ کو ہٹانے والی ہیں، اس کے دل کے تعلق کو اللہ کے ساتھ جوڑنے میں رکاوٹ بن سکتی ہیں، ان سب کو بند کر دے، چنانچہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات ایسے ہی ہیں۔

## نماز میں باغ کا خیال آنے پر حضرت ابوطلحہؓ کا باغ صدقہ کر دینا

ایک صحابی ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز ادا فرما رہے

(۱) مصنف عبد الرزاق، عن رجل من أهل الطائف، باب المار بين يدي المصلي.

تھے، اب ظاہر ہے کہ جب باغ میں ادا فرما رہے ہیں تو یہ کوئی فرض نماز نہیں تھی، وہ تو مسجد میں ادا کی جاتی ہے، نفل نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک چڑیا باغ میں اڑ رہی تھی اور باہر نکلنا چاہتی تھی، باغ گنجان تھا؛ اس وجہ سے اسے باہر نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا، نیچے آئی پھر گئی۔ دو تین مرتبہ ایسا کیا، ان کی توجہ اس چڑیا کی طرف چلی گئی، اس کو دیکھنے لگے اور اس کی وجہ سے ”کتنی رکعتیں ہوئیں“ یہ بھول گئے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یہ باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے کہ یہ باغ اللہ کے ساتھ میرے تعلق کے راستے میں رکاوٹ بنا یعنی ایک نماز کے دوران ذرا سی دیر کے لیے توجہ ہٹی تو اس کو ان کی غیرتِ ایمانی نے برداشت نہیں کیا کہ جس چیز کی وجہ سے نماز سے ان کی توجہ ہٹی تھی، اس کو اپنی ملک میں باقی رکھیں، اس کو فوراً صدقہ کر دیا۔

## دورِ عثمانی کا ایک اور واقعہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک اور صحابی کے ساتھ اسی طرح ہوا کہ باغ میں نماز پڑھنے کے دوران ذرا سی توجہ نماز سے ہٹی تو پورے باغ کا صدقہ کر دیا، ”۵۰“ ہزار درہم کا وہ باغ تھا، آج کے اعتبار سے اس کی مالیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ تو بہر حال! یہ غیرتِ ایمانی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو توڑنے والی چیز کو یہ حضرات ذرا دیر کے لیے بھی برداشت کرنے کے روادار نہیں تھے۔ تو مسجدوں کے اندر آوازوں کو بلند کرنا، باتیں کرنا اور اسی طرح کوئی ایسی چیز اختیار کرنا جو مسجد کے ادب واحترام اور عظمت کے خلاف ہو، لوگوں کی نمازوں میں خلل ڈالنے والی ہو، عذاب کو

دعوت دینے والی چیز ہے۔

## موبائل: اس زمانے کا سب سے بڑا فتنہ

آج کل کا سب سے بڑا فتنہ موبائل ہے۔ لوگ مسجد میں آتے ہیں، چاہیے تو یہ تھا اس کو مسجد میں لے کر ہی نہ آتے، گھر چھوڑ کر آتے، تھوڑی دیر کے لیے اگر اس سے تعلق کو منقطع کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ہاں! یہ ایک دوسری بات ہے کہ ایک آدمی سفر میں نکلا ہے اور موبائل ساتھ میں ہے تو اب اس کو گھر رکھنے کے لیے جانا شاید ممکن نہ ہو تو اس کو لے کر کے آوے تو اس کو بند کر کے آنا چاہیے۔ لوک (lock) کھلا چھوڑ کر موبائل مسجد میں لے کر آتے ہیں، نماز کے دوران جو آوازیں اس کے اندر سے نکلتی ہیں ''رنگ ٹون'' رنگ ٹون بھی اللہ کے بندے ایسے رکھتے ہیں! آج کل تو اچھے اچھے دین دار لوگ، اہلِ علم حضرات، اچھے، نیک، صالح۔ ان کا رِنگ ٹون بالکل حرام یعنی میوزک کی آواز کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنتی آواز قرار دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو آوازیں اللہ تعالیٰ کے یہاں لعنت والی آوازیں ہیں: ایک تو یہ گانے بجانے کی جو خوشی کے موقع پر ہوتا ہے اور دوسری وہ آواز جو غمی کے موقع پر، کسی کی موت پر مخصوص انداز میں روتے تھے، جس کو نوحہ کہتے ہیں، ان دونوں آوازوں کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنتی آواز قرار دیا ہے(۱)۔

(۱) صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة: مزمار عند نعمة ورنة عند معصيبة.

(مسند البزار، عن أنس بن مالك رضي الله عنه)

## موبائل کی رنگ ٹون کے بارے میں احتیاط بہت ضروری ہے

یہ رنگ ٹون کی آواز تو میوزک کی آواز ہے، اس میوزک کی آواز کے بارے میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے گانے بجانے کے آلات کو مٹانے کے لیے بھیجا ہے تو اللہ کے رسول جس چیز کو مٹانے کے لیے آئے تھے، اس کے بارے میں آج یہ ہو رہا ہے کہ اچھے خاصے دین دار قسم کے لوگ بھی ایسے ہیں کہ ان کو یہ سنے بغیر چین پڑتا نہیں ہے، اب رنگ ٹون بھی جو ہے، وہ مستقل ان کمپنیوں کا ایک کاروبار بن گیا، ان کے فون آتے رہتے ہیں کہ فلانے گانے کے طرز پر یہ رنگ ٹون ہے، یہ فلانے گانے کی ہے اور لوگ پیسے دے دے کر اس رنگ ٹون کو اپنے موبائل میں داخل کر رہے ہیں، یہ کتنی خطرناک بات ہے۔

## بانسری کی آواز کے بارے میں حضرت ابنِ عمرؓ کی احتیاط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک گڈریا جو بکریاں چرا رہا تھا، وہ بانسری بجا رہا تھا، جب اس کی آواز حضرت کے کانوں میں پہنچی تو آپ کے ساتھ جو حضرت نافعؒ تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھتے ہیں کہ وہ آواز آ رہی ہے؟ جب تک جواب ملا کہ ''آ رہی ہے'' اس وقت وقت تک انگلیاں کانوں میں ڈالے رکھیں اور جب بتایا کہ اب آواز نہیں آ رہی ہے، تب انگلیاں کانوں سے نکالیں پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اسی طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور اسی طرح

بانسری کی آواز آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اسی طرح پوچھتے رہے اور جب میں نے بتایا کہ اب آواز نہیں آرہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں (۱)۔

## کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جس آواز کو ایک لمحہ کے لیے سننا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا نہیں کیا، ہم آج اس کو مسلسل سنتے جارہے ہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ ہم سمجھتے بھی نہیں کہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں، ؎

| |
|---|
| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا |
| کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

## گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ہم لوگ اپنے اکابر کے فتاوی کی کتابوں کو دیکھتے ہیں، ہم سے چالیس، پچاس، اسّی سال پہلے والے علماء کی کتابیں دیکھتے ہیں تو ان کی فتاوی کی کتابوں میں ایک مستقل اس کا باب ہوتا ہے، اس زمانے کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو، جس میں یہ سوال نہ ہو کہ غیروں کا ایک جلوس مسجد کے پاس سے باجوں کے ساتھ گذرتا ہے۔ اس زمانے میں حال یہ تھا کہ مسجد کے پاس سے ان کا جلوس گذرتا تھا اور مسجد کے پاس اگر وہ باجا بجاتے تو مسلمانوں کے اندر ایک اشتعال پیدا ہوتا تھا، جان دینے لینے کے لیے

(۱) مسند احمد، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما.

تیار ہو جاتے تھے کہ تم ہماری مسجد کی توہین کررہے ہو۔اس طرح کے باقاعدہ سوالات آتے تھے۔ایک وقت وہ تھا کہ غیروں کی طرف سے یہ بات ہوتی تھی تو اس کو مسلمانوں کی غیرت گوارا نہیں کرتے تھے اور آج ہمارے یہ مسلمان بھائی موبائل لے کر مسجد کے اندر آتے ہیں، نماز چل رہی ہے اور موبائل کھلا ہوا رہ گیا تو اس کی وجہ سے جو رنگ ٹون چلتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے اکیلے کی نہیں بلکہ پوری مسجد کی نماز کا جو حال ہوتا ہے، اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں، آج اس کو برا نہیں سمجھا جاتا، گناہ کا احساس ختم ہو گیا ہے، یہ بہت خطرناک چیز ہے، اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

## کسی بھی نئی چیز کے استعمال سے پہلے اس کا شرعی حکم معلوم کر لینا ایمانی تقاضا ہے

شریعت کسی بھی چیز کے معاملے میں، آپ جو بھی چیز استعمال کریں، شریعت آپ سے کہتی ہے کہ پہلے آپ اس چیز کا حکم معلوم کریں: گھڑی پہننا چاہتے ہیں تو پہلے معلوم کر لیجیے، کوئی نیا کپڑا بازار میں آیا اور آپ اس کو پہننا چاہتے ہیں تو پہلے معلوم کر لیجیے کہ شریعت مجھے اس کے پہننے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں اور دیتی ہے تو کن شرطوں کے ساتھ۔کن قیودات کے ساتھ تو ان شرطوں اور قیودات کے ساتھ اس چیز کو استعمال کریں، ہر میدان میں، ہر شعبے میں ہر جگہ پر اس کا اہتمام ضروری ہے۔آپ دوکان میں کسی چیز کا کاروبار کررہے ہیں تو پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ شریعت مجھے اس

چیز کی تجارت کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ پھر اس کے مطابق عمل کرے۔

## اشیاءِ جدیدہ کا حکم معلوم کیے بغیر استعمال کرنے کا افسوس ناک انجام

تو موبائل بھی جب استعمال کرنا ہے تو استعمال کرنے والے کے لیے ضروری تھا کہ موبائل کے متعلق ساری تفصیلات علماء سے معلوم کریں اور پوچھے کہ میں کن شرطوں کے ساتھ موبائل کا استعمال کرسکتا ہوں اور جو شرطیں بتائی گئیں، ان شرطوں کا لحاظ کر کے اس کا استعمال کرنا چاہیے۔ آج جو بھی چیز مارکیٹ میں آئی، خریدی اور استعمال کرنا شروع کردیا۔ اس کی کوئی پرواہی نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سلسلے میں کیا ہدایتیں ہیں، شریعت اس چیز کے استعمال کی ہمیں اجازت دیتی بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر دیتی ہے تو کن شرطوں کے ساتھ، کن قیود کے ساتھ؟ ان باتوں کا ہم نے اہتمام نہیں کیا تو اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ مسجدوں کے اندر میوزک بجنے لگا، پرانے زمانے میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

## تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

مجھے یاد ہے کہ بچپن کے اندر ہمارے بڑے بھائی تھے مرحوم، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، وہ خبریں سننے کے لیے ٹرانجسٹر (transistor) لائے، ہمارے والد صاحب نے ان کے ساتھ بولنا چھوڑ دیا، بھائی نے کہا کہ میں اس سے گانے وغیرہ نہیں سنتا، صرف خبریں سنتا ہوں تو والد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، تم خبریں سننے کے لیے لائے ہو لیکن خبروں کے دوران میں بھی کبھی بیچ میں میوزک آجاتا ہے، اس کا کیا؟

وہ تو تم سنتے ہی ہو! اس بنیاد پر والد صاحب نے ان کے ساتھ بولنا چھوڑ دیا تھا، جب بھائی نے اس کو اپنی ملکیت سے نکالا، تب ان سے خوش ہوئے، یہ پرانے لوگوں کا دینی امور کے سلسلے میں ایسا سخت رویہ تھا اور اپنے لوگوں کو دین پر جمانے کا ایسا جذبہ تھا اور آج ہم اچھے اچھے لوگ ہیں لیکن شیرِ مادر کی طرح اس کو پیتے ہیں اور ہضم کر دیتے ہیں، کوئی پروا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کتنا ناراض ہوتے ہیں، یہ جو کچھ مسجدوں میں ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

## تم مسلماں ہو، یہ اندازِ مسلمانی ہے!

تو بہر حال! وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: یعنی مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، میوزک کی نہیں، بات چیت کی اور آج تو بات چیت کی نہیں بلکہ میوزک کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، آج سے ''۱۰۰'' سال پرانے، زیادہ پرانے نہیں، صرف ''۱۰۰'' سال پہلے کے لوگوں کو آج ہماری مسجدوں میں لایا جائے اور یہ ماحول دکھایا جائے تو میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سن کر کے ان کی روح ہی قبض ہو جائے گی اور ہم سب یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کانوں سے سن رہے ہیں پھر بھی ہماری غیرتِ ایمانی کے اوپر اس کا کوئی اثر ہوتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

## صاحبِ کمالات عزت واحترام کا حق دار ہے

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ کہ: آدمی کا

اکرام اور عزت کی جائے، اس کے شر اور برائی کے ڈر سے یعنی لوگ کسی آدمی کے ساتھ عام طور پر دستور تو یہ ہے اور اصول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کسی کے ساتھ جو عزت واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ اس کے کمالات اور خوبیوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اگر کسی آدمی میں کوئی خوبی ہے، کوئی کمال ہے، کوئی اچھا وصف ہے، کوئی اچھی بات پائی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ عزت اور احترام کا معاملہ کرتے ہیں، کسی کو اللہ نے علم دے رکھا ہے، صلاح وتقوی دے رکھا ہے، بزرگی سے وہ مالا مال ہے اور کوئی اچھا وصف اس کے اندر موجود ہے تو اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے لوگ اس کی عزت واحترام کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیے، وہ اپنے کمالات کی وجہ سے اور اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جائے۔

## وہ آدمی بدترین ہے جس کا احترام اس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جائے

لیکن ایک آدمی ہے، جس میں کوئی خوبی نہیں ہے لیکن لوگ اس کے بارے میں یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم اس کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ نہیں کریں گے تو وہ ہم کو نقصان پہنچائے گا، اس کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ کسی پریشانی میں ڈال دے، کسی وبال میں مبتلا کردے تو اس کی طرف سے جو یہ خطرات لاحق ہیں، اس کا مزاج ایسا ہے، لوگ جانتے ہیں کہ بڑا خطرناک قسم کا آدمی ہے اور اگر اس کو ہم سلام نہیں کریں گے، اس کی عزت ہم نہیں کریں گے، اس کا ادب واحترام نہیں کریں گے تو پتہ نہیں وہ

ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرڈالے، ہمارا جینا دوبھر ہو جائے، ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں تو اس کے ان جرائم کی وجہ سے اس کی طرف سے جو اندیشہ ہے، اب اچھے اچھے لوگ جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کو سلام کرتے ہیں، یہ جو سلام کیا جارہا ہے، وہ صرف اس لیے کہ اس کی برائی اور ایذا رسانی سے بچنا مقصود ہے، سلام کرنے والا بھی جانتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا بہترین، عزت و احترام والا سلام کیا جائے، ویسے سلام تو ہر ایک کو کرنا ہے لیکن عزت و احترام والا سلام جو ہے، وہ اس کا مستحق نہیں۔ اور عزت و احترام کا معاملہ وہ اس لیے کر رہا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کروں گا تو پتہ نہیں میرے ساتھ کیسا برا سلوک کرے گا اور کسی مصیبت میں ڈال دے گا۔

## آج انسان ہوا جاتا ہے ابلیس صفت

آج کل آپ ہمارے معاشرے اور ہمارے سماج میں، ہماری سوسائٹی میں ایسے بہت سے لوگ دیکھیں گے کہ جن کے ساتھ اسی وجہ سے عزت کا، ادب و احترام کا معاملہ کیا جاتا ہے کہ لوگ ان سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، یہ ہماری سوسائٹی کے لیے، ہمارے سماج کے لیے کوئی اچھی بات نہیں ہے، جس سماج میں ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جن کے ڈر کی وجہ سے اور جن کے شر سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ عزت اور ادب واحترام کا سلوک کیا جائے، وہ اس سماج کے لیے بہت بڑی کمزوری کی علامت ہے کہ یہ سماج اپنے اندر ایسے لوگوں کے بڑھنے کا، پنپنے کا موقع دے رہا ہے کہ جس سے اچھے

اور شریف، بڑے بڑے لوگ بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی اس برائی کی وجہ سے اور اس کے ساتھ اس کی طرف سے پہنچنے والے شر سے خود کو بچانے کے لیے اس کے ساتھ عزت کا معاملہ کرتے ہیں، آج یہ زمانہ آچکا ہے، میں اور آپ، ہر آدمی جانتے ہیں تو یہ تو خود اس آدمی کے لیے سوچنے کی ضرورت ہے کہ لوگ میرے ساتھ اس طرح ادب وعزت کا سلوک کیوں کر رہے ہیں؟

## جن گلوں میں بو نہیں وہ خوشنما کہنے کو ہیں

اگر لوگ آپ کے ساتھ عزت واحترام کا سلوک کرتے ہیں تو ذرا آپ اپنا جائزہ لے لیں، خالی عزت واحترام کا معاملہ پیش آنے پر خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ لوگ مجھے سلام کر رہے ہیں، عزت وادب کے ساتھ پیش آرہے ہیں، ذرا دیکھ بھی لیں کہ میرے ساتھ یہ عزت کا معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میری طرف سے اس کو کوئی نقصان اور برائی پہنچنے کا اندیشہ ہے؟ اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایسا کر رہا ہے تو یہ آپ کے لیے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بہر حال نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک علامت یہ بھی بتائی ہے۔

## کمینوں کی سرداری بھی مصائب کے نزول کا سبب ہے

آگے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: كَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ: اور قوم کا سردار اور لیڈر (leader) اور اس کا بڑا ایک رذیل اور قوم کا ایک دم بدتر آدمی ہو، ایسے بدتر آدمی کو سردار بنا دیا جائے، یہ بھی ایک علامت مصیبتوں کے اترنے کی نبیِ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔اب دیکھ لیجیے اس زمانے کے اندر جو مناصب اور عہدے ہیں اور اس طرح کے جو کام ہیں، وہ ایسوں کے حوالے کیے جاتے ہیں، اب اس طرح کے کاموں میں ایسے لوگوں کا انتخاب دھیرے دھیرے عمل میں لایا جارہا ہے، شریف لوگ کنارہ کش ہوتے جارہے ہیں، آپ دیکھتے ہیں نا کہ جب کسی جگہ جنرل مٹنگ (General Meeting) ہوتی ہے، لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں پر کسی کو اپنا بڑا منتخب کرنے کا وقت آتا ہے نا تو ایسے موقع پر شریف لوگ منہ چھپاتے پھرتے ہیں، اس ڈر سے کہ اگر ہم یہاں آگے بڑھے تو پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے گا۔

## حدیث میں وارد جن بری پیشین گوئیوں سے بچنا ممکن ہو ان سے ضرور بچا جائے

ایسی صورت میں جو لوگ ایسے ہیں کہ لوگوں کو بوجھ لگتے ہیں، وہ آگے آجاتے ہیں اور اس طرح کی ذمہ داریوں کے کام ان کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں، بہت سی جگہ ایسا ہوتا ہے۔میں کوئی عام حکم نہیں لگا رہا ہوں، بعض جگہ ایسا ہوتا ہے، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب امت کے اندر یہ چیز بڑھتی جارہی ہے، ظاہر ہے کہ صادق مصدوق، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کی پیشین گوئی فرمائی ہے، وہ ہو کر رہے گی، ہمیں اپنے آپ کو بچانا ہے، احادیث کے اندر یہ جتنی علامتیں اس قسم کی بیان کی جاتی ہیں، ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ایک تو وہ علامتیں ہیں جن سے بچنا ہمارے اختیار میں ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے اور جو ہمارے اختیار میں نہیں ہیں، ان سے کوئی

بحث نہیں ہے تو بہر حال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ذمہ داری کے اہم اور بڑے کام قوم کے کمینے اور رذیل قسم کے لوگوں کے حوالے کیے جائیں گے، یہ بھی گویا ایک چیز ہے، جس کے نتیجے میں امت آزمائشوں میں مبتلا ہوگی۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاجبِ کعبہ سے اس کی چابی کا مطالبہ

یہ عہدے اور مناصب جتنے بھی ہوتے ہیں، قرآن اور حدیث کے اندران کو امانات قرار دیا گیا ہے، فتحِ مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے بارے میں ایک آیت نازل فرمائی ہے، جس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لیے صحابۂ کرام کے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، مسجدِ حرام میں پہنچے- چوں کہ بیت اللہ کے دروازے پر تالا لگا رہتا ہے اور پھر بوقتِ ضرورت کھولا جاتا ہے- اس زمانے میں حجابہ یعنی اس کی دربانی اور اس کی چابی بنوشیبہ کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی، عثمان بن طلحہؓ کے پاس اس کی چابی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ براہِ راست نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مطالبہ کیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ بیت اللہ کو، خانۂ کعبہ تالا لگا کر چلے گئے اور کہیں چھپ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے پاس جا کر چابی لے کر آئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو تلاش کیا اور ڈھونڈ لیا، چابی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زبردستی، قوت اور زور سے ان سے چابی لے لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی اور کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا گیا۔

## قبلِ ہجرت حاجبِ کعبہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی

پہلے ہی سے چابی اس خاندان میں چلی آرہی تھی، اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ پیر اور جمعرات کو کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا جاتا تھا اور لوگ تبرک کے لیے اس میں جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا تھا اور کچھ دیر کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لائے تو ان حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی زیادتی والا معاملہ کیا اور آپ کو اندر داخل ہونے نہیں دیا، اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان! وہ وقت بھی کیا ہوگا، جب کعبۃ اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا، تو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ دن قریش کے لیے ذلت اور رسوائی کا دن ہوگا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ دن قریش کے لیے عزت کا اور فخر و سربلندی کا دن ہوگا۔

## فتحِ مکہ کے موقع پر مذکورہ پیشین گوئی کی تکمیل

چناں چہ فتحِ مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ چابی لے کر آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کی، دروازہ کھولا گیا، آپ اندر تشریف لے گئے، اس کے بعد جب آپ نے اندر اللہ کی عبادت کی، توجہ الی اللہ، دعا اور تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہوکر باہر آئے، کعبۃ اللہ کے دروازے پر آئے، اس وقت آپ کے ہاتھ میں وہ چابی تھی، اس وقت دوسرے حضرات بھی باہر کھڑے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں، خاندانِ بنو ہاشم کے اندر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سقایہ

یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت سپرد تھی، کعبۃ اللہ کے حوالے سے مختلف کام تھے، وہ کام جن جن خاندانوں کے حوالے کیے گئے تھے، وہ ان خاندانوں کے لیے عزت اور فخر کی چیز سمجھی جاتی تھی۔

## دینِ اسلام میں امانت کی اہمیت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ چابی مجھے دے دیجیے؛ تاکہ سِقایہ کے ساتھ ساتھ حجابہ بھی ہمارے ہاتھ میں آ جائے، یہ فخر بھی ہمیں میسر ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مطالبہ کیا کہ اللہ کے رسول! یہ چابی ہمیں دے دیجیے تو اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کے اوپر یہ آیت تھی: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا کہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ جو لوگ امانت کے اہل ہیں، امانت کے حق دار اور مالک ہیں، جن کی امانتیں ہیں، ان کے حوالے کرو۔ ہوا یہ تھا کہ جس وقت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ چابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ امانت ہے، اگرچہ ظاہری طور پر یہ الفاظ کہے گئے تھے، حقیقت تو یہ ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چابی کو وصول کروانے کے حق دار تھے لیکن انھوں نے ظاہرًا ہی سہی، اپنی زبان سے اس کو امانت کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت کی اور اس وقت قرآنِ پاک میں آیت نازل فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ امانت جس کی ہے، اس کے حوالے کر دی جائے، حالاں کہ یہاں قریبی رشتہ داروں کے مطالبے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے چچا ہیں، وہ مانگ رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ مانگ رہے ہیں لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان

میں سے کسی کو نہیں دی اور یہ آیت تلاوت فرمائی، مزید فرمایا: یا بنی شیبة! خذوھا خالدة تالدة لا یأخذھا منکم الاّ ظالم: یہ چابی تم ہمیشہ ہمیش کے لیے لے لو، اب کوئی ظالم ہی تمھارے خاندان سے چابی لے سکتا ہے، اب یہ ہمیشہ کے لیے تمھارے پاس رہے گی۔ اتنا ہی نہیں کہ چابی دی بلکہ قیامت تک کے لیے گویا یہ خوش خبری سنا دی گئی کہ یہ چابی تمھارے ہی خاندان میں رہے گی (۱)۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وعدے کی صداقت آج تک قائم ہے

آج بھی یہ چابی اسی خاندان میں ہے، بنوشیبہ میں ہے، ان کو شیبی کہتے ہیں، بنوشیبہ کہلاتے ہیں، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جس روز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چابی ان کو دی، اس کے بعد سے آج تک بہت سے حکمران مکہ مکرمہ پر حکمرانی کرتے گئے، میں نے تاریخ کی کتابوں کو سامنے رکھ کر شمار کیا تو ''۲۵۶'' حکمران بادشاہ آئے، حکمران بادشاہ بدلتے گئے لیکن یہ چابی آج تک اسی خاندان میں چلی آ رہی ہے۔

---

(۱) فلما کان یوم الفتح قال لی یا عثمان ایت بالمفتاح فاتیته به فاخذه منی ثم دفعه الیّ و قال خذھا خالدة تالدة لا ینزعھا منکم الاّ ظالم (تفسیر مظہری)

قرطبی وغیرہ میں اس طرح ہے: قال عمر بن الخطاب: و خرج رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وھو یقرأ ھذه الآیة، و ما کنت سمعتھا قبل منه، فدعا عثمان و شیبة فقال: (خذاھا خالدة تالدة لا ینزعھا منکم إلا ظالم) رازی وغیرہ اکثر کتابوں میں یہ الفاظ ہیں: ھاك خالدة تالدة لا ینزعھا منك إلا ظالم (تفسیر رازی)

## عہدے اور مناصب بھی امانت ہیں

بہرحال! اس موقع پر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جو عہدے اور منصب اور ذمہ داریاں ہیں اور لوگوں کو مختلف منصب اور ذمہ داریاں سپرد کی جاتی ہیں کہ حکومت کا فلاں کام ہے اور فلاں عہدہ اور منصب ہے، وہ فلاں کے حوالے ہے، جیسے یہاں ایک منصب تھا کعبۃ اللہ کی چابی اپنے پاس رکھنے اور حجابہ کا، اس کو اللہ تعالیٰ نے امانت فرمایا تو اسی طرح جتنی بھی ذمہ داریاں ہیں، عہدے اور منصب ہیں، وہ بھی امانت ہیں، جن لوگوں کو یہ اختیارات ہیں کہ وہ یہ عہدے اور کام لوگوں کے حوالے کریں تو وہ ایسے لوگوں کے حوالے کریں جو اس کے اہل ہوں، نااہل کے حوالے نہ کریں، یہ عہدے اور ذمہ داریاں نااہل کے حوالے کرنا بھی امانت میں خیانت کرنا ہے۔

## امانت میں خیانت کرنا قیامت کی علامات میں سے ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے متعلق پوچھا گیا، قیامت کی علامتیں پوچھی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ کہ جب امانت ضائع کی جاتو قیامت کا انتظار کرو، پوچھا گیا: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللهِ: اے اللہ کے رسول! امانت کیسے ضائع ہوگی؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ(۱): جب کوئی ذمہ داری کا کام نااہل کے حوالے کیا جائے، جو اس کو انجام دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ کوئی بھی

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب رفع الأمانة.

ذمہ داری کا کام، کہیں کا بھی ہو، چاہے کسی ادارے کی ذمہ داری ہو یا قوم کی ذمہ داری ہو، اس منصب کو ادا کرنے کے لیے شریعت نے، اللہ اور اس کے رسولِ پاک ﷺ نے جو اوصاف، جو خوبیاں، جو کمالات ضروری قرار دئے ہیں، جس شخص میں وہ ہوں، وہ کام اسی کے حوالے کیا جائے، اگر ساری خوبیاں کسی میں نہیں ہیں تو جس میں زیادہ سے زیادہ یہ خوبیاں ہوں، وہ اس کا اہل ہے، اس کے حوالے وہ کام کیا جائے لیکن ایک اہل آدمی کے ہوتے ہوئے نااہل کو دینا بہت بڑی خیانت ہے۔

## کوئی عہدہ کسی نااہل کو سپرد کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے

نبیِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے حوالے عہدے سپرد کرنے کی ذمہ داری ہو اور اس نے کسی ایسے آدمی کو دیا جو اس کا اہل نہیں ہے، حالاں کہ اس کے مقابلے میں اس کام کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے والا شخص موجود ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور تمام مؤمنین کے ساتھ خیانت کی؛ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ذمہ داریاں جس کے حوالے کی جائیں وہ اس کا اہل ہو، اس کام کی اس میں صلاحیت ہو، اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

## شراب عربوں کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی

اور آگے نبیِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ: شرابیں پی جانے لگیں، یہ بھی ایک ایسا کام ہے کہ جب امت اس میں مبتلا ہوگی تو وہ آزمائش کا شکار ہوگی۔ ابتداءِ اسلام میں شراب کے اوپر پابندی نہیں تھی اور عرب لوگ شراب کے

بڑے عادی تھے، بڑے رسیا۔ ان کے یہاں عربی زبان میں شراب کے لیے بیسیوں الفاظ ہیں جو شراب کے معنی کو بتلاتے اور ظاہر کرتے ہیں بلکہ بعض مؤرخین نے تو لکھا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے منہ میں سب سے پہلے شراب ٹپکائی جاتی تھی اور شراب کو وہ بڑا اچھا سمجھتے تھے۔

## اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر

یہ شراب انگور سے بنائی جاتی ہے اور انگور کو عربی میں عِنَب کہتے ہیں اور شراب کو بِنْتُ العِنَب کہتے ہیں ''انگور کی بیٹی''۔ فارسی میں بھی اس کو ''دخترِ رز'' کہتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی کا شراب کے متعلق ایک شعر ہے:

| | | |
|---|---|---|
| اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر | | کیا گذرتی جو انگور کے بیٹا ہوتا |

یعنی اچھا ہوا کہ اس کا نام بیٹی رکھا گیا، اگر اس کا نام مردوں والا رکھا جاتا تو پتہ نہیں کیا ہوتا اور وہ کیا گل کھلاتی۔

## دخترِ سخاوت

تو بہر حال! یہ شراب جو ہے، اس کو عرب بِنْتُ الْکَرَمْ بھی کہتے ہیں۔ حالاں کہ کرم انسانی کے اندر کی بہت بڑی خوبی سخاوت اور جو اچھے اوصاف ہیں اس کے لیے بولا جاتا ہے، وہ اس کو کرم اس لیے کہتے تھے کہ آدمی جب شراب پیتا ہے نا تو اس کی مستی کے اندر اس میں مال کو خرچ کرنے کی کیفیت اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، بخل والی بات باقی نہیں رہتی اور عربوں میں بخل کا جذبہ بڑا خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کا جملہ بخاری شریف میں ہے: أَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ (۱) کہ بخل سے بڑھ کر آدمی میں اور کون سی بیماری ہو سکتی ہے اور سخاوت کو سب سے اچھا وصف قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شراب پینے کے نتیجے میں آدمی کے اندر مال خرچ کرنے کا، سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے؛ اس لیے وہ انگور کو "کَرْم" اور شراب کو بِنْتُ الْکَرْم کہا کرتے تھے۔

## انگور کو کَرْم کہنے کی ممانعت

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس کے اوپر پابندی لگائی اور شریعت نے شراب کو حرام فرمایا تو آپ نے فرمایا: لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْکَرْمَ (۲) کہ انگور کو کرم مت کہو، گویا اس کو کرم کہنے سے شراب کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اسلام شراب کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا ہے۔

## دینِ اسلام انسانی فطرت کا لحاظ کر کے احکام دیتا ہے

تو بہر حال! شروع اسلام میں شراب کی حرمت اور ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، استعمال کی جاتی تھی، جب حضراتِ مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے، اس وقت بھی شراب کا سلسلہ جاری تھا، البتہ ہر دور میں، ہر زمانے میں کچھ سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں جو ایسی مُضِرّ چیزوں کے ضرر اور نقصان کو محسوس کرتے ہیں تو شراب کے نقصان کو محسوس کرتے ہوئے بعض حضراتِ صحابہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، اور بھی بعض صحابہ کے نام بتائے جاتے ہیں، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، باب وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ.

میں حاضر ہوئے اور شراب کے متعلق دریافت کیا(۱)۔ قرآنِ پاک میں شراب کی حرمت ایک دم سے نازل نہیں ہوئی ہے۔ اسلام جو ہے، وہ انسان کے مزاج کی اور اس کی طبیعت کی بڑی رعایت کرتا ہے۔ ایک آدمی کسی چیز کا عادی ہو، کسی چیز کی اس کو عادت پڑ گئی ہو اور آپ اس کو ایک دم سے اس سے روک دیں تو یہ چیز اس کی صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہوتی ہے اور اس کے لیے مشکل بھی ہو جاتا ہے۔

## شراب کی حرمت کا پہلا مرحلہ

اسلام نے شراب کو حرام قرار دینے کے معاملے میں بتدریج یعنی دھیرے دھیرے، جس کو گجراتی میں ''طبقّہ وار'' کہتے ہیں، وہ طریقہ اختیار کیا، چناں چہ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب کے متعلق ان حضرات نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! شراب کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ تو فوراً قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [البقرة: ۲۱۹]: اے اللہ کے نبی! یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ اس میں بڑے گناہ کے کام بھی ہیں اور کچھ فائدے بھی ہیں لیکن اس کا گناہ فائدے سے بڑھ کر کے ہے، نقصان زیادہ ہے۔ جو سمجھ دار تھے، وہ سمجھ گئے کہ قرآن کی اس آیت میں شراب کو حرام نہیں کیا گیا

(۱) {يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ} سبب نزولها سؤال عمر ومعاذ، قالا: يارسول الله، أفتنا في الخمر والميسر، فإنه مذهبة للعقل، مسلبة للمال. فنزلت (تفسير البحر المحيط ۲/ ۱۰۸)

لیکن یہ بتلایا گیا کہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے، گویا ایک مشورہ دیا جارہا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت سے حضرات نے شراب پینا چھوڑ دیا۔ کچھ حضرات نے یہ سوچا کہ شراب میں اگرچہ کچھ نقصان ہے لیکن اس میں جو نقصان ہے، ہم اس نقصان سے خود کو بچانے کا اہتمام کرتے ہوئے شراب کا استعمال کریں گے؛ اس لیے کہ ابھی تک اس کو ممنوع اور ناجائز قرار نہیں دیا ہے تو انھوں نے اس کا سلسلہ اب بھی جاری رکھا اور بہت سوں نے اپنے طور پر چھوڑ دیا اور مشورے کو قبول کرلیا۔

## حرمتِ خمر کا دوسرا مرحلہ

اس کے بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی، اس میں شراب رکھی ہوئی تھی؛ کیوں کہ وہ ابھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ سب جانتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں کہ جہاں جہاں اس شراب کو ممنوع نہیں سمجھا جاتا اور اس پر پابندی نہیں ہوتی، وہاں کوئی دعوت بغیر شراب کے نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس دعوت میں بھی شراب رکھی ہوئی تھی، پینے والوں نے پی رکھی تھی اور مغرب کا وقت آ گیا اور اسی حال میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، جو امام تھا، انھوں نے سورۂ کافرون کی تلاوت کی: قُلۡ يٰأَيُّهَا الۡكٰفِرُونَ أَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُونَ (۱) اے کافرو! تم جس کی عبادت کرتے ہو میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ حالاں کہ لاَ أَعۡبُدُ ہے کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا لیکن ''لاَ'' کو چھوڑ دیا اور نشے میں پتہ بھی نہیں

(۱) سنن الترمذی، عَنۡ عَلِيِّ بۡنِ أَبِي طَالِبٍ، باب وَمِنۡ سُورَةِ النِّسَاءِ.

چلا تو اس کے فوراً بعد قرآنِ پاک کی ایک دوسری آیت نازل ہوئی: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی﴾ [النساء:۴۳] اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

چناں چہ نماز کے اوقات میں شراب پینے پر پابندی لگادی گئی، یہ شراب کی حرمت کا دوسرا مرحلہ ہے۔

## حرمتِ خمر کا تیسرا اور حتمی مرحلہ

اس کے بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی دعوت کی، یہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ خود انصاری ہیں تو اس دعوت میں انصار بھی تھے۔ مہاجرین بھی تھے۔ اب یہ شراب ایسی خطرناک چیز ہے کہ آدمی جب اس کو پیتا ہے تو پینے کے نتیجے میں اس کی عقل اور ہوش وحواس ختم ہوجاتے ہیں، پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کیا کر رہا ہے، کیا بول رہا ہے، ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ اگر ہوش میں آنے کے بعد اس کو بتایا جائے تو وہ خود بھی اس پر شرمندہ ہو۔

## شراب انسان کو ہوش وحواس سے یکسر بے گانہ کر دیتی ہے

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر شرابی کے دو واقعے لکھے ہیں: ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک شرابی ایک مرتبہ شراب پینے کے بعد پیشاب کرنے بیٹھا اور اپنا پیشاب اپنے چلّو میں لے کر خود ہی اپنے منہ پر ڈال رہا تھا اور پڑھ رہا تھا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِینَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِینَ۔

## أكرمك الله كما أكرمتني

ایک شرابی اور ہے جو شراب پی کر زمین کے اوپر پڑا ہے، کتا آ کر کے اس کا چہرہ چاٹ رہا ہے تو وہ یوں سمجھا کہ کوئی انسان ہے جو میرے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہے تو اس نے اس دعا دیتے ہوئے کہا: أكرمك الله كما أكرمتني: جس طرح تم مجھے عزت دے رہے ہو، اللہ تمھیں بھی عزت دے(۱)۔

## آیتِ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ کا شانِ نزول

تو شراب کا حال تو ایسا ہی ہے، جب آدمی شراب کے نشے میں دھت ہوتا ہے تو اس کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ تو بہر حال! نشے میں تھے، ہوش وحواس گم کیے ہوئے تھے، عرب میں ایک پرانا دستور یہ بھی تھا کہ جب مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے تھے تو ہر قبیلے والا اپنے قبیلے کی خوبیاں، کمالات اور ان کی جو چیزیں مشہور ہوتی تھیں ان کو بیان کرتا تھا اور دوسرے قبیلے کی برائیاں کرتا تھا، اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کے فضائل اور کمالات اور انصار کی تنقیص اور برائیاں بیان کرنی شروع کیں تو وہاں جو انصار تھے ان کو بھی غصہ آ گیا، ایک نوجوان تھے، ایک تازہ اونٹ ذبح کیا گیا تھا، اس کے شانے کی بازو کی جو ہڈی ہوتی ہے، وہ ذرا چوڑی ہوتی ہے، وہ لے کر کے ماری تو ان کا چہرہ زخمی کر دیا، بہت سی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ بہت سارے لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، جب ہوش آیا

---

(۱) تفسير القرطبي ۵۷/۳.

تو دیکھا کہ کسی کا سر پھٹا ہوا ہے، کسی کا چہرہ زخمی ہے، کسی کی داڑھی نوچی ہوئی ہے تو آپس میں ایک دوسرے کے لیے عداوت پیدا ہوگئی، اس کی شکایت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کی گئی تو قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰، ۹۱] (۱) کل چار آیتیں ہیں، یہ دو اور سورۂ نساء کی ایک آیت اور ایک سورۂ بقرہ کی ہے۔

## آیت کا مفہوم

ان میں سے اس آیت میں کہا گیا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ کہ: شراب اور جُوا اور یہ بت اور فال نکالنے کے تیر جو ان کے یہاں ہوا کرتے تھے، یہ سب گندی چیزیں ہیں، رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ: شیطان کا کام ہے، فَاجْتَنِبُوْهُ: تم اس سے بچو۔ آگے فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ: کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمناوٹ اور بغض پیدا کرے، وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ: اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

---

(۱) تفسير القرطبي، ٢٨٦/٦.

## حرمتِ خمر کے نزول پر صحابۂ کرام کا ردِّ عمل

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کی حرمت کا اعلان فرمایا، روایتوں میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں گلاس ہے اور یہ اعلان سنا تو گلاس نیچے پھینک دیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بعضوں کے منہ میں جو گھونٹ تھا، اس کو حلق سے نیچے نہیں اتارا، باہر نکال دیا اور جن مٹکوں میں شراب تھی، وہ مٹکے توڑ دئے گئے۔ بخاری شریف کے اندر روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سوتیلے ابّا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں فلاں فلاں صحابہ کو شراب پلا رہا تھا، اتنے میں باہر سے آواز آئی، ان لوگوں نے کہا کہ دیکھو! کس چیز کی آواز ہے، کوئی اعلان ہو رہا ہے۔ گھر میں اس طرح کا اعلان عام طور پر سنائی نہیں دیتا تو آدمی اس کو سننے کے لیے باہر نکلتا ہے، گیلیر ی میں یا دروازے سے باہر۔ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے کہا کہ جاؤ! ذرا باہر جا کر دیکھو، سنو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے باہر جا کر سنا اور پھر اندر آ کر بتایا کہ شراب حرام کر دی گئی تو سبھی مٹکے توڑ دئے (۱)۔

## مدینہ کی گلیاں شراب کی نالیاں بن گئیں

کہتے ہیں کہ مدینے میں اس دن اس کثرت سے شراب بہی ہے جیسے تیز بارش میں ساری نالیاں پانی سے بھر کر بہنے لگتی ہیں اور مدتوں تک ایسا ہوا کہ بارش ہوتی تھی تو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِهِ {إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ}.

اس کے پانی میں شراب کا رنگ اور اس کی بدبو ظاہر ہوتی تھی۔ ان کے دلوں میں اسلامی احکام پر عمل کا ایسا جذبہ تھا، سبھی حضرات نے شراب گھر سے باہر نکال کر پھینک دی، بہت سے لوگوں کے پاس تجارتی شراب تھی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے بھی فرمایا کہ بھائی تمھارے گوڈاؤن میں جتنا بھی شراب والا مال ہے، لاکر جمع کراؤ، چنانچہ سب نے لاکر جمع کر دیا۔

## حکمِ الٰہی کی تعمیل میں زندگی کی جمع پونجی داؤ پر لگا دی

ایک صحابی شراب کی تجارت کرتے تھے، ان کی ساری پونجی اور کیپیٹل (capital) اس وقت شراب میں لگی ہوئی تھی اور اسی زمانے میں شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ وہ ملکِ شام مالِ تجارت لے کر گئے تھے اور سب بیچ کر اس کے بدلے میں شراب خرید کر لائے تھے اور ابھی تو مدینہ میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ باہر ہی پتہ چلا کہ شراب حرام ہو چکی ہے تو اپنا سارا مال وہیں رکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اطلاع دی، آپ نے وہ سب شراب منگوائی، چناں چہ لائی گئی اور سب شراب پھینک دی گئی، اس زمانے میں شراب چمڑے کے مشکیزوں میں رکھی جاتی تھی، خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ مشکیزے چیر کر کے شراب بہائی پھر کچھ صحابہ کو اس پر مقرر کر دیا، مدینے میں اس کثرت سے شراب بہی ہے، جیسے بارش کے زمانے میں تیز بارش گرنے کے وقت پانی بہتا ہے۔

## عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

یہ تھا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام اور اسلام کے احکام کے سامنے اپنے

آپ کو جھکا دینا۔ حرمت کا حکم نازل ہوا تو کوئی چوں چرا نہیں کی، گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں، منہ کے اندر کا گھونٹ حلق سے نیچے اتار دیتے تو کون روکنے والا تھا؛ لیکن نہیں، اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنے آپ کو اسی طرح پیش کیا کرتے تھے۔ یہ وہ تربیت تھی، ایمانی تربیت، ایمانی تقاضا۔ آج بڑی بڑی حکومتیں اعلان کرتی ہیں کہ فلاں چیز کو چھوڑ دیا جائے، آج فلاں ''ڈے'' (DAY) منایا جائے تو بجائے اس کے کہ اس چیز کو چھوڑیں، اس دن اس چیز کا استعمال اور زیادہ کر دیتے ہیں، قرآنِ پاک میں شراب کی حرمت کے حکم کو نازل کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث پاک میں اس پر بڑی بڑی وعیدیں سنائی گئی ہیں، إن شاء اللہ تعالی آئندہ کسی مجلس میں موقع ملا تو اسی پر مزید باتیں ہوں گی۔

## سلیم الفطرت حضرات جنھوں نے حرمت سے پہلے بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا

ویسے صحابہ میں بعض وہ بھی تھے جنھوں نے اپنی زندگی میں کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، نہ اسلام سے پہلے، نہ اسلام کے بعد، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو سلام کہلوایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمیں ان کی چار باتیں بہت پسند ہیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ

کے واسطے اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر کے آئے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی چار باتیں بہت پسند ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: وہ چار باتیں کون سی ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا، نہ زمانۂ جاہلیت میں، نہ اسلام قبول کرنے کے بعد، وہ عقل کو ختم کرنے والی چیز ہے، جب آدمی کی عقل ہی باقی نہیں رہے گی تو وہ جو کچھ بھی وہ کرلے، وہ کم ہی ہے۔ پھر انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا؛ اس لیے کہ جھوٹ کو میں ذلت اور رضالت کی چیز سمجھتا ہوں۔ تیسری بات یہ کہ میں نے کبھی بت پرستی نہیں کی، کبھی میں نے اپنی حاجت بتوں کے سامنے پیش نہیں کی اور نہ ان کو میں نے کبھی حاجت روا سمجھا اور چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی غیرت عطا فرمائی ہے کہ کبھی میں نے اجنبی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ یہ چار باتیں تھیں، جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو سلام کہلوا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا

تو بہر حال! ایسے لوگ بھی بہت سے تھے لیکن قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہونے کے بعد بھی بہت سے حضرات نے شراب پینا چھوڑ دیا، اس کے باوجود چوں کہ اس میں صاف صاف ممانعت نہیں آئی تھی؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا: یا اللہ! شراب کے

بارے میں واضح اور دوٹوک حکم ہمارے سامنے بیان کردیجیے، یہ جو آیت نازل فرمائی، اس سے اشارہ تو معلوم ہوتا ہے لیکن صاف صاف نہیں ہے (۱)۔

## نشے کی حالت میں قرآنِ کریم کی غلط تلاوت پر ایک اَور آیتِ خمر کا نزول

تو اس کے بعد ایک موقع پر ایسا ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دعوت کی تھی اور اس زمانے کے دستور کے مطابق شراب کا دور چلا اور اس کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آیا، جو صاحب مغرب کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تھے، انھوں نے قرآنِ پاک کی آیت کو، سورۂ کافرون کو غلط پڑھ دیا: قُلْ يٰأَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ کو أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ پڑھ دیا، اس وقت قرآنِ پاک کے اندر شراب کے سلسلے میں دوسری آیت نازل ہوئی: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء:۴۳] اے ایمان والو! تم شراب کی حالت میں، نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو، اس کے قریب مت جاؤ۔ چنانچہ نماز کے اوقات میں شراب حرام ہوگئی۔

## شراب بغض وعداوت کا باعث ہے

اس کے بعد ایک موقع پر ایسا ہوا کہ دعوت تھی، اس میں شراب پینے کے نتیجے میں جب عقل ختم ہوئی تو آپس میں مفاخرہ اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے نتیجے میں آپس میں ٹکراؤ ہوا، لڑائی ہوئی، مار پٹائی ہوئی، جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ کسی کا سر

---

(۱) سنن النسائي، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب تحريم الخمر قال الله تبارك وتعالى.

پھٹا ہوا ہے، کسی کا چہرہ زخمی ہے، کسی کی داڑھی نوچی ہوئی ہے اور جب دعوت کے لیے جمع ہوئے تھے، تب تو بڑی محبت تھی اور اب آپس میں ایک دوسرے کی برائی کر رہے ہیں تو اسی پر قرآنِ پاک میں شراب کی حرمت والی آیت نازل ہوئی اور شراب کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا اور فرمایا: ﴿هَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۱]: کیا تم باز آؤ گے؟ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انتھینا، انتھینا: کہ اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے (۱)۔

## شراب کی حرمت میں تدریج کی حکمت

تو بہر حال! شراب کو حرام قرار دیا گیا اور یہ تدریجی انداز اور دھیرے دھیرے شراب کی حرمت کا نزول انسانی طبیعت کے لحاظ سے ہوا؛ اس لیے کہ جب کسی کو ایک عادت پڑ جاتی ہے تو اس عادت کو اچانک چھوڑنا انسان کے لیے بڑا مشکل کام بن جاتا ہے، یعنی جیسے بچے کو دودھ چھڑایا جاتا ہے، عادت کو چھڑانا اس سے بھی زیادہ سخت ہوا کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے گویا دھیرے دھیرے ان کی تربیت فرمائی اور ان کو متوجہ کیا اور جب یہ چیز ان کے دل میں راسخ ہوئی اور اس کے قابل ہو گئے تو شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، شراب کے اس قدر عادی ہونے کے باوجود جب اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اسی وقت شراب کو یک لخت چھوڑ دیا، یہ ایمانی قوت کی بات تھی۔ بہر حال! جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ بعض کے ہاتھ میں گلاس ہے تو اس کو زمین پر پھینک دیا،

---

(۱) تفسیر القرطبي، ۵/ ۲۰۰۔

کسی کے منہ میں شراب کا گھونٹ ہے، اس کو حلق سے نیچے نہیں اتارا، باہر اگل دیا۔

## شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت

جب شراب کی حرمت آئی تو اس کے بعد اس کے بارے میں بڑا سخت رویہ اختیار کیا گیا، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب کے بارے میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: ایک تو بنانے والے پر دوسرا: بنوانے والے پر، تیسرا: بیچنے والے پر، چوتھا: اس کی قیمت کھانے والے پر، پانچواں: خریدنے والے پر، چھٹا: جس کے لیے خریدا جا رہا ہے، اس کے اوپر، ساتواں: پینے والے پر، آٹھواں: پلانے والے پر، نواں: اٹھا کر لے جانے والے پر اور دسواں: جس کے لیے اٹھا کر کے لے جایا رہا ہے، اس کے اوپر (۱)۔ دس آدمیوں پر شراب کی وجہ سے لعنت اور پھٹکار آئی ہے۔

## شراب پینے والے کے بارے میں دوسری وعیدیں

بلکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مشکوۃ شریف میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَشْهَدُ بِاللَّهِ أَشْهَدُ لَقَدْ قَالَ لِيْ جِبْرِيْلُ بِاللَّهِ إِنَّ مُدْمِنَ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ: میں اللہ کی قسم کھا کر کے یہ بات کہتا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کے یہ بات کہتا ہوں کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ جو آدمی شراب کا عادی ہو، وہ ایسا ہے جیسے بت پرست، بتوں کی پوجا کرنے والا (۲)۔ اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بت پرستی

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلَى عَشَرَةِ أَوْجُهٍ.

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ رُوَيْمٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ أَوَّلِ مَا فُعِلَ وَمَنْ فَعَلَهُ.

کے بعد سب سے پہلی چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا، وہ شراب نوشی ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مُدْمِنُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثَنٍ اور بعض روایتوں میں یوں بھی آتا ہے: كَعَابِدِ اللاَّتِ وَالْعُزّٰى (۱) یعنی جو شراب کا عادی ہو وہ ایسا ہے جیسے بت پرست ہوا کرتا ہے، جیسے لات اور عُزّیٰ جو زمانۂ جاہلیت کے بت ہیں، ان کی پوجا کرنے والے جیسا، بعض روایتوں میں تو یوں بھی ہے کہ جو شخص شراب کا عادی ہو اور بغیر توبہ کے مرے گا تو اللہ کے حضور میں بت پرستوں کی شکل میں پیش کیا جائے گا (۲)۔ وہاں میدانِ حشر کے اندر اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

## گناہ گار گناہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہیں رہتا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلاَ يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلاَ يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ (۳): کہ زنا کرنے والا جب زنا کر رہا ہوتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چوری کرنے والا جس وقت چوری کر رہا ہوتا ہے، وہ ایمان میں نہیں ہوتا، شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، وہ ایمان میں نہیں رہتا، بعض روایتوں میں ہے کہ جب آدمی شراب پی رہا ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں سے ایمان کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں، نکال لیتے ہیں،

---

(۱) مُصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح الفاظ ہیں: مُعَاقِرُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ اللاَّتِ وَالْعُزّٰى (بابٌ فِي الْخَمْرِ، وَمَا جَاءَ فِيهَا.)

(۲) مُدْمِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ، لَقِيَ اللّٰهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ. (مسند أحمد، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا)

(۳) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب إِثْمِ الزُّنَاةِ.

جس طرح تم میں سے کوئی آدمی لباس نکالتے وقت، کرتہ نکالتے وقت اپنے سر میں سے لباس کو کھینچ کر نکالا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو کھینچ کر اسی طرح نکال لیا کرتے ہیں۔ بڑی سخت وعیدیں ہیں۔

## شرابی کی ۴۰ ردن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں

بعض روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے ایک مرتبہ شراب پی تو اس کی ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی پھر جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتے ہیں پھر اگر وہ شراب پیئے گا تو پھر ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی پھر جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتے ہیں پھر اگر وہ تیسری مرتبہ شراب پیئے گا تو پھر ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی، پھر اگر وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کریں گے، پھر اگر وہ چوتھی مرتبہ شراب پیئے گا تو پھر ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی، پھر اگر وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ بھی قبول نہیں کریں گے (۱)۔

## شرابی شیطان کا دوست بن جاتا ہے

بعض روایتوں میں ہے کہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو شراب کے پینے کے نتیجے میں اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آڑ جو حفاظت کے لیے ہوتی ہے، وہ نافرمانی اور معصیت کے نتیجے میں ختم کر دی جاتی ہے اور پھر شیطان اس کا دوست بن

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

جاتا ہے، اور شیطان اس کی آنکھ بن جاتا ہے، شیطان اس کا ہاتھ بن جاتا ہے، اور شیطان اس کا پاؤں بن جاتا ہے، ہر برائی کی طرف اس کو لے جاتا ہے اور ہر نیکی سے اس کو روکتا ہے۔ اس کے بارے میں ایسی سخت سخت وعیدیں آئی ہیں کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے، بڑے عجیب وغریب انداز میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

## شرابی برے خاتمے سے ہم کنار ہوتا ہے

چناں چہ بہت سے شرابیوں کے واقعات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آدمی گناہ کی وجہ سے بہت سی مرتبہ موت کے وقت ایمان سے محروم جاتا ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شرابی کا آخری وقت آیا، لوگ اس کو کلمہ تلقین کر رہے ہیں کہ کلمہ پڑھو، اس کے سامنے کلمہ پڑھ رہے ہیں تو وہ بجائے کلمہ پڑھنے کے کہتا ہے: ''شراب کا ایک گلاس تو بھی پی، مجھے بھی پلا، تو بھی پی، مجھے بھی پلا'' بار بار اس کی طرف سے یہی مطالبہ ہے، جو لوگ اس کے قریب بیٹھے ہیں، بڑے پریشان ہیں لیکن وہ یہی کہتا جا رہا ہے کہ مجھے شراب دو، تم بھی پیو، مجھے بھی پلاؤ۔ آخر گھر والوں نے تنگ آکر اس کو شراب لا کر دی، اس نے منہ میں شراب کا ایک گھونٹ لیا، آخر ایسی حالت میں موت آئی کہ اس کے منہ میں شراب تھی۔ لوگ جب غسل دے رہے تھے تو اس کا منہ شراب کی بدبو سے آلودہ تھا، اس حالت میں موت آئی۔

## افیون کے نقصانات اور مسواک کے فوائد

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ ذکر میں لکھا ہے کہ افیون کے ''۷۰'' نقصانات

ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا ہے؛ اس لیے کہ وہ نشہ پیدا کرنے والی چیز ہے اور مسواک کے ''۷۰'' فائدے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائے، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد آتا ہے۔

## بطورِ علاج شراب پینے والے کے ساتھ عالمِ برزخ میں سلوک

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ایک مرید تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا تو آپ اس کو کلمہ تلقین کر رہے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ مجھے تو کلمے سے بہت دوری ہو رہی ہے، حضرت کو اس کا بڑا صدمہ ہوا، اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، روتے ہوئے باہر نکل گئے، بعد میں خواب میں دیکھا کہ فرشتے جکڑ کر کے اس کو جہنم کی طرف دھکا دے رہے ہیں تو خواب ہی میں پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تیرے کس عمل کی وجہ سے تیرے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں شراب پیا کرتا تھا تو فرمایا کہ کبھی تجھے دیکھا تو نہیں گیا، عادت تو تھی نہیں تو کہا کہ مجھے بیماری تھی، طبیبوں نے مجھے بتلایا تھا کہ سال میں اگر ایک مرتبہ شراب پیئے گا تو اس بیماری سے محفوظ رہے گا تو میں سال میں ایک مرتبہ شراب پیتا تھا تو اس پر یہ معاملہ ہوا۔

## شراب نہ پینے والے کی جزا اور پینے والے کی سزا

یہ شراب بڑی خطرناک چیز ہے، حدیث میں ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ جو آدمی شراب پیئے گا اگر ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو اسے ''طِينَةُ الْخَبَالِ'' پلائے گا، حدیث میں آتا ہے کہ ''طِينَةُ

الْخَبَالِ“ جہنمیوں کا خون اور پیپ ہے جو جمع ہوکر کے بہتا ہے(۱)، وہ اللہ تعالیٰ اس کو پلائیں گے۔ اور جو آدمی اللہ کے خوف سے شراب کو چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو حِیاض القدس میں سے یعنی جنت کے اندر جو پاکیزہ حوض ہیں، جن میں اللہ کی طرف سے نہروں کے اندر پاکیزہ شرابیں بہائی جاتی ہیں، وہ پلایا جائے گا ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ [الانسان: ۲۱](۲)۔

جنت کے اندر جو چار نہریں ہیں، ان میں ایک شراب کی نہر بھی ہے لیکن جنت کی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہیں ہے جو بدبودار بھی ہو اور اس کو پینے سے آدمی کے ہوش وحواس بھی کھو جائیں، نہیں بلکہ وہ تو خوشبودار ہے، ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ [المطففین: ۲۵، ۲۶] کہ: وہ ایسی شراب ہے جو سربمہر ہوگی اور جس کے اوپر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی، ایسی شراب جنتیوں کو پلائی جائے گی۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جو دنیا میں شراب پئے گا، وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔

## شرابیوں کو نہرِ غوطہ سے پلایا جائے گا

یہ شراب بڑی خطرناک چیز ہے، اس کی وجہ سے عقل ختم ہوجاتی ہے۔ بعض

---

(۱) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ قَالَ: عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ (صحيح مسلم، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)

(۲) وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند أحمد، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)

روایتوں میں ہے کہ جو آدمی اس حالت میں مرا کہ شراب پیتا تھا اور اس نے توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اسے نہرِ غوطہ میں سے پلائیں گے، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ نہرِ غوطہ کیا ہے؟ الترغیب والترہیب کی روایت ہے کہ پوچھا گیا کہ یہ نہرِ غوطہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدکار عورتیں، زنا کرنے والی عورتیں جہنم میں ڈالی جائیں گی تو ان کی شرم گاہوں سے ایک ایسا بدبودار مادہ بہے گا کہ اس کی بدبو سے جہنمی بھی پریشان ہوں گے، یہ اس کو پلایا جائے گا تو بہرحال یہ نشہ آور چیز بڑی خطرناک ہے (۱)۔

## ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور اس نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے یہاں ایک شراب ہے جو ''جَو'' سے بنائی جاتی ہے اور لوگ اسے مِزْر کہتے ہیں، آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اس کے پینے سے نشہ ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: کہ ہر نشہ کرنے والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے (۲)۔

## شراب کے ظاہری، جسمانی نقصانات

تو بہرحال! یہ نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ آج کل تو ہمارے جوانوں میں یہ

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كتاب الأشربة.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

نشہ کرنے والی چیزیں بہت عام ہوتی جارہی ہیں اور یہ منشیات اور ڈرگس (drugs) کا استعمال بھی بہت بڑھتا جارہا ہے، بہت عام ہورہا ہے، اس کے نتیجے میں لوگوں کی زندگیاں، گھرانے کے گھرانے، خاندان کے خاندان تباہ ہوگئے، ختم ہوگئے۔ اطبا نے لکھا ہے کہ اس شراب کا اتنا نقصان ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ جزءِ بدن بنتی ہی نہیں، دوسری چیزوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ جزءِ بدن بنتی ہے لیکن یہ تو جزءِ بدن بنتی ہی نہیں، اس سے خون نہیں بنتا، وہ جیسی ہوتی ہے، ویسی ہی نکلتی ہے، البتہ اس کی وجہ سے آدمی کے جسم میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے آدمی کے معدے کا ہاضمے کا جو نظام ہے، وہ ختم ہوجاتا ہے اور لکھا ہے، سب اطبا کہتے ہیں کہ جو آدمی شراب پیتا ہے، چالیس سال کی عمر میں اس کے جسم کا وہ حال ہوجاتا ہے جو ساٹھ سال کی عمر والے کے جسم کا ہوتا ہے، اس کے پینے کے نتیجے میں آدمی کے جگر کو بھی نقصان پہنچتا ہے، جگر متاثر ہوتا ہے، گردے متاثر ہوتے ہیں اور آدمی کی رگیں اس کی وجہ سے سخت ہوجاتی ہیں، پٹھے سخت ہوجاتے ہیں اور اس کی وجہ سے آدمی کی عقل کے اندر بھی فتور آتا ہے، پیے ہوئے ہونے کی حالت میں تو آتا ہی ہے۔

## آدھے ہسپتال اور آدھے جیل خانے خودبخود بند ہوسکتے ہیں

اور بہت سوں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ شراب پی ہوئی ہے اور اس حالت میں کیا ہورہا ہے، پتہ ہی نہیں، اپنی بیوی کو طلاق بھی دے دیتے ہیں، حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق بھی پڑ جاتی ہے، بہت سے لوگ بتلاتے ہیں کہ بہت

سے شرابی گھر میں آتے ہیں اور بیوی کو روزانہ طلاق دیتے ہیں اور پھر بھی ان کے ساتھ رہ رہے ہیں، گویا زندگی بھر زنا کا ارتکاب کیا جارہا ہے تو یہ شراب بڑی خطرناک چیز ہے، اس کے بڑے خطرناک اثرات ہیں۔ ایک جرمن ڈاکٹر کا قول ہے کہ اگر دنیا میں آدھے شراب خانے بند کردئے جائیں تو آدھے ہسپتال اور آدھے جیل خانے خود بخود بند ہوجائیں گے یعنی ان کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

## منشیات اور ہماری قوم

آج ہمارے معاشرے میں شراب کا اتنا زیادہ رواج ہوتا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ ضرورت ہے کہ خاندان کے بڑے اپنے چھوٹوں کی نگرانی کریں۔ آج کل تو حال یہ ہے کہ شراب کو رواج دینے والے، اس کی تجارت کرنے والوں میں مسلمان کا نام سرِ فہرست ہوتا ہے محض تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے! ابھی جو قرآن میں کہا گیا: فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ: تو منافع کے متعلق بھی لکھا ہے کہ اس میں دوسرا کوئی جسمانی یا روحانی فائدہ تو ہے نہیں، صرف مالی فائدہ ہے، اب اس مالی فائدے کی وجہ سے لوگ اس زہر کو معاشرے کے اندر پھیلاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعہ سے یہ ہیروئن اور اس طرح کی پڑیائیں اور دوسری چیزیں ادھر سے اُدھر پہنچانے کا کام کرتے ہیں، عورتوں سے بھی یہ کام لیا جارہا ہے، عورتیں بھی یہ کام کرتی ہیں اور اِدھر سے اُدھر پہنچارہی ہیں، اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ لوگ اپنا دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لیے

معاشرے میں اس لعنت کو پھیلا کر کیا حاصل کریں گے؟ کیا ان پیسوں سے ان کی دنیا بننے والی ہے؟ نہیں، خود وہ بھی ہلاک و برباد ہوتے ہیں اور پورے معاشرے اور سماج کو بھی ہلاکت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔

## شراب کے نقصانات ''اظہر من الشمس'' ہیں

ضرورت ہے کہ یہ لوگ اپنا محاسبہ کریں اور ایسوں کو سمجھایا جائے، اس کی برائیاں تو اتنی عام ہیں کہ آپ جگہ جگہ دیکھتے ہیں کہ سائن بورڈ پر لکھا رہتا ہے: ''دارو چھوڑو، دارو چھوڑو'' اس کے لیے باقاعدہ ایک مہم چلائی جاتی ہے، ایک تحریک ہے جو چلائی جارہی ہے، حکومت کی طرف سے اس کے لیے باقاعدہ ایک شعبہ ہوتا ہے تو بہرحال! یہ ضرورت ہے، اس کے نقصانات تو بالکل ''اظہر من الشمس'' ہیں، کھلم کھلا ہیں، ان کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ چند احادیث، آپ کے ارشادات آپ کے سامنے پیش کیے جن میں شراب کے متعلق بڑے سخت احکام بتلائے گئے ہیں۔

## نشہ آور دوا کے استعمال سے حضرت عروہ بن زبیرؒ کا پرہیز

ہمارے حضراتِ اکابر کے یہاں اس کا کوئی تصور بھی نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے سات فقیہوں میں شمار ہوتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں اور ان کے بڑے لاڈلے شاگرد تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اکثر احادیث جو بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں ہیں ان کے نقل کرنے والے یہی حضرت

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، بڑے زبردست عالم تھے۔ ان کے پاؤں میں ایک زخم لگ گیا اور اس میں سڑا لگ گیا، اطباء نے کہا کہ پاؤں کاٹنا پڑے گا۔ اب اس زمانے میں طب نے اتنی ترقیات تو کی نہیں تھی، جب پاؤں کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا تو اطباء نے ان کے سامنے ایک پیالہ پیش کیا اور کہا کہ اس کو نوش فرمالیں، پوچھا: کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ اس کو پی لیں گے تو آپ کا پاؤں کاٹتے وقت آپ کو زیادہ تکلیف نہیں ہوگی، پھر پوچھا: بتلاؤ تو سہی! یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ اس میں نشہ ملا ہوا ہے تو فرمایا کہ یہ تو حرام ہے، میں تو کبھی اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، اب تم میرا پاؤں کاٹنا چاہو تو اسی حالت میں کاٹ لو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں میں اپنے اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤں گا، مجھے کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ چنانچہ وہ ''اللہ اللہ'' کے ذکر میں مشغول ہو گئے، پاؤں اسی حالت میں کاٹا گیا اور اس کے بعد جو خون نکلا تو بند ہونے کا نام نہیں لیتا تھا، اس زمانے میں خون بند کرانے کے یہ سب طریقے رائج نہیں ہوئے تھے، تو رگوں کو گرم سلاخوں کے ذریعہ سے داغ دیا گیا، اس کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پسینہ پونچھ کر کہنے لگے کہ کہاں ہے میرا وہ پاؤں؟ لوگوں نے کٹا ہوا پاؤں لا کر پیش کیا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی، جس نے تجھے میرے جسم کا جزء بنایا اور تو میرا بوجھ اٹھاتا رہا، اللہ گواہ ہے کہ آج تک کبھی کسی گناہ کے کام کی طرف تجھے لے کر نہیں گیا پھر اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے چار چار عضو دئے تھے: دو پاؤں اور دو ہاتھ، ان میں سے تو نے ایک واپس لے لیا

لیکن باقی تین تو تو نے باقی رکھے ہیں، تیرا شکر میں کس زبان سے ادا کروں!

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کا شیوہ اپنایئے

ان کے ایک صاحب زادے تھے لاڈلے، اسی زمانے کے قریب وہ گھوڑے کے اوپر سے گر گئے تھے اور ہلاک ہو گئے تھے، اس پر فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! تو نے سات لڑکے دئے تھے، ان میں سے ایک ہی لیا، باقی چھ تو ہیں، اے اللہ تیرا شکر میں کس طرح ادا کروں۔

## جنت کی شراب کے حصول کے لیے دنیوی شراب کو چھوڑیئے

تو بہر حال! یہ حضرات اس شراب کی ایک بوند بھی اپنے منہ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ میں اپنے ان بھائیوں سے ضرور کہوں گا جو اس لعنت میں گرفتار ہیں کہ اللہ کے واسطے اس سے توبہ کرو، اگر اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تو بڑا اندیشہ ہے اور اگر آپ نے اللہ کے خوف سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کی پاکیزہ شراب پلائیں گے، اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو یہ نعمت عطا فرمائے۔

## مردوں کا ریشمی لباس پہننا بھی آزمائشوں کو دعوت دینے والا ہے

وَلُبِسَ الحَرِیْرُ: ریشم پہنا جانے لگے، ریشمی لباس کو مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا، سونے چاندی کے زیورات اور ریشمی لباس عورتوں کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے حرام ہے، عورتوں کے لیے بھی سونے چاندی کے زیورات کی اجازت ہے،

سونے چاندی کی اور چیزیں مثلاً: پیالہ، تھالی وغیرہ، ان کا استعمال نہ مردوں کے لیے جائز ہے، نہ عورتوں کے لیے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ریشم جو مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے، لوگ اس کو پہننے لگیں گے۔

## مصنوعی ریشم پہن سکتے ہیں

بخاری شریف کی روایت میں ہے: لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ (۱): میری امت میں سے کچھ لوگ زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو حلال سمجھنے لگیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مسخ کر دیا جائے گا تو بہر حال! ریشم کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے لیکن اگر وہ استعمال ہونے لگے تو وہ اسی وعید میں داخل ہے۔ آج کل ایک مصنوعی ریشم آتا ہے، اس کو آرٹی فیشل (artificial) ریشم کہا جاتا ہے، وہ چوں کہ حقیقی ریشم نہیں ہے؛ اس لیے اس کی گنجائش ہے لیکن اس سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا بہتر ہے۔

## موسیقی اور آلاتِ موسیقی کا استعمال بھی عذاب لانے والا ہے

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ: گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے آلات کو اختیار کیا جائے یعنی لوگ عام طور پر اس کو استعمال کرنے لگیں۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي عَامِرٍ، أَوْ أَبِي مَالِكٍ - الأَشْعَرِيِّ، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ.

## دورِ جدید میں آلاتِ موسیقی کے کثرتِ استعمال کا مطلب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں آتا ہے کہ عام طور پر استعمال کیا جانے لگے تو پہلے زمانے میں یہ جو صاحبِ ثروت اور مال دار لوگ ہوا کرتے تھے، وہ خاص طور پر گانے والی عورتوں کو، گانا گانے والی باندیوں کو خریدا کرتے تھے؛ تاکہ اس کے گانے بجانے سے اپنا دل بہلا سکے، اب جو حدیثِ پاک میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ گانے والی عورتوں اور گانے بجانے کے آلات کو عام طور پر اختیار کیا جانے لگے تو اس زمانے میں ہر آدمی کے پاس ایسی تو کیسی وسعت ہو جائے گی کہ وہ گانے بجانے کے آلات اور عورت اختیار کرنے لگے؟ تو فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں گانے بجانے کی نسبت سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ ہے کہ گانے بجانے ہی میں جس کا استعمال کیا جاتا ہے، ٹی وی ہے، وی سی آر ہے، ڈش انٹینا ہے، یہ ساری چیزیں عام ہو گئی ہیں، ہر گھر میں یہ چیزیں آ گئی ہیں اور لوگ اسی کو اپنا دل بہلانے کے لیے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

## دورِ جدید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی صداقت کا نظارہ

تو گویا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس زمانے کی حالات کے اعتبار سے دیکھی جائے تو سب کے سمجھ میں نہیں آ سکتی؛ کیوں کہ ہر آدمی کے پاس اتنی وسعت کہاں ہو گی کہ ہر آدمی باندی خریدے اور اس کو دل بہلانے کے لیے استعمال کرے، گانے بجانے کے آلات بہت سے ہوتے ہیں اور وہ بہت سے آلات بیک وقت

استعمال کیے جائیں تب یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، ہر آدمی یہ آلات کیسے خریدے گا اور یہ عمومی شکل کیسے حاصل ہوگی؟ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں جو یہ حالات پیدا ہو چکے ہیں اور یہ سلسلے شروع ہو چکے ہیں، اس سے نبی کریم ﷺ کی اس پیشین گوئی کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ اس وقت تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا لیکن اس وقت ہر آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہر گھر میں یہ چیزیں پہنچ چکی ہیں۔ ایک چھوٹا سا ریڈیو ہے، اس کے ذریعہ گانے سنتے ہیں، اب تو موبائل کے اندر بھی ریڈیو ہوتا ہے اور اب تو ''۲۴'' گھنٹے گانے نشر کرنے والے ایسے ہزاروں اسٹیشن بن چکے ہیں کہ آدمی ''۲۴'' گھنٹے اس سے گانا سن سکتا ہے، پہلے تو ریڈیو میں اتنا عموم بھی نہیں تھا، اب تو مستقلاً بعض ریڈیو اسٹیشن والوں نے اسی کو اپنا مشن بنا رکھا ہے کہ ''۲۴'' گھنٹے گانے نشر کرتے رہیں اور سننے والے سنتے بھی ہیں۔

## آلاتِ موسیقی کے خریدار کے لیے قرآنی وعید

تو بہر حال! یہ گانے بجانے والی عورتیں اور گانا بجانے کے آلات کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے اور ویسے قرآن وحدیث کے اندر اس پر وعیدیں بھی آئی ہیں، سورۂ لقمان میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کہ: لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں؛ تاکہ اپنی جہالت کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد کو

مذاق اور ٹھٹھا کا ذریعہ بنائیں، ایسے لوگوں کے لیے بڑا مہین یعنی ذلت والا عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

## محسن قرآنِ پاک کا اعجاز ہی تو ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں جب آپ ابھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے تھے، قرآنِ پاک کی آیتیں نازل ہوتی تھیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں جو فصاحت اور بلاغت اور تاثیر رکھی ہے، اس کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو سنتے تھے اور خاص طور پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تلاوت کر رہے ہوں اور حضراتِ صحابہ کے متعلق بھی ہے کہ ان کی تلاوت میں بھی ایسی تاثیر تھی کہ لوگ، عورتیں، بچے سب جمع ہو جاتے تھے اور قرآنِ پاک کو سننے کے نتیجے میں لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا کرتے تھے اور راہِ ہدایت حاصل کر لیا کرتے تھے تو مکہ کے جو کافر و مشرک تھے، ان کو یہ چیز بڑی ناگوار گذرتی تھی۔

## ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

ایک آدمی تھا، نضر بن حارث نام تھا، وہ فارس کا سفر کیا کرتا تھا، وہاں سے وہ رستم اور اسفندیار کی قصے کہانیوں کی کتاب لے آیا اور لاکر یہاں مکہ والوں سے کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ! میں تم کو رستم اسفندیار کے قصے سناؤں، وہ باندی بھی خرید کر لایا تھا، لوگوں کو اپنے گھر لے جاتا، کھانا کھلاتا اور باندی سے گانے سناتا اور سنا کر کے ایسا کہتا تھا کہ دیکھو! اس میں تم کو مزہ آتا ہے یا اُس

میں؟(۱)۔ گویا یہ جرح تھی، اس زمانے میں بھی شروع میں جب قرآنِ پاک نازل ہوا تو قرآن کے ہدایت نامے سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لیے اور قرآن کے ذریعہ سے لوگ اثر قبول نہ کرنے پائیں اور قرآن کے ذریعہ سے لوگ ہدایت قبول نہ کریں؛ اس لیے اس زمانے میں بھی مشرکین اور کافروں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ گانے بجانے کے آلات اور قصے کہانیاں خرید کر لوگوں کو ایمان واسلام سے ہٹانے کی کوششیں کی جاتی تھیں، یہ سلسلہ اسی زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔

## چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آج بھی لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکانے کے لیے یہ وہ خطرناک حربہ اور یوں کہیے کہ میٹھا زہر ہے جو اس زمانے بھی لوگوں کو ہدایت سے روکنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور آج بھی لوگوں کو راہِ ہدایت سے ہٹانے کے لیے یہی سلسلے ہیں: گانا بجانا اور اسی طریقے سے لہولعب کے اندر لوگوں کو مشغول کرنا، یہ سب چیزیں مسلمانوں کو راہِ راست، صراطِ مستقیم اور ہدایت سے ہٹانے کے لیے ہیں: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ: ''تاکہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو ہٹاوے'' اور جو لوگ اس میں مشغول ہوتے ہیں، بعد میں ان کی طبیعتیں جب مسخ ہو جاتی ہیں تو اسی راہِ ہدایت کا ٹھٹھا اڑانا اور اس کا مذاق کرنا ان کا مشغلہ بن جاتا ہو تو بہر حال! یہ آیت اسی نضر بن حارث کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

---

(۱) تفسیر القرطبي ۱۴/۵۲.

## "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" کا مصداق مفسرین کی نظر میں

"لَهْوَ الْحَدِيْثِ" اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: هو الغناء والله الذي لا إله إلا هو، تین مرتبہ قسم کھا کر یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم! اس سے گانا مراد ہے، اللہ کی قسم! اس سے گانا مراد ہے[1]۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو مفسرِ قرآن ہیں، وہ اس "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" کی تشریح میں فرماتے ہیں: الغناءُ وأشبهه: کہ گانا اور اس جیسی چیزیں مراد ہیں جو آدمی کو اللہ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں، وہ لہولعب کا مصداق ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو، چاہے وہ گانا بجانا ہو یا گانے بجانے کے آلات ہوں یا قصے کہانیاں، ناول، افسانے اور ہنسانے کی باتیں، یہ سب اسی کا مصداق ہیں جس کے نتیجے میں آدمی اللہ کی عبادت سے ہٹ کر کے ایسی لغویات اور فضولیات کے اندر مشغول ہوتا ہے، قرآنِ پاک میں ایسے لوگوں کے لیے ذلت والے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

## گانا سننے کی حرمت کے بارے میں دوسری آیت

قرآن میں ایک اور آیت ہے، سورۂ بنی اسرائیل کے اندر شیطان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کہ: انسانوں میں سے جس کے اوپر تیرا بس چلے، تو اپنی آواز کے ذریعہ اس کو بھٹکا دے، ہٹا لے، گمراہ کر دے

---

(۱) تفسیر القرطبي ۱۴/ ۵۲۔

یعنی تجھ سے ہوسکتا ہو تو ایسا کر لینا۔ شیطان نے چوں کہ اللہ کے حضور دعوی کیا تھا، ڈینگ ماری تھی تو باری تعالیٰ کی طرف سے بھی کہا گیا تھا کہ ٹھیک ہے، تجھ سے جو ہوتا ہو، کر لے۔ تو بہرحال! ”بِصَوْتِكَ“ کی تشریح بھی صحابۂ کرامؓ سے جو منقول ہے، وہ یہی کہ اس سے مراد گانا ہے(۱)۔ یہ گانا جو ہے، قرآن کی آیتوں کی رو سے اور اسی طریقے سے احادیث میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گانے کے سلسلے میں صاف صاف ممانعت ارشاد فرمائی ہے۔

## میں گانے بجانے کے آلات توڑنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں

ترمذی شریف میں روایت موجود ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب کو اور جوئے کو اور ڈھولک کو اور طبلے کو حرام قرار دیا اور ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے(۲)۔ گویا اس میں گانا بجانے کے جو آلات ہیں، ان کی صراحت کے ساتھ حرمت بیان کردی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جو گانے بجانے کے آلات ہیں، ان کو توڑنے کے لیے میں بھیجا گیا ہوں(۳)۔

---

(۱)(بِصَوْتِكَ) وصوته كل داعٍ يدعو إلى معصية الله تعالى، عن ابن عباس. مجاهد: الغناء والمزامير واللهو. الضحاك: صوت المزمار. (تفسير القرطبي ۱۰/۲۸۸)

(۲)ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيَّ أَوْ حُرِّمَ الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْكُوبَةُ قَالَ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ الحديث (سنن أبي داود، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما، باب فِي الأَوْعِيَةِ.)

(۳)تفسير القرطبي ۲/۵۳۔

گویا نبی کریم ﷺ اپنی بعثت کا مقصد کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن کاموں کو انجام دینے کے لیے بھیجا ہے، ان میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی بتلاتے ہیں کہ یہ جو گانے بجانے کے آلات ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کو توڑنے کے لیے دنیا کے اندر بھیجا ہے۔

## گانوں سے متعلق کچھ اور وعیدیں

گانے کے اوپر نبی کریم ﷺ نے کھل کر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، اس کی حرمت کو بیان فرمایا ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک آدمی گانا گا رہا تھا، نبی کریم ﷺ کے گوشِ مبارک میں، کان مبارک میں اس کی آواز پڑی تو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: لا صلوۃ لہ، لا صلوۃ لہ، لا صلوۃ لہ: ایسے آدمی کی نماز مقبول نہیں ہے، ایسے آدمی کی نماز مقبول نہیں ہے، ایسے آدمی کی نماز مقبول نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: میری امت کے اندر آخری زمانے میں کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کے چہروں کو اللہ تعالیٰ بندر اور سوّر کی شکلوں سے بدل دیں گے، اس پر وہاں موجود مسلمانوں میں سے ایک نے پوچھا: کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: جی ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے ہوں گے، میری رسالت پر ایمان لانے والے ہوں گے، روزے رکھیں گے لیکن وہ گانے بجانے کے آلات کو استعمال کریں گے اور گانے والی عورتوں کی طرف توجہ رکھیں گے اور وہ شراب میں مبتلا ہوں گے، ایک رات ایسا ہوگا کہ وہ گانا سن کر کے، شراب پی کر کے مست

ہوں گے، اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بندر اور سور کی شکل میں بدل دیں گے۔

## گانے سننے پر خسف، مسخ اور قذف کی وعید

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے اندر خسف، مسخ اور قذف ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو زمین میں دھنسا دیں گے، ان کی شکلوں کو بدل دیں اور آسمان سے ان کے اوپر پتھر برسائے جائیں گے، کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب گانے بجانے والیوں کی کثرت ہوگی اور شراب کثرت سے پی جائے گی (۱)۔ لوگ گانے بجانے والی عورتوں کی طرف متوجہ ہوں گے اور گانے بجانے کے آلات کو لوگ کثرت سے اختیار کرنے لگیں گے۔ اس چیز کے اوپر مسخ کی وعید آئی ہے یعنی شکلیں بدل دینے کی، اور ہماری اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔

## چہروں کو مسخ کرنے کا مطلب

علماء نے اس کی توجیہ کی ہے کہ یا تو یہ ہے کہ واقعۃً ان کی شکلوں کو بدل دیا جائے گا یا یہ مراد ہے کہ ان کی طبیعتوں کو بدل دیا جائے گا: ایک آدمی جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس گناہ کے کرنے کے نتیجے میں اس گناہ کا ایک اثر اس کے دل کے اوپر پیدا ہوتا ہے اور جب اس کو بار بار کرتا ہے تو اس کو بار بار کرنے کی وجہ سے اس گناہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ جیسے ایک آدمی ظلم کا ارتکاب کرتا ہے تو ظلم کی وجہ سے اس

---

(۱) المعجم الكبير، ۳/ ۴۴۹، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْعَرِيِّ رضي الله عنه.

کے قلب پر ایک اثر پڑتا ہے، اب جب وہ بار بار ظلم کرے گا تو اس کا قلب اس ظلم والے گناہ کے رنگ سے رنگ جائے گا، اب یہ آدمی شکل وصورت کے اعتبار سے ہے آدمی لیکن لوگ یہ کہیں گے کہ یہ درندہ ہے، پھاڑ کھانے والا جانور ہے، یعنی جس طرح ایک پھاڑ کھانے والا جانور ظلم وزیادتی کرتا ہے، یہ بھی اسی کے اندر مبتلا ہے۔ ایک آدمی لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، ان کو پھنساتا ہے، اب اس نے ایک مرتبہ اس گناہ کا ارتکاب کیا، دومرتبہ کیا تو گناہ کرنے کے نتیجے میں اس گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے اور بار بار جب کرے گا تو اس کا دل اس گناہ سے رنگ جائے گا اور کثرت سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی وجہ سے جیسے لومڑی کی عادت ہوا کرتی ہے اوروں کو دھوکہ دینا، چالاکی سے کام لینا اس کو کہا جائے گا کہ یہ لومڑی جیسا ہے۔

## موسیقی اور گانے سننا آدمی کو خنزیر کی طرح بے حیا اور بندر کی طرح نقال بناتا ہے

اسی طریقے سے جب یہ لوگ گانے بجانے کے آلات کو استعمال کریں گے، گانے والی عورتوں کی طرف متوجہ ہوں گے تو اس گناہ کے بار بار ارتکاب کے نتیجے میں ان کے دلوں کے اندر بے حیائی اور بے غیرتی آئے گی اور یہ بے حیائی اور بے غیرتی سور کی خاصیات میں سے ہے اور ان کے اس گانا سننے کے نتیجے میں ان کے قلوب کے اندر بے وقاری اور نقالی آجائے گی اور یہ بے وقاری اور نقالی بندر کی صفت ہے تو گویا معنوی طور پر ان کے قلوب مسخ کر دئے گئے اور جو خاصیتیں بندر اور سوّر کی ہیں، وہ ان

کے اندر آئیں گی۔ چنانچہ آپ لوگ دیکھیں گے کہ جو لوگ کثرت سے گانے سنتے ہیں، ان کے اندر حیا کا مادہ ختم ہو جاتا ہے، وہ اپنی بیوی، اپنی بیٹی، اپنی ماں، اپنی بہن، پورے کنبے کو لے کر بیٹھے ہیں اور ٹی وی کے اوپر وہ مناظر کہ ایک شریف آدمی تنہائی میں بھی اس کو دیکھنا گوارا نہ کرے، یہ شخص پورے خاندان کے ساتھ اپنی بیوی، بیٹیوں اور اپنی ماں، بہن کے ساتھ بیٹھ کر دیکھتا ہے، اگر اس میں حیا کا مادہ ہوتا، شرم نام کی کوئی چیز ہوتی تو بھلا اس کو کیسے دیکھنا گوارا کرتا! لیکن اس گناہ کے ارتکاب کے نتیجے میں اس کی حیا بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ پھر دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ زنا کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔

## ٹی وی وغیرہ آلاتِ لہو کی ہلاکت خیزیاں

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں ہے، احسن الفتاوی میں لکھا ہے کہ ہمارے دارالافتاء میں ایک آدمی نے آکر خود اقرار کیا کہ ٹی وی دیکھنے کے نتیجے میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس نے زنا کا ارتکاب کیا۔ ایک نوجوان نے کہا کہ ایک مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہا تھا اور دیکھتے دیکھتے شہوت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں نے اپنی ماں کے ساتھ شہوت رانی کر لی۔ یہ بے حیائی اس کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہی ہے تو سور کی جو خاصیت ہے، وہی اس کے اندر آجاتی ہے اور ایسی نقّالی اور بے وقاری! آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ کیسی نقالی کرتے ہیں، ایسی ایسی نقلیں اتارتے ہیں کہ جو سمجھ دار لوگ ہیں، وہ تو اس کو دیکھ کر ہنستے ہیں لیکن ان کو اس کی پروا ہی

نہیں، ان کو اس کا احساس ہی نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں، اس کو تو یہ اچھا ہی لگتا ہے، جیسے ایک بندر نقل اتارتا ہے ہر چیز کی، اسی طرح یہ لوگ بھی جو کچھ دیکھتے ہیں، اس کی نقالی شروع کر دیتے ہیں تو بندر کی خاصیت ان کے اندر آ جاتی ہے۔

## قربِ قیامت موسیقی سے تعلق رکھنے والوں کا حقیقی مسخ ہوگا

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ اس وعید کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہوں گے، معنوی طور پر تو ان کے دل مسخ ہو ہی جاتے ہیں لیکن قربِ قیامت ایسا بھی ہوگا کہ جب بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی تو ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو بندروں اور سوروں کے چہروں سے مسخ کر دیں گے۔

## گانا اور موسیقی موجبِ کفر و نفاق ہے

یہ گانے بجانے کے سلسلے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی وعیدیں ہیں، ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ گانا سننا معصیت ہے اور گانا سننے کے لیے بیٹھنا فسق ہے اور گانے سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ اگرچہ علماءِ کرام نے کفر کی تاویل کی ہے کہ کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے لیکن حدیث میں تو اس کی تشریح ہے نہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ یہ گانا آدمی کے دل کے اندر اس طرح نفاق کو پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے۔ یہ آپ نے

بارش میں دیکھا ہوگا کہ سوکھی زمین پڑی ہے، ایک بار بارش پڑی نہیں کہ دو دن کے اندر سبزہ نکل آتا ہے، اسی طرح گانا سننے کے نتیجے میں آدمی کے قلب کے اندر اسی طرح نفاق اگ نکلتا ہے، جس طریقے سے پانی کی وجہ سے سبزہ نکل آتا ہے (۱)۔

## نفاق کا مفہوم

یہ نفاق کیا ہے؟ نفاق کا مطلب وہ نہیں کہ گویا ایک آدمی ہے، وہ بدکار ہے، ظاہری اعتبار سے بدکاری میں مبتلا ہے، تب تو وہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کا نافرمان اور خلاف ورزی کرنے والا ہے ہی لیکن اگر وہ ظاہری اعتبار سے نماز روزہ کا پابند ہے لیکن اس چیز میں مبتلا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا ظاہر کچھ اور ہوگا اور باطن اس کا کچھ اور ہوگا، جیسے قرآن پاک کی تلاوت کے نتیجے میں آدمی کا ایمان تازہ ہوتا ہے، اس میں زیادتی ہوتی ہے تو قرآنِ پاک کی تلاوت کے نتیجے میں، اس کی تلاوت کو سننے کے نتیجے میں جس طرح آدمی کا ایمان تازہ ہوتا ہے ور ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، اسی طرح گانا سننے کے نتیجے میں آدمی کے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے یعنی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ (السنن الکبری للبیھقی، باب الرَّجُلِ یُغَنِّی فَیَتَّخِذُ الْغِنَاءَ صِنَاعَۃً یُؤْتٰی عَلَیْہِ وَیَأْتِی لَہُ وَیَکُونُ مَنْسُوبًا إِلَیْہِ مَشْھُورًا بِہِ مَعْرُوفًا أَوِ الْمَرْأَۃِ.)

## گانا سننے اور اس سے لذت حاصل کرنے کی عادت کبھی نہیں جاتی

ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ جن کے اندر گانا سننے کی عادت پڑ گئی، تو چاہے توبہ کرنے کے بعد تہجد کے پابند ہو جاتے ہیں، تہجد کے پابند! پنج وقتہ نمازوں کے پابند، ہر چیز کے پابند لیکن گانا سننے کی یہ عادت جاتی نہیں ہے، جب اس کے کان میں گانا پڑتا ہے، جس کو سن سن کر وہ بڑے ہوئے تو جیسے ہی اس گانے کی آواز اس کے کان میں پڑتی ہے، فوراً اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ ماہرین کا تجربہ ہے، وہ یوں کہتے ہیں کہ یہ دوسری باتیں جن سے آدمی توبہ کر چکا ہو، اپنی حالت درست کر چکا ہو تو اس میں تو یہ ہے کہ بعد میں وہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن گانے کا مسئلہ ایسا ہے کہ اچھے اچھے جو اس سے توبہ کر چکے ہیں، باقاعدہ تہجد کے پابند، وہ خود اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ تنہائی میں ہم سے وہ گانے سننے والی عادت جاتی نہیں، ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی اور وہی قلب کے اندر خواہش پیدا کر دیا کرتا ہے، یہ بڑا خطرناک روگ ہے۔

## آلاتِ غناء کی بہتات اور اس کا انجامِ بد

اور آج کل تو ٹی وی نے آ کر کے اس مسئلے کو اور بھی زیادہ آسان کر دیا، ٹی وی ہے، وی سی آر ہے، ٹیپ ریکارڈر ہے، گانے بجانے کی سیڈیاں، کیسیٹس اتنی عام ہیں کہ لوگوں نے اسی کو اپنا مشغلہ بنالیا ہے، سفر کر رہے ہیں تو سفر کے دوران اپنی کار کے اندر یا بس کے اندر اسی کو چالو کیا جارہا ہے، آپ نہیں سننا چاہتے لیکن دوسرے سن رہے ہیں؛ اس لیے چالو ہے، ہوٹل میں جائیں گے تو وہاں کانوں میں یہی آواز ہے، آدمی

کہاں تک اپنے آپ کو بچا پائے گا؟ لیکن یہ ہیں کہ اس کے عادی ہو گئے۔ اب یہی اے سی کار کے اندر بیٹھ کر جاتے ہیں، بعض ایسے واقعات پیش آئے اور اب تو باقاعدہ جتنے بھی ٹرانسپورٹ والے ہیں، جو مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں، جن کی بسیں چلتی ہیں، ان کے یہاں تو اس کا بڑا انتظام ہے کہ اس میں ٹی وی، وی سی آر اور گانے بجانے کے اہتمامات ہوتے ہیں، بغیر گانا سنے ہوئے ڈرائیوروں سے ڈرائیونگ ہی نہیں ہوتی، ایسی حالت میں حادثات پیش آتے ہیں، موتیں واقع ہوتی ہیں، ایک حرام کام میں مبتلا ہونے کی حالت میں موت آئے گی، اندازہ لگائیے کہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے ایسی موت کو کہ وہ اچھائی کے اوپر ہوئی! اسی حالت میں موت بھی آتی ہے۔

## بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

عام طور پر جو عذاب آتا ہے تو اس میں اس کے اسباب میں گانے بجانے کو، شراب نوشی کو اور یہ گانا بجانے والی، ناچنے والی عورتوں کو بڑا دخل ہے۔ پہلے زمانے میں تو یہ ہوتا تھا کہ ٹی وی نہیں تھی تو سنیما ہاؤس جاتے تھے اور ہر ایک اس کی جرأت نہیں کرتا تھا، جو اچھے سفید پوش ہوتے تھے، ان کے لیے سنیما میں جانا مشکل ہوتا تھا، اب تو ایک کونے میں بیٹھ کر ڈاڑھی بھی ہے، ہاتھ میں تسبیح بھی ہے اور دیکھ رہے ہیں، شاعر کہتا ہے:

| |
|---|
| بہت مشکل ہے بچنا مئے گلگوں سے خلوت میں |
| بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا |

دوستوں کی محفل میں نعوذ باللہ، نعوذ باللہ بول دینا تو آسان ہے لیکن تنہائی میں

اس گناہ سے اپنے آپ کو بچانا بڑا مشکل ہے۔

## ٹی وی نے آ کر آج سب کے تقوے کا پردہ فاش کر دیا ہے

توحقیقت تو یہ ہے کہ ٹی وی نے آ کر کے آج سب کی پرہیز گاری اور تقوے کا پردہ فاش کر کے رکھ دیا ہے، آج شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جس کے گھر میں ٹی وی ہو اور وہ اس سے بچتا ہو۔ ٹی وی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ آدمی جب کوئی گناہ بار بار کرتا ہے تو اس گناہ کی قباحت، اس کی شناعت، اس کی برائی ان کے دل ودماغ سے نکل جاتی ہے، جن لوگوں کے گھروں میں ٹی وی ہے، وہ کیا کہتے ہیں؟ اس میں کیا ہو گیا؟ کیا حرج ہے؟ مطلب یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں!

## ''ٹی وی میں کیا حرج ہے'' کہنے والے اپنے ایمان کی خیر مناویں

دیکھیے! دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو ہے گناہ کا ارتکاب کرنا، ایک آدمی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں تو ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق بھی دے دے لیکن ایک آدمی گناہ کا کام یہ سمجھ کر کے کرتا ہے کہ یہ گناہ نہیں ہے، حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کسی حرام کام کو حلال سمجھ کر کرنا، اس سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے۔ آج ''ٹی وی میں کیا حرج ہے'' کہنے والے اپنے ایمان کی خیر مناویں، ٹی وی میں جو چیزیں ہوتی ہیں، کیا ہوتا ہے: ایک تو گانا اور گانے کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا اور پھر اس میں گانے بجانے کے آلات استعمال کیے جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں

کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے گانے بجانے کے آلات کو توڑنے کے لیے بھیجا ہے، میری بعثت اس کے لیے ہوئی ہے اور امتی کو بغیر اس کو سنے ہوئے سکون اور چین نہ پڑے، یہ حال محبت کا دعویٰ کرنے جیسا ہے؟

## ٹی وی بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہے

اور پھر یہ کہ اس میں عورتوں کا جو اختلاط ہوتا ہے، اس پر جو عورتیں دکھائی جاتی ہیں، ان کی طرف مرد شہوت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، حالاں کہ قرآنِ پاک میں نگاہ کی حفاظت فرض قرار دی گئی ہے، حدیث میں اس کے بارے میں بڑی تاکیدیں آئی ہیں، اس میں عورتیں بھی مردوں کو دیکھتی ہیں، اس ٹی وی پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط دکھایا جاتا ہے، یہ وہ گناہ ہیں جن کا ناجائز اور حرام ہونا قرآن وحدیث کے اصول سے صاف صاف ثابت ہے، اس کے بعد ایک آدمی اپنی زبان سے یہ کہتا ہے ''اس میں کیا حرج ہے'' آپ خود اندازہ لگائیے کہ ایسا جملہ بول کر کے اس کا ایمان کیسے محفوظ رہ سکتا ہے! یہ ٹی وی جو ہے، اس نے تو ہماری نسلوں کو خراب کر دیا ہے۔ ایک جرمن ماہرِ عمرانیات کا کہنا ہے کہ یہ ٹی وی تمہارے معاشرے کو ختم کرے، تباہ کرے، تمہاری آنے والی نسلوں کو برباد کرے، اس سے پہلے اس کو اٹھا کر نکال دو۔

## ٹی وی کی مشغولیت کے خطرناک نتائج

اس ٹی وی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسے عذاب قبر میں مقرر کیے ہیں، ایسے واقعات سامنے آتے ہیں، جس کا ہم اور آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ چناں چہ مفتی

عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم کے خطبات کے اندر ایسے واقعات ہیں اور ایسے واقعات پہلے رسالہ ''ختمِ نبوت'' اور دوسرے رسالوں میں بھی آچکے ہیں۔ رمضان کا واقعہ ہے کہ ایک ماں افطاری بنانے میں مشغول تھی، بیٹی سے بھی کہا کہ چلو! افطاری بنانے میں میری مدد کرو، آج مہمان بھی آنے والے ہیں تو بیٹی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ٹی وی پر جو سیریل آتی ہے، وہ مجھے دیکھنی ہے تو ماں کے اصرار کے باوجود وہ نہیں مانی اور اس نے اندر سے دروازہ بند کرلیا کہ کہیں ماں بار بار بلا کر مجھے تنگ نہ کرے، اس کے بعد وہ ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہوگئی، اِدھر افطاری بھی تیار ہوگئی اور غروب کا وقت بھی قریب ہوگیا، ابھی وہ کمرہ بند ہے، گھر کے لوگ، اس کا باپ، بھائی وغیرہ بھی آچکے ہیں۔ ماں نے آواز دی تو کوئی جواب نہیں ملا، اوپر گئی، دروازہ کھٹکھٹایا پھر بھی دروازہ نہیں کھولا تو اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا۔ دروازہ توڑا گیا تو دیکھا کہ وہ مردہ اوندھی پڑی ہوئی ہے۔

لوگوں کو بلایا گیا، اس کو اٹھانا چاہ رہے ہیں لیکن اٹھا نہیں پارہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم کا ''ٹنوں'' وزن ہو، کئی آدمی مل کر بھی اس کو اٹھا نہیں سکے۔ اتنے میں کسی کو خیال آیا اور اس نے جو ٹی وی کو اٹھایا تو سارا وزن ختم ہوگیا اور وہ ہلکی ہوگئی، اس کے جسم کو اٹھا کر لایا گیا، غسل دیا گیا اور غسل کے بعد کفن پہنا کر جنازے میں رکھا گیا، جب جنازہ اٹھانے کا وقت آیا تو جنازہ، چارپائی اٹھا رہے ہیں لیکن اس میں وہی ٹنوں وزن محسوس ہو رہا ہے پھر اس ٹی وی کو اٹھایا گیا تو آسانی سے جنازہ اٹھ گیا۔ اب لوگ ٹی وی آگے آگے لے کر چل رہے ہیں اور جنازہ پیچھے پیچھے آرہا ہے،

وہاں قبرستان لے کر پہنچے، اس کو دفن کیا گیا، دفن کرنے کے بعد جو ٹی وی کو واپس لانے کے لیے اٹھایا گیا تو قبر کھلی اور اس کی لاش باہر آ گئی، دوبارہ، سہ بارہ اسی طرح ہوا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ ٹی وی بھی اسی کے ساتھ دفن کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ٹی وی کو اسی کے ساتھ دفن کیا گیا تو ٹی وی کی نحوست کی وجہ سے اس کا یہ برا حال ہوا۔

## ایک اور عبرت ناک واقعہ

ایک بڑے میاں کا واقعہ لکھا ہے کہ رمضان کے اندر ٹی وی دیکھ رہے ہیں اور ٹی وی دیکھتے دیکھتے اس کو غشی آئی، منہ کھلا ہے، اب دوسرے لوگ بھی مشغول ہیں، ان کو پتہ نہیں، اسی حالت میں ان کو موت آ گئی، منہ کھلا ہوا ہے، بعض نے اس کے منہ کو بند کرنا چاہا لیکن نہیں ہوا، اس طرح رمضان کے اندر اسی طرح ٹی وی دیکھتے دیکھتے اس کو موت آ گئی۔

## قبر کا عذاب دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے

دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی عذابِ قبر کے واقعات بہت سارے لوگوں کے سامنے آئے ہیں، ایک اور واقعہ مفتی عبدالرؤف صاحب ہی کے خطبات کے اندر ہے کہ ایک جماعت ایک بستی کے اندر گئی ہوئی تھی، وہاں یہ ہوا کہ وہاں بستی کے لوگ مسجد میں جماعت کے لوگوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم ہمارے ساتھ چلو، ہمارے یہاں ایک میت ہوئی ہے، آپ آئیے، ہم تو پریشان ہیں۔ وہ گئے، گھر کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ لڑکی کی میت پڑی ہوئی ہے اور چاروں طرف بڑے

بڑے کنکھجورے منہ کھولے ہوئے کھڑے تھے اور اتنی بڑی سائز کے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ان کو دیکھ کر ڈر گئے، گھر والے رو رہے تھے، اس کو دیکھ کر کانپ رہے تھے اور کہنے لگے کہ ہماری سمجھ میں تو بات نہیں آتی، تم نیک لوگ ہو، کچھ دعا کرو۔

تو وہ لوگ بیٹھ کے دعا اور استغفار کرنے لگے اور دعا کی کہ یا اللہ! اس میت کو کفن دینا، اس کو غسل دینا، یہ ایک ذمہ بھی تو نے رکھا ہے، اس کا موقع دیا جائے۔ چناں چہ وہ کنکھجورے ایک کونے میں جمع ہو گئے، انھوں نے میت کو وہاں سے اٹھوا کر اس کو غسل دلوایا اور کفن پہنا کر کے قبرستان لے گئے۔ جب اس کو قبر میں رکھنے کے لیے قبر میں اترے تو دیکھا کہ وہ سارے کنکھجورے قبر کے اندر ہیں تو یہ قبر کا عذاب مختلف گناہوں کی وجہ سے آتا ہے۔

## بلا اختیار کانوں میں پہنچنے والی گانے کی آواز سے بھی احتیاط بہتر ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گانے بجانے سے منع فرمایا ہے، آج کل گانا بجانا اتنا عام ہو گیا ہے کہ خدا کی پناہ! خدا کی پناہ! آدمی کے لیے بچنا مشکل ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے، حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، میں اس وقت چھوٹا تھا، ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے، اس وقت کا قصہ بیان کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اونٹ پر سوار ہیں کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک چرواہا بانسری بجا رہا ہے، اس کی آواز آئی تو اس کو سن کر آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور اپنے جانور کو سڑک پر سے اتار لیا

اور مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ آواز آرہی ہے یا نہیں آرہی ہے، یہاں تک کہ جب میں نے کہا کہ آواز نہیں آرہی ہے، تب انھوں نے اپنے کانوں میں سے انگلیاں نکالیں اور کہا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا کہ آپ نے ایک چرواہے کو بانسری بجاتے سنا تو آپ نے اسی طرح اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور مجھ سے اسی طرح پوچھتے رہے اور جب میں نے کہا کہ آواز نہیں آرہی ہے تو انگلیاں کانوں میں سے نکالیں (۱)۔ تو گویا یہ تو غیر اختیاری آواز ہے اور گانے بجانے کی آواز بلا قصد آرہی ہے، اس کو سننے کا ان کا ارادہ نہیں ہے تو وہ گناہ گار بھی نہیں ہیں لیکن احتیاط تو بہر حال بہتر ہے اور اللہ کے مخصوص بندے ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اس سے بھی بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ ہے: وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ۔

## واقعۂ بالا کا تکملہ

ایک اور قصہ ٹی وی کا یاد آ گیا، وہی جو اوپر بیان کیا جا رہا تھا، جماعت والے حضرات فرماتے ہیں کہ تدفین کے بعد ہم اس لڑکی کے گھر گئے اور اس کی ماں سے پوچھا کہ آخر آپ کی لڑکی کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوا؟ تو جواب دیا کہ وہ ایسی کوئی نیک لڑکی نہیں تھی، ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں ایسا ہوا کہ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی اور ٹی وی کے اوپر ناچنے والی وہ گانا گا رہی تھی اور وہ وہ گانا تھا جو اس کو بہت پسند تھا، اتنے میں اذان کی آواز آنے لگی تو میں نے کہا کہ بیٹی! اذان کی آواز آرہی ہے، بند کر دو تو اس

---

(۱) سنن أبي داود، باب كَرَاهِيَةِ الْغِنَاءِ وَالزَّمْرِ.

کے جواب میں وہ کہتی ہے: ماں! اذان تو روزانہ ہوتی ہے، اس کو سننے کا مجھے موقع کہاں ملے گا! اس کی وجہ سے یہ عذاب ہوا۔

## اذان کا احترام کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکرام

آج گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے، برائیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے شعائرِ اسلام کی جو عظمت ہمارے دلوں میں رہنی چاہیے، وہ بھی باقی نہیں رہی۔ ضمناً اذان کی بات آئی تو کتاب میں ایک واقعہ اعظم گڑھ کا پڑھا تھا، اس علاقے کا کہ ایک عورت تھی، بالکل جاہل، عبادت گزار بھی نہیں تھی لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا تو دیکھا کہ پورے کمرے میں ایک خوشبو اور مہک پھیل گئی ہے۔ وہاں کے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ تو نماز کی بھی پابند نہیں تھی، یہ واقعہ اس کے ساتھ کیوں پیش آیا؟ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ جب اذان ہوتی تھی تو کوئی بھی کام ہو، ہر کام چھوڑ چھاڑ کر دوپٹہ وغیرہ سر پر ڈال کر بیٹھ جاتی تھی اور اذان پوری ہونے کے بعد اپنا کام شروع کرتی تھی، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اکرام کا یہ معاملہ کیا گیا۔

## گانا زنا کا منتر ہے

تو بہر حال! یہ اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے، اس کی عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے، گانے سننے کی عادت کے نتیجے میں اس کی عظمت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے صوفی بزرگ ہیں، وہ تو فرماتے ہیں: الغناءُ رُقیۃُ الزنا کہ: گانا جو ہے نا وہ زنا کا منتر ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی زنا میں بھی مبتلا

ہوتا ہے، یہ زنا کاری کی جو کثرت ہے۔ گانا، زنا اور شراب یہ تینوں گناہ آج کل اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اچھے سے اچھا معاشرہ اور مسلمانوں کی اچھی سے اچھی آبادی اور سوسائٹی اس سے محفوظ نہیں ہے، سب اندر کا حال جانتے ہیں اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ اندر کیا ہو رہا ہے لیکن کوئی بولنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ میری آپ کی سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

## تو انتظار کرو اس وقت سرخ آندھیوں کا

وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا: یہ حدیث کا آخری جزء ہے جس پر آج تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں، لعنت ملامت کرنے لگیں، ان کی شان میں گستاخی کریں، ان کو سب وشتم کریں۔ یہ پندرہویں علامت ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔ فرماتے ہیں: فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا: جب یہ ساری چیزیں ہونے لگیں تو انتظار کرو اس وقت سرخ آندھیوں کا۔ گویا آگ برسے گی، ایسے واقعات رونما ہوں گے، أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا: یا لوگ زمین میں دھنسا دیئے جائیں یا لوگوں کے چہرے اور ان کی شکلیں بگاڑ دی جائیں گی، یہ عذاب گویا جگہ جگہ عمومی انداز میں پیش آئے گا۔

## اسلاف کی برائی کرنا بھی عذاب کو دعوت دینے والا ہے

یہ آج آخری جزء ہے: وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا کہ: اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں، لعنت ملامت کریں، ان کی شان

میں گستاخی کریں، ان کو سب وشتم کریں۔ یہ سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا ہے، شیعہ اور روافض کے یہاں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مستقل طعن وتشنیع اور سب وشتم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر ہے۔ میں ان کے کچھ عقائد مختصر انداز میں ان کی کتابوں سے پیش کرتا ہوں؛ کیوں کہ تفصیل کا وقت نہیں ہے۔

## حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں شیعہ کی دریدہ دہنی

شیعہ اپنے عقائد اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں، اس میں یہ ہے کہ ہم چار بتوں سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں، یہ چار بت سے کون مراد ہیں؟ (۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ -نعوذ باللہ من ذلک- اور چار عورتوں سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں: (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۳) حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا (۴) حضرت اُمِّ ارقم رضی اللہ عنہا۔ اور وہ تمام جو ان کے پیروکار ہیں، ان کے ماننے والے ہیں- یہ ان کا عقیدہ ہے کہ- روئے زمین پر یہ بدترین خلائق ہیں، ساری مخلوق میں بدتر لوگ ہیں-نعوذ باللہ من ذلک- نقلِ کفر کفر نہ باشد- کتنا خطرناک، کتنا گھٹیا عقیدہ ہے! دوسرے عقائد تو بہت گندے ہیں، یہ تو صرف صحابہ سے متعلق ہیں، سب نہیں۔ آپ کے سامنے ان کے دو چار عقائد ہی پیش کر رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک آدمی ان چار بتوں سے اپنی برأت کا اظہار نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا ایمان معتبر نہیں ہوگا۔

## شیعوں کے عقائدِ شنیعہ

ان کا ایک اور عقیدہ ہے - نعوذ باللہ من ذلک - امام مہدی جب آئیں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حد یعنی - نعوذ باللہ - زنا کی سزا جاری کریں گے، یہ ان کا عقیدہ ہے - نعوذ باللہ من ذلک - اور ایک عقیدہ ان کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سبھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مرتد ہو گئے - نعوذ باللہ - ایمان سے نکل گئے سوائے تین کے۔ وہ تین کون ہیں؟ (۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ (۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

## حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک عقیدۂ فاحشہ

ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ قرآن میں جہاں فرعون اور ہامان کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد - نعوذ باللہ - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور قرآن کے اندر "اَلْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ" کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد بھی - نعوذ باللہ - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اتنے خطرناک ان کے عقیدے ہیں۔ یہ تو بس کچھ چیزیں ہیں۔

## شیعوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں بخشا

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ان کے برے برے عقائد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھیجی تھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غلطی سے لاتے رہے، - نعوذ باللہ - "۲۳" سال تک اللہ تعالیٰ کو پتہ ہی نہیں چلا

کہ میں جہاں جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی بھیج رہا ہوں، وہ جبرئیل تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا رہے ہیں، اللہ تبارک تعالیٰ کے متعلق، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق ان کا یہ عقیدہ کتنا خطرناک ہے۔

## ہم تک دین پہنچنے کے واسطے

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ ہمارے دین کے دو واسطے ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں دین کے اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا، وہ پہلا واسطہ ہیں، دین اللہ تعالیٰ کے یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آیا ہے، جن لوگوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام پر اعتراضات کیے، جیسے یہودی کہتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمارے دشمن ہیں تو قرآن پاک نے کہا: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، اور آگے فرمایا: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ اس میں ان کی تردید کی گئی ہے۔

## حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امانت، ثقاہت اور بے نظیر قوت

بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امانت اور ثقاہت کو ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ﴾ [التکویر: ۱۹-۲۱] کہہ کر کے بیان کیا گیا کہ یہ قرآن ایک ایسے فرشتے کے ذریعہ سے پہنچایا جارہا ہے جو بڑا شریف، بڑا باعزت ہے، بڑا قوت والا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت کا یہ عالم کہ قومِ لوط کی

بستیوں کو جب اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنا چاہا تو پوری بستیوں کو ایک ''پر'' پر اٹھا کر کے آسمان کی طرف لے گئے، آسمان والوں نے اس بستی کے جانوروں کی آوازیں سنیں اور پھر ان کو الٹ دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایسے ''۶۰۰'' پر ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اگر اپنے دو پر پھیلا دیں تو ساری دنیا کو ڈھانپ دیں، یہ حال ہے ان کی قوت کا، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ: عرش والے کے یہاں بڑے باعزت ہیں، باوجاہت ہیں، مقام اور منزلت والے ہیں، مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ: اور آسمان والوں میں، فرشتوں میں ان کی بات مانی جاتی ہے، اطاعت کی جاتی ہے اور امانت دار ہیں، اب ان کے اوپر یہ لوگ الزام لگا رہے ہیں!!

## خدا نے خود جنھیں بخشا رضامندی کا پروانہ

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت تک دین کے پہنچنے کا واسطہ ہیں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، پورا دین، چاہے وہ قرآن ہو یا حدیث ہو، ساری چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لینے والے اور آپ سے لے کر امت تک پہنچانے والے واسطہ کون ہیں؟ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین! اگر - نعوذ باللہ - وہ مشکوک ہو جائیں، وہ اگر نا قابلِ اعتبار بن جائیں تو دین کہاں رہے گا! اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی۔ قرآن کے اندر صحابہ کے بڑے فضائل ہیں: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ [التوبة: ۱۰۰]: کہ جو سب سے پہلے سبقت کر کے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار اور جو ان کے بعد آئے،

جنھوں نے بھلائی کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، گویا دو جماعتوں کا حال بیان فرمایا: ایک تو سابقینِ اولین: شروع میں ایمان لانے والے اور دوسرے وہ جو ان کے بعد آئے، اور بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کی، سبھی کے بارے میں فرماتے ہیں: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کہ: اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی قرآن میں اتار کر اعلان کر دیا کہ اللہ کی رضامندی ان کو حاصل ہے اور اللہ کی رضامندی معمولی چیز نہیں ہوتی، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ [التوبة: ۷۲]: اللہ کی خوشنودی اور رضامندی بہت بڑی چیز ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کو خطاب کریں گے: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ: اے جنتیو! اس کے جواب میں جنتی عرض کریں: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ: کہ ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں، آپ کی تعمیلِ ارشاد کے لیے موجود ہیں، ساری بھلائی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، کیا ارشاد ہے؟ باری تعالیٰ پوچھیں گے: هَلْ رَضِيتُمْ؟: کیا تم خوش ہو گئے؟ تو اس کے جواب میں جنتی کہیں گے: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ: اے اللہ! ہم کیسے راضی اور خوش نہ ہوں جب کہ آپ نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کیں جو اپنی مخلوق میں سے

کسی اور کو نہیں دیں۔ تو باری تعالیٰ پوچھیں گے: أَلا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ: اس سے بہتر نعمت نہ دوں؟ تو جنتی پوچھیں گے: باری تعالیٰ! کیا اس سے بھی بہتر کوئی نعمت ہے؟ ساری جنت تو مل گئی! جنت کی ساری چیزیں مل گئیں، اب اس سے بہتر کیا ہوگا! تو باری تعالیٰ فرمائیں گے: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلاَ أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا: میں اپنی رضا مندی اور خوش نودی کا پروانہ ہمیشہ کے لیے تم کو دیتا ہوں، اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا(۱)۔

## انھیں پر بعض ناداں کچھ گڑھا کرتے ہیں افسانہ

یہ وہ نعمت ہے جو جنتیوں کو بھی جنت میں جانے کے بعد سب سے اخیر میں ملے گی، وہ نعمت اللہ تعالیٰ نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا میں عطا فرمائی تو اس سے اندازہ لگائیں کہ صحابۂ کرام کا کیا مقام ہے! قرآن میں ارشاد ہے: ﴿فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلٰى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ [الفتح:٢٦] کہ: اللہ تعالیٰ نے ان حضراتِ صحابہ کے لیے کلمۂ تقوی لازم کر دیا، جیسے آگ کے لیے گرمی، پانی کے لیے ٹھنڈک لازم ہے، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے صفتِ تقویٰ لازم ہے، وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا: اور یہی حضرات اس کے سب سے زیادہ حق دار اور اس کے اہل ہیں۔ یہ قرآن کہتا ہے، گویا ان سے یہ تقویٰ والی صفت کبھی الگ ہو سکتی نہیں ہے۔

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب كلام الرب مع أهل الجنة.

## حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہونے والے قرآنی القاباتِ ثمینہ

یہ وہ حضرات ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ [الحجرات:۳] کہ: اللہ تعالیٰ نے دلوں کے معاملے میں ان کے دلوں کا امتحان لیا: کبھی بدر میں کبھی احد میں، کبھی خندق میں، کبھی حنین کے وقت۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سرٹیفیکٹ دے دیا گیا: ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ [الحجرات]: راہِ راست پر چلنے والے یہی ہیں، ﴿فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الحشر]: کامیابی کے حاصل کرنے والے یہی ہیں، ﴿وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ [التوبۃ:۲۰]: فوز و فلاح پانے والے یہی ہیں، ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ [الأنفال:۷۴] حقیقی معنے میں ایمان والے یہی ہیں۔ قرآن میں کیسے کیسے القاب سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نوازا ہے۔

## اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جائے اس سے کبھی ناراض نہیں ہوتے

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب ہے: **الإستيعاب في معرفة الأصحاب**، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو گئے، کبھی اللہ اس سے ناراض نہیں ہوں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی اگلی پچھلی سب باتوں کا علم ہے۔ ہم اور آپ کسی سے راضی ہو جائیں، آئندہ کیا ہونے والا ہے، ہم کو معلوم نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ آئندہ کچھ ایسے حالات پیش آ جائیں جن کی وجہ سے ہمیں اس سے ناراض ہونا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؛ اس لیے جس

سے اللہ راضی ہوگیا، کبھی اللہ تعالیٰ اس سے ناراض نہیں ہوگا، یہ ان حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ایک بہت بڑا سرٹیفیکٹ ہے۔

## میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں

اسی لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ (۱) کہ: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرلوگے، تم راہِ راست کو پالوگے۔ جیسے ستارے ہیں کہ جو لوگ ستاروں کو پہچانتے ہیں، اندھیری راتوں میں سفر کے موقع پر جس ستارے کو بھی پہچانے گا، وہ اس کے ذریعہ سے اپنا سفر آسانی کے ساتھ قطع کرلیتا ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ کے سلسلے میں تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کی شخصیتوں کو، ان کی ذاتوں کو نشانۂ تنقید نہ بناؤ، اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي کہ: میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي: میرے بعد ان کو تم نشانۂ تنقید مت بنانا، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ: جنھوں نے ان سے محبت کی، میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی یعنی حضراتِ صحابہ سے محبت کرنا دلیل ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی تو آپ کے صحابہ سے محبت کی، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ: اور جس نے ان سے عداوت اور دشمنی کی تو میری عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اس نے ان سے دشمنی کی، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي: جس نے انھیں تکلیف دی، اذیت پہنچائی، اس نے مجھے

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۱۵۸، باب جامع بیان ما یلزم الناظر في اختلاف العلماء.

اذیت پہنچائی، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ: اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی، گویا اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی، وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ: اور جو اللہ کو تکلیف پہنچائے گا، اللہ اس کی گرفت کریں گے اس کو پکڑیں گے (۱)۔

## میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمھارے شر کے اوپر (۲)۔ ایسے لوگوں کے منہ پر، ان کے سامنے کہو۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ: کہ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو! تم میں سے ایک آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابی کے ایک مد یا آدھے مد خرچ کرنے کے بھی برابر نہیں ہو سکتا (۳)۔

## ہمارا زندگی بھر کا عمل صحابہ کی معمولی سی عبادت کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا

اندازہ لگائیں! صحابہ نے جو دو رکعتیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں پڑھ لیں، ساری امت کی نمازیں ان دو رکعتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، صحابہ نے جو صدقہ اور خیرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول کر لیا تو

---

(۱-۲-۳) سنن الترمذي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي مَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ساری امت کا صدقہ اور خیرات اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

صحابہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں: حج کے سفر میں، جہاد کے سفر میں شرکت کی، ان کے اس عمل کا مقابلہ پوری امت کے سارے اعمال نہیں کرسکتے: اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ: ان کا ایک ساعت کے لیے کھڑے رہنا تمھاری زندگی بھر کے عمل سے بہتر ہے[۱]۔ یعنی تمھارا زندگی بھر کا عمل ان کی معمولی سی عبادت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ ان کا مقام کس قدر اونچا ہے۔

## حضراتِ صحابہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا مقولہ

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ صحابی کے برابر کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی نہیں ہوسکتا، ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جن کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے اپنے لیے دعا کروانا! اپنی بلندئ شان اور علوِّ مرتبت کے باوجود جب انھیں شرفِ صحابیت حاصل نہیں ہوا تو وہ ادنی صحابی کے برابر بھی نہیں ہوسکتے پھر حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت

---

(۱) سنن ابن ماجة، فَضَائِلُ الصَّحَابَةِ.

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ؟ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کی خلافت کا دور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ خلافتِ راشدہ جیسا تھا لیکن وہ صحابی نہیں تھے تو اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟ سننے جیسی بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جس کسی سفر میں شرکت رہی اور ان کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار اور دھول پہنچی، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے وہ دھول کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضراتِ صحابہ کا مقام کتنا اونچا ہے۔

## اسلاف کے بارے میں شمس الدین سلفی کی دریدہ دہنی

ان صحابہؓ کو یہ لوگ نشانِ تنقید بناتے ہیں اور آج ایسے اور بھی لوگ پیدا ہوتے جا رہے ہیں جو اسلاف کو، صحابہ کو اور ان کے علاوہ اکابر کو، بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آج ایک جماعت خود کو سلفی کہتی ہے اور وہ ایسی ایسی گستاخیاں اسلاف کی شان میں کرتے ہیں! ایک کتاب شائع ہوئی ہے: ”جهود العلماء فی ابطال عقائد القبورية“، لکھنے والا ہے شمس الدین سلفی جس کو مدینہ یونورسیٹی سے پی ایچ ڈی (p.h.d.) کا سرٹیفیکٹ دیا گیا، اس نے اپنی کتاب میں ایسی ایسی خطرناک باتیں لکھی ہیں کہ ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، مذاہبِ اربعہ یعنی یہ جو چار ائمہ ہیں اور ان کو ماننے والے، چاہے وہ حنفی ہو، شافعی ہو، مالکی ہو، حنبلی ہو، ان سب کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ سب قبر پرست ہیں بلکہ ان کے متعلق لکھتا ہے کہ بدترین قبر پرست اور ملحدین ہیں اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق وہ کیا لکھتا ہے؟ کہ غزالی قبر پرستوں،

جہمیوں، صوفیوں کا بوقتِ واحد حجۃ الاسلام ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جن کی مثنوی ہے جو گویا فن تصوف کی بنیاد ہے، ان کے بارے میں کیا لکھتا ہے؟ صوفیا کا امام، حنفی، صوفی، وحدۃ الوجود کا قائل اور خرافات بکنے والا، یہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتا کہ وہ صوفیا کا امام ہے اور اس کی قبر کی لوگ ہندوستان میں پوجا کرتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم گذرے ہیں، ان کے متعلق تو لکھا ہے - نعوذ باللہ - ملحد، زندیق اور بے دین بلکہ ایک جگہ لکھتا ہے: ''شیخ الکفر''۔

## حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے بارے میں ایک اور سلفی کی ہرزہ سرائی

ایک کتاب اور آئی ہے جس کا نام ہے: ''شیخ عبد القادر جیلانی و آراءہ الاعتقادیۃ والصوفیۃ'' نام تو بہت اچھا معلوم پڑتا ہے لیکن اس میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس کے اندر وہ زہر اگلا ہے کہ خدا کی پناہ! اس کے لکھنے والے کو ''اُمّ القُری'' یونیورسیٹی مکہ مکرمہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے، اس میں وہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتا ہے کہ قبر پرست اور بدعتی ہیں، ساری بدعتوں کی جڑ وہ ہیں - نعوذ باللہ - ایسی ایسی باتیں آج کل اسلاف کے بارے میں لکھی جارہی ہیں اور جو لوگ حج کے لیے، عمرہ کے لیے جاتے رہتے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ اس

زمانے میں کیسے کیسے چھوٹے بڑے پمفلیٹ حاجیوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں، باقاعدہ ایک درخت کی شکل بنائی گئی ہے، وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ، اور پھر اس کے اندر وہ سب حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور پتہ نہیں کیا کیا ہوتا ہے۔ کسی کو نہیں چھوڑا اور سب ملحد، زندیق، قبر پرست اور پتہ نہیں کیا کیا القاب سے نوازا ہے۔

## حج، عمرہ کرنے والوں کو اسلاف سے بدظن کرنے کا ابلیسی مکر

اس قسم کے پمفلیٹ حاجیوں کے خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں اور حرم کے اندر ان کے جو بیانات ہوتے ہیں، حرمِ مکی کے اندر رکنِ یمانی کے سامنے پہلے ایک بڈھا ہوا کرتا تھا، وہ تو گیا۔ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایسی گستاخی، ایسی گستاخی کرتا تھا کہ ہم اور آپ تو سن نہیں سکتے۔ وہاں مدینہ منورہ کے اندر بھی یہی حال ہے، ابھی دو سال پہلے کی بات ہے، مدینہ منورہ جانا ہوا تھا، بقیع میں جانا ہوا، وہاں جو کھڑے رہتے ہیں، وہ کیا معاملہ کرتے ہیں، جو جاتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ یہاں کیا ہے؟ کیوں یہاں آئے ہو؟ اب میں ایک آدمی کو بتلا رہا تھا، وہ بھی چپکے سے کہ بھائی! یہ ازواجِ مطہرہ، امہات المؤمنین کی قبریں ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تم سے کس نے کہا کہ یہ ان کی قبریں ہیں؟ میں نے کہا کہ بھائی! یہی سنتے چلے آرہے ہیں، طبقہ در طبقہ، نسل در نسل۔ میں نے کہا کہ یہ مدینہ منورہ ہے، یہ کس نے کہا تم سے؟ ہے تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل کسی کتاب میں؟ بھائی! ہم باپ دادا سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ

یہ مسجدِ نبوی ہے، یہ وہ ہے، یہ فلاں جگہ ہے۔ یہ مسجد ہے، یہ کیسے پتہ چلا؟ اس کی دلیل یہی ہے کہ ہم طبقہ در طبقہ سنتے چلے آرہے ہیں، اس سے بڑی دلیل اور کیا چاہیے؟

## فِرقِ باطلہ کی تحریروں سے کنارہ کشی اختیار کرنا بہت ضروری ہے

تو بہر حال! ان کے یہاں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں اور آج کل یہ فتنہ بہت سر ابھار رہا ہے اور ان کی تحریریں اس سلسلے میں عام ہونے لگی ہیں تو یہ ہے: وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا کہ: اس امت کے بعد میں آنے والے اگلے لوگوں کے اوپر لعنت ملامت، سبّ وشتم، ان کی شان میں گستاخیاں کریں گے، یہ بہت عام ہوتا جارہا ہے، اس زمانے میں اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں، ایسی تحریروں کو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ایسی تحریروں اور ایسے مضامین سے اپنے آپ کو باز رکھنے کی کوشش کی جائے، اس کے اندر ایسا زہر ملایا جاتا ہے کہ پڑھنے والا بھی اس کی وجہ سے کبھی متاثر ہوجایا کرتا ہے، یہ فرقِ باطلہ والوں کی تحریریں ہیں نا، اس کے اندر ایک انداز ہوتا ہے، واقف کار تو بچ سکتا ہے لیکن جو شخص اس سے ناواقف ہوتا ہے اس کے لیے بچنا بہت مشکل ہے۔ جو آدمی تیرنا جانتا ہے، اگر وہ سمندر کے اندر گرے تو کوئی بات نہیں لیکن جو نہیں جانتا، اس کو تو یہی کہیں گے کہ مت جاؤ، مرجاؤ گے، ڈوب جاؤ گے۔ وہ کہے کہ اس میں کیا ہے؟ فلاں فلاں بھی تو جاتے ہیں تو اس کو کہیں گے کہ جو سیکھے ہوئے ہیں وہ جاتے ہیں، آپ سیکھے ہوئے نہیں ہیں، اگر جائیں گے تو ڈوبنا آپ کا نصیب ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے

کہ ان چیزوں سے خاص کر کے بچا جائے۔

## ہماری غفلت اور کوتاہی

اب کیا کہا جائے ہمارے ان مسلمانوں کو۔ ہمارے یہاں جو گجراتی اخبار آتے ہیں تو کوئی دن خالی نہیں کہ کوئی ''پرتی'' نہ نکلتی ہو، ایک ''پُرتی'' نکلتی ہے ''دھرم'' کے متعلق اور اس میں ہندو دھرم کی باتیں ہوتی ہیں اور اس کو مسلمان پڑھتے ہیں، اپنے دھرم کا لٹریچر پڑھنے کی فرصت نہیں ہے ہم کو، ہمارے دین کی جو چیزیں ہیں: قرآن کریم کی باتیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، دینی رسالے۔ باقاعدہ لوگ چھاپ چھاپ کے مفت میں دیتے ہیں، وہ لے کر جیب میں رکھ دیتے ہیں، اس کو پڑھتے نہیں ہیں اور ان اخبارات کو پیسے خرچ کر کے لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔

## ''توریت'' پڑھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خفگی

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں توریت کے اوراق لے کر کے آئے۔ توریت آسمانی کتاب ہے، اگرچہ اس کے اندر انھوں نے تحریف اور تبدیلی کر دی تھی۔ اب یہودیوں نے اس کا عربی میں جو ترجمہ کیا تھا، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا کر اس کو پڑھنا شروع کر دیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ توریت کے اوراق ہیں۔ وہ تو پڑھنے میں مشغول ہیں، اِدھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا ہے، بہت غصے میں بھر گئے، اب وہ تو پڑھنے میں مشغول ہیں، ان کو پتہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

- جو اس مجلس میں موجود تھے- نے کہا: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ: اے ابنِ خطاب! تمھاری ماں تم کو روئے یعنی تمھیں موت آئے، مَا تَرَى بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے نہیں کہ کیا کیفیت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھا کہ غصہ کی وجہ سے ایک دم لال ہو رہا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوراق فوراً اسمیٹ لیے اور کہنے لگے: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَمِنْ غَضَبِ رَسُولِهِ: ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ کی ناراضگی اور اس کے رسول کی ناراضگی سے، رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا: ہم دین کے اسلام ہونے کے اوپر اور اللہ کے رب ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کا نبی اور رسول ہونے پر دل سے راضی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس کے بعد کیا فرمایا؟: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي لَاتَّبَعَنِي: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کر لیتے تو گمراہ ہو جاتے اور اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی اور اتباع کیے بغیر چارۂ کار نہیں تھا(۱)۔

## اختتامی کلمات

اندازہ لگایئے! یہ چیزیں ہمارے عقائد کو کہاں پہنچا رہی ہیں، آج کا مسلمان ان سب باتوں کا خیال نہیں کرتا اور گویا اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

---

(۱) سنن الدارمي، عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي صلى الله عليه وسلم.

ضرورت ہے کہ ایسی چیزوں میں احتیاط برتی جائے۔

اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی ان سارے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ الحمدللہ! جو روایت شروع کی تھی، وہ پوری ہوگئی اور ہمارے پروگرام کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ بھی اختتام کو پہنچا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# حج کا مسنون طریقہ

سنہ ۲۰۱۰ء

# اقتباس

یہ وہ فریضہ ہے جو فرائضِ اسلام میں سب سے آخر میں فرض ہوا۔ ۹ھ میں حج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا حکم نازل ہوا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا۔ ویسے تو یہ دین کے اعمال بار بار کرنے کی وجہ سے آسان ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز جو آسان ہے، وہ اس لیے ہے کہ ہم بچپن سے اس کو کرتے رہتے ہیں اور کرنے والوں کو دیکھتے رہتے ہیں، ورنہ اگر خالی کتابوں میں پڑھ کر اس کو کرنے کی نوبت آئے تو آدمی سیدھے طریقے سے رکوع بھی نہیں کر سکتا۔ تو بہر حال! ان اعمال کو انجام دینے کے لیے ان کو سیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ ایک آدمی پر حج فرض ہوا اور اس نے اس فریضے کو ادا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی فرض ہے، بغیر سیکھے جائے گا تو ظاہر ہے، اس سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر پائے گا بہر حال! ہمارے یہاں اس کا طریقہ بتلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، و من یضللہ فلا ھادي لہ، و نشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد أن سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ، أرسلہ إلی کافّۃ الناس بشیرا و نذیرا، و داعیا إلی اللّٰہ بإذنہ و سراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و أصحابہ و بارک و سلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا﴾ [آل عمران:۹۷]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَۃَ لِلّٰہِ﴾ [البقرۃ:۱۹۶]

## حج کرنے سے پہلے اس کے مسائل کو جاننے کی ضرورت

محترم حضرات! آج کی ہماری یہ مجلس حج اور عمرے کا طریقہ بتلانے کے لیے قائم کی گئی ہے، جو حضرات حج کے لیے جایا کرتے ہیں تو ویسے حج فرضیت کے اعتبار سے زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتا ہے اور گویا پوری زندگی میں ایک مرتبہ یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو بار بار حاضری کی توفیق دے تو جتنا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ فضل کا معاملہ ہو، حاجی حج کے لیے جایا کرتا ہے لیکن چوں کہ یہ عمل

ہمیشہ مسلسل نہیں کیا جاتا؛ اس لیے وہ لوگ جو زندگی میں ایک مرتبہ کرتے ہیں، ان کے لیے تو ہے ہی دشوار؛ لیکن جو بار بار جایا کرتے ہیں، ان کو بھی اس کے مسائل کے سلسلے میں بہت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

## مسائلِ حج سے عدمِ واقفیت حج کو فاسد کرسکتی ہے

یہ وہ فریضہ ہے جو فرائضِ اسلام میں سب سے آخر میں فرض ہوا۔ ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا حکم نازل ہوا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا۔ ویسے تو دین کے یہ اعمال بار بار کرنے کی وجہ سے آسان ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز جو آسان ہے، وہ اس لیے ہے کہ ہم بچپن سے اس کو کرتے رہتے ہیں اور کرنے والوں کو دیکھتے رہتے ہیں، ورنہ اگر خالی کتابوں میں پڑھ کر اس کو کرنے کی نوبت آئے تو آدمی سیدھے طریقے سے رکوع بھی نہیں کرسکتا۔ تو بہر حال! ان اعمال کو انجام دینے کے لیے ان کو سیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ ایک آدمی پر حج فرض ہوا اور اس نے اس فریضے کو ادا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی فرض ہے، بغیر سیکھے جائے گا تو ظاہر ہے، اس سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر پائے گا بہر حال! ہمارے یہاں اس کا طریقہ بتلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

## حج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

حج عربی زبان میں کسی عظیم اور بڑی چیز کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اور فقہاء کی

اصطلاح میں مخصوص مہینوں میں: اشہرِ حُرُم میں، مخصوص ایام میں یعنی ایامِ حج میں، مخصوص افعال کے ذریعہ سے یعنی مناسکِ حج، حج کے کاموں کے ذریعہ سے مخصوص مقامات کا ارادہ کرنا: مکہ مکرمہ ہے، منیٰ ہے، مزدلفہ ہے، عرفات ہے، وہاں یہ حج کے مخصوص افعال اور کام انجام دئے جاتے ہیں تو بہر حال! یہ حج جو ہے وہ عربی زبان میں کسی باعظمت چیز کا ارادہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

## اعمالِ حج و عمرہ کی انجام دہی کی جگہیں

عمرہ کسی چیز کو آباد کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، یہ دونوں عبادتیں ایسی ہیں جو خاص مقامات پر یعنی مکہ مکرمہ میں، بیت اللہ میں اور اسی طریقے سے خصوصی طور پر حج کے افعال منی، مزدلفہ اور عرفات میں انجام دئے جاتے ہیں، ان کے اعمال کو لفظِ مناسک سے بھی تعبیر کرتے ہیں، مناسک بولتے ہیں تو حج میں کیے جانے والے اعمال مراد ہوتے ہیں تو بہر حال! یہ حج اور عمرہ دو عمل ہیں۔

## حج اور عمرہ کا وقت

حج کے مہینے تین ہیں: (۱) شوال (۲) ذوالقعدہ (۳) اور ذوالحجہ کے ''۱۳'' دن۔ ویسے تین مہینے بول کر کے گویا اکثریت مراد لی ہے اور اس کے افعال خاص طور پر پانچ دنوں میں ادا کیے جاتے ہیں، ان کو ایامِ حج سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک تو حج کے مہینے ہیں اور ایک ہے حج کے دن تو حج کے مہینے تین ہیں اور دن پانچ ہیں۔ اور عمرہ سال بھر ادا کیا جاتا ہے، البتہ جو حج کے مخصوص دن ہیں، ان میں عمرہ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے،

ان پانچ دنوں کے علاوہ آدمی سال میں جب بھی جائے، عمرہ ادا کرسکتا ہے۔

## احرام کو سمجھانے کے لیے ایک مثال

ان دونوں عبادتوں کو ادا کرنے کے لیے ایک خاص ہیئت کو اختیار کیا جاتا ہے، جس کو احرام کہا جاتا ہے، اس احرام کی حقیقت اگر آدمی سمجھ لے تو حج کے بہت سارے مسائل حاجی کے لیے آسان ہو جاتے ہیں تو اس کی حقیقت سمجھانے کے لیے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ: جیسے ہم نماز ادا کرتے ہیں تو نماز میں تحریمہ ہے، تحریمہ اور احرام عربی زبان کے الفاظ ہیں اور دونوں کا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ تحریم کا معنی ہے کسی چیز کو حرام کرنا اور احرام کا معنی بھی ہے کسی چیز کو حرام کرنا۔ نماز میں لفظِ تحریمہ استعمال ہوا ہے اور حج کے لیے لفظِ احرام استعمال ہوتا ہے۔

## نماز کی صحت کے لیے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاکی حاصل کرنا فرض ہے

ہم اور آپ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو نماز سے پہلے جو جو چیزیں ہمیں کرنی ہیں، جن کو شرائط کہتے ہیں۔ ویسے فرائض کچھ وہ بھی ہیں جو نماز شروع کرنے سے پہلے کرنے پڑتے ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو نماز کے اندر انجام دیئے جاتے ہیں، نماز سے پہلے جیسے جنابت یعنی بڑی ناپاکی سے طہارت حاصل کرنا اور اسی طریقے سے حدثِ اصغر یعنی چھوٹی ناپاکی سے پاکی حاصل کرنا۔ ناپاکی بھی دو قسم کی ہے: (۱) حقیقی (۲) حکمی، یعنی ایک تو ظاہری نجاست ہے جیسے جسم کے اوپر باقاعدہ پیشاب لگا ہوا ہے،

پاخانہ لگا ہوا ہے اور اسی طریقے سے جسم پر خون لگا ہوا ہے، گوبر لگا ہوا ہے، یا کپڑے پر لگا ہوا ہے تو کپڑوں کو، جسم کو ان ناپاکیوں سے پاک کرنا، یہ نجاستِ حقیقیہ سے پاکی حاصل کرنا کہلاتا ہے۔

## نجاستِ حکمیہ اور اس کی دو قسمیں

اور ایک ہوتی ہے نجاستِ حکمیہ یعنی دیکھنے میں تو کوئی نجاست نظر نہیں آتی لیکن شریعت نے ہمیں اس حال میں ناپاک قرار دیا جیسے کسی آدمی کو اگر احتلام ہو جائے، مخصوص شرائط کے ساتھ مادۂ منویہ خارج ہو جائے تو وہ آدمی ناپاک ہو گیا اور وہ اپنی اس ناپاکی کی وجہ سے عبادت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن کے کرنے کے وہ قابل نہیں رہا۔ یہاں جسم پر ظاہر میں کوئی نجاست نظر نہیں آتی، آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر نہیں بتا سکتے کہ یہ ناپاکی لگی ہوئی ہے۔ جسم کے کسی حصے میں بھی نہیں۔ اسی طریقے سے کسی آدمی نے پیشاب کیا، پاخانہ کیا اور اس کے بعد جو جگہ پیشاب پاخانے سے ملوث ہوئی تھی اس جگہ کو دھو لیا۔ ریح یعنی ہوا خارج ہوئی، ہوا کے نکلنے کی وجہ سے کوئی ناپاکی جسم پر نہیں ہے لیکن شریعت اس کو حکمی ناپاکی کہتی ہے اور اس حالت میں وہ آدمی اللہ کے سامنے کھڑے رہنے کے قابل نہیں رہا، جب تک کہ اس ناپاکی کو دور نہ کر دے، حالاں کہ یہاں جسم پر کوئی ناپاکی نظر نہیں آتی۔ اس حکمی نجاست کو دور کرنے کا بھی شریعت نے طریقہ بتلایا: اب اگر وہ چھوٹی ہے، حدثِ اصغر ہے تو اس کے لیے وضو کرنا ہے اور اگر بڑی ہے، حدثِ اکبر ہے تو اس کے لیے غسل کرنا ہے، یہ اس کا طریقہ بتلایا۔

## نماز سے باہر کے فرائض

بہرحال! میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے جو چیزیں کرنی ہیں: حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر سے اپنے آپ کو پاک کرنا، اپنے جسم کو ظاہری نجاستوں سے، نجاستِ حقیقیہ سے پاک کرنا، کپڑوں کو بھی پاک کرنا، جس جگہ پر نماز ادا کررہا ہے، اس جگہ کا بھی پاک ہونا اور اپنے جسم کے اس حصے کو جس کے چھپانے کو شریعت نے فرض قرار دیا ہے، جس کا نام ہے ستر: چھپانے کی چیز، اس کو چھپانا۔ یہ سب نماز سے پہلے کرنے کی چیزیں ہیں، سب تیاری کرکے آدمی نماز پڑھنے کے لیے آجائے، یہ سب فرائض ہیں اور عربی میں فقہاء کی اصطلاح میں ان کو شرائط کہا جاتا ہے یعنی نماز سے باہر کے فرائض۔ اور نماز کے اندر کرنے کی جو چیزیں ہیں، وہ بھی فرض ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں ان کو ارکان کہتے ہیں۔

## نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کرنا فرض ہے

خیر! یہ سب تیاری کرکے آیا نماز پڑھنا شروع کرنا چاہتا ہے تو دیکھو! نماز کی شروعات کے لیے دو چیزیں ہوتی ہیں۔ میں دراصل آپ کو احرام سمجھانا چاہتا ہوں، اس کے لیے آپ نماز کی یہ چیزیں سمجھ لیں گے تو اس کے بعد احرام کی کیفیت اور حقیقت بھی سمجھ میں آجائے گی۔ ہم اور آپ جب بھی نماز شروع کریں گے تو دو کام کریں گے، نماز سے پہلے کی سب تیاریاں کرکے جب مصلے پر آکر کے کھڑے ہوں گے، قبلے کی طرف منہ کرلیا، سب تیاری کرلی، نماز شروع کرنے کے لیے نیت ضروری ہے، جس

نماز کو آپ ادا کرنا چاہتے ہیں، فرض ہے تو فرض، نفل ہے تو نفل۔ فرض میں بھی کون سی؟ فجر کی، ظہر کی، عصر کی؛ وہ بھی متعین کرنا ضروری ہے۔

## نماز کا تحریمہ اور اس کی وجہِ تسمیہ

نیت کر لی اور نیت کرنے کے بعد اللہ اکبر کہا، جو نماز آپ پڑھنے جا رہے ہیں، اس نماز کی نیت اور اس کے بعد لفظِ اللہ اکبر، تکبیر۔ یہ دو چیزیں جب آپ نے کر لیں تو آپ نماز میں داخل ہو گئے، اسی تکبیر کو تحریمہ کہتے ہیں؛ اس لیے کہ نیت کرنے کے بعد جیسے ہی آپ نے اللہ اکبر کہا تو اللہ اکبر کہتے ہی بہت سی وہ چیزیں جو اللہ اکبر کہنے سے پہلے آپ کے لیے حلال تھیں، حرام ہو گئیں، اللہ اکبر کہنے سے پہلے آپ کے لیے کھانا حلال تھا، وہ اب حرام ہو گیا، بات چیت کرنا حلال تھا، وہ اب حرام ہو گیا، چلنا پھرنا حلال تھا، وہ اب ممنوع ہو گیا، اسی طریقے سے قبلے سے سینہ پھرانا حلال تھا، وہ اب ممنوع ہو گیا، کسی ضرورت کی وجہ سے ستر کھولنا حلال تھا، اب نماز میں نہیں کھول سکتے تو مطلب یہ ہے کہ بہت سے کام جو اللہ اکبر کہنے سے پہلے حلال تھے، وہ اللہ اکبر کہنے کی وجہ سے حرام ہو گئے، اسی اللہ اکبر کو شریعت کی اصطلاح میں تحریمہ کہتے ہیں یعنی وہ جملہ جو بہت ساری چیزوں کو حرام کر دیتا ہے۔

## حرمتِ صلوۃ سے باہر لانے والا کلمہ

اب اللہ اکبر کہنے کے بعد آپ ایک خاص حالت میں آ گئے، ایک خاص پوزیشن میں آ گئے اور اس پوزیشن میں آپ کے لیے یہ ساری چیزیں حرام ہو گئیں، یہ

حرمت کب تک باقی رہے گی؟ جب آپ سلام پھیریں گے اس وقت تک، اگر آپ نے دو رکعت والی نماز شروع کی ہے تو دو رکعت مکمل ہونے تک حرام رہے گی، جب آپ دو رکعت پوری کریں گے اور السلامُ علیکم ورحمۃ اللّٰہ کہیں گے تو وہ ساری چیزیں جو آپ پر حرام ہوگئی تھیں، وہ سب چیزیں حلال ہو جائیں گی، اسی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے: وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ کہ نماز میں حرام کرنے والی چیز تکبیر ہے یعنی اللہ اکبر اور اسی نماز میں حرام شدہ چیزوں کو حلال کرنے والا کلمہ کون سا ہے؟ السلامُ علیکم ورحمۃ اللّٰہ، تو ''تکبیر'' تحریمہ ہے اور یہ سلام تحلیلہ ہے: حلال کرنے والی چیز، دیکھو! اللہ اکبر کہنے کے بعد ہم ایک خاص پوزیشن میں آ گئے تھے اور اس پوزیشن میں بہت سی چیزیں حرام اور ممنوع تھیں، اسی پوزیشن کو حرمتِ صلوۃ کہتے ہیں، ایک خاص حالت جس میں ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔

## حرمتِ صلاۃ میں داخل ہونے کے لیے دو کام ضروری ہیں

اب ایک بات یہ یاد رکھو کہ نماز کی حرمت کے اندر داخل ہونے کے لیے دو کام کرنے پڑتے تھے: (۱) نیت (۲) تکبیر، اگر خالی نیت کرلی یعنی ابھی نماز کی نیت کر لی لیکن اللہ اکبر نہیں کہا تو ابھی نماز کے اندر داخل نہیں ہوا اور خالی اللہ اکبر کہا اور نیت نہیں کی، جیسے ابھی میں اللہ اکبر کہہ رہا ہوں لیکن میری نیت نہیں ہے نماز کی تو خالی اللہ اکبر کہنے سے آدمی نماز کے اندر داخل نہیں ہو جائے گا۔ آدمی اللہ اکبر کو تو بہت سی

مرتبہ بولتا ہے، چلتے پھرتے بھی بولتا ہے تو اس سے کوئی نماز شروع نہیں ہوجاتی تو نماز کے شروع ہونے کے لیے دو کام کرنے ہیں: نیت اور تکبیر۔ اب تکبیر جہاں کہی، وہ حرمتِ صلوۃ میں آ گیا اور وہ اس حرمت سے سلام تک باقی رہے گا۔

## حج کے احرام میں داخل ہونے کے لیے نیت اور تلبیہ ضروری ہے

بس آپ حج اور عمرے کے لیے یوں سمجھو کہ جو آدمی حج یا عمرہ کرنا چاہتا ہے تو حج اور عمرہ کرنے کے لیے شریعت نے اس کو ضروری قرار دیا کہ نیت کرو، اگر حج کرنا ہے تو حج کی نیت کرو یا عمرہ کرنا ہے تو عمرے کی نیت کرو اور نیت کرنے کے ساتھ ساتھ تلبیہ پڑھو، تلبیہ کیا ہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ، فقہاء نے اس کو پڑھنے کا طریقہ بھی یہی بتلایا ہے کہ آپ اس کو چار حصوں میں پڑھیں گے (۱) لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ (۲) لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ (۳) إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ (۴) لاَ شَرِيكَ لَكَ۔

## احرام کی وجہ سے بہت سے حلال کام حرام ہوجاتے ہیں

اب اس نے عمرے کی نیت کی تھی اور ساتھ میں تلبیہ پڑھا تو احرام شروع ہو گیا، ''احرام شروع ہو گیا'' یعنی پہلے بہت سی چیزیں حلال تھیں، وہ اب حرام ہو گئیں، پہلے سِلے ہوئے کپڑے پہننا حلال تھا، اب حرام ہو گیا، خوشبو لگانا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، بال منڈوانا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، ناخن ترشوانا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، سر ڈھانپنا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، چہرہ ڈھانپنا پہلے حلال تھا، اب

حرام ہو گیا، اسی طرح بہت ساری چیزیں: شکار کرنا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا بہت ساری چیزیں پہلے حلال تھیں، اب حرام ہو گئیں؛ اس وجہ سے اس کا نام احرام ہے۔

## حلق اور قصر حج اور عمرے کے لیے تحلیل کے درجے میں ہیں

اب یہ چیزیں جو حرام ہو گئیں، کب تک حرام رہیں گی؟ اس وقت تک حرام رہیں گی، جب آپ عمرے کے کام پورے کر کے اپنے سر کے بال منڈوالیں گے، اگر عمرے کا احرام باندھا ہے اور اگر حج کا احرام باندھا ہے تو حج کے سب کام کرنے کے بعد اخیر میں سر کا حلق کروائیں گے تو حلال ہو جائیں گی۔ یہ حلق جو ہے، یہ تحلیل ہے، جیسے نماز میں تکبیرِ تحریمہ تحریم اور سلام تحلیل ہے، ایسے ہی حج میں تلبیہ اور نیت حرام کرنے والا ہے اور حلق حلال کرنے والا ہے لیکن ایک بات یاد رکھو! حج اور عمرے میں حلق حلال کرنے کا کام اس وقت کرے گا جب آدمی سارے کام کرنے کے بعد کرے، مثلاً عمرے کا احرام باندھا تو عمرے کا طواف کیا، عمرے کی سعی کی، اس کے بعد حلق کرایا تو حلق حلال کرنے کا کام کرے گا اور اگر عمرے کا احرام باندھ کر خالی بیت اللہ کی زیارت کرتا رہا اور حلق کرا ڈالا تو احرام نہیں کھلا۔

## حج وعمرہ کے احرام اور نماز کی تحریمہ میں فرق

دیکھو نماز کے تحریمہ اور حج کے احرام میں یہی فرق ہے۔ نماز میں تو کیا ہوتا ہے؟ کوئی ایسا کام جو نماز کے خلاف ہے کریں گے تو تحریمہ ٹوٹ جائے گی، کھانا کھا لیں گے، بات کر لیں گے، چل پھر لیں گے، سینے کو قبلے کی طرف سے ہٹا لیں گے تو نماز

ختم ہو جائے گی۔ جب کہ حج اور عمرے کا احرام تو گلے پڑتا ہے، حج اور عمرے کا احرام تو ایسا ہے کہ آپ کچھ نہ کریں اور کھول دیا تو نہیں چلے گا، جب تمام کام کر کے اخیر میں حلق کرائے تو کھلے گا۔ کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نے کچھ کیے بغیر چادریں اتار لیں، سر منڈوا لیا اور احرام کھل گیا تو نہیں کھلا، ابھی احرام باقی ہے۔ ایک عمل ایسا ہے جس سے حج کا اور عمرے کا احرام فاسد ہوتا ہے، وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا ہے اور وہ بھی حج میں وقوفِ عرفات سے پہلے اور عمرے میں طواف سے پہلے لیکن فاسد ہونے کے بعد بھی فقہاء یوں کہتے ہیں کہ آپ کو اعمال تو کرنے ہی پڑیں گے، احرام فاسد تو ہو گیا لیکن کھلا نہیں، کھلے گا کب؟ اعمال کرنے کے بعد: طواف بھی کرنا ہے، سعی بھی کرنی ہے، اس کے بعد دوبارہ قضا کرنی ہوگی۔ ایسے ہی حج کے اندر بھی چلتے رہو، کام سب کرتے رہو، یہ فرق ہے، یہ ذہن میں رہے۔ اب میں احرام کی جو حقیقت آپ کو بتلانا چاہتا تھا، وہ آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی تو احرام اس خاص کیفیت اور خاص پوزیشن کا نام ہے۔

## چادریں احرام نہیں، احرام کا لباس ہیں

اس کی شروعات اس طرح ہوتی ہے کہ جب آدمی احرام باندھنا چاہتا ہے تو پہلے سِلے ہوئے کپڑے اتار کر کے چادریں پہن لیتا ہے تو ہماری عام زبان میں ان چادروں کو احرام کہتے ہیں، یہ احرام نہیں ہے، یہ تو احرام کا لباس ہے؛ اسی وجہ سے اگر ان چادروں کو اتار کر دوسری چادریں پہن لیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ روزانہ چادریں بدلیں، روزانہ دھلی ہوئی چادریں پہنیں، جب تک کہ آپ اس سے فارغ نہ

ہوں، کوئی اس پر زد پڑنے والی نہیں ہے۔

## احرام کی چادریں احرام شروع ہونے سے پہلے پہننے کی وجہ

یہ پہلے کیوں پہنا جاتا ہے؟ تو جیسے نماز میں کیا ہوتا ہے کہ پہلے سے پاکی حاصل کی جاتی ہے، قبلے کی طرف منہ کیا جاتا ہے، پہلے سے سب تیاری کی جاتی ہے پھر تحریمہ باندھی جاتی ہے، کیوں؟ کیوں کہ اگر منہ دوسری طرف ہوا اور تحریمہ باندھ لی اور پھر منہ قبلے کی طرف کریں تو جتنی دیر میں تحریمہ باندھی اور پھر قبلے کی طرف منہ کیا، اتنی دیر تو استقبال رہا نہیں؛ اس لیے نماز نہیں ہوئی؛ اس لیے پہلے سے تیار رہنا پڑتا ہے، اسی طریقے سے حج اور عمرہ میں بھی پہلے سے تیار رہنا پڑتا ہے۔ اگر آپ یوں کریں کہ سِلے ہوئے کپڑے پہنیں پھر احرام کی نیت کر کے اتار دیں تو اتنی دیر تو گڑبڑ ہوگئی تو اس گڑبڑ کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ احرام نام ہے ایک مخصوص حالت کا کہ حج کرنے والا یا عمرہ کرنے والا حج یا عمرے کی نیت کر کے لبیک کہنے کی وجہ سے جس حالت میں پہنچ جاتا ہے، جس ہیئت میں پہنچ جاتا ہے، اس کا نام احرام ہے۔

## احرام کی قسمیں

اب حج کے احرام کی قسمیں بتلاتے ہیں، دو کام ہیں: حج اور عمرہ اور حج تو مخصوص دنوں میں کیا جاتا ہے اور حج کے لیے مخصوص مہینوں میں یعنی شوال کے اندر آدمی سفر کرتا ہے تو اگر کوئی آدمی حج کے لیے جاوے اور صرف حج کرے، عمرہ ساتھ میں نہیں کرتا، نہ پہلے، نہ بعد میں۔ اصل میں تو پہلے نہیں کرنا ہے، بعد میں نہ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں؛ اس

لیے کہ جب حج سے فارغ ہوگا تو حج کا احرام ختم ہوگیا۔ میں نے کہا نا کہ بولا جاتا ہے کہ حج کے مہینے تین ہیں لیکن حقیقت میں وہ دو مہینے اور ''۱۳'' دن ہیں تو ''۱۳'' ویں کے بعد جو کچھ بھی کرے گا تو وہ ''حج کے زمانے میں کیا'' یوں نہیں کہا جائے گا۔

## حرمِ مکی

بہرحال! اکیلا حج کرتا ہے یعنی یہاں سے جاتے وقت جہاں سے احرام باندھنا ہوتا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے اندر اپنا گھر کعبۃ اللہ بنایا ہے، وہ کعبۃ اللہ خود ایک عمارت ہے اور وہ جس مسجد میں ہے، اس مسجد کو مسجدِ حرام کہتے ہیں۔ اس کعبۃ اللہ کی حرمت کو باقی رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے آس پاس کا کچھ حصہ مقرر کیا کہ یہاں تک حرم ہے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہی کے ذریعہ وہ حدیں مقرر کروائی گئیں، کعبۃ اللہ سے سب سے قریبی جگہ جہاں حرم ختم ہوتا ہے، وہ تنعیم ہے جو تقریباً سات کیلومیٹر دور ہے، بعضے وہ ہیں جو ''۱۶'' کیلومیٹر دور ہیں، بعضے وہ ہیں کہ حرم سے زیادہ سے زیادہ ''۲۴'' کیلومیٹر کی دوری پر ہیں تو مطلب یہ ہے کہ بیچ میں تو کعبۃ اللہ ہے اور اس کے اطراف کا یہ حصہ حرم کہلاتا ہے۔ ایک تو حرم بول کر مسجدِ حرام بھی مراد لیتے ہیں اور ایک حرم یہ ہے۔

## مواقیت

تو بہرحال! اس حرم کے بعد ایک علاقہ ایسا ہے کہ وہاں آگے جا کر کچھ مقامات ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے متعین کردئے کہ

جو آدمی بھی مکہ آنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مقامات کو پار کرنے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے، گویا مکہ میں آنے والے کے لیے، مکہ کے ادب و احترام اور اس کی عظمت کے خاطر ضروری قرار دیا گیا کہ وہ احرام باندھے، ہمارے حنفیہ کے یہاں تو مکہ کسی بھی کام سے جانا ہو، حج اور عمرے کا ارادہ نہ ہو، جب بھی ان جگہوں سے بغیر احرام کے پار نہیں ہو سکتے تو جگہیں متعین کر دیں کہ اِدھر یمن کی طرف سے آؤ تو یَلَمْلَمْ اور عراق کی طرف سے آؤ تو ''ذاتِ عِرق'' ہے اور اُدھر مدینہ کی طرف سے آؤ تو ذو الحلیفہ ہے اور اسی طریقے سے شام کی طرف سے آؤ تو جحفہ ہے، یہ مقامات ہیں جن کو میقات کہتے ہیں، میقات یعنی وہ مقررہ جگہیں کہ مکہ مکرمہ جانے والا ان جگہوں کو بغیر احرام کے پار نہیں کر سکتا، اگر ان جگہوں سے بغیر احرام کے گذرے گا تو سزا ہوگی، پینلٹی لگ جائے گی، یا تو وہاں سے واپس آئے اور اگر نہیں آیا تو جرمانہ دینا پڑے گا تو ان جگہوں کو میقات کہتے ہیں۔

## احرام کی قسمیں

تو بہر حال! حج کے لیے جانے آدمی والا میقات پر سے خالی حج کا احرام باندھتا ہے اور مکہ مکرمہ جا کر حج کے جو کام ہیں، ان کو انجام دے کر احرام کھول ڈالے گا تو اس کو اِفْراد کہتے ہیں یعنی اکیلے حج کا احرام۔ اور اگر حج کے لیے جانے والا آدمی میقات پر سے عمرے کا احرام باندھتا ہے تو وہاں جا کر عمرہ ادا کرے گا اور ابھی حج کے ایام نہیں آئے، ابھی دس، پندرہ دن باقی ہیں تو وہ وہیں احرام کھول کر مکہ مکرمہ میں

ٹھیرے رہے یا مدینہ منورہ جانا ہو تو مدینے جاکر آئے پھر جب حج کے ایام آجائیں تو حج کا احرام باندھے گا تو اب اس نے میقات سے تو عمرے کا احرام باندھا تھا اور وہاں جانے کے بعد جب حج کے دن قریب آئے تو اس وقت حج کا احرام باندھا تو اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''تَمَتُّع'' کہتے ہیں اور اگر اس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ساتھ باندھا، دونوں کی نیت کرلی، یعنی احرام باندھتے وقت دونوں کی نیت کی، باقی احرام کی چادریں تو دو ہی ہیں، ایسا نہیں کہ چار چادر باندھے تو اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''قِران'' کہتے ہیں، حج کی ادائگی کے یہ تین طریقے ہیں۔

## اپنے گھر سے احرام باندھنا بہتر ہے

ہمارے یہاں ہندوستان سے حج کے لیے جانے والے عام طور پر تمتع کرتے ہیں؛ اس لیے کہ ابھی حج کے ایام میں کچھ وقت ہوتا ہے تو اس میں سہولت ہے؛ اس لیے عمرے کے کام انجام دئے اور احرام کھول دیا؛ اس لیے کہ احرام کے تقاضوں کو نبھانا، اس کا خیال رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ویسے تو فقہاء کہتے ہیں کہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کا تقاضا یہ تھا کہ آدمی جب گھر سے حج کے لیے نکلے تو گھر ہی سے احرام باندھے، احرام جتنا لمبا ہوگا، اتنا ثواب زیادہ ہوگا؛ اس لیے کہ اس میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہوتی ہے تو جتنی تکلیف زیادہ ہوگی، اجر اور مزدوری بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہوگی لیکن اس میں دوسرا خطرہ بھی موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں احرام کی پابندیوں کا لحاظ نہ ہو سکے؛ اس لیے شریعت نے کہا کہ اگر آپ گھر سے احرام نہیں باندھتے تو کوئی بات نہیں،

اتنا ہے کہ میقات سے پہلے پہلے آپ احرام باندھ لیں۔

## تَمَتُّع کا مطلب

بہرحال! میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ عام طور پر ہمارے یہاں سے جانے والے تمتع کرتے ہیں، تمتع کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے جاتے وقت تو عمرے کا احرام باندھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر عمرے کے کام کر کے احرام کھول دیتے ہیں، اس کے بعد جب حج کے ایام آتے ہیں تو حج کا احرام باندھتے ہیں۔ میں آپ حضرات کو پہلے عمرے کا طریقہ سمجھاتا ہوں:

## عمرے کا طریقہ اور تفصیل

عمرے میں چار چیزیں ہیں: ایک تو احرام ہے اور اس کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف ہے اور اس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی ہے اور پھر اس بعد حلق یعنی بالوں کی صفائی ہے، یہ چار کام ہیں۔ اب اس میں بعض حضرات نے احرام کو شرط اور بعض نے رُکن قرار دیا، طواف تو رُکن ہے ہی اور صفا مروہ کی سعی اور حلق کو واجب قرار دیا ہے تو عمرے میں کل چار کام ہیں: (۱) احرام (۲) طواف (۳) سعی (۴) حلق۔

## تَمَتُّع کا طریقہ

اب ہم حج کے لیے جا رہے ہیں اور ہمیں تمتع کرنا ہے تو عمرے کا احرام باندھیں گے، ہمارے یہاں ہندوستان سے، گجرات سے جانے والے حضرات عام طور پر ممبئی سے جاتے ہیں تو ممبئی ہی سے احرام باندھ لیتے ہیں، جیسا کہ میں نے کہا کہ

احرام میقات سے باندھنا ہے لیکن ہم چوں کہ ممبئی سے ہوائی جہاز کے ذریعہ جاتے ہیں؛ اس لیے وہیں سے احرام باندھ لینا مناسب ہوتا ہے۔

## ہندوستان کے لوگوں کے لیے بمبئی ہی سے احرام باندھنا بہتر ہے

پہلے ایک زمانہ تھا کہ لوگ بحری جہاز سے یعنی اسٹیمر سے جاتے تھے تو اسٹیمر سے جانے والے یَلَمْلَمْ کے پاس سے گذرتے ہیں لیکن اب یہ بات پرانی ہوگئی، اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اب ہوائی جہاز میں جانے کا مسئلہ آیا تو عام طور پر ہوائی جہاز سے جانے والے میقات پر سے گذرتے ہیں، جدہ آنے سے تقریباً گھنٹہ پون گھنٹہ پہلے اس پر سے گذرنا ہوتا ہے، ویسے حاجیوں کا جہاز ہو تو جب میقات آنے والی ہوتی ہے تو وہاں باقاعدہ اعلان بھی ہوتا ہے کہ میقات آنے والی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جب آپ ممبئی میں ہیں تو وہاں اپنی قیام گاہ سے: اگر مسافر خانے میں ٹھہرے ہوں تو مسافر خانے سے یا کسی عزیز رشتہ دار کے یہاں ٹھہرے ہیں تو وہاں سے جب ایر پورٹ کے لیے روانہ ہوں تو آپ احرام باندھ لیں یعنی احرام کا لباس پہن لیں۔

## احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ پہلے غسل کرلیں، یہ غسل کوئی فرض یا واجب یا سنت نہیں ہے، مستحب کا درجہ رکھتا ہے، یہ غسل صرف نظافت اور صفائی کے لیے کیا جاتا ہے، طہارت کے لیے نہیں بلکہ نظافت کے لیے ہے اور اسی وجہ سے عورت اگر حالتِ حیض میں ہو پھر بھی وہ یہ غسل کرے گی، حالاں کہ حالتِ حیض میں غسل کرنے سے طہارت

حاصل نہیں ہوتی لیکن یہ ہے کہ آدمی کے جسم پر اگر میل کچیل ہے تو وہ صاف ہو جائے گا؛ اسی وجہ سے اس غسل سے پہلے نظافت کے خلاف جو دوسری چیزیں ہیں، جیسے بغل کے بال ہیں، زیرِ ناف کے بال ہیں، ناخن ہیں، ان کو بھی آدمی صاف کرلے تو یہ غسل صرف نظافت کے لیے ہے، یہ احرام کے لیے کوئی واجب یا ضروری نہیں ہے، کرلے تو بہتر ہے؛ کیوں کہ اب احرام باندھنے کے بعد ایک لمبے زمانے تک اس کی نوبت نہیں آئے گی؛ اس لیے کرلیں۔ اگر غسل کا موقع نہیں ہے تو وضو پر بھی اکتفا کر سکتے ہیں۔

## احرام باندھنے کا طریقہ

تو غسل یا وضو کرنے کے بعد احرام کی دو چادریں جو سِلی ہوئی نہیں ہیں پہن لیں، جسم اور کپڑوں پر خوشبو بھی لگا لیجیے، البتہ کپڑوں پر لگائی جانے والی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ جس کا جسم کپڑے پر باقی نہ رہے، اس کے بعد آپ دو رکعت نماز پڑھیں، یہ دو رکعت بھی فرض یا واجب نہیں ہیں، سنت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھیں اور یہ دو رکعت جب آپ ادا کریں گے تو سر وغیرہ ڈھانپیں گے؛ اس لیے کہ احرام ابھی شروع نہیں ہوا ہے، میں آپ کو احرام کی حقیقت بتلا چکا ہوں، اس کے مطابق ابھی احرام شروع نہیں ہوا، ابھی تو آپ احرام کی تیاری کر رہے ہیں تو اوپر والی چادر سے سر ڈھانپ لیں۔

# عمرے کی نیت کا محل

یہ دو رکعت آپ پڑھ چکے، سلام پھیرا تو سلام پھیرنے کے بعد آپ کو عمرے کی نیت کرنی ہے تو نیت کرنے سے پہلے سر پر سے چادر ہٹا لیجیے؛ اس لیے کہ جب نیت کر چکیں گے اور سر پر چادر رہے گی تو احرام شروع ہو چکا ہوگا اور احرام شروع ہو جانے کے بعد سر کا ڈھانپنا، چہرے کا ڈھانپنا ممنوع ہے؛ اس لیے چادر ہٹا لیں اور چادر ہٹانے کے بعد نیت کریں۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے، آدمی کا کسی کام کو کرنے کے لیے دل سے ارادہ کرنا نیت کہلاتا ہے لیکن آسانی اور سہولت کے لیے زبان سے بھی اس کے الفاظ ادا کر لیں اور حج اور عمرے میں زبان سے ادا کرنا سنت ہے۔

## عمرے کی نیت اور تلبیہ کے الفاظ

اگر عمرے کی نیت کرنے والا ہے تو اس کی نیت یہ ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي (۱): اے اللہ! میں عمرے کا ارادہ کر رہا ہوں، اس کو میرے لیے آسان کیجیے اور اس کے ہو چکنے کے بعد میری طرف سے اس کو قبول فرمائیے۔ اور اگر آپ کسی دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنا چاہتے ہیں تو یہاں اس کا نام لے لیں: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ مِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنْهُ: اے اللہ! میں فلاں ابن فلاں کی طرف سے عمرے کا ارادہ کرتا ہوں، اس کی ادائگی کو میرے لیے آسان کیجیے اور اس کی طرف سے اس کو قبول فرمائیے۔ یہ تو نیت تھی، نیت کرنے

---

(۱) مراقي الفلاح بإمداد الفتاح شرح نور الإيضاح ونجاة الأرواح ص ۲۸۶.

کے **فوراً بعد آپ لبیک پڑھیں**: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ، جیسا کہ ابھی بتلایا کہ چار حصوں میں اس کو پڑھنا مناسب ہے اور ویسے تو تین مرتبہ پڑھنا بہتر ہے لیکن جہاں پہلی مرتبہ پڑھا، آپ احرام میں داخل ہوگئے، آپ کا احرام شروع ہوگیا تو احرام دو چیزوں سے شروع ہوا: (۱) نیت کی اور (۲) تلبیہ پڑھا، آپ عمرے کے احرام میں داخل ہوگئے۔ اب آپ پر ساری پابندیاں عائد ہوگئیں: سر نہیں ڈھانپ سکتے، چہرہ نہیں ڈھانپ سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، بال نہیں کترواسکتے، ناخن آپ نہیں ترشواسکتے۔

## حالتِ احرام میں ہوائی جہاز میں پیش آنے والی بداحتیاطی

بہرحال! احرام آپ کا شروع ہوگیا، اب آپ ایر پورٹ پہنچے، وہاں کی کاروائیاں مکمل کر کے ہوائی جہاز میں سوار ہوئے، ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے بعد وہاں ہوائی جہاز والوں کی طرف سے آپ کی جو خدمات کی جاتی ہیں: کھانے پینے کی چیزیں آپ کو دی جائے گی تو وہاں خوشبودار رومال بھی آپ کو دیا جائے گا، اب جو حاجی مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، خصوصًا جو پہلی مرتبہ حج کر رہے ہیں تو وہ اس موقع پر نئے سفر کے جوش میں آ کر اس رومال سے چہرہ وغیرہ صاف کرنے لگ جاتے ہیں، حالاں کہ یہ خوشبودار ہوتا ہے، حاجی خوشبودار ہوجاتے ہیں، چہرہ بھی خوشبودار ہوجاتا ہے، حالاں کہ احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال ناجائز ہے، دم آجائے گا؛ اس لیے اس سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر وہاں کی کھانے کی چیز میں خوشبو ہو، کھانے کی چیز

کو خوشبو کے ساتھ پکایا گیا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر پینے کی چیز کے ساتھ خوشبو ہے تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس سے بچنا ہے، خوشبودار صابون بھی استعمال نہ کریں۔

## اگر حج کے سفر میں تردد ہو تو گھر سے احرام نہ باندھے

آپ کا یہ سفر شروع ہو گیا، یہاں جب احرام کا مسئلہ آتا ہے تو بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آپ ایئر پورٹ پہنچے اور کسی وجہ سے آپ کو وہاں سے واپس آنا پڑا تو میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہ تو آپ کے گلے پڑ گیا، یہ لازم ہو جائے گا، اب اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے بھی کچھ اور کاروائی کرنی پڑے گی تو اگر آپ کا معاملہ ایسا تردد اور شک والا ہے تو گھر سے نیت نہ کریں، غسل کر کے احرام کے کپڑے پہن کر ایئر پورٹ جائیے، ایئر پورٹ پر جب آپ کی ساری کاروائی مکمل ہو جائے یعنی ٹکٹ مل جائے، بورڈنگ کارڈ مل جائے، امیگریشن کے مرحلے کو بھی پار کر لیں اور اب خالی ہوائی جہاز میں سوار ہونا باقی ہو گا اور یہ طے ہو گیا کہ آپ کا یہ سفر إن شاء اللہ ہو گا تو ہوائی جہاز کے انتظار میں آپ لاؤنج میں بیٹھتے ہیں تو وہاں آپ دو رکعت پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ یہ نفل نماز ہے تو ہوائی جہاز میں سوار ہو کر سیٹ پر بیٹھ کر اشارے سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور اسی طریقے سے نیت کا جو طریقہ ابھی بتلایا گیا، اس کے مطابق نیت کر لے۔

## ہوائی جہاز میں میقات آنے سے پہلے احرام ضرور باندھ لیں

بہت سے لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ ہم ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے بعد

احرام باندھ لیں گے اور کپڑے نکال کر پہن لیں گے۔ اب احرام کی چادریں جو اپنے ہاتھ کے سامان میں لینا چاہیے تھا، وہ پیٹی میں رکھی ہیں اور جب ہوائی جہاز میں احرام باندھنے کا موقع آیا اور چادریں پیٹی میں رکھی ہیں تو ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر حال! آپ کا احرام شروع ہو گیا، چاہے آپ نے گھر سے نیت کی ہو یا ایئر پورٹ پر کی ہو یا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کی ہو لیکن اتنا ہے کہ ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے بعد میقات آنے سے پہلے احرام باندھ لیں یعنی نیت بھی کر لیں، لبیک بھی کہہ لیں۔ اب جب ہوائی جہاز سے وہاں جدہ اتریں گے تو وہاں جو قانونی کاروائی ہونی ہے، وہ ہو گی، اس کے بعد آپ کو بسوں میں بٹھا کر کے مکہ مکرمہ لے جایا جائے گا۔

## گھر سے احرام باندھنے کا حکم کن لوگوں کے لیے ہے؟

دیکھیے! یہ گھر سے احرام باندھنے کا حکم اس وقت ہے جب کہ سیدھا مکہ مکرمہ جانا ہو، اب بہت سی جگہوں میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز سیدھا مدینہ منورہ لے جاتے ہیں تو ان کے لیے یہاں سے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، جب مدینہ منورہ میں وقت پورا کر کے مکہ مکرمہ جانے کے لیے نکلیں گے تو مدینہ کا جو میقات ہے ''بیرِ علی'' وہاں سے احرام باندھیں گے۔ خیر! مکہ مکرمہ جانے کے لیے بس میں سوار ہوئے اور جا رہے ہیں تو راستے میں ایک گیٹ آئے گا، جس پر رحل کی شکل بنی ہوئی ہے، اس پر قرآن جیسا رکھا ہوا ہے، وہاں سے حرم شروع ہوتا ہے، ویسے تو اصل حدودِ حرم کو بتلانے کے لیے وہاں کچھ علامتیں بنائی ہوئی ہیں لیکن یہ آسان ہے، یہ اصل حدود

سے ذرا سا پہلے آجاتا ہے تو یہ حرم میں داخلے کا وقت آگیا، اس وقت آپ دل ہی دل میں دعا بھی کرلیں کہ یا اللہ! یہ تیرا اور تیرے حبیب کا حرم ہے اور اس میں شرف کے اعتبار سے، کرامت کے اعتبار سے، ہیبت کے اعتبار سے، بزرگی کے اعتبار سے خوب اضافہ فرما اور جو حج یا عمرہ کرنے کے لیے آرہا ہو، اس کی بھی شرافت اور کرامت میں اضافہ اور زیادتی فرما۔ یہ دعا کرلے اور اگر یہ الفاظ یاد نہ رہے تو یاد کرلے۔

## مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد کی کاروائی

پھر جب مکہ مکرمہ پہنچ جائے تو وہاں بس والا آپ کو مُعلّم کے یہاں لے جائے گا؛ اس لیے بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم بس میں بیٹھے ہوئے ہیں، حرم شریف کی اذان کی آواز آرہی ہے لیکن ہم چاہتے ہیں پھر بھی اتر نہیں سکتے، خیر یہ بھی ایک قانون ہے، جب مُعلّم کے یہاں لے جائے گا تو وہ معلم آپ کے پاسپورٹ وصول کرکے اس کی جگہ پر آپ کو علامت کے طور پر پٹہ دے گا کہ یہ حاجی ہے، اس کو بہت سنبھال کر کے رکھنا ہے، یہ قانونی اعتبار سے ہے، یہ کوئی مسئلۂ شرعیہ نہیں ہے پھر جب مُعلّم کی کاروائی پوری ہوجائے گی تو اگر آپ ٹور میں جارہے ہیں تو ٹور والا آپ کو قیام گاہ پر لے جائے گا اور اگر حج کمیٹی سے جارہے ہیں تو حج کمیٹی والوں نے آپ کے لیے جو جگہ متعین کی ہے، وہاں پہنچادیں گے۔

## مسجدِ حرام میں کسی بھی دروازے سے داخل ہوسکتے ہیں

وہاں پہنچنے کے بعد سامان وغیرہ ٹھیک ٹھاک کرکے آپ کو مسجدِ حرام کی طرف

چلنا ہے، جب آپ مسجدِ حرام کی طرف چلیں گے تو مسجدِ حرام بہت بڑی مسجد ہے، جہاں آپ کی قیام گاہ ہے، اس طرف سے جو دروازہ آپ کو پڑے گا، وہاں سے آپ داخل ہوجیے۔ ویسے تو ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ عمرے کے لیے باب السلام سے داخل ہوتو اب اس باب السلام کو ڈھونڈنے کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے وہ صفا مروہ کے درمیان جو دروازے ہیں، وہاں ہے۔ اصل باب السلام تو بابِ بنی شیبہ ہے۔ اس پر مجھے یاد آ گیا:

## حضرت دامت برکاتہم کا ایک واقعہ

میں جب پہلی مرتبہ حج میں گیا تھا تو عمرے کے لیے نکلا اور ٹیکسی والے سے کہا کہ باب السلام پر اتارنا تو اس نے بجائے باب السلام کے کسی اور دروازے پر اتار دیا، میں نے کہا: باب السلام؟ تو اس نے کہا: کُلُّ أَبْوَابِهَا بَابُ السلام، کہ مسجدِ حرام کا ہر دروازہ باب السلام ہے، اس کے جواب پر ہنسی بھی آئی۔

## کعبۃ اللہ پر نظر پڑنے کے وقت کا عمل

تو وہاں اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، وہاں داخل ہوئے تو جب داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ کی نظر کعبۃ اللہ پر پڑے گی تو اس وقت آپ کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی ہے، تکبیر پڑھیں، یا تو تکبیرِ تشریق پڑھیں: اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ لَاَ إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، یا ایسے ہی اللہ اکبر پڑھیں، سبحان اللہ، لا إِلٰہ إلا اللہ ان میں سے کچھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور تکبیر تہلیل وغیرہ پڑھ کر مسجد میں

داخل ہوں اور مسجد میں داخل ہونے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے مطابق داخل ہوں کہ پہلے آپ دعا پڑھیں: بسم اللّٰہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، اور پھر دایاں پیر داخل کریں۔ اس کے بعد جب کعبۃ اللہ پر نظر پڑے تو دعا کرے، اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو بھی دعا ہو، کوئی جامع دعا اپنے طور پر پڑھے، اپنی جو حاجتیں ہیں، ان کی دعا کر لی جاوے۔

## مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد کا عمل

اب وہاں مسجدِ حرام میں پہنچ کر سیدھا ہمیں طواف کرنا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کسی نماز کا وقت نہ ہو اور اگر نماز کی تیاری ہے تو ظاہر ہے کہ ہمیں نماز کے اندر مشغول ہونا ہے، اس سے پہلے اگر کوئی وقتِ مکروہ نہیں ہے تو آپ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں، ویسے مسجدِ حرام کا تحیہ طواف ہی ہے، اگر اس کا موقع ہو۔

## کعبۃ اللہ کے ارکانِ اربعہ (چار کونے)

بہرحال! اب آپ کو طواف کرنا ہے۔ چوں کہ عمرے کا احرام باندھا تو عمرے کے چار کاموں میں سے ایک کام تو ہو چکا ہے یعنی احرام۔ اب آپ کو طواف شروع کرنا ہے۔ اس کی ابتداء کہاں سے کریں گے؟ تو کعبۃ اللہ کے چار کونے ہیں: (۱) ایک کونہ تو وہ ہے جہاں حجرِ اسود لگا ہوا ہے، ہمارے سینے کے قریب اونچائی پر لگا ہوا ہے، وہ رُکن کہلاتا ہے، مطلق رُکن، ویسے تو رُکن کونے کو ہی کہتے ہیں لیکن خالی رُکن کا لفظ اسی کے لیے بولا جاتا ہے، اس کے علاوہ تین دوسرے کونے ہیں: (۲) رکنِ شامی (۳) عراقی

(۴) رکنِ یمانی۔

## طواف کا طریقہ

ہمارے طواف کی ابتدا اس کونے سے ہوگی جہاں پر یہ حجرِ اسود لگا ہوا ہے، طواف شروع کرنے کے لیے آپ کو نیت کرنی ہے۔ ویسے طواف مستقل ایک عبادت ہے لیکن ابھی آپ جو طواف کرنے جا رہے ہیں، وہ عمرے کا طواف ہے تو طواف شروع کرنے سے پہلے آپ نیت کر لیجیے۔ نیت کرنے کے بعد آپ بالکل حجرِ اسود کے سامنے آ جائیں۔ پہلے حجرِ اسود کے پاس ایک پٹہ بنایا گیا تھا جو مطاف ہے، (مطاف یعنی مسجدِ حرام میں ایک تو چھت والا حصہ ہے، داخل ہوتے ہی چھت والے حصے میں داخل ہوتے ہیں، اندر داخل ہونے کے بعد جب بالکل اندر پہنچیں گے تو کعبۃ اللہ کے پاس کھلا حصہ ہے، اس کھلے حصے کو مطاف کہتے ہیں یعنی طواف کی جگہ، وہ طواف کے لیے خاص کیا گیا ہے۔

## طواف کی ابتدا کہاں سے کریں؟

تو بہر حال! اس مطاف میں ایک پٹہ تو تھا، وہ پٹہ اب نکال دیا گیا ہے، وہ پہلے تھا بھی نہیں، لوگوں نے بنایا تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ آدمی اپنے اندازے سے حجرِ اسود سے طواف شروع کرے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اب وہاں سے پٹہ نکال دیا گیا ہے تو ہم کیا کریں تو بھائی! پہلے پٹہ نہیں تھا تو لوگ کیا کرتے تھے؟ ہماری قدیم کتابوں میں اس پٹے کا تذکرہ آتا نہیں ہے، وہاں تو یہی آتا ہے کہ حجرِ اسود کے سامنے آ جائیں تو حجرِ

اسود کا سامنا کون سا کہلائے گا؟ حاجی خود اس کا اندازہ کر لے۔ بھائی! اس دروازے کا سامنا کون سا ہے؟ آپ خود طے کر سکتے ہیں تو جو دِکھنے والی چیز ہے، اس کے بارے میں پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے، آپ خود فیصلہ کریں گے اور آپ اپنے لیے جو تجویز کریں گے وہی آپ کے لیے ہے، اس میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اپنے اپنے اندازے سے حجرِ اسود کے سامنے آ گئے اور اس کا استقبال کر لیا تو آپ کے لیے کافی ہے، اب کوئی دوسرا کہے کہ آپ حجرِ اسود کے سامنے نہیں آئے تھے تو اس دوسرے کی بات کا آپ کے حق میں اعتبار نہیں ہے۔

## طواف شروع کرنے سے پہلے حجرِ اسود کا استقبال اور استلام کرنا ہے

خیر! نیت کرنے کے بعد بالکل حجرِ اسود کے سامنے آ گئے۔ اصل تو یہ ہے کہ حجرِ اسود کے بالکل قریب ہوں لیکن اس کی نوبت تو کم ہی آتی ہے، جو جاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے، جس کی خوش قسمتی ہو، اس کو یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو جو عام طور پر ہوتا ہے، اسی کا طریقہ بتلاتا ہوں کہ آپ حجرِ اسود سے دور ہیں تو اس کے سامنے آ جائیں، استقبالِ حجرِ اسود یعنی طواف شروع کرتے وقت پہلے آپ اپنے دونوں ہاتھ اسی طرح اپنے کان کی ''لَو'' کے سامنے لائیں گے، جیسے نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس کو استقبالِ حجرِ اسود کہتے ہیں، اس وقت بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اکبر وللّٰہِ الحمد پڑھیں اور ایسا کرنے کے بعد ہاتھوں کو کھول دیں، یہ استقبال ہوا، یہ ایک ہی مرتبہ کرنا ہے یعنی طواف کے شروع میں۔ اب استقبال سے فارغ ہوئے تو اب آپ کو

استلام کرنا ہے، اگر حجرِ اسود کے بالکل قریب ہوتے، تب استلام کی شکل یہ تھی کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ حجرِ اسود کے دونوں طرف رکھتے اور اپنے منہ سے اس کا بوسہ لیتے اور اللّٰہُ اکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، الصلوٰۃُ والسلامُ علی رسول اللّٰہ، درود، تسبیح تہلیل وغیرہ پڑھتے لیکن چوں کہ ایسا ہے نہیں، آپ دور ہیں تو دور والے کے لیے طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہاتھ میں کوئی لاٹھی جیسی چیز ہو جو پہنچ سکتی ہو تو پہنچائے، وہ بھی نہیں ہے تو صرف ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کیا جائے اور یوں تصور کرے کہ میں حجرِ اسود کے بالکل قریب ہوں اور اس کے دونوں طرف میں نے اپنے ہاتھ رکھے ہیں۔ اب چوں کہ حجرِ اسود اتنی اونچائی پر ہے، جتنا ہمارا سینہ ہے تو ہاتھوں کو اپنے سینے کے سامنے لائے اور اللّٰہُ اکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، الصلوٰۃُ والسلامُ علی رسول اللّٰہ پڑھے اور ہاتھوں کو بوسہ دے، یہ استلام ہوا۔ یہ طواف شروع ہو رہا ہے تو پہلے استقبال تھا، اب استلام ہوا۔

استقبال اور استلام کرنے کے بعد آپ ذرا گھوم جائیں اس طرح کہ آپ کا یہ بایاں مونڈھا کعبۃ اللہ کی طرف ہو جائے اور دایاں اُدھر کی طرف ہو جائے، اب حجرِ اسود سے حطیم کی طرف چلیں گے۔

## حطیم کیا ہے؟

حطیم: کعبۃ اللہ کے پاس ایک چھوٹی سی دیوار نصف دائرے کی شکل میں بنائی گئی ہے، وہ کعبۃ اللہ ہی کا ایک حصہ ہے، قریشِ مکہ نے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی تو اپنی مجبوری کی وجہ سے اس کو کعبہ کے اندر سے نکال دیا تھا۔ یہ حطیم ہے، طواف کرتے

ہوئے اسی حطیم کی طرف جائیں۔ اب چوں کہ یہ عمرے کا طواف ہو رہا ہے؛ اس لیے اس کے بعد آپ کو سعی بھی کرنی ہے تو اس طواف میں آپ کو رمل بھی کرنا ہے اور رمل جس طواف میں ہوتا ہے، اس میں اضطباع بھی ہوتا ہے۔

## اضطباع کا مطلب اور اس کا محل

اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اوپر والی جو چادر ہے، اس کا ایک کنارہ آپ کے دائیں مونڈھے کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر پیچھے کی طرف ڈال دینا ہے یعنی چادر کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال دیں تو دایاں مونڈھا کھلا رہے گا۔ یہ صرف اس طواف میں ہے جس کے بعد سعی کرنی ہے اور اضطباع اسی میں ہوتا ہے جس میں رمل ہوتا ہے، عام حالات میں اس طرح پہننا نہیں ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے دوسرے عرب ممالک سے آنے والے اسی طرح چادریں پہنتے ہیں کہ ان کا دایاں مونڈھا ہمیشہ کھلا رہتا ہے، ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے۔ تو یہ اضطباع ہوا۔

## طواف کا چکر ختم ہونے پر صرف استلام کرنا ہے

تو آپ نے جو یہ طواف شروع کیا ہے، اس میں چوں کہ رمل بھی کرنا ہے۔ رمل یہ ہے کہ آدمی اپنا سینہ تان کر اور کندھوں کو ہلاتے ہوئے ذرا تیزی کے ساتھ چلے، اس طرح رمل کرتے ہوئے ایک چکر پورا کرے، اب گھوم کر کے پھر حجرِ اسود کے پاس آیا تو پاؤں کا رخ تو اُدھر ہی ہو لیکن پاؤں کا رُخ اُدھر کی طرف ہوتے ہوئے، چہرہ،

سینہ حجرِ اسود کی طرف گھوما کر استلام کرے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے، دیکھو! استقبال نہیں کرنا ہے، صرف استلام کرے اور پڑھے: اللّٰہُ اکبر، لا إلٰـــہ إلا اللّٰہ، الصلوۃُ والسلامُ علی رسول اللّٰہ، یہ دوسرا استلام ہوا۔

## طواف کے سات چکروں میں آٹھ مرتبہ استلام کرنا ہے

پھر دوسرا چکر شروع ہوگا، ہر چکر حجرِ اسود سے شروع ہوتا ہے اور حجرِ اسود پر آ کر ختم ہوتا ہے، اب اس دوسرے چکر میں بھی آپ کو رمل کرنا ہے، یہ جب ختم ہوگا تو حجرِ اسود کا استلام کریں گے اور تیسرا چکر ختم ہوگا تو رمل ختم، اب عام رفتار سے آپ چلیں گے یعنی مونڈھے ہلا کر کے پہلوانوں کی طرح سینہ تان کر نہیں چلنا ہے بلکہ عام رفتار سے چلنا ہے اور چار چکر اسی طرح پورے کریں گے، ہر چکر میں حجرِ اسود پر پہنچ کر اس کا استلام کرنا ہے، جب ساتواں چکر پورا ہوگا تو اس موقع پر بھی استلام کرنا ہے تو استلام آٹھ ہو جائیں گے، سات چکروں میں سے ہر چکر کے شروع میں استلام ہوا تو وہ سات ہوئے اور ساتویں چکر کے اخیر میں ایک استلام ہوا تو یہ آٹھواں استلام ہوا۔ ان استلاموں کے متعلق لکھا ہے کہ پہلا اور آخری استلام تو سنت ہے اور درمیان کے باقی چھ استلام کو مستحب قرار دیا ہے۔ یہ طواف آپ کا پورا ہو گیا۔

## طواف کے بعد مُلْتَزَمْ پر دعا کرنا ہے

طواف پورا ہو جانے کے بعد آپ کو مُلْتَزَمْ پر جانا ہے، **مُلْتَزَمْ:** حجرِ اسود جس کونے میں ہے اس کے اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے درمیان میں جو جگہ ہے، وہ جگہ

مُلْتَزَمْ کہلاتی ہے۔ مُلْتَزَمْ التزام سے ہے جس کا معنی ہے چپکنا، یہ وہ جگہ ہے جہاں چپک کر کے دعا کی جاتی ہے تو آپ وہاں پہنچے، لیکن وہاں آپ کو چپکنا نہیں ہے؛ کیوں کہ لکھا ہے کہ وہاں عام طور پر خوشبو لگی ہوئی ہوتی ہے، اگر آپ وہاں چپک کر دعا کریں گے تو وہ خوشبو آپ کے ہاتھوں کو، کپڑوں کو لگ سکتی ہے؛ اس لیے بغیر چپکے وہاں قریب میں جا کر دعا کر لیں۔

## مقامِ ابراہیم اور اس کے قریب طواف کی دو رکعت نماز

پھر وہاں سے آپ مقامِ ابراہیم کے پاس آئیں گے، مقامِ ابراہیم: ایک خاص پتھر ہے، جس پر کھڑے رہ کر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، یہ جنت سے آیا ہوا پتھر تھا، بعد میں وہ پتھر وہیں رہا، پہلے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں بیت اللہ کے بالکل قریب لگا ہوا تھا، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ وہاں طواف کرنے والے طواف سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے طواف کرنے والوں کو کافی زحمت ہوتی ہے؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پیچھے ہٹا دیا، مقامِ ابراہیم بیت اللہ سے ایک خاص دوری پر کر دیا گیا ہے، وہاں نماز پڑھنی ہے، اگر طواف کرنے والوں کی اس وقت کثرت ہے تو اس سے اتنا پیچھے چلے جائیں کہ طواف کرنے والوں کو آپ کی نماز کی وجہ سے دشواری نہ ہو، ہاں اتنا ہے کہ آپ اس طرح کھڑے رہ کر نماز پڑھیں کہ آپ کے اور کعبۃ اللہ

کے بیچ میں مقامِ ابراہیم آوے۔

## طواف کی دو رکعت کا حکم

طواف کی یہ دو رکعت واجب ہیں اور ان کو ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وقتِ مکروہ نہ ہو، چناں چہ اگر آپ نے فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد طواف شروع کیا ہے اور طلوعِ آفتاب کے بعد وقتِ مکروہ نکلا نہیں ہے تو اس وقت آپ نہیں پڑھ سکتے یا عصر کے وقت آپ طواف کر رہے ہیں تو اس وقت بھی آپ یہ نماز نہیں پڑھ سکتے، اگر اس وقت طواف کیا ہے تو جب وقتِ مکروہ نکل جائے تو پڑھ لیں، بہر حال! یہ دو رکعت واجب ہیں، اس کو پڑھیں اور دعا کریں۔

## طواف کی دو رکعت کے بعد زمزم پینا ہے

ان دو رکعتوں کو ادا کرنے کے بعد زمزم پر جاویں۔ پہلے تو زمزم کے کنویں سے لوگ پانی نکال کر پیتے تھے، بعد میں زمزم کے کنویں پر مشینیں لگ گئیں اور وہیں قریب میں پانی کا انتظام تھا اور اب تو وہ بھی بند ہو گیا، اب تو نل وغیرہ باہر ہی ہیں، وہاں جا کر زمزم پیے اور سر پر لگائے، جتنا زیادہ سے زیادہ پیے اتنا اچھا ہے، کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے خوب سیر ہو کر پیے اور دعا کرے، یہ دعا قبول ہوتی ہے۔

## ملتزم پر جانا اور زمزم پینا طوافِ مسنون کے اجزاء ہیں

اب یہ ملتزم پر جانا اور زمزم پینا یہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے لیکن طواف کا جو مسنون طریقہ ہے، وہ یہی ہے، اگر کوئی آدمی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے ملتزم پر نہیں گیا اور

زمزم نہیں پیا، تب بھی طواف میں کوئی نُقص نہیں آئے گا، ہاں طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب اور ضروری ہے۔

## صفا، مروہ کی سعی

جب زمزم پی کر فارغ ہو گئے تو اب آپ کو صفا مروہ کی سعی کے لیے جانا ہے، صفا مروہ کی سعی کی شروعات صفا کے اوپر سے ہوتی ہے۔ حجرِ اسود جس کونے میں ہے، اسی طرف بالکل سامنے مطاف جہاں پورا ہوتا ہے، وہیں صفا بھی ہے۔ صفا مروہ کی سعی کے لیے جانے سے پہلے آپ کو ایک استلام اور کرنا ہے، یہ حجرِ اسود کا نواں استلام ہے، سعی کے لیے جانے سے پہلے حجرِ اسود کا اسی طریقے سے استلام کریں جیسا کہ پہلے بتایا تھا، اس کے بعد آپ سعی کے لیے صفا کی طرف جائیں۔

## صفا پر کیے جانے والے اعمال

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [البقرة:۱۵۸]، أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ (۱) استلام کریں تو ٹھیک ہے، ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے، ابتدا صفا سے کرنی ہے۔ صفا کے بارے میں جیسا کہ میں نے بتلایا، وہاں حجرِ اسود کے سامنے ایک بالکل سبز رنگ کی ٹیوب لائٹ روشن رہتی ہے، وہیں سے آگے صفا کی طرف جایا جاتا ہے۔ جب صفا پر جائیں گے تو وہاں کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے، اس دعا میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے، حمد و ثنا

(۱) صحیح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، باب حَجَّةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

کے لیے سورۂ فاتحہ کے شروع کے الفاظ ہیں، تیسرا کلمہ ہے، چوتھا کلمہ ہے، اس طرح کی جو چیزیں یاد ہوں، وہ پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھیں اور دعا کریں، صفا پر بالکل اوپر جائیں جہاں کالے پتھر نظر آتے ہیں، وہاں سے کعبۃ اللہ نظر آتا ہے، وہاں کھڑے ہو کر دعا کریں، اس کے بعد صفا مروہ کی سعی کی نیت کرے اور نیت کوئی ضروری نہیں ہے، ویسے نیت تو دل کے ارادے کا نام ہے اور جب آپ سعی کے ارادے سے صفا پر پہنچے ہیں تو نیت تو پائی ہی گئی۔

## صفا، مروہ کی سعی کا طریقہ

اب آپ صفا سے مروہ کی طرف آگے بڑھیں گے۔ صفا مروہ کی سعی میں سات چکر ہیں لیکن اس میں یہ ہے کہ آپ صفا سے مروہ پر جائیں گے تو یہ ایک چکر کہلائے گا اور وہاں سے مروہ پر واپس آئیں گے تو دوسرا چکر پورا ہوگا، ایسا نہیں کہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا آ کر ایک چکر ختم ہو۔ بہرحال! آپ صفا سے مروہ کی طرف آگے بڑھیں گے عام چال کے ساتھ جیسے ہم چلتے ہیں، اس طرح چلیں گے، اس میں دعا، تسبیح وغیرہ میں مشغول رہیں۔ جب آپ صفا سے مروہ کی طرف آگے بڑھیں گے تو کچھ دور چلنے کے بعد، تھوڑے سے فاصلے پر دو سبز رنگ کے ستون آتے ہیں، وہاں سبز رنگ کی ٹیوب لائٹ بھی جلی ہوئی ہے اس کو ''مِیْلَیْن أَخْضَرَیْن'' کہتے ہیں یعنی سبز رنگ کے دو ستون، جہاں یہ سبز رنگ کی ٹیوب لائٹ لگی ہوئی ہے، وہاں سے چھ ہاتھ یا ''۹'' فٹ کے قریب پہلے سے ذرا تیزی سے چلنا ہے، درمیانی قسم کی دوڑ ہو، بہت تیز

بھی نہیں اور یہ صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا سبز رنگ کا ستون آئے گا، اس سے آگے تقریباً ۹ رفٹ تک درمیانی دوڑ لگائے گا، اس دوران دعا کرے: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ(۱) اور دوسری دعائیں بھی کرے اور پھر عام چال چلتا رہے، چلتے چلتے مروہ پہنچ جائے گا، وہاں بھی کچھ چڑھائی ہے، وہاں بھی کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرے گا، وہاں سے کعبۃ اللہ بیچ کی دیواروں کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ صفا پر جس طرح دعا کی تھی، یہاں پر بھی کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، درود، دعا وغیرہ، قرآن پاک کی چالیس پچاس آیتیں پڑھے اتنی دیر مشغول رہے۔

## سعی بین الصفا والمروہ کے سات چکر

پھر مروہ سے صفا کی طرف آئے، مروہ سے صفا کی طرف آتے ہوئے وہی دو سبز ستون آتے ہیں، وہاں اسی طرح کرنا ہے، تیزی سے چلنا ہے اور پھر صفا پہنچیں گے تو یہ دوسرا چکر پورا ہو گیا، اب یہاں پہلے کی طرح کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے دعا کرنی ہے۔ ہر چکر میں ہر پہاڑی پر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے دعا کرنی ہے۔ اب یہاں سے مروہ کی طرف تیسرا چکر شروع کریں گے تو اس طرح سات چکر پورے کریں گے: صفا سے مروہ ایک، مروہ سے صفا دو، صفا سے مروہ تین، مروہ سے صفا چار، صفا سے مروہ پانچ، مروہ سے صفا چھ اور صفا سے مروہ سات، مروہ پر جا کر ساتواں اور

(۱) بدائع الصنائع، ۴ر۱۷۴.

آخری چکر ختم ہوگا، اس کے بعد دعا کرے۔

## حلق، قصر سے افضل ہے

پھر مسجدِ حرام کے اندر جا کر دو رکعت نماز کو مستحب قرار دیا گیا ہے کوئی فرض، واجب، سنت نہیں ہے۔ مسجدِ حرام کے اندر جا کر پڑھ لے اور اس کے بعد آپ سر کا حلق کروالیں، بالوں کو منڈوالیں۔ منڈوانا افضل ہے، کتروا بھی سکتے ہیں لیکن کتروانے میں یہ شرط ہے کہ آپ کے بال ایک پوروے سے زیادہ ہوں، یعنی کترنے کے بعد کٹے ہوئے بال اگر اس سے چھوٹے ہیں تو مونڈنا ضروری ہے اور اگر کٹے ہوئے بال ایک پوروے سے زائد ہیں تو کتروا سکتے ہیں لیکن منڈوانا افضل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا زیادہ فرمائی ہے(۱)۔

جب آپ نے بال منڈوالیے تو اب آپ کا عمرے کا احرام کھل گیا، اب آپ چادریں اتار لیجیے، غسل کر لیجیے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیجیے، اب آپ حلال ہو گئے یعنی عمرے کے احرام سے نکل گئے اور یہ عمرہ پورا ہو گیا۔

---

(۱) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلق کروانے والے کے لیے تین مرتبہ اور کتروانے والے کے لیے ایک مرتبہ دعا فرمائی:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ -صلی اللہ علیہ وسلم- قَالَ رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِینَ، قَالُوا وَالْمُقَصِّرِینَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِینَ، قَالُوا وَالْمُقَصِّرِینَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِینَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِینَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِینَ. (باب تَفْضِیلِ الْحَلْقِ عَلَى التَّقْصِیرِ وَجَوَازِ التَّقْصِیرِ.)

## عمرے میں تلبیہ کہنے اور ختم کرنے کے مواقع

عمرے میں چار کام ہوئے: پہلا کام احرام باندھنا، اب یہ احرام باندھتے وقت تو تلبیہ کہنا ضروری ہے، اس کے بغیر احرام شروع نہیں ہوگا لیکن اس کے بعد بھی لبیک موقع بموقع پڑھتے رہیں گے: نمازوں کے بعد، کسی جگہ جارہے ہیں تب، اتر رہے ہیں تب، کسی سے ملاقات ہورہی ہے تب، کوئی وقت بدل رہا ہے، صبح سے شام ہو رہی ہے، رات ہورہی ہے، سورج طلوع ہورہا ہے، غروب ہورہا ہے، الغرض مختلف اوقات میں تلبیہ پڑھتے رہیں۔ تلبیہ پڑھنے کا یہ سلسلہ طواف شروع کرنے تک رہے گا، جہاں آپ طواف شروع کرنے کے لیے حجرِ اسود کے پاس پہنچیں گے اور طواف شروع کریں گے تو وہاں تلبیہ کا سلسلہ ختم ہوجائے گا۔ بہرحال! دوسرا کام طواف ہوا، تیسرا کام سعی ہوئی اور (چوتھا کام) حلق ہوا۔ حلق نے احرام ختم کردیا۔

## بغیر طواف کیے بال منڈوانا ایک جرم ہے

اب اگر کوئی آدمی طواف کیے بغیر حلق کروالے اور سمجھے کہ میرا احرام کھل گیا تو یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ بغیر طواف کیے بال منڈوانا ایک جرم ہوگیا، جس پر اس کو سزا ہوگی، پینلٹی لگے گی تو عمرے کے سب کام کرنے کے بعد سر منڈوانا احرام سے باہر نکالتا ہے، یہ عمرے کے افعال آپ کو بتلادئے۔

## عمرے کے بعد حج کا احرام کب باندھیں؟

اب عمرہ پورا ہونے کے بعد آپ وہیں مکہ مکرمہ میں ٹھیرے رہیں اور جب حج

کے ایام قریب آ جائیں تو حج کا احرام باندھ لیں- چوں کہ میں تمتع کا طریقہ بتلا رہا ہوں- آٹھویں ذی الحجہ جب آئے گی تب مکہ مکرمہ سے منٰی کے لیے روانہ ہونے والے ہیں تو آپ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو فجر کی نماز مسجدِ حرام میں پڑھنے کے بعد وہاں سے منٰی کے لیے روانہ ہوں گے؛ اس لیے اس سے پہلے حج کا احرام باندھ لیجیے۔ احرام کا طریقہ وہی ہے جو پہلے بتلا چکا ہوں کہ غسل کریں گے اور یہ غسل نظافت اور صفائی کے لیے ہوگا، طہارت کے لیے نہیں، غسل کے بعد احرام والا لباس، اس کی چادریں بغیر سِلی ہوئی پہن لیجیے۔

## حج کی نیت

اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھیے، چوں کہ آپ مکہ میں ہیں اور مسجدِ حرام آپ کو میسر ہے تو اس سے اچھا موقع کیا ہوگا تو وہیں جا کر یہ دو رکعت پڑھیے، ورنہ آپ اس کو اپنے کمرے میں بھی پڑھ سکتے ہیں، دوسری جگہ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ مسجدِ حرام میں جا کر احرام کی دو رکعت پڑھ کر کے حج کی نیت کر لیں: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي: اے اللہ! میں حج کی نیت کر رہا ہوں، اس کو میرے لیے آسان کر دیجیے اور اس کو میری طرف سے قبول فرمایئے۔ اور اگر دوسرے کی طرف سے حج کر رہے ہوں، حجِّ بدل ہو تو یوں کہہ لیجیے: میں فلانے کی طرف سے حج کی نیت کر رہا ہوں، اس کی ادائگی آسان کر دیجیے اور اس کو فلانے کی طرف سے قبول فرمایئے۔ حج کی نیت کی اور لبیک پڑھی تو حج کا احرام شروع ہو گیا۔

## آج کل منیٰ کے لیے روانگی کے سلسلے میں معلمین کا طرزِ عمل

اب آپ یہاں سے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد منیٰ جانے کے لیے روانہ ہوں گے، آج کل چوں کہ حاجیوں کا ہجوم بہت ہوتا ہے؛ اس لیے معلمین حضرات سہولت کے لیے آٹھویں کی صبح کے بجائے ساتویں کی شام کو ہی حاجیوں کو منیٰ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں تو اس میں آپ کو ان کے ساتھ مزاحمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ مزاحمت کریں گے تو وہ آپ کو واپس کرنے والے نہیں ہیں، اگر آپ الگ سے اس کا انتظام کر سکتے ہیں کہ آٹھویں کی صبح کو منیٰ جا سکیں تو وہ دوسری بات ہے، ورنہ آپ کے لیے سہولت اسی میں ہے کہ ان کے ساتھ رات کو چلے جائیں، کسی مزاحمت میں مت پڑو، ورنہ پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

## منیٰ جا کر اپنا خیمہ کس طرح تلاش کریں گے؟

تو آٹھویں کی صبح کو فجر کی نماز پڑھ کے منیٰ پہنچے، اب اگر آپ پیدل حج کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے الگ راستہ بھی ہے اور بڑا آسان ہے، خصوصاً جوانوں کے لیے بہت آسان ہے۔ وہاں منیٰ میں خیمے لگے ہوئے ہیں، آپ کے معلم نے آپ کو آپ کے خیمے کا نمبر دیا ہوگا، اس کے اعتبار سے تلاش کریں، اگر آپ بس میں جائیں گے تو بس وہیں جائے گی جہاں اس معلم کے خیمے لگے ہوئے ہیں تو وہاں اتر کر اپنے نمبر کا خیمہ تلاش کرلیں اور اپنی جگہ پر قبضہ کر کے وہاں ٹھیر جائیں۔

## منٰی میں نمازوں میں قصر کریں گے یا اتمام؟

اب آٹھویں تاریخ کو جو منٰی میں آپ کو قیام کرنا ہے، وہاں کوئی عمل نہیں کرنا ہے، صرف آرام کرنا ہے، وہاں ظہر کا وقت آئے گا تو ظہر کی نماز ادا کیجیے اور عصر کا وقت آئے گا تو عصر کی نماز ادا کیجیے، مغرب کا وقت آئے گا تو مغرب کی نماز پڑھیں، عشاء کا وقت آئے گا تو عشاء کی نماز ادا کیجیے۔ اب ایک مسئلہ یہاں یہ بھی ہے کہ وہاں نماز میں قصر کریں یا پوری نماز پڑھیں؟ تو آج کل تو منٰی اور مزدلفہ دونوں کو مکہ ہی کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے، مکہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک پہنچ گئی ہے؛ اس لیے اب یہی بتلایا جاتا ہے کہ جب آپ مکہ میں حج کے ارادے سے داخل ہوں، اس دن سے لے کر جس وقت آپ کو مکہ سے نکلنا ہے، چاہے مدینہ جانے کے لیے یا گھر واپس آنے کے لیے تو اس کے درمیان اگر پندرہ دن کا وقت ہے تو آپ مقیم ہو گئے اور اب آپ کو نماز پوری پڑھنی ہے اور اگر پندرہ دن سے کم کا وقت ہے تو آپ مسافر ہیں اور آپ کو قصر کرنی ہے۔

## نویں ذی الحجہ کو منٰی سے عرفات کے لیے روانگی کا وقت

منٰی میں آپ آٹھویں تاریخ کی شام تک ٹھیریں گے، آپ نے وہاں عشاء پڑھ لی، اب نویں کی فجر کی نماز بھی آپ یہاں منٰی ہی میں پڑھیں گے۔ اب اس میں بھی یہی ہونے لگا ہے کہ رات ہی کو منٰی سے عرفات لے جاتے ہیں، پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا لیکن اب بھیڑ بھاڑ کی زیادتی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو وہاں بھی مزاحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ کے اندر طاقت ہے، آپ وہاں سے اپنے طور پر جا سکتے

ہیں، کوئی گڑبڑ نہیں ہوسکتی تو ٹھیک ہے اور یہی بہتر طریقہ بھی ہے کہ آپ رات منیٰ میں گذاریں اور نویں کی صبح فجر کی نماز پڑھ کر عرفات کے لیے روانہ ہوں، منیٰ میں جب فجر پڑھیں گے تو نویں کی فجر سے چوں کہ تکبیرِ تشریق کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے اور تلبیہ تو آپ کو ہر نماز کے بعد کہنا ہی ہے تو فجر کی نماز کا سلام پھیریں گے تو پہلے تکبیرِ تشریق پڑھیں گے اور اس کے بعد تلبیہ پڑھیں گے۔

## وقوفِ عرفہ حج کا رکنِ اعظم ہے

اب نویں کی فجر کی نماز آپ نے منیٰ میں پڑھی تو سورج طلوع ہونے کے بعد آپ عرفات کے لیے روانہ ہو جائیے، بس سے جانا ہو تو بس کے ذریعہ سے اور پیدل جانا ہو تو پیدل، جو طریقہ بھی چاہیں اختیار کریں، بہر حال! اب آپ یہاں سے عرفات جاویں۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے منیٰ جا رہے ہیں تو تصور یہ ہونا چاہیے کہ میرا آقا مجھ کو بلا رہا ہے، جیسے آقا کی طرف سے غلام کے لیے بلاوا آیا ہو تو وہ حکم سمجھ کر جاتا ہے، حالاں کہ دیکھیے! یہاں مسجدِ حرام کو چھوڑ کر کے منیٰ جا رہا ہے لیکن بہر حال اللہ کا حکم ہے؛ اس لیے جانا ہی ہے۔ اب نویں تاریخ کو فجر کے بعد آپ عرفات کے لیے جا رہے ہیں، جب آپ عرفات پہنچ جائیں گے تو عرفات کا وقوف فرض ہے، حج کا رکنِ اعظم ہے، اصل بڑا فریضہ وہی ہے لیکن اس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔

## وقوفِ عرفہ سے پہلے اس کی تیاری کر لیں

اگر آپ زوال سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو وہاں بھی خیمے لگے ہوئے ہیں لیکن

منیٰ کے مقابلے میں یہاں کے خیمے کومن ہیں، منیٰ میں خیموں کے اندر کمرے بھی بنے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہاں کے خیمے لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ویسے نہیں ہوتے، ان خیموں میں پہنچ جائیے، ابھی زوال میں چوں کہ دیر ہے تو آپ آرام کر سکتے ہیں، زوال کے بعد کی تیاری بھی ابھی سے کرلیں اور اگر موقع ہو تو غسل بھی کرلیں لیکن اس میں صابون وغیرہ کا استعمال نہیں کرنا ہے، جسم پر خالی پانی ڈالنا ہے، وہاں اس کا انتظام ہے، غسل وغیرہ کر کے تیار ہو جائیں۔

## میدانِ عرفات میں اپنے خیمے میں نماز پڑھنے میں سہولت ہے

یہاں عرفات میں مسجد ہے: مسجدِ نمرہ، امیر الحج وہیں آتا ہے، وہاں اذان بھی ہوتی ہے اور اذان کے بعد ظہر کی نماز بھی پڑھاتے ہیں اور اس کے بعد فوراً عصر کی نماز پڑھاتے ہیں لیکن وہاں ہمارے لیے جانا مشکل ہے، اپنا خیمہ چھوڑ کر جانے میں پریشانی ہوتی ہے؛ اس لیے ہم یہ نمازیں اپنے خیموں میں ادا کرتے ہیں، اتنا ضرور ہے کہ وہاں سے آواز ضرور آئے گی اور جب آواز آئے گی تو اندازہ ہو جائے گا کہ زوال ہو چکا ہے، اب آپ اپنے خیموں میں مقیم ہیں تو آپ کے اندر جو پڑھا لکھا عالم ہو، اس کو مقرر کرلیں، وہ آپ کو ظہر کی نماز پڑھائے گا۔ ویسے تو عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کرنا ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد وہیں ساتھ میں عصر کی نماز بھی ادا کرنی چاہیے لیکن امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کے لیے شرط یہ ہے کہ نماز کا امام حاکم یا امیر الحج ہو اور وہ ہمارے خیمے میں ہوتا نہیں ہے؛ اس لیے وہاں خیمے میں ظہر

اپنے وقت پر پڑھیں گے اور عصر بھی اپنے وقت پر پڑھیں گے۔ اب قصر پڑھنی ہے یا پوری پڑھنی ہے تو منیٰ کے سلسلے میں مسئلہ بتادیا۔

## وقوفِ عرفہ کے دوران کیے جانے والے اعمال

ظہر پڑھتے ہی وقوف شروع ہوگیا، وقوف کا مطلب ہے عرفات کا قیام، یہ حج کا رکنِ اعظم ہے، اس میں آپ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں، اگر آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تو نوافل بھی پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح ذکر، دعا اور عبادات کے جو دوسرے طریقے ہیں، ان کو اختیار کریں، وہاں دھوپ میں کھڑے رہنے کو بھی اچھا بتایا گیا ہے تو اگر طاقت ہو تو دھوپ میں کھڑے رہیں، ورنہ اپنے خیمے میں رہیں، کھڑے رہنا بیٹھنے سے اور بیٹھنا لیٹنے سے افضل ہے اور عبادات میں مشغول رہیں، یہاں تک کہ جب عصر کا وقت ہو جائے تو اپنے خیمے ہی میں اپنے امام کے پیچھے عصر کی نماز پڑھیں اور عصر کے بعد بھی عبادت میں مشغول رہیں: دعا میں، ذکر میں، تلاوت میں، یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

## غروب سے پہلے میدانِ عرفات سے نکلنا گناہ ہے

دیکھیے! زوال سے لے کر کے سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں قیام کرنا ہے، اگر کوئی آدمی سورج کے غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل جائے گا تو دم واجب ہوگا، ویسے تو وہاں غروب سے پہلے کوئی نکلنے دیتا ہی نہیں، آج کل تو غروب سے پہلے وہاں دروازے بند کر دئے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی آدمی زوال کے فوراً بعد

نکل گیا تو نکل بھی سکتا ہے اور ایسی صورت میں دم واجب ہوگا، حج تو ادا ہو جائے گا لیکن دم واجب ہوگا۔

## میدانِ عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی

آپ نے زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر جو وقوف شروع کیا تھا، وہ آفتاب غروب ہونے تک رہا، آفتاب ڈوب گیا تو اب آپ کو عرفات میں مغرب نہیں پڑھنی ہے بلکہ آپ کو عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلنا ہے، بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، بسوں اور لوگوں کا ایک جمِّ غفیر ہوتا ہے، کوئی خوش قسمت ہو، وہ جلدی پہنچ جاتا ہے، ورنہ تو دیر ہی ہوتی ہے، بعض لوگ تو صبح تک بھی نہیں پہنچ پاتے تو حج اور عمرے کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنی چاہیے کہ: فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي: اے اللہ! آپ اس کو میرے لیے آسان فرمایئے، اس کو قبول فرمایئے اور سنت کے مطابق حج کرایئے۔

## مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ ادا کرنا ہے

آپ مزدلفہ پہنچ گئے، چاہے بس سے پہنچے ہوں یا پیدل چل کر۔ مزدلفہ پہنچنے کے بعد اگر ابھی عشاء کا وقت نہیں آیا ہے تو ابھی آپ کو مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے؛ اس لیے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں؛ اس لیے جب تک عشاء کا وقت نہیں ہوگا، یہ دونوں نمازیں نہیں پڑھیں گے اور اگر وقت ہو چکا ہے تو استنجاء اور طہارت سے فارغ ہو کر پہلے مغرب کی نماز تین رکعت پڑھیے اور سلام پھیر کر کے تکبیرِ تشریق اور تلبیہ پڑھیے اس کے بعد فوراً، مغرب

کی دوسنت پڑھے بغیر، بغیر اقامت کے عشاء کی نماز پڑھیے، اگر مسافر نہ ہوں تو چار اور اگر مسافر ہوں تو دو رکعت پڑھیے، سلام پھیرنے کے بعد تکبیرِ تشریق اور تلبیہ پڑھیے، اس کے بعد مغرب اور عشاء کی سنتیں اور وتر وغیرہ پڑھیں، ان دو نمازوں سے فارغ ہو کر آپ کو وہیں پر قیام کرنا ہے، وہاں کھانے پینے اور دوسری ضروریات سے فارغ ہو لیجیے۔

## مزدلفہ کی بابرکت رات کو خوب وصول کیجیے

یہ رات بڑی بابرکت ہے، بہت سے لوگوں نے اس کو لیلۃ القدر کے برابر قرار دیا ہے؛ اس لیے اس رات میں لغویات، بات چیت اور گپ شپ میں مشغول ہونے کے بجائے اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں۔ چوں کہ آئندہ کل ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں؛ اس لیے تھوڑا آرام بھی کرلیں۔ وہاں عرفات سے تھکے ہوئے آئے ہیں، اگر طبیعت کا تقاضا ہو تو عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر پہلے تھوڑا آرام کر لیجیے، دو، تین گھنٹے لیٹیے اور صبحِ صادق سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اٹھ جائیے اور تہجد وغیرہ سے فارغ ہو کر دعا، تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جائیے، یہاں تک کہ صبحِ صادق ہو جائے تو آپ اذان دیں گے اور فجر کی نماز کو شروع وقت میں پڑھیں گے اور فجر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ دعا میں، ذکر میں تلاوت میں مشغول ہوں گے۔ فجر کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے تک وہاں ٹھیریں گے، اس کو وقوفِ مزدلفہ کہتے ہیں اور یہ واجب ہے۔

## وقوفِ مزدلفہ کا وقت

لیکن ہمارے یہاں وقوفِ مزدلفہ نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے

واجب ہے، اب آپ وہاں دیکھیں گے کہ بہت سے عرب حضرات رات ہی سے، آدھی رات سے مزدلفہ سے چلنا شروع کردیتے ہیں، ہمارے ہندوستانی لوگ بھی ان کو دیکھا دیکھی مزدلفہ چھوڑ ردیتے ہیں۔ ویسے عورتوں، بچوں، کمزوروں اور بیماروں کو تو گنجائش دی گئی ہے لیکن دوسرے اگر ایسا کریں گے اور صبحِ صادق سے پہلے مزدلفہ سے نکل جائیں گے تو مزدلفہ کا وقوف چھوٹ جائے گا اور اس کی وجہ سے دم واجب ہوگا؛ اس لیے اس کا خاص خیال کریں۔

## مزدلفہ میں فجر کی اذان دینے میں صبحِ صادق کا خاص خیال رکھنا ہے

دوسرا یہ خیال رکھیں کہ صبحِ صادق ہونے کے بعد اذان دیں گے۔ وہاں بہت سے لوگ منیٰ جانے کی جلدی میں صبحِ صادق سے پہلے ہی اذان دے دیتے ہیں اور آدھی رات ہی سے اذان کی آواز آنا شروع ہوجاتی ہے، اگرچہ آج کل تو مائک کا بہترین انتظام ہے اور وہاں مزدلفہ میں مسجد مشعرِ حرام ہے، اس سے اذان کی آواز آتی ہے اور ویسے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اتنے دنوں تک حرم میں رہے، گذشتہ روز بھی آپ نے فجر کی نماز حرم میں پڑھی تھی تو وہاں صبحِ صادق کب ہوتی ہے، وہ آپ کو معلوم ہے تو ان دنوں میں آپ اوقات کا خوب دھیان رکھئے اور اس کے مطابق دو چار منٹ آگے پیچھے کر کے اذان دیجیے، اگر صبحِ صادق سے پہلے اذان دے دی اور نماز پڑھ لی تو فریضہ ہی ادا نہیں ہوگا اور اسی طرح صبحِ صادق سے پہلے نکل گئے تو آپ کا وقوفِ مزدلفہ بھی نہیں ہوا؛ اس لیے اس سلسلے میں خاص احتیاط کرنی ہے۔

## مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانگی

صبحِ صادق کے بعد آپ اذان دیں گے، سنت اور فرض پڑھیں گے، اس کے بعد وقوف کریں گے اور سورج طلوع ہونے کے قریب ہے، بالکل تیاری ہے تو آپ منیٰ کی طرف روانہ ہو جائیں گے، ویسے تو فجر کی نماز پڑھنے کے بعد دس پندرہ منٹ تک وقوف کیا اور آپ روانہ ہو گئے تو بھی وقوفِ مزدلفہ کا وجوب ادا ہو گیا لیکن سنت طریقہ یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بالکل قریبی زمانے تک ٹھیرے رہیں، سورج طلوع ہونے میں پانچ سات منٹ باقی ہیں، تب آپ وہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔

## مزدلفہ سے رمی کے لیے کنکریاں اٹھا لینا بہتر ہے

مزدلفہ کے قیام کے دوران آپ کنکریاں بھی اٹھالیں، یہ کنکریاں اٹھانا کوئی واجب یا فرض نہیں ہے، یہاں کنکریوں کی بہتات بھی ہے، آسانی سے کنکریاں مل جاتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی مکئی کے دانے کے برابر ''۷۰'' کے قریب کنکریاں اٹھالیں؛ اس لیے کہ یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور آج سات کنکریاں مارنی ہیں اور باقی تینوں دن ٹھہریں گے تو تین جمروں کو سات سات کنکریاں مارنی ہیں تو ہر دن اکیس، اکیس کنکریاں ہوں گی تو ''۷۰'' ہو جائیں گی اور احتیاط کے طور پر اگر کچھ زائد کنکریاں لے لیں تو بہتر ہے اور بڑے بڑے پتھر نہ لیں، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شیطان کو مارنی ہیں تو بڑے بڑے پتھر ماریں گے، حالاں کہ یہ تو محض ایک علامت ہے، حقیقی شیطان نہیں ہے لیکن لوگ اس کو حقیقت میں شیطان سمجھتے ہیں تو بعض تو بڑے بڑے پتھر مارتے

ہیں، بعض چپل اور بعض اس پر چڑھ جاتے ہیں، تو حقیقت تو یہ ہے کہ جب اس پر چڑھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ میں شیطان پر چڑھا ہوں، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس پر چڑھا ہے۔ حاصل یہ کہ جو طریقہ سنت بتلایا گیا ہے، اسی کے مطابق عمل کرنا ہے۔

## جمرات کی حقیقت

کنکریاں لے لیں اور منٰی کے لیے روانہ ہو گئے، جب منٰی پہنچ گئے تو آپ کے پاس جو تھوڑا بہت سامان ہے، اس کو اپنے خیمے میں رکھ دیا یا اس کو اپنے ساتھ لے کر سیدھے جمرۂ عقبہ پر پہنچ گئے، جمرۂ عقبہ کو لوگ بڑا شیطان کہتے ہیں۔ مزدلفہ سے جب منٰی چلیں گے تو منٰی کے شروع ہونے کے بعد دوسرے کنارے پر یہ جمرات ہیں۔ یہ جمرات جن کو لوگ شیطان کہتے ہیں، اصل میں کچھ مخصوص جگہیں ہیں لیکن علامت کے طور پر ان جگہوں کے پاس کچھ ستون بنا دئے گئے ہیں، ان کو جمرہ کہتے ہیں تو اصل تو وہ جگہ ہے جہاں کنکر گرنا چاہیے۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہکانے کے لیے آیا تھا تو اس جگہ یہ علامت بنا دی گئی ہے۔

## جمرۂ عقبہ کی رمی اور اس کا وقت

بہر حال! جب آپ مزدلفہ سے منٰی میں داخل ہوں گے تو اس کے بعد دوسرے کنارے پر یہ تین جمرات آئیں گے، پہلے جو آئے گا، اس کو جمرۂ اولی کہتے ہیں، لوگ اس کو چھوٹا شیطان کہتے ہیں، اس کے بعد جو دوسرا آئے گا، وہ جمرۂ وُسطی ہے یعنی درمیانی جمرہ، اس کے بعد سب سے اخیر میں، منٰی ختم ہونے سے کچھ پہلے جو جمرہ

آتا ہے، وہ جمرۂ عقبہ کہلاتا ہے جس کو لوگ بڑا شیطان کہتے ہیں۔ آج دسویں تاریخ کو صرف اسی جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے، ابھی لبیک کا سلسلہ جاری ہے؛ اس لیے آپ لبیک پڑھتے جارہے ہیں، جب آپ منیٰ پہنچیں گے تو زوالِ آفتاب تک اس کی رمی کرنی ہے، طلوعِ آفتاب سے زوال تک اس کا وقت مسنون ہے اور زوال سے لے کر غروب تک جائز ہے لیکن غروب سے لے کر دوسرے دن یعنی گیارہویں کی صبحِ صادق تک کا وقت مکروہ ہے، وہ بھی جب بھیڑ نہ ہو اور اگر بھیڑ تو بلا کراہت جائز ہے۔

## رمیِ جمرات کا طریقہ

جب آپ جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے لیے جائیں گے تو آپ کا رخ اِدھر کعبۃ اللہ کی طرف ہوگا اور سات کنکریاں تو آپ کے پاس ہیں ہی، ان میں سے ہر کنکری اس طرح انگوٹھے اور انگلی کے بیچ میں رکھ کے ہاتھ اٹھا کر ماریں گے، جمرہ جہاں پر ہے، اس سے تقریباً سات فٹ دور کھڑے رہ کر ہر کنکر مارا جائے گا اور ہر کنکر پر آپ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَرِضًا لِلرَّحْمٰن پڑھیں گے، نہ یاد رہے تو صرف بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھیں اور یہ بھی نہ پڑھیں تو کوئی حرج نہیں، اس سے حج میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ جمرات کے اردگرد اس طرح جگہ بنائی گئی ہے جیسے بھینسوں کے طبیلے میں ان کو گھاس چارا ڈالنے کے لیے بنایا ہوا ہوتا ہے، آپ جو کنکریاں ماریں گے، وہ اس جگہ میں گرنی چاہئیں، اگر اس میں نہیں گری، اس کے باہر کہیں گری تو جمرے سے اگر تین فٹ کی دوری پر گرے تو ٹھیک ہے، اس سے زیادہ دور گری ہو تو اس کی جگہ دوسری کنکری

مارنی پڑے گی۔

## رمی شروع کرتے ہی تلبیہ کا سلسلہ ختم کر دیں

اس طرح سات کنکریاں مارے گا اور جہاں کنکریاں مارنے کا سلسلہ شروع کیا، وہیں تلبیہ پڑھنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ یہ کنکریاں مارنا ''رمیِ جمرۂ عقبہ'' کہلاتا ہے، یہ حج کے واجبات میں سے ہے، اس سے پہلے وقوفِ مزدلفہ بھی واجب تھا، اب یہ دوسرا واجب آیا۔

## تمتع کرنے والے پر ہدی کی قربانی واجب ہے

چوں کہ تمتع کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے اور حجِ تمتع میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد جانور بھی ذبح کرنا ہے، جس کو قربانی کرنا کہتے ہیں، ویسے تو قرآن وحدیث اور فقہاء کی اصطلاح میں اس جانور کو عربی میں ھَدِیْ کہتے ہیں اور ہمارے یہاں اس کو قربانی کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں گھروں میں (بقر) عید کے روز جو ذبح کیا جاتا ہے، اس کو بھی اردو میں قربانی کہتے ہیں، حالاں کہ عربی میں اس کو ''اُضحیہ'' کہتے ہیں، عربی میں دونوں کے لیے الگ نام ہیں اور اردو میں دونوں کے لیے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے؛ اس لیے اشتباہ ہو جاتا ہے تو اصل میں یہ ہدی ہے۔ جس نے تمتع کیا ہے، اس کے لیے جانور ذبح کرنا بھی واجب ہے۔

## رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے

اور اس میں ترتیب بھی ہے کہ پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، اس کے بعد جانور

ذبح کرے یعنی بکری یا بکرا یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ۔ جانور ذبح کرنے کے بعد تیسرے نمبر پر سر کے بال اتروانے ہیں جس کو حلق کہتے ہیں، یہ تینوں واجب ہیں اور ان تینوں میں ترتیب بھی واجب ہے، اب بولنے میں تو یہ بہت آسان ہو گیا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور جانور ذبح کیا اور سر کے بال اتروا دئے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آدھے پونے گھنٹے میں ہو جائے گا لیکن یہ سب کام کتنی دیر میں ہوتے ہیں وہ جانے والے ہی سے پوچھئے، اگر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اور کسی خوش قسمت کو اللہ تعالیٰ آسانی میسر کر دے تو اس سے بڑھیا اور کیا بات ہو گی!

## مذکورہ تین کاموں کے بعد طوافِ زیارت کو انجام دینا سنت ہے

جب ان تینوں کاموں سے فارغ ہو گئے تو اب آپ کو طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جانا ہے، مذکورہ تینوں کام انجام دینے کے بعد طوافِ زیارت کرنا سنت ہے لیکن اگر آپ جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوئے اور قربانی کا مرحلہ آیا تو قربانی کے لیے ایک مخصوص جگہ ہے۔

## حاجی کے لیے عید والی قربانی کا حکم

دیکھو! یہ جانور جو ذبح کیا جائے گا تو ایک خاص نیت سے ذبح کیا جائے گا کہ میں نے تمتع کیا ہے یعنی عمرہ کیا اور یہ حج کیا اس کے شکرانے کے طور پر ذبح کر رہا ہوں۔ یہ قربانی تو حج کی ہوئی، یہ تو تمتع کرنے والے کے لیے واجب ہے، ایک مسئلہ عید کی قربانی کا آتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو اگر وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد مقیم ہو چکا ہے

یعنی وہاں پندرہ دن قیام کی نیت کرلی، جیسا کہ پہلے نماز کے قصر اور اتمام کے سلسلے میں مسئلہ بتادیا ہے اور مقیم ہونے کے ساتھ صاحبِ نصاب ہے تو اس پر یہ عید کی قربانی بھی واجب ہے لیکن عید والی قربانی کا جانور وہیں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے، وہاں بھی ذبح کرسکتا ہے اور یہاں اپنے گھر پر اس کا انتظام کر کے جائے تو یہ بھی جائز ہے، جب کہ حج اور تمتع والی قربانی یہاں گھر پر ذبح نہیں کرسکتے، اس کو تو وہیں ذبح کرنا ہوگا۔ بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ حج والی قربانی کے لیے بھی فون کردیتے ہیں کہ آپ گھر پر کرلیجیے، یہ حماقت ہے، حج والی قربانی تو یہاں حرم ہی میں ذبح کرنا ہے۔

## ہدی کی قربانی میں احتیاط ضروری ہے

اب اس قربانی کے جانور کا انتظام کرنا، اس کو ذبح کرنے کے لیے وہاں قربان گاہ جانا بہت مشکل ہے کہ جانور ذبح کرنے کی جگہ وہاں سے کافی دور ہے؛ اس لیے وہاں کے جو مقیمین ہیں، وہاں کے پرانے لوگ ہیں، ذرا ان کا تعاون لیا جائے، خوب تحقیق کرلی جائے، آج کل بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ سے پیسے لیتے ہیں کہ آپ کی قربانی ہم کرادیں گے لیکن وہ پیسے لینے کے بعد ”رفو چکر“ ہوجاتے ہیں اور ہماری قربانی رہ جاتی ہے، اس لیے ذرا محتاط رہیں۔ اگر آپ کے قافلے میں نوجوان سمجھ دار ساتھی ہیں جو تجربہ کار ہیں، پہلے بھی حج کے لیے آچکے ہیں اور خود جا کر کے سب کی طرف سے جانور ذبح کرسکتے ہیں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت بہتر ہے، ویسے قربانی کے لیے وہاں حکومت کی طرف سے باقاعدہ ایک انتظام ہوتا ہے، وہاں اس جگہ کی بینک ہے،

چاہے جو بھی ہو، اس میں آپ کو جانور ذبح کرانے کے لیے رقم جمع کرانی پڑتی ہے اور وہ آپ کو رسید بھی دیتے ہیں، رقم جمع کراتے وقت آپ جو وقت دیں گے کہ فلاں تاریخ کو، فلاں وقت میں جانور ذبح کرنا تو وہ وقت لکھ کر دیتے ہیں، اب اگر اسی وقت میں انھوں نے جانور ذبح کیا تو ٹھیک ہے۔

## قربانی ذبح ہو جانے کے اطمینان پر ہی حلق کروائیں

اس طریقے پر بھی قربانی کر سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے لیکن آپ کو اطمینان بھی ہونا چاہیے کہ آپ کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق جانور ذبح ہو گیا ہوگا؛ اس لیے کہ یہ ترتیب واجب ہے کہ پہلے آپ جمرۂ عقبہ کی رمی کریں پھر جانور ذبح کرنا ہے، اس کے بعد سر کے بال اتروانے ہیں یعنی حلق کروانا ہے تو چوں کہ جانور ذبح کرنے کے بعد حلق کروانا ہے؛ اس لیے ''جانور ذبح ہو گیا'' اس کا اطمینان بھی ضروری ہے۔ اگر اپنے ساتھیوں کو جانور ذبح کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے یا کسی معتبر آدمی کے حوالے کیا ہے تو جب اس کی طرف سے جانور ذبح ہونے کی اطلاع مل جائے تو اب آپ حلق کرا لیجیے۔ مرد اپنے بال حلق کروائے گا یا قصر کروائے گا جیسا کہ پہلے بتلا دیا ہے کہ اگر اتنے بڑے بال ہیں کہ کٹنے کے بعد بھی کٹے ہوئے بال پورو ے کے برابر ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے چھوٹے ہیں تو حلق ضروری ہے۔

## عورت کے لیے بال ترشوانے کا طریقہ

عورت کے لیے حلق نہیں ہے بلکہ قصر ہے، چوٹی کی طرف سے پورو ے کے

برابر بال کاٹے گی، چوں کہ چوٹی جو نیچے کی طرف ہوتی ہے، اس میں سر کے سارے بال نہیں ہوتے ہیں؛ اس لیے اِدھر اُدھر تین طرف سے پوروے کے برابر بال کاٹے تو بہتر ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں یقین ہو جائے گا کہ بال برابر کٹے ہیں۔

## حلق کا طریقہ

حلق کا طریقہ بھی بتلایا ہے کہ حلق کراتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہو، دائیں طرف سے شروع کیا جائے، حلق کرانے والا بھی قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور حلق کرنے والا بھی قبلہ رو ہو۔ تو آج کے تین کام ہو گئے: (۱) جمرۂ عقبہ کی رمی (۲) قربانی (۳) حلق۔

## متمتع کے لیے طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرنی ہے

جب یہ حلق کروالیا تو آپ کا احرام کھل گیا۔ اب غسل کر کے سِلے ہوئے کپڑے پہن لیجیے اور مکہ مکرمہ کی طرف طوافِ زیارت کرنے کے لیے روانہ ہو جائیے، یہ طوافِ زیارت حج کا رکن ہے، حج کے دو رکن ہیں: (۱) وقوفِ عرفات اور (۲) طوافِ زیارت، یہ طوافِ زیارت ہے جو آپ کرنے کے لیے جائیں گے۔ اگر یہ تینوں کام زوال تک یا شام تک ہو گئے تو آپ مکہ مکرمہ پہنچ جائیے اور وہاں جا کر کے طوافِ زیارت کر لیجیے۔ یہ طوافِ زیارت بھی آج کل بڑا مشکل ہوتا ہے، بھیڑ بھاڑ بہت زیادہ ہوتی ہے، اتنا بڑا حرم ہونے کے باوجود جگہ تنگ محسوس ہوتی ہے لیکن بہر حال ہمت تو کرنی ہی ہے، اس طوافِ زیارت کے بعد آپ کو سعی بھی کرنی ہے، یہ تمتع کرنے والے

کے لیے حج کی سعی طوافِ زیارت کے بعد ہے، احناف کے یہاں یہی بہتر ہے، اس طواف میں آپ کو رمل بھی کرنا ہے۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جس طواف میں رمل ہو، اس میں اضطباع بھی ہے لیکن اگر آپ حلق کرا کر کے اپنا احرام کھول چکے ہیں اور سِلے ہوئے کپڑے پہن چکے ہیں تو چادر رہے ہی نہیں تو اضطباع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

## قربانی اور حلق سے پہلے بھی طوافِ زیارت کر سکتے ہیں

لیکن اگر آپ جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد ابھی قربانی نہیں کرا سکے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی تک کافی وقت ہو گیا تو آپ نے سوچا کہ قربانی کل کروائیں گے۔ اب آپ سوچ رہے ہیں کہ قربانی تو کل کرنی ہے، آج طوافِ زیارت کر لیتے ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

## متمتع کے لیے طوافِ زیارت میں رمل اور اضطباع بھی کرنا ہے

اب اگر طوافِ زیارت کے لیے آپ گئے تو احرام والی چادریں ابھی باقی ہیں، آپ کو طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنی ہے۔ اس لیے اس میں رمل تو کرنا ہی ہے تو اضطباع بھی کریں گے۔ اب وہاں سِلے ہوئے کپڑے میں رمل کریں گے تو بہت سے لوگ آپ کو پکڑیں گے، ان سے الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور پہلے طواف کا جو طریقہ بتلا دیا، اسی کے مطابق استقبال اور استلام وغیرہ کے ساتھ سات چکر لگانے ہیں، طواف کے بعد ملتزم اور اس کے بعد طواف کی دو رکعت اور زمزم پینا، اس کے بعد استلام کر کے سعی کے لیے صفا مروہ کی طرف جانا اور اس کی سعی کرنا، یہ سب اسی طریقے سے ہوگا جو آپ کو پہلے بتلا دیا گیا ہے۔

# طوافِ زیارت کا وقت

یہ جو طوافِ زیارت ہے، اس کا وقت دسویں ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے اور بارہویں کی غروبِ آفتاب سے پہلے تک رہتا ہے، تین دن ہیں جو ایامِ نحر کہلاتے ہیں: (۱) دسویں (۲) گیارہویں (۳) بارہویں۔ بارہویں کا سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے طوافِ زیارت ہو جانا چاہیے، اگر دسویں کو کر لیا تو بہت بہتر اور اگر بھیڑ بھاڑ یا تھکان وغیرہ کی وجہ سے دسویں کو نہیں کیا تو گیارہویں کو کر لے، دن میں، رات میں، صبح میں، شام میں، جب بھی آپ کو موقع ملے، کر لیں لیکن تیسرے دن غروبِ آفتاب سے پہلے فارغ ہو جانا چاہیے۔ اگر بارہویں کا آفتاب غروب ہو گیا اور ابھی تک آپ نے طوافِ زیارت نہیں کیا تو اس کے بعد بھی کرنا ہو گا لیکن اب آپ کو پینلٹی لگے گی، دم واجب ہو جائے گا اور اگر اکثر حصہ یعنی طواف کے چار چکر پورے کیے پھر آفتاب غروب ہوا تو دم واجب نہیں ہو گا۔

# عذر کی وجہ سے سعی میں تاخیر بلا کراہت جائز ہے

اس طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرنی ہے، چوں کہ آدمی تھک تھکا جاتا ہے، اچھے خاصے تن درست آدمی بھی تھک جاتے ہیں تو طوافِ زیارت کے بعد تھوڑا آرام کر لیں، اس کے بعد سعی شروع کریں، تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اگر سعی میں بیماری یا کمزوری کی وجہ سے مزید تاخیر ہو گئی اور آپ نے بارہویں کے بعد تیرہویں یا چودہویں وغیرہ کو کی، تب بھی کوئی دم نہیں ہے اور مکروہ بھی نہیں ہے، ہاں

اگر بلا وجہ مؤخر کیا ہے تو مکروہ تو ہے لیکن دم واجب نہیں۔

## طوافِ زیارت کے بعد رات منٰی میں گذارنا سنتِ مؤکدہ ہے

اگر آپ دسویں کو آئے تھے اور طوافِ زیارت اور سعی کرلی تو اب منٰی روانہ ہو جائیں گے اور رات وہاں گذاریں گے، احناف کے نزدیک رات منٰی میں گذارنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ پھر گیارہویں تاریخ منٰی میں آئے گی تو اس دن سوائے کنکریاں مارنے کے اور کوئی کام نہیں ہے، دسویں کو تو ایک ہی جمرے کو ماری تھی، گیارہویں کو تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے۔ گیارہویں کو کنکریاں مارنے کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، آپ اپنے خیموں میں ظہر کی نماز پڑھ کر کے تینوں جمرات کی رمی کیجیے۔

## گیارہویں کو تینوں جمرات کی رمی کا طریقہ

ان تینوں جمرات کے بارے میں آپ کو بتایا تھا کہ پہلے چھوٹا شیطان آتا ہے (جمرۂ اولٰی) اس کو سات کنکریاں ماریں گے اور مارنے کا طریقہ وہی ہے جو پہلے بتا دیا گیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ رَغْمًا لِلشَّیْطَانِ وَرِضًا لِلرَّحْمٰن پڑھیں اور کنکریاں ماریں۔ ساتوں کنکریاں مار لینے کے بعد ذرا ہٹ کر کے دعا مانگیں، یہ دعا کرنا سنت ہے اور پھر درمیانی شیطان (جمرۂ وسطی) کو کنکریاں ماریں گے اور ہٹ کر کے دعا کریں گے، پھر آخری جمرے کو سات کنکریاں ماریں گے تو یہاں دعا نہیں کرنی ہے بلکہ مار کے اپنی قیام گاہ پر واپس آجانا ہے، یہ گیارہویں کی رمی ہوگئی، آج دوسرا کوئی کام نہیں ہے، اپنے خیموں میں بیٹھ کر تلاوت، ذکر وغیرہ عبادت میں مشغول رہیں، بہت سے حضرات

وہاں گپ شپ میں مشغول ہوتے ہیں، بہت سے تو گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ریڈیو سنتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، اس سے اپنے آپ کو بچائیں، ان ایام میں کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ خاص اللہ کو یاد کرنے کے زمانے ہیں۔

## گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت

بارہویں تاریخ ہوگئی، بارہویں کو بھی یہی ہے اور آج بھی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوگا لیکن بہت سے لوگ فجر کے بعد ہی شروع ہوجاتے ہیں اور کنکریاں مار کے مکہ پہنچ گئے اور جدہ بھی آ گئے، حالاں کہ یہ وقت شروع ہونے سے پہلے ماری ہے؛ اس لیے ادا نہیں ہوئی؛ دم واجب ہوگا؛ اس لیے لوگوں کے دیکھا دیکھی ہمیں ایسا نہیں کرنا ہے بلکہ زوال تک ٹھیر جائے اور زوال کے بعد ظہر پڑھ کر اطمینان سے رمی کیجیے، ان تین دنوں میں بھیڑ بھاڑ بہت ہوتی ہے؛ اس لیے آپ اطمینان سے ان تینوں جمرات کی رمی کیجیے۔

## تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کب واجب ہوتی ہے؟

اس کے بعد اگر آپ کا ارادہ منٰی میں ٹھیرنے کا نہیں تو بارہویں کو غروبِ آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ جائیں گے اور اگر آپ جانا تو چاہتے ہیں لیکن بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے آپ رمی نہیں کر سکی اور اس کی وجہ سے آپ نے تاخیر کی تو کوئی حرج نہیں، رات کو بھی رمی کر کے آپ جا سکتے ہیں، صبحِ صادق سے پہلے پہلے آپ منٰی چھوڑ دیں تو حرج نہیں لیکن اگر صبحِ صادق ہوگئی تو اب تو آپ کے لیے تیرہویں کی رمی بھی ضروری ہوگئی،

اب تیرہویں کو بھی رمی کا وقت وہی زوال کے بعد ہے۔

## طوافِ وداع واجب ہے

زوال کے بعد رمی کر کے آپ مکہ مکرمہ جائیں گے اور وہاں جانے کے بعد اگر آپ کی گھر واپسی یا مدینہ منورہ جانے میں ابھی دیر ہے تو مکہ میں قیام کریں گے اور عبادات میں مشغول رہیں گے اور جب گھر جانے یا مدینہ منورہ جانے کا وقت آئے گا تو آپ آخری طواف کریں گے، اس کو طوافِ وداع کہتے ہیں، یہ واجب ہے، یہ طوافِ وداع کر کے آپ گھر یا مدینہ منورہ جائیں گے۔ یہ حجِّ تمتّع کا مختصر طریقہ آ گیا۔

## حجِّ اِفْراد کا طریقہ

اکیلے حج کا احرام باندھنا اِفراد کہلاتا ہے، اس میں اپنے گھر سے یا بمبئی سے حج کا احرام باندھے گا، نیت کرے گا: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي، اور جب مکہ مکرمہ پہنچے گا اور مسجدِ حرام میں جائے گا تو وہاں ایک طواف کرے گا جس کو طوافِ قُدوم کہتے ہیں، یہ سنت ہے، طوافِ قدوم کرنے کے بعد مکہ میں ٹھہرا رہے گا؛ کیوں کہ حج کی تاریخ ابھی آئی نہیں ہے، دو چار دن باقی ہیں پھر آٹھویں تاریخ کو کیا کرنا ہے، اس کی تفصیل بتلا دی ہے، اب احرام تو بندھا ہوا ہی ہے، بس آٹھویں تاریخ کو منیٰ جائے گا اور اس کے بعد کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے، البتہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے؛ اس لیے دسویں تاریخ کو بڑے شیطان (جمرۂ عقبہ) کو سات کنکریاں مارنے کے بعد جو جانور ذبح کرنا ضروری تھا، وہ نہیں کرے گا بلکہ کنکریاں مارنے کے

بعد حلق کرالے گا لیکن ان دو چیزوں میں ترتیب ضروری ہے: پہلے کنکریاں مارے پھر حلق کرائے، اس کے بعد طوافِ زیارت کے لیے جانا ہے۔

## حجِّ قِران کا طریقہ

اور اگر کسی نے قِران کا احرام باندھا ہے تو وہ اس طرح نیت کرے گا: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي: اے اللہ! میں عمرہ اور حج کی نیت کرتا ہوں، ان کو میرے لیے آسان کر دیجیے اور میری طرف سے ان کو قبول فرمائیے، دونوں کی نیت ہوگئی، جیسا کہ میں نے بتلایا کہ احرام کی چادریں چار نہیں بلکہ دو ہی پہننی ہیں۔ احرام شروع ہوگیا، اب جب مکہ مکرمہ پہنچیں گے تو آپ کو طواف اور سعی کرنی ہے، پہلے طواف پھر سعی ہے تو چوں کہ طواف کے بعد سعی بھی ہے؛ اس لیے اس میں رمل بھی ہے۔ طواف کے بعد وہی آپ کو ملتزم پر جانا ہے پھر طواف کی دو رکعت پڑھ کر زمزم پینا ہے اور اس کے بعد سعی کرنی ہے۔ یہ طواف اور سعی عمرہ کی ہوئی۔

## قِران کرنے والے کے لیے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنی مسنون ہے

اس کے بعد ایک اور طواف اور سعی کرنی ہے، یہ طواف حج کا طوافِ قدوم ہوا اور سعی حج کی ہوئی تو قِران کرنے والے کے لیے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنی مسنون ہے، بہتر ہے، ویسے تو اِفراد کرنے والا بھی طوافِ قدوم کے ساتھ حج کی سعی کر سکتا ہے۔

## طواف کے بغیر سعی معتبر نہیں ہے

دیکھو! حج کی سعی کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے، سنت ہے، بہتر طریقہ بتلایا گیا، کوئی ضروری نہیں ہے، تمتع والا ابھی جو شروع میں بتلایا گیا کہ وہ طوافِ زیارت کے ساتھ سعی کرتا ہے، اس کو اگر یوں محسوس ہو کہ طوافِ زیارت کے ساتھ سعی دشوار ہوگی تو وہ بھی ابھی کر سکتا ہے لیکن اتنا ہے کہ سعی کا قاعدہ ہے کہ وہ طواف کے ساتھ ہی ہوگی، یہ ضروری ہے، طواف کے بغیر سعی معتبر نہیں ہے، تمتع کرنے والا پہلے سعی کرنے کے ساتھ جو طواف کرے گا، وہ نفل ہوگا، طوافِ قدوم بھی نہیں ہے لیکن ایسی صورت میں اس کو طواف میں رمل اور اس کے بعد سعی کرنی ہوگی، یہ تو تمتع والے کی بات ہوئی۔

## مُفرِد بھی طوافِ قدوم کے ساتھ سعی کر سکتا ہے

اِفراد والا یہاں سے گیا تھا، اس کو بھی طوافِ قدوم کرنا تھا تو وہ بھی اس طواف کے بعد سعی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اگر اس کا ارادہ سعی کرنے کا ہے تو وہ طواف میں رمل بھی کرے گا، قران والا تو طوافِ قدوم کرے گا ہی اور اس کے ساتھ سعی بھی کرے گا۔ حج میں ابھی دو چار دن باقی ہیں تو مکہ میں ٹھیرے گا، اس کے بعد سارے کام وہی ہیں جو تمتع میں بتلا دئے ہیں کہ بڑے شیطان کو کنکریاں مارنے کے بعد جانور ذبح کرنا ہے، اس کے بعد حلق کرانا ہے، اب حلال ہو گیا اور اس کے بعد طوافِ زیارت ہے۔

## بیوی طوافِ زیارت کے بعد حلال ہوتی ہے، نہ کہ حلق کے بعد

دیکھو! حلق کرانے کے بعد حاجی حلال ہو جاتا ہے لیکن سب چیزوں کے حق

میں حلال نہیں ہوتا، جو لوگ اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جاتے ہیں، وہ ذرا سن لیں! کہ حلق کی وجہ سے احرام ختم ہوا لیکن بیوی کے حق میں ختم نہیں ہوا؛ اس لیے بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ عام طور پر ہمارا نوجوان طبقہ جب طوافِ زیارت کرنے کے لیے مکہ جاتا ہے تو وہاں قیام گاہ بھی ہوتی ہے تو بہت سی مرتبہ گڑبڑ کر لیتے ہیں، حالاں کہ طوافِ زیارت کرنے سے پہلے بیوی حلال نہیں ہے، طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حلال ہوگی، اس کے بعد وطی کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس سے پہلے اگر کر لی تو دم واجب ہوگا اور دم میں بھی خالی بکری سے کام نہیں چلے گا بلکہ اونٹ کی قربانی دینی ہوگی؛ اس لیے اس کا خاص خیال رکھنا ہے۔

## حج سے پہلے اس کے احکام سیکھنے کا اہتمام ضروری ہے

یہ حج کا طریقہ اجمال کے ساتھ مکمل ہوگیا، اس میں بڑی تفصیلات ہیں؛ اس لیے حج میں جانے والوں کو چاہیے کہ حج کے بارے میں جو کتابیں لکھی ہوئی ہیں، ان کو بار بار پڑھیں، سمجھیں اور آپس میں بار بار مذاکرہ کریں، تلبیہ بھی یاد کریں، بہت سے تو ایسے ہیں کہ حج کر کے آتے ہیں اور ان کو لبیک یاد نہیں ہوتا، جب لبیک نہیں پڑھی تو احرام کہاں شروع ہوا؟ اس لیے یہ چیزیں ضروری ہیں، جب ایک فرض کی ادائگی کا اتنا زیادہ اہتمام ہو رہا ہے تو ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

## مدینہ منورہ کا سفر

حج سے فارغ ہوگئے، اب اگر مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں تو

اس سفر میں درود شریف کی کثرت کا اہتمام کریں۔ مدینہ منورہ پہنچ جائیں تو اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر کے غسل کریں، دھلے ہوئے سفید کپڑے پہن کر، خوشبو وغیرہ لگا کر مسجدِ نبوی میں پہنچیں، اگر مسجدِ نبوی میں آسانی سے بابِ جبرئیل سے داخلہ ممکن ہو تو وہاں سے داخل ہو، ورنہ کسی بھی دروازے سے اندر جا کر تحیۃ المسجد پڑھے گا، اگر وہ تحیۃ المسجد ریاض الجنہ میں نصیب ہو جائے تو زہے قسمت۔ تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے پر سلام پیش کرنے کے لیے جائے، جب جائے گا تو اس طرح کہ وہاں ایک ستون ہے، وہاں اس طرح کھڑا رہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور ہمارے سامنے رہے۔

## روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کا طریقہ

وہاں تین جالیاں ہیں اور تینوں جالیوں میں سوراخ بنے ہوئے ہیں لیکن تیسری جالی میں تین سوراخ بنے ہوئے ہیں، ایک بڑا ہے اور دو چھوٹے ہیں، وہی اصل ہے، جہاں بڑا سوراخ بنا ہوا ہے، اسی کے سامنے، محاذات میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور پڑتا ہے تو وہاں بالکل سامنے نہیں بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ کر پیچھے کھڑا رہے گا، اس تصور کے ساتھ کہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ انور کے سامنے ہوں اور سلام کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ، اور اگر کوئی دوسرا یاد ہو تو وہ پڑھے اور اخیر میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ بھی ملا لے۔ پھر کہے کہ: اے اللہ کے رسول! میں

گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے اللہ کے پیغام کو پہنچایا، امت کی خیر خواہی کی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور ہر امتی کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

## حضراتِ شیخین کو سلام کرنے کا طریقہ

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرے، پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آ کر اسی طرح سلام کرے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ وَثَانِيهِ فِي الْغَارِ، اور اسی طرح اخیر میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه کہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ الْفَارُوقَ الَّذِي أَعَزَّ اللَّهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، جو الفاظ بھی یاد ہوں۔ سلام کرے یا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرَ بنَ الخطاب وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه کہے اور وہاں بھی کہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے، پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور پھر دعا کرے اور جب تک وہاں قیام ہو، روزانہ موقع بموقع سلام پیش کرتا رہے، وہاں درود کی کثرت رہے اور وہاں کے آداب کا بھی خیال رہے۔

## مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کا ضرور اہتمام ہو

پھر یہاں جو متبرک جگہیں ہیں، خود مسجدِ نبوی کے اندر ریاض الجنہ ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبرِ مبارک اور روضۂ شریفہ کا درمیانی حصہ ہے، وہاں کسی پرانے آدمی سے پوچھو گے تو آپ کو بتائیں گے۔ یہاں کچھ ستون بھی ہیں جہاں دعا کی جاتی

ہے اور وہ قبول ہوتی ہے، وہاں نماز پڑھی جاتی ہے، جیسے اسطوانۂ حنّانہ، اسطوانۂ ابولبابہ وغیرہ اور مدینہ منورہ کے اندر بھی بہت سی جگہیں ہیں، ان کی زیارت کی جائے، جیسے جنت البقیع ہے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، اور دوسرے صحابہؓ کے، امہات المؤمنین کے، بناتِ طاہرات کے اور بزرگوں کے مزارات ہیں۔ ان کی قبروں کی بھی زیارت کی جائے۔ قبا کی زیارت کے لیے جائے۔

خیر وہاں مزید تفصیل معلوم ہو جائے گی، وہاں کے قیام کے دوران ادب کا پورا خیال رکھا جائے، درود کی کثرت ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو وہاں کے آداب کی رعایت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# بندگانِ الٰہی کے ساتھ خیر خواہی
# دینِ اسلام کی نظر میں

بمقام: جودھ پور

بوقت: جنوری/۲۰۱۱ء

# اقتباس

وَاللّٰهُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ أَخِیهِ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتے ہیں، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے یعنی گویا آپ اللہ کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان راستہ بتادیا، ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے، ہر ایک اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے محنت کر رہا ہے، کوشش کر رہا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو رہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک ایسا نسخہ بتادیا جو ہماری پریشانیوں کا بہترین علاج ہے، وہ یہ ہے کہ ہم جس مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی اس پریشانی کو دور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے، جو کچھ کر رہے ہیں وہ ناکام ہو رہی ہے لیکن ہمارے آس پاس جو ہمارے بھائی ہیں، وہ پریشان ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم اس کی پریشانی کو یقینی طور پر دور کر سکتے ہیں، اللہ نے مجھے مال دیا ہے یا صلاحیت دی ہے یا عہدہ دیا ہے یا اثر و رسوخ دیا ہے اور میں اپنے اس مال کو، اس عہدے کو، اس اثر و رسوخ کو استعمال کر کے اپنے بھائی کی تکلیف کو دور کر سکتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ اگر اپنے بھائی کی مدد میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہماری پریشانیوں کا عجیب و غریب علاج بتلادیا کہ آپ تو اپنی پریشانی دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ کے پاس وہ قوت نہیں ہے لیکن آپ کے دوسرے بھائی جو پریشان ہیں، ان کی پریشانی دور کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِی الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِی الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَاللَّهُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ أَخِيهِ (صحيح مسلم، باب فَضْلِ الاِجْتِمَاعِ عَلَى تِلاَوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ) أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## القابات میں مبالغہ کی ممانعت

حضراتِ علماءِ کرام اور میرے مسلمان بھائیو! ہمارے کرم فرما جنھوں نے کچھ باتیں پیش کیں، ایسا مبالغہ کرنے سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منع فرمایا ہے، بس مختصر طور پر اہلِ علم کے لیے جن القابات کا استعمال کیا جاتا ہے، اتنا کرو۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض خصوصیات

ابھی آپ کے سامنے مسلم شریف کی ایک روایت کا اقتباس پیش کیا گیا جس کے متعلق حضراتِ علماء اور محدثین فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ خصوصیات اور کچھ امتیازی اوصاف ایسے عطا فرمائے تھے جو کسی اور نبی کو نہیں دیئے گئے، بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ (۱)، وفی روایةٍ لأبی هریرة رضی اللہ عنہ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ (۲)۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت اور رعب

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئیں ان میں سے پہلی چیز: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ:

---

(۱) صحيح البخاری، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا.
(۲) صحيح البخاری، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مدد فرمائی رعب اور ہیبت کے ذریعہ سے جو ایک مہینے کی مسافت تک پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے دشمن بھی جب آپ کے سامنے آتے تھے تو وہ مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جاتے تھے۔

## کِسریٰ شاہِ ایران کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا والا نامہ

جس زمانے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کے مختلف حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو ایک خط حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کِسریٰ شاہِ ایران کے نام بھی بھیجا، اس خط کو لے کر جانے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے، اس زمانے کے دستور کے مطابق براہِ راست جو حاکمِ اعلی اور شہنشاہِ وقت ہوا کرتا تھا، اس کے پاس سفیر براہِ راست خط نہیں پہنچا سکتا تھا بلکہ اس کے ماتحت جو حکام ہوا کرتے تھے، ان میں سے کسی ایک کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ پھر حاکمِ اعلیٰ کی خدمت میں پیش کرتا تھا، چنانچہ اس زمانے میں بحرین کا، یمن کا علاقہ بھی کسریٰ ہی کی ماتحت تھا، بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کے پاس جا کر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ خط پیش کیا۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں کِسریٰ کی گستاخی

جب وہ یہ خط لے کر کِسریٰ کے پاس پہنچا تو کسریٰ نے منذر بن ساویٰ سے سے لیا، اس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو باتیں تحریر فرمائی تھیں، اس کی ابتدا اس طرح فرمائی تھی: بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ إلی کسریٰ عظیم

فارس (۱)، بسم اللہ سے خط کو شروع کیا اور یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں، کسری کی طرف جو فارس کا بڑا حاکم ہے، اس میں تھا: أَسْلِمْ تَسْلَمْ: اسلام لے آؤ تو سلامت رہو گے۔ جب یہ خط اس نے پڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مخاطب بنانے کے لیے جو انداز اختیار فرمایا تھا، وہ اس کو ناگوار گذرا؛ کیوں کہ عرب کا ایک حصہ: یمن، بحرین وغیرہ کسریٰ ہی کے ماتحت تھا؛ اس لیے اس نے یہ کہا کہ ایک ایسے شخص نے جو میری حکومت کے اندر ہے، اس نے میری طرف خط بھیجا اور مجھے ادنیٰ خطاب کے ذریعہ مخاطب کیا اور اس نے غصے ہو کر اسلام تو کیا قبول کرتا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامۂ مبارک کو، خط مبارک کو چاک کر دیا، پھاڑ دیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس زمانے میں یمن بھی کسریٰ کے ماتحت تھا اور یمن کے حاکم باذان کو کسریٰ نے کہلوایا کہ تم ان آدمی کو یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، انھوں نے میرے ساتھ اس طرح گستاخی کا معاملہ کیا۔

## باذان کے فرستادوں پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت

چناں چہ باذان نے دو طاقت ور پہلوان آدمیوں کو خط دے کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا؛ تا کہ وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے لائیں۔ یہ دونوں جب مدینہ منورہ پہنچے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑی تو کانپ گئے، بہت زیادہ کانپ گئے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا تو ان کا یہ لرزہ ختم ہوا، پوچھا: کون

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب كتاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم إلى كسرى وقيصر.

ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ہم یمن کے حاکم باذان کی طرف سے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور خط بھی دیا ہے اور خط میں بھی یہی چیز تھی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا جواب تم کل لے لینا۔ ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، ان کا یہ حلیہ دیکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے اپنا رخِ انور پھیر لیا اور یہ بھی فرمایا- حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھے- تم نے اپنی شکل ایسی کیوں بنائی ہے؟ تو جواب دیا کہ ہمارے رب نے یعنی کسریٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں ڈاڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کم کروں (۱)۔

## کسریٰ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی

خیر! دوسرے دن یہ دونوں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آقا باذان کو جا کر کے کہو کہ تمہارے رب کو یعنی بادشاہ کو یعنی کسریٰ کو میرے رب نے آج رات قتل کر دیا اور یہ بھی کہنا کہ میری حکومت وہاں تک پہنچے گی، جہاں تک کسریٰ کی حکومت ہے۔ یہ دونوں یہ جواب لے کر اپنے آقا باذان کے پاس پہنچے اور واقعہ سنایا اور بتایا کہ انھوں نے کسریٰ کی موت کی خبر بھی سنائی ہے اور یہ کہ یہ تاریخ تھی اور غالباً بدھ کی شب تھی (۲)، پھر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔

---

(۱) ولكن ربي أمرني باعفاء لحيتي وقص شاربي (البداية والنهاية ۴/ ۳۰۷)

(۲) قال الواقدي رحمه الله: وكان قتل كسرى على يدي ابنه شيرويه ليلة الثلاثاء لعشر ليال مضين من جمادى الآخرة من سنة سبع من الهجرة لست ساعات مضت منها (البداية والنهاية ۴/ ۳۰۸)

## باپ بیٹے کی ایک دوسرے کو قتل کرنے کی سازش

کِسریٰ جس کے نام خط بھیجا گیا تھا اور جس نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک خط کی توہین کی تھی، اس کو چاک کر دیا تھا، اس کا نام پرویز تھا، پرویز بن ہرمز بن نوشیران۔نوشیروان جو کہ ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے، اس کا یہ پوتا ہوتا ہے، اس پرویز کو اسی کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔واقعہ یہ ہوا تھا کہ پرویز کے نکاح میں شیرین نامی عورت تھی، شیرویہ اس پر، اپنی باپ کی بیوی پر عاشق ہو گیا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے باپ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا اور اس کو حاصل کیا، باپ کو یقین ہو گیا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا تو اس یقین کی وجہ سے قبل اس کے کہ وہ اس کو ختم کرے، اس نے بیٹے کو ختم کرنے کی یہ تدبیر کی کہ اپنے خاص کمرے میں الماری کے اندر جہاں مختلف دوائیاں وغیرہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں، وہاں ایک شیشی کے اندر زہرِ ہلاہل کو بند کر دیا اور اس پر چِٹ لگا دی ''الدواء النافع للجماع'' یعنی یہ ایک ایسا نسخہ ہے جو قوتِ باہ کے لیے بہت زیادہ مفید ہے؛ کیوں کہ اس کا بیٹا عورتوں کا بڑا رسیا تھا اور ایسے لوگ ایسی دواؤں کی تلاش ہی میں رہتے ہیں۔

## شیرویہ کے ہاتھوں اپنے باپ اور دیگر خاندان والوں کی تباہی

ادھر یہ کرنے کے بعد ایک رات کو: اسی رات کو جس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کی خبر دی تھی، وہ اپنے باپ کے پاس جہاں اس کو نظر بند کیا تھا، وہاں گیا اور اس کے اوپر چڑھ کر کے اس کا گلا کاٹ دیا اور قتل کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے خاندان

کے لوگ بھی تھے، بھائی بھی تھے، بھائیوں کو اس نے یہ سوچ کر قتل کر دیا کہ کہیں کل وہ حکومت کے دعوے دار بن کر کے نہ کھڑے ہوں، گویا میرا مدِّ مقابل کوئی رہنا نہیں چاہیے، خاندان میں مردوں میں سے کسی کو باقی نہیں رکھا۔ نبیِ کریم ﷺ کو جب پتہ چلا کہ کسریٰ نے آپ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا تو حضورِ اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ بد دعا نکلی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی حکومت کو بھی ایسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جیسے اس نے میرے خط کے کیے تھے، چنانچہ بعد میں یہی ہوا۔

## وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنا حکمران کسی عورت کو بنائے

پھر یہ شیرویہ ایک دن اپنے باپ کے کمرے میں گیا اور الماری میں رکھی ہوئی چیزیں دیکھنے لگا، اس میں یہ شیشی بھی دیکھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا تو بہت خوش ہوا کہ میری مراد مل گئی، اس نے جب اس کا استعمال کیا تو اسی وقت اس کی موت واقع ہو گئی اور ایران کے لوگ کسریٰ کے خاندان کے علاوہ کسی اور کو ان کی حکومت کے تخت پر بٹھانا نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ اس خاندان کا کوئی مرد تو باقی بچا نہیں ہے تو اسی کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بوران تھا، اس کو انھوں نے تختِ حکومت پر بٹھایا اور جب حضورِ اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ امْرَأَةً(۱) وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنا حکمران کسی عورت کو بنائے۔

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم ﷺ کو

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضي الله عنه، باب كِتَابِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ.

وہ ہیبت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے بہادر بھی آپ کے سامنے آکر لرزنے لگتے تھے، یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے تھی، خصوصی اوصاف میں سے تھی۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری خصوصیت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے: وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے پوری زمین کو جائے نماز: نماز ادا کرنے کی جگہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے نبی آئے ان کے مذہبوں میں، ان کے دین میں حکم یہ ہوتا تھا کہ نماز ہر جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ جو مقام نماز کی ادائگی کے لیے بنایا جاتا تھا، اسی میں نماز ادا کی جاتی تھی، گھر پے یا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز ادا کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا، یہی حکم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وسعت عطا فرمائی کہ آپ کی امت کے لیے پوری زمین جائے سجود بنا دی گئی۔

## مسجد میں نماز ادا کرنے کا حکم تاکیدی ہے

ویسے تو تاکید یہی ہے کہ مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے، اسی کی تاکید ہے، جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب ''۲۵'' یا ''۲۷'' گنا بتلایا گیا ہے اور جماعت چھوڑنے والے کو فاسق قرار دیا گیا، اس کی گواہی معتبر نہیں سمجھی جاتی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے آدمی کے لیے بڑی وعیدیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ البتہ آدمی اگر سفر میں ہے اور وہاں مسجد نہیں ہے تو آدمی جہاں بھی نماز پڑھ لے گا: گھر میں، باہر تو اس کی نماز درست ہو جائے گی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ایک

امتیاز اور خصوصیت عطا فرمائی کہ پوری زمین کو آپ کے اور آپ کی امت کے لیے نماز ادا کرنے کی جگہ قرار دیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت: مٹی کو پاکی کے حصول کا ذریعہ بنا دیا

اور پاکی کا ذریعہ بھی بنا دیا۔ ویسے تو ہم اپنی نجاستوں کو دور کرتے ہیں، چاہے وہ نجاستِ حقیقی ہو یا حکمی ہو تو اس کے لیے پانی کا استعمال کرتے ہیں، وضو کریں گے تو پانی سے کریں گے، غسل کریں گے تو پانی سے کریں گے، گویا پانی ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو پاک کرتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ آپ کے اور آپ کی امت کے حق میں مٹی کو بھی پاک کرنے والا قرار دیا گیا، چنانچہ اگر پانی نہ ہو یا پانی تو ہے لیکن بیماری کی وجہ سے کوئی آدمی اس کو استعمال نہیں کرسکتا تو شریعت نے مٹی سے تیمم کرنے کی اجازت دی کہ پانی نہیں ہے تو مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خصوصیت عطا فرمائی۔

## شریعت نے نماز چھوڑنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں رہنے دیا

آگے فرماتے ہیں: فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاةُ فَلْيُصَلِّ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو، اب ظاہر میں نماز پڑھنے کے لیے ان دو چیزوں کی ضرورت ہے: نماز پڑھنے کی جگہ اور طہارت حاصل کرنا، اپنے جسم میں طہارت حاصل کرنے کے لیے پاک کرنے والی چیز یعنی پانی۔ اب اگر سمندر میں ہوگا تو وہاں تو پانی موجود ہے اور خشکی پر ہوگا تو وہاں مٹی تو موجود ہے، ان میں سے جو بھی

چیز ہو اس سے پاکی حاصل کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جہاں بھی ہو'' یہ کہہ کر آدمی اپنے آپ کو چھٹی نہیں دے سکتا کہ پانی نہیں تو میں کیا کروں؟ پانی نہیں ہے تو تیمم کرو اور نماز پڑھ لو، یہی وہ خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور خصوصیت

اور تیسری خصوصیت: وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالِ غنیمت کو میرے لیے اور میری امت کے لیے حلال قرار دیا گیا، آپ سے پہلے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی کو یہ اجازت نہیں تھی، دشمن کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں جب ان کا مال ہاتھ میں آتا ہے، اس کو مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ حکم ہوتا تھا کہ لڑنے والے اس کو استعمال نہیں کر سکتے تھے بلکہ سارا مال پہاڑی پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمان سے ایک آگ آ کر اس کو کھا جاتی تھی، یہ علامت ہوتی تھی کہ اللہ کی طرف سے ہمارے جہاد کو قبول کر لیا گیا لیکن خود ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے صدقہ اور طفیل میں امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ یہ مال ان کے لیے حلال قرار دیا گیا کہ اپنے استعمال میں لائیں۔

## میدانِ حشر میں لوگوں کی پریشانی

آگے ہے: وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ: آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت کا بھی حق عطا فرمایا یعنی شفاعتِ کبریٰ: بڑی شفاعت، ایسی جو کوئی

اور کر سکے گا نہیں، بخاری شریف کی روایت میں ہے اور بھی تمام کتبِ احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا اور اس وقت سورج سوا نیزہ پر ہوگا اور گرمی اپنے عروج پر ہوگی، اتنی سخت گرمی کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے ہر آدمی اپنے گناہوں کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا کوئی ٹخنے تک، کوئی گھٹنے تک، کوئی کمر تک، کوئی کان کی لو تک اپنے پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا اور لوگ وہاں کھڑے ہیں، ابھی حساب کتاب شروع نہیں ہوا ہوگا، لوگ پریشان ہوں گے اور کہیں گے کہ جو بھی ہونا ہو، ہو جائے لیکن حساب کتاب شروع ہو جائے، یہ انتظار کب تک؟ تو اب آپس میں لوگ بات چیت کریں گے کہ ہم کسی پاس جا کر درخواست کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حساب کتاب لینے کا سلسلہ شروع کر دیں؛ تاکہ یہ پریشانی تو ختم ہو جائے۔

## حضرت آدمؑ کی خدمت میں لوگوں کی درخواست اور سفارش کرنے سے آپ کی معذرت

لوگ پہلے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہونچیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تو ہمارے جدِّ امجد ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے آپ کو بنایا اور تمام فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا، جنت میں بسایا گیا، اب ہم مصیبت میں ہیں، اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہو تو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام معذرت فرمائیں گے کہ مجھے اللہ تبارک

وتعالیٰ نے درخت کے پاس نہ جانے کا حکم دیا تھا لیکن میں نے اس کو پورا نہیں کیا تھا، مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے، آج اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے غضب ناک ہیں کہ ایسے غضب ناک نہ کبھی پہلے ہوئے، نہ بعد میں ہوں گے؛ اس لیے میں تو کچھ نہیں کرسکتا، تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

## دیگر انبیاءؑ کی خدمت میں درخواست اور ان کی بھی سفارش کرنے سے معذرت

لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے پھر وہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا حوالہ دیں گے، لوگ وہاں جائیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا حوالہ دیں گے۔

## سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا

پھر اخیر میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیں گے، یہ تو اس لیے کروائیں گے کہ لوگوں کو محشر میں معلوم ہو جائے کہ وہ شخصیت کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں لوگوں کی اس مصیبت کو دور کرانے کے سلسلے میں سفارش کرسکے تو آخر میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو کر کے سجدے میں گر جاؤں گا، دیر تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدے میں گرے گرے اللہ کی حمد وثنا ایسے کلمات کے ذریعے سے کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کلمات

ابھی مجھے بھی یاد نہیں، اللہ تعالیٰ اس وقت وہ کلمات مجھے القا فرمائیں گے، یہاں تک کہ دیر تک سجدے میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ (۱) اپنا سر اٹھایئے اور سفارش کیجیے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، کہیے، آپ کی کہی ہوئی بات کو سنا جائے گا۔

## شفاعتِ کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے

اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ لوگوں کا حساب کتاب شروع کیا جائے، چناں چہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہوگا، یہی شفاعتِ کبری ہے، اسی کو مقامِ محمود کہتے ہیں، گویا یہی وہ منصب ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے، کسی اور نبی کو نہیں، ویسے تو شفاعت کا حق ہر نبی کو، شہید کو، علماء کو بھی دیا جائے گا لیکن یہ بڑی شفاعت صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی جائے گی، کسی اور کو نہیں اسی کو فرمایا: وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ۔

## آپ ساری دنیا کے لیے نبی ہیں

اور آگے فرماتے ہیں: وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً: پہلے یہ ہوتا تھا کہ جو نبی بھیجا جاتا تھا، وہ خاص اپنی قوم ہی کے لیے رہنما بنا کر کے، ہدایت دینے والا بنا کر بھیجا جاتا تھا، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم کے لیے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم کے لیے،

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ.

حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ نے – حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں – مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جامع کلمات عطا فرمائے یعنی ایسی باتیں کہ جو ہیں تو مختصر لیکن اپنے اندر بہت بڑے مضامین کو لیے ہوئے ہے۔

## کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا اس کو حضراتِ محدثین اور شراحِ حدیث نے جوامع الکلم کے اندر شمار کرایا ہے۔ اس کی تشریح کرنے سے پہلے دو باتیں اور عرض کرنی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی مخلوق اور اپنے بندوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور تعلق ہے؛ اس لیے جو لوگ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے ہیں، ان کو راحت پہنچاتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں، ان کے کاموں میں ان کی مدد کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں بہت زیادہ محبوب ہوتے ہیں، پسندیدہ ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ (۱) کہ پوری مخلوق اللہ کا پریوار ہے اور جو آدمی اللہ کے پریوار کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے گا، وہ اللہ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بن جاتا ہے، گویا

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، قِيَامُ الْأَوْزَاعِيِّ مَعَ الْمَنْصُورِ وَعِظَتُهُ إِيَّاهُ.

آپ اللہ کی مخلوق کی جتنی زیادہ خدمت کریں گے، اتنا اللہ راضی ہوں گے، کوئی آدمی آپ کے بیٹوں کی خدمت کرے، راحت پہنچائے تو آپ کا دل اس سے محبت کرے گا کہ دیکھو! میرے بیٹے کے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے تو اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بہت چاہتے ہیں، اس کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ، اپنے بندوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہے؛ اس لیے لوگ جتنا اس کے ساتھ بھلائی کریں گے، اتنا ہی وہ اللہ کی نگاہوں میں ہے محبوب بنیں گے۔

## عجب نہیں تیری رحمت کی حد نہ ہو کوئی

چناں چہ روایتوں میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی آئے، ان قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی، اس کا ایک بچہ تھا لیکن وہ بچہ اس وقت اس سے بچھڑ گیا تھا، اس کے پاس نہیں تھا، وہ عورت اپنے بچے کی تلاش کے اندر بالکل حواس باختہ ہو رہی ہے، اِدھر جارہی ہے، اُدھر جارہی ہے، بچے کو ڈھونڈ رہی ہے، اچانک بچے پر نظر پڑی تو اس کو لے کر کے اپنی چھاتی سے لپٹا دیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے پوچھا: بتلاؤ! یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ تو حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہرگز نہیں ڈالے گی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰہُ أَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا(۱)

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، باب من ترک صبیۃ غیرہ حتی تلعب بہ أو قبلھا أو مازحھا.

اللہ اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ مہربان ہیں اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والے ہیں، جتنا یہ ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے، ماں کو اپنے بیٹے کے ساتھ جتنی محبت، شفقت اور مہربانی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ اپنے بندوں کے ساتھ محبت ہے۔

## چرند و پرند کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت کا ایک عجیب واقعہ

بلکہ ایک اور روایت ہے حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی چادر اوڑھے ہوئے آیا، اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس پر چادر کا ایک کونا رکھا ہوا تھا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں درختوں کے جھنڈ کے پاس سے گذر رہا تھا، مجھے اس کے اندر پرندے کے بچوں کے بولنے اور چہچہانے کی آواز آئی، میں اندر گیا تو ایک گھونسلے میں یہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے، ان کو میں نے اپنے ہاتھ میں لیا اور باہر نکل آیا، ان پر چادر ڈال دی تھی، ان بچوں کی ماں آئی اور سر پر منڈلانے لگی، چکر کاٹنے لگی، میں نے اس چادر کا کونا ہٹا دیا تو وہ اپنے بچوں کے اوپر آ کر گر گئی، چمٹ گئی، حالاں کہ وہ جانتی ہے کہ یہ تو مجھے پکڑ لے گا یعنی گویا بچوں کی محبت میں اس نے بھی اپنے آپ کو گرفتار کرا دیا۔

## اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ شفیق ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نیچے رکھو۔ نیچے رکھ دیا، بچے ابھی اڑنے کے قابل نہیں ہوئے تھے، ان کے پروں میں اور بازؤں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اڑ سکیں

لیکن ماں تو اڑ سکتی تھی لیکن بچوں کی محبت کی وجہ سے وہ بھی انہی کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے، یہ منظر دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا: أَتَعْجَبُونَ لِرُحْمِ أُمِّ الأَفْرَاخِ فِرَاخَهَا قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ فَوَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ أُمِّ الأَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا(۱): تم کو اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ جو محبت ہے، اس پر تعجب ہو رہا ہے! قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دینِ حق لے کر بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ محبت اور شفقت ہے جتنی اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے۔

## بندوں پر اللہ تعالیٰ کی انتہائی شفقت کا ایک نمونہ

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن انسان سے بہت سے سوالات کریں گے اور ساری چیزوں کے متعلق حساب کتاب لیں گے تو ایک سوال یہ بھی ہوگا، باری تعالیٰ انسان سے کہیں گے: اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا، تو نے میری خبر نہیں لی، عیادت نہیں کی۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بیمار ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کی خبر گیری کرتا تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بیمار تھا تم نے اس کی عیادت نہیں کی، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے وہاں پاتے (۲)۔

---

(۱) سنن أبی داود، عَنْ عَامِرٍ الرَّامِ أَخِي الْخُضْرِ رضي الله عنه، باب الأَمْرَاضِ الْمُكَفِّرَةِ لِلذُّنُوبِ.
(۲) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ.

دیکھو! بندے کی بیماری کو اللہ تعالیٰ نسبت کر رہے ہیں، کس کی طرف؟ اپنی طرف، میں بیمار تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ بیماری سے اور اس طرح کے حالات سے منزہ اور پاک ہے لیکن یہاں بندے کے ساتھ اللہ کا تعلق کتنا زیادہ ہے، اس کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ آگے پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بھوکے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا! تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرے فلانے بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو کھانا دیتے تو اس کو یہاں پاتے۔

اسی طرح باری تعالیٰ آگے پھر پوچھیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے پیاسے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو پانی دیتا! تو باری تعالیٰ جواب میں یہی ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ پیاسا تھا، تم نے اس کو پانی نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو پانی دیتے تو اس کو یہاں پاتے۔

دیکھو! یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں پر طاری ہونے والے ان حالات کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں، گویا بندوں کے ساتھ اور مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا محبت کا اور شفقت کا اتنا زیادہ معاملہ ہے، باری تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں، ہم جب کسی چیز کو بناتے ہیں نا تو ہمیں اپنی بنائی ہوئی چیز بہت اچھی لگتی ہے، چاہے دنیا کچھ کہے، تو اپنی بنائی ہوئی چیز کے ساتھ انسان کو بہت زیادہ تعلق اور محبت ہوتی ہے۔

## قوم کے لیے بددعا کرنے پر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے تنبیہ

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے لیکن چند آدمیوں ہی نے آپ کی دعوت قبول کی، آخر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے بددعا کی، ان پر پانی کا طوفان آیا، آسمان سے بھی برسایا اور زمین سے بھی اُبلا، اتنی کثیر مقدار میں اللہ تعالیٰ نے پانی چھوڑا کہ سب ہلاک ہو گئے، صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر چند ایمان لانے والے- ان کے لیے کشتی بنائی گئی تھی- وہ محفوظ رہے۔ اس کے بعد ساری دنیا انسانوں سے خالی ہو گئی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو مٹی کے برتن بنانے کا حکم دیا کہ مٹی کے برتن بناؤ، بناتے رہے، ایک مدت تک بناتے رہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو توڑ دو تو حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم گراں گذرا کہ میں نے اتنی محنت سے مٹی کے یہ برتن بنائے اور اب اسی کو توڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے! باری تعالیٰ نے فرمایا: تم نے بددعا نہیں کی تھی میرے بندوں کے لیے؟ کہ ان کو میں ہلاک کر دوں، تمہارے کہنے پر سارے ہلاک کر دیئے گئے ایمان نہ لانے کی وجہ سے، گویا بتلایا جا رہا تھا کہ بھلے ان کو ان کے قصور کی وجہ سے ہلاک کیا گیا لیکن پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ رحمت ان کو عذاب دینا نہیں چاہتی تھی۔ بہت سی مرتبہ آدمی اپنی اولاد کو سزا دیتا ہے، مارتا ہے لیکن جی نہیں چاہتا مارنے کو لیکن مجبوری کی وجہ سے مارتا ہے لیکن اس کی اصلاح کے پیشِ نظر اسی میں خیر ہے؛ اس لیے سزا دیتا ہے۔

## رحمتِ خدا بہانہ می جوید

تو بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بہت محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت پیار کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑے عالم تھے جو مختلف شکلوں میں دین کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، وعظ وتبلیغ کے ذریعہ، درس وتدریس کے ذریعہ، تصنیف وتالیف کے ذریعہ، بہت ساری شکلیں اختیار کی تھیں اور ان کی بڑی خدمات تھیں، کارنامے تھے، انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی لیکن ایک عجیب بات پیش آئی! انھوں نے پوچھا: کیا بات پیش آئی! جواب دیا: ایک مرتبہ میں کتاب تصنیف کرر ہا تھا، کتاب لکھ رہا تھا تو اس زمانے میں دوات ہوتی تھی جس میں روشنائی ہوتی تھی اور قلم اس میں ڈبو کر لکھتے تھے تو کہا کہ لکھنے کے دوران روشنائی ختم ہوگئی اور قلم دوات کے اندر ڈبویا اور نکال کر لکھنے کے لیے کاغذ پر رکھنا چاہتا تھا تو ایک مکھی آ گئی اور وہ نب پر بیٹھ گئی اور روشنائی جو اس نب پر لگی ہوئی تھی، پینے لگی، میں نے سوچا کہ یہ مکھی روشنائی سے اپنی پیاس بجھالے، وہاں تک میں لکھنے کے کام کو روک دوں؛ کیوں کہ لکھنے جاؤں تو اس کو اڑانا پڑے گا تو میں نے لکھنے کے کام کو موقوف کردیا اور وہ خود اپنی پیاس بجھا کر اڑی تو میں نے لکھنا شروع کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے ہماری ایک مخلوق کی پیاس بجھانے کے لیے یہ کام کیا تھا، اسی

پر میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ یہ اللہ کے بندوں کے ساتھ، اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا نتیجہ ہے، اس کا بہت بڑا اجر ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے اندر ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں کسی شخص کا انتقال ہو گیا، انتقال کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ اس پر عذاب ہو رہا ہے، خواب میں دیکھنے والے نے اس کو کہا کہ تم تو عذاب میں گرفتار ہو، تم نے پیچھے کوئی چھوڑا نہیں ہے جو تمہارے لیے دعاءِ مغفرت کرتا ہو، ایصالِ ثواب کرتا ہو، جواب دیا کہ میری ایک بیٹی ہے، خواب دیکھنے والے نے کہا کہ اپنی بیٹی کا پتہ ہمیں دے دو، ہم جا کر اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا باپ تو عذاب میں گرفتار ہے، تم اس کے لیے کچھ کرو، دعا کرو، کرواؤ، ایصالِ ثواب کرو، چنانچہ خواب ہی میں اس آدمی نے اپنی بیٹی کا پتہ دیا کہ فلاں محلے میں فلاں مکان کے اندر رہتی ہے۔

وہ گیا اس کے گھر، تلاش کرتا ہوا، ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا، مکان کے متعلق پتہ کرایا کہ یہی مکان ہے، لوگوں سے پوچھا کہ اس میں کون رہتا ہے؟ جواب ملا کہ ایک آدمی تھا، اس کا تو انتقال ہو گیا ہے، اس کی ایک لڑکی ہے لیکن وہ آوارہ ہو گئی ہے۔ پوچھا وہ اس وقت کہاں ہے؟ کہا کہ وہ اپنے ایک مرد دوست کے ساتھ نہانے کے لیے جمنا گئی ہے، بوائی فرینڈ (boyfriend) کے ساتھ، آج کل تو یہ فیشن عام ہے، اب ان کو تو مرحوم کا پیغام پہنچانا تھا، وہاں جمنا پر پہنچا، دیکھا کہ وہ ندی میں، دریا میں دونوں کھڑے

ہیں اور چلّو سے یہ اس پر پانی ڈال رہا ہے اور وہ اس پر ڈال رہی ہے، اس نے وہیں کنارے پر کھڑے کھڑے لڑکی کو اس کے باپ کا پیغام پہنچایا کہ تیرا باپ تو عذاب میں گرفتار ہے اور چاہتا ہے کہ تو نیکی کا کوئی کام کر کے اس کا ثواب اس کو پہنچائے تو اس لڑکی نے مذاق کے انداز میں ایک چلو پانی بھر کے اس کی طرف ڈالا کہ لو یہ میرے باپ کے لیے ہے، یہ بے چارہ شرمندہ ہو گیا، وہاں سے واپس آ گیا۔

## اس کے لطف و کرم کے کیا کہیے

رات کو خواب میں پھر دوبارہ اس آدمی کو دیکھا، دیکھا کہ اس کا عذاب اٹھا لیا گیا ہے، اس نے کہا کہ بھائی! میں تو تیرے بتلائے ہوئے پتے کے مطابق وہاں پہنچا لیکن تیری لڑکی تو اب آوارہ ہو گئی ہے، وہ اپنے کسی مرد دوست کے ساتھ جمنا ندی پر نہانے گئی تھی، میں وہاں گیا تو وہ پانی سے کھیل رہے تھے اور تیرا پیغام اس کو پہنچایا تو اس نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا، میں تو شرمندہ ہو کر وہاں سے واپس آ گیا۔ اس نے کہا کہ اس کے اس ایک چلو پانی نے جو اس نے تمہاری طرف کنارے پر پھینکا تھا، اسی نے تو میری مغفرت کرائی، وہی میری مغفرت کا ذریعہ بن گیا۔ بات یہ ہوئی کہ جمنا کے کنارے پر ایک جانور تین دن سے پیاسا پڑا ہوا تھا جو آگے بڑھ کر اپنی پیاس بجھا سکتا نہیں تھا، وہ جو ایک چلو پانی اس نے تمہاری طرف ڈالا، اس کا ایک قطرہ اس جانور کے منہ میں پڑا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی، اللہ تعالیٰ کے یہاں مغفرت کے لیے صرف بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔

# دنیا کی معمولی تکلیف دور کرنے پر آخرت کی بڑی تکلیف دور کرنے کی بشارت

تو بہرحال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد میں نے آپ کے سامنے نقل کیا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ: کہ جو کوئی ایمان والے کی دنیا کی کوئی معمولی تکلیف دور کرے گا۔ جو عربی زبان جاننے والے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ عربی میں تنوین جو آتی ہے، وہ مختلف مقاصد و معانی کے لیے آتی ہے، کبھی تنوین آتی ہے تحقیر کے لیے اور کبھی تنوین کسی چیز کی تعظیم بیان کرنے کے لیے آتی ہے، بڑا بتانے کے لیے آتی ہے تو یہ پہلے كُرْبَةً کے اندر جو تنوین ہے، وہ تحقیر کے لیے ہے کہ بندۂ مؤمن کی دنیا کی کسی معمولی تکلیف کو دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بڑی تکلیف کو دور فرمائیں گے۔

# قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا

قیامت کی تکلیفوں کا حال تو یہ ہے کہ وہاں کوئی کسی کو کام نہیں آسکے گا، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ: اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور سب کو دیکھ کر بھاگے گا اور کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا، وہاں ہر ایک اجنبی معلوم ہوں گے تو ایسے موقع پر وہ نیکی جو یہاں دنیا میں کی تھی، اس کے لیے نجات کا ذریعہ

بنے گی، اللہ تعالیٰ وہاں کی تکلیفوں کو دور کردے، اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی!

## پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی تکلیف دور کرنے کی طرف خاص توجہ کریں۔ آج کل اغراض پرستی اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ بہرحال آدمی اپنا فائدہ، اپنا مفاد مدِّنظر رکھتا ہے، دوسروں کو راحت پہنچانے کی طرف توجہ دیتا نہیں ہے، حالاں کہ ضرورت یہ ہے کہ آدمی اس میں لگا رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خير الناس من ينفع الناس (۱) لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہو، تمہاری ذات سے جتنا زیادہ پہنچ سکتا ہے اس کو پہنچانے میں ذرّہ برابر بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے، پتہ نہیں کون سی نیکی قیامت کے دن ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بن جائے۔

## رحمتِ خدا ''بہا'' نمی جوید

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر مت چھوڑو، بہت سی مرتبہ آدمی کسی نیکی کے کام کو معمولی سمجھتا ہے اور معمولی سمجھ کر اس کو دھیان میں نہیں لاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر مت چھوڑو، پتہ نہیں وہی نیکی آپ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں نجات کا ذریعہ بن جائے، ابھی واقعہ گذرا کہ ایک مکھی کی پیاس بجھائی گئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا فیصلہ فرمایا۔

---

(۱) كنز العمال، عن خالد بن الوليد رضي الله عنه، خطب النبي صلى الله عليه وسلم ومواعظه، رقم الحديث: ۴۴۱۵۴.

## پیاسے کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ ایک آدمی جا رہا تھا، جنگل کے اندر سے گذر رہا تھا، پیاس لگی، وہاں ایک کنواں تھا، جنگل کا کنواں جہاں ڈول اور رسی بھی نہیں ہوتی تو وہ پیاس بجھانے کے لیے اندر اترا، کنویں کے اندر خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ان خانوں کے ذریعہ اترا، اپنی پیاس بجھائی اور باہر آیا، باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے بے چین ہے، تڑپ رہا ہے، اس نے سوچا کہ پیاس کی جو تکلیف میں نے اٹھائی، وہی یہ کتا بھی محسوس کر رہا ہے، اب پانی نکالنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے، نہ ڈول رسی ہے، نہ کوئی اور چیز، خود اس نے اندر اتر کر پانی پیا تھا تو اس نے سوچا کہ اس کی پیاس بجھاؤں، اس کے پاس چمڑے کے موزے تھے، وہ اتارے، کنویں میں اترا اور اس موزے کے اندر پانی بھر کر کے اپنے دانتوں میں دبایا؛ اس لیے کہ ہاتھ اور پاؤں تو چڑھنے کے لیے استعمال کرنا ہے، ہاتھ سے پکڑ نہیں سکتا تھا، دانتوں میں موزہ دبا کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔

## یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی

بخاری شریف کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر اس کی مغفرت فرمادی اور یہ عمل اس کے لیے دخولِ جنت کا سبب بنا، یہ سن کر حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ: ہر تر جگر والے کے ساتھ بھلائی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے(۱)۔

کتے جیسے جانور کی پیاس بجھانے پر- جس کو لوگ اتنا حقیر سمجھتے ہیں کہ قریب بھی نہیں آنے دیتے- اللہ کے یہاں جنت کا فیصلہ ہو رہا ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ اجر عطا فرمائیں گے، ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

## تنگ دستوں کے لیے آسانی پیدا کرنا

اور دوسری بات آگے ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ: جو شخص کسی تنگ دست آدمی کے لیے آسانی کر دے۔ تنگ دست آدمی وہ ہے جس کے پاس مال نہیں ہے، اس کی آسانی کی شکلیں بہت ساری ہیں: ایک تو یہ کہ وہ قرض لے گیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ فلاں دن ادا کر دوں گا، ایک مہینے کے بعد میرے پاس رقم آنے والی ہے، اس وقت ادا کر دوں گا، اب اتفاق کی بات کہ مذکورہ تاریخ کو اس کی رقم نہیں آئی، اس کی امید پوری نہیں ہوئی اور آپ قرضہ ادا کرنے کے لیے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے، اب آپ اس کے پاس سے ''پٹھانی اُگھرانی'' (بذریعۂ طاقت وصولی) کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ: اگر تمہارا مدیون جس پر تمہارا دین اور قرضہ ہے، اگر وہ تنگ دست ہو اور تنگ دستی کی وجہ سے وہ آپ کا قرضہ ادا کرنے سے

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب الآبارِ عَلَى الطُّرُقِ إِذَا لَمْ يُتَأَذَّ بِهَا۔

قاصر ہے تو اس کے اوپر سختی مت کرو بلکہ جب اس کے پاس مال آجائے، اس وقت تک کے لیے اس کو مہلت دے دو کہ بھائی! اچھا نہیں ہے تو بعد میں ادا کر دینا اور اگر معاف کر دو تو بہت اچھا ہے: ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:۲۸۰]۔

## ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

تو بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ تنگ دست کے اوپر آسانی کی ایک صورت ہے۔ بہت سی مرتبہ وہ کہتا تو نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تنگ دست ہے تو ایسی صورت میں ہم ہی جا کر اس کی مدد کر دیں، اس کے لیے آسانی پیدا کریں، پریشان ہے تو اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کریں، بیمار ہے تو بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیماری انتہائی نازک حالت میں پہنچ چکی ہے اور علاج کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ہم اس کے لیے آسانی کر دیں، علاج کے لیے پیسوں کا انتظام کر دیں، یہ بھی آسانی کرنا ہوا، اس پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بڑا اجر دیتے ہیں۔

## حاجت مند کی حاجت پوری کرنے پر حج کا ثواب

کسی تنگ دست کی پریشانی کو دور کرنا: ایک آدمی حج ہو چکنے کے بعد ایک آدمی کو تلاش کرتا ہوا آیا اور آ کر کے اس سے یوں کہا کہ بھائی! تو نے حج کس طرح کیا؟ تو جواب دیا کہ میں نے تو حج ہی نہیں کیا۔ تو اس نے کہا کہ میں حج میں تھا اور میں خواب میں دیکھا کہ منٰی یا عرفات کے اندر سے کہا جا رہا ہے کہ فلاں آدمی کی وجہ سے سب کا حج اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا اور اس نے تمہارا نام لیا، مجھے تعجب ہوا کہ کیا بات

ہے، ایسا کیوں ہوا! تو اس نے کہا کہ میں نے حج کرنے کے لیے پیسے جمع کیے تھے اور میں حج کرنے والا ہی تھا، ایک روز ایسا ہوا کہ میرے گھر میں بیوی یا بیٹی تھی، اس کا جی چاہا گوشت کھانے کو تو اس وقت میرے پاس گوشت تھا نہیں، پڑوس میں گوشت پکنے کی خوشبو آرہی تھی تو میں وہاں گیا، دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے دروازہ کھولا تو میں نے کہا کہ آپ کے یہاں گوشت پک رہا ہے، تھوڑا سا دے دو، ہماری بیوی یا بیٹی کا گوشت کھانے کو جی چاہ رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں معذور ہوں، میرے پاس گوشت نہیں ہے، میں نے کہا کہ خوشبو تو آرہی ہے تو اس نے جواب دیا کہ تم اس کو نہیں کھا سکتے ہو۔ میں نے کہا کہ کیسے! تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں، تم جس گوشت کو کھا سکتے ہو میں کیوں نہیں کھا سکتا! جب میں نے بہت ہی زیادہ اصرار کیا تو اس نے بتلایا کہ کئی روز سے ہمارے گھر میں فاقہ تھا اور اب ہماری حالت اضطراری ہوگئی تھی کہ اگر اب کھانا نہ ملے تو موت واقع ہو سکتی تھی تو مجبوری میں کتا لاکر ذبح کیا تھا اور اسی کا یہ گوشت پک رہا ہے جو میں اور میرے گھر والے تو کھا سکتے ہیں لیکن آپ نہیں کھا سکتے۔

## دل بدست آور کہ حجِّ اکبر است

جب میں نے یہ سنا تو میرے دل نے میری ملامت کی کہ تیرا پڑوسی تو بھوکے مر رہا ہے اور تو حج میں جانے کی بات کر رہا ہے تو سارا مال جو میں نے حج کے لیے جمع کیا تھا، وہ اس کو لاکر دے دیا کہ تو یہ مال اپنی ضرورتوں میں صرف کر۔ اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ صرف اس کو حج کا ثواب عطا فرمایا بلکہ سارے حاجیوں کا حج اس کی وجہ سے قبول فرمایا، یہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کا نتیجہ ہے۔

## مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ضرورت ہے کہ ہم مسلمان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات کو اپنائیں۔ آج ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپنائیں، اس پر عمل کرنا شروع کریں تو اس ملک میں ہمارے لیے بہت بڑا میدان ہے، مسلمان بہت سے مسلمانوں کو اور ملک کے دوسرے لوگوں کو بہت کچھ دے سکتا ہے، سائنس میں ترقی کے لیے، عصری تعلیم کے لیے درس گاہوں کا قیام، ڈاکٹر، انجنیئر، سب بن رہے ہیں۔

## ملک کی بدحالی کو دور کرنے میں ہم بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی مسلمان اس ملک کو بہت کچھ دے سکتا ہے آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنی جگہ اعلیٰ تعلیم دی جارہی ہے لیکن بہت سے بڑے بڑے لوگ ہیں جن میں امانت و دیانت نہیں ہے، وزیر ہے ملک کا اور وہ قوم کا پیسہ کھا رہا ہے، رشوت لے رہا ہے، غبن کر رہا ہے، بہت بڑا افسر ہے، بہت اونچے عہدے پر ہے، بہت ساری ڈگریاں لیے ہوئے ہے لیکن یہ ساری ڈگریاں اس کو غبن کرنے سے اور ملک کے ساتھ غداری کرنے سے روک نہیں رہی ہیں، ہر جگہ یہی ہے۔ آج آپ اخبارات پڑھیں گے تو اخبارات کے سارے صفحات انہی چیزوں سے بھرے ہوئے ملیں گے۔

## انسان کا شکار خود انسان ہے آج کل

ڈاکٹر ہے، مشہور ڈاکٹر لیکن اگر کوئی بیمار آجائے تو اس وقت خدمت کے لیے

تیار نہیں، بیمار آ گیا تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس سے پیسے بٹورے، آج کوئی آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں کیسے علاج کراؤں! علاج اتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ بڑے بڑے تعلیم یافتہ جنھوں نے دنیوی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رکھی ہے لیکن ان میں امانت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔

## تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا مسلمان یہی ڈگریاں حاصل کر کے اور انہی خدمات میں لگ کر، اسلامی تعلیمات کو اپنا کر، امانت و دیانت کے ساتھ اگر زندگی گذارے گا تو وہ اس ملک والوں کو سبق دے سکتا ہے کہ ہم وہ دولت دے رہے ہیں جو کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ آج اس کی ضرورت ہے۔

## جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے

تو بہر حال! آج تو مسلمانوں نے بھی وہی کرنا شروع کر دیا، جو مسلمان ڈاکٹر ہیں، وہ بھی کرتا ہے، بدسلوکی، گالیاں، رشوت خوری، اور وہی سب کچھ جو غیر کرتے ہیں، حالاں کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے کہ دنیا اصل مقصود نہیں، ہمارا مقصود تو آخرت کی فلاح ہے، وہاں کی چیزوں کے حصول کے لیے محنت کرنا ہے۔ تو بہر حال! جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرتے ہیں۔

## دوسروں کی عیوب پوشی درحقیقت اپنی عیوب پوشی ہے

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: جو کسی کے مسلمان کے عیب

کو چھپائے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیب کو چھپائیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ لوگوں کے عیوب کو تلاش کرنا اور ٹوہ میں لگے رہنا کہ اس کا کوئی فالٹ (fault) ہو تو میں معلوم کرلوں، اس کی تو شریعت اجازت ہی نہیں دیتی، قرآن میں آیا ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ [الحجرات:۱۲] بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اے وہ لوگو! جو اپنی زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں لیکن ان کا دل ایمان نہیں لایا، تم مسلمانوں کے عیوب کو تلاش کرنے کے پیچھے نہ رہو، جو کسی مسلمان کا عیب تلاش کر کے اس کو لوگوں کے سامنے لاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ، وہ اپنے گھر کے اندر جو کام کرے گا، اس کو بھی ظاہر کر کے رکھ دیں گے[۱]؛ اس لیے کسی کے عیب کی تلاش میں رہنا بڑا خطرناک ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم تو تلاش کرنے نہیں گئے لیکن ہمارے سامنے غیر اختیاری، غیر ارادی طور پر کسی کی کوئی چیز آ گئی تو اس کے متعلق شریعت ہمیں کہتی ہے کہ اس کو چھپاؤ، دوسروں کے سامنے ظاہر مت کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اور عیب کو چھپائے گا دنیا میں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو چھپائیں گے۔

## برادر ہے جب تک برادر کا یاور

وَاللّٰہُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ أَخِیہِ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتے ہیں، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے یعنی گویا آپ اللہ کی مدد حاصل

(۱) سنن ابی داود، عَنْ أَبِی بَرْزَۃَ الأَسْلَمِیِّ رضی اللہ عنہ، باب فِی الْغِیبَۃِ.

کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان راستہ بتا دیا، ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے، ہر ایک اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے محنت کر رہا ہے، کوشش کر رہا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو رہا ہے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک ایسا نسخہ بتا دیا جو ہماری پریشانیوں کا بہترین علاج ہے، وہ یہ ہے کہ ہم جس مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی اس پریشانی کو دور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے، جو کچھ کر رہے ہیں وہ ناکام ہو رہی ہے لیکن ہمارے آس پاس جو ہمارے بھائی ہیں، یہ بھائی، فلاں بھائی پریشان ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم اس کی پریشانی کو یقینی طور پر دور کر سکتے ہیں، اپنی تکلیف تو دور کرنے کی کوشش کے باوجود دور نہیں کر پا رہا ہوں، لیکن میرا یہ بھائی جس مصیبت کے اندر گرفتار ہے، جس پریشانی کے اندر مبتلا ہے، اللہ نے مجھے مال دیا ہے یا صلاحیت دی ہے یا عہدہ دیا ہے یا اثر و رسوخ دیا ہے اور میں اپنے اس مال کو، اس عہدے کو، اس اثر و رسوخ کو استعمال کر کے اپنے بھائی کی مدد کر سکتا ہوں، تکلیف کو دور کر سکتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ اگر اپنے بھائی کی مدد میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہماری پریشانیوں کا عجیب وغریب علاج بتلا دیا کہ آپ تو اپنی پریشانی دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ کے پاس وہ قوت نہیں ہے لیکن آپ کے دوسرے بھائی جو پریشان ہیں، ان کی پریشانی دور کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا، گویا یہ ایک ایسا قاعدۂ کلیہ اور ایسا نسخہ ہے کہ ہم اور آپ سب اس کو آسانی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرماوے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل

# (۱)

بمقام: ،موٹا وراچھا،سورت

بوقت: ۱۸/۱/ ۲۰۱۳

# اقتباس

مسجد کی بڑی اہمیت ہے، نبیِ کریم ﷺ مسجد کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا: جب جنت کی کیاریوں پر سے تم گذرو تو اس میں چرلیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ: اے اللہ کے رسول! جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ تو جواب میں نبیِ کریم ﷺ فرمایا کہ مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: اس میں چرنے کا مطلب کیا ہے؟ تو نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: وہاں مسجد میں جا کر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھا کرو۔ ان میں سے ایک ایک جملہ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، ایک سُبْحَانَ اللّٰهِ بولیں گے، جنت میں آپ کے لیے درخت لگ جائے گا، یہ جنت کا درخت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ [التوبة:۱۸]

وقال النبی ﷺ: مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ. (۱)

وقال النبی ﷺ: إِنَّ بُيُوتَ اللَّهِ فِي الأَرْضِ مَسَاجِدُهَا (۲)

وقال النبی ﷺ: أَحَبُّ الْبِلاَدِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلاَدِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا (۳)

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضي الله عنه، بَابُ وَمَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا.

(۲) المعجم الكبير للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مَسْعُودٍ رضي الله عنه.

(۳) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب فَضْلِ الْجُلُوسِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ الصُّبْحِ.

وقال النبی ﷺ: المساجد سوق من اسواق الآخرة، من دخلها كان ضيفاً لله، قراه المغفرة وتحفته الكرامة(۱).

وقال النبی ﷺ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ - عد منها - وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ(۲).

وقال النبی ﷺ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا، قيل: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ، قَالَ: الْمَسَاجِدُ، قيل: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللّٰه؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ(۳). أو كما قال عليه الصلوة والسلام

## مسجد کے اللہ کا گھر ہونے کا مطلب

میرے قابلِ احترام بھائیو! آج ہم سب کے لیے بڑا خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر ازسرِنو بہترین انداز میں تعمیر کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ مسجد کی اہمیت ایک ایسی واضح اور کھلی ہوئی چیز ہے کہ کسی کو سمجھانے کی ضرورت نہیں، ہر آدمی جانتا ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے: إِنَّ بُيُوتَ اللّٰهِ فِي الأَرْضِ مَسَاجِدُهَا: روئے زمین پر اللہ کے گھر مسجدیں ہیں، اللہ کے گھر کا مطلب ایسا نہیں جیسے ہم اور آپ اپنے گھروں میں فروکش ہوتے ہیں قیام پذیر ہوتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس میں فروکش ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان تو بہت اونچی ہے، اللہ

(۱) تفسير السمعانی ۲/۲۹۵، سورة التوبة، آیت: وجعلتم سقاية الحاج الآية.
(۲) شعب الإيمان، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بابٌ فی الِاخْتِيَارُ فِي صَدَقَةِ التَّطَوُّعِ.
(۳) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه.

تعالیٰ نے مسجد کو جو اپنے گھر سے تعبیر فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ان مساجد کے اوپر نازل ہوتی ہے، اس کے پیشِ نظر یہ فرمایا، جیسے آئینہ ہوتا ہے، اس کو سورج کے سامنے کر دیا جائے تو سورج کا عکس آئینے کے اندر آتا ہے تو آئینہ خود بھی روشن ہوتا ہے اور جن چیزوں کی طرف اس کا رخ کیا جائے، وہ بھی روشن ہو جاتی ہیں، اب ظاہر ہے کہ سورج ہماری زمین سے کروڑ ہا کروڑ گنا بڑا ہے، اتنے بڑے سورج کا عکس ایک چھوٹے سے آئینے میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاص طور پر ان مقامات پر نازل ہوتی ہیں؛ اس لیے ان کو اللہ کے گھر سے تعبیر کیا۔

## اللہ کے نزدیک روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب خطہ مسجد ہے

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ختم ہو جائے گی لیکن جن جگہوں پر مسجدیں ہیں، ان ساری جگہوں کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچائیں گے، واقعہ یہ ہے کہ ان مسجدوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اور خصوصی تجلیات نازل ہوتی ہیں، روئے زمین پر اگر بہترین خطہ کوئی ہے تو وہ مسجد ہے۔ ایک بڑے یہودی عالم نے ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ: أَيُّ الْبِلَادِ خَيْرٌ: روئے زمین پر کون سا خطہ، کون سا حصہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں، جبرئیل آئیں گے تو ان سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سوال ان سے کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر میں بتلاتا ہوں۔

چناں چہ حضرت جبرئیل علیہ السلام گئے اور آ کر کہنے لگے کہ آج میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا، اتنا قریب ہوا کہ پہلے کبھی اتنا قریب نہیں ہوا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ: روئے زمین پر کون سا خطہ، کون سا حصہ آپ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دیا: أَحَبُّ الْبِلاَدِ إِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَأَبْغَضُ الْبِلاَدِ إِلَی اللّٰہِ أَسْوَاقُھَا: روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور محبوب خطہ اللہ کے نزدیک مسجدیں ہیں اور روئے زمین پر سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ جگہ اللہ کے نزدیک بازار ہے (۱)۔

## قیامت کے دن اللہ کے سایے میں جگہ پانے والا خوش نصیب

اب دیکھو! ہمارا دل سب سے زیادہ کہاں لگتا ہے؟ آدمی کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ جو مساجد اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، وہاں جی نہیں لگتا اور جو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ جگہ ہے، وہاں جی لگتا ہے، جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں اور رحمتیں ہوتی ہیں، ان کا دل مسجد ہی کے اندر لگتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایے میں جگہ عطا کریں گے، جب کہ اللہ کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان سات لوگوں میں ایک ہے: رَجُلٌ قَلْبُہُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْہُ حَتّٰی یَعُودَ إِلَیْہِ: وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے، نماز پڑھ کر جب مسجد سے باہر ضرورت کی وجہ سے جاتا ہے،

---

(۱) مشکوۃ شریف، عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الفصل الثانی.

باہر کاروبار ہے، اپنی گذر بسر کے لیے دوکان پر جاتا ہے، اس پر بیٹھتا ہے، کھیتی باڑی کی مشغولی ہے؛ اس لیے جاتا ہے لیکن وہاں جانے کے باوجود اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا ہوا ہے، یہاں تک کہ جب دوبارہ نماز کا وقت آتا ہے تو مسجد میں آتا ہے، تب اس کو سکون ملتا ہے، یہ وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

## مساجد اور ان سے ہماری بے اعتنائی

ہمارا معاملہ بالکل الٹا ہو گیا، جب دنیوی مشاغل چھوڑ کر ہم مسجد میں آتے ہیں تو ہمارا دل وہیں پر اٹکا ہوا ہوتا ہے، یہاں تو جلدی جلدی نماز پڑھی، سلام پھیرا، دعا بھی جیسی مانگنی چاہیے، ویسی مانگے بغیر باہر دوڑے چلے گئے پھر دوبارہ دوکان پر جا کر بیٹھے اور دنیوی مشاغل میں مصروف گئے۔ معاملہ الٹ گیا، حالاں کہ چاہیے یہ تھا کہ مسجد میں دل لگتا اور دوکان پر اچاٹ رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد کو آخرت کا بازار اور مارکیٹ فرمایا، جیسے دنیا کے بازار ہوتے ہیں، لوگ وہاں جا کر دنیا کی تجارت کرتے ہیں، اگر کوئی آخرت کی تجارت کرنا چاہے تو گویا مساجد اس کا شاپنگ سینٹر ہیں۔

## بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک رسالہ ہے: ”آداب المساجد“ اس میں حضرت نے مساجد کے آداب اور فضیلتوں کے بارے میں کچھ احادیث اور تفصیلات ذکر کی ہیں، اس میں ایک شعر بڑا عمدہ ذکر کیا ہے:

| | | |
|---|---|---|
| بوقتِ صبح خورشید جب منہ دکھاتا ہے | | کوئی حرم کو، کوئی میکدے کو جاتا ہے |
| اپنے دل سے پوچھتا ہوں: تو کدھر کو جاتا ہے | | |
| بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ پڑھ سناتا ہے: | | |
| صبح دم کہ مردم بکاروبار روند | | بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند |

پہلے دو شعر تو اردو کے ہیں، وہ تو آپ کی سمجھ میں آ گئے ہوں گے، آخری شعر فارسی کا ہے: صبح دم کہ مردم بکاروبار روند: صبح کے وقت جب لوگ اپنے کام کاج کے لیے جاتے ہیں، بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند: جو عاشق لوگ ہوتے ہیں، وہ اپنے معشوق کی گلی میں جاتے ہیں، گویا میں اللہ کا عاشق ہوں؛ اس لیے لوگ جب صبح اٹھ کر اپنے کاروبار کو جاتے ہیں تو میں تو مسجد کو جاتا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی اٹھ کر جب فجر کی نماز کے لیے آتا ہے، وہ اللہ کا جھنڈا اٹھا کر آتا ہے۔

## مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں

بہر حال! مسجد کی بڑی اہمیت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا: جب جنت کی کیاریوں پر سے تم گذرو تو اس میں چر لیا کرو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ: اے اللہ کے رسول! جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ تو جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: اس میں چرنے کا مطلب کیا ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہاں مسجد میں جا کر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا

اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکۡبَرُ پڑھا کرو۔ ان میں سے ایک ایک جملہ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، ایک سُبۡحَانَ اللّٰہِ بولیں گے، جنت میں آپ کے لیے درخت لگ جائے گا، یہ جنت کا درخت ہے۔

## سُبۡحَانَ اللّٰہِ وغیرہ ذکر کے جملے جنت کے درخت ہیں

آپ کے آس پاس یہاں زمینیں ہیں، ان میں باغات ہیں، آم کے ہیں اور دوسرے پھلوں کے باغات ہیں، آپ جانتے ہیں کہ کوئی آدمی سو، دوسو آم کے درخت کا باغ لگانا چاہے تو کتنا بڑا سرمایہ خرچ کرنا پڑے گا، زمین خریدے گا، اس کے لیے پودے لائے گا، زمین کو تیار کرے گا، اس میں پودے لگائے گا، کھاد، پانی سے اس کی نگہداشت کرے گا تو کتنے سالوں اور کتنی محنتوں کے بعد یہ باغ تیار ہوگا اور جنت کا باغ! سُبۡحَانَ اللّٰہِ بولا اور وہاں درخت لگ گیا تو سُبۡحَانَ اللّٰہِ پورا ایک درخت ہے اور جنت کا تو ایک خوشہ ہی اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا کے لیے کافی ہوجائے گا۔

## جنت کی نعمتیں لازوال ہیں

ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی، نماز کے دوران نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عادت کے خلاف کچھ قدم آگے بڑھے اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، گویا کوئی چیز آپ لینا چاہتے ہیں، اسی نماز کے دوران کچھ قدم پیچھے ہٹے، گویا اپنے آپ کو کسی چیز سے بچانا چاہتے ہوں، نماز کے بعد خطبہ دیا، اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج

آپ نے نماز کے دوران کچھ ایسی حرکات کیں جو پہلے کبھی نہیں کی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج میں نے نماز کے اندر جنت اور جہنم کا نظارہ کیا، اللہ نے مجھے دکھلایا(۱)۔ جب جنت دکھائی گئی تو میں جنت کا ایک خوشہ توڑنے کے لیے آگے بڑھا، اگر میں اس خوشے کو توڑ کر لاتا تو تم سب اس خوشے سے قیامت تک کھاتے رہتے تو بھی ختم نہ ہوتا۔

## ایک منٹ میں ہم جنت کے سو درخت حاصل کر سکتے ہیں

جنت کی نعمتیں ختم نہ ہونے والی، دیرپا ہوتی ہیں، اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس خوشہ سے ایک دانہ توڑا تو خود بخود، آٹومیٹیک (automatic) وہاں دوسرا دانہ آجائے گا، ساری دنیا قیامت تک کھاتی رہے تو بھی وہ خوشہ ختم نہیں ہوتا، جب جنت کے ایک خوشے کا یہ حال ہے تو درخت کا کیا حال ہوگا! اور یہ درخت ہم کو کتنی آسانی سے مل جاتا ہے! آپ ذرا گھڑی لے کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ بولنے میں کتنی دیر لگتی ہے، ایک منٹ کے اندر آپ آہستہ آہستہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ پڑھیں گے تو ساٹھ مرتبہ پڑھ لیں گے اور ذرا جلدی پڑھیں گے تو سو سے اوپر ہو جائے گا تو ایک منٹ کے اندر ہم جنت کے سو درخت حاصل کر سکتے ہیں، یہ سو درخت اگر ہمیں دنیا میں لینے ہوں تو اس میں کتنا وقت اور روپیہ خرچ پڑتا ہے اور کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے جیسا کہ میں نے بتلایا، پھر بھی ہم جنت میں کتنے درخت حاصل کرتے ہیں؟۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، باب طول السجود في الکسوف.

## آخرت کی زندگی بہتر اور دیرپا ہے

ہم لوگوں کے دل و دماغ میں دنیا کی اہمیت اور قدر و قیمت ہے، ہمارے خیالات اور تصورات میں دنیا ایسی چھائی ہوئی ہے کہ آخرت کا کوئی دھیان اور فکر ہی نہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ [الأعلى: ۱۶، ۱۷]: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں انسانوں کی فطرت بتلائی ہے کہ تم دنیوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حالاں کہ آخرت کی زندگی اس کے مقابلے میں بہتر بھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی بھی ہے لیکن اگر مجھے اور آپ کو کہا جائے کہ آپ جتنی مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ بولیں گے، اتنے روپے ملیں گے تو سب تسبیح لے کر بیٹھ جائیں گے اور گھر بھی فون کر دیں گے کہ ہمارا انتظار مت کرنا، ہم تو اب روپیوں کی گڈیاں لے کر آنے والے ہیں تو ہمارے لیے سب کچھ یہی ہے۔

## کعبۃ اللہ روئے زمین پر بننے والا پہلا گھر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو آخرت کی دولت حاصل کرنے کے ایسے سہل اور آسان راستے بتلائے جس کا کوئی شمار اور اندازہ نہیں ہے، میں تو مسجد کی اہمیت اور فضیلت کے سلسلے میں جو ارشادات ہیں، وہ بیان کر رہا تھا۔ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۶] سب سے پہلا گھر جو دنیا میں لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ کعبۃ اللہ ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، برکت والا بھی ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بھی ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی، اس کے بعد اس پر کوئی گھر تعمیر کیا جاتا تو وہ ٹکتا نہیں تھا، یہ ہلتی اور وہ گر جاتا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا اور انھوں نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی۔ تو سب سے پہلا گھر روئے زمین پر کعبۃ اللہ کی صورت میں تیار ہوا اور طوفانِ نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو آسمان پر اٹھالیا تھا اور آسمان پر یہ فرشتوں کا قبلہ بنا، روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں (۱)۔ تو روئے زمین پر سب سے پہلی عمارت یہی کعبۃ اللہ گھر کی شکل میں پائی گئی اور اسی کے بعد زمین نے انسانوں کو گھر بنانے کا موقع دیا۔

## مؤمن کی سب سے پہلی فکر مسجد کی تعمیر ہونی چاہیے

ایک مؤمن بھی جب کسی جگہ جائے تو اس کی نگاہ میں مسجد کی اتنی اہمیت ہونی چاہیے کہ سب سے پہلے اسی کو تعمیر کیا جائے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ کا مکان تو وہاں تھا نہیں اور ہر انصاری صحابی کی خواہش یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے یہاں قیام فرمائیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی کی درخواست منظور نہیں کی اور آگے بڑھتے گئے، اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتلایا کہ آپ کی اونٹنی کو ہماری طرف سے حکم دے دیا گیا ہے، وہ جہاں جا کر رکے گی، وہیں آپ کا قیام ہوگا۔ چلتے چلتے صحابہ کبھی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے

---

(۱) (وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ) قال علي وابن عباس وغيرهما: هو بيت في السماء حيال الكعبة يدخله كل يوم سبعون ألف ملك ثم يخرجون منه فلا يعودون إليه (تفسير القرطبي ۱۷/ ۶۰)

کہ اس کو چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس کو حکم ملا ہوا۔ چناں چہ اِس وقت جہاں مسجدِ نبوی کا منبر ہے، وہاں وہ جا کر بیٹھ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اٹھایا، دو چار قدم چلی اور دوبارہ اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی، اس کے بالکل سامنے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، وہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھایا اور آپ کو اپنے گھر لے گئے۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مکان سے پہلے مسجد بنانے کی فکر فرمائی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مکان تو تھا نہیں، ان کے مکان میں چھ مہینے سے کچھ زیادہ آپ کا قیام وہاں رہا، اس درمیان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمین کو جہاں مسجدِ نبوی ہے، وہ دو یتیموں کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والیوں سے گفتگو کر کے اس کو خریدنا چاہا، انھوں نے پیش کش کی کہ ہم اس کی قیمت ادا کر کے آپ کی خدمت میں مفت ہی پیش کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور قیمتاً لی اور یہ قیمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جیبِ خاص سے ادا فرمائی یعنی مسجد پہلے بنی اور اس کی قیمت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کی اور مسجد تعمیر ہو جانے کے بعد اس کے برابر میں ازواجِ مطہرات کے کمرے تعمیر فرمائے، وہ جب تیار ہوئے، تب آپ اس میں فروکش ہوئے، گویا اپنا مکان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں بنایا اور اللہ کا مکان پہلے بنایا، اپنے اس عمل سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والے مؤمنین کو یہ سبق دیا کہ ایک مؤمن جہاں بھی جائے گا، اس کو چاہیے کہ پہلے اللہ کا گھر بنائے پھر اپنا گھر بنانے کی فکر کرے۔

## مسجد کے بغیر مؤمن کی زندگی گذر ہی نہیں سکتی

مسجد کی تعمیر بڑی اہمیت کی حامل ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جگہ تھوڑی دیر کے لیے بھی قیام فرماتے، سفر میں بھی آپ جہاں ٹھہرتے تھے، وہاں آپ ایک جگہ نماز کے لیے مخصوص فرمالیتے تھے، اس کو مسجد سے تعبیر کیا جاتا تھا، جہاں کہیں بھی آنا جانا ہوتا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول تھا، گویا مسجد کے بغیر تو مؤمن کی زندگی گذر ہی نہیں سکتی۔ تو بہر حال! مسجد کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کا حکم دیا ہے۔

## تو برائے بندگی ہے یاد رکھ

اب دیکھیے! اللہ نے ہم کو نماز کا حکم دیا، ہم اللہ کی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اللہ نے ہمیں بنایا، ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بنائی کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے بنایا۔

## اللہ تبارک تعالیٰ ہماری عبادت کے ہرگز محتاج نہیں ہیں

کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ - نعوذ باللہ - اللہ تبارک تعالیٰ ہماری عبادت کے محتاج ہیں، ہرگز نہیں مسلم شریف میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے- حدیثِ قدسی ہے۔- حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد نقل کریں- تو باری تعالیٰ نے فرمایا- بہت لمبی روایت ہے- اس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ

ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، سب کے سب ایسے بن جائیں، جیسے دنیا میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہے، اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، پوری انسانیت میں اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گویا سب لوگ ایسے فرماں بردار بن جائیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سب کے سب اس طرح فرماں بردار بن جانے سے میرے ملک میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

## ہماری فرماں برداری اور نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے

آگے فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار، سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، اس کی طرح بن جائیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان کون ہے؟ شیطان! یعنی تم سب کے سب شیطان کی طرح بن جاؤ، کوئی اللہ کا حکم ماننے والا نہ رہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی (۱)۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج نہیں ہیں۔

---

(۱) مسلم شریف، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ.

## سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | | پاک ہمی ایشاں شوند و در فشاں |

ان بندوں کے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اس کی وجہ سے پاک ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مطلب کیا ہے؟ سبحان اللہ کا مطلب ہے: ''میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں'' یا ''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے'' جو بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو سبحان اللہ کہہ کر اللہ کی پاکی اور تنزیہ بیان کرتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھاری سبحان اللہ کہنے سے تھوڑا میں پاک ہوتا ہوں بلکہ ہماری گندی زبانیں سبحان اللہ کہنے سے پاک ہوتی ہیں، ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں بلکہ ہماری زبانیں تو اس لائق بھی نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں، فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے:

| | | |
|---|---|---|
| ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب | | ہنوز نامِ توگفتن کمالِ بے ادبی است |

کہ میں اپنا منہ مشک وگلاب سے ہزار مرتبہ دھولوں پھر بھی اے اللہ! تیرا نام لینا کمال بے ادبی کی بات ہے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنا نام لینے کی اجازت نہیں بلکہ حکم دیا۔

## اللہ تعالیٰ کا ہمیں اپنا نام لینے کا حکم دینا بھی اس کا احسان ہے

آج دنیا کا ایک معمولی حکمراں، ''سورت'' کے کلکٹر سے ملنا چاہیں تو کیا جب آپ کا جی چاہے گا، منہ اٹھا کر چل دیں گے؟ ملاقات ہو سکے گی؟ نہیں، بلکہ آپ کو پہلے

باقاعدہ اپائنمنٹ لینا پڑے گا، یہ تو ضلع کا کلیکٹر ہے اور اگر کسی وزیر سے ملنا چاہیں، وزیرِ اعلیٰ سے ملاقات کرنا چاہیں یا ملک کے وزیرِ اعظم یا صدر سے ملنا چاہیں تو پتہ نہیں کہ موقع ملتا ہے یا نہیں، حالاں کہ وہ ہماری ہی طرح کا انسان ہے، اس کی ملاقات آسانی سے نہیں ہوسکتی، بڑی کوششوں اور سفارشوں کے بعد بس چند منٹوں کے لیے اس کا موقع دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت بڑی ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ پوری زندگی ہمیں اللہ کے دربار میں حاضری کا موقع نصیب نہ ہوتا بلکہ ایک مرتبہ بھی اس کا نام بولنے کی اجازت ملتی کہ بولو: اللہ، تو یہ بھی ہمارے لیے سعادت کی بات تھی لیکن اللہ کا کرم ہے، احسان ہے کہ اجازت نہیں بلکہ حکم دیا کہ دن رات میں پانچ مرتبہ میرے دربار میں آؤ۔

## اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ بے انتہا محبت ہے

اب اللہ کی شان تو بڑی عالی اور بے نیاز ہے، جہاں اللہ تعالیٰ خالق ومالک ہیں، بے نیاز ہیں، وہیں اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ محبت بھی بہت ہے، خاص کر کے انسان کے ساتھ۔ انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اتنی محبت ہے، اتنی محبت ہے کہ ہم اور آپ تو اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

## بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک مثال

حدیث میں آتا ہے کہ کل قیامت کے دن باری تعالیٰ انسان سے کہیں گے: اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا، تو نے میری خبر نہیں لی، عیادت نہیں کی۔ انسان جواب میں

عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ تو رب العالمین ہیں، آپ کی شان تو بہت بلند ہیں، بھلا آپ کیسے بیمار ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کی خبر گیری کرتا تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہیں کی، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کی خبر لیتے تو مجھے وہاں پر پاتے۔

## بندوں پر طاری ہونے والے حالات اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں منسوب کیے؟

دیکھو! بندے کی بیماری کی اللہ تعالیٰ نسبت کر رہے ہیں، کس کی طرف؟ اپنی طرف، میں بیمار تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ بیماری سے اور اس طرح کے حالات سے منزہ اور پاک ہے لیکن یہاں بندے کے ساتھ اللہ کا تعلق کتنا زیادہ ہے، اس کو ظاہر کیا جارہا ہے۔ آگے پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بھوکے ہو سکتے ہیں! اور میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا! تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بھوکا تھا، اس نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو کھانا دیتے تو اس کو یہاں پاتے۔

اسی طرح باری تعالیٰ آگے پھر پوچھیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے پیاسے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو پانی دیتا! تو باری

تعالیٰ جواب میں یہی ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ پیاسا تھا، تم نے اس کو پانی نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو پانی دیتے تو اس کو یہاں پاتے (۱)۔

دیکھو! یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں پر طاری ہونے والے ان حالات کی اپنی طرف نسبت کرتے ہیں، یہ نسبت کیوں کی؟ بندوں کے ساتھ اور مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو محبت کا اور شفقت کا جو تعلق ہے، اللہ تعالیٰ اس تعلق کو بتلانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ خاص کر کے انسان کے ساتھ اتنی محبت ہے، اتنی محبت ہے کہ ہم اور آپ تو اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

## جانتے ہیں اہلِ دنیا جیسی پڑھتے ہیں نماز

اسی تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم نماز پڑھو اور دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کا حکم دیا اور یہ نہیں کہ گھر میں پڑھو بلکہ خاص طور پر، مستقل ایک مکان بنانے کا حکم دیا جس کو ہم اور آپ مسجد کہتے ہیں۔ مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم دیا کہ ہر ایک آدمی جانتا ہے کہ ہماری اور آپ کی عبادت کی حیثیت کیا ہے، جب نیت باندھ کر نماز کے لیے اللہ اکبر کہتے ہیں تو کھڑے تو مسجد میں ہوتے ہیں لیکن ہمارا دل و دماغ پتہ نہیں کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہوتا ہے۔ اب ایسی نماز پڑھتے ہیں تو پتہ نہیں کہ یہ نمازیں قبول ہوتی بھی ہیں یا نہیں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو مل جل کر نماز پڑھنے کا حکم دیا کہ اتنا بڑا مجمع جب اللہ کے سامنے نماز کے لیے کھڑا ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ اس مجمع میں اللہ

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ.

کا ایسا کوئی بندہ موجود ہو جس کی نمازیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائیں اور ان کے صدقے میں سب کی نمازیں قبول ہو جائیں۔

## مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عظیم فائدہ

بیوپاری بہت سی اچھی چیزوں میں ملی ہوئی خراب چیزوں کو دیکھتا نہیں ہے، جیسے آپ گیہوں کی پوری بوری بیچ رہے ہیں تو اس بوری میں بہت سارے کنکر بھی ہوں گے لیکن وہ کنکر بھی گیہوں کے بھاؤ میں چلے جاتے ہیں۔ سوسو کے نوٹوں کی پوری گڈی ہے، اس میں دو پانچ نوٹ پھٹے پرانے ہیں تو وہ بھی اچھے نوٹوں کے ساتھ چل جائیں گے اور ایک نوٹ لے کر جائیں گے تو بڑے غور سے دیکھے گا اور اور خوب جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کو لے گا۔ اسی طرح یہاں جب سب مل کر نماز ادا کرتے ہیں تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی نماز دوسروں کی نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کر لی جاتی ہے، اور بھی بہت سارے فوائد ہیں؛ اسی وجہ سے نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

## ہماری بے دینی کی انتہا

حدیث میں آتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والے کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو ۲۵/گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور ایک روایت میں ۲۷/گنا ثواب آیا ہے۔ آپ ایک چیز یہاں مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بیچیں تو اس کی قیمت ایک روپیہ ہے اور یہاں سے ذرا دور روڈ کے پاس جا کر بیچیں تو اس کی قیمت ۲۵/ یا

۲۷/روپیہ آتی ہے تو یہاں سو آدمی مانگیں گے تو بھی آپ نہیں دیں گے، وہاں جا کر بیچیں گے؛ کیوں کہ ''۲۵'' گنا قیمت چاہیے، دنیا کے معاملات میں ہم اس طرح فائدے اور نقصان کو مدِّ نظر رکھتے ہیں اور آخرت کے معاملے میں اس کی کوئی پرواہی نہیں! ہمارے اکابر کے یہاں نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بڑا اہتمام تھا۔ آج کل تو ہمارا مزاج ایسا بگڑ گیا ہے کہ اللہ رحم کرے اور بگڑتا ہی جا رہا ہے، گھر کے دروازے کے سامنے مسجد ہے، اس کے باوجود جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

## صحابۂ کرامؓ میں باجماعت نماز کا اہتمام

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں بڑے سے بڑا منافق بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، سب آتے تھے، بیمار لوگ بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آتے تھے (۱)۔ اس لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی شریعت کی نگاہوں میں بڑی اہمیت ہے اور اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

## اے ابنِ سماعہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا؟

محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ، بزرگ گذرے ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کرتے تھے، روزانہ ''۲۰۰'' رکعات نفل پڑھنے کا معمول تھا، بڑی عمر پائی۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے

(۱) صحیح مسلم، باب صَلاۃُ الْجَمَاعَةِ مِنْ سُنَنِ الْھُدَی.

ان کی جماعت فوت ہوگئی تو بڑا افسوس ہوا اور چوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب ''۲۷'' گنا ہے تو انھوں نے اس نماز کو ''۲۷'' مرتبہ ادا کیا، حالاں کہ فقیہ تھے، جانتے تھے کہ ایک مرتبہ پڑھنے سے فرض ادا ہو گیا، ذمہ داری پوری ہوگئی لیکن یہ خیال تھا کہ جماعت کے ساتھ پڑھتا تو ''۲۷'' نمازوں کا ثواب ملتا؛ اس لیے انھوں نے یہ نماز ''۲۷'' مرتبہ پڑھی؛ تا کہ ''۲۷'' گنا ثواب ملے، یہ ہمارے اسلاف کا شوق تھا۔ اب ایسے اللہ کے بندے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ انہی کے مناسبِ حال رہتا ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: كيف لك بتأمين الملائكة يا ابن سماعة!: اے ابنِ سماعہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا(۱)!۔

## باجماعت نماز کا دوسرا عظیم فائدہ

یہ کیا ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور امام قرأت کرتا ہے تو امام جب سورۂ فاتحہ پڑھے گا تو وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھے گا تو اس وقت آمین کہنا چاہیے، إِذَا قَالَ الإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب امام کہے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ تو تم آمین کہو، فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَقُولُ: آمِينَ، وَإِنَّ الإِمَامَ يَقُولُ: آمِينَ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۔ اس لیے کہ اس وقت فرشتے بھی آمین

---

(۱) تهذيب التهذيب ۹/ ۱۸۲.

کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق پڑ گئی، یعنی جس وقت انھوں نے آمین کہی، اسی وقت اس نے بھی آمین کہی اور وہ آمین کب کہتے ہیں؟ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پر آمین کہتے ہیں تو ہم بھی اس وقت آمین کہیں گے اور ہماری آمین ان کے آمین کے موافق پڑے گی تو ہمارے اگلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے (۱)۔

وہ خواب میں کہنے والا کہہ رہا ہے کہ آپ نے ''۲۷'' مرتبہ نماز تو پڑھ لی لیکن جماعت کے ساتھ پڑھتے تو فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے کی جو فضیلت تھی، وہ حاصل ہوتی، وہ فضیلت تو تمھارے ہاتھ سے گئی۔ جماعت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، اس کا خاص طور پر اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، مسجد میں نماز پڑھنے کا اہتمام کریں۔

## جو لوگ مسجد کے اندر رہتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں

یہ مسجد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ضرورت ہے کہ اس کی قدر ہو اور اس کو آباد کرنے کا اہتمام کیا جائے، جو لوگ مسجد کے اندر رہتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کی غیر حاضری میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے گھر والوں کی، ان کی چیزوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔

یہ مسجد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی، یہ بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ یہ مسجد آپ حضرات کو مبارک کرے۔ یہ سلسلہ تو تھا ہی لیکن یہ نئی شکل وصورت بھی قابلِ مبارک ہے، ہمارے اسلاف کے یہاں مسجد کی تجدید کا بھی بڑا

(۱) سنن النسائی، عن أبي هريرة رضي الله عنه، جهر الإمام بآمين.

اہتمام رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو اس مسجد کی تجدید کی توفیق عطا فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اللہ کے جن بندوں نے مختلف حیثیتوں سے اس میں حصہ لیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس مسجد کے جو حقوق ہیں، ان کو ادا کرنے کی سب کو توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

ہماری نمازوں کا جو حال ہے، وہ سب جانتے ہیں، نیت باندھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ بٹن کھول دیا ہو، نماز سے باہر جو خیالات نہیں آتے تھے، وہ سب یہاں شروع ہو گئے، ہمارے دل دنیا بھر کے خیالات کی آماج گاہ بن جاتے ہیں، ویسے نماز میں سب کچھ پڑھ رہے ہیں، ثنا بھی، تعوذ اور تسمیہ بھی، سورۂ فاتحہ بھی، سب کچھ ہو رہا ہے، چار رکعت میں جو کچھ پڑھنا ہے، سب پڑھے گا لیکن میں کہا کرتا ہوں کہ جب وہ سلام پھیرے تو فوراً اجا کر اس سے پوچھو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کون سی سورت پڑھی تھی تو وہ منہ ہی تکتا رہ جائے گا۔ ابھی آپ بیٹھے ہیں نا تو اپنی ذات سے پوچھ لو کہ ابھی امام صاحب نے پہلی رکعت میں کیا پڑھا تھا؟ نماز میں غفلت کا یہ ہمارا حال ہے۔ ہم نے بچپن میں جس طرح نماز پڑھنا سیکھا تھا، بس اسی طرح چل رہی ہے، اس کی درستگی کی طرف کبھی ہمارا دھیان جاتا نہیں ہے، یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰۤئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ [التوبة:١٨]

وقال تعالى: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران:٩٦]

وقال النبی ﷺ: مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ(۱).

وقال النبی ﷺ: إِنَّ بُيُوتَ اللَّهِ فِي الأَرْضِ مَسَاجِدُهَا(۲)

وقال النبی ﷺ: المساجد سوق من اسواق الآخرة، من دخلها كان

---

**(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ، بَابُ وَمَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا.**

**(۲) المعجم الكبير للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ.**

ضيفًا لله، قراه المغفرة وتحفته الكرامة[۱]. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

حضراتِ مشائخِ عظام، علماءِ کرام اور معزز مہمانانِ کرام! آج ہم اس مسجد کی افتتاحی تقریب میں حاضر ہوئے ہیں اور یہ پوری بستی کے لیے بڑی سعادت کا موقع ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے اپنے حسین وجمیل گھر کی تعمیر آسان فرمائی۔

## افتتاحِ مسجد کے موقع پر اظہارِ مسرت اسلاف کی سنت رہی ہے

مسجد کے افتتاح کے موقع پر خوشی کا اظہار یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب گرفتار کرنے کے لیے یزید نے لشکر بھیجا تھا اور مکہ مکرمہ میں جبلِ ابی قبیس پر منجنیق لگا کر کعبۃ اللہ کی طرف کچھ گولے بھی برسائے گئے تھے، کعبۃ اللہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے اس کا غلاف بھی جل گیا تھا اور اس کی وجہ سے کچھ دیواریں بھی نقصان پذیر ہوگئی تھیں، بعد میں یزید کی موت کی وجہ سے وہ لشکر تو واپس چلا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو حجاز، عراق اور دوسرے علاقوں پر اقتدار عطا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر فرمائی اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو خواہش اور تمنا تھی، اس کے مطابق اس کو بنایا، انھوں نے اپنی خالہ: اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن رکھا تھا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے موقع دیں گے تو میں بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علی نبينا وعليه الصلوة والسلام کی بنیادوں اور ان کے انداز پر دوبارہ تعمیر کروں گا اور نبیِ

---

(۱) تفسیر السمعانی ۲/۲۹۵، سورۃ التوبۃ، آیت: وجعلتم سقاية الحاج الآية.

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے کعبۃ اللہ کی جو تعمیر کی تھی، اس میں دو دروازے تھے اور دونوں بالکل زمین سے لگے ہوئے تھے کہ آدمی آسانی سے ایک دروازے سے داخل ہو اور دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اس کا طول بھی کچھ زیادہ تھا۔

## کعبۃ اللہ کی تعمیر میں کفارِ قریش کا حلال کمائی کا اہتمام

بعد میں سیلاب کی وجہ سے کعبۃ اللہ کی عمارت متاثر ہوئی تھی تو قریش نے اس کو از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو قریش نے اس سلسلے میں ایک مجلسِ مشاورت بلائی اور اس میں یہ طے کیا کہ ہم کعبۃ اللہ کی تعمیر کے لیے صرف حلال سرمایہ استعمال کریں گے؛ چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے یہاں حلال وحرام کی کچھ زیادہ تمیز نہیں تھی، لوٹ مار کا سلسلہ بھی تھا لیکن چوں کہ اللہ کا گھر تعمیر کرنا ہے؛ اس لیے انھوں نے اپنی خالص حلال کی کمائی لگانے کی تجویز رکھی۔ یہ تجویز پاس ہوگئی اور لوگوں میں یہ اعلان ہوگیا کہ جس شخص کے پاس حلال طریقے سے کمایا ہوا سرمایہ ہو، وہ بیت اللہ کی تعمیر میں پیش کرے، چناں چہ جمع کیا گیا۔

## مسجد خالص حلال رقم سے ہونے کی حقیقت کفار بھی سمجھتے تھے

اس موقع پر میں ایک بات عرض کیا کرتا ہوں کہ زمانۂ جاہلیت میں وہ قریش جو بت پرستی میں مبتلا تھے اور اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور تھے، وہ بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے گھر کی تعمیر خالص حلال رقم سے کی جانی چاہیے۔ آج

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، ایک مسلمان اس سلسلے میں بہت بڑی کوتاہی میں مبتلا ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔

## بناءِ ابراہیمی میں کفار کی تبدیلی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش

بہر حال! انھوں نے جو سرمایہ جمع کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کعبۃ اللہ کی جتنی تعمیر کی تھی، اس قدر تعمیر کے لیے وہ سرمایہ کافی نہیں ہوا تو ان لوگوں نے ان بنیادوں میں سے کچھ حصہ کم کر دیا اور دیوار بنادی، گویا بیت اللہ کی تعمیر میں کمی کرنا تو گوارا کیا لیکن اس میں حرام سرمایہ لگانا گوارا نہیں کیا۔ یہ حطیم والا حصہ وہی کعبۃ اللہ کا چھوٹا ہوا حصہ ہے۔ آپ حج کے لیے جائیں گے تو دیکھیں گے کہ بیت اللہ کے جانبِ شمال میں ایک حصہ میں نصف دائرے کی شکل میں چھوٹی سی دیوار بنی ہوئی ہے، اس میں ''۹'' فٹ کا حصہ کعبۃ اللہ کے اندر داخل تھا لیکن قریش نے سرمایے کی کمی کی وجہ سے اس کو نکال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ انھوں نے ایک طرف کا دروازہ بند کر دیا اور دوسری طرف کا دروازہ بھی اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی آدمی آسانی سے اس میں داخل نہ ہو سکے، بس وہ اپنی مرضی سے جس کو اندر داخل کرنا چاہیں کر سکیں، انھوں نے اپنی سیاست کے پیشِ نظر یہ حرکت کی تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں پورا کعبۃ اللہ تعمیر کروں گا اور دروازے بھی دو رکھوں گا اور زمین کے ساتھ بناؤں گا۔

## کعبۃ اللہ کی تعمیر کی خوشی پر

## حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے دعوت کا انتظام

چناں چہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا موقع دیا اور انھوں نے کعبۃ اللہ کی از سرِ نو تعمیر کی تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی خواہش کے مطابق حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی بنیادوں پر اس کو تعمیر کیا اور دو دروازے بنائے جو زمین سے لگے ہوئے تھے؛ تا کہ جو آدمی اندر جانا چاہے آسانی سے جا سکے۔ میں جو عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ جب کعبۃ اللہ کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس کی خوشی میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ''۱۰۰'' اونٹ ذبح کیے اور لوگوں کی دعوت کی۔ تو مسجد کی تعمیر پر اس طرح خوشی کا اظہار یہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

## مسجد کا سنگِ بنیاد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے

جیسے مسجد کا سنگِ بنیاد خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ابتدا میں چند روز قبا میں آپ کا قیام رہا تو وہاں قیام کے زمانے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب جو مدینہ منورہ کی تاریخ میں ہے: وفاء الوفاء، اس میں فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا پتھر اپنے دستِ مبارک سے رکھا، دوسرا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے رکھوایا، تیسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

ہاتھوں سے رکھوایا، اس طرح اس مسجد کی تعمیر عمل میں آئی جس کی تعریف قرآنِ پاک میں ہے: ﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸] اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مسجد کی تعریف فرمائی ہے۔

## مدنی زندگی میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی قیام

اس کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو انصار میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے یہاں قیام فرمائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعۂ وحی بتلا دیا تھا کہ آپ از خود کوئی فیصلہ نہ کریں، یہاں تمام محبین وعاشقین کا مجمع ہے، آپ کی طرف سے اگر کوئی فیصلہ ہوگا تو آپس میں تنافس کی شکل پیدا ہو سکتی ہے؛ اس لیے کہ دوسروں کو خیال ہوگا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ترجیح دی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، وہ جہاں بیٹھے گی، وہیں میرا قیام ہوگا۔ چناں چہ سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جا کر اونٹنی بیٹھ گئی اور سر رکھ دیا تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جلدی سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان لے کر اپنے گھر میں پہنچا دیا۔ روایتوں میں لکھا ہے کہ بہت سال پہلے یمن کے بادشاہ تُبع نے یہ مکان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بنوایا تھا۔ (یہ تاریخی واقعہ حضرت دامت برکاتہم کی ایک تقریر میں مفصل گذرا ہے؛ اس لیے اس کو یہاں سے حذف کیا جاتا ہے۔)

## تعمیرِ مسجد کے سلسلے میں نبوی تعلیم

بہر حال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر رہا اور اس دوران آپ نے سب سے پہلی فکر مسجد تعمیر کرنے کے سلسلے میں فرمائی۔ فی الحال جہاں مسجدِ نبوی ہے، وہ دو یتیموں کی جگہ تھی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جیبِ خاص سے پوری رقم ادا کر کے اس جگہ کو خریدا اور پھر اس میں مسجد کی تعمیر ہوئی، اس تعمیر کے کام میں خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حصہ لیا، آپ خود پتھر اٹھاتے تھے اور رجزیہ اشعار جو محنت کے کام کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں، وہ اشعار آپ پڑھتے تھے۔ اس طرح یہ مسجد تعمیر ہوئی، اور مسجد تعمیر ہونے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے برابر میں اپنی ازواجِ مطہرات کے لیے حجرے تعمیر کرائے، تعمیر کیا تھی! جھونپڑے تھے، کھجور کے تنوں کے ستون تھے اور کھجور کے پتوں کی چھت تھی اور مٹی کی دیواریں تھیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے امت کو یہ تعلیم دی کہ میرا امتی اگر کسی جگہ پر جا کر آباد ہو تو اسے سب سے پہلے اللہ کے گھر کو بنانے کی فکر کرنی چاہیے، پھر اپنا گھر بنائے۔

## کارِ خیر میں اپنی رقم لگانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے

بہر حال! یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ اللہ کے ان بندوں نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور اس میں حلال کمائی کو لگایا بلکہ یوں سمجھئے کہ ان کا پیسہ کام آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول کر لیا، ان کا مسجد والوں پر یا ''اکلیرا'' بستی والوں پر یا ارا کینِ مسجدِ سبحانی پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے مسجد

کی تعمیر میں حصہ لینے کی انھیں توفیق دی، يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: دیہات کے بعض رہنے والے جو اسلام قبول کر چکے تھے، جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو اس انداز سے پیش آتے تھے کہ گویا انھوں نے اسلام لا کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی احسان کیا ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ بتلا دیا کہ اے نبی! يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا: وہ اپنے انداز سے آپ پر یہ احسان جتلانا چاہتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ: آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر مت دھریئے، بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

## منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی | | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد |

یعنی اگر کوئی آدمی بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے، اس کو خدمت کا موقع ملا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ بادشاہ پر یہ احسان نہ دھرے کہ میں آپ کی خدمت کر رہا ہوں بلکہ بادشاہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے خدمت کا موقع دیا، وہاں تو لائن لگی ہوئی ہے، ایک اشارہ ہو جائے تو سب حاضر ہو جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا مال قبول کر لیا، جتنے

بندے ہیں، چاہے وہ بھانا بھائی ہوں یا دوسرے احباب ہوں جنھوں نے اس میں جس نوع کی بھی محنت کی، چاہے مالی ہو، یا جسمانی ہو، اپنی جو صلاحیت بھی اس میں لگائی، ان سب سے بھی میں یہی کہوں گا کہ وہ کسی کے شکریئے کے خواہش مند نہ رہیں بلکہ اس بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر گذار رہیں کہ اس نے اس خدمت کی توفیق اور سعادت عطا فرمائی۔

## ارکانِ اسلام میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے

بہر حال! یہ مسجد تیار ہو گئی، مسجد کی اہمیت، اس کی فضیلت، اس کے مناقب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہر مسلمان مسجد کی اہمیت کو جانتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادات کے اندر نماز کو بڑی بنیادی حیثیت عطا فرمائی ہے، پانچ وقت کی نماز فرض کی اور اس کی ادائگی کے لیے یہ حکم دیا کہ اس کو جماعت کے ساتھ ایک مخصوص مکان کے اندر ادا کیا جائے۔

## علماء سے ملاقات ان کے نظام کے تحت کریں

یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو کھلایا، پلایا تو اس کے بدلے میں ہم پر یہ ٹیکس لاگو کر دیا ہے۔ نہیں، نہیں، نہیں۔ یہ تو اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنی عبادت کا ہم کو حکم دیا، دنیا کے معمولی حاکموں کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو وہ آسانی سے ہو نہیں پاتی، آپ اپنے ضلع کے کلیکٹر سے، اپنے تحصیل کے معاملات دار سے ملاقات کرنا چاہیں تو یہ نہیں کہ منہ اٹھایا اور فوراً پہنچ

گئے، اس طرح جس طرح مولویوں اور مفتیوں کے پاس آتے ہیں کہ بارہ بجے پہنچ جائیں گے، آدھی رات کو آئیں گے کہ مفتی صاحب! مفتی صاحب! اس کے لیے کوئی نظام ہی نہیں، حالاں کہ قرآن تو ادب سکھلاتا ہے۔

## نبیِ کریم ﷺ کے پاس قبیلۂ بنوتمیم کی بے وقت آمد

قبیلۂ بنوتمیم کا وفد نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت حاضر ہوا، جب نبیِ کریم ﷺ آرام فرمارہے تھے اور باہر ہی سے آواز دینا شروع کیا: یامحمد! اُخْرُج: اے محمد! باہر آئیے، ہم آپ سے مفاخرہ کرنا چاہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں دو قبیلے والے ملتے تھے تو ہر ایک تقریر میں اور مجمع میں اپنی فضیلتیں، اپنی خوبیاں بیان کرتا تھا، اور پھر فیصلے ہوتے تھے کہ کون جیت گیا، کون غالب رہا، اس کو مفاخرہ کہا جاتا تھا تو انھوں نے کہا کہ آپ باہر تشریف لائیے، ہم اگر کسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس کے لیے باعثِ زینت ہے اور اگر ہم کسی کی مذمت کردیں تو اس کے لیے باعثِ عیب ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: یہ شان تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، دنیا والوں کی تعریف سے کیا زینت حاصل ہوگی اور دنیا والوں کی مذمت سے کیا بے عزتی ہونے والی ہے (۱)۔

## ملاقات کے قرآنی آداب

بہرحال! اس طرح ان لوگوں کا دوپہر کو نبیِ کریم ﷺ کے پاس آکر، آپ

(۱) دلائل النبوة، باب وفد عطارد بن حاجب في بني تميم.

کو آواز دے کر باہر بلانا اور اس کے لیے آپ کو مجبور کرنا اللہ تبارک تعالیٰ کو ناگوار گذرا تو اسی پر اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیتیں نازل فرمائیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [الحجرات:۴، ۵] جو لوگ آپ کو باہر سے آواز دے کر بے وقت باہر نکلنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عقل اور سمجھ نہیں رکھتے، اگر وہ ٹھیر جاتے یہاں تک کہ آپ اپنے وقت پر باہر تشریف لاتے تو وہ ان کے لیے بہتر تھا۔

## پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے دوسرے ہم عمر ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اب براہِ راست آپ سے فیض حاصل کرنا تو ممکن نہیں رہا لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہ ابھی موجود ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم ان سے فیض حاصل کریں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو اس میں لگا دیا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو سید الانصار ہیں اور جن کو بارگاہِ رسالت سے أَقْرَأُهُمْ أُبَيٌّ کا خطاب ملا ہے، جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس جاتے تھے تو روایتوں میں ہے کہ باہر دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے تھے،

دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لاتے اور دیکھتے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما باہر بیٹھے ہوئے ہیں تو چوں کہ ان کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے تو ان کو دیکھتے تو فرماتے کہ تم نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ ہم کو آواز دے لیتے تو فرماتے ہیں کہ نہیں، ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آدھا آدھا دن انتظار میں گذر جاتا تھا لیکن دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے (۱)۔

## عالم کا وجود نبی کے وجود کی طرح ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ فرمایا ہے اور کسی عالم کا وجود لوگوں کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کی نبی کا وجود تھا؛ اس لیے ان کے ساتھ اسی طرح ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے، جیسا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب بتایا ہے۔

## گناہ تو پھر گناہ ٹھہرا، عبادتیں بھی ہیں مجرمانہ

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہم پر جو یہ نماز فرض کی ہے یہ کوئی ٹیکس کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو شانِ کبریائی اور شانِ عظمت ہے، نیز اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے خالق ہیں، مالک

(۱) روح المعاني ۹/۳۳۲.

ہیں، آقا ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے دنیا کے حاکم کرتے ہیں، کم از کم ویسا معاملہ کیا جاتا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ محبت بھی ہے، اسی محبت کے رشتے کی وجہ سے فرمایا کہ میرے دربار میں آؤ اور میری عبادت کیا کرو۔ ہم یہاں آکر جو نمازیں پڑھتے ہیں، وہ نمازیں پڑھ کے - نعوذ باللہ - اللہ تبارک وتعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتے، بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ مولوی صاحب! پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہوں پھر بھی کاروبار میں گھاٹا ہوتا ہے، پھر بھی بیماریاں پیچھا نہیں چھوڑتیں، گویا یہ شخص یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں نے یہ کام کیے تو اللہ تبارک تعالیٰ کو میرے یہ کام کردینے چاہیے تھے، یہ احسان جتلانا ہے، ہم لوگوں کی سوچ اس طرح کی ہو چکی ہے، ہم اللہ تبارک تعالیٰ کے احسانوں کا حق کہاں ادا کرسکتے ہیں۔

## عجب نہیں، تیری رحمت کی حد نہ ہو کوئی

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ تین دفتر ہوں گے: ایک میں انسان کی طاعات کا تذکرہ ہوگا، دوسرے میں اس کے گناہوں کا تذکرہ ہوگا اور تیسرے میں اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا، جب حساب کے لیے بندہ پیش ہوگا تو اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں میں سے جو سب سے چھوٹی نعمت ہے، اللہ تبارک تعالیٰ اس سے کہیں گے اس کی نیکیوں سے تم اپنا حق وصول کرلو، چناں چہ وہ نعمت آگے بڑھے گی اور ساری طاعتوں کو سمیٹ لے گی اور پھر کنارے پر کھڑے ہو کر عرض کرے گی کہ ابھی بھی میرا حق تو ادا نہیں ہوا۔ بندہ یہ منظر دیکھ کر گھبرا جائے گا کہ اب تو مارے گئے لیکن

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک جس کو نوازنا مقصود ہے تو باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ جا! میں نے تیری نیکیوں کو دوگنا کر دیا اور تیرے گناہوں کو بخش دیا اور میں نے اپنی نعمتیں تجھے یوں ہی بخش دیں، ورنہ اگر اللہ تبارک تعالیٰ اپنی نعمتوں کا حساب لینا چاہیں تو ہماری ساری زندگی کی ساری عبادتیں بھی اس کا جواب نہیں دے سکتیں (۱)۔

## ایک عابد کا واقعہ

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات میں واقعہ ہے، روایتوں میں ہے کہ ایک آدمی نے تمنا کی کہ مجھے "۵۰۰" سال تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا ایسا موقع ملے کہ ایک لمحے کے لیے بھی میں غافل نہ رہوں، چناں چہ اس کی خواہش کے مطابق ایک جزیرے پر وہ پہنچا جس کے چاروں طرف سمندر تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جزیرے میں اس کے لیے انار کا ایک درخت پیدا کر دیا، اس سے انار لے کر وہ اپنی بھوک مٹاتا تھا اور اس کے لیے وہاں پانی کا ایک چشمہ انگلی کے برابر جاری کر دیا جس سے وہ اپنی پیاس بجھایا کرتا تھا اور پھر اس نے یہ بھی تمنا کی کہ میری موت اس حالت میں آوے کی میں نماز میں سجدے کی حالت میں ہوں؛ تاکہ میرا یہ جسم قیامت تک اسی طرح سجدے کی حالت میں رہے، اس کی یہ ساری تمنائیں پوری کی گئیں۔

## اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہے

موت کے بعد جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں پیش کیا گیا تو اللہ تبارک

---

(۱) مسند البزار، عَن أَنَس رَضِيَ اللهُ عَنهُ، مسند أبي حمزة أنس بن مالك رضي الله عنه.

وتعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو میرے فضل سے جنت میں لے جاؤ۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ "۵۰۰" سال تک اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کی اور اب بھی اس کے فضل سے جنت میں جاؤں! بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: وَلاَ أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ: اے اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَةٍ: میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے (۱)۔

## "میں تو غفّار ہوں" تو نے خود ہی کہا

بہر حال! اس کے دل میں جب یہ خیال آیا تو اللہ تبارک تعالیٰ تو دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، فرشتوں سے کہا کہ ذرا اس کو جہنم کے قریب لے جاؤ، چنانچہ فرشتے جہنم کے قریب لے گئے، ابھی تو جہنم بہت دور تھی، جوں جوں قریب آتی گئی، اس کی گرمی اور اس کی تمازت کی وجہ سے اس کی بے چینی بڑھتی گئی، پیاس محسوس ہونے لگی اور یہ پیاس بڑھتے بڑھتے انتہا کو پہنچ گئی، اب اس کی زبان پر پانی، پانی، پانی کے الفاظ ہیں لیکن وہاں کہاں سے پانی آتا، اتنے میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں پانی کا گلاس لے کر جا رہا تھا، اس سے کہا: ارے بھائی! پانی دے دو نا، مجھے بہت پیاس لگی ہے، فرشتے نے کہا کہ یہ مفت میں نہیں ملے گا، اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، اس

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب القصد و المداومة على العمل.

نے کہا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ کہا کہ ''۵۰۰'' سال کی عبادت، اس نے کہا کہ میرے پاس ''۵۰۰'' سال کی عبادت ہے، لے لے اور مجھے پانی دے دے۔ فرشتے نے لے لی، اور اس نے پانی لے کر پی لیا پھر فرشتے اس کو لے کر باری تعالیٰ کے پاس آئے، باری تعالیٰ نے فرمایا: اپنی عبادت کی قیمت دیکھ لی؟ ہم نے تجویز نہیں کی، تو نے ہی تجویز کی، تو نے ہی ایک گلاس پانی کی قیمت اپنی ''۵۰۰'' سال کی عبادت طے کی ہے، اب یہ جو تو ''۵۰۰'' سال تک روزانہ اتنے گلاس پانی پیتا رہا، انار کھاتا رہا، ہماری پیدا کی ہوئی ہوا سے سانس لیتا رہا، ہمارے سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا رہا، اس کا حساب لاؤ، اس نے دل میں کہا کہ اب تو مر گئے تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو میرے فضل سے جنت میں لے جاؤ تو وہ سیدھا سیدھا جنت میں چلا گیا۔

## نیت باندھے صف میں کھڑے ہیں سب اپنے اپنے خیال میں

تو ہماری عبادتوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ ہماری نمازوں کی حقیقت ہم جانتے ہیں، جب نماز کے لیے نیت باندھتے ہیں تو ہمارے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہوتی ہے، ہر آدمی اپنے دل سے پوچھ لے، اس نماز پر تو گرفت اور پکڑ ہونی چاہیے، چہ جائیکہ اس پر انعام دیا جاتا، اگر اللہ تبارک تعالیٰ قبول کرلیں تو یہ اس کا احسان ہوگا بہر حال! ہماری عبادت کی وجہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

## ہماری عبادت سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا

مسلم شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حدیثِ قدسی ہے، بہت

لمبی چوڑی روایت ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ جب اس حدیث کو روایت کرتے تھے تو اس کی عظمت اور اہمیت کے پیشِ نظر دوزانو بیٹھ جاتے تھے، اس کے اخیر میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، سب کے سب ایسے بن جائیں، جیسے دنیا میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہے، اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، پوری انسانیت میں اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گویا سب لوگ ایسے فرماں بردار بن جائیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سب کے اس طرح فرماں بردار بن جانے سے میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

## من نگردم پاک از تسبیحِ شاں

آگے فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار، سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، اس کی طرح بن جائیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان کون ہے؟ شیطان! یعنی تم سب کے سب شیطان کی طرح بن جاؤ، کوئی

اللہ کا حکم ماننے والا نہ رہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی (۱)۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سب سے بے پرواہ ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج نہیں ہیں، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں |

## ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب

ان بندوں کے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اس کی وجہ سے پاک ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مطلب کیا ہے؟ سبحان اللہ کا مطلب ہے: ''میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں'' یا ''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے'' جو بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو سبحان اللہ کہہ کر اللہ کی پاکی اور تنزیہ بیان کرتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھاری سبحان اللہ کہنے سے تھوڑا میں پاک ہوتا ہوں بلکہ ہماری گندی زبانیں سبحان اللہ کہنے سے پاک ہوتی ہیں، ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں بلکہ ہماری زبانیں تو اس لائق بھی نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں، فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے:

| |
|---|
| ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب |
| ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است |

کہ میں اپنا منہ مشک وگلاب سے ہزار مرتبہ دھولوں پھر بھی اے اللہ! تیرا نام لینا کمال بے ادبی کی بات ہے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنا نام لینے کی اجازت نہیں بلکہ حکم دیا۔

## مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

میں تو یوں کہتا ہوں کہ اذان کی آواز سن کر بندوں کو اللہ کے اس احسان پر لوٹ پوٹ ہو جانا چاہیے اور سر کے بل دوڑ کر مسجد میں آنا چاہیے اور یہاں اذان کی آواز سننے کے بعد بھی ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ مسجد کی طرف قدم اٹھتے نہیں ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ وَالْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ کہ بڑی بے مروتی اور بڑی بے رخی بلکہ کفر و نفاق کی بات ہے کہ اللہ کا منادی یعنی مؤذن اللہُ أَكْبَرُ اور حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کی آواز دے کر دعوت دے رہا ہے اور بندہ مسجد کی طرف نہ جاوے (۱)۔

## مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

یہ مسجد تو بن گئی، یہ نیکی کا کام ہوا لیکن یہ ہمارے خلاف حجت بھی بن سکتی ہے، قرآن کے متعلق ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ کہ قرآن تمھارے حق میں حجت ہے یا تمھارے خلاف (۲)۔ اگر عمل کرو گے تو تمھارے حق میں تمھاری سفارش کرے گا اور عمل نہیں کرو گے تو تمھارے خلاف حجت بنے گا۔ یہی حال مسجد کا بھی ہے، مسجد بن تو گئی، بقول علامہ اقبال کے:

| |
|---|
| مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے |
| من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا |

---

[ ۱ ] مسندِ احمد، عَنْ سَهْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، حديث معاذ بن أنس الجهني رضي الله عنه.

[ ۱ ] مسلم شريف، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْعَرِيِّ رضي الله عنه، باب فَضْلِ الْوُضُوءِ.

## کچی مسجدیں پکے نمازی

اس لیے ضرورت ہے کہ مسجد کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کیا جائے، اتنی شان دار مسجد ہے تو نمازیں بھی تو شان دار ہونی چاہئیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد کیا تھی؟ مٹی کی کچی دیواریں اور کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کے پتوں کے چھت تھی، یعنی کچی سے کچی مسجد تھی لیکن ان کی نمازیں کیسی تھیں! اور آج ہم مسجدوں کو سجانے میں ساری صلاحیتیں صرف کرتے ہیں، حالاں کہ ضرورت اس کی ہے کہ نمازوں کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔

## دل ہے مسلماں میرا، نہ تیرا

ہماری نمازوں کا جو حال ہے، وہ سب جانتے ہیں، نیت باندھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ بٹن کھول دیا ہو، نماز سے باہر جو خیالات نہیں آتے تھے، وہ سب یہاں شروع ہو گئے، ہمارے دل دنیا بھر کے خیالات کی آماج گاہ بن جاتے ہیں، ویسے نماز میں سب کچھ پڑھ رہے ہیں، ثنا بھی، تعوذ اور تسمیہ بھی، سورۂ فاتحہ بھی، سب کچھ ہو رہا ہے، چار رکعت میں جو کچھ پڑھنا ہے، سب پڑھے گا لیکن میں کہا کرتا ہوں کہ جب وہ سلام پھیرے تو فوراً جا کر اس سے پوچھو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ منہ ہی تکتا رہ جائے گا۔ ابھی آپ بیٹھے ہیں نا تو اپنی ذات سے پوچھ لو کہ ابھی امام صاحب نے پہلی رکعت میں کیا پڑھا تھا؟ نماز میں غفلت کا یہ ہمارا حال ہے۔ ہم نے بچپن میں جس طرح نماز پڑھنا سیکھا تھا، بس اسی طرح چل رہی ہے،

اس کی درستگی کی طرف کبھی ہمارا دھیان جاتا نہیں ہے، یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

## ثواب کے حصول کے لیے پوری مسجد بنوانا ضروری نہیں ہے

اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ مسجد بنوادی، بستی والوں کے لیے یہ بڑی خوشی کا موقع ہے، جن حضرات نے بھی اس میں اپنی جانی، مالی اور دوسری صلاحیتوں کا استعمال کیا ہے، وہ اللہ کے بہت بابرکت بندے ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ مِثْلَہٗ فِي الْجَنَّۃِ: جو آدمی اللہ کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ جنت کے اندر اسی جیسا یعنی اسی شان کا مکان تعمیر فرماتے ہیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ چاہے ''قطا'' پرندے کے گھونسلے کے برابر ہو۔ قطا ایک پرندہ ہے، زمین پر چھوٹا سا گھونسلہ بناتا ہے، اس میں پوری پیشانی بھی نہیں آسکتی، پھر بھی یہ جو کہا گیا تو اس کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ کوئی مسجد نہیں بنائی لیکن مسجد بنانے میں حصہ لیا: ایک مصلے کے پیسے دئے، آدھے مصلے کے پیسے دئے، اپنی استعداد کے مطابق جو کچھ بھی دیا تو اس کے مطابق اللہ تبارک تعالیٰ اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے۔

## تحیۃ المسجد سے ہماری غفلت یا ناواقفیت

اور مسجد کے آداب کا خیال کرنا بھی بہت ضروری ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے آداب بھی بیان فرمائے ہیں: إِذَا دَخَلَ أَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْکَعْ رَکْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ: کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہاں بیٹھنے سے پہلے۔ بشرطیکہ وہ

مکروہ وقت نہ ہو- دو رکعت نماز پڑھ لے [۱]۔ اس کو تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے، یہ نماز تو گویا ہمارے اندر سے بالکل ختم ہوتی جا رہی ہے، مسجد میں آنے کے بعد کسی کو بھی یہ نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، مسجدوں میں آتے ہیں تو بالکل جماعت کے وقت پر اور اس وقت کے فرض کو پڑھ کے چلتے بنتے ہیں۔ کتابوں میں تو تحیۃ المسجد کے نام سے ایک مستقل نماز بتائی جاتی ہے، عربوں نے اس میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا، انھوں نے اسے فرض اور واجب جیسا درجہ دے دیا، جو لوگ وہاں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ اس کا بہت زیادہ، بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور جو اس کو نہیں پڑھتا اس کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہاں، ہمارے یہاں اس کی طرف سے اتنی بے پروائی کہ مسجد میں آنے والے سو آدمیوں میں سے شاید مشکل سے ایک دو آدمی ہوں جو اس کا اہتمام کرتے ہوں، یہ بڑی غفلت کی بات ہے۔

## تحیۃ المسجد کی مشروعیت کی حکمت

ہاں اگر نماز کا وقت ہے اور اس نے سنت کی نیت باندھ لی تو اس کا حق ادا ہو جائے گا، فرض جماعت کھڑی ہو چکی ہے اور اس میں شریک ہو گیا تو اس سے بھی حق ادا ہو جائے گا لیکن اگر نہ سنت پڑھ رہا ہے، نہ اس کا وقت ہے اور نہ فرض کی جماعت کھڑی ہو رہی ہے تو اس صورت میں کم سے کم دو رکعت پڑھنی چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس میں امر کا صیغہ ہے، بعض ائمہ نے اس کو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ، باب إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ.

واجب کے لیے قرار دے کر ان دو رکعتوں کو واجب بھی کہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ مسجد ایک ایسا مکان ہے جو خاص نماز کی ادائگی کے لیے بنایا گیا ہے، اب اگر کوئی آدمی ایسے مکان میں آئے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو کیا کہیں گے؟ میں کہا کرتا ہوں کہ جیسے کوئی آدمی ہوٹل میں جاوے اور ٹیبل پر بیٹھ کر ایسے ہی چلا آئے تو اس کو معیوب سمجھیں گے نا؟ لوگ کہیں گے کہ وہاں گیا ہی کیوں تھا؟ کھانا نہ کھاوے تو اس کو کم سے کم ایک پیالی چائے تو پینی ہی چاہیے تو یہاں کم سے کم دو رکعت تو ادا کرنی ہی چاہیے؛ اس لیے اس کا بھی اہتمام ہو۔

## بدبودار چیز استعمال کر کے مسجد میں آنے سے پرہیز ضروری ہے

بدبودار چیز استعمال کر کے اس بدبو کے ساتھ مسجد میں جانے کی ممانعت آئی ہے، آج کل سگریٹ، بیڑی پینے والے بہت سے حضرات یونہی مسجد کے اندر آجاتے ہیں، خاص کر رمضان کے مہینے میں کہ دن بھر کے صبر کے بعد افطار کے وقت شروع کر دیتے ہیں، گھر سے افطار کے بعد بیڑی پیتے پیتے چلتے ہیں اور مسجد کے دروازے پر آ کر اس کو پھینک دیتے ہیں اور جلدی سے کُلّی کر لیتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ مرنے والا جب مرتا ہے تو اس کی سانس تیز ہو جاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کی عمر کا وقت بھی مقرر کر دیا ہے اور سانسیں بھی مقرر کر دیں، اب وقت تو رہ گیا پانچ منٹ کا اور سانسیں بہت باقی ہیں؛ اس لیے سانسیں تیز ہو جاتی ہیں؛ تاکہ سانسوں کا حساب بھی پورا ہو جائے اور وقت کا حساب بھی پورا ہو جاوے، اسی طرح اس کی بیڑی

کی سانسیں بھی مقرر ہیں اور کوٹا بھی مقرر ہے، اس کو بھی گویا پورا کرنا ہے؛ اس لیے جلدی جلدی سانس لے کر اس کو پورا کرتا ہے اور اس کو ادھر ڈالی اور دوسری طرف اللہ اکبر بھی کہہ دیا، اب جو بدبودار سانس لیتا ہے تو دو چار آدمیوں کی حالت خراب کر ڈالتا ہے تو فرشتوں کا کیا حال ہوتا ہوگا! بھائی! اس سے بچنے کا اہتمام کرو۔

## مسجد کے جملہ آداب کی رعایت کیجیے

اسی طرح مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوهُمْ فَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ[1]: کہ ایک وقت آئے گا کہ مسجد کے اندر لوگ بیٹھ کر کے دنیا کی باتیں کریں گے؛ اس لیے اپنے آپ کو اس طرح مسجد میں باتوں میں مشغول کرنے سے بچانا چاہیے۔ تو بہر حال مسجد کے آداب کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

مسجد تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے تیار ہوگئی، اب بستی کے ہر فرد کا فریضہ ہے کہ مسجد والے اعمال کر کے اس کو آباد کرے، اس موقع پر اصل مقصد خوشی اور مسرت کا اظہار اور محسنین کے شکر کی ادائگی اور یہ سب کچھ الحمد للہ ہو چکا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس عمل کو قبول فرماوے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، كتاب الرقاق.

# بندوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی بارش

# اور

# ان نعمتوں کے بارے بندوں کا حال

بمقام: سورتی مسجد، رنگون

بوقت: ۲۰۱۳/۱/۳۰ بعد الفجر

# اقتباس

کسی کے دل کا کیا حال ہے؟ ہم اور آپ نہیں جانتے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہر ایک کا مقام تقوے پر ہے، اللہ کا ڈر، اس کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ، اللہ نے اس کے اندر کتنا رکھا ہے، اس کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مقبولیت ہے، ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [الحجرات: ۱۳]: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور یہ خاندان اور قبیلے تو محض پہچان کے لیے بنائے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، ان خاندانوں کی بنیاد پر کوئی آدمی اپنے آپ کو ہرگز بڑا نہ سمجھے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ: تم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور باعزت وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، اس کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد واله وأصحابه أجمعين، أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحشر:۱۰]

وقال النبی ﷺ لخادمه أنس رضی الله عنه: يَا بُنَيَّ، إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لأَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِي: يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الجَنَّةِ.

[سنن الترمذی، أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه، باب مَا جَاءَ فِی الأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ.]

## اللہ تعالیٰ کی مختلف اور متنوع نعمتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے ہمیں ڈھانپ رکھا ہے، ہر لمحہ، ہر گھڑی ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت سی نعمتیں تو وہ ہیں جو کائنات کی ہر مخلوق کو شاملِ حال ہیں: سورج کی روشنی، چاند کی روشنی، ہوا، زمین، پانی یہ ساری چیزیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات میں پیدا فرمائیں، ان نعمتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔

## انسان کے ساتھ مخصوص نعمتیں

کچھ نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائیں: ایک مخصوص

قسم کا جسم اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا پھر اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف قسم کی صلاحیتیں عطا فرمائیں: دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان، بولنے کے لیے زبان، سوچنے، سمجھنے اور یادرکھنے کے لیے دل و دماغ عطا فرمایا، ہاتھ، پاؤں دیئے، مختلف قُویٰ اور صلاحیتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائیں۔

## انسان کو کم زیادہ ملنے والی نعمتیں

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بعض نعمتیں وہ ہیں جو بعض انسانوں کو زیادہ اور بعض کو کم دی گئی ہیں، بعض کو دیں اور بعض کو نہیں دی ہیں: دولت وثروت ہے جو بعض کے پاس زیادہ ہے، بعض کے پاس کم ہے۔ علم وعمل ہے، بعض کے پاس زیادہ ہے، بعض کے پاس کم ہے۔ عہدہ اور منصب ہے، بعض کے پاس ہے، بعض کے پاس نہیں ہے۔ حسن وجمال ہے جو بعض کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زیادہ مقدار میں عطا فرمایا اور بعض کو کم مقدار میں عطا فرمایا۔

## مانگے بنا ملی ہیں زمانہ بھر کی نعمتیں

کچھ نعمتیں وہ ہیں جو مخصوص طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ جو مخصوص قسم کی نعمتیں ہیں، ان نعمتوں میں بھی بعض نعمتیں تو وہ ہیں جن کے متعلق ہر صاحبِ نعمت یہ سمجھتا ہے کہ اس نعمت کے حاصل ہونے میں میری کسی کوشش اور سعی کا دخل نہیں، مثال کے طور پر حسن اور جمال ہے، کوئی آدمی حسین وجمیل ہے، اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو یہ نعمت عطا فرمائی تو وہ آدمی خود بھی

سمجھتا ہے کہ یہ حسن و جمال والی نعمت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے نعمت عطا فرمائی ہے، اس میں میری کسی کوشش اور سعی کا دخل نہیں، محض اللہ کا فضل ہے۔ اسی طریقے سے حسنِ صوت ہے، اچھی آواز ہے، اس کے متعلق خود آپ بھی سوچیں گے کہ اس کے لیے آپ نے کوئی محنت نہیں کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی۔

## دولت وثروت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے

اور بعض نعمتیں وہ ہیں جن کے متعلق بعض لوگوں کو یہ خیال اور گمان ہوتا ہے کہ اس میں میری محنت اور سعی کو دخل ہے، جیسے دولت اور ثروت ہے: ایک تاجر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے دولت وثروت عطا فرمائی ہے، اب اس کو پوچھیں گے تو وہ کہے گا کہ میں نے محنت کی اور بہت خون پسینہ ایک کرنے کے بعد مجھے یہ دولت ملی ہے، حالاں کہ اگر اس میں دیکھا جائے تو یہ بھی محض اللہ کا فضل ہے، اس کو کہا جائے کہ تو جتنی محنت کر رہا ہے تو ذرا اپنے ارد گرد نظر دوڑا، تو دیکھے گا کہ اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے تو جتنی محنت کرتا ہے اتنی بلکہ اس سے زیادہ محنت کرنے والے تیرے درمیان میں موجود ہیں لیکن ان کے پاس اتنی دولت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ دولت وثروت کی کثرت بھی محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔

## علم وفضل بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے

ایک آدمی کے پاس علم وعمل ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی محنتوں سے راتوں کو جاگ کر، اساتذہ کی خدمت کر کے بڑے مجاہدے سے یہ علم حاصل کیا ہے،

عمل کے لیے میں نے مجاہدہ کیا لیکن وہاں پر بھی یہی بات ہے: ایک کے پاس اعلیٰ قسم کی ڈگری ہے، اس سے کہا جائے کہ تیرے پاس جو یہ ڈگری ہے، تو نے اس کو حاصل کرنے کے لیے جتنی محنت کی تو تو جس جماعت میں پڑھتا تھا، تیرے ساتھیوں میں بہت سے ایسے تھے جو اتنی بلکہ اس سے زیادہ محنت کرتے تھے لیکن ان کو یہ علم حاصل نہیں ہوا جو تجھے ملا، معلوم ہوا کہ یہ بھی محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔

## صلاح وتقویٰ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے

صلاح وتقویٰ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا، نماز پڑھنے کی توفیق دی، اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق دی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی گناہوں سے بچنے کی توفیق دی، اس میں بھی آدمی کی اپنی محنت کو دخل نہیں ہے، یہ بھی محض اللہ کا فضل ہے، کوئی یہ سمجھتا ہو کہ میں نے محنت ومجاہدہ کیا، ریاضتیں کیں، اس کے نتیجے میں یہ چیز مجھے حاصل ہوئی تو ایسی بات نہیں ہے، ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾: اہلِ علم اس مجلس میں موجود ہیں، اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نیک نہیں بن سکتا تھا، وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں نیک بناتے ہیں، نیک کام کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ہم نے اور آپ نے جماعت کے ساتھ فجر کی دو رکعت ادا کرلیں، یہ بھی محض اللہ کی توفیق ہے، وہ اگر ہمیں توفیق نہ عطا فرماتا تو ہماری طاقت نہیں تھی، ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ [النجم: ۳۲]

اپنی پا کی بیان مت کرو، یوں مت سمجھو کہ میرا گناہوں سے دور رہنا یہ میرا کمال ہے، نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ چیز عطا فرمائی ہے، دنیوی اور اخروی کوئی ایسی نعمت نہیں ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا دخل نہ ہو، مال ودولت کا بھی یہی حال ہے۔

## ایک احمق مال دار اور فقیر عالم

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی سفر کر رہا تھا، ساتھ میں اونٹ تھا جس پر بوجھ لادر کھا تھا، اس کی دونوں طرف دو بوریاں رکھی تھیں اور وہ خود پیدل چلا جا رہا تھا، ایک دوسرا آدمی جو پڑھا لکھا تھا، اس سفر میں اس کے ساتھ ہو گیا، اس نے پوچھا کہ ان بوریوں میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک بوری میں گیہوں اور دوسری میں ریت بھری ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کی اس ریت کی کیا ضرورت ہے؟ پورا صحرا پڑا ہے، جتنی چاہے لے لو تو اس نے کہا کہ یہ توازن اور بیلنس (balance) باقی رکھنے کے لیے ایسا کیا ہے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! توازن باقی رکھنے کے لیے تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ اس بوری کے گیہوں کو آدھا آدھا کر کے دو بوریوں میں بھر دیتا تو توازن بھی برقرار رہتا اور اونٹ کا بوجھ بھی کم ہو جاتا۔ اس کی سمجھ میں بات آ گئی کہ واقعی ایسا کرنا بہتر تھا، اس نے اس بوری میں سے گیہوں نکالے اور دو حصوں میں تقسیم کر کے بیلنس برابر کر دیا۔

## رزق کا مدار علم وعقل پر نہیں ہے

اب وہ دیہاتی اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس نے اتنا اچھا مشورہ مجھے دیا،

اتنی اچھی بات بتائی تو یہ بڑا عقل والا ہے، اس کے پاس تو مجھ سے زیادہ مال و دولت ہوگی۔ اس نے پڑھے لکھے آدمی سے پوچھا کہ تمھارے پاس اونٹ کتنے ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ پوچھا: گائیں کتنی ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں، پوچھا: بکریاں کتنی ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ یہ جس مال کے متعلق بھی پوچھتا ہے، وہ انکار کرتا ہے تو وہ دیہاتی اس سے کہتا ہے: تو بڑا منحوس آدمی ہے، تیرے مشورے پر میں عمل نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس نے دوبارہ وہ گیہوں ایک بوری میں کر کے ریت والی بوری دوسری طرف رکھ دی۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دولت وثروت علم وعقل کے ذریعہ نہیں آتی، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر دولت عقل سے آتی تو دنیا میں جتنے کم عقل لوگ ہیں، سب بھوکے مرتے، حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ہمارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، وہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ہمیں ملی ہیں، چاہے وہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت ہو۔

## نعمتوں کے اعتبار سے بندوں کی دو حالتیں

اب ان نعمتوں کی وجہ سے بندوں کے جو حالات ہیں، وہ دو طرح کے ہیں: بعض بندے وہ ہیں جن کے پاس ایک نعمت ہے اور بعض وہ ہیں جن کے پاس وہ نعمت نہیں ہے۔ مثلاً دولت وثروت، بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس نہیں ہے، عہدہ اور منصب بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس نہیں ہے، حسن وجمال بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس نہیں ہے، علم وکمال بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس

نہیں ہے۔ اب جن کے پاس ہے تو ان کا حال یہ ہے کہ جن کے پاس وہ نعمت نہیں ہے ان کے متعلق ان کے دلوں میں حقارت کا جذبہ ہوتا ہے، جیسے جس آدمی کے پاس دولت ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس دولت ہے؛ اس لیے میں بڑا ہوں اور اس کے پاس دولت نہیں ہے؛ اس لیے یہ مجھ سے چھوٹا اور حقیر ہے۔ جس کے پاس علم و کمال ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں علم والا ہوں؛ اس لیے میں بڑا ہوں اور یہ جاہل ہے؛ اس لیے مجھ سے کمتر ہے۔ جس کے پاس حسن و جمال ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا حسین و جمیل اور صاحبِ کمال ہوں، اس کے پاس حسن نہیں ہے؛ اس لیے یہ مجھ سے گھٹیا ہے تو جن کے پاس نعمتیں ہیں وہ ان لوگوں کے بارے میں تحقیر کا جذبہ رکھتے ہیں جن کے پاس وہ نعمتیں نہیں ہیں۔

## حسد کی حقیقت

دوسری طرف جن کے پاس یہ نعمتیں نہیں ہیں، ان کے دلوں کا حال یہ ہے کہ جن کو یہ نعمتیں ملی ہیں، ان کے متعلق حسد کا جذبہ رکھتے ہیں کہ ان سے یہ نعمتیں چھن جائیں تو اچھا ہے۔ جس کے پاس مال و دولت نہیں ہے، وہ دل میں یہ سوچتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو کیوں مال و دولت دیا، اس کے پاس سے چھن جائے تو بہتر ہے، یہی حسد ہے۔ بدصورت آدمی حسین و جمیل کے بارے میں سوچتا ہے کہ اس کو حسن و جمال کیوں ملا ہے، اس کے پاس سے چھن جانا چاہیے۔

## کُبڑے کی خواہش

جیسا کہ کتابوں میں ہے کہ ایک کُبڑا تھا، اس سے کسی نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا

ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ سب کُبڑے بن جائیں، حالاں کہ وہ یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ میرا کُبڑاپن دور ہوجائے اور سب کی طرح اچھا ہوجاؤں لیکن وہ ساری دنیا کو کُبڑا بنانے کا جذبہ رکھتا ہے۔

## کِبر وحسد دونوں ہی مذموم جذبے ہیں

تو جس کے پاس نعمتیں نہیں ہوتیں، وہ اصحابِ نعمت کے بارے میں حسد کا جذبہ رکھتا ہے، کینہ اور بغض رکھتا ہے، شریعت ان دونوں قسم کے جذبات میں سے کسی کی اجازت نہیں دیتی۔ شریعت نعمت والوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تم اپنے دل میں ان لوگوں کو جن کے پاس نعمت نہیں ہے حقیر سمجھو، اللہ کے بندوں میں سے کسی کو بھی حقیر سمجھنے کی اجازت نہیں ہے، نعمتیں چاہے دنیوی ہو تو بھی اجازت نہیں اور اخروی نعمتیں ہو تو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

## دورِ رسالت کا ایک واقعہ

چناں چہ بخاری شریف میں ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا، اس نے شراب پی رکھی تھی اور شراب پینے کی شریعت نے جو سزا مقرر کی ہے، وہ اس پر جاری ہوئی تھی۔

شراب پہلے حلال تھی، اس کے بعد اس کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا، بڑی تعداد تو ان حضرات کی تھی جنھوں نے حکم نازل ہوتے ہی اس کو پینے سے خود کو بچا لیا لیکن اللہ کے بعض بندوں سے چوک ہوجاتی تھی۔

## دلوں کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے

اب اس آدمی سے دوبارہ یہ حرکت صادر ہوئی، سہ بارہ صادر ہوئی، تیسری بار جب ایسا ہوا اور ان پر سزا جاری کی گئی تو مجلس میں سے ایک آدمی نے کہا: اللَّهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ: اس پر اللہ کی لعنت ہو، اس کو کتنی مرتبہ شراب پینے کے جرم میں لایا جاتا ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (۱): لعنت مت بھیجو؛ کیوں کہ میں جہاں تک جانتا ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

## عند اللہ مقبولیت کا مدار تقویٰ پر ہے

کسی کے دل کا کیا حال ہے؟ ہم اور آپ نہیں جانتے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہر ایک کا مقام تقوے پر ہے، اللہ کا ڈر، اس کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ، اللہ نے اس کے اندر کتنا رکھا ہے، اس کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مقبولیت ہے، ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [الحجرات: ۱۳]: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور یہ خاندان اور قبیلے تو محض پہچان کے لیے بنائے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، ان

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضي الله عنه، باب مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلَّةِ.

خاندانوں کی بنیاد پر کوئی آدمی اپنے آپ کو ہرگز بڑا نہ سمجھے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ: تم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور باعزت وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، اس کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہو۔

## کسی کے ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ (۱): ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کی حق تلفی نہیں کرتا، وَلَا يَخْذُلُهُ: اور اس کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، کوئی دوسرا اس پر ظلم کرتا ہے تو یہ اس کو ظلم کرنے سے روکتا ہے، اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، وَلَا يَحْقِرُهُ: اور اس کو حقیر بھی نہیں سمجھتا۔ یہ ارشاد فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: التَّقْوَى هَاهُنَا: سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقوی یہاں دل میں ہے۔ کس کے دل میں کتنا تقوی ہے، اس کو ناپنے کا کوئی تھرمامیٹر دنیا میں نہیں ہے، اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کے دل کی کیا کیفیت ہے اور جیسی کیفیت ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ویسا معاملہ کیا

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ.

جائے گا۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ (۱): ایک آدمی کی برائی کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو، پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس ہو، بالکل خستہ حال ہو، مال و دولت کچھ نہیں ہے، اس کی اس خستہ حالی کی وجہ سے شریعت اس کو حقیر سمجھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔

## آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ تَنْبُو عَنْهُ أَعْيُنُ النَّاسِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ (۲) بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پراگندہ بال، بکھرے ہوئے بال، میلے کچیلے کپڑے والے، دو معمولی چادریں پہنے ہوئے، جن پر لوگوں کی نگاہ ٹکتی نہیں ہے۔ معمولی کپڑا ہوتا ہے نا تو آدمی نگاہ ہٹا لیتا ہے، عمدہ کپڑا ہوتا ہے تو ذرا دیکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہیں وہاں معمولی لباس کی وجہ سے ٹکتی نہیں ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اس کو اس قسم میں بری کردیں،

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ.

(۲) ترمذی میں یہ حدیث الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ موجود ہے: كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ (عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَنَاقِبِ الْبَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه.) دلائل النبوۃ اور مسند ابی یعلی وغیرہ میں بھی یہ حدیث کسی قدر تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

انہی میں سے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں، ان کے یہ بھائی ہیں، بہت سادہ، چھریرے بدن والے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ان کے متعلق فرمایا۔

## فقر کے ہیں معجزات تاج وسریر وسپاہ

روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کئی دنوں سے تستر کا قلعہ فتح کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی، اس لشکر میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، لوگوں نے ان کو پکڑ لیا اور کہا کہ آپ کو دعا کرنی پڑے گی؛ کیوں کہ تمھارے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ: اگر وہ اللہ کے اوپر قسم کھالے یعنی اللہ کی قسم کھالے تو اللہ بری کر دے؛ اس لیے آپ کو دعا کرنی پڑے گی، چناں چہ انھوں نے دعا کی: اے اللہ! ان دشمنوں پر ہمیں فتح عطا فرما اور قلعہ کو فتح کرنے کی ہماری کوششوں کو کامیابی سے ہم کنار فرما اور مجھے تیرے حبیب سے ملا دے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، جنگ ہوئی، یہ تو شہید ہو گئے لیکن قلعہ فتح ہو گیا(۱)۔

## جو فقر سے ہے میسر، تونگری سے نہیں

تو اللہ کے بہت سے بندے ہمیں معمولی معلوم ہوتے ہیں، ان کی حیثیت ہم لوگ سمجھتے نہیں ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کی حیثیت اور مقام بہت اونچا ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرے میں جھونپڑوں

میں آگ لگی اور بہت سارے جھونپڑے جل گئے، ایک جھونپڑا جو درمیان میں تھا، سلامت رہا، لوگوں نے اس کے مالک سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ تیرے آس پاس والے جھونپڑے جل گئے لیکن تیرا جھونپڑا بچ گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو قسم دی تھی کہ اے اللہ! میرا جھونپڑا جلنے نہ پائے۔ (فیض القدیر ۱۵/۴)

## کسی مخلوق کی تحقیر خالق کی تحقیر ہے

علامہ عبد الرؤف مناویؒ نے لکھا ہے کہ بعض عارفین یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی حقیر مت سمجھو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس کو پیدا کیا تو اس کی طرف توجہ فرمائی، تبھی تو وہ وجود میں آیا، اس سے پہلے تو وجود میں آ نہیں سکتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی توجہ جس کی طرف مبذول فرمائیں، اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔ اب تم کون ہوتے ہو اس کو حقیر سمجھنے والے، اس کی تحقیر درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی تحقیر ہے۔ (فیض القدیر ۱۶/۴) جیسے کسی درزی نے ایک کپڑا بنایا، اس کے بنائے ہوئے کپڑے کو کوئی یوں کہے کہ بہت خراب سیا ہے تو کیا ہوگا؟ کس کی تحقیر ہوگی؟ کس کی توہین ہے؟ بنانے والے کی تحقیر ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کسی مخلوق کو حقیر سمجھنا- نعوذ باللہ - اللہ تبارک وتعالیٰ کی تحقیر ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

## زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم ان کا شہر ہیں

شمائل میں واقعہ ہے، ایک صحابی تھے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ، دیہات کے رہنے

(۱) البداية والنهاية ۹۹/۷، ذكر فتح تستر ثانية وأسر الهرمزان وبعثه إلى عمر بن الخطاب.

والے تھے، وہ بدصورت تھے، حسین وجمیل نہیں تھے، دیہات سے مدینہ منورہ آتے تھےتو جب آتے تھےتو دیہات کی جو چیزیں ہوتی ہیں: دودھ چھاچھ، گھی، سبزی، ترکاری وغیرہ وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہدیے کے طور پر لے آتے تھے اور جب واپس جاتے تھےتو شہر کی چیزیں جن کی دیہات والوں کوضرورت ہوتی ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو خرید کر دیا کرتے تھے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم ان کا شہر ہیں یعنی دیہات کے رہنے والے کو شہر کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ہم وہ پوری کرتے ہیں اور ایک شہر کے رہنے والے کو دیہات کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو یہ زاہر پوری کرتے ہیں۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تم کم قیمت نہیں ہو

ایک مرتبہ دیہات سے کچھ چیزیں بیچنے کے لیے لائے تھے، وہ بیچ رہے تھے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے آکر ان کی ''کولی'' بھر لی- آپ پیچھے سے جاکر جس طرح پکڑتے ہیں نا- اور ان کی آنکھیں بند کر دیں۔ اب یہ ''کون ہیں؟ چھوڑو! کون ہیں، چھوڑو!'' کہہ رہے ہیں۔ یہ منظر سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں انھوں نے محسوس کیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، پھر تو انھوں نے اپنی پیٹھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ اور بھی زیادہ چپکانے کی کوشش کی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يَشْتَرِي منِي هٰذَا الْعَبْدَ؟: کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خریدے؟ انھوں نے کہا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ بحیثیت غلام کے

مجھ کو بیچیں گے تو چوں کہ میں تو بڑا بدصورت آدمی ہوں؛ اس لیے بہت کم قیمت آئے گی، اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تم کم قیمت نہیں ہو(۱)۔

## خود کو کسی مخلوق سے بہتر سمجھنا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے

تو کسی کی ظاہری حالت کی وجہ سے شریعت اس کو کم سمجھنے کی اجازت نہیں دیتی، آج کل معاشرے میں ان گناہوں میں مبتلا ہو کر اللہ کے عذاب کو دعوت دی جا رہی ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں سے کسی ایک سے بھی بہتر سمجھا تو اپنی حماقت سے اس نے اپنے اعمال کو ضائع کیا(۲)۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر مسلمان سے فی الحال اور ہر کافر سے فی المآل اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں یعنی مسلمانوں سے تو فی الحال کمتر ہوں اور کافر سے مستقبل میں کمتر ہوں؛ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اسلام کی توفیق دے دے اور اس کا مقام مجھ سے بڑھ جائے؛ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے دل میں کسی کی تحقیر نہ لائی جائے۔

## حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لگاؤ

طبقات ابن سعد میں واقعہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جب

(۱) الشمائل للترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۲) احیاء العلوم ۲/ ۱۸۸

سورج غروب ہوا اور وہاں سے مزدلفہ کی طرف چلنے کا وقت آیا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار روانگی کے لیے تیار ہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں، اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یمن کے اونچے گھرانے، شاہی گھرانے کے کچھ لوگ تھے، وہ سوچنے لگے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ اتنے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت لاڈلے تھے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے تو ان کے صاحب زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے، ''حِبُّ الرسول'' ان کا لقب تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے، چہیتے اور عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر انہی کو اپنے پیچھے بٹھاتے تھے، تو حجۃ الوداع کے موقع پر جب عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلنے کا وقت آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتظار کر رہے ہیں۔ اس وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے گئے تھے، وہ فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، یہ یمن کے شاہی گھرانے کے لوگ ان کو پہچانتے نہیں تھے، بہرحال! جب وہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا اور روانہ ہو گئے۔

## اہلِ یمن کے فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہونے کی وجہ

یہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بالکل چھریرے بدن کے تھے، ناک چپٹی، سیاہ فام یعنی سانولے رنگ کے تھے، دیکھنے میں کچھ زیادہ حسین نہیں تھے، ان کو دیکھ کر یمن کے

شاہی گھرانے کے لوگ کہنے لگے کہ ارے! ان کی وجہ سے ہم کورکنا پڑا۔ اس واقعے کو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے صاحبِ طبقات نے نقل کیا ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد صاحبِ طبقات نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جملہ نقل کیا ہے: ولِذا كَفَرَ اهلُ اليمنِ من أجل ذلک۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد پھیلا، بہت سے لوگ مرتد ہو گئے، تو فرماتے ہیں کہ یمن کے یہ قبیلے جو ارتداد میں مبتلا ہوئے، ان کے اس جملے کی وجہ سے مبتلا ہوئے۔ (یعنی انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر جب کہا تھا: ”ارے! ان کی وجہ سے ہم کورکنا پڑا“ اس جملے کی نحوست کی وجہ سے ان کو ارتداد کے فتنے میں مبتلا ہونے کی نوبت آئی۔) صاحبِ طبقات کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ اپنے استاذ یزید بن ہارون — جو بہت بڑے محدث ہیں — کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے اس کا یہی مطلب مجھ سے بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ کسی کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے انسان کو ایسے فتنوں میں بھی مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

## دین دار کسی بے دین کو حقیر نہ سمجھے

آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ جو لوگ دین سے دور ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے وہ دین پر آتے ہیں لیکن دین پر آنے کے بعد وہ دوسرے لوگوں کو جو دین پر نہیں ہیں، ان کو حقیر سمجھتے ہیں، ان کے متعلق اپنے دلوں میں حقارت کا جذبہ رکھتے ہیں، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں

گناہوں سے بچنے کی توفیق دی ہے تو یہ اس کا احسان ہے، اس کا کرم ہے، ہمارے کسی کمال کو اس میں دخل نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی بھی بندے کو حقیر نہ سمجھا جائے، دل میں کسی بھی مسلمان کے متعلق غلّ وغش نہ ہو، میل نہ ہو۔

## متقدمین کے لیے متاخرین پر واجب حق

میں نے ایک تو آیت پیش کی تھی ''وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ''سورۂ حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین اور اس کے بعد انصار کا تذکرہ کر کے تیسرے نمبر پر فرمایا کہ جو ان کے بعد آئے، ان کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ: اے اللہ! تو ہماری مغفرت فرما اور جو لوگ ہم سے پہلے ایمان لائے، ان کی بھی مغفرت فرما، وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کوئی میل مت رکھ۔ اس دعا کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

## دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی: يَـا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لأَحَدٍ فَافْعَلْ: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ تم صبح وشام ایسی حالت میں کرو کہ تمھارے دل میں کسی کے متعلق میل نہیں ہے، کسی کا کینہ نہیں ہے، حسد نہیں ہے تو ایسا ضرور کرو، ثُمَّ قَالَ لِي: اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي: اے میرے پیارے

بیٹے! یہ میری سنت ہے، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي: اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے مجھ سے محبت کی، وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الجَنَّةِ: اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا(۱)۔

## دورِ رسالت کا ایک واقعہ

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ نے معارف القرآن میں مسندِ احمد کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی ایک جنتی آدمی آرہا ہے۔ صحابہؓ چوکنے ہوگئے کہ دیکھو! کون آرہا ہے؟ ایک صحابی داخل ہوئے، تازہ وضو کیا ہوا تھا، پانی ٹپک رہا تھا، بائیں ہاتھ میں جوتے پکڑے مسجد میں آئے اور ایک کونے میں دو رکعت تحیۃ المسجد کی نیت باندھی اور نماز سے فارغ ہوکر مجلس میں شریک ہوگئے، ان کو پتہ نہیں کہ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ دوسرے دن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح تشریف فرما ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور آپ نے فرمایا: ابھی ایک جنتی آدمی آرہا ہے۔ وہی صحابی رضی اللہ عنہ، کل والی حالت میں، وضو کیا ہوا تھا، پانی ٹپک رہا تھا، بائیں ہاتھ میں جوتے پکڑے مسجد میں آئے اور کل ہی کی طرح دو رکعت تحیۃ المسجد کی ادا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آکر

(۱) سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِي الأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ.

شریک ہو گئے۔ ان کو پتہ نہیں کہ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمایا ہے۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔

## دل کا کینے سے خالی ہونا جنت میں داخلے کا باعث ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انھوں نے سوچا کہ آخر ان میں ایسا کون سا کمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن سے ان کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت دے رہے ہیں، اس کی تحقیق ہونی چاہیے، انھوں نے باہر آکر ان سے کہا کہ آج میرا گھر والوں کے ساتھ کچھ ناگواری کا معاملہ ہو گیا ہے، میں نے سوچا ہے کہ میں تین دن تک گھر نہیں جاؤں گا، کیا آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیتے ہیں؟ انھوں نے اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں تین دن ان کے ساتھ رہا اور ان کے اعمال کو بغور دیکھتا رہا کہ ان کا کون سا عمل ایسا ہے جو ان کو جنتی ٹھہرا رہا ہے، کہتے ہیں کہ تین دن رات ان کے ساتھ رہ کر میں نے خوب نگرانی کی لیکن کوئی ایسا عمل مجھے نظر نہیں آیا جس کے متعلق میرا دل یوں کہے اور گواہی دے کہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق یہ بشارت دی ہے، بالآخر انھوں نے کہا کہ بھائی! دیکھو، میرا گھر والوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جملہ ارشاد فرماتے رہے کہ ''ابھی ایک جنتی آدمی آرہا ہے'' اور تینوں دن تم ہی آتے رہے تو میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر تمھارا وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں یہ بشارت سنائی، میں تین دن رات

تمھارے ساتھ رہا لیکن مجھے تمھارا ایسا کوئی عمل نظر نہیں آیا۔ ایک عام مسلمان جس طرح پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے، ویسا ہی تم کرتے ہو، کوئی خاص عمل تو مجھے نظر نہیں آیا جس کے متعلق میرا دل یوں گواہی دے کہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں یہ بشارت دی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے۔ انھوں نے کہا کہ تم نے دیکھ تو لیا کہ میرے اندر ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں مایوس ہو کر لوٹ رہا تھا کہ انھوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ ایک بات ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے متعلق میل نہیں رکھتا ہوں۔ تو انھوں نے کہا کہ بس یہی وہ عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے [۱]۔

## وہ دل کہ جس میں سوزِ محبت نہیں ہے ذوق

کتنا سستا سودا ہے جنت میں جانے کا! نہ رات بھر عبادت کرنے کی ضرورت ہے، نہ دن بھر روزہ رکھنے کی ضرورت ہے، بس اپنے دل کو ہر مسلمان کی طرف سے پاک صاف رکھو۔ یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی محبت کے لیے عطا فرمایا ہے، اس طرح کا کوڑا کباڑ رکھنے کے لیے یہ دل نہیں بنایا ہے، یہ تو پاکیزہ چیز ہے، اس میں بس اللہ کی محبت آنی چاہیے۔

## دل بدست آور کہ حجِ اکبر است

حضرت ابودُجانہ رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں، غزوۂ احد کے موقع پر بڑے

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، بَابٌ فِي الْحَثِّ عَلَى تَرْكِ الْغِلِّ وَالْحَسَدِ.

کارنامے انجام دیئے تھے، ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگ ان کی خبر لینے کے لیے آئے، دیکھا کہ ان کا چہرہ بہت چمک رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ کا چہرہ بہت چمک رہا ہے، کون سا ایسا عمل ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس ایسا تو کوئی عمل ہے نہیں کہ جس پر میں اعتماد کروں، البتہ میں اپنی زبان سے کوئی فضول بات نہیں نکالتا اور میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے متعلق کوئی میل نہیں رکھتا، یہ دو چیزیں ہیں [1]۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں آج اپنے قلوب کو ہر مسلمان کی طرف سے پاک صاف رکھنے کی ضرورت ہے، کوئی غلّ وغش اور میل کچیل اس کے متعلق نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۱) سير أعلام النبلاء، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ رحمہ اللہ ۱/ ۲۰۵.

# دنیوی مال ومتاع اوراس کے حقوق

بمقام: کوسمبا، جامع مسجد

بوقت: ۱۹/ ۴/ ۲۰۱۳

# اقتباس

اور ڈر ایک تو درندے وغیرہ موذی چیزوں کا ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہے بلکہ ایسا ڈر مراد ہے جو ایک چھوٹے کو بڑے سے ہوتا ہے: بیٹے کو اپنے باپ کا ڈر ہوتا ہے، شاگرد کو اپنے استاذ کا ڈر ہوتا ہے، مرید کو اپنے شیخ کا ڈر ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس تصور سے اس کو ڈر لگتا ہے، کوئی چھوٹا بچہ کوئی نامناسب کام کرنے جا رہا ہو اور اس کو یہ خیال آ جائے کہ اگر میرے ابّا مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ کوئی شاگرد کوئی نامناسب کام کرنے جا رہا ہو اور اس کو یہ خیال آ جائے کہ اگر میرے استاذ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس خیال سے وہ اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح کا خیال اور ڈر یہاں مراد ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا ایسا استحضار اور ڈر ہو کہ جب بھی گناہ اور نافرمانی کا کام کرنے جائے تو اللہ کے دیکھنے کے ڈر سے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُبَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: كُنَّا فِي مَجْلِسٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ وَعَلَى رَأْسِهِ أَثَرُ مَاءٍ، فَقَالَ لَهُ بَعْضُنَا: نَرَاكَ الْيَوْمَ طَيِّبَ النَّفْسِ، فَقَالَ: أَجَلْ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنِ اتَّقَى، وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقَى خَيْرٌ مِنَ الْغِنَى، وَطِيبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيمِ (۱). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## حدیث شریف کی تشریح

یہ مشکوۃ شریف کی ایک روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور نبیِ کریم

---

(۱) سنن ابنِ ماجه، بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْمَكَاسِبِ.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے سرِ مبارک کے اوپر پانی کا اثر تھا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ غسل کر کے تشریف لائے تھے، وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: نَرَاكَ الْيَوْمَ طَيِّبَ النَّفْسِ: ہم آپ کو خوش وخرم اور ہشاش بشاش دیکھ رہے ہیں، آپ کے مزاجِ مبارک میں غم وحزن کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: أَجَلْ: جی ہاں! روایت کرنے والے صحابی فرماتے ہیں: ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آ کر صحابۂ کرام کے درمیان بیٹھ گئے، اس کے بعد صحابہ آپس میں مال داری کا چرچا کرنے لگے۔

## صحابۂ کرام کے ساتھ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہوتے تھے تو اپنی غایتِ تواضع کی وجہ سے آپ صحابہ کے درمیان گھلے ملے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت شمائل کے اندر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے تھے تو ہمارے ساتھ گھلے ملے رہتے تھے، ہمارے درمیان تشریف فرما ہونے کی حالت میں کوئی ایسا انداز اختیار نہیں فرماتے تھے جس کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ممتاز ہونا ثابت کریں۔ بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ دو آدمیوں کے درمیان ہوں تو وہ ایسی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کرتے ہیں جس سے ان کا بڑا ہونا ثابت ہو کہ یہ کوئی وی آئی پی (v.i.p) شخصیت ہے۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری کائنات کا سردار اور سید الرسل بنایا تھا، اس کے باوجود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں اس قدر تواضع پائی جاتی تھی کہ صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہونے کی حالت میں بھی کبھی ایسا کوئی انداز اختیار نہیں فرماتے تھے کہ جس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے الگ سا اور ممتاز سا ہونا معلوم ہو بلکہ سفر کے اندر بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی انداز رہتا تھا کہ سفر کے اندر اگر کوئی کام ہوتا اور اس کو صحابہ کے درمیان تقسیم فرماتے تو اس میں سے کوئی کام نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے بھی تجویز فرماتے، حالاں کہ حضراتِ صحابہ کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو عشق ومحبت تھی، اس کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحت پہنچانے کے لیے وہ حضرات ہر وقت تیار رہتے تھے لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو ان حضرات کے درمیان گھلا ملا رکھتے تھے۔

## چرچا تیرے اخلاق کا ہے روئے زمین پر

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت شمائل کے اندر ہے: جَالَسْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ: کہ میں سو سے زیادہ مجلسوں میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اشعار کی لے دے کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے، بلکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش تشریف

فرما ہوتے۔ آگے فرماتے ہیں: وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ: اور صحابہ کی اس آپسی گفتگو کے درمیان ان کی کوئی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مسکرا بھی دیتے تھے(۱)۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خاموشی ناگواری کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی، بعض مرتبہ لوگوں کی خاموشی ناگواری کے اظہار کے طور پر بھی ہوتی ہے لیکن یہ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خاموشی ناگواری کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی؛ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے؛ اس لیے آپ اس گفتگو میں حصہ نہیں لیتے تھے لیکن صحابہ کی اس گفتگو پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگواری بھی نہیں ہوتی تھی۔

## حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ آئے، انھوں نے ان سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سوال کیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی وحی آتی تھی تو آپ اس کو لکھنے کے لیے مجھ کو یاد فرمایا کرتے تھے اور ہم لوگ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر اگر دنیا کا تذکرہ کرتے تھے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے ساتھ دنیا کا تذکرہ کرتے تھے اور اگر ہم لوگ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ کر آخرت کا تذکرہ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے اور ہم لوگ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کبھی کھانے پینے کا تذکرہ

---

(۱) شمائلِ ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّعْرِ.

کر دیتے تو نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ اس میں بھی شریک ہوجاتے تھے(۱)۔

## آج مال کو جملہ اقدار کا ضامن بنادیا گیا ہے

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اس طرح کی باتیں بھی ہوتی تھیں، چنانچہ اس روایت کو نقل کرنے والے صحابی فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ آکر ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے تو خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى: صحابہ کے درمیان مال داری کا چرچا شروع ہوگیا۔ یہ مال داری ہر زمانے میں موضوعِ بحث رہی ہے، ہم آج کل جس دور سے گذر رہے ہیں، اس میں ثروت اور دولت کو وہ مقام دے دیا گیا ہے کہ اسی پر عزت احترام کا مدار ہے، ساری قدریں اسی سے متعلق ہوکر رہ گئی ہیں، ایک زمانہ تھا، جب آدمی کی قدر وقیمت اس کے اخلاقِ عالیہ اور عاداتِ حسنہ کے اعتبار سے لگائی جاتی تھی کہ اس کا علم کیسا ہے، عمل کیسا ہے، تقوی اور طہارت کیسی ہے، امانت ودیانت میں کیسا ہے، ان چیزوں کو دیکھا جاتا تھا۔ خاندانوں میں بھی جب بچیوں کے رشتے کی بات آتی تھی تو کوئی بڑے سے بڑا مال دار ہو لیکن اس کے خاندان میں وہ خوبیاں نہیں ہوتیں جو ماں باپ کو مطلوب ہوتیں تو اس کو لڑکی نہیں دی جاتی تھی۔

## گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

آج معاملہ الٹ گیا، قدریں الٹ گئیں، آج جن چیزوں سے آدمی کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اس کو بڑا سمجھا جاتا ہے، وہ مال ہے، مال ہی سب کچھ ہوکر

(۱) شمائلِ ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کے رہ گیا ہے، ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ [الأعلى:۱۶، ۱۷] کہ تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالاں کہ آخرت کی زندگی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج مال کو ایسا مقام حاصل ہو گیا ہے کہ کسی کے پاس دو پیسے ہیں تو لوگ اس کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں اور اگر اس کے پاس پیسے نہیں تو وہ بے چارہ اگر سلام کرے گا تو کوئی اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں، اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھا جاتا کہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے، یہ سب وہ شکلیں ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاشرہ دنیا کو دیا تھا، اس کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

## تقویٰ کے ساتھ مال داری بری نہیں ہے

تو راوی کہتے ہیں کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کے درمیان مال داری کا تذکرہ ہوا، جب مال داری کا تذکرہ ہوا تو ضروری تھا کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس سلسلے میں رہنمائی کرتے، چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنِ اتَّقَى: جو آدمی اللہ عز وجل سے ڈرے، اس کے حق میں مال داری میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دیکھو! مال داری کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بہت اونچا مقام نہیں دیا بلکہ لَا بَأْسَ فرمایا یعنی کوئی حرج نہیں ہے، ایسا نہیں کہ معاشرے اور سماج میں مال داری کی وجہ سے اس کا مقام دوسروں کے مقابلے میں بڑھ جائے، جیسے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ کی وجہ سے ایک آدمی قابلِ تعریف بن جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ایسا نہیں فرمایا، بس اس کے اوپر جو پابندی تھی، اس کو ذرا ہٹا لیا، بس اتنا کہہ دیا گیا: لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنِ اتَّقَى کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے، تقویٰ اختیار کرے، تقویٰ کے ساتھ اگر مال داری اور غنا ہے تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں ہے، **معلوم ہوا کہ اگر تقویٰ کے بغیر ہے تو وہ تو آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ ہے۔**

## تقویٰ کا مفہوم

اب مال داری کے باب میں تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ تقویٰ کی تعریف وتشریح مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ سے کی جاتی ہے، خلاصہ اس کا اتنا ہے کہ آدمی کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایسا ڈر ہو جو اس کو ہر معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے باز رکھے۔ تقوے کا ترجمہ ڈر سے بھی کرتے ہیں، پرہیز سے بھی کرتے ہیں۔ پرہیز کا مطلب ہے گناہوں سے پرہیز۔

## اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب

اور ڈر ایک تو درندے وغیرہ موذی چیزوں کا ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہے بلکہ ایسا ڈر مراد ہے جو ایک چھوٹے کو بڑے سے ہوتا ہے: بیٹے کو اپنے باپ کا ڈر ہوتا ہے، شاگرد کو اپنے استاذ کا ڈر ہوتا ہے، مرید کو اپنے شیخ کا ڈر ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس تصور سے اس کو ڈر لگتا ہے، کوئی چھوٹا بچہ کوئی نامناسب کام کرنے جا رہا ہو اور اس کو یہ خیال آجائے کہ اگر میرے ابّا مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ کوئی شاگرد کوئی نامناسب کام کرنے جا رہا ہو اور اس کو یہ خیال آجائے کہ

اگر میرے استاذ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس خیال سے وہ اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح کا خیال اور ڈر یہاں مراد ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا ایسا استحضار اور ڈر ہو کہ جب بھی گناہ اور نافرمانی کا کام کرنے جائے تو اللہ کے دیکھنے کے ڈر سے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالے۔

## مال داری کے باب میں تقویٰ کا مطلب

تو مال داری کے باب میں تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ مال داری کے باب میں تقویٰ کے اندر چار چیزیں داخل ہیں: (۱) مال کو حلال طریقے سے حاصل کرے۔ شریعتِ مطہرہ میں مال کو حاصل کرنے کے لیے جو جائز طریقے بتلائے ہیں، ان طریقوں سے اگر مال حاصل کرتا ہے، تب تو ٹھیک ہے اور اگر شریعت کے منع کیے ہوئے طریقے اپناتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، کسی کے ساتھ غدر اور مکاری سے کام لیتا ہے، خرید وفروخت کے اندر عیب کو چھپا رہا ہے، ایسی کوئی بھی شکل اور تدبیر جو اس کے مال کو حلال سے نکال کر حرام میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتی ہو، شریعت اس کو تقویٰ کے خلاف قرار دیتی ہے۔

## اسلام میں کسبِ حلال کی اہمیت

حلال کی بڑی اہمیت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: طَلَبُ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (۱): کہ اسلام کے بنیادی

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی.

فرائض: نماز، روزہ وغیرہ کے بعد ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے، آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، اس میں یہ چیزیں دھیرے دھیرے ختم ہوتی جارہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی بخاری شریف کے اندر ہے: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ[1] ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ آدمی جہاں سے مال حاصل کرے گا، اس کے متعلق اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ کہاں سے آیا ''بس مجھے تو مال چاہیے، پیسے چاہیے'' یہی اصول ہوگا۔

## کمائی کے باب میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

ایک وقت وہ تھا کہ حلال کا اتنا اہتمام کیا جاتا تھا کہ اس کے خاطر لوگ بڑی بڑی قربانیاں دے دیتے تھے ہمارے اکابر کے قصے اس سلسلے میں ملتے ہیں۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کپڑوں کی تجارت تھی، آپ کے ایک شریک تھے، ان کا نام حفص بن عبدالرحمٰن تھا، ایک مرتبہ کپڑوں کے چند تھان ان کے پاس بھیجے اور ساتھ میں کہلوایا کہ فلانے تھان کے اندر یہ عیب ہے، جس کو بھی بیچو، بوقتِ فروخت اس کو یہ عیب بتلا دینا۔ اتفاق کی بات کہ وہ بیچتے وقت بتلانا بھول گئے، قصداً انھوں نے چھپایا نہیں تھا، اس پورے تھان کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ وہ لے کر آئے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ عیب تم نے بتایا تھا، انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو میں بتانا بھول گیا، آپ نے خریدار کو تلاش کیا لیکن وہ ملا نہیں تو پورے بیس ہزار درہم صدقہ کر دئے، اس میں

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب من لم يبال من حيث كسب المال.

سے ایک پائی بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کیا، ''۶۳'' یا ''۶۵'' کیلو کے قریب چاندی ہوتی ہے تو یہ پہلی شرط ہوئی کہ مال داری میں تقوی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے پہلا کام یہ ہے کہ حلال طریقوں سے کمائی کا اہتمام ہو۔

## قیامت کے دن پانچ چیزوں کے متعلق سوال ہوگا

شریعت اس کی تاکید کرتی ہے کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا: (۱) زندگی کے متعلق کہ کہاں گنوائی (۲) جوانی کے متعلق کے جوانی کے قیمتی سرمایے کو کہاں استعمال کیا۔ اور مال کے متعلق دو سوال ہوں گے: مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ (۳) کہاں سے کمایا (۴) کہاں خرچ کیا۔

## مال کے باب میں دوسری شرط

چناں چہ مال کے باب میں تقوے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دوسری شرط یہی ہے کہ آدمی اسراف سے کام نہ لے، مال کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں

---

(۱) سنن الترمذی، باب فِي الْقِيَامَةِ.

استعمال نہ کرے، جتنی ضرورت ہے، اس کے مطابق استعمال کرے، ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ یہاں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور یوں کہتے ہیں کہ ہم نے حلال طریقے سے کمایا ہے، ہم مالک ہیں، ہم جس طرح چاہیں، استعمال کر سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے، شریعت ہمیں بتلاتی ہے کہ ہم اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ یہ مال ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک امانت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس طرح خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طریقے کے مطابق ہمیں خرچ کرنا ہے، اگر ضرورت سے زیادہ اس کو استعمال کریں گے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔

## اچھے کاموں میں بھی ضرورت سے زیادہ کا استعمال اسراف ہے

اسلام نے اسراف سے بچنے کے سلسلے میں بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ وضو کر رہے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ پانی کا استعمال کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ: اے سعد! یہ پانی کا زیادہ استعمال اور فضول خرچی کیسی! تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے ہیں: أَفِي الْوُضُوءِ سَرَفٌ؟ اے اللہ کے رسول! کیا وضو میں بھی سرف ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ (۱) جی ہاں! تم بہنے والی نہر پر بیٹھ

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِي رضی الله عنهما، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَصْدِ فِي الْوُضُوءِ وَكَرَاهِيَةِ التَّعَدِّي فِيهِ.

کر وضو کرو گے تو بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرو گے تو وہ فضول خرچی کہلائے گی، حالاں کہ وضو تو ایک عبادت ہے اور ایک بہت بڑی عبادت کا ذریعہ ہے، اس میں پانی تک کے معاملے میں شریعت زیادہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو دوسری ضرورتوں میں اس کی اجازت کہاں سے ہوسکتی ہے؟

## شادیوں میں ہونے والی فضول خرچیاں

آج شادیوں میں لوگ بے دریغ خرچ کرتے ہیں، شادیوں کے جو دعوت نامے تیار کیے جاتے ہیں، یہ معاملہ ہی عجیب ہے۔ چلیے! ٹھیک ہے، آپ مصروفیت کی وجہ سے بالمشافہہ دعوت نہیں پہنچا سکتے تو سادہ کاغذ پر لکھ کر بھی دعوت پہنچا سکتے ہیں لیکن نہیں، ہم غیروں کے دیکھا دیکھی یہ ساری حرکتیں کرتے ہیں۔ باقاعدہ لفافہ ہوتا ہے، اس کے اندر ایک دوسرا لفافہ ہے اور اس میں وہ کاغذ ہے پھر لفافے کے اوپر بھی پتہ نہیں کیا کیا موتی وغیرہ جڑے جاتے ہیں اور ایک ایک دعوت نامہ سو، دوسو روپے میں تیار ہوتا ہے، ہزار آدمیوں کو دعوت دیں گے اور ایک دعوت نامہ سو روپیہ کا ہوگا تو بتلائیے، اس پر ہی کتنا خرچہ آجائے گا! کیا شریعت اس کی اجازت دے سکتی ہے؟ اور پھر کھانے کے معاملے اور دوسرے معاملات میں بے انتہا فضول خرچیاں ہوتی ہیں۔ یہ مال اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک امانت ہے، اگر ہم اس کو اس طرح بے جا خرچ کریں گے تو کل اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

## حضراتِ صحابہؓ اور فضول خرچیوں سے اجتناب کا اہتمام

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اپنے آپ کو فضولی خرچی سے بچانے کا بڑا اہتمام تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی اپنی ضرورت لے کر آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آدمی آپ کے پاس اپنی ضرورت لے کر آتا تو اگر آپ کے پاس اس کی ضرورت پوری کرنے کا سامان ہوتا تو پورا فرماتے، اگر نہ ہوتا تو یوں فرمادیتے کہ تم قرض لے لو، بعد میں ہم تمھارا قرض ادا کردیں گے۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کا جذبۂ جود وسخا

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہت زیادہ مال آیا اور آپ نے وہ سارا مال صبح سے لے کر شام تک تقسیم فرمادیا، تقسیم ہوچکنے کے بعد ایک آدمی آیا اور اپنی حاجت پیش کی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ بچا نہیں تھا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم قرض لے لو، بعد میں ہم تمھارا قرض ادا کردیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس کے اندر موجود تھے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب تک آپ کے پاس مال تھا، آپ نے کسی کو منع نہیں کیا، اب جب آپ کے پاس مال نہیں رہا تو آپ یہ تکلیف اپنے سر پر کیوں لیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے اس کا اندازہ ہوا، یہ منظر دیکھ کر ایک انصاری صحابی یہ کہنے لگے: يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي وَأُمِّي أَنْتَ، فَأَعْطِ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، خرچ کیجیے اور عرش والے کی

طرف سے کسی کمی کا اندیشہ نہ کیجیے۔ جب ان انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ کہا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے کِھل اٹھا اور فرمایا: بِهٰذَا أُمِرْتُ: مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے(۱)۔

## دوسروں کی حاجت روائی کا نبوی طریق

دوسروں کی حاجت روائی کا ایک تیسرا طریقہ بھی تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھار اپنے خوش حال صحابہ میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا: ایک آدمی اپنی ضرورت لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ تھا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ، چناں چہ وہ آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اب اتفاق کی بات کہ مغرب کا وقت تھا، جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس پہنچا تو اس نے کچھ اونچی آواز سنی، گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ناراضگی کے ساتھ اپنے گھر والوں کو کسی بات پر ٹوک رہے تھے، اس نے سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ تم نے چراغ کی بتّی اتنی اونچی کیوں رکھی؟ جس کی وجہ سے تیل زیادہ جلتا ہے۔ یہ جملہ اس کے کان میں پڑا تو وہ ایک دم وہیں ٹھٹھک کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ جو آدمی چراغ کی بتی ذرا اونچی رکھنے پر اپنی بیوی کو اس قدر ناراضگی کے ساتھ ٹوکتا ہو اور بیوی بھی کون؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی! وہ مجھے کیا دے گا! یہ کچھ کہے بغیر واپس آ گیا۔

---

(۱) مسند البزار، عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ.

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر جان لٹانے والے

دوسرے دن جب یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو بڑوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی ضرورت کے لیے کسی کو کسی کے پاس بھیجتے ہیں تو بعد میں اس کی رپورٹ بھی طلب کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تمھاری حاجت کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا ہی نہیں، پوچھا کہ کیوں نہیں کہا؟ تو انھوں نے وجہ بتلائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ تاکید کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید تھی؛ اس لیے وہ گیا اور جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کی تو انھوں نے اس کی حاجت اور امید سے بھی زیادہ دیا، جب وہ دے چکے تو اس نے سارا قصہ بیان کیا کہ کل ایسا ہوا تھا؛ اس لیے میں تو واپس چلا گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم نے سمجھا ہی نہیں، ہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا پر چلنے والے ہیں، جہاں آپ نے منع کیا، وہاں ایک پائی بھی خرچ نہیں کریں گے، اور جہاں آپ نے خرچ کرنے کا حکم دیا وہاں ہم اپنی سارا مال ومتاع لٹا دیں گے۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج ہمارا معاملہ بالکل الٹ گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، ہم وہاں ایک پائی بھی خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور جہاں خرچ کرنے سے منع کیا، وہاں مال لٹا رہے ہیں۔ پیرانِ پیر شاہ عبد القادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی کا مال خرچ ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اس سے اندازہ لگا لیتا ہوں کہ کہاں سے آیا ہے یعنی غلط طریقے سے خرچ ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلط طریقے سے آیا ہے۔

## فضول خرچی عقل کے اعتبار سے بھی بری ہے

تو مال داری میں تقویٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔ یہ آج کل بہت عام ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو لفظ قرآن وحدیث میں آتے ہیں: (۱) اسراف (۲) تبذیر، اسراف کا مطلب یہ ہے کہ جائز ضرورت میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے اور تبذیر کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے، یہ دونوں ہی ممنوع ہیں، مثلاً کوئی شخص ایک کے بجائے دو دو کرتے پہن کر آئے تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ پاگل معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت ایک سے پوری ہو رہی تھی تو ضرورت سے زیادہ کپڑے پہننے پر آپ اس کی عقل پر سوالیہ نشان لگا رہے ہیں، اس کے علاوہ تو اس نے کوئی قصور نہیں کیا ہے کہ اس کو پاگل کہا جائے تو یہ فضول خرچی عقل کے اعتبار سے بھی بری ہے، شریعت نے ہر طرح کی فضول خرچی سے منع کر دیا ہے تو یہ دوسری شرط ہے۔

## مال داری کی تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ مال بذاتِ خود مقصود نہ ہو بلکہ اپنے ماتحتوں اور متعلقین کے حقوق کی ادائگی کی نیت سے کمائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیوی بچوں کا، ماں باپ

کا، رشتہ داروں کا، محتاجوں کا بندے پر حق لاگو کیا ہے، ان کے بہت سارے حقوق ہیں تو جب کمائے تو دل میں یہ نیت ہو کہ میں اس لیے کمار ہا ہوں کہ ان سارے حقوق کو ادا کرسکوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل کی ہے کہ جو شخص اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کماتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے(۱)۔ اس لیے اس نیت سے کمانا چاہیے، مال جمع کرنا مقصود نہ ہو۔

## احسان جتلانے سے احتراز بھی ضروری ہے

نیز جن لوگوں کی ضرورتیں پوری کررہا ہے، جن کے حقوق ادا کررہا ہے، ان کے ساتھ احسان جتانے کا معاملہ نہ ہو۔ آج یہ احسان جتانا بہت عام ہوگیا ہے، اچھے اچھے دین دار لوگ ذرا سی اونچ نیچ ہوجانے پر زندگی بھر کا عمل ضائع کردیتے ہیں، بھائی کے ساتھ کوئی ناراضگی ہوگئی تو سب کے سامنے کہتا پھرے گا کہ ''میں نے اس کا مکان بنا دیا، دوکان بنوادی، فلاں کام کرادیا اور آج میرے ساتھ یہ سلوک کررہا ہے'' یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی نیکی کو برباد کررہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ [البقرۃ:۲۶۴]

پھر یہ احسان جتلانا تو کبیرہ گناہ ہے، شبِ قدر اور شبِ برات جیسی راتیں جن میں بڑے بڑے گناہ گاروں کو بخشا جاتا ہے، ان راتوں میں جن گناہ گاروں کا بخشش

---

(۱) أخرجه الطبراني في الأوسط من حديث أبي هريرة. (إحياء علوم الدين ۲/ ۸۹)

سے استثنا کیا گیا ہے، ان میں یہ بھی ہے لیکن ہمیں اس کی کوئی پروانہیں ہے؛ اس لیے اپنی نیکیوں کو بچانے کا اہتمام کرو، نفس میں تو ابال اور اشتعال آتا ہے لیکن سمجھ داری سے کام لینے کی ضرورت ہے، بہر حال! یہ ہرگز نہ سمجھے کہ میں اس کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہوں، یہ بیٹھا بیٹھا کھاتا ہے، آج کل یہ ہوتا ہے کہ بڑا بھائی کمارہا ہے اور چھوٹے بھائی ابھی کمائی کی عمر کو پہنچے نہیں ہیں، اسکول، مدرسے جارہے ہیں، گھومنے پھیرنے کے لیے بائیک بھی لے رکھی ہے تو بڑے بھائی کی بیوی ان کو طعنے دیتی ہوئے کہتی ہے کہ دن بھر آوارہ گھومتے رہتے ہو، کچھ کام دھندا نہیں کرتے تو ایسی شکلوں کو شریعت میں پسند نہیں کیا گیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کمزوروں کی برکت سے روزی دیتے ہیں

ترمذی شریف کے اندر روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک کاروبار کرتا تھا اور دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیتا تھا تو پہلا بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دوسرے بھائی کی شکایت کی کہ یہ کچھ کرتا نہیں بیٹھا بیٹھا کھاتا ہے، کاروبار میں حصہ نہیں لیتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ: ممکن ہے کہ تم کو اس کی وجہ سے روزی ملتی ہے (۱)۔ دوسری حدیث میں ہے: إِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ: کہ تم کو تمھارے کمزوروں کی وجہ سے روزی ملتی ہے اور تمھاری مدد کی جاتی ہے (۲)۔ ایک تو وہ چیز ہے جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دوسری وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے ہمیں

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب فِي التَّوَكُّلِ عَلَى اللهِ.

(۲) سنن ابی داود، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، باب فِي الاِنْتِصَارِ بِرَذْلِ الْخَيْلِ وَالضَّعَفَةِ.

بتلا رہے ہیں، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو فرما رہے ہیں، اس پر ایمان لاویں۔ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ روزی دے رہا ہے، اس کے ذریعہ سے روزی ملتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ روزی اس کے ذریعہ سے مل رہی ہے، ہمیں اس پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔

## بھروسہ تھا تو ایک سادی سی کالی کملی والے پر

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو ان کو دودھ پلانے والی عورت کی چھاتی میں دودھ جوش مارنے لگا- جب دودھ پلانے والی عورت کا بچہ نہیں رہتا تو چھاتی سے دودھ نہ نکلنے کی وجہ سے اس میں تکلیف کی سی ایک کیفیت ہوتی ہے- اس نے آ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت کی اور کہا کہ ابراہیم کی بہت یاد آ رہی ہے اور دودھ جوش مار رہا ہے، طبیعت میں بے چینی کی سی کیفیت ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت میں ایک عورت کو مقرر کر دیا ہے، دیکھنا چاہو تو دیکھ لو، اس نے کہا کہ میں نہیں دیکھتی، آپ نے فرما دیا، اتنا کافی ہے، میں اپنی آنکھوں کو تو جھٹلا سکتی ہوں لیکن آپ کے قول کو جھٹلا نہیں سکتی، یہ ہے ایک عورت کا ایمان! ہمیں ایسا ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات پر یقینِ کامل اور عمل کا جذبہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو!

بمقام: جنوبی افریقہ

سنہ ۲۰۱۱ء

# اقتباس

تو حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے، ہم اس موقع کا فائدہ اٹھائیں، جو بھی وقت بھی ہمیں مل رہا ہے، وہ فارغ نہیں ہونا چاہیے۔ آدمی اللہ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہے، اللہ والوں کا یہ حال رہا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرتے تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ کے دادا پیر، ان کے شیخ کے شیخ تھے تو وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ حجامت بنوا رہے تھے، نائی نے کہا کہ آپ ہونٹ جو ہلا رہے ہیں، اس کی وجہ سے مجھے بال لینے میں دشواری ہو رہی ہے، ان کو ذرا تھوڑی دیر کے لیے بند رکھئے؛ تاکہ میں آپ کی مونچھیں لے لوں تو جواب میں فرمانے لگے کہ واہ بھائی! تم تو اپنا کام کرو اور میں اپنا کام نہ کروں، یہ کیسے ہو سکتا ہے!

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قال النبی ﷺ: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ (۱).

## جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

یہ ایک نصیحت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، پہلی بات ارشاد فرمائی: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی یہ زندگی کا وہ بہترین زمانہ ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دی گئی ساری صلاحیتیں پورے عروج پر ہوتی ہیں یعنی اس میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انسان کو عطا فرمایا ہے، وہ اعلی درجے پر ہوتا ہے اور اگر آدمی اپنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں استعمال کر لے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بہت راضی اور خوش ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ (۲): سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سایے میں اس دن جگہ عطا فرمائیں گے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس میں: شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ: بھی ہے یعنی وہ نوجوان جس کی نشونما، جس کی اٹھان اللہ کی عبادت واطاعت میں ہوئی۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب فضل من ترك الفواحش.

چوں کہ اس زمانے میں آدمی کی خواہشات بھی عروج پر ہوتی ہیں اور وہ اس کو اس بات پر ابھارتی ہیں کہ میں اپنی خواہشات کو پوری کروں، یہ موقع ہے، اس کے بعد یہ موقع ملنے والا نہیں ہے؛ اس لیے جوانی کے زمانے کو غنیمت سمجھنے کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔

## ایک تندرستی ہزار نعمت

آگے دوسری بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ: اپنی تن درستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو۔ تن درستی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو آدمی کے ہاتھ سے جب چھن جاتی ہے تو دوبارہ لانا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا، وہ کب چھن جائے، اس کے متعلق کوئی دعوی بھی نہیں کر سکتے، جیسے موت کا حال ہے کہ کب آ جائے، اسی طرح بیماری بھی کسی بھی وقت آ سکتی ہے؛ اس لیے اللہ کی دی ہوئی اس تندرستی کو آدمی غنیمت سمجھ کر اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالے، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے۔

## فقیری سے پہلے مال داری کو غنیمت جانو

وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ: اللہ تعالیٰ نے جو مال داری دی ہے تو فقیری سے پہلے اس کو بھی غنیمت سمجھو، اس مال کو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرے اور فضول خرچی سے بچے، یہ اس کے لیے بڑی سعادت اور نیک بختی کی بات ہے۔

## غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی

وَفَرَاغَكَ قَبۡلَ شُغۡلِكَ: اور اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، آدمی کو جو وقت ملتا ہے، وہ بھی بڑا غنیمت ہے کہ جب آدمی مشغول ہو جاتا ہے اور اس کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش مجھے وقت ملتا تو میں فلاں کام کر لیتا اور فرصت کا زمانہ جو گذرا، اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو غنیمت سمجھو۔

## زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو!

وَحَيَاتَكَ قَبۡلَ مَوۡتِكَ: اور زندگی جیسی بھی ہے، اس کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔ ایک آدمی ہے، کسی کام کا نہیں: اس کے ہاتھ بھی کام نہیں کرتے، پاؤں بھی جواب دے گیا ہے، حرکت بھی نہیں کر سکتا، بستر پر پڑا ہوا ہے، زبان تو ہے اس کی؟ اس زبان سے اللہ کا نام تو لے سکتا ہے؟ موت کے بعد اس کا بھی موقع نہیں ملے گا۔

## ایک اللہ والے کی موت کے بعد قبر میں تلاوت

ایک اللہ والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کشفِ قبور عطا فرمایا تھا- اللہ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ قبر میں مردوں پر کیا حالات گذر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اوپر کھول دیتے ہیں- (اس کو کشفِ قبور کہتے ہیں) ایک قبر کے پاس سے ان کا گذر ہوا اور ان کو محسوس ہوا کہ یہ صاحبِ قبر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہے، اسی مکاشفے کی حالت میں انھوں نے قبر والے سے پوچھا کہ ہم نے تو سنا ہے کہ آدمی کا جب

انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ آپ قبر کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں! تو ان کے جواب میں صاحبِ قبر نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہوا اور مجھے دفن کیا گیا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آدمی کو دفن کر کے لوگ جب چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں: مَنْ رَبُّكَ، مَادِيْنُكَ، مَاتَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ: کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ تم کیا کہتے ہو؟ جب اس نے ان کے سارے جوابات دے دیے تو گویا امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو بتلایا گیا کہ تم کامیاب ہو لیکن چوں کہ یہ ایک برزخ کا دور ہے جو تمھیں یہیں گذارنا ہے جب تک کہ قیامت قائم نہ ہو، اب یہاں تمھارے اس قیام کے دوران اپنے لیے اگر کوئی مشغولی تجویز کرنا چاہو تو میری طرف سے اس کی اجازت ہے۔

## زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

تو میں نے کہا کہ مجھے دنیا کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت سے بڑا اشغف تھا اور ہمیشہ اسی کو پسند کرتا تھا تو یہاں پر بھی مجھے قرآنِ پاک پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ مجھے اس کی اجازت دے دی گئی اور جب سے دفن ہوا ہوں، اس وقت تک ''۷۰'' ہزار قرآن ختم کر چکا ہوں، پھر آگے ایک بات کہی کہ اگر آپ اپنا ایک

سبحان اللہ مجھے دے دیں تو میں یہ ''۷۰'' ہزار قرآن آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ۷۰ / ہزار قرآن پڑھے ہیں نا، وہ سب ٹائم پاس ہے، اس کے اوپر مجھے کوئی ثواب نہیں ملتا، یہ ثواب تو اس وقت تک ہے جب تک ہم اس زمین کے اوپر چل رہے ہیں اور موت نہیں آئی ہے، اس وقت تک جو اعمال کریں گے، ان ہی کا ثواب ملے گا، یہ جو قبر میں میں نے اتنے قرآن ختم کیے، اس پر میرے نامۂ اعمال میں ایک بھی نیکی بڑھی نہیں ہے، وہ تو وہیں ہے جہاں میری موت کے وقت تھا اور تمھارا ہر سبحان اللہ تمھاری نیکیوں میں اضافے کا باعث ہے۔

## کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو موقع عطا فرمایا، یہ بڑا قیمتی موقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ایک مرتبہ جارہے تھے کہ ایک قبر کے اوپر نظر پڑ گئی تو اپنی سواری سے اترے اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ سمجھے کہ شاید یہ قبر والا آپ کا کوئی دوست ہوگا، عزیز ہوگا جس کے ایصالِ ثواب کے لیے یہ نماز پڑھی ہوگی، پوچھا: کیا بات ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جب میری نظر اس قبر پر پڑی تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا جب انتقال ہو جائے گا، قبر میں چلا جائے گا تو وہاں جا کر تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دو رکعت پڑھنے کا موقع ملتا تو مجھے یہ قبر

دیکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا تو میں نے سوچا کہ ابھی تو میں زندہ ہوں، میرے پاس موقع ہے تو میں نے اتر کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی۔

## لب پہ ہر دم ذکر اللہ کی تکرار ہو

تو حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے، ہم اس موقع کا فائدہ اٹھائیں، جو وقت بھی ہمیں مل رہا ہے، وہ فارغ نہیں ہونا چاہیے۔ آدمی اللہ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہے، اللہ والوں کا یہ حال رہا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرتے تھے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر، ان کے شیخ کے شیخ تھے تو وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ حجامت بنوا رہے تھے، نائی نے کہا کہ آپ ہونٹ جو ہلا رہے ہیں، اس کی وجہ سے مجھے بال لینے میں دشواری ہو رہی ہے، ان کو ذرا تھوڑی دیر کے لیے بند رکھئے؛ تا کہ میں آپ کی مونچھیں لے لوں تو جواب میں فرمانے لگے کہ واہ بھائی! تم تو اپنا کام کرو اور میں اپنا کام نہ کروں، یہ کیسے ہوسکتا ہے!

## جنت میں حسرت وافسوس کی چیز

تو حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے تو ہم اپنے اوقات سے فائدہ اٹھائیں اور ہماری کوئی گھڑی اللہ کے ذکر سے خالی نہیں گذرنی چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ لوگ جب جنت میں چلے جائیں گے تو جنت میں چلے جانے کے بعد ان کو دنیا میں جو وقت اللہ کی یاد کے بغیر گذرا تھا۔ اس پر افسوس ہوگا کہ کاش اس میں اللہ

کی یاد کر لیتے، جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہی، سب کچھ مل چکا ہے لیکن زندگی کے وہ اوقات، وہ گھڑیاں جو غفلت میں گذریں، ان کے متعلق ندامت اور پچھتاوا ہوگا کہ کاش ان کو ہم نے اللہ کی یاد میں استعمال کیا ہوتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، دعا کر لیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# ذکر کے فضائل وفوائد

بمقام: ڈربن (جنوبی افریقہ)

سنہ ۲۰۱۱ء

# اقتباس

آدمی جو گناہ کرتا ہے تو گناہ کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے، اس غفلت کے نتیجے میں گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ زنا کرنے والا جس وقت زنا کر رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی ایمان اگر اس کے دل میں مستحضر ہوتا، ''اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں'' یہ کیفیت اس کے دل کی ہوتی تو وہ کبھی زنا کا ارتکاب نہ کرتا، وہ غفلت کی وجہ سے یہ کرتا ہے، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ: اور چور جس وقت چوری کر رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اگر اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہوتا، وہ یہ سمجھ رہا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں تو کبھی چوری نہ کرتا، وَلَا يَشْرَبُ الشَّارِبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اس وقت اس کے دل میں اللہ کا استحضار اور یہ کیفیت کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں موجود نہیں ہوتی، اگر ہوتی تو کبھی یہ گناہ نہیں کرتا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد واله وأصحابه أجمعين أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا﴾ [الأحزاب: ۴۱، ۴۲]

وقال تعالى: ﴿فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِيۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ﴾ [البقرة:۱۵۲]

وقال تعالى: ﴿اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾ [الرعد:۲۸]

وقال تعالى: ﴿وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِيۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى﴾ [طه: ١٢٤]

## سب چھوڑ خیالات، بس اک یادِ خدا کر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں زیادہ سے زیادہ اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا: اے ایمان والو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا: اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو اور ایک اور جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ: تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا، ایک اور جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ: کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون اور طمانینت حاصل ہوتی ہے، اور فرماتے ہیں: وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِيۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا: جو

میری یاد سے منہ موڑے گا، اعراض کرے گا، اس کی زندگی تنگ کردی جائے گی۔

## بندوں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذکر کا ہمیں حکم دیا ہے اور اس کے بے شمار فوائد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بتلائے ہیں، یہ جو ہمیں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی وجہ سے اس میں -نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ کا اپنا کوئی فائدہ ہے؟ یا ہمارے فائدے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بندوں کے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شان میں، اس کی عظمت میں، اس کی کبریائی میں، اس کی بڑائی میں کوئی زیادتی اور اضافہ نہیں ہوتا، بندوں کے ذکر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان پر کوئی فرق نہیں آتا۔

## ہماری اطاعت یا معصیت سے اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا

ایک روایت ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اور وہ حدیثِ قدسی ہے یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، وہ تو لمبی روایت ہے، اس کا ایک حصہ ہے: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا(۱). اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، جنات اور انسان، تم میں جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے ایسے بن جائیں تو میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی اور میری

[۱] صحیح مسلم، باب تَحرِيمِ الظُّلم.

بڑائی میں ذرّہ برابر زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔ يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، جنات اور انسان، تم میں جو سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، ایسے بن جائیں تو اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔

## اللہ کا ذکر اس کی اطاعت پر آمادہ کرنے والی چیز ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری عبادتوں سے، ہمارا اللہ کا ذکر کرنے سے، ہمارے اللہ کی پاکی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ہمارا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا استحضار اور ''اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے سامنے ہیں'' یہ کیفیت ہمارے قلوب کو حاصل ہوگی اور یہی چیز آدمی کو ہر لمحہ اور ہر گھڑی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے آمادہ کرتی ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت صدورِ معاصی کا سبب ہے

آدمی جو گناہ کرتا ہے تو گناہ کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے، اس غفلت کے نتیجے میں گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ زنا کرنے والا جس وقت زنا کر رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی ایمان اگر اس کے دل میں مستحضر ہوتا، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، یہ کیفیت اس کے دل کی ہوتی تو وہ کبھی

زنا کا ارتکاب نہ کرتا، وہ غفلت کی وجہ سے یہ کرتا ہے، وَلاَ یَسْرِقُ السَّارِقُ حِینَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ: اور چور جس وقت چوری کر رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اگر اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہوتا، وہ یہ سمجھ رہا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں تو کبھی چوری نہ کرتا، وَلاَ یَشْرَبُ الشارِبُ حِینَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (۱). شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اس وقت اس کے دل میں اللہ کا استحضار اور یہ کیفیت کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں موجود نہیں ہوتی، اگر ہوتی تو کبھی یہ گناہ نہیں کرتا، یہ گناہ جتنے بھی ہوتے ہیں، غفلت کے نتیجے میں ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمی بے خبر ہوجاتا ہے اور اس کے نتیجے میں گناہوں کا صدور ہوتا ہے، آدمی جتنا اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کا استحضار اور دل میں یہ کیفیت کہ ہر وقت بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پا رہا ہے، پیدا ہوگی تو اس کے نتیجے میں وہ کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔

## ایک چرواہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے اور توشہ ختم ہوگیا، بھوک لگی تو دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے تو اس سے آپ نے کہا کہ یہ بکریاں جو چر رہی ہیں، ان سے دودھ دوہ کر مجھے دے دو، مجھے بھوک لگی ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو غلام ہوں اور میرے آقا کی یہ بکریاں ہیں، مجھے چرانے

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب النُّهْبَی بِغَیْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ.

کے لیے حکم دیا ہے اور مجھے یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ میں ان کا دودھ دوہ کر کسی کو دے سکوں؛ اس لیے نہیں دے سکتا، وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ بہر حال! حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا یہ جواب سن لینے کے بعد سوچا کہ اس کا امتحان لینا چاہیے، چنانچہ آپ نے اس سے کہا کہ دیکھو! میں تجھے ایک بات کہتا ہوں، جس میں تیرا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی اور وہ یہ کہ تو دس درہم میں مجھے ان میں سے ایک بکری بیچ دے، اس میں میرا فائدہ تو یہ ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ کر اپنی ضرورت پوری کروں گا اور تیرا فائدہ یہ ہے کہ تجھے دس درہم مل جائیں گے، رہا آقا تو اگر وہ پوچھے کہ بکری کا کیا ہوا؟ تو بتا دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔

## خدا ایسے احساس کا نام ہے، رہے سامنے اور دکھائی نہ دے

اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بھیڑیئے آتے تھے اور بکریوں کے غلے میں سے کسی بکری کو اٹھا کر لے جاتے تھے اور پھاڑ کھاتے تھے، یہ سن کر کے وہ چرواہا کہتا ہے: یَاهٰذَا! فَأَیْنَ اللّٰهُ؟: اے اللہ کے بندے! پھر اللہ کہاں گیا؟ یعنی اللہ تو دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس کا یہ جواب سن کر اتنے مسرور ہوئے، اتنے خوش ہوئے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ ایک چرواہا جنگل کی تنہائیوں کے اندر یہ کہہ رہا ہے: یَاهٰذَا! فَأَیْنَ اللّٰهُ؟(۱)۔ یہ کیفیت اگر ہم مسلمانوں کو حاصل ہو جائے تو کبھی اللہ کی نافرمانی اس سے صادر نہیں ہو سکتی۔

---

(۱)شعب الإیمان، بَابٌ فِي الْأَمَانَاتِ وَمَا یَجِبُ مِنْ أَدَائِهَا إِلَی أَهْلِهَا، عَنْ نَافِعٍ

## بندے کے لیے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا ممکن ہے

تو اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے بزرگوں نے یہ بتلایا ہے کہ آدمی کثرت سے اللہ کو یاد کرے، اب یہ اللہ کا ذکر جو کثرت سے ہوتا ہے، ہم اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں، ابھی یہاں مسجد سے جائیں گے، کاروبار پر چلے جائیں گے، کام میں مشغول ہوجائیں گے، اپنی طبعی ضروریات میں مشغول ہوجائیں گے، قضائے حاجت میں، پیشاب، پاخانہ، کھانا، پینا، سونا وغیرہ ضرورتوں میں مشغول ہوتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ آدمی ہمیشہ برابر اللہ کو یاد کرتا رہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایسے طریقے بتلادئے کہ ان کو اپنا کر کے ہم ہر گھڑی اپنے آپ کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھ سکتے ہیں۔

## مختلف اوقات کی دعائیں اور سنتیں بھی ذکر اللہ ہی ہیں

یہ ہماری طبعی ضرورتیں جو ہیں، ہمیں کھانا کھانے کی ضرورت ہے تو ہمیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا دیا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ پڑھ لو، کھانے کے درمیان یہ پڑھو، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ پڑھو۔ سونے کی ہماری ضرورت ہے تو سونے سے پہلے یہ پڑھو، سونے کے درمیان آنکھ کھل جائے تو اس طرح اللہ کو یاد کرلو، جب سو کر اٹھو تو یہ پڑھ لو۔ جب قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو یہ دعا پڑھ لو، اس طرح جاؤ پھر فارغ ہونے کے بعد جب باہر نکلو تو یہ دعا پڑھ لو۔ ہر موقع کی دعائیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلائیں۔

# ذکر اللہ کے مختلف کلمات

اوراس کے علاوہ بھی اللہ کے ذکر کو مختلف طریقوں سے انجام دینے کا ہمیں حکم دیا، صبح اور شام اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا ارشاد، تیسرا کلمہ ہے: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، پہلا کلمہ ہے: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، اسی طریقے سے چوتھا کلمہ کلمۂ توحید ہے: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، یہ کلمات ذکر کے ہیں، ہرایک کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، صبح وشام پڑھنا ہے۔اسی طریقے سے درود شریف، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور آپ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ نوازا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجیں، چہ جائیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو حکم دے رہے ہیں کہ مجھ پر درود بھیجو اور پھر یہ بھی ہے کہ جب کوئی بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں (۱)۔

## اس دل پہ خدا کی رحمت ہو، جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے

اسی طریقے سے استغفار ہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے چھوٹے بڑے گناہ ہم

(۱) مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلاَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا (صحیح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحْبَابِ الْقَوْلِ مِثْلَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ لِمَنْ سَمِعَهُ ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - ثُمَّ يَسْأَلُ اللهَ لَهُ الْوَسِيلَةَ.)

سے ہو ہی جاتے ہیں، ان گناہوں کو معاف کرانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ اللہ کے حضور معافی کے الفاظ دہراتے رہیں: أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ: یا اللہ! میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں، خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالاں کہ آپ تو معصوم ہیں، آپ سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ میں دن میں ''۷۰'' مرتبہ استغفار کرتا ہوں (۱)، یہ امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

## ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

تو بہر حال! یہ استغفار ہے، درود شریف ہے اور تیسرا کلمہ ہے اور قرآنِ پاک کی تلاوت یہ بھی اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ایسی عجیب چیز ہے، ایسا ذکر ہے اللہ کا کہ کوئی دوسرا ذکر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ قرآن پاک کے ایک حصے کی روزانہ تلاوت کا اہتمام کرے۔

## دعا بھی اللہ تعالیٰ کا بہترین ذکر ہے

اسی طرح دعا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے، وہ جو اذکار ہیں مختلف کاموں کے دوران، وہ تو ہیں ہی، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعا کے ذریعہ سے متوجہ ہونا، یہ بھی عبادت کی روح ہے، حدیث شریف میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ (۲) کہ دعا عبادت کا مغز ہے، عبادت کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، باب اسْتِغْفَارِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ.

(۲) سنن الترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ.

دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، دعا کے درمیان بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ہم اپنی حاجتیں بھی مانگتے ہیں اور عبادت میں بھی مشغول ہیں۔

تو بہرحال! ذکر کی یہ مختلف شکلیں ہیں، ان شکلوں کو اختیار کرکے ہمیں چاہیے کہ ہم دین رات کے ان اوقات کو اللہ کی یاد سے معمور کریں اور اللہ کے اس حکم کو پورا کریں، خاص کر کے یہ صبح وشام کے جو اوقات ہیں، صبح کو رات گذرتی ہے، دن آتا ہے۔شام کو دن گذرتا ہے رات آتی ہے، یہ دونوں اوقات کے آنے جانے کا جو موقع ہے، اس میں خاص طور پر ہم کو ذکر کی تلقین کی گئی ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# قرآن کریم کے حفظ کی فضیلت اور اس کو بھولنے پر وعیدیں

بمقام: سورت

بوقت: ۲۵/ ۳/ ۲۰۱۳

# اقتباس

ایک آدمی قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد بھول جائے، اس کے لیے بڑی سخت وعیدیں ہیں؛ اس لیے قرآنِ پاک کے اس حفظ کو باقی رکھنا ہے اور باقی کیسے رہے گا؟ جب کہ آپ روزانہ اس کی منزل پڑھتے رہیں گے، تین پارے، پانچ پارے روزانہ پڑھنے کا معمول بنائیں گے۔ ایک مرتبہ زامبیا کا سفر ہوا تھا تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ – اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے – سے میں نے پوچھا کہ: حضرت شیخؒ کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ: روزانہ آٹھ، نو پارے پڑھتے تھے، حالاں کہ اہلِ علم آپ کے علمی کارناموں سے واقف ہیں، آپ کا سارا وقت تو اس میں گذرتا تھا۔ آج اہلِ علم کے پاس فرصت نہیں ہے، مدرسوں میں کتابیں پڑھاتے ہیں، کہتے ہیں کہ: ہمیں وقت نہیں ملتا، ان سے پوچھو کہ: کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو آدھا پارہ بھی نہیں، اکثر حضرات کا یہی حال ہے۔ دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں سے پوچھو کہ: آپ لوگ مسجد وار جماعت میں دو گھنٹے بیٹھتے ہیں، اس میں فضائلِ قرآن بھی روزانہ پڑھتے ہیں تو قرآن کتنا پڑھتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (الحجر: ۹)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

[صحیح البخاری، عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه]

## ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حضراتِ علماءِ کرام، میرے قابلِ احترام برادرانِ اسلام اور عزیز بچو!

آج ہمارے لیے بڑی مسرت اور سعادت کا موقع ہے کہ یہاں ان بچوں نے اپنے حفظِ قرآنِ پاک کی تکمیل کی، یہ بہت بڑی سعادت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ.

| | |
|---|---|
| یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ورنہ | ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں! |

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔

## کتبِ سماویہ کا مختصر تعارف

قرآنِ پاک اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ عظیم انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمایا، حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ایک سلسلہ جاری فرمایا، اوران ہی انبیاءِ کرام علیہم السلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ چار کتابیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف انبیاء ورسل پر نازل فرمائیں: پہلی توریت ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمائی۔ یہ پہلی کتاب تھی جو احکام کے بارے میں نازل ہوئی، اس کے بعد زبور ہے جو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمائی۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ زبور میں احکام سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز نہیں تھی؛ بلکہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی گئی تھی، جس کو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی عمدہ آواز میں -جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بطورِ معجزہ عطا فرمائی تھی- تلاوت فرماتے تھے۔

## زبور کی تلاوت اور حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ

اور جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبور کی تلاوت کے دوران زمانے کو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے لیے سمیٹ دیا

تھا، چناں چہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب آپ سواری پر سوار ہوتے تھے اور گھوڑے کی رکاب میں پہلا پاؤں رکھا، گھوڑے کی جو زین ہوتی ہے، اس کے نیچے لوہے کے دو حلقے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں، جن پر گھوڑے پر سوار ہونے والا اپنے دونوں پاؤں رکھتا ہے، ان کو رِکاب کہتے ہیں-تو پہلی رکاب میں جب پاؤں ڈالتے تھے تو اس وقت زبور کی تلاوت شروع کرتے تھے، اور پھر جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوسری رکاب میں دوسرا پاؤں ڈالتے تھے تو اس وقت زبور کی تلاوت مکمل ہو جاتی تھی (۱)، اتنے مختصر وقفے میں اس کی تلاوت مکمل فرما لیتے تھے۔

## طیِّ زمان: ایک معجزہ، ایک کرامت

یہ ایک معجزہ ہے جس کو طیِّ زمان سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بعض بندوں کے لیے زمانے کو ایسا سمیٹ دیتے ہیں کہ ایک مختصر سے وقت میں ایک لمبا اور طویل کام جس کے لیے طویل زمانہ درکار ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے سے انجام دِلوا دیتے ہیں۔ حضراتِ انبیاءِ کرام علیھم الصلوۃ والسلام کو اگر یہ چیز دی جائے تو وہ ''معجزہ'' کہلاتی ہے، اور اگر کسی امتی کو دی جائے تو اسی کو ''کرامت'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور امتی کی یہ کرامت اس نبی کے حق میں جس پر وہ ایمان لایا ہے، معجزہ ہوتی ہے، کہ اس پر ایمان لانے کے صدقے میں اور اسی کی صداقت کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امتی کو یہ چیز عطا فرمائی، تو امتی کے حق میں کرامت

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا.

ہے اور وہی چیز نبی کے حق میں معجزہ شمار ہوتی ہے۔

## زبور میں احکام سے متعلق کوئی چیز نہیں تھی

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ: حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبور عطا فرمائی تھی جو صرف ایسی آیتوں پر مشتمل تھی جس میں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی گئی تھی، اس میں احکام سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز نہیں تھی، جس کو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی اس عمدہ اور شان دار آواز میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، پڑھتے تھے، اور جس وقت وہ اس کی تلاوت کرتے تھے پوری کائنات ان کا ساتھ دیتی تھی۔

## اے ابوموسیٰ! تم کو داود کی عمدہ آواز کا کچھ حصہ دیا گیا ہے

بخاری شریف میں ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے گھر پر تہجد میں قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے، رات کے سناٹے میں ان کی تلاوت کی آواز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے میں پہنچی، ان کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا پڑھنا پسند آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سننے کے لیے اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لے گئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر آیا ہوا دیکھ کر حضراتِ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہر آ گئیں، اور دیر تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قرآن کی تلاوت سنتے رہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں کہ رات میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، صبح کو جب وہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شاباشی دیتے ہوئے فرمایا: يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ۔ ''مزمار'' عربی زبان میں بانسری کو کہتے ہیں، اسی کی جمع مزامیر آتی ہے، یہاں پر بانسری بول کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عمدہ آواز مراد لی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابو موسیٰ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ تمھیں بھی عطا فرمایا ہے(۱)۔

## حضرت داودؑ کے لیے صیغۂ جمع اور حضرت ابو موسیٰؓ کے لیے صیغۂ واحد استعمال کرنے کا راز

چوں کہ حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے لیے مزامیر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ آپ کو بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے۔

## اللہ والوں کو خوش کرنے کے لیے نیک عمل کرنا اخلاص کے منافی نہیں ہے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے میری تلاوت سنی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں سنی اور مجھے بہت پسند آئی تو حضرت ابو

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن.

موسیٰ رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو مَیں اَور اچھا کر کے پڑھتا۔ اسی حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: کوئی عمل اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو خوش کرنے کے لیے کیا جاوے، وہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ چوں کہ آدمی اللہ کے نیک بندوں کو خوش کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ راضی ہوجائے، اس لیے وہ عمل مردود نہیں ہوتا۔

میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ: حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبور عطا فرمائی تھی اور وہ اس کو اس شان سے پڑھتے تھے۔

## حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت

''ارواحِ ثلاثہ'' ایک کتاب ہے، جس میں ہمارے اسلاف: اکابرِ دیوبند کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، اس میں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ انھوں نے حاضرین سے فرمایا کہ: اللہ کے بعض بندے وہ ہیں جو عصر اور مغرب کے درمیانی وقفے میں قرآنِ پاک پورا پڑھ لیتے ہیں، آپ نے یہ بات کچھ اس انداز سے فرمائی کہ سننے والے یہ سمجھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں یہ چیز عطا فرمائی ہے۔ چناں چہ لوگوں نے پڑھنے پر اصرار کیا تو انھوں نے جمنا کے پل پر کھڑے ہوکر عصر کے بعد قرآن شروع کیا، سامنے میدان میں بڑا مجمع تھا اور غروب آفتاب سے پہلے ختم کرلیا۔ تو یہ دوسری کتاب ہوئی۔

## تیسری کتاب: انجیل

تیسری کتاب انجیل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرمائی، اس میں بھی زیادہ احکام نہیں تھے، توریت کے بعض احکام میں تبدیلی کی گئی تھی۔

## قرآنِ پاک اور اس کے دو نزول

چوتھی آسمانی کتاب قرآنِ پاک ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی۔ قرآن کے نزول دو ہیں: ایک تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتارا گیا، یعنی قرآن پہلے پورا لوحِ محفوظ میں محفوظ تھا اور اس کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا جانا تھا تو پہلے ہی سے لوحِ محفوظ سے لاکر آسمانِ دنیا پر رکھا گیا۔ یہ قرآنِ پاک کا پہلا نزول ہے جو رمضان المبارک کے مہینے میں اور لیلۃ القدر میں پیش آیا۔ قرآن میں ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو لوگوں کی ہدایت کے واسطے نازل کیا گیا۔ یہ جو رمضان کے مہینے میں نزول ہوا ہے، وہ پورے قرآن کا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ: ہم نے اس قرآنِ پاک کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، ان دونوں آیتوں میں قرآنِ پاک کو اتارنے کا جو تذکرہ کیا گیا ہے، وہ وہ ہے جو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے اوپر اتارا گیا تھا۔

## نزولِ وحی کی ابتدا

اس کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ۲۳ رسالہ دورِ نبوت میں حسبِ موقع تھوڑا تھوڑا

اتارا گیا۔سب سے پہلی وحی اس وقت نازل ہوئی، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے،اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اقْرَأْ: پڑھیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ: مَیں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر کے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور وہی فرمایا: اقْرَأْ: پڑھیے، پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی جواب دیا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر کے بھینچا، پھر تیسری مرتبہ بھی وہی فرمایا: اقْرَأْ: پڑھیے، پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی جواب دیا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں،تو تیسری مرتبہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیسری مرتبہ بھینچ کر فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، سورۂ اقْرَأْ کی پانچ آیتیں تلاوت کیں۔ یہ پہلی وحی ہے جو نازل ہوئی(۱)۔

## اولِ وحی کے نزول کی تاریخ میں اختلاف

یہ کب نازل ہوئی؟ تو اس سلسلے میں حضراتِ محدثین کے دو قول ہیں: علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ پہلی وحی ربیع الاول میں نازل ہوئی، جب کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رمضان کی ۱۷ ؍تاریخ کو یہ پہلی وحی نازل ہوئی اور اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، كِتَاب بَدْءِ الْوَحْيِ.

ہے کہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، چھ مہینے تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے خواب دیکھے، ایسے خواب کہ رات کو جو دیکھتے صبح کو وہ بالکل کھل کر سامنے آجاتا تھا۔ اس کی ابتدا ربیع الاول سے ہوئی، یہ سلسلہ رمضان المبارک تک چلا، یہ چھ مہینے کا عرصہ ہوتا ہے، اس کے بعد قرآنِ پاک کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ پہلی وحی تھی اور پہلا موقع تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ پڑا(۱)۔

## اولِ وحی کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ اور حضرت خدیجہؓ کا تسلی دینا

اس اولین واقعے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر ایک خوف اور ایک فکر سا طاری ہوگیا، اسی وقت اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ چناں چہ جب کچھ سکون ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیفیت بیان کی اور فرمایا: لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي: مجھے اپنی جان کے بارے میں خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بڑی دانش مندی کی بات کہی، عرض کیا: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا: ہرگز نہیں! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ذلیل اور رسوا نہیں کریں گے، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ: آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، غریبوں کی مدد

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ المُؤْمِنِينَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کرتے ہیں، اور جن کے پاس مال نہیں ہے ان کو کما کر دیتے ہیں مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں۔ الغرض! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ کام شمار کروائے جن کو آپ انجام دیتے تھے، اور ان کا حوالہ دے کر آپ کو تسلی دی، کہ جو آدمی اس طرح اللہ کی مخلوق کا بھلا چاہتا ہو، ایسے آدمی کبھی ضائع اور برباد نہیں ہوتے۔

## آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے پر ورقہ بن نوفل کا ردِّ عمل

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو توریت، انجیل وغیرہ کو عربی زبان میں منتقل کرتے تھے، کئی آسمانی کتابوں کے عالم تھے، معمّر آدمی تھے، ان سے کہا کہ: اپنے بھتیجے کی بات سنو! جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا تو ورقہ نے کہا کہ: یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آتا تھا، اس کے بعد فرمایا کہ: کاش! میں اس وقت نوجوان ہوتا اور طاقت ور ہوتا، جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی تو میں آپ کی مدد کرتا۔ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ: کیا میری قوم مجھے میرے وطن سے نکالے گی؟ تو جواب دیا کہ: ہاں! جو آدمی بھی ایسا کام لے کر آگے بڑھتا ہے، اس کے ساتھ اس کی قوم ایسا ہی معاملہ کرتی ہے (۱)۔

## زمانۂ فترت اور اس کی تعیین میں اختلاف

بہر حال! یہ پہلی وحی تھی۔ اس کے بعد کچھ مدت کے لیے وحی کا سلسلہ بند رہا،

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، كِتَاب بَدْءِ الْوَحْيِ.

اس کو ’’زمانۂ فترت‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کتنی مدت تھی؟ اس میں کئی اقوال ہیں: دو مہینے سے لے کر تین سال تک کی بات ہے، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ- جو سیر ومَغازی کے امام سمجھے جاتے ہیں- کا قول تین سال کا ہے، کتابوں میں عام طور پر اسی قول کو ذکر کیا جاتا ہے؛ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس سے اتفاق نہیں کرتے، اس کے بعد بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غارِ حرا میں آنا جانا جاری رہا۔

## زمانۂ فترت کے بعد دوسری وحی

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے نکل کر گھر جانے کے لیے وادی میں اترے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افق کے اوپر ان کی اصلی شکل میں زیارت ہوئی، کہ آسمان کے کنارے کے اوپر کرسی پر بیٹھے ہیں اور آسمان کا پورا کنارہ گھیر رکھا ہے، یہ پہلا موقع تھا جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا، اس کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہوئی، اور اس وقت دوسری وحی نازل ہوئی؛ پھر یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

## قرآنِ پاک کی درس وتدریس میں مشغول حضرات خیر الامہ ہیں

یہ قرآنِ پاک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا، یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے۔ اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ: حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: خَیْرُکُمْ کا خطاب صحابۂ کرام سے ہے جو تمام امت میں سب سے بہتر ہے، ان سے بھی

کہا جا رہا ہے کہ تم میں بھی بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔

## حضرت عبد اللہ بن حبیب سلمیؒ اور ان کی خدماتِ قرآن

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضرت عبد اللہ بن حبیب سلمی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے تابعی ہیں اور اکثر قُرّاء کی سند میں یہ آتے ہیں، وہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: یہی وہ ارشاد ہے جس نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ یعنی ان کا مشغلہ ہی یہ تھا کہ وہ لوگوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دیتے تھے، کتنی مدت تک ان کا یہ مشغلہ رہا؟ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس کی سالوں کے اعتبار سے تعیین تو نہیں آئی ہے؛ لیکن اتنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر حَجاج کے دورِ امارت تک خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سال سے لے کر حجاج کی امارت کے آخری سال تک ۷۲ ر سال ہوتے ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال سے لے کر حَجاج کی امارت کے پہلے سال تک ۳۸ ر سال ہوتے ہیں، تو گویا ان کی خدمتِ قرآن کا زمانہ ۳۸ ر سے اوپر اور ۷۲ ر کے اندر رہے۔

## حفاظتِ قرآن کا قدرتی نظام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت میں ایسے افراد پیدا فرمائے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کو قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے، اگر امت مل کر اس کے لیے کوئی اقدام کرتی، امت اس کے لیے کوئی تجویز

پاس کرتی تو وہ اتنا موٴثر نہ ہوتا جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سلسلے کو موٴثر بنایا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر زمانے میں ہر جگہ ایسے لوگ رہے ہیں اور آج بھی ایسے حضرات پائے جاتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی قرآنِ کریم کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ آپ کے اس مدرسے میں حضراتِ مدرسین کا ایک سلسلہ ہے، اور اولیاء اور ماں باپ اپنی اولاد کو فارغ کر کے اس کے لیے لگاتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک اور آئندہ بھی جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو قرآنِ پاک کی حفاظت منظور رہے، اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

## حافظ کے والدین کا اعزاز واکرام

ہم لوگوں کے لیے بڑی مسرت اور سعادت کا موقع ہے کہ، ان بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل کر لی، بڑے سعادت مند ہیں وہ والدین جنھوں نے اپنے بچوں کو اس عملِ خیر میں لگایا، ان کا یہ عمل ان کے لیے قیامت کے روز بڑی عزت افزائی کا سبب ہوگا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ: جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا، أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا، ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِ(۱): کہ اس کی روشنی سورج

(۱) شعب الإيمان، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ، فصل في تعلم القرآن، ر:۱۷۹۶.

کی روشنی سے بھی بڑھ کر کے ہوگی جب کہ وہ سورج تمھارے گھروں ہو۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ: یہ سورج زمین سے ۹ رکروڑ ۳۴ رلاکھ میل کی دوری پر ہے، اور یہ میل بھی روشنی والا میل ہے جو سائنس دانوں کی ایک خاص اصطلاح ہے، تو اتنا دور ہونے کے باوجود اس کی چمک دمک کا یہ عالم ہے کہ اس کو آنکھ جما کر دیکھ نہیں سکتے، اگر یہی سورج گھر میں آجائے تو اس کی چمک دمک کیسی ہوگی!

## طاقوں میں سجانے کو یہ قرآن نہیں ہے

لیکن عمل کرنا شرط ہے، خالی یاد کرلینا کافی نہیں ہے، حافظ کو چاہیے کہ پڑھنے کے ساتھ عمل کا بھی اہتمام کرے، تب یہ فضیلت اس کے ماں باپ کو حاصل ہوگی؛ اس لیے ماں باپ کو بھی چاہیے کہ وہ اولاد کو اس پر عمل کرنے پر لگائے۔ ''فضائلِ قرآن'' اٹھا کر دیکھ لو، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

## فَمَا ظَنُّکُمْ بِالَّذِی عَمِلَ بِھٰذَا

آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَمَا ظَنُّکُمْ بِالَّذِی عَمِلَ بِھٰذَا: جس نے اس پر عمل کیا اس کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟ یعنی اس کے ماں باپ کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جنھوں نے نہ پڑھا نہ کچھ حفظ کیا، تو پڑھنے والے اور عمل کرنے والے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعزاز واکرام کا کیسا معاملہ کیا جائے گا! تو حفظِ قرآن کی دولت بہت بڑی سعادت ہے، اس سعادت کی قدر شناسی بہت ضروری ہے۔

## حفظ کے بعد قرآن پاک کو یاد رکھنا فرضِ عین ہے

پورے قرآن کو حفظ کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے، البتہ اتنی مقدار جس سے نماز درست ہو جائے، اس کو یاد کرنا واجب ہے، اگرچہ پورا قرآن حفظ کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے؛ لیکن جو لوگ حفظ کر چکے ہیں، ان کے لیے اس کے حفظ کو باقی رکھنا فرضِ عین ہے اور اس کو بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان'' میں اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الروضہ'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ: قرآنِ پاک کو حفظ کرنے کے بعد اس کو باقی رکھنے کے لیے توجہ دینی چاہیے اور اس کو پڑھتے رہنا چاہیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## قرآنِ پاک یاد کرنا آسان ہے؛ لیکن یاد رکھنا مشکل ہے

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے؛ اس لیے جو بھی قرآنِ کریم کو حفظ کرنا چاہے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے حفظ کو آسان کر دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر] اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ: ہم قرآن حفظ کرنے والوں کے لیے اس کے حفظ کو آسان کر دیتے ہیں۔ تو حفظ تو آسان کر دیا ہے؛ لیکن حفظ کر لینے کے بعد اس کو یاد رکھنے کے لیے آدمی کو مسلسل اس کے پیچھے لگا رہنا پڑتا ہے، روزانہ اس کی منزل اور مقررہ مقدار پڑھتا رہے۔

## فمی بشوق کا مطلب

صحابۂ کرام میں سے جو حُفّاظ اور قُرّاء تھے، عام طور پر ان کا معمول یہ تھا کہ وہ روزانہ ایک منزل پڑھتے تھے، ''فمی بشوق'' حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ قرآن'' میں یہ ''فمی بشوق'' لکھا ہے کہ: منزل جن جن سورتوں سے شروع ہوتی ہے، ان کا پہلا حرف لیا ہے، پہلی منزل سورۂ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''فا'' لیا، دوسری منزل شروع ہوتی ہے سورۂ مائدہ سے، اس کا ''میم'' لیا، تیسری منزل سورۂ یونس سے شروع ہوتی ہے، اس کی ''یا'' لی، چوتھی منزل سورۂ بنی اسرائیل سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''با'' لیا، پانچویں منزل سورۂ شعراء سے شروع ہوتی ہے، اس کی ''شین'' لی، چھٹی منزل سورۂ ''وَالصّٰفّٰتِ'' سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''واؤ'' لیا، ساتویں منزل سورۂ قٓ سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''قاف'' لیا، اس طرح یہ جملہ ''فمی بشوق'' بنایا ہے۔

تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو لوگ قُراء تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ عموماً وہ لوگ روزانہ ایک منزل کی تلاوت کرتے تھے، یہ کم سے کم تھا، زیادہ والے بھی تھے۔ تو حافظ کو چاہیے کہ وہ اپنے حفظِ قرآن کو باقی رکھنے کے لیے روزانہ قرآنِ پاک کی تلاوت کا ایک معمول بنالے اور اس کا اہتمام بھی کرے۔ خالی رمضان کے مہینے میں قرآن کھول کے یاد کرنے کے لیے بیٹھے تو ایسے رمضانی حافظ نہیں بننا ہے؛ بلکہ سال بھر پڑھتے رہنا ہے۔

## دو قابلِ رشک آدمی

حدیث میں آتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَاحَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: دو آدمی

ایسے ہیں کہ ان کے اوپر رشک کیا جا سکتا ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جو نعمت دی ہے، اس نعمت کے متعلق یہ تمنا کی جا سکتی ہے، کہ کاش! اللہ تبارک وتعالیٰ وہ نعمت ہم کو بھی عطا فرمائے: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ: ایک وہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کے حفظ کی دولت عطا فرمائی اور اس کو لے کر وہ دن اور رات کی مختلف گھڑیوں میں نماز میں کھڑا رہتا ہے اور اس کی تلاوت کرتا ہے (۱)۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب بیداری کا بیان

یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کا معمول تھا، بخاری شریف میں ہے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ | | إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ |

ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے، اس وقت تک (تلاوت کرتے ہیں)۔

| | | |
|---|---|---|
| أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا | | بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ |

اس رسول نے ہم کو گمراہی کے بعد ہدایت کا راستہ بتلایا، ہمارے دلوں کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں وہ ہو کر کے رہے گی۔

آگے فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ | | إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ |

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ الخ۔

وہ رسول رات اس حالت میں گذارتے ہیں کہ ان کا پہلو بستر سے الگ ہوتا ہے، ایسے وقت کہ جس میں ان مشرکین کی وجہ سے بستر بھاری ہوجاتے ہیں (۱)۔ یہ نبیٔ کریم ﷺ کی شان تھی۔

## کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

بخاری میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ رات کو نماز کے اندر طویل قیام کرتے تھے، جس کی وجہ سے نبیٔ کریم ﷺ کے پاؤں مبارک کے اوپر ورم آجاتا تھا۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی تو اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف کردیں پھر بھی آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں! تو جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ (۲)۔

## حفظِ قرآن انمول نعمت ہے

آپ لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حفظ کی دولت عطا فرمائی، یہ ایسی نعمت ہے کہ دنیا کی کوئی بھی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ آدمی راتوں کو اس کو لے کر کھڑا ہو۔ بہر حال! جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ قرآنِ

---

(۱) صحيح البخاری، أَبِی هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب فضل من تعار من الليل فصلى.

(۲) صحيح البخاری، باب {لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا}

پاک کو حفظ کر لینے کے بعد اس کو باقی رکھنا فرضِ عین ہے اور بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''الزواجر'' میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، چوں کہ حدیث میں جو بھول جاتا ہے، اس کے لیے وعید آئی ہے، اور جن گناہوں کے متعلق وعید آتی ہے ان گناہوں کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔

## قرآنِ پاک کا حفظ کیسے باقی رہے گا؟

ایک آدمی قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد بھول جائے، اس کے لیے بڑی سخت وعیدیں ہیں؛ اس لیے قرآنِ پاک کے اس حفظ کو باقی رکھنا ہے اور باقی کیسے رہے گا؟ جب کہ آپ روزانہ اس کی منزل پڑھتے رہیں گے، تین پارے، پانچ پارے روزانہ پڑھنے کا معمول بنائیں گے۔

## حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا تلاوت کا معمول

ایک مرتبہ زامبیا کا سفر ہوا تھا تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ – اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے – سے میں نے پوچھا کہ: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ: روزانہ آٹھ، نو پارے پڑھتے تھے۔ حالاں کہ اہلِ علم آپ کے علمی کارناموں سے واقف ہیں، آپ کا سارا وقت تو اس میں گذرتا تھا۔

مولانا ہاشم جوگواڑی دامت برکاتہم کے نام حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جو خطوط ہیں، ابھی گذشتہ مہینے میرے ہاتھ آئے تھے، اس کے شروع میں حضرت مولانا یوسف صاحب

متالا دامت برکاتہم کا ایک مضمون ہے، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول نقل کیا ہے کہ: روزانہ ۱۳، ۱۴/ پارے تو پڑھتے ہی تھے، اور تیسرے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے تو قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ یہ تو عام دنوں کی بات ہے، ورنہ رمضان میں تو روزانہ ایک قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔

## حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا تلاوت کا معمول

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھا کہ رمضان کے اندر ہمیشہ غروب سے پہلے "وَالنَّاس" آپ کی زبان پر ہوتا تھا، ایک قرآن روزانہ حضرت ختم کرتے تھے۔ اَور دنوں میں بھی، سفر میں آپ کی زبان پر قرآن کثرت سے ہوتا تھا۔

جس زمانے میں حضرت، مظاہر علوم سہارنپور میں تھے اور وہاں سے گنگوہ جاتے تھے، تو اس زمانے میں بسیں نہیں تھیں، پیدل جاتے تھے تو پیدل چلتے ہوئے ۲۰، ۲۵/ پارے آرام سے پڑھ لیتے تھے۔

## زمین کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے

آج اہلِ علم کے پاس فرصت نہیں ہے، مدرسوں میں کتابیں پڑھاتے ہیں، کہتے ہیں کہ: ہمیں وقت نہیں ملتا، ان سے پوچھو کہ کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو ایک، آدھا پارہ بھی نہیں پڑھتے، اکثر حضرات کا یہی حال ہے۔ دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں سے پوچھو کہ: آپ لوگ مسجد وار جماعت میں دو گھنٹے بیٹھتے ہیں، اس میں فضائلِ قرآن بھی روزانہ پڑھتے ہیں تو قرآن کتنا پڑھتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ "فضائلِ قرآن"

اس لیے لکھی گئی ہے کہ آپ قرآن پڑھیں، آپ فضائلِ قرآن تو روز پڑھتے ہیں، اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، تکرار کرتے ہیں؛ لیکن قرآن نہیں پڑھتے تو اس کا کیا فائدہ ہے؟ جتنے بھی دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں- چاہے وہ حافظ ہوں یا عالم ہوں- قرآنِ پاک کی تلاوت کا ضرور اہتمام کریں۔

## ہم گجراتی ''رمضانی'' حافظ ہوتے ہیں

پھر ہمارا یہ قرآن رمضان تک محدود نہ ہو۔ آج کل کے حافظ رمضانی حافظ بن گئے ہیں، اور ویسے بھی یوپی بہار والے ہم گجراتیوں پر ہنستے ہیں کہ گجرات کا حفظ بھی عجیب ہے، کہ تراویح میں سناتے ہیں تو چار رکعت میں چار رکوع سناتے ہیں، حالاں کہ پورا قرآن سنانا چاہیے، پھر جو چار رکوع سنائیں گے، یاد بھی وہی چار رکوع کریں گے، قرآن کا دوسرا حصہ تو یاد کرتے ہی نہیں، یہاں تک کہ دوسرا حافظ غلطی کرے تو کوئی لقمہ دینے والا نہیں ہوتا، یہ بڑے افسوس کی بات ہے!!

## قرآنِ کریم کے بھولنے کا معیار کیا ہے؟

قرآنِ کریم بھول جانا کبیرہ گناہ ہے، اب سوال ہوتا ہے کہ بھول جانا کس کو کہتے ہیں؟ فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ: بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ رہے؛ لیکن ہمارے قاری محمد طیب صاحب رحیمی رحمۃ اللہ علیہ پاکستانی - جو حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، پچھلے سالوں میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، وہیں ان کا انتقال بھی ہوا- لکھتے ہیں: اگر چہ

بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ: بھول جانے کا معیار یہ ہے کہ وہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ رہے؛ لیکن ہمارے مشائخ کا رجحان یہ ہے کہ سابقہ معیار کے لحاظ سے حفظ میں فرق اور کمی آجائے یعنی یاد کرنے کے زمانے میں جس انداز سے یاد کیا تھا، وہ کیفیت باقی نہ رہے، یہ نسیان کا مطلب ہے۔ یہ تو انھوں نے مشائخ کے میلان کا تذکرہ کیا ہے، وہ اپنا میلان لکھتے ہیں کہ: میرا میلان اور رجحان یہ ہے کہ تراویح میں سنا نہ سکے اور اگر سنا رہا ہے تو اتنی غلطیاں جائیں کہ لوگ یوں چرچا کریں کہ یہ تو قرآن بھول گیا۔

## قرآنِ پاک کو بھولنا کبیرہ گناہ ہے

تو بھول جانے پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، ترمذی شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میری امت کی نیکیاں میرے سامنے پیش کی گئیں، یہاں تک کہ مسجد میں پڑا ہوا ایک تنکا آدمی اس لیے اٹھائے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر میں پڑا ہوا ہے جو اس کے گھر کی عظمت کے منافی ہے؛ لہٰذا اس کو اٹھا کر جیب میں رکھ لے یا اس کو باہر اٹھا کر لے جائے، تو ایسی چھوٹی سی نیکی بھی میرے سامنے پیش کی گئی، اور فرماتے ہیں کہ: امت کے گناہ بھی پیش کیے گئے، ان کے اندر میں نے سب سے بڑا گناہ یہ دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی آدمی کو قرآنِ پاک کی کوئی سورت یا آیت عطا فرمائی اور پھر وہ اس کو بھول گیا(۱)۔ یہ تو آیت اور ایک سورت کی بات چل رہی ہے، جنھوں نے چند سورتیں یاد کیں یا چند آیتیں یاد کیں، وہ بھی اس وعید میں

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنَ الأَجْرِ.

آ جاتے ہیں تو قرآن کو یاد کر کے بھول جانا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق سب سے بڑا گناہ ہے۔

## قرآنِ پاک یاد کر کے بھولنے پر کوڑھ نامی بیماری کی اُخروی وعید

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص قرآن یاد کر کے بھول جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ کوڑھی ہوگا(۱)۔ کوڑھ یعنی ایسی بیماری جس میں اعضاء گر جاتے ہیں، ایک تو گجراتی میں سفید داغ والے کو کوڑھی کہا جاتا ہے، وہ مراد نہیں؛ بلکہ وہ بیماری مراد ہے جس میں اعضاء گر جاتے ہیں، گجراتی میں اس کو ''رکت پت'' کہا جاتا ہے؛ بلکہ ''جمع الفوائد'' میں تو اس حدیث کے بعد بطورِ دلیل ایک آیت کو بھی پیش کیا گیا: فاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى'': اگر تم چاہو تو قرآنِ پاک کی اس آیت کو پڑھو: ''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى'' یعنی جس نے قرآنِ پاک جیسی نعمت ملنے کے بعد اس سے بے رخی اختیار کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی زندگی کو تنگ کر دیں گے۔

## قرآنِ پاک کو بھولنے والا تنگیٔ رزق کا شکار ہوتا ہے

علما نے لکھا ہے کہ: جو شخص قرآن یاد کر کے بھول جائے گا تو وہ روزی کی تنگی کا شکار ہوگا، اور باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى: کہ قیامت کے دن

---

(۱) شعب الإيمان، فَصْلٌ فِي إِدْمَانِ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، رقم الحديث:۱۸۱۷.

ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے

۔آگے فرماتے ہیں: قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا: وہ وہاں عرض کرے گا کہ: باری تعالیٰ آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالاں کہ میں تو بینا تھا، دیکھنے والا تھا؟ تو باری تعالیٰ فرمائیں گے: قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى: ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں اور تو نے یاد بھی کی تھیں؛ لیکن تو نے اس کو بھلا دیا، تو نے بھلا دیا تو آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔

تو قرآنِ پاک کو بھول جانے کی وعید پر دلیل کے طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا، اگرچہ اس آیت میں عموم ہے؛ لیکن یہ بھی اس میں داخل ہے، اسی کی بنیاد پر علما نے لکھا ہے کہ: جو شخص قرآن یاد کرنے کے بعد غفلت کی وجہ سے بھول جائے گا تو وہ روزی کی تنگی کا شکار ہوگا اور قیامت کے روز عذاب کا شکار ہوگا۔

## معاصی میں مبتلا رہنے والے حفّاظ کے لیے وعید

بلکہ تفسیرِ قرطبی میں ایک روایت ہے کہ: جہنم کے اندر ایک وادی ہے، خود جہنم اس سے روزانہ سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اس وادی کے اندر ایک کنواں ہے، وہ وادی اور جہنم خود اس کنویں سے روزانہ سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اس کنویں میں ایک سانپ ہے، جہنم، وادی اور کنواں تینوں روزانہ سات مرتبہ اس سانپ سے پناہ مانگتے ہیں، یہ سانپ ان حافظوں پر مسلط کیا جائے گا جو معاصی اور اللہ کی نافرمانی میں مبتلا رہتے ہیں (۱)۔

---

(۱) تفسير القرطبي، ۱/ ۱۹، باب تحذير أهل القرآن والعلم من الرياء وغيره.

## بارگاہِ خداوندی میں قرآن کی فریاد

تفسیرِ قرطبی کے اندر ایک روایت اَور ہے: من تعلم القرآن وعلق مصحفه: کہ جس نے قرآن سیکھا اور سیکھنے کے بعد اس کو لٹکا دیا- یہاں سیکھنا عام ہے، چاہے حفظ کی شکل میں ہو یا ناظرہ کی شکل میں ہو- تو جس نے قرآن سیکھا اور سیکھنے کے بعد اس کو طاقچے میں رکھ دیا، لٹکا دیا، لم يتعاهد: روزانہ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے تھا، وہ نہیں کیا، ولم ينظر فيه: کبھی اس کی تلاوت نہیں کی، جاء يوم القيامة متعلقا به يقول: يا رب العالمين! إن عبدك هذا اتخذني مهجورا، فاقض بيني وبينه: تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ یہ قرآن اس کے ساتھ لگا ہوا ہوگا، اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے فریاد کرے گا کہ: اے رب العالمین! اس نے میرے حق کو ادا نہیں کیا، مجھے یوں ہی چھوڑے رکھا تھا؛ اس لیے آپ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمایئے (۱)- یہ قرآن فریاد کرے گا، اور جب قرآن فریاد کرے گا تو اس کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

## قرآنِ پاک کو بھولنا گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: کوئی آدمی یوں کہے کہ میں قرآن بھول گیا یا قرآن کی آیت بھول گیا تو یہ بہت بری بات ہے، بھول نہیں گیا، بلکہ بھلا دیا گیا، چاہے کسی گناہ کے نتیجے میں ہو (۲)- چناں چہ اسی سلسلے میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

(۱) تفسير القرطبي، باب تحذير أهل القرآن والعلم من الرياء وغيره. ۱۳/۲۷، سورة الفرقان

(۲) صحيح البخاري، باب استذكار القرآن وتعاهده.

کی ''کتاب الزہد'' میں یہ روایت لکھی ہوئی ہے کہ: جب تم میں سے کوئی آدمی قرآن پڑھتا ہے اور بھول جاتا ہے تو وہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے(۱)؛ اس لیے حافظِ قرآن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرے۔ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ [الشوریٰ:۳۰] جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے، وہ تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ قرآن جیسی عظیم نعمت کو یاد کر لینے کے بعد بھول جانے سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہے؛ اس لیے یہ بھی گناہوں کی وجہ سے ہے۔

## قرآن کے حفظ کو باقی رکھنے کا ایک آسان نسخہ

اخیر میں ایک روایت بتلا دیتا ہوں جو شامی کے حوالے سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: جو آدمی روزانہ رات کو سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھے گا تو وہ قرآن نہیں بھولے گا، چار آیتیں شروع کی أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک ہیں، ویسے ہمارے قرآن میں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پانچ آیتیں ہیں، اصل میں آیتوں کے شمار کے سلسلے میں قاریوں کے یہاں اختلاف ہے، اہلِ کوفہ کے یہاں الٓمٓ مستقل آیت نہیں ہے، اس معنیٰ کر کے چار آیتیں بنتی ہیں، اور آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں، یہ کل سات آیتیں ہوئیں اور لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

---

(۱) عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ إِلاَّ بِذَنْبٍ يُحْدِثُهُ. (کتاب الزہد لابن مبارک، ۲۸/۱، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْوِيفِ عَوَاقِبِ الذُّنُوبِ. رقم الحدیث: ۸۴.

سے اخیر تک کی تین آیتیں، یہ کُل دس آیتیں جو شخص روزانہ میں رات میں پڑھے گا، وہ قرآن نہیں بھولے گا، یہ نسخہ یادرکھنے کے قابل ہے۔ روزانہ قرآنِ پاک کی تلاوت اور اس کے دور کا اہتمام کریں۔

## قرآنِ پاک کو غفلت کی وجہ سے بھولنے کی ایک سزا

ایک تو یہ ہے کہ بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے حافظہ کمزور ہو گیا اور اس کی وجہ سے قرآن بھول گیا تو اس کے حق میں یہ وعید نہیں ہے، غفلت کی وجہ سے جو شخص بھول جائے، اس کے لیے وعید ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک کے دور کی توفیق عطا فرمائے۔ جو بھی حفاظ یہاں ہیں اور قرآنِ پاک بھول چکے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اس کو یاد کرنے کا اہتمام کریں، یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ شروع میں قرآنِ پاک کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے؛ لیکن بھولنے کے بعد دوبارہ اس کو یاد کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک سزا ہے؛ اس لیے کوشش یہ ہو کہ بھولنے کی نوبت نہ آئے؛ اس لیے روزانہ تلاوت کا اہتمام کریں، اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت کرے کہ قرآنِ پاک اس کے رگ وریشے میں پیوست ہو جائے۔

## ہمارے ایک بزرگ حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گذرے ہیں: حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ، جو ہمارے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے، حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، اور تھانہ بھون کی وہ مسجد جس میں

تین حضرات رہا کرتے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔ ان کا کمرہ پہلے ہی پڑتا تھا اور اس کے باہر چار پائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اگر کوئی آدمی آتا تو حضرت اس سے پوچھتے تھے کہ بھائی! تو کیوں آیا ہے؟ اگر مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ شیخ محمد صاحب بیٹھے ہیں، ان سے پوچھو، اور اگر بیعت ہونا ہے تو وہ وہاں حاجی صاحب ہیں، ان سے ہو جاؤ، اور اگر حُقّہ پینا ہے تو یہاں ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ ویسے ان کے مزاج میں ظرافت تھی؛ لیکن ان کی روحانی اور احسانی نسبت بہت اونچی تھی۔

## تم نے اس کو ''جنم روگ'' لگا دیا

ان سے آ کر کوئی عرض کرتا کہ: حضرت! میں نے اپنے بچے کو حفظ کے لیے بٹھایا ہے، آپ اس کے لیے دعا فرما دیجیے، تو حضرت اس کے جواب میں فرماتے کہ: بھائی! تم نے اس کو ''جنم روگ'' لگا دیا۔ اس کو ''جنم روگ'' سے اس لیے تعبیر فرماتے کہ، اب اس کو قرآنِ پاک یاد کرنے اور رکھنے کا پوری زندگی اہتمام کرنا پڑے گا۔

تو یہ ایک بڑی ذمہ داری کا کام ہے، جہاں یہ سعادت ہے، وہاں یہ ذمہ داری بھی ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حفاظ سے فرماتے ہیں کہ: قرآن کو اتنا پڑھو، اتنا پڑھو کہ بس تمھاری زبان پر جاری ہو جائے، کثرت سے پڑھو گے تو اس کے بعد آسانی ہو جائے گی، اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو روزانہ پورا قرآن ختم

کرتے ہیں، رمضان کی خصوصیت نہیں ہے، رمضان کے علاوہ میں پورا ایک قرآن پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، ایک منزل، دس پارے، تو اس مجلس میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اس مقدار کا اہتمام کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۱)

# اقتباس

حضرت زید بنِ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جس وقت یہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والا ٹکڑا نازل ہو رہا تھا، چوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور کی ران کا کچھ حصہ، پاؤں مبارک کا کچھ حصہ میری ران پر پڑ گیا، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اتنا بوجھ معلوم ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اُحد پہاڑ رکھ دیا گیا ہو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ! کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے وقت کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہوگا! حالاں کہ اس وقت صرف غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا تھا؛ اسی لیے اس کو قول ثقیل سے تعبیر کیا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتو كل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [البقرة: ۱۲۹]

وقال تعالىٰ: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

(صحيح البخارى، عَنْ عُثْمَانَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب خير كم من تعلم القرآن وعلمه)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِى الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا.

(سنن أبي داود، عَبْدِاللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، باب اسْتِحْبَابِ التَّرْتِيلِ فِى الْقِرَاءَةِ)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِى بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِى

عَمِلَ بِهٰذَا. (سنن أبي داود، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب فِي ثَوَابِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ.)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ.

(سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْاٰنِ.)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْاٰنِ، أَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ.

(سنن ابن ماجة، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابٌ: فِي فَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.)

## تقریبِ سعید

حضراتِ علماءِ کرام، مہمانانِ عظام اور عزیز طلبہ!

آج کی یہ مجلس اس مدرسے میں جن طلبہ نے حفظِ قرآنِ پاک کی تکمیل کی ہے، ان کے اعزاز اور اکرام کے لیے منعقد کی گئی ہے، ان بچوں نے اپنا آخری سبق ہمارے سامنے پڑھا، ہم کو سنایا اور اس کے بعد ان کی دستار بندی بھی کی گئی اور مدرسے کی طرف سے ان کو سندیں اور انعامات بھی دئے گئے، الغرض ان کو اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔

## حافظِ قرآن کا حقیقی اعزاز و اکرام

ویسے حقیقی اعزاز و اکرام تو اس وقت ہوگا جب خود باری تعالیٰ ان سے روزِ محشر میں فرمائیں گے: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: قیامت کے روز صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا۔

## صاحبِ قرآن کا مصداق

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرحِ مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: صاحبِ قرآن کا مصداق گویا حقیقی معنی میں حافظِ قرآن ہے (۱)۔ اصل میں صاحبِ قرآن سے مراد وہ آدمی ہے جس کو قرآنِ پاک کے ساتھ اتنا زیادہ لگاؤ ہو اور قرآنِ پاک کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اس کی زندگی کا ایسا جزءِ لاینفک بن چکا ہو کہ، گویا اس کو قرآنِ پاک کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم ہو گیا ہو۔ اس تعلق کی وجہ سے اس کو ''صاحبِ قرآن'' سے تعبیر کیا گیا۔

## پڑھتا جا اور جنت کے درجات طے کرتا جا

قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا: قرآنِ پاک پڑھتا جا اور جنت کے درجات کے اندر ترقی کرتا چلا جا، اور پڑھنا بھی کیسا؟ اسی طرح ترتیل کے ساتھ، ٹھیر ٹھیر کر جیسا کہ تو دنیا کے اندر پڑھا کرتا تھا۔ فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ:

---

(۱) وقال ابن حجر: ويؤخذ من الحديث أنه لا ينال هذا الثواب الأعظم إلا من حفظ القرآن وأتقن أداءه وقراءته كما ينبغي له، فإن قلت: ما الدليل على أن الصاحب هو الحافظ دون الملازم للقراءة في المصحف، قلت: الأصل فيما في الجنة أنه يحكي ما في الدنيا، وقوله في الدنيا صريح في ذلك على أن الملازم له نظرا لا يقال له صاحب القرآن على الإطلاق وإنما يقال ذلك لمن لا يفارق القرآن في حالة من الحالات. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٤ تحت الحديث المذكور)

تیرا مقام اس آخری آیت کے پاس ہوگا جو تو پڑھے گا۔

اسی لیے علما نے لکھا ہے کہ: جنت کے درجات کی تعداد بھی قرآنِ پاک کی آیتوں کی تعداد کے مطابق ہے، اور وہ قرآن پڑھ کر کے آخری درجے پر فائز ہوگا۔

## یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہ قرآنِ پاک کو پڑھنے والے، اس کو یاد کرنے والے اور اس کے ساتھ تعلق اور شغف رکھنے والے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعزاز واکرام کا معاملہ کیا جائے گا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ اعزاز ہے کہ جس پر آدمی جتنا بھی فخر کرے اور جتنی بھی سعادت سمجھے، کم ہے۔

## ادارۂ دینیہ کے قیام کا مقصد

ہماری آج کی اس مجلس کی انعقاد کا جو مقصد تھا، وہ تو بحمد اللہ حاصل ہو چکا؛ لیکن وہ ادارہ جو یہاں قائم کیا گیا ہے، جیسا کہ ابھی آپ کے سامنے مختصر کارگزاری ادارے کے مہتمم صاحب کی طرف سے پیش کی گئی، اس میں یہ بتلایا گیا کہ اس علاقے میں یہ ادارہ اسی لیے قائم کیا گیا ہے کہ اطراف وجوانب کے بچے یہاں قرآنِ پاک کی اور آگے بڑھ کر کے مزید تعلیم حاصل کر کے اسلامی اور ایمانی تعلیم وتربیت سے آراستہ ہوں، اس ادارے کے قیام کا یہی مقصد ہے۔

## بحکمِ الٰہی حضرت ابراہیم کے ہاتھوں خانۂ کعبہ کی تعمیر

دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت جن مقاصد کے لیے

فرمائی تھی، اس کو قرآنِ پاک میں بہت ساری جگہوں پر واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلا موقع وہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ: ''یاد کرو اس وقت کو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے، اور حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس کام میں ان کا تعاون اور مدد کر رہے تھے'' اور پھر وہ اس کام کو انجام دیتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا بھی کر رہے تھے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ: ''اے باری تعالیٰ! ہمارے اس عمل کو قبول فرمائیے''۔

## قبول کرلیں تو سمجھیں کہ ہم بھی مخلص ہیں

اتنا اونچا عمل! جو اپنی مرضی سے نہیں؛ بلکہ اللہ کے حکم سے انجام دیا جا رہا ہے، اس کے باوجود اس عمل کو انجام دیتے ہوئے دل میں ایک ڈر ہے، پتہ نہیں کیا ہو؟ اس کی بارگاہ میں قبول ہو یا نہ ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی قبولیت کے لیے عرض کی جا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقبول لوگوں کی شان یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمل بڑے سے بڑا انجام دیں، تو اس کام کو انجام دیتے وقت اس کے دل میں یہ کیفیت اور جذبہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق دی، اور میں یہ کام کر رہا ہوں؛ لیکن پتہ نہیں اللہ کی بارگاہ میں یہ عمل قبول ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ گویا دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے وہ عرض بھی کرتا رہے کہ: اے اللہ! میرے اس عمل کو شرفِ قبولیت بھی عطا فرما۔

## کعبۃ اللہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔ روایتوں میں ہے کہ: یہ عمارت پہلے سے موجود تھی اور طوفانِ نوح کے زمانے میں اٹھالی گئی تھی؛ لیکن اس کی بنیادیں زمین کے اندر موجود تھیں، بعد میں وہاں ایک ٹیلے کی شکل رہی، اور پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور ہوا کہ دوبارہ اس کی تعمیر کی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر ان بنیادوں کو کھود کر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بتلایا، اور ان ہی کے اوپر انھوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی۔

اس عمل کو انجام دیتے وقت یہ دونوں باپ بیٹے میں سے میں سے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اس کی تعمیر کا کام کر رہے تھے، اس کی دیواریں چُن رہے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لا لا کر کے اپنے والدِ بزرگوار کو دے رہے تھے، ان دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا۔

## کیے ہیں پیش دل وجاں کے نذرانے

تعمیر کے وقت یہ دونوں حضرات دعا کر رہے ہیں، اور خاص طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ: یا اللہ! ہمارے اس عمل کو شرفِ قبولیت عطا فرما، اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ: تو ہی اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا اور ان کے دلوں کے حال سے بہ خوبی واقف ہے۔

## اپنی اولاد کو امتِ مسلمہ بنانے کی دعاءِ ابراہیمی

آگے اس عمل کو قبول کرنے کی دعا کے بعد اس عمل پر کچھ انعام بھی مانگا جا رہا ہے۔ انعام بھی کیا مانگا؟ دنیا نہیں مانگی، اپنی اولاد کے لیے مال و جائداد کی دعا نہیں کی، تو کیا مانگا؟: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ: اے باری تعالیٰ! ہم دونوں کو تیرے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والا بنا دے۔ مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے، اللہ کے احکام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے، اپنا سرِ تسلیم خم کر دے، اس کی طرف سے چوں و چراں نہ ہو، کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ یہ اللہ کا حکم ہے، اس حکم کو بجالانے کے لیے اس نے اپنا سر جھکا دیا۔

## ایک ہم ہیں کہ خدا کی بھی پرستش نہ ہوئی

آج کل کا مسلمان! چھوٹے چھوٹے مسئلے ہمارے یہاں دار الافتاء میں آتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایسا کیوں ہیں؟ ارے اللہ کے بندے! ہم تو غلام ہیں اور غلام کو یہ حق نہیں کہ وہ آقا سے سوال کرے کہ آپ نے یہ حکم کیوں دیا؟ آقا جب غلام کو کہے کہ: فلاں کام کرو اور غلام اس پر آقا سے کہے کہ: آپ ذرا یہ بتلا دیجیے کہ یہ حکم کیوں دے رہے ہیں؟ تو دو طمانچے مار کے بھگا دے گا، کہ تجھے کیا حق بنتا ہے اس طرح سوال پوچھنے کا؟

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مظہر ہیں

اور پھر یہ بھی دعا کی کہ: اے باری تعالیٰ! ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت

پیدا کر دیجیے جو تیرے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والی ہو، یعنی حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک امت بھی مانگی۔ یہ امتِ مسلمہ وہ امت ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تھا، هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ: حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے ہمارے لیے یہ نام بھی تجویز کیا ہے، اور پھر اس امت کی تعلیم و تربیت کے لیے انھوں نے اسی موقع پر اللہ تعالیٰ سے ایک نبی کی بعثت کی بھی دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: اے اللہ! تو اس امت کے اندر جو آپ ہماری اولاد کے اندر پیدا کریں گے، ایک رسول بھی عطا فرما۔ امت بھی مانگی اور امت کے لیے رسول بھی مانگا۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں اپنی خوبیوں کو بتلاتے تھے، وہاں یہ بھی فرماتے تھے: أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی دعاؤں کا مظہر ہوں''(۱)۔ اور انھوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت جو دعا مانگی تھی اس دعا کو قبول فرما کر اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد

حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا دعا مانگی؟ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کہ: اے باری تعالیٰ! اس امت میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیجو جو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: کہ تیری کتاب کی آیتوں کو ان کے سامنے پڑھے، اس کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ اس دعا میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد- اور مختصراً کہیں تو

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُ، تَفْسِيرُ سُورَةِ الأَحْزَابِ.

تین مقصد- بتلائے ہیں، ان میں سے ایک تو تلاوتِ آیات ہے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: ان کو کتاب بھی سکھلائے اور حکمت بھی، کتاب کی تشریح بھی بتلائے۔ تو دوسرا مقصد تعلیمِ کتاب وحکمت ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ: اوران کا تزکیہ بھی کرے، ان کے دلوں کو گندگیوں سے، برے اخلاق سے، بری صفات سے پاک اور صاف کرے، تو آپ کی بعثت کا تیسرا مقصد تزکیۂ قلوب بھی ہے، تو گویا نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بھی اس دعا کے اندر بتلادیے گئے۔

## نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد میں اولین مقصد

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ الفاظِ قرآن کی تعلیم کوئی معمولی چیز نہیں ہے، چناں چہ حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں اولین مقصد تلاوتِ آیات یعنی قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دینا ہے، چاہے اندر دیکھ کر ناظرہ کی شکل میں ہو یا حفظ کی شکل میں ہو، یا اس کی تصحیح اور عمدہ انداز میں پڑھنے کی شکل میں ہو۔ ہمارے مدارس میں ناظرہ، حفظ اور تجوید کے جو شعبے ہیں، وہ سب اسی مقصد کے اندر آجاتے ہیں۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بڑا اہتمام تھا، آپ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو قرآن کے الفاظ کو محفوظ کرنے کے لیے خود نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑا اہتمام کرتے تھے۔

## ''قرآن'' الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام ہے

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ: ان الفاظ کو رٹنے سے کیا حاصل! حالاں کہ قرآنِ

پاک کے الفاظ کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔ ویسے تو قرآن نام ہی ہے الفاظ اور معانی کے مجموعے کا۔ اصولِ فقہ میں جہاں قرآنِ پاک کی حقیقت بیان کی جاتی ہے، اصطلاحی الفاظ میں تعریف کی جاتی ہے: القراٰن اسم للنظم والمعنی جمیعاً کہ قرآن الفاظ اور معنیٰ دونوں کے مجموعے کا نام ہے(۱)۔ خالی معانی قرآن نہیں ہے، خالی الفاظ قرآن نہیں ہے، الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعے کو قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ اس لیے الفاظ بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

## الفاظ کے بغیر معانی کی تعبیر ممکن ہی نہیں ہے

اور ویسے بھی اگر الفاظ کو ہٹا لیا جائے تو معانی اپنے طور پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی آدمی دوسرے کے سامنے پیش کر سکے۔ میں اور آپ اپنے مافی الضمیر کو اگر کسی کے سامنے پیش کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ براہِ راست اپنے دل ودماغ میں سے سامنے والے کے دل ودماغ میں وہ چیز اتار دیں، کہ بھائی! آج کل بلوٹوتھ (bluetooth) کا زمانہ ہے تو اِدھر ایک بٹن دبا دیا گیا، اُدھر کوئی بٹن دبا دیا گیا اور معانی اِدھر سے اُس کے دل ودماغ میں منتقل ہو گئے، نہیں؛ بلکہ کوئی بھی آدمی اپنے مافی الضمیر کو، اپنے دل کی بات کو سامنے والے کے سامنے جب پیش کرے گا تو اس کے لیے اس کو الفاظ کا سہارا لینا پڑے گا، زبان کا استعمال کرے گا، اور زبان کے ذریعہ وہ الفاظ کو ادا کرے گا، اور ان الفاظ ہی کے اندر وہ معانی چھپے ہوئے ہیں،

(۱) کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، ۱/۴۰.

جب وہ الفاظ سامنے والے کے کان میں پڑیں گے، وہ سنے گا اور اس کا دماغ ان الفاظ کے معانی اور مفاہیم کو سمجھے گا، تو اس طرح یہ بولنے والا اپنے دل کی بات کو سامنے والے کے دل و دماغ تک پہنچا سکے گا۔ یہ الفاظ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

## قرآنِ پاک کی تعلیم کو ختم کرنے کی کوشش کرنے والے

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ یہ کہہ کر کہ: الفاظ رٹنے سے کیا حاصل' یہ اس کی اہمیت کو گھٹانا چاہتے ہیں، دراصل وہ قرآنِ پاک کی تعلیم کے سلسلے کو ختم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ تو ابتدا ہے، کسی بھی فن میں، کسی بھی علم کے اندر اس کے مقاصد کو ابتدا میں الفاظ ہی کے ذریعہ سامنے والے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد آگے دوسرے مراحل آتے ہیں۔ قرآن کے اندر بھی پہلا مرحلہ الفاظ کا ہے، اور قرآن کے اندر تو اس کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ ایک ایک حرف کے پڑھنے پر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، کوئی آدمی سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

## ہادی نہ ملے گا قرآن سے بہتر

یہ قرآنِ پاک بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ۱۰۰ر مرتبہ خواب میں دیکھا، ۱۰۰ویں مرتبہ انھوں نے پوچھا: باری تعالیٰ! آپ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

قرآنِ پاک کی تلاوت، انھوں نے پوچھا: سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ تو جواب دیا گیا کہ چاہے سمجھ کر پڑھو یا بلا سمجھے، کسی بھی طرح آپ پڑھیں گے تو اللہ کے قرب اور نزدیکی کا ذریعہ ہوگا، اور قلب کو صاف کرنے میں اور قلب و دل کو گناہوں سے پاک صاف کرنے اور صیقل کرنے میں قرآنِ پاک کی تلاوت کو بہت بڑا اثر ہے۔

## الفاظِ قرآن کی تعلیم و تعلم علومِ قرآن کی تعلیم کا پہلا زینہ ہے

تو قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم اس کی تعلیم کا پہلا مرحلہ ہے، بچوں کی تعلیمِ قرآن کی ابتدا اسی سے کی جاتی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اسی طرح پورا فرماتے ہیں۔

## بچپن میں قرآن کے الفاظ رٹانے کی حکمت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قرآنِ پاک جب بچپن میں یاد کیا جاتا ہے تو بہت اچھی طرح یاد رہتا ہے، بڑی عمر میں تو بہت مشکل سے لوگوں کو یاد ہوتا ہے، اور جو یاد کرتے ہیں ان کو بھی اتنا پختہ نہیں ہوتا جتنا بچپن میں یاد کرنے والوں کو ہوا کرتا ہے، إلّا ما شاء اللہ۔ تو جو لوگ کہتے ہیں کہ بچے تو قرآنِ پاک کے معانی کو سمجھتے نہیں ہیں، ان کو رٹانے سے کیا حاصل؟ تو گویا قرآنِ پاک کی حفاظت کا جو ایک سلسلہ ہے، اس کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے اور اس کو پڑھنے، پڑھانے کا بڑا اہتمام تھا۔ خود نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ پاک کے الفاظ کو جو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام وحی کی شکل میں لے کر کے آتے تھے، اس کو یاد

کرنے کا بڑا اہتمام اور کوشش کرتے تھے۔

## نزولِ وحی کا بوجھ نا قابلِ برداشت ہوا کرتا تھا

روایتوں میں ہے کہ: جس وقت آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وحی کے بوجھ کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو جاتا تھا، سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے لڑھکنے لگتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے نزول کا اتنا زیادہ بوجھ محسوس کرتے تھے (۱)۔ قرآن میں بھی اس کو ''قولِ ثقیل'' سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام اتاریں گے، معلوم ہوا کہ اس کا ثقل جہاں باطنی ہے، وہاں ظاہری بھی ہے۔

## خاکساری کے لیے ہے خاک سے انسان بنا

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوتے تھے، حالاں کہ آپ کی اونٹنی ''قصواء'' بڑی مضبوط اور توانا تھی۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ: کوئی اونٹ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس اونٹنی سے رفتار میں آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، اتنی تیز رفتار تھی؛ البتہ ایک موقع آیا کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس اونٹنی سے آگے نکل گیا، اس پر صحابہ کو بڑی ناگواری ہوئی، گویا ان کی طبیعتوں نے اس چیز کو گوارا نہیں کیا کہ کوئی دوسرا اونٹ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی سے آگے بڑھ جائے، ان حضرات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اور

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلخ

عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا؛ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ دنیا کی کوئی چیز بھی جب سر بلند کرتی ہے تو اللہ اس کو نیچا کر کے رکھتے ہیں (۱)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں ''باب الکبر'' میں بیان کیا ہے، گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی آدمی کو بھی کوئی کمال عطا فرمائے تو اس کے دل میں بڑائی کا جذبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کا علاج کر ہی ڈالتے ہیں۔

## وحی کے ثقل سے اونٹنی کا حال

بہر حال! یہ قصواء اونٹنی بڑی مضبوط تھی؛ لیکن لکھا ہے کہ: اس اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اُترتی تھی تو وہ اونٹنی وحی کے بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی اور اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیتی تھی، اس قدر وحی کا بوجھ اور ثقل ہوتا تھا، حالاں کہ وحی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتر رہی ہے، آپ تو فقط اونٹنی پر سوار ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنا زیادہ بوجھ محسوس کرتے ہوں گے۔

## ایک کاتبِ وحی: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

بخاری شریف میں ''کتاب التفسیر'' میں روایت ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جن سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی لکھوانے کی خدمت لیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو نزولِ وحی کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب نَاقَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

جمع کر کے جو تازہ قرآن نازل ہوا ہوتا تھا، وہ پڑھ کر بھی سناتے تھے، اور صحابۂ کرام میں جو حضرات لکھنے والے تھے ان میں سے کسی کو بلا کر اس کو لکھوا بھی لیا کرتے تھے۔ آخری زندگی میں یہ خدمت زیادہ تر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لی جاتی رہی۔

## قرآنِ کریم کی ایک آیت کے نزول اور اس کی کتابت کا واقعہ

بہرحال! حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وحی کے لکھنے کے لیے قلم اور دوات لے کر کے بلوایا، میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر آپ کے بالکل قریب بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: لکھو! ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ [النساء:۹۵] کہ: ایمان والوں میں سے جو لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکل رہے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ شروع میں یہ آیت اتنی ہی نازل ہوئی تھی، درمیان میں ایک ٹکڑا، ایک کلمہ: غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نہیں تھا۔

## عند اللہ حضراتِ صحابہؓ کا مقام و مرتبہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے لکھنا شروع کیا، اتنے میں ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، وہ پیچھے بیٹھے تھے، اُٹھ کر آگے آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اس آیت میں تو اللہ تبارک و تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ جہاد میں شریک ہوتے ہیں وہ اور جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ ثواب اور اجر کے اعتبار سے، مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے، میں تو

اندھا ہوں م اگر یہ اندھا پانہ ہوتا، یہ معذوری اور مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی جہاد کے لیے نکلتا؛ لیکن کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دل جوئی کیسی منظور تھی! اس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے کی علامتیں شروع ہوگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا: آپ کا چہرۂ انور سرخ ہوجاتا تھا، آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے لڑھکنے لگتے تھے اور خرّاٹوں کی آواز آنے لگتی تھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں آپ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ خالی اتنا ہی جملہ، اب بیچ آیت میں اتنا اضافہ ہوگیا۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: وہ ایمان والے جو معذور نہیں ہیں پھر بھی گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ، اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتے ہیں وہ، دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اب وہ معذور ہیں، ان کو چھوڑ دیا گیا، ان کو اندر سے ہٹا دیا گیا۔ تو دیکھو! غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ اتنا سا ٹکڑا ہی نازل ہوا، اس سے فقط ان صحابی کی دل جوئی مقصود تھی۔

## وحی کے شدید بوجھ کا ایک نمونہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جس وقت یہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والا ٹکڑا نازل ہو رہا تھا، چوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور کی ران کا کچھ حصہ، پاؤں مبارک کا کچھ حصہ میری ران پر پڑ گیا، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ: مجھے اتنا بوجھ معلوم ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اُحد پہاڑ رکھ دیا گیا ہو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ! کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے وقت کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہوگا!!! حالاں کہ اس وقت صرف غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا تھا، اسی لیے اس کو ''قولِ ثقیل'' سے تعبیر کیا گیا۔

## قرآنِ پاک کی عظمت وشرافت

اس ایک کلمے کو لے کر حضرتِ جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اس سے قرآنِ پاک کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام جو فرشتوں کے سردار ہیں، جن کو قرآنِ پاک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارنے کی خدمت سپرد کی گئی تھی، بعض مرتبہ صرف ایک کلمہ لے کر آسمان سے زمین پر آتے تھے، اس سے آپ قرآنِ پاک کے کلمات کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی پرچی لے کر کسی بہت بڑے آدمی کو یہاں سے دہلی بھیجا جائے یا یہاں سے لندن بھیجا جائے، تو کہنے والا کہے گا نا کہ: یہ چھوٹی سی پرچی کتنی اہم ہے کہ اتنے بڑے آدمی کو دے کر وہاں بھیجا جارہا ہے، تو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام صرف ایک کلمے کو لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچانے کے لیے آرہے ہیں، اس سے قرآنِ پاک کے کلمات کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

## خدا بندے سے یہ پوچھے: بتا تیری رضا کیا ہے؟

اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

دل جوئی اوران کی تسلی کس قدر منظور! تھی اوراس سے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام ومرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ ایک نابینا صحابی ہیں، انھوں نے جب قرآن کے ان الفاظ کوسنااوران کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ میں اپنے اس عذراوراندھے پن کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کرسکتا، اورانھوں نے اپنے اس احساس کا اظہار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ کلمہ لے کر حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، کہ جولوگ معذور ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں، اس سے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کتنا زیادہ بوجھ محسوس کرتے تھے۔

## الفاظِ قرآن کی حفاظت کا نبوی اہتمام

اب اسی وحی کے نازل ہونے کے دوران نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فکر رہتا تھا کہ کہیں وہ الفاظ جوحضرتِ جبرئیل علیہ السلام لے کرآئے ہیں، میں بھول نہ جاؤں؛ اس لیے جب حضرتِ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کرآتے تھے اوروحی کے کلمات کوپڑھتے تھے، تواس کو یاد کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ساتھ ساتھ ان کلمات کودہراتے تھے۔ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام پڑھ رہے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ توساتھ ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کودہرارہے ہیں؛ تاکہ یادرہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوقرآنِ پاک کے الفاظ کویاد کرنے اوران کومحفوظ کرنے کا اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

اس حالت میں کہ آپ اتنا بوجھ محسوس کر رہے ہیں، اتنی شدّت اور اتنی مشقت میں مبتلا ہیں، تو بھی یہ الفاظ ذہن سے کہیں نکل نہ جائیں، اس فکر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ تکلیف اٹھا رہے ہیں۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبانہ تسلی

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اطمینان دلایا گیا کہ آپ اس فکر میں کہ کہیں وحی کے کلمات بھول نہ جائیں، وحی کے نازل ہونے کے دوران اس بوجھ کی حالت میں، اس مشقت اور تکلیف کی حالت میں آپ اپنی زبان سے وحی کے کلمات کو دہراتے ہیں، ایسا نہ کیجیے۔ سورۂ قیامہ کی جو آیتیں ہیں: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ: اے نبی! وحی کے نازل ہونے کے وقت کلماتِ وحی کو یاد کرنے کے لیے آپ اپنی زبان کو جو جلدی جلدی حرکت دیتے ہیں، ایسا نہ کیجیے، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ: ان کلماتِ قرآن کو، ان الفاظِ قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کر دینا اور اس کے بعد آپ کی زبان سے پڑھوانا، اس کی ذمہ داری ہماری ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطمینان دلا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معمول یہ ہو گیا کہ، جب حضرتِ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر کے آتے تھے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش، سر جھکا کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ پورا ہو جاتا تھا

تو سارے کلمات اور الفاظ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یاد ہو جاتے تھے۔

## الفاظِ قرآن کو یاد کرنے اور رٹنے کی بڑی اہمیت ہے

میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے کے لیے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنی مشقت اٹھاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنا کتنی اہمیت رکھتا ہے! اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو اس سلسلے میں وعدہ بھی فرما دیا: اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَقُرۡاٰنَہٗ۔

## حفظِ قرآن کو آسان بنانے کا وعدۂ اِلٰہی آج بھی قائم ہے

میں تو اپنی طرف سے اضافہ کر کے کہتا ہوں، کہیں دیکھا نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ کہیں لکھا بھی ہو کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو وعدہ فرما دیا کہ آپ قرآن کے الفاظ کو محفوظ کرنا چاہتے ہوں تو آپ کے سینے میں اس کو محفوظ کر دینا اور آپ کی زبان سے پڑھوا دینا، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ آج بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ وعدہ ہے، جو آدمی قرآنِ پاک کو یاد کرنا چاہے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے سینے میں قرآن کو محفوظ کر دیں گے۔ وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ کہ قرآنِ پاک کو یاد کرنے کے لیے، سمجھنے کے لیے- دونوں چیزیں اندر ہیں، مفسرین نے لکھ دیا ہے- ہم نے آسان کر دیا، کوئی ہے اس کو پڑھنے والا؟۔

## میں معلم اور سکھلانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں

تو قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے کے لیے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اتنا زیادہ

اہتمام فرماتے تھے، اور پھر جب وحی نازل ہوجاتی تھی تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے ان الفاظ کو پیش کرتے تھے۔ یہ تو پہلی مرتبہ کی بات ہے یعنی وحی نازل ہوتے ہی الفاظ قرآن کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس کے بعد بھی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو الفاظِ قرآن کی تعلیم دینا-معانی کی تعلیم تو ہوتی ہی تھی؛ لیکن الفاظِ قرآن کی تعلیم دینا-بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مستقل کام اور ذمہ داری تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (۱): کہ میں معلم اور سکھلانے والا بنا کر کے بھیجا گیا ہوں۔

## حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآنِ پاک کے الفاظ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے ہیں

چناں چہ روایتوں میں ہے کہ: بڑے بڑے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآنِ پاک براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا۔ بخاری شریف میں روایت موجود ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ-جن کا قرآن پاک کی تعلیم کے سلسلے میں ایک خاص مقام ہے-فرماتے ہیں کہ: میں نے قرآن پاک کی ستر (۷۰) سے زیادہ سورتیں براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھی ہیں (۲)۔ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بھی جب اپنی نمازوں میں قرآنِ پاک پڑھتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے اہتمام اور توجہ سے اس کو سنا کرتے تھے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، بَابُ فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ.

(۲) صحيح البخاري، عن شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ علیہ الرحمۃ، باب الْقُرَّاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

## دینی باتوں کے نقل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتیاط

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ان کے دورِ خلافت میں ایک آدمی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا کہ: میں ایک آدمی کو کوفہ میں چھوڑ کر آیا ہوں جو لوگوں کو زبانی قرآنِ پاک لکھواتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں دین کی باتوں کے سلسلے میں بڑی احتیاط مدِّ نظر رہا کرتی تھی، اسی لیے جب کوئی آدمی کوئی روایت بیان کرتا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتا تو ان کی طرف سے مطالبہ ہوتا کہ: کوئی دوسرا آدمی لاؤ جس نے یہ بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو۔

## حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کے لیے تشریف لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے کاموں میں مشغول تھے، جب یہ پہنچے تو باہر سے انھوں نے سلام کیا اور بذریعۂ سلام حاضری کی اجازت چاہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام تو سنا؛ لیکن چوں کہ کام میں مشغول تھے اور ابھی اپنے پاس بلانا چاہتے نہیں تھے؛ اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی اور اپنے کام میں مشغول رہے، انھوں نے دوسری مرتبہ سلام کیا اور حاضری کی اجازت چاہی، پھر جواب نہیں دیا، پھر تیسری مرتبہ سلام کیا اور اجازت نہ ملی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔

# تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپسی کا شرعی حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: ابھی میں عبداللہ بن قیس کی آواز سن رہا تھا، یہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے، تو میں ان کی آواز سن رہا تھا، ان کو بلاؤ! کسی نے کہا کہ وہ تو چلے گئے، بلائے گئے۔ اب اگر یہ کہتے ہیں کہ: آپ کام میں مشغول تھے؛ اس لیے میں چلا گیا تو کوئی بات نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: کیوں چلے گئے؟ تو جواب دیا کہ: میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: کوئی آدمی کسی کے گھر جائے اور اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کرے، پہلی مرتبہ کے سلام کے بعد اجازت مل جاوے تو ٹھیک ہے، اور اگر اجازت نہ ملے تو دوسری مرتبہ سلام کرے، اگر اجازت مل جاوے تو ٹھیک ہے، ورنہ تیسری مرتبہ سلام کرے اور پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔

## تہذیب، نہ اخلاق، نہ شرافت، نہ حیا ہے

یہی طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی شریعت ہمیں اجازت اور گنجائش دیتی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے نا کہ وہیں جم کے بیٹھ جاتے ہیں، ہم لوگ تو آدابِ معاشرت سے بھی واقف نہیں ہیں، قرآن وحدیث میں اس پر بڑا زور دیا گیا ہے، اس کی بڑی اہمیت ہے۔ کبھی آدمی اپنے کسی ضروری کام میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت اس کے پاس آنے والے کے ساتھ ملاقات کرنے

اور بات چیت کرنے کا موقع نہیں ہوتا، تو اجازت نہ ملنے پر واپس چلے جانا چاہیے۔

## زمیں کیا! آسماں بھی تیری کج بینی پے روتا ہے

خود قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَاِنۡ قِيۡلَ لَكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا﴾ [النور: ۲۸]: جب تم کسی کے گھر جاؤ اور داخل ہونے کی اجازت طلب کرو، اور گھر والے کی طرف سے یہ کہا جائے کہ: میں اس وقت نہیں مل سکتا، آپ واپس تشریف لے جائیے تو قرآن یہ کہتا ہے کہ تم واپس جاؤ!۔ آج ہم میں کوئی ہے جو قرآن کے اس حکم کو ہضم کر سکے؟ ہم اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہوں اور وہاں سے یہ جواب ملے کہ: میں اس وقت آپ سے نہیں مل سکتا، آپ واپس تشریف لے جائیں، تو میں تو یوں سمجھتا ہوں کہ بعد میں وہ دوبارہ اس دوست کا نام بھی نہیں لے گا؛ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ: اگر آپ گئے اور اس نے آپ سے معذرت کر دی تو آپ کو واپس ہو جانا چاہیے۔

## آج بھی ملتے ہیں جہاں میں وہ لوگ خال خال

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''معارف القرآن'' میں ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ، وہ فرماتے ہیں کہ: مَیں بہت سے لوگوں کے یہاں اسی نیت سے گیا کہ میں جاؤں اور وہ مجھے یوں کہے کہ: واپس جاؤ! تو ان کے اس ''واپس جاؤ'' کے حکم پر مَیں واپس جاؤں اور قرآنِ پاک کے اس حکم پر عمل کروں، اس نیت سے گئے۔

دیکھیے! اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں، کہ ہم کو ایسا جواب ملے تو قرآن کے اس حکم پر عمل کریں۔

بہرحال! ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ ہمارا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی کے یہاں جاویں تو ہمارا اصرار ہوتا ہے کہ ہم کو فوری طور پر بلالیا جائے، ملاقات ہونی ہی چاہیے؛ لیکن یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔

## حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غضب کی زد میں

بہرحال! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی، تو انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کہ: تیسری مرتبہ پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ، تو میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا نہیں تھا؛ لہٰذا اپنی عادت کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ: کوئی دوسرا آدمی لاؤ، گواہ لاؤ! یعنی کوئی ایسا آدمی لاؤ جس نے یہ حدیث سنی ہو۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ سب جانتے تھے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا تو کوڑے سے بھی خبر لی جاسکتی ہے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے مسجدِ نبوی میں گئے، بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے، وہاں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انصاری ہیں، ''سید الانصار'' ان کا لقب ہے، ان کا حلقۂ درس لگا ہوا تھا، سب انصار بیٹھے ہوئے تھے۔

## حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مشکل کا حل

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں پہنچے تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کے چہرے کو دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ گھبرائے ہوئے ہیں، حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور کہا: تم میں سے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ حدیث سنی؟ پوچھا: کون سی حدیث؟ جواب دیا: ''جب آدمی کسی کے یہاں جائے تو اجازت حاصل کرنے کے لیے پہلی مرتبہ، دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ بھی سلام کرنے پر جواب نہ ملے تو لوٹ جائے''؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہا کہ: یہاں جتنے ہیں، سب نے سنی ہے۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: مہربانی کرو نا، کوئی ایک آدمی آؤ اور امیر المؤمنین کے پاس آ کر گواہی دو؛ تاکہ میری جان چھوٹے، تو حضرت بن ابی کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اس مجلس میں جو سب سے چھوٹا ہے اس کو ہم آپ کے ساتھ گواہی دینے کے لیے بھیجتے ہیں، اور پھر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اور گواہی دے آؤ! چناں چہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور گواہی دی، تب آپ کو اطمینان ہوا(۱)۔

## اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا نام سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا

مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ: دین کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، تو جب اس آدمی نے کہا کہ: مَیں ایک آدمی کو کوفہ میں چھوڑ کر آیا ہوں جو لوگوں کو زبانی قرآنِ پاک لکھواتا ہے، تو فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے کوڑے پر پہنچا اور دریافت کیا کہ: وہ کون ہے؟ تو اس آدمی نے جواب میں کہا کہ: عبداللہ بن مسعود! جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو کوڑا اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا

(۱) صحیح البخاری، باب الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ.

اور فرمانے لگے کہ: اگر ابن مسعود ہیں تو ان کو یہ حق ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ عشاء کی نماز کے بعد مسلمانوں کو معاملات کے سلسلے میں حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا۔

## جن کو کافور پے ہوتا تھا نمک کا دھوکہ

ان حضرات کا ادب دیکھیے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ادب کا خزانہ تھے، حالاں کہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں حضرات سے مشورہ کرتے تھے؛ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر بیان کر رہے ہیں تو کیا کہہ رہے ہیں؟ ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا!'' ان حضرات کے دلوں میں حبِّ جاہ اور کوئی بڑائی تھی ہی نہیں۔

## ہم تو سراپا گزیدہ ہیں حُبِّ جاہ کے

ہمارا حال تو یہ ہے کہ لوگوں میں کوئی مشورہ ہو رہا ہے، ہمارا اس کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں ہے، ہم وہاں پہنچ گئے تو ہم یہ چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ہم سے مشورہ لے لیں، اور کہتے پھریں گے کہ: انھوں نے ہم سے مشورہ لیا۔ وہاں ان سے مشورہ ہو رہا ہے تو بھی یہ نہیں کہتے کہ: مجھ سے مشورہ لے رہے تھے؛ بلکہ کہتے ہیں کہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا''، یہ ادب ہے۔

## فنِّ تجوید وقرأت میں حضرت ابنِ مسعودؓ کا مقام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز ایسا ہوا کہ جب ہم مشورے سے فارغ

ہوئے اور فارغ ہوکر اٹھے، تو دیکھا کہ ایک آدمی مسجد کے اندر نفل نماز میں بہت عمدہ طریقے سے قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا تھا، نبیٔ کریم ﷺ اس کا قرآن سننے کے لیے کھڑے ہوئے اور دیر تک سنتے رہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ دیر تک سننے کے بعد نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ قرآن پاک کو اسی طرح تروتازہ لے جیسا کہ وہ آسمان سے نازل ہوا ہے، تو اس کو چاہیے کہ عبداللہ بن مسعود کو لازم پکڑ لے (۱)۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ: ان کا حال تو یہ ہے اگر وہ زبانی قرآن لکھوا رہے ہیں تو ان کا حق ہے۔

## ابنِ مسعودؓ سے قرآن سنانے کی نبیٔ کریم ﷺ کی فرمائش

بخاری شریف میں روایت ہے کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ: مجھے قرآن سناؤ! اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو پڑھ کے سناؤں، حالاں کہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے! تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي: کہ ہاں! میں یہ چاہتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن سنوں۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے سورۂ نساء کی تلاوت نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹/ ۲۴۸، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ر: ۱۵۵۵۱.

كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا﴾ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: بس! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں (۱)۔

مَیں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قرآن پاک پڑھتے تھے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو بڑے اہتمام اور توجہ سے سنتے تھے۔

## اے ابوموسیٰ! تم کو حضرت داود علیہ السلام کی عمدہ آواز کا کچھ حصہ دیا گیا ہے

بخاری شریف میں ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے گھر پر تہجد میں قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے، ان کی آواز بہت اچھی تھی اور بہت عمدہ قرآن پڑھتے تھے۔ رات کے سناٹے میں اُن کی تلاوت کی آواز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرے میں پہنچی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کا پڑھنا پسند آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو سننے کے لیے اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو باہر آیا ہوا دیکھ کر حضراتِ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ باہر آ گئیں، اور دیر تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی تلاوت سنتے رہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں کہ رات میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

صبح کو جب وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو شاباشی دیتے ہوئے فرمایا: يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ

(۱) صحیح البخاری، باب الْبُكَاءِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، رقم الحديث: ۵۰۵۵.

دَاوُدَ: ''مزمار'' عربی زبان میں بانسری کو کہتے ہیں، اسی کی جمع مزامیر آتی ہے، یہاں پر بانسری بول کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عمدہ آواز مراد لی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز کی نعمت عطا فرمائی تھی، اس نعمت کا ایک حصہ تمھیں بھی عطا فرمایا ہے(۱)۔

## حضرت داودؑ کے لیے صیغۂ جمع اور حضرت ابوموسیؓ کے لیے صیغۂ واحد استعمال کرنے کا راز

چوں کہ حضرت داود علیہ السلام کے لیے مزامیر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا، اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ آپ کو بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے میری تلاوت سنی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، سنی اور مجھے بہت پسند آئی، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اَور اچھا کر کے پڑھتا۔

## اللہ والوں کو خوش کرنے کے لیے نیک عمل کرنا اخلاص کے منافی نہیں

اسی حدیث سے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے بڑا عجیب وغریب استنباط کیا،

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن.

فرماتے ہیں کہ: دیکھو! حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی، انکار اور تردید نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جی خوش کرنے کے لیے زیادہ اچھا پڑھتے تو یہ بھی کوئی اخلاص کے منافی نہیں ہوتا؛ لہٰذا کوئی عمل اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو خوش کرنے کے لیے کیا جاوے تو وہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ چوں کہ آدمی اللہ کے نیک بندوں کو خوش کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ راضی ہوجائے؛ اس لیے وہ عمل مخلوط نہیں ہوتا۔

مَیں یہ عرض کررہا تھا کہ: قرآنِ پاک کے الفاظ کے پڑھنے پڑھانے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بڑا اہتمام تھا، اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں جو نبی بنا کر مبعوث فرمایا تھا، اس کا اولین مقصد یہی تھا: يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ: قرآنِ پاک کی آیتوں کی آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کرتے ہیں، لوگوں کو اس کے الفاظ سکھاتے ہیں۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضراتِ صحابہ کو مُعلِّمِ قرآن بنا کر قبائل میں بھیجنے کا اہتمام

اور یہی نہیں؛ بلکہ جن حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دے کر تیار فرمایا تھا، ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ پاک سیکھنے کی تلقین اور تاکید فرماتے تھے، کہ فلاں سے سیکھو، فلاں سے سیکھو۔ ترمذی شریف میں روایت ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف صحابہ کے نام جیسے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ، وغیرہ صحابہ سے قرآن سیکھنے کی تاکید فرمائی ہے(۱)۔

اسی طرح جب کسی قبیلے کے لوگ ایمان لاتے تھے، اسلام قبول کرتے تھے، تو وہاں خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو قرآن سیکھے ہوئے ہوتے تھے، بھیجتے تھے، وہ وہاں جاکر قبیلے والوں کو قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دیا کرتے تھے، احکامِ اسلام سے واقف کرایا کرتے تھے۔ خود مدینۂ منورہ میں جب اسلام پھیلا تو ہجرت کر کے تشریف لے جانے سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کو اہلِ مدینہ کی قرآنِ پاک کی تعلیم کے لیے اور احکامِ اسلام سے واقف کرانے کے لیے بھیجا تھا۔

## اہلِ کوفہ کو قرآن سکھلانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب دو شہر: کوفہ اور بصرہ آباد کیے گئے تو کوفہ والوں کی تعلیم کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے شاگردوں کی پوری جماعت کے ساتھ بھیجا، اور کوفہ والوں کے نام ایک خط لکھا، اس میں یہ بات لکھی تھی کہ: ابنِ مسعودؓ کے علم کا میں تم سے زیادہ محتاج ہوں؛ لیکن میں اپنے مقابلے میں تم کو ترجیح دیتا ہوں؛ تاکہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو۔

(۱) خُذُوا القُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ [سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۳۸۱۰]

## حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا امتحان

چناں چہ حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قرآنِ پاک اتنی کثرت سے سکھلایا، کہ ان کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں بڑی جماعت تیار ہوگئی۔ بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو قرآنِ پاک سکھلا رہے تھے، کہ اسی دوران حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ اس مجلسِ درس کے پاس آکر کھڑے ہوئے، اور حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے انھوں نے پوچھا کہ: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا یہ سب نوجوان قرآنِ پاک کو اسی طرح پڑھتے ہیں جیسے آپ پڑھتے ہیں؟ جواب میں حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگر آپ چاہیں تو ان میں سے کسی کا قرآن میں آپ کو سنوادوں، تو حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! سنوائیے! چناں چہ حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ بن قیس نخعی رحمۃ اللہ علیہ - جو آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھے- کو حکم دیا کہ: پڑھو! انھوں نے قرآنِ پاک کی پچاس آیتیں تلاوت کیں، جب وہ پڑھ چکے تو حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: انھوں نے کیسا پڑھا؟ تو جواب دیا کہ: بہت اچھا پڑھا! اور جس طرح تم قرآن پڑھتے ہو، اسی طرح یہ بھی پڑھتے ہیں (۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَلْقَمَةَ رحمہ اللہ تعالی، بَابُ قُدُومِ الأَشْعَرِيِّينَ وَأَهْلِ اليَمَنِ، رقم الحدیث: ۴۳۹۱.

## غرض مَیں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے!

یہ تو ایک نمونہ تھا۔ حضرت علقمہ بن قیس نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: اگر تم نے علقمہ کو دیکھ لیا تو گویا حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا، ان کی چال ڈھال، انداز پڑھنا، ہر چیز حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح تھی۔ اور حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان کی چال ڈھال، انداز، ان کا اٹھنا بیٹھنا، پڑھنا ایسا تھا جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، اور ابنِ مسعود ہی کی کیا بات! ہر ہر صحابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں پوری امت کے لیے نمونہ بنا ہوا تھا۔

## دین میں سند کی اہمیت

تو یہ سلسلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے برابر جاری وساری ہے، اور یہ اسلام کی ایک خصوصیت ہے کہ اس کی ہر ہر چیز، اس کے جملہ علوم متصل سند سے ثابت ہے، انٹرنیٹ کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ ہر چیز کی سند موجود ہے کہ جو چیز لی جارہی ہے، کس سے لی جارہی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے: اَلإِسْنَادُ مِنَ الدِّینِ، وَلَوْلَا الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ(۱): سند دین کا ایک حصہ ہے، اگر سند ضروری نہ ہوتی تو جو آدمی جو چاہتا، کہہ دیتا؛ لیکن ہمارے جتنے بھی علوم ہیں: قرآن اور حدیث اور علومِ دینیہ، ان سب کی بنیاد سند پر ہے، یہ ایک سلسلہ ہے جو ہم سے لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک چلا گیا ہے: آپ نے اپنے اساتذہ سے

(۱) صحیح مسلم، باب فِی أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّینِ.

پڑھا، انھوں نے اپنے اساتذہ سے، انھوں نے اپنے اساتذہ سے، اس طرح یہ سلسلہ اوپر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا کر ملتا ہے، کوئی ایسا نہیں ہے کہ خود پیدا ہو گیا اور خود آ گیا؛ بلکہ یہ سیکھنے سے آتا ہے۔

## یہ کیا ہے آلو؟ ایک مبنی بر حقیقت لطیفہ

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قرآن کے الفاظ بھی از خود نہیں پڑھ سکتا؛ بلکہ سیکھنے سے آتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اپنے بھائی کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ: ایک مرتبہ وہ ٹرین سے سفر کر رہے تھے، اور قرآنِ پاک پڑھ رہے تھے، ایک انگریز بھی اس ٹرین میں ان کے ساتھ تھا، اس نے ان سے پوچھا کہ: آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو جواب دیا کہ یہ قرآنِ پاک ہے۔ اس نے کہا کہ میں ذرا دیکھ سکتا ہوں؟ جواب دیا کہ: ٹھیک ہے، دیکھ سکتے ہو! اس نے دیکھا تو جس لفظ پر نظر پڑی وہ الٓرٰ تھا۔ اب پرانے زمانے کا چھپا ہوا تھا تو ''را'' ذرا ایسا چھپا ہوا تھا کہ ''واو'' نظر آتا تھا، تو وہ دیکھ کر کہنے لگا کہ: یہ کیا ہے؟ آلو لکھا ہے؟ تو انھوں نے قرآنِ پاک لے لیا اور کہا کہ: قرآنِ پاک بغیر سیکھے نہیں پڑھ سکتے۔

## الفاظِ قرآن کو صحیح پڑھنا بھی کسی ماہر سے سیکھے بغیر ممکن نہیں

اگر کوئی پڑھا لکھا ہے؛ لیکن قرآن کسی سے سیکھا نہیں ہے، اس کو سورۂ بقرہ پڑھنے کو کہیں تو وہ الٓمّٓ کو کیسے پڑھے گا؟ الگ الگ پڑھے گا؟ نہیں، وہ تو اس کو ملا کر پڑھنے کی کوشش کرے گا۔ جب تک کہ استاذ سے نہیں سیکھیں گے، اس وقت تک قرآن صحیح نہیں

پڑھ سکتے، استاذ ہمیں بتلائے گا کہ اس کو اس طرح پڑھنا ہے کہ: ''الف'' کو الگ پڑھنا ہے، لام کو الگ پڑھنا ہے، میم کو الگ پڑھنا ہے؛ ان کو ملا کر نہیں پڑھ سکتے؛ اسی لیے تو ان کو ''حروفِ مقطعات'' کہتے ہیں۔

الغرض! قرآن کا پڑھنا بھی جب تک کہ استاذ نہ پڑھائے، ممکن نہیں ہے، یہ بھی استاذ سے اخذ کرنے کی چیز ہے، یہ بھی ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔

## ایمان کی دعوت پیش کرنے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ کار

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں یہ معمول رہا ہے؛ بلکہ اگر کسی کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت پیش کرنا مقصود ہوتی، تو آپ خود اس کے سامنے قرآنِ پاک کے کچھ حصے کی تلاوت فرماتے تھے، اور اس کے بعد اسلام اور ایمان کی دعوت پیش کیا کرتے تھے، یہ بھی آپ کا معمول تھا۔

## درجاتِ حفظ قرآنِ پاک کی حفاظت کے وعدۂ الٰہی کے تکوینی نظام کا ایک حصہ ہے

ہمارے یہاں مدرسوں میں، مکاتب میں جو ناظرہ قرآن سکھایا جاتا ہے، حفظ کرایا جاتا ہے، تجوید کے جو درجات ہیں؛ یہ تینوں شعبے قرآنِ پاک کے الفاظ پر محنت کے شعبے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن مقاصد کے لیے اور جن کاموں کے لیے بھیجا گیا تھا، ان مقاصد میں جو اولین مقصد ہے، یہ سلسلے اسی میں محنت کے سلسلے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کو جو وعدہ فرمایا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا

لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ: ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کو جو وعدہ فرمایا، قرآن کی اس حفاظت کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں ایک نظام قائم کیا ہے۔ یہ جو دنیا کے اندر حفظِ قرآن کے سلسلے جاری ہیں، نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک اور آئندہ قیامت تک، جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو قرآنِ پاک کی حفاظت مقصود ہوگی، وہاں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس وقت دنیا کے اندر- پورے عالم میں کہیں بھی آپ پہنچ جاؤ- ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی قرآنِ پاک کی حفاظت کے لیے وقف کردی ہے، اپنی ساری صلاحیتیں اس کے پیچھے لگا رکھی ہیں، انھوں نے اپنی زندگی کا مشغلہ ہی اور اپنی زندگی کا مقصود قرآنِ پاک کو یاد کرنے اور سیکھنے، سکھانے کو بنالیا ہے۔

آپ کا جو یہ مدرسہ ہے، یہاں قرآن جو پڑھایا جاتا ہے، اس کے حفظ کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کا جو وعدہ کیا ہے، اسی کی ایک کڑی ہے۔

## سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

بہ قول حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس وعدے کو اسباب کے طریقے پر پورا کررہے ہیں، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہے؛ ورنہ آپ اندازہ لگائیے! جیسا کہ ابھی کہا گیا کہ: ان بچوں نے ڈیڑھ سال کے اندر قرآن کو مکمل کیا، اب

یہ قرآن تقریباً ۸۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے، آپ کھول کر دیکھ لیجیے۔ ۸۰۰ر صفحے کی کتاب اور وہ بھی عربی زبان میں! یہ ان بچوں کی مادری زبان نہیں ہے، ان بچوں کی مادری زبان تو یہاں پر گجراتی ہے۔ اب جو کتاب اپنی مادری زبان میں نہیں ہے اور اتنی ضخیم کتاب ہے، اس کو اتنی قلیل مدت کے اندر یاد کر لینا! حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بچوں کا کمال نہیں ہے، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کے لیے ایک غیبی نظام چلایا ہے، یہ سب بچے، یہ سلسلے اس کے مظہر ہیں۔

## مادیت کے علم بردار ملک میں کلام اللہ کی خدمت

آپ دنیا میں کہیں بھی چلے جاؤ، امریکہ میں چلے جاؤ جو اس زمانے میں مادیت کا سب سے بڑا علم بردار ہے، وہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو مدرسوں میں بیٹھے ہیں اور ۲۴ر گھنٹے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کو پیسوں سے کچھ پڑی نہیں ہے، بس اللہ کی کتاب کا کام انجام دے رہے ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کے لیے یہ ایک سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔

## ذرائعِ علم سارے کے سارے اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں

یہ بچے قرآنِ پاک کو یاد کر رہے ہیں، انھوں نے جس زبان سے قرآنِ پاک کے الفاظ کو ادا کیا، جس کان سے سنا، جن آنکھوں سے ان حروف کو قرآن کے اوراق میں لکھا ہوا دیکھا، جن ہاتھوں سے پکڑا، جس دل ودماغ سے اس کو یاد کیا اور یاد رکھا، یہ سب کس کا دیا ہوا ہے؟ یہ آنکھیں کس نے دیں؟ یہ کان کس نے دیئے؟ یہ زبان کس نے دی؟ یہ

دل ودماغ کس نے عطا کیا؟ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا ہے، ہمارا کیا ہے؟ تو یوں سمجھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی حفاظت کررہے ہیں۔

## اے صانعِ ازل! تیری قدرت کے میں نثار

اور کمال کی بات تو یہ ہے - جیسا کہ میں نے شروع میں بھی عرض کیا تھا - کہ: قرآنِ پاک اچھا کب حفظ ہوتا ہے؟ بچپن کے اندر! پچپن میں کریں گے تو نہیں ہوگا، بڑی عمر میں کریں گے تو نہیں ہوگا، بچپن میں ہوگا۔ تو بچپن میں جو یاد کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اَور اچھی طرح یاد کرادیتے ہیں اور اخیر تک باقی رہتا ہے، یہ بچوں کو جو جلدی اور اچھی طرح یاد ہوتا ہے، اس میں بھی ایک حکمت ہے اور اسی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہیں جو ان کو یاد کرارہے ہیں، اپنی کتاب کی حفاظت ان بچوں سے کروارہے ہیں۔

حالاں کہ یہ چھوٹے بچے تو وہ ہیں کہ ان کے اوپر تو ان کے ماں باپ بھی بھروسہ کرنے کو تیار نہیں۔ ماں باپ کو کہیں جانا ہو اور بچے اسکول یا مدرسے گئے ہوں تو وہ بچوں کو گھر کی چابی نہیں دیں گے؛ بلکہ پڑوسی کو دے کر جائیں گے کہ بچے جب آویں تو گھر کھول دینا۔ ان کو یہ بھروسہ نہیں کہ یہ چابی بھی حفاظت سے رکھے گا یا نہیں! ماں باپ کے ہاتھ میں پانچ، دس ہزار روپئے ہیں تو وہ بچوں کے ہاتھ میں دیں گے کہ ان کی حفاظت کرو؟ نہیں! پانچ، دس ہزار روپئے کے معاملے میں بھی ماں باپ ان پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب کی حفاظت کا کام ان

سے لے رہے ہیں۔ یہ قرآنِ پاک کا معجزہ ہے اور ان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ حفاظتِ کتاب کا اپنا وعدہ پورا فرما رہے ہیں۔

## محسن قرآنِ پاک کا اعجاز ہی تو ہے

اور پھر یہ بھی قرآنِ پاک کا ایک معجزہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور یہ بچے عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، ایک ایسی کتاب جو اپنی مادری زبان میں نہ ہو، اس کو کوئی یاد کر کے بتلا دے۔ مجھے اور آپ کو کوئی آدمی آ کر ''چینی'' زبان کا ایک جملہ، صرف جملہ یاد کرنے کو کہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کو یاد کرنے میں گھنٹوں لگ جائیں گے، چاہے معنیٰ نہیں سمجھتا؛ لیکن صرف الفاظ کو یاد کرنا بھی انتہائی مشکل ہو جائے گا، اور اگر یاد کر بھی لے تو جب اس کو بولے گا تو لہجہ تو اس زبان کا ہوگا ہی نہیں، گجراتی والا ہوگا، جیسے کوئی اردو بولنے والا گجراتی کا کوئی جملہ بولتا ہے تو ہم اس کو سن کر ہنستے ہیں، حالاں کہ وہ صحیح بول رہا ہے؛ لیکن لہجہ گجراتی کا نہیں ہوتا، تو یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو ان بچوں کی مادری زبان نہیں، مزید براں اتنی ضخیم کتاب! جس کو یہ بچے دو ڈھائی سال میں یاد کر لیتے ہیں، بعض کو اس سے بھی جلدی یاد ہو جاتا ہے۔

## حفظِ قرآن کا ایک عجیب واقعہ

لاہور کے اندر ایک بزرگ تھے شیخ محمد اسماعیل سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو ''میاں کلاں'' یا ''میاں وڈا'' سے مشہور تھے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'' میں ایک واقعہ لکھا ہے: ان کے خاندان میں آج بھی حفظِ

قرآن کا سلسلہ چل رہا ہے، لوگوں کو حفظ کراتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی کا ایک لڑکی کے ساتھ نکاح ہوا، اب جب پہلی رات کو وہ اپنی بیوی کے پاس گیا، تو بیوی نے کہا کہ: میں تو قرآنِ پاک کی حافظہ ہوں اور تو حافظ نہیں ہے، اور غیرِ قرآن کو قرآن پر رکھنا درست نہیں ہے؛ اس لیے جب تک کہ تو حفظ نہ کرلے، میں تجھے اپنے پاس آنے نہیں دوں گی۔ وہ بے چارہ پریشان ہو گیا، کہ اب کیا کروں! وہ اس بزرگ کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت! ایک بہت بڑی پریشانی ہے، پھر اس نے قصہ بیان کیا، تو بزرگ نے کہا کہ: تم بھی داخلہ لے لو، سب بچے محنت کرتے ہیں، مشق کرتے ہیں، میں بھی تمھاری مدد کروں گا، دوسرے بچے چھ مہینے میں یاد کرتے ہیں تو تم بھی چھ مہینے میں یاد کرلو گے۔ اس نے جواب دیا کہ: چھ مہینہ کا انتظار تو بہت طویل ہے، کوئی راستہ نکالیے، بہت اصرار کیا تو کہا کہ: اچھا! ایسا کرو، کل فجر کی نماز جماعت کے ساتھ میرے پیچھے پڑھنا اور دائیں طرف کھڑے رہنا۔

## اِلٰہی! سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا

دوسرے دن وہ فجر کی نماز میں ان کے پیچھے دائیں طرف کھڑا ہوا، اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے کرامت ظاہر کروائی، کہ جب انھوں نے دائیں طرف سلام پھیرا تو جتنے لوگ دائیں طرف تھے، وہ سب قرآنِ پاک کے حافظ بن گئے اور جو بائیں طرف تھے ناظرہ خواں ہو گئے۔ تو اتنی جلدی بھی قرآنِ پاک حفظ ہو سکتا ہے[1]۔

(۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی، ۱/ ۲۳۲، مکتبہ شیخ الہند، دیوبند

## اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ

پھر اس کی وجہ سے ان کا مقام کتنا بلند ہوا!! ابھی جو حدیثیں میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھیں، ان میں ایک روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ: لوگوں میں سے کچھ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مخصوص لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص میں سے ہیں، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟: صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے خواص کون ہیں؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْاٰنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ (۱): نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قرآن پاک کے پڑھنے پڑھانے والے، یاد کرنے والے اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص ہیں، خاص لوگ ہیں۔

## ان طلبہ اور مولویوں کو حقیر مت جانو

کتنا اونچا مقام ہے! یہ بچے پھٹے پرانے کپڑے والے جو آپ کو اس دیہات کے ماحول میں نظر آرہے ہیں، ان کو معمولی مت سمجھو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کا کتنا اونچا مقام ہے، تم نہیں جانتے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: دنیا کے کسی بزرگ اور بڑے آدمی کے پاس کوئی رہتا ہو، تو لوگ کہتے ہیں کہ: یہ تو فلاں بزرگ کے خواص میں سے ہے، اس کو اتنا غرور آجاتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا، اور یہاں قرآن

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالی عنه، فَصْلٌ فِي تَنْوِيرِ مَوْضِعِ الْقُرْاٰنِ وَهٰذَا لِأَنَّهَا مَوَاضِعُ تَشْهَدُهَا الْمَلَائِكَةُ فَمِنَ الْحَقِّ أَنْ يُنَوَّرَ وَيُطَيَّبَ، رقم الحديث ۲۴۳۴.

پاک کے پڑھنے پڑھانے والوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص میں بتلا رہے ہیں۔ کتنا اونچا مقام ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا ہے!

## حافظِ قرآن کے والدین کا اعزاز

اس پر اَور بھی بہت سارے وعدے ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ ابھی ایک روایت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ: جس نے قرآنِ پاک کو پڑھا اور اس پر عمل کیا، دیکھو! اس میں عمل کی بھی شرط ہے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا، ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ: جس کی چمک دمک اور روشنی سورج کی چمک دمک اور روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، وہ سورج جو تمھارے گھروں میں آجائے۔

## والدین کو پہنائے جانے والے تاج کی چمک دمک کا حال

سائنس داں کہتے ہیں کہ: یہ سورج زمین سے ۹ رکروڑ ۳۳ رلاکھ میل دور ہے، اتنا دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا یہ عالَم ہے، یہاں کی ہر چیز روشن ہے۔ رات کے وقت بڑی سے بڑی فلش لائٹ بھی روشن کر دی جائے، تب بھی اتنی روشنی نہیں ہو سکتی، اور دیوار ہو تو دیوار کے اِدھر تو کچھ نظر بھی نہیں آئے گا؛ لیکن سورج کا یہ حال ہے کہ جب وہ نکلتا ہے تو گھر کے اندر، کونے میں بھی روشنی آجاتی ہے، تو وہ سورج اگر گھر میں آجاوے تو کتنی چمک دمک ہوگی! تو قرآن پڑھ کر اس پر عمل کرنے والے کے ماں باپ کو

قیامت کے دن جو تاج پہنایا جائے گا، اس کی چمک دمک اس سے بھی زیادہ ہوگی، حالاں کہ ہوسکتا ہے اس کے ماں باپ بالکل جاہل ہوں، کچھ نہ پڑھا ہو؛ لیکن اس کی وجہ سے ان کے ساتھ اعزاز واکرام کا یہ معاملہ کیا جائے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا(۱): جس نے اس پر عمل کیا، اس کے مقام کا تو تم کیا اندازہ لگا سکتے ہو!! اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو کتنا نوازیں گے!۔

## عاصی رشتہ داروں کے حق میں حافظِ قرآن کی سفارش

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ: جس نے قرآن پڑھا، اس کو یاد کرلیا اور اس کے حلال کو حلال سمجھا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا، یعنی اس پر عمل کیا، تو أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ (۲): اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، اور اس کے خاندان کے ایسے دس آدمی جو اپنی بدعملی کی وجہ سے جہنم کے حق دار ہو چکے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے حق اس کی سفارش قبول کر کے ان کو جنت میں بھیجیں گے۔

## قیامت کی ہولناکیوں میں حافظِ قرآن کی اہمیت

حالاں کہ وہاں کا حال تو اتنا خطرناک ہے کہ وہاں اگر کوئی آدمی پکڑا گیا تو کسی کی

---

(۱) شعب الإیمان، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ، فصل فی تعلم القرآن، ر: ۱۷۹۷.

(۲) سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْآنِ، رقم الحدیث: ۲۹۰۵.

طاقت نہیں ہے کہ اس کو وہاں سے چھڑا سکے، ﴿یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ﴾ [المعارج: ۱۱، ۱۲] قرآن کہتا ہے کہ: مجرم اس دن یعنی قیامت کے دن تمنا کرے گا کہ اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے سب چیزیں فدیے میں دے دے، ساری دنیا فدیے میں دے ڈالے، تو بھی وہ اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکتا۔ ایسے خطرناک حالات میں قرآن کا پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا اپنے خاندان کے دس آدمیوں کو چھڑا لے گا، اور ان کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی سفارش قبول کریں گے۔ اس سے اس کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

## ان کی خوش نصیبی کے کیا کہنے!

بہرحال! یہ سلسلہ جو آپ کے علاقے میں چل رہا ہے، میں بستی والوں کو خاص طور پر مبارک باد دیتا ہوں، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو یہ توفیق عطا فرمائی، آپ نے اپنے مال کو اور اپنی چیزوں کو اس کام کے لیے وقف کیا: جنھوں نے زمینیں دیں اور جو لوگ اس میں حصہ لے رہے ہیں، وہ بڑے سعادت مند ہیں، کیا کہنا ان کی قسمت کا! وہ اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کریں، کم ہے، اور وہ یہ سمجھیں کہ ہم احسان نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ بھی یاد رکھیں۔

## نہ خلوص سے جہاں سر جھکے، وہاں سجدہ کرنا حرام ہے

آج کل یہ مصیبت بھی عام ہوگئی ہے، کہ مدارس میں یا ایسے اداروں میں کوئی

آدمی ایک لاکھ روپئے دیتا ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ یہ مولوی لوگ مجھے سلام کریں، کہ میں نے ان کے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔ نہیں، بھائی! یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے آپ کو اس کی توفیق دی۔

## منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد

قرآنِ پاک میں ہے کہ: بعض دیہات والے جو ایمان لے آئے تھے، نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، تو وہ نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے تھے کہ گویا اسلام قبول کر کے انھوں نے حضور پر کوئی احسان کیا ہو، تو قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [الحجرات]: اے نبی! یہ لوگ آپ کے پاس آ کر ایسے انداز سے پیش آتے ہیں، گویا اسلام لا کر انھوں نے آپ پر احسان کیا ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ: تم اپنے اسلام کا احسان مجھ پر مت جتلاؤ، یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے آپ کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی | | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد |

یعنی کوئی آدمی اگر بادشاہ کی خدمت کرتا ہے تو بادشاہ پر اس کا احسان نہیں ہے کہ وہ اس کی خدمت کر رہا ہے؛ بلکہ بادشاہ کا احسان ہے کہ اس نے اپنی خدمت کے لیے اس کو رکھا ہے۔

آج اگر وزیرِ اعظم اپنے کسی کام کے لیے کسی کو بلالے تو وہ کیا سمجھے گا؟ یہی نا کہ میں بہت خوش قسمت ہوں! وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ میں نے اس پر احسان کیا، وہ تو یہی سمجھے گا کہ اس کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھ کو بلالیا، ورنہ وہاں تو بہت سے لوگ اس کی خدمت کے لیے تیار تھے۔

## اور ہو کبھی صلے کے نہ امیدوار تم

تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے آپ حضرات کو قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے قبول کرلیا: آپ کی زمینوں کو، آپ کے مال کو، آپ کی صلاحیتوں اور محنتوں کو قبول کرلیا۔ آپ ان بچوں کی ضروریات کی تکمیل کی راہ میں جو کچھ کررہے ہیں، وہ آپ کا ان بچوں پر احسان نہیں ہے، اللہ کا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائی۔ جتنا دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان مانیں گے اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائیں گے۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس کو ہر مسلمان اپنی خوش بختی اور سعادت سمجھتا ہے اور آپ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

## اس دور میں علم کا حصول بہت زیادہ آسان ہوگیا ہے

اس موقع پر مَیں اس بستی والوں کو بھی اور خاص کر کے بستی کے وہ احباب جنھوں نے اس ادارے کے لیے قربانیاں دیں، بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یہاں کے منتظمین، اساتذہ اور اللہ کے وہ بندے جو دور و دراز رہتے ہیں اور اس ادارے کی کفالت کرتے ہیں اور اس کے لیے مالی تعاون پیش کرتے ہیں، ان تمام کی خدمت میں مبارک باد پیش

کرتا ہوں، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ سعادت عطا فرمائی اور بڑی مبارک بادی تو ان بچوں کے لیے اور ان کے والدین اور ان کے اہلِ خاندان کے لیے ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس کی سعادت عطا فرمائی اور اس ادارے کے آس پاس کی جو بستیاں ہیں، گویا ان کے لیے قرآنِ پاک کا سیکھنا سکھانا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسان کر دیا، پہلے تو اس کے لیے بچوں کو دور دور تک بھیجا جاتا تھا اور اب ماں باپ کو اپنے بچوں سے زیادہ عرصے کے لیے جدائی برداشت کرنی نہیں پڑتی۔

## دنیوی تعلیم کے دیوانے

اس لیے آپ اس ادارے سے فائدہ اٹھائیے اور اپنے بچوں کو یہاں بھیجیے، کوئی خرچہ نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتظام دیکھیے کہ یہاں جو بچے ہیں، ان کے کپڑے ماں باپ کو سلوانے نہیں پڑتے، نہ ان کے نہانے دھونے کی فکر ہے، نہ کھانا کھلانے کی، اسکول میں! اسکول میں بچوں کا یونیفارم ماں باپ کو سلوانا پڑتا ہے، کتابوں کے پیسے ماں باپ کو ادا کرنے پڑتے ہیں، فیس ماں باپ کو ادا کرنی پڑتی ہے، ارے! وہ لانے لے جانے کے لیے جس کو رکھا ہے، اس کی گاڑی کا کرایہ بھی ماں باپ کو ادا کرنا پڑتا ہے، دو مہینے کی چھٹیوں کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے اور یہ سب ماں باپ دیتے ہیں۔

## ہزاروں اور ہیں جن کا یہی انجام ہونا ہے

میں تو سنتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے! کہاں جا رہے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ کوئی گارنٹی ہے کہ یہ بچے پڑھ لینے کے بعد ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے؟

ارے! ابھی تو اسکول میں ہے اور ماں باپ کے سر پر جوتا کھولنے کی شروعات کرتا ہے؛ لیکن وہاں سب کچھ ہو رہا ہے، اور یہاں کچھ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتیں رکھی ہیں؛ لیکن اس سے کوئی فائدہ اٹھانے کو تیار نہیں، ایسا تب ہوتا ہے جب کسی قوم کی قسمت پر مہر لگ جاتی ہے۔

## وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مکۂ مکرمہ کا گورنر نافع بن عبد الحارث کو مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے گورنروں کا محاسبہ اور پوچھ تاچھ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ: تم نے جنگلات کا امیر کس کو مقرر کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ابنِ ابزی کو! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: یہ ابنِ ابزی کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ہمارا ایک غلام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: تم نے ایک غلام کو جنگلات کا امیر اور ذمہ دار بنایا؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ قرآن کو پڑھا ہوا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فوراً بول پڑے: أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ -صلى الله عليه وسلم- قَدْ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ (۱): اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ جو پڑھیں گے، عمل

(۱) صحيح مسلم، عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ، وَيُعَلِّمُهُ، وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً مِنْ فِقْهٍ، أَوْ غَيْرِهِ فَعَمِلَ بِهَا وَعَلَّمَهَا.

کریں گے، اس کا حق ادا کریں گے۔تو ایک غلام ہے پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو یہ مقام عطا فرمایا۔اور بہت سوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ذلیل وخوار کرتے ہیں، یعنی جو اس کو چھوڑیں گے اور اس پر عمل نہیں کریں گے۔

## اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

آج ہمارے اوپر جو مار ہے، جن مشکلات اور فتنوں کا ہمیں سامنا ہے، وہ قرآن کی تعلیمات، اس پر عمل اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔

## مالٹا کی جیل میں سیکھے ہوئے دو سبق

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے سب کے بڑے ہیں، جب مالٹا میں دو سال کی قید بھگت کر واپس آئے تو بڑے بڑے علما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان علماء کے سامنے فرمایا کہ: بھائی! ہم نے جیل کی تنہائیوں میں دو باتیں سیکھیں: ایک یہ مسلمانوں کے آپس کے اختلاف کو کسی بھی طرح برداشت نہ کیا جائے، ان میں آپس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اور دوسرا یہ کہ قرآن کی لفظاً اور معنیً تعلیم کو عام کیا جائے، الفاظ کی تعلیم کو بھی اور معانی کی تعلیم کو بھی۔

آج قرآن کی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم لوگ ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

## قیامت کے محاسبے سے خود کو بچانے کا یہیں پر انتظام کر لیجیے

میں علاقے کے لوگوں سے یہ کہنے جا رہا تھا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا

ہے، کل کو آپ میدانِ حشر میں یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ: اے باری تعالیٰ! ہمارے پاس اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے کوئی انتظام نہیں تھا: پیسے نہیں تھے، جگہ نہیں تھی، پڑھانے والے نہیں تھے۔ سب کچھ ہے، اللہ نے مفت دیا ہے، اب اس کے بعد بھی نہیں پڑھائیں گے تو کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ کل کو اللہ کی پوچھ سے اپنے آپ کو بچانے کا انتظام یہاں سے کر کے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور اس ادارے کو، اس کے منتظمین، اساتذہ اور اس کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے سبھی حضرات کو قبول فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے سلسلے میں ہمیں اپنے اسلاف کے حالات کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف جن کو ہم اپنا مقتدا اور اپنا اسوہ سمجھتے ہیں، ان کے حالات پڑھیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جب یہ نعمتیں عطا فرمائیں تو ان حضرات نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق کس طرح ادا کیا، اور جب انھوں نے ان نعمتوں کا حق ادا کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی سرخ روئی عطا فرمائی، آج ہم ان کا نام اپنی زبان پر لانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، اور آخرت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بڑے درجات سے نوازا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [البقرة:۱۲۹]

وقال تعالىٰ: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹]

وقال تعالىٰ: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ [يونس:۵۸]

وقال تعالىٰ: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِى الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا.

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِى بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِى

عَمِلَ بِهٰذَا.

وقال النبی ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ.

وقال النبی ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ, قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْاٰنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ. أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام.

## ایں سعادت بزورِ بازو نیست

ہمارے لیے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے اس مدرسے میں ان پندرہ بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ سعادت عطا فرمائی،

| ایں سعادت بزورِ بازو نیست | تا نہ بخشد خدائے بخشندہ |
|---|---|

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو چاہتے ہیں یہ سعادت عطا فرماتے ہیں، کسی کے بس کی چیز نہیں ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نعمت کے لیے ان بچوں کا انتخاب فرمایا اور اپنی کتاب کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو جو شغل عطا فرمایا ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

## تکمیلِ حفظ کی مجلس میں ہر بچے سے اس کا آخری سبق مستقلاً پڑھوانے کا معمول ہو

یہ جو ابھی بچوں سے ان کا آخری سبق لوگوں نے سنا، میں بھی بڑے غور سے سن رہا

تھا، بہت سے حضرات سوچ رہے تھے کہ ان بچوں کو ایک ساتھ کیوں نہ پڑھوا دیا گیا؟ اور ان کا یہ پڑھنا لوگوں کے لیے بظاہر گرانی بنتا جا رہا تھا۔

## بچوں سے ایک ساتھ آخری سبق پڑھوانے کے ہمارے بزرگوں کے معمول کا سبب

دیکھو بھائی! دراصل مقصد تو ان کا اعزاز ہے؛ اس لیے ہر ہر بچے سے الگ الگ پڑھوایا جائے اور باقاعدہ اس کا نام پکارا جائے۔ گذشتہ جب اسی سلسلے میں آنا ہوا تھا اور کچھ بچوں نے حفظ کی تکمیل کی تھی تو میں نے تاکید کی تھی، میں نے کہا تھا کہ: یہ جو سب بچوں سے ایک ساتھ پڑھواتے ہیں، تو ہمارے ایک بزرگ تھے: حضرت قاری سید صدیق صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ۔ حضرت کے پاس وقت بہت کم ہوتا تھا اور کسی علاقے میں جب پہنچتے تھے تو سب لوگوں کا اور مدرسے والوں کا مطالبہ ہوتا تھا، کہ ہمارے یہاں آئیں، اور حضرت کسی کی دل شکنی بھی نہیں کرتے تھے۔ مختصر وقت میں ہر جگہ جانا ہوتا تھا، ایسے موقع پر حضرت فرما دیا کرتے تھے کہ ایک ساتھ پڑھیں۔

## بچوں کی محنتوں پر حوصلہ افزائی کی جائے

بہر حال! یہ ایک ضرورت تھی اور ''الضرورۃُ تتقدّر بقدر الضرورۃ'' اصل تو یہ ہے کہ یہ بچے جو قرآنِ پاک کے حفظ کی تکمیل کر رہے ہیں، انھوں نے بڑی محنت کی ہے، دو سال تک، تین سال تک حفظِ قرآن میں لگے رہے، ان کے اساتذہ جنھوں نے ان پر محنتیں کی ہیں، ان کی محنتیں بھی قابلِ صد مبارک ہیں۔

## حفظِ قرآن کے پیچھے ہونے والی محنتوں کی ایک جھلک

عوام کو اور لوگوں کو اندازہ نہیں کہ حفظِ قرآن کے لیے کیسی کیسی محنتیں کی جاتی ہیں؟ بچے کتنی محنتیں کرتے ہیں؟ ۲۴؍ گھنٹے اس کے پیچھے لگے رہتے ہیں، صبح ان کو جلدی اٹھا دیا جاتا ہے، اور جہاں قضائے حاجت وغیرہ سے فارغ ہوئے کہ وضو کر کے بیٹھ جاؤ۔ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور کبھی نیند کا جھونکا آ گیا تو بھی وہ سر ہلا رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں، اسی درمیان میں کچھ وقت نکال کر چائے وائے پلا دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر وہی پڑھنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

## خدا کی راہ میں جہد و عمل کا کیا کہنا

گیارہ بجے تک برابر لگے رہتے ہیں، گھنٹی ہوئی تو کھانا کھا کر تھوڑی دیر لیٹ جاتے ہیں۔ ظہر ہوئی تو پھر عصر تک لگ جاتے ہیں اور عصر کے بعد کھانا کھا کر تھوڑی دیر تفریح کر لیتے ہیں، معمولی سی چہل قدمی ہو جاتی ہے اور مغرب کے بعد پھر بیٹھ جاتے ہیں اور عشاء تک پڑھتے ہیں، پھر عشاء کے بعد جب تک کہ نیند کا خوب غلبہ نہ ہو جائے، وہاں تک برابر قرآن لے کر بیٹھتے ہیں۔

## مجاہدوں کو فرشتے سلام کرتے ہیں

بڑے مبارک ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب ہاتھوں میں ہے، نگاہوں میں اس قرآنِ پاک کے نقوش ہیں، زبان سے وہی الفاظ پڑھے جا رہے ہیں، کان ان ہی کو سن رہے ہیں، دل و دماغ ان ہی کو محفوظ کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کے کیسے مبارک بندے ہیں

کہ جن کے ۲۴؍ گھنٹے اللہ کی کتاب کے اندر مشغولی میں لگ جاتے ہیں۔

## دنیادار کی مشغولی کی ایک جھلک

کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا مال دار اور رئیس ہے تو کیا ہے؟ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ۲۴؍ گھنٹے میں ان کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی ایسی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ کا نام زبان سے ادا کرے۔ صبح اٹھے گا اور موٹر کار کی چابی لے کر کے کار کو کھولے گا، فیکٹری میں جائے گا، مزدوروں کے ساتھ مغز ماری کرے گا، اپنے آفس کے لوگوں کے ساتھ اِدھر اُدھر کرے گا۔ ۲۴؍ گھنٹے میں کوئی ایسا مشغلہ ہے جو ہمارے لیے قابلِ رشک ہو؟ جس کی ایک مؤمن اور دین دار آدمی تمنا کرے کہ کاش! یہ چیز ہمیں بھی حاصل ہوتی! یہ بڑی سعادت کی بات ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

## حافظ ہونے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کا نام بھی پکارا جائے

یہ بچے مختلف جگہوں سے آئے، ابھی آپ کے سامنے نام پکارے گئے۔ میں نے اسی وقت تاکید کی تھی کہ استاذ کا نام بھی بولو کہ فلاں استاذ کے پاس حفظ کی تکمیل کی ہے، بچوں کا بھی نام بولو؛ تاکہ ان کا جی خوش ہو۔ ارے! اس آخری مجلس میں ان کا نام نہیں پکاریں گے تو کب پکاریں گے!!

## مجھ کو معلوم ہے پیرانِ حرم کے انداز

وہ انعام کے دو پیسے دیتے ہیں، ان کے نام تو مدرسوں میں بہت زور زور سے

پکارے جاتے ہیں۔ ارے! یہ نہیں بھی دیں گے تو کیا ہوا! یہ ان کی سعادت ہے، دیتے ہیں تو دیں، نہیں دیں گے تو کون سی کمی آنے والی ہے؟ ان کے لیے تو بار بار اعلان کیے جاتے ہیں، اور یہ جو ختم کر رہے ہیں، جنھوں نے اتنی محنتیں کی ہیں، ان کا نام ایک مرتبہ بھی نہ پکارا جائے! چھوٹے بچے ہیں، ان کی زیادہ حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کی ہمتوں کو بڑھایا جائے گا تو اتنا ہی زیادہ کام کریں گے۔

## بڑے خوش بخت ہیں یہ حضرات!

اساتذہ نے کتنی محنتیں کیں! یہ آدمی کے لیے کتنا محنت کا کام ہے! یہ پڑھنا، پڑھانا سب سے مشکل کام ہے۔ عوام کیا سمجھتے ہیں کہ مولویوں کو کیا ہے؟ گدّی پے بیٹھ کے لکڑی چلاتے رہتے ہیں۔ یہ جو یہاں آئے ہیں نا، وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے، نہیں بھائی! یہ تو بڑی پتّہ ماری کا کام ہے، خون کو پانی کرنا پڑتا ہے۔ یہ مدرسے والے کیسے وقت گذارتے ہیں، آپ کو اس کا اندازہ نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو قبول کرلیا کہ وہ اس کی کتاب کی خدمت کے لیے، اس کی حفاظت کے لیے، اس کی اشاعت کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قبولیت یہ بھی کوئی معمولی سعادت نہیں ہے۔

## نعمتِ قرآن کے مقابلے میں دنیوی نعمتوں کو افضل سمجھنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ قرآن'' میں ایک روایت نقل کی ہے، کہ جس آدمی

کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی ہو اور پھر کسی اَور صاحبِ نعمت کو جس کو دنیا کی کوئی نعمت دی گئی ہے، اس کو دیکھ کر یہ سوچے کہ اس کو جو نعمت دی گئی ہے وہ مجھے عطا کردہ نعمت کے مقابلے میں بڑھ کر ہے۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی، آپ کسی صاحبِ دولت وثروت کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ اس کو مال کی جو نعمت ملی ہوئی ہے، وہ ہماری نعمت سے بڑھ کر ہے۔

## قرآن کے ساتھ وابستگی سب سے اعلیٰ اور قابلِ فخر نعمت ہے

کسی اونچے منصب اور عہدے والے کو دیکھے، کوئی وزیرِ اعظم ہے، صدرِ اعلیٰ ہے، کسی صوبے کا گورنر ہے، اس کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے، وہ ہمیں دی ہوئی نعمت سے بڑھ کر ہے، یا دنیا کی کوئی اَور نعمت ہے اس کو اپنی اس نعمت سے بڑھ کر سمجھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جو یہ نعمت عطا فرمائی، اس نے اس کی ناقدری کی۔ گویا ہمیں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی اس نعمت پر خوش ہونا چاہیے، فخر کرنا چاہیے، قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا: یہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھا ہے، یہ اس قابل ہے کہ ہم اس پر فخر کریں، خوش ہوں اور خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ: دنیا کے لوگ جو چیزیں جمع کر رہے ہیں، چاہے کوئی بھی چیز ہو، کوئی بھی دنیوی نعمت ہو، دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی ڈگری اور منصب ہو، اس کے مقابلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمت عطا فرما رکھی ہے، وہ بہت زیادہ ہے، بہت بڑھ کر کے ہے، اور یہ اس قابل ہے کہ اس کے اوپر فخر کیا جائے، اور

اس پر فخر کرنے کا اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں۔

## ہر لفظ کو سینے میں بسالیں تو بنے بات

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ (۱) کہ جو آدمی قرآن کے ذریعہ غنا حاصل نہ کرے، استغنا اور بے پروائی کا مظاہرہ نہ کرے، یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت اور دولت عطا فرمائی ہو، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی ساری چیزوں سے بے رغبت ہوکر اپنے آپ کو اس کے اندر مشغول کرلے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي (۲): کہ اے اللہ! قرآنِ پاک کو میرے دل کی بہار اور میرے غم کا مداوا اور میری فکر کے دور ہونے کا ذریعہ بنادے۔

گویا ہمارے لیے قرآن ہی ایک ایسی چیز ہو جو ہمارے رگ وریشے میں پیوست ہوچکی ہو، قرآن کے حفظ کا تقاضا یہی ہے۔

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحْبَابِ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ.

(۲) المستدرك على الصحيحين، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، كِتَابُ الدُّعَاءِ، وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّهْلِيلِ، وَالتَّسْبِيحِ وَالذِّكْرِ، رقم الحديث: ۱۸۷۷.

## ایمان کی دولت حاصل ہونے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اظہارِ مسرت

حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بیان میں یہ قصہ سنایا کہ: ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت خوشی میں ہیں، اور اس کا اظہار کرتے ہوئے ناچ رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ بلال! کیا بات ہے؟ کس چیز پر اتنے خوش ہو رہے ہو؟ تو جواب دیا کہ: میں یہ سوچ کر خوش ہو رہا ہوں کہ ایمان کی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی، اس کی تقسیم انسانوں کے حوالے نہیں کی کہ تم تقسیم کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی اپنے فیصلے سے اس نعمت کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ اگر انسانوں کو دی جاتی کہ تم تقسیم کرو تو بلال کا نمبر کہاں لگتا؟

اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، ویسے بھی اس قوم کو اہلِ دنیا کمزور اور حقیر سمجھتے ہیں، اور مزید براں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک غلام ہیں تو پتہ نہیں، میرے حصے میں یہ نعمت آتی بھی یا نہیں؟

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہربان چچا اور آپ کے حامی و مددگار

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرتِ ابوطالب جنھوں نے زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی، سپورٹ کیا اور پوری زندگی آپ کی مدد کرتے رہے، دشمنوں کے مقابلے میں آپ کو تقویت پہنچاتے رہے۔

## حضرتِ ابوطالب کی آخری گھڑی اور ابلیسی گماشتوں کی سرگرمیاں

جب ان کی موت کا وقت آیا - بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے - تو مکہ میں

بات پھیل گئی کہ ابوطالب کا آخری وقت ہے، تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ آپس میں یہ کہتے ہوئے ابوطالب کے پاس پہنچ گئے کہ: کہیں آخری وقت میں ان کے بھتیجے ان کے پاس آکر کلمہ نہ کہلوادے؛ اس لیے دونوں جلدی جلدی وہاں پہنچے۔

ابوطالب جہاں لیٹے ہوئے تھے، وہاں دو آدمیوں کے بیٹھنے کے بقدر جگہ تھی تو انھوں نے اس جگہ پر قبضہ کرلیا؛ تاکہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلے اور آپ تشریف لاویں تو آپ کو بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ وہاں پہنچے، وہاں بیٹھنے کی جگہ تو تھی نہیں۔ کھڑے کھڑے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا سے درخواست کی کہ: چچا! کلمہ پڑھ لیجیے! ایک مرتبہ آپ کلمہ پڑھ لیجیے پھر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کردوں گا۔

## عار انسان کو بہت ساری خوبیوں سے روکنے والی ہے

ابوجہل نے کہا: ابوطالب! اگر آخری گھڑی میں کلمہ پڑھ لوگے تو مکہ کی عورتیں اور بچے کیا کہیں گے! کہ آگ سے ڈر گیا! عار دلائی، یہ عار ہے نا عار، وہ آدمی کو بہت ساری خوبیوں سے روکتی ہے۔ ابوطالب نے کہا: أختارُ النار علی العار: میں نار کو عار کے مقابلے میں اختیار کرتا ہوں، یعنی مجھے جہنم گوارا ہے؛ لیکن مکہ کی عورتیں اور بچے یہ کہیں کہ ابوطالب ڈر گیا اور کلمہ پڑھ لیا، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ دیکھئے! یہ عار آدمی کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔

## حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ

ضمناً ایک بات یاد آگئی: ان ہی کے پوتے حضرت حسن رضی اللہ عنہ- جو حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے جانشین بنائے گئے، آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی نوبت آئی تو ایک بڑا لشکر لے کر کے ان کے مقابلے کے لیے نکلے، بہت بڑا لشکر تھا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ: بھائی! ان عورتوں اور بچوں کا کیا مسئلہ ہوگا؟ یعنی اسی طرح اگر جنگیں ہوتی رہیں تو عورتیں بیوہ ہوں گی، بچے یتیم ہوں گے تو ان کو کون سنبھالے گا؟ کوئی ہے جو ان کو جا کر یہ پیغام دے کہ خدا کے واسطے جو شرط بھی وہ کہیں، مَیں منظور کرنے کے لیے تیار ہوں، شرائط لکھنے کے لیے کورا کاغذ دے دیتا ہوں۔ بات چیت ہوئی، کچھ حضرات اس کے لیے تیار ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔

## دادا اور پوتے کے جواب کا فرق

حضرت حسن رضی اللہ عنہ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے؛ لیکن آپ کے لشکر میں بڑی تعداد وہ تھی جو اس نظریے کی قائل تھی کہ ہمیں تو مقابلہ ہی کرنا ہے، ہم ہر حال میں ان کا جواب دیں گے۔ ان کو یہ صلح ناگوار گذری، تو وہ حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کہا کرتے تھے: یا عار المسلمین! اے مسلمانوں کے لیے باعثِ ننگ و عار! تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے: أختار العار علی النار: میں نے عار کو نار پر ترجیح دی ہے، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کی برکت ہے۔

## ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے

جب ابو طالب دنیا سے ایمان سے محروم ہونے کی حالت میں گئے، تو نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وجہ سے بڑا دُکھ ہوا، کہ میرے چچا جو پوری زندگی میری مدد اور حمایت کرتے رہے، وہ ایمان سے محروم دنیا سے چلے گئے! اس موقع پر باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیت نازل فرمائی: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص:۵٦] اے نبی! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا دنیا سے ایمان سے محروم جا رہے ہیں اور بلال ہیں جو ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

## حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت کی عطا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے

تو اسی طرح علم اور حفظِ قرآن کی یہ دولت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے؛ ورنہ آپ دیکھیے! نام آپ نے بھی سنے ہوں گے کہ یہ بچے یہاں کہاں کہاں سے آئے ہیں! ایسے ایسے دیہات اور بستیوں کے یہ رہنے والے ہیں کہ جہاں رہنے والے ان ہی بچوں کے دادا، پردادا نے - میں تو سمجھتا ہوں کہ - قرآن کا ایک حرف بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ دولت اگر انسان کے ہاتھوں میں ہوتی تو ان کو کہاں ملتی؟ وہ تو بڑے بڑے خاندان والوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیتے کہ ان کو دو، ان کو دو۔ جو لوگ دور دراز کے دیہاتوں میں پڑے ہوئے ہیں، جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں، ان کو کون یہ دولت دیتا!!!۔

## محروم بستیوں کو اس دولت سے مالا مال کرنے کا قدرتی نظام

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دولت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے؛ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حفظِ قرآن کی نعمت سے مالا مال کیا جائے، تو اس کے لیے یہ انتظامات کر دیے۔ اب یہ بچے دور دور سے، بیرونِ ممالک سے بھی آرہے ہیں اور یہ دولت حاصل کر رہے ہیں، اساتذہ کے پاس رہ کر قرآن یاد کر رہے ہیں، حالاں کہ نہ بچے ان اساتذہ کو پہچانتے ہیں، نہ اساتذہ اور منتظمین ان بچوں کو جانتے ہیں، صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے ان کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی، یہ جذبہ ڈال دیا، یہ ان محروم بستیوں کو حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت سے مالا مال کرنے کا قدرت کی طرف سے ایک نظام ہے، اور اس کے لیے یہ ادارہ قائم فرما دیا۔

## ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتی ہے

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ علمِ دین سے محروم ان بستیوں کو بھی اس نور سے منوّر کیا جائے، ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ [القصص:۵]: یہ بنی اسرائیل کے لیے کہا گیا تھا کہ آج تک جن لوگوں کو، جس قوم کو کمزور بنا کر رکھا گیا تھا، ہم چاہتے ہیں کہ ان کے اوپر مہربانی کریں، اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نظام قائم فرما دیا۔

اس پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے، عرض کر دیتا ہوں، بڑا عبرت انگیز واقعہ ہے:

## ایک چشم کُشا وعبرت نشاں واقعہ

ہمارے جامعہ ڈابھیل کے ایک فاضل ہیں: مولانا ایوب صاحب، جو مولانا ابراہیم صاحب دیولوی کے بھتیجے ہیں، ڈابھیل سے فارغ ہیں اور ایک افریقی ملک ''ملاوی'' میں دین کا کام کررہے ہیں۔ انھوں نے ایک واقعہ سنایا جو بڑا عبرت انگیز ہے، اس کو سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ کیا اللہ کا نظام ہے!!

## تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لیے

انھوں نے بتلایا کہ: ایک مرتبہ میں اپنی درس گاہ میں پڑھا رہا تھا کہ میری درس گاہ کے سامنے ایک کالا بچہ نیکر پہنے ہوئے، ''چڈّی'' پہنے ہوئے آیا، بنیان وغیرہ کوئی دوسری چیز پہنی نہیں تھی۔ جن لوگوں نے ان افریقی ممالک کا سفر کیا ہے اور وہاں کالے بچوں کو دیکھا ہے، وہ تصوّر کرسکتے ہیں کہ اس کا کیا حُلیہ ہوگا۔ وہ بچہ دروازے کے پاس کھڑے ہوکر کچھ بول رہا ہے۔ ان مولوی صاحب کے پاس کالے بچے پڑھتے ہیں اور ماشاءاللہ ان پر اچھی محنت بھی کررہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے بچوں میں سے ایک بچے کو اس کے پاس بھیجا کہ جاؤ اور سنو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس بچے نے آکر بتلایا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ: آپ مجھے پڑھائیں گے؟ کہتے ہیں کہ: میں نے اس کو کہا کہ: ہاں! پڑھاؤں گا۔

## بچوں کی اچھی کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے

کہتے ہیں کہ: مَیں نے اس کو بلوایا، نہلایا، اس کے لیے کپڑے بنوائے اور اپنے

پاس پڑھانے کے لیے رکھا۔ کھانے، پینے کا انتظام تو وہاں تھا ہی۔ کہتے ہیں کہ: میں نے اس کو شروع سے پڑھایا۔ اس نے جب حفظ کرنا شروع کیا تو انعام کے طور پر اس کو کچھ رقم دے دیتا تھا؛ تا کہ اس کو شوق و رغبت پیدا ہو۔

## آرام سے ہوں فقر کے بستر پہ میں گدا

دیکھو یہ اساتذہ! آپ کے یہاں بھی ایسے اساتذہ ہوں گے جو اچھا پڑھنے والے بچوں کو موقع بہ موقع انعام یا ان کی دل جوئی کرتے ہیں۔ ویسے آپ دیکھیں گے کہ ان کی تن خواہ کتنی ہے؟ دیکھئے! ان علماء کا اور دین کی خدمت کرنے والوں کا حوصلہ کتنا بلند ہے! ان کی تن خواہ آپ معلوم کریں گے تو وہ آپ کے دماغ میں ہی نہیں آئے گی! دو، ڈھائی ہزار تن خواہ ہوتی ہے۔ آپ کے گھروں میں تو چائے کا خرچہ بھی اس سے پورا نہیں ہوتا۔ یہ مولوی اتنی تن خواہ سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں بھی پوری کر رہا ہے اور یہاں بچوں کو انعام بھی دے رہا ہے۔ یہ حوصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ہی کو عطا فرمایا ہے، صحیح بات تو یہ ہے۔

## بچے پھر بچے ہوتے ہیں

کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں دارالاقامہ میں جائزہ لینے کے لیے گیا تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک چھوٹا سا ٹرانجسٹر ہے۔ اب اس کے گھر والے تو بالکل غریب تھے، وہ کیا دیتے؟ یہاں سے انعام کے طور پر ملنے والی رقم سے ہی خریدا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ: میں نے یہ منظر تو دیکھا تو بڑا غصہ آیا اور ٹرانجسٹر زور سے زمین پر پٹکا اور ٹکڑے ٹکڑے

کر دیا، اور کہا کہ: میں تجھے اس لیے انعام کے طور پر پیسے دیتا ہوں؟ اب بچے تو بہر حال بچے ہوتے ہیں، وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ: ایک آدمی کو لے کر اس کو تلاش کرنے کے لیے بیس کیلومیٹر کا پیدل سفر کیا، وہ پہاڑی علاقہ ہے، پیدل ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال! اس کو تلاش کر کے لے آیا اور اس کو سمجھایا اور دوبارہ تعلیم شروع کی۔

## کیا کہنا ان بوریہ نشینوں کا

اپنے پاس پڑھنے والے بچے کے ساتھ استاذ کو جو تعلق ہوتا ہے، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک بلا کم ہوئی، نہیں، نہیں، نہیں۔ ایک بچہ جب ہنستا ہے تو استاذ کے دل پر کیا گذرتی ہے، وہ استاذ سے پوچھو، اس کو اپنے شاگردوں کے ساتھ اپنے بیٹے جیسی محبت ہوتی ہے، یاد نہ کرنے کی وجہ سے اس کو مارتا بھی ہے، یہ الگ بات ہے، باقی یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقِ قلبی ہوتا ہے۔

پہاڑی راستوں میں اس طرح پیدل بیس کیلومیٹر کی مسافت طے کرنا کوئی آسان کام ہے!۔

## ایک طالبِ علم کی تلاش کے لیے پنجاب کا سفر

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے استاذ کا قصہ سناتے تھے کہ: ایک طالبِ علم ان کے پاس پڑھتا تھا، قرآنِ پاک حفظ کرتا تھا، وہ بھاگ گیا تو اس کو تلاش کرنے کے لیے گنگوہ سے پنجاب گئے۔ وہ لڑکا پنجاب کا تھا، وہاں گئے اور اس کو تلاش

کر کے لے آئے۔

## طالبِ علم سے استاذ کے تعلق کا دل فریب نظارہ

ان کی عادت یہ تھی کہ کسی وجہ سے بچے کو مارتے تھے تو ایک لکڑی بچے کو مارتے اور ایک لکڑی اپنی ذات کو مارتے۔ گویا یہ بتلانا چاہتے تھے کہ میں یہ بدرجۂ مجبوری مار رہا ہوں، کوئی شوق میں نہیں۔ کیسا تعلق ہوتا ہے استاذ کو ان بچوں کے ساتھ!

اس بچے کا واقعہ آپ کو سنا دوں، وہ بھی عبرت والا ہے:

## در تیری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

اس کی حفظ کی تکمیل ہوئی تو جیسے تکمیلِ حفظِ قرآن کی یہ مجلس ہے وہاں بھی ایک مجلس منعقد کی گئی اور لوگوں کو اس میں جمع کیا گیا، اس جلسے میں وہاں کے ایک وزیر بھی شریک تھے- ہماری بھی ان سے ملاقات ہوئی ہے، ابراہیم نام ہے اور اس مدرسے کے ذمہ دار بھی ہیں، دین کے کاموں میں مدد کرتے رہتے ہیں- جب اس بچے کا نام اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا گیا تو انھوں نے اس کو حیرت سے دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کہتے ہیں کہ: میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے جواب میں بتلایا کہ:

یہ وہ بچہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوا تو اس وقت اس کی ماں کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا۔ پیدا ہونے پر اس کی ماں نے اس کو اٹھا کر کوڑادان میں ڈال دیا۔ میں اسی محلے میں رہتا تھا، ایک عورت نے آکر مجھے بتلایا کہ فلاں عورت کو بچہ پیدا ہوا اور اس نے

اس کو کوڑا دان میں ڈال دیا ہے۔ میں وہاں گیا اور اخبار کے ایک کاغذ میں اس کو لپیٹ کر ہسپتال لے آیا، وہاں اس کو طبی امداد پہنچائی گئی، پھر اس کو دوسری جگہ رکھا گیا، یہ وہی بچہ ہے جو کوڑے دان میں ڈال دیا گیا تھا۔ آج جب میں نے اس کا نام سنا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت پر حیرت ہوئی، کہ وہ بچہ کہ جس کے ساتھ پیدائش کے وقت یہ معاملہ کیا گیا تھا، آج قرآن کی دولت سے مالا مال ہے۔

## اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے

اسی بچے کے متعلق انھوں نے سنایا کہ: وہ بچہ قرآنِ پاک بہت عمدہ پڑھتا ہے، ویسے بھی کالے لوگوں کی آواز اچھی ہوا کرتی ہے۔ اب وہاں دبئی میں قرأتِ قرآن کا مسابقہ ہوتا ہے اور مختلف ممالک کے حُفّاظ اور قُرّاء کو وہاں مدعو کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں بھی دعوت آئی اور ہمارے یہاں جو انجمن تھی، اس میں اس بچے کا نام تجویز کیا گیا اور اس کو وہاں بھیجا گیا۔

## بچے کے باپ کی مالی حیثیت

اب اس کا باپ غریب آدمی تھا، مسجد ہی میں رہتا تھا اور اس کی صاف صفائی کی خدمت کرتا تھا، حالاں کہ کسی نے اس کام کے لیے اس کو مقرر نہیں کیا تھا، اپنے طور پر یہ خدمت انجام دیتا تھا۔ یہ مسجد بازار کے اندر ہے، جب روزانہ جھاڑو سے، صاف صفائی سے فارغ ہوتا تھا تو وہاں بازار میں دکانوں کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاتا تھا، لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ مسجد کی صاف صفائی کر کے آ گیا ہے، تو لوگ اس کو کچھ نہ کچھ دے دیتے

تھے اور اسی سے اس کی گذر بسر ہوتی تھی۔

## بچے کی قسمت کھل گئی

جب اس بچے کو مسابقے میں بھیجا گیا تو اس کو تین ہزار ڈالر کا انعام ملا، اب اس کو انجمن کی طرف سے بھیجا گیا تھا تو انجمن نے انعام کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ اس انعام کا کچھ حصہ تو انجمن کے لیے ہوگا، ایک حصہ بچے کے لیے، ایک حصہ اس کے استاذ کے لیے اور ایک حصہ اس کے باپ کے لیے۔ وہ کہتے ہیں کہ: مجھے انعام کے بارے میں کہا گیا تو میں نے کہا کہ: مجھے تو اس انعام میں سے کچھ نہیں چاہیے۔ اب اس کا اور اس کے باپ کا جو حصہ تھا، اس کو بینک میں جمع کرایا گیا۔

یہ بچہ حافظ ہو گیا اور اس کے بعد ساؤتھ افریقہ میں مدرسہ زکریا مزید پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ ہم دو سال پہلے گئے تھے تو انھوں نے کہا کہ اس سال وہ بچہ فارغ بھی ہو جائے گا۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے!

## غریب آدمی کا امیرانہ جذبۂ سخاوت

اب باپ کے پاس ایک ہزار ڈالر کی رقم آئی تھی۔ اس کے بعد یہ ہونے لگا کہ اس کا باپ میرے پاس آتا اور چیک پر دستخط کراتا، کبھی سو ڈالر اٹھاتا کبھی ڈیڑھ سو، کبھی دو سو، تھوڑے سے عرصے میں وہ ساری رقم ختم ہو گئی۔ اس کے بعد اس کو کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ میرے پاس آیا، مجھے بڑا غصہ آیا اور غصے میں کہا کہ: تو بھی بڑا عجیب آدمی ہے، اتنی بڑی رقم تو نے اتنی تھوڑی سی مدت میں فضول خرچی کر کے ضائع کر دی۔ میری

ناراضگی دیکھ کر وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کو لے کر آیا، اس آدمی نے مجھے کہا کہ: یہ کہہ رہا ہے کہ آپ مجھ سے جو ناراض ہو رہے ہیں تو ناراض نہ ہوں، وہ جو رقم مجھے ملی تھی، وہ قرآن کی نسبت پر ملی تھی، اس میں سے ایک پائی بھی میں اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام سمجھتا ہوں، میری بستی کے اندر مسجد کی ضرورت تھی، میں نے اس رقم سے مسجد بنوائی، یہ اس کا جذبہ تھا۔

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: یہ دولت اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، یہ بچے جو حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا انعام اور اکرام ہے، اور ایسی دولت ہے جس پر فخر کرنا بجا ہے۔

## یہ دو آدمی حقیقت میں قابلِ رشک ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ: دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر رشک کیا جا سکتا ہے، ان کو دیکھ کر آدمی یہ تمنا کر سکتا ہے کہ کاش! یہ نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بھی دی ہوتی: ایک تو وہ آدمی جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی اور اتنا ہی نہیں، اس کے بعد اس کا قدرداں رہتا ہے، رات اور دن اس قرآن کو لے کر کھڑا ہوتا ہے،

---

(۱) صحیح مسلم، عن عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً مِنْ فِقْهٍ أَوْ غَيْرِهِ فَعَمِلَ بِهَا وَعَلَّمَهَا.

یعنی ہاتھ میں پکڑ کر نہیں؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے نیت باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور نماز میں اس قرآن کی تلاوت کرتا ہے، وَارْزُقْنِی تِلَاوَتَهُ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ، ہمیں دعا بتلائی کہ، اے اللہ! ہمیں رات اور دن کی مختلف گھڑیوں میں اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما۔

## خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں

گویا اس کی زبان پر قرآن جاری ہے، جب دیکھو! تلاوت کر رہا ہے۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو فجر سے قرآن پڑھنا شروع کرتے ہیں اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، دس پارے ختم کرتے ہیں، ایک منزل ختم کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ، یعنی پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ ہے: کتابیں پڑھاتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے دوسرے کام بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ تلاوت کا یہ سلسلہ بھی جاری ہے۔

## زمیں کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پے روتا ہے

ہمارے طلبہ کا تو یہ حال ہے کہ ان سے پوچھئے جو کتابیں پڑھتے ہیں کہ: آپ روزانہ کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ حالاں کہ مدارس والوں نے قرآن کی تلاوت کا باقاعدہ وقت فارغ کر رکھا ہے دس منٹ، پندرہ منٹ؛ لیکن پھر بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو قرآن لے کر بیٹھتے ہیں اور سر جھکائے ہوئے ہیں، اس کی تلاوت کے بجائے دوسری مصروفیات میں لگ جاتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تلاوت میں مشغول ہیں،

نگرانی کرنے والوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ نے اسی کو بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا: ﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرة:۹] وہ ایسا سمجھتے ہوں کہ ہم نے نگران کو دھوکہ دیا تو حقیقت میں نگران کو دھوکہ نہیں دیا؛ بلکہ خود اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جو آدمی بھی ایسے کام میں جو اس کی بھلائی کے لیے کیا جارہا ہے، ایسی شکلیں اختیار کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، اس میں مدرسہ والوں کا، منتظمین کا، آپ کے استاذ کا، نگران کا کوئی نقصان نہیں، نقصان صرف آپ کا ہے، یہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

ہمارے طلبہ بہت سی چیزوں میں ایسی شکلیں اختیار کرتے ہیں: نماز کی شکل بناتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے، کتاب کھول کر مطالعے کی شکل بناتے ہیں اور مطالعہ نہیں کرتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے نگران کو، اپنے استاذ کو دھوکہ دے رہے ہیں، نہیں! یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینا ابھی سمجھ میں نہیں آئے گا، بعد میں پتہ چلے گا۔

## اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے سلسلے میں ہمیں اپنے اسلاف کے حالات کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف جن کو ہم اپنا مقتدا اور اپنا اسوہ سمجھتے ہیں، ان کے حالات

پڑھیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جب یہ نعمتیں عطا فرمائیں تو ان حضرات نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق کس طرح ادا کیا، اور جب انھوں نے ان نعمتوں کا حق ادا کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی سرخ روئی عطا فرمائی۔ آج ہم ان کا نام اپنی زبان پر لانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بڑے درجات سے نوازا۔

اب اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو یہ نعمت عطا کر رہے ہیں؛ لیکن ہم اس نعمت کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں، اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے جو طریقہ، جو انداز ان حضرات نے اختیار کیا تھا اور جو عملی نمونہ ہمارے لیے اس دنیا سے بتلا کر گئے، ہم اس نمونے کو اختیار نہیں کرتے، تو نقصان کس کا ہے؟ نقصان تو اپنا ہی ہے۔

## طلبہ کو اسلاف کے حالات پڑھ کر انھیں اپنے لیے نمونہ بنانے کی ضرورت ہے

ہمیں تو ضرورت ہے کہ ان چیزوں کو دیکھیں کہ انھوں نے علم کو پڑھا تو اس کا حق کس طرح ادا کیا؟ اس علم کی ترویج اور اشاعت کے لیے انھوں نے کس طرح اپنے آپ کو قربان کیا؟ کس طرح انھوں نے خدمتیں کیں؟ اس علم کو پڑھ کر کے اس پر عمل کرنے کے کیسے نمونے پیش کیے؟ ایک ایک چیز میں کتنی احتیاط ہوا کرتی تھی! ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک ارشاد جب سنتے تھے تو وہ ان کے دل ودماغ کے اندر محفوظ ہو جاتا تھا، ان کے دل پر نقش ہو جاتا تھا، اور جب وقت آتا تھا

تو اس پر عمل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

## احادیثِ رسول پر عمل کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بے مثال جذبہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جس پر انھوں نے خراج مقرر کیا تھا، یعنی اس کی جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک حصہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈال رکھی تھی، ایک مرتبہ وہ کھانے کی کوئی چیز لے کر کے آیا اور حضرت کے سامنے رکھ دیا، دو چار روز سے فاقہ تھا؛ اس لیے حضرت نے فوراً ایک لقمہ لے کر کے حلق سے نیچے اتار دیا، اس غلام نے کہا: آقا! آپ تو روزانہ مجھ سے سوال کرتے تھے جب بھی میں کچھ لاتا، کہ کہاں سے لایا؟ آج آپ نے کچھ نہیں پوچھا، کیا بات ہے؟ فرمایا: کئی وقت کا فاقہ تھا؛ اس لیے پوچھنا بھول گیا، بتا کہاں سے لایا؟ اس نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں میں نے کہانت کی تھی۔

## کہانت کا مفہوم

زمانۂ جاہلیت میں کہانت جس کو ہم گجراتی میں ''جیوتشی'' کہتے ہیں، لوگ ان کے پاس اپنے ہاتھ وغیرہ دکھاتے تھے اور آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھتے تھے، اس زمانے میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے پاس شیاطین کا آنا جانا ہوتا، اور وہ شیاطین ان کو اس قسم کی باتیں ان کو بتلاتے تھے، اور یہ کاہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے تھے جن میں کوئی ایکا دبات آسمان کی ملی ہوئی شیاطین کے پاس ہوتی تھی، وہ بھی آجاتی تھی، اور اس کی وجہ سے ان کا کاروبار چلتا رہتا تھا۔

## کریلا اور نیم چڑھا

تو غلام نے کہا کہ: میں نے زمانۂ جاہلیت میں کہانت کی تھی، کچھ لوگ میرے

پاس آئے تھے اور انھوں نے مستقبل کے متعلق کچھ باتیں مجھ سے پوچھی تھیں، میں نے بتلائی تھی اور مجھے کہانت کرتے آتا نہیں تھا، میں نے ان کو دھوکہ دیا۔ ایک تو کہانت خود ناجائز کام تھا، مزید براں اس میں دھوکہ دہی شامل ہوگئی تھی، ''کریلا اور نیم چڑھا'' کے مصداق، تو بہر حال! اس نے کہا کہ: اس وقت اس کا معاوضہ اور اجرت دینے کے واسطے ان کے پاس کچھ تھا نہیں، تو انھوں نے کہا کہ: کسی دوسرے وقت جب ہمارے پاس کچھ مال ہوگا، ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ اس کے بعد تو یہ غلام مسلمان ہو گیا۔ کہا کہ: آج میں ان کے علاقے سے گذر رہا تھا، وہاں کوئی تقریب تھی، کھانا پکا ہوا تھا، یہ پکا ہوا کھانا مجھے انھوں نے اسی کے معاوضے میں دیا ہے۔

اب جو معاوضہ کہانت کے اندر دیا جاتا ہے، اس کو ''حُلوان الکاهن'' کہا جاتا تھا: کاہن کی خدمت میں پیش کی جانے والی چیز۔ اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بہت زیادہ طبیعت پر اثر ہوا اور فرمایا: تُو تو مجھے ہلاک کر کے رکھ دیتا، اور حلق میں انگلی ڈالی اور ایک لقمہ جو حلق سے نیچے اترا تھا اس کو باہر نکالنے کی کوشش کی، کہ قے ہو اور نکلے، اب وہ ایک ہی تو لقمہ تھا اور وہ بھی کئی وقت کے فاقے کے بعد پیٹ میں گیا تھا، تو بھلا وہ کیسے نکلتا! نہیں نکلا۔

## اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

کسی نے کہا: حضرت! کچھ پانی پی لیجیے اور پھر قے کریں، شاید اس پانی کے ساتھ نکل آئے گا۔ چناں چہ ایک بڑے پیالے میں پانی منگوایا، پیا اور پھر انگلی ڈال کر

قے کی، اور بڑی مشکل سے وہ لقمہ باہر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر کسی نے حضرت سے عرض کیا: حضرت! ایک ہی تو لقمہ تھا اور اس کو پیٹ سے نکالنے کے لیے آپ نے اتنی ساری مشقت اٹھائی؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی، ضرورت ہے کہ اس بات کو ہم اپنے دل پر نقش کر لیں، کیا فرمایا: ''اگر یہ لقمہ میری جان کے ساتھ نکلتا تو بھی مَیں اس کو نکال کر رہتا''، یعنی اس لقمے کو نکالنے میں اگر میری جان نکل جاتی تو بھی مَیں اس لقمے کو نکالتا؛ اس لیے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ: حرام غذا سے جسم کا جو حصہ تیار ہوا: إِنَّهُ لاَ يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلاَّ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ(۱): کہ جسم کا جو گوشت حرام مال سے پل کر کے تیار ہوا ہو، جہنم کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے، اور میں گوارا نہیں کرتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ حرام غذا سے تیار ہو اور وہ مجھے جہنم میں لے جائے۔

## علم کا حق

دیکھیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے دماغ میں کیسا بیٹھا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کیسی مشقت اٹھائی! دراصل علم کا حق یہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس علمِ دین کی نعمت ہمیں عطا فرمائی، اس نعمت کا حق کیا ہے؟ اس کا حق یہی ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے، اس کا حق ادا کرنے کے لیے، اس کی ترویج واشاعت کے لیے، اس کی خدمت کے لیے، اس کی حفاظت کے لیے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي، ۱۱۸/۱۴، باب اتِّقاء الشبهات.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقے بتلائے ہیں اور ہمارے اسلاف نے اس پر عمل کر کے اس کے نمونے ہمارے سامنے چھوڑے ہیں، ہم اسی کو اختیار کریں۔ اگر اسی راہ پر چلیں گے تو ہی ہم کامیاب ہوں گے۔

## تمھیں آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج ہمارا سب سے بڑا المیہ اور پرابلم جو ہے وہ یہی ہے، کہ ہم علم کے الفاظ حاصل کرتے ہیں، علم کے حصول کے لیے سالہا سال لگا دیتے ہیں، محنت کرتے ہیں؛ لیکن اس علم کا حق ادا کرنے کے لیے ان حضرات نے ہمارے لیے جو عملی نمونے چھوڑے تھے، ان کو ہم نے اپنے ذہن ودل سے نکال دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ جن کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے تھے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت میں جو سرخ روئی عطا فرمائی تھی، وہ ہمیں حاصل نہیں ہے۔ یہ تو ہمارا قصور اور ہماری کوتاہی ہے۔

میں آپ حضرات سے خاص طور پر یہ کہوں گا کہ: بھائی! جب ہم نے اپنی زندگی کا مقصد علمِ دین کو بنالیا کہ ہم یہی کریں گے، تو اب اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی دنیوی کام میں لگا ہوا ہو، وہ اِدھر اُدھر دھیان نہیں دیتا۔

## ہماری بد ذوقی اور غفلت

کہیں کوئی تماشا ہو رہا ہو، لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہیں، میچ ہو رہا ہے اور لوگ ٹی وی کے پاس کھڑے ہیں، اندر ٹی وی ہے اور لوگ باہر بھیڑ لگائے کھڑے ہیں، اب جو اندر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہیں، ان کو اس کا کوئی پتہ نہیں کہ باہر کون آ جا رہا ہے؟ وہاں

کیا ہورہا ہے؟ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں، اپنی ذات سے بھی بے خبر ہیں۔ایک تماشا دیکھنے والا تماشے کے لیے سب کچھ کررہا ہے، اور اِدھر ہمارا حال یہ ہے کہ اہم سے اہم اور بڑی سے بڑی دینی بات ہورہی ہے؛ لیکن اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، اِدھر مجمع میں سے کوئی کھڑا ہوگیا تو سارا مجمع اسی کی طرف دیکھنے لگے گا، اُدھر سے کوئی آرہا ہو تو پیچھے مڑکر کے دیکھیں گے۔

ہمیں علم کے آداب معلوم ہی نہیں اور اس کو حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے، جب ان کا لحاظ نہیں ہوگا تو علم کے برکات کیسے آئیں گے!!

## حُفّاظ اور مدارسِ دینیہ

## حفاظتِ قرآن کے وعدۂ اِلٰہی کی تکمیل کا ایک حصہ ہیں

میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت قرآنِ پاک کی شکل میں عطا فرمائی ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، یہ اس نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ یہ پہلے ہی میں آپ کو بتلا چکا ہوں کہ اس نعمت کے حصول میں ہماری کسی سعی کو دخل نہیں ہے، یہ تو بہانہ ہے کہ ہم قرآن کھول کر کے بیٹھتے ہیں، یہ کوئی ہماری قوتِ حافظہ کا کمال نہیں، یہ کوئی ہماری محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے، یہ تو درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اس کتاب کی حفاظت کے لیے ایک نظام دنیا میں چلا رکھا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر ہمارے زمانے تک اور آگے قیامت تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو جب تک قرآنِ پاک کی حفاظت منظور اور مقصود ہے، وہاں تک یہ چلتا رہے گا، اور اللہ

تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس نظام کے اندر ڈال کر ہمیں بھی استعمال کرلیا، ہمیں اس نظام کا ایک حصہ بنالیا، یہ اللہ کا کرم ہے۔

## حفظِ قرآن کو اللہ تعالیٰ ہی نے آسان کردیا ہے

ان بچوں نے قرآنِ پاک دو سال میں، ڈھائی سال میں یاد کرلیا، عام طور پر ڈھائی سال میں پورا ہوجاتا ہے، چھ مہینے دور چلتا ہے، عام دستور یہی ہے؛ لیکن اتنی ضخیم کتاب جس کو انھوں نے یاد کیا، یہ دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے، ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]: یہ اللہ نے آسان کر دیا ہے؛ ورنہ آپ ان بچوں سے کہیے کہ: اتنی ہی ضخیم کتاب، عربی کی نہیں، اپنی زبان کی، گجراتی کی دو تین سالوں میں ایسی پختہ یاد کیجیے تو ممکن نہیں ہے، ہم اس کتاب کے تین صفحے، چار صفحے روزانہ یاد کرتے ہیں تو گجراتی کتاب کے تین چار صفحے یاد کرکے دکھلائیں! حالاں کہ یہ دوسری زبان کی کتاب ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا معنی ہے؟ جانتے نہیں ہیں، پھر بھی دیکھیے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسان کر دیا۔

## قرآنِ پاک کے الفاظ بھی مقصود ہیں

قرآنِ پاک کے الفاظ بھی مقصود ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الحجر:۱] اور ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ [النمل:۱] قرآن کے دو نام ہیں: (۱) قرآن اور (۲) کتاب، قرآن یعنی مَايُقْرَؤُ یعنی جو پڑھا جائے، قرآن کو ''قرآن'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو پڑھا جاتا ہے، جو چیز

پڑھی جائے وہ قرآن ہے، اور پڑھا کیا جاتا ہے؟ الفاظ! زبان سے اس کے کلمات کا تلفظ ہوتا ہے، اور کتاب یعنی مَا یُکْتَبُ: جو لکھا جائے۔

## لفظ کی حقیقت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: لوگو! یہ الفاظ ہی نہیں، یہ کاغذ کے اوپر لکھے ہوئے جو نقوش ہیں، وہ بھی مقصود ہیں، الفاظ تو ان کو کہا جاتا ہے جو زبان سے ادا کیے جاتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں، نحو پڑھتے ہیں کہ لفظ کا معنی پھینکنا ہوتا ہے تو زبان سے اس کو ادا کیا جاتا ہے؛ اس لیے اس کو لفظ کہتے ہیں، ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق:۱۸] کہ اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے، پھینکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک نگران اس کو لکھنے کے لیے، نوٹ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اور وہ بھی ایسا چوکس ہے کہ کوئی چیز چھوڑتا نہیں ہے۔

## صرف الفاظ ہی نہیں، قرآن کے نقوش بھی مقصود ہیں

بہر حال! الفاظ تو زبان سے ادا کیے جاتے ہیں، اور کتاب کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس کے نقوش کاغذ کے اوپر لکھے جاتے ہیں، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: لو بھائی! اب تک تو بات الفاظ کی تھی، اب تو نقوش بھی مقصود ہو گئے۔ ''گئے تھے نماز معاف کرانے اور روزے گلے پڑ گئے'' والا معاملہ ہو گیا؛ لیکن یہ نہیں ہے، یہ بات تو وہ لوگ کرتے ہیں جو نا قدری کرنے والے ہیں۔

## قرآنِ پاک کا رسم الخط توقیفی ہے

تجوید وقرأت کے شعبے میں رسم یعنی لکھنے کا طریقہ بھی ایک مستقل موضوع ہے، اس پر قُرّاء نے با قاعدہ کتابیں لکھی ہیں، ہم اپنی چاہت اور مرضی سے جس طرح چاہیں قرآن کی آیات اور جملے نہیں لکھ سکتے،قرآن کے لکھنے کے بھی با قاعدہ اصول وقواعد ہیں، اسی طریقے سے لکھنا ضروری ہے۔حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جس طریقے پر صحابہ کے اجماع سے لکھا گیا، اسی طریقے سے لکھنا ضروری ہے۔

## قرآن کے رسم الخط میں عدمِ تبدیلی کے وجوب کی حکمت

چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے،تو اس کے لیے ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا کہ جس میں وہ سارے طریقے سمو دیے گئے۔ یہ تو ہمارے لیے زبر، زیر، پیش اور نکتے لگائے گئے؛ ورنہ پہلے جو لکھا جاتا تھا اس میں زبر، زیر، پیش اور نکتے نہیں ہوتے تھے، اب یہ زبر، زیر، پیش اور نکتوں کو آپ نکال دیں تو یہ جتنی بھی قرأتیں منقول ہیں، یہ ان سب پر منطبق ہو جائے گا۔

آپ سورۂ فاتحہ کو دیکھو: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، اب مٰلكِ يَوْمِ الدِّيْنِ دیکھیے: کیسے لکھا گیا ہے؟ اس میں ''الف'' نہیں؛ تا کہ دونوں طریقے سے پڑھا جا سکے: مٰلكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْن، اسی طرح دوسری بہت سی آیات ہیں،تو بہر حال! قرآن کے یہ نقوش بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ضروری ہیں، اس کے علاوہ کسی اَور طریقے سے لکھنا جائز نہیں ہے۔

## قرآن کی شکل میں انتہائی قیمتی خزانہ اللہ تعالیٰ نے امت کو عطا فرمایا ہے

توحضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کسی بادشاہ نے کسی کو بہت بڑا موتی دیا اور کہا کہ: دیکھو! اس کی خوب حفاظت کرنا۔ جاؤ، گھر کے اندر جا کر کے، الماری کے اندر رکھ کر کے اس موتی کے اوپر تالا لگاؤ، اور اس الماری کو بھی گھر کے محفوظ کمرے کے اندر رکھو۔ اب جو اس کی قدرو قیمت جانتا ہے، وہ بادشاہ کے اس حکم کو سمجھے گا کہ برابر ہے، ایسا ہی کرنا چاہیے، اور جو نہیں جانتا وہ کہے گا کہ: ایک تو یہ موتی خود مصیبت تھی، اوپر سے اس کے لیے تجوری بھی لاؤ اور تالا بھی لاؤ۔

## یاد کرنے کے بعد قرآن کو برابر پڑھتے رہنا بھی ضروری ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت ہمیں عطا فرمائی؛ اس لیے اس کی حفاظت کی بھی تاکید فرمائی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا (۱): قرآن کو کثرت سے پڑھا کرو؛ اس لیے کہ حفظ کرنے کے بعد اطمینان سے بیٹھ گئے کہ اب تو یاد ہو گیا، ہمارے سینے میں آ گیا، اب تو نکلے گا نہیں، ہم نے اس کو تجوری کے اندر بند کر دیا ہے۔ نہیں بھائی! یہ اندر ہے؛ لیکن یہ اندر اسی وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ آپ اس کو کثرت سے پڑھتے رہیں گے، پڑھنے کا سلسلہ باقی

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ، باب استذکار القرآن وتعاهده.

رکھیں گے تو باقی رہے گا، پڑھیں گے نہیں تو نکل جائے گا۔

## نعمتِ قرآن ہمیں بلا استحقاق عطا ہوئی ہے

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ اس قابل ہے کہ ہم اس پر فخر کریں، اس پر خوش ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں بلا استحقاق عطا فرمائی ہے، ہمارا کوئی حق نہیں تھا کہ ہم دعویٰ کرتے کہ: ہم کو یہ ملنا چاہیے۔ حقوق تو ایسی چیز ہے کہ اگر نہ ملیں تو دعویٰ کر کے وصول کرتا ہے، لیتا ہے؛ یہ کوئی ہمارا حق نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا فرمایا، اور اتنی بڑی نعمت دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارا انتخاب فرمایا۔

## دولتِ علم کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں میں رکھی ہے

ایک طالبِ علم کسی دیہات کا رہنے والا ہے، اس دیہات میں دنیا کی بہت سی چیزیں پہنچی نہیں ہیں، وہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اٹھا کر کے یہاں پہنچ دیا، کاہے کے لیے؟ قرآن سیکھنے کے لیے! اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کی عطا کے لیے اس کو منتخب فرما لیا، یہ محض اس کا فضل ہے۔ اگر اس دولت ونعمت کی تقسیم دنیا والوں کے ہاتھوں میں دی گئی ہوتی کہ تقسیم کرو، تو ہمارا نمبر کہاں لگنے والا تھا؟ مجھے اور آپ کو کوئی نہیں پوچھتا کہ اپنے گاؤں کے اندر پڑے رہو اور مزدوری کرتے رہو، کھیتی کرتے رہو، بیل ہانکتے رہو اور ہل چلاتے رہو۔ ہمیں اور آپ کو کون پوچھتا؟ بڑے بڑوں کو دے دی جاتی۔ یہ نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھوں میں رکھی اور اس کونے میں سے

جہاں دنیا کی سہولتیں پہنچتی نہیں ہیں، ہمیں یہاں مدرسے میں پہنچایا۔

## اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے

ہمارے مرغوب بھائی تھے- اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کونور سے بھر دے- کہا کرتے تھے کہ: ہمارا گاؤں تو اتنا پس ماندہ ہے کہ ساری دنیا میں سب سہولتیں پہنچ جائیں، سب جگہ پختہ سڑکیں اور روڈ بن جائے۔ اب پوچھیں گے کہ کوئی رہ گیا؟ تو کہیں گے کہ: خانپور رہ گیا۔ بجلی ساری دنیا میں پہنچ جائے اور اس کے بعد حکومت والے آکر تحقیق کریں کہ کوئی گاؤں رہ گیا؟ تو کہیں گے کہ خانپور رہ گیا۔ ہمارا گاؤں تو ایسا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ایسے گاؤں میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے لیے مدرسے میں پہنچا دیا، یہ کوئی ہمارے اختیار کی بات تو ہے نہیں۔

میں آپ کے سامنے یہی کہہ رہا ہوں، ایک نمونہ پیش کر رہا ہوں کہ آپ سوچیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہاں سے اٹھایا، کہاں پہنچایا۔ یہ نعمتیں دیں تو ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کو آگے بڑھانا، یہ ہمارا کام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے موقع دیا گیا ہے اور اس کے سارے اسباب بھی مہیا کیے گئے ہیں۔

## ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا نہیں ہے

ایک آدمی غریب ہے اور کہتا ہے کہ: میرے پاس روزی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اب وہ کسی سے درخواست کرتا ہے کہ آپ میری اتنی مدد کر دیں کہ میں بھروچ میں کسی آبادی میں ایک دکان خرید لوں۔ اس نے دکان خرید کر دلوادی، مال بھی لاکر بھر دیا اور

کہا کہ: اب بیٹھو۔ اب وہ نہ دکان کھولتا ہے اور نہ مال بیچتا ہے تو آپ کیا کہیں گے؟ جو کچھ اسباب ہونے چاہیے تھے، وہ تو مہیا کر دئیے، اب آگے کے کام اس کو کرنے ہیں، وہ بھی نہ کرے تو کیا کہیں گے؟ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو جو موقع دیا گیا تھا، اس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

## ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت

اسی طرح ہم دیہات میں پڑے تھے، وہاں حصولِ علم کے اسباب تھے نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں سے یہاں پہنچایا، سارے اسباب مہیا فرمائے، ساری سہولتیں عطا فرمائیں، اس کے باوجود کچھ نہ سیکھیں، نہ پڑھیں، محنت نہ کریں۔ اسی طرح علم حاصل کرنے کے بعد عمل کا اہتمام نہ کریں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟ اور جب یہ نہیں ہوگا تو آگے کی منزل کیسے پار ہوگی؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے بڑے عالم بن جائیں۔ اگر تمناؤں کی وجہ سے کوئی عالم ہوتا تو آج دنیا کے اندر سبھی عالم ہوتے، یہ تمناؤں سے حاصل ہونے والی چیز نہیں ہے، اس کے لیے تو خون کا پانی کرنا پڑے گا۔

## حاصل کردہ علم پر عمل بھی ضروری ہے

اور محنت کے بعد بھی خالی علم حاصل ہوا، اس علم کے بعد آگے عمل کے درجات، مراحل، یہ بھی بہت اہم ہیں، یہ بھی ضروری ہے، اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اس کی طرف سے غفلت برتی جارہی ہے، اس کا اہتمام کرنے کی

بھی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی علم کی اس دولت کی قدر کی جائے، بڑی عظیم دولت ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی قدردانی نصیب فرمائے۔ جن بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل کی ہے، ان کو، ان کے والدین اور اساتذہ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اقتباس

اس میں بھی تلاوتِ آیات کا درجہ پہلا ہے؛ البتہ بیان میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر مقدم فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جن قلوب کو کتاب وحکمت سے آراستہ کیا جا رہا ہے، ان کو پہلے پاک صاف کر لینے کی ضرورت ہے۔ ہم جب کسی برتن میں کوئی عمدہ چیز: دودھ، حلوی وغیرہ رکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس برتن کو اچھی طرح دھولیں گے، صاف کرلیں گے، گندے، میلے کچیلے برتن کے اندر اچھی چیزیں نہیں ڈالی جاتیں، تو کتاب وحکمت کے انوار جب ہم اپنے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کی پہلے صفائی ہو جانی چاہیے، اسی اہمیت کو جتلانے کے لیے پہلے اس کو بیان کیا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ [البقرة:۱۲۹]

وقال تعالىٰ: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [الحجر:۹]

وقال تعالىٰ: ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا مِنَ الأَنۡبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلاَّ أُعۡطِيَ مَا مِثۡلُهُ آمَنَ عَلَيۡهِ الۡبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحۡيًا أَوۡحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ فَأَرۡجُو أَنۡ أَكُونَ أَكۡثَرَهُمۡ تَابِعًا يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ.

(صحيح البخارى، عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ، باب كَيۡفَ نُزُولُ الۡوَحۡيِ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثۡنَتَيۡنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الۡقُرۡآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيۡلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً فَهُوَ يُنۡفِقُهُ آنَاءَ اللَّيۡلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ.

(صحيح مسلم، عَنۡ سَالِمٍ عَنۡ أَبِيهِ رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما، باب فَضۡلِ مَنۡ يَقُومُ بِالۡقُرۡآنِ الخ)

وقال النبی ﷺ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا.

وقال النبی ﷺ: تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا. (صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ، باب استذکار القرآن وتعاھدہ.)

وقال النبی ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذَا.

وقال النبی ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ

وقال النبی ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْاٰنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ.

## انعقادِ مجلس ہٰذا کی دو وجہیں

**حضراتِ علماءِ کرام، مشائخِ عظام، اربابِ علم وفضل اور میرے مسلمان بھائیو!**

آج کی یہ مجلس، یہاں یہ ادارہ جو قائم ہے اور چند سالوں سے کام کر رہا ہے، اس میں ایک تو جو نئی جگہ منتخب ہو کر اس میں نئی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں، اور اس میں تعلیم اور رہائش وغیرہ امور منتقل ہونے والے ہیں، تو ان حضراتِ اکابر کو دعوت دے کر، ان کی برکات حاصل کر کے تعلیم اور رہائش کا سلسلہ شروع کیا جائے، ایک مقصد تو یہ ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ ادارہ جو گذشتہ چند سالوں سے شروع ہوا ہے، آج اس میں پہلی مرتبہ کچھ طلبہ حافظ ہو رہے ہیں جو ہمارے سامنے اپنا آخری سبق سنائیں گے۔ کوئی آدمی جب باغ لگاتا ہے اور اس کا پہلا پھل آتا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہاء نہیں رہتی، بڑا خوش ہوتا ہے کہ آج ہمارے باغ میں لگائے ہوئے درخت کا پہلا پھل ہم لے رہے ہیں۔

یہاں بھی آپ حضرات کی کوششوں اور تمناؤں اور اہلِ علم کے تعاون سے ''دارالاحسان'' کے نام سے ایک سلسلہ جو پچھلے دنوں شروع کیا گیا تھا، اب وہ بار آور ہو رہا ہے اور ترقی کر رہا ہے، اور آپ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دیکھئے! یہاں کتنے اہلِ علم، بڑے بڑے علماء، محدثین، مدارس سے تعلق رکھنے والے اور مشائخ موجود ہیں، صلحاء کی بڑی جماعت ہے۔ واقعۃً آپ حضرات نے بڑا اہتمام کیا ہے، ان حضرات کو یہاں دعوت دے کر، بلا کر ان کی برکات کو حاصل کرنے کا اچھا اہتمام کیا ہے۔

## بعثتِ محمدی، دعائے ابراہیمی کا ثمرہ ہے

بہر حال! یہ ایک مسرّت کا موقع ہے، اسی نسبت سے یہاں جمع ہوئے، ویسے تو ایسے موقع پر موقع کی مناسبت سے کچھ باتیں پیش کر دی جاتی ہیں کہ بچے حفظِ قرآن کی تکمیل کریں گے اور یہ ادارہ جن مقاصد کے لیے وجود میں آیا ہے، وہ کیا ہیں؟ تو میں نے آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی جو آیتیں تلاوت کیں، ان میں پہلی آیت دراصل

سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی وہ دعا ہے جو انھوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت کی تھی۔

## بنائے کعبۃ اللہ کے وقت دعائے ابراہیمی

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے تعاون سے اس کی بنیادیں اٹھائیں، اور اللہ ہی کے حکم سے اس کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کیا، قرآن میں باری تعالیٰ اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ: ''یاد کرو اس وقت کو اور اس منظر کو اپنی نگاہوں میں تازہ کیجیے، اس کا تصور کیجیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے اور صاحب زادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس کام میں ان کا تعاون اور مدد کر رہے تھے''۔ اور پھر وہ اس کام کو انجام دیتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا بھی کر رہے تھے، کیا دعا کر رہے ہیں؟: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: ''اے باری تعالیٰ! ہمارے اس عمل کو قبول فرمایئے، اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمایئے''۔

## اعمالِ صالحہ کی انجام دہی کے وقت قبولیت کی امید کے ساتھ عدمِ قبولیت کا ڈر بھی رہنا چاہیے

سوچنے کی بات ہے! اللہ کے حکم سے، اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے کی رہنمائی میں انجام دیا جا رہا ہے، پھر بھی ڈر رہے ہیں کہ پتہ نہیں قبول ہو یا نہیں؟ اس میں ہم دین کا

کام کرنے والوں کے لیے سبق ہے، کہ ہم چاہے کتنا ہی بڑا کام کر رہے ہوں؛ لیکن کبھی اپنے اس کام پر اِترانا نہیں چاہیے؛ بلکہ ڈرتے رہنا چاہیے، کہ پتہ نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ دیکھو! حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام دعا کر رہے ہیں، حالاں کہ یہ کام تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے کیا جارہا تھا، فرشتے رہنمائی کر رہے تھے، اس کے باوجود ڈر رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: ''اے ہمارے پروردگار! تو ہماری طرف سے اس عمل کو قبول فرما، تو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا اور ان کے دلوں کے حال سے واقف ہے''۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اسی موقع پر اللہ تعالیٰ سے ایک نبی کی بعثت کی بھی دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: اے اللہ! تو اس امت کے اندر اس کی ہدایت کے لیے، اس کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک رسول بھی عطا فرما۔

## دعائے ابراہیمی میں مقاصدِ بعثتِ محمدی کی طرف اشارہ

اس رسول کا کام کیا ہوگا؟ وہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اسی دعا کے اندر بیان کر دیا گیا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: کہ وہ رسول لوگوں کے سامنے تیری کتاب کی آیتوں کو پڑھے، اس کی تلاوت کرے۔ اس دعا میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد – اور مختصراً کہیں تو تین مقصد – بتلائے ہیں، ان میں سے ایک تو تلاوتِ آیات ہے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: ان کو کتاب بھی سکھلائے اور حکمت

بھی، کتاب کی تشریح بھی بتلائے، تو دوسرا مقصد تعلیمِ کتاب وحکمت ہے۔ وَيُزَكِّيهِمْ: اوران کا تزکیہ بھی کرے، ان کے دلوں کو گندگیوں سے، برے اخلاق سے، بری صفات سے پاک اور صاف کرے تو آپ کی بعثت کا تیسرا مقصد تزکیۂ نفوس بھی ہے، تو گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقصد بھی اس دعا کے اندر بتلادیے گئے۔

## دعائے ابراہیمی کے علاوہ آیت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کا بیان

اور قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کا اسی طرح بیان کیا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ: ''وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں کے اندر ان میں سے ایک نبی بھیجا، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور ان کو گندگیوں سے اور بری صفات اور اخلاق سے پاک اور صاف کرتے ہیں، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔ اتنا ہے کہ ذرا سی ترتیب بدل دی: حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی دعا میں وَيُزَكِّيهِمْ آخر میں ذکر کیا تھا، اللہ نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ کیا وہاں يَتْلُوا کے بعد وَيُزَكِّيهِمْ اور پھر وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ذکر فرمایا۔

## آیتِ بالا میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر مقدم کرنے کی حکمت

اس میں بھی تلاوتِ آیات کا درجہ پہلا ہے، البتہ بیان میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر

مقدم فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ، جن قلوب کو کتاب وحکمت سے آراستہ کیا جا رہا ہے، ان کو پہلے پاک صاف کر لینے کی ضرورت ہے۔ ہم جب کسی برتن میں کوئی عمدہ چیز: دودھ، حلوی وغیرہ رکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس برتن کو اچھی طرح دھولیں گے، صاف کرلیں گے، گندے، میلے کچیلے برتن کے اندر اچھی چیزیں نہیں ڈالی جاتیں، تو کتاب وحکمت کے انوار جب ہم اپنے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کی پہلے صفائی ہو جانی چاہیے، اسی اہمیت کو جتلانے کے لیے پہلے اس کو بیان کیا گیا۔

## آیتِ بالا دین کے تمام شعبوں پر حاوی ہے

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد قرآنِ پاک میں کئی جگہوں پر بتلائے گئے ہیں، جو یہی تین ہیں: (۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیمِ کتاب وحکمت (۳) تزکیہ۔ دین کے تمام شعبے اس میں آگئے ہیں کہ قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دینا بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک بڑا مقصد ہے، اور قرآنِ پاک کے معانی اور اس کی حکمت سے لوگوں کو آگاہ کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ہے، اور ساتھ ہی ساتھ قلوب کے اندر جو گندگیاں ہیں، بری عادتیں ہیں، ان سے دلوں کو پاک اور صاف کرنا یعنی تزکیہ بھی۔ تو گویا مکتب بھی ہے اور اوپر کی تعلیم کے جو سلسلے ہیں یعنی مدارسِ عربیہ، دار العلوم، وہ بھی ہیں اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے بعد کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر تزکیہ ہوتا ہے یعنی خانقاہی سلسلہ بھی ہے، تینوں چیزیں اندر آجاتی ہیں۔

## مقصدِ اول کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی

ہمارے اکابر نے ان ہی مقاصدِ بعثت کو دنیا کے اندر عام کرنے کے لیے یہ سلسلے قائم کیے ہیں، مدارس کے اندر ایک تو شعبہ ہوتا ہے قرآن کی تعلیم کا، اس کے الفاظ کی تعلیم کا، اس میں ناظرہ بھی ہے، حفظ بھی ہے اور تجوید وقرأت بھی ہے، اس میں صرف قرآنِ پاک کے الفاظ پر محنت ہوتی ہے اور قرآن کے الفاظ کی اسی تعلیم کے لیے ہمارے اکابر نے گاؤں گاؤں اور دیہات دیہات میں مکاتب کا سلسلہ بھی قائم کیا ہے۔ تو گویا تلاوتِ آیات جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد ہے، یہ سب اس سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔

## مقصدِ ثانی کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی

اور پھر مدارسِ عربیہ اور دارالعلوم قائم کیے جن میں علومِ عربیہ کی تعلیم ہوتی ہے، وہ مقصد نہیں ہے، ان کو تو کہتے ہی علومِ آلیہ ہیں، وہ تو قرآن وحدیث سمجھنے اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں، چناں چہ شروع میں نحو، صرف وغیرہ علوم پڑھا کر کے اخیر میں مقاصد یعنی قرآن وحدیث پڑھائے جاتے ہیں، تو یہ تعلیمِ کتاب وحکمت کا سلسلہ ہے۔

## مقصدِ ثالث کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی

اور پھر اس کے بعد کسی اللہ والے کی خدمت میں جا کر تزکیۂ نفوس کا مرحلہ طے کیا جاتا ہے، جس کے لیے ہمارے اکابر نے خانقاہی سلسلہ قائم کیا ہے۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

ویسے ہمارے اکابر جنھوں نے ہمیں اس راہ پر لگایا ہے، ہم جب ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں یہ تینوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، وہ قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ آج تو ہمارے مدارس کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہر مدرس یہ چاہتا ہے کہ مجھے بخاری پڑھانے کو مل جائے، اور اسی کو اپنی معراجِ کمال سمجھتا ہے، اور قرآن کے الفاظ کی تعلیم کی دلوں میں وہ وقعت نہیں جو بخاری کی تدریس کی ہوا کرتی ہے۔

## دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دینے والے جملے

یہ حال جب دیکھتے ہیں تو دل کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے، دماغ پر چوٹ لگتی ہے، بعض حضرات کو پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھاتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ جلالین کا متن پڑھاتے ہیں، بیضاوی کا متن پڑھاتے ہیں۔ یہ جملے ہوتے ہیں اہلِ علم کے! یہ کتنا خطرناک جملہ ہے، حالاں کہ تلاوتِ آیات، الفاظِ کتاب کی تعلیم تو مقاصدِ بعثت میں سے ہے۔

## آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز

حالاں کہ ہمارے تمام اکابر کے جو شیخ المشائخ ہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکی نور اللہ مرقدہ، ان کو ''سید الطائفہ'' اسی لیے کہتے ہیں کہ طائفۂ دیوبندیہ کے سرخیل ہیں، اور ان کے جو شیخ ہیں حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی نور اللہ مرقدہ، ان کی پوری زندگی آخر کس میں گذری؟ قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم میں۔ یوپی کی اصطلاح میں

''میاں جی'' کہتے ہی ہیں قرآنِ پاک کے الفاظ پڑھانے والے، مکتب پڑھانے والے کو۔ اتنے بڑے بزرگ اور اتنے اونچے مقام پر فائز ہونے کے باوجود پوری زندگی قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دی ہے۔ اور ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: وہ بچوں کو الفاظِ قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اسی میں صاحبِ نسبت بنا دیا کرتے تھے۔ یہ حال تھا ان کا!

## مکاتب کی تعلیم کی حالیہ کمزوری بڑا المیہ ہے

ہمارے اہلِ علم کے لیے ضرورت ہے کہ ہم قرآن پاک کے الفاظ کی تعلیم کی اہمیت کو ہم پہچانیں، اور اس کی تعلیم کی طرف ہم توجہ دیں۔ آج مکاتب کی تعلیم کا نظام پہلے کے مقابلے میں کمزور اور ابتر ہوتا جا رہا ہے، شکایتیں آرہی ہیں۔ وہ بستیاں، وہ آبادیاں جہاں پہلے علماء کی ایک پوری جماعت ہوا کرتی تھی۔ یہ جو ہمارے سورت اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے، اس کے بعض قصبوں میں کسی زمانے میں علماء کی بڑی تعداد ہوتی تھی، آج ایسا نہیں ہے، وہاں کے لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آج مکتب کی تعلیم کا وہ معیار باقی نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔

## اہلِ مدارس کی ذمہ داریاں

تو ضرورت ہے کہ جہاں ہم بڑے مدارس قائم کر رہے ہیں، وہاں ان مدارس کے ساتھ ساتھ دیہاتوں کے مکاتب کی تعلیم کا بھی فکر کریں۔ جہاں بھی بڑا مدرسہ ہو، اپنے اطراف کے دیہاتوں کے مکاتب کی نگرانی اور ان میں تعلیم کا بہتر سے بہتر نظام

بنانے کے لیے اپنی طرف سے پوری کوشش ہو اور ایک نظام ہو۔ گویا جہاں کوئی بڑا مدرسہ قائم ہو رہا ہے تو صرف اتنا ہی نہیں کہ اطراف کے بچوں کو اپنے یہاں بلاکر، دارالاقامہ میں رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت کرے؛ بلکہ آس پاس کے دیہاتوں میں مکاتب کے قیام اور ان دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں کی دینی تعلیم وتربیت کا بھی انتظام کرے، وہاں ایسے علماء کا تقرر کرے جو موقع بہ موقع ان کو دین کی باتوں سے مسائل سے واقف کرتے رہیں، اور حالات کے مناسب معلومات فراہم کرتے رہیں۔

## ہمارے ملک میں چپّے چپّے پر پھیلے ہوئے مدارس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو یہ سلسلے جاری ہیں، میں تو جب دیکھتا ہوں تو دل کے اندر عجیب اثرات ہوتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت پر بہت شکر ادا کرتا ہوں۔ بیرون ممالک میں جاتے ہیں، جیسے یورپ کے ممالک میں جانا ہوتا ہے، امریکہ وغیرہ کا سفر ہوتا ہے اور جو حضرات جاتے ہیں، ان کو بھی اندازہ ہے۔

## بیرون ممالک میں حفظِ قرآن کی نعمت اور اس کی قدردانی

ایک مرتبہ نیوجرسی جانا ہوا، وہاں غالباً دو بچے حفظ کی تکمیل کررہے تھے، وہاں ہمارے ایک شاگرد ہیں، انھوں نے درجۂ حفظ شروع کررکھا ہے، وہاں تکمیلِ حفظ کی مجلس قائم کی گئی، اور دور دور سے لوگ اس میں شرکت کے لیے آئے تھے اور بڑی خوشی کا اظہار کررہے تھے، بڑی دعوتیں ہورہی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ دیکھیے! یہاں ایک، دو بچوں

نے حفظ کی تکمیل کی ہے، اُس پر اِس قدر مسرّت کا اظہار کیا جارہا ہے، اور ہمارے یہاں ایک مجلس میں تیس، تیس، چالیس، چالیس، پچاس، پچاس بچے حفظِ قرآن کی تکمیل کرتے ہیں، اور سال بھر میں بارہا ایسے مناظر دیکھنے کی ہمیں نوبت آتی ہے۔ ہمارے اکابر کی محنتوں اور توجہات کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔

## ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے مدارس کا یہ سلسلہ ہمارے اکابر کے فکر اور کوششوں کا نتیجہ ہے

ہمارے اکابر نے ہندوستان کے اندر انگریز کے تسلط کے بعد قرآنِ پاک کے حفظ کا اور دینی تعلیم کا یہ سلسلہ مدارس کی شکل میں شروع کیا۔ اس زمانے میں ایک مدت تک تو یہ کوشش کی گئی کہ اس کا تسلط ختم کیا جائے، اس کے لیے باقاعدہ مسلّح جدّوجہد کی گئی؛ لیکن اس مسلّح جدوجہد کے اندر جب ناکامی ہوئی تو ہمارے اکابر نے مشورے سے یہ طے کیا، کہ اگر اس ملک کے اندر دین وایمان کو باقی رکھنا ہے تو اس کے لیے مدارس کا سلسلہ قائم کیا جائے؛ چناں چہ دار العلوم دیوبند کی بنیاد اسی فکر کے نتیجے میں پڑی تھی، اور اس کے بعد ان بزرگوں کی کوششوں اور ان کی توجہات کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دار العلوم ہی کے طرز پر ملک کے مختلف حصوں میں یہ متعدد ادارے اور مدارس قائم فرمائے۔

## دنیا کے کتب خانوں کو چاہے تم جلا ڈالو

ویسے تو یہ سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ انگریز جب شروع میں آیا تو اس نے دونوں کوششیں کی تھیں: ایک کوشش تو یہ کی تھی کہ قرآنِ پاک کو باقاعدہ ختم کیا جائے، چناں چہ

بڑی تعداد میں قرآن کے نسخے خریدے جاتے تھے اور ان کو جلا کر ضائع کیا جاتا تھا، یہ چیز جب چلی تو لوگوں میں اس کی وجہ سے اشتعال پھیل گیا۔

## جلے گا کیا میرا قرآن جو ہے حافظ کے سینے میں

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک بڑے میاں ایک بچے کو لے کر کے انگریز حاکم کے پاس پہنچے اور بچے سے کہا کہ: بیٹا! پڑھو! بچے نے قرآن سنایا، بڑے میاں نے کہا کہ: دیکھو! ہمارے یہاں تو اس طرح بچہ بچہ قرآنِ پاک کا حافظ ہے، اگر آپ اس طرح قرآن کے نسخوں کو خرید کر کے ضائع کریں گے، تو اگر اس سے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن ختم ہو جائے گا تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ دوسری طرف دین و ایمان ختم کرنے کے لیے اس نے پادریوں کی بڑی ٹیم منگوائی تھی اور ان کو پورے ملک کے اندر پھیلا دیا گیا۔ ملک میں عیسائیت کو ترویج دینے کے لیے حکومت کی طرف سے ہر طرح کے حربے استعمال کیے گئے: زر، زور، لالچ؛ ہر طرح کے حربے آزمائے گئے؛ لیکن اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی، اس کے لیے باقاعدہ ہمارے علماء میدان میں اترے اور پادریوں سے مناظرے کیے، ان میں سرخیل حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی کتاب ''اظہار الحق'' ہے۔

## پورے عالم میں پھیلے ہوئے مدارس

## ہندوستان کے مدارسِ دینیہ ہی کے فیض کا اثر ہیں

بہر حال! یہ ایک سلسلہ ہے جو ہمارے اکابر کے زمانے سے شروع ہوا، اور یہیں سے

یہ سلسلے پورے عالم کے اندر پھیلے، ہمارے ملک ہندوستان سے پڑھ کر کے جو حضرات دوسرے ملکوں میں گئے، وہاں پر بھی انھوں نے یہ سلسلے شروع کیے۔اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ دشمن لوگ سازشیں کر کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو بھی وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔

## مدارس ومکاتب کی اہمیت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے مکتب اور مدرسوں میں پڑھانے والے علماء پر اشکال کرتے ہوئے کچھ کہا تھا، تو انھوں نے جواب میں کہا تھا کہ: ان کو مت چھیڑو، ان کو رہنے دو، یہ نہیں ہوں گے تو تمھیں معلوم ہے کہ کیا ہوگا؟ وہ منظر میں اسپین کے اندر دیکھ کر کے آیا ہوں، جہاں ۸۰۰ رسال تک مسلمانوں کی حکومت رہنے کے باوجود آج وہاں اسلام کا نام ونشان نہیں ہے۔

## اسپین کے سفر کے دوران حضرت کا ذاتی تجربہ

میں ابھی گذشتہ دنوں وہاں گیا تھا، جب ہمارا قافلہ جامعِ قرطبہ میں پہنچا، بارہ آدمی تھے تو باقاعدہ ہماری نگرانی ہو رہی تھی، ایک نگران ہمارے ساتھ تھا، جب ہم نے وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس نگران نے فوراً فون کر کے کئی نگران بلا لیے، اور ہم میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک آدمی لگا دیا کہ یہ کہیں بھی، کسی کونے میں بھی ایک رکعت پڑھنے نہ پاویں۔

## دشمنانِ اسلام کی اسلام مخالف مہم جوئی

یہ زمانہ وہ ہے کہ لوگ اخبار کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ، دیہات کے اندر بھی

آدمی جب تک کہ تازہ اخبار نہیں پڑھے گا وہاں تک چائے کا گھونٹ اس کے حلق کے نیچے سے اترتا نہیں ہے۔ صبح ہوئی نہیں کہ اخبار! اور ان اخباروں نے ایک مہم چلا رکھی ہے۔ یہ جو میڈیا ہے- چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو- اس نے شعائرِ اسلام کی عظمت اور محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کی مہم چلا رکھی ہے۔

## مسلمان اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

اور آپ نے یہ سنا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بنیاد کیا بتائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کے دل میں بھری جائے۔ آج کا دشمنِ اسلام اور دشمنِ مسلمین طبقہ بہ خوبی جانتا ہے کہ مسلمانوں کے بچے بچے کے دل میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیوست ہے، بھری ہوئی ہے، اس کا دل اس میں ڈوبا ہوا ہے، کیسا ہی بدعمل کیوں نہ ہو، کیسا ہی بدکار اور بددین مسلمان کیوں نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کی بات آتی ہے تو وہ جان دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اس چیز کو سمجھتے ہیں؛ اس لیے انھوں نے اب نئے انداز سے اس امتِ مسلمہ کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی ہے۔

## ہماری کمزوری

یہ جو میڈیا ہے، وہ ایسی بحثیں چھیڑ رہا ہے کہ جس سے ہمارے نوجوانوں اور ہماری آنے والی نسلوں کے دلوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، قرآنِ پاک کی محبت، شعائرِ اسلام کے ساتھ جو محبت اور عشق ہے، وہ ختم ہو جائے، ایسی نئی نئی باتیں اور اعتراضات

چھیڑ دیتے ہیں۔ انھوں نے کوئی شوشہ چھوڑ دیا، اب اس پر بحثیں چل رہی ہیں اور لوگ اس پر اپنی رائے قائم کر رہے ہیں۔

## اسیرانِ شہرت و نام و نمود

اور پھر کمال تو یہ ہے کہ جس کو کچھ لینا دینا نہیں، اب یہ میڈیا والے اس کے پاس جا کر پوچھتے ہیں کہ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ اور وہ حضرت بھی- جب میڈیا والے اس کے پاس پہنچ گئے تو- اس کے بارے میں بولنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور پھر میڈیا والے اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ: فلاں کا انٹرویو لیا گیا اور فلانے کا انٹرویو لیا گیا۔ گویا دین ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس پر ظلم کرتے رہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کے اندر لکھا ہے کہ: دین ہی بے چارہ ایک ہے جس کے بارے میں ہر ایک سمجھتا ہے کہ مجھے رائے زنی کرنے کا حق ہے۔

## دخل در نامعقولات

حالاں کہ کوئی بڑے سے بڑا وکیل ہو، سپریم کورٹ کا وکیل ہو؛ لیکن ڈاکٹری کے پیشے سے متعلق کسی چیز کے بارے میں وہ بولے گا تو ڈاکٹر اس کو منہ توڑ جواب دے گا کہ: وکیل صاحب! آپ سپریم کورٹ کے وکیل ہیں اور ملک کے معروف و مشہور وکیل ہیں، اپنی جگہ! لیکن یہ آپ کا موضوع نہیں ہے، اس میں آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر وہ سمجھ دار ہوگا تو بولے گا ہی نہیں، اور اگر کسی نے بول دیا تو اس کی فوراً پکڑ کی جائے گی، کہ اس معاملے میں بولنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے؛ لیکن دین کے معاملے

میں ہر کوئی بولنا اپنا فریضۂ منصبی سمجھتا ہے۔

## دین کے معاملے میں بولنے کا حق کس کو ہے؟

ویسے تو ہر مسلمان کو دینی معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔ کتنے سارے دینی مدارس قائم ہو گئے ہیں؟ اس لیے دین کی صحیح معلومات حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں رہا ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح مت کرو، تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ: کیا دین کے بارے میں بولنے کا سارا پروانہ آپ کے پاس ہی ہے؟ کیا اس کا حق صرف آپ ہی کو حاصل ہے؟ نہیں، نہیں! ایسا نہیں ہے، یہ مدرسے کھلے ہوئے ہیں، آپ بھی آیئے، داخلہ لیجئے اور دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل کیجیے۔ اس کے بعد آپ کو جو کچھ بولنا ہو، بولئے۔ اس کے شرائط پورے کیے بغیر آپ بولتے ہیں؛ اس لیے ہم ایسا کہتے ہیں، یہ تو ایمان واسلام کا معاملہ ہے۔

## باطل کے رسیا

اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر اتنی معلومات رکھتا ہو کہ کوئی بھی آدمی اس کے عقائد کو متزلزل نہ کر سکے۔ یہ صدی علم کی صدی ہے۔ مجھے ہمارے مسلمان بھائیوں پر تعجب ہوتا ہے، ہمارے یہاں جو گجراتی اخبارات ہیں، ان میں تو اب روزانہ کوئی اضافی حصہ لازماً شائع ہوتا رہتا ہے، جس کو گجراتی میں ''پورتی'' کہتے ہیں، اور سارے اخبار ''دھارمک پورتی'' بھی شائع کرتے ہیں، اور اس میں ان کے سارے توہّمات اور باطل خیالات اور نظریات ہوتے ہیں، اور یہ ہمارا مسلمان طبقہ اس

کا ایک ایک لفظ پڑھتا ہے۔ یہ جو روزانہ اخبار پڑھنے والے ہیں، وہ اس ''دھارمک پورتی'' کو بھی پڑھتے ہیں۔

## دینی معلومات سے ہماری بے اعتنائی کی انتہا

اور اسی مسلمان کے پاس دینی لٹریچر پڑھنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ جو ابھی جلسہ ہو رہا ہے نا، تو بہت سے اللہ کے بندے وقت کے مناسب دینی باتوں کے پمفلیٹ شائع کرتے ہیں: رمضان کا مہینہ آ گیا تو رمضان کے احکام کے متعلق چھوٹے چھوٹے پمفلیٹ کتابی شکل میں چھاپے جاتے ہیں، جب لوگ جلسے سے باہر نکلتے ہیں تو وہاں آدمی کھڑا رہتا ہے، وہ ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ اب وہ ''نا'' تو کہہ نہیں سکتا، نا کہنے جائیں گے تو لوگ کیا کہیں گے! کہ دیکھو نا، دین کی باتیں مفت میں دی جا رہی ہیں اور یہ لینے سے انکار کر رہا ہے؛ اس لیے وہ اس کو لے گا؛ لیکن ایسا ہی پڑا رہے گا، اس کو اسے دیکھنے کی بھی توفیق نہیں ہوگی، خالی سرِ ورق ہی دیکھ لے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ عنوان کیا ہے؟ اسی طرح پکڑے ہوئے جائے گا اور گھر میں جا کر کے جھولے پر ڈال دے گا۔

اب رمضان میں کوئی مسئلہ پیش آیا، قے ہوگئی، اس نے مسئلہ پوچھا کہ مولوی صاحب! روزے کی حالت میں قے ہوگئی تو کیا کروں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ ارے بھائی! وہ جلسے میں چھوٹا سا پمفلیٹ دیا گیا تھا نا، اس میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے، اس کو پڑھا نہیں؟ تو کہتے ہیں کہ: وہ تو گھر میں جا کر ڈال دیا تھا! اس کو پڑھنے کی تو فرصت نہیں ہے اور یہ اخبار جو آپ کے اور ہم سب کے دشمن ہیں، ان میں اسلام اور اہلِ

اسلام کے متعلق جو ''رپورٹنگ'' ہوتی ہے، وہ کیسی ہوتی ہے! وہ ہم سب جانتے ہیں۔

## موجودہ اخبارات کی خبروں کا حال

ان کی رپورٹنگ کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی واقعہ آپ کے سامنے پیش آیا ہو، تو دوسرے دن اسی واقعے کی رپورٹنگ آپ اخبار کے اندر پڑھیں گے کہ آپ نے کیا دیکھا اور اخبار کے اندر کیا لکھا ہوا ہے! آپ دونوں میں موازنہ کر لیجیے، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتنا سچا ہے اور کتنا جھوٹا ہے!۔ جب ہمارے سامنے پیش آمدہ واقعے کی رپورٹنگ کا یہ حال ہے تو دوسری خبروں کا حال خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیسی ہوتی ہیں! پھر بھی ان اخبارات کی باتیں مانتے ہیں۔

## اخبارات کی صریح دروغ گوئی کا ایک تازہ ترین نمونہ

بعض مرتبہ تو کسی کے متعلق کوئی خبر آ گئی، ہم تو دارالافتا لیے بیٹھے ہیں نا تو کبھی کوئی بے چارہ سر برآوردہ آدمی آیا۔ آج ہی ایک صاحب راستے میں ملے، انھوں نے کہا کہ: ایک ''فِلم'' آرہی ہے، اللہ حفاظت فرمائے، ''الرسالہ'' نامی، ابھی مجھے کسی نے بتایا۔ اب مسلمان تو اس کو عبادت سمجھ کر دیکھے گا، حالاں کہ یہ تو اسلامی شعائر کی توہین ہے، ویسے تو کسی مسلمان کے لیے سنیما دیکھنا جائز ہی نہیں ہے اور اس کے اندر بھی ایسی چیز دیکھنا تو اَور بھی زیادہ خطرناک ہے؛ لیکن بہر حال! کسی نے بتلایا کہ اس سنیما کے جواز کے متعلق بہت سے علماء کے نام پیش کیے گئے ہیں: فلانے صاحب نے جائز کہا، کلبِ صادق نے یہ کہا، بہت سوں کے نام تو غیر معروف ہیں، اس میں بعض نے بتایا کہ: مفتی

عزیز الرحمٰن صاحب جو ممبئی میں مفتی صاحب ہیں، ان کا بھی نام ہے۔ میں نے کہا کہ: بھائی! وہ تو ایسا نہیں کر سکتے، میں ان سے واقف ہوں۔ میں نے فوراً ایک عالم پر فون کر کے رابطہ کیا جو ہمارے شاگرد ہیں، وہ مفتی بھی ہیں، ان سے کہا کہ: دیکھو بھائی! ابھی میں نے ایک صاحب سے ایسا ایسا سنا ہے، کیا یہ ان ہی مفتی صاحب کی بات ہے اور صحیح ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ: ہاں! کل ہی یہ بات آئی تھی، مفتی صاحب سے اس کی تحقیق کی تو انھوں نے کہا کہ: میرے فرشتوں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ میں نے ایسی بات کہی ہے، اور پھر دوسرے دن اخبارات کے اندر اپنی تردید شائع کی، اور ایک پورا مضمون لکھا کہ اس طرح کی فلمیں دیکھنا بھی جائز نہیں ہے، یہ مضمون ''اردو ٹائمز'' میں دو قسطوں میں آیا۔

## اخباروں کی خبروں پر بغیر تحقیق کے اعتماد نہ کریں

اب یہ اخبار میں آیا نا تو کوئی اس کی تحقیق نہیں کرے گا، بس اس کو چلا دے گا، اور بہت سے سر پھرے ایسے بھی ہوں گے جو دار الافتاء میں اس تقریر کو بھیج کر پوچھیں گے کہ مفتی صاحب! ایسا کہنے والے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ہم لوگوں کا ایسا مزاج بن گیا ہے۔ ہمارے متعلق کوئی غلط خبر آئے تو ہم اس کی تردید کرتے پھرتے ہیں اور دوسروں کے متعلق ہم مان لیتے ہیں! کیوں مان لیتے ہیں؟

ہمارے پاس تو ایسا کوئی مسئلہ آتا ہے تو فوراً واپس کر دیتے ہیں، کہ بھائی! اخبار ہم پڑھتے ہیں اور ان اخباروں کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے متعلق، اسلام کے متعلق یہ کیسی جھوٹی اور غلط باتیں لکھتے ہیں، تو ان کی خبروں کا کیا اعتبار ہے۔ اور میری اور تمھاری کیا حیثیت ہے؟ وہ ہمارے، تمھارے متعلق کچھ بھی لکھ دیں گے، تو اسی کی بنیاد پر تم اس کے بارے میں ہم سے فتویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو؟

## اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جو چیزیں بالکل بے بنیاد ہیں، ان کو ہم قصداً وارادۃً اپنے دل ودماغ میں بسا رہے ہیں۔ ایک سڑی ہوئی غذا ہے، کیا کوئی اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ کر کھائے گا؟ نہیں کھائے گا؛ لیکن یہ اخبار میں جو سڑا ہوا مواد ہے، ہم جان بوجھ کر اس کو اپنے دل ودماغ میں بسا رہے ہیں، اور ایک پاکیزہ چیز آپ کو دی جارہی ہے اور آپ اس کو لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آج تو ہمارے دماغ بھی خراب ہوچکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اس کی اصلاح کریں، اس کی طرف توجہ کریں۔

## اس دور میں علم ہے امراضِ مِلّت کی دوا

بہر حال! ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کریں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ: آپ اپنے ۲۴ رگھنٹوں میں سے صرف پندرہ منٹ فارغ کیجیے، جس میں آپ اسلامی معلومات حاصل کریں۔ آج تو ماشاء اللہ گجراتی میں بہت سارا لٹریچر موجود ہے۔ بہت سے اداروں میں نشر واشاعت کا شعبہ ہے، اس میں سے ہر چیز چھپ کر نکل رہی ہے۔ آپ اگر خالی گجراتی جانتے ہیں تو گجراتی میں جتنا بھی اسلامی لٹریچر شائع ہوا ہے، اگر آپ اس کو مختلف مدارس اور اداروں سے منگوا

لیں گے، تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ آپ کی معلومات کے لیے بہت کافی، وافی ہے؛ لیکن اس کی فرصت نہیں ہے۔

## امت کی بے راہ روی پر حضرت کا درد اور کُڑھن

بہرحال! میں کہاں سے کہاں نکل گا؛ لیکن کیا کریں، دل میں ایک کُڑھن ہے کہ: ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیوں ہم اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں؟ سب کچھ ہے: مدرسوں میں بیٹھے بھی رہیں گے، مدرسوں کا تعاون بھی کریں گے، میں اس پر آپ کو مبارک باد بھی دیتا ہوں؛ لیکن اپنی ذہن سازی، اپنے عقائد کو ٹھیک رکھنا، اپنی اولاد کے اوپر دھیان دینا بھی بہت ضروری ہے۔

## اولاد کی دینی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت

ابھی بتایا نا آپ کو کہ آپ کو اپنے بچوں کی تربیت بھی کرنی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:۶] اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ آج باپ کو بیٹے کے ساتھ بات کرنے کی فرصت نہیں ہے، بیٹے کی تربیت تو کہاں کرے گا! صبح جب گھر سے نکلتا ہے تو بیٹا سویا ہوا ہوتا ہے، اور پھر رات کو بارہ بجے آئے گا اس وقت بھی بیٹا سویا ہوا ہوگا، وہ کب اُٹھا؟ کہاں گیا؟ کس کی صحبت میں رہا؟ کیا سیکھا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہاں! اپنے باپ ہونے کا حق ادا کرنے کے لیے سنیچر اتوار کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیسے دیے ہیں، گاڑی دی ہے تو سب بچوں کو اس میں بھر کے لے جائے گا، کہاں؟ قریب میں دریا ہے:

''اُبھراٹ''، یا ''اُکائی'' میں ڈیم ہے، وہاں لے جائیں گے، آئس کریم کھلا دیں گے، تفریح کرادیں گے اوران کے پیچھے پانچ سو، ہزار کا ایک دن میں خرچ کر دیں گے۔

## دینی مدارس پر خرچ کرنے کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں

یہ پانچ سو، ہزار تو میں کم بول رہا ہوں۔ اب تو ماشاء اللہ لوگ پانچ پانچ ہزار، دس دس ہزار خرچ کر دیتے ہیں؛ لیکن اسی بچے کی تعلیم کے لیے ''دارالاحسان'' والے یا ''نواپور'' کے ذمہ دار حضرات آپ کے پاس آئیں گے کہ: بھائی! مکتب کے مدرِّسین کی تنخواہ کے لیے ہم فنڈ جمع کر رہے ہیں، آپ بھی کچھ دیجیے تو بڑی مشکل سے سو، دوسو نکال کر دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ: بس! تو آپ کہتے ہیں کہ کیا یہ کم ہیں؟ ارے بھائی! ایک ہزار کی تو آپ اپنے بیٹے کو آئس کریم کھلا دیتے ہیں، اسی بیٹے کو قرآن سکھانے کے لیے، کلمہ سکھانے کے لیے یہ ادارے ہیں۔ یہ ادارے والے تو آپ کا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں، اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت تو آپ کا فریضہ ہے، یہ مدرسہ اور مکتب والے وہ فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو تو ان کا احسان ماننا چاہیے؛ لیکن وہاں پیسہ خرچ کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ ہمارے ذہن ختم ہو چکے ہیں، ہماری سوچ بگڑ چکی ہے، ہماری اولاد چاہے بھوکی رہے، چاہے پیوند والے کپڑے پہنیں؛ لیکن اپنی اولاد کو صحیح تعلیم دینا ہے، چاہے دین کی ہو یا دنیا کی ہو۔

## تعلیم گاہ میں داخل کرانے کے بعد بھی اپنی اولاد کی خبر لیتے رہیے

اب جو بھیجتے ہیں، ان کو بھی پروا نہیں، جن کو مدرسے کے اندر بھیج رکھا ہے، یا اسکول

کے اندر ڈال رکھا ہے تو آپ ان پر پیسے خرچ کر رہے ہیں؛ لیکن وہ پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے ہیں، اس کا آپ کو علم نہیں ہے، سالہاں سال سے ڈال رکھا ہے؛ لیکن وہ کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں اس سے کوئی نسبت نہیں۔

## حضرت کے والد کا حضرت کی تعلیم کے بارے میں تحقیق کرتے رہنا

مجھے اپنے والد کا حال معلوم ہے، مجھے پڑھنے کے لیے راندیر میں داخل کیا تھا، اس زمانے میں تین امتحان ہوتے تھے: (۱) سہ ماہی (۲) شش ماہی (۳) سالانہ؛ تو امتحان ہوتے ہی جہاں نتیجہ سامنے آیا تو میرے اوپر لازم تھا کہ میں خط لکھ کر بتاؤں کہ میرے اتنے نمبرات آئے، نیز میرا خط جانے کے باوجود وہ اپنے طور پر مہتمم صاحب کے نام جوابی خط بھیجتے تھے کہ میرے بیٹے کا امتحان ہو چکا ہے، اس کا نتیجہ آپ بھیج دیں، اور اگر کسی کتاب میں نمبر کم آئے تو فوراً تنبیہ کر دی گئی کہ اس میں نمبر کم کیوں آئے؟

## اپنے بچوں کی تمام نقل وحرکت سے واقف رہیے

ہر چیز کی نگرانی ہوتی تھی تو آپ بھی نگرانی کیجیے، پیسے خرچ کیجیے؛ لیکن آپ یہ تحقیق بھی کرتے رہیں کہ ہمارا بچہ کیا پڑھ رہا ہے؟ میں تو آپ سے کہوں گا کہ: آپ کے جو بچے مدرسے کے اندر پڑھ رہے ہیں، ان کی طرف دھیان دیجیے، جیسے اسکولوں کے اندر اس کے لیے مستقل ایک ڈائری ہوتی ہے، ویسی ڈائری یہاں بھی بنائی جائے اور آپ دیکھیں، اپنے بچوں کے لیے وقت نکالیں۔ اخبار پڑھنے کے لیے گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ موجود ہے، آپ کے دوستوں کے ساتھ بیٹھنے کے لیے گھنٹے موجود ہیں، اور کلب میں

جانے کے لیے اور تفریح وغیرہ سب کے لیے وقت موجود ہے؛ لیکن اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف دھیان دینے کے لیے، ان کے ساتھ رہنے کے لیے آپ کے پاس ایک دو منٹ کا وقت بھی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ہر گھنٹے میں سے ایک منٹ نکالیے تو ''۲۴'' گھنٹوں میں سے ''۲۴'' منٹ نکل آئیں گے، اس وقت میں آپ ان کو لے کر بیٹھیں کہ: بیٹا! تم کو کلمہ برابر آتا ہے؟ فلاں دعا یاد ہے؟ نماز ٹھیک سے پڑھتے ہو؟ سورۂ فاتحہ صحیح پڑھتے ہو؟ روزانہ یہ معمول ہونا چاہیے۔

## ہے ربطِ باہمی سے قائم نظام سارے

پہلے زمانے میں بچوں کی تربیت بہت آسان تھی۔ ہمارے بچپن کے زمانے میں اجتماعی خاندان، غیر منقسم خاندان ''سیونکت کُٹنب'' والا سسٹم جاری تھا، اب اس میں جو بڑے تھے وہ تو کمانے اور کاروبار سنبھالنے میں لگے ہوتے تھے؛ لیکن جو بڑے ابا ہیں بڈھے اور وہ ریٹائر ہو چکے ہیں، وہ سب بچوں کو برابر دیکھ رہے ہیں، ان کو مدرسے بھیج رہے ہیں، مدرسہ کا ٹیوشن بھی گھر پر ہو رہا ہے اور اسکول کا ٹیوشن بھی گھر پر ہو رہا ہے، نماز کی تربیت بھی گھر میں ہو رہی ہے۔ بڑے حضرات خاندان کے تمام چھوٹے بچوں کو نماز کے لیے مسجد لے جا رہے ہیں۔

آج تو یہ حال ہو گیا کہ ابھی شادی کو دو دن ہوئے نہیں کہ بیوی کہتی ہے کہ: میں تمھارے ابا کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اپنا گھر الگ کرو۔ اب جب الگ کریں گے تو ان

بچوں کی نگرانی کون کرے گا؟ ان کی تربیت کون کرے گا؟ باپ تو بے چارہ دکان پر جا رہا ہے، کاروبار کے لیے نکل رہا ہے، اب ان بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں، اور یہ بچے ایسی قوم ہے کہ ان کی تربیت مرد کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا، یہ عورتوں کے بس کا روگ ہے ہی نہیں، ان کے قابو میں تو آتے ہی نہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان ساری باتوں کی طرف توجہ کی جائے۔

## ''چراغ تلے اندھیرا'' والا معاملہ نہیں ہونا چاہیے

بہرحال! یہ مدرسہ شروع ہوا، اس میں ترقی ہورہی ہے؛ لیکن اس ترقی سے آپ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں؟ دیکھنا یہ ہے۔ جو حضرات مدرسے قائم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: فلانے علاقے میں بڑی جہالت ہے اور مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ مدرسے کی تعمیر ہوگئی اور سب کچھ انتظام ہوگیا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے ادارے میں کتنے بچے پڑھتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ۵۰۰/، پھر پوچھا کہ: آس پاس کے کتنے ہیں؟ آپ نے جس علاقے کی تعلیم وتربیت کے لیے، فلاح وبہبود کے لیے، جس کی کُڑھن کو لے کر آپ نے یہ ادارہ قائم کیا تھا، وہاں کے کتنے طلبہ پڑھتے ہیں؟ تو بڑا افسوس ناک جواب ملتا ہے کہ: آس پاس کے بس دس، پندرہ بچے ہیں، اور باقی ۴۹۰/ دوسرے علاقے کے ہیں۔

## ہم اپنے علاقے کے مدرسے سے خوب فائدہ اٹھائیں

ہم ''نا'' نہیں کہتے، کسی بھی مسلمان کا بچہ ہمارے یہاں آئے گا، ہم شوق سے

پڑھائیں گے، ہمارا فریضہ ہے؛ لیکن میں اس کے ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ: جب آپ نے یہ کہہ کر لوگوں سے چندہ لیا اور ادارہ یہاں پر قائم کیا، اب وہ لوگ بچے بھیج نہیں رہے ہیں، تو کیا یہ آپ کا فریضہ نہیں بنتا کہ آپ ان کے پاس جاویں اور ان کے بچوں کو مدرسے میں لاکر پڑھاویں؟ یہ ضروری ہے کہ علاقے کے بچے بھی فائدہ اٹھاویں، آپ کے علاقے سے ساری دنیا فائدہ اٹھاوے- اللہ تبارک وتعالیٰ خوب ترقی دے-؛ لیکن آپ کے بچوں کو پہلے فائدہ پہنچنا چاہیے؛ اس لیے اس ادارے سے آپ لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیے! آپ جب اس ادارے سے فائدہ اٹھائیں گے تو آپ کے فائدہ اٹھانے کی برکت سے آپ کی پوری بستی میں، آپ کے گھروں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی برکتیں نازل ہوگی۔

## تحصیلِ علوم کر کہ دولت ہے یہی

میں سب سے عرض کروں گا اور جو حضرات مالی تعاون کرنے والے ہیں، ان سے بھی میری خاص طور پر درخواست ہے۔ اب تو الحمد للہ! مالی تعاون کرنے والوں میں بھی بہت سے وہ ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو قرآن اور علمِ دین سیکھنے، سکھانے کے اندر لگا دیا ہے؛ لیکن پھر بھی کچھ حضرات ایسے ضرور ہیں جو مدارس کا مالی تعاون تو کرتے ہیں؛ لیکن اپنی اولاد کو اس میں لگانے سے گریز کرتے ہیں، ان سے بھی میری درخواست ہے، کہ اصلی دولت تو یہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دنیا کے اندر رکھی گئی ہے، اس لیے اپنی اولاد کو بھی اس کے اندر لگائیں۔

## وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں

یہ ضروری نہیں ہے کہ پڑھانے کے بعد آپ ان کو کسی مسجد کا امام یا کسی مدرسے میں مدرِّس بنادیں، نہیں، آپ اس کو اپنی تجارت میں لگائیے، اس کو عالم بنانے کے بعد دوسرے کاموں میں لگا سکتے ہیں؛ بلکہ علمِ دین میں لگنے کے بعد اس کی سوجھ بوجھ اَور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور علم حاصل کرنے کے بعد پہلے کی بہ نسبت زیادہ احسن طریقے سے وہ ان کاموں کو انجام دیا کرتا ہے؛ اس لیے حصولِ علمِ دین سے کسی مدرسے یا مسجد میں ملازمت اور خدمت ہی مقصود نہ ہو۔

بہرحال! میں نے اصل موضوع سے ہٹ کر یہ باتیں عرض کی ہیں اور اصل موضوع پر کلام رہ گیا؛ لیکن وقت بہت گذر چکا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو باتیں کہلوائی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ میرے، آپ کے اور سب کے لیے ان کو نفع بخش، کار آمد اور مفید بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو، اس کے منتظمین، اساتذہ اور اس کے ساتھ ہم دردی رکھنے والے سبھی حضرات کو قبول فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اساتذہ اور مدرّسین کے لیے رہنما باتیں

بمقام: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی (ضلع: بھروچ)

بوقت: ۱۹/ ۱۲/ ۲۰۱۳

# اقتباس

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: جو کتاب پڑھائی جاتی ہے تو کتاب خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ مقصود وہ فن ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ کتاب تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً آپ ''نورالایضاح'' پڑھاتے ہیں، تو ''نورالایضاح'' خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ ''نورالایضاح'' فنِ فقہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، تو اصل تو ہم فنِ فقہ کو پڑھا رہے ہیں، مسئلے مسائل پڑھا رہے ہیں، مسئلے، مسائل کو سمجھنے، سمجھانے کے لیے ''نورالایضاح'' تو ایک آلہ، ذریعہ اور واسطہ ہے، اور ذرائع خود مقصود نہیں ہوتے، مقصود تو وہ چیز ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے لیے ان ذرائع کو اختیار کیا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ﴾ [المؤمنون:۸]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّكُمۡ رَاعٍ وَكُلُّكُمۡ مَسۡؤُولٌ عَنۡ رَعِيَّتِهِ.

(صحیح البخاری، عَنِ ابۡنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا، باب الجمعة في القرى والمدن)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الدِّينُ النَّصِيحَةُ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الۡمُسۡلِمِينَ وَعَامَّتِهِمۡ. (صحیح مسلم، عَنۡ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رضی اللہ عنہ، باب بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ)

**اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمِ دین کے ساتھ ہمیں جو نسبت عطا فرمائی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عظیم انعامات میں سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔**

## علمِ دین اسی کو ملتا ہے جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا جاتا ہے

**حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:** مَنۡ يُرِدِ

اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ: اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں۔ "خَيْرًا" یہاں تنوین تعظیم اور تکثیر کے لیے ہے: "خَيْرًا عَظِيمًا"، "خَيْرًا كَثِيرًا"، اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بہت زیادہ اور بہت عظیم خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ بوجھ اور علم عطا فرماتے ہیں (۱)۔

## اگر تمھیں عذاب دینا مقصود ہوتا تو اپنے دین کا علم تمھارے سینے میں نہ رکھتا

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے علمِ دین کا عطا کیا جانا بہت بڑا انعام ہے۔ صاحبِ دُرِّ مختار نے مقدمے میں لکھا ہے کہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سامنے کھڑا کر کے فرمایا کہ: اے محمد! اگر تمھیں عذاب دینا مقصود ہوتا تو اپنے دین کا علم تمھارے سینے میں نہ رکھتا۔

## علمِ دین کی نشر واشاعت کا موقع ملنا بھی بہت بڑا انعامِ الٰہی ہے

ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دین کا علم عطا فرمایا ہے، پھر اس پر مزید انعام یہ فرمایا کہ: اسی علمِ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو پڑھانے کا موقع بھی عطا فرمایا؛ اس لیے کہ ہمارے، آپ کے بہت سے ساتھی ہوں گے جن کو آپ اور ہم جانتے

(۱) صحيح البخاري، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ.

ہیں کہ وہ پڑھنے میں، علمِ دین حاصل کرنے میں ہمارے ساتھ شریک تھے اور یہ تعلیمی نصاب مکمل بھی کیا؛ لیکن بعد میں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس علمِ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو پڑھانے کا موقع نہیں ملا، وہ انھوں نے طور پر اپنے لیے فیصلہ کر کے یا حالات سے مجبور ہو کر- جو بھی شکل ہو- اپنے آپ کو علمِ دین پڑھانے اور پھیلانے کے لیے فارغ نہیں کیا اور دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ یہ دوسرے کاموں میں لگ جانا ان کے حق میں بڑی محرومی کی بات ہے۔

## حصولِ علم کے بعد اس کی اشاعت نہ کرنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاذ امام ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ''ربیعۃ الرائے'' کے نام سے مشہور ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمِ دین عطا فرمایا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع نہ کرے (۱)۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو جو علم ملا ہے، وہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

## لفظِ قرآن سبھی علومِ دین کو شامل ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (۲): تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا: قرآن کے الفاظ، قرآن کے معانی،

---

(۱) صحیح البخاری، باب رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُورِ الْجَهْلِ.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ عُثْمَانَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه.

قرآن کے احکام، سبھی اندر آ جاتا ہے، ہمارا جو علوم کا سلسلہ ہے، سبھی اس میں داخل ہے، لفظِ قرآن کا اطلاق سبھی پر ہوتا ہے: الفاظِ قرآن پر بھی اور قرآن کے معانی ومفاہم پر بھی۔

## لفظِ قرآن سے سبھی علومِ دین مراد ہونے پر استدلال

دیکھو! حدیث کے اندر آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: دو آدمی اس قابل ہیں کہ ان کے ساتھ رشک کا معاملہ کیا جائے۔ اب اس روایت میں دو الگ الگ چیزیں آتی ہیں: کہیں تو یہ ہے: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ (۱): اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کو قرآن عطا فرمایا اور وہ اس کے ذریعہ سے دن اور رات کی مختلف گھڑیوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑا رہتا ہے، یعنی نفل پڑھتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔

دیکھو! یہاں رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ میں قرآن کے الفاظ کا علم مراد لیا گیا۔

اور دوسری روایت بھی بخاری ہی کے اندر ہے: وَاٰخَرُ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (۲)۔

یہاں حکمت سے قرآن مراد ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قرآن کے الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا، معانی سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کا علم عام ہے: چاہے الفاظ کا ہو یا معانی ومطالب ومفاہم کا ہو یا احکام کا ہو۔

---

(۱) صحيح البخاري، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب اغتباط صاحب القراٰن.

(۲) صحيح البخاري، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب إنفاق المال في حقه.

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سبھی علومِ دین کی تعلیم کے لیے ہوئی ہے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سبھی چیزوں کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا تھا، هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ: اس میں يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ میں قرآن کے الفاظ کا علم آجاتا ہے اور وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ میں معانی، مطالب، مفاہم اور احکام ساری چیزیں آجاتی ہیں۔

بات یہ چل رہی تھی کہ ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم دیا اور دوسرے: اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کا ہمیں موقع عطا فرمایا۔

## مدرّسین اور طلبہ دونوں کو اربابِ مدارس کا احسان مند ہونا چاہیے

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: یہ جو اربابِ مدارس ہیں، جنھوں نے مدارس قائم کیے ہیں، ہمیں ان کا احسان مند ہونا چاہیے، مدرّسین کو بھی اور طلبہ کو بھی۔ مدرّسین کو تو بایں معنیٰ کہ اس نظام کو قائم کرنے کی وجہ سے ہمیں اپنا علم طلبہ تک پہنچانے کا موقع ملا۔ اگر مدرسے کا یہ نظام قائم نہ ہوتا تو ہم پڑھانے کے لیے کہاں جاتے؟ اپنا حلقۂ درس کہاں قائم کرتے؟ ایک بنا بنایا اسٹیج اور بنی بنائی مسندِ درس موجود ہیں، یہ اہلِ مدرسہ اور منتظمین کا احسان ہے۔ طلبہ کو بھی ان اہلِ مدارس کا احسان ماننا چاہیے کہ ان کے لیے یہاں حصولِ علم کے اسباب ان حضرات نے فراہم کیے۔

## مدرّسین طلبہ کا بھی احسان مانیں

اور مدرّسین کو جہاں انتظامیہ کا احسان ماننا چاہیے وہاں طلبہ کا بھی احسان ماننا

چاہیے، کہ انھوں نے اپنے قلوب کی زمین کو علم کی تخم ریزی کے لیے ان کے سامنے پیش کیا، گویا ہم اپنے علم کا بیج ان کے قلوب کی زمین پر ڈالتے ہیں جہاں وہ بارآور ہوگا، تو یہ طلبہ کا بھی بڑا احسان ہے۔ ایک طرف استاذ کا طالبِ علم پر احسان ہوتا ہے تو دوسری طرف طالبِ علم کا استاذ پر بھی دوسری حیثیت سے احسان ہوتا ہے، کہ اس کے ذریعہ سے استاذ کا علم آگے بڑھ رہا ہے۔

## امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مانتے ہیں

آپ نے امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں پڑھا ہوگا، امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں؛ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ: انھوں نے ان سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جتنا میں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے ان سے کیسے فائدہ اٹھایا؟ تو لکھا ہے کہ وہ سوالات کرتے رہتے تھے، پوچھتے رہتے تھے کہ: اس حدیث کے متعلق کیا ہے؟ اس کے متعلق کیا ہے؟ آپ نے ترمذی میں دیکھا ہوگا کہ: جگہ جگہ یہ جملہ آتا ہے: سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ، تو امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جگہ جگہ پوچھتے رہے، تو طلبہ کا بھی اساتذہ پر بہت بڑا احسان ہے۔

## انعاماتِ الٰہیہ کی شکرگزاری انعامات میں اضافے کا باعث ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنا علم دوسروں تک پہنچانے اور پڑھانے کا جو موقع عنایت فرمایا ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مزید انعام واحسان ہے، ایک احسان وانعام تو یہ تھا کہ اس نے ہمیں علمِ دین کی دولت سے نوازا۔ اب جب یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام

ہے، اس کی بہت بڑی نعمت ہے تو اس نعمت کی قدردانی اور اس کی شکر گزاری بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ: اگر تم میری نعمت کا شکر ادا کرو گے تو میں اس نعمت میں اضافہ کروں گا۔

## شکر گزاری کا مفہوم

اور شکر ہر نعمت کا اس کے مناسبِ حال ہوا کرتا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال کی نعمت عطا فرمائی تو اس کا شکر یہ ہے کہ: اس نعمت کو وہاں خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوتے ہیں، اور جہاں خرچ کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھ کی نعمت عطا فرمائی تو اس کا شکر یہ ہے کہ: اس آنکھ کی نعمت کو جہاں استعمال کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہاں استعمال کریں، اور جہاں استعمال سے روکا ہے وہاں استعمال کرنے سے احتراز کریں۔

## نعمتِ علم وتدریس کی شکر گزاری

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم اور اس کو پڑھانے کی نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے، تو اس کا شکر یہ ہے کہ: اس کی قدردانی کرتے ہوئے اس کا بھرپور حق ادا کرنے کا ہماری طرف سے اہتمام کیا جائے۔

## خدمتِ تدریس کے حق کی ادائیگی

اب اس کے حق کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: ایک تو علمی لائن سے اور دوسرے عملی اور تربیتی لائن سے ہے۔ علمی اعتبار سے اس کے حق کی ادائیگی یہ ہے کہ: مدرّس

ہونے کے اعتبار سے تدریس کی غرض سے جو کتابیں اس کے حوالے کی گئی ہیں، ان کتابوں کو ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہوئے پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

## تدریس میں مقصود بالذات کتاب کو نہیں، فن کو سمجھیں

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: جو کتاب پڑھائی جاتی ہے تو کتاب خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ مقصود وہ فن ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ کتاب تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً آپ ''نورالایضاح'' پڑھاتے ہیں، تو ''نورالایضاح'' خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ ''نورالایضاح'' فنِ فقہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، تو اصل تو ہم فنِ فقہ کو پڑھا رہے ہیں، مسئلے مسائل پڑھا رہے ہیں، مسئلے، مسائل کو سمجھنے، سمجھانے کے لیے ''نورالایضاح'' تو ایک آلہ، ذریعہ اور واسطہ ہے اور ذرائع خود مقصود نہیں ہوتے، مقصود تو وہ چیز ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے لیے ان ذرائع کو اختیار کیا جاتا ہے۔

## ہمارے پاس پڑھنے والے بچے فن میں ماہر بننے چاہئیں

آپ ''ہدایت النحو'' پڑھا رہے ہیں، تو خود ''ہدایۃ النحو'' مقصود نہیں ہے؛ بلکہ ''ہدایۃ النحو'' کا تعلق چوں کہ فنِ نحو سے ہے، تو گویا ہم اس ''ہدایۃ النحو'' کے ذریعہ بچوں کو فنِ نحو پڑھا رہے ہیں، تو اب ہماری پوری توجہ اور کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جن بچوں کو ہم ''ہدایۃ النحو'' پڑھا رہے ہیں، ان کو نحو کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے، ان کو فنِ نحو آجائے۔

آپ کتاب کی عبارت پڑھا دیں گے، ترجمہ کرا دیں گے، وہ دو چار لفظ زبانی بول دے گا؛ لیکن نحو کے مسائل اور فن کی متعلقات اس کو آئی نہیں تو پھر ''ہدایۃ النحو'' کا مقصد

حاصل نہیں ہوگا۔اس چیز کو خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، ہمارے اکابر کے یہاں اسی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

## ہر فن کی درسیات کے عموماً تین درجے ہوتے ہیں

اب جو کتابیں ہیں، مثلاً شروع میں ''ہدایۃ النحو'' ہے،اس کے بعد ''کافیہ'' ہے، ہر فن کے اندر کچھ کتابیں وہ ہوتی ہیں جو اس فن کے اندر ابتداء میں پڑھائی جاتی ہیں، اور کچھ اس فن میں متوسطات کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی اس فن کے اندر درمیانی درجے کی کتابیں ہوتی ہیں، اور کچھ اعلیٰ درجے کی کتابیں ہوتی ہیں۔مقصد یہ ہوتا ہے کہ- چاہے ابتدائی کتابیں ہوں، متوسطات ہوں یا اعلیٰ ہوں-مکمل طور پر وہ فن اپنے مالہٗ اور ماعلیہ کے ساتھ طلبہ کو آجائے۔

جیسے ہمارے یہاں عربی دوم میں ''نورالایضاح'' پڑھائی جاتی ہے، گویا فنِّ فقہ کی شروعات وہاں سے ہوئی، ''نورالایضاح'' کے بعد ''قدوری'' پڑھائی جاتی ہے، پھر ''کنز'' ہوتی ہے، پھر ''شرحِ وقایہ'' ہوتی ہے، پھر آخر میں ''ہدایہ'' ہوتی ہے،تو یہ چار، پانچ کتابیں فنِّ فقہ میں پڑھائی جاتی ہیں،تو یہ کتابیں خود مقصود نہیں ہیں؛ بلکہ فنِّ فقہ مقصود ہے۔

## فنِّ فقہ کے شروع میں ''نورالایضاح'' کو رکھنے کا مقصد

اب ''نورالایضاح'' اس لیے رکھی گئی ہے کہ ''نورالایضاح'' میں اصل عبادات کو مقصود بنایا گیا ہے، یعنی عباداتِ اربعہ: نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔اس میں ذرا تفصیل کی

ضرورت تھی تو پہلے مرحلے میں اس سے واقف کردیا گیا، گویا طلبہ کو عبادات کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل تو تفصیل کے ساتھ سمجھ میں آجانے چاہئیں، اور ساتھ ہی ساتھ یاد بھی رہنے چاہئیں۔

## ”نورالایضاح“ پڑھاتے ہوئے صرف مسائل پڑھائیں، دلائل وغیرہ نہیں

اب جب ”نورالایضاح“ پڑھائی جائے تو خالی مسئلے بتائے جائیں، یعنی مسئلہ سمجھ میں آجائے، اس کے دلائل، اس کے علل وغیرہ سے کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے، بس ہماری کوشش یہی ہو کہ نماز کے فرائض اور فرائض میں بھی نماز کے شرائط کیا ہیں؟ ارکان کیا ہیں؟ واجبات کیا ہیں؟ سنن کیا ہیں؟ مستحبات کیا ہیں؟ ہر چیز برابر سمجھے اور یاد بھی کر لے۔ دلائل وغیرہ کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

## ”قدوری“ پڑھانے کا صحیح طرز وانداز

اس کے بعد ”قدوری“ کا نمبر آتا ہے، عام طور پر ہمارے یہاں اس کی ابتداء کتاب البیوع سے کراتے ہیں؛ کیوں کہ عبادات کو تو بڑی تفصیل کے ساتھ ”نور الایضاح“ میں پڑھ لیا، اتنی تفصیل کے ساتھ ”قدوری“ میں بھی نہیں ہے، تو اب قدوری کی ابتداء کتاب البیوع سے کی گئی؛ تاکہ عبادات کے علاوہ جو دوسرے مسائل ہیں، چاہے وہ مسائل بیوع سے تعلق رکھنے والے ہوں یا نکاح سے تعلق رکھنے والے ہوں یا طلاق وغیرہ سے تعلق رکھنے والے ہوں، وہ بہ حیثیت مسائل کے، صرف مسئلہ بیان کیا

جائے۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ''قدوری'' میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، طالبِ علم اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اس میں پھر آپ ''قدوری'' کے ساتھ ''ہدایہ'' پڑھائیں گے تو یہ زیادتی ہو جائے گی۔

## كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ کا ایک مطلب

بلکہ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ: کہ تم ربّانی علماء بنو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے يُقَالُ کہہ کر اس کی تشریح نقل کی ہے: الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ(۱): کہ جو اپنے ماتحتوں کو سکھاتے ہیں، وہ تربیت کرتے ہیں صغارِ علم کے ذریعہ سے کبارِ علم سے پہلے، یعنی بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے مسائل سے واقف کراتے ہیں۔ تو پہلے دلائل نہیں ہونے چاہئیں۔

## قدوری پڑھانے میں حضرت کا طرز و انداز

اب تو ہمارے یہاں مصیبت یہ ہوگئی کہ پڑھانے والے اساتذہ ہیں، ''قدوری'' پڑھا رہے ہیں اور ''ہدایہ'' کا مطالعہ کر کے آتے ہیں اور ہدایہ والی دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ بھائی! دلیلیں مت بیان کرو، خالی مسئلہ سمجھا دو۔ میری عادت بھی یہی رہی ہے۔ میں نے پہلے سال قدوری پڑھائی اور چند سال میرے پاس رہی؛ لیکن میں نے کبھی کوئی دلیل بیان نہیں کی، ہاں! مسئلہ خوب واضح کرتا تھا اور طلبہ سے بھی سنتا تھا۔ یہاں اس وقت ان کو صرف مسائل کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ عبادات کے مسائل تو

(۱) صحیح البخاری، باب الْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ.

''نورالایضاح'' میں تفصیل کے ساتھ سمجھ لیے ہیں، اب باقی جو مسائل رہ گئے وہ اجمالی طور پر قدوری میں سمجھیں گے۔ اور قدوری میں کہیں کہیں صاحبِ کتاب نے ائمۂ احناف یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے اختلاف کو بیان کیا ہے، اس میں دوسرے ائمہ کا نام نہیں لیا جاتا۔

## ''کنز'' پڑھانے کا طرز و انداز

اب اس کے بعد ''کنز'' کا نمبر آتا ہے۔ ''کنز'' کے اندر بھی مسائل ہیں؛ لیکن وہاں کچھ علامتیں رکھی گئی ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ''ف'' رکھا گیا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ''ک'' رکھا گیا ہے، تو یہاں بھی مسائل ہیں دلائل نہیں ہیں؛ لیکن اتنا ہے کہ جہاں انھوں نے علامتیں رکھی ہیں وہاں یہ تفصیل بتائی جائے کہ اس مسئلے میں ہمارا موقف یہ ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں یوں فرماتے ہیں، تو گویا طالبِ علم کے سامنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے یہاں جو مسائل ہیں، وہ بھی تھوڑے بہت آجائیں۔

البتہ یہ کتاب ذرا دقیق ہے، کہ اس کو ایسا مغلق کر کے تیار کیا گیا ہے کہ جس کی وجہ سے ذہنی ورزش زیادہ ہوتی ہے، تو طالبِ علم جب اس کو حل کرنے کی کوشش کرے گا تو اس میں دقیق مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

## شرحِ وقایہ پڑھانے کا طرز و انداز

پھر ''شرحِ وقایہ'' کا نمبر آتا ہے، تو شرحِ وقایہ میں کہیں کہیں دلائل بیان کر دیے گئے

ہیں، کوئی مسئلہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور کوئی مسئلہ اجمال کے ساتھ مذکور ہے، تو جو انداز انھوں نے اختیار کیا ہے اس انداز میں پڑھانے کی کوشش کریں، زیادہ تفصیل کے اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے، ''ہدایہ'' کے اندر سب چیزیں آنے والی ہیں۔

الغرض! فقہ ایک پورا فن ہے، اس میں ہمارے یہاں پانچ چھ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس کی ابتداء ''نور الایضاح'' سے ہوتی ہے اور ''ہدایہ'' پر انتہاء ہوتی ہے۔ اس میں ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ پورا فن طلبہ کے سامنے آجائے۔

## ہماری ایک تدریسی کمزوری

اب ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے؟ کہ مثلاً مدرّس جب ''قدوری'' پڑھانے کے لیے بیٹھتا ہے تو ''کتاب البیوع'' ہی کے ''۲۵'' صفحات پر وہ ایسی زبردست تقریر کرے گا کہ سالانہ آجائے گا، پھر جیسے بخاری والا بخاری کی خالی عبارت خوانی کراتا ہے یہ بھی باقی ''قدوری'' کی عبارت خوانی کرادے گا۔ حالاں کہ وہاں حدیثوں میں تو خود حدیثیں بھی مقصود ہیں، اس کی عبارت مقصود ہے۔ یہاں کتبِ فقہ میں خالی عبارت مقصود نہیں ہے؛ اس لیے خالی عبارت خوانی سے کام نہیں چلے گا۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھیے؛ اس لیے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

''ہدایہ'' بھی جب پڑھائی جائے تو اسی طرح پڑھائی جائے۔ ہمارے یہاں ایک ایک جلد کو الگ الگ گھنٹے میں رکھا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ پوری جلد اور پوری کتاب طلبہ سمجھ کر کے پڑھیں۔

## علومِ عصریہ میں بھی فن ہی پڑھایا جاتا ہے

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ: اصل بنیادی بات یہ تھی کہ کتاب تو محض ایک ذریعہ ہے، اصل مقصود فن ہے۔ دیکھو! یہ نصاب قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے جو اب تک جاری ہے؛ ورنہ ہمارے زمانے میں ہم علومِ عصریہ میں دیکھتے ہیں کہ جو عصری تعلیم گاہیں ہیں: کالج ہیں، یونیورسٹیاں ہیں تو وہاں کیا ہے؟ وہاں نصاب کے اندر کوئی کتاب مقرر نہیں کی جاتی۔ وہاں نصاب کے اندر طے کر دیا جاتا ہے کہ آپ کو فلاں فن کا فلاں حصہ پڑھانا ہے، مثلاً نحو کا مرفوعات، منصوبات، مجرورات۔ فقہ ہے تو عبادات کا حصہ، معاملات کا حصہ اور معاشرت کا فلانا حصہ پڑھانا ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں نصاب کی کوئی کتاب متعین کرتے ہی نہیں، بس استاذ کو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ کو اس فن کا یہ حصہ پڑھانا ہے۔

## عصری علوم پڑھانے والوں کا اندازِ تدریس

استاذ اس فن کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کر کے جو کچھ پڑھانا ہے، اس کے لیے اپنے طور پر ''نوٹس'' اور یادداشت تیار کرتا ہے اور اس یادداشت کو سامنے رکھ کر وہ زبانی تقریر کرتا ہے، اور کبھی کبھی طلبہ کو یہی یادداشت نوٹ بھی کروا دیتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے نوٹ کی ہیں، تم بھی نوٹ کرلو، مگر وہ مقصود نہیں ہوتا، یہ تو صرف اس لیے ہے کہ جو باتیں استاذ نے کہی ہیں اور جو اس طالبِ علم کے ذہن میں ہیں، طالبِ علم اس کو دیکھ کر سمجھے اور ذہن میں مزید پختگی کے ساتھ محفوظ کرے۔ ہمیں بھی یہ کتابیں اسی انداز سے

پڑھانا ہے کہ فن آجاوے؛ اسی لیے ضرورت ہے کہ فن کے ساتھ مناسبت ہو۔

## ہمارے طلبہ کی ناکامی کی ایک وجہ

آج کل عام طور پر ہمارے طلبہ کامیاب نہیں ہو پاتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ فن کو پڑھانے میں جیسی توجہ دینی چاہیے، محنت کرنی چاہیے، وہ کرتے نہیں ہیں، اور اس کے نتیجے میں طلبہ کو فن کے ساتھ مناسبت نہیں ہو پاتی، اور طالبِ علم مناسبت کے نہ ہونے کی وجہ سے فن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو زبردستی اپنے آپ کو اس میں لگائے رکھتا ہے اور اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں اِدھر استاذ اپنے کام میں لگا ہوا ہے، تقریر چل رہی ہے؛ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ آتا نہیں۔ اسی طرح پورا سال گذر جاتا ہے اور اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

## موضوعِ بحث مسئلہ پہلے خود استاذ خوب سمجھ لے

ہم جو کتاب بھی پڑھا رہے ہیں اور کتاب میں جو چیز پڑھا رہے ہیں، وہ بہ اعتبار فن کے ہمارے دل ودماغ میں بالکل صاف شفّاف ہونی چاہیے، کہ میں یہ مسئلہ پڑھا رہا ہوں۔ آپ نے طلبہ کے سامنے اس مسئلے کی تقریر کی، سمجھایا؛ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا، آپ نے محسوس کیا کہ یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہے تو جب آپ خود اس کو سمجھے ہوئے ہیں تو اب اس کو دوسرے انداز سے سمجھائیں گے۔

ایک واقعہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب ہم اس واقعے کو سمجھائیں گے تو اگر ہم نے محسوس کیا کہ سامنے والا اس طرح نہیں سمجھا تو ہم اس کو دوسرے انداز سے

سمجھائیں گے؛ کیوں کہ ہمیں اس پر قابو حاصل ہے۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ فنّی اعتبار سے آپ کو اس کے بارے میں ایسا انشراح اور سمجھ کی کیفیت ہونی چاہیے کہ آپ اس کو کسی بھی انداز میں سمجھا سکیں۔ علّامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: العلم مَاخَلج به الصدر: علم تو وہ ہے جس کے اوپر قلب کو اطمینان ہو، انشراح ہو، ہم خود منشرح ہوں۔

## کنویں میں ہو تو حوض میں آئے گا

بہت سی مرتبہ اساتذہ پڑھاتے ہیں تو انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ الفاظ جو حاشیے وغیرہ میں دیکھے ہیں، وہ زبان سے بول رہے ہیں؛ لیکن خود بھی اس کو سمجھے ہوئے نہیں ہوتے۔ اب ظاہر کہ جب استاذ خود سمجھے ہوئے نہیں ہیں تو کیا ہوگا؟ کنویں میں ہو تو حوض میں آئے گا نا! ہمارے پاس ہی کچھ نہیں ہے تو طالبِ علم کیا سمجھے گا؟

## جس کتاب کو پڑھانے کی اہلیت نہ ہو اس کو اپنے ذمے لینا خیانت ہے

اس لیے وہ اساتذہ جو کسی فن کے ساتھ مکمل طور پر مناسبت نہیں رکھتے، ان کی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اہلِ مدرسہ سے، ذمہ داروں سے کہہ دے کہ: میں اس کتاب کا حق ادا نہیں کرسکتا، آپ کسی ایسے کے حوالے کریں جو اس کا حق ادا کرسکتا ہو؛ ورنہ یہ ایک طرح کی خیانت ہوگی۔ میں نے یہ جو آیت پڑھی تھی: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ: ہمارے ان مدرسوں کا پورا نظام ان ہی دو چیزوں پر چلتا ہے: امانت اور عہد و پیمان۔

عہد و پیمان تو عقدِ اجارہ کی شکل میں ہے جو ہم مدرسہ سے کرتے ہیں، جس میں اوقات کی پابندی اور دوسری ذمہ داریاں آتی ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بچے تعلیم و تربیت کے لیے ہمارے حوالے کیے گئے ہیں، تو کوئی بھی ایسی بات جو ان کی علمی زندگی کو متأثر کرسکتی ہو، ہمارے لیے کرنا درست نہیں ہے۔

## مسائلِ کتب میں حصولِ انشراح کا آسان طریقہ

ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ: کوئی بھی کتاب جب پڑھاؤ تو جو مسئلہ پڑھا رہے ہیں، اس مسئلے کو سمجھنے اور سمجھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس مسئلے کو آپ اس فن کی دس کتابوں میں دیکھیں گے، جیسے آپ قدوری پڑھا رہے ہیں، اس میں بیع کا ایک مسئلہ آیا تو اب اس کو شرحِ وقایہ میں بھی دیکھو، ہدایہ میں بھی دیکھو، بدائع میں بھی دیکھو، اور کتبِ فقہ میں بھی دیکھو تو جب آٹھ دس کتابوں میں یہ مسئلہ دیکھ لیں گے تو اس مسئلے کی ساری چیزیں، جملہ متعلقات ہمارے سامنے ہونے کی وجہ سے خود ہمیں اس مسئلے کے سلسلے میں انشراح اور اطمینان حاصل ہوگا اور وہ مسئلہ ہمیں اچھی طرح آجائے گا، اور جب ہمیں مسئلہ اچھی طرح آگیا تو اب ہم طلبہ کے سامنے وہ مسئلہ اچھے سے اچھے انداز میں پیش کرسکتے ہیں۔

## مخاطبین کے چہروں کا اُتار چڑھاؤ تقریر کی اچھائی، برائی کو واضح کرتا ہے

دیکھو بھائی! جب ہم پڑھا رہے ہوتے ہیں نا تو طلبہ کے چہروں سے آپ کو اندازہ

ہو جائے گا کہ ان کی سمجھ میں آرہا ہے یا نہیں؟ ان کے چہرے بتا دیں گے کہ وہ سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کی تقریر ان کی سمجھ میں آرہی ہے تو ان کے چہرے پر چمک ہوگی اور مسرّت کی ایک الگ ہی کیفیت ہوگی، اور اگر سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو اکتاہٹ والی کیفیت ان کے چہروں پر ہوگی، وہ بھی آپ محسوس کرلیں گے، دونوں کیفیتوں میں بیّن فرق ہوتا ہے۔

## استاذ اور شاگرد کے تعلق کو خوش گوار اور مضبوط کرنے والی چیز

اور دیکھو! آپ کی پڑھائی سے جب ان کو انشراح اور اطمینان ہوگا تو اس کی وجہ سے وہ آپ سے ٹوٹ کر محبت کریں گے، آپ کے اور ان کے تعلق کو جوڑنے والی چیز یہی ہے کہ آپ کی پڑھائی ان کے حق میں اطمینان بخش اور انشراح والی ہو، اگر آپ کی پڑھائی سے ان کو انشراح اور اطمینان حاصل ہوتا ہے تو یہ چیز شاگردوں کے ساتھ آپ کے تعلق کو مضبوط کرے گی؛ اس لیے کہ اس تعلق کا مقصد یہ ہے کہ آپ علم دیں اور وہ علم لیں، اور یہ مقصد طلبہ کو آپ سے حاصل ہو رہا ہے؛ کیوں کہ آپ کی پڑھائی ان کی سمجھ میں آرہی ہے۔

## استاذ، شاگرد کے تعلقات کو کشیدہ کرنے والی چیز

اور اگر آپ کی پڑھائی سے ان کو اطمینان اور انشراح حاصل نہیں ہو رہا ہے تو استاذ اور شاگرد کے تعلقات کا جو بنیادی مقصد ہے، وہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے دونوں کے تعلقات میں مضبوطی نہیں آئے گی، جس طالبِ علم کو انشراح نہیں ہو رہا ہے،

اس کو آپ کے ساتھ محبت نہیں ہوگی ؛ بلکہ بعض مرتبہ تو یہ چیز تعلقات میں کشیدگی اور نفرت کا باعث بن جاتی ہے۔

## طرفین میں تعلقات کی استواری اور بقاء کا فطری قانون

جیسے بیوی اور شوہر کا معاملہ ہوتا ہے کہ شوہر اگر نامرد ہے اور وہ بیوی کا حق ادا نہیں کرتا تو دونوں میں کب تک نبھے گی؟ یہ تو دو آدمیوں کے درمیان تعلق کے بننے اور بگڑنے کی محض مثال دے رہا ہوں۔ ایسے ہی آقا اور غلام، سیٹھ اور نوکر کا تعلق ہے: نوکر اگر سیٹھ کا کام ایسا کرتا ہے جیسے کرنا چاہیے اور سیٹھ بھی نوکر کا حق جیسا ادا کرنا چاہیے کرتا ہے، تو دونوں میں تعلق قائم رہے گا۔ ہر جگہ جو تعلق جس بنیاد اور مقصد پر قائم ہوتا ہے، وہ مقصد حاصل ہے تو وہ تعلق باقی ہے اور اس میں ترقی ہے، اور اگر مقصد حاصل نہیں تو تعلق بھی باقی نہیں رہتا۔

استاذ اور شاگرد کے تعلق کا بھی یہی حال ہے، اس تعلق کا مقصد تعلیم و تعلّم ہے، سیکھنا اور سکھانا ہے، استاذ کی پڑھائی اگر ایسی ہے جس سے طالبِ علم کی سمجھ میں آرہا ہے تو اس تعلق کا مقصد حاصل ہو رہا ہے؛ اس لیے یہ تعلق پھولے گا، پھلے گا، مضبوط ہوگا اور اس سے فائدہ ہوگا، اور اگر استاذ کی پڑھائی طالبِ علم کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو یہ تعلق باقی نہیں رہے گا، ختم ہو جائے گا۔

ہمارے مدارس میں آج کل جو بے کیفی اور اکتاہٹ والی کیفیت نظر آتی ہے اور طلبہ میں روز افزوں ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے؛ اس لیے ہمارا زور اسی پر ہو، تعلیم

ہمارا اوّلین مقصد ہے؛ اس لیے ہر استاذ کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## کہتی ہے تجھے خلقِ خُدا غائبانہ کیا

کوئی بھی استاذ اپنی تعلیم اور پڑھائی کے معاملے میں خوش فہمی میں مبتلا نہ رہے، بعض مرتبہ کوئی استاذ سمجھتا ہے کہ میں تو بہت اچھا پڑھاتا ہوں، میں تو بہت اچھا پڑھاتا ہوں! ارے بھائی! آپ ذرا دیکھ تو لیجیے، اندازہ تو لگائیے، آپ اپنے شاگردوں سے پوچھیے، دوسروں سے تحقیق کروائیے کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کی پڑھائی کے بارے میں آپ کے شاگردوں کی کیا رائے ہے؟ آپ کے پیچھے آپ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

| | |
|---|---|
| سن تو سہی انجام ہے تیرا فسانہ کیا | کہتی ہے تجھے خلقِ خُدا غائبانہ کیا |

بہت سی مرتبہ ہم اپنے منہ میاں مٹھو بنے پھرتے ہیں، اور یوں سمجھتے ہیں کہ میری پڑھائی تو بہت کامیاب ہے، اور حال یہ ہے کہ طلبہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، اپنی پڑھائی کے متعلق پوچھتے بھی رہنا چاہیے، خدانخواستہ ہم کامیاب نہیں ہیں تو دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اہلِ مدرسہ سے کہہ دیں کہ: اس کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا، آپ یہ کتاب کسی اَور کے حوالے کردیں۔

یہ باتیں تو وہ ہوئیں جن کا تعلق تعلیم سے تھا۔

## طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے کا ایک طریقہ

اور مختصراً دوسری چیز یہ ہے کہ: طلبہ کی تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔ تعلیم کی

نسبت سے ان کے اندر پڑھنے کا شوق پیدا کرنا۔آج کل بدشوقی بڑھتی جارہی ہے، اس کی ایک وجہ تعلیم کی کمزوریاں ہیں،توہمیں اس انداز سے پڑھانا ہے کہ طلبہ میں شوق پیدا ہو۔جس استاذ کی پڑھائی سے طلبہ کو اطمینان اور انشراح ہو،طلبہ اس کی کتاب کا تکرار بھی کریں گے،محنت بھی کریں گے،اور جہاں اطمینان وانشراح نہیں ہے وہاں کتاب ایسی ہی رکھ کر بیٹھے رہیں گے۔آپ شکایت کرتے ہیں کہ طلبہ فلاں کی کتاب کا تکرار کرتے ہیں،میری کتاب کا تکرار نہیں کرتے۔ارے بھائی! آپ کی کتاب کا تکرار اس لیے نہیں کرتے کہ آپ کی پڑھائی ان کی سمجھ میں نہیں آئی اور آپ مار مار کے زبردستی ایسا کرا رہے ہیں،تو یہ چیز ان کے دلوں میں مزید نفرت کا باعث بنے گی،اس کا علاج وہ نہیں ہے جو آپ کر رہے ہیں،اس کا صحیح علاج تو وہ ہے جو کرنا چاہیے تھا اور آپ کر نہیں رہے ہیں۔

## طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے والی چیزیں

ان طلبہ کو تعلیم کے اندر زیادہ سے زیادہ لگانے کی ضرورت ہے،ان کے اوپر نگرانی رکھو:سبق کی پابندی کر رہے ہیں یا نہیں؟ مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں؟ تکرار کرتے ہیں یا نہیں؟ خاص کر کے ذہین طلبہ - جو اچھی ذہانت والے ہیں - سے کام لو،ان کو اس طرح لگائے رکھو کہ وہ فارغ نہ بیٹھیں اور ان کی صلاحیتوں سے ان کو فائدہ پہنچے اور مزید اس میں ترقی کریں،ان کے حوصلے بھی بڑھاؤ،ان کے اچھے اور صحیح جواب پر شاباشی دو، ماشاءاللہ ہی کہہ دو؛ تاکہ ان کے حوصلے بڑھیں۔یہ سب چیزیں ضروری ہیں،اس کے

بغیر تعلیمی نظام پنپ نہیں سکتا، ترقی نہیں کر سکتا۔

## طلبہ کی دینی، اخلاقی تربیت کو بھی مدِ نظر رکھیے

دوسری چیز یہ ہے کہ: ان کی تربیت کیجیے۔ تربیت کے اندر یہ ہے کہ ان کی وضع قطع کا خیال رکھیے کہ کیسی ہے؟ لباس کیسا ہے؟ نمازوں کی پابندی، اخلاقیات، ایک دوسرے کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا، سنتوں کا اہتمام، اوقات کی پابندی؛ ان ساری چیزوں کا انھیں عادی بنائیے۔

## تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن

اس تربیت کا تعلق بھی ہمارے اپنے عمل سے ہے، پہلے ہم ان چیزوں میں اپنے آپ کو صحیح اور درست کر لیں۔ بھائی! ہم اور آپ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، سنتوں کا اہتمام نہیں کرتے۔ اب جماعت کی اہمیت کے اوپر طلبہ کے سامنے ایک گھنٹہ بھی تقریر کریں تو اس سے کیا حاصل ہونے والا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ طلبہ کہیں گے کہ: استاذ جماعت کی پابندی کے اوپر تقریر کرتے ہیں؛ لیکن خود تو جماعت کی پابندی نہیں کرتے، ان کی تو رکعت جاتی ہے۔

## قول وعمل میں تضاد تاثیر فی الوعظ کو ختم کرنے والا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی عمدہ مثال دی ہے کہ: ایک برتن کے اندر کوئی چیز ہے، حلوی ہے اور اس میں زہرِ ہلاہل ملا ہوا ہے اور وہ اس کو کھا رہا ہے، کہتا جا رہا ہے کہ: اس کو کھا ئیو مت، اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے کہ: ایک طرف تو

کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، اور دوسری طرف خود کھا رہا ہے، تو اس کے عمل اور قول دونوں میں تضاد ہے پھر اس کے قول پر کون عمل کرے گا؟۔

## وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے

طلبہ کی تربیت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہمیں ان کے سامنے اپنے آپ کو قُدوہ اور نمونہ بنا کر پیش کرنا ہے: ہم خود جماعت کا اہتمام کریں، صفِ اول کا اہتمام کریں، تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں؛ یہ چیز خود طلبہ کے اندر عمل کا جذبہ پیدا کرے گی۔ وہ ہمیں دیکھ کر کے اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر کریں گے۔

استاذ اگر گھنٹی بجتے ہی درس گاہ کے اندر آجاتا ہے تو کبھی کوئی طالبِ علم دیر نہیں کرسکتا؛ لیکن اگر استاذ ہی دیر سے آتا ہے تو طلبہ بھی دیر سے آنے کے عادی بنیں گے، وہ ان کو کیا کہہ سکے گا؟

## حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی پابندیٔ وقت

ہمارے مرحوم مہتمم صاحب: حضرت مولانا سعید صاحب بزرگ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ۱۷ سال ڈابھیل میں پڑھایا؛ لیکن ان کی عادت یہ تھی کہ جب وہ درس گاہ میں قدم رکھتے تھے تو لوگ اس سے اپنی گھڑیاں ملاتے تھے، حضرت کبھی ایک سیکنڈ بھی دیر سے نہیں آتے تھے، اوقات کی پابندی کا اتنا زیادہ ان کے یہاں اہتمام تھا۔

## اوقاتِ مدرسہ کی مکمل طور پر پابندی کیجیے

ہمیں بھی اسی طرح اپنے اوقات کی پابندی کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ اس سے کیا فرق پڑے گا! استاذ یہ سمجھتا ہے کہ ایک دومنٹ ہی تو دیر سے آیا، نہیں، آپ دومنٹ دیر سے آئے، دومنٹ آپ کے خراب ہوئے، آپ کے پاس پڑھنے والے ۳۰/طالبِ علم ہیں، ہر ایک کے دو دو منٹ خراب ہوئے تو اس طرح ۶۲/منٹ کا نقصان ہوا، کہنے کو تو دومنٹ ہیں؛ لیکن حقیقت میں ۶۲/منٹ کا نقصان ہوا، اس طرح جب ہم نقصان کا اندازہ لگائیں گے نا تو اس سے ہمیں اوقات کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

## طلبہ کو ان کی حرکتوں پر محبت سے ٹوکیں

نیز جب ہم طلبہ کے اندر کوئی غلط بات دیکھیں تو ان کو آگاہ کریں۔ مارنے، پیٹنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ محبت سے کہو کہ: دیکھو! تمھارا لباس اس طرح کا نہیں ہونا چاہیے، ہمارا تعلق تو اہلِ علم سے ہے؛ اس لیے ہمارا لباس اس طرح کا ہونا چاہیے، ہمیں نماز با جماعت کا یوں اہتمام کرنا چاہیے۔

## طلبہ کی تربیت کا حکیمانہ انداز

طلبہ مسجد کے اندر ہیں، نماز پڑھ رہے ہیں اور کوئی خلافِ سنت عمل ہو رہا ہے، مثلاً سجدے میں دونوں کلائیاں زمین پر بچھا دیں، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اب ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم اس پر خاموشی اختیار کریں؛ بلکہ اس کے سلام پھیرنے

کا انتظار کرو اور سلام پھیرنے کے بعد اس کو بلا کر کے کہو کہ سجدہ کس طرح کرتے ہیں؟ ذرا کر کے بتاؤ! اب وہ صحیح کر کے بتائے گا، اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ: تم نے ابھی نماز میں جو سجدہ کیا تھا، وہ تو اس طرح نہیں کیا تھا: ابھی تو تم نے کلائیاں زمین سے اونچی رکھی ہیں؛ لیکن نماز پڑھتے ہوئے تو تم نے بچھا دیا تھا۔ اب بتاؤ! تم کیا پڑھتے ہو؟ ''نور الایضاح'' پڑھتے ہو تو اس طرح کلائیوں کا بچھا دینا مکروہ ہے اور کیسا مکروہ ہے؟ مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر کوئی آدمی مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کرتے ہوئے نماز پڑھے تو اس کے لیے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے؛ اس لیے تم جاؤ اور دوبارہ نماز پڑھ لو۔

اس طرح سمجھا کر کے اس کو بتایا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ ایک استاذ نہیں، سب اساتذہ ایسا کریں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا۔

## غلط نماز پڑھنے والے طالبِ علم کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہ

ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا: ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈابھیل کے قیام کے زمانے میں ایک طالبِ علم کو دیکھا کہ اسی طرح کی کوئی غلطی کی، حضرت ٹھیر گئے، فارغ ہونے کے بعد اس کو بلا کر کے کہا کہ: تم نے اس طرح نماز پڑھی؟ تو طلبہ کی جیسے عادت ہوتی ہے تاویل کرنا، تو اس نے کہا کہ: میں تو ایک چھوٹی جماعت کا طالبِ علم ہوں۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: نماز تو ایسی چیز ہے کہ اس کا کسی

چھوٹی بڑی جماعت کے ساتھ تعلق نہیں ہے، یہ تو آدمی اپنے گھر سے سیکھ کر کے آتا ہے۔

## دورانِ درس طلبہ کو نماز کی عملی مشق بھی کرائی جائے

آج ہمارے طلبہ کا کیا حال ہو گیا؟ مجھے یاد ہے، میں جب ''ہدایہ'' پڑھاتا تھا، جنھوں نے میرے پاس ''ہدایہ'' پڑھی ہے، وہ آپ کو آج بھی بتائیں گے کہ جب باب صفۃ الصلوۃ آتا تھا تو اس کو پڑھا لینے کے بعد ہر ایک کو کہتا تھا کہ: دو دو رکعت پڑھو، اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ: ذرا دیکھو! اس کی نماز میں کون سی کمی رہ گئی، تو جو کمی رہتی تھی وہ دور ہو جاتی تھی۔ تو اس طرح عملی مشق کروانی ضروری ہے۔

## ہمارے موجودہ طلبہ کا دینی دیوالیہ پن

آج تو یہ ہو گیا ہے کہ طلبہ کچھ پڑھتے ہی نہیں۔ مکتب سے جب آتے ہیں تو ان کو سب یاد ہے ''التحیات'' یاد ہے، ''درودِ ابراہیم'' یاد ہے، نماز کے اخیر میں پڑھی جانے والی دعا یاد ہے، ''قنوت'' یاد ہے؛ لیکن جب مدرسے میں آتے ہیں تو یہاں تو کچھ پڑھتے ہی نہیں۔ آپ ان کو دیکھ لیں! ان کے ہونٹ تو ہلتے ہی نہیں۔ بھائی! ''اللہ اکبر'' بولیں گے تو ہونٹ تو ہلنے چاہئیں نا، اس میں ''با'' آ رہا ہے، اس کی ادائیگی کے لیے ہونٹوں کا ہلنا ضروری ہے۔ اب ہونٹ ملا ہوا ہے اور نماز شروع کر رہا ہے، اس سے تو معلوم ہوا کہ اس نے ''اللہ اکبر'' کہا ہی نہیں۔ یہ تو ایک مثال دے رہا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ''ہدایہ'' پڑھاتے ہوئے کہو کہ: ''التحیات'' سناؤ تو بہت سے وہ ہوں گے جن کو ''التحیات'' یاد نہیں ہو گی۔

## مدرسے کے اندر ہفتے میں ایک دن نماز کی تصحیح کا نظام بنایئے

یہ ہماری کمی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ آپ کی کلاس کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ پورے مدرسے کے اندر ایک ایسا نظام بناؤ کہ ہفتے میں ایک مرتبہ آپس میں نماز کا مذاکرہ ہو، اس کی نگرانی بھی ہو۔ اس میں ہر ایک نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، جملہ متعلقات سناوے۔ الغرض! نماز کی تصحیح کا ایک نظام ہو، یہ ضروری ہے۔

طلبہ کے اندر صفِ اول کا شوق ہونا چاہیے، تکبیرِ اولیٰ میں حاضر رہیں، اس کا اہتمام ہونا چاہیے، سنتوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت بھی ہماری ذمہ داری ہے

آج کل اساتذہ کا ایک مزاج یہ بھی بنتا جا رہا ہے کہ منتظمین جانیں، ناظم جانے۔ نہیں، نہیں! تعلیم اور تربیت دونوں ہر ہر استاذ کی ذمہ داری ہے۔ چوں کہ یہ طلبہ دارالاقامہ میں رہنے والے ہیں، ماں باپ نے ان کو مِنْ کُلِّ الوُجوہ ہمارے حوالے کر دیا ہے، تو ان کی تعلیم اور تربیت دونوں کی ذمہ داری ہماری ہے؛ اس لیے دورانِ درس موقع بہ موقع ان کو محبت کے ساتھ نصیحتیں بھی کرتے رہیں۔

## غلطیوں پر طلبہ کی فہمائش کا ایک حکیمانہ انداز

آپ نے کسی طالبِ علم کو دیکھا کہ ایک رکعت گئی، تو جب پڑھانے کے لیے آئیں گے تو اس سے پوچھیں گے کہ: بھائی! آج تمھاری رکعت کیسے گئی تھی؟ اس کے بعد آپ اس کے سامنے دو چار منٹ نماز کی اہمیت بیان کیجیے، اور پھر تمام طلبہ کو بتا دیجیے

کہ اس کی ایک رکعت گئی تھی، اس پر میں نے اس کو یہ دو چار باتیں کہیں، میرا مقصد صرف یہ نہیں؛ بلکہ تم سب کو سنانا ہے، یہ تو صرف ''شانِ ورود'' ہے، باقی اس کا احسان مانو کہ اس کی وجہ سے دو باتیں تمھیں سننے کو ملیں۔

## کسی حرام کام کو ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا علماء کی شان نہیں ہے

کسی طالبِ علم کا پائجامہ ہم نے دیکھا کہ ٹخنوں سے نیچے جا رہا ہے، اب ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں، یہ تو حرام کام ہے، ہم اپنے طلبہ کو، اپنے شاگرد کو یہ حرام کرتے ہوئے دیکھیں اور خاموش رہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے!! مارنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ بلکہ اس کو قریب بلا کر کہو کہ: یہ کیا ہے؟ یہ تمھارا پائجامہ کہاں جا رہا ہے؟ تو وہ دیکھ کر فوراً اونچا کر لے گا۔ اس سے کہو کہ: بھائی! دیکھو! حدیث میں تو اس پر بہت ساری وعیدیں آئی ہیں، آئندہ ایسا مت کرنا۔

## ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اب کیا ہوگا؟ وہ ایک ہی مرتبہ میں سُدھر جانے والا نہیں ہے؛ لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ جب وہ آپ کو دیکھے گا نا تو وہ پہلے اپنا پائجامہ ٹھیک کرے گا، پھر آپ کے سامنے سے گذرے گا۔ یہ تو ایک استاذ نے یہ کام کیا تو اس کا یہ نتیجہ نکلا، اگر سبھی اساتذہ ایسا کریں گے تو إن شاء اللہ تعالیٰ اس کے بڑے اچھے نتائج سامنے آئیں گے، پورے مدرسے کا ماحول ٹھیک ہو جائے گا، سب کی وضع قطع درست ہو جائے گی؛ اس لیے ان ساری باتوں کا اہتمام ہونا چاہیے، یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

## ’’سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے‘‘ کا مصداق بنیں

بعض اوقات کہتے ہیں کہ: ہم صرف پڑھانے کے ذمہ دار ہیں! لیکن وہ بھی تو کماحقہٗ ادا نہیں کرتے؛ اس لیے یہ سب کام ہمیں دل سوزی کے ساتھ انجام دینے ہیں۔ طلبہ کے ساتھ ہمارا معاملہ پوری خیر خواہی والا ہونا چاہیے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الدِّينُ النَّصِيحَةُ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ [الكهف:٦] اے نبی! یہ لوگ ایمان نہ لائیں، اس پر افسوس کرتے ہوئے آپ کہیں اپنی جان نہ دے دیں۔

## ایک کامیاب شاگرد بھی ہماری نجاتِ ابدی کے لیے کافی ہے

ہمارا معاملہ اپنے شاگردوں کے ساتھ وہی ہونا چاہیے جو ایک باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہے بھی یہ اولاد ہماری۔ وہ نسبی اولاد ہے اور یہ روحانی اولاد ہے، تو جیسے اُن کی خیر خواہی کرتے ہیں، اِن کی بھی کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بن گیا اور ان میں سے کسی ایک نے دین کی مقبول خدمات انجام دے دیں، تو قیامت کے دن ہماری نجات کے لیے وہ کافی ہو جائے گا۔ اسی امید پر ان بچوں پر آپ جتنی محنت کر سکتے ہیں، کیجیے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک موقع دیا ہے اور آپ کی محنت کے میدان کے طور پر اس نئی نسل کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے، اس کی قدر کیجیے۔

ہر طالبِ علم پر اس کی حیثیت کے مطابق محنت کریں، ان کے لیے دعاؤں کا بھی

اہتمام کریں۔ یہ دونوں کام کریں گے تو إن شاء اللہ تعالیٰ سارا نظام ٹھیک ہوگا۔

## وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں

جب ہم آپس میں بیٹھیں تو بھی ہمارا چرچا یہی ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ فلانا یوں کرتا ہے اور فلانا یوں کرتا ہے، اور مہتمم یہ کرتا ہے اور ناظم یہ کرتا ہے اور ہماری تن خواہ اتنی کم ہے۔ یہ آج کل ایک مصیبت بن گئی ہے کہ تن خواہ کو موضوعِ بحث بناتے رہتے ہیں، اب کیا یہ بحث کرنے سے ہماری تن خواہ بڑھ گئی؟ وہ تو جو ہے، وہیں کی وہیں ہے، آپ اپنی زندگی کے بیسیوں گھنٹے اسی بحث میں ضائع اور برباد کررہے ہیں اور فائدہ کچھ نہیں ہے۔ اس کے بجائے جو کام ہمیں کرنا ہے اور جو چیز ہمارے اختیار میں ہے یعنی تعلیم اور تربیت، اس موضوع پر بات بھی کرو اور اسی کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش بھی کرو، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بہترا جر دیں گے۔

## ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں

میں تو کہتا ہوں اور میرا اپنا بھی یہی معمول رہا کہ: بھائی! دیکھو، ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں ہے۔ ہم اور آپ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں جو یہ پرائمری اسکولیں ہیں، اس کے اندر پڑھانے والوں کی تن خواہ کتنی ہوتی ہے؟ ۲۰/ہزار، ۳۰/ہزار، ہے نا؟ ہمارے بڑے سے بڑے مدرسے کے شیخ الحدیث کی بھی اتنی تن خواہ نہیں ہے، ''۱۰'' ہزار یا ''۱۲'' ہزار روپیہ، پھر بھی آپ سب جانتے ہیں کہ ان کی یہ زیادہ تن خواہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ''۲۰'' تاریخ تک ہی ختم

ہو جاتی ہے، اور بعض تو آپ مولویوں کے پاس قرض لینے کے لیے آتے ہیں، بعض نے ہمیں سنایا کہ: وہ مولویوں ہی کے پاس آتے ہیں کہ ہم کو قرض دو۔ ارے بھائی! اس بے چارے کی تن خواہ تو تمھاری تن خواہ کی آدھی بھی نہیں ہے، پھر کیوں؟ بات وہی ہے کہ ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے تن خواہ کا بڑھ جانا ہمارے مسئلے کا حل نہیں ہے، ہمارے مسئلے کا حل تو یہ ہے کہ ہم پڑھاویں، محنت کریں اپنا فرضِ منصبی پورے طور پر ادا کریں تو ہماری تن خواہ میں برکت آئے گی، اس صورت میں آپ کی تن خواہ ہزاروں روپیے ہوگی نا، تو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی ضرورتیں پوری کریں گے، اور اگر ہم اپنا فرضِ منصبی ادا نہیں کریں گے تو اگر ہماری تن خواہ ''۵۰'' ہزار ہوگی، تو بھی اس سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوگی، یہ یاد رکھنا۔

ہمارے اکابر کی زندگیاں اس کا نمونہ ہے؛ اس لیے ہمارا مسئلہ تن خواہ کا بڑھنا نہیں ہے، ہمارے مسئلے کا حل تو یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس لائن سے محنت کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# علماءِ کرام اور مکاتب ومدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں

بمقام: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی (ضلع: بھروچ)

بوقت: ۲۰/ ۱۲/ ۲۰۱۳

# اقتباس

ساتھ ہی ساتھ سنتوں کو عام کیا جائے، اس کے اوپر عمل کا اہتمام کیا جائے، لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔ سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر کی حد تک تو شریعت کا کوئی حکم ہم سے ٹوٹنے نہ پائے، ہم خود سو فی صد شریعت کے مطابق عمل کرنے والے ہوں: ہماری نمازیں ایسی ہوں، ہمارے معاملات ایسے ہوں، ہماری معاشرت ایسی ہو، ہمارے گھر میں کوئی بھی کام شریعت کے خلاف ہونا نہیں چاہیے؛ اس لیے کہ اگر ایک چیز بھی ایسی ہوگی تو اس عالم کا وقار ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر دین کی کوئی بات عوام کے سامنے کہے گا تو عوام اس کو خاطر میں نہیں لائے گی، کہ خود آپ کے گھر میں تو ایسا ہو رہا ہے، صرف ایک چیز خلافِ شرع ہوئی، اس نے اس کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ تو ہمیں اپنی ذات کی حد تک اور اپنے ماتحتوں کی حد تک بہت زیادہ سخت رہنے کی ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا﴾ [الأحزاب:۲۳]

## علم کی نسبت سے اہلِ علم پر من جانب اللہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کی جو دولت آپ حضرات کو عطا فرمائی ہے اور اس علم کی نسبت سے آپ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کو ہر لمحہ اور ہر گھڑی تازہ کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کی ادائیگی کے لیے ہمیشہ اپنے مقدور کوشش بھی کرتے رہنا چاہیے، اس میں ہماری طرف سے کوئی کمی اور کوتاہی نہیں آنی چاہیے۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم پر ڈالی گئی ہے، یہ کوئی لوگوں کا سونپا ہوا

معاملہ نہیں ہے۔

## سوچ بدل گئی

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، لوگوں کے نظریات بدل گئے، سوچ بدل گئی اور برتنے اور عمل کرنے کا انداز بدل گیا۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں کہ پہلے ہمارے بچپن میں جب کسی عالم سے پوچھا جاتا تھا کہ: آپ کیا کرتے ہیں؟ تو جواب ہوتا تھا کہ فلاں جگہ خدمت انجام دیتا ہوں، اور آج پوچھا جاتا ہے کہ: کیا کرتے ہو؟ تو جواب ہوتا ہے کہ: فلاں جگہ نوکری کرتا ہوں۔ پہلے وہ جواب ہوتا تھا، آج یہ جواب ہوتا ہے۔

## سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے

اب یہ نوکری والا خیال جب دل میں آ گیا تو پھر انداز بھی وہی نوکری والا آجاتا ہے، پھر وہ اپنی ہر چیز کی قیمت لگاتے ہیں کہ میں اگر یہ کام کروں گا تو مجھے اس پر کیا ملے گا؟ میری تن خواہ میں کیا اضافہ ہوگا؟ ابھی پانچ سو مل رہے ہیں، اگر میں ایک نماز زیادہ پڑھاؤں گا تو مجھے کتنے ملیں گے؟ یہ سوچ بدلنے کا نتیجہ ہے۔ یہاں تک کہ بڑے مدارس میں پڑھانے والے اہلِ علم کا بھی یہی مزاج بن گیا ہے، ان کو بھی کوئی ذیلی اور ضمنی کام سونپا جاتا ہے کہ بھائی! ذرا طلبہ کی نگرانی کر لیجیے: صبح کے وقت آپ اپنی تلاوت تو کرتے ہی ہیں، یہ بیٹھے ہیں تو آپ بھی ان کے ساتھ بیٹھ جایئے، آپ کے بیٹھنے کی وجہ سے ان پر ایک رعب رہے گا، ایک ماحول بنا رہے گا، طلبہ یکسوئی کے ساتھ پڑھیں گے، دس منٹ کا کام ہے، ویسے بھی آپ گھر جا کر تلاوت کرتے ہی ہیں تو یہاں

کر لیجیے، تو وہ پوچھے گا کہ: مجھے اس پر کیا ملے گا؟

## اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

یہ ہمارا ایک مزاج بن گیا ہے، سوچ بدل گئی ہے جس نے ہماری خدمات میں سے، ہمارے دینی کاموں میں سے نور نکال دیا، اخلاص ختم ہوگیا، اللہ کے لیے کرنے کا جو جذبہ تھا، وہ باقی نہیں رہا۔ ٹھیک ہے، ہماری ضروریات بھی ہیں، اس کے لیے تن خواہ دی جاتی ہے؛ لیکن یہ مجبوری کے درجے میں ہے، ورنہ ہمارے متقدمین ائمۂ احناف نے تو اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے، متأخرین نے مجبوری کے درجے میں اس کی اجازت دی ہے، تو اس کو مجبوری کے درجے میں ہی رکھنا چاہیے، اپنی خدمات کا عوض اور اجرت سمجھ کر نہیں لینا چاہیے۔

## اہلِ علم کے بارے میں بعض نادانوں کا غلط تجزیہ

آج ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دعوت و تبلیغ میں لگنے والے احباب بعض اوقات اہلِ علم کے متعلق یہ جملہ بول دیتے ہیں کہ: یہ علماء کیا کرتے ہیں؟ یہ تو پیسے لے کر کام کرتے ہیں اور ہم مفت کام کرتے ہیں! دراصل ان کے دلوں میں بھی جو یہ بات آئی ہے، وہ ہمارے نظریات کی تبدیلی ہی کا نتیجہ ہے؛ ورنہ ان کے دلوں میں بھی یہ بات ہرگز نہ آتی۔

## ہمارے اکابر نے بھی تن خواہ لی ہے

خود حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس زمانے میں مظاہر میں پڑھاتے تھے

تو آپ تن خواہ لیتے تھے۔ ان کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تن خواہ لیتے تھے۔ ہمارے تمام اکابر نے تن خواہ لی ہے۔

## مفت کام کرنا اخلاص کی دلیل نہیں

تن خواہ لینا یہ کوئی جرم نہیں ہے اور نہ یہ اخلاص کے منافی ہے، اور مفت کام کرنا کوئی اخلاص کی گارنٹی نہیں ہے، یہ ضروری نہیں کہ مفت کام کرنے والے مخلص ہی ہوں؛ ورنہ تو پھر حدیث میں یہ بھی ہے کہ: اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے والے مال دار لوگ اور ایسے ہی وہ عالم جو مفت میں دین کی خدمت انجام دیتا ہے، کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بلایا جائے گا، پھر اس بنیاد پر کہ ان کے نزدیک اپنے کاموں سے شہرت مقصود تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جہنم میں ڈال دیں گے(۱)۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: ان کا یہ نظریہ غلط ہے؛ لیکن ہمارے غلط نظریات کے غلط اثرات ہم پر بھی پڑتے ہیں اور دوسروں پر بھی پڑتے ہیں؛ اس لیے ہمیں اس نظریے سے اپنے آپ کو دور کرنا ہے، اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر ان خدمات کو انجام دینے کی ضرورت ہے۔

## اللہ کے احکام اللہ کے بندوں تک پہنچانا علماء کا فریضۂ منصبی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ علم عطا فرمایا ہے، اس علم کی نسبت سے ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ، ہم اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنْ قَاتَلَ لِلرِّیَاءِ وَالسُّمْعَةِ اسْتَحَقَّ النَّارَ.

کو، دین کے احکام کو لوگوں تک پہنچائیں؛ اس لیے کہ علم کے دو ہی حق ہیں: پہلا حق یہ ہے کہ: اس علم پر ہم خود عمل کرنے کا اہتمام کریں، اور دوسرا حق یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچائیں۔

## تبلیغ کا غرضِ تعلیم ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے

آپ احادیث کا مطالعہ کر لیجیے، ہر جگہ ان ہی دو چیزوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے: عبد القیس کا وفد آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہی کہا(۱)۔ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ آئے تھے، اور بیس روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہی نصیحت کی(۲)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کون ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سیکھے، عمل کرے اور ایسے لوگوں کو بتلائے جو عمل کرنے والے ہوں(۳)۔

بہرحال! احادیث کا آپ مطالعہ کریں گے تو ہر جگہ علم کے یہی دو تقاضے ہم کو ملیں گے: پہلا تقاضا یہ ہے کہ اس علم پر ہم خود عمل کرنے کا اہتمام کریں، اور دوسرا تقاضا یہ ہے کہ: اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچائیں۔

---

(۱) وفدِ عبد القیس کو احکامِ اسلام سے آگاہ کرنے کے بعد فرمایا: احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ.
(صحیح البخاری، عن ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الإِيمَانِ)

(۲) اس وفد کو بھی ضروری علوم سے آراستہ کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا. (صحیح البخاری، مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ، باب بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ لِمَنْ شَاءَ)

(۳) سنن الترمذی، باب مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ، رقم الحدیث: ۲۴۷۵.

# علماء اپنے علاقے کے مسلمانوں کی علمی تشنگی مٹانے کی کوشش کریں

تو اس علم کی نسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں، ان ذمہ داریوں میں سے یہ ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر رہتے ہوئے اس جگہ کے مسلمانوں کی علمی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کریں۔

# یہ کرم نہیں تو کیا ہے

دیکھو! آپ میں سے بہت سے لوگوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر نہیں کیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں یہ موقع عطا فرمایا اور بے شمار ملکوں میں جانا ہوا؛ لیکن ہمارے ہندوستان میں اور ہندوستان میں بھی خاص کر کے ہمارے گجرات کے اس علاقے میں جو دین کی بہار ہے، مکاتب کے سلسلے ہیں، مدارس کے سلسلے ہیں، خانقاہیں ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام ہے، یہ ساری دینی خدمات انجام دی جارہی ہیں، ہم دوسرے علاقوں میں جا کر دیکھیں گے تو زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ یہ ہمارے اکابر کی ان محنتوں کا نتیجہ ہے جو انھوں نے انجام دیں۔

# ہندوستان پر انگریزی تسلُّط اور ہمارے اکابر کی کوشش

اس ملک پر سے جب اسلامی حکومت ختم ہوئی اور انگریز نے اپنا تسلُّط جمانا شروع کیا، تو ہمارے اکابر نے سب سے پہلے تو انگریز کو یہاں سے ہٹانے کے لیے باقاعدہ مسلح جدوجہد فرمائی، شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے انگریزوں سے

مسلّح جہاد کیا۔ اسی طرح وہاں کیرانہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مسلّح جد و جہد کی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور نہیں تھا؛ اس لیے ان کو اس میں ناکامی ہوئی، اور انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ہم بزورِ قوت انگریزوں کو یہاں سے ہٹا نہیں سکتے، تو ان حضرات نے دوسری نہج سے اس کی کوشش کی۔

## انگریزی ریشہ دوانیوں سے اسلام اور اہلِ اسلام کی حفاظت کے لیے دار العلوم دیوبند کا قیام

ان حضرات نے باہم مل کر مشورہ کیا کہ: اس ملک میں اسلام اور اہلِ اسلام کی بقاء کے لیے کیا شکلیں اختیار کی جائیں؟ چناں چہ مشورہ میں یہ طے ہوا کہ ایک ادارہ قائم کیا جائے، اور وہ ادارہ ایسا ہو جس کا بقاء حکومت کے اوپر موقوف نہ ہو، عوام کے تعاون سے چلنے والا ہو، اس کے نتیجے میں دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ چندے کی شکلیں سامنے آئیں، اصولِ ہشت گانہ میں جو تکثیرِ چندہ ہے، اس کا مقصد صرف اتنا ہی ہے۔

## ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کا قیام اور اس کا نظامِ بقاء

آج کل تو اس تکثیرِ چندہ کو لفظی معنیٰ میں رکھ کر کے اہلِ مدارس اس میں اب الگ سے لگ گئے ہیں، حالاں کہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ ادارے حکومت پر موقوف نہ ہوں؛ اس لیے کہ حکومت پر موقوف رہیں گے تو حکومت گئی تو ادارے بھی ختم ہو جائیں گے۔ آج دوسرے ممالک کا حال دیکھ لیجیے کہ وہاں دینی خدمات انجام دینے والے ادارے نہیں ہیں۔ ہمارے اکابر نے جو یہ سلسلہ شروع کیا، یہ ان کی بڑی بالغ نظری،

دور اندیشی اور دور بینی کی بات تھی، کہ انھوں نے اس عوامی چندے سے یہ سلسلہ شروع کیا، کہ ہماری حکومت رہے یا نہ رہے، ہم اپنے اسلام اور ایمان کو باقی رکھنے کے لیے جو سلسلے شروع کریں گے، وہ حکومت کے رہینِ منت نہیں ہوں گے، بس عوام کے تعاون اور چندے پر اکتفا کریں گے۔

چناں چہ آج ڈیڑھ سو، دو سو سال ہو گئے اور یہ ادارے بڑھتے ہی جا رہے ہیں، اور ان ہی بڑے مدارس کے ماتحت مکاتب کا یہ سلسلہ بھی چل رہا ہے۔ مکاتب کا یہ سلسلہ اس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

## اسلامی ممالک میں بھی علومِ دین کی نشر و اشاعت علمائے ہند کی رہینِ منت ہے

ہم نے تو بہت سے ممالک کا سفر کیا اور بہت سے اسلامی ممالک میں بھی گئے، وہاں کا مکاتب کا یہ نظام نہیں ہے۔ وہاں کا حال یہ ہے کہ وہاں حکومت کی ماتحتی میں اسکول چلتے ہیں، وہاں اسکول کو بھی مدرسہ ہی کہتے ہیں، اس میں مختلف موضوعات پر تعلیم دی جاتی ہے، ان میں ایک موضوع قرآن بھی ہوتا ہے۔ ان اسکولوں اور مدارس میں پڑھنے والے اکثر بچے وہ ہوتے ہیں جو قرآن پڑھنا جانتے نہیں ہیں۔ اللہ جزائے خیر دے ہمارے سلسلے کے ان علماء کو جنھوں نے سعودیہ کے اندر جا کر کے آج سے چند سال پہلے تحفیظِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا، اور ان کے اس عمل کو دیکھ کر وہاں رہنے والوں کو بھی غیرت آئی، اور وہاں انھوں نے بھی اپنی مختلف بستیوں کے اندر جماعتوں کو پابند

کیا اور جماعتوں نے یہ سلسلے شروع کیے، وہاں بھی پڑھانے والے اور محنت کرنے والے تو ہمارے ہی علماء ہیں، وہاں کے علماء تو اس کے لیے بھی میسر نہیں ہوتے، وہاں جو کام کرتے ہیں، ان سے پوچھ لیجیے۔

## مدارس ومکاتب کا نظام چلانے اور اس کی بقاء اہل علم کے ذمہ ہے

بہرحال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے اکابر کو یہ سعادت عطا فرمائی اور ان کے صدقے میں ہم کو اس کام میں لگایا، اور دین کی بقاء کے جو سلسلے ہیں ان سلسلوں کو ہم سنبھال رہے ہیں۔ بقاء کے ان سلسلوں میں دعوت وتبلیغ کا جو سلسلہ ہے، وہ تو ایک الگ نظام ہے جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے لیے قائم کیا، اور جس میں عوامی انداز میں کام کیا جاتا ہے؛ لیکن ایک دوسرا سلسلہ جو اس سے بھی پہلے ہمارے اکابر قائم کر چکے تھے، وہ مدارس اور مکاتب کا سلسلہ ہے، اس کا قیام اہلِ علم کے اوپر موقوف ہے، عوام پر نہیں، اور اس کو باقی رکھنے کی ذمہ داری بھی اہلِ علم کی ہے، اس کو چلانے کی ذمہ داری بھی اہلِ علم کی ہے۔

## علم کی قسمِ اول: فرضِ عین کی تفصیل

اس میں کیا ہوتا ہے؟ ایک مسلمان کو بہ حیثیت مسلمان کے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے، جس کو ہم علم کی دو قسموں میں سے پہلی قسم ''فرضِ عین'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور ایک دوسری قسم ''فرضِ کفایہ'' ہے۔ فرضِ عین کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جن کا جاننا ہر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بحیثیت مسلمان کے جب تک وہ

ان امور کی معلومات حاصل نہیں کرے گا، وہ ایمان واسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ جب کوئی بچہ بالغ ہوتا ہے- چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی -تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز فرض ہوجاتی ہے، روزہ فرض ہوجاتا ہے، اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، صاحبِ استطاعت ہے تو حج بھی فرض ہوجاتا ہے؛ تو یہ عبادات آدمی پر اس کے بالغ ہوتے ہی عائد ہوجاتی ہیں، ان میں پہلی جو دو عبادتیں بتلائی گئیں، وہ تو ایسی ہیں جو ہر ایک پر فرض ہیں، کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں، ان عبادتوں کی ادائیگی کے لیے جن جن مسائل سے واقفیت ضروری ہے، اس میں طہارت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ اسی طریقے سے معاشرت یعنی اس پر ماں باپ کے، میاں بیوی کے، بھائی بہن کے، رشتہ داروں کے جو آپسی حقوق ہیں، ان کو معلوم کرنا ضروری ہے، بہ حیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کے لیے ضروری اور بنیادی عقائد کو جاننا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کو اولین درجہ حاصل ہے، اولین درجے میں اسی کو سیکھا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو آدمی کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا، تو یہ عقائد اور عبادات، خصوصاً نماز روزہ، ان کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

قرآن ہماری بنیادی کتاب ہے، اس کو سیکھنا، دیکھ کر پڑھنے کی صلاحیت حاصل کرنا، اس کے اتنے حصے کو حفظ کرنا جس کو نماز میں پڑھا جاسکے اور اس کو صحیح طریقے سے تجوید کے ساتھ پڑھنا۔

پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ معلومات جو مجموعی طور پر عام معلومات کی حیثیت سے

ضروری ہے۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ایک مسلمان کے لیے بہ حیثیت مسلمان کے ضروری ہیں۔

## مکاتبِ دینیہ کے قیام کا مقصد

ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے اکابر نے ان مکاتب کا سلسلہ جاری فرمایا ہے، کہ ہر بستی کے اندر ایک مکتب کا نظام ہو اور وہاں ہر مسلمان کے ہر بچے کو اس میں لاکر ان امور سے واقف کرایا جاسکے، کوئی مسلمان بچہ بھی ایسا نہ ہو جو اس تعلیم سے محروم رہے، بس سب بچے آویں اور ان کو دین کی ضروری معلومات سے آراستہ کیا جائے۔ جب یہ ضروری چیزیں اس کے علم لائی گئیں تو اس کا ایمان اب محفوظ ہوگیا۔

مسلمانوں کے ان بچوں کے عقائد بھی درست کرنے ہیں، ان کو صحیح عقائد کی تعلیم دینی ہے، اسی کے لیے ''تعلیم الاسلام'' کا پہلا حصہ ہے کہ: تم کون ہو؟ یعنی بہ حیثیت مذہب کے تمھارا نام کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ: میں مسلمان ہوں۔

## جس جگہ دفن ہے اسلاف کی تہذیب جنوں

ابھی رمضان کے بعد ہمارا ''ازبکستان'' کا سفر ہوا تھا، وہ بخارا اور سمرقند کہ جہاں سے پورے عالمِ اسلام کو احادیث کے معتبر ذخائر ملے تھے، وہاں آج کے جو جوان ہیں اور آج کے جو بچے ہیں، ان کو کلمہ تک یاد نہیں ہے۔ یاد ہونا تو دور کی بات ہے، ہم جب ان کو پڑھاتے ہیں کہ پڑھو: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، تو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تو

کسی طرح پڑھ لیتے ہیں؛ لیکن مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ ان کی زبان پر چڑھتا بھی نہیں۔ آج وہاں مدارس و مکاتب نہ ہونے کی وجہ سے وہ علاقے محروم ہیں، ان مناظر کو دیکھ کر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

## مکاتب کے قیام کا اولین مقصد: عقائد کی درستگی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ چیزیں عطا فرمائی، اس پر جتنا شکر ادا کریں، کم ہے۔ تو ایک تو عقائد ہیں کہ عقیدے کی درستگی کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے لیے ہمارے یہاں ''تعلیم الاسلام'' کا پہلا حصہ ہے، یا ''بہشتی ثمر'' میں جو ابتدائی عقائد ہیں، یا جہاں جہاں اس مقصد کے لیے جو جو چیز بھی داخل کی گئی ہے؛ تو ایک چیز تو عقائد کی درستگی ہے۔

## مکاتب کے قیام کا دوسرا مقصد: صحت کے ساتھ قرآن کی ناظرہ خوانی

دوسرا: قرآنِ پاک کو صحیح پڑھنا آجاوے، قرآنِ پاک کے الفاظ کا علم یعنی صحت کے ساتھ ناظرہ پڑھنا سیکھ لے۔ ہمارے یہاں مدارس اور مکاتب کے اندر قدیم زمانے سے الحمد للہ! یہ سلسلہ جاری ہے؛ لیکن صحت کا وہ التزام جو اس زمانے میں ہے، پہلے نہیں تھا۔ ہم لوگ جب ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ہمیں یوں کہتے ہیں کہ یہ آپ گجرات والوں کی دَین ہے کہ قرآن کو صحیح پڑھنے کا یہ سلسلہ عام ہوا۔ اب اگر گجرات کی یہ دَین ہمارے ''بھروچ'' میں نہ آوے تو اس سے بڑی بدقسمتی اَور کیا ہوسکتی ہے!

## اللہ تعالیٰ کا فضل

اب تو الحمد للہ! ہمارے جو نئے فارغین ہیں، وہ بہترین قاری بھی ہیں۔ پہلے کوئی

تصوّر بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ہمارے ضلع ’’بھروچ‘‘ کے اندر ایسے عمدہ قاری پیدا ہو سکتے ہیں؛ لیکن اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر گاؤں میں ایسے قاری عطا فرمائے جو سبعہ، عشرہ کے ایسے اچھے قاری ہیں اور عام طور پر صحت سے پڑھنے والے تو سبھی ہیں۔

بہر حال! صحت کے ساتھ قرآن کو پڑھانا ہے، یہ دوسرا مقصد ہے۔

## مکاتب کے قیام کا تیسرا مقصد: احکامِ اسلام کی تعلیم

تیسرا مقصد احکام کی تعلیم ہے: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، پاکی، ناپاکی وغیرہ کے جو احکام ہیں، اور اس سلسلے میں بھی بہت سی کتابیں ہمارے یہاں پڑھائی جاتی ہیں۔

## مکاتب کے قیام کا چوتھا مقصد: اسلام سے متعلق عام معلومات

چوتھا مقصد: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور خلفائے راشدین اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق ضروری معلومات، تاریخِ اسلام سے متعلق کچھ باتیں، اور پھر عام اسلامی معلومات: مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ جاننا کہ اسلامی مہینے کون سے ہیں؟

## مکاتب کے نصابِ تعلیم میں مذکورہ امور کو شامل کرنے کی وجہ

ہمارے مکاتب کے نصاب میں ہمارے بزرگوں نے جو یہ چند چیزیں شامل کی ہیں، مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک بچہ جو مسلمان ہے، بحیثیت مسلمان کے جن معلومات کا حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے، وہ معلومات ان مکاتب کے ذریعہ سے ہم ان کو عطا کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں بھر پور محنت کرنی ہے۔

## تعلیمِ صبیان کے لیے ''اندازِ تعلیم'' کو سیکھنا بھی ضروری ہے

ان کو سکھانے اور پڑھانے کے لیے اندازِ تعلیم بھی سیکھنا ہے۔ دیکھیے! آج کل الحمدللہ! ہمارے گجرات میں بہت سے ایسے ادارے ہیں اور بہت سے ایسے اہلِ علم ہیں جوان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے کیا طریقہ اور انداز اختیار کیا جائے، اس کی بھی تربیت دیتے ہیں۔

## حالات کی تبدیلی مقاصدِ شرعیہ کو بروئے کار لانے کی شکل وصورت کی تبدیلی کی داعی ہوتی ہے

دیکھیے! ہر زمانے میں حالات کی تبدیلی اور لوگوں کے رجحانات کے بدلنے کے نتیجے میں ضرورت رہتی ہے کہ، حالات اور رجحانات کے اعتبار سے ایسی شکلیں اختیار کی جائیں، ایسے اسباب اور وسائل اختیار کیے جائیں کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دے سکیں۔ جیسے قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ [الأنفال:۶۰] اب ظاہر ہے کہ ''مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ'' اس زمانے کے اندر کیا ہوگا؟ تو ہر زمانے کے اعتبار سے شریعت کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے اسی زمانے کے مناسب اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

## سلسلۂ تعلیم صبیان میں بھی آسان طریقۂ تعلیم کی ضرورت ہے

جیسے تجارت کے معاملے میں نئی نئی شکلیں تجارت کو فروغ دینے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ رہائش کے سلسلے میں نئی نئی شکلیں رہائش کو بہتر سے بہتر بنانے اور اس

سے فائدہ اٹھانے کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔اسی طرح زمانے کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ہمارے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی شکل وصورت میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، کہ کس طرح آسان سے آسان اور بہتر سے بہتر طریقے سے ان کو دین کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ کیا جائے؟ اور اس کے لیے آپس میں ایک دوسرے کا تعاون اور تناصر کا سلسلہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ ہر ایک اپنے تجربات سے دوسرے کو واقف کرکے، اس کو بتلا کر کے اور اس کے تجربات سے خود فائدہ اٹھا کر کے اس سلسلے کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

## امورِ دین کی طرف سے ہماری بے اعتنائی

ہمارے یہاں بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کے لیے نورانی قاعدہ والا طریقہ اور فلانا طریقہ، مختلف اکابر کے مختلف طریقے ہیں جو اپنائے جاتے ہیں، اور یہ ساری چیزیں ماشاء اللہ پچھلے چند سالوں سے شروع ہوئی ہیں، اس سے پہلے قدیم فارغین اپنے انداز سے یہ کام کرتے تھے۔ اب جب یہ سلسلے شروع ہوئے اور ان حضرات کو بھی اس کی طرف متوجہ کیا گیا کہ آپ بھی ان سلسلوں کو اپنائیں اور پھر ان کو ان طریقوں سے واقف کرنے کی غرض سے کچھ مجلسیں منعقد کرنے کوششیں کی گئیں، تو انھوں نے اس کو اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھا۔

## خوب وناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز

ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ: ایک گاؤں کے اندر وہاں کے مدرّسین کے

لیے منتظمین نے یہ طے کیا کہ وہ طریقۂ تعلیم سیکھنے کے لیے جائیں، تو جواب میں ہمارے اہلِ علم نے کیا کہا؟ کہ: آج تک کیا میں ''جھک مارتا تھا'' یہ انداز ہمارا ہوتا ہے!!۔

## بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام

ایک مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا: سمجھ داری کی بات یعنی اچھی چیز مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں ملے گی، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے(۱)۔

بھائی! آپ کا قلم کھو گیا، آپ راستے سے جا رہے تھے اور دیکھا کہ آپ کا وہی قلم وہاں گرا ہوا ہے، تو کیا آپ اس کو اٹھانے کے لیے کسی کو پوچھیں گے؟ بلکہ فوراً جھپٹ کر لے لیں گے، اگر کوئی رکاوٹ ڈالے گا تو اس سے لڑیں گے۔ آپ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ میرا ہے، پھر کسی سے پوچھنا کیا معنیٰ رکھتا ہے!۔

## تیری فصاحت کے میں نثار

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری یہ رہنمائی فرما رہے ہیں، کیسی عجیب تشبیہ دی! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ''افصح العرب'' بتلایا تھا، تو عمدہ بات کو حاصل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس طرح کی اچھی باتیں، عمدہ چیزیں ہماری گم شدہ پونجی ہے۔ گویا یہ تو ہماری ہی چیز ہے، کسی دوسرے کے پاس پہنچ گئی تو کیا ہوا! ہم اس کو لیں گے، اس لیے جہاں کہیں نظر آئے تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، جھپٹ

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ.

کر کے لے لو۔

## شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندانِ مکتب سے

تو یہ پڑھنے پڑھانے کے مختلف طریقے اور انداز ہیں، ان کو بھی اختیار کرو، ہر ایک کو آزماؤ، چاہے نورانی قاعدہ والا طریقہ ہو یا کوئی اور، اس کو سیکھنے میں کتنا زمانہ لگتا ہے؟ چار، پانچ روز میں سیکھ لیں گے، ہم ان سبھی مختلف تعلیمی طریقوں کو مختصر وقت میں حاصل کر سکتے ہیں، پھر آپ ان مختلف طریقوں کو اپنے بچوں کی صلاحیت دیکھ کر اس کے مطابق پڑھائیں، آپ دیکھیں کہ فلاں بچہ اس طریقے سے اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو اس کو اس طریقے سے پڑھائیے، دوسرا اس طریقے سے نہیں چل سکتا تو اس کے لیے اس کے مناسب دوسرا طریقہ اختیار کیجیے۔ الغرض: آپ کو تو یہ شوق ہونا چاہیے کہ میں اپنے بچوں کو کسی بھی طرح پڑھاؤں؛ لیکن آج یہ مزاج ختم ہو گیا، آج تو کہتے ہیں کہ یہ کیا مصیبت ہے؟ جلدی جاوے تو اچھا! ہمارا ہی مزاج اگر ایسا بن جائے گا تو کیا ہوگا!

## تعلیمِ صبیان کے جدید طُرُق سے تو اہلِ دنیا بھی متنفر نہیں ہیں

یہ اسکولوں کے اندر بچے پرائمری کے اندر سات سال نکالتے ہیں، دس سال نکالتے ہیں، پھر سیکنڈری میں جاتے ہیں، پھر کالج میں جاتے ہیں، یونیورسیٹی میں جاتے ہیں اور اس کے بعد بھی پرائمری اسکولوں میں پڑھانے کے لیے بطورِ مُعلّم کے ان کو ملازمت ملتی نہیں ہے جب تک وہ (p.t.c) نہ کر لے، اور (p.t.c) میں بھی دو یا چار سال ہیں، اور اس میں بھی پھر سال بڑھا دیے گئے، اور اس کے بغیر وہ اس لائق نہیں

سمجھے جاتے کہ بچے ان کے حوالے کیے جائیں۔

## جب خضر اقامت پر ہو فدا، تائیدِ مسافر کون کرے!

اور ہمارے یہاں جب کسی مولوی کو سند مل گئی، اب اگر اس کو کہا جائے کہ بچوں کو پڑھانے کے لیے فلاں جگہ ترتیب سکھائی جاتی ہے اور اس کے لیے چار، پانچ سال کا کورس نہیں ہے، صرف پندرہ، بیس دن کا معاملہ ہے، ذرا شرکت کر لیجیے؛ تاکہ آپ کو یہ طریقہ آجائے، وہاں ہماری ''انا'' اور ہمارا غرور اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتا، کہے گا کہ: میں نے پڑھا ہے، مجھے دوسرا کیا سکھائے گا! جس کا ذہن یہ ہو، وہ کبھی بھی دین کی خدمت نہیں کر سکتا۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

ہمارے اکابر تو وہ تھے جو علم کا سمندر پیے ہوئے ہونے کے باوجود علم کی چیز کو بڑی رغبت سے سنا کرتے تھے۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ کسی علمی مجلس میں بیٹھے ہیں اور بولنے والا کوئی ایسی بات بولتا ہے جو آپ کو پہلے سے معلوم ہے تو بھی آپ اسی رغبت سے سنیے جیسے آپ پہلی مرتبہ سن رہے ہیں۔

## کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارہ

حضرت مفتی تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے ایک جگہ پر لکھا ہے کہ: ان کے والدِ بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ: کہیں مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے، اور کوئی عامی آدمی بیان کر رہا ہے تو

بھی حضرت بڑے اطمینان سے بیٹھ کر توجہ سے سنتے تھے، جیسے کوئی بڑا عالم تقریر کررہا ہو!۔

## ترے کام آئے عقبیٰ میں جو سیکھے کام، سیکھ ایسا

یہ علم کی قدر ہے، اگر ہم علم کی قدر نہیں کریں گے تو دوسرا کون کرے گا؟ ہمیں ان چیزوں کو، ان جدید طریقوں کو سیکھنے کی ضرورت ہے، طلبہ کو، بچوں کو آسان سے آسان انداز میں سیکھانے اور سمجھانے کے جتنے بھی طریقے ہیں، سب حاصل کرلو۔ ہر پڑھانے والے مُدرّس کی ذمہ داری ہے کہ ان طریقوں سے واقف ہوجائے۔

## جدید طُرُقِ تعلیم سے بچوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنا آسان تر ہے

آج کل ان بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے الحمدللہ ایسے ایسے طریقے ایجاد ہوئے ہیں، کہ ہم نے تو پہلے کبھی دیکھے اور سنے نہیں تھے، چوں کہ ہم کو اس لائن سے زیادہ مناسبت نہیں، پہلے دن سے دوسری لائن میں لگ گئے یعنی بڑے مدرسے میں پڑھانا شروع کیا، مکتب میں پڑھانے کی کبھی نوبت نہیں آئی؛ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ: بڑے ہی آسان اور عمدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جہاں جہاں ایسی ٹریننگ دی جاتی ہے، وہاں جانا ہوا، ہمیں بھی دعوت دی گئی کہ آپ علماء کو ترغیب دیجیے، تو وہاں کے لوگ بتلاتے ہیں کہ اتنا آسان طریقہ ہے کہ ہم زندگی بھر قدیم طریقے سے پڑھا رہے تھے، اس طریقے کو دیکھا تو تعجب ہوا کہ اتنے آسان طریقے سے بھی بچوں کو پڑھا سکتے ہیں اور ان کے دل ودماغ میں یہ چیز ڈال سکتے ہیں۔

## شیخِ مکتب کے طریقوں سے کُشادِ دل کہاں

اس لیے میں آپ تمام سے کہوں گا کہ: ایسے طریقے ہمیں اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لینے چاہیے۔ بچوں کی تعلیم کے لیے جس قدر سہل اور آسان طریقہ اختیار کیا جائے گا، وہ زیادہ مفید اور کار آمد ہوگا، وقت بھی مختصر، محنت بھی کم اور کام بھی ہو جائے گا۔ تو جدید طریقے جو بہتر سے بہتر اور آسان سے آسان ہو، اس کو اختیار کیا جائے، پرانے، گھسے پٹے طریقے کو گلے سے لگا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## جو کام محبت سے ہوتا ہے، وہ سختی سے نہیں ہوتا

دوسری چیز یہ کہ بچوں کو محبت سے پڑھایا جائے، حقارت آمیز خطاب سے بچنا چاہیے، بعض تو گالیاں بھی بولتے ہیں- نعوذ باللہ- سامنے قرآن رکھا ہوا ہے اور گالیوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ گالی بولنے کو تو حدیث میں منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے(۱)۔ پٹائی کا ایک زمانہ تھا، ہم نے اور آپ نے بھی عربی اول میں ایک کتاب پڑھی تھی ''مفید الطالبین''، اس میں جملہ پڑھا تھا: الماءُ لِلصِّبيانِ كَالماءِ في البُستانِ؛ لیکن اس کو بھول جائیے، اب وہ زمانہ نہیں رہا۔

---

(۱) اس سلسلے میں یہ حدیث کتبِ احادیث میں وارد ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

## ہجوم کیوں ہے شراب خانے میں

آپ اسکولوں میں دیکھیں گے، وہاں چھوٹے بچوں کی جونرسری ہوتی ہے، اس میں بچوں کو ایسی محبت سے پڑھاتے ہیں۔ ایک صاحب مجھے آ کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! دیکھو نا! یہ انگریزی پڑھانے والے کیسی محبت سے پڑھاتے ہیں، کیسا سلوک کرتے ہیں کہ بچے وہاں جانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور ہمارے مولانا لوگ بچوں کو ایسا ڈرادیتے ہیں اور مائیں بھی ان کو ڈرانے کے لیے کہتی ہیں کہ ''مولانا آئے''، ڈرانے کے لیے پولیس کا نام لیا جاتا ہے، کتے اور بلی کا نام لیا جاتا ہے، اس میں مولوی صاحب کا بھی ایک اضافہ ہے۔

خیر! مَیں نے اس کو تو اپنے طور پر جواب دے دیا کہ: وہ بچوں کو جو اس محبت سے پڑھاتے ہیں تو اس پر ایک ایک بچے کی دس دس ہزار فیس لیتے ہیں؛ لیکن بے چارہ مولوی پورے مہینے کی تنخواہ دو، ڈھائی ہزار لیتا ہے، پھر بھی اخلاص کے ساتھ پڑھاتا ہے۔ یہ تو اس کو جواب دیا، یہ میں آپ کو سیکھا رہا ہوں کہ: آپ اپنا دفاع بھی کریں؛ لیکن آپ کے سامنے جب بولیں گے تو دوسرا انداز اختیار کرنا پڑے گا۔

## بچوں کے چھوٹے ہاتھوں کو چاند ستارے بھی چھونے دو

خلاصہ یہ کہ بچوں کو محبت کے ساتھ اس طرح پڑھایا جائے کہ وہ شوق اور رغبت سے دوسرے دن مدرسہ آنے لگے، وہ مدرسے میں آنے کو جیل خانے میں آنے کی طرح نہ سمجھے، کہ کسی قیدی کو پیرول پر چھوڑا گیا تھا اور پیرول کے دن جب ختم ہوئے اور جانے

کا وقت آیا تو مجبوری کے ساتھ، رنج وغم کے ساتھ جاتا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ایسا سلوک کریں کہ بچہ انتظار کرے کہ کب مدرسہ کا وقت ہوگا اور کب میں مدرسہ جاؤں گا۔

## بچوں کو طعن وتشنیع کرنے سے گریز کریں

اور بچوں کو جو کڑوے جملے بولتے ہیں، اس سے تو اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ: اگرچہ اس کا شانِ نزول کوئی مخصوص آدمی ہو؛ لیکن ”العِبرۃُ لِعُمومِ اللفظِ لا لِخُصُوصِ المَوْرِدِ“ تو قرآن تو کہتا ہے کہ: ہر لُمزہ اور ہُمزہ کے لیے ہلاکت ہے؛ اس لیے ہمیں اپنی زبان کو اس طرح کا عادی بنانا، یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ہم جو بولیں گے، ہمارے ان بول کے ذریعہ ہی بچے بولنا سیکھیں گے؛ اس لیے ان کو غلط طریقے نہ سکھائیں۔ بچوں کی تعلیم کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ بچے مانوس ہوں۔

## ہماری ایک بری عادت

وقت کی پابندی کریں۔ یہ نہیں کہ ایک تو پانچ، دس منٹ دیر سے آرہے ہیں، پھر باہر کھڑے بھی رہیں گے۔ ہمارے بہت سے علاقوں میں تو باہر کھڑے رہ کر بیڑی بھی پی لیں گے، بچے بھی دیکھ رہے ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جس زمانے میں ہم بخاری پڑھتے تھے تو زیادہ تر ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی! ہم حج میں گئے تو یہ آپ کے بھروچ والے تو وہاں منیٰ میں بھی بیٹھے بیٹھے تمباکو کی بیڑیاں بنا کر پیتے رہتے تھے۔ حضرت مجھے یہ

فرماتے تھے! ہمارا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

## بچوں کو غلط چیزوں کا پیغام نہ دیں

خدانخواستہ اگر بیڑی پینے کی عادت ہے تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ سب کے سامنے پی جائے؛ بلکہ چھپ چھپا کر پی جائے، ایک جرم سمجھ کر پی جائے۔ بچوں کے سامنے اس طرح بیڑی پینا گویا بچوں کو بھی اس برائی کا عادی بنانا ہے، اس کی شناعت اور قباحت کو ان کے دلوں میں سے ختم کرنا ہے۔

## تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو!

بہرحال! بچوں کو محبت، ہمدردی، خیر خواہی کے ساتھ پڑھائیں۔ ہمارے بچپن میں ہمارے جو اساتذہ رہے۔ ہمارے مولانا محمد صاحب یہاں موجود ہیں اور ان کے ہم عصر ہمارے علاقے کے جو قدیم فارغین تھے، وہ ایسی ہی محبت کے ساتھ پڑھاتے تھے، حالاں کہ اس زمانے میں پٹائی کو کوئی برا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کے باوجود وہ ایسی محبت، ہمدردی اور دل سوزی سے پڑھاتے تھے کہ گویا وہ چاہتے ہوں کہ یہ علم بچوں کے دل و دماغ میں اتار دیں، گھول کے پلا دیں۔ یہ جذبہ ہونا چاہیے، جب تک یہ جذبہ نہیں ہوگا، وہاں تک بچوں کو علم آنے والا نہیں ہے۔

## ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

آج کل دیہاتوں کے اندر مکاتب اور مدارس میں کام کرنے والے ہمارے علماء اور اساتذہ میں ایک کمزوری یہ بھی آ گئی ہے۔ پہلے کیا تھا کہ یہ مکاتب میں کام

کرنے والے علماء گاؤں کی ہر چیز کی ذمہ داری اپنی سمجھتے تھے، شادی بیاہ کے موقع پر لوگوں کی رہنمائی کرنا، غمی کے موقع پر ان کی رہنمائی کرنا، عید آئی تو اس موقع پر رہنمائی کرنا، جیسا جیسا موقع ہوتا، اس کی مناسبت سے رہنمائی کرتے تھے، یہ مناسب رہنمائی ہر عالم اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا، لوگوں کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے، لوگوں میں گھلے ملے رہتے تھے اور ہر موقع پر ان کی رہنمائی کرتے تھے۔

## ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے

اب کیا ہو گیا؟ ہم نے اپنا کام دوڈھائی گھنٹے تک محدود کر دیا۔ اس کے بعد گاؤں میں کیا ہو رہا ہے؟ شادی بیاہ میں کیا رسمیں اور رواج بڑھتے جا رہے ہیں؟ شریعت کے خلاف کیا کام ہو رہے ہیں؟ اس سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں۔ ہم نے اپنا مزاج یہ بنا لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی برائیاں پھیل رہی ہیں کہ اللہ کی پناہ!

## جب علم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا

حالاں کہ عالم کی ذمہ داری کیا ہے؟ بخاری شریف میں واقعہ ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب مدینہ منوّرہ کا آخری سفر ہوا تو ایک مرتبہ وہ اپنی قیام گاہ سے مسجدِ نبوی تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک چٹیا پڑی ہوئی دیکھی۔ بعض عورتیں مصنوعی بالوں کی چٹیا بنا کر زینت کے لیے سر میں لگاتی ہیں، کسی عورت کی چٹیا گر گئی ہوگی۔ آپ کا جو شُرطی تھا: سپاہی، اس نے اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دی۔ آپ یہ چٹیا ہاتھ میں لیے ہوئے مسجدِ نبوی میں آئے اور منبرِ نبوی میں جا کر، لوگوں کو دکھلا کر فرمانے لگے: أَيْنَ

عُلَمَاؤُ کُمْ؟(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پوچھ رہے ہیں کہ: تمھارے علماء کہاں ہیں؟ وہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر علماء نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی۔ فرماتے ہیں کہ: میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی مسلمان عورت ایسی حرکت کر سکتی ہے، یہ تو یہودیوں کا کام ہو سکتا ہے! ہم جس بستی کے اندر خدمت انجام دے رہے ہیں، اس بستی کی ساری دینی ذمہ داریاں: اس کے معاشرے کو ٹھیک کرنے کی، ان کے اخلاق کو درست کرنے کی، ان کے معاملات کو ٹھیک کرنے کی، ان کی نمازوں اور عبادات کو ٹھیک کرنے کی؛ ساری ذمہ داری آپ کی ہے۔

## وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے

آج کل الحمد للہ دعوت وتبلیغ کا کام ہو رہا ہے اور وہ احباب اپنا کام کر رہے ہیں؛ لیکن ان کا کام ایک محدود پیمانے پر ہوتا ہے۔ بہ حیثیت عالم کے ہمارا جو کام ہے، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہمیں لوگوں کو مسائل بھی بتانے ہیں اور جو غلطیاں ان میں پائی جاتی ہیں، ان پر بھی ان کو آگاہ کرنا ہے، ٹوکنا ہے اور ان غلطیوں کو دور کرنا ہے، رسم رواج کو ختم کرنا ہے اور گناہوں کی عادتیں چھڑوانی ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں اہلِ علم جب تک پوری دل بستگی کے ساتھ، توجہ کے ساتھ نہیں لگیں گے، وہاں تک یہ ہوگا نہیں۔

## بخارا اور سمرقند کی تباہی کی چشم دید کہانی

آج عوام سے علماء کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ جامعہ حسینیہ راندیر میں ہمارے پڑھنے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ الوَصْلِ فِي الشَّعَرِ.

کے زمانے میں حضرت مولانا حسین بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس کے بعد تو حضرت دیو بند تشریف لے گئے تھے اور پھر دیو بند سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔ میں تو اشرفیہ میں پڑھتا تھا؛ لیکن ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا، بڑی محبت فرماتے تھے، انھوں نے ایک بڑی عمدہ بات فرمائی کہ: مولوی صاحب! جس زمانے میں بخارا اور سمرقند میں کمیونزم آیا۔

## کمیونزم کا بھوت

یہ کمیونزم اب تو دنیا سے تقریباً ختم ہو گیا؛ لیکن جب کمیونزم کا نظریہ نیا نیا آیا تھا تو اس کا بڑا دبدبہ تھا اور ساری دنیا پر وہ مسلّط ہونا چاہتا تھا، اور لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے تھے۔ بخارا اور سمرقند کی حکومتیں ختم ہوئیں اور ان ممالک میں کمیونزم نے اپنا تسلّط جمایا، تو اس وقت بخارا اور سمرقند کے اندر علماء کی کمی نہیں تھی۔

## عوام سے رابطہ ختم کرنے کا عبرت ناک انجام

انھوں نے جو بات مجھے کہی تھی، وہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت بخارا اور سمرقند کے اندر علما کی کمی نہیں تھی، بڑے بڑے علماء موجود تھے؛ لیکن وہ سب اپنے خول میں بند تھے، یعنی وہ یوں سمجھتے تھے کہ کسی کو فائدہ حاصل کرنا ہو تو وہ ہمارے پاس آویں، ہم کسی کے پاس کیوں جاویں! عوام کے ساتھ ان کا رابطہ نہیں تھا، عوام سے کٹے ہوئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کمیونسٹوں نے عوام کو ان کے خلاف بھڑکا دیا اور ان کو باقاعدہ برسرِ عام پھانسیاں دی گئیں اور جن کو جان بچانی تھی تو ہمارے جیسے سینکڑوں بھاگ کر کے ہجرت کر گئے،

اور سینکڑوں میل کا سفر پیدل طے کرکے کشمیر کے راستے سے یہاں ہندوستان میں آئے۔

## عوام کے ساتھ گھلنا ملنا دین کی خاطر ہو

پھر عوام کے ساتھ رابطہ رکھنا اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا دین کے لیے ہو، دین کو فروغ دینے کے لیے، دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے، دینی اخلاق، دینی اقدار اور معاشرت کو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو ان حضرات تک پہنچانے کی نیت سے عوام کے ساتھ جُڑے رہیں، اپنی غرض کے لیے نہیں۔ آج بہت سے علماء اپنی اغراضِ دنیویہ کے لیے عوام کے ساتھ گھلے ملے ہوئے ہیں، یہ گھلنا ملنا مُضر ہے، وہ گھلنا ملنا مفید ہے جو دین کے لیے ہو۔ ہمیں ان کے اخلاق درست کرنے ہیں، ان کے معاملات درست کرنے ہیں، ان کی عبادات درست کرنی ہیں، ان کی معاشرت درست کرنی ہیں، اس کے لیے ان کے اندر گھسیں، ان کو بتائیں، مانوس کریں۔ جب تک ہم اس کی فکر نہ کریں، وہاں تک ہمارا معاشرہ ٹھیک ہونے والا نہیں ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

معاشرتی اعتبار سے بہت ساری سماجی برائیاں ہوتی ہیں، وہ دھیرے دھیرے آتی ہیں اور پھر وہ جڑ پکڑ لیتی ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے اہلِ علم ہیں اور سماج کے جو دوسرے ذمہ دار حضرات ہیں، دونوں مل کر کمیٹیوں کی تشکیل دی جائے۔

## خلافِ شرع امور کو دور کرنے کی بعض اہلِ علاقہ کی مساعیٔ جمیلہ

ہمارے یہاں بعض علاقوں میں ''اصلاحِ معاشرہ'' کے عنوان پر ہماری بڑی بڑی جماعتوں کی طرف سے یہ سلسلے شروع کیے جاتے ہیں، اور بہت سی جگہ اس طرح کی

کمیٹیاں بنا کر کے لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا جاتا ہے، اور جہاں پتہ چلتا ہے کہ فلاں کے یہاں شادی ہونے والی ہے اور وہاں بہت سے خلافِ شرع امور انجام دئے جانے والے ہیں، اور بہت اسراف، فضول خرچی ہونے والی ہے، تو پہلے ہی ان کے پاس جا کے، ان سے ملاقاتیں کر کے اور شریعت کی روح اور تعلیمات سے آگاہ کر کے ان کو ترغیب دے کر آمادہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے تو کہتے ہیں کہ: ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔

اس طرح کے سلسلے بھی معاشرے کی برائیوں کو دور کرنے کے لیے قائم ہونے چاہیے۔ بڑے علماء کی خدمات کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ جہاں جہاں یہ کام انجام دیے جانے والے ہوں، ان کام انجام دینے والوں سے رابطہ قائم کر کے بڑے علماء کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر مناسب تدبیریں ان برائیوں کو دور کرنے کے سلسلے میں اختیار کی جائیں، بڑے علماء سے بیانات کروائے جائیں۔

## خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

آج امامت کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہو گیا، آپ کہیں بھی چلے جاؤ، کہیں بھی سنت کے مطابق قرأت نہیں ہوتی، یہ سب سے بڑے افسوس کی بات ہے، بس چند رکوع اور چند سورتیں ہیں، ان ہی کو پڑھتے رہیں گے، اور اگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا سیکھ کر کے آیا اور سنت کے مطابق قرأت کرتا ہے اور قوم بے چاری جانتی نہیں کہ یہ سنت قرأت ہے، تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے کہ یہ مولانا تو بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ اب وہ کہتا ہے کہ:

یہ سنت کے مطابق ہے، تو عوام دلیل پکڑتی ہے کہ یہ جو دوسرے مولوی لوگ نماز پڑھاتے تھے، وہ کیا کرتے تھے! گویا اُن کا عمل اِن کے لیے حجت ہے، عجیب معاملہ ہے! اور اِس کا عمل حجت نہیں ہے، یہ سب ہماری غفلتوں کا نتیجہ ہے۔

## ہم پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا ایک سبب

ہماری نماز سنت کے مطابق ہونی چاہیے۔ آج پوری پوری بستی کی نماز امام کی غفلت کی وجہ سے سنت کے مطابق نہیں ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں کہاں نازل ہوں گی۔ آج جو ہمارے یہاں یہ سب مصیبتیں آ رہی ہیں، ان کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے، اس کی طرف بھی اہلِ علم کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

## کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے

ساتھ ہی ساتھ سنتوں کو عام کیا جائے، اس کے اوپر عمل کا اہتمام کیا جائے، لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔

سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر کی حد تک تو شریعت کا کوئی حکم ہم سے ٹوٹنے نہ پائے، ہم خود سوفی صد شریعت کے مطابق عمل کرنے والے ہوں: ہماری نمازیں ایسی ہوں، ہمارے معاملات ایسے ہوں، ہماری معاشرت ایسی ہو، ہمارے گھر میں کوئی بھی کام شریعت کے خلاف ہونا نہیں چاہیے؛ اس لیے کہ اگر ایک چیز بھی ایسی ہوگی تو اس عالم کا وقار ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر دین کی کوئی بات عوام کے سامنے کہے گا تو عوام اس کو خاطر میں نہیں لائے گی، کہ خود آپ کے گھر میں تو ایسا ہو رہا ہے،

صرف ایک چیز خلافِ شرع ہوئی، اس نے اس کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ تو ہمیں اپنی ذات کی حد تک اور اپنے ماتحتوں کی حد تک بہت زیادہ سخت رہنے کی ضرورت ہے۔

## کس قدر تم پے گراں صبح کی بیداری ہے

آج ہم جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے، علماء کی بڑی تعداد وہ ہے جو ترکِ جماعت کی مرتکب ہے۔ ہمارے یہاں تو دارالافتاء میں سوالات آتے ہیں کہ: ہمارے یہاں مکتب کے اندر دس مُدرّس ہیں اور ہم نے امامت کے لیے ان میں باری مقرر کر رکھی ہے، تو جن مولوی صاحب کی باری ہوتی ہے، وہ تو فجر میں آتے ہیں اور اگر کسی دن وہ غیر حاضر رہ گئے تو باقی نو میں سے وہاں ایک بھی نہیں ہے۔ اب بتائیے! ایسے امام کے پیچھے نماز کیسی ہوگی؟ مکروہ ہی ہوگی! ہم نے یہ طریقے آج اپنا لیے ہیں۔ ہمارا حال تو یہ ہونا چاہیے کہ اذان سنتے ہی مسجد میں پہنچ جائیں؛ لیکن ہم گھروں کے باہر صحن میں بیٹھے رہتے ہیں، یہ اہلِ علم کی شان ہے؟ عوام پر اس کا کیا اثر مرتب ہوگا؟

## ہے جو مسلم، کام بھی تو درخورِ اسلام کر

یہ سب امور بہت زیادہ قابلِ اصلاح ہیں؛ لیکن یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم اہلِ علم اس کی طرف توجہ کریں۔ آپ جو حضرات یہاں کام کر رہے ہیں، ہر ایک، میں کسی کی ذات کو نشانہ نہیں بناتا اور نہ میں اپنے آپ کو پاک ظاہر کرنا چاہتا ہوں، ہم سب کو اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ ہم سب کی ذمہ داریاں ہیں۔

## تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو

جتنا اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہم ان کاموں کو انجام دیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کاموں میں آپ کی مدد فرمائیں گے اور برکت دیں گے؛ اس لیے ہر عالم اپنے اپنے طور پر ان چیزوں کا اہتمام کرے، ان چیزوں کے لیے محنتیں کرے۔ گھُپ اندھیرا ہو، اس میں ایک چھوٹا سا ٹمٹماتا چراغ بھی اگر جلائیں گے تو روشنی تو ہوگی ہی ہوگی، اور وہ کسی نہ کسی حد تک اندھیرے کو دور کرے گا، اگر ایسے دس چراغ جلائے جائیں تو بہت زیادہ روشنی ہو سکتی ہے۔

## مگر میرا فرضِ منصبی ہے چراغ پیہم جلائے جانا

ہر عالم اپنے آپ کو سو والٹ کا بڑا لیمپ نہ سمجھے، چھوٹا سا چراغ سمجھ کر تو کام کر سکتا ہے۔ میں یہ نہ سمجھوں کہ میں کوئی بہت بڑی روشنی پھیلا رہا ہوں؛ لیکن میں ایک چراغ تو جلا سکتا ہوں۔ اس طرح اگر کام کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکت سے یہ اندھیرا دور فرمائیں گے، اور اس کی برکات سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، اور اس سے ہمیں بھی فائدہ پہنچے گا اور معاشرے کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

## اے لا الٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں

آج دنیا میں برائیاں عام ہوتی جا رہی ہیں، اہلِ علم کو تو اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔ الیکشن کے موقع پر اور دوسرے مواقع پر خاندانوں میں جھگڑے ہوتے ہیں تو ان جھگڑوں میں بھی اہلِ علم پیش پیش ہوتے ہیں، ایک جاہل آدمی جو حرکت نہیں کرتا، وہ

عالم کر گذرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ہمارے منصب کے خلاف ہیں، ان سے ہمیں دور ہی رہنا ہے اور اللہ کے احکام کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھنا ہے۔

## طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

بہ قول حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے: لوگ کہتے ہیں کہ ماحول نہیں ہے، ماحول نہیں ہے! یہ ماحول کیا بارش کی طرح آسمان سے برسے گا؟ ماحول تو ہمیں بنانا ہے۔ اپنی ذات سے، اپنے گھر سے شروعات کیجیے۔ ہر آدمی یہ تہیہ کر لے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں، میرا گھر ٹھیک ہو جائے تو سب کے گھر اس طرح ٹھیک ہو جائیں گے اور ماحول خود ہی بن جائے گا؛ اس لیے ماحول کی خرابی کی شکایت فضول ہے۔

## کچھ خار تو کم کر گئے، گذرے جدھر سے ہم

آج ہمارے یہ جتنے بھی گاؤں اور بستیاں ہیں، وہ اہلِ علم کی توجہ نہ ہونے کی وجہ سے یتیم اور بے یار و مددگار ہو گئے، رہنمائی کی ضرورت ہے، احکام سے واقف کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ بتلاتے رہیے، دو آدمی بھی عمل کرنے والے مل جائیں گے تو آپ کی محنت اکارت نہیں ہو گی، اور اگر ایک بھی نہیں ملا تو بھی آپ کا اجر تو کہیں گیا ہی نہیں۔

## ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است

ایک اَور چیز یہ ہے کہ: ہر ایک کی استعداد، ہر ایک کا مزاج اور ہر ایک کی طبیعت الگ الگ ہوتی ہے، ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ﴾ [الإسراء: ۸۴] تجارت کرنے والوں میں تجارت کے انداز الگ ہوتے ہیں، ڈاکٹروں میں علاج معالجے کے انداز

مختلف ہوتے ہیں۔اسی طریقے سے ہم جو تعلیمی سلسلہ، دین کی خدمت کا سلسلہ لے کر چلے ہیں، ہر ایک کی استعداد، ہر ایک کے مزاج اور ہر ایک کی طبیعت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہر ایک ایک خاص انداز اختیار کرتا ہے۔اب اس کی طبیعت اسی کی طرف چل رہی ہے تو وہ اپنے انداز سے ضرور کام کرے؛لیکن دوسرا آدمی اگر دوسرے انداز سے کام کر رہا ہے تو ہمیں بھی اس کے اس کام کی قدر کرنی چاہیے،اس پر تنقید یا اس کی تنقیص یا اس کے کام کو گھٹانے کے لیے ہماری طرف سے کوششیں ہرگز نہ ہوں۔

## آپس میں موافق رہو، طاقت ہے تو یہ ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی بھی صلاحیت دی ہے، اپنی صلاحیت کا ایک حصہ بھی اس طرح کی حرکتوں میں ضائع کرنے کے بجائے، ہم جس کام کو لے کر چل رہے ہیں، اس کو ترقی دینے میں، اس کو فروغ دینے میں استعمال کریں۔

آج ہم یہ سوچتے ہیں کہ میں فلاں کو گراؤں گا تو اوپر آؤں گا۔یاد رکھو! کسی کو گرا کر ہم اوپر نہیں آسکتے، کسی کی تنقیص سے ہمارے کام میں ترقی نہیں آسکتی،فروغ نہیں مل سکتا۔دین کے کام کرنے والے سب حلیف بن کر رہیں،حریف نہ بنیں۔

## بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے، ہم ثواب وعذاب کیا جانیں

سیاسی جماعتیں جو ہوتی ہیں، وہ ایک دوسرے کی حریف اور مدِّ مقابل ہوتی ہیں، وہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اگر فلانی جماعت کو گرائیں گے تو ہم اقتدار میں آجائیں گے۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے، یہاں دنیا کا معاملہ ہے ہی نہیں، ہمیں تو اللہ سے لینا ہے،تو

جتنا زیادہ ہم کریں گے اللہ تبارک وتعالیٰ دینے والے ہیں، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے؛ اس لیے ہمیں اسی کے لیے کام کرنا ہے۔

## جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

الغرض! طریقۂ کار مختلف ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کی تنقیص نہیں کرنی چاہیے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ کوئی عالم دین کا کام کر رہا ہے، اپنے انداز سے کر رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے کام سے امت کو فائدہ پہنچائے، ہم اپنے انداز سے کر رہے ہیں۔ اس طرح جب آپس میں ایک دوسرے کا ادب واحترام اور ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں گے تو معاشرے میں اہلِ علم کا وقار اور ان کی عزت باقی رہے گی، اور اگر ہم اس طرح تنقید اور تنقیص سے کام لیتے رہیں گے تو ہمارا اہلِ علم کا وقار ختم ہو کر کے دینی چیزوں کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ایک طرح کی نفرت سی پیدا ہو جائے گی۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا(۱): دین کے کاموں کو انجام دینے میں ایسی شکلیں اختیار نہ کی جائیں جو لوگوں کو دین کی طرف سے متنفر کرنے کا ذریعہ بنتی ہوں۔

## ایک مثال سے تفہیم

میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ: دیکھو! ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں، ہماری شریعت شریعتِ محمدیہ ہے، دوسرے انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں؛ لیکن

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ، بَابٌ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالاِخْتِلاَفِ.

اس کے باوجود ہمارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ ہم اگلے تمام نبیوں پر ایمان نہ لائیں تو عمل اگرچہ ہمارا شریعتِ محمدیہ پر ہے؛ لیکن ہمارا ایمان تمام نبیوں پر ہے۔ تو اپنا کام ہم اپنے انداز سے کریں گے۔ جس سے ہمارا تعلق ہے: جس ادارے سے، جس جماعت سے، اس کے مطابق کریں گے اور پھر ہر جماعت اپنے کام میں لگی رہے۔

## اپنے کام کا غلبہ تو ہونا چاہیے لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے

جیسے ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ: اپنے کام کا غلبہ تو ہونا چاہیے؛ لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے۔ غلو میں دوسرے کی تنقیص ہوتی ہے، دوسرے کو کمتر سمجھا جاتا ہے، اور غلبہ میں یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی جس چیز کو لے کر چل رہے ہیں، وہی چیز ہمارے دل و دماغ پر سوار رہتی ہے۔

## تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا

آپ جمعیت کی نسبت سے کام کرتے ہیں، آپ تبلیغی جماعت کی نسبت سے کام کرتے ہیں، آپ دوسرے کسی ادارے کی نسبت سے کام کرتے ہیں۔ جس پلیٹ فارم سے بھی آپ یہ خدمات انجام دے رہے ہیں، اس کا آپ کے دل و دماغ پر غلبہ ضرور ہو۔ غلبہ نہیں ہوگا تو آپ کام نہیں کرسکیں گے؛ لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے، یعنی یہ نہ سمجھے کہ میں ہی کررہا ہوں، دوسرا کوئی نہیں کرتا، یا میں جو کررہا ہوں وہی صحیح ہے، دوسرے کررہے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ چیز امت کو نقصان پہنچانے والی ہے؛ اس لیے اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

## ہاتھ سے جانے نہ دے اس موقعۂ زرّیں کو تو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو موقع عطا فرمایا، جو صلاحیتیں عطا فرمائی، علم کی شکل میں جو نعمت عطا فرمائی، ان سے فائدہ اٹھالو، آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کرلو، پھر یہ چیزیں ملنے والی نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# مفتیانِ کرام سے رہنما خطاب

بمقام: ڈربن (ساؤتھ افریقہ)

بوقت: ۸/٦/ ۲۰۱۳ء

# اقتباس

یہ شاہی القاب جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیے گئے، اس کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک تو پوچھنے پر بتانا۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: ایک آدمی عام مجمع کے اندر تقریر کرتا ہے، دین کی باتیں بتلاتا ہے اور لوگ سنتے ہیں۔ اب پتہ نہیں کتنے لوگ ہیں جو اس کو یاد رکھیں گے اور کتنے بھول جائیں گے! اور یاد رکھنے والوں میں سے کتنے ہیں جو اس پر عمل کریں گے اور کتنے ہیں جو عمل نہیں کریں گے! اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔

لیکن ایک آدمی آپ کے گھر پر آپ سے پوچھ رہا ہے کہ: فلاں مسئلے کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کا آکر کے آپ سے پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو بظاہر یہاں ایک آدمی پوچھ رہا ہے، استفادہ کر رہا ہے؛ لیکن یہاں یہ بات یقینی ہے کہ اس کا آکر کے پوچھنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا ارادہ عمل کرنے کا ہے؛ اس لیے یہ بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِي الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

وقال تعالىٰ: ﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ [النحل:۴۳]

**حضراتِ علماءِ کرام، مشائخِ عظام اور میرے مسلمان بھائیو!**

**حضرت مولانا سلیمان صاحب - اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے علوم میں خوب برکت عطا فرمائے - کی باتیں سن کر مجھے خود بھی بڑا فائدہ پہنچا، انشراح ہوا۔ نصیحت کے نام سے اب کچھ اور کہنے کی تو ضرورت ہے نہیں، البتہ آج کی مجلس کی مناسبت سے جو دو چار باتیں کہنے کو سوچ کر آیا تھا، اسی سلسلے میں کچھ عرض کروں گا۔**

## مسلمان کی پوری زندگی احکامِ الٰہی کے مطابق گذرنی ضروری ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ اس کی زندگی کی ہر حرکت وسکون اور اس کی زندگی کی ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو۔ چناں چہ ایک مسلمان کو روزمرّہ کی زندگی میں جو امور پیش آتے ہیں، ان سے متعلق مسائل سے واقفیت اس کے لیے ضروری ہے۔

## علمِ دین کے دو درجے

اسلام نے علم کے دو درجے بتائے ہیں: ایک تو ہے فرضِ عین، اور ایک ہے فرضِ کفایہ۔ فرضِ عین کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جن کا جاننا ہر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، جو آدمی کو روزانہ پیش آتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے، بحیثیت مسلمان کے جب تک وہ ان امور کی معلومات حاصل نہیں کرے گا، وہ ایمان واسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا، ہر مسلمان کے لیے اس سے واقفیت ضروری ہے۔

## علم کی قسمِ اول فرضِ عین کی تفصیل

جب کوئی بچہ بالغ ہوتا ہے– چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی– تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز فرض ہوجاتی ہے، روزہ فرض ہوجاتا ہے، اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، صاحبِ استطاعت ہے تو حج بھی فرض ہوجاتا ہے، تو یہ عبادات آدمی پر اس کے بالغ ہوتے ہی عائد ہوجاتی ہیں، ان میں پہلی جو دو عبادتیں بتلائی گئیں، وہ تو ایسی ہیں جو ہر ایک پر فرض ہیں، کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں، ان عبادتوں کی ادائیگی

کے لیے جن جن مسائل سے واقفیت ضروری ہے، اس میں طہارت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں، اسی طریقے سے معاشرت یعنی اس پر ماں باپ کے، میاں بیوی کے، بھائی بہن کے، رشتہ داروں کے جو آپسی حقوق ہیں، ان کو معلوم کرنا ضروری ہے، بہ حیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کے لیے ضروری اور بنیادی عقائد کو جاننا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کو اولین درجہ حاصل ہے، اولین درجے میں اسی کو سکھایا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو آدمی کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا، تو یہ عقائد اور عبادات، خصوصاً نماز روزہ، ان کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

یہ تو علم کی وہ مقدار ہے جس کو حاصل کرنا شریعت نے ہر ایک واسطے فرض قرار دیا ہے، جس کو ہم اور آپ ''فرضِ عین'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

## مکاتب کے قیام کا مقصد

ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے اکابر نے ان مکاتب کا سلسلہ جاری فرمایا ہے کہ ہر بستی کے اندر ایک مکتب کا نظام ہو اور وہاں ہر مسلمان کے ہر بچے کو اس میں لاکر ان امور سے واقف کرایا جاسکے، کوئی مسلمان بچہ بھی ایسا نہ ہو جو اس تعلیم سے محروم رہے، بس سب بچے آویں اور ان کو دین کی ضروری معلومات سے آراستہ کیا جائے۔ ان مکتبوں کے نصاب میں جو جو چیزیں شریک کی گئی ہیں، وہ تقریباً وہی ہیں جن کا جاننا ایک مسلمان کے لیے بحیثیت مسلمان کے ضروری اور فرض ہے۔ یہ تو علم کی وہ مقدار ہوئی جو فرضِ عین ہے۔

## مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد

دوسری قسم ہے فرضِ کفایہ، یعنی وہ مسائل جو ہر ایک کو پیش نہیں آتے بعض لوگوں کو پیش آتے ہیں، تو ایسے مسائل کے جاننے والے ہر علاقے اور ہر بستی میں، ہر جگہ اس انداز سے ہونے چاہئیں کہ لوگوں کو جب اس کی ضرورت پیش آوے تو ان کی طرف رجوع کرسکیں اور وہ ان کی رہنمائی کریں۔ یہ جو مدارسِ عربیہ ہیں، وہ لوگوں کو یہی علم سکھاتے ہیں جو فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔

## تاجر کے لیے تجارت کے ضروری مسائل سے واقفیت ضروری ہے

ویسے تو ایک تجارت کرنے والا مسلمان تاجر، اس کو شریعت اس بات کا پابند بناتی ہے کہ خرید فروخت کے جو ضروری مسائل ہیں، ان سے تو وہ واقفیت حاصل کرہی لے، اس کے بغیر شریعت اس کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بازار کے اندر اسی کو تجارت کرنے کی اجازت ملتی تھی جو ان چیزوں سے واقف ہو، تو اتنے مسائل تاجر کے لیے جاننا ضروری ہے جس کے اوپر تجارت موقوف ہے۔

## ضرورت سے زائد مسائل کے جاننے والے کچھ افراد کا ہونا ضروری ہے

اب اگر کچھ مسائل ایسے ہوں جو نئے پیش آئیں تو ان مسائل کو بتلانے والے ایسے علماء اس بستی میں، اس علاقے میں، قرب وجوار میں ہونے چاہئیں جن سے وہ

حضرات رجوع کرسکیں۔

## فرضِ کفایہ علم کی مقدار

اسی طرح معاشرت سے متعلق، گھروں میں پیش آنے والے معاملات سے متعلق جو مسائل ہیں تو جو ضروری مسائل ہیں، ان سے واقفیت تو ہر ایک لیے ضروری ہے؛ لیکن اس سے زائد مقدار کے لیے ایسے افراد ہونے چاہیے جو ان مسائل سے واقف ہوں، اسی مقدار کو شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں ''فرضِ کفایہ'' والی مقدار کہی جاتی ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ: ہر جماعت میں سے کچھ ایسے لوگ ہونے چاہیے جو دین کے مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور بوقتِ ضرورت لوگوں کو مسائل بتلاسکیں۔

## وہ فضلاء جو فرضِ عین والے علم سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں

اہلِ علم کا یہ طبقہ اور یہ مدارسِ عربیہ فرضِ کفایہ کی اسی مقدار کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہیں، ویسے تو ان مدارس کے اندر ایسے افراد بھی عمومی عالم کے نام سے تیار کیے جاتے ہیں جو فارغ ہونے کے بعد اپنی اپنی جگہ مکاتب میں خدمت انجام دیتے ہیں، یعنی یہ حضرات فرضِ عین کی مقدار جس کا ہر مسلمان کے لیے جاننا ضروری ہے، اس سے واقف کرنے کا کام کرتے ہیں۔

## فرضِ کفایہ والے علم کے حامل فضلاء

ان ہی فارغین میں کچھ مزید باصلاحیت ایسے ہوتے ہیں جن کو اَور بھی زیادہ

تربیت دی جاتی ہے، اور ان سے تخصص کے نصاب کروائے جاتے ہیں اور مفتی بنتے ہیں، اور ان کو اس لائن سے واقف کرا کر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے کا بھی امت کے اندر ہونا ضروری ہے؛ تاکہ لوگ بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کرسکیں۔

## مؤمن احکامِ الٰہی کا پابند ہے

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر تاکید فرمائی ہے: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، کسی مسلمان کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی بھی کام کو اس کے متعلق شرعی ہدایات سے واقفیت حاصل کیے بغیر انجام دے؛ بلکہ جب بھی وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ شریعت کی طرف سے اس بات کا مکلف اور پابند ہے، کہ وہ پہلے ان حضرات سے جو ان مسائل سے اور شریعت کے احکام سے واقف ہیں، ان سے رجوع کرے، رجوع کرنے کے بعد ان سے معلومات حاصل کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔

## حکومت سے متعلق کاموں میں ماہرینِ قانون سے رجوع کرنے کا لوگوں میں معمول ہے

جیسے یہاں کوئی پاپرٹی خریدنا چاہیں گے تو آپ جانتے ہیں کہ: پاپرٹی خریدنے سے پہلے پاپرٹی کی خریداری سے متعلق حکومت کے جو قوانین ہیں، ان سے آپ واقفیت حاصل کرتے ہیں، اور اس لائن کے جو ماہرین وُکلاء ہیں آپ ان سے رجوع کرتے

ہیں، اور آپ پوری احتیاط برتتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پاپرٹی خریدوں، پیسے دے دوں اور اس کے بعد میرے پیسے ضائع ہو جائیں۔ ہر چیز میں اس کا خیال کرتے ہیں، جہاں جہاں حکومت سے معاملہ پڑتا ہے، وہاں ہر آدمی قانون کے ماہرین سے رجوع کر کے پھر آگے قدم بڑھاتا ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے کام کر لیا اور اس کے بعد ماہرین سے جا کر کے پوچھا۔

## بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کے معاملے میں علماء سے رجوع کا طریقہ

ہمارے یہاں شرعی امر میں لوگوں کا یہ مزاج بنتا جا رہا ہے، کہ مسائل کو معلوم کیے بغیر کوئی کام کر گزرتے ہیں اور پھر مسائل پوچھتے ہیں۔ طلاق کا مسئلہ ہی لے لیجیے: اب خدانخواستہ کسی کا معاملہ اپنی بیوی کے ساتھ ایسا ہے کہ جمتی نہیں ہے، اور اس کا ارادہ علیحدگی کا ہے، تو کوئی بات نہیں ہے؛ لیکن اس کو چاہیے کہ وہ پہلے اس سلسلے میں شریعت کے جو حضرات ماہرین ہیں، ان کے پاس جا کر کے اپنی ساری بات پیش کرے کہ اپنی بیوی کے ساتھ میرا یہ معاملہ ہے، آپ اس کا حل مجھے بتائیے۔ اب وہ حضرات آپس کی موافقت کے لیے شریعت نے اس سلسلے میں جو ہدایتیں دی ہیں، وہ ان ہدایتوں کو بتائیں گے۔ ان ہدایتوں پر عمل کریں، اس کے بعد بھی اگر نباہ نہیں ہوتا تو علیحدگی کے لیے جو طریقہ شریعت نے بتلایا ہے، یہ حضرات وہ طریقہ بتلائیں گے، اس کے مطابق علیحدگی اختیار کریں۔

## زوجین کی علاحدگی کے آداب کے سلسلے میں مستقل قرآنی سورت

باقاعدہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک سورت نازل فرمائی ہے، اس کا نام ہی سورۂ طلاق ہے: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ۔ طلاق کب دینی چاہیے؟ طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے؟ وہ سب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتلایا۔

## قوانینِ شرع کے متعلق ہماری لاپروائی

لیکن آج کوئی مسلمان طلاق دینے سے پہلے اس سلسلے میں مسئلہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا؛ بلکہ اپنے طور پر ایک اقدام کرلیتا ہے اور اس کے بعد جب مسئلہ الجھتا ہے تو پھر علماء کے پاس آتا ہے، اور وہ بھی بالکل بے وقت!

## اہلِ علم کی ناقدری

دنیا کے جو قانون دان ہیں وُکلاء وغیرہ۔ ایک تو یہ کہ وہ فیس لیتے ہیں، کوئی بھی وکیل بغیر فیس کے آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے گا، قانون کے متعلق کوئی بھی چیز آپ کو بغیر پیسے لیے نہیں بتلائے گا۔ جتنا بڑا وکیل ہے، اسی مناسبت سے اس کی فیس بھی زیادہ ہوگی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ دین کے مسائل، احکام اور قانون سے واقفیت رکھنے والا مفتیوں، فقہاء اور اہلِ علم کا یہ طبقہ کوئی بھی فیس لیے بغیر آپ کو مسائل بتائے گا؛ لیکن وہاں پیسہ دے کر کے ان سے معلومات حاصل کرتے ہیں؛ لیکن پھر بھی ان کا پورا لحاظ کرتے ہیں: ان کا آفس کا ٹائم کیا ہے؟ وہ کب ملیں گے؟ ان کی ساری

چیزوں کا خیال رکھیں گے، اور اِدھر مفتی ایک ایسا آ گیا کہ کسی بھی وقت آ جاؤ۔

## حضرت کے ساتھ پیش آمدہ ایک ذاتی واقعہ

ایک مرتبہ رات کے ڈیڑھ بجے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا، میں نے دروازہ کھولا، ہمارے ڈابھیل کے قریب، نوساری کے اس طرف کے ایک گاؤں کے چار آدمی آئے تھے، وہ طلاق کا ایک مسئلہ پوچھنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ: یہ واقعہ کب پیش آیا؟ جواب دیا کہ: واقعہ تو آٹھ دن پہلے پیش آیا تھا۔ میں نے کہا کہ آٹھ دن سے یہ واقعہ ہوا ہے اور آپ رات کو ڈیڑھ بجے مجھ سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آرہے ہیں!! ایسی کونسی ضرورت پیش آ گئی۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قبیلۂ بنوتمیم کی بے وقت آمد

یعنی کوئی لحاظ ہی نہیں۔ حالاں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں ادب سکھلایا ہے، قبیلۂ بنوتمیم کا وفد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت حاضر ہوا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور باہر ہی سے چلّانا شروع کیا: یامحمد! اُخرُج: اے محمد! باہر آیئے، ہم آپ سے مفاخرہ کرنا چاہتے ہیں۔

## مفاخرہ کی حقیقت

زمانۂ جاہلیت میں دو قبیلے والے ملتے تھے تو ہر ایک تقریر میں اور مجمع میں اپنی فضیلتیں، اپنی خوبیاں بیان کرتا تھا، اور پھر فیصلے ہوتے تھے کہ: کون جیت گیا؟ کون غالب رہا؟ اس کو ''مفاخرہ'' کہا جاتا تھا۔

تو انھوں نے کہا کہ: آپ باہر تشریف لائیے، ہم اگر کسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس کے لیے باعثِ زینت ہے، اور اگر ہم کسی کی مذمت کر دیں تو اس کے لیے باعثِ عیب ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شان تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، دنیا والوں کی تعریف سے کیا زینت حاصل ہوگی اور دنیا والوں کی مذمت سے کیا بے عزتی ہونے والی ہے(۱)۔

## ملاقات کے قرآنی آداب

بہر حال! اس طرح ان لوگوں کا دوپہر کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر، آپ کو آواز دے کر باہر بلانا اور اس کے لیے آپ کو مجبور کرنا اللہ تبارک تعالیٰ کو ناگوار گذرا، تو اسی پر اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیتیں نازل فرمائیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحجرات: ۴، ۵] کہ جو لوگ آپ کو باہر سے آواز دے کر بے وقت باہر نکلنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عقل اور سمجھ نہیں رکھتے، اگر وہ ٹھیر جاتے، صبر سے کام لیتے، یہاں تک کہ آپ اپنے وقت پر باہر تشریف لاتے تو وہ ان کے لیے بہتر تھا۔

## پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

(۱) دلائل النبوة، باب وفد عطارد بن حاجب في بني تميم.

انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے دوسرے ہم عمر ساتھیوں سے کہا کہ: دیکھو! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اب براہِ راست آپ سے فیض حاصل کرنا تو ممکن نہیں رہا؛ لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہ ابھی موجود ہیں، اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم ان سے فیض حاصل کریں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو اس میں لگا دیا، حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ جو سید الانصار ہیں، اور جن کو بارگاہِ رسالت سے أَقْرَأُهُمْ أُبَيٌّ کا خطاب ملا ہے، جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس کبھی عین دوپہر کے وقت جاتے تھے، وہاں کی دوپہر! مزید براں ہوا چل رہی ہے، ریت اڑ رہی ہے، ان کے چہرے اور کپڑوں کو ریت ڈھانپ رہی ہے، اس کے باوجود باہر دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں، دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے۔

## ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے

جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لاتے اور دیکھتے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما باہر بیٹھے ہوئے ہیں، تو چوں کہ ان کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، تو ان کو دیکھتے تو فرماتے کہ: تم نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ ہم کو آواز دے لیتے! تو فرماتے ہیں کہ: نہیں، ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آدھا آدھا دن انتظار میں گذر جاتا تھا؛ لیکن دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے (۱)۔

---

(۱) روح المعاني ۳۳۲/۹.

## لوگوں کے لیے عالم کا وجود نبی کے وجود جیسا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ: قرآنِ پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ فرمایا ہے، اور کسی عالم کا وجود لوگوں کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کی نبی کا وجود تھا؛ اس لیے ان کے ساتھ اسی طرح ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب بتایا ہے؛ اس لیے میں نے دروازہ نہیں کھٹکھٹایا کہ آپ جب اپنے وقت پر نکلیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔

تو قرآن میں اور شریعت میں اس سلسلے میں ساری تفصیلات بتلائی ہیں۔

بات یہ چل رہی تھی کہ شریعت نے ہمیں اس بات کا مکلف کیا ہے کہ کوئی بھی کام انجام دینے سے پہلے اس کام کے متعلق شریعت نے ہمیں کیا ہدایتیں دی ہیں؟ ان کی معلومات حاصل کریں۔ بہت سے لوگ طلاق دے دیتے ہیں اور بعد میں آکر پوچھتے ہیں۔ اب ان کے لیے کوئی راستہ نہیں بچا ہے۔

## اللہ تعالیٰ متقی کے لیے نجات کا راستہ پیدا فرماتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو جواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر تو اللہ کا نافرمان اور گناہ گار بنا اور تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ وہ کہتا ہے: اے ابنِ عباس! میرے لیے کوئی راستہ نکالیے، تو فرمایا کہ:

تیرے لیے کیا راستہ نکالیں! اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق: ۲] جو اللہ سے ڈرتا ہے یعنی اللہ کے حکم پر عمل کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے راستہ نکالتے ہیں۔ تُو نہ ڈرا اور نہ طلاق کے سلسلے میں شریعت نے جو ہدایتیں دی ہیں اس کے بارے میں پوچھا، تو اب تیرے لیے کیا راستہ ہوسکتا ہے! کوئی راستہ نہیں ہے(۱)۔

## وصیت اور اولاد میں جائداد کی تقسیم کے سلسلے میں ہماری خلافِ شرع کاروائی

توکسی بھی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کام کے متعلق شرعی ہدایتوں کو علماء سے معلوم کرو۔ بہت سے لوگ وصیت کرتے ہیں اور ان کے انتقال کے بعد جب اس کا یہ وصیت نامہ دارالافتاء میں مفتیوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یا اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اس انداز سے تقسیم کردیا کہ ہبہ کے لیے شریعت کے جو قواعد وقوانین اور تفصیلات ہیں، ان کا لحاظ نہیں کیا، اور پھر اولاد میں آپس میں کوئی جھگڑا ہوا اور یہ معاملہ لے کر دارالافتاء میں مفتی صاحب کے پاس پہنچے، تو مفتی صاحب کہیں گے کہ: تمھارے ابّا نے جو کچھ کیا تھا وہ شریعت کے خلاف ہے، صحیح نہیں ہے۔ اب یہ لوگ اس کو برداشت نہیں کرتے اور مفتی صاحب کو برا بھلا کہتے ہیں۔

ایسی بہت ساری چیزیں آج کل ہورہی ہیں؛ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ ہر کام

(۱) سنن أبي داود، عَنْ مُجَاهِدٍ رحمه الله، باب نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلَاثِ.

کے سلسلے میں پہلے شرعی احکام معلوم کرلیں پھر اس کے مطابق عمل کریں، شریعت نے ہمیں اس چیز کا پابند بنایا ہے۔

## پیش آمدہ مسائل کے بارے میں حضراتِ صحابۂ کرامؓ کا معمول

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں کیا تھا؟ جب کوئی بات پیش آتی تھی تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اس مسئلے کو حل کیا جاتا تھا۔

## اِفتاء اور اِستفتاء کا مطلب

مفتی کا مطلب کیا ہے؟ اِفتاء کا مطلب ہے: کسی حکمِ شرعی کو بتلانا۔ ایک تو ہے اِستفتاء، یعنی جس کے علم اور تقویٰ پر کسی کو اطمینان ہو، اس سے حکمِ شرعی دریافت کرنا۔ سب لوگ فقہ، قرآن اور حدیث کے علوم سے واقف نہیں ہیں۔ اب جب ان کو کبھی ایسی کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ کسی ایسے آدمی کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے علم اور تقویٰ کے اوپر اس کو اعتماد ہوتا ہے۔ علم اور تقویٰ ان دو چیزوں پر اطمینان کی وجہ سے وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں جو چیز اس سے پوچھوں گا، وہ شریعت کے مطابق صحیح صحیح مجھ کو بتلائے گا اور مَیں اس کے اوپر عمل کروں گا۔

## مفتیانِ کرام کی ذمہ داری بہت بڑی اور سخت ہے

اس لیے مفتی کی ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے کہ وہ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نائب بن کر اس کو جواب دیتا ہے۔ خدانخواستہ اس نے عجلت سے کام لے کر کوئی غلط

جواب دے دیا تو یہ تو بے چارہ جاہل تھا، ناواقف تھا، اس نے آپ سے اس مسئلے کے متعلق معلوم کر کے اس پر اس لیے عمل کیا کہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ آپ کا نہیں؛ بلکہ اللہ کا حکم ہے، اور اگر آپ نے غلطی کی ہے تو ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے؛ اسی لیے مفتی کو لوگوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان ایک پُل اور واسطہ قرار دیا گیا ہے۔

تو یہ سوال کرنا اِستفتاء اور جواب دینا اِفتاء ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ [النساء: ۱۷۶] کہ: اے نبی! آپ سے یہ لوگ یہ حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ: اللہ تعالیٰ کلالے کے سلسلے میں حکم بتلا رہے ہیں۔

## القابِ دینیہ درحقیقت صفاتِ الٰہیہ ہیں

حکیم الاسلام حضرت قاری طیّب صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ: یہ جو دینی القاب ہیں کہ حافظ ہے، قاری ہے، مقری ہے، مفتی ہے۔ یہ اصل تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام ہیں، اللہ تعالیٰ کے القاب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتے ہیں، گویا اللہ مفتی ہیں۔ اسی طریقے سے ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾ اللہ مقری ہیں۔ اسی طریقے سے ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القیامۃ]: اللہ تعالیٰ قاری ہیں۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]: اللہ تعالیٰ حافظ ہیں۔ حافظ، قاری، مقری، مفتی؛ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں، اس کے نام ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شاہانہ القاب اپنے ان

بندوں کو عطا فرمائے جو ان خدمات کو انجام دیتے ہیں، یہ ان کا بہت بڑا اعزاز ہے۔

## مقرر اور مفتی میں فرق

یہ شاہی القاب جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے، اس کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک تو پوچھنے پر بتانا۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: ایک آدمی عام مجمع کے اندر تقریر کرتا ہے، دین کی باتیں بتلاتا ہے اور لوگ سنتے ہیں، اب پتہ نہیں کتنے لوگ ہیں جو اس کو یاد رکھیں گے اور کتنے بھول جائیں گے؟ اور یاد رکھنے والوں میں سے کتنے ہیں جو اس پر عمل کریں گے اور کتنے ہیں جو عمل نہیں کریں گے؟ اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی؛ لیکن ایک آدمی آپ کے گھر پر آپ سے پوچھ رہا ہے، کہ فلاں مسئلے کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کا آکر کے آپ سے پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو بظاہر یہاں ایک آدمی پوچھ رہا ہے، استفادہ کر رہا ہے؛ لیکن یہاں یہ بات یقینی ہے کہ اس کا آکر کے پوچھنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا ارادہ عمل کرنے کا ہے؛ اس لیے یہ بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

## حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا مستفتیوں کے ساتھ سلوک

اسی لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھا ہے کہ: کبھی کسی بھی وقت کوئی مستفتی آتا تھا - اگرچہ مستفتیوں کو تو چاہیے کہ مفتیانِ کرام کے اوقات کا خیال کریں جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا -؛ لیکن حضرت کا اپنا معمول یہ تھا کہ کوئی کسی بھی وقت آیا ہو، یہاں تک کہ کھانا کھا رہے ہیں اور آیا تو حضرت کھانا

روک کر جواب دیتے تھے اور لکھ کر دیتے تھے۔ یہ حضرت مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھا ہے۔

## فتویٰ دینے کے لیے ماہر مفتی کے پاس رہ کر اس کا طریقہ سیکھنا ضروری ہے

یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ علم پر، مفتیوں پر ڈالی ہے؛ اس لیے اس سلسلے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے۔ اس میں کثرت سے مطالعہ ضروری ہے۔ آپ نے ''شرحِ عقود'' کے اندر پڑھا ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ: کوئی آدمی ایسا ہو کہ اس کو ہمارے فقہ کی ساری کتابیں یاد ہیں تب بھی اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ کسی ماہر مفتی کی خدمت میں رہ کر کے اس کی مشق اور پریکٹس نہ کرے اور اس کا طریقہ حاصل نہ کرلے؛ اس لیے کہ جاننا الگ چیز ہے اور فتویٰ دینے کے لیے جس مزید بصیرت اور مزید صلاحیت کی ضرورت ہے، وہ جب تک کہ کسی ماہر مفتی کی خدمت میں نہیں رہے گا، حاصل نہیں ہوگی۔

## بزرگانِ دین کی خدمت میں رہنے کا اصل مقصد

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: بڑوں کی خدمت میں جو رہا جاتا ہے تو اس سے اصل مقصود ان کے مزاج کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے علم تو کتابوں سے حاصل کرلیا ہے؛ لیکن ان کے ساتھ رہ کر ان کے مزاج کو حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے؛ تاکہ بصیرت پیدا ہو، اور یہ بصیرت ہی ایسی چیز ہے جو

اس سلسلے میں کارآمد ہوتی ہے۔

## حالاتِ حاضرہ سے ناواقف آدمی جاہل ہے

اور جیسا کہ آپ نے شرحِ عقود میں پڑھا ہوگا: من لم یعرف اھل الزمان فھو جاھل: جو آدمی اپنے زمانے کے لوگوں سے واقف نہ ہو، یعنی ان کے مزاج سے، ان کے حالات سے، ان کی مشکلات سے تو وہ جاہل ہے۔

ایک مفتی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف بھی ہو؛ اس لیے کہ اس وقت جو مسائل پیش آتے ہیں، لوگ آپس میں جو معاملات کرتے ہیں، یہ بھی جاننا ضروری ہے۔ جیسا کہ ابھی آپ کو بتلایا گیا کہ دورِ حاضر کے تجارت کے جو طریقے ہیں، اس سلسلے میں ان کی طرف سے مزید تحقیق کی گئی اور تُجّار کو جمع کیا گیا اور ان کو اس سے واقف کیا گیا۔

## کتابوں میں مسائل کی صورتیں قدیم زمانے کے اعتبار سے ہیں

چوں کہ ایک تو وہ مسائل ہیں جو ہم کتابوں کے اندر دیکھتے ہیں، وہ اس زمانے میں لوگ آپس میں جو معاملہ کرتے تھے، اس کے اعتبار سے لکھے ہوئے ہیں، اور آج لوگ جس انداز سے معاملات کرتے ہیں، شریعت اس سلسلے میں کیا ہدایت دیتی ہے؟ کیا حکم دیتی ہے؟ تو لوگوں کے طور وطریق سے واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

## مسائل کی تحقیق میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا طرز

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بازار میں لوگ کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں،

با قاعدہ اس کو معلوم کیا کرتے تھے؛ تاکہ اس کے مطابق لوگوں کو شرعی حکم بتلانا آسان ہوجائے۔ مفتیوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے۔

## صحیح حکم بتلانے کے لیے پہلے صورتِ مسئلہ کو سمجھنا ضروری ہے

ہمارے زمانے میں سائنس نے خوب ترقی کرلی ہے، سائنس کی اس ترقی کے نتیجے میں ایسے بہت سارے مسائل پیدا ہوئے ہیں کہ جن کے سلسلے میں لوگوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ پہلے تو اصل صورتِ مسئلہ کو، معاملے کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک کہ اس کو سمجھے گا نہیں، وہاں تک اس سلسلے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ وہ اس کو کما حقہ بتلا نہیں سکتا؛ اس لیے پہلے اس کو سمجھے، سارے معاملات سے واقفیت ہو۔

## مسائل کی موجودہ صورتیں سمجھنے کے لیے اس سلسلے کے ماہرین کی بھی مدد لیں

خاص کر کے ہر لائن کے جو ماہرین ہیں، ان سے رابطہ کر کے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرے، کسی چلتے پھرتے، عام آدمی سے پوچھنا کافی نہیں، اور پھر اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ وہ کتابوں میں دیکھ کر خوب غور وفکر کے بعد، اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے وہ حکم بتلانے کی اور اس کی طرف خوب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

## کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اس کے لیے رجوع اور انابت الی اللہ بھی بہت ضروری ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جب بھی کوئی آدمی میرے پاس آکر کہتا ہے کہ: مجھے آپ

سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، تو جیسے ہی وہ یہ بات کہتا ہے، اس کے مسئلہ پوچھنے سے پہلے میں فوراً اپنے دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کے اللہ سے کہتا ہوں کہ: اے اللہ! تیرا یہ بندہ مجھ سے جو مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے، اس کو صحیح حکم بتلانے کے سلسلے میں تو میری رہنمائی فرما۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رہنمائی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، خالی علم کام آنے والا نہیں ہے۔

## سارے مسائل کا میرے پاس جواب ہے!

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: سارے مسائل کا میرے پاس جواب ہے۔ لوگ سن کر کے حیرت زدہ ہو گئے کہ ایسا تو کون آدمی ہوسکتا ہے کہ جس کے پاس سارے سوالوں کا جواب ہو! تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں، پھر جو معلوم ہوتا ہے وہ بتا دیتا ہوں، اور جو معلوم نہیں ہوتا اس کے متعلق کہہ دیتا ہوں کہ: مجھے معلوم نہیں۔

## ”لاأدری“ سیکھنا بھی ضروری ہے

اس (مجھے معلوم نہیں) کو سیکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل اسی حُبِّ جاہ کے نتیجے میں مفتیوں میں ایک مرض یہ پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ اس کے سامنے میری جہالت ظاہر نہ ہو، یہ غلط چیز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ”۴۸“ مسائل پوچھے گئے، اور ان میں ۳۶/مسائل کے بارے میں انھوں نے ”لاأدری“ کہا اور ”۱۲“ مسائل کا جواب عطا فرمایا۔ اس نے کہا کہ: لوگوں سے کیا کہوں؟ تو کہا کہ کہنا: ”لاأدری“۔

## ''لاأدری'' کہنا بھی علم ہے

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: جو آدمی شریعت کے کسی حکم کو جانتا ہے تو لوگوں کو بتائے، اور نہیں جانتا تو یوں کہے کہ: مَیں نہیں جانتا۔ یہ ''میں نہیں جانتا'' کہنا بھی علم ہے(۱)۔ جو آدمی علم کی حقیقت سے واقف ہوگا، وہ یہی جواب دے گا۔

## اپنے شاگردوں کو ''لاأدری'' کہنا بھی سکھلاؤ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: اپنے شاگردوں کو ''لاأدری'' کہنا بھی سکھلاؤ، یعنی ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو چیز ہمارے علم میں نہیں ہے، وہ ہمیں نہیں بتلانی چاہیے، اور اس کے متعلق صاف اقرار کرنا چاہیے کہ ہم اس کا حکم نہیں جانتے، ہم کتابوں میں دیکھیں گے، اپنے اساتذہ سے پوچھیں گے اور اس کے بعد ہمیں اطمینان اور انشراح ہوگا تو بتلائیں گے۔

## خدائی اور نبوت کا دعویٰ

حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ: وہ اپنے ایک مرید کو رخصت کر رہے تھے، اس وقت ان سے فرمایا کہ: دیکھو! کبھی خدائی کا دعویٰ مت کرنا اور کبھی نبوت کا دعویٰ مت کرنا۔ اس نے عرض کیا کہ: حضرت! میں اتنی مدت آپ کی خدمت میں رہا، کیا پھر بھی آپ کو میرے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ میں ایسا کوئی دعویٰ کروں گا! تو

---

(۱) صحیح البخاری، سورۃ العَنْکَبُوتِ، رقم الحدیث: ۴۷۷۴.

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ: دیکھو! جب کوئی آدمی کہے کہ میں جو کہوں ویسا ہی ہو تو یہ خدائی کا دعویٰ ہے، اور ''میں جو کہتا ہوں، وہی صحیح ہے'' یہ نبوت کا دعویٰ ہے۔

## ائمۂ مجتہدین کے اجتہادی مسائل کے بارے میں ہمارا نظریہ

اس سلسلے میں آج کل بڑا غلو ہوتا جا رہا ہے۔ ائمۂ مجتہدین، یہ جو ہمارے چاروں ائمہ ہیں: (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۴) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ۔ جب ان حضرات کے مسائل ان کتابوں میں پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: یہ اجتہادی مسائل ہیں، اس کے سلسلے میں ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ ہم جس کو مانتے ہیں، وہ صواب ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہے اور دوسرا جو کہتا ہے وہ خطا ہے اور اس میں صواب کا احتمال ہے۔ اس کے سلسلے میں جب ہمارا نظریہ یہ ہے تو اپنے فتاویٰ کی صحت پر اصرار کیوں ہو؟۔

## اپنے غلط فتوے سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کریں

آج کل ہم اپنے پاس آنے والے سوالات کے جوابات دیتے ہیں، تو آج کل یہ عام مزاج بنتا جا رہا ہے کہ جس نے فتویٰ دیا، وہ اس کی صحت پر مُصر ہوتا ہے۔ مجھے تو اس سے بڑی نفرت ہے، میں اپنے پاس پڑھنے والوں کو تاکید کرتا ہوں کہ: کبھی بھی اپنے فتوے کے اوپر اصرار مت کرنا؛ بلکہ اگر کوئی اس کی تردید کرتا ہے تو اس سے کہو کہ: اپنے دلائل پیش کرو اور اس کے دلائل میں غور کرو۔ اگر اس کے دلائل آپ کی سمجھ میں آرہے ہیں تو آپ اپنی بات سے رجوع کر لیجیے، اور نہیں تو آپ اپنی بات پر قائم رہیے؛ لیکن

اس سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## یہ اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے

آج کل جو یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ ''میں جو کہہ رہا ہوں، اسی پر عمل ہونا چاہیے''، اور یہاں افریقہ میں تو ایسے مسائل میں جن میں اولویت میں اختلاف ہوتا ہے، ایسے مسائل پر ایک دوسرے کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے، فاسق قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اس سے بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ اگر مستفتی کہے کہ: فلاں مفتی یوں کہتے ہیں تو اس سے کہو کہ: اگر تم کو فلاں پر اعتماد ہو تو تم اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا خیال کر کے اس کے فتوے پر بھی عمل کر سکتے ہو۔

## اختلافی مسائل میں ہمارے اکابر کا قابلِ تقلید رویّہ

ہمارے حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ: بعض مسائل وہ تھے کہ جن میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد: حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف تھا، تو کوئی آدمی ان میں سے کوئی مسئلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنے آتا تو آپ فرماتے کہ: دیکھو! یہ مسئلہ میرے نزدیک اس طرح ہے؛ لیکن اگر تم چاہو تو مولانا یحییٰ صاحب سے پوچھ سکتے ہو، ان کے نزدیک اس کا دوسرا حکم تھا۔

## بے جا اختلافات میں اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کریں

تو ہمارے اکابر کے یہاں بھی اس چیز کا لحاظ کیا جاتا تھا؛ اس لیے اپنے فتوے پر

اصرار اور دوسرے کے فتوے کی تردید و تنقیص نہیں ہونی چاہیے۔ اپنی صلاحیتوں کو مثبت انداز میں استعمال کیا جائے۔ اگر کسی نے آپ کے فتوے کی تردید کی ہے تو جیسا کہ میں نے کہا: آپ پوری دیانت داری کے ساتھ اور انصاف کے ساتھ اس کو پڑھیں، اگر آپ کو ٹھیک معلوم ہوتا ہے تو رجوع کرلیں، اور اگر آپ کو انشراح نہیں تو رجوع کرنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن اس سے بھی الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے اکابر اس کی بالکل اجازت نہیں دیتے تھے۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی "لا ادری" کہا ہے

اگر کسی مسئلے سے ہم خود واقف نہیں تو صاف انکار کردیا جائے۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی چیزیں پوچھی گئیں۔ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے پوچھا: أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ؟: زمین کا کون سا حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک افضل اور بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے معلوم نہیں، جبرئیل آئیں گے تو میں ان سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ: مجھے معلوم نہیں، میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتلاؤں گا(۱)۔

اب جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہیں کہ: مجھے معلوم نہیں تو اگر ہم اور آپ "مجھے معلوم نہیں" کہیں گے تو اس سے کسی کا کون سا مرتبہ گھٹنے والا ہے! یہ مزاج بنانے کی ضرورت ہے۔

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب فَضْلِ الْمَسَاجِدِ الخ

## حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ حضرت کا علم کتنا مستحضر تھا، جنھوں نے حضرت کو دیکھا ہے اور خاص کر کے صحت کے زمانے میں دیکھا ہے، ان کو اس کا اندازہ ہوگا؛ لیکن بعض مرتبہ حضرت فرماتے کہ: مجھے معلوم نہیں، تو ''مجھے معلوم نہیں'' کہنے سے آپ کا مرتبہ گھٹتا نہیں؛ بلکہ آپ پر اعتماد بڑھتا ہے۔ سننے والا یہ محسوس کرے گا کہ دیکھو! اس سلسلے میں ان کو انشراح نہیں ہے تو مجھے جواب نہیں دیا۔ اس کی وجہ سے لوگ دوسروں کی طرف رجوع کرنے کے بجائے آپ کی طرف رجوع کریں گے۔

## ہر مسلمان کا ایک فیملی مفتی بھی ہونا چاہیے

یہاں جتنے بھی مسلمان ہیں، میں ہر ایک کو تاکید کرتا ہوں: دیکھو! ہر ایک اپنی اپنی ضروریات میں جس پر اعتماد ہوتا ہے، اس لائن کے آدمی کو اپنے لیے تجویز کرتا ہے: جیسے آپ کا ایک فیملی ڈاکٹر ہوتا ہے، ایک فیملی وکیل ہوتا ہے، لوئر ہے، خاص کر کے جو کمپنی والے ہوتے ہیں، جن کو عام طور پر سرکاری قوانین سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، وہ با قاعدہ اپنے لیے ماہر وکیل کی خدمات روکتے ہیں، اور ان کے لسٹ میں با قاعدہ مشیرِ خاص کا نام بھی لکھتے ہیں کہ: ہماری کمپنی کا قانونی مشیر یہ ہے، تو جیسے آپ کا ایک فیملی ڈاکٹر ہوتا ہے، ایک فیملی وکیل ہوتا ہے تو اسی طریقے سے آپ ایک مفتی سے رابطہ قائم رکھیے، اور جب بھی کوئی معاملہ پیش آوے اس کی طرف رجوع کی عادت ڈالئے؛ تا کہ آپ کے لیے احکامِ شرع پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

## اس جہاں میں کوئی کامل ومکمل نہیں ہوتا

بہرحال! یہاں پر یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے، یہاں سے فارغ ہوکر جانے والے ان بچوں سے خاص طور پر کہوں گا کہ: بھائی! دیکھو، آپ اپنے آپ کو کامل ومکمل نہ سمجھیں، موت تک آدمی اپنے آپ کو طالبِ علم سمجھتا رہے۔ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مولانا مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: والد صاحب فرماتے تھے کہ: قرآن، حدیث اور فقہ پڑھاتے ہوئے اور فتویٰ دیتے ہوئے ساٹھ سال ہوگئے، پھر بھی نماز میں کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد فقہ کی کتابیں کھول کر بیٹھنا پڑتا ہے، ڈھونڈنا پڑتا ہے! نماز کے مسائل میں!! دوسرے مسائل کی بات نہیں ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی آدمی بھی کامل ومکمل نہیں ہے۔

## اسعدؔ مطالعے میں گزاروں تمام عمر

مطالعے کی بھی عادت ڈالیے۔ آج ایک مزاج یہ بھی بنتا جارہا ہے کہ بس سرسری طور پر دیکھ لیا، نہیں! آپ کا مطالعہ گہرا اور کثرت سے ہونا چاہیے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، حالاں کہ ہمارا حضرت کی خدمت میں حاضری کا جو موقع ہوا تھا، اس کے بعد تو چند سال ہی حضرت نے یہ سلسلہ جاری رکھا تھا۔ حضرت بڑے اہتمام سے، کثرت سے مطالعہ کرتے تھے اور بڑے انہماک سے مطالعہ کرتے تھے۔ حضرت کی عادت تھی، باقاعدہ فہرست بناتے تھے۔

## حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ

مفتیوں کو چاہیے کہ مکمل، بالاستیعاب پورے فن کا مطالعہ کریں، کسی بھی فن کی کتاب ہو، فقہ کی کتاب ہے تو از اول تا آخر پڑھے۔ حضرت جی حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: انھوں نے ''فتاویٰ عالمگیری'' کا دو مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ آپ اہلِ علم سنیں گے تو حیرت ہوگی کہ آج کل مفتی حضرات بھی اس طرح بالاستیعاب مطالعہ نہیں کرتے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا اہتمام کیا تھا، تو ضرورت ہے کہ ہمارا مطالعہ وسیع اور کثیر ہو۔

## جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لیں

اپنے اساتذہ کی طرف رجوع ہو، مسائل کے سلسلے میں آپس میں بار بار مذاکرہ ہو۔ کسی بھی مسئلے میں اور خاص کر کے جدید مسائل کے سلسلے میں جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے؛ بلکہ خوب غور فکر اور کتابوں کی طرف مراجعت کے بعد جواب دینے کا اہتمام کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت سے جب مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے ایک مہینے کی مہلت مانگی۔ اگر ان چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے آپ خدمات انجام دیں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لیں گے۔

## اپنی ذاتی اصلاح کو اولین ترجیح دیجیے

اور اپنا اصلاحی تعلق جہاں بھی آپ کا قلبی رجحان ہو، وہاں قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیجیے۔ باجماعت نماز کا اہتمام کیجیے۔ مفتی ہے؛ لیکن جماعت کے

ساتھ نماز نہیں پڑھتا، لوگ کہتے ہیں کہ: مفتی صاحب تو جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے، اب اس کے فتوے پر کون عمل کرے گا؟

## اپنی بربادی کے ہم خود ذمہ دار ہیں

آج یہاں بھی لوگ کہتے ہیں کہ: جہاں جہاں اہلِ علم مدرسے میں پڑھانے والے ہوتے ہیں اور وہاں ان کی امامت کی باری ہے، تو جس دن جس کی باری ہوتی ہے اس دن وہ حضرت فجر کی نماز میں موجود ہوتے ہیں؛ لیکن جن کی باری نہیں ہوتی وہ موجود نہیں ہوتے۔ ہماری ان کوتاہیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ علماء کا وقار ختم ہو کر کے رہ گیا ہے۔

## عمل کے معاملے میں علماء کا مقام عوام سے بلند ہونا چاہیے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو جو نصیحتیں کی ہیں، صاحبِ اشباہ نے ایک مستقل فصل میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو جو نصیحتیں کی ہیں، ان نصیحتوں میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ: عمل کے معاملے میں تمھارا مقام عوام سے اونچا ہونا چاہیے۔

مان لیجیے کہ عوام اگر اوّابین کی چار رکعت پڑھتے ہیں تو آپ چھ پڑھیے، اور اگر وہ چھ پڑھتے ہیں تو آپ آٹھ پڑھیے، وہ اگر روزانہ ایک پارہ تلاوت کرتے ہیں تو آپ دو پارے کی تلاوت کیجیے، وہ اگر نماز باجماعت کا اہتمام کرتے ہیں تو آپ کو توصفِ اول اور تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## لوگوں کو علماء کی طرف انگشت نمائی کا موقع نہ دیں

عمل کے معاملے میں آپ کا مقام عوام سے گھٹا ہوا نہیں ہونا چاہیے، ورنہ وہ یوں

کہیں گے- یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ ہے-:''میری جہالت نے مجھ کو جتنا فائدہ پہنچایا، اس عالم کے علم نے اس کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا''؛اس لیے ضرورت ہے کہ اہلِ علم اپنا عملی پہلو مضبوط کریں۔معاملات کو درست رکھیں اور دیانت کے تقاضوں پر زیادہ سے زیادہ عمل کا اہتمام کریں، ذرّہ برابر بھی اس میں کوتاہی نہ ہو۔ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

## تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حالاں کہ مفتی نہیں تھے، ہمارے حاجی امداداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ایک مرتبہ ایک مجلس میں کسی نے اچھی آواز میں اشعار پڑھنا شروع کیا اور فرمایا کہ:سماع بلامزامیر بھی علما کے درمیان مختلَف فیہ ہے۔سماع مع المزامیر تو ناجائز ہے؛لیکن سماع بلامزامیر بھی علما کے درمیان مختلَف فیہ ہے اور لوگ کبھی کبھی مجھے امامت کے لیے مصلّے پر کھڑا کردیتے ہیں۔یہ احتیاط تھی ہمارے اکابر کی؛اس لیے چاہیے کہ ہم ان چیزوں کا اہتمام کریں۔اگر ہم یہ کریں گے تو اِن شاءاللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے،اور عزت واحترام کے اس مقام پر پہنچائیں گے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# جامعۃ البنات کی طالبات سے خطاب

بمقام: منی پور

# اقتباس

اور ہر آدمی یہ مطالبہ کرے کہ میں تو عالمہ ہی سے نکاح کروں گا؛ اس لیے کہ وہ جس گھر میں آتی ہے تو وہ گھر سنور جاتا ہے، گھر والے خوش ہوتے ہیں، دل وجان سے سب کی خدمت کرتی ہے، اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہے، اپنے جذبات کو قربان کرتی ہے، ایثار سے کام لیتی ہے، اپنی راحت کو چھوڑ کر دوسروں کی راحت کا خیال رکھتی ہے، اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کرتی ہے، اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے، شوہر کے ماں باپ کی راحت رسانی کا پورا اہتمام کرتی ہے۔ اگر آپ ایسا مزاج بنائیں گی اور یہاں رہ کر ان چیزوں کو حاصل کریں گی، تب جا کر مدرسے کو قائم کرنے کا یہ مقصد حاصل ہوگا۔ ورنہ اگر یہاں رہ کر آپ نے ایک ہی سبق پڑھ لیا کہ شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں اور باقی سارے حقوق بھلا دیے، اور وہاں جا کر آپ اس کا مطالبہ کرتی رہیں تو یہ ساری تگ ودو بے کار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ﴾ [التکاثر]

## یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

میری پیاری بچیو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے اپنے خزانۂ غیب سے انتظام فرمایا، اپنے کچھ بندوں کے دلوں میں ڈالا کہ وہ مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے آگے بڑھیں۔ چناں چہ یہ جامعہ اس مقصد کے لیے وجود میں آیا اور یہاں بچیوں کے قیام، طعام، کتابیں، اساتذہ، یہ سارے انتظامات ان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیے گئے۔

## میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے

پھر آپ کے ماں باپ کے دلوں میں ڈالا کہ وہ آپ کو دینی تعلیم کے لیے فارغ

کریں اور یہاں پر داخل کرائیں، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا۔ آپ کی ہم عمر اور بچیاں بھی آپ کے خاندان، آپ کی بستی، آپ کی برادری، آپ کے محلّے میں ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب میں سے آپ کا انتخاب فرمایا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام واحسان ہے۔

## یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

پھر یہاں آپ کے لیے ہر طرح کے انتظامات ہیں، آپ جن انتظامات سے فائدہ اٹھارہی ہیں: قیام، طعام، روشنی، کتابیں، پڑھائی وغیرہ۔ یہ جو مصارف ہورہے ہیں، ان مصارف کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالا، ان کے سامنے جب بات پیش کی گئی کہ مسلمان بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ضرورت ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اندر جذبہ بیدار فرمایا، اور انھوں نے اپنے مال کو اس کے لیے پیش کیا۔ جو دے رہے ہیں، آپ بھی ان سے واقف نہیں کہ کون اللہ کے بندے اس پر خرچ کررہے ہیں؟ اور جو دینے والے ہیں وہ آپ سے واقف نہیں کہ کون بچیاں ہیں جو ہمارے مال سے فائدہ اٹھا کر اپنی دینی تعلیم کی تکمیل کررہی ہیں؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نظام ہے جو اس نے محض اپنے فضل سے قائم فرمایا ہے۔

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کچھ اسباب مہیا کیے گئے اور آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ سارا نظام اور یہ سارے اسباب وجود میں آئے اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں پہنچایا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو حصولِ علم کے لیے وقف کر دیجیے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ: اس کی قدر کی جائے اور جس مقصد کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ نعمتیں آپ کو دی گئی ہیں، یہ ساری چیزیں مہیا کی گئی ہیں، آپ اپنی صلاحیتوں کو اس مقصد کے حصول میں خرچ کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو دل و دماغ دے رکھا ہے، جو قوتیں عطا فرمائی ہیں: سننے، سمجھنے، بولنے کی، چلنے پھرنے کی اور جو قُویٰ عطا فرمائے ہیں، آپ اپنی ان صلاحیتوں کو علمِ دین کو حاصل کرنے کے لیے خالص طور پر استعمال کریں، اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر دیں۔ آپ کے ۲۴ گھنٹے میں سے کوئی لمحہ دوسرے کسی کام میں گذرنا نہیں چاہیے؛ بلکہ آپ کو چاہیے کہ اپنا سب کچھ اسی میں لگا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیے گئے ان اسباب اور وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھائیے۔

## توفیق کی حقیقت

قدرت کا ایک قانون ہے کہ اس کی زندگی کے جس مرحلے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ اسباب مہیا کیے جاتے ہیں، اسی کو علماء کی اصطلاح میں ''توفیق'' کہا جاتا ہے۔ توفیق کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اسباب کا مہیا کیا جانا۔

## سمجھ داری کی بات

اب اس کی سمجھ داری کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دئے گئے ان اسباب

کو صحیح طریقے سے استعمال کرے، اور جس مقصد کے لیے اسباب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیے گئے ہیں، اس مقصد کو سو فی صد حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگادے۔

## ایک قدرتی نظام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، آپ اپنے ۲۴ ر گھنٹوں کو اور اپنی ساری صلاحیتوں کو اسی میں لگا کر اس سے بھرپور فائدہ اٹھایئے۔ اگر اٹھائیں گی تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آئندہ کے جو مراحل ہیں، وہ آسان ہوں گے۔ قدرت کا ایک نظام یہ بھی ہے کہ جس مرحلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں مہیا کی گئی ہیں، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کیا گیا، ان سے صحیح فائدہ اٹھایا گیا، ان کی قدر کی گئی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ آگے کے مرحلے کے لیے اسباب مہیا فرماتے ہیں، پھر اس میں اس نے اسی طرح اپنے آپ کو آگے بڑھایا، کامیابی حاصل کی تو آگے کے مراحل میں بھی آسانیاں مہیا کی جائیں گی۔ جیسے کہ آپ پہلی کلاس میں پڑھتی ہیں، آپ نے محنت کی اور درس میں پابندی کے ساتھ حاضری دی، امتحان میں کامیابی حاصل کی تو آپ کو دوسری کلاس میں داخلہ ملے گا، اور اگر پہلی کلاس میں آپ نے نہیں پڑھا، دھیان نہیں دیا، کوئی محنت نہیں کی تو امتحان میں ناکام ہوں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگے کے مرحلے میں آپ کو موقع نہیں ملے گا۔

## مقصد ہو اگر تربیتِ لعلِ بدخشاں

تو قدرت کا بھی یہی نظام ہے کہ بعد والے مرحلے کے لیے آدمی کو اسی وقت موقع

دیا جاتا ہے جب اس نے پہلے مرحلے والے موقع کا صحیح طور پر استعمال کیا ہو؛ اس لیے یہاں رہ کر کے آپ جو کچھ کریں گی، اگر آپ نے صحیح طریقے سے فائدہ اٹھایا ہے تو آپ کو یہاں جس مقصد کے لیے لایا گیا ہے، آپ یہاں سے جا کر مسلمان معاشرے میں صالح انقلاب برپا کر سکیں گی، اور ہماری آنے والی نسلوں کی دینی، ایمانی تربیت آپ کے ہاتھوں سے ہوگی، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ آپ نے بھی یہاں اپنے آپ کو صحیح تربیت کے لیے پیش کیا ہو، اور آپ کی تربیت کے لیے جو ہدایتیں دی جارہی ہیں اور آپ پر جو محنتیں کی جارہی ہیں، ان محنتوں کو آپ نے صحیح طریقے سے قبول کیا ہو تو پھر آپ کو یہ موقع بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا۔

## مدرسے میں رہ کر بگڑنا نہیں ہے

یہاں آکر اپنی صلاحیتوں کو معطّل نہیں کرنا ہے۔ آج کل ایک شکایت یہ بھی آرہی ہے کہ مدرسے میں پڑھنے والی بچیاں گھر آکر کے شوہر کی خدمت تو کیا کرتیں، اس کے لیے دردِ سر بن جاتی ہیں، خاندان کے لیے بھی کچھ کام کرتی نہیں ہیں، بہت سی جگہ یہ شکایت ہے۔

## آپ کو یہاں لانے کا مقصد

یہاں لانے کا یہ مقصد نہیں ہے، یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں جو اخلاق سکھائے ہیں اور جن عمدہ خصائل کی ہمیں تعلیم دی ہے، آپ یہاں پر رہ کر ان کو حاصل کریں، اور آپ یہاں سے جا کر کے معاشرے میں ایسا نمونہ پیش کریں کہ آپ کو

دیکھ کر کے اور آپ کے اس عمل سے متأثر ہو کر کے ہر ایک اپنی بیٹی کو حصولِ تعلیم کے لیے بھجنے پر آمادہ ہو جائے، یہ نہ ہو کہ آپ کو دیکھ کر مدرسے میں بھیجنے ہی سے توبہ کر لے کہ ہمیں اپنی بچی کو ایسا نہیں بنانا ہے۔

## بنا سکتی ہے گھر کو رشکِ جنت یہ سلیقے سے

اور ہر آدمی یہ مطالبہ کرے کہ میں تو عالمہ ہی سے نکاح کروں گا؛ اس لیے کہ وہ جس گھر میں آتی ہے تو وہ گھر سنور جاتا ہے، گھر والے خوش ہوتے ہیں، دل و جان سے سب کی خدمت کرتی ہے، اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہے، اپنے جذبات کو قربان کرتی ہے، ایثار سے کام لیتی ہے، اپنی راحت کو چھوڑ کر دوسروں کی راحت کا خیال رکھتی ہے، اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کرتی ہے، اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے، شوہر کے ماں باپ کی راحت رسانی کا پورا اہتمام کرتی ہے۔ اگر آپ ایسا مزاج بنائیں گی اور یہاں رہ کر ان چیزوں کو حاصل کریں گی، تب جا کر مدرسے کو قائم کرنے کا یہ مقصد حاصل ہوگا؛ ورنہ اگر یہاں رہ کر آپ نے ایک ہی سبق پڑھ لیا کہ: شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ اور باقی سارے حقوق بھلا دئے، اور وہاں جا کر آپ اس کا مطالبہ کرتی رہیں تو یہ ساری تگ و دو بے کار ہے۔

## ایک عالمہ بیوی کا واقعہ

ایک مرتبہ ہمارے یہاں ہمارے دار القضاء میں ایک مقدمہ آیا: ایک صاحب نے اپنی بیوی کے متعلق شکایت کی کہ وہ کئی مہینے سے اپنے میکے میں جا کے بیٹھی ہوئی

ہے، میں تو اس کے سب حقوق ادا کرنے کے لیے تیار ہوں؛ لیکن وہ آ نہیں رہی ہے، تو ہم نے اس لڑکی کے باپ کے اوپر دار القضاء کی طرف سے ایک خط لکھا کہ: آپ کی بیٹی کے متعلق اس کے شوہر نے ہمارے یہاں یہ فریاد داخل کی ہے، آپ اس کو یہاں پر لے کر آیئے اور اس سلسلے میں جو حقیقت ہو، اس کو واضح کیجیے۔ ایک روز میں مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک بڑے میاں چھڑی لے کر کے آئے اور جو خط ہمارے یہاں سے گیا تھا، وہ اس نے پیش کیا۔ میں نے وہ خط پڑھا اور اس سے پوچھا کہ: آپ کون ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: میں اس بچی کا باپ ہوں۔ میں نے کہا کہ: بیٹی کو ساتھ نہیں لائے؟ انھوں نے کہا کہ: بیٹی تو ساتھ نہیں آئی! پھر اس نے بہشتی زیور نکالی، اس میں ایک جگہ نشان لگا ہوا تھا، وہ اس نے کھول کر کے پیش کیا کہ بیوی کے شوہر کے اوپر یہ حقوق ہیں۔ میں نے اس کو لیا اور کہا کہ: آپ کو یہ آپ کی بیٹی نے بتایا؟ اس نے کہا کہ: جی ہاں! میں نے کہا کہ: اس کے بعد والا جو عنوان ہے، وہ نہیں بتایا؟ یہ جو بیوی کے شوہر کے اوپر حقوق ہیں، وہ تو صرف آدھے صفحے کے ہیں۔ اس کے بعد کتاب میں ایک عنوان اس کے مصنف حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے یہ لگایا ہے کہ: کس طرح نباہ کرنا چاہیے؟ یہ ڈیڑھ صفحے کا مضمون ہے، وہ آپ کو آپ کی بیٹی نے نہیں بتایا؟ اچھا میں آپ کو پڑھ کر کے سناتا ہوں، اور آپ جا کر کے اس کو یہ بتایئے کہ وہاں سے مجھے یہ بتایا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ: یہ کیا طریقہ ہے؟

## اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی

یہاں جو آیا جاتا ہے، وہ اس لیے نہیں آیا جاتا؛ بلکہ یہاں آپ کو مجاہدے سے کام

کر کے اپنے آپ کو بنانا ہے، اپنے اخلاق کو درست کرنا ہے۔ اسلام میں حقوق اپنی جگہ پر ہیں؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے حقوق کا تو مطالبہ کریں اور شوہر کے حقوق سے فرار اختیار کرنے کی سوچیں۔

## اپنی بہنوں کے لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قربانی

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ: ایک غزوے سے واپس لوٹ رہے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری سواری کا اونٹ سست رفتاری کے ساتھ اور بہت دھیمے دھیمے چل رہا تھا، اس کو تیز چلانے کی بہت کوشش کی؛ لیکن وہ تیز نہیں چل رہا تھا، اتنے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کے پاس آئے اور اس اونٹ کو کچوکا لگایا، اس کی وجہ سے وہ اونٹ تیز چلنے لگا، اب جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب آئے اور فرمایا: جابر! کیا بات ہے کہ بہت آگے آگے تیزی سے جا رہے ہو؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرا نکاح ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! کس کے ساتھ؟

## احساسِ ذمہ داری

کیوں کہ عورتیں دو قسم کی ہیں: ایک تو کنواری جس کو عربی میں ''باکرہ'' کہتے ہیں، اور دوسری ثَیِّبہ جو پہلے کسی کے نکاح میں رہ چکی ہو، تو دریافت فرمایا کہ: ثَیِّبہ کے ساتھ یا باکرہ کے ساتھ؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ثَیِّبہ کے ساتھ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: باکرہ کے ساتھ کیوں نکاح نہیں کیا؟ تم تو ابھی بالکل جوان ہو، اگر

کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرتے تو مناسب تھا اور نکاح کا لطف اَور بھی زیادہ حاصل ہوتا: تم اس کو چھیڑتے، وہ تم کو چھیڑتی۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرے والد غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے ہیں اور وہ اپنے پیچھے ۹/ بیٹیاں چھوڑ کر کے گئے ہیں، جو میری بہنیں ہیں، وہ سب ناتجربہ کار ہیں؛ اس لیے ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو تجربہ کار ہو اور ان بچوں کو سنبھال سکے، اگر میں کسی کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرتا تو وہ بھی ناتجربہ کار ہوتی، اور ایک اَور کا اضافہ ہو جاتا اور وہ ان بچوں کو سنبھال نہ پاتی؛ اس لیے میں نے ایک ثیبہ عورت سے جو پہلے دوسرے کے نکاح میں رہ چکی تھی، نکاح کیا(۱)۔

## حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

بہر حال! انھوں نے اپنی بہنوں کے لیے بہت بڑی قربانی دی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر ان کو دعا دی، اور فرمایا کہ: تو نے بہت اچھا کیا۔ ویسے نوجوانی کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے جوانی کے جذبات کی تسکین کے لیے کنواری لڑکی کو پسند کر کے تو اس کے ساتھ نکاح کرتا؛ لیکن تو نے اپنی بہنوں کے لیے بہت بڑی قربانی دے دی، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی۔

## اس واقعے سے ملنے والا سبق

دیکھو! سبق پڑھاتے ہوئے میں اس موقع پر طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ: اس موقع

(۱) صحيح البخاری، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب شِرَاءِ الدَّوَابِّ وَالْحَمِيرِ.

پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ تنبیہ نہیں کی کہ: جابر! بیوی تو تمھاری خدمت کے لیے آنی چاہیے، نہ کہ تمھاری بہنوں کی خدمت کے لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تنبیہ نہیں کی؛ بلکہ آپ نے تو ان کے جذبے کی قدر کی، شاباشی دی، دعا دی۔ معلوم ہوا کہ یہ ساری چیزیں ہیں جن کا خیال رکھا جائے گا۔ تو ضرورت ہے کہ یہاں رہ کر کے ان چیزوں کو حاصل کیا جائے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، تب تو یہ جامعہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، اور خدانہ کرے، خدانہ کرے، دوسری باتیں ان کے اندر آرہی ہیں تو یہ جامعہ والوں کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہے اور آپ کے لیے بھی بدنامی کا سبب ہے، آپ کے اساتذہ، آپ کے مربی اور منتظمین تو یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے جا کر کے آپ ان کے لیے اور جامعہ کے لیے نیک نامی اور سرخ روئی کا ذریعہ بنیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مقصد کے سو فی صد حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اسلام میں عورتوں کا مقام ومرتبہ

# اقتباس

بہر حال! اسلام نے عورتوں کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ باپ کے گھر آئی تو اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بنی، اور شوہر کے گھر میں پہنچی تو اس کے حق میں ایمان کے کمال کا ذریعہ بنی، اور جب بچہ پیدا ہوا ماں بنی تو اپنی اولاد کے لیے اپنے پاؤں کے نیچے جنت لے کر آئی، اس سے بڑھ کر عورت کی سعادت اور خوش بختی اَور کیا ہو سکتی ہے!!!۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰہ تعالیٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحيم: وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ.

## گامزن ہونا ہے مشکل، راستہ مشکل نہیں

بزرگانِ محترم! آج ہم جس تقریب میں شریک ہو رہے ہیں، ہمارے کرم فرما حضرت مولانا کبیر الدین فاران صاحب نے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ادارہ قائم کرنے کا عزم کیا اور جلد ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بقدرِ ضرورت اسباب بھی مہیا کر کے نظام بھی بنالیا۔ یہ ان کی اولوالعزمی، ہمت اور حوصلے کی بات ہے۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عورت کی زبوں حالی

اسلام نے عورتوں کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری

سے پہلے عورتوں کے ساتھ بڑا ظالمانہ اور سفّاکانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کا کچھ نقشہ قرآنِ پاک نے کھینچا ہے۔ جو آیتِ کریمہ آپ کے سامنے میں نے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ عرب کے حال کو بیان فرمایا ہے، کہ جب ان میں سے کسی کے یہاں کوئی بچی پیدا ہوتی ہے اور اس کو اس کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ: یہ سن کر کے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے غصے کو دبا رہا ہوتا ہے اور اپنے دل ہی دل میں وہ سوچتا ہے: اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ: کیا اس بچی کو ذِلّت اور رسوائی کے ساتھ رہنے دے یا اس کو زمین کے اندر دبا دے، اَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ: باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بڑا بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

## زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ عربوں کا ناقابلِ بیان برتاؤ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت جس سرزمین میں ہوئی، وہاں لڑکیوں کو باعثِ ننگ وعار سمجھا جاتا تھا، اگر لڑکی کی پیدائش کے بعد وہ لوگ اس کو زندہ باقی رکھنا چاہتے تو بھیڑ بکری کی کھال کا لباس پہنا کر اس کو جانوروں کے چرانے پر متعین کیا کرتے تھے، ورنہ جب وہ بچی دو تین سال کی ہو جاتی تھی تو اس کی والدہ کو کہہ دیا جاتا تھا کہ اس کو ذرا بنا سنوار کر تیار کر لو، اس کا باپ پہلے ہی سے اس کے لیے جنگل میں ایک گڑھا کھود کر کے تیار رکھتا تھا اور وہاں لے جا کر اُس گڑھے میں ڈال کر اس کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھا۔

## بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا ایک دل دہلا دینے والا واقعہ

عرب کے ایک سردار نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنا ایک واقعہ

بیان کیا کہ: میری بیوی حاملہ تھی، جب وضعِ حمل اور ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو مجھے ایک سفر درپیش تھا، جب سفر سے واپس آیا تو نومولود کے بارے میں پوچھا، بیوی نے بتلایا کہ ایک بچی پیدا ہوئی تھی اور وہ ختم کر دی گئی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

اصل میں ہوا یہ تھا کہ لڑکی پیدا ہوئی تھی اور اس نے اس لڑکی کو اپنی بہن کے یہاں بھیج دیا تھا۔ وہاں سے وہ اس بچی کو کبھی کبھار لایا کرتی تھی اور ہمارے یہاں دو چار دن رہتی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ: اس طرح بچی کے ہمارے یہاں آنے جانے سے اس کی محبت میرے دل کے اندر پیدا ہوگئی اور میں اس سے پیار کرنے لگا، اور وہ مجھے بڑی اچھی لگنے لگی، اور جب میری یہ کیفیت میری بیوی نے دیکھی تو ایک دن اس نے بتلا ہی دیا کہ یہ تو ہماری ہی بچی ہے۔

## جو رحم نہیں کرتا، اس کے ساتھ رحم نہیں کیا جاتا

کہتے ہیں کہ: اس کے بعد مجھ پر ایک جنون سا طاری ہوا اور میں اس بچی کو لے کر جنگل میں پہنچا، وہاں پہلے سے کھودا ہوا گڑھا نہیں تھا تو میں نے گڑھا کھودنا شروع کیا، کھدائی کے دوارن جب میرے کپڑے پر مٹی گرتی تھی تو وہ بچی آ کر کے میرے کپڑوں کو جھاڑ کر کے یہ کہتی تھی کہ: ابّا ابّا! یہ آپ کے کپڑے خراب ہو رہے ہیں، اس کے باوجود مجھے اس کے اوپر رحم نہیں آیا، یہاں تک کہ جب وہ گڑھا تیار ہوگیا تو میں نے اس کو اس کے اندر ڈال دیا۔ وہ کہنے لگی کہ: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کس جرم میں مجھے اس کے اندر ڈال رہے ہیں؟ کہتے ہیں کہ: مجھ پر ایک پاگل پن سوار تھا، میں کچھ

سنے بغیر اس کے اوپر مٹی ڈالی اور اس کو دفن کر دیا۔

یہ قصہ سن کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ: واللّٰہ إن ھذہ لقسوۃ واللّٰہ من لا یرحم لا یرحم (۱): یہ تو بڑی سخت دلی کی بات ہے۔ اللہ کی قسم! جو آدمی رحم کا معاملہ نہیں کرتا، اس کے ساتھ رحم بھی نہیں کیا جاتا۔

## وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے لوگوں کو جن آداب واخلاق کے ذریعہ آراستہ کرایا، اس میں یہ بھی تھا کہ ان کے دلوں میں بچیوں کے سلسلے میں جو نفرت کا جذبہ تھا، اس کو دور کیا گیا، اور اس کے بعد حال یہ ہو گیا کہ عمرۃ القضا کے موقع پر عمرہ کے افعال کی ادائیگی کے لیے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تین دن کے لیے مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے، تو وہاں سے واپس لوٹتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی سی صاحب زادی- جو تین، چار سال کی تھی- چچا چچا کہتے ہوئے آپ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بچی کو اپنی گود میں اٹھا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا۔

## حضرت حمزہؓ کی صاحب زادی کی پرورش کے سلسلے میں تین حضرات کے درمیان نزاع

بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ: اس کے بعد راستے میں یا مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) عورت، اسلام اور دوسرے مذاہب میں، مؤلفہ: مولانا عبدالصمد رحمانی، مونگیریؒ۔

تینوں حضرات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ: بچی کی پرورش کا مَیں زیادہ حق دار ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ: یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اس کے علاوہ میری بیوی اس بچی کی خالہ بھی ہوتی ہے۔ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، وہ اس بچی کی خالہ ہوتی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دعوے کو مضبوط کرتے ہوئے کہا کہ: یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی میرے نکاح میں ہے، اور اس بچی کو میں ہی مکۂ مکرمہ سے لے کر آیا ہوں؛ اس لیے یہ بچی میرے حوالے کی جائے، میں اس کی تربیت کروں گا۔

اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تو چوں کہ ہجرت سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا۔ ایک بھائی چارہ تو ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان کرایا تھا، اور ایک اُخُوّت اور بھائی چارہ وہ بھی تھا جو ہجرت سے پہلے حضراتِ مہاجرین کے درمیان آپس میں بھی کرایا گیا تھا، اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا، اس بنا پر انھوں نے کہا کہ: یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر کہ: ''خالہ ماں کے درجے میں ہے'' فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا(۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ الْبَرَاءِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب عُمْرَةُ الْقَضَاءِ.

روایتوں میں آتا ہے کہ: یہ فیصلہ سن کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ اپنی مسرّت کا اظہار کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر کے آپ کے چکر لگائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: یہ کیا چیز ہے؟ تو چوں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک عرصہ حبشہ میں رہ کر آئے تھے، تو کہا کہ: حبشہ میں جب کوئی آدمی اپنے حاکم کے سامنے خوشی کا اظہار کرتا ہے تو ایسا ہی کیا کرتا ہے؛ اس لیے میں نے ایسا کیا(۱)۔

## وہ دانائے سُبُل، مولائے کُل، ختم الرُسل جس نے

الغرض! یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی برکت کا نتیجہ تھا کہ جو قوم بچیوں کی پیدائش کو باعثِ ننگ وعار سمجھا کرتے تھے، اسی بچی کی پرورش کے معاملے میں آپس میں لڑ رہے ہیں، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تربیت کا اثر تھا۔

## دو بچیوں کی پرورش کرنے والا قیامت کے دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگا

پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے باقاعدہ ترغیب دلائی: حدیثِ پاک میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ هٰكَذَا(۲) کہ: جس آدمی نے دو بچیوں کی پرورش کی، یہاں تک

---

(۱) دلائل النبوة، عن البراء، باب ما جرى في خروج ابنة حمزة بن عبد المطلب خلفهم من مكة.

(۲) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ.

کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ میں اور وہ دونوں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے، یہ کہہ کر آپ نے دونوں انگلیاں ملادیں۔

## تین بچیوں کی اچھی پرورش پر جنت کا وعدہ

ایک دوسری حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے تین بچیوں کی پرورش کی، ان کو ادب سکھایا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کی شادی کرائی، تو وہ جنت کے اندر داخل ہوجائے گا(۱)۔

## بچیوں کی اچھی پرورش جہنم سے آڑ ہے

بخاری شریف کے اندر روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک عورت دو بچیوں کو ان کے پاس لے کر آئی اور اس نے بھوک کی شکایت کی اور کہا کہ: کھانے کی کوئی چیز ہو تو دیجیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے گھر میں کھانے کی چیز تلاش کی تو کھجور کا ایک دانہ مجھے ملا، میں نے وہ اس کو دے دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس عورت نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے: ایک ایک بچی کو دیا، دوسرا دوسری بچی کو دیا، اور اس نے خود کچھ نہیں کھایا، بھوکی رہی۔ اس کے بعد جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو بطورِ تعجب میں نے یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی ان بچیوں سے آزمایا گیا یعنی جس آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بچیاں دیں اور اس نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، یعنی ان کی

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ.

اچھی پرورش کی، تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی (۱)۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچیوں کی پرورش کے اوپر بڑا زور دیا ہے اور بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی لختِ جگر کے ساتھ والہانہ تعلق

اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ تھا کہ، آپ جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرتے، پھر سفر میں تشریف لے جاتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرتے تھے۔

## قرآن میں عورتوں کے حقوق سے متعلق آیات

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی ہے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں سے متعلق بے شمار احکام قرآنِ پاک میں نازل فرمائے، جو حضرات قرآنِ پاک کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں عورتوں کے ساتھ کیے جانے والے مظالم کا ازالہ کیا گیا ہے۔

## وراثت کے معاملے میں موجودہ معاشرے کی جاہلانہ سوچ

وراثت کے معاملے میں یہ ہوتا تھا کہ ان کو مرنے والے کے مال میں سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ آج بھی ہمارا معاشرہ اسی جاہلیت کے طریق کی پیروی کرتے ہوئے

---

(۱) صحیح البخاری، عن عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها، باب رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ.

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر رہا ہے۔ حالاں کہ وراثت کا مسئلہ تو ایسا ہے کہ جب کسی آدمی کا انتقال ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ اس کا مال فلاں، فلاں کی ملکیت میں پہنچ گیا۔ بہت سی مرتبہ جو دیتے ہیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم احسان کر رہے ہیں، کوئی احسان نہیں ہے، وہ تو باپ کے انتقال کرتے ہی اس کا مال ان وارثوں کی ملکیت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جو بھی مسائل سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ مر جانے کی وجہ سے آدمی کے مالک ہونے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے مرتے ہی اس کا مال اور اس کی ساری چیزیں خود بخود، آپ ہی آپ وارثوں کے ملک میں چلی جاتی ہیں۔

## باپ کے مال میں سے لڑکی کو دینا اس پر کوئی احسان نہیں ہے

اب لڑکی بھی اپنے باپ کے مال میں اسی طرح حق دار ہے جیسے لڑکے حق دار ہوتے ہیں، اتنا ہے کہ دونوں کے حصے میں شریعت نے فرق رکھا ہے کہ لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو دوگنا ملتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھائی کچھ دے رہا ہے تو اپنی بہن کے ساتھ کچھ احسان کر رہا ہے بلکہ وہ تو اس کا حق ہے، وہ اس کو دینا ہی چاہیے۔

## ذوی الفروض عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے

بلکہ جو عالم ہیں، وہ جانتے ہی ہیں کہ قرآن نے جن وارثوں کے لیے جو حصے مقرر کیے۔ قرآن وحدیث میں بھائی، بہن اور دوسرے متعلقین کے حصے مقرر ہیں اور جن کے حصے مقرر ہیں پہلے ان کو دیا جائے گا، اہلِ فرائض کی اصطلاح میں ان کو ''ذوی الفروض'' کہا جاتا ہے تو مستقل حصے والے جو ورثہ ہیں، ان میں مردوں کی تعداد چار ہے

اور عورتوں کی تعداد آٹھ ہے تو حصے کے اعتبار سے شریعت نے جو قوانین بتلائے ہیں، ان میں بھی خاص طور پر عورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی عطا اور رحمت کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں

اور قرآنِ پاک کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے مظالم کو ختم کیا گیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ لڑکی جس کے گھر میں آئے گی، اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائے گی اور اس کی پیدائش ہی برکت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا﴾ [الشوریٰ] اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، تنہا لڑکیاں دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اکیلے لڑکے دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، محروم رکھتے ہیں، بانجھ رکھتے ہیں۔

## وہ عورت بابرکت ہے

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے لڑکیوں کا تذکرہ کیا گیا؛ اس لیے جس عورت کو پہلی گود میں لڑکی پیدا ہو، اس کو مبارک قرار دیا گیا ہے (۱)۔ ہمارے معاشرے میں تو جس عورت کو پہلے بچی پیدا ہوتی ہے تو عورتیں اس کو کوسنے دیا کرتی ہیں

(۱) {يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا} فلا يكون له ولد ذكر، قيل: من يمن المرأة تبكيرها بالأنثى قبل الذكر، لأن الله تعالى بدأ بالإناث. (معالم التنزيل للبغوی ۷/ ۲۰۰)

اور قرآن تو اس کا پہلے تذکرہ کرتا ہے اور مفسرین نے کہتے ہیں کہ وہ عورت بڑی بابرکت ہے جس کو پہلی گود میں بچی پیدا ہو۔

## شرف میں بڑھ کے ثریّا سے مشتِ خاک اس کی

بہرحال! اسلام نے عورتوں کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ باپ کے گھر آئی تو اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بنی اور شوہر کے گھر میں پہنچی تو اس کے حق میں ایمان کے کمال کا ذریعہ بنی اور جب بچہ پیدا ہوا، ماں بنی تو اپنی اولاد کے لیے اپنے پاؤں کے نیچے جنت لے کر آئی، اس سے بڑھ کر عورت کی سعادت اور خوش بختی اور کیا ہوسکتی ہے۔

## عورتوں کے بارے زمانۂ جاہلیت کی سوچ
## آج ''سُدھرے'' سماج میں بھی موجود ہے

عورتوں کے ساتھ مظالم کا سلسلہ جو قدیم زمانے سے جاری ہے، وہ آج بھی چل رہا ہے۔ ہم اسلام کے ماننے والے، ہم ایمان لانے والے شریعت کو اور اس کے احکام کو پسِ پُشت ڈال کر کے، نماز کی پابندی کرتے ہوئے ان ہی مظالم کو دہرا رہے ہیں بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کی نسبت سے ہونے والے جن رشتوں کو عار سمجھا جاتا تھا، ہمارے سماج میں جو گالیاں دی جاتی ہیں: ''سالا'' اور ''سالی'' اور ''سسر'' وغیرہ، یہ اسی زمانۂ جاہلیت والی عار کا نمونہ ہے یعنی یہ رشتے اس زمانے کے

اندر عیب سمجھے جاتے تھے، آج بھی ان گالیوں کو ترویج دے کر کے اسی نظریے کو بڑھاوا اور اشاعت کی جارہی ہے تو ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا خاص لحاظ کیا جائے۔

## یہ اہلِ یورپ کے کھوکھلے دعوے

یہ یورپ، امریکہ وغیرہ جو عورتوں کے حقوق کے بلند وبالا دعوے کرتے ہیں، اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ سب کھوکھلے دعوے ہیں۔ آپ اخباروں کا مطالعہ کیجیے کہ ایک طرف تو ان کا نعرہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیئے جائیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ عورت دفتر کے اندر جا کر کام کرے گی اور ظاہر ہے کہ بچہ تو اسے ہی جننا ہے، برابری کے دعوے کے باوجود بچہ جننے کی ذمہ داری مرد نے اپنے ذمے نہیں لی ہے۔ اب اس کو بچہ پیدا ہوگا تو اس کو دودھ بھی پلانا ہے، اس کی پرورش بھی کرنی ہے اور اِدھر دفتر میں حاضری بھی دینی ہے۔ اب یہ کمزور عورت کیا کیا کرے گی؟ اُدھر دفتر کے کام کرے گی یا اِدھر بچے کی طرف دھیان دے گی!! عورت کے بوجھ کو ہلکا نہیں بلکہ دوہرا کر دیا، یہی آزادئ نسواں ہے؟ یہ کوئی انصاف کی بات ہے؟ اس کے برعکس اسلام نے اسے کتنا عزت کا مقام دیا تھا۔

## حرص وہوا کے پجاریوں نے عورتوں کو تحصیلِ زر اور تکمیلِ ہوس کا ذریعہ بنالیا ہے

اور پھر آج عورتوں کا استعمال کس بے ہودہ ڈھنگ سے کیا جارہا ہے؟ آج کوئی ایسا اشتہار نہیں ہے جس میں عورت کو پورے پورا یا آدھا ننگا کر کے پیش نہ کیا جاتا ہو،

معمولی معمولی چیزوں کو فروخت کرنے کے لیے عورتوں کی عزت کو داؤ پر لگایا جاتا ہے، کیا یہی عورتوں کے ساتھ انصاف ہے؟ اور کیا یہی ان کی تہذیب ہے جو عورتوں کو برابر کے حقوق دینے کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ حالاں کہ یہی آزادیٔ نسواں کے نعرے لگانے والے جہاں عورتیں دفتر میں کام کرتی ہیں، وہاں عورتوں کی ترقی کا جب زمانہ آتا ہے تو جب تک وہ عورت ان کو جنسی طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے، وہاں تک اس کو ترقی نہیں دی جاتی ''نو سیکس، نو پرموشن'' کا اصول انھوں نے قائم کر رکھا ہے۔

آزادیٔ نسواں کے جو بڑے بڑے ٹھیکیدار ہیں، آپ ان کے حالات کا مطالعہ کیجیے، آج بھی ان لوگوں نے عورتوں کے استحصال کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے، آج بھی عورتوں کا استحصال اسی طرح ہو رہا ہے، جیسے زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر کے ہو رہا ہے۔

## اسلام کی فطرت میں قدرت نے وہ لچک رکھی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے زندگی گذارنے کا جو طریقہ ہم کو عطا فرمایا ہے، اس میں عورت کو جو مقام عطا کیا گیا ہے۔ آج آپ جائزہ کیجیے، یورپ کے ممالک میں، فرانس میں، برطانیہ میں، امریکہ میں جو اسلام قبول کرنے والے حضرات ہیں، ان میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد وہ عورتیں کہتی ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور حجاب کے احکام کو اپنانے کے بعد ہم نے اپنے دل میں جو تحفُّظ اور امن وامان کی کیفیت محسوس کی، اس سے پہلے یہ کیفیت

ہمیں حاصل نہیں تھی۔

## جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

یہ وہ لوگ ہیں جو خود اس تہذیب کو آزما چکے ہیں، اس کے نفع اور نقصان سے وہ واقف ہو چکے ہیں، وہ شہادت دیتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جو احکام بیان کیے ہیں، وہی عورتوں کے شایانِ شان ہے، ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ [الملك: ١٤] اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں، وہی اپنی مخلوق کے حال سے بخوبی واقف ہیں۔ اپنی مخلوق کے متعلق اس نے جو احکامات دئے ہیں، وہ عین حکمت کا تقاضا ہیں اور مخلوق کے لیے وہی سب سے بہتر اور نافع طریقہ ہے۔

## معاشرے کی اصلاح بڑا مدار عورتوں کی اصلاح پر ہے

ضرورت تھی کہ ہم ان چیزوں کو عام کرتے۔ ہمارے معاشرے میں جو بگاڑ آ رہا ہے، اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ عورتیں اسلامی احکام سے ناواقف ہیں۔ ہمارے یہاں شادی، بیاہ اور موت میت کے موقع پر جو غیر اسلامی رسم ورواج انجام دئے جاتے ہیں، ان رسم ورواج کو ترویج اور بڑھاوا دینے میں بڑا کردار عورتوں کا بھی ہوتا ہے، اگر عورتوں کی اصلاح ہو جائے تو یہ مسئلہ بھی بڑی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

## بچوں کی اسلامی تربیت میں ماں کا کردار سب سے اہم ہے

بچوں کی تربیت میں بھی عورتوں کا بڑا کردار ہے، بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پاس

ہوتا ہے، چار پانچ سال کی عمر تک تو وہ ماں کی گود ہی میں رہتا ہے، ماں کی تربیت میں رہتا ہے، باپ کو اس کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ماں دین دار ہے اور اسلامی احکام سے واقف ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو جانتی ہے، ان کے احکام کو جانتی ہے، ایسی عورت جس عمدہ طریقے سے بچوں کی پرورش کرسکتی ہے، اس کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ بچیوں کی صحیح تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے۔

مولانا بڑے باحوصلہ ہیں جو یہ سلسلہ شروع کررہے ہیں۔ صبح وہاں ناشتے کے موقع پر تذکرہ ہو رہا تھا اور اسی کی بات چل رہی تھے، ہمارے قاری صاحب بھی کہہ رہے تھے اور میں بھی اسی نظریے کا حامل ہوں کہ اقامتی درس گاہوں میں عورتوں کے قیام کو مناسب نہیں سمجھتا لیکن یہاں کے حالات کی بناء پر اس کی رخصت دی جاسکتی ہے۔

## مدرسۃ البنات کے منتظمین بڑے باحوصلہ ہوتے ہیں

میں تو کہا کرتا ہوں کہ کسی کے گھر میں دو بیٹیاں ہوتی ہیں تو اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے اور یہاں مدرسوں میں پانچ سو، پانچ سو، ہزار، ہزار بچیوں کو لاکر کے رکھتے ہیں، پتہ نہیں ان کے حوصلے کتنے بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، فتنوں سے بھی حفاظت فرمائے۔ بہر حال! بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے جو تدابیر اختیار کرنی ہوگی، مولانا نے اب تک تو ماشاءاللہ بہت بڑی بڑی ذمہ داریاں قبول کی ہیں اور نبھائی ہیں۔ ہم تو دعا کررہے ہیں کہ اس کو شروع کررہے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کے فتنوں اور مکائدِ شیطانی سے حفاظت فرما کر اس کام کو بھی عمدہ اور احسن طریقے سے،

عافیت، سہولت اور کامیابی کے ساتھ آگے بڑھانے کی ان کو توفیق عطا فرمائے۔ ہم اسی لیے اس موقع پر یہاں حاضر ہوئے ہیں کہ دعا کریں اور دعا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد طلب کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اولاد کی تعلیم وتربیت اور اس میں دینی اداروں کا عظیم کردار

# اقتباس

اللہ کرے! ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنے والے بنیں۔ یہ جو آج کل ہائی فائی زندگی گذاری جارہی ہے، یہ ہائی فائی لائف تو بلا ہے، مصیبت ہے، اس ہائی فائی لائف نے تو ہمیں دین کا بھی نہیں رکھا اور دنیا کا بھی نہیں رکھا، کسی کام نہیں رکھا۔ ذرا اپنے عقل کے ناخن لو، ہوش سنبھالو اور سمجھو کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہم اپنی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [التحريم۶]

وقال تعالىٰ: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا [الفرقان]

وقال تعالىٰ: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [البقرة:۱۳۳]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

[صحيح البخارى، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُمَا، باب المرأة راعية في بيت زوجها]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ نُحلاً مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ.

[شعب الإيمان، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ، ۸۲۸۵]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ.

[سنن الترمذی، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الوَلَدِ]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ. [صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ. [صحيح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ] أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## مجلس کے انعقاد کا سبب

محترم حضرات! آج کی ہماری یہ مجلس یہاں دینی تعلیم کا جو سلسلہ جاری ہے، اس کی کارگذاری کو پیش کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ اس مدرسے میں یہاں آس پاس بسنے والے مسلمان شوق اور رغبت کے ساتھ بڑے اہتمام سے اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجیں، اس کی ترغیب کے لیے منعقد کی گئی ہے۔

## یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری

کارگذاری تو ہمارے سامنے آگئی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے جس انداز میں ہمارے سامنے قرآن پڑھا، وہ قابلِ داد ہے۔ دیکھئے! ان پر جب محنت کی جارہی ہے تو

اس کے کیسے نتیجے برآمد ہو رہے ہیں۔ زمین کیسی ہی کیوں نہ ہو، اس زمین پر جب آدمی محنت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اچھے نتائج برآمد کراتے ہیں۔ اعلیٰ اور عمدہ زمین ہے اور اس پر محنت کی جائے تو اچھے اچھے پھول کھلیں گے اور اس میں اچھے اچھے درخت اُگ کر عمدہ قسم کے پھل لائیں گے اور اس میں اچھے اچھے پودے پیدا ہو کر کے ہم اس سے مختلف غذائیں حاصل کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی راہ میں کی جانے والی کسی بھی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔

## کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر

یہاں جو حضرات مدرسے کی مالی معاونت کرتے ہیں اور دوسری جہتوں سے بھی اس کا خیال رکھتے ہیں، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک جذبہ عطا فرمایا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں ایسا جذبہ ہونا چاہیے۔ ان حضرات کو یہاں پڑھنے والوں کے ساتھ کوئی نسبی رشتہ داری نہیں ہے، اگر کوئی رشتہ ہے تو وہ اسلامی اُخوّت اور بھائی چارگی کا۔

قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:۱۰] ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔ اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ (۱): مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بھلائی اور خیر چاہنی چاہیے جو آدمی اپنے لیے چاہا کرتا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ

---

(۱) صحيح البخاری، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُمَا، باب لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ، وَلَا يُسْلِمُهُ.

مَایُحِبُّ لِنَفْسِہِ (۱) تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ ہماری اولاد نیک بنے، اچھی تعلیم اور تربیت پاوے۔

## جہاں دیکھئے فیض اسی کا ہے جاری

اسی جذبۂ اُخوت کے بل بوتے پر یہ مدارسِ دینیہ کا نظام قائم ہے اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی ہر طرح سے معاونت کر رہے ہیں اور اس معاونت ومحنت کے کچھ نتائج ہمارے سامنے نمونے کے طور پر پیش کیے گئے اور نمونے کے طور پر چیزیں زیادہ مقدار میں پیش نہیں کی جاتیں۔ اصل تو یہ ہے کہ اندر آویں، دیکھیں، پتہ چلاویں کہ ان کی محنت کیا رنگ لا رہی ہے۔

## تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

ہم تو دنیا کے مختلف علاقوں میں آتے جاتے رہتے ہیں، وہاں بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں جو حال ہے، اس کے پیشِ نظر یہاں ہمارے سامنے جو کارگذاری آئی، وہ بہت ہی بہتر ہے اور ہمیں اس سے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ ہیں۔ اگر یہاں کے اور آس پاس رہنے والے مسلمان اس کام میں تعاون کریں گے اور ہاتھ بٹائیں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ آگے بڑھے گا، اور زیادہ ترقی کرے گا اور اس کے نتیجے میں آپ کی پوری آبادی میں اِن شاء اللہ تعالیٰ ایک ایسا ایمانی انقلاب آئے گا کہ جس کو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، بَاب مِنَ الإِیمَانِ أَنْ یُحِبَّ لأَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

دیکھ کر ہر مؤمن کا دل خوش ہوسکتا ہے۔

## مدرسہ اور اہلِ مدرسہ آپ سے کیسا تعاون چاہتے ہیں؟

آپ کا تعاون اس سلسلے میں کیا ہونا چاہیے؟ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت یہاں بچوں کے اولیا سب جمع ہوئے ہیں تو دیکھئے! آپ سے مانگا جانے والا بنیادی تعاون یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کو بڑے اہتمام، توجہ اور پوری سعی کے ساتھ یہاں مدرسے میں بھیجیں اور پھر ان کی تعلیم جو ہورہی ہے، اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں بھی بھرپور کوشش کریں۔

## زباں سے کہہ بھی دیا ''لا اِلٰہ'' تو کیا حاصل ہے

دیکھیے! ہم لوگوں کا معاملہ بڑا عجیب وغریب ہے: دنیوی تعلیم کے سلسلے میں ہمارا طرزِعمل کیا ہے اور دینی تعلیم کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے، اس کو ذرا دیکھ لیں، جائزہ لے لیں، تب پتہ چلے گا کہ ہم اپنے ایمان کو بڑا قیمتی مایہ کہتے ہیں، یہ محض زبانی دعوی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کو قیمتی مایہ سمجھتے نہیں ہیں، اگر حقیقت میں ہم اس کو قیمتی مایہ سمجھتے تو اس کی حفاظت کے لیے اور اس میں ترقی کے لیے ہم اس سے زیادہ کوشش کرتے، جتنی کوشش ہم دنیا کے لیے کیا کرتے ہیں۔

## نہیں جہاں جائے عیش وعشرت، سنبھل سنبھل ورنہ ہوگی حسرت

کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کتنے عمل کریں؟ تو جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کے لیے اتنی محنت کرے، جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے

لیے اتنی محنت کرے، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آخرت میں کتنا رہنا ہے، ہر مسلمان اس کو جانتا ہے اور اس کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت کیا ہے؟

## وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا

یہاں اگر ہزاروں سال گذارے، تب بھی کل قیامت کے دن آدمی یہی کہے گا: ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ [المؤمنون: ۱۱۳] کہ: ہم دنیا میں ایک دن رہے یا ایک دن بھی نہیں، دن کا کچھ حصہ ہی رہے۔ وہاں جائیں گے تو یہاں جو زندگی اور اس کے اوقات گذارے ہیں، اس کی کمی کا احساس ہوگا۔

اس لیے ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو موقع اور فرصت دی ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ دنیا کے لیے آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر تکلیف اور مشقت اٹھا کر کوشش کرتا ہے۔

## انگلش میڈیم کے دیوانے

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکول (english medium school) میں پڑھانے کے لیے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور بڑی بڑی فیس ادا کرتے ہیں بلکہ نفسِ داخلہ ہی کے لیے بہت بڑی رقم ادا کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں اور اب تو سنا ہے کہ بچہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہے اور یہاں اس کے نام کا اندراج کروایا جارہا ہے، اس کے لیے ریزرویشن (reservation) ہورہا ہے، اس کے لیے اتنا اہتمام ہورہا ہے کہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا اور بُکنگ

(booking) کرانی پڑتی ہے اور پھر وہاں ڈونیشن (donation) کے نام سے مزید رقمیں بھی حاصل کی جاتی ہیں، ڈونیشن کے نام سے بلینک چیک ( blank cheque ) دیا جاتا ہے، آپ حضرات جانتے ہیں۔

پھر جب داخلہ ہوگیا تو بچوں کو اسکول بھیجنے کا اہتمام کیسا ہوتا ہے: خود بھی اٹھ جاتے ہیں اور ان کو بھی صبح سویرے اٹھا دیتے ہیں، نہلاتے، دھلاتے ہیں، تیار کرتے ہیں، اسکول کا جو یونیفارم (uniform) ہے، اس کا اہتمام کرتے ہیں، اس کو لانے کے لیے پیسے خرچ کیے جاتے ہیں۔ روزانہ نہلا کر دھلے ہوئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور ابھی تو اسکول پہنچانے والا گاڑی یا رکشا لے کر آیا نہیں، اس کو آنے میں ابھی تو پندرہ، بیس منٹ دیر ہے، اس سے پہلے ہی اس کو تیار کرکے ماں اس کو لے کر کے دروازے کے پاس کھڑی رہتی ہے۔

## نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم

پھر وہ اسکول پہنچانے والے رکشے والے کو کرایہ دیا جاتا ہے اور درمیان میں مہینے دو مہینے کی چھٹی آتی ہے، اس کا کرایہ بھی وہ وصول کرتا ہے اور لوگ دیتے بھی ہیں اور شوق سے دیتے ہیں اور اس کے لیے جو بھی طلب کیا جائے، پیسے خرچ کرکے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد نتائج کیا آتے ہیں؟ میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اتنی ساری مشقتیں اٹھانے اور اتنا پیسہ خرچ کرنے کے بعد جہاں جہاں جو جو بچے بھیجے گئے تھے، آج ان کی عمر پندرہ سال ہوگئی، بیس سال ہوگئی۔ ذرا ان کو بلا کر پوچھ

لیجیے کہ اس کو جس غرض سے انگلش میڈیم میں بھیجا گیا تھا، اس کے پاس کیا سرمایہ ہے؟ کتنی انگلش جانتا ہے؟ اس پر جو خرچ کیا گیا تھا، اس سے اس کو زندگی میں کتنا فائدہ پہنچے گا؟ اور کیا اس کی وجہ سے اس کو سرکاری سروس میں کوئی اونچا درجہ مل گیا کہ جس کی وجہ سے وہ ہزاروں لاکھوں روپیے کما رہا ہو؟ کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کے سر کے اوپر ایک سودا سوار ہے اور اس کے لیے ہزاروں، لاکھوں روپیے خرچ کیے جا رہے ہیں!!

## آپ کے دین وایمان کا فکر کرنے والے

اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام سکھانے کے لیے اللہ کے یہ بندے آپ کے گھروں پر آتے ہیں، آپ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو بھیجیے۔ کیوں؟ ان کو فکر ہے کہ آپ کے بچوں کا ایمان سلامت رہے، آپ کے گھر میں اسلامی اور ایمانی ماحول پیدا ہو، آپ کی آنے والی نسلیں ایمان کے اوپر قائم رہیں۔ اسی فکر کی وجہ سے یہ حضرات آپ کے گھروں پر آتے ہیں اور آپ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ آپ اپنے بچے دو، مدرسے میں داخل کرو۔

## دینی تعلیم کی طرف سے امت کی بے اعتنائی

اب ان کی درخواست پر اگر ہم اپنے بچے ان کے حوالے کرتے بھی ہیں تو ان کی پابندی سے حاضری کا کوئی اہتمام نہیں، ہر جگہ سے یہ شکایتیں موصول ہوتی ہیں کہ بچے دیر سے آتے ہیں۔ پھر مدرسہ بھیجتے ہوئے ان کی تیاری کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ وہ بچہ خود اٹھ کے آئے تو آئے، ماں باپ تو سوئے ہوئے ہیں، ان کو مدرسے میں بچہ بھیجنے کا

فکر نہیں ہے کہ بچہ وقت پر مدرسہ جاوے۔ بعض ماں باپ ایسے ہوتے ہیں جو اس کا اہتمام کرتے ہیں، ورنہ از خود بچہ آوے، اس کو شوق ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ تو مدرسہ بھیجنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

## تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

بچوں کو جلدی اٹھا کر مدرسے بھیجنے کا اہتمام نہیں ہے، ان کی صفائی، ستھرائی کا کوئی انتظام نہیں، ان کو سبق یاد کرانے کا کوئی فکر نہیں اور اِدھر اسکول کے معاملے میں اتنا پیسہ خرچ کرنے کے باوجود گھر آنے کے بعد بھی ٹیوشن (tuition) کے سلسلے اور ٹیوشن کے اوپر مزید ٹیوشن، ٹیوشن در ٹیوشن اور اس کو جو چاہیے ہوتا ہے، سب گوارا کرلیا جاتا ہے اور یہاں صرف دو گھنٹے کی تعلیم ہے، اس میں بھی بچہ آیا اور ابھی تو آکے بیٹھا نہیں کہ انھوں نے کسی اور بچے کو استاذ کے پاس بلانے کے لیے بھیج دیا!! کاہے کو؟ تو کہتے ہیں کہ گھر مہمان آنے والے ہیں۔ ارے بھائی! مہمان کے لیے تم اس کی تعلیم کیوں خراب کرتے ہو؟ مہمانوں کی تم مہمان نوازی کرتے رہو، بچے کی کیا ضرورت ہے؟

## جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گُل ہی نہیں

بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ہم نے جو اپنا مزاج بنا رکھا ہے، یہ ان قوموں کا مزاج نہیں ہے جو ترقی یافتہ ہیں یا جو ترقی کرنا چاہتی ہیں، اقوامِ عالم میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتی ہیں، اس کے لیے تو بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔

## تربیتِ اولاد کے سلسلے میں غیروں کی قابلِ رشک محنتیں

آپ غیروں کے یہاں چلے جائیے اور دیکھئے کہ وہ اپنے بچوں پر کیسی محنتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس آخرت تو ہے نہیں، صرف دنیا ہے، اس کے باوجود ان کے پیچھے کیسی محنتیں کی جاتی ہیں، مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں! اس لیے ہمیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے پیچھے خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

## تربیتِ اولاد کی اہمیت کے سلسلے میں قرآن کا عجیب انداز

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایمان واسلام کی عظیم دولت سے نوازا ہے، اس دولتِ ایمان کی حفاظت کے لیے اور ہماری آئندہ نسلوں میں یہ سلسلہ جاری رہے، اس کے لیے ہم خاص توجہ دیں۔ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی چیز کی اہمیت کو بٹھانے کے لیے ایک بڑے جلیل القدر نبی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جو آیتیں میں نے پڑھیں، ان میں ایک آیت یہ تھی: اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ کہ: جس وقت حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا تو کیا تم موجود تھے؟

## حضرت یعقوبؑ اور بنی اسرائیل کا مختصر تعارف

پہلے ذرا یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہیں کون؟ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ یہ بنی اسرائیل جو ہیں نا، ان کے بارہ خاندان تھے، یہ درحقیقت حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہی کے بارہ بیٹے

تھے، ان سے جو نسل چلی، ان کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب کا اصل نام تو یعقوب ہی تھا لیکن اسرائیل ان کا لقب تھا، ان ہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں، یہ اللہ کے نبی تھے اور ان کے ابّا حضرت اسحاق، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے چچا تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام، وہ بھی اللہ کے نبی پیغمبر تھے، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ: اللہ کے خلیل، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی دنیا میں آئے، سب کے ابا یعنی ابوالانبیاء، پورا گھرانہ اور فیملی نبوت کا گھرانہ تھا، جیسے شاہی گھرانہ ہوتا ہے نا، روئل فیملی، یہ گویا نبوت فیملی ہے، نبیوں کا گھرانہ! تین پشتوں سے، تین پیڑھیوں سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے۔

## حضرت یعقوبؑ کے واقعۂ وفات کو بیان کرنے کے سلسلے میں قرآن کا دل نشیں انداز

لیکن یہی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام، جب ان کی موت کا وقت آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس واقعے کو اس آیت کے اندر بیان فرمایا ہے اور بیان کرنے کے لیے اندازِ بیاں بھی عجیب وغریب استعمال فرمایا: ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ کہ: جب حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم موجود تھے؟

جیسے آپ کے شہر ”سورت“ میں کوئی اہم واقعہ پیش آیا جو پورے شہر میں موضوعِ بحث بنا ہوا ہے، ”ٹاپک اِن ٹاؤن“ (topic in town) بنا ہوا ہے، پورے شہر

میں اس پر چرچا ہو رہا ہے اور جب وہ واقعہ پیش آیا، اس وقت آپ وہاں موجود تھے، جب لوگ واقعے کا چرچا کر رہے ہوں، اس پر بات چیت ہو رہی ہو، آپ وہاں ہوں تو آپ کیا کہیں گے؟ آپ کہیں گے کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، تم لوگ وہاں موجود تھے؟ لوگ کہیں گے کہ موجود نہیں تھے۔ آپ کہیں گے کہ میں وہاں موجود تھا، وہاں کیا ہوا، میں بتاؤں؟

## بوقتِ وفات حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں کو اپنے پاس جمع کرنا

یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ: کہ جب حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم وہاں موجود تھے؟ ظاہر ہے یہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں تھے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تھے، ہم بتائیں کہ کیا ہوا تھا؟: اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ: جب ان کی موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، قرآن ہی میں ہے کہ ان کے ۱۲/ بیٹے تھے اور ان ۱۲/ بیٹوں میں ایک اللہ کے نبی تھے: حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

## اس زمانے میں مرنے والے کی آخری چاہت

ان سب بیٹوں کو موت کے وقت جمع کر کے اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ آپ تصور کریں، ذرا سوچیں: آج اگر کسی کو آثار، قرائن اور نشانیوں سے

یہ اندازہ ہو جائے کہ اب میں زیادہ رہنے والا نہیں ہوں، میری آخری گھڑی آ گئی ہے، اس کی بیماری اور حالت ایسی ہے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو کیا کرے گا؟ کہے گا: ارے بھائی! میرے سب بچوں کو بلاؤ، فلاں بیٹا ممبئی میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں احمد آباد میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں بیٹی فلاں جگہ ہے، اس کو بھی بلاؤ، سب کو بلا کر کے باپ اپنے پاس بٹھائے گا، نصیحت کرے گا، وصیت کرے گا یعنی آخری اہم باتیں کرے گا۔

## حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں سے سوال

یہاں بھی حضرت یعقوب علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور جمع کر کے کیا پوچھتے ہیں؟ سوال کیا کرتے ہیں؟ کس بات کی وصیت کرتے ہیں؟ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے، کس کی عبادت کرو گے؟

## بوقتِ وفات اپنے بیٹوں کے بارے میں ایک نبی کا فکر

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بیٹے کون ہیں؟ کن بیٹوں کو یہ نصیحت کی جا رہی ہے؟ ان بیٹوں کو جن کے باپ نبی، جن کے چچا نبی، جن کے دادا نبی، جن کے پردادا نبی اور ان بیٹوں میں بھی خود ایک نبی موجود ہیں۔ ان بچوں سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے، کس کی عبادت کرو گے؟ جن کی پرورش، جن کا نشو نما، جن کی اُٹھان نبوت کے گھرانے میں ہوئی، جن میں تین تین، چار چار پشتوں سے نبوت چلی

آرہی ہے، جو ساری دنیا کو ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں، اس گھر میں جن بچوں کی پرورش ہوئی، بھلا ان بچوں کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں؟ پھر بھی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اگر کوئی فکر ہے تو کیا فکر ہے؟ کہ میرے بیٹے میرے بعد کس کی عبادت کریں گے؟ میرے بعد ایمان پر قائم رہیں گے یا نہیں؟ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے یا نہیں؟

## سینکڑوں سال پہلے پیش آنے والے اس واقعے کو قرآن میں بیان کرنے کا مقصد

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے پیش آیا تھا لیکن قرآن میں اللہ نے اس واقعے کو اس لیے نازل فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، صحابہ کو اور ان کے واسطے سے قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کو مخاطب کر کے متنبہ کیا، اس واقعے کو بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمیں یہ سبق دینا مقصود ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کو اپنی اولاد کے متعلق کیا فکر ہونا چاہیے۔ یہ فکر ہونا چاہیے کہ ان کے ایمان کا کیا ہوگا، وہ کس کی عبادت کریں گے؟ میرے بعد ایمان پر قائم رہے گی یا نہیں؟ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے گی یا نہیں؟ اور یہ تو اس زمانے کی بات ہے۔

## اس پُرفتن دور میں اپنی اولاد کے ایمان کا فکر کیجیے

ہمارے اس زمانے میں جب کہ ایمان اور اسلام سے برگشتہ کرنے والی، ایمان اور اسلام سے نکالنے والی چیزوں کی بے انتہا کثرت ہوگئی ہے، پوری دنیا اس پر محنت کر

رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچے اسلام سے نکل جائیں، ایمان سے محروم ہوجائیں۔ ہر طرف محنت ہورہی ہے، بھرپور کوششیں ہورہی ہے اوراس زمانے کے جتنے ذرائعِ ابلاغ ہیں، پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو، پوری قوت کے ساتھ استعمال کیے جارہے ہیں، ایسے زمانے میں ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی کتنی زیادہ فکر کرنی چاہیے، یہ آپ حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں۔

## عظیم اسلامی مملکت اندلس کی تباہی کے بعد وہاں اسلام کی کسمپرسی

یہ ہمارے مدارس اورمکاتب بڑے اہم ہیں، یہ مکتب بھی بڑی اہمیت کی حامل چیز ہے۔ جوحضرات اسلامی تاریخ سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یوروپی ممالک میں ایک ملک ہے اسپین۔ اس ملک میں ۸۰۰ر سال تک بڑے جاہ وجلال کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اوراس کے بعد عیسائیوں نے اس پر اپنا تسلط جمالیا اور اسلامی حکومت ختم ہوگئی۔ اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد ایسا وقت آیا کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہا۔ بہت سے ہجرت کرکے دوسرے ممالک میں چلے گئے اور بہت سوں کو قتل کردیا، وہاں مسلمانوں کی نسل ختم ہوگئی۔

جتنے اسلامی علوم ہیں: تفسیر، قرأت، حدیث، فقہ وغیرہ، ان اسلامی علوم میں اسپین کے علماء کا بہت بڑا حصہ ہے، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، اہلِ علم اس کو جانتے ہیں لیکن وہاں اسلام کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ ہزاروں مسجدوں کو گرجا گھر بنادیا گیا، اب

تھوڑے تھوڑے مسلمان وہاں جا رہے ہیں لیکن وہاں سے اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد وہاں سے اسلام کو بالکل مٹا دیا گیا۔

## مکاتب اور اس میں کام کرنے والوں کی اہمیت علامہ اقبال کی نگاہ میں

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہا کرتے تھے، کسی نے ان مدارس و مکاتب میں پڑھانے والے مولویوں اور ملاؤں کے متعلق علامہ اقبال سے پوچھا تھا، پوچھنے والے کا مقصد ان پر تنقید کرنا تھا کہ اس طرح یہ مولوی لوگ بچوں کو بے کار کر دینا چاہتے ہیں تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ان کو رہنے دو اور اپنی جگہ پر کام کرنے دو، اگر یہ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟ وہ میں اسپین میں دیکھ کر آیا ہوں۔

## ہندوستان کو دوسرا اسپین بنانے کا خواب دیکھنے والوں کے خواب کو چکنا چور کرنے والے

اور یہ واقعہ ہے کہ لوگوں نے اور خصوصاً انگریز نے یہاں حکومت کرنے کے دوران اس کی بھرپور کوشش کی اور یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کو بھی اس کا نمونہ بنا دیا جائے اور اسلام کو یہاں سے بالکلیہ ختم کر دیا جائے لیکن ہمارے اکابر نے مدارس اور مکاتب کا یہ سلسلہ یہاں شروع کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ان کوششوں کی برکت سے ان کی محنتوں کی لاج رکھ لی اور اس کی بدولت آج ہم اور ہماری نسلیں ایمان اور اسلام پر قائم ہیں۔

## بچوں کی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت

مکاتب کا یہ سلسلہ بہت ضروری ہے، بچوں کو بنیادی اسلامی تعلیم سے واقف کرنے کے لیے یہی ایک ذریعہ ہے جو ہمارے پاس ہے۔ بچوں کو اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنے کی فرصت ماں باپ کے پاس ہے؟ آج تو باپ کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر بیٹھنے کی، اس کے ساتھ بات کرنے کی، اس کو کچھ سکھلانے کی، تعلیم وتربیت کی فرصت نہیں ہے! صبح جب گھر سے نکلتا ہے تو بیٹا سویا ہوا ہوتا ہے اور پھر رات کو بارہ بجے آئے گا، اس وقت بھی بیٹا سویا ہوا ہوگا، وہ کب اُٹھا، کہاں گیا، کس کی صحبت میں رہا کیا سیکھا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہاں! اپنے باپ ہونے کا حق ادا کرنے کے لیے سنیچر اتوار کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیسے دئے ہیں، گاڑی دی ہے تو سب بچوں کو اس میں بھر کر کے لے جائے گا تو اولاد کے واسطے پیسہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہے لیکن وہ بھی دنیا کے واسطے۔ دین کے لیے کوئی پیسہ مانگنے آئے گا تو بخل سے کام لے گا۔

## مکتب والوں کا احسان مانیے

لیکن تعلیم وتربیت کے لیے ان کو لے کر بیٹھنا، اس کی فرصت نہیں ہے، تم میں سے کتنے ہیں جو روزانہ بچوں کو لے کر بیٹھتے ہوں کہ بھائی کلمہ سناؤ، قرآن پڑھ کر سناؤ۔ اسلامی آداب، اسلامی دعائیں، اسلامی طور وطریق، اسلام کی تعلیمات سکھانے کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ یہ ذمہ داریاں آپ کی تھیں لیکن یہ مکتب والے ان ذمہ داریوں کو ادا کررہے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ آپ ان کا احسان مانیں، شکریہ ادا کریں اور

آپ اپنے بچوں کو اہتمام کے ساتھ، توجہ کے ساتھ یہاں بھیجنے کی کوشش کریں۔

## بچوں کی تعلیم وتربیت کا طریقہ

اب اولاد کی تربیت کیسے کریں تو ایک تو تعلیم ہے اور دوسری چیز تربیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کریں۔ اس کا نام تعلیم ہے۔ اس میں پہلے خود بھی سیکھنا ضروری ہے؛ اس لیے یہاں جو حضرات ایسے ہیں جنھوں نے ابھی تک سیکھا نہیں ہے تو وہ طے کرلیں کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ سیکھیں گے۔ آپ سیکھیں گے تو اپنی اولاد کو سکھا سکتے ہیں۔

## تربیت کا مطلب

تربیت کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ، نماز کا حکم دیا تو خود بھی نمازی بنو اور اولاد کو بھی نمازی بناؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد کو بھی ان سے بچانے کا اہتمام کریں: شراب اور جوئے سے بچنے کا حکم دیا ہے تو خود بھی بچو اور اولاد کو بھی اس سے بچنے کا عادی بناؤ تو یہ جو اولاد کو اس پر ڈالا جارہا ہے، عادی بنایا جارہا ہے، اسی کا نام تربیت ہے۔

## مکتب تعلیم گاہ ہے اور گھر تربیت گاہ ہے

بچے مکتب میں آتے ہیں، نماز سیکھتے ہیں، اساتذہ نماز تو سکھائیں گے لیکن وہ آپ کے بچوں کو نمازی بنا نہیں سکتے، نمازی تو ماں باپ بنا سکتے ہیں، وہ تو ماں باپ کے ساتھ گھر میں رہے گا۔ یہ اساتذہ آداب سکھا تو سکتے ہیں کہ کھانے کا یہ ادب ہے: ہاتھ دھو کر کھاؤ، داہنے ہاتھ سے کھاؤ، بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، اس طرح لقمہ لو، اس طرح بیٹھو، کھانے کے بعد یہ پڑھو، دستر خوان بچھاؤ۔ یہ ساری چیزیں یہاں مکتب میں سکھائیں گے لیکن اس پر عمل کہاں ہوگا؟ یہاں مکتب میں؟ عمل تو گھر میں ہوگا، عمل تو آپ کو کرانا ہے، اگر یہ سکھا دیا گیا تو بچے اس وقت تک عادی نہیں بنیں گے، جب تک کہ آپ اس پر محنت نہیں کریں گے۔

## ہمارے گھر بھی ہوٹل کا نمونہ بن کر رہ گئے ہیں

اس زمانے میں ہمارے گھروں کا حال کیا ہو گیا؟ ہمارے ایک دوست بڑی معقول بات کہتے ہیں کہ آج ہمارے گھر گھر میں ہوٹلیں بن گئی ہیں، بڑی فائیو اسٹار ہوٹلیں ہوتی ہیں نا، وہاں کیا ہوتا ہے؟ وہاں علیحدہ کمرے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہر آنے والے کا اپنا کمرہ ہوتا ہے، بازو والے کمرے میں کون ہے؟ کچھ پتہ نہیں، مجھے تو اپنے کمرے سے لینا دینا ہے، یہاں ضرورت کی سب چیزیں ہیں: کھانا یہاں کچن سے وقت پر مل جائے گا، میں نے آرڈر دے رکھا ہے، آجائے گا۔

گھروں میں کیا ہو گیا ہے؟ جتنے بھی بڑے بڑے گھرانے ہیں، بڑی بڑی بلڈنگیں،

بڑے بڑے بنگلے ہیں، ان میں باپ کا کمرہ الگ ہے، ماں کا کمرہ الگ ہے، بیٹی کا کمرہ الگ ہے، بیٹے کا کمرہ الگ ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے کمرے میں اپنے اپنے وقت پر آکر سوئے گا: باپ بارہ بجے آکر سوئے گا، بیٹا ایک بجے آکر سوئے گا۔ باپ کو پتہ نہیں کہ بیٹا کب گیا، کب آیا، کس طرح سویا! کچن میں کھانا ہے، آنے والا اپنے وقت پر آکر کھانا گرم کر کے کھالے گا۔

## اپنوں سے پرایے پن کی عجیب فیشن

ہوٹلوں میں بھی یہی ہوتا ہے نا؟ وہاں کیا ہوتا ہے؟ لوگ آتے ہیں، پیسے دے کر روم لیتے ہیں، کھانا ان کے کمروں میں پہنچا دیا جاتا ہے یا جہاں ان کو بتا دیا کہ یہاں ریسٹورنٹ ہے، وہاں جا کر کھا لیتے ہیں، ہر کمرے والا اپنے وقت پر آتا ہے، کھاتا ہے اور سوتا ہے، دوسرے کمرے والے سے کوئی لینا دینا نہیں۔ ہمارے گھروں کا بھی یہی حال ہو گیا ہے: اولاد کو ماں باپ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اور اولاد کے ساتھ ماں باپ کو کوئی تعلق نہیں رہا، بڑے چھوٹے کا لحاظ اور آداب کچھ بھی باقی نہیں رہا، سب ختم ہو گیا اور ہم اس پر خوش ہیں۔ اللہ کرے ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنے والے بنیں۔

## ہائی فائی اور پر تعیش طرزِ زندگی نے ہمیں تباہ کر دیا ہے

یہ جو آج کل ہائی فائی زندگی گذاری جارہی ہے، یہ ہائی فائی لائف تو بلا ہے، مصیبت ہے، اس ہائی فائی لائف نے تو ہمیں دین کا بھی نہیں رکھا اور دنیا کا

بھی نہیں رکھا، کسی کام کا نہیں رکھا۔ ذرا اپنے عقل کے ناخن لو، ہوش سنبھالو اور سمجھو کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہم اپنی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں؟

## یہ اولاد کے حقوق کی صحیح ادائیگی نہیں ہے

آج ماں باپ اولاد سے بے گانہ بنے ہوئے ہیں، بہت بہت تو سنیچر یا اتوار کو بچوں کے ساتھ وقت گذارنے کا موقع ملتا ہے، اس فرصت کے وقت کو بھی اِدھر اُدھر گھومنے میں ضائع کر دیا جاتا ہے: سنیچر کی شام میں اپنے بچوں کو گاڑی میں بھر کر کسی گارڈن (garden) میں یا کسی بیچ (beach) کے اوپر، ساحلِ سمندر کے اوپر یا ہِل اسٹیشن (hill station) پر یا اپنے شہر ہی کے اندر کسی گارڈن میں یا کسی کھانے پینے کی یا تفریح کی جگہ لے جائے گا۔ وہاں اچھا سا کھانا کھلائے گا اور گھوم پھر کر رات کو آئیں گے پھر دو بجے تک ٹی وی دیکھا اور سو گئے۔

کل تو اتوار ہے، نہ فیکٹری جانا ہے، نہ دوکان جانا ہے، نہ دفتر میں حاضری دینی ہے؛ اس لیے خوب سولو۔ نماز کا کیا ہوگا؟ اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کا تو کوئی فکر ہی نہیں، ظہر تک، عصر تک سو گئے۔

میں نے ذمہ داروں سے کہا تھا کہ میرے پاس وقت تو ہے نہیں، آپ ساڑھے سات بجے کا اعلان کریں۔ یہ کہنے لگے کہ لوگ کیسے آئیں گے! میں نے کہا کہ میں بھی کیا کروں! میرے پاس بھی وقت نہیں ہے۔ سب تو اس وقت میں سوتے نہیں ہیں لیکن تمھاری دوسری ذمہ داریاں بھی ہیں۔

میں تو آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ باپ اپنے بچوں کو لے گیا اور رات میں دیر سے آیا اور سو گیا تو کیا اس سے باپ ہونے کا حق ادا ہو گیا؟ باپ کی جو دوسری ذمہ داری ہے: اولاد کی تربیت کی، ان کو اخلاق و آداب سکھانے کی۔ کیا اس نے یہ ذمہ داری پوری کی؟ نہیں! اسی طرح پوری زندگی گذر جاتی ہے۔

## دنیوی تعلیم شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے

اپنی اولاد کو دینی تعلیم اور تربیت سے آراستہ کرو۔ یہ مولوی حضرات لوگوں کو دنیوی تعلیم سے منع نہیں کرتے، ہم تو بے دینی سے منع کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بناؤ، مسلمانوں کو ڈاکٹروں کو بہت ضرورت ہے۔ وکیل بناؤ، مسلمانوں کو وکیلوں کو ضرورت ہے۔ انجنیر بناؤ لیکن وہ ڈاکٹر بننے کے ساتھ مسلمان بھی بننا چاہیے۔ آئی ایس (i.s) آفیسر بناؤ لیکن وہ آئی ایس آفیسر مسلمان ہونا چاہیے۔

## دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جاسکتی

آج کیا ہو گیا ہے؟ اگر کوئی مسلمان بڑے عہدے پر پہنچتا ہے تو کسی غیر سے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا اس سے پہنچتا ہے تو اس کو تعلیم دلانے سے حاصل کیا ہوا؟ دنیوی تعلیم دو لیکن دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جاسکتی۔ دین کو قربان کر کے تو کوئی چیز حاصل نہیں کی جاسکتی، یہ سودا تو بڑا مہنگا، بڑا خطرناک اور ہلاک کرنے والا ہے، ہم اس سودے کی اجازت نہیں دیتے۔

## قوم کو مسلمان ڈگری یا فتاؤں کی ضرورت ہے

اگر آپ اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دے رہے ہیں تو آپ کو ان کی برابر نگرانی رکھنی ہے کہ ذرّہ برابر دین سے ہٹنے نہ پائے۔ ڈاکٹر بناؤ، مسلمانوں کو ڈاکٹروں کو ضرورت ہے لیکن کیسے ڈاکٹروں کی؟ مسلمان ڈاکٹروں کی! اب یہ ڈاکٹر تو بن گیا لیکن مسلمان نہیں رہا تو پھر جو غرض تھی، وہ تو پوری نہیں ہوئی۔ جس ضرورت کے لیے اس کو ڈاکٹر بنایا تھا، وہ ضرورت تو پوری نہیں ہوئی، مسلمان ایسی صورت میں پیسے دے کر دوسرے ڈاکٹروں سے ضرورت پوری کریں گے۔

## عالم بنانا ضروری نہیں، دین دار بنانا ضروری ہے

ہمیں اپنے دین کے اوپر قائم رہنے کی اور اللہ اور اس کے اس کے رسول کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے اندر اتارنے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنے بچوں کو مدرسوں کے اندر بھیج کر مولوی اور عالم بنائیں، ان کو مسلمان بنانا ہے، دین دار بنانا ہے۔ اگر عالم بنایا اور عمل نہیں ہے تو عالم بنانا بھی کام کا نہیں ہے۔ بس اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کریں اور انھیں مسلمان بنانے، دین دار بنانے کا فکر کریں۔

## تربیت اولاد کے لیے والدین کو خون کے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں

یاد رکھنا! بچوں کو مدرسوں کے اندر بھیجنا انھیں دین دار بنانے کی گارنٹی نہیں ہے، اتنا ہے کہ کالجز اور اسکولوں میں جتنی خرابیاں ہیں، یہاں اتنی خرابیاں نہیں ہیں، باقی تربیت

تو کرنی پڑے گی، بیٹھے بٹھائے کچھ ہونے والا نہیں ہے، ہم یہ چاہیں کہ تیار مل جائے تو یہ ناممکن ہے، بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ کو خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اس کے لیے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

## قیامت کے دن اولاد کے متعلق پوچھا جانے والا سوال

اور یہی وہ مرحلہ ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متوجہ کیا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: تم میں سے ہر آدمی نگران ہے، بڑا ہے، بزرگ ہے تو اس کے ماتحت میں جو لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا، پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی بیوی، بچوں کی کیسی تربیت کی؟ ان کو دین سے کتنا واقف کیا؟ دین پر عمل کرنے کی کتنی عادت ڈالی؟ گناہوں سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا؟ دنیا میں ان کو دین کے اعتبار سے کس حال میں چھوڑ کر آئے؟ یہ نہایت ہی اہم سوال ہے جو قیامت کے دن ہر ایک سے ہوگا اور ہر ایک کو اس کا جواب دینا پڑے گا۔

## اولاد کے دنیوی امور کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوگا

قرآن کی کسی آیت میں یا کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ قیامت کے دن یہ پوچھا جائے گا کہ آپ اپنی اولاد کے لیے کیا مال وجائداد چھوڑ کر آئے۔ اگر ایسی کوئی حدیث ہو تو مہربانی کر کے مجھ کو بتاؤ کہ باپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمھارے چار بیٹے تھے، تم نے ہر ایک کے لیے الگ الگ بنگلہ کیوں نہیں بنایا؟ ہر ایک کے لیے الگ الگ

کار کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ ہر ایک کے لیے اتنا بینک بیلنس کیوں نہیں چھوڑا؟ ہر ایک کے لیے الگ الگ دوکان اور فیکٹری کیوں نہیں چھوڑی؟ ایسا کسی روایت میں نہیں ہے۔

آپ کو تو یہ پوچھا جائے گا کہ بچوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا، ان کاموں کی عادت ڈالی تھی یا نہیں؟ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کرانے کے بعد ان کاموں سے بچنے کی عادت ڈالی تھی یا نہیں؟

## بچوں کو غلطیوں پر محبت سے سمجھائیں

آج تو باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بھی کچھ کہتا نہیں، اس کی ایمانی غیرت بچے کی یہ حرکت دیکھ کر ذرّہ برابر بھی جوش میں نہیں آتی کہ اس کو روکے، منع کرے۔ مارنے کی ضرورت نہیں ہے، محبت سے سمجھائے، چاہے چھوٹی سی بات ہو لیکن روکے۔

## تربیتِ اولاد کا نبوی انداز

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے چھوٹے تھے، دوڈھائی سال کے ہوں گے۔ گھر میں کھجوروں کا ایک ڈھیر تھا، صدقے کی کھجوریں الگ رکھی جاتی تھیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کھجور کا ایک دانہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ نہیں چلا کہ انھوں نے کھجور کا دانہ منہ میں رکھ لیا ہے۔ چھوٹا بچہ جب کوئی میٹھی چیز کھاتا ہے نا تو منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ ان کے منہ سے بھی رال ٹپکنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کھجور منہ میں رکھی ہوئی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھجور منہ میں سے نکلوائی اور فرمایا: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ (۱)، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، ہمارے واسطے صدقہ جائز نہیں ہے۔

دیکھئے! حضرت حسن رضی اللہ عنہ دو ڈھائی سال ہی کے بچے تھے۔ صدقہ کیا ہے؟ ہدیہ کیا ہے؟ انھیں اس کا کچھ علم نہیں ہے، صدقے کی حقیقت سے ایک چھوٹا سا بچہ واقف بھی کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود یہ جملہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے!

## بچپن کا مرحلہ باقی زندگی کے بننے سنورنے کا اہم ترین موڑ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھا رہے ہیں، مار نہیں رہے ہیں، اس سے ہم کو سمجھایا جا رہا ہے کہ بچے کو مارو مت، اس کو اچھی طرح سمجھاؤ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عمر کی جس منزل سے گذر رہے تھے، ان میں یہ جملہ سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی لیکن یہ عمر کا وہ مرحلہ ہے کہ جب ایسی بات کہی جاتی ہے تو بچے کے دل ودماغ میں نقش ہوجاتی ہے، ریکارڈ ہوجاتی ہے،

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ تَحْرِيمِ الزَّكَاةِ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَهُمْ بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ.

بچہ اس جملے کا مطلب نہیں سمجھتا لیکن یاد ہو جائے گی۔ بڑے ہونے کے بعد یاد آئے گا کہ ابّا نے کہا تھا اور اس کا مطلب بھی اس وقت سمجھ میں آ جائے گا، اس مرحلے میں کی ہوئی نصیحت ایسی اثر کرتی ہے کہ زندگی بھر کام دیتی ہے۔ یہ ہے تعلیم کا اثر اور فائدہ۔

اس لیے ضرورت ہے کہ بچوں کو ان چیزوں سے آگاہ کیا جائے، محبت اور شفقت سے بتایا اور سمجھایا جائے، لاڈ پیار کے ساتھ غلط حرکتوں سے روکا جائے۔

## ٹی وی کی تباہ کاریاں

اب تو لوگ اپنے گھر کے اندر ٹی وی لا کر ڈال رہے ہیں، یہ تو ہم خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی اولاد کو بگاڑنے کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ ٹی وی پر کیا آتا ہے؟ اس پر کیسے مناظر دکھلائے جاتے ہیں؟ بچے اس سے کیا سیکھ رہے ہیں، ان پر اس کا کیا اثر پڑ رہا ہے۔ ہر ایک کو معلوم ہے، کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشتہارات جس کو آپ خطرناک نہیں سمجھتے، اب بچہ چیزوں کے ان ہی اشتہارات کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر اس کے دل میں ان چیزوں کے استعمال کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، بچہ ہی کیا! بڑوں کو بھی اس کی خواہش ہو جاتی ہے۔ اب ماں باپ کی مالی پوزیشن (position) ایسی نہیں ہے تو اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے بچہ کیا کرے گا؟ چوری کرے گا۔ اپنے گھر چوری کرے گا اور اگر اس سے ضرورت پوری نہیں ہوئی تو آگے بڑھ کر دوسروں کے گھروں سے چوری کرے گا، آگے اس کے لیے اور تدبیریں کرے گا۔ یہ تو ان مناظر کی بات ہے جو بظاہر بے ضرر معلوم ہوتے ہیں۔ باقی ان مناظر کو دیکھ کر بچوں پر کیا اثر مرتب ہوتا

ہوگا جس کو سبھی ضرر رساں سمجھتے ہیں۔

اس لیے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# فضلاء سے اہم خطاب

# اقتباس

اگر اسی لیے علم حاصل کیا ہے تو ''نور الایضاح'' اٹھا کر دیکھ لو، اس کے مقدمہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: وہ پہلوان جو اکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اس عالم سے جو اِس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے، آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اِس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسہ میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علوم حاصل کرتے۔

حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}miciir) کو اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات ہزار ہوتی ہے اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}miciir) کی تنخواہ ۲۰ / ہزار ہوتی ہے، اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ۲۵ / ہزار سے ۵۰ / ہزار تک ہوتی ہے، اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ [البقرة:۱۲۹]

وقال تعالى: ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا﴾ [الأحزاب:۲۳]

وقال تعالى: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ﴾ [السجدة:۲۴]

وقال تعالى: ﴿قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾ [الزمر:۹]

وقال النبي صلى اللّٰه عليه وآله وسلم: إِنَّ الۡعُلَمَاءَ هُمۡ وَرَثَةُ الۡأَنۡبِيَاءِ، إِنَّ الۡأَنۡبِيَاءَ لَمۡ يُوَرِّثُوا دِينَارًا،

وَلَا دِرْهَمًا، وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ

(سنن الدارمي، أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي فَضْلِ الْعِلْمِ وَالْعَالِمِ، رقم الحديث: ۳۵۴)

حضرات اساتذہ اور میرے معزز فضلائے کرام اور عزیز طلبہ!

میں جب یہاں آیا تو یہ سوچ رہا تھا کہ آپ حضرات سے کیا عرض کروں؟ رات اللہ تعالی سے دعا کی کہ: اے اللہ! جو چیزیں مفید ہوں ان کو پیش کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما، فجر کے بعد اتنی ساری باتیں ذہن میں آئیں کہ اب سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا بات پیش کروں اور کیا چھوڑوں؟ کسی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر متفرق باتیں میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

## اہلِ علم کا مقام

پہلی بات تو یہ کہ اللہ تعالی نے جو مقام ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی ضرورت ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ارشاد پیش کیا، اس سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ منصب حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی وراثت اور جانشینی کا ہے، اسی لیے جو مقاصد حضراتِ انبیاء کی بعثت کے ہیں، یعنی وہ حضرات جن کاموں کو انجام دینے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے؛ انھیں کاموں کو ہمیں بھی انجام دینا ہے۔

اللہ تعالی نے قرآنِ پاک میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کو بہت ساری جگہوں پر واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے: سب سے پہلا موقعہ سیدنا حضرت ابراہیم

علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کا ہے جو انھوں نے تعمیرِ کعبہ کے موقعہ پر کی تھی، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصدِ ثلاثہ - تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب وحکمت، اور تزکیہ - بیان فرمائے ہیں، دوسری جگہوں پر بھی اللہ تعالی نے ان کو بتلایا ہے۔

## آپ امت کی امانت ہیں

ایک اور بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنی ذات کے مالک ومختار ہیں؛ بلکہ آپ کا وجود امت کی امانت ہے اور بحیثیت عالم کے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علمی وجود اور تشخص عطا فرمایا ہے، آپ کے اس علمی وجود کو دنیا میں لانے میں ذریعہ یہ مدرسہ بنا ہے اور امت کے افراد اس مدرسہ کا تعاون کر رہے ہیں، ہمارے جتنے بھی مدارس چل رہے ہیں، ان کے مصارف امت کے افراد کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اس لیے کہ ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ امت کی بقا جن چیزوں پر موقوف ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

اس لیے کسی نے چاہے فیس بھر کر ہی اپنے مدرسہ کا زمانہ پورا کیا ہو، لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ تو صرف کھانے کا معاوضہ بھی نہیں ہوتا، پھر یہ تعمیرات اور تعلیمی سلسلہ اور تربیت کا نظام جو مدارس میں جاری ہے، آج دنیا میں اگر کوئی آدمی ان چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو ہزاروں روپئے خرچ کرنے پڑتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو انگلش میڈیم اسکول (english medium school) میں بھیجا جاتا ہے، ان کے لیے کتنی بڑی فیس ادا کی جاتی ہے! فیس تو اپنی جگہ پر رہی؛

نفس داخلہ کے لیے ڈونیشن (Donation) کے نام سے رشوت کی بڑی بڑی رقمیں جو پیش کی جاتی ہیں اور پھر ان کے ٹرانسپورٹنگ (Transporting) اور یونیفارم (uniform) اور کتابوں وغیرہ کا خرچہ جو ہزاروں اور لاکھوں روپئے ہوتا ہے؛ اتنی بڑی رقم وہ لوگ وصول کرتے ہیں، تب جا کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر بنتا ہے، آج کل ڈاکٹروں کی فیس جو بڑھتی جا رہی ہیں، وہ سب اسی لیے ہے کہ ان کے پیشِ نظر تو محض دنیا ہے۔

لیکن ہمیں اللہ تعالی نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور سلیکٹ (Select) کر کے یہاں بھیجا اور پھر ہمیں علمی وجود ملا، وہ اِن ہی تمام مسلمانوں کی محنتوں سے ہے، اس لیے آپ یوں نہ سمجھیں کہ میں اپنا مالک ومختار ہوں؛ بلکہ آپ تو پوری امت کی امانت ہیں، آپ کو عالم بنانے میں ایک ایک مسلمان نے حصہ لیا ہے، اس لیے عالم بننے کے بعد آپ اپنے آپ کو اس لائن سے الگ کرلیں اور کسی ایسے مشغلے میں لگا دیں جس میں مسلمانوں کو علمی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو یوں سمجھئے کہ آپ نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور آپ امانت میں خیانت کا ارتکاب کر رہے ہیں، سیدھی بات ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں جو چاہوں کروں، بلکہ اب آپ کو ہر جگہ علمی فائدہ ہی پہنچانا ہے، ایک بات تو یہ ہوئی۔

## ہمارا سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے

دوسری بات یہ کہ ہمارا یہ سلسلہ بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی

نور اللہ مرقدہ: پہلے ہی دن سے مجاہدہ اور صبر والا ہے، آپ نے جس دن کسی مدرسہ میں داخلے کے لیے داخلہ فارم کی خانہ پری کی تھی، اسی دن گویا اللہ تعالی سے ایک عہد و پیمان کیا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے دین کا علم حاصل کرنے جارہا ہوں اور علم حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے جو تقاضے ہیں ان پر خود بھی عمل کروں گا اور تیرے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچاؤں گا، اس لیے اب ہمیں اس معاہدہ کو زندگی کی آخری سانس تک نبھانا ہے۔

## فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ

ہمارے اس سلسلے کے اکابر کی زندگیاں وسوانح اور ان کے حالات ہمارے سامنے ہیں، ان حضرات نے اپنے آپ کو اِس لائن میں ڈال کر اللہ تعالی کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا تھا، اسے علمی و عملی طور پر پورا پورا نبھایا، اب ہماری باری ہے اور اللہ تعالی دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنے اس عہد و پیمان کو نبھا رہے ہیں یا نہیں؟ وہ حضرات ﴿فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ﴾ والے تھے، اور ہم ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ﴾ میں ہیں، اگر ہم نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو میدانِ حشر میں اپنے بڑوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، یہ بہت اہم چیز ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

## احکامِ دین کی اشاعت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی جانے والی تکالیف کا ایک نمونہ

میں نے ایک اور آیت تلاوت کی: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا

صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ ہماری یہ لائن تو پوری کی پوری صبر ہی کی لائن ہے، آپ نے بخاری شریف میں "کتاب المغازی" میں پڑھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ سونا ایک چمڑے کے اندر رکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دیا تو اس پر ایک آدمی بولا کہ اس کے زیادہ حقدار تو ہم تھے اور ایک آدمی نے تو کھڑے ہو کر برسرِ مجلس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اِتَّقِ اللّٰه اللہ سے ڈرو۔

ذرا غور کیجئے کہ اِتَّقِ اللّٰہ کا جملہ کس کو کہا جا رہا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا جا رہا ہے، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایسے جملے کہنے والے تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں فرماتے ہیں کہ: اگر میں اللہ تعالی سے نہیں ڈروں گا تو کون ڈرے گا؟ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے کا حقدار تو میں ہوں اور تو مجھے کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو!۔ اللہ تعالی نے اپنے پیغامات بندوں کو پہنچانے کے معاملے میں مجھ پر اعتماد کیا اور تم کو اِس مال کی تقسیم میں میرے اوپر اعتماد نہیں؟[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ایسی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، خود باری تعالی اس کی گواہی دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ [الحجر]

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ [الحاقة:٦]

## لوگوں کی دل شکن باتیں علماء کا انعام ہے

لوگوں کی باتیں سن کر ہمارے دلوں پر جو آرے چلتے ہیں نا، یہ تو ہمارا انعام ہے اور یہ انعام تو ہم پہلے دن سے ہی لیتے چلے آرہے ہیں، اس لیے ایسی چیزیں اگر ہمیں پیش آئیں تو اس کی وجہ سے ہمت ہارنے کی یا اپنے کام سے ہٹنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے، آج کل ہم لوگوں کی تربیت میں کمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ذرا سا ایسا کوئی معاملہ پیش آیا تو ہم اس لائن کو چھوڑ کر دوسرا کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں، ارے بھائی! اگر دوسرا کاروبار ہی کرنا تھا تو اتنے دن مدرسے میں کاہے کو لگائے؟۔

## کسی فن کو سیکھ کر اس سے متعلق خدمات انجام نہ دینا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے

ہمارے والد صاحب کے ایک بڑے پکے دوست تھے، انھوں نے اپنے بچے کو انگریزی کی اعلی تعلیم دلوائی، اس لڑکے نے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد بھی مزید پانچ سات سال لگائے، پھر فراغت کے بعد اس کو ایک جگہ پر سرکاری ملازمت ملی اور اس میں بھی بہت اچھی تن خواہ تھی؛ لیکن اس نے جو فن پڑھا تھا اور جو سرٹیفکیٹ اور سندیں حاصل کی تھیں، اس کے اعتبار سے یہ ملازمت بہت نچلے درجہ کی تھی، جب وہ لڑکا ملازمت پر لگا تو اس کے والد کہنے لگے کہ: اگر تجھے یہی کام کرنا تھا تو پانچ سال مزید کیوں لگائے؟، گویا تخصص کے جو سال تو نے لگائے، اس میں تو نے میرے پیسے بھی برباد کیے اور اپنا وقت بھی برباد کیا، اگر اسی دن سے اس ملازمت پر لگ جاتا تو تیری

قدامت اور سینئریٹی (Seniority) بھی ہو جاتی اور اِس لائن میں تو مزید ترقی کر جاتا، اس طرح گویا تو نے اپنی ترقی بھی گھٹائی۔

خیر! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو دنیا کا ہی کوئی دھندا کرنا تھا تو پہلے ہی دن سے وہاں لگ جاتے تو آج تک تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اور بہت زیادہ پیسے کما لیتے اور آپ جو کام کر رہے ہیں اس میں آپ کو مزید قدامت اور ترقی حاصل ہو جاتی اور جس مقصد کے لیے وہ کام کر رہے ہیں، وہ مقصد بھی علی وجہ الاتم حاصل ہو گیا ہوتا، یہاں مدرسہ میں کیوں آئے تھے؟ یہاں اتنے سال گنوانے اور پھر دو چار سال اِدھر اُدھر کرنے کے بعد اس میں لگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے بھائی! یہ راستہ تو صبر کا ہے۔

## علماء کے لیے اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین بھی ضروری ہے

اور اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین بھی ہونا چاہیے، ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ اللہ تعالی کے وعدوں پر یقین بھی لازم اور ضروری ہے۔

## علماء کا اپنی اولاد کو عصری علوم میں لگانا خلافِ یقین ہے

ایک عالم تھے، انھوں نے اپنے بچوں کو دینی علوم پڑھانے کے بجائے عصری علوم میں لگایا، کسی کو انجینئر بنایا، کسی کو ڈاکٹر بنایا، وہ ہمارے ایک استاذ کے ساتھی تھے، تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو اپنے علم پر یقین نہیں ہے، بھائی! ایک آدمی ڈاکٹر ہے اور ڈاکٹری کا پیشہ کرتا ہے، اگر وہ اپنے بچہ کو ڈاکٹر نہ بنائے؛ بلکہ انجینئر بنائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اپنے ڈاکٹری کے اس پیشہ پر اطمینان نہیں

ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو بھول کی تھی؛ مگر اپنے بچوں کو میں اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا، تو آپ نے دینی علم پڑھا؛ لیکن اپنے بچوں کو دینی علوم کے بجائے دنیوی علوم میں لگائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ یہ علم پڑھ کر ہم نے غلطی کی ہے، اور اپنی زندگی کو برباد کیا ہے، اب بھلے ہی میری زندگی تو برباد ہوئی اور میرے ماں باپ نے یہ بھول کی؛ لیکن میں اپنی اولاد کو برباد کرنا نہیں چاہتا، یہی تو مطلب ہوا اور کیا ہوا؟ تو آپ کا یہ طرز ﴿وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ﴾ کے تقاضے کے سراسر خلاف ہے، اس لیے اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین کی بڑی اہمیت ہے۔

## علومِ دین سے محروم رکھنے کی حکومتی پیمانے پر سازش

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہماری یہ لائن صبر وتحمل کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی بہت تکلیفیں پہنچائیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مقصد سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹے اور صرف تکلیفیں ہی نہیں؛ بلکہ لالچیں بھی دی گئیں، اب ہمارے یہاں بھی حکومتی پیمانے پر کچھ شکلیں ایسی آرہی ہیں جس میں لالچ بھی دیا جا رہا ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے کفار کی طرف سے لالچیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا بڑا لالچ دیا تھا!۔ ابو طالب کی خدمت میں قریش کے چودھریوں کا جو وفد آیا تھا، انھوں نے تین شکلیں پیش کی تھیں کہ آپ کے بھتیجے نے ایک نیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں اور گھر گھر میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے، اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟

اگر ان کو مال چاہئے تو بولو! جتنا مال وہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، اگر ان کو کوئی حسین عورت چاہئے تو عرب کی کوئی حسینہ بتائیں ہم اس کے ساتھ ان کا نکاح کرادیں گے، اگر ان کو سرداری چاہئے تو ہم ان کو سردار ماننے کے لیے بھی تیار ہیں۔

دیکھو! وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سردار اور بڑا ماننے کے لیے تیار تھے؛ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم جو کرتے ہیں، وہ ہمیں کرنے دو، ہمارے مسائل میں دخل نہ دو، مگر اللہ تعالی کا حکم یہی تھا کہ اس معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے، وہ یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اپنی خواہشات اور مرضی پر چلنے دو، ہم آپ کی بڑائی تسلیم کرتے ہیں؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی کا حکم یہ تھا کہ ہمیں آپ کی بڑائی منظور نہیں، ہم تو اس معاشرہ کو اپنے احکامات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، اسی پر محنت کرنے سے اللہ تعالی آپ کو بھی عزت دے گا۔

تو میری بات سمجھ میں آئی یا نہیں کہ اِس راہ میں جہاں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، دھمکیاں دی جاتی ہیں، وہیں لالچیں بھی دی جاتی ہیں؛ لیکن ہمارا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ نہ اِس کی پرواہ کریں اور نہ اس سے للچائیں۔ ہمارے اندر تو ایک دھن ہونی چاہئے اور اسی دھن کو لے کر آگے بڑھیں۔

## آج کل کے فضلاء کی کمزوری

آج کل ہمارے فضلاء کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم نے اپنے مقصدِ زندگی کو بھلا دیا ہے، ہم ان مدرسوں میں آنے کے بعد بھی یوں سمجھتے ہیں کہ ہم یہ پڑھتے

اس لیے ہیں؛ تا کہ ہمیں کوئی ملازمت مل جائے اور اِس لائن سے ہم دو روٹی کمانے لگیں، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

## علومِ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانے کی مذمت

اگر اسی لیے علم حاصل کیا ہے تو ''نور الایضاح'' اٹھا کر دیکھ لو، اس کے مقدمہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: وہ پہلوان جو اکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اس عالم سے جو اِس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے، آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اِس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسہ میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علوم حاصل کرتے۔

حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}miciir) کو اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات ہزار ہوتی ہے اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}miciir) کی تنخواہ ۲۰/ ہزار ہوتی ہے، اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ۲۵/ ہزار سے ۵۰/ ہزار تک ہوتی ہے، اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔

## یہ خدمت ہے؛ نوکری نہیں

اور دیکھو! کسی بات کی تعبیر آدمی کے دلی جذبات کی ترجمان ہوتی ہے، آج اگر کسی

سے پوچھو کہ: آپ کیا کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ فلاں جگہ نوکری کرتا ہوں، یہ نہیں کہتے کہ فلاں جگہ پڑھاتا ہوں، بھائی! آپ نوکری نہیں کرتے؛ بلکہ آپ کو تو یوں کہنا چاہئے کہ میں فلاں جگہ دِین کی خدمت انجام دے رہا ہوں، یہ نوکری نہیں ہے؛ بلکہ خدمت ہے، اگر نوکری کرنی تھی تو آپ اِس کو چھوڑ کر دوسری جگہوں سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے اور جو کچھ آپ کو دیا جا رہا ہے، وہ آپ کی خدمت کا معاوضہ نہیں ہے۔

## تعلیم دین پر اجرت کا حکم

ہمارے فقہ حنفی میں تو تعلیم دین پر اجرت جائز ہی نہیں ہے، مشائخِ متقدمین، ائمہ ثلاثہ احناف کا مسلک یہی ہے، لیکن متاخرینِ مشائخِ احناف نے زمانہ کے حالات میں تبدیلی آنے کی وجہ سے تعلیمِ قرآن پر اجرت کی گنجائش دی ہے، ہمارے اکابر کو اللہ پاک جزائے خیر دے، (آمین) کہ انہوں نے ائمہ احناف کا جو اصل مسلک تھا اور مشائخِ متأخرین نے زمانہ کے تقاضے کی وجہ سے جو پہلو اختیار کیا ہے، ان دونوں کو جمع کرنے کی کتنی بہترین صورت بتلائی:

## مشائخ متأخرین کی حکمت عملی سے تنخواہ کے بارے میں قول قدیم اور قول جدید کا سنگم

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

اگر آپ کے پاس اپنے گزر بسر کے لیے کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، آپ تنخواہ لے کر پڑھائیں؛ لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پڑھانے کا معاوضہ لے رہا ہوں؛ بلکہ

یہ سمجھئے کہ میں تو لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دے رہا ہوں؛ البتہ میں ان کی دینی ضرورت پوری کر رہا ہوں تو وہ لوگ کچھ دے کر میری دنیوی ضرورت پوری کر رہے ہیں اور دینے والے بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان کو پڑھانے کا معاوضہ دے رہے ہیں، اس لیے کہ جو دے رہے ہیں، دنیوی اعتبار سے اگر اس کا اندازہ لگایا جائے تو وہ اتنا نہیں ہے جو ان کو ملنا چاہئے، گویا دونوں کو کتنی بہترین تعلیم دی ہے، اسی لیے ہمارے اکابرین کا مشورہ ہمیشہ یہی رہا کہ کبھی بھی مال پیشِ نظر نہ رہے۔

## بیرون ملک کی پیش کش پر کیا کریں؟

ایک اور بات یہ ہے کہ آپ جہاں کام کر رہے ہیں اور آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کچھ کام لے رہے ہیں، تو اس جگہ کو نہ چھوڑیئے، اس لیے کہ ہوتا کیا ہے؟ کسی جگہ کوئی عالم اگر اچھا کام کر رہا ہوتا ہے تو اس کو انگلینڈ اور افریقہ سے آفر (Offer) ملتی ہے، اس لیے کہ وہ لوگ تو اچھے آدمیوں کو ڈھونڈتے ہیں اور جان کاروں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کے یہاں کام کا کوئی اچھا آدمی ہے؟ اگر کسی نے بتلا دیا کہ ہاں بھائی! فلاں گاؤں میں فلاں مولانا صاحب بہت کام کر رہے ہیں اور ہم نے سنا ہے کہ بڑی محنت ہو رہی ہے اور وہاں ان سے بڑا فائدہ ہو رہا ہے تو بس! ایک جگہ کچھ اچھا کام ہو رہا تھا اس پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اب ان مولوی صاحب پر وہاں سے خط آئے گا کہ آپ ہمارے یہاں آجائیے، ایسے موقعے پر ان مولوی صاحب کو چاہئے کہ ان کو جب پیشکش کی گئی تو اس سلسلے میں کوئی جواب دینے سے پہلے اپنے بڑے جن کے ہاتھ

میں اپنی لگام دے رکھی ہے، ان سے مشورہ کر لیتے، یہ بہت ضروری چیز ہے۔

## دینی خدمات شروع کرنے سے پہلے ہمارے اکابر کا اتفاقی طرز

ہمارے تمام اکابرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فراغت کے بعد کسی دینی خدمت میں لگنے سے پہلے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرو اور اپنی اصلاح کے بعد پھر اِس کام میں لگو اور بعد میں ہر ہر معاملے میں ان سے مشورہ کرتے رہو، اس لیے ان کو چاہئے کہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ بات پیش کریں کہ ایسی صورت حال ہے۔

## بیرون ملک سے خدمت کی پیش کش پر ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے

اور میں تو کہتا ہوں کہ خود بھی ان کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ لوگ زیادہ اصرار کرتے ہیں تو ان سے ہی کہو کہ آپ مجھے بلانا چاہتے ہیں تو آپ ہی وہاں جاؤ اور ان سے کہو، میں تو نہیں آتا، اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو میں تیار رہوں، یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو وہ ہمیں حکم دیں کہ فلاں جگہ جاؤ اور ایک ہم بہ اصرار پوچھیں۔ کبھی وہ ہماری کمزوری کو دیکھ کر اجازت دے دیتے ہیں کہ اگر اِس کو نا کہوں گا تو یہاں سے بھی چھوڑ دے گا اور کسی ہوٹل پر جا کر بیٹھ جائے گا یا دوسرا کوئی دھندا اختیار کر لے گا، اس لیے وہ ہماری کمزوری کے پیشِ نظر گنجائش پر عمل کرتے ہوئے اجازت دے دیتے ہیں کہ چلو! یہاں نہیں تو وہاں دین کے کام پر تو لگا رہے گا!۔

## وطن چھوڑ کر بیرون ملک جانے والے علماء کا حال

جتنے بھی اچھا کام کرنے والے دنیا کی نسبت پر بیرون ممالک میں گئے ہیں، ان

میں بڑے بڑے باصلاحیت لوگ تھے، عمدہ استعدادیں تھیں، حدیث پڑھانے والے تھے اور اپنے اپنے فن کے بڑے اچھے ماہرین تھے، انگلینڈ یا ساؤتھ یا جہاں جہاں بھی محض اس وجہ سے گئے کہ یہاں تنخواہ کم ہے اور وہاں زیادہ تنخواہ ملے گی، آپ جا کر دیکھ لو، میں آپ کو چیلنج سے کہتا ہوں کہ وہاں جا کر کسی ایک سے بھی کوئی بڑا کام نہیں ہوسکا، حالاں کہ یہاں ان سے بہت اچھا کام ہو رہا تھا، جب اس کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہاں کسی ایک سے بھی کوئی بڑی خدمت نہیں ہوسکی۔ ہاں! جو حضرات اپنے بڑوں کے حکم سے گئے ہیں اور جن کو ان کے بڑوں نے بھیجا ہے، حالاں کہ وہ کہتے رہے کہ: نہیں حضرت! میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں، مجھ سے یہاں فائدہ ہو رہا ہے لیکن بڑوں نے کہا: نہیں! میں حکم دیتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ تو ان سے پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی بڑا کام لیا۔

## مشورہ طلب کرنے میں ہمارا نازیبا رویہ

اور میں ہمارے احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ مشورہ لینے کا انداز بھی صحیح ہونا چاہئے، ہم مولوی لوگ ہیں نا! اس لیے ظاہر ہے کہ سوالِ مقدر کے جوابات بھی پہلے سے تیار کر لیا کرتے ہیں، اب خود کو جانا ہے تو بات اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت بھی سن کر یوں کہہ دیں کہ: ''ہاں! ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے، وہاں جانا چاہئے'' وہ جانتا ہے کہ میں یوں کہوں گا تو حضرت یہی مشورہ دیں گے۔

## مشورے میں خیانت بے برکتی کا باعث ہے

تو کان کھول کر سن لو! یہ مشورہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو دھوکہ دینا ہے، خیانت ہے، ہمارا

قلب ہمارے ساتھ خیانت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہم اپنے شیخ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اس خیانت کے نتیجے میں جو مشورہ ملا ہوگا، اس میں کوئی برکت نہیں ہوگی، یاد رکھنا کہ یہ شیخ کا مشورہ نہیں ہے۔

## اکابر سے مشورے میں بھی بدنیتی

اور یہ مشورہ بھی ہم اس لیے لیتے ہیں؛ تاکہ دنیا کو بتاسکیں کہ میں نے تو شیخ کے ساتھ مشورہ کیا تھا، یہ مشورہ تو دنیا کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے ہے؛ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہاں اتنا اچھا کام ہو رہا تھا، اس کو چھوڑ کر انگلینڈ اور افریقہ چلا گیا، اگر کوئی ایسا کہے تو اس کو بڑی زور سے یہ کہہ سکے کہ: ارے! میں نے تو حضرت سے مشورہ کیا تھا، حضرت نے مجھے اجازت دی، درحقیقت یہ مشورہ لوگوں کا منھ بند کرنے کے لیے ہے، اور کچھ نہیں۔

## رزق کی کشادگی اور تنگی محض دستِ اِلٰہی میں ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مال مقصود نہ ہو؛ بلکہ کام مقصود ہو اور ہمارا اور آپ سب کا ایمان ویقین ہے کہ روزی تو اتنی ہی ملے گی جتنی اللہ تعالی کے یہاں مقرر ہے، ہمارے لیے اللہ تعالی کے یہاں جو مقرر ہے، اس سے ایک دانہ بڑھ نہیں سکتا اور ایک دانہ گھٹ نہیں سکتا، ساری دنیا مل کر ایک دانہ کا اضافہ نہیں کر سکتی اور ساری دنیا مل کر ایک دانہ کی کمی نہیں کر سکتی، جب ہمارا ایمان ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ہم اس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

## اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ: کسی کے سامنے اپنی مادی ضرورت کا اظہار بھی نہ کرو! اگر آپ اظہار کر رہے ہیں تو گویا اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل کر رہے ہیں اور صرف اپنے آپ کو ہی نہیں؛ بلکہ علماء کے پورے گروہ کو اس کی نگاہوں سے گرا رہے ہیں، اور اگر آپ کے کہنے سے اس نے دو پیسے دے بھی دئے تب بھی اس کے دل میں آپ کی وقعت کم ہو جائے گی:

| | | |
|---|---|---|
| اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی | | جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی |

## مال داروں کے ساتھ ان کے مال کی وجہ سے خصوصی سلوک سے پرہیز کیجیے

ہم جہاں کام کرتے ہیں، وہاں اگر کوئی بڑے سے بڑا مال دار ہو تو اس کے ساتھ بھی آپ کو اسی طرح محبت سے پیش آنا ہے جیسے ایک غریب کے ساتھ پیش آنا ہے، دینی خیر خواہی کی نسبت پر دونوں سے یکساں معاملہ ہونا چاہئے، اگر اس کے پاس دو پیسے ہیں تو مال کی نسبت پر اس کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر واقعۃً وہ اپنے پیسوں کو دین کی خدمت میں استعمال کرتا ہے، اور دین کے کاموں میں آگے آگے رہتا ہے تو اس کے دین کے کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے اگر آپ اس کے ساتھ کوئی خاص سلوک کریں، تو بات دوسری ہے، لیکن صرف پیسوں کی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہئے، اب ہمارا معاملہ کس کے ساتھ کس نسبت پر ہے، یہ تو اللہ

تعالیٰ جانتا ہے، دل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

## مدرسین تنخواہ میں اضافے کی درخواست نہ کریں اور منتظمین درخواست کا انتظار نہ کریں

اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو مدرسہ میں یہ درخواست دینے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ہماری تن خواہ بڑھاؤ، ویسے جو منتظمین ہیں، ان کو خود ہی چاہئے کہ مدرسین کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اضافہ کریں، جو منتظمین اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مدرسین درخواست دیں اور ہم اضافہ کریں، وہ بھی درحقیقت اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہیں کرتے، یہ ان کی کوتاہی ہے، فتاویٰ رحیمیہ میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تفصیل سے یہ مسئلہ لکھا ہے؛ لیکن اگر منتظمین اضافہ نہیں کرتے تو ہمیں کوئی درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ درخواست دینے کے بعد کمیٹی والے اگر آپ کی تنخواہ میں اضافہ کریں گے نا! تب بھی گویا وہ احسان جتلاتے ہیں جیسے کہ اپنی جیب میں سے دے رہے ہوں، ارے بھائی! اس نے اپنی جیب میں سے نہیں دیا ہے، وہ تو دوسرے بندوں کی دی ہوئی رقم ہے؛ لیکن پھر بھی وہ آپ پر احسان جتلائیں گے، اور اس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ آپ کی قدر و قیمت ان کے دل سے گھٹ جائے گی، اب غور کیجئے کہ اگر سو، دوسو، پانچ سو، یا ہزار روپئے بڑھا بھی دیئے؛ تو کیا فائدہ ہوا؟۔

## تنخواہ کی درخواست کے سلسلے میں حضرت کا ذاتی رویہ

جب میں پڑھانے کے لیے ۱۹۶۹ء میں ڈابھیل آیا اور میرا تقرر ہوا تو میں آپ کو بتاؤں کہ میری تن خواہ ۱۲۸ / روپئے طے ہوئی تھی؛ لیکن ابھی وہ ۱۲۸ / روپئے تن خواہ وصول کروں، اس سے پہلے ہی تن خواہ بڑھ کر ۲۱۰ / یا ۲۱۵ / روپئے ہوگئی تھی، اِس لیے میں تو کہتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرو اور اپنے اِس مزاج کو ختم کرو، الحمدللہ! آج تک کبھی کوئی درخواست نہیں دی اور نہ ایسی کسی درخواست پر کبھی دستخط کیے۔

اور پھر دوسرے مدرسین کی درخواست پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے آپ جانتے ہیں کہ مولویوں کا حال کیا ہوتا ہے؟ جو اس کا ساتھ نہ دے، اس کا حلیہ خراب کر دیتے ہیں، چنانچہ ہمارے بھی پیچھے پڑ جاتے تھے؛ یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ اچھا! جب آپ نے دستخط نہیں کیے، تو پھر جب تنخواہ بڑھے تو اضافہ لینا مت، اس پر ہم نے ان سے کہا کہ ہم نے کہاں درخواست دی ہے؟ اگر وہ بڑھا کر دیں گے، تو لیں گے، تو کہتے کہ ہم نے درخواست دی ہے، اس لیے بڑھے گی، تو ہم کہہ دیتے تھے کہ آپ ان سے کہہ دو کہ ہماری تنخواہ نہ بڑھاویں۔

خیر! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی درخواست پر اگر منتظمین تنخواہ بڑھا رہے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے آپ پر احسان کیا، پھر اس کا جو بڑا نقصان ہوا، وہ یہ ہوا کہ آج تک آپ کی جو قدر و قیمت ان کے دل میں تھی، وہ گھٹ گئی، حالاں کہ وہ اپنی

جیب میں سے نہیں دیتے، لیکن انسان کا حال ایسا ہی ہے۔

## اشراف اور اس کا حکم

اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ شریعت نے سوال کو تو حرام قرار دیا ہے اور اشراف یعنی دل سے یہ سوچنا کہ فلاں مجھے کچھ دے گا، شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اشراف کے بعد اگر کچھ ملے تو لینا نہیں چاہئے کہ اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

## ہمارے اکابر اور فاقہ

ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا، یہاں تک کہ فاقے پر فاقے ہوتے، پھر بھی وہ کچھ لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت میں کسی عالم کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں تین چار وقت کا فاقہ تھا، جب سبق پڑھا رہے تھے تو فاقوں کی وجہ سے ان کی آواز متأثر تھی۔

ان کے شاگردوں میں ایک نیک نواب زادہ تھا، اس نے آواز سے محسوس کرلیا کہ فاقہ ہو رہا ہے، چنانچہ وہ اجازت لے کر گیا اور خوانچہ تیار کر کے لے کر آیا اور استاذ صاحب کی خدمت میں پیش کیا، لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ: جب تم نے مجھ سے اجازت لی تھی، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ تم اسی لیے جا رہے ہو؛ تاکہ میرے لیے گھر سے کچھ کھانا لے کر آؤ گے اور یہ میرا اشراف تھا، اس لیے میرے لیے یہ کھانا لینا جائز نہیں ہے، حالاں کہ تین چار وقت کا فاقہ تھا۔

اس وقت کے لوگ بھی ایسے تھے کہ نام کرنا نہیں چاہتے تھے، صرف خدمت ہی مقصود ہوتی تھی، جب استاذ صاحب نے لینے سے منع کر دیا تو فوراً وہ خوانچہ اٹھا کر واپس ہو گیا اور نگاہوں سے غائب ہونے کے بعد پھر دوبارہ لے کر آیا اور کہا کہ حضرت! اب لے لیجئے، اس لیے کہ جب میں خوانچہ اٹھا کر چلا گیا تو آپ کو یہ امید وتوقع نہیں رہی تھی کہ میں دوبارہ لے کر آؤں گا؟ لہٰذا اب تو لے لیجئے! چنانچہ اب وہ منع نہیں کر سکتے تھے، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے سلسلے کے ان بزرگوں کا شیوہ یہی رہا ہے۔

## حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور فاقہ مستی

''ارواحِ ثلاثہ'' میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے گھر میں کام کرنے والی ایک خدمت گار عورت تھی، ایک مرتبہ وہ حضرت کے گھر کے ایک بچے کو لے کر گھر سے باہر بہلانے اور کھلانے کے لیے آئی، وہ بچہ بہت رو رہا تھا، کسی جاننے والے نے - جو کہ صاحبِ حیثیت تھے - پوچھا، تو اس نے بتا دیا کہ گھر میں فاقہ چل رہا ہے، اس کا اثر ہے، بچہ کو کھانے کو کچھ نہیں ملا؛ اس لیے رو رہا ہے، جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا تو اس خادمہ کو بلا کر ڈانٹا کہ: اللہ کی بندی! ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ تھا، تو نے ہمارا راز کیوں فاش کر دیا؟ چنانچہ پھر اس کو خدمت سے ہٹا دیا، یہ ان میں علمی غیرت تھی۔

## ہے سنتِ اربابِ وفا صبر وتوکل

آج اسی علمی غیرت کی ضرورت ہے، اگر ایسی غیرت ہم اپنے اندر پیدا کرلیں گے

تو اللہ تعالی اسی نوع کا کام بھی ہم سے لیں گے، دینی اور علمی خدمات کو انجام دینے کے لیے صرف کتابوں کا پڑھ لینا اور استعداد بنا لینا اور امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کر لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ اِس علم کے ساتھ ساتھ وہ خوبیاں اور صفات جو ہمارے اکابر میں تھیں، ان صفات کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

## چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ وفا دیکھ

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اِن مادی ضروریات کے ذریعہ سے ہرگز اپنے مقام کو نہ گراویں؛ بلکہ اپنے کام پر لگے رہیں اور اللہ تعالی سے مانگتے رہیں، دینے والی ذات اللہ تعالی ہی کی ہے، وہی ساری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے، آپ کہیں بھی چلے جاؤ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔

## وہاں کے خدا کو ہمارا سلام کہہ دینا

غالب کے حالات میں لکھا ہے کہ دلی جب اجڑی، اس زمانہ میں رامپور کے نواب صاحب کلبِ علی خان تھے، وہ اہلِ فن کے بڑے قدردان تھے، دلی کے کوئی شاعر وہاں پہنچے تھے، انھوں نے دلی میں اپنے ایک دوست سے کہا کہ نواب صاحب بڑے قدردان ہیں، آپ بھی یہاں آجایئے، آپ کا وظیفہ مقرر ہو جائے گا، اِنھوں نے بھی ارادہ کرلیا اور اپنے ایک ساتھی سے ملاقات کے لیے گئے کہ میں تو یہاں سے نقلِ مکانی کر کے رامپور جا رہا ہوں، انھوں نے پوچھا کہ کیوں جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ: یہاں ذرا تنگی ہے اس لیے جا رہا ہوں تو انھوں نے کہا کہ: اچھا! وہاں کے خدا کو ہمارا سلام کہہ

دینا، اس پر انھوں نے پوچھا کہ: کیا وہاں کا خدا کوئی دوسرا ہے؟ کہا کہ: نہیں! وہی خدا یہاں بھی ہے اور جو خدا وہاں روزی دے گا، وہی یہاں بھی دے گا، یہاں جو خدمت کا سلسلہ جاری ہے اس کو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟۔

## قرآن کی تعلیم لفظاً و معنیً عام کی جائے

خیر! مجھے جو چیزیں کہنی تھیں، ان میں پہلی بات شروع کی تھی کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا جو کام تھا، اس میں تین چیزیں ہیں: ایک تو تلاوتِ آیات ہے، اس لیے آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اس کی طرف خاص توجہ فرمائیں، اس لیے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تعلیم کا سلسلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

## حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ایک رجال ساز شخصیت

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب مالٹا سے رہا ہو کر واپس آئے تو دارالعلوم دیوبند میں مجلس ہوئی، ہمارے سارے ہی اکابر حضرت کے شاگرد تھے، وہ سب وہاں موجود تھے، اللہ تعالی نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے لوگ عطا فرمائے تھے کہ ہر ایک اپنی اپنی لائن کے ماہرین تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب حضرات ایسے تھے کہ ہر ایک نے اپنی لائن میں وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سالہا سال تک کسی نے ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا، وہ تمام

ہی وہاں موجود تھے۔

## مالٹا کی جیل کے دو سبق

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: بھائی! جیل کی تنہائیوں میں بہت سوچنے اور غور کرنے کے بعد امت کی پستی کے دو اسباب ذہن میں آئے اور یہی دو سبق ہم نے سیکھے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی تعلیم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپس کے اختلافات و نزاعات کو ختم کیا جائے

۔لفظاً عام کرنے کے لیے مکاتب کا سلسلہ قائم ہو، جس میں حفظ کا اور تجوید کا سلسلہ جاری ہو اور معنیً کی ایک شکل تو وہ ہے جو مدرسوں میں ہے کہ تفسیر کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

## قرآن کی تعلیمات کو معنیً عام کرنے کی ایک شکل

اور آپ فضلائے کرام سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ معنیً کی دوسری شکل یہ ہے کہ آپ حضرات جہاں جہاں بھی کام کر رہے ہیں، وہاں ہفتہ میں ایک دن درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کریں، سات دن مطالعہ کریں اور ایک دن کچھ کہیں اور اس میں اپنی استعداد اور علمیت بگھارنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کے لیے جو چیزیں مفید ہیں وہ پیش کریں، قرآنِ پاک کی جو تعلیمات ہیں اور قرآنِ کریم کا تذکیر والا جو پہلو ہے، اس کو اجاگر کریں، اس میں اتنی برکت ہے کہ جب آپ یہ سلسلہ شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے لوگوں کو آپ کے ساتھ جوڑیں گے۔

## مادی فائدہ ہرگز حاصل نہ کریں

لیکن ایک اہم بات یہ بھی خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ جب اللہ تعالی لوگوں کو آپ سے جوڑیں تو کبھی ان سے اپنا مادی فائدہ حاصل نہ کریں، یہ بہت اہم چیز ہے، اس کو یاد رکھنا، آپ کی علمی خدمات کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے؛ لیکن کبھی بھولے سے بھی، اشارہ وکنایہ میں بھی ان سے ایسا کوئی معاملہ جس سے مادی فائدہ حاصل ہوتا ہو، ہرگز نہ ہونا چاہئے، قرآن پاک میں کئی جگہ ہے: ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ﴾ [سبا: ٤٧] ہر نبی کا یہی نعرہ رہا ہے، جب ہمیں نبوت کی جانشینی ملی ہے تو اس کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے۔

## ہمارے اندر لوگوں کی خیر خواہی کا جذبہ بھی ہو

دوسرا تقاضہ یہ ہے: ﴿وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ [الأعراف: ٦٨] اور لوگوں کے ساتھ نصح وخیر خواہی ہونی چاہئے، آپ نے حدیث پاک میں پڑھا ہے کہ ایمان کا تقاضہ ہے: اَلنَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی ہونی چاہئے (۱)۔

## اپنی ذمہ داریوں میں امانت داری سے کام لیجیے

اور اَمِيْنٌ یعنی اپنی ذمہ داریوں کو پوری تن دہی اور امانت داری کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہے، آپ اپنے آپ کو صرف دو ڈھائی گھنٹے کا ملازم نہ سمجھیں؛ بلکہ

(۱) مسلم شریف میں ہے: عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (صحيح مسلم، بَابُ بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ)

آپ تو چوبیس گھنٹے کے لیے ذمہ دار ہیں، اور آپ صرف ان بچوں کی تعلیم کے نگران نہیں ہیں؛ بلکہ اس پوری بستی کی دینی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے، آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ اس بستی میں نکاح ہو رہے ہیں تو کیسے ہو رہے ہیں؟ اگر وہاں ہونے والے نکاحوں میں ایک بات بھی شریعت کے خلاف اور سنت سے ہٹ کر ہو رہی ہو تو اس کو برداشت کر لینا آپ کی امانت داری کے تقاضہ کے خلاف ہے، اس لیے آپ کو چاہیے کہ ان کو بتائیں اور بتانے کے لیے عمدہ طریقہ اختیار کریں، کوئی پتھر اور ڈنڈا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## وعظ و خطابت کے سلسلے میں ہماری ایک کمزوری

ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ یا تو ہمارے علما بولتے ہی نہیں ہیں اور اگر بولتے ہیں تو پھر ایسا بے تکا انداز اختیار کرتے ہیں کہ لوگ متنفر ہو جاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تھا تو فرمایا تھا: بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا[1]، ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کرنا جس سے لوگ وحشت کریں اور دور بھاگیں۔

## اپنے اوقات کی حفاظت کیجیے

ایک اور بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو مجلس بازیوں سے بچانا ہے، دیہاتوں میں

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالِاخْتِلَافِ فِي الحَرْبِ وَعُقُوبَةِ مَنْ عَصَى إِمَامَهُ.

کام کرنے والے ہمارے علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ اور ہدایت دے، وہ اپنے اوقات کو بڑی بے دردی سے ضائع اور برباد کرتے ہیں، مدرسہ کے اوقات کے بعد کوئی کسی کی دکان پر بیٹھا ہوا ہے، کوئی کسی کے گھر میں جا کر بیٹھا ہوا ہے، ان کا تین یا پانچ گھنٹوں کے علاوہ باقی سب وقت فارغ ہوتا ہے، پھر بھی ان سے پوچھو کہ قرآنِ پاک کتنا پڑھتے ہو؟ تو آدھا پارہ بھی نہیں ہوتا، بہت سے احباب مجھ سے بیعت ہیں اور میرے پاس حالات بیان کرتے ہیں کہ تسبیح کا ناغہ ہو جاتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے؟ ہفتہ کے سات دن ہیں، کتنے دن پڑھتے ہو اور کتنے دن چھوڑتے ہو؟ تو اس میں بھی اندر کا چور بولنے نہیں دیتا کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے، چپ ہو جاتے ہیں، پھر بڑی مشکل سے بتاتے ہیں کہ ایک آدھ دن پڑھتا ہوں، چھے دن چھوڑ دیتا ہوں، میں نے کہا کہ اس کو آپ ناغہ سے تعبیر کرتے۔

بھائی! ایسا نہیں ہونا چاہیے، آپ کو کسی کی دکان پر یا کسی کے گھر پر جا کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ آپ کے چوبیس گھنٹوں کا ایسا نظام ہونا چاہیے کہ اس میں اپنا مطالعہ اور اپنے معمولات وغیرہ میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کا ایک پورا نظام بناؤ، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنا وقت دیا ہے کہ روزانہ ایک قرآن شریف پورا کر سکتے ہو اور یہاں ایک پارہ بھی پورا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی؟ اس لیے اپنے اوقات کی قدر و قیمت سمجھو اور اس طرح ضائع مت کرو، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو موقعہ دیا ہے اس کو غنیمت سمجھو۔

## اپنی ذات کو سنتوں کا عملی نمونہ بنایئے

ہمیں اپنا عملی پہلو بھی مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، جیسے سنتوں کی اتباع کا اہتمام ہو، اللہ تعالی کی طرف رجوع و انابت ہو اور آپ کو تو مسجد میں اذان ہوتے ہی پہنچنے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ امام صاحب ہیں اور عین نماز کے وقت پر پہنچ رہے ہیں، ظہر کی نماز میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جماعت کی تیاری ہوتی ہے تو عین وقت پر آ کر سیدھے مصلے پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دو مرتبہ تو نمازی لوگ درگزر کرتے ہیں، پھر جب وہ لوگ درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! آپ کی تو سنتِ موکدہ چھوٹ جاتی ہے، تو پھر ان کی بات ہمیں اچھی نہیں لگتی، اس لیے آپ کو تو اذان سے پہلے مسجد میں آنا چاہئے تھا، آپ کی ذات تو لوگوں کے لیے نمونہ ہے، آپ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں، آپ کا وجود تو ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر یوں کہیں کہ دیکھو! سنت یہ ہے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے ”اقرب الی السنۃ“ کا فیصلہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! فلاں کام میں دونوں پہلو ثابت ہیں؛ لیکن ان دونوں میں ”اقرب الی السنۃ“ کون سا پہلو ہے؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ: حضرت گنگوہی کا عمل دیکھو، وہ جو عمل کرتے ہیں، وہی ”اقرب الی السنۃ“ ہے۔ گویا ان لوگوں کو دیکھ کر یہ فیصلے ہوتے تھے کہ کون سا عمل سنت ہے اور اقرب الی السنۃ کیا ہے؟ کیا آج ہمارے افعال سے کوئی ایسا فیصلہ کیا

جا سکتا ہے؟ اس لیے ہمیں اپنا پورا ایک مرتب نظام بنانے کی ضرورت ہے۔

## اپنا علاج کرنے اور مزاج بدلنے کی ضرورت

بچوں کی تربیت کے معاملے میں بھی اپنے اوقات کی ترتیب بنائیں، بہت سے اساتذہ جب پڑھانے کے لیے مدرسہ و مکتب جاتے ہیں تو کلاس (درس گاہ) کے اندر بعد میں جائیں گے، پہلے کچھ وقت باہر کھڑے رہیں گے، دراصل پڑھنے کے زمانہ میں ہمیں جو عادتیں پڑی ہوتی ہیں، وہی باقی رہتی ہیں۔ پڑھنے کے زمانہ میں مدرسہ میں کیا ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد کلاس میں جانے سے پہلے دس منٹ مسجد کے دروازہ پر کھڑے رہتے ہیں، پھر دس منٹ باہر سیڑھیوں پر، پھر درس گاہ کے دروازے پر دس منٹ گذار کر اندر جاتے ہیں، اس کے بعد کتاب کھولنے سے پہلے پانچ، سات منٹ تذکرے ہوتے ہیں اور پھر کہیں تکرار شروع ہوتی ہے، اور تکرار کرانے والے نے ابھی تو پاؤ صفحہ بھی پورا نہیں کیا ہوتا کہ کوئی ساتھی اس میں کوئی شوشہ چھوڑ دیتا ہے اور اسی میں عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، میں یہ سب غلط تو نہیں کہتا ہوں؟ یہی سب ہمارے یہاں ہو رہا ہے، اس لیے آپ جس دور سے گذرے ہیں وہی مزاج لے کر یہاں سے گئے ہیں، لہٰذا ایسا نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ اب ہمیں اپنے مزاج کو درست کرنے کے لیے اپنے آپ پر سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

## حضرت عمرؓ اور نفس کا علاج

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی سیرت پڑھئے، ایک مرتبہ وہ اپنے کندھے کے

اوپر پانی سے بھرا ہوا چمڑے کا بڑا مشکیزہ لے کر آرہے تھے، اس وقت وہ امیر المومنین تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ: ایک وفد ملنے کے لیے آیا تھا تو میرے دل میں تھوڑا سا خیال آگیا کہ اوہو! تمہارے پاس تو فورین (Foreign) کے وفد ملنے کے لیے آتے ہیں، اس لیے میں اپنا علاج کر رہا ہوں۔

ہمیں بھی ان چیزوں کو سوچ سوچ کر اپنا علاج کرنے کی ضرورت ہے، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمیں ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اتباع سنت ہو، رجوع الی اللہ ہو۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے

اور ایک بات یہ ہے کہ ہماری ہر چیز میں سادگی ہو؛ کیوں کہ ہماری تن خواہ اور ہمارا مشاہرہ عیش وعشرت کا متحمل نہیں ہوتا ہے، ارے بھائی! ہماری بنیادی ضرورتیں ہی پوری ہو جائیں تو غنیمت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سادگی بتلائی ہے، ہم مطالعہ کریں اور سوچیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس کیسا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کیسی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا کیسا تھا؟۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دن مسلسل جَو کی روٹی نہیں کھائی، تین تین چاند ایسے گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھروں میں چولہا نہیں سلگتا تھا، آج اگر ہمارے یہاں ایک وقت کا کھانا نہ پکے تو رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے کہ

فاقہ ہوگیا اور وہاں فاقوں پر فاقے چلتے تھے؛ مگر کبھی کسی سے شکایت نہیں ہوتی تھی①۔

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر

آپ حضرات نے شمائل میں پڑھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: معمولی سا بستر تھا، کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا عبا ہی بچھالیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا تو اس نے ایک عمدہ سا گدا بنا کر بھیجا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے وہ بچھایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھیجا ہے، آپ نے فرمایا کہ: اس کو اٹھاؤ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرا جی واپس کرنے کو نہیں چاہتا تھا؛ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبردستی فرمایا کہ: اس کو واپس بھیج دو②۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے متعلق پوچھا، تو انھوں نے کہا کہ: ایک ٹاٹ تھا جس کو میں دوہرا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بچھا دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو چوہرا (یعنی ڈبل کا ڈبل) کردوں تو ذرا نرمی ہوجائے گی اور آرام ملے گا، میں نے اِس طرح بچھایا تو صبح اٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يَمُرُّ بِنَا هِلَالٌ وَهِلَالٌ وَهِلَالٌ مَا يُوقَدُ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مِنْ نَارٍ. فَقُلْتُ: يَا خَالَةُ، عَلَى أَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعِيشُونَ؟ قَالَتْ: عَلَى الْأَسْوَدَيْنِ، التَّمْرِ وَالْمَاءِ (شعب الإيمان، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ، رقم الحديث: ۹۹۳۹)

② (شعب الإيمان، فَصْلٌ فِي زُهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم وَصَبْرِهِ عَلَى شَدَائِدِ الدُّنْيَا، ر: ۱۳۹۵)

نے فرمایا: آج رات تم نے کیا بچھایا تھا؟ میں نے بتلایا کہ وہی بستر تھا جو روزانہ ہوتا ہے، صرف اتنا کیا کہ روزانہ ڈبل ہوتا ہے، آج ڈبل کا ڈبل کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا[۱]۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماویں کہ اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا، تو پھر ہما شما کا کیا حال ہوگا؟۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرزِ زندگی کو اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، کھانے، پینے میں، لباس میں اور ہر چیز میں اسی سادگی کا اہتمام ہونا چاہئے۔

## آمدنی بڑھانا ہمارے اختیار میں نہیں

اپنی ضرورتوں کو اپنی آمدنی کے مطابق رکھیں، آج کل ہوتا کیا ہے کہ پڑھنے کے زمانے میں اپنی ضرورتیں بڑھالی جاتی ہیں اور جب تن خواہ کافی نہیں ہوتی تو لوگوں سے قرض لیتے ہیں اور اس طرح اپنی مادی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ہمارے اکابر میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اجلِ خلفا میں سے گذرے ہیں، مظاہر العلوم کے ناظم تھے، ان کا مقولہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی دیکھو! آمدنی بڑھانا تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے؛ لیکن ضرورتیں گھٹانا ہمارے اختیار میں ہے، جب ہم اپنی آمدنی بڑھا نہیں سکتے ہیں تو اپنی ضرورتوں کو کم کر دیں؛ تاکہ کسی سے مانگنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

---

[۱] الشمائل المحمدية للترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

## حضرت الاستاذ کی چائے بند

ہمارے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے متعلق مجھے یاد ہے کہ جب وہ راندیر میں پڑھاتے تھے، تو کبھی ایسا ہوتا کہ مہینہ پورا ہونے کو آیا اور تن خواہ پوری ہوگئی تو حضرت کسی سے قرض نہیں لیتے تھے؛ بلکہ اپنی چائے بند کر دیتے تھے، فرماتے تھے کہ کوئی بات نہیں، مہینہ کے آخری پانچ دن چائے نہیں پئیں گے، مگر قرض کی بات نہیں کہ قرض لے کر چائے پئیں، ہمیں بھی ایسا مزاج بنانا چاہیے، اس لیے ہمیں اپنی ضرورتیں محدود کرنے کی ضرورت ہے؛ تا کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے، تب ہی آپ پوری غیرت اور عزت کے ساتھ دینی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

اور ایک چیز ہے تواضع، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تواضع کا حال کیا تھا؟ جنازوں میں شریک ہوتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لیے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری بھی نہایت سادہ ہوتی تھی، آپ کی ہر ہر چیز میں تواضع کا پہلو نمایاں ملے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز بنانا پسند ہی نہیں فرماتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں یہ بات ہو رہی تھی کہ کھانا تیار کرنا ہے، تو ایک صحابی نے کہا کہ میں جانور ذبح کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں چمڑا اتاروں گا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیاں جمع کروں گا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم جمع کرلیں گے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے بھی معلوم ہے کہ تم شوق سے جمع کرلو گے؛ لیکن میں اپنے آپ کو تمہارے درمیان ممتاز بنا کر رکھنا نہیں چاہتا۔

اور ہمارا حال کیا ہے کہ کوئی ممتاز نہ بھی بناوے تب بھی زبردستی لوگوں کے سروں پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، ارے بھائی! ہم نے یہ سب کاہے کے لیے پڑھا تھا؟ اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ ان ساری چیزوں کا خیال کیا جائے۔

## کام میں جان پیدا کرنے کا طریقہ

اور ایک بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات دیکھو کہ نمازوں کا اور خاص طور پر رات کی نمازیں اور تہجد کا کیسا اہتمام تھا؟ آپ حضراتِ فضلائے کرام سے میں ضرور یہ کہوں گا کہ ہر ایک اپنے لیے تہجد کو فرض سمجھ لیں، جب تک راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری نہیں کریں گے، وہاں تک آپ کے کاموں میں جان پیدا ہونے والی نہیں ہے، اس لیے اللہ کا ذکر، تلاوت، دعا، تسبیحات وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہیے، آپ کے تین، چار، پانچ گھنٹے اِن کاموں میں گزرنے چاہئیں، تب جا کر آپ کے دوسرے کاموں میں جان پڑے گی۔

## اپنے احباب کے احوال سے باخبر رہیں

اور ایک بات یہ ہے کہ شمائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کی خبر رکھتے تھے، آج ہم لوگوں کے حالات سے باخبر تو ہیں؛ لیکن کن چیزوں کی خبر رکھنی چاہیے، وہ نہیں جانتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا

ہے: يَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ: اپنے صحابہ کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔اس لیے آپ بھی اپنے شاگردوں کے حالات سے باخبر رہئے اوران کی اصلاح کی طرف متوجہ رہئے اور پھر لوگوں میں جو حالات چل رہے ہوں اس سے بھی مطلع رہئے۔

وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيه، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيه[1]: کوئی اچھی بات لوگوں میں ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہو کہ بھائی! ہم نے سنا کہ آپ لوگوں نے فلاں نیک کام شروع کیا ہے، بیماروں کی دوائی وغیرہ کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہے، بہت اچھی بات ہے، یہ کام ضرور کرو، اس میں اور ترقی کرو، اور اگر کوئی برائی ہو رہی ہو، تو فوراً اس کا تذکرہ کر کے اس کو روکنے اور دور کرنے کی کوشش کرو۔

## جمعہ میں بیان مختصر ہو

آج کل تو جمعہ میں جو بیانات ہوتے ہیں اس میں بھی لن ترانیاں چل رہی ہے، اور ایران توران کے قصے سنائے جاتے ہیں، اور ایک گھنٹہ، سوا گھنٹہ کی تقریریں ہوتی ہیں اور جمعہ کا جو وقت مقرر ہوتا ہے، اس سے بھی گھنٹہ بھر اوپر ہو جاتا ہے۔

بھروچ کی کسی سوسائٹی کا قصہ ہے جو کئی سال پہلے ایک صاحب نے سنایا تھا کہ ایک مولوی صاحب جمعہ سے پہلے اتنی لمبی تقریر کرتے تھے کہ جمعہ اور خطبہ کا وقت تو ڈیڑھ بجے کا تھا؛ لیکن ان کی تقریر اتنی لمبی چلتی تھی کہ دو، سوا دو بج جاتے تھے، پھر خطبہ

---

(۱) الشمائل المحمدية للترمذى، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شروع ہوتا تھا، اس کی وجہ سے بہت سے لوگ بھی دیر سے آتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ مولوی صاحب نہیں تھے تو کسی دوسرے مولوی صاحب نماز پڑھانے کے لیے آئے اور انہوں نے اپنے وقت ڈیڑھ بجے پر ہی خطبہ پڑھا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ دیر سے آنے والے تھے، انھوں نے دو بجے آکر جب دیکھا تو نماز ختم ہو چکی تھی۔

اس لیے جب کسی مسجد میں ڈیڑھ بجے کا وقت ہے تو اس میں ایک منٹ کا بھی اِدھر اُدھر ہونا نہیں چاہئے، آپ کا بیان محدود ہو، جمعہ سے پہلے لمبا بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پندرہ منٹ، بیس منٹ، پچیس منٹ کافی ہیں، اس سے زیادہ تو ہونا ہی نہیں چاہئے؛ بلکہ ہمارے بعض اکابر تو منع کرتے ہیں، احسن الفتاوی اٹھا کر دیکھ لیجئے، مفتی رشید احمد صاحب نے تو لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ کے دن کے معمولات میں کوتاہی آتی ہے، لیکن اب کوئی ان معمولات کو تو ادا کرتا نہیں اور دین کی بات پہنچانے کا ایک موقعہ ہوتا ہے، تو ٹھیک ہے؛ لیکن ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ جو بنیادی باتیں ہوں، اسی کو بیان کریں، اور اس کے لیے بھی قرآن وحدیث اور بزرگوں کی باتیں لیں، اِدھر اُدھر کی ایران، توران کی باتیں اور لمبے چوڑے قصے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مدرسوں کی انجمنوں میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے آپ نے اس طرح کا مزاج بنایا تھا کہ پانچ منٹ کی تقریر کو ضروری قرار دیا تھا، تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے اِدھر اُدھر کی باتیں لے کر آتے تھے، اگر وہی مزاج بنایا ہے اور عوام میں ایسی ہی تقریر کرنی ہے تو مت کرو، کسی اچھے آدمی کو لاؤ، جو اچھی باتیں بتائے۔ آج کل تو لوگ پڑھے لکھے اور دنیوی علوم سے آراستہ ہیں، جب آپ ایران، توران کی باتیں کریں گے

تو وہ کہیں گے کہ مولوی صاحب کو اور کچھ آتا ہے یا نہیں؟ ساؤتھ افریقہ کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب کی تقریر ہو رہی تھی اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، تو ایک پرانے آدمی تھے اور علما سے بھی محبت رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کہ: ان مولوی صاحب کو جو کچھ آتا ہے وہ سارا آج ہی کہہ ڈالیں گے، تو اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

## جمعہ میں شرکت کرنے والے مزدور پیشہ حضرات کا بھی خیال کیجیے

ہمارے یہاں کسی تحصیل سے ایک استفتا آیا تھا کہ ایک امام صاحب جمعہ کے بعد لمبی دعا کرتے ہیں، ان کو منع کیا گیا کہ بھائی! یہ تحصیل کا مرکز ہے، یہاں آفس کے لوگ آتے ہیں اور آفس میں کام کرنے والے مسلمان بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے چھٹی لے کر آتے ہیں؛ لیکن پھر بھی وہ ماننے کا نام نہیں لیتے، اب کیا کیا جائے؟۔

اس لیے آپ کو دیکھنا ہے کہ ہمارے یہاں نماز کے لیے آنے والے لوگ کون ہیں؟ ان کا بھی لحاظ کرنا ہے، اس طرح کا انداز لوگوں میں نفرت ڈالنے والا ہوتا ہے، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ جب آپ کو متنبہ کیا گیا اور آپ نے اپنی اصلاح نہیں کی تو لوگ یہ مسجد چھوڑ دیں گے اور دوسری جگہ تلاش کریں گے اور بہت سے لوگ تو بریلویوں کی مسجد میں چلے جاتے ہیں، ان کو آپ نے ہی وہاں بھیجا ہے، اس لیے یہ طریقہ غلط ہے، کام تو اصول کے مطابق ہونا چاہئے۔

## بیان میں زیادہ وقت لینا خیانت ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: اگر آپ نے

اعلان کیا کہ پانچ منٹ بیان ہوگا، تو چھٹا منٹ لینا خیانت ہے، اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کا اعلان سن کر کسی آدمی کے پاس پانچ منٹ ہی تھے، اس کو دس منٹ کے بعد کام تھا، وہ سمجھا کہ چلو پانچ منٹ میں بات پوری ہو جائے گی، اس لیے وہ بیٹھ گیا اور آپ نے اس کا زیادہ وقت لے لیا، تو اس طرح آپ نے اس کے وقت میں خیانت کی، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے طریقے درست نہیں ہیں، آپ کو تو لوگوں کے حالات سے واقف ہو کر بات کرنی چاہئے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بھی آتا ہے: مُعْتَدِلُ الأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ، لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوْا أَوْ يَمِيْلُوْا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے معاملات اعتدال والے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوقات بھی مقرر تھے، اور لوگوں کی طرف سے غفلت نہیں برتتے تھے①۔

## لوگوں کی غلط حرکتوں پر ان کو محبت سے سمجھائیں

اور یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ لوگوں کی طرف سے اگر مجھے پوچھا جائے گا تب ہی میں بتاؤں گا، نہیں بھائی! آپ کو تو لوگوں کے حال سے باخبر رہنا ہے اور اگر کوئی کچھ غلط کر رہا ہے تو اس کو اچھے انداز میں محبت سے بتاؤ، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ عام نصیحت کے اندر نرمی سے سمجھانے کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات سخت قسم کے ہیں ان کو بھی نقل کریں، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ لیکن انفرادی نصیحت میں تو بہت

---

①الشمائل المحمدية للترمذی، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

زیادہ نرمی ہونی چاہئے۔

## بچوں کی پٹائی سے احتیاط کریں

اور بچوں کو پڑھانے کے معاملہ میں سختی اور مار پٹائی کے سلسلہ کو تو بھول جاؤ، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] – جب ایسے مجمع میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو مولویوں کو بہت برا معلوم ہوتا ہے-: اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے اے نبی! آپ ان کے لیے نرم ہیں، اگر آپ سخت دل اور اکھڑ مزاج ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، حالاں کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن پھر بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، آدمی کے مزاج کی گڑبڑ کی وجہ سے محبت کرنے والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے ہمیں بچوں کے ساتھ نرمی برتنی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی خادم کو، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی جانور کو①۔

میں پوچھتا ہوں کہ مارنے ہی سے علم آئے گا، یہ بات آپ کہاں سے لائے؟ آپ کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے: "الضرب لِلصِبيانِ كالماءِ فِي البُستان" لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ سب بھول جاؤ، اب تو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ دیکھو! انگریزی اسکولوں میں غیر مسلم ٹیچرس کتنی محبت سے پڑھاتے ہیں؟ ارے بھائی! ان کا تو پیشہ ہے

① صحیح مسلم، باب مُبَاعَدَتِهِ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم – لِلآثَامِ وَاخْتِيَارِهِ مِنَ الْمُبَاحِ أَسْهَلَهُ وَانْتِقَامِهِ لِلّٰهِ عِنْدَ انْتِهَاكِ حُرُمَاتِهِ.

اور وہ تو ہزاروں روپئے لے کر پڑھاتے ہیں، خیر! اِتنا جملہ بھی میں آپ کی حمایت میں کہہ رہا ہوں، ورنہ اصل وہی ہے کہ بچوں کو نرمی سے پڑھاؤ۔

## مدرسین کو ٹرینگ کی ضرورت ہے

اور آج کل پڑھانے کے انداز بھی جگہ جگہ مختلف ہیں، اور یہ زمانہ تو تحقیقات کا زمانہ ہے، نئی نئی تحقیقات ہو رہی ہیں، کہیں کا پودرا والا طریقہ جاری ہے، کہیں نورانی قاعدہ والا طریقہ چل رہا ہے، اس لیے میں تو آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان تمام طریقوں سے واقف ہو جایئے، اس لیے کہ آپ تو معلم ہیں، آپ کو تو سارے ہی طریقے معلوم ہونے چاہئیں اور اپنے شاگردوں میں کون سا طریقہ زیادہ مناسب ہے، اس کے مطابق تعلیم دیں۔ آج تو اِن طریقوں کو سکھانے کے لیے اہلِ علم کو دعوت دی جاتی ہے، تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کی غیرت کو چیلنج کیا جا رہا ہے، کہتے ہیں کہ: نو سال ہم نے یوں ہی حرام کے بگاڑے ہیں؟ "إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون" یہ کوئی بات ہوئی؟۔

## تعلیم صبیان کے جدید طریقے سیکھنے میں عار محسوس نہ کریں

آج کل بڑے بڑے ڈاکٹر اور اپنے فن کے ماہرین بھی اس ضرورت کو سمجھتے ہیں، کوئی آنکھ کا اسپشیلسٹ ہے اور کوئی ہارٹ اسپشیلسٹ ہے، لیکن آپ اخباروں میں پڑھیں گے کہ اشتہار دیتے ہیں کہ اتنے دنوں کے لیے فلاں کا کلینک بند رہے گا، پوچھتے ہیں کہ کیوں بند رہے گا؟ تو بتایا جاتا ہے کہ وہ مزید علم اور مزید تجربات حاصل کرنے کے لیے امریکہ جا رہا ہے، وہ لوگ تو اخباروں میں دے رہے ہیں اور کوئی بھی اس کو اپنی

بے عزتی نہیں سمجھتا اور آپ کا نام تو کسی اخبار میں نہیں آرہا ہے، پھر بھی آپ اس کو بے عزتی سمجھتے ہیں! حالاں کہ ایک مومن کو تو ہر وقت علم کا پیاسا ہونا چاہیے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے اطراف کے دیہات میں کسی زمانہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا، اور مدرسین کے سامنے ٹریننگ دینے کے لیے باتیں رکھی گئیں تو اس کو انھوں نے اپنی توہین سمجھی اور سارے مدرسین مستعفی ہوگئے، حالاں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، ہمیں تو ہر وقت تیار رہنا چاہیے، الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا[1]: حکمت اور دانائی کی بات تو ایک مومن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں ملے، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے، جیسے ہمارا گمشدہ قلم ہو اور وہ ہمیں راستہ میں کہیں دکھائی دے تو کیا ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ اِس کو لوں یا نہ لوں؟ بلکہ فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لیں گے؛ کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قلم میرا ہے، اگر کوئی روکے گا تو اس سے لڑیں گے کہ یہ تو میرا ہے، اسی طریقہ سے کوئی مفید بات اور مفید کام بھی ہماری گم شدہ متاع ہے، جہاں بھی ہمیں مل جائے، اس کو ہمیں لینا ہے، اور اِس سلسلہ میں بہت زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

## فضولیات سے اجتناب کیجیے

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں ایک خاص چیز یہ بھی لکھی ہے: قَدْ تَرَكَ

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الفِقْهِ عَلَى العِبَادَةِ، رقم الحدیث علیہ الرحمۃ ۲۶۸۷.

نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ: الْمِرَاءِ وَالْإِكْثَارِ وَمَا لَا يَعْنِيهِ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور رکھا: ایک تو جھگڑے سے، دوسرے فضول بحثیں اور بے کار گفتگو سے اور تیسرے فضول کاموں سے ①۔

## اہل علم اور کرکٹ کا جنون

آج کل دیہاتوں میں جب کرکٹ کے جو مختلف دورے چلتے ہیں، تو اس میں حصہ لینے والے ہمارے فارغین بھی ہوتے ہیں اور اس کے سب سے ماہر مولوی صاحب ہی ہوتے ہیں اور وہی سارے فیصلوں کے انچارج ہوتے ہیں، اِن کرکٹروں کی محبت سے ہمارے دل بھرے ہوئے ہیں اور میں تو یوں سمجھتا ہوں کہ اِن کرکٹروں کی محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے زیادہ ہے اور میں اس کی دلیل بتاؤں کہ آج کوئی آدمی دین کے بارے میں کوئی غلط بات بولے تو ان کی غیرت کو جوش نہیں آتا؛ لیکن اگر کسی کرکٹر کے متعلق ایک لفظ کسی نے کہہ دیا تو فوراً آستین چڑھا کر اس کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے دل میں کرکٹر کی محبت زیادہ ہے؟ اور اس کی محبت سے ان کا دل سرشار ہے؟ اور پھر اپنی گفتار، رفتار اور ہر چیز میں اسی کی نقل اتاری جاتی ہے۔

## کرکٹروں سے محبت کرنا در حقیقت فساق و فجار سے محبت کرنا ہے

اور یہ کرکٹر کون ہیں؟ ان کی اکثریت تو غیر مسلم ہیں، اور ان میں جو مسلمان ہیں، وہ

① الشمائل المحمدية للترمذی، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بھی فاسق اور فاجر ہیں، قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [ہود:۱۱۳] جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے (یعنی کفار اور فساق وفجار) آپ ان کی طرف نہ جھکیں، ورنہ جہنم کی آگ تم کو بھی چھولے گی۔ ایسے لوگوں کے متعلق سوئے خاتمہ کا خطرہ ہے، اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔

## جب علم ہی عاشق دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا

تمام طلبہ اور اہلِ علم سے کہوں گا کہ آج ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا ناسور کرکٹ میچ ہے، اس سے آپ تو پہلے نمبر پر بچیں اور امت کے نوجوان طبقہ کو بھی اس سے بچائیں؛ بلکہ اب تو نوجوانوں کی بھی خصوصیت نہ رہی، بوڑھے بھی اس شوق میں نوجوانوں سے دو قدم آگے ہیں، اس لیے امت کو اِس مصیبت سے بچانے کے لیے آگے بڑھو! یہ تو ایسی بیماری ہے جس میں ہم خود ہی مبتلا ہو گئے ہیں، جب ہم خود ہی راستہ بھولے ہوئے ہیں؛ تو کسی اور کی ہدایت کیا کریں گے؟۔

| | | |
|---|---|---|
| إذا كان الغراب دليل قوم | | فيهديهم إلى طريق الهالكين |

آج ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ کرکٹ کے معاملے میں ہم عوام سے دو قدم آگے ہیں، تو امت کی رہنمائی کیا کریں گے؟ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو بتائیں کہ اس کا نقصان کیا ہے؟ اس سے دینی، دنیوی نقصان، مالی وجانی نقصان کیا کیا نہیں ہوتا؟ یہ سب ان کو بتائیں، خود بھی ایسی برائیوں سے بچو اور دوسروں کو بچانے کا بھی اہتمام کرو۔

## طلبہ اور پوری بستی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری

اور جہاں آپ کام کر رہے ہیں وہاں پوری بستی کے ساتھ آپ کا جوڑ ہو، آپ اپنے ایک ایک منٹ کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کریں، مکتب میں جو بچے آتے ہیں، ان کو صرف قرآن پڑھا دینے پر بس نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ان کی پوری تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں، ان کو اچھے اخلاق اور کھانے پینے، سونے، جاگنے وغیرہ کے آداب ودعائیں سکھانا بھی ضروری ہے، پھر ان کے خیالات وعقائد کو ٹھیک کرنا اور یہ دیکھنا کہ ان کے ناخن اور بال کٹے ہوئے ہیں یا نہیں، اگر کٹے ہوئے نہ ہوں تو ان کو بتاؤ، ان کے لباس صحیح ہیں یا نہیں، اگر لباس غلط ہو تو اس کی طرف رہنمائی کرو، ان ساری چیزوں سے واقف کرو۔

اس کے علاوہ مسجد میں بڑوں کو نماز کی درستگی کی طرف بھی دھیان دیجئے، قرآنِ پاک کی صحت اور مسائل سے ان کو واقف کرنے کا اہتمام کریں، وَيُزَكِّيهِمْ اس آیت میں تزکیہ کا مطلب ہے کہ ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا: اخلاقی گندگی، اعمال کی گندگی، عقائد کی گندگیاں؛ یہ سب دور کرنے کا خیال کریں۔

## مسلمانوں کی ذہنیت خراب کرنے والے روزناموں کا توڑ کیجیے

آج کل اخباروں میں ایسی بحثیں چھیڑی جاتی ہیں جن کی وجہ سے مؤمن کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، ہمارے مسلمان نوجوان اس سے واقف ہی نہیں، اس لیے ہمیں چاہئے کہ کوئی ایسا مسئلہ چھیڑا گیا ہو تو فوراً اُس پر اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ وہ لوگوں کو بتائیں۔

## مواقع کی مناسبت سے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیجیے

آپ دیکھئے کہ سورج گرہن ہوتا ہے تو اس دن ہمارے یہاں کے گجراتی اخبارات کی پورتی (ضمیمہ) میں لکھا ہوتا ہے کہ سورج گرہن کے دن اسنان (غسل) کرنا چاہئے، اور یہ کرنا چاہئے اور فلاں کرنا چاہئے اور اس کے لیے اخبار کے دو دو صفحے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، حالاں کہ یہ تو باطل مذہب ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن وہ لوگ اپنے ماننے والوں کو یہ سب بتلا رہے ہیں اور ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کے موقع پر کیا تعلیم دی ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ وہ ہم اپنے لوگوں کو بتانے کے لیے آگے نہیں بڑھتے، حالاں کہ دو روز پہلے سے اخبار میں آرہا ہے کہ فلاں روز سورج گرہن ہونے والا ہے، یہ ہماری غفلت نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ لوگوں کو واقف کریں کہ بھائی! اس موقعہ پر ہماری اسلامی تعلیمات یہ ہیں؛ بلکہ آپ کو تو باقاعدہ اس کا نظام بنانا چاہئے کہ سورج گرہن کی نماز ہوگی، ہم پڑھائیں گے، آپ حضرات آیئے، دعا ہوگی، اس طرح لوگوں کو متوجہ کیا جائے، ہر چیز میں نبوی تعلیمات کو زندہ کرنے کے لیے آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہر وقت آپ ان کے حالات سے باخبر رہیں، برائیوں سے روکنے والے اور بھلائیوں کی طرف بلانے والے بنیں۔

## طلبہ کی غفلت دور کرنے کا اہتمام کیجیے

اور میں طلبہ سے یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ دیکھو! طالبِ علمی کا زمانہ غفلت کا زمانہ ہوتا

ہے، آپ مدرسوں میں جو آٹھ، دس سال رہے، اس دوران آپ سے کیا کیا غفلتیں ہوئیں، جب آپ مدرسوں سے فارغ ہو کر جاؤ گے تو پتہ چلے گا؟ اور یہاں کا ماحول کیسا عمدہ تھا؟ اس کا احساس بھی فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے، جو مدرسوں سے فارغ ہو کر گئے ہیں، ان سے میں کہا کرتا ہوں کہ یہاں رہتے ہوئے ایک طالب علم کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ ذرا اپنے ان ساتھیوں کو بھی بتا دینا جو ابھی مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں، ابھی سے ان کی آنکھیں کھول دینا کہ بھائی دیکھو! تم کو ابھی پتہ نہیں ہے کہ جب یہاں سے باہر جاؤ گے تو کیسے لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے، وہ لوگ آپ کی ایک بھول بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، یہاں تو ہمارے اساتذہ ہیں، اگر وہ کسی بات پر تنبیہ کر دیں تو آپ برا مان جاتے ہیں اور ناک منہ چڑھا لیتے ہیں، اور سزا کو تو برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے؛ لیکن وہاں جس طبقے سے واسطہ پڑتا ہے، وہ ایسا بے رحم ہے کہ کسی حال میں بھی آپ کی کسی ایک غلطی کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، یہ سب باتیں ذرا اِن کو بھی بتا دینا کہ آپ لوگوں کے لیے ابھی موقع ہے، ہم نے تو بھلے نہیں کیا؛ لیکن تم کو آگاہ کر رہے ہیں، تم لوگ ابھی ہی سنبھل جاؤ۔

## گمراہ فرقوں کی گمراہیوں سے لوگوں کو آگاہ کیجیے

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ باطل فرقوں سے آگاہی ہونا بھی بہت ضروری ہے، ہمارے گجرات کی بہت سی آبادیوں میں جہاں مکتب کا نظام نہیں ہے، وہاں قادیانیت پہنچ چکی ہے، اس قادیانیت کے متعلق بھی آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت

ہے اور بریلویت اپنے پر پرزے نکال رہی ہے اور پتہ نہیں کیا کیا ہو رہا ہے؟ اس بارے میں آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں، اسی طریقہ سے غیر مقلدیت اور سلفیت کے نام سے نوجوانوں کو بہکایا جا رہا ہے اور اب تو شیعیت اور پرویزیت بھی ہے تو اِن سارے باطل فرقوں سے پورے طور پر آگاہ ہو کر لوگوں کو بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو باقاعدہ واقف کیا جائے کہ خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ، اس لائن سے بھی آپ کو خوب کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات جب یہاں آئے تو آپ کو فارم دیا گیا، اس کو پُر کیجئے اور اپنے اساتذہ کو کھل کر بتائیے کہ ہمیں کام کرنے میں کیا کیا رکاوٹیں اور مشکلات پیش آتی ہیں؟ اور ہمیں ایسے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو کیا جواب دیں؟ آپ ذرا ہم کو بتلائیے کہ ہم کیسے کام کریں؟ اور اس سلسلے میں ہمیں کس قسم کی تیاریاں کرنی چاہئیں؟۔

## باطل فرقے ”الکفر مِلۃ واحِدۃ“ کی شکل میں

ایک بات یاد رکھیں کہ اِس وقت ہمارے اکابرین کی برکت سے اور ان کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت کے جو سلسلے جاری کیے گئے ہیں، وہی دین کے صحیح کام کو انجام دے رہے ہیں، ان کے مقابلے میں سارے باطل والے ”الکفر ملة واحدة“ کے طور پر متحد ہو کر سامنے آتے ہیں، آپ کہیں دیکھیں گے تو قادیانیوں کے ساتھ بریلوی بھی ہو جاتے ہیں اور کبھی غیر مقلد بھی ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ سب یہی چاہتے ہیں کہ

دیوبندی کو یہاں سے نکالو، وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ یہ جائے گا تو میرا کام بنے گا اور یہ بھی یہی سمجھتا ہے، حالاں کہ بریلوی سمجھتا ہے کہ قادیانی کافر ہے، پھر بھی ہمارے مقابلے میں اس کا ساتھ دے گا، ہمارے مقابلے میں وہ دونوں مل جاتے ہیں، لہٰذا آپ کو بھی اپنی حیثیت دیکھ کر اس کے مطابق تیاریاں کرنے کی ضرورت ہے، باطل بہت زیادہ قوت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، نشر واشاعت کے سارے وسائل نے اس کو بہت قوت پہنچائی ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اس کے مطابق تیاریاں کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اِس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

## دعا

سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إلہ غیرک، اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما تحب وترضیٰ بعدد ما تحب وترضی. ربنا ظلمنا انفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین. اللّٰھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین، سلما لأولیائک وحربا لأعدائک، نحب بحبک من أحبک، ونعادی بعداوتک من خالفک من خلقک.

اے اللہ! ان فضلاء کو جو یہاں سے پڑھ کر گئے ہیں آج جمع کیا گیا ہے، جن اغراض ومقاصد اور جن فوائد وثمرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ مجلسیں ترتیب دی گئی ہیں،

اے اللہ! ان کو علی وجہ الکمال حاصل ہونے کی صورتیں پیدا فرما، اے اللہ! آنے والوں کو اس کی اہمیت محسوس کرنے کی اور یہاں والوں کو ان کے دل ودماغ میں ان چیزوں کو قوت کے ساتھ بٹھانے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! آنے والے اپنے ساتھ نیا جوش، نیا ولولہ، نیا شوق، نئی رغبت اور نیا حوصلہ لے کر جائیں، ایسی ان کو توفیق عطا فرما، ان کی راہ کی رکاوٹوں کو دور فرما، مشکلات کو آسان فرما، ان کی رہنمائی، دستگیری، مشکل کشائی فرما، فتنوں سے ان کی حفاظت فرما، ان کی ضروریات کی کفالت فرما، اے اللہ! غیروں کا نشانہ بننے سے ان کی پوری پوری حفاظت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

# دین میں نماز کی اہمیت اور حیثیت

# اقتباس

ایک طریقہ وہ ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آدمی کو یہ نصیحت فرمائی کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو یہ سوچ لو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اور یوں سمجھو کہ میں اس دنیا کو اب ''الوداع'' کہنے والا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اور آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ ابھی جو آپ جمعہ کی نماز پڑھنے والے ہیں، یہ آپ کی زندگی کی آخری نماز ہے تو بتلایئے کہ ہم کیسا جی لگا کے اس نماز کو پڑھنے کی کوشش کریں گے، بھرپور کوشش کے ساتھ یہ چاہیں گے کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہماری توجہ نماز سے نہ ہٹے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد سے یہی مقصود ہے کہ ہر نماز آدمی اس طرح ادا کرے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں دوبارہ مجھے اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا موقع اور سعادت حاصل ہو گی یا نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وآله وسلم فقال: عظني وأوجز. فقال: إذا قمت في صلاتك فصل صلاة مودع، ولا تكلم بكلام تعذر منه غدا، وأجمع الإياس مما في أيدي الناس (١).

## خطبے میں مذکور حدیث کی مختصر تشریح

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی: عظني وأوجز: کوئی نصیحت فرمایئے اور مختصر نصحت فرمایئے۔ چناں چہ اس کی اس درخواست کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ

(١) مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق۔

مُوَدِّعٍ: جب تم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے رہو تو اس آدمی کی سی نماز پڑھو جو دنیا کو الوداع کہہ رہا ہو۔ دوسری نصیحت یہ فرمائی: وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: کوئی ایسی بات مت کرو جس کے متعلق دوسرے دن تم کو معذرت پیش کرنی پڑے۔ تیسری نصیحت یہ فرمائی: وَأَجْمِعِ الْإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ (۱): لوگوں کے پاس جو مال و دولت ہے، اس کے متعلق اپنے آپ کو بالکل مایوس کرلو، ان کی طرف سے اپنی امید ختم کرلو۔ یہ تین نصیحتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائیں۔

پہلی نصیحت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے متعلق فرمائی۔ نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا ایسا انداز ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم کرتا ہے۔

## شریعت میں عبادات کا شعبہ قائم کرنے کی حکمت

شریعتِ مطہرہ نے مختلف شعبہائے زندگی کے متعلق جو مختلف احکامات دئے ہیں، ان میں ایک شعبہ عبادات کا ہے، عبادات کا شعبہ شریعت میں خاص طور پر اس لیے رکھا گیا کہ بندہ اس کے ذریعہ سے اپنا تعلق، اپنا رشتہ، اپنا کانٹکٹ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط کرے، اس لیے کہ یہی وہ چیز ہے جو اگر کسی بندے کو حاصل ہو کیوں کہ جائے، کسی بندے کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم ہوجائے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ گویا اس کے حق میں

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۳۹۸۷.

اپنی زندگی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق گذارنا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے والا رشتہ اور تعلق آسان کر دیتا ہے، اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے عبادات کا ایک مستقل شعبہ اور نظام قائم کیا۔

## نماز دین کا اہم ستون ہے

ان عبادات کے اندر بھی نماز کو بڑی اہمیت حاصل ہے، نماز کو شریعتِ مطہرہ نے دین کا بنیادی ستون قرار دیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الصَّلاۃُ عِمَادُ الدِّینِ، مَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّین وَمَنْ تَرَکَها فَقَدْ هَدَمَ الدِّینَ کہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے، جس نے نماز کو قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ڈھایا، اس نے گویا دین کو ڈھایا(۱)۔

خیمے میں بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے، اس کو عربی زبان میں عِماد کہتے ہیں، آپ نے اگر خیمہ دیکھا ہو تو معلوم ہوگا کہ وہ بس ایک ستون پر قائم ہوتا ہے، باقی چاروں طرف ڈھلان ہوتا ہے، اگر وہ ستون کھڑا ہے تو خیمہ قائم ہے اور اگر وہ گر گیا تو خیمہ گر گیا تو دینِ اسلام کی یہ عمارت اور دین کا خیمہ اسی نماز کے اوپر قائم ہے، جو آدمی نماز کو قائم کرے گا، اس نے گویا اسلام اور دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو اور اس ستون کو

(۱) قال العراقي: أخرجه البيهقي في الشعب بسند ضعيف من حديث عمر قال الحاكم عكرمة لم يسمع من عمر قال وأراه ابن عمر ولم يقف عليه أ بن الصلاح فقال في مشكل الوسيط إنه غير معروف. (تخريج أحاديث إحياء علوم الدين للعِراقي (۷۲۵-۸۰۶ھ)، ابن السبکی (۷۲۷-۷۷۱ھ)، الزبيدي (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ)

ڈھے دیا، اس نے گویا دین کو ختم کر دیا۔

## نماز ایمان اور کفر کے درمیان حدِّ فاصل ہے

اسی لیے مسلم شریف میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں: إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ: بندے اور کفر وشرک کے درمیان نماز کو چھوڑنا فصل ہے (۱)۔ جہاں بندے نے نماز کو ترک کیا، وہیں وہ کفر کے ساتھ جاملا۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا سَهْمَ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلَاةَ لَهُ: جو آدمی نماز نہ پڑھے، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں (۲)۔

## نماز اور دین کے درمیان تعلق

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا دِينَ لِمَنْ لَا صَلَاةَ لَهُ، إِنَّمَا مَوْضِعُ الصَّلَاةِ مِنَ الدِّينِ كَمَوْضِعِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ: جو آدمی نماز نہ پڑھے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں، دین کے ساتھ نماز کا تعلق اور نماز کی نسبت ایسی ہے، جیسے آدمی کے جسم کے ساتھ اس کے سر کی نسبت اور تعلق ہوتا ہے (۳)۔ اگر سر ہے تو آدمی ہے اور اگر سر نہیں ہے تو خالی دھڑ سے کچھ نہیں ہوتا، گویا نماز کو دین کے ساتھ بڑی اہم نسبت حاصل ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، بَابُ بَيَانِ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلَى مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ.

(۲) مجمع الزوائد، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه، بَابُ فَرْضِ الصَّلَاةِ.

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما، بَابُ فَرْضِ الصَّلَاةِ، رقم الحديث: ۱۶۱۴.

## حضرت عمرؓ کا اپنے گورنروں کے نام تاریخی فرمان

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے گورنروں کے نام جو احکام صادر کیے، سرکاری سرکلر جاری کیا تھا، ان میں ایک فرمان یہ بھی جاری کیا تھا جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں شروع ہی میں نقل کیا ہے: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ کہ: تمھارے سارے کاموں میں، چاہے وہ دین کے کام ہوں یا دنیا کے کام ہوں، میرے نزدیک سب سے مہتم بالشان اور سب سے اہم کام نماز ہے، نماز سے اہم کوئی کام نہیں ہے، یہ جو حکمرانی ہے، اس کی وجہ سے یہ مت سمجھنا کہ نماز کے معاملے میں بے پروائی سے کام لو، غفلت سے کام لو، وقت پر نہ پڑھو، جماعت چھوڑ دو۔ نہیں، یہ سب سے اہم ہے۔

## بعض لوگوں کی غلط فہمی

بہت سے لوگ اپنی بعض مشغولیوں کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں، بعض لوگ لوگوں کی خدمت کا کام انجام دیتے ہیں، بہت عمدہ کام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کا کام ہے لیکن ان کاموں کو انجام دینے کے دوران نماز کا وقت آجاتا ہے تو وہ یوں سمجھتے ہیں کہ میں جو یہ کام کر رہا ہوں، اگر اس کی وجہ سے نماز کو ذرا آگے پیچھے کردوں، نماز چھوڑ دوں، نماز قضا کردوں تو میرے لیے گنجائش ہے! بالکل نہیں، کسی حال میں یہ جائز نہیں۔

## دورانِ جہاد بھی نماز معاف نہیں ہے

نماز تو ایک ایسی عبادت ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے جنگ چل رہی ہے، اس دوران بھی نماز کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دی، ایسا طریقہ بتلایا کہ اس طریقے کو اپنا کر جاری جنگ کے دوران بھی مسلمان نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کر سکیں، اس کو صلوۃ الخوف کہتے ہیں لیکن نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں، نماز تو ایک ایسا فریضہ ہے جس کو ہر حال میں انجام دینا ہی دینا ہے، کوئی دوسرا کام کتنا بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہو لیکن نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

## نماز ہر کام سے اہم کام ہے

بہت سے لوگ میٹنگ (meeting) چل رہی ہے تو جماعت کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، نہیں، بالکل جائز نہیں ہے۔ نماز پڑھئے پھر مٹنگ کرتے رہیے تو یہ جو بعض لوگوں کی ذہنیت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ فرمایا کہ تمھارے سارے کاموں میں، چاہے وہ دین کے کام ہوں یا دنیا کے کام ہوں، میرے نزدیک سب سے مہتم بالشان اور سب سے اہمیت کا حامل کام نماز ہے، نماز سے اہم کوئی کام نہیں ہے۔

## نماز کی حفاظت اور محافظت کا مطلب

فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا: جو آدمی نماز کی حفاظت کرے گا۔ حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو جیسا پڑھنا چاہیے، ویسا پڑھے گا، اس کے فرائض، واجبات،

سنن، مستحبات، ساری چیزوں کی رعایت کرے گا، وَحَافَظَ عَلَيْهَا: اوراس کی پابندی کرے گا۔ نماز کواس کی تمام چیزوں کے ساتھ پڑھنا ایک الگ چیز ہے اوراس کی پابندی کرنا الگ چیز ہے، دونوں کام ہونے چاہئیں۔ بعض لوگ پابندی کرتے ہیں لیکن اس کو جس انداز سے پڑھنا چاہیے، ویسا نہیں پڑھتے اور بعض لوگ جس انداز سے پڑھنا چاہیے، ویسا پڑھتے ہیں لیکن پابندی نہیں کرتے تو دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔

## دین کی حفاظت کا عجیب وغریب نسخہ

توحضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حَفِظَ دِينَهُ: جوآدمی نماز کے متعلق ان دو چیزوں کی رعایت کرے گا، اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دین کی حفاظت کا کتنا عجیب وغریب نسخہ بتلادیا!، اگر ہم اپنے دین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا اہتمام کریں، جو بھی اس کا اہتمام کرے گا تو اس کا یقین ہے کہ اس کے دین کی حفاظت ہوگی۔

## نماز کی حفاظت نہ کرنے والے سے دوسرے امورِ دین کی انجام دہی کی کوئی امید نہیں

وَمَنْ ضَيَّعَهَا: اور جو نماز کو ضائع اور برباد کرے گا، وقت سے بے وقت پڑھے گا، جماعت کے بغیر پڑھے گا، آگے پیچھے کردے گا، فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ (١): وہ دین کے

---

(١) باب وقوت الصلوة میں چھٹے نمبر پر یہ خط امام مالک علیہ الرحمۃ نے نقل کیا ہے: أن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله إن أهم أمركم عندي الصلاة الخ.

دوسرے شعبوں کے معاملے میں بطریقِ اولیٰ غفلت اور بے پروائی سے کام لے گا۔ جو نماز کی حفاظت اور پابندی نہیں کرتا، اس سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ دین کے دوسرے شعبوں کا حق ادا کرے، دین کے دوسرے کام اچھی طرح انجام دے سکے۔ دین کی جو سب سے اہم اور بنیادی چیز تھی، اس کے متعلق جب اس کا یہ طرزِ عمل ہے تو اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دین کے دوسرے کاموں کو اچھے طریقے سے انجام دے سکے؛ اس لیے نماز کی طرف خاص توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اور اس نماز کو صرف پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ خشوع کے ساتھ ادا کرنا یہ شریعت میں مطلوب ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ مؤمنون کے شروع میں وہ اہلِ ایمان جو دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں، جن کو دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی بھلائی، خوبی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، ان کی کچھ خوبیاں اور ان کے کچھ اوصاف بتلائے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾: وہ ایمان والے فلاح یاب ہیں، کامیاب ہیں۔

## لفظِ فلاح اور اردو زبان کی تنگ دامنی

لفظِ ''فلاح'' عربی زبان کا ایک ایسا لفظ ہے کہ ہماری اردو زبان کے اندر اس کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے، ایسا جامع لفظ موجود نہیں ہے، اسی لیے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم فلاح کا ترجمہ اردو میں کامیابی سے کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ''کامیابی'' فلاح کا مفہوم ادا کرنے میں بہت کوتاہ اور قاصر ہے۔

فلاح کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں کی خوش حالی حاصل ہو جائے۔ لفظِ ''کامیابی'' سے یہ مفہوم کما حقہ ادا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اردو زبان کا دامن بڑا تنگ ہے؛ اس لیے اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔

نماز کے لیے جو دعوت دی جاتی ہے، اذان کے ذریعہ لوگوں کو بلایا جاتا ہے، اس میں ایک جملہ ہے ''حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ'' فلاح کی طرف آؤ۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر آپ نماز کے لیے آئیں گے تو آپ کو دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی خوش حالی اور بھلائیاں نصیب ہو جائیں گی۔

## فلاح ڈھونڈنے والوں کے لیے نسخۂ کیمیا

لوگ سوال کرتے ہیں کہ مولوی صاحب! کوئی ایسی تدبیر بتلاؤ کہ ہر طریقے سے اپنا بھلا ہو جاوے۔ قرآن نے کہہ دیا، نماز کے لیے اذان کے اندر بار بار پکارا جاتا ہے، اتنی ساری تاکید ہوتی ہے اور ہم دوسرے نسخے ڈھونڈتے رہتے ہیں، سورۂ بقرہ کے شروع میں ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ میں جن لوگوں کو کامیاب اور فلاح یاب بتایا گیا، ان کے اوصاف میں ایک چیز یہ نماز بھی ہے۔

تو ''الْمُفْلِحُونَ'' کا مطلب ہے وہ شخص جس کو دنیا اور آخرت کی خوش حالی اور بھلائی حاصل ہو جائے تو کون سے ایمان والے اس فلاح کو پانے والے ہیں؟ تو آگے فرمایا: ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾: جو اپنی نماز کے اندر خشوع کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ خالی نماز کو پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کرنا

مطلوب ہے۔

## قرآن میں نماز قائم کرنے کا حکم اور اس کا مطلب

ویسے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ نماز کا حکم دیا اور نماز کا حکم دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کلمات استعمال فرمائے، عربی جاننے والے اہلِ علم موجود ہیں کہ اگر باری تعالیٰ کی طرف سے یوں کہا جاتا: صَلُّوْا: نماز پڑھو تو الگ بات ہوتی لیکن قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم دینے کے لیے کہیں "صَلُّوْا" نہیں آیا بلکہ قرآن میں جہاں کہیں آیا "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" آیا ہے، نماز کو قائم کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، ان ساری چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز ادا کی جائے تو اس کو یوں کہا جائے گا کہ اس نے نماز قائم کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ، بیسیوں جگہ پر نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا اور "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" فرمایا تو اس نماز کو قائم کرو یعنی نماز کو صرف پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو خشوع کے ساتھ پڑھنا چاہیے، خشوع کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

## خضوع کا مطلب

خشوع کا کیا مطلب ہے؟ دو لفظ ہم بولتے ہیں کہ فلاں آدمی خشوع خضوع والی نماز پڑھتا ہے، خشوع "ش" سے ہے اور خضوع "ض" سے ہے۔ خضوع کا مطلب کیا ہے؟ خضوع یعنی اپنے جسم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جھکا دینا، لیکن جھکنے کے لیے

ہماری سوچ کافی نہیں بلکہ نماز کے دوران جسم کے تمام اعضاء اس انداز سے رہیں، جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا ہے: کون سا عضو کس طرح ہونا چاہیے۔ اپنی مرضی سے نہیں کہ سر یوں (پوری گردن جھکا کر) نیچا کر لو نہیں، اس کو فقہاء مکروہ لکھتے ہیں، البتہ سر تھوڑا سا نیچا ہو کہ جس کی وجہ سے نگاہ سجدے کی جگہ پر پڑی رہے، اِدھر اُدھر نہ جائے۔

## نماز میں نگاہیں رکھنے کی جگہ تک بھی بتا دی گئی ہے

بہرحال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز کے دوران ہر عضو کو رکھنے کا طریقہ بتلایا، یہاں تک کہ نگاہ تک کے متعلق کتابوں میں صراحت موجود ہے کہ آدمی کھڑا ہو تو کھڑے ہونے کی حالت میں اس کی نگاہیں سجدے کی جگہ پر ہوں، رکوع میں ہو تو اس کی نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو۔ غرض نگاہ جیسی نگاہ بھی نماز کی کس حالت میں کہاں ہونی چاہیے، یہ بتایا گیا ہے۔

سجدے میں آدمی ہو تو اپنے دونوں ہاتھ اس طرح رکھے، انگلیاں ملا کر رکھے اور اس کی نگاہ ناک کے بانسے کے اوپر ہو، رکوع کے اندر ہاتھ گھٹنوں کے اوپر انگلیاں پھیلا کر رکھے، نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو۔

دوسرے تمام اعضاء کہ کون سا عضو ہمیں نماز میں کس طرح رکھنا ہے تو نماز کے جس رکن میں اعضاء کو جس انداز سے رکھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس انداز سے اعضاء کو رکھنا خضوع کہلاتا ہے۔

## نماز کے بارے میں نبوی تاکید

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو باقاعدہ حکم فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي: تم جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھو، اس طرح نماز ادا کرو(۱)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طریقہ بتلایا اور ساتھ میں یہ بھی تاکید فرمائی کہ اسی کے مطابق تمھیں اپنی نمازیں ادا کرنی ہیں، اس میں اگر کمی ہو جائے گی تو اس میں اتنا نقص پیدا ہو جائے گا۔

## غلط طریقے سے نماز پڑھنے پر ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں، ایک دیہاتی صحابی آئے اور آکر کے انھوں نے جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھی، جس اطمینان کے ساتھ رکوع سجدہ کرنا چاہیے، رکوع سے سر اٹھا کر جس اطمینان سے قومہ میں کھڑا رہنا چاہیے، سجدے سے سر اٹھا کر جلسے میں جس طرح بیٹھنا چاہیے، اس طریقے سے نہیں کیا، جلدی جلدی سب ارکان ادا کیے، سلام پھیر کر واپس جانے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف فرما دیکھا تو آکر آپ کو سلام کیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ: سلام کا جواب دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ واپس جاؤ، نماز پڑھو! تم نے نماز نہیں پڑھی۔

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضي الله تعالى عنه، بَابُ الْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ، إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً، وَالْإِقَامَةِ الخ.

وہ پھر گئے اور پھر سے نماز پڑھی اور پھر آکر سلام کیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ: واپس جاؤ، نماز پڑھو! کیوں کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں کس طرح نماز پڑھوں۔

## پہلی مرتبہ نماز کا صحیح طریقہ نہ بتلانے کی حکمت

دیکھو! پہلے سے اس لیے نہیں بتلایا کہ اس کے اندر طلب پیدا ہو کہ میں کس طرح نماز پڑھوں، تب اس کو بتلایا اور جب اس طرح دو تین مرتبہ واپس لوٹانے کے بعد اسے نماز سکھائی جائے گی تو بڑے اہتمام اور توجہ کے ساتھ سیکھے گا، اس کو اس کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نماز کا طریقہ بتلایا کہ اطمینان کے ساتھ کھڑے رہو، اطمینان کے ساتھ رکوع کرو یعنی نماز کے ہر رکن اور ہر عمل کو سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرو(۱)۔ یہ تو خضوع ہوا۔

## خشوع کا مطلب

دوسری چیز خشوع ہے، خشوع کا مطلب ہے آدمی اپنے دل کو دورانِ نماز اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرے، دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ایسا متوجہ کر دینا کہ دوسرا کوئی خیال آوے ہی نہیں، دل کا تعلق اور کانٹکٹ (contact) اللہ

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه، بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم الَّذِي لا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالإِعَادَةِ.

تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے بالکل نہ ہو، شروع سے لے کر اخیر تک پوری نماز کے دوران اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، اس کو خشوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نماز میں خشوع اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ نماز کی روح ہے اور قرآن کہتا ہے کہ جو ایمان والے اس طرح خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو سمجھ جاؤ کہ انھوں نے دنیا اور آخرت کی کامیابی اور خوش حالی حاصل کرلی۔ یہ خشوع نماز کے اندر مطلوب ہے اور شریعت یہ چاہتی ہے کہ آپ کی نماز خشوع والی ہو۔

ویسے تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے لیکن اگر کبھی ذراسی بے خبری نماز کی طرف سے ہو جاتی تھی تو اس کو بھی وہ گوارا نہیں کرتے تھے، کتابوں میں ایسے بہت سارے واقعات آپ نے پڑھے اور سنے ہوں گے کہ اپنا قیمتی مال بھی نماز میں اس کا خیال آنے پر قربان کر دیا۔

## نماز میں خشوع پیدا کرنے کے نبوی طریقوں میں ایک طریقہ

تو بہر حال! شریعت چاہتی ہے کہ نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مختلف طریقے اور تدبیریں بتلائی ہیں، ایک طریقہ وہ ہے جو حدیثِ جبرئیل میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف سوالات کیے گئے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ اور ان سوالات کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوابات دئے تو احسان والے سوال کا جواب دیا تھا: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ

تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ کہ اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو اللہ تو تمھیں دیکھ ہی رہے ہیں (۱)۔

## ”گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو“ کہنے کی حکمت

”گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو“ اس لیے فرمایا کہ اس دنیا میں ان آنکھوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھنا ناممکن ہے، اس لیے فرمایا کہ گویا کہ دیکھ رہے ہو۔ اگر حقیقت میں دیکھ رہے ہوتے تو کس طرح پڑھتے؟ اسی طرح اب بھی پڑھو۔ تو یہ بھی نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

## نماز میں خشوع پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ

ایک طریقہ وہ ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو یہ نصیحت فرمائی کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو یہ سوچ لو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اور یوں سمجھو کہ میں اس دنیا کو اب ”الوداع“ کہنے والا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اور آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ ابھی جو آپ جمعہ کی نماز پڑھنے والے ہیں، یہ آپ کی زندگی کی آخری نماز ہے تو بتلائیے کہ ہم کیسا جی لگا کے اس نماز کو پڑھنے کی کوشش کریں گے، بھرپور کوشش کے ساتھ یہ چاہیں گے کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہماری توجہ نماز سے نہ ہٹے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے یہی مقصود ہے کہ ہر نماز آدمی اس طرح ادا کرے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں دوبارہ مجھے اللہ کے

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالْقَدَرِ وَعَلاَمَةِ السَّاعَةِ.

حضور کھڑے ہونے کا موقع اور سعادت حاصل ہوگی یا نہیں۔

## آخری نماز سمجھ کر ہر نماز پڑھنا امرِ واقعی ہے

اور یہ کوئی وہمی چیز نہیں تھی بلکہ حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس وقت مجمع میں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں، کیا کوئی گارنٹی کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ میری موت کب آئے گی؟ ہوسکتا ہے کہ ابھی نماز سے پہلے آجائے، نماز کے دوران آجائے، نماز کے بعد آجائے تو گویا جب بھی کوئی آدمی نماز کے لیے نیت باندھے گا تو یہ امکان موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نماز جو ابھی پڑھنے جارہا ہے، وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے۔ اس لیے چاہیے کہ ہماری ہر نماز اسی تصور کے ساتھ ادا ہو تو نماز کے اندر جان پیدا ہوسکتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو اور پوری امت کو اس کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# نماز کی روح خشوع اور اس کی اہمیت

# اقتباس

آج اس زمانے میں ہماری نماز کا حال کیا ہو گیا؟ ہر چیز آٹومیٹیک ہے۔ (automatic) تو ہماری نماز بھی آٹومیٹیک ہو گئی، اللّٰہُ اکبر کہا تو گویا نماز کا بٹن آپ نے آن (on) کر دیا، اب چل رہا ہے، سبحانک اللھم بھی پڑھی جا رہی ہے، أعوذ باللّٰہ پڑھ رہے ہیں، بسم اللّٰہ پڑھ رہے ہیں، سورۂ فاتحہ پڑھ رہے ہیں، سورت ملا رہے ہیں، رکوع میں جا رہے ہیں، سبحان ربی العظیم پڑھ رہے ہیں، سب برابر پڑھ رہے ہیں، جو چیز پڑھنی چاہیے تھی، کوئی چیز چھوٹی نہیں، دو رکعتیں پڑھ ڈالیں۔ اب اسی دو رکعت پڑھنے والے سے سلام کے بعد آپ پوچھو کہ بھائی! آپ نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ سوچے گا کہ کون سی پڑھی تھی، حالاں کہ اس نے خود پڑھی تھی لیکن اس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ دو رکعت کس طرح پڑھی۔ جیسے ٹیپ ریکارڈر کھول دیا اور کیسٹ پوری ہو گئی ہو۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی ترستے ہیں آج اس کو منبر و محراب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادي لہ، ونشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، أرسلہ إلی کافّۃ الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنہ وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وبارک وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِیْنَ ھُمْ فِيْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ [المؤمنون] وقال تعالیٰ: ﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ﴾ [الماعون] وقال تعالیٰ: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِيْ﴾ [طٰہ:١٤]

## شریعت: زندگی گذارنے کا مکمل انسائیکلو پیڈیا

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے زندگی گذارنے کا طریقہ جس کو ہم شریعت کے نام سے یاد کرتے ہیں، ہمیں عطا فرمایا، اس میں مختلف حیثیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے، اس کے مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس میں ایمان بھی ہے اور عقائد

اور احکام بھی ہیں۔کل پانچ شعبے ہیں:(۱)عقائد(۲)عبادات(۳)معاملات (۴)اخلاق(۵)معاشرت۔

## عقائد کے باب میں مسلمانوں کی غفلت

عقائد کی طرف توجہ دینے کی بھی خاص ضرورت ہے، خصوصاً اس زمانے میں جب کہ لوگوں کے سامنے مختلف نظریات کے آنے کی وجہ سے ان کے خیالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ ہمارے یہاں عقائد کے متعلق جو چیزیں بچپن میں پڑھا دی جاتی ہیں، اس کے بعد پھر اس کو تازہ نہیں کیا جاتا، حالاں کہ یہ بہت اہم اور بنیادی چیز ہے۔ وہ باتیں جو آدمی کو ایمان سے نکالنے والی ہیں اور جن کے نتیجے میں آدمی کفر میں داخل ہو جاتا ہے، اس کا جاننا بھی ضروری اور فرضِ عین ہے؛ تاکہ آدمی اپنے آپ کو اس سے بچا سکے۔

## شعبۂ عبادت اور اس کو قائم کرنے کی غرض

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے۔ بندے کا رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کس طرح قائم ہوسکتا ہے، وہ مختلف طریقوں سے بتلایا گیا ہے۔ یہ عبادات کا شعبہ بھی اسلام کے اندر بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس کے ذریعہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق اور رشتے کو مضبوط کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور اس کا عشق بندے کے دل میں جا گزیں ہوتا ہے اور جمتا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی مشقت برداشت کرنا اور بڑی سے بڑی قربانی

دینا آسان ہوجاتا ہے۔

## عبادات کی مختلف صورتیں

عبادات کے شعبے میں بھی کئی چیزیں ہیں: نماز ہے، روزہ ہے۔ یہ دونوں عبادتیں تو وہ ہیں جو آدمی کے جسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ زکوۃ ہے کہ آدمی کو مال کے ذریعہ سے بھی عبادت کرواکر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا رشتہ اور تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ حج بھی ہے کہ جس میں مال بھی خرچ کیا جاتا ہے اور کچھ جسمانی افعال بھی ادا کرائے جاتے ہیں۔ اصل تو وہی ہے لیکن اس کے لیے سفر کیا جاتا ہے جس میں مال خرچ کرنے کی بھی نوبت آتی ہے۔

بہر حال! عبادت کے اس شعبے سے مقصود یہ ہے کہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرے۔

## نماز: بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے والا سب سے بہتر ذریعہ

شروع اسلام میں جب سارے احکام تفصیل کے ساتھ نازل نہیں ہوئے تھے، خاص طور پر نماز پر زور دیا گیا اور رات رات بھر جگوایا جاتا تھا، خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں اس کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہوا، اور اس کی وجہ سے دین کے لیے ساری مشقتیں برداشت کرنا آسان ہوگیا۔

## فرض نمازیں

عبادات کے شعبے میں ایک عبادت نماز ہے، وہ بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ نماز

میں بھی شریعتِ مطہرہ نے مختلف شکلوں سے انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کا ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ کچھ نمازیں تو وہ ہیں جن کو فرض کی حیثیت دی گئی کہ بھائی! ۲۴/ گھنٹے میں پانچ اوقات کی نماز آپ کو ادا کرنی ہی کرنی ہے، یہ تو ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو عاقل بالغ ہو، چاہے مرد ہو، عورت ہو، مسافر ہو یا مقیم ہو، غریب ہو یا مال دار ہو، بیمار ہو یا تن درست ہو۔ اس کے لیے ان پانچ نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔ پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی ہے۔

## نوافل کی قسمیں

ان فرائض کے علاوہ کچھ نفل نمازیں بھی رکھی گئیں اور ان نفل نمازوں میں کچھ نمازیں وہ ہیں جن کے لیے اوقات مقرر کر دیے گئے: اشراق ہے، چاشت ہے، اوّابین ہے، تہجد ہے، فیٔ زوال ہے۔ اور کچھ نوافل وہ ہیں جن کے لیے کسی وقت کی تحدید نہیں کی گئی، آدمی جب چاہے، اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اس سے مناجات اور سرگوشی کی لذت حاصل کرے۔

## نماز کے اوقاتِ مکروھہ

البتہ اس اہم اور بنیادی عبادت کے لیے کچھ اوقات ایسے رکھے گئے کہ جس میں منع کر دیا گیا کہ اس میں آپ کو نماز نہیں پڑھنی ہے، یہ اوقاتِ مکروھہ ہیں۔ یہ بتلا کر انسان کو اس بات کی تعلیم دی گئی کہ نماز جیسے بہترین عمل، کام، مشغلے کے لیے بھی بعض اوقات ایسے ہیں کہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو ادا کرنے سے منع کر دیا۔

# قرآن میں نماز کا حکم اجمالی ہے

نماز کے متعلق قرآنِ پاک میں بڑی تاکیدیں وارد ہوئی ہیں، کئی مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن قرآن میں نماز کے متعلق اجمالی حکم سے کام لیا گیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عملی نمونے سے نماز کا طریقہ امت کو بتلایا۔

# نماز پر مختلف حالات اور ادوار گذرے ہیں

اس میں بھی مختلف حالات، مختلف ادوار نماز پر گذرے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل (١) رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداود شریف میں ہے۔ مختلف حالات گذرتے گذرتے اخیر میں نماز کی ایک شکل بنی، کچھ چیزیں پہلی کی جاتی تھیں، وہ ختم اور منسوخ ہوئیں، اخیر میں جو باقی رہی، وہ شکل امت کے سامنے آئی۔

# حضراتِ ائمۂ مجتہدین کا امت پر احسانِ عظیم

یہ جو قرآن وحدیث میں نماز سے متعلق مختلف احکام ہیں، حضراتِ فقہائے کرام

---

(١) حدیث کے بعض اجزاء یہ ہیں: عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: أُحِيلَتِ الصَّلَاةُ ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ، وَأُحِيلَ الصِّيَامُ ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ - وَسَاقَ نَصْرٌ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ وَاقْتَصَّ ابْنُ الْمُثَنَّى مِنْهُ قِصَّةَ صَلَاتِهِمْ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَطْ - قَالَ: الْحَالُ الثَّالِثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَصَلَّى - يَعْنِي نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ - ثَلَاثَةَ عَشَرَ شَهْرًا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الْآيَةَ: {قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ} [البقرة] فَوَجَّهَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى الْكَعْبَةِ - وَتَمَّ حَدِيثُهُ - الحدیث۔ (سنن ابی داود، بَابُ كَيْفَ الْأَذَانُ.)

اور ائمۂ عظام- اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جزائے خیر دے- نے قرآن وحدیث کی نصوص میں نماز کے متعلق جو ہدایتیں تھیں۔ اگر مجھے اور آپ کو یہ کہا جاتا کہ ان نصوص کو دیکھ کر نماز کی کوئی ترتیب اپنے لیے معلوم کر لیجیے تو یہ انتہائی ناممکن تھا، بڑے بڑے علماء اس میں سرگرداں رہتے، چہ جائے کہ وہ لوگ جو ناواقف ہیں۔ یہ تو حضراتِ ائمۂ مجتہدین نے- اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور ان کو جزائے خیر دے- نماز سے متعلق ان ساری ہدایتوں کو قانونی شکل دے کر فقہ کی شکل میں نماز کے احکام کے طور پر کتابوں میں ہمارے سامنے پیش کر دیا۔

## نماز کے فرائض بنام شرائط

اور اس میں کون سے کام کیا درجہ رکھتے ہیں کہ: بھائی! فلانا کام کرنا ہے، وہ رکن ہے، فلانا کام شرط ہے۔ شرط اور رکن دونوں ہی فرض اور ضروری ہیں: کچھ فرائض وہ ہیں جو نماز ادا کرنے سے پہلے انجام دئے جاتے ہیں: کپڑوں کی پاکی، ظاہری نجاست سے اور باطنی نجاست سے بدن کی پاکی اور پھر جگہ کی پاکی، قبلہ کی طرف رخ کرنا، یہ سب ایسے فرض ہیں جن کو فقہاء شرط کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو نماز سے پہلے انجام دئے جاتے ہیں۔

## نماز کے فرائض بنام ارکان

اور کچھ فرائض وہ ہیں جو نماز کی ادائگی کے دوران انجام دیے جاتے ہیں، جن کو فقہاء ارکان کا نام دیتے ہیں: قیام کرنا، قرأت کرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا۔ یہ چیزیں فرض تھیں، وہ بھی بتلادیں۔

## نماز کے دوسرے افعال اور ان کے درجات

پھر جو چیزیں واجب کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کو بھی قرآن وحدیث کے اندر دیکھ کر، سب کو جانچ پرکھ کر ہر ایک کا درجہ متعین کیا کہ یہ کام فرض ہے، یہ واجب ہے، یہ سنت ہے، یہ مستحب ہے۔ فلاں کام سے بچنا چاہیے، اس میں بھی یہ مکروہ کا درجہ ہے، فلاں ایسا کام ہے کہ اگر اس کو کریں گے تو نماز بالکل ہی ختم ہوجائے گی جس کو نماز کے مفسدات کہا جاتا ہے۔ یہ ساری تفصیلات ان حضراتِ فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کیں۔ یہ ان کا بڑا احسان ہے۔

## انھیں پر بعض ناداں کچھ گھڑا کرتے ہیں افسانہ

ایک جماعت ہے جو فقہ کے متعلق غلط پراپیگنڈہ ہے کرتی ہے، حضراتِ فقہائے کرام اور ائمۂ عظام - اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جزائے خیر دے - ان کا وہ مقام ہے جس کو بعد والے لوگ نہیں پا سکتے۔ ان حضرات نے تو امت پر بڑا احسان کیا ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص کو کھنگال کر اور ان میں خوب غور کر کے وہ ساری شکلیں جو ہمارے لیے عمل کی تھیں، واضح کر کے الگ شکل میں کتابوں میں لکھ دیں، ترتیب دے دی، یہ فقہ کوئی الگ چیز نہیں ہے، یہ تو قرآن اور حدیث کا خلاصہ ہے۔

## ”فقہ“ قرآن وحدیث میں موجود عملی زندگی سے متعلق احکام کا مجموعہ ہے

چوں کہ قرآن وحدیث میں خالی نماز ہی کے احکام نہیں، اور بھی بہت سارے

احکام تھے جو زندگی میں انجام دینے ہیں، اخلاقیات سے متعلق بھی تعلیم ہے، معاشرت سے متعلق بھی تعلیم ہے، معاملات کے اوپر بھی کہا گیا ہے، عقائد کے اوپر بھی بحث کی گئی ہے اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں۔ ان فقہاء نے عمل سے متعلق جو احکام تھے، ان کو الگ جمع کر دیا اور اس کو فقہ کا نام دے دیا۔

## فقہ کے متعلق غلط فہمی پھیلانے والے احسان فراموش ہیں

اس کے متعلق جو غلط فہمی لوگوں میں پھیلائی جاتی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ان حضرات پر ایک بہتان ہے، یہ تو ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ قانونی شکل دے کر ایک پکی پکائی روٹی ہمارے سامنے پیش کر دی کہ اب آپ کو بس کھانا ہی ہے، ورنہ ہمارے اوپر اگر یہ چھوڑ دیا جاتا تو ناممکن تھا اور معلوم نہیں لوگ کیسی کیسی نمازیں وجود میں لاتے۔

## فقہاء کا ایک اور احسان

بہر حال! نماز کی ایک ترتیب ہے، اس میں موجود اعمال کو فقہاء الگ الگ حیثیت سے بیان کرتے ہیں اور الگ الگ بیان کرنے کے بعد ''باب صفة الصلوة'' کا عنوان الگ قائم کر کے نماز کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ ان ساری چیزوں کو کہاں کہاں انجام دینا ہے۔ ایسا نہیں کہ جو فرض ہیں، ان کو ایک ساتھ ادا کر دئے جائیں۔ سنتیں ایک ساتھ ادا کر دی جائیں۔ نہیں، ان میں سے ہر ایک کا باقاعدہ ایک مقام ہے، ایک جگہ ہے، اس کو وہاں ادا کرنا ہے، وہ سارا طریقہ تفصیل سے بتلا دیا اور ہم پر بڑا احسان کیا۔

## نماز کی صورت اور روح

پھر نماز کا طریقہ بتایا جاتا ہے، اس میں ساری چیزیں بتلائی جاتی ہیں۔ نماز کے اندر ایک تو اس کی ظاہری شکل وصورت ہے اور ایک ہے نماز کی روح اور اس کی جان۔ جیسے ہر چیز میں ایک تو اس کا ظاہری ڈھانچہ ہوتا ہے۔ جیسے مشین ہے، اس میں اس کے کل پرزے، پارٹس وغیرہ ہوتے ہیں اور پھر یہ کہ اس میں بجلی آئے گی تو وہ اپنا کام کرے گی، یہ بجلی اس میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

## نماز کے جملہ افعال بڑی اہمیت اور فضیلت کے حامل ہیں

تو نماز کے اندر بھی یہ ارکان، واجبات، سنتیں، یہ ساری چیزیں ظاہری ڈھانچے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر ہر سنت اور ہر ہر ادب اپنی جگہ پر کتنی اہمیت کا حامل ہے! سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا کتنا اہم ہے! سنت ہے لیکن اس کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔

## محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے با جماعت نماز فوت ہونے کا واقعہ

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ان کے ایک شاگرد: محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ بہت بڑے فقیہ، بزرگ گذرے ہیں۔ ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے ان کی جماعت فوت ہوگئی تو بڑا افسوس ہوا اور چوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب ۲۵ رگنا یا ۲۷ رگنا ہے۔

## فضیلتِ جماعت کے سلسلے میں وارد مختلف روایتوں میں تطبیق

دونوں قسم کی روایتیں ہیں۔ اس میں بھی پھر فقہاء نے تطبیق دی ہے کہ پہلے ۲۵ / گنا کا وعدہ ہوا پھر ۲۷ / گنا کا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مدار آدمی کے اخلاص اور مجاہدات پر ہے کہ جیسا جیسا آدمی کا اخلاص اور مجاہدہ اس کے مطابق کسی کو ۲۵ / گنا اور کسی کو ۲۷ / گنا، کیٹیگری (category) کر دی گئی۔

بہر حال! انھوں نے سوچا کہ میری جماعت تو چلی گئی، اب مجھے اکیلے پڑھنی پڑے گی تو اس نماز کو انھوں نے ۲۵ / یا ۲۷ / مرتبہ ادا کیا، حالاں کہ فقیہ تھے، جانتے تھے کہ ایک مرتبہ پڑھنے سے فرض ادا ہو گیا، ذمہ داری پوری ہو گئی لیکن یہ خیال تھا کہ جماعت کے ساتھ پڑھتا تو ''۲۷'' نمازوں کا ثواب ملتا؛ اس لیے انھوں نے یہ نماز ۲۷ / مرتبہ پڑھی؛ تا کہ ''۲۷'' گنا ثواب ملے، یہ ہمارے اسلاف کا شوق تھا۔ کوئی ہے اس مجمع میں جو اجر و ثواب کو اس طرح قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہو؟ نہ میں، نہ آپ، سیدھی بات ہے، ہم سے چار نمازیں چھوٹ جائیں گی تو ان کی ادائگی ہی دشوار لگے گی۔ لیکن حدیث میں جماعت کا جو ثواب آیا ہے، اس کو حاصل کرنے کا ان حضرات کے یہاں کتنا اہتمام ہے!!

## تمھیں کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے

اگر آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ایک چیز یہاں مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بیچیں گے تو اس کی قیمت ایک روپیہ ہو گی اور اگر یہاں سے ذرا دور روڈ کے پاس جا کر فروخت کریں گے تو اس کی قیمت ۲۵ / یا ۲۷ / روپیہ ملے گی۔ تو یہاں سو آدمی مانگیں گے تو بھی آپ

اس کو ہرگز نہیں دیں گے، وہاں جا کر بیچیں گے؛ کیوں کہ ''۲۵'' گنا قیمت چاہیے۔ دنیا کے معاملات میں ہم اس طرح فائدے اور نقصان کو مدِّ نظر رکھتے ہیں اور نماز کے معاملے میں اس کی کوئی پرواہی نہیں! مسجد گھر کے پڑوس میں ہے، اس کے باوجود جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ دیکھ لو! فجر کی نماز میں کتنے آتے ہیں؟ جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کے اہتمام کا وہاں پتہ چل جائے گا کہ فجر کی نماز میں کتنی حاضری ہوا کرتی ہے! ہمارے اکابر کے یہاں نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بڑا اہتمام تھا۔

## ترکِ جماعت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غضبِ شدید

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے، میرا جی یہ چاہتا ہے کہ مسجد میں کسی کو نماز کے لیے کھڑا کر کے میں ان کے گھروں میں جاؤں اور جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، ان کے گھروں کو آگ لگاؤں۔ اگر عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ایسا کرتا(۱)۔ اتنی زیادہ تاکید ہے اور جماعت چھوڑنے والے کی گواہی بھی شریعت قبول نہیں کرتی، فقہاء نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، اس پر بلا عذرِ شرعی نماز کی جماعت چھوڑنے کی وجہ سے فاسق کا حکم لگایا ہے۔ آج تو جماعت چھوڑنا عام ہوگیا، اس کا بالکل اہتمام نہیں۔

## تھے تو وہ آبا تمھارے ہی مگر تم کیا ہو؟

ہمارے اسلاف کے یہاں اس کا کتنا اہتمام کیا جاتا تھا! مسلم شریف میں حضرت

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب وُجُوبِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین بھی جماعت چھوڑنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، جماعت کا اس قدر اہتمام تھا(۱)۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الوفات میں، جس بیماری میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، اتنا اہتمام کہ دو آدمیوں کے سہارے سے، پاؤں مبارک کو گھسٹتے ہوئے، مسجد میں آ رہے ہیں(۲)۔ جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی، تب آپ نے چند نمازیں گھر میں ادا کیں، ورنہ اس طرح آ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت میں شرکت کی ہے، جماعت کی شرکت اتنی اہم ہے۔

## اے ابنِ سلمہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا!

انھوں نے یہ نماز ''۲۷'' مرتبہ پڑھی؛ تا کہ ''۲۷'' گنا ثواب ملے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: کيف لك بتأمين الملائكة يا ابن سماعة!: اے ابنِ سلمہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا(۳)!

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مسعود رضي الله عنه قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ - وَقَالَ - إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ - صلى الله عليه وآله وسلم - عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ (صحيح المسلم، باب صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى)

(۲) صحيح البخاري، عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهَا، قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ، اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بَيْنَ رَجُلَيْنِ، تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ، بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ آخَرَ. الحديث (باب الغسل والوضوء في المخضب والقدح والخشب والحجارة.)

(۳) تهذيب التهذيب ج ۹ ص ۱۸۲.

## باجماعت نماز کا ایک عظیم فائدہ

یہ کیا ہے؟ یہ ایک اشارہ ہے، حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی امام کے ساتھ، جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور امام قرأت کرتا ہے تو امام جب سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور اس کے اخیر میں وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھے گا تو اس وقت آمین کہنا چاہیے، إِذَا قَالَ الإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوا آمِيْنَ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔

## آمین کے سلسلے میں ہمارا مذہب اور اس کے ساتھ ہمارا نار وا سلوک

اب یہ آمین کس طرح کہے، زور سے یا آہستہ؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان اختلافی ہے: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آہستہ کہیں گے، چھوڑنے کو نہیں کہتے۔ آج کل تو ہم نے آمین کہنا ہی چھوڑ دیا ہے، کون ہے جو اتنا اہتمام کرتا ہو، اس طرح کہنا چاہیے کہ دوسروں کو بھی آواز آئے، ہمارے یہاں آمین اتنی زور سے بھی نہیں ہے لیکن اتنا تو ہو کہ دوسروں کو پتہ چلے۔

## اگر نماز کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق پڑگئی!

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہ بتاتے ہیں: فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُوْلُ: آمِيْنَ، وَإِنَّ الإِمَامَ يَقُوْلُ: آمِيْنَ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[1]؛ اس لیے

(۱) سنن النسائی، عن أبي هريرة رضي الله عنه، جهر الإمام بآمين.

کہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق پڑ گئی، یعنی جس وقت انھوں نے آمین کہی، اسی وقت اس نے بھی آمین کہی اور آپ کو بتایا دیا گیا ہے کہ فرشتے آمین کب کہتے ہیں؟ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ پر آمین کہتے ہیں تو ہم بھی اس وقت آمین کہیں گے اور ہماری آمین ان کے آمین کے موافق پڑے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے اگلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

وہ خواب میں کہنے والا کہہ رہا ہے، تنبیہ کر رہا ہے کہ آپ نے ''۲۷'' مرتبہ نماز پڑھ کر نقصان کی تلافی کرنے کی کوشش تو کی لیکن جماعت کے ساتھ پڑھتے تو فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے کی جو فضیلت تھی، وہ حاصل ہوتی، وہ فضیلت تمھیں حاصل نہیں ہوئی۔ جماعت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اس کا خاص طور پر اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، مسجد میں نماز پڑھنے کا اہتمام کریں۔

بہرحال! یہ ساری سنتیں اور آداب وغیرہ اپنی جگہ پے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان ساری چیزوں کا اپنا ایک اثر اور ایک مقام ہے۔ نماز کے آداب کی بڑی رعایت کی گئی ہے۔ یہ نماز کا ایک ظاہری ڈھانچہ ہے، اسٹرکچر (structure) ہے، ظاہری شکل وصورت ہے۔

## نماز کی روح: خشوع

اور ایک ہے نماز کی روح۔ نماز کی روح وہ تعلق اور کنیکشن (connection)

ہے جو نماز کے دوران آدمی کے دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے دل کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا، نماز کے اندر اس کے دل کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو جانا۔ اس کو خشوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## خضوع کا مطلب

اور ایک خضوع ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اعضا پرسکون ہو جائیں۔ آدمی جب نماز سے باہر ہوتا ہے تو ہاتھ اپنا کام کرتے ہیں، پاؤں اپنا کام کرتے ہیں، آنکھیں اِدھر اُدھر دیکھتی ہیں اور دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہے۔ نماز کے لیے جب کھڑا ہوگا تو یہ سارے اعضاء اپنا کام چھوڑ دیں گے: ہاتھ بھی پرسکون ہو جائیں گے اور قیام میں ایک خاص انداز سے باندھ دئے جائیں گے، رکوع کی حالت میں گھٹنوں پر رکھے جائیں گے۔ سجدے کی حالت میں ایک خاص انداز سے رکھے جائیں گے۔ اسی طریقے سے پاؤں بھی ایک خاص انداز سے رکھے جاتے ہیں۔ آنکھیں بھی ایک مخصوص جگہ پر گڑی ہوئی ہیں۔ کان بھی اِدھر متوجہ ہیں۔ سارے اعضاء اپنا کام چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس کو خضوع کہتے ہیں۔

## کامیاب ہیں وہ ایمان والے

اور دل کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اِدھر اُدھر کے خیالات اور دوسری چیزوں میں مشغول ہوتا ہے تو نماز کے دوران دل پورے طور سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے، اس کی طرف مشغول ہو جائے۔ اسی کا نام خشوع ہے۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ

فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾: کامیاب ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں۔

## فلاح کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے اردو زبان قاصر ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم فلاح کا ترجمہ اردو میں کامیابی سے کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ''کامیابی'' فلاح کا مفہوم ادا کرنے میں بہت کوتاہ اور قاصر ہے۔ فلاح کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں کی خوش حالی حاصل ہو جائے۔ لفظِ ''کامیابی'' سے یہ مفہوم کما حقہ ادا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اردو زبان کا دامن بڑا تنگ ہے؛ اس لیے اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ اگر ہم دنیا اور آخرت کی خوش حالی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کریں۔

## خشوع میں خلل ڈالنے والے حالات کی موجودگی میں نماز کی ممانعت

خشوع نماز کی روح ہے؛ اسی لیے حدیث میں ہر ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے جو آدمی کے دل کو نماز میں لگنے سے رکاوٹ بنتی ہو، منع کیا گیا ہے: ایک آدمی کو پیشاب کا شدید تقاضا ہے تو حدیث میں آتا ہے کہ پیشاب کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز مت پڑھو، پہلے پیشاب کر کے فارغ ہو جاؤ، اس کے بعد نماز پڑھو۔ پاخانہ کا شدید تقاضا ہے تو اس حالت میں نماز مت پڑھو۔ بھوک شدّت سے لگی ہے، کھانا موجود ہے تو پہلے کھانا کھالو(۱)

(۱) قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم: لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ. (صحیح مسلم، =

اور پھر نماز میں مشغول ہو جاؤ، اگر کھانے کا تقاضا ہے اور ایسی حالت میں نماز پڑھے تو ساری توجہ کھانے کی طرف ہو جائے گی۔

## ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرۂ خاکِ دل

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری نماز کھانا بن جائے، اس کے مقابلے میں میرا کھانا نماز بن جائے، یہ زیادہ پسند ہے (۱)۔ اس لیے کہ اگر وہ ایسی حالت میں کھانا شروع کرے گا تو اس کا دل نماز کی طرف لگا رہے گا اور اگر نماز میں مشغول ہو جاتا تو اِدھر نماز کے اندر مشغول ہے اور جی اٹکا ہوا ہے کھانے میں۔

## یہ تھے ہمارے اکابر!!

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ۔ ایک مرتبہ سفر سے تشریف لائے، نماز پڑھنی باقی تھی اور کھانا بھی باقی تھا۔ ساتھیوں میں سے کوئی بولا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے تو حضرت نے فرمایا کہ پہلے کھانا کھالیں پھر اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ تھے ہمارے اکابر!!

---

=عن عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، باب كَرَاهَةِ الصَّلاَةِ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ الَّذِي يُرِيدُ أَكْلَهُ فِي الْحَالِ وَكَرَاهَةِ الصَّلاَةِ مَعَ مُدَافَعَةِ الأَخْبَثَيْنِ.)

(۱) لأن يكون أكلي كلّه صلاةً، أحبّ إليّ من أن تكون صلاتي كلُّها أكلا (فيض الباري شرح البخاري، باب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلاة۔ ۲/۴۳۸.)

## اطمینان سے انجام دئے جانے کے قابل کام نماز ہے

اس کے ذریعہ ماتحتوں کی تربیت کرتے تھے، ہمارا ذہن اس طرح کا بنا ہوا ہے کہ پہلے نماز پڑھ لو پھر آرام سے کھانا کھاتے ہیں۔ حضرت نے بتلایا کہ آرام اور اطمینان سے کرنے کا کام کھانا نہیں ہے، اطمینان سے کرنے کا کام نماز ہے۔ آپ سفر میں ہیں تو کھانا تو ٹرین میں بیٹھے بیٹھے اور کھڑے کھڑے بھی کھا سکتے ہیں۔ کاروباری لوگ دوپہر کے وقت کھڑے کھڑے بھی کھانا کھا لیا کرتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی اس کے لیے اطمینان اور سکون کو تلاش کرے۔ ہاں نماز البتہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کو سکون اور اطمینان سے ادا کیا جانا چاہیے۔

## نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت

نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں منع کیا گیا؟ قطعِ صلوۃ کی وجہ سے! عربی زبان میں لفظِ قطع استعمال کیا گیا ہے، حدیث میں ''يَقْطَعُ الصَّلاَةَ''(۱) آیا ہے کہ کسی کا نمازی کے سامنے سے گذرنا نماز کو کاٹ دیتا ہے۔

## حدیث سے غلط فہمی

ہمارے یہاں پرانے زمانے کے بعض لوگ ناواقفیت کی وجہ سے کیا کرتے ہیں؟ اگر نماز کے دوران ان کے سامنے سے گذر گیا تو نماز توڑ دیتے ہیں کہ میری نماز ٹوٹ گئی،

---

(۱) يَقْطَعُ صَلاَةَ الرَّجُلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ قَيْدُ اٰخِرَةِ الرَّحْلِ: اَلْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ وَالْمَرْأَةُ.
(سنن أبي داود، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ: أَنَّهُ لاَ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ إِلاَّ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ)

حالاں کہ کسی عالم اور مفتی سے پوچھیں گے تو وہ بتائیں گے کہ گذرنے کی وجہ سے گذرنے والا گنہگار رہوا لیکن آپ کی نماز نہیں ٹوٹی۔

## حدیث کا صحیح مطلب

حدیث میں ''قطع'' کا لفظ آیا ہے لیکن وہاں قطع کا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی نماز کے اندر مشغول ہے اور اس کا دھیان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہے، ''لنک'' (link) اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔ اب اگر یہ آدمی اس کے سامنے سے گذرے گا تو یہ گذرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا جو رابطہ قائم ہو چکا ہے، اس کو توڑنے کا سبب بنے گا۔

آپ اپنے دوست کے ساتھ کھڑے بات کر رہے ہیں، آپ کے سامنے آپ کا دوست کھڑا ہے، کوئی آدمی درمیان سے گذر جائے تو آپ کو کتنا ناگوار ہوگا، آپ اس کو طمانچہ مار دیں گے کہ بھائی! تم کو گذرنے کے لیے یہی جگہ ملی تھی، دوسری جگہ سے گذرتے۔ ایک آدمی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ محوِ گفتگو ہو اور کوئی آدمی ان کے بیچ میں گذر کر کے دونوں کی گفتگو میں خلل ڈالنے کا کام کرے۔

## نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی حکمت

تو یہ کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندہ نماز کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کیے ہوئے ہے اور اس کے درمیان سے گذر کر اس کے اس رشتے اور تعلق کو توڑنے کا ذریعہ بنے؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور بڑی تاکید

کے ساتھ فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے مت گذرو اور بڑی بڑی وعیدیں سنائی گئیں (۱)۔

## نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے خلاف

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، ایک آدمی سامنے سے گذر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات اتنی ناگوار گذری کے آپ نے اپنی زبانِ مبارک سے بددعائیہ جملہ نکالا اور فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلوٰتَنَا قَطَعَ اللّٰہُ أَثَرَہٗ (۱): ہماری نماز کو کاٹ دیا یعنی نماز کی توجہ ختم کردی، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو کاٹے، اس وقت سے وہ آدمی اپاہج اور چلنے سے معذور ہو گیا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی کے لیے بددعا کرنا بہت کم منقول ہے لیکن اس موقع پر جب اس نے نماز کے معاملے میں یہ بے احتیاطی برتی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات گوارا نہیں ہوئی۔

---

(۱) ایک حدیث میں یہ وعید آئی ہے: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ. (صحیح البخاری، عَنْ أَبِي جُهَيْمٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ إِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي.) ایک حدیث میں زمین دھنسنے کی وعید آئی ہے: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يُخْسَفَ بِهِ الْأَرْضُ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ مُصَلٍّ. (المصنف عبد الرزاق، بَابُ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي، رقم الحدیث: ۲۳۲۳) ایک حدیث میں اپنی ران کو ٹوٹنے کی وعید آئی ہے: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي لَأَحَبَّ أَنْ يَنْكَسِرَ فَخِذُهُ وَلَا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ. (المصنف لابن ابی شیبۃ مَنْ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُرَّ الرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيِ الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّي، رقم الحدیث: ۲۹۱۱)

(۱) مسندِ احمد، عَنْ يَزِيدَ بْنِ نِمْرَانَ، حَدِيثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالَى عَنْهُ.

## خشوع نماز کی جان ہے

تو بہر حال! خشوع یعنی نماز کے دوران نمازی کے دل کا پورے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا اور ساری چیزوں سے کٹ اور ہٹ جانا اور اللہ کے اندر لگ جانا، یہ نماز کی روح اور جان ہے، شریعت میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔

## نماز میں خلل ڈالنے والی چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتار پھینکنا

چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا مطالعہ کریں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک صحابی ہیں: حضرتِ ابوجہم رضی اللہ عنہ، انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک چادر ہدیے میں دی جو یمن کی بنی ہوئی منقّش بڑی عمدہ تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا وہ ہدیہ قبول فرمالیا اور اس چادر کو اوڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے۔ نماز کے دوران آپ کا دھیان ایک لمحے کے لیے، ایک سیکنڈ کے لیے- پوری نماز میں نہیں، صرف ایک لمحے کے لیے- اس چادر کے نقش ونگار کی طرف چلا گیا۔

آپ کو یہ بات ایسی ناگوار گذری کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ نے وہ چادر ایسے نکالی جیسے کسی ناگوار چیز کو ہٹاتے ہیں اور فرمایا: اذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلاتِي (١): کہ یہ چادر ابوجہم

---

(١) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا، باب إِذَا صَلَّى فِي ثَوْبٍ لَهُ أَعْلَامٌ وَنَظَرَ إِلَى عَلَمِهَا.

کے پاس لے جاؤ اور ان کے پاس جو انجانیہ نامی سادہ چادر ہے، وہ لے آؤ۔

یہ اس لیے کیا کہ کہیں ان کو یہ خیال نہ گذرے کہ شاید میری کسی گستاخی یا کسی غلطی کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہدیہ واپس فرما دیا؛ اس لیے ان کی سادہ چادر منگوائی۔ دیکھیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ چیز ناگوار گذری تو چادر آپ نے اتار دی۔

## یہ بازی عشق کی بازی ہے

ایک صحابی ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، ایک مرتبہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ظاہر ہے، باغ میں ادا فرما رہے تھے؛ اس لیے فرض نماز تو ہوگی نہیں، فرض نماز تو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے، نفل نماز ہی ہوگی۔ اب نماز ادا فرما رہے ہیں۔ نماز کے دوران ایسا ہوا کہ ایک چڑیا آ گئی، وہ چڑیا اڑ کے جانا چاہتی تھی لیکن وہ باغ اتنا گھنا اور گنجان تھا، درخت کی ٹہنیاں ایسی پھیلی ہوئی تھیں کہ اس چڑیا کو باہر نکلنے کے لیے راستہ نہیں ملا تو وہ واپس آ گئی پھر اڑی، پھر واپس آ گئی، دو تین مرتبہ ایسا ہوا، اس کی وجہ سے ان کا دھیان اس کی طرف چلا گیا اور نماز سے ہٹ گیا اور قرآن جو پڑھ رہے تھے، اس میں بھول ہوگئی، نماز میں بھول ہوگئی۔

یہ چیز ان کو اتنی ناگوار ہوئی کہ سلام پھیرا اور فوراً نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اس باغ کا صدقہ کر دیا کہ اس باغ کی وجہ سے میری نماز میں میرا دھیان ٹوٹ گیا، قرأت میں بھول ہوگئی، اتنا قیمتی باغ! ہزاروں درہم کی مالیت کا تھا لیکن پروا نہیں، محبت تھی نا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، تعلق تھا، غیرتِ محبت آ گئی کہ جو مال اللہ

تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کی عبادت کی راہ میں رکاوٹ بن گیا، میں اس کو اپنے پاس باقی نہیں رکھ سکتا(۱)۔

## عشق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام

آج تو ہمارا حال یہ ہے کہ نماز کے دوران جیب میں موجود دو روپے کے قلم کی طرف ہمارا دھیان چلا جاتا ہے پھر بھی اس کو صدقہ کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی، باغ تو کیا صدقہ کرتے ہم اتنا سا قلم بھی صدقہ نہیں کر سکتے۔ یہ ان حضرات کی غیرت تھی کہ ایک عاشق ایسی چیز کو جو معشوق اور محبوب کے ساتھ تعلق میں ذرا بھی حائل بننے والی ہو، ذرّہ برابر بھی برداشت نہیں کرتا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی، وہ نماز کا خشوع ہوگا، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوگی لیکن ایک بھی خشوع والا نہیں ہوگا(۲)۔

## وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی

آج اس زمانے میں ہماری نماز کا حال کیا ہوگیا؟ ہر چیز آٹومیٹک ہے۔ (automatic) تو ہماری نماز بھی آٹومیٹک ہوگئی، اللہُ اکبر کہا تو گویا نماز کا بٹن آپ نے آن (on) کر دیا، اب چل رہا ہے، سبحانک اللھم بھی جارہی ہے، أعوذ باللّٰہ پڑھ رہے ہیں، بسم اللّٰہ پڑھ رہے ہیں، سورۂ فاتحہ پڑھ رہے ہیں، سورت ملا رہے

---

(۱) حکایاتِ صحابہ (فضائلِ اعمال) ص ۶۷، بحوالہ الدر المنثور۔

(۲) سنن الترمذی، عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِی ذَهَابِ الْعِلْمِ.

ہیں، رکوع میں جارہے ہیں، سبحان ربی العظیم پڑھ رہے ہیں، سب برابر پڑھ رہے ہیں، جو چیز پڑھنی چاہیے تھی، کوئی چیز چھوٹی نہیں، دو رکعتیں پڑھ ڈالیں۔ اب اسی دو رکعت پڑھنے والے سے سلام کے بعد آپ پوچھو کہ بھائی! آپ نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ سوچے گا کہ کون سی پڑھی تھی، حالاں کہ اس نے خود پڑھی تھی لیکن اس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ دو رکعت کس طرح پڑھی۔ جیسے ٹیپ ریکارڈ رکھول دیا اور کیسٹ پوری ہوگئی ہو۔

| |
|---|
| وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی |
| ترستے ہیں آج اس کو منبر و محراب |

آج ہماری نمازیں بالکل بے جان ہوگئی ہیں اور ہمیں اس کا احساس بھی نہیں۔

## وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

ایک آدمی بیمار ہے، اس کی طبیعت کے اندر کھانے کا تقاضا ہی نہیں ہے، کھانے کو جی ہی نہیں چاہ رہا ہے، کھا ہی نہیں رہا ہے، بھوک ہی مرگئی تو اب وہ آپ کے پاس آکر کہے کہ بیماری کی وجہ سے میری بھوک ہی مرگئی ہے۔ آپ اگر اس سے یوں کہیں کہ اللہ کا شکر ادا کر! ساری دنیا پیٹ کے لیے ماری ماری پھر رہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے آپ کو نجات دے دی تو وہ آپ سے کیا کہے گا کہ مولوی صاحب! مار ڈالنے کی بات کرتے ہو! اگر میں کھاؤں گا نہیں تو زندہ کیسے رہوں گا۔ وہ اس کیفیت کو کتنے دنوں تک برداشت کرے گا؟ ایک دو دن کے بعد سیدھا ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جائے گا اور کہے گا

کہ ڈاکٹر صاحب! اس کا کچھ علاج کرو! بھوک ہی نہیں لگتی، طبیعت میں کھانے کا تقاضا ہی نہیں ہوتا۔

یا یہ ہے کہ کھانا تو کھا رہا ہے لیکن اس میں لذّت کا کوئی احساس ہی نہیں، کھانے کا جو مزہ آنا چاہیے، وہ مزہ نہیں آرہا ہے۔ کیا وہ اس کیفیت کو برداشت کرے گا؟ نہیں، ایک دن کے بعد، دو دن کے بعد ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ ڈاکٹر صاحب! اس کا کچھ علاج کرو! جتنے پیسے چاہیے، میں دینے کے لیے تیار ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے میرے پاس دولت ہے، پیسے ہیں، آپ میرا علاج کرو کہ کھانے کا کوئی مزہ ہی محسوس نہیں ہو رہا ہے۔

## کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

لیکن ہم لوگ ہیں کہ پانچ سال سے، دس سال سے، پندرہ سال سے، بیس سال سے، پچاس سال سے نماز پڑھ رہے ہیں، ہم اپنی نمازیں پڑھتے جا رہے ہیں، جس کی جیسی عمر ہے، وہ اس کے مطابق برابر نمازیں پڑھ رہا ہے۔ اب جو لوگ ایسے ہیں کہ ان کو بھوک ہی نہیں، نماز کا تقاضا ہی نہیں، وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں کہ ان سے کچھ کہا جائے، وہ مسجد میں موجود نہیں۔ جو مسجد میں ہیں، وہ وہ ہیں جو نماز تو پڑھ رہے ہیں لیکن نماز کی لذّت محسوس نہیں کر رہے ہیں، یہ وہی ہیں جو کھانا تو کھا رہے ہیں لیکن کھانے کی لذّت کا احساس نہیں۔ کیا اس کا کبھی ہمیں خیال ہوا کہ یہ ہماری کوئی بیماری ہے اور ہمیں اس کا علاج کرنا ہے؟

| |
|---|
| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا |
| کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

## باحضورِ دل نہ کردم طاعتے

ہمارے یہاں مدرسوں میں ''پندنامہ'' کے نام سے فارسی کی ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے، اس میں فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے ؎

| | | |
|---|---|---|
| بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے | | باحضورِ دل نہ کردم طاعتے |

کہ: کوئی گھڑی گناہ کے بغیر مجھ پر نہیں گذری اور کبھی دل کی حضوری کے ساتھ کوئی عبادت میں نے انجام نہیں دی۔

## ترستے ہیں آج اس کو منبر و محراب

ہم نمازیں پڑھ رہے ہیں، کل کو قیامت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سوال کرلیا کہ پوری زندگی میں چار رکعت نہ سہی، دو رکعت بھی نہیں، ایک سجدہ تو پیش کرو کہ جس میں تمھارے دل میں اللہ کے کسی غیر کا خیال آیا نہ ہو تو کیا ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ ایسا سجدہ اللہ کے حضور میں پیش کرسکیں اور یہ سب ہے، اس کے باوجود کیا ہمیں اس کا احساس ہے کہ یہ کوئی بیماری ہے اور اس بیماری کا بھی علاج کرنا چاہیے؟ لوگوں سے پوچھیں کہ اس کا کوئی طبیب ہو تو ہم اس کا علاج کرائیں؟ اس کو بھی ہم کوئی بیماری سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اور سمجھ رہے ہیں تو اس کے علاج کا کوئی خیال ہے؟ کوئی کوشش آج تک کی گئی؟ جو نماز پڑھنے والے ہیں، ان کی یہ بات ہے۔ ہم لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

ضرورت اس کی ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے کہ نماز کی جو روح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتلائی ہے، اس کی طرف ہمارا خصوصی طور پر خیال ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، یہ جو دو چار باتیں ابھی بیان کیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی حقیقت سے آشنا کر دے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# اپنی نمازوں کو صحیح اور جاندار بنایئے

# اقتباس

ایک ایک سنت قیمتی ہے، ایک ایک ادب قیمتی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لیں۔ اب تک نہیں کیا، میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ نماز کے بارے میں جو عام فہم اور آسان کتاب ہو، اس کو خریدیں اور اس کا مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں اپنی نماز کا جائزہ لیں، مقابلہ کریں۔ دو آدمی مل کر کے ایک دوسرے سے کہیں کہ مولوی صاحب! میں نماز پڑھتا ہوں، آپ دیکھ لو، کہیں کوئی کمی تو نہیں۔ دوسرا بھی کہے کہ میں بھی پڑھتا ہوں، اس کو تم بھی دیکھ لو۔ یہ ضروری ہے۔ اگر ہمیں اپنی نمازوں کو کسی قابل بنانا ہیں تو یہ طریقہ اپنانا پڑے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریک له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلی کافّة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی آله وأصحابه وبارک وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ﴾ [المؤمنون:١،٢]

وقال تعالیٰ: ﴿فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِھِمۡ سَاھُوۡنَ﴾ [الماعون:٤، ٥]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ﴾ [طه:١٤]

## شریعت: زندگی گذارنے کا مکمل انسائیکلوپیڈیا

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے زندگی گذارنے کا طریقہ جس کو ہم شریعت کے نام سے یاد کرتے ہیں، ہمیں عطا فرمایا، اس میں مختلف حیثیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے، اس کے مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس میں ایمان بھی ہے اور عقائد

اور احکام بھی ہیں۔کل پانچ شعبے ہیں: (۱) عقائد (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) اخلاق (۵) معاشرت۔

## شعبۂ عبادت اور اس کو قائم کرنے کی غرض

ایک شعبہ عبادات کا ہے۔اس شعبے کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کے حقوق کو ادا کرتے ہوئے اپنا رشتہ کس طرح مضبوط اور استوار کرسکتا ہے، وہ مختلف طریقوں سے بتلایا گیا ہے۔ یہ عبادات کا شعبہ بھی اسلام کے اندر بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس کے ذریعہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق اور رشتے کو مضبوط کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور اس کا عشق بندے کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور جمتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو آدمی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے لیے بڑی بڑی سے مشقت برداشت کرنا اور بڑی بڑی سے قربانی دینا آسان بنادیتا ہے۔

## بے گانہ کرتی ہے دو عالم سے دل کو

ایک آدمی کے والد کا انتقال ہوگیا اور ترکہ چھوڑ کر کے گئے۔اب بہنوں کو حصہ دینے کا جب وقت آیا تو مال کم ہوجانے اور غریب بن جانے کا ڈر دل میں پیدا ہوگیا کہ کیسے دوں گا! غریب بن جاؤں گا!۔اب اگر اس کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کا عشق ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے کہ جب اللہ کا حکم ہے تو میں دوں گا۔

## عبادات کی فرضیت بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے

تو بہر حال! عبادات کا جو شعبہ ہے، وہ دراصل بندے کے تعلق کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے عبادات کی مختلف شکلیں لازم کر کے اپنے ساتھ تعلق قائم کرنے کو ضروری قرار دیا۔ وہ ذات تو بڑی مستغنی اور بے نیاز ہے، وہ ہماری عبادتوں کا محتاج نہیں ہے، نہ اسے ہماری نمازوں اور تسبیحوں کی ضرورت ہے۔ اس میں فائدہ تو ہمارا ہی ہے۔

## ہماری اطاعت ومعصیت سے اللہ تعالیٰ کی ذات مستغنی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو یہ احکام دئے گئے، عبادات کا جو ایک سلسلہ جاری کیا گیا تو یہ نہ سمجھئے کہ ہمارے نماز پڑھنے سے - نعوذ باللہ - اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان وشوکت میں، اس کی جلالت وعظمت میں، اس کی کبریائی میں کوئی اضافہ، کوئی زیادتی ہو جائے گی یا اگر ہم نماز نہیں پڑھیں گے، عبادات نہیں کریں تو - نعوذ باللہ - اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان وشوکت میں، اس کی عظمت میں، اس کی کبریائی میں کوئی کمی آ جائے گی۔ ہرگز نہیں۔

## یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند

مسلم شریف میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے - حدیثِ قدسی ہے - حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد نقل کریں - تو باری تعالیٰ نے فرمایا - بہت لمبی روایت ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس

حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو روایت کرتے تھے تو اس کی عظمت اور اہمیت کے پیشِ نظر دوزانو بیٹھ جاتے تھے [1]- اس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، سب کے سب ایسے بن جائیں، جیسے دنیا میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہے، اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، پوری انسانیت میں اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گویا سب لوگ ایسے فرماں بردار بن جائیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سب کے سب کے اس طرح مطیع اور فرماں بردار بن جانے سے میرے ملک اور سلطنت میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

## بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ

آگے فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا [1]: اے میرے بندو!

---

(۱) كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ. (صحيح مسلم، بَابُ تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، رقم الحديث: ۲۵۷۷)

اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار، سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، ایسے بن جائیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان کون ہے؟ ابلیس، شیطان! یعنی تم سب کے سب شیطان کی طرح بن جاؤ، زمین اور آسمان میں کوئی بھی اللہ کا حکم ماننے والا نہ رہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے میری شان وشوکت میں، میری عظمت میں، میری کبریائی اور بڑائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج نہیں ہیں۔ ساری دنیا عبادت کرے، تب بھی اس کی شان ویسی ہی ہے اور اس کے آگے کوئی بھی سجدہ نہ کرے تو بھی اس کی شان میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔

## عبادات کا شعبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ محبت کا مظہر ہے

بہر حال! عبادات کا یہ شعبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ محبت کا مظہر ہے، جیسے ہمارے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان آقا اور غلام کا رشتہ ہے، خالق ومخلوق کا رشتہ ہے، ویسے ہی مُحِب اور محبوب کا رشتہ ہے اور اس رشتۂ محبت کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا۔

## نماز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تاوان اور ٹیکس نہیں ہے

نماز کا حکم دیا کہ آؤ نماز کے لیے! پانچ وقت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ کوئی -نعوذ باللہ- یہ سمجھے کہ اللہ ہمیں روٹی دیتے ہیں، کھانا دیتے ہیں، اس کا یہ ٹیکس مقرر کر دیا ہے کہ آؤ، ہمارے دربار میں حاضری دو۔ یہ تو ایک محبت کا تعلق تھا جس کی وجہ سے اللہ

تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس بات کا مکلف اور پابند بنایا کہ ہم اس کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور وہ بھی پانچ وقت کی نماز۔ گویا دن میں پانچ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں حاضری دیں۔

## پانچ وقت کی نماز کے لیے پکار کی حقیقی غرض

اس کے لیے مسجد کے نام سے باقاعدہ مکانات تعمیر کیے جاتے ہیں۔ نماز کے اوقات میں شریعت کے حکم سے ایک آدمی مقرر کیا گیا ہے جو لوگوں کو بلاتا ہے: حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ: آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف! ۔کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کو۔ نعوذ باللہ۔ ہماری ان عبادتوں کی ضرورت تھی کہ اس کی عبادت کے لیے اس طرح اعلان کر کے بلایا جا رہا ہے؟ نہیں! یہ تو محبت کا ایک تعلق ہے۔

## شاہانِ دنیا سے ملاقات کا حال

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معمولی حاکموں کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو وہ آسانی سے ہو نہیں پاتی، آپ اپنے صوبے کے گورنر سے، اپنے ضلع کے کلکٹر (collector) سے، اپنے تحصیل کے معاملات دار سے ملاقات کرنا چاہیں تو کیا کرتے ہیں؟ یہ نہیں کرتے کہ منہ اٹھایا اور فوراً چلے گئے کہ چلو جا کر مل لیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنے سے ملاقات ہو جائے گی؟ نہیں، آپ کو باقاعدہ پہلے سے اس کی تیاری کرنی پڑے گی، اس کے لیے اپائنٹمنٹ (appointment) لینا پڑے گا، وقت مقرر کرنا پڑے گا اور اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی بڑی مشکل سے آپ کو پانچ، دس منٹ ملاقات کا

وقت دیا جائے گا اور اس کے لیے بھی آپ کو گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے جانا پڑے گا اور تیار رہنا پڑے گا کہ کہیں ہماری باری نکل نہ جائے۔ ایک معمولی حاکم کے دبدبے کا یہ عالم ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں حاضری کا کیا حال ہونا چاہیے؟۔

## اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان

اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنا نام لینے کی اجازت دی اور اجازت ہی کیا بلکہ حکم دیا کہ آپ حضرات میرا نام لیتے رہیے! اگر ہمیں زندگی میں صرف ایک مرتبہ اپنا نام لینے کی اجازت دیتے تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات تھی۔ ہماری گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں۔

## ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است

فارسی کا شاعر کہتا ہے:

| | | |
|---|---|---|
| ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب | | ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است |

میں اپنے منہ کو ہزار مرتبہ مشک وگلاب سے دھوؤں، تب بھی اے اللہ! تیرا نام لینا بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ ہمارے گندے منہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے اللہ کا نام لیا جاتا لیکن اللہ کا کرم ہے کہ اس نے نام لینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا کہ میرا ذکر کرو اور میرا نام لو اور دن میں پانچ مرتبہ ہمارے دربار میں آؤ۔

## بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

بندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ کے حکم کو سن کر تو ہم مر مٹتے، اپنی جان دے دیتے کہ

کہاں ہم اور کہاں اس کی عالی ذات! ۔اور اس کی طرف سے نام لینے کا حکم آ رہا ہے تو اس پر تو آدمی کو محبت کے مارے بے چین ہو جانا چاہیے کہ ایک معشوق کی طرف سے اس کے عاشق کو دعوت دی جائے کہ آؤ، ہم سے ملاقات کرو۔ زندگی میں ایک مرتبہ ہو، تو بھی آدمی ایکٹیو (active) ہو جاتا ہے، خوش ہو جاتا ہے، یہاں تو دن میں پانچ پانچ مرتبہ بلایا جا رہا ہے۔

## من نگردم پاک از تسبیحِ شاں

ہم جو تسبیحات پڑھتے ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | پاک ہم ایشاں شوند و دُر فشاں |

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ان بندوں کے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اس کی وجہ سے پاک ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مطلب کیا ہے؟ سبحان اللہ کا مطلب ہے: ''میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں'' یا ''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے'' جو بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو سبحان اللہ کہہ کر اللہ کی پاکی اور تنزیہ بیان کرتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سبحان اللہ کہنے سے تھوڑا میں پاک ہوتا ہوں بلکہ ہماری گندی زبانیں سبحان اللہ کہنے سے پاک ہوتی ہیں، ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں۔

## نماز دین کا بنیادی ستون ہے

تو یہ عبادات کا جو سلسلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جاری فرمایا، یہ ہمارے لیے بڑی

سعادت کی بات ہے اور ان عبادات میں مختلف پہلو ہیں۔ ان میں جو سب سے اہم عبادت ہے، وہ نماز ہے، اس کو دین کا بنیادی ستون قرار دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے: الصَّلاۃُ عِمَادُ الدِّینَ مَنْ أَقَامَھَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّین وَمَنْ ھَدَمَھا فَقَدْ ھَدَم الدِّینَ (١): کہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے۔ جس نے نماز کو قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ڈھایا، اس نے گویا دین کو ڈھایا۔

خیمہ جو گاڑھا جاتا ہے، جس کو ''تمبو'' کہتے ہیں تو خیمے میں بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے، اس کو عربی زبان میں عِماد کہتے ہیں، وہ سارے خیمے کی بنیاد ہوتا ہے، وہ گر گیا تو خیمہ گر گیا تو نماز دین کی اس عمارت اور دین کے خیمے کا بنیادی ستون ہے تو جو آدمی نماز کو قائم کرے گا، اس نے گویا دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا، اس نے گویا دین کے خیمے کو ڈھے دیا۔

## قرآن وحدیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت

نماز اتنی اہم ہے، اس کی دین میں بڑی اہمیت ہے۔ ویسے تو تمام شعبے اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن عبادات کے اندر اس نماز کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے، اس کو بڑی اونچی حیثیت دی گئی ہے۔ قرآنِ پاک کے اندر بے شمار جگہیں ہیں، ۸۰ر سے زائد مقامات پر نماز کا تذکرہ ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے،

---

(١) ورواہ بعض الفقھاء بلفظ الصلاۃ عماد الدین فمن أقامھا فقد أقام الدین و من ھدمھا فقد ھدم الدین - یعني دین نفسہ. رواہ الطبراني عن معاذ بلفظ رأس ھذا الأمر الإسلام و من أسلم سلم وعمودہ الصلاۃ وذروۃ سنامہ الجھاد ولا ینالہ إلا أفضلھم (کشف الخفاء للعجلونی ١/٣٢)

نماز قائم کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

اور اگر آپ حدیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو نماز کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اتنے زیادہ ہیں کہ کتبِ حدیث کے بے شمار اوراق اس سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جب قیامت کے دن بندے کا حساب کتاب لیا جائے گا تو نماز کا حساب سب سے پہلے ہوگا اور وہ درست ہوگی تو باقی معاملات بھی درست ہوں گے (١)۔

نماز سے متعلق جو چیزیں شریعت کے اندر ہیں، ان کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ نماز کی چوں کہ بڑی اہمیت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ”نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو“ کا حکم دیتے ہیں اور جو بندے نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں، ان کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔

## احادیث کی روشنی میں تارکِ صلوۃ کا حکم

نماز کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ بعض ائمہ کے نزدیک تو اس کو چھوڑنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ آدمی کے اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے

(١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ، فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ، قَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ، ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذٰلِكَ. (سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ)

والی چیز نماز ہے (١)۔

## اقوالِ ائمہ کی روشنی میں تارکِ صلوۃ کا حکم

اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو کوئی آدمی قصداً نماز چھوڑ دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، ان کے مذہب کے اعتبار سے تو ہمارے یہاں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے تو اس کی سزا قتل ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی سزا قتل تو نہیں ہے لیکن اگر اسلامی حکومت ہو تو حاکم اس کو جیل میں ڈال دے گا اور سزا دیتا رہے گا، یہاں تک کہ یا تو نماز پڑھنے لگے یا اسی میں اس کی موت واقع ہو جائے۔ بہر حال! نماز کا چھوڑنا بڑا جرم ہے اور اس کی بڑی اہمیت ہے۔

## صحیح نماز سکھلانے کا نبوی اہتمام

اب اس نماز کو صحیح طریقے سے ادا کرنا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اپنی امت کو نماز سکھلائی اور آپ فرماتے ہیں: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (٢) کہ: مجھے تم جس طرح نماز پڑھتا ہوا دیکھو، اس طرح تم بھی نماز پڑھو۔ ساری تفصیلات

---

(١) عَنْ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ - صلى الله عليه وآله وسلم - يَقُولُ: إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ. (صحيح مسلم، باب بَيَانِ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلَى مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ.)

(٢) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، باب الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالإِقَامَةِ.

زبانی طور پر بتلانے کے علاوہ آپ نے عملی طور پر بھی نمونہ پیش کیا، اس عملی نمونے کو دیکھ کر اسی کے مطابق اپنی نمازوں کو بنانے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس کا بڑا اہتمام فرمایا۔

## نمازیں صحیح بنانے کا حضراتِ صحابہ کا اہتمام

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور حاضرین کو وضو کر کے دکھلایا کہ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو ہے اور فرمایا کہ جس نے اس طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، اس کے لیے یہ فضیلت ہے (۱)۔ اتنے بڑے صحابی، اپنے وقت کے امیر المؤمنین وضو کا طریقہ عملی طور پر کر کے بتلا رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ وضو کر کے لوگوں کو بتلایا کہ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو ہے (۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میں تم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھ کے نہ بتلاؤں؟ (۳)

تو حضراتِ صحابہ باقاعدہ بڑے اہتمام سے لوگوں کو نماز کا طریقہ بتلایا کرتے تھے۔ آج یہ سلسلہ بالکل ختم ہو چکا ہے، بچپنے میں جو الٹا سیدھا طریقہ سیکھا، وہی پوری زندگی چلتا رہتا ہے، پڑھنے والوں کو اس کا کوئی احساس ہی نہیں کہ اس کو ذرا سیکھ کر

(۱) صحيح البخاري، باب سِوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ، رقم الحديث: ۱۹۳۴.
(۲) سنن أبي داود، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، باب صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم-
(۳) سنن أبي داود، عَنْ عَلْقَمَةَ، باب مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ.

درست کریں۔

## قرآنی آیات کی روشنی میں بامراد

میں یہ عرض کررہا تھا کہ دین میں نماز کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے قرآنِ پاک کے اندر نماز پر فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ یہ سورۂ مومنون اٹھارہویں پارے کی پہلی آیت ہے کہ: وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں، وہ کامیاب ہیں، بامراد ہیں، دنیا وآخرت کی خوش حالی ان کو حاصل ہے۔

## تارکِ نماز سے دیگر امورِ دین کے قیام کی امید نہیں کی جاسکتی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مختلف صوبوں کے گورنروں اور مختلف خطوں کے حاکموں کے نام ایک خط روانہ کیا تھا، اس خط کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا کے اندر نقل کیا ہے۔ آپ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھا ہوگا۔ اس میں آپ نے نماز کے سلسلے میں بڑی تاکید کرتے ہوئے لکھا تھا: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِينَهُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ (١) کہ: تمھارے کاموں میں سب سے اہم میرے نزدیک نماز ہے، جس نے اپنی نماز کی حفاظت کی، اچھی طرح پابندی کے ساتھ پڑھتا رہا، اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا؛ لہٰذا جو آدمی نماز کو چھوڑتا ہے، اس سے اپنے دین کی

(١) موطأ امام مالک، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنهما، بَابُ وُقُوتِ الصَّلَاةِ.

حفاظت نہیں ہوسکتی اور آگے فرماتے ہیں کہ: جو آدمی نماز کو ضائع کرے گا، وہ دوسری چیزوں کو بطریقِ اولی ضائع اور برباد کرے گا۔

## نماز میں کوتاہی کروانے کا ایک ابلیسی داؤ پیچ

بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو دینی اور دنیوی کاموں میں مشغولی کی وجہ سے نماز کی ادائگی کے معاملے میں کاہلی اور کوتاہی کے شکار ہوتے ہیں۔ ایک آدمی دینی خدمات کرتا ہے: تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے، تبلیغی خدمات انجام دے رہا ہے، علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ان خدمات کی انجام دہی کے دوران کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ نماز کا وقت آ گیا، اب ان چیزوں میں مشغولی کو چھوڑ کر نماز میں مشغول ہونے کی ضرورت ہے لیکن وہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں بڑے اہم کام کے اندر مشغولی ہوں، اگر اس مشغولی کی وجہ سے میں نماز کو ذرا آگے پیچھے کر دوں، نماز بجائے مسجد میں جا کر پڑھنے کے اپنے گھر میں پڑھ لوں تو میرے لیے اس کی گنجائش ہے۔ وہ اس طرح سوچ کر نماز کے معاملے میں کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے۔

## نماز میں کوتاہی کرنے کا اثر تمام دینی امور پر پڑتا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام کے نام یہ فرمان جاری کر کے یہ بتلا دیا کہ تم مسلمانوں کی جن دینی، ملّی اور سیاسی ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہو تو اس دھوکے میں مت رہنا کہ ان ذمہ داریوں کے نتیجے میں نماز کے معاملے میں آپ کوئی سستی کر بیٹھیں، اس کو آگے پیچھے کر دیں، کبھی جماعت چھوڑ دیں۔ نہیں!۔ ان ساری چیزوں کی

بنیاد ہی نماز ہے، اگر نماز کی پابندی کروگے تو یہ ساری چیزیں ٹھیک ہوں گی اور اگر تم نے نماز کے سلسلے میں کوتاہی سے کام لیا، سستی اور کاہلی سے کام لیا تو اس کا اثر تمھارے تمام دینی امور پر پڑے گا تو یہ نماز بڑی اہم چیز ہے۔

درس وتدریس، پڑھنا، پڑھانا، دعوت وتبلیغ یہ سب کام اپنی جگہ پر ہیں، اللہ کی مخلوق کی خدمت اور اس کے لیے اپنے آپ کو کھپانا یہ سب اپنی جگہ پر نیکی کے کام ہیں لیکن اس کے باوجود نماز سب سے زیادہ اہم ہے، ان کاموں کی وجہ سے نماز کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

## تمھارے کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی حکومت وسلطنت کا دائرہ بڑا وسیع تھا، ان ہی کے زمانۂ خلافت میں قیصر وکسری کی حکومتیں ختم ہوئیں، ان کا دائرۂ سلطنت اتنا وسیع تھا کہ اگر آج کل کا دنیا کا نقشہ اٹھا کر کے دیکھیں تو تقریباً پندرہ ممالکِ اسلامیہ اس میں پھیلے ہوئے ہیں تو گویا ان تمام پندرہ ممالکِ اسلامیہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی، اس کے باوجود اپنے ماتحت حکمرانوں کو اور اپنی حکومت وسلطنت کے ذمہ داروں کو تاکید فرما رہے ہیں کہ تمھارے کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے۔

## اقامتِ صلوۃ کا حکم اور اس کا مطلب

نماز کے سلسلے میں قرآن میں جو حکم دیا گیا ہے تو یہ نہیں کہا گیا ہے کہ: صَلُّوْا۔ یہاں عربی زبان جاننے والے اہلِ علم موجود ہیں، حالاں کہ صَلُّوْ کا ترجمہ بھی یہی ہوتا ہے کہ

نماز پڑھو لیکن نہیں۔ قرآن میں جہاں بھی نماز پڑھنے کو کہا گیا تو فرمایا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ: نماز کو قائم کرو اور نماز کو قائم کرنا ہے کیا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز کو اس کے تمام حقوق کی رعایت کرتے ہوئے پڑھنا اقامتِ صلوۃ ہے (۱)۔

## امت پر ائمۂ مجتہدین کا احسانِ عظیم

نماز کا ایک طریقہ ہے، قرآن وحدیث میں نماز کے بارے میں مختلف آیتوں میں، مختلف روایتوں میں مختلف چیزیں آئی ہیں۔ اگر مجھے اور آپ کو یہ کہا جاتا کہ ان نصوص کو دیکھ کر اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے نماز کی کوئی ترتیب اور طریقہ اپنے لیے معلوم کر لو تو یہ انتہائی ناممکن تھا، بڑے بڑے علماء اس میں سرگرداں رہتے، چہ جائے کہ وہ لوگ جو ناواقف ہیں۔ یہ تو حضراتِ ائمۂ مجتہدین نے -اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور ان کو جزائے خیر دے- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کہ ان حضرات نے نماز سے متعلق ان ساری نصوص اور ہدایتوں کو جو قرآن وحدیث میں ہیں اور اسلاف اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور آثار کو اپنے سامنے رکھ کر کے قانونی شکل دے کر فقہ کی شکل میں نماز کے معاملے کو اتنا صاف کر دیا کہ اب اس سے زیادہ صفائی کی ضرورت اور خواہش نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ} قَالَ: إِقَامَةُ الصَّلَاةِ: تَمَامُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَالتِّلَاوَةِ وَالْخُشُوعِ وَالْإِقْبَالِ عَلَيْهَا فِيهَا. (طبری ۱/۲۴۸، تفسیر ابن کثیر ۱/۱۶۸)

نماز کے باہر کے فرائض کیا ہیں جن کو فقہا کی اصطلاح میں شرط کہا جاتا ہے اور اندر کے فرائض کیا ہیں جن کو رکن کہا جاتا ہے، اس کے اندر سنتیں کیا ہیں، مستحبات اور آداب کیا ہیں، کون سی چیزیں مکروہ ہیں اور کون سی چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ سب فقہا اور ائمۂ مجتہدین کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر اس انداز سے آپ حدیث میں تلاش کرنا چاہیں تو حدیث میں یہ کہیں نہیں بتایا کہ یہ چیز فرض ہے اور یہ چیز واجب ہے۔ یہ تو نصوص کو سامنے رکھ کر ان حضرات نے بتلایا کہ کس کا کیا درجہ ہے، ہر چیز کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ نماز کا جو طریقہ شروع سے لے کر اخیر تک ہے، وہ بھی ''باب صفة الصلوة'' کا عنوان الگ قائم کر کے بتلاتے ہیں کہ ان ساری چیزوں کو کہاں کہاں انجام دینا ہے۔

## ائمۂ مجتہدین کے احسان کا بدلہ ہم نہیں چکا سکتے

بہر حال! فقہا کا اس امت پر بڑا احسان ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں فرمایا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے شریعت کے احکام کو ایسا کھول کر واضح کر دیا کہ ان کے اس احسان کا بدلہ چکایا نہیں جا سکتا۔

## ترکِ سنت سے نماز میں نور نہیں آتا

تو نماز کے اندر یہ ساری چیزیں ہیں، ان ساری چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھنا ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیز نماز میں سنت ہے، اگر اس کو ادا نہیں

کریں گے تو کیا نماز نہیں ہوگی؟ ارے بھائی! ہو جائے گی۔ کوئی مفتی یہ فتویٰ نہیں دے گا کہ نہیں ہوگی لیکن آپ کی نماز میں سنت کا نور نہیں ہوگا۔

## اپنی نمازوں کا جائزہ لیجیے

ایک ایک سنت قیمتی ہے، ایک ایک ادب قیمتی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لیں۔ اب تک نہیں کیا، میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ نماز کے بارے میں جو عام فہم اور آسان کتاب ہو، اس کو خریدیں اور اس کا مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں اپنی نماز کا جائزہ لیں، مقابلہ کریں۔ دو آدمی مل کر کے ایک دوسرے سے کہیں کہ مولوی صاحب! میں نماز پڑھتا ہوں، آپ دیکھ لو، کہیں کوئی کمی تو نہیں۔ دوسرا بھی کہے کہ میں بھی پڑھتا ہوں، اس کو تم بھی دیکھ لو۔ یہ ضروری ہے۔ اگر ہمیں اپنی نمازوں کو کسی قابل بنانا ہیں تو یہ طریقہ اپنانا پڑے گا۔

## جانتے ہیں اہلِ دنیا، جیسی پڑھتے ہیں نماز

ہمارا حال تو یہ ہے کہ بچپن میں جیسی پڑھی، جیسی سیکھی، وہی لولی لنگڑی چل رہی ہے اور موت تک ایسی ہی چلتی رہے گی۔ جو نماز کے پابند ہیں، ان کا یہ حال ہے تو جو نمازوں کے پابند نہیں، ان کے تو کیا کہنے!!

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نماز کو بڑے اہتمام سے ادا کرنا ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ: کامیاب ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں۔ نماز تو پڑھنی ہی ہے، ساتھ

میں خشوع کا بھی اہتمام کرنا ہے۔

## نمازوں کی سنتوں کو چھوڑنے پر مرتب ہونے والا اثرِ بد

ہم نے نمازوں کی سنتوں کو چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری زندگیوں میں خرابیاں آگئیں۔ دیکھو! ہمیں نماز میں نگاہ کس طرح رکھنی چاہیے، وہ بھی سکھایا گیا، آپ کھڑے ہیں تو آپ کی نگاہ کہاں ہونی چاہیے؟ سجدے کی جگہ۔ رکوع میں ہوں تو آپ کی نگاہ کہاں ہو؟ قدموں کی پشت پر۔ آپ بیٹھے ہوئے ہیں تو آپ کی نگاہ گود میں ہونی چاہیے، سلام پھیر رہے ہیں تو کندھوں پر ہونی چاہیے۔ اتنی باریک باتوں کو بھی شریعت نے چھوڑا نہیں ہے لیکن ہمیں اس کا کوئی اہتمام ہی نہیں، عام طور پر آدمی اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا ہے، کوئی پروا نہیں۔

## نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا شیطان کا اچک لینا ہے

حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ الِالْتِفَاتَ فِي الصَّلاةِ اخْتِلاَسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الصَّلاةِ[1] کہ: نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے شیطان آدمی کی نماز میں سے کچھ اچک لیتا ہے۔ جیسے سبزی منڈی میں بکریاں گھومتی رہتی ہیں اور ٹھیلے والوں کی نگاہ لوگوں پر رہتی ہے تو بکری اس کے ٹھیلے سے کچھ اچک لیتی ہے، کبھی ٹماٹر اٹھالیا، کبھی آلو اٹھالیا۔ اسی طرح شیطان بھی انسان کی نماز سے اچک لیتا ہے،

---

(۱) السنن الکبری للنسائی، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، التَّشْدِيدُ فِي الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ. رقم الحدیث: ۱۱۲۰.

اِدھر اُدھر دیکھنا یہ بھی شیطان کا اچک لینا ہے۔

## نماز میں مواضعِ مقررہ پر نگاہیں کا رکھنے کا عظیم فائدہ

نماز میں نگاہوں کو شریعت کی بتائی ہوئی جگہوں پر رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے لیے اپنی نگاہوں کی حفاظت آسان ہوجائے گی۔

آج عریانیت اور بے پردگی اس قدر عام ہوگئی کہ جب ہم اپنے گھروں سے نکلتے ہیں تو ہمارے لیے اپنی نگاہوں کی حفاظت مشکل ہوجاتی ہے، نگاہ نیچی نہیں رہ پاتی۔ اگر ہم نمازوں میں نگاہوں کو نیچی رکھنے کی عادت ڈالتے تو یہاں نگاہوں کو نیچی رکھنا آسان ہوجاتا۔ ہمارے ایک دوست فرماتے ہیں کہ میں نے تجربہ کرکے دیکھ لیا کہ نماز میں جہاں جہاں نگاہ رکھنی ہے، وہاں رکھتے ہیں تو اس کی وجہ سے بدنگاہی سے حفاظت ہوتی ہے، نیچی نگاہ کی عادت بنتی ہے؛ اس لیے ان ساری چیزوں کا اہتمام کرنا ہے۔

## خضوع کیا ہے؟

نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ یہ دو لفظ ہیں، اس میں ''ش'' اور ''ض'' کا فرق ہے باقی سب حروف یکساں ہیں۔ خضوع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اعضا پرسکون ہوجائیں۔ آدمی جب نماز سے باہر ہوتا ہے تو اس کے اعضاء مختلف کاموں کے اندر لگے ہوئے ہوتے ہیں لیکن جب نماز کے لیے کھڑا ہوگا تو یہ سارے اعضاء اپنا کام چھوڑ دیں گے اور تمام اعضاء شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رکھے جائیں گے، اسی کو خضوع کہتے ہیں۔

# نیت کا حقیقی مطلب

آپ نماز شروع کریں گے تو نیت کریں گے۔ اب نیت زبان سے نہیں ہوتی، وہ تو نام ہے دل کے ارادے کا۔ آپ دل میں طے کر لیجیے کہ میں فلاں نماز: عشا کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ چوں کہ امام کے پیچھے پڑھ رہے ہیں تو اقتدا کی نیت ہونی چاہیے، ''اس امام کے پیچھے'' اور ''کعبۃ اللہ کے سامنے'' یہ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

# ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے کی کیفیت

پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں گے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے وقت ہاتھوں کو اٹھائیں گے۔ ہاتھوں کو اٹھانے کا طریقہ بھی فقہا نے بتا دیا کہ ہاتھوں کے یہ انگوٹھے کانوں کی لو کے سامنے ہوں گے اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے کنارے کے سامنے ہوں گے۔

# تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو باندھنے کا صحیح طریقہ

پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کے بعد ہاتھوں کو باندھ لیں گے اور اس کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کے پہونچے پر گول حلقہ بنائیں گے اور (داہنے ہاتھ کی) باقی تین انگلیوں کو یہاں (بائیں ہاتھ کی کلائی پر) رکھیں گے اور یہ (داہنے ہاتھ کی) ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں گے اور ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھیں گے۔

# قیام کا صحیح اور مسنون طریقہ

کھڑے ہونے کی حالت میں نگاہ سجدے کی جگہ رکھیں گے اور سیدھے کھڑے

رہیں گے، اس طرح کہ ہماری نگاہ سجدے کی جگہ رہے۔ بعض تو ایسا جھک کے کھڑے رہتے ہیں کہ کمر تک کو جھکا دیتے ہیں تو نگاہیں سجدے کی جگہ کہاں رہیں گی، پاؤں کی پشت پر پڑے گی۔ سر کو بھی بالکل جھکانا نہیں ہے بلکہ اتنا اونچا رکھنا ہے کہ نگاہ سجدے کی جگہ پڑ جاوے اور پھر قرأت ہے۔

## رکوع کا صحیح اور مسنون طریقہ

اس کے بعد جب رکوع میں جائیں گے تو آپ اپنی پشت کو بالکل ہموار رکھیں گے۔ آج تو ایسے رکوع کرتے ہیں، جیسے کُبڑے کھڑے ہوں اور خالی جگہ پُر کر دی گئی ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ پشت اس طرح ہموار ہو کہ پانی کا پیالہ اس پر رکھ دیا جائے تو پانی گرنے نہ پاوے اور اپنے گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑیں اور انگلیاں کھلی ہوئی رہیں۔ ویسے نماز میں دو موقعے ایسے ہیں کہ انگلیوں کو اپنی پہلی حالت سے بدلنا ہے: (۱) رکوع میں کھلا ہوا رکھیں (۲) سجدے میں ملا ہوا رکھیں۔ باقی حالتوں میں جیسی رہتی ہیں، ویسی رہنے دیں۔

## قومے کا صحیح اور مسنون طریقہ

پھر قومے میں کھڑے ہوں گے۔ ہمارے یہاں لوگوں کا حال یہ ہے کہ ابھی تو رکوع سے پورے کھڑے ہوئے نہیں کہ سجدے کے لیے چلے گئے۔

## اطمینان سے نماز ادا نہ کرنے پر دوہرانے کا حکم

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں، ایک آدمی

آیا اور جلدی جلدی نماز پڑھی، سلام پھیر کے وہ واپس جانے لگا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تو سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے پھر سے نماز پڑھی اور آ کر سلام کیا، پھر آپ نے یہی فرمایا: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔ تیسری مرتبہ پھر ایسی ہی پڑھی، اور آ کر سلام کیا، پھر آپ نے یہی فرمایا تو انھوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہی بتلایئے کہ میں نماز کس طرح پڑھوں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو نہایت ہی اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا کہ پہلے سورۂ فاتحہ پڑھو، اس کے بعد سورت ملاؤ، اس کے بعد رکوع میں جاؤ تو اطمینان سے رکوع کرو، رکوع سے سر اٹھاؤ تو اطمینان سے کھڑے رہو(۱)۔

## پرندوں کے ٹھونگے مارنے کی طرح نماز ادا کرنے کی ممانعت

مطلب یہ کہ ہر رکن اور ہر عمل کو اطمینان سے ادا کرنا ہے۔ یہ جو ٹھونگیں مارتے ہیں، حدیث میں آتا ہے: نَهَانِي عَنْ نَقْرَةٍ كَنَقْرَةِ الدِّيكِ(۲): مرغ دانے چگتے وقت جس طرح ٹھونگے مارتا ہے، اس طرح ٹھونگے مارنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے، اطمینان سے نماز پڑھنا ہے۔

## ہر عملِ صلوۃ کو شرعی ہدایات کے مطابق انجام دینا ''خضوع'' ہے

بہرحال! خضوع کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سارے اعضا پُرسکون ہوں: قیام

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب مَنْ رَدَّ فَقَالَ عَلَيْكَ السَّلَامُ.

(۲) مسند أحمد، مُسْنَدِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

میں جس طرح کھڑے رہنا ہے، اس طرح کھڑے رہیں، رکوع جس طرح کرنا ہے، اس طرح کریں۔ ہر عمل اور رکن کو اس کے مسنون طریقے کے مطابق انجام دینے کا نام خضوع ہے۔

## سجدے کا شرعی طریقہ اور اس سلسلے میں لوگوں کی غفلت

سجدے میں جاتے ہیں تو کچھ لوگ ہاتھوں کو بہت آگے رکھتے ہیں تو کچھ لوگ بہت پیچھے رکھتے ہیں۔ سجدے میں بھی ہاتھ اسی انداز میں رکھنے ہیں، جس انداز میں ہم تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت اٹھاتے ہیں: (تحریمہ کے وقت) انگوٹھے کے سرے کانوں کی لو کے مقابلے میں آتے ہیں تو سجدے میں بھی اسی طرح رکھیں گے کہ انگوٹھے کا سرا کان کی لو کے مقابلے میں آئے اور باقی انگلیوں کے سرے کان کے اوپر والے حصے کے مقابل ہو جائیں۔

بازوؤں کو بانہوں سے الگ کر کے کھول کر رکھے، البتہ اتنا ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو اتنا نہ کھولیں کہ پاس والے کو تکلیف ہو اور کلائیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھیں۔

## اکثر لوگوں کی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے

اکثروں کو دیکھا گیا کہ وہ بازوؤں کو بانہوں سے ملا کر اور کلائیوں کو زمین پر رکھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی نمازوں میں وہ بہت سے امور دیکھے جاتے ہیں جن کو فقہا نے کتابوں میں مکروہِ تحریمی لکھا ہے اور جو نماز مکروہِ تحریمی ہوئی ہو، اس کو لوٹانا

واجب لکھا ہے۔

## خشوع کا مطلب

اور خشوع دل کو پُرسکون رکھنے کا نام ہے، نماز کے دوران دل پورے طور سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، اِدھر اُدھر حرکت نہ کرے۔ دل کی حرکت کیا ہوتی ہے؟ اِدھر گیا، اُدھر گیا۔

## مشینی دور کی مشینی نمازیں

ہماری نماز کیا ہے؟ ٹیپ ریکارڈر ہوتا ہے نا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیسٹ بھر کر کے اس کا بٹن آن کر دیا، اللّٰہُ اکبر کہا تو گویا ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آپ نے آن (on) کر دیا، سبحانک اللھم پڑھی جارہی ہے، أعوذ باللہ پڑھ رہے ہیں، بسم اللہ پڑھ رہے ہیں، الحمد شریف پڑھ رہے ہیں، سورت ملا رہے ہیں، رکوع میں جا رہے ہیں، سبحان ربی العظیم پڑھ رہے ہیں، سب برابر پڑھ رہے ہیں، اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ، جیسے سلام پھیرا تو بٹن آف (off) کر دیا۔ اب اسی نماز پڑھنے والے سے آپ پوچھو کہ بھائی! امام صاحب نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟

## سجدے میں سر، دل میں دنیا کا خیال
## اس دھرتی پہ بھاری ہیں نمازیں اپنی

یہ امام صاحب کی بات ہوئی، اگر خود اس سے اسی کی پڑھی ہوئی نماز کے بارے

میں پوچھیں گے کہ آپ نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ سوچے گا کہ کون سی پڑھی تھی، حالاں کہ اس نے خود پڑھی تھی۔ یہ زمانہ آٹومیٹیک (automatic) کا ہے تو ہماری نماز بھی آٹومیٹیک ہوگئی۔ اللّٰہُ اکبر کہتے ہیں تو خیالات کی پٹی چل پڑتی ہے اور پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں، اللّٰہُ اکبر کہتے ہی انگلینڈ پہنچ گئے اور سلام پھیرتے ہی واپس بھی آ گئے۔

## من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کتنے سالوں سے نماز پڑھ رہے ہیں، میں پڑھ رہا ہوں، آپ پڑھ رہے ہیں، جس کی جتنی عمر ہوئی، اس کے حساب سے: کوئی پانچ سال سے، کوئی دس سال سے، کوئی پندرہ سال سے، کوئی بیس سال سے، جب سے بالغ ہوا ہے، پڑھ رہا ہے، کوئی پچاس سال سے، کوئی پچپن سال سے، لیکن کوئی ہے دعوی کرنے والا کہ جو یہ دعوی کرے کہ میں نے دو رکعتیں پوری دل جمعی کے ساتھ پڑھی ہیں کہ جس میں تھوڑی دیر کے لیے بھی دل اِدھر اُدھر نہ گیا ہو؟۔

## نمازوں سے خشوع کا ختم ہو جانا قیامت کی علامتوں میں سے ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی جو علامتیں بتلائی ہیں، اس میں سب سے پہلی چیز نماز کے خشوع کا اٹھنا بیان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی لیکن ایک کی نماز میں بھی خشوع نہیں ہوگا(۱)۔ کیا ہم اور آپ کہہ سکتے

---

(۱) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ الأَشْجَعِيُّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَظَرَ إِلَى =

ہیں کہ وہ زمانہ آگیا ہے! ہم اپنی نمازوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دیں۔

## شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی نماز کے خشوع میں خلل ڈالنے والی چیزوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔ ایک صحابی ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز ادا فرما رہے تھے، اب ظاہر ہے کہ جب باغ میں ادا فرما رہے ہیں تو یہ کوئی فرض نماز نہیں تھی، وہ تو مسجد میں ادا کی جاتی ہے، نفل نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک چڑیا باغ میں اڑ رہی تھی اور باہر نکلنا چاہتی تھی، باغ گنجان تھا اور سرسبز وشاداب تھا؛ اس وجہ سے اسے باہر نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا، نیچے آئی پھر گئی۔ دو تین مرتبہ ایسا کیا، ان کی توجہ اس چڑیا کی طرف چلی گئی، اس کو دیکھنے لگے اور اس کی وجہ سے "کتنی رکعتیں ہوئیں" یہ بھول گئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یہ باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے کہ یہ باغ اللہ کے ساتھ میرے تعلق کے راستے میں رکاوٹ بنا یعنی ایک نماز کے دوران ذرا سی دیر کے لیے توجہ ہٹی تو اس کو ان کی غیرتِ ایمانی نے برداشت نہیں کیا کہ جس چیز کی وجہ سے نماز سے ان کی توجہ ہٹی تھی، اس کو اپنی

---

=السَّمَاءِ يَوْمًا فَقَالَ: هَذَا أَوَانٌ يُرْفَعُ الْعِلْمُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ: لَبِيدُ بْنُ زِيَادٍ: يَا رَسُولَ اللهِ يُرْفَعُ الْعِلْمُ وَقَدْ أُثْبِتَ وَوَعَتْهُ الْقُلُوبُ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ كُنْتُ لأَحْسَبُكَ مِنْ أَفْقَهِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَذَكَرَ لَهُ ضَلالَةَ الْيَهُودِ، وَالنَّصَارَى عَلَى مَا فِي أَيْدِيهِمْ مِنْ كِتَابِ اللهِ، قَالَ: فَلَقِيتُ شَدَّادَ بْنَ أَوْسٍ، فَحَدَّثْتُهُ بِحَدِيثِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، فَقَالَ: صَدَقَ عَوْفٌ أَلا أُخْبِرُكَ بِأَوَّلِ ذَلِكَ يُرْفَعُ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: الْخُشُوعُ حَتَّى لا تَرَى خَاشِعًا (السنن الكبرى للنسائی، كَيْفَ يُرْفَعُ الْعِلْمُ.)

ملک میں باقی رکھنا گوارا نہیں کیا، اس کو فوراً صدقہ کر دیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے تھا، اس تعلق کی وجہ سے کوئی غیر درمیان میں آجائے، ان کی غیرت اس کو گوارا نہیں کرتی تھی۔

## اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے حالات میں لکھا ہے کہ جہاد کے لیے فراہم کیے ہوئے گھوڑے معائنے کے لیے، دیکھنے کے لیے ان کے سامنے پیش کیے گئے، آپ اس کا معائنہ کر رہے تھے، اسی دوران نماز کا وقت آ گیا، یاد نہیں رہا اور نماز فوت ہوگئی تو سب گھوڑوں کو ذبح کر دیا، قربان کر دیا کہ یہ اللہ کی عبادت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے، ان کی غیرت نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ساتھ تعلق کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ بنے۔

## کیا ہیں میری قربانیاں، کیا نوازشیں ہیں تیری

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے میرے لیے گھوڑے قربان کیے، میں اس کے بدلے میں اس سے بہتر سواری دیتا ہوں۔ کیا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا۔ آپ جہاں چاہتے تھے، پورے دربار کے ساتھ ہوا پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے تھے، ایک تخت تھا جو فضا میں تیرتا ہوا ان کو لے جاتا تھا[1]۔

---

(۱) سورۂ ص ۲۳/ پارے میں اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ کے اندر حضرت سلیمانؑ کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، تفسیر کی کتابوں میں اس آیت کے ذیل میں یہ واقعہ دیکھا جا سکتا ہے۔

## کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اپنی نمازوں کو صحیح کرنے کی طرف توجہ دینے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔نماز میں دل نہیں لگتا، نماز میں دھیان نہیں رہتا، نماز میں مزہ نہیں آتا۔ اگر آپ کو دو دن، صرف دو دن کھانا اچھا نہ لگے، کھاتے وقت کھانوں کا مزہ آپ کو محسوس نہ ہوتو گھبرا کر ڈاکٹر کے پاس، حکیم کے پاس دوڑے چلے جائیں گے کہ حکیم صاحب! دو دن سے کھانے کی لذت محسوس نہیں ہو رہی ہے، کوئی اچھی سی دوا دیجیے۔ یہ بے چینی ہمیں نماز کے معاملے میں محسوس نہیں ہوتی۔ یہاں تو نماز پڑھتے پڑھتے پوری زندگی گذر گئی اور ایک نماز میں بھی لطف نہیں آیا لیکن اس کا احساس ہی نہیں، اس کو بیماری ہی نہیں سمجھتا، پھر اس کا علاج کیا کرائے گا، ؎

| |
|---|
| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا |
| کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

کوئی قافلہ لُٹ جاوے اور لُٹے ہوؤں کو یہ احساس ہو کہ ہم لُٹ گئے تو وہ لُٹے ہوئے سامان کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے لیکن کوئی لوٹ لیا جاوے اور اس کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ مجھے لوٹ لیا گیا ہے تو وہ کیا کرے گا؟ کچھ بھی نہیں کرے گا۔

## تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں

ہم عبادات میں لطف نہ آنے کو کوئی بیماری ہی نہیں سمجھتے۔ہم جسمانی بیماری کو دور کرنے کے لیے کتنی محنتیں اور فکریں کرتے ہیں! جسمانی لذتوں کا کتنا خیال ہے کہ دو

دن سے تیسرا دن آنے نہیں دیتے اور اس بیماری کو دور کرنے کے لیے جتنے پیسے خرچ کرنے پڑیں، خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور یہاں تو بیماری ہی نہیں سمجھتے، اس کو قابلِ علاج ہی نہیں سمجھتے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کیا کریں گے۔ اس کا کوئی احساس ہی نہیں ہے کہ اس کا بھی کوئی ڈاکٹر ہے اور اس کے پاس علاج کے لیے جانا ہے۔

## دینی امور میں ہماری لامتناہی بے حسی

اگر کسی کو اس کا خیال آ بھی گیا اور اس نے علاج پوچھ لیا لیکن اس کو جو علاج بتایا گیا، اس پر وہ کوئی عمل کرتا نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہمارے اس مرض کا علاج بتلائیے۔ ان کو علاج بتلاتے ہیں لیکن بعد میں کبھی یہ خط نہیں آتا کہ میں نے اس پر کتنا عمل کیا۔ چار مہینے کے بعد پھر خط آئے گا جس میں اسی بیماری کا ذکر ہے کہ اس کی اصلاح کرنی ہے۔ ارے بھائی! پہلے جو علاج بتلایا تھا، اس پر کتنا عمل کیا، اس سے کتنا فائدہ ہوا، وہ تو پہلے بتاؤ!۔

آپ ڈاکٹر کے پاس دوسری مرتبہ علاج کے لیے جاؤ گے تو وہ آپ سے پوچھے گا ناکہ پچھلی دوا سے کیا فائدہ ہوا، کتنا فرق ہوا تو جواب میں بتلائیں گے کہ کتنا فائدہ ہوا لیکن یہاں کچھ نہیں۔

## روحانی طبیب کے سامنے حالات پیش کرنے میں بھی خیانت

ہمارے حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل مزاج یہ ہوگیا کہ کبھی دو رکعت زیادہ پڑھ لیتے ہیں تو بتا دیتے ہیں لیکن نماز قضا ہوجاتی ہے، وہ

بتاتے نہیں۔ آپ ڈاکٹر کے سامنے کیس (case) پیش کرتے ہیں تو کیس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہے، کچا چٹھا سب اس کے سامنے پیش کردو۔ آپ جو کرتے ہیں اس کو تو بتاتے ہیں لیکن جو چھوڑتے ہیں، اس کو بتاتے نہیں۔ ایسا سمجھتے ہیں کہ ہم بدھو ہیں۔ یہ سارے حربے جو ہم اپناتے ہیں تو اس کے ذریعہ اپنی ذات کو ہی نقصان پہنچاتے ہیں، اپنی ذات کو دھوکہ دیتے ہیں۔

## صیاد خوش ہے کہ کانٹا نگل گئی.......

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرة]

منافقین یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ایسا کر کے اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ کو دھوکہ نہیں دیتے، اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہو۔ جو آدمی اپنی تربیت اور اپنے خیر کے معاملے میں اپنے مربیوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے، وہ ان کو دھوکہ نہیں دیتا، خود اپنی ذات کو دھوکہ دیتا ہے، اپنی ذات کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

## نافرمانی میں بے دریغ وقت ضائع کرنے والوں کے پاس نماز کے لیے وقت نہیں

بہرحال! ہمیں اپنی نمازوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اس میں خشوع کی جو کمی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے تدابیر اختیار کریں۔ اس کے لیے باقاعدہ نماز سے پہلے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اذان شروع ہوئی تو کہتے ہیں کہ ابھی تو جماعت میں پندرہ منٹ ہے، اتنی جلدی جا کر کیا کریں گے! سینما

دیکھنے والے سنیما شروع ہونے سے گھنٹہ گھنٹہ پہلے پہنچ جاتے ہیں لیکن یہاں نماز باجماعت کے لیے دس منٹ پہلے پہنچنے کے روادار نہیں۔

## مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

آج کل حالت یہ ہوگئی ہے کہ نماز سے پہلے مسجد کی طرف جلدی نکل آتے ہیں اور مسجد سے باہر کھڑے اِدھر اُدھر کی ہانکنے میں مشغول ہوجاتے ہیں، کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ مسجد کے اندر آکر دو رکعت نماز پڑھ لے، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد پڑھے، نماز سے پہلے کی سنتیں پڑھے۔ باتوں کا وقت ہے، سنتوں کے لیے وقت نہیں، یہ مسلمانوں کا عام مزاج بن چکا ہے۔

## اسباغ الوضو: درجات کو بلند کرنے والی اہم چیز

شریعت نے نماز سے پہلے اس کی تمہیدات رکھی ہیں، وضو کا طریقہ بتلایا ہے، حدیث کے اندر''اسباغ الوضو'' کا ذکر ہے، وضو کو کما حقہ کرنا، ہر عضو کو بڑے اطمینان کے ساتھ دھونا۔ اس کے بڑے فضائل ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى: اوپر والے یعنی فرشتے کس چیز کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں؟ تو فرمایا: فِي الدَّرَجَاتِ وَالكَفَّارَاتِ: درجات کو بلند کرنے والے اعمال کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔ اور پھر درجات کو بلند کرنے والے جو اعمال بتلائے، اس میں ایک عمل ''إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ[1]'' بیان کیا: سردی کے زمانے میں اچھی طرح

(۱) سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ ص۔ ر:: ۳۲۳۳۔

وضو کرنا۔ پانی سخت ٹھنڈا محسوس ہو رہا ہے تو یہ نہیں کہ جلدی جلدی ایک ایک مرتبہ اعضا کو دھو کر فارغ ہو گئے۔ نہیں، اچھی طرح وضو کریں، کچھ بھی ہو جائے۔

## قبلیہ سنتیں فرض نماز کے لیے تمہید ہیں

اسی طرح یہ سنتیں ہیں کہ آگے آپ جو فرض ادا کرنے جا رہے ہیں، اس کے لیے آپ کے قلب کو تیار کیا جا رہا ہے۔ جب کسی کے یہاں بڑی دعوت ہوتی ہے تو وہاں کھانے سے پہلے کیا ہوتا ہے؟ پہلے سوپ پیش کیا جاتا ہے، کیوں؟ تاکہ بھوک لگے، آگے جو آئٹمیں آنے والی ہیں، ان کے آنے سے پہلے آپ کا معدہ تیار ہو جاوے، آپ کے اندر اس کی طلب پیدا ہو جاوے، اس کے لیے یہ ساری چیزیں دی جا رہی ہیں۔

اسی طرح آپ جو فرض نماز ادا کرنے والے ہیں، اس فرض کی ادائگی سے پہلے یہ سنتیں اسی لیے رکھی گئی ہیں؛ تاکہ آپ کا قلب مانوس ہو جاوے، پہلے سے تیار ہو جاوے اور آپ فرض کو جیسا کہ اس کا حق ہے ادا کر پاویں۔

## یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

ہم تو ایسے بھاگے دوڑے آتے ہیں کہ پیشاب کا تقاضا ہے، بھاگے بھاگے بیت الخلا میں گئے جلدی جلدی پیشاب کیا، پیشاب کے چھینٹے بھی کپڑوں پر پڑے، اس کی بھی کوئی پروا نہیں پھر آئے اور جلدی جلدی وضو کیا، اتنے میں امام صاحب رکوع میں گئے تو یہیں سے دوڑ لگا دی اور کبھی تو امام صاحب سلام پھیر رہے ہیں اور انھوں نے یہاں سے دوڑ لگائی۔ اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

اور پھر یہ نماز پڑھ کے بھی سب سے پہلے نکل جاتے ہیں، آپ حضرات دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں، اوّابین پڑھتے ہیں، وہ جب فارغ ہو کر باہر نکلیں گے تو یہ لوگ اس سے پہلے ہی باہر نکل کر باتوں میں مشغول نظر آتے ہیں، شیطان نے ان کو مہلت نہیں دی کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں۔

## مجھے تو اس کی عبادت پہ رحم آتا ہے

کیوں بھائی! آپ کو کیا ضرورت تھی، کیا کام تھا؟ باہر نکل کر باتیں کر رہے ہیں تو اندر رہ کر نماز پڑھ لیتے۔ یہ سب بیماریاں ہیں جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری نماز درست ہو گئی تو سمجھئے کہ ہم کامیاب ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ یہ نماز تو قبر میں کام آنے والی چیز ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اپنی نمازوں کی طرف توجہ کریں، اب تک جس طرح جلدی جلدی پڑھتے رہیں، اس پر نظرِ ثانی کی جائے، اس کا جائزہ لیجیے، آپس میں اس کا مذاکرہ کیجیے اور ہر مسجد میں ہفتے میں ایک دن ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں لوگ آپس میں نماز کا مذاکرہ کریں، اس کے نتیجے میں نماز کی جو حقیقی برکتیں ہیں، اس سے ہم مالا مال اور مستفید ہو سکتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# رمضان کا مہینہ ہم کیسے گذاریں؟

بمقام: گنبد والی مسجد، سورت

بتاریخ: ۱۲/ ۱۰/ ۲۰۰۴

# اقتباس

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ تراویح پوری رغبت اور شوق کے ساتھ پڑھی جائے، بوجھ سمجھ کر کے نہیں اور یہ تو بوجھ سمجھ کر پڑھی جاتی ہے اور پھر کمال کی بات تو یہ ہے کہ یہی جلدی جلدی تراویح پڑھنے والے اسی مسجد کے دروازے پر آدھا آدھا گھنٹہ، پونا پونا گھنٹہ کھڑے رہیں گے۔ جہاں دوسری جگہوں پر اطمینان سے تراویح ہوتی ہے، وہ فارغ ہوکر گھر چلے جائیں گے اور یہ یہاں کے یہاں کھڑے رہیں گے تو بھائی! آپ نے یہ جلدی کر کے کیا حاصل کیا؟ سوائے اللہ کی ناراضگی کے اور کیا لے کر کے جارہے ہیں۔ یہ پڑھنے کے طریقے صحیح نہیں ہیں، بجائے ثواب کے گناہ مول لیتے ہیں، تمام حُفّاظ جو اس طریقے سے پڑھتے ہیں، وہ بھی گنہگار ہیں اور جو ایسا سنتے ہیں، وہ بھی گنہگار ہیں، یہ طریقہ بالاتفاق تمام علماء نے منع لکھا ہے، اس لیے قرآن کو صحیح طریقے سے پڑھنے اور سننے کا اہتمام ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة:۱۸۳]

وقال تعالىٰ: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة:۱۸۵]

## رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں امتِ محمدیہ کو جن خصوصی امتیازات اور انعامات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک رمضان المبارک اور شبِ قدر بھی ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی جتنی بھی قدر کی جائے، کم ہے۔ لوگ اس ماہِ مبارک کی قدر کریں، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

## رمضان المبارک کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کا نبوی اہتمام

چناں چہ شعبان کے مہینے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ دیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے: یا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے اواخر میں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! تمھارے اوپر ایک مہینہ جو بڑی عظمت اور برکت والا ہے، سایہ فگن ہے یعنی اب آیا ہی چاہتا ہے، عن قریب آنے والا ہے اور پھر رمضان المبارک کی جو خصوصیات ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بیان فرمایا، آگے میں اس کا تذکرہ کروں گا، یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ رمضان المبارک کے آنے سے پہلے ہی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف متوجہ کیا۔

## رمضان کی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرنے کا سبب

جو چیز قابلِ توجہ ہوا کرتی ہے، اس کی طرف لوگوں کو پہلے ہی متوجہ کیا جاتا ہے اور اس کا بڑا اہتمام، بڑا پرچار، بڑی تشہیر اور بڑی اشاعت کی جاتی ہے؛ تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، کسی کو محرومی کی شکایت نہ ہو کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا، ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا؛ اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

## تخلیقِ انسانی کا مقصد

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا، قرآن

میں ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات:٥٦] کہ: ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا۔

## فرشتوں کی صفت اور شان

انسانوں کی تخلیق سے پہلے روئے زمین پر جنات سالہا سال سے آباد تھے اور فرشتے بھی موجود تھے۔ فرشتے تو ہر وقت اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رہا کرتے تھے، قرآن میں فرشتوں کی شان اور صفت بتلاتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [التحریم:٦] کہ: اللہ نے جو حکم دیا، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جس کا حکم دیا گیا، وہی کرتے ہیں۔

## فرشتوں میں ون سائیڈ ٹرافک والا معاملہ ہے

بلکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا: ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [البقرۃ:٣٠] کہ: میں روئے زمین پر اپنا ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں۔ اس ارادے کے اظہار پر فرشتے سمجھے کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت اور فرماں برداری ہے اور اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جو فطرت بنائی تھی، اس سے فرشتوں کو آگاہ فرمایا کہ یہ ایک ایسی مخلوق ہے کہ جس کے اندر اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ ساتھ معصیت اور نافرمانی کا مادہ بھی رکھا ہے، دونوں چیزیں ہیں کہ جہاں وہ اللہ کی اطاعت، فرماں برداری اور اس کے حکم کی بجا آوری کر سکتا ہے، وہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی، معصیت، خلاف ورزی

بھی کرسکتا ہے، اس کے اندر دونوں باتیں ہیں، فرشتوں میں یہ بات نہیں ہے، وہاں تو ون سائیڈ ٹرافک (one side traffic) چلتا ہے یعنی صرف اطاعت وفرماں برداری، وہاں نافرمانی کا کوئی سوال نہیں۔

## تخلیقِ انسانی کے اظہارِ ارادہ پر فرشتوں کی طرف سے سوال

اس لیے فرشتوں نے اپنے اوپر نظر کرتے ہوئے اور انسان کی کمزوری اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو دوسرا پہلو رکھا تھا، اس کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ میں زمین کے اندر اپنا ایک نائب پیدا کرنے والا ہوں، خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں تو انھوں نے جواب میں عرض کیا: ﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ﴾: باری تعالیٰ! کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جو زمین میں فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی؛ اس لیے کہ انسانوں کے مزاج میں یہ بھی ہے اور فرشتوں کے مزاج میں یہ چیز نہیں تھی۔ ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ﴾: ہم تو آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں، آپ کی تقدیس کرنے والے ہیں یعنی اس مخلوق کو پیدا کرنے سے آپ کا مقصد آپ کی فرماں برداری، اطاعت وعبادت اور آپ کی حکم بجا آوری ہے تو وہ تو ہم کر ہی رہے ہیں، اس کے لیے ان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کا حاکمانہ جواب

اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں حاکمانہ انداز اختیار فرمایا: ﴿اِنِّيْٓ

اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾: میں جو جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ جو بڑا ہوتا ہے نا، وہ ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ چپ رہو، مجھے سب معلوم ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وقت تو یہ کہہ دیا۔

البتہ ایک دوسرے موقع پر جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پیدا کر دیے گئے، جب ان میں روح ڈال دی گئی تو حضرت آدمؑ کی فوقیت اور فرشتوں کے مقابلے میں ان کی امتیازی شان کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا تو ان کی اس بات کا دوسرا جواب بھی دیا۔

## کائنات میں پیدا کردہ چیزوں کے نام حضرت آدمؑ کو سکھانے اور فرشتوں کو نہ سکھانے کی حکمت

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرة: ۳۱]، اب امتحان کا میدان گرم ہوا، باری تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد ان کو ساری چیزوں کے نام بتلائے گئے۔ کائنات میں جو چیزیں پیدا کی گئی تھیں،، چوں کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا انسانوں کا کام تھا؛ کیوں کہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں پیدا کی گئی ہیں، وہ انسان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں، وہ اسی کے کام کی ہیں، فرشتوں کے کام کی نہیں ہیں۔ پانی انسان پیتے ہیں، کھانا انسان کھاتے ہیں، فرشتے نہ کھانا کھاتے ہیں، نہ پانی پیتے ہیں، روشنی سے فائدہ انسان

اٹھاتا ہے، سردی گرمی کا احساس انسان کو ہوتا ہے، فرشتوں کو تو ان چیزوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔

تو جن چیزوں سے انسان کو فائدہ اٹھانا تھا، ان چیزوں کے فوائد اور ان ساری چیزوں کے نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بتلا دئے، چناں چہ مفسرین نے لکھا ہے کہ استعمال کی جو چیزیں ہیں: پیالہ، گلاس وغیرہ ان سب چیزوں کے نام حضرت آدمؑ کو بتلائے۔ اب فرشتوں کو تو کہاں پیالہ اور لوٹا وغیرہ استعمال کرنا ہے، وہ تو انسان کو استعمال کرنا ہے؛ اس لیے ان چیزوں کے نام سیکھنے کی فرشتوں کو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتلاؤ، کیا تمھیں ان چیزوں کے نام معلوم ہیں؟ ان کو کہاں معلوم تھے؛ اس لیے انھوں نے اپنے عجز کا اور اس کے جواب سے قاصر ہونے کا اظہار کیا اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی امتیازی شان اور ان کی فوقیت فرشتوں کے اوپر ثابت ہوگئی۔

## علم کی اہمیت

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، فیض الباری کے اندر ہے کہ یہ علم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے صاحبِ علم کی فضیلت کھلم کھلا اس کے اوپر جو اس کے بالمقابل ہے، جس میں یہ علم نہیں ہے، ظاہر ہو جاتی ہے۔

## حضرت آدمؑ کو دوسری مخلوقات پر فوقیت دینے والا وصف

ورنہ اصل میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا وہ وصف جو اللہ تبارک

وتعالیٰ کے یہاں محبوب تھا اور جس کی وجہ سے ان کو دوسری مخلوقات کے اوپر فوقیت عطا فرمائی ہے، وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے سِپر اندازی، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو خاموشی سے مان لینا، اس کے سامنے کوئی چوں و چرا نہ کرنا ہے۔

## ابلیس کی حکمِ اِلٰہی سے سرتابی

اس لیے کہ دیکھو! حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے سجدہ کرو، ابلیس جو اس وقت فرشتوں کا معلم اور ان کا سردار تھا، اس نے انکار کیا اور اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے حجت بازی کی کہ آپ مجھے اس کے سامنے سجدے کا حکم دیتے ہیں، حالاں کہ ﴿خَلَقۡتَنِي مِن نَّارٖ وَ خَلَقۡتَهُۥ مِن طِينٖ﴾ [الأعراف:۱۲] کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا، آگ کی شان بلند ہے تو بھلا میں مٹی کے سامنے کیسے سجدہ کروں گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کو اپنے دربار سے مردود کر دیا۔

## اللہ تعالیٰ کے تخلیقِ آدمؑ کے اظہارِ ارادہ پر فرشتوں کی لب کشائی

اس وقت وہاں تین ہی مخلوق تھیں: حضرت آدمؑ تھے، فرشتے تھے اور ابلیس تھا، ابلیس تو کھلم کھلا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کا نافرمان بنا اور مردودِ بارگاہ بنا۔ رہا فرشتوں کا معاملہ تو جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ میں ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں۔ حالاں کہ جب اللہ کے ارادے کا پتہ چل گیا تو چاہئے تو یہ تھا کہ فرشتے کچھ نہ بولتے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں تو ہمیں

چوں چرا کرنے کا کیا اختیار؟۔

لیکن انھوں نے اس پر کہا: ﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ﴾: باری تعالیٰ! کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جو زمین میں فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی؟۔ ارے بھائی! جب تم کو پتہ چل گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارادہ ہے تو بولنے کا کوئی سوال نہیں تھا، سیدھی بات ہے۔ ایک غلام کو معلوم ہو جائے کہ میرا آقا یہ چاہ رہا ہے تو اس کو زبان بند کر لینی چاہیے لیکن فرشتے بول پڑے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ٹوکا: ﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾: چپ رہو! میں جو جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے تو وہ خاموش ہو گئے اور معاملہ ختم ہو گیا لیکن بہر حال! یوں کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنی سوچ کا کچھ نہ کچھ اظہار تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کیا نا؟۔

## حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کی تخلیق بعد ان کو جنت میں رہنے کا حکم

اس کے بالمقابل حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا معاملہ دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کے بعد جنت کے اندر ٹھیرایا کہ یہاں رہو، ان کا جوڑا یعنی حضرتِ حوا کو بھی ان ہی سے پیدا کیا اور کہا کہ یہاں دونوں رہو، کھاؤ، پیو اور مزے کرو لیکن ان دونوں کو ایک امتناعی حکم بھی دیا: ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الأعراف:۱۹] کہ اس درخت کے قریب مت جائیو!، اس درخت سے منع فرمایا۔

## شجرۂ ممنوعہ کا کھانا اور دنیا میں اتارا جانا طے شدہ امر تھا

لیکن بہر حال! مقدرات تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں یہی طے تھا کہ جس

چیز سے منع فرمایا ہے، وہ کرنا ہے؛ کیوں کہ دنیا میں تو بھیجنا ہی تھا، یہ تو ہونے والا ہی تھا، طے شدہ بات تھی؛ اس لیے ہو کر رہا اور جس سے منع کیا گیا تھا، وہ کیا اور وہ جنت سے نکالے گئے اور زمین پر اتارے گئے۔

## سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے

جب حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کی طرف سے یہ نافرمانی صادر ہوئی اور زمین پر اتارے گئے تو اس وقت آپ کی طرف سے سوائے گریہ وزاری کے اور سوائے توبہ واستغفار کے اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سالہا سال تک حضرتِ آدمؑ بس روتے رہے اور یہ کہنے کی بھی جرأت نہیں کی کہ مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا ہے، مجھے معاف کیا جائے، خالی روتے ہی رہے۔ جیسے کسی مطیع اور فرماں بردار غلام سے اپنے آقا کے حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو وہ بس روتا ہی جاتا ہے، یہ بھی نہیں کہتا کہ آقا! مجھے معاف کیجیے۔

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدمؑ کو کلماتِ توبہ کی تلقین اور ان کلمات سے توبہ واستغفار

تو حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کے سامنے بس روتے ہی رہے، معافی کے الفاظ کو ادا کرنے تک کے لیے زبان نہیں ہلائی کہ اللہ تعالیٰ! معاف کر دو، اتنی بھی ہمت نہیں کی، اتنی عجز و نیاز!! وہ تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرتِ آدمؑ پر معافی کے کچھ کلمات ڈالے گئے، قرآن میں ہے: ﴿فَتَلَقّٰٓي اٰدَمُ مِنْ

رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾[البقرة:٥٤] کہ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے کچھ کلمات لیے اور وہی کلمات توبہ کے لیے کہے: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[الأعراف:٢٣] کہ: اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا ہے، اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور ہم پر رحم نہیں کریں گے تو ہم تو بڑے گھاٹے اور خسارے میں رہیں گے۔ توبہ کے یہ کلمات اللہ کی طرف سے سکھلائے گئے۔ جب یہ کلمات سکھلائے گئے تو ان کلمات سے معافی مانگی، ورنہ اب تک تو معافی کے کلمات بھی زبان سے نکلتے نہیں تھے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ سکھائے اور حضرتِ آدمؑ نے توبہ کی تو فَتَابَ عَلَيْهِ: اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو معاف کر دیا۔

## حضرتِ آدمؑ اور حضرتِ موسیٰؑ کے مابین عالمِ ارواح میں مناظرہ

اب دیکھیے! حالاں کہ یہ سب تو ہونے والا ہی تھا، گویا حضرت آدمؑ کو بھی یہ معلوم تھا، اس لیے حدیث شریف میں ایک قصہ آتا ہے، بخاری شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ عالمِ ارواح میں حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کی حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام نے حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام سے کہا: أَنْتَ اٰدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهٖ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهٖ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ کہ آپ تو وہی آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پیدا

کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آپ کو جنت میں ٹھیرایا اور پھر آپ نے وہ کام کرلیا جس سے آپ کو روکا گیا تھا، جس کی وجہ سے ہم سب کو جنت سے نکلنا پڑا۔ یہ سوال حضرتِ موسیٰؑ نے حضرتِ آدمؑ کو کیا۔

دیکھیے! یہاں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اپنے بیٹے کا، ایک انسان کا ہے، حضرت موسیٰؑ حضرت آدمؑ کی اولاد ہی میں ہیں، بیٹا باپ سے جواب طلب کررہا ہے کہ ابا جان! آپ کی طرف سے یہ خطا پیش آئی، اس لیے دنیا کی یہ ساری مصیبتیں ہمیں جھیلنی پڑ رہی ہیں، ورنہ ہم جنت میں عیش کررہے ہوتے۔

## حضرتِ آدمؑ کا مُسکت جواب

اس پر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ کہ آپ تو وہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمایا، آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ حضرت موسیٰؑ کا لقب اسی وجہ سے کلیم اللہ ہے، ایک شرف ہے جو اور انبیاء کے مقابلے میں ان کو دیا گیا۔ اور آپ پر تورات اتاری۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ تورات میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے لکھ دی گئی تھی؟ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ چالیس سال پہلے! حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ اس

کے اندر یہ لکھا تھا نا: ﴿وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی﴾ کہ: آدم نے اپنے رب کے حکم کو توڑا اور وہ راستے سے ہٹ گئے۔ ایسا اس میں تھا نا؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ ہاں تھا، تو حضرتِ آدمؑ نے فرمایا کہ جو چیز میرے پیدا ہونے سے چالیس سال پہلے لکھ دی گئی تھی، بھلا میں اس کے خلاف کیسے کرسکتا تھا، یہ تو ہونا ہی تھا۔ چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَحَجَّ اٰدَمُ مُوسٰی: حضرتِ آدمؑ حضرتِ موسیٰؑ پر غالب آ گئے، حضرتِ موسیٰؑ کو خاموش کردیا، اب حضرتِ موسیٰؑ کے لیے بولنے کا موقع ہی نہیں رہا(۱)۔

## حضرتِ آدمؑ اور حضرتِ موسیٰؑ کے مابین اس مناظرے کے قیام کی غرض

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں جو یہ واقعہ بتایا گیا، اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہ بتلایا جارہا ہے کہ حضرتِ آدمؑ کی طرف سے جو یہ کوتاہی ہوئی، اس کا جواب آپ کے پاس موجود تھا اور ایسا کرارا اور ایسا زوردار جواب تھا کہ حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام جیسے نبی کو بھی خاموش ہوجانا پڑا، یہ جواب حضرتِ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے محاسبہ کیا گیا، پوچھ تاچھ کی گئی کہ آدم! یہ کیا کیا؟ تو وہاں تو بس روتے ہی

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابُ حِجَاجِ آدَمَ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.
صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ وَفَاةِ مُوسَى وَذِكْرِهِ بَعْدُ.

رہے، وہاں کچھ نہیں بولے، کیوں؟ وہاں معاملہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے تھا، غلام کا معاملہ آقا سے تھا اور وہاں ادب یہی تھا۔ یہ عبدیت جو تھی، یہ شانِ عبدیت انسان کی اصل صفت ہے اور حضرتِ موسیٰ نے جب سوال کیا تو یہاں سوال کرنے والے اپنے جیسے ایک انسان ہیں تو ان کو برابر جواب دیا؛ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرتِ آدمؑ کے پاس بھی جواب ہے لیکن وہاں بولنے جیسا تھا ہی نہیں اور یہاں بولنے کے لیے تھا۔

## انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والا وصفِ امتیازی

بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ حضرتِ آدمؑ کا جو وصفِ امتیازی اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے، وہ یہی ہے عبدیت کا، بندگی کا، فرشتوں اور شیطان پر ان کو جو فوقیت ملی ہے، وہ اسی وصف کی وجہ سے ہے۔ فرشتوں جیسے فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے کا اظہار فرمایا تو بول پڑے، وہ تو جب اللہ تعالیٰ نے چپ کرادیا تو چپ ہو گئے، آگے نہیں بڑھے، شیطان تو آگے بڑھ گیا، نافرمانی پر اتر آیا لیکن حضرتِ آدمؑ تو بولے ہی نہیں، یہ انسان کی خوبی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان میں جو اصل وصف رکھا ہے، وہ یہی شانِ عبدیت ہے، یہ وصف جس انسان کے اندر جتنا زیادہ ہوگا، وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہوگا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہوگا۔

## اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے بے شمار فرشتے موجود ہیں

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ہوتے ہوئے انسان کو پیدا کیا، حالاں کہ عبادت کرنے کے لیے فرشتے موجود تھے، فرشتوں کی

عبادت بھی ایک عبادت ہے، اپنے شایانِ شان: بعضے فرشتے ہیں جو ہمیشہ رکوع ہی میں ہیں اور بعضے وہ ہیں کہ جو جب سے پیدا ہوئے، ہمیشہ سجدے ہی میں ہیں، عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

## آسمان میں کوئی جگہ عبادت کرنے والے فرشتوں سے خالی نہیں ہے

مشکوۃ کے اندر روایت موجود ہے: أَطَّتِ السَّمَاءُ کہ: آسمان چرچراتا ہے، جیسے کسی پلنگ کی کیپیسیٹی (capacity) پانچ آدمیوں کی ہو اور دس بیٹھ جاویں تو پلنگ کے اندر سے چرچر کی آواز آتی ہے، اسی طرح آسمان بھی چرچراتا ہے، وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ: اور اس کو حق ہے کہ وہ چرچرائے، مَافِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلاَّ وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلَّهِ: کیوں کہ آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی کوئی جگہ ایسی نہیں ہے، جہاں کوئی فرشتہ اللہ کی عبادت میں مشغول نہ ہو اور سر بسجود نہ ہو(۱)۔

## ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

بہر حال! اللہ کی عبادت کرنے والے فرشتے موجود تھے، اللہ کے حکم کی فرماں برداری کرنے والے فرشتے موجود تھے، جیسا کہ ان کی شان بتلائی: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [التحریم:٦] کہ: اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا، اس کے باوجود انسان کو پیدا کیا گیا تو اس کو

---

(۱) مشکوۃ شریف، باب البکاء والخوف، سنن الترمذی، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابٌ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً۔

اسی لیے تو پیدا کیا گیا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات:٥٦] کہ ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا۔ آخر کون سی عبادت تھی جس کے لیے انسان کو پیدا فرمایا؟۔

## انسان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور معصیت دونوں صلاحیتیں ہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان سے جو عبادت مطلوب ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے لینا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ انسان کے مزاج، اس کے نیچر (nature) میں، اس کی طبیعت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں چیزیں رکھی ہیں: اطاعت کے جذبے کے ساتھ معصیت اور اللہ کے حکم کی بجا آوری کے ساتھ نافرمانی کا مادہ، دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں اور فرشتوں کے مزاج میں یہ چیز ہے ہی نہیں۔ اب انسان میں ان دونوں چیزوں کے ہوتے ہوئے، مخالف پہلو موجود ہے کہ اس کے اندر خواہشات کا تقاضا موجود ہے اور اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتا ہے۔

## ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر

فجر کی اذان ہوئی، اب نفس کہتا ہے کہ باہر سردی بہت ہے، لحاف میں سے کہاں باہر نکلتے ہو! پڑے رہو اور میٹھی نیند کے مزے لیتے رہو لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، نفس کی خواہش اور اس کے تقاضے کے ہوتے ہوئے وہ اٹھتا ہے، طبیعت نہ چاہنے کے باوجود وہ وضو کرتا ہے، نفس کے نہ چاہنے کے باوجود سخت سردی میں گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام کرتا ہے، یہ اس کے مزاج کے خلاف

ہے۔فرشتوں میں تو معصیت کا مادہ ہے ہی نہیں، اطاعت ان کا مزاج ہے، وہ نہیں کرنا چاہیں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، ان کو تو کرنا ہی ہے۔

## اندھے کے ناجائز امور کو نہ دیکھنے میں کوئی کمال نہیں ہے

اس کو ایک مثال سے سمجھو! ایک آدمی اندھا ہے اور ایک آدمی بینا ہے، دیکھنے کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہے۔اب اگر اندھا آدمی یوں کہے کہ الحمدللہ! میں نے آج تک کسی نامحرم عورت کو نہیں دیکھا!، الحمدللہ! آج تک میں نے کبھی ٹی وی نہیں دیکھا، کبھی بے ریش لڑکے کی طرف میں نے نظر نہیں کی تو ظاہر ہے کہ لوگ اس کو یہی کہیں گے کہ اس میں کمال کی کیا بات ہے، تیرے پاس دیکھنے کے واسطے ہے ہی کہاں! تو نے اگر نامحرم عورت کو نہیں دیکھا، ٹی وی نہیں دیکھا، بے ریش لڑکے کو نہیں دیکھا تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے، تیرے اندر اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

اور ایک دوسرا آدمی ہے جس کے اندر دیکھنے کی صلاحیت ہے اور آنکھوں کے ساتھ ساتھ تقاضا بھی موجود ہے- یہ تقاضا یاد رکھنا، فرشتوں میں آنکھیں تو ہیں لیکن طبیعت میں تقاضا نہیں- اس کی طبیعت میں جو خواہش اور تقاضا ہے، جذبہ ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ نامحرم عورتیں جارہی ہیں، بڑے حسین حسین چہرے ہیں، مزا آجائے گا، دیکھ لو، پتہ نہیں پھر موقع ملے یا نہ ملے، بڑا سنہرا موقع ہے۔

## بدنظری: ایک خطرناک گناہ

آج کل تو ''نوراتری'' (ہنود کا ایک تیوہار ہے) کا موقع ہے، لوگ چپکے چپکے

جاتے ہیں اور آنکھوں کی خواہش کو پورا کر کے دل کو خراب کرتے ہیں۔ یہ بدنظری بڑی خطرناک چیز ہے، بڑی سے بڑی عبادت کی روح کو ختم کر دیتی ہے اور آج یہ فتنے اتنے عام ہیں کہ اللہ کی پناہ! آدمی بازار میں نکلا نہیں کہ نظر پڑی۔

## اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی خواہشات کو قربان کرنے والا

تو طبیعت میں تقاضا بھی ہے لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ [النور:۳۰] اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کریں۔ اور باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ [غافر:۱۹] آنکھوں کی خیانت یعنی آنکھوں سے چپکے چپکے جو نامحرموں کو دیکھتے ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور دلوں میں جو تم خیالات پکاتے ہو، اس سے بھی اللہ واقف ہیں۔

اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ: لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ إِلَيْهِ: اللہ تعالیٰ نے لعنت کی دیکھنے والے کے اوپر بھی اور جس کو دیکھا جا رہا ہے، اس کے اوپر بھی، اس کو بھی اپنے سامنے رکھتا ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی یاد رکھتا ہے: مَنْ نَظَرَ إِلٰى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ عَنْ شَهْوَةٍ صُبَّ فِي عَيْنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1] کہ کسی عورت کے حسن کی طرف اگر کسی نے دیکھا تو قیامت کے روز اس کی آنکھوں میں پگھلا یا ہوا

(۱) نصب الراية لأحاديث الهداية، ۴/ ۲۴۰، فَصْلٌ فِي الْوَطْءِ، وَالنَّظَرِ، وَالْمَسِّ.

سیسہ ڈالا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ سارے ارشادات سن کر کے اور سمجھ کر کے وہ نامحرم کو دیکھنے سے باز آجاتا ہے۔

یہ نہیں کہ اس کو دیکھنا اچھا نہیں لگتا، نفس تو اس کے پاس بھی ہے لیکن وہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے اپنے آپ کو روکتا ہے، اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف کا جذبہ ہونے کے باوجود، اس جذبے کو کچل کر اور ساری قربانیاں دے کر، مشقتیں اٹھا کر، تکلیفیں برداشت کر کے اللہ کے حکم کو پورا کر رہا ہے، یہ شان اللہ تعالیٰ نے انسان میں پیدا کی ہے۔

## جنت کی نعمتوں سے فرشتے متمتع نہیں ہوسکتے

اسی لیے جنت کی نعمتوں سے فائدہ بھی انسان اٹھائے گا۔ بھائی! جنت کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ حوریں دیں گے تو ان حوروں سے فرشتے کہاں فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان کے اندر تو اللہ تعالیٰ نے خواہشیں رکھی ہی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کی گود میں کسی حسینۂ عالم کو بھی بٹھا دیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر یہ جذبہ ہی نہیں ہے۔

## کسی چیز سے لطف اندوز ہونے کا اصول

جیسے ایک چھوٹا بچہ ہوتا ہے، اس کے سامنے اگر دنیا کی حسین ترین عورت لائی جائے تو اس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ کیا چیز ہے، اس میں کون سا کمال ہے، وہ جو بڑے ہیں، وہ جانتے ہیں، جن کے اندر اللہ نے شہوت کا یہ جذبہ رکھا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت کیا

چیز ہے، یہ کون سا ہیرا ہے، اس بچے کو بے چارے کو کیا معلوم!!

جس چیز میں جس چیز کا جو جذبہ رکھا گیا ہے، وہی اس چیز کے فوائد اور نقصان سمجھے گا، اگر بہترین گانا آرہا ہو تو جس کے اندر سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوگی، وہی اس سے لطف اندوز ہوگا۔ اب یہ کرسی اس گانے سے کیا لطف اندوز ہوگی؟

## بھینس کے سامنے بین بجائے، بھینس کھڑی.....

میں کہا کرتا ہوں کہ جب لوگوں کے سامنے کوئی شان دار لطیفہ بیان کیا جائے تو جس کے پاس بھیجا ہی نہیں ہے، وہ کیا سمجھے گا کہ اس لطیفے میں کیا کمال ہے، ساری دنیا اس کو سن کر کے ہنس رہی ہے اور یہ ان کا منہ تک رہا ہے کہ یہ کیوں ہنس رہے ہیں!! اس کے اندر اس سے لطف اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ انسان کے اندر یہ جذبات موجود ہیں اور ان مخالف جذبات کے اس کے اندر ہونے کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے ان جذبات کو مارتا ہے اور اللہ کے حکم کو بجالاتا ہے تو یہ کمال کی بات ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنے کی بہترین مثال

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کھانے کی خواہش رکھی، پینے کی خواہش رکھی، بیوی کے ساتھ صحبت کی خواہش رکھی، اللہ نے حکم دیا روزے کا کہ روزہ رکھو، اب یہ آدمی صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک بارہ گھنٹے، چودہ گھنٹے، پندرہ گھنٹے، جیسا جیسا دن ہو، اس کے مطابق اپنے آپ کو پینے کی خواہش کے باوجود پینے سے روکتا ہے، گرمی کے

سخت دن میں لو چل رہی ہے، پیاس شدت کی ہے، حلق میں کانٹے پڑے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ پانی پیے، کوئی نہیں ہے، دروازہ بند ہے، کُنڈی لگی ہوئی ہے، کمرے میں فریز موجود ہے، اس میں ٹھنڈا پانی بھی ہے، جیوس بھی ہے، اگر دو چار گلاس پی لے گا تو اس کو کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، اگر شام میں افطار کے وقت آستین چڑھا کر افطاری کے دستر خوان پر آکر بیٹھ جائے تو کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ یہ جیوس کے دو چار گلاس چڑھا کر آیا ہے۔

لیکن نہیں! وہ سوچتا ہے کہ میں نے جس کے لیے روزہ رکھا ہے، وہ تو جانتا ہے، دیکھتا ہے۔ کیسا بھی مسلمان ہو، گئے سے گیا گذرا مسلمان بھی ہو، ایک مرتبہ اس نے روزے کی نیت کرلی اور یہ طے کرلیا کہ مجھے روزہ رکھنا ہے تو کیا وہ پانی پیے گا؟ نہیں، تنہائیوں میں بھی نہیں پیے گا، کمرہ بند ہو تو بھی پانی نہیں پیے گا کہ میں جس ذات کے لیے روزہ رکھ رہا ہوں، وہ تو دیکھ رہا ہے۔

## روزہ: اخلاص وللّٰہیت کا بہترین مظہر

اور روزہ ایک عجیب چیز ہے۔ دن کے وقت کوئی مجمع موجود ہو، اس میں روزے دار بھی ہیں، آپ منہ دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا روزہ ہے اور اس کا نہیں ہے؟ نہیں! روزہ ایسی چیز ہے کہ اس کا پتہ اللہ تعالیٰ کو ہی چلے گا۔ نماز پڑھیں گے تو نیت کرکے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ زکوۃ دے رہے ہیں تو جو پاس میں موجود ہوگا، وہ تو دیکھے گا کہ اس نے کسی کو کچھ دیا لیکن روزہ ایک ایسی چیز ہے کہ پتہ ہی نہیں چلے گا کہ اس کا

روزہ ہے، جب تک کہ وہ خود نہ بتاوے، اللہ ہی جانتا ہے۔

## روزے کا بدلہ اللہ تعالیٰ دیں گے

اسی لیے حدیث میں اس کی خصوصیت بتائی گئی: الصَّوۡمُ لِي وَأَنَا أَجۡزِي بِهِ: روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا(١)؛ اس لیے کہ روزہ خالص اللہ ہی کے لیے رکھا جاتا ہے، اس سے ڈر کر ہی رکھا جاتا ہے، اس میں عام طور پر ریا کاری نہیں ہوتی کہ کوئی دیکھتا ہی نہیں کہ اس کا روزہ ہے۔

## روزے کے سلسلے میں ایک روح پرور واقعہ

اس میں اللہ کے استحضار کی شان پائی جاتی ہے کہ ہمیشہ یہ تصور رہتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے ایک آئی پی ایس (i.p.s) آفیسر تھے، نام تھا قدرت اللہ شہاب۔ تقسیم کے بعد اُدھر پڑوس (پاکستان) میں چلے گئے، پہلے غیر منقسم ہندوستان میں یہیں تھے، یہیں کی انڈین سول سروس (indian civil service) کا جو سلسلہ ہے، اس کے جو کیڈر (cadre)، انتظامیہ کے بڑے آفیسر سمجھے جاتے ہیں، اس قسم کے بڑے آفیسر تھے، تقسیم کے بعد اُدھر چلے گئے۔

## ڈچ قوم اور فکری آزادی

یہ پڑھنے کے زمانے میں بھی ہالینڈ میں رہے ہیں اور پھر سفیر کی حیثیت سے بھی

---

(١) صحیح البخاری، عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابُ قَوۡلِ اللَّهِ تَعَالَى: {يُرِيدُونَ أَنۡ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ} [الفتح: ١٥] رقم الحدیث: ٧٤٩٢.

رہے ہیں، ہالینڈ کے لوگوں کو ڈچ (dutch) کہتے ہیں، جنوبی افریقہ میں ان ہی لوگوں کی پہلے حکومت تھی۔ مذہب کے اعتبار سے یہ لوگ عیسائی ہیں، ان لوگوں میں ایک طرح کی فکری آزادی ہے۔ ہمارے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور سرکاری کچہری میں اس کا نام لکھوانے کے لیے جاتے ہیں تو ایک فارم ہوتا ہے، اس میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں کہ اس کا باپ کون ہے، ماں کون ہے، اس کا مذہب کیا ہے، وغیرہ، وغیرہ تو ہم تو مذہب کے کھانے میں ''اسلام'' لکھوا دیتے ہیں۔ وہاں ڈچ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ اپنے بچوں کا فارم بھرتے ہیں تو اس میں جو مذہب کا خانہ ہے، اس کو خالی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ بچہ ہے اور ہم باپ ہونے کی حیثیت سے اس کے مذہب اور دھرم کا کیا فیصلہ کریں؟ وہ بڑا ہوگا تو خود فیصلہ کرے گا کہ اسے کون سا مذہب اور دھرم اختیار کرنا ہے۔

## ڈچ قوم کی اسلام دشمنی

تو وہاں فکری اعتبار سے آزادی ہے؛ اس لیے مذہبی خانہ خالی رکھتے ہیں لیکن ایک نوٹ وہاں ضرور لکھتے ہیں کہ اسلام کے علاوہ وہ جو مذہب چاہے، اختیار کرے یعنی اسلام کے ساتھ ان کو اتنی دشمنی ہے کہ فکری آزادی ہونے کے باوجود اپنے بچوں پر اس مذہب کو اپنانے پر پابندی لگاتے ہیں۔

## یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند

تو یہ قدرت اللہ شہاب کہتے ہیں کہ ہالینڈ کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ باغ میں

مَیں تفریح کے لیے گیا اور وہاں ایک بینچ (bench) پر بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں میرے کانوں میں کسی کی سورۂ رحمٰن پڑھنے کی آواز آئی، میں نے سوچا کہ یہاں کون سورۂ رحمٰن پڑھنے والا ہے؟، میں نے دیکھا کہ تھوڑی دوری پر ایک بینچ پر ایک گورا بیٹھا ہوا ہے اور مجھے لگا کہ یہی پڑھ رہا ہے۔

میں اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ وہی پڑھ رہا ہے، اس نے مجھے دیکھ کر پڑھنا بند کر دیا، میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ کہاں سے ہو؟ میں نے کہا کہ پاکستان، کراچی سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ؟ تو اس نے کہا کہ میں یہیں کا رہنے والا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو میں نے سورۂ رحمٰن پڑھتے ہوئے سنا!! اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیسے اسلام لائے؟ اس نے کہا کہ میرا اسلام بھی آپ ہی کے ملک کی دین ہے، پھر اس نے اپنا واقعہ بتایا:

## روزہ ایک ڈچ آدمی کے اسلام کا باعث بنا

میں اسٹیمر کے اندر کیپٹن تھا- اس زمانے میں اسٹیمر ہی زیادہ چلتے تھے، ہوائی جہاز تھے لیکن اس کا رواج کم تھا اور آج بھی دنیا کے اندر مال کے نقل وحمل کے لیے یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے- ہمارے اسٹیمر میں ایک مرتبہ کراچی کے اندر مال لادا جا رہا تھا، سخت گرمی کا زمانہ تھا، مزدور گرمی کی شدت کی وجہ سے پسینے سے شرابور ہو رہے تھے کہ ایک تو گرمی سخت تھی اور اوپر بوجھ اٹھا رہے تھے، میں نے اپنے اسٹاف سے کہا کہ ان کو پانی دو۔ چناں چہ ان لوگوں نے پانی پیش کیا لیکن مزدوروں نے انکار کیا اور کہنے لگے

کہ ہمارا روزہ ہے۔

## اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں

وہ کہتے ہیں کہ میں تو سمجھا نہیں، ان مزدوروں میں ایک بڈھا تھا، مجھے اس کے اوپر رحم آیا کہ اتنا بڈھا ہے، شدتِ پیاس سے کہیں مر ہی نہ جائے۔ میں اس کو اشارہ کر کے اپنی کیبن میں لے گیا اور کیبن کا دروازہ بند کر دیا اور پھر فریز کا دروازہ کھول کر اس میں سے جیوس نکال کر، جیوس کا گلاس اس کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ پیو۔ وہ میری زبان تو جانتا نہیں تھا لیکن میں نے اشارے سے کہا کہ یہ دروازہ بند ہے اور یہاں کوئی نہیں ہے، تم پی لو لیکن اس نے پینے سے انکار کیا اور منہ پھر لیا اور دروازہ کھول کر چلا گیا کہ یہاں کوئی انسان نہیں تو کیا ہوا، اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کی اس چیز نے مجھے بڑا متأثر کیا کہ اتنی سخت گرمی اور اتنا ضعیف بڈھا لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے خیال سے وہ نہیں پی رہا ہے!! آخر کوئی تو چیز ہے۔ اسی کے بعد میں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

بہر حال! میں یہ بتلا رہا تھا کہ روزے میں کیا ہے؟ اس میں آدمی اپنی طبعی تقاضوں کو: کھانے کا، پینے کا، بیوی کا ان تقاضوں کو اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے خاطر قربان کرتا ہے اور وہ بھی ایسی قوت کے ساتھ کہ تنہائیوں میں بھی کبھی اس کو کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

# حکمِ روزہ کا مقصد: حصولِ تقویٰ

حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ تو فرماتے ہیں کہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کی اگلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے؛ تاکہ تمھارے اندر تقویٰ آجائے تو کہتے ہیں کہ روزے میں تقویٰ کی ایک خاص صفت آہی جاتی ہے۔ تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ اللہ کے ڈر سے اس کی نافرمانی کو چھوڑ دینا، اللہ کی ہیبت، اس کی عظمت کو سوچ کر کے اس کی نافرمانی سے، گناہوں سے اپنے آپ کو روکنا، بچانا، اس کا نام تقویٰ ہے۔ روزے میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

## روزہ داروں کے لیے لمحۂ فکریہ

لیکن ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان تین چیزوں سے دور رکھنے تک محدود رکھتے ہیں: کھائیں گے نہیں، پئیں گے نہیں، بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کریں گے کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اب آدمی کے لیے سوچنے کی چیز ہے کہ جو چیز اور دنوں میں حلال تھی یعنی کھانا، پینا، اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا، اس کو اللہ کے لیے چھوڑ رہے ہیں اور اس کا اتنا لحاظ کر رہے ہیں تو جو چیزیں اور دنوں میں حرام ہیں: زنا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، جھوٹ بولنا ہے، لڑائی جھگڑا کرنا، تہمت لگانا، ٹی وی دیکھنا، بدنظری وغیرہ، اس کو آدمی کس طرح گوارا کرلے گا!۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔

## ایسے آدمی کے بھوکا، پیاسا رہنے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں

حدیث میں کہا گیا کہ جو آدمی روزے کی حالت میں جھوٹی بات اور غلط عمل نہ چھوڑے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ بھوکا، پیاسا رہے[(١)]۔ اس لیے کہ روزے کا جو مقصد ہے، وہ یہ تھا کہ آدمی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتے ہوئے اللہ کی عظمت اور اس کی ہیبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا جذبہ بیدار ہوجائے، یہ کیفیت عام ہوجائے اور خالی کھانے پینے اور جماع تک محدود نہ رہے۔

## روزہ: حصولِ تقویٰ کا ایک مختصر سا کورس ہے

بہرحال! روزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقوی حاصل کرنے کا ایک چھوٹا سا کورس ہے، ایک نصاب ہے کہ تم ان تین چیزوں ہی سے نہیں بلکہ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرو اور ایک مہینے تک اس کیفیت کے ساتھ روزوں کا اہتمام کروگے تو یہ کیفیت تمھارے اندر ایسی راسخ ہوجائے گی کہ اور دنوں میں بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانا تمھارے لیے آسان ہوجائے گا۔

## رمضان کا مہینہ صرف روزے تک محدود نہ رہنا چاہیے

اس مہینے میں صرف روزہ ہی ایک عبادت نہیں بلکہ اس میں تو اور بھی بہت سی چیزیں ہیں، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ

---

(١) السنن الصغير للبيهقي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَابُ الصَّائِمِ يُنَزِّهُ صَوْمَهُ عَنِ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ.

خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ کہ: یہ ایک عظمت والا، برکت والا مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یہ وہی لیلۃ القدر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی لیے متعین کر کے نہیں بتایا؛ تاکہ لوگ اس کو تلاش کرنے میں بہت کچھ محنت کر لیں اور مزید کئی دن راتوں کی عبادت کا ثواب بھی ان کو مل جائے، اس میں یہ بھی حکمت ہے۔

## جھگڑے کی نحوست سے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی گئی

حالاں کہ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی تعیین بتلائی تھی اور آپ لوگوں کو بتلانے کے لیے حجرے سے باہر تشریف لا رہے تھے، اتنے میں آپ کی نظر پڑی کہ دو آدمی جھگڑ رہے ہیں اور آپ ان کا جھگڑا ختم کرنے میں جو مشغول ہوئے اور وہ جھگڑا تو چکا دیا لیکن وہ بات ذہن سے نکل گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے جھگڑے کی وجہ سے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی گئی اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہے (١)۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائلِ رمضان میں ''اس میں کیا خیر ہے'' اس پر تفصیلی کلام بھی کیا ہے۔

## اللہ کی رحمت کے جھونکوں سے خود کو فائدہ پہنچایئے

بتلانا یہ ہے کہ اس مہینے میں ایک رات ایسی ہے۔ حالاں کہ اس مہینے کی تو ہر گھڑی دن بھی، رات بھی قابلِ قدر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: إن لربكم في أيام

---

(١) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تعالیٰ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِهَا، وَبَيَانِ مَحَلِّهَا وَأَرْجَى أَوْقَاتِ طَلَبِهَا.

دھر کم نفحات ألا فتعرضوا لھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کچھ رحمت کے جھونکے چلتے ہیں، تم اس کے سامنے آؤ(۱)۔ جیسے گرمی کا زمانہ ہو، شدت سے گرمی پڑ رہی ہو اور کھڑکی کھلی ہو اور وہاں سے ہوا کی لہر، اس کا جھونکا آتا ہو تو آدمی کیا کرتا ہے؟ وہاں سے ہٹ کر اس کھڑکی سامنے آتا ہے؛ تاکہ ہوا اس کو لگے اور اس کو اطمینان حاصل ہو تو رمضان میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکے چل رہے ہیں، اپنے آپ کو ان جھونکوں کے سامنے لے آؤ یعنی اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس سے فائدہ اٹھانے کی شکلیں یہی ہیں جو بتائی گئیں۔

## رمضان میں ادا کی جانے والی بعض عبادتوں کا اجمالی خاکہ

اور اس میں کیسی کیسی عبادتیں ادا کی جاتی ہیں، مثلاً روزہ، یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے، جیسا کہ بتلایا اور فریضۂ اسلام بھی ہے اور نمازِ تراویح ہے اور پنج وقتہ نمازیں جو روزانہ ادا کی جاتی ہیں، وہ بھی اس میں پڑھنی ہیں، قرآنِ پاک کی تلاوت ہے اور بھی عبادتیں ہیں: تسبیحات ہیں، ذکر واذکار ہے، دعاؤں کا اہتمام ہے، ان دنوں کے اندر آدمی زکوۃ کی ادائگی کی طرف بھی متوجہ ہو۔

## آخری عشرے کی اہم عبادت: اعتکاف

اور اس میں آخری عشرے کے اندر ایک اور عبادت بھی ہے اور وہ اعتکاف کی شکل

---

(۱) تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین، قال العراقي: أخرجه الترمذي الحکیم في النوادر والطبراني في الأوسط من حدیث محمد بن مسلمة ولابن عبد البر في التمھید نحوه من حدیث أنس ورواه ابن أبي الدنیا في کتاب الفرج من حدیث أبي ھریرة واختلف في إسناده اھ.

میں ایک مستقل عبادت ہے، اس میں بھی آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے تمام لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر کے یکسوئی حاصل کرتا ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس نیت سے ڈال دیتا ہے کہ جب تک کہ مغفرت نہ ہو، یہاں سے ٹلنے والا نہیں ہوں، اعتکاف کیا ہے؟ آج کل کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ''دھرنا'' دینا ہے کہ معاف کرائے بغیر میں تو یہاں سے جانے کا ہی نہیں۔

## قلوب پر کاروباری مشغولیوں کی وجہ سے پڑنے والے اثرات

رمضان کے مہینے کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بنایا ہے اور اس کی ایک وجہ ہے کہ سال بھر تو ہم اِدھر اُدھر اپنے کاروباری مشاغل کے اندر مصروف رہتے ہیں، اگرچہ نماز پڑھنے والے نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن کاروباری مشاغل کے ساتھ جو نماز پڑھی جائے گی تو جو لطف آنا چاہیے، وہ حاصل نہیں ہوتا، کاروبار کی اپنی ایک تاثیر بھی ہے کہ کاروباری مشغولیوں کی وجہ سے دلوں پر ایک خاص اثر بھی ہوتا ہے۔ ہر چیز کا اپنا اثر ہوتا ہے، آپ نے اچھے سے کپڑے پہنے ہیں تو کتنا ہی بچائیں، میلے تو بہرحال ہوں گے، ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میلے نہ ہوں، میلے ہوں گے اور دو چار دن کے بعد اتار کر دھونے پڑیں گے۔ آپ گھر سے باہر نکلیں گے تو کچھ گرد وغبار آپ کے جسم کو لگے گا ہی اور شام کو گھر آ کر آپ کو دھونا پڑے گا، ایک دو دن کے بعد غسل کرنا ہی پڑے گا اور اپنے آپ کو اس میل کچیل سے صاف کرنا ہی پڑے گا۔

## دینی مشاغل میں مشغول لوگوں کے قلوب پر بھی دنیا کا اثر آجاتا ہے

ہر چیز کا اپنا اثر ہوتا ہے، یہ کاروبار کی اپنی مشغولی اور لوگوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول، ان سب کا بھی قلب پر اثر ہوتا ہے۔ کوئی خالص دین کے کام میں لگا ہوا کیوں نہ ہو۔ مدرسے میں دینی علوم پڑھنے، پڑھانے والے یوں کہیں، ہم کہاں دکان پر بیٹھتے ہیں، ہم کہاں فیکٹری میں جاتے ہیں، ہم کہاں کھیتی باڑی میں مشغول رہتے ہیں۔ ہمارا کام تو ۲۴/ گھنٹے قرآن پڑھنا، پڑھانا، دینی علوم کی درس وتدریس کرنا ہے۔ دعوت وتبلیغ والے کہ جنھوں نے اپنی پوری زندگی ہی اس میں لگادی اور کوئی دھندا نہیں کرتے، وہ یوں کہیں کہ ہم تو دینی کام ہی میں مشغول ہیں، ہم کہاں دنیوی مشاغل میں مبتلا ہیں۔

## لوگوں کے ساتھ اختلاط کا اثر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر

یہ سب کچھ ہے لیکن اس کے باوجود اس میں لوگوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے اور اس اختلاط اور میل جول کے قلب کے اوپر اثرات پڑتے ہیں اور ان اثرات کی وجہ سے قلب پر ایک میل سا آجاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (۱) کہ میرے دل پر ایک بادل سا آجاتا ہے اور میں دن میں ۱۰۰/ سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

یہ کیا ہے؟ یہ لوگوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی وجہ سے دلوں پر کیفیت پیدا ہوتی ہے، لوگوں کے ساتھ میل جول چاہے اچھی نیت سے ہو، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۴/

---

(۱) صحيح مسلم، عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ رضی اللّٰه عنه، بَابُ اسْتِحْبَابِ الِاسْتِغْفَارِ وَالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ.

گھنٹے اللہ کے دین کی دعوت دیا کرتے تھے، تعلیم و تعلم اور لوگوں تک قرآن پہنچانے میں مشغول رہتے تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ حال ہے!!۔

بہر حال! یہ دنیوی اور دینی مشاغل کی وجہ سے قلب پر جو اثرات آتے ہیں، ان ہی اثرات کو قلب سے دور کرنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ مہینہ رکھا ہے؛ اس لیے ہم اس مہینے کے اندر اپنے آپ کو خاص اس کے لیے فارغ کر لیں۔

## ہمارے اسلاف کا معمول

ہمارے بزرگوں کا معمول یہی تھا کہ وہ ماہِ مبارک کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لیتے تھے، حالاں کہ ویسے بھی ان کا بارہ مہینے کا مشغلہ دین کی خدمت ہی تھا لیکن اس کے باوجود وہ رمضان میں بالکل یکسو ہو کر خاص کر کے قرآن کی تلاوت اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے اور لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا بھی نہیں ہوتا تھا، ان کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ لوگ کم سے کم ملیں۔

## رمضان میں سارے کام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جایئے

تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ اس مہینے کو میری عبادت کے لیے خالص کر لو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر آدمی سوچ لے کہ اس کی ۲۴ ر گھنٹے کی مشغولی کیا ہے، اگر ایسے کام ہیں کہ جس کو وہ چھوڑ سکتا ہے تو اس کو چاہیے کہ ان سارے کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر ایک مہینہ اللہ کی عبادت میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو جائے اور اگر ضروری کام ہے تو جتنا ضروری ہے، اتنا کرے۔

باقی دوسری مشغولیتیں: وہ روزانہ کا اخبار دیکھنا، اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھنا اور یہ کہنا کہ چلو! آج راندیر جا آویں اور وہاں ناشتہ کر آویں اور دوسرے دن سوچیں کہ اُدھر چوپاٹی پر آئس کریم بہت اچھی ملتی ہے، ذرا وہ کھا آویں، کسی دن یہ سوچے کہ وہاں لاجپور ناناواڈی پر جا کر کھانے کھا آویں، پتہ نہیں، روزانہ ایک نیا پروگرام بنتا ہے۔ ہم نے رمضان کو کھانے پینے کا مہینہ بنا دیا۔

## ختمِ سحری کے وقت اعلان میں مبالغہ اور اس کی خرابی

سحری سے پہلے ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے؟ یہ اعلان ہوتا ہے کہ سحری کا وقت ختم ہونے میں آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے پھر اعلان ہوتا ہے کہ صرف ۱۵ رمنٹ رہ گئے ہیں پھر کہتے ہیں کہ پانچ منٹ رہ گئے ہیں، دومنٹ رہ گئے ہیں، ایک منٹ رہ گیا ہے۔ ایک صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ اعلانات دوسرے سنتے ہوں گے تو کیا کہتے ہوں گے کہ یہ لوگ بس کھلانے پلانے کی باتیں ہی کرتے رہتے ہیں کہ دیکھو! چوک مت جانا، جتنا انڈیلنا ہو، انڈیل دو، وقت نکلا جا رہا ہے۔ کیا ترغیب دی جا رہی ہے؟ غیر مسلموں پر اس کا کیسا امپریشن (impression) پڑتا ہوگا۔ ارے جس کو کھانا ہوگا، وہ تو کھائے گا، تم کاہے کو اس کی فکر کرتے ہو؟ لیکن اس کا اتنا زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔

## کبھی اس کی بھی ترغیب دیجیے

آج تک کبھی اس کی ترغیب دی کہ بھائی! جماعت کھڑی ہو رہی ہے، جلدی سے

آجاؤ، ورنہ تمھاری تکبیرِ اولی فوت ہوجائے گی۔ وہاں تو اس کی کوئی فکر نہیں، یہاں تو مغرب کی نماز کے وقت اور دوسری نمازوں کے اوقات میں بھی مسجد کے دروازے پر آکر کھڑے ہیں اور انتظار کررہے ہیں، جیسے تکبیر کی آواز سنی کہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ جیسے وہ مرنے والا ہوتا ہے نا، اس کی سانس تیز ہوجاتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی موت کا وقت مقرر ہے اور اس کی سانسیں بھی مقرر ہیں کہ اس کو اپنی زندگی میں اتنی سانسیں لینی ہیں، اب اس کی زندگی کے دو منٹ باقی ہیں اور سانسیں بہت زیادہ باقی ہیں تو اس کی سانسیں تیز ہوجاتی ہیں کہ اس کی سانسیں تو پوری ہوجاویں، زندگی میں جتنی سانسیں اللہ تعالیٰ نے لکھی ہیں، وہ کم نہیں ہونی چاہئیں۔

## بیڑی پینے والوں کی بے صبری

اسی طرح ان کی (بیڑی، سگریٹ پینے والوں) پمپنگ ـــــ(pupming) تیز ہوجاتی ہے اور پھر نہ کُلی کی، نہ کچھ کیا اور دوڑ کر آکے صف میں کھڑا ہوگیا۔ اب بے چارہ جو پاس میں کھڑا ہے، اس کو بدبو کے ایسے بفارے آتے ہیں کہ اللہ کی پناہ!، اس کے لیے مغرب کی تین رکعت پوری کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ بھائی! اللہ کے واسطے اس کا لحاظ کیجیے۔ آپ نے دن بھر صبر سے کام لیا تو کچھ اور صبر کرلیجیے، یہ کیا کہ اس کے لیے آپ ایک رکعت یا تکبیرِ اولی فوت کررہے ہیں، پانچ سات منٹ میں یہ تین رکعت پوری ہونے والی ہیں، دس منٹ اور صبر کرلیتے لیکن نہیں!۔

بہرحال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ان چیزوں میں ہم بڑے چوکنے رہتے ہیں،

اصل تو یہ ہے کہ ہم یہ فکر کریں کہ اب عشاء کا وقت قریب ہو گیا، جلدی سے قرآن ختم کرنا ہے، تیزی سے پڑھو، افطاری کا وقت قریب آرہا ہے، جلدی کرو؛ تا کہ دعا کا موقع ملے تو اہتمام تو اس کا ہونا چاہیے لیکن نہیں۔

## تراویح اور امت کا بگڑا ہوا مزاج

ایک عمل رمضان کا تراویح بھی ہے، اس کو توجہ اور اہتمام کے ساتھ ادا کرنا اور صحیح طریقے سے تلاوت کرنا چاہیے۔ اب لوگوں کا ایک مزاج ہو گیا ہے کہ جہاں جتنا جلدی پڑھا جاتا ہو، چاہے ایک حرف بھی سمجھ میں نہ آوے، نہ پڑھنے والے کے، نہ سننے والے، وہ زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے، سب سے اچھا اور کامیاب حافظ وہ جو سب سے کم وقت کے اندر تراویح ختم کر دے، یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔

## قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنا واجب ہے

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ [المزمل:٤]: ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔ ٹھیر ٹھیر پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے، ترتیل کا معنی ہے ٹھیر کر پڑھنا اور یہاں جلدی پڑھنے کو کمال سمجھا جاتا ہے۔

## اس دھرتی پہ بھاری ہیں نمازیں اپنی

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ تراویح پوری رغبت اور شوق کے ساتھ پڑھی جائے، بوجھ سمجھ کر کے نہیں اور یہ تو بوجھ سمجھ کر پڑھی جاتی ہے اور پھر کمال کی بات تو یہ ہے کہ یہی جلدی جلدی تراویح پڑھنے والے اسی مسجد کے دروازے پر آدھا آدھا گھنٹہ، پونا پونا

گھنٹہ کھڑے رہیں گے۔ جہاں دوسری جگہوں پر اطمینان سے تراویح ہوتی ہے، وہ فارغ ہوکر گھر چلے جائیں گے اور یہ یہاں کے یہاں کھڑے رہیں گے تو بھائی! آپ نے یہ جلدی کر کے کیا حاصل کیا؟ سوائے اللہ کی ناراضگی کے اور کیا لے کر کے جارہے ہیں۔ یہ پڑھنے کے طریقے صحیح نہیں ہیں، بجائے ثواب کے گناہ مول لیتے ہیں، تمام حُفّاظ جو اس طریقے سے پڑھتے ہیں، وہ بھی گنہگار ہیں اور جو ایسا سنتے ہیں، وہ بھی گنہگار ہیں، یہ طریقہ بالاتفاق تمام علماء نے منع لکھا ہے، اس لیے قرآن کو صحیح طریقے سے پڑھنے اور سننے کا اہتمام ہو۔

## تم ہی کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے!

اور پھر یہ کہ جہاں اطمینان سے پڑھا جاتا ہے، وہاں لوگوں کا حال یہ ہے کہ امام نے تکبیرِ تحریمہ کہی اور یہ جا کر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے، پھر دیکھا کہ اب رکوع کی تیاری ہے تو جلدی سے اٹھے، دوڑے ہوئے آئے اور اللہ اکبر کہہ کے رکوع میں چلے گئے۔ یہ تراویح نہیں ہے، تراویح کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی حالت میں پورا قرآن سنے اور آپ تو قرآن کی تلاوت کے وقت باہر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ تو بے رغبتی ہوئی اور اللہ کے کلام کی طرف سے اعراض ہوا، یہ اور وبال کی چیز ہے؛ اس لیے پوری رغبت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا اہتمام کیجیے۔

ہم دوستوں کے پاس کھڑے رہنے میں کتنا وقت نکال دیتے ہیں؟ راستے میں کوئی دوست مل گیا تو خالی خیر خیریت دریافت کرنے میں ہی دس منٹ نکال دیتے ہیں،

دس منٹ تو کہیں گئے ہی نہیں اور پھر ذرّہ برابر پیروں پر اثر نہیں پڑے گا، بڑے اطمینان کے ساتھ کھڑے وہیں گے اور یہاں حافظ صاحب نے جہاں ایک دور کوع پڑھ لیے تو گویا سائیکل چلانی شروع کر دیتے ہیں کہ ایک پیر اٹھا پھر اس کو رکھ کر دوسرا اٹھایا، پاس والا بھی پریشان ہوجاتا ہے کہ پتہ نہیں یہ کیا کر رہا ہے، میرے لیے مصیبت بنا ہوا ہے، اس کے لیے نماز پوری کرنا مشکل ہوجاتا ہے، کیا مصیبت ہے! اور یہی آدمی نماز سے باہر آدھا گھنٹہ کھڑا رہے گا تو ذرّہ برابر اس کو پتہ نہیں چلے گا، یہ کون سا طریقہ ہے!

یہ ساری ہماری کمزوریاں ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف سے ہماری غفلتیں ہیں، حالاں کہ اس کی تو قدر ہونی چاہیے تھی، شوق ورغبت ہونا چاہیے تھا۔

## رمضان، رمضان پکارنے سے اس کی برکتیں حاصل نہیں ہوتیں

بہرحال! یہ عبادت کے جتنے طریقے ہیں، ان کو اختیار کیا جائے اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ ماہِ مبارک کو وصول کرنے کا اہتمام کیا جائے تو إن شاءاللّٰہ تعالیٰ یہ مہینہ ہمارے لیے بابرکت ثابت ہوسکتا ہے، ورنہ تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم شور مچاتے رہیں کہ رمضان، رمضان، رمضان تو ایسا بولتے رہنے سے رمضان کی برکتیں تھوڑی حاصل ہوجائیں گی۔

## انسان پورا سال رمضان ہونے کی تمنا کرے اگر...

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو وہ تمنا کرے کہ پورا سال رمضان ہو، حالاں کہ پورے سال کے روزے رکھنا کارے

دارد! لیکن اگر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے تو اس کی تمنا کرے اور سال بھر کے روزوں کو بھی برداشت کر لے(۱)۔

## اسلاف کے واقعات پڑھ کر اپنے اندر رمضان کو وصول کرنے کا جذبہ بیدار کیجیے

تو ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس کی قدر کریں اور اس سلسلے میں ہمارے بزرگوں نے جو مجاہدے کیے ہیں، ان کو پڑھیں اور سنیں۔ فضائلِ رمضان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ واقعات لکھے ہیں اور پھر اس کا تتمہ ''اکابر کا رمضان'' لکھ کر کے اس میں بتایا ہے کہ ہمارے اکابر رمضان کیسے گذارتے تھے اور اس میں کیسی مشقتیں اٹھاتے تھے، کیسے مجاہدے کرتے تھے، بڑے بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس کو پڑھیں اور سنیں اور اپنے اندر اس کی رغبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کوشش کے نتیجے میں ان کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں گے، اس کوشش کی وجہ سے اس کی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

## سال ویسا ہی گذرے گا جیسا رمضان گذرے گا

اور رمضان کا مہینہ جیسے گذارا جاتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرماں برداری میں گذارا ہے تو پورے

---

(۱) ایک طویل حدیث کا یہ جزء ہے: لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِي رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ أُمَّتِي أَنْ تَكُونَ السَّنَةُ كُلُّهَا رَمَضَانَ. (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ۳/ ۱۴۱، بَابٌ فِي شُهُورِ الْبَرَكَةِ وَفَضْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

سال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرماں برداری کی توفیق نصیب ہوگی اور اگر رمضان کا مہینہ غفلت کے ساتھ گذار دیا تو پورا سال غفلت کے ساتھ گذرے گا تو گویا یہ رمضان کا مہینہ ایک معیار ہے کہ جیسا ہم اس کو گذاریں گے، ویسا ہی سال گذرنے والا ہے۔

اس لیے ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہمارا رمضان کا پورا مہینہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے اتباع میں گذرے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# رمضان المبارک کے فضائل اور برکات

بمقام: ڈیوزبری (یوکے)

بتاریخ: ۲۷/اپریل ۲۰۱۷ء

اور

بمقام: سورت

بتاریخ: ۲۲/۵/۲۰۱۵

# اقتباس

خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی رمضان المبارک کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے: إِنَّ الْجَنَّةَ لَتَزَّخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلَى حَوْلٍ قَابِلٍ کہ جب ایک رمضان ختم ہوتا ہے تو اس رمضان سے لے کر دوسرے رمضان تک جنت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے مزین کیا جاتا ہے۔

جیسے آپ کے یہاں کوئی بڑا آدمی آنے والا ہو یا آپ کی بستی کے اندر کوئی حکومت کا آدمی آرہا ہو، وزیرِ اعظم کا یا صدر کا یا ملکہ کا دورہ ہو رہا ہے تو اس وقت آپ کے شہر کو اس کے لیے مزین کیا جاتا ہے، اس میں روشنیوں کا انتظام کیا جاتا ہے، دوسرے طریقوں سے بھی اس کو سنوارا جاتا ہے؛ تاکہ اس بڑے کا استقبال ہو۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ آنے والے رمضان کے لیے اس ختم ہونے والے رمضان سے لے کر گیارہ مہینے تک جنت کو مزین فرماتے ہیں۔ حالاں کہ جنت تو ایک ایسی جگہ ہے کہ وہ سنوری سنورائی ہے، بنی بنائی ہے، اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی تزیین کا اہتمام فرماتے ہیں، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی رمضان کا کتنا زیادہ اہتمام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

[البقرة:۱۸۳]

وقال تعالىٰ: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة:۱۸۵]

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا[1]، إلى اٰخر ما قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وآله وسلم.

(۱) شعب الإيمان، باب فضائل شهر رمضان.

## رمضان المبارک کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو اس کی طرف متوجہ کرنے کا اہتمام

اب رمضان المبارک کا مہینہ آنے میں ایک ہی مہینہ بیچ میں باقی رہ گیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس مہینے کی بڑی قدر و قیمت ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خصوصیت سے اس کی طرف متوجہ فرمایا، بہت ساری دعائیں اور شکلیں ہیں کہ جن کے ذریعہ امت کو اس طرف متوجہ کیا گیا کہ رمضان کو وصول کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابھی خطبے میں مَیں نے پڑھی، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خطبہ دیا، تقریر فرمائی اور اس تقریر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کے متعلق لوگوں کو متوجہ فرمایا، ترغیب دی، اس کی اہمیت کو واضح کیا۔

## رمضان المبارک کی سب سے بڑی فضیلت

قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے متعلق بڑی اہمیت ذکر فرمائی ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: رمضان کا مہینہ جس میں قرآنِ پاک کو لوگوں کی ہدایت کے واسطے نازل کیا گیا۔ قرآنِ پاک جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو رمضان ہی میں نازل فرمایا ہے۔

# قرآنِ کریم کے دو نزول اور اس کی تفصیل

قرآن کے دو نزول ہیں: ایک تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف یہ پورا قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا، وہ رمضان المبارک کے مہینے میں اور شبِ قدر کے اندر نازل فرمایا، یہ جو آیت ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ اور ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ کہ ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر کے اندر نازل کیا، ان دونوں آیتوں میں قرآنِ پاک کے جس نزول کا تذکرہ ہے، وہ وہی ہے جو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے اوپر اتارا گیا، یہ قرآنِ پاک کا پہلا نزول ہے یعنی اس کا پہلی مرتبہ کا اترنا۔

اس کے بعد آسمانِ دنیا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر ۲۳ / سالہ دورِ نبوت میں مختلف اوقات میں موقع بموقع تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا رہا۔ سب سے پہلی وحی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آئی، وہ راجح قول کے مطابق ۱۷ / رمضان المبارک کو اس وقت آئی جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے، گویا حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی قرآن کے نزول کی ابتدا جو ہوئی، وہ رمضان المبارک میں ہوئی۔

# کلام اللہ کو رمضان المبارک کے ساتھ تعلق

اور قرآنِ پاک ہی کیا، قرآن کے علاوہ بھی جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں: توریت، زبور، انجیل اور اس کے علاوہ اور حضراتِ انبیائے کرام علیھم الصلوۃ والسلام پر جو دوسرے صحیفے نازل ہوئے، جیسے حضرتِ ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام، حضرت موسیٰ علی نبینا

وعلیہ الصلوۃ والسلام، ان دونوں پر صحیفے کے نزول کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے: ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى﴾ [الأعلى: ۱۹]۔ اور بھی حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمائے، وہ سب آسمانی کتابیں اور صحیفے رمضان المبارک ہی کے اندر نازل ہوئے ہیں۔

تورات حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جیسا کہ حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے، چھ رمضان المبارک کو دی گئی۔ زبور حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بارہ یا اٹھارہ رمضان کو عطا کی گئی، انجیل حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارہ یا تیرہ رمضان کو عطا فرمائی، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو صحیفے پہلی یا تیسری رمضان کو عطا کیے گئے اور قرآن کے بارے میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کے اندر نازل ہوا(۱)۔

## رمضان المبارک میں ہمارے اسلاف کا قرآن کے ساتھ شغف

اسی لیے حضراتِ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے

(۱) وروی عن أبی ذر عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انزل صحف ابراهيم في ثلاث ليال مضين من رمضان -ويروى في أول ليلة من رمضان وأنزلت تورية موسى في ست ليال مضين من رمضان وانزل الإنجيل في ثلاث عشرة مضت من رمضان وانزل زبور داود في ثمان عشر ليلة من رمضان وانزل القرآن على محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في الاربعة وعشرين لست بقين بعدها - واخرج احمد والطبراني من حديث واثلة بن الأسقع نزلت صحف ابراهيم أول ليلة من رمضان وأنزلت التورية لست مضين والإنجيل لثلاث عشرة والقران لاربع وعشرين - والله اعلم. (تفسير المظهرى، ۱/ ۳۶۲، تحت قوله تعالى: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ)

جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں وہ سب رمضان المبارک کے اندر نازل ہوئے اور اسی لیے رمضان المبارک میں عبادتوں کا جو اہتمام کیا جاتا ہے، ان میں رمضان کی جو مخصوص عبادتیں ہیں: ایک تو روزہ ہے اور تراویح ہے، اس میں قرآن ہی سنایا جاتا ہے، اعتکاف ہے اور زیادہ اہتمام اسلاف کا قرآنِ پاک کی تلاوت ہی کا رہا ہے، دوسری عبادتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس میں قرآن پاک کی طرف توجہ زیادہ کی جاتی ہے تو اللہ کے کلام کو رمضان المبارک کے ساتھ ایک خصوصی نسبت اور تعلق ہے، اسی لیے قرآنِ پاک رمضان المبارک میں نازل کیا گیا ہے۔

## جن وانس کو باری تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے

تو یہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اصل تو اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاريات: ٥٦] ہم نے جنات اور انسانوں کو ہماری عبادت کے لیے پیدا کیا۔

## انسان کو ہمہ وقت عبادت کا پابند کیوں نہیں کیا گیا؟

چاہیے تو یہ تھا کہ انسان کو حکم دیا جاتا اور اس کو اس بات کا پابند کیا جاتا کہ ہر وقت اللہ کی یاد اور عبادت میں مشغول رہے، اور کسی کام کی اجازت نہ دی جاتی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے چوں کہ انسان کے ساتھ کچھ طبعی ضرورتیں بھی رکھی ہیں: بھوک کا

تقاضا ہے، پیاس کا تقاضا ہے، کچھ نفسانی خواہشیں ہیں جس میں اپنے ہم جنس کی طرف میلان ہوتا ہے۔

یہ جو تقاضے ہیں، ان کے پیشِ نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ۲۴؍ گھنٹے عبادت کے بجائے عبادت کے کچھ اوقات مقرر کر دئے، جیسے ہماری شریعت کے اندر پانچ اوقات میں پانچ نمازیں مقرر کر دیں اور ان پانچ اوقات کے علاوہ میں انسان کو اجازت دی کہ وہ اپنے کاروبار میں، تجارت میں، کمانے وغیرہ میں مشغول رہ سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے اللہ کے فرائض کی ادائگی میں کمی اور کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

## رمضان کا مہینہ دلوں کے میل کچیل کو دور کرنے کے لیے ہے

لیکن انسان کا مزاج ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز میں لگتا ہے تو وہ اس کا ایسا غلام بن جاتا ہے اور اس کا دل اس کے اندر ایسا لگ جاتا ہے کہ وہ اپنی دوسری ذمہ داریوں کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھانے وغیرہ کی ضروریات کے پیشِ نظر کمانے کی اجازت دی تھی کہ شرعی قوانین کے اندر رہ کر اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کی رعایت کرتے ہوئے عبادت کے اوقات کے علاوہ میں یہ کام کر سکتے ہو لیکن جو اوقات نماز کے ہیں، ان میں تو آپ کو یہ فرائض ادا کرنے ہیں اور دوسرے اوقات کے اندر جو یہ تجارت وغیرہ کرتا ہے تو اس کی مشغولی کی وجہ سے آدمی کے قلب کے اندر کچھ میل کچیل سا آجاتا ہے، اس کے دل کے اوپر پردے سے پڑ جاتے ہیں، اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا جیسا رشتہ اور تعلق ہونا

چاہیے، اس میں ذرا کمی آجاتی ہے، ان ساری کمیوں کو دور کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ رمضان المبارک کا مہینہ رکھا ہے۔

اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف طریقوں سے رمضان کے آنے سے پہلے ہی حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے رمضان کی اہمیت بیان فرماتے تھے، ان میں ایک طریقہ دعا بھی ہے۔

## ماہِ رجب کا چاند دیکھنے پر منقول دعا اور اس کی حکمت

ابھی آپ نے امام صاحب سے دعا سنی ہوگی: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ (۱): اے اللہ! تو ہماری زندگی میں رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہم کو رمضان تک پہنچا دے۔ رمضان ایسا اہم مہینہ ہے، اس کی ایسی برکتیں ہیں، اس کے ایسے فضائل ہیں، اس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے ایسے ثواب رکھے ہیں، گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس دعا کے ذریعہ امت کو متوجہ فرما رہے ہیں۔

## ہر ماہ کا چاند دیکھنے پر پڑھی جانے والی دعائیں

ویسے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مہینے کا چاند دیکھنے کے موقع پر دعا کی تعلیم فرمائی ہے، ایک دعا تو ہے: اللَّهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ (۲): اے اللہ! اس چاند کو ہمارے اوپر امن، ایمان اور سلامتی کے ساتھ

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي شُهُورِ الْبَرَكَةِ وَفَضْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ.

(۲) سنن الدارمی، عَنْ طَلْحَةَ رَضِيَ اللَّهُ تعالىٰ عَنْهُ، بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ.

طلوع فرما، میرا اور تیرا ب اللہ ہے۔

اور یہ دعا بھی مروی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا، وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس مہینے کو گذار دیا اور اس مہینے کو لے آئے(۱)۔

## ماہِ رجب کا چاند دیکھنے پر منقول دعا اور اس کا مطلب

لیکن رجب کے مہینے ان دعاؤں کے ساتھ ایک مزید دعا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی یعنی وہ دعا جو ابھی پڑھی گئی، اس میں رجب کا چاند دیکھنے والا گویا اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کررہا ہے کہ اے اللہ! تو نے جب رجب کا چاند دکھلا دیا تو اب رمضان کے آنے میں دو مہینے باقی رہ گئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضان کے مہینے کی برکتوں کو حاصل کرنے اور پانے سے پہلے زندگی ختم ہوجائے اور ہم اس سے محروم دنیا سے جائیں، گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کا سوال کرایا۔

## اہم چیزوں کو دیکھنے کے لیے دعاؤں کا انسانی مزاج

جب کوئی اہم چیز ہوتی ہے نا تو باقاعدہ اس کی تمنا کی جاتی ہے اور اس کے لیے دعا کی جاتی ہیں۔ آپ نے بوڑھی عورتوں کو دیکھا ہوگا کہ جب پوتے کی شادی کا موقع آتا ہے تو دعا کرتی ہیں کہ اے اللہ! تو مجھے اتنا موقع دے، اتنی عمر دے کہ اس کی شادی کی

(۱) عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ: هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ يَقُولُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا، وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا (سنن أبی داود، بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ)

جو تقریب ہے، اس کو دیکھ کر کے جاؤں اور پھر جب اس کی شادی ہو جاتی ہے تو آگے وہ دعا کرتی ہے کہ اب اتنا موقع دے کہ اس کے گھر بچہ آجائے، بہو کی گود ہری ہو جائے تو وہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کے جاؤں، اس طرح دھیرے دھیرے اپنا ویزا (visa) بڑھاتی رہتی ہے۔

## نبوی دعاؤں کی عجیب جامعیت

ہمیں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کے مہینے کی برکتوں کو حاصل کرنے کے لیے خاص طور پر اہتمام کے ساتھ دعائیں سکھلائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو مختلف مواقع پر جو دعاؤں کی تعلیم دی، وہ دعائیں ایسی عجیب غریب ہیں کہ آپ نے ان دعاؤں میں امت کی تربیت بھی فرمائی اور ان میں کچھ احکام کی طرف رہنمائی بھی فرمائی۔

## نئی بستی میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی دعا اور اس کا مفہوم

جیسے کوئی آدمی نئی بستی کے اندر جاتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے، اس کو یہ دعا سکھلائی گئی: اللّٰهُمَّ حَبِّبْنَا إِلَى أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِي أَهْلِهَا إِلَيْنَا(۱): اے اللہ! تو ہماری محبت اس بستی کے لوگوں کے دلوں میں ڈال دے- جہاں ہماری محبت ڈالنے کی بات آئی تو کوئی فرق نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا: حَبِّبْنَا إِلَى أَهْلِهَا: اے اللہ! تو اس بستی کے تمام لوگوں کے

---

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِذَا رَأَى قَرْيَةً يُرِيدُ أَنْ يَدْخُلَهَا قَالَ: اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهَا - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا، وَحَبِّبْنَا إِلَى أَهْلِهَا، وَحَبِّبْ صَالِحِي أَهْلِهَا إِلَيْنَا رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَأَى قَرْيَةً، رقم الحديث: ۱۷۱۱۵)

دلوں ہماری محبت میں ڈال دے، نیک ہو تو بھی اور بد ہو تو بھی؛ تا کہ ہماری اس محبت کی وجہ سے اس کی طرف سے ہمیں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے نہ پائے اور آگے جب ان کی محبت کی بات آئی تو فرمایا گیا: وَحَبِّبْ صَالِحِي أَهْلِهَا إِلَيْنَا: - اور اس بستی کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دلوں کے اندر ڈال دے۔ یعنی ہم اس بستی کے اندر جا رہے ہیں تو کہیں یہاں کے برے لوگوں کی صحبت اور محبت کے اندر ہم پھنس نہ جائیں، کسی برائی کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں تو یہاں فرق کیا گیا اور پہلی دعا میں فرق نہیں کیا گیا۔

## اسلاف کا معمول

اس دعا کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ آپ جب کسی نئی بستی کے اندر جائیں تو آپ کا اٹھنا بیٹھنا، آپ کا تعلق، آپ کی صحبت صالحین کے ساتھ ہونا چاہیے۔ چناں چہ اسلاف کے یہاں یہ معمول تھا کہ جب ان میں سے کوئی نئی بستی کے اندر جاتا تو دعا کرتا تھا: اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي جَلِيسًا صَالِحًا: اے اللہ! مجھے نیک ہم نشیں عطا فرما[1]۔

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ اپنی جگہ پر دعا تو ہے ہی، اس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تربیت بھی فرمائی ہے۔

---

(۱) مثلاً صحیح بخاری میں حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: قَدِمْتُ الشَّأْمَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُلْتُ: اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا۔ ترمذی میں حضرت خیثمہ بن ابی سبرہ سے منقول ہے: أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَسَأَلْتُ اللَّهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا۔ ترمذی ہی میں حضرت حریث بن قبیصہ سے منقول ہے: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا۔

## استقبالِ رمضان کے لیے من جانب اللہ جنت کی تزیین کا اہتمام

خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی رمضان المبارک کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے: إِنَّ الْجَنَّةَ لَتَزَّخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلَى حَوْلٍ قَابِلٍ (۱) کہ جب ایک رمضان ختم ہوتا ہے تو اس رمضان سے لے کر دوسرے رمضان تک جنت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے مزین کیا جاتا ہے۔

جیسے آپ کے یہاں کوئی بڑا آدمی آنے والا ہو یا آپ کی بستی کے اندر کوئی حکومت کا آدمی آرہا ہو، وزیرِ اعظم کا یا صدر کا یا ملکہ کا دورہ ہو رہا ہے تو اس وقت آپ کے شہر کو اس کے لیے مزین کیا جاتا ہے، اس میں روشنیوں کا انتظام کیا جاتا ہے، دوسرے طریقوں سے بھی اس کو سنوارا جاتا ہے؛ تاکہ اس بڑے کا استقبال ہو۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ آنے والے رمضان کے لیے اس ختم ہونے والے رمضان سے لے کر گیارہ مہینے تک جنت کو مزین فرماتے ہیں۔ حالاں کہ جنت تو ایک ایسی جگہ ہے کہ وہ سنوری سنورائی ہے، بنی بنائی ہے، اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی تزیین کا اہتمام فرماتے ہیں، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی رمضان کا کتنا زیادہ اہتمام ہے۔

## رمضان کی آمد پر جنت کے دروازے کھولے جانے کا مطلب

حدیث میں آتا ہے کہ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے

(۱) شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فَضَائِلُ شَهْرِ رَمَضَانَ.

جاتے ہیں [۱]۔کیا مطلب؟ جنت تو اپنی جگہ پر ہے، کیا اس کے دروازے کھلیں گے تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے؟ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جنت والے اعمال کو بندوں کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ جنت والے اعمال کرنا چاہتے ہیں، وہ بہت آسانی سے کر سکتے ہیں، ذرا سا ارادہ کر لیں، تھوڑی سی توجہ کر لیں تو بڑی آسانی سے ان اعمال کو انجام دے سکتے ہیں اور دوسرے دنوں میں ان اعمال کو انجام دینے میں رمضان کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔

## رمضان کی آمد پر جہنم کے دروازے بند کیے جانے کا مطلب

اور حدیث میں آتا ہے کہ جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہے برے اعمال کی طرف سے لوگوں کی رغبت کو کم کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ شراب کے عادی ہوتے ہیں، جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو رمضان کے مہینے تک کے لیے رک جاتے ہیں اور بھی بہت سے گناہوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھی نیک اعمال کرنے اور برے کاموں سے بچنے کے لیے آسانیاں پیدا کر جاتی ہیں۔

اور شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ گویا یہ شیطان جو انسان کو گناہوں کے کاموں کی طرف لے جاتا ہے، نیکیوں میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اس کو بھی بند کر دیا جاتا

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُ، بَابٌ: هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ، وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعًا.

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندے خوب توجہ کے ساتھ اللہ کی عبادتوں میں مشغول ہوں اور اللہ کو راضی کرنے کا اہتمام کریں۔

یہ مہینہ ایسا ہے کہ جس میں نیکی کے کام بندوں کے لیے آسان ہو جاتے ہیں، گناہوں کے کاموں میں ذرا رکاوٹ پیدا کر جاتی ہے، اس لیے آدمی اگر جنت کو حاصل کرنا چاہے تو بہت آسانی سے کر سکتا ہے۔

## رمضان المبارک میں اپنے گناہوں کی بخشش نہ کروا پانے والے کے لیے بددعا

اسی لیے حدیث میں آتا ہے، ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھ رہے تھے، جب آپ نے پہلے درجہ پر، پہلے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، پھر دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، تیسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے اترے تو حضراتِ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آج تو آپ نے ایک ایسی چیز کی کہ پہلے ایسا آپ نے کبھی نہیں کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا؟ تو حضراتِ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے منبر کے ہر درجے پر قدم رکھتے ہوئے آمین کہا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نے پہلے زینے پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ: جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی، ایسا آدمی اللہ کی رحمت سے دور ہو اور ہلاک و برباد ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر آمین کہی، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بددعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمین!

بعض روایتوں میں تو ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ آمین کہیے (۱)۔

گویا رمضان جیسے مہینے میں کہ جس میں گناہوں کے معاف کرنے کے ایسے اسباب مہیا کیے جاتے ہیں، معمولی معمولی باتوں کے اوپر آدمی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس کے باوجود یہ اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کراسکے تو اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے!

## روزہ افطار کرانے کا بے شمار ثواب

اس لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت جس کا کچھ حصہ ابھی میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، اس میں ہے کہ اگر کوئی آدمی رمضان میں روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے، اس کو جہنم سے آزاد کردیا جاتا ہے، اس روزہ دار کو اس روزے پر جتنا ثواب ملتا ہے، اتنا ہی ثواب اس افطار کرانے والے کو بھی ملتا ہے اور اس روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

## اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا ایک نمونہ

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟۔ اس لیے کہ حضراتِ صحابہ کی مالی حالت کیسی تھی، سب جانتے

---

(۱) قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي، فَقَالَ: مَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ، قُلْ: آمِينَ فَقُلْتُ: آمِينَ (صحيح ابن حبان، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، ذِكْرُ رَجَاءِ دُخُولِ الْجِنَانِ الْمُصَلِّي عَلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذِكْرِهِ مَعَ خَوْفِ دُخُولِ النِّيرَانِ عِنْدَ إِغْضَائِهِ عَنْهُ كُلَّمَا ذَكَرَهُ)

ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **يُعْطِي اللهُ هَذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلَى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ**: یہ ثواب تو پانی اور لسّی کے ایک گھونٹ اور ایک کھجور پر بھی ملتا ہے، یعنی اگر آپ نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرانے کے لیے ایک گھونٹ پانی پلا دیا تو بھی مغفرت ہوگئی، جہنم سے آزادی مل گئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت اور جنت کے داخلے کو کتنا آسان فرمادیا ہے!!، گویا اس مہینے کے اندر نیک اعمال اس قدر آسان کردیئے جاتے ہیں۔

## رمضان کی اہمیت سے حضراتِ صحابہؓ کو واقف کرانے کا نبوی اہتمام

میں نے جو روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی آپ کے سامنے پڑھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شعبان کے آخری دن میں ہم کو خطبہ دیا، آپ اپنے اس خطبے کے ذریعہ سے آنے والے رمضان کی اہمیت سے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو واقف کرانا چاہتے تھے، ان کے دل ودماغ میں اس کی اہمیت بٹھلانا چاہتے تھے، چناں چہ آپ نے اپنے اس خطبے میں فرمایا:

## رمضان کے سایہ فگن ہونے کا مطلب

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ: اے لوگو! تمہارے اوپر ایک بڑا عظمت والا اور مبارک مہینہ سایہ فگن ہے یعنی آرہا ہے جیسے ہمارے پاس کوئی آدمی آرہا ہونا تو اس کا سایہ پہلے ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے پھر وہ ہمارے قریب آتا ہے، اگر سورج کا رخ اِدھر کا ہو تو اس صورت میں اس کا سایہ ہم پر پہلے آجاتا ہے پھر اس کے ساتھ ہماری

ملاقات ہوتی ہے تو ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہے یعنی گویا عن قریب آ رہا ہے کہ یہ آخری دن ہے، بس چاند ہوا نہیں ہے، چاند ہوتے ہی رمضان کا مہینہ آجائے گا۔

## شبِ قدر کا ثواب

شَهْرٌ مُبَارَكٌ: یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو برکت والا ہے۔ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ: یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک رات ایسی رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس ایک رات میں عبادت کرنے کا ثواب ہزاروں مہینوں میں عبادت کرنے کے ثواب سے زیادہ ملتا ہے، ہزار مہینے یعنی تراسی سال اور چار مہینے اور ہزار مہینوں کے برابر بھی نہیں بلکہ اس سے بہتر فرمایا۔

## سورۂ قدر کا شانِ نزول

ایک موقع پر حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک جگہ بیٹھ کر اگلی امتوں کے متعلق چرچا کر رہے تھے۔ اگلی امتوں کے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی عمریں عطا فرمائی تھیں، کوئی دوسو سال، کوئی تین سو سال، کوئی پانسو سال زندہ رہتا تھا تو چرچا کرتے ہوئے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپس میں کہا کہ یہ کتنے خوش نصیب لوگ تھے کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی لمبی عمریں عطا فرمائیں، ان لمبی عمروں میں وہ نیکیاں کر کے اپنے لیے کتنی زیادہ نیکیوں کا ذخیرہ جمع کر سکتے تھے گویا ان کو اس بات پر حسرت تھی کہ ہم کو اتنی لمبی زندگی نہیں دی گئی کہ جس کی وجہ سے ہم اتنے زیادہ نیک کام کر سکیں۔

اس پر۔ روایتوں میں آتا ہے کہ۔ سورۂ قدر: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ نازل

فرمائی، اس میں ایک آیت یہ ہے: ﴿لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ﴾ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، گویا کوئی آدمی شبِ قدر میں عبادت کرلے تو اسے تراسی سال چار مہینے عبادت کرنے کا کم سے کم ثواب ملتا ہے(۱)۔

## کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ....

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فضائلِ رمضان میں فرماتے ہیں کہ بڑے مبارک ہیں وہ بندے جنھیں زندگی میں ایسی دس راتیں مل جائیں تو گویا اسے ۸۵۰ ر سال اللہ کی عبادت کرنے کا ثواب مل گیا، اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان کردیا۔

## ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

اور پھر اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہوئی جس میں ہمارے لیے ایسی آسانی بھی کردی کہ

---

(۱) وَقَالَ ابن مسعود: إن النبي صلى الله عليه وآله وسلم ذَكَرَ رَجُلًا مِنۡ بَنِي إِسۡرَائِيلَ لَبِسَ السِّلَاحَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَلۡفَ شَهۡرٍ، فَعَجِبَ الۡمُسۡلِمُونَ مِنۡ ذٰلِكَ، فَنَزَلَتۡ إِنَّاأَنۡزَلۡنَاهُ، الۡآيَةَ. خَيۡرٌ مِنۡ أَلۡفِ شَهۡرٍ الَّتِي لَبِسَ فِيهَا الرَّجُلُ سِلَاحَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. وَنَحۡوُهُ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ. وَقَالَ عَلِيٌّ وَعُرۡوَةُ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم أَرۡبَعَةً مِنۡ بَنِي إِسۡرَائِيلَ، فَقَالَ (عَبَدُوا اللّٰهَ ثَمَانِينَ سَنَةً، لَمۡ يَعۡصُوهُ طَرۡفَةَ عَيۡنٍ)، فَذَكَرَ أَيُّوبَ وَزَكَرِيَّا، وَحِزۡقِيلَ بۡنَ الۡعَجُوزِ وَيُوشَعَ بۡنَ نُونٍ، فَعَجِبَ أَصۡحَابُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم مِنۡ ذٰلِكَ. فَأَتَاهُ جِبۡرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ عَجِبَتۡ أُمَّتُكَ مِنۡ عِبَادَةِ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ ثَمَانِينَ سَنَةً لَمۡ يَعۡصُوا اللّٰهَ طَرۡفَةَ عَيۡنٍ، فَقَدۡ أَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ خَيۡرًا مِنۡ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَرَأَ: إِنَّاأَنۡزَلۡنَاهُ فِي لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ. فَسُرَّ بِذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم. وَقَالَ مَالِكٌ فِي الۡمُوَطَّأِ مِنۡ رِوَايَةِ ابۡنِ الۡقَاسِمِ وغيره: سمعت مَنۡ أَثِقُ بِهِ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم أُرِيَ أَعۡمَارَ الۡأُمَمِ قَبۡلَهُ، فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعۡمَارَ أُمَّتِهِ أَلَّا يَبۡلُغُوا مِنَ الۡعَمَلِ مِثۡلَ مَا بَلَغَ غَيۡرُهُمۡ فِي طُولِ الۡعُمُرِ، فَأَعۡطَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى لَيۡلَةَ الۡقَدۡرِ، وَجَعَلَهَا خَيۡرًا مِنۡ أَلۡفِ شَهۡرٍ. وَفِي التِّرۡمِذِيِّ. (تفسیر القرطبی، ۲۰/ ۱۳۳، تحت قوله تعالیٰ: وَمَا أَدۡرَاكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِنۡ أَلۡفِ شَهۡرٍ)

اس رات کو اللہ نے چھپالیا، متعین نہیں کیا گیا؛ تاکہ لوگ اس رات کو حاصل کرنے کے لیے پورا عشرہ جاگنے کا اہتمام کریں اور مزید عبادت کا موقع بھی مل جائے؛ کیوں کہ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عموماً یہ رات رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے تو اگر کوئی اس رات کو حاصل کرنے کے لیے یہ دس راتیں جاگ لے تو یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ لوگ دنیوی مقاصد کے لیے اس سے زیادہ مشقتیں اٹھاتے ہیں، بیداری کرتے ہیں، اگر آخرت کے لیے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے دس راتیں جاگ لے تو ظاہر ہے کہ پورا عشرہ جب جاگنے کا اہتمام کریں گے تو یہ رات تو ملے گی اور ۸۵۰/سال سے زیادہ اللہ کی عبادت کا ثواب تو مل ہی جائے گا لیکن اس کی برکت سے دوسری نو راتوں کی عبادت کا ثواب بھی ملے گا، اتنا کرم ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا!!

| |
|---|
| ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں |
| راہ دکھلائیں کسے! کوئی رہرو منزل ہی نہیں |

ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں فرماتے ہیں کہ لو! ہمارا دربار کھلا ہوا ہے، ہمارے خزانے کھول دئے گئے ہیں، تم سے جتنا ہو سکے، سمیٹ لو۔

تو بہر حال! نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اسی لیے رمضان کے اندر جو عبادتیں مطلوب ہیں، اس میں ایک یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر کا اہتمام کیا جائے۔ چناں چہ اسی لیلۃ القدر کو حاصل کرنے کے لیے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف کا اہتمام کرتے تھے۔

## شبِ قدر کی تلاش کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورے ماہ کا اعتکاف کرنا

شروع میں پہلی مرتبہ آپ نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا، جب وہ ختم ہونے کو آیا تو آپ کو بتلایا گیا کہ اس عشرے میں وہ رات نہیں ہے تو دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا اور وہ بھی ختم ہونے کو آیا تو آپ کو بتلایا گیا کہ وہ رات آخری عشرے میں ہے (۱)۔ گویا پہلی مرتبہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دس دس دن کر کے پورے مہینے کا اعتکاف کروایا گیا، اس کے بعد ہر سال آخری عشرے کا اعتکاف کرتے تھے، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتلا دیا گیا کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے میں ہے۔

## اعتکاف کی مشروعیت کا سبب

بہر حال! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اعتکاف ہوتا تھا، وہ بھی اسی لیلۃ القدر کی تلاش اور جستجو کے لیے ہوتا تھا، اس لیے کہ آدمی جب لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے گا تو ظاہر ہے، عبادت میں مشغول رہے گا، نمازیں پڑھے گا، قرآنِ پاک کی تلاوت کرے گا بلکہ اگر سوئے گا تو یہ سونا حالتِ اعتکاف میں ہے تو یہ سونا بھی عبادت شمار ہوگا تو یہ اعتکاف بھی اسی رات کی فضیلت اور برکات کو حاصل کرنے کے لیے مشروع اور جاری کیا گیا ہے۔

## شبِ قدر جیسی بابرکت راتوں کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس میں ایک رات ایسی ہے۔ دیکھو! اس رات

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تعالىٰ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِهَا، وَبَيَانِ مَحَلِّهَا وَأَرْجَى أَوْقَاتِ طَلَبِهَا.

کے متعلق ایک بات بتلائی جاتی ہے: لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ تراویح کے بعد بیدار رہیں گے اور عبادت کریں گے تو یہ فضیلت حاصل ہوگی، جو لوگ شبِ قدر کی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، عام طور پر لوگ تراویح کے بعد ہی اس کی تیاریاں کرتے ہیں، حالاں کہ رات تو مغرب سے شروع ہو جاتی ہے اور ایک بات یاد رکھو کہ مغرب کے بعد آدمی بالکل تازہ دم (fresh) ہوتا ہے، اب مغرب اور عشاء کے درمیان کا جو وقفہ ہے، اس میں اوابین وغیرہ پڑھی جاتی ہے، اسی میں آدھ، پون گھنٹہ اہتمام کرلے۔ اس وقت کے اندر عبادت کرنے کی مستقل فضیلت احادیث کے اندر آئی ہوئی ہے تو اس وقت کے اندر عبادت کرو اور تراویح پڑھنے کے بعد سو جاؤ، آرام کرو اور آج کل تو رمضان گرمی کے اندر آرہا ہے تو رات بھر جاگنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے، دو، ڈھائی گھنٹے میں معاملہ نمٹ جاتا ہے، بہر حال! میں تو آپ کو شبِ قدر کی وصول یابی کا ایک گُر بتلانا چاہتا ہوں۔

## شبِ قدر کی برکتوں کو وصول کرنے کا ایک گُر اور ہماری کوتاہی

اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ رات کے اندر دو نمازیں آتی ہیں: مغرب اور عشا، فجر تو دن کی نمازوں میں ہے تو ہر آدمی کو چاہیے کہ مغرب اور عشا کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم افطاری کھانے میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ مغرب کی جماعت ہم میں سے اکثر لوگوں کی فوت جاتی ہے۔ ارے بھائی! گھر میں افطاری رکھی ہوئی ہے، کوئی لے کے جانے والا نہیں ہے، آپ تو کھجور کے دو دانے لے

کر کے مسجد میں آجاؤ اور مغرب اور اوابین پڑھ کے اطمینان سے گھر جاؤ، وہاں پورا دستر خوان سجا سجایا ہے، آپ کا حصہ کوئی لینے والا نہیں ہے۔

بہر حال! کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ان دو نمازوں ہی کو اہتمام سے جماعت کے ساتھ ادا کر لے تو ان دونوں نمازوں میں سے ہر نماز کو تراسی سال چار مہینے نماز کا پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا(۱)۔

## پوری رات عبادت کا ثواب حاصل کرنے ایک اور آسان سا نسخہ

دوسرا گُر بتلاؤں؟ حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے تو اس کو آدھی رات عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اگر ساتھ میں فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو پوری رات عبادت کا ثواب مل جاتا ہے، گویا عشا اور فجر کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کر لیا تو مفت میں پوری رات عبادت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ کتنا آسان ہے! اس لیے ہم رمضان میں فجر، مغرب اور عشا کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کر لیں(۱)۔

لیکن فجر میں کیا ہوتا ہے؟ سحری کھا کے سوچتا ہے کہ چلو! ذرا دو منٹ سستا لوں اور جو پڑے تو ایسے سوئے کہ فجر کی جماعت تو گئی ہی گئی، نماز بھی قضا ہو گئی۔ اس وقت سونا ہی کیوں ہے؟ مسجد میں جاؤ، قرآن شریف کی تلاوت کرو، تسبیحات پڑھو۔

---

(۱) یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے: مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ حَتَّى يَنْقَضِيَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَقَدْ أَصَابَ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ بِحَظٍّ وَافِرٍ. (شعب الإيمان، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه، الْتِمَاسُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنْ لَيَالِي شَهْرِ رَمَضَانَ)

## شبِ قدر میں حصولِ فضیلت کے لیے پوری رات جاگنا ضروری نہیں

بہر حال! لیلۃ القدر کے ثواب کو حاصل کرنے کا کم سے کم ذریعہ میں نے آپ کو بتلایا، پوری رات جاگنا ضروری نہیں ہے بلکہ پوری رات جاگنے میں دوسری دشواری ہے، وہ یہ ہے کہ نفس اور شیطان ہمارے عبادتوں کا ثواب ضائع کر سکتے ہیں، ہمارے مجاہدوں اور ریاضتوں پر پانی پھیر سکتے ہیں۔ پوری رات جاگے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ دوسرے کی عبادت کے متعلق تحقیر کا جذبہ پیدا ہو کہ فلانا اتنا بڑا مولوی ہو گیا لیکن اس نے پوری رات عبادت نہیں کی اور میں پوری رات جاگا۔

## کسی کی غیبت اور برائی کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ رات بھر عبادت میں مشغول رہا، اس وقت وہاں کچھ لوگ ایسے تھے جو سوئے ہوئے تھے، یہ دیکھ کر میں نے اپنے والد صاحب سے عرض کیا کہ ابا جان! یہ لوگ تو ایسے سوئے ہیں جیسے مردے پڑے ہوں! تو والد صاحب نے کہا کہ بیٹا! تو بھی سویا رہتا، یہ بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ ان کی برائی میں مبتلا ہوتا۔

## ماہِ مبارک میں خصوصی طور پر گناہوں سے بچیے

ان راتوں کی فضیلت اور برکات کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پہلو کو بھی

---

(۱) مسلم شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ. (عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ فِي جَمَاعَةٍ.)

مدِّ نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ رمضان کے پورے مہینے میں، دن میں بھی اور رات میں بھی کسی بھی گناہ کا ارتکاب ہماری طرف سے نہیں ہوگا۔

## روزے کے کچھ آداب

ویسے بھی روزے کے آداب میں بتایا گیا ہے کہ آدمی زبان کی حفاظت کرے، کان کی حفاظت کرے، آنکھ کی حفاظت کرے، اپنے دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے اور روزے کے متعلق ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں، اللہ نے قبول کیا ہوگا یا نہیں، حرام غذا سے بچے اور حلال روزی سے افطار کا اہتمام کرے۔ روزے کے یہ آداب بتلائے گئے ہیں تو ہم ان باتوں کا اہتمام کرلیں۔

## ہفتہ، سال اور زندگی تقوی کے ساتھ گذارنے کا نسخہ

ویسے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمعہ کا دن پورے ہفتے پر اثر انداز ہوتا ہے یعنی آپ جمعہ کے دن کو جس طرح گذاروگے، اس میں آپ جس طرح اللہ کی اطاعت، اس کی فرماں برداری اور نیک کاموں کا اہتمام کروگے تو اس کی برکت سے آپ کو پورا ہفتہ اللہ تعالیٰ اطاعت وفرماں برداری کرنے اور نیک کام کرنے کی توفیق ملے گی۔ اور رمضان کا مہینہ پورے سال پر اثر انداز ہوتا ہے اور حج آدمی کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہمارے اکابر کے یہاں ایسے گُر اور ایسی پوئنٹ (point) کی چیزوں کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا، چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں اور اس میں کچھ مجاہدہ بھی

نہیں ہوتا اور آدمی ان کے ذریعہ بہت کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں حاصل کر لیتا ہے۔

## شبِ قدر اور جیسی راتوں میں ہونے والی خرافات

بہر حال! لیلۃ القدر کے متعلق جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں عبادت کا اہتمام کرنا ہے لیکن آج کل عجیب ماحول دیکھنے کو ملتا ہے کہ لوگ اس کے لیے باقاعدہ اہتمام کے ساتھ چائے بنوائیں گے، مجلسیں کریں گے، جتنی نماز نہیں پڑھتے، اس سے زیادہ وقت تو مجلسوں کے اندر لگا دیتے ہیں اور ہماری مجلسیں کیا ہوتی ہیں؟ میری، تیری اور لوگوں کی باتیں ہوتی ہیں، غیبت میں مبتلا ہوتے ہیں، حالاں کہ یہی غیبت روزے کو بھی خراب کر دیتی ہے۔

## روزہ ڈھال ہے بشرطیکہ.....

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: الصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا: روزہ ڈھال ہے بشرطیکہ آدمی اس کو پھاڑ نہ دے۔ پہلے زمانے میں ڈھال ہوا کرتی تھی، وہ چمڑے کی بنی ہوتی تھی یا لوہے کی۔ پہلے زمانے میں جو جنگ ہوتی تھی، اس میں تین ہی قسم کے ہتھیار استعمال کیے جاتے تھے: تلوار، نیزہ اور تیر۔ اب اگر سامنے والے کے ساتھ دوبدو مقابلہ ہو رہا ہے تو سامنے والے کی تلوار کے وار سے بچنے کے لیے ڈھال کا استعمال کیا جاتا تھا مگر وہ ڈھال ہی اگر پھٹی ہوئی ہو تو وہ وار کو روکے گی نہیں بلکہ اس پھٹن کے اندر سے نکل کر تلوار اس آدمی کو زخمی کر دے گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ روزہ ڈھال ہے، بشرطیکہ آدمی اس کو پھاڑ نہ دے تو گویا نفس اور شیطان کی طرف سے ہم پر جو وار

کیے جاتے ہیں، روزہ اس وار سے ڈھال ہے، اس سے ہماری حفاظت کا ذریعہ ہے بشرطیکہ ہم اس کو پھاڑ نہ دیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ ڈھال پھٹے گی کیسے؟ تو جواب دیا کہ آدمی کسی کی غیبت کرلے[1]، گناہ کا کام کرلے تو یہ ڈھال پھٹ جائے گی تو گویا جس مقصد کے لیے روزہ رکھا گیا تھا، ہم نے یہ گناہ کرکے اس کے مقصد کو ختم کردیا؛ اس لیے روزے میں اس کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

## اعمالِ صالحہ کے فوائد حاصل کرنے سے متعلق ایک اہم اصول

کوئی بھی عبادت، کوئی بھی کام، اس کام میں جو شرائط ہیں، جب تک ان شرائط کا آپ پورا پورا خیال نہیں کریں گے، اس وقت تک اس کام کا جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے، وہ حاصل نہیں ہوگا۔ حدیث میں جن جن عبادتوں پر جو جو فوائد آئے ہیں، جو جو ثمرات اس کے بتلائے گئے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس عبادت کا جیسا حق ہے، اس کے مطابق اس عبادت کو ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

## كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کی تفسیر

اسی لیے مفسرین نے لکھا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة:١٨٣] کہ: تم پر روزے فرض

---

(١) السنن الکبری للبیہقی، عَنْ عِيَاضِ بْنِ غُطَيْفٍ، قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الخ، بَابُ مَا يَنْبَغِي لِكُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَسْتَشْعِرَهُ مِنَ الصَّبْرِ الخ، رقم الحدیث: ٦٥٤٢.

کیے گئے، کُتِبَ عَلَيۡكُمۡ: تمھاری بوڈی (body) کے اوپر روزے فرض کیے گئے تو بوڈی کے جتنے اعضا ہیں نا: کان ہے، زبان ہے، آنکھ ہے، اس پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے یعنی ان اعضاء کو گناہوں سے بچانا ضروری ہے، یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ روزے کی حالت میں اپنی بیوی کی طرف بھی شہوت کی نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے۔ یہی تو روزہ ہے، روزے کے اندر بیوی کے قریب نہیں جاسکتے تو بیوی کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے۔

## روزے کا مقصد تقوی کا حصول ہے

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ روزے کو جیسا کہ اس کا حق ہے، ہم ادا کرنے کا اہتمام کریں گے تو قرآن میں وعدہ ہے: كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ: تاکہ تمھارے اندر تقوی آجائے، روزہ تقوی پیدا کرنے کے لیے ہے، ویسے ساری شریعت کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ کا مزاج ایسا بنے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچانے والا اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے والا بنے، اسی کا نام تقوی ہے۔

## حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تقوی کی حقیقت

حافظ ابنِ رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع العلوم والحکم'' میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: لیس تقوی اللّٰہ بصیام النهار ولا بقیام اللیل والتخلیط فیما بین ذلك ولكن تقوى اللّٰہ ترك ما حرم اللّٰہ وأداء ماافترض اللّٰہ: تقوی دن بھر روزہ

رکھنے اور رات بھر نمازیں پڑھنے کا نام نہیں ہے بلکہ تقوی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، آدمی ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچاوے اور جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے، اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے (۱)۔

یہ ہے تقوی تو روزے کے اندر بھی اگر آپ ان چیزوں کا اہتمام کریں گے تو وہ روزہ آپ کے لیے حصولِ تقوی کا ذریعہ بنے گا، ورنہ فائدہ نہیں۔

## ایں خیال واست ومحال است وجنوں

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے اپنے کمرے کے اندر اے سی (AC) لگایا ہے۔ یا آپ (یوکے والوں) کے بارے میں کہا جائے کہ آپ نے سردی کے زمانے میں ہٹر (hitter) لگایا ہے۔ آپ نے اس کو چلا دیا لیکن چلانے کے بعد آپ نے دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کیں، کھلی ہوئی ہیں اور کھڑکی یا دروازے تو کیا، اگر ذرا سا سوراخ بھی رہ گیا ہے تو وہ ہٹر یا اے سی آپ کتنا ہی تیز چلائیں، اس سے نکلنے والی ٹھنڈک یا گرمی آپ کے کمرے کو ٹھنڈا نہیں یا گرم نہیں کرے گی، دروازوں اور کھڑکیوں کے ذریعہ باہر سے جو گرمی یا ٹھنڈی آرہی ہے، وہ کمرے کو کبھی بھی گرم یا ٹھنڈا ہونے نہیں دے گی۔ آپ اے سی کی ٹھنڈک یا ہٹر کی گرمی چاہتے ہیں تو پہلے کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں اور سوراخ بند کرو، تب

(۱) جامع العلوم والحكم ۱ / ۲۱۳، تحت الحديث الثامن عشر عن أبي ذر جندب بن جنادة وأبي عبدالرحمن معاذ بن جبل رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال اتق الله حيثما كنت وأتبع السيئة الحسنة تمحها وخالق الناس بخلق حسن رواه الترمذي وقال حديث حسن.

کمرہ ٹھنڈا یا گرم ہوگا۔

اسی طرح ہم روزہ تو رکھتے ہیں لیکن سوراخ کھلے چھوڑتے ہیں: کان کھلے ہیں گناہوں کی باتوں کو سننے کے لیے، غیبت کو سننے کے لیے، آنکھیں کھلی ہیں بدنگاہی کے لیے، زبان کھلی ہوئی ہے غیبت کے لیے، بری باتوں کو کرنے کے لیے تو گویا گناہ ہم سے صادر ہوتے رہتے ہیں تو گناہوں کے صدور کے ساتھ ہم یہ امید رکھیں کہ یہ روزہ ہماری زندگی کی تبدیلی کا، زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کا ذریعہ بنے تو ایں خیال واست ومحال است وجنوں، یہ حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

ہم دنیا کے اندر کچھ کام کرتے ہیں تو اس کی حفاظت کا پورا انتظام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی اتنی عظیم عبادت کو انجام دیں گے تو اس کی حفاظت کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔

## رمضان میں تراویح کو بھی نفل قرار دیا گیا ہے

بہرحال! اس حدیث میں آگے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات اور بھی ارشاد فرمائی ہے، وہ ضرور عرض کروں گا، آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا: اور اس مہینے کے روزوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرض قرار دیا اور اس کی رات کے قیام یعنی تراویح کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفل قرار دیا۔

## رمضان کے روزے فرض ہیں

رمضان کے روزے فرض ہیں، اس کی بڑی اہمیت ہے، قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور سے فرمایا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾ کہ: تم پر روزے فرض کیے گئے، جیسے تم سے اگلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے؛ تاکہ تمھارے اندر تقوی آوے۔

## رمضان میں اعمال کی قدر و قیمت غیرِ رمضان کی بہ نسبت بڑھ جاتی ہے

آگے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس خطبے میں رمضان المبارک کی بہت ساری خصوصیات بیان فرمائیں: چناں چہ فرمایا: مَنۡ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصۡلَةٍ مِنَ الۡخَيۡرِ كَانَ كَمَنۡ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنۡ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنۡ أَدَّى سَبۡعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ: اس مہینے میں جو آدمی کوئی فریضہ ادا کرے گا تو رمضان کے علاوہ ۷۰ رفرض ادا کرنے کا اس کو ثواب ملے گا اور نفل ادا کرے گا تو اس کا ثواب فرض کے برابر ملے گا۔ نفل کبھی فرض کے برابر نہیں ہوسکتا، آدمی نفل پڑھے تو فرض کا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن رمضان میں نفل کا ثواب بھی فرض کے برابر ملتا ہے۔

## سونے کے بھاؤ میں لوہا

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ حسینیہ راندیر کے شیخ الحدیث تھے، ہمارے گجرات پر ان کے بڑے احسانات ہیں، ان کے مواعظ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بڑی ہدایت عطا فرمائی، ہمارے یہاں ڈابھیل میں جب سب سے پہلی مرتبہ اعتکاف کا سلسلہ رمضان میں شروع ہوا تھا، اس سال ایک مرتبہ حضرت رات کو تشریف لائے تھے اور تراویح کے بعد حضرت نے بیان فرمایا تھا، اس میں آپ نے ایک بڑی عجیب مثال دی، بڑی اچھی بات فرمائی کہ دیکھو! اگر آج اعلان ہو جائے کہ آج ایک

دن کے لیے لوہے کا بھاؤ سونے کے برابر ہوگیا ہے تو لوگ اپنے گھر کے دروازوں، کھڑکیوں اور اس کی کنڈیاں نکال نکال کر بیچ ڈالیں گے اور اس کی کیلیں بھی نکال کر بیچ ڈالیں گے کہ بعد میں دیکھی جائے گی لیکن پہلے ہم لوہے کا بھاؤ سونے سے حاصل تو کر لیتے ہیں۔ ہم دنیا کے معاملے میں بہت زیادہ مستعدی دکھلاتے ہیں کہ اس کی قیمت وصول کرنے کے لیے سب کچھ کر گذرتے ہیں اور اپنی حرص اور طمع کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو فرما رہے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں نفل کا بھاؤ فرض کے برابر ہوگیا ہے، اس کی کوئی قدر ہی نہیں ہے۔

## رمضان کا مہینہ نیکیوں کی سیزن ہے

رمضان کا مہینہ تو سیزن ہے۔ دیکھو! بزرگوں نے اس کو نیکیوں کی موسمِ بہار قرار دیا ہے، ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے اور موسم میں اس موسم سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، جیسے ہٹر سردیوں کی موسم کی چیز ہے تو اس کے تاجر اس موسم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، گرمیوں کے زمانے میں ڈرنکس (drinks) کے تاجر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی ہر موسم میں اس موسم سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے تُجار فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ رمضان کا مہینہ نیکیوں کی سیزن ہے، اس میں نیکیوں کا زیادہ سے زیادہ بھاؤ اور ثواب حاصل کرنے کا موقع دیا ہے۔

## اس کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب پر

اور دنیا کی سیزنوں کا حال تو یہ ہے کہ سیل (sale) زیادہ ہوتا ہے، سیزن میں

بکری زیادہ ہوتی ہے، چیزیں زیادہ بکتی ہیں، بھاؤ وہی کا وہی رہتا ہے، بھاؤ نہیں بڑھتا لیکن اللہ تعالیٰ نے رمضان کا سیزن ایسا بنایا کہ اس میں بھاؤ بھی بڑھتا ہے کہ نفل کا بھاؤ فرض کے برابر اور ایک فرض کا بھاؤ ٧٠ رفرض کے برابر کر دیا، کوئی ہے لینے والا؟ تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عجیب وغریب عنایتیں ہیں، اس لیے ہم کو رمضان کے ایام کو وصول کرنے کی تیاری اور اہتمام کرنا چاہیے۔

## اسلاف کے یہاں رمضان کی قدر و قیمت

ہم اپنے اسلاف کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے اپنا نظام، شیڈول (schedule) ایسا بنا لیتے تھے کہ اللہ کی عبادت میں، ذکر واذکار میں، قرآنِ پاک کی تلاوت میں اور دعاؤں میں زیادہ سے زیادہ وقت مصروف ہوں۔

## تراویح کے ساتھ ہمارا مجرمانہ سلوک

رمضان کے اعمال میں ایک عمل تو روزہ ہے، تراویح ہے، اس کو بھی پڑھنے کا اور شوق کے ساتھ سننے کا اہتمام ہو۔ ہمارے لوگوں کا مزاج یہ بنا ہوا ہے کہ تراویح پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو پہلے تحقیق کر لیتے ہیں کہ مثلاً یہاں ڈیوزبری میں سب سے پہلے تراویح کہاں ختم ہوتی ہے، کسی نے کہا کہ فلاں مسجد میں ٢٠ رمنٹ میں پوری ہوتی ہے تو وہاں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملتی اور کہیں بے چارہ کوئی امام صحیح طریقے سے اطمینان کے ساتھ پڑھانے والا ہو تو اس کے پیچھے ایسے پڑ جاتے ہیں کہ پریشان ہو جاتا ہے کہ مولوی صاحب! آپ تو اتنا آہستہ پڑھتے ہیں۔ اس کو تنگ کر کے رکھ دیتے ہیں تو یہ کوئی

ہمارا طریقہ ہوا!!

## لعنت والے طریقے پر قرآن پڑھنے اور سننے سے احتراز کیجئے

حدیث میں ہے: رُبَّ تالٍ للقراٰن والقراٰنُ یلعنُہٗ: بہت سے قرآن کے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ وہ تلاوت کررہے ہوتے ہیں اور جو طریقہ اور حق ہے تلاوت کا، اس کے مطابق نہیں کرتے تو قرآن ان پر لعنت کررہا ہوتا ہے تو ہم اپنے حافظ اور امام کو ایسے طریقے پر پڑھنے پر مجبور کریں تو یہ تو بہت نامناسب بات ہوئی بلکہ وہ جلدی پڑھتا ہو تو مصلیوں کی طرف سے مطالبہ ہونا چاہیے کہ اطمینان سے پڑھو، ہم شوق اور رغبت کے ساتھ اچھے طریقے سے قرآن سننا چاہتے ہیں

## ستم بالائے ستم

اور پھر وہ سوا پارہ بھی اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ بس وہ آخری صف میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے رہتے ہیں اور جہاں امام رکوع میں گیا کہ اسی وقت اٹھتے ہیں اور نیت باندھ کر کے رکوع میں چلے جاتے ہیں، کیا یہ شان ہے ہماری عبادتوں کی؟ اللہ تعالیٰ ہماری ان عبادتوں کو دیکھیں گے تو قبول کرنے کی بات تو بہت دور ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں اس پر عذاب دیا جائے، یہ تو بہت خطرناک چیز ہے، یہ بے رغبتی ہے اور بے رغبتی بہت خطرناک چیز ہے، اس لیے پوری رغبت اور شوق کے ساتھ ہمیں ان عبادتوں

---

(۱) روح المعانی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: رب قارئ للقراٰن والقراٰن یلعنہ۔ کتبِ احادیث میں اپنی حقیر جستجو کے باوجود یہ حدیث نہیں ملی۔

میں مشغول ہونا چاہیے۔

## تھے تو وہ آباء تمھارے ہی، تم کیا ہو؟

ہمارے اکابر کے حالات پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رات رات بھر اللہ کی عبادت میں گذار دیتے تھے، پوری رات اللہ کی عبادت کرتے تھے اور ہم سے یہ چند منٹ بھی کھڑا نہیں رہا جاتا، اس عبادت کو بھی پورے شوق اور رغبت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے؛ تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو جائے، وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

## اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی

تو تراویح کا اہتمام ہو، تلاوت کا اہتمام ہو، آخری عشرے کے اعتکاف کا اہتمام ہو، دعاؤں کا اہتمام ہو۔ حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رمضان کے مہینے میں فرشتوں کو حکم دے دیتے ہیں کہ روزہ داروں کی دعا پر آمین کہو۔ اللہ اکبر!! کیا اللہ کی شان ہے! اللہ تعالیٰ دینا چاہتے ہیں، اس کے لیے فرشتوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے بندوں کی دعا پر آمین کہو، عجیب معاملہ ہے اور ہم ہیں کہ دعاؤں کے معاملے میں غفلت سے کام لے رہے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اس ماہِ مبارک کو وصول کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاریاں کریں، اہتمام کریں اور اس کی برکات کو حاصل کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر اس مہینے میں بھی کسی کی مغفرت نہ ہو تو اس کو اس کی محرومی کے

سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

## رمضان صبر کا مہینہ ہے

اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ کہ: یہ صبر کا مہینہ ہے۔ ویسے بھی گرمی کے دنوں میں روزہ رکھنے میں آدمی کو صبر سے کام لینا ہی پڑتا ہے، روزے کی حالت میں طبیعت کے خلاف ناگوار باتیں پیش آویں تو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں، صبر سے کام لیں۔

## یہ مواسات اور غم خواری کا مہینہ ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے + اس کو غم خواری کا مہینہ بھی فرمایا: وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، گویا غریب، غربا، حاجت مند لوگوں کو تلاش کریں۔

## حقیقی حاجت مندوں کو تلاش کر کے ان کی مدد کریں

بعض لوگ اپنے گھروں پر بیٹھے رہتے ہیں اور یہ جو مانگنے والے بھکاری آتے ہیں، ان ہی کو دینے پر اکتفا کرتے ہیں، یہ بھکاری تو پیشہ ور لوگ ہیں، ان کو دے سکتے ہیں لیکن اصل جو لوگ محتاج ہیں اور محتاج ہونے کے باوجود کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، ایسوں کو تلاش کر کے، ان کا جو تعاون کیا جائے گا، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔

## پیشہ ور بھکاریوں کا حال

زکوۃ خالی ان مانگنے والے فقیروں کو نہ دیں۔ بعض مرتبہ تو یہ مانگنے والے فقیر

چوں کہ مانگنا ان کا پیشہ ہے، اس لیے مانگ مانگ کے وہ اتنا کچھ جمع کیے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ زکوۃ کے حق دار ہی نہیں ہوتے بلکہ خود ان کے اوپر زکوۃ فرض ہوتی ہے، سب اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ اس لیے جو حقیقی حاجت مند ہیں، ان کو تلاش کر کے ان کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار چیزوں کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے: ایک تو کلمۂ شہادت اور دوسرا استغفار، تیسرا جنت کا سوال اور چوتھا جہنم سے پناہ، ان چار چیزوں کا بھی کثرت سے اہتمام ہو، چلتے پھرتے ان کو پڑھتے رہا کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# معتکفین کے لیے قیمتی ہدایات اور نصائح

# اقتباس

اور چوتھا پوری امت محمدیہ کے لیے دعا کا اہتمام کریں۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے اور ہمیں جو محبت ہے، اس کا تقاضا ہے کہ آپ کی امت پر کوئی پریشانی ہو، حالات ہوں تو ہم آپ کی امت کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں۔ کہیں سیلاب آتا ہے، کہیں فساد ہوتا ہے، کہیں کوئی اور حادثہ پیش آتا ہے اور مسلمان اس حادثے کا شکار ہوکر بے گھر ہوجاتے ہیں تو مدد کے لیے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں، لوگوں سے چندہ کرکے ان کو مدد پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو مدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ دو پیسے نہ دے سکیں تو دعائیں کرلیں اور یہ تو اس سے بھی بڑی مدد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ! تیرا یہ بندہ فساد کی وجہ سے تباہ ہوا ہے یا سیلاب کی وجہ سے اس کا گھر بہہ گیا ہے یا دشمنوں کے حملے کی وجہ سے تباہی ہوئی ہے، تو اس کی تلافی فرمادے، اس کی مدد فرمادے تو ہمارے حق میں عبادت ہوجائے گی اور اس کے حق میں مدد ہوجائے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بحیثیت امتی کے ہمارا جو تعلق ہے، اس کا بھی کچھ نہ کچھ حق ادا ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ﴾ [التکاثر:٨]

وقال تعالیٰ: ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِيۡ لَشَدِيۡدٌ﴾ [ابراهيم:٧]

## ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

طبیعت میں اضمحلال ہے، صبح سے نیند بالکل آئی نہیں، بار بار پیشاب کا تقاضا بھی ہوتا رہا، نفس یوں کہتا تھا کہ پڑے رہو۔ میں نے سوچا کہ پڑے رہنے سے بھی کیا حاصل !!، نہ خود کو کوئی فائدہ پہنچے گا اور نہ اللہ کے دوسرے بندوں کو۔ آپ حضرات جس حسن طلب اور حسن نیت کے ساتھ یہاں بیٹھے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ مفید اور کارآمد باتیں کہلوا دیں گے۔

آج کا جو موضوع ہے، وہ کوئی متعین موضوع نہیں ہے، ہر سال جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، شروعات میں یہاں رہتے ہوئے اوقات کو کس طرح گذارنا ہے، اس کے متعلق کچھ اہم اور ضروری باتیں آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اولین حق: شکر گزاری

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا ایک بہت بڑا حق یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔

## شکر کی دو قسمیں: لسانی اور حقیقی

شکر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک زبانی ہوتا ہے اور ایک حقیقی۔

زبانی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے اللہ کا شکر ادا کرے: اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ کُلُّهٗ، وَلَكَ الشُّکْرُ کُلُّهٗ، عَلَي مَا أَنْعَمْتَنَا کہ اے اللہ! تو نے ہمیں یہ جو نعمت عطا فرمائی، اس پر تیرا احسان، تیرا شکر، تیری تعریف کرتے ہیں تو زبان سے آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی شکر ہی کا ایک طریقہ ہے۔

او دوسری قسم ہے حقیقی شکر۔ حقیقی شکر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ نعمت جس مقصد کے لیے دی گئی ہے، اس نعمت کے ذریعہ سے اس مقصد کو حاصل کرنے کا اہتمام اور کوشش کرنا۔

## شیطان شکر ہی کے ذریعہ سے اکثر انسان کا راستہ کاٹتا ہے

یہ شکر ہی وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعہ سے شیطان انسان کو اللہ کے راستے سے گمراہ

کرنے اور اس کی راہ سے کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآنِ پاک میں وارد ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنی بارگاہ سے مردود کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور بہت بڑا دعویٰ کیا تھا: ﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِیۡنَ﴾ [الأعراف:١٧] میں تیرے ان بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور تجھ سے دور کرنے اور تجھ سے کاٹنے کے لیے ان کے پاس آؤں گا، ان پر حملہ کروں گا، ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے، ان کے بائیں سے۔ اور پھر آگے کہتا ہے: ﴿لَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِیۡنَ﴾: میرے ان حملوں کے نتیجے میں تو اپنے اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائے گا یعنی تو نے جو نعمتیں اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں، ان نعمتوں کا حق ادا کرنا اور ان نعمتوں کے ذریعہ سے وہ چیزیں حاصل کرنا جن کے لیے وہ نعمت اللہ کی طرف سے دی گئی ہے، بندے اس کا اہتمام نہیں کریں گے۔

## شکر گزاری پر نعمت میں اضافے کا اور ناشکری پر عذاب کا وعدۂ الٰہی

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ شکر بہت بڑی چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر نعمتوں میں زیادتی کا وعدہ فرمایا: ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّكُمۡ﴾ کہ: اگر تم نے شکر کیا تو میں تمھاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا، ﴿وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ﴾: اور اگر تم نے میری نعمتوں کی ناقدری کی، ناشکری کی تو میری گرفت بہت سخت ہے۔

## اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کریں گے؟

دوسرے موقع پر باری تعالیٰ بڑے پیارے انداز میں فرماتے ہیں: ﴿مَا یَفۡعَلُ

اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ [النساء:١٤٧] تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے، اس کی قدر کرو گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا!!، اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اس کا حق ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمھیں کا ہے کو عذاب دے، اللہ تعالیٰ تو بڑے بڑ قدر دان ہے۔ شاکر یعنی بندہ جب اللہ کی خدمت میں کوئی عمل پیش کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر اور اس کی آؤ بھگت ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو بندے کے عمل کو- بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ ہو- ایسے عجیب وغریب انداز میں قبول فرماتے ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

## اعمالِ عباد کی بارگاہِ الٰہی میں عجیب وغریب پذیرائی

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں ذکر اللہ کا بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے سے، گویا حدیث قدسی کے اندر، اسی میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً کہ: بندہ جب میری طرف ایک بالشت آگے بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آگے بڑھتا ہوں یعنی دو بالشت بڑھتا ہوں اور اگر وہ دو ہاتھ آگے بڑھتا ہے تو میں ایک ''باع'' یعنی چار ہاتھ اس کی طرف آگے بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر کے آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر کے جاتا ہوں (١)۔

---

(١) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: {وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ} رقم: ٧٤٠٥.

## اللہ تعالیٰ کی عظمت بندوں کے اعمال پر موقوف نہیں ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بندوں کے اعمال کو جو پذیرائی اور قبولیت عطا فرمائی جاتی ہے، بشرطیکہ اس کے لیے جو شرائط بتلائے گئے ان کا اہتمام کیا جائے، وہ عجیب وغریب ہے، اللہ کے حضور بندوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کے محتاج نہیں ہیں اور اللہ کی عظمت و کبرائی اس پر موقوف نہیں لیکن بندہ جب عمل کرتا ہے تو اللہ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

## حقیقی شکر اور زبانی شکر کی ایک مثال سے تفہیم

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شکر ایک تو زبانی ہوتا ہے کہ آدمی زبان سے اللہ کا شکر ادا کرے اور ایک شکر حقیقی ہے، میں اس کو عام طور پر ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کرتا ہوں: دیکھو! آپ حج کے لیے گئے، عمرے کے لیے گئے، وہاں سے واپسی میں اپنے رشتہ داروں کے لیے، اعزاء واقارب کے لیے دوست واحباب کے لیے ہدایا اور تحائف لائے، وہاں آپ نے یہ سوچا کہ امام صاحب کے لیے بھی ایک عمدہ قسم کا رومال لے جاؤں، ان کے پیچھے پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں تو ان کا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ اب ان کے لیے آپ وہاں سے ایک عمدہ قسم کا عربی رومال لائے۔ آپ کے دل میں یہ تمنا ہے کہ امام صاحب اس کو جمعہ کے دن عمامے کے طور پر سر پر لگائیں گے یا ڈال کر کے آئیں گے اور خطبہ دیا کریں گے تو میرا دل خوش ہو جائے گا۔ یہ عربی رومال کا گویا صحیح استعمال ہے۔

اب آپ حج یا عمرے سے فارغ ہو کر کے آئے تو سب ملنے کے لیے آئے، امام صاحب بھی آئے۔ آپ نے ان کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا، انھوں آپ کا ہدیہ قبول کرتے ہوئے دیر تک آپ کا زبانی شکرادا کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کا حج عمرہ قبول فرمائے، نفقات کا نعم البدل عطا فرمائے۔ سب کچھ کہا۔ پانچ سات منٹ تک خوب زبانی شکرادا کیا لیکن ظاہر ہے کہ آپ ان کے اس زبانی شکر تک کفایت نہیں کریں گے۔

بلکہ آپ کے دل میں تو یہ تھا کہ امام صاحب اس کو جمعہ کے دن عمامے کے طور پر سر پر لگائیں گے یا ڈال کر کے آئیں گے اور جمعہ کی نماز پڑھائیں گے۔ چناں چہ آپ کے حج سے واپس آنے کے بعد جو سب سے پہلا جمعہ آیا تو آپ اپنی عادت کے خلاف سب سے پہلے مسجد کے اندر پہنچ کر منبر کے قریب بیٹھ گئے کہ آج تو امام صاحب میرے والا رومال سر پر باندھ کر خطبہ دینے کے لیے آئیں گے لیکن جب امام صاحب آئے تو آپ نے دیکھا کہ انھوں نے وہ رومال نہ تو عمامے کے طور پر باندھ رکھا ہے، نہ تو یوں ہی ڈال رکھا ہے۔

آپ نے اپنے دل کو تسلی دے دی کہ اس جمعہ کو نہ سہی، دوسرے جمعہ کو باندھ کر آئیں گے۔ دوسرے جمعہ کو بھی آپ منبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے لیکن اس مرتبہ بھی آپ کو مایوسی ہوئی اور اس کے بعد تو آپ نے یہ دیکھنا بھی چھوڑ دیا کہ پتہ نہیں باندھ کر آتے بھی ہیں یا نہیں۔

اب اتفاق کی بات کہ آپ کا بچہ ان امام صاحب کے پاس پڑھتا تھا، آپ کو اپنے

بچے کی تعلیم کے سلسلے میں امام صاحب سے بات چیت کرنے کی نوبت آئی، تو بات چیت کرنے کے لیے ان کے گھر چلے گئے۔ ابھی گھر میں قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ آپ نے دیکھا کہ جہاں پاؤں صاف کرنے کے لیے پاپوش ہوتا ہے، وہاں آپ کا وہ رومال بچھایا ہوا ہے۔ آپ جب اس منظر کو دیکھیں گے تو اپنے دل میں کہیں گے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، میں نے کہاں اس آدمی کو یہ رومال دے دیا، آئندہ کبھی ان کو کوئی ہدیہ نہیں دوں گا۔

اب دیکھیے کہ اس نے زبانی شکر ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی لیکن آپ کے دل ودماغ میں اس کا جو حقیقی مصرف اور مقصد تھا، انھوں نے اس کو پورا نہیں کیا، اس میں استعمال نہیں کیا آپ کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوئی جس کی وجہ سے آپ نے فوراً فیصلہ کرلیا کہ آئندہ کبھی اس کو کوئی چیز ہدیہ نہیں کروں گا۔

## نعمتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بندوں سے چاہت

اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتے ہیں کہ میری طرف سے جو نعمتیں دی جاتی ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ یہ نعمتیں وہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے دی ہیں، وہاں ان کو استعمال کیا جائے۔

## اہمیتِ رمضان کو حضراتِ صحابہ کے سامنے بیان کرنے کا نبوی اہتمام

اس وقت ہمارا اصل موضوع یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ ہے، یہ مہینہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو عطا فرمائی اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس کی اہمیت کو اپنے ارشادات کے ذریعہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بیان فرمانے کا اہتمام کرتے تھے، اس سلسلے میں فضائلِ رمضان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت آپ نے سنی ہوگی اور شروع رمضان میں بھی وہ حدیث آپ کے سامنے بیان کی جا چکی ہے۔

## ماہِ رمضان کی ایک فضیلت

قرآن میں بھی ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرۃ: ۱۸۵] قرآن جیسی نعمت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے عطا فرمائی، اس کے نزول کے لیے بھی زمانہ کے اعتبار سے جو وقت متعین ہوا، وہ رمضان کا مہینہ ہے۔

## رمضان کی اہمیت اکابر کی نگاہوں میں

ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام ہوا کرتا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ تو اس کو نیکیوں کا موسمِ بہار کہا کرتے تھے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ دل کی بیٹری کے چارجنگ کا زمانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ بیٹری استعمال کر کے اس کا پاور جب ختم ہو جاتا ہے تو جب تک اس کو چارج نہیں کریں گے، وہ بے کار رہے گی تو قلب کی بیٹری کو روحانیت سے چارج کرنے کا یہ زمانہ ہے۔

## رمضان کے آخری عشرے کی اہمیت اور فضیلت

بہر حال! رمضان کا یہ مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں خصوصیت کے ساتھ عطا

فرمایا اور پھر اس میں بھی آخری عشرہ! گویا یہ رمضان کے مہینے کا خلاصہ ہے، رمضان کا مہینہ اپنی جگہ پے ساری اہمیتیں لیے ہوئے ہے، اس میں آخری عشرہ، اس کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے بارے میں روایتوں میں آتا ہے کہ جب آخری عشرہ آتا تھا تو شَدَّ الْمِئْزَرَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ [1]: آپ اپنی کمر کو کس لیا کرتے تھے، کمر باندھ لیتے تھے یعنی ان دس دنوں کو وصول کرنے کے لیے آپ اپنے آپ کو تیار کر لیتے تھے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی رات کے وقت جگایا کرتے تھے۔

## رات کی نماز کے سلسلے میں حضور ﷺ کی عام عادت

جیسا کہ حدیث پڑھنے والے جانتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی عام عادت یہ تھی کہ آپ خود رات کے وقت عبادت کرتے تھے لیکن اپنے گھر والوں کو اس کے لیے جگاتے نہیں تھے، مجبور نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی اپنے اعتبار سے بیدار ہو کر عبادت کرتا تو اور بات تھی، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ وتر کے لیے ان کو اٹھا دیا کرتے تھے [2]۔ احناف نے وتر کے وجوب پر جن دلائل سے استدلال کیا

---

(۱) پوری حدیث اس طرح ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، أَحْيَا اللَّيْلَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ. (صحیح مسلم، بَابُ الِاجْتِهَادِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ)

(۲) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةً عَلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي، فَأَوْتَرْتُ (صحیح البخاری، بَابُ إِيقَاظِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَهُ بِالوِتْرِ.)

ہے، ان میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کا ان کو اہتمام سے اٹھانا اور تہجد کے لیے نہ اٹھانا دلیل ہے کہ وتر واجب ہے۔ لیکن آخری عشرے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کو بیدار کرنے کا اہتمام کرتے تھے، گویا یہ عشرہ سونے کا نہیں ہے۔

## آخری عشرے میں معتکفین راتوں میں سونے کا ماحول نہ بنائیں

اور یہاں بھی آپ جو آئے ہیں، سونے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ اس عشرے کو وصول کرنے کے لیے آئے ہیں، اب یہاں آکر کے بھی آپ رات کو پڑ جائیں!!، تو رات کو سونے کا ماحول ہونا ہی نہیں چاہیے، ہاں جو میرے جیسے بوڑھے لوگ ہیں، کمزور لوگ ہیں کہ جن کو تھوڑی بہت نیند کی بہر حال ضرورت ہوتی ہے، وہ کچھ دیر کے لیے لیٹ جائیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ویسے بھی سونے کا وقت کتنا ہوتا ہے، ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہیں تو ایک تو تقریباً بج ہی جاتا ہے پھر ڈھائی بجے اٹھا دیا جاتا ہے تو گھنٹہ، دو گھنٹہ سو کر کیا کریں گے!۔ اس کے بجائے آپ عبادت میں لگ جاتے، یہاں بیسیوں حافظ موجود ہیں تو ہر ایک آدمی حافظوں کے ساتھ معاملہ کرلے کہ تم روزانہ ہمیں دو پارے نفل کے اندر سنا دیا کرو؛ تاکہ راتیں اللہ کی عبادت میں گذریں۔

## مغرب کے بعد اوابین کا بھی اہتمام کیجیے

ویسے مغرب کی نماز تو ہم نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہی، اس کے بعد اوابین بھی ہے، اس کا بھی اہتمام کیا جائے۔ بہت سے احباب یہاں آنے کے بعد بھی دو رکعت پڑھ کر کے پالتی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ کر تو لو، ویسے ہی بیٹھے رہتے ہو!، جب یہاں

آئے ہو، کچھ کام کرنے کے ارادے سے آئے ہو تو اوابین کا بھی اہتمام کرلینا چاہیے، یہ ایک ایسی نماز ہے جس کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی ہے تو کبھی زندگی کا کوئی لمحہ، کچھ اوقات ایسے بھی تو ہونے چاہئیں، خاص کر کے رمضان کا زمانہ کہ اس میں اس نماز کا اہتمام کرلیا جائے۔

## اوابین کے سلسلے میں ایک شبہ اور اس کا ازالہ

چوں کہ اہل علم ہیں، شیطان اور نفس وسوسہ ڈالتا ہے کہ بہترین عمل تو وہ ہے کہ جس کے اوپر مداومت کی جائے۔ اب جب ہم دو چار دن تک یہاں ہیں اور پڑھیں گے تو مداومت تو ہوئی نہیں پھر دو چار روز پڑھنے سے کیا فائدہ؟۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے اندر پڑھنا، یہ بھی مداومت کی ایک نوع اور قسم ہے، یعنی ایک تو یہ کہ آدمی سال بھر اس اوابین کو پڑھے اور ایک یہ کہ رمضان کے مہینے میں اس کا اہتمام کرے۔ جیسے ہر جمعہ کو کوئی عمل کرنے کا اہتمام کرتا ہے، آپ ہر جمعہ کو صلوۃ التسبیح پڑھیں گے تو اس کو بھی مداومت کہیں گے، حالاں کہ ہر روز نہیں پڑھ رہے ہیں لیکن ہر جمعہ کو پڑھنے کو بھی مداومت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اگر آپ رمضان المبارک میں اور آخری عشرے میں اوابین کا اہتمام کریں گے تو یہ بھی مداومت کی ایک شکل ہے؛ اس لیے بحیثیت عالم کے آپ کا عالم شیطان آپ کو یہ دھوکہ نہ دے کہ یہ مداومت نہیں ہے تو اس کو بلا وجہ پڑھ کے کیا کریں گے!!، حالاں کہ یہ تو نہ کرنے کی باتیں ہیں، کرنے والا تو جتنا بھی ہاتھ میں آجائے، اس کو غنیمت سمجھتا ہے۔

## رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے

بہر حال! جب یہاں آئے ہیں تو کچھ کرلیں، یوں ہی وقت نہ گذاریں، اسی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی نفل عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے تو عام دنوں میں فرض پڑھنے پر جو ثواب ملتا ہے، اس مہینے میں نفل پڑھنے پر وہ ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

## اوابین کی رکعات

اوابین کا اہتمام بھی کرلیں، ویسے اس کی چھ رکعت ہی ہیں، مغرب کے بعد جو دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اس کے علاوہ چھ تو کل ملا کر کے آٹھ ہوگئیں۔ بقول حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ دو قسم کے آدمی ہیں: ایک ہے فری مین اور دوسرے ہیں بزی مین۔ جو بزی لوگ ہیں، وہ دو کے ساتھ چار ملالیں اور جو فری لوگ ہیں، وہ دو کے ساتھ چھ ملالیں۔

## یہ تو دھوکہ ہے

بہر حال! یہاں ہم (دنیوی اموریں) مشغول کہاں ہیں؟ یہاں ہم اسی لیے تو آئے ہیں، اپنے آپ کو اسی مقصد کے لیے فارغ کر رکھا ہے تو جب گھر والوں کو یہ کہہ کر کے آئے ہیں، دنیا والوں کو یہ دکھلا رہے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں تو یہ تو دھوکہ ہوا کہ یہاں رہ کر کے کچھ نہ کریں۔

## دھوکے کی دو قسمیں اور ایک حدیث سے عملی دھوکے کی تفہیم

دیکھو! ایک دھوکہ زبان سے ہوتا ہے، ایک دھوکہ اپنے عمل سے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے شوہر نے مجھے کوئی چیز دی نہیں ہے- عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے- میرے شوہر نے مجھے کوئی زیور نہیں دیا، میرے ابا نے دیا ہے یا کسی اور جگہ سے آیا ہے لیکن اگر میں یہ ظاہر کروں کہ یہ زیور مجھے میرے شوہر نے دیا ہے؛ تاکہ وہ دوسری سوکن ہے نا، اس کے دل میں آگ لگے!!؛ تاکہ اس کو پتہ چلے کہ اس کو دیا اور مجھے نہیں دیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ کہ: جو چیز نہیں دی گئی ہے، پھر بھی کوئی اس کا اظہار کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا[1]- یعنی لباس کے طور پر آدمی دو کپڑے ہی پہنتا ہے، یعنی ایسا شخص گویا سر سے پاؤں تک جھوٹ میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہاں بھی عملی طور پر ہم نے اپنے آپ کو یوں ظاہر کیا ہے کہ ہم یہاں آئے ہیں اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں تو اس کا عملی طور پر مظاہرہ بھی کرنا چاہیے۔

تو بات یہ چل رہی تھی کہ ایک تو ہم اوابین کا اہتمام کریں، اس کے متعلق بار بار آپ کو کہا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کے مزاج کے اندر غفلت اور بے اعتنائی اس قدر آ گئی ہے کہ بار بار کہنے کے باوجود اس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔

## مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا

حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَسْمَاءَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها، بَابُ الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ يَنَلْ، وَمَا يُنْهَى مِنَ افْتِخَارِ الضَّرَّةِ.

مَرَّتَيۡنِ [1]: مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا۔ اس کی تشریح میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤمن کا مزاج عبرت حاصل کرنے کا ہوتا ہے، کسی بات پر، کسی غلطی کے اوپر اس کو تنبیہ کی جائے کہ بھائی یہ کیا؟ تو ایک مرتبہ کی تنبیہ پوری زندگی کے لیے کافی ہونی چاہیے، دوسری مرتبہ اس غلطی پر تنبیہ کی نوبت آنی نہیں چاہیے، ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو اس غلطی سے پاک کر لینے اور دور رکھنے کا اہتمام کرے۔

## تنبیہ کے باب میں کافر و منافق کا حال

اس کے برخلاف منافق اور کافر کا حال یہ ہوتا ہے کہ بار بار تنبیہ کی جاتی ہے، لتاڑا جاتا ہے، لوگوں کے سامنے ان کو سخت سے سخت الفاظ میں متنبہ کیا جاتا ہے تو بھی ان کی غیرت کو جوش آتا نہیں اور وہی اپنی پرانی روش کے اوپر قائم رہتے ہیں۔

## خانقاہی اعمال میں شرکت نہ کرنے والا خود کو خانقاہ میں آیا ہوا نہ سمجھے

دیکھو! یہاں کا ایک نظام ہے، اس نظام کے مطابق یہاں ایام گذاریئے، اگر یہاں آکر بھی آپ نے ان چیزوں کا اہتمام نہیں کیا تو یہ مت سمجھنا کہ میں یہاں آیا تھا۔ دہلی نظام الدین مرکز کے اندر حضرت مولانا سلیمان جھانجھی رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ ہمیشہ یہ اعلان کرتے تھے کہ جو یہاں آئے اور یہاں کے اعمال میں شرکت نہ کرے، وہ اپنے آپ کو یہاں آیا ہوا نہ سمجھے، یہ نہ سمجھے کہ میں یہاں آیا ہوں؛ اس لیے کہ یہاں تو اس لیے آئے ہیں؛ تاکہ ان اعمال کو انجام دیں۔ اب اگر ان اعمال میں شرکت نہ کرے، پھر بھی یہ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنۡهُ، بَابٌ: لَا يُلۡدَغُ الۡمُؤۡمِنُ مِنۡ جُحۡرٍ مَرَّتَيۡنِ.

سمجھے کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

## خانقاہ میں رہتے ہوے اپنی غلط عادتوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کریں

بہر حال! بات اوابین کی چل رہی تھی، نوافل کا اہتمام ہونا چاہے، اس میں اوابین کے علاوہ تہجد ہے۔ آپ کو جب صبح اٹھا دیا جائے تو اٹھنے میں تاخیر نہ کرے، یہاں رہ کر اپنی عادتوں کو بھی درست کرنا ہے، کسی کے مزاج کے اندر غفلت ہے، سستی ہے، کسل ہے تو یہاں آیا ہے تو اپنے نفس کو ٹوک کر کے اپنے آپ جلدی اٹھنے کے لیے آمادہ کرے، اس کی عادت ڈالے، یہاں اسی لیے تو آئے ہیں کہ ان بری اور غلط عادتوں سے اپنے آپ کو نجات دلائیں اور اگر یہاں آ کر بھی ہم اپنی عادتوں پر جمے رہے اور جب ان کو تنبیہ کی جاوے تو یہ عذر پیش کریں کہ میری تو آنکھ جلدی نہیں کھلتی، پھر تو یہاں آنے کا حاصل کیا ہوا؟۔

بہر حال! جب آپ کو تہجد کے لیے اٹھایا جائے تو جلدی اٹھنے کا اہتمام کریں، یا تو آپ پہلے سحری کھا لیجیے پھر تہجد پڑھیے یا پہلے تہجد پڑھ لیجیے پھر سحری کھائیے، جیسا جیسا موقع ہو۔

## سحری کا کھانا بابرکت ہوتا ہے

سحری کے کھانے کو برکت والا کھانا قرار دیا گیا ہے، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ سحری تناول فرمارہے تھے، جو موجود تھے، ان کو دعوت دی: هَلُمُّوا إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ

کہ: آؤ برکت والے کھانے کی طرف (١)۔

برکت والے کھانے کا کیا مطلب ہے؟ تو فضائل رمضان میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس کی مختلف تشریحات اور توضیحات ذکر فرمائی ہیں، اس کو پڑھیے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کو تہجد پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

## تہجد کا اہتمام اور اس میں بعض حضرات کی نامعقول حرکت

تہجد کا کم سے کم آٹھ رکعت پڑھنے کا معمول بنائیے۔ بعض حضرات اٹھتے ہیں اور دو رکعت پڑھ کر کے کسی دیوار کا سہارا لے کر جم کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور نیند نکالنے لگتے ہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہاں تو اپنے وقت کو وصول کرنا ہے، آپ کا ایک ایک منٹ قیمتی ہے، صرف دس دن کا معاملہ ہے، کوئی لمبا چوڑا زمانہ نہیں ہے؛ اس لیے اس کی قدر کرتے ہوئے اس کو خوب وصول کرنے کا اہتمام کریں۔

## اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام بھی کیجیے

تو اوابین اور تہجد کا اہتمام کیجیے اور یہ دعا بھی کرتے رہئے کہ اے اللہ! یہاں کے نیک ماحول کی وجہ سے اور یہاں جو تیرے نیک بندے یہاں آئے ہیں اور جمع ہوئے ہیں، ان کی برکت سے تو نے یہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اب مزید یہاں سے جانے کے بعد بھی مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے رکھ اور اس پر استقامت عطا فرما۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے آپ کو اس کا عادی بنادے۔

---

(١) سنن النسائی، عَنْ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، دَعْوَةُ السَّحُورِ، رقم: ٢١٦٣

## خانقاہ سے اچھی عادتیں لے جانے کی کوشش کیجیے

کوئی اچھی چیز یہاں سے لے کر کے جاؤ، کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کی یہ تہجد کی عادت کب سے ہے تو آپ کہہ سکیں گے کہ الحمدللہ! جب سے یہاں اعتکاف کے اندر بیٹھنا شروع کیا، تب سے اس کی عادت پڑی ہوئی ہے اور اس وقت سے اوابین کے پڑھنے کا سلسلہ ہے۔

## بزرگوں کی خدمت میں جانے کا مقصد

ہم تو جب اپنے بزرگوں کی خدمت میں جاتے تھے تو ایسے اعمال جو ان کو کرتے ہوئے دیکھا کرتے تھے تو ان کو دیکھ کر ہم بھی وہ اعمال کیا کرتے تھے اور پھر اللہ کے فضل سے زندگی بھر اسی کی عادت اپنے اندر ڈال لیتے تھے، صحبت کا، حاضری کا یہی تو مقصد ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ اچھی چیزیں سیکھ کر کے جائیں اور پھر ان کو اپنی زندگی میں عملی جامہ پہنائیں۔ تہجد کا بھی اہتمام کریں اور دوسری نوافل کا اہتمام کریں۔

میں تو شکر کے بارے میں عرض کر رہا تھا کہ اس مبارک مہینے کی قدر کریں، اس کو جس طرح وصول کرنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے، اس طرح وصول کریں۔

## رمضان کے آخری عشرے کو شب قدر کی وجہ سے خصوصی فضیلت حاصل ہے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ والی حدیث ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس

میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور وہ شب قدر ہے اور وہ خصوصی طور پر اس آخری عشرے میں ہوتی ہے۔ شروع میں آپ کو بتلایا نہیں گیا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلاش میں رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا پھر دوسرے عشرے کا کیا پھر آپ نے اعلان فرمایا کہ جس نے میرے ساتھ دوسرے عشرے کا بھی اعتکاف کیا ہے، وہ تیسرے کا بھی کریں؛ اس لیے کہ دوسرے عشرے کا اعتکاف میں نے اسی لیے کیا تھا کہ شب قدر حاصل ہو اور مجھے بتلایا گیا کہ وہ آخری عشرے کے اندر ہے (۱)۔ آخری عشرے کو اسی لیے خاص اہمیت حاصل ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔

## عبادتوں کے فضائل بار بار پڑھنے اور سننے کا اہتمام کیجیے

لیلۃ القدر کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ جو فضائل ہیں نا، روزے کے فضائل، تراویح کے فضائل، قرآن کی تلاوت کے فضائل، لیلۃ القدر کی اہمیت۔ یہ چیزیں بار بار پڑھا کرو، بار بار سنا کرو، اتنی کثرت سے پڑھو اور اتنی کثرت سے اس کو سنو کہ اس کی وجہ سے ان چیزوں کا دلوں کے اندر یقین پیدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہماری طبیعت میں ان چیزوں پر عمل کا شوق پیدا ہو جائے، رغبت پیدا ہو جائے اور جب بھی ہم اپنے آپ کو ان چیزوں کے لیے تیار کریں تو رغبت کے ساتھ اور پورے نشاط کے

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ الله تعالىٰ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِهَا، وَبَيَانِ مَحَلِّهَا وَأَرْجَى أَوْقَاتِ طَلَبِهَا.

ساتھ ان اعمال کو انجام دے سکیں۔

یہ فضائل اسی لیے تو ہیں۔ آپ کو کسی چیز کی فضیلت بتلائی جائے گی تو اس کو سن کر آپ کی طبیعت میں اس کو کرنے کا ایک جذبہ پیدا ہوگا، شوق پیدا ہوگا، رغبت پیدا ہوگی؛ اس لیے لیلۃ القدر کی فضیلت بھی پڑھو، یہاں کتابیں موجود ہیں، فضائل رمضان ہے اور دوسری کتابوں میں بھی اس کی اہمیت بتلائی گئی ہے، اس کے لیے قرآن کی ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے۔

بہرحال! اس آخری عشرے کی ان راتوں کے اندر ہمارا کوئی لمحہ بے کار اور ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

## ان مبارک راتوں اور دنوں میں ہر قسم کے گناہ سے دور رہیے

ایک بات خاص طور پر یاد رہے کہ ہم اس کی کوشش کریں کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب نہ کریں، ان راتوں میں ان دنوں میں ہم سے کوئی گناہ صادر نہ ہو، نہ ہماری زبان سے، نہ ہماری آنکھ سے، نہ ہمارے کان سے۔ کوئی گناہ بھی صادر نہ ہو۔ اگر ہم اس کا اہتمام کرلیں گے تو اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ دوسرے دنوں میں بھی گناہوں سے بچنا ہمارے لیے آسان کردیں گے۔

## جس کا رمضان سلامت، اس کا سال سلامت

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان جیسا گذارتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ سال بھر اس کے مطابق اس کی توفیق عطا فرماتے ہیں،

رمضان میں اگر عبادتوں کا اہتمام کیا، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا اور اللہ کی طرف مائل رہا تو رمضان کے علاوہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی گناہوں سے حفاظت فرمائیں گے۔ اس کا سال رمضان کے مطابق گذرے گا(۱)۔ اگر رمضان جیسے مہینے میں ہم نے ان غلطیوں کا ارتکاب کرلیا: زبان کی حفاظت نہیں کی، کان کی حفاظت نہیں کی، آنکھ کی حفاظت نہیں کی تو پھر یہی مصیبت سال بھر آتی رہے گی؛ اس لیے چند دنوں کا مسئلہ ہے اور یہ چند دنوں کی احتیاط ہمارے سال اور پوری زندگی میں تبدیلی پیدا کرسکتی ہے تو یہ سودا بہت سستا ہے؛ اس لیے اس کی بھی کوشش ہو۔

بہر حال! رمضان کے ان اوقات اور لمحات کی ہمیں قدر کرنا ہے، رمضان میں جو اعمال انجام دئے جاتے ہیں تو ہمارے یہاں ایک نظام بنا ہوا ہے۔

## یہ خانقاہی سلسلہ کابرًا عن کابر اور نسلاً بعد نسلٍ اسلاف سے چلا آرہا ہے

ایک بات یاد رکھئے کہ یہ جو ہمارا یہاں خانقاہی نظام بنا ہوا ہے، یہ دراصل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی ہدایات کے اوپر اور ان ہی کے طریقے کے اوپر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان حضرات کی خدمت میں بہت سے سال گزارنے کی

(۱) یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے، شعب الإیمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے: إِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ، وَإِذَا سَلِمَتِ الْجُمُعَةُ سَلِمَتِ الْأَيَّامُ (شعب الإیمان، اِلْتِمَاسُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، رقم الحدیث: ۳۴۳۴)

توفیق عطا فرمائی، ان کے یہاں جو ترتیب ہوا کرتی تھی، ہمارے یہاں بھی عموماً وہی ترتیب اختیار کی ہوئی ہے، ہاں! کبھی وقت اور مصالح کے مطابق معمولی سی ترمیم اس میں کر دی جاتی ہے، ورنہ عموماً کتابیں بھی وہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، اعمال میں بھی وہی انداز اختیار کیا جاتا ہے، وہی سارے طریقے ہیں، گویا ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ ہماری ایجاد نہیں ہے، ہمارے بزرگوں سے ہمیں جو چیز ملی ہے اور رمضان کو گذارنے کی جس طریقے پر ہم کو تاکیدیں کی گئی ہیں، انھوں نے جس طرح رمضان کا مہینہ گزار کر ہم کو بتلایا، وہی شکلیں اور وہی نظام آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں؛ تاکہ ایک قدیم سلسلہ جو رمضان کی وصولیابی کے سلسلے میں اسلاف سے چلا آ رہا ہے، وہ آپ کے علم میں آ جائے، گویا آپ کہہ سکتے ہیں کہ کابرًا عن کابر اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ بزرگوں سے چلا ہوا ہے۔

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کا پورا نظام: جو کتابیں، ان کے اوقات اور جو دوسرے معمولات ہیں، وہ بھی بحمد اللہ ان ہی اکابر کے بتلائے ہوئے ہیں اور ان کے یہاں بھی یہ سارے کام اسی طریقے سے انجام دئے جاتے تھے؛ اس لیے یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، یہ ہماری ایجاد نہیں ہے تو آپ بھی ان اعمال اور امور کی بحسن وخوبی انجام دینے کا اہتمام کریں۔

## سب سے پہلا کام: اپنے آپ کو ادب سے آراستہ کیجیے

سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا ہے، وہ یہ کہ ہمیں آداب کا لحاظ کرنا ہے، ادب ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے مالا مال

کر دیتا ہے،

| | | | |
|---|---|---|---|
| ادب تاجے ست از فضلِ الٰہی | | بنہ برسرو برو ہر جا کہ خواہی | |

ادب اللہ تعالیٰ کے فضل کا ایک تاج ہے، سر پر رکھ کر جہاں چاہو، چلے جاؤ اور باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب کہ جو شخص باادب ہوتا ہے اور کاموں کو ادب کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اس کام کے فوائد اور ثمرات سے حصہ عطا فرماتے ہیں، ورنہ محروم رہتا ہے۔

## ادب کا مطلب اور مفہوم

ادب کا مطلب کیا ہے؟ کسی بھی کام کو انجام دینے کے لیے اس کا جو طریقہ صاحبِ شریعت یا بزرگوں نے ہم کو بتلایا ہے، اس طریقے کے مطابق اس کام کو انجام دینا، جیسے سونے کے آداب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے عمل کے لیے ہمیں کونسی دعائیں پڑھنی ہیں، کیا کام کرنا ہے، باوضو رہنا ہے، کس طرح لیٹنا ہے، کون سی کروٹ لیٹنا ہے، درمیان میں آنکھ کھل جائے تو کیا کرنا ہے، سوتے وقت کیا پڑھنا ہے، اٹھتے وقت کیا پڑھنا ہے، یہ ساری چیزیں ادب کے مفہوم میں آتی ہیں، کچھ اعمال، کچھ اقوال یعنی کچھ کہنے کی چیزیں اور کچھ کرنے کی چیزیں، ان سب کا مجموعہ ادب کہلاتا ہے۔

## ادب مختلف حیثیت کے امور کے مجموعے کا نام ہے

اب ان میں ہر ایک کی حیثیت الگ الگ ہوتی ہے: بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں کہ جن کا درجہ فرض اور واجب کا ہوا کرتا ہے اور بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں کہ جن کا درجہ

مستحب کا ہوا کرتا ہے، درجہ الگ الگ ہے لیکن سب کا مجموعہ ادب کہلاتا ہے۔ جیسے کھانے کے لیے ہم دسترخوان پر بیٹھتے ہیں، روٹی بھی ہوتی ہے، سالن بھی ہوتا ہے، چٹنی بھی ہوتی ہے، سلاد بھی ہوتا ہے، پاپڑ بھی ہوتا ہے، سب کچھ ہوتا ہے، اب روٹی جو ہے، وہ تو رکنِ اعظم ہے، گویا واجب اور بنیادی جزء ہے اور پاپڑ، سلاد وغیرہ کوئی واجب نہیں ہے، مستحب کا درجہ رکھتے ہیں۔ گویا فرائض، واجبات سنن، مستحبات، ان سب چیزوں کو ملا کر کوئی عمل انجام دیں گے تو وہ عمل جیسا ہونا چاہیے، اس طریقے پر وجود میں آئے گا۔

## لذاتِ فانیہ کے رسیا

ہم دنیوی لذات میں تو اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، کھانے کے لیے جب بیٹھتے ہیں تو خالی روٹی پر اکتفا نہیں کرتے، حالاں کہ حضراتِ فقہاء نے گیہوں کی روٹی ہی کو کافی قرار دیا ہے، وہاں مسئلہ لکھا ہے کہ شوہر گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن دینے کا مکلف نہیں ہے، ہاں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن ہونا چاہیے اور ہمارے لیے تو گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن ہی نہیں، پتہ نہیں اور کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں بلکہ اب تو روٹی ہی دسترخوان سے غائب ہوگئی اور سالن جو ضمنی تھا، اس نے اصالت کی حیثیت اختیار کر لی، اور بھی بہت ساری چیزیں اور آئٹمیں ہوتی ہیں، کوئی ایک چیز بھی غائب ہو تو یہ بالکل ہمیں گوارا نہیں ہوتا۔ لباس ہے تو دھلا ہوا ہونا چاہیے، استری کیا ہوا ہونا چاہیے۔

## محبت کا جنوں باقی نہیں ہے، مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے

الغرض! دنیا کی اپنی لذات اور ضرورتوں کی تکمیل کے اندر ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں

کا خیال کرتے ہیں اور یہ عبادات، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جو عبادتیں انجام دینی ہیں یا جو کام کرنے کے طریقے ہم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائے کھانے کا طریقہ، سونے کا طریقہ، مسجد میں داخل ہونے کا طریقہ، نکلنے کا طریقہ، نماز کا طریقہ، وغیرہ، ان امور کے اندر ان چیزوں کا جیسا اہتمام کیا جانا چاہیے، وہ کیا نہیں جاتا، حالاں کہ یہ ہے وہ چیز جس کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے۔

## ہمارے اسلاف کے یہاں آداب کی بجا آوری کا اہتمام

ہمارے بزرگوں کے حالات میں کیا لکھا ہے؟ ہمارے سلسلۂ چشتیہ کے ایک بزرگ، نام ان کا بھول رہا ہوں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً فضائل صدقات کے اندر لکھا ہے کہ بیمار تھے، خود وضو نہیں کر پا رہے تھے، ان کے خدام وضو کرا رہے تھے، وہ خلال بھول گئے، وہ بار بار اشارہ کر رہے ہیں کہ خلال کروائیے۔ گویا ایک خلال کو بھی چھوڑنے کے روادار نہیں تھے، حالاں کہ ایسے بیمار ہیں کہ خود وضو کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ہمارے بزرگوں کے یہاں تو ایک ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی بڑا اہتمام ہوا کرتا تھا۔

## سنن و مستحبات کی بجا آوری محبت کے حقوق ہیں

یہ آداب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کے حقوق ہیں تو کچھ تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے حقوق ہیں، وہ فرائض اور واجبات ہیں اور کچھ محبت کے حقوق ہیں اور وہ سنن و مستحبات وغیرہ آداب کی بجا آوری ہے، یہی چیز ہماری

عبادتوں کے اندر جان پیدا کر دیتی ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہاں اعتکاف کے بھی آداب ہیں، روزے کے بھی آداب ہیں، تلاوتِ کلام پاک کے بھی آداب ہیں، نماز کے بھی آداب ہیں، ہر چیز کے آداب ہیں۔ جب ہم یہاں آئے ہیں تو ان تمام چیزوں کو ادا کرنے کا لحاظ کرنا ہے۔

## مسجد خدا کا گھر ہے، اس کے آداب کا لحاظ کیجیے

مسجد کے بھی آداب ہیں، یہ اللہ کا گھر ہے۔ جب ہم دنیا میں کسی کے یہاں جاتے ہیں اور بہت سی جگہوں پر تو باقاعدہ قانون بنے ہوئے ہیں، حتی کہ اگر آپ کو جیل میں جانا ہو تو وہاں اپنے ساتھ موبائل نہیں رکھ سکتے بلکہ وہاں باہر جو چوکیدار رہے، اس کو اپنا موبائل جمع کرانا پڑتا ہے پھر آگے جا سکتے ہیں، موبائل کے ساتھ نہیں جا سکتے۔ مسجد تو خدا کا دربار ہے، اس کا گھر ہے، پھر اس میں ہم لوگ ان چیزوں کے اندر مشغول رہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟۔

## مسجد میں موبائل جیسے خرافات سے بچنے کا اہتمام کیجیے

سنا ہے کہ تراویح ابھی ختم ہوئی نہیں کہ ہمارے بہت سے نوجوان وہاں پیسیج کے اندر جا کر آڑے ہو جاتے ہیں اور موبائل چالو کر دیتے ہیں۔ اس موبائل کو تو آپ اتنے دنوں کے لیے بند کر کے رکھ دو، جب تک آپ اس کے ساتھ اپنا تعلق قطع نہیں کریں گے، وہاں تک یہ اعتکاف کا جو صحیح لطف ہے، وہ حاصل نہیں ہوگا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اے اللہ!

تیرا وصل اور تیرا قرب کیسے حاصل ہوگا؟ تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے نفس کو اپنے آپ سے کاٹ لو، میرا قرب حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے غیر کے تعلقات سے بچنے کی ضرورت ہے اور اس وقت غیر کے تعلقات میں سب سے خطرناک چیز یہی موبائل ہے، اس لیے اس سے اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کا اہتمام کیجیے۔ یہاں مسجد کے اندر تو جو جائز کام تھا، اس کی اجازت نہیں تھی کہ آپ فون کرتے یا دوسری خبریں دیکھتے اور یہاں تو آکر تصویریں اور دوسری غلط چیزیں دیکھتے ہیں، یہ تو اپنے آپ کو برباد کرنا ہے۔

## مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے پر سخت وعید

دنیا کی باتیں کرنے پر کتنی سخت وعید ہے۔ فتاوی رحیمیہ میں ابن الحاج مالکیؒ کی ''المدخل'' کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ جب کوئی آدمی مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو کہتا ہے: اُسْكُتْ يا وليَّ اللّٰهِ: اے اللہ کے ولی! خاموش ہو جا- وہ بھلے نہیں سنتا لیکن فرشتہ یہ کہتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو یہ برحق ہے، چاہے ہمارے کان میں آواز نہ آئے، بہت سے اللہ کے بندے سنتے بھی ہوں گے- اور جب اس پر بھی خاموش نہیں ہوتا، بات کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: اُسْكُتْ يا بَغِيضَ اللّٰهِ: اے اللہ کے دشمن خاموش ہو جا۔ اور جب اس پر بھی خاموش نہیں ہوتا، بات کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ فرشتہ آگے کہتا ہے: اُسْكُتْ عَلَيْكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ: خاموش ہو جا، اللہ کی تجھ پر لعنت ہے (۱)۔

---

(۱) وأورد ابن الحاج في المدخل حديثاً مرفوعاً بلفظ إذا أتى الرجل المسجد فأكثر من الكلام =

یہ وعید تو دنیوی باتیں کرنے پر ہے تو گناہ کے جو کام ہیں، اس کا انجام کتنا خطرناک ہوسکتا ہے!! تو مسجد کے جو آداب ہیں، اس کے جو حقوق ہیں، ہمیں اس کی پوری رعایت کرنی ہے، یہ مسجد تو اللہ کا دربار ہے۔

فضائل نماز میں آپ نے تابعین اور اسلاف کے بہت سے واقعات پڑھے اور سنے کہ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو ان پر لرزہ طارہ ہوجاتا تھا کہ ہم اللہ کے دربار میں آئے ہیں، دنیا کے کسی حاکم کے دربار میں نہیں بلکہ احکم الحاکمین کے دربار میں آئے ہیں؛ اس لیے ہمیں یہاں مسجد کے آداب کا بھی پورا خیال کرنا ہے اور اس کے آداب میں سے بڑا ادب یہ ہے کہ ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## اعتکاف کے اجتماعی اعمال میں سے ایک عمل: کتابوں کی تعلیم

آپ کو پہلے بھی بتادیا گیا ہے کہ یہاں کے جو اجتماعی اعمال ہیں، ان میں شرکت کریں، ان اجتماعی اعمال میں کتابوں کی تعلیم کا سلسلہ ہے جو عصر کے بعد ہوتا ہے اور تراویح کے بعد دس منٹ کے لیے ہے اور عصر کے بعد مغرب سے کچھ پہلے تک ہے تو یہ کتاب جو پڑھی جاتی ہے، میں نے پہلے بھی بتلایا کہ ہمارے بزرگوں کے یہاں جن سے یہ سلسلہ ہے، ان کتابوں کو اس طرح ان مجالس کے اندر پڑھوانے اور سنوانے کا

---

=فتقول الملائكة له اسكت يا ولي الله فإن زاد فتقول له ا سكت يا بغيض الله فإن زاد فتقول له اسكت عليك لعنة الله والله أعلم. (تخريج أحاديث إحياء علوم الدين للعراقى، وا بن السبكى، والزبيدى رحمهم الله، رقم الحديث: ٥٠٦)

اہتمام تھا، وہی کتابیں آپ کے سامنے پڑھوائی جاتی ہیں، ان کو غور سے سنیں!۔

## کتابوں کی تعلیم کو سننے سے ہماری غفلت

بعض مضامین تو وہ ہوتے ہیں جو بہت سہل اور آسان ہیں، فضائل کی کتابیں جو ہم بکثرت سنتے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں شرکت بعد جس توجہ سے اور جس انہماک کے ساتھ اور دل چسپی کے ساتھ سننی چاہیے، وہ بات ہم میں پائی نہیں جاتی، اس لیے بہت سی مرتبہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کوئی بات کہی جاتی ہے کہ یہ بات ہے تو پوچھتے ہیں کہ یہ کہاں ہے؟ کہتے ہیں کہ فضائل نماز کے اندر ہے، آپ روزانہ تو اس کو سنتے ہیں!، وہ کہتا ہے کہ فضائل نماز کے اندر کہاں ہے؟، اس کو کھول کر بتاتے ہیں تو تعجب کرتا ہے کہ اچھا! یہاں ہے۔ حالاں کہ ہم روز سنتے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ایک ایک لفظ کو توجہ سے سنا جائے۔

## قرآن وحدیث کے مضامین سننے کا ادب

## کہ جس پر نوازشِ الٰہی کے فیصلے ہوتے ہیں

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں اس طرح توجہ اور انہماک کے ساتھ سنی جائیں کہ اگر ۱۰۰/ ویں مرتبہ بھی سن رہا ہے تو ایسی توجہ ہو، گویا کہ پہلی مرتبہ سن رہا ہو۔ جیسے پہلی مرتبہ ہم کوئی بات سنتے ہیں تو توجہ اور دھیان کے ساتھ سنتے ہیں، ویسے ہی یہ تعلیم ہم پہلے کئی بار سن چکے ہوں لیکن اسی توجہ کے ساتھ سننی ہے کہ جیسے ہم پہلی مرتبہ سن رہے ہوں، یہی اس کا ادب ہے اور اسی چیز پر اللہ

تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نوازا جاتا ہے۔

دیکھو! نوازنے والی ذات تو اللہ کی ہے اور اس نے اپنی نوازش کے اصول بتلادئے ہیں تو ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے؛ اس لیے اس کا بھی اہتمام ہو۔

## جو اہلِ وصف ہوتے ہیں، ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتھم فرماتے ہیں، ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں ہیں، کبھی کوئی جماعت آجاتی، میواتیوں کی جماعت ہوتی، وہ جب اپنی باتیں سناتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود پوری توجہ کے ساتھ ان کی باتوں کو سنتے تھے، کبھی بھی ان باتوں کی طرف سے بے اعتنائی، عدمِ رغبت، بے التفاتی کا کسی کو شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا، اتنا بڑا عالم لیکن ایک دیہاتی کی بات کو جو دین کی نسبت پر کہی جارہی ہے، توجہ سے سن رہا ہے۔

جب ہم مجلس میں بیٹھے ہیں تو اس مجلس کا حق یہی ہے کہ ان باتوں کو پوری توجہ اور اعتناء کے ساتھ سنیں۔ مجلس میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر جھانکتے رہنا، یا موبائل کھول کر کے اس کے اندر مشغول رہنا، یہ مناسب نہیں ہے، یہ ایک طرح کی بے ادبی اور گستاخی ہے اور اس کے اوپر بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کچھ دینے کے، ہوسکتا ہے کہ گرفت ہوجائے اور ہم تو یہاں کچھ لینے کے لیے آئے ہیں تو کچھ کھو کر جانا نہیں ہے۔

## ’’لینے گئی تھی پوت اور کھو آئی خصم‘‘ والا معاملہ نہ ہو

لینے گئی تھی پوت اور کھو آئی خصم! ایک عورت کا بچہ گم ہوگیا تھا، تلاش کرنے کے

لیے گئی تو بچہ تو کیا لے کر کے آتی، شوہر کو بھی کھو کر کے آئی، ایسا حال ہمارا ہے، ہم لینے کے لیے آئے ہیں، کچھ لے کر کے تو کیا جاتے، ہمارے پاس جو کچھ تھا، اس کو بھی کھو کر کے جاتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

تو اجتماعی اعمال میں ایک تو یہ تعلیم والا سلسلہ ہے۔ ایک یہ ہے جو ابھی آپ کے سامنے جاری ہے، پھر اس کے بعد جو مجلس ہے، اس میں مذاکرہ ہوتا ہے کچھ مسائل کا، نماز کا، اس میں بھی پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ لگنے کی ضرورت ہے۔

## نماز کے مسائل سیکھنے، سمجھنے کی ضرورت

جو اہل علم ہیں، ان سے تو کیا کہا جائے؟ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن وحدیث پڑھاتے ہوئے اور فتوے دیتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے، اس کے باوجود نماز کے دوران کبھی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا حکم ہوگا!، نماز کے بعد کتابیں کھول کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے!۔

اس نماز کو کوئی معمولی مت سمجھو۔ نماز کے مسائل کو بیان کرنے کے لیے فقہاء نے ہزاروں صفحات سیاہ کیے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کو بھی بڑی توجہ سے سیکھنا اور اس کا مذاکرہ کرنا ہے۔

## اہلِ علم کو بھی مذاکرات کی مجلس میں شرکت کرنے کی ضرورت

بہت سی مرتبہ ایک غلط چیز آدمی کے ذہن کے اندر بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ ہمارے

ایک دوست ہیں، ماشاء اللہ! بڑے صاحبِ استعداد ہیں، ایک مرتبہ اسی طرح مذاکرہ ہوا تھا، کہنے لگے کہ یہ مسئلہ بچپن سے میرے ذہن میں اسی طرح غلط بیٹھا ہوا تھا، آج میری اصلاح ہوئی ہے؛ اس لیے ان مذاکرات کی مجلس میں اہل علم کو بھی خوب دھیان دینا چاہیے۔

اور جو پڑھے لکھے نہیں ہیں، یا جوان مسائل سے زیادہ واقف نہیں ہیں، ان کو تو توجہ کرنا ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں حاضری کا موقع دیا ہے تو قرآن کی کچھ سورتیں اور نماز کی درستگی کے لیے جو ضروری امور ہیں، ان کو سیکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ یہاں اتنا قیام کرنے کے بعد بھی جب یہاں سے جاویں تو یہاں جیسے آئے تھے، ویسے ہی گئے، کچھ فائدہ حاصل کر کے نہیں گئے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے، بعض نے تو روایت کے طور پر بھی پیش کیا ہے: مَنِ اسْتَوَى يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُونٌ (١): جس شخص کے دو دن یکساں اور برابر ہوں، وہ گھاٹے میں ہے، یعنی ہم آج دینی اعتبار سے جس سطح اور جس لیول (level)

(١) ابنِ رجب حنبلیؒ اپنی کتاب ''لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف'' ص ٣٠٠، المجلس الرابع في ختام العام میں اس جملے کے بارے میں فرماتے ہیں: رأى بعض المتقدمين النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في منامه فقال له أوصني؟ فقال له: من استوى يوماه فهو مغبون وكان يومه شرا من أمسه فهو ملعون ومن لم يتفقد الزيادة في عمله فهو في نقصان ومن كان في نقصان فالموت خير له: گویا یہ جملہ کسی بزرگ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا تھا، اس کی مزید وضاحت علامہ سبکیؒ نے اپنی کتاب ''طبقات الشافعية الكبرى'' فرمائی ہے: حَدِيث من اسْتَوَى يوماه فَهُوَ مغبون ... الحَدِيث هَذَا رُؤْيا نوم عَن عبد الْعَزِيز بن أبي رواد أَنه رأى النَّبِي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي النّوم فَسَأَلَهُ فَقَالَ ذَلِك هَكَذَا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيّ فِي الزّهْد. (طبقات الشافعية الكبرى، ٦/ ٣٧٦، أَحَادِيث صلوَات يَوْم الْجُمُعَة وليلتها)

پر تھے، کل بھی ہماری وہی سطح ہے، اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، او نچے نہیں گئے تو ہم گھاٹے میں ہے، ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم روزانہ دینی اعتبار سے ترقی کریں۔

## ذمہ دار حضرات بھی اپنی ذمہ داری سمجھیں

یہاں جو حلقے لگائے جاتے ہیں تو ذمہ داران کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موقع دیا ہے، کوئی کہاں سے آیا ہے، آپ کی وجہ سے اپنی نماز درست کر کے جائے گا، زندگی بھر عمل کرے گا اور دوسروں کو بتلائے گا تو یہ آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے: أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ: مسلم شریف کی روایت میں جن تین چیزوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اس میں اس کا بھی شمار ہو جائے گا(۱)۔

## قرآنِ پاک کو درست کرنے کا اہتمام کیجیے

اسی طرح قرآنِ پاک کو درست کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے، چناں چہ یہاں اس کے حلقے الگ بنائے گئے ہیں، جو نہیں جانتے، ان کے حلقے الگ ہیں، جب ان لوگوں کے لیے اس کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے تو ان لوگوں کو بھی اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تو اجتماعی اعمال میں ایک یہ بھی ہے۔

---

(۱) پوری حدیث یہ ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ. (مسلم شریف، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابُ وُصُولِ ثَوَابِ الصَّدَقَاتِ إِلَى الْمَيِّتِ)

## تراویح پورے شوق اور رغبت کے ساتھ پڑھیے

اجتماعی اعمال میں رات کی تراویح بھی ہے، نمازیں تو جماعت کے ساتھ ادا کی ہی جاتی ہیں، تراویح کو بھی بڑے شوق اور رغبت کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہے، یہ بے رغبتی، بیٹھے رہنا یا اس انتظار میں رہنا کہ تراویح پڑھانے والا رکوع میں جاوے تو ہم اٹھ کر کے شریک ہوں، ایسا نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ آپ واقعۃً بیمار ہیں، کمزور ہیں تو بھی شرکت تو کریں؛ اس لیے کہ تراویح کے اندر قرآنِ پاک کا سننا بھی سنت قرار دیا گیا ہے کوئی ایک لفظ بھی چھوٹنا نہیں چاہیے۔

اسی لیے آپ دیکھتے ہوں گے کہ حافظ سے کوئی چیز چھوٹ جاتی ہے تو اس کو بتلا دی جاتی ہے اور وہ دوسرے دن اس کو پڑھ لیتا ہے؛ تاکہ قرآن تکمیل کے اندر کوئی ایک لفظ کی بھی کمی نہ رہے۔ اب اگر آپ قصداً نیت نہیں باندھیں گے تو یہ ہوگا کہ قرآن کا ایک بڑا حصہ جو تراویح کے اندر آپ کو سننا چاہیے تھا، وہ سن نہیں پائیں گے اور سنت ادا نہیں ہوگی۔ اگر آپ واقعۃً بیمار ہیں، کمزور ہیں، بڈھے ہیں تو شریک ہو جائیں اور بیٹھ کر کے پڑھیں اور اگر جوان ہیں، کوئی عذر نہیں ہے تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

## تراویح کے ساتھ ہمارا بے رخی والا معاملہ

ہم اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں، بات کرنے کے لیے آدھا گھنٹہ کھڑے رہیں گے تو کبھی پیر ہلتا بھی نہیں ہے اور نماز میں پانچ منٹ کی قرأت ہو جاتی ہے تو سائکل چلانا شروع کر دیتے ہیں، یہ پیر اٹھایا، وہ پیر اٹھایا، یہ

طریقہ غفلت پر دلالت کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بے توجہی والا معاملہ ہے، یہ تو اللہ کے غضب کو لانے والی چیز ہے۔

## تراویح میں دل نہ لگنا ہماری روحانی بیماری اور کمزوری کا نتیجہ ہے

ہمیں اپنی اس عادت کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے: اے اللہ! میرے دل کے اندر اس کا شوق اور رغبت پیدا فرما۔ یہ ہماری طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ یہ ہماری بیماری ہے، جیسے بخار والے کو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے، ایسے ہی یہ تراویح بھی ایک اچھی چیز ہے، وہ ہمیں جو اچھی نہیں لگتی، اس سے بے رغبتی ہوتی ہے، وہ دراصل ہماری روحانی بیماریوں کی وجہ سے ہے، جس کے اندر ہم گرفتار ہیں تو یہ دراصل ہماری روحانی بیماری کا نتیجہ ہے، تراویح میں کوئی کمی نہیں ہے تو ہمیں کوشش کر کے عادت ڈالنی چاہیے۔

جیسے بچہ ہوتا ہے جس کو اعمال کی عادت نہیں ہوتی، اپنے بڑوں کی نگرانی میں ان پر سختی کر کے زبردستی کرائے جاتے ہیں؛ تاکہ اس کو عادت ہو جائے۔ ویسے ہی ہم کو بھی نفس کی اصلاح کے لیے یہاں جبرًا اس کو اعمال کا عادی بنانا ہے، اس کے بغیر کام بننے والا نہیں ہے۔ بہرحال! اس تراویح کو بھی پورے شوق اور رغبت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کریں، یہ بھی اجتماعی عمل ہے۔

## سورۂ یٰسٓ پڑھنے کا اہتمام

تراویح کے ختم ہونے کے بعد جیسا کہ اعلان ہوتا ہے، سورۂ یٰسٓ پڑھنا ہے، سورۂ

یٓس کو ضرور پڑھئے، اس کی وجہ سے جن کو زبانی یاد نہیں ہے، یہاں رہتے ہوئے روزانہ پڑھنے سے زبانی یاد ہو جائے گی اور نہ ہو تو یاد کرنے کی کوشش کریں۔ یہ تو بڑی دولت ہے۔ آپ نے فضائل قرآن میں جہاں قرآن کی مخصوص آیتوں اور مخصوص سورتوں والی فصل دیکھی یا سنی ہوگی، اس میں سورۂ یٓس کی مستقل فضیلت بھی سنی ہوگی کہ کوئی آدمی صبح پڑھ لیتا ہے تو دن بھر کے کاموں میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو کامیابی عطا فرماتے ہیں (۱)۔ اور اس کے دوسرے بھی بے شمار فضائل ہیں۔

## رات میں پڑھی گئی یٓس صبح کی طرف سے کافی نہیں

اس لیے جب آپ یہاں رہ رہے ہیں تو اس کو یاد کرنے کا اہتمام بھی کریں اور صرف اسی وقت نہیں بلکہ صبح کے وقت فجر کی نماز کے بعد بھی یا صبح صادق کے بعد بھی اس کو پڑھنے کی یہیں سے عادت ڈال لیجیے، رات کا پڑھا ہوا صبح کے وقت پڑھنے کی جو فضیلت آئی ہے، اس کے لیے کافی نہیں ہے، بہت سے روزمرہ کے پڑھنے والے ایسی غفلت کا شکار ہوتے ہیں کہ صبح کے وقت بستر ا پھیلا کر سو جاتے ہیں اور سورۂ یٓس کے پڑھنے کا جو روزانہ کا معمول ہے، وہ ادا نہیں ہو پاتا۔

## نیک لوگوں کے اخلاق واطوار اختیار کیجیے

بہرحال! یہاں سے آپ کو کچھ لے کر کے جانا ہے، اچھے اعمال کو اپنے اندر داخل

---

(۱) أخرج الدّارِميّ عَن عَطاء بن أبي رَبَاح قَالَ: بَلغنِي أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: مَن قَرَأَ يس فِي صدر النَّهَار قضيت حَوَائِجه. (الدر المنثور فی اوائل سورۃ یس)

کرنا ہے، اپنی زندگیوں میں کچھ تبدیلی لانی ہے، اللہ کے نیک بندوں والی شکلیں، ان کے اعمال، ان میں اعمال کی پابندی کا جو اہتمام ہوتا ہے، یہ سب چیزیں اپنے اندر بھی لانی ہیں۔

## تراویح کے بعد اجتماعی طور پر یٰس خوانی کی حکمت

تو سورۂ یٰس یہاں یاد کرلیں اور طے کرلیں کہ میں یہاں سے جانے کے بعد بھی اس کی پابندی کے ساتھ صبح کے وقت تلاوت کروں گا۔ اسی طرح رات میں سورۂ ملک پڑھنے کا معمول بنایا جائے۔ یہاں جو تراویح کے بعد سورۂ یٰس پڑھائی جاتی ہے، وہ تو دعا کی مناسبت سے ہے کہ بعض بزرگوں کا تجربہ ہے کہ ۴۰/مرتبہ سورۂ یٰس پڑھ کر کے جو دعا کی جاتی ہے، وہ قبول ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ! سب پڑھیں گے تو چالیس کیا، چار سو، آٹھ سو مرتبہ ہو جائے گی۔ اس لیے سب اس کو پڑھنے کا اہتمام کریں، اس وقت کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں۔

## چہل درود و سلام کا عمل اور اس کا طریقہ

اس کے بعد پھر صلوۃ وسلام پڑھی جاتی ہے، اس کو توجہ سے سننا چاہیے اور ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو بعض مرتبہ تاکید کی جاتی تھی کہ پڑھنے والا جب پڑھ رہا ہے، ایک درود مکمل ہوا تو آپ کو اس پر آمین کہنا چاہیے؛ اس لیے کہ یہ درود ایک دعا ہے، آپ جب اس پر آمین کہیں گے تو اس میں آپ بھی شریک ہو گئے، خالی سنا نہیں بلکہ آمین کہنے کی وجہ سے پڑھنے والے کی طرح آپ بھی پورے طور پر اس میں شریک

قرار دئے جائیں گے۔

ویسے بھی یہ ۴۰/درود والا عمل بابرکت عمل ہے، آپ اس کو بھی یہاں سے لے کر کے جایئے، یہ تو صرف سننا ہے لیکن سننے کے علاوہ بھی اس چہل درود کو روزانہ اس طرح پڑھنے کی بھی عادت ڈالیے کہ یہاں سے جانے کے بعد بھی آپ روزانہ دن یا رات کے کسی مقررہ حصے میں ان درودوں کو پڑھنے کا اہتمام کریں۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہر امتی کا اخلاقی فریضہ ہے

گذرے ہوئے عشروں میں جو کتابیں سنائی گئیں جن کے اخیر میں فضائل درود سنائی گئی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ میرے اوپر درود بھیجو۔ ویسے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو احسانات اس امت پر ہیں اور آپ کے صدقے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاکید نہ بھی فرماتے تو بھی ایک امتی کی حیثیت سے اور ایک احسان منداور ممنون ہونے کی حیثیت سے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے تھا، چہ جائیکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید بھی فرمائی کہ مجھ پر درود بھیجو۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا انعام

اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہمارے لیے فائدے سے خالی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ عَشْرًا(۱) کہ: جس نے ایک مرتبہ

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم بَعْدَ التَّشَهُّدِ.

میرے اوپر درود بھیجا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اوپر دس رحمتیں بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کیسا عجیب وغریب انعام ہے کہ آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجنے کے نتیجے میں ہمیں دس رحمتیں حاصل ہوتی ہیں تو ایسا فائدہ کون نہیں اٹھائے گا؟ ایک کے بدلے دس حاصل ہوتا ہو تو لوگ دوڑے ہوئے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ ایک بھی ہمارا دیا ہوا، وہ دس جو ملتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتے ہیں، کمًّا کیا، کیفًا بھی ہمارا وہ عمل اللہ کی رحمت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

## ہمیشہ درود پڑھنے کی عادت بنائیے

بہرحال! اس درود کو یہاں سے پڑھنے کی عادت ڈالئے اور ایسی عادت بنائیے کہ وہ وقت آوے تو اس کو پڑھے بغیر آپ کو چین نہ ہو، پھر دیکھیے کہ اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو کیسا سکون عطا فرمائیں گے اور کیسی برکتیں آپ کو حاصل ہوں گی۔

## دعا کا طریقہ اور اس کے الفاظ سیکھیے اور یاد کیجیے

اور پھر دعا ہے، دعا میں تو سب شریک ہوتے ہی ہیں لیکن دعا کو بھی عبادت سمجھ کر اس میں شرکت کی جائے، خالی اجتماعی دعا میں شرکت پر اکتفا نہ کریں بلکہ انفرادی طور پر بھی دعائیں مانگنے کا اہتمام کیا جائے۔ اب جو دعائیں عربی میں مانگی جاتی ہیں تو جو عربی نہیں جانتے، وہ تو خیر معذور ہیں لیکن یہ جو اردو میں دعائیں مانگی جاتی ہیں تو یہ اردو کی دعائیں بھی عام طور پر وہی ہیں جو عربی سے لی گئی ہیں، ان کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کیجیے اور اس طرح دعا سیکھ کر کے یہاں سے جائیے۔

## دوسروں سے ہی دعا کرواتے رہیں گے!
## خود بھی کچھ مانگنا ہے یا نہیں؟

بہت سے لوگ وہ ہیں جو دعا کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کو آتی نہیں ہے تو وہ کسی کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ حضرت! میرے لیے دعا کر دیجیے۔ ہمارے ایک ساتھی ہیں وہ حضرت مولانا خلیل حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں، اب تو مرحوم ہو گئے، ابھی قریب زمانے کے اندر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، ہمارے ساتھی کہنے لگے کہ میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے آ کر حضرت سے کہا کہ حضرت! میرے لیے دعا کر دیجیے۔ وہ ظہر میں آیا اور عصر میں پھر آ کر کہتا ہے، پھر مغرب میں آ کر کہتا ہے تو حضرت نے کہا کہ میں ہی کروں گا؟ تو بھی کچھ کرے گا یا نہیں؟۔ تو دوسروں سے ہی دعا کرواتے رہیں گے؟ خود بھی کچھ مانگنا ہے یا نہیں؟۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خود فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ [البقرۃ:١٨٦] یہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر فرمایا ہے تو ہمیں دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے اور خود کو دعاؤں کا عادی بنانا چاہیے۔

## دعاؤں کے اندر خود غرضی سے کام نہ لیں

اور دعاؤں کے اندر بھی خالی خود غرضی نہ ہو یعنی خالی اپنی حاجتیں مانگنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ دعاؤں کے اندر اپنی حاجتیں بھی مانگنی چاہئیں، اپنی حاجتیں تو ہر

کوئی جانتا ہے، جیسے اپنی ذاتی حاجتیں ہیں ویسے ہی جو ہمارے رشتہ دار ہیں: ہمارے بھائی ہیں، ہماری بہنیں ہیں، ہمارے چچا، ہماری پھوپھی ہمارے ماموں، ہمارے خالو، ہماری خالائیں اور دوسرے اعزا اور اقارب، ان کی بھی ایسی حاجتیں ہیں جو ہمارے علم میں ہیں: ان کا کوئی قریبی رشتہ دار، بیٹا، بیٹی بیمار ہے، کسی کی شادی ہے، کوئی پریشان ہے، آپ کے علم میں ہے۔ وہ آپ کو کہیں یا نہ کہیں، آپ کی رشتہ داری اور تعلق کا حق ہے کہ آپ ان کے لیے دعا کریں۔

ویسے بھی آپ یہاں آئے ہیں، ان کو پتہ چلے گا، ان کو آپ کے ساتھ اگر تھوڑا بہت ربط ہے تو وہ چلتے ہوئے ملاقات ہو جائے یا فون کی نوبت آئے گی تو وہ ضرور کہیں گے کہ ذرا ہمارے لیے بھی دعا کر دینا۔ آپ کہیں گے کہ ہاں! ضرور کریں گے، یہاں تو اپنے لیے ہی نہیں کرتے، ان کے لیے کہاں کریں گے! یہ نہیں ہونا چاہئے۔

## دعا: دنیا کا سب سے طاقت ور ترین ہتھیار

دعا ایک ایسی چیز ہے کہ جہاں کوئی تدبیر اثر نہیں کرتی، ساری تدبیریں جہاں جواب دے جاتی ہیں، وہاں دعا اپنا اثر کرتی ہے تو ایک ایسا عمل کہ جہاں دنیا کی کوئی تدبیر کارآمد نہ ہو، وہ اگر کارآمد ہے تو اس سے بڑھ کر کے ہتھیار اور کیا ہو سکتا ہے!، اسی لیے ''الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ'' کہا گیا ہے(۱)۔

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ. رقم الحدیث: ۳۳۷۱.

## دعا کو ''مُخُّ الْعِبَادَةِ'' کہنے کی وجہ اور حکمت

''مُخُّ الْعِبَادَةِ'' اس معنی کر کے بھی ہے کہ دعا کے اندر اصل یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، آدمی جب اپنی کسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہی ہے تو نماز اور دوسری عبادتوں میں جو التفات اور توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے، وہ دعا کے اندر پائی جاتی ہے۔

## دعا بھی ایک عظیم عبادت ہے

اور دعا کو آپ معمولی نہ سمجھیں، بہت سوں کو غلط فہمی ہوتی ہے، بعض کہتے ہیں کہ تلاوت، تسبیحات وغیرہ سے ہی فرصت نہیں ملتی کہ دعا کریں۔ ارے بھائی! ہر ایک کا وقت مقرر کر دیجیے، دعا کے لیے بھی ایک وقت ہونا چاہیے۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں دعا کرنے جاؤں گا تو میری تسبیح رہ جائے گی، میری نماز رہ جائے گی۔ ارے بھائی! جس طرح نماز اور تسبیح عبادت ہے، اسی طریقے سے دعا بھی عبادت ہے۔ آپ دعا کو الگ کیوں سمجھ رہے ہیں؟ آپ ایسا کیوں سمجھ رہے ہیں کہ اگر دعا کروں گا تو میں فلاں عبادت سے کٹ جاؤں گا؟ نہیں، دعا خود بھی ایک عبادت ہے اور یہ تو ''ہم خرما و ہم ثواب'' کا مصداق ہے کہ عبادت بھی ہے اور ہماری ضرورت بھی پوری ہو رہی ہے۔

## دوست واحباب کے لیے بھی دعا کریں

بہر حال! اپنے رشتہ داروں کے لیے بھی دعائیں ہوں، اپنے دوستوں کے لیے بھی دعائیں ہوں، اپنا جو حلقۂ احباب ہے، ان کے لیے دعا کا اہتمام کریں، جیسے ہماری

حاجتیں ہیں، ان کی بھی حاجتیں ہیں ہم کو معلوم بھی ہوتا ہے کہ ہمارے فلاں دوست کی فلاں حاجت ہے تو اس نے ہمیں کہا ہو یا نہ کہا ہو، ہم اس کے لیے دعاؤں کا اہتمام ضرور کریں، اس کی دوستی کا حق ہے۔ وہ کہے، تب تو ضروری ہو جاتا ہے، وہ نہ کہے تو بھی نفس دوستی کی وجہ سے اس کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## پوری امتِ محمدیہ کے لیے دعا کا اہتمام کریں

اور چوتھا پوری امت محمدیہ کے لیے دعا کا اہتمام کریں۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے اور ہمیں جو محبت ہے، اس کا تقاضا ہے کہ آپ کی امت پر کوئی پریشانی ہو، حالات ہوں تو ہم آپ کی امت کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں۔ کہیں سیلاب آتا ہے، کہیں فساد ہوتا ہے، کہیں کوئی اور حادثہ پیش آتا ہے اور مسلمان اس حادثے کا شکار ہو کر بے گھر ہو جاتے ہیں تو مدد کے لیے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں، لوگوں سے چندہ کر کے ان کو مدد پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو مدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ دو پیسے نہ دے سکیں تو دعائیں کر لیں اور یہ تو اس سے بھی بڑی مدد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ! تیرا یہ بندہ فساد کی وجہ سے تباہ ہوا ہے یا سیلاب کی وجہ سے اس کا گھر بہہ گیا ہے یا دشمنوں کے حملے کی وجہ سے تباہی ہوئی ہے، تو اس کی تلافی فرما دے، اس کی مدد فرما دے تو ہمارے حق میں عبادت ہو جائے گی اور اس کے حق میں مدد ہو جائے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بحیثیت امتی کے ہمارا جو تعلق ہے، اس کا بھی کچھ نہ کچھ حق ادا ہوگا۔

ان چار قسموں کی دعا کے لیے بھی یہاں رہ کر بھی عادت ڈال کر وقت نکالنا ہے اور یہاں سے جانے کے بعد بھی اس کا اہتمام کرنا ہے۔

## مستجاب الدعوات بننے کا نبوی نسخہ

اور یہ تو عجیب وغریب نسخہ ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں: وَلَكَ بِمِثْلٍ: اے اللہ اس کی دعا قبول فرما اور اس کو بھی یہی نعمت عطا فرما[1]۔

حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! ہماری جو حاجت ہوتی ہے تو میں تو یوں کرتا ہوں کہ میرے رشتہ دار اور دوست احباب میں سے کسی کی ایسی حاجت ہوتی ہے تو اس کے لیے دعا کرتا ہوں؛ تاکہ فرشتے اس پر آمین بھی کہیں اور ہماری حاجت کے بارے میں بھی دعا کی قبولیت کا انتظام ہو جائے۔

ہم مقروض ہیں تو اپنے مقروض دوستوں کے لیے دعا کا اہتمام کریں تو فرشتے آمین بھی کہیں گے اور کہیں گے کہ: اے اللہ! اس کے بھی قرض کو ادا کروا دے۔

بہر حال! ایک تجربے کی بات آپ سے کہتا ہوں کہ اس کی وجہ سے آپ کی دعائیں قبول ہوں گی، آپ مستجاب الدعوات بن جائیں گے کہ جس کی دعائیں اللہ کے یہاں قبول ہوتی ہیں تو مستجاب الدعوات بننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی دوسروں

---

(۱) مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ. (صحیح مسلم، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَابُ فَضْلِ الدُّعَاءِ لِلْمُسْلِمِينَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ)

کے لیے دعا کا اہتمام کرے، خاص کر کے پوری امت کے لیے، اپنے دوست واحباب کے لیے، رشتہ داروں کے لیے۔ اپنی ذات کے لیے تو کرتے ہی ہیں، ان کے لیے بھی دعا کا اہتمام کریں گے تو اس کی وجہ سے آپ کی دوسری دعائیں بھی قبول ہوں گی؛ کیوں کہ جب فرشتے آمین کہیں گے تو فرشتوں کے آمین کہنے کے بعد اس کے قبول ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے؟۔

## اپنے حق میں دوسروں کی دعا وصول کرنے کا نسخہ

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ان کے دلوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے لیے دعا کا جذبہ ڈالیں گے۔ دیکھو! ابھی کوئی دوست آکر آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ میں آپ کے لیے دعا کرتا ہوں، تجربہ کر کے دیکھ لو۔ آپ اپنے دوست، احباب، رشتہ داروں کے لیے دعا کا اہتمام کریں، کچھ دنوں کے بعد جب ان سے آپ کی ملاقات ہوگی تو وہ کہیں گے کہ میں آپ کے لیے دعا کرتا ہوں، آپ کا نام لے کر دعا کرتا ہوں۔ اس کے دل میں آپ کے لیے دعا کا جذبہ کس نے ڈالا؟ اللہ نے ڈالا۔ کیوں ڈالا؟ کیوں کہ آپ نے اس کے لیے دعا کا اہتمام کیا۔

آپ کا کوئی دوست بیمار ہے، ہسپتال میں داخل ہے تو آپ سے امید رکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ میرے دوستوں کو جب میری بیماری کا پتہ چلے گا تو وہ میرے لیے ضرور دعا کریں گے اور ہم جاننے کے بعد بھی اس کے لیے دعا نہ کریں تو اس نے ہم سے دعا کی جو توقع رکھی تھی، ہم اس توقع میں پورے نہیں اترے تو حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں آپ کے لیے دعا کے جذبات پیدا فرما دیں گے اور فائدہ دوہرا کر دیں گے؛ اس لیے یہاں رہتے ہوئے بھی جب انفرادی طور پر اپنے لیے دعا کریں تو اس میں ان چیزوں کا خاص اہتمام کریں اور جنھوں نے درخواستیں کی ہیں، ان کے لیے تو خاص طور پر دعا کا اہتمام کریں، کم سے کم ایک مرتبہ ضروری اس کے نام کے ساتھ دعا ہونی چاہیے، نام اگر یاد نہ رہا ہے تو ذہن میں ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کر لیں؛ تا کہ اس کی اس درخواست کا حق ادا ہو جائے۔

## دعا کی درخواست کرنے والوں کو نقد دعا دینے کی عادت ڈالئے

ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا، خاص کر کے پاکستانی اکابر جو حرمین میں آتے ہیں، ان سے جب دعا کی درخواست کرتے ہیں تو وہ فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں اور اسی وقت دعا کر دیتے ہیں، گویا وہ آپ کی درخواست کا جواب دے دیتے ہیں، بعد میں یاد رہے کہ نہ رہے اور ہم تو ادھار رکھتے ہیں، اگر اسی وقت دعا نہیں کی تو گویا ہمارے سر پر ان کی دعا کا قرضہ باقی رہے گا، وہ حضرات قرضہ باقی نہیں رکھتے۔

یہ جو عمومی دعائیں کی جاتی ہیں، ان دعاؤں کے الفاظ کو بھی یاد کر لیں، خاص کر کے وہ لوگ جو دعاؤں سے ناواقف ہیں۔

## دعا کا مسنون طریقہ

دیکھو! دعا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جائے، اللہ کی حمد وثنا میں کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھے کہاں عربی آتی ہے!! ارے بھائی!

آپ کو تیسرا کلمہ تو آتا ہے نا؟ چوتھا کلمہ آتا ہے، ثنا آتی ہے، آیۃ الکرسی آتی ہے، یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہی ہے تو پہلے یہ کلمات (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پر دلالت کرنے والے) پڑھ لو۔

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے، درود کے جتنے بھی صیغے آتے ہوں اور نماز والا تو آتا ہی ہے، وہ پڑھ لو۔ یہ دونوں چیزیں دعا کو قبولیت کے زیادہ کرنے والی ہیں، اس کے بعد اپنی دعا شروع کرو، اخیر میں بھی درود وغیرہ پڑھ کر کے اس کو اختتام تک پہنچانا ہے[1]۔

## ہم نے اللہ سے مانگنے کا طریقہ نہیں سیکھا ہے

یہ دعا کے عام آداب ہیں اور جو عام دعائیں کی جاتی ہیں، ان کے الفاظ بھی یاد کرلو۔ میں ہمیشہ بیعت ہونے والوں کو بیعت کے وقت کہا کرتا ہوں کہ یہ جو محلے میں مانگنے والے فقیر آتے ہیں، وہ جو آوازیں لگاتے ہیں تو ان کی کیسٹیں باقاعدہ طے شدہ ہیں، کسی محلے میں جائیں گے تو کیا مانگنا ہے، اس کی کیسٹ ان کے دماغ میں چل رہی ہے، اس کے ذہن کے اندر بنی بنائی کیسٹ ہے جو چلتی ہے کہ حاجی صاحب! آپ کا یوں

---

(۱) احادیث میں یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے: عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَاعِدٌ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي، إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ. قَالَ: ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذَلِكَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَيُّهَا الْمُصَلِّي ادْعُ تُجَبْ. (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ٣٤٧٦)

بھلا ہو جائے گا، وغیرہ۔ ان فقیروں نے تو بندوں سے مانگنے کا طریقہ سیکھ لیا اور ہم نے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا طریقہ نہیں سیکھا۔

## احادیث میں وارد دعائیں بڑی جامع ہوتی ہیں

اہل علم سے تو خاص طور سے کہوں گا کہ یہ جو ''الحزب الاعظم'' کے اندر دعائیں ہیں، ان کو یاد کرلیں، ہماری ذاتی دعائیں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح مانگ کر بتلائی ہیں کہ جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تو آدمی کو اپنی حاجت کے مطابق یاد کر کے مانگتے رہنا چاہیے۔

## آنکھ کی ایک لاعلاج بیماری

بہت سی بیماریاں ہوتی ہیں، اعضاء میں کمزوری ہوتی ہے، سب کی دعائیں احادیث کے اندر موجود ہیں۔ ہمارے ایک مولانا ہیں حضرت مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم، دار العلوم زکریا کے مفتی ہیں، ان سے ملاقات ہوتی ہے، ان کو گلوکما کی بیماری ہے ''کالا پانی''، مجھے بھی ہے، ان کو بھی ہے، اس کے متعلق ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی خاص علاج نہیں ہے، دوائیاں جو لکھ دی جاتی ہیں، وہ دوائیاں بہت بہت تو اس بیماری کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے، آگے کچھ نہیں۔ اب میں بھی دوائیاں تو استعمال کرتا رہتا ہوں۔

## اس لاعلاج بیماری سے شفا کی دعائے نبوی

ایک مرتبہ حضرت کی آنکھ کچھ زیادہ متأثر ہوگئی تو میں نے کہا کہ حضرت! نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دعا ہے: اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْیَیْتَنَا، وَاجْعَلْہُ الْوَارِثَ مِنَّا[1]: اے اللہ! تو ہمیں ہماری سننے کی صلاحیت، دیکھنے کی صلاحیت اور ہماری دوسری جتنی بھی صلاحیتیں تو نے رکھی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا فرما۔ اے اللہ! یہ صلاحیتیں اخیر تک باقی رہیں اور وہ ہماری وارث بنیں، یعنی ہم دنیا سے جاویں اور ہمارے پیچھے باقی رہیں، اس کے فیصلے فرما۔ گویا اخیر تک صلاحیتوں کو باقی رکھنے کی دعا ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو اسی نیت سے یہ دعا پڑھ لیتا ہوں۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں ایسی عجیب وغریب ہیں کہ ہم اس کے فوائد کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ "الحزب الاعظم" میں ایسی دعائیں ہیں، اگر عربی میں یاد نہ رہیں تو اردو میں اس کا ترجمہ یاد کر کے اس سے دعا کا اہتمام کیا جائے۔

## دعا سب سے بڑی نعمت ہے

اب یہاں کی دعا میں تو شامل ہوتے ہی ہیں لیکن جب یہاں سے گئے تو دعا سے بالکل کٹ گئے، اب آپ سوچتے ہیں کہ میں دعا کے لیے کس سے کہوں؟، اگر آپ یہاں رہ کر یہ دعائیں اور اس کا طریقہ سیکھ لیں گے تو پھر خود آپ ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ کرنے والے ہو جائیں گے۔

## خود ہی مرغی پال لو نا: ایک واقعہ

یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ دوسری کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بقول حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ایک عورت تھی، اس کے یہاں مرغی تھی اور ایک اس کی پڑوسن تھی،

اس کے یہاں مرغی نہیں تھی۔ اچانک کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ پڑوسن مرغی والی پڑوسن سے یوں کہتی تھی کہ بہن! ایک انڈا دے دونا، اچانک ایک مہمان آگیا ہے تو اس کے لیے تیاری کرنا ہے۔ ایسا بار بار ہوتا رہتا تھا۔ اس پڑوسن نے کہا کہ بہن! یہ کیا کہ جب بھی کوئی مہمان آتا ہے تو انڈا مانگنے کے لیے آجاتی ہو، تم بھی ایک مرغی پال لونا!

اسی طرح ہمیں بھی جب کوئی پریشانی ہوتی ہے تو ان سے کہو اور ان سے کہو، یہ کیا کہ ان سے کہو، ان سے کہو، خود ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کا رشتہ قائم کرلو اور خود ہی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والے بن جاؤ۔

## تو ترا کوئی اَور ہوگا خدا اے زاہد!

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ میں تو بڑا گناہ گار ہوں، میں کیسے دعائیں مانگ سکتا ہوں، ارے اللہ تعالیٰ نے تو شیطان کی دعا بھی قبول فرمائی ہے اور شیطان کی دعا بھی عجیب وغریب کہ عین اس وقت جب اس نے اللہ کے حکم کو توڑا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ سے نکال رہے ہیں، مردود کررہے ہیں، اس وقت اس نے اپنی ڈیمانڈ رکھی کہ یہ کائنات جب تک موجود رہے، وہاں تک مجھے زندگی عطا فرما۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کرلیا۔

## شیطان اللہ تعالیٰ کی صفات کا بہت بڑا عارف ہے

درحقیقت شیطان اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات سے جتنا واقف تھا، اس کو اللہ کی معرفت جتنی حاصل ہے، بقول حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ علم میں بھی

کامل ہے، معرفت میں بھی کامل ہے، عمل بھی بہت کیا، البتہ عشق میں کمی تھی۔ معرفت اس کی اتنی کامل تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اندر انفعال کی صفت نہیں ہے۔

## اللہ تعالیٰ انفعالی کیفیت اور صفت سے منزہ ہیں

ایک انفعال ہوتا ہے، کوئی آدمی ہمارے ساتھ کوئی سلوک کرے، اس سلوک کے نتیجے میں ہماری طبیعت کے اوپر جو اثر مرتب ہوتا ہے، جیسے کسی نے ہم کو گالی دی اور گالی سن کر ہم کو غصہ آگیا اور اس کو ایک طمانچہ مار دیا، یا طمانچہ نہیں مارا لیکن کچھ دینے والے تھے، وہ نہیں دیا، یہ انفعالی کیفیت ہے جو انسانوں میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ انفعالات سے پاک ہیں، اس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا، وہ تو اپنے علم اور حکمت کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

تو شیطان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اتنی معرفت حاصل تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میں یہ انفعالی کیفیت نہیں ہے؛ اس لیے عین اس وقت جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بارگاہ سے نکال رہے تھے، یہ ڈیمانڈ پیش کر دی۔

## اپنی درخواست قبول کروانے کے سلسلے میں انسانی مزاج

بیوی بھی جب شوہر سے کوئی بات منوانے والی ہو تو وہ موڈ دیکھتی ہے کہ آج میاں کا موڈ اچھا ہے تو وہ اپنی پیش کش رکھ دیتی ہے اور کتنا ہی لاڈلا بیٹا ہو، جب اسے اپنے باپ سے کوئی کام نکلوانا ہو تو وہ بھی اپنے ابا کا موڈ دیکھ کر کے اپنی ڈیمانڈ پیش کرے گا، چناں چہ جب وہ دیکھتا ہے کہ آج ابا کچھ خوش ہیں تو وہ کہتا ہے کہ ابا! مجھے اس چیز کی

ضرورت ہے، اگر ابا غصے میں ہوں چاہے اس پر یا کسی دوسرے پر غصہ ہوں تو وہ کبھی بھی اپنی ڈیمانڈ نہیں رکھے گا کہ وہ جانتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ غصے کی وجہ سے میری درخواست رد کردے۔

شیطان کو اللہ تعالیٰ کی اس قدر معرفت حاصل تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انفعالات سے پاک ہے؛ اس لیے عین اس وقت کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کررہے ہیں، وہ درخواست کررہا ہے، دعا کررہا ہے اور اللہ نے اس کی دعا کو قبول کرلیا۔

میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ کوئی کتنا ہی گنہگار ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو اتنا بڑا گنہگار ہوں، میں کس منہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر ایک کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔

## تیری دنیا جہانِ مرغ ماہی، میری دنیا فغان صبح گاہی

اور اللہ تعالیٰ نے تو دعا کرنے کا حکم بھی دیا ہے؛ اس لیے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے اور یہ ایک ایسی چیز ہے، ایک ایسی نعمت ہے اور آپ کے پاس ایک ایسا عجیب وغریب نسخہ ہے کہ جو ہر مصیبت کا حل ہے، جہاں ساری تدبیریں ختم ہوجاتی ہیں بلکہ تدبیروں کے فیل ہونے کے بعد اس کا دائرۂ کار شروع ہوتا ہے، خوب دوا کرنے کے بعد بھی جب شفا نہ ہو تو کہتے ہیں کہ بہت دوائیں کروائیں، اب دعا کرو۔ اگر ہم پہلے ہی سے اس ہتھیار کو اپنالیں تو کیا کہنا!!۔

بہر حال! جب آپ یہاں آئے ہیں اور یہاں دعائیں ہو رہی ہیں تو آپ بھی اپنا مزاج دعاؤں والا بنا کر کے جائیں، دعائیں سیکھ کر جائیں۔

## ہر عبادت کی تاثیر اور اہمیت الگ الگ ہوتی ہے

یہ اجتماعی عمل کی بات تھی۔ انفرادی اعمال کے اندر ہمیں قرآنِ پاک کی تلاوت کا خوب اہتمام کرنا ہے۔ ویسے ہر نیکی اپنی اپنی جگہ ایک اہمیت اور تاثیر رکھتی ہے، جیسے کھانے کی مختلف انواع اور اقسام ہوتی ہیں اور ہر آئٹم اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور اپنا ایک الگ ذائقہ رکھتی ہے۔ دعا کا اپنا ایک اثر ہے، ذکر کا اپنا ایک اثر ہے، تسبیحات کا اپنا ایک اثر ہے، قرآن کی تلاوت کا اپنا ایک اثر ہے، عبادت ہونے کی حیثیت سے ہر چیز کا اپنا اپنا ایک اثر ہے۔

## حصولِ قربِ الٰہی میں قرآن کی تلاوت سب سے زیادہ مؤثر ہے

لیکن قرآن کی تلاوت کو تمام اذکار کے اوپر ایک فضیلت حاصل ہے اور قرآن کے ذریعہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا قرب حاصل کر سکتا ہے، اتنا کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ۱۰۰؍مرتبہ دیکھا، سوویں مرتبہ انھوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا کہ باری تعالیٰ! آپ کا قرب سب سے زیادہ کس چیز کے ذریعہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ چیز جو میرے اندر سے نکلی ہے یعنی میرا کلام۔ پوچھا: بفھم أو بغیر فھم کہ: سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ تو باری تعالیٰ نے فرمایا: بفھم و بغیر فھم: چاہے سمجھ کر ہو یا بغیر سمجھے

ہو[(۱)]۔ بہر حال! ہر صورت میں قرآنِ پاک کی تلاوت اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے حصول میں مؤثر ہے۔

## قرآنِ پاک کی تلاوت کے وقت اس کے آداب کا ضرور لحاظ کریں

البتہ قرآنِ پاک کی تلاوت کے کچھ آداب ہیں، فضائل قرآن میں آپ نے سنے ہوں گے، ان آداب کا لحاظ کرنا چاہیے: حروف کی تصحیح کا اہتمام، اوقاف کی رعایت، اشباع حرکات، مد اور حرکتوں کا اہتمام کرے، ترتیل کا اہتمام کرے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بھی ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے، جہراً پڑھے، درد بھری آواز کے ساتھ پڑھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح العزیز کے حوالے سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیل کے ساتھ یہ آداب بتلائے ہیں، اس کی رعایت کی جائے تو إن شاء اللہ تعالیٰ اس کے فوائد اور ثمرات ظاہر ہوں گے۔

## اس ماہِ مبارک میں قرآنِ پاک کی تلاوت کا خاص اہتمام کریں

اور اللہ کے کلام کو رمضان کے ساتھ ویسے بھی بڑی مناسبت ہے کہ قرآن بھی اسی مہینے میں نازل ہوا اور دوسری آسمانی کتابیں بھی اسی میں نازل ہوئی ہیں، اسی لیے ہمارے اسلاف اس مہینے میں قرآن کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے؛ اس لیے جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حفاظ کو تیار کر کے ایک ایک حافظ کے ساتھ دو دو، تین

(۱) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی ۲/ ۵۲، تحت رقم الحدیث: ۱۳۰۴.

تین مل کر نفل میں قرآن پڑھنے اور سننے کا اہتمام کریں، اگر اس طرح کریں گے تو یہ مبارک راتیں بھی وصول ہو جائیں گی اور قرآن کی تلاوت کی عادت بھی بن جائے گی۔

## خانقاہ سے ان اعمالِ صالحہ کے تحفے گھر لے جائیں

اور قرآن کی تلاوت کی یہ عادت ڈال لیجیے، یہ چیزیں یہاں سے سیکھ کر کے جائیں، ایسا نہیں کہ دس دن کے لیے آئے، ان عبادتوں کا اہتمام کیا اور پھر سال بھر کے لیے چھٹی کر لی!! نہیں! بلکہ یہ اعمال تحفے ہیں، ان تحفوں کو یہاں سے لے کر کے جائیں؛ تاکہ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ چہل درود پڑھتے ہیں؟ تو آپ جواب میں کہہ سکیں کہ میں جب سے وہاں خانقاہ میں گیا تھا، اس کو پڑھ رہا ہوں۔

## حضرت دامت برکاتہم کی پابندیٔ اعمال

بہت سے اعمال وہ تھے جو ہم پہلے نہیں کرتے تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں یہ سارے اعمال شروع کیے، الحمدللہ! اب ۵۰ ؍سال ہو گئے ہیں لیکن ان اعمال میں کبھی ناغہ نہیں ہوا، ان بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہات کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ وہ اعمال ادا کرواتے ہیں۔

## غیر رمضان میں قرآن کی تلاوت کی کم سے کم مقدار

بہر حال! قرآن کی تلاوت کی عادت بنائیے، رمضان میں تو زیادہ مقدار میں ہوگا لیکن رمضان کے علاوہ ایام میں جو حفاظ ہیں تو ان کے حافظ ہونے کی وجہ سے ہمارے اکابر ان کے لیے تین پارے بتلاتے ہیں اور اگر پوری منزل ہو، جیسا کہ حضراتِ صحابہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا تو نورٌ علیٰ نور، سات دن کے اندر قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

اور جو حافظ نہیں ہیں اور عامی ہیں، ناظرہ پڑھتے ہیں، وہ کم سے کم ایک پارہ پڑھے اور جو عالم ہے اور اچھا پڑھتا ہے تو وہ بھی زیادہ قرآن پڑھنے کا اہتمام کرے اور جس کو نہیں آتا، وہ قرآن سیکھے، یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا موقع دیا ہے، یہاں سے جانے کے بعد اس سلسلے کو باقی رکھے۔

## حضراتِ اکابر کے یہاں قرآن سیکھنے سکھانے کا اہتمام

نیک عمل سیکھنا شروع کیا ہے تو اس سلسلے کو باقی رکھیں۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کا کتنا اہتمام تھا، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر جہاد شاملی کے بعد انگریزوں کی طرف سے جو الزام آیا تھا اور اس کے بعد جیل میں رہے تو جیل میں رہنے کے دوران ایک دیہاتی آدمی تھا، معمولی قسم کا آدمی تھا، اس کو حضرت قرآن سکھلاتے تھے۔ اب حضرت کا کیس چل رہا تھا، اس میں حضرت کی برأت ہوگئی، آپ کی بے گناہی ثابت ہوگئی اور آپ کی رہائی کا حکم آ گیا تو وہ دیہاتی کہنے لگا کہ حضرت! اب تو آپ یہاں سے چلے جائیں گے پھر میرے قرآن کا کیا ہوگا؟ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تک تو قرآن سیکھ نہیں لے گا، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ سیکھانے والا یہ کہتا ہے! ہمارے اکابر کے یہاں ان چیزوں کا کتنا اہتمام تھا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے جو احباب یہاں آئے ہوئے ہیں، وہ جو اعمال یہاں انجام دے رہے ہیں، قرآن سیکھ رہے ہیں تو آگے بھی یہ سلسلے باقی رکھیں، یہ نہیں کہ یہاں سے جانے کے بعد ان سلسلوں ختم کر دیں بلکہ اپنی اپنی جگہ

پر جا کر کے اہل علم سے رابطہ کر کے اس سلسلے کو پورا کرنے کا فکر کریں۔

## رمضان میں ان اذکار کی کثرت رکھیں

انفرادی اعمال میں ذکر بھی ہے اور جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت گذری، اس میں ذکر میں دو چیزوں کی کثرت کا ذکر آیا ہے: ایک تو کلمۂ طیبہ اور دوسری چیز استغفار ہے اور دو چیزوں کی دعا کی کثرت کا حکم ہے: جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ۔

حضرت مولانا محمد سلیمان جھانجھی رحمۃ اللہ علیہ مرکز نظام الدین کے اندر اعلان کیا کرتے تھے کہ جو آدمی لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَأَعُوذُ بِهٖ مِنَ النَّارِ پڑھ لے گا، اس میں یہ چاروں چیزیں آجائیں گی۔ آدمی چلتے پھرتے رمضان میں اس چیز کا اہتمام کرے۔

## ۷۰/ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی فضیلت

اور کلمۂ طیبہ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے متعلق یہ تجربہ بتایا جاتا ہے کہ ۷۰/ ہزار مرتبہ اس کو پڑھا جائے تو وہ مغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ کلمہ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ۷۰/ ہزار مرتبہ پڑھنے کی فضیلت ہے، پورا نہیں پڑھنا ہے، بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جب پڑھتے پڑھتے، ۱۵، ۲۰ مرتبہ ہو جائے تو اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی ملا لیں، ورنہ اصل فضیلت صرف لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ۷۰/ ہزار مرتبہ پڑھنے کی ہے۔

## اس زرین موقع کو غنیمت جانیے

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے تو ہاتھ میں تسبیح رکھو اور چلتے پھرتے کلمہ طیبہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے کا معمول بناؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی کو کمانے کا موقع دیا ہو تو وہ اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دیتا، کما کر کے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کر ہی لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے تو چلتے پھرتے بھی اس کلمے کو پڑھتے رہئے، ابھی جو تعلیم ہو رہی ہے، یا آئندہ ہوگی تو اس وقت بھی کلمہ پڑھتے رہئے، استغفار کرتے رہئے۔

## تعلیم کے دوران تسبیح پڑھنے کے معاملے میں اکابر کے دو متضاد نظریے

ویسے بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اس موقع پر بھی پڑھنا چاہیے؟ اس سلسلے میں ہمارے اکابر کے دو نظریے ہیں، بعض منع کرتے ہیں اور بعض پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، میرا نظریہ اپنے ان اکابر جیسا ہے کہ آپ دونوں کام کریں کہ دست بکار و دل بیار کہ ہاتھ اپنا کام کرے اور دل دوست کے اندر مشغول ہو۔

## حضرت مولانا قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز واقعہ

ہمارے بزرگوں کا مزاج ایسا ہی تھا کہ جتنا ہو سکے، وصول کر لو۔ میں سنایا کرتا ہوں، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی دامت برکاتھم نے سنایا کہ ہم باندہ حضرت مولانا قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملاقات کے لیے گئے، جب تھوڑا پہنچے تو پتہ چلا کہ وہاں کوئی تعمیر کا کام چل رہا ہے، حضرت وہاں ہیں۔ شوق تھا؛ اس لیے ہم وہاں پہنچ گئے تو دیکھا کہ وہاں ریت کا ڈھیر تھا، حضرت وہاں بیٹھے ہوئے تھے، تعمیری کام کی آپ نگرانی بھی کر رہے تھے اور وہاں دو بچے آپ کو قرآن بھی سنا رہے تھے۔ حضرت نے

فرمایا کہ میں نے سوچا کہ خالی بیٹھے بیٹھے نگرانی کرنے سے بہتر ہے کہ قرآن بھی سن لیا جائے کہ آنکھ اپنا کام کرے گی اور کان اپنا کام کریں گے۔

بہر حال! میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کو میرے اس نظریے سے اتفاق نہ ہو تو میں اسے اس پر مجبور نہیں کرتا لیکن میرا اپنا عمل تو یہی ہے اور اپنے بعض بزرگوں کے واقعات جو سنے ہیں، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے؛ اس لیے کتابی تعلیم کے دوران بھی آپ اپنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تسبیح پوری کر سکتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

# رمضان کی محنتوں اور برکتوں کو مابعد رمضان باقی رکھنے کا اہتمام اور اس کے اصولی گُر

# اقتباس

بہرحال! یہ صحبت بہت اہم چیز ہے، آدمی بار بار اس کا التزام کرتا ہے تو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ میں اپنا حال بتاتا ہوں کہ یہاں پڑھانے آنے کے بعد بھی جہاں تعطیلات ہوتی تھیں، بس ایک ہی ہمارا مقصد ہوتا تھا: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہنچنا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہنچنا، تعطیلات کے آنے سے پہلے ہی ایسا نظام بنایا جاتا تھا کہ ان کی خدمت میں حاضری ہو۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ صحبت کے التزام کا اہتمام کیا جائے، حضرت فرماتے ہیں کہ ''جس قدر میسر ہو جائے، غنیمت کبری اور نعمت عظمی ہے، گر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتے میں آدھ گھنٹہ ضرور التزام کرے، اس کے برکات خود دیکھ لے گا۔''

آدمی سوچتا ہے کہ آ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھا، اس سے کیا ہوا؟ نہیں، اس بیٹھنے کی وجہ سے قلب کے اندر جو اثرات ہوتے ہیں، ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا ہے، ایک تقویت پہنچتی ہے، تھوڑی دیر کی صحبت سے طاعات کی بجا آوری اور گناہوں سے بچنے کے اندر مدد ملتی ہے اور چند دنوں تک اس کا بیّن اثر آپ محسوس کریں گے، جوں جوں صحبت کے اندر دوری ہوتی جائے گی، توں توں اس کا نقصان بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوتا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، و من یضللہ فلا ھادي لہ، و نشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد أن سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ، أرسلہ إلی کافّۃ الناس بشیرا و نذیرا، و داعیا إلی اللّٰہ بإذنہ و سراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و أصحابہ و بارک و سلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ [فصلت:٣٠]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا﴾ [ابراھیم:٣٤]

## روزے کی فرضیت کا مقصد: حصولِ تقویٰ

میرے قابلِ احترام بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ اپنے گھر میں بٹھا کر کے بہت ساری عبادتوں کو ادا کرنے کا موقع عنایت فرمایا، خصوصیت کے ساتھ اس ماہِ مبارک میں یہ روزہ اور جو دوسری عبادتیں ہیں، اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ آدمی کے مزاج کے اندر اور اس کی طبیعت

میں تقوی آجائے، خاص کر کے روزے کے متعلق تو باری تعالیٰ کا ہی ارشاد ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة:۱۸۳]

یہ تقوی حاصل کرنے اور پیدا کرنے کے لیے ایک نصاب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا فرمایا گیا کہ ہم اس کے ذریعہ سے، اس عبادت کو انجام دے کر اس کیفیت کو پیدا کریں کہ ہم سے کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کا صدور نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا ایسا استحضار ہمارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ روزے کے اندر کوئی بھی آدمی ایسا کام جو روزے کے منافی ہو، یہ سمجھ کر نہیں کرتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

## دنیوی قوانین دلوں میں گناہوں کی نفرت پیدا کرنے میں معین نہیں

باری تعالیٰ کے استحضار کی یہی کیفیت ہمیں حاصل ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ کی نافرمانی سے اور گناہوں سے بچنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا، اسی کا نام تقوی ہے۔ دنیا کے قوانین انسان کو گناہوں سے نہیں روک سکتے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیوی قوانین گناہوں کی نفرت دلوں کے اندر پیدا نہیں کرتے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ہی کا کام ہے کہ ان کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ موقع عطا فرمایا اور اسی کی برکت سے ان

اعمال کا صدور رہوا، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اب یہ تقوی جس کے لیے ہم نے محنتیں کی ہیں اور کوششیں کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ نصیب فرمائے، اس کا ظہور زندگی کے مختلف شعبوں میں ہوگا۔

## اشیاء کے بننے اور استعمال کرنے کی جگہیں الگ ہوتی ہیں

چیزیں بننے کی جگہیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے استعمال ہونے کی اور آزمائے جانے کی جگہیں الگ ہوتی ہیں۔ کپڑا کپڑے کے کارخانے میں بنتا ہے لیکن اس کی افادیت لوگ پہن کر کے معلوم کرتے ہیں، جوتا جوتے کے کارخانے میں بنتا ہے اور اس کی افادیت کا پتہ لوگوں کو پہن کر کے معلوم ہوتا ہے۔ گویا افادیت کی جگہ الگ ہے اور بننے کی جگہ الگ ہے۔

## خانقاہوں میں کی جانے والی محنتوں کی تفہیم کے لیے ایک مثال

پہلوان نے اپنے اپنے گھر میں اپنی قوت کو انتہا تک پہنچانے کے لیے جو انتظامات کیے ہیں: وہ ڈنڈ پیلے گا اور ورزشیں کرے گا، تیل کی مالش کرے گا، مقویات کا استعمال کرے گا لیکن اس ساری تگ ودو اور محنتوں کا ثمرہ تو اکھاڑے میں مقابلے کے وقت ظاہر ہوگا۔

بقول حضرت حکیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کے کہ ہم نے مسجدوں کے اندر نمازیں پڑھیں، دعائیں کیں، روزے رکھے، ذکر کیا، سب کچھ کیا، سارے مقویات کا استعمال کیا اور پھر باہر نکلے اور ایک عورت گذرتی ہوئی نظر پڑی تو نفس کے تقاضے کے مقابلے

میں ہم ایسے مغلوب ہوگئے کہ فوراً بدنظری کا ارتکاب کرلیا، یہ سارے بادام، پستے کھلائے، وہ سب بےکار گئے، گویا ہمیں نفس اور شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے پہلوان بنایا گیا تھا، ایک ذرا سے معاملے میں ہم چِت ہوگئے، یہ غلط ہے۔

## خانقاہوں کی محنتوں کا ثمرہ ظاہر ہونے کی جگہ مختلف شعبہائے زندگی ہیں

بہرحال! ہم نے یہاں رہ کر جو مشق کی ہے، اس مشق میں اور اپنے اس عمل میں اور اپنے ان مجاہدوں، ریاضتوں اور محنتوں کے اندر ہم کتنے کامیاب ہیں، اس کا پتہ تو ہمیں باہر جاکر کے چلے گا، زندگی کے مختلف شعبوں میں ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کا کتنا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اس سے اس کا اندازہ ہوگا۔

## ایک واقعہ

ایک آدمی حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ الحمدللہ! مجھے کیفیت احسان حاصل ہوگئی۔ یہ کیفیت احسان وہی ہے جو حدیث جبرئیل کے اندر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

## حدیث جبرئیل

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام ایک اجنبی آدمی کی شکل میں آئے،

عام طور پر جس شکل میں آتے تھے، اس کے علاوہ شکل وصورت میں آئے اور مختلف سوالات کیے: مَا الْإِسْلَامُ؟، مَا الْإِيمَانُ؟، مَا الْإِحْسَانُ؟، تو اس میں مَا الْإِحْسَانُ؟ (احسان کیا ہے؟) کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ: تم اللہ کی عبادت ایسے کرو، گویا کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ کیفیت تمھیں حاصل نہیں ہے تو یہ تو ہر آدمی کو معلوم ہے اور ہر آدمی کو اس کا استحضار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں (۱)۔

## کیفیت احسان زندگی کے ہر شعبے میں مطلوب ہے

بہر حال! کسی نے آکر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اللہ کا فضل ہے کہ مجھے احسان کی کیفیت حاصل ہوگئی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیا یہ کیفیت محض نماز ہی میں ہے؟ یا گھر میں جب بیوی بچوں کے ساتھ ہوتے ہو، تب بھی یہ کیفیت موجود رہتی ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یا اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ دکان میں جب کسی گاہک کے ساتھ جب معاملہ کرتے ہو تو اس وقت بھی یہ استحضار اور کیفیت رہتی ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یا اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں؟۔ اس نے کہا کہ حدیث میں تو یہی ارشاد ہے کہ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، فرمایا کہ اسی لیے میں نے پوچھا تھا (۲)۔

---

(۱) صحيح البخاري، بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِيمَانِ، وَالْإِسْلَامِ، وَالْإِحْسَانِ، وَعِلْمِ السَّاعَةِ.

(۲) نسبت احسان کے سلسلے میں یہ جو غلط فہمی ہے کہ اس کا تعلق صرف نماز سے ہے، حضرتؒ کا مقصود اس =

## خانقاہ کی محنتوں کا اثر باہر کی زندگی میں بھی ظاہر ہونا چاہیے

گویا یہ تقویٰ جو ہے، اس کا حاصل ہی یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر میدان میں اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے بچانے کا اہتمام کرے۔ یہ جو مشقیں کی ہیں، ریاضتیں کی ہیں، محنتیں کی ہیں، مجاہدے کیے ہیں، ان کا اثر وہاں ظاہر ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ یہاں سے نکلے اور یہاں سے نکل کر اپنے گھر گئے اور ہماری طبیعت، ہمارا نیچر (nature) ہم پر غالب آجائے۔

## تربیت غالب آتی ہے یا طبیعت؟ ایک دل چسپ واقعہ

ایک بادشاہ تھا، اس کی اپنی وزیر سے اس پر بحث ہوئی کہ تربیت غالب ہوتی ہے یا طبیعت غالب ہوتی ہے؟ یعنی ایک آدمی پر محنت کریں، اس کی اچھی تربیت کریں اور اس کی طبیعت کے خلاف امور پر اس کی مشق کرائیں تو اس تربیت کا غلبہ اس کے نیچر کے اوپر، اس کی طبیعت کے اوپر، اس کی فطرت کے اوپر ہوگا، یا پھر طبیعت تربیت پر غالب آجاتی ہے۔ دونوں کے نظریے الگ الگ تھے: ایک نے کہا کہ طبیعت ہی غالب آتی ہے، جتنی بھی تربیت کی جائے، طبیعت اپنا اثر دکھلا کے رہتی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ نہیں، اگر تربیت کی جائے گی تو وہ تربیت طبیعت کے اوپر غالب آجائے گی۔

---

= کا ازالہ ہے اور اس حدیث کے دوسرے طرقِ روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ بیہقی میں مطلق عمل کا لفظ آیا ہے: أَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. (السنن الصغیر للبيهقي، بَابُ تَحْسِينِ الْعَبْدِ عِبَادَةَ مَعْبُودِهِ، رقم الحديث: ١٠)

جو اس بات کے قائل تھے کہ تربیت غالب آتی ہے، اس سے اس نے مطالبہ کیا جو یہ کہتے تھے کہ طبیعت غالب آتی ہے کہ تم اس کا کوئی نمونہ پیش کرو تو اس نے کہا کہ میں کل اس کا نمونہ پیش کروں گا۔

دوسرے دن وہ چند بلیاں لایا جن کے ہاتھ میں شمعیں تھیں (بلیاں اپنے ہاتھوں میں شمعیں پکڑے ہوئی تھیں)، اب بلیوں کے مزاج میں چلبلا پن ہوتا ہے، ایک دو منٹ کے لیے بھی وہ چین سے بیٹھ نہیں سکتی، حرکت اس کی طبیعت ہے۔ اس نے کہا کہ دیکھیے! اس کی کیسی تربیت ہوئی ہے کہ بلیاں اپنی طبیعت کے خلاف یہ کام کر رہی ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ ٹھیک ہے، کل دوبارہ یہ منظر دکھلایئے۔

پھر دوسرے دن جب یہ منظر دکھلانے کے لیے بلیاں پیش کی گئیں تو وہ پہلے ہی سے چوہا لے کر کے آیا تھا، اس کو چھوڑ دیا۔ بلیوں نے جب چوہے کو دیکھا تو انھوں نے شمعیں پھینکیں اور چوہے کے پیچھے پڑ گئیں۔

## خانقاہ کی محنتوں کو اپنے گھروں میں بھی باقی رکھیے

ہمارا حال بھی یہی ہے کہ ابھی یہاں سے نکلے نہیں کہ وہ سب تقوی، بزرگی، گناہوں سے بچنے کی ہماری یہ محنت اور تربیت، سب دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو محنت کرنے کے بعد اس پر پانی پھیرنے جیسا ہے۔ یہاں رہ کر ہم نے جن چیزوں کا اہتمام کیا ہے، ضرورت ہے، آگے جا کر، اپنے گھر جا کر بھی ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے۔ اب رہا یہ سوال کہ کون سے اعمال کیے جائیں؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک

رسالہ ہے: ''جزاءُ الاعمال''، اس کے اخیر میں اصولی طور پر جو باتیں بیان فرمائی ہیں، میں وہ پڑھ کر سناتا ہوں، ہمیں اس کا اہتمام ہو۔

## کرنے اور نہ کرنے کے کاموں کے سلسلے میں

## جزاء الاعمال سے منقول ضابطہ

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یوں تو جتنی طاعات ہیں (یعنی نیکی کے کام ہیں) سب ضروری ہیں اور جتنے سیئات ہیں (یعنی گناہ کے کام ہیں) سب مُضِر ہیں، مگر بعض اعمال جو بمنزلہ اصول کے ہیں، زیادہ اہتمام کے قابل ہیں (یعنی نیکیوں کے شعبوں میں بھی بعض نیکیاں ایسی ہیں جو اصول کی حیثیت رکھتی ہیں کہ اگر آپ اس کا اہتمام کریں گے تو اس کے نتیجے میں اور اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ دوسرے نیکی کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے اور گناہوں کے شعبے میں بھی بعض گناہ کے کام ایسے ہیں جو اصولی حیثیت رکھتے ہیں کہ اگر آپ اس کا ارتکاب کریں گے تو دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے، اسی کو حضرت فرماتے ہیں):

''مگر بعض اعمال جو بمنزلۂ اصول کے ہیں، زیادہ اہتمام کے قابل ہیں، فعلاً یا ترکاً (یعنی جو کرنے کے کاموں میں اصولی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکت سے دوسرے نیکی کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے، یا چھوڑنے اور گناہ کے کاموں میں جو اصولی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان کو اگر ہم چھوڑنے کا اہتمام کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ دوسرے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا

فرمائیں گے) ان کے اہتمام سے دوسرے اعمال کی اصلاح کی زیادہ امید ہے، ان کو ہم دو فصلوں میں لکھتے ہیں:''

## اعمالِ مفیدہ میں سرِ فہرست علمِ دین کا حصول اور اس کا مطلب

اعمالِ مفیدہ کا بیان: ''ایسے طاعات کے بیان میں جن کی محافظت سے (یعنی جن کا اہتمام اور پابندی کرنے سے) امید ہے کہ دوسری طاعات - اور نیک کاموں - کا سلسلہ قائم ہو جائے، ایک ان میں علمِ دین کا حاصل کرنا ہے (علمِ دین کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں، اس کو جان لیں۔

بھائی! آپ تاجر ہیں تو تجارت کیسی کرنی چاہیے اور آپ گھر میں بیوی، بچوں کے ساتھ رہتے ہیں تو ان کے ساتھ معاشرت کیسی اختیار کرنی چاہیے، پڑوسیوں کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے، آپ معاملات کرتے ہیں تو آپ کے معاملات کیسے ہونے چاہئیں۔ ہر جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک حکم ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ حکم کیا ہے؟ اس کو معلوم کرنا، یہ علمِ دین کو حاصل کرنے کا مطلب ہے۔ اس سے مراد وہ نہیں جو رسمی طور پر نصاب پڑھائے جاتے ہیں، یہاں علمِ دین کو حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام اور شریعت کے احکام کو معلوم کر کے اس پر عمل کا اہتمام کرنا ہے، اسی کو فرمایا:)

## علمِ دین کس سے حاصل کریں؟ علماء کی جامع تعریف

''علمِ دین کو حاصل کرنا ہے، خواہ کتابوں سے حاصل کیا جائے یا صحبت علماء سے

بلکہ کتابوں سے حاصل کرنے کے بعد بھی علماء کی صحبت ضروری ہے اور مراد ہماری علماء سے وہ علماء ہیں جو خود علم پر عمل کرتے ہوں اور شریعت اور حقیقت کے جامع ہوں، اتباعِ سنت کے عاشق ہوں، توسط پسند ہوں (یعنی مزاج میں اعتدال ہو) افراط وتفریط سے بچتے ہوں، خلق پر۔مخلوق پر۔شفیق ہوں، تعصب اور عناد۔بے جا حمایت اور دشمنی۔ ان میں نہ ہو، گو اس وقت بھی بفضلہٖ تعالیٰ اس قسم کے بہت ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، جیسا کہ ہمارے سردار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ(۱)۔"

## ان اوصاف کے حاملین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے چند علماء کے اسمائے گرامی

"مگر چند بزرگوں کا نام تبرکاً اپنے رسالے میں لکھتے ہیں؛ تاکہ غیر مذکورین کو مذکورین پر قیاس کرسکیں اور جن کی ایسی شان ہو کہ ان کی صحبت سے مستفید ہوسکے۔"

(حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جس زمانے میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا تھا، اس زمانے میں جو علماء تھے: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ، حاجی عابد حسین صاحب نور اللہ مرقدہ، وغیرہ جو صدی، ڈیڑھ صدی پہلے گذرے ہیں، آگے فرماتے ہیں:)

(۱) سنن الترمذی، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّامِ.

## بزرگوں کی صحبت کی اہمیت اور افادیت

’’ایسے بزرگوں کی صحبت وخدمت جس قدر میسر ہوجائے، غنیمت کبری اور نعمت عظمی ہے، اگر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتے میں آدھ گھنٹہ ضرور التزام کرے، اس کے برکات خود دیکھ لے گا۔‘‘ (یہ بہت اہم چیز ہے، اس کا خاص اہتمام ہو کہ روز نہیں جا پاتے تو ہفتے میں اور ہفتے میں بھی نہیں جا پاتے تو مہینے میں ایک بار ان کے پاس جا کر کے ان کی صحبت اختیار کریں، اس صحبت کو اختیار کرنے کی وجہ سے ان کی معیت اور صحبت کے نتیجے میں ہمارے دل کے اندر ایک قسم کی قوت پیدا ہوجاتی ہے، طبیعت کے اندر اعمال کے کرنے کی ہمت آتی ہے، گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

## بزرگوں کی صحبت میں وقفے وقفے سے جاتے رہنا ضروری ہے

لیکن اگر آپ ایک مرتبہ آئے اور یہ چیز آئی تو یہ کوئی ہمیشہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے، وہ تو تھوڑے دن تک اس کا اثر رہتا ہے، پھر جب وہ اثر مدھم پڑنے لگے تو پھر آجاؤ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھائی! میں تو دھوبی ہوں، تمھارے کپڑے میلے ہوجایا کریں تو لاؤ، میں دھویا دیا کروں گا، ایک مرتبہ دھودئے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ دوسری مرتبہ دھونے کی ضرورت پیش ہی نہیں آئے گی، دھلوانے کے بعد آپ دو روز استعمال کریں گے تو پھر میلے ہوجائیں گے، پھر آؤ پھر دھلواؤ۔

## حضراتِ متقدمین کے یہاں صحبت شیخ کے التزام کا اہتمام

مطلب یہ ہے کہ یہ صحبت کا سلسلہ ایسا ہے کہ آج کل اس کی طرف سے بڑی

غفلت برتی جاتی ہے۔ متقدمین کے یہاں تو یہ حال تھا، صرف ظاہری علوم کے سلسلے میں نہیں بلکہ باطنی علوم کے سلسلے میں بھی کہ ایک شاگرد اپنے استاذ کی خدمت میں اور ایک مرید اپنے شیخ کی خدمت میں سالہا سال رہا کرتا تھا: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ ر سال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے، اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کی خدمت میں ۲۹ ر سال تک رہے ہوں، وہ کیا کچھ حاصل نہیں کریں گے۔

اسی طرح حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ آپ نے فضائل صدقات میں پڑھا ہوگا کہ ان کے شیخ نے کہا کہ اتنے سالوں سے آپ ہمارے ساتھ رہتے ہیں، تو آپ نے کیا سیکھا؟ ان کی صحبت کے غالباً ۳۰، ۳۵ ر سال بتلائے ہیں تو اس زمانے میں یہ ایک عام مزاج بنا ہوا تھا۔

## موجودہ دور میں شیخ کی صحبت سے بے اعتنائی اور غفلت

اب تو کسی کے پاس دو مہینے بھی نہیں ہیں اور دس دن کے لیے آتے ہیں تو اس میں سے بھی بہت سارا وقت اِدھر اُدھر سے کاٹ کوٹ کر کے دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ میں نے پہلے بھی ہمارے حضرت کے حوالے سے ایک قصہ سنایا تھا کہ ایک صاحب نے اپنی اصلاح کے لیے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا، حضرت نے کہا کہ تم یہاں کم سے کم ایک مہینے کے لیے آجاؤ۔ اس نے خط لکھا کہ میں فلاں وقت پہنچوں گا۔ جب وہ آئے تو وقتِ مقررہ پر نہیں پہنچے، دیر سے پہنچے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ آپ نے تو لکھا تھا کہ میں فلاں دن، فلاں وقت پر

پہنچوں گا اور آپ ایک دن تاخیر سے آئے۔اس نے جواب دیا کہ بیچ میں ایک رشتہ دار یا پرانے دوست کا گھر آتا تھا، ایک دن وہاں ٹھیر گیا۔فرمایا کہ پوری زندگی میں ایک مہینہ تو اللہ کو حاصل کرنے کے لیے نکالا تھا، اس میں سے بھی ایک دن کاٹ کر کے دوسروں کو دے دیا۔

آج کل ایسا ہی ہوتا ہے، یہاں خانقاہ میں آئے، نام یہاں کا ہوتا ہے اور اِدھر اُدھر کے دوستوں اور رشتہ داروں سے مل کر کے وقت ضائع کرتے ہیں، حالاں کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

## مجھے تو اخترؔ سکونِ دل گر ملا تو اہلِ دل کے در پر

بہر حال! یہ صحبت بہت اہم چیز ہے، آدمی بار بار اس کا التزام کرتا ہے تو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔میں اپنا حال بتاتا ہوں کہ یہاں پڑھانے آنے کے بعد بھی جہاں تعطیلات ہوتی تھیں، بس ایک ہی ہمارا مقصد ہوتا تھا: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہنچنا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہنچنا، تعطیلات کے آنے سے پہلے ہی ایسا نظام بنایا جاتا تھا کہ ان کی خدمت میں حاضری ہو۔کہنے کا حاصل یہ ہے کہ صحبت کے التزام کا اہتمام کیا جائے، حضرت فرماتے ہیں کہ ”جس قدر میسر ہو جائے، غنیمت کبری اور نعمت عظمی ہے، گر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتے میں آدھ گھنٹہ ضرور التزام کرے، اس کے برکات خود دیکھ لے گا۔“

(آدمی سوچتا ہے کہ آ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھا، اس سے کیا ہوا؟ نہیں، اس بیٹھنے

کی وجہ سے قلب کے اندر جو اثرات ہوتے ہیں، ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا ہے، ایک تقویت پہنچتی ہے، تھوڑی دیر کی صحبت سے طاعات کی بجا آوری اور گناہوں سے بچنے کے اندر مدد ملتی ہے اور چند دنوں تک اس کا بیّن اثر آپ محسوس کریں گے، جوں جوں صحبت کے اندر دوری ہوتی جائے گی، توں توں اس کا نقصان بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوتا جائے گا۔)

## اعمالِ مفیدہ میں دوسرا عمل: نماز

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں: ''ایک ان میں سے نماز ہے، جس طرح ہوسکے، پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھتا رہے اور حتی الامکان جماعت حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے اور بدرجۂ مجبوری جس طرح ہاتھ آوے، غنیمت ہے- یعنی نماز کبھی چھوٹنی نہیں چاہیے- اس سے دربارِ الٰہی میں ایک تعلق اور ارتباط- کانٹکٹ - قائم رہے گا، اس کی برکت سے إن شاء اللہ تعالیٰ اس کی حالت درست رہے گی، ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت:٤٥]''۔

## تیسرا عمل: لوگوں سے کم بولنا اور کم ملنا

''ایک ان میں سے لوگوں سے کم بولنا اور کم ملنا اور جو کچھ بولنا ہو سوچ کر بولنا ہے، ہزاروں آفتوں سے محفوظ رہنے کا یہ ایک اعلیٰ درجے کا آلہ ہے۔''

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں سے کئی ارشادات ہیں جن میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان کی حفاظت کی تاکید فرمائی ہے، آپ احادیث کے ذخیرے کو اٹھا

کر کے دیکھیں گے تو عام طور پر نجات اور کامیابی کے جو نسخے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں بتائے ہیں، ان میں یہ زبان کی حفاظت والا نسخہ ضرور موجود ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ؟ کہ: نجات کا ذریعہ کیا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ: اپنی زبان کو کنٹرول (control) میں رکھو(۱)۔

ہم اہلِ علم کا ایک مزاج ہوتا ہے، ایک طبیعت ہوتی ہے کہ بولتے رہتے ہیں، باتیں کرتے رہتے ہیں، گویا بول بول کے اپنی فوقیت جتانا چاہتے ہیں، نہیں! بلا ضرورت نہ بولے، سوچ کے بولے۔)

## چوتھا عمل: محاسبہ ومراقبہ

''ایک ان میں سے محاسبہ ومراقبہ ہے یعنی اکثر اوقات یہ خیال رکھے کہ میں اپنے مالک کے پیشِ نظر ہوں (یعنی میں اللہ کی نگاہوں میں ہوں)، میرے سب اقوال وافعال واحوال (میری سب باتیں، میرے سب کام اور میرے سب حالات) پر ان کی نظر ہے۔ یہ مراقبہ ہوا''۔

## صوفیہ کے یہاں مراقبے کا اہتمام

(یعنی وہی استحضار کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ [العلق:۱۴]۔ صوفیہ کے یہاں تو باقاعدہ اس آیت کا مراقبہ بایں معنیٰ کرایا جاتا ہے کہ آدمی

(۱) سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم الحدیث: ۲۴۰۶.

آنکھیں بند کر کے اس آیت کے مضمون کو بار بار سوچے کہ میں اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہوں، روزانہ اس کی مشق کرنے کی وجہ سے پھر طبیعت کے اندر یہ استحضار پیدا ہوگا کہ آدمی یہ سمجھے گا کہ میں جو کچھ بول رہا ہوں، جو کچھ کر رہا ہوں، میری جو حالت اور کیفیت ہے، وہ سب اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے گا۔ یہ تو مراقبہ ہوا۔)

''محاسبہ یہ ہے کہ کوئی وقت مثلاً سوتے وقت تنہا بیٹھ کر تمام دن کے اعمال یاد کر کے یوں خیال کرے کہ اس وقت میرا احساب ہو رہا ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہو رہا ہے: یہ کام تو نے کیوں کیا، یہ بات تو نے کیوں کہی؟) اور میں جواب سے عاجز ہو جاتا ہوں'' (یعنی میرے پاس اس کام کا یا اس بول کا کوئی عذر نہیں ہے، گویا لاجواب ہو جاتا ہوں، یہ محاسبہ ہوا)۔

## پانچواں عمل: توبہ واستغفار

''ایک ان میں سے توبہ واستغفار ہے، (یہ بھی بہت اہم ہے، اس کی بھی عادت ڈالو) جب کبھی کوئی لغزش ہو جائے، توقف نہ کرے، کسی وقت یا کسی چیز کا انتظار نہ کرے، فوراً تنہائی میں جا کر، سجدے میں گر کر خوب معذرت کرے اور اگر رونا آوے تو روو ے، ورنہ رونے کی صورت ہی بنائے۔

یہ پانچ چیزیں ہوئیں: (۱) علم وصحبتِ علماء (۲) نماز پنج گانہ (۳) قلتِ کلام وقلتِ مخالطت (۴) محاسبہ ومراقبہ (۵) توبہ واستغفار۔ إن شاء اللہ تعالیٰ ان تمام امورِ

پنج گانہ کی پابندی سے جو کہ کچھ مشکل نہیں ہیں، تمام طاعات کا دروازہ کھل جاوے گا۔‘‘

## وہ اصولِ معاصی جن سے اجتناب دوسرے گناہوں سے اجتناب کو آسان کر دیتا ہے

اسی طرح ایسے گناہ بتلائے جاتے ہیں کہ جن سے بچنے سے دوسرے گناہوں سے نجات ملے گی، فرماتے ہیں:

’’فصل دوسری: ایسے معاصی کے بیان میں کہ ان کے بچنے سے بفضلہٖ تعالیٰ قریب قریب تمام معاصی سے نجات ہو جاتی ہے:

## پہلا گناہ: غیبت

ایک ان میں سے غیبت ہے (جو کہ بہت عام ہو چکی ہے) اس سے طرح طرح کے مفاسد دنیوی واخروی پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، اس میں آج کل بہت مبتلا ہیں، اس سے بچنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ بلا ضرورتِ شدیدہ نہ کسی کا تذکرہ کرے، نہ سنے، نہ اچھا، نہ برا (بلکہ لوگوں سے ملنا جلنا ہی کم رکھے، ملیں گے، بیٹھیں گے، باتیں ہوں گی، تب ہی آگے غیبت کا دروازہ کھلے گا) اپنے ضروری کاموں میں مشغول رہے، ذکر کرے تو اپنا ہی کرے، اپنا دھندا کیا تھوڑا ہے جو اوروں کا ذکر کرنے کی فرصت اس کو ملتی ہو۔‘‘

## دوسرا گناہ: ظلم اور حق تلفی

’’ایک ان میں سے ظلم ہے، (یعنی حق تلفی) خواہ مالی یا جانی یا زبانی، مثلاً کسی کا حق

مار لیا قلیل یا کثیر، کسی کو ناحق تکلیف پہنچائی یا کسی کی بے آبروئی کی''۔(اس سے بھی بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، اس سے اگر بچنے کا اہتمام کیا تو إن شاءاللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے بچنے کی توفیق مل جائے گی)۔

## تیسرا گناہ: خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا

''ایک ان میں سے اپنے کو بڑا سمجھنا، اوروں کو حقیر سمجھنا۔''

(یہ بھی بڑا خطرناک ہے، یہ دوسروں کی تحقیر، یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، دوسروں کی تحقیر کی وجہ سے آدمی بہت سی آزمائشوں میں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے بڑی خطرناک چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوٰى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی برائی کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر اور کمتر سمجھے[(۱)]۔

## تکبر کی حقیقت

کس بنیاد پر ہم اس کو حقیر سمجھ رہے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا حال اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا ہوگا اور اس کا کیا ہوگا؟ اس کا کیا مقام ہے، وہ تو اس کے قلب کی اندرونی

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بَابُ تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ، وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ.

حالت کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے، اس لیے یہ جو تحقیر ہے، کبر اسی کا نام ہے، دوسروں کو حقیر سمجھنا اور جو حق بات کہی جائے، اس کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہونا۔

## کبر وغرور کی دو علامتیں حدیث کی روشنی میں

حضرت ابنِ مسعود کی روایت مسلم شریف میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ کہ: جس کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ کسی آدمی نے پوچھا: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً کہ: اے اللہ کے رسول! ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو۔ یعنی عام طور پر لوگ اچھے کپڑے اور اچھے جوتے وغیرہ پہننا پسند کرتے ہیں اور جو آدمی اس طرح کا عمدہ لباس پہنتا ہے، لوگ اس کو عام طور پر کبر پر محمول کرتے ہیں، گویا سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ کیا یہ کبر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ کہ: اللہ تعالیٰ تو جمیل ہیں، خوب صورت ہیں، خوب صورتی کو پسند کرتے ہیں۔ اچھا لباس، اچھا جوتا پہنیں گے تو اس سے اللہ کاہے کو ناراض ہوں گے؟۔

ہاں! اس اچھے لباس کو پہن کر آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے یہ اچھا لباس پہنا ہے اور اس کا لباس کم درجے کا ہے تو اس لباس کی بنیاد پر میں اپنے آپ کو بڑا اور اس کو حقیر سمجھوں، یہ کبر ہے، اسی کو فرماتے ہیں: الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ کبر حق کا انکار کرنا ہے۔ ہمیں جب ہماری کوتاہیوں پر ٹوکا جاتا ہے تو ہم تاویلیں کرتے

ہیں، حالاں کہ ہمارے دل میں ہے کہ انھوں نے جو کہا، وہ بالکل درست ہے لیکن بس ماننے کے لیے تیار نہیں، حق کا انکار کر رہے ہیں اور غَمْطُ النَّاسِ یعنی لوگوں کو حقیر اور کمتر سمجھنا۔ یہ کبر کی بنیاد اور اس کی بڑی علامتیں ہیں، کہیں ڈھونڈنے جانے کی ضرورت نہیں، خود آدمی آسانی سے اپنے اندر محسوس کر سکتا ہے۔

بہر حال! دوسروں کو حقیر سمجھنا، اس سے آدمی بہت سی آزمائشوں کے اندر مبتلا ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو ایسی آزمائشوں کے اندر ڈالتے ہیں کہ جس کی تحقیر دل کے اندر آئی، یہ اس سے بھی زیادہ حقیر بن جاتا ہے، اس لیے اس سے خاص طور پر بچنے کی کوشش کریں۔

''تو فرماتے ہیں: ایک ان میں سے اپنے کو بڑا سمجھنا، اوروں کو حقیر سمجھنا، ظلم وغیبت وغیرہ اسی مرض سے پیدا ہوتے ہیں، اور بھی خرابیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں: حقد وحسد اور غضب وغیر ذٰلک۔''

## چوتھا گناہ: غصہ اور غیظ وغضب

''ایک ان میں سے غصہ ہے، کبھی نہیں یاد ہے کہ غصہ کر کے پچھتائے نہ ہوں؛ کیوں کہ حالت غضب میں قوتِ عقلیہ مغلوب ہو جاتی ہے (آدمی کی سوچنے کی صلاحیت بے کار ہو جاتی ہے) سو جو کام اس وقت ہوگا، عقل کے خلاف ہی ہوگا۔ جو بات ناگفتنی تھی، وہ منہ سے نکل گئی، جو کام ناکردنی تھا، وہ ہاتھ سے ہو گیا، بعد غصہ اترنے کے جس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا، کبھی کبھی عمر بھر کے لیے صدمہ میں گرفتاری

ہو جاتی ہے۔''

(بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں اور بھی اس طرح کی حرکتیں ہوتی ہیں۔)

## پانچواں گناہ: غیر محرم عورت یا مرد سے راہ ورسم

''ایک ان میں غیر محرم عورت یا مرد سے کسی قسم کا علاقہ رکھنا، خواہ اس کو دیکھنا یا اس سے دل خوش کرنے کے لیے ہم کلام ہونا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا یا اس کے پسند طبع کے موافق اس کے خوش کرنے کو اپنی وضع (لباس وغیرہ) یا کلام کو آراستہ ونرم کرنا۔ (حضرت فرماتے ہیں:) میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس تعلق سے جو جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو جو مصائب پیش آتے ہیں، احاطۂ تحریر سے خارج ہیں۔''

## چھٹا گناہ: حرام غذا کا استعمال

''ایک ان میں سے مشتبہ طعام یا حرام کھانا ہے کہ اسی سے تمام ظلمات وکدورت نفسانیہ پیدا ہوتی ہیں۔''

(مشتبہ لقمے سے بھی اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کریں۔ جو آدمی حلال غذا کا اہتمام کرتا ہے، غیر اختیاری طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔)

''چوں کہ غذا اسی سے بن کر تمام اعضاء وعروق میں پھیلتی ہے، پس جیسی غذا ہوگی، ویسا ہی اثر تمام جوارح میں پیدا ہوگا اور ویسے ہی افعال اس سے سرزد ہوں گے۔''

یہ چھ معاصی ہیں جن سے اکثر معاصی پیدا ہوتے ہیں، ان کے ترک سے إن شاء

اللہ تعالیٰ اوروں کا ترک بہت سہل ہو جاوے گا بلکہ خود بخود متروک ہو جائیں گے۔‘‘

## بزرگوں کی ان نصیحتوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ اور سامنے رکھئے

یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آسان نسخہ بتلایا۔ یہ ہمارے بزرگوں کی تاکیدیں اور نصیحتیں ہیں، ضرورت ہے کہ ہم اس پر عمل کریں۔ حضرت کی یہ نصیحتیں اور دوسری بہت سی نصیحتیں پمفلیٹ کی شکل میں لوگوں نے شائع کی ہیں کہ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہمیں ۲۴ ؍گھنٹے کس طرح رہنا ہے، اردو میں، گجراتی میں بھی چھپی ہوئی ہیں، اس کو جیب میں رکھنا چاہیے، اس کو بار بار دیکھتا رہے؛ تاکہ اس پر عمل کا اہتمام ہو۔ اس طرح اگر آپ زندگی گذاریں گے، امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہو جائیں۔

## تعلق مع اللہ کو حاصل ہونے کے بعد باقی رکھنے کی کوشش کیجیے

یہاں رہتے ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کچھ تعلق قائم کیا، یہاں سے جانے کے بعد یہ تعلق بڑھے، اس میں اضافہ ہو، باقی رہے، اس کی کوشش کرنی چاہیے، ایسا ماحول، ایسی دوستی اور ایسی جگہ جانے سے کہ جس سے اس تعلق پر زد پڑتی ہو، اپنے آپ کو دور رکھے۔ ایک آدمی کماتا ہے اور ایک مدت تک محنت کر کے دولت کمائی تو کیا وہ اس کو آسانی سے کھودے گا؟ کسی دشمن کو، کسی چور اچکے کو اس کا موقع نہیں دے گا کہ وہ اس دولت کو اس کے پاس سے چھین لے، اسی طریقے سے ہم بھی نفس اور شیطان کو ایسا موقع نہ دیں اور یہاں سے جانے کے بعد ایسی دوستیاں اور ایسے تعلقات کو ختم کر دیں جو اس تعلق کے لیے خطرناک ہوں۔ ایسے دوستوں سے کہو کہ اگر تم بھی اسی راہ پر آتے

ہو جس پر ہم ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمھارے راستے پر آ جاؤں، اس کے لیے میں تیار نہیں ہوں۔

## اپنے یہاں بھی خانقاہ جیسا ماحول بنانے کی فکر کریں

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بڑی تاکید فرماتے تھے کہ بھائی! ماحول بہت اثر رکھتا ہے، یہاں آپ کو جو کچھ کرنے کا موقع ملا، وہ ماحول کی وجہ سے تھا، اب اپنی اپنی جگہ پر اس ماحول کو پیدا کرنے کی کوشش کرو: اپنے گھر میں بھی ایسا ہی ماحول ہو، اپنے احباب میں، اپنے حلقے میں اس کی کوشش ہو کہ جب ملیں، بیٹھیں، ان ہی نیک کاموں کا تذکرہ ہو، اسی کو کرنے کے آپس میں مذاکرے ہوں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو۔

یہ ساری چیزیں ہوں گی تو إن شاءاللہ تعالیٰ عافیت اور آسانی کے ساتھ آدمی کے لیے عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ کریں گے اہتمام؟ یہاں سے جانے کے بعد بھی اس کا اہتمام کریں، یہ نہیں کہ اتنے دنوں تک محنت کر کے جو کچھ حاصل کیا، وہ یہاں سے جانے کے بعد ایک منٹ کے اندر ضائع کر دیا، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# ماہِ رمضان کی وصول یابی میں
# اپنی ذاتوں کا احتساب اور آئندہ کے عزائم

# اقتباس

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾: تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا۔ یہ اللہ کو یاد کرنا بڑا اہم ہے۔ آج ہمارے اوپر مصیبتیں آتی ہیں، غم اور پریشانیاں ہیں، حالات سے دوچار ہیں۔ اگر کوئی آدمی اللہ کی یاد میں مشغول رہے تو اس کو یہ حالات پیش نہیں آئیں گے اور اگر آئیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو وہ صبر وسکون اور طمانینت کی وہ کیفیت عطا فرمائیں گے کہ ان حالات میں دوسرا کوئی آدمی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ [الرعد:۲۸]

بھائی! ایک بادشاہ کسی کو اپنے دھیان میں رکھے۔ تم کسی بڑے کے دھیان میں ہو، اس کی توجہ کے اندر آتے ہو تو کیا آپ پر کوئی مصیبت آسکتی ہے؟ کوئی دشمن آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ کہا تو حضرت نے فرمایا کہ تم اللہ کی یاد میں مشغول رہو۔ جب تم اللہ کی یاد میں مشغول رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو یاد کریں گے اور جس کو اللہ یاد کریں، اس پر کیا آفت آسکتی ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یہدہ اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریک له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلی کافّة الناس بشیرا و نذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی آله وأصحابه وبارک وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِيۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ﴾ [فصلت:۳۰]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا﴾ [ابراهیم:۳٤]

# رمضان کے اختتام پر دو ضروری کام

یہ رمضان المبارک کا آخری دن ہے اور ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ایک دن مزید عطا فرمائے۔ ہم ایک مہینے یا پچھلے دس دنوں سے یہاں پر ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں، احتساب کریں۔ اس موقع پر دو کام ہمیں کرنے ہیں: ایک تو جو گذر چکا، اس کا احتساب اور دوسرا آئندہ کے لیے کچھ عزائم۔

# اعمالِ رمضانیہ کا احتساب کیجیے

احتساب کا مطلب یہ ہے کہ ہم اور آپ سوچیں کہ ہم نے جو وقت یہاں پر گذارا: روزے رکھے، تراویح پڑھی، تلاوت کا اہتمام کیا، دعاؤں کا اہتمام کیا، تسبیحات کا اہتمام کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کی مختلف شکلیں اختیار کیں، اپنی ان عبادتوں کا ہمیں جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم نے روزہ اس طریقے پر رکھا جس طریقے پر رکھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے؟۔

ایک تو وہ وقت تھا کہ رمضان جب شروع ہوا تو شروع میں جو باتیں کی جاتی تھیں، وہ یہ تھیں کہ رمضان کو ہمیں کس طرح وصول کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کو وصول کرنے کا کیا طریقہ بتلایا، وہ ساری تفصیلات کہ روزوں کی کیا کیفیت ہونی چاہیے، قیام کی کیا کیفیت ہونی چاہیے، تلاوت کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔ یہ ساری باتیں آچکی ہیں اور وہاں اس بات پر متنبہ کیا جا چکا ہے کہ ہمیں ان اعمال کو جو ہم رمضان میں انجام دینے والے ہیں، اس طرح انجام دینے ہیں۔

## ہم اپنا احتساب کس طرح کریں؟

اب تو رمضان ختم ہو چکا، قریب الختم ہے تو ہم جو اعمال انجام دے چکے ہیں، ضرورت ہے کہ ہم نے جو اعمال انجام دئے، ان کے متعلق یہ سوچیں کہ ہم نے جو روزے رکھے تو روزوں کے اندر ہمیں جن چیزوں سے بچنے کی تاکید کی گئی تھی، کیا ہم نے اپنے روزوں میں اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچایا؟ کیا ہم نے اپنی نگاہوں کی حفاظت کی؟ کہیں

ایسا تو نہیں کہ یہاں خانقاہ میں، یہاں مسجد میں رہتے ہوئے بھی ہم بے ریش لڑکوں کو تاکتے جھانکتے رہے اور یہاں آنے کے بعد بھی شیطان نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا، اور ہمیں برباد کیا، ایسا تو نہیں؟

کیا ہم نے اپنی زبان کی حفاظت کی؟ کیا روزوں کی حالت میں ہم نے اپنی زبان کو جھوٹ سے، غیبت سے، کسی کا استہزاء اور ٹھٹھا کرنے سے اور اسی طریقے سے زبان سے صادر ہونے والے دوسرے گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا؟ فضول اور لایعنی باتوں سے بچانے کا اہتمام کیا؟۔

کیا ہم نے اپنے کانوں کی حفاظت کی؟ غیبت سننے سے اپنے آپ کو بچایا؟ غلط باتیں سننے سے، جھوٹ سننے سے اپنے آپ کو بچایا؟ ایسی مجالس میں شرکت کر کے ان مجالس میں ہونے والی باتوں کو سننے سے اپنے آپ کو بچایا؟۔

## روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں ہے

کیا روزے کی حالت میں ہم نے اپنے دوسرے اعضاء کی حفاظت کی؟ اس لیے کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ روزہ حقیقت میں وہی ہے جس میں آدمی ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ صبح سے شام تک خالی بھوکے پیاسے رہنے کا نام روزہ نہیں ہے۔ ہمیں اپنے ان روزوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

## اعمالِ رمضانیہ میں کوتاہی معلوم ہونے پر استغفار کیجیے

اگر احتساب اور جائزے والے اس عمل کے نتیجے میں ہمیں یہ احساس ہو کہ ہم نے

جیسا چاہیے تھا، اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کی، زبان کی حفاظت نہیں کی، کانوں کی حفاظت نہیں کی، دوسرے اعضاء کی حفاظت نہیں کی تو رمضان ختم ہو جائے، اس سے پہلے ہمیں توبہ اور استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔

## عبادتوں کی انجام دہی کی بعد استغفار کی شرعی تعلیم

عجیب معاملہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعائیں سکھلائیں تو اس میں عبادت کے اختتام پر استغفار رکھا گیا ہے۔ نمازوں کے اندر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ سلام کے بعد زور سے تین مرتبہ استغفار پڑھتے تھے (۱)۔ اور تہجد کے متعلق قرآن میں ہے: ﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الذاريات:١٨] رات کے آخری حصوں میں یہ حضرات، اللہ کی رات بھر عبادت کرنے والے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔

## عبادتوں کے انجام دینے کے بعد نیک لوگوں کی حالت

روزوں کے اندر بھی جو دعائیں افطار کے وقت سکھلائی گئیں، ان میں سے ایک دعا ہے: يَاوَاسِعَ الفَضْلِ! اغْفِرْ لِي: روزہ افطار کیا جا رہا ہے اور یہ دعا پڑھوائی جا رہی ہے۔

اسی طرح قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ [المؤمنون:٦٠] یہ وہ حضرات ہیں جو ان اعمال کو انجام دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرے اور سہمے رہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ شراب پی کر اور

(۱) صحيح مسلم، عَنْ ثَوْبَانَ رضي الله عنه، بَابُ اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَبَيَانِ صِفَتِهِ.

چوری کر کے ڈرتے ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ: نہیں اے صدیق کی بیٹی! گناہوں کے بعد نہیں بلکہ وہ تو روزہ رکھنے، نماز پڑھنے اور دوسری عبادات انجام دینے کے بعد ڈرتے ہیں کہ پتہ نہیں، ہماری عبادت ایسی ہوئی جیسی کرنی چاہیے تھی اور ہماری عبادت اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی یا نہیں؟ اس کا ڈر لگا انھیں رہتا ہے (۱)۔ گناہ کرنے کے بعد تو آدمی کو ڈرنا ہی چاہیے۔

## رمضان کے روزوں کی فضیلت

بہر حال! ایک تو ہمیں اپنے روزوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہی حال قیامِ رمضان کا ہے۔ رمضان المبارک میں شریعت نے ہمیں تین عمل بتلائے ہیں اور تینوں اعمال پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا وعدہ ہے۔ ایک تو روزہ ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (۲): جس آدمی نے رمضان کے رزوے ایمان کے ساتھ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے رکھے، اس کے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

## قیامِ رمضان یعنی تراویح کی فضیلت

دوسرا عمل قیامِ رمضان ہے یعنی تراویح جو نفل کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس پر بھی

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْمُؤْمِنُونَ.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابٌ: صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِنَ الإِيمَانِ.

یہی وعدہ ہے: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ: جس آدمی نے رمضان کا قیام ایمان کے ساتھ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے کیا، اس کے اگلے گناہ معاف ہوجائیں گے (۱)۔

## تیسرا عمل: شبِ قدر کا قیام اور اس کی فضیلت

تیسرا عمل شبِ قدر کا قیام ہے: مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (۲)۔ یہ تین چیزیں ہمیں رمضان المبارک میں بتائی گئیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا وعدہ ہے۔

## تراویح کے بارے میں غور وفکر کرنے کی چیز

توہمیں ان اعمال کا جائزہ بھی لینا چاہیے: ہمارے روزے، ہمارا قیامِ رمضان۔ یہ تراویح میں جو ہم کھڑے رہتے ہیں تو کیا ہم بددلی کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں کہ تراویح میں کھڑے رہنے کے دوران ہمارے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ کتنا لمبا قیام ہورہا ہے! جلدی سے رکوع کرے، جلدی سے سلام پھیرے یا یہ کہ شروع سے شرکت ہی نہیں کی، جب تک کہ امام رکوع میں نہ جائے، وہاں تک بیٹھے ہوئے ہیں، امام کے رکوع کا انتظار کررہے ہیں۔ بہت بڑا مجمع اور بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو اس مصیبت میں گرفتار ہوتی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ: تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ: قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيمَانِ.

اب یہاں آنے کے بعد اور ان ساری چیزوں کے ہمارے سامنے آجانے کے بعد بھی ہم اس طرح غفلت کا شکار ہوں تو واقعہ تو یہ ہے کہ یہ بہت بڑی ندامت کی چیز ہے، اس پر بھی غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

لیلۃ القدر کے سلسلے میں کہ کیا لیلۃ القدر کی عبادت ہمیں نصیب ہوئی یا نہیں ہوئی؟ کہیں یہ تو نہیں ہوا کہ وہ ہماری غفلتوں کی نظر ہوگئی اور ہم پڑے سوتے رہے۔

بہرحال! یہ تین اعمال جن کی فضیلت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی، ہمیں اپنے ان تین اعمال کا جائزہ لینا ہے، اسی طرح تسبیحات کا، تلاوت کا اور دوسرے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے کہ ان اعمال کو جس طرح انجام دینا چاہیے تھا، اس طرح ہم نے انجام دیا؟

## جس کا رمضان سلامت، اس کا پورا سال سلامت

رمضان کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ (۱): جس کا رمضان سلامتی کے ساتھ گذرا، اس کا پورا سال سلامتی سے گذرے گا۔ اگر رمضان کے بعد ہماری زندگی کی ترتیب وہ نہ رہی جو رمضان میں تھی تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پتہ نہیں ہمارا رمضان کا یہ مہینہ قبول ہوا یا نہیں۔

جیسے حجِّ مبرور کے بارے میں آتا ہے کہ حجِّ مبرور کی علامت یہ ہے کہ اس کی

---

(۱) شعب الإیمان، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالی عنھا، الْتِمَاسُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ.

زندگی حج سے پہلے جیسی تھی، حج کے بعد اس سے اور زیادہ بہتر ہو جائے[١]۔ اگر ہماری زندگی میں انقلاب آیا ہے اور رمضان سے پہلے ہماری زندگی میں جو کمیاں اور خامیاں اور عیوب تھے، اگر رمضان کے بعد اس میں کمی آ گئی ہے، ہماری زندگی میں پہلے کے مقابلے میں سُدھار آیا ہے تو ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہمارا یہ رمضان قبول ہوا ہے، ورنہ یہ کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

## اعمالِ صالحہ کی قبولیت کی علامت

اس لیے کہ ایک آدمی ایک عمل کرتا ہے، مثلاً اس نے فجر کی نماز پڑھی پھر ظہر کی نماز کے لیے آیا تو ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی فجر کی نماز اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبول ہوئی، ایک نیکی کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اسی جیسی دوسری نیکی کی توفیق دی جائے تو یہ قبولیت کی علامت ہے۔

اب ہم رمضان میں جن اعمال کو انجام دیتے رہے، رمضان کے بعد بھی ان اعمال کا سلسلہ باقی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ رمضان کے اعمال قبول ہوئے، ورنہ تو پھر ڈرنے کی چیز ہے۔

## جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور اس کے فضل سے مایوس ہونے کی بھی ضرورت

(١) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَمِنْ عَلَامَةِ الْقَبُولِ أَنْ يَرْجِعَ خَيْرًا مِمَّا كَانَ وَلَا يُعَاوِدُ الْمَعَاصِيَ.
(حاشية السندي على سنن النسائي، رقم الحديث: ٢٦٢٢)

نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں ان اعمال کی توفیق دی، وہ بھی اس کا بڑا فضل ہے تو ہم اپنی زبانِ حال سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کریں کہ اے اللہ! ناقص اور گھٹیا پونجی لے کر کے آئے ہیں لیکن تو بہر حال نکتہ نواز ہے، تو نے اپنی توفیق سے یہ اعمال ہم سے کروائے تو اپنے فضل سے اس کو شرفِ قبولیت بھی عطا فرما۔

## خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے حال!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تو بڑا عجیب وغریب معاملہ ہوتا ہے، فضائلِ حج میں لکھا ہے کہ ایک آدمی حج کے بعد اس فکر میں رہا اور یہ فکر اس کی طبیعت پر غالب ہوگئی کہ پتہ نہیں میرا حج قبول ہوا یا نہیں، اسی فکر میں اس کی آنکھ لگ گئی اور اس نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے تھے، ایک فرشتہ دوسرے سے پوچھتا ہے کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ٦/لاکھ آدمیوں نے حج کیا۔ پہلے نے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنے آدمیوں کا حج قبول کیا؟ تو جواب دیا کہ ٦/آدمیوں کا!

اس کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ اب یہ پریشان ہے کہ جن ٦/آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے، پتہ نہیں میں بھی ان میں شامل ہوں یا نہیں۔ بہت زیادہ پریشان ہے، اسی پریشانی کے عالم میں دوبارہ آنکھ لگی، دوبارہ وہی خواب دہرایا جارہا ہے: وہ پوچھتا ہے: اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ جواب دیا کہ ٦/لاکھ آدمیوں نے۔ پہلے والے نے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنے آدمیوں کا حج قبول کیا؟ تو جواب دیا کہ ٦/ آدمیوں کا! تو پہلے نے پوچھا کہ باقی لوگوں کے حج کا کیا ہوا؟ تو اس فرشتے نے جواب

دیا کہ ان چھ کے صدقے میں باقیوں کا بھی قبول کرلیا!! یہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا حال!

## نہ ہونا امید کہ نومیدی زوالِ علم وعرفاں ہے

میں یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ناامید بھی نہیں ہونا چاہیے، اللہ کے بہت سے بندے راتوں کو اللہ کے حضور گڑگڑاتے رہے، قیام کرتے رہے، نمازیں پڑھتے رہے، نفلیں پڑھتے رہے، اللہ سے مناجات کرتے رہے، ہم بھی ان کو دیکھتے تھے اور گویا تصورات میں ان کے ساتھ شرکت کرتے تھے اور دل میں تمنا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی ایسی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کے صدقے میں ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے اعمال کو بھی قبول کرلیں گے۔

## اعمال کی دو حیثیتیں

عمل کی دو حیثیت ہوتی ہیں: عمل کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو ہمارے ساتھ نسبت کی وجہ سے ہے اور عمل کی دوسری حیثیت وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق کی وجہ سے ہے؛ اس لیے ہماری نماز جیسی بھی ہو، وساوس وخیالات والی، ٹوٹی پھوٹی، روزے، تلاوت وغیرہ دوسرے اعمال۔ ایک تو ان میں وہ حیثیت ہے کہ ہم نے اسے انجام دیا تو جیسے ہم ناقص ہیں، ہمارے اعمال بھی ناقص ہیں، وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاسکیں۔

## حضراتِ صحابہؓ جیسی نماز پڑھنے کی ایک آدمی کی کوشش

ایک آدمی سے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ تمھاری کیا تمنا ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا: دعا کیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صحابہ جیسی نماز نصیب فرمادے، اس پر فرمایا کہ اچھا شوق ہے، پڑھو! رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور بڑے اطمینان سے نماز شروع کی، تمام فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب کی رعایت کرتے ہوئے اور مفسدات اور مکروہات سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے، کسی بھی طرح کی کمی نہیں کی، بہت اطمینان سے نماز ادا کی، سلام پھیرا، دل میں خیال آیا کہ صحابہ کی نماز تو بہت اچھی ہوتی تھی، میری نماز ویسی نہیں ہوسکتی، پھر دو رکعت اور بھی زیادہ اچھا کر کے پڑھا۔ اس طرح پوری رات دو دو رکعت پڑھتا رہا اور اخیر میں بھی اس کے دل میں یہ تشنگی باقی رہی کہ میری نماز صحابہ جیسی تو ہو ہی نہیں سکتی۔

## اعمال کی دو حیثیتوں کے اعتبار سے ہمارا طرزِ عمل

بہر حال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ ہمارے اعمال کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ہم سے سرزد ہورہے ہیں، اس اعتبار سے ہمیں اپنے اعمال پر کوئی فخر وغرور نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ روزے کے آداب میں بتلایا تھا کہ افطار کے وقت آدمی کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ پتہ نہیں میرے اس عمل کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول کیا یا نہیں، یہ تو اپنی ذات کے اعتبار سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہمارے ساتھ ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے قبولیت کی امید رکھنا، یہ بھی ہمارے اکابر کی تعلیمات میں سے ہے۔

## اعمال میں ہونے والی کوتاہیوں کی باری تعالیٰ سے معافی مانگیں

بہر حال! آج ہمیں ایک کام تو یہ کرنا ہے کہ ہم نے رمضان کے اس مہینے میں جو اعمال انجام دئے ہیں، ان کا احتساب، محاسبہ کرتے ہوئے یہ سوچیں کہ کیا ہم نے ان اعمال کو واقعۃً اسی طرح انجام دیا، جس طرح انجام دیا جانا چاہیے؟ اور ان میں جو کمیاں اور کوتاہیاں رہیں، ان کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی جائے اور دعا کی جائے۔

## رمضان المبارک کا مہینہ ''چار جنگ'' کا مہینہ ہے

دوسرا کام آئندہ اور مستقبل سے متعلق ہے کہ ہمیں آئندہ اپنی زندگی کی ترتیب کیسی بنانی ہے؟ تو حقیقت تو یہ ہے، جیسا کہ پہلے بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اسی لیے دیا ہے کہ سال بھر میں ہم سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، گناہ ہوئے ہیں، ان کو بخشوائیں اور اپنی دنیوی مشغولی کی وجہ سے اپنے قلب پر جو غبار آیا ہے، اس کو دور کریں۔ یہ سروس اور چار جنگ کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ تو اب قریب الختم ہے، اب ہمیں آئندہ اپنی زندگی کی ترتیب کیا ہونی چاہیے، اس پر غور کرنا ہے اور رمضان والے ان اعمال میں تسلسل کو باقی رکھنا ہے۔

## قلبی احوال اوقاتِ مختلفہ میں مختلف ہوتے ہیں

دیکھو! عمل کے اندر ایک تو تسلسل ہوتا ہے اور ایک غیر تسلسل کی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کا مزاج اور طبیعت ایک طرح کی نہیں بنائی بلکہ طبیعت کی

حالت ایسی ہے اور قلب کی حالت بھی ایسی ہے کہ وہ بدلتی رہتی ہے، اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے بلکہ دل کو قلب کہتے ہی اسی لیے ہیں: سُمِّیَ الْقَلْبُ قَلْبًا لِتَقَلُّبِهٖ کہ قلب کا معنی بدلنا ہے اور قلب کو قلب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں: ابھی کیا ہے، بعد میں کیا ہے؛ اسی لیے يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ اور اللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ، صَرِّفْ قُلُوبَنَا إِلَى طَاعَتِكَ (۱) ایسی دعاؤں کی تعلیم ہے۔

## قلب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ دعا جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی تو عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کیا آپ کو ہمارے متعلق اندیشہ ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! انسانوں کے یہ قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، اللہ تعالیٰ جس طرح چاہیں، ان کو پھیر دیتا ہے (۱)۔

## طبیعت پر طاری ہونے والے قبض و بسط کے احوال

اور اسی وجہ سے کبھی انشراح ہے، ایک کیف، سرور اور مستی کی سی کیفیت ہے اور کبھی قبض اور بے دلی کی سی کیفیت ہے، کبھی نماز پڑھتے ہیں تو ایسا مزا آجاتا ہے کہ ہم پڑھتے ہی رہیں، قرآن پڑھتے ہیں تو ایسا لطف آتا ہے کہ پڑھتے ہی رہیں، تسبیح پڑھتے ہیں تو ایسا مزا آتا ہے کہ تسبیح پڑھتے ہی رہیں اور سارے کام چھوڑ چھاڑ دیں اور کبھی

---

(۱) السنن الکبریٰ للنسائی، عَنْ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بَابُ الْإِيمَانِ بِأَنَّ قُلُوبَ الْعِبَادِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّبِّ تَعَالَى بِلَا كَيْفٍ.

طبیعت میں قبض اور بے دلی کی ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ ایک سبحان اللہ بھی زبان سے ادا کرنا آدمی کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

## ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے

لیکن بھائی دیکھو! کیسی بھی کیفیت ہو: انشراح کی ہو یا قبض کی، لطف اور مزا آتا ہو یا ذرّہ برابر بھی لطف و مزا نہ آتا ہو، دل میں کیسی ہی بے کیفی ہو لیکن ہمیں اپنے ان اعمال کو ایک ترتیب اور مداومت کے ساتھ انجام دینا ہے، اس میں کبھی خلل نہیں آنا چاہیے۔

## پانی کے قطرات کا تسلسل پتھر میں بھی سوراخ کر دیتا ہے

دیکھیے! آپ کسی پتھر کے اوپر دس بالٹیاں پانی بہا دیں تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور ان ہی دس بالٹیوں والا پانی اس پتھر کے اوپر اس انداز سے ڈالیں کہ ایک ایک قطرہ ایک ایک منٹ کے وقفے سے اس پر گرے تو وہی ایک ایک قطرہ اس میں سوراخ پیدا کر دے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مداومت کے اندر طاقت رکھی ہے۔

ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کہا کرتے ہیں کہ دیکھو! پتھر کی خاصیت یہ ہے کہ اس پر کوئی چیز اگتی نہیں ہے لیکن اگر کوئی پتھر زمین میں جما ہوا ہو تو اس کے اندر زمین کے ذرّات لگنے کی وجہ سے اس پر بھی سبزہ اُگ آتا ہے۔ اسی طریقے سے آپ جب اعمال میں مداومت اختیار کریں گے تو اس میں بھی نور پیدا ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اسی کی قدر ہے۔

---

(١) سنن الترمذي، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيِ الرَّحْمٰنِ.

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بہترین عمل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ أَحَبُّ العَمَلِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا دِيمَ عَلَيْهِ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بہترین اور محبوب ترین عمل وہ تھا جس پر مدامت کی جائے۔ شریعت افراط وتفریط کی اجازت نہیں دیتی، اعتدال ضروری ہے۔

## اعمال پر مداومت اختیار کیجیے

ہم اپنے مزاج اور اپنی ترتیب کے اعتبار سے جو بھی اعمال انجام دیتے ہیں، اس کو اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت ہے، جوش میں آ کر کچھ راتیں تو عبادتوں کے ساتھ گذاری پھر ایسے سوئے کہ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ طریقہ پسند نہیں ہے، دو رکعت پڑھیں لیکن وہ دو رکعت سال بھر پابندی سے ہوتی رہے تو اعمال پر مدامت شریعت کی نگاہوں میں ممدوح ہے۔

## تبلیغی کام پر مداومت کے سلسلے میں حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت

حضرت مفتی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت میں وقت لگایا، وقت پورا ہوا تو مرکز پر حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ وقت پورا ہوا، اب جانے کی اجازت چاہتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ اور وقت بڑھادو۔ اور وقت بڑھایا، مزید ایک چلّہ لگایا، وہ بھی پورا ہوا تو پھر حاضر ہوئے اور کہا کہ وقت پورا

(۱) سنن الترمذي، رقم الحديث: ۲۸۵۶.

ہوا، جانے کی اجازت چاہتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ اور بڑھا دو۔ پھر ایک چلّہ لگایا، وہ بھی پورا ہوا تو پھر کہا کہ جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ ٹھیک ہے، آئندہ دوبارہ کب نکلو گے؟ پھر فرمایا کہ تسلسل باقی رہے۔

گویا آپ جماعت میں جو کام کرتے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ یہاں سے جب گھر جاویں تو وہ کام بند ہو جاوے، اپنے گھر پر رہتے ہوئے بھی یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ یہاں آپ رمضان گذارنے کے لیے آئے اور یہاں رہتے ہوئے آپ نے اعمال کا اہتمام کیا تو اب یہ نہیں کہ یہاں سے جاوے تو سارے اعمال بھی یہاں مسجد میں ہمارے حوالے کر جاوے، جیسے بستر ہمارے حوالے کر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں بلکہ یہ اعمال اپنے ساتھ لے کر کے جانا ہے، پابندی کرنا ہے۔

اب جیسے کہ یہاں ہم نماز باجماعت کی پابندی کرتے ہیں، اس کی بڑی اہمیت ہے۔ جو آدمی جماعت کے ساتھ نماز کو ادا کرے گا تو شیطان اس پر کبھی قابو یافتہ نہیں ہو سکتا۔ آپ اہلِ علم ہیں، جانتے ہیں، کتبِ فقہ میں بھی لکھا ہے کہ اگرچہ بعض لوگوں نے اسے سنتِ مؤکدہ کہا ہے لیکن ایسی کہ اگر کوئی اس کو چھوڑتا ہے تو فاسق قرار پاتا ہے، یہ آدمی مردود الشہادۃ ہے اور اس کے جو پڑوسی اس کے بارے میں غفلت برتتے ہیں، وہ بھی گنہگار ہیں۔

## باجماعت نماز کی شریعت میں اہمیت

جماعت کا بڑا اہتمام ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین بھی جماعت چھوڑنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، بیمار لوگ بھی دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں آتے تھے، جماعت کا اس قدر اہتمام تھا(۱)۔

آج کیا ہو گیا؟ آج بڑے بڑے علماء، مدارس میں حدیث کی کتابیں پڑھانے والے بھی اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے ہیں، حالاں کہ مدرسے کے احاطے کے اندر مسجد ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ہو رہی ہے، اس قدر سہولت کے باوجود جماعت کو چھوڑنے کا جرم کرتے ہیں۔

## حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور پابندیٔ معمولات

ہمارے اکابر کے یہاں اس کا کتنا زیادہ اہتمام ہوتا تھا! حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اتنے سال میں ان کے ساتھ رہا لیکن کبھی کسی چیز میں تخلّف میں نے نہیں دیکھا، جماعت کے ساتھ نماز تو اپنی جگہ پر، دوسرے جتنے بھی معمولات تھے، ان کے اندر بھی ایسی پابندی تھی! نوافل کی بھی ایسی پابندی ہوتی تھی، سفر میں بھی ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے اور سفر بھی اس زمانے کا، اونٹوں پر کیا جانے والا، اس میں بھی اوّابین اور تہجد کی

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ: لَقَدْ رَأَیْتُنَا وَمَا یَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاۃِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُہُ أَوْ مَرِیضٌ إِنْ کَانَ الْمَرِیضُ لَیَمْشِی بَیْنَ رَجُلَیْنِ حَتّٰی یَأْتِیَ الصَّلَاۃَ - وَقَالَ - إِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰی وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰی الصَّلَاۃَ فِی الْمَسْجِدِ الَّذِی یُؤَذَّنُ فِیہِ (صحیح المسلم، باب صَلَاۃُ الْجَمَاعَۃِ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰی)

پابندی فرماتے تھے۔اونٹ سے اتر جاتے تھے، ذرا تیز چل لیتے تھے اور دو رکعت پڑھی، ان دو رکعتوں کو پڑھنے کے دوران اونٹ اور آگے نکل گیا تو اور تیز چل کر اس کو پکڑ لیتے تھے پھر آگے تیز چلتے تھے۔اس طرح اپنا معمول ادا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ: کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں لیکن کبھی بھی نہیں دیکھا کہ کسی معمول میں تغیُّر ہو۔ایک مرتبہ کسی جگہ قیام ہوا، ایسا گُھپ اندھیرا کہ جس کی کوئی انتہا نہیں، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا لیکن ایسی حالت میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ دھیرے سے ٹٹولتے ٹٹولتے اٹھے اور پانی لیا، وضو کیا اور تہجد کی نماز ادا کی۔دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ ذرا سی تکلیف پر معمولات چھوڑ دیتے ہیں۔

## حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام

ایک مرتبہ دیوبند کے اندر دستار بندی کا جلسہ تھا، اس زمانے میں کچھ وقفے سے یہ جلسہ ہوتا رہتا تھا، اس زمانے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، آپ اس جلسے میں تشریف لے گئے۔اذان ہوئی تو اذان کی آواز سنتے ہی آپ مسجد کی طرف لپکے لیکن مجمع بہت زیادہ تھا، راستے میں لوگ مصافحے کے لیے بھی روکتے رہے تو مسجد پہنچتے پہنچتے کچھ دیر ہوگئی، اس زمانے میں حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امامت کراتے تھے، آپ مصلے پر جاچکے تھے اور اقامت کہی جاچکی تھی اور اللہ اکبر بھی کہہ دیا تو آپ تکبیرِ اولی، تکبیرِ تحریمہ میں شریک نہیں ہو پائے، حالاں کہ ابھی

قراءت شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ نماز کے بعد لوگوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر حزن وملال کے آثار ہیں۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! ابھی نماز سے پہلے تو آپ بہت خوش وخرم تھے اور ابھی ہم آپ کو کافی غم زدہ دیکھ رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ: رشید احمد کے لیے اس سے زیادہ غم کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ آج ''۲۳'' سال کے بعد تکبیرِ اولی فوت ہوئی۔

## حضرت مولانا احمد شاہ صاحب حسن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

حضرت مولانا احمد شاہ صاحب حسن پوری رحمۃ اللہ علیہ ضلع مرادآباد کے ایک قصبے حسن پور کے رہنے والے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کا واقعہ سناتے تھے کہ ایک مرتبہ ان کے کسی مرید اور عقیدت مند نے جو کلکتہ کا رہنے والا تھا اپنے مکان کی بنیاد ڈالنے کے لیے ان کو دعوت دی اور یہ کہا کہ میں ایک مکان تعمیر کرنا چاہتا ہوں، اس کے سنگِ بنیاد کے لیے دعا کے واسطے آپ تشریف لاویں اور چوں کہ وہ بوڑھے تھے اس لیے کہا کہ اپنے ساتھ کسی کو رفیقِ سفر کے طور پر لے آنا؛ تاکہ سفر میں سہولت رہے۔

## مولانا احمد شاہ صاحب کے رفیقِ سفر کا تعارف

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ نسبتی (سالے) ہوتے ہیں اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی سالے ہوتے ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ چچا بھتیجا ہونے

کے ساتھ ساتھ ہم زُلف بھی ہیں۔ جب دعوت وتبلیغ کا سلسلہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا تو شروع ہی سے وہ حضرت کے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب جو ابھی بھی کاندھلہ میں ہیں اور حضرت مولانا طلحہ صاحب کے خسر ہیں ان کے بڑے بھائی ہیں اور حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب جو مرکز میں پوری زندگی رہے، ان کے منجھلے بھائی ہیں۔ بہرحال! مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم تھے۔ ''تاریخِ مشائخ کاندھلہ'' ان کی لکھی ہوئی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کے واسطے سے یہ قصہ بیان کرتے تھے کہ:

مولانا احمد صاحب کو جب یہ دعوت ملی تو انھوں نے مولانا احتشام الحسن صاحب سے کہا کہ: مولوی صاحب! مکان کی بنیاد کے لیے ایک سفر میں جانا ہے، اور مجھ سے دعا کے لیے بھی کہا گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے ساتھ تمہیں لے جاؤں؛ اس لیے کہ تم نوجوان بھی ہو، عالم بھی ہو، صالح بھی ہو، تمہارے ہاتھ سے مکان کی بنیاد رکھواؤں گا اور دعا بھی کرواؤں گا۔

## اللہ والوں کا دل گردہ

خیر! جب سفر شروع ہوا تو مولانا احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: دیکھو بھائی! چوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سفر میں امیر ہونا چاہیے، اور تم نوجوان بھی ہو، عالم اور صالح ہو، اس لیے میں تمھیں امیر بناتا ہوں۔

## أولئك آبائي فجئني بمثلهم

سفر شروع ہوا، ٹرین میں سوار ہونے کے بعد مولانا احمد صاحب کو دست لگ گئے اور اتنی کثیر تعداد میں ہوئے کہ مولانا احتشام الحسن صاحب فرماتے ہیں کہ بار بار قضائے حاجت کے لیے جانا پڑا جس کی وجہ سے بے انتہاء نقاہت اور کمزوری ہوگئی اور اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوگیا۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا احتشام الحسن صاحب نے یہ طے کیا کہ حضرت کو آرام کی سخت ضرورت ہے، اس لیے کہا: حضرت! آپ کا بنایا ہوا یہ امیر آپ سے درخواست کرتا ہے بلکہ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ آج آپ تہجد نہیں پڑھیں گے، آج آپ کو آرام ہی کرنا ہے۔ مولانا احتشام الحسن کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر میں تو سوگیا، رات کو اچانک دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر کے ہلا رہا ہے، غفلت سے جب آنکھ کھلی اور غور سے دیکھا تو مولانا احمد صاحب تھے اور زار و قطار رو رہے تھے، ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور کہہ رہے تھے کہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تہجد پڑھنے کی اجازت دے دو، حضرت سے بیعت ہوئے ۵۷/سال ہوگئے ہیں، آج تک کبھی تہجد ناغہ نہیں ہوئی۔ ان حضرات کے یہاں تو معمولات کا یہ اہتمام اور پابندی تھی، اس میں ذرّہ برابر بھی کمی گوارا نہیں کرتے تھے اور ہمارا حال یہ ہے کہ دو چار دن معمولات ادا کیے اور پھر چھوڑ دئے۔

## اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے

ایک دو چیزیں اور بھی ہیں جو اگر چہ موضوع سے متعلق نہیں ہیں لیکن واقعے کا جزء

ہیں اس لیے ان کا آگے کا قصہ بھی بتا ہی دیتا ہوں: یہ کلکتہ پہنچے، انھوں نے چوں کہ یہ بھی کہا تھا کہ میں تمھارے ہاتھوں سے بنیاد رکھواؤں گا اور دعا کرواؤں گا۔ اب جب وہاں پہنچے اور بنیاد رکھنے کا موقع آیا تو وہاں جو گڑھا کھودا گیا تھا، وہ گہرا تھا تو حضرت نے ان سے کچھ نہیں کہا اور خود ہی اس کے اندر اتر گئے اور اینٹ رکھی اور دعا کر کے آ گئے، یہ کچھ بولے نہیں یہ کام ہو گیا تو داعی نے جو حضرت کا عقیدت مند تھا، حضرت کی خدمت میں ایک بڑی رقم ہدیے کے طور پر پیش کرنا چاہا لیکن حضرت نے اس کو رد کر دیا۔ اس کے بعد مسجد میں نماز کے لیے گئے، نماز سے لوٹتے ہوئے وہاں کسی نے ہدیے میں دو روپیے پیش کیے، وہ قبول کر لیے، اس میں سے ایک روپیہ ان کو دیا کہ تم میرے ساتھ ہو تو آدھا ہدیہ تم لے لو۔

## خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے

انھوں نے کہا کہ حضرت! بات سمجھ میں نہیں آئی: آپ تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لائے تھے کہ تم نوجوان ہو، صالح ہو، تمھارے ہاتھ سے سنگِ بنیاد رکھواؤں گا، دعا کرواؤں گا اور جب اس کا وقت آیا تو آپ خود ہی اتر گئے! اور وہاں داعی نے اتنی بڑی رقم ہدیے میں پیش کی، اس کو رد کر دیا اور مسجد میں ایک صاحب نے دو روپیے پیش کیے تو اس کو قبول کر لیا۔

تو حضرت نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! بات یہ ہے کہ جب سنگِ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو میں نے دیکھا کہ گڑھا بہت گہرا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ

اس کے اندر اترنے کی صورت میں آدمی گر جائے اور موت واقع ہو جائے۔ تم نوجوان ہو، عالمِ دین ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے دین کا کام لے رہے ہیں۔ میں تو بوڑھا آدمی ہوں، قبر کے کنارے پر کھڑا ہوں تو میں نے سوچا کہ میں ہی اتر جاؤں؛ تاکہ اگر موت آجائے تو میری آئے گی اور میری موت کی وجہ سے کسی کا نقصان ہونے والا نہیں اور آپ سے اللہ دین کا کام لے رہے ہیں، خدانخواستہ اگر یہ صورت آپ کو پیش آ گئی تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ ان کا جذبہ دیکھئے۔

## گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے

اور وہ جو صاحبِ خانہ نے بڑی رقم پیش کی تھی تو بات دراصل یہ ہے کہ میرے اوپر ایک قرضہ تھا اور میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ اے اللہ! اس قرضے کو ادا کروا دے۔ جب یہ دعوت آئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیرا قرضہ ادا کرنے کی صورت پیدا فرما دی، دل میں اِشراف پیدا ہوا؛ اس لیے میں نے وہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور مسجد کے اندر گئے تو ہمارے خواب وخیال میں نہیں تھا کہ کوئی ہدیہ دے گا؛ اس لیے اس نے جب دو روپیے دئے تو میں نے قبول کر لیے۔

## دین کے دوسرے کاموں کو آسان بنانے کا نسخہ

تو ہمارے اکابر کے یہاں معمولات کی پابندی کا بڑا اہتمام تھا؛ اس لیے نماز باجماعت کا بھی اہتمام کیجیے اور نماز بھی بھاگ دوڑ والی نہ ہو بلکہ شریعت نے نماز کے لیے جو تمہیدات اور شروع کے مراحل رکھے ہیں، ان مراحل کو بھی بڑے سکون اور

اطمینان کے ساتھ انجام دے کر کے،فرض نماز سے پہلے کی سنتیں، بعد کی سنتیں، مؤکدہ، غیر مؤکدہ، سبھی کو نہایت ہی سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا ہے،اس کو اپنے اوپر لازم کرلو،اگر یہ آپ کرلیں گے تو إن شاءاللہ اس کے انوار و برکات اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ استقامت کی کیفیت عطا فرمائیں گے،اس کے ذریعہ شریعت کے دوسرے احکام پر عمل کرنا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا،اس کے لیے آپ کے اندر ہمت اور قوت چاہیے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر ہمیں مرمٹنا چاہیے

جیسا کہ میں نے کہا کہ نماز باجماعت کے معاملے میں بڑے بڑے اہلِ علم بھی کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں، یہ انتہائی نامناسب ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام کریں اور سننِ قبلیہ و بعدیہ کا بھی اہتمام کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ یہ مؤکدہ ہے اور یہ غیر مؤکدہ ہے بلکہ یہ دیکھیں کہ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے،اس کو پڑھنا تو محبت کا تقاضا ہے۔ یہ سنن وآداب تو محبت کا تقاضا ہیں،ہمیں تو اس پر قربان ہو جانا چاہیے۔

## رمضان کے بعد پابندی سے انجام دیا جانے والا پہلا کام

تو پہلا کام تو ہمیں یہ کرنا ہے کہ پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ اور شریعت نے ہمیں جو ترتیب بتلائی،اس کے مطابق بڑے اطمینان اور سکون سے ادا کرنا ہے، اذان سنتے ہی پہنچ جاؤ بلکہ حضرت شاہ مسیح اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نماز سے آدھ پون گھنٹہ پہلے ہی وضو وغیرہ کر کے تیار ہو جاؤ، تب اس کو کما حقہ ادا کرسکو گے۔

## دوسرا کام: تہجد کی پابندی اور اس کی اہمیت وفضیلت

اس کے علاوہ نوافل میں اگر دو نوافل کا اہتمام کر لیں تو بہت اچھا ہے: ایک تو ہے تہجد جس کو قیام اللیل کہتے ہیں، اس کی بڑی تاکید ہے بلکہ سب جانتے ہیں کہ شروع اسلام میں جب پنج وقتہ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی مکہ مکرمہ میں تھے، کچھ ہی حضرات ایمان لائے تھے، اس وقت یہ نماز اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی تھی۔

﴿یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا﴾: گویا آدھی رات، ایک تہائی، دو تہائی، یہ تین حصے اس میں استثناء کر کے بتائے گئے کہ اتنے حصے میں تہجد کی نماز کا اہتمام کریں اور یہ حکم سال تک رہا اور پھر اس سورت کا آخری رکوع ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ﴾ نازل ہوا تو اس کے نزول کے بعد ایک قول کے مطابق فرضیت تو ختم نہیں ہوئی لیکن اتنی طویل نماز کا جو حکم دیا گیا تھا، وہ ختم ہو گیا، مختصر نماز اس کے بعد بھی ضروری رہی، پھر جب پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت نازل ہوئی، تب اس کی فرضیت منسوخ ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسی آیت سے فرضیت منسوخ ہوئی۔

بہر حال! جو بھی ہو، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بایں فضل وکمال اس کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے اور اس کے لیے اتنی زیادہ محنت اور مشقت اٹھاتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت

میں موجود ہے کہ صحابہ کی طرف سے کہ عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول! باری تعالیٰ کی طرف سے آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے گئے اور اس کے باوجود آپ اتنی ساری عبادت کا اہتمام کرتے ہیں اور اتنی زیادہ مشقت اٹھاتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا (١): میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ یعنی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تہجد کی نماز صرف گنہگار پڑھیں گے، نہیں بلکہ اللہ نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی شکر گزاری کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں رات بھر عبادت کروں۔

## اہلِ علم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت و رحمت ہے

اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ کو علمِ دین عطا فرمایا اور دنیا کی بے شمار نعمتوں سے نوازا، خاص کر کے علم جیسی دولت عطا فرمائی، اہلِ علم کو چاہیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نیابت عطا فرمائی تو پھر وہ کام بھی تو کرنا چاہیے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے؛ اس لیے تہجد کا اہتمام ہو۔

## اگر زمرۂ صالحین میں شامل ہونا چاہتے ہو تو.....

ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ“ تم قیام اللیل کو لازم پکڑو، کیوں؟؛ اس لیے کہ یہ تم سے پہلے جتنے بھی صالحین گزرے ہیں، ان سب کا طریقہ اور شیوہ رہا ہے۔ ہم بھی اگر صالحین کی جماعت اور زمرے میں اپنے آپ کو شامل کرنا

(١) صحيح البخاري، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضي الله عنه، باب قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ.

چاہتے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ ہم بھی اس کا اہتمام کریں۔

## نفس وشیطان پر قابو پانے کا اکسیر نسخہ

اور پھر آگے اس کا دوسرا فائدہ یہ بتاتے ہیں: ”وَقُرْبَةٌ اِلیٰ اللّٰہِ“: اور ہمارے لیے ہمارے رب کے قرب کا ذریعہ ہے۔

”وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ“: اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ یہ ہم اور آپ نفس اور شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں اور جلد از جلد ہم سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، ذرّہ برابر بھی نفس اور شیطان کی مقاومت اور مقابلے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ جو آدمی تہجد کا اہتمام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اندر نفس اور شیطان کے مقابلے کی قوت اور طاقت عطا فرمائیں گے۔

وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ: اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں کا کفارہ ہے(۱)۔

## امراضِ جسمانیہ سے اپنے جسم کو محفوظ کرنے کا عظیم نسخہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت جو طبرانی میں ہے، اس میں ایک اور چیز بھی ہے: ”وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الْجَسَدِ“: اور جسم سے بیماری کو ہٹانے والی اور دور کرنے والی ہے (۲)۔ غور کرو کہ اس کے کتنے سارے فائدے بتائے گئے ہیں! اس سے گناہوں

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضي الله عنه، رقم الحديث: ۳۵۴۹.

(۲) المعجم الكبير للطبراني، مسند سلمان الفارسي رضي الله عنه، أبو العلاء أخو يزيد بن عبد الله بن الشخير، عن سلمان رضي الله عنه، رقم الحديث: ۶۱۵۴.

سے بچنا بھی نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، وہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام طور پر وہ چست، چاق و چوبند اور نشیط رہتے ہیں، ان کے اوپر کوئی سستی نہیں ہوتی، ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے، صحت کو برقرار رکھنے میں تہجد کا اہتمام بہت زیادہ مؤثر ہے۔ اس لیے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کا اہتمام کرے۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پرچہ ''صدق'' نامی نکلتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے اداریے میں بہت تفصیل سے اس پر بحث کی تھی کہ جو لوگ تہجد کے پابند ہوتے ہیں، وہ بڑی بڑی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

## تہجد سنتِ مؤکدہ ہے

تو تہجد اگرچہ نفل ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ مظہری میں اس کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے[1]۔ احادیث میں آیا ہے کہ فرائض کے بعد نوافل میں سب سے افضل نمازِ تہجد ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام کریں اور وقت زیادہ لمبا نہ کر سکیں تو آٹھ یا چار رکعت کا تو آدمی اہتمام کرلے۔

## دین کا کام کرنے والے تہجد کو اپنے حق میں فرض سمجھیں

خاص کر کے جو دین کا کام کرنے والے اہلِ علم ہیں، دعوت کے ساتھی ہیں، ان

---

(۱) اختلفوا فی ان التهجد فی حق الامة من المؤكدات او من المستحبات والمختار عندی انه من المؤكدات لمواظبة النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیه ولحديث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَجُلٌ، فَقِيلَ: مَا زَالَ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحَ، مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ (متفق علیه) (التفسير المظهري، ۵/ ۴۶۸، تحت قوله تعالیٰ: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ الآية)

کے لیے تو ضروری ہے، وہ تو اپنے لیے اس کو فرض ہی سمجھیں۔ حضراتِ صحابہ میں سے کوئی اس کو چھوڑتا تھا؟ آپ خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ، اہلِ بدر وغیرہ کے حالات پڑھ لیجیے! تابعین، تبعِ تابعین، اسلاف کے اندر کون ہے؟ ائمۂ مجتہدین، بڑے بڑے علماء، فقہاء، ہر ایک کی زندگی کا، ان کی سوانح کا مطالعہ کریں، آپ کو ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے بارے میں یہ ہو کہ وہ تہجد نہیں پڑھتے تھے۔ ہم سب لوگ اپنے آپ کو ان حضرات کے ساتھ جوڑتے ہیں لیکن تہجد کا اہتمام نہیں کرتے۔

## امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنے کا معمول اور اس کا پس منظر

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو مشہور ہے کہ ۴۰ر سال سے زیادہ عرصہ ایسا گذرا کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ پہلے آپ کا یہ معمول نہیں تھا، تہجد تو آپ پڑھتے تھے لیکن پوری رات نہیں۔ ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک بڑھیا کو کسی سے یہ بات کہتے ہوئے سنا کہ یہ نوجوان پوری رات اللہ کی عبادت کرتا ہے، عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہے۔ حضرت نے یہ سنا اور اپنے دل میں کہا کہ میں تو ایسا نہیں ہوں۔ اس دن سے یہ عمل شروع کر دیا۔

## رمضان کے بعد اوّابین کی بھی پابندی کیجیے

تہجد کے بعد دوسری نفل عبادت جس کا اہتمام رمضان کے بعد بھی ہونا چاہیے، وہ اوّابین ہے، اگر اس کا بھی اہتمام کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ مغرب کے بعد دو رکعت

سنتِ مؤکدہ تو پڑھتے ہی ہیں، اگر اس کے بعد مزید چار پڑھ لیں اور اگر ٦/رکعت پڑھ لیں تو نُورٌ علی نور! بقول حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ دو قسم کے آدمی ہیں: ایک ہے فری مین (freeman) اور دوسرے ہیں بزی مین (busyman)۔ جو بزی قسم کے لوگ ہیں، وہ دو کے ساتھ چار ملا لیں اور جو فری قسم کے لوگ ہیں، وہ دو کے ساتھ چھ ملا لیں۔

اس کے علاوہ جو چاشت، اشراق وغیرہ نوافل ہیں تو اہلِ علم کے اپنے مشاغل ہیں، اگر کوئی فارغ ہے تو ان کا بھی اہتمام کرلے اور اگر مشاغل کی وجہ سے ان کا اہتمام نہیں ہوسکتا تو کم سے کم ان دو کا تو ضرور اہتمام کریں۔ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ نوافل میں ان دو کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

## حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور صلوۃ التسبیح کا اہتمام

اس کے علاوہ صلوۃ التسبیح ہے، یہاں رہتے ہوئے آپ نے ضرور پڑھی ہوگی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ رمضان میں تو روزانہ پڑھتے تھے لیکن رمضان کے علاوہ دنوں میں جمعہ کے دن حضرت کے یہاں اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔

## اہلِ علم جمعہ کے روز جامع مسجد جانے میں جلدی کریں

اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ جمعہ کے دن جلدی سے مسجد کے اندر پہنچنے کا اہتمام کریں، زوال سے ڈیڑھ دو گھنٹہ پہلے پہنچ جائیں؛ تاکہ صلوۃ التسبیح وغیرہ ادا کریں، ویسے صلوۃ التسبیح کا افضل وقت زوال کے بعد بتایا گیا ہے لیکن اگر جمعہ جلدی ہوتا ہے تو پہلے پڑھ

لیں لیکن جمعہ کے روز اس نماز کا اہتمام کریں اور جمعہ کے دن بھی نہ ہو سکے تو مہینے میں ایک مرتبہ یا سال میں ایک مرتبہ یا زندگی میں ایک مرتبہ ضرور پڑھیں۔ ترمذی شریف کی روایت ہے، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا(۱)۔

## صلوة التسبیح غموں اور مصیبتوں کا مداوا ہے

بڑی اہم نماز ہے، ابن الجوزاء بڑے تابعی گذرے ہیں، وہ کبھی اس کو چھوڑتے نہیں تھے اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت عبدالعزیز بن روّاد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا اہتمام کرتے تھے، اسی طرح اور اکابر کا بھی معمول رہا ہے۔ یہ غموں کا مداوا ہے، مصیبتوں کا مداوا ہے، آنے والی مصیبتیں اور غم اس نماز کی وجہ سے دور ہو جاتے ہیں، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

## نمازِ جمعہ کی طرف سے ہماری غفلت اور عوام کا اہتمام

تو جمعہ کے دن اس کا بھی اہتمام ہو، اس کی عادت بنالو، جمعہ کے دن جلدی سے مسجد پہنچ جاؤ، یہ نہیں کہ عین وقت پر پہنچو۔ ہم لوگوں کا مزاج یہ بنا ہوا ہے کہ جمعہ کی اذان ہو رہی ہے اور ہم مسجد کے اندر پہنچ رہے ہیں اور وہ بے چارے جمعہ جمعہ پڑھنے والے تو گھنٹے دو گھنٹے پہلے آجاتے ہیں۔ سورت، ممبئی وغیرہ بڑے شہروں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جمعہ کے روز نماز سے آٹھ دس منٹ پہلے پہنچیں گے تو اندر تو جگہ ملے گی ہی نہیں، پہلے سے ہی بھر جاتی ہے لیکن ہم لوگ اس کی طرف سے غفلت میں ہیں۔

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ أَبِي رَافِعٍ رضي الله عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ التَّسْبِيحِ.

## جمعہ کا اہتمام ایمان کی شاخوں میں سے ہے

جمعہ کا اہتمام ایمان کی شاخوں میں سے ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ ذکر کے اندر جہاں ایمان کی شاخوں کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں ایک چیز یہ بھی بتائی ہے کہ جمعہ کا اہتمام بھی شُعبِ ایمان میں سے ہے، ایمان کی شاخوں میں سے ہے؛ اس لیے یہ بڑی اہم چیزوں سے ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## جمعہ کے دن کے دیگر معمولات کی بھی پابندی کریں

تو جمعہ کے دن صلوۃ التسبیح کا اہتمام ہو، اسی طرح سورۂ کہف کا اہتمام ہو، یہاں پڑھتے تھے تو وہاں بھی اس عمل کو باقی رکھیں۔ اسی طرح جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کا اہتمام۔ جمعہ کی عصر کی نماز کے بعد جو درود یہاں آپ پڑھتے تھے، کوشش یہ کرو کہ کبھی فوت نہ ہو۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ جس دن سے یہ روایت پڑھی ہے، اس دن سے میرا یہ معمول ہے، سالہا سال سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا۔

## جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو رجوع اور انابت الی اللہ کے لیے فارغ کیجیے

اسی طرح جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان کچھ وقت رجوع اور انابت الی اللہ کے لیے بھی فارغ کریں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عصر سے لے کر مغرب تک کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے، کوئی ملاقات کے لیے آیا تو بس مصافحہ کرلیا، بات نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت کے یہاں ذکر کی مجلس ہوتی تھی، حضرت

مراقبہ اور ذکر کے اندر مشغول رہتے تھے۔ یہ بڑا بابرکت وقت ہے، اس کو بھی وصول کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

بہرحال! نماز کی نسبت سے یہ چند باتیں ہیں کہ فرض نمازیں، سننِ مؤکدہ، غیر مؤکدہ، تہجد، اوّابین اور صلوۃ التسبیح کا اہتمام کیا جائے۔

## نفلی روزوں کا بھی اہتمام کیجیے

دوسری چیز ہے روزے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ رمضان میں جو ۳۰/ روزے رکھے، اب جو دوسرا رمضان آئے گا، تب روزے رکھیں گے، سال کے درمیان میں تو روزہ رکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ طریقہ بھی اچھا نہیں ہے، اور روزے بھی رکھتے رہو۔

## احادیث میں وارد نفلی روزوں کی مختلف شکلیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت سے روزوں کی فضیلت بتلائی ہے: عرفہ کا روزہ ہے، عاشورا کا روزہ اور اسی طریقے سے ہر مہینے میں ایامِ بیض: ۱۳، ۱۴، ۱۵ کے روزے، پیر اور جمعرات کے روزے، ہر مہینے کے شروع اور اخیر کا روزہ۔ اس طرح روزوں کی مختلف شکلیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتلائی ہیں۔ یہ روزہ بڑی برکت والی چیز ہے؛ اس لیے موقع بموقع روزے رکھنے کی عادت ڈالو، یہ بھی ہونا چاہیے، اس کی طرف سے غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

## قرآنِ پاک کی تلاوت کا بھی اہتمام کیجیے

قرآنِ پاک کی تلاوت کا بھی اہتمام ہو۔ اب یہاں تلاوت کا بڑا اہتمام کیا، کسی

نے دو، کسی نے تین، کسی نے پانچ، کسی نے دس، کسی نے پندرہ، کسی نے بیس، کسی نے تیس ختم کیے لیکن یہاں سے گئے تو ایسا چھوڑا، خاص کر کے حفّاظ، رمضانی حفّاظ کہ رمضان آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ حافظ ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نے رمضان کی وجہ سے اس کی کثرت اور زیادتی کا اہتمام کیا، مبارک ہو! لیکن سال بھر کا بھی اپنا ایک معمول، روٹین ہونا چاہیے۔

## حافظ وغیر حافظ کے لیے قرآنِ پاک کی تلاوت کی یومیہ مقدار

جو لوگ حافظ ہیں وہ کم سے کم تین پاروں کا اہتمام کریں اور جو حافظ نہیں ہیں، ناظرہ خواں ہیں، وہ کم سے کم ایک پارہ پڑھیں اور کچا ہونے کی وجہ سے ایک پارہ پڑھنا بھی مشکل ہو تو وقت مقرر کرلو: پندرہ منٹ، بیس منٹ، گھڑی دیکھ لو کہ میں نے ایک بجے شروع کیا اور سوا ایک بجے بند کیا۔ اس طرح روزانہ پندرہ منٹ، بیس منٹ پڑھے گا تو اِن شاءاللہ ایک وقت وہ آئے گا کہ اس پندرہ منٹ، بیس منٹ میں ایک پارہ پورا ہو جائے گا، ابھی اس لیے نہیں ہوتا کہ پڑھنے کی عادت نہیں ہے لیکن جب عادت بنے گی تو اس کے پڑھنے کی رفتار میں بھی اضافہ ہوگا اور آسانی سے بھی پڑھ سکے گا۔

## قربِ خداوندی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تلاوتِ قرآن ہے

قرآنِ پاک کی تلاوت بڑی اہم چیز ہے، اس کی تلاوت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب جتنا زیادہ حاصل ہوتا ہے، کسی دوسری چیز سے اتنا حاصل نہیں ہوتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب دیکھا تو پوچھا کہ: اے اللہ! آپ کا قرب سب سے

زیادہ کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس چیز سے جو مجھ سے نکلی ہے یعنی قرآن سے، اس کی تلاوت سے! پوچھا: سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ تو جواب دیا کہ سمجھ کر ہو تو بھی اور بغیر سمجھے ہو تو بھی!

## تلاوت کے معمول کے بارے میں خواص کا حال

آج قرآنِ پاک کی تلاوت کا حال کیا ہے؟ ہمارے اہلِ مدارس، اہلِ علم ہیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود جیسی حدیث کی کتابیں پڑھا رہے ہیں، تفسیر کی جلالین، بیضاوی پڑھا رہے ہیں اور فقہ کی بڑی بڑی کتابیں پڑھا رہے ہیں، ان سے پوچھیں گے کہ حضرت! آپ روزانہ کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ آدھا پارہ بھی نہیں، پاؤ پارہ بھی نہیں، تلاوت کا کوئی معمول ہی نہیں۔

## ایسے لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں

طلبہ کا بھی یہی حال ہے۔ حالاں کہ مدرسہ والوں کی طرف سے طلبہ کے لیے کچھ وقت تلاوت کا مقرر ہوتا ہے، اس کے لیے نگران رکھے جاتے ہیں اور وہ نگرانی کرتے ہیں تو ان نگرانوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، ہاتھ میں پارہ بھی لیے ہوئے ہیں، سر بھی ہلا رہے ہیں لیکن پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، عجیب معاملہ ہے۔ میں ان سے کہا کرتا ہوں: ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرة:٩] وہ ایسا سمجھتے ہوں کہ ہم نے نگران کو دھوکہ دیا تو حقیقت میں نگران کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ خود اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

جو آدمی بھی ایسے آدمی کو دھوکہ دے جو اس کی بھلائی کے لیے کام کر رہا ہے، ایسی شکلیں اختیار کرتا ہے، وہ اس کو دھوکہ نہیں دے رہا ہے بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، اپنا نقصان کر رہا ہے، یہ تو طلبہ کے بارے میں بات آ گئی تو کہہ دیا لیکن اہلِ علم سے ضرور کہوں گا کہ تلاوت کا معمول بنائیں۔

## حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت

میرا اساؤتھ افریقہ کا سفر ہوا تھا، وہاں سے چیپاٹا بھی جانا ہوا تو وہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت کے بڑے لاڈلے تھے۔ مجھے خیال آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ: مولانا! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ انھوں نے بتلایا کہ: روزانہ مختلف نمازوں اور نفلوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کم از کم آٹھ نو پاروں کی تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ حالاں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جو علمی مشاغل تھے، وہ ہم اور آپ سب ان کی تصنیفات کو دیکھ کر جان سکتے ہیں، خالص علمی مشغلہ تھا۔

## حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمولِ تلاوت

ہمارے اکابر کے یہاں تلاوت کا بڑا اہتمام رہا ہے؛ اس لیے ہمیں بھی ایک وقت تلاوت کے لیے مقرر کرنا چاہیے یا جو حافظ ہیں اور آسانی سے پڑھ سکتے ہیں، وہ نوافل، سننِ رواتب، تہجد، اوّابین، ان میں تلاوت کریں، تین پاروں کو تو لازم پکڑ لیں اور اگر روزانہ ایک منزل پڑھ لیں تو بہت اچھا ہے۔ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول یہی

تھا کہ روزانہ ایک منزل پڑھتے تھے۔ ان کا عجیب معاملہ تھا، ایک دوسرے سے پوچھتے بھی تو یہی پوچھتے تھے۔

## دورِ صحابہ کا ایک واقعہ

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے جہاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنے کا تذکرہ ہے تو وہاں ہے کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یمن کے الگ الگ علاقوں کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو تاکید کی تھی کہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے رہنا۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کے دورے پر نکلے، حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ قریب آئی تو ان کی ملاقات کے لیے پہنچ گئے اور اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے معاذ! تم دن رات میں کتنی مقدار قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا کہ میں قرآن پاک کو ''۲۴'' گھنٹے میں پڑھنے کی جو مقدار ہے۔

اس زمانے میں جتنے بھی حفاظ ہوتے تھے، ان کو قاری کہا جاتا تھا۔ آج کل تو جو قاری ہوتے ہیں، ان میں بہت سے حافظ بھی نہیں ہوتے، ایسے قاریوں کو میں کہتا رہتا ہوں کہ بھائی! حافظ بھی بن جاؤ؛ کیوں کہ قرنِ اول میں قاری کے اطلاق کے لیے حافظ ہونا ضروری تھا۔

خیر حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا معمول ایک منزل کا تھا، انھوں نے جواب دیا

کہ میں ایک منزل روزانہ مختلف اوقات میں، مختلف احوال میں: چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے پڑھ لیا کرتا ہوں: أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا۔ یہ فوق سے ہے اور فوق فواقِ ناقہ سے ہے، جیسے حدیث میں آتا ہے: اَلْعِيَادَةُ فُوَاقُ نَاقَةٍ(۱): کوئی آدمی کسی بیمار کی خیر خیریت کے لیے جائے تو اتنی دیر بیٹھے۔

## ''أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا'' کی تحقیق

فواقِ ناقہ کس کو کہتے ہیں؟ اونٹنی کو جب دوہتے ہیں تو دیکھا ہوگا کہ اس کا جو تھن ہوتا ہے، جو ٹوٹی ہوتی ہے، دوہنے والا جب اس کو دباتا ہے تو اندر کا دودھ نکلتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے تو پھر اوپر سے دوسرا دودھ آئے گا پھر دبائے گا۔ اگر پکڑے رکھے گا تو پھر آگے دودھ آنے والا نہیں ہے تو وہ جو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑا اور دوسرا دودھ آیا، اسی کو عربی میں ''فواقِ ناقہ'' کہتے ہیں، تو عیادت والی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کی عیادت کے لیے جاؤ تو بس تھوڑی دیر بیٹھو۔

## میں اپنی نیند کو عبادت کی طرح ثواب کا باعث سمجھتا ہوں

تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۴ر گھنٹے میں پورا کرتا ہوں۔ پھر حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کس طرح کرتے ہو؟ تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: أَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَأَقُومُ وَقَدْ قَضَيْتُ جُزْئِي مِنَ النَّوْمِ فَأَقْرَأُ مَا كَتَبَ اللّٰهُ لِي: میں تو ''رات'' کے شروع حصے میں سوتا ہوں،

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، فَصْلٌ فِي آدَابِ الْعِيَادَةِ.

کچھ رات گذرنے کے بعد اٹھ جاتا ہوں اور پھر اپنی نماز میں قرآن کی اس مقدار کو پورا کرتا ہوں، اس میں ایک جملہ انھوں نے ارشاد فرمایا جو بخاری شریف کے اندر ہے: فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي (١): میں اپنے نیند میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب کی اسی طرح امید رکھتا ہوں جس طرح کہ نماز کے اندر ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

## جن کے سونے کو فضیلت تھی اوروں کی عبادت پر

یعنی عام مسلمانوں کا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم کوئی عبادت ادا کر رہے ہوتے ہیں تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس عبادت پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے، احتساب کی یہ کیفیت ہوتی ہے اور یہ تو ضروری ہے، اس کے بغیر وہ عمل قابلِ قبول نہیں یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں اپنے سونے میں اسی طرح ثواب کی امید رکھتا ہوں جس طرح عبادت میں اس کی امید رکھتا ہوں۔ اسی کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی طبعی ضروریات: سونا، کھانا، پینا اللہ کے لیے کر دیا تو وہ بھی عبادت بن گئیں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن کی تلاوت کو لازم پکڑو، اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت کرتے رہو، جو حافظ نہیں ہیں، وہ کم سے کم ایک پارہ اور زیادہ پڑھ لیں تو بہت اچھا!۔

## قرآنِ پاک کی تلاوت اور ہمارا حال

ہمارے علماء، طلبہ کو جب پوچھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ کتابوں کا مطالعہ

(١) صحيح البخاري، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

کرتے ہیں، اسباق یاد کرتے ہیں تو تلاوت کا موقع نہیں ملتا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ تو پڑھتے ہیں، ہم تو پڑھا رہے ہیں اور بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں، اس کے باوجود ہمارے اکابر کے یہاں تلاوت کا کیا معمول تھا؟ ایسا تو نہیں تھا کہ وہ پڑھتے پڑھاتے نہیں تھے؟ ہم سے اچھے طریقے پر پڑھاتے تھے، پھر بھی ان کی تلاوت کا یہ معمول تھا، جیسا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں گذرا۔

ہمارے پاس اپنے دوستوں کے پاس بیٹھنے اور گپ شپ کرنے کے لیے گھنٹوں ملتے ہیں اور قرآنِ پاک کی تلاوت اور تسبیح پڑھنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے، بڑے افسوس کی بات ہے، ہمارے سال کا کوئی بھی دن تلاوت سے خالی نہیں جانا چاہیے، ایسا نہیں کہ یہاں جو بند کیا تو آئندہ سال جب رمضان آئے گا تو قرآن کھولیں گے۔

## تسبیحات کی بھی پابندی کیجیے

اس کے علاوہ تسبیحات کی بھی پابندی ہو: تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار، یہ تین چیزیں تو بڑی اہم ہیں، فضائلِ ذکر آپ نے سنی، فضائلِ درود آپ نے سنی، فضائلِ قرآن آپ نے سنی، یہ اسی لیے تو سنایا جارہا ہے؛ تاکہ ان اعمال کی رغبت پیدا ہو، شوق پیدا ہو اور اس کے فضائل کو سن کر اس کی اہمیت تازہ ہو۔

## ذکر لوگوں کے دلوں میں ذاکر کی محبت پیدا کرتا ہے

دیکھو! اللہ کا ذکر بڑی عجیب وغریب چیز ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وصیت فرمائی، اس میں یہ بھی ہے کہ تم اللہ کا ذکر کرو، یہ تمھارے لیے

آسمان میں ذکر کا ذریعہ یعنی محبت کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لیے نور ہے (۱)۔

# نامساعد حالات سے بچنے اور اس میں صبر وسکون کی نعمت حاصل ہونے کا نسخہ

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ﴾: تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا۔ یہ اللہ کو یاد کرنا بڑا اہم ہے۔ آج ہمارے اوپر مصیبتیں آتی ہیں، غم اور پریشانیاں ہیں، حالات سے دو چار ہیں۔ اگر کوئی آدمی اللہ کی یاد میں مشغول رہے تو اس کو یہ حالات پیش نہیں آئیں گے اور اگر آئیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو وہ صبر وسکون اور طمانینت کی وہ کیفیت عطا فرمائیں گے کہ ان حالات میں دوسرا کوئی آدمی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ [الرعد:۲۸]۔

بھائی! ایک بادشاہ کسی کو اپنے دھیان میں رکھے۔ تم کسی بڑے کے دھیان میں ہو، اس کی توجہ کے اندر آتے ہو تو کیا آپ پر کوئی مصیبت آسکتی ہے؟ کوئی دشمن آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ کہا تو حضرت نے فرمایا کہ تم اللہ کی یاد میں مشغول رہو۔ جب تم اللہ کی یاد میں مشغول رہو گے

---

(۱) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ، أَوْصِنِي. قَالَ: أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّهُ أَزْيَنُ لِأَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ: زِدْنِي. قَالَ: عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، وَذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ. (شعب الإيمان، فَصلٌ فِي فَضْلِ السُّكُوتِ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَعْنِيهِ، وَتَرْكِ الْخَوْضِ فِيهِ.)

تو اللہ تعالیٰ تم کو یاد کریں گے اور جس کو اللہ یاد کریں، اس پر کیا آفت آسکتی ہے؟

## ہر عبادت کو فرض کرنے کی غرض اللہ کی یاد ہے

یہ ذکر اللہ بہت اہم چیز ہے، اسی سے ہماری زندگیوں میں تبدیلی آتی ہے اور ذکر کے فضائل تو بے شمار ہیں، ساری عبادات اسی کے لیے تو مشروع کی گئی ہیں، نماز جیسی نماز بھی اسی غرض کے لیے فرض کی گئی ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ [طه: ١٤]: نماز اس لیے فرض کی گئی ہے کہ آدمی اللہ کو یاد کرنا سیکھے۔

## کلماتِ ذکر ایک جملے میں مرتب کرنے کی غرض

ذکر اللہ میں بھی جو مسنون ہے، جیسے تیسرا کلمہ ہے۔ یہ تیسرا کلمہ ہم جس ترتیب سے پڑھتے ہیں، حدیث میں اس ترتیب سے نہیں آیا ہے بلکہ ہمارے بزرگوں نے ان کلماتِ ذکر کو جن کی احادیث میں فضیلت آئی ہے، ایک ترتیب دی ہے؛ تاکہ لوگوں کے لیے یاد کرنا آسان ہو جائے۔

جیسا کہ آپ تجوید کی کتابیں پڑھتے ہیں، نحو اور صرف کی کتابیں پڑھتے ہیں کہ یہ حروفِ جارّہ ہیں، یہ فلاں حروف ہیں تو ان حروف کو الگ الگ یاد کرنا چوں کہ مشکل ہے؛ اس لیے علماء نے آسانی کے لیے ان حروف کو ایک جملے کے اندر جمع کر دیا۔ اسی طرح حروفِ استعلاء ہیں، حروفِ قلقلہ ہیں کہ وہ قُطْبُ جَدٍّ ہیں۔ یہ ایک بے معنی جملہ ہے لیکن اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ اگر یہ جملہ یاد کرلو گے تو قلقلہ کے جو یہ پانچ حروف ہیں، وہ آپ کو آسانی سے یاد ہو جائیں گے۔

## غیر مقلدین: ایک عجیب مخلوق اور جماعت

یہی حال ان کلماتِ ذکر کا ہے۔ یہ غیر مقلدین کے اشکال کا جواب ہے۔ یہ غیر مقلدین بھی ایک عجیب قوم ہے، عجیب مخلوق ہے۔ اللہ کے جو بندے اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں بھی وسوسے ڈال کے ان کو اللہ کی یاد سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ تمھاری کتابوں تعلیم الاسلام وغیرہ میں یہ تیسرا کلمہ لکھا ہوا ہے، یہ کون سی کتاب میں ہے؟ یہ کلمہ اگرچہ اس طرح مرتب احادیث میں نہیں ہے لیکن مختلف احادیث میں وارد کلماتِ ذکر کو آسانی کے ساتھ یاد کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے ایک ترتیب دی ہے۔ اس جملے میں یہ سارے کلماتِ ذکر آجاتے ہیں۔

ہمارے بچپن کے زمانے میں پانچ کلمے تھے اور اب جو کتابیں آتی ہیں، اس میں سات تک ہیں، ان میں بڑھایا گیا ہے، ایمانِ مفصل اور ایمانِ مجمل کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے، وہ بھی اسی لیے ہے۔ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کبھی اس قسم کے اعتراضات ہوجاتے ہیں تو بے چارے اہلِ علم بھی خاموش ہوکر بیٹھ جاتے ہیں تو ان کا جواب سمجھ میں آجاوے؛ اس لیے یہ بتا رہا ہوں۔

## درود کا بھی اہتمام ہو

تیسرے کلمے کے علاوہ درود شریف کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے حقوق ہم پر ہیں! آپ کے صدقے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اگر آپ ہمیں نہ کہتے، تو بھی آپ کا یہ حق تھا کہ ہم آپ پر درود بھیجتے،

چہ جائے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس کی تاکید فرمائی: صَلُّوْا عَلَيَّ [1]: مجھ پر درود بھیجو۔ نیز فرمایا: فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلاَةً صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا کہ: جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں [2]۔

## کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل

درود میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور یہ تصور کتنا خوش کُن ہے کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے درود شریف پڑھ رہے ہیں، آپ یہ سوچئے کہ یہ درود میری زبان سے نکلا اور اسی وقت فرشتے اس کو لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت خدمت میں پیش کر رہے ہیں، میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں، ہندوستان، ڈابھیل کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہوں، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ہمارا پڑھا ہوا درود پیش کیا جا رہا ہے، کتنی بڑی چیز ہے! کہاں ہماری یہ گندی زبان اور کہاں اس سے نکلا ہوا یہ درود!! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کی یہ برکت کہ اللہ نے اس کو وہ مقام دیا کہ فرشتوں کی جماعت اس کو اس طرح لے کر جاتی ہیں، جیسے تحفہ لے کر کے جاتے ہیں، ہمارے درود کی کیا حیثیت تھی؟

## کثرتِ درود عشقِ رسول میں اضافے کا سبب ہے

ہم تو لوگوں کے سامنے بولتے ہیں تو کوئی ہماری باتوں کو خاطر میں بھی لاتا نہیں

---

(۱) السنن الکبری للنسائی، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ رضی اللہ عنہ، كَيْفَ الصَّلاَةُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۹۷۹۸۔

(۲) صحیح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بَابُ الْقَوْلِ مِثْلَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ لِمَنْ سَمِعَهُ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخ.

ہے، مسترد کردیتا ہے، یہاں اس زبان سے نکلے ہوئے درود کو فرشتوں کی جماعت اس کو لے جاکر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی ہے[1]۔ ذرا اس کا تصور کیجیے اور اس تصور کے ساتھ درود پڑھیے، کیسا مزا آئے گا، کیسا لطف آئے گا! بار بار اس کا تصور کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت بھی بڑھے گی۔

## استغفار کا بھی اہتمام کیجیے

اس کے علاوہ استغفار کا اہتمام کریں۔ اٹھتے بیٹھتے چھوٹے بڑے گناہ تو ہم سے ہو ہی جاتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ صبح کے وقت نہا دھو کر آپ نے کپڑے بدلے اور آفس گئے اور شام کو واپس آئے تو جانے آنے کے درمیان گرد و غبار کے ذرّات آپ کے کپڑوں کو لگ جاتے ہیں تو شام کو آ کر کے ان کو جھاڑتے ہیں اور ایک دو دن کے بعد بدل دیتے ہیں، دوسرے پہنتے ہیں۔ اگر ان کپڑوں کو شام کے وقت آپ نہ جھاڑیں، یوں ہی پہنے رہیں تو ایک دن آئے گا کہ ان ذرّات کے جمع ہو جانے کی وجہ سے کپڑے ایسے کالے ہو جائیں گے کہ کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔

## گناہوں کی کثرت دل کو سیاہ اور بے توفیق بنا دیتی ہے

گناہوں کا بھی یہی حال ہے، گناہوں کی وجہ سے دل کے اندر کالا نکتہ پڑ جاتا ہے، توبہ کرتا ہے تو وہ مٹ جاتا ہے، ورنہ باقی رہتا ہے پھر دوسرے گناہ سے دوسرا اور تیسرے

---

(۱) صحیح احادیث سے یہ مضمون ثابت ہے، ابوداود شریف میں ہے: صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ. (سنن أبوداود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُورِ)

گناہ سے تیسرا نکتہ لگتا ہے، اگر توبہ اور استغفار نہیں کرتا تو یہ نکتے بڑھتے بڑھتے پورا دل سیاہ پڑ جاتا ہے۔قرآنِ پاک میں جو باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [المطففين:١٤] ان کے دلوں کے اوپر زنگ لگ گیا، اس کا یہی مطلب ہے اور اس کی وجہ سے اس کو نیکی کی توفیق نہیں ہوتی (١)۔بعض لوگ ایسے بے توفیق ہوتے ہیں کہ ساری دنیا ان کو سمجھاتی ہے لیکن ان کو نیکی کی توفیق نہیں ہوتی، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔(آمین)

## توبہ کی وجہ سے گناہ بالکلیہ معاف کر دیا جاتا ہے

استغفار کا اہتمام کریں اور اپنے دل کو اس کے ذریعہ دھوتے رہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ۲۴ر گھنٹے کھلا رکھا ہے اور پھر عجیب وغریب معاملہ ہے کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہ تو معاف کر ہی دیتے ہیں، اس کے نامۂ اعمال سے بھی مٹا دیا جاتا ہے، اس کے اعضاء سے بھی بھلا دیا جاتا ہے، جس جگہ پر گناہ کیا تھا، اس جگہ سے بھی مٹا دیا جاتا ہے، ان سارے گواہوں سے بھی جو قیامت کے دن گناہ کی گواہی دینے والے تھے بھلا دیتے ہیں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ

---

(١) اس آیت کی تفسیر میں محدثین نے یہ حدیث ذکر کی ہے جس میں اوپر والا مضمون بیان کیا گیا ہے: إِنَّ العَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ}.
(سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَاب وَمِنْ سُورَةِ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ.)

دنیا کی کوئی حکومت کسی گنہگار کے گناہ کو معاف کرتی ہے تو اس کی فائل محفوظ رکھی جاتی ہے؛ تاکہ کبھی موقع آئے تو بتائے کہ یہ ہیں تمھارے کارنامے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں معافی ایسی ملتی ہے کہ اس مِسل اور فائل کو بھی ختم کر دیتے ہیں، اللہ کو تو کسی کی پروا نہیں ہے۔

## ۲۴ر گھنٹوں میں کم سے کم دو مرتبہ تسبیحات کا حکم ہے

تو تسبیحات میں تین چیزوں کا اہتمام کرنا ہے: (۱) تیسرا کلمہ (۲) درود شریف (۳) استغفار۔ ہمارے اکابر اس کا بھی بڑا اہتمام فرماتے تھے، صبح وشام ان تسبیحات کو پڑھنا ہے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا﴾ [الأحزاب: ۲۳، ۲٤] ۲۴ر گھنٹے میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ ۲۴ر گھنٹے میں دو مرتبہ۔ کھانا بھی تو صبح وشام ہوتا ہے بلکہ اب تو بڑھ گیا ہے۔

## تسبیحات کا وقت

بہرحال! ان تسبیحات کو دو مرتبہ پڑھنا ہے: ایک تو صبح کے وقت جس کا وقت صبح سے لے کر چاشت، ضحوۂ کبریٰ تک رہتا ہے یعنی تقریباً ۱۱ر بجے تک۔ اور شام کی تسبیحات کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور رات تک رہتا ہے۔ اس وقفے کے اندر آدمی کو چاہیے کہ ان تینوں تسبیحات کو پڑھ لے۔

## ہمارے اسلاف کی نگاہوں میں تسبیحات کی اقلِّ مقدار

اب اس کی مقدار کیا ہے؟ تو ہمارے پرانے اکابر جو تھے، وہ تو مرید ہونے والوں

کو ۳۰۰/۳۰۰ بتایا کرتے تھے؛ اس لیے کہ باری تعالیٰ حکم دیتے ہیں: اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کثرت کی اقلِ مقدار ۳۰۰/ ہے؛ لہٰذا ۳۰۰/ مرتبہ پڑھیں گے تو اُذْكُرُوا اللّٰهَ کا اقلّ درجہ ہمیں حاصل ہوگا، یہ کُلّی مُشکّک ہے؛ اس لیے اس کا اقلِّ درجہ یہی ہے، اس سے کم نہیں ہے۔

لیکن اب لوگ اپنی مشغولیوں کا رونا رونے لگے؛ اس لیے ہمارے موجودہ اکابر نے کہا کہ ۳۰۰/ نہیں تو ۱۰۰/۱۰۰ مرتبہ تو پڑھ لو تو تیسرا کلمہ، درود شریف اور استغفار، یہ تینوں صبح وشام ۱۰۰/۱۰۰ مرتبہ پڑھنا ہے، اس کی عادت ڈالو۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے اہلِ علم حضرات یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو عام لوگوں کے لیے ہے، ہمارے لیے کوئی خاص ذکر ہوگا۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ اے اللہ! کوئی خاص ذکر مجھے عطا فرمایئے، جس سے میں آپ کو یاد کیا کروں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھا کرو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو سب پڑھتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کوئی خاص ذکر ہے ہی نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ چیزیں ہیں جو ہمیں اللہ کا قرب دلانے والی ہیں، ان کو اپنے دل ودماغ کے اندر نوٹ کرلو، خالی لطف اور مزا اٹھانے کی چیز نہیں ہے، یہ نہیں کہ مجلس ختم ہوئی تو کہنے لگے کہ آج تو بہت اچھا بیان ہوا، آج ہمارا مزاج یہ بھی بن گیا ہے۔

## ہماری امت ذہنی عیّاشی کا شکار ہے

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے بڑوں میں سے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ذہنی عیاشی ہے، آج امت ذہنی عیّاشی کا شکار ہوچکی ہے، یہ وعظ وتقریر کی مجلس میں جاتے ہیں تو ان کو کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ بڑا مزا آ گیا اور اگر ذرا سخت باتیں مقرر نے کہہ دیں تو کہتے ہیں کہ آج تو ''بہت لیا'' یعنی بہت لتاڑا، اس کے بعد آگے کچھ نہیں، ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔

## اہلِ علم ذکر میں کتنا وقت لگائیں؟

آج کچھ پلّے باندھ لو، کچھ نیتیں کرلو کہ ان باتوں پر ہمیں عمل کرنا ہے، یہ تو ادنی درجہ ہے، قرنِ اول اور قرنِ ثانی میں تو عام لوگ بھی اس سے کچھ زیادہ کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر اسماعیل صاحب کی ایک کتاب ہے: تربیت السالکین، اس میں انھوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی باتوں کو جمع کیا ہے، ایک جگہ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہلِ علم کو تو چاہیے کہ ان کے ۲۴ر گھنٹوں میں سے ڈیڑھ، دو گھنٹے ذکر میں لگنے چاہئیں۔ ذکر کی مختلف شکلیں: یہ تسبیحات، قرآن کی تلاوت، دعا، یہ ساری چیزیں ملاک اس میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگنے چاہیے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ۲۴ر گھنٹوں میں سے آدھا گھنٹہ بھی اس میں لگتا نہیں ہے۔

## بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ ذکر کرنا بہتر ہے

ذکر ویسے تو چلتے پھرتے بھی کر سکتے ہیں لیکن اگر ایک جگہ پر بیٹھ کر کریں تو بہت

اچھا! اس میں جی بھی لگے گا اور فائدہ بھی زیادہ ہوگا اور جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ جب ہم کھانا کھاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ پہلے دسترخوان بچھائیں گے، پلیٹیں رکھیں گے پھر روٹی سالن وغیرہ چیزیں آئیں گی اور پھر بڑے چاؤ کے ساتھ، بڑے اطمینان کے ساتھ کھائیں گے۔

حالاں کہ کبھی سفر ہوتا ہے: آپ گجرات ایکسپریس میں بیٹھ کر ممبئی جا رہے ہیں، بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں ملی، کھڑے کھڑے ہی جا رہے ہیں تو اب دو پہر کا کھانا اطمینان سے کھانے کا کہاں موقع ہوتا ہے، کوئی اسٹیشن آیا، ٹرین رکی تو وہاں سے پوری کچوری وغیرہ لے کر کھڑے کھڑے ہی کھالیتے ہیں تو کھڑے کھڑے بھی کھا سکتے ہیں اور بہت سے لوگ کھاتے بھی ہیں لیکن اس کی عادت نہیں ہے، عادت تو بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ کھانا کھانے کی ہے۔ اسی طریقے سے یہ تسبیحات بھی چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں لیکن بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالو۔

## فجر کی نماز کے بعد سونے کا عجیب رواج

ہمارے اکابر فجر کی نماز کے بعد کبھی سوتے نہیں تھے۔ ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، لوگوں نے پتہ نہیں کیسے عجیب عجیب طریقے جاری کر دئے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے بچپن میں کبھی صبح کے وقت سونے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، دکانیں بھی صبح صبح کھل جاتی تھیں اور اب تو کوئی کچھ خریدنا چاہے تو دکانیں بھی دس بجے سے پہلے کھلتی نہیں، اس زمانے میں فجر کے بعد سونے کا عجیب رواج ہو گیا ہے، حالاں کہ فجر کے بعد

تو اشراق تک معمولات ہوا کرتے ہیں۔

ہمارے اکابر رمضان جیسے رمضان میں جس میں پوری رات عبادت کرتے تھے تو بھی فجر کے بعد فوراً سوتے نہیں تھے، اشراق کے بعد سوتے تھے۔ خیر! فجر کے بعد مغرب کے بعد اپنے آپ کو مشغول کر کے ان تسبیحات کو پڑھنے کا اہتمام کریں۔

## تلاوتِ قرآن کے معمول کو پورا کرنے کا آسان طریقہ

تلاوت کا بھی اہتمام کریں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ جو حافظ نہیں ہیں، وہ یہ عادت ڈالیں کہ اذان ہوتے ہی مسجد جائیں، ہمارے یہاں فجر کی اذان ۳۵ / ۴۰ منٹ جلدی ہوتی ہے، ظہر کی اذان آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی ہے، عصر اور عشاء ۱۵ / ۲۰ منٹ پہلے ہوتی ہے تو ان نمازوں کے اوقات میں آپ اذان ہوتے ہی مسجد پہنچ جانے کی عادت ڈالیں گے تو سنت پڑھنے کے بعد آپ کو اتنا وقت مل جائے گا کہ آپ آسانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کر سکیں گے۔

## حضرت دامت برکاتہم کا اپنا معمول

میرا اپنا معمول میں آپ کو بتاؤں کہ میری اپنی عادت یہی ہے کہ فجر، ظہر میں جلدی پہنچ کر، سنت وغیرہ سے فارغ ہو کر تلاوت کے اندر لگ جاتا ہوں تو اسی کے اندر آسانی سے معمول پورا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کرنا چاہے تو اس سے بھی زیادہ تلاوت ہو سکتی ہے، ورنہ: ع ”تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں“

جیسا معاملہ ہوتا ہے۔

## سفر میں ان اذکار کے علاوہ دیگر مسنون اذکار کا بھی اہتمام کریں

ان تین تسبیحات کے علاوہ اگر اول کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی تسبیح بھی پڑھ لیں تو بہت اچھا ہے۔ یہ سب مسنون اذکار ہیں، اس کے علاوہ بھی مسنون اذکار ہیں، جیسے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہے۔ اگر ایسے اذکار گھر پر رہتے ہوئے پڑھنے کا موقع نہ ملے تو میں کہا کرتا ہوں کہ جب ہم سفر میں جاتے ہیں تو سفر میں تو ہمارے پاس کوئی کام ہوتا نہیں۔ مثلاً چار گھنٹے کا سفر ہے تو روزانہ تو ہمارے یہ چار گھنٹے کاروبار اور کاموں میں لگتے تھے، اب یہ چار گھنٹے ٹرین میں یا بس میں بیٹھے ہوئے ہیں تو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان اذکارِ مسنونہ کو بھی پڑھ لیں۔

## سفر میں لوگوں کی ایک بری عادت

بہت سے لوگ تو کیا کہتے ہیں کہ سفر کی وجہ سے تسبیحات چھوٹ گئیں! میں کہا کرتا ہوں کہ ہم تو سفر میں اور دنوں سے زیادہ پڑھ لیتے ہیں؛ کیوں کہ اور دنوں میں اتنا وقت ملتا نہیں لیکن سفر میں مل جاتا ہے۔ آج کل لوگوں کی ایک عادت بن گئی ہے کہ ٹائم پاس کرنے کے لیے ''چتر لیکھا'' لو، فلاں میگزین لو، فلاں اخبار خریدو - اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ ارے بھائی! تسبیح لو، قرآن لو، دعا کی کتاب لو، ہمارے سفر کا وقت اسی میں گذر جانا چاہیے۔

تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ بعض تسبیحات وہ ہیں جن کو اور دنوں میں پڑھنے کی نوبت نہیں آتی جیسے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہے۔ ختمِ بخاری کے موقع پر اس کی ایک گونج پیدا ہوتی ہے، سب پڑھتے ہیں لیکن اس کے بعد کسی کو

پورے سال یہ جملہ اپنی زبان پر لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔

تو میں کہا کرتا ہوں کہ سفر میں روزانہ کی تسبیحات کو پورا کر لینے کے بعد سوچو کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اس کی بھی فضیلت ہے تو اس کو بھی ۱۰۰، ۲۰۰، ۳۰۰/مرتبہ جتنی اللہ توفیق دے، پڑھ لو۔

## چوتھے کلمے کی فضیلت

## اور اس کے حصول کے لیے حضرت ابنِ عمرؓ کی تگ ودو

اس کے علاوہ چوتھا کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہے، اس کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو اس کلمے کو پڑھنے کے لیے مستقل بازار میں جایا کرتے تھے: تاکہ وہ فضیلت جو آئی ہے، وہ حاصل ہو جائے۔

یہ حضراتِ صحابہ اتنے شوقین تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر چیز کو جلدی سے لینے اور اس کی طرف لپکنے کے عادی ہو گئے تھے۔ جس طرح ہمارا حال دنیا کے معاملے میں ہے، وہی ان کا حال آخرت کے معاملے میں تھا۔

## سفر معمولات کو چھوڑنے کا عذر نہیں ہے

بہر حال! سفر معمولات کو چھوڑنے کا کوئی عذر نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں نے کہا کہ سفر میں معمولات کی ادائیگی کے لیے وقت زیادہ ملے گا؛ اس لیے اس میں تسبیحات روزانہ سے زیادہ پڑھ سکیں گے۔ رہی نماز تو نفل نماز تو سفر میں بھی نیت باندھ کر بیٹھے

بیٹھے پڑھ سکتے ہیں اور فرض نماز کے لیے شریعت نے سفر میں قصر کی فیسیلیٹی (facility) دے رکھی ہے۔

اہلِ علم بھی سال بھر تسبیحات کو نہ چھوڑیں۔ آج اہلِ علم کا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ مہینے گذر جاتے ہیں اور یہ تسبیحات پڑھنے کی نوبت آتی نہیں ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، اس کی عادت ڈالو۔

## ذکرِ جہری بہ طورِ علاج ہمارے اکابر کا تجویز کردہ ایک طریقہ ہے

اور ذکرِ جہری ہے۔ یہ جتنے بھی اذکار ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ مسنون ہیں، یہ ذکرِ جہری مسنون نہیں ہے، یہ تو ہمارے اکابر نے علاج کے طور پر تجویز کیا ہے۔ ہمارا نفس اتنا غافل ہو گیا ہے کہ جب ہم تسبیحات پڑھتے ہیں تو اس سے ہمارے قلب کی جو کیفیت ہونی چاہیے، وہ پیدا نہیں ہوتی، اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے ذکرِ جہری اور ضربیں لگانے کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے؛ تاکہ غفلت دور ہو، حرارت پیدا ہو۔

## مشائخِ چشتیہ کے یہاں لطیفۂ قلب پر زیادہ محنتیں ہوتی ہیں

اہلِ علم جو علمی اور دینی مشاغل میں مشغول ہیں، ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے، ہمارے تمام اکابر اس کی بڑی تاکید کرتے تھے۔ خاص کر کے لطیفۂ قلب۔ ہمارے چشتیہ کے یہاں تو اسی پر محنت ہوتی ہے۔ مشائخِ نقشبندیہ کے یہاں لطائفِ ستہ پر بحث کرتے ہیں، ہمارے بہت سے متعلقین آکر کے کہتے ہیں؛ کیوں کہ آج کل حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقش بندی دامت برکاتہم کے بیانات وغیرہ کثرت سے آتے ہیں جس

سے لوگ بہت کچھ سیکھتے ہیں تو آ کر کے ان لطائف کے بارے میں پوچھتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ: ہمارے اکابر نے تو صرف لطیفۂ قلب کے اوپر محنت کی ہے۔

## لطیفۂ قلب کیا ہے؟

لطیفۂ قلب کیا ہے؟ حدیث میں آتا ہے: أَلَا وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً: إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ القَلْبُ (۱)۔ آپ قلب کو ٹھیک کرلیں گے تو سارا معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔ فرماتے ہیں کہ یہ ذکرِ جہری تو جھاڑو ہے جھاڑو، اور قلب کا سارا خس وخاشاک نکال دیتا ہے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ نقشبندیہ جاری کرانے کی درخواست اور آپ کا انکار

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ چشتیہ طریقے سے سلوک طے کرنے کے بعد نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی تھی کہ نقشبندی سلسلہ بھی ہو تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ کافی ہے۔

## حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شیخِ ثانی سے بیعت کی تفصیل

ویسے ہمارے سلسلے میں دونوں ہیں۔ یاد رکھئے! حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر سید نصیرالدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں تھے اور

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے تعلق تھا اور ان کی طرف سے اجازت بھی ملی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبل اس کے کہ کسی کی طرف رجوع کریں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک بزرگ کے ہاتھ میں دے دیا۔

اب حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی دیکھا نہیں تھا؛ اس لیے پریشان ہیں کہ وہ کون بزرگ ہیں جن کے ہاتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ دیا۔ اپنی اسی پریشانی کے عالم میں جلال آباد میں حضرت مولانا قلندر صاحب، محدثِ جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔ وہ حضرت مفتی اِلٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور حضرت مفتی اِلٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے اور انھوں نے مثنوی تکمیل کی تھی اور حضرت مولانا قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی خود حضرت مفتی اِلٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، بڑے محدث اور بڑے بزرگ تھے بلکہ ان کے متعلق آتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کراتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا قلندر صاحب سے دوستی کا تعلق تھا؛ اس لیے ان کے پاس آئے اور اپنا خواب بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ ایک کام کرو: لوہاری جاؤ- یہ لوہاری جلال آباد کے پاس ایک قصبہ ہے۔ لوگ حضرت میانجی صاحب کے حجرے کی زیارت کرنے کے لیے وہاں جاتے ہیں- وہاں ایک بزرگ رہتے ہیں جو بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، وہاں جا کر ان سے ملاقات کرلو، ممکن ہے کہ تمھارے اس خواب

کا کوئی حل وہاں نکل آئے۔

## حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شیخ سے پہلی ملاقات

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ان کی ہدایت پر لوہاری گئے تو حضرت میانجی صاحب تو حجرے کے اندر تھے، ان کے جوتے باہر رکھے ہوئے تھے، ان پر نظر پڑی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہی جوتے پہنے ہوئے تھے اور جب حجرے کے اندر گئے اور چہرے پر نظر پڑی تو کہا کہ یہی وہ بزرگ ہیں، جا کر ان کے قدموں میں پڑ گئے۔ حضرت نے انھیں اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ آپ کو اپنے خواب پر بہت اعتماد ہے!۔

## ہمارا سلسلہ چشتیت اور نقشبندیت سے مرکب ہے

بہر حال! یہ حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ ان کے شیخ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے پاس سلسلۂ چشتیہ تھا لیکن حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جب دورہ ہوا تو حضرت ان سے بھی بیعت ہوئے اور ان سے بھی ان کو اجازت ملی۔ چناں چہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ بلا کر ان کو بھی بیعت کرایا۔

تو ہمارا یہ سلسلہ یوں سمجھئے کہ خالی چشتیہ نہیں ہے بلکہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو تاریخِ دار العلوم میں بڑی تفصیل سے حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ یہ تو چشتیت اور نقشبندیت کا مجموعہ ہے،

ویسے عام طور پر چشتیہ کہتے ہیں لیکن اس میں نقشبندیت بھی ہے۔

## یک در گیر، محکم بگیر

بہر حال! لطیفۂ قلب اور لطائفِ سِتہ والی بات چل رہی تھی۔ آج کل لوگوں کا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم ایک دن میں بزرگ بن جائیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ وہاں حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کے پاس جائیں گے تو ایک دو دن میں عرشِ مُعلّٰی پر پہنچنا نصیب ہو جائے گا تو نہ وہاں، نہ یہاں، کہیں کے رہتے نہیں۔ بھائی اس طریق کے اندر تو توحیدِ مطلب اور ''یک در گیر، محکم بگیر'' والا معاملہ مطلوب ہے، توحیدِ مطلب کا یہ مطلب ہے کہ مرید اپنے شیخ کے متعلق یہ یقین کرے کہ مجھے جو فائدہ پہنچے گا، وہ اسی سے پہنچے گا۔

## اپنے شیخ کے ساتھ اس طرح کا والہانہ تعلق ہونا چاہیے

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آج اگر مجلس میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت جنیدِ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آ جائیں تو ہم ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ آدمی یوں سمجھے کہ میں نے جس کے ساتھ بیعت کا تعلق قائم کیا ہے، مجھے اگر فائدہ پہنچے گا تو اسی سے پہنچے گا۔

حضرت صوفی اقبال صاحب نے ایک مثال دی ہے کہ جیسے ایک عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو تو دنیا میں اس کے شوہر سے بھی زیادہ کمال اور جمال والے آدمی ہیں لیکن اس عورت کی نسل اور بچوں کا سلسلہ ہو گا تو اسی شوہر سے ہو گا۔

یہ حضراتِ اکابر بڑے باغیرت ہوتے ہیں، ایسی چیزیں بیان کرنے میں ان کو حجاب اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ میرے ساتھ جوڑنے کے لیے ایسی باتیں کر رہا ہے۔

## ہمارے اکابر کے یہاں ذکرِ جہری کی اہمیت

ذکرِ جہری کی بات ہو رہی تھی۔ میں اہلِ علم سے، دعوت وتبلیغ سے جڑے ہوئے لوگوں سے اور ان تمام لوگوں سے جو دین کے کام کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہیں، ان سبھی سے اس کی تاکید کرتا ہوں، ہمارے اکابر نے اس کی بڑی اہمیت بیان کی ہے بلکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''اکابر کا رمضان'' میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ موت تک ذکرِ جہری نہیں چھوڑا، رمضان کے علاوہ عام دنوں میں تو تہجد کے بعد کرتے تھے اور رمضان میں عصر کے بعد سے مغرب تک کرتے تھے، اور بھی تمام اکابر کا یہی حال رہا۔

حضرت شاہ عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم کو کوئی کتنے ہی وسوسے ڈالے، گمراہ کرے لیکن اس کو مت چھوڑیو؛ اس لیے ذکرِ جہری کا اہتمام کیجیے۔ جو لوگ ذکر جہری شروع کر رہیں، ان کا بھی یہی حال ہے کہ یہاں سے گئے اور گھر جا کر ایک مہینے تک کیا پھر چھوڑ دیتے ہیں، عجیب معاملہ ہے!

## معمولات کا چھوٹنا اپنی محنت پر پانی پھیرنا ہے

یہ معمولات کا چھوٹنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے، یہ ہم اپنی محنتوں پر پانی

پھیر رہے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک پودا آپ نے لگایا، پانی آپ دے رہے ہیں اور دیتے دیتے دو مہینے کے بعد پانی دینا آپ نے چھوڑ دیا تو وہ پودا خشک ہو جائے گا، اب پانی دیں گے تو بھی وہ دوبارہ ہرا ہونے والا نہیں ہے، اب تو نیا پودا لگانا پڑے گا۔

یہ معمولات کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔ کھانا چھوڑ دیجیے، چائے چھوڑ دیجیے لیکن اپنی تلاوت، اپنا ذکر، اپنی تسبیحات، اپنی دعا، باجماعت نماز کی ادائیگی، ان میں سے کسی میں بھی کمی نہیں آنی چاہیے، کچھ بھی ہو جائے، دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے لیکن ہمارے معمولات اپنی جگہ پر پوری پابندی کے ساتھ ادا ہونے چاہئیں۔ جب تک کہ یہ مزاج نہیں بنے گا، فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔

## معمولات اور ہمارے اہلِ علم کا طبقہ

آج ہمارے اہلِ علم کا طبقہ معمولات کے معاملے میں بڑا کمزور ثابت ہو رہا ہے۔ اچھے اچھے یہ لکھتے ہیں کہ کل فلاں معمول چھوٹ گیا، بیچ میں یوں ہو گیا۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے لکھا ہے کہ فلاں معمول چھوٹ گیا تو حضرت نے فرمایا کہ جو معمول چھوٹ گیا، وہ معمولات میں کہاں رہا، وہ تو متروکات میں سے ہو گیا۔

## اذکار وغیرہ غذا ہیں اور ذکرِ جہری دوا ہے

بہرحال! ذکرِ جہری بڑی تاثیر والی چیز ہے لیکن یاد رہے کہ یہ ایک علاج اور دوا ہے اور یہ تسبیحات، ذکر، تلاوت، دعائیں، مسنون اذکار، کھاتے پیتے وغیرہ کے وقت کی دعائیں، یہ سب غذائیں ہیں۔ دوا سے آدمی کا پیٹ نہیں بھرتا لیکن اگر بیماری ہے تو

دوا کے بغیر آدمی باقی بھی نہیں رہے گا تو اصل تو غذا ہے لیکن اسی غذا کو کارگر اور مؤثر بنانے کے لیے دوائی استعمال کرتے ہیں۔ معدہ غذا کو ہضم کرے؛ اس لیے ہاضم دوائیں لیتے ہیں کہ دوا کھائیں گے تو غذا ہضم ہوگی؛ اس لیے ذکرِ جہری کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

## دعاؤں کا بھی اہتمام کریں

تو نماز، اس میں فرائض، سنن اور جو دوسری نمازیں ہیں، روزہ، تلاوت اور اسی طرح سے دعاؤں کا اہتمام کریں۔ دعا کی بھی عادت ڈالو! دعا تو ایک عجیب وغریب عبادت ہے، ''ہم خرما وہم ثواب'' ہماری غرض بھی پوری ہو رہی ہے اور عبادت بھی ادا ہو رہی ہے۔ بعض لوگ اس لیے دعا نہیں کرتے کہ تہجد کے بعد دعا کروں گا، اس سے بہتر ہے کہ اتنا وقت تلاوت میں لگاؤں! گویا آپ نے قرآن کی تلاوت کو تو عبادت سمجھا اور دعا کو عبادت نہیں سمجھا؛ اس لیے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ آپ دعا کو بھی عبادت سمجھتے تو یوں کہتے کہ دعا کرلوں کہ یہ بھی تو ایک عبادت اور ذکر کی ایک شکل ہے۔

## دعا کا حکم اور دعا سے اعراض کرنے پر وعیدِ الٰہی

چناں چہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [البقرة:١٨٦] اور فرماتے ہیں: ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر:٦٠] یہاں عبادت بول کر دعا مراد لی ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے، دعا سے منہ موڑتے ہیں،

استکبار کرتے ہیں، وہ جہنم میں ذلیل اور رسوا ہو کر کے داخل ہوں گے[(۱)]۔

## نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں، خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں

اتنی بڑی وعید ہے اور پھر بھی ہم دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے۔ اپنی معمولی معمولی غرضوں اور معمولی معمولی مقاصد کے لیے دنیا کے معمولی معمولی آدمیوں کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے۔

## مری دنیا فغانِ صبح گاہی

ویسے دنیا داروں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے وقت کسی جگہ کوئی معاملہ پیش آیا تو کہتے ہیں کہ صبح دیکھوں گا یعنی صبح دیکھ لینے کی دھمکی دیتا ہے، جب کہ اللہ والوں کا حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رات کو دیکھ لوں گا۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارے بھائی! بیچ میں ایک رات پڑی ہے اور تم گھبراتے ہو! اس ایک رات میں تو ہم اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ مانگ سکتے ہیں۔ ایک مؤمن کی شان ایسی ہونی چاہیے، ایک مزاج ایسا بناؤ، اللہ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

---

(۱) یہ تفسیر حدیث سے ثابت ہے، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں عبادت کی یہی تفسیر آئی ہے:

عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ [غافر: ٦٠] قَالَ: الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ، وَقَرَأَ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ - إِلَى قَوْلِهِ - دَاخِرِينَ [غافر: ٦٠] (سنن الترمذی، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ، رقم الحدیث: ۳۳۷۲)

## کثرت سے دعا مانگنے کا عظیم فائدہ

آدمی جب کوئی دعا کثرت سے مانگتا ہے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ دنیا والوں کا حال یہ ہے کہ ایک آدمی روزانہ ہمارے پاس آتا جاتا ہے، اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اب اگر کسی روز وہ نہ آئے تو ہم پوچھیں گے نا کہ کیوں نہیں آیا؟ کیا ہوا؟ کیا مصیبت آئی؟ اور اگر اس کوئی تکلیف لاحق ہوئی ہو تو ہم اس کی اس تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ اسی لیے جو آدمی روزانہ جماعت کے ساتھ پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے، کسی روز اس کے لیے کوئی رکاوٹ پیش آ گئی تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی رکاوٹ کو دور فرما! اس کو جلدی سے مسجد میں پہنچا دے؛ تا کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ گویا ہماری با جماعت نماز کی فکر فرشتوں کو ہے۔ یہ فکر ان کو کب ہوگی؟ جب ہم پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالیں گے۔

## بہ کثرت دعا کرنے والے کو فرشتوں کی سفارش حاصل ہوتی ہے

معلوم ہوا کہ جو آدمی ملتا جلتا رہتا ہے، اس کا خیال رکھا جاتا ہے اور جو کبھی نہیں آتا، کوئی کام پڑا تو آیا تو آپ بھی اس کو یوں ہی ٹرخا دیں گے تو جو پابندی کے ساتھ اللہ کے در پر آتا ہے اور اس سے مانگتا ہے، اس پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ مانگتا ہے تو فرشتے اس کے لیے سفارش کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مصیبت دور فرما، یہ جانی پہچانی آواز معلوم ہوتی ہے، یہ تو وہی ہے جو روزانہ آ کے آپ سے مانگا کرتا ہے اور جو آدمی کبھی دعا نہیں مانگتا، جب مصیبت آئی تو رونے لگتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ سے کہتے

ہیں کہ کوئی اجنبی آواز معلوم ہوتی ہے (۱)۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا نظام ہے، یہ روحانیت کا نظام بھی عجیب ہے۔ گویا ایک بندہ اللہ تعالیٰ سے جڑ گیا تو اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ پھر وہ چھوٹنے نہ پاوے، الگ نہ ہونے پاوے۔ سارے فرشتوں کو دعا کرنے اور اس کی مدد کرنے کے لیے لگا دیا۔

## سمجھ کر مانگی جانے والی دعا دل کے خلوص کے ساتھ نکلتی ہے

دعاؤں میں ایک تو الحزب الاعظم ہے، اس میں مسنون دعائیں ہیں، باقاعدہ اس کے ترجمے کا استحضار کرتے ہوئے، اس کا ترجمہ سمجھ کر کے اس کو پڑھا جاوے۔ میں بیعت ہونے والوں سے کہا کرتا ہوں کہ جو دعا سمجھ کر کے مانگی جاتی ہے، اس میں دل زیادہ لگتا ہے۔ چناں چہ جب اجتماعی دعا ہوتی ہے اور دعا مانگنے والا عربی الفاظ میں دعا کرتا ہے تو حالاں کہ وہ دعا قرآن کی وحدیث کی ہے، اس کے باوجود آمین کی آواز بھی نہیں آتی اور جب اردو میں دعا شروع ہوتی ہے: اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما تو کہتے ہیں: آمین۔ اور جب کہتا ہے کہ اے اللہ! روزی میں برکت عطا فرما تو بہت زور سے کہتے ہیں: آمین۔

---

(۱) عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: إِذَا كَانَ الرَّجُلُ يَدْعُو اللهَ فِي السَّرَّاءِ، فَنَزَلَتْ بِهِ الضَّرَّاءُ فَيَدْعُو فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: صَوْتٌ مَعْرُوفٌ مِنْ آدَمِيٍّ ضَعِيفٍ، كَانَ يَدْعُو فِي السَّرَّاءِ، فَيَشْفَعُونَ لَهُ؛ وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ لَا يَدْعُو اللهَ فِي السَّرَّاءِ فَنَزَلَتْ بِهِ الضَّرَّاءُ فَدَعَا فَيَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: صَوْتٌ مُنْكَرٌ مِنْ آدَمِيٍّ ضَعِيفٍ كَانَ لَا يَدْعُو فِي السَّرَّاءِ فَنَزَلَتْ بِهِ الضَّرَّاءُ فَلَا يَشْفَعُونَ لَهُ. (شعب الإيمان، ذِكْرُ فُصُولٍ فِي الدُّعَاءِ يُحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَتِهَا الخ، رقم الحديث: ۱۱۰۰)

## نبوی دعائیں انتہائی جامع ہوتی ہیں

دین اور دنیا کے متعلق ہماری کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں دعا مانگنے کا طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا نہ ہو بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کو دیکھتے اور پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس چیز کو مانگنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ دعائیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کو القاء فرمائی ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی دعائیں ہیں۔

## نبوی دعائیں چھپے چھپائے فارم ہیں

جیسے حکومت کی طرف سے جب کوئی امدادی اسکیم شروع کی جاتی ہے تو اس امدادی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے حکومت باقاعدہ فارم چھپواتی ہے، اس میں بس خانہ پری کرنی ہوتی ہے۔ یہ نبوی دعائیں بھی اسی طرح چھپے چھپائے فارم ہیں، ہمیں خالی خانہ پری کرنی ہے، اپنی زبان سے ادا کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دینا چاہتے ہیں؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سکھلایا۔

پھر ہر چیز کے آداب ہوتے ہیں، دعا کے بھی آداب ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے دعا کریں تو إن شاء اللہ قبول ہوگی۔

## رشتہ داروں کے لیے بھی دعا کریں

پھر اپنے لیے دعا ہو، اپنے رشتہ دار: والدین، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، سارے خاندان والوں کے لیے دعا ہو۔ کوئی بیمار ہے، کوئی پریشان حال ہے،

کسی کی کیا حالت ہے، ہم جانتے ہیں، اس نے ہم سے کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ ان کے ساتھ رشتہ داری کا حق یہ ہے کہ ہم ان کے لیے دعا کریں۔

## دوست واحباب کے لیے بھی دعائیں کریں

ہمارے دوستوں کا ایک پورا حلقہ ہے، فرینڈ سرکل ہے، ان میں سے کوئی جیل میں ہے اور کس کو کیا پریشانی اور تکلیف لاحق ہے، آپ کو معلوم ہے، اس نے آپ سے نہیں کہا کہ میرے لیے دعا کرنا لیکن جب آپ کی اس کے ساتھ دوستی ہے تو اس دوستی کا حق یہ ہے کہ وہ آپ سے کہے یا نہ کہے، آپ اس کے لیے ضرور دعا کریں کہ اے اللہ! اگر میرا بیٹا جیل میں ہوتا تو میں آپ سے اس کی رہائی کے لیے دعا کرتا، اس کی رہائی کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔ کوئی دوست بیمار ہے، کسی کی بیٹی کا نکاح ہے تو اس کے لیے دعا کیجیے، دوستی کی وجہ سے یہ اس کا آپ پر حق ہے۔

## پوری امتِ محمدیہ کے لیے بھی دعائیں کریں

نیز پوری امتِ محمدیہ کے لیے بھی دعائیں کریں: آسام میں کوئی مصیبت آئی، شام میں کیا ہو رہا ہے، برما میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب ہمیں معلوم ہے۔

بارش کا زمانہ چل رہا ہے، ہم اخباروں کے اندر پڑھتے ہیں کہ بہار کی فلاں جگہ سیلاب آیا اور اس میں مسلمانوں کے اتنے ہزار مکان بہہ گئے۔ اب آپ یہ سوچیں کہ بہار میں سیلاب آیا اور کسی کا مکان بہہ گیا تو میرے باپ کا کیا جاتا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ! یہ سوچ کتنی خطرناک ہے! ایک طرف تو دعوی کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ساتھ مجھے محبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتی اس قدر پریشانی میں ہیں، ان کے لیے دعا بھی نہیں کر سکتے۔

## پوری انسانیت کے لیے پریشانی دور کرنے کی دعائیں کی جائیں

بلکہ اگر وہ مسلمان نہ بھی ہوں، غیر مسلم ہیں تو بھی وہ ہیں تو انسان اور انسان کے ساتھ ہمدردی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہمیں یہ تو دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اپنے ان بندوں کو آباد فرما۔ اس میں ہمارا کیا گیا؟ کچھ پیسے گئے؟ آپ کی جیب میں سے کچھ نکلا؟ زبان سے بس دو کلمے نکالے، وہ بھی اللہ کے سامنے کہے، لوگوں کے سامنے نہیں اور پھر یہ بھی دعا ہے تو ہماری تو دعا کے نام سے ایک عبادت بھی ہوگئی، ہمارے نامۂ اعمال میں تو ثواب لکھا گیا!

## چار قسم کے لوگوں کے لیے دعا

دعا کے اتنے زیادہ فائدے ہیں لیکن ہم نے عادت نہیں بنائی، چار چیزوں کی عادت بنالو: (۱) اپنے لیے دعا (۲) اپنے رشتہ داروں کے لیے دعا (۳) اپنے دوستوں کے لیے دعا (۴) پوری امت کے لیے دعا۔

روزانہ دس پندرہ منٹ نکال کر کے، یاد کر کر کے، دوستوں کے احوال یاد کر کے دعائیں کرو کہ فلانا دوست بیمار ہے، فلانے رشتہ دار کو یہ پریشانی لاحق ہے، فلانے نے دعا کے لیے کہلوایا تھا، فلانے کا فون آیا تھا، فلاں کی بیوی ہسپتال میں ہے۔ یاد کر کے لوگوں کے لیے دعا کرے۔

## آپ دوسروں کے لیے دعا کریں گے
## تو دوسرے آپ کے لیے دعا کریں گے

جب آپ دوسروں کے لیے دعا کریں گے تو وہ بھی آپ کے لیے دعا کریں گے۔ قدرت کا ایک قانون ہے کہ آپ جب اس کے لیے دعا کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دل میں بھی ڈالیں گے کہ وہ آپ کے لیے دعا کرے اور اگر آپ اس کے لیے دعا نہیں کرتے اور یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے دعا کرے گا تو ''ایں خیال ست ومحال ست وجنوں'' جیسا معاملہ ہوگا، وہ کبھی نہیں کرے گا۔ آپ دعا کرنا شروع کریں گے تو اللہ اس کے دل میں ڈالیں گے تو وہ بھی کرے گا؛ اس لیے اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے دعا کا بھی اہتمام کرے۔

## دعا: مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار

اس سے بڑھ کر دعا کی اہمیت اور کیا ہوگی کہ جو مسائل ہم اپنی قوت اور اپنی تدبیر سے حل نہیں کر سکتے، وہ دعا سے حل ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا یَرُدُّ القَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ[1] کہ: تقدیر کو اگر کوئی چیز ہٹا سکتی ہے تو وہ دعا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اتنا بڑا ہتھیار، اتنی بڑی طاقت ور چیز دی ہے، اس کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، یہ ہماری بہت بڑی کمزوری ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ لَا یَرُدُّ القَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ.

## مستجاب الدعوات بننے کا نبوی نسخہ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعا والے بن جاؤ، دعا کی عادت ڈالو، سب کے لیے ایسی دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ تمھاری دعائیں قبول کرے۔ جب آدمی دنیا کے تمام مسلمان مرد اور عورتوں کے لیے، پوری امت کے لیے ۲۱ رمرتبہ مغفرت کی دعا کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی ساری دعائیں قبول کرتے ہیں، اس کو مستجاب الدعوات بنا دیتے ہیں، حدیث میں ہے تو یہ مستجاب الدعوات بننے کا آسان ترین نسخہ بھی ہے۔

## مستجاب الدعوات بننے کا ایک اور آسان ترین نسخہ

مستجاب الدعوات بننے کا یہ طریقہ بھی ہے کہ دوسروں کے لیے دعا کرتے رہو، یہ تو اللہ کی بارگاہ میں ہم دوسروں کے لیے نہیں مانگ رہے ہیں بلکہ اپنے لیے مانگ رہے ہیں، ان کا کام بنے یا نہ بنے، ہمارا کام تو بن ہی جائے گا۔ ایک مسلمان بھائی کے لیے جب کوئی شخص غائبانہ دعا کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتے اس پر کہتے ہیں: آمِينَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ (١)۔

## ہمارے بزرگوں کا طریقۂ دعا

حضرت مولانا عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بعض بزرگ ایسے گذرے ہیں کہ وہ خود مقروض ہوتے تھے لیکن اپنے ذمے سے قرض

(١) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، بَابُ فَضْلِ الدُّعَاءِ لِلْمُسْلِمِينَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ.

ادا کرانے کی دعا نہیں کرتے تھے بلکہ یوں دعا کرتے کہ اے اللہ! دنیا میں جتنے بھی مقروضین ہیں، ان کا قرض ادا کر دے تو فرشتہ کہے گا: آمِينَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ: اے اللہ! اس کی دعا قبول کر لے اور اس کو بھی اسی جیسا عطا فرما۔ ہماری اپنی دعا اپنے لیے قبول ہو یا نہ ہو، فرشتے کی دعا تو ہمارے حق میں قبول ہو ہی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنا عجیب وغریب نسخہ بتلا دیا!!

یہ تو وہ اعمال تھے جو ہمیں کرنے ہیں، وہ مختصراً میں نے بتلا دئے۔

## بچنے کے کاموں میں سرِ فہرست کام: بدنگاہی اور اس کے نقصانات

کچھ چیزیں وہ ہیں جن سے اپنے آپ کو بچانا ہے، ان میں بدنگاہی سرِ فہرست ہے۔ یہ بدنگاہی اتنا خطرناک گناہ ہے کہ کسی نے محنت کر کے نورِ نسبت حاصل کیا ہو، وہ بھی بدنگاہی کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے۔ آج کل یہ گناہ بہت عام ہو گیا ہے، مدارس کے اندر اہلِ علم میں بے ریش لڑکوں کے معاملے میں اور دوسرے مقامات پر عورتوں کے معاملے میں۔ عورتوں کے ساتھ بڑے مزے لے لے کر باتیں کرتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ بقول حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ: ایسا سمجھتے ہیں کہ کسی خوب صورت عورت کو دیکھا تو گویا کوئی خوب صورت مکان دیکھ لیا، حالاں کہ خوب صورت مکان دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن کسی خوب صورت عورت کو دیکھیں گے تو گناہ ہوگا۔

اور پھر یہ گناہ بھی ایسا ہے کہ عام طور پر لوگوں کو پتہ نہیں چلتا، بہت سی مرتبہ لوگ موجود ہوتے ہیں، ان کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس نے بدنگاہی کا ارتکاب کیا۔

## بدنگاہی طاعات کی لذت سے محروم کرنے والا گناہ ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ گناہ تمام طاعات کے نور کو سلب کر لیتا ہے اور آدمی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہے، اللہ کی عبادت میں، نماز میں، ذکر میں، تلاوت میں جو مزا آنا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس لطف سے اس کو محروم کر دیتے ہیں، حلاوت ختم ہو جاتی ہے اور جہاں اس کو چھوڑیں گے تو حلاوت محسوس کریں گے۔ حدیثِ قدسی ہے: اَلنَّظْرَۃُ سَھْمٌ مَسْمُومٌ مِنْ سِھَامِ إِبْلِیسَ، مَنْ تَرَکَھَا مِنْ مَخَافَتِي أَبْدَلْتُهُ إِیمَانًا یَجِدُ لَهُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ [1] کہ: یہ بدنگاہی شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے خاطر اس کو چھوڑے گا، اس کے بدلے میں میں اس کے دل میں ایمان کی ایسی مٹھاس عطا کروں گا جس کو وہ محسوس کرے گا۔

ہمیں اللہ کی عبادت میں جو لذت محسوس نہیں ہوتی، مزا نہیں آتا، اس کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یہ بدنگاہی بھی ہے۔ اس سے اپنے آپ کو بڑے اہتمام کے ساتھ بچاؤ، اس سلسلے میں خوب محنت کرو۔

## دوسری چیز: ناجنس کی صحبت سے بچیے

دوسری چیز ناجنس کی صحبت ہے، ناجنس سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنی لائن کا نہیں ہے۔ آپ سلوک کی راہ طے کر رہے ہیں، اللہ کو حاصل کرنے کی محنت کر رہے ہیں، جو آدمی

(١) مجمع الزوائد، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ غَضِّ الْبَصَرِ، رقم الحدیث: ١٢٩٤٦.

اس راہ کا قائل نہیں ہے، چاہے وہ بخاری اور مسلم پڑھاتا ہو لیکن اس کی صحبت میں مت بیٹھو، اس سے نقصان ہوگا۔

## عقیدت اور محبت اپنے شیخ سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیاد ہے

آج کل کیا ہوتا ہے؟ اس طرح کے لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں، وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے ہمارے دل میں بال آجاتا ہے۔ اپنے شیخ سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیاد عقیدت اور محبت ہے، بغیر عقیدت کے اور بغیر محبت کے کبھی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

## دورِ حاضر، لوگوں کی تحقیر و تنقیص کرنے کا دور بن گیا ہے

آج ہمارا دور بدعقیدگی کا ہے، یہاں میری مراد ایمانیات والی بدعقیدگی نہیں ہے بلکہ اہل اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے۔ ایسا ماحول ہے۔ اخبارات دیکھو تو ہر ایک اخبار ہر ایک کے متعلق تحقیر و تنقیص سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، لوگوں کی مجلسیں دیکھو تو وہاں بھی یہی تحقیر و تنقیص نظر آتی ہے، ہر جگہ آپ کے کانوں میں پڑے گا تو یہی پڑے گا، آپ کسی مجلس میں بیٹھ کر اٹھیں گے تو کسی کے ساتھ بدگمانی لے کر اٹھیں گے، آج تک جس کو اچھا سمجھتے تھے، اس کے بارے میں کہیں گے کہ یار! آج تو فلاں نے کہا کہ فلانا ایسا ہے۔ آج تک تمھاری نگاہوں میں وہ شخص اچھا تھا، اس مجلس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمھاری نگاہوں میں وہ بدمعاش بن گیا۔

یہ ناجنس کی صحبت آپ کو آپ کے شیخ سے بدگمان کر کے فیض کے دروازے کو بند

کر دیتی ہے، ایسے آدمی کے قریب بھی مت جانا، ورنہ آپ کو کبھی فائدہ نہیں ہوگا۔

## نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے

اپنا ماحول، اپنا اٹھنا بیٹھنا، اپنی کمپنی نیک لوگوں کے ساتھ رکھو، نیکوں کے ساتھ بیٹھوگے تو ہی نیکی والے راستے پر قائم رہ سکوگے، اگر غلط لوگوں کے ساتھ بیٹھوگے تو گناہوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

## خانقاہ میں نیک لوگوں کی صحبت سے حاصل ہونے والے برکات غلط ماحول کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں

یہاں آپ تھے، آنے کے بعد آپ نیک کاموں میں لگ گئے۔ یہ وہ اعمال ہیں کہ وہاں گھر پر رہتے ہوئے آپ کو اس کی عادت نہیں تھی۔ اب لوگ کیا کہتے ہیں؟ رمضان میں بڑا مزا آیا، یہ یہ اعمال کیے۔ اب جب گھر گئے تو دس پندرہ دنوں تک تو ٹھیک ٹھاک چلتا رہا پھر جیسے تھے، ویسے ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ ماحول کے بدلنے کی وجہ سے! ہمارا حال کیا ہے؟ رمضان سے پہلے ہمارے جو دوست غلط قسم کے تھے، ہماری جو بیٹھک غلط قسم کے لوگوں کے ساتھ تھی، اس کو بدلتے نہیں، یہاں سے جانے کے بعد پھر سے ان ہی کے ساتھ بیٹھک چالو کر دیں گے۔

یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک چھوٹے بچے نے پیشاب پاخانہ کیا اور اپنے جسم اور کپڑوں کو اس سے لت پت کر دیا، اس کی ماں نے اس کو نہلایا، دھلایا اور صاف شفاف پاک کپڑے پہنائے، پاؤڈر لگایا، خوشبو لگائی اور وہ دیکھنے کے قابل ہو گیا تو تھوڑی دیر کے

بعد پھر اس نے پیشاب پاخانہ کر کے اپنے آپ کو آلودہ کر لیا۔ وہ تو چھوٹا بچہ ہے، ہم تو ماشاء اللہ بڑے ہیں۔

یہاں رہ کر جو کچھ حاصل ہوا، اللہ کی عبادت کا جو لطف آیا، ہماری حیثیت کے مطابق چاہے جیسا بھی ہو لیکن آپ اس کو اچھی چیز سمجھتے ہیں نا، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے ایک دولت ملی۔ اب ایک آدمی کمانے کے لیے کسی جگہ پر گیا ہوں اور وہاں سے ایک بڑی رقم کما کر کے لایا اور پھر غلط صحبت میں پڑ کر اس نے ساری دولت کو ضائع کر دیا تو اس کی حماقت کو آپ کیا کہیں گے، ہمارا بھی یہی حال ہے۔

## خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ....

یہاں سے جانے کے بعد اپنے آپ کو تمام بری صحبتوں سے دور رکھنے کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو اچھے ماحول اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھنے کا اہتمام کریں، اگرچہ آج کل کا ماحول ہی بڑا خراب ہے لیکن کہیں پر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے ایک دو نیک بندے تو آپ کو مل ہی جائیں گے اور بقول حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کے کہ: کچھ مت کرو، مسجد میں جا کر مسجد کے مؤذن کے پاس بیٹھو کہ وہ اذان تو دیتا ہے نا، اللہ کا نام لیتا ہے اس پورے گاؤں میں کم سے کم وہ ایک تو اللہ کا نام لینے والا ہے، کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو غلط صحبتوں سے بچاؤ۔

## اجنبی عورتوں کے لیے خود کو سنوارنا بہت بڑا روحانی خطرہ ہے

تو ایک تو بدنگاہی سے اپنے آپ کو بچانا ہے، بدنگاہی یعنی عورتوں کے ساتھ خلط

ملط۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جزاء الاعمال کے اخیر میں چند ہدایتیں فرمائی ہیں، اس میں خاص طور پر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس نیت سے سجانا کہ میں عورتوں کی نگاہ میں اچھا لگوں، اس سے بڑا روحانی روگ اور کوئی نہیں ہے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

## کسی کے متعلق اچھا گمان رکھنے پر مواخذہ نہیں ہوگا

اور دوسری چیز ناجنس کی صحبت اور غلط ماحول سے اپنے آپ کو بچانا ہے، غلط چیزوں کے مطالعے سے بھی اپنے آپ کو بچانا ہے۔ بعض اہلِ علم کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اخباروں میں جو کچھ آیا، اس کو پڑھتے ہیں۔ اس میں لوگوں پر تنقیدیں ہوتی ہیں، ایسے مضامین اور تنقیدیں پڑھو ہی مت! اس سے آپ کا کیا فائدہ ہوگا؟ اگر پڑھو گے تو اس کے متعلق آپ کا جو اچھا گمان تھا، وہ ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ اس اچھے گمان کے لائق نہیں تھا لیکن اچھا گمان رکھنے پر اللہ تعالیٰ کے یہاں گرفت نہیں ہوتی، یہ پوچھ نہیں ہوگی کہ فلانے کے ساتھ اس کے بدمعاش ہونے کے باوجود تم نے اچھا گمان کیوں رکھا لیکن برا گمان رکھنے پر پوچھ ہوگی کہ تم نے ہمارے اس بندے کے ساتھ بدگمانی کیوں کی؟ اس لیے بھائی! اس طرح کے مضامین سے اپنے آپ کو دور رکھئے۔

## عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

آج کل تو ہر جگہ ہمارے سلسلے میں بھی آپس کے نزاع اتنے بڑھ گئے اور ایک دوسرے پر تنقید کے ایسے مضامین آتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو اس

پر خون کے آنسو روتے تھے، بڑی حسرت کرتے تھے کہ آج لوگوں کے اچھے اوصاف سے صرفِ نظر کیا جارہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی رکھی ہے اور آج کوئی بھی اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جو ہماری پارٹی کا ہے، اس میں ساری خوبیاں ہیں اور جو ہماری پارٹی کا نہیں ہے، اس میں برائیاں ہی برائیاں ہیں ''عين الرضا عن كل عيب كليلة وعين السخط تبدي المساويا'' جیسا معاملہ ہو گیا ہے؛ اس لیے میں تو آپ سے کہوں گا کہ ان چیزوں کو پڑھو ہی مت۔

بلکہ میری تو عادت ہے کہ کبھی بغیر نام کا خط آتا ہے تو اس کو پڑھتا ہی نہیں، بغیر نام کے لکھا، یہ اس کے چور ہونے کی علامت ہے، اگر اس میں ہمت ہوتی تو اپنے نام کے ساتھ لکھتا اور ہم اس سے پوچھتے بھی۔

## احوالِ دینیہ میں ترقی پیدا کرنے کے لیے محنتیں کیجیے

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع عطا فرمایا، آپ کا سال اس طرح گذرے کہ رمضان کے اندر آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرنے کی جو محنتیں کی ہیں، اس میں ترقی ہو، حدیث میں آتا ہے: من اسْتَوَى يوماه فَهُوَ مغبون: جس کے دو دن دین کے اعتبار سے برابر ہوں، آج دین کی جس سطح پر، جس اسٹیج پر ہے، کل بھی ہماری وہی حالت ہو، کمی نہ آئے لیکن ترقی بھی نہ ہو تو یہ ترقی نہیں ہوئی، یہ بھی بہت بڑا گھاٹا ہے، چہ جائے کہ ہم تو دن بدن پستی میں گرتے چلے جارہے ہیں؛ اس لیے اپنے دینی احوال میں ترقی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

یہ چند باتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق، اہتمام اور سعادت مجھے بھی عطا فرمائے، آپ کو بھی نصیب فرمائے، اللہ نے جو موقع دیا ہے، جو وقت ہے، اس میں دعاؤں کا اہتمام کرو، اللہ سے توفیق مانگو، اللہ نے جو توفیق دی اس کا شکر ادا کرو اور مزید توفیق کا سوال کرو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو نوازے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# شبِ برأت کی فضیلت

## قرآن، حدیث اور اقوالِ سلف کے آئینے میں

# اقتباس

ویسے اس سلسلے میں روایتیں کُتبِ صحاح میں عموماً نہیں ہیں، اگرچہ اُن میں سے ایک آدھ روایت ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو میں آگے بتلاؤں گا، باقی دوسری کتب حدیث کے اندر کچھ روایتیں ہیں اور مختلف حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جن کی تعداد تقریباً دس تک پہنچتی ہے، ان سے وہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ان روایتوں کو انفرادی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اگرچہ وہ صحت کے درجے کو نہیں پہنچتیں، ضعیف اور کمزور ہیں لیکن محدثین کے یہاں قاعدہ ہے کہ اگر کوئی روایت کئی سندوں اور کئی طرق سے آئی ہو تو اس صورت میں اس کی کمزوری اور اس کا ضعف اس کے مختلف طرق کی وجہ سے متحمل ہوکر وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ فضائل میں اس کے اوپر عمل کیا جاسکے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: حٰـمٓ، وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ، اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ، فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ، اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ، رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ. [الدخان: ١-٧]

## شب براءت کے معاملے میں افراط تفریط

محترم حضرات! آج شبِ براءت یعنی پندرہویں شعبان کی رات ہے، اس رات کے سلسلے میں افراط اور تفریط کا معاملہ ہو رہا ہے: کچھ لوگ تو وہ ہیں جو سِرے سے اس رات کی اہمیت اور برکات کا انکار کرتے ہیں اور اس رات میں عبادت کرنے کو سِرے سے بدعت قرار دیتے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس سلسلے میں بہت زیادہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو اس رات کی برکت اور اس کی رحمتوں کو وصول

کرنے کے سلسلے میں کچھ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جن کا ثبوت کسی حدیث سے، یا بزرگوں سے، یا اصل سے نہیں؛ بلکہ بعض تو وہ چیزیں ہیں جن کو فقہاء نے کتابوں میں صراحۃً منع لکھا ہے۔ضرورت تھی کہ اس سلسلے میں دونوں قسم یعنی افراط اور تفریط کو بیان کرکے جو اصل چیز ہے، اس کو آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔

## شبِ برأت کے ثبوت کے لیے قرآنی استدلال

اس رات کی فضیلت کے سلسلے میں ایک استدلال تو سورۂ دخان کی ان آیتوں سے کیا جاتا ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھیں، جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾: ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا اور ہم ہی اس کتاب کے ذریعہ سے لوگوں کو تنبیہ کرنے والے اور ڈرانے والے ہیں، ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾: اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ اور بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے طے کردی جاتی ہے۔

## آیتِ بالا کی تفسیر میں حضرت عکرمہؒ کا قول

اس آیت کی تفسیر میں بعض حضراتِ تابعین جیسے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ تفسیر میں شمار کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پندرہویں شعبان کی رات ہے۔اس سلسلے میں کچھ اور روایتیں بھی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رات کے اندر سال بھر میں جن لوگوں کو موت آنے والی ہے، اس کے فیصلے کیے جاتے ہیں، جو پیدا ہونے والے ہیں ان کے فیصلے ہوتے ہیں، روزی کے متعلق فیصلے کیے جاتے ہیں۔

بہر حال! حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور بعض مفسرین اس رات کی تعیین کے سلسلے میں اس بات کے قائل ہیں کہ سورۂ دخان کی آیت میں لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ سے پندرہویں شعبان کی رات مراد ہے۔

## آیتِ بالا کی تفسیر میں دوسرے حضراتِ مفسرین کی تحقیق

لیکن اس کے برخلاف دوسرے حضرات تابعین حضرتِ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات سے صراحۃً منقول ہے کہ اُس سے مراد شبِ قدر ہے اور قرآنِ پاک کی دوسری آیتوں اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے؛ اس لیے کہ اِس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ﴾ ہم نے اس کتاب کو یعنی قرآنِ پاک کو برکت والی رات میں نازل کیا، اور قرآن پاک میں دوسری جگہ پر صراحۃً موجود ہے: ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ﴾ [البقرة:١٨٥]: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس کے اندر قرآن کو اُتارا گیا ہے۔ ویسے قرآنِ پاک کا ایک نزول تو وہ ہے جو لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر ہوا ہے، وہ شبِ قدر میں ہوا ہے۔

## تمام آسمانی کتابیں رمضان میں اتریں

چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت موجود ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تمام کتابیں رمضان المبارک کے مہینے میں نازل فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوپر جب صحیفے نازل کیے گئے، وہ پہلی رمضان تھی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت جب نازل کی گئی، وہ چھے رمضان تھی، حضرت داود علیہ السلام پر زبور نازل

کی گئی، وہ بارہ رمضان تھی اور قرآنِ پاک کے متعلق ہے کہ وہ رمضان المبارک کی پچیسویں رات کو جب شبِ قدر تھی، نازل کیا گیا(۱)۔

## آیتِ بالا میں فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے شبِ برأت مراد نہ ہونے پر دلیل

بہر حال! شبِ قدر کی تعیین کے ساتھ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ہم نے قرآن پاک کو شبِ قدر میں نازل فرمایا۔ شبِ قدر کے سلسلے میں آپ فضائل کی کتابوں میں سنتے بھی رہتے ہیں کہ کسی ایک رات کی تعیین نہیں ہے۔ عام طور پر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں پائی جاتی ہے اور اس میں بھی عشرے کی طاق راتوں میں: کبھی اکیسویں میں بھی ہوتی ہے، کبھی تیئسویں میں بھی، کبھی پچیس کبھی ستائیس اور کبھی انتیس۔

قرآنِ پاک کی ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا نزول رمضان کے مہینے میں شبِ قدر میں ہوا، اس لیے جو حضرات مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ سورۂ دخان کی اس آیت میں فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے شبِ قدر مراد ہے، اس قول کو محققین نے راجح قرار دیا ہے اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں لیکن ان سے جو منقول ہے کہ قرآن پاک شبِ براءت میں نازل ہوا اور فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد شبِ براءت ہے، اس قول کو مرجوح اور ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) أخرجه أبو يعلى وابن مردويه، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه (الدر المنثور في التفسير بالماثور ۲/ ۲۳۲، تحت قوله تعالىٰ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ)

بہر حال! یہ تو قرآنِ پاک کی آیت کے سلسلے میں باتیں ہوئیں۔

## اس رات کی فضیلت سے متعلق روایات

ویسے اس سلسلے میں روایتیں کُتبِ صحاح میں عموماً نہیں ہیں، اگر چہ اُن میں ایک آدھ روایت ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو میں آگے بتلاؤں گا، باقی دوسری کتب حدیث کے اندر کچھ روایتیں ہیں اور مختلف حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جن کی تعداد تقریباً دس تک پہنچتی ہے، ان سے وہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ان روایتوں کو انفرادی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اگر چہ وہ صحت کے درجے کو نہیں پہنچتیں، ضعیف اور کمزور ہیں لیکن محدثین کے یہاں قاعدہ ہے کہ اگر کوئی روایت کئی سندوں اور کئی طرق سے آئی ہو تو اس صورت میں اس کی کمزوری اور اس کا ضعف اس کے مختلف طرق کی وجہ سے متحمل ہو کر وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ فضائل میں اس کے اوپر عمل کیا جا سکے۔

## خیر القرون سے اس رات کی عبادت ثابت ہے

ویسے خیر القرون - یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن زمانوں کو بہترین زمانے قرار دیا، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات تابعین اور تبعِ تابعین رحمھم اللہ تعالیٰ کے زمانے (۱) - سے اس رات کے اندر عبادت کا کرنا اور اس رات کی وصول یابی کے

---

(۱) خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ. (صحیح البخاری، عن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالیٰ عَنْهُمَا، بَابٌ: لاَ يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

لیے اہتمام کرنا اکابر سے ثابت ہے تو خیر القرون کے عمل سے بھی اس رات کا احیاء یعنی اس رات کے اندر عبادت کا اہتمام کرنا ثابت ہے؛ اس لیے جو حضرات اس رات کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یہ بات درست اور صحیح نہیں ہے، بلکہ اسلاف کے زمانے سے، صحابہ اور تابعین کے زمانے سے اس رات میں بیدار رہ کر عبادت کے ذریعہ اس رات کو وصول کرنا اور اس میں احیاء لیالی یعنی برکت والی راتوں کو زندہ رکھنا اور بیدار رہ کر عبادت کر کے وصول کرنا اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرنا؛ ان حضرات سے ثابت ہے۔ اسی لیے ہمارے اکابر کا عمل بھی یہی رہا ہے کہ اس رات میں یہ تاکید کرتے تھے کہ آدمی اپنے طور پر عبادتوں کا اہتمام کرے اور اس رات کو وصول کرنے کی اپنے مقدور بھر کوشش کرتے۔

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں ان کی باری کی رات کو تشریف لائے اور آپ نے سونے کی تیاری کی پھر اُٹھ کر آپ باہر تشریف لے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ دیکھیں کہ آپ کہاں تشریف لے گئے؛ اس لیے آپ کو دیکھنے پیچھے گئیں، دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں اہلِ بقیع کے لیے آپ نے دعا بھی فرمائی پھر واپس تشریف لائے اور عبادت میں مشغول ہو گئے (۱) اور آپ کی عبادت کی کیفیت بھی اُسی روایت

(۱) سنن الترمذي، باب مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، رقم الحديث: ٧٤٤.

میں یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اتنا لمبا اور طویل سجدہ کیا کہ مجھے وہم ہونے لگا کہ خدانخواستہ کوئی دوسری بات تو نہیں ہے۔ جس کے ساتھ محبت زیادہ ہوتی ہے، وہاں یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ یعنی دیر سے سجدہ میں گئے ہیں اور لوٹے نہیں تو ایسا تو نہیں کہ روح پرواز کرگئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَیں نے ہاتھ لگا کر آپ کے قدموں کے تلوؤں کے اوپر دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے: اللهمّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَاعُوذُ بِكَ مِنْكَ لا احْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، انْتَ كَمَا اثْنَيْتَ عَلَى نَفسِكَ (۱).

## ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ قبیلۂ بنوکلب کی بکریوں کے جسموں کے اوپر جتنے بال ہیں، اس سے زیادہ آدمیوں کی مغفرت فرماتے ہیں (۲)۔ عرب کے اندر یہ قبیلۂ بنوکلب بکریاں پالنے میں مشہور تھا۔ ایک تو قبیلۂ بنوکلب کی بکریاں اور پھر ان کے بالوں کے برابر لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بے شمار آدمیوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

---

(۱) الترغیب والترهیب للأصبهانی، فصل في فضل صيام شعبان وفضل ليلة النصف من شعبان، ۲/۳۹۴.

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنها قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَيْلَةً فَخَرَجْتُ، فَإِذَا هُوَ بِالبَقِيعِ، فَقَالَ: أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ (سنن الترمذی، باب مَا جاءَ فِی لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ)

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ رات کے شروع ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے: أَلَا مُسْتَغْفِرٌ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ؟ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ؟ ہے کوئی گناہوں کی بخشش چاہنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں، ہے کوئی روزی کا مانگنے والا کہ میں اس کو روزی دوں، ہے کوئی مصیبت میں گرفتار جو اپنی مصیبت سے رہائی چاہتا ہو کہ میں اس کو مصیبت سے رہائی اور چھٹکارا دوں (۱)۔ اللہ تعالیٰ حاجت مندوں کا نام لے لے کر اعلان فرماتے ہیں۔

## در تیری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسا اعلان ہر رات آخری حصے میں ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ایسا نہیں ہے کہ آپ سال بھر انتظار کریں، تب اس چیز کی نوبت آئے گی۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کے آخری حصے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی قرب دنیا والوں کو نصیب ہوتا ہے، باری تعالیٰ اپنی رحمت سے بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی طرح کا اعلان فرماتے ہیں کہ: ہے کوئی گناہوں کی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں، ہے کوئی روزی کا طلب گار کہ میں اس کو روزی دوں (۲)۔ یہ اعلان کسی ایک رات کے ساتھ مخصوص

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ.

(۲) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، باب التَّرْغِيبِ فِي الدُّعَاءِ وَالذِّكْرِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَالإِجَابَةِ فِيهِ.

نہیں ہے؛ بلکہ ہر رات ہوتا ہے۔ اتنا ہے کہ اس رات میں شروع سے ہوتا ہے کہ جہاں مغرب سے رات شروع ہوئی وہاں سے لے کر صبح تک برابر اعلان ہوتا رہتا ہے، دوسری تمام راتوں میں یہ ہوتا ہے رات کے آخری حصے میں جب لوگ میٹھی نیند میں مشغول ہوتے ہیں، اس وقت اعلان ہوتا ہے۔ باقی یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر چاہے تو ہر رات کو یہ فضیلت حاصل ہوسکتی ہے۔

## نفاق اور جہنم سے براءت

ایک بات یاد آ گئی: حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں حاضری ہوتی ہے، چالیس نمازیں جو مسجدِ نبوی میں ادا کرنے سے متعلق روایت ہے کہ جو آدمی چالیس نمازیں مسجدِ نبوی میں تکبیر اولیٰ اور جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کے لیے نفاق سے اور جہنم سے برأت لکھی جاتی ہے (١) تو اس کے علاوہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ چالیس دن تک مسلسل کوئی آدمی تکبیر اولیٰ اور جماعت کا اہتمام کرے، اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی (٢)۔ اس روایت میں مسجدِ نبوی کی کوئی تخصیص نہیں۔ گویا آپ یہاں رہتے ہوئے بھی چالیس دن کریں گے تو وہ فضیلت پاسکتے ہیں۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایک آدمی پیسہ خرچ کر کے وہاں جاوے، تب ہی یہ فضیلت حاصل ہوگی؛ ایسا نہیں ہے، یہاں رہتے ہوئے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ موقع دیا گیا ہے۔

(١) مسند أحمد، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، مُسْنَدُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، رقم الحديث: ١٢٦١١.

(٢) سنن الترمذي، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي فَضْلِ التَّكْبِيرَةِ الأُولَى، رقم الحديث: ٢٤١.

## ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

اسی طرح سے اور دنوں میں بھی یہ فیسیلیٹی (Facility) یہ سہولت آپ کو دی گئی ہے، یہ موقع دیا گیا ہے، ہم اپنی غفلت اور سستی کی وجہ سے اس موقع کو کھودیتے ہیں، وہ دوسری چیز ہے، حالاں کہ دنیوی اعتبار سے اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ وقت کا حکمران، وزیرِ اعلیٰ اور وزیرِ اعظم فلاں دن، فلاں وقت، فلاں جگہ آنے والا ہے اور خصوصاً جو درخواستیں اس وقت پیش کی جائیں گی؛ وہ قبول کرے گا تو لوگ درخواستیں پیش کرنے کے لیے بہت پہلے سے آکر کے وہاں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ جو احکم الحاکمین، رب العالمین ہیں؛ اُن کی طرف سے روزانہ رات کے آخری حصے میں یہ اعلان ہوتا ہے اور ہم غفلت کی نیند سوئے رہیں؛ تو واقعۃً ہمارے لیے یہ بڑے افسوس اور عبرت کی چیز ہے۔

بہر حال! یہ جو راتیں برکت والی بتلائی گئی ہیں، ان کے اندر آدمی عبادت کا اہتمام کرے، اس رات کے اندر یہ ہوتا ہے کہ یہ کیفیت شروع رات سے ہو جاتی ہے تو آدمی شروع سے ہی اس کا اہتمام کرلے تو یہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

## پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے فضائلِ رمضان میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی پانچ راتوں میں عبادت کا اہتمام کرلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے جنت کو واجب کر دیتے ہیں۔ ان پانچ راتوں میں آٹھویں ذی الحجہ کی رات، نوویں ذی الحجہ کی رات،

دسویں ذی الحجہ کی رات، عیدالفطر کی رات اور شبِ براءت کی رات؛ یہ پانچ راتیں اس روایت میں بتلائی گئی ہیں۔

## پانچ بابرکت راتوں کے بارے میں ایک اور روایت

ویسے فقہاء نے بھی احیاءِ لیالی کے بارے میں لکھا ہے کہ بابرکت راتوں کو عبادت کے ذریعہ سے آدمی وصول کرے اور بیدار رہ کر اس کا اہتمام کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے "ماثبت بالسنة" میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے، جس میں عیدین کی رات یعنی دسویں ذی الحجہ کی رات جو بقرعید کہلاتی ہے اور رمضان عید کی رات اور پہلی رجب کی رات اور شبِ براءت اور جمعہ کی رات بتلائی ہے۔ گویا یہ پانچ اور جمعہ کی رات تو ہم کو ہر ہفتہ نصیب ہو جائے گی تو یہ پانچ راتیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی جاتی ہیں (۱) اور ویسے بھی فقہاء نے جن مبارک راتوں میں عبادت کا اہتمام کرنے کو مستحب لکھا ہے، ان میں پندرہویں شعبان کا تذکرہ موجود ہے۔

## ان راتوں میں کوئی مخصوص عبادت ثابت نہیں ہے

بہر حال! اس سلسلے میں یہ ثابت ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے، باقی یہ کہ اس رات میں کوئی مخصوص عبادت ہے؟ ایسا کسی حدیث میں یا فقہ اور مسائل کی کسی کتاب میں

---

(۱) متعدد کتبِ احادیث میں ان راتوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے: امام بیہقی نے السنن الکبری اور شعب الایمان میں حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور امام عبدالرزاقؒ نے مصنف میں اور علامہ مناویؒ نے فیض القدیر میں حضرت ابنِ عمرؓ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

موجودنہیں ہے کہ فلاں قسم کی عبادت کا اہتمام کیا جائے، جیسے شبِ قدر کے سلسلے میں بھی ہے کہ شبِ قدر رمضان المبارک میں آتی ہے، رمضان المبارک کی راتیں جو ہوتی ہیں، ان میں ہر رات کی عبادت تراویح وغیرہ تو اپنی جگہ پر ہے لیکن شبِ قدر میں کسی مخصوص عبادت کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثبوت ہو؛ ایسا کسی روایت میں نہیں ہے، حالاں کہ شبِ قدر کے سلسلے میں روایتیں بہت قوی درجے کی ہیں اور اس کی بہت تاکیدیں آئی ہیں، اس کے باوجود عبادت کا کوئی مخصوص طریقہ نہ کسی حدیث میں موجود ہے اور نہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ اسی انداز اور طریقے سے آدمی عبادت کا اہتمام کرے۔

بلکہ شامی جس کو سامنے رکھ کر عام طور پر مفتی حضرات فتویٰ دیتے ہیں اور اسی طریقے سے منیة المصلی اور اس کی شرح اور فقہ کی دوسری کتابوں میں صلوٰۃ الرغائب کے عدمِ ثبوت کے متعلق خاص لکھا ہے کہ بعض بڑی راتوں میں بعض لوگ بعض نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں کہ اتنی رکعتیں پڑھی جائیں اور اس میں سورۂ فاتحہ کے بعد فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے، فلاں رکعت میں فلاں چیز اتنی مرتبہ پڑھی جائے؛ وہ کسی بھی روایت سے کہیں بھی ثابت نہیں ہے، فقہ اور مسائل کی کتابوں میں یہ بات صراحۃً موجود ہے، شامی میں بھی ہے، کبیری میں بھی ہے اور کسی حدیث سے کسی نماز کا کوئی مخصوص طریقہ ان راتوں میں پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ آدمی عبادت کا اہتمام کرے۔

## مختلف عبادتیں کرے

عبادت کے مختلف طریقے اور مختلف انداز ہیں کہ آدمی اپنے طور پر نفلوں کا اہتمام

کرے، یا قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کرے، تسبیحات، درود شریف اور دعا کا اہتمام کرے۔ چناں چہ خود شبِ قدر کے سلسلے میں علماء نے لکھا ہے کہ کوئی خاص عبادت اس پوری رات میں مخصوص کرنے کے بجائے اس میں مختلف عبادتیں انجام دے، اس کی وجہ سے طبیعت کا نشاط بھی باقی رہتا ہے کہ آدمی کی طبیعت اور مزاج ایسا بنا ہوا ہے کہ ایک ہی چیز دیر تک کرتا رہتا ہے تو اس کے نتیجے میں طبیعت کے اندر ملال اور اُکتاہٹ بھی پیدا ہوتی ہے، اگر وہ مختلف اعمال کرتا رہے گا تو طبیعت کا جو نشاط عبادت میں مطلوب ہے، وہ موجود رہے گا، یعنی آدمی عبادت طبیعت کی رغبت کے ساتھ کرے، ایسا نہیں کہ طبیعت اُکتا رہی ہے اس کے باوجود آپ لگے ہوئے ہیں۔

## عبادات نشاط کے ساتھ ہونی چاہئیں

بلکہ حدیثِ پاک میں تو آتا ہے کہ آدمی اگر رات کو نماز پڑھ رہا ہے یا دعا کر رہا ہے اور نیند آرہی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی حالت میں ایسی چیز مانگ لو جو نہیں مانگنے کی تھی، اُلٹا نیند کی حالت میں آدمی کی زبان سے کیا سے کیا نکل جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت پر قربان کہ آپ کی رحمت دیکھئے کہ اس حالت میں فرمادیا کہ بھائی! سو جاؤ اور پھر سو کر اُٹھ کر پھر دوبارہ جب طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے پھر عبادت میں مشغول ہو جاؤ[1]۔

---

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا زَوْجِ النَّبِيِّ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- أَنَّ النَّبِيَّ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهُ (سنن أبي داود، باب النُّعَاسِ فِي الصَّلاَةِ.)

بہر حال !اس طرح جبر کر کے جس کے اندر آدمی کو نیند آرہی ہے، جھونکے کھا رہا ہے، زبان سے کیا سے کیا نکل رہا ہے، کتنی رکعتیں پڑھی، وہ بھی بھول گیا، کیا مانگ رہا ہے، وہ بھی معلوم نہیں، ایسی عبادت مطلوب نہیں ہے۔ آدمی نشاط سے، طبیعت کی رغبت کے ساتھ عبادت کرے۔

## دورانِ عبادت سستی پیدا ہونے کی وجہ اور اس کا علاج

اور دیکھو! آدمی آپے سے باہر کیوں ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا! جہاں کچھ عبادت میں لگے کہ جھونکے آنے لگتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ روزانہ کی عادت نہیں ہے، روزانہ کی عادت ہو تو ایسا نہیں ہوتا، آدمی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس کا عادی بنائے۔ یہ کیا کہ سال میں ایک آدھ رات آئی تب تو آکر حاضری دے دی، اور راتوں میں اس کا اہتمام نہیں۔ طبیعت میں جو اکتاہٹ سی پیدا ہوتی ہے، جھونکے آتے ہیں، نیند آتی ہے، بعض مرتبہ کہتے ہیں: مولوی صاحب! کیا کریں، نیند آجاتی ہے۔ نفس کو اللہ کے سامنے عبادت کرنے کی عادت ڈلوانا چاہیے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مجاہدات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ شریفہ تو یہ تھی کہ ہر رات آپ اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اور دوسرے صحابہ کی طرف سے عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول! باری تعالیٰ کی طرف سے آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دئے گئے اور اس کے باوجود آپ اتنی

ساری عبادت کا اہتمام کرتے ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا: میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں (۱)؟ اللہ نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی شکرگزاری کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں رات بھر عبادت کروں؛ اس لیے آدمی عام راتوں میں بھی عادت ڈالے گا تو ان راتوں میں بھی نشاط کے ساتھ، طبیعت کی چستی کے ساتھ، رغبت کے ساتھ کام کر سکے گا۔

## کتبِ فقہ میں ان راتوں میں مخصوص عبادتوں کی صریح نفی ہے

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا عبادت کا کوئی مخصوص طریقہ کسی حدیث میں یا فقہ کی کسی کتاب میں نہیں آیا ہے اور کسی بھی فقہ کی کتاب کو لے لیجیے، مسائل کی کتابیں ہیں، جیسے فقہِ حنفی کی کتابیں ہیں جن سے مسئلے لیے جاتے ہیں، آپ ان کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے، کسی میں بھی کسی مخصوص عبادت کا ذکر نہیں ملے گا بلکہ ایسی مخصوص نمازوں کا تذکرہ کرکے ان کے متعلق صاف لکھا ہے کہ ثابت نہیں ہے۔

## صلوٰۃ التسبیح خاص اس رات کا عمل نہیں

اور صلوٰۃ التسبیح کے متعلق بھی ایک بات یاد رہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت اپنی جگہ پر آئی ہے لیکن یہ کہ یہ شبِ برأت یا شبِ قدر میں پڑھنے کی ہے، ایسا نہیں، وہ تو اس لیے بتلاتے ہیں کہ ایک آدمی رات بھر جاگنا چاہتا ہے، عبادت کرنا چاہتا ہے، ایک

(۱) صحیح البخاری، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، باب قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ.

حافظ قرآن ہے، وہ تو اب لمبی لمبی تلاوت ہی کرے گا۔ اب یہ کہتا ہے مولوی صاحب ہم کو تو چھوٹی چھوٹی چار سورتیں، دس سورتیں یاد ہیں۔ نماز بھی پڑھیں تو کتنی پڑھیں۔ اب دس رکعتیں پڑھی، پندرہ رکعتیں پڑھی، سولہ رکعتیں پڑھی اور اس کے بعد رکعت لمبی کرنے کو جی چاہتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا؟ ایسا بعض لوگ کہتے ہیں۔

## صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت

اب صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت اپنی جگہ پر ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نماز بتلائی کہ اس نماز کو اگر آپ روزانہ پڑھ سکیں تو ٹھیک ہے، نہیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ، نہیں تو سال میں ایک مرتبہ ضرور پڑھیں۔ ایسے مواقع پر کوئی آدمی اس کا اہتمام کرے تو گنجائش ہے (۱)۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں میں غلط فہمی دور کرنے کے لیے عرض کرتا ہوں کہ صرف اس رات میں یہ پڑھی جائے، ایسا کسی روایت میں نہیں ہے، ہاں آدمی اپنے طور پر پڑھنا چاہے تو پڑھے۔ باقی یہ کہ اس رات میں ہی اس کو پڑھنا چاہیے ایسا نہیں، یہ تو چوں کہ اس رات میں آدمی مختلف عبادتیں کرتا ہے، ایک بڑا وقت ملا ہوا ہے، اس بڑے وقت میں کیا کیا کروں؟ اس کے لیے یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح آدمی پڑھ لے لیکن یہ اس طرح کہ شبِ برأت میں ہی صلوٰۃ التسبیح پڑھنی چاہیے، ایسی صراحت کہیں موجود نہیں

(۱) سنن أبي داود، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما، باب صَلاَةِ التَّسْبِيحِ.

ہے، آپ روزانہ ہر رات میں پڑھ سکتے ہیں اور شبِ برأت میں بھی لیکن یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ شبِ برأت کا عمل ہے۔

بہرحال! برکت والی ایک چیز ہے اور اس نماز کی اپنی جگہ پر ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ویسے بھی ہمیں پڑھنی چاہیے، موقع نہیں ملا، آج اللہ نے موقع دیا تھا تو اس کو پڑھیں۔ تو بہرحال! صلوٰۃ التسبیح بھی جو پڑھی جاتی ہے تو یہ سمجھ کر نہیں کہ اس رات کا کوئی خصوصی عمل ہے جو حدیث میں آیا ہے، ایسا نہیں ہے۔ یہ یاد رہے وہ تو آپ ہر رات میں پڑھ سکتے ہیں، ہر دن میں پڑھ سکتے ہیں۔ وقتِ مکروہ کے علاوہ جب چاہے پڑھ سکتے ہیں۔

## کام کرنے والوں کے لیے وقت گزاری کوئی مسئلہ نہیں ہے

روزانہ عبادت کی عادت ہونی چاہیے، جس کے روزانہ کے اپنے معمولات ہوتے ہیں، اس کو فرصت ہی ملتی نہیں ہے، یہ بھی میں اس لیے عرض کرتا ہوں کہ روزانہ کی عادت ڈالیے تو آپ کو بھی سمجھ میں آئے کہ ایسی رات کے موقع پر ہمیں کیا کیا کرنا چاہیے؟ کیا دعائیں مانگنی چاہیے؟ کتنی تلاوت کرنی چاہیے؟ کون سی تسبیحات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جو روزانہ کے کرنے والے ہیں، ان سے پوچھو! ان کو تو یہ رات جو ہے، وہ بھی مختصر پڑتی ہے، اتنے سارے اعمال ہیں۔ کیا کیا کروں؟ کیا کیا نہ کروں؟ اب وہ جو نہیں کرتا، اس کو بہت لمبی معلوم ہوتی ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کیا کروں کہ میری رات پوری ہو جاوے اور وقت پورا ہو۔

## آج تو پڑھ لیجئے!

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اس رات کا کوئی خصوصی عمل کسی حدیث میں نہیں آیا۔ ہاں یہ دعا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نقل کرتی ہیں (اللهمّ اعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبتكَ، وَاعُوذُ بِكَ مِنْكَ لا احْصِي ثَنَاءً عَلَيكَ، انْتَ كَمَا اثْنَيْتَ عَلَى نَفسِكَ)، اس دعا کا آپ اہتمام کر سکتے ہیں، باقی اور عبادت کوئی مخصوص نہیں۔ تہجد بڑی اہم نماز ہے جو ہر رات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے تھے، آج اللہ نے موقع دیا ہے، روزانہ نہیں پڑھتے تو آج تو پڑھ لیجیے۔ جیسے کہ عشاء اور مغرب کی نماز روزانہ تو نہیں پڑھتے، آج تو پڑھ لیجئے۔

## نوافل کب قبول ہوں گی؟

ویسے ایک بات یاد رہے، دیکھو! نوافل جتنے بھی ہیں، ان نوافل کی قبولیت کے لیے شرط ہے کہ آدمی فرائض کا اہتمام کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں فرض کی جاتی ہیں ان فرائض کا اہتمام کوئی نہ کرتا ہو اور اس کے بغیر نوافل کا اہتمام کرے تو نوافل قبول نہیں ہوتے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی آدمی کو آپ نے اپنے یہاں کسی ڈیوٹی پر مقرر کیا ہے کہ بھائی! تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ اتنے بجے سے لے کر اتنے بجے تک فلاں کام کرو۔ اب وہ ڈیوٹی والا کام کرنے کے ساتھ ساتھ پھر دوسرے اوقات میں آپ کو چائے بھی بنا کر دیتا ہے، آپ سو جاتے ہیں تو پاؤں بھی دبا دیتا ہے، آپ کو پانی پینے کی ضرورت ہے تو آپ کو پانی بھی لا کر دیتا ہے، دوسرے کام بھی کرتا ہے تو آپ زیادہ خوش

ہو جائیں گے لیکن وہ اگر ڈیوٹی والا کام تو پورا کرتا نہیں اور چائے بنا کر لا کر دے تو آپ کیا کہیں گے؟ تجھے جو ڈیوٹی سونپی گئی ہے، وہ تو کرتا نہیں، مجھے چائے بنا کر لا کر دیتا ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نوافل جو ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی وقت قبولیت کا درجہ حاصل کرتے ہیں، جب آدمی فرائض کا اہتمام کرے۔ فرض کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کو چھوڑنے کی وجہ سے آدمی گنہگار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں پوچھ ہوگی۔ نوافل کے اندر تو یہ ہے کہ اگر کرے گا تو ثواب، نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ نہیں۔ اسی لیے جو ہمارے احباب یہاں آئے ہیں، ان سے خاص طور پر درخواست ہے کہ آپ اس مبارک رات میں آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق مانگ کر جائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرما کہ تیرے فرائض کو میں اہتمام کے ساتھ ادا کرنے والا بن جاؤں۔ تو آدمی کی نفل عبادت بھی اس کی برکت سے قبول ہو جائے گی۔

## مسنون دعائیں اور ان کی اہمیت

میں عرض کر رہا تھا کہ اس رات کے اندر مختلف اعمال کرے، آدمی قرآنِ پاک کی تلاوت بھی کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو دعائیں ثابت ہیں، وہ مانگے۔ ایک صاحب نے حزب الاعظم کے متعلق پوچھا ہے تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری دعائیں جمع کر دی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانگا کرتے تھے۔ ویسے ہم اپنے الفاظ میں کوئی دعا مانگیں، اس کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سکھلائے ہوئے الفاظ سے دعا مانگیں، یہ بہتر ہے؛ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول الفاظ ہیں۔

ہمیں گورنمنٹ کے کسی شعبے میں عرضی دینی ہو، گورنمنٹ نے اس کے لیے فارم بھی نکالا ہو تو اس فارم کو پُر کر کے ہی عرضی دیں گے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ بھائی! ان الفاظ میں آپ پیش کریں گے تو بات قبول کی جائے گی۔ تو یہاں اگرچہ ایسی کوئی شرط تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے لیکن یہ ہے کہ کوئی حاجت ہماری ایسی نہیں جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگ کر بتلایا نہ ہو، یہ تو ہماری کوتاہی کی بات ہے کہ ہم ان دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے، اتنی کثرت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں بتلائیں۔

## ادعیۂ ماثورہ تعلیماتِ نبوی کا خلاصہ ہیں

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنّت کا خلاصہ جو ہے، وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعائیں ہیں کہ آدمی دعاؤں کا اہتمام کر لے تو بہت ساری دنیا کی مصیبتوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ آج لوگ ان مصائب سے بچنے کے لیے معلوم نہیں کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں تو بہرحال! عام دعائیں بھی ہیں، ان تمام دعاؤں کا آدمی اہتمام کر لے تو بہت بڑی بات ہے۔

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی کوئی حاجت ایسی نہیں چھوڑی جس کے مانگنے کا طریقہ اپنی اُمّت کو بتلایا نہ ہو تو آپ دیکھئے! یہ جو

الحزب الاعظم ہے، اس کا گجراتی ترجمہ بھی راندیر اشرفیہ سے شائع ہوا ہے اور دوسری جگہوں سے بھی۔ اُن گجراتی دعاؤں کو آپ پڑھیے، اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا ترجمہ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے جامع الفاظ کے اندر اور ایسے عجیب و غریب انداز سے دعائیں مانگی ہیں کہ آدمی تصور نہیں کرسکتا، ایسا کہ آدمی کا جی یوں ہوجاوے کہ اس کے اوپر قربان ہوجاویں تو ہم اپنی حاجتیں ان جامع دعاؤں کے ذریعہ مانگیں اور ایسے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان چیزوں کو حاصل کرلیں۔

## اِس رات میں عبادت کی پیشگی تیاریاں کریں

اور دیکھیے! جب آدمی عبادت کے لیے آ ہی رہا ہے تو اس کو پورے طور پر وصول کرنے کی تیاری کرلے۔ آپ پِکنک (picnic) کے لیے جاتے ہیں تو پِکنک میں مزہ آجائے، اس کے لیے ساری تیاریاں پہلے سے کرلیتے ہیں کہ پہلے سے ''گھاری'' خریدلو اور بھوسہ بھی خریدلو، سمو سے بنوالو اور یوں بھی کرو کہ فلاں جگہ جائیں گے، تب مزہ آئے گا، اس کے بغیر نہیں آئے گا۔ یہاں عبادت کے لیے آئے ہیں تو عبادت کا بھی اہتمام پہلے سے ہوجاوے۔

## سنت سے ثابت امور قبولیت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو دعائیں، ہیں وہ حاصل کرلی جائیں۔ یہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ چیزیں ہیں، ان کو حاصل کرنے کا اہتمام کیجیے۔ اب ایسے موقع پر جو چیزیں ثابت نہیں ہیں، وہ پھیلائی جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک عجیب چیز ہے کہ جو چیزیں

خاص صحیح حدیثوں سے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوتی ہیں، ان کی طرف اتنی دعوت دی نہیں جاتی، دوسری چیزوں کی دعوت دی جاتی ہے۔ حالاں کہ اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینی چاہیے، وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

## اس رات کو مختلف ذرائعِ عبادت سے وصول کریں

بہرحال! اس رات کے وصول کرنے کا اہتمام ہو۔ آدمی اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ رہے اور اس کو وصول کرنے کا اہتمام کرے۔ مختلف طریقوں سے: نفل نماز کے ذریعہ بھی، تلاوت کے ذریعہ بھی، تسبیحات کے ذریعہ بھی، درود شریف کے ذریعہ سے بھی اور دعاؤں کے ذریعہ بھی۔ عبادتوں کے مختلف طریقے ہیں اور نفل نمازوں میں جیسا کہ میں نے بتلایا تھا۔ خاص طور پر کوئی نماز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلے میں منقول نہیں ہے، آپ اپنے طور پر نمازوں کا اہتمام کریں۔

## اجتماعی عبادت نہ ہو

اور ایک بات یاد رہے کہ علماء نے لکھا ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں یہ چیز موجود ہے کہ ان راتوں میں جو عبادتوں کا اہتمام کریں، وہ اجتماعی طور پر نہ ہو بلکہ انفرادی اور اپنے اپنے طور پر ہو۔ دیکھو! فرض نمازوں کے متعلق تو ہمیں حکم دیا گیا کہ فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کریں۔

## پنج وقتہ نمازوں کو با جماعت ادا کرنے کی شرعی تاکید

اس کو دین کا شعار، دین کی علامت اور نشانی قرار دیا؛ اس لیے کوئی آدمی ان پانچ

وقتوں کی فرض نمازیں اپنے گھر پر ادا کرنا چاہے اور یوں چاہے کہ میں مسجد نہیں جاتا یا جماعت کے ساتھ نہیں، اپنے طور پر پڑھوں گا، اس کی شریعت اجازت دیتی نہیں ہے، جماعت کو سنتِ مؤکدہ بلکہ واجب تک کا درجہ دیا گیا ہے۔ کوئی آدمی جماعت چھوڑنے کا عادی ہو جائے تو اس کو فاسق کہا ہے، اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ یہ تو عام دربار ہے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں جو ہیں، ان کو تو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بعض منافقین عشاء کی نماز میں مسجد میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) کہ میرے جی میں آتا ہے کہ میں اذان دلوا کر کے جماعت کھڑی کراؤں اور کسی کو جماعت کے لیے کہوں اور پھر نکلوں اور جو لوگ اپنے گھروں میں ہیں اور جماعت میں حاضری نہیں دیتے، ان کے گھروں پر آگ لگا دوں۔ اگر عورتوں اور بچّوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ایسا کرتا کہ عورتوں اور بچوں پر حاضری نہیں ہے۔ بچے تو ویسے بھی شریعت کے احکام کے مکلف نہیں ہیں (۱)۔

## نوافل کی جگہ گھر ہے

نوافل کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے لیے بہترین جگہ اس کا گھر ہے (۲)۔ یہ جو زائد ثواب بھی ملتا ہے، فرض نمازوں میں ملتا ہے، حرم کے اندر بھی

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب وُجُوبِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ.

(۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِت رضی اللہ تعالیٰ عنه، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً - قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مِنْ حَصِيرٍ - فِي رَمَضَانَ، فَصَلَّى فِيهَا لَيَالِيَ، فَصَلَّى بِصَلاَتِهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا =

جو ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے، یہ فرض کے متعلق ہے۔ مسجد کے اندر بھی جو زیادہ ثواب ملتا ہے یا جماعت کے اندر جو ثواب ملتا ہے وہ فرائض کے اندر ہے۔ نوافل تو چند ہی ہیں جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، رمضان میں تراویح یا وتر کی نماز، یا اسی طریقہ سے بارش نہ آتی ہو تو بارش طلب کرنے کے لیے ایک نماز پڑھی جاتی ہے استسقاء کی نماز، وہ جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی، یا سورج گرہن کی نماز، یہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی ہے یا عیدین کی نمازیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے والی شریعت میں نہیں آئی، وہ اپنے طور پر گھروں میں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے اور اسی کو افضل قرار دیا ہے۔

## قبلیہ و بعدیہ سنن کو مسجد میں ادا کرنے کی اجازت کی وجہ

البتہ یہ ہماری جو فرض نمازوں کے آگے پیچھے کی سننِ مؤکدہ ہیں، اس میں بھی بہتر اور افضل تو یہی ہے کہ آدمی ان کو اپنے گھر پر ادا کرے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ آج کل مشغولیت کی وجہ سے آدمی سیدھا دکان سے یہاں آتا ہے اور یہاں سے سیدھا دکان پر چلا جاتا ہے، اب وہ وہاں تو سنتیں ادا کرے گا نہیں، یقینا چھوٹ جائیں گی؛ اس لیے مسجد میں ادا کر لے، ورنہ عام طور پر نوافل جو ہیں، وہ گھروں میں ادا کرنا پسندیدہ ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ نوافل میں یہ چیز پسند کی گئی ہے کہ آدمی تنہائی میں، گھر میں،

---

= عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: قَدْ عَرَفْتُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ، فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ (صحيح البخاری، باب صلاة الليل)

اکیلا ادا کرے۔

## اکیلے بیٹھے رہتے، یادان کی دل نشیں ہوتی

تو اب جو لوگ اجتماعی شکل میں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو ایسا ہی ہوا کہ آپ کو حاکم کی طرف سے یوں کہا جائے کہ رات کو دس بجے ہم کو الگ ملنا، اس موقع پر کوئی نہ ہو۔ اب اُس نے آپ کو رات دس بجے ملنے کا وقت دیا اور آپ جو ہیں پورا ایک مجمع لے کر کے وہاں ملاقات کے لیے جا رہے ہیں تو اچھی بات سمجھی جائے گی؟ یہ تو گویا ناقدری ہوگی بلکہ ایسے موقع پر تو آدمی متلاشی ہوتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مجھ اکیلے کو موقع دیا جائے؛ تاکہ تنہائی میں ان کے سامنے اپنی باتیں اپنی درخواستیں، ضرورتیں پیش کروں، کوئی دوسرا سننے والا نہ ہو۔ میں ہوں اور وہ ہو بس، اور کوئی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ موقع دیا گیا اور بتلایا گیا کہ آپ تنہائی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مناجات کریں۔

## اس رات کو عبادات کے ساتھ گھر میں گذارنے کے فوائد

ویسے بھی گھروں میں آپ آ کر اہتمام کریں تو آپ کی وجہ سے گھر کی عورتیں بچے وغیرہ بھی مشغول ہوں گے۔ ویسے بھی عام طور پر ہم گھر میں زیادہ رہتے ہیں؛ اس لیے ہم سے گناہ کے کام بھی گھر میں بہت سے ہو جاتے ہیں تو حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ کسی جگہ پر آدمی سے کوئی گناہ کا کام ہوا ہو تو وہاں پر کوئی نیکی کا کام کرلے تاکہ کل وہ جگہ جہاں اللہ کے یہاں ہمارے گناہوں کو بتلائے گی، ہم نے جو نیک کام کیے ہیں، ان کی

بھی گواہی دے۔ گھر کا ہر کمرہ ایسا ہو کہ کسی کمرے میں آپ عبادت میں مشغول ہیں، کسی کمرے میں آپ کی بیوی ہے، کسی کمرے میں آپ کا بیٹا ہے، کسی کمرے میں آپ کی بیٹی ہے، سب مشغول ہیں عبادت کے اندر اور اللہ کے سامنے گڑگڑانے کی، رونے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ایسی مبارک رات میں تو اس سے اچھا موقع اور کیا ہو سکتا ہے۔

## مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

تو بہر حال! بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں سب کے ساتھ ہوتے ہیں تو ذرا جاگا جاتا ہے، ورنہ نیند آجاتی ہے تو بھائی! دیکھو، جو طریقہ بتلایا گیا ہے، اس طریقے کی پیروی کریں۔ آدمی اپنی رائے پر اور اپنی خواہش پر عمل نہ کرے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہے؟ شریعت کیا چاہتی ہے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کیا بتلایا ہے؟ بھائی! ہمیں تو وفاء پیش کرنا ہے، وہاں سے ہمیں جو کہا گیا، اس طرح کا ہونا چاہیے۔

## اللہ اور رسول کی رضا ہمارے پیشِ نظر رہے

آپ کو کوئی آرڈر کیا جائے کہ اس قسم کا مال چاہیے، اب جو آرڈر دیا گیا ہے، اس کے خلاف جو دوسرا مال آپ کی نگاہوں میں زیادہ قیمتی ہے، زیادہ پیسہ خرچ کر کے آپ نے تیار کیا ہوا ہے تو جس نے آرڈر دیا ہے، وہ کہے گا کہ یہ واپس لے جاؤ۔ آپ کہیں گے بھائی! تو نے جو آرڈر دیا ہوا ہے، وہ تو دس روپئے میں تیار ہوتا ہے، یہ تو میں نے سو روپئے خرچ کر کے تیار کیا ہے، تو وہ کہے گا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جیسا بتلایا گیا ہے، جیسا مانگا گیا، ویسا عمل پیش کرنا ہے، ہم اپنی

مرضی سے اپنی طرف سے طے کریں کہ یوں ہونا چاہیے، توں ہونا چاہیے۔ اس چیز کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ہمیں شریعت میں اپنی رائے کو، اپنی خواہش کو، اپنی پسند کو دخل دینے کا حق دیا نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا چاہتے ہیں، وہ ہمیں تو دیکھنا ہے۔

## خلافِ پیمبر کسے رہ گزید

ایک مرتبہ ایک آدمی عید کے روز عیدگاہ کے اندر نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بھائی! تو نماز پڑھ رہا ہے؟ تو اُس نے یوں کہا: اس نماز پر اللہ تبارک وتعالیٰ عذاب تو نہیں دے گا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھائی! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عید کے روز عیدگاہ کے اندر عید کی نماز سے پہلے نماز ثابت نہیں ہے، اس پر تجھے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

تو بہر حال! ان چیزوں کا اہتمام ہماری نگاہوں میں ہونا چاہئے، جیسے کہ نماز اپنی جگہ پر بہت اہم چیز ہے لیکن دیکھو شریعت نے ایسے اوقات بھی رکھے ہیں، جن میں یہ منع ہے۔ حدیثِ پاک میں بھی آتا ہے: سورج طلوع ہو رہا ہو، سورج سر پر ہو، سورج غروب ہو رہا ہو، اُس وقت شریعت نے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ گویا ہمیں ایک اصول کا پابند بنایا گیا کہ جو چیز جس وقت ہم کہیں، وہ عبادت ہے، جس وقت نہ کہیں، وہ عبادت نہیں ہے۔ کوئی آدمی سورج نکل رہا ہو اُس وقت نماز پڑھے گا تو وہ نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہے، اُس پر ثواب نہیں ملے گا، بلکہ گناہ ہے، مکروہ لکھا ہے تو بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کا جو طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے

ثابت ہو اس طریقے کے مطابق عبادت کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے۔ اپنی مرضی، اپنی رائے، اپنی پسند، اپنی چاہت کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

## راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل نہیں

اس لیے ان نوافل میں بھی اہتمام اس کا ہو، آدمی اس کی کوشش کرے یا اپنے طور پر اپنے گھروں میں اس کا اہتمام کرے، جتنا اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ پھر بعد میں نیند آئی تو سو گئے۔ پھر اُٹھے، اُٹھنے کا پھر اہتمام کیجیے اور کسی سے دوبارہ نہیں اُٹھا جاتا تو حدیثِ پاک میں یہاں تک آیا ہے کہ کوئی آدمی عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اور پھر فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کرے تو رات بھر جاگنے کا اور عبادت کا ثواب اس کو مل جاتا ہے (۱)، اتنی آسانی کر دی ہمارے لیے۔

## جاگنے کا مطلب کیا ہے؟

باقی یہ بات بھی یاد رہے کہ جاگنے کا مطلب کیا ہے؟ جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ جاگ کر آدمی اپنے اوقات کو اللہ کو راضی کرنے میں مشغول کرے: نوافل کے اندر اور تلاوت میں، ذکر میں، تسبیحات میں، درود میں، دعاء میں۔ یہ نہیں کہ صرف اس رات میں جاگنا مطلوب ہے۔

بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ آج تو جاگنے کی رات ہے۔ باہر جا کر کے وہاں لاریاں ہیں، وہاں کھانا پکایا جا رہا ہے، ناشتے ہو رہے ہیں، آئس کریم کھائی جا رہی ہے اور بیٹھے

(۱) صحیح مسلم، عن عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب فَضْلِ صَلاَةِ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ فِى جَمَاعَةٍ.

ہیں، گپ شپ ہو رہی ہے، آوازیں کسی جا رہی ہیں۔ یہ تو بہت خطرناک چیز ہے، بہت خطرناک چیز ہے! حرم کے اندر جیسے ایک نیکی آدمی کرے، اس کا ثواب لاکھ گنا ملتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی گناہ کرے گا تو؟ ایک آدمی باہر گالی بولے، اور ایک یہ کہ مسجد کے اندر منبر کے پاس بولے تو آپ سمجھ سکتے ہیں گناہ تو دونوں جگہ ہے، وہاں بھی ہے، یہاں بھی ہے۔ لیکن یہاں اور زیادہ خطرناک! تو بھائی اس طرح اپنے اوقات کو ضائع کرنا اور اس طرح گپ شپ میں یا برائیوں میں مشغول ہونا ویسے تو اور راتوں میں بھی بُرا ہے لیکن ایسی بڑی برکت والی راتیں ہوں تو اور بھی برا ہے۔

## گناہ تو پھر گناہ ٹھہرا، عبادتیں بھی ہیں مجرمانہ

پھر یہ کہ غلط فہمی کیا ہے، انداز دیکھئے کہ ایک تو گناہ ہو، غلط ہو رہا ہو پھر سوچ رہے ہیں کہ ہم رات کو وصول کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر! یہ وصول کرنا ہوا یا پھر اپنے آپ کو اور مصیبت میں ڈالنا ہوا؟ ایسے لوگوں کو تو یوں چاہیے کہ جلدی سے گھروں میں جا کر دروازہ بند کر کے جو پڑھ سکتے ہیں پڑھیں ورنہ سو جاویں۔ کم سے کم ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کریں، اتنا تو کر سکتے ہیں کہ نیکی نہیں ہو سکتی تو گناہوں سے اپنے آپ کو بچا لیا جائے۔ ایسی رات اور ہم سے گناہ ہو جائے، یہ تو بڑی خطرناک بات ہوگی۔ اس لیے اس کا خاص اہتمام کریں۔

## بیٹا تو بھی سویا رہتا، یہ اچھا تھا بہ نسبت اس کے......

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بچپن میں مجھے عادت تھی کہ والد صاحب

رات کو اُٹھ جاتے تھے تو انہوں نے مجھے بھی شب خیزی کی یعنی آخری رات میں اُٹھنے کی عادت ڈالی تھی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اُٹھے، عبادت میں مشغول ہوئے، کچھ لوگ سوئے ہوئے تھے، حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں بچّے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے والد صاحب سے کہا: یہ لوگ تو ایسے پڑے ہوئے ہیں، ایسے خراٹے لے رہے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُردے ہوں تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب نے کہا بیٹا تو بھی سو یا رہتا، یہ اچھا تھا بہ نسبت اس کے کہ ان کی بُرائی میں مبتلا ہوا۔

## عبادت پر غرور نہ ہو

پھر یہ کہ اللہ نے اگر عبادت کی، دو چار رکعت پڑھنے کی توفیق دے دی، تسبیحات کی، دعاء کی توفیق دے دی تو اس پر غرور بھی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی شریعت کی ایک خاص تعلیم ہے؛ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ تمام عبادتوں کے آخر میں عام طور پر استغفار رکھا گیا ہے۔ نماز میں بھی سلام کے بعد استغفار ہے استغفر اللہ۔

## عبادت کے بعد بھی استغفار کی تعلیم

چناں چہ احادیث میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ختم ہونے کو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین استغفار کے کلمات سے سمجھتے تھے کہ آپ کی نماز پوری ہوئی [۱]۔ روزے کے اندر یا واسع المغفرۃ کی تعلیم ہے کہ اے وسیع مغفرت کرنے والے میرے گناہوں کو معاف فرما [۲]۔ تو بہر حال! تمام عبادتوں میں عام طور پر آخر میں استغفار

(۱) صحیح مسلم، عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلاَةِ وَبَيَانِ صِفَتِهِ. =

رکھا گیا؛ تاکہ آدمی کو عبادت کر کے غرور پیدا نہ ہو، فخر نہ ہو؛ یہ غرور پیدا نہ ہو کہ میں نے کچھ کیا ہے، بلکہ ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے کہ معلوم نہیں ہمارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتا بھی ہے کہ نہیں۔ ہمارے اکابر اور اسلاف جن کی زندگیاں اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں گذریں، جو رات رات بھر اللہ کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ رات جب ختم ہونے کا وقت آتا تو روتے تھے۔ وقلوبھم وجلة کہ ان کے دل ڈرے اور سہمے رہتے تھے کہ پتہ نہیں یہ ہم نے اللہ کی جو عبادت کی ہے اللہ کے یہاں قبول بھی ہوتی ہے کہ نہیں؟

## نفلی عبادت نہ کرنے والوں کی تحقیر دل میں نہ ہو

تو بہر حال آدمی کو اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کی توفیق مل جائے تو اس پر غرّہ نہ ہو۔ پھر غرہ نہ ہونے کے ساتھ یہ بھی نہ سوچے کہ دوسرا آدمی مشغول نہیں ہوا۔ بعضوں کو خیال آتا ہے، بعض لوگ بولتے بھی ہیں کہ ایسی برکت والی رات میں آ کے سو گیا تو صبح تک اُٹھا ہی نہیں، عشاء پڑھی، فجر پڑھی، اللہ کا بندہ دو رکعت پڑھ لیتا۔ ایسی بات بولتے ہیں۔ ارے بھائی! وہی بات ہوگئی کہ آپ نے گویا اُس پر تنقید کر دی۔ یہ جو کچھ کرتا تو نفل ہوتا، فرض تو وہ پڑھ کر سویا ہے، عشاء تو اس نے پڑھی ہے، آپ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ عشاء پڑھ کر سویا ہے، ایسا پڑ کر سویا کہ بس فجر کے لیے اُٹھا، ابھی دو رکعت بھی پڑھنے کی اس کو توفیق نہیں ہوئی تو یہ فرض تو ادا کر ہی چکا ہے۔ جو کچھ بھی ہے وہ

=(۲) شعب الإيمان، عن ابنِ عُمَرَ، فَصْلٌ، مَا يُفْطِرُ الصَّائِمُ عَلَيْهِ، وَمَا يَقُولُ عِنْدَ فِطْرِهِ.

نفل کا معاملہ ہے۔اب آپ اس پر تنقید کیوں کرتے ہیں اور اپنا عمل کاہے کو ضائع کرتے ہیں۔ بھائی! یہ تو نفل تھا، آپ نے کیا، آپ کو ثواب ملے گا، نہیں کیا تو ثواب سے محروم رہے لیکن آپ اس کی برائی کر کے غیبت کر کے اپنے آپ کو اللہ کے یہاں گرفتار کرتے ہیں۔ یہ تو بڑی خطرناک بات ہو جائے گی؛ اس لیے یہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔تو بہر حال اس کا خصوصی اہتمام ہو کہ آدمی اس رات میں اپنے آپ کو ہر چھوٹے بڑے گناہوں سے بچانے کی کوشش کرے۔ خاص کر کے ہمارے نوجوان بھائیوں سے بھی درخواست کروں گا کہ بھائی! اور راتیں تو خدا نہ کرے کہ ضائع ہوئی ہوں لیکن اس رات میں ایسا نہ ہو۔ جو تھوڑی بہت عبادت کی توفیق ہو جائے کرنے کے بعد اپنے آپ کو ہر لغو کام سے، بے کار کام سے بچانے کی کوشش کیجیے، اس کا اہتمام کیجیے، یہ تو کرنے کی چیز ہے۔

## شبِ برأت میں قبرستان جانے کا حکم

رہا اس رات میں قبرستان جانا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیاتِ طیبہ میں ایک مرتبہ جنّت البقیع میں جانا ثابت ہے لیکن اس کے لیے بھی اجتماعی شکل اختیار نہ کی جائے، انفرادی طور پر آدمی اپنے وقت میں جانا چاہے تو ٹھیک ہے۔اس میں بھی گویا تنہا اور دیر رات میں جانا چاہے جاوے۔اس کی گنجائش ہے۔ ہر عمل کو اس کے مقام پر اس کے درجہ پر رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

## حکمِ شرعی کو اس کی حدود میں رہتے ہوئے ادا کرنا مطلوب ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو عمل شریعت سے جتنے درجے

میں جتنا ثابت ہوا اسی درجے میں آپ اس کو کریں اور اس کا اہتمام کریں، نہ بڑھانے کی کوشش کریں نہ گھٹانے کی کوشش کریں۔ اس کا اہتمام ہو تب ہی گویا یوں سمجھا جائے گا کہ آپ نے شریعت کی حدود اور اس کے مزاج کی رعایت کی ہے۔ اگر ہم اس سے کچھ آگے پیچھے کریں گے تو یہ ہماری طرف سے شریعت کی حدود کو توڑنا ہوگا، اس میں پھر وہ خیر و برکت نہیں ہے؛ اس لیے بہر حال اس کا اہتمام ہو۔

باقی یہ حلوہ پکانا تو ویسے بھی ثابت نہیں ہے، بعض لوگ حلوے کی بھی بڑی فضیلتیں بیان کرتے ہیں، اس رات کے اندر تو ایسی کوئی فضیلت حلوہ بنانے کی کسی روایت میں آئی نہیں ہے۔

آدمی مناجات کے ذریعہ، سرگوشی کے ذریعہ تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے رو دھو کر ایسے مبارک اوقات اور مبارک گھڑیوں میں اللہ کی توفیق بھی شامل حال ہو جائے تو اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرتا رہے۔

## صلوۃ التوبۃ، صلوۃ الحاجۃ

بعضوں نے صلوۃ التوبۃ اور صلوۃ الحاجۃ کے بارے میں پوچھا ہے تو ویسے تو صلوۃ التوبۃ ہر روز آپ پڑھ سکتے ہیں۔ اب اگر ایسی رات میں پڑھنا چاہیں تو اور بھی اچھی بات ہے۔ توبہ تو کر ہی رہے ہیں اور توبہ کو مزید قبولیت کے قریب کرنے کے لیے صلوۃ التوبۃ کی نیت سے دو رکعت بھی پڑھ لیں۔ صلوۃ الحاجۃ بھی اسی درجے میں ہے۔

تو بہر حال جیسا کہ پہلے بھی بتلا چکا ہوں، اس رات کے خاص اعمال میں سے

صلوۃ التوبۃ یا صلوۃ الحاجۃ یا صلوۃ التسبیح نہیں، ویسے آدمی اپنے طور پر کرے اور کوئی کرتا ہو تو کرنے دے، کسی کے ساتھ کوئی حجت اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوشش یہ ہو کہ اپنے طور پر جتنا اپنے اعتماد کے اہل علم سے پوچھا ہوا ثابت ہو، اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔ ویسے بھی دین کے معاملے میں، ایسے نوافل اور ان چیزوں میں لڑائی اور جھگڑے کو پسند نہیں کیا گیا، بس اللہ تعالیٰ سے لینا ہے، اس کے سامنے گڑگڑانا ہے، گریہ وزاری کرنا ہے، اس کا اہتمام ہو۔ مختصراً شبِ برأت کے متعلق جو کچھ تھا، وہ عرض کر دیا۔

بہرحال! اس کا جو درجہ ہے، اس درجے میں رہتے ہوئے کوشش کریں، اس کا اہتمام کریں۔ ہاں! روزے کے متعلق یہ بات یاد رہے، ابن ماجہ شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پندرھویں شعبان کی رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو(۱)۔

## آتش بازی، لائٹنگ

یہ جو آتش بازی کرتے ہیں، چراغاں (لائٹنگ) کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ماثبت بالسنۃ میں لکھا ہے کہ یہ دیوالی سے مشابہت ہے، اس کو چھوڑنے کی ضرورت ہے، اس سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔ اپنے بچوں کو بھی اس سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، یعنی ایسی چیزوں کے اندر غیروں کی مشابہت بڑی خطرناک ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، رقم الحدیث: ۱۳۸۸.

علاّمہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے صراطِ مستقیم، اس میں انھوں نے بہت تفصیل سے اس چیز کو بیان کیا ہے، اور ہمارے اکابر نے بھی اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے کہ غیروں کی مشابہت سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

## روزہ

خیر تو روزے کی بات چل رہی تھی کہ پندرھویں شعبان کا روزہ ہے یا نہیں، اس سلسلے میں ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے لیکن سننِ ابن ماجہ کی اس روایت پر محدثین نے نقد کیا ہے اور علاّمہ عبدالعظیم نے بھی الترغیب و الترھیب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ذکر کیا ہے اور شروع میں انھوں نے جو اصول بتلائے ہیں، ان کے مطابق یہ روایت درست نہیں ہے۔ بہرحال! جہاں تک خصوصیت کے ساتھ پندرہویں شعبان کے روزہ کا تعلق ہے تو مسائل کی کتابیں جتنی بھی ہیں، ان میں جہاں نفل روزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، آپ اُٹھا کر دیکھ لیں، وہاں پندرہویں شعبان کے روزہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ گویا حنفی کتابوں میں دسویں محرم کا روزہ ہے، نویں ذی الحجہ کا روزہ ہے، ایاّمِ بیض کے روزے ہیں لیکن پندرہویں شعبان کے روزے کی خصوصیت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ ویسے شعبان کے مہینے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کثرت سے روزہ رکھنا ثابت ہے۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مسلم شریف کے اندر موجود ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے بلکہ کتبِ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے جو رمضان کے روزے ''ایّام کے'' چھوٹے ہوئے ہوتے تھے، اُن کو شعبان ہی میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کثرت سے روزہ رکھنے کی وجہ سے ان کی قضا کا موقع ملتا تھا[1] تو ویسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کثرت سے روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بندوں کے اعمال اس مہینے میں پیش کیے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔

## پندرہویں شعبان کا روزہ رکھنے کی ایک بہتر صورت

ایک تو شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی مستند فضیلت ہے، اس کی بنیاد پر، دوسرا یہ کہ ایّامِ بیض یعنی چاندنی راتوں: ۱۳، ۱۴، ۱۵ والے دنوں کے روزوں کا مستحب ہونا حدیث سے ثابت ہے[2]، فقہاء نے بھی لکھا ہے، یہ پندرہویں رات کا روزہ اس معنی کر کے بھی داخل ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے رکھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ بہر حال اس کو الگ سے مستحب سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بہتر تو یہ ہے کہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ کا روزہ آدمی رکھ لے۔ پھر بھی صرف پندرہ کا ہی رکھ لے گا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ بعضوں نے شعبان کے روزوں کی فضیلت کی وجہ سے اجازت دی ہے۔ خاص اس روایت کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، باب قَضَاءِ رَمَضَانَ فِی شَعْبَانَ.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب صیام أیام البیض ثلاث عشرۃ وأربع عشرۃ وخمس عشرۃ.

# وہ حضرات جن کی اس رات میں مغفرت نہیں ہوتی

ایک بات اور بھی ہے کہ ان برکت والی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی جاتی ہے لیکن حدیثوں میں آتا ہے کہ بعض ایسے گنہگار بھی ہیں کہ ان برکت والی راتوں میں بھی ان کے گناہ معاف نہیں ہوتے۔ ایک تو شرک کرنے والا، دوسرا اپنے دل میں کینہ رکھنے والا۔ مشاحن شحنہ سے ہے، کینہ کہ کسی مسلمان کے متعلق اپنے دل میں کینہ رکھتا ہوتو اس کی بھی مغفرت اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں ہوتی (۱)۔

# آپس میں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں

آج کل ایک مصیبت ہم میں عام ہوگئی ہے، ہمارے معاشرے میں آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں، دو آپس میں لڑنے والے جنہوں نے آپس میں صلح نہ کی ہو، قطع تعلق رکھنے والے بھی اس میں آجاتے ہیں، تو آج کل ہمارے معاشرہ میں یہ وبا بھی بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ غیر تو غیر اپنے رشتہ داروں میں بھی اتنی زیادہ آپس میں منافرت اور اتنا زیادہ قطع تعلق ہوجاتا ہے کہ بھائی بھائی کے ساتھ، قریبی رشتہ دار قریبی رشتہ دار کے ساتھ بولنے کے لیے روادار نہیں ہے، یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ ایسے موقعوں سے فائدہ اُٹھا کر کے ان تعلقات کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی جائے، ورنہ اتنی مبارک راتوں میں بھی جن لوگوں کے گناہ معاف نہیں ہوتے، جن کی مغفرت نہیں ہوتی

---

(۱) فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَغْفِرُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لِأَهْلِ الْأَرْضِ إِلَّا الْمُشْرِكَ وَالْمُشَاحِنَ (شعب الإيمان، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ، مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، رقم الحديث ٣٥٥٠.)

ان میں اس کو شامل کیا گیا ہے اور جو شراب کا عادی ہو اس کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔

## احسان جتانے والا

"والمنّان" احسان کر کے جتلانے والا۔ ایک بیماری ہمارے معاشرے میں یہ بھی ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی احسان کیا ہو تو چاہتے یہ ہیں کہ جس کے ساتھ احسان کیا ہے وہ میرا غلام بن کر رہے، ذرّہ برابر بھی اس کے مزاج کے خلاف کچھ ہوا تو کہیں گے: ارے یار! اس پر اتنے دنوں سے میں نے یہ احسان کیا، میں نے یوں کیا، فلاں کیا، دیکھو نا اس کے باوجود یہ کیا۔ بھائی! یہ سب کچھ کیا تھا اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لیے، صلہ حاصل کرنے کے لیے، اس سے کیوں توقع رکھتے ہو؟ بہر حال! احسان کر کے جتلانے والا بھی اس میں آتا ہے جس کی بڑی راتوں میں مغفرت نہیں ہوتی۔

## ٹخنے سے نیچے ازار لٹکانا

ٹخنے سے نیچے لنگی کرتہ پائجامہ رکھنے والا۔ آج کل لمبے عربی کرتے بھی لوگوں کو پہننے کا شوق ہوتا ہے جو ٹخنے سے نیچے تک جاتے ہیں۔ کرتہ ہو تو بھی، پائجامہ ہو، پتلون ہو تو بھی اور لنگی ہو تو بھی ٹخنے ڈھک جاویں، اس طرح پہنے تو ایسے آدمی کو حدیث میں شمار کیا گیا ہے کہ اس کی ان مبارک راتوں میں مغفرت نہیں ہوتی [1]۔ یہ ٹخنے ڈھانکنے والا مرض جو ہے، وہ بھی بڑھتا جا رہا ہے، جوانوں کے اندر خاص طور سے۔ اس سے اپنے

---

(۱) أخرج البيهقي عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها (الدر المنثور في التفسير بالماثور تحت قوله تعالىٰ "فيها يفرق كل أمر حكيم" ۱۳/۲۵۶)

آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

## غلامانِ رسول ہوئے عاشقانِ افرنگ

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ انگریز کے کہنے سے نیکر اور چڈی پہن لی تو گھٹنے تک کھول دئے اور اللہ کے رسول کے کہنے سے ٹخنے کھولنے کے لیے تیار نہیں ہے، پائجامہ ذرا اونچا رکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔

## بعض گناہ ہر حال اور ہر وقت میں جاری رہتے ہیں

بلکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ بعض گناہ وہ ہوتے ہیں کہ آدمی نے گناہ کیا، پھر اس گناہ سے نکل آیا، جیسے ایک آدمی زنا کرتا ہے، بدکاری کرتا ہے تو جب تک کہ وہ بدکاری میں مبتلا ہے وہاں تک وہ گناہ چل رہا ہے، وہ ختم ہو گیا اب وہ گناہ اس کے سر پر تو ہے لیکن اس گناہ کے اندر تو مبتلا نہیں ہے۔ ایک آدمی شراب پی رہا ہے تو جب تک پی رہا ہے گناہ کر رہا ہے، پی چکا تو اس کے نامۂ اعمال میں تو وہ گناہ لکھ دیا گیا لیکن گناہ ختم ہو گیا، اب گناہ میں نہیں ہے، اب مسجد میں ہے تو یہ نہیں کہیں گے کہ شراب پی رہا ہے۔

لیکن بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی اس میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ ہر حال میں مبتلا ہے، اسی میں یہ ٹخنے سے نیچے پائجامہ لٹکانا بھی ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے اور ٹخنہ ڈھکا ہوا ہے تو وہی گناہ چل رہا ہے۔ سو یا ہوا ہے تب بھی اس گناہ کے اندر مبتلا ہے تو بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی اس میں چوبیس گھنٹے لگاتار مبتلا ہوتا ہے یہ بھی ایسے

ہی گناہوں میں سے ہے،اس سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ بھائی! جب اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہم چاہتے ہیں، طلب گار ہیں تو اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچانے کا اہتمام ہو؛ تاکہ ہم ایسی بڑی اور مبارک راتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# ماہِ محرم اور یومِ عاشورا کے احکام اور فضائل

# اقتباس

بعض لوگ اس محرم کے مہینے میں شادی بیاہ نہیں کرتے، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی مہینے میں ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی مہینے میں ہوا ہے، اور ان دونوں نکاح سے بڑھ کر بابرکت نکاح کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں جب کوئی نکاح پڑھانے والا کوئی نکاح پڑھاتا ہے اور دعا کرتا ہے تو کہتا ہے: اَللّٰھم اَلِّفْ بینھما کَما اَلَّفْتَ بَیْنَ عَلِیٍّ وَفَاطِمۃ، اَللّٰھم اَلِّفْ بینھما کَما اَلَّفْتَ بَیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ خَدِیْجَۃَ الْکُبْرٰی۔ وہاں تو یہ دعائیں کی جاتی ہیں اور اسی مہینے میں نکاح کرنے کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالیٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾

## اسلام میں قمری، ہجری سال کا اعتبار ہے

میرے قابلِ احترام بھائیو! ہمارے ہجری، قمری سال کی ابتدا ہوئی، محرم کا مہینہ اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے، گویا ۱۴۳۶ھ ختم ہوکر، ۱۴۳۷ھ میں ہم نے قدم رکھا۔ یہ اسلامی کلینڈر جو چاند کے حساب سے جاری کیا گیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام اسلامی، شرعی احکام کے لیے ان ہی قمری تاریخوں کا انتخاب فرمایا۔

## دنوں اور مہینوں کے حساب کے لیے اللہ تعالیٰ ہی نے قمری سال کا انتخاب فرمایا ہے

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے ایک جگہ پر فرمایا ہے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة:١٨٩] یہ لوگ، یا یہ مشرکین آپ سے چاندوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ بتلا دیجیے کہ یہ لوگوں کے لیے اوقات کی تعیین اور حج کے وقت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن ہی میں اس کا اعلان فرما دیا کہ شریعتِ مطہرہ کے نزدیک دنوں اور مہینوں کے حساب کے لیے یہی چاند والا حساب معتبر اور مستند قرار دیا گیا ہے۔

## شمسی کلینڈر کے حساب سے تاریخوں کا استعمال بھی جائز ہے

ویسے دوسرا حساب بھی ہے جو دنیا میں عام طور پر جاری ہے سورج والا حساب، شمسی کلینڈر، وہ ۳۶۵/دن والا ہوتا اور قمری ۳۵۴/دنوں کا ہوا کرتا ہے۔ ویسے شمسی کلینڈر سے بھی منع نہیں کیا گیا، اس کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ قرآنِ پاک باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ [یونس:٥]۔

اس آیت کی تشریح میں حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ آپ شمسی کلینڈر کے اعتبار سے بھی تاریخیں استعمال کر سکتے ہیں لیکن اسلام نے اپنے تمام احکام کی بنیاد چاند کے حساب پر رکھی ہے یعنی قمری کلینڈر کے اوپر رکھی ہے۔

## تمام اسلامی احکام کے حسابات قمری کلینڈر پر مبنی ہیں

اور اسی کو اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے اور جتنے بھی احکام ہیں: زکوۃ کا حساب ہو، حج کی تاریخیں ہوں، رمضان کا مہینہ ہو، دونوں عیدیں: عید الفطر ہو، عید الاضحیٰ ہو اور بابرکت عشرے: ذوالحجہ کے مہینے کے پہلے دس دن، رمضان کے آخری دس دن، محرم کے پہلے دس دن اور اسی طرح شبِ برأت، یہ جتنے بھی اسلامی حسابات ہیں، وہ سب قمری کلینڈر کے اوپر مبنی رکھے گئے۔

## ہر قمری مہینے کے پہلے چاند کو دیکھنا فرضِ کفایہ ہے

اور اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ ہر مہینے کے چاند کا دیکھنا فرضِ کفایہ ہے، ہمارے یہاں اس کا اہتمام نہیں ہوتا، ویسے دیہاتوں میں ایسے اللہ کے ایک دو بندے ہوتے ہیں جو اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اگر کوئی بھی اس حساب کو جاری اور باقی رکھنے کے لیے چاند دیکھنے کا اہتمام نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے؛ اس لیے مسلمانوں کو تو چاہئے کہ اگر وہ اپنے دنیوی امور میں مجبوری کی وجہ سے شمسی تاریخوں کا استعمال کریں تو گنجائش ہے، منع نہیں ہے لیکن اپنی اسلامی تاریخ کو یاد رکھنا کہ آج کون سا چاند ہے، یہ بحیثیت مسلمان کے ایمانی اور اسلامی غیرت کا تقاضا ہے، اگر سب بھول جائیں گے تو سبھی گنہگار قرار دئے جائیں گے۔

## محرم الحرام قمری سال کا پہلا مہینہ ہے

یہ محرم کا مہینہ اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے، قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ فرماتے

ہیں: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ کہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے یہاں بارہ ہے، ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ لوحِ محفوظ کے اندر، ﴿يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ویسے یہ فیصلہ تو بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن اس فیصلے کا عمل اور اجراء زمین اور آسمان کی جب پیدائش ہوئی، اس وقت سے شروع ہو چکا ہے۔

## قمری سال کے چار حرمت والے مہینے

﴿مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ اور ان بارہ مہینوں میں چار مہینے وہ ہیں جو حرمت والے ہیں، ان کا ادب واحترام شریعت کی نگاہ میں خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جو مشہور خطبہ دیا، اس میں حرمت والے جو چار مہینے ہیں، ان کے متعلق فرمایا کہ تین مہینے ایک ساتھ ہیں: ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور ایک الگ ہے: رجب کا مہینہ (١)، اسلامی کلینڈر کا آٹھواں مہینہ، محرم اسلامی، قمری کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے اور ذوقعدہ اور ذوالحجہ آخری دو مہینے گیارہواں اور بارہواں ہے، بہرحال! یہ چار مہینے حرمت والے قرار دئے ہیں۔

## مشرکین کے دلوں میں حرمت والے مہینوں کا پاس ولحاظ

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت کے اندر اسی زمانے سے

(١) حدیث شریف میں ہے: عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ، الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ (صحیح البخاری، بَابُ مَا جَاءَ فِي سَبْعِ أَرَضِينَ)

ان مہینوں میں قتل وقتال کو حرام قرار دیا گیا تھا، اگرچہ شریعتِ اسلامی نے آ کر اس حکم کو تو منسوخ کیا۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے یہ جو قدیم حکم چلا آ رہا تھا، عربوں میں اس کا بڑا اہتمام تھا۔ عرب اپنی معاشرت کی وجہ سے جن برائیوں کے اندر پھنسے ہوئے تھے، وہاں حال یہ تھا کہ نہ کسی کی جان محفوظ تھی، نہ کسی کا مال محفوظ تھا۔ نہ کسی کی عزت اور آبرو محفوظ تھی لیکن یہ جو چار مہینے ہیں، ان حرمت والے مہینوں میں وہ لوگ باوجود اپنی ساری کمزوریوں اور بدعملیوں کے ان کا اتنا زیادہ لحاظ کرتے تھے کہ اگر ان مہینوں میں ان کو باپ کا قاتل بھی مل جاوے تو وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، اتنا زیادہ اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

## زیادہ اہمیت کے حامل تین عشرے

بعد میں یہ قتل وقتال والا حکم تو اسلام نے آ کر منسوخ کر دیا، البتہ آج بھی ان مہینوں کا ادب واحترام بایں معنی کہ ان مہینوں کے اندر خصوصیت کے ساتھ عبادات کا اہتمام کیا جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کیا جائے، وہ ہے بلکہ علامہ ابنِ رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تین عشرے ہمارے اسلاف کے یہاں بڑے مہتم بالشان اور بڑے اہم سمجھے گئے ہیں: ایک تو رمضان کا آخری عشرہ، دوسرا ذوالحجہ کا پہلا عشرہ اور تیسرا یہ محرم الحرام کا پہلا عشرہ۔ یہ تین عشرے ایسے ہیں کہ ان میں لوگوں کو عبادتوں کا خاص اہتمام کرنا چاہیے اور ان دنوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں عبادتوں کا ثواب دوسرے دنوں سے زیادہ ہے۔

## عبادتوں اور گناہوں سے بچنے کی توفیق کے حصول کا آسان راستہ

ان دنوں میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام بھی زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے۔ چناں چہ حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو آدمی ان حرمت والے مہینوں میں عبادتوں کا اہتمام کرے گا اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ دوسرے مہینوں اور دوسرے دنوں میں اس کو عبادت کی توفیق عطا فرمائیں گے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

## یومِ عاشورا کیا ہے؟

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نیا سال عطا فرمایا اور اسی محرم کی جو دسویں تاریخ آئندہ کل آرہی ہے، اس کو عاشورا کہتے ہیں۔ عاشورا کا ترجمہ ہی ہے دسواں دن۔ گویا ماہِ محرم کے دسویں دن کو خاص طور پر لفظِ عاشورا سے موسوم کیا گیا ہے اور اس کو اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کی بھی شریعت کے اندر خاص اہمیت ہے۔

## دسویں محرم کے سلسلے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

عام طور پر مسلمان عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اس دن میں حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جو واقعہ پیش آیا، اس کی وجہ سے اس کی اہمیت ہے، حالاں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے ساٹھ سال بعد پیش آیا اور یہ عاشورا اور دسویں محرم کے دن کی جو اہمیت ہے، وہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے بلکہ اس سے پہلے

سے چلی آ رہی ہے۔

## دسویں محرم کے روز وقوع پذیر ہونے والے بعض اہم امور

اس دن میں دنیا میں بڑے بڑے واقعات وجود میں آئے۔ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل کی شرح خصائلِ نبوی کے اندر لکھا ہے کہ:

(۱) اسی دن میں حضرتِ آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

(۲) اسی دن کے اندر حضرتِ نوح علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر آ کر کے لگی۔

## کشتی نوح ؑ کا کعبۃ اللہ کے اردگرد سات چکر لگانا

صاحبِ تفسیر علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرتِ نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں ۶ ؍رجب کو سوار ہوئے تھے اور پورے چھ مہینے کشتی اسی سیلاب اور پانی کے اندر چلتی رہی، اسی چلنے کے دوران جب وہ کشتی کعبۃ اللہ کے پاس پہنچی - اگرچہ وہ تو طوفانِ نوح سے پہلے اٹھالیا گیا تھا لیکن جب اس جگہ پر پہنچی ہے - تو وہاں اس نے سات چکر لگائے، باقاعدہ اس کا طواف کیا، تفسیر ابنِ کثیر میں یہ چیز موجود ہے اور دسویں محرم کو یہ کشتی جودی پہاڑ پر لگی اور اس میں سے حضرتِ نوح علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام اترے [۱]۔

---

(۱) ابنِ عباس ؓ کی روایت میں چالیس دن تک بیت اللہ کے چکر کاٹنے کا ذکر ہے: عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ مَعَ نُوحٍ فِي السَّفِينَةِ ثَمَانُونَ رَجُلًا مَعَهُمْ أَهْلُوهُمْ، وَأَنَّهُمْ كَانُوا فِي السَّفِينَةِ مِائَةً وَخَمْسِينَ يَوْمًا، وَأَنَّ اللَّهَ وَجَّهَ السَّفِينَةَ إِلَى مَكَّةَ فَدَارَتْ بِالْبَيْتِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا۔ اور دسویں محرم کو جودی=

(۳) حضرتِ ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش بھی اسی دن میں بتلائی جاتی ہے۔

(۴) حضرتِ موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت اور پیدائش بھی اسی دن میں بتلائی جاتی ہے۔

(۵) حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام اسی دن میں آسمان پر اٹھائے گئے۔

(٦) حضرتِ ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام پر آگ جو گلزار بنی، وہ بھی اسی عاشورا کے دن کے اندر بنی۔

(۷) حضرتِ یوسف علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام بھی کنویں سے اسی دن میں نکالے گئے تھے۔

(۸) حضرتِ ایوب علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کی جو مشہور بیماری تھی، اس سے صحت اسی دن میں حاصل ہوئی۔

حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن روایتوں میں یہ آیا ہے، بعض روایتیں تو ایسی ہیں جن پر سندی اعتبار سے حضراتِ محدثین نے کلام کیا ہے لیکن اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ مستند ہیں، حضرت یہ فرماتے ہیں۔

## دشمنِ خدا فرعون اسی دن دریا میں غرق ہوا تھا

(۹) حضرتِ موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام بنی اسرائیل کو لے کر فرعون اور

= پہاڑ پر ٹھیرنے کا ذکر قتادہ وغیرہ کی روایت میں ہے: وَكَانَ خُرُوجُهُمْ مِنَ السَّفِينَةِ فِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ مِنَ الْمُحَرَّمِ. (قصص الأنبياء لابنِ كثير ١/ ١١٣)

قومِ فرعون کے مظالم سے چھڑانے کے لیے جب نکلے تھے اور فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور جب دریائے نیل پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بطورِ معجزہ یہ عطا فرمایا کہ جب آپ نے اپنی لاٹھی دریا پر ماری تو بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے لیے بارہ راستے بن گئے اور وہ ان سے گذر کر سامنے پہنچ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ آیا، اس نے دیکھا کہ پانی رکا ہوا ہے، راستے بنے ہوئے ہیں تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہو گیا اور جب بیچ میں پہنچا تو پانی مل گیا اور فرعون غرق ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور بنی اسرائیل کو فرعون کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائی، یہ چیز تو مسلم شریف کے اندر بھی موجود ہے۔

## عاشوراء کا روزہ ورودِ اسلام سے پہلے سے جاری ہے

چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت شمائل کے اندر بھی ہے اور مسلم کے اندر بھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ مکہ، مشرکینِ قریش دسویں محرم کا روزہ رکھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رکھتے تھے۔ آپ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ یہود بھی دسویں محرم کا روزہ رکھتے ہیں (۱)۔

## مسلمان سنتِ موسوی کی پیروی کے زیادہ حق دار ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو انھوں نے

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهَا، بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ.

جواب میں بتلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم کے مقابلے میں اس دن میں کامیابی عطا فرمائی، فرعون غرق ہوا۔اس کے شکرانے میں حضرتِ موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے روزہ رکھا تھا، ہم بھی رکھتے ہیں۔ان کا یہ جواب سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرتِ موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی اور اتباع کے تو ہم تمھارے مقابلے میں زیادہ حق دار ہیں، چناں چہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس کا حکم دیا(۱)۔

## عاشوراء کا روزہ روزۂ رمضان کی فرضیت سے قبل فرض تھا

اور یہ روزہ رمضان کے روزوں سے پہلے فرض تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا پھر رمضان کا روزہ جب فرض ہوا تو یہ عاشوراء کے روزے کی فرضیت ختم ہوگئی (۲)، البتہ آج بھی بطورِ نفل اور سنت کے رکھا جاتا ہے اور اس کی مخصوص فضیلت ہے۔

## عرفہ اور عاشورا کے روزوں کی فضیلت

مسلم شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا جو روزہ ہے، وہ کوئی رکھے گا تو وہ پچھلے ایک سال اور آنے والے ایک سال،

---

(۱) صحیح مسلم، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تعالیٰ عَنْهُمَا، بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ.

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، كَانَ عَاشُورَاءُ يُصَامُ قَبْلَ رَمَضَانَ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ قَالَ: مَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ. (صحیح البخاری، بَابُ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ)

دوسال کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے اور یہ عاشورا کا روزہ جو کوئی رکھتا ہے تو پچھلے ایک سال کے گناہوں کے لیے کفارہ بنتا ہے (۱)۔

## عاشوراء کے روزے کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

چناں چہ ان روزوں کا اہتمام اسلاف کے اندر رہا ہے، خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی فرضیت ختم ہونے کے بعد بھی یہ روزہ رکھتے رہے، البتہ آخری سال کہ جس میں آپ کی وفات ہوئی، اس سال بعض حضراتِ صحابہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔

## مسکوت عنہا احکام کے سلسلے میں ابتداءً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

شروع اسلام میں بعض ان چیزوں کے متعلق جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح اور کھلا ہوا حکم نہیں آتا تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے اور یہ انداز اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ ان کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے لیکن جب یہودیوں نے عداوت میں انتہا کردی اور باوجود ان کے سامنے حق واضح ہونے کے ایمان نہیں لائے بلکہ اسلام کی مخالفت اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی میں دن بہ دن آگے بڑھنے لگے تو پھر یہ طرزِ عمل بدلا گیا اور ان کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا گیا۔ چناں چہ عبادات کے اندر بھی کوئی ایسا انداز اختیار کرنا جس میں ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہو، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَابُ اسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وَعَاشُورَاءَ وَالِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، رقم الحدیث: ۱۹۶۲.

## یومِ عاشورا کے روزے میں یہودیوں کی مخالفت کا طریقہ

چناں چہ اسی تربیت کے نتیجے میں ایک مرتبہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ دسویں محرم کو تو یہود بھی روزہ رکھتے ہیں اور ہم بھی رکھتے ہیں تو گویا ان کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت لازم آتی ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کا بھی روزہ رکھوں گا(۱)۔

اور مسندِ احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تم اکیلے دسویں محرم کا نہیں بلکہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو؛ تاکہ ان کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے(۲)۔

## تنہا دسویں محرم کے روزے کا حکم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آئندہ سال روزہ رکھنے کی نوبت نہیں آئی؛ اسی لیے علماء لکھتے ہیں کہ اکیلے دسویں محرم کا روزہ خلافِ اولیٰ ہے، مکروہِ تنزیہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تھا، اس کے پیشِ نظر چاہیے کہ ہم اس کے ساتھ ایک اور دن کا روزہ ملائیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، عن عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْھُمَا، بَابُ أَيُّ يَوْمٍ يُصَامُ فِي عَاشُورَاءَ؟.

(۲) السنن الکبری للبیہقی، عن عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْھُمَا، بَابُ صَوْمِ يَوْمِ التَّاسِعِ، رقم الحدیث: ۸۴۰۶.

## تنہا دسویں محرم کے روزے کی کراہت کا حکم اب باقی نہیں رہا

البتہ ہمارے زمانے کے یہود اب قمری حساب پر چلتے نہیں ہیں۔ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف الحدیث کے اندر لکھا ہے کہ:

ہمارے زمانے کے یہود کا حساب کتاب اب قمری سال پر نہیں رہا؛ اس لیے وہ چاہے عاشورا کا روزہ رکھتے ہوں لیکن ہمارا عاشورا اور ان کا عاشورا اب ایک ساتھ نہیں رہا؛ اس لیے جو علت اکیلا روزہ رکھنے کی کراہت کی تھی، اگر دیکھا جائے تو وہ باقی نہیں رہی اور عام طور پر حضراتِ فقہاء کے یہاں جب علت باقی نہیں رہتی تو حکم بھی باقی نہیں رہتا۔

## شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس دن میں فضیلت نہیں ہے

یہ عاشورا یعنی دسویں محرم کا دن بڑا بابرکت دن ہے۔ عام طور پر مسلمان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اس کو بابرکت سمجھتے ہیں، حالاں کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ واقعہ تو بہت بعد کا ہے بلکہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہادت کی سعادت کا شرف اس دن میں عطا فرمایا، یہ ان کی فضیلت کی بات ہے، جیسے جمعہ کا دن، اس کی اپنی ایک فضیلت ہے، اگر کوئی آدمی شہادت کی سعادت پاوے اور جمعہ کے دن پاوے تو اس کی وجہ سے جمعہ کے دن میں فضیلت نہیں آئے گی بلکہ جمعہ کے دن اس کی شہادت واقع ہونے کی وجہ سے اس کو فضیلت حاصل ہوگی۔ چناں چہ علماء نے یہی بات لکھی ہے۔

## بعض جاہل لوگ

اور بہت سے لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اس واقعے کی وجہ سے ان علاقوں میں جہاں شیعوں کا اثر ورسوخ ہے، ان کی دیکھا دیکھی - نعوذ باللہ - اس دن کو منحوس بھی سمجھتے ہیں، حالاں کہ کوئی دن اور کوئی رات منحوس نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب دن اور سب راتیں اور تمام اوقات بابرکت ہی بنائے ہیں بلکہ بعض اوقات کو بعض اوقات پر فضیلت کے اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے؛ اس لیے منحوس والا عقیدہ غلط ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے عقیدوں کو درست کریں۔

## ماہِ محرم کو منحوس سمجھنے والوں کی خرد ماغی

بعض لوگ اس محرم کے مہینے میں شادی بیاہ نہیں کرتے، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی مہینے میں ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی مہینے میں ہوا ہے، حالاں کہ ان دونوں نکاح سے بڑھ کر بابرکت نکاح کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں جب کوئی نکاح پڑھانے والا کوئی نکاح پڑھاتا ہے اور دعا کرتا ہے تو کہتا ہے: اَللّٰهم اَلِّفْ بینهما كما اَلَّفْتَ بَيْنَ عَلِيٍّ وَفَاطِمَة، اَللّٰهم اَلِّفْ بینهما كما اَلَّفْتَ بَيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى.

وہاں تو یہ دعائیں کی جاتی ہیں اور اسی مہینے میں نکاح کرنے کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں۔

## کسی بھی چیز میں نحوست کا عقیدہ، یہ شرکِ خفی ہے

کسی بھی چیز میں نحوست کا عقیدہ، یہ شرکِ خفی ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے بہشتی زیور میں باقاعدہ لکھا ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی چیز میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو متبرک یا منحوس بنائے۔

بہر حال! بہت سے لوگ اس مہینے میں نکاح کو، اپنی دکانوں کے افتتاح کو یا کسی تجارتی سفر کو روک دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

بہر حال! یہ عاشورا کا دن اپنے اندر بڑی اہمیت اور برکت رکھتا ہے، اس دن کے اعمال میں سے ایک عمل روزہ بھی ہے۔

## یومِ عاشورا کا دوسرا عمل: گھر والوں پر کھانے پینے میں وسعت

ایک دوسرا عمل، بیہقی کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَسَّعَ عَلَى أَهْلِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَى أَهْلِهِ طُولَ سَنَتِهِ کہ: جو آدمی اس دن اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں وسعت کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ سال بھر اس کی روزی میں وسعت فرمائیں گے (۱)۔

## عاشورا کے دن گھر والوں پر وسعت کا مطلب

چناں چہ اسلاف کے یہاں اس کا معمول تھا، مشکوۃ کے اندر یہ چیز موجود ہے اور اسلاف اپنے گھر والوں کے ساتھ اس کا اہتمام کرتے تھے (۲) لیکن اس کا مطلب یہ

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ جَابِرٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، صَوْمُ التَّاسِعِ مَعَ الْعَاشِرِ. =

نہیں کہ کوئی مخصوص کھانا پکاتے تھے، جیسے کھچڑا پکایا ہو، یہ تو شیعوں والی بات ہوگئی۔ ویسے کوئی بھی اچھی چیز اس دن آپ اپنے گھر والوں پر وسعت کی نیت سے پکائیں تو اس کی اجازت ہے، اس کی برکت ان شاء اللہ حاصل ہوگی۔ اور چوں کہ اسلاف کے یہاں اس کا عمل رہا ہے تو بعض مرتبہ کوئی روایت سند کے اعتبار سے اتنی زیادہ اعلیٰ نہیں ہوتی لیکن اسلاف کے یہاں اس کا عمل ہونے کی وجہ سے وہ قابلِ عمل قرار دی جاتی ہے۔

## عاشورا کے دن وسعت پر ایک اشکال اور اس کا جواب

البتہ اس موقع پر ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اشکال پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو یہ ہے کہ اس دن میں آدمی اپنے گھر والوں کے لیے وسعت کرے اور دوسری طرف یہ ہے کہ اس دن میں روزہ رکھنا چاہیے تو وسعت پر عمل کیسے ہوگا؟ تو حضرت شیخ یونس صاحب دامت برکاتہم نے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ بھائی! یہاں وسعت سے مراد اس کے اسباب ہیں کہ کھانا پکانے کا اہتمام تو دن میں ہو، بھلے آپ روزہ دار ہونے کی وجہ سے کھا نہیں سکیں گے، کھائیں گے تو مغرب یا عشا کے بعد لیکن سارا انتظام آپ نے دن میں کیا ہے تو اس کی وہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ خیر یہ تو اس سلسلے میں اہلِ علم کی بحثیں ہیں۔

---

=(۲) وعن ابنِ مسعودٍ، قال: قال رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ وَسَّعَ علي عياله في النَّفقةِ يومَ عاشوراءَ؛ وسَّعَ اللهُ عليهِ سائرَ سنتِه. قال سفيانُ: إِنَّا قد جرَّبناهُ فوجدناهُ كذلك. رواه رزين. (مشکوۃ اول، باب فضل الصدقة)

## حرمت والے مہینوں کا پاس ولحاظ کیجیے

خیر! میں یہ عرض کرنے جارہا تھا کہ یہ محرم کا مہینہ اسلامی، قمری سال کا پہلا مہینہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے نیا سال یہیں سے شروع ہوتا ہے اور جو حرمت والے چار مہینے بتلائے گئے، ان مہینوں میں خاص طور پر عبادتوں کا اہتمام ہو، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے۔

## تعزیہ کی مختصر تاریخ

اور اس میں جو تعزیہ وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں، حالاں کہ یہ تعزیہ کا سلسلہ ۳۵۲ھ میں بنو بویہ جو مصر کے اندر حکومت کرتے تھے اور شیعہ خاندان سے تعلق تھا، انھوں نے شیعوں کو حکم دیا تھا کہ دسویں محرم کے روز سب کالے کپڑے پہنیں، عورتیں بھی کالے کپڑے پہنیں اور چہرے بھی سیاہ کریں اور کھلے راستوں پر نکل کر اپنے بالوں کو کھول کر اپنی چھاتی پیٹیں اور اپنے چہروں کو نوچیں (۱)، چناں چہ اس کے حکم سے پہلی مرتبہ یہ کام کیا گیا اور اہلِ سنت والجماعت اس میں شریک نہیں ہوئے اور دوسرے سال بھی

---

(۱) سنه اثنتين وخمسين وثلاثمائة: في هذه السنه، خرج النساء منتشرات الشعور، مسودات الوجوه، يلطمن في الشوارع يوم عاشوراء على الحسين رضى الله عنه، وغلقت الاسواق. (تاريخ الطبرى ۱۱/۳۹۷) في عاشر المحرم من هذه السنة (۳۵۲ھ) أمر معز الدولة بن بويه - قبحه الله - أن تغلق الأسواق وأن يلبس الناس المسوح من الشعر، وأن تخرج النساء حاسرات عن وجوههن، ناشرات شعورهن في الأسواق، يلطمن وجوههن، ينحن على الحسين بن علي ففعل ذلك، ولم يمكن أهل السنة منع ذلك؛ لكثرة الشيعة، وكون السلطان معهم. (البداية والنهاية ۱۵/۲۶۱)

اس نے یہ حکم دیا اور اہلِ سنت والجماعت کو بھی اپنی حکومت اور طاقت کے زور پر اس نے مجبور کرنا چاہا تو اہلِ سنت والجماعت نے اپنی ایمانی غیرت کی وجہ سے اس کا انکار کر دیا اور اسی کے نتیجے میں دونوں میں خوب زبردست جنگ بھی ہوئی لیکن اہلِ سنت والجماعت نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ آج ہم اپنی جہالت، بے دینی اور غفلت کی وجہ سے یہ سب کرتے ہیں۔

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سب سے بہتر دن، مہینے اور سال

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ ان دنوں کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اہتمام ہو۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب: المنبہات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ اور سب سے بہتر دن کون سا ہے؟ اور سب سے بہتر مہینہ کون سا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ سب سے بہتر عمل پنج وقتہ نماز ہے اور سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اور سب سے بہتر مہینہ رمضان کا مہینہ ہے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب سے بہتر دن، مہینہ اور سال

اس آدمی نے تین دن تک یہ سوال کیے اور چوتھے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا، انھوں نے یہ جواب دیا، آپ کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو! ساری دنیا کے علماء اور حکماء جمع ہوں تو وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ اس سے بہتر جواب کیا ہوسکتا ہے!، البتہ

میرے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جواللہ کی بارگاہ میں مقبول ہواور سب سے بہتر مہینہ وہ ہے جس میں آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور سب سے بہتر دن وہ ہے جس میں آدمی اپنے ایمان والے دل کو لے کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو یعنی جس دن ایمان پر موت آئے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی دن نہیں ہوسکتا۔

## برکت اور نحوست انسان کے اعمال سے آتی ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ برکت ہو یا نحوست ہو، اس کا تعلق تو ہمارے اعمال سے ہے۔ رمضان سے بڑھ کر اور کون سا مہینہ برکت والا ہوسکتا ہے؟ لیکن آپ نے فضائلِ رمضان کے اندر سنا ہوگا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر پر چڑھے، پہلے زینے پر جب قدم رکھا تو فرمایا: آمین! دوسرے زینے پر جب قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین! تیسرے زینے پر جب قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین!۔ جب آپ فارغ ہوئے تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آج تو آپ نے ایک ایسی بات ارشاد فرمائی جو ہم نے پہلے کبھی نہیں سنی!۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب میں نے پہلے زینے پر قدم رکھا تو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ ہلاک ہوجیو وہ آدمی جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی تو میں نے کہا: آمین۔

دیکھئے! رمضان کا مہینہ اپنی جگہ برکت والا ہے لیکن جو آدمی اس کی ناقدری کرے گا اور اس مہینے کے اندر برے اعمال کے اندر مشغول رہے گا تو اس کے حق میں

وہی مہینہ ہلاکت کا ذریعہ بنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کا ذریعہ بنا، حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کی بددعا کا ذریعہ بنا۔

اس لیے بھائی! حقیقت تو یہ ہے کہ یہ برکت اور نحوست سارا ہمارے اعمال کے ساتھ جڑا ہوا ہے: اچھے اعمال کا اہتمام کرے تو کوئی بھی مہینہ ہوگا، وہ ہمارے لیے برکت والا ہوگا؛ اس لیے اچھے اعمال کا اہتمام کرے۔

## بقیہ دو بد بخت انسان

اسی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دوسرے زینے پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ ہلاک ہوجیو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا نامِ مبارک لیا جائے اور آپ پر درود نہ پڑھے اور جب تیسرے زینے پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ ہلاک ہوجیو وہ شخص جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا کسی ایک کو بوڑھاپے کی حالت میں پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت نہ کمائے۔ ماں باپ سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہوسکتی ہے (۱)؟

## ماں باپ کی ناقدری جہنم میں لے جانے کا باعث ہے

لیکن جو شخص ان کی ناقدری کرے گا اور ان کی جیسی خدمت کرنی چاہیے، ویسی خدمت نہیں کرے گا تو اس کے حق میں یہی ماں باپ جہنم میں جانے کا ذریعہ بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو اس لیے تو نہیں بنایا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو جہنم میں

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ.

لے جائیں لیکن یہ اولاد خود اپنی بدعملی اور نافرمانی کی وجہ سے ماں باپ کی ناقدری کر کے جہنم میں گئی، اس میں ماں باپ کا قصور تھوڑا ہے؟۔

## ہم اپنی پوری زندگی کو خیر و برکت والی کیسے بنا سکتے ہیں؟

اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اللہ کے احکام کے مطابق گذارنے کا اہتمام کریں تو کوئی بھی مہینہ ہوگا، کوئی بھی دن ہوگا، کوئی بھی رات ہوگی، اگر اس مہینے کو، اس دن کو، اس رات کو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت، عبادت اور فرماں برداری میں گذاریں گے، اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے، گناہوں سے بچانے کا اہتمام کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے: ماں باپ کے ساتھ اطاعت وفرماں برداری کا، ان کے ساتھ خدمت گزاری کا معاملہ کریں گے، اپنے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کریں گے تو یہ سب کچھ تمھارے لیے خیر اور برکت ہے۔

## قطع رحمی کی نحوست

حدیث شریف میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ: قطع رحمی کرنے والا، رشتہ داروں کے حقوق کو جو آدمی ادا نہ کرتا ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا(۱)۔ بلکہ ایک حدیث میں تو بڑا سخت جملہ ارشاد فرمایا: لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَۃُ عَلٰی قَوْمٍ فِیْھِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ: جس قوم میں ایک آدمی ایسا ہو جو اپنے رشتہ داروں کا حق ادا

(۱) صحیح البخاری، عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، بَابُ إِثْمِ الْقَاطِعِ.

نہ کرتا ہو، قطع رحمی کا سلوک کرتا ہو، اس پوری قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی (۱)۔

## تہی دستانِ قسمت را چہ شد از رہبرِ کامل

میں کہا کرتا ہوں کہ آج تو گھر گھر کے اندر قطع رحمی کرنے والے ہیں، پھر اللہ کی رحمت کہاں سے نازل ہو! ہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنے لیے جہنم کے راستے کھول دئے، اس میں قصور ہمارا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃٌ للعالمین بن کر کے آئے تھے اور آپ کی تعلیمات تو اسی لیے تھیں کہ جو آدمی ان تعلیمات کو اختیار کرے گا، اپنائے گا، عمل کرے گا، وہ اس کے ذریعہ سے جنت میں پہنچے گا لیکن جو آدمی اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے، اپنی بدعملی کی وجہ سے ان تعلیمات کی خلاف ورزی کرے اور اس کے نتیجے میں جہنم میں پہنچے تو کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت پر انگلی اٹھائی جاسکتی ہے؟ نہیں! آپ کی ذات تو رحمت ہی رحمت ہے، ہم نالائق ہیں کہ سراپا رحمت ذات کی قدر نہیں کی، ان کی تعلیمات کو نہیں اپنایا تو ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم جہنم میں جائیں گے۔

میں نے کہا نا کہ ماں باپ کا وجود رحمت ہے لیکن اولاد ان کی نافرمانی اور ان کی ناقدری کر کے جہنم میں جائے تو اس میں ماں باپ کا کیا قصور؟ رمضان کا مہینہ برکت والا ہی مہینہ ہے لیکن کوئی آدمی اس برکت والے مہینے کے اندر بھی گناہوں میں لت پت رہے اور نیکی کا کوئی کام نہ کرے اور یہ مہینہ یوں ہی گذار دے اور اس کے گناہوں کی

(۱) شعب الإیمان، عن عَبْدِ اللہِ بْنِ أَبِي أَوْفَی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما، بَابٌ فِي صِلَةِ الْأَرْحَامِ.

مغفرت نہ ہو، وہ اگر حضرتِ جبرئیل علیہ السلام اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بد دعا کا حق دار بن جائے تو اس میں رمضان کا کیا قصور ہے؟۔

## مسئلہ معلوم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ کر عمل کیجیے

حقیقت تو یہ ہے کہ سب کچھ ہمارے ساتھ جڑا ہوا ہے؛ اس لیے میں آپ حضرات سے خاص طور پر کہوں گا کہ ہمیں اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لینا چاہیے۔ جو کرو، شریعت کے مطابق کرو، اگر حکم معلوم نہیں ہے تو معلوم کرو۔ قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے: ﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:٤٣] کوئی بھی کام ہو، شریعت کا حکم معلوم کیے بغیر آگے بڑھنا نہیں ہے اور جو معلوم ہے، اس پر عمل کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## مریضِ لا علاج ہیں، اس کا علاج کیا ہے!

ہم گناہوں کو گناہ جاننے کے باوجود اس کو کرتے رہیں گے تو اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور محرومی اور کیا ہو سکتی ہے!! یہ تو بہت بڑی محرومی کی بات ہے۔ آج عام مزاج ایسا ہی ہے۔ جو آدمی گناہ کا کام کرتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ نہیں جانتا، وہ جانتا ہے، اس کو کسی کو بتلانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ خود جانتا ہے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، وہ گناہ کا کام ہے، اللہ کی نافرمانی کا کام ہے، جہنم میں لے جانے والا ہے اور اس کے باوجود بھی کر رہا ہے، اس کا کیا علاج ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگیوں کے اوپر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے کہ دیکھیں کہ ہم کس طرح زندگی گذار رہے ہیں، یہ نیا سال آیا ہے، وہ

ہمارے لیے امن وامان کا، خیر وبرکت کا اور اللہ کی رحمت کا ذریعہ اسی وقت بنے گا جب ہم اس میں اللہ کے احکام اپنی زندگیوں میں اپنائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# قربانی کی مختصر تاریخ

# اور

# اس کے احکام وفضائل

مؤرخہ: ۲۵/۸/۲۰۱۵

بمقام: بلیشور

# اقتباس

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جانور تو ایک علامت ہے، ایک مؤمن جب قربانی کرتا ہے تو بوقتِ قربانی اس کے دل میں یہ جذبات ہونے چاہئیں کہ جیسے حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے، میں بھی اپنی جان، اپنا مال، اپنے اہل وعیال، اپنا سب کچھ اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے قربان کرنے کے واسطے تیار ہوں، یہ قربانی کا جانور تو محض ایک علامت ہے اور اسی لیے قربانی کے اندر جو جانور جتنا عمدہ ہوگا، جتنا زیادہ فربہ ہوگا، جتنا زیادہ قیمتی ہوگا، اس کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاکید فرمائی ہے، بعض روایتوں میں آتا ہے: استفرهوا ضحایاکم اور بعض روایتوں میں ہے: عَظِّمُوا ضَحَایَاکُمْ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ [الفجر:١،٢]

وقال تعالىٰ: ﴿وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ [البقرة:١٢٤]

وقال تعالىٰ: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰي مِنْكُمْ﴾ [الحج:٣٧]

## اسلامی سال کے مہینے اور حرمت والے مہینوں کا ذکر

یہ ذوالحجۃ الحرام کا جو مہینہ ہے، وہ اسلامی کیلینڈر کا آخری مہینہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب سے اس زمین وآسمان کو پیدا فرمایا، یہ بارہ مہینے سال بھر کے لیے مقرر فرمائے اور ان میں چار مہینوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمت والا قرار دیا۔ حجۃ الوداع

کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطبہ دیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح فرمایا۔ بخاری شریف کی روایت میں یہ چیز موجود ہے۔ یہ جو حرمت والے چار مہینے ہیں، ان میں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔

## فضیلت والے ماہ وسال اور ایام واوقات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلامی کیلینڈر کے بارہ مہینوں میں سے بعض مہینوں کو کچھ خصوصیت عطا فرمائی ہے، بعض دنوں اور راتوں کو کچھ خصوصیات عطا فرمائی ہے، بعض اوقات اور گھڑیوں کو کچھ خصوصیات عطا فرمائی ہے: رمضان المبارک کا مہینہ ایک مہینے کے اعتبار سے تمام مہینوں پر فضیلت رکھتا ہے، جمعہ کا دن ہفتے کے دنوں میں دوسرے دنوں کے مقابلے میں فضیلت کا حامل ہے۔ نویں ذی حجہ یعنی عرفہ کا دن سال بھر کے دنوں میں سب سے افضل اور بہتر سمجھا جاتا ہے، لیلۃ القدر سال بھر کی راتوں میں سب سے افضل اور بہتر سمجھی جاتی ہے۔ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے ساعتِ اجابت کہ جو کوئی اس میں دعا کرتا ہے، وہ قبول کی جاتی ہے، اس کو دوسرے اوقات کے اوپر فضیلت حاصل ہے۔

## فجر کے مصداق میں علماء کے اقوالِ مختلفہ

سورۂ فجر کی ان ابتدائی آیات ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ فجر سے مراد کیا ہے؟ تو بعض مفسرین تو فرماتے ہیں کہ ہر دن کی فجر مراد ہے؛ اس لیے کہ ہر دن کی فجر جب طلوع ہوتی ہے تو دنیا کے اندر ایک انقلاب لے

کر آتی ہے، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی قسم کھا کر اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خاص طور پر دسویں ذی الحجہ کا جو دن ہے یعنی یوم النحر، عید الاضحیٰ، قربانی کا پہلا دن، اس کی فجر مراد ہے (۱)۔

## یومِ نحر سے پہلے والی رات حکماً یومِ عرفہ کی رات شمار ہوتی ہے

اس لیے کہ ویسے اسلامی کیلینڈر کے حساب سے گذشتہ رات آنے والے دن کے تابع ہوا کرتی ہے، جیسے جمعہ کی دن کی شب وہ کہلائے گی جو جمعرات کے بعد آتی ہے لیکن یہاں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرفات کے میدان میں جہاں حاجی لوگ وقوف کرتے ہیں اور وقوفِ عرفہ کو حج کا ایک اہم اور بنیادی رکن قرار دیا گیا ہے، وہاں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اگر کوئی آدمی دسویں ذی الحجہ کی صبحِ صادق تک عرفات کے اندر وقوف کر لے تو اس کا حج ادا ہو جائے گا، گویا اس دسویں ذی الحجہ والی رات کو حکم کے اعتبار سے گذشتہ دن یعنی یومِ عرفہ کے تابع قرار دیا گیا، اس اعتبار سے گویا یہ یوم النحر کی رات اُدھر لگا دی گئی، اس معنی کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج کے دن کی اس فجر کو اہمیت عطا

---

(۱) وَالْفَجْرِ اقسم اللّٰہ تعالی بالفجر ای انفجار صبح کل یوم کذا روی ابو صالح عن ابن عباس وھو قول عکرمة.....وقال الضحاك فجر أول يوم من ذی الحجة لانه قرن به الليالی العشرة. (التفسير المظهري تحت قوله تعالىٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ) وَثَالِثُهَا: أَنَّهُ فَجْرُ يَوْمٍ مُعَيَّنٍ، وَعَلَى هَذَا الْقَوْلِ ذَكَرُوا وُجُوهًا الْأَوَّلُ: أَنَّهُ فَجْرُ يَوْمِ النَّحْرِ، وَذَلِكَ لِأَنَّ أَمْرَ الْمَنَاسِكِ مِنْ خَصَائِصِ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ، وَكَانَتِ الْعَرَبُ لَا تَدَعُ الْحَجَّ وَهُوَ يَوْمٌ عَظِيمٌ يَأْتِي الْإِنْسَانُ فِيهِ بِالْقُرْبَانِ كَأَنَّ الْحَاجَّ يُرِيدُ أَنْ يَتَقَرَّبَ بِذَبْحِ نَفْسِهِ، فَلَمَّا عَجَزَ عَنْ ذَلِكَ فَدَى نَفْسَهُ بِذَلِكَ الْقُرْبَانِ. (تفسیر الرازی، تحت قوله تعالیٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ)

فرمائی اور اس کی قسم کھا کر ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ فرمایا۔

## وَلَيَالٍ عَشْرٍ کے مصداق میں اختلاف اور قولِ معتدل

دوسرے نمبر پر دس راتوں کی قسم کھائی، اس سے کون سی دس راتیں مراد ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو مفسرِ قرآن ہیں، ان کے حوالے سے حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں (۱)۔ ویسے حضراتِ علماء کے درمیان یہ مسئلہ موضوعِ بحث ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ افضل ہے یا ذوالحجہ کا یہ پہلا عشرہ افضل ہے؟ اس پر باقاعدہ دلائل کے ذریعہ سے کلام کیا گیا ہے، حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے کو بہت سے حضرات نے معتدل قرار دیا، وہ فرماتے ہیں کہ راتوں کے اعتبار سے تو رمضان کا آخری عشرہ سب سے افضل ہے؛ اس لیے کہ اس میں لیلۃ القدر ہے جو سال بھر کی راتوں میں سب سے افضل ہے اور دنوں کے اعتبار سے ذوالحجہ کا یہ پہلا عشرہ سب سے افضل ہے؛ اس لیے کہ اس میں دنوں کے اعتبار سے سال بھر کے دنوں میں جو سب سے افضل دن ہے یعنی یومِ عرفہ، وہ پایا جاتا ہے۔

اور آج جو دسویں ذی الحجہ کا دن ہے، اس کو قرآن میں يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ (التوبۃ: ۳)

---

(۱) وَقَدْ ثَبَتَ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا «مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ فِيهِنَّ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِي عَشَرَ ذِي الْحِجَّةِ قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا رَجُلًا خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ (تفسیر ابن کثیر، تحت قولہ تعالیٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ)

## ماہِ ذی الحجہ کے خصوصی احکام وعبادات اور خلیل اللہ

اس دن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔اس مہینے میں بہت سے احکام اور عبادتیں جو انجام دی جاتی ہیں،مختلف حیثیتوں سے ان میں سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے گھرانے کی بعض یادگاروں کو بڑا دخل ہے۔

## حضرتِ ہاجرہ سے حضرتِ ابراہیمؑ کے نکاح کا پس منظر

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا نکاح حضرتِ سارہ کے ساتھ ہوا اور ایک طویل زمانے تک ان کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔جب اولاد نہیں ہوئی اور حضرتِ سارہ اولاد کی طرف سے مایوس ہوئیں اور یوں سمجھا کہ میں تو بانجھ ہوں،اب مجھے کوئی اولاد نہیں ہوگی تو انھوں نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے کہا کہ آپ ہاجرہ سے-جو اس بادشاہ کی بیٹی تھی جس نے حضرتِ سارہ سے زیادتی کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں اس کو ناکام اور نامراد کیا تو اس نے حضرتِ سارہ سے متأثر ہوکر اپنی بیٹی حضرتِ ہاجرہ کو خدمت کے لیے حضرتِ سارہ کے حوالے کیا تو حضرتِ سارہ جب اولاد کی طرف سے مایوس ہوگئیں تو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے درخواست کی کہ وہ ان حضرتِ ہاجرہ سے-نکاح کرلیں۔

## اولاد کی دعا اور قبولیتِ دعا کی بشارت

چناں چہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے نکاح کرلیا اور نکاح کے

بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الصافات:۱۰۰] اے اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ اس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اس دعا کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک بردبار بیٹے یعنی حضرتِ اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی بشارت سنائی۔

## حضرت ابراہیمؑ کے یہاں حضرتِ اسماعیلؑ کی پیدائش

چناں چہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی عمر جب ۸۶ ؍سال تھی تو ان کے یہاں حضرتِ اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ باپ کو اس بیٹے کے ساتھ کس قدر محبت ہوگی!۔ برسوں کی تمناؤں کے بعد اور ایک مایوسی کی سی کیفیت کے بعد جب اولاد ملے اور وہ بھی اکلوتی اولاد ہو تو اس سے باپ کو جو تعلق اور محبت ہو سکتی ہے، ہر آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے۔

## بذریعۂ خواب اکلوتے بیٹے کو راہِ الٰہی میں قربان کرنے کا حکم

پھر یہی بچہ جب کچھ بڑا ہوا، بارہ، چودہ سال کا ہوا تو حکم آیا: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ [الصافات:۱۰۲] یعنی جب وہ بیٹا باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا، بارہ، چودہ سال کی عمر کو پہنچے، گویا تربیت اور ان کو بڑا کرنے کا جو مرحلہ تھا، وہ گذر گیا اور اب بیٹے کی طرف سے باپ کو کچھ امیدیں اور توقعات قائم ہوئیں کہ اب یہ میرے لیے بوڑھاپے کی لاٹھی ثابت

ہوگا، اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خواب میں آپ کو یہ دکھلایا گیا کہ آپ اپنے اس اکلوتے بیٹے کو چھری سے ذبح کر رہے ہیں۔

دیکھئے! یہ منظر خواب میں دکھلایا گیا، بذریعۂ فرشتہ وحی نہیں کی گئی، ویسے حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب بھی چوں کہ وحی کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔

## حضرت ابراہیمؑ کو بیوی اور بچے کو چھوڑنے کا حکم

اس سے پہلے بھی اپنے اس بیٹے اور اس کی ماں کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایک آزمائش سے گذر چکے تھے، اس بچے کے پیدا ہونے کے بعد فوراً اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ حکم دیا کہ اس بچے کو اور اس کی ماں کو ہم جہاں کہیں، وہاں چھوڑ آؤ۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ اور بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو لے کر چلے۔ حضرت جبرئیلؑ ان کو راستہ دکھلا رہے ہیں۔ شام کا ملک جو بڑا ہرا بھرا اور سرسبز وشاداب ہے، وہاں سے لے کر چلتے ہیں، راستے میں جہاں کہیں کوئی اچھی جگہ نظر آتی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبرئیلؑ سے پوچھتے ہیں کہ یہاں ٹھیرنے کا حکم ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ نہیں، ابھی تو اور آگے جانا ہے۔

## لق ودق میدان میں بیوی اور بچے کو چھوڑنے کا حکم

یہاں تک کہ آگے بڑھتے بڑھتے جب اس جگہ پہنچے جہاں آج کل کعبۃ اللہ ہے، پہاڑیوں کے درمیان میں ایک ٹیلہ سا تھا، وہاں لاکر کے حضرت جبرئیلؑ نے حضرت

ابراہیمؑ سے کہا کہ یہاں اپنی بیوی اور بچے کو ٹھیرانا ہے۔ کچھ دن حضرت ابراہیمؑ ان کے ساتھ رہے۔ ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا تھا اور پینے کے لیے پانی کا ایک مشکیزہ تھا، دو چار دنوں کے بعد حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو حکم ہوا کہ آپ اب تشریف لے جائیں اور ان کو یہیں چھوڑ دیں۔

حکم ملتے ہی اٹھے اور چلنے لگے، بیوی کو کچھ کہا نہیں۔ حضرتِ ہاجرہ نے دیکھا کہ یہ تو جا رہے ہیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی پوچھنے لگیں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں، یہاں تو کوئی نہیں ہے، دودھ پیتا بچہ ہے! لیکن کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں، دوسری مرتبہ پوچھا، تیسری مرتبہ پوچھا لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

## حضرتِ ہاجرہ کا عجیب متوکلانہ جواب

جب تیسری مرتبہ میں بھی کوئی جواب نہیں آیا تو خود حضرت ہاجرہ کے دل میں خیال آیا کہ شاید اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے؟ تو کہا کہ ہاں!۔ تو حضرتِ ہاجرہ نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے تو وہ ہمیں ضائع اور برباد نہیں کرے گا!!۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ پر کیسا بھروسہ ہے!۔ آج ہم اپنے بال بچوں کو بستی کے اندر جہاں ہزاروں کی آبادی ہے، اپنے گھر کے اندر چھوڑ کر جاتے ہیں تو ہمیشہ یہ خیال آتا رہتا ہے کہ بال بچوں کو اکیلے چھوڑ آیا ہوں، وہاں کوئی ہے نہیں، پتہ نہیں ان کا کیا ہوگا!، حالاں کہ ہمارا گھر ہزاروں کی آبادی کے بیچ میں ہوتا ہے تو بھی ہم ہمیشہ فکرمند

رہتے ہیں تو یہاں تو کوئی انسان، آدم زاد نہیں ہے، صرف یہ ماں اور بیٹا ہے، اور کچھ بھی نہیں۔ آپ تصور کیجیے کہ ان کی کیا کیفیت ہوگی!! لیکن جب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے تو حضرتِ ہاجرہ نے کہا: إِذاً لَا يُضَيِّعُنَا: تب تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کریں گے (۱)۔ اس عورت کا یقین دیکھیے۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج کے مسلمان کا حال یہ ہے کہ جب اسے شریعت کا کوئی حکم بتلایا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ تجارت میں یوں کرو تو جواب ملتا ہے کہ مولوی صاحب! اگر اس طرح کرنے جائیں گے تو برباد ہو جائیں گے!!، اللہ کے حکم کے بارے میں کہا جاتا ہے تو مؤمن یہ کہتا ہے اور اس عورت کا یقین دیکھو!۔

## حضرت ابراہیمؑ کی آزمائشوں کا اجمالی خاکہ

بہرحال! حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اسی حال میں چھوڑ کر گئے، یہ تو کتنی بڑی آزمائش تھی اور اس سے پہلے جو آزمائشوں سے گذرے تھے: اپنی قوم کے ساتھ آزمائش پیش آئی، اپنے باپ کے ساتھ آزمائش پیش آئی۔ باپ نے آپ کو اپنے

---

(۱) أخرجه أَحْمدوَعبدبن حميدوَالْبُخَارِيّوَابْن جرير وَابْن أبي حَاتِم والجندي وَابْن مرْدَوَيْه وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ فِي الدَّلَائِل عَن سعيد بن جُبَير (الدر المنثور تحت قوله تعالىٰ: وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ)

گھر سے نکال دیا، قوم نے آپ کے ساتھ عداوت کا معاملہ کیا کہ جب آپ نے قوم کو بت پرستی سے روکا اور ان کے بتوں کو ختم کیا تو قوم نے آپ کو آگ میں ڈالا، اس کے بعد عراق جو آپ کی جائے پیدائش تھی، اس کو چھوڑ کر شام تشریف لے گئے، گھر بار چھوڑا، قوم کو چھوڑا، وطن کو چھوڑا اور آخر میں بیوی اور بچے تک کو ایک غیر آباد اور بنجر جگہ میں چھوڑ آئے۔

## اپنے لختِ جگر کو خواب میں ذبح کرنے کا نظارہ

وہاں چھوڑنے کے بعد اللہ کے حکم سے کبھی کبھی ان کی خبر لینے کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ چناں چہ اسی زمانے میں جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی عمر بارہ یا چودہ سال تھی تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ان کو ذبح کر رہے ہیں تو آپ نے اپنے بیٹے کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: ﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾: اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، تم سوچ لو! تمھاری کیا رائے ہے؟۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ہاں کہیں گے تو ہی ان کو ذبح کیا جائے گا، دراصل حضرت ابراہیمؑ بیٹے کا بھی امتحان لینا چاہتے تھے کہ میرا بیٹا اللہ کے اس حکم کو پورا کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟۔

## سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

آخر بیٹا کس کا تھا؟ خلیل الرحمٰن کا بیٹا تھا! چناں چہ جواب دیا: ﴿يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [الصافات: ۱۰۲]: اے ابا جان! اللہ کی طرف سے

آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے، اس کو پورا کیجیے۔ اس سے حضرت اسماعیلؑ کی عقل کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو خواب بیان کررہے ہیں اور وہ اس عمر میں بھی سمجھ رہے ہیں کہ نبی کا خواب وحی ہوا کرتا ہے۔ ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو کہتا کہ ابا جان! خواب وخیال کے اس نظارے کا کیا اعتبار! کیا آپ محض ایک خواب کی وجہ سے میرے جیسے اکلوتے بیٹے کی جان لینے کے درپے ہوگئے!

لیکن حضرت اسماعیلؑ کہہ رہے ہیں: ﴿يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾: اے ابا جان! اللہ کی طرف سے آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے، اس کو پورا کیجیے، آپ اگر اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والوں اور تحمل کرنے والوں میں سے پائیں گے، سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ صَابِرًا نہیں کہا بلکہ ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ کہ: اللہ کے بہت سے بندے ہیں جو اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان میں ایک میں بھی ہوں۔ گویا اپنے آپ کو عُجب سے، خود بینی سے، کبر سے بچانے کا بھی اہتمام کررہے ہیں!۔

## سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾: قرآن میں باری تعالیٰ نے اس منظر کی عکاسی فرمائی ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں نے اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کردیا، سرِ تسلیم خم کردیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾: جب چھری چلانا شروع کیا۔

## اللہ تعالیٰ کا دکھلایا ہوا خواب حضرت ابراہیمؑ نے سچا کر دکھلایا

حضرت اسماعیلؑ نے پہلے ہی کہہ دیا کہ ابا جان! اپنے کپڑوں کو ذرا سمیٹ لیجیے، کہیں میرا خون آپ کے کپڑوں کو لگ نہ جائے اور کہیں اس کو دیکھ کر کے میری ماں کا دل متأثر نہ ہو اور چھری کو تیز کر لیجیے؛ تاکہ آپ جلدی سے اللہ کے حکم کو پورا کریں۔ لیکن بہرحال! اللہ تعالیٰ تو فقط امتحان لے رہے تھے۔ منظر یہ دکھلایا گیا تھا کہ وہ ذبح کر رہے ہیں، وہ منظر تو پورا ہو گیا، حضرت اسماعیلؑ ذبح ہو چکے ہیں، ایسا منظر دکھلایا نہیں تھا، بس یہ تھا کہ میں اپنے بیٹے کو لٹا کر کے اس پر چھری چلا رہا ہوں تو جو خواب اللہ تعالیٰ نے دکھلایا تھا، حضرت ابراہیمؑ نے اس کو سچا کر دکھلایا۔

## تکبیرِ تشریق کا پس منظر

اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے ایک مینڈھا لے کر کے آئے۔ حضرت ابراہیمؑ چوں کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے میں مشغول تھے تو حضرت جبرئیلؑ کو خیال آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کہیں اپنے بیٹے کو ذبح نہ کر ڈالیں؛ اس لیے دور سے ہی کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، حضرت ابراہیمؑ نے جب ان کو دیکھا تو خوش ہو کر کہا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، جب حضرت اسماعیلؑ نے یہ دیکھا تو کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، اور پھر اسی جگہ پر وہ مینڈھا جو جنت سے بھیجا گیا تھا، ذبح کیا گیا: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ، قرآن کہتا ہے کہ ہم نے ان کے بدلے میں ایک بڑا جانور قربانی کے طور پر پیش کیا، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی

یادگار رہے۔

## رمئ جمرات کا پس منظر

اسی موقع پر یہ بھی ہوا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے کعبۃ اللہ سے لے کر مِنیٰ کی طرف گئے، ماں کے سامنے ذبح نہیں کیا۔ مِنیٰ میں اس لیے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ تو شیطان نمودار ہوا، وہ حضرت ابراہیمؑ کو بہکانا چاہتا تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے سات کنکریاں ماریں تو وہ زمین میں دھنس گیا، پھر دوبارہ سامنے آیا تو پھر کنکریاں ماریں پھر تیسری مرتبہ نمودار ہوا تو پھر سے کنکریاں ماریں۔ حج کے موقع پر مِنیٰ میں اسی لیے کنکریاں ماری جاتی ہیں۔۔

## عیدالاضحیٰ کے روز قربانی حضرت ابراہیمؑ کے اس عمل کی یادگار ہے

بہرحال! حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا یہ قربانی والا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا مقبول ہوا کہ وہ اب قیامت تک جاری رہے گا اور مؤمن کو اس بات کا پابند بنایا گیا کہ وہ ان دنوں میں جانور کی قربانی کرے۔

## جانور کی قربانی قلبی جذبات کی علامت ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جانور تو ایک علامت ہے، ایک مؤمن جب قربانی کرتا ہے تو بوقتِ قربانی اس کے دل میں یہ جذبات ہونے چاہئیں کہ جیسے حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے، میں بھی اپنی جان، اپنا مال، اپنے اہل وعیال، اپنا سب کچھ اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے قربان کرنے کے واسطے تیار

ہوں، یہ قربانی کا جانور تو محض ایک علامت ہے اور اسی لیے قربانی کے اندر جو جانور جتنا عمدہ ہوگا، جتنا زیادہ فربہ ہوگا، جتنا زیادہ قیمتی ہوگا، اس کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے، بعض روایتوں میں آتا ہے: استفرهوا ضحايا كم (١) اور بعض روایتوں میں ہے: عَظِّمُوا ضَحَايَاكُمْ (٢)۔

## قربانی کے جانور کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھئے

آج کل تو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اپنے گھروں پر قربانی کا جانور رکھنے کے بجائے دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں، حالاں کہ ہمارے اسلاف کے یہاں اس کا اہتمام تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ وہ عید کے دن ہی آئندہ سال کے لیے قربانی کا جانور خرید لیتے تھے اور سال بھر تک اس کی خدمت کرتے، اپنے ہاتھ سے چارہ کھلاتے، یہاں تک کہ اخیری ایک دو مہینوں میں تو دودھ جلیبی کھلاتے تھے۔

اور جب آپ پڑھانے کے لیے دارالعلوم تشریف لے جاتے تو وہ جانور بھی آپ کے ساتھ جاتا، جب آپ درس گاہ میں جاتے تو وہ باہر بیٹھا رہتا اور جب باہر تشریف لاتے تو ساتھ ساتھ چلتا تھا، جانور کو آپ کے ساتھ اور آپ کو جانور کے ساتھ اتنا تعلق اور محبت ہو جاتی تھی اور جب عید کے روز ذبح کرتے تو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے

---

(١) التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ٩٨٦.

(٢) المبسوط للسرخسي، باب أول وقت الاضحية.

ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ کیفیت ہونی چاہیے؛ تاکہ یہ محسوس ہو، اس کا اندازہ ہو کہ ہم اپنی محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

## قربانی کی حقیقت اور اس کا ثواب حدیث کی روشنی میں

یہ قربانی کیا ہے؟ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا: یَا رَسُولَ اللهِ مَا هَذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟: اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کے جانور کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت اور طریقہ ہے۔ صحابہ نے پوچھا: فَمَا لَنَا فِيهَا؟: ہم کو اس میں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ: قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔ پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ فَالصُّوفُ؟: جانوروں کے بال الگ الگ ہوتے ہیں: بعض جانوروں کے کے بال ہوتے ہیں اور بعض کا اون ہوتا ہے تو پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اون کا کیا حکم ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا: بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ: اون والے جانور کے ہر بال کے بدلے میں بھی ایک نیکی ملے گی (۱)۔

## قربانی کا جانور قیامت کے دن صحیح سالم آئے گا

اور یہ قربانی کا جانور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، پورا اپنے سینگ کے ساتھ، اپنے بالوں کے ساتھ، اپنی کھریوں کے ساتھ قیامت کے دن آئے گا؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) السنن الکبری للبیهقی، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، كِتَابُ الضَّحَايَا، ر: ۱۹۰۱۷.

فرماتے ہیں: فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا: کہ پوری خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو(٢)۔

## قربانی کے جانور کے بارے میں ہمارا نازیبا رویہ

آج تو قربانی کے معاملے میں ہمارا حال عجیب ہوگیا ہے! ویسے شاپنگ میں، اِدھر اُدھر فضول خرچی میں ہزاروں روپئے خرچ کردیں گے لیکن قربانی کے معاملے میں ایسا کم سے کم درجے کا جانور خریدنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس سے قربانی ہو جائے، حالاں کہ جتنا عمدہ، جتنا قیمتی، جتنا فربہ ہوگا، اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آج قربانی کے دن جانور کے خون کو بہانے سے بڑھ کر دوسرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، اس لیے تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو(٣)۔

## قربانی کا نصاب

جس آدمی کے پاس ٦١٢ر گرام اور ٣٦٠ر ملی گرام چاندی یا اس کی مالیت کا اگر کوئی زائد سامان ہے اور اس کے اوپر قرضہ بھی نہیں ہے، قرض سے زائد اتنا مال ہے تو اس کے اوپر قربانی واجب ہے۔ ہمارے گھروں میں شوکیس کا عام رواج ہے جس میں ضرورت سے زائد سامان رکھا ہوا ہے تو لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ میرے اوپر زکوۃ فرض نہیں ہے تو قربانی بھی واجب نہیں ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، زکوۃ کا نصاب الگ ہے

---

(٢) السنن الکبری للبیهقی، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالیٰ عَنْهَا، كِتَابُ الضَّحَايَا، رقم الحديث: ١٩٠١٥.

(٣) مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِهِ دَمًا، حوالۂ بالا۔

اور قربانی کا نصاب الگ ہے۔

## قربانی کے نصاب کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

زکوۃ کا نصاب تو وہ مال ہے جو بڑھنے والا ہو، سونا چاندی یا تجارت کا مال ہو اور قربانی میں مال کا بڑھنے والا ہونا ضروری نہیں ہے، اگر ضرورت سے زائد مال اتنا ہو کہ ۶۱۲ ر گرام اور ۳۶۰ ر ملی گرام چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم پر صدقۃ الفطر واجب ہے اور وہ ادا بھی کرتے ہیں اور انھیں کو جب یہ کہا جاتا ہے کہ بھائی! قربانی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! قربانی تو ہم پر واجب نہیں ہے۔ حالاں کہ صدقۃ الفطر تو ادا کر رہے ہیں اور جو نصاب صدقۃ الفطر کا ہے، وہی نصاب قربانی کا بھی ہے!!۔

## صاحبِ نصاب کے قربانی نہ کرنے پر وعید

اس لیے میں سب سے کہوں گا کہ اہلِ علم سے مل کر اپنا حال بیان کریں اور پوچھیں کہ مجھ پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ ورنہ قربانی واجب ہونے کے باوجود اگر نہیں کروگے تو بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں قربانی کی طاقت ہے اور اس کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے (۱)۔ ایسے آدمی پر عید کی نماز کے لیے آنے پر بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پابندی لگا رہے ہیں، گویا اسے

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِأَنْ يُضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا" (السنن الکبری للبیهقی، کِتَابُ الضَّحَایَا، رقم الحدیث: ۱۹۰۱۲)

خوشی میں شرکت کی اجازت نہیں ہے؛اس لیے اس چیز کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## جانور کو ذبح کرنا اپنی چاہتوں کو اللہ کے احکام پر قربان کرنے کی علامت ہے

اور جیسا کہ میں نے کہا کہ قربانی کا جانور ایک علامت ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی تمام تر چاہتوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر قربان کرنے کے واسطے تیار ہیں،اللہ کے ہر حکم کو پورا کرنا مؤمن کی اولین ذمہ داری ہے،اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے اس کو تیار رہنا چاہیے۔

## تکبیرِ تشریق کا حکم

تکبیرِ تشریق: اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ, لَا إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ, اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ یہ تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا ہر ایک پر واجب ہے، عید کی نماز کے بعد بھی اس کو پڑھنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت

حضرت دامت برکاتہم کے ۱۰ مختلف مواقع پر بیان کردہ مواعظ کو مدِّ نظر رکھ کر اس بیان کو ترتیب دیا گیا ہے۔

# اقتباس

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| من نہ گردم پاک از تسبیح شاں | پاک ہم ایشاں شوند و دُرفشاں |

سبحان اللہ کا ترجمہ ہوتا ہے: اے اللہ! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیری ذات پاک ہے تو ان بندوں کے میری تسبیح پڑھنے اور سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کے سبحان اللہ کہنے سے ان کی گندی زبانیں پاک ہوتی ہیں اور ان کی گندگیاں دور ہوتی ہیں۔ ہماری گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں، پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اللہ کا نام لینے کی ہمیں اجازت دے دیتے؛ تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِالله مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوااللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾[الأحزاب]

وقال تعالىٰ: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِيْ وَلَاتَكْفُرُوْنِ﴾ [البقرة١٥٤]

وقال تعالىٰ:﴿اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد:٢٨]

وقال تعالىٰ:﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾[طه:١٢٤]

و قال تعالىٰ: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ﴾ [النساء: ١٠٣]

وقال النبی ﷺ فيما يرويه عن ربه تبارك وتعالىٰ، قال الله تعالىٰ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ

ذَكَرَنِي فِي مَلأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَة①.

وقال النبی ﷺ: مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ②.

## دل کہے ''اللہ اللہ'' یہ زندگی کا ساز ہے

محترم حضرات! حضرت شیخ نوّراللہ مرقدہ ''فضائلِ ذکر'' کے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں جو برکت، لذت، حلاوت اور طمانینت ہے، اس کا اندازہ وہی آدمی کرسکتا ہے جس نے کچھ دنوں تک اللہ کے نام کی رٹ لگائی ہو۔ حضراتِ عارفین اسی ذکر اللہ کو کائنات کی روح قرار دیتے ہیں، گویا پوری کائنات کا وجود ذکر اللہ پر قائم ہے؛ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب روئے زمین پر ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجاے گی۔

## سب چھوڑ خیالات، بس اِک یادِ خدا کر

قرآن وحدیث میں ذکر اللہ کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور قرآن وحدیث کا پورا ذخیرہ اللہ کے ذکر کی تاکید سے بھرا پڑا ہے جس میں سے نمونے کے طور پر آپ کے سامنے چند آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئیں۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ

---

①صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ.

②صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب فَضْلِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

تعالیٰ کے جو احسانات وانعامات جن کو ہم ہر لمحہ اور ہر وقت استعمال کرتے ہیں، ان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوتا، تب بھی ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے، چہ جائے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اس کا حکم دیا ہے۔

## لب پہ ہر دم ذکر ہو، دل میں ہر دم فکر بھی

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، اللہ تعالیٰ کا ذکرِ کثیر کرو۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: صبح ایک تسبیح پڑھ لی اور شام کو ایک تسبیح پڑھ لی؛ اس کا نام ذکرِ کثیر تھوڑا ہی ہے بلکہ کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، سوتے، جاگتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے۔

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن ورات کی آمد ورفت میں عقل مندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل مند کون ہے؟

اب عقل مند کون ہیں؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہی بتلا رہے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ﴾ وہ لوگ جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، اور پہلوؤں پر لیٹے لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ انسان کی تین ہی حالتیں

ہیں؛ کھڑا ہوگا یا بیٹھا ہوگا یا لیٹا ہوگا۔ گویا جو بندہ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، تب ہی اس کا شمار اُولوا الْاَلْبَابِ (عقل مندوں) میں ہوگا۔

قرآنِ کریم میں جہاں صلوٰۃ الخوف کا تذکرہ ہے وہاں صراحۃً حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ﴾ اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے لیٹے۔ گویا وہاں عقل مندوں کا حال بیان کیا تھا، اور یہاں ان تینوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

## ذکر اللہ کائنات کی روح ہے

اس ذکر کے نتیجے میں بندے کو وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ کہتا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [ال عمران:۱۹۱] یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا ہماری زندگی کی روح ہے۔ ویسے بھی علماء نے لکھا ہے کہ ساری کائنات کی روح اللہ کا ذکر ہے؛ اسی وجہ سے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب تک روئے زمین کے اوپر ایک آدمی بھی ''اللہ اللہ'' کہنے والا ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کو قائم نہیں فرمائیں گے۔

## ذکر اللہ سے غفلت باعثِ ہلاکت ہے

پانی جب تک کہ بہتا ہے، اللہ کا ذکر کرتا ہے، جب ذکر بند ہو جاتا ہے تو بہنا بند ہو جاتا ہے اور بہنا بند ہو جاتا ہے تو وہ ٹھیر جائے گا اور اس میں عفونت پیدا ہوگی، بدبو آئے گی، بگڑ جائے گا۔ مچھلیاں جب اللہ کے ذکر سے غافل ہوتی ہیں تو وہ شکاری کی

جال میں پھنستی ہیں، یہ کتابوں کے اندر لکھا ہے①۔ ویسے قرآن بھی کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے:﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾[الإسراء:٤٤]

## ذکرِ الٰہی تمام عبادتوں کا عطر اور خلاصہ ہے

بلکہ یوں کہا جائے کہ ساری شریعت کا خلاصہ اللہ کی یاد ہے: یہ سارے احکام جو ہمیں دئے گئے، جو کام کرنے کے ہیں، ان کو کرنے کا حکم دیا گیا، جو چیزیں بچنے کی ہیں، ان سے بچنے کا حکم دیا گیا، ان سب کا مقصد یہی ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے دل ودماغ میں بسائے رکھے، اللہ تبارک وتعالی کی ذات کا استحضار رہے، ایک لمحے کے لیے بھی اس کی طرف سے غفلت نہ ہو اور ہر وقت اللہ تبارک وتعالی کی یاد میں ڈوبا ہوا ہو، مشغول ہو، یہ اصل مقصود ہے اور تمام اعمال کا خلاصہ یہی ہے۔

---

①[١]قال بعض الصالحين رأيت صياداً بالهند كلما صاد سمكة دفعها إلى ابنة له فترسلها في الماء وهو لا يعلم فلما فرغ جاء فلم يجد شيئاً فسألها عن ذلك قالت سمعتك تقول عن النبي ﷺ لاتقع سمكة في شبكة إلا إذا غفل عن ذكر الله فكرهت أن تأكل شيئاً غفل عن ذكر الله وقيل أنها كانت السمكة تسبح في يدها فقالت البنت ما دفعت إلي سمكة إلا وسمعتها تقول سبحان الله فقطع الشبكة و تاب عن الصيد.[٢] قال إبراهيم الخواص رضي الله عنه خرجت أطلب الحلال فأخذت شبكة وألقيتها في البحر فأخذت سمكة ثم ثانية ثم ثالثة فهتف بي هاتف يا إبراهيم لم تجد معاشاً إلا فيما يذكرنا فقطعت الشبكة.

(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، لعبد الرحمن بن عبد السلام الصفوري (المتوفى: ٨٩٤هـ)

## ذکرِ الٰہی کے لیے کوئی قید اور شرط نہیں ہے

اسی لیے دوسری جتنی بھی عبادتیں ہیں، ساری عبادتوں کے لیے شرائط ہیں: نماز ہے تو اس کے لیے شرطیں ہیں: کپڑا پاک ہو، بدن پاک ہو، جگہ پاک ہو، قبلے کی طرف منہ کیے ہوئے ہو۔ روزے کے لیے بھی کچھ شرطیں ہیں، اس کے اوقات مقرر ہیں، ہر عبادت کے لیے شرطیں ہیں، اوقات متعین ہیں کہ فلاں وقت میں یہ عبادت نہیں کی جا سکتی: سورج طلوع ہو رہا ہو، سورج سر پر ہو، سورج غروب ہو رہا ہو تو نماز کی اجازت نہیں ہے۔ روزہ ہے تو ایّامِ تشریق اور ایامِ عیدین میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ حج ہے تو مخصوص زمانے میں مخصوص جگہ پر ادا کیا جاتا ہے، ہر وقت آدمی ادا نہیں کر سکتا تو جتنی بھی عبادتیں ہیں، وہ شرائط کے ساتھ، زمانوں کے ساتھ، مکانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسا ہے کہ اس کے لیے کوئی قید نہیں ہے، کسی بھی وقت، آدمی کسی بھی حالت میں ہو، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کر سکتا ہے اور یہ حکم ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔

## رہے مشغول جو یادِ خدا میں

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ تم مجھے یاد کرو، میں بھی تمہیں یاد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا عجیب وغریب معاملہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بایں کبریائی وعظمت اپنے ناپاک بندے کو یاد کرے!

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اس پر تو بندوں کو قربان ہو جانا چاہیے۔ منی کے ناپاک قطرے سے بنا ہوا ایک بندہ، جس کا وجود ہی گویا گناہ اور گندگی میں ڈوبا ہوا ہے مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد فرماتے ہیں۔

## ہے اس کا ذکر دربارِ خدا میں

صوفیاء نے لکھا ہے (اکمال الشیم کی تعلیم میں جو عصر کے بعد پڑھی جاتی ہے آپ نے سنا ہوگا) کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد فرماتے ہیں۔ گویا بندہ جب اللہ کا ذاکر بنتا ہے تو وہ اللہ کا مذکور بن جاتا ہے اور مذکور بننے والا مقام ذاکر سے بھی اونچا ہے لیکن یہ مقام اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ آدمی پہلے اللہ کو یاد کرے گا۔ ذاکر بنے گا تو مذکور بنے گا، گویا مذکور بننا ذاکر بننے پر موقوف ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلالتِ شان کے باوجود اس بندے کو یاد فرمائیں گے۔

## اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے

آج کوئی آدمی آکر کسی کو بتلائے کہ میں وزیر اعظم یا صدر جمہوریہ کے پاس گیا تھا تو انھوں نے آپ کا تذکرہ کیا تھا تو آپ کہیں گے کہ کیا انھوں نے میرا تذکرہ کیا تھا؟ اور یہ سن کر آپ پھولے نہیں سماتے۔ جب دنیا کے حاکموں کے تذکرہ کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ جس کو یاد فرمائیں، اس کا مقام کیا ہوگا؟

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾[العنكبوت: ٤٥] اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ بعض حضرات

نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت ہی بڑی چیز ہے یعنی ایک شکل تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

اور دوسری شکل یہ ہے کہ اللہ تعالی بندے کو یاد کریں، یہ سب سے بڑی چیز ہے اور بہت اونچا مقام ہے لیکن یہ تب حاصل ہوگا، جب بندہ اللہ تعالی کو یاد کرے، اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے بندہ اللہ تعالی کا ذکر کرے، تب اللہ تعالی اس کا تذکرہ ملائکہ میں فرمائیں گے اور اس کو یاد کریں گے۔

## کوئی تیرے ذکر کے برابر مزے کی شے اے خدا! نہیں

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ غور کیجیے کہ "بِذِكْرِ اللّٰهِ" کو مقدم کیا گیا اور "تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" کو بعد میں لایا گیا، یہ نہیں کہا گیا "تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بِذِكْرِ اللّٰهِ" بلکہ کہا "بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو سکون پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر ہم اپنے دلوں کو سکون وطمانینت دینا چاہتے ہیں تو اللہ کا ذکر کریں، اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے لیکن آج اسی کو ہم نے چھوڑ دیا ہے، اس کے بعد اگر دل کا سکون حاصل کرنے کے لیے دوسری ساری تدبیریں کرتے رہیں تب بھی کوئی تدبیر کارگر ہونے والی نہیں ہے۔

## ہماری پریشانیوں کا سبب

آج کل لوگ اللہ کے ذکر سے بہت غفلت برت رہے ہیں، دراصل اسی کا نتیجہ

ہے کہ ہماری زندگیاں بے چینی کا شکار ہیں، باری تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَه شَيْطٰنًا فَهُوَلَه قَرِيْنٌ﴾[الزخرف:۳٦] جو اللہ کی یاد سے غفلت برتتا ہے، ہم اس کے اوپر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا دوست بن جاتا ہے۔ ہماری زندگیاں اللہ کی یاد سے غفلت میں گذریں گی تو اب ہماری دوستی شیطان کے ساتھ ہو جائے گی، پھر ہمارے دلوں کو کبھی بھی سکون اور چین حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

## نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں

اللہ کا نام ہمارے دلوں کے لیے سکون کا ذریعہ ہے۔ آج پوری دنیا جس طرح بے چینی کا شکار ہے، وہ مجھے اور آپ کو معلوم ہے، باری تعالی فرماتے ہیں:﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾[طہ: ۱۲٤] میری یاد سے جو منہ موڑے گا، اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ آج ہماری زندگی میں جو تنگی آ گئی ہے اور ہمارے قلوب کے اندر سے سکون اور طمانینت چھن چکی ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ذکر اللہ سے ہماری زندگیاں خالی ہو چکی ہیں۔

## ذکرِ خدا کا حکم قرآنِ پاک کی بہت سی آیات میں ہے

اس سلسلے میں اور بھی بے شمار آیات ہیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائل کے جو رسالے لکھے ہیں: فضائل نماز، فضائل قرآن، فضائل درود، فضائل ذکر، ان میں سے کسی بھی رسالے میں اتنی کثرت سے قرآنِ پاک کی آیتیں اور حدیثیں بیان نہیں کی ہیں، جتنی فضائل ذکر میں کی ہیں۔ فضائلِ قرآن اٹھا کر دیکھ لیجیے، چند آیتیں اور چند

حدیثیں ذکر کی ہیں، اسی طرح اور رسائل کے اندر بھی یہی طرز رہا ہے لیکن فضائل ذکر میں بے شمار آیتیں بیان فرمائی ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآنِ پاک میں ذکر سے متعلق بہت ساری آیات ہیں۔

## جس کو خدا مل گیا، اسے سب کچھ مل گیا

ایک حدیث قدسی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ''أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي'' میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں ''وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي'' بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ گویا بوقتِ ذکر اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ کسی کو اللہ کی معیت حاصل ہو جائے، گویا اللہ تبارک وتعالی اس کے ساتھ ہوں تو دنیا کی ساری چیزیں اس کو حاصل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی جو ساری کائنات کا خالق ومالک ہے، وہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔

## اسی پہ رکھ اپنی نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار میں اعلان کیا کہ یہاں دربار میں جو ہے، جو شخص ان میں سے جس پر ہاتھ رکھ دے، وہ اس کا ہو جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی، کوئی اِدھر بھاگ رہا ہے، کوئی کسی چیز پر قبضہ جمانے کے لیے کدھر جا رہا ہے۔ ایک باندی محمود غزنوی کے پیچھے کھڑی تھی، وہ وہیں کی وہیں رہی اور اس نے محمود غزنوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، محمود نے اس سے پوچھا

کہ سب لوگ چیزیں لینے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، تو کیوں نہیں جارہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے بھی تو ہاتھ رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ آپ نے کہا: ''دربار میں جو ہے'' تو دربار میں تو آپ بھی ہیں؛ اس لیے میں نے آپ پر ہاتھ رکھ دیا، آپ اگر میرے ہو گئے تو سب کچھ میرا ہو گیا۔

## رہے مشغول جو یادِ خدا میں

پھر آگے فرماتے ہیں ''فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي '' اگر وہ مجھے اپنے جی میں اور تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں ''وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ'' اور اگر وہ کسی مجمع میں (انسانوں کے مجمع میں) مجھے یاد کرتا ہے تو مَیں اس سے بہتر مجمع (فرشتوں کے مجمع) میں اس کو یاد کرتا ہوں ''وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا'' اور اگر بندہ ایک بالشت میری طرف قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ ہاتھ دو بالشت کا ہوتا ہے، کوئی بھی اپنے ہاتھ کو ناپ لے تو اس کے دو بالشت ہی ہوں گے۔

''وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا'' اور اگر بندہ ایک ہاتھ میری طرف آگے بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف چار ہاتھ بڑھتا ہوں۔ ''باع'' کا ترجمہ عام طور پر دو ہاتھ سے کرتے ہیں، لیکن حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ چار ہاتھ فرماتے ہیں۔ جب دونوں ہاتھوں کو پھیلایا جائے تو ایک ہاتھ کی انگلی سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں تک چار ہاتھ ہوتے ہیں۔ ''وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً'' اور اگر بندہ چل

کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔

## خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے!

اللہ تعالیٰ کی شان تو بڑی بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے ساتھ کیسا شفقت کا معاملہ کرتا ہے! کہاں ہمارا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا! لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کتنا نوازا جاتا ہے اور کیسا عظیم بدلہ دیا جاتا ہے! اس پر تو ہمیں مر مٹنا چاہیے۔

## اسے زندہ مت سمجھو، مردہ ہے وہ انسان

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ'' جو آدمی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں یاد کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ یاد کرنے والا زندہ ہے اور جو یاد نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے قائم ہے۔

## اللہ کی یاد سے غفلت موت ہے: ایک قصہ

ایک اللہ والے تھے، وہ اپنے جیسے دوسرے اللہ والوں کی ملاقات کے لیے جا رہے تھے، جاتے جاتے راستے میں تھکن محسوس ہوئی تو ایک درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کے لیے بیٹھ گئے، درخت کے اوپر دو پرندے آپس میں بات کر رہے تھے: ایک نے دوسرے سے پوچھا: یہ کہاں جا رہے ہیں؟ دوسرے نے کہا: فلاں صاحب کی ملاقات کے لیے جا رہے ہیں تو پہلے نے کہا: ان کا تو انتقال ہو گیا۔ انھوں نے سنا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا ہے تو سوچا کہ میں تو ان کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں، اب واپس لوٹنا چاہیے پھر

خیال آیا کہ اتنا سارا راستہ جب قطع کر چکا ہوں تو اب ہو ہی آؤں، اگر زندہ ہوں گے تو ملاقات ہو جائے گی، ورنہ تعزیت کر آؤں گا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ تو زندہ سلامت موجود ہیں۔ کہا: حضرت! کیسا زمانہ آ گیا ہے کہ پرندے بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ پوچھا: کیا ہوا؟ تو بتایا کہ: ایک جگہ میں آرام کے لیے بیٹھا ہوا تھا، وہاں دو پرندے اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ پوچھا: وہ کون سا وقت تھا؟ انھوں نے سوچ کر بتایا کہ فلاں وقت تھا۔ تو ان بزرگ نے سوچ کر کہا کہ: ہاں! اس پرندے نے سچ کہا، دراصل اس وقت میں اللہ کی یاد سے غافل تھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے غفلت موت ہے۔

## نور میں ہو یا نار میں رہنا، ہر جگہ ذکرِ یار میں رہنا

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن بسر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام بہت ہیں (فرائض وواجبات کا تو اہتمام کرنا ہی ہے، لیکن نوافل کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے) اس لیے مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جس کو میں مضبوطی کے ساتھ کروں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللهِ'' تمھاری زبان ہمیشہ اللہ کی یاد سے تر و تازہ رہنی چاہیے، ہر وقت اللہ کی یاد کرتے رہنا چاہیے [۱]۔

## قیامت میں بلند مرتبے پر فائز ہونے والے

اور پھر جنت کے جتنے بھی درجات ہیں، وہ سب اسی پر موقوف ہیں، حضرت

---

[۱] سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ ؓ، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الذِّكْرِ.

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کے روز کون سا بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند اور افضل ہوگا؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ'' جو اللہ کے بندے اور بندیاں کثرت سے اللہ کو یاد کرتی ہیں، وہ سب سے اونچے مقام پر ہوں گے ①۔

## جملہ عبادات کی مشروعیت کی غرض ذکرِ الٰہی کا قیام ہے

بہر حال! اللہ کے ذکر کی بڑی تاکید ہے اور بے شمار آیتیں اور احادیث ہیں جن میں ذکر اللہ کو سارے اعمال سے افضل بتلایا گیا ہے اور در حقیقت عبادات بھی اسی لیے مشروع کی گئی ہیں؛ تاکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے، جیسے: نماز کے بارے میں قرآنِ پاک میں یہ ارشاد موجود ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ [طٰه:١٤] نماز اسی لیے قائم کی جاتی ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کی یاد ہمارے دلوں کے اندر بسے۔

## ہمارے ذکر سے شانِ خداوندی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ نے کثرت سے یاد کرنے کا جو حکم دیا ہے تو ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمارے ذکر کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کوئی فائدہ ہے؟ یا ہم بندوں کا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت اونچی ہے وہ تو بے نیاز ہے، اس کی کبریائی، اس کی عظمت، اس کی جلالت

---

① سنن الترمذی، رقم الحدیث:٣٧٠٣.

شان تو نہایت عظیم ہے، اس کو ہمارے یاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے یاد کرنے سے اس کی شان اور کبریائی میں اور اس کے مقام ومرتبہ میں کوئی اضافہ ہونے والا نہیں ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے

مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے، حدیث قدسی ہے، بڑی لمبی چوڑی روایت ہے اور ایسی عظیم الشان روایت ہے کہ امام ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے محدث ہیں، جب وہ اس روایت کو بیان کرتے تھے تو دوزانو بیٹھ جایا کرتے تھے①، اس کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں "يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا" اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات؛ تم میں سے سب زیادہ متقی (اللہ سے ڈرنے والے نیک بندے) جیسے ہو جائیں ("اتقیٰ قلب" کی تشریح میں شراح نے لکھا ہے کہ سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ہو جائیں) تو میری شان میں کوئی اضافہ اور زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

"يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا" اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور

---

① كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ.(صحيح مسلم، بَابُ تَحْرِيمِ الظُّلْمِ،رقم الحديث:۲۵۷۷)

پچھلے، انسان اور جنات سب سے زیادہ گنہگار اور نافرمان بندے (شیطان) جیسے بن جائیں تو اس کی وجہ سے میری شان میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے①۔

معلوم ہوا کہ ہمارے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے سے اس کی شان میں کوئی فرق آنے والا نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں یا نہ کریں، اس کی شان اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اللہ کی شان کے اندر نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے، نہ اس میں کمی آتی ہے۔

## بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللّٰہ

مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے اسپین کے ایک سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا: جب میں اسپین گیا اور قرطبہ کی جامع مسجد دیکھنے کے لیے گیا تو دیکھا کہ مسجد نبوی کی جو نئی تعمیر ہوئی ہے، اس سے پہلے تک دنیا کی سب سے بڑی مسقّف مسجد وہی تھی۔ وہاں پہنچے تو دل میں خیال آیا کہ نماز پڑھ لیں، میں اور میرا ایک ساتھی تھا، نماز کا وقت ہو رہا تھا، میں نے وہاں آہستہ سے اذان دی اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے، انھوں نے اقامت کہی اور دو رکعت پڑھ لی۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جس وقت میں سجدہ میں گیا تو اس وقت دل میں خیال آیا کہ یہی وہ مسجد ہے کہ ایک زمانے میں جب اذان کی آواز یہاں سے گونجتی تھی تو ہزاروں قدم اللہ کی عبادت کے لیے اس مسجد میں آنے کے لیے آگے بڑھتے تھے اور جب نماز قائم ہوتی تھی تو ہزاروں پیشانیاں اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتی تھیں، آج اذان کی

① مسلم شریف، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ.

آواز سن کر ایک قدم بھی یہاں بڑھنے والا نہیں لیکن نہ اس وقت اللہ کی شان میں کوئی اضافہ ہوا اور نہ اِس وقت اللہ کی شان میں کوئی کمی ہوئی۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ: ؎

| | | |
|---|---|---|
| یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند | | بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ |

اللہ کی شان تو بہت بڑی ہے، ساری دنیا اس کی عبادت کرے تب بھی اور اگر کوئی عبادت نہ کرے، سب اس کی نافرمانیوں پر تل جائیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر ہم اس کا ذکر کریں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہوگا۔

## من نہ گردم پاک از تسبیح شاں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

| | | |
|---|---|---|
| من نہ گردم پاک از تسبیح شاں | | پاک ہم ایشاں شوند و دُر فشاں |

سبحان اللہ کا ترجمہ ہوتا ہے: اے اللہ! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیری ذات پاک ہے۔ ان بندوں کے میری تسبیح پڑھنے اور سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کے سبحان اللہ کہنے سے ان کی گندی زبانیں پاک ہوتی ہیں اور ان کی گندگیاں دور ہوتی ہیں۔ ہماری گندی زبانیں اس لائق نہیں تھی کہ اللہ کا نام لیتیں، پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اللہ کا نام لینے کی ہمیں توفیق دے دیں تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات تھی۔

## ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است

| | | |
|---|---|---|
| ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب | | ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است |

میں اپنے منھ کو ہزار مرتبہ مشک وگلاب سے دھوؤں، تب بھی اے اللہ! تیرا نام لینا بڑی بے ادبی کی بات ہے۔

لیکن اللہ کا کرم ہے کہ اس نے نام لینے کی اجازت ہی نہیں، بلکہ حکم دیا کہ میرا ذکر کرو اور میرا نام لو، اللہ کے حکم کو سن کر تو ہمیں مر مٹنا چاہیے۔ اپنی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر گھڑی کو اللہ کی یاد سے آباد کرنے کی ضرورت ہے۔

## گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

مجھے بھی اس کی (جامعِ قرطبہ کی) زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، ہم لوگ برطانیہ سے گئے تھے، ہم بارہ ساتھی تھے۔ وہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جب وہاں عیسائیوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے وہاں جتنی مسجدیں تھی، ان سب کو گرجے بنا لیے۔ اس میں بھی ایک مسجد کے دو تین گرجے بنا رکھے ہیں، البتہ محراب والا جو حصہ ہے، اس کو اپنی حالت پر تاریخی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے باقی رکھا ہے اور جیسے تاریخی عمارت کی زیارت کے لیے ہر جگہ فیس دے کر ٹکٹ لینی پڑتی ہے، اس طرح جس وقت ہم بھی زیارت کے واسطے ٹکٹ لینے گئے تو ہماری شکل وصورت دیکھ کر ان کو خیال ہوا کہ یہ لوگ ضرور نماز پڑھیں گے تو اس نے تاکید کی تھی کہ اندر نماز نہیں پڑھ سکتے، اگر نماز پڑھو گے تو ہم نکال دیں گے۔ اور فون کر کے باقاعدہ ایک الگ دستہ بلایا گیا اور ہم میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک ایک آدمی کر دیا گیا؛ تاکہ کوئی بھی کسی کونے میں جا کر نماز پڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

## دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو

میں عرض کررہا تھا کہ ذکر کرنے سے کیا اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے؟ نہیں! بلکہ ہمارا فائدہ ہے، اللہ کا ذکر کرنے کی وجہ سے ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں، ہماری ناپاکیاں ختم ہوتی ہیں اور ہمارے قلوب میں صفائیاں آتی ہیں، ہمارے اعمال کے اندر صلاح اور تقوی آتا ہے، ہمیں اللہ کی ذات کا استحضار نصیب ہوتا ہے اور اللہ کی ذات کا استحضار ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے آمادہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے ہم کو روکے گا۔

## گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب

دراصل آدمی گناہ کیوں کرتا ہے؟ یہ گناہ کرنے والا جس وقت گناہ کررہا ہوتا ہے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا استحضار نہیں ہوتا، اس کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ہم سب کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتے ہیں لیکن جس وقت ہم گناہ کررہے ہوتے ہیں، اس وقت ہم بھول جاتے ہیں، ہمیں اس وقت یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اگر یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے تو کبھی کوئی بندہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔

## اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار گناہوں سے روکنے والا ہے

حدیث پاک میں آتا ہے: لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ کہ: زنا

کرنے والا جس وقت زنا کررہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، چوری کرنے والا جس وقت چوری کررہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا[۱]۔

شرّاح نے اس کی یہی تشریح کی ہے کہ مومن نہیں ہوتا یعنی گویا اس کو اس وقت اللہ کی ذات کا استحضار نہیں ہوتا[۲]، اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہوتا تو کبھی زنا کا ارتکاب نہ کرتا۔

## تمھارا نام ہی کافی ہے روشنی کے لیے

جیسے ایک آدمی جب دیکھ رہا ہو کہ مجھے لوگ دیکھ رہے ہیں، میرا باپ دیکھ رہا ہے، میرا استاذ دیکھ رہا ہے، میرا شیخ دیکھ رہا ہے بلکہ میرا بیٹا دیکھ رہا ہے، میرا شاگرد دیکھ رہا ہے، میرا مرید دیکھ رہا ہے، ارے چھوٹا بچہ دیکھ رہا ہے، تو کیا کوئی زنا کرے گا؟ نہیں کرے گا! تو جب یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو بھلا کون زنا کرے گا لیکن جس وقت زنا کرنے والا زنا کررہا ہوتا ہے، اس وقت یہ بھول جاتا ہے اور ہم یہی بات بھولنے نہ پاویں، ہمیں ہر وقت اللہ کی یاد تازہ رہے، خلوت میں بھی، جلوت میں بھی، تنہائی میں بھی، لوگوں کے درمیان بھی؛ اس کے لیے ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب إِثْمِ الزُّنَاةِ.

[۲] معنى قوله ليس بمؤمن أي ليس بمستحضر في حالة تلبسه بالكبيرة جلال من آمن به فهو كناية عن الغفلة التي جلبتها له غلبة الشهوة وعبر عن هذا ابن الجوزي بقوله فان المعصية تذهله عن مراعاة الإيمان (فتح الباری ۱۲/ ۶۱، رقم الحدیث: ۶۳۹۰)

جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے، اس کی وجہ سے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ایسی بیٹھ جائے گی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی پھر ہم اللہ تعالیٰ کو بھلا نہیں پائیں گے، پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ ہمیں یاد رہے گا۔

## موت کا ہر وقت استحضار رکھ

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَـوٰى ﴾ [النازعات] کہ: جو اللہ تبارک وتعالی کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرا، اس نے یہ سوچا کہ کل اللہ تبارک وتعالی کے سامنے پیش ہونا ہے، مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اگر آج یہاں نافرمانی کر لیتا ہوں تو کل وہاں کیا جواب دوں گا۔ یہ سوچ کر کے ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ اپنے نفس کو خواہشات پر چلنے سے روکا، ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾: اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

اللہ کی یاد اور اس کا استحضار ہی آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے روکتا ہے، یہی آدمی کو اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی پر ابھارتا ہے۔

## اللہ تو دیکھ رہے ہیں!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں نکلے، توشہ ختم ہو گیا، جنگل میں تھے، دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے۔ اس سے کہا: بھائی! تمہاری بکریوں میں سے کسی کا دودھ دوہ کر تھوڑا سا دودھ دے دو۔

وہ ایک حبشی غلام تھا۔ اس نے کہا: میں تو غلام ہوں اور یہ بکریاں میری نہیں، میرے آقا کی ہیں اور میرے آقا نے چرانے کے لیے میرے حوالے کی ہیں، اس کا

دودھ دوہ کر کسی کو دینے کی مجھے اجازت نہیں دی ہے، اس لیے میں نہیں دے سکتا۔

اس نے یہ جواب دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سوچا کہ لاؤ اس کو آزما کر دیکھیں! چنانچہ اس سے کہا کہ: میں ایک بات کہتا ہوں جس میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی فائدہ ہے: میں تمہیں دس درہم دیتا ہوں تم ایک بکری مجھے دے دو۔ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ دس درہم مل جائیں گے اور میرا فائدہ یہ ہے کہ بکری مجھے مل جائے گی جس کا دودھ میں استعمال کرتا رہوں گا اور جب ضرورت پڑے گی، کاٹ کر کھالوں گا۔ اب رہا آقا کا معاملہ! تو اس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا آکر ایک بکری لے گیا؛ اس لیے کہ عام طور پر جنگلوں میں بھیڑئے بکریوں کے غولوں پر حملہ کر کے بکریاں اٹھا لے جاتے ہیں۔

تو ان کی بات سن کر وہ غلام کہتا ہے: "یاهذا فأين الله؟" اے اللہ کے بندے! اللہ کہاں گیا یعنی جب میں آقا سے یہ کہوں گا کہ بھیڑیا بکری لے گیا تو آقا مان بھی لے گا لیکن اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑا مزہ لے لے کر یہ جملہ نقل کرتے تھے کہ ایک چرواہا جنگل کے اندر کہتا ہے: "یاهذا فأين الله؟"(۱)۔

## دنیا سے گناہ ختم ہو سکتے ہیں

آج اگر ہر مسلمان کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو دنیا سے نافرمانی اور گناہ ختم ہو جائیں؛ اس لیے کہ گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی بنتی ہے؛ اسی لیے

(۱) شعب الإيمان، بَابٌ فِي الْأَمَانَاتِ وَمَا يَجِبُ مِنْ أَدَائِهَا إِلَى أَهْلِهَا، عَنْ نَافِعٍ.

کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ آدمی اس کے بغیر اپنے آپ کو گناہ سے نہیں بچا سکتا۔ ہمارے اکابر کے یہاں ذکر اللہ کی کثرت کا بڑا اہتمام تھا۔

## ہمارے اکابر اور ذکر اللہ کی کثرت

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا تھا کہ: بوڑھاپا آ گیا اور سانس کمزور ہو گیا، اس کے باوجود ایک سانس میں ایک سو اسی (۱۸۰) ضربیں اسمِ ذات کی لگاتا ہوں۔ اللہ اکبر!

## ذکر کے سلسلے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی مقدار کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: اب تو بڑھاپا آ گیا ہے اور اعضاء مضمحل ہو گئے اور پڑھنے پڑھانے کا بھی زمانہ چلا گیا، اس کے باوجود روزانہ سوا لاکھ اسمِ ذات "اللہ اللہ" کا معمول ہے۔ حالاں کہ وہاں روزانہ حدیث کا درس ہوتا تھا، صحاحِ ستہ حضرت کے یہاں ختم کرائی جاتی تھی اور سال بھر میں تنہا پڑھاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کے اوقات: صبح کو نو بجے سے ظہر تک بیٹھتے تھے، بس لیکن سال بھر میں چھ کتابیں مکمل کرا لیتے تھے۔

## پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

سالکین کی تربیت فرماتے تھے، آنے والے سوالات کے جوابات فتویٰ کی شکل میں دیتے تھے۔ خطوط کے جوابات لکھواتے تھے اور مہمانوں کی میزبانی ہوتی تھی اور اپنے دوسرے معمولات بھی ہوتے تھے۔ صرف یہ سوا لاکھ ہی کا معمول نہیں تھا کہ ایک

کونے میں بیٹھ گئے اور ''اللہ، اللہ'' کر رہے ہیں، بلکہ تہجد، اشراق، چاشت اوابین وغیرہ سارے نوافل ادا ہوتے تھے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا جو معمول تھا، وہ پورا ہوتا تھا، ان سب کے ساتھ ساتھ سوا لاکھ اسم ذات کا معمول تھا۔

## نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں

آج تو ہم سے تین تسبیحیں نہیں پڑھی جاتیں۔ ہمارے بیعت ہونے والوں کو مختصر سا، پرائمری کورس، ابتدائی وظائف بتلائے جاتے ہیں، اس کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ وہ نہیں پڑھے جاتے، مشغولی ہے۔ مولوی ہے نا تو بہانے تو ہوتے ہی ہیں اور ان حضرات کی مشغولی بھی دیکھئے، ان کے مقابلے میں تو ہماری مشغولی کچھ بھی نہیں ہے۔

## حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، ان کے معمولات میں لکھا ہے کہ مدرسے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ کا اتنا اہتمام تھا کہ روزانہ سوا لاکھ کا معمول تھا۔ آج کل تو مہتمم بے چارہ کسی کام کے لائق رہتا ہی نہیں۔ اس کو لوگ چاروں طرف سے ایسا گھیر لیتے ہیں کہ ایک نکلا نہیں کہ دوسرا آیا اور پھر تیسرا آیا، اس کے لیے معمولات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی، اپنی ذات کی طرف توجہ دینے کا بھی اس کو موقع نہیں ملتا لیکن اُن حضرات کے یہاں ان سب مشغولیوں کے باوجود معمولات کا یہ عالم تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب جاتے تھے اور وہاں گنگوہ کے اندر قیام کرتے تھے تو تہجد کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو چائے بنا کر پلایا

کرتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں بڑی نزاکت تھی اور مزاج بڑا حسّاس تھا۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کی نزاکت اور حسّاسیت

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سناتے تھے کہ چائے کی جو پیالیاں ہوتی تھیں، ان کو کپڑے سے خوب اچھی طرح، اس طرح صاف کرکے کہ پانی کا ذرّہ برابر اثر نہ رہے پھر چائے ڈال کر پیش کرتے تھے تو بھی حضرت کبھی فرماتے تھے کہ بھائی! کچے پانی کی بو آرہی ہے تو وہ کیا کرتے تھے؟ پیالی دھوکر کے، خوب پونچھ کر کے آگ کے اوپر تپا کر کے اس میں چائے ڈال کر پیش کرتے تھے، تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ ہاں! اب کچے پانی کی بو نہیں آرہی ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی زیادتی انسان کی حِس کو بڑھا دیتی ہے

حالاں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ انھوں نے کیا کیا ہے! جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ آدمی کا تعلق بڑھتا ہے تو اس کی حِس بھی بڑھ جاتی ہے۔

تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ تہجد کے وقت مسجد میں تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ دیا سلائی کی بو آرہی ہے۔ دراصل رات کو عشاء کے بعد کسی نے دیا سلائی جلائی ہوگی، اس کی بو کا اثر حضرت نے تہجد کے وقت محسوس کیا، یہ ان کی نزاکت اور حس کا حال تھا!

## مری زیست کا سہارا، مری زندگی کا حاصل

تو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول سوا لاکھ مرتبہ کا تھا۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سناتے تھے کہ اس طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کی حاضری ہوتی تھی تو اس طرح حضرت کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ مولوی حبیب الرحمٰن! سب لوگ دعا کے لیے کہتے ہیں، تم نے تو آج تک کہا ہی نہیں۔ تمھاری بھی کوئی خواہش ہے یا نہیں؟ کوئی چاہت ہے یا نہیں؟ تو جواب میں عرض کیا کہ حضرت! اسی خدمت کا موقع وہاں بھی مل جائے! تو فرمایا: إن شاءاللّٰہ!

## میں بھی تو کہوں کہ حرم میں کون آ گیا؟

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے سلسلے میں فضائل ذکر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ چھٹے حج میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور طوافِ قدوم کے لیے جب حرم میں پہنچے تو حضرت مولانا محب الدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حاجی امداد اللہ کے خلیفہ تھے اور بڑے صاحبِ کشف آدمی تھے، وہ اپنے خلوے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس زمانے میں حکومت کی طرف سے مطاف کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے، جو ان مخصوص لوگوں کو دئے جاتے تھے جو عبادت کے لیے وہاں قیام کرنا چاہتے تھے۔ تو ان کا بھی ایک خلوہ (خلوت گاہ) تھا، اس میں بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھ رہے تھے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں وہیں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کتاب پڑھتے پڑھتے اچانک سر اٹھا کر کہنے لگے کہ:

حرم میں یہ کون آ گیا کہ سارا حرم روشن ہو گیا۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حرم میں آئے ہیں، یہ تو اپنے خلوے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حرم میں داخل ہوئے تو ان کے اوپر یہ کیفیت منکشف ہوئی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تو اتنا ہی واقعہ بیان کیا ہے لیکن ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی زبان سے میں نے سنا کہ: جب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر ان کے خلوے کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا تو ان کو دیکھ کر سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: میں بھی تو کہوں کہ کون آ گیا کہ سارا حرم روشن ہو گیا۔

## یہ وہ آدمی ہیں کہ........

اور ذکر اللہ کے انوار کا یہ حال تھا کہ مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت کے جانے کے بعد حضرت مولانا محب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: مولوی ظفر! تم ان کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! یہ میرے استاذ اور میرے شیخ ہیں۔ تو فرمایا: نہیں! تم انہیں نہیں جانتے، یہ وہ آدمی ہیں کہ اگر حرم میں کعبۃ اللہ کی طرف نگاہ جما کر بیٹھ جائیں تو ان پر اتنے انوارات کی بارش ہوتی ہے کہ میں دوپہر کے وقت نظر بھر کر سورج کو تو دیکھ سکتا ہوں لیکن ان کے چہرے پر نظر نہیں ڈال سکتا۔

ان حضرات کے یہاں ذکر اللہ کا بڑا ہی اہتمام تھا اور عبادت کے لیے جو اوقات مقرر کیے جاتے تھے ان کی بڑی پابندی کی جاتی تھی۔

## شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کے ذکر کی مقدار

تو ذکر اللہ کی بہت زیادہ کثرت ہونی چاہیے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین آتے ہیں، ان سے پوچھتے ہیں تو وہ ہزاروں کی تعداد بتلاتے ہیں، اس زمانے کے اندر بھی! شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو ۷۰/ہزار تک کی تعداد بتلائی جاتی ہے۔ یہی حال حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے عرض کیا کہ آپ تو اسفار میں رہتے ہیں تو جو لوگ آپ سے منسلک ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے یہ کہا تو اس کے بعد حضرت کا معمول یہ ہو گیا کہ جب آپ میرے یہاں آتے تھے تو حضرت کے مریدین کے معمولات کے سلسلے میں جو خطوط ہوتے تھے، وہ اپنی بیگ میں لے کر آتے تھے اور مجھے دِکھلاتے تھے تو اس کو دیکھ کر پتہ چلتا کہ کسی کا سوا لاکھ کا معمول ہے، کسی کا ۷۰/ہزار کا معمول ہے، کسی کا ''۹۰'' ہزار کا معمول ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی!

## دین کی دیگر مشغولیات کے ساتھ ذکر اللہ بھی ضروری ہے

تو یہ ذکر اللہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور ہمیں اس زمانے کے اندر اس کی بڑی ضرورت ہے۔ فتنوں سے بچنے کے لیے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ دین کا کام کرنے والے جو احباب ہیں: علماء ہیں جو درس وتدریس کا کام کرتے ہیں، دعوت وتبلیغ

میں لگنے والے احباب ہیں جو دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں، انھوں نے اپنا ایک مزاج بنالیا ہے کہ تسبیح پڑھیں گے یا کتاب کا مطالعہ کریں گے! گویا تسبیح پڑھنے کو ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں، ہماری نگاہوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ جتنی دیر تسبیح پڑھیں گے، اتنی دیر میں ایک کتاب کا مطالعہ کرلیں گے، ایک طالبِ علم کو سبق سمجھا دیں گے، گویا ۲۴ر گھنٹے اسی میں لگانے ہیں۔

## عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو

یہ سب مشغلے اپنی جگہ پر بڑے قابلِ قدر ہیں اور اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ذکر اللہ بھی تو اپنی روح کی غذا کے لیے ضروری ہے۔ ہم یہ سارے کام انجام دے رہے ہیں لیکن جو روح ہے، اس سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یہی کام ہمارے لیے فتنے بن جاتے ہیں، ان کاموں میں جان نہیں پڑ سکتی، جب تک کہ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق کو مضبوط نہ کیا جائے؛ اس لیے ان مشغلوں کے ساتھ ساتھ رات کو اٹھ کر باری تعالی کے سامنے کھڑے ہوکر راز ونیاز میں مشغول ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

## کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

ہمارے پاس دعا کے لیے وقت نہیں ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ دس منٹ دعا کریں گے، اتنی دیر کسی کے ساتھ دین کی بات کرلیں، کسی کو دعوت دے دیں۔ ٹھیک ہے، یہ سب کام اپنی جگہ پر ہیں لیکن یہ جو توجہ، انابت الی اللہ، قرآنِ پاک کی تلاوت

کرنا، دعاؤں کا اہتمام کرنا، ذکر اللہ کا اہتمام کرنا، تہجد کا اہتمام کرنا، یہ جب تک کہ نہیں ہوگا، وہاں تک ان کاموں کے اندر جان پڑنے والی نہیں ہے۔

## ہمارے اکابر کا خصوصی وصفِ امتیاز

ہمارے اکابر کا جو خصوصی امتیاز تھا، وہ یہی تھا کہ وہ پڑھاتے تھے، دین کی تعلیم دیتے تھے، قرآن پڑھاتے تھے، قرآن کی تفسیر کرتے تھے، حدیث پڑھاتے تھے، حدیث کی تشریح کرتے تھے، ایمان واسلام کی دعوت دیتے تھے، یہ سب کام کرتے تھے لیکن پھر اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق کی جو نوعیتیں ہیں، وہ بھی ان کی زندگی کا جزء بنی ہوئی تھیں، ان کی زندگی کے اس حصے کو ہم نے بھلا دیا۔ یہی تو ان سارے کاموں کی بنیاد اور جڑ ہے، اس کی روح ہے، اس کی جان ہے

## ۵۷ رسال میں تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی

حضرت مولانا احمد صاحب حسن پوری رحمۃ اللہ علیہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے۔ ایک مرتبہ ان کے کسی مرید نے جو کلکتہ کا رہنے والا تھا اپنے مکان کی بنیاد ڈالنے کے لیے ان کو دعوت دی اور چوں کہ وہ بوڑھے تھے؛ اس لیے کہا کہ اپنے ساتھ کسی کو لے آنا؛ تاکہ سفر میں سہولت رہے۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ نسبتی (سالے) ہوتے ہیں، جب دعوت وتبلیغ کا سلسلہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا تو شروع ہی سے وہ حضرت کے ساتھ تھے۔

مولانا احمد شاہ نے ان سے کہا کہ: بھائی! مکان کی بنیاد کے لیے ایک سفر میں جانا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے ساتھ تمہیں لے جاؤں؛ اس لیے کہ تم نوجوان بھی ہو، عالم بھی ہو، صالح بھی ہو، تمہارے ہاتھ سے مکان کی بنیاد ڈلواؤں گا۔

## عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

خیر! جب سفر شروع ہوا تو مولانا احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: دیکھو بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سفر میں امیر ہونا چاہیے اور تم نوجوان بھی ہو، عالم اور صالح ہو، اس لیے تم ہمارے امیر رہو گے۔ ٹرین میں سوار ہونے کے بعد مولانا احمد شاہ کو دست لگ گئے اور اتنی کثیر تعداد میں ہوئے کہ بار بار قضائے حاجت کے لیے جانا پڑا جس کی وجہ سے بے انتہاء نقاہت اور کمزوری ہوگئی۔ ان کی طبیعت کی یہ حالت دیکھ کر مولانا احتشام الحسن صاحب نے یہ طے کیا کہ حضرت کو آرام کی سخت ضرورت ہے، اس لیے کہا: حضرت! آپ کا بنایا ہوا امیر آپ سے درخواست کرتا ہے کہ آج آپ تہجد نہیں پڑھیں گے، آج آپ کو آرام ہی کرنا ہے۔

مولانا احتشام الحسن کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر میں تو سو گیا، رات کو اچانک دیکھا کہ کوئی آدمی میرا انگوٹھا ہلا رہا ہے، آنکھ کھولی اور غور سے دیکھا تو مولانا احمد شاہ تھے اور زار و قطار رو رہے تھے، ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور کہہ رہے تھے کہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تہجد پڑھنے کی اجازت دے دو، حضرت سے بیعت ہوئے ستاون (۵۷) سال ہو گئے ہیں، آج تک کبھی تہجد ناغہ نہیں ہوئی۔

ان حضرات کے یہاں تو معمولات کا یہ اہتمام تھا اور ہمارا حال یہ ہے کہ دو چار دن معمولات ادا کیے اور پھر چھوڑ دئے۔

## اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے

ان کا آگے کا قصہ بھی بتا ہی دیتا ہوں: یہ کلکتہ پہنچے۔ انھوں نے چوں کہ یہ بھی کہا تھا کہ میں تمھارے ہاتھوں سے بنیاد رکھواؤں گا۔ اب جب وہاں پہنچے اور بنیاد رکھنے کا موقع آیا۔ وہاں جو گڑھا کھودا گیا تھا، وہ گہرا تھا تو حضرت خود ہی اس کے اندر اتر گئے۔ یہ کام ہو گیا تو داعی نے حضرت کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہا، یہ بڑی رقم تھی لیکن حضرت نے اس کو رد کر دیا۔ اس کے بعد مسجد میں نماز کے لیے گئے، وہاں کسی نے ہدیے میں دو روپیے پیش کیے، وہ قبول کر لیے، اس میں سے ایک روپیہ ان کو دیا کہ تم میرے ساتھ ہو تو آدھا ہدیہ تم لے لو۔

## خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے

انھوں نے کہا کہ حضرت! بات سمجھ میں نہیں آئی: آپ تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لائے تھے کہ تمھارے ہاتھ سے سنگِ بنیاد رکھواؤں گا اور جب اس کا وقت آیا تو آپ خود ہی اتر گئے! اور وہاں داعی نے اتنی بڑی رقم ہدیے میں پیش کی، اس کو رد کر دیا اور مسجد میں ایک صاحب نے دو روپیے پیش کیے تو اس کو قبول کر لیا۔

تو حضرت نے جواب دیا کہ بھائی! بات یہ تھی کہ جب سنگِ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو میں نے دیکھا کہ گڑھا بہت گہرا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے اندر

اترنے کی صورت میں آدمی گر جائے اور موت واقع ہو جائے۔ تم نوجوان ہو، عالمِ دین ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے دین کا کام لے رہے ہیں۔ میں تو بڈھا آدمی ہوں، قبر کے کنارے پہنچ چکا ہوں تو میں نے سوچا کہ میں ہی اتر جاؤں؛ تاکہ اگر موت آجائے تو میری آئے گی۔

## گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے

اور وہ جو صاحبِ خانہ نے بڑی رقم پیش کی تھی تو بات دراصل یہ ہے کہ میرے اوپر ایک قرضہ تھا اور میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ اے اللہ! اس قرضے کو ادا کروادے۔ جب یہ دعوت آئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیرا قرضہ ادا کرنے کی صورت پیدا فرمادی، دل میں اِشراف پیدا ہوا؛ اس لیے میں نے وہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور مسجد کے اندر گئے تو ہمارے خواب وخیال میں نہیں تھا کہ کوئی ہدیہ دے گا؛ اس لیے اس نے جب دو روپیے دیئے تو میں نے قبول کر لیے۔

## ہم کہاں اور یہ کہاں!

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ایک مرتبہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میوات کا تین دن کا تبلیغی سفر ہوا، گرمی کا زمانہ تھا، مکانات بھی پتھر کے تھے، مسجد بھی پتھر کی تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا، لوگوں کا ایک بڑا ہجوم مصافحہ کے لیے ٹوٹ پڑا۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں تنہائی کی جگہ ملے تو تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلوں، اس ارادہ سے

مسجد سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جگہ کی تلاش میں نکلے ہیں؛ تاکہ اوابین پڑھ سکیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو سوچا کہ ہم کہاں اور یہ کہاں !۔

## کامیابی تو کام سے ہوگی

اصل بات جو میں کہنا چاہتا ہوں، وہ یہی ہے کہ ہمارے اکابرین کے یہاں معمولات کی ادائیگی کا کتنا زیادہ اہتمام تھا۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہماری زندگیاں اللہ کی یاد سے بھری ہوئی ہوں، چوبیس گھنٹے کا نظام ایسا بنائیں کہ جس میں مختلف شکلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے ہوں۔

قرآنِ پاک کی تلاوت کا بھی معمول ہو، اگر حافظ ہے تو ہمارے اکابر کم از کم تین پارے فرماتے ہیں اور حافظ نہیں ہے تو ایک پارہ ہونا چاہیے۔

## حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا شوقِ عبادت

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اس معمول میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان سے حدیث کی بہت ساری روایتیں منقول ہیں، وہ رات بھر نماز پڑھتے تھے، دن بھر روزہ رکھتے تھے، رات بھر نماز کے اندر قرآن پڑھتے تھے۔ ان کے والد صاحب نے ان کا نکاح کرادیا؛ لیکن بیوی کے پاس بھی نہیں جا رہے ہیں۔ جب ان کے والد صاحب نے دیکھا کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں کر رہے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔

## لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمھارا معمول کیا ہے؟ قرآن کتنا پڑھتے ہو؟ روزے کس طرح رکھتے ہو؟ رات کی نماز کا کیا معمول ہے؟ انھوں نے اپنی عبادات کی مقدار بتائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نماز پوری رات نہیں بلکہ اتنی دیر پڑھو، قرآن اتنا پڑھو اور روزے ہمیشہ مت رکھو بلکہ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں تو اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تلاوت وغیرہ کا ایک معمول بتلا دیا۔

## معمولات کی پابندی ضروری ہے

اس کے بعد جب یہ بڑھے ہو گئے- یہ بخاری شریف کی روایت ہے- اب وہ جو ہمیشہ کا معمول تھا، بڑھاپے میں وہ کبھی کمزوری کی وجہ سے کما حقہ ادا نہیں کر سکتے تھے، پھر دوسرے موقع پر اس کی قضا کر لیا کرتے تھے۔ اس وقت وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش! نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جو سہولت دی تھی، میں اس کو قبول کر لیتا[۱]۔ معلوم ہوا کہ یہ جو معمول شروع کیا ہے۔ اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## مداومت والا عمل عند اللہ سب سے زیادہ محبوب ہے

بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ عمل محبوب ہے جس پر مداومت کی جائے[۲]۔ آپ کی کسی کے ساتھ دوستی ہے اور آپ دن میں ایک وقت مثلاً عصر

---

(۱) صحيح البخاري، باب حق الجسم في الصوم، كتاب الصوم. =

کے بعد پانچ منٹ کے لیے اس کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو اگر کسی دن آپ اس کی ملاقات کے لیے نہیں جائیں گے تو یاد کرے گا یا نہیں کہ آج کیوں نہیں آیا؟ تعلق کا یہ تقاضا ہے۔

تو ہم نے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنے کے لیے ایک طریقہ اختیار کیا۔ یہ ہم نے اختیار کیا ہے، کوئی فرض یا واجب نہیں ہے۔ تلاوت کی کوئی ایک مقدار ہمیں مقرر کر کے نہیں دی گئی ہے لیکن جب ہم نے اپنا ایک معمول بنایا کہ روزانہ ہم تین پاروں کی تلاوت کریں گے تو اب اگر ہم اس معمول کے مطابق تلاوت نہیں کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا انتظار ہوگا نا؟

## عذراً فوت ہونے والے عمل کا بھی اجر ملتا ہے

ہم نے اپنے آپ کو تہجد کا پابند بنالیا یا اوّابین پڑھتے ہیں تو اب اس کو چھوڑنا نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے: سفر کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے چھوڑی جا رہی ہے تو وہاں سے بھی معاملہ بڑا زبردست کیا جاتا ہے کہ بغیر کیے بھی اس عمل کا ثواب دیا جاتا ہے۔

## معمولات کی پابندی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے

تو ان معمولات کی پابندی کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہوئے، فرائض کا اہتمام کرتے ہوئے ان اعمال کو پابندی کے ساتھ کرتے رہیں۔ یہی

---

= (۲) صحيح البخارى، عَنْ عَائِشَةَ، باب القصد والمداومة على العمل، رقم الحديث: ٦٤٦٥.

سلسلہ اللہ تبارک وتعالی کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے گا، اس کو باقی رکھے گا اور یہی اللہ کی محبت کے اندر اضافہ کرے گا، اسی کے نتیجے میں اللہ تعالی کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہوگا اور اسی کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالی کا استحضار پیدا ہوگا۔

تہجد کا اہتمام کریں۔ اسی طریقے سے جن نوافل کو شروع کیا ہے، ان کی پابندی کا اہتمام کریں، دعاؤں کا اہتمام کریں، قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کریں، تسبیحات کا اہتمام کریں اور ساتھ ہی ساتھ جن مشائخ سے آپ نے بیعت کا تعلق قائم کر رکھا ہے، ان سے رابطے میں رہیں۔

## حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت

میرا ساؤتھ افریقہ کا سفر ہوا تھا، وہاں سے زامبیا بھی جانا ہوا تو وہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت کے بڑے لاڈلے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ: مولانا! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قرآنِ کریم کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ انھوں نے بتلایا کہ: روزانہ مختلف نمازوں اور نفلوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کم از کم آٹھ نو پاروں کی تلاوت کرلیا کرتے تھے۔ حالاں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جو علمی مشاغل تھے، اس کا اندازہ ہم اور آپ سب ان کی تصنیفات کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں۔

## حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت

حضرت مولانا ابراہیم صاحب افریقی دامت برکاتہم نے سنایا:

بنگلہ دیش میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو شروع کے زمانے کے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، میں نے ان سے کہا: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ واقعات سنائیے! تو فرمایا: کیا سناؤں! حضرت کے تو بہت سے واقعات ہیں پھر ایک واقعہ سنایا کہ: حضرت ہمیشہ سبق میں کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ: قرآن پڑھو، قرآن پڑھو۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: میں چھوٹا تھا اور حضرت سے بہت قریب تھا، ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ: حضرت! آپ بار بار کہتے ہیں کہ قرآن پڑھو، قرآن پڑھو؛ آپ کا معمول کتنا ہے؟ اس پر حضرت نے فرمایا: یہ تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ ہے اور کسی کے راز کو نہیں کھولنا چاہیے۔ میں نے کہا: کچھ تو بتائیے؛ تا کہ ہمارے لیے عبرت ہو۔ اس پر حضرت نے فرمایا: تہجد میں آٹھ پارے پڑھتا ہوں اور دن بھر میں بے حساب پڑھتا ہوں۔

ایک اور شاگرد سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا کہ: ایک مرتبہ حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ: روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: روزانہ دس پاروں کی تلاوت کرتا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا: بس! صرف دس پارے! میں اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں؛ اس کے باوجود روزانہ چالیس پارے پڑھتا ہوں۔

## مطالعہ یا بہانہ؟

اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ مطالعہ کرنا پڑتا ہے، اس کی وجہ سے ہمیں معمولات پورا کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ تو کیا مطالعہ صرف ہم ہی کرتے ہیں؟ کتابیں

صرف ہم ہی پڑھاتے ہیں؟ اُن حضرات کو مطالعہ نہیں کرنا پڑتا تھا؟ ہمیں اپنے دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے کا وقت مل جاتا ہے، اخبار پڑھنے کا وقت مل جاتا ہے، اور سارے کام ہوتے ہیں، بس! جہاں معمولات کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو وہاں ہم یہی بہانہ کر دیتے ہیں۔ دراصل مطالعہ نہیں؛ بلکہ صرف بہانہ ہوتا ہے۔

## جس کو یار نے کہا، اسے یادِ یار آئی

ہم کرنا کچھ نہیں چاہتے اور ساتھ میں یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم کو بھی اللہ تبارک وتعالی وہ قرب عطا فرمائے، اللہ تبارک وتعالی کی وہ محبت ہمیں بھی حاصل ہو جائے تو یہ کیسے حاصل ہوگی! اللہ تبارک وتعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیے، اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے بار بار اللہ کو یاد کرنا پڑے گا۔ جتنا اللہ کو یاد کرو گے، اتنی اللہ کی محبت حاصل ہوگی،

| | | |
|---|---|---|
| محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی | | جسے خود یار نے چاہا، اسے یادِ یار آئی |

## میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

اللہ کو یاد کرنا، یہ بھی اللہ کی محبت ہے، ﴿یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ﴾ [المائدة: ٥٤] اللہ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ دیکھو! اللہ کی محبت کو مقدم کیا ہے، اصل وہی ہے۔ جب اس کے دل میں اللہ کی محبت ڈالی جاتی ہے تو پھر وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ گویا ابتدا اُدھر سے ہوتی ہے، شروعات وہاں سے ہوتی ہے۔ جگر مرادابادی کے اشعار ہیں نا!

| | |
|---|---|
| میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے | قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں |

## چائے کسی حال میں نہیں چھوٹتی

اس لیے اپنے اوقات کو منضبط کرو اور ایک نظام الاوقات بناؤ۔ آج ہماری زندگیوں کا حال یہ ہے کہ ہمارا کوئی نظام الاوقات ہے ہی نہیں۔ ہماری طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہم نے ایک نظام بنایا ہوا ہے، ہم میں سے ہر ایک آدمی صبح کو چائے پیتا ہے، ناشتہ کرتا ہے، دوپہر کو کھانا کھاتا ہے، شام کو کھاتا ہے، آرام کا ایک وقت مقرر ہے، غسل کا اور کپڑے بدلنے کا وقت ہے۔ یہ سب ہم اس لیے کرتے ہیں؛ تاکہ ہمارا جسمانی نظام ٹھیک رہے۔ اگر کھانا نہیں کھائیں گے، آرام نہیں کریں گے، غسل کر کے صفائی نہیں کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔ ہمارے جسمانی نظام کے ہم اتنے پابند ہیں کہ صبح کی چائے کی بات ہی لے لو کہ بارش کتنی بھی ہو، رات بھر بارش ہوتی رہی اور پورے گھر میں پانی ٹپکتا رہا، لیکن جب صبح میں اٹھیں گے تو بیوی سے کہیں گے کہ کسی کونے میں پرائمس جلا کر پہلے چائے رکھ دو، پھر صفائی ہوتی رہے گی۔ کسی بھی حال میں چائے نہیں چھوڑیں گے۔

## روحانی نقصان ہماری سمجھ میں نہیں آتا

میں کہا کرتا ہوں کہ جب سے ہم پیدا ہوئے اسی وقت سے ماں کا دودھ پیتے رہے اور جب سے دودھ چھوڑا، اس دن سے کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ ہم دو، تین یا چار وقت کھانا نہ کھاتے ہوں۔ اب میں آپ سے کہوں کہ آپ کی عمر تیس سال ہوئی اور تیس

سال سے آپ روزانہ کھانا کھاتے ہیں؛ اس لیے اب ایسا کرو کہ دو دن کھانا مت کھاؤ تو آپ کہیں گے کہ: مولوی صاحب! دو دن کھانا نہیں کھائیں گے تو کمزوری آجائے گی، پاؤں لڑکھڑانے لگیں گے۔

ارے بھائی! تیس سال سے کھانا کھا رہے ہو اور پھر بھی کہہ رہے ہو کہ کمزوری آجائے گی؟ اور یہاں حال یہ ہے کہ بیعت ہوئے ایک مہینہ بھی نہیں ہوا ہے اور ابھی تو تسبیح شروع کی ہے اور یہاں سے گھر گئے، قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں تو ہمارا نفس کہتا ہے کہ روزانہ تو آدھا پارہ پڑھتے ہی ہو، اگر ایک دن چھوڑ دو گے تو کیا نقصان ہو جائے گا؟ دراصل جسمانی نقصان تو ہماری سمجھ میں آتا ہے لیکن روحانی نقصان ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور ہمارے اکابرین اپنے ایک معمول کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

## تجارت کی کمی نظر آتی ہے، دین کی نہیں

ایک تاجر روزانہ ہزار روپیہ کماتا ہے، اگر کسی دن ہزار کے بجائے نو سو ننانوے کمائے تو اس کو کوئی نقصان ہو جائے گا؟ بالکل نہیں۔ اس کی تجوری پیسوں سے بھری ہوئی ہے لیکن اس کو فکر سوار ہو جاتی ہے کہ ارے یار! نو سو ننانوے کیوں ہو گئے، ایک کم کیوں ہوا؟ اس کو تو اتنی فکر ہو جاتی ہے لیکن دین کے معاملہ میں ہمیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔

## زوالِ بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں

آج کل امت فتنوں کا شکار ہے اور لوگ بے چین کرنے والے مختلف پریشان کن

حالات کے اندر گھرے ہوئے ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ہماری زندگیاں اللہ کے ذکر سے خالی ہو چکی ہیں۔

## یہ بھی نفس وشیطان کا ایک دھوکہ ہے

علماء جو مدرسوں میں پڑھنے پڑھانے والے ہیں، یا دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے احباب چلہ چار مہینے دیتے ہیں، سال لگاتے ہیں یا دین کے دیگر شعبوں میں کام کرنے والے حضرات سبھی ایک دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ مدرسہ میں پڑھانے والے کہتے ہیں کہ ہم صبح سے لے کر شام تک قرآن پاک ہی تو پڑھتے پڑھاتے ہیں، قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں، حدیث پاک پڑھتے پڑھاتے ہیں؛ یہ سب ذکر اللہ ہی تو ہے؛ اب ان کو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ پھر ذکر اللہ کی کیا ضرورت ہے؟

## بے شمار دینی مشاغل کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوقتِ شب ذکر وشغل کا حکم

تو سنئے! قرآن پاک ہی میں اس کا جواب بھی موجود ہے، باری تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۂ مزمل میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ اے نبی! دن بھر آپ کو بڑی مشغولیت رہتی ہے، اب رات میں آپ کو کیا کرنا چاہئے؟ ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کو یاد کرو، ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ اور سب لوگوں سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ اے نبی! جب آپ اپنے دن بھر کے مشغلوں سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں

اپنے آپ کو تھکائیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دن بھر اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا تھا؟ آپ ہی بتلائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشغولیت کیا تھی؟ کیا کوئی تجارت تھی؟ کھیتی باڑی تھی؟ کوئی کارخانہ تھا؟ نہیں! بلکہ دعوت اور تعلیم وتربیت کا کام کیا کرتے تھے اور جس اخلاص کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دیتے تھے؛ ویسا کوئی اور کیا کرسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا ہے، وہاں تو ذرّہ برابر ملاوٹ کا شائبہ نہیں تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ دن بھر تو آپ اسی میں لگے رہتے ہیں؛ لہٰذا رات میں سب سے ہٹ کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوجائیے۔

## ذکر: ہمارے دینی کاموں میں جان ڈالنے والا اکسیر نسخہ

دن بھر ہم جو کام کرتے ہیں، وہ یقیناً دین کے کام ہیں اور اللہ ہی کا حکم پورا کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یاد رکھیں کہ یہ کام ذکر اللہ کا بدل نہیں بن سکتے اور جب تک ذکر اللہ نہیں ہوگا، وہاں تک ان کاموں کے اندر بھی جان نہیں پڑے گی۔ درس وتدریس، وعظ وتذکیر، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ اور جتنے بھی دینی کام ہیں ان تمام کو انجام دینے والوں کے لیے تو بہت ہی ضروری ہے کہ ذکر اللہ کا خوب اہتمام کریں، ذکر اللہ کو اپنے اوقات کے اندر خاص طور پر شامل کرلیں۔

## سورۂ مزمل کا سبق

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ مزمل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: سورۂ

مزمل ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو چاہئے کہ دن کا وقت تو دینی کاموں کے لیے رکھیں اور رات کا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد کے لیے فارغ کریں۔

## اللہ تعالی کی عبادت روحانی چارجنگ ہے

اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا یہ بیٹری چارجنگ ہے، جیسے آپ دن بھر موبائل استعمال کرتے ہیں تو رات کو اس کو چارجنگ میں رکھنا پڑتا ہے، اگر چارجنگ میں رکھیں گے، تب ہی دوسرے دن کام دے گا؛ ورنہ نہیں۔

## اسی سے ہے تیرے نخلِ کُہن کی شادابی

بندوں کے ساتھ جو یہ محنت کی جاتی ہے، اس کا اللہ تبارک وتعالی نے حکم دیا، نبیوں کو اسی لیے بھیجا جاتا ہے کہ نبی اللہ تبارک وتعالی کے احکام کو لوگوں تک پہنچائیں، ان کو ایمان واسلام کی دعوت دیں لیکن اس دوران لوگوں کے ساتھ مشغولی کے نتیجے میں ان کے ساتھ جو اختلاط ہوتا ہے۔ اب ہم یہ باتیں کریں گے تو اس کے نتیجے میں ہمارا قلب ان کے قلب کی طرف متوجہ ہوگا تو یہ قلوب کے جو اثرات ہیں، وہ دعوت دینے والے کے قلب میں بھی آئیں گے، میل آئے گا، اندر کی کدورتیں آئیں گی۔ ان کو صاف کرنے کے لیے رات کی تنہائیوں میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف تبتُّل اور سب لوگوں سے منقطع ہو کر اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے، جب تک کہ یہ نہیں ہوگا، وہاں تک ہمارے اعمال میں جان پڑنے والی نہیں ہے۔

## قلب پر لوگوں کے ساتھ اختلاط کا اثر پڑتا ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست بھی کئی مرتبہ سنا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں نقل کیا ہے کہ: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: جب کسی اجتماع میں شرکت کی نوبت آتی ہے تو اس سے فراغت کے بعد مَیں یا تو ذکر کے ماحول میں جانے کے واسطے رائپور کی خانقاہ میں چلا جاتا ہوں، اور اگر اس کا موقع نہ ہوا تو نظام الدین میں رہتے ہوئے اعتکاف کر لیتا ہوں؛ تاکہ اجتماع میں مشغول رہنے کے نتیجے میں لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے قلب پر جو غبار اور میل آجاتا ہے، وہ دور ہو جائے۔

حالاں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی مقام کتنا بلند ہے! اور پھر اس زمانے کے اجتماعات، اس زمانے کے لوگوں کے مقامات جو اس میں شرکت کرتے تھے! تو ہمارے اس زمانے میں اس کی کتنی زیادہ ضرورت ہو سکتی ہے؟ آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

## یہ مثل سچ ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے

یاد رکھیں کہ ہر چیز جہاں اپنا اثر دکھلاتی ہے تو ساتھ ہی سامنے والے کا اثر بھی قبول کرتی ہے۔ جیسے چھری سے آپ جب کسی چیز کو کاٹیں گے تو چھری سامنے والی چیز کو ضرور کاٹتی ہے، لیکن سامنے والی چیز بھی اس پر اپنا اثر ڈال دیتی ہے کہ وہ چیز چھری کی دھار کو کند کر دیتی ہے، چنانچہ سبزی اور ترکاری کاٹتے ہیں تو ہر آٹھ دس دن کے بعد

چھری کی دھار کو گھسنا پڑتا ہے لیکن جانور کو ذبح کرنے والوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک جانور کاٹتے ہیں اور چھری کی دھار کو تیز کرتے ہیں۔ جیسا جیسا کام ہوتا ہے اسی کے مطابق چھری کی دھار کند ہو جاتی ہے تو چھری کاٹتی ہے لیکن سامنے والی چیزیں بھی اس پر اپنا اثر کرتی ہیں۔

## آدمی کیا! در و دیوار بدل جاتے ہیں

اسی طرح جب آپ دین کا کام کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ ربط میں آئیں گے تو لوگوں کے قلوب کے اندر جو کدورتیں ہیں، وہ آپ کے قلب پر ضرور اثر انداز ہوں گی، اسی کو دور کرنے کے لیے ذکر اللہ کا اہتمام ضروری ہے، اس کے بغیر یہ کدورتیں دور نہیں ہوگی۔ اگر ہم اپنے معمولات نہیں کریں گے تو ایک دن آئے گا کہ ہمارے قلوب ذکر اللہ کے انوار سے خالی ہو جائیں گے اور پھر دین کا جو بھی کام کریں گے، چاہے پڑھنے پڑھانے کا ہو یا دعوت و تبلیغ کا ہو یا دیگر جو کام بھی ہو؛ وہ خالی ایک دھندا رہ جائے گا، اس میں کوئی جان اور روح نہیں رہے گی۔ روح ڈالنے کے لیے تو ذکر اللہ ہی کی ضرورت ہے۔

## ایک خلجان اور اس کا دفعیہ

اب یہی بات ہمارے مولویوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ وہ بھی عبادت ہے اور ہم جو کام کر رہے ہیں، یہ بھی اللہ ہی کا کام ہے۔ ہاں بھائی! سب اللہ ہی کے کام ہیں لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اصول فقہ کی کتابوں میں حسن کی قسمیں بیان کی

ہیں، ایک حسن لعینہٖ اور دوسری حسن لغیرہٖ۔ ذکر اللہ حسن لعینہٖ ہے اور دن بھر جو کام ہم انجام دیتے ہیں، چاہے درس وتدریس ہو یا دعوت وتبلیغ ہو وغیرہ وغیرہ؛ یہ سب حسن لغیرہٖ ہیں۔ ذکر اللہ سے تعلق سیدھا اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہوتا ہے اور یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ تک لے جانے والی ہیں لیکن ان میں واسطہ سیدھا اللہ سے نہیں پڑتا بلکہ مخلوق سے پڑتا ہے اور مخلوق کے اثرات آتے ہیں، ان ہی اثرات کو دور کرنے کے لیے ہمارے اکابر کے یہاں ذکر اللہ کا بڑا اہتمام تھا۔

## ہمارے اکابر کے یہاں ذکر کا اہتمام

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طریقے سے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تمام اکابرین کے یہاں ذکر اللہ کا بڑا اہتمام رہا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا اونچا مقام ہے، حضرت کو ہماری جماعت کے اندر سب سے اونچا سمجھا جاتا ہے لیکن ظہر کی نماز کے بعد کمرے کا دروازہ بند ہوجاتا تھا، عصر تک کسی کو ملاقات کی اجازت نہیں تھی، لوگوں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ ذکر کر رہے ہیں۔

## ذکر جہری علاج ہے

ذکر جہری اگرچہ مسنون نہیں ہے، علاج کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ہمارے قلوب پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان ساری عبادتوں کے جو اثرات مرتب ہونے چاہئیں، وہ ہوتے نہیں ہیں۔

جیسے ایک آدمی کا معدہ خراب ہو تو وہ زردہ، بریانی کھائے گا یا عمدہ غذا کھائے گا تو اس عمدہ غذا کھانے سے بھی اس کو فائدہ نہیں ہوگا، اس سے جو قوت پیدا ہونی چاہیے، وہ نہیں ہوگی، خون جو بننا چاہیے، وہ نہیں بنے گا۔ خون تو تب بنے گا جب معدہ ٹھیک طرح کام کرے گا لیکن اگر معدہ ہی خراب ہے تو اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا علاج کرے۔

## دین کا کام کرنے والوں کے لیے ذکرِ جہری نہایت اہم ہے

یہ ذکرِ جہری علاج کے طور پر ہے اور غفلت کے ان پردوں کو ہٹانے کے لیے ہے، سلسلۂ چشتیہ کے اندر اس کی بڑی اہمیت ہے، خاص کر کے دین کا کام کرنے والوں کے لیے تو نہایت ہی اہم ہے۔ اس لیے اس کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ ''اکابر کا رمضان'' میں آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موت تک کبھی ذکرِ جہری نہیں چھوٹا۔ رمضان المبارک کے علاوہ تہجد کے بعد کرتے تھے اور رمضان المبارک میں عصر کی نماز کے بعد کرتے تھے، مغرب سے کچھ منٹ پہلے ختم فرماتے تھے۔ اسی طرح حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور سارے اکابر کے یہاں ان چیزوں کا بڑا اہتمام تھا۔

اور ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں؛ اس لیے ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت اسی کے چھوڑ دینے نے ہمارے سارے کاموں کو بے جان کر رکھا ہے، اگر ان میں جان ڈالنی ہو تو ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے، اس کے

بغیر اس میں جان نہیں پڑے گی۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے، اس کو ملحوظ رکھئے۔

## براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگانا بھی ضروری ہے

میں ایک مثال سے اس کو سمجھاتا ہوں لیکن بہت سوں کی کھوپڑی میں اس کے باوجود نہیں آتا، اس پر بھی ایک نظر ڈالیے! ہم نے قرآن پڑھایا، حدیث پڑھائی؛ کیا یہ کوئی دنیا ہے؟ نہیں! اللہ کا حکم پورا کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اس پر وہ قرب نہیں ملے گا جو اللہ کے ذکر پر ملے گا۔ جیسے شادی ہوئی، میاں بیوی دونوں اکیلے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے اندر مست ہیں ''من تو شدم تو من شدی، من جاں شدم تو تن شدی'' جیسا معاملہ ہے، اب ایک سال کے بعد ان کے یہاں ایک تیسرا فرد وجود میں آیا، جب یہ بچہ آیا تو بیگم صاحبہ کبھی اس کو دودھ پلا رہی ہیں، کبھی اس کو نہلا رہی ہیں، کبھی سلا رہی ہیں، غرض یہ کہ اس کے کاموں میں مشغول رہتی ہے۔ اب میاں صاحب کو شکایت ہوگئی کہ تو تو میری طرف دھیان ہی نہیں دیتی، اس بچے کی طرف ہی دھیان دیتی ہے۔ اب اگر بیوی جواب میں کہے کہ: یہ بچہ بھی آپ کا ہی تو ہے، اس بچے کے جو کچھ کام بھی میں کر رہی ہوں، وہ آپ کے تعلق کی وجہ سے ہی تو کر رہی ہوں، بچے کی جو خدمت کر رہی ہوں وہ کوئی دوسرا کام نہیں بلکہ درحقیقت آپ کا ہی حق ادا کر رہی ہوں، گویا یہ بھی آپ کی ہی خدمت ہے تو آپ کیا کہیں گے کہ: ہاں! سب کچھ برابر ہے، لیکن جو خالص میرے حقوق ہیں، یہ خدمت ان کی برابری نہیں کر سکتی۔

اسی طرح آپ قرآن پڑھتے پڑھاتے ہیں، تفسیر اور حدیث پڑھا رہے ہیں،

عقائد پڑھ رہے ہیں، فقہ کا درس دے رہے ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہی کام ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سیدھی لو بھی لگانا ضروری ہے، اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔

## قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں

اب ذکر اللہ کی مختلف شکلیں ہیں، پہلی چیز قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ دین کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ دعوت وتبلیغ والے بہت سارے اپنے احباب جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، ان سے کہا کرتا ہوں کہ فضائل قرآن روزانہ دس پندرہ منٹ سنتے ہو لیکن قرآن کریم کتنا پڑھتے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ وہ تو نہیں پڑھتے۔ بھائی! فضائلِ قرآن زندگی بھر پڑھتے رہو اور تلاوت نہ کرو۔ فضائلِ ذکر زندگی بھر پڑھتے رہو اور تسبیح ایک بھی نہ پڑھو؛ تو اس سے کیا فائدہ ہوا؟ تعلیم تو ایک ذریعہ ہے اور تسبیح وقرآن پڑھنا یہ اصل مقصود ہے۔ میں اس کی تعلیم سے منع نہیں کرتا بلکہ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کے پڑھنے کا جو مقصد ہے وہ تو ہم حاصل نہیں کرتے۔

## ہماری بے حسی

ہم اہلِ علم کا حال کیا ہے؟ اپنے دل سے پوچھیے، روزانہ کتنی تسبیحات پڑھتے ہیں؟ کتنی مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھتے ہیں؟ کتنی مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھتے ہیں؟ کتنی مرتبہ استغفار پڑھتے ہیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں: وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ[1]:

---

① صحیح مسلم، عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ، بَابُ اسْتِحْبَابِ الِاسْتِغْفَارِ وَالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ، رقم: ۲۷۰۲

میں دن میں سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دن میں سو سو مرتبہ استغفار پڑھتے ہیں۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم تھے، یہ تو امت کی تعلیم کے لیے کرتے تھے اور جن کی تعلیم کے لیے کیا جا رہا ہے، وہ غافل ہیں! اس لیے ہمیں اپنے معمولات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

## یادِ الٰہی کو دلوں میں مستحکم کرنے کے مختلف طریقے

بیعت ہونے کے بعد جو ذکر دئے جاتے ہیں، وہ دل کو مزید مضبوط کرنے اور اس کو جمانے کے لیے دئے جاتے ہیں۔ مشائخ نے اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں کہ بھائی! جہراً ذکر کیا جائے، ضرب لگائی جائے۔ یہ مقصود نہیں، علاج کے طور پر ہے، دل کو ذکر میں جمانے کے لیے مشائخ نے اختیار کیا ہے اور ''پاس انفاس'' ہے کہ ہمارا کوئی لمحہ ذکر سے خالی نہ جائے، اس کے لیے ''پاس انفاس'' کا طریقہ ہے کہ ہر سانس پر ذکر کیا جائے۔

اور یہ بتایا جاتا ہے کہ آدمی جب ذکر کرے تو یہ تصور کرے کہ میرے ساتھ ہر چیز ذکر کر رہی ہے: قلب ذکر کر رہا ہے، یہ دروازہ ذکر رہا ہے، دیوار ذکر رہی ہے، آسمان ذکر کر رہا ہے، کائنات کی ہر چیز ذکر رہی ہے اور حقیقت میں بھی ہر چیز ذکر میں مشغول ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾، یہ بات اور ہے لیکن مذکورہ تصور کے ساتھ جب آدمی ذکر کرتا ہے، تو یہ چیز اس کے دل ودماغ پر ایسی مستولی ہوتی ہے کہ یہ چیز اس کے دل کے اندر جم کر مضبوط ہو جاتی ہے۔

## حضرت داودؑ کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں پہاڑوں اور پرندوں کی شرکت

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے بارے فرمایا ہے: ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾[الأنبياء:۷۹]: ہم نے داود کے لیے پہاڑوں کو اور پرندوں کے مسخر کردیا تھا کہ جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تھے تو اس وقت پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح پڑھتے تھے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں اپنے انعام کے طور پر ذکر کیا۔

## پہاڑوں اور پرندوں کو شریک کرنے کی حکمت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ''مسائل السلوک'' میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں تو اس کی وجہ سے حضرتِ داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ کا احسان کیا ہوا؟ یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو حضرت فرماتے ہیں کہ جب ذکر کرنے والے کے ساتھ ذاکرین کا ایک مجمع ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے ذکر کرنے والے کے قلب پر بھی اس کی ایک کیفیت اور لذت طاری ہوتی ہے اور اس کی تاثیر بڑھ جاتی ہے؛ اس لیے یہ حضرتِ داودؑ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان تھا، اسی وجہ سے ہمارے مشائخ ذکر کی مجلسیں قائم کرتے ہیں۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ ہم جو چیزیں لے کر چل رہے ہیں، یہ سب ظاہری شکلیں ہیں۔ ان کاموں کے ساتھ جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر نہیں ہوگا، اس کی ذات کا استحضار نہیں ہوگا، وہاں تک ان کاموں میں جان پڑنے والی نہیں ہے لیکن ہمارا حال کیا

ہو گیا ہے؟

## اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

کسی مولوی صاحب سے پوچھیں جو بخاری شریف پڑھاتے ہیں یا حدیث پڑھاتے ہیں کہ آپ روزانہ قرآنِ پاک کی کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ تو ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، خاموش ہو جاتے ہیں اور بہت سے کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آدھا پارہ، بعض تو کہتے ہیں کہ تلاوت کی نوبت نہیں آتی، یا کم آتی ہے۔ مدرسوں میں کام کرنے والے، پڑھانے والے مدرسین سے پوچھ لو، پڑھنے والے طلباء سے پوچھو، حفظ کا درجہ اپنی جگہ ہے، اس کے علاوہ باقی درجات والے جتنے ہیں، ان سے پوچھو کہ قرآن کی تلاوت کا ان کا کتنا معمول ہے؟ بہت سوں کو تو آٹھ دس دن گزر جاتے ہیں اور وہ قرآن ہاتھ میں نہیں پکڑتے۔ دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں سے پوچھ لو؛ وہ قرآن کتنا پڑھتے ہیں؟

## تہجد کے بعض فوائد

ایک چیز تہجد ہے، یہ بھی ہر ایک کے لیے ضروری ہے، یہ تو کسی حال میں فوت نہیں ہونی چاہئے؛ اس لیے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا تعلق پیدا ہونا چاہئے، وہ پیدا نہیں ہوتا۔ ترمذی شریف میں روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّه داب الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ“ تم قیام اللیل کو لازم پکڑو؛ یہ تم سے پہلے جتنے بھی صالحین گزرے ہیں، ان سب کا طریقہ رہا ہے۔ ہم بھی اگر صالحین کی جماعت

میں اپنے آپ کو شامل کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم بھی اس کا اہتمام کریں۔

"وَقُرْبَةٌ اِلَی اللّٰهِ": اور ہمارے لیے ہمارے رب کے قرب کا ذریعہ ہے۔

"وَمَنْهاةٌ عَنِ الْاِثْمِ": اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔

"وَتَكْفِيْرٌ لِلسَّيِّئَاتِ": اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا کفارہ ہے۔

"وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاء عَنِ الْجَسَدِ": اور جسم سے بیماری کو دور کرنے والی ہے۔

غور کرو کہ اس کے کتنے سارے فائدے بتائے گئے ہیں! اس سے گناہوں سے بچنا بھی نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، وہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام طور پر ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے، صحت کو برقرار رکھنے میں تہجد کا اہتمام بہت زیادہ مؤثر ہے؛ اس لیے ہر ایک کو چاہیے کہ اس کا اہتمام کرے①۔

## کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے

آج تو زمانہ ایسا آ گیا کہ تہجد تو دور کی بات رہی، فجر کی نماز میں غائب رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازیں بجائے پانچ کے چار ہی فرض کی ہیں۔ مسجد میں آپ جائیں، مغرب اور عشاء میں تو بھری ہوئی نظر آئے گی اور فجر میں دیکھیں گے تو خالی نظر آئے گی۔ اچھے اچھے دین دار لوگ اور دین کا کام کرنے والے، پڑھنے پڑھانے والے بھی فجر کی جماعت میں غائب ہوتے ہیں۔ حالاں کہ جماعت

---

① سنن الترمذي، عَنْ بِلَالٍ ؓ، رقم الحديث: ۳۵۴۹.

کوئی معمولی چیز نہیں ہے، جماعت کا بڑا ہی اہتمام ہونا چاہئے۔

## باجماعت نماز: ہمارے اسلاف اور ہم

وہ اعذار جن کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے، وہ بھی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ نورالایضاح میں باقاعدہ ایک عنوان ہے کہ کن اعذار کی وجہ سے جماعت چھوڑ سکتے ہیں، ہمارے اکابر تو ان اعذار کی حالت میں بھی جماعت نہیں چھوڑتے تھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں جب بیمار تھے، ایسی بیماری کی حالت میں بھی حضرت کی چارپائی مسجد کے اندر لائی جاتی تھی اور چارپائی پر لیٹے لیٹے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جماعت کی نماز بھی بہت اہم چیز ہے۔ آج کل اہلِ علم اور اہلِ دین کے طبقے میں اس کی طرف سے بھی بہت زیادہ غفلت آ گئی ہے، جماعت کی نماز کی طرف سے کسی حال میں بھی غفلت نہ برتی جائے اور اس کا بڑا اہتمام کیا جائے۔

## ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیسی

اور ایک بات یہ ہے کہ ہم سے دعائیں چھوٹ گئیں۔ حالاں کہ حدیث کی کتابوں میں ''کتاب الدعوات'' کے عنوان سے مستقل باب ہے؛ اس لیے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔

دعا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ ہر نبی کو اللہ نے جو بڑی طاقت عطا فرمائی، وہ دعا ہی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: لِكُلِّ نَبِيٍّ

دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ①: ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے مستجاب ومقبول دعا عطا کی ہے۔

دعا کے متعلق بھی لوگوں کو شکایت ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ عجیب بات ہے ایک ہی بہانہ ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ ہم نے اپنے اوقات کو ضائع کر دیا ہے۔

## نظام الاوقات بنائیے

اس لیے نظام الاوقات بناؤ۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ نظام الاوقات بنایا لیکن دو دن سے زیادہ نہیں چلتا۔ دراصل شیطان ہمیں اللہ تعالیٰ سے غافل رکھنا چاہتا ہے، اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا نظام الاوقات چلنے نہ پائے۔ اس لیے آپ ہمت سے کام لیجئے اور جو نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) بنایا ہے، اس کے مطابق برابر کرتے رہیے، کچھ بھی ہو جائے اس کا اہتمام کیجئے۔ ایک مدت تک آپ کو ذرا ہمت اور مضبوط ارادے سے کام لینا پڑے گا۔ اس کے بعد سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا اور جب تک نظام الاوقات نہیں بنے گا، وہاں تک بات بننے والی نہیں ہے۔

## نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادائیگی کے حکم کی حکمت

﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾[النساء:۱۰۳] ہم سے پانچ وقت کی نمازیں ان کے مقررہ اوقات میں پڑھوائی گئی ہیں، اس کی جو حکمتیں اہل علم بتلاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مقررہ اوقات میں پانچ وقت کی نماز اللہ تعالیٰ نے فرض کر کے ہمیں گویا یہ بتلایا اور ہماری تربیت فرمائی کہ تمہاری زندگی کیسی

① صحیح مسلم ،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ ،باب اخْتِبَاءِ النَّبِيِّ ﷺ دَعْوَةَ الشَّفَاعَةِ لأُمَّتِهِ.

ہونی چاہئے؟ وقت کی پابندی ہونی چاہئے اور ہمارا ایک نظام الاوقات ہونا چاہیے۔

## تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

بہرحال! ذکر اللہ کا اہتمام ہو، قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام ہو۔ جو حافظ ہیں، وہ تین پارے، پانچ پارے اور ایک منزل پڑھیں۔ ہمارے اکابر روزانہ ایک منزل پوری کرتے تھے۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو طلب علم اور درس وتدریس کے ساتھ روزانہ ایک ایک منزل اور دس پارے پڑھتے ہیں، کبھی بھی ناغہ نہیں کرتے۔ اپنے سارے کاموں کے ساتھ آدمی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، ارادہ کرے اور پھر ہمت سے کام لے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرمائیں گے؛ ورنہ

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

ہم نہیں کرنا چاہتے تو ہمارے پاس بے شمار بہانے ہیں، محنت کر کے تو دیکھو، اس پر آنے کی کوشش تو کرو۔

## خدا کی راہ میں جہد وعمل کا کیا کہنا

اور یہ بھی سمجھ لو کہ یہ چیز ایک دم سے حاصل نہیں ہوجائے گی بلکہ کرتے کرتے اِن شاء اللہ راستے ہموار ہوں گے۔ قرآنِ پاک میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:٦٩] ہمارے راستے میں جو لوگ محنت کریں گے، ہم اپنا راستہ ان کو دکھائیں گے بلکہ بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے کہ: ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے۔ گویا اللہ کی طرف سے پوری مدد ہوگی۔

## سختیٔ رہ سے نہ ڈر، اِک ذرا ہمت تو کر

ذکر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت کا ایک معمول ہو، صبح وشام کی تسبیحات کا اہتمام ہو، تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ، پہلا کلمہ، درود شریف، استغفار کا صبح وشام اہتمام ہو۔ نوافل، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین اور اسی طریقہ سے دعاؤں کا بھی اہتمام ہو اور اپنے دینی کام کرنے کے علاوہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ذکر اللہ کا اہتمام ہو۔ جیسا کہ میں نے بتلایا کہ ہمارے اکابرین کا روزانہ سوا لاکھ اسم ذات ''اللہ اللہ'' پورا ہوتا تھا، ہم اور آپ تو تصور بھی نہیں کر سکتے کہ سوا لاکھ کیسے ہوگا، ہماری عقل اور کھوپڑی میں آتا ہی نہیں، لیکن جب کوشش کریں گے تو پھر خود بھی دیکھیں گے کہ کیسے ہو جاتا ہے۔

## نیک رہنے کے لیے نیک ماحول ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں اعتکاف میں بٹھایا، یہاں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد میں لگایا، اب یہاں سے جانے کے بعد بھی ہمیں اس کا اہتمام اور اس کی کوشش کرنی ہے اور دیکھو! یہاں رہ کر جن عبادتوں کو انجام دیتے رہے، یہاں سے جانے کے بعد بھی ان کا پورا اہتمام ہو۔ اس کے لیے پہلے والا ماحول اور فضا جو اس کے خلاف ہو، اس سے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری ہے۔

## ہمارے مزاج کا بچپنہ

ہمارا مزاج تو ایسا ہے جیسے: ایک بچہ گھر سے باہر نکلا اور گندگی کے اندر پڑا، پھر گھر میں آیا تو ماں نے اس کے کپڑے اتار کر نہلایا، پاؤڈر لگایا، اچھے کپڑے پہنائے

اور پانچ منٹ کے بعد پھر باہر گیا تو پھر سے گندا ہو گیا۔

اب وہ تو بچہ ہے، نادان ہے، کچھ نہیں سمجھتا کہ گندگی کیا چیز ہے اور اپنے آپ کو اس سے نہیں بچاتا ہے لیکن ہم تو سمجھ دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا فرمائی ہے، اس لیے جب یہاں آ کر اس طرح وقت گزارا تو اب یہاں سے جا کر جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی نہیں بن جانا ہے؛ ورنہ تو پھر پوری زندگی بھی اگر ایسا ہی کرتے رہیں گے، تب بھی کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں ہے۔

## نفس کا اژدہا، ذرا دیکھ ابھی مرا نہیں

جیسے آپ نے ایک پودا لگایا تو اس کو روزانہ پانی پلائیے، تب بڑھتے بڑھتے ایک وقت آئے گا کہ اس کا پھل کھانے کا آپ کو موقع ملے گا اور اگر پانی نہیں پلائیں گے تو وہ سوکھ جائے گا پھر اگر پانی پلائیں گے تو سوکھا ہوا دوبارہ نہیں بڑھے گا۔ ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ ہر وقت نیا نیا لگاتے رہتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی بھر پھل کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد ہم اپنے معمولات کا اہتمام کریں اور اپنے ماحول کو درست کریں، جہاں ہم اُٹھتے بیٹھتے ہیں، ہمارا جو فرینڈ سرکل ہے، اس کو بدلیں۔

## نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم

اہلِ علم سوچتے ہیں کہ ہم تو مولوی لوگ ہیں، ہمارے لیے تو ہر صحبت اچھی ہی ہے، حالاں کہ ایسا نہیں۔ مولویوں کے اندر بھی بہت سارے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا ذہن

پورا دنیادار ہوتا ہے، جب ان کے ساتھ بیٹھیں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ مدرسہ والے کیا تنخواہ دیتے ہیں، چلو! کوئی کاروبار کرلیتے ہیں، کوئی زمین خرید لیں، رکشا لے لیں، یوں کرلیں۔ ہوتا کچھ نہیں ہے، خالی باتیں ہوتی ہیں لیکن ان کی باتوں کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ذہن میں دین کی خدمت کا اور علم کے لیے مرمٹنے کا جو جذبہ تھا، وہ ختم ہوجاتا ہے، نہ دنیا ہی ملی، نہ آخرت۔

| | | |
|---|---|---|
| نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم | | نہ ادھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے |

## نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے

اس لیے ایسے لوگوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھو۔ جو لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، جن کا فکر یہ ہے کہ طلباء کی کیسے تربیت کریں، کس طرح پڑھائیں، کس طرح اس کام کو آگے بڑھائیں، غرضیکہ جن کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے آپ کی قوتِ ارادی میں اضافہ ہوتا ہو، آپ کی ہمت بڑھتی ہو، آپ کے حوصلے بلند ہوتے ہوں، انہی کے ساتھ بیٹھو اور جو ایسے نہیں ہیں بلکہ آپ کے حوصلوں کو پست کرنے والے ہیں، وہ آپ کو تھوڑا ہی کام کرنے دیں گے؟ ایسوں کی صحبت میں نہ بیٹھیں۔ اپنی صحبت کے لیے بھی عمدہ طبقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ یہ صحبتیں ہی آدمی کو بناتی اور بگاڑتی ہیں۔ اس لیے ذکر اللہ کا اہتمام ہونا چاہئے۔ ذکر اللہ کی پابندی بہت اہم ہے۔

## محض ذکرِ لسانی بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

بہت سوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ذکر میں دل نہیں لگتا تو صرف زبان سے ذکر کیا

کریں؟ تو سمجھ لو کہ جو چیز آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، اس کے پیچھے مت پڑیے، اگر دل نہیں لگتا تو کوئی بات نہیں۔ ایک شخص نے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ: حضرت! جب اللہ کو یاد کرتا ہوں، تو زبان زبان ہی سے ذکر ہوتا ہے، دل تو دوسری طرف ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: بھائی! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے جسم کے ایک عضو (یعنی زبان) کو اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

## ذکرِ لسانی پر شکر بجالانے سے ذکرِ قلبی کی توفیق عطا ہوگی

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾: اگر تم شکر کروگے تو میں اپنی نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔ جب اس نعمت پر شکر کروگے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، اگرچہ میرا دل غافل ہے لیکن تو نے میری زبان کو اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی؛ تو دل بھی لگنے لگے گا اور یہ زبان جو اللہ کا نام لے رہی ہے، وہ تو جہنم میں نہیں جائے گی اور جب وہ جہنم میں نہیں جائے گی تو پورا جسم بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ صرف زبان کو کاٹ کر اللہ تعالیٰ جنت میں بھیج دیں تو جب اس پر شکر کروگے تو اللہ تعالیٰ نعمت میں اضافہ فرمائیں گے۔

## ذکرِ لسانی ذکر اللہ کا پہلا زینہ ہے

اور یہ بھی سمجھ لو کہ پہلے دن سے دل نہیں لگتا۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ ہر کام کی ایک ترتیب ہوتی ہے، بچپن میں جب نماز شروع کی تھی تو ہم ابا کے ڈر سے، استاذ کے ڈر سے پڑھتے تھے، پھر پڑھتے پڑھتے مزاج ایسا بن گیا کہ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز پڑھے بغیر

چین نہیں آتا۔ اسی طریقے سے ذکر اللہ کا بھی حال ہے، زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ پہلا مرحلہ اور درجہ ہے، جب تک یہ پہلا زینہ پار نہیں کریں گے، آگے والا زینہ - یعنی دل کا اس کی طرف متوجہ ہونا - حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ ہم تو پہلے ہی دن چاہتے ہیں کہ عرش پر پہنچ جائیں۔ بھائی! پہلے نیچے والی سیڑھی پار کرو گے، تب آگے پہنچو گے۔ اس لیے یہ مت سوچو کہ دل نہیں لگتا۔

## ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

فارسی کا شعر ہے:

| | | |
|---|---|---|
| بر زباں تسبیح ودر دل گاؤ خر | | ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر؟ |

زبان کے اوپر سبحان اللہ اور دل کے اندر دنیا ہے؛ ایسی تسبیح کا کیا اثر ہوگا؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شعر کہنے والا عارف نہیں تھا، اگر عارف ہوتا تو یوں کہتا:

| | | |
|---|---|---|
| بر زباں تسبیح ودر دل گاؤ خر | | ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر |

زبان کے اوپر تو سبحان اللہ اور دل میں دنیا ہے لیکن ایسا سبحان اللہ، اور ایسا اللہ کا نام بھی اپنے اندر اثر رکھتا ہے۔ جیسے ہم اور آپ لیموں اور املی کا نام لیتے ہیں تو منہ میں پانی آجاتا ہے۔ جب دنیا کی چیزوں کا یہ حال ہے کہ زبان سے ان کا تلفظ کرنے پر اثر ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے نام کا کوئی اثر نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا۔

## ہم رٹیں گے، گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آخری زمانے میں جب نابینا ہو گئے تو ایک مرتبہ دوپہر میں

حضرت نے پوچھا: یہاں کوئی ہے؟ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد، اور حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص تھے) نے کہا: حضرت! میں یحییٰ یہاں موجود ہوں حضرت نے کہا: اور کون ہے؟ عرض کیا: الیاس۔ (مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے تھے) تو حضرت نے بڑے جوش اور درد کے ساتھ فرمایا: اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

## ضربیں لگا کے کلمۂ طیبہ کی بار بار

اس لیے ہم تسبیح پڑھیں اور یوں سمجھیں کہ کچھ فائدہ نہیں ہوا؛ یہ غلط ہے۔ اصل میں ہمارے دلوں کے اوپر اتنا زیادہ گرد چڑھ چکا ہے اور اتنے پردے پڑ چکے ہیں کہ ذکر کا اثر ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا۔ کسی گھر میں صدیوں سے بنجر پڑا ہونے کی وجہ سے دھول کی تہہ جم گئی ہو، کوئی آدمی جھاڑو دے گا، تو جھاڑو مارنے سے دھول تو ہٹے گی، لیکن وہ تہہ اتنی زیادہ جمی ہوئی ہوتی ہے کہ نیچے کا فرش نظر ہی نہیں آتا، اب اگر کوئی یوں سمجھے کہ جھاڑو مارنا بے کار ہے، حالاں کہ ایسا بالکل نہیں ہے، جب جھاڑو لگاتے رہو گے تو دھول تھوڑی تھوڑی ہٹتی رہے گی، یہاں تک کہ ایک دن آئے گا کہ فرش نظر آنے لگے گا۔

## دل پہ لگا جو زنگ ہے، اس کو ہٹائیے

اسی طرح بس! اللہ کا نام لیتے رہو۔ جیسے: ترازو کے اندر ایک کلو کا باٹ رکھا اور دوسرے پلڑے میں آپ نے گیہوں ڈالے، پہلے تھوڑے دانے ڈالے، تھوڑے

دانے ڈالے، شروع ہی سے دوسرا پلڑا نہیں ملے گا بلکہ کچھ پتہ بھی نہیں چلے گا لیکن دانے ڈالتے ڈالتے ایک دانہ ایسا گرے گا کہ اس پلڑے کو جھکا دے گا۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آخری دانے نے پلڑے کو جھکایا حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس پلڑے کو جھکانے میں جو اثر آخری دانے کا ہے، وہی اثر پہلے والے دانہ کا بھی ہے۔ اگر پہلا دانہ نہ ہوتا تو آخری دانہ اس کو جھکا نہیں سکتا تھا تو درحقیقت ہمارے قلوب کے اوپر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اگر ہم پابندی سے ذکر کرتے رہیں تو ایک وقت آئے گا کہ ہمارے قلوب کے پردے ہٹیں گے اور ان کا غبار ختم ہوگا۔

## در بند آں مباش کہ شنید یا نہ شنید

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تب بھی اللہ کا ذکر کرنے کا ہمیں حکم تو ہے اور اللہ کا ذکر خود ہی مقصود ہے اس لیے اللہ کو یاد کرتے رہو۔ ہم تو اسی کے پابند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ حافظ شیرازی کا ایک شعر ہے:

| | | |
|---|---|---|
| حافظ! وظیفۂ تو دعا کردن است وبس | | در بند آں مباش کہ شنید یا نہ شنید |

فرماتے ہیں کہ: تمہارا کام تو دعا کرنا ہے، اب اس فکر میں مت رہو کہ وہاں سنی گئی یا نہیں۔ ہم تو اللہ کے بندے ہیں، ہم اللہ کو یاد کرتے رہیں اور کچھ نہ دیکھیں۔ ہم اللہ کا ایک حکم پورا کر رہے ہیں، یہی سب سے بڑا کمال ہے۔

## ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے

لوگ اس کے انتظار میں رہتے ہیں کہ ذکر کی کچھ نورانیت محسوس ہو۔ دو دن تسبیح

پڑھی اور سوچتے ہیں کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آیا؟ حالاں کہ یہ مقصود نہیں ہے کہ آنکھیں بند کرو اور آپ کو کوئی نور نظر آئے۔ نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ کشف کی ضرورت ہے۔ چاہے پوری زندگی نور کی ایک کرن بھی نظر نہ آئے لیکن ہم اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کو یاد کرتے ہیں، یہی ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔ ہم نے اللہ کا حکم پورا کیا اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے، یہی ہمارا فائدہ ہے، چاہے کچھ ملے یا نہ ملے۔

## اعمال کا ثواب بقدرِ مشقت ملتا ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی کہ: جب ذکر کے لیے بیٹھتا ہوں تو دھیان نہیں لگتا، طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا: دھیان لگے یا نہ لگے، بس! ذکر کرتے رہو۔ پھر فرمایا کہ: طبیعت نہ لگنے کے باوجود جب آپ اللہ کا ذکر کریں گے تو اس سے جو فائدہ ہوگا، وہ جی لگنے کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

دیکھو! کیسا عجیب نکتہ ارشاد فرمایا؛ اس لیے کہ مشقت اور تکلیف کے باوجود ہم اس کو یاد کر رہے ہیں تو ڈبل (دہرا) ثواب ملے گا، ایک ذکر اللہ کا اور دوسرا مشقت کی زیادتی کا۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی قرآن پاک پڑھتا ہے اور اس کی زبان لڑکھڑاتی ہے، اس کے باوجود پڑھتا ہے، تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ فقہا نے بھی لکھا ہے: أَجْرُكَ عَلَى قَدْرِ تَعَبِكَ وَنَصَبِكَ[1]۔ صاحبِ ہدایہ بہت سی جگہوں پر

---

(۱) المبسوط للسرخسی ۴/ ۷۴، یہ حدیثِ رسول بھی ہے علامہ سراج الدین ابن الملقنؒ فرماتے ہیں: هَذَا الحَدِيث صَحِيح عَنهُ، وَ قد رَوَاهُ كَذَلِك البُخَارِيّ وَمُسلم فِي صَحِيحَيْهِمَا وَفِي رِوَايَة عَلَى قدر عنائك ونصبك وَالْحَاكِم فِي مُسْتَدْركه رَوَى عَنْهَا أن النَّبِي ﷺ قَالَ لَهَا فِي [ عمرتها ] : إِن لك =

دلیلِ عقلی کے طور پر یہ بات پیش کرتے ہیں کہ تم کو ثواب تمھاری مشقت کے بقدر ملے گا۔ اللہ کی عبادات اور طاعات کو ادا کرنے میں تم جتنی مشقت اٹھاؤ گے، اسی کے مطابق تم کو ثواب ملے گا اور یہاں جب مشقت زیادہ ہے تو ثواب بھی زیادہ ملے گا۔

## جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

اس لیے آپ یہ نہ سوچیے کہ جی نہیں لگتا اور جی پہلے دن سے لگتا بھی نہیں، لیکن دھیان آتے آتے آئے گا، اور جاتے جاتے بے خیالی جائے گی۔ دل کی غفلت ایک دن میں دور نہیں ہوتی بلکہ آپ ذکر کرتے رہیں گے تو اِن شاء اللہ یہ بھی دور ہو جائے گی اور ذکر کی لذت بھی آپ کو حاصل ہوگی۔

## حاصل آید یا نیاید، جستجوئے می کنم

پھر یہ لذت کا حاصل ہونا ایک غیر اختیاری چیز ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے سلسلے میں جو مجددانہ کارنامہ انجام دیا ہے تو آپ نے ان ساری چیزوں کی وضاحت فرمادی کہ جو چیز غیر اختیاری ہو، اس کے پیچھے پڑا نہیں جاتا۔ ہم تو مکلّف ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں اپنا نام لینے کا حکم دیا تو ہم نام لیتے ہیں:

حاصل آید یا نیاید، جستجوئے می کنم

کہ نتیجہ ظاہر ہو یا نہ ہو، ہم تو کوشش کریں گے۔

---

= [ من ] الْأجر عَلَى قدر نصبك ونفقتك ثمَّ قَالَ : صَحِيح عَلَى شَرط الشَّيْخَيْنِ وَلم يخرجَاهُ .(البدر المنير في تخريج الأحاديث والأثار الواقعة في الشرح الكبير،الحَدِيث الثَّالِث عشر)

## عشقِ مولی کے کم از لیلی بود

مجنوں ریت کے اوپر لیلی کا نام لکھ رہا تھا، کسی نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ تو جواب دیا کہ مشقِ نامِ لیلی می کنم کہ لیلی کے نام کی مشق کر رہا ہوں، چاہے کوئی نتیجہ ظاہر ہو یا نہ ہو، میں ایک جستجو میں لگا ہوا ہوں تو ہم بھی اللہ کی یاد میں لگے رہیں، ثواب اور اللہ کی خوشنودی تو ہمیں حاصل ہو کر کے رہے گی۔

## بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے، ہم ثواب وعذاب کیا جانیں

جب یہ ثواب مل رہا ہے، اللہ تبارک وتعالی کی رضا اور خوشنودی مل رہی ہے تو اور کیا چاہیے؟ آپ لذت کے غلام بنے ہوئے ہیں! بھائی! ایک آدمی نوکری کر رہا ہے، ملازمت کرتا ہے، اب وہ یوں کہے کہ نوکری میں جی نہیں لگتا تو نہ لگے۔ بھائی! نوکری کریں گے تو تن خواہ ملے گی نا؟ لوگ کیا کہیں گے؟ تجھے تن خواہ مل رہی ہے۔ وہ اسی تن خواہ کے لیے تو نوکری کر رہا ہے، جی نہیں لگتا تو بھی کر رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ نوکری کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہے، جی لگے یا نہ لگے۔ اسی طریقے سے ہم یہ عبادت کرتے ہیں، اس عبادت کا مقصد اللہ تبارک وتعالی کو راضی کرنا ہے، اجر وثواب کو حاصل کرنا ہے۔ جب ہم یہ کریں گے تو ہم کو اجر وثواب بھی ملے گا، اللہ تبارک وتعالی کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی، ہمارا جی لگے یا نہ لگے۔ ہمارا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہو رہا ہے۔

## کس میں کتنا ثواب ملتا ہے، عشق والے کیا جانیں

ہم تو ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ پہلے دن ہی سارا نور نظر آجائے۔

واقعات پڑھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ پہلے ہی دن اس کو حاصل کرلیں۔ حالاں کہ کوئی بھی فائدہ اپنی طرف سے تجویز نہیں کرنا چاہیے۔ بس! اللہ کا ایک حکم پورا کر رہے ہیں اس پر اللہ جو چاہے گا دے گا اور اگر کچھ بھی نہ ملے، تب بھی اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہم نے پورا کیا؛ اس سے بڑی اور کیا بات ہوگی؟ ایک غلام کے لیے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اپنے آقا کے حکم کو بجالائے۔ اس لیے ذکر اللہ کا اہتمام کرو۔

## روحانیت اور نورانیت کا حقیقی مفہوم

روحانیت اور نورانیت کیا ہے؟ ہم تو روحانیت اور نورانیت کا مطلب سمجھتے ہیں کہ کوئی روشنی نظر آجائے، کشف ہو جائے، لذت آنے لگے۔ نہیں! بزرگوں نے لکھا ہے کہ روحانیت اور نورانیت کا مطلب اللہ تبارک وتعالی کے حکم کی تعمیل ہے۔ اگر ہم اللہ کے حکموں کو پورا کر رہے ہیں تو یہی روحانیت اور نورانیت ہے، چاہے اس میں لذت اور مزہ آوے یا نہ آوے۔

## ذکر مقویٔ روح ہے

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہم صبح کو کام پر نکلنے سے پہلے ناشتہ کرتے ہیں؛ تا کہ کچھ طاقت آجائے اور کام میں ہمارا دل لگے۔ جیسے جسمانی طاقت اور انرجی (energy) ناشتے کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، اسی طریقے سے روحانی انرجی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو یاد بھی کرلو: تسبیحات پڑھئے۔ جس طرح چائے کی پیالی کا، روٹی کا اہتمام کرتے ہیں، اسی طرح صبح کے وقت ذکر اللہ کا بھی

اہتمام کیجیے۔

اور ذکر اللہ کی مختلف شکلیں ہیں: قرآن کی تلاوت کرلو، تسبیح پڑھ لو، دعائیں کرلو، اس کے بعد کام پر جایئے؛ تاکہ ہمیں روحانی طور پر طاقت مل جائے۔ اس لیے کہ جب ہمارا نفس کہے گا کہ نامحرم عورتوں کو دیکھو تو اس وقت نفس کے مقابلے کے لیے طاقت کی ضرورت پڑے گی اور یہ طاقت اللہ کے ذکر سے ہی حاصل ہوگی، یہ طاقت روٹی اور معجونِ مقوی کھانے سے نہیں آئے گی۔

## کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو

ہمارے ارادے کتنے پُھس پُھسے ہیں کہ کوئی عورت گذری اور ذرا سا تقاضا ہوا تو فوراً چِت ہوجاتے ہیں اور نفس کے اس تقاضے کو پورا کرلیتے ہیں۔ پورے رمضان کا اعتکاف کیا، یہاں سے باہر نکلے، سامنے سے کوئی عورت گذری تو ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اس سے اپنی نظر کی حفاظت کریں۔ پورے مہینے کے اعتکاف سے حاصل کی ہوئی طاقت اتنی نہیں ہے کہ ہم کو عورت کی طرف بدنظری سے روک سکے۔

بقول حضرت حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ: جیسے پہلوانوں کو کھلاتے ہیں، ایسے ہی آپ کو بادام اور پستے کھلائے، دودھ پلایا اور پہلوانی کے لیے جب میدان میں اتارا تو پہلے ہی چِت ہوگئے۔

اس لیے ہمیں اپنے آپ کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ نفس کے مقابلے میں ہمارے ارادے، اور شیطان کے مقابلے میں ہماری ہمتیں مضبوط ہوں اور ہمارے ارادوں

اور ہماری ہمتوں میں قوت جو آتی ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے ہی آتی ہے۔ آج ہماری زندگیاں اس سے خالی ہوگئی ہیں؛ اس لیے آپ میں سے ہر ایک کو میں یہ کہوں گا کہ اللہ کے ذکر کا خوب اہتمام کرو۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کی بڑی تاکید ہے۔

## اللہ کی یاد ہی نے حضرتِ یوسفؑ کو مبتلائے گناہ ہونے سے بچایا

سیدنا حضرتِ یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے زلیخا نے کہا: هَيْتَ لَكَ کہ: آجاؤ۔ دروازے بند کردئے، تالے لگادئے، پردے گرادئے۔ نفس کو للچانے والا، دعوت دینے والا، لبھانے والا ماحول بنادیا ہے لیکن حضرتِ یوسف علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کیا کہہ رہے ہیں؟ مَعَاذَ اللّٰهِ: اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ کو یاد کررہے ہیں، اللہ کی یاد دل میں، رگ وریشے سمائی ہوئی ہے، تبھی تو اس موقع پر اللہ یاد آرہے ہیں۔

آگے فرمایا: اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ، ویسے رَبِّيْ کی تشریح مفسرین نے ایک تو وزیرِ مصر سے بھی کی ہے کہ میرا آقا۔ اور دوسری تفسیر ''اللہ'' سے کی ہے کہ میرا اللہ، میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، میری ہر حرکت وسکون سے واقف ہے، اس نے مجھے ٹھکانہ دیا، تو مجھے گناہ کی دعوت دے رہی ہے لیکن وہ مجھے دیکھ رہا ہے، دروازے بند کردئے تو کیا ہوا، اس سے تو کچھ بھی مخفی نہیں۔

یہی ذکر وہ چیز ہے جو آدمی کو تنہائی میں بھی گناہوں سے روکتی ہے، نفس کا مقابلہ کرنے کی طاقت فراہم کرتی ہے۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ

کی یاد دل میں سما جاتی ہے، اس کی ذات کا استحضار رہتا ہے، یہی استحضار آدمی کو گناہوں سے روکنے والا ہے۔

## کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

یہ ذکر اللہ اور انابت الی اللہ بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ حیدرآباد میں ایک بزرگ تھے، بیمار تھے، گھٹنوں میں کچھ درد تھا، مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے خادم دوائی مل رہے ہیں، اسی دوران دیکھا کہ مجلس میں لوگ آپس میں بات چیت کر رہے ہیں اور ایک شور کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ اب جو خادم ان بزرگ کو دوا مل رہے تھے، انھوں نے دیکھا اور سوچا کہ آج تک حضرت کی مجلس میں شور، ہنگامے اور بے ادبی کی یہ کیفیت کبھی نظر نہیں آئی، وہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، تعجب کر رہے ہیں اور وہ بزرگ محسوس کر رہے ہیں کہ ان کو کیا چیز تعجب میں ڈال رہی ہے تو ان بزرگ نے ہاتھ سے گھٹنے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ یہ سمجھے کہ درد ذرا اِدھر ہے تو اُدھر دوا ملنا شروع کیا پھر شور ہو رہا ہے اور یہ اُدھر دیکھ رہے ہیں تو ان بزرگ نے کہا کہ اس گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں آج رات کے معمولات پورے طور پر ادا نہیں کر سکا ہوں، اس کا یہ نتیجہ ہے جو تم مجلس میں دیکھ رہے ہو۔ مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک شعر بڑا عمدہ استعمال فرمایا ہے:

| |
|---|
| رحم کر قوم کی حالت پر اے ذکرِ خدا |
| کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے |

## یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے

فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے اپنے ایک رات کے معمولات کے چھوٹنے کا یہ اثر محفل پر مرتب ہوسکتا ہے تو تمام مشائخ، تمام علماء اپنے ان معمولات کو چھوڑ دیں گے تو قوم کا کیا حال ہوگا! یہ تو بنیاد اور روح ہے، اگر ہم نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی تو قوم کا کیا حال ہوگا!۔

آج لوگوں کے قلوب میں دین کا کام کرنے والوں کا وقار جو باقی نہیں رہا، دلوں میں ان کے لیے جو عظمت ہونی چاہیے، وہ نہیں رہی، چاہے وہ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے ہوں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا ہمارے اندر اہتمام نہیں رہا۔

## معمولات کا کبھی ناغہ نہ ہو

جن کے معمولات ہیں، وہ اکثر کہتے ہیں کہ معمولات ناغہ ہوجاتے ہیں۔ بھائی! ناغہ کیسے ہوا؟ صبح کی چائے تو کبھی ناغہ نہیں ہوتی؟ کبھی کوئی کہتا ہے کہ رات میں بیوی بیمار ہوگئی تھی اور اس کے پیٹ میں اتنا درد ہوا کہ ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑا، اس کی وجہ سے صبح کی تسبیح چھوٹ گئی تو میں اس سے پوچھا کرتا ہوں کہ اس روز صبح چائے پی تھی یا نہیں؟ تو کہتے ہیں: جی ہاں! وہاں چائے کی ایک لاری تھی، وہیں کھڑے کھڑے چائے پی لی۔ تو میں کہتا ہوں: چائے کے لیے لاری مل گئی اور اسی کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھالیا لیکن تسبیح پڑھنے کے لیے فرصت نہیں ملی؟ حالاں کہ تسبیح کی برکت سے

تو ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلدی شفا دے دیتے۔

## حضر کی بہ نسبت سفر میں معمولات کی پابندی زیادہ آسان ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفر میں تھے، اس لیے معمولات چھوٹ گئے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ سفر میں معمولات کاہے کو چھوٹے؟ مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ سفر میں تو ہم سے معمولات اور زیادہ ادا ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ گھر پر رہ کر اتنا وقت نہیں ملتا جتنا سفر میں ملتا ہے، گھر پر تو کام کاج ہوتے ہیں، کسی کی دوکان ہے تو اس کو دوکان پر جانا پڑے گا۔ اگر مدرس ہے تو پڑھانے کے لیے جانا پڑے گا، اور سفر میں تو کچھ نہیں کرنا ہے، گاڑی میں بیٹھے ہیں تو فرصت ہی فرصت ہے۔

بہت سی وہ تسبیحات جو ہم گھر پر رہتے ہوئے نہیں پڑھتے، جیسے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ العَظِيمِ'' جس کی بڑی فضیلت ہے، چوتھا کلمہ ''لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، بِيدِه الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ'' یہ سب عام طور پر ہم نہیں پڑھ پاتے، لیکن سفر میں فرصت ملتی ہے تو اس کو پڑھ لیتے ہیں۔

## عذر یا بہانہ

ہمارے بہت سے طلبہ کہتے ہیں کہ مدرسے میں رہتے ہوئے تو معمولات پورے ہوتے ہیں لیکن جب گھر جاتے ہیں تو پورے نہیں ہوتے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ

مدرسہ میں تم سبق میں جاتے ہو، سبق کے تمہارے چھ گھنٹے ہوتے ہیں اور پھر مغرب کے بعد اور عشاء بعد کے مطالعہ کرتے ہو اور ان سارے کاموں کے ساتھ تم معمولات پورے کر لیتے ہو، جب کہ گھر پر تو کوئی کام نہیں ہوتا، پھر کیوں ادا نہیں ہوتے؟ اس لیے ان سب باتوں کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے اور ان چیزوں کی اصلاح کی ضرورت ہے کہ ہمارے اوقات جو ضائع اور برباد ہوتے ہیں ان کو برباد ہونے سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، اسی میں ہماری سعادت ہے۔

## حضراتِ اکابر کے یہاں معمولات کی پابندی کا اہتمام

آپ بیتی میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے ''اکابر کا معمولات کی پابندی کرنا'' اور اس میں بتلایا ہے کہ حضراتِ اکابر کے یہاں معمولات کی پابندی کا کتنا اہتمام تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظہر کے بعد کمرے کا دروازہ بند ہو جاتا تھا، عصر تک بند رہتا تھا، وہ اندر آرام نہیں کرتے تھے، حضرت نے لکھا ہے کہ لوگوں نے دروازے کی کواڑوں سے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ ذکر کر رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں، ہمیں اس طرح معمولات کی پابندی کرنے کی ضرورت ہے۔

## ہم روحانی معمولات کے اوقات ہی میں کٹوتی کرتے ہیں

ہم اپنے جسمانی معمولات کے کیسے پابند ہیں! دوپہر کے وقت قیلولہ کا معمول ہے تو کوئی بھی آیا ہے، کیسا ہی مہمان آیا ہو، ہم دوپہر کے وقت قیلولہ کریں گے ہی کریں گے۔ کھانا ہے، کھائیں گے۔ ناشتہ ہے، کریں گے۔ ان ساری چیزوں کا اہتمام

ہم کرتے ہیں، اس میں ذرا برابر بھی ہم کمی کرتے نہیں ہیں لیکن ساری قینچی کہاں چلتی ہے؟ مہمان آیا تو اس کی مہمان نوازی کرنے کے چکر میں روزانہ تین پارے کی تلاوت کا معمول دو پارے سے بدل جائے گا یا ایک پارے کی تلاوت پر اکتفا کریں گے یا بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ بیوی بیمار ہو گئی تو صبح کی تسبیح چھوٹ گئی!۔ ارے بھائی! اس موقع پر تو اور بھی زیادہ پڑھنی چاہیے تھی؛ تاکہ اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ بیوی کو شفا دے دیتے۔ میں نے کہا نا کہ ایسے موقع پر بھی چائے تو نہیں چھوٹے گی، حالاں کہ چائے تلاش کرنے کی بہ نسبت تسبیح کی پابندی آسان تھی۔ علاج تو ڈاکٹر کر رہا ہے۔ کیا آپ کی زبان کو کسی نے باندھ رکھا تھا؟ تو آپ کیوں ذکر نہیں کرتے؟ آپ کیوں تلاوت نہیں کرتے؟۔

## تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے

اپنے وقت کی قدر کیجیے۔ یہ وقت ہمارے لیے سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے،

| | | |
|---|---|---|
| تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے | | یہ مد و جزر جواہر کی لڑی ہے |

ہمارے حضرت یہ شعر سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ سانسیں جو اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں، یہ جواہرات کی لڑی ہے، کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے؛ اس کو ہم صحیح انداز میں استعمال کریں۔

## فرصتِ زندگی بہت کم ہے

آپ نے فضائلِ ذکر اور فضائلِ صدقات میں پڑھا ہوگا، حضرتِ داود طائی

رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ روٹی چبا کر کھانے کے بجائے پانی میں بھیگو کر کھا لیتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ چبا کر کیوں نہیں کھاتے؟ تو فرمایا کہ چبا کر کھانے میں دیر لگتی ہے، بھیگو کر کھانے کے مقابلے میں وقت زیادہ لگتا ہے تو جو وقت بچ جاتا ہے، اس میں مَیں قرآنِ پاک کی پچاس آیتوں کی تلاوت کر لیتا ہوں۔

## اس میں مَیں ''۷۰'' مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں

حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ۷۰/مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا۔

ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات اللہ کی یاد میں زیادہ سے زیادہ وقت کو گذارنے کے لیے ۴۰/سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

اندازہ لگایئے کہ ان کے نزدیک وقت کی کیا قدر و قیمت تھی! جو آدمی کھانے کے وقت میں کٹوتی کر کے اللہ کی یاد میں لگاتا ہو، وہ دوسرے وقت کو ضائع کر سکتا ہے؟۔

## جو وقت کو درہم ودینار سے بھی زیادہ قیمتی جانتے تھے

حضرت حسنِ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’کتاب الزہد والرقائق‘‘ میں لکھا ہوا ہے:

أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلَى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ

میں نے ایسے لوگوں کو پایا یعنی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اپنی عمرِ عزیز کے اوقات کے اندر اس سے زیادہ بخیل تھے، جتنا آدمی اپنے دینار اور درہم کے اندر بخیل ہوتا ہے①۔

## اوقات کی ناقدری نے ہمیں بے وقعت بنادیا ہے

آدمی کس طرح اپنے پیسوں کو دیکھ دیکھ کر اور سنبھال سنبھال کر استعمال کرتا ہے، وہ اپنی زندگی کے اوقات کو اس سے بھی زیادہ دیکھ دیکھ کر استعمال کرتے تھے کہ جہاں میں لگا رہا ہوں، وہاں لگانا ٹھیک ہے بھی یا نہیں، یہ قیمت تھی ان کے نزدیک وقت کی! آج ہماری نگاہ میں اگر سب سے زیادہ بے قیمت کوئی چیز ہے تو وہ ہمارے اوقات ہیں؛ اسی لیے ہماری کوئی ’’اوقات‘‘ نہیں ہے، ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔

اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو وصول کرنے کی سعی کریں۔ ایک سبحان اللہ کی قیمت ساری دنیا مل کر بھی ادا نہیں کرسکتی۔

---

① الزهد و الرقائق، باب التحضيض على طاعة الله عز و جل.

# قبر میں قرآنِ پاک کی تلاوت

مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے خطبات میں ہے: ایک اللہ والے کو کشفِ قبور ہوتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالی کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ قبر میں مردوں پر جو حالات گذرتے ہیں، اللہ تعالی ان پر اس کو کھول دیتے ہیں، ان کو اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بزرگ کہیں جارہے تھے، راستے میں ایک قبر کے پاس ٹھہرے، مکاشفے میں دیکھا کہ صاحبِ قبر قرآنِ پاک کی تلاوت کررہے ہیں۔ اسی حالتِ مکاشفہ میں ان کی صاحبِ قبر سے بات چیت ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ ہم نے تو سنا ہے کہ آدمی کا جب انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، وہ کوئی عمل نہیں کرسکتا اور میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تم قبر میں قرآن کی تلاوت کررہے ہو۔

انھوں نے جواب میں کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب انتقال کے بعد مجھے دفن کیا گیا تو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، فرشتے آئے اور مجھ سے سوالات ہوئے، میں نے صحیح صحیح جوابات دئے۔ جب جوابات دے چکا تو باری تعالی کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ تم نے صحیح صحیح جوابات دئے، تم کامیاب ہو لیکن یہ عالمِ برزخ ہے، یہاں تم کو تب تک رہنا ہے جب تک قیامت قائم نہیں ہوجاتی۔ قیامت قائم ہونے کے بعد ہی آگے کے مراحل آئیں گے، وہاں تک تو تمھیں قبر ہی میں رہنا ہے۔ اب جب تمھیں یہیں رہنا ہے تو تم اپنے لیے کوئی مشغلہ چاہو تو ہماری طرف سے دے دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے دنیا کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت سے بڑا شغف تھا تو میں نے قرآنِ پاک کی

تلاوت کی اجازت چاہی تو جواب ملا کہ ٹھیک ہے، تم قرآن پڑھ سکتے ہو۔

## ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ

انھوں نے کہا کہ جب سے دفن ہوا ہوں، تب سے آج تک ۷۰ ر ہزار قرآن ختم کر چکا ہوں، ۷۰ ر ہزار! اب اس کے بعد یہ صاحبِ قبر اس بزرگ سے کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنا ایک ''سبحان اللہ'' مجھے دے دیں تو میں اپنے یہ ۷۰ ر ہزار قرآن دینے کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے تعجب سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ جو ۷۰ ر ہزار قرآن ہیں نا، وہ تو ٹائم پاس ہے یعنی اس پر کوئی ثواب نہیں ہے۔ ثواب تو یہیں دنیا میں ملتا ہے، اس زمین کے اوپر جو اعمالِ صالحہ کریں گے، اس کا ثواب ملے گا لیکن قبر میں پہنچنے کے بعد نیکی پر ثواب ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں، ویسے ہی ٹائم پاس کرنے کے لیے نیک بندوں کو اللہ تبارک وتعالی کسی عبادت کی اجازت دے دیں، وہ دوسری بات ہے۔ اس لیے تمھارا ایک ''سبحان اللہ'' میرے ۷۰ ر ہزار قرآن سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

## کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

ہمیں اللہ تبارک وتعالی نے موقع دیا اور ہم کیسے غفلت سے اس کو گذار رہے ہیں۔ کوشش کرو کہ کوئی گھڑی اللہ کی یاد سے غفلت میں نہ گذرے۔ کام جو کرنے ہیں، وہ تو اپنی جگہ کرنے ہی ہیں لیکن کام کے علاوہ اوقات میں ہم تو ایسے ہی اپنے اوقات کو بیٹھے بیٹھے گپ شپ میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اپنے معمولات کی پابندی کرو، تلاوت، تسبیحات کا اہتمام کرو دعا کا اہتمام کرو۔

## تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی، مگر......

دعا سے ہماری غفلت کا حال یہ ہے کہ دس دس، پندرہ پندرہ دن گذر جاتے ہیں لیکن ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ دنیا میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارا کوئی کام ہوتا ہو تو اِس کے پاس جاتے ہیں، اُس کے پاس جاتے ہیں، فلانے آفیسر کے پاس جاتے ہیں، فلاں پولیٹیکل لیڈر (political leader) کے پاس جاتے ہیں۔ ایک کام کے لیے دو دو، چار چار روز اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں لیکن دو رکعت پڑھ کر اللہ تبارک وتعالی کے سامنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اے اللہ! دلوں کے مالک تو آپ ہیں، فلاں کی وجہ سے کام اٹکا ہوا ہے، اس کے دل کا مالک بھی تو ہے، اس کے دل کو تو پھیر سکتا ہے۔

## دعا کا بھی معمول بنائیے

ہماری کوششیں تبھی کامیاب ہوسکتی ہیں، جب اللہ چاہیں؛ اس لیے دعا کی بھی عادت ڈالو، دعا کا بھی معمول بناؤ۔ باقاعدہ آپ کے اوقات کے اندر کچھ وقت: پندرہ منٹ، بیس منٹ دعا کے لیے ہونے چاہئیں۔ اس دعا میں اپنے لیے، اپنے اقارب کے لیے، اپنے دوستوں کے لیے، پوری امت کے لیے دعا کا اہتمام کرو۔ ہمیں تو اپنے لیے بھی دعا کی توفیق نہیں ہوتی تو دوسروں کے لیے کیا مانگیں گے!

## مختلف اوقات کی مسنون دعاؤں کی حکمت

مختلف اوقات اور مختلف کاموں کی جو دعائیں ہیں، وہ بھی اسی لیے رکھی گئی ہیں کہ

ہمارا کوئی لمحہ اللہ کی یاد کے بغیر نہ گذرے: گھر میں داخل ہور ہے ہیں تو یہ دعا اور نکل رہے ہیں تو یہ دعا پڑھنی ہے، مسجد میں داخل ہو رہے ہیں تو یہ دعا اور نکل رہے ہیں تو یہ دعا پڑھنی ہے۔ بیت الخلا میں داخل ہو رہے ہیں تو یہ دعا اور نکل رہے ہیں تو یہ دعا پڑھنی ہے، وضو شروع کر رہے ہیں تو یہ دعا اور ختم کر رہے ہیں تو یہ دعا۔ کھانا شروع کر رہے ہیں تو یہ دعا اور کھانے سے فارغ ہو رہے ہیں تو یہ دعا۔ یہ ساری دعائیں اسی لیے سکھائی گئی ہیں کہ ہمارا کوئی لمحہ اللہ تبارک وتعالی کی یاد کے بغیر نہ گذرے۔

## طبعی ضرورتیں بھی عبادات بن سکتی ہیں

ٹھیک ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں انسان بنایا ہے اور مختلف ضرورتیں ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہیں: کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ کی ضرورتیں ہمیں لاحق ہوتی ہیں تو یہ تو ہمیں کرنا ہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایسا طریقہ بتا دیا کہ ہمای یہ طبعی ضرورتیں بھی عبادت بن گئیں، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کو انجام دیا جائے۔

بیت الخلا جانا تو ہے ہی، اب اگر بیت الخلا اس طریقے کے مطابق جائیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے اور آپ کے بتائے ہو طریقے کے مطابق نکل کر دعا پڑھیں گے تو ہمارا یہ بیت الخلا جانا اور نکلنا بھی سنت کے مطابق ہونے کی وجہ سے عبادت بن جائے گا۔

سونا ایک طبعی ضرورت ہے لیکن سونے کے لیے بھی ہم وہی نبوی طریقہ اختیار

کریں گے، آداب اور دعاؤں کی رعایت کریں گے تو ہمارا یہ سونا بھی عبادت بن جائے گا؛ اس لیے ان مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام کریں۔

## دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے

اور ایسی پیاری پیاری دعائیں ہیں، صبح وشام کی دعائیں ہیں جن میں شیطان وغیرہ سے حفاظت کی دعا ہے۔ آج تقریباً ہر آدمی کہتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے: میں بیمار رہتا ہوں، میری بیوی بیمار رہتی ہے، میرے بچے بیمار رہتے ہیں، میرا کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے، کسی نے باندھ دیا ہے اور عاملوں کے پاس مارے مارے، دوڑے دوڑے پھرتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقے اور دعائیں بتلائی ہیں، ان کو اختیار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اگر ہم ان چیزوں کو اختیار کر لیتے ہیں تو کوئی بھی چیز ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ باقی جو ہمارے مقدر میں ہے، وہ تو ہو کر کے رہے گا، ساری دنیا کے عامل مل کر بھی اس کو دور نہیں کر سکتے۔

## نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے

ہم اپنی زندگی کے اوقات کا صحیح استعمال کریں، اللہ تبارک تعالی نے جو یہ نعمت دی ہے، جو دولت دی ہے، اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کر لیں گے اور اللہ تبارک تعالی کے ساتھ تعلق قائم کر لیں گے تو جینے کا بھی مزہ آجائے گا۔ جینے کا مزہ یہ نہیں ہے کہ ہم کھائیں، پئیں اور چکن سینٹر پر جا کر چکن (65) کھائیں۔ چکن (65) کھانے سے زندگی کا مزہ آنے والا نہیں ہے، زندگی کا اصل مزہ تو اللہ کا ذکر کرنے سے حاصل ہوگا، اَلَا

بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ: دل کو سکون تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے آئے گا؛ اس لیے ان چیزوں کو اختیار کریں۔

## بری صحبت سے دور رہیے

ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: یہ (جو کچھ میں نے کہا) ماحول کی برکت ہے، تو اپنے گھر جا کر ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ وہاں بھی ایسا ماحول بناؤ اور گھر کے لوگوں کو بھی لگاؤ اور جو کچھ یہاں رہ کر کیا ہے، اسی ماحول کو گھر پر رہ کر حاصل کرنے کا اہتمام کرو اور وہ پرانی دوستیاں جو اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں، ان کو چھوڑ دو اور ہم نے جس کو اپنا مقصود بنایا ہے، اس میں جو چیزیں معین ومددگار ہیں، انہی کو اپناؤ۔ ایسے احباب جو دین کی فکر کرنے والے ہوں (اور ہر علاقے اور ہر جگہ پر دعوت وتبلیغ کے ساتھی ہوتے ہیں جو ماشاء اللہ دین کی بڑی فکر کرتے ہیں) ان کے ساتھ تعلق رکھو، تا کہ کم از کم دین کا فکر آئے اور اگر ہم دنیاداروں کے ساتھ بیٹھیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا وقت بھی ضائع ہوگا اور ہماری جو دین کی فکریں ہیں ان میں بھی کمی آئے گی۔ اس لیے صلحاء کی صحبت اختیار کر کے اس دولت کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے۔

## برے ماحول سے دور رہو

ایک آدمی کمانے کے لیے سعودیہ یا گلف (Gulf) گیا، جب وہاں سے کما کر آیا تو چوروں نے سب چرا لیا تو اس کو کتنا افسوس ہوگا؛ اس لیے جو آدمی محنت کر کے کما کر آتا ہے تو یہاں (انڈیا) آ کر وہ اپنی دولت کی بڑی حفاظت کرتا ہے۔

اسی طرح یہاں (خانقاہ میں) آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے، یہاں سے جانے کے بعد اس کی حفاظت کا اہتمام کرو؛ تاکہ وہ دولت باقی رہے اور اس کے لیے جو بھی شکلیں ہوسکتی ہیں ان کو اپناؤ۔ برے ماحول سے اپنے کو بچائیے، اپنے معمولات کا اہتمام کیجئے اور اپنے شیخ کے ساتھ تعلق قائم رکھئے اور ایسے گناہوں سے جو بہت زیادہ نقصان پہنچانے والے ہیں، جیسے عورتوں اور امردوں کے ساتھ خلط ملط اور بدنظری سے تو اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ گناہ ایسے ہیں کہ ایک مرتبہ کے ارتکاب سے ہی سارا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع اور سعادت عطا فرمائی اور یہاں آنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ بھی باقی رکھے اور اس میں ترقی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# شیطانی وساوس کی حقیقت
# اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۱)

# اقتباس

اب شیطان ہمیں گمراہ کرنے کے لیے اور نقصان پہنچانے کے لیے جو شکلیں اختیار کرتا ہے، ہمارے خلاف اس کے جو مکائد ہوتے ہیں، اس سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں؟ تو تدبیریں وہی ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ جو جاری فرمایا، وہ ہدایت کا سلسلہ ہے اور شیاطین کا جو سلسلہ ہے، وہ ضلالت اور گمراہی کا سلسلہ ہے۔ حضرت علامہ عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تقریرِ بخاری میں فرمایا کہ: حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہر اس موقع پر جہاں شیطان کی طرف سے وسوسہ آتا ہے یا ان کی طرف سے گمراہی کی جتنی بھی شکلیں آسکتی ہیں، ان کی تدبیر اور توڑ امت کو، انسانیت کو بتلاتے ہیں، ہر ہر موقع پر یہاں تک کہ بچے کی پیدائش سے بھی پہلے اس سے بچنے کی تدبیریں بتلاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِـالله مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

وقال تعالى: ﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِـاِذْنِ اللهِ وَعَلَي اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [المجادلة:۱۰]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ الله تعالى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الله تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَامَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ①.

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ الله تعالى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ

① صحيح البخارى،بَابُ الخَطَإِ وَالنِّسْيَانِ فِي العَتَاقَةِ وَالطَّلاَقِ وَنَحْوِهِ

ﷺفسألوہ:إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ: وَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا:نَعَمْ قَالَ:ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ①.

وعن انس رَضِيَ اللّٰہُ تعالى عَنْهُ أن ا لنبی ﷺ قال: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ②.

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ تعالى عَنْهُما أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولِ اللّٰہ! إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ، لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ،فقال النبیُ ﷺ:الْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ③. أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

## راہِ سلوک کے مسافر کو پیش آنے والے حالات

کوئی آدمی جب دین کی راہ پر چلنا شروع کرتا ہے، پہلے وہ گناہوں میں مشغول تھا، گناہوں کی اس راہ کو چھوڑ کر اللہ تعالی کی اطاعت اور فرماں برداری والی راہ پر چلنا شروع کرتا ہے تو اس کو جو مختلف آزمائشیں اور ابتلائات پیش آتے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ عام طور پر وساوس اور خیالات کا شکار ہوتا ہے۔ ہمارے احباب کے جو خطوط آتے ہیں، عام طور پر ان میں اس چیز کی شکایت ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ آپ

①صحيح مسلم،بَابُ بَيَانِ الْوَسْوَسَةِ فِي الْإِيمَانِ وَمَا يَقُولُهُ مَنْ وَجَدَهَا.

②صحيح مسلم، باب بيان أنه يستحب لمن رئي خاليا بامرأة وكانت زوجته أو محرما له أن يقول هذه فلانة ليدفع ظن السوء به.

③شرح السنة للبغوى،باب العفو عن حديث النفس.

کے سامنے کچھ ایسی باتیں پیش کی جائیں جس کے نتیجے میں اس سلسلے میں آپ حضرات کو کچھ بصیرت حاصل ہو۔

## حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے ابلیس کا انکار اور بارگاہِ اِلٰہی سے اس کا اخراج

سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ وسوسہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمانے اور ان کے پتلے میں جان ڈالنے کے بعد جب فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا، ابلیس جس کو ہم شیطان کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہ بھی فرشتوں کی اس جماعت میں شامل تھا اور لاکھوں سال تک، بعض علماء کہتے ہیں کہ نو لاکھ سال تک اس نے اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کی تھی اور اللہ تعالی نے اس کو نہ صرف فرشتوں کی جماعت میں شامل کیا بلکہ معلم الملائکہ بنایا۔

جب سجدے کا حکم دیا گیا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا، اللہ تبارک وتعالی اسے براہِ راست سجدے کا حکم دے رہے ہیں اور وہ اس پر عمل نہیں کر رہا ہے۔ ہم کو اور آپ کو جو احکام ملے ہیں، وہ براہِ راست نہیں ملے ہیں، ہم کو تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے واسطے سے دیئے اور ان پر بھی اللہ تبارک وتعالی فرشتوں کے واسطے سے وحی بھیجتے ہیں۔ شیطان کو سیدھا حکم دیا گیا لیکن اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے اس انکار پر اللہ تبارک وتعالی نے اس سے باز پرس کی کہ میرے حکم کے باوجود تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے متکبرانہ جواب دیا: ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَه مِنْ طِيْنٍ﴾[الأعراف:۱۲] کہ آپ نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہوتی ہے۔ اس طرح اس نے اللہ تبارک وتعالی کے حکم کے سامنے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کردیا۔

## بارگاہِ الٰہی سے مردود ہونے پر انسان کو راہِ راست سے ہٹانے کا ابلیسی عزم

مردود کیے جانے پر اس نے دو کام کیے: ایک تو اس نے اللہ تبارک وتعالی کے حضور میں اپنے اس عزم اور ارادے کا اظہار کیا: ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کہ: اے اللہ! آپ نے مجھے جو گمراہ کیا تو میں اب آپ کے راہِ راست پر بیٹھ کر ان انسانوں کو راہِ راست سے ہٹانے کے لیے اپنی ساری صلاحیت اور توانائی کا استعمال کروں گا، ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ [الأعراف:۱۶] کہ: ان کو گمراہ کرنے کے لیے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف سے ان پر حملہ کروں گا اور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

## ابلیس کا وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان پر سب سے پہلا حملہ

چناں چہ اس نے اسی وقت سے یہ سلسلہ جاری کردیا اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو سب سے پہلے اس کا نشانہ بنایا، ان کو کیسے بہلایا، بہکایا؟ ان کو جنت

میں رکھا گیا تھا لیکن باری تعالی کو مقصود ان کو دنیا میں بھیجنا تھا تو اس کے لیے اسباب پہلے سے مقرر کر دیے گئے کہ ایک مخصوص درخت کے پاس جاویں، جس کے قریب جانے سے منع کر دیا تھا۔ شیطان نے بہکایا، پھسلایا کہ تمھیں جو اس درخت سے روکا گیا تو بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم اس کو استعمال کرو گے تو ہمیشہ جنت میں رہو گے، تم کو اسی لیے روکا گیا کہ کہیں تم ہمیشہ کے لیے جنت میں نہ رہ جاؤ۔ ایک تو اس نے یہ کیا۔

## مہلت کی ابلیسی درخواست اور باری تعالی کی طرف سے منظوری

دوسرے: اس نے اللہ تبارک وتعالی سے مہلت مانگی: ﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ کہ: مجھے مہلت دے دی جائے۔ اللہ تبارک وتعالی کو کائنات کے اندر ہدایت اور ضلالت کا یہ سارا نظام چلانا مقصود تھا تو اللہ تعالی نے اپنی بے پایاں حکمتوں کے پیشِ نظر اس کو یہ مہلت بھی دے دی۔ اس نے تو مہلت مانگی تھی: ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ کہ: دوبارہ زندہ کیے جائیں، تب تک کی مہلت دیجیے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا لیکن اللہ تبارک وتعالی کے سامنے اس کی ہوشیاری کہاں چلنے والی تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کو موت نہ آوے کیوں کہ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ سے پہلے قیامت ہے جس میں اللہ تبارک وتعالی کے علاوہ سب کو موت آنے والی ہے۔ اللہ تعالی نے اس کو قیامت تک کی مہلت دی۔

## ابلیس باری تعالی کی ذات وصفات کا بڑا عارف تھا

ابلیس باری تعالی کی ذات وصفات کا بڑا عارف تھا اس کی معرفت کا اندازہ آپ اس

سے لگا سکتے ہیں کہ عین اس وقت کہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی نے اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کیا، اسی موقع پر وہ اللہ تعالی سے درخواست کرتا ہے کہ قیامت کے دن تک مجھے مہلت دی جائے۔

## شیطان میں تین ''عین'' تھے، ایک ''عین'' نہیں تھا

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے اندر تین ''عین'' تھے، ایک عین کی کمی تھی: ایک تو یہ کہ وہ بہت بڑا عالم تھا اور یہ ظاہر ہے؛ اسی لیے تو اسے فرشتوں کا معلم مقرر کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ وہ بہت بڑا عابد تھا کہ زمین اور آسمان میں اس نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جہاں اس نے اللہ تعالی کی عبادت نہ کی ہو اور اللہ کے سامنے سجدہ نہ کیا ہو۔ بہت بڑا عارف بھی تھا۔

## مطالبے پیش کرنے میں اہلِ دنیا کا دستور

حالاں کہ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بڑے سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا چاہتا ہے تو ذرا اس کا موڈ (mood) دیکھتا ہے۔ بیوی بھی اپنے شوہر سے کوئی چیز مانگنے والی ہوتی ہے تو دیکھتی ہے کہ میاں خوشی میں ہے یا نہیں؟ بیٹا اپنے باپ سے کوئی خاص چیز مانگنا چاہتا ہے تو بیٹا اس انتظار میں رہتا ہے کہ ابّا جان ذرا خوشی میں ہوں گے، اس وقت ہم اپنی ڈیمانڈ (demand) ان کے سامنے پیش کریں گے۔ ناراضگی والی حالت میں نہیں مانگا کرتے۔

لیکن عین اس وقت جب اللہ تبارک وتعالی اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کر رہے

ہیں، وہ اللہ کے سامنے اپنی ڈیمانڈ پیش کر رہا ہے کہ قیامت کے دن تک مجھے مہلت دی جائے۔ کیوں؟ یہ اس کی معرفت کی نشانی ہے، وہ جانتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کسی کے اثر کو قبول نہیں کرتے، انفعالی کیفیت سے منزّہ ہیں۔

مخلوق کا حال تو یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے کوئی چیز آتی ہے تو اس سے ہماری طبیعت متأثر ہوتی ہے، کسی نے ہمیں کسی وجہ سے ناراض کر دیا تو اگر اس وقت ہمارے سامنے کوئی اور آدمی آجائے گا تو اس پر بھی ہماری ناراضگی کا اثر ظاہر ہو جائے گا تو شیطان اللہ تبارک وتعالی کی ذات وصفات سے واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالی کی ذات کے اندر اِنفعال اور تأثر نہیں ہے، اللہ تعالی کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کرتے۔ یہ اس کی معرفت کی دلیل ہے۔

## شیطان انسان کا کٹر دشمن ہے

یہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اس کے زعم میں اس کا بیڑا انسان کی وجہ سے غرق ہوا تھا، حالاں کہ وہ تو معصیت اور اللہ کے حکم کو توڑنے کی وجہ سے غرق ہوا تھا لیکن وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ انسان کی وجہ سے مجھے راندہ ہونا پڑا؛ اس لیے وہ انسان کا پکا دشمن بن گیا۔

## شیطان کی انسان دشمنی سے اللہ تعالی کی طرف سے آگاہی

اس نے اپنی انسان دشمنی کا اظہار تو کیا ہی ہے لیکن اللہ تبارک وتعالی نے قرآنِ پاک میں ہمیں جگہ جگہ اس سے آگاہ کیا ہے کہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ ﴿اِنَّ

الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾[فاطر:٦] شیطان تمھارا دشمن ہے اور تم بھی اس کو اپنا دشمن بناؤ، اس کے ساتھ دشمن جیسا معاملہ کرو۔

## دشمن کی طرف سے آگاہ کرنے کا رواج دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں میں بھی ہے

دیکھو! دنیا کی کوئی بڑی حکومت اور سلطنت اپنی شہریوں سے یوں کہے کہ فلاں آدمی ہمارا دشمن ہے، آپ کا دشمن ہے، اس سے بچتے رہیو! اتنی بڑی حکومت ہے، سارے اسباب ووسائل اس کے پاس موجود ہیں، وہ بھی اپنے شہریوں کو دشمن کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کو آگاہ کرتی ہے تو اس سے ان شہریوں کو اندازہ لگانا چاہیے کہ ہمیں جب اپنے حکم رانوں کی طرف سے آگاہ کرایا جارہا ہے تو یہ بہت خطرناک دشمن ہے، اس سے بچنے کے لیے ہمیں بہت زیادہ تدبیریں اختیار کرنے اور احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔

## شیطان کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

اللہ تبارک وتعالی جب بار بار ہمیں آگاہ کررہے ہیں، حکم دے رہے ہیں: ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾[فاطر:٦] شیطان تمھارا دشمن ہے اور تم بھی اس کو اپنا دشمن بناؤ، اس کے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ کرو، دشمنوں کا سا سلوک کرو۔ ﴿لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّه لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾[الأنعام: ١٤٢] کہ: شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی مت کرو، وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

لیکن اتنی ساری تنبیہات اور اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اتنا زیادہ آگاہ کیے جانے کے باوجود ہمارے رویّے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو شیطان کو خاطر میں لا ہی نہیں رہے ہیں۔ ہمارا جو انداز ہے، ہماری جو روِش ہے، ہم جس طریقے سے اپنی زندگیاں گذار رہے ہیں، اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے: نہ اس کو اپنا دشمن بنایا، نہ اس کے ساتھ دشمنوں جیسا معاملہ کیا اور اس کے داؤ پیچ اور اس کے مکائد سے بچنے کے لیے جو تدبیریں ہمیں اللہ تبارک وتعالی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بتائی گئیں، ان تدبیروں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے، عجیب معاملہ ہے۔

## ہمارے اکابر اور نفس وشیطان کے مکائد سے بچنے کا اہتمام

ہمارے اسلاف اور اکابر کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ نفس اور شیطان کے داؤ پیچ سے ڈرے رہتے ہیں۔ نفس بھی دشمن ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ① کہ: تمھارا بڑا دشمن تمھارا نفس ہے جو تمھارے پہلو کے اندر ہے، ان دونوں سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ [یوسف:۵۳] حضراتِ انبیاء کو دیکھو،

---

① کتاب الزهد الکبیر للبیهقی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَصْلٌ فِي تَرْكِ الدُّنْيَا وَمُخَالَفَةِ النَّفْسِ وَالْهَوَى.

حضراتِ صحابہ کو دیکھو، جب ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی وہ ان دونوں سے اس طرح خطرہ محسوس کرتے ہیں، جیسے کسی دشمن کا خطرہ ہے کہ کہیں شیطان اور ہمارا نفس ہمیں گناہ اور اللہ تعالی کی نافرمانی کے اندر مبتلا نہ کر دے، کوئی گناہ ہم سے نہ کروادے۔

## نفس اور شیطان سے خوف زدہ رہنے کا ایک چشم کُشا واقعہ

بخاری شریف میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، آخری بیماری، مرض الموت میں مبتلا ہیں، اس بیماری کے دوران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی عیادت اور خبر گیری کے لیے حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ لوگوں نے کہا کہ ابنِ عباس حاضری کی اجازت مانگ رہے ہیں۔

یہ جس زمانے کا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار اس زمانے کے بڑے لوگوں میں ہوتا ہے، ویسے وہ صغارِ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں کہ جماعتِ صحابہ میں وہ کم عمر تھے لیکن زمانہ جوں جوں گذرتا گیا، ان کا مقام بھی بلند ہوتا گیا اور اس وقت ان کا شمار بڑوں میں ہوتا تھا۔

عرض کیا گیا کہ ابنِ عباس عیادت کے لیے آئے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ ایسے جملے کہے کہ جس سے گھر والوں نے محسوس کیا کہ شاید آپ ان کو گھر میں اپنی عیادت کے لیے آنے کی اجازت نہیں دیں گی کہ وہ آ کے میری تعریف کریں گے اور ان کی تعریف سن کر میرا نفس کہیں گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جب انھوں نے یہ جملہ کہا

توگھر والے یہ سمجھے کہ شاید آپ ابنِ عباس کو واپس کردیں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے بڑوں میں سے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں یعنی آپ کو ان کو واپس نہیں کرنا چاہیے۔گھر والوں کی اس تاکید پر فرمایا کہ اچھا! آنے دو۔

## بس میری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما آئے اور آکر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور آپ کے علاوہ کسی اور کنواری سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نکاح نہیں کیا یعنی آپ کے ساتھ زیادہ محبت تھی اور زوجۂ مطہرہ ہونے کی وجہ سے آپ کا مقام بہت اونچا ہے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: إِنِ اتَّقَيْتُ۔

قرآن میں ہے: ﴿يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ [الأحزاب:٣٢] اے نبی کی عورتو! تمھارا مقام دوسری عورتوں جیسا نہیں ہے، بہت اونچا ہے بشرطیکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً جواب میں فرمایا: إِنِ اتَّقَيْتُ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ کی برأت قرآن میں نازل کی گئی (جب آپ پر تہمت لگائی گئی تھی)۔

خیر! ان کے درمیان یہ باتیں ہوئیں اور وہ چلے گئے، ان کے جاتے ہی فوراً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوتے تھے، حضرت

عائشہ کے بڑے لاڈلے تھے، وہ آئے۔ آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً کہا کہ ابھی ابنِ عباس آئے تھے اور انھوں نے میری تعریف میں یہ جملہ کہا کہ قرآن تمھاری برأت میں اترا۔ وَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نِسْيًا مَنْسِيًّا[1]: کاش کہ میں بھولی بسری ہوتی اور یہ جملہ سننے کے لیے زندہ نہ رہتی!۔

ان کو اپنے نفس پر اطمینان نہیں تھا، گویا وہ ہر وقت یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ معلوم نہیں، ہمارا نفس کس وقت ہمیں خود پسندی میں مبتلا کر کے ہمیں ہلاک کر ڈالے اور ہمیں تو کبھی بھولے سے بھی اس کا خیال نہیں آتا۔

## دل میں عجب محسوس کرنے پر حضرت عمرؓ کا اپنے نفس کا علاج کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ ایک مرتبہ اپنی پیٹھ پر مشکیزہ رکھے ہوئے لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں، آپ اس وقت امیر المؤمنین تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ کیا! تو آپ نے فرمایا کہ دراصل ملاقات کے لیے دوسرے ملک کا ایک وفد آیا ہوا تھا، ان کے ساتھ گفتگو کے نتیجے میں میرے دل میں کچھ بڑائی سی آ گئی تھی کہ عمر! دیکھ تو تو ایسا ہے کہ دنیا بھر کے بادشاہوں کے وفود تیرے پاس حاضری دیتے ہیں، اس کے علاج کے لیے میں یہ کام کر رہا ہوں!! وہ حضرات اس طرح اپنا علاج کرتے تھے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نفس اور شیطان کے حملوں سے ہم تو ایسے مطمئن ہو کر بیٹھے

---

[1] صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، بَابُ وَلَوْلاَ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ان کی طرف سے کوئی ڈر ہی نہیں ہے۔ ہم اپنے ۲۴ر گھنٹوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم کو کبھی بھولے سے بھی ایسا خیال نہیں آتا۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

جیسے کسی آدمی کو ایسے دشمن سے پالا پڑا ہو جو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا ہے، جیسے کسی کو پولیس کے ادنی آفیسر نے دھمکی دے دی ہو کہ میں تیرے کو دیکھ لوں گا تو وہ ہمیشہ ڈرا سہما رہتا ہے، ۲۴ر گھنٹے وہ اس کے دماغ پر سوار رہتا ہے اور اس سے بچنے کی اپنی تدبیریں برابر، مسلسل جاری رکھتا ہے، اس سے غفلت نہیں برتتا۔

ہمارے اسلاف اور اکابر کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہی چیز کھل کر کے نظر آتی ہے تو شیطان کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے، وہ تو ہمیں چٹکی میں گمراہ کر دے گا لیکن ہم اپنے آپ پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمارا کچھ بگاڑنے والا نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تو خود ہی اپنے آپ کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے تو اس کو محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

## حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا مشن

اب شیطان ہمیں گمراہ کرنے کے لیے اور نقصان پہنچانے کے لیے جو شکلیں اختیار کرتا ہے، ہمارے خلاف اس کے جو مکائد ہوتے ہیں، اس سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں؟ تو تدبیریں وہی ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتلائیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ جو جاری فرمایا، وہ ہدایت کا سلسلہ ہے اور شیاطین کا جو سلسلہ ہے، وہ ضلالت اور گمراہی کا سلسلہ ہے۔

حضرت علامہ عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تقریرِ بخاری میں فرمایا کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہر اس موقع پر جہاں شیطان کی طرف سے وسوسہ آتا ہے یا ان کی طرف سے گمراہی کی جتنی بھی شکلیں آسکتی ہیں، ان کی تدبیر اور توڑ امت کو، انسانیت کو بتلاتے ہیں، ہر ہر موقع پر یہاں تک کہ بچے کی پیدائش سے بھی پہلے اس سے بچنے کی تدبیریں بتلاتے ہیں۔

## زورِ بازو سے شیطان کو زیر کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے

شیطانی وسوسوں سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ تم اللہ کی پناہ حاصل کرو! تم براہِ راست اس سے کُشتی لڑنا چاہو تو یہ ممکن نہیں، وہ نظر نہیں آتا کہ تم اس کا گریبان پکڑ کر اس کا گلا دبادو یا اٹھا کر زمین پر پٹک دو یا تلوار، چھری، بندوق کی گولی وغیرہ سے اس کو قتل کردو۔ ہمارا دشمن ہمارے جیسا ہی انسان ہو اور وہ ہمیں نقصان پہنچانا چاہے تو ہم بھی اپنی آستین چڑھا کر میدان میں آسکتے ہیں کہ آ! میں تجھے بتاتا ہوں! لیکن شیطان کے سامنے آستین چڑھانے سے کام نہیں چلے گا بلکہ جس وقت آپ آستین چڑھا رہے ہوں گے، وہ خود آپ پر سوار ہوجائے گا۔

## جمرات کو شیطان سمجھنے والے بعض ناواقف لوگوں کی نادانی

حج کے موقع پر جب جمرات -جس کو ہم اپنی زبان میں شیطان کہتے ہیں- کی رمی

کے لیے، ان پر کنکریاں مارنے کے لیے جاتے ہیں۔ اب تو ایسا نہیں رہا لیکن ایک زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بعض لوگ واقعی اس کو شیطان سمجھتے تھے حالاں کہ وہ حقیقت میں شیطان نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک علامت ہے اور یہ حکم دے کر ہمیں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ تمھارا دشمن ہے لیکن بعض لوگ اپنی نادانی، ناسمجھی اور کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ستون جو نظر آ رہا ہے، وہی شیطان ہے اور اس پر چڑھ جاتے اور اس کی پٹائی کرتے تھے۔

وہ اپنے زعم میں یوں سمجھتے تھے کہ ہم شیطان پر سوار ہیں اور اس کی پٹائی کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے شریعت کی طرف سے ہمیں جو طریقہ بتلایا گیا، اس کی خلاف ورزی کر کے اپنے اوپر شیطان کو سوار کر رہے ہیں، عین اس وقت جب وہ سمجھ رہا ہے کہ میں شیطان پر سوار ہوں، سمجھ دار اور دین کے احکام سے واقف لوگ کہیں گے کہ یہ شیطان پر سوار نہیں ہے بلکہ شیطان اس پر سوار ہے۔

## شیطان کے مکائد کا توڑ قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ممکن ہے

بہرحال! شیطان کی ان ساری تدبیروں اور مکائد کے توڑ کے لیے ہمیں اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرنا ہے، ہمیں تو اس کے جواب کے لیے اور اس کے توڑ کے لیے ان ہی شکلوں کو اختیار کرنا ہے جن شکلوں کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں حکم دیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ

بِاللّٰهِ﴾[الأعراف: ۲۰۰] کہ: شیطان کی طرف سے اگر آپ کی کچھ چھیڑ چھاڑ ہو تو اللہ کی پناہ حاصل کرو۔

## ابلیسی داؤ پیچ سے حفاظت کی تدبیریں

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کی پیدائش سے بھی پہلے شیطان کے مکر وفریب سے بچنے کی تدبیریں ہمیں بتلا دی ہیں: آدمی جب اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو ہمیں بیوی کے ساتھ صحبت کرتے وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا بتلائی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع کی دعائیں بتلائی ہیں، یہ دعائیں کیا ہیں؟۔

آپ حضراتِ محدثین کو دیکھیں گے کہ کتاب الدعوات کے اندر باقاعدہ ایک باب ''باب التعوّذ'' کے نام سے قائم کرتے ہیں کہ ایسی تمام چیزیں اور صورتیں جو کسی بھی حیثیت سے انسان کو نقصان پہنچا سکتی ہوں، چاہے وہ ظاہری اور حسّی اعتبار سے ہو یا روحانی اور معنوی اعتبار سے ہو، ایسی خطرناک نقصان پہنچانے والی چیزوں سے حفاظت کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی جو پناہ حاصل کی جاتی ہے تو وہ کن الفاظ میں آدمی پناہ مانگے، وہ ساری دعائیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلائیں۔

## عبادات میں شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم

مختلف مواقع پر اللہ تبارک وتعالی سے پناہ مانگنے کے مختلف طریقے ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائے ہیں: کوئی نیک عمل کریں، قرآن پڑھیں، نماز پڑھیں، چنانچہ ثنا کے بعد پہلا کام تعوّذ پڑھنا ہے؛ تاکہ اس نماز میں شیطان کے وسوسے سے حفاظت ہو جائے۔

## بوقتِ قضائے حاجت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم

آپ بیت خلاء جارہے ہیں تو دعا سکھلائی گئی: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ بِسْمِ اللهِ کیوں پڑھی جارہی ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان قضائے حاجت کے لیے اپنا ستر کھولتا ہے تو شیطان اس کی شرم گاہ سے کھیلتا ہے اور اگر بِسْمِ اللهِ پڑھ کر کے گیا ہے تو شیطان کو اس آدمی کا ستر نظر نہیں آتا، گویا یہ بِسْمِ اللهِ ہمارے لیے آڑ بن گئی اور اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا کا اگلا حصہ ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ: اے اللہ! میں شریر جن مرد اور جن عورتوں دونوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

## بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم

ایک آدمی شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے گا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا پڑھو[1]۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہر چیز میں حفاظت کا ذریعہ بنتا ہے؛ لہٰذا اس وقت آدمی جب ستر کھولتا ہے اور بِسْمِ اللهِ، پڑھتا ہے تو شیاطین وغیرہ اس کے ستر کو دیکھ نہیں پاتے۔ آگے فرمایا: اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ: اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچائیو، اس کو ہم سے دور رکھیو۔ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا: اور اس صحبت کے نتیجے میں جو اولاد تو ہمیں عطا فرمائے گا، اس سے بھی شیطان کو دور رکھیو۔

---

[1] صحيح البخاری، بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الوِقَاعِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما.

## بوقتِ صحبت خروجِ منی کے وقت پڑھنے کی مسنون دعا

دیکھو! ہمارے دل ودماغ میں پہلے سے بٹھایا جارہا ہے بلکہ عین اس وقت جب مرد کا مادۂ منویہ اس کے جسم سے نکل کر عورت کے جسم میں جارہا ہے، انزال ہورہا ہے، اس وقت کی بھی ایک دعا سکھلائی، اس کو زبان سے نہیں پڑھنا ہے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا۔ وہ موقع ایسا ہے کہ اس وقت آدمی اس دعا کا دل سے تصور کرے گا، عین لذت اور شہوت کے موقع پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کو اپنی طرف متوجہ فرماتے ہیں، اس وقت کی یہ دعا نقل کی گئی ہے: اَللّٰھُمَّ لا تجعل للشیطان فیما رزقتنا نصیبا [۱]: اے اللہ! اس صحبت کے نتیجے میں جو اولاد آپ ہمیں عطا فرمائیں گے، اس میں شیطان کا حصہ مت رکھیو۔

## صحبت میں شیطان کی شرکت

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی دعا پڑھے بغیر اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو شیطان اس کی شرم گاہ کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور صحبت میں اس کے ساتھ وہ بھی شریک ہوجاتا ہے اور اس صحبت کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے، اس کے اندر شیطانی اثرات ہوتے ہیں [۲]۔

تو ہمیں شیطان کے اثرات سے بچانے کے لیے جو تدبیریں بتلائی گئیں، اس کی

---

① مصنف ابن أبي شيبة،ما يؤمر به الرجل إذا دخل على أهله؟عن ابن مسعودؓ ، ر: ۱۷۱۵٤.

② وَقِيلَ لَمْ يَضُرّهُ بِمُشَارَكَةِ أَبِيهِ فِي جِمَاع أُمّه كَمَا جَاءَ عَنْ مُجَاهِد " أَنَّ الَّذِي يُجَامِع وَلَا يُسَمِّي يَلْتَفّ الشَّيْطَان عَلَى إِحْلِيله فَيُجَامِع مَعَهُ.(فتح الباری شرح بخاری ۹/ ۲۲۹)

شروعات کہاں سے کی گئی؟ ابھی تو حمل ٹھیرا نہیں، وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیاطینی اثرات سے بچانے کے لیے تدبیریں بتا رہے ہیں اور پھر حمل ٹھیرا، اس کے بعد بھی دعا کرتے رہیں گے تو اللہ حفاظت فرمائیں گے۔

## بوقتِ پیدائش بچے کے رونے کی وجہ حدیث کی روشنی میں

اور پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان آ کر کے اس کے دل کو ٹٹولتا ہے، مس کرتا ہے، چھوتا ہے [۱]۔ بچہ جو روتا ہے اس کی وجہ یہی بتائی گئی ہے کہ شیطان اس کے دل کو چھونے اور ٹٹولنے کے لیے آتا ہے [۲]۔ چھونے اور ٹٹولنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس کے دل میں وسوسے کا بیج ڈالتا ہے۔

## ضلالتِ انسانی کے لیے شیطان کے پاس صرف ایک ہتھیار ہے

شیطان کو اللہ تبارک وتعالی نے اس کا کاروبار چلانے کے لیے، اس کے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے جو ہتھیار عطا فرمایا ہے، وہ صرف اور صرف وسوسہ ہے، اور کچھ نہیں ہے، اس کے پاس کوئی مادّی طاقت نہیں ہے۔ کوئی بھی شیطان انسان کے پاس جا کر اس سے جو گناہ کرواتا ہے: اس سے قتل کرواتا ہے، زنا کرواتا ہے، سنیما دکھلاتا ہے،

---

① صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَاذْكُرْ فِي الكِتَابِ مَرْيَمَ إِذْ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا

② صِيَاحُ الْمَوْلُودِ حِينَ يَقَعُ نَزْغَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ. (صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب فضائل عيسى عليه السلام)

ایسا نہیں ہے کہ وہ اس کے پاس ڈنڈا یا تلوار لے کر جاتا ہو، چھری لے کر جاتا ہو کہ چل، زنا کر، ورنہ تیرا سر پھوڑ دوں گا، سنیما دیکھنے کے لیے چل، ورنہ چھری سے تجھے ذبح کر دوں گا۔ آج تک آپ لوگوں نے ایسا کوئی واقعہ سنا؟ نہیں۔ شیطان انسانوں سے جو گناہ کرواتا ہے، اس میں کسی مادّی طاقت کا دخل نہیں ہوتا۔

انسان کا حال یہ ہے کہ اپنی مرضی چلانے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہے، سامنے والے سے کوئی کام لینا ہے اور وہ کام کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس پر جبر کرتا ہے لیکن شیطان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے کوئی مادّی طاقت نہیں دی ہے، اس کو بس یہی ایک ہتھیار، یہی ایک چیز دی ہے اور وہ وسوسہ ہے، اسی کو استعمال کر کے انسان سے گناہ کرواتا ہے۔

## شیطان نے اپنا لشکر مؤمنوں کے پیچھے چھوڑ رکھا ہے

شیطان کا ایک لشکر ہے جو ہر ایک کے پیچھے لگا ہوا ہے اور ہمیشہ انسان کے سر پر سوار رہتا ہے، جیسے کسی کے پیچھے کوئی لگا ہوا ہو کہ چلو، چلو تو بے چارہ کب تک اس کی ٹکر لے گا۔ دو، چار، پانچ دن کے بعد وہ بھی کہے گا کہ چلو۔ وہ اس کام کو انجام دینے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

اسی طرح شیطان بھی اپنے سپاہی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے جب کوئی مؤمن ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو شیطان کے لشکر میں کہرام مچ جاتا ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ ارے نالائقو! تمھارے ہوتے ہوئے

یہ ایمان سلامت لے کر گیا!۔ وہاں تو یہ سب رونا دھونا ہوتا ہے اور ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہمارا اتنا بڑا دشمن اس طرح ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے، وہ اپنے مشن کو پورا کرنے میں اتنا چوکس ہے۔

## شیطان اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بارے میں بہت زیادہ فعّال ہوتا ہے

میں بات یہ عرض کررہا تھا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان آکر اس کے دل کو چھوتا ہے۔ دیکھو! یہ شیطان اپنے مشن میں بہت زیادہ فعّال اور ایکٹیو (active) ہوتا ہے، ذرّہ برابر بھی سستی نہیں کرتا، انسان کو گمراہ کرنے کا ایک موقع بھی نہیں گنواتا۔

ہم لوگ تو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کہیں یہ موقع چوک جاتے ہیں، کہیں وہ موقع چوکتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمیں اپنے کاموں میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے لیکن شیطان ذرّہ برابر بھی موقع چوکتا نہیں ہے۔

## ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے پر شیطان کو کوئی قدرت نہیں ہوتی

دیکھو! بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے، وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے؛ اس لیے کہ ابھی دنیا میں آیا نہیں، اس کی ماں تو اس دنیا میں رہتی ہے؛ اس لیے وہ اس دنیا کی چیز ہے لیکن وہ بچہ جو اس کے پیٹ میں پرورش پارہا ہے، اس کے اعضا بن چکے ہیں، روح

پڑ چکی ہے، اندر حرکت کر رہا ہے، سانس لے رہا ہے، سب کچھ ہو رہا ہے لیکن ابھی وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے، وہ دوسرے عالم کی چیز ہے اور جب وہ دوسرے عالم میں ہے تو اللہ تبارک وتعالی نے اس پر شیطان کو کوئی قدرت نہیں دی۔ چنانچہ یہی شیطان ماں کے دل میں تو وسوسہ ڈال سکتا ہے لیکن اس کے پیٹ میں جو بچہ پل رہا ہے، اس کے دل میں وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔

## انسان کو گمراہ کرنے کی شیطانی حرص

ہاں جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا، پیدا ہو گیا تو اب وہ اس عالم کی چیز بن گیا، اب تک تو دوسرے عالم میں تھا، باہر آنے کے بعد عالمِ دنیا میں آ گیا، جب عالمِ دنیا میں آیا تو اب شیطان کے دائرۂ عمل میں آ گیا، اس کے ورک سرکل میں آ گیا، چناں چہ جہاں پیدا ہوا کہ فوراً شیطان اس کے پاس پہنچ گیا اور جا کر کے اس کے دل کو ٹٹولا۔

دل کو کیوں ٹٹولتا ہے؟ کیوں کہ شیطان کی محنت کی جگہ یہی انسان کا دل ہے تو اس لیے ٹٹولتا ہے کہ گویا آج ہی سے وہ اپنا بیج اس میں ڈالنا چاہتا ہے، حالاں کہ یہ بچہ ابھی تو غیر مکلّف ہے۔ غیر مکلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ابھی اس پر لاگو نہیں ہوئے ہیں، وہ تو بالغ ہوگا، تب لاگو ہوں گے لیکن وہ اپنا کام ابھی سے شروع کر دیتا ہے، نشان لگا دیا۔

جیسے چور ہوتا ہے، وہ جب کسی مکان میں چوری کرنے والا ہوتا ہے تو وہ اچانک اس گھر میں چوری کرنے کے لیے داخل نہیں ہو جاتا بلکہ بہت دنوں تک اس مکان کا

جائزہ لیتا رہتا ہے، معائنہ کرتا ہے کہ اس مکان کے کتنے دروازے ہیں، کتنی کھڑکیاں ہیں، پڑوس میں کون رہتا ہے، وہ لوگ کب آتے ہیں، کب جاتے ہیں۔ اس طرح دن رات چوبیس گھنٹے کا جائزہ لینے کے بعد وہ اپنا کام کرتا ہے، یہی چور کی واردات کا طریقۂ کار ہوتا ہے۔

اسی طرح یہاں بچہ پیدا ہوا تو شیطان آکر اس کے دل کا جائزہ لے گیا اور اس کو ٹٹول کر، چھوکر اپنا اثر چھوڑ گیا۔

میں سمجھانے کے لیے ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ یہ ایسا ہی ہے، جیسے دوائی بنانے والی کمپنی ہے، اس نے اپنی دوا فروخت کرنے کے لیے ایک سیلس مین رکھا جو کمپنی کی دوائیں ڈاکٹروں سے رابطہ کر کے فروخت کرتا ہے۔ تو جب آپ کے شہر میں کوئی نیا ڈاکٹر آئے اور اپنی کلینک (clinic)، شفاخانہ شروع کرے تو وہ اس کے پاس فوراً دوڑا ہوا پہنچ جائے گا کہ نیا ڈاکٹر آیا ہے، ہمیں اس کے اوپر محنت کرنی ہے، اسے اپنا کلائنٹ (client) بنانا ہے۔

اسی طرح جہاں شیطان کو پتہ چلا کہ بچہ پیدا ہوا، فوراً پہنچ گیا، ذرا بھی دیر نہیں لگائی اور دل کو ٹٹولنا شروع کیا۔

## نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کا حکم

اِدھر شیطان نے اپنا کام شروع کیا تو دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کو چوں کہ ہدایت کے لیے بھیجا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو یہ

تعلیم دی کہ جب کوئی بچہ پیدا ہو تو پیدا ہونے کے بعد اس کو پہلے نہلا دھلا لو اور جو آلائشیں وہ ماں کے پیٹ سے لے کر آیا ہے، اس کو صاف کرنے کے بعد اس کے داہنے کان کے اندر اذان اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہو۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اذان واقامت سنتے سنتے ہماری زندگیاں گذر گئیں: چالیس سال، پچاس سالوں سے سن رہے ہیں لیکن کتنے ہیں جو اذان واقامت کا مفہوم جانتے ہیں؟ بہت کم لوگ اس کا معنی جاننے والے ہیں اور یہی اذان واقامت کے کلمات اس بچے کے کانوں میں جس کو ابھی پیدا ہوئے پانچ، دس منٹ ہوئے ہیں، کہلوائے جارہے ہیں! وہ اس کو کیا جانے گا، اس سے کیا فائدہ ہوگا؟۔

## بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کی حکمت

لیکن حکم دے دیا گیا۔ کیوں دیا گیا؟ کیوں کہ اذان اور اقامت کے کلمات کی اپنی ایک تاثیر ہے تو جب کان کے راستے سے یہ کلمات اس کے دل پر پہنچیں گے تو اس پر اپنا اثر کریں گے۔ اب شیطان تو اس پر قادر ہے کہ وسوسے کے ذریعے اپنے اثرات بچے کے دل تک پہنچائے اور انسان کو اس کی طاقت نہیں تو ہم کو یہ حکم ہوا کہ کان کے ذریعے سے دل تک پہنچاؤ؛ تاکہ کان کے ذریعے سے اذان واقامت کے کلمات اس کے دل تک پہنچے تو شیطان نے اس پر اپنا جو اثر ڈالا تھا، وہ دور ہو جائے۔ اس طرح شریعت نے شروع سے ہی شیطان کے اثرات سے ہمیں بچانے کی ترکیبیں بتائی ہیں، ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

## دشمنانِ اسلام کی مسلمانوں کے خلاف سازش

ہمارے ملک میں جو ہندو تنظیمیں کام کرتی ہیں اور مسلمانوں کی پکی دشمن ہیں، آر ایس ایس وغیرہ۔ ان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ان کو نقصان پہنچانے کے لیے، انھیں تباہ اور برباد کرنے کے لیے اور دین سے برگشتہ کرنے کے لیے جو تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، وہ بہت ساری ہیں۔

ایک مرتبہ آر ایس ایس کا ایک پوسٹر کسی نے لاکر مجھے دیا، اس کے اندر بہت ساری چیزیں تھیں، اس کے اندر ایک چیز یہ بھی لکھی ہوئی تھی، ان کے جو کارندے ہسپتالوں کے اندر کام کرتے ہیں، اس پوسٹر میں ان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جب بھی کوئی عورت زچگی کے لیے وہاں آئے اور وہ مسلمان ہو تو اس کے پیدا ہونے والے بچے کے کان میں چپکے سے ''رام'' کہو۔ ایک مدت تک یہ پرچہ میں نے اپنے پاس محفوظ رکھا۔ حالاں کہ ان کے مذہب میں تو ایسا کچھ نہیں ہے لیکن شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ تم ایسا کرو۔

## بچے کا دل کوری سلیٹ کی طرح ہوتا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے کا دل کوری سلیٹ کی طرح ہوتا ہے، یوں سمجھ لو کہ جیسے ہمارے سامنے ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا ہو، جو آدمی اس کی حقیقت سے ناواقف ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی بے کار سی چیز ہے لیکن جو اس کی حقیقت سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کے سامنے جو کچھ بولا جائے گا، مخصوص بٹن دبانے سے یہ سب اپنے

اندر محفوظ کرلے گا یا کسی کے سامنے کیمرہ رکھا ہوا ہو تو جو نا واقف ہوتا ہے، اس کو پتہ نہیں لیکن جو واقف کار ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا، یہ اس کی تصویر لے لے گا۔

اسی طرح بچے کا دل و دماغ بھی وہ ساری چیزیں محفوظ کرلیتا ہے، جس کو وہ سنتا ہے اور جس کو وہ دیکھتا ہے۔ ابھی تو اس میں بولنے اور کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے لیکن جب وہ دھیرے دھیرے بڑا ہو گا تو بڑے ہونے تک جو چیزیں اس کے دل میں خزانے کی طرح جمع ہوئی ہیں، وہ نکلیں گی۔

## بچوں کے سامنے ناشائستہ حرکتوں سے اجتناب کیجیے

اسی لیے فقہاء نے آدابِ صحبت کے اندر لکھا ہے کہ اگر آپ کا چھوٹا دودھ پیتا بچہ ہے جو آپ کے قریب لیٹا ہوا ہے اور بیدار ہے تو اس کے دیکھتے ہوئے آپ بیوی کے ساتھ صحبت نہ کریں، یہ نہ سمجھیں کہ وہ تو کچھ سمجھتا نہیں۔ چاہے وہ سمجھتا نہیں ہے لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور اس کی آنکھ کے راستے سے یہ سارا منظر اس کے دل کے اندر محفوظ ہو رہا ہے، نقش ہو رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا، جب اس کا ظہور ہو گا۔

## بچے کے لوحِ قلب پر نقش ہونے والے مناظر کے ظہور کا ایک عبرت ناک واقعہ

میرا ایک ملک میں جانا ہوا، وہاں ایک مرتبہ دو چھوٹے سے بچوں کو دیکھا، ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی، تو جس طرح مرد شہوت کے وقت عورت کے ساتھ حرکتیں کرتا ہے،

ایسی حرکتیں وہ بچہ اس بچی کے ساتھ کر رہا ہے، حالاں کہ ابھی وہ شہوت کی عمر کو پہنچے نہیں ہیں، پھر بھی وہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہیں؟ وہی بات ہے کہ ماں باپ کو ایسا کرتے دیکھا تو ان کی نقّالی کر رہے ہیں۔

## بچہ سب کچھ سمجھتا ہے

ابھی ہمارا عمرے کا سفر ہوا تھا تو وہاں حضرت پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم سے ہماری ملاقات ہوئی تھی، وہ فرما رہے تھے کہ آج کل بچوں کی نفسیات پر کام کر رہا ہوں اور بہت سے ڈاکٹروں اور ماہرین کو جمع کیا اور اس سلسلے میں دانشوروں کی جو اپنی اپنی تحقیقات ہیں، وہ ساری میں نے لکھیں تو فرمایا کہ اس موقع پر اسلام کی تعلیمات کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ بچہ بالکل چھوٹا ہوتا ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں سمجھتا، حالاں کہ وہ سب کچھ سمجھتا ہے، سب کچھ محسوس کر رہا ہے، اپنے اپنے وقت پر اس کا اثر ظاہر ہوگا۔

## ہماری غفلت اور شیطان کی فعّالیت

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شیطان اپنے کام اور اپنے مشن میں کتنا فعّال اور کتنا ایکٹیو ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس میں اپنا اثر ڈالنے کے لیے پہنچ گیا اور ہم اپنے تمام بچوں کے کان میں اذان اور اقامت کے کلمات پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں کیا؟ آج تک ہم نے کوئی مہم چلائی ہے؟ لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے ایسی مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ آج کل عام طور پر ہسپتالوں میں ایسے بہت سے بچے پیدا ہوتے ہیں

جن کے کانوں میں اذان اور اقامت کے کلمات نہیں پڑھے جاتے۔

بہر حال! شیطان کے پاس کون سا ہتھیار ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اس کو کون سی طاقت دی ہے؟ وہ وسوسہ ہے۔

## وسوسے کی حقیقت اور اس کی دو قسمیں

یہ وسوسہ کیا ہے؟ وسوسہ گویا شیطان کی سرگوشی ہے، شیطان کی کانا پھوسی ہے، وسوسے دو قسم ہوتے ہیں: شیطانی بھی ہوتے ہیں، نفسانی بھی ہوتے ہیں۔ آدمی خود اپنے دل سے باتیں کرتا ہے، یہ بھی ایک شکل ہے، یہ نفسانی وسوسے کہلاتے ہیں اور شیطان انسان کے پاس آ کر اس کے دل سے باتیں کرتا ہے، وہ شیطانی وسوسے کہلاتے ہیں۔ وسوسے کی حقیقت یہی ہے کہ وہ آ کر انسان سے سرگوشی کرتا ہے۔ وہ دِکھتا نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ ہمارے دل سے جو باتیں کر رہا ہے، ہمارا دل اس کو سن رہا ہے۔ وہ جو خیالات آ رہے ہیں: وہ عورتیں جا رہی ہیں، ان کو دیکھو، شراب پیو، زنا کرو، فلاں گناہ کرو۔ یہ جو دل میں مسلسل، بار بار گناہوں کے خیالات آتے ہیں، یہ شیطان کی باتیں ہیں جو وہ ہمارے دل میں ڈال رہا ہے۔

## سائنسی ترقیات نے بہت سے لاینحل مسائل حل کر دئے ہیں

آج کل تو بلوٹوتھ کا زمانہ ہے، پہلے تو ایسی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں لیکن سائنسی ترقی کے اس دور میں ان کو سمجھنا آسان ہو گیا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہم نے حجۃ اللہ پڑھی تھی، حضرت کے اسفار زیادہ ہوتے تھے، چند دن پڑھنے کی نوبت آئی۔ حضرت فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی باتوں کو خاص کر کے ایمانیات کو تقریرِ دل پذیر وغیرہ کتابوں میں مشاہدات کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ آج کل سائنسی ترقی چل رہی ہے تو سائنسی ترقیات کے نتیجے میں ایسی ایسی چیزیں سامنے آرہی ہیں کہ بعض احادیث میں جو آتا ہے کہ آدمی جب جنت میں جائے گا تو پھل فروٹ آجائے گا، دروازہ کھل جائے گا، یوں ہو جائے گا تو پہلے زمانے میں لوگ ایسا سمجھتے تھے کہ یہ ’’علی بابا چالیس چور‘‘ والی باتیں ہیں لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ ریموٹ کنٹرول سے پتہ نہیں کیا کیا ہو رہا ہے، یہ ریموٹ کنٹرول جب سے آیا ہے تو اس سے بہت سارے مسائل حل ہو گئے ہیں۔

## مشینی آدمی (روبوٹ) سے تقدیر کا مسئلہ حل کرنے میں پیدا ہونے والی آسانی

اور بھی بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ جن کو لے کر اسلام میں بہت سارے فرقے پیدا ہوئے، جیسے تقدیر کا مسئلہ ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے، انسان کتنا مجبور اور کتنا مختار ہے۔ یہ ایک ایسا خطرناک مسئلہ تھا کہ جس کی وجہ سے بڑے بڑے فرقے وجود میں آگئے۔ یہ آج کل کمپیوٹر کا زمانہ ہے اور کمپیوٹر کے بعد آج کل انھوں نے مشینی آدمی بنایا ہے، اس میں کتنا اختیار ہے؟ جتنا انھوں نے اختیار دیا، اتنا ہے اور جتنا نہیں دیا، وہ نہیں ہے، اس سے تقدیر کا مسئلہ تو بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

## شیطان اپنے وساوس سے انسان کو اللہ کے حکم کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتا

بہر حال! شیطان خالی دل سے باتیں کرتا ہے، یہی اس کا وسوسہ ہے، ﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ قرآن اسی وسوسے کو نجویٰ یعنی سرگوشی سے تعبیر کرتا ہے۔ شیطان یہ سرگوشی کاہے کے لیے کرتا ہے؟ ﴿لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: یہ وسوسے اس لیے ڈالتا ہے؛ تاکہ ایمان والوں کو غمگین کر دے، تکلیف پہنچائے، کیوں کہ شیطان انسان کا دشمن ہے تو وہ انسان کو ہر طرح سے تکلیف پہنچانے کی تدبیریں کرتا ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْـــًٔا﴾: وہ اپنی ان تدبیروں کے ذریعہ انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾: مگر جتنا اللہ کا حکم ہے، باقی یہ ہے کہ ایمان والوں کو اس معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں تو وسوسے کی حقیقت بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کی حقیقت سرگوشی ہے۔

## تکلیف پہنچانے والی چیزوں سے پناہ حاصل کرنے کے دو قرآنی نسخے

دیکھو! جو چیزیں انسان کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی تھیں، ان سے پناہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں دو سورتیں نازل فرمائیں: سورۂ فلق اور سورۂ ناس۔

## سورۂ فلق میں بیان کردہ پناہ کا طریقہ

سورۂ فلق میں تو چار چیزوں سے پناہ مانگی گئی اور پناہ حاصل کرنے کے لیے اللہ

تبارک وتعالیٰ کا ایک نام استعمال کیا گیا۔﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ پناہ چاہی گئی چار چیزوں سے اور پناہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نام رَبُّ الْفَلَقِ استعمال کیا گیا۔

## سورۂ ناس کی مختصر تفسیر

دوسری سورت سورۂ ناس ہے،﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات استعمال کی گئی ہیں: (۱) رَبُّ النَّاسِ: لوگوں کا پروردگار (۲) مَلِكِ النَّاسِ: لوگوں کا بادشاہ (۳) اِلٰهِ النَّاسِ: لوگوں کا معبود۔ اس کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

کس سے؟﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾: یعنی وہ جو بہت زیادہ وسوسے ڈالنے والا ہے، بہت زیادہ وسوسے ڈالنے والے کے شر سے میں اس ذات کی جس میں یہ تین صفتیں ہیں: (۱) ربوبیت (۲) ملوکیت (۳) الوہیت، پناہ حاصل کرتا ہوں۔ کون سب سے زیادہ وسوسے ڈالنے والا؟ آگے اس کی دوسری صفت بتلائی: الْخَنَّاسِ: جو وسوسے ڈال کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

اس طرح کے لوگ جو دوسروں کو چڑھاتے ہیں، ان کی عادت بھی یہی ہوتی ہے، وہ چڑھا کے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کر رہا ہے، حالاں کہ وہ کروا رہا ہے۔ جیسے بچے ایک دوسرے کو چھیڑتے ہیں، ایک بچہ پیچھے انگلی کرتا ہے اور یہ جب

پیچھے دیکھتا ہے تو انگلی کرنے والا پیچھے ہٹ جاتا ہے، چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح شیطان بھی وسوسہ ڈال کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

## وسوسہ ڈالنے کی کیفیت

ایک بزرگ نے اللہ تبارک وتعالی سے دعا کی کہ شیطان جس طریقے سے وسوسہ ڈالتا ہے، اس کی صورت مجھے بتلائی جائے۔ اللہ تعالی نے انھیں خواب میں بتایا، انھوں نے دیکھا کہ جیسے مچھر ہوتا ہے، اس کی شکل میں انسان کے دل پر وہ آیا اور جہاں انسان نے اللہ کا نام لیا، وہاں وہ پیچھے ہٹ گیا اور جیسے ہی ذکر سے غافل ہوا، وہ دوبارہ آ گیا۔

## ذکر سے غفلت وساوس کے آنے کا سبب ہے

انسان جب غفلت میں ہوتا ہے، تبھی وہ وسوسے ڈال سکتا ہے۔ اگر انسان ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے تو شیطان کبھی وسوسہ ڈال نہیں سکتا۔ بہرحال! شیطان وسوسے ڈال کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

﴿الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾: یہ وسوسہ ڈالنے والے دونوں قسم کے ہیں: شیاطین میں سے بھی، جنات میں سے بھی اور انسان میں سے بھی۔

## بری صحبت انسان کے لیے سمِّ قاتل ہے

یہ جو بری صحبتیں ہوتی ہیں، برے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست ہوتی ہے۔ جیسے ایک آدمی نیا نیا غلط لوگوں کی پارٹی میں آیا تو پہلے ہی دن وہ سارے مرحلے طے

نہیں کرلے گا بلکہ دھیرے دھیرے کرے گا، وہ دیکھ رہا ہے۔ یہ لوگ جو سارے کام کر رہے ہیں، وہ جس ماحول میں تھا، اس کے لیے ان کاموں پر عمل مشکل ہے۔ وہ اس کو کہیں گے کہ چلو، چلو۔ بار بار اس کو اکسائیں گے، اس کی رغبت دیں گے۔

## مجالست اور ہم نشینی کے مسئلے سے ہماری بے اعتنائی

یہ بری صحبت آدمی کو بالکل ختم کر دیتی ہے اور ہم اس کو معمولی سمجھتے ہیں۔ اب یہاں رمضان کے اس مہینے میں آئے اور لگے ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے ماحول کی برکت سے کچھ کام کرنے کی توفیق دی، اب ہم یہاں سے جائیں گے تو ہمیں کوئی پروا نہیں۔ ارے بھائی! اتنے اچھے ماحول سے آئے، پھر بھی تمھاری کمپنی پہلے جو تھی، اب بھی وہی ہے، بدلنے کا نام نہیں۔

## کبوتر با کبوتر، باز با باز

بھائی! ایک آدمی وکیل بن گیا، وکالت کا سرٹیفکٹ مل گیا، وکالت کا پیشہ شروع کر دیا تو اب وہ بچپن میں جن جاہل لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، ان کے ساتھ بیٹھے گا وہ؟ نہیں! اب تو اس کا اسٹیٹس ایسا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے جیسے وکیلوں کی کمپنی تلاش کرے گا۔ کوئی آدمی ڈاکٹر بن گیا، ڈاکٹری کا سرٹیفکٹ مل گیا، پریکٹس بھی کرلی، کلینک بھی کھول لی، اپنا لباس بھی تبدیل کرلیا تو اب وہ بچپن میں جن جاہل لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، اس لیے کہ اب بھی بعض دوست وہ ہیں جو کسان ہیں اور کچھ دوست کچھ اور بن گئے تو کیا ان کے ساتھ بیٹھے گا وہ؟۔

ہم نے جب اپنی لائن بدل لی، دین پر آ گئے، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کے راستے پر آ گئے تو جو لوگ بے دین ہیں، اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہیں، ان سے تو اپنے آپ کو بہت دور رکھنا ہے، برائی کا اثر تو اچھے اچھوں پر پڑتا ہے۔

## عجب کا خطرناک انجام

آپ اندازہ لگائیں کہ مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ حنین کی طرف جا رہے تھے۔ اس لشکر میں وہ لوگ بھی تھے جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر کسی کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا: لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ①: آج قلتِ تعداد کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ جملہ بڑا ناگوار گذرا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ وہاں میدانِ جنگ میں وقتی طور پر مسلمانوں کو پسپائی ہوئی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ [التوبة: ٢٥] عجب پیدا ہو گیا۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجود ہیں، اس کے باوجود اس عجب کا نقصان بھگتنا پڑا۔

## بڑے مجاہدات کے بعد حاصل ہونے والے اثر کو بری صحبت سے ختم مت کیجیے

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ بری صحبت سے پرہیز کیجیے، ہم لوگ اس کو کوئی اہمیت ہی

① تفسیر الخازن،۲/ ۳۴۵ - تفسیر الجلالین ۱/ ۲۴۴.

نہیں دیتے۔ بھائی! جب آپ یہاں آئے، اتنی محنتیں کررہے ہیں، لگے ہوئے ہیں، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی والے کام کرکے اس کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سمجھ لو کہ ہماری لائن اور ان کی لائن الگ ہے تو ان سے دور رہو۔ وہ اگر آپ کے ساتھ یہاں آنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر آپ یہاں سے جانے کے بعد پھر ان ہی کے ساتھ اسی اڈّے پر بیٹھنا چاہتے ہیں جس اڈّے پر پہلے بیٹھا کرتے تھے تو یہ غلط ہے۔ وہ پوچھیں گے کہ کہاں گئے تھے۔ کہا کہ ڈابھیل گئے تھے، وہ کہیں گے کہ کل پھر آجانا اسی اڈّے پر! ایک ہی دن میں مہینے بھر کی محنت کا صفایا کرڈالیں گے۔

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ آدمی کے دل میں جب کسی چیز کی برائی ہوتی ہے، وہ ایک دم سے جاتی نہیں ہے، جاتے جاتے جاتی ہے۔

## کسی برائی کو بار بار دیکھنے سے اس کی برائی دل سے ختم ہوجاتی ہے

مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب ہم رمضان گذارنے کے لیے جاتے تھے، بس رمضان سے پہلے جانا ہوتا تھا اور کبھی سال میں دو مرتبہ بھی جانا ہوتا تھا۔ جو لوگ اس راستے سے جاتے تھے، وہ جانتے ہیں کہ وہاں دیواروں پر اشتہار کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا تھا، ایک اشتہار لکھا ہوا تھا کہ اگر آپ کو شادی کرنی ہے تو اس پتے پر رابطہ قائم کیجیے۔

مجھے یاد ہے کہ جب پہلی مرتبہ میں نے وہ اشتہار پڑھا تو مجھے بہت برا معلوم ہوا

کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کے لیے دفتر کھولا جائے اور ان سے رابطہ کیا جائے لیکن اس اشتہار کا سلسلہ آگے دہلی تک چل رہا ہے بلکہ دہلی کے بعد بھی آگے غازی آباد وغیرہ تک۔ ان کا ایک خاص جملہ تھا کہ ''مل تو لیجیے'' مجھے یاد ہے کہ شروع میں تو اتنا گراں گذرا لیکن پھر ہمیشہ اس کو پڑھتے پڑھتے اس کی شناعت ختم ہوگئی، پھر ہمیں وہ برا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہ ماحول کا اثر ہے۔

کوئی بھی اچھے سے اچھا آدمی ہوگا، جب بری صحبت میں جائے گا تو پہلے ہی دن ساری برائیوں میں مبتلا نہیں ہوجائے گا لیکن یہی برائیاں جب ان کو بار بار کرتے دیکھے گا اور اس کے ساتھی اس کو بار بار گناہ کرنے پر اکسائیں گے تو اب سنتے سنتے طبیعت کی ناگواری بھی دور ہوجائے گی اور دھیرے دھیرے وہ بھی اس میں مبتلا ہوجائے گا۔

## گناہوں کی نحوست سے قلبِ انسانی سیاہ پڑ جاتا ہے

قرآن میں اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [المطففين:١٤] حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو گناہ کرنے کے نتیجے میں اس کے قلب پر ایک نکتہ سا لگتا ہے-اس کو وہ گناہ بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے-اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ آجاتا ہے، اگر وہ توبہ کرلے تو دور ہوجاتا ہے، ورنہ باقی رہتا ہے پھر دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نکتہ لگتا ہے۔ گناہ کرتے کرتے اس کا پورا دل سیاہ ہوجاتا ہے[1]۔

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، بَاب وَمِنْ سُورَةِ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ.

## قلب کے سیاہ ہونے کے بعد گناہوں کی برائی دل سے ختم ہو جاتی ہے

اب اس کے دل پر مہر لگ گئی۔ اب برے کام اس کو برے نہیں لگتے، ساری دنیا کو برا لگ رہا ہے لیکن اس کو اچھا لگتا ہے، وہ تو اس کی اچھائی پر لوگوں کے سامنے باقاعدہ دلیلیں پیش کرے گا، ان سے حجت کرے گا۔ بہر حال! بری صحبت میں آنے والا آدمی اچانک ان گناہوں میں مبتلا نہیں ہوگا۔

## بروں کی صحبت سے بچنے کی تاکید اور تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں برے لوگوں کی شناخت

اسی لیے شریعت بہت تاکید کرتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گناہ کے ماحول اور بری صحبت سے بہت بچا کر رکھے۔ حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمَرْءُ عَلٰی دِینِ خَلِیلِهِ فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ[۱]: آدمی اپنے دوست کے دین اور طریقے پر ہوتا ہے۔ اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کیسا ہے تو دیکھ لو کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا کہاں، اس کی کمپنی کون سی ہے، اس کے مطابق فیصلہ کرلو، یہ حدیث کہتی ہے۔

اب وہ بروں میں بیٹھتا ہے لیکن اپنے آپ کو نیک ظاہر کرتا ہے تو کرتا رہے، ہمیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معیار بتا دیا کہ اس کی کمپنی غلط ہے، اس کی نشست و برخاست غلط لوگوں کے ساتھ ہے تو وہ بھی غلط ہے۔ اب اگر وہ اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے تو دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

---

[۱] شعب الإیمان، عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، فَصْلٌ مِنْ هَذَا الْبَابِ مُجَانَبَةُ الْفَسَقَةِ الخ. رقم الحدیث: ۸۹۹۰.

## گناہوں کے وسوسے انسان کی طرف سے بھی ڈالے جاتے ہیں

تو یہ وسوسہ اندازی خالی جنات والے شیاطین ہی نہیں بلکہ شیاطین الانس بھی کرتے ہیں، قرآن میں شیاطین الانس کہا گیا ہے۔ یہ جو بری صحبتیں ہیں، وہ بھی اسی قبیل سے ہیں، دونوں سے اللہ کی پناہ حاصل کی گئی۔

## شیطان وساوس ڈالنے سے اکتاتا نہیں ہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے شیطان کو جو ہتھیار دیا گیا ہے اور جو طاقت دی گئی ہے، وہ صرف اور صرف وسوسہ ہے لیکن وہ اس طاقت کو بڑے زبردست انداز میں استعمال کرتا ہے، وہ انسان کے اوپر برابر مسلط رہتا ہے، بار بار خیالات ڈالتا ہے اور ایک برائی کا خیال جب بار بار آئے گا تو وہ کتنا ہی برا ہو، انسان اس کے اثر کو قبول کرتا ہے۔

## اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں میڈیا شیطان کے نقشِ قدم پر

گوبیل جو ہٹلر کا وزیرِ نشریات تھا، اس کا مشہور جملہ ہے کہ ایک جھوٹ کو بار بار بولیں گے تو لوگ اس کو سچ سمجھیں گے۔ آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ یہ جو میڈیا ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو۔ وہ جب اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں، اسلامی حقائق کو کتنا مسخ کر کے پیش کرتے ہیں لیکن وہ بار بار پیش کرتے ہیں۔ آج دنیا کی اکثر آبادی وہ ہے جو اسلام کے متعلق غلط معلومات لیے ہوئے ہے بلکہ ہمارے پڑوس میں جو غیر مسلم رہتا ہے، اگر ہم اس سے بات کریں گے تو پتہ

چلے گا کہ اس کے دل میں اسلام کے متعلق کتنی غلط چیزیں اور غلط فہمیاں ہیں لیکن آج تک ہم نے کبھی اس کا جائزہ نہیں لیا۔

## وساوسِ شیطانیہ سے بچنے کی اصل تدبیر: اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنا

بہر حال! یہ وسوسہ شیطان کا اصل ہتھیار رہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو جن وساوسِ شیطانیہ کے ذریعہ انسان گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے، اس سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں؟ تو اس سے بچنے کی اصل تدبیر تو یہی ہے کہ چوں کہ شیطان کا یہ عمل ہمارے قابو کا ہے نہیں تو اب اس سے بچنے کے لیے ہمیں ایک ایسی ذات کی پناہ حاصل کرنی پڑے گی جس کے قابو میں یہ ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ!۔

## دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی وساوسِ شیطانیہ سے ہمیں بچا نہیں سکتا

اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ شیطان کے اس حملے سے پناہ دینے والا کوئی نہیں ہے۔ شیطان جس نوع کا حملہ ہم پر کرنا چاہتا ہے، اس کے اس حملے سے بچنے کے لیے دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے بادشاہ کے پاس جا کر تم کہو کہ یہ شیطان میرے پیچھے پڑا ہوا ہے اور روزانہ میرے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ گناہ کرو، میں تو عاجز آ گیا ہوں؛ اس لیے مہربانی کر کے میری مدد کر دیجیے۔ تو بادشاہ کیا کہے گا؟ ارے بھائی! میرے اوپر بھی اس کے یہ حملے ہو رہے ہیں، اس میں میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت شیطان کے اس حملے سے بچا نہیں سکتی سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے۔

## بڑے دشمن کی ایذا سے بچنے کے لیے اپنے بڑوں کی پناہ حاصل کرنا انسانی فطرت ہے

جب کوئی ایسا دشمن ہمارے پاس آجاوے جو ہمارے قابو کا نہیں ہے تو ایسے موقع پر انسانی مزاج یہ ہے کہ وہ کسی بڑے کی پناہ مانگتا ہے۔ جیسے کوئی بچہ ہے، اس کو کوئی بڑا مار رہا ہو تو وہ دوڑتے ہوئے آکر باپ کی کمر میں ہاتھ ڈال کے کہتا ہے کہ ابّا ابّا! یہ مجھے مارتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ابّا! مجھے اس سے بچایئے!۔

اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں شیطان کے وساوس سے بچنے کی جو تدبیر بتائی، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ حاصل کریں۔

## وساوسِ شیطانیہ سے ڈر جانے اور پریشان ہونے کا سبب

آج کل وساوس اور برے خیالات کی وجہ سے جو زیادہ پریشانی ہوتی ہے، وہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم دنیا کے اندر رہ کر مادّیات کے اتنے عادی ہو گئے کہ ہر چیز کا علاج مادّی اعتبار سے سوچتے ہیں۔ زندگی میں جتنی بھی پریشانیاں اور مسائل پیش آتے ہیں، ان کو حل کرنے کے لیے ہم کبھی بھی ان تدبیروں کی طرف جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں، شریعتِ مطہرہ نے بتلائیں، دھیان دیتے ہی نہیں۔ اہلِ دنیا اس سلسلے میں جو سوچتے ہیں، جو دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، ہم بھی ان ہی کے انداز میں سوچتے ہیں اور مادّی تدبیروں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

اب شیطان کے ان حملوں سے بچنے کے لیے ہمارے پاس کوئی مادّی تدبیر ہے

نہیں تو وہاں جب ہم اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں اور مایوس ہو جاتے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ وہاں بھی ہماری نظر اس طرف نہیں جاتی کہ ہم وہ تدبیر اختیار کریں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔

## اسی پہ رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

تو اصل تو یہی ہے کہ آدمی اپنا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ایسا مضبوط قائم کرے اور ہر وقت اس کی یاد اور اطاعت وفرماں برداری میں اس طرح مشغول رہے کہ کسی طرح کی غفلت کی نوبت نہ آوے۔ اگر ایسا ہو تو شیطان اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات بتلادی، شیطان کو بھی کہہ دیا: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾[الحجر:٤٢] کہ میرے وہ بندے جو میرے مطیع وفرماں بردار ہیں، ان کے اوپر تیرا داؤ چلنے والا نہیں ہے۔ یہ اس کو بتا دیا لیکن وہ مایوس نہیں ہوا ہے، ہماری طرح نہیں کہ کوئی کام نہ ہوتا ہو تو اس کو چھوڑ دیں، نہیں! وہ چھوڑتا نہیں ہے، لگا ہی رہتا ہے لیکن اس کی تدبیریں وہاں چلتی نہیں ہیں؛ اس لیے اصل تو یہی ہے کہ بندہ اللہ کا ہو کر رہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ شیطان کے وساوس اور اس کے مکر وفریب سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

# اقتباس

دوسرا یہ کہ ان اخبارات میں ہوتا کیا ہے، کون سے مضامین آتے ہیں؟ یہ جو روز مرّہ کے روزنامے ہیں، ان کا باقاعدہ روزانہ کا کوئی ضمیمہ ہوتا ہے جس کو گجراتی میں ''پورتی'' کہتے ہیں، ضمیمہ، زائد اور اضافی حصہ، سب گجراتی اخباروں نے اب یہ سلسلہ شروع کردیا ہے، اس میں ایک ''دھارمک پورتی'' آتی ہے، ان کے مذہب کے متعلق اس میں معلومات ہوتی ہیں۔ اب اس میں ان ہندوؤں کے جتنے بھی عقائد ہیں، ان کے متعلق ایسے ایسے گھڑے ہوئے قصے آتے ہیں اور ہمارا یہ مسلمان طبقہ اس کا ایک ایک لفظ بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

ہمارے مسلمان نوجوانوں کو قرآن کی آیتیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے کی فرصت نہیں اور یہ پورتیاں پوری کی پوری پڑھ ڈالتے ہیں۔

اب یہ ساری باتیں جو دین کے خلاف بتائی گئی ہیں، ان کو آپ پڑھیں یا سنیں تو ظاہر ہے کہ دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاءِوالمرسلین، سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا محمد واٰلہ وأصحابہ أجمعین.

کل کی مجلس میں وساوس اور خیالات کی بات شروع کی تھی،کل یہ بتلایا تھا کہ وسوسہ کیا ہے؟ اب یہ جو وساوس آتے ہیں، ان کی مختلف قسمیں ہیں اور اسی اعتبار سے اس کا علاج بھی بتلایا جاتا ہے۔

## وساوس کی پہلی قسم: ایمانیات کے متعلق آنے والے وساوس

وساوس کی پہلی قسم وہ ہے جو آدمی کے دل میں ایمانیات اور عقائد کے متعلق آتے ہیں یعنی ہمیں جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت، قیامت، جنت، دوزخ، دوبارہ پیدا کیا جانا، قیامت، حساب کتاب، نامۂ اعمال کا تلنا، تقدیر، یہ ساری چیزیں ہیں جن پر ہم ایمان لاتے ہیں: آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی: یہ ایمانیات پر مشتمل مختصر کلمہ ہے۔

بہت سے نوجوان حضرات اپنے دل میں ان امور کے متعلق وسوسہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ امور کہ مؤمن اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے جن کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق، اس کی صفات سے متعلق، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے متعلق کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اسی طرح قیامت کے

متعلق کہ قیامت آنے والی ہے۔قرآن اللہ کی کتاب ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی، جنت اور دوزخ کے متعلق کہ وہ حق ہیں۔

یہ عقائد جو ہمیں بتلائے گئے ہیں اور ایک مسلمان اور مؤمن ہونے کی حیثیت سے ان پر ایمان رکھنا اور ان کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اس کے متعلق بعض لوگوں کو خیالات اور وساوس آتے ہیں: بعض مرتبہ یہ وسوسہ آتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالی ہے یا نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں آئے بھی تھے یا نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کے رسول ہیں بھی یا نہیں۔ پتہ نہیں قیامت آئے گی یا نہیں آئے گی۔اس طرح کے خیالات اور وساوس بعض لوگوں کو محسوس ہوتے ہیں۔

## وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصود

اس وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور گمراہ نہ ہو تو اس کو تکلیف میں ڈالنا چاہتا ہے۔انسان جتنا زیادہ تکلیف میں ہو، اس کو اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔کسی کا کوئی دشمن ہو تو اس کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچے گی تو دشمن خوش ہوگا، اسی طرح ان وساوس کے ذریعہ شیطان انسان کو تکلیف میں ڈال کر خوش ہوتا ہے۔

## قسمِ اول کے وساوس اور ان کو دفع کرنے کی تفصیل

جن لوگوں کو اعتقادات اور ایمانیات کے متعلق اس طرح کے وساوس آتے ہیں تو اس کے متعلق یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک تو ہے ہمارا اعتقاد یعنی وہ یقین جو ہمارے دل

میں جما ہوا ہے اور ایک ہے اس کے متعلق آنے والے خیالات اور وساوس، یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

ایک مؤمن اور ایک مسلمان جب کہ وہ مسلمان اور مؤمن ہے، وہ اپنے دل میں اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالی ایک ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالی کے نبی اور رسول ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے آپ پر وحی بھیجی، قرآنِ پاک نازل فرمایا۔ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ جنت ہے، دوزخ ہے۔ یہ ساری چیزیں جن کا ایک مسلمان اعتقاد رکھتا ہے، اپنے دل میں یقین رکھتا ہے۔

## عقائد کے متعلق آنے والے وساوس کی حقیقت اور ایک مثال سے اس کی تفہیم

یہ یقین رکھنے کے باوجود کبھی اس کے دل ودماغ میں خیالات کے طور پر ایک وسوسہ یہ آتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ کی ذات ہے یا نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے، جیسے آپ کی جیب میں روپیے ہیں، آپ کو یقین ہے کہ روپیے ہیں لیکن کبھی خیال آجاتا ہے کہ جیب میں روپیے ہیں یا نہیں، پھر وہ جیب ٹٹول ٹٹول کر دیکھتا ہے۔ اب دیکھو! آپ کو روپیہ ہونے کا یقین ہے، اس کے باوجود آپ کو اس کے متعلق یہ خیال آیا۔

آپ اپنے گھر میں ایک چیز رکھ کر کے آئے، تجوری میں بند کر کے آئے اور آپ کو یقین ہے کہ وہ چیز میرے پاس موجود ہے لیکن اس کے باوجود کبھی آپ کے دل میں یہ خیال آجاتا ہے کہ پتہ نہیں، وہ چیز گھر پر موجود ہے یا نہیں۔ اب آپ جائیں گے اور

تجوری کھولیں گے۔

میں اس مثال سے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ایک حقیقت جو ہمارے دل میں بیٹھی ہوئی ہے، وہ اپنی جگہ پر موجود ہے لیکن اس کے باوجود ایسے خیالات اور وساوس انسان کے دل میں آتے ہیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس طرح کے خیالات اور وساوس کی وجہ سے وہ حقیقت نہیں بدل جاتی، وہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ایمان تو اس حقیقت کا نام ہے۔ یہ وساوس جو آرہے ہیں، اس کی وجہ سے ایمان پر کوئی زد نہیں پہنچے گی، ایمان اپنی جگہ پر موجود ہے۔

دیکھو! اگر ان وساوس اور خیالات کی وجہ سے اس کی طبیعت پر اتنا زیادہ دباؤ پڑا کہ اس کا چین وسکون چھن گیا اور وہ رورہا ہے، پریشان ہے اور اس کو یہ احساس ہورہا ہے کہ -نعوذ باللہ- میں ایمان سے محروم ہوگیا، اللہ کی بارگاہ سے مردود ہوگیا تو اس کا یہ احساس اور خیال غلط ہے اور اس کا اس طرح پریشان ہونا احادیث کی روشنی میں اس کے ایمان کی دلیل ہے۔

## حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس امت پر احسانِ عظیم

اللہ تبارک وتعالی جزائے خیر دے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنھوں نے قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کے اس قسم کے مسائل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرما کر حل کرائے۔ چنانچہ کل گذشتہ میں نے آپ حضرات کے سامنے کچھ روایتیں بھی پڑھی تھیں، آیات کے متعلق تو عرض کر دیا۔

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مختصر تشریح

جو روایتیں پڑھی تھیں، ان میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، صاحبِ مشکوۃ نے اس کو ذکر کیا ہے: جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلُوهُ کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ کہ: بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں، کچھ ایسے احساسات اپنے اندر پاتے ہیں کہ اپنی زبان سے اس کو بولنا ہم میں سے ہر ایک کو بہت بھاری معلوم ہوتا ہے، يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ: ہم میں سے ہر شخص کو اس کو اپنی زبان پر لانا گراں گذرتا ہے۔ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے پوچھا: أَوَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟: کیا واقعۃً اس طرح کا احساس تمھیں ہوتا ہے؟ یعنی اس طرح کے خیالات تمھارے دلوں میں آنے پر تم اس کو اپنی زبان سے نکالنا بھاری سمجھتے ہو؟ قَالُوا: نَعَمْ: انھوں نے جواب دیا: ہاں! تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ: یہی تو ہے کھلا ہوا ایمان!۔

## دلوں میں آنے والے برے خیالات کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل ہے

دیکھیے! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت آسانی کے ساتھ اس مسئلے کو حل کر دیا، گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے ہیں کہ تمھارا ان آنے والے وساوس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ وساوس اور خیالات اتنے خطرناک ہیں کہ ہم ان کو اپنی زبان پر لا نہیں سکتے، ان آنے والے وساوس اور خیالات کے متعلق تمھارا یہ احساس، تمھارا اس کو یہ سمجھنا کہ ہم

ان کو اپنی زبان پر لا نہیں سکتے، یہی تو ایمان کی علامت ہے۔

## کافر وساوسِ شیطانیہ کا داعی ہوتا ہے، اس کو برا نہیں سمجھتا

گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ تمھارے دل میں ایمان ہے، اسی لیے تم آنے والے اس قسم کے خیالات کو برا سمجھتے ہو۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا۔ ایک آدمی کافر ہے جو ان باتوں کا عقیدہ نہیں رکھتا تو کیا اس کے دل میں اس طرح کے برے خیالات آئیں تو وہ اس کو برا سمجھے گا؟ وسوسے کیا، وہ تو یہ یقین رکھتا ہے، اس کے دل میں یہ یقین ہے کہ -نعوذ باللہ- اللہ نہیں ہے، قیامت آنے والی نہیں ہے۔ اس کا صرف وسوسہ نہیں بلکہ یقین ہے اور اگر وہ داعی ہے تو ساری دنیا کو ان غلط عقائد کی طرف بلاتا ہے اور اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے اپنے زعم میں دلائل قائم کرتا ہے۔ جو آدمی اس درجے تک پہنچا ہوا ہے، کیا اس کے دل میں کبھی یہ خیال آئے گا کہ میرے دل میں آنے والے یہ خیالات برے ہیں؟ وہ تو بول بھی رہا ہے، لوگوں کو بلا بھی رہا ہے، اس کو برا سمجھنا تو دور کی بات ہے!۔

## برے خیالات کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل کیوں ہے؟

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گویا تسلی دے رہے ہیں کہ تمھارا ان آنے والے غیر اختیاری خیالات اور وساوس کو برا سمجھنا اور ایسا سمجھنا کہ ہم ان خیالات کو اپنی زبان پر نہیں لا سکتے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ تمھارے دل کے اندر ایمان موجود ہے۔

لو بھائی! ہم جس کے بارے میں یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کی وجہ سے ایمان چلا گیا، اسی کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے۔ چنانچہ اگر اس کے دل میں ایمان نہ ہوتا، ان چیزوں کا اعتقاد نہ ہوتا تو ان آنے والے خیالات کو وہ برا نہ سمجھتا۔ ہمارے بعض نوجوانوں کو جب اس طرح کے خیالات آتے ہیں تو وہ -نعوذ باللہ- یہ سمجھتے ہیں کہ میں کافر ہو گیا، میں مردود ہو گیا، جہنمی بن گیا۔ ایسا نہیں ہے۔ شیطان اس طرح کے خیالات ڈال کر مؤمن کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک توجیہ ہے۔

## ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک دوسری توجیہ

ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک دوسری توجیہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہے۔ دیکھو! پہلی توجیہ میں تو یہ تھا کہ ان آنے والے وساوس کو برا سمجھنا صَرِيحُ الْإِيمَانِ ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! دیکھو! چور اسی گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں مال ہوتا ہے تو شیطان کا تمھارے دل میں ایمانیات کے متعلق اس طرح کے وسوسے ڈالنا اس بات کی دلیل ہے کہ تمھارے دل میں ایمان ہے، یہ صَرِيحُ الْإِيمَانِ ہے، شیطان اسی لیے آیا ہے کہ تمھارے دل میں ایمان جیسی قیمتی چیز موجود ہے۔

## شیطان کی فعّالیت اور ہماری بے حسّی

شیطان کاہے کو آتا ہے؟ شیطان کوئی بھی کام اور محنت بے کار اور فضول میں کرتا

نہیں، یہ تو ہم ہی ہیں جو لایعنی کاموں میں مشغول رہتے ہیں: یہاں بیان ہو رہا ہے، پیچھے موبائل لے کر بیٹھے ہیں، شام کو کتاب کی تعلیم ہو رہی ہے، وہاں بالکنی میں بے کار بیٹھا ہوا ہے۔ یہاں ہم سننے اور سیکھنے کے لیے آئے تھے اور اس کے سوا سب کام کر رہے ہیں۔ ہمارے دل میں یہ غم بھی ہوتا ہے کہ ہمارے منتظمین ان کی اتنی ساری خدمتیں کرتے ہیں، یہ اتنے دور سے آئے ہیں، پھر یہ اپنے وقت کو کیوں ضائع کر رہے ہیں! پہلے ہی دن آپ کو یہ بات بتلائی تھی کہ ان لغویات سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

## پیچھے رہنے کا رجحان آدمی کو دینی کمالات کے حصول سے محروم کرنے والا ہے

آگے بڑھو، حدیث میں آتا ہے کہ پہلی صف میں کھڑے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ پیچھے رہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پیچھے رہتے رہتے اللہ تبارک وتعالی ان کو جہنم تک پہنچا دے①۔ دین کے کاموں میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، آپ کا جذبہ تو یہی ہونا چاہیے کہ میں آگے بڑھوں، بھلے آپ کو پہلی صف میں کھڑے رہنے کا موقع نہیں ملا لیکن یہ جو جذبہ ہے نا، اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی آپ کو نواز دیں گے لیکن اگر آپ کا یہ جذبہ ہی نہیں ہے، پہلی صف میں جگہ مل سکتی ہے پھر بھی آپ بڑی بے رخی اور بے پروائی کے ساتھ اور استغنا کے ساتھ پیچھے ہی بیٹھے ہوئے ہیں کہ

① عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ: تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِي، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ، لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ( صحيح مسلم،باب جزاء الذين يتأخرون عن الصفوف الأول،رقم الحديث:٤٣٨)

میں تو پیچھے ہی رہوں گا تو جو پیچھے پیچھے رہنا پسند کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پیچھے ہی رکھتے ہیں، یہ چیز آدمی کو دینی کمالات اور فضائل کو حاصل کرنے سے محروم کرنے والی ہے۔ یہ تو ضمناً بات آ گئی تو بتا دی۔

## شیطان بے وقوف نہیں ہے کہ کسی شیعی پر اپنی محنت کو ضائع کرے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چور اسی گھر میں آتا ہے جہاں مال ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مظاہر علوم میں ایک شیعی آیا اور مدرسے کے مہمان خانے میں قیام کیا، کئی روز تک رہا اور بہت سے دینی مسائل پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب قادیانیت نئی نئی پھیل رہی تھی۔ اس شیعی نے حضرت سے ایک بات کہی کہ یہ جتنے بھی قادیانی بنتے ہیں، سب سنّی ہی بنتے ہیں، کوئی شیعہ آج تک قادیانی نہیں بنا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ شیعہ کے پاس تو پہلے سے ہی ایمان نہیں ہے تو شیطان کو اس کے اوپر محنت کرنے اور اسے قادیانی بنانے کی کیا ضرورت ہے! وہ تو سنّی کو قادیانی بنائے گا کہ اس کے پاس ایمان ہے، وہ اس ایمان والی دولت سے اس کو محروم کرنا چاہتا ہے تو شیطان کوئی بے وقوف نہیں ہے کہ کسی شیعی پر اپنی محنت کو ضائع کرے۔

## مغرب سے طلوعِ آفتاب کے بعد ایمان غیر معتبر ہوگا

جیسے قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ

لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا﴾[الأنعام:۱۵۸] کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یعنی سورج کا جانبِ مغرب سے طلوع ہونا ظاہر ہوگی تو اس کے بعد جو لوگ ایمان لائیں گے تو ان کے حق میں ان کا ایمان کارآمد نہیں ہوگا۔

بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی آیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جب سورج جانبِ مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے ①۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ- اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے- نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی عجیب توضیح فرمائی۔

## جانبِ مغرب سے سورج طلوع ہونے پر سب لوگوں کے ایمان لانے پر ایک اشکال

پہلے تو ایک اشکال قائم فرمایا کہ جب سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا پیدا فرمائی ہے، تب سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک نبیوں کا ایک سلسلہ جاری ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، غلط راستے سے ہٹا کر سیدھے راستے کی دعوت دیتا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جو نائبین ہیں حضراتِ علماء، وہ یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور دنیا میں لوگوں کو ایمان پر قائم رکھنے کی مسلسل محنتیں ہو رہی ہیں، لوگوں کو ایمان کی دعوتیں دی جا رہی ہیں لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سب لوگ ایمان لے آئے ہوں تو پھر سورج کو جانبِ مغرب سے طلوع ہوتا ہوا دیکھ کر سب لوگ

①صحيح البخاري،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ،بَابُ {لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا}،رقم :٤٦٣٥.

ایمان کیسے لے آئیں گے؟۔

## مذکورہ اشکال کا بے مثال جواب

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت اور علماء کی دعوت کے باوجود سب لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی شیطان رکاوٹ ڈالتا ہے، ان کی دعوتوں اور ان کی باتوں کے سلسلے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات اور اشکالات ڈالتا رہتا ہے جس کی وجہ سے لوگ ایمان نہیں لاتے، اس طرح ایمان کے راستے میں شیطان رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اب جب سورج جانبِ مغرب سے طلوع ہوگا اور شیطان جانتا ہے کہ اب لوگوں کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو رکاوٹ ڈالنا ہی چھوڑ دے گا؛ اس لیے سارے لوگ ایمان لے آئیں گے۔

بہر حال! ہمارے حضرت نے اس شیعی کو یہی جواب دیا کہ شیعوں کے پاس ہے ہی کیا کہ شیطان اس پر اپنی محنت ضائع کرے۔

## کافروں کے دلوں میں وساوس نہ آنے کے اشکال کا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے جواب

علامہ ابنِ قیّم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اسی نوع کا ایک جملہ دیکھا کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ یہودی لوگ عبادت کرتے ہیں تو ان کی عبادت میں اس طرح کے خیالات اور وساوس نہیں آتے تو حضرت عبداللہ بنِ عباس

رضی اللہ عنہما نے یہی جواب دیا کہ ان کی عبادتیں اللہ تبارک وتعالی کے یہاں قبول تو ہوتی نہیں تو ایسا خیال ڈال کر کے شیطان اس کو پریشان کرنے کی کوشش کاہے کو کرے گا! وہ تو جانتا ہے کہ کیسی بھی عبادت کرے، وہ قبول ہونے والی نہیں ہے تو اس کو اطمینان کے ساتھ کرنے دو۔

## وساوس سے پریشان آدمی کے لیے یہ حدیث تسلی کا سامان ہے

بات یہ چل رہی تھی کہ آپ کے دل میں وساوس اور خیالات آرہے ہیں تو ان کا آنا خود ہی دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کے دل میں ایمان موجود ہے۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو ایک بات ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ فرمائی تھی، اس کی وضاحت کے طور پر میں نے یہ دو توجیہیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور کوئی ایسا مسلمان جس کو اس قسم کے وساوس آتے ہیں اور ان کے آنے کی وجہ سے وہ اپنے متعلق یوں سمجھتا ہے کہ -نعوذ باللہ- میں ایمان سے نکل گیا اور اس کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے، بے چین ہوتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی بے چینی دور فرمادی۔

بات صاف ہوگئی کہ ایسے وساوس اور خیالات کی وجہ سے اپنے آپ کو کافر ومشرک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

## وساوسِ شیطانیہ کی آمد کے بھی اسباب ہوتے ہیں

لیکن ایک تیسری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ بہت سی مرتبہ اس طرح کے جو خیالات آتے ہیں، اس کی وجہ بھی ہوا کرتی ہے۔ ایک مؤمن کو بحیثیت مؤمن کے ضروری ہے،

اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ ایسی چیزیں جو اس کی ایمان کی راہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والی ہوں، آگے اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے والی ہوں، اس سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہ بھی ضروری ہے۔

## اخبار بینی کا غلط ذوق اور اس کے مضر اثرات

ہمارے اس زمانے میں ہر آدمی کا ایک مزاج بن گیا ہے کہ جو سامنے آوے، پڑھو اور آج کل یہ جو میڈیا ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو، اس پر جتنی بھی چیزیں آتی ہیں، اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں آتی جس میں اسلام کے لیے خیر و بھلائی ہے بلکہ وہ ایسے مسائل چھیڑتے ہیں، ایسی بحثیں چھیڑتے ہیں جس کی وجہ سے ایک پختہ مؤمن کے ایمان کے اندر بھی تزلزل آجاتا ہے۔ بعض لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے کہ اخبار کی ہر چیز پڑھ لیتے ہیں۔ نہیں پڑھیں گے تو بس دینی چیزیں نہیں پڑھیں گے، دینی رسائل کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

## دینی معلومات پر مشتمل لٹریچر سے ہماری مجرمانہ بے اعتنائی

میں کہا کرتا ہوں کہ مدارسِ دینیہ کے جلسوں میں پہنچ گئے تو جب نکلیں گے تو باہر آدمی کھڑے ہیں، اِدھر بھی کھڑا ہے، اُدھر بھی کھڑا ہے جو دینی مضامین پر مشتمل پرچے، کتابچے تقسیم کر رہا ہے، آپ نہیں لینا چاہیں گے تو بھی لوگوں کی شرم کی وجہ سے ہاتھ بڑھا کر لے لیں گے، ورنہ کہنے والے کہیں گے کہ مفت مل رہا ہے، پھر بھی نہیں لیتا، لینے کو تو لے لیں گے لیکن پڑھنے کی توفیق نہیں ملے گی۔ حالاں کہ اس میں کیا ہوتا ہے؟ اگر

رمضان قریب ہے تو اس کے متعلق احکام ہوتے ہیں، اور بھی بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں، دینی معلومات ہوتی ہیں۔ اللہ کے بعض بندے چاہتے ہیں کہ دوسرے بندوں تک بھی دین کے احکام پہنچ جائیں۔

اب یہ آئے ہیں تو ان کے ہاتھ میں تھما دیا لیکن بہت سے وہ ہوتے ہیں کہ جو ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، اس کو ذرا بھی پڑھتے نہیں، دیکھنے تک کی زحمت گوارا نہیں کرتے، لے جا کر کے گھر کے کسی طاقچے میں ڈال دیا۔

## روزناموں (اخباروں) کے دیوانے

اس کے برخلاف یہ جو روزمرّہ کے اخبارات ہیں، اس کا ایسا عادی بن گیا ہے کہ چائے کا گھونٹ حلق سے اترے گا نہیں، جب تک کہ وہ اخبار نہ دیکھ لے، پہلے اخبار دیکھے گا پھر چائے اچھی لگے گی اور اس کا ایسا عادی بن گیا ہے کہ صبح اس کو پڑھے گا پھر رکھ کر کے آفس گیا، اس کے بعد دوپہر کو کھانے کے لیے آئے گا تو ٹیبل پر پڑا ہوا اخبار اٹھائے گا اور پڑھے گا۔ حالاں کہ سب کچھ پڑھ چکا ہے، اس کو سب معلوم ہے کہ اندر کہاں کیا لکھا ہوا ہے، پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ پھر شام کو آئے گا تو پھر اسی کو لے کر بیٹھے گا۔ دوسرے دن جب تک نیا اخبار نہیں آجاتا، اس کے ساتھ یہی معاملہ اس کا چلتا رہتا رہے گا۔

## اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

دورِ حاضر علم کا دور ہے، میڈیا نے بھی بہت زیادہ ترقی کرلی ہے، اتنی کہ اس

سے زیادہ تصور بھی بظاہر ممکن نہیں اور اس میں بہت کچھ آتا ہے۔اب بہت سے لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ سب کچھ پڑھتے ہیں، اب اس میں جتنا بھی کوڑا کرکٹ آتا ہے، وہ سب اپنے دماغ میں لے رہا ہے، یہ غلط بات ہے۔آپ راستے میں جو کچھ پڑا ہوا ہو، سب کچھ لے لیتے ہیں؟ اگر اپنے جیب میں یا گھر میں سب کچھ اٹھا کر رکھنے لگو گے، تب تو تمھارا گھر کباڑ خانہ بن جائے گا تو جس طرح تم اپنے گھر کو، اپنی جیب کو ایسی فضول چیزوں سے بچاتے ہو، اسی طرح اپنے دل ودماغ کو بھی ایسی فضول چیزوں سے بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں کن چیزوں کا مطالعہ کرنا ہے، مطالعے کے لیے صحیح انتخاب بے انتہا ضروری ہے۔

## موجودہ روزناموں کی واقعات بیان کرنے میں دروغ گوئی کی انتہا

حالاں کہ ہم ان اخباروں کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ اسلام کے کتنے پکے دشمن ہیں، اس کے باوجود اس میں جو باتیں، جو حقائق، خاص کر کے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو باتیں ہیں، وہ کس قدر توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں۔ایک واقعہ آپ کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ ہوا۔اب اسی واقعے کی رپورٹنگ اخبار میں دیکھ لیجیے۔آپ اس واقعے کی خبر اخبار میں پڑھیں گے تو حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے کہ ہوا کیا تھا اور لکھا کیا گیا ہے، خاص کر کے مسلمانوں کے متعلق، ایسے جھوٹے الزامات ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا، پھر بھی ہم ان

اخبارات کو خرید کر پڑھتے ہیں اور خرید کر کے گویا ان کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

## گجراتی اخبارات کے بارے میں ایک بڑے سرکاری ہندو افسر کا حقیقت پسندانہ تجزیہ

پہلی بات تو یہ کہ ان اخباروں کو کتنا پڑھنا چاہیے؟ خریدنا بھی چاہیے یا نہیں؟ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی دشمن ہے تو وہ یہی اخبارات ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر کا ایک جملہ میرے سامنے ایک آدمی نے نقل کیا کہ گجرات کے یہ جتنے بھی اخبارات ہیں، وہ اتنے متعصب ہیں کہ پورے ہندوستان میں اس کی نظیر نہیں، یہ ایک ہندو افسر کا جملہ ہے۔ یہ سب کچھ جان کر بھی ہم اس کو خریدتے ہیں۔

## اخباروں کو خریدنا دشمنِ اسلام کو تقویت پہنچانا اور گناہ میں مدد کرنا ہے

حالاں کہ اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ:۲] ہم اللہ کے اس حکم کی مخالفت کررہے ہیں اور بعض لوگ تو سماج میں اپنا مقام، اسٹیٹس اونچا بتانے کے لیے ایک نہیں، کئی کئی اخبارات خرید کر پڑھتے ہیں: سندیش بھی خریدتے ہیں، دیویا بھاسکر بھی خریدتے ہیں، گجرات سماچار بھی خریدتے ہیں، گجرات مِتر بھی ہونا چاہیے اور انگریزی کا بھی فلاں فلاں اخبار ہونا چاہیے، پڑھیں گے کچھ بھی نہیں، یوں ہی پڑا رہے گا لیکن خریدیں گے، پیسے ضائع کریں گے، اگر کسی نیک کام کے لیے کہا جاتا تو خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

## ضرورت سے زیادہ اخبار خریدنا بھی اسراف ہے

دیکھیے! اگر آپ کاروباری آدمی ہیں تو آپ کو اپنے کاروباری لائن سے، تجارت کی لائن سے جو باتیں آتی ہیں، ان کو پڑھنے کے لیے آپ کو یہ اخبار خریدنے کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت تو ایک سے بھی پوری ہو جاتی ہے تو جتنی ضرورت ہے، اسی پر اکتفا کیجیے۔ اتنے زیادہ اخبارات خریدنا، یہ تو فضول خرچی ہے۔

واقعی جو ضرورت ہے، اس میں بھی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو شریعت اسراف اور فضول خرچی کہتی ہے: کھانا، پہننا۔ اس میں بھی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔ کوئی آدمی دو کپڑے پہنے تو لوگ اس کی عقل پر شبہ کریں گے کہ اس کی عقل ٹھکانے ہے کہ نہیں، ڈبل کرتے پہن کر آیا ہے! اور یہاں (اخبارات کے سلسلے میں) اس کو ہماری سمجھداری سمجھی جارہی ہے!!۔

بہرحال! یہ اخبارات بقدرِ ضرورت خریدو اور پڑھو، اس کو مشغلہ نہ بناؤ! آپ اپنی ضرورت کے مطابق ایک وقت طے کرلو کہ دس منٹ یا پندرہ منٹ سے زیادہ اس کے پیچھے میں اپنا وقت نہیں لگاؤں گا، یہ طے کر لیجیے، ورنہ یہ اخبارات آپ کا سارا وقت کھا جائیں گے۔

## روزناموں کا ایک عظیم فتنہ: دھارمک پورتی

دوسرا یہ کہ ان اخبارات میں ہوتا کیا ہے، کون سے مضامین آتے ہیں؟ یہ جو روز مرّہ کے روزنامے ہیں، ان کا باقاعدہ روزانہ کا کوئی ضمیمہ ہوتا ہے جس کو گجراتی میں

’’پورتی‘‘ کہتے ہیں، ضمیمہ، زائد اور اضافی حصہ، سب گجراتی اخباروں نے اب یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے، اس میں ایک ’’دھارمک پورتی‘‘ آتی ہے، ان کے مذہب کے متعلق اس میں معلومات ہوتی ہیں۔ اب اس میں ان ہندوؤں کے جتنے بھی عقائد ہیں، ان کے متعلق ایسے ایسے گھڑے ہوئے قصے آتے ہیں اور یہ ہمارا مسلمان طبقہ اس کا ایک ایک لفظ بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

ہمارے مسلمان نوجوانوں کو قرآن کی آیتیں اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے کی فرصت نہیں اور یہ پورتیاں پوری کی پوری پڑھ ڈالتے ہیں۔

اب یہ ساری باتیں جو دین کے خلاف بتائی گئی ہیں، ان کو آپ پڑھیں یا سنیں تو ظاہر ہے کہ دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

## مصنف کے نظریات کا اثر کتاب پڑھنے والے پر بھی مرتب ہوتا ہے

ہر چیز کا ایک اثر ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں نصاب میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں تو آپ نے ہمارے بزرگوں کی یہ بات ضرور سنی ہوگی کہ کتاب کا جو مصنف ہے، اس کے خیالات، اس کے عقائد، اس کا مزاج اور اس کی طبیعت کا اثر بھی اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور پڑھنے والے پر پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ مصنف کس درجے کا تھا، اس کی دینی حالت کیسی تھی؛ تاکہ اس کا برا اثر پڑھنے والوں پر نہ پڑے۔ ہمارے یہاں اتنا زیادہ اہتمام کیا

جاتا ہے اور ہم ان ساری چیزوں کو بے دریغ پڑھتے ہیں۔

اور آج کل ایسے روشن دماغ لوگ ہیں کہ اگر ان کو ایسی چیزوں کو پڑھنے سے روکتے ہیں تو کہتے ہیں کہ لو! پڑھنے سے بھی روکتے ہیں۔

## تقدیر کے مسئلے میں بحث ومباحثہ کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضراتِ صحابہ کو سخت تنبیہ

حضرت مولانا بدرِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمان السنہ میں تقدیر کے بیان میں ایک جملہ بڑا عجیب لکھا ہے۔ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ بعض حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تقدیر کے مسئلے میں بحث کررہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اور سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور غصے سے سرخ ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟: کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا یہی دے کر مجھے بھیجا گیا ہے؟[۱] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر صحابہ ڈر گئے۔

## تقدیر کا مسئلہ مزلۃ الاقدام ہے

حضرت مولانا بدرِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی عجیب بات لکھی کہ ان حضرات کو اس چیز سے روکنے کا اس سے بہتر کوئی انداز نہیں ہوسکتا تھا اور دوسرا یہ کہ تقدیر کا یہ مسئلہ ایسا عجیب وغریب ہے کہ جہاں کوئی آدمی اس میں پڑتا ہے، وہ کسی نہ کسی بدعقیدگی کا شکار ہو

---

[۱] مشکوۃ المصابیح، باب الإیمان بالقدر، الفصل الثاني سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الخَوْضِ فِي القَدَرِ.

ہی جاتا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے جو مختلف فرقے بنے ہیں: قدریہ، جبریہ وغیرہ، وہ اسی مسئلے کو لے کر وجود میں آئے ہیں، ساری دنیا اس کو جانتی ہے۔

## غلط لٹریچر کے مطالعے سے روکنا گمراہی اور ہلاکت سے بچانے کے لیے ہے

فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کو کوئی بھی آدمی دریا کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اب جس کو تیرنا نہیں آتا، اگر وہ اندر جانا چاہے گا تو اس کو روکیں گے کہ تو مت جا۔ اب اگر وہ کہے کہ مجھے کاہے کو روکتے ہو؟ تو جواب دیں گے کہ تمھاری سلامتی اسی میں ہے، تم جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے۔ اسی طرح سے ان چیزوں کے پڑھنے سے روکنا بھی تمھاری سلامتی کے لیے ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

## گمراہ لوگوں سے ان کی باتوں کو سننے کا وبال: ایک چشم کُشا واقعہ

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو مولانا بدرِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے: علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ بدعتی یعنی کسی گمراہ فرقے سے تعلق رکھنے والا تھا۔ اس نے آکر کے کہا کہ حضرت! میں آپ کو قرآنِ پاک کی ایک آیت سنانا چاہتا ہوں، بس آیت سنا کر کے چلا جاؤں گا، اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا، مجھے اجازت دیجیے تو حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اس سے یوں فرمایا کہ اگر تو

مسلمان ہے تو اللہ کے واسطے یہاں سے چلا جا، میں تجھ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہاں سے چلا جا۔

اسی واقعے کو کسی اور کتاب میں بھی دیکھا، اس میں ہے کہ جب وہ جانے کے لیے تیار نہیں ہوا تو حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا کرتا لاؤ، یہ نہیں جاتا تو میں چلا جاتا ہوں۔ حاضرین نے کہا کہ بھائی! تو ان کو ان کے گھر سے نکلنے پر کیوں مجبور کرتا ہے؟ بہر حال! کسی طرح اس کو نکالا۔

اس کے جانے کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت! اس نے تو آپ سے بس ایک درخواست کی تھی کہ قرآنِ پاک کی ایک آیت آپ کو سنانا چاہتا ہوں، اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا، پھر بھی آپ نے اس کو اجازت نہیں دی۔ اس کے جواب میں حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرِ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا، جیسا اس وقت ہے تو میں اس کو قرآنِ پاک کی اس آیت کو سنانے کی اجازت دیتا لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ ایک گمراہ آدمی کی زبان سے قرآنِ پاک کی آیت سن کر، اس آیت کے متعلق میرے دل میں کوئی ایسا شبہہ پیدا نہ ہو جائے جس کو میں دور نہ کر سکوں۔

## جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا.....

دیکھو! قرآن کی آیت کی بات ہے، گویا ان کی زبان سے قرآن کی آیت کو سننے میں بھی خطرہ ہے، اتنا بڑا امام یہ خطرہ محسوس کر رہا ہے اور ایک ہم ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ ہم

کچھ بھی پڑھ سکتے ہیں، ہمارے پاس عقل ہے نا! ارے! یہ جتنے بھی گمراہ لوگ ہیں، کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے؟ ساری دنیا کو چلا رہے ہیں، آسمان پر پہنچ گئے، چاند پر کمندیں ڈال دیں لیکن ان کی عقل ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے نہیں دیتی۔ جو عقل آخرت سے غافل بنانے والی ہو، وہ عقل عقل کہلانے کے لائق نہیں ہے۔

## ہمارے اکابر اور کتبِ غیر کے مطالعے سے احتراز

ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: مفتی جی! آپ نے مولانا مودودی کی کتابیں پڑھی ہیں؟ جواب دیا کہ نہیں! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا کہ پڑھو! حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈر رہے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ ان کی باتوں میں آ گئے: حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بھی بہت سے حضرات۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کو اس کا جواب دینا ہے؛ اس لیے آپ پڑھیے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ توجہ فرمائیں گے؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں میں توجہ بھی رکھتا ہوں اور دعا بھی کرتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، آپ حکم دے رہے ہیں تو پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد حال یہ تھا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مودودی کی کتابوں کے صفحے کے صفحے یاد تھے۔ جنھوں نے حضرت کی مجلس میں شرکت کی ہے، ان کو معلوم ہے کہ کبھی ان کی عبارت نقل کرتے تھے تو مسلسل نقل کرتے چلے جاتے تھے کہ فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے اور فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے۔ دو دو،

تین تین، چار چار صفحے لگا تار پڑھتے تھے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحے پر یوں لکھا ہے۔

حضرت جس زمانے میں کانپور میں تھے تو وہاں سرائے میر میں حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ کا جو مدرسہ قائم کیا ہوا تھا بیت العلوم۔ پہلے وہاں مدرسۃ الاصلاح تھا، اب بھی ہے لیکن چوں کہ مدرسۃ الاصلاح کے اوپر مودودیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور آج بھی ان ہی کا قبضہ ہے۔ مولانا نے دوسرا مدرسہ قائم کیا تھا، حضرت اس زمانے میں کانپور تھے، حضرت کو انھوں نے مستقل دعوت دی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ کتابوں کا ڈھیر لے کر گیا تھا، اسٹیج پر ساری کتابیں رکھیں۔ زبانی پڑھتے تھے اور کتابیں کھول کر دکھاتے تھے کہ دیکھ لو! یہاں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ رکھا تھا جو عشاء کے بعد سے فجر تک چلتا رہا۔ حضرت پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ جب آپ سرائے میر جاتے تھے تو سینے سے لگا کر فرماتے کہ میرا مفتی آ گیا۔

## کتبِ غیر کا مطالعہ ہمارے لیے ہرگز مناسب نہیں

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ حال ہے اتنے بڑے مفتی کا اور ہم ٹٹ پونجیے، علمی اعتبار سے معمولی پونجی رکھنے والے، ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ساری چیزیں پڑھنے لگیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل دی ہے، سمجھ دی ہے، صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرنے کا طریقہ معلوم ہے؟ شیطان جیسا شیطان جو اتنا بڑا عالم تھا، وہ بھی گمراہ ہو گیا۔

## ردِّ مودودیت پر حضرت فقیہ الامت کا گہرا مطالعہ اور مضبوط پکڑ

حضرت فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے مودودی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ آج بھی حضرت کی جو چیزیں ردِّ مودودیت پر ہیں، وہ لاجواب ہیں اور ایک مضمون کانپور میں شروع کیا تھا، جو کئی جلدوں میں چھپ کر آیا۔ اس کے بعد باقاعدہ وہاں کے بعض بڑے لوگوں نے درخواست کی کہ اس مضمون کو بند کیا جائے، وہ مضمون فتاوی محمودیہ میں چھپا ہوا موجود ہے۔

ہاں اگر آپ کے پاس قرآن وحدیث کا گہرا علم ہے، وسیع مطالعہ ہے اکابر کی باتیں ہیں، کسی بڑے کی آپ کے اوپر نگرانی بھی ہے اور صحیح عقائد اس قدر زیادہ راسخ ہیں کہ ان کتابوں کے مطالعے سے آپ کا ایمان متزلزل نہیں ہوسکتا تو آپ ان چیزوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

## اسلاف کا اپنے آپ کو غلط نظریات سے بچانے کا اہتمام

آپ اندازہ لگائیے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی نے سنایا کہ جس زمانے میں مودودی صاحب نے اپنی تبلیغ کو شروع کیا تھا اور باقاعدہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں غالبًا حضرت علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا گیا تھا۔ ان حضرات نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری اور باتیں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھایا، کہلوایا کہ وہ اس

سلسلے میں ملاقات کے لیے آرہے ہیں؛ اس لیے خاص اہتمام سے دعا اور توجہ سے کام لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی گفتگو کی وجہ سے مجھ پر کچھ اثر پڑ جائے۔

## بے سند باتوں کے لیے دین میں کوئی جگہ نہیں ہے

اب اس زمانے میں انٹرنیٹ کا فتنہ پیدا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں اصل چیز سند ہے، بغیر سند کے کوئی بات معتبر نہیں۔ ترمذی میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل کی ہے: الْإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ، وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ[1]: سند دین کا جزء ہے، اگر یہ سند نہ ہوتی تو جو چاہتا، اپنی زبان سے جو چاہے، باتیں نکالتا۔

## اسلام دشمن طاقتوں کی قائم کردہ ویب سائٹوں سے معلومات حاصل کرنے سے بچیے

آج کل کیا ہو رہا ہے؟ انٹرنیٹ پر اسلامی ویب سائٹ آگئی۔ یہ ویب سائٹ کون نکالتا ہے؟ اسرائیل نے باقاعدہ بیسیوں ویب سائٹ اسلامی ویب سائٹ کے نام سے جاری کر رکھی ہیں، ہمارے نوجوان اس کو پڑھتے ہیں اور اسلامی معلومات حاصل کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس اسلام دشمن طاقت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ وہ کیسی معلومات فراہم کر سکتا ہے؟ اس لیے ان ساری چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہے، جو چیزیں معتبر اور مستند ہوں، ان ہی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، بَابُ فِي أَنَّ الْإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ سنن الترمذى، بَابٌ فِي فضل الشام واليمن.

## امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا دل کو جھنجھوڑنے والا مقولہ

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی گمراہ آدمی کے ساتھ بات مت کرو اور اس کے ساتھ بحث مت کرو، آپ بات کریں گے اور بحث کریں گے تو وہ کسی نہ کسی طرح آپ کے دل میں فتنے کا بیج بو ہی دے گا۔

## آج کل کے نوجوانوں کی ایک ذہنی بیماری یا غلط سوچ

آج کل اکثریت ان لوگوں کی ہوگئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم ہر ایک کے ساتھ بحث کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی باتوں میں آ کر کے گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

## مرزا غلام قادیانی کے خلیفۂ اول حکیم نورالدین کی گمراہی کی داستان

یہ حکیم نورالدین جو مرزا غلام قادیانی کا خلیفۂ اول ہے۔ یہ کشمیر کے مہاراجہ کا طبیب تھا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری، بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر حضرت عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو سہارنپور کے رہنے والے تھے، اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تھے، پہلے شیخ وہ تھے، ان سے اجازت بھی تھی، ان کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ حضرت عبدالرحیم صاحب سہارنپوری بڑے صاحبِ کشف تھے، ان کے متعلق لکھا ہے کہ رات کو اپنے سارے مریدین کا جائزہ لے لیتے تھے اور صبح کو ان سے کہتے تھے، ان کا تکیہ کلام تھا: ''میرا چاند'' میرا چاند ایسا نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو ان کے علاج کے لیے یہ حکیم نورالدین آیا، یہ پنجاب کا رہنے والا تھا، حضرت عبدالرحیم صاحب سہارنپوری نے اس سے پوچھا کہ آپ کے یہاں گرد و اس پور ضلع میں کوئی قادیان نامی جگہ ہے؟ کہا کہ ہاں! پوچھا کہ وہاں کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں! تو فرمایا کہ دیکھو! آپ نے ہماری خیر خواہی کی ہے، ہمارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا ہے، ہمارا علاج معالجہ کیا ہے، ہم بھی آپ کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ دیکھو! وہاں ایک آدمی ہوگا جو نبوت کا دعوی کرے گا اور لوحِ محفوظ میں ہم نے دیکھا کہ آپ اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ دیکھو! تمھارے اندر ایک بیماری ہے بحث مباحثہ کرنے کی، تم اس کے پاس بحث کرنے کے لیے جاؤ گے اور اسی کا شکار ہو جاؤ گے۔ اب جو چیز لوحِ محفوظ کے اندر لکھ دی گئی تھی، وہ کیسے بدلی جاسکتی تھی! بہر حال! ایسا ہی ہوا، وہ گیا اور قادیانی کا بڑا ساتھی بن گیا بلکہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ غلام قادیانی کی جو بہت سی علمی چیزیں ہیں، وہ اسی (حکیم نورالدین) کی ہیں۔ تو دیکھیے! یہ آدمی بحث مباحثہ میں پڑا تو نہ صرف خود گمراہ ہوا بلکہ قادیانی کا نائب بن کر دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنا۔

## ناپختہ کار عالم بھی گمراہ کُن لٹریچر کے مطالعے سے اپنے آپ کو بچائے

اس لیے اس طرح کے گمراہی والے لٹریچر سے بھی اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ جو عالم ہو، علومِ دینیہ کا ماہر ہو، دین کے اعتبار سے پختہ ہو اور دین کی ساری چیزیں دلائل کے ساتھ اس کے دل و دماغ میں محفوظ ہیں، وہ اگر عقائدِ حقہ کے

دفاع اور گمراہ فرقوں کے دلائل کی تردید اور ان کا جواب دینے کے لیے ان چیزوں کو پڑھتا ہے تو علماء نے اس کو اجازت دی ہے لیکن جو ابھی پختہ کار نہیں ہے، اس کو تو اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توریت پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہارِ غضب

مشکوۃ شریف میں روایت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ توریت کا ایک نسخہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت لے کر کے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ توریت کا نسخہ ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بولے نہیں، خاموش رہے۔ ابھی آپ نے کچھ فرمایا نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا شروع کیا۔ اب یہ پڑھ رہے ہیں اور اِدھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ مارے غصے کے سرخ ہو رہا ہے لیکن یہ پڑھنے میں مشغول تھے؛ اس لیے ان کو پتہ نہیں چلا کہ کیا ہو رہا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ رہے تھے تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ، أَمَا تَرَى بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟: اے عمر بن خطاب! رونے والیاں تمھیں روئیں یعنی تمھیں موت آئے! دیکھتے نہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا کیا حال ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور غصے کے مارے سرخ ہو رہا ہے۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ پڑھنے لگے: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔ یہاں تک کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو فرمایا کہ اگر آج حضرت موسیٰ آ جائیں اور تم مجھے

چھوڑ کر ان کا اتباع کر لو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ ان کے لیے بھی میری پیروی کے بغیر چارۂ کار نہیں①۔

## وساوسِ شیطانیہ کی روک تھام کا اکسیر نسخہ

جب توریت جو کہ ایک آسمانی کتاب تھی، یہ بات الگ تھی کہ اس میں تغیر و تبدل کیا گیا تھا، اس کو اس طرح لانے اور پڑھنے کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا نہیں فرمایا تو اس طرح کی چیزوں کو خرید کر اپنے آپ کو اس میں مشغول کرنا ایک مؤمن کی غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔ بہر حال! وساوس سے بچنے کی تدبیروں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ایسے ماحول سے، ایسے لوگوں کی صحبت سے، ایسے لٹریچر سے، ایسی باتوں کو سننے اور دیکھنے سے اپنے آپ کو دور رکھیں گے تو ان شاء اللہ تعالی ایسے وساوس سے نجات حاصل ہوگی۔ اور اگر اس کے باوجود وساوس آتے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دے کر تسلی فرمادی ہے؛ اس لیے ہم سمجھیں کہ اس کی وجہ سے ہمارے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آئی ہے۔

## حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ: میں اپنے دل سے کچھ باتیں کرتا ہوں، میرے دل میں خیالات آتے ہیں، وساوس آتے ہیں،

---

①مشکوۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ.

لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ کہ: میں جل کر کے کوئلہ ہو جاؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں ان باتوں کا اپنی زبان سے اظہار کروں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اس کا معاملہ وسوسے تک رکھ چھوڑا ہے۔

## ''أَمْرَهُ'' کی ضمیر ''هُ'' کے مرجع کے بارے میں دو احتمال

''اس کا'' یعنی کس کا؟ اس حدیث کی شرح میں شُرّاح نے لکھا ہے کہ '' أَمْرَهُ'' ''هُ'' کی ضمیر یا تو اس آدمی ہی طرف لوٹتی ہے یا پھر شیطان کی طرف لوٹتی ہے۔ اگرچہ یہاں شیطان کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کا سیاق وسباق اور حدیث کا مضمون اس کی طرف مشیر ہے۔

میں آگے وسوسے کی دوسری قسم ذکر کروں گا۔ ابھی جو پہلی قسم کے وساوس کی بحث چل رہی ہے وہ تو ایمانیات اور اعتقادات کے متعلق ہے اور دوسری قسم کے وساوس وہ ہیں جو گناہ اور فسق وفجور کے متعلق ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اس حدیث کو پیش کروں گا لیکن اس حدیث کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ وہ وساوس کی پہلی قسم جو ایمانیات اور اعتقادات کے متعلق ہے، اس کو بھی شامل ہے۔

گویا یہاں یہ آدمی یہ کہنا چاہتا ہے کہ میرے دل میں جو وسوسے آتے ہیں، میں جل کر کے کوئلہ ہو جانا گوارا کر سکتا ہوں لیکن اپنی زبان پر ان خیالات کو لانا مجھے گوارا نہیں۔ گویا یہ ایمانیات کے متعلق ہے۔

## شیطان کو ضمیر کا مرجع قرار دینے کی صورت میں حدیث کا مفہوم

جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جملہ ارشاد فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کا معاملہ وسوسے کی حد تک محدود رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شیطان تو تیرے پاس تیرا ایمان چھیننے اور تجھے ایمان سے محروم کرنے کے لیے آیا تھا، اس کی کوشش تو یہ تھی اور اس نے اس کے لیے محنت بھی کی تھی لیکن وہ اپنی اس محنت میں کامیاب نہیں ہوا، وہ تیرا ایمان تو چھین نہیں سکا، البتہ وہ تیرے دل میں کچھ خیالات اور وسوسے ڈال کے چلا گیا، اس کے آگے نہیں بڑھ پایا۔ اسی پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فرما رہے ہیں۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ جملے کی ایک مثال سے تفہیم

یہ ایسا ہی ہے، جیسے کسی کا کوئی دشمن تھا، اس دشمن نے اس کے خلاف سازش کر کے اس کو قتل کرنے کے ارادے سے حملہ کیا۔ اب ہوا یہ کہ وہ اس حملے میں قتل تو نہیں ہوا لیکن اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں، بہت سے زخم آئے۔ اب لوگ آ کر کے اس کی عیادت کرتے ہیں تو یہ کہتا ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ ارے بھائی! وہ ٹانگیں ٹوٹنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے؟ نہیں! وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دشمن تو تمھیں مار ڈالنے کے لیے آیا تھا لیکن اللہ نے جان بچالی، بھلے ہی ٹانگ ٹوٹ گئی تو جان بچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا جا رہا ہے، ٹانگ ٹوٹنے پر نہیں۔

یہاں پر بھی گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فرما رہے ہیں، اس کا یہی مطلب

ہے کہ شیطان کا جو مقصد تھا، وہ تو تیرے پاس یہ عزم لے کر آیا تھا کہ تجھے ایمان سے محروم کرتا لیکن وہ تیرے ایمان پر ڈاکہ تو نہیں ڈال سکا، ہاں! تیرے دل میں کچھ خیالات اور وساوس چھوڑ کے گیا، چلو کوئی بات نہیں۔

پہلی حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اس کا تعلق تو صرف ایمانیات سے ہے لیکن اس دوسری روایت کا تعلق جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، دونوں کے ساتھ ہے۔

بہر حال! یہ وساوس کی پہلی قسم ہے جو ایمانیات اور عقائد کے ساتھ متعلق ہے۔ اہلِ علم یہاں موجود ہیں اور ان کے پاس لوگ آ کر اس طرح کے وساوس کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو ان کو انشراح ہو جائے اور وہ لوگوں کو مطمئن کر سکیں؛ اس لیے میں اس کی وضاحت کر رہا ہوں کہ اس طرح کے وساوس اور خیالات کی وجہ سے آدمی کا ایمان ختم نہیں ہوتا۔

## وساوس کی دوسری قسم: گناہوں کے وساوس اور خیالات

وساوس کی دوسری قسم وہ ہے جو فسق و فجور اور گناہوں سے متعلق ہوتے ہیں کہ فلاں عورت کے ساتھ موقع مل جائے تو اپنی خواہش پوری کرلوں۔ دل میں زنا کا خیال آیا۔ ایک آدمی شراب پیتا تھا، وہ اس سے توبہ کر چکا ہے لیکن شراب کی پرانی عادت کی وجہ سے اس کی رگ و ریشے میں شراب کی لذت پڑی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے کبھی خیال آتا ہے کہ شراب پی لوں۔ سنیما دیکھتا تھا، اب توبہ کر چکا ہے لیکن کبھی خیال آتا ہے

کہ دوبارہ جا کر سنیما دیکھ لوں۔ انٹرنیٹ کے اوپر فحش مناظر دیکھتا رہا، بہت کنٹرول کر کے موبائل بھی نکال دیا اور اپنے آپ کو بچاتا رہا لیکن بار بار خیال آتا ہے کہ دوبارہ موبائل خریدوں اور پھر وہ مناظر دیکھوں۔ یہ فسق و فجور اور گناہ کے کاموں کے خیالات ہیں۔

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح

گناہ کے کاموں کے خیالات کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اصول بتلا دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت میں نے آپ کے سامنے پڑھی: إِنَّ اللّٰه تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ به أَوْ تَتَكَلَّمْ کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری امت سے معاف کر دیا ان چیزوں کو جن کا ان کے دلوں میں خیال آتا ہے، جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کریں یا جب تک کہ اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کریں۔

## گناہ کی دو قسمیں

اس لیے کہ فسق و فجور کے جو کام انجام دئے جاتے ہیں، وہ یا تو زبان سے ہوتے ہیں، جیسے: کسی کی غیبت کی، کسی سے جھگڑا کیا، کسی پر تہمت لگائی، کسی عورت سے فحش گفتگو کی، گانا گیا۔ یہ سب زبان کے گناہ ہیں۔

اس کے علاوہ جسم کے جو دوسرے اعضاء ہیں: کان، آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں، شرم گاہ وغیرہ دوسرے اعضاء۔ آپ دیکھیں گے کہ نصوص میں جب اس طرح کی چیزیں آتی ہیں تو زبان کے کاموں کو الگ بیان کیا جاتا ہے۔

حالاں کہ زبان بھی انسان کے جسم کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے، جوارح میں

یہ بھی آجاتا ہے لیکن اس کے باوجود جیسا کہ آپ نے بخاری شریف کی آخری تقریر کے اندر سنا ہوگا: وأَنَّ أَعْمالَ بني آدَمَ وقَوْلَهُمْ يُوزَنُ، امام بخاری نے قول کو الگ ذکر کیا۔ چوں کہ زبان سے صادر ہونے والے اعمال یا اقوال کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ دوسرے اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال کے مقابلے میں اس کی بڑی تعداد ہے۔

خیر! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مَا لَمْ تَعْمَلْ به أَوْ تَتَكَلَّمْ فرمایا- اہلِ علم ہیں اس لیے میں وضاحت کررہا ہوں- کہ: جب تک کہ اس پر عمل نہیں کیا یا اس کو اپنی زبان سے ادا نہیں کیا۔

## گناہ کے محض وساوس اور خیالات اس امت سے معاف ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ گناہ کے متعلق دل میں جو خیالات اور وسوسے آئیں، اب اگر گناہ کا تعلق زبان کے علاوہ دوسرے اعضاء سے: ہاتھ سے، پاؤں سے، کان سے، شرم گاہ سے، دوسرے اعضاء سے ہو تو جب تک کہ آدمی اس عضو کے ذریعہ وہ عمل نہ کرلے، گناہ شمار نہیں ہوگا: خیال آیا کہ میں شراب پی لوں تو جب تک کہ شراب پی نہ لے، صرف گناہ کا، فسق کا خیال ہی رہا۔ یا خیال آیا کہ سنیما دیکھ لوں، فحش مناظر دیکھ لوں لیکن اس کو دیکھا نہیں۔ یا خیال آیا کہ میں گانا گاؤں، گالی بولوں، فلانی عورت کے ساتھ فحش گفتگو کروں، فلانے کی غیبت کروں، فلانے پر تہمت لگاؤں تو جب تک وہ اس خیال کو عملی جامہ نہیں پہنائے گا، وہاں تک وہ گنہگار نہیں قرار دیا جائے گا۔

گویا اس میں نبیٔ کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس احسان کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ساتھ کیا ہے۔

ایک بات یاد رکھئے کہ ایک تو ہے خیال اور وسوسہ اور ایک ہے اس کے لیے تدبیریں اختیار کرنا۔ آپ جہاں یہ روایت پڑھتے ہیں، وہاں وسوسے کے درجے پڑھے ہوں گے کہ اس کے پانچ درجے ہیں۔ ایک تو دل میں خیال آیا کہ فلانی عورت کے ساتھ زنا کروں، بس یہ خیال آیا اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے زنا نہیں کیا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا۔

## گناہ کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیر اختیار کرنے کے بعد گناہ صادر نہ ہونے کا حکم الگ ہے

اور اگر اس نے زنا کے لیے ساری تدبیریں کر ڈالیں یعنی اس نے اس عورت کے ساتھ زنا کرنے کے لیے رابطہ کیا، ملنے کی جگہ طے ہوئی، وعدے ہوئے لیکن عین وقت پر کوئی ایسی رکاوٹ پیش آ گئی کہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تو وہ دوسری بات ہے، یہاں بات صرف خیالات کی چل رہی ہے۔

مسئلہ وساوس اور خیالات کا ہے، یہ جو پریشانیاں ہوتی ہیں، وہ ان ہی کو ہوتی ہیں جو دین پر چلنے والے ہیں اور جو دین پر چلنے والا ہوتا ہے، وہ اپنے گناہ کے ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی تدبیر اور اسباب اختیار نہیں کرتا لیکن ان کے دلوں

میں خیال آتا ہے۔

اب یہ جتنے بھی مسجد میں بیٹھے ہیں، وہ کسی عورت سے زنا کرنے کی غرض سے رابطہ نہیں کریں گے، کوئی تدبیر نہیں کریں گے لیکن دل میں خیال تو آجاتا ہے کہ اگر ایسا موقع مل جاوے تو مزہ آجاوے تو یہ جو گناہ کے وساوس اور خیالات ہیں، ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ایسا خیال آیا اور عمل نہیں کیا یا زبان سے بولنے کی چیز ہے اور اس کو زبان سے ادا نہیں کیا ہے تو آپ کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا، اس کا اطمینان رکھنا چاہیے۔ آدمی کو ڈر تو اس کا لگا رہتا ہے کہ یہ گناہ تو نہیں ہو گیا؟ کہیں میری پکڑ نہ ہو جائے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ نہیں ہوا؛ اس لیے اس پر کوئی گرفت اور پکڑ نہیں ہوگی۔ یہ وساوس کی دوسری قسم ہے۔

## انسان کا دل خیالات کی گذرگاہ ہے

اب دیکھو! ان وساوس کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فسق و فجور کے خیالات ہیں تو ایک تو ہے ان خیالات کا آنا اور ایک ہے ان کا لانا تو خیالات کا آنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، وہ تو ایک غیر اختیاری چیز ہے، ہمارا دل خیالات کی گذرگاہ ہے، خیالات آتے ہیں اور گذرتے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ روڈ ہے، یہ سڑک گذرگاہ ہے۔ اب اس سڑک پر سے بادشاہ بھی گذرے گا اور گدھا اور سُوّر بھی گذرے گا، ہر چیز گذرے گی۔ اسی طرح ہمارا دل گذرگاہ ہے جس میں اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور غیر اختیاری طور پر برے خیالات

بھی آتے ہیں۔ جب غیر اختیاری طور پر ہمارے دل میں یہ بری چیزیں آئیں گی تو اس پر ہماری کوئی گرفت نہیں ہے، چاہے وہ گناہ کا خیال ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ کوئی عورت مل جاوے تو زنا کرلوں، یہ خود آیا، آپ نے پکایا نہیں، آپ نے اللہ کی طرف رجوع کرلیا کہ اے اللہ! میری حفاظت فرما تو اس خیال کی وجہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ زنا کے اس خیال کی وجہ سے میں گنہگار رہوں گا۔

## یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

| | | |
|---|---|---|
| تندئ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب | | یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے |

ان خیالات کی وجہ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو ہمیں اور ترقی دے رہے ہیں، ہمارے درجات بلند کررہے ہیں، ان خیالات کے تقاضوں پر عمل کرنے سے بچو اور اللہ کے یہاں مرتبے حاصل کرو۔ یہ تو ہماری کم ہمتی کی بات ہوگی کہ ہم ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور شیطان جس طرح کہے، کرتے رہیں۔

## برے خیالات کا لانا برا ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب سے کسی نے پوچھا تو حضرت خواجہ صاحب نے ایک شعر میں یہی جواب دیا:

| | | |
|---|---|---|
| وساوس جو آتے ہیں اس کا غم کیوں؟ | | عبث اپنے جی کو جلانا برا ہے |
| خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے | | وساوس کا لانا کہ آنا برا ہے |

وساوس اور خیالات کا آنا برا نہیں ہے بلکہ اس کو سوچ کر کے لانا برا ہے۔

## گناہوں کے خیالات کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

بہرحال! اس طرح کے فسق و فجور کے جو وساوس آتے ہیں تو اس موقع پر ہماری روِش کیا ہونی چاہیے؟ ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان وساوس کے تقاضوں پر عمل نہ کریں، یہ خیال آیا کہ موبائل کھولو اور کھول کر کے ننگی تصویریں دیکھو لیکن ہمیں اس کے تقاضے پر عمل نہیں کرنا ہے، ''مرجاؤں گا لیکن یہ نہیں کروں گا''۔

## مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اب یہ خیال پیچھا بھی نہیں چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو کہ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما۔ وہی طریقہ اختیار کرنا جو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اختیار کیا تھا: ﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [یوسف: ۳۳] اے اللہ! ان کے کید اور مکر سے تو ہی مجھ کو بچا سکتا ہے، اگر ان عورتوں کے کید کو مجھ سے نہیں ہٹائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور گناہ کا ارتکاب کر کے میں جاہلین میں سے بن جاؤں۔ حضرت یوسفؑ بھی شیطان کے کید سے ڈر رہے ہیں اور ہمارا حال کیا ہے!۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا پس منظر

واقعہ یہ ہے کہ جب زلیخا کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ میں بیان کی

گئی ہے اور اس واقعے کو لے کر) مصر کی عورتوں نے زلیخا پر طعنہ زنی کی کہ وہ اپنے غلام کے اوپر عاشق ہوگئی تو زلیخا نے بتلانا چاہا کہ میں نے جس کے ساتھ عشق کا معاملہ کیا ہے، وہ کوئی معمولی نہیں ہے، اگر میری جگہ تم ہوتیں تو تم بھی اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں۔

چنانچہ اس نے اس کو ثابت کرنے کے لیے باقاعدہ ایک مجلس قائم کی اور سب عورتوں کو اپنے گھر میں جمع کیا اور ان کے سامنے پھل اور چھریاں رکھ دیں اور کسی بہانے سے، کسی کام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہاں بلایا، جب ان عورتوں نے آپ کا دیدار کیا تو سب کی سب ہوش کھو بیٹھیں، ہاتھوں میں پھل اور چاقو تھے، انھوں نے بجائے پھلوں کے اپنی انگلیاں کاٹ لیں، ایک ہی جھلک کے اندر بے ہوش ہوگئیں۔ اس وقت انھوں نے بھی حضرت یوسفؑ کو ورغلانا چاہا اور کہنے لگیں کہ تمھاری یہ آقانی تمھیں جو کہہ رہی ہیں، وہ بات تمھیں مان لینی چاہیے، اسی موقع پر حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے وہ دعا کی جو ابھی گذری۔

بہر حال! دو کام کرنے ہیں: ایک: ان وساوس کے تقاضوں پر عمل نہیں کرنا ہے اور دوسرا: آنے والے وساوس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا ہے۔

یہ دوسری قسم کے خیالات ہیں، یہ جو خیالات آتے ہیں تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ ایک تو ان آنے والے خیالات کا حل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے اور دوسرا حل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو میں پہلی قسم میں بیان کر چکا ہوں کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو آپ فسق وفجور کے ان خیالات کے اوپر بھی منطبق کر سکتے ہیں۔

## حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا قسمِ ثانی کے وساوس پر انطباق

اس لیے کہ ایک دین دار آدمی، تکبیرِ اولی کے ساتھ صفِّ اول میں نماز پڑھنے والا، آج تک کبھی غلط جگہ پر کسی نے نہیں دیکھا۔ اب اس کے دل میں ایسے خیالات جب آئیں گے، تو اس کا وہی حال ہوگا جو صحابی نے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ: إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ: میں اپنے دل سے ایسی باتیں کرتا ہوں، لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ: میں جل کر کے کوئلہ ہو جاؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں ان باتوں کا اپنی زبان سے اظہار کروں۔

## شکل دکھانے کے قابل یہ سیاہ کار نہیں

ہمارے اس مجمع میں کون ایسا ہے جس کے دل میں اس طرح کے خیالات نہ آتے ہوں؟ لیکن ہم نے کبھی اپنے کسی قریبی اور لنگوٹیے دوست سے بھی ان خیالات کا اظہار کیا ہے؟ کوئی ہے ایسا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے پردہ پوشی فرمائی۔ اگر ہمارے دل میں آنے والے ان خیالات کا لوگوں کو پتہ چل جائے تو وہ کیا کہیں گے کہ ہم تو یوں سمجھتے تھے کہ یہ پہلی صف میں بیٹھ کے تسبیح پڑھ رہا ہوگا۔ یہ تو پہلی صف میں بیٹھ کے پتہ نہیں کہاں گھوم رہا ہے تو اللہ کا بڑا احسان اور کرم ہے کہ اس نے ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیا اور ستاری فرمائی۔

## گناہوں کے خیالات سے کوئی محفوظ نہیں ہے

بہرحال! ایک دین دار آدمی، دین پر چلنے والا، جس کو لوگ نیک اور صالح سمجھتے

ہیں، اس کے دل میں بھی خیالات تو آتے ہی ہیں، ایک بھی ایسا نہیں جس کے دل میں خیالات نہ آتے ہوں، إِلّا ماشاء اللہ! بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہوتا ہے تو ان کے دل میں صغیرہ کا بھی خیال نہیں آتا، جیسے ہم اپنے بعض بزرگوں کے بارے میں سنتے ہیں لیکن عام طور پر آدمی کیسا ہی نیک اور صالح ہو، گناہوں کے خیالات تو آتے ہی ہیں لیکن وہ ایسے خیالات ہوتے ہیں، جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں صحابی کہتے ہیں: لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ: اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرنے کے مقابلے میں جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔

اگر آج میرے دل میں زنا کا خیال آئے اور میں کسی ایک کے سامنے بھی اس کا اظہار کروں تو کیا ہوگا؟ کوئی بھی اس کا اظہار کرنا پسند نہیں کرتا تو دیکھو! حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق گناہ کی اس قسم کے ساتھ بھی ہوا۔

بہرحال! گناہوں کے ان خیالات کی وجہ سے بھی پریشان نہ ہوں، بس ان کے تقاضوں پر عمل نہ کریں اور اللہ کی پناہ حاصل کریں۔

آپ کے موبائل پر فون آتے ہیں یا نہیں؟ آج تو جگہ جگہ کال سینٹر قائم ہو گئے۔ اب فون آتا ہے کہ فلانی گاڑی آپ خرید لو، بینک آپ کو اتنی لون دے رہی ہے اور اس لون پر اتنا سود لگے گا۔ دن میں ایسے بیسوں فون آتے ہیں تو کیا یہ فون کا آنا گناہ ہو گیا؟ نہیں! اب وہ لوگ سودی معاملہ کرنے کے لیے ترغیب دے رہے ہیں، آپ کو اس پر عمل نہیں کرنا ہے۔

## بنایا اے ظفرؔ! خالق نے کب انسان سے بہتر

یہ خیالات بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں گناہ کے تقاضے رکھے ہیں، فرشتہ تو ہیں نہیں۔ یہ کرسی اگر یہ کہتی ہے کہ میں بدنگاہی نہیں کرتی۔ الحمد للہ! آج تک میں نے کسی بھی اجنبی عورت کو غلط نگاہ سے ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا تو اس کا یہ دعوی کوئی کمال نہیں؛ کیوں کہ اس کے اندر اس کا تقاضا ہی نہیں۔ ہاں! اگر کوئی انسان یہ کہتا ہے کہ آج تک میں نے کسی عورت کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا تو ٹھیک ہے کہ اس کے اندر اس کا تقاضا رکھا ہوا ہے۔

## گناہوں کے تقاضے بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ گناہوں کے تقاضے بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے تقوے کی بھٹی روشن ہے کہ گناہ کا تقاضا ہوا اور اپنے آپ کو بچایا تو نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی یا نہیں؟ تقاضا نہیں ہے اور بچایا، جیسے یہ کرسی تو اس کے نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ اس وقت ہم اور آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر قسم کے گناہ سے اپنے آپ کو بچائے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی گناہوں سے بچنے کا ثواب ہمارے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جائے گا؛ اس لیے کہ گناہ کا تقاضا ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس سے بچاویں۔ ہاں تقاضا ہوا اور بچایا تو وہ جو مشقت اور مجاہدہ ہوا تو اس مشقت اور مجاہدے کی وجہ سے ہمارے نامۂ اعمال میں اس گناہ سے بچنے کا ثواب لکھا جائے گا۔ ایک عورت گذر رہی ہے، دل میں بدنگاہی کا تقاضا ہوا، آپ

نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں، اپنے آپ کو بچالیا تو ثواب لکھا جائے گا لیکن اس وقت یہاں کوئی عورت گذر نہیں رہی ہے تو بدنگاہی کا تقاضا موجود بھی نہیں ہے؛ اس لیے اس وقت ہم میں سے کوئی بھی بدنگاہی نہیں کررہا ہے تو یہ مت سمجھیو کہ ہمارے نامۂ اعمال میں بدنگاہی سے بچنے کا ثواب لکھا جائے گا۔

## گناہوں کے تقاضے تقوی پیدا کرنے والے ہیں

تو یہ تقاضے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے، ان تقاضوں پر جب عمل نہیں کریں گے اور قربانی دیں گے، مشقت اٹھائیں گے، مجاہدہ کریں گے، ریاضت کریں گے تو ہماری قربانی پر ہمارے نامۂ اعمال میں ان تقاضوں سے بچنے کا ثواب لکھا جائے گا، یہی تو تقوی ہے۔ تقوی کیا ہے؟ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا کب ہوتا ہے؟ جب تقاضا ہو۔ اگر تقاضا نہ ہو تو بچانا بھی نہیں ہوگا۔

## غصے والی بات پر غصہ نہ آنا انسانیت کے خلاف ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے سامنے غصے والی بات کہی جاوے اور اسے غصہ نہ آوے، وہ انسان نہیں گدھا ہے؛ کیوں کہ انسان کی فطرت میں غصے کا مادّہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، وہ تو آئے گا، اسی طرح گناہوں کے جذبات اور خواہشات کا مادّہ بھی اللہ نے انسان میں رکھا ہے؛ اس لیے گناہ کے خیالات تو آئیں گے۔

## فرشتوں کا گناہوں سے بچنا کوئی کمال نہیں ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! کوئی ایسا وظیفہ بتائیے، ایسی دعا کیجیے، کوئی

ایسی تدبیر بتلائیے کہ گناہوں کے وسوسے آوے ہی نہیں۔ یہ آدمی انسان بننا نہیں چاہتا! انسان ہی کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ چیز رکھی ہے، فرشتوں میں گناہوں کا تقاضا نہیں ہے، نہ ان میں کھانے کا تقاضا ہے، نہ پینے کا تقاضا ہے، نہ کوئی شہوت ہے۔ ان کی صفت تو یہ ہے: ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾[التحریم:٦] کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حکم دیا گیا ہے، فرشتے اس کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے، ان کو تو جو حکم دیا جاتا ہے، اسی کی تعمیل کرتے ہیں، گویا ان کے اندر اللہ کی نافرمانی کرنے کی صلاحیت اور استعداد موجود ہی نہیں ہے؛ لہٰذا اگر فرشتے گناہ نہیں کرتے، تو کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ بقول حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ: حضرت جبرئیل کی گود میں اگر حسینۂ عالم آکر بیٹھ جائے تو ان کو کہاں پتہ چلے گا۔ حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جگہ یہ مقولہ پڑھا۔ کیوں؟ کیوں کہ ان کے دل میں شہوت ہی نہیں ہے۔ شہوت تو انسانوں کے دل میں ہے۔ یہ گناہوں کے تقاضے بڑی نعمت ہیں۔

## تخلیقِ انسانی پر فرشتوں کے کلام کی وجہ اور حکمت

انسان کی یہی تو خصوصیت ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا: ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾ کہ: میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو انسان کی اسی فطرت کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا تھا: ﴿اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ﴾: اے باری تعالیٰ! آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرنے جا رہے

ہیں جو اس میں فساد مچائے گی اور خون خرابہ کرے گی؟ ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾: ہم آپ کی پاکی اور تقدیس بیان کرتے ہیں، گویا آپ کی عبادت کے لیے تو ہم ہیں پھر اس مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟۔ باری تعالیٰ نے شاہانہ انداز میں، حاکمانہ انداز میں فرشتوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا: ﴿ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾[البقرة: ۳۰]: جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔

## فطرتِ انسان میں نیکی و بدی دونوں کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس کائنات کے اندر انسان کو پیدا فرمایا تو انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کائنات کے اندر شیاطین موجود تھے اور فرشتے بھی موجود تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اس میں دونوں صلاحیتیں رکھیں: نیکی کی بھی اور برائی کی بھی، ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾[البلد: ۱۰] کہ: ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھلائے۔ ﴿ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾[الشمس: ۸] کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہ اور برائی کا راستہ بھی بتلایا اور نیکی کا راستہ، گناہ اور نافرمانی سے بچنے کا راستہ بھی بتلایا، دونوں صلاحیتیں انسان کے اندر رکھ دی ہیں۔ چنانچہ اگر انسان اپنے آپ کو نیکی کے راستے پر ڈالتا ہے اور اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے بچاتا ہے تو اس کو فرشتوں پر بھی فوقیت اور ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی مجاہدے پر جنت بھی ملے گی اور نافرمانی اور حکم عدولی پر جہنم کے اندر ڈال دیا جائے گا، فرشتوں کے لیے تو جنت اور جہنم کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ جنت میں بھی ان کی

ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں اور جہنم میں بھی ان کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں، نہ تو جنت کی نعمتوں سے ان کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ جہنم کی سزاؤں سے ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے، ان میں یہ صلاحیت ہے ہی نہیں، یہ صلاحیت تو اللہ تبارک وتعالی انسان میں رکھی ہے۔

## رہیں گے عمر بھر گھیرے ہوئے افکارِ شیطانی

تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا دعا کیجیے کہ یہ چیز ہی ختم ہو جائے کہ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری! نہیں، یہ بانسری تو بجانی ہی ہے۔ یہ تو اللہ تعالی ثواب دینا چاہتے ہیں؛ اس لیے آپ ایسا نہ کہیے کہ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔ یہ سلسلہ تو موت تک رہنے والا ہے۔ بقول حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ کبھی شیطان آپ کو چِت کر دے اور کبھی آپ شیطان کو چِت کر دیں۔ یہ مقابلہ اور کشتی تو عمر بھر کی لگی ہوئی ہے، اس کے بغیر ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیاں نہیں لکھی جائیں گی۔

## گناہوں کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے پر دربارِ خداوندی سے ملنے والا انعام

گناہوں کے تقاضے تو پیدا ہوں گے اور اس کے خیالات آئیں گے لیکن اس کے جواب میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمیں اپنے نفس کو دبا کر اس تقاضے پر عمل نہیں کرنا ہے، اگر ہم اپنے نفس کو دبائیں گے اور اس تقاضے پر عمل نہیں کریں گے تو یہی تقاضا ہمارے لیے اللہ کے قرب کا ذریعہ بنے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلنَّظْرَۃُ سَھْمٌ مِنْ سِھَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومَةٌ فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللهِ أَثَابَهُ جَلَّ وَعَزَّ إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ

فِي قَلْبِهٖ: یہ بدنظری ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، جو آدمی اللہ تعالی کے خوف سے اس کو چھوڑ دے گا، اللہ تبارک وتعالی اس کو ایمان کی حلاوت اور شیرینی سے نوازیں گے ①۔

اگر گناہوں کا تقاضا دل میں پیدا نہ ہوتا تو یہ انعام کہاں سے حاصل ہوتا؟ یہ بدنظری کا تقاضا پیدا ہوا اور اس تقاضے کو اللہ کے لیے چھوڑ کر اپنے آپ کو اس بدنظری سے بچایا تو اس پر اللہ کا قرب حاصل ہوا اور اس کو ایمان کی مٹھاس عطا فرمائی۔

## بدنظری زنا کے خیالات کا دروازہ ہے

دیکھو! بدنظری زنا کے خیالات کا دروازہ ہے، اگر آپ کے دل میں کسی پرائی عورت کو دیکھنے کا خیال آیا، یہ غیر اختیاری ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس وسوسے پر عمل نہ کریں، اگر ہم اس سے آگے بڑھیں گے، اس وسوسے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عملی قدم اٹھائیں گے، یہ آگے جو کچھ ہوگا، وہ ہمارے اختیار سے ہوگا، اس سے شریعت ہمیں منع کرتی ہے۔ اب ہمیں اس تقاضے پر عمل نہیں کرنا ہے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے اور وسوسے کو دور کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، جو ہمیں کرنا ہے، جو ہمارے اختیار میں ہے، جس کا شریعت نے ہمیں پابند بنایا ہے، وہ نہیں کرتے اور جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے، اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اب ہوتا یہ ہے کہ ہمیں جس سے بچنا ہے، اس سے بچتے نہیں، پرائی عورتیں گذر

① المستدرك على الصحيحين ،عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، كِتَابُ الرِّقَاقِ، رقم الحديث: ٧٩٥٦.

رہی ہیں، ان کو تو بے باکانہ دیکھتے رہتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی مشغلہ ہے، اس سے لذت حاصل کرتے رہتے ہیں۔

## آنکھیں نظر آنے والی صورتوں کو دل ودماغ میں محفوظ کر لیتی ہیں

یہ آنکھیں ایسی ہیں جیسے کیمرے کی آنکھیں ہوتی ہیں، اس کے ذریعہ سے اندر تصویریں جاتی ہیں، جب عورتوں کو دیکھے گا تو ان کی صورتیں دل کے اندر منقّش ہو جائیں گی۔ اب یہی صورتیں اس کی قوّتِ مُخیّلہ میں آکر کے وساوس کے اندر مبتلا کریں گی۔ دیکھا تو ایک ہی مرتبہ لیکن جب رات کو سوئے گا، آنکھ بند ہوئی اور وہاں پہنچ گئی، وہی صورت سامنے آرہی ہے۔

| | |
|---|---|
| دل میں ہے تصویرِ یار | جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی |

جیسا معاملہ ہو گیا۔ اب اسی میں مست ہے، اسی خیال میں مگن ہے کہ اس عورت کے ساتھ میں یوں کروں، اس کا بوسہ لوں، اس کو اپنے پہلو میں لوں، اس کے ساتھ زنا کروں، اس کے ساتھ بدکاری کروں۔

## یہ سودا مہنگا نہیں ہے

یہ جو گناہ کے وساوس آرہے ہیں، اس کی وجہ بدنظری ہی تو ہے، اگر اس کو نہ دیکھا ہوتا تو اس کی نوبت آتی؟ ایک آدمی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت! جب کوئی حسین عورت قریب سے گذرتی ہے تو بدنظری کرنے کے لیے دل بے چین ہو جاتا ہے۔ مثلاً نہیں دیکھی تو کیسی ہوگی؟ محروم رہ جاؤں گا!۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ یہ بے چینی بس اتنی ہی دیر کی ہے کہ گذر جائے گی تو بے چینی بھی ختم ہو جائے گی لیکن اگر دیکھ لیا تو دیکھ لینے کے بعد اس کا خیال تین چار دن تک جاتا نہیں ہے اور تین دن تک اسی کے خیال میں دل بے چین رہتا ہے تو جب دو منٹ کی بے چینی برداشت، کرکے ۷۲ رگھنٹوں کی بے چینی سے بچا جا سکتا ہے تو سودا سستا ہے۔

## یہ پرائی عورتوں کو دیکھنے کی دنیوی سزا ہے

اس لیے بھائی! ہم لوگ خواہشات کے چکر میں آکر سوچتے نہیں ہیں کہ کیا کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو کتنے بڑے نقصان میں ڈال رہے ہیں، بدنظری کرنے کو تو کرلی لیکن اس کے نتیجے میں جو کچھ اندر گیا ہے، وہ آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گا، راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی، آپ کا چین وسکون چھن جائے گا اور بعض اوقات بعض صورتیں بعض لوگوں کے دل ودماغ پر ایسی چھا جاتی ہیں کہ پھر وہ دنیا کے کسی کام بھی نہیں رہتا، کہیں جی ہی نہیں لگتا۔ یہ ہماری غفلت کا نتیجہ ہے۔

## پرائی عورتوں کو دیکھنے کی اخروی سزا

ارے بھائی! غبار کا ایک ذرّہ آنکھ میں آرہا ہو تو کیا کریں گے؟ آنکھ کو بند کر لیتے ہیں، آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔ حالاں کہ اگر یہ ذرّہ آنکھ کے اندر چلا گیا تو دنیوی اعتبار سے تھوڑی سی تکلیف ہو گی اور یہاں پرائی عورت کو دیکھنا جس کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: کسی عورت کے حسن کو اگر کسی نے دیکھا تو قیامت کے دن پگھلا یا ہوا

سیسہ اس کی آنکھوں میں ڈالا جائے گا تو کیا اس سے ہم اپنی آنکھوں کو نہیں بچانا چاہتے؟۔

## بدنظری: سب سے خطرناک گناہ

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ دوسرے سارے گناہوں کا تو حال یہ ہے کہ آدمی اگر زیادہ مقدار میں کرے تو دل اس سے اُچاٹ ہوجاتا ہے: ایک آدمی شراب پیتا ہے تو کتنی پیئے گا؟ ایک گلاس، دو گلاس، تین گلاس! چار، پانچ گلاس کے بعد وہ رکے گا یا نہیں رکے گا؟۔

ایک آدمی کسی عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے تو ایک مرتبہ کرے گا، دو مرتبہ کرے گا پھر کیا ہوگا؟ ٹانگیں ڈھیلی ہوجائے گی نا؟ ہر گناہ کا یہی حال ہے لیکن یہ بدنظری ایسا خطرناک گناہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک آدمی باہر بیٹھ کر آنے جانے والی عورتوں کو دیکھتا رہتا ہے لیکن اس کا جی بھرنے کا نام نہیں لیتا۔

پھر یہ ہے کہ گناہوں کے لیے بھی آدمی کی عمر کے کچھ تقاضے ہیں: ایک آدمی زنا کرتا ہے تو کب تک کرے گا؟ بڑھاپا آئے گا تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ چوری کرتا ہے تو کب تک کرے گا؟ لڑنے کی، بھاگنے کی، تالا توڑنے کی جب تک صلاحیت ہے، وہاں تک! بڈھا ہوگیا تو چھوڑنا ہی پڑے گا لیکن یہ بدنظری! بڑے بڈھے جو قبر میں پیر لٹکائے ہوئے ہیں، وہ بھی آنے جانے والی عورتوں کو دیکھ کر لذت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ٹی وی دیکھ رہا ہے اور ہاتھ میں تسبیح بھی گھوم رہی ہے تو یہ گناہ ایسا ہے کہ آدمی کا جی اس سے کبھی بھرتا ہی نہیں۔

## نوجوانوں کا خطرناک ترین مشغلہ

غلط صحبتیں ہوتی ہیں جو آج بہت عام ہوگئی ہیں، ہمارے نوجوان جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو ان کے آپس کے تذکرے کیا ہوتے ہیں؟ وہی لڑکیوں کے تذکرے کہ فلاں لڑکی ایسی ہے اور فلاں لڑکی ویسی ہے۔ اب ان تذکروں کے نتیجے میں دلوں کے اندر ان لڑکیوں کے خیالات آتے ہیں۔ یہ تذکرے بھی آدمی کو گناہ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں؛ اس لیے ایسے تذکروں کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ قرآن میں اس پر بڑی لعنت کی گئی ہے اور سخت وعید بیان کی گئی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْالَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور:۱۹]۔

## معاشرے میں پیش آنے والے مجرمانہ واقعات کی اشاعت کی شرعی ممانعت

معاشرے میں جب اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں تو شریعت ان واقعات کو بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی؛ اس لیے کہ جب اس طرح کا واقعہ پیش آتا ہے اور وہ لوگوں کے سامنے آتا ہے تو بہت سے دل ایسے گناہ کی طرف جلدی سے مائل ہوجاتے ہیں، اس واقعے کو سن کر ان کے دلوں میں بھی گناہ کا تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسا کریں۔ کسی لڑکی کے ساتھ کسی نے برا کام کیا اور وہ سارا قصہ لوگوں کے سامنے آیا کہ وہ تو جا رہی تھی، بس اشارہ کیا تو آ گئی تو سننے والا سوچے گا کہ اتنی آسانی سے آسکتی ہے تو ہم بھی شکار کرلیں۔

یہ تو ایک مثال دے رہا ہوں کہ جب آدمی گناہوں کے متعلق واقعہ سنتا ہے اور اس گناہ کی صورتیں جب سامنے آتی ہیں تو ان صورتوں کو سن کر آدمی کا نفس اس کو بھی اس گناہ میں مبتلا ہونے کی لالچ دلاتا ہے کہ بھائی! گناہ میں مبتلا ہونا اتنا آسان ہے، تم اتنے دنوں تک محروم رہے ہو! اس لیے ان تذکروں اور اسباب سے بھی پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو بدکاری کا خیال آیا، وہ ہماری اسی کمزوری کی وجہ سے آیا۔ اگر ہم نے ابتدا ہی میں احتیاط سے کام لیا ہوتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔

## جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو قوتِ ارادی عطا فرمائی ہے، یہ ایسی صلاحیت ہے کہ آپ اس پر جتنی زیادہ محنت کریں گے اور جتنی زیادہ اس کو ترقی دیں گے، اتنی ہی زیادہ طاقت پیدا ہوگی۔ دنیا میں بہت سے کام انتہائی مشکل سمجھے جاتے ہیں لیکن بعض لوگ اپنی اسی قوتِ ارادی کو بروئے کار لا کر ایسے مشکل سے مشکل کام کو انجام دے دیتے ہیں اور لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔

## گناہوں کے تقاضوں اور اس کے لیے قوتِ ارادی کے استعمال کی ایک مثال سے تفہیم

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ وسوسے کی مثال ایسی ہے، جیسے کھجلی ہوتی ہے، جب اس کا دورہ پڑتا ہے تو کھجانے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، اب اگر کوئی

آدمی اس تقاضے کو دباتا نہیں بلکہ سوچتا ہے کہ چلو! ایک مرتبہ کھجا لیتے ہیں۔ وہ یوں سمجھتا ہے کہ ایک مرتبہ کھجالیں گے تو راحت ہو جائے گی! کیا ایک مرتبہ کھجلانے سے راحت ہوگی؟ نہیں بلکہ یہ تقاضا اور پیدا ہوگا اور کھجلانے کی جلن ہوگی، وہ الگ! اور کھجلانے کا تقاضا اب پہلے سے بھی شدید ہوگا۔ اس کا علاج تو یہ ہے، جیسا کہ ڈاکٹر اور حکیم آپ کو تاکید بھی کرتے ہیں کہ کھجلانے کا تقاضا بہت زیادہ پیدا ہوگا۔

زخم جب مندمل ہوتا ہے، بھرنے لگتا ہے تو اس میں کھجلی کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، اب کوئی آدمی کھجائے گا تو وہ زخم بھرے گا نہیں، تازہ ہی رہے گا۔ ڈاکٹر کہیں گے کہ کچھ بھی ہو جاوے، اس کو ہاتھ مت لگائیو، ہمت اور قوتِ ارادی سے کام لیجیو۔

## گناہ کے تقاضوں کو دبانے کا اکسیر نسخہ

اب پہلی مرتبہ بہت شدید تقاضا پیدا ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اکھاڑ دیں لیکن ہمت سے کام لیا اور اپنی قوتِ ارادی کو استعمال کیا تو وہ تقاضا دب گیا لیکن دب جانے کا یہ مطلب نہیں کہ دوبارہ تقاضا نہیں ہوگا، تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ پیدا ہوگا لیکن پہلے ۱۰۰/ پاور کا تھا تو اب ۹۹/ پاور کا ہوگا یعنی اس تقاضے میں اتنی قوت نہیں ہوگی جو پہلے تھی اور ۱۰۰/ پاور والے پہلے تقاضے کو تو آپ نے اپنی قوتِ ارادی سے دبایا تو اب آپ کی قوتِ ارادی کا پاور بڑھا اور اس تقاضے کا پاور گھٹا، اب اس تقاضے کو دبانا آپ کے لیے پہلے کی بہ نسبت آسان ہوگا؛ اس لیے پھر اس تقاضے کو دباؤ۔ اسی طرح چلتا رہے گا، ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ اُس کا پاور گھٹتا جائے گا اور اِس کا پاور

بڑھتا جائے گا اور پھر ایسے تقاضے پر آپ آسانی سے قابو کرلیں گے۔ یہ ہے طریقہ۔

دنیا میں ہو رہا ہے اور لوگ کرر ہے ہیں، زخموں کو بھرنے دینے کے لیے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ جب اپنے جسموں کو مزید تکلیف سے بچانے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو اپنی روح کو، اپنے دین کو بچانے کے لیے کیوں نہ کریں!۔

## شیطان انسان پر دھیرے دھیرے اپنا تسلّط قائم کرتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شیطان انسان پر دھیرے دھیرے قابو پاتا ہے، پہلے گناہ کا خیال ڈالتا ہے پھر اس سے بدنظری کرواتا ہے پھر زنا میں مبتلا کرتا ہے؛ اس لیے پہلے مرحلے ہی میں بچنے کی ضرورت ہے۔

## دفعِ وساوس کے لیے ہمارے اسلاف کا متفقہ ایک ہی علاج

ہمارے اکابر نے اپنے متعلقین اور مسترشدین کی تربیت اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے جو خطوط اور مکاتیب لکھے، وہ شائع ہو چکے ہیں، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بھی ہیں اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر کے بھی ہیں، ان سب میں اپنے مریدین کو یہی ہدایت کی گئی ہے کہ گناہوں کے تقاضے پر عمل نہ کیا جائے، خیالات کا آنا گناہ نہیں ہے، اس لیے اس سے ڈرنا فضول ہے۔

## نمازیں، تلاوت، ذکر، تسبیحات وغیرہ روحانی غذائیں ہیں

یہ نمازیں، تلاوت، ذکر، تسبیحات، یہ سب روحانی غذائیں ہیں جو روحانی قوت پیدا کرتی ہیں۔ جیسے ہم مادّی غذائیں: روٹی، سالن، بادام، اخروٹ، دودھ، گھی کھاتے

ہیں تو جسمانی طاقت پیدا ہوتی ہے تو اسی طرح نماز، روزہ وغیرہ روحانی غذائیں ہیں۔ رمضان میں آپ کو یہ روحانی غذائیں کھلائی جاتی ہیں لیکن شیطان کے مقابلے میں آپ چِت ہو جاتے ہیں۔

پہلوان لوگ یہ چیزیں خوب کھاتے ہیں، اب کسی کو دودھ، گھی خوب کھلا کے پہلوان بنایا اور جب اکھاڑے میں گیا اور پہلی ہی مرتبہ میں چِت ہو گیا تو کیا کہیں گے کہ سب کھایا پیا بے کار گیا، کم بخت نے ہماری محنت بے کار کر دی۔ اب آپ نمازیں پڑھ رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں، تسبیح پڑھتے ہیں، یہ سب روحانی قوت کو بڑھانے کے لیے ہے؛ تاکہ آپ گناہوں کے تقاضوں کو دبا سکیں، مغلوب کر سکیں۔

## کھایا پیا برباد کیا

اب آپ نمازیں پڑھ رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں اور بازار میں نکلے تو پرائی عورتوں کو بے باک دیکھ رہے ہیں، یہ ''کھایا پیا برباد کیا'' نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے آدمی کو کیا کہیں گے؟ نالائق ہی کہیں گے کہ یہ عجیب آدمی ہے کہ اتنا کھلایا، پلایا اور وقت پر کام نہیں آیا، روحانی طاقت کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسا موقع آوے تو خود پر قابو کر سکیں۔ اب اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی نفس کا معمولی سا تقاضا ہوا اور ہم پچھڑ گئے تو فائدہ کیا ہوا؟ یہ اس پہلوان جیسا ہی ہوا۔

بہرحال! یہ وسوسوں کی دوسری قسم ہے جو گناہوں سے متعلق ہے، یہ وساوس آتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ دعا کرو کہ نہ آوے۔ ایسا تو نہیں ہو گا لیکن بہت سے لوگ مسلسل

اس کے حملے میں ہوتے ہیں تو اس کی وجوہات اور وساوس کی تیسری قسم اِن شاء اللہ آئندہ بیان کی جائے گی جو گناہوں کے نہیں بلکہ حلال اور مباح چیزوں کے وسوسے ہوتے ہیں لیکن بے موقع آتے ہیں، جیسے نماز کی نیت باندھی اور دکان پر پہنچ گیا تو دکان کا خیال، تجارت کا خیال کوئی گناہ کا خیال نہیں ہے لیکن یہ بے موقع، نماز میں آیا؛ اس لیے ہم کو تکلیف ہوئی، اس کا بیان اِن شاء اللہ آئندہ ہوگا۔

# اقتباس

دیکھئے! یہ جو زنا کے خیالات بار بار آرہے ہیں، اس کا تقاضا دل میں پیدا ہو رہا ہے، اس کا ایک ظاہری سبب یہ ہوا کہ اس نے شریعت کے حکم کی مخالفت کی، اپنے آپ کو ایسے ماحول سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ اب یہ آدمی آپ کے پاس آکر شکایت کرتا ہے کہ مولوی صاحب! دل میں بار بار زنا کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو آپ اس سے پوچھیں گے کہ تمھارا مشغلہ کیا ہے۔ وہ کہے گا کہ میں تو ۲۴/ گھنٹے انٹرنیٹ پر بیٹھا رہتا ہوں اور لذتیں لیتا رہتا ہوں۔ تو جب تم ۲۴/ گھنٹے یہی کرتے رہتے ہو تو تمھارے دل میں زنا کا خیال نہیں آئے گا تو کیا ہوگا!۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاءِ والمرسلین، سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین.

# گذشتہ باتوں کا خلاصہ

گذشتہ مجلس میں وساوس کی دوسری قسم کے بارے میں بحث ہوئی تھی اور بتایا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ، لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ کہ: کبھی میں اپنے دل سے باتیں کرتا ہوں یعنی میرے دل میں وساوس اور خیالات آتے ہیں اور وہ باتیں اور خیالات ایسے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کے مقابلے میں جل کر کوئلہ ہوجانا پسند کرتا ہوں، ایسے خطرناک خیال ہوتے ہیں، وہ کون سے خیالات آتے ہیں؟ اس کی دو قسمیں بتائی تھیں: ایک تو ایمانیات سے متعلق اور دوسرے فسق وفجور اور گناہوں سے متعلق۔ یہ حدیث دونوں قسم سے تعلق رکھتی ہے، جیسا کہ گذشتہ مجلس میں تفصیل بتائی تھی۔

اب یہ جو گناہوں یا ایمانیات کے متعلق خیالات آتے ہیں، اس کو کوئی بھی آدمی دوسرے کے سامنے بیان کرنا گوارا نہیں کرتا تو لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ کا تعلق دونوں سے ہے۔

جب اس نے یہ بات کہی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ

إِلَى الْوَسْوَسَةِ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس کا معاملہ وسوسے تک محدود رکھا۔

اس کا یعنی کس کا؟ اس کی تفصیل میں بتا چکا ہوں کہ شُرّاحِ حدیث نے اس کی ضمیر کو شیطان کی طرف بھی لوٹایا ہے اور اس آدمی کی طرف بھی لوٹایا ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان تو اس کے پاس زنا کروانے یا ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے آیا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ فقط دل میں خیالات پیدا ہوئے اور معاملہ ختم ہوگیا، اللہ تبارک وتعالی نے اس کا معاملہ وسوسے تک محدود رکھا۔

تو ایسا معاملہ پیش آنے پر آدمی اللہ تبارک وتعالی کا شکر ادا کرے اور یہ سوچے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، اگر یہ شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تو میں تو گناہ میں مبتلا ہوجاتا، تو نے میری حفاظت کی۔ یہاں خوش ہونے کی چیز کون سی ہے؟ وہ بھی میں ایک مثال کے ذریعہ سمجھا چکا ہوں کہ خوشی اور اللہ کا شکر وسوسہ آنے پر نہیں بلکہ گناہ سے بچ جانے پر ہے۔

## مؤثر کے عمل کا اثر، متأثر کی صلاحیتوں کے مطابق مختلف ظاہر ہوتا ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بھی فرمایا کہ ایک تو شیطان ہے جو اپنا اثر ڈالتا ہے اور ایک لوگ ہیں جن پر یہ اپنا اثر ڈالتا ہے، ایک مُؤثر ہے اور ایک متأثر ہے۔ مؤثر کے عمل کا اثر متأثر کی صلاحیتوں کے مطابق الگ الگ ظاہر ہوتا ہے۔ عمل تو ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس کا اثر یہاں الگ ہوا، وہاں الگ ہوا۔

# ایک مثال سے اس اصول کی تفہیم

آپ نے ایک بڑا سا پتھر لے کر مارا، اب اگر آپ یہ پتھر شیشے کے اوپر ماریں گے تو وہ شیشہ چور چور ہو جائے گا اور یہی پتھر آپ کاغذ یا کپڑے کے اوپر ماریں گے تو وہ چور چور تو نہیں ہوگا لیکن اس میں سوراخ پڑ جائیں گے، یہی پتھر آپ لکڑی کے دروازے کے اوپر ماریں گے تو وہاں بھی یہ کچھ نہ کچھ اثر کرے گا، لوہے کے دروازے پر ماریں گے تو اس پر اس سے کم اثر ظاہر ہوگا۔ چیز ایک ہی تھی، آپ نے ہر چیز پر پوری قوت سے مارا لیکن جس چیز پر آپ نے مارا اس چیز کے اعتبار سے اس کا اثر الگ الگ ظاہر ہوا۔

جیسے دھوپ ہے، گرمی کے زمانے میں سورج کی دھوپ، اس کی تپش زمین کے اوپر پڑتی ہے۔ اب اگر وہ دھوپ لوہے کی کسی چیز کے اوپر پڑے گی تو لوہے کی وہ چیز سورج کی تپش کی وجہ سے اتنی گرم ہو جائے گی کہ آپ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے اور یہی تپش اگر پتھر پر پڑے گی تو وہ لوہے جیسا تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ اثر تو اس پر بھی ظاہر ہوگا اور لوہے سے کم گرم ہوگا۔

یہی تپش لکڑی کے اوپر پڑے گی تو اس کا اثر اور کم قبول کرے گی۔ پتھر کی ایک قسم وہ بھی ہے جس پر اس تپش کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ٹھنڈے کا ٹھنڈا رہتا ہے۔ ہم پسینے سے شرابور ہو جاتے ہیں لیکن وہ پتھر جو مطاف کے اندر لگے ہوئے ہیں، وہ بالکل ٹھنڈے ہوتے ہیں، گویا اس پتھر نے سورج کی تپش کو بالکل قبول نہیں کیا۔

اسی طرح شیطان جو انسانوں پر وسوسے ڈالتا ہے، انسانوں پر محنت کرتا ہے تو یہ

جو انسانوں پر محنتیں کی جارہی ہیں، ان کی حیثیتیں الگ الگ ہیں: بعض وہ ہیں جن پر وہ محنت کرتا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتا، وسوسے تک بات محدود رہتی ہے، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ" آدمی کی طرف ضمیر لوٹانے کی صورت میں معنی ہوگا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس آدمی کا معاملہ وسوسے تک محدود رکھا، شیطان آگے جا نہیں سکا، بس گناہ کی، زنا کی، بدنگاہی کی بات وسوسے تک رہی، جس مقصد کے لیے شیطان آیا تھا، اس میں ملوث کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

تو انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان اس کے دل کے اوپر جو محنت کرتا ہے، اس محنت کے نتیجے میں انسان کے دلوں پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں: بعض قلوب وہ ہیں جو شیطان کی اس محنت کے نتیجے میں کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض قلوب وہ ہیں جو کفر وشرک میں تو نہیں لیکن دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چنانچہ یہ آپس کی لڑائیاں، آپس کے اختلافات بھی اسی شیطانی وسوسہ اندازی اور اسی کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

## شیطان جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کی طرف سے گناہوں کے سلسلے میں مایوس نہیں ہوا ہے

چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ[1]. کہ: جزیرۃ العرب

[1] صحيح مسلم، عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ لِفِتْنَةِ النَّاسِ الخ.

میں رہنے والے اہلِ ایمان شیطان کی باتوں میں آکر بت پرستی کرنے لگیں، اس سلسلے میں تو شیطان مایوس ہوگیا ہے لیکن ہاں! اس کی محنت کے نتیجے میں آپس کے جھگڑے، آپس کے اختلافات، آپس کے ٹکراؤ، اس سے وہ مایوس نہیں ہوا ہے۔

یہ گناہوں کے وسوسے ہیں جن کے بارے میں دو کام کرنے ہیں: ایک یہ کہ ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ سے پناہ مانگنی ہے۔

## گناہوں کے تقاضے سوختہ ہیں

بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے: یہ گناہوں کے تقاضے ہیں، وہ تو یوں سمجھو کہ سوختہ ہیں سوختہ! آگ جلانے کے لیے جو لکڑیاں ہوتی ہیں، ان کو ایندھن کہتے ہیں، وہی سوختہ ہیں۔ اس سوختہ سے حمّام گرم ہوتا ہے تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقوی کا حمام گناہوں کے ان تقاضوں سے گرم ہوتا ہے۔

## گناہوں کے خیالات لانے والے اسباب سے احتیاط ضروری ہے

جس طرح ایمانیات کے متعلق آنے والے خیالات اور وساوس کو روکنے کے لیے ان کے اسباب سے بچنا ضروری ہے جس کی تفصیل میں پہلے بتا چکا ہوں، اسی طرح گناہوں کے خیالات کے بھی اسباب ہیں، ان سے بچنا بھی ضروری ہے۔

زنا کا خیال آیا، بدنگاہی کا خیال آیا، شراب پینے کا خیال آیا، چوری کا خیال آیا تو ان وساوس کا حکم تو بتا دیا لیکن ان وساوس کو کم کرنے اور روکنے کی تدبیر کے طور پر یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو ایسی اشیاء سے جو ان وساوس کے آنے کا ذریعہ بنتی ہیں، بچانے کا

اہتمام کیا جائے۔

## حکمِ شرعی ''نگاہ نیچی رکھنے'' کی مخالفت کا دنیوی وبال

شریعت نے ہمیں حکم دیا کہ آپ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ اب ایک آدمی اس کا اہتمام نہیں کرتا، وہ جاتا ہے اور نامحرم عورتوں پر نظر پڑتی ہے، امارِد کے اوپر نظر پڑتی ہے، یا سائن بورڈ کے اوپر، اخباروں میں، انٹرنیٹ پر تصویریں دیکھتا ہے، اس کا دھندا ہی یہ ہے، یہ خود گناہ ہے لیکن اس کے نتیجے میں اور شریعت کے حکم ''نگاہ نیچی رکھنے'' کو توڑنے کی وجہ سے ایک دوسری مصیبت یہ آئے گی کہ ۲۴ر گھنٹے اس کے دل میں زنا کے خیالات آئیں گے۔ بدنگاہی کے گناہ میں تو یہ مبتلا ہو چکا لیکن اس کے بعد کا جو درجہ تھا زنا کا، وہ ابھی آیا نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو آدمی بدنگاہی میں مبتلا ہوگا، وہ زنا کے خیالات کا شکار بھی ضرور ہوگا، اس کو ۲۴ر گھنٹے بیداری میں بھی اور خواب میں بھی یہی سب نظر آئے گا کہ فلاں عورت کے ساتھ میں یہ حرکت کر رہا ہوں۔

دیکھئے! یہ جو زنا کے خیالات بار بار آرہے ہیں، اس کا تقاضا دل میں پیدا ہو رہا ہے، اس کا ایک ظاہری سبب یہ ہوا کہ اس نے شریعت کے حکم کی مخالفت کی، اپنے آپ کو ایسے ماحول سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ اب یہ آدمی آپ کے پاس آکر شکایت کرتا ہے کہ مولوی صاحب! دل میں بار بار زنا کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو آپ اس سے پوچھیں گے کہ تمھارا مشغلہ کیا ہے۔ وہ کہے گا کہ میں تو ۲۴ر گھنٹے انٹرنیٹ پر بیٹھا رہتا ہوں اور لذتیں لیتا رہتا ہوں۔ تو جب تم ۲۴ر گھنٹے یہی کرتے رہتے ہو تو تمھارے دل

میں زنا کا خیال نہیں آئے گا تو کیا ہوگا!۔

## فحاشی کے سدِّ باب کے لیے اس کے اسباب پر بھی پابندی

اسی طرح ایسی صحبتیں، ایسی دوستیاں جہاں ایسا ہی تذکرہ ہوتا ہے، ایسا ماحول جہاں یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں، ان سب چیزوں سے بچنا بہت ضروری ہے؛ اسی لیے اسلام نے عفت وعصمت اور پاک دامنی پیدا کرنے کے لیے ان سارے اسباب پر بھی پابندی لگا دی ہے۔

نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا، مرد اور عورت کے اختلاط سے منع کیا، عورتوں کو ایسی شکلیں اختیار کرنے سے روک دیا جس کی وجہ سے مردوں کا دھیان ان کی طرف جائے، زیب وزینت کر کے بے پردہ نکلنے سے، مہکنے والی خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع کیا اور ایسی عورت کو حدیث میں زانیہ کہا گیا؛ کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جو لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی ہے۔

## شریعت کے پیشِ نظر گناہوں کی جڑ ختم کرنا ہے

ہمارے یہاں جب کوئی بیماری وبائی شکل اختیار کرتی ہے تو اس بیماری پر قابو پانے اور مزید پھیلنے سے بچانے کے لیے تحریک اور مہم چلاتے ہیں، جیسے ''ملیریا نابودی'' کی تحریک چلاتے ہیں تو اس تحریک میں کیا ہوتا ہے؟ کیا خالی ان لوگوں کو جن کو ملیریا کا بخار آیا ہے، ان ہی کو انجیکشن دیتے ہیں؟ نہیں! بلکہ عام گذرگاہوں پر بڑے بڑے سائن بورڈ لگاتے ہیں اور ان پر مچھر کی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ بھی

بتاتے ہیں کہ یہ مچھر کہاں اور کیسے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں؟ کیوں؟ کیوں کہ وہ چاہتے ہیں کہ یہ بیماری جڑ سے ختم ہو جائے، خالی ملیریا کے مریض کو ٹیبلیٹ دینے سے یہ بیماری جڑ سے ختم ہونے والی نہیں ہے۔ شریعت بھی ہر گناہ کی جڑ کٹواتی ہے؛ اس لیے اس کے اسباب سے بھی روکتی ہے۔

بہر حال! ان اسباب سے بھی اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کھڑکی کھلی رکھیں گے تو مچھر آئیں گے اور کاٹیں گے اب اگر صبح کو آپ یہ کہیں کہ آج تو مچھروں نے سونے نہیں دیا تو یہ آپ کا ہی قصور تھا کہ آپ نے شام سے کھڑکی بند کیوں نہیں کی؟ اگر آپ پہلے سے کھڑکی بند کر دیتے تو اطمینان سے نیند آتی۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ان گناہوں کے خیالات سے بچنے کی تدبیریں بھی ہمیں اختیار کرنی ہیں اور اس کے بعد بھی اگر خدانخواستہ ایسا خیال آجائے تو ہمیں وہی کرنا ہے جو ہمیں بتایا گیا۔

## وساوس کی تیسری قسم: مباح کاموں کے خیالات

وسوسے کی تیسری قسم وہ ہے جو گناہ سے متعلق نہیں ہوتے لیکن پھر بھی آدمی اس کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے۔ جیسے ہم نے نماز کی نیت باندھی، اب نماز کی نیت باندھی کہ اپنی دکان پر پہنچ گیا۔ آدمی کا اپنے کاروبار کے متعلق سوچنا یا اپنی بیوی بچوں کے متعلق سوچنا یا اپنے دوستوں سے بات چیت کرنا۔ یہ فی نفسہ جائز کام ہیں لیکن ان کے خیالات نماز میں آرہے ہیں۔

## ہماری نمازوں کا حال

ہماری نماز کا حال ایسا ہے، بقول ایک بزرگ کے کہ جیسے ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آن کر دیا گیا ہو کہ اس میں آپ نے جو چیز بھر رکھی ہے، سوئچ آن کرنے سے وہ چیز شروع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نماز کے بارے میں جو چیز ہمارے اندر بھری ہوئی ہے، نماز کی نیت باندھنے سے وہ چیز شروع ہو جاتی ہے: ثنا، تعوذ، تسمیہ، سورۂ فاتحہ پھر سورت ملانا، پھر رکوع میں گیا، اس کی تسبیح پڑھی پھر قومہ کیا۔ اسی طرح سلام تک چلتا رہے گا۔

اس کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد کوئی اس کے پاس جا کر پوچھے کہ تو نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ اس کو خود بھی یاد نہیں آئے گا کہ کون سی سورت پڑھی تھی!، کیوں؟ اس لیے کہ ہماری یہ نماز توجہ والی نہیں ہے، یہ تو ٹیپ ریکارڈر کی طرح ہے کہ اللہ اکبر کہا اور سلسلہ جاری ہو گیا۔ میں کیا پڑھ رہا ہوں: ثنا پڑھ رہا ہوں، سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہوں، تسبیح پڑھ رہا ہوں، ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں۔ ایک ٹیپ ریکارڈر ہوتی ہے، اس کا سوئچ آن کرنے سے وہ چالو ہو جاتی ہے، حالاں کہ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ہماری نماز میں ایک مصیبت تو یہ ہے۔

## نماز میں آنے والے دوسری قسم کے خیالات

دوسرا سوئچ آن ہوتا ہے ٹی وی کا، اب مناظر آتے ہیں، کبھی دکان پر پہنچ گئے، کبھی دوستوں کی مجلس میں پہنچ گئے۔ وہ ساری چیزیں جو کبھی یاد بھی نہیں آتی تھیں، ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ وہ نماز کے انتظار میں تھیں۔

## شیطان ہر حال میں انسان کو عبادتِ الٰہی سے روکنے پر کمر بستہ ہے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنا ایک قیمتی مال کسی جگہ دفن کیا تھا لیکن اب میں جگہ بھول گیا ہوں، بہت ساری جگہیں کھود ڈالیں لیکن نہیں ملا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو۔ اس نے نیت باندھی کہ یاد آ گیا کہ فلانی جگہ دفن کیا تھا، اسی وقت نماز توڑ دی اور مال نکالنے کے لیے جانے لگا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اللہ کے بندے دو رکعت تو پوری کر لیتا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ جو چیزیں اور اوقات میں یاد نہیں آتیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری چیزیں نماز کے انتظار میں تھیں۔

## نماز میں خشوع اختیار کرنے والے بامراد ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ گناہوں کے خیالات تو الگ ہیں، اس کے علاوہ بہت سے جائز کاموں کے خیالات، کاروبار اور دوسرے معاملات کے متعلق نماز میں خیالات آتے ہیں اور آدمی یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ نماز کے دوران اس قسم کے خیالات آئیں، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ نماز اس طریقے پر پڑھی جائے کہ پورا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف رہے اور خشوع حاصل رہے۔ قرآن میں ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ کہ وہ ایمان والے جو اپنی نماز کو خشوع سے ادا کرتے ہیں، کامیاب ہیں۔

## مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

خشوع کو خاص اہمیت دی گئی ہے بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیشین گوئیاں فرمائیں، اس میں ہے کہ سب سے پہلی چیز جو اس امت سے اٹھالی جائے گی، وہ نماز کا خشوع ہوگا۔ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے، ایک آدمی بھی ایسا نہیں کہ جس کی نماز میں خشوع ہو۔

## بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے

ہمارے یہاں مدرسوں میں فارسی میں ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے پندنامہ، شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اس میں شروع میں ایک مناجات ہے، بڑی بابرکت مناجات ہے، اس میں بڑی تاثیر ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو موقع بموقع پڑھتے رہنا چاہیے، اس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

| | | |
|---|---|---|
| بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے | | باحضورِ دل نہ کردم طاعتے |

اے اللہ! میرا تو یہ حال ہے کہ مجھ پر دن اور رات کی کوئی ایسی گھڑی نہیں گذری جس میں مَیں نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور دل کی حضوری کے ساتھ کبھی میں نے کوئی عبادت نہیں کی۔

ہمارا حال یہی ہے، ایک سجدہ بھی ہم نے آج تک ایسا نہیں کیا، یہ تو اس کا کرم ہے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی، لشتم پشتم نمازیں وہاں قبول ہوجاتی ہے کہ چلو! تمھارا فریضہ ادا ہوگیا۔

## من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

آج ہم لوگوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی عمر کے مطابق سالہا سال سے نمازیں پڑھ رہا ہے، بہت سے لوگ جو دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، جنھوں نے دین دار ماں باپ کی تربیت پائی، وہ بچپن ہی سے نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی پچاس سال سے نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ستر سال سے پڑھ رہا ہے، اتنے سالوں سے ہم نماز پڑھ رہے ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم سے یہ مطالبہ ہو کہ ایک سجدہ پیش کرو جو تم نے دل کی حضوری کے ساتھ کیا ہو تو شاید ہم ایک سجدہ بھی ایسا پیش نہ کر سکیں۔ بقول علامہ اقبال کے:

| | | |
|---|---|---|
| وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی | | ترستے ہیں آج اس کو منبر ومحراب |

## مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

حقیقت تو یہ ہے کہ آج امام سے نماز میں کوئی بھول ہوتی ہے تو ایک آدمی کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا بھول ہوئی ہے! کبھی اٹھنے بیٹھنے میں بھول ہو جاتی ہے، قرأت کے معاملے میں الگ بات ہے لیکن کبھی رکعت کے بارے میں بھول ہوتی ہے نا تو ایسا ہی ہوتا ہے، ایک دو آدمی بولتے ہیں، باقی ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں کہ کیا ہوا؟۔

## خضوع کی حقیقت

خشوع نہایت ہی اہم چیز ہے کہ آدمی پوری نماز کے دوران اپنی توجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رکھے۔ ایک تو ہے خضوع، اس کا معنی ہے نماز میں اپنے اعضاء کو جھکا

دینا یعنی اس انداز سے رکھنا کہ جس انداز سے رکھنے کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے، ہر ہر رکن میں ہر ہر عضو کو اسی انداز سے رکھنا۔

## ہماری نمازیں اور خضوع کا حال

ہمارا حال تو یہ ہے کہ نماز کے لیے نیت باندھی تو ہمارا ہاتھ ہر طرف گھومنا شروع ہوجاتا ہے، کبھی کپڑے ٹھیک کر رہے ہیں۔ نماز کے باہر جب کسی دوسرے کام کے اندر لگے ہوئے ہوں تو کبھی ایک گھنٹے تک ہاتھ کو کانوں پر لے جانے کی نوبت نہیں آئے گی اور نماز کی نیت باندھی نہیں کہ کان پر ہاتھ گیا! کبھی کان کھجا رہے ہیں، کبھی سر کھجا رہے ہیں، کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہے ہیں، یہ کوئی طریقہ ہے؟ نماز میں تو ساکت وصامت، پُرسکون رہنا چاہیے کہ نماز کے علاوہ دوسری کسی چیز کی طرف دھیان ہی نہ ہو۔

حالاں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر نماز کے اندر ایک رکن کے بقدر وقت تک ہاتھ کو کوئی کام انجام دینے کے لیے حرکت دی تو وہ عملِ کثیر ہے، اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن ہمیں اس کا خیال بھی نہیں۔ اس لیے اعضاء کو اسی طریقے پر رکھنا پڑے گا جو طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے۔

## خشوع کی حقیقت

اور نماز کے دوران دل کا دھیان اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ ہو، یہ خشوع ہے۔

یہ خیالات نماز کے خشوع میں خلل ڈالنے والے ہیں؛ اس لیے آدمی کو اس سے

تکلیف ہوتی ہے کہ ایسے خیالات کیوں آئے؟ تو اس سلسلے میں دو چیزیں ہیں: ایک تو ہے ان خیالات کا آنا اور دوسرا ہے اس کی وجہ سے نماز کے خشوع کا ضائع ہونا۔

## نماز میں آنے والے غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے پریشان نہ ہوں

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خیالات آپ کی نماز میں آئیں تو اس کی وجہ سے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو خیالات از خود آتے ہیں، اس پر ہماری کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہمارا مزاج یہ بن گیا کہ ہم اس لیے پریشان ہوتے ہیں کہ یہ آتے ہیں۔

بیچ میں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر بتا دیتا ہوں؛ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے تصوف کے شعبے میں جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے، اس میں ایک بات فرماتے ہیں کہ دیکھو! کام دو طرح کے ہیں: ایک تو غیر اختیاری اور ایک اختیاری۔ جو اختیاری کام ہیں، ان کے متعلق شریعت نے جو حکم دیا ہے، آدمی اس کے مطابق عمل کرے، کرنے کے ہیں تو کر لے اور بچنے کے ہیں تو بچ لے اور جو غیر اختیاری ہیں، ان کے پیچھے نہ پڑے۔ جب غیر اختیاری ہی ٹھیرا تو ہم اس کے پیچھے پڑ کر کیا کریں گے؟ وہ ہمارے بس کا تو ہے نہیں۔

## انسان کے اختیار میں بس نماز کو اس کے ظاہری احکام کے مطابق ادا کرنا ہے

عام طور پر انسانی مزاج کیا بنا ہوا ہے؟ عام طور پر آدمی کی نفسیات اور مزاج یہ ہے کہ نفس اور شیطان اس کو غیر اختیاری میں لگا دیتے ہیں۔ اب اس کے اختیار میں یہ تھا

کہ وہ نماز کو اس کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب، سب کی رعایت کرتے ہوئے اور مکروہات -چاہے تحریمی ہوں یا تنزیہی- سے بچتے ہوئے ادا کرتا۔ یہ ہمارے اختیار میں ہے اور نماز کے دوران خیالات کا آنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

## نماز کے بارے میں ایک شیطانی دھوکہ

جس آدمی کو خیالات آتے ہیں، وہ کیا کرتا ہے؟ وہ نماز کو اس طرح ادا نہیں کرتا، جیسا کہ شریعت نے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کے ذریعہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے، وہ نماز اس کے مطابق ادا کرنے کی طرف محنت نہیں کرتا۔ اس کو یہ فکر لگا ہوا ہے کہ یہ خیال کیوں آیا؟ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ ایک ایسی چیز میں لگا دیا جس کا کوئی علاج نہیں ہے، جس کا کوئی حل نہیں ہے، وہ خیالات کو بند نہیں کر سکتا، وہ تو غیر اختیاری چیز ہے۔ وہ یہ فکر نہیں کرتا کہ میں نماز کو اس طریقے کے مطابق ادا کروں جو شریعت نے، فقہاء نے بتلائی ہے، اس کے اوپر تو بس یہ سودا سوار ہے کہ یہ خیالات کیوں آ رہے ہیں، جو چیز اختیار میں نہیں تھی، اس کے پیچھے ایسا پڑ گیا اور جو چیز اپنے اختیار میں تھی، اس کو انجام دینے کا فکر کرتا نہیں۔

## فلسفہ کا ایک اصول

دیکھو بھائی! جو چیز کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو، وہ اپنے اختیار سے دفع بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ فلسفہ کا قاعدہ ہے کہ آدمی کا اختیار دونوں پہلوؤں سے لگا ہوا ہوتا ہے۔ جس کام کو آدمی اپنے اختیار سے انجام دے سکتا ہے، اس کام سے اپنے اختیار سے رک بھی سکتا

ہے، جس کام کا کرنا اختیار میں ہے، اس سے بچنا بھی اختیار میں ہوتا ہے اور جس کام کا کرنا اختیار میں نہیں ہے، اس سے بچنا بھی اختیار میں نہیں ہوتا۔ جیسے یہ انگلی میں اپنے اختیار سے ہِلا رہا ہوں اور جب اپنے اختیار سے ہلا رہا ہوں تو میں جب چاہوں، اس کا ہِلانا بند کردوں گا؛ اس لیے کہ یہ اختیاری کام ہے۔

ایک بیماری ہوتی ہے رعشہ، لرزہ۔ بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے کہ اس کا ہاتھ ہلتا رہتا ہے، انگلی ہلتی رہتی ہے۔ اب ایک بڑے میاں کا ہاتھ ہل رہا ہے، بچہ دیکھ کر کہتا ہے کہ دادا! ہاتھ کاہے کو ہلاتے ہو؟ تو دادا کہیں گے کہ بیٹے! یہ میں نہیں ہلا رہا ہوں، یہ تو خود ہل رہا ہے۔ جب خود ہلتا ہے تو اس کو روکنا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

تو جو کام آدمی اپنے اختیار سے کرسکتا ہے، اس کام سے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے روک بھی سکتا ہے لیکن جو کام آدمی اپنے اختیار سے نہیں کرسکتا، اس کام سے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے روک بھی نہیں سکتا۔ یہ خیالات ہمارے اپنے اختیار سے نہیں آرہے ہیں، خود آرہے ہیں تو اب ان پر روک بھی نہیں لگا سکتے۔ ایک بات تو یہ ہے۔

## دیگر اعضائے جسمانی کی طرح دل و دماغ بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں

دوسری بات وہ ہے جو ہمارے اکابر نے ان وساوس کے سلسلے میں فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا دل اور دماغ خیالات کی گذرگاہ ہے، دل اور دماغ کا کام ہی ہے سوچنا۔ جیسے آنکھ کا کام دیکھنا ہے، کان کا کام ہے سننا، اب جب کان کھلے ہوئے ہیں تو

وہ تو اپنا کام کریں گے۔ میں نے، آپ نے نماز شروع کی اور کسی نے باہر ٹیپ چالو کر رکھا ہے، اس پر زور سے گانا بج رہا ہے۔ اب ہم نے نماز کی نیت باندھی تو ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے اللہ اکبر کہنے سے کان اپنا کام کرنا چھوڑ دیں گے بلکہ وہ آواز کانوں کے ذریعہ اندر پہنچے گی؛ کیوں کہ کان کا کام سننا ہے اور اس تک آواز پہنچے تو وہ تو لے گا اور اندر پہنچائے گا۔ اب آپ نماز توڑ کر بیٹھ جائیں اور یہ سوچیں کہ وہ یہ کام کیوں کر رہا ہے، نماز کی نیت باندھ لی تو یہ آواز کیوں آ رہی ہے؟ جب تک آواز آتی رہے گی، میں نماز نہیں پڑھوں گا تو ایسی صورت میں تو کبھی نماز ہونے والی نہیں ہے۔ تمھارا کام یہ ہے کہ تم اس آواز سے اپنا دھیان ہٹا لو، اپنا دھیان اِدھر اُدھر مت ہونے دو۔

اب یہ دھیان ہٹانے والا کام سمجھ میں نہیں آتا، یہ اصل ہے۔ ہمیں بہت واسطہ پڑتا ہے: کہیں بس میں سفر کر رہے ہیں، وہاں کسی نے ٹیپ چالو کر دیا، کہیں ایسی ہوٹل میں جانا ہوا جہاں گانا بج رہا ہے لیکن الحمد للہ کبھی گانے کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا، کیا ہو رہا ہے، ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا! اس مجلس میں بھی الحمد للہ! ایسے بہت سے اللہ کے بندے ہوں گے جو اس چیز کو محسوس کرتے ہوں گے کہ ان کے کان گانے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تو آدمی کا دھیان جب اپنے کام میں ہو تو دوسری کسی چیز کا اس کو احساس ہی نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ آدمی نماز کے دوران یہ سوچے کہ یہ آواز کیوں آتی ہے۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی مثال دیتے تھے کہ بھائی! قریب ہی سڑک ہے، جہاں سے گاڑیاں گذر رہی ہیں، ہارن بج رہا ہے، مشین کی آواز آ رہی ہے، پنکھوں کی آواز آ رہی ہے۔ اب نماز شروع ہوا اور کوئی آدمی کہے کہ یہ آوازیں کیوں

آرہی ہیں؟ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ میں نماز نہیں پڑھوں گا جب تک کہ یہ آوازیں بند نہ ہوں۔ اس کے بند ہونے کا انتظار کروگے تو تمھاری نماز کبھی ہونے والی نہیں ہے۔

## نماز میں خود بخود آنے والے خیالات کی طرف دھیان نہ دیجیے

بس یوں سمجھو کہ دل تو خیالات کی گذرگاہ ہے، اس کے اوپر خیالات آتے ہیں اور جاتے ہیں، وہ تو اپنا کام کرے گا، تم اپنا کام کرو۔ جیسے کان تک آواز آئی، وہ اندر پہنچی، اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی خیال نماز کے دوران دل کے اوپر سے گذر جائے تو آپ اس کی طرف دھیان نہ دیجیے، آپ اپنا کام کرتے رہیے۔ اسی لیے صوفیاء اس کا علاج یہی بتاتے ہیں: عدمِ التفات! نماز کے اندر آنے والے ان وساوس کا علاج یہی ہے کہ آدمی ان کی طرف دھیان نہ دے، اپنا کام کرتا رہے۔

## خیالات کو دور کرنے کا یہ علاج مقصود بالذات ہے

اب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم دھیان نہیں دیتے تو بھی آتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات عجیب وغریب ارشاد فرمائی کہ یہ عدمِ التفات جو اس کا علاج ہے، وہ مقصود بالغیر نہیں ہے بلکہ مقصود بالذات ہے۔ یہ مقصود بالذات اور مقصود بالغیر والی بات ذرا دقیق ہے۔

## ایک مثال سے مقصود بالذات اور مقصود بالغیر کی تفہیم

دیکھو! ایک آدمی کو کوئی بیماری ہے تو اس بیماری کو دور کرنے کے لیے دوا تو کرنی ہی پڑے گی! دوا تو ضروری ہے، اس کے بغیر تو بیماری جائے گی نہیں، اللہ تبارک وتعالی دوا

میں بھی تاثیر ڈالتے ہیں۔ اب اس نے اس بیماری کے علاج کے لیے دواخانہ جانا شروع کیا۔ ایک دن دوا کھائی، دو دن کھائی، تین دن کھائی۔ یہ دوا جو ہے، وہ مقصود تو ہے لیکن مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے، دوا وہ اس لیے کھا رہا ہے تاکہ بیماری دور ہو۔

اب آٹھ دس روز تک دوا کھائی اور بیماری دور نہیں ہوئی تو وہ کہے گا کہ چلو! دوسرے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، اب دوسری دوا چالو کرو، یہ دوا کام نہیں دے رہی ہے۔ اس نے یہ دوا اس لیے چھوڑی کہ اس نے اس دوا کو مقصود بالغیر سمجھا تھا؛ کیوں کہ یہ دوا اس نے بیماری دور کرنے کے لیے شروع کی تھی، جب بیماری دور نہیں ہوئی تو دوا بدل دی۔

## جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان وساوس کا علاج تو یہی ہے کہ دھیان نہ دے لیکن اس عدمِ التفات اور دھیان نہ دینے کو مقصود بالغیر نہ سمجھے بلکہ مقصود بالذات سمجھے کہ یہی میرا کام ہے کہ بس دھیان نہیں دینا ہے، اب چاہے اس کے نتیجے میں یہ وساوس اور خیالات بالکلیہ بند ہوں یا نہ ہوں۔ آپ خیالات کی طرف دھیان نہیں دے رہے ہیں پھر بھی مہینہ بلکہ دو چار مہینے ایسے گذریں گے کہ خیالات آتے ہی رہیں گے تو آپ اس دھیان نہ دینے والے علاج کو چھوڑ یو مت، یہ مقصود بالغیر نہیں ہے بلکہ مقصود بالذات ہے۔ ہمیں شریعت نے یوں کہا کہ اس کی طرف دھیان مت دو تو ہمیں دھیان نہیں دینا ہے۔ ہمارا مقصود تو بس نماز ہے، آپ اس کی طرف دھیان دیجیے۔

تو یہ عدمِ التفات والا علاج مقصود بالذات ہے، چاہے اس کا کوئی اثر اور فائدہ ہمیں نظر آوے یا نہ آوے، ہمیں اس پر عمل کرنا ہے یعنی دھیان نہیں دینا ہے۔ جب یہ سمجھ کر آپ کریں گے تو ان شاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ ان وساوس اور خیالات سے آپ کو نجات مل جائے گی اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ یہ تو مقصود بالغیر ہے تو آپ بتائیے، ایسا دوسرا کون سا علاج ڈھونڈ کر لاتے ہیں، ہے آپ کے پاس اس کا کوئی دوسرا علاج؟

## نماز میں خیالات آنے کی وجہ

دوسری بات یہ ہے کہ یہ خیالات آتے کیوں ہیں؟ اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دراصل آدمی جب کسی کام کو انجام دیتا ہے تو اس کام کو انجام دیتے وقت اس آدمی کا نفس اور اس کا دھیان اس کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے جتنی توجہ استعمال ہونی چاہیے، اس توجہ کے اندر ایک سے لے کر سو تک پرسنٹیج ہیں۔ اب اس کام کو انجام دینے کے لیے جتنی توجہ مطلوب ہے، آپ پوری استعمال کر لیں، سو فی صد استعمال کریں تو کبھی بھی کوئی دوسرا خیال نہیں آئے گا۔

## نماز میں سو فی صد توجہ لگانا خیالات کے سدِّ باب کے لیے ضروری ہے

مثلاً آپ ایک ایسا کام کر رہے ہیں جو آپ کا محبوب ہے، کرکٹ سے آپ کو عشق ہے، جنون ہے اور اس کی خبر آپ اخبار میں پڑھ رہے ہیں تو جس وقت آپ اس کے بارے میں اخبار میں خبر پڑھ رہے ہوں گے تو کسی بھی چیز کو توجہ سے پڑھنے کے لیے جتنے پرسنٹیج مطلوب ہیں آپ پورے یعنی ہنڈرڈ پرسنٹ استعمال کریں گے، اس کا نتیجہ

یہ ہوتا ہے کہ اس خبر کو پڑھنے کے دوران آپ کا دھیان کسی اور چیز کی طرف جائے گا ہی نہیں بلکہ کوئی آپ کے سامنے سے گذرے گا تو اس کی طرف دیکھے بغیر اس کو دھکا مار کر سامنے سے ہٹا دیں گے، اس میں مزا ہی ایسا آرہا ہے، یہ سوفی صد توجہ دینے کا نتیجہ ہے۔

دیکھو! جب آپ اپنے کسی دوست سے بات کررہے ہوں تو اس وقت آپ کو کوئی دوسرا خیال آتا ہے؟ آپ کا پورا دھیان آپ کے دوست کی طرف ہوتا ہے، اس وقت کوئی وسوسہ اور خیال نہیں آتا؛ کیوں کہ اس وقت آپ کی سوفی صد توجہ آپ کے دوست کی طرف ہے۔

ہمارے اکابر کو نماز میں، قرآن کی تلاوت میں جو مزے آتے تھے، جنت کے مناظر میں پہنچ جاتے تھے، ظاہر ہے، ان کو دوسرا خیال کہاں سے آئے گا، ان کو تو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ اطراف وجوانب میں کیا ہورہا ہے۔

## یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ آپ نے فضائلِ نماز میں پڑھا ہوگا یا سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ کا ایک بچہ ہاشم نامی تھا، ایک سانپ گرا اور گھر میں ایک دھمال ہوگئی۔ آپ نے نماز کا سلام پھیرا تو گھر والی نے کہا کہ اتنا بڑا سانپ گرا تھا اور آپ تو اطمینان سے اپنی نماز پڑھتے رہے تو فرمایا کہ مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا۔ گھر والی نے کہا کہ آپ کو پتہ بھی نہیں چلا اور یہاں تو بچے کی جان کا مسئلہ ہوگیا تھا! تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی! نماز کے اندر بھی اس طرف دھیان جائے تو وہ نماز ہی

کیا ہوگی①!!۔

## کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

اصل تو یہی ہے کہ ہر کام کو انجام دینے کے لیے توجہ کی جو مقدار مطلوب ہوتی ہے، وہ پوری مقدار استعمال کریں تو اب دوسری طرف توجہ نہیں جائے گی۔ یہ خیال اسی لیے آتے ہیں کہ ہم پوری توجہ کا استعمال نہیں کرتے۔ اب نماز پڑھنے کے لیے، قرآن شریف کی تلاوت کے لیے جتنی توجہ درکار ہے، وہ دیتے نہیں۔ اخبار پڑھنے میں پوری توجہ کا استعمال کرتے ہیں لیکن آپ قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھیں گے تو آپ اپنی توجہ کو ہنڈرڈ پرسنٹ (100%) استعمال نہیں کریں گے؛ کیوں کہ رغبت نہیں ہے، شوق نہیں ہے، دل میں اس کی طلب نہیں ہے تو شوق میں کمی کی وجہ سے توجہ اور دھیان میں بھی کمی ہو جائے گی تو باقی جو توجہ بچ گئی وہ دوسرے کاموں میں استعمال ہوگی۔

جیسے نل کے اندر سوراخ ہو جائے، اب پانی آئے گا تو کچھ تو نل کے راستے سے برتن میں آئے گا اور کچھ اس سوراخ کے راستے سے باہر جائے گا۔

## نماز میں آنے والے خیالات کو دفع کرنے کا علاج

اب اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کا علاج یہی ہے کہ آپ کی توجہ مکمل طور پر نماز کی طرف ہو، اس کے لیے محنت کریں، تدبیریں اختیار کریں۔ نماز میں جو خیالات اور وساوس آتے ہیں، ان کا علاج یہی ہے کہ ہم اپنی نمازوں کے لیے اتنی محنتیں کریں، اتنا

① سير أعلام النبلاء، ۳/ ۳۷۰، تحت سير عبد الله بن الزبير بن العوام الأسدي رضى الله تعالى عنه.

مجاہدہ کریں کہ ہمارا جی نماز میں لگنے والا بن جائے۔ نماز ہمیں ایسی پیاری ہو جائے کہ ہماری پوری توجہ نماز کے اندر لگ جاوے۔ یہ ہے اصل علاج جو آج تک ہم نے کبھی نہیں کیا۔ نماز کو ایک بوجھ سمجھ کر اتار دیتے ہیں، اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

اب اس پر محنت کرنے کے لیے شریعت نے ہمیں بہت ساری تدبیریں بتائی ہیں، اگر ان تدبیروں کو اختیار کریں گے تو ان شاء اللہ نماز کے اندر بھی اس طرح کی توجہ ہوگی اور پھر وساوس اور خیالات آنے کی شکایت باقی نہیں رہے گی۔

شریعت نے نماز کے لیے کچھ تمہیدات بتائی ہیں، جیسے دونوں قسم کی طہارت حاصل کرنے کا حکم ہے، کچھ اور تمہیدات اور تدبیرات بھی ہیں، ان ساری تمہیدات اور تدبیرات کو شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیں اختیار کرنا ہے تو ہماری نماز کے اندر جان پڑے گی اور وساوس وغیرہ سے حفاظت ہوگی۔ ان شاء اللہ کل اس سلسلے میں آپ کو مزید باتیں بتائیں گے۔

# شیطانی وساوس کی حقیقت

# اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۴)

# (نماز میں آنے والے وساوس کا علاج)

# اقتباس

ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے ایک بزرگ کے پاس آیا اور اس نے نماز ادا کی، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، اس نے کہا کہ مجھے خواب میں بتایا جائے کہ میری نماز کا کیا حال ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑی حسین وجمیل عورت ہے لیکن ہے اندھی! اس نے اپنا یہ خواب ان بزرگ کو سنایا تو انھوں نے پوچھا کہ تم آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تو حضرت نے فرمایا کہ اسی وجہ سے وہ عورت اندھی دکھائی گئی۔

حالاں کہ آنکھیں کھلی رکھنا اور ان کو نماز کے دوران مختلف جگہوں پر رکھنا تو آداب میں سے ہے تو اس ادب کے چھوڑنے پر خواب کے ذریعہ اس کو تنبیہ کی گئی کہ ایک ادب کو چھوڑنے کی وجہ سے آپ کو کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کسی آدمی کو آنکھیں بند کیے بغیر نماز میں توجہ حاصل نہ ہوتی ہو تو فقہاء نے اس کو اجازت دی ہے، یہ اپنی جگہ پر ایک مسئلہ رہا؛ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ نماز کے ایک ایک ادب کی کتنی اہمیت ہے اور کتنا قیمتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاءِ والمرسلین، سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا محمد واٰلہ وأصحابہ أجمعین.

## ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت

نمازوں میں آنے والے وساوس اور خیالات کے بارے میں بات چل رہی تھی۔ اس سلسلے میں ہمیں محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی چیز بغیر محنت اور مشق کے حاصل نہیں ہوتی۔ آپ کسی کو دیکھتے ہیں کہ بڑا عمدہ قسم کا قاری ہے، آپ اس سے پوچھیے کہ آپ اتنا عمدہ قرآن پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کے لیے کتنی محنت کی، کتنی مشق کی؟ کسی بھی چیز میں اگر آپ کسی کو ماہر اور مشّاق پا رہے ہیں تو وہ چیز اسے ایسے ہی حاصل نہیں ہوئی، کوئی بھی کمال بغیر محنت ومشقت کے حاصل نہیں ہوتا۔

## آسمان کی بلندی کو چھونا چاہتا تو ہے ہر ایک

نماز کے بارے میں ہم چاہتے ہیں کہ اس میں خشوع اور خضوع پیدا ہو تو اس کے لیے ہمیں محنت کرنی پڑے گی، اس کے لیے مشق کرنی پڑے گی۔ جب تک محنت، مجاہدہ، مشق نہیں کریں گے، وہاں تک یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ وقت آنے پر ہم یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ نماز میں ہمارا جی نہیں لگتا، خشوع حاصل نہیں ہوتا، وساوس اور خیالات آتے رہتے ہیں لیکن اس کے لیے تدبیریں اختیار کرنا اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے محنت کرنا، مشقت اٹھانا، اس کے لیے ہم تیار نہیں۔

## ہمارے عزم اور طلب کا حال

جیسے آج کل وساوس اور خیالات کا تذکرہ چل رہا ہے تو ہر ایک یہ سوچے گا کہ میں بغیر وساوس اور خیالات کے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کروں۔ یہ خیال آیا، بس دو چار دن رہے گا پھر اپنے پرانے مشغلوں میں ایسے مشغول ہو جائیں گے کہ پھر کبھی ہمیں اس کا خیال بھی نہیں آئے گا۔

میں مثال کے طور پر کہا کرتا ہوں کہ بھائی! ایک آدمی نے یہ سوچا کہ نماز کا جو طریقہ بتایا گیا، اس کے مطابق نماز پڑھوں۔ چنانچہ وہ بہت اہتمام کے ساتھ، بڑے بہترین طریقے سے وضو کر کے آیا اور جی لگا کر کے تحریمہ کہا، نماز شروع کی، سورۂ فاتحہ کی دو آیتیں پڑھیں، وہاں تک تو جی لگا ہوا تھا اور اس کے بعد جو خیالات شروع ہوئے اور گاڑی پٹری سے اتر گئی اور اس کو اس کا بھی احساس نہیں کہ میری گاڑی پٹری سے اتر گئی ہے، سلام پھیرا، پھر بھی یاد نہیں، آٹھ دس دنوں کے بعد یاد آیا کہ میں نے کیا عزم کیا تھا، یہ ہماری طلب کا اظہار ہے!!۔

## افعالِ نماز کی تفصیل

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے، ہمیں نماز کا جو طریقہ بتلایا گیا، اس کو کما حقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ نماز کے متعلق آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ کچھ شرائط اور ارکان ہیں جو فرائض کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہ فرض اور ضروری چیزیں جو نماز کے اندر نہیں، باہر ہیں، جیسے: جسم کی پاکی، کپڑوں کی

پاکی، جگہ کی پاکی۔ ان سب فرائض کو فقہاء کی اصطلاح میں شرائط کہتے ہیں اور وہ فرائض جن کا تعلق نماز کے اندر سے ہے، جیسے: قیام ہے، قرأت ہے، رکوع ہے، سجود ہے، فقہاء ان کو ارکان سے تعبیر کرتے ہیں۔

اردو کی کتابوں میں کبھی لفظِ فرائض کے ذریعہ دونوں کو بیان کر دیتے ہیں اور عربی کی کتابوں میں جب ہم پڑھتے ہیں تو پہلے شرائط بیان کرتے ہیں پھر ارکان بیان کرتے ہیں۔ چیز ایک ہی ہے، ان کو کرنا ضروری ہے، اگر یہ نہیں ہوں گے تو نماز نہیں ہوگی۔ اب جس کو کرنا ضروری ہے، اگر وہ نماز کے اندر کی ہے تو اس کو رکن کہتے ہیں اور نماز کے باہر کی ہے تو اس کو شرط کہتے ہیں۔

## نماز کے فرائض اور واجبات میں فرق

دوسرے واجبات ہیں۔ فرائض کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوں تو نماز ہی نہیں ہوگی اور واجبات کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ بھول سے چھوٹ جاویں تو سجدۂ سہو کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جائے گی اور جان بوجھ کر چھوڑا ہے تو سجدۂ سہو سے کام نہیں چلے گا، آپ کو نماز لوٹانا پڑے گا۔

## نماز سے متعلق کچھ اور امور کی تفصیل

سنن ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ اس کے چھوٹنے سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی لیکن نماز کے اندر نُقص آجاتا ہے، کمی آجاتی ہے، نماز کا جو نور ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آداب ہیں، مستحبات ہیں۔

اسی طرح سے کچھ بچنے کی چیزیں ہیں جن میں سے کچھ نماز کو توڑنے والی ہیں جن کو مُفسِدات کہتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن سے نماز تو نہیں ٹوٹتی لیکن اس کی وجہ سے کچھ نقص اور کمی آجاتی ہے جن کو مکروہات کہا جاتا ہے، پھر اس میں بھی کچھ اعلیٰ درجے کے خطرناک ہیں، ان کو مکروہِ تحریمی کہتے ہیں، کچھ ذرا کم درجے کے ہیں، ان کو مکروہِ تنزیہی کہتے ہیں۔ ہر کتاب میں جب بھی کوئی آدمی نماز سیکھے گا تو یہ ساری تفصیلات اس میں پڑھے گا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جب سنتے ہیں کہ یہ چیز سنت ہے تو سمجھتے ہیں کہ سنت ہی ہے نا!، کوئی حرج نہیں ہے، نو پرابلم! اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی۔ سنت سن کے ہم اپنے دماغ میں یہی بات بٹھا لیتے ہیں۔ جب سنت کی ایسی ناقدری ہمارے دل ودماغ میں ہوگی تو ہم کیا دین سیکھیں گے؟ یہ ٹھیک طریقہ نہیں ہے۔

## بردلِ سالک ہزاراں غم بود

وہ حضرات تو وہ تھے کہ ایک ادب کو چھوڑنا بھی انھیں گوارا نہیں تھا۔

| | | |
|---|---|---|
| بردلِ سالک ہزاراں غم بود | | گر ز باغِ دل خلالے کم بود |

یعنی ایک باغ ہوتا ہے جس میں درخت، پودے وغیرہ بہت کچھ ہے لیکن ایک سالک یعنی اللہ کا راستہ چلنے والا، اس کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی چلا جاوے تو اس کے اوپر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، اس کو یہ بھی گوارا نہیں ہوتا اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ سنتیں جا رہی ہیں تو کہتے ہیں کہ سنت ہی ہے نا، فرض تو نہیں ہے، نماز تو ہوگئی نا! ہمارا فریضہ تو ساقط ہوگیا۔ یہ ہمارا حال ہے! حالاں کہ اسلاف کے یہاں

تو آداب کا بھی اتنا زیادہ اہتمام تھا تو سنت کتنی قیمتی ہے، آپ اندازہ لگاؤ!۔

## نماز میں آنکھیں بند رکھنے کا نقصان: ایک واقعہ

ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے ایک بزرگ کے پاس آیا اور اس نے نماز ادا کی، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، اس نے کہا کہ مجھے خواب میں بتایا جائے کہ میری نماز کا کیا حال ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑی حسین وجمیل عورت ہے لیکن ہے اندھی! اس نے اپنا یہ خواب ان بزرگ کو سنایا تو انھوں نے پوچھا کہ تم آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تو حضرت نے فرمایا کہ اسی وجہ سے وہ عورت اندھی دکھائی گئی۔

حالاں کہ آنکھیں کھلی رکھنا اور ان کو نماز کے دوران مختلف جگہوں پر رکھنا تو آداب میں سے ہے تو اس ادب کے چھوڑنے پر خواب کے ذریعہ اس کو تنبیہ کی گئی کہ ایک ادب کو چھوڑنے کی وجہ سے آپ کو کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کسی آدمی کو آنکھیں بند کیے بغیر نماز میں توجہ حاصل نہ ہوتی ہو تو فقہاء نے اس کو اجازت دی ہے، یہ اپنی جگہ پر ایک مسئلہ رہا لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ نماز کے ایک ایک ادب کی کتنی اہمیت ہے اور کتنا قیمتی ہے۔

## نماز کا طریقہ بیان کرنے کے سلسلے میں فقہاء کا اہتمام

بہرحال! فقہاء فرائض، واجبات، سنن، آداب، ان ساری تفصیلات کو بیان کرنے کے بعد ''باب صفة الصلاة'' کے عنوان سے ایک الگ باب قائم کر کے نماز

پڑھنے کا طریقہ شروع سے لے کر اخیر تک تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم یہ ساری باتیں بچپن سے پڑھتے چلے آتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری نمازوں میں ان چیزوں کو کرنے اور انجام دینے کی طرف سنجیدہ نہیں ہوتے بلکہ ہم نے بچپن میں جس طرح نماز سیکھی اور اس وقت سے پڑھتے چلے آئے، وہی چلی آرہی ہے۔

## نماز کو صحیح بنانے کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

حالاں کہ اس کے بعد ہم نے ''نور الایضاح'' پڑھی، 'قدوری' پڑھی، ''کنز'' پڑھی، ''شرحِ وقایہ'' پڑھی، ''ہدایہ'' پڑھی، ساری کتابیں پڑھ ڈالیں، یہ کتابیں اپنے اپنے وقت پر ہر سال نصاب کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے پڑھتے رہے لیکن کبھی اپنی نمازوں کا موازنہ اس کے ساتھ نہیں کیا کہ میں جو نور الایضاح میں پڑھ رہا ہوں، میں جو نماز پڑھ رہا ہوں، کیا وہ بھی ایسی ہی ہے؟ آج تک ہم نے یہ کام کیا ہی نہیں، اس سے بڑی غفلت اور کیا ہوسکتی ہے!۔ نماز تو ایسی چیز ہے کہ آدمی برابر اس کی اصلاح کے پیچھے پڑا رہے تو کچھ بنتی ہے۔

جب آدمی کوئی مکان تعمیر کرتا ہے اور اس کو استعمال کرتا ہے تو دو سال کے بعد استعمال کے نتیجے میں اس میں نقص آجاتا ہے، اس میں مینٹنیس کرتا ہے، اس میں رنگ روغن کراتا ہے، مرمت کراتا ہے تو ان اعمال کے اندر بھی مینٹنیس کی ضرورت ہے یعنی ہم اس کا جائزہ لیتے رہیں۔

## حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عبرت انگیز مقولہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ قرآن، حدیث اور فقہ پڑھاتے پڑھاتے اور فتوی دیتے دیتے ساٹھ سال گذر گئے، اس کے باوجود نماز کے دوران کبھی کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ اس کا کیا حکم ہے، اس کے لیے سلام پھیرنے کے بعد فقہ کی کتابیں کھول کر بیٹھنا پڑتا ہے، ڈھونڈنا پڑتا ہے! نماز کے مسائل میں!! دوسرے مسائل کی بات نہیں ہے۔

ایک مفتیٔ اعظم یہ کہہ رہا ہے۔ ہم روزانہ فتوی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود نماز میں کبھی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا حکم کیا ہے! نماز کے بعد کتابیں کھول کر اس کا حکم معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

نماز کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے تو یہ تھا کہ کتاب کی ان معلومات کے ساتھ موازنہ کرتے اور بار بار کرتے۔

## حضراتِ صحابہ اور لوگوں کو صحیح نماز سکھانے کا اہتمام

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات کا آپ مطالعہ کریں، چاہے بخاری ہو یا کوئی اور کتاب، آپ کو موقع بہ موقع یہ چیز ملے گی۔ یہ حضرات باقاعدہ لوگوں کو وضو کر کے اور نماز پڑھ کر کے بتلاتے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو اس طرح ہوتا تھا اور نماز اس طرح ہوتی تھی۔

## ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ہماری سوچ اتنی پست ہوگئی ہے کہ شریعت کے ان احکام کے متعلق ہم یہ کہتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو بچوں کا کام ہے، گویا ہم اس کو اپنی شان سے -نعوذ باللہ- کمتر سمجھتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ذلت بھگت رہے ہیں۔

درمیان میں بات آگئی تو بتا دیتا ہوں کہ ایک آدمی فارغ ہو کر کے کسی جگہ مکتب میں پڑھاتا ہے، اب کوئی اس سے پوچھتا ہے کہ کیا پڑھاتے ہو؟ تو جواب دیتا ہے کہ بیضاوی کا متن پڑھا رہا ہوں -نعوذ باللہ- گویا قرآن بولنے میں بھی اس کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ جو آدمی قرآن کی خدمت کے ساتھ اپنے ذہن میں یہ نظریہ لیے ہوئے ہو، اس کو کیا اجر ملے گا اور کیا قرب حاصل ہوگا؟ کچھ بھی نہیں! ہمیں اپنی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

## تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

حضرت مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جی ثانی فرمایا کرتے تھے کہ یہ التحیات، ثنا، درود وغیرہ ساری چیزیں باقاعدہ بڑے اہتمام سے مل کر کے سیکھو اور سکھاؤ، بڑے بڑے علماء اس میں حصہ لیں۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھا کہ قرآن کی تصحیح کا اتنا اہتمام کراتے تھے کہ اگر شیوخ الحدیث بھی آتے تھے تو ان کو بھی اس کے لیے بٹھا دیتے تھے۔

# ایک قانونِ قدرت

اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ ضرورت کی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی عام کر دیتے ہیں، جیسے ہوا ہے کہ عام ہے۔ اب اس کے عام ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی قدر کرتے نہیں ہیں لیکن جب نہیں ہوگی تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنی اہم تھی! تو نماز کی بھی بڑی اہمیت ہے، ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں نماز کا کیا درجہ ہے؛ اس لیے نماز کے متعلق ہمیں بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر اب تک نہیں کی ہے تو میری یہ بات سننے کے بعد اپنے دل میں بٹھائیے اور اپنی نمازوں کو ٹھیک کرنے کی محنت کیجیے۔

نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، ان ساری چیزوں کو یاد بھی رکھیں اور یاد ہو تو اور بھی زیادہ پختہ کریں۔ نماز کا جو طریقہ کتابوں کے اندر بتایا گیا ہے، اس کے ساتھ اپنی نمازوں کا موازنہ کریں۔

# امت پر فقہاء کا احسان

فقہاء ایک ایک چیز پر کلام کرتے ہیں: آپ رکوع میں جائیں گے تو گھٹنوں پر کس طرح ہاتھ رکھیں گے، انگلیاں کس طرح ہوں گی، آپ کی نگاہ کہاں ہونی چاہیے۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے! ایک ایک چیز کو ایسے عجیب وغریب انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہم اور آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی کھیل تماشا اور فضول ولایعنی باتیں نہیں ہیں بلکہ انھوں نے ہماری نمازوں کو ٹھیک کرنے کے لیے بڑا اہتمام کیا ہے تو

ہمیں بھی اس چیز کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر اور خوب غور سے پڑھ کر اپنی نمازوں کو اس کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔

## نماز کا ڈھانچہ اور اس کی روح

ایک تو ہے نماز کا ڈھانچہ جس کو انگریزی میں اسٹرکچر کہتے ہیں اور ایک ہے نماز کی روح۔ نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات تو اس کا ڈھانچہ ہے اور اس کی روح ہے خشوع۔ خشوع نماز کی روح ہے۔ جب تک کہ نماز کا مکمل ڈھانچہ پہلے حاصل نہیں ہوگا، اس وقت تک اس میں روح نہیں ڈالی جائے گی، روح تو بعد میں ڈالی جاتی ہے۔

## ڈھانچہ مکمل تیار ہوئے بغیر کسی بھی چیز میں جان نہیں پڑتی

ایک آدمی فیکٹری لگانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے جرمنی، جاپان سے مشینری منگائی اور اس کو فِٹ کرنے کے لیے وہیں سے بڑے بڑے ماہرین آئے، انھوں نے وہ مشینری اس مکان میں لگائی جہاں وہ فیکٹری لگانا چاہتا تھا۔ مشینری لگانے کے بعد انھوں نے پاور چھوڑا، پاور تو چھوڑا لیکن مشینری چلتی نہیں تو انجنیئر کہیں گے کہ اس کی فٹنگ میں کہیں نقص اور گڑبڑ ہے۔ اب وہ اس کو تلاش کریں گے، تلاش کرتے کرتے پتہ چلا کہ فلانا اسکرو جس طرح لگانا چاہیے تھا، اس طرح نہیں لگا۔ اتنے بڑے مکان میں اتنی بڑی مشینری لگی ہوئی ہے، اس مشینری میں ایک چھوٹا سا اسکرو لگانے میں تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجلی چالو کرنے کے بعد بھی وہ مشین چل نہیں رہی ہے، اس میں جان نہیں آرہی ہے۔

اسی طرح سے جب تک ہم اپنی نماز کے ڈھانچے کو مکمل طور پر صحیح نہیں کریں گے، تمام فرائض، تمام واجبات، تمام سنن، تمام مستحبات، آداب کو ادا کرنے کا اور تمام مفسدات اور مکروہات سے بچنے کا اہتمام نہیں کریں گے، وہاں تک نماز کے اندر خشوع آنے والا نہیں ہے، ایک چیز بھی چھوٹ گئی تو روح پیدا نہیں ہوگی۔

## نماز کے خشوع میں اس کی تمہیدات کی تاثیر

ارے نماز تو کیا! نماز کے جو مقدمات ہیں، ان کے اندر بھی اگر ہم نے کوتاہی کی تو خشوع نہیں آئے گا۔ اس لیے خشوع لانے کے لیے نماز کی تمہیدات اور مقدمات کو بھی بڑے اہتمام سے انجام دینے کی ضرورت ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپریشن ہوتا ہے تو جب بیمار کو آپریشن تھیٹر میں لے جاتے ہیں تو آپریشن تو بعد میں کیا جائے گا لیکن آپریشن سے پہلے کچھ کاروائی کی جاتی ہے۔ کتنے اہتمام کے ساتھ ڈاکٹر لوگ وہ کاروائی پوری کرتے ہیں؟ یہ کاروائی تمہید اور مقدمہ ہے، اس کو انجام دینے کے بعد آپریشن چالو ہوتا ہے، اسی طرح نماز سے پہلے ہمیں کچھ مقدمات بتلائے گئے۔

## نماز کا سب سے پہلا مقدمہ: طہارت

نماز کا سب سے پہلا مقدمہ ہے طہارت۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ[1] کہ: بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی، مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ

---

(۱) صحیح مسلم، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ وُجُوبِ الطَّهَارَةِ لِلصَّلَاةِ.

الطُّهُورُ①: نماز کی چابی طہارت ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ② کہ: طہارت آدھا ایمان ہے۔

## طہارت کا پہلا مرحلہ: استبراء اور استنجاء

طہارت دو قسم کی ہے: ایک تو طہارتِ ظاہری ہے یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ نجاستِ ظاہریہ سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور ایک ہے نجاستِ حکمیہ یعنی جنابت اور حدث سے اپنے آپ کو پاک کرنا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اس پہلے ہی مرحلے میں ناکام ہیں۔ چنانچہ آپ نے نور الایضاح وغیرہ میں پڑھا ہوگا کہ ایک آدمی پیشاب کر رہا ہے تو پیشاب کے بعد استنجاء کا مرحلہ ہے لیکن وہاں کتابوں میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ جب تک ''استبراء'' نہ ہو، وہاں تک استنجاء جائز نہیں۔

## استبراء کا مطلب اور اس کا حکم

استبراء کا مطلب یہ ہے کہ ہماری شرم گاہ سے پیشاب نکل رہی ہے تو پیشاب کے نکلنے کا سلسلہ مکمل طور پر بند ہو اور جب تک کہ آپ کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اب پیشاب نکلے گی نہیں، وہاں تک استنجاء نہیں کرنا ہے۔

پھر استنجاء کے اندر تو یہ تفصیل بھی ہے کہ نجاست اگر مخرج کے اندر رہی ہے تو استنجاء سنتِ مؤکدہ ہے اور اگر مخرج سے تجاوز کی ہوئی ہے اور قدرِ درہم سے کم ہے یا زیادہ

---

① سنن الترمذي، عَنْ عَلِيٍّ بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِفْتَاحَ الصَّلاَةِ الطُّهُورُ.

② صحيح مسلم، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ ، بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ.

ہے تو بعض صورت میں واجب اور بعض صورت میں فرض ہے ①لیکن استبراء کے لیے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ واجب ہے ②، جب تک کہ آپ کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ پیشاب کے نکلنے کا سلسلہ مکمل طور پر منقطع ہوا، وہاں تک آپ کے لیے پانی یا ڈھیلہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

## استبراء کے سلسلے میں ہمارے بڑوں کا اہتمام اور ہماری کوتاہی

ہم نے بچپن میں اپنے بڑوں کو دیکھا کہ وہ ڈھیلہ استعمال کرنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے، ڈھیلہ لیے ہوئے اِدھر چکر لگا رہے ہیں، اُدھر چکر لگا رہے ہیں؛ تاکہ استبراء ہو جائے، حالاں کہ ان کے قُوی بڑے مضبوط تھے اور آج جب کہ ہمارے قُوی بالکل ختم ہو چکے ہیں، پھر بھی ان چیزوں کا اہتمام نہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟ پیشاب کا شدید تقاضا لگا ہوا ہے اور نماز کا وقت ہو رہا ہے، پھر بھی اس کے لیے کوئی تیاری نہیں ہے، اذان کی آواز سنی پھر بھی کہتے ہیں کہ ابھی تو دیر ہے، اذان تو آدھا گھنٹہ پہلے ہوئی ہے، پانچ دس منٹ پہلے بھاگے ہوئے جائیں گے،

① يلزم الرجل الاستبراء حتى يزول أثر البول ويطمئن قلبه على حسب عادته إما بالمشي أو التنحنح أو الاضطجاع أو غيره ولا يجوز له الشروع في الوضوء حتى يطمئن بزوال رشح ا لبول. والا ستنجاء سنة من نجس يخرج من السبيلين ما لم يتجاوز المخرج وإن تجاوز وكان قدر الدرهم وجب إزالته بالماء وإن زاد على الدرهم افترض (نورالإيضاح)

② يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ بِمَشْيٍ أَوْ تَنَحْنُحٍ أَوْ نَوْمٍ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ، وَيَخْتَلِفُ بِطِبَاعِ النَّاسِ. (قَوْلُهُ: يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ إلَخْ) هُوَ طَلَبُ الْبَرَاءَةِ مِنْ الْخَارِجِ بِشَيْءٍ مِمَّا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ بِزَوَالِ الْأَثَرِ.

(رد المحتار على الدر المختار، ج١ص٣٤٤)

پیشاب کا تقاضا تو تھا ہی، وہاں بیت الخلاء میں استنجاء کرنے کے لیے گئے، جلدی جلدی پیشاب کی، ابھی استبراء ہوا نہیں اور استنجاء کر کے نکل آئے، جب استبراء ہی نہیں ہوا تو استنجاء کہاں معتبر ہوگا؟۔

## نماز میں آنے والے وساوس کا ایک سبب

اور گندگی کی یہ خاصیت ہے کہ شیطان اس کو بہت پسند کرتا ہے، اس کو تو مزا آ گیا، تو اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وساوس پیدا ہوں گے۔ یہ جو وسوسے آتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ پیشاب کے قطروں سے بچو؛ کیوں کہ اس طرح کے وسوسے اسی کی وجہ سے آتے ہیں [۱]۔ پہلے مرحلے ہی میں ہم ناکام ہوئے؛ اس لیے بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ استنجاء کوئی ایسی چیز نہیں کہ بھاگا دوڑی میں کی جائے۔

## مقامِ نجاست کی صفائی کے لیے اس کے مناسب پانی کا لوٹا ہونا چاہیے

استنجاء میں پانی وغیرہ کا جو استعمال ہوتا ہے، اس میں احتیاط ہونی چاہیے۔ جہاں سے نجاستیں دور کرنی ہیں، وہاں تک پانی اچھی طرح پہنچے، اس کی تدبیریں اختیار کرنی چاہییں۔ بعض جگہوں کا حال یہ ہے کہ بیت الخلاء میں ایک بالٹی پانی کی بھری ہوئی رکھی ہے اور اس میں سے پانی نکالنے کے لیے ایسا لوٹا ہے جس میں ٹوٹی نہیں ہے، اس

---

① لَايَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ قَالَ أَحْمَدُ: ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ. (سنن ابی داود، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ ؓ بَابُ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُسْتَحَمِّ.)

سے نجاست کے مقام تک پانی نہیں پہنچ سکتا، اس میں تو پانی لے کر وہاں پھینکنا پڑے گا، اصل تو ٹوٹی والا لوٹا ہے، اس سے آپ جہاں تک پانی پہنچانا چاہتے ہیں، وہاں تک آسانی سے پہنچ جائے گا اور بعض جگہ تو پانی نکالنے کے لیے لوٹا بھی نہیں ہوتا، مہاراشٹر وغیرہ کے علاقوں کے اندر بالٹی رکھی ہوئی ہوتی ہے، اس سے استنجاء کیسے کر سکتے ہیں!۔

ہمارے پیر صاحب، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتہم کو دیکھا کہ جب وہ کہیں سفر میں جاتے ہیں تو لوٹا اپنے ساتھ رکھتے ہیں، خادم کو بھی نہیں دیتے، اپنے پاس ہی رکھتے ہیں، لوٹے کے بغیر کیسے استنجاء ہو سکتا ہے!

بہر حال! پہلا مرحلہ استنجے کا ہے اور اسی میں ہم ناکام ہو جاتے ہیں، اسی میں گڑبڑ ہوئی تو آگے وضو کیا درست ہوگا؟ پھر نماز کہاں درست ہوگی؟ اس لیے اس کو بڑے اہتمام سے جیسا کہ کتابوں میں ہے، پورے اطمینان کے ساتھ انجام دو۔

## طہارت کا دوسرا مرحلہ: وضو

طہارت کا دوسرا درجہ وضو یعنی نجاستِ حکمیہ سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے۔ وضو کا جو طریقہ کتابوں میں بتایا گیا ہے، باقاعدہ اس طریقے کے مطابق وضو کرنے کی ضرورت ہے۔

## اعمال کے انوار و برکات کب حاصل ہوتے ہیں؟

سنت کے مطابق وضو کا ہونا ضروری ہے، اگر وضو سنت کے مطابق کریں گے تو اس میں انوار و برکات ہوں گے، اگر خلافِ سنت وضو کریں گے تو فرائض ادا کرنے کی وجہ

سے وضوتو ہو جائے گا، نماز بھی ادا ہو جائے گی لیکن اس کے جو فوائد وثمرات ہیں، اس سے ہمیں جو فائدہ اور نور ہونا چاہیے، وہ نور حاصل نہیں ہوگا، نور تو عمل کو سنت کے مطابق انجام دینے سے حاصل ہوگا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسباغ الوضو یعنی وضو کو پورے طور پر ادا کرنے، کماحقہٗ عضو کے تمام حصے پر پانی اچھی طرح پہنچ جائے، اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور سردی کے زمانے میں پانی زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے آدمی کبھی غفلت اور کوتاہی کرتا ہے تو اس موقع پر اس کی اور زیادہ تاکید ہے۔

## وضو میں اعضائے وضو کے ہر ہر جزء تک پانی پہنچانے کا اہتمام کریں

سردی کے زمانے میں کھال خشک ہو جاتی ہے، یوں ہی پانی ڈال دیں گے تو پانی کھال کے تمام اجزاء تک پہنچے گا نہیں، ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ پانی ڈالنے سے پہلے گیلے ہاتھ اس پر پھیرتے تھے اور اس کے بعد پانی ڈالتے تھے، تب پانی پہنچے گا، آج تو یہ بھی نہیں ہے، بس پانی ڈال دیا، پانی پہنچا تو کیا اور نہ پہنچا تو کیا! پھر وضو کہاں سے ہوگا؟ وضو کے جو فرائض ہیں، سنن ہیں، مستحبات ہیں، آداب ہیں، ان کو بجالانے کا اہتمام کریں، مکروہات سے بچنے کا اہتمام کریں۔

## دورانِ وضو باتوں سے بچنے کا اہتمام اور باتوں سے بچنے کا علاج

ہمارا حال یہ ہے کہ وضو کرنے بیٹھے اور باتیں شروع ہو گئیں۔ وضو ایک اہم عبادت ہے، اس وقت باتوں کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے نور الایضاح میں پڑھا ہوگا کہ وضو

میں ہر عضو کو دھوتے وقت دعا کا اہتمام کیا جائے تو بہت اچھا ہے۔شروع میں تو بسم اللہ ہونی ہی چاہیے، اگرچہ یہ احناف کے یہاں سنت ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو واجب ہے اور احناف میں سے بھی صاحبِ فتح القدیر علامہ ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ① کی وجہ سے اس کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے۔

بعض دعائیں جو فقہاء نے بیان کی ہیں، اگرچہ ان کے بارے میں محدثانہ حیثیت سے کلام کیا گیا ہے کہ وہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں لیکن وضو کرتے وقت ان دعاؤں کو پڑھنا چاہیے، جیسے: کلی کریں تو اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ پڑھیں۔ناک میں پانی ڈالیں تو اللّٰهُمَّ أَرِحْنِي رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِي رَائِحَةَ النَّارِ پڑھیں۔ چہرہ دھوئیں تو اللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِي يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ پڑھیں۔داہنا ہاتھ دھوئیں تو اللّٰهُمَّ أَعْطِنِي كِتَابِي بِيَمِينِي وَحَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا پڑھیں۔بایاں ہاتھ دھوئیں تو اللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِي كِتَابِي بِشِمَالِي وَلَا مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي پڑھیں۔سر کا مسح کریں تو اللّٰهُمَّ أَظِلَّنِي تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ پڑھیں۔کانوں کے مسح کے وقت اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ پڑھیں۔گردن کے مسح کے وقت اللّٰهُمَّ أَعْتِقْ رَقَبَتِي مِنَ النَّارِ پڑھیں۔داہنا پاؤں دھوئیں تو اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَيَّ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ پڑھیں۔بایاں پاؤں دھوئیں تو اللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِي مَغْفُورًا وَسَعْيِي مَشْكُورًا، وَتِجَارَتِي لَنْ تَبُورَ پڑھیں۔

---

① سنن أبی داود،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ،بَابٌ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ.

یہ دعائیں آپ نے نور الایضاح کے حاشیے میں بھی پڑھی ہوں گی، ان میں سے بہت ساری دعائیں وہ بھی ہیں جو اگر چہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں لیکن فقہاء نے لکھا ہے؛ اس لیے پڑھے تو اچھا ہے، ان میں دعا ہی کا مضمون ہے۔ اور بعض دعائیں جیسے وضو کے ختم ہونے پر أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ①، یا اللهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي، وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي②، یہ دعائیں البتہ حدیث سے ثابت ہیں۔

بہر حال! وضو کے وقت ہم دعاؤں میں مشغول ہوں، ہمارا دھیان اِدھر اُدھر نہ ہو بلکہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف ہو؛ کیوں کہ یہ وضو نماز کی کنجی ہے، چابی ہے، وہیں سے ہمارا دھیان اللہ تبارک وتعالی کی طرف رہے، غفلت نہ رہے۔ ہم تو جب وضو کر رہے ہوتے ہیں تو ہمارا دھیان اس کی طرف بالکل نہیں ہوتا کہ ہم کوئی نیک عمل کر رہے ہیں اور نماز کے لیے اس کی اتنی اہمیت ہے۔

## وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال مکروہ ہے

تو بسم اللہ پڑھ کر بڑے اہتمام کے ساتھ وضو کرے۔ وضو کے مکروہات میں سے ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا بھی بتایا گیا ہے؛ اس لیے پانی زیادہ استعمال نہ کریں، اسراف سے بچیں۔

---

① سنن الترمذي، عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ ؓ، بَابُ مَا يُقَالُ بَعْدَ الوُضُوءِ.

② السنن الكبرى للنسائى، عَنْ أَبِي مُوسَى ؓ، مَا يَقُولُ إِذَا تَوَضَّأَ.

# وقف کے پانی میں اسراف حرام ہے

صاحبِ درمختار نے جہاں وضو میں اسراف کو مکروہ قرار دیا ہے، وہاں ایک جملہ لکھا ہے: وَمِنْ مَاءِ الْمَدَارِسِ فَحَرَامٌ ①: مدارس یعنی وقف کا جو پانی ہے، اس کے ذریعہ اگر کوئی آدمی وضو کرے تو ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا حرام ہے، یہ تو اپنا پانی ہو اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرے، تب مکروہ ہے۔

ہم عام طور پر مسجدوں یا مدرسوں میں وضو کرتے ہیں یا ایسی جگہ جہاں لوگوں نے وضو کے لیے پانی کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں تو ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ وقف کا پانی کا مطلب یہ ہے کہ یہ پانی آپ کو وضو کرنے کے لیے ضرورۃً دیا گیا ہے اور الضَّرُورَةُ تَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ۔ آپ جتنے پانی سے وضو کر سکتے ہیں، اتنے ہی پانی کو استعمال کرنے کی آپ کو شرعاً اجازت ہے، اگر اس سے زیادہ استعمال کریں گے تو آپ تعدّی کرنے والے ہوں گے۔

حدیث میں آتا ہے: إِيَّاكَ وَالسَّرَفَ ② کہ: وضو کے اندر اپنے آپ کو اسراف سے بچاؤ!۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: أَفِي الْوُضُوءِ سَرَفٌ؟: کیا وضو کے اندر بھی اسراف ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ: جی ہاں! چاہے تم بہنے والی نہر پر بیٹھ کر وضو کر رہے ہو ③۔

---

① رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۱۳۲.

② بدائع الصنائع ۱/ ۳۵، وَأَمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ الْمَاءِ الَّذِي يَغْتَسِلُ بِهِ.

③ شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله تعالى عنهما، فَضْلُ الْوُضُوءِ .

## اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زائد دھونا ظلم اور گناہ ہے

تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا، چوتھی مرتبہ دھوئیں گے تو یہ اسراف ہے: فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ أَوْ تَعَدَّى وَظَلَمَ [①]: جس نے تین مرتبہ سے زیادہ دھویا، اس نے تعدی اور ظلم کیا، چوتھی مرتبہ دھونے کا سوال ہی نہیں، آپ اپنی طرف سے تجویز نہ کیجیے۔ بہر حال! وضو میں اسراف سے بچنا ہے۔

## اسراف فی الوضو کے نقصان کے متعلق ایک واقعہ

اگر اپنا ذاتی پانی ہے تو اسراف مکروہ ہے اور اگر وقف کا پانی ہے تو حرام ہے۔ بزرگوں نے اسراف کی نحوست کو لکھا ہے۔ ایک مرتبہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس چھتہ مسجد میں تھی۔ یہاں وہ اہلِ علم بھی موجود ہوں گے جنھوں نے حضرت کو دیکھا ہوگا اور حضرت سے جلدِ ثانی پڑھی ہوگی یا وہاں چھتہ مسجد میں حاضری دیتے ہوں گے۔ عصر کے بعد مجلس ہوتی تھی، طلبہ شریک ہوتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلبہ کے معاملے میں بڑی شفقت تھی اور سوال کے معاملے میں کوئی پابندی نہیں تھی تو طلبہ ہر چیز پوچھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے سوال کیا کہ حضرت! وضو میں اسراف کا کیا نقصان ہے؟ حضرت کی مجلس میں حضرت حافظ طیب صاحب بھی تھے جو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، ابھی بھی حیات ہیں، نابینا ہیں۔ حضرت ان کو ہمیشہ اپنے

---

① السنن الکبری للبیہقی، بَابُ كَرَاهِيَةِ الزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثِ.

پاس بٹھاتے تھے، کبھی پوچھنے والے نے اپنے سوال میں کوئی کمی رکھی تو حافظ صاحب اس کی تشریح اور تکمیل کرتے تھے۔ بعض حضرات تو خود پوچھنے کے بجائے حافظ صاحب کے کان میں کہہ دیتے تھے اور حافظ صاحب ہی پوچھ لیتے تھے۔

## وضو میں اسراف نماز میں خشوع کے آنے سے مانع ہے

جب طالبِ علم نے وہ سوال کیا تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مکروہ ہے۔ اس پر حافظ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! یہ طالبِ علم یہ نہیں پوچھتا کہ اسراف کا حکم کیا ہے؟ یہ تو یہ پوچھتا ہے کہ اسراف کا نقصان کیا ہے؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ سے نماز کا خشوع ختم ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ وضو ایک عبادت ہے، اگر اس عبادت کے درمیان کوئی مکروہ جو کہ گناہ ہے، اس کا ارتکاب کریں گے تو عبادت کے انوار کہاں حاصل ہوں گے، جب انوارات حاصل نہیں ہوئے تو یہی وضو جو نماز کی چابی اور دروازہ تھا تو نماز کے اندر کہاں خشوع حاصل ہوگا! آپ اندازہ لگائیے کہ وضو میں ایک مکروہ چیز کا ارتکاب کیا تو اس کی وجہ سے نماز کا خشوع ختم ہو گیا!۔

## ہمارے اسلاف اور اسراف سے اجتناب کا اہتمام

اسی لیے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہردوئی میں دیکھا کہ حضرت کے یہاں نل پر وضو کرنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی، جہاں ٹنکی تھی، وہاں نل کے پاس لوٹے پڑے رہتے

تھے، لوٹے میں پانی لو اور اس سے وضو کرو۔ آپ خود کر کے دیکھ لیجیے۔ لوٹے میں پانی لے کر وضو کرو اور نل پر بیٹھ کر وضو کرو اور نل کے نیچے بالٹی بھی رکھ دو اور دیکھو کہ پورے وضو کے درمیان کتنا پانی گرتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ لوٹے سے وضو کرنے کی صورت میں وضو کرنے کے بعد بھی لوٹے میں پانی بچ جائے گا۔

آج کل تو حکومت بھی خوب پروپیگنڈا کرتی ہے کہ پانی بچاؤ، بجلی بچاؤ۔ ہم ایک مرتبہ پیرس گئے، وہاں ایک جگہ مسجد میں جانا ہوا تو وہاں دیکھا کہ نل کے اوپر وضو نہیں کرتے، ایک لوٹے جیسا برتن ہوتا ہے، اس میں پانی لو اور وضو کرو۔ میں نے کہا کہ یہاں پیرس میں بھی پانی کی قلت ہے! وہاں پانی کی قلت ہے؛ اس لیے نل سے وضو کرنے کے بجائے برتن میں پانی لے کر وضو کرتے ہیں۔

حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا اور جنھوں نے ان سے تربیت پائی، اگر ان کو کبھی نل پر بیٹھ کر وضو کرنے کی نوبت آتی ہے تو نل کو اتنا کم کھولتے ہیں کہ اسراف کی نوبت نہ آوے۔

## حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ اور اسراف فی الوضوء سے اجتناب کا اہتمام

اسی طرح ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، چھتہ میں حضرت کا حجرہ تھا اور حضرت کے حجرے سے نکل کر سامنے ہی نل اور ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں اور وضو کے لیے نالی بنی ہوئی تھی، جنھوں نے چھتہ مسجد دیکھ رکھی ہے، وہ جانتے ہیں تو ہم نے ہمیشہ دیکھا کہ جب وضو کرنا ہوتا تھا تو کمرے میں سے خالی لوٹا لے کر آتے تھے اور نل سے لوٹے میں

پانی بھرتے اور نالی کے اوپر بیٹھ کر لوٹے سے وضو کرتے تھے، حالاں کہ نل لگے ہوئے تھے لیکن نل سے کبھی وضو نہیں کرتے تھے، ہم یہ دیکھتے تو خیال آتا کہ دیکھیے! اسراف سے بچانے کا کیسا اہتمام ہے!۔ خشوع حاصل کرنے کے لیے آدمی اگر یہ تکلیف اٹھاوے تو سودا بہت سستا ہے۔

## وضو میں کوتاہی نماز کے اندر تلاوت میں خلل ڈالتی ہے

بہر حال! طہارت کا مرحلہ بڑا اہم ہے اور اسی میں ہم ناکام ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے نماز کے خشوع میں خلل آتا ہے، قرآن کی تلاوت میں بھول ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے اندر تلاوت میں چوک ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ وضو ٹھیک طریقے سے نہیں کرتے، اس کی وجہ سے قرآن کی تلاوت میں بھول ہوتی ہے[1]۔

پیچھے نماز پڑھنے والوں کے وضو میں کوتاہی کا اثر جب امام کی تلاوت پر پڑ سکتا ہے تو کیا وضو کی کمی خود ہماری نماز پر اثر نہیں ڈالے گی؟۔

## اذان سننے کے بعد مسجد میں آنے کے سلسلے میں ہماری کوتاہی

وضو کے بعد ہم مسجد میں آئے۔ بعض لوگوں کا مزاج کیا ہے؟ ایک تو ویسے اذان کی آواز سن کر کوئی جلدی مسجد میں آنے کے لیے تیار نہیں، حالاں کہ سب کو معلوم ہے کہ اذان ہو گئی تو جماعت ہونے والی ہے۔ اب کون سی نماز میں اذان اور اقامت کے

① السنن الصغرى للنسائي، عَنْ شَبِيبٍ أَبِي رَوْحٍ، الْقِرَاءَةُ فِي الصُّبْحِ بِالرُّومِ.

درمیان اصولی طور پر کتنا فاصلہ ہے؟ فجر میں کچھ زیادہ ہے، ظہر میں اس سے کچھ کم ہے اور دوسری نمازوں میں پندرہ، بیس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے، یہ ہر ایک کو معلوم ہے، اس کے باوجود اذان سننے کے بعد کہتے ہیں کہ ابھی تو جماعت کو بہت دیر ہے، یہ مزاج ہم نے بنا رکھا ہے اور اذان کی آواز سننے کے بعد بھی ہم مسجد میں آنے کے لیے تیار نہیں۔

## اذان سننے کے بعد مسجد میں نہ آنا ظلم وجفا ہے

حالاں کہ حدیث ہے، فضائلِ نماز میں آپ نے پڑھا یا سنا ہوگا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: بہت بڑی بے رُخی، غداری اور نامناسب بات ہے کہ اللہ کے منادی کی آواز سنے یعنی اذان دینے والا نماز کے لیے بلا رہا ہے: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہہ رہا ہے اور اس کے بعد بھی آدمی نہ جاوے[1]؛ اس لیے اذان کے بعد تو آدمی کو نکل ہی جانا چاہیے، جماعت کا وقت ہونے کا انتظار نہ کرے، اگر کوئی ضروری کام اور مشغولی ہے اور اذان کے بعد کچھ دیر ٹھیر گیا تو ٹھیک ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو حال یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں اور اذان کی آواز سنی تو اس کو وہیں چھوڑ دیا، یہ نہیں کہ تھوڑا سا باقی ہے تو پورا کرلو۔

## اذان سننے پر ہمارے اسلاف کا معمول

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اسلاف کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ لوہار لوہا کوٹنے کے لیے جو ہتھیار ہوتا ہے، اس کو سر کے اوپر اٹھائے ہوئے ہے اور اذان کی

---

① السنن الكبرى للبيهقى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، بَابُ لَا يَمْسَحْ وَجْهَهُ مِنَ التُّرَابِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يُسَلِّمَ.

آواز سنی تو یہ نہیں کہ اس کو لوہے پر ماریں بلکہ یوں پیچھے چھوڑ دیتے تھے۔ اذان سننے کے بعد نماز کے لیے حاضری کے معاملے میں اسلاف کا بھی یہی حال تھا، ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

## تحیۃ الوضو کی فضیلت

بہر حال! وضو کرنے کے بعد مسجد میں آ کر موقع ہو تو تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے بلال! شبِ معراج کے موقع پر جب میں جنت میں گیا تو میں نے دیکھا کہ میں تمھارے قدموں کی چاپ اپنے آگے پا رہا ہوں! تمھارا ایسا کونسا عمل ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! میرا ایسا کوئی عمل تو نہیں ہے، البتہ جب سے میں اسلام لایا ہوں، اس وقت سے جب بھی میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت ادا کرتا ہوں، یہی نماز تحیۃ الوضو کہلاتی ہے [۱]۔

## تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی مشروعیت کی حکمت

بھائی! وضو کیوں کیا جاتا ہے؟ وضو نماز وغیرہ عبادتوں کی ادائیگی کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے کہا کہ جب وضو کیا تو کم سے کم دو رکعت نماز تو پڑھ لیجیے۔ اسی طرح تحیۃ المسجد کی دو رکعت بھی پڑھی جاتی ہے، کیوں؟ مسجد کاہے کے لیے بنائی گئی ہے؟ نماز پڑھنے

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ تعالی عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفَضْلِ الصَّلاَةِ بَعْدَ الوُضُوءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ.

کے لیے! تو جب ہم اور آپ مسجد میں آئے تو کم سے کم دو رکعت نماز تو پڑھ لیں۔ کوئی آدمی ہوٹل میں جاوے اور کرسی پر پانچ دس منٹ بیٹھ کر چلا آوے تو لوگ کیا کہیں گے کہ بھائی! کاہے کو گیا تھا؟ کم سے کم چائے تو پی کے آتا۔ جو جگہ جس کام کے لیے بنائی گئی ہے، وہاں جا کر وہ کام نہ کرنا تو حماقت ہے، مسجد نماز کے لیے بنائی گئی ہے، اب جب ہم مسجد میں آئے اور نماز پڑھے بغیر باہر نکل گئے تو کیا کہا جائے گا؟ یہ تو اسی ہوٹل میں جا کر چائے پیے بغیر آنے والے کی طرح ہوا!۔

یہ تحیۃ المسجد درحقیقت تحیۂ ربِّ المسجد ہے۔ جب ہم کسی کے گھر جاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ اگر کسی کے گھر میں گئے اور وہاں گھر والا بیٹھا ہے لیکن اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے، سلام بھی نہیں کرتے، ایسے ہی جا کے گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے تو لوگ کیا کہیں گے کہ عجیب آدمی ہے! جس کے گھر میں آیا، اس کو سلام بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح مسجد اللہ کا گھر ہے، اللہ اس گھر کا مالک ہے تو اللہ کے حضور سلام پیش کرنے کے لیے ہم کو کم سے کم دو رکعت ادا کرنی چاہیے۔

## قبلیہ سنتوں میں نیت کرنے سے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے

اور اگر فرائض کا وقت تھا، اذان ہو چکی ہے تو آپ جو سنتیں ادا کریں گے تو نیت کرنے سے اس میں یہ بھی آجائیں گی، اس کو الگ سے ادا کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، ہاں! اگر پڑھ لیں تو بہت اچھا ہے۔

## ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ

اب ہمارا حال کیا ہے؟ مسجد میں آئے، وضو کرنے کے لیے وضو خانے کی طرف جاتے ہوئے گھڑی دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ابھی تو پانچ منٹ دیر ہے۔ اب وضو خانے کے اندر مجمع لگا ہوا ہے اور باتیں کر رہے ہیں کہ جماعت تو ابھی کھڑی نہیں ہوئی۔ گویا جماعت سے پہلے چلے جائیں گے تو کوئی پکڑ لے گا، کوئی گناہ ہو جائے گا۔ عجیب مزاج بنا رکھا ہے۔

## فرض نماز سے پہلے سنن کو مشروع کرنے کی حکمت

آخر شریعت نے نماز سے پہلے سننِ قبلیہ کیوں رکھی ہیں؟ فرض نماز اصل ہے، ان فرضوں کو کما حقہ ادا کرنے کے لیے آدمی کے دل میں ایک صلاحیت اور استعداد پیدا ہو، اس کے لیے یہ سنتیں رکھی ہیں۔ سننِ قبلیہ ادا کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں انابت اور توجہ الی اللہ ہوگی تو اس صلاحیت کے ساتھ فرض ادا کرے گا؛ اسی لیے فرض اور سنت کے درمیان فقہاء نے فصل اور کسی کام کرنے کی اجازت نہیں دی ہے: باتیں کرنے کی اور ایسا کام جو اس توجہ کو ہٹانے والا اور ختم کرنے والا ہو لیکن ان سننِ قبلیہ کی تو ہمارے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔

جب کسی کے یہاں بڑی دعوت ہوتی ہے اور ہم وہاں جاتے ہیں تو وہاں کھانے سے پہلے کیا ہوتا ہے؟ پہلے سوپ پیش کیا جاتا ہے، یہ کا ہے کے لیے؟ تا کہ بھوک لگے، بھوک کو لگانے کے لیے سوپ آیا۔ جو لوگ بڑی دعوتوں میں شریک ہوتے ہیں، وہ

دیکھتے ہیں کہ وہاں ایسے چونچلے بہت کیے جاتے ہیں۔

## لہو مجھ کو رلاتی ہے.......

ہم اپنی ہر چیز میں اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ کپڑے پہنیں گے تو مقصد تو صاف، شفاف اور دھلے ہوئے ہونا ہے لیکن خالی دھلے ہوئے نہیں پہنیں گے، جب تک کہ استری نہ ہو۔ کھانے کے لیے بیٹھیں گے تو اصل مقصود تو کھانے میں روٹی ہے، سالن اصل مقصود نہیں ہے، سالن تو اس لیے ہے؛ تاکہ وہ روٹی کو حلق سے نیچے اتارنے میں معین ومددگار بنے؛ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو نفقے میں جو کی روٹی دیتا ہے تو اس کے ساتھ سالن دینا ضروری ہے لیکن اگر گیہوں کی روٹی دیتا ہے تو چوں کہ گیہوں کی روٹی کو حلق سے نیچے اتارنے کے لیے سالن کی ضرورت نہیں؛ اس لیے سالن دینا ضروری نہیں، یہ ایک مسئلہ ہے، مفتی حضرات جانتے ہیں۔ آج کل تو روٹی چھوڑ دی اور صرف سالن کھانے لگے۔

اب روٹی سالن بھی کافی نہیں بلکہ کچومر چاہیے، اچار چاہیے، پاپڑ چاہیے، سلاد چاہیے، قسم قسم کے چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس کے بغیر مزا نہیں۔ کھانے کے مزے کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں اور نماز میں مزا لانے کے لیے ہم کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں، ہم میں اور ہمارے اسلاف میں یہ فرق ہے، ہم نے اپنا مقصود کھانے پینے کو، دنیا کو، اپنی لذّات اور خواہشات کو بنا لیا ہے اور وہ حضرات تھے، ان کی نگاہوں میں اللہ کی رضا اور دین مقصود تھا۔

## کیا ہے تجھے کتابوں نے کور ذوق اتنا

بہر حال! سننِ قبلیہ یعنی نماز سے پہلے کی سنتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں بھی دو قسمیں ہیں: (۱) مؤکدہ (۲) غیر مؤکدہ۔ اب تو مؤکدہ کے لالے پڑ رہے ہیں، غیر مؤکدہ کو کون پوچھتا ہے! مدرسوں میں بڑی تعداد طلبہ کی وہ ہے جو مؤکدہ کو ادا نہیں کرتی۔ بچپن میں تو مؤکدہ بھی ادا کرتے تھے اور غیر مؤکدہ بھی لیکن جب مدرسوں میں آئے اور کتابوں میں پڑھا، نور الایضاح میں پڑھا کہ فلاں فلاں سنت غیر مؤکدہ ہے اور فلاں فلاں مؤکدہ ہے، جس دن سے فلاں سنت کو غیر مؤکدہ پڑھا، اس دن سے اس سنت کو چھوڑ دیا۔ یہ نور الایضاح اس لیے پڑھائی جاتی ہے کہ تم سنتیں چھوڑنے لگو؟ نہیں بھائی! شریعت میں جس طرح عمل کی درستگی ضروری ہے، اسی طرح علم کی درستگی بھی ضروری ہے، عمل بھی صحیح ہونا چاہیے، علم بھی صحیح ہونا چاہیے۔ آپ جو عمل کر رہے ہیں، صحیح کر رہے ہیں لیکن اس عمل کی حیثیت کیا ہے، اس کا درجہ کیا ہے؟ وہ بھی آپ کے لیے جاننا ضروری ہے۔ ایک آدمی سنت پڑھ رہا ہے لیکن سنت کو فرض سمجھ کر پڑھ رہا ہے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

## باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

کتابوں میں جو مؤکدہ، غیر مؤکدہ آیا، آپ کے علم کو صحیح کرنے کے لیے آیا؛ اس لیے نہیں آیا تھا کہ آپ پڑھتے ہیں تو پڑھنا چھوڑ دیجیے لیکن وہی:

| | |
|---|---|
| باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست | در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس |

بارش کہ اس کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہے، یہی بارش جب باغ میں برستی ہے تو اس کے پانی سے پھول کھلتے ہیں اور یہی بارش جب کھاری زمین میں برستی ہے تو وہاں کانٹے اگتے ہیں۔ ہماری کھاری زمینوں میں جب یہ علم آتا ہے تو اس سے بجائے فائدہ کے ہم اس طرح عمل کو چھوڑنے لگتے ہیں، یہ نادانیت ہے۔

## تہی دستانِ قسمت را چہ شد از رہبرِ کامل

قرآن کے متعلق بھی ہے نا:﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے، کتابِ ضلالت نہیں ہے لیکن اسی قرآن سے بعض لوگ وہ ہیں جو ہدایت پاتے ہیں اور بعض بدقسمت لوگ وہ ہیں جو اسی قرآن کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں، قرآن نے گمراہ نہیں کیا بلکہ ان کی فطرت کی کجی اور استعداد کی کمی کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اس طرح کی گمراہیوں میں پڑنا بھی اسی طرح فطرت کی کجی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔

## یہ چیز ہمارے پیشِ نظر رہے

ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے، ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم جس فرض نماز کو ادا کرنے جارہے ہیں، اس فرض نماز کو ادا کرنے کے دوران اپنے قلب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی طریقہ بتلایا ہے؛ اس لیے ان سنتوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کیجیے اور ادا کرنے کے بعد باقاعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہیے، دوسرے کسی مشغلے میں مت پڑیئے۔

## سننِ قبلیہ پڑھنے والوں کا حال

اب مصیبت کیا آ گئی ہے؟ مسجد میں بھی سنت پڑھنے کے بعد موبائل لے کے بیٹھ جاتے ہیں، یہ تصویر دیکھ رہے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں، یہ کام کر رہے ہیں، وہ کام کر رہے ہیں۔ بھائی! سنت پڑھ کر ہم نے اپنے دل ودماغ کو جو اللہ تبارک وتعالی کی طرف متوجہ کیا تھا، اس کی وجہ سے وہ توجہ کہاں باقی رہنے والی ہے؟ میں بتلا چکا ہوں کہ فقہاء سنت اور فرض کے درمیان کسی ایسے کام کو جو اس توجہ کو ہٹانے والا ہو، انجام دینے کی اجازت نہیں دیتے؛ اس لیے سنتوں کے بعد ایسی حرکت سے بچیں پھر فرض ادا کریں۔

## دورِ حاضر کا عظیم فتنہ: موبائل

ہمارا حال کیا ہے؟ ہمیں تو ایک سیکنڈ بھی مل گیا تو بات کیے بغیر نہیں رہتے اور اب تو موبائل والی بڑی مصیبت آ گئی ہے۔ موبائل کو تو آپ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی بند کر دو۔ آج جب دنیا کی کچہریوں اور دفتروں میں جاتے ہیں تو وہاں باقاعدہ اعلان لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض جگہوں میں تو اندر لے جانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی، دروازے پر ہی لے لیا جاتا ہے کہ یہاں رکھ کے جاؤ، واپسی میں لے جانا اور بعض جگہ اس کو لے جانے کی اجازت ہے لیکن اس کو کھلا رکھ کر کے نہیں بلکہ بند کر کے لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اگر آپ کورٹ میں گئے اور آپ کا موبائل کھلا رہ گیا اور گھنٹی بج گئی تو کورٹ کے احترام کو ختم کرنے کا الزام آپ پر عائد ہو جائے گا اور آپ کو اس پر سزا بھی ملے گی۔

## موبائل کی رنگ ٹون کیسی ہونی چاہیے؟

اور یہاں مسجد میں آکر بھی موبائل کھلا رکھتے ہیں اور رنگ ٹون بجتے ہیں تو نماز خراب ہوتی ہے اور ٹون بھی کیسے؟ اللہ کی پناہ! پہلی بات یہ سمجھ لیجیے کہ موبائل کے اندر جو ٹون ہم رکھتے ہیں، وہ ہلکا ہو اور سادہ ہو، یہ جو میوزک والے ٹون ہوتے ہیں، وہ حرام ہیں، جب بھی آپ ٹون سنیں گے تو ایک حرام کام کا ارتکاب کرنے والے بنیں گے؛ اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔ اور پھر مسجد کے اندر

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے

والا معاملہ ہے، اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی نماز کو بھی خراب کرتے ہیں۔

## نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت

یہ جو نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں؟ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کا کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ ۴۰/ سال تک کھڑا رہنا گوارا کرے گا لیکن اس کے سامنے سے گذرنا گوارا نہیں کرے گا①۔

## نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی حکمت

اتنی سختی کیوں کی گئی؟ اس لیے کہ اس گذرنے والے کے گذرنے کے نتیجے میں

---

①صحيح البخاری، عَنْ أَبِي جُهَيْمٍ ؓ، باب إثم المار بين يدي المصلي.

نمازی کی توجہ اللہ تعالی کی طرف سے، نماز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے؛ اس لیے شریعت نے اس سے منع کیا۔

## نماز میں توجہ الی اللہ میں خلل انداز امور کے سدِّ باب کا شرعی اہتمام

شریعت تو ہم سے نماز سے پہلے ہی وہ تمام کام کروالیتی ہے جس کی وجہ سے نماز کے دوران ہماری توجہ اللہ تعالی سے ہٹ کر اس توجہ میں کوئی کمی آجائے۔ چنانچہ پیشاب کا تقاضا ہے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، پاخانے کا تقاضا ہے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ شدید بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانا موجود ہے تو آپ کو شریعت کہتی ہے کہ پہلے کھانا کھالو پھر نماز پڑھو؛ کیوں؟ اس لیے کہ ایسی حالت میں آپ کا سارا دھیان تو کھانے کی طرف لگا رہے گا، آپ کا سارا دھیان تو پیشاب اور پاخانے میں رہے گا۔

## کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری نماز کھانا بن جائے، اس کے مقابلے میں میرا کھانا نماز بن جائے، یہ زیادہ پسند ہے[1]؛ اس لیے کہ اگر بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کا تقاضا ہے، اِدھر نماز کی تیاری ہے۔ اب اگر آپ ایسی حالت میں کھانا کھاتے ہیں تو آپ کا سارا دھیان نماز کی طرف رہے گا، اس طرح آپ کا کھانا نماز بن گئی۔ اس کے برخلاف اگر آپ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں تو آپ کا سارا دھیان

---

① فيض الباري شرح البخاري، باب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلاة ٢/ ٤٣٨.

کھانے کی طرف ہوگا تو گویا آپ کی ساری نماز کھانا بن گئی۔ نماز کو اس طرح پڑھنی ہے کہ ہمارا سارا دھیان نماز کی طرف لگا رہے۔

تو نمازی کے سامنے سے گذرنے سے جو روکا گیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی جائے سجود سے گذرے گا تو نمازی کا دھیان اس کی طرف جائے گا اور اس کی طرف دھیان کے جانے سے نماز میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف جو توجہ ہے، وہ ختم ہوجائے گی۔ یہ توجہ ہی اصل روح ہے۔

## دوران نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذرنے پر آپ کی بددعا اور اس کا اثر

نماز کی توجہ بہت قیمتی چیز ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے لیے بددعا نہیں کرتے تھے لیکن مراسیلِ ابی داود کے اندر واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپاہج تھا، چلنے سے معذور تھا، پاؤں کام نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ اس نے کہا: غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قیام فرما تھے، اس وقت نماز ادا فرما رہے تھے، اور میں سواری پر سوار ہوکر آپ کے سامنے سے گذر گیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے یہ جملہ ارشاد فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا قَطَعَ اللہ اَثَرَہ: ہماری نماز کو کاٹ دیا یعنی نماز کی توجہ ختم کردی، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو کاٹے، اس وقت سے میں چلنے سے معذور ہوگیا①۔

① مسند احمد، عَنْ يَزِيدَبْنِ نِمْرَانَ، حَدِيثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ.

## زمانۂ نبوی کا ایک اور واقعہ

ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمارہے تھے، آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے، ایک کتا آگے سے گذرنا چاہتا تھا، جماعت میں جو حضرات شریک تھے ان میں سے کسی نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ احْبِسْہُ کہ: اے اللہ! اس کو روک دے، وہ کتا اسی وقت مر گیا۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون تھا؟ کس نے کیا کہا؟ ان صاحب نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ ہمارے سامنے سے گذرنا چاہتا تھا تو میں نے یہ دعا کی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کتوں کی پوری امت، پوری جنس کے لیے یہ دعا کرتا تو پوری نسل بھی ختم ہوجاتی[١]۔ اللہ اکبر!

## نماز کا تھوڑا سا وقت اللہ تعالی کے لیے رہنے دیجیے

نماز کوئی معمولی چیز نہیں ہے لیکن ہم نے تو اس کو کوئی حیثیت ہی نہیں دی۔ شریعت تو ہم سے ایسی حالت میں نماز ادا کروانا چاہتی ہے کہ ہم پورے طور پر متوجہ ہوں؛ اس لیے توجہ کے ہٹانے والے تمام اسباب کو پہلے چھڑوادئے۔ بھائی! دکان پر تو ۲۴ گھنٹے بیٹھے ہی رہتے ہو، دس منٹ کے لیے مسجد میں آئے، اس میں بھی موبائل کھلا ہوا ہوگا تو کیا ہوگا! یہ جو دس منٹ ہم نے اللہ تبارک وتعالی کے لیے نکالے تھے، وہ اس کے لیے نہیں رہے۔ اس لیے لازمی طور پر آپ اس کو بند کرکے ہی آئیں۔ ہاں! کچھ حالات ایسے ہیں،

---

① مصنف عبد الرزاق، عن رجل من أهل الطائف، باب المار بين يدي المصلي.

آدمی سفر میں ہے اور کسی فوری مجبوری کی وجہ سے اس کو کھلا رکھنا پڑے تو بات اور ہے۔

## تمہیدات کے اہتمام کے بغیر نماز میں خشوع نہیں آسکتا

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اتنی ساری تمہیدات نماز کے لیے ہیں، ان ساری تمہیدات کا اہتمام کریں گے تو نماز میں خشوع آئے گا۔ اگر آپ اپنی نمازوں میں خشوع چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ سب کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر خشوع آنے والا نہیں ہے اور اس کے لیے محنت جب شروع کی جائے گی تو اس کے بعد خشوع کے بھی بہت سے مراحل ہیں۔

## ایں خیال است ومحال ست وجنوں

خشوع کے علماء نے تین درجے بتلائے ہیں۔ کوئی بھی چیز اولین مرحلے میں پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی، پہلے مرحلے میں ابتدائی درجہ حاصل ہوگا پھر اس میں کچھ اور ترقی حاصل ہوگی پھر ذرا اور، کمال اخیر میں آتا ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ یا تو نماز میں خشوع نہیں، دھیان نہیں، اب دھیان لگانا چاہتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ اب ہم نماز کے اندر عرشِ مُعلّٰی پر پہنچ جائیں اور پہلے ہی دن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ والی نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ ایسا پہلے ہی دن کہاں ہونے والا ہے؟۔ ہم نے اپنا مزاج یہ بنالیا ہے۔

## نماز میں خشوع پیدا کرنے کی محنت کا پہلا مرحلہ

بھائی! نماز کے اندر ایک تو تلاوت، اذکار وغیرہ ہیں، قرآن بھی پڑھا جارہا ہے،

تسبیحات، دعائیں وغیرہ بھی پڑھی جارہی ہیں: ثنا، تعوذ، تسمیہ، سورۂ فاتحہ، سورت، رکوع کی تسبیح، تحمید، سجدے کی تسبیح، تشہد، درود۔ یہ پڑھنے کی جتنی بھی چیزیں ہیں، ایک تو ہیں ان سارے اذکار کے الفاظ اور ایک ہیں ان کے معانی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شروعات میں پہلا مرحلہ ہے الفاظ کی طرف دھیان دینا، جب ہم خشوع کے لیے محنت شروع کریں گے تو پہلے ہمیں خالی الفاظ کی طرف دھیان دینا ہے، جیسے ایک حفظ کرنے والا بچہ اپنا سبق اپنے استاذ کو سنائے گا تو اس وقت اس کا پورا دھیان جو سبق سنا رہا ہے، اس کے الفاظ کی طرف ہوگا، ذرا بھی اِدھر اُدھر گیا کہ بھول پڑی اور مار کھائی، ہمیں بھی پورا دھیان ان اذکار کے الفاظ کی طرف لگانا ہے۔

## الفاظ کی طرف دھیان بھی آتے آتا ہے

جب ہم پڑھیں گے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ ایک تو اس کو صحیح پڑھیں اور صحیح پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھیں کہ ہم اپنے کانوں سے سنیں، کم سے کم یہی ہے۔ ہمارا حال تو جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، یہ ہے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں، ہمیں کچھ پتہ ہی نہیں۔

پھر پہلے دن بھی ہمارا دھیان سارے الفاظ کی طرف تو جانے والا نہیں ہے، آپ کوشش کر کے دیکھ لو، خالی الحمد تک بھی پہنچے تو غنیمت ہے، تو بھی آپ بہت کامیاب سمجھے جائیں گے، ورنہ اعوذ باللہ پر ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور دھیان ہٹ جاتا ہے۔

پھر کیا کرنا ہے؟ الحمد تک دھیان رہا پھر ہٹ گیا اور بے دھیانی میں ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تک پڑھا، پھر خیال آیا تو پھر دھیان سے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ پڑھا، یہ خیال جو آیا، وہ بھی بڑی سعادت کی بات ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا، ایسا خیال نماز میں تو کیا آئے گا، نماز کے بعد بلکہ آٹھ دس دن کے بعد اس کا خیال آتا ہے کہ ہم نے اس دن دھیان سے نماز پڑھنی شروع کی تھی۔ ہماری غفلت کا یہ حال ہے۔

## ضربِ پیہم سے آخر ہو جاتا ہے پاش پاش

بہر حال! لگے رہیں، لگے رہیں۔ جہاں دھیان ہٹا تو اس میں آپ کا کوئی دخل نہیں ہے، جب یاد آیا، پھر سے شروع کر دیں، اس طرح کرتے کرتے ایک وقت آئے گا کہ آپ کا دھیان پورے پورا الفاظ کی طرف آجائے گا اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ایک دو دن ایسا کرنے کے بعد چھوڑ دیا، غفلت آگئی۔ پھر شکایت کرتے ہیں کہ نماز میں دھیان نہیں لگتا، خشوع حاصل نہیں ہوتا، یہ اوہام ہیں اور کیا ہے؟ خالی بنانے کی باتیں ہیں اور کچھ نہیں، عمل کرتے نہیں۔

## ہم سالک کہلانے کے قابل نہیں ہیں

آج کل ہم جو سلوک کی راہ چلتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سالک کہلانے کے قابل نہیں، سالک تو وہ ہوتا ہے جو مسلسل لگا رہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خط و کتابت ہوتی تھی تو اس کو باقاعدہ پہلے والے خط کا حوالہ اور اس کی نقل بھیجنی پڑتی تھی، جو لوگ وہاں موجود ہوتے تھے، ان کی کاپیاں ہوتی تھیں، کاپی میں اپنا حال لکھا، اس کے مطابق حضرت نے ہدایت لکھی، دوسرے دن جواب میں یہ لکھنا پڑتا تھا

کہ کتنا عمل کیا!۔

آج کل عمل کیا کیا، وہ بتاتے نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شکایت ہے، اس کا علاج بتاؤ۔ اب علاج بتاتے ہیں تو اب یہ نہیں بتاتے کہ میں نے کتنا عمل کیا پھر ایک مدت کے بعد بھول گیا، بے چارہ کیس بھول گیا، دو چار مہینے کے بعد پھر خط آرہا ہے کہ بدنگاہی ہورہی ہے، یہ ہمارا حال ہے۔

سلوک کے لیے، اصلاحات کے لیے ہمارے بزرگوں نے جو طریقے بتائے ہیں، آپ ذرا تربیت السالک دیکھئے! ایک ایک جزء پر کیسا کلام ہے، باقاعدہ جو کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے ہے، جو نہیں کرنا چاہتے، ان کے لیے کوئی فائدہ نہیں۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ان ہدایتوں پر عمل کرنا ہے اور عمل ہم کرتے نہیں، بعض کا حال یہ ہے کہ ایک دو دن عمل کریں گے پھر چھوڑ دیں گے، ایک مدت کے بعد دوبارہ خط میں یہی تحریر کریں گے۔ ارے بھائی! ایک چیز کے متعلق جب اصلاح ہوچکی اور آپ کو بتا دیا گیا، اب اس کے بعد دوبارہ وہی شکایت لکھنا کیا معنی رکھتا ہے!۔

## ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام

معمولات کا بھی یہی حال ہوگیا ہے کہ لکھتے ہیں کہ پابندی کر رہا ہوں اور کچھ عرصے کے بعد خط آئے گا کہ سارے معمولات چھوٹ گئے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک پودا آپ نے لگایا، پانی آپ دے رہے ہیں اور دیتے دیتے دو مہینے کے بعد پانی دینا آپ نے چھوڑ دیا تو وہ پودا سوکھ جائے گا، اب پانی دیں گے تو بھی کام کا نہیں، اب تو نیا

پودا لگانا پڑے گا۔ یہ معمولات کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## خشوع کا آخری درجہ: مشاہدہ

خشوع پر بات چل رہی تھی کہ سب سے پہلے تو نماز کے اذکار کے الفاظ پر دھیان دینے کی ضرورت ہے، جب یہ مرحلہ طے ہو جائے اور یہ کیفیت حاصل ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو یہ نعمت عطا فرما دی کہ الفاظ کی طرف پورا دھیان ہوتا ہے تو اس کے بعد ان کے معانی کی طرف توجہ اور دھیان دینے کا مرحلہ آتا ہے کہ جب آپ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پڑھ رہے ہوں تو تصور کیجیے کہ میں اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کر رہا ہوں: ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، اس کی شانِ رحیمیت کا استحضار کرو اور جب اس میں کمال حاصل ہوگا تو پھر: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (۱) حاصل ہوگا یعنی یہ تصور کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہاں تو پہلے ہی دن یہ چاہتے ہیں کہ یہ درجہ حاصل کرلوں۔ خشوع خضوع کے یہ مراحل اس وقت تک حاصل نہیں ہوں گے جب تک اس پر اس انداز میں عمل نہیں کریں گے، یہ پہلے ہی دن حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

## انسانی دماغ میں بیک وقت دو چیزوں کی طرف دھیان دینے کی صلاحیت نہیں ہے

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کا دماغ ایسا بنایا ہے کہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ، بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الإِيمَانِ وَالإِسْلَامِ إلخ،

دھیان نہیں دے سکتا، اگر ہم اپنا دھیان اور توجہ نماز کے اذکار کی طرف لگائیں گے تو وساوس اور خیالات کی طرف سے ہمارا دھیان خود بخود ہٹ جائے گا اور اگر خیالات کی طرف دھیان دینے گئے تو شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا کہ اس کا مقصد ہی انسان کی توجہ کو اللہ کی عبادت سے ہٹانا ہے۔

## بے اختیار خیال کا آنا بالکل مضر نہیں ہے

اگر ہماری ان ساری کوششوں کے باوجود خیال آجائے تو اس کی وجہ سے نماز نہ تو فاسد ہوگی اور نہ نماز کے اجر وثواب میں کوئی کمی آئے گی۔ آپ نے فقہ کی کتابوں میں پڑھا کہ نماز کے اتنے فرائض ہیں، اتنے واجبات، سنن اور مستحبات ہیں، اس کے مطابق نماز کو ادا کرنا ہے۔ اسی طرح نماز کے مفسدات اور مکروہات بھی پڑھے، اس میں کہیں یہ آیا کہ وسوسہ مفسدِ صلوۃ ہے؟ جب نہیں آیا تو تم کاہے کو فکر کرتے ہو! آتا ہے تو آنے دو، ہمیں تو کتاب میں نماز کا جو طریقہ آیا ہے، اس کے مطابق نماز پڑھنا ہے اور ہم اس کی کوشش نہیں کرتے، یہ ساری گڑبڑ اسی کی ہے، اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ کسی روایت میں بھی ایسا نہیں آیا ہے کہ خیالات کے آنے کی وجہ سے اجر و ثواب میں کوئی کمی آجاتی ہے۔

## نماز میں خیالات کبھی حالات کے تقاضے کی وجہ سے آتے ہیں

اور بہت سی مرتبہ تو یہ خیالات حالات کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی ہے، اس کو پولیس نے بلا کسی وجہ اور جرم کے گرفتار کر لیا یا اس کو الٹی میٹم دے دیا، اب

ظاہر ہے کہ وہ جن حالات سے گذر رہا ہے، اس کی وجہ سے نماز کے دوران اس کا خیال تو آئے گا۔

ایک آدمی کا بیٹا بیمار ہے، قریب المرگ ہے، بالکل آخری حالت میں ہے تو وہ جن حالات سے گذر رہا ہے، نماز میں بھی اس کے خیالات آنے والے ہیں۔ یہ تو حالات کا تقاضا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ قرآن تو یوں کہتا ہے کہ ان حالات کے تقاضے کے مطابق اسی طریقے سے آپ نے نماز پڑھی، وہی آپ کے حق میں کامل نماز ہے۔

## حالات کے تقاضے کے تحت پڑھی جانے والی نماز قرآن کی روشنی میں کامل ہے

قرآن میں جہاں صلوۃ الخوف کا طریقہ بتایا گیا ہے، وہاں یہ بھی ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا اطْمَاْنَـنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾[النساء:۱۰۳]: جب تمھیں ان حالات سے اطمینان حاصل ہو جائے تو تم نماز کو اس کے مکمل اور اصل طریقے کے مطابق پڑھو۔ معلوم ہوا کہ ابھی ہم خوف کی جس حالت میں تھے، اس میں ہم نماز کو کما حقہ نہیں پڑھ پائے۔ یہ حالات کا تقاضا ہے، پڑھنا چاہے تو بھی نہیں پڑھ سکتے۔

## اصل مقصود کیفیت نہیں ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے اندر کیفیات حالات کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں، چاہے کیسا ہی بڑا بزرگ ہو، جب پریشانی والا معاملہ آگیا تو جب اس زمانے میں وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز میں بھی وسوسے اور خیالات تو آئیں ہی گے؛ اس لیے اس

کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیفیت مقصود نہیں ہے، نماز خود مقصود ہے۔ نماز میں کیا چیزیں مقصود ہیں، وہ میں نے بتلا دیا کہ اس کی شرطیں، ارکان، فرائض اور واجبات مقصود ہیں، ہم ان تمام چیزوں کو بجالائیں، کیفیت چاہے لذت کی ہو یا نہ ہو، پورا ثواب ملے گا بلکہ حالات کے ناموافق ہونے کے باوجود ہم اس طرح نماز کو مکمل طور پر ادا کریں گے تو لذت کے بغیر بھی ہم کو ثواب زیادہ ملے گا؛ کیوں کہ مجاہدہ زیادہ ہے؛ اس لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن بات وہی ہے کہ نفس اور شیطان نے ہمیں ایسا الجھا دیا کہ غیر ضروری باتوں کے پیچھے ایسے پڑ جاتے ہیں کہ اصل مقصود ایک طرف رہ جاتا ہے، جیسے کوئی آدمی وہم کا شکار ہو تو ساری دنیا اس کو سمجھاتی ہے لیکن وہ سمجھنے کو تیار نہیں ہوتا۔

## نماز میں وساوس آنے کی ایک حکمت

اور ان خیالات کے آنے میں بھی اللہ تبارک وتعالی کی بڑی حکمت ہے کہ اگر مجھے اور آپ کو اللہ ایک ایسی نماز عطا کر دے کہ جس میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی خیال نہ آوے تو معلوم نہیں، ہم خود کو کیا سمجھنے لگیں گے، جب کہ ایک نماز بھی ایسی ہمیں آج تک میسر نہیں ہوئی، پھر بھی ہم خود کو پتہ نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں کہ میرے پاس تو جبرئیل آتے ہیں، رات کو ذرا ایک دو آنسو آنکھ سے گرے تو نفس نے ایسا دھوکہ دیا کہ بس! اب تو تیرا مقام بہت اونچا ہو گیا، اب تو تیرے پاس حضرتِ جبرئیل کے وحی لے کر آنے کی ہی دیر ہے۔ اب اگر ایسی صرف دو رکعت نماز ہمیں نصیب ہو گئی کہ جس میں کوئی وسوسہ نہیں

آیا تو آپ بتاؤ! یہ دو رکعت نماز ہمیں کہاں لے جائے گی؟ جنت میں لے جائے گی؟ ارے! ساری دنیا کی تحقیر اور سب لوگوں کی تنقیص میں ایسے پڑیں گے کہ ہمارا دین برباد ہو جائے گا، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے۔

## یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

اس لیے اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے موقع پر لکھا ہے:

| | | |
|---|---|---|
| بہ دردو صاف ترا حکم نیست دم درکش | | کہ آنچہ ساقیٔ ما ریخت، عین الطاف است |

آپ مے خانے میں پہنچ گئے تو اب جیسی بھی شراب کا جام آپ کو ملا، صاف شفاف ملا یا گدلا ملا، اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ساقی نے آپ کو جو بھی دیا، اسی کو لے لو۔ مے خانے یعنی مسجد میں جب ہم آ گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سے جو نماز ادا کروائی، وہ اللہ کا کرم ہے۔ اللہ! تیرا شکر ہے، میں تو اس لائق بھی نہیں تھا کہ مسجد میں آتا، تو اپنے فضل سے مجھے مسجد میں لایا، تیرے سامنے سجدہ ریز ہونے کی تو نے مجھے توفیق عطا فرمائی، ورنہ اپنی نالائقی اور گناہوں کی وجہ سے مجھ میں تو اتنی بھی اہلیت نہیں تھی۔ یہ تصور اور سوچ رہے تو ان شاء اللہ ان وساوس کی وجہ سے ہونے والی پریشانی سے بھی نجات مل جائے گی۔

## وہم کی حقیقت

نماز میں وسوسے کے قبیل سے ایک اور چیز وہم ہے۔ یہ وہم ایک مرض ہے لیکن

وسوسے کا تذکرہ ہو رہا ہے تو میں اس کو بھی بتلا دیتا ہوں۔ وہم کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کے مزاج میں ذہنی یا حافظے کی کمزوری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ وضو کیا اور اس کے بعد یہ سوچنے لگا کہ میری کہنی خشک رہ گئی یا وضو کرتے کرتے ہی ہاتھ دھویا پھر دھویا پھر دھویا، بعض تو ایسے ہیں کہ گھنٹہ لگ جاتا ہے اور دھوئے جا رہے ہیں، دھوئے جا رہے ہیں لیکن ان کا وضو مکمل ہونے کا نام نہیں لیتا، حالاں کہ نماز ہو گئی، ساری دنیا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر چلی بھی گئی اور یہاں ان کا ابھی وضو ہی ہو رہا ہے۔ یہ وہم ہے، وسوسہ نہیں۔

## وہم کا علاج: قصداً اس کے خلاف کرنا

اس وہم کے بارے میں بھی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا اور بزرگوں نے بھی بتلا دیا کہ وہم کا علاج یہ ہے کہ آپ قصداً اس کے خلاف کیجیے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پڑھا، حضرت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد فارغ ہو کر جا رہا تھا کہ خیال آیا کہ داہنی کہنی خشک رہ گئی تو دوبارہ جا کر اس کو دھو لیا پھر دھو کر وہاں سے لوٹ رہا تھا کہ پھر خیال آیا کہ بائیں کہنی خشک رہ گئی تو دل میں کہا کہ چلو! شک دور کر لو۔ گیا اور دھو لیا پھر لوٹ رہا تھا کہ خیال آیا کہ ٹخنہ خشک رہ گیا تو میں نے کہا کہ اچھا حضرت! آپ ہیں، گرو گھنٹال ہیں، نہیں جاؤں گا۔ بغیر وضو کے نماز پڑھوں گا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں اس وقت اس کے تقاضے پر میں عمل کر لیتا تو پوری زندگی یہ بیماری لگ جاتی۔

موطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ۔ کہ جو اکابرِ

تابعین میں سے ہیں- کے پاس اور کہنے لگا کہ نماز کے دوران مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کوئی قطرہ نکل آیا، میں نماز توڑ دیتا ہوں اور جا کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم یہ ٹھان لو کہ جب تک کہ پیشاب نکل کر ران پر بہنے نہ لگے، وہاں تک نماز نہیں توڑوں گا[۱]۔

بخاری اور حدیث کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ ہے کہ ایک آدمی کو وضو ٹوٹنے کا شبہہ ہو جاتا تھا، اس نے آکر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا یَنْصَرِفْ حَتَّی یَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ یَجِدَ رِیحًا[۲]: جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بو محسوس نہ کر لے، وہاں تک نہ ہٹے۔

## آج کل کے یہ محققین!

تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک آدمی کو یقین ہے کہ ریح خارج ہوئی لیکن بو نہیں آئی، آواز نہیں آئی تو وہ وضو نہ کرے؟ آج کل تو بہت سے ایسا بھی کرتے ہیں۔ آج کل کے کچھ محققین ایسا کرتے ہیں، یہ آج کل کے محققین جو ایسا سمجھتے ہیں کہ ہم براہِ راست حدیث پر عمل کر سکتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں؛ اس لیے جب تک ہم کو بو نہیں آتی یا ہم آواز نہیں سن لیتے، ہمارا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حالاں کہ یہ جواب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو دیا تھا جو وضو کے ٹوٹنے کے معاملے میں وہم کا شکار تھا۔

---

[۱] موطأ الإمام مالك، بَابُ الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنَ الْمَذْيِ.

[۲] صحیح البخاری، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَنْ لاَ يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ.

## وہم انسانی زندگی کو اجیرن بنانے والا مرض ہے

یہ وہم آدمی کو زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے: بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ میری بیوی کا کسی دوسرے آدمی کے ساتھ تعلق تو نہیں ہے! بس! اس کی وجہ سے اس کی بیوی بھی پریشان اور خود بھی پریشان!۔ بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق تو نہیں دے دی!۔ مفتیوں سے پوچھتا رہتا ہے، کوئی اور ملتا ہے تو اس کو پوچھتا ہے۔ ایسے ایسے عجیب وغریب اوہام ہوتے ہیں۔

## شیطان کتا ہے

اس کا یہی ایک علاج ہے کہ آپ جان بوجھ کر اس کے خلاف کریں۔ ایک دو مرتبہ ایسا کریں گے تو شیطان سمجھ جائے گا کہ یہ میری بات پر عمل کرتا نہیں تو وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ شیطان تو کتا ہے۔

ایک آدمی کہیں جا رہا ہے اور راستے میں کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو اب اس مسافر کو چاہیے کہ اس کی طرف دھیان نہ دے، بس چلتا رہے، چلتا رہے۔ اب اگر وہ کتے کو بھگانے کی کوشش کرے گا تو کتا اور بھی اس کے پیچھے پڑے گا اس لیے یہ جتنا چاہے بھونکتا رہے اور مسافر چلتا رہے، اس کتے کی بھی ایک حد مقرر ہے، اس کے آگے یہ بالکل نہیں بڑھتا۔ یہی حال شیطان کا ہے کہ اس کے وساوس اور اوہام کی طرف بالکل دھیان نہ دیں تو وہ مایوس ہو کر چلا جائے گا، ورنہ اس کتے کی طرح پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

# نماز میں آنے والے وساوس کی حقیقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان وساوس اور خیالات کا حال تو ایسا ہے، جیسے کسی کو بادشاہ نے بلایا ہو کہ آج دس بجے ہمارے یہاں آجانا، ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے، آپ سے بات چیت کریں گے، آپ کو انعامات سے نوازیں گے۔ اب وہ بادشاہ کی مجلس میں دس بجے حاضری دینے کے ارادے سے نو بجے نکلا کہ آدھ پون گھنٹے کا راستہ ہے تو دس، پندرہ منٹ پہلے پہنچ جاؤں گا۔ راستے میں کتوں نے اس کو گھیر لیا، ایک اِدھر سے بھونک رہا ہے، دوسرا اُدھر سے بھونک رہا ہے۔ یہ ان کتوں کو ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں ان کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کے آؤں تو نہ وہ ان کے ٹھکانے پر پہنچیں گے اور نہ یہ بادشاہ کی مجلس میں پہنچ پائے گا۔ اس طرح گیارہ بج گئے، وقت نکل گیا۔ سمجھ داری کی بات یہ ہے کہ تم اپنا کام کرو، ان کو اپنا کام کرنے دو، یہ تو بھونکتے رہیں گے، اگر ان کو ہٹانے میں لگیں گے تو ہمارا وقت ضائع ہوگا اور مقصد فوت ہو جائے گا۔

## سختیٔ رہ سے نہ ڈر، ایک ذرا ہمت تو کر

بس! وساوس کا موضوع بڑا طویل و بسیط ہے، اس کو یہیں ختم کرتا ہوں، اتنا سمجھ لیں کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ جب آپ یہاں آئے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے فارغ کیا ہے تو اس کا حق اور تقاضا یہ ہے کہ آپ آج ہی سے یہ طے کرلیں کہ مجھے اسی طریقے سے نماز ادا کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو، سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## سالکین کی رہنمائی کرنے والا کیمیا گر کا ایک عجیب قصہ

رمضان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ بڑے اہتمام سے سالکینِ طریقت کے لیے عبرت کے واسطے سنایا کرتے تھے، کوئی رمضان ایسا نہیں گذرا جس میں حضرت نے یہ واقعہ نہ سنایا ہو بلکہ کئی کئی مرتبہ یہ واقعہ سنانے کی نوبت آتی تھی اور بڑی لذت لے کر بڑے لطف کے ساتھ حضرت سناتے تھے اور وہ کیمیا گر کا قصہ اس لیے سناتے تھے کہ ہمیں اس راہ میں کس طرح چلنا ہے، وہ سمجھ میں آوے:

## کیمیا کی حقیقت

ایک عجیب قصہ بڑی عبرت کا اپنے والد صاحب سے میں نے کئی مرتبہ سنا کہ ایک بادشاہ تھا، اس کو کیمیا کی دُھن تھی۔ (کیمیا تو جانتے ہو؟ یہ تانبا، پیتل، لوہے وغیرہ دھات کو سونا بنانے کی ترکیب! کچھ ایسی بوٹیاں آتی ہیں، کچھ ایسی چیزیں آتی ہیں کہ اگر ان کو ان دھاتوں پر لگا دیا جاوے، گھس دیا جاوے تو وہ تانبا، پیتل، لوہا، سونا بن جاتا ہے، اس کو کیمیا کہتے ہیں۔)

## خزانوں کے دیوانے

(پرانے زمانے میں لوگوں کو اس کا بڑا شوق رہتا تھا تو بہرحال! اس) بادشاہ کو کیمیا کی دھن تھی اور جس کو یہ بیماری لگ جاتی ہے، جیسے وہ زیرِ زمین دبا ہوا خزانہ۔ بعض لوگ ایسے خزانوں کی جستجو اور تلاش میں ایسے پڑ جاتے ہیں کہ اپنے پاس جو دولت ہوتی ہے، اس کو بھی اس کے پیچھے ضائع کر دیتے ہیں اور خزانہ تو ہاتھ آتا نہیں، یہی حال اس

کیمیا کا ہے کہ جس آدمی کو کیمیا کی لت پڑ جاتی ہے تو وہ اس طرح پاگل ہوتا ہے کہ بس! کسی بھی طرح اس کو یہ چیز حاصل ہو جاوے)۔

## ایک بادشاہ اور کیمیا کی دُھن

بہر حال! ایک بادشاہ کو کیمیا کی دُھن تھی اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ جس کو کیمیا کا مرض لگ جاتا ہے، اس کی عقل و ہوش شطرنج کے کھلاڑیوں سے بھی زیادہ کھوئی جاتی ہے، (آج کل اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ اس کی عقل و ہوش کرکٹ کے کھلاڑیوں سے بھی زیادہ کھوئی جاتی ہے) میں نے اپنے کئی دوستوں کو دیکھا جن کو اس کا چسکا تھا، جب کہیں راستے میں ان کا ساتھ ہو جاتا تو وہ قدموں پر نگاہ جمائے کبھی اِدھر کبھی اُدھر دیکھتے جایا کرتے اور جہاں کہیں شبہہ ہو جاتا، وہاں کھڑے ہو کر اور بوٹیوں کو دیکھ کر مل مل کر سونگھتے رہتے۔ (کہ کہیں یہ وہی بوٹی نہ ہو جو کیمیا میں مطلوب ہے) بادشاہ بھی اسی فکر میں ہر وقت رہتا، وزراء کا ناطقہ بند کر رکھتا۔

## سقہ کی حقیقت

ایک وزیر نے کہا کہ حضور! اتنے متفکر رہتے ہیں، حضور کی سلطنت میں تو فلاں سقہ (آج کل تو یہ واٹر ورکس ہو گئے، پائپ لائن ہو گئی، اس لیے یہ چیز نہیں رہی۔ پہلے زمانے میں سقّے ہوا کرتے تھے، بڑے مشکیزے کنوؤں سے بھر کر کے لوگوں کے گھروں میں جا کر کے لوگوں کو پانی پہنچایا کرتے تھے، گجراتی میں اس کو ''بھشتی'' کہتے ہیں) فلاں جگہ رہتا ہے، بڑا ماہر ہے، اسے خوب بنانی آتی ہے۔

## کیمیا گر سقہ بادشاہ کے حضور میں

بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا: ہماری سلطنت میں اس کا جاننے والا ہے اور ہم اتنے پریشان ہو رہے ہیں! چار سنتری (سپاہی) بھیج دئے کہ اس سقّے کو پکڑ لاؤ۔ سقہ پیش ہوا، کپڑے پھٹے ہوئے، لنگوٹا بندھا ہوا۔ سقّے ایسے ہی ہوتے تھے، بدن پر بجائے کرتے کے گاڑھے کی کمری (کمری چھوٹا سا کرتا ہوتا ہے، کمر تک آتا ہے؛ اس لیے اس کا نام کمری ہے) بہت پھٹی ہوئی۔ بادشاہ کو اس کی صورت دیکھتے ہی اول تو بہت نفرت ہوئی، اس سے پوچھا: تجھے کیمیا آوے؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: حضور! آپ تو بادشاہ سلامت ہیں، سمجھ دار ہیں، دنیا کے حاکم ہیں، اگر مجھے کیمیا آتی تو میرا یہ حال ہوتا جو حضور دیکھ رہے ہیں؟ میں بھی کوئی محل ایسا ہی بناتا، جیسا حضور کا ہے۔

بات معقول تھی، بادشاہ کے بھی سمجھ میں آ گئی، چھوڑ دیا اور اس وزیر کو بلا کر ڈانٹا، وزیر نے قسم کھائی: حضور! مجھے تو خود تجربہ ہے، اس کو خوب آتی ہے۔

## کیمیا جاننے کی دھن میں بادشاہ کی بادشاہت میں فقیری

بادشاہ نے سلطنت کا انتظام ولیٔ عہد کے سپرد کیا (یعنی اپنے بعد اپنے جس بیٹے کو اپنا نائب بنانا تھا، انتظام اس کے حوالے کیا) بدن پر بھبھوت ملا (تاکہ جسم کا اصلی رنگ اور خوبصورتی چھُپ جائے) تاکہ پہچانا نہ جائے اور اس وزیر کو ساتھ لے کر سقہ کے گھر پہنچا۔ جب اس نے گھر کا نشان بتادیا تو وزیر کو چلتا کر دیا۔ حُبُّكَ الشيءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ: کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔

## کیمیا گر کی مصاحبت حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کی چارہ جوئی

جب وہ سقہ گھر سے نکلا تو یہ بیٹھا رہا، جب وہ صبح کو پانی ڈالنے کے لیے جانے لگا تو یہ اس کے ساتھ ہولیا، کہنے لگا: بڑے میاں! آپ تو بڑے بڈھے ہو گئے ہیں، آپ کو تو بڑی دقّت ہوگی، میں تو گھر سے فالتو ہوں، مارا مارا پھرتا ہوں، اگر آپ مجھے کچھ ٹھکانے بتا دیں تو میں ہی گھروں میں جا کر پانی ڈال آیا کروں گا۔ سقہ نے کہا: نہیں بھائی! میری تو روزی اسی میں ہے، تو اپنا کام کر۔ کہنے لگا: بڑے میاں! تم مجھے کچھ ایسے اچھے ہی بہت لگو، میں تو تمھاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، تم سے کچھ مانگنے کا نہیں، نہ مجھے روٹی چاہیے، نہ کچھ اور۔

## اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت گاروں کو بھوکا کیسے رکھ سکتے ہیں؟

شام کو سقہ نے- جب وہ روٹیاں مانگ کر لایا- بادشاہ کی تواضع کی (وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بادشاہ ہے) مگر اس نے انکار کر دیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ غمزدہ ہوں، پریشان ہوں، میں تو کئی دن کا فاقہ کرتا ہوں۔ سقّے نے بڑے اصرار سے دو چار لقمے کھلائے۔ یہاں پھر میں وہی کہوں گا جو ابھی ماموں عثمان کے قصّے میں کہہ کے آیا ہوں (حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ موقع بموقع علماء کو اس طرف متوجہ کرتے تھے) کہ آپ اللہ کے دین کا کام کرتے ہیں، اللہ جو ساری دنیا کو روزی دیتا ہے اور سارے خزانوں کا مالک ہے، کیا آپ اس کے دین کا کام کریں گے اور وہ آپ کو بھوکا رکھے گا؟ (حضرت ہمیشہ یہ بتلایا کرتے تھے) البتہ اتنا ہے: کون سچا، کون جھوٹا، کون مخلص، کون منافق تو اس کی

سچائی اور اخلاص کو معلوم کرنے کے لیے تھوڑی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ (یہاں حضرت اسی کو یاد دلا رہے ہیں)۔

ایک سقّے کی غیرت نے تو گوارا نہیں کیا کہ ایک آدمی اس کا کام کرے اور بغیر اس کے روٹی کھائے مگر ہم لوگوں کو اس کا بالکل یقین نہیں آتا کہ ہم اخلاص سے اللہ کا کام کریں اور وہ ہمیں بھوکا مار دے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ سقہ عالم الغیب نہیں تھا؛ اس لیے دھوکے میں آ گیا۔ مالک یعنی اللہ عالم الغیب ہے، اسے حقیقتِ حال معلوم ہے، اسے معلوم ہے کہ کون اخلاص سے مالک کا کام کر رہا ہے اور کون دھوکے سے کر رہا ہے۔

## میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

غرض! بادشاہ نے سقّے کی بہت ہی خدمت کی، دن بھر اس کا پانی بھرتا، رات کو جب سقہ لیٹتا تو اس کا خوب بدن دباتا، ہٹّا کٹّا جوان تھا۔ سقّے کو بھی پانچ سات دن میں وہ مزا آ گیا کہ لطف ہی آ گیا۔ دو تین مہینے سقّے نے خوب ٹٹولا، خوشامد کی، کچھ کھانے کو کچھ پیسے مقرر کر لے۔ بادشاہ نے کہا: جی میاں! مجھے مزدوری کرنی ہوتی تو دنیا میں بہت مزدوریاں تھیں، مجھے تو تم بہت ہی اچھے لگتے ہو، میں تو راستے میں بیٹھ گیا تھا، تمھاری صورت مجھے کچھ بہت ہی اچھی لگی۔ اگلا شعر تو میں نے اپنے والد سے نہیں سنا مگر واقعے کے مناسب تھا، یاد آ گیا:

| | |
|---|---|
| گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم | پسند آ گئی تیری صورت کچھ ایسی |
| دیر وحرم میں روشنی شمس وقمر سے ہو تو کیا | مجھ کو تو تم پسند ہو، اپنی نظر کو کیا کروں |

| | | |
|---|---|---|
| گورے کالے پر نہیں موقوف | | دل کے آنے کے طریقے نرالے ہیں |
| دیدِ لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنوں ہے ضرور | | میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا |

## بادشاہ کی طرف سے سقہ کی خدمت گزاری

غرض! بادشاہ نے محبت کے وہ جذبے دکھائے کہ سقہ بھی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بڑھاپے میں عاشقِ زار کہاں سے پیدا ہو گیا، کبھی کہتا کہ ابّا جی! لونگی باندھ کے کپڑے دے دو، میں کپڑے دھلاؤں! ارے بھائی! میں تو خود ہی دھولوں گا۔ اجی! تم بڑھاپے میں کہاں تکلیف اٹھاؤ گے۔ ان میں جوئیں ڈھونڈتا، خوب پٹڑے پر چھیت چھیت کر صاف کرتا، کچھ پیسے تو ضرور ساتھ ہوں گے، بڑھے کو جھانسا دے کر اِدھر اُدھر سے کچھ کھالیتا مگر بڈھے کے سامنے اپنے فقر وفاقہ اور زہد کا زور خوب دِکھاتا۔

## کیمیا گر بتانے پر سقہ کا اصرار اور بادشاہ کا مکارانہ انکار

چار پانچ مہینے بعد بڈھے نے کہا: ارے لونڈے! مجھے کیمیا آوے، بادشاہ نے بھی مجھ سے پوچھا تھا (بادشاہ کے نام کی گالی دے کر) میں نے اس کو بھی انکار کر دیا، تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بادشاہ کی جان میں جان تو ضرور آ گئی مگر زبان سے اتنی سختی سے انکار کیا کہ کیمیا کی ایسی تیسی! مجھے کیا کرنا! مجھے تو تمھاری محبت نے مار رکھا ہے۔

آٹھ دس دن تک سقہ اصرار کرتا رہا، بادشاہ انکار کرتا رہا۔ ایک دن سقہ نے کہا کہ میں بڈھا ہو گیا ہوں، یہ علم میرے ساتھ ہی چلا جائے گا، کسی اور کو تو میں بتانے کا نہیں، تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بھائی! محبت سے محبت ہوتی ہے، مجھے بھی تجھ سے محبت ہو گئی،

اگرچہ تو نے مجھے اپنا حال تو بتایا نہیں: تو کون ہے؟ کہاں سے آیا۔ ابّا جی! کیا اپنا حال بتاؤں! لاوارث ہوں، یونہی مارا مارا پھرتا ہوں، گھر بھی بھول بھال گیا، کہاں تھا، اب تو تم ہی اپنا بیٹا بنا لو۔

## کیمیا کا طریقہ جان لینے کے بعد بادشاہ کا فرار

غرض میں تو آدمی گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے، یہ تو پھر بہرحال آدمی تھا۔ ایک دن سقہ صبح ہی صبح بادشاہ کو لے کر جنگل گیا اور ۲۵، ۳۰؍ بوٹیاں اس کو خوب دکھائیں اور اسی سے تڑوائیں اور گھر آ کر اسی سے کیمیا بنوائی۔ بادشاہ تو اس پر مرہی رہا تھا، خوب غور سے دیکھا اور رات ہی کو بھاگ گیا۔

اگلے دن سقہ ماتھا ملتا رہ گیا، کم بخت بہت ہی دھوکہ باز تھا، بے ایمان یوں کہے تھا کہ مجھے تو تم سے محبت ہے۔ ہائے! انجان آدمی سے تو کبھی منہ نہ لگائے۔

## میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی

اپنے تخت پر پہنچ کر ان ہی سنتریوں کو بھیجا کہ سقہ کو پکڑ لاؤ! (سقہ آیا تو) بادشاہ نے پوچھا: ارے سقّے! سنا، تجھے کیمیا آتی ہے؟ اجی میاں! آپ نے تو پہلے بھی پوچھا تھا، اگر مجھے کیمیا آتی تو یوں مارا مارا پھرتا؟ مگر پانچ چھ مہینے جس نے پاؤں دبائے ہوں، وہ کہاں چھپ سکتا تھا، سقہ اس کے منہ کو گھورتا رہا۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے بھی پہچان لیا؟ سقہ نے کہا: میاں! خوب پہچان لیا۔ بادشاہ نے کہا: پھر تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ سقہ نے کہا کہ میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی، میاں کیمیا کے لیے تو

سقہ بننا ضروری ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے بہت انعام دیا۔ اگلا شعر بھی میرا سنا ہوا نہیں، میری ہی طرف سے اضافہ ہے:

| |
|---|
| تمنا درد دِل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی |
| نہیں ملتا ہے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں |
| سرخ رو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد |
| رنگ لاتی ہے حنا پتھر پے گِھس جانے کے بعد |

سقّے نے بات تو بہت صحیح اور پتے کی کہی، خاکساری، تواضع اور خوشامد سے جو ملتا ہے، وہ بڑائی اور تکبر سے نہیں ملتا۔ اس قسم کے قصے تو اپنے بڑوں سے بہت سن رکھے ہیں مگر سارے رسالے میں نمونے ہی لکھوائے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| مپندار جانِ پدر گر کسی | | کہ بے سعی ہرگز بجائے رسی |

میرے والد رحمۃ اللہ علیہ محنت، جفاکشی، پستی کے بڑے قصے سنایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ انھیں بہت ہی جزائے خیر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ[۱]: جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے، اللہ اسے بلند درجے عطا فرماتے ہیں، یہاں تو تواضع بھی اللہ کے لیے نہیں تھی، غرض کے واسطے تھی مگر تواضع اور سقّے کے پاؤں دبانے نے کیمیا سکھا دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

① شعب الإيمان، عن عمر بن الخطاب، فَصْلٌ فِي التَّوَاضُعِ، وَتَرْكِ الزَّهْوِ، والصَّلَفِ، وَالْخُيَلَاءِ، وَالْفَخْرِ، وَالْمَدْحِ، رقم الحديث: ۷۷۹۰.

# موت کی تیاری

بمقام: منی پور

# اقتباس

قیامت کے دن لوگ تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں کچھ اور موقع دیا جاتا تو ہم کچھ کرتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ۳۷]: ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی آدمی سُدھرنا چاہتا، نیک بننا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ سُدھر سکتا تھا، نیک بن سکتا تھا، نصیحت حاصل کر سکتا تھا اور ہماری طرف سے ڈرانے والے بھی آئے تھے، ہم نے رسول بھیجے تھے جنھوں نے آکر موقع بموقع تم کو ڈرایا، وارننگ دی کہ دیکھو! موت آنے والی ہے، اس کی تیاری کرو، اس کے باوجود بھی تم خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی عمر دی ہے، اس میں موت کی تیاری کرنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ [فاطر: ۳۷]

وقال النبي ﷺ:اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ[۱].

وقال النبی ﷺ: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ[۲] أو كماقال عليه الصلوةوالسلام.

---

① سنن الترمذى،عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ ؓ،رقم الحديث:۲٦٤٧.

① شعب الإيمان،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالى عنهما،بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ .

## احادیثِ مبارکہ کا مختصر مفہوم

ابھی آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی ایک آیت کا ایک حصہ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ارشادات پڑھ کر سنائے گئے، پہلی حدیث جو آپ کو پڑھ کر سنائی گئی، اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَابَعْدَالْمَوْتِ: ہوشیار، چالاک اور سمجھدار وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، قابو میں رکھے، اس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے، اس کی تیاری کرے۔ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا: اور بے وقوف وہ آدمی ہے جو اپنی ذات کو خواہشات کے پیچھے چلاوے اور اللہ تبارک وتعالی سے امید باندھے۔

## ایک عام انسانی مزاج

آدمی کا مزاج ہے کہ وہ گناہ کرتا رہتا ہے اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی تو غفور رحیم ہیں، معاف کرنے والے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالی نے اپنی مغفرت کے واسطے بھی کچھ ضابطے اور اصول بنائے ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلا دئے ہیں۔

## مغفرتِ الٰہی کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں

ایک کافر ہے، وہ کفر کرتا ہے، شرک کا ارتکاب کرتا ہے، ہم اس کو کہیں کہ اسلام قبول کرلو، مسلمان ہو جاؤ اور وہ جواب میں کہے کہ اللہ تبارک وتعالی تو غفور رحیم ہیں تو ہم کیا کہیں گے؟ ہم جواب میں کہیں گے کہ اللہ تبارک وتعالی کا قرآنِ پاک میں ارشاد

ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾ [النساء:۱۱۶] کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اگر کسی کو شریک کیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ معاف نہیں کرتے، دوسرے گناہوں کو جتنا چاہتے ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے لیے بھی کچھ اصول اور کچھ ضوابط ہیں؛ اس لیے یہ کہہ کر کہ ’اللہ تبارک وتعالیٰ تو غفور رحیم ہیں‘ اپنے آپ کو گناہوں میں مبتلا کرنا، یہ بہت بڑی حماقت ہے۔

## عقل منداور ہوشیار فرمانِ نبوی کی روشنی میں

ہمارے یہاں دنیا میں لوگ ہوشیار اور چالاک کس کو کہتے ہیں؟ جو خوب دنیا کمائے، پیسہ اِکھٹا کرے، لوگوں کو دھوکہ دے، خوب بے وقوف بنائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا ہوشیار ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے، ہوشیار تو وہ ہے جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوشیار بتائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوشیار کس کو کہتے ہیں کہ جو اپنے نفس کو کنٹرول کرے، قابو میں رکھے، جو آخرت کی تیاری کرے، ہر وقت اللہ کا دھیان رہے۔

## عقل منداور ہوشیار آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں

قرآن میں ہے: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران:۱۹۰، ۱۹۱]: اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جو آسمان اور زمین پیدا کیے، اس

میں عقل مندوں کے لیے بہت ساری نشانیاں ہیں۔

عقل مند کون ہیں؟ اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ جو اللہ تعالی کو یاد کرتے ہیں، ﴿قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾: کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے، جن کی زبان پر ہر وقت اللہ کی یاد، اللہ کا ذکر، اللہ تبارک وتعالی کی ذات کا استحضار۔ یہ اللہ تبارک وتعالی کی ذات کا استحضار ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو ہمیشہ اللہ تبارک وتعالی کی نافرمانی سے روکتا ہے، یہی مطلوب ہے تو قرآن کہتا ہے کہ عقل مند کون لوگ ہیں؟ جو ہر وقت، ہر لمحہ، اپنی ہر حالت میں چاہیں کھڑے ہوئے ہوں، چاہے بیٹھے ہوئے ہوں، چاہے لیٹے ہوئے ہوں۔ آدمی کی یہ تین حالتیں ہی ہوسکتی ہیں، ان میں اللہ کو یاد کرتے ہیں، اس کا ذکر کرتے ہیں، اس کی ذات کا استحضار رکھتے ہیں تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہوشیار وہ ہے جو موت کے بعد والی زندگی کے لیے تیاری کرے۔

## آج وہ، کل ہماری باری ہے

اب ہر شخص جانتا ہے کہ جب ہم دنیا میں آئے ہیں تو یہاں کسی کو رہنا نہیں ہے، ہم سے پہلے لاکھوں، کروڑوں مخلوق آئی، ہم جس مکان میں رہ رہے ہیں، اس میں ہمارے آباء واجداد پیدا ہوئے، اس میں زندگی گذاری اور اس میں ان کا انتقال ہوا اور اس کے بعد ہماری بھی باری آئے گی، ہم بھی یہاں ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔

## پھر بھی آپ اسی محل میں رہتے ہیں؟

ایک مرتبہ ایک بادشاہ ایک کشتی میں بیٹھ کر کے جارہا تھا۔ اب کشتی چلانے والا جو

تھا، بادشاہ نے ان سے حالات پوچھے۔ بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے، پوچھ لیتے ہیں تو بادشاہ نے پوچھا کہ تمھارا کیا پیشہ ہے، تمھارے گذر بسر کا کیا ذریعہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہی کشتی چلانا ہمارا پیشہ ہے۔ پھر پوچھا کہ تمھارے باپ دادا کا بھی یہی پیشہ تھا؟ تو جواب دیا کہ ہاں! یہی پیشہ تھا۔ پوچھا کہ ان کا انتقال کیسے ہوا؟ جواب دیا کہ سب اسی کشتی میں ڈوب کر مرے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ پھر بھی تم یہی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہو، یہی کشتی چلا رہے ہو؟ تو اس نے پوچھا کہ حضور! آپ کے ابّا جان کا انتقال کہاں ہوا؟ کہا کہ محل میں۔ دادا کہاں مرے؟ جواب دیا کہ محل میں۔ پوچھا کہ پردادا کہاں مرے؟ تو جواب دیا کہ محل میں۔ تو کشتی چلانے والے نے کہا: پھر بھی آپ اسی محل میں رہتے ہیں؟۔

## مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ موت تو بہر حال آنے والی چیز ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، اس کا ایک وقت مقرر ہے، دنیا میں چاہے کتنی زندگی گذار دے، موت تو بہر حال آنے والی ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔

## نہ نبی رہے، نہ ولی رہے، نہ غنی رہے، نہ سخی رہے

دنیا میں لوگوں نے بڑی بڑی حقیقتوں کا انکار کیا: اللہ تبارک وتعالی کے وجود کا انکار کیا، نبیوں کی بعثت کا انکار کیا، قیامت کا، جنت کا دوزخ کا انکار کیا، بہت سی چیزوں کا انکار کیا لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ ہر آدمی کو اس کی آمد کا یقین ہے، چاہے وہ امیر ہو، غریب ہو، پڑھا لکھا ہو، ان پڑھ ہو سبھی جانتے ہیں کہ موت آنے والی ہے۔

## کل تو کیا ایک پل کا بھروسہ نہیں

پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ موت کب آئے گی؟ سب اس بات کا یقین کرتے ہیں: ہم بھی، آپ بھی، ہر ایک اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ موت کا مقررہ وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، دو سال کے بعد بھی آ سکتی ہے، دو مہینے کے بعد بھی آ سکتی ہے، دو دن کے بعد بھی آ سکتی ہے، دو منٹ اور دو سیکنڈ کے بعد بھی آ سکتی ہے، یہاں جتنے بھی بیٹھے ہیں، کوئی بھی گارنٹی کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں فلاں وقت مروں گا، ہوسکتا ہے کہ ابھی اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اللہ کا بلاوا آ جائے۔

## نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ اور بڑے بادشاہ گذرے ہیں، خلفائے بنوامیہ میں سے ہیں۔ ان سے پہلے جو خلفائے بنوامیہ گذرے تھے، انھوں نے بیت المال میں بہت سی بے اصولیاں، دھاندلیاں کی تھیں۔ وہ جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو پورے طور پر خلافتِ راشدہ کے طرز پر حکومت چلائی، جس کی وجہ سے خاندان والوں کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی، اس پر بریک لگ گئی تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے، جس کے نتیجے میں خاندان والوں ہی میں سے کسی نے ان کو زہر دلوایا۔ جب اس زہر کا اثر ظاہر ہوا تو طبیب کو بلوایا گیا اور طبیب نے ان کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ ان کو زہر دیا گیا اور مجھے ان کی زندگی کا اطمینان نہیں ہے، بھروسہ نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ یہ جو سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، کیا ان کی

زندگی پر اطمینان ہے؟۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیمار ہے اور دوسرا تندرست آدمی اس کی خدمت کرتا ہے تو وہ بیمار تو اچھا ہو کر دیر تک زندہ رہتا ہے اور جو خدمت کر رہا ہوتا ہے، وہ چل بستا ہے! تو بہر حال! موت کا مقررہ وقت کسی کو معلوم نہیں ہے۔

## ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ موت بھی ایک حقیقت ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موت کا مقررہ وقت کسی کو معلوم نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی ہمہ وقت اپنی موت کے لیے تیار رہے اور اعمال کا اس طرح اہتمام کرے کہ کسی بھی وقت بلاوا آجاوے تو اس کو یہ ندامت اور پچھتاوا نہ ہو کہ کاش کہ مجھے ذرا اور مہلت دی جاتی۔ جیسے عام طور پر آدمی کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے، قرآن میں ہے: ﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ [المنافقون: ١٠] بدعمل آدمی کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ مجھے ذرا اور مہلت دی گئی ہوتی۔

## دوسری زندگی کی تمنا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا جواب

قیامت کے دن بھی لوگ تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں کچھ اور موقع دیا جاتا تو ہم کچھ کرتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾[فاطر: ٣٧ ]: ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اگر تم میں کوئی آدمی سُدھرنا چاہتا، نیک بننا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ سُدھر سکتا تھا، نیک بن سکتا تھا، نصیحت حاصل کر سکتا تھا؟ اور ہماری طرف سے ڈرانے والے بھی آئے

تھے، ہم نے رسول بھیجے تھے جنھوں نے آ کر موقع بموقع تم کو ڈرایا، وارننگ دی کہ دیکھو! موت آنے والی ہے، اس کی تیاری کرو، اس کے باوجود بھی تم خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی عمر دی ہے، اس میں موت کی تیاری کرنا ہے۔

## جس کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، اس کا عذر ختم ہو گیا

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر دی ہو، فَقَدْ أَعْذَرَ: اس کا عذر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ختم کر دیا[۱]۔ قیامت کے دن اس کو یہ کہنے کا عذر نہیں رہے گا کہ مجھے کچھ موقع دیا جاتا تو میں کچھ کرتا۔ باری تعالیٰ کہیں گے کہ دنیا میں رہنے کے لیے تجھ کو ساٹھ سال تو دئے تھے، تو نے اس میں کچھ نہیں کیا تو اب کیا، اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟

## رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت

میں موت کے بارے میں عرض کر رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت آ سکتی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، ہوسکتا ہے کہ میں باہر نکلا اور پاؤں پھسلا، گرا اور ٹانگ ٹوٹ گئی اور صاحبِ فراش بن کر رہ گیا۔ بخار نے حملہ کر دیا، کون سی بیماری کب آنے والی ہے، کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو موت سے پہلے اس کی تیاری کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، باب مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ.

# (۱) وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت

# (۲) تبلیغی کام کی اہمیت

# اور اس میں پائی جانے والی کچھ کوتاہیوں پر تنبیہ

بمقام: سورت رانی تلاؤ، مرکز مسجد

بوقت: ۱۶/ ۶/ ۲۰۰۰

ڈربن، (یو کے) مرکز

۲۳/ ۱۲/ ۲۰۱۶

# اقتباس

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں لاجپور کے اجتماع میں آئے تھے اور آخری مجلس میں جو تقریر فرمائی تھی، وہ مجھے خوب یاد ہے اور حضرت نے اسی موضوع پر، یہی باتیں جو میں عرض کرر ہا ہوں، بیان فرمائی تھیں کہ بھائی! یہ تمام شعبے اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں؛ اس لیے ہر شعبے والے آپس میں مل جل کے اپنے اپنے کام میں لگیں اور کسی کی تحقیر یا تنقیص کسی کے دل میں نہ ہو تو ان شاء اللہ بڑی کامیابی ہے۔

یہ جو بعض حضرات اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسی چیز کر ڈالتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری جماعت کے اوپر زد پڑتی ہے اور جو ذمہ دار حضرات ہیں، ان کو بھی کبھی بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، جب ان کے سامنے اس طرح کی باتیں آتی ہیں اور اس پر ناراضگی کا بھی اظہار کرتے ہیں لیکن بہر حال! یہ چیز ہونی مناسب نہیں ہے، تحقیر کسی کی نہ ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أما بعد: فَأَعُوْذُ بِالله مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

## سورۂ عصر کی اہمیت وفضیلت

محترم حضرات! یہ جو آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی گئیں، وہ درحقیقت قرآنِ پاک کی ایک چھوٹی سی سورت ہے اور چھوٹی ہونے کے باوجود اس مضمون کی وجہ سے جس کی اس میں تعلیم دی گئی ہے، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اس سورت کے اندر غور وفکر کرے تو وہ اس کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابی جب آپس میں ملتے تھے تو دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ دونوں میں سے ہر ایک یہ سورت پڑھ کر کے ایک دوسرے کو سناتا تھا①۔ گویا اس سورت میں جس مضمون کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، وہ اس مضمون اور درس کو ہر ملاقات میں تازہ کیا کرتے تھے۔

## سورۂ عصر کا مختصر مفہوم

اس سورت میں باری تعالی نے زمانے کی قسم کھائی ہے: ﴿وَالْعَصْرِ﴾ قسم ہے زمانے کی! ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: نوعِ انسان خسارے میں ہے۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے، وہ البتہ خسارے میں نہیں ہیں۔

## زمانے سے کون سا زمانہ مراد ہے؟ پہلا قول: مطلق زمانہ مراد ہے

یہاں زمانے سے مراد کون سا زمانہ ہے؟ تو بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ اس سے مطلق زمانہ مراد ہے؛ اس لیے کہ انسان بھی اسی زمانے کے اندر پیدا ہوتا ہے، پلتا ہے، بڑھتا ہے، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی تمام کاروائیاں اسی زمانے کے اندر وجود میں آتی ہیں، اس اعتبار سے زمانے کی قسم کھائی گئی۔

---

① أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَالْبَيْهَقِيّ فِي شعب الإِيمان عَن أبي مليكَة الدَّارميّ وَكَانَت لَهُ صُحْبَة قَالَ: كَانَ الرّجلَانِ. (الدر المنثور،۸/ ٦٢١)

## دوسرا قول: انسان کو دی جانے والی حیات مراد ہے

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو زندگی عطا فرمائی ہے، زمانے کا جتنا حصہ بطور حیات اور زندگی کے انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو عطا کیا گیا ہے، اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ گویا وہ زمانہ جو انسان کو زندگی کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملا ہوا ہے، یہی دراصل انسان کا سرمایہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو پیدا نہ فرماتے تو وجود میں آنے کے بعد جتنی بھی روحانی اور مادی نعمتیں اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں، وہ کہاں پاتا؟ گویا ساری نعمتوں کے حصول اور پانے کی بنیاد یہ زندگی ہے، اسی لیے اس زندگی کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔

## زندگی کی حقیقت

اور یہ زندگی کیا ہے؟ زمانے کا ایک حصہ ہے جو چند سالوں، چند مہینوں، چند ہفتوں، چند دنوں، چند ساعتوں کے اوپر مشتمل ہے، اس کے مجموعے کا نام زمانہ ہے، زندگی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے۔

## قرآن میں مضامین کو بیان کرنے سے پہلے قسم کھانے کا مقصد

یہاں خاص اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مضمون آگے بیان کیا گیا ہے، اس مضمون کے شہادت کے طور پر زمانے کی قسم کھائی ہے۔ کلامِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو قسمیں ہیں، ان کا وہ حال نہیں ہے جو انسان اپنے کلام میں قسم کھایا کرتا ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ

قرآنِ پاک میں جہاں کسی مضمون کے متعلق اور کسی ہدایت کے متعلق قسم کھاتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے، اگر آپ اس چیز کے اندر غور کریں تو قسم کھا کر کے جو بات آگے بیان کی جارہی ہے، اس کی صداقت کا آپ کو پتہ چل جائے گا اور جس کی قسم کھائی گئی ہے، وہ گویا شاہد ہے، گواہ کے طور پر اس کو پیش کیا جارہا ہے۔

## اس سورت کے شروع میں زمانے کی قسم کھانے کی حکمت

یہاں زمانے کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ انسان جو پیدا ہوتا ہے اور اس کے جو مختلف حالات ہوتے ہیں، ان سب کا تعلق زمانے سے ہے، گویا جب سے یہ کائنات وجود میں آئی اور یہ انسانی تاریخ جب سے لوگوں کے علم میں آئی ہے اور ترتیب دی گئی ہے، اس وقت سے اگر آپ تاریخِ انسانی کا مطالعہ کریں اور یہ انسانی تاریخ جو مختلف ادوار اور مختلف زمانوں سے گذری ہے، اس کا آپ مطالعہ کریں۔ ان پر جو حالات آئے، اس کو آپ پڑھیں تو آپ کو یہ تاریخ بتلائے گی کہ اس پوری تاریخِ انسانی میں جتنے بھی لوگ گذرے ہیں اور جن کا بھی تعلق نوعِ انسانی سے رہا ہے، وہ سب گھاٹے میں رہے ہیں، سوائے ان حضرات کے جو ان چار صفتوں کے اور ان چار چیزوں کے حامل رہے ہیں، بس یہ چار صفات کے حاملین کامیاب رہے اور باقی سارے انسان گھاٹے اور خسارے میں رہے۔

## جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے

یہاں گویا اللہ تبارک وتعالی نے پوری تاریخِ انسانی کو گواہ بنا کر کے پیش کیا ہے کہ

اگر آپ اس کا بغور مطالعہ کریں اور اس تاریخ کے احوال پر اگر آپ کی ناقدانہ نظر ہو اور آپ خوب اچھی طرح اس کو پڑھیں تو آپ کو یہ جو آگے بات بیان کی جارہی ہے، اس کی صداقت کا خود بخود یقین ہو جائے گا اور اس کی حقانیت اور صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر کے آپ کے سامنے آجائے گی۔

## انسانی زندگی اس کی پونجی اور سرمایہ ہے

اب یہاں زمانے کو جو خاص طور پر پیش کیا گیا ہے، اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو جو دنیا میں بھیجا ہے تو دنیا میں آتے وقت اس کو جو پونجی دی جاتی ہے، دنیا میں آکر تجارت اور کاروبار کرنے کے لیے اور اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو پونجی اور سرمایہ دیا جاتا ہے، وہ سرمایہ یہی اس کی زندگی اور اس کے اوقات ہیں۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کیا لے کر کے آتا ہے؟ وہ جو زندگی اللہ تبارک وتعالی نے اس کے لیے مقدر فرمائی ہے اور اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے یہاں جتنا قیام طے شدہ ہے، گویا زندگی کے وہ اوقات، اس کے وہ سال، مہینے اور ہفتے اور دن اور رات اور اس کی گھڑیاں، یہ سب وہی چیز ہے جو اس کے لیے سرمایے کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔

## انسانی زندگی محدود ہے

یہ جسم جو اللہ تبارک وتعالی نے عطا فرمایا اور اس جسم کو استعمال کرنے کے لیے ایک

محدود زمانہ عطا فرمایا۔ اس لیے کہ دنیا کے اندر جو بھی آتا ہے، اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے اور اس مقررہ وقت تک اس کو دنیا کے اندر رہنا ہے تو دنیا میں اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو مقررہ وقت ہے، وہی اس کی زندگی کی پونجی اور سرمایہ ہے اور وہ جو کچھ بھی حاصل کر سکتا ہے، وہ اپنے اسی سرمایے کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اپنے اسی جسم کو کام میں لگائے گا اور اسی وقت سے فائدہ اٹھائے گا تو وہ دنیا اور آخرت کا بہت کچھ نفع حاصل کر سکتا ہے۔

اور اگر اس نے اپنی زندگی کے اس سرمایے کو یوں ہی گنوا دیا، ضائع کر دیا، اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو اتنا ہی نہیں کہ اس کے ہاتھ سے یہ پونجی نکل جائے گی بلکہ اپنے اوپر بہت سارے جرائم اور بہت سارے گناہوں کا بوجھ لے کر کے جائے گا جس کا عذاب اس کو وہاں بھگتنا پڑے گا۔

تو یہ زندگی اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کو عطا کی گئی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہے، حاصل کر سکتا ہے؛ کیوں کہ اور کوئی چیز وہ دنیا میں لے کر کے نہیں آتا، یہی چیز لے کر کے آتا ہے۔

اور اسی لیے اس کو امانت سے تعبیر کیا گیا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس سرمایے کو اور اپنے اس قیمتی وقت کو اور اللہ تبارک وتعالی نے فرصت کے جو یہ لمحات عطا فرمائے ہیں، فرصت کے ان لمحات میں اپنے بدن سے اور بدن کی طاقت اور قوت سے جو فائدہ حاصل کرنا چاہیے، اس سے آدمی غفلت نہ برتے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔

## محدثین کی خصوصی اصطلاح ’’الرقاق‘‘ اور اس کا مطلب

حدیث کی جو مختلف کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں ایک مستقل عنوان آتا ہے کتاب الرقاق کا، یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وہ ارشادات کہ جن کو سن کر آدمی کا دل نرم ہوتا ہے اور دنیا کی طرف سے ہٹ کر کے آخرت کی طرف میلان اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم کرنے والے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے والے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان ارشادات کو محدثین اسی کتاب الرقاق کے عنوان کے تحت لاتے ہیں، اس لیے کہ ہماری جو بنیادی بیماری ہے، وہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت کی طرف سے غفلت ہے تو اگر ایسی باتیں پیش کی جائیں کہ جن کے نتیجے میں دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی رغبت بڑھے تو وہی باتیں اس کے لیے کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

## دو نعمتیں جن کی کثرت سے ناقدری ہوتی ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے اندر اسی کتاب الرقاق کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان ہی ارشادات سے خاص طور پر شروع کیا، پہلی جو روایت لائے ہیں، وہ یہی ہے: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان دو نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے معاملے میں اور ان نعمتوں کی حقیقی قدر و قیمت جاننے اور اس کو وصول کرنے کے معاملے میں لوگ بہک جاتے ہیں۔ وہ دو نعمتیں کیا ہیں؟ ایک تو تن درستی اور دوسری ہے فرصت [۱]۔

---

۱ صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالی عَنْهُمَا، بَابٌ: لاَ عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ.

اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو زندگی کے اندر جو موقع عطا فرمایا ہے، جو فرصت کے لمحات آپ کو حاصل ہیں، مشغولی سے نکل کر کے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی قدر و قیمت وصول کرنی چاہیے اور اللہ تبارک وتعالی نے جو آپ کو تن درستی کی نعمت عطا فرمائی ہے، اس تن درستی کی نعمت سے بھی آپ اپنے جسم سے کام لے کر بہت کچھ قدر و قیمت وصول کر سکتے ہیں۔

## مذکورہ حدیث ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کی تفسیر ہے

آپ اگر لوگوں کا بنی نوعِ انسانی کے حالات کا مطالعہ کریں تو دنیا میں عام طور پر آپ کو ایسے لوگ نظر آئیں گے کہ جو اللہ تبارک وتعالی کی ان دو عظیم نعمتوں سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے، ویسا اٹھاتے نہیں ہیں بلکہ اس معاملے میں وہ گھاٹے کا، خسارے کا اور نقصان کا شکار ہیں، گویا وہی بات جو قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمائی: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: انسان گھاٹے اور خسارے میں ہے، اسی کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید صراحت کے ساتھ فرمایا کہ وہ کون سی چیز میں گھاٹا اٹھا رہا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی جو یہ دو نعمتیں ہیں: تندرستی اور فرصت، اس کا جو فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی جو قدر و قیمت حاصل کرنی چاہیے، اس قیمت کو اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے معاملے میں انسان گھاٹے اور خسارے میں ہے۔

## وقت کی قدر و قیمت وصول کرنے میں انسان کیسے خسارے میں ہے؟

کیسے گھاٹے اور خسارے میں ہے؟ تو ہر تاجر جانتا ہے کہ اس کے پاس جو مال اور

سرمایہ ہوا کرتا ہے اور اس مال کا جو ویلیو (value) ہے، بازار میں اس کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت حاصل کی جاسکتی ہے، اگر اس کی اس متوقع زیادہ سے زیادہ حاصل ہونے والی قیمت سے کم پاتا ہے تو اس کو تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کو اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور اس کی جو قیمت وصول کرنی چاہیے تھی، وہ قیمت اس نے وصول نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھاٹے میں رہا۔

اگر کپڑے کا ایک تھان آپ کے پاس موجود ہے اور بازار کے ویلوایشن (valuation) کے اعتبار سے وہ کپڑے کا تھان ایک ہزار روپیہ کا ہے۔اب اگر آپ کپڑے کے اس تھان کو فروخت کر کے ایک ہزار یا اس سے زیادہ وصول کرتے ہیں یعنی آپ اس کا سودا اس طرح کرتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ آتے ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ آپ گھاٹے اور خسارے میں نہیں ہیں لیکن اگر آپ وہ کپڑے کا تھان کسی کے ہاتھ فروخت کر کے اور اس کا سودا کر کے اپنے ہاتھ سے جو پیسے وصول کر رہے ہیں، وہ ایک ہزار نہیں بلکہ ایک ہزار سے کم ہیں یا ایسے ہی آپ کے ہاتھ سے کپڑے کا وہ تھان نکل گیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ آپ کا یہ سودا اور معاملہ گھاٹے اور خسارے کا ہے۔

## آخرت کی تجارت قرآن کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جو زندگی کے لمحات عطا فرمائے ہیں، وہ بڑے قیمتی ہیں، اب آدمی کے اختیار کی بات ہے کہ زندگی کے ان لمحات کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول

کرکے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش تجارت کے اندر لگائے جیسے دنیا کی تجارت ہے، ویسے آخرت کی بھی تجارت ہے۔

قرآن میں آخرت کے اعمال کو تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[الصف:۱۰، ۱۱] باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا میں ایسی تجارت کی نشان دہی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہو؟ وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال کے ذریعہ سے مجاہدہ کرو، مشقت اٹھاؤ، جہاد کرو۔

## دنیا آخرت کی کھیتی ہے

دیکھیے! اس کو تجارت سے تعبیر کیا گیا؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جو سرمایہ عطا فرمایا ہے، اگر وہ آخرت کے لیے ان شکلوں میں: ایمان اور عملِ صالح اور اللہ کے راستے میں اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے مختلف طریقوں سے محنت کرکے اپنی جان اور مال کو استعمال کرتا ہے تو اس صورت میں وہ اپنے اس سرمایے کو ایک نفع بخش تجارت کے اندر لگا کر کے اس کی قیمت وصول کرتا ہے، اسی کو تجارت سے تعبیر کیا۔

## احادیث میں آخرت کے اعمال پر تجارت کا اطلاق

اور حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تجارت سے تعبیر فرمایا ہے: كُلُّ

النَّاسِ يَغْدُو فَبَايِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا: ہر انسان جب صبح کو نکلتا ہے تو وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے، اب وہ یہ سودا یا تو اس طرح کرتا ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرے اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے نجات دلا کر جنت کی نعمتیں حاصل کرے یا وہ گھاٹے کا اس طرح سودا کرلے کہ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہلاک اور برباد کر کے رکھ دے①۔

تو قرآن اور حدیث میں آخرت کے اعمال کے لیے بھی یہ الفاظ: تجارت کے اور خسارے اور گھاٹے کے اور نفع اور فائدے کے استعمال کیے گئے ہیں، یہ تجارت اور خسارے، گھاٹے جیسے الفاظ دنیا کی تجارت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں تو نبئ کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ سے ہمیں خاص طور پر متوجہ کیا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرصت کی جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، زندگی کے یہ لمحات جو تمھارے ہاتھ میں ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تبارک وتعالی نے صحت کی جو نعمت عطا فرما رکھی ہے، ان دونوں نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرسکو اور اس سرمایے کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرسکو، اس کی کوشش کرو۔

## سرمایے کی ایک قسم جامد اور اس کی تفہیم

اب یہ زیادہ سے زیادہ قیمت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے زندگی کی شکل میں دیا جانے والا سرمایہ جو ہے، وہ

①صحيح مسلم،عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضى الله تعالى عنه،بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ.

ایک سیّال سرمایہ ہے، جامد نہیں ہے، یعنی آدمی کے پاس جو دولت اور سرمایہ ہوا کرتا ہے، ایک تو وہ ہوتا ہے کہ اس کو آدمی اپنی مرضی سے جب چاہے، استعمال کرسکتا ہے اور اگر ابھی اس کو استعمال کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو اس کو محفوظ کرلے، جیسے آپ کے پاس پچاس ہزار روپے کا سرمایہ موجود ہے تو اگر آپ چاہیں تو آج ہی اس کو تجارت کے اندر لگا کر اس سے فائدہ اٹھاویں اور اگر آپ چاہیں تو اس کو اپنی تجوری میں یا کسی کے پاس امانت کے طور پر یا اور کہیں حفاظت کے لیے رکھ دیں اور آج نہیں تو کل اور اس سال نہیں تو آئندہ سال یا دو تین سال کے بعد اس سرمایے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یہ ایک ایسا سرمایہ ہے کہ جس کو استعمال کرنا آپ کے اختیار میں ہے، یہ جامد قسم کا سرمایہ ہے۔

## سرمایے کی دوسری قسم سیال اور اس کی تفہیم

اور سرمایے کی ایک قسم وہ ہوا کرتی ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے، اب اگر آپ دانش مندی اور عقل مندی اور ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ہاتھ سے نکلنے والے اس سرمایے سے فائدہ اٹھالیں اور اس کا کوئی ایسا معاوضہ حاصل کرلیں، اس کا کوئی ایسا بدل اپنے ہاتھ میں لے لیں کہ جس کو آپ آئندہ بھی محفوظ رکھ سکیں، تب تو آپ کامیاب ہیں اور اگر وہ سرمایہ آپ کے ہاتھ سے نکل رہا ہے اور اس کا کوئی معاوضہ آپ حاصل نہیں کررہے ہیں، کوئی ایسا بدل حاصل نہیں کررہے ہیں کہ جو محفوظ رکھ سکیں تو اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ یہ سرمایہ آپ کے ہاتھ سے نکل رہا ہے، بےکار اور ضائع جارہا ہے۔

## برف فروش کو دیکھ کر ایک بزرگ کا انسانی زندگی کے بارے میں حکیمانہ تجزیہ

ایک بزرگ گذر رہے تھے، دیکھا کہ ایک آدمی برف فروخت کر رہا ہے، برف بیچ رہا ہے، اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اس برف بیچنے والے کی تجارت سے مجھے پتہ چل گیا کہ زندگی کا حال کیا ہے۔ کیوں کہ برف بیچنے والا اگر کھلے میدان کے اندر دھوپ میں بیٹھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ برف تو ویسے ہی پگھلتی جا رہی ہے، اب وہ جتنا جلدی اس برف کو بیچ کر کے اس کے پیسے حاصل کر کے جیب میں رکھ لے، اتنا ہی کامیاب ہے۔

اور اگر وہ برف وہاں یوں ہی کھلی ہوئی پڑی ہے، کوئی تماشا دائیں، بائیں ہو رہا ہے، وہ اپنی برف کو چھوڑ کر کے تماشا دیکھنے میں مشغول ہے، یہاں تک کہ شام ہوگئی اور کچھ بارش بھی گر گئی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ویسے بھی دوپہر سے اب تک برف تو پگھلتی رہی، تھوڑی بہت رہ گئی تھی تو شام کو بارش آ گئی، اب اس کی بھی کوئی قیمت دینے والا نہیں رہا، اس لیے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں رہی اور اس کا سرمایہ یوں ہی ضائع ہو گیا۔ اگر وہ مستعدی اور ہوشیاری سے کام لے کر جلدی سے جلدی اس کو فروخت کر دیتا تو برف جو پگھل رہی تھی، اس کا معاوضہ ایسی شکل میں حاصل کر سکتا تھا کہ وہ معاوضہ یعنی روپیے کے سکے یا نوٹ پگھلنے والے نہیں ہیں، وہ اس کی جیب میں محفوظ رہیں گے۔

## ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم

اسی طرح سے ہماری زندگی کا یہ سرمایہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں سالوں اور

مہینوں اور دنوں کی شکل کے اندر عطا فرمایا ہے، وہ حقیقت میں ایک بہنے والا سرمایہ ہے، برف کی طرح پگھل کر بہہ رہا ہے،

| | |
|---|---|
| ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم | رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم |

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری زندگی کے یہ لمحات گذر رہے ہیں، جیسے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اگر ہم چاہیں کہ زندگی کے گذرنے والے ان لمحات کو ہم کم کر دیں، روک لیں کہ ابھی ہم کام نہیں کر سکتے، آرام کر رہے ہیں تو ابھی ہماری زندگی کے یہ لمحات تھم جائیں اور ان کو جمع کر کے رکھ دیں تو یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے، ہم کچھ کریں یا نہ کریں، زندگی تو گذر رہی ہے، زندگی کا یہ سرمایہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے، وہ ہمارے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔

## ہم زندگی کی قیمت وصول کرنے والے کب کہلائیں گے؟

اب اگر ہم گذرنے والے ان اوقات کو ایسی چیزوں میں استعمال کریں، ایسے کام میں لگائیں کہ جس کا کوئی اچھا معاوضہ ہم کو مل سکتا ہے، جس کی ہم کوئی اچھی قیمت وصول کر لیں اور ایسی قیمت وصول کر لیں کہ جو ہمارے پاس محفوظ رہے، جیسے برف بیچنے والا برف بیچ کر کے اس کی قیمت روپیے کے سکوں یا نوٹوں کی شکل میں حاصل کر کے اس کو اپنی جیب یا تجوری میں محفوظ کر لیتا ہے، اسی طرح ہم اپنی زندگی کے ان لمحات کو، ان گھڑیوں کو، ان ساعتوں کو، ان گھنٹوں اور منٹوں کو مفید اور کارآمد کاموں میں استعمال کر کے اس کا معاوضہ وصول کر لیں تو ظاہر ہے کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی

زندگی کی جو قیمت ہے، وہ وصول کی۔

## ہر آدمی اپنی زندگی کی قیمت وصول کر رہا ہے

ویسے تو دیکھنے کے اعتبار سے قیمت سبھی وصول کرتے ہیں۔ دیکھیے! دنیا میں جو لوگ نوکری کرتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، دنیوی ساز وسامان کی تجارت کرتے ہیں، فیکٹری چلاتے ہیں یا اور جو بھی ہے تو یہ لوگ جو روزی روٹی کمانے میں اپنی زندگی کے اوقات لگا رہے ہیں، وہ بھی اپنے اوقات کی قیمت وصول کرتے ہیں: ایک ملازم ملازمت کر کے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے، ایک تاجر تجارت کر کے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے، ایک فیکٹری کا مالک فیکٹری کے ذریعہ پیداوار حاصل کر کے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے، الغرض دنیوی امور کے پیچھے جتنے بھی لگے ہوئے ہیں، وہ بھی اپنی زندگی اور اس کے اوقات کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

## گنجِ سیم وزر بھی ہاتھ آیا تو کیا

لیکن آپ بتلایئے کہ کوئی اچھے سے اچھا کمانے والا روزانہ کی کمائی کے اعتبار سے ایک لاکھ بھی کمالے گا تو اپنی زندگی کے اوقات کی کتنی قیمت وصول کر سکے گا؟ اگر اس کی تجارت کا روزانہ کا منافع اور پروفٹ (profit) ایک لاکھ ہے تو آپ اس کی زندگی کے تیس یا پچاس سال کا حساب کر کے بتلایئے کہ وہ کتنا کمائے گا؟ کروڑوں کمائے گا یا اربوں کے حساب سے کمائے گا لیکن یہ کروڑ ہا کروڑ یا ار بہا ارب اس نے جو جمع کیے ہیں، آخر اس کے ذریعہ سے وہ کیا حاصل کرے گا؟ وہ کتنا حاصل کر سکتا ہے؟۔

## زندگی بھر کی ہماری کمائی ہوئی دنیوی دولت کی حیثیت

میں ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کرتا ہوں کہ پوری دنیا ہے، اس پوری دنیا کے نقشے کے اندر آپ ہندوستان کو دیکھ لیجیے کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور پھر ہندوستان کے اندر گجرات اور گجرات کے اندر سورت ہے تو کیا آپ اپنی پوری زندگی کی کمائی کروڑ ہا کروڑ اور ارب ہا ارب سے یہ ایک سورت شہر بھی خرید سکتے ہیں؟ چاہے زندگی میں اس نے کتنی بھی کمائی کی ہو، آج دنیا میں ایسا کوئی نہیں ہے کہ وہ ایسا کہہ سکے کہ میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ جس سے میں سورت شہر کو خرید لوں، نہیں۔ یہ تو سورت کو خریدنے کی دنیوی اعتبار سے بہت اونچی بات کر رہا ہوں، ورنہ آپ کا جو یہ رانی تالاب کا علاقہ ہے، اس کے دو تین محلے، پانچ، چھ گلیاں، ان میں جو مکانات ہیں اور جو زمینیں ہیں، ان کی قیمت کتنی ہوگی؟ آج کی اس مجلس کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ کہ جنھوں نے بہت سی دولت کمائی ہے، ان میں جس نے سب سے زیادہ کمایا ہے، کیا اس کے پاس اتنی دولت موجود ہے کہ جس کے ذریعہ سے یہ پانچ، چھ گلیاں ہی خرید سکے؟ کیا حیثیت ہے؟۔

تو ہم نے اپنی اس قیمتی زندگی کے اوقات کو دولت حاصل کرنے میں صرف کیا اور جس دولت کے متعلق ہم اپنے دل و دماغ میں یہ خوش فہمی لیے بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ کما لیا، ہمارے بہت کچھ کمائے ہوئے کی حیثیت یہ ہے کہ یہ جو رانی تالاب کی پانچ، چھ گلیاں ہیں، ان کو بھی ہم نہیں خرید سکتے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقعۃً ہم نے اپنی زندگی کے ان لمحات کو اور قیمتی سرمایے کو گنوا دیا۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام امتِ محمدیہ کے نام

اس کے بجائے اگر ہم یہ سرمایہ آخرت کے لیے استعمال کرتے، میں اور آپ یہاں میں جن لوگوں سے خطاب کر رہا ہوں، سب اہلِ ایمان ہیں، ہمارا اور آپ کا کلامِ پاک پر اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر ایمان ہے، ہم اور آپ روزانہ سنتے ہیں، فضائلِ ذکر کی تعلیم کے دوران ہمارے کانوں میں یہ بات پڑتی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے، سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے موقع پر انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اپنی امت کو آپ میرا سلام کہہ دینا –علی نبینا وعلی ابراھیم الصلوۃ والسلام– پھر ان سے کہیے کہ جنت تو ایک چٹیل میدان ہے، اس کے درخت سُبْحَانَ اللہ، وَالْحَمْدُللہ، وَلاَ إِلَهَ إِلَّا اللہ، واللہ أَكْبَرُ ہیں، یہ جنت کے درخت ہیں (۱)۔

## جنت کے درخت

گویا ایک مرتبہ ہم سُبْحَانَ اللّٰہِ بولیں گے تو جنت کے اندر ہمارے لیے ایک درخت لگ جائے گا۔ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک نسخہ بتلایا کہ بھائی! سُبْحَانَ اللہ ہمارے لیے جنت میں ایک درخت لگواتا ہے۔

## دنیا کے باغ میں لگائے جانے والے درختوں کے پیچھے محنتیں

اس مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں بہت سے وہ بھی ہیں جو فارمنگ (farming)

---

(۱) سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث ۳٤٦٢.

کرتے ہیں، زراعت اور کھیتی کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو معلوم ہے، وہ بتائیں گے کہ اگر کسی کو آم کا باغ لگانا ہو کہ جس کے اندر آم کے ۵۰۰ / درخت ہوں، قلم لگانی ہوں تو آپ بتلایئے کہ اس کے لیے کتنا سرمایہ، کتنی محنت، کتنی توجہ اور کتنا وقت چاہیے؟۔

یہ سب کچھ بہت بڑی مقدار میں درکار ہے اور ان سب چیزوں کو لگانے کے بعد وہ بڑی طویل کے مدت کے بعد اس سے فائدہ حاصل کر سکے گا۔ اس کے لیے اس کے مناسب زمین تیار کرے گا، پودے اور قلم حاصل کرے گا، کھاد لائے گا، اس کے لیے ملازمین اور پانی کا انتظام کرے گا، حفاظت کا انتظام کرے گا، بہت کچھ محنت کے بعد بھی معلوم نہیں کہ کب تیار ہوگا اور خدانخواستہ اس درمیان اگر کسی حادثے کا شکار ہو گیا اور کوئی آسمانی آفت آ گئی تو ساری محنت کے اوپر پانی پھر جاتا ہے تو یہ دنیوی اعتبار سے ایک باغ جس کے اندر ۵۰۰ / درخت لگانا ہو تو اس کو تیار کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، آدمی اس میں ساری زندگی کھپا دیا کرتا ہے۔

لیکن یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بہت آسان نسخہ بتلایا ہے کہ بھائی! آپ سُبْحَانَ اللّٰہ کہیں گے، آپ کی زبان سے یہ سُبْحَانَ اللّٰہ کا بول نکلا نہیں کہ آپ کے لیے جنت کے اندر درخت لگ گیا۔

## دنیا کے درختوں کا حال

یہ تو دنیا کے درخت کی بات کر رہا تھا کہ آپ دنیا کے ۵۰۰ / درخت لگائیں تو اس کا یہ حال ہے کہ معلوم نہیں کہ وہ پھلتے بھی ہیں یا نہیں اور پھلنے کے بعد ہمارے کام کے

ہیں یا نہیں، ہم محنت کر رہے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کا پھل آنے سے پہلے ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ہم اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں، یہ تو دنیا کے درختوں کا حال ہے۔ اور آخرت کے درختوں کا معاملہ تو صاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللہ کہنے سے جنت میں ہمارے لیے درخت لگ جائے گا، یہ کتنا سہل ہے اور اس ایک درخت کی قیمت کتنی زیادہ ہے؟۔

## سورج گرہن کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آنے والے عجیب حالات کی تفصیل

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کے دوران نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، کچھ آگے بڑھے، کچھ پیچھے ہٹے، عجیب عجیب حالات اس نماز کے دوران نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آئے، نماز سے جب فارغ ہوئے تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج نماز کے دوران ایسی عجیب عجیب کیفیتیں آپ پر طاری ہوئیں کہ اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نماز کے دوران اللہ تبارک وتعالی نے میرے سامنے جنت کو پیش کیا تھا، جہنم کو پیش کیا تھا، میں نے جنت کا بھی نظارہ کیا، جہنم کا بھی نظارہ کیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب جنت میرے سامنے لائی گئی تو میں نے چاہا کہ اس کے اندر سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں، اسی لیے میں نے ہاتھ آگے بڑھائے تھے اور اگر میں توڑ لیتا تو تم لوگ قیامت تک اس سے کھاتے رہتے تو بھی وہ

ختم نہ ہوتا①۔

## جنت کے درختوں کا حال

کیوں ختم نہ ہوتا؟ جنت کی نعمتیں فنا ہونے والی نہیں ہوتیں، اس کی خاصیت یہ ہے کہ جہاں ایک دانہ توڑا جاتا تو آٹومیٹک (automatic) آپ ہی آپ وہاں دوسرا دانہ پیدا ہو جاتا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ یہ پوری امت قیامت تک کھاتی تو بھی ختم نہ ہوتا۔ جب جنت کے ایک خوشے کا یہ حال ہے تو جنت کے ایک درخت کی کیا قدر و قیمت ہوگی!!۔

## جنت کے اندر درخت لگانا بہت زیادہ آسان ہے

اور اس کے لیے کوئی زیادہ محنت کی بھی ضرورت نہیں ہے، بس یہ کلمات: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُلله، وَلاَ إِلَهَ إِلَّا الله، والله أكْبَرُ پڑھ لیجیے، بڑی آسانی سے پڑھ سکتے ہیں، ہم ایک منٹ میں کم از کم ۷۰/مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ پڑھ سکتے ہیں تو گویا ایک منٹ میں ہم ۷۰/درخت لگا سکتے ہیں تو اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے اپنی زندگی کے اس ایک منٹ سے کتنا بڑا فائدہ اٹھایا!!، دنیوی اعتبار سے ہم اس ایک منٹ کی کیا اتنی زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہیں؟ اب اگر ہم اپنی توجہ کو، اپنے دھیان کو بجائے آخرت کے دنیا کے اندر لگاتے ہیں، اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں تو سچ بتائیے کہ

---

①صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ صَلاَةِ الكُسُوفِ جَمَاعَةً وَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الخ.

ہمارا یہ سودا خسارے اوگھاٹے کا سودا ہے یا نہیں؟۔

اسی کو تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی کی یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اس کی جتنی قیمت وصول کرنی چاہیے، لوگ کر پاتے نہیں ہیں، اس سے جتنا فائدہ حاصل کرنا چاہیے، نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھاٹے اور خسارے میں رہتے ہیں، اسی کو تو قرآنِ پاک میں فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: انسان گھاٹے میں ہے۔

## گھاٹے اور خسارے سے بچنے کا قرآنی طریقہ

البتہ اگر آپ اس گھاٹے اور خسارے سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ تو آگے طریقہ بتلایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے، گویا انھوں نے اپنی حالت سدھار لی، اپنی اصلاح کر لی، ایمان لا کر اور اعمالِ صالحہ کر کے اپنا حال ٹھیک کر لیا۔

اور پھر آگے فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید، وصیت اور نصیحت کرتے رہے۔

## تواصی اور وصیت کا مفہوم

مؤثر انداز میں بڑی تاکید کے ساتھ کسی کو نصیحت کرنا تواصی کہلاتا ہے، اسی لیے موت کے وقت کی بات کو وصیت کہتے ہیں۔ ویسے بھی موت کی گھڑی جو ہوتی ہے، وہ دلوں پر خاص اثر ڈالنے والی ہوا کرتی ہے، اگر کسی کو موت آرہی ہے تو اس مجلس میں جتنے بھی لوگ ہوں گے، ایک خاص کیفیت ان کے دلوں پر طاری ہوتی ہے اور اس وقت

مرنے والا جو بات کہتا ہے، وہ اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتی ہے اور بڑی اہمیت اور تاکید کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرتا ہے، اسی وجہ سے اس کو وصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ورنہ وصیت عربی زبان میں ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اہمیت کے ساتھ اور ایک خاص مؤثر انداز میں کسی کے سامنے پیش کی جائے، صرف موت کے وقت کی بات کو نہیں کہتے۔

## تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تفسیر

تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خود ایمان اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرے اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا درجہ آگے بیان فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ کہ: حق بات کی وصیت کرے۔

حق سے مراد کیا ہے؟ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حق سے یہاں ایمان اور عقائدِ حقہ مراد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے جن عقائدِ حقہ کی ہمیں تعلیم دی، اس کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔

## حدیث جبرئیل کا مختصر مفہوم

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تھے اور مختلف سوالات کیے تھے: مَا الْإِيمَانُ؟: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ: تم ایمان لاؤ اللہ کے اوپر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں

پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر کہ جو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے، بھلا ہو یا برا ہو، یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے[1]۔

## تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تفسیر کا تکملہ

یہ سب اس طرح کے عقائد جو مؤمن کے ایمان کی بنیاد ہے، ان صحیح اور سچے عقائد، عقائدِ حقہ کی وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔

اسی طرح اعمالِ صالحہ کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں، ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور گناہوں سے بچنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔ بہرحال! ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ میں ایک دوسرے کو ایمان کی تاکید کرنے کا حکم ہے اور ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ میں اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرنا مراد ہے، گویا اعمال سے تعلق رکھنے والی سب چیزیں صبر میں آ گئیں۔

## صبر کی ایک قسم صبر علی الطاعۃ کی تفسیر

ویسے بھی مفسرین اور اہلِ علم نے صبر کی قسمیں بیان کی ہیں، ان میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ اعمالِ صالحہ کے انجام دینے میں آدمی کی جان پر یا اس کے جسم پر جو مشقت لاحق ہوتی ہے، اس کو برداشت کرنا، یہ صبر علی الطاعۃ کہلاتا ہے۔

بھائی! سردی کی راتوں میں اٹھنا اور اٹھ کر کے فجر کی باجماعت کی نماز کے لیے

---

① سنن أبي داود، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضي الله تعالى عنه، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ، رقم الحديث:٤٦٩٥.

مسجد میں آنا، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، اس میں آدمی کو مشقت لاحق ہوتی ہے، یہ جو طاعات کو انجام دینے کے لیے اور عملِ صالح کو انجام دینے کے لیے جو مشقت اٹھائی جارہی ہے۔

اسی طرح ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ اس میں زکوۃ فرض ہوتی ہے تو وہ اس میں سے زکوۃ نکالے گا یا اپنے مال میں سے صدقے کے طور پر مال نکالے گا تو اس میں آدمی کے دل پر بوجھ پڑتا ہے، پیسے نکالنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ بہت سے لوگ تو بخل میں ایسے مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ان کے اندر اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تو بہر حال! نیکی کے کام انجام دینے میں آدمی پر جو مشقت پڑتی ہے، جو تکلیف پڑتی ہے، اسی کو صبر علی الطاعۃ کہتے ہیں۔

## صبر کی دوسری قسم صبر عن المعاصی کی تفسیر و تفہیم

اور گناہوں سے بچنے کے اندر بھی آدمی کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے، ہمارا نفس کہتا ہے کہ بدنگاہی کرو، یہ نامحرم عورت جارہی ہے، اس کی طرف دیکھو یا فلانے کا مال ہڑپ کرلو، فلانے کا حق ادا مت کرو۔ یہ گناہوں کے کاموں کے لیے جو نفس اور شیطان آمادہ کرتے ہیں، اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے اس ورغلانے سے بچا کر کے اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھنا، اس کے اندر آدمی جو مشقت اٹھاتا ہے، اسی کو صبر عن المعاصی کہا جاتا ہے یعنی گناہوں کا ارتکاب کرنے سے بچاتے ہوئے جو مشقت لاحق ہوتی ہے، اس پر آدمی صبر سے کام لے، یہ دونوں صبر میں آجاتے ہیں۔

## تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی ایک اور تفسیر

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دیکھو! ایمان اور عمل صالح کے راستے میں رکاوٹ بننے والی دو چیزیں ہیں: ایک تو شبہات اور دوسری چیز ہے شہوات، شبہات کا مطلب یہ ہے کہ آدمی فکری اور نظریاتی طور پر کچھ ایسے خیالات کا شکار ہو کہ وہ خیالات اس کے ایمان میں خلل ڈالتے ہیں، اس کے نتیجے میں آدمی کا ایمان مجروح ہوتا ہے، متأثر ہوتا ہے، اس میں کمی آتی ہے اور جب ایمان مجروح ہوا تو اس کی وجہ سے اعمال تو خود بخود متأثر ہوں گے۔ اور ایک شہوات ہیں کہ فکری اور نظریاتی طور پر آدمی شریعت کی باتوں کو بالکل درست سمجھتا ہے، اس کا عقیدہ بھی رکھتا ہے لیکن نفس کی خواہشات اس کو ایمان کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے سے روکتی ہیں تو یہ جو شبہات اور شہوات ہیں، ان دونوں سے ایک دوسرے کو بچانے کے لیے آپس میں محنتیں کی جاتی ہیں، شبہات کو دور کرنے کے لیے آپس میں محنتیں کی جانے والی محنت کو تواصی بالحق سے تعبیر کیا گیا اور شہوات سے بچانے والی محنت کو تواصی بالصبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو لوگ حق بات کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں اور صبر کی یعنی نفسانی خواہشات کا شکار نہ ہونے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں، سمجھاتے ہیں، محنتیں کرتے ہیں اور اعمال پر لانے کے لیے جتنی بھی محنتیں ہوتی ہیں، یہ تواصی بالصبر ہے۔

## تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا خلاصہ

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی جو ترغیب دی جاتی ہے، ایمان کی تاکید کی جاتی

ہے، ایمان کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا جاتا ہے اور اس کی دعوت دی جاتی ہے، وہ تواصی بالحق کے اندر ہے اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور اس کو کرنے کی تاکید اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اس سلسلے میں آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کی جاتی ہے، اسی کو تواصی بالصبر سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو دوسروں کو حق کی بات تاکید کرتے رہے اور اس کی ترغیب دیتے رہے۔ اسی طرح صبر کی تاکید کرتے رہے یعنی نیک کاموں کو کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کرتے رہے تو وہ لوگ گھاٹے اور خسارے سے محفوظ ہیں۔

## ایمانیات کی دعوت دینا تواصی بالحق ہے

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو عقائدِ حقہ سے واقف نہیں ہوتے، جیسے یہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ ہے، اس میں آپ جائیں گے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے وہ ہیں جن کو کلمہ بھی معلوم نہیں ہے، آپ ان کو ایمانیات سے واقف کریں گے تو یہ جو ایمانیات کی دعوت دی جاتی ہے، یہ تواصی بالحق کے قبیل سے ہے۔

## تواصی بالصبر کی تعریف

بعض لوگ وہ ہیں کہ جو ماشاء اللہ عقائد کے اعتبار سے درست ہیں، فکری اعتبار سے، نظریاتی اعتبار سے سب جانتے ہیں لیکن عملی اعتبار سے نیکی کے جو اعمال انجام دینے چاہئیں، وہ اعمال نفس کی خواہشات کی وجہ سے انجام نہیں دے پاتے، یا جن گناہوں سے بچنا چاہیے، جن نافرمانیوں سے اپنے آپ کو روکنا چاہیے، اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی وجہ سے ان گناہوں سے بچ نہیں پاتے، ان نافرمانیوں سے اپنے آپ کو روک نہیں پاتے

تو ان کو اس سلسلے میں جو تاکید اور نصیحت کی جاتی ہے، اس کو تواصی بالصبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

## خسارے سے بچنے کے لیے دوسروں کی اصلاح کی فکر بھی ضروری ہے

تو یہاں دو چیزیں بتلائیں: ایک تو آدمی ایمان اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرے یعنی اپنی اصلاح کرے، اپنی حالت کو درست کرے اور دوسروں کو ایمان، اعمالِ صالحہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کر کے دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرے، تب وہ لوگ گھاٹے سے نکلے ہوئے سمجھے جائیں گے، انسانوں کو اور بنی نوعِ انسان کو نقصان اور گھاٹے سے بچانے کے لیے گویا قرآنِ پاک میں اکسایا گیا کہ یہ لوگ اپنی اصلاح کی بھی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کرتے ہیں، خود بھی اپنی ذات کو کامل اور مکمل بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے ہیں۔ یہ دو چیزیں اگر کسی انسان میں ہوں گی تو اس کی گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ وہ گھاٹے اور خسارے میں نہیں ہے، یعنی خالی اپنی اصلاح کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری اس پر علی حسب المراتب عائد ہوتی ہے، اس کے لیے بھی کوشش کرنا، یہ بھی نجات کے لیے اور اپنے آپ کو خسارے سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔

## صلاح وکمال کے سلسلے کو آگے بھی پہنچانا ضروری ہے

بہرحال! اپنے آپ کو ٹھیک کرنا، اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کرنا، یہ صلاح والا نسخہ ہے لیکن اس کو اپنی حد تک محدود نہیں رکھنا ہے بلکہ اس کو آگے بھی پہنچانا ہے جس کو

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ میں بیان کیا گیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تاکید بھی کرتے رہیں، وصیت بھی کرتے رہیں تو یہ صلاح کے ساتھ اصلاح اور کمال کے ساتھ تکمیل یعنی اپنے آپ کو کامل بنانا کافی نہیں ہے، دوسروں کو کامل بنانے کے لیے آپ کو محنت کرنی پڑے گی۔

## دوسروں میں سب سے پہلے اپنے اہل وعیال اور ماتحتوں کی فکر کیجیے

دوسروں میں اپنے اہل وعیال اور ماتحت تو آتے ہی ہیں، اگر آدمی ان کو درست اور کامل بنانے کے لیے محنت نہیں کرے گا تو پھر وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، ان لوگوں کی کمزوریاں کبھی اس کو بھی ڈبو کر رہتی ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے نیک اور صالح ہونے کو کافی سمجھتے ہیں، نہیں! اپنے نیک اور صالح ہونے سے آپ بچ نہیں پائیں گے، آپ اگر اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں تو آپ جس ماحول میں رہ رہے ہیں، آپ جس گھر کا ایک فرد ہیں، اس گھر میں آپ کی بیوی ہے، آپ کی اولاد ہے، آپ کے سب ماتحت افراد ہیں، ان لوگوں کو بھی آپ کو صلاح والے زیور سے آراستہ کرنا پڑے گا، محنت کرنی پڑے گی، تب آپ اپنی صلاح اور نیکی کو باقی رکھ سکتے ہیں، ورنہ خود آپ کی یہ صلاح اور کمال والی کیفیت مجروح ہو جائے گی۔

## آدمی کی دو حیثیتیں: داعی یا مدعو

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی یا تو داعی ہوگا یا مدعو ہوگا، یا تو کسی کو نیک کاموں کی دعوت دے رہا ہے، اگر وہ داعی نہیں ہے تو دوسرے

لوگ اس کو دعوت دیں گے اور مدعو بنائیں گے۔ آدمی کو چاہیے کہ خود صلاح اور نیکی کے کاموں کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو آگے بڑھائے، یہی کامیابی کا نسخہ ہے جس کو خود حاصل کر کے اس نے اپنے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچایا ہے اور دوسروں کو بھی درجۂ کمال تک پہنچانا ہے۔

## اپنے آپ کو خسارے سے بچانے والے کون ہیں؟

بہر حال! اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختصر انداز میں آدمی کے لیے ایک نفع بخش اور کامیاب زندگی کس طرح گذاری جاسکتی ہے، اس کے لیے چار چیزوں کی تعلیم دی ہے کہ خود ایمان کا اہتمام کرے، اعمالِ صالحہ کے اوپر پابندی کرے اور آپس میں ایک دوسروں کو یعنی اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ایمان کی دعوت دیتا رہے اور ساتھ ہی ساتھ اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور گناہوں سے بچنے کے لیے بھی آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہیں، ان چار چیزوں کا اگر اہتمام ہوگا تو آدمی اپنے آپ کو اس گھاٹے سے بچا سکتا ہے جس کی قرآن نے خبر دی ہے اور اگر ان چار چیزوں کا اہتمام نہیں کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں یہ بات جو قسمیہ طور پر فرمائی: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: انسان گھاٹے میں ہے تو وہ اس کے اندر داخل ہوسکتا ہے؛ اس لیے یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔

## دعوت وتبلیغ کے موجودہ طریقۂ کار کو اختیار کرنے کی ایک حکمت

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طریقہ بتلایا کہ آدمی جب تک اپنے

ماحول میں رہتا ہے تو بہت سی مرتبہ اس کا جی چاہتا ہے، اس کی تمنا ہوتی ہے، اس کے لیے کوشش کرتا ہے، اس کے لیے اپنے ماحول میں رہتے ہوئے بہت سارے اسباب اختیار کرتا ہے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو بہت سے نیک اعمال کا پابند نہیں بنا سکتا، بہت سے گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام نہیں کرسکتا تو ضرورت پڑتی ہے کہ اس ماحول کے اندر رہ کر کے وہ اپنے آپ کو اس طرح نہیں کر پاتا تو جس ماحول کی وجہ سے یہ رکاوٹ پیدا ہوئی تھی، اس ماحول سے اپنے آپ کو نکال کر کے اچھے ماحول میں لے جانے کی کوشش کرے۔

## تبلیغی جماعت کی اہمیت

ہمارے حضرت شیخ مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو نمازوں کا پابند بنانا ہے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا ہے تو اگر وہ اپنے ماحول سے نکل کر ایک مدت، ایک زمانہ جماعت کے ساتھ لگا دے گا یا ایک الگ ماحول میں چلا گیا، وہاں اس کی وہ رکاوٹیں جو گھر رہتے ہوئی تھیں، مخصوص ماحول میں رہتے ہوئے ایک آدمی نمازوں کا اہتمام کر لینے کی یا اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرنے کی یا گناہوں سے بچنے کی کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہو پاتا تھا، جب اس ماحول کو چھوڑ کر کے ایک الگ ماحول میں کہ جس میں نیک لوگوں کا بھی ساتھ ہوتا ہے، ان کی طرف سے رہنمائی ہوتی ہے، آپس میں ایک دوسرے سے سیکھنے سکھانے اور تعلیم و تعلم کا موقع ملتا ہے، گویا ایک چلتا پھرتا مدرسہ ہے اور چلتی پھرتی خانقاہ ہے اور واقعۃً ایک آسان سا سلسلہ ہے کہ جس

کے اندر آدمی کوشش کرے اور واقعۃً دیانت داری سے اور سچے دل سے اپنی اصلاح کا خواہش مند ہوتو آسانی سے اس کو یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے، ورنہ گھر پر رہتے ہوئے، یہاں کے ماحول میں رہتے ہوئے یہ چیز مشکل سے حاصل ہوتی ہے یا رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں۔

## جماعت میں نکلنا کب کارآمد ہوسکتا ہے

بہرحال! یہ ایک آسان طریقہ ہے اور اس کا نافع ہونا اور جس کا مفید اور کارآمد ہونا اب تو ہر ایک کے سامنے برسوں کے تجربے سے آچکا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی جب جماعت میں نکلے تو اس کی نیت یہی ہو کہ میں دین کے اوپر صحیح عمل کرنے والا بن جاؤں؛ اس لیے جارہا ہوں، دل میں یہ خیال نہ کرے کہ میں تو کامل ومکمل ہوں، میں دوسروں کی اصلاح کے لیے جارہا ہوں، ایسی نیت لے کر کے نہ جائے، بلکہ اپنی اصلاح کے لیے، اپنی حالت کو درست کرنے کے لیے کہ میں اور میرے دوسرے بھائی جو ہیں، ہم سب مل کر کے آپس میں مذاکرہ کریں گے اور اپنی کمزوریوں کا احتساب کریں گے، اس کا جائزہ لیں گے اور اس کے بعد ان کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے مل جل کر کے محنت کریں گے اور اعمالِ صالحہ کی پابندی حاصل ہو، اس کے لیے بھی مختلف تدبیریں جن کا مفید ہونا تجربے سے ثابت ہو چکا ہے، ان کو اختیار کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مفید اور کارآمد ہوگا۔

یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے؛ اس لیے یہ سلسلہ بڑا مفید اور کارآمد ہے،

اگر ہم اپنی اصلاح کی نیت سے اس کو اپنائیں تو اِن شاءاللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور نجات کے لیے کافی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس میں اخلاص کے ساتھ لگیں اور ہماری نیت یہی ہو کہ ہم اپنے حال کو درست کر رہے ہیں، کسی کی تنقیص یا کسی کی تحقیر ہماری نگاہوں میں اور ہمارے دلوں میں نہ ہو۔

## اس راہ میں نکل کر دوسروں کی تنقیص اور تحقیر میں مبتلا ہونے والے

یہ بڑی خطرناک چیز ہے، بعض مرتبہ اس سلسلے میں بعض احباب لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نفع بھی پہنچایا اور بعض احباب کے مزاج خراب بھی ہوئے لیکن ایسے بہت کم ہیں، ہم چوں کہ دارالافتا میں بیٹھتے ہیں تو ہمارے پاس اس قسم کی شکایتیں بھی آتی ہیں، پہلے اتنی کثرت سے شکایتیں نہیں آتی تھیں۔

## اہلِ تبلیغ کو اہلِ علم سے ایک شکایت اور اس کا چشم کشا جواب

اور ہمارا اور ہمارے اسلاف کا طریقۂ کار رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے یہاں دینی خدمات کے مختلف شعبے رہے ہیں اور یہ سلسلہ بھی اسی نوعیت کا ہے تو اس سلسلے پر لوگوں کی طرف سے جو اعتراضات اور اشکالات ہوتے ہیں تو آپ یہ مت سمجھیے کہ ہم یوں ہی بیٹھے رہتے ہیں بلکہ آپ کی طرف سے ہم دفاع اور ڈیفنس (defence) کرتے ہیں، آپ تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ ہماری کوئی نصرت، کوئی تعاون نہیں کرتے، ہمارا کوئی ساتھ نہیں دیتے، نہیں! ہم علمی طور پر جتنا ڈیفنس کرتے ہیں، آپ کو اس کا اندازہ نہیں، ورنہ آپ کو دنیا میں کوئی زندہ نہیں رہنے دیتا، آپ کے خلاف ایسی

ایسی چیزیں شائع ہوتی ہیں اور علمی طور پر علمائے کرام اور مفتیانِ کرام آپ کے اوپر ہونے والے اعتراضات کا علمی طور پر جائزہ لے کر ان اشکالات اور اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اور ہمارے اکابر کرتے چلے آئے، اسی کے نتیجے میں اس کو تقویت ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔

## حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا دعوت وتبلیغ کے ساتھ تعلق

اسی قبیل سے ایک قصہ لطیفے کے طور پر سناتا ہوں، پہلی بات تو یہ کہ یہ میں نے ہمارے حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی زبان سے خود سنا ہے، حضرت ؒ نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک زمانہ گذارا اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اسی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں بہت سے مقامات پر جانا ہوا، خاص طور پر میوات کے علاقوں میں اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی طرف بڑی توجہ بھی فرماتے تھے۔

## حضرت جی ثانی مولانا یوسفؒ کی اس کام کی طرف سے بے رغبتی اور حضرت فقیہ الامتؒ کی ان پر محنت

اس زمانے میں حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ یعنی دوسرے حضرت جی پڑھتے تھے اور پڑھ کر کے، فارغ ہو کر کے آئے تھے، ان کی توجہ اس کام کی طرف نہیں تھی، علمی مشغلہ ان کے مزاج اور ان کی طبیعت پر ایسا غالب تھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت کوششوں کے باوجود اِدھر توجہ نہیں دیتے تھے، بس کتابوں

کے مطالعے میں اور اسی کی تدریس میں مشغول رہتے تھے اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت پر اس کا بڑا اثر تھا، حضرت چاہتے تھے کہ وہ اس کام کی طرف متوجہ ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس پر مامور کیا کہ تم اس پر محنت کرو۔ چنانچہ حضرتؒ نے ان پر محنت کرکے ان کو اِدھر متوجہ کیا اور پھر جو اِدھر متوجہ ہوئے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ انھوں نے کیا کارنامے انجام دئے۔

## اگر میں نکلوں گا تو آپ کو یہ مسئلے کون بتلائے گا؟

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کلکتہ کے اندر اجتماع تھا اور وہاں سے حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے قافلے کے ساتھ واپس لوٹ رہے تھے، اس زمانے میں حضرت مفتی صاحبؒ کانپور میں تھے، یہ ٹرین جب کانپور کے اسٹیشن پر پہنچی تو ہمارے یہاں کا جیسا کہ ماحول ہے کہ ہمارے اکابر کی ملاقات کے لیے لوگ اکٹھے ہوجایا کرتے ہیں، استقبال کے لیے آتے ہیں، دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اسی طرح کانپور اسٹیشن پر بھی لوگوں کا ہجوم لگ گیا تھا اور ٹرین کے پہنچتے ہی لوگوں نے کہا کہ ہمیں حضرت جی سے ملاقات لینی ہے تو حضرت کہنے لگے کہ مجھے کسی سے ملاقات نہیں کرنی ہے، مجھے مفتی صاحب سے کچھ مسئلے پوچھنے ہیں۔ یہ کہہ کر کے لوگوں کو وہاں سے ہٹادیا اور حضرت مفتی صاحبؒ کے قریب بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ

کتنے دن سے میں چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جاتی تو ان چیزوں کا تذکرہ ہو جاتا اور مسئلے پوچھ لیتا اور مسئلے پوچھے۔

اب گاڑی کے اٹھنے میں ایک دو منٹ باقی رہ گئے تھے۔حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسئلے بتا دئے تو کہنے لگے کہ اچھا! آپ (جماعت میں) کب نکلتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ اگر میں نکلوں گا تو آپ کو یہ مسئلے کون بتلائے گا؟ یہ سن کر حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہنسنے لگے۔

## ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں

بہرحال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ دین کے تمام شعبوں میں اس طرح کا اتحاد واتفاق ہونا چاہیے، یہ تو دنیا طلب لوگوں کی فطرت ہے کہ جو دنیا طلب لوگ ہوتے ہیں، ان میں آپس میں رقابت ہوتی ہے اور باہم مقابلہ آرائی ہوتی ہے۔دین کے شعبے تو وہ ہوا کرتے ہیں کہ ہر ایک، ایک دوسرے کا معین اور مددگار ہوتا ہے۔

## ہمیں سارے انبیاء پر ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا ہے

بھائی دیکھو! ہم تو آخری امت ہیں، ہمارے نبی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ کی لائی ہوئی شریعت ہی پر ہم عمل کرتے ہیں اور اسی پر عمل کرنے میں ہماری نجات ہے لیکن اس کے باوجود ہم میں سے ہر آدمی کو مکلف کیا گیا کہ حضرتِ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تک جتنے بھی پیغمبر آئے، ان سب پر ہم ایمان لائیں، ایمان سب پر لانا ہے۔اسی طرح دین کے مختلف شعبے اور جماعتیں ہیں۔

## حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں لاجپور کے اجتماع میں آئے تھے اور آخری مجلس میں جو تقریر فرمائی تھی، وہ مجھے خوب یاد ہے اور حضرت نے اسی موضوع پر، یہی باتیں جو میں عرض کرر ہا ہوں، بیان فرمائی تھیں کہ بھائی! یہ تمام شعبے اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں؛ اس لیے ہر شعبے والے آپس میں مل جل کے اپنے اپنے کام میں لگیں اور کسی کی تحقیر یا تنقیص کسی کے دل میں نہ ہو تو ان شاء اللہ بڑی کامیابی ہے۔ یہ جو بعض حضرات اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسی چیز کر ڈالتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری جماعت کے اوپر زد پڑتی ہے اور جو ذمہ دار حضرات ہیں، ان کو بھی کبھی بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، جب ان کے سامنے اس طرح کی باتیں آتی ہیں اور اس پر ناراضگی کا بھی اظہار کرتے ہیں لیکن بہر حال! یہ چیز ہونی مناسب نہیں ہے، تحقیر کسی کی نہ ہو۔

## قبول کرلیں تو جانیں کہ ہم بھی مخلص ہیں

بھائی! کس کی خدمت اللہ کے یہاں مقبول ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹا سا آدمی بڑا کارنامہ انجام دے جاتا ہے۔ بڑے بڑے اہلِ علم، بڑے بڑے اکابر کے حالات میں آپ دیکھیں گے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا، علمی اعتبار سے اور عملی اعتبار سے ان کی بڑی بڑی خدمات تھیں لیکن خواب میں دیکھنے والے نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا تو کہا

کہ فلاں عمل کی وجہ سے مغفرت ہوگئی، ایک معمولی سے عمل کی وجہ سے اللہ تعالی کے یہاں نجات ہوگئی، کس کی نجات کس عمل کی وجہ سے ہوتی ہے، وہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، اس لیے تحقیر و تنقیص کا جذبہ بالکل نہ ہو۔

بہرحال! پورے عالم کے اندر اس وقت اس سلسلے کی جو برکتیں اللہ تبارک وتعالی نے رکھی ہیں اور اس کی وجہ سے عمومی اصلاح کا جو ماحول بنا ہوا ہے، وہ سب دیکھ رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالی اس سلسلے کو اور آگے ترقی دے اور کام کرنے والوں کو بھی اخلاص، استقامت اور ہمت عطا فرمائے اور جو کچھ فروگذاشتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالی اس کے ازالے کی صورتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

اور اس کام کی افادیت تجربے سے ثابت ہو چکی ہے اور جس کی افادیت تجربے سے ثابت ہو چکی ہو، اس کے لیے دلائل اور شواہد کی ضرورت نہیں رہتی، وہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہوتی ہے۔ اللہ تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# وقت کی قدر و قیمت

# اور

# لایعنی ولغویات سے بچنے کی اہمیت

حضرت دامت برکاتہم کے ۱۱/ بیانات کو سن کر یہ بیان مرتب کیا گیا ہے۔

# اقتباس

یہ کرکٹ کیا ہے؟ یہ کرکٹ ایک لعنت ہے، یہ بندوں کو اللہ تعالی کی رحمت سے دور کرنے والی چیز ہے۔ حضراتِ فقہاء نے کسی کھیل کے جائز ہونے کے لیے جو شرطیں لکھی ہیں، وہ ساری شرطیں اس میں مفقود ہیں، کوئی شرط نہیں پائی جاتی بلکہ اس کرکٹ کے نتیجے میں سٹہ کھیلا جاتا ہے اور یہ سٹوڈیے ہی ان کھلاڈیوں کو خرید لیتے ہیں، اخبارات کے اندر پڑھتے ہیں کہ اس میں فکسنگ ہوتی ہے یعنی ان کا ہارنا اور جیتنا بھی ایسا ہی ہے، سب اس حقیقت کو جانتے ہیں، اس کے باوجود جب کوئی جیتتا ہے، کوئی ہارتا ہے تو ہم آستینیں چڑھا کر آپس میں لڑنے لگتے ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!!۔ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی!! ان کی ہار جیت کے اوپر ہم مرنے کے لیے تیار ہیں اور یہ خود پیسے کھا رہے ہیں۔ ہم جب جانتے ہیں کہ یہ ہار اور جیت پہلے سے طے شدہ تھی، پھر اس ہار جیت پر ہمیں اپنی صلاحیتوں کو برباد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

و قال تعالىٰ: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ٣٧]

وقال النبي ﷺ: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ①.

وقال النبي ﷺ: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ مِنْ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسِ خِصَالٍ: عَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ، وَعُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ②.

① سنن الترمذي، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضى الله تعالى عنه، رقم الحديث: ٢٤٥٩. =

وقال النبی ﷺ: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ①.

وقال النبی ﷺ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ②.

## انسان کو ملنے والی سب سے بڑی نعمت

حضراتِ علمائے کرام اور برادرانِ اسلام!

اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی اور عظیم نعمت زندگی ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں عطا فرمائی بلکہ یوں سمجھئے کہ اس زندگی میں اور دنیا کے اس قیام میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے دی جانے والی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اسی ایک نعمت یعنی زندگی کے اوپر موقوف ہے، یہ ہے تو آدمی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور یہ جب ختم ہو جائے گی تو ساری نعمتیں ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ سرمایہ اور دولت ہے جس کو لے کر انسان دنیا میں آتا ہے۔

## امت کی تربیت کا ایک نبوی انداز

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جو تربیت فرماتے تھے اور ان

= ② شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، فَصْلٌ قَالَ: وَيَنْبَغِي لِطَالِبِ الْعِلْمِ أَنْ يَكُونَ تَعَلُّمُهُ وَلِلْعَالِمِ أَنْ يَكُونَ تَعْلِيمُهُ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى جَدُّهُ الخ.

① سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابٌ: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ.

② سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی اللہ تعالی عنہما، رقم الحدیث: ۲۳۱۸.

کے واسطے سے قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کی تربیت فرماتے تھے، اس میں تربیت کے لیے مختلف انداز اختیار فرماتے تھے، ان ہی مختلف انداز میں سے ایک یہ انداز بھی تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو اللہ تبارک وتعالی کی نعمتوں سے روشناس کراتے تھے، گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اللہ تبارک وتعالی کی نعمتوں کی پہچان کراتے تھے کہ یہ، یہ اللہ کی نعمتیں ہیں، پھر ان نعمتوں سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے، وہ نعمتیں ضائع اور برباد نہ ہوں، خاص طور پر اس کی تاکید فرماتے تھے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو شیطانی مکائد سے بچنے کی تاکید

چوں کہ انسان کے ساتھ شیطان اور نفس لگے ہوئے ہیں اور وہ ہر وقت آدمی کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ آدمی کوئی ایسا کام جو آخرت میں اس کے لیے کامیابی کا ذریعہ ہو، کرنے نہ پائے، ان کی بھرپور کوشش یہی ہوتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اس بات کی طرف متوجہ فرماتے تھے کہ بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور اللہ تبارک وتعالی نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ کی ان نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت: جوامع الکلم

ابھی آپ کے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات پڑھ کر سنائے گئے ان میں ایک مختصر ارشاد یہ بھی پیش کیا گیا: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔ اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا، ان

خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو جوامع الکلم عطا فرمائے تھے۔

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی جانے والی بعض خصوصیات

اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ساری خصوصیات عطا فرمائیں جن کو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرما کر امت کو ان سے آگاہ فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي: اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ان پانچ خصوصیات کو بیان فرمایا:

## نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی جانے والی ایک خصوصیت: رعب و ہیبت

ان میں سے ایک خصوصیت یہ بیان فرمائی: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ: اللہ تبارک وتعالی نے میرے رعب اور ہیبت کو ایک مہینے کی مسافت تک پہنچا کر میری مدد فرمائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آپ کے جو دشمن تھے، ان کی مسافت کے اعتبار سے دوری زیادہ سے زیادہ ایک مہینے تک تھی؛ اس لیے اس کو خاص طور پر ذکر کیا گیا، آپ کے اسی رعب کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی جب آپ کے سامنے آتا تھا تو لرز جاتا تھا۔

میں تو آپ حضرات کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوامع الکلم والی خصوصیت کو بیان

کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں چھ چیزوں کا تذکرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی ہے①۔ ویسے حضراتِ علمائے کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان خصوصیات اور امتیازات کو بیان کرنے کے لیے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الخصائص الکبری'' میں ان ہی خصوصیات کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت: جوامع الکلم اور اس کا مطلب

بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خصوصیات عطا فرمائی تھیں، ان میں ایک خصوصیت یہ جوامع الکلم تھی۔ جوامع الکلم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ مختصر الفاظ میں کوئی بات ارشاد فرماتے تھے اور اس کے معانی اور مطالب بہت زیادہ ہوا کرتے تھے، بات چھوٹی سی ہوتی تھی لیکن مفہوم بہت زیادہ وسیع ہوا کرتا تھا جس کو ''دریا بکوزہ'' کہا جاتا ہے اور جس کو ''گاگر میں ساگر'' کہا جاتا ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی جوامع الکلم میں سے ہے

ان ہی جوامع الکلم میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد وہ بھی ہے جو ابھی میں

---

① فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

(صحيح مسلم، باب جُعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا، رقم الحديث:۵۲۳)

نے آپ کے سامنے پڑھا: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔ حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے۔ ایک بہت بڑے محدث امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی ترتیب دادہ حدیث کی کتاب سنن ابی داود ہے جس کا نام آپ بھی سنتے رہتے ہوں گے۔ ہمارے مدارسِ عربیہ میں تعلیم کا جو آخری سال ہے، اس میں حدیث کی کتابیں جو صحاحِ ستہ یا امہات الست کے نام سے مشہور ہیں، اس میں ایک کتاب سنن ابی داود ہے، اسی کے مؤلف امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا علمِ حدیث میں بڑا اونچا مقام تھا۔

## سننِ ابی داود کا مقام و مرتبہ محدثین کی نظر میں

چنانچہ ایک دوسرے بڑے محدث ہیں موسیٰ بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ، وہ فرماتے ہیں کہ امام ابی داود خُلِقَ فی الدُّنْیالِلْحَدِیْثِ وَفی الآخرةِ لِلْجَنَّةِ کہ امام ابوداودؒ دنیا کے اندر تو حدیث کے لیے اور آخرت کے اندر جنت کے لیے پیدا کیے گئے۔ چنانچہ ان کی ترتیب دادہ کتاب سنن ابی داود جب مشہور محدث ابوبکر محمد بن اسحاق صغانی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی - جو کہ دونوں بڑے محدث ہیں - تو اس کو دیکھ کر دونوں نے کہا: أُلین لأبی دَاوُد الحَدِیث کَمَا أُلین لداود عَلَیْہِ السَّلَام الْحَدِید[1] کہ: امامِ ابوداود کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے علمِ حدیث ایسا آسان اور نرم کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے

---

(۱) طبقات الشافعية الكبرى للسبكي ۲/ ۲۹۵، رقم الشخصيات: ۶۳.

لیے لوہے کر نرم کر دیا گیا تھا۔

## سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عجیب درخواست

اور سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ ہیں، ایک مرتبہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً: مجھے آپ سے ایک ضرورت درپیش ہے۔ فرمایا: بتلایئے، کیا ضرورت ہے؟۔ انھوں نے کہا کہ پورا کرنے کا وعدہ کیجیے۔ آپ نے کہا کہ اگر پورا کرنے کی طاقت ہوگی تو ضرور کروں گا۔ فرمایا کہ آپ اپنی اس زبان کو نکالیے جس کے ذریعہ سے آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو بیان کرتے ہیں؛ تاکہ میں اس کو بوسہ دوں ①۔ تو ان کا بڑا اونچا مقام تھا، اور بھی بہت سے فضائل ہیں۔

## تقوی میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

تقویٰ اور طہارت کے اعتبار سے بھی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بڑا اونچا تھا۔ اس زمانے میں کاغذات وغیرہ رکھنے کے لیے جیب آستین کے اندر ہوا کرتی تھی۔ ان کی ایک آستین جس میں جیب تھی، وہ تو بڑی تھی اور دوسری آستین جس میں جیب نہیں تھی، وہ چھوٹی تھی کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو ایک طرح کی فضول خرچی ہے۔

## چھینک کے موقع پر نبوی تعلیم

ایک مرتبہ ایک بڑی کشتی میں بیٹھ کر کے کہیں جا رہے تھے، کنارے پر ایک آدمی

① سير أعلام النبلاء١٣/ ٢١٣،رقم الشخصيات:١١٧.

کھڑا تھا، اس کو چھینک آئی اور اس نے ''الحمد للہ'' کہا۔ ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی کو چھینک آوے تو چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے اور جو آدمی اس کی اس الحمد للہ کو سنے، اس کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہے چھینک کھانے والے کے لیے الحمد للہ کہنا تو سنت ہے، واجب نہیں۔ نہیں کہے گا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن اس نے الحمد للہ کہی تو سننے والے کے لیے اس کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہنا واجب ہے، نہیں کہے گا تو گنہگار رہوگا۔

اور اس سلسلے میں آگے ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب سننے والا ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہے تو چھینک کھانے والا اس کے جواب میں کہے گا: ''یَهْدِیكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت کا راستہ عطا فرمائے اور تمھارا حال درست فرمائے[1]۔

## امام ابوداودؒ اور احکامِ شریعت کی پابندی کا عجیب وغریب اہتمام

تو ایک آدمی کنارے پر کھڑا تھا جہاں سے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کشتی گذری، اس کو چھینک آئی اور اس نے ''الحمد للہ'' کہا۔ اب یہ ان کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہیں، اس سے پہلے ہی ان کا جہاز تیزی سے آگے نکل گیا۔

## چھینک اور سلام کے جواب کے سلسلے میں ایک ضروری وضاحت

ایک بات اور بھی یاد رہے کہ چھینک کھانے والے کے الحمد للہ کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہنا یا سلام کرنے والے کے ''السلام علیکم'' کے جواب میں

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالی عَنْهُ، بَابُ إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ.

''وعلیکم السلام'' کہنا واجب ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جس نے چھینک کھائی ہے یا سلام کیا ہے، اس کے کانوں تک جواب کی یہ آواز پہنچے؛ کیوں کہ یہ اس کا حق ہے۔ آواز پہنچے گی، وہ سنے گا، تو ہی یہ حق ادا ہوگا۔ آپ اپنے من ہی من کے اندر بول دیں گے یا اتنا آہستہ بولیں گے کہ اس کے کانوں تک آواز نہ پہنچے تو یہ واجب ادا نہ ہوگا۔

تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ جس کشتی میں سوار تھے، وہ ذرا تیزی سے چل رہی تھی، اس نے چھینک کھانے کے بعد جب الحمد للہ کہا اور ''یَرْحَمُكَ اللّٰہ'' کہنے کا وقت آیا تو وہ جہاز اتنا دور جا چکا تھا کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال ہوا کہ اب اگر میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہوں گا تو اس کی آواز اس چھینک کھانے والے تک نہیں پہنچے گی تو انھوں نے اس بڑی کشتی میں سے ایک چھوٹی کشتی نکالی۔

جیسے آج کل اسٹیمروں میں جو سفر کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی ہوتی ہیں؛ تاکہ ضرورت پیش آنے پر ان کو دریا میں ڈال کر کام لیا جا سکے، اس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا کہ بڑے جہاز میں چھوٹی کشتیاں بھی ہوتی تھیں کہ جس میں ایک، دو آدمی سوار ہو سکیں، چپو سے چلائی جاتی تھی۔ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے وہ چھوٹی کشتی ایک درہم میں کرایے پر لی، نیچے اتاری اور اس پر سوار ہو کر کنارے پر جا کر اس کو جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہا اور واپس اپنے جہاز میں آ کر سوار ہو گئے۔

کسی نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے- وہ اصل میں فرشتہ تھا- کہ امام ابوداود نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔ تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا علمِ حدیث میں بڑا اونچا مقام ہے۔

## دین داری کے ساتھ زندگی گذارنے کے لیے چار احادیث

ان کا ایک مقولہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے حالات لکھنے والے دوسرے علماء نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں حاصل کیں اور پانچ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کرکے، چن کر چار ہزار آٹھ سو احادیث اپنی اس کتاب سنن ابی داود کے اندر مختلف عنوانات کے ماتحت مرتب کرکے لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں: ویکفي الإنسان لدينه من ذلك أربعة أحاديث: ایک انسان کے لیے اس کی دین داری کے واسطے اور اس کے اللہ کے حکم پر عامل بننے کے واسطے اس مجموعۂ احادیث میں سے چار حدیثیں کافی ہیں۔ اگر کوئی آدمی ان کو اختیار کرلے اور ان پر عمل کا اہتمام کرلے تو اس کی نجات اور دین داری کے لیے کافی ہوجائے گا۔

## پہلی حدیث اور اس کی مختصر وضاحت

چنانچہ پہلی روایت ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى'' ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' کی شروعات اسی حدیث سے کی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اعمال کا مدار نیتوں کے اوپر ہے یعنی آدمی جیسی نیت کرکے عمل کرے گا، اس کے مطابق اس کا ثمرہ اور نتیجہ ظاہر ہوگا۔

## دوسری حدیث

دوسری روایت یہی ہے یعنی مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ: آدمی

کے اسلام کی خوبی اور اس کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول اور بے کار چیزوں کو چھوڑ دے۔

## تیسری حدیث اور اس کی مختصر وضاحت

اور تیسری حدیث ہے: لایکون المرء مؤمنا حَتَّی یرضی لأخیه مایرضی لنفسه: امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنے اس ارشاد میں ان ہی الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اگرچہ یہ روایت بخاری شریف میں لایُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّی یُحِبّ لأَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ کے الفاظ سے آئی ہے ①۔ چوں کہ اہلِ علم موجود ہیں، ان کو اشکال نہ ہو؛ اس لیے دفعِ دخل مقدر کر دیا۔ بہرحال! مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

## چوتھی حدیث اور اس کی مختصر وضاحت

اور چوتھی روایت الْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ ہے کہ اللہ کی طرف سے جن چیزوں کو حلال کیا گیا ہے، وہ بھی صاف اور واضح ہیں اور جو حرام کی گئی ہیں، وہ بھی صاف اور واضح ہیں اور ان کے بیچ میں کچھ ایسی مشتبہ چیزیں ہیں کہ جن کے اندر دونوں پہلو پائے جاتے ہیں: حلت والی علت بھی پائی جاتی ہے اور حرمت والی بھی، جن کو اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ہاں جو اہلِ علم ہیں، جنھوں نے علم کے اندر پختگی حاصل کی ہو، وہ البتہ ان چیزوں کو جانتے ہیں۔ جو آدمی اپنے آپ کو ان سے بچاتا ہے، وہ اپنے دین کو محفوظ کر لیتا ہے۔

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَنَس، بَابٌ: مِنَ الإِیمَانِ أَنْ یُحِبَّ لِأَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چار روایتیں ایک آدمی کی دین داری کے لیے کافی ہیں①۔ گویا امام ابوداود نے ان چار احادیث کو پورے ذخیرۂ حدیث کا خلاصہ اور نچوڑ بتایا۔

## امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذخیرۂ حدیث کا خلاصہ

ان سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحب زادے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کو جو نصیحت فرمائی، اس میں امام صاحب نے پورے ذخیرۂ حدیث کا نچوڑ پانچ احادیث کو بتایا تھا، جن میں سے چار یہی ہیں۔ پانچویں حدیث یہ ہے: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا رسانیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

## امام ابوداودؒ کے مقولے کی وضاحت شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کو نقل فرما کر اپنی طرف سے وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی جو روایت ہے: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، یہ شعبۂ عبادت کے لیے کافی ہے کہ جتنی عبادتیں ہیں، وہ نیت کی درستگی پر موقوف ہیں اور الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ یہ معاملات کی درستگی کے لیے ہے اور لا يكون المؤمن مؤمنا حَتَّى يرضى لأخيه ما يرضى لنفسه یہ معاشرت کی درستگی کے لیے کافی ہے اور یہ

① تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي ١١/ ٣٦٤.

حدیث مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ، اللہ تعالی نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی ہے، زندگی کے اوقات کو صحیح طریقے سے گذارنے کے لیے کافی ہے۔

## لایعنی کی تفسیر اور وضاحت

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے۔ یہ لایعنی کیا ہے؟ علماء اور شراح نے لایعنی کہ وضاحت فرمائی کہ وہ بات اور وہ کام جس کا نہ تو آخرت میں کوئی فائدہ ہو، نہ دنیا میں، ایسا کام اور ایسی بات لایعنی شمار ہوتے ہیں، گویا جس قول اور فعل کا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوتا ہو، وہ لایعنی ہے، یہ عام طور پر لایعنی کی تفسیر کتابوں کے اندر بیان کی جاتی ہے۔

## حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ افریقہ کے سفر میں ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ایک صاحب کے گھر جانا ہوا۔ آج کل کا حال ہم جانتے ہیں کہ گھر کے اندر بہت ساری چیزیں شو اور دکھلاوے کے واسطے رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان صاحب کے گھر میں دو کونے میں دو اونچے مٹکے رکھے ہوئے تھے جس کو پوٹ کہتے ہیں۔ اس پر حضرت نے صاحبِ خانہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ پوٹ ہے۔ پوچھا کہ کیا کام آتے ہیں؟ تو بتایا کہ ویسے ہی دکھاوے کے لیے ہیں۔ اس پر حضرت نے بڑا جامع اور عجیب وغریب جملہ ارشاد فرمایا کہ اب تک تو ہم سمجھتے تھے کہ لایعنی میں دو چیزیں ہوتی ہیں: قول یعنی بات اور فعل یعنی کام۔ آج پتہ چلا کہ چیزیں بھی لایعنی

ہوتی ہیں، اس میں چیزیں بھی داخل ہوگئیں۔

## فضول خرچی کی ایک مثال

حقیقت تو یہ ہے کہ اب لایعنی چیزوں کا سلسلہ اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ آپ اس کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں بلکہ اب تو جو نئے مکانات تعمیر ہوتے ہیں، اس کے اندر باقاعدہ فرنیچر (furniture) کی ترتیب دینے والا، اس کا نقشہ بنانے والا انٹیریل آرکیٹیکٹ (interior architect) ہوتا ہے، مکان کے اندر ساری ضرورتیں آچکی ہیں لیکن محض مکان کے اندر زیب وزینت اور شو کے لیے کہ ٹیبل کہاں رکھیں گے اور کرسی کہاں ہوگی، لوگ اس کے اندر لاکھوں روپئے خرچ کرتے ہیں۔

ابھی سورت کے اندر ہمارے ایک دوست نے بتلایا، ان کے خاندان کے لوگ بلڈرس (builders) ہیں، مکان تعمیر کررہے ہیں، انھوں نے بتلایا کہ بیرون ملک کے اندر باپ بیٹا ڈاکٹر ہیں، انھوں نے دو فلیٹ خریدے ہیں، ایک فلیٹ کی قیمت دو کروڑ ہے۔ کہا کہ فلیٹ کی قیمت تو دو دو کروڑ لیکن اس کے اندر فرنیچر (furniture) اور انٹریل پانچ پانچ کروڑ کا!! میں تو سن کر حیرت میں پڑ گیا کہ دیکھو! یہ پیسہ جو اللہ تعالی نے دیا ہے، اس کو لوگ کیسے ضائع اور برباد کررہے ہیں۔ کل کو قیامت کے دن اللہ تعالی کے یہاں ان سب کا جواب دینا پڑے گا۔

## قیامت کے دن پانچ چیزوں کے متعلق سوال

حدیث میں آتا ہے، آپ نے بھی فضائل صدقات میں سنا ہوگا حضرت شیخ نور اللہ

مرقدہ نے جہاں احادیث بیان کی ہیں، اس میں ایک حدیث پیش کی ہے: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابنِ آدمَ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: کہ قیامت کے روز اللہ کے حضور انسان کے قدم ہٹ نہیں پائیں گے، یہاں تک کہ اس کو پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ ان پانچ سوالوں میں سے دو سوال یہ ہوں گے: عَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ كَسَبْتَهُ وَفِيمَا أَنْفَقْتَهُ: مال کے متعلق دو سوال ہوں گے، ایک سوال ہوگا کہ کہاں سے اس کو کمایا اور دوسرا سوال یہ ہوگا کہ کہاں پر اس کو خرچ کیا①۔

## لوگوں کی ایک غلط فہمی

کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہم نے ماشاء اللہ حلال طریقے سے کمایا ہے، اب مولوی صاحب! ہم جس طریقے سے چاہیں، خرچ کریں۔ شادیوں کے اندر منڈپ بناتے ہیں تو اس کے اندر لاکھوں روپیے خرچ کیے جاتے ہیں، دعوتیں دی جاتی ہیں تو ایک ایک آدمی کے اوپر کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے اور پتہ نہیں، کہاں کہاں ہوتا ہے۔ حالاں کہ کل کو مال کے متعلق بھی اللہ کو جواب دینا پڑے گا۔

## وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال کی ممانعت

نماز کے لیے وضو ضروری ہے اور خود ایک ایسی عبادت ہے جو نماز جیسی عبادت کا ذریعہ بنتی ہے، اسلام اس کے اندر بھی پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے روکتا ہے، حدیث کے اندر آتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی استعمال نہ کیا جائے۔

①مسند أبي يعلى،عن ابن مسعودرضى الله تعالى عنه، مسند عبدالله بن مسعود.

## کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟

ایک صحابی ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ۔ وضو فرما رہے تھے اور انھوں نے کچھ زیادہ پانی استعمال کرلیا، اس زمانے میں ویسے بھی پانی کچھ زیادہ مقدار میں ہوا نہیں کرتا تھا، دورِ نبوت کے اندر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں پانی کی بڑی قلت تھی، تو انھوں نے کچھ زیادہ پانی استعمال کرلیا تو یہ دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ: اے سعد! یہ پانی کی فضول خرچی کیسی!! یعنی اتنا زیادہ استعمال کیوں کرتے ہو؟ تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے نا، اگر کوئی آدمی چار مرتبہ دھوئے گا تو یہ فضول خرچی ہے، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

بہرحال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو تنبیہ کی۔ چوں کہ معاملہ وضو کا تھا، اس لیے وہ صحابی یہ سمجھ رہے تھے کہ وضو ہے، عبادت ہے، تو آدمی اگر اس کے اندر کچھ زیادہ استعمال کرلے تو اس کے اندر ثواب زیادہ ہی ملنا چاہیے، آدمی ایسا ہی سوچتا ہے۔ اس لیے انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: أَفِي الْوُضُوءِ سَرَفٌ؟: اے اللہ کے رسول! کیا وضو کے اندر بھی فضول خرچی ہے؟ یعنی کوئی آدمی زیادہ پانی استعمال کرلے تو منع ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ: جی ہاں! اگر بہنے والی نہر پر بیٹھ کر تم وضو کر رہے ہو، تو بھی اگر ضرورت سے زیادہ تم نے پانی استعمال کیا تو اسراف ہے۔ اسلام جب وضو جیسی عبادت میں فضول خرچی کی اجازت نہیں دیتا تو دوسری چیزوں میں اس کی اجازت کیسے ہوگی؟۔

## تبلیغی جماعت کا ساتواں نمبر جس کو لوگ بھلا چکے ہیں

جماعت میں جاتے ہیں تو اس میں چھے نمبر ہیں، اس میں ایک اضافہ ہے ترکِ لایعنی کہ آدمی ان چھے کاموں کے ساتھ اس کا بھی اہتمام کرے کہ لایعنی سے اپنے آپ کو بچاوے۔

## چوتھا بستر شیطان کے لیے ہوتا ہے

کوئی زائد چیز جس کا نہ کوئی دنیوی فائدہ ہو، نہ دینی، اسلام اس کو رکھنے کی اجازت نہیں دیتا، یہاں تک کہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کے پاس تین بستر ہونے چاہئیں: ایک اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے، چوتھا شیطان کے لیے ہوتا ہے ①۔ ایسی تو بہت ساری حدیثیں ہیں۔ گویا آدمی اپنی ضرورت سے زیادہ جس چیز کو بھی اپنے پاس جمع کرے گا، شریعتِ مطہرہ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بہرحال! میں تو یہ عرض کرر ہا تھا کہ اب ہمارے زمانے میں لایعنی میں ایک اور چیز کا اضافہ ہوگیا ہے اشیاء کا، اقوال اور افعال کے ساتھ اشیاء بھی لایعنی میں داخل ہوگئی ہیں۔

## بولنے اور کام کرنے سے پہلے غور کیجیے

تو آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے۔ ہمیں اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنا ہے کہ ہم جو بات بولنے جا رہے ہیں، سوچئے کہ ہماری اس بات سے

---

① صحيح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضى الله تعالى عنهما، بَابُ كَرَاهَةِ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ مِنَ الْفِرَاشِ وَاللِّبَاسِ.

کوئی اخروی یا دینی فائدہ حاصل ہو رہا ہے؟ ٹھیک ہے، بولیے۔ یا اس کا کوئی دنیوی فائدہ ہے تو ٹھیک ہے اور اگر اس کا نہ کوئی اخروی فائدہ ہے، نہ دنیوی فائدہ ہے تو اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ یہی حال ہے افعال اور اعمال کا۔

ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے بے شمار افعال اور اقوال ایسے ہیں جو نہ دینی اعتبار سے ہمارے لیے مفید اور کار آمد ہیں اور نہ دینی اور اخروی اعتبار سے اس کا کوئی مطلب ہے۔

## نوجوان طبقہ اور کرکٹ اور کرکٹروں کے ساتھ ان کا پاگل پن

آج دیکھئے! ہمارے نوجوان طبقے میں کرکٹ کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور اس کرکٹ کے ساتھ تعلق اور محبت کی وجہ سے ان کرکٹروں کے ساتھ بھی، کھلاڑیوں کے ساتھ بھی محبت اور تعلق کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی بھولے سے بھی اس کھلاڑی کے متعلق کوئی آڑی بات بول دے تو ہمارا یہ نوجوان آستین چڑھا کر اس کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جائے گا، اس کے باپ کو کوئی دو گالیاں دے دے گا تو وہ چپ رہے گا لیکن اس کھلاڑی کے بارے میں ایسی بات سننے کا روادار نہیں ہوگا، ایسی محبت ان کی ہمارے جوانوں کے دلوں میں گھر کر چکی ہے۔

## غیرتِ ایمانی سے محروم مسلمان

نعوذ باللہ میں غلط نہیں کہوں گا کہ اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یا دین کے معاملے میں کوئی ایسی نامناسب بات کہتا ہے تو اس کی ایمانی غیرت میں جوش پیدا نہیں

ہوتا لیکن ان کھلاڑیوں کے ساتھ محبت کا یہ عالم ہے اور ان کے ساتھ اس محبت کے نتیجے میں ہر چیز میں اس کی نقلیں ہوتی ہیں، رفتار میں، گفتار میں کردار میں، لباس میں۔ ان کا حال دیکھو!۔

## کھلاڑیوں وغیرہ کی محبت شرعی نقطۂ نظر سے

یہ کھلاڑی کون ہیں؟ کوئی بڑے بزرگ ہیں؟ اہل اللہ ہیں؟ ان کی بڑی تعداد تو وہ ہے جو کافر ہے اور جو مسلمان ہیں، وہ بھی کون سے اہل اللہ ہیں؟ ان کی بڑی تعداد بھی وہ ہے جو فاسق ہے تو کفار اور فساق کی محبت اپنے دلوں کے اندر جمانا، یہ تو بڑا خطرناک معاملہ ہے، یہ ہمارے ایمان کو نقصان پہنچانے والا ہے۔

ان کھلاڑیوں کی محبت کے نتیجے میں کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ ہمارے ان نوجوانوں کا لباس، ان کی چال ڈھال، ان کے بولنے کا انداز، رفتار، گفتار، کردار ہر چیز میں ان کی نقالی ہوتی ہے۔ کوئی جا رہا ہو تو آپ دیکھیں گے، کوئی نیا آدمی ہے، وہ نہیں جانتا، وہ پوچھے گا کہ بھائی! یہ ایسا کیوں چلتا ہے تو جو جان کار ہے، وہ بتائے گا کہ یہ تو فلانے کی اسٹائل (style) ہے۔ ارے! ہمارے دلوں میں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسٹائل گھر کر جانی چاہیے۔

## سنتِ نبوی پر مر مٹنے کا عثمانی جذبہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر مکہ والوں کے پاس اپنا ایلچی بنا کر، ایک پیغام، میسیج دے کر بھیجا تھا، جب وہ جانے لگے، ان کے قبیلے والوں

کو پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں تو ان کے قبیلے کے لوگ مکے میں زیادہ تھے اور زیادہ قوت والے تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارے قبیلے کا آدمی آ رہا ہے۔ یہ ان کے لیے عزت کی چیز تھی، وہ سب باقاعدہ ہتھیار لگا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے مکہ سے باہر آئے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو اپنی حمایت میں لے لیا اور ان کو ساتھ لے کر گئے کہ کوئی بھی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا، تم جو چاہو کرو، کیوں کہ بڑا خطرہ تھا۔

خیر! انھوں نے مکہ کے سرداروں کو پیغام پہنچایا، وہاں جو ضعفائے مسلمین تھے، ان کو پیغام دیا گیا تھا، وہ بھی پہنچایا، جب فارغ ہو گئے تو - یہ بات کہنی تھی مجھے - جس وقت ان کو ان کے قبیلے والے لے جا رہے تھے تو ان کے قبیلے والوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہی تھا کہ آدھی پنڈلی تک ازار رکھتے تھے۔

## لنگی باندھنے کے معاملے میں کفارِ مکہ کا طرز و انداز

اب مکہ والوں کا فیشن (fashion) اور اسٹائل اس زمانے میں یہ تھا کہ وہ لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے، زمین سے گھسیٹے، اس طرح پہننے کی عادت تھی اور اس کو فخر کی چیز سمجھتے تھے، اگر کوئی آدمی اس سے ذرا اوپر لنگی پہنے تو اس کو حقیر سمجھتے تھے، اس کو ذلیل سمجھتے تھے۔ جیسے آج کل کے جو اسٹائل ہوتے ہیں، اس کے خلاف کوئی کرے، جیسے ہم لوگ آدھی پنڈلی تک لنگی پہنتے ہیں تو یہ فیشن پرست لوگ اس کو حقیر سمجھتے

ہیں کہ یہ کون آ گیا؟ کہاں سے آ گیا؟۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبیلے والوں نے دیکھا کہ ان کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے تو کہا کہ دیکھو عثمان! تم مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے چودھریوں اور سرداروں سے ملنے کے لیے جا رہے ہو اور وہاں کا فیشن یہ ہے، ان کے یہاں لنگی کو اوپر رکھنا ذلت کی چیز ہے، اور تمھاری لنگی آدھی پنڈلی تک ہے اور وہ ایسے آدمی کو جس کی لنگی اس طرح آدھی پنڈلی پر ہو، بہت حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں؛ اس لیے تم بھی اپنی لنگی ذرا نیچی کر لو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کیا کہا؟ فرمایا: هَكَذَا إِزْرَةُ صَاحِبِنَا: میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی باندھنے کا انداز اور اسٹائل یہی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی بھی اسی طرح ہوتی ہے، میں اپنی لنگی کو ذرا بھی ہٹا سکتا نہیں①۔

یہ تھا وہ جذبہ، یہ وہ محبت تھی۔ آج ہمارے اندر اس ایمانی غیرت کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے اگر ہم اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی عزت عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی عطا فرمائے گا۔ آج ہماری جو رسوائی ہو رہی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

## دو یورپین آدمیوں کے عجیب اسٹائل کا واقعہ

واقعہ یہ ہے کہ جس کی محبت دل میں گھر کر جاتی ہے تو اس کی ہر ادا پر مر مٹنے کا جذبہ

① المصنف لابن أبی شیبہ، غَزْوَةُ الْحُدَيْبِيَةِ، عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، رقم الحدیث: ۳۶۸۵۲.

بھی دل کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے، کئی سال پہلے کا قصہ ہے، تقریباً تیس یا چالیس سال ہو رہے ہیں۔ دہلی کا ایک مصروف بازار ہے، وہاں دو یورپین تھے، کان میں بالیاں تھیں، بال آدھے ادھر کے تھے، آدھے کٹے ہوئے تھے، جیسے آپ ہپی کٹ دیکھتے ہیں، اس طرح یہ دو یورپین جا رہے تھے، اس بازار کے سارے دکان داران کو دیکھ رہے تھے اور ہنس رہے تھے لیکن ان دونوں کو اس کی کوئی فکر اور کوئی پروا نہیں تھی۔ کیوں؟ کیوں کہ ان کو اپنے اس طریقے پر مستی تھی، ان کے نزدیک ان کی یہی اسٹائل فخر کی چیز تھی، لوگ ہنستے رہے، اس سے ان کا کیا بگڑا؟۔

ہمیں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ ایسی محبت ہونی چاہئے کہ لباس میں چال میں، ڈھال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز ایسا اختیار کریں کہ لوگ ہنستے ہیں تو ہنستے رہیں:

| | | |
|---|---|---|
| لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکین | | پر وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا |

لوگ ہنستے ہوں تو بھاڑ میں جائیں، ہم تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو اختیار کریں گے۔

## نا اہلوں کی محبت بڑی خطرناک چیز ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ لایعنی: کرکٹ کی بحثیں، فٹ بال کی بحثیں، میچوں کی بحثیں، اس کے اندر ہمارے نوجوان گھنٹوں ضائع اور برباد کر دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کھلاڑیوں کی محبت ان کے دلوں میں جو گھر کر جاتی ہے، وہ محبت اتنی

خطرناک ہے کہ پتہ نہیں، وہ آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچادے گی۔

## حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کا ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک آدمی کے انتقال کا وقت قریب آیا، اس کی زبان پر کلمہ نہیں چڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ توجہ ڈالئے۔ حضرت نے توجہ ڈالی اور فرمایا کہ اس آدمی کو غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی عادت تھی، اس کی وجہ سے اس کی زبان پر کلمہ نہیں آتا، میں توجہ کر رہا ہوں تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ محبتیں پتہ نہیں ہمیں کہاں سے کہاں لے جائیں گی؛ اس لیے ہمیں اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے۔

## کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر چیز ان کی نگاہوں میں محبوب اور پسندیدہ تھی: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز، حضور کی چال ڈھال، حضور کے ارشادات، ہر چیز پر وہ مرمٹتے تھے اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ دوسری لغویات کے اندر اپنے آپ کو ایسا مشغول کر دیا کہ اس کے اندر لگے ہوئے ہیں، ہماری صلاحیتیں اسی کے اندر استعمال ہوتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سارے اوقات ضائع اور برباد ہوتے ہیں۔

ورلڈ کپ چل رہا ہے تو نوجوان ہو، بوڑھے ہوں، بچے ہوں، عورت ہو، مرد

ہو، سب اس میں لگے ہوئے ہیں، اس خباثت میں اپنی زندگیوں کو برباد کر رہے ہیں۔

## کرکٹ کی حقیقت

یہ کرکٹ کیا ہے؟ یہ کرکٹ ایک لعنت ہے، یہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے والی چیز ہے۔ حضراتِ فقہاء نے کسی کھیل کے جائز ہونے کے لیے جو شرطیں لکھی ہیں، وہ ساری شرطیں اس میں مفقود ہیں، کوئی شرط نہیں پائی جاتی بلکہ اس کرکٹ کے نتیجے میں سٹہ کھیلا جاتا ہے اور یہ سٹوڈیے ہی ان کھلاڑیوں کو خرید لیتے ہیں، اخبارات کے اندر پڑھتے ہیں کہ اس میں فکسنگ ہوتی ہے یعنی ان کا ہارنا اور جیتنا بھی ایسا ہی دکھلاوا ہے، سب اس حقیقت کو جانتے ہیں، اس کے باوجود جب کوئی جیتتا ہے، کوئی ہارتا ہے تو ہم آستینیں چڑھا کر آپس میں لڑنے لگتے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!!۔ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی!! ان کی ہار جیت کے اوپر ہم مرنے کے لیے تیار ہیں اور یہ خود پیسے کھا رہے ہیں۔ ہم جب جانتے ہیں کہ یہ ہار اور جیت پہلے سے طے شدہ تھی، پھر اس ہار جیت پر ہمارا اپنی صلاحیتوں کو برباد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔ اس مجمع میں نوجوان بھائی بھی موجود ہیں، میں ان نوجوان مسلمان بھائیوں سے کہتا ہوں کہ اپنے اس غلط شوق کو چھوڑو، ان فضول بحثوں کے نتیجے میں آپ کو کیا مل جائے گا؟۔

## کرکٹ میچ کی تباہ کاریاں

لیکن جنون کی حد تک پہنچا ہوا شوق ہے، یہ شوق اتنا غالب آتا ہے کہ اس کے نتیجے میں نمازیں قضا ہوتی ہیں، جماعتیں چھوٹتی ہیں اور اگر کوئی بہت نیک صالح ہے اور

نماز با جماعت کے لیے آتا ہے تو دورانِ نماز اس کا پورا ذہن اسی میچ کے اندر ہوتا ہے کہ کب میں نماز پوری کروں اور جاؤں !!۔

## نماز میں خشوع پیدا کرنے کے باب میں شریعت کا خاص اہتمام

شریعتِ اسلامیہ تو بھوک کی حالت میں جب کھانا موجود ہو اور طبیعت کھانے کی طرف لگی ہوئی ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی کہ پہلے کھالو؛ تاکہ تمھارا جی نماز میں لگے، بغیر کھائے ہوئے نماز پڑھوگے تو جی کھانے میں لگا ہوا ہوگا کہ دیکھنے میں تو تم نماز میں لگے ہوئے ہو اور جی کھانے میں لگا ہوا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری نماز کھانا بنے، اس کے مقابلے میں میرا کھانا نماز بنے، یہ مجھے زیادہ پسند ہے؛ کیوں کہ آدمی جب کھانا چھوڑ کر نماز میں لگے گا تو اس کا جی اسی میں لگا ہوا رہے گا کہ کب میں نماز پوری کروں اور کھانے جاؤں تو نماز کھانا بن گئی اور اگر پہلے کھائے گا تو کھانا نماز بن جائے گا کہ کب کھانا پورا کروں اور نماز ادا کروں۔ تو کھانا بھوک کی حالت میں ایک طبعی ضرورت ہے، اس کی حالت میں بھی اسلام نے نماز کی اجازت نہیں دی کہ دل اُدھر لگا رہے گا تو میچ کی طرف دھیان لگنے کی حالت میں اس کی اجازت کیسے ہوگی !!۔

## یہ کھیل ہے یا جنون؟

عجیب سا جنون سوار ہے، ۲۴ر گھنٹے اسی کے ٹینشن میں گذرتے ہیں، ساری صلاحیتیں، حکومت کے دفاتر، خانگی کمپنیاں، خانگی کام کرنے والے۔ اس زمانے میں

کسی بھی آفس میں چلے جائیں گے تو کوئی آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں، سب کے سب اس کی کامینٹری سننے میں مشغول ہیں، ٹی وی دیکھ رہے ہیں، پورا ملک اور اس کی صلاحیتیں اس میں ضائع اور برباد ہو رہی ہیں، یہ کون سی عقل مندی کی بات ہے؟ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

## جوئے اور سٹے سے روکنے کی وجہ قرآن کی روشنی میں

قرآنِ پاک میں سٹے اور شراب کی حرمت کی جو وجہ بتلائی ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة:۹۱] کہ: شیطان چاہتا ہے کہ اس شراب اور سٹے کے ذریعہ تمھارے درمیان آپس میں دشمنیاں پیدا کر دے اور نماز اور اللہ کے ذکر سے روک دے۔ یہ میچ دشمنیاں ہی تو پیدا کراتی ہے نا؟ اس کی وجہ سے آپس میں لڑائی ہوتی ہے، دو گروہ میں لڑائی ہوتی ہے، اس کی وجہ سے جوانوں میں دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ کی یاد سے اور نماز سے یہ چیزیں روکتی ہیں۔

## ایک بوڑھے میاں کا واقعہ

یہ کرکٹ کا جو جنون ہے، وہ ہمارے نوجوانوں ہی کو کیا، بوڑھوں اور عورتوں تک کو اپنے لپیٹے میں لیے ہوئے ہے۔ ہمارے ایک دوست سناتے ہیں کہ وہاں ایک میچ ہو رہا تھا، میچ تو اپنی جگہ پر ہو رہا تھا لیکن ٹی وی پر اس کا لائیو ٹیلی کاسٹ (live tele cast) آ رہا تھا اور لوگ اس کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ شہر میں دکانوں

کے اندر ٹی وی چل رہی ہو تو باہر ایک جم غفیر ہے اور پیچھے گاڑی والے ہوٹنگ کر رہے ہیں لیکن ان کو کوئی پرواہی نہیں، کوئی ہٹنے کا نام ہی لیتا۔ کہتے ہیں کہ ایک بوڑھے میاں تھے، ان کو بھی بڑا شوق تھا، لوگوں نے ان کو ہٹانے کے لیے بجلی کا کنکشن کٹ کر دیا، کسی نے کہا کہ فلاں جگہ میچ چل رہا ہے۔ وہ بوڑھے میاں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور لوگوں سے کہتے رہتے کہ مجھ سے چلا نہیں جاتا، تو بھی کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے وہاں پہنچے، یہ ہے محبت کی انتہا۔

## کرکٹ بہت سارے مفاسد کی جڑ ہے

اور یہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے اور بھی بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، کھلاڑیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کی جاتی ہے۔ حالاں کہ حدیث میں آتا ہے: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ①: جو آدمی کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے، وہ اسی میں سے ہوتا ہے اور یہ تو انگریزوں کا کھیل ہے۔

## یورپین ممالک میں کرکٹ کا رواج بہت کم ہے

اور پھر دنیا میں اور یورپ میں بھی بہت سی قومیں بستی ہیں، جرمنی کی کوئی ٹیم ہے؟ اٹالی کی کوئی ٹیم ہے؟ سویٹزرلینڈ کی کوئی ٹیم ہے؟ فرانس کی کوئی ٹیم ہے؟۔

## یورپین اقوام اور ان کی قومی حمیت وغیرت

یہ یورپین قومیں ہیں نا، وہ اپنی قومیت پر اتنا فخر کرتی ہیں کہ وہ دوسری قوم کی زبان

① سنن أبي داود، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابٌ فِي لُبْسِ الشُّهْرَةِ، رقم الحديث: ۴۰۳۱.

بولنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ آپ جرمنی جائیں گے اور کسی سے انگریزی میں بات کریں گے تو سامنے والا انگریزی زبان جانتا ہے تو بھی وہ انگریزی میں بات نہیں کرے گا، فرانس جائیں گے، پیرس میں اتریں گے اور کسی سے انگریزی میں بات کریں گے تو وہ انگریزی زبان جانتا ہے تو بھی وہ انگریزی میں بات کرنے کو تیار نہیں ہوگا، فرانسسی میں بولو گے تو ہی جواب ملے گا۔ ان کو اپنی چیزوں پر اتنا ناز!! اور ہمارے یہاں کے لوگ یہ کھیل اپنانے کو تیار ہو گئے۔

## کرکٹ انگریزوں کی غلامی کی نشانی ہے

دنیا میں ان ہی ممالک میں یہ کھیل چلتا ہے جو کسی زمانے میں انگریزوں کی کالونیاں رہیں یعنی جہاں انگریزوں کا اقتدار رہا، جیسے ہندوستان، پاکستان، سری لنکا وغیرہ جتنی بھی کرکٹ ٹیمیں ہیں، یہ سب وہی ممالک ہیں۔ یہ آسٹریلیا اور نیوزلینڈ، ان سب ممالک میں انگریزوں کا اقتدار رہا تھا۔

## کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی، یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

وہ تو کسی دوسری قوم کا کوئی کھیل بھی اختیار کرنے کو تیار نہیں اور ہمیں اسلام نے اتنی بڑی تعلیم دی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے ذریعہ اور اس کے باوجود ہماری ایمانی غیرت ہم کو ان چیزوں سے روکنے کے لیے تیار نہیں، ذرا شرمانے کی ضرورت ہے، وہ لوگ تو اپنی ان معمولی معمولی چیزوں پر فخر کریں اور ہم لوگ دین وایمان پر فخر کرنے کو تیار نہیں، بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے یہ جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، اس کو اللہ کے واسطے ضائع مت کرو۔ یہ زندگی بڑی قیمتی ہے، اللہ کی یاد میں، اس کی اطاعت وعبادت میں اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے، یہ کھیل اور اس میں جو وقت ضائع ہو رہا ہے، پیسے برباد ہو رہے ہیں، صلاحیتیں تباہ ہو رہی ہیں، کل کو یہی قیامت میں لعنت کا سبب بن کر جہنم میں جانے کا سبب بنے گا۔ اللہ تبارک وتعالی میری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ اپنے اوقات کو صحیح کاموں میں استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

## مؤمن کی غیرتِ ایمانی یہ ہونی چاہیے

ایک مؤمن کے ایمان کی غیرت اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے اور سوچے کہ آخر میں اس دنیا میں کاہے کے واسطے آیا ہوں، مجھے اللہ تعالی نے کیوں پیدا کیا ہے؟ میرا مقصد تخلیق کیا ہے؟ مجھ سے اللہ تعالی کیا چاہتے ہیں؟ اس کو جانے، سیکھے، سمجھے اور سیکھ، سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرنے اور نہ کرنے کے تمام کام بتلا دئے ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت پر قربان جائیے! کہ آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کہ جو کرنے کے قابل ہو اور بتایا نہ ہو اور نہ کرنے کا ہو اور روکا نہ ہو۔ مشکوۃ شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَيُّهَا النَّاسُ! لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ کہ: اے لوگو! ہر وہ چیز

اور ہر وہ کام جو تم کو جنت سے قریب کرنے والا اور جہنم سے دور کرنے والا ایسا نہیں ہے جس کا میں نے تم کو حکم نہ دیا ہو اور کوئی کام جہنم سے قریب کرنے والا اور جنت سے دور کرنے والا ایسا نہیں ہے جس سے میں نے تم کو روکا نہ ہو[۱]۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کے حق میں باپ کی طرح ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال تو امت کے ساتھ ایسا تھا، جیسے ایک باپ کا بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ[۱]: میں تمھارے لیے ایسا ہوں، جیسا کہ ایک باپ بیٹے کے لیے ہوا کرتا ہے کہ باپ ہر وہ چیز جو بیٹے کے لیے مفید اور کارآمد ہوتی ہے، بڑے اہتمام کے ساتھ بتا کر اس پر عمل کروانے کی کوشش کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی تم کو ہر چیز سکھلاتا ہوں، یہاں تک کہ استنجا کرنے کا طریقہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلایا، چنانچہ اسی روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی استنجا کے لیے بیٹھے تو نہ تو قبلہ کی طرف رخ کرے، نہ قبلہ کی طرف پشت کرے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے اور ہڈی وغیرہ سے استنجا نہ کرے۔

یہ استنجا وغیرہ کے آداب بتلائے، وہ کیا ہے؟ جیسے ایک باپ کی کوشش ہوتی ہے کہ جب بچے کی پرورش کرتا ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اس کو سکھلاتا ہے، کھانے کے آداب سکھلاتا ہے کہ بیٹے! پہلے بسم اللہ پڑھو، یوں لقمہ پکڑو اور اس کو یوں منہ میں رکھو،

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، المجلد الثانی، باب التوکل والصبر.

(۲) سنن النسائی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، النَّهْيُ عَنِ الاِسْتِطَابَةِ بِالرَّوْثِ.

اس طرح نہ بیٹھو، اس طرح بیٹھو، ہر چیز سکھلاتا ہے؛ کیوں کہ باپ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا اس طرح ٹرینڈ ہو جاوے کہ ہر چیز میں وہ کامل و مکمل ہو۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہمیں سب کچھ بتلایا، سکھلایا اور ہر چیز کا طریقہ بتلایا۔

## ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے اوقات کو قیمتی بنانے کے لیے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے، یہ سانس ہماری زندگی کے ٹکڑے ہیں، عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| حَيَاتُكَ أَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَكُلَّمَا مَضَى | نَفَسٌ مِنْكَ انْتَقَصْتَ بِهِ جُزْءَا |

تمھاری زندگی چند سانسوں کا مجموعہ ہے، ایک سانس تم نے لی تو یوں سمجھئے کہ تمھاری زندگی کا ایک حصہ کم ہو گیا۔

ویسے شمار تو ہم یوں کرتے ہیں کہ کوئی پوچھتا ہے کہ آپ کی عمر کتنے سال ہوئی؟ تو کہتے ہیں کہ پانچ سال، چھے سال تو یہ عمر بڑھتی نہیں ہے بلکہ گھٹتی جا رہی ہے؛ اس لیے کہ ہم جتنی عمر دنیا میں لے کر کے آئے تھے، اب جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے تو ہمارا سرمایہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم | رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم |

## گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سے رمضان حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گذارنے کی

سعادت عطا فرمائی، حضرت کے یہاں مغرب کی نماز کے بعد مجلس ہوتی تھی تو ہم لوگ آگے جگہ ملے، قریب بیٹھنے کا موقع ملے، اس شوق میں کھانا بھی نہیں کھاتے تھے بلکہ نماز کے بعد آگے جا کے بیٹھ جاتے تھے؛ تاکہ حضرت کی زیارت ہو۔ حضرت بڑی لے کے ساتھ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

| | | |
|---|---|---|
| غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی | | گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹادی |

حضرت فرماتے تھے کہ یہ جو گھنٹے والی گھڑی ہوتی ہے نا، اس میں جب بارہ بجتے ہیں تو گھنٹے بجتے ہیں تو گویا ہر گھنٹہ یہ کہتا ہے کہ گھٹادی، گھٹادی۔ چوں کہ اس گھنٹے کی آواز مبہم ہوتی ہے اور مبہم آواز کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنے دل کی جس چیز پر بھی منطبق کرنا چاہے، کرسکتا ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ گھنٹے کی آواز ہمیں یہ خبر دیتی ہے کہ تمھاری زندگی کا ایک حصہ گذر گیا۔

## اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو!

اسی مجلس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بعض مرتبہ یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو۔

## کتاب الرقاق کیا ہے؟

حدیث کی جو مختلف کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں ایک مستقل عنوان آتا ہے کتاب الرقاق کا، رقاق یہ رقیق کی جمع ہے، رقیق یعنی نرم کرنے والی چیز یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات کہ جن کو سن کر آدمی کا دل نرم ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ان

ارشادات کو سن کر کے کم ہوتی ہے اور آخرت کی طرف میلان اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم کرنے والے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے والے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کو محدثین اسی کتاب الرقاق کے عنوان کے تحت لاتے ہیں، اس لیے کہ ہماری جو بنیادی بیماری ہے، وہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت کی طرف سے غفلت ہے تو اگر ایسی باتیں پیش کی جائیں کہ جن کے نتیجے میں دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی رغبت بڑھے تو وہی باتیں اس کے لیے کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

## دنیا کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے

فضائل صدقات کے دوسرے حصے میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے زہد کے بارے میں مستقل فصل قائم فرمائی ہے یعنی دنیا سے بے رغبتی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائے، ان اخلاق میں زہد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی؛ اس لیے کہ دنیا کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے، حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ[1]: ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے، دنیا کی طرف سے جتنی بے رغبتی ہوگی، اتنا ہی آدمی فائدے میں رہے گا۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تعلیم و تربیت کے لیے جو جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں تو آپ کی ان باتوں میں ایک بڑا ذخیرہ، ایک بڑا حصہ ان ارشادات کا ہے جن کو سن

---

① حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ، البيهقي في الحادي والسبعين من الشعب، بإسناد حسن إلى الحسن البصري، رفعه مرسلا (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوي، رقم الحديث:۳۸٤)

کر آدمی کے دل میں دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے، ان ہی ارشادات کو حضراتِ محدثین اپنی کتابوں میں جس میں انھوں نے احادیث کو جمع کیا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو ترتیب دی ہے، اس میں ''کتاب الرقاق'' کا عنوان الگ قائم کرتے ہیں۔

## دو نعمتیں جن کی کثرت سے ناقدری ہوتی ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے اندر کتاب الرقاق کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشادات سے خاص طور پر شروع کیا، پہلے ہی باب میں پہلی ہی جو روایت لائے ہیں، وہ یہی ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ[1] :اللہ تبارک وتعالی کی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان دو نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے معاملے میں اور ان نعمتوں کی حقیقی قدر و قیمت جاننے اور اس کو وصول کرنے کے معاملے میں لوگ بہک جاتے ہیں، اس کے بارے میں لوگ گھاٹے میں ہیں، دھوکے میں ہیں۔ وہ دو نعمتیں کیا ہیں؟ ایک تو تن درستی اور دوسری ہے فرصت۔

## صحت و فراغ کی طرف سے انسان دھوکے میں کس طرح ہے؟

غَبن یہ عربی زبان کا لفظ ہے، نقصان اور دھوکہ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ دھوکے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی

---

(۱) صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالی عَنْهُمَا، بَابٌ: لاَ عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ.

طرف سے جو تن درستی اور فرصت ملی ہوئی ہوتی ہے، عام طور پر زندگی کے ابتدائی دور میں یہ چیز حاصل ہوتی ہے تو ایسے عالم میں آدمی عام طور پر یہ سوچتا ہے، جب اس کو کہا جاتا ہے کہ بھائی! دین کا کام کرو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کی عبادت میں لگ جاؤ تو وہ کہتا ہے کہ بھائی! ابھی کیا گیا ہے، ابھی تو زندگی کے بہت دن پڑے ہیں، کچھ دن ذرا عیش وعشرت سے گذار لیں پھر آگے دیکھی جائے گی۔

یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب اس کے پاس موقع ہوتا ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت ہے، زندگی کہاں چلی گئی، ابھی تو جوانی ہے، بہت دن باقی ہیں، بعد میں دیکھا جائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تو فقط بڑھاپا ہے، یہ انسان کا مزاج ہے۔

## ناقابل استعمال چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں دینے کا انسانی مزاج

اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز فارغ کرتا ہے جو بے کار ہو: کپڑا پرانا ہوگیا، اپنے لیے نیا خریدا اور پرانا اتارا اور کہا کہ یہ غریب کو اللہ واسطے دے دو۔ کھانا کھا چکے، کھانا بچ گیا، اب اپنے لیے ضرورت کا نہیں رہا تو کہا کہ کسی غریب کو دے دو، باسی ہوگیا تو کہا کہ کسی غریب کو دے دو۔ جو چیز اپنے کام کی نہ رہے، اللہ کے راستے میں دے دو! انسان کی اس نفسیات میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

## بچا ہوا کھانا وغیرہ دیئے جانے پر انسانی ردعمل

قرآن میں باری تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تم اللہ کے لیے وہ چیز

نکالتے ہو کہ اگر تم کو وہ چیز دی جائے تو تم اس کو قبول نہ کرو۔ بچا ہوا کھانا اگر کوئی ہم کو دے تو ہم کتنا ناراض ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ کیا ہم بھکاری ہیں؟ ہم کو کیا سمجھا ہے؟ ایسی چیز دیتے ہو؟ گویا ہم اس کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور یہی چیز ہم اللہ کے راستے میں دے کر ہم ثواب کی امید رکھتے ہیں، اللہ اکبر! یہ تو اس کا کرم ہے کہ ایسی بے کار چیزوں کو بھی وہ قبول کر لیتا ہے۔

## اللہ تعالی ہم سے کیسی چیزوں کا صدقہ چاہتے ہیں؟

اس کے لیے تو وہ دینا چاہیے تھا جو سب سے عمدہ ہو، قرآن میں باری تعالی نے یہی فرمایا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾[آل عمران: ۹۲] کہ: تم حقیقت میں نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمھیں پسند ہے۔

## احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا حضراتِ صحابہؓ کا بے مثال جذبہ

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو انصار میں سے ہیں، انھوں نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے قرآن کی جو آیت اور اللہ تعالی کا جو ارشاد سنایا، وہ میں نے سنا اور میرے پاس کھجور کے باغات ہیں، ان میں سب سے عمدہ باغ بیرحاء ہے۔ یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے تھا اور اس کے اندر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کبھی کبھار تشریف لے جاتے تھے اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے۔ تو عرض کیا کہ یہ باغ میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں①۔

① صحيح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الأَقَارِبِ.

یہ تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دل گردہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے اپنی جان، مال کو اسی طرح پیش کیا کرتے تھے جیسا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ہوا کرتا تھا۔

## انسان اپنی زندگی کا بھی بیکار حصہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے فارغ کرتا ہے

بہر حال! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ انسان کا یہ مزاج ہے کہ وہی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے جو اس کے کام کی نہیں رہتی۔ عمر کے معاملے میں بھی یہی حال ہے کہ عمر کا بہترین زمانہ جوانی کا زمانہ ہے کہ جوانی میں انسان کی تمام صلاحیتیں اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں، اس کی صحت، قوت، کام کرنے کی، سوچنے سمجھنے کی، تمام صلاحیتیں اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں اور اس میں وہ بہت کچھ کارنامے انجام دے سکتا ہے تو جوانی کو تو وہ اپنی دنیا کے لیے لگاتا ہے اور جب بڈھا ہو جاتا ہے، کسی کام کا نہیں رہتا، نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت اور گھر والے بھی دھکے دے کر نکال دیتے ہیں کہ جاؤ بڑے میاں! مسجد میں جا کر بیٹھو، کیا بک بک کرتے رہتے ہو۔ بہوئیں بھی نکال دیتی ہیں، تب مسجد میں آ کر تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ہیں، کیوں؟ اللہ، اللہ کرو!!۔ زندگی کا وہ زمانہ جو کسی کام کا نہ رہا، اللہ کے لیے فارغ کیا۔

## خوش نصیب جوان

خیر! اللہ تعالیٰ کے لیے یہاں تو یہ بھی قبول ہو جاتا ہے، اگر کسی کو توفیق ہو جائے، باقی جوانی میں اگر انسان کر لے تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و

قیمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ①: سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کل کو اپنے سایے میں اس وقت جگہ دیں گے، جب کہ اس کے سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات میں ایک ہے: شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالیٰ: وہ نوجوان جس کی نشو نما اور اٹھان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرماں برداری اور اس کی عبادت میں ہوئی۔ تو جوانی کی عبادت اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں بڑی قیمتی ہے۔

## صحت و فرصت کی طرف سے دھوکے میں ہونے کا مطلب

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے معاملے لوگ غبن میں مبتلا ہیں، غبن کا ایک معنی تو دھوکے کے آتے ہیں، دھوکے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ ابھی کہاں وقت چلا گیا، ابھی تو بہت وقت باقی ہے اور اسی میں جوانی چلی جاتی ہے، صحت بھی چلی جاتی ہے، فرصت بھی ہاتھ میں رہتی نہیں ہے، تب آدمی سوچتا ہے کہ کچھ موقع مل جائے کہ ہم اللہ کی عبادت کرلیں، کچھ تندرستی حاصل ہو جائے تو کچھ کام کرلیں تو وہ تو ہاتھ سے نکل گئی، یہ دھوکہ ہوا۔ لیکن غبن کا ایک دوسرا معنی گھاٹے کا بھی ہے یعنی یہ جو زندگی ہمیں ملی ہے، وہ بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔

## زندگی اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کی بنیاد ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ زندگی بڑا قیمتی سرمایہ ہے، بلکہ

---

①صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ الصَّدَقَةِ بِالْيَمِينِ.

یوں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو جتنی بھی نعمتیں: مادّی، معنوی، روحانی اور جسمانی عطا فرمائی ہیں، ان ساری نعمتوں کا مدار اسی زندگی کے اوپر ہے، زندگی ہے تو یہ نعمتیں ہیں، زندگی نہیں ہے تو ان نعمتوں سے ہم کہاں فائدہ اٹھا سکیں گے، گویا یہ زندگی ساری نعمتوں کی بنیاد ہے؛ اس لیے یہ اصل ہے۔

## زندگی سیّال سرمایہ ہے

زندگی انسان کا سرمایہ ہے لیکن سیّال سرمایہ ہے، جامد سرمایہ نہیں ہے، ایک سرمایہ تو جامد ہوتا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہوتا ہے، آپ اس سے جب چاہیں، فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ایک سرمایہ سیّال ہوتا ہے، وہ ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہوتا بلکہ ہاتھوں سے نکلتا جاتا ہے، جیسے یہ قدرتی وسائل ہیں، دریاؤں کے اندر، ندیوں کے اندر پانی بہتا ہے، اس بہنے والے پانی سے حکومتیں بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں، بجلی پیدا کرسکتی ہیں یا زمین میں سے گیس نکل رہی ہے تو اس گیس سے بہت سارا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن اگر حکومت اس کو قابو میں نہیں رکھتی، ویسے ہی چھوڑ دے رہی ہے تو وہ گیس نکل کر کے ہوا میں تحلیل ہو جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ یہ قدرتی سرمایہ بس یوں ہی ضائع ہو رہا ہے۔ ہماری زندگی کے اوقات بھی بہت قیمتی سرمایہ ہے لیکن سیال ہے۔

## ایک مثال سے اس سرمایے کی تفہیم

میں آپ کو ایک دوسری مثال دوں کہ اسی بنگلور شہر میں آپ کے پاس کسی پوش (posh) ایریے میں فلیٹ (flat) ہے یا پھر پلاٹ (plat) ہے، زمین کا ٹکڑا ہے

اور لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ بھائی! یہ تو بڑی موقع کی جگہ ہے اور اللہ تعالی نے آپ کو پیسے بھی دئے ہیں، لاکھوں روپے کی اسامی ہیں، آپ اس قیمتی جگہ پر ایک شان دار سا ٹریڈ سینٹر (trade centre) بنا دیجیے جس میں دکانیں ہوں گی اور اس کا کرایہ لاکھوں کی شکل میں آئے گا۔ اب یہ زمین کا ٹکڑا جامد سرمایہ ہے اور آپ کے پاس جو پیسے ہیں، وہ بھی جامد سرمایہ ہے۔ اب آپ نے مشورے پر عمل کر کے آپ نے اس جگہ پر ٹریڈ سینٹر بنا دیا، دکانیں بنا دیں۔

اب یہ دکانیں کرائے پر اٹھائی جاسکتی ہیں اور لوگ ان دکانوں کو کرائے پر لینے کے لیے آپ کے پاس آرہے ہیں لیکن آپ کرائے پر نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ سوچ کر جواب دوں گا اور سوچنے سوچنے میں آپ نے پانچ، چھ مہینے نکال دئے، دکان خود تو جامد سرمایہ ہے لیکن ان دکانوں سے جو فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا، وہ سیال سرمایہ ہے، پانچ مہینے سوچ، بچار میں گذار کر ان دکانوں سے خود آپ دکان لگا کر یا دوسروں کو کرائے پر دے کر جو فائدہ اٹھا سکتے تھے، اس کو ضائع کر دیا۔

## فرصتِ زندگی بہت کم ہے، مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

یہی حال ہماری زندگی کے اوقات کا ہے کہ ہماری زندگی کے یہ لمحات جو گذر رہے ہیں، ان کو اگر ہم کوئی عمل کر کے، اس سے فائدہ اٹھا کر کے اس کو جامد شکل دے دیں اور محفوظ کر لیں، تب تو یہ سرمایہ ہمارے کام کا ہے، ورنہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور کسی کام نہیں آئے گا۔

## زندگی کی حقیقت

ہماری زندگی کیا ہے؟ ہماری زندگی چند سیکنڈ اور منٹ اور گھنٹے اور دن اور ہفتے اور مہینے اور سالوں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ سب اوقات ہمارے قابو میں نہیں ہیں، میں اور آپ چاہیں کہ ان اوقات کو روک کر کے رکھ دیں، کہیں فریز (freez) کر کے، جامد کر کے رکھ دیں کہ ابھی مجھے فرصت ہے، ابھی مجھے کوئی کام نہیں ہے تو چلو اپنے ان اوقات کو کہیں محفوظ کر دوں، جمع کر دوں، فریز کر دوں، آئندہ جب مجھے ضرورت ہوگی تو ان اوقات کو استعمال کروں گا۔ ان سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ نہیں!، یہ تو چل رہے ہیں، ہمارے ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔

## تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے:

| | |
|---|---|
| تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے | یہ مدو جزر جواہر کی لڑی ہے |

ہمارے حضرت یہ شعر سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ سانسیں جو اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں، یہ جواہرات کی لڑی ہے، کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے؛ اس کو ہم صحیح انداز میں استعمال کریں۔

نخل موسوی: سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے گفتگو کی تھی، کلام کیا تھا تو ایک درخت میں سے آواز آرہی تھی، وہ درخت گویا بڑا قیمتی تھا تو ہماری یہ سانس بہت قیمتی ہے جو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ملا سکتی

ہے، اس کے ساتھ ہمارا تعلق پیدا کر سکتی ہے۔

یہ مد و جزر یعنی یہ سانس جو اندر جاتی ہے اور باہر نکلتی ہے، یہ جواہر کی لڑی ہے، یوں سمجھئے کہ ہیرے اور موتیوں کی آپ کے پاس چین ہو تو کس قدر قیمتی ہوتی ہے! یہ بھی ایک لڑی ہے جو مسلسل نکلی چلی جا رہی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نعمت سے خصوصیت کے ساتھ امت کو متوجہ فرمایا ہے کہ اللہ نے جو یہ نعمتیں دی ہیں، ان سے فائدہ اٹھالو، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں، آج ہیں، کل ہاتھ سے نکل جائیں گی لیکن انسان کو اس کا نفس اور شیطان دھوکے میں رکھتے ہیں کہ یہ جو دولت اور رتبہ ہے وہ ہمیشہ میرے پاس رہیں گے، حالاں کہ یہ کب ہاتھ سے نکل جائیں، اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔

## پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھئے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ جوانی جو اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے، وہ کوئی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، بڑھاپا آرہا ہے، آپ جوانی سے نکل کر بڑھاپے کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں، بوڑھاپا آجائے گا، تب پتہ چلے گا کہ جوانی ہاتھ سے نکل گئی۔

## پھول اے بلبل! نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار

وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ: اور اپنی تن درستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو۔ وَغِنَاكَ

قَبْلَ فَقْرِكَ: اپنی مال داری کو فقیری سے پہلے غنیمت سمجھو، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ: اپنی فرصت کو، اللہ نے جو وقت دیا ہے، اس کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو کہ آگے چل کر ایسا وقت آجاتا ہے، ایسی مشغولی ہوجاتی ہے کہ چاہنے کے باوجود وقت نہیں ملتا تو اللہ تعالیٰ نے جو فرصت دی ہے، اس سے فائدہ اٹھالو۔ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ: اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

دیکھئے! اپنے اس ارشاد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو متوجہ فرمارہے ہیں کہ زندگی کے یہ پل، یہ لمحات عظیم نعمت ہے لیکن یہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں، اللہ نے آپ کو یہ نعمتیں عطا فرمارکھی ہیں تو اس سے پہلے کہ یہ نعمتیں ہاتھ سے نکل جائیں، آپ ان سے فائدہ اٹھالیجیے۔

## نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر

اللہ تعالیٰ نے زندگی کے یہ اوقات عطا فرمائے، سوال یہ ہے کہ زندگی کے ان اوقات کی ہم کتنی قیمت وصول کرسکتے ہیں۔ میں ایک مثال دے کر سمجھاتا ہوں کہ ایک نوجوان ہے، اس نے دنیوی اعتبار سے بڑی ڈگریاں لے رکھی ہیں، بڑے سرٹیفکٹ لے رکھے ہیں اور اس کی وجہ سے بڑی بڑی کمپنیاں اس کو جاب (job) کی آفر دے رہی ہیں، ماہانہ دو لاکھ، پانچ لاکھ، دس لاکھ تن خواہ کی آفر دے رہی ہیں، آج کل یہ کوئی تعجب کی بات نہیں رہی کہ یہ آفریں مل رہی ہیں تو مان لیجیے کہ دس لاکھ کی آفر ہے تو سال میں کتنی ہوگی؟ ایک کروڑ، بیس لاکھ! اگر وہ پوری زندگی اس طرح کماتا رہے، دس سال، بیس

سال تو کتنا کمائے گا؟ بیس کروڑ، تیس کروڑ، چالیس کروڑ، پچاس کروڑ، سو کروڑ، اس نے اپنی ان ساری محنتوں اور توانائیوں کے بعد اپنی زندگی کے اوقات کے سو کروڑ کمائے۔

## زندگی بھر گنجِ سیم و زر بھی کمایا تو کیا کمایا

میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ان سو کروڑ روپے سے وہ آپ کا یہ بنگلور شہر تو کیا خرید سکے گا، اگر بنگلور کے کسی پوش ایریے میں کوئی بلڈنگ خریدنا چاہے گا تو اس بلڈنگ کی قیمت آج کیا ہے؟ ۱۵۰ رکروڑ!، وہ یہ ایک بلڈنگ بھی خرید نہیں سکتا اور مان لیجیے کہ اس نے خرید لی تو اس ایک بلڈنگ کی شہر بنگلور کے حساب سے کیا حیثیت ہے؟ اور شہر بنگلور صوبہ کرناٹک میں ہے اور صوبہ کرناٹک ملک ہندوستان کے اندر ہے۔ آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں گے تو یہ پورا ہندوستان اتنا سا (بالکل چھوٹا) نظر آئے گا اور ہندوستان کے نقشے میں کرناٹک کو دیکھیں گے تو بالکل ایک نقطہ سا نظر آئے گا اور اس میں اس شہر بنگلور کی کیا حیثیت؟ اور بنگلور کے جس علاقے میں یہ بلڈنگ ہے اور اس بلڈنگ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تو پوری زندگی کی محنت کے بعد اس نے کیا کمایا؟۔

## سورج گرہن کی نماز میں جنت وجہنم کا نظارہ

اس کے بالمقابل میں دوسری مثال دیتا ہوں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھا رہے تھے، اس نماز کے دوران اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جنت اور جہنم کا منظر پیش فرمایا، گویا مسجد کی دیوار میں جنت کا سین بھی دکھلایا اور جہنم کا سین بھی دکھلایا، جب

جنت دکھلائی گئی تو کچھ آگے بڑھے اور ہاتھ آگے بڑھایا، جیسے کچھ لینا چاہتے ہوں پھر اسی نماز کے دوران جہنم دکھلائی گئی تو اس کی آگ کی تپش سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے آپ کچھ پیچھے ہٹے، جیسے کسی چیز سے اپنے آپ کو بچا رہے ہیں۔

نماز سے جب فارغ ہوئے تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج نماز کے دوران ایسی عجیب عجیب کیفیتیں آپ پر طاری ہوئیں کہ اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملیں: ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے، جیسے اپنے آپ کو کسی چیز سے بچا رہے ہوں اور ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، جیسے کوئی چیز لینا چاہتے ہیں۔

## جنت کی نعمتیں لازوال ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نماز کے دوران اللہ تبارک وتعالی نے مجھے جنت اور جہنم کا نظارہ کرایا جب جہنم میرے سامنے لائی گئی تو اس کی تپش سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے پیچھے ہٹا اور جب جنت میرے سامنے لائی گئی تو میں نے چاہا کہ اس کے اندر سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں، اسی لیے میں نے ہاتھ آگے بڑھائے تھے۔ بخاری کی روایت ہے۔ اور اگر میں توڑ لیتا تو تم لوگ قیامت تک اس سے کھاتے رہتے تو بھی وہ ختم نہ ہوتا[1]۔ کیوں کہ جنت کی نعمت ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک دانہ توڑا تو خود بخود اس کی جگہ دوسرا دانہ آجاتا، اس کی کوئی نعمت ختم نہیں ہوسکتی، دنیا فانی

① صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، بَابُ صَلاَةِ الكُسُوفِ جَمَاعَةً وَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الخ.

ہے، آخرت تو غیر فانی ہے۔ یہ تو جنت کے ایک خوشے کا حال ہے تو درخت کا کیا حال ہوگا؟ اور جنت میں ایسے درخت تو ہزاروں، لاکھوں ہوں گے۔

## جنت کی نعمتوں کو کمانے کے آسان ذرائع

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے بھی ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے موقع پر انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ اپنی امت کو آپ میرا سلام کہہ دینا۔ جب ہم یہ سنیں تو یوں کہنا چاہیے: علیٰ نبینا وعلی ابراهیم الصلاة والسلام۔ پھر ان سے کہیے کہ جنت تو ایک چٹیل میدان ہے، اس کے درخت سُبْحَانَ اللّٰہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰہُ، واللّٰہُ أَكْبَرُ ہیں، یہ جنت کے درخت ہیں①۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ گھڑی لے کر بیٹھ جائیے! آپ اطمینان سے پڑھیں گے تو بھی ایک منٹ میں پچاس ساٹھ مرتبہ پڑھ لیں گے اور اگر جلدی پڑھیں گے تو سو مرتبہ پڑھیں گے، گویا ایک منٹ میں ہم جنت میں ۱۰۰/ درخت لگا سکتے ہیں تو اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے اپنی زندگی کی اس ایک منٹ سے کتنا بڑا فائدہ اٹھایا!! اور اس طرح ہم یہ کلمہ پڑھتے جائیں تو ہمیں ملنے والی جنت کا عالم کیا ہوگا؟۔

## ادنی درجے کے جنتی کو ملنے والی جنت کا حال

حدیث میں آتا ہے کہ ایک ادنی درجے کا جنتی، سب سے کم درجے کا جنتی جس کو

---

① سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، رقم الحدیث ۳۴۶۲.

جہنم سے سب سے آخر میں نکالا گیا ہے، اس کو اللہ تبارک وتعالی فرمائیں گے کہ تمنا کر تمنا کر، کتنا چاہیے؟ وہ تمنا کرے گا، تمنا کرے گا، یہاں تک کہ اس کی قوتِ فکر یہ جواب دے دے گی، اس سے آگے کی اس کو تمنا اور خواہش نہیں ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کو فرمائیں گے کہ تو نے جو تمنائیں کیں وہ سب دیا اور دنیا کا دس گنا اور دیا[۱]۔

## ہم گھاٹے کا سودا کر رہے ہیں

غور کیجیے کہ ہماری پوری زندگی کی کمائی کا حاصل کیا تھا اور اس ادنی جنتی کو کتنا مل رہا ہے!!۔ دنیوی اعتبار سے ہم اس ایک منٹ کی کیا اتنی زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہیں؟ اب اگر ہم اپنی توجہ کو، اپنے دھیان کو بجائے آخرت کے دنیا کے اندر لگاتے ہیں، اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں تو سچ بتائیے کہ ہمارا یہ سودا خسارے اور گھاٹے کا سودا ہے یا نہیں؟۔

## ایک مرتبہ سبحان اللہ اور الحمد للہ پڑھنے کا ثواب

ایک سبحان اللہ کتنا قیمتی ہے اور ایک الحمد للہ کا ثواب کتنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ: جو آدمی ایک کلمہ الحمد للہ پڑھتا ہے، اس کو اتنا ثواب ملے گا کہ جس ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، وہ پوری ترازو اجر و ثواب سے بھر جائے گی اور وہ ترازو کتنی بڑی ہے؟ روایتوں میں آتا ہے کہ آسمان اور زمین کی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالى عنه، بَابُ فَضْلِ السُّجُودِ.

تَمْلَآنِ - أَوْ تَمْلَأُ- مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ کہ: سبحان اللہ اورالحمد للہ یہ دو کلمے اگرکسی نے پڑھ لیے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی خالی جگہ ثواب سے بھر جائے گی، اتنا ثواب ملے گا①۔

کیاان ارشادات کوسن کر ہمارے اندران کلمات کو پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے؟ اگر ہمیں کوئی یہ کہہ دے کہ اگر کوئی سبحان اللہ اور الحمد للہ پڑھ لے تو اس کا گھر نوٹوں سے بھر جائے گا تو کیا ہوگا؟ سب تسبیح لے کر کے بیٹھ جائیں گے!، میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں نا؟ ہمارا مزاج کتنا گرا ہوا ہے اور ہمارا ایمان کہاں تک پہنچا ہوا ہے۔

## دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر

ایک ہمارے اسلاف تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ صدقات میں لکھا ہے کہ حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، ستو پھانک کر کیوں گذارا کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، اس کو چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ’’۷۰‘‘ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا۔

ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی اور زردہ کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں وقت کو گذارنے اور

① صحیح مسلم،عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ،بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ.

آخرت کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ''۴۰'' سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

اور آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ جو آدمی اپنے کھانے کے اوقات کٹوتی کر کے اتنا وقت بچا کر اللہ کی عبادت میں لگاتا ہو، کیا وہ اپنے دوسرے اوقات کو ضائع کرے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

## وقت کے ساتھ ہمارا بے دردانہ رویہ

ہمارے پاس تو وقت الحمدللہ اتنا زیادہ ہے کہ ہم تو بیٹھے بیٹھے بس ٹائم پاس کی سوچتے ہیں، وقت گذرتا نہیں ہے، آؤ، بیٹھو، گپ شپ کرو، یہ اخبار لاؤ، وہ اخبار لاؤ، ٹی وی دیکھو، فلانا کرو۔ گویا ہمارے پاس وقت کی اتنی فراوانی ہے کہ اس کو کہاں استعمال کریں، ہمیں تو سمجھ ہی نہیں پڑتی اور ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

## حضرتِ داودِ طائی رحمۃ اللہ علیہ کی وقت کی قدردانی

حضرتِ داودِ طائی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی چبا کر کھانے کے بجائے پانی میں بھیگو کر کھا لیتے تھے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ پانی میں بھیگی ہوئی روٹی کا کیا حال ہوتا ہے!!، ہم نے کبھی کھائی تو نہیں لیکن ایسا کبھی ہوا ہوگا کہ پلیٹ میں کسی جگہ تھوڑا سا پانی لگا ہوا ہے، اس پلیٹ میں روٹی رکھ دی تو پلیٹ کے جس حصے میں پانی تھا، روٹی کا جو حصہ پلیٹ کے پانی والے حصے پر ہوگا، وہ جب ہمارے منہ میں آئے گا تو ہمارا موڈ

خراب ہو جاتا ہے، ذائقہ وہ نہیں رہتا اور یہ پوری زندگی پانی میں بھیگی ہوئی روٹی کھاتے رہے، کیوں؟ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ چبا کر کیوں نہیں کھاتے؟ تو فرمایا کہ چبا کر کھانے میں دیر لگتی ہے، بھیگو کر کھانے کے مقابلے میں وقت زیادہ لگتا ہے تو جو وقت بچ جاتا ہے، اس میں مَیں قرآنِ پاک کی پچاس آیتوں کی تلاوت کر لیتا ہوں۔

یہ ہمارے اسلاف تھے جنھوں نے اپنی زندگی کے ان اوقات اور لمحات کی قدر کی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو ایسی سنجیدگی اور قدر و قیمت کے ساتھ لیا کہ اپنی زندگیاں اس کے مطابق ڈھالیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کی قدر کریں۔

## انسانی زندگی کے اوقات خام مال کے مثل ہیں

یہی اصل سرمایہ ہے، یوں سمجھئے کہ یہ رومٹیریل (row material) ہے یعنی خام مال۔ یہ جو رومٹیریل ہوتا ہے، آدمی اس کی جتنی چاہے قیمت حاصل کر لے، اس کی قیمت کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ آپ اس سے کون سی چیز بنانے جا رہے ہیں۔ آپ کے پاس لوہے کا ایک ٹکڑا ہے، اس لوہے کے ٹکڑے سے اگر آپ سائیکل کا کوئی پارٹ (part) بنائیں گے تو اس کی قیمت بھی سائیکل کے حساب سے ہوگی کہ سائیکل دو ہزار روپے کی آتی ہے تو لوہے کے اس ٹکڑے سے آپ نے جو پارٹ بنایا یہ آپ کو دو سو کا پڑا اور اگر اسی ٹکڑے کو آپ سائیکل کے بجائے بائیک (bike) کے اندر استعمال کریں گے تو بائیک کی قیمت مثلاً ساٹھ ہزار ہوتی ہے تو یہی ٹکڑا اس کے حساب سے چھے

ہزار کا ہو گیا اور اگر اسی ٹکڑے کو آپ کار بنانے میں استعمال کریں گے تو کار پانچ لاکھ کی ہوتی ہے تو یہ لوہے کا ٹکڑا پچاس ہزار کا ہو گیا اور اگر اسی کو ہوائی جہاز بنانے میں استعمال کریں گے تو اس کی قیمت اسی اعتبار سے بڑھ جائے گی۔

## انسان اپنی زندگی کے خام مال کو قیمتی بنا سکتا ہے

تو جو خام مال ہوتا ہے، وہ ہر چیز میں استعمال ہوتا ہے، آپ اس کو جس کام میں استعمال کریں گے، اس کے حساب اس کی قیمت لگے گی۔ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ جو زندگی کے اوقات عطا فرمائے، یہ دراصل رومٹیریل ہے، خام مال ہے، ہم اس کو استعمال کر کے بڑی سے بڑی قیمت آخرت کے اعتبار سے حاصل کر سکتے ہیں، وہ ہماری صواب دید اور ہماری سوچ اور ہمارے فیصلے پر موقوف ہے، ہمارے اسلاف اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

## وقت کی قدر و قیمت اہل دنیا کی نگاہ میں

دیکھو! زندگی کے اوقات کو قیمتی بنانے کے لیے یورپ اور امریکہ کے اندر باقاعدہ ماہرین ہیں، وہ ٹائم منیجمنٹ کورس (time management) تیار کرتے ہیں یعنی آپ اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ کس طریقے سے وصول کر سکتے ہیں، آج کل باقاعدہ بڑے بڑے ماہرین کورس بناتے ہیں اور اس کورس سے فائدہ اٹھانے کے لیے لوگ اس میں داخلہ لیتے ہیں، بڑی بڑی کمپنیوں کو چلانے والے اور ان کے ڈائریکٹر (director) اور اسکول اور کالج کے لکچرار (lecturer) اور بڑے بڑے لوگ

اس میں بڑی بڑی فیس (fees) ادا کر کے اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نظام الاوقات کی پابندی

ہمارے اکابر کو اللہ تبارک وتعالی نے یہ چیز محض اپنے فضل سے عطا فرمائی تھی، اپنے مشائخ کی خدمت میں رہ کر انھوں نے اپنے اوقات کی قدر و قیمت کو صحیح طور پر وصول کرنا سیکھا تھا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کے اجل خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقت کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے دل میں ایسی عطا فرمائی تھی کہ یہ آپ کی طبیعت کے اندر گویا سرایت کر گئی تھی، ہر وقت آپ کی نگاہ گھڑی پر رہتی تھی اور آپ اپنا سارا وقت نظام الاوقات کے مطابق گذارتے تھے، اسی کی برکت سے اللہ تبارک وتعالی نے آپ سے وہ کام لیا اور ایسی ایسی کتابیں آپ سے تصنیف وتالیف کروائیں کہ بڑی بڑی اکیڈمیاں بھی آج اتنا کام نہیں کرسکتیں۔

اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر دس سال پہلے کوئی آدمی آپ کے پاس دس بجے پہنچا تو اس وقت حضرت کو جو کام کرتے ہوئے دیکھا ہوگا، دس سال بعد دس بجے جائے گا تو اسی کام کو کرتے دیکھے گا۔ آپ کے نزدیک نظام الاوقات کا اتنا اہتمام اور پابندی تھی۔

## ہم اور وقت کی ناقدری

آج ہمارے یہاں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ہمارے پاس سب سے بے قیمت

کوئی چیز اگر ہے تو وہ وقت ہے، ہم بڑی بے دردی کے ساتھ اس کو ضائع کرتے ہیں، جب ہماری مجلسیں لگتی ہیں اور باتوں میں لگتے ہیں تو گھنٹوں گذر جاتے ہیں لیکن بھولے سے بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں کتنی قیمتی چیز ضائع اور برباد کر رہا ہوں۔

## حضراتِ صحابہؓ کے نزدیک وقت کی قدر و قیمت

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الزہد والرقائق میں انھوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے: إِنِّي أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلَى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ: میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے یعنی حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہ جو اپنے زندگی کے اوقات کے بارے میں اس سے زیادہ بخیل تھے، جیسے لوگ اپنے درہم و دینار اور روپے پیسے کے بارے میں بخیل ہوتے ہیں①۔ لوگ اپنے روپے پیسے سنبھال کر استعمال کرتے ہیں، وہ اپنی زندگی کے اوقات کو اسی طرح استعمال کرتے تھے۔

## حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کی اہمیت

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مولانا عاشق اِلٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ: آپ اپنے معمولات اور نظام الاوقات کے ایسے پابند تھے کہ رات ہو یا دن ہو اور کیسے بھی حالات کیوں نہ ہوں، کسی معمول میں کبھی تخلّف نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ سفرِ حج میں بھی چھوڑتے نہیں تھے۔

---

① كتاب الزهد والرقائق لابن المبارك، بَابُ التَّحْضِيضِ عَلَى طَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جا رہے تھے، اونٹوں کا سفر تھا، مغرب کی نماز کے بعد اوابین کا جو معمول تھا، وہ بھی اس سفر میں کبھی چھوٹا نہیں، اونٹ سے اتر جاتے تھے، چوں کہ اونٹوں کی رفتار ذرا کم ہوتی ہے تو آپ جلدی سے آگے چلے جاتے، نیت باندھتے، دو رکعت پڑھتے، اتنی دیر میں اونٹ ذرا آگے نکل جاتے تو آپ سلام پھیر کر پھر سے ذرا تیز چلتے اور آگے نکل جاتے اور دو رکعت کی نیت باندھ لیتے اور پھر اونٹ ذرا آگے نکل گئے پھر تیز چلے اور آگے جا کر دو رکعت کی نیت باندھی۔ اس طرح وہ اپنا معمول پورا کرتے تھے۔ یہ ان حضرات کے یہاں وقت کی قدر و قیمت تھی۔

## حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب تبصرہ

حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنا قصہ لکھا ہے کہ بذل المجہود جو ابوداود شریف کی شرح ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور استاذ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ہے۔ جس زمانے میں وہ طبع ہو رہی تھی، چھپ رہی تھی تو تھانہ بھون میں حضرت مولانا شبیر علی رحمۃ اللہ علیہ جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں، ان کا پریس تھا اور خانقاہ سے لگا ہوا تھا، اس میں چھپتی تھی تو اس کے جو پروف ہیں، وہ ظہر کے وقت ہاتھ میں آتے تھے اور عصر تک یا مغرب سے پہلے پہلے اس کو لوٹانا ہوتا تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آپ کی عام مجلس ظہر کے بعد ہوتی تھی، لوگ دور دور سے آتے تھے اور مجلس میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں وہیں ایک کونے میں بیٹھ کر بذل کے پروف دیکھنے میں مشغول ہوتا تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوں اور مجلس میں شرکت نہیں ہو پا رہی ہے، اس کا افسوس بھی تھا۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی اس حسرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ لوگ آپ سے استفادہ کرنے اور مجلس میں شرکت کے لیے دور دور سے آتے ہیں اور میں یہاں ہونے کے باوجود اس مشغولی کی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہو سکتا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! فکر مت کرو، تم میری مجلس میں نہیں ہوتے لیکن میں تمھاری مجلس میں ہوتا ہوں، میں تمھیں کونے میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں اور تمھاری مشغولی کو دیکھ کر دل دل میں کہتا ہوں کہ کام تو اسی طرح ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اوقات کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔

## لایعنی کاموں میں مشغولی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو لایعنی سے بچائے۔ شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں جو امام ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہوتے ہیں، ان کا مقولہ کتابوں میں لکھا گیا ہے: من عَلامَة إِعْرَاض الله تَعَالَى عَن العَبْد أن يشغلهُ بِمَا لَا يَنْفَعهُ: اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے بے توجہی اور بے التفاتی کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ فضول اور غیر نفع بخش کاموں میں لگاتے ہیں، جو آدمی لایعنی

کاموں میں لگتا ہے، یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالی اس سے ناراض ہیں کہ اس کی زندگی کے اوقات اس طرح بے دردی کے ساتھ ضائع اور برباد ہو رہے ہیں۔

## اللہ والوں کی نگاہ میں وقت کی قدر و قیمت

علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مصر کے بہت بڑے عالم گذرے ہیں، ان کی تفسیر بھی ہے، ایک مرتبہ جا رہے تھے، کچھ لوگ بیٹھے بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، ان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ اگر وقت کوئی ایسی چیز ہوتی جو خریدی جا سکتی تو میں ان سے ان کا وقت خرید لیتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس وقت زیادہ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے اس طرح کے کاموں میں لگنے والے ہیں، وہ اپنے وقت کی قدر کرتے ہیں اور اس کو ضائع نہیں کرتے۔

## حضرت منصور بن معتمرؒ اور حضرت داود طائیؒ کے یہاں وقت کی قدر

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ بخاری کے راویوں میں ہے، ان کا بار بار نام آتا ہے، انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے بعد کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کی۔

حضرتِ داود طائی رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ کی کڑی ٹوٹی ہوئی تھی، کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کے کمرے کی کڑی ٹوٹی ہوئی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بیس سال سے میں نے اوپر نظر ہی نہیں کی۔ ان کو تو اپنے کمرے کی چھت کی طرف نظر کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

اسی طرح ہمارے دوسرے اکابر اور اسلاف سے بھی اس طرح کے واقعات منقول ہیں اور اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں ان اوقات کی کوئی قدر ہی نہیں۔

ہم لوگ تو بیٹھے ہوئے ہوں تو چین نہیں پڑتا، جب تک اِدھر اُدھر نہ دیکھیں، مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں تو بھی ہمارا یہ حال ہوتا ہے، قرآن پڑھ رہے ہوں اور کوئی آکر بیٹھے گا تو قرآن پڑھنا چھوڑ کر اس کو دیکھیں گے، یہ ہمارا مزاج بن گیا ہے، یہ حضرات فضول نگاہ کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، میں آپ حضرات کو یہ سب لایعنی کی قسمیں بتلا رہا ہوں۔

## حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، تابعی ہیں، ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک مکان پر نظر پڑی، نیا نیا بنا تھا، اپنے ساتھیوں سے پوچھ لیا کہ یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا، زبان سے یہ سوال نکل گیا، ساتھ ہی ساتھ فوراً دل میں خیال آیا کہ میں نے بے کار سوال کرلیا، ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اگر مل بھی جائے تو اس سے دنیا کا کیا فائدہ اور اس سے آخرت کا کیا فائدہ؟ فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو نے ایسا فضول سوال کیوں پوچھا، میں اس کی سزا میں ایک سال کے روزے رکھوں گا۔ حالاں کہ یہ کوئی گناہ کا جملہ نہیں تھا لیکن ان حضرات کے یہاں ایسی فضول چیزوں سے بچنے کا اتنا اہتمام تھا، اتنے زیادہ محتاط تھے، اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، ان کی نگاہیں تک بلاضرورت کسی چیز پر پڑتیں تو اس پر توبہ و ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

## مؤمن کامل کی تین علامتیں

بہر حال! ایک تو لایعنی بات ہوئی اور ایک ہوا لایعنی کام۔ آدمی جو کام کرتا ہے، اس

میں بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے اندر نہ تو دنیا کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ آخرت کا، وہ لایعنی کام کہلاتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ کسی بھی آدمی کے کامل مؤمن بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں سے بچاوے بلکہ جیسا کہ میں نے کہا کہ تینوں چیزوں سے بچاوے: لایعنی باتوں سے بھی، لایعنی کاموں سے بھی اور لایعنی چیزوں سے بھی، جب تک ان سے اپنے آپ کو بچائے گا نہیں، وہاں تک اس کا اسلام اور اس کا ایمان کامل نہیں کہلائے گا۔ یہ میں نہیں، خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

## آپ کی ملاقات کی تمنا وہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ سے فرصت ہو

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک عجیب قصہ لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام - جن کو خواجہ خضر کہتے ہیں اور ہر شخص تمنا کرتا ہے کہ ان کے ساتھ ملاقات ہو جائے - حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے گئے، حضرت خضر علیہ السلام نے مصافحہ کیا، انھوں نے مصافحہ کیا اور پھر اپنی تسبیح لے کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام سوچنے لگے کہ یہ عجیب آدمی ہیں کہ لوگ تو میری ملاقات کی تمنائیں کرتے ہیں اور میں خود ان کی ملاقات کے لیے آیا تو یہ مصافحہ کر کے اپنی تسبیح لے کر اس میں مشغول ہو گئے، میری طرف دھیان بھی نہیں دیتے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں خضر ہوں اور لوگ تو میری ملاقات کی تمنائیں کرتے ہیں اور میں خود آپ کی خدمت میں ملاقات کے لیے آیا اور آپ ہیں کہ مصافحہ کر کے تسبیح لے کر کے بیٹھ گئے !!۔

جواب میں حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کی ملاقات کی تمنا وہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ سے فرصت ہو!!۔ یہ ان حضرات کا حال تھا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اوقات کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ زندگی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔

## وقت کی بربادی مؤمنوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے

اب ہمارا مزاج کیا بن گیا ہے، اس کو بھی دیکھ لیجیے کہ دو آدمی بیٹھ گئے، چار آدمی بیٹھ گئے تو بس چرچا ہو رہا ہے، سیاسی باتیں اور دنیا بھر کے مسائل کا چرچا ہوتا ہے کہ شام میں یوں ہو رہا ہے، عراق میں یہ ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں، ہمیں اپنے بھائیوں کی ہمدردی ہونی چاہیے لیکن ایک ایک گھنٹہ یہ بحث تو کریں گے کہ شام میں یہ ہو رہا ہے اور فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے لیکن ان بحث کرنے والوں سے یہ پوچھ لو کہ تم نے ان کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ایک گھنٹہ نکالا لیکن ایک لمحے کے لیے ہاتھ اٹھا کر ان کے واسطے دعا کی؟ آپ کی اس ایک گھنٹے کی بحث سے ان کو کیا فائدہ پہنچا؟ اس کے بجائے اگر ایک منٹ کے لیے ان کے واسطے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے تو فائدہ پہنچتا، اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کرنا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگیوں کو بے کار کاموں میں لگا لیا ہے، ایک مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو دنیا کے اندر بھیجا تو وہ یہاں رہتے ہوئے ان ہی چیزوں کو اختیار کرے جو اس کے لیے ایمان کے اعتبار سے فائدہ مند سمجھی

جاتی ہوں۔

## دنیا داروں کے یہاں کام کے اوقات کی قدر و قیمت

ایک تاجر اور دکان دار ہے، دکان کے ٹائم پر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی آجائے تو اگر تجارت کی بات ہے، لین دین کی بات ہے تو وہ تو کرے گا لیکن اگر کوئی دوسری بات کرے گا تو وہ اس کی بات کو سنے گا بھی نہیں، جواب تو کیا دے گا۔ ایک تاجر کو اپنی تجارت کے اوقات میں کسی سے بے کار کی بات کرنے کی فرصت نہیں ہے۔

ایک اور آدمی ہے جو اپنے آفیشل کاموں کے اندر مشغول ہے اور کوئی اس کے کام کے وقت میں پہنچ جائے گا تو وہ بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

## سپریم کورٹ کے وکلاء کے وقت کی فیس

آج کل تو وکیل لوگ خالی پانچ منٹ کی کتنی فیس لیتے ہیں، آپ جانتے ہیں، ہزوروں اور لاکھوں کی فیس!!۔ ہمارے ایک دوست ہیں، ان کا کوئی معاملہ تھا تو وہ اس کو سپریم کورٹ کے اندر پیش کرنا چاہتے تھے تو انھوں نے یہاں کے ایک وکیل کے ذریعہ سپریم کورٹ کے اندر پریکٹس کرنے والے وکیل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں آپ کو دس منٹ دوں گا لیکن اس کے آپ کو پانچ لاکھ روپئے دینے پڑیں گے، دس منٹ پر ایک منٹ بھی بڑھنے نہیں دوں گا، فون پر بھی آپ بات کر سکتے ہیں لیکن اتنی فیس آپ کو دینی پڑے گی۔

یعنی یہ حضرات اس طرح اپنے اوقات کو وصول کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ہم

ہیں کہ اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں، کرکٹ چل رہی ہے، میچ چل رہی ہے، ورلڈ کپ کا سلسلہ ہے، فٹ بال کا ورلڈ کپ چل رہا ہے تو دیکھو کہ ان کے تیور کیسے بدل جاتے ہیں۔ ایک ٹیم کا ایک حمایتی ہے دوسری ٹیم کا دوسرا حمایتی ہے، آستینیں چڑھا لیتے ہیں اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی بھی نوبت آجاتی ہے

## تخلیق انسانی کی غرض

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی دی ہوئی اس نعمت سے فائدہ اٹھالو۔ یہ زندگی اللہ نے اسی لیے دی ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ اللہ تعالی نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا؛ تاکہ آزمالے کہ کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے اور کون اچھا عمل کرتا ہے۔

## یہ دنیا آزمائش گاہ ہے

یہ دنیا آزمائش گاہ ہے اور ہر آدمی گویا اس وقت اللہ تعالی کے حضور امتحان دے رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے جو نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی ان نعمتوں کے سلسلے میں وہ کیا معاملہ کرتا ہے، اللہ تعالی کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر کیا وہ اللہ تعالی کی اطاعت اور فرماں برداری میں مشغول ہوتا ہے یا اللہ تبارک وتعالی کی ان نعمتوں سے قوت حاصل کر کے اللہ تعالی کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے اور آزمائش کا یہ سلسلہ ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کے متعلق کل کو قیامت کے دن اللہ تعالی کو جواب دینا ہوگا، اللہ تبارک وتعالی نے سب سے بڑی نعمت جو ہمیں

عطا فرمائی ہے، وہ زندگی کی نعمت ہے۔

## عقل مند و ناسمجھ کا شرعی پیمانہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ: عقل منداور سمجھ دار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، قابو میں لاوے، اس کی خواہشات پر عمل نہ کرے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کرے اور بے وقوف وہ ہے جو اللہ کے اوپر امیدیں قائم کرتا ہو اور یوں سوچتا ہو کہ اللہ معاف کرنے والے ہیں، غفور رحیم ہیں، ہمارا حال تو یہ ہے کہ گناہ کرتے جاتے ہیں اور کوئی تنبیہ کرے، ٹوکے تو کہتے ہیں کہ اللہ معاف کرنے والے ہیں، غفور رحیم ہیں۔

## عذرِ گناہ بدتر از گناہ

اگر یہی اصول ہے تو کوئی کافر ہے، آپ اس سے کہیں کہ بھائی! اسلام لے آؤ، مسلمان ہو جاؤ، وہ تم سے یوں کہے کہ اللہ غفور رحیم ہیں۔ تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے لیے کچھ اصول مقرر کر رکھے ہیں اور اس کے یہاں یہ اصول ہے کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوتی، ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾[النساء: ۱۱۶] تو جیسے آپ اس کو یہ جواب دیں گے تو آپ سے بھی تو یوں کہا جائے گا کہ اللہ کے یہاں میزانِ عمل قائم ہونے والا ہے، نیکیاں اور گناہ تولے جائیں گے، جس کی نیکیاں غالب ہوں گی، اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا، آپ نے گناہ کرتے کرتے کیسے یہ تجویز کر لیا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

## قیامت کے دن بندوں کی دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو ہم نے اپنی زندگی کے لیے وطیرہ اختیار کر رکھا ہے، ہم جس انداز سے زندگیاں گذار رہے ہیں، یہ وہ طریقہ نہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔ ہماری زندگی گذرنے کے بعد اللہ تعالی کے سامنے پیشی ہوگی تو اس پیشی کے بعد وہاں جو حساب کتاب ہوگا، آدمی تمنا کرے گا: ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾: اے اللہ! ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دے تاکہ ہم وہاں جا کر نیک اعمال کریں، دنیا میں جیسے عمل کیے تھے، اب دوسری مرتبہ ایسے عمل نہیں کریں گے، ہم نیک اعمال کریں گے۔

## مذکورہ درخواست پر باری تعالی کا جواب

باری تعالی کی طرف سے کہا جائے گا: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ۳۷]: ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی آدمی سُدھرنا چاہتا، نیک بننا چاہتا، اپنی اصلاح کرنا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ سُدھر سکتا تھا، نیک بن سکتا تھا، نصیحت حاصل کر سکتا تھا اور ہماری طرف سے ڈرانے والے بھی آئے تھے، یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور دوسرے ڈرانے والے بھی تھے۔

## ملک الموت سے ایک آدمی کی شکایت اور ملک الموت کا جواب

کتاب التذکرہ میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ملک الموت کے ساتھ کسی کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے کہا کہ حضرت آپ کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ دنیا میں کوئی

حکومت کسی کے خلاف جب کوئی وارنٹ (warrant) جاری کرتی ہے تو پہلے اس کو نوٹیس (notice) بھیجتی ہے اور آپ تو اچانک آدھمک کر جان لے کر کے چلے جاتے ہیں تو ملک الموت نے کہا کہ نہیں بھائی! میں بھی نوٹیس بھیجتا ہوں اور اتنے نوٹیس بھیجتا ہوں کہ دنیا کی کوئی حکومت اتنے نوٹیس بھیجتی نہیں ہوگی لیکن کیا کروں کہ میری نوٹیسوں کا کوئی نوٹیس نہیں لیتا۔

## باری تعالیٰ کی طرف سے ایامِ زندگی ختم ہونے کی نوٹیسیں

بالوں کی یہ سفیدی ایک نوٹیس ہے کہ اب بال سفید ہو گئے، اب جانے کا وقت آ گیا، کہاں آپ دنیا کے اندر غفلت میں پڑے ہیں، اب آخرت کی تیاری کیجیے۔ آنکھوں کی روشنی کم ہوتی جارہی ہے، یہ اللہ کا نوٹیس ہے۔ گھٹنوں میں درد چالو ہوگیا، نوٹیس ہے۔ نواسے آ گئے، پوتے، پوتیاں آ گئے، اب دوسری نسل تو آ گئی، آپ کب تک یہاں ڈیرا ڈالے پڑے رہیں گے۔ آپ کب تک ویزا (visa) بڑھواتے رہیں گے، یہ سب نوٹیسیں ہیں، اس کے بعد بھی آپ اپنا حال درست نہ کریں تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے!۔

## جس کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، اس کا عذر ختم ہو گیا

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر دی ہو، فَقَدْ أَعْذَرَ: اس کا عذر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ختم کر دیا[۱]۔ یعنی

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، باب مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ.

کل کو قیامت کے دن اللہ تعالی کے حضور اس کو یہ کہنے کا عذر نہیں رہے گا کہ مجھے کچھ موقع دیا جاتا تو میں کچھ کرتا۔ باری تعالی کہیں گے کہ ارے میرے بندے! دنیا میں رہنے کے لیے تجھ کو ساٹھ سال تو دئے تھے، تو نے اس میں کچھ نہیں کیا تو اب اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟۔

## شہید کے بعد وفات پانے والے صحابی اور دونوں کے درجات کا فرق

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی، اس زندگی کا ایک ایک دن بہت قیمتی ہے۔ ابوداود شریف کے اندر حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو صحابیوں کے درمیان عقد مواخات کرایا، بھائی چارگی کا رشتہ قائم کیا۔ اب جن دو میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عقد قائم کرایا تھا، ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا، وہ جہاد کے اندر شریک ہوا اور شہید ہو گیا، اس کے آٹھ دن کے بعد دوسرا جو تھا، اس کا بھی انتقال ہو گیا، گھر کے اندر بستر پر وفات پائی۔

حضرات صحابہ اس کی نمازِ جنازہ کے اندر شریک تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے اپنے بھائی کے لیے کیا دعا کی؟۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے اس بندے کو اپنے بھائی کے ساتھ ملا دے؛ کیوں کہ وہ شہید ہوا ہے اور یہ شہید نہیں ہوا ہے۔ یہ حضرات گویا یہ کہنا چاہتے تھے کہ اس کو بھی شہید والا مرتبہ حاصل ہو جائے۔

اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا، وہ نوٹ کرنے کے قابل ہے، حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارے بھائی! اس کی شہادت کے بعد یہ آدمی آٹھ دن تک زندہ رہا: فَأَيْنَ صَلَاتُهُ بَعْدَ صَلَاتِهِ، وَصَوْمُهُ بَعْدَ صَوْمِهِ؟(شَكَّ شُعْبَةُ فِي صَوْمِهِ)وَعَمَلُهُ بَعْدَ عَمَلِهِ، إِنَّ بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کہ: بھائی! اس کے مرنے کے بعد یہ آٹھ دن نمازیں پڑھتا رہا، روزے رکھتا رہا، نیک اعمال کرتا رہا، وہ کہاں گئے؟ - پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ- اس کے اور اس کے درمیان درجے اور مقام کے اعتبار سے اتنا فاصلہ ہے، جیسا زمین اور آسمان کے درمیان ہے[①]۔ وہ تو شہید تھا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں!!۔

بہر حال! دنیا کی ایک ایک گھڑی قیمتی ہے، ہمیں جو وقت اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے، اس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔

## حضرت ابنِ عمرؓ کا قبر کے پاس سے گذرنے پر وہاں نماز پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے، ایک قبر پر سے گذرے، سواری پر سے اتر گئے، دو رکعت کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ کے ساتھ جو صاحب تھے، انھوں نے سمجھا کہ شاید صاحبِ قبر کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق ہوگا، آپ کا کوئی عزیز ہوگا، پوچھا: حضرت! آپ نے اس قبر کے پاس اتر کر دو رکعت نماز پڑھی تو کیا اس صاحبِ قبر سے آپ کا کوئی تعلق ہے، یہ آپ کا کوئی عزیز ہے؟ تو فرمایا کہ نہیں، مجھے تو اس قبر کو دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آ گیا:

① سنن أبي داود، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ رضى الله عنه، بَابٌ فِي النُّورِ يُرَى عِنْدَ قَبْرِ الشَّهِيدِ.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرجائے گا اور قبر میں ہوگا تو تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دو رکعت پڑھنے کا وقت مل جائے!۔ اس قبر کو دیکھ کر مجھے یہ ارشاد یاد آیا تو میں نے سوچا کہ میں تو زندہ ہوں، مجھے اللہ تعالی نے موقع دیا ہے تو کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھالوں؛ اس لیے میں نے اتر کر دو رکعت نماز پڑھ لی۔

یہ حال تھا ان حضرات کا۔ دیکھیے! اس طرح کی چیزیں جب سنیں نا تو فوری طور پر عمل کر لینا چاہیے، اس کی برکت سے اللہ تعالی بہت کچھ عطا فرماتے ہیں۔

## عذابِ قبر کی وحشت نا کی

حضرت مولانا عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم کے خطبات میں ایک قصہ لکھا ہوا ہے کہ ایک اللہ والے تھے، ان کو کشفِ قبور ہوتا تھا، کشفِ قبور یعنی قبر کے اندر جو حالات مردے پر طاری ہوتے ہیں، وہ حالات کھل جاتے ہیں، ویسے آدمی کو پتہ نہیں چلتا، برزخ کے حالات ہر ایک پر کھلتے نہیں ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ قبر میں میت کو جو عذاب ہوتا ہے، اس کو انسان کے علاوہ ہر جاندار سنتا ہے، اگر انسان سن لے تو وہ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دے①۔

## ایک صاحبِ کشفِ قبور کا عجیب واقعہ

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو مردوں پر جو حالات گذرتے ہیں، اس سے واقف کر دیتے ہیں، اس کو کشفِ قبور کہتے ہیں تو ایک اللہ

① صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالی عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.

والے تھے، ان کو کشفِ قبور کی یہ کرامت حاصل تھی، وہ ایک قبر کے پاس سے گذرے تو ان کو اللہ تعالی کی طرف سے کشفِ قبور کے طور پر بتلایا گیا کہ یہ قبر والا اپنی قبر کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ انھوں نے اسی حالتِ مکاشفہ میں صاحبِ قبر سے بات چیت کی کہ میں نے تو سنا ہے کہ آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ①: آدمی کا جب انتقال ہوتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ تو اب اعمال کا اور ثواب کمانے کا سلسلہ بند ہو گیا تو ہم نے تو یہ سنا ہے کہ موت کے بعد اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تم قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہو!۔

## قبر میں منکر نکیر کے سوالات کا منظر

مردہ جواب میں یوں کہتا ہے کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میرا انتقال ہوا اور مجھے قبر میں دفن کیا گیا تو دونوں فرشتے، منکر نکیر۔ جن کا حدیث میں تذکرہ آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، ترمذی میں بھی وہ روایت موجود ہے کہ آدمی کو اس کی موت کے بعد جب دفن کیا جاتا ہے اور لوگ جانے لگتے ہیں تو ابھی تو وہ مردہ ان کے جانے کے وقت ان کے جوتوں کے کھڑکنے کی آوازیں سنتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے

① پوری حدیث اس طرح ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ.( صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه، بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ.)

ہیں، ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے ① اور وہ اس کو اٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں اور مؤمن کے پاس جو آتے ہیں، ان کو مبشر، بشیر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ② اور میت سے سوال کرتے ہیں: مَنْ رَبُّكَ؟: تمھارا رب کون ہے؟ مَا دِينُكَ؟: تمھارا دین کیا ہے؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟: تمھارے نبی کون ہیں؟ ③۔ اگر وہ مؤمن صالح ہے تو وہ برابر جواب دیتا ہے اور اس کے ٹھیک جواب دینے پر فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو اسی طرح صحیح جواب دے گا اور اس کو کہتے ہیں: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لاَيُوقِظُهُ إِلاَّ أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ کہ: اس طرح سو جا جس طرح دلہن سو جاتی ہے کہ اس کے محبوب کے علاوہ اس کو کوئی اٹھاتا نہیں ④۔

## تین عالموں کی پہچان

بہر حال! وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس قبر میں فرشتے آئے، انھوں نے سوالات کیے اور میں نے صحیح صحیح جوابات دئے، باری تعالی کی طرف سے مجھ سے کہا گیا کہ تم نے ٹھیک ٹھیک جوابات دئے ہیں؛ اس لیے تم کامیاب ہو لیکن چوں کہ ابھی تو قیامت قائم ہونے میں وقت باقی ہے، جب قیامت قائم ہوگی تو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام

① سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.

② وذكر بعض الفقهاء أن اسم اللذين يسألان المذنب منكر و نكير وأن اسم اللذين يسألان المطيع مبشر وبشير. (فتح الباری، ۳/ ۲۳۷، باب ما جاء في عذاب القبر، رقم الحديث: ۱۳۷۴،

③ السنن الكبرى للنسائی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالی عنهما، قَوْلُهُ تَعَالَى: {يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ} [إبراهيم:۲۷]، رقم الحديث: ۱۱۲۰۱.

④ سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.

سے لے کر قیامت تک کے سارے مردوں کو پھر اٹھایا جائے گا لیکن قیامت کے قائم ہونے تک تو وہیں پر قبر میں ہیں جس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں، یہ عالمِ دنیا ہے اور موت کے بعد عالمِ برزخ شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد عالم آخرت ہے تو گویا یہ عالمِ برزخ، عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان ویٹنگ روم ہے۔

## قبر میں مؤمنِ صالح کے ساتھ حسنِ سلوک

اب آپ کو قیامت کے قائم ہونے تک اسی ویٹنگ روم، اسی قبر میں، عالمِ برزخ میں رہنا ہے، البتہ تم نے چوں کہ صحیح جوابات دئے ہیں؛ اس لیے تم کو یہاں آرام سے رکھا جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب مردہ صحیح جوابات دے دیتا ہے تو اس کے لیے باقاعدہ قبر میں جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جہاں اسے جنت کی راحتیں محسوس ہوتی ہیں①۔

## صاحبِ قرآن کو قبر میں تلاوتِ قرآن کی اجازت

تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحیح جوابات دئے؛ اس لیے مجھے کہا گیا کہ اب تم اسی قبر میں آرام سے رہو اور اگر تم قیامت تک کے لیے اس قبر میں کوئی مشغلہ چاہو تو ہماری طرف سے اس کی اجازت دی جائے گی، تم کیا چاہتے ہو؟ صاحبِ قبر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے باری تعالی! دنیا میں مجھے قرآن کے ساتھ بڑی مشغولی اور بڑا

---

① وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ. (سنن أبی داود، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابٌ فِي الْمَسْأَلَةِ فِي الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، رقم الحدیث: ٤٧٥٣.)

شغف تھا اور مناسبت تھی؛ اس لیے مجھے قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ مجھے اس کی اجازت دے دی گئی، میں جب سے دفن ہوا ہوں، تب سے لے کر آج تک میں نے ۷۰/ ہزار قرآن ختم کیے ہیں!۔

## ایک سبحان اللہ کے عوض میں ۷۰/ ہزار قرآن

اس کے بعد وہ صاحبِ قبر اس بزرگ سے کہتا ہے کہ اگر آپ اپنا ایک سبحان اللہ مجھے دے دیں تو میں آپ کو یہ ۷۰/ ہزار قرآن آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ بزرگ کہنے لگے کہ کیا بات ہے؟ ایک سبحان اللہ کے عوض تم مجھے ۷۰/ ہزار قرآن دے دو گے۔ صاحبِ قبر نے کہا کہ ہاں! یہ ۷۰/ ہزار قرآن میں نے مرنے کے بعد پڑھے ہیں، زمین کے نیچے پڑھے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد میرے ثواب اور گناہ کا سلسلہ تو بند ہو گیا، نامۂ اعمال بند ہو گیا، اس ۷۰/ ہزار قرآن پر مجھے ایک نیکی بھی نہیں ملی، ٹائم پاس ہوا، نیکی نہیں ملی۔ تم چوں کہ ابھی دنیا میں ہو، زمین کے اوپر ہو؛ اس لیے تم جو سبحان اللہ پڑھ رہے ہو، یہ بڑا قیمتی ہے، اس پر بہت بڑا اجر و ثواب تمھیں ملتا ہے؛ اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ تم ایک سبحان اللہ دے دو، میں ۷۰/ ہزار قرآن تمھیں دینے کے لیے تیار ہوں۔

## زندگی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

اس لیے ہمیں جو زندگی اور اس کے اوقات ملے ہوئے ہیں، اس کی قدر کر لینے کی ضرورت ہے، یہ زندگی جیسی بھی ہے لولی لنگڑی، بہر حال! اس میں آدمی کا فائدہ ہی ہے،

نقصان کچھ نہیں ہے، ایک آدمی بستر پر پڑا ہوا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ پھر سکتا ہے، زبان تو حرکت کرتی ہے، زبان سے سبحان اللہ، الحمد للہ تو پڑھ سکتا ہے؟ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے کہ اس سبحان اللہ، الحمد للہ کے بدلے میں اس کو جو ثواب حاصل ہوگا، ساری دنیا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

## حضرت سلیمانؑ کا ایک عظیم معجزہ اور ان کی بے مثال بادشاہت

حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک معجزہ عطا فرمایا تھا کہ ہوا کو حکم دیتے تھے تو پورے دربار کے ساتھ ہوا آپ کو جہاں چاہتے تھے، لے جاتی تھی، یوں سمجھئے کہ گویا پورا پلیٹ فارم فضا میں اڑ رہا ہے، جہاں چاہتے تھے، جاتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ نعمت عطا فرمائی تھی، آپ کی بادشاہت بھی ایسی تھی کہ صرف انسانوں ہی پر نہیں بلکہ جنوں پر، چرند، پرند، تمام جانوروں کے اوپر آپ کی بادشاہت چلتی تھی۔

## حضرت سلیمانؑ کی سواری کو دیکھ کر ایک مؤمن کا رشک کرنا

ایک مرتبہ آپ اسی طرح اپنے پورے دربار کے ساتھ فضا میں جا رہے تھے، اس منظر کو دیکھ کر ایک بندۂ مؤمن کی رال ٹپکی - ایسا منظر جب آدمی دیکھتا ہے نا تو دل میں رشک پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اللہ نے کیا دیا ہے، کاش ہمیں بھی یہ چیز مل جاتی! - تو اس بندۂ مؤمن کو ان کا یہ منظر دیکھ کر دل میں رشک آیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو اس کے اس تصور اور خیال سے واقف کیا۔

## ایک سبحان اللہ کی قیمت آلِ داود کی سلطنت سے بڑھ کر ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ نیچے اتارو۔ اتارنے کے بعد اس بندۂ مؤمن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ کسی بندۂ مؤمن کا ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا آلِ داود (اس سے خود حضرت سلیمانؑ مراد ہیں کہ خود سلیمان) کی سلطنت سے بڑھ کر کے ہے، ایک سبحان اللہ کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی ادا نہیں کر سکتی۔

تو میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں تو پڑے پڑے سبحان اللہ، الحمد للہ تو پڑھ سکتا ہے، یہ بھی اتنا قیمتی سرمایہ ہے کہ ساری کائنات اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتی۔

## قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ اور اوقات کی قدر دانی

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی ہے، اس کے اوقات اور لمحات بہت زیادہ قیمتی ہیں۔ میں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ وہ ایک لمحہ ضائع کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ حضرت قاری صدیق باندوی نور اللہ مرقدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ سفر میں خالی بیٹھے ہیں تو قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔

ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا اور ٹرین میں بیٹھے بیٹھے حضرت سے عرض کیا کہ دیکھئے! وہ منظر کتنا اچھا ہے! یہ سن کر حضرت کو اتنی زیادہ ناگواری ہوئی کہ فرمانے لگے کہ مولوی صاحب! تم کو یہی سوجھتی ہے! بیٹھے بیٹھے قرآن پڑھو، اللہ کا نام لو، یہ منظر کتنا حسین ہے، اس سے تم کو کیا فائدہ پہنچے گا، یہ حضرات تھے جو اپنی زندگی کے اوقات کی صحیح قیمت وصول کرتے تھے؛ اس لیے ہم بھی

اپنی زندگی کے اوقات اور لمحات کی قیمت کو صحیح طریقے پر وصول کرنے کا اہتمام کریں:

| |
|---|
| ہر دم اللہ، اللہ کر، نور سے اپنا سینہ بھر |
| جئے تو اس کا ہو کر جی، مرے تو اس کا ہو کر مر |

## ہر دم اللہ، اللہ کر، نور سے اپنا سینہ بھر

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے، صوفیہ کے یہاں پاس انفاس ایک اصطلاح ہے کہ سانس جب اندر جاتی ہے تو اللہ اور باہر آتی ہے تو ''ہُ'' کہتے ہیں: اللہُ، اللہُ۔ گویا ہر سانس کو وصول کرنے کا ایک طریقہ تجویز کیا ہے تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے لمحات کی قدر کریں۔

## سراسر نقصان کا سودا

اور اگر ہم اپنی زندگی کے ان لمحات میں نیکی نہ کریں بلکہ گناہوں میں صرف کریں تو یہ تو بہت خطرناک چیز ہو جائے گی۔ اگر زندگی کے ان لمحات کو کوئی نیکی میں نہ استعمال کرے، خالی جائز کاموں میں استعمال کرے جس پر نہ کوئی گناہ ہوتا، نہ ثواب ملتا تو بھی بہت بڑا گھاٹا تھا۔

ایک آدمی کے پاس موتی، جواہرات ہیں، وہ اس سے ڈھیلے اور پتھر خریدتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ڈھیلے، پتھر نقصان دینے والی چیزیں نہیں ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس نے گھاٹے کا سودا کیا لیکن خدانخواستہ اگر وہ ان موتی اور جواہرات سے زہر خریدتا ہے تو اس سے بڑا نادان اور کون ہوگا۔

ہم زندگی کے ان اوقات کو اللہ کی نافرمانیوں میں استعمال کریں گے، گناہوں میں استعمال کریں گے تو یہ اتنا بڑا گھاٹا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

## ماشاء اللہ! جنت کی طرف کیسی چھلانگ لگائی ہے

ایک بزرگ گذرے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا واقعہ احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے، نام حضرت توبہ بن الصمہ ہے: ایک مرتبہ وہ اپنی زندگی کا جائزہ لے رہے تھے، انھوں نے سوچا کہ میری زندگی کے ۶۰/سال گذر گئے۔ اسلامی اور قمری حساب سے سال کے ۳۵۴/دن ہوتے ہیں۔ اگر ہر دن میں نے ایک گناہ کیا ہے تو ۶۰/سال میں مَیں نے ساڑھے اکیس ہزار گناہ کیے، چہ جائے کہ میں نے ہر دن دس ہزار گناہ کیے ہوں، میں اتنے بڑے گناہوں کا بوجھ لے کر اللہ کے دربار میں کیسے حاضر ہوں گا؟۔ بس یہ سوچنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور اسی وقت ان کی روح پرواز کرگئی، غیب سے آواز آئی، لوگوں نے سنا: یا لك ركضة إلى الفردوس الأعلى: ماشاء اللہ! جنت کی طرف کیسی چھلانگ لگائی①۔

## لوگوں میں سب سے بہتر آدمی حدیث کی روشنی میں

ہمیں اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لیتے رہنا چاہیے، جس کو اللہ تبارک وتعالی نے جیسی صلاحیت دی ہے، اس کے مطابق اس کو استعمال کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ کہ: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

① إحياء علوم الدين ٤/ ٤٠٦، كتاب المراقبة والمحاسبة، المقام الأول من المرابطة: المشارطة.

نے فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ، وَحَسُنَ عَمَلُهُ کہ: سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ پوچھا گیا: فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ کہ: لوگوں میں سب سے بدتر آدمی کون ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ کہ: جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال خراب ہوں①۔

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: خِيَارُكُمْ أَطْوَلُكُمْ أَعْمَارًا وَأَحْسَنُكُمْ عَمَلًا② کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہیں کہ جن کی عمر اور زندگیاں سب سے طویل اور لمبی ہوں اور جن کے اعمال سب سے اچھے ہوں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو صحیح طریقے پر استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔

## کامیاب مؤمنین کا ایک وصف: لغو کاموں سے اعراض کرنا

قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں ان ایمان والوں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے جو فلاح یاب ہیں، جو دنیا اور آخرت کی خوش حالی کو حاصل کرنے والے ہیں، وہاں ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾: وہ ایمان والے کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں اور فضول اور بے کار چیزوں سے

---

① سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ مَا جَاءَ فِي طُولِ العُمْرِ لِلْمُؤْمِنِ، رقم الحدیث: ۲۳۳۰۔

② السنن الکبری للبیہقی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ.

اعراض کرتے ہیں اور آگے ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾: اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

## سوائے دو مقامات کے قرآن میں نماز اور زکوۃ یکجا مذکور ہے

علماء فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے جہاں نماز اور زکوۃ کا ایک ساتھ تذکرہ فرمایا ہے، سب جگہ ایک ساتھ ہے، صرف دو مقام ایسے ہیں کہ جن میں ان دونوں کے بیچ میں کوئی دوسری چیز آگئی ہے، ان میں سے ایک مقام تو یہ ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ اور آگے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ اس میں نماز کے بعد اور زکوۃ سے پہلے، دونوں کے بیچ میں ان ایمان والوں کا تذکرہ آیا جو اپنے آپ کو لغویات سے بچاتے ہیں۔

دوسرا مقام سورۂ شوری میں ہے کہ جہاں مشورے کی اہمیت کو جتلانے کے لیے پہلے نماز اور پھر مشورے کو اور اس کے بعد زکوۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [الشوریٰ:۳۸] ان دو مقامات کے علاوہ آپ جہاں بھی دیکھیں گے، وہاں آپ کو یہ دونوں ٹوین (tween) جوڑا ہی نظر آئے گا۔

## نماز و زکوۃ کے درمیان لغو کاموں سے اجتناب کے ذکر کی حکمت

جہاں نماز اور زکوۃ کے درمیان لغو کاموں سے بچنے کا تذکرہ کیا، اس میں بڑی حکمت ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو، فضول کاموں سے اور فضول باتوں سے دور رکھتے

ہیں، ان ہی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نماز کا خشوع عطا فرماتے ہیں، یہ بھی یاد رکھئے، اس میں بھی بڑی حکمت ہے۔

## موبائل فون کا عالم گیر اور ہمہ گیر فتنہ

آج کل موبائل کی مشغولیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ہماری مسجدیں خشوع سے خالی ہوگئیں، اس سے بڑا لغو کام اور کیا ہوگا؟ ایک تو آدمی ضرورت کی وجہ سے فون وغیرہ رکھتا ہے تو ٹھیک ہے کہ ضرورت ہے لیکن آپ بس اسی میں لگے رہیں، آپ کسی کو بھی دیکھیں: جوان ہو، بوڑھا ہو، بچہ ہو، مرد ہو، عورت ہو، سب کے ہاتھوں میں یہ نظر آتا ہے، ہم تو وہاں حرم میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جس کو دیکھو، سب کے ہاتھ میں یہ موجود ہے، عجیب کھلونہ ان کے ہاتھ میں دے دیا ہے، جوان، بچہ بوڑھا، سبھی اس کھلونے سے دل بہلانے میں مشغول ہیں۔ ضرورت کے بقدر استعمال کیا جائے تو حرج نہیں لیکن بلا ضرورت اس کے استعمال سے بچا جائے اور اپنے اوقات کا صحیح استعمال کیا جائے۔

## قربِ قیامت سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھا لیا جائے گا

وقت زیادہ قیمتی ہے، اسی لغویت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہماری نمازوں سے خشوع ختم ہوگیا ہے، ویسے تو قربِ قیامت میں دین اٹھا لیا جائے گا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی، وہ نماز کا خشوع ہوگا، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن ایک بھی نماز خشوع والی نہیں ہے [1]۔

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كَلَامُ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رقم الحديث: ٣٤٨٠٨

## ہماری نمازوں کی بدحالی

آج غفلت کا یہ عالم ہے کہ آدمی خودنماز پڑھتا ہے کہ آپ خودنماز پڑھ رہے ہیں، ابھی آپ نے مغرب کی نماز پڑھی اوراس کے بعدسب نے دورکعت سنت پڑھی، کسی نے اس سے زیادہ بھی پڑھی ہوگی۔ جودورکعت آپ نے پڑھی، اگرآپ سے پوچھا جائے کہ اس میں آپ نے کون سی سورت پڑھی تھی؟ توبڑی تعدادوہ نکلے گی جو بتانہیں سکتی۔ آج امام صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی، اس کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد کیا پڑھا؟ اوردوسری میں کیا پڑھا؟ توکوئی بتانہیں سکے گا،سب ایک دوسرے کے چہرےکودیکھیں گے،غفلت کا یہ عالم ہے۔

## باحضورِدل نہ کردم طاعتے

ہمارے یہاں مدرسوں میں ''پندنامہ'' کےنام سے فارسی کی ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے،اس میں فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جوکہ بہت بڑے صوفی بزرگ گذرے ہیں، انھوں نے مناجات میں جوکہ بڑی پیاری مناجات ہے،حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ نے جزاءالاعمال کےاخیرمیں لکھاہےکہ اس مناجات کوپڑھتے رہنے سے دل میں خشوع پیداہوتاہےاوراللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی توفیق ہوتی ہے،اس مناجات کا ایک شعرہے،وہ فرماتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے | | باحضورِدل نہ کردم طاعتے |

کہ: اے اللہ! رات اوردن کی کوئی گھڑی گناہ کے بغیرمجھ پرنہیں گذری اورکبھی

دل کی حضوری کے ساتھ آج تک کوئی عبادت میں نے انجام نہیں دی۔

## من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

آج ہم یہاں جتنے بھی بیٹھے ہیں، میں اپنے آپ کو بھی پہلے نمبر پر خطاب کر کے کہتا ہوں کہ میری عمر جو ۷۰ رسال ہے، اس کے اعتبار سے میں یوں کہوں کہ پچاس سال یا ساٹھ سال سے میں نماز پڑھتا ہوں لیکن کل کو قیامت میں اگر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے یہ سوال ہو جائے کہ ایک سجدہ ایسا جو حضورِ دل کے ساتھ کیا ہو، پیش کرو تو کیا میں اور آپ اس کے لیے تیار ہیں؟۔

## کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہماری زندگیاں نماز پڑھتے ہوئے گذر گئیں اور پھر کمال تو یہ ہے کہ اس کمی کا ہمیں احساس بھی نہیں ہے:

| |
|---|
| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا |
| کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

زندگی بھر سے نمازیں پڑھتے جارہے ہیں بغیر خشوع کے لیکن بھولے سے بھی کبھی اس کا خیال نہیں آتا۔ اگر دو دن، تین دن تک کھانے کی لذت بخار یا کسی اور بیماری کی وجہ سے غائب ہو جائے تو بے چین ہو کر ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جائیں گے کہ حکیم صاحب! تین دن ہو گئے، کھانا کھا رہا ہوں لیکن کوئی مزا نہیں آرہا ہے، ذرا دوا دے دو اور جتنے چاہے پیسے لے لو، اس کو ہم بیماری سمجھ رہے ہیں۔

## وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی

لیکن ساٹھ سال سے نماز پڑھ رہے ہیں اور اس میں لطف اور مزا نہیں آ رہا ہے، اس کو ہم کوئی مرض اور بیماری نہیں سمجھتے اور اس کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس کا بھی کوئی علاج اور معالج ہے، بقول علامہ اقبالؒ:

| |
|---|
| وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی |
| ترستے ہیں آج اس کو منبر و محراب |

## زندگی کو قیمتی بنانے کی دو نوعیتیں

اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی ہے، ابھی اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کا موقع ہے۔ اب آپ جیسا چاہے، قیمتی بنا سکتے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اپنی ذات کی حد تک قیمتی بنائیں، یعنی آپ اعمالِ صالحہ کا اہتمام کریں، آپ کا فائدہ آپ کی ذات تک محدود رہے اور ایک یہ ہے کہ آپ دوسروں کو دین سکھلا دیں۔

ایک آدمی کو آپ نے نماز سکھلا دی، اس نے دو کو سکھلائی، ان دو نے چار کو سکھلائی، ان چار نے آٹھ لوگوں کو سکھلائی، اب جب تک کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا، یہ ثواب آپ کو ملتا رہے گا۔

دین کی نسبت سے یہ جتنے بھی کام ہیں: تعلیم و تعلم کا، پڑھنے پڑھانے کا، دین کے سیکھنے سکھانے کا۔ دین کی ایک ایک چیز کسی دوسرے کو سکھلائے تو وہ جب تک عمل کرے گا، اس کا ثواب اس کو بھی ملتا رہے گا۔

## وہ قیمتی اعمال کہ موت کے بعد بھی جن کا ثواب ملتا رہتا ہے

حدیث میں آتا ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَه: آدمی کے انتقال کی وجہ سے اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے لیکن تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے: کوئی ایسی نیکی کی کہ بعد میں بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، جس کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں: مسجد بنوا دی، مدرسہ بنوا دیا، مسافر خانہ بنوا لیا، نیکی کا کوئی اور کام کر لیا، بعد میں بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ یا علم ہے کہ جو لوگوں کو سکھایا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تو اگر ہم اپنے اعمال کو درست کر لیں اور ساتھ میں یہ چیزیں بھی کر لیں تو اندازہ لگائیں کہ ہماری زندگی کتنی قیمتی بن جائے گی۔ اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے تو ہم اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کے لیے جتنا اہتمام کریں گے، اتنا اس کو قیمتی بنایا جا سکتا ہے۔ ایک آدمی پر، دو آدمی پر، تین آدمی پر، دس آدمی پر، پانسو، ہزار آدمی پر محنت کریں گے اور جتنا ان پر محنت کریں گے اور آگے چل کر وہ جتنے آدمیوں کو تیار کریں گے اور یہ سلسلہ آگے تک جاری رہے گا تو قیامت کو تو گویا ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔

## وہ پانچ چیزیں جن کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد میں نے نقل کیا تھا، آپ فرماتے ہیں کہ قیامت کے

روز انسان کے قدم اللہ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا اور اس کو جواب دینا پڑے گا: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ: زندگی کے متعلق کہ زندگی کہاں گنوائی، عَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ: اور جوانی کے متعلق کہ جوانی کی صلاحیتوں کو کہاں استعمال کیا، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ: اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ: اور جو جانا، اس پر کتنا عمل کیا۔ ابھی جو ایک گھنٹہ بیٹھے، دو گھنٹہ بیٹھے، مجالس میں بیٹھنے کی جتنی بھی نوبتیں آتی ہیں، وہ جاننے کے لیے ہی ہوتی ہیں، ایسا مت سمجھئے کہ جو چاہے کر لیجیے، ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں گے، یہ سب سنا ہوا بھی آپ پر حجت ہے، پوچھا جائے گا کہ سنا تھا، اس پر کتنا عمل کیا۔

ضرورت ہے کہ ہم آج اپنی زندگی کے اوقات صحیح طریقے سے گذارنے کا عہد اور اس کا اہتمام کریں، اللہ تبارک وتعالی مجھے، آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# محمود المواعظ

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل